بھید

1

ایم اے راحت

بادل اس زور سے گڑگڑائے کہ تھوڑی دیر کے لیے پورا ماحول ہل کر رہ گیا۔ کرنل گل نواز نے
آسمان کو دیکھا۔ کبھی کبھی یہ آسمان بھی مزہ دے جاتا ہے۔ بارش کا موسم تو خیر ہوتا ہی حسین ہے۔ پتا نہیں وہ
کون لوگ ہوں گے جنہیں یہ موسم ناپسند ہے۔ ان کی بات نہیں کی جارہی جو بے چارے اس موسم کی شدت کا
شکار ہو جاتے ہیں۔ بات ان کی ہے جو موسموں سے لطف لینا جانتے ہیں اور قدرت نے انہیں وسائل بھی
مہیا کیے ہوئے ہیں۔ کرنل گل نواز ایک مہم جو تھا۔ پوری فوجی زندگی ہی خوف ناک مہمات کا مجموعہ ہوتی ہے
اور اگر انسانی فطرت خود خطرات پسند ہو، تو پھر تو بات ہی کیا ہوتی ہے۔ ایسے ایسے دلچسپ اور انوکھے واقعات
زندگی میں پیش آتے ہیں کہ بس، اپنے منصب سے زندہ سلامت اور پورے ہاتھ پاؤں کے ساتھ ریٹائر
ہونے والے ان واقعات کو اپنی زندگی کا ایک بہترین حصہ تصور کرتے ہیں۔ کرنل گل نواز بھی انہی میں سے
ایک تھا۔ وہ کمانڈو تھا اور ہمیشہ ہی خطرناک مہمات سرانجام دیا کرتا تھا۔ اس طرح اس کا مزاج خطرات پسند
بن گیا تھا۔ پھر اپنی فطرت کے بہت سے لوگ یکجا کر لینا کوئی مشکل بات نہیں ہوتی۔ اس وقت بھی بادلوں کی
یہ خوف ناک گڑگڑاہٹ اور دہلتی ہوئی فضا کرنل گل نواز کے لیے بہت دل کش تھی۔ اس کی نگاہیں چھم برستی
ہوئی بارش میں دور دور تک کا جائزہ لیتے ہوئے آخر کار پرانی کوٹھی کی جانب اٹھ گئیں اور وہ چونک پڑا۔ سیتا
پرانی کوٹھی کے گیٹ کے باہر پیپل کے درخت کے نیچے اداس کھڑی ہوئی تھی۔ کرنل گل نواز کی صحت مند
آنکھوں نے اس کا بہ خوبی جائزہ لیا۔ اس وقت سیتا کے چہرے پر ایک عجیب سی افسردگی طاری تھی اور یوں لگتا
تھا جیسے کوئی مظلوم یاد اسے اداس ہونے پر مجبور کر رہی ہو۔ کرنل گل نواز کی آنکھوں میں ہمدردی کے تاثرات ابھر
آئے۔ وہ اسے دیکھتا رہا اور پھر اس نے دکھ بھرے انداز میں گردن جھٹکی اور اس کے ہونٹوں پر بڑبڑاہٹ نکلی۔
"تم دونوں آج بھی میرے لیے ایک سربستہ راز ہو۔ کاش! کوئی تمہاری زندگی کی کتاب مجھے دکھا
دیتا تو میں تمہیں تمہارا ماضی لوٹا دیتا۔ نہ جانے کون ہو، کہاں سے آئے ہو اتنے برس گزر جانے کے بعد بھی تم
میرے لیے ایک پراسرار کہانی ہو۔ کاش! اس کہانی کے کچھ سرے میں تلاش کر سکتا۔" اسی وقت بوڑھا کرشنا
پیچھے سے نمودار ہوا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا سیتا کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے سیتا کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو سیتا
نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر گردن جھکا کر دونوں واپس پرانی کوٹھی میں چلے گئے وہی ان کی قیام گاہ تھی۔

کرنل گل نواز ان کے اصل نام تک نہیں جانتا تھا۔ بس یہ وہ بالکل اتفاقیہ طور پر سامنے آ گئے۔ سیتا، گرشک۔ بہرحال بڑے عجیب و غریب کردار تھے یہ دونوں ان کی یہاں تک آمد ایک پر اسرار کہانی کی مانند تھی۔ جس کا کوئی سرا ابھی تک تلاش نہیں کیا جا سکا تھا۔

اس وقت بھی کرنل اپنے اہل خاندان کے ساتھ ایک ریٹائرڈ زندگی گزار رہا تھا۔ بڑے عیش و سکون کے ساتھ بیٹے بیٹیاں گھر کے دوسرے افراد خاندان کے افراد، سارے کے سارے خوش و خرم، یہ دونوں بھی اس گھر میں اپنا مقام رکھتے تھے۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس گھر کے مکین بد دماغ نہیں تھے۔ کسی پر نکتہ چینی نہیں کرتے تھے اور کرنل گل نواز کی حیثیت گھر کے سربراہ کی حیثیت سے بالکل مستحکم تھی۔ پھر جب گھر کے سربراہ نے ایک فیصلہ کر لیا کہ کون کس طرح وقت گزارے گا تو باقی لوگوں کی کیا مجال کہ کوئی گڑبڑ کریں۔ سیتا اور گرشک سے ملاقات کی کہانی بھی بڑی عجیب تھی۔ ایک کمانڈو ہونے کی حیثیت سے مختلف اہم مشن کرنل گل نواز کے سپرد کیے جاتے تھے ان دنوں بھی وہ ایک مخصوص مشن پر کام کر رہا تھا۔ گرشک اور سیتا سے ملاقات کے واقعات گزری ہوئی داستان کی طرح اس کے ذہن کے پردوں سے گزرنے لگے اس وقت وہ ایک عجیب و غریب علاقے میں جا رہا تھا اور بڑی سنسنی خیز کیفیت کا شکار تھا۔ کیونکہ جس علاقے میں وہ سفر کر رہا تھا وہ بہت ہی خوفناک علاقہ تھا۔ اس کی جیپ پہاڑی سڑک پر بری طرح اچھل رہی تھی۔ شدید زلزلے سے متاثرہ اس علاقے میں ہر سمت گہرا کہر چھایا ہوا تھا اور بڑی ہوشیاری کے ساتھ جیپ ڈرائیو کرنی پڑ رہی تھی۔ اور پھر وہ پل ایک موڑ گزرنے کے بعد اس طرح سامنے آیا کہ یہ خیال ہی نہ آیا کہ زلزلے نے اس پل کو تباہ و برباد کر دیا ہوگا۔ اچانک ہی لشکری نے پوری قوت سے جیپ کو سائیڈ میں کاٹا۔ تیز رفتار جیپ کے بریک لگنے سے فضا میں چرچراہٹ کی آواز گونجی۔ لشکری نے اس قوت سے اسٹیئرنگ گھمایا کہ اس کے مضبوط بازوؤں کے پٹھے کھل گئے۔ جیپ الٹتے الٹتے بچی لیکن گہرائی میں بہتے ہوئے تیز دھار پانی سے چند فٹ کے فاصلے پر جا کر رک گئی۔ کرنل گل نواز نے اگر سامنے لگے ہوئے راڈ کو نہ پکڑ لیا ہوتا تو اس کا سر ونڈ شیلڈ سے ٹکرا جاتا۔ اس نے غصیلی نگاہوں سے لشکری کو گھورتے ہوئے کہا۔

''کیا تم پاگل ہو۔ ایسے علاقوں میں اس طرح ڈرائیونگ کی جاتی ہے۔''

''سر! آپ ہی نے حکم دیا تھا کہ پوری رفتار سے چلو۔'' منہ چڑھے جوان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بکواس کرتے ہو؟ یہ تو نہیں کہا تھا کہ زندگی ہی کھو دو۔'' کرنل گل نواز بولا۔

''سر! زندگی کھونے اور پانے کی قوت ہم نہیں رکھتے۔ یہ آپ ہی کے الفاظ ہیں۔''

''بکواس مت کرو کس مصیبت میں ڈال دیا تم نے۔''

''نہیں سر! کوئی مصیبت نہیں ہے۔ میرا خیال ہے ہم ادھر سے یہ نالہ پار کر سکتے ہیں۔'' لشکری نے نشیب کی سمت اشارہ کیا یہ لوگ ایک حساس سرحد کے ایک ویران علاقے سے گزر رہے تھے۔ جہاں دور دور تک آبادی کا نام و نشان نہیں تھا۔ قرب و جوار میں چیڑ کے گھنے جنگل اور بلند پہاڑیوں کا سلسلہ نظر آ رہا تھا۔ عظیم الشان پہاڑی سلسلے کی بلند چوٹیاں دھند میں لپٹی ہوئی تھیں۔ اس ویران علاقے میں سفر کا واحد ذریعہ یہی ایک شکستہ اور تنگ سڑک تھی کچھ فاصلے پر ایک فوجی ہوائی اڈا موجود تھا اور کہیں وہ فوجی طیارے کے ذریعے اترا تھا ہوائی اڈا اس وقت اس جگہ سے تقریباً تیس میل دور تھا۔ کرنل گل نواز کو اس ہوائی اڈے تک پہنچانے کے لیے خصوصی انتظام کیا گیا تھا۔ لیکن اس کے بعد ہوائی سفر کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ عظیم الشان سلسلہ کوہ کی چوٹیوں سے چلنے والی تیز ہواؤں کے باعث ہیلی کاپٹر کی پرواز بھی ممکن نہیں تھی۔ اس لیے مجبوراً جیپ کا انتظام کرنا پڑا تھا اور کرنل گل نواز اپنے مشن پر اسی جیپ کے ذریعے روانہ ہوا تھا۔ اس نے گہری نگاہوں سے چاروں طرف کا جائزہ لیا۔ چھوٹی سی لیکن طاقتور دوربین اس کہر کی چادر کو چیر کر دھندلے مناظر نمایاں کر رہی تھی۔ زلزلے نے اس پل کو بری طرح تباہ کر دیا تھا اور اس کے پار جانے کا بظاہر کوئی راستہ نظر نہیں آتا تھا۔ جب کہ پل کے نیچے گرے ہوئے ملبے کے باعث پانی کا بہاؤ اتنا شدید تھا کہ وہاں سے اس جگہ کو پار کرنا سو فی صدی ناممکن تھا۔ البتہ تھوڑے فاصلے پر آگے جا کر یہ نالہ چوڑا ہو گیا تھا اور پانی کے درمیان پڑے ہوئے پتھروں پر سے گزر کر پار جانے کے امکانات نظر آتے تھے۔ کافی دیر تک کرنل گل نواز گہری نگاہوں سے دور دور تک جائزہ لیتا رہا۔ اس دوران لشکری جو جیپ ڈرائیو کر رہا تھا اور اس کا ساتھی فوجی تھا۔ خاموش کھڑا رہا تھا۔ بہرحال کرنل گل نواز فطرتاً ایک دوست بلکہ انسان دوست شخص تھا اور اپنے عہدے سے ہٹ کر ہر شخص کے ساتھ بہتر رویے کا عادی تھا۔ یہی وجہ تھی کہ لشکری اس سے مسکرا کر باتیں کر لیا کرتا تھا۔

اچانک ہی لشکری کی آواز ابھری۔

''ادھر دیکھیے سر! وہ اس طرف جہاں چیڑ کا درخت گرا ہوا ہے۔'' کرنل گل نواز کی نگاہیں اس طرف اٹھیں۔ لشکری کی آواز پھر ابھری۔

''میرا خیال ہے وہاں سے نالہ پار کیا جا سکتا ہے۔''

''ٹھیک ہے چلو کوشش کرتے ہیں۔'' کرنل گل نواز نے گہری سانس لے کر کہا اور لشکری نے گردن ہلا دی۔ کرنل گل نواز کچھ لمحے سوچتا رہا پھر اچانک اس کی آواز ابھری۔

''سنو لشکری کراس اے کے قیام کے وقت کیا تم اس علاقے میں تھے؟'' لیفٹیننٹ لشکری نے اس کی طرف دیکھا اور پھر بھاری لہجے میں بولا۔

''جی سر! میں اس وقت ایک سگنل گروہ کا رابطہ افسر تھا۔''

''اس بیس کی تعمیر کے بعد تم کہاں چلے گئے؟''

''میرا وہاں سے تبادلہ کر دیا گیا تھا۔''

''ہوں۔ ایئر بیس کے ریڈار اسٹیشن پر کتنے افراد کام کرتے ہیں؟'' کرنل گل نواز نے پوچھا۔

''سر! مشکل سے بیس آدمی۔'' لشکری نے جواب دیا۔

''اور وہاں سے سرحد کتنے فاصلے پر ہے؟''

''تقریباً بیس میل کا فاصلہ ہے۔'' لیفٹیننٹ لشکری پر اعتماد لہجے میں بولا اور کرنل گل نواز پر خیال انداز میں بولا۔

''زلزلے نے سینکڑوں میل کے پہاڑی علاقے میں زبردست تباہی پھیلائی ہے اور بڑی خوفناک کہانیاں ان اطراف میں بکھر گئی ہیں۔ امدادی پارٹیوں کے اس علاقے اور دور دراز کی آبادیوں تک پہنچنے میں

شدید دشواریاں پیش آئی ہیں۔ یہ زلزلہ زیادہ عرصہ پہلے نہیں آیا تھا اور ابھی تک آبادیوں کو شدید نقصانات سے دو چار کیے ہوئے تھا۔ امدادی پارٹیوں کے اس علاقے تک پہنچنے میں شدید دشواریاں پیدا ہو رہی تھیں۔ کیونکہ اس علاقے کی سڑکیں جو پہلے ہی شکستہ تھیں اب بالکل ہی ناکارہ ہو چکی تھیں۔ پہاڑی وادیوں میں آباد لوگوں تک پہنچنے کی ہر راہ بند ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کے علاوہ پہاڑی کے اوپر سے گرنے والے تو دوں اور چٹانوں نے آبادیوں کی آبادیاں دفن کر دی تھیں۔ ہر سمت ہولناک تباہی پھیلی ہوئی تھی اور تباہ شدہ علاقوں سے ابھی تک رابطہ بھی نہیں تھا۔ خود اس بیس کے وائرلیس سسٹم کا رابطہ منقطع ہو چکا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہاں کا ریڈیو ٹرانسمیٹر بھی تباہ ہو گیا ہو۔ ہر سمت موت کا سناٹا طاری تھا لیکن کرنل گل نواز کو جلد از جلد اس بیس پر پہنچنے کی فکر لاحق تھی۔ اپنے وطن کی انتہائی مقتدر اور ذمہ دار شخصیت ہونے کے ناتے بہت سے معاملات میں اس پر بڑا بھروسا کیا جاتا تھا اور پچھلے دنوں وہ وطن کی دفاعی نوعیت کی ایک اہم میٹنگ میں شرکت کے لیے گیا ہوا تھا کہ اسے فوراً یہاں پہنچنے کا حکم ملا۔ بس اتنا ہی کافی تھا وہ ایک لمحے کے اندر اندر تیار ہو کر اپنے مشن کے لیے روانہ ہو گیا لیکن اس علاقے میں پہنچنے کے بعد اسے یہ اندازہ ہوا کہ بیس کے ریڈار اسٹیشن تک پہنچنے کی ہر راہ تقریباً بند ہو چکی ہے اور اس وقت وہ اسی بیس پر پہنچنے کے لیے شدید جدوجہد کر رہا تھا اور لیفٹیننٹ لشکری اس کے ساتھ تھا۔ حالانکہ زلزلے کے بارے میں پورے ملک کے اخبارات میں تفصیلات چھپی تھیں اس کی تباہ کاریاں اور اس کا وسیع حیطۂ عمل انتہائی ہولناک تھا۔

کرنل گل نواز جیسے اہم آدمی کو اس طرف بھیجنے کا مقصد صرف یہی نہیں تھا کہ وہ امدادی کارروائیوں کا جائزہ لے جو یہاں موجود آبادیوں کے سلسلے میں کی جا رہی تھیں۔ اس کام کی ذمے داریاں تو مختلف اہم لوگوں کے سپرد کی گئی تھیں لیکن خصوصاً ریڈار اسٹیشن بیس پر اسے بھیجنے کا مقصد کچھ ایسی پراسرار کارروائیوں کے سبب تھا۔ جن کے بارے میں شبہ تھا کہ وہ دشمن ملک کی جانب سے کی جا رہی ہیں اور حتمی طور پر یہی معلومات حاصل کرنے کے لیے کرنل گل نواز کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ اچانک ہی گل نواز نے ایک طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”لشکری ادھر دیکھو ہم سے پہلے بھی کوئی اس طرف گیا ہے۔“ لشکری نے چونک کر گل نواز کی جانب دیکھا اور پھر گل نواز کے اشارے پر اس نرم ریت کی طرف۔ جس پر کسی کار کے ٹائروں کے نشانات نظر آ رہے تھے۔ لشکری کے منہ سے کوئی آواز نہ نکلی۔ کرنل گل نواز بڑی احتیاط کے ساتھ اس سمت بڑھنے لگا۔ تھوڑے فاصلے پر جا کر نالہ ایک طرف مڑ گیا تھا۔ ایک جگہ چیڑ کے درختوں کا ایک جھنڈ نظر آ رہا تھا لیکن موڑ پر پہنچتے ہی اچانک انہیں سنبھلنا پڑا۔ کیونکہ ان کے حساس کانوں نے ایک انسانی چیخ کی آواز سنی تھی۔ لشکری نے بھی یہ آواز سن لی تھی۔ بہرحال وہ فوجی تھے اور ہر لمحے چوکس اور چوکنے رہا کرتے تھے۔ نسوانی چیخ دوبارہ سنائی دی۔ آواز بہت باریک تھی اور اس کے بعد ہی اچانک ایک دھماکا ہوا۔ کرنل گل نواز اور لشکری آواز کی سمت دوڑنے لگے۔ گل نواز کے چہرے پر تجسس کے آثار تھے۔ آگے چل کر ایک گھاٹ سا بنا ہوا تھا۔ جہاں پانی خاصا پھیل گیا تھا اور ایک چوڑی سی چٹان کے کنارے سے نالے کے درمیان تک پھیلی ہوئی تھی۔ چٹان کے کنارے پر انہیں جو کچھ نظر آیا اسے دیکھ کر وہ ایک دم ششدر رہ گئے۔ وہ کالے رنگ کی ایک پجیرو تھی۔ جو

پھسل کر تقریباً آدھی پانی میں لٹک رہی تھی۔ چٹان کے نیچے پانی کے بہاؤ کی وجہ سے جھاگ سا اٹھ رہا تھا۔ کار بڑے خطرناک انداز میں چٹان سے لٹک رہی تھی لیکن چیخنے والی کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ یہ اندازہ تو انہیں بہ خوبی ہو گیا تھا کہ آواز کسی لڑکی کی تھی ہے۔ بہرحال وہ آگے بڑھتے رہے اور تھوڑی دیر کے بعد چٹان پر پہنچ گئے۔ یہاں انہوں نے اس لڑکی کو دیکھا وہ پجیرو کا بمپر پکڑے ہوئے لٹک رہی تھی اور نالے کا پانی اس کی پنڈلیوں تک پہنچ رہا تھا۔ اس کا خوف زدہ سفید چہرہ جھواں جھواں نظر آ رہا تھا اور وہ زندگی بچانے کے لیے بے طرح چیخ رہی تھی۔ پہلی بات تو یہی حیران کن تھی کہ کوئی ان خوفناک علاقوں میں نکل آئے وہ بھی ایک لڑکی!! اور شاید تنہا۔ یا تو وہ تنہا تھی یا اس کے ساتھی کسی حادثے کا شکار ہو چکے تھے۔ کیونکہ ان علاقوں میں ایک اکیلی لڑکی کا پجیرو جیسی ہلکی پھلکی جیپ دوڑاتا پھرنا عجیب و غریب تھا۔ لیکن بہرحال قدرت تو ہر ایک کی ہے۔ لڑکی کی چیخیں اضطراری ہی ہوں گی۔ وہ کیا جانتی ہوگی کہ کوئی یہاں اس کی مدد کو آ سکتا ہے۔ لیکن بہرحال قدرت نے اس کی مدد کے لیے انسانوں کو بھیج دیا تھا۔ وہ پھر چیخی۔

”بچاؤ جلدی کرو۔ بچاؤ..... میں..... میں گرنے والی ہوں..... آہ مدد کرو میری۔“ لڑکی کی الجھی بھری آواز ابھری۔ کرنل گل نواز اور لشکری وہاں پہنچ گئے۔ کرنل نے کہا۔

”گھبراؤ نہیں۔ مضبوطی سے بمپر پکڑے رہو، میں آ رہا ہوں۔“ لڑکی بڑی پرکشش تھی۔ سرخ و سفید چہرہ، انتہائی حسین نقوش، آنکھوں پر کالے رنگ کا انتہائی قیمتی فریم والا چشمہ، صحت بے مثال لباس جدید فیشن کا، قیمتی اور خوبصورت بھورے رنگ کے سوٹ پر سفید بلاؤز بہت ہی سج رہا تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس قدر جدید لباس میں یہ لڑکی ان علاقوں میں کیا کر رہی تھی۔ جب کہ اس علاقے کے مکین اس انداز کے لوگ نہیں تھے۔

”آؤ لشکری تم پیچھے سے مجھے سنبھالے رکھنا۔“ کرنل گل نواز نے کہا۔

”کیا مطلب سر؟“

”بے وقوف آدمی بات کو سمجھانے کے لیے اتنی طویل گفتگو کی ضرورت ہوتی ہے۔“ کرنل گل نواز نے غراتی ہوئی آواز میں کہا اور لشکری ایک دم سنبھل گیا۔ کرنل گل نواز کو سنبھالنے کا مطلب پہلے وہ سمجھا تھا کہ کرنل گل نواز لڑکی کو نکالنے کے لیے عمل کرے گا اور اسے پیچھے سے کرنل گل نواز کو پکڑنا پڑے گا۔ بہرحال لشکری ایک لمحے کے لیے سنبھل گیا اس نے اپنا آٹو میٹک ریوالور نکال لیا۔ پھر اس کے منہ سے سرسراتی آواز نکلی۔

”بس..... سر آپ کا مطلب یہی ہے نا کہ کہیں کوئی جال نہ بچھایا گیا ہو۔“ کرنل گل نواز نے گھور کر اسے دیکھا اور پھرتی کے ساتھ آگے بڑھ گیا لیکن وہ بہت چوکنا تھا۔ درحقیقت لشکری کے آخری الفاظ بنیادی حیثیت رکھتے تھے یہ جال بھی ہو سکتا ہے۔ جس کے بارے میں اسے خبردار کر دیا گیا تھا کہ اس کا یہ مشن بے حد خطرناک ہے اور ممکن ہے اسے ریڈار بیس تک پہنچنے ہی نہ دیا جائے۔ عین ممکن تھا کہ یہ سارا ڈراما اس کو بے خبری میں پھنسانے کے لیے رچایا گیا ہو۔ بہرحال وہ اپنا فرض پورا کیے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ پانی برف کی طرح ٹھنڈا تھا۔ اس نے مضبوطی کے ساتھ چٹان پر قدم جما کر ایک ہاتھ لڑکی کی طرف بڑھایا اور بولا۔

”چلو لڑکی بڑی احتیاط کے ساتھ میرا ہاتھ پکڑ لو۔“

''سر...... ہم...... میرا ہاتھ بے جان ہو چکا ہے۔'' لڑکی نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔ گل نواز نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا۔ لڑکی نے ہاتھ پکڑنے کے لیے کار کا بمپر چھوڑ دیا لیکن اس کا توازن قائم نہ رہ سکا اس سے پہلے کہ کرنل اسے پکڑ سکتا وہ گہرے پانی میں غوطے کھانے لگی۔ کرنل نے فوراً ہی پانی میں چھلانگ لگا دی تھی اور پھر اس نے مضبوطی سے ہاتھ پاؤں مارے اور لڑکی کو جھپٹ کر پکڑ لیا۔ لڑکی گھبرا کر کرنل سے چمٹ گئی تھی۔ یہاں پانی زیادہ گہرا نہیں تھا۔ کرنل نے اپنے آپ کو لڑکی کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کی۔ لڑکی نے اس کے سہارے خود کو سنبھالتے ہوئے تہ میں قدم جمائے اور گھبرا کر بولی۔

''آہ...... میرے اسکیچ میرے اسکیچ وہ کار میں تھے ان کو بچانا ضروری ہے۔ پلیز کچھ کرو۔'' لڑکی کی آواز پر کرنل نے گھوم کر دیکھا۔ کار اس دوران چٹان سے پانی میں گر چکی تھی۔ کرنل اسے سہارا دے کر اوپر لے آیا۔ دونوں کے جسم بری طرح بھیگ چکے تھے۔ تب لڑکی سے اس نے کہا۔

''تم یہیں ٹھہرو۔ تمہارا خیال ہے تمہارا وہ اسکیچ جن کا تم نے تذکرہ کیا ہے محفوظ ہوں گے۔''

''ہاں۔ وہ ایک واٹر پروف بیگ میں ہیں۔'' لڑکی کی حسرت بھری آواز ابھری۔

''او کے۔ تم یہاں رکو میں تمہارا بیگ لانے کی کوشش کرتا ہوں۔'' کرنل نے جواب دیا اور وہاں سے قدم آگے بڑھا دیے۔ لیکن اس بار اسے کار تک پہنچنے میں کافی دشواری کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں کافی پھسلن تھی۔ چٹان سے ایک مرتبہ اس کا پیر بھی پھسلا اس کے بعد پھر کار کے دروازے تک پہنچ کر اس کو کھولنے کی کوشش شروع کر دی۔ یہ دروازہ بڑی مشکل سے کھلا تھا۔ کیونکہ کار کے گرنے سے وہ پچک گیا تھا۔ کھولتے ہوئے یہ دروازہ کرنل کے پاؤں سے بڑی زور سے ٹکرایا۔ وہ درد سے کراہ اٹھا لیکن آخر کار اس نے پچھلی سیٹ کا بیگ نکال ہی لیا تھا۔ لڑکی امید بھری نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہی تھی۔ جب کرنل بیگ لے کر اوپر پہنچا تو لڑکی خوشی سے چیخ پڑی۔ وہ بہت زیادہ پر جوش نظر آرہی تھی۔ حالانکہ سردی سے اس کے دانت بج رہے تھے۔ لیکن بیگ مل جانے کی خوشی نے شاید تھوڑی دیر کے لیے اس کی سردی بھی دور کر دی تھی۔ بہرحال انتہائی ویران علاقہ تھا۔ اس ویران علاقے میں جو کچھ لڑکی کو حاصل ہو گیا تھا۔ دوسرا کوئی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔ کرنل نے سوال کیا۔

''کیا کر رہی تھیں تم یہاں؟''

''تھوڑے فاصلے پر جو بستی ہے۔ میرا قیام وہاں تھا۔'' لڑکی نے کانپتے ہوئے کہا۔

''تو پھر؟''

''میں یہاں مصوری کرنے آئی تھی۔ اصل میں...... مجھے...... مجھے......'' لڑکی نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ پھر وہ خود ہی بولی۔

''آپ یقین کریں میں اس قسم کی مہمات کی عادی ہوں لیکن اس بار اس بار پتہ نہیں کیا ہو گیا تھا کہ تقدیر شروع ہی سے میری مخالفت کر رہی تھی۔ لیکن میری زندگی باقی ہے اس کا اندازہ آپ کو بھی ہو گیا ہوگا سر؟'' وہ اپنے الفاظ پر خود ہی مسکرا دی۔ کرنل گل نواز نے ایک لمحے اس کا جائزہ لیا اور پھر لشکری کی طرف دیکھنے لگا۔ جو گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر کرنل لڑکی کی سمت بڑھا اور اس نے کہا۔

''نام کیا ہے تمہارا؟''

''ویویکا چٹرجی۔'' اس نے جواب دیا۔

''ہوں لیکن ویویکا! کیا اس طرح تمہیں سرحد عبور کر کے یہاں تک آنا مناسب محسوس ہوا۔''

''سر! آپ سمجھتے نہیں ہیں یہاں ان علاقوں میں کوئی سرحد نہیں ہے۔ پتھروں پار جو آبادی۔ وہاں کے لوگ آرام سے ادھر آتے ہیں اور یہاں کے لوگ وہاں جاتے ہیں، یہ بہت خوب صورت علاقہ ہے اور یہاں کے لوگ بھی اتنے ہی خوبصورت ہیں۔ میرا مطلب ہے دل کے۔ ویسے سر! میں آپ کو اپنے بارے میں بتا دوں میں تو یہاں رہتی بھی نہیں ہوں۔ میرے والد یہاں جنگلوں کے ٹھیکے لیتے ہیں۔ ہم لوگوں تو یہاں سے بہت دور ہیں اور خیر میں تو وہاں بھی نہیں رہتی ہوں۔ میں سویڈن میں رہتی ہوں۔ بہرحال والد کے پاس میرا آنا جانا ہے۔ میں نے اس علاقے میں زلزلے کی خبر سنی تھی۔ ویسے میں آپ کو بتا دوں! سویڈن میں، میں ایک بہت ہی بڑی فرم کی فیشن ڈیزائنر ہوں اور اکثر جب اپنے باپ کے پاس آتی ہوں تو علاقوں کے دیہی مناظر کو پینٹ کر کے لے جاتی ہوں۔ کیا سمجھے سر آپ! بہرحال یہ تھی صورت حال۔ مگر آپ سے اسی لیے اپنے یہ اسکیچ بچانے کی التجا کی تھی۔ کیونکہ ان میں یوں سمجھ لیجیے کہ میرا شوق پوشیدہ ہے۔''

''ویویکا چٹرجی۔'' کرنل نے ایک بار پھر اس کا نام دہرایا۔

''جی سر جی...... اور میرے والد بہت مشہور آدمی ہیں۔'' کرنل کی نگاہیں اس کا بغور جائزہ لینے لگیں۔ ایک بار پھر اسے احساس ہوا کہ لڑکی بے حد حسین ہے۔ اس کا جسم مضبوط اور گٹھا ہوا تھا۔ اس کے خدوخال انتہائی دل کش اور جسم کے نشیب و فراز بڑے خوب صورت تھے۔ اس دوران لیفٹیننٹ لشکری جیپ نالے کے پار لے جانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ دفعتاً ہی کرنل کو کچھ خیال آیا تو اس نے کہا۔

''لڑکی! ایک بات......''

''جی پوچھیں۔''

''تمہارے پاس تمہارے شناختی کاغذات ہوں گے۔''

''جی میں سمجھی نہیں سر!''

''نہیں۔ میرا مطلب ہے انسان بہرحال کسی بھی مقصد کے لیے آئے اپنی تھوڑی بہت شناخت ضرور رکھتا ہے۔ حالانکہ ان علاقوں میں تنہا چلے آنا ایک احمقانہ حرکت ہے جو تم نے کی۔ لیکن پھر بھی تمہارے پاس کچھ......؟''

''یقیناً سر! میرا ڈرائیونگ لائسنس اور کچھ دوسرے کاغذات میرے پاس تھے۔ میں انہیں سا رکھ کر جیپ میں چلی تھی۔ لیکن اب تو سب کچھ جیپ میں ہی رہ گیا۔ بس اب تو یہ اسکیچ ہی باقی رہ گئے ہیں۔'' لڑکی نے بے بسی سے کہا۔

''میں یہ دیکھ سکتا ہوں۔''

''ہاں کیوں نہیں۔'' لڑکی بولی اور کرنل نے بیگ کھول کر وہ اسکیچ دیکھنے لگا۔ ان کاغذات پر سوئیڈن کی ایک فیشن ڈیزائننگ کمپنی کے مونوگرام چھپے ہوئے تھے۔ کرنل نے ایک گہری سانس لی اور بولا۔

''تو پھر اب تم کیا چاہتی ہو؟''

''سر! میں اپنے گھر جانا چاہتی ہوں'' کیونکہ میرا باپ میرے لیے پریشان ہوگا۔''

''ٹھیک ہے لڑکی اب تو تمہیں پیدل ہی جانا پڑے گا۔ظاہر ہے اس سے زیادہ میں تمہارے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔'' لڑکی نے عجیب سی نگاہوں سے کرنل کو دیکھا۔جیسے کہہ رہی ہو کہ اتنی مدد کرنے کے بعد اتنا چھوٹا سا کام اور کر دیتے تو کیا حرج تھا لیکن کرنل نے اسے نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''اور اب تم یوں کرو کہ اپنا یہ چھوٹا سا خوب صورت ریوالور میرے حوالے کر دو۔'' کرنل کے الفاظ پر لڑکی بری طرح چونک پڑی تھی اس نے حیرت زدہ آواز میں کہا۔

''ریوالور۔''

''تمہاری اسکرٹ بھیگ گئی ہے اور تمہاری ران سے بندھا ہوا ریوالور صاف نظر آرہا ہے لیکن تم اس طرح ظاہر کر رہی ہو۔جیسے تمہیں اس ریوالور کی موجودگی کا علم نہ ہو۔'' کرنل نے کہا۔لشکری ایک دم چونک کر سنبھل گیا تھا۔اس کے اعصاب تن گئے تھے۔بہرحال کرنل ایک کمانڈر تھا اور اس کی ذہانت بھی بے مثال کہی جاتی تھی۔لڑکی ایک دم گھبرا گئی پھر جلدی سے بولی۔

''دراصل یہ ویران علاقہ بے حد خطرناک ہے اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ میں ایک لڑکی ہوں اس لیے یہ ریوالور میں ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتی ہوں۔''

''یقیناً...... یقیناً لیکن اب یہ ریوالور مجھے دے دو۔'' کرنل نے کہا۔لڑکی کے چہرے پر کشمکش کے آثار نظر آئے لیکن اس نے خود کو سنبھال لیا اور ہنستے ہوئے بولی۔

''کیا تمہیں مجھ سے ڈر لگ رہا ہے۔''

''ہاں ایسا ہی سمجھو۔'' کرنل نے جواب دیا اس کی شخصیت بے حد شاندار تھی عمر بھی ایسی نہیں تھی کہ لڑکی اسے رجھانے کی کوشش کرے۔اس کے علاوہ وہ وردی میں نہیں تھا۔نہ ہی لشکری نے وردی پہنی ہوئی تھی۔پتا نہیں لڑکی اس کی اصلیت سے واقف تھی یا نہیں لیکن بہرحال اس نے سنبھلتے ہوئے کہا۔

''تمہاری مرضی ہے ویسے تم بے حد عجیب آدمی ہو۔''

''لڑکی یہ ریوالور مجھے دے دو۔''

''ہاں ہاں۔کیوں نہیں۔'' لڑکی نے کہا۔لشکری نے ایک دم اپنا ریوالور اس کی جانب تان لیا۔اسے خطرہ تھا کہ لڑکی ریوالور نکالتے ہوئے کوئی کھیل نہ شروع کر دے لیکن لڑکی نے اپنا ریوالور اس کی طرف بڑھا دیا تھا۔پھر وہ بولی۔

''ذرا دیر پہلے تم نے میرے لیے جان کی بازی لگا دی تھی اور اب مجھ پر اتنا بھی اعتماد نہیں ہے۔'' اسکی سردی سے لرزتی ہوئی آواز ابھری۔

''اگر تم چاہو تو یہ کپڑے اتار کر کمبل اوڑھ لو۔ورنہ نمونیا ہو جائے گا۔'' لڑکی اسے دیکھتی رہی ایک لمحے کے لیے اس کے چہرے پر غصے کے آثار ابھرے پھر وہ بولی۔

''اب تم اتنا مروت دکھا رہے ہو کیوں؟''

''نہیں...... بے وقوف ہو تم۔مرنا چاہتی ہو تو مر جاؤ ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔'' کرنل کو غصہ آگیا لیکن لڑکی نے فوراً ہی اپنا رویہ تبدیل کر لیا تھا اور پھر کرنل کو خود ہی اپنا چہرہ پھیرنا پڑا۔ریوالور وہ لے چکا تھا ورنہ یہ لمحات خود اس کے لیے مصیبت بن جاتے۔لڑکی نے بڑے اطمینان سے اپنا لباس اتار دیا تھا۔ادھر کرنل کے اشارے پر لشکری نے ایک کمبل اسے دیا اور وہ کمبل اپنے بدن کے گرد لپیٹنے لگی۔پھر بولی۔

''کم از کم مجھے تھوڑے فاصلے پر تو چھوڑ دو۔وہ جو تین بڑے پتھر نظر آرہے ہیں۔وہاں سے میں اپنی منزل شاید خود ہی تلاش کر لوں۔''

''آؤ بیٹھو۔'' کرنل نے اسے اشارہ کیا اور لڑکی جیپ میں بیٹھ گئی۔

''سر! آپ یہ اوور کوٹ پہن لیجیے آپ کا لباس بھی بھیگ گیا ہے۔'' لشکری نے جیپ کے پچھلے حصے سے ایک اوور کوٹ کرنل کو دیا۔جس کو کرنل نے لے کر اپنے بھیگے لباس پر پہن لیا۔حالانکہ تیز ہوائیں کپڑوں کو خشک کر رہی تھیں۔لیکن بہرحال اس وقت یہ پر تجسس صورت حال پیش آگئی۔اس لیے بہت سی باتیں انہوں نے ذہن سے نکال دی تھیں۔ویسے لڑکی کے الفاظ کرنل کے لیے بڑے تعجب خیز تھے۔وہ جو کوئی بھی بستی ہے کیا واقعی لوگ اسی طرح سے ادھر آتے جاتے ہیں۔ویسے کرنل کو بہت سے معاملات شبے کا شکار کر رہے تھے۔اسکا مشن بے حد حساس تھا اور پھر وہ اس بارے میں بہت محتاط تھا۔بہت زیادہ تفصیلات ابھی تک کسی کے علم میں نہیں تھیں۔صرف کرنل کو مختصر الفاظ میں اس مشن کے بارے میں بتایا گیا تھا۔بات صرف زلزلے کی نہیں تھی۔بلکہ حقیقت یہ تھی کہ سلسلہ کوہ کے پر اسرار سرحدی علاقے میں پر اسرار سرگرمیاں ہو رہی تھیں جن کی تفصیلات کا کسی کو علم نہیں تھا۔خاص قسم کے جاسوسوں کے بیان کے مطابق ریڈار اسٹیشن سے ریڈیائی رابطہ بالکل منقطع تھا۔اس سلسلے میں ایک شخص کو یہاں بھیجا گیا تھا کہ وہ یہاں آکر ایک خاص آفیسر کو بہ حفاظت لے آئے۔اس شخص کو کوئی خبر تک نہیں مل سکی تھی۔

جس شخص کو بلایا گیا تھا وہ ریڈار اسٹیشن کا آپریشن انچارج ڈاکٹر احسان تھا لیکن ڈاکٹر احسان ہی نہیں بلکہ بھیجا جانے والا شخص بھی گم ہو چکا تھا۔ادھر اس علاقے میں شدید زلزلہ آیا تھا اور امدادی ٹیمیں امدادی کام کر رہی تھیں لیکن موسم کی خرابی کے باعث ان سے وائرلیس پر رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا۔زلزلے نے وہاں تک پہنچنے کے تمام راستے بے کار کر دیے تھے اور کسی کو یہاں پہنچانا ایک ناممکن سی بات تصور کیا جاتا تھا۔بہرحال ریڈار بیس سے ڈاکٹر احسان کو خبر گیری کرنی تھی اور اسکے علاوہ وہ ٹیپ بھی لانے تھے جن میں ڈاکٹر احسان نے اس علاقے میں ہونے والی پر اسرار سرگرمیوں کی کچھ تفصیلات ریکارڈ کی تھیں۔اصل میں یہ ریڈار بیس اس علاقے کی بلند ترین چوٹی پر واقع تھا اور یہاں سے دو سرحدیں کنٹرول کی جاتی تھیں۔ریڈار بیس پر حساس ترین جدید برقی آلات نصب تھے اور یہ آلات صحیح معنوں میں سرحد پار ہونے والی میزائل سرگرمیوں کی تمام تفصیلات ریکارڈ کیا کرتے تھے۔سرحد پار جو خفیہ سرگرمیاں ہو رہی تھیں۔ان کا مکمل ریکارڈ ان آلات کے ذریعے ٹیپ کیا گیا تھا۔ڈاکٹر احسان کا یہ ٹیپ ہر قیمت پر حاصل کرنے کی ذمہ داری کرنل گل نواز کو دی گئی تھی۔کرنل گل نواز یہ سارے کام کر رہا تھا اس سلسلے میں خصوصی طور پر اس کا تعلق ایک اعلیٰ ترین افسر سے تھا۔جو انتہائی قابل اعتماد اور طاقت ور شخصیت تھا۔بہرحال کرنل گل نواز کا ریکارڈ بھی اسی طرح کا تھا اس لیے اس

اعلیٰ نے اس کا انتخاب کیا تھا بس صرف اتنی سی بات تھی کہ انہیں یہ خطرہ تھا کہ زلزلے نے ریڈار اسٹیشن کو تباہ نہ کر دیا ہو اور ڈاکٹر احسان وہاں ہلاک ہو گیا ہو اس سلسلے میں بہت زیادہ سرگرم کوششیں نہیں کی جا سکتی ہیں۔ کیونکہ سرحد پار سے ان سرگرمیوں کو غلط نگاہوں سے دیکھا جا سکتا تھا جب کہ سرحدی معاملات سے نمٹنے کے لیے دنیا بھر میں بھرپور کوششیں کی جا رہی تھیں۔ چنانچہ اس طرح کرنل کی ذمے داریاں مزید بڑھ گئی تھیں۔ بہرحال یہ تھا سارا سلسلہ اور اس سلسلے میں ڈاکٹر احسان سے کئی بار رابطہ کرنے کی کوشش کی گئی تھی لیکن اس سے رابطہ نہیں ہو سکا تھا۔ ڈاکٹر احسان کے مکمل نشانات بتا کر کرنل کو بھیجا گیا تھا کہ خدانخواستہ اگر ڈاکٹر احسان زلزلے کا شکار ہو گیا ہو تو اسے شناخت کرنے میں دقت پیش نہ آئے۔ بہرحال اس سلسلے میں تمام کارروائیاں ہو رہی تھیں اور کرنل گل نواز اپنی ذمے داری کو پوری طرح سمجھتا تھا ایسے حالات میں اس لڑکی کا مل جانا بہت سے شبہات کا باعث ہو سکتا تھا۔ لیکن ان تمام کارروائیوں کو روکا نہیں جا سکتا تھا۔

ایک دفعہ پھر ہموار راستے مل گئے تھے۔ چنانچہ اب جیپ خاصی رفتار سے پیچ و خم کھاتے ہوئے گزر رہی تھی۔ لشکری بھی خاموشی کے ساتھ ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ لیکن دونوں کو شدید احساس تھا کہ راستہ بے حد خوفناک ہے۔ ہر سمت چھائے کہرے کے باعث کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اچانک ہی لڑکی خود بخود بول پڑی۔

''ایک طویل عرصے سے میرے ڈیڈی مجھے نہیں ملے۔ حالانکہ وہ ایک بزنس مین ہیں۔ لیکن ان دنوں میں نہ جانے ان کی کیا دلچسپی ہے۔ اکثر وہ یہیں دیکھے جاتے ہیں۔ میں بے شک اپنے کام سے آئی تھی لیکن جب میں گھر پہنچی تو مجھے پتا چلا کہ چچا جی یہاں آئے ہوئے ہیں۔ بس میں نے سوچا کہ دونوں کام ہو جائیں۔ لیکن کوشش کے باوجود وہ مجھے نہیں ملے۔ خدا کرے وہ خیریت سے ہوں۔''

''تم اپنے بارے میں مجھے کچھ اور بتاؤ گی لڑکی!''

''کیا بتاؤں سر! بس یوں سمجھ لیجیے کہ ہم دونوں دنیا میں اکیلے ہیں۔''

''کیا تمہارے ڈیڈی کو تمہاری یہاں آمد کی اطلاع ہے؟''

''نہیں۔ میں نے انہیں خط تو لکھ دیا تھا لیکن پتا نہیں انہیں ملا یا نہیں۔'' دیویکا نے جواب دیا۔ اچانک لشکری نے پوری قوت سے بریک لگایا اور ایک بار پھر وہ ایک خطرناک حادثے سے بال بال بچ گئے۔ موڑ پر ایک بہت بڑی چٹان گری ہوئی تھی۔ جو دھند کے باعث نظر نہیں آ رہی تھی۔ جیپ چٹان سے صرف چند فٹ کے فاصلے پر جا کر رک گئی۔ بس ایک دھندلا سا ہیولا اس چٹان کا نظر آیا تھا اور لشکری نے ایک ماہر ڈرائیور کی مانند بریک لگا دیے تھے۔ سڑک پار کرنا ممکن نہیں تھا۔ چونکہ اتنی وزنی چٹان کو ہٹانا ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ زلزلے سے پہاڑ کا یہ حصہ ٹوٹ کر نیچے گرا ہوا تھا۔ لشکری نے معذرت آمیز لہجے میں کہا۔

''مجھے افسوس ہے کہ گہری کہر کے باعث یہ چٹان مجھے نظر نہیں آئی۔''

''اب کیا ہوگا؟'' کرنل گل نواز نے سوال کیا۔

''میرا خیال ہے جناب! بقیہ سفر پیدل ہی طے کرنا پڑے گا۔''

''یہاں سے بستی تمہارے خیال میں کتنی دور ہے۔'' کرنل نے پوچھا۔

ایک چھوٹی سی وادی میں آباد ہے۔ میں طویل عرصے سے اس قصبے میں رہا ہوں۔ میرا بچپن اسی پہاڑی میں گزرا ہے یہاں سے آگے کچھ دور جا کر سڑک دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ ملٹری روڈ جیس کے اسٹیشن سے پہلے ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد ہمیں پیدل چلنا ہوگا۔'' لشکری نے تفصیل بتائی۔

''کیسا ہو کا عالم طاری ہے۔ لگتا ہے جیسے چاروں طرف موت دندناتی پھر رہی ہو۔'' دیویکا بولی۔ لشکری نے اس کا یہ جملہ نظر انداز کر کے کہا۔

''اس قصبے کی آبادی بہت مختصر ہے لیکن جو واقعہ ہم نے سنا ہے اس کے بعد پتا نہیں کوئی زندہ بچا ہے یا نہیں۔''

''یقیناً یہاں زندگی موجود ہے۔ دیکھو ادھر دیکھو۔'' لڑکی نے بے اختیار سامنے کی طرف اشارہ کیا وہ لوگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دھند میں دیکھنے لگے۔ پہاڑی کے ملبے کے کنارے دو سائے آگے بڑھ رہے تھے۔ سب نے انہیں دیکھ لیا۔ قریب آنے پر جب انہوں نے دیکھا تو ان میں سے ایک مرد تھا جس کے جسم پر گرد آلود سیاہ رنگ کا لباس تھا اور سر پر ایک گرم منی ہیٹ تھی۔ وہ ادھیڑ عمر کا آدمی تھا لیکن اس کی ساتھی لڑکی بمشکل بیس سال کی تھی۔ جس نے ہندو لڑکیوں کا سا لباس پہن رکھا تھا۔ اس کے ساتھی مرد کا لباس جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا اور گھٹنے پر سے خون آلود تھا۔ شاید زخمی ہو گیا تھا۔ لڑکی کے ہاتھ میں چمڑے کا ایک بیگ تھا۔ اچانک ہی مرد چیخا۔

''خبردار جنبش نہ کرنا۔ میرے پاس رائفل موجود ہے۔'' اس نے گرج کر کہا اور اسی وقت لشکری کا ہاتھ اپنے ریوالور کی طرف بڑھ گیا۔

''نہیں.....'' کرنل نے اسے روک دیا۔ ''خاموش بیٹھے رہو۔'' آنے والے مرد کی آنکھوں سے وحشت ٹپک رہی تھی۔ اس نے رائفل کی زد میں ان لوگوں کو لیا ہوا تھا اور لنگڑاتے ہوئے آگے بڑھ رہا تھا تبھی کرنل کی آواز ابھری۔

''ہم دشمن نہیں ہیں دوست! تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔'' مرد نے جواب دیے بغیر انہیں غور سے دیکھا پھر لڑکی سے بولا۔

''سیما! چلو تم ان کی تلاشی لو۔ اگر ان کے پاس اسلحہ ہو تو قبضے میں کر لو۔ ہمیں ان کی جیپ کی ضرورت ہے۔''

''گویا تم ڈاکو ہو دوست! اور رائفل کے زور پر ڈاکا ڈال رہے ہو۔'' کرنل نے کہا۔

''کچھ بھی سمجھو۔ ہماری ضرورتوں نے ہمیں مجبور کر دیا ہے۔'' مرد سرد لہجے میں بولا اور پھر کہنے لگا۔

''بہتر ہے تم بھی واپس جاؤ۔ آگے خدا کا قہر نازل ہوا ہے ہر سمت موت کا راج ہے۔''

''میرے تایا جی بہت زخمی ہیں۔ یہ امرناتھ ہیں اور میرا نام سیما ہے۔ ہماری کار ملبے کے دوسری جانب ہے لیکن آگے ہر سمت تباہی ہے۔ پوری وادی لاشوں اور زخمیوں سے بھری پڑی ہے۔''

''لیکن تم دونوں قصبے میں کیا کر رہے تھے۔'' لشکری نے پوچھا۔

''بس یہاں ہمارے عزیز رہتے ہیں ہم ان سے ملاقات کے لیے آ گئے تھے۔''

"نہ جانے کیوں بکواس کر رہی ہو تم۔ میں کہتا ہوں وقت ضائع نہ کرو۔ جیپ پر فوراً قبضہ کر لو۔"

"بے وقوف آدمی یہ اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہے ہو۔" لشکری نے ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے کہا اور کرنل گل نواز کی آنکھیں اس کے چہرے پر جم گئیں اسے یہ احساس ہوا کہ سامنے والا شخص اس عالم میں ہے کہ وہ انہیں قتل کر سکتا ہے۔ ادھر لشکری بھی تربیت یافتہ فوجی تھا اور کرنل کو یقین تھا کہ وہ اتنی آسانی سے شکست قبول نہیں کر سکتا۔ لڑکی کا چہرہ خوف سے سفید پڑ گیا تھا۔ کرنل نے دونوں ہاتھ اٹھائے لیکن دوسرے لمحے اسے ایسا محسوس ہوا، جیسے زمین پیروں تلے کھسک رہی ہو۔ وہ گرتے گرتے بچا اس نے گھبرا کر سامنے دیکھا۔ نواز منہ کے بل زمین پر گرا ہوا تھا۔ جیسے ہی وہ گرا لشکری نے اس کی رائفل پر قبضہ کر لیا۔ لیکن پھر اچانک فضا میں ایک خوف ناک گڑگڑاہٹ گونجی۔ جیسے سینکڑوں جیٹ طیارے آسمان سے گزر رہے ہوں۔ زمین کو ایک بار پھر شدید جھٹکا لگا تھا۔ کرنل نے گھبرا کر آنکھیں اوپر اٹھائیں تو یوں لگا جیسے پورا پہاڑ ان کے اوپر گرنے والا ہو۔

"بھاگو......" اس کی خوف ناک چیخ فضا میں بلند ہوئی تھی۔ لشکری اور دوسرے لوگ چٹان کی سمت بھاگے۔ امرناتھ نے بھاگتے ہوئے لشکری پر چھلانگ لگانے کی کوشش کی غالباً وہ اپنی رائفل لشکری سے حاصل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن کرنل کا بھرپور گھونسا اس کے جبڑے پر پڑا اور وہ الٹ گیا۔ اوپر سے پہاڑ کا ایک حصہ لڑھکتا ہوا تیزی سے ان کی سمت آ رہا تھا۔ کرنل نے لپک کر اس کا ہاتھ پکڑا اور تقریباً گھسیٹتا ہوا اوپر اس چٹان کی سمت بڑھا جس کی اوٹ میں سب لیٹ گئے تھے۔ اگر ایک لمحہ بھی ضائع ہو جاتا تو موت یقینی تھی۔ ٹوٹی ہوئی پہاڑی کا لمبا اور بڑا حصہ چٹانوں اور پتھروں کا ایک انبار لے کر بلندی سے نیچے کی طرف آ رہا تھا۔ سڑک پر کھڑی جیپ کسی تنکے کی طرح اس کی لپیٹ میں آ کر سینکڑوں فٹ گہرائی میں جا گری۔ گڑگڑاہٹ اتنی شدید تھی کہ ایک لمحے کو انہیں اپنی موت کا یقین ہو گیا۔ لیکن فضا کچھ صاف ہوئی تو انہوں نے دیکھا کہ سڑک پر گری ہوئی بھاری چٹان نے انہیں بچا لیا ہے۔ البتہ سڑک کئی جگہ سے چھٹ کر دو ٹکڑے ہو گئی تھی۔ پہاڑی کا ایک حصہ غائب ہو چکا تھا۔ لیکن زلزلے کے جھٹکے اب بند ہو چکے تھے۔

"ختم ہو گیا۔ آہ......ہم بچ گئے بچ گئے۔" لشکری کی آواز ابھری۔ لیکن دیر تک ان لوگوں کو اپنی زندگی کا یقین نہیں ہوا تھا۔ یہ خوف ناک پہاڑ جو ان پر سے گزر گیا تھا اور انہیں بچانے والی وہ چٹان جو درحقیقت اس پہاڑ کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں تھی۔ لیکن قدرت کے کام اسی طرح کے ہوا کرتے ہیں۔ وہ دہشت زدہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اور پھر انہوں نے ہر سمت پھیلی ہوئی تباہی کو دیکھا۔ تبھی مرد کے منہ سے آواز نکلی۔

"آہ......یہ جیپ بھی گئی۔"

"غنیمت جانو، الو کے پٹھے کہ تم خود بچ گئے۔" لشکری نے گالی بکتے ہوئے کہا۔ کرنل نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے پرسکون رہنے کا اشارہ کیا۔ اور پھر بولا۔

"یہاں ٹھہرنا خطرناک ہے۔ دوسرا جھٹکا کسی وقت بھی آ سکتا ہے۔" ملبے سے گزر کر وہ خاموشی کے ساتھ قصبے کی سمت بڑھنے لگے۔ اب سب کچھ بھول کر انہیں اپنی جان کی فکر ہو گئی تھی۔ کرنل نے چمڑے کا بیگ

لڑکی کے ہاتھ سے لے لیا۔ بیگ غیر معمولی طور پر بہت وزنی تھا۔ اس نے حیرت سے بیگ کو دیکھا تو وہ بولی۔

"اس میں بہت نادر کتابیں ہیں، کئی صدی پرانی، کئی زبانوں پر مبنی۔ ہم نے انہیں پوری زندگی کی محنت سے حاصل کیا ہے۔"

"خوب...... لیکن تمہارا ان سے کیا تعلق ہے؟"

"بس ہے۔ ظاہر ہے ساری باتیں یہیں نہیں بتائی جا سکتیں۔"

"ٹھیک ہے۔" کرنل نے کہا۔ انہیں راستے میں ٹوٹی ہوئی سڑکیں زلزلے سے گرنے والی چٹانیں اور درخت پڑے ہوئے ملے تھے۔ وہ تاریکی اور کہر میں احتیاط سے کام لیتے ہوئے آگے بڑھے۔ قصبے کی بستی کے قریب چھوٹا پل تباہ ہونے سے بچ گیا تھا۔ نشیب میں مختصر سی آبادی بالکل ویران پڑی ہوئی تھی۔ صرف چند روشنیاں تھیں جنہیں انہوں نے دور سے دیکھا تھا۔ ان کے منہ سے ایک خوف زدہ آواز نکلی۔

"آہ...... شاید پوری بستی ہی تباہ ہو گئی۔ پوری بستی ہی تباہ ہو گئی ہے۔" بادل زور سے گرجے اور کرنل بری طرح چونک پڑا۔ بارش اب چھما چھم ہو رہی تھی اور تاریکیاں اسی طرح چھائی ہوئی تھیں۔ اس کے منہ سے خوف زدہ آواز نکلی۔

"میرے خدا۔ میرے خدا...... زندگی کس قدر بھیانک چیز ہے۔ کبھی کبھی ہی اس کا اندازہ ہوتا ہے۔"

♡ ..... ♡ ..... ♡

بلند و بالا قد و قامت، قدرتی طور پر پلا ہوا بدن، سینہ شیر کی طرح چوڑا اور کمر چیتے جیسی، روشن آنکھیں، دودھ جیسا سفید رنگ، گھنے گھنے اور کالے سیاہ بال، وہ مردانہ حسن کا شاہکار تھا۔ لیکن تقدیر کا بیٹا۔ تقدیر نے کبھی اس کا ساتھ نہیں دیا تھا لیکن اس نے تقدیر سے ہار نہیں مانی تھی۔ زیادہ پرانی بات نہیں ہے۔ زندگی کا حسن اس کے قدموں میں لوٹتا تھا۔ تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ بی اے کرنے کے بعد ایل ایل بی کرنے کا پروگرام تھا۔ چونکہ ذیشان احمد خود بھی وکیل تھے یہ الگ بات ہے کہ اپنی نیک اور شریف طبیعت اور فطرت سے مجبور ہو کر غلط راستوں کے راہی نہیں بنے تھے۔ ہر ایرے غیرے کا کیس نہیں لیا کرتے تھے۔ بلکہ جو کیس لیتے تھے پہلے خود اس کے بارے میں چھان بین کرتے تھے اور اگر کوئی جھوٹا کیس ہوتا اور ان کی مرضی کے خلاف ہوتا۔ تو ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو جاتے کہتے۔

"جناب والا! میں ایک معمولی سا وکیل ہوں۔ میری رائے ہے کہ آپ یہ کیس فلاں وکیل صاحب کو دے دیجئے۔ میں ایمان داری سے آپ کو یہ مفت مشورہ دے رہا ہوں اصل میں انسان اپنی صلاحیتوں کو پہچانتا ہے آج میں آپ کا یہ کیس لے لوں اور اسے مکمل طور پر ڈیل نہ کر سکوں تو کل آپ ہی یہ کہیں گے کہ" وکیل صاحب! اگر اتنی صلاحیت نہیں تھی تو ہمیں مصیبت میں کیوں ڈالا تھا؟ بہرحال میری رائے ہے کہ آپ یہ کیس مجھے نہ دیں۔" کہنے کا انداز ایسا ہوتا تھا کہ دوسرے کو یہ احساس نہ ہو سکے کہ وکیل صاحب یہ جھوٹا کیس لینا نہیں چاہتے۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ ذیشان احمد صاحب ایسا کوئی کام نہیں کرنا چاہتے تھے۔ جو ان کے ضمیر کو داغ دار کر دے۔ باپ کی یہی فطرت کامران کو بھی ورثے میں ملی تھی۔ باپ ہمیشہ سمجھایا

کرتے تھے کہ بیٹا! زندگی اتنی مشکل چیز نہیں ہے جتنا اسے بنا لیتے ہیں۔ اپنی ضرورتوں کو محدود کرلو۔ زندگی آسانی سے گزر جائے گی۔ کوئی شے اپنے دل میں اس قدر گہرائی تک نہ جانے دو کہ اس کی نارسائی تمہارے لئے دکھ بن جائے۔ بس یہی زندگی آسودگی حاصل کرنے کا نادر نسخہ ہے۔ بہرحال کامران وکیل بننا چاہتا تھا۔ اس لیے نہ والد وکیل تھے ماں اس وقت مر چکی تھی جب نازیہ صرف چھ سال کی تھی۔ باپ اور بیٹے نے بہن اور بیٹی کی ساری محبتیں دی تھیں اور نازیہ ماں کو بھول گئی تھی۔ لیکن اس وقت کامران کے حوصلے پست ہو گئے۔ جب اچانک ہی عدالت کے احاطے میں دو پارٹیوں میں گولیاں چلیں اور بے چارے ذیشان احمد ان گولیوں کا شکار ہو گئے۔ وہ بے قصور مارے گئے تھے۔ بہرحال ایسے حادثے ہوتے ہیں۔ نتیجہ کچھ نہیں ہوتا۔ تھوڑی سی اخباری خبریں یا تھوڑے سے تعزیتی الفاظ، جو لٹ گیا ہوتا ہے اس کا عشر عشیر بھی واپس نہیں ملتا۔ لیکن کامران کی کمر ٹوٹ گئی تھی۔ حلال کی روزی کمانے والے وکیل صاحب نے ایک مکان کے سوا اور کچھ نہیں چھوڑا تھا۔ کوئی بینک بیلنس نہیں تھا۔ باپ کی تدفین کے بعد کامران نے نازیہ کا سر اپنے سینے پر رکھ لیا۔

''بیٹی! ماں نے مرنے کے بعد یہ ذمہ داری مجھے اور ابو کو سونپی تھی۔ ابو بھی اپنا فرض کر کے چلے گئے۔ یہ نہ سمجھنا کہ اب تمہارے سر کے لیے کوئی سینہ نہیں ہے۔ میں ہوں نا۔'' اور نازیہ بلک بلک کر رو دی تھی۔ کامران کا مستقبل کے بارے میں اپنا ارادہ ملتوی کرنا پڑا۔ بہت ذہین بہت ہی قابل آدمی تھا لیکن وہ ذرا گڑبڑ تھا۔ قابلیت کو کوئی نہیں پوچھتا۔ ذہانت کو کوئی نہیں پوچھتا بس کچھ سفارش چاہیے ہوتی ہے۔ کچھ ایسا عمل چاہیے ہوتا ہے جو نوکری دلانے میں معاون ہو۔ مثلاً ایک لاکھ روپے، پچاس ہزار کچھ اس طرح کی قیمتیں ہوتی ہیں نوکری کی یہ پیسے نہ ہوں تو نوکری نہیں ملتی بلکہ بعض اوقات سفارشوں سے بھی نہیں ملتی۔ دولت سب سے بڑی سفارش ہوتی ہے اور دونوں سفارشوں میں سے کوئی سفارش کامران کے ساتھ نہیں تھی۔ چنانچہ اسے نوکری نہیں ملی اور نوبت یہاں تک آ گئی کہ گھر کی قیمتی چیزیں فروخت کرنا پڑیں۔ کامران گھبرا گیا۔ یہ تو مناسب نہیں ہے۔ کچھ نہ کچھ کرنا ہی ہوگا۔ ایک دوست نے مشورہ دیا کہ زندگی کے اگر بہت سے رخ دیکھنا چاہتے ہو تو ٹیکسی چلاؤ۔ اسی دوست نے اسے ایک جگہ پہنچا بھی دیا۔ جہاں مالکان ٹیکسی چلواتے تھے۔ ڈرائیوری بہت اچھی طرح جانتا تھا۔ لائسنس بے شک کمرشل نہیں تھا۔ لیکن اسے کمرشل کرانے میں کوئی دقت نہیں ہوئی اور آخرکار کامران نے ٹیکسی چلانا شروع کر دی۔ مالک کو ایک مخصوص رقم دینا ہوتی تھی اور اس کے بعد جتنے بھی پیسے بچ جائیں۔ ٹوٹ پھوٹ گاڑی چلانے والے کے ذمے۔ بہرحال جن حالات میں اتنے دن تک گزارا کیا تھا۔ اس کے بعد تو یہ سب کچھ بہت ہی غنیمت تھا۔ زیادہ محنت کرتا تھا۔ مناسب پیسے بچ جاتے تھے۔ چنانچہ گھر کے وہ سنگین حالات جنہوں نے زندگی اجیرن کر دی تھی۔ آہستہ آہستہ بہتر ہونے لگے۔ نازیہ جوان ہو چکی تھی۔ خود دن بھر گھر پر نہیں رہتا تھا۔ رات کو بھی کبھی کبھی بہت دیر ہو جایا کرتی تھی۔ چنانچہ بہن کی طرف سے بڑی فکر کرتا تھا۔ پڑوس کے ایک بزرگ نے ایک دن اس سے کہا۔

''بیٹا! اللہ تعالیٰ اگر توفیق دے تو تم بہن کی شادی کر دو۔ یہ بات میں تم سے اس لیے کہہ رہا ہوں کہ نازیہ بیٹی کو تو میں بچپن سے جانتا ہوں۔ لیکن بس برے لوگوں کے بارے میں کیا کہا جائے۔ محلے کے کچھ لڑکے اکثر تمہارے دروازے کے سامنے سے گزرتے دیکھے جاتے ہیں۔ ایک بار انہوں نے دروازے کے

سامنے اڈا بھی بنانے کی کوشش کی لیکن رشید پہلوان کی وجہ سے یہ ہمت نہیں کر سکے۔ رشید پہلوان بڑا سخت آدمی ہے اگر وہ تمہارے گھر کے برابر نہ رہ رہا ہوتا تو معاملہ بہت خراب ہو جاتا۔'' رشید پہلوان ایک نوجوان آدمی تھا۔ کسی زمانے میں شادی ہوئی تھی لیکن بیوی کا انتقال ہو گیا تھا۔ تھوڑا بہت کاروبار تھا۔ پہلوان بس وہ مشہور تھا۔ باقاعدہ پہلوانی نہیں کرتا تھا لیکن اس کا رعب پورے علاقے پر بیٹھا ہوا تھا۔ یہ تمام باتیں سن کر کامران کو شدید طیش آیا تھا۔

''کون ہیں وہ۔ بے غیرت لوگ جنہیں میرے گھر کی طرف دیکھنے کی جرات ہوئی۔''

''نہیں بیٹا! نہیں یہ جوش ہمیشہ نقصان دہ ثابت ہوا ہے۔ جوش کے بجائے ہوش سے کام لو عقل کا ساتھ پکڑو۔ کوئی اچھا سا رشتہ دیکھ کر بہن کے ہاتھ پیلے کر دو۔ بات بالکل درست تھی وہ بہن کا واحد سہارا تھا۔ یہ لچے لفنگے لوگ تو ہوتے ہی برے ہیں۔ کیا کہا جائے ان سے بہرحال اس کی نگاہیں بھٹکنے لگیں۔ پھر ایک دن اس نے اخبار میں ایک اشتہار دیکھا ایک نوجوان لڑکے کو جس کی عمر اٹھائیس سال ہے ایک ایسی لڑکی کی ضرورت ہے جو گھر کے امور کو سنبھال سکے پہلی بیوی کا انتقال ہو چکا ہے ایک بچہ ہے۔ کسی جہیز وغیرہ کی ضرورت نہیں۔ نوجوان صاحب روزگار ہے۔ شکل و صورت کا بھی اچھا ہے۔ چنانچہ کامران ایک دن اس نوجوان سے ملا۔ پتہ وغیرہ اس نے نوٹ کر لیا تھا۔ وہ حیران رہ گیا۔ اچھا خاصا قبول صورت آدمی تھا۔ چہرے سے بھی بہتر ہی نظر آتا تھا۔ کامران نے اس سے ملاقات کی۔ تو وہ بڑے احترام سے اسے اپنے ساتھ اپنے گھر کے اندر لے گیا۔

''کہیے..... کیا خدمت کر سکتا ہوں آپ کی۔''

''فہیم الدین آپ ہی کا نام ہے۔''

''جی جی جی!''

''اصل میں، میں نے آپ کا اشتہار دیکھا تھا۔''

''اوہ..... وہ شادی کے سلسلے میں۔''

''جی۔''

''ہاں والدین مر چکے ہیں۔ انہوں نے میری شادی خاندان کی ایک خاتون سے کی تھی۔ بے چاری بیمار تھیں اس وقت بھی، لیکن بے سہارا تھیں۔ والدین نے اصرار کیا کہ میں انہیں سہارا دوں میں نے ان کی ہدایت پر شادی کر لی۔ پانچ سال میرے ساتھ گزارے اور اس کے بعد بیماری نے انہیں جانبر نہ ہونے دیا۔ ایک بچہ بھی چھوڑ گئیں۔ نوید! ادھر آؤ بیٹا!'' ایک چھوٹا سا بچہ قریب آ گیا۔

''یہ میرا بیٹا ہے۔ اسکول میں داخل کروایا ہے لیکن ہمیشہ اس کی طرف سے فکر مند رہتا ہوں۔ کاروبار پر بھی برے اثرات پڑتے ہیں۔ بس یہ سمجھ لیجیے کہ ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے ہی کسی شریف زادی سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔''

''میرا نام کامران ہے۔ پڑھا لکھا آدمی ہوں۔ بہن بھی پڑھی لکھی ہے ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے جب حالات انتہائی مشکل ہو گئے اور ملازمت کہیں نہ ملی تو ٹیکسی چلانا شروع کر دی۔ آپ سے یہ معلوم کرنا

چاہتا ہوں فہیم صاحب کہ اس سلسلے میں آپ کے کیا خیالات ہیں۔"

"کامران صاحب! صرف اور صرف یہ کہ ایک نیک فطرت خاتون ہوں۔ جو میرے بچے کو سنبھال سکیں۔"

"حالانکہ ایسا ہوتا ہے۔ یہ معاملات بزرگ طے کیا کرتے ہیں لیکن کیا کیا جائے مجبوری نے انسانیت کے رسم و رواج کو مسخ کر دیا ہے۔ آپ اگر پسند کریں تو میری بہن کو دیکھ لیں۔" فہیم نے بڑے احترام سے اس کا ہاتھ پکڑا تھا اور کہا تھا۔

"میں آپ کی مجبوریوں کو سر آنکھوں پر قبول کرتا ہوں اور براہ کرم میری ان سے ملاقات کرا دیجئے۔" اور جب کامران نے نازیہ کو اس بارے میں بتایا تو نازیہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی۔

"نازیہ! میں تمہاری رائے لینا چاہتا ہوں۔"

"بھائی! آپ کو جہاں سکون ملے میں آپ کے ہمراہ ہوں۔" فہیم نے نازیہ کو پسند کر لیا۔ بڑی سادگی سے شربت کے پیالے پر نکاح ہو گیا۔ کامران نے جو توفیق ہوئی۔ بہن کو دے دیا اور نازیہ رخصت ہو گئی، کامران گھر میں تنہا رہ گیا تھا۔ لیکن اس نے بڑی خندہ پیشانی سے بہن کو یہ بات بتائی کہ وہ آرام سے اپنی زندگی بسر کرتا ہے صبح کو نکل جاتا ہے۔ رات کو واپسی ہوتی ہے۔ دوپہر کا کھانا تو ویسے باہر ہی کھا لیا جاتا تھا۔ بہرحال سب لوگ خوش تھے۔ نازیہ ہفتے میں ایک بار آتی تھی فہیم اسے خود لے کر آتا تھا۔ بچہ بھی ساتھ ہوتا تھا تقریباً آٹھ ماہ تک فہیم اور نازیہ کے تعلقات بہت اچھے چلتے رہے۔ آٹھ ماہ کے بعد ایک دن نازیہ کی پیشانی پر زخم کا ایک نشان دیکھ کر کامران بے چین ہو گیا۔ ویسے بھی اس نے دیکھا تھا کہ پچھلے کچھ عرصے سے نازیہ کچھ اداس اداس سی رہنے لگی ہے۔ کامران نے اسے اپنی جان کی قسم دی اور کہا۔

"نازیہ مجھے بتاؤ تو سہی پیشانی پر یہ نشان کیسا ہے؟ ویسے یہ نشان گرنے سے نہیں لگا ہے۔" اور نازیہ کے ضبط کے بند ٹوٹ گئے۔ وہ اس طرح بے قرار ہو کر روئی کہ کامران پریشان ہو گیا۔

"نازیہ مجھے بتاؤ تو سہی۔"

"میں صبر کی انتہا کو پہنچ چکی ہوں۔ صبر کی انتہا کو پہنچ چکی ہوں میں...... غلط ہو گیا بھائی فیصلہ غلط ہو گیا۔"

"کیا...... کیا ہوا؟"

"فہیم اچھا آدمی نہیں ہے۔ وہ شراب پیتا ہے کئی بری عورتیں اس کی دوست ہیں۔ جب تک یہ دوستیاں گھر سے باہر رہیں، میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ لیکن جب یہ دوستیاں گھر کے اندر آنے لگیں اور مجھے، مجھے ساقی بنا دیا گیا، تو میں نے احتجاج شروع کر دیا۔ جس کے نتیجے میں بھائی میرے بدن کے بہت سے حصوں پر زخموں کے نشانات ہیں۔ یہ پیشانی کا زخم بھی فہیم نے لگایا ہے۔ شیشے کا گلاس پھینک کر مارا تھا میرے ماتھے پر لگ گیا۔" کامران کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔ تصور بھی نہیں کر سکا تھا اس بات کا کہ فہیم جیسا نرم خو اور چہرے سے شریف نظر آنے والا نوجوان اس قدر غلیظ فطرت کا مالک ہو گا۔ صبر کیا۔ فہیم سے ملاقات کی۔

"فہیم، نازیہ کی پیشانی کا زخم دیکھ کر میں نے اس سے سب کچھ معلوم کر لیا ہے۔ جو کچھ اس نے بتایا وہ سچ ہے کیا؟"

"یار! اب بات کھل ہی گئی ہے تو کیا چھپاؤں تم سے۔ واقعی! یہ سچ ہے۔ اصل میں مجھے بچے کی دیکھ بھال کے لیے ایک خاتون کی ضرورت تھی۔ کسی آیا وغیرہ کو رکھتا تو لوگ بھی اعتراض کر سکتے تھے۔ میں نے سوچا کہ کسی ایسی لڑکی سے شادی کر لی جائے جو تقریباً لاوارث اور بے سہارا ہو، تم خود میرے پاس آئے تھے بھائی! نازیہ کو کھانے پینے کی کوئی کمی نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ چاہتی ہے کہ وہ تمام حقوق اسے مل جائیں جو ایک باعزت بیوی کو ملتے ہیں۔ تو یہ تو ممکن نہیں ہے۔ میرے اپنے مشاغل ہیں۔ آمدنی ہے میری۔"

"مگر فہیم انسانیت اور شرافت بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے۔"

"کوئی چیز نہیں ہوتی میرے دوست! بیکار کی باتیں ہیں ساری کی ساری۔ تم اس لیے انسانیت اور شرافت کے گیت گاتے ہو کہ ٹیکسی ڈرائیور ہو۔ اگر تم کوئی مل اونر ہوتے تو تمہارے اپنے مشاغل ہوتے۔ اس سے کہو کہ اپنی اوقات میں رہے۔ نشے میں میری کیفیت کافی خراب ہو جاتی ہے اور میں برداشت نہیں کر پاتا۔ ایسا نہ ہو کہ وہ کوئی نقصان اٹھا جائے میرے ہاتھوں۔"

"تب پھر میں تمہیں ایک بات بتائے دیتا ہوں فہیم! میں نے صرف اس لیے اپنی بہن کی شادی تمہارے ساتھ کی تھی کہ اس کا گھر بس جائے اگر اس کو گھر بسنا کہتے ہیں تو مجھے اس کا اجڑا ہوا گھر زیادہ پسند ہے۔"

"مطلب!" فہیم نے کڑے تیوروں سے کہا۔

"مطلب۔ کچھ نہیں بس......" کامران نے کہا اور وہاں سے چلا آیا لیکن سخت اذیت کا شکار ہو گیا تھا، بہت بری حالت ہو گئی تھی اس کی اور پھر آخر کار وہ دن آ گیا جسے زندگی کا سیاہ ترین دن کہا جا سکتا تھا ایک صبح جب وہ ٹیکسی نکالنے کی تیاریاں کر رہا تھا تو ایک شخص اس کے پاس پہنچ گیا اور اس نے پوچھا۔

"آپ کامران صاحب ہیں؟"

"ہاں۔"

"دیکھئے میں فلاں محلے میں رہتا ہوں۔ فہیم ہمارا پڑوسی ہے۔ فہیم نے اپنی بیوی کو قتل کر دیا ہے۔"

"کیا......؟"

"ہاں۔ ہم لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس نے اسے قتل کیا ہے۔ میں پڑوسی ہوں اس کا۔ پولیس آئی تھی لاش تحویل میں لے لی گئی ہے۔ لیکن فہیم نے شاید اپنی بچت کا بندوبست کر لیا ہے اس نے اس قتل کو دوسری شکل دے دی ہے اس نے کہا ہے کہ رات کو ڈاکو آ گئے تھے اس کے گھر میں اور اس کی بیوی کو قتل کر کے کافی سامان لے گئے۔" کامران نے پوری بات نہیں سنی وہ ٹیکسی اسٹارٹ کر کے دوڑا تو فہیم کے گھر کے سامنے ٹیکسی روکی۔ فہیم غم کی تصویر بن کر بیٹھا ہوا تھا۔ پولیس بھی موجود تھی کامران پھٹی پھٹی آنکھوں سے بہن کی لاش کو دیکھتا رہا۔ اس نے فہیم سے کوئی بات نہیں کی اور جب بہن کی تدفین ہو گئی تو وہ گھر چلا آیا۔ پولیس کو اس نے کوئی بیان نہیں دیا تھا حالانکہ اس سے سوالات کیے گئے تھے لیکن اس نے فہیم پر کوئی شبہ ظاہر نہیں کیا تھا جب کہ اس نے دیکھا تھا کہ فہیم کی چور نگاہیں اس کا جائزہ لیتی رہی تھیں۔ پھر وہ اپنے گھر آ گیا ساری رات اپنے گھر کے

صحن میں ایک دیوار سے ٹکا ہوا کھڑا رہا غم سے کلیجہ پھٹا جا رہا تھا۔ پھر اس غم نے آگ کی صورت اختیار کر لی۔ دوسری صبح وہ کافی پرسکون نظر آیا تھا چنانچہ پڑوسی جو تعزیت کرنے آئے تھے وہ بھی مطمئن ہو گئے۔

دن کو کوئی ساڑھے گیارہ بجے کے قریب وہ گھر سے باہر نکلا۔ بارہ انچ کی لمبی چھری خریدی۔ وہاں سے وہ دھار لگانے والے کی دکان پر پہنچا اور اس سے چھری پر بہترین دھار لگوائی اور اس کے بعد چھری کو کاغذ میں لپیٹ کر گھر واپس آ گیا۔ نہایا دھویا، بہن کے قاتل کو وہ خود اپنے ہاتھ سے سزا دینے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ فہیم کو اب اس دنیا میں نہیں رہنا چاہیے۔ وہ سمجھتا ہے کہ ساری برائیاں کرنے کے بعد اس کی بہن کو زندگی سے محروم کرنے کے بعد فہیم اس زندگی میں عیش آرام سے سانس لے گا۔ یہ اس کا خام خیال تھا۔ چنانچہ اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے آخرکار وہ گھر سے باہر نکل آیا۔ اس کے ذہن میں آتش فشاں ابل رہا تھا۔ وہ منصوبہ بنا چکا تھا کہ کس طرح فہیم کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ اتنی چھریاں مارے گا اس کے پورے بدن پر کہ اس کا جسم قیمہ قیمہ ہو جائے گا نازیہ! تیرا قاتل بس چند لمحوں کا مہمان ہے میری بہن یہ مت سوچنا کہ تیرا بے غیرت بھائی خاموش ہو کر بیٹھ گیا۔ غلطی میں نے کی تھی ہاں! اس کا ازالہ بھی میں ہی کروں گا۔ وہ تھوڑے ہی فاصلے پر گیا تھا کہ سامنے ایک مسجد نظر آئی۔ اذان کا وقت تھا۔ آواز ابھرنے لگی۔

"اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر، اللہ اکبر۔" بدن میں لرزشیں پیدا ہو گئیں، ایک عجیب سی کیفیت ہو گئی تھی۔ نہ جانے کس طرح قدم مسجد کی جانب اٹھ گئے۔ وہ ایک گوشے میں جا کر بیٹھ گیا۔ پوری اذان اس نے راستے میں سنی تھی۔ دل و دماغ سوچنے سمجھنے کی قوتیں چھوڑے جا رہے تھے۔ وہ مسجد میں جا کر بیٹھ گیا اور اس کے بعد وہ سجدے میں جا گرا۔ اس کی ہچکیاں بندھ گئیں نمازی آ چکے تھے، نماز ہوئی بہت سے لوگوں نے اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھا۔ لیکن وہ سجدے سے نہیں اٹھا تھا۔ نہ جانے کتنی دیر اسی طرح گزر گئی۔ اس کے بعد کوئی اس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔

"موذن صاحب! دیکھیے تو سہی پوری نماز کے دوران یہ اسی طرح پڑا رہا ہے خدانخواستہ بچے کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچا ہے۔" پھر اسے اٹھایا گیا وہ جگہ جہاں وہ سجدہ ریز تھا آنسوؤں سے تر ہو رہی تھی یہ آنسو اس کی آنکھوں سے نہیں بہہ رہے تھے یہ آنسو اس کے دل سے بہہ رہے تھے ہمدرد نگاہوں نے اسے دیکھا اور پھر ایک ہمدرد آواز ابھری۔

"بیٹے! کیا بات ہے؟ کیا بات ہے بیٹے! مجھے بتاؤ تو سہی۔" وہ روتا رہا بہت سا وقت نکل گیا تھا۔ اس کا کام پورا نہیں ہوا تھا۔ ہمدرد شخصیت نے اسے بازو سے پکڑ کر اٹھایا۔ تو لباس میں چھپی ہوئی خوفناک چھری آواز کے ساتھ نیچے گر گئی۔ معمر شخص نے اس چھری کو دیکھا پھر ادھر ادھر دیکھ کر اسے اپنے لباس میں چھپا لیا اور اس کا بازو پکڑ کر بولا۔

"بیٹے! آؤ میرے ساتھ۔ آؤ بیٹے! جہاں دل چاہے چلے جانا تھوڑا سا وقت مجھے دے دو آؤ۔" وہ مشینی عمل کے تحت اٹھ گیا اور ہمدرد اور مہربان شخصیت اسے لے کر کافی دور پیدل چلی اور پھر ایک گھر میں داخل ہو گئی۔ گھر کے ایک کمرے میں اسے بٹھا کر اس شخص نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔

"میرا نام الیاس ہے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے تین بار حج کر چکا ہوں اس مناسبت سے لوگ

مجھے حاجی الیاس کہتے ہیں بیٹے! یہ میرا چھوٹا سا گھر ہے آرام سے بیٹھو۔ ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں تم سے جب تک میں تمہاری طرف سے مطمئن نہ ہو جاؤں یہاں سے جانے کی کوشش مت کرنا۔ دیکھو بیٹا! کوئی نہیں ہوں میں تمہارا لیکن جانے کیوں انسان، انسان سے کچھ امیدیں باندھ لیتا ہے۔ بالکل بے مقصد اور بے غرض بس یہی تو ایک رشتہ ہے انسان کا انسان سے، میں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ اس وقت تک کہیں جانا مت جب تک کہ مجھ سے اطمینان سے باتیں نہ کر لو۔" حاجی الیاس کے الفاظ بڑے تھے۔ وہ سسکتا رہا۔ حاجی الیاس اس کے لیے کھانے پینے کی چیزیں لائے اور اپنے ہاتھوں سے اس کے لیے چائے کا کپ بنایا۔

"نہیں حاجی صاحب میں......"

"نہیں بیٹا نہیں...... جب اتنی عزت دے دی ہے تم نے مجھے کہ میری بات مان لی ہے اور یہاں موجود ہو تو یہ عزت مجھ سے نہ چھینو تمہاری بڑی عنایت ہوگی۔" حاجی الیاس نے کچھ اس طرح لجاجت سے یہ الفاظ کہے کہ وہ انکار نہیں کر سکا اور کھانے پینے میں مصروف ہو گیا۔ حاجی الیاس نے اس کا منہ دھلایا۔ خنجر انہوں نے اپنے پاس ہی رکھا تھا۔ جب تمام تر فراغت ہو گئی تو حاجی الیاس کہنے لگے۔

"سنا ہے اپنی مشکل کسی سے کہہ دینے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے بیٹے کہہ ڈالو۔ جو بات بھی دل میں کہہ ڈالو تم سمجھ لو کہ میں تمہارا بے حد ہمدرد ہوں بے لوث بے غرض۔ کبھی تم سے اپنی محبت اور ہمدردی کا صلہ نہیں مانگوں گا اگر ایسا کروں تو مجھے ایک گھٹیا آدمی سمجھ لینا۔" حاجی الیاس کے الفاظ کچھ اس طرح کے تھے کہ وہ بے اختیار ہو گیا پھر آنسوؤں کے دھاروں کے ساتھ اس نے اپنی کہانی کا آغاز کر دیا۔

♡ ...... ♡ ...... ♡

کرنل گل نواز اپنے ساتھ بن جانے والے قافلے کے ہمراہ آبادی میں پہنچ گیا قصبے کی ایک تہائی آبادی ہلاک ہو چکی تھی بچے کچھے خوف زدہ اور غم ناک باشندے قصبے کے پرائمری اسکول میں پناہ گزیں تھے ایک ڈاکٹر اور ایک نرس زخمیوں کی تیمارداری میں مصروف تھے۔ یہ قصبہ پہاڑی کے دامن میں آباد تھا اور آبادی میں صرف ایک سڑک تھی جو پتھروں سے بنی ہوئی تھی۔ مقامی باشندے بھی مقامی انداز میں کھالوں وغیرہ کا لباس پہنا کرتے تھے۔ انہوں نے ایک تاریک ہٹ میں اپنے لیے جگہ تلاش کی۔ چونکہ یہاں سردی بے پناہ تھی۔ چنانچہ سب سے پہلے آتش دان میں آگ روشن کی گئی۔ اس دوران ہیما اور دیویکا وغیرہ کرنل گل نواز کے ہمراہ مقامی لوگوں کی تیمارداری میں مصروف رہے تھے ویسے دیویکا اب عجیب سی نگاہوں سے کرنل کو دیکھنے لگتی تھی۔ جو بے شک اس کی عمر سے بہت زیادہ کا تھا۔ لیکن اس کی شخصیت اس قدر پرکشش تھی کہ دیویکا اکثر اسے دیکھ کر سوچ میں ڈوب جاتی تھی۔ اب اس کے ذہن میں بڑی عجیب سی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اپنے بارے میں جو کہانی اس نے کرنل گل نواز کو بتائی ہے اس کے اثرات کچھ بھی نمایاں نہیں ہوئے۔ حالانکہ خود بھی احمق نہیں تھی جانتی تھی کہ سرحد کے اس طرف آنے والی ایک ہندو لڑکی کی یہاں موجودگی بڑی عجیب ہے اور اس نے چترجی کے بارے میں جو کہانی سنائی تھی وہ بھی کرنل گل نواز کو اندر سے کھدلنے کے لیے تھی۔ لیکن کرنل گل نواز نے کسی قسم کے تاثر کا اظہار نہیں کیا تھا اس کی دو ہی وجوہات ہو سکتی تھیں۔ کرنل گل نواز یہ جانتا تھا کہ ہر کام ایک شعبے کے سپرد ہے۔ وہ رپورٹ تو دے سکتا ہے لیکن اس شعبے کو

اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتا۔ کیونکہ وہ فوجی اصولوں کے خلاف ہے اس وقت بھی دیویکا اس جھونپڑی میں جہاں انہوں نے آگ روشن کر لی تھی تنہا تھی۔ کرنل گل نواز اور اس کا ساتھی بہ دستور قصبے کے افراد کے لیے امدادی کارروائی میں مصروف تھے۔

یہاں بالکل تاریکی پھیلی ہوئی تھی بوسیدہ کمرے کے آتش دان میں جلتے ہوئے کوئلے بھی ٹھنڈک کو دور کرنے میں ناکام ہو رہے تھے اور وہ تنہائی میں اپنے ماضی کے بارے میں سوچ رہی تھی اس نے کرنل کو اپنا نام بھی غلط بتایا تھا۔ چترجی نام کی کوئی چیز اس کی رشتے دار نہیں تھی بلکہ کہانی ہی دوسری تھی اس کا اصل نام نیشی بارک تھا اور وہ ابھی کم سن تھی کہ اس کا باپ اس دنیا سے رخصت ہو گیا۔ ماں نے دوسری شادی کر لی تھی اور اس کے سوتیلے باپ کا تعلق اس مشرقی ملک سے تھا اور وہ یہاں ریڈار بیس کا چیف انجینئر تھا۔ اس کا نام فضل شاہ تھا فضل شاہ سے نیشی بارک کا کوئی خاص تعلق نہیں تھا سوائے اس کے کہ فضل شاہ اس کے اخراجات اٹھا لیا کرتا تھا لیکن اب کچھ ایسے معاملات ہوئے تھے کہ فضل شاہ نے اس سے رابطہ قائم کر کے اس کو یہاں پہنچنے کے لیے کہا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ وہ محتاط رہے۔ خود نیشی بارک کی زندگی کے بہت سے ایسے عجیب و غریب لمحات تھے جو اس کے لیے بڑے پریشان کن تھے وہاں سویڈن میں اس کے تعلقات ایک شخص اختر بیگ سے ہو گئے تھے جو اسی ملک کا باشندہ تھا دونوں کے تعلقات بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ اختر بیگ نے اس سے شادی کا ارادہ ظاہر کیا۔ بے شک فضل نیشی بارک کا سوتیلا باپ تھا لیکن پھر بھی چونکہ اس نے نیشی بارک کو ہر طرح کی سہولتیں اور محبت فراہم کی تھی چنانچہ اپنے باپ سے مشورے کے بغیر نیشی بارک شادی نہیں کر سکتی تھی۔ اختر بیگ کچھ پراسرار سا نوجوان تھا اور اس وقت اس کے بارے میں نیشی بارک کا یقین پختہ ہو گیا جب اسے ایک حادثہ پیش آیا۔ اختر بیگ اس حادثے میں موت کی نیند سو گیا۔ اس کی کار کا ایکسیڈنٹ جس انداز میں ہوا تھا اس سے نیشی بارک کو اس بات کا پورا پورا یقین ہو گیا تھا کہ اختر کو ہلاک کیا گیا ہے۔ بہر حال وہ یہاں آئی تھی اور جھوٹ سچ بول کر کرنل گل نواز کے ساتھ یہاں تک پہنچ گئی تھی۔ تباہ شدہ بستی سے ریڈار اسٹیشن کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا اور وہ اسی انتظار میں تھی کہ جیسے ہی اسے موقع ملے وہ اپنے باپ سے ملاقات کرنے کی کوشش کرے۔ اب چونکہ اس کا موقع تھا چنانچہ وہ اس بات کے لیے تیار ہو گئی۔

باہر سردی بہت زیادہ تھی۔ بائیں جانب آبادی کو جانے والا واحد راستہ تھا لیکن ہر سمت سناٹا پھیلا ہوا تھا اور ویران راستہ گہرے کہر میں ڈوبا ہوا تھا۔ ریڈار اسٹیشن کا یہاں سے زیادہ فاصلہ نہیں تھا تھوڑے فاصلے پر پہاڑ کے ڈھلان سے باہر متصل ریڈار اسٹیشن تھا وہ آہستہ آہستہ جھونپڑی سے باہر نکل آئی۔ باہر رک کر اس نے ایک لمحے کے لیے آہٹ لی وہ کافی خوف زدہ تھی۔ بہر حال بڑی پراسرار کیفیت میں وہ آگے بڑھنے لگی۔ اختر بیگ نے اسے اپنے معاملات کے سلسلے جو تھوڑا بہت بتایا تھا وہ بڑا سنسنی خیز تھا۔ یہ تمام معاملات اسے سخت پریشان کر رہے تھے بہر حال وہ اپنا ریوالور مضبوطی سے تھام کر آگے بڑھنے لگی۔ اب وہ جگہ اس کے بالکل قریب تھی۔ جہاں سے وہ آسانی سے ریڈار اسٹیشن جا سکتی تھی ہر سمت موت کا سناٹا طاری تھا۔ کسی بھی طرف کوئی آہٹ ہوتی تو وہ بری طرح چونک پڑتی۔ تھوڑے فاصلے پر اس نے ایک مدھم سی روشنی دیکھی تھی اور سوچ رہی تھی کہ یقینی طور پر یہ بوڑھے امرناتھ کی جھونپڑی ہے۔ اس نے اور ہیما نے اپنی جھونپڑی کے

بارے میں بھی بتایا تھا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا ایک نگاہ اس نے چاروں طرف ڈالی لیکن کہر کے دھوئیں اور بادلوں میں کچھ نظر نہ آیا۔ وہ چند قدم اور آگے بڑھی۔ پہاڑوں کی چوٹیاں کہر میں چھپی ہوئی تھیں۔ اس دوران کرنل گل نواز اور لیفٹیننٹ چوٹی سے آگے ریڈار اسٹیشن کی طرف چل پڑے تھے اور وہ بالکل تنہا تھی۔ یہ جگہ اگر امرناتھ ہی کی جھونپڑی ہے تو اسے اس میں جانا چاہیے۔ نہ جانے کیوں خوف کی ایک سرد لہر اس کے جسم میں دوڑ رہی تھی۔ جیسے وہ اسے کسی ان جانے خطرے کا احساس دلا رہی ہو۔ اس کے قدم اس روشنی کی جانب بڑھنے لگے۔ وہ جھونپڑی اب بالکل قریب تھی، اچانک اسے ایک آہٹ سنائی دی اور وہ اچھل پڑی۔ یہ آہٹ بڑی واضح تھی اس کی آنکھیں تاریکی میں گھور گھور کر دیکھنے لگیں۔ لیکن اسے کوئی نظر نہیں آ رہا تھا۔ ابھی وہ آگے بڑھنے کا ارادہ کر ہی رہی تھی کہ آہٹ پھر سنائی دی اور وہ بری طرح اچھل پڑی بائیں سمت کے پہاڑی ڈھلان پر اسے ایک سایہ سا دوڑتا ہوا نظر آیا۔ اور اس کی لرزتی ہوئی آواز ابھری۔

"کون ہے؟" لیکن سایہ دوسرے لمحے غائب ہو گیا تھا۔ "کون ہے۔" ایک بار پھر نیشی بارک کی آواز ابھری لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ وہ آہستہ قدموں سے اس جھونپڑی کی جانب بڑھنے لگی۔ خوف سے حلق خشک ہو رہا تھا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر وہ چاروں طرف دیکھ رہی تھی لیکن کہر نے ماحول کے ہر حصے کو چھپا رکھا تھا۔ ایک لمحے کے لیے اس نے سوچا کہ ممکن ہے وہ سایہ محض اس کا وہم ہو۔ لیکن پھر بھی احتیاط تو ضروری تھی۔ ذرا سی لاپروائی نے اختر بیگ کی جان لے لی۔ کہیں کوئی اس کا یہاں تعاقب تو نہیں کر رہا۔ معاملات کچھ ایسے ہی تھے۔ وہ پستول سنبھالے آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگی اور پھر اچانک ہی اس پر پہلا وار ہوا۔ اس بار بھی اس نے کوئی آہٹ سنی تھی کسی کو دیکھا نہیں تھا۔ لیکن سنبھلنے بھی نہیں پائی تھی کہ ایک شدید وار اس پر کیا گیا اور وہ منہ کے بل گر پڑی۔ پستول ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا۔ دوسرا وار اس کی پشت پر کیا گیا تھا وہ کراہ کر لیٹ گئی۔ اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھایا ہوا تھا، اسے یقین ہو گیا کہ حملہ آور جو بھی ہے اسے قتل کر کے دم لے گا کیونکہ جس طرح سے اس پر وار کیے گئے تھے اس میں حملہ آور کا اناڑی پن تو بے شک ظاہر ہوتا تھا اور شاید اس اناڑی پن کی وجہ سے ہی یہ وار اس کی زندگی نہیں لے سکے لیکن اسے یقین تھا کہ وہ اسے قتل کرنے کے لیے ہی وار کر رہا ہے۔ خوف اور مایوسی سے اس نے چیخنا چاہا لیکن سر پر پڑنے والی زوردار ضرب سے آواز گلے میں گھٹ کر رہ گئی۔ وہ جو کوئی تھا جنون کے عالم میں اس پر پے در پے وار کر رہا تھا۔ دھندلائی ہوئی آنکھوں سے اس نے ایک سایہ اپنے بالکل قریب دیکھا۔ عجیب دہشت ناک چہرہ تھا آہ۔ کوئی ہے یہ کون ہے پھر اچانک ہی کسی کی آواز ابھری حملہ آور رک گیا۔ لیکن اس نے بھاگتے بھاگتے بھی ایک آخری ضرب اس پر لگائی۔ اس نے نیشی بارک کو تمام احساسات سے عاری کر دیا۔

اِدھر کرنل گل نواز اور لیفٹیننٹ لشکری جب پہاڑی کی چوٹی پر پہنچے تو ہر سمت تاریکی پھیلی ہوئی تھی ریڈار اسٹیشن کے گرد تنی ہوئی خاردار تاروں کے درمیان بنے ہوئے گیٹ پر کوئی چوکیدار موجود نہیں تھا۔ کہر کی دبیز چادر کوٹھی کے گرد پھیلی ہوئی تھی وہ سنسنی خیز نگاہوں سے قرب و جوار کا جائزہ لے رہے تھے۔ تبھی لشکری کی آواز ابھری۔

"نہیں جناب یہاں کے حالات بھی بہتر دکھائی نہیں دیتے ایسا لگتا ہے جیسے یہاں کسی زندہ

انسانوں کا وجود نہ ہو۔"

کرنل گل نواز نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ تھوڑا سا اور آگے بڑھے تو انہیں یہاں پھیلی ہوئی تباہی کا مکمل اندازہ ہو گیا۔ لیبارٹری کی عمارت کے سامنے کھڑے ہوئے ٹرک اور جیپ کو اوپر سے گرنے والی چٹانوں نے اس طرح چکنا چور کر دیا تھا جیسے وہ لوہے کے نہیں کاغذ کے بنے ہوئے ہوں۔ بلندی سے گرنے والی بھاری چٹانوں کا ملبہ اور پتھروں کا ڈھیر ہر سمت پھیلا ہوا تھا۔ تجربہ گاہ کی عمارت چکنا چور ہو گئی تھی اور اس کی جگہ اب صرف ملبے کا ڈھیر تھا۔ کچھ اور آگے بڑھنے کے بعد انہوں نے دیکھا کہ ریڈار کا بھاری اور بلند ٹاور اور وائرلیس کا بلند انٹینا اس طرح مڑا تڑا پڑا تھا۔ جیسے کسی نادیدہ قوت نے غصے میں توڑ موڑ کر پھینک دیا ہو۔ ہر سمت بھاری چٹانیں بڑے بڑے پتھر اور ملبے کے انبار نظر آ رہے تھے۔ نہ کہیں روشنی کا نشان نہ زندگی کے آثار۔ وہ دونوں اس صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے آفیسر بیرک کی تقریباً شکستہ عمارت کی طرف بڑھ رہے تھے کہ اچانک قدموں کی چاپ سنائی دی۔ کوئی لنگڑاتے ہوئے آ رہا تھا اور پھر انہوں نے دھند لکے میں ایک شخص کو دیکھا جو پھٹی وردی میں آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ بری طرح زخمی اور خون آلود تھا لیکن اس نے فوجی پستول بلند کر رکھا تھا پھر اس کی آواز ابھری۔

"آہ..... شاید تمہیں ہمارا پیغام مل گیا۔"

"کون ہو تم؟"

"میں گارڈ نمبر ستائیس ہوں۔"

"باقی لوگ کہاں ہیں؟"

"کوئی نہیں ہے کچھ باقی نہیں بچا ہے۔"

"اور....."

"ایک منٹ، ایک منٹ کسی کے بارے میں کچھ مت پوچھو یہاں کوئی زندہ شخص ہے ہی نہیں جسے تلاش کرو گے۔"

"سنو..... ہمیں یہاں ایک مخصوص ٹیپ کی تلاش ہے۔ اس ٹیپ کی تلاش میں ہماری مدد کرو ہم تمہیں بھی لے چلیں گے۔"

"نہیں وہ لوگ اپنا مقصد پورا کر چکے ہیں۔"

"کون.....؟" کرنل گل نواز نے سوال کیا۔ اور گارڈ نمبر ستائیس کے چہرے پر عجیب سے آثار نظر آنے لگے۔ پھر آہستہ آہستہ وہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا پھر لیٹ گیا اس کی پشت میں ایک زہریلا تیر پیوست تھا اور اندازہ یہ ہو رہا تھا کہ وہ عقب سے پھینکا گیا ہے۔ پھر فوراً ہی آواز سنائی دی۔

"وہ ہمارے بارے میں کہہ رہا ہے۔" کرنل گل نواز نے چونک کر دیکھا۔ لشکری نے اس سے زیادہ پھرتی دکھانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن بریِن گن کی گولیوں نے اسے چھلنی کر دیا۔ کرنل گل نواز کو بریِن گن کا نشانہ نہیں بنایا گیا تھا جس نے بھی لشکری پر نشانہ لگایا تھا وہ انتہائی ماہر نشانہ باز تھا۔ کرنل کے دونوں ہاتھ بلند ہو گئے۔ اس نے سامنے کھڑے ان پانچ نقاب پوشوں کو دیکھا تھا۔ جن سب کے ہاتھوں میں بریِن گنیں تھیں۔

"ہاں۔ لیکن ہمیں ایک ایسے شخص کی تلاش ہے جو اس ٹیپ کے بارے میں ہمیں مزید تفصیلات بتا سکے اور ابھی تم اس ٹیپ کے بارے میں کہہ چکے ہو کہ تمہیں اس ٹیپ کی ضرورت تھی بہتر یہ ہے کہ زندگی بچاؤ، ورنہ ہمارا کام تو ویسے بھی چل سکتا ہے۔"

وہ آگے بڑھے اور انہوں نے کرنل گل نواز کو غیر مسلح کر دیا۔ پھر اس کے بعد وہ اسے دھکیلتے ہوئے وہاں سے باہر لے آئے اور ایک بالکل ہی نئی سمت میں اترنے لگے۔ مخدوش اور خوفناک راستے پر کرنل کو ایک لمحے کے لیے بھی موقع نہیں ملا تھا کہ وہ ان میں سے ایک کو بھی نقصان پہنچا دیتا۔ یہاں تک کہ وہ لوگ اسے لیے ہوئے نیچے پہنچے اور نیچے کرنل نے ایک طاقتور جیپ دیکھی۔ جس میں چار چار ٹائر لگے ہوئے تھے اور اس کی ساخت ذرا مختلف قسم کی تھی۔ کرنل کو اس جیپ میں بٹھایا گیا اور وہ پانچوں بھی اس جیپ میں سوار ہو گئے۔ پھر اس کے بعد وہ جیپ چل پڑی۔ وہ لوگ یا تو ان راستوں پر سفر میں بہت مہارت رکھتے تھے یا پھر کچھ خاص ہی قسم کے لوگ تھے۔ جیپ جن راستوں پر سے گزرتی جا رہی تھی وہ اس قدر دشوار گزار تھے کہ انہیں ناقابل عبور کہا جا سکتا تھا لیکن حیران کن بات یہ تھی کہ یہ سفر ختم ہونے کو نہیں آ رہا تھا۔ یہاں تک کہ ایک رات اور ایک دن گزر گیا۔ وہ لوگ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد دوبارہ چل پڑتے تھے کرنل نے ان پر نگاہ رکھی تھی لیکن ایک لمحے کے لیے بھی کرنل کو موقع نہیں ملا تھا۔ وہ نہایت مشاقی سے اپنا یہ سفر طے کر رہے تھے اور اندازہ یہ ہو رہا تھا کہ وہ جلد ہی کسی مخصوص جگہ پہنچنا چاہتے ہیں۔ کرنل نے محسوس کیا کہ اب ان لوگوں کی حالت خراب ہوتی جا رہی ہے۔ سخت موسم اور پھر بہت زیادہ جدوجہد انہیں تھکائے دے رہی تھی۔ کرنل بھی تھکا ہوا تھا بلکہ اب وہ اپنے آپ کو اس طرح ظاہر کر رہا تھا جیسے اس پر غشی طاری ہو رہی ہو۔ ان لوگوں نے اس بارے میں بات بھی کی تھی۔ کرنل اس علاقے کو پہچان رہا تھا۔ چین کے آس پاس کا علاقہ تھا۔ جانے لداخ یہاں سے کتنے فاصلے پر تھا۔ بہرحال نشانات کچھ اسی طرح کے مل رہے تھے اور صورت حال خاصی سنگین سے سنگین تر ہوتی جا رہی تھی۔ کرنل نہیں سمجھ پا رہا تھا کہ کیا کیفیت ہے۔ لیکن چار دن بعد اسے رات کو موقع مل گیا۔

اس رات شدید برف باری ہو رہی تھی اور نیم غشی کی کیفیت اصل میں ان لوگوں پر طاری تھی۔ جانے یہ دیوانے کہاں جا رہے تھے۔ پھر انہوں نے ایک بڑی سی چٹان کے سائے میں جیپ روکی اور اتر کر معمول کے مطابق کھانے پینے کا بندوبست کرنے لگے۔ یہ بہترین موقع تھا کرنل کو موقع مل گیا اور اس نے ان لوگوں پر ہاتھ کی صفائی دکھا دی۔ بریِن گن کا بٹ ان میں سے تین کو ناکارہ کرنے کا باعث بن گیا۔ لیکن باقی دو فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے البتہ ان تینوں میں سے ایک کی جیب میں کرنل کو وہ ٹیپ مل گیا تھا جس کی تلاش میں اس نے اتنی جدوجہد کی تھی۔ لیکن اب وہ اتنی دور آ گیا تھا کہ اسے صحیح راستوں کا اندازہ بھی نہیں تھا۔ تاہم اس نے ٹیپ اپنے لباس میں سینے کے قریب محفوظ کر لیا۔ وہ جو فرار ہو چکے تھے یقینی طور پر اس کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتے تھے۔ چنانچہ کرنل وہاں سے فرار ہونے کی کوشش کرتا رہا۔ پھر ساری رات وہ برف باری کے دوران دوڑتا رہا تھا اور اسے یوں محسوس ہوتا رہا تھا جیسے کچھ لوگ اس کے تعاقب میں ہوں۔ اس کی اپنی حالت بھی کافی خراب تھی اور اس خراب حالت میں اسے ایک غار کا دہانہ نظر آیا۔ وہ با دل نخواستہ غار میں داخل ہو گیا اور پھر اسے ہوش نہ رہا۔ غار کے فرش پر لیٹ کر اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور اس کے بعد یوں لگا جیسے زندگی

ہی ختم ہوگئی ہو۔ پتا نہیں کتنا وقت گزر چکا تھا۔ وہ ہوش میں آیا تو اسے اپنے بدن میں شدید نقاہت محسوس ہو رہی تھی اور اسے ایک احساس اور بھی ہوا وہ یہ کہ یہاں وہ تنہا نہیں ہے ایک لمحے کے لیے اس کے دل میں خیال آیا کہ شاید وہ گرفتار ہو چکا ہے لیکن اپنی کیفیت سے یہ احساس نہیں ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ پتھر کا بنا ہوا یہ گھر لیکن یہ گھر نہیں، ایک غار تھا جس میں وہ داخل ہو کر بے ہوش ہوا تھا اور تب اس نے ان دونوں کو دیکھا ایک انتہائی خوب صورت سی کم سن لڑکی جس کی عمر سولہ سترہ سال کے قریب تھی اور ایک بوڑھا آدمی جس کے چہرے کے نقوش کرنل کو بالکل اجنبی محسوس ہوئے تھے۔ یہ نہ چینی باشندے تھے نہ جاپانی۔ ان کی قومیت کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ ان کی آنکھوں میں ایک وحشت آمیز معصومیت تھی۔ وہ ہمدردانہ نگاہوں سے کرنل کو دیکھ رہے تھے۔ دفعتاً ہی کرنل کو کچھ احساس ہوا اور اس نے اپنی کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا لیکن وہ صرف وقت نہیں دیکھ رہا تھا بلکہ اس میں تاریخ بھی تھی اور اس نے دیکھا چار دن گزر گئے تھے۔ یہ کیا ہوا کیا وہ چار دن تک بے ہوش رہا ہے۔ اپنی کیفیت سے اسے یہی احساس ہوتا تھا۔ اسی وقت مرد آگے بڑھا اس نے اپنے لباس سے ایک عجیب سی چیز نکالی اور پھر اسے اپنی ہتھیلی پر مسل کر اس نے کرنل کو منہ کھولنے کا اشارہ کیا کرنل کچھ نہیں سمجھ سکا تھا لیکن آخر کار اس نے منہ کھول دیا اور وہ شخص اس گھاس نما چیز کے رس کے قطرے کرنل کے منہ میں ٹپکانے لگا۔ عجیب بدمزہ سی چیز تھی لیکن نہ جانے وہ شخص کیا کرنا چاہتا تھا۔ کرنل خود ایک عجیب سی کیفیت محسوس کر رہا تھا۔ یہ قطرے اس کے حلق سے نیچے اتر گئے اور وہ ان کی کڑواہٹ محسوس کرتا رہا لیکن اتنے حیرت انگیز اثرات بھی اس نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے اسے محسوس ہوا جیسے اس کے جسم کی کھوئی ہوئی توانائی بحال ہوتی جا رہی ہوں اور پھر اس کا دل اندر سے کسی خوش کن احساس کے ساتھ دھڑک اٹھا۔ ٹیپ اس کے لباس میں موجود تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ لوگ اس تک نہیں پہنچ سکے ہیں۔ لیکن یہ...... یہ کون ہیں؟! ایک بار پھر کرنل کی نگاہ اس لڑکی کی طرف اٹھ گئی۔ اتنی حسین لڑکیاں بہت کم دیکھنے کو ملتی ہیں لیکن ایسا لگتا تھا جیسے وہ یہاں بہت بگڑے ہوئے حالات میں موجود ہوں۔ ان کے جسم کا لباس بھی عجیب تھا ڈھیلا ڈھالا اور غالباً کسی چمک دار کھال سے بنا ہوا۔ لیکن کرنل نے جب اس پر غور کیا تو یہ دیکھ کر اسے حیرت ہوئی کہ وہ مچھلی کی کھال کا بنا ہوا لباس تھا۔ یہ ایک مضحکہ خیز تصور تھا۔ لیکن کرنل کی جہاں دیدہ نگاہوں نے اچھی طرح پہچان لیا کہ وہ دونوں مچھلی کی کھال کا لباس پہنے ہوئے ہیں۔ یہ کون ہیں اور کہاں کے باشندے ہیں۔ آخر کار جب کرنل کی توانائیاں بحال ہوگئیں تو اس نے یہ سوال ان سے کر ہی ڈالا۔ کرنل کی آواز پر چونک کر انہوں نے اسے دیکھا۔ پھر ایک دوسرے کی صورت دیکھتے رہے۔ صاف ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ کرنل کے الفاظ کو سمجھ نہیں سکے ہیں۔ کرنل نے پھر ان سے کچھ سوالات کیے لیکن ان کی وہی کیفیت ہوئی۔ اجنبی نقوش، اجنبی انداز، اجنبی لباس لگتا ہی نہیں تھا کہ ان کا تعلق آس پاس کے کسی علاقے سے ہے۔ ایک فوجی ہونے کی حیثیت سے کرنل کو چین، جاپان، انڈونیشیا، برما، تھائی لینڈ اور آس پاس کے دوسرے تمام علاقوں کے بارے میں خاصی معلومات حاصل تھیں۔ وہاں کے لوگوں کے نقوش اور ان کے رہن سہن کے انداز ساری چیزیں اس کے علم میں تھیں لیکن ان دونوں کے بارے میں وہ فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا کہ ان کا تعلق کون سے علاقے سے ہو سکتا ہے۔ بہر حال وہ انہیں دیکھتا اور ان پر غور کرتا رہا۔ لڑکی کا حسن ایک ایسی بے مثال کیفیت کا حامل تھا کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ اشاروں کی زبان میں

کرنل نے ان سے ان کے نام پوچھے۔ اپنا نام بتایا تو بہ مشکل تمام لڑکی کے منہ سے انتہائی نرم باریک اور حسین آواز ابھری۔

''سا...... بی تا......'' یہ کہہ کر اس نے اپنے سینے پر انگلی رکھی تھی۔ ''سبیتا'' کرنل گل نواز نے مسکراتے ہوئے کہا اور لڑکی زور زور سے گردن ہلانے لگی۔

''اور یہ۔''

''گر...... شک۔'' لڑکی نے ہی کہا اور بوڑھا آدمی زور زور سے گردن ہلانے لگا۔ اس طرح کرنل کو صرف ان کے نام معلوم ہو سکے۔ باقی اور کچھ ان کے بارے میں نہیں پتا چل سکا۔ لاکھ اس نے ان سے ان کے علاقے کے بارے میں پوچھا لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا بہر حال کرنل گل نواز کو یہ دونوں بڑے عجیب لگے تھے لیکن اس وقت وہ خود نامعلوم مصیبتوں میں گھرا ہوا تھا۔ ڈاکٹر احسان جو ریڈار اسٹیشن پر اپنے فرائض سر انجام دے رہے تھے۔ موت کا شکار ہو گئے تھے وہ ٹیپ البتہ کرنل نے اپنے پاس محفوظ کر لیا تھا جو انتہائی اہم نوعیت کا حامل تھا۔ بے چارہ لشکری زندگی کی بازی ہار چکا تھا۔ باقی سارے کردار بھی منتشر ہو گئے تھے۔ لیکن یہ سب راستے میں آ جانے والے لوگ تھے اصل مقصد جو تھا وہ پورا ہو گیا تھا۔ کاش! وہ کسی بھی طرح ڈاکٹر احسان کی زندگی بچانے میں کامیاب ہو جاتا۔ لیکن، زلزلہ تو خیر قدرتی آفت تھی البتہ سرحد کے اس علاقے میں جو غیر محفوظ بھی تھا اور یہاں جو کچھ ہو رہا تھا اس کے بارے میں تفصیلی رپورٹ حکومت کو فراہم کرنا کرنل کا کام تھا۔ وہ سب سے زیادہ ذمے داری یہی محسوس کر رہا تھا۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو سکے۔ وہ اپنے ہیڈ کوارٹر واپس پہنچ جائے اور ساری رپورٹ پیش کر دے۔ لیکن مصیبت یہ تھی کہ اب یہاں سے ذریعہ سفر بھی کوئی نہیں تھا اور باقی سارے معاملات بھی پریشان کن تھے۔ ایسی حالت میں کرنل کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ پھر دو دن کے بعد بہتر موسم ہو گیا سورج بادلوں کی اوٹ سے نکل آیا تو باہر کی فضا بھی خوشگوار ہو گئی۔ کرنل ان دونوں کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اب ان کا کیا کرنا ہے۔ پھر اس نے اشاروں ہی کی زبان میں انہیں اپنے ساتھ چلنے کی پیشکش کی تو دونوں خوشی سے تیار ہو گئے اور کرنل انہیں ساتھ لے کر باہر نکل آیا۔ ایک سے دو اور دو سے تین بھلے ہوتے ہیں حالانکہ ذمے داری بڑھ جاتی ہے لیکن انسان کو انسان کا ساتھ عزیز ہوتا ہے اور کچھ نہیں تو کم از کم راستے میں اشاروں کی زبان ہی استعمال کی جا سکے گی۔ کافی فاصلہ طے کیا اور پھر نہ جانے کتنا فاصلہ رہ گیا تھا کہ اچانک ایک چمک دار دوپہر کو کرنل کو شکاری کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنائی دیں اور وہ ہوشیار ہو گیا۔ اس وقت وہ کسی قدر بلندی پر تھا اور گہرائیوں میں اسے کتے اور فوجی نظر آ رہے تھے۔ ان فوجیوں کے لباس سے اس نے اندازہ لگا لیا کہ دشمن کے فوجی ہیں۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کیا جائے، بھاگنے کے سوا اور کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ لیکن شکاری کتے شاید ان کی بو پا چکے تھے کرنل نے گہری نگاہوں سے ان کا جائزہ لیا۔ یہ صورت حال ایسی تھی کہ اب بچت کا کوئی ذریعہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ تقریباً دس گیارہ شکاری کتے تھے اور ان کے پیچھے کوئی بیس پچیس افراد کی ٹولی، سارے کے سارے مسلح تھے۔ ان حالات میں لگتا تھا کہ بس تھوڑی دیر جاتی ہے کہ کتے آ کر انہیں دبوچ لیں گے بلندیاں تھوڑی دور جانے کے بعد پستی میں چلی جاتی تھیں اور پھر آگے جا کر ایک بلند پہاڑی سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔

تقدیر جب کسی کی مدد کرنا چاہتی ہے تو خود بہ خود سامان پیدا ہو جاتے ہیں اچانک ہی گولیاں چلنے کی آوازیں سنائی دیں اور انسانی چیخیں بلند ہوئیں۔ کتے جو بھونک رہے تھے یک بہ یک خاموش ہوگئے تھے۔ کرنل گل نواز نے پلٹ کر دیکھا۔ چھ سات کتے برف پر تڑپ رہے تھے اور باقی زنجیریں چھڑا کر بھاگ گئے تھے۔ البتہ وہ فوجی جوان ادھر ادھر بھاگ کر مورچے تلاش کر رہے تھے اوپر سے گولیاں ان پر نہیں برسائی گئی تھیں صرف کتے ہلاک کیے گئے تھے اس طرح کم از کم کتوں سے تو نجات مل گئی لیکن اپنی مورچہ بندی کرنے کے بعد فوجیوں نے فائرنگ شروع کردی لیکن جواب میں کوئی فائرنگ نہیں ہوئی تھی۔ کرنل گل نواز کو کچھ افراد نظر آرہے تھے اور پھر ان کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہ ہاتھ کے اشارے سے چیخ چیخ کر کرنل کو اپنی طرف آنے کے لیے کہہ رہے تھے ان کی آوازوں اور تھوڑی دیر بعد ان کے چہروں سے یہ اندازہ ہوگیا کہ وہ چینی فوج کے جوان ہیں یہ ایک خوش آئند بات تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد کرنل گل نواز ان کے پاس پہنچ گیا جو بلندی پر تھے۔ ان میں سے ایک چینی فوجی افسر نے اردو میں بات کرتے ہوئے کہا۔

"ہم تمہیں دیکھے۔ ہم ان کو روکے، کتے مارے، آپ کون ہے۔" کرنل نے اپنا تعارف کرایا اور اسے نہایت عزت اور احترام کے ساتھ اس کے دونوں ساتھیوں سمیت وہاں سے لے جایا گیا۔ پھر اس کے بعد ساری مشکلیں خود بہ خود حل ہوگئیں۔ چین ایک بہترین دوست تھا۔ تمام تر انتظامات کے بعد کرنل کو عزت و حفاظت کے ساتھ وطن واپس بھجوا رہا تھا۔ ڈاکٹر احسان کا ٹیپ اس نے اعلیٰ حکام کے حوالے کردیا اور یہ دونوں افراد یعنی سیتا اور گرشک اس کے حساب میں رجسٹر ہوگئے۔ لیکن ایسے کام اس کے لیے بڑے دلچسپ تھے۔ یہ دونوں اس کے اہل خاندان کے لیے کھلونا بن گئے تھے لیکن ایک حیرت ناک بات تھی کہ ان کی قومیت یا ان کی زبان کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہوسکا۔ کرنل نے اپنی فوجی زندگی سے ریٹائرمنٹ کے بعد ان پر تحقیق شروع کردی تھی۔ ویسے بھی ٹیپ کا حصول کرنل کا آخری کارنامہ تھا اس کے بعد وہ گوشہ نشین ہوگیا تھا۔ ان لوگوں کی زبان اور ان کے انداز کو اس نے باقاعدہ کیمرے سے ریکارڈ کیا اور پھر اپنے شناساؤں سے ان کے بارے میں تمام تر تفصیلات معلوم کرنا چاہیں۔ بہت سے لوگوں نے ان سے ملاقات بھی کی۔ لیکن آج تک یہ پتا نہیں چل سکا کہ وہ دونوں کون تھے کہاں کے باشندے تھے۔

لڑکی سیتا اور گرشک دوسرے لوگوں سے گھل مل نہیں سکے۔ وہ بالکل اسی طرح الگ تھلگ ایک دیوار کی طرف منہ کیے بیٹھے رہتے تھے جیسے انہیں ان لوگوں سے خوف محسوس ہوتا ہو۔ ان کی اس سہمی سہمی کیفیت کو دیکھ کر کرنل نے یہ فیصلہ کیا کہ انہیں اپنی کوٹھی کے اس پرانے حصے میں آباد کردیا جائے جو بالکل ٹھیک ٹھاک حالت میں تھا۔ کرنل نے محسوس کیا کہ دونوں تنہائی میں آکر بہت خوش رہنے لگے ہیں۔ چنانچہ اس نے انہیں اسی طرح چھوڑ دیا البتہ ایک بات اس نے محسوس کی تھی کہ جب بھی کبھی بارش ہوتی ہے یا بادل گرجتے ہیں تو وہ دونوں کسی ایسے خیال میں کھو جاتے ہیں جو ناقابل فہم ہو۔ بہرحال اس کے بعد کرنل کی اپنی زندگی کے مشاغل شروع ہوگئے۔ وہ فطرتاً بھی فوجی تھا ایڈونچر پسند، ساری زندگی ایڈونچر میں گزری تھی۔ دنیا کے مختلف ملکوں میں اسے مختلف مشنوں پر بھیجا جاچکا تھا اور وہ اپنے مشن پوری خوش اسلوبی سے پورے کر کے واپس آیا تھا۔ ایک کمانڈو کی حیثیت سے اس کا اپنا ایک الگ مقام تھا۔ حکومت نے اس سے بانڈ بھروالیا تھا کہ جب کوئی

ایسا مسئلہ ہوا جو صرف اس کی ضرورت محسوس کرتا ہو تو اسے طلب کرلیا جائے گا۔ بہت سے ملکی اور غیر ملکی دوستوں سے رابطے ہوئے۔ جن میں مہماتی زندگی کے دوران ملاقاتیں ہوئی تھیں، ان میں بڑے بڑے مہم جو بھی شامل تھے۔ ان کی مہماتی داستانیں کرنل کو بہت پسند آئی تھیں۔ کئی ایسے نام تھے جن سے ان کی گہری شناسائی تھی اب ریٹائرمنٹ کی زندگی گزارنے کے لیے اس نے ان سے رابطے بڑھا دیے تھے اور یہ طے کیا تھا کہ بہت جلد وہ ملاقات کریں گے۔ اس وقت بھی جب بارش ہو رہی تھی اور کرنل نے اپنے مخصوص انداز میں سیتا اور گرشک کو باہر دیکھا تھا۔ وہ دونوں کرنل کے لیے بدستور معمہ بنے ہوئے تھے۔

♡......♡......♡
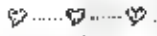
حاجی الیاس جیسے فرشتہ صفت لوگ بہت کم ہوتے ہیں کاروباری آدمی تھے۔ اچھے خاندان اور اچھی حیثیت کے مالک۔ کامران کو انہوں نے اس طرح اپنے پروں کی چھاؤں میں لے لیا تھا کہ کسی طرح کی ہوا نہیں لگنے دے رہے تھے۔ ساری صورت حال ان کے علم میں آگئی تھی۔ بس وہ کامران سے یہی کہتے کہ بیٹا! نماز پڑھو۔ اللہ سے اپنے لیے صبر مانگو۔ فیصلے کرنے والی ذات اسی کی ہے اور اس کے کیے ہوئے فیصلے ہر طرح سے مقدس اور محترم ہوتے ہیں۔ تم دیکھ لینا کہ وقت کیا کہے گا اور وقت نے جو کچھ کہا وہ کامران کے علم میں بھی آگیا۔ اس کے بہنوئی کو نازیہ کے قتل کے الزام میں گرفتار کرلیا گیا تھا اور اس پر مقدمہ قائم ہوگیا۔ کامران کو بھی اس سلسلے میں خاصی بھاگ دوڑ کرنی پڑی تھی۔ اس نے بہنوئی کے خلاف تمام تفصیلی بیانات دیے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے بہنوئی کو سزائے موت ہوگئی۔ ہر طرح سے صلح کی کوشش کی گئی لیکن کامران نے اپنی بہن کا سودا کرنا قبول نہیں کیا اور پھر جب تک اس نے اپنی آنکھوں سے اپنے بہنوئی کو اور اپنی بہن کے قاتل کو تختہ دار پر لٹکتے ہوئے نہ دیکھ لیا اسے سکون حاصل نہ ہوا۔ لیکن سکون تو اس کے بعد بھی اسے حاصل نہیں ہوا۔ ایک عجیب سی بیزاری اس پر مسلط تھی۔ تب حاجی الیاس نے کہا۔

"کامران! اگر تم مناسب سمجھو۔ تو یہ شہر چھوڑ دو۔ میں تمہیں ایک ایسی جگہ بھیج رہا ہوں۔ جہاں تمہاری ملازمت کا بھی بندوبست ہو جائے گا اور زندگی گزارنے کے راستے بھی مل جائیں گے۔" کامران کی آنکھیں آنسوؤں میں تر ہوگئیں۔

"کیا زندگی ہے میری حاجی صاحب! آپ یقین کریں کہ یہ بات پہلے مجھ پر واضح نہیں ہوئی تھی کہ ہر انسان کو جینے کے لیے کیا درکار ہوتا ہے کوئی مقصد ہوتا ہے زندگی کا اور جو لوگ بے مقصد زندگی گزارتے ہیں وہ اصل میں بیکار لوگ ہوتے ہیں۔ انہیں زندہ نہیں رہنا چاہیے۔"

"بیٹے! مذہبی تعلیمات انسان کے لیے بڑی ضروری ہوتی ہیں مذہبی کتابوں کا مطالعہ کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ ان میں بتاتا ہے کہ تمہاری زندگی کے لیے کیا مناسب ہے اور کیا غیر مناسب۔ یہ سوال جو تمہارے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں ان کے جواب تمہیں مذہب کے مطالعے سے ہی ملیں گے۔ حاجی صاحب نے خود ہی اسے ایسی کتابیں فراہم کیں اور اس کی زندگی اعتدال پر آتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ وہ اپنے ماحول اپنے حال اور اپنے مستقبل سے مطمئن ہوگیا جب سارے عمل ذات باری کی طرف سے ہوتے ہیں تو پھر انسان خود اپنے راستے کیسے متعین کرے۔ حاجی صاحب نے جب اسے پرسکون پایا تو انہوں نے اسے تفصیل سے بتاتے

ہوئے کہا۔

''کرنل گل نواز میرے خالہ زاد بھائی بھی ہیں اور میرے گہرے دوست بھی۔ ہمارے اور ان کے راستے بالکل مختلف تھے وہ ایک فوجی اور میں ایک کاروباری، لیکن ہمارے درمیان بڑا پیار تھا۔ اب ریٹائر ہو گئے ہیں مگر فطرت وہی فوجیوں کی ہے ظاہر ہے ایک فوجی کبھی اپنی فطرت کو نہیں بدل سکتا۔ تم ان کے پاس چلے جاؤ میں ان سے بات کیے لیتا ہوں۔''

''لیکن میں وہاں جا کر کیا کروں گا حاجی صاحب؟''

''فوج سے ریٹائر ہونے کے بعد زندگی گزارنے کے لیے مشاغل درکار تھے ویسے بھی بال بچوں والے ہیں۔ شاہنواز ان کا بیٹا ہے۔ ایک بہت بڑی فیکٹری بنائی ہے انہوں نے جہاں فوج کے لیے وردیاں تیار کی جاتی ہیں اور بہت سے فوجی ضروریات کے کام ہوتے ہیں وہ فیکٹری ان کا بیٹا چلا رہا ہے بس وہ کہیں نہ کہیں تم کو اس میں داخل کر دیں گے۔''

''زبردستی حاجی صاحب۔'' کامران نے ہنستے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب؟''

''نہیں میرا مطلب ہے۔ مجھے کون سی جگہ دلوائی جائے گی؟''

''بیٹا! بات اصل میں یہ ہے کہ ہم پرانے لوگ جو ہیں نا وہ رشتوں کی بڑی قدر کرتے ہیں۔ نئی نسل کی بات تم چھوڑ دو۔ نئی نسل تو رشتے مانتی ہی نہیں ہے۔ لیکن ہمارے ہاں بیٹے رشتوں کی اقدار بڑی مضبوط اور مستحکم ہوا کرتی ہیں اور ہم اب بھی اس استحکام کے ساتھ چل رہے ہیں۔ تم جاؤ تو سہی میں اطلاع کیے دیتا ہوں۔'' کامران تیار ہو گیا تھا ویسے بھی یہ شہر یادوں کا شہر تھا اور یادوں کے اس شہر کو وہ چھوڑنا چاہتا تھا چنانچہ بہ ذریعہ ٹرین چل پڑا۔ حاجی صاحب نے کہا تھا کہ وہاں اس کی پذیرائی ہوگی، سارا پتا سمجھا دیا تھا۔ شاہنواز کے بارے میں بھی بتا دیا تھا اور اس گھر کے تھوڑے بہت حالات بھی۔ کامران جب ریلوے اسٹیشن پر اترا تو ایک خوبصورت سے نوجوان نے جو بلند و بالا قد و قامت کا مالک تھا آگے بڑھ کر اس کا استقبال کرتے ہوئے کہا۔

''خوب صورت، بلند و بالا قد، سفید دودھیا چہرہ، بڑی بڑی دل کش آنکھیں، خوش لباس، خوش قامت ایسے ہی کسی شخص کا نام کامران ہو سکتا ہے۔ کیونکہ زندگی کی کامرانیاں ایسے ہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہیں تو جناب کامران صاحب! آپ کے علاوہ کوئی کامران ہو ہی نہیں سکتا اور میرے علاوہ کوئی شاہنواز بھی نہیں ہو سکتا مجھ سے۔ ہاتھ نہیں ملائیے بلکہ گلے ملیے۔ معافی چاہتا ہوں! اصل میں خوب صورتی کا پرستار ہوں۔ حاجی الیاس صاحب نے یعنی میرے تایا جان نے مجھے خاص طور سے ہدایت کی تھی کہ آپ کو لینے اسٹیشن بھی آؤں اور آپ سے پیار و محبت کا اظہار بھی کروں۔ لیکن آپ یقین کریں یہ ان کی سفارش نہیں چل رہی بلکہ میری ذاتی پسند چل رہی ہے۔ آئیے دوست بن جائیے۔'' کامران نے حیرت اور اچنبھے سے اس حسین نوجوان کو دیکھا۔ کہاں ہوتا ہے اس دور میں یہ سب کچھ یہ تو صرف اجنبی اور کتابی باتیں ہیں۔ لیکن بہر حال کتاب سب سے بڑی حقیقت ہوتی ہے۔ جو کچھ اس میں لکھا ہوتا ہے اس کا وجود ہوتا ہے اگر اس کا وجود نہ ہو تو یہ احساس کسی کے دماغ تک نہ پہنچے۔ بہر حال ایک عجیب و غریب ماحول ایک عجیب و غریب زندگی گزارے گی

اور ماضی سے بالکل مختلف۔ کامران کے غموں کا مداوا کرنے کے لیے حاجی الیاس صاحب نے کچھ ایسے نفسیاتی گر استعمال کیے تھے کہ کامران پہلے ہی کافی حد تک درست ہو گیا تھا۔ لیکن اب نئے نئے کردار ملے تھے یہ نوجوان لڑکا جس کا نام شاہنواز تھا۔ بے مثال شخصیت کا مالک تھا۔ اعلا درجے کی ایک کار میں سفر کرتے ہوئے انہوں نے اتنے مراحل طے کر لیے کہ جب کار اس عالی شان کوٹھی میں داخل ہوئی۔ تو بات آپ سے تم تک آ گئی تھی۔ شاہنواز کہنے لگا۔

''دیکھو بھائی بات اصل میں یہ ہے کہ کچھ لوگ مجھ جیسے بے حیا ہوا کرتے ہیں جو لمحوں میں صدیوں کی مسافت طے کر لیا کرتے ہیں۔''

''کیا ایسے لوگوں کو بے حیا کہتے ہیں؟'' کامران نے سوال کیا اور شاہنواز ہنس پڑا پھر بولا۔

''ایک ہی سوال میں چت کر دیا مجھے۔ مانتا ہوں بھائی مانتا ہوں۔ بہر حال ایک بات اور کہوں۔ یہ جو اپنے تایا جان ہیں نا۔ یعنی حاجی الیاس صاحب! بڑے نفیس آدمی ہیں پتا نہیں آپ کے ساتھ کیا سلوک رہا۔ لیکن یہ وہ ہیں جن سے کرنل صاحب بھی ڈرتے ہیں۔''

''کیوں؟''

''یار! بس ہاتھا پائی پر اتر آتے ہیں ہتھ چھٹ آدمی ہیں اور زبان چھٹ بھی۔''

''حیرت کی بات ہے۔ میرے ساتھ تو ان کا رویہ کبھی ایسا نہیں رہا۔''

''ضرورت سے زیادہ ہی خیال کر گئے ہوں گے۔ دیکھ لینا کبھی کبھی آ جاتے ہیں یہاں۔ جو ہنگامہ کرتے ہیں وہ دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ کرنل صاحب نے پوری فوج کو کنٹرول کیا ہے لیکن حاجی الیاس صاحب بس خدا ان کو زندہ سلامت رکھے۔ آئیے ذرا اپنی قیام گاہ دیکھ لیجیے۔''

''اوہو۔ میرے لیے قیام گاہ کا بندوبست بھی ہو گیا۔''

''جی جی تشریف لائیے۔'' عمارت ویسے بھی خوب صورت تھی اور کرنل صاحب کے ذوق کا اظہار کرتی تھی۔ یہ کوٹھی بڑی محبت سے تعمیر کی گئی تھی اور اس کے ایک حصے میں جو کوٹھی کی دیوار سے بالکل الگ تھلگ ہٹ کر تھا۔ اسی میں کامران کے لیے بندوبست کیا گیا تھا بہت ہی خوبصورت جگہ تھی جسے اعلا درجے کے فرنیچر سے آراستہ کیا گیا تھا۔

''یہ آپ کی اپنی آرام گاہ ہے۔''

''یہ......؟'' کامران حیرت سے بولا۔

''کیوں؟''

''نہیں میرا مطلب ہے شاہنواز! میں یہاں ملازمت کرنے آیا ہوں۔ اول تو مجھے اپنے لیے ایسی جگہ تلاش کرنی چاہیے جہاں میں اپنی اوقات کے مطابق گزارا کر سکوں۔ یا پھر اگر تم لوگ مجھے بہت ہی زیادہ عزت دینا چاہتے ہو تو خدارا ملازموں کے کسی کوارٹر میں ایک چھوٹی سی جگہ دے دو۔ میں وہاں سکون سے رہوں گا۔ یہاں میں عجیب سے احساس کا شکار رہوں گا۔''

''دیکھو کامران! اپنے آپ سے آگاہ رہنا بہت اچھی بات ہے لیکن تم ابھی نہیں جانتے کم از کم

اتنا تو موقع دو کہ تم ہمیں سمجھ۔ اگر اسکے بعد تم یہ محسوس کرو کہ ہم اس معیار کے لوگ نہیں ہیں جس معیار کا بننے کی کوشش کرتے ہیں تو کوئی اتنا مشکل کام نہیں ہوگا جب چاہو ہم سے کنارہ کشی اختیار کر لینا۔ لیکن ابھی تو ایسے کم از کم نہ کرو۔"

"ٹھیک ہے مجھے شرمندہ کرنا چاہتے ہو۔ تو کوئی بات نہیں ہے۔" کامران نے کہا۔

"تو پھر بس یہاں آرام کرو ویسے تو ایک بار پھر میں تم سے کہوں۔ تایا جان کے حکم کی تعمیل کے لیے حاضر ہوا تھا۔ لیکن اب بات میری ذاتی پسند تک چلی گئی ہے اگر قبول کرو تو مجھے اپنے دوستوں میں شمار کر لو۔ جیسا کہ میں نے ریلوے اسٹیشن پر پیشکش کی تھی۔"

"یہ میری خوش نصیبی ہے شاہنواز! اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"بس تو اس خوش نصیبی کو قبول تو کر لو یار۔" کامران ہنس کر خاموش ہو گیا بہر حال بڑی عجیب سی کیفیت کا شکار تھا وہ۔ چنانچہ وہ وہاں منتقل ہو گیا اور تھوڑی دیر کے بعد ایک عمر رسیدہ شخص وہاں پہنچ گیا۔

"میرا نام رمضان علی ہے۔ شاید رمضان کے مہینے پیدا ہوا تھا سیدھے سادھے لوگ پہلے اسی طرح کے نام رکھ لیا کرتے تھے۔ میں ملازم ہوں اور مجھے ہدایت کی گئی کہ آپ کی ضروریات کا خیال رکھوں۔ باہر ہوتا ہوں سامنے انتظامات یہاں ہیں۔ کوئی ضرورت ہو تو مجھے آواز دے دیا کریں۔ چائے لے کر آؤں۔" کامران کوئی جواب نہیں دے سکا۔ یہ تو ایک جادو نگری معلوم ہوتی تھی۔ اس جادو نگر میں وہ جیسے جاگتے کا کردار بن گیا تھا اور سوچ رہا تھا کہ الف لیلہ کے ابوالحسن کے جو واقعات پیش آئے تھے کچھ اسی طرح کی کہانی اس کے ساتھ دہرائی جا رہی تھی۔ بہر حال بات صرف اتنی تھی کہ وہ کہانی کتابوں میں پوشیدہ تھی اور یہاں یہ سب کچھ نمایاں طور پر ہو رہا تھا۔ پھر سب سے اہم کردار کرنل گل نواز کا تھا اور ساری باتیں حیرتوں سے پر تھیں۔ گل نواز تنہا تھے ان کی قیام گاہ تک پہنچے تھے اور ایک فوجی کی شناخت مشکل نہیں ہوتی۔ عمر بے شک خاصی تھی لیکن جسمانی موزونیت اور رکھ رکھاؤ کے انداز سے صاف پتا چل جاتا تھا کہ فوجی ہیں کرنل صاحب نے بھی ذرا متحیرانہ انداز میں کامران کو دیکھا تھا۔

"تم تنہا کامران ہو۔"

"جی سر!" کامران نے نیاز مندی سے کہا۔

"بھئی خوب ہو۔ یعنی کمال ہو گیا۔ یہ حاجی صاحب کو اتنا سلیقہ کہاں سے پیدا ہو گیا۔" کامران نے نگاہیں اٹھا کر انہیں دیکھا تو وہ ہنس پڑے اور بولے۔

"حاجی صاحب تو بہت رف آدمی ہیں گالی گلوچ کے رسیا۔ تم کہاں سے مل گئے بھئی انہیں۔ چلو خیر میرا نام گل نواز ہے۔ فوج میں رہا ہوں۔ مزاج بھی ذرا فوجی قسم کا ہو گیا ہے۔ اول تو میرا تم سے واسطہ بہت کم رہے گا لیکن رہے تو بھی تو ایک بات کا خیال رکھنا کہ میری زبان سے اگر کوئی غلط لفظ نکل جائے تو اسے اپنی یادداشت میں درج نہ کرنا۔ حاجی الیاس ہی کا کزن ہوں۔ تھوڑا سا برا بولنے کی عادت ہے۔ برداشت کر لینا۔ حاجی صاحب نے ملازمت کے لیے کہا ہے اور ساتھ میں یہ بھی ہدایت کی ہے کہ بچہ میرا اپنا ہے ملازم مت سمجھنا اسے، ورنہ ایسی تیسی کر کے رکھ دوں گا بھائی؛ ہم ایسی تیسی کروانا نہیں چاہتے۔ ہم تو خیر تمہیں ملازم سمجھیں گے بھی نہیں۔ ہماری مجال، ہماری ہمت لیکن تم خود بھی اپنے آپ کو ملازم مت سمجھنا۔ فیکٹری سے وہاں پروڈکشن کنٹرولر کی ضرورت ہے فوجی کا کام ہوتا ہے اور یہ مت سمجھنا کہ فوجی وردیوں کی سپلائی یا فوجی ساز و سامان کی فراہمی کا ٹھیکہ ہمیں کسی سفارش پر مل گیا ہے۔ قسم لے لو ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ انہوں نے صرف ہمارے اوپر بھروسا کیا ہے اور یہ سوچا ہے کہ ایک فوجی ہی فوج کی ضروریات کو سمجھ سکتا ہے۔ اس طرح ہمیں یہ ذمے داری سونپی گئی ہے۔ پروڈکشن کنٹرولر کا کام یہ ہے کہ جتنا آرڈر سپلائی کرنا ہو اس کی سپلائی کے لیے وقت، کوالٹی اور ایمان داری کو تعین فوجی پیمانے پر ہی کرنا ہوگا۔ ورنہ جان من کورٹ مارشل ہو جائے گا کیا سمجھے۔" کامران کو اس جادو نگری میں ایک اور محبت کے جادوگر کا قرب حاصل ہوا تھا۔ اس نے نیاز مندی سے گردن خم کر کے کہا۔

"آپ مجھے اپنی ذمے داریوں میں مستعد پائیں گے جناب!"

"بھائی! بات سنو۔ دیکھو مجھے جناب، جناب عالی، یا سر کہنا برا بے شک نہیں لگتا۔ لیکن اس میں اپنائیت ذرا کم ہو جاتی ہے۔ اصل میں ہمارے حاجی صاحب جو ہیں نا۔ بڑے پیارے ہیں ہمیں۔ بہت ہی معصوم سی شخصیت کے مالک ہیں لیکن جب یہ معصومیت ان سے تھوڑی بہت دیر کے لیے رخصت ہوتی ہے اس وقت سمجھ لو منہ سے والے کی شامت آ جاتی ہے۔ ہم موقع نہیں دیتے انہیں کہ ان کی معصومیت ان سے رخصت ہو۔ خیر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تم مجھے انکل کہو گے تو مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ یہاں کوئی تکلیف مت اٹھانا۔ تمہارے سپرد جو ذمے داری کر دی گئی ہے بس ادھر سے ذرا ہمیں مطمئن کر دینا۔ باقی سب خیریت ہے۔ گھر تمہارا ہے گھر والے تمہارے ہیں سب سے گھل مل کر رہو۔ کوئی تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ او کے۔"

"جی انکل۔"

"واہ..... فوجی ہی لگتے ہو پورے خیر، بھیجا تو تمہیں حاجی صاحب نے ہے۔ لیکن یقین کرو تم میری ذاتی پسند بھی بن گئے ہو۔ اچھا میں چلتا ہوں۔ یہ رمضان بابا جو ہیں نا بس یوں سمجھ لو ہمارے گھر کی کریم ہیں ہم نے یہ کریم تمہیں دے دی ہے یاد کرو گے۔" کامران واقعی یہ سوچ رہا تھا کہ پتا نہیں زندگی میں کبھی کوئی نیکی کی تھی۔ جس کے صلے میں اتنے اچھے لوگ مل گئے۔ خدا کرے یہ اچھے ہی رہیں۔" جس جگہ اس کے قیام کا بندوبست کیا گیا تھا، وہ کمال کی جگہ تھی بڑا سا بیڈ روم اسکے علاوہ دو اور کمرے۔ کوٹھی انتہائی وسیع تھی۔ صدر گیٹ سے لے کر پورچ تک ایک خوبصورت روش بنی ہوئی تھی۔ جس کے درمیان پکی سڑک گاڑی آنے جانے کے لیے تھی اور دونوں طرف بارہ بارہ فٹ کی لمبائی میں بجری بچھی ہوئی تھی بائیں طرف ایک وسیع و عریض لان تھا۔ دائیں سمت بھی پکی جگہ بنا ہوا پارکنگ کے لیے تھی۔ اس کے اختتام پر ایک اور عمارت تھی۔ جس میں بہت سے کوارٹر تھے جو کوٹھی کے عقبی حصے میں بنے ہوئے تھے درمیان میں ایک وسیع و عریض عمارت تھی جو سہ منزلہ تھی اور یہ مکینوں کے رہنے کی جگہ تھی۔ ماحول میں ایک وقار تھا اندازہ یہ ہو رہا تھا کہ بہت بڑے لوگ ہیں۔ کرنل صاحب صرف فوجی ملازمت سے یہ سارے عیش و عشرت کے سامان نہیں بنا سکتے تھے بلکہ یقینی طور پر اسکا ایک بیک گراؤنڈ ہوگا۔ کامران حاجی صاحب کا بھی احسان مند تھا اور قدرت کا بھی شکر گزار تھا جس نے اسے سڑکوں پر ٹھوکریں کھانے کے لیے نہیں چھوڑا تھا اور عین وقت پر حاجی صاحب نے

اسے قاتل بننے سے بچالیا تھا۔ ماضی کو گہرائیوں میں دفن کر دینا ہی مناسب تھا۔ جو جا چکا تھا وہ واپس نہیں آسکتا تھا۔ اس نے اپنا ماضی قدرت کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا۔ پھر رمضان بابا چائے بنا کر لے آئے۔ کہنے لگے۔

"بیٹے! میں نے آپ سے چائے کے بارے میں پوچھا نہیں ہے۔ اصل میں اس دور میں چائے نوجوانوں کی بہترین پسند ہوتی ہے۔ کچھ لوگ کافی بھی پسند کرتے ہیں لیکن میں ذاتی طور پر کافی کا مخالف ہوں معاف کرنا۔ آپ جب کہو گے ہزار بار بنا کر لاؤں گا۔ لیکن دماغ کو خشک کر دیتی ہے۔ خیر یہاں میں لوگوں کا تعارف کرا دوں۔ یہ میرا اور تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔ کرنل صاحب بہت اچھے انسان ہیں۔ بڑے فراخ دل کے مالک سب کا خیال رکھتے ہیں۔ ان کے کسی نوکر کو ان سے کوئی شکایت نہیں ہوتی۔ بیگم صاحبہ ذرا سخت مزاج ہیں اور شاہنواز میاں باپ کی تصویر ہیں۔ اس کے علاوہ ثانیہ بی بی ہیں۔ بس یوں سمجھ لو ماں کی تصویر ہیں۔ اور دوسری فرخندہ بی بی ہیں جو بہت خاموش فطرت ہیں۔"

"گویا دو بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے کرنل صاحب کا۔"

"ہاں بالکل۔" رمضان بابا نے کہا۔ کامران نے ایک گہری سانس لی۔ ماحول بہت اچھا لگ رہا تھا۔ امید تھی کہ دل لگ جائے گا ماضی بہرحال اتنی جلدی بھولنے کی چیز نہیں ہوتی اور ماضی کے جو غم ناک حادثے اس کی زندگی سے چپکے ہوئے تھے۔ وہ اپنی نوعیت کے بہت مختلف حادثے تھے انہیں بھولنے کے لیے وقت درکار تھا۔ اندازہ یہ ہو رہا تھا کہ وہ لوگ اسے جلد ہی ماضی سے بیگانہ کر دیں گے۔ رات کو اسے کوٹھی میں طلب کیا گیا۔ لیکن اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ اسے کھانے کے کمرے میں بلایا جا رہا ہے۔ جس کمرے میں یہ سب لوگ بیٹھے ہوئے تھے وہ بہت وسیع تھا۔ کمرا کیا بلکہ اسے پورا ہال کہا جا سکتا تھا۔ کامران ایک لمحے کے لیے گڑبڑا سا گیا۔ لیکن اس نے تمام نگاہوں کو مسکراتے ہوئے دیکھا۔ اس مسکراہٹ میں تذبذب نہیں تھا۔ بلکہ استقبال تھا۔ شاہنواز کہنے لگا۔

"جناب کامران صاحب! آپ کی غیر موجودگی میں سب سے آپ کا تعارف کرا دیا گیا ہے۔ بس ان کا تعارف ضروری ہے۔" یہ کہہ کر وہ باقی لوگوں سے تعارف کرانے لگا۔ بیگم صاحبہ نے صرف گردن خم کی، ثانیہ نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا اور فرخندہ نے خاموشی سے اس پر نگاہیں جما دیں۔ بہرحال اسے کھانے کی پیشکش کی گئی اور پہلی بار وہ جھجکتے ہوئے ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اس کے بارے میں یہ بتا دیا گیا تھا کہ اس کا کوئی بھی نہیں۔ کرنل نواز صاحب نے کہا۔

"بیٹے! سب سے تمہارا تعارف کرا دیا گیا ہے۔ آئندہ تمہارے معاملات میں مداخلت نہیں کی جائے گی۔ آرام سے اپنا کام کرو گے اور اپنی قیام گاہ میں رہو گے مطلب یہ ہے کہ اب تمہاری زندگی تمہاری اپنی ہوگی۔ ان میں سے کسی شخص کی ضرورت تمہیں پڑے یا تمہاری ضرورت ان میں سے کسی کو پڑے۔ تم ان کے ساتھ تعاون کرو گے او کے۔"

"جی۔" کامران نے جواب دیا۔

"پوری بات کہو جی انکل اور یہ آنٹی ہیں۔" کرنل صاحب نے اپنی مسز کی جانب اشارہ کیا اور ان کی مسز کے ہونٹوں پر مسرور مسکراہٹ پھیل گئی۔ بہرحال یہ بڑی دل کش رات تھی جو اس خوب صورت کمرے

میں گزری۔ کامران کو یوں لگ رہا تھا جیسے اس کی پشت پر ایک چوڑی دیوار آ گئی ہو اور سر پر سایہ دار چھت۔ بہت بڑا سہارا ملا تھا۔ زندگی گزارنے کے لیے اس کے علاوہ اور کیا چیز درکار تھی۔ بات صرف اتنی تھی کہ جو ذمے داری اسے سونپی گئی تھی۔ وہ خوش اسلوبی سے نبھائی جائے۔ چنانچہ دوسری صبح انہوں نے تیاریاں کیں اور فیکٹری چل پڑے۔ جس کے لیے اسے ہدایت کر دی گئی تھی۔ بہرحال فیکٹری بہت عظیم الشان تھی۔ کرنل صاحب کی ہدایت وہاں بھی پہنچ گئی تھی اور وہاں پر اسے بڑی محبت کے ساتھ خوش آمدید کہا گیا تھا۔ فیکٹری کے منیجر نے اور پروڈکشن منیجر نے اسے تمام کام بتائے۔ ایک خوب صورت کمرا اسے دیا گیا تھا۔ جہاں ایک میز پڑی ہوئی تھی۔ ایک سیکرٹری اور ایک چپڑاسی یہ سب کچھ موجود تھا۔ غرض یہ کہ تمام تر صورت حال بڑی سکون بخش تھی۔ وہ پوری محنت اور لگن کے ساتھ فیکٹری میں کام سیکھنے لگا۔ اور زندگی کے شب و روز بڑے پر سکون انداز میں شروع ہو گئے۔ وہ رات بادلوں بھری رات تھی۔ جب وہاں ایک عجیب حادثہ پیش آیا۔ آسمان پر زبردست گڑگڑاہٹ ہو رہی تھی۔ بجلی چمک رہی تھی۔ بارش کا موسم اسے شروع ہی سے پسند تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ مشکلات نے کبھی اپنی ذات کو سکون نہیں لینے دیا تھا۔ لیکن بادلوں بھری یہ رات اس کے لیے بڑی حسین تھی۔ کالے آسمان پر چمکتی ہوئی بجلیاں جیسے اسے آواز دے رہی تھیں۔ وہ اپنی قیام سے باہر نکل آیا اور بارش میں بھیگتے ہوئے آگے بڑھنے لگا۔ لیکن اچانک ہی اسے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ کوئی بے آواز قدموں اس کی جانب بڑھ رہا تھا۔ اس سے پہلے وہ پلٹتا اچانک ایک تیز نسوانی چیخ اس کے کانوں سے ٹکرائی اور کوئی چھلانگ لگا کر اس کے کندھوں پر سوار ہو گیا۔ نہ جانے یہ کیا تھا ایک لمحے کے لیے کامران کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔

♡ ..... ♡ ..... ♡
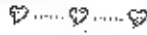
چیخ جیسی چنگھاڑ دوبارہ اس کے کانوں میں ابھری اور اسے لگا جیسے کانوں کے پردے پھٹ گئے ہوں۔ اس کے ساتھ ہی گردن پر تیز چبھن کا احساس ہوا تھا۔ اس سے چمٹ جانے والے وجود نے شاید ناخنوں سے اس کی گردن پر خراش ڈال دی تھی۔

کامران کے حواس ساتھ چھوڑتے جا رہے تھے۔ کالی راتوں کی ہول ناک چڑیلوں کا تصور اس کے ذہن میں جاگ اٹھا تھا۔ بارش کی ان ویران راتوں میں اکثر ارواح خبیثہ گردش کرنے نکل کھڑی ہوتی ہیں۔ یہ کہانیاں اس نے بچپن میں سنی تھیں۔ اس وقت یہی خیال اس کے ذہن میں جاگا تھا۔ اس نے اس خونی چڑیل سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کی۔ لیکن اس دوران وہ اس کے چہرے پر کچھ اور گل کاری کر چکی تھی۔ آخرکار کامران نے اپنی پوری جسمانی قوت سے کام لے کر اسے کندھے پر سے الٹ کر زمین پر دے مارا۔ لیکن اس وقت اس کا خوف کچھ اور بڑھ گیا جب چڑیل زمین پر گرنے کے بجائے کئی قلابازیاں کھا کر پھر سیدھی ہو گئی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے لگاتار کئی چنگھاڑیں ماری تھیں۔ اس کے حلق سے نکلنے والی آوازیں بے حد خوف ناک تھیں۔ وہ پھر کامران پر حملہ آور ہوئی۔ لیکن کامران نے اس کا وار خالی جانے دیا تھا۔

اچانک کوٹھی میں روشنی ہونے لگی۔ کمروں کے دروازے کھلنے کی آوازیں ابھریں۔ پھر دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں۔ لیکن کامران برق کی سی تیزی سے لڑکی کے وار خالی جانے دے رہا تھا۔ اس کے چہرے پر کئی جگہ زخم اور گردن میں سوزش ہو رہی تھی۔ تبھی کرنل گل نواز، شاہنواز اور کچھ ملازم ٹارچیں لیے باہر

نکل آئے۔ کرنل نے رائفل تھامی ہوئی تھی ان کی آواز ابھری۔

"خبردار...... کوئی ماردوں گا۔" ان کے ساتھ ہی ٹارچوں کی روشنیاں گردش کرنے لگیں۔ روشنی ہوتے ہی حملہ آور چڑیل نے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ کر پھر ایک چیخ ماری اور اس کے بعد وہ ایک لمبی چھلانگ لگا کر کوٹھی کے پرانے حصے کی طرف بھاگی۔ کرنل اور شاہنواز کامران کے قریب پہنچ گئے تھے۔ کرنل کے منہ سے حیرانی کے انداز میں نکلا۔ "ارے کامران...... تم......! اوہ...... اوہ......"

شاہنواز جلدی سے کامران کے قریب آ گیا۔ اس نے کامران کے چہرے پر لگی ہوئی خراشیں اور ایک دو جگہ سے بہتا ہوا خون ٹارچ کی روشنی میں دیکھا اور اس کے حلق سے غراہٹ نکلی۔

"ظہور خان......! ڈیڈی میں نے آپ سے پہلے ہی کہا تھا کہ یہ آدمی بالکل ناکارہ ہے آپ وہاں کسی اور کی ڈیوٹی لگائیے۔ دیکھیے تو کامران کس قدر زخمی ہو گئے ہیں۔"

"اندر چلو...... اندر چلو...... اپنے تم ذرا جا کر ظہور خان کو دیکھو۔ پرانے حصے کا دروازہ باہر سے بند کر دو۔ بلا کر لاؤ اس کتے کو۔" کرنل صاحب یہ کہہ کر کامران کا بازو پکڑ کر اسے اندر لے کے چلے۔ کامران نے آہستہ سے کہا۔

"آپ تکلیف نہ کریں سر! میں ٹھیک ہوں۔ دو چار خراشیں آ گئی ہیں معمولی سی، صاف کر لوں گا۔"

"آ جائیے اندر۔" کرنل صاحب نے طنزیہ سے انداز میں کہا۔ کچھ دیر کے بعد وہ اسے اپنے کمرے میں لے گئے۔ شاہنواز بھاگ کر فرسٹ ایڈ بکس اٹھا لایا تھا۔ نشانات بے شک تھے۔ لیکن نہ تو کوئی گہری خراش تھی اور نہ کوئی ایسا زخم جو پریشان کرتا۔ چنانچہ صفائی وغیرہ کر کے میڈی کیٹڈ ٹیپ چپکا دیے گئے۔ لیکن کامران کو سب سے زیادہ حیرت اس بات پر تھی کہ ان لوگوں میں سے کسی نے اس خونی چڑیل پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔ فراغت حاصل کرنے کے بعد کامران نے کہا۔

"سر! آپ کا حکم ہو تو میں جاؤں۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ لوگوں کو پریشانی ہوئی۔"

"جاؤ۔ تم آرام کرو، رات واقعی زیادہ ہو چکی ہے۔ شاہنواز تم انہیں چھوڑ کر آؤ۔" شاہنواز کامران کے ساتھ اس کی قیام گاہ تک آیا۔ وہ بالکل خاموش تھا اور کامران کو حیرت تھی کہ آخر ان لوگوں نے اس چڑیل کے بارے میں زبان کیوں بند کر رکھی ہے۔ شاہنواز جو بہت ہی اچھا ساتھی تھا اور اب تک اس کا رویہ بہت ہی محبت بھرا رہا تھا۔ نہ جانے کیوں اس تفصیل سے گریز کر رہا تھا۔ کامران نے بھی یہی سوچا تھا کہ اگر یہ لوگ اس بارے میں کچھ بتائیں گے تو ٹھیک ہے۔ ورنہ اپنے تجسس کو اپنے طور پر رفع کرے گا۔ ذہن میں یہ خیال ضرور تھا.. پہلے تو بارش کی راتوں میں نکل آنے والی چڑیل کا خیال آیا تھا۔ لیکن اب یہ سادہ سی کہانی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ بہرحال اپنے کمرے میں آ گیا اور پھر سوچ میں ڈوبا ہی ہوا تھا کہ نہ جانے کہاں سے کافی کی سوندھی سوندھی خوشبو ابھری اور وہ چونک کر نتھنے سکیڑنے لگا۔ اسی وقت دروازے میں رمضان بابا نظر آیا تھا۔ بوڑھے رمضان کے ہاتھوں میں ایک ٹرے تھی جس میں رکھے ہوئے کافی دان سے دھوئیں کی ایک پتلی لکیر بلند ہو رہی تھی۔ کامران چونک کر اٹھ بیٹھا۔

"ارے رمضان بابا یہ"

"یہ تو سیدھی سی بات ہے صاحب جی! کہ آپ بستر پر کتنی دیر لیٹ جائیں۔ نیند نہیں آئے گی آپ کو، میں نے سوچا کہ اس جدوجہد کے بعد کافی آپ کے لیے موزوں ترین رہے گی۔ ویسے بھی بارش سے کچھ ٹھنڈک ہو گئی ہے۔"

"ویسے ایک بات آپ سے کہوں رمضان بابا! اس گھر، اس کوٹھی یا اس حویلی کے ہر فرد کے لیے دل میں خوف خدا ہے۔ اتنے اچھے لوگ اس دور میں کم ہی نظر آتے ہیں۔ میں تو صرف اسے اپنی خوش بختی سمجھتا ہوں کہ ایک ایسی جگہ آ گیا۔ یہاں موجود ہر شخص کا رویہ میرے ساتھ اتنا اچھا ہے کہ شاید میں مر کر بھی ان کے احسانات کا صلہ نہ دے سکوں۔ لیکن رمضان بابا! آپ کے اندر جو محبت کی ایک عجیب سی جھلک ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں اس کا سب سے بڑا احسان مند ہوں۔ رمضان بابا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ گردن جھکا کر کافی بنانے لگے اور پھر انہوں نے کافی کی پیالی کامران کے سامنے رکھ دی۔ کبھی کبھی کامران کو یہ محسوس ہوتا تھا کہ جب بھی کبھی وہ رمضان بابا سے بہت زیادہ ممنونیت یا محبت کا اظہار کرتا ہے۔ تو رمضان بابا کے چہرے پر افسردگی پھیل جاتی تھی یہ بات ابھی تک کامران کی سمجھ میں نہیں آ سکی تھی لیکن اس کے دل میں تجسس ضرور تھا اور اس نے سوچا تھا کہ کبھی رمضان بابا سے اس کے بارے میں تفصیلی گفتگو کرے گا.. اس وقت بھی کافی کے گھونٹ لیتے ہوئے جب کہ اس کا ذہن انتہائی طور پر منتشر تھا۔ اس نے رمضان بابا کی اس ادا کو محسوس کیا اور بول ہی پڑا۔

"بابا صاحب! آپ جس محبت سے میرے لیے کافی بنا کر لائے ہیں۔ میں اس کے لیے آپ کا دلی طور پر شکر گزار ہوں۔"

"نہیں صاحب جی! یہ تو میری ڈیوٹی ہے۔" رمضان بابا نے کہا۔

"بالکل نہیں۔ آپ کی ڈیوٹی وہ ہوتی ہے جو کرنل صاحب آپ کو کوئی حکم دیں یا شاہنواز دیں۔ یا میں آپ سے کوئی فرمائش کروں۔ محبت کا وہ جذبہ جو آپ کے دل میں اس طرح سے پروان چڑھ رہا ہے اور آپ جس انداز میں میرے ساتھ پیش آتے ہیں۔ میں اس کے لیے آپ کا دلی شکر گزار ہوں۔"

"مہربانی ہے صاحب آپ کی۔ بڑے دل والے ہیں اور اچھا خون گردش کر رہا ہے آپ کی رگوں میں، جو آپ اس انداز میں غریب لوگوں کے بارے میں سوچ لیا کرتے ہیں۔ ورنہ صاحب چھوٹے ظرف کے لوگ بھلا ایسی باتوں پر کہاں غور کرتے ہیں۔ وہ تو صرف یہ جانتے ہیں کہ سامنے والا ان کا غلام ہے اور کام کرنے کی مشین ہے۔ مشین کا سوچ دینا چاہیے۔ بس وہ جیسے بھی ہے چل پڑے۔"

"بابا صاحب! میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں۔" کامران نے جلدی سے کہا۔

"میں جانتا ہوں۔ صاحب جی!"

"بابا صاحب ایک سوال کر سکتا ہوں میں آپ سے۔"

"جی پوچھیے۔"

"آج کی رات میرے لیے بڑی الجھن کی رات ہے۔ میں حیران ہوں کہ آپ نے چہرے پر چپکے ہوئے ان ٹیپوں کے بارے میں کچھ نہیں پوچھا۔"

’’نہیں صاحب جی! اس میں حیرانی کی بات نہیں ہے۔ جو کچھ ہوا، میں بھی دیکھ چکا ہوں، میری بھی آنکھ کھل گئی تھی۔ اس کی وحشیانہ چیخوں سے۔‘‘

آپ نے اسے دیکھا تھا۔‘‘

’’جی صاحب! اس وقت دیکھا تھا جب بڑے صاحب، اور چھوٹے صاحب، وغیرہ آ پہنچے تھے۔ ورنہ میں خود آپ کی مدد کے لیے دوڑتا۔ بات یہ ہے صاحب! کہ بعض اوقات حد سے آگے بڑھ کر کوئی کام کرنا بھی اپنی جان کے لیے عذاب بن جاتا ہے۔‘‘

’’میں سمجھا نہیں۔‘‘

’’مطلب یہ ہے صاحب! اگر ہم آپ کی مدد کے لیے پہلے سے دوڑ بھی جاتے تو برا بھلا ہی سننا پڑتا ہمیں۔‘‘

’’وہ کیوں؟‘‘

’’بس صاحب جی! اسکے قریب جانے کی اجازت نہیں ہے۔‘‘

’’کس کے؟‘‘ کامران نے سوال کیا۔ رمضان چونک کر اسے دیکھنے لگا پھر بولا۔

’’جس نے آپ کے چہرے پر نشان لگائے ہیں۔‘‘

’’جانتے ہیں آپ اسے رمضان بابا۔‘‘

’’ہاں جی۔ کیوں نہیں جانتے۔‘‘

’’میں تو یہ سمجھا تھا کہ وہ بارش کی رات میں بھٹک کر ادھر آ جانے والی کوئی بدروح ہے آپ یقین کریں بابا! میں یہی سمجھا تھا۔ لیکن بعد میں جب کرنل صاحب اور شاہنواز وہاں آئے اور انہوں ڈانٹ ڈپٹ شروع کی تو مجھے اندازہ ہوا کہ وہ یہیں کی رہنے والی کوئی شخصیت ہے۔‘‘

’’کسی نے ہمیں بتایا تو نہیں ہے، مگر سیتا اس کا نام ہے اور اس کے ساتھ جو اس کا بوڑھا باپ رہتا ہے۔ اسکا نام گرشک ہے۔ دوسرے لوگوں کی زبانی یہ بات میرے کانوں تک پہنچی تھی۔ بلکہ تمہیں بتائیں کہ ایک بار طور خان نے بتایا تھا۔‘‘

’’ہاں یہ طور خان کون ہے؟‘‘

’’صاحب جی! وہاں پر نگرانی کرتا ہے ان لوگوں کی اور ان کی ضروریات کا خیال رکھتا ہے۔ بڑے صاحب نے اس کی ڈیوٹی ان لوگوں پر ہی لگا رکھی ہے۔‘‘

’’وہ ادھر رہتے ہیں پرانی حویلی میں۔‘‘

’’جی صاحب۔‘‘

’’مگر وہ لوگ ہیں کون۔ کیا لڑکی پاگل ہے؟ میں نے اسے غور سے دیکھا ہی نہیں۔‘‘

’’آپ اسے غور سے ضرور دیکھیں صاحب! پتا نہیں بے چاری کون ہے؟‘‘

’’کیا کرنل صاحب کی کوئی رشتے دار۔‘‘

’’نہیں صاحب رشتے دار تو نہیں۔‘‘

’’آپ پورے اعتماد کے ساتھ یہ بات کیسے کہہ رہے ہیں۔‘‘

’’اس لیے کہ ہمیں اٹھارہ سال ہو گئے اس گھر میں رہتے ہوئے۔ نوکری کی تو کیا ہی کہیں۔ ہے۔ تنخواہ بھی ملتی ہے، کھانا، کپڑا بھی ملتا ہے۔ پر مالکان اتنے اچھے ہیں کہ انہوں نے کبھی یہ احساس ہونے دیا ہے کہ ہم نوکر ہیں۔‘‘

ٹھیک۔ تو طور خان وہیں رہتا ہے۔‘‘

’’ہاں۔ انہی لوگوں کی نگرانی کرتا ہے۔ اصل میں صاحب جی جب بارش ہوتی ہے نا تو آؤٹ ہو جاتی ہے۔ گرشک کو بھی ہم نے بارش میں کئی بار بھیگتے اور عجیب وغریب حرکتیں کرتے دیکھا کبھی وہ سینے پر دونوں ہاتھ باندھ کر گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتا ہے۔ کبھی یوگا کا آسن جما لیتا ہے۔ جب کہ وحشت کے دورے پڑتے ہیں۔‘‘

’’تم کہہ رہے تھے کہ وہ رشتے دار نہیں ہیں۔‘‘

’’وہی بتا رہے تھے صاحب جی! اٹھارہ سال سے یہاں نوکری رہے ہیں۔ جتنے اندر باہر کے دار ہیں۔ کبھی سے ہماری واقفیت ہے۔ یہاں تک کہ دوستوں سے بھی ہے۔ یہ کوئی چھ سات سال پرانی ہے۔ یا ہو سکتا ہے اس سے کچھ کم عرصہ ہوا ہو۔ صاحب کسی مشن پر گئے ہوئے تھے۔ آپ کو یہ تو معلوم ہے صاحب فوج کے کسی ایسے خفیہ محکمے میں تھے جس کا نام تو ہم نہیں جانتے لیکن بڑی اہمیت ہوتی ہے اس کی۔‘‘

’’ملٹری انٹیلی جنس‘‘ کامران نے کہا۔

’’پتا نہیں صاحب۔ بہرحال اس کے بعد صاحب ریٹائر ہو گئے تھے اور جب وہ ریٹائر منٹ کر گھر واپس آئے تو یہ دونوں ان کے ساتھ تھے۔‘‘

’’کیا نام بتایا تم نے ان دونوں کا رمضان بابا۔‘‘

’’گرشک اور سیتا‘‘

’’پھر؟‘‘

’’بس انہوں نے دونوں کو پرانی کوٹھی میں ہی پہنچا دیا۔ وہیں پر ان کے لیے سارے انتظام کر دیے گئے تھے۔ صاحب ایک بات اور بھی بتائیں آپ کو۔ آپ یقین کریں جس شکل وصورت کے وہ آئے تھے۔ آج تک ویسے ہی ہیں۔ حالانکہ اچھے خاصے سال گزر چکے ہیں۔‘‘

’’مگر لڑکی پر یہ دورے پڑتے ہیں۔‘‘

’’ہاں جی۔ بارش میں۔‘‘

’’ایسے بہت سے امراض ہوتے ہیں جو کسی مخصوص موسم میں ابھرتے ہیں۔ مگر ہر مرض کا علاج جاتا ہے۔ کرنل صاحب ویسے بھی صاحب حیثیت آدمی معلوم ہوتے ہیں علاج کیوں نہیں کرایا لڑکی کا۔‘‘

’’ہم سے یہ بات نہ پوچھیں صاحب جی آپ! ہم بے چارے کیا جواب دے سکتے ہیں۔ پر بات ہے۔ وہ یہ کہ صاحب جی نے ایک ایک کو منع کر دیا ہے کہ لڑکی کے چکر میں نہ پڑے۔ بس طور خان کو ہدایت ہے کہ وہ ان کی نگرانی کرے۔‘‘

''گڑ...... پھر تو بڑے پراسرار کردار ہیں یہ دونوں۔ یہ تک نہیں پتا چل سکا کہ کرنل صاحب انہیں
...ے کہاں سے ہیں۔''

''نہیں صاحب! آپ یقین کریں۔ نہیں پتا چلا۔'' کافی دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ اچانک ہی
مران نے ایک عجیب سوال کر ڈالا۔

''رمضان بابا! ایک بات پوچھوں آپ سے۔''

''پوچھیے صاحب! ہم نے کافی پلا کر آپ کو جگایا ہے۔ آپ کو جب تک نیند نہ آئے آپ کی
ت ہو تو یہاں بیٹھے رہیں۔''

''آپ آرام سے بیٹھیں۔ مجھے واقعی نیند نہیں آ رہی۔''

''یہ جو ناخنوں کے نشانات لگے ہیں اس کے۔ ان میں جلن تو نہیں ہو رہی۔''

''بالکل نہیں۔ بہت معمولی سی خراشیں ہیں۔''

''نشان نہ رہ جائے کہیں۔ ماشاء اللہ بڑا بے داغ چہرہ ہے آپ کا۔''

''اب جو ہونا ہے وہ تو ہو کر ہی رہتا ہے رمضان بابا! کسے معلوم تھا کہ میں اس طرح حادثے کا
ر ہو جاؤں گا۔ زیادہ سے زیادہ لڑکی کیا کرتی۔''

''کچھ نہیں کرتی، تو چیختی کھسوٹتی اور اس کے بعد بے ہوش ہو کر نیچے گر جاتی۔ وہ وقت نہیں آیا تھا
ب وہ بے ہوش ہوتی۔''

''اس کا مطلب ہے کہ اور بھی کئی بار ایسے واقعات ہو چکے ہیں۔''

''ہاں صاحب جی! ایک مرتبہ مہمان آئے تھے۔ ان میں ایک صاحب تھے۔ لڑکی نے انہیں
خنوں اور دانتوں سے کافی زخمی کر دیا تھا۔ مرنے مارنے پر تل گئے تھے اور آخر تک یہ کہتے رہے تھے کہ لڑکی کو
ن کے حوالے کر دیا جائے۔ وہ اس پاگل کتیا کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ تب کرنل صاحب نے کھڑے کھڑے
نہیں باہر نکال دیا۔ ان کی باتیں ایسی تھیں کہ کرنل صاحب کو بھی غصہ آ گیا۔ ایک بات آپ کو اور بتائیں۔''

''ہاں بتاؤ۔'' کامران کو واقعی ان انوکھے کرداروں سے دلچسپی محسوس ہو رہی تھی۔

''صاحب جی! بڑے صاحب ان دونوں کے سلسلے میں بڑے جذباتی ہیں جن کے رشتے کے بارے
ں کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا ہے کہ باپ بیٹی ہیں، دادا پوتی ہیں، کیا ہیں۔ لیکن آپ یہ سمجھ لیجیے کہ بڑی عجیب سی بات
ہے کرنل صاحب! انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچنے دینا چاہتے۔''

''خیر کرنل صاحب تو ویسے بھی بہت اچھے آدمی ہیں۔ میں جو آپ سے سوال کر رہا تھا رمضان بابا
تو ادھورا ہی رہ گیا۔''

''ہم تو آپ کی ہر بات کا جواب دینے کے پابند ہیں۔''

''نہیں رمضان بابا! نہیں۔ اگر ایسا ہے تو رہنے دیجیے۔ میں آپ سے کوئی سوال نہیں کر رہا۔''

''نہیں صاحب جی! اگر آپ خاموش رہیں گے تو ہمارے ذہن میں خلش رہے گی۔ نہ جانے کیا
چھنا چاہتے تھے آپ ہم سے۔''

''میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اٹھارہ سال سے آپ یہاں ہیں۔''

''ہاں جی۔ کچھ دن آگے پیچھے ہی ہو گئے ہوں گے۔''

''اس سے پہلے کہاں تھے۔'' کامران نے سوال کیا تو رمضان بابا نے چونک کر اسے دیکھا اور دیر
تک دیکھتے رہے۔ کامران اس کی نگاہوں کا مفہوم پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر انہوں نے آہستہ سے کہا۔

''ایک فیکٹری میں سپروائزر تھے وہ گارمنٹ فیکٹری تھی۔ بیوی مر چکی تھی ایک بیٹا تھا۔ جس کے
لیے مرتے وقت وہ کہہ گئی تھی کہ رمضان اسے کبھی کوئی تکلیف نہ ہونے دینا۔ صاحب جی ہم نے اسے کوئی
تکلیف نہیں ہونے دی۔ پالا پوسا، بڑا کیا، جوان کیا، پھر اس نے اپنے کالج کی ایک لڑکی سے شادی کر لی۔
حیرت ہوگی آپ کو صاحب جی! بڑے باپ کی بیٹی تھی۔ ہمارے بیٹے نے اس کے سامنے ہمیں اپنا باپ نہیں
کہا۔ اس نے یہی بتایا کہ وہ بن ماں باپ کا بچہ ہے۔ لڑکی اسے پسند کرتی تھی۔ دولت مند آدمی نے اسے داماد
کے طور پر قبول کر لیا۔ ایک دفعہ ہم سے ملاقات ہوئی اس کی تو کہنے لگا کہ پرانے وقتوں کا ملازم ہے۔ باپ دادا
کے دور کا ہمارے سامنے اسے یہ بات کہی۔ ہم تو دل پکڑ کر رہ گئے صاحب! دل تو چاہا کہ جوتا اتار کر اتنے
برسائیں کہ سر پر ایک بھی بال نہ رہے۔ پر گھر والی کا کہنا یاد آ گیا۔ بس صاحب جی! وہ شہر چھوڑ کر چلے آئے۔
بھلا اس کے بعد کیا دل لگتا تھا ہمارا۔ در بدر پھرتے رہے آخر کار کرنل صاحب کے ہاں نوکری کر لی۔ اس
وقت سے ان کی خدمت کر رہے ہیں۔'' کامران کو اس کہانی پر بہت دکھ ہوا تھا۔

ہاں! زمانہ اتنا ہی خراب ہے کہ کہیں بھی، کسی بھی جگہ، کوئی بھی المناک کہانی وجود میں آ سکتی ہے۔
کامران تقریباً صبح چار بجے کے قریب سو گیا تھا۔ دوسری صبح جاگا تو شاہنواز اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور اس کی
طرف دیکھ رہا تھا کامران جلدی سے اٹھ گیا۔

''ارے شاہنواز تم۔''

''ہاں یار، رات بھر سکون سے نیند نہیں آئی۔ میں نے سوچا کہ کہیں تمہیں کوئی تکلیف نہ ہو گئی ہو۔
میرا مطلب ہے بخار وغیرہ۔

''کمال ہے یار! تم لوگوں نے اتنی سی بات کو اتنی اہمیت دے دی۔ معمولی سی خراشیں ہیں لیکن آیا
مزہ۔ نیند نہیں آ رہی تھی۔ بارش میں بھیگنا بچپن ہی سے پسند ہے۔ باہر نکلا آیا اور پھر جب وہ میرے کندھوں پر
سوار ہوئی۔ تو میں یہی سمجھا تھا کہ میاں آج کسی چڑیل کے چنگل میں پھنس گئے۔''

''دیکھا ہے دن میں اسے کبھی۔''

''پتا بھی نہیں تھا اسکے بارے میں۔'' کامران نے جواب دیا۔

''سیتا ہے اس کا نام۔''

''ہاں یہ رات ہی کو پتا چلا۔''

''پرانی کوٹھی میں رہتی ہے۔ اسکے ساتھ اسکا ایک ساتھی گرشک بھی ہے۔''

''مجھے اندازہ ہے۔''

''کبھی اس کے نقوش دیکھو بلکہ ایسا کرو بارش ختم ہو چکی ہے اب وہ بالکل بے ضرر ہے۔ ہاں، اگر

کبھی بارش ہو۔ بجلی چمک رہی ہو تو اسکے سامنے سے بھی گریز کرنا۔ دن کی روشنی میں اسے دیکھو۔"

"کیوں کوئی خاص بات ہے۔"

"یار! رنگ سانولا ہے۔ چہرے کے نقوش میں بھی کوئی جاذبیت نہیں ہے لیکن جوں جوں اسے غور سے دیکھتے رہو گے۔ تمہیں اپنے کھو جانے کا احساس ہوگا۔ ایسی ہی انوکھی شخصیت کی مالک ہے۔ وہ اتنی دل کش ہے کہ دل و دماغ پر قابو پانا مشکل ہو جائے۔"

"خدا خیر کرے تم تو خیریت سے ہو نا۔"

"اب خیریت سے ہوں۔ کیوں کہ والد صاحب قبلہ نے بڑے خشوع خضوع کے ساتھ بہن کہلوا دیا ہے اسے۔"

"مطلب۔"

"آئی تھی تب بھی اتنی ہی بڑی تھی۔ جب کہ ہم چھوٹے تھے۔ اسے دیکھ! ان دنوں ہر خوب صورت لڑکی کو دیکھ کر دل پکڑ کر رہ جاتے تھے۔ لیکن اسے دیکھ کر سچ مچ دل ہی پکڑنا پڑا۔ وہی تھوڑی دیر تک نگاہ جمانے کے بعد یہ احساس ہوتا ہے۔ تم یقین کرو بڑی عجیب و غریب شخصیت ہے۔"

"قصہ کیا تھا؟"

"بس کوئی قصہ نہیں تھا ڈیڈی نے بتایا ہی نہیں ان دونوں کے بارے میں۔ کچھ بڑے پراسرار کردار ہیں، ایک دوسرے میں مگن رہتے ہیں۔ ڈیڈی خود بھی انہیں کسی سے ملنے نہیں دیتے۔"

"واقعی سنسنی خیز بات ہے۔"

"بارش کی راتوں میں وہ جنونی ہو جاتی ہے۔"

"کسی ڈاکٹر کو دکھایا۔"

"بالکل نہیں...... اس سلسلے میں بھی ڈیڈی کا رویہ بے حد پراسرار رہا ہے۔ حالانکہ ممی نے، ثانیہ اور فرخندہ نے کتنی ہی بار کہا کہ اس کا علاج کرایا جا سکتا ہے۔ چاہے اسے علاج کے لیے امریکا کیوں نہ بھیجنا پڑے۔ مگر ڈیڈی نے ایک عجیب سی ہنسی کے ساتھ ہمیشہ اس بات کو ٹال دیا ہے۔"

"اور وجہ کچھ نہیں بتائی۔"

"نہیں بھائی بالکل نہیں۔ تو مسئلہ یہ تھا کہ جب ہم نے اسے دیکھا تو پوری سنجیدگی سے دل پکڑ کر رہ گئے۔ گھر میں بہار آئی تھی۔ چمن چمن ہو گئے۔ وہ تین بار وہ باہر نکلی اور ہم اسکی پذیرائی کے لیے کھنچ گئے۔ لیکن پتھر کی بنی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ یعنی وہی بات ہوئی کہ

آپ کی ایسی کی تیسی! ایسے بہرے تو نہیں

ہم سنائیں حال دل اور آپ فرمائیں کہ کیا

خاتون کو تو "کیا" کہنا بھی نہیں آتا، بس پتھرائی ہوئی بیٹھی رہی اور اسکے بعد اٹھ کر چلی گئی۔ کافی دن تک نڈرائی کرتے رہے۔ پھر ایک دن والد صاحب نے سنجیدگی کے ساتھ اپنے کمرے میں طلب کر لیا اور بولے۔

"سیتا سے متاثر ہو۔" ہوش و حواس درست ہو گئے تھے اس سوال پر ہمارے۔ پاگلوں کی طرح ان

کی صورت دیکھتے رہ گئے۔ تب انہوں نے کہا۔ "اس کے بعد اس کی جانب متوجہ نہ ہونا۔ وہ ایک ایسا انوکھا کردار ہے کہ آج تک میں بھی اس کے لیے پریشان ہوں اور سوچتا ہوں کہ ان دونوں کی وجہ سے ہمارے گھر پر کوئی مصیبت نازل نہ ہو جائے سمجھے۔"

"جی ڈیڈی۔" میں نے جواب دیا لیکن یہ دل جو ہے نا وہ پاگل اور دیوانہ کہلاتا ہے۔ کچھ ایسی آنکھوں کو بھائی تھی وہ کہ پھر پہنچ گیا چھپ کر۔ والد صاحب نے دوسری وارننگ دی اور تیسری وارننگ دینے کے بجائے ایک بار اس وقت پکڑ لیا جب وہ پائیں باغ میں ایک درخت کے نیچے خاموش بیٹھی ہوئی تھی اور ہم چوری چوری اسے دور سے دیکھ رہے تھے۔ آہ...... وہ لمحات کتنے صبر آزما تھے۔ جب والد صاحب نے ہمارے گریبان پر پہلی بار ہاتھ ڈالا اور کہنے لگے۔

"جوانی بے شک دیوانی ہوتی ہے لیکن اتنی دیوانی نہیں ہونی چاہیے کہ ماں باپ کی کوئی عزت ہی دل میں نہ ہو۔ کیا سمجھے۔"

"سمجھ گئے۔" ہم نے جلدی سے کہا۔

"نہیں۔ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں سمجھتے۔" کرنل صاحب نے کہا اور ہمارے اوسان خطا ہو گئے۔ فوجی آدمی تھے اگر سچ مچ لاتوں پر اتر آتے تو ہم باتوں کے قابل بھی نہ رہتے۔ کہنے لگے۔

"دو بہنیں ہیں تمہاری۔"

"جی۔" ہم نے ڈرتے ہوئے کہا۔

"تین تصور کرو۔"

"تت...... تیسری......" ہم نے ہکلا کر کہا۔

"سیتا۔" انہوں نے کہا اور ہمارا دل خون خون ہو گیا۔ وہ بولے۔ "اپنی زبان سے میرے سامنے اعتراف کرو اس بات کا کہ سیتا تمہاری بہن ہے۔" بڑی مشکل سے ہمارے منہ سے وہ الفاظ نکلے تھے جو والد صاحب نے فرمائے تھے۔ لیکن بہرحال دل تو پاکستانی ہے۔ جب کہہ دیا زبان سے تو پھر کہہ دیا۔ بس وہ دن ہے آج کا دن ہے۔ بہن نہیں ہے مگر بھائی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اسے۔"

"مگر شاہنواز! مسئلہ کیا ہے؟"

"یہ خدا لاکھ پوچھنے کے بعد بھی والد صاحب قبلہ نے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ پتا نہیں کیا راز ہے۔ ویسے نقوش بھی اس قدر مختلف ہیں کہ یہ نہیں سوچا جا سکتا کہ وہ والد صاحب کی فوجی زندگی کا کوئی واقعہ ہے اور پھر سچ بتاؤں تمہیں کامران۔ یہ ابا حضور جو ہیں نا ہمارے بس بڑے دیندار قسم کے فوجی رہے ہیں۔ چلو ہم تو ان کی اولاد ہیں۔ بہت بڑا خاندان ہے ہمارا۔ ایک بھی شخص ایسا نہیں نکلا جو یہ بتا دے کہ کرنل مغل نواز کے کردار میں کوئی کھوٹ ہے۔ سچے کھرے مسلمان ہیں۔ محاذ جنگ پر ایک وقت کی نماز قضا نہیں کی کبھی۔ اب بھی یہی کیفیت ہے۔ حالانکہ ریٹائرمنٹ کے بعد کچھ مہمات پر جا چکے ہیں۔ ہم جو دوستوں کی کمی نہیں ہیں۔ بہت سے نوادرات بھی لائے ہیں۔ جو انہوں نے اپنے نوادر خانے میں سجا رکھے ہیں۔"

اتنی تفصیلات معلوم ہوئی تھیں شاہنواز سے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سیتا اور گرشنا کا

کردار کامران کی نگاہوں میں بہت زیادہ پُراسرار ہو گیا تھا۔ اکثر کبھی کبھی وہ اس کھڑکی کے پاس جا بیٹھتا جس کا رخ اس پرانی کوٹھی کی جانب تھا۔ جہاں ان دونوں کا قیام تھا۔ اس نے طور خان کو بھی دیکھا تھا۔ خاصا سخت گیر معلوم ہوتا تھا۔ اسے پتا چلا تھا کہ اس رات کے واقعے کے سلسلے میں طور خان پر زبردست ڈانٹ ڈپٹ ہوئی تھی اور اس نے بڑی معافیاں وغیرہ مانگ کر یہ کہا تھا کہ آئندہ ایسی کوئی بات نہ ہوگی۔ اس دوران ایک بار بھی گرشک اور سیتا باہر نہیں نکلے تھے۔ البتہ رمضان بابا نے بتایا تھا۔

"وہ اندر ہی اندر اپنی دنیا آباد کیے ہوئے ہوتے ہیں.. بس جب بارش ہوتی ہے تو باہر نکل آتے ہیں۔ پتا نہیں بارش سے ان دونوں کا کیا تعلق ہے۔" کامران نے اپنی الجھنوں پر لعنت بھیج دی۔ ظاہر ہے اتنے اچھے گھر میں وہ کوئی ایسا عمل نہیں کرنا چاہتا تھا جو اس کے لیے ذلت کا باعث بن جائے۔ کرنل گل نواز کا نظریہ وہ جان ہی چکا تھا۔ اپنے بیٹے تک کو انہوں نے سیتا کی جانب رخ کرنے سے منع کیا تھا۔ ایسی کیفیت میں خود اس کا اس کی جانب مائل ہونا غیر مناسب تھا۔ لیکن وہی انسانی فطرت کا تجسس اب جب کہ سکون کی چھاؤں ملی تھی اور کرنل گل نواز کے گھر میں اسے عزت و توقیر کے ساتھ اچھا کھانا اور اچھا پینا ملا تھا تو اس کی شخصیت کافی نکھرتی جا رہی تھی۔ پہلے ہی گل وگلزار تھا اب اور بھی بدن بھر گیا تھا اور چہرے پر خون کی روانی تیز ہو گئی تھی۔ آنکھیں تو ویسے ہی بڑی خوب صورت تھیں۔ اکثر لوگ اس کی تعریف کیا کرتے تھے۔ لیکن اب اچھے لباس نے شخصیت میں اور چار چاند لگا دیے تھے۔ اودھر فیکٹری کا ماحول بھی اس کے حق میں بہت ہی بہتر تھا.. ساری تفصیلات تو نہیں معلوم ہو سکی تھیں۔ نہ ہی اس نے کرنل گل نواز کے ذاتی معاملات میں دخل دینے کی کوشش کی تھی۔ کرنل گل نواز نے تو اس کے لیے فیکٹری میں بھی بہترین ماحول پیدا کر دیا تھا لیکن رحمان علی جو فیکٹری کے منیجر تھے۔ بذات خود بہت نفیس طبیعت کے مالک تھے اور اب انہوں نے اس پر ضرورت سے زیادہ بھروسا کرنا شروع کر دیا تھا۔ ایک دن اپنے آفس میں بلا کر کہا۔

"بھئی مجھے ایک ہدایت ملی ہے.. مالکان کی طرف سے۔"

"کیا ہدایت ہے؟" کامران نے پُرمزاح انداز میں سوال کیا۔ اصل میں رحمان صاحب خود بھی خوش مزاج انسان تھے اور اکثر جملے چست کرتے رہتے تھے۔ کامران کی بات پر مسکرائے اور بولے۔

"بات اصل میں یہ ہے۔ اگر ہماری عمر اتنی زیادہ نہ ہو گئی ہوتی تو زبردست فائٹ کرتے تم سے۔"

"فائٹ۔" کامران چونک کر بولا۔

"بالکل فائٹ۔"

"مگر کیوں؟"

"بھئی۔ ہمیں ہدایت ملی ہے کہ تمہیں باقی سارے کاموں سے بھی آگاہ کیا جائے۔ یعنی ہمارے بعد منیجر کی پوسٹ غالباً تم سنبھالو گے۔"

"خدا نہ کرے آپ کا بعد (بعد) کیوں ہو۔"

"نہیں بیٹا! بڑی محبت ہے تمہاری، حقیقت یہ ہے کہ مجھے تھکن ہو گئی ہے اور بھر میں تو مذاق کے طور پر یہ بات کہہ رہا ہوں۔ اصل میں تمہیں اسسٹنٹ منیجر کا عہدہ دیا جانے والا ہے اور کرنل صاحب نے بڑی دل

سوزی سے یہ کہا تھا کہ رحمان صاحب خاصا وزن پڑ جاتا ہے آپ پر۔ آپ یوں کریں کہ کامران کو بھی اپنے ساتھ بٹھایا کریں اور ان پر اپنی ذمے داریاں ڈال دیا کریں۔ اصل میں بات یہ ہے ڈیئر کامران! کہ تم کرنل صاحب کے اپنے آدمی ہو۔ ہر جگہ تھوڑی بہت اعتماد کی بات ہوتی ہے۔ جتنا بھروسا کرنل صاحب تم پر کر سکتے ہیں کسی اور پر نہیں کر سکتے۔"

"رحمان صاحب! میں کرنل صاحب کی کون کون سی نوازشوں کا شکریہ ادا کروں۔ بلاشبہ میرے لیے تو وہ فرشتہ صفت ہی ہیں۔"

"بیٹا وہ سب کے لیے فرشتہ صفت ہیں لیکن....." رحمان صاحب کے چہرے پر ہلکی سی تشویش کے آثار پھیل گئے۔

"لیکن کیا؟"

"نہیں کچھ نہیں۔"

"آپ کچھ کہنا چاہتے تھے۔" کامران نے انہیں غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ کامران، کہنا چاہتا تھا لیکن کہوں گا نہیں۔ براہ کرم مجھ سے اصرار مت کرنا۔ اصل میں ہم لوگ اگر اپنی حیثیت اور اپنی اوقات کا خیال نہ رکھیں تو عذاب میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ وفاداری، نمک حلالی بڑی اچھی چیز ہے۔ انسان کی اپنی ذات کی تشخیص ہوتی ہے۔ لیکن جنون کی حد تک نہیں، مصلحتوں کو دیکھنا پڑتا ہے۔"

"جب آپ کی بات ہی میری سمجھ میں نہیں آئی تو ان الفاظ کا کیا مفہوم نکال سکتا ہوں۔ بہرحال آپ بہت نفیس انسان ہیں۔ اگر کوئی بات آپ مجھ سے چھپا رہے ہیں۔ تو پھر وہ چھپانے والی ہی ہو گی۔"

"آئی ایم سوری بیٹا! کچھ کہوں گا نہیں۔ اب تم ایسا کرو کہ تم میرے ساتھ بیٹھا کرو۔ بے شک اپنا آفس اسی طرح قائم رکھو لیکن دن میں دو تین گھنٹے مجھے دے دیا کرو۔"

"جیسا آپ کا حکم۔ مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" کامران نے جواب دیا۔ پھر یہی ہونے لگا۔ کامران تھوڑے تھوڑے وقفے کے لیے رحمان صاحب کے پاس آ جایا کرتا تھا۔ زندگی بہت اچھی طرح گزر رہی تھی اور وہ اس سلسلے میں خاص طور سے حاجی الیاس کا ممنون کرم تھا۔ جو ایک فرشتے کی طرح اس کی زندگی میں آئے۔ اسے خطرناک صورت حال سے بھی بچا لیا اور اس کے لیے زندگی کے ایسے بہترین راستے کھول دیے۔ پھر ایک دن رحمان صاحب کا فون آیا کہ ان کی طبیعت کچھ خراب ہے۔ کچھ خصوصی معاملات کو دیکھ لیا جائے اور وہ ان کے آفس میں آ بیٹھے۔ اکثر رحمان صاحب اسے اپنی سیٹ پر بٹھا دیا کرتے تھے۔ وہ اس وقت ان کی سیٹ پر بیٹھا کسی ضروری کام میں مصروف تھا کہ بھونچال آ گیا۔ دو لڑکیاں تھیں۔ جدید لباس میں ملبوس، جدید اسٹائل اپنائے ہوئے۔ یہ آندھی طوفان کی طرح اندر گھس آئی تھیں۔ یہ حیران کن بات تھی۔ کیونکہ چپراسی کسی ایرے غیرے کو بغیر اجازت اندر نہیں آنے دیتا تھا۔ پتا نہیں کہیں گیا ہوا تھا۔ یا پھر یہ لڑکیاں اس سے رک نہیں سکی تھیں۔ دونوں کی دونوں اندر آ گئیں اور پھر ان کے منہ سے ہلکی ہلکی آوازیں نکل گئیں۔

"کون ہیں آپ؟" ان میں سے ایک لڑکی نے سوال کیا جو بہت ہی شوخ نظر آ رہی تھی۔ دل کش نقوش کی مالک تھی۔ کامران ایک لمحے کے لیے سٹپٹا سا گیا۔ لڑکی سوالیہ انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔ لیکن؛

ان نے فوراً ہی خود کو سنبھال لیا۔

"میں تو خیر جو کچھ بھی ہوں۔ آپ اپنے بارے میں بتانا پسند فرمائیں گی۔"

"ارے ارے مجھے نہیں جانتے آپ۔"

"ہاں۔ نہیں جانتا میں آپ کو۔"

"ہوں یہ بتائیے کہ انکل سموسہ کہاں ہیں۔"

"کون؟"

"انکل سموسہ سموسہ سموسہ۔" کامران نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا اور پھر گھنٹی بجا دی۔
ی فوراً ہی اندر داخل ہو گیا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔" کامران نے لڑکیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا اور دونوں لڑکیوں کے ے سرخ ہو گئے۔

"وہ سر...... سر...... صاب...... بدتمیزی نہیں۔ یہ چھوٹی سرکار ہیں اور ان کو میں نہیں جانتا۔" چپراسی چھوٹی سرکار جس لڑکی کو کہا تھا یہ وہ تیز طرار لڑکی تھی۔

"کیا چھوٹی سرکار۔" کامران نے سوال کیا۔

"منیجر...... منیجر صاحب۔"

"اور انکل رحمان کہاں ہیں۔"

"رحمان صاحب بیمار ہو گئے ہیں آج نہیں آئیں گے۔"

"اور آپ نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور ان کی سیٹ پر قبضہ جما لیا۔"

"محترمہ میں اسسٹنٹ منیجر ہوں۔"

"کب سے؟" لڑکی نے سوال کیا۔

"آپ کو جواب دینے کا پابند تو نہیں ہوں میں۔"

"یار! عروسہ کیوں جھگڑا کیے جا رہی ہو۔ اس کے علاوہ تمہیں کچھ آتا ہے۔"

"تم چپ رہو ثمر! یہ صاحب آخر خود کو سمجھتے کیا ہیں۔ تم نے سنا نہیں ابھی انہوں نے ہمیں بدتمیزی ہ کر مخاطب کیا ہے۔ ہم بدتمیزی ہیں۔"

"آپ میری سمجھ میں بالکل نہیں آ رہیں۔"

"اچھا آپ پلیز ایک کام کیجیے۔ مگر ٹھہریے میں خود کر لیتی ہوں۔ اگر آپ نے مجھے ٹیلی فون کے ٹال سے روکا تو نہ جانے کیا ہو جائے۔" یہ کہہ کر اس نے اپنے پرس سے موبائل نکالا اور اس پر کسی کے نمبر ن کرنے لگی۔ پھر چیخ کر بولی۔

"انکل سموسہ سے بات کرائیے میری۔ میرا مطلب ہے انکل رحمان سے۔" کچھ لمحے توقف کے بعد اس نے کہا۔

"انکل سموسہ...... میں یہاں آفس میں آئی تو آپ غائب تھے۔ آپ کی سیٹ پر ایک صاحب

قبضہ جمائے بیٹھے ہیں اور آپ کے بارے میں کچھ بھی نہیں بتاتے۔ بلکہ الٹی ہماری بے عزتی کر رہے ہیں۔ آپ بتائیے میں ان کے ساتھ کیا سلوک کروں۔" وہ سنتی رہی اور پھر اس نے موبائل کامران کی جانب بڑھا دیا اور بولی۔

"لیجیے بات کیجیے۔ اپنے رحمان صاحب سے۔" دوسری طرف سے رحمان صاحب کی آواز سنائی دی۔

"ہاں۔ کامی...... یہ عروسہ ہیں کرنل گل نواز کے پارٹنر خاور صاحب کی بیٹی۔ ہاں، خاور صاحب کرنل گل نواز کے پارٹنر ہیں۔ اس فرم کے آدھے مالک! یہ اکثر یہاں آتی رہتی ہیں۔ براہ کرم ان کی پذیرائی کر لو۔"

"بہتر۔" کامران نے مسکراتے ہوئے موبائل بند کر لیا اور احترام سے لڑکی کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"محترمہ آپ تشریف رکھیے۔" اس نے مدہم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"شکریہ۔" لڑکی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنی ساتھی لڑکی کو بھی بٹھا لیا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"جی۔ اب آپ ذرا اپنا مکمل تعارف کرا دیجیے۔"

"اصل میں میرا تو کوئی تعارف تھا نہیں آپ سے۔ اب رحمان صاحب نے فون پر آپ کا تعارف کرا دیا ہے۔ آپ میرے لیے قابل احترام ہیں۔ فرمائیے آپ کی کیا خدمت کروں۔"

"سموسے منگوائیے۔ آپ جانتے ہیں میں انکل رحمان کو انکل سموسہ کیوں کہتی ہوں؟"

"کاش! میں جانتا۔" کامران نے حسرت بھرے لہجے میں کہا اور دوسری لڑکی ہنس پڑی۔

"تم ہنس رہی ہو۔" عروسہ نے غراتی ہوئی آواز میں ثمر کو گھورتے ہوئے کہا۔

"اور تم بالکل پاگل ہو۔ بھلا اس میں ان بے چاروں کا کیا قصور۔ پہلی بار ملے ہیں۔ بجائے اس کے کہ تم تعارف حاصل کرتیں۔ تم نے اپنی عادت کے مطابق ڈانٹ ڈپٹ شروع کر دی یہ کوئی اچھی بات ہے۔"

"آپ چپراسی سے کہیے کہ ہمارے لیے سموسے لے کر آئے اور ساتھ میں کافی۔ ارے واہ انکل کو بھی آج ہی بیمار ہونا رہ گیا تھا۔ ہمیں ایک موقع ملتا ہے یہاں آنے کا خاص طور پر موڈ بنا کر آئے تھے کہ سموسے کھائیں گے۔ یہاں آپ نے کونین کھلا دی۔ سارا منہ کڑوا ہو گیا۔"

"دیکھیے۔ اس میں میرا قصور تو نہیں ہے۔ یہ افسوس ہے اگر ہمارا تعارف ہوتا تو میں آپ کا بھرپور احترام کرتا۔ اب کسی اجنبی شخصیت کو معاف کیجیے گا۔ اجنبی اس لیے کہہ رہا ہوں کہ میں تو کچھ جانتا ہی نہیں تھا آپ کے بارے میں۔"

"ہوں بات سمجھ میں آتی ہے ویسے آپ آدمی انتہائی شریف ہیں۔ ورنہ لڑکیوں کو دیکھ کر تو لوگ ویسے ہی پذیرائی کے لیے تیار ہو جاتے ہیں خیر چھوڑیے۔ ارے یہ سردار کہاں مر گیا۔ سردار!" سردار چپراسی دروازے کے پاس ہی موجود تھا اور اس دلچسپ صورت حال کا جائزہ لے رہا تھا۔ جلدی سے اندر آ گیا تھا۔

"ان صاحب کے لیے جنہوں نے اپنا نام نہیں بتایا ہے سموسے لے کر آؤ۔ ساتھ میں کافی بھی۔"

"آپ تو نہیں کھائیں گی چھوٹی سرکار۔" چپراسی نے گردن خم کر کے کہا۔

''بتاؤں تجھے ابھی ہم یہاں کیوں آ کر مر رہے ہیں۔'' پھر اسی جلدی سے گردن جھکا کر باہر نکل گیا تھا۔ کامران اب اس آتش فشاں میں دلچسپی لینے لگا تھا۔ اس نے کہا۔

''براہ کرم میرے لائق اور کوئی خدمت بتایئے۔''

''یار! انکل رحمان نے تم سے کیا کہہ دیا ہے یہ بتاؤ۔'' لڑکی بے تکلفی سے بولی۔

''یہ کہ آپ ڈائریکٹرز میں سے ہیں۔''

''یہ کہا ہے انکل نے۔ یار کمال کی چیز ہیں یہ انکل بھی۔ لیکن جناب آپ نے اپنا نام ابھی تک نہیں بتایا ہے اور یہ جھگڑے کی بنیاد ہے۔''

''میرا نام کامران ہے۔''

''واقعی......؟'' عروسہ اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''کیوں۔ اس پر آپ کو حیرت کیوں ہے۔''

''نہیں نہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ اچھا نام رکھا گیا ہے آپ کا۔ آپ کے چہرے سے کامرانی ٹپکتی ہے۔ ویسے اگر میں آپ کو صرف کامی کہوں تو کوئی حرج ہے۔''

''آپ ڈائریکٹرز میں سے ہیں مجھے کامی بھی کہہ سکتی ہیں۔ کام بھی کہہ سکتی ہیں۔ کامرانی بھی کہہ سکتی ہیں اور کامی بھی۔'' کامران نے کسی قدر پر مزاح لہجے میں کہا اور دونوں لڑکیاں ہنس پڑیں۔

''آدمی برے نہیں معلوم ہوتے آپ۔ آپ سے اکثر ملاقاتیں رہیں گی۔ ویسے میں آپ کو بتا دوں کہ انکل رحمان نے مجھے یہ بری عادت لگا دی ہے۔ جب بھی کبھی ادھر سے گزرتی ہوں انکل کے پاس آجاتی ہوں۔ آپ نے شاید یہاں کے سموسے نہ کھائے ہوں۔ انکل رحمان مجھے کھلاتے ہیں۔ کمال کے سموسے ہوتے ہیں۔ حالانکہ میں ایسی فضول چیزوں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتی۔''

''ٹھیک ہے آج آپ کے طفیل ہم بھی سموسے کھالیں گے۔''

''کامران صاحب! آپ رہتے کہاں ہیں۔''

''کرنل گل نواز صاحب نے از راہ کرم مجھے اپنی کوٹھی کے ایک گوشے میں جگہ دے دی ہے۔''

''گویا آپ رہتے بھی کوٹھی میں ہیں۔''

''جی۔''

''اس کا مقصد ہے کہ آپ بھی کوئی للو پنجو چیز نہیں ہیں۔''

''کیا کہہ سکتا ہوں۔'' کامران نے اس کی بات سے کچھ الجھتے ہوئے کہا۔

عروسہ کی باتیں اسی طرح کی تھیں۔ ایک دولت مند آدمی کی بیٹی جس طرح بہکی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ بھی اسی طرح تھی۔ شاندار کار اڑائے پھرتی تھی۔ عیش و عشرت کی رسیا تھی۔ لیکن یہ بات کامران کو پہلی بار معلوم ہوئی تھی کہ اس فیکٹری میں کوئی پارٹنر بھی ہے۔ چنانچہ اس نے محتاط ہونے کا فیصلہ کرلیا تھا اور معمول کے مطابق عروسہ سے احترام کے ساتھ پیش آ رہا تھا۔

''ہر شخص میں کچھ نہ کچھ خوبیاں ہوتی ہیں۔ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ کسی کی تعریف منہ پر نہیں کرنی

چاہیے۔ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اپنے منہ میاں مٹھو نہیں بننا چاہیے۔ لیکن اس محاورے کی وجہ آج تک میری سمجھ میں نہیں آئی۔ میاں مٹھو عام طور سے طوطے کو کہتے ہیں۔ اگر طوطا اپنے منہ سے میاں مٹھو کہہ دیتا ہے تو کون سی قیامت آجاتی ہے۔ یہ بات آپ ہی تو اسے سکھاتے ہیں۔ خیر چھوڑیے طوطے کی میں سچے خواب دیکھتی ہوں۔ ایک طرح سے یوں سمجھ لیجیے کہ لوگ میری بڑی عزت، بڑا احترام کرتے ہیں۔ عام طور سے اپنے مسائل لے کر میرے سامنے آجاتے ہیں اور جب میں ان میں سے کسی سے وعدہ کرلیتی ہوں کہ ان کے مسئلے کا حل اپنے خوابوں میں تلاش کروں گی۔ تو پھر میں ان کے لیے خواب دیکھتی ہوں۔ بڑی آسان سی ترکیب ہے۔ آپ کسی کا تصور ذہن میں بسا کر گہری نیند سو جایئے۔ آپ کا دماغ اس تصور میں الجھی ہوئی گتھیاں سلجھائے گا۔ میں بھی ایسا ہی کرتی ہوں۔ اگر کبھی آپ کو کوئی مشکل پیش آئے تو میری مدد ضرور لیجیے۔ ہاں یہ ہمارے فون نمبر وغیرہ رکھ لیجیے۔ آپ سے تو خیر ہم جب چاہیں آفس میں ملاقات کرسکتے ہیں۔ آپ کا اپنا کوئی موبائل نمبر ہے۔''

''جی ہے۔'' کامران نے کہا اپنا موبائل فون جو اسے آفس کی طرف سے دیا گیا تھا۔ وہ اس کے پاس رہا کرتا تھا۔ عروسہ نے اس کا موبائل نمبر اپنے موبائل میموری میں فیڈ کرلیا۔ سموسے آگئے اور عروسہ سموسوں کی پلیٹ پر ٹوٹ پڑی۔ دو تین سموسے کھانے کے بعد اس نے کامران کی دیکھا اور بولی۔

''آپ......آپ نہیں کھا رہے۔''

''نہیں عروسہ صاحبہ! مالکوں اور ملازموں کے درمیان ایک فرق رہنا چاہیے۔ بے شک میں رحمان صاحب کی سیٹ پر بیٹھا ہوا ہوں۔ لیکن آپ میری باس تو ہیں۔'' عروسہ نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور بولی۔

''چلیے پھر میں آپ کو حکم دیتی ہوں کہ سموسہ کھایئے۔''

''مس عروسہ پلیز۔''

''لیں نا یار! کیا آپ نے گڑبڑ کر رکھی ہے۔ کیا اچھا لگے گا کہ ہم دونوں سموسے ٹھونس رہی ہوں اور آپ بیٹھے ہماری شکل دیکھ رہے ہوں۔ لیجیے...... لیجیے باقی سارے تکلفات پھر کبھی کے لیے اٹھا رکھیے دیجیے ہیں۔'' کامران نے ایک سموسہ اٹھا لیا تھا۔ چلتے ہوئے عروسہ نے نرم لہجے میں کہا۔

''اور ہمارے درمیان اجنبیت کی وجہ سے جو بات چیت ہوئی ہے۔ آپ اسے ذہن سے نکال دیجیے۔ ٹھیک ہے۔''

''جی۔''

''اور آخری بات۔'' وہ دروازے کے پاس رکی اور بولی۔

''جی وہ بھی فرما دیجیے۔''

''یہ جو زندگی کا الٹ پھیر ہے نا۔ آپ مالک، میں ملازم، میں مالک آپ ملازم۔ آفس کی حد تک تو ٹھیک ہے۔ لیکن اس سے الگ ہٹ کر میری طرف سے دوستی کی پیش کش قبول فرمایئے۔ غور کر لیجیے۔ آپ کو آپ کے موبائل پر فون کروں گی۔ کوئی وقت نہیں لے رہی خدا حافظ۔'' وہ باہر نکل گئی اور کامران ایک گہری سانس لے کر خاموش ہوگیا۔ لڑکی بلا خیز تھی۔ زیادہ بولنے کی عادی، بگڑی ہوئی رئیس زادی! بہرحال مالک کی

بیٹی تھی، وہ کھڑکی کے پاس آ کھڑا ہوا۔ جہاں سے سڑک نظر آتی تھی۔ باہر ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی۔ موسم خوشگوار تھا۔ کامران نے ان دونوں کو کھلی چھت والی ایک سپورٹس کار میں بیٹھتے ہوئے دیکھا اور پھر اسپورٹس کار، جس اسپیڈ سے آگے بڑھی تھی۔ اسے دیکھ کر کامران نے ایک ٹھنڈی سانس لی۔ لڑکی ضرورت سے زیادہ بگڑی ہوئی ہے۔ ایسی کہ کسی بھی وقت، کسی خطرناک حادثے کا شکار ہو جائے۔ اس نے دل ہی دل میں سوچا تھا۔ پھر دوسرے دن رحمان صاحب نے خصوصی طور پر اس سے عروسہ کے بارے میں پوچھا۔

"کل وہ بلا نازل ہو گئی تھی جس کا نام عروسہ ہے۔ تمہیں کوئی الجھن یا پریشانی تو نہیں ہوئی۔"

"نہیں۔ حیرت ہوئی کیونکہ اتنے دن مجھے یہاں کام کرتے ہوئے ہو گئے۔ نہ کوئی کاغذ ایسا میرے پاس آیا نہ کسی مسئلے میں، میں نے خاور صاحب کا نام دیکھا۔ یہ تو مجھے آپ نے ہی بتایا کہ خاور صاحب اس فرم کے پارٹنر ہیں۔" رحمان صاحب نے ایک گہری سانس لی ایک بار پھر وہی تشویش کے آثار ان کے چہرے پر نظر آئے۔ جو پہلی بار محسوس کیے گئے تھے۔ کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد انہوں نے کہا۔

"خاور جبار صاحب! اصل میں کچھ عجیب سی شخصیت کے مالک ہیں۔ میں نہیں جانتا، کرنل گل نواز صاحب نے خاور جبار جیسے آدمی کے ساتھ پارٹنر شپ کیوں کی۔"

"کیوں خیریت؟"

"یار دیکھو تم بے شک مجھ سے عمر میں بہت چھوٹے ہو۔ لیکن فطرتاً اچھے انسان ہو۔ اپنی اچھائیوں کو قائم رکھنا۔ میں ایک بوڑھا اور تھکا ہوا آدمی ہوں۔ کسی بھی طور کسی کی مخالفت برداشت نہیں کر سکتا۔ نہ اس کے خلاف کچھ کر سکتا ہوں، اصل میں خاور صاحب ذرا مختلف قسم کے آدمی ہیں۔ پروڈکشن کا شعبہ انہی کے پاس ہے اور وہ سارا کام اپنی نگرانی میں کراتے ہیں کیونکہ انہیں اس فیلڈ کا بہت اچھا تجربہ ہے۔ ویسے میں تمہیں ایک بات بتاؤں وہ بہ ذات خود کچھ بھی نہیں تھے۔ ایک ایسی فرم میں پروڈکشن منیجر تھے۔ جو فوجی وردیاں تیار کرتی تھی۔ بس یہی تجربہ لے کر کرنل صاحب کے پاس آئے تھے اور کرنل صاحب نے کچھ ہی عرصے کے بعد انہیں اپنا پارٹنر بنا لیا تھا۔ میں خاص طور سے تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ فیکٹری میں صرف فوجی وردیاں تیار نہیں ہوتیں۔ بلکہ اس کے ایک پورشن میں پرائیویٹ کام بھی ہوتا ہے اور اگر تم کبھی گہری نگاہ سے وہاں جا کر جائزہ لو تو تمہیں یہ اندازہ ہو جائے گا کہ وہ پرائیویٹ کام اصل کام سے کہیں زیادہ تعداد میں ہوتا ہے اصل کام کے لیے میٹریل کی جو سپلائی ہوتی ہے۔ وہ یہاں سے زیادہ اس پرائیویٹ کام میں استعمال ہوتی ہے اور پرائیویٹ کام کی تمام تر آمدنی خاور صاحب ہی کو جاتی ہے۔ سمجھ رہے ہو نا تم اور یہ آمدنی اتنی زبردست ہے کہ خاور صاحب کی کوٹھی، کرنل گل نواز کی کوٹھی سے کہیں زیادہ شاندار ہے۔ جب کہ پہلے خاور دو سو چالیس گز کے ایک مکان میں رہا کرتے تھے۔ میں نے جو تم سے تھوڑی سی تفصیل بتائی تھی۔ اس کا اصل بیک گراؤنڈ یہی تھا۔ خاور صاحب سخت گیر آدمی ہیں۔ ان کے پاس کچھ سخت ذرائع بھی ہیں۔ جن سے کوئی بھی نہیں الجھنا چاہتا۔ یعنی میں اپنی بات کر رہا ہوں۔ کم از کم میں ان کی مخالفت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میں ان کی سختیاں برداشت کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا۔" کامران نے حیرت کی نگاہوں سے رحمان صاحب کو دیکھا اور کہا۔

"رحمان صاحب! آپ ایک نفیس انسان ہیں کرنل گل نواز صاحب آپ پر بہت زیادہ اعتماد کرتے

ہیں۔ کتنی ہی بار آپ کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی زبان پر احترام کے الفاظ آئے ہیں۔ اگر آپ کے علم میں یہ بات ہے تو آپ کرنل گل نواز صاحب کو اس بارے میں بتاتے کیوں نہیں ہیں۔" رحمان صاحب نے ایک گہری سانس لی۔ کچھ دیر خاموش رہے پھر بولے۔

"میرے لیے ہو سکے تو یہ کوشش کرنا کہ مجھے جلد ہی ملازمت سے سبکدوش کر دیا جائے۔ میں اس قدر ہمت نہیں رکھتا کہ خاور صاحب کے خلاف کچھ کر سکوں۔ بیٹے! دل کی ہر بات تم سے کہہ دینے کی آرزو دل میں مچل رہی ہے۔ آڈٹ کے زمانے میں ایک بار فیکٹری کے حسابات دیکھتے ہوئے میں نے خاور صاحب سے اس بارے میں تذکرہ کیا اور اس بات پر بے چینی ظاہر کی کہ پروڈکشن کا وہ حصہ مجھے کس حساب میں ڈالنا چاہیے۔ تو انہوں نے بڑے اطمینان سے کہا کہ وہ کام اکاؤنٹس کے شعبے کا ہے اور اکاؤنٹس کا شعبہ مناسب کام کر رہا ہے۔ پھر اسی شام انہوں نے مجھے اپنی کوٹھی پر طلب کیا اور بہت سی ہیر پھیر والی باتوں کے بعد کہا کہ اس دور میں انسان یہی سب کچھ کر کے اپنی حیثیت بنا سکتا ہے۔ دنیا ایسا ہی کر رہی ہے۔ میں ایک بہترین منافع کما کر کرنل گل نواز کو دے رہا ہوں کرنل صاحب میرے پارٹنر ہیں۔ لیکن اس فیلڈ میں میرا تجربہ اس فیکٹری کو ترقی دے رہا ہے۔ مسٹر رحمان تم سارے حسابات وغیرہ دیکھ لو کرنل صاحب خسارے میں نہیں ہیں بلکہ ایک بہترین آمدنی ہے ان کی۔ میں اگر ادھر سے کچھ کر لیتا ہوں تو یہ میری محنت کا صلہ ہے اور میں اس کا پورا پورا حق رکھتا ہوں۔ آپ کو میرا یہی مشورہ ہے کہ بالکل خاموش رہیے اور اس خیال کو اپنے ذہن سے نکال دیجیے۔ کیونکہ بعض اوقات ضرورت سے زیادہ بڑھی ہوئی وفاداری کے نتائج بڑے خطرناک نکلتے ہیں۔ بات سمجھ میں آجائے تو ٹھیک ہے آپ کے۔ ورنہ نتیجے کے ذمہ دار آپ خود ہوں گے۔ بس جناب کامران صاحب! بال بچوں والا آدمی ہوں اور ایسے لوگوں سے جھگڑا لینے کے بہت سے برے نتیجے دیکھ چکا ہوں۔ چنانچہ میری ہمت نہیں پڑتی کہ کرنل صاحب سے اس کا تذکرہ کروں۔ بات منظر عام پر لانے کا ذریعہ میں ہی بنوں گا۔" کامران ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا تھا۔ اس نے بہت غور و خوض کیا تھا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ بے شک وفاداری اچھی چیز ہے لیکن باقی اقدامات بھی سوچ سمجھ کر کرنا ہی زیادہ بہتر ہوتا ہے۔ اس بات کو منظر عام پر ضرور لاؤں گا۔ لیکن بے وقوفوں کی طرح نہیں کہ نقصان اٹھا جاؤں۔ کوئی تدبیر، کوئی ترکیب کرنا ہو گی۔ چنانچہ اس نے کچھ وقت کے لیے خاموشی اختیار کر لی۔ تبدیلیاں تو ہوتی ہی رہتی ہیں۔ چھٹی والا ایک دن تھا کہ اس نے ایک قیمتی مرسڈیز کوٹھی میں آ کر رکتے ہوئے دیکھی۔ البتہ اس میں سے جو کوئی نیچے اترا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ ذرا سنبھلا تھا۔ یہ عروسہ تھی اور اس کے ساتھ ہی ایک تندرست و توانا قسم کا آدمی جس کے بارے میں ایک لمحے کے اندر اندر کامران نے اندازہ لگا لیا کہ یہی شخص خاور ہو سکتا ہے۔ خاور صاحب اور عروسہ اندر چلے گئے۔ باپ بیٹی کافی دیر تک اندر رہے اور اس کے بعد ایک ملازم کامران کی قیام گاہ کی طرف آیا۔

"صاحب جی! بڑے صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔" اس نے کامران سے کہا۔

"آ رہا ہوں ابھی۔" کامران نے کہا۔ گھر کا سادہ لباس پہنے ہوئے وہ کوٹھی میں داخل ہوا ملازم نے اس کی رہنمائی ایک نشست گاہ کی طرف کی۔ یہاں پورا خاندان جمع تھا۔ کرنل صاحب کی دونوں بیٹیاں ثانیہ اور فرخندہ اس کے ساتھ ہی عروسہ مسز گل نواز، شاہنواز اور خاور صاحب۔ کامران نے اندر جا کر سلام

کیا۔ تو خاور صاحب نے گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لیا۔ کرنل گل نواز نے کہا۔

''کامران! یہ ہمارے پارٹنر خاور صاحب ہیں اور خاور یہ کامران ہیں۔''

''بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر مسٹر کامران! بڑی تعریفیں سنی ہیں آپ کی کہ آپ بڑی محنت اور لگن سے کام کر رہے ہیں۔ ویسے ہم بھی اسی کے قائل ہیں۔ انسان اسی طرح ترقی کی منازل طے کر سکتا ہے۔'' خاور جبار نے کہا۔

''مکمل تعارف یہ ہے کامران بیٹھو بیٹھو بھئی تکلف برطرف بیٹھ جاؤ پلیز۔ تو میں کہہ رہا تھا کہ مکمل تعارف یہ ہے کہ خاور میرے پارٹنر ہیں بلکہ سچی بات یہ ہے کہ میں تو اس سلسلے میں کوئی واقفیت نہیں رکھتا تھا انہی کے بل بوتے پر میں نے اتنے بڑے کام کا آغاز کیا اور آج ماشاء اللہ ہم لوگ کافی آگے نکل گئے ہیں۔ خاور سے تمہاری ملاقات کبھی نہیں ہوئی ہوگی اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ہیڈ آفس بہت کم آتے ہیں۔ ان کا سارا کام پروڈکشن پر ہے۔ پروڈکشن شعبہ جو ہیڈ آفس سے ملحق فیکٹری میں کام کرتا ہے۔ وہ سمجھ لو ایک پورا شو ہے۔ خاور نے اپنے طور پر کئی جگہ مشینیں لگا رکھی ہیں اور وہیں ان کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔''

''جی سر! رحمان صاحب مجھے خاور صاحب کے بارے میں کافی تفصیلات بتا چکے ہیں۔'' کامران نے کہا اور خاور نے چونک کر کامران کی صورت دیکھی۔ کامران کو اس طرح چونکنے کی وجہ معلوم تھی۔ لیکن اس نے اپنا چہرہ سپاٹ ہی رکھا اور خاور صاحب نے بھی اس سلسلے میں اس سے کوئی خاص بات نہیں کی تھی بہرحال تعارف کی اس رسم کے بعد کامران نے اجازت مانگی تو کرنل گل نواز نے کہا۔

''دیکھو میاں! پہلی بات تو یہ کہ آج چھٹی ہے اور تم ڈیوٹی پر نہیں ہو۔ دوسری بات یہ کہ ہم نے شاید پہلے بھی تم سے کہا ہے کہ تم ملازم کی حیثیت نہیں رکھتے۔ بلکہ اس گھر کے ایک فرد ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تم اکثر کھانا پینا اپنا الگ ہی رکھتے ہو۔ میں نے اس پر اعتراض نہیں کیا کہ ہم ملنگ قسم کے لوگ ہیں۔ جب کہ تم ایک نئے دور کی شخصیت کے مالک شخص ہو۔ ہم تو یہ کہ بھی کسی وقت بیٹھے اور بھی کسی وقت ہم نے سوچا کہ کہیں تم تکلف میں نہ مارے جاؤ۔ چنانچہ یہ کھانا پینا بھی الگ رکھا ہے ورنہ تم ہم میں سے ایک ہو۔ خاور، حاجی صاحب نے انہیں بھیجا تھا میرے پاس۔ حاجی صاحب کا خوف ہی کیا کم ہے لیکن انہوں نے اپنے لیے ایک بڑی جگہ بنائی ہے گھر میں۔''

''بڑی بات ہے جو لوگ دوسروں کے گھر میں آکر جگہ بنا لیتے ہیں بڑی حیثیت کے حامل معلوم ہوتے ہیں۔'' اس دوران میں عروسہ مسلسل مسکراتی نگاہوں سے کامران کا جائزہ لیتی رہی تھی۔ کھانے پینے کی بہت سی اشیا لائی گئیں۔ کامران کو بھی ان میں شرکت کرنا پڑی۔ کامران نے ایک بات محسوس کی تھی۔ وہ یہ کہ عروسہ، فرخندہ اور ثانیہ کے درمیان کوئی خاص دوستی نہیں معلوم ہوتی تھی۔ جب کہ یہ ذرا حیرانی کی بات تھی۔ ہم عمر بھی تھیں اور اتنے قریبی تعلقات بھی تھے۔ چائے کا آخری گھونٹ پینے کے بعد عروسہ نے کہا۔

''کامران صاحب! آپ کہاں رہتے ہیں ہمیں اپنا دولت خانہ نہیں دکھائیں گے۔'' کامران بھونچکا رہ گیا تھا۔ عروسہ جواب کا انتظار کیے بغیر کھڑی ہوئی تو خاور صاحب نے کہا۔

''عروسہ کیا کامران صاحب سے تمہاری واقفیت پہلے سے ہے۔''

''جی ڈیڈی! ایک بادلوں بھری شام جب آسمان سے ہلکی ہلکی بوندیں برس رہی تھیں میں انکل سموسہ کی تلاش میں نکلی اور آفس پہنچ گئی، وہاں انکل سموسہ موجود نہیں تھے۔ بلکہ یہ کامران صاحب تھے جنہوں نے بڑی محبت سے ہمیں خوش آمدید کہا۔ میرے ساتھ میری دوست ثمر بھی تھی۔ مقصد یہ کہ یہ ہمیں ایک بار سموسے کھلا چکے ہیں۔ چنانچہ تعارف تو وہیں ہو گیا تھا۔''

''اچھا...... یہ بات تم نے مجھے نہیں بتائی۔'' خاور صاحب نے کہا۔

''بہت سی باتیں ایسی ہیں ڈیڈی! جو میں نے آپ کو ابھی تک نہیں بتائیں۔ آیئے نا مسٹر کامران آیئے پلیز۔'' اس نے بڑی بے تکلفی سے کامران کے قریب پہنچ کر کہا اور کامران نے بے بسی سے ادھر ادھر دیکھا۔ اسی وقت کرنل صاحب نے کہا۔

''چلے جاؤ بھئی۔ چلے جاؤ۔ یہ بڑی ضدی لڑکی ہے۔''

''شاہنواز آپ بھی آیئے۔'' کامران نے کہا اور شاہنواز نے بوکھلائی ہوئی نگاہوں سے کامران کو دیکھا اور کہا۔

''نہیں میں ذرا مصروف ہوں۔'' کامران گردن جھٹک کر باہر نکل گیا۔ عروسہ بڑی بے تکلفی کے ساتھ اس کے ساتھ چل پڑی تھی۔ کوٹھی کے اندرونی حصے سے باہر آکر اس نے کہا۔

''آپ کوٹھی میں نہیں رہتے۔''

''جی نہیں...... میرا خیال ہے اس دن میں نے آپ سے اپنا تفصیلی تعارف کرایا تھا۔'' کامران بولا۔

''تعارف تو کرایا تھا لیکن کوٹھی کا تعارف نہیں ہو سکا تھا میرا مطلب ہے آپ کی قیام گاہ کا۔''

''نوکر ہوں اس گھر کا۔ حاجی الیاس صاحب چونکہ کرنل گل نواز کے بڑے بھائی ہیں۔ ان کی سفارش پر یہاں آیا تھا اس لیے یہاں جگہ بھی مل گئی۔ تھوڑی سی عزت بھی کی جاتی ہے۔ ورنہ ملازم تو ملازم ہی ہوتے ہیں۔''

''خیر چلیے...... چلیے اپنی قیام گاہ دکھایئے۔''

''ویسے ایک بات میں نے محسوس کی ہے آپ کے اندر۔''

عروسہ نے کہا لیکن کامران نے یہ نہیں پوچھا تھا کہ کیا بات محسوس کی ہے اپنی قیام گاہ پہنچ کر اس نے کہا۔

''یہ ہے غریب خانہ۔''

''خیر برا نہیں ہے اور جس طرح سے یہاں آرائش کی گئی ہے۔ اس سے یہ لگتا ہے کہ کافی عزت ہے یہاں آپ کی۔'' وہ ایک صوفے پر دراز ہو گئی۔ اسی وقت رمضان بابا اندر آئے اور انہوں نے کہا۔

''صاحب کوئی چائے ٹھنڈا وغیرہ۔''

''جی عروسہ بی بی!''

''واہ۔ اچھا بابا! آپ نے جس انداز میں مجھے پکارا۔ نہیں بابا صاحب! کچھ نہیں ابھی اندر سے کھا پی کر آئے ہیں۔ بیٹھیے نا کامران صاحب! آپ نے یہ نہیں پوچھا کہ کیا بات مجھے عجیب لگی تھی۔''

"انتظار کر رہا تھا کہ آپ خود ہی بتا دیں۔" کامران نے جواب دیا۔

"اوہو اچھا اچھا۔ میں صرف یہ کہنا چاہتی تھی کہ آپ کچھ گھبرائے گھبرائے سے رہتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے جیسے لڑکیوں کی قربت سے آپ نروس ہو جاتے ہیں۔ کیا خیال ہے آپ کا میں غلط تو نہیں کہہ رہی۔"

"کسی حد تک ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ۔"

"کیوں؟"

"بنیادی وجہ یہ رہی ہے کہ زندگی میں کبھی لڑکیوں کی قربت کا موقع ہی نہیں ملا۔"

"بس یہی بات ہے۔"

"جی۔"

"ویسے آپ برا نہ مانیں آپ کو جھوٹا نہیں کہہ رہی۔ لیکن بات کچھ سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔"

"کیوں؟ کامران نے سوال کیا۔

آپ جیسی دل کش شخصیت کے لوگ آسانی سے نہیں بخشے جاتے اصل میں دور بدل چکا ہے۔ اب دل کی بات دل میں نہیں رکھی جاتی۔ بلکہ بیان کر دی جاتی ہے۔ میں بھی اسی دور کی ایک فرد ہوں۔ آپ سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ آپ کی شخصیت بہت دل کش ہے۔ آپ مردانہ حسن کا ایسا شاہکار ہیں کہ کوئی بھی لڑکی آپ کو دیکھ کر متاثر ہو سکتی ہے۔ معاف کیجیے گا یہ الفاظ میں اس لیے کہہ رہی ہوں کہ آپ نے مجھ سے کہا ہے نا کہ کبھی اس کا موقع نہیں ملا۔ میں جاننا چاہتی ہوں کہ یہ موقع کیوں نہیں ملا۔"

"شاید آپ جیسی پرکھ کسی اور لڑکی میں نہیں ہوگی۔" کامران بھی اب خوش گوار موڈ میں آ گیا تھا۔

"میں اسے اچھی بات سمجھتی ہوں۔ ورنہ وہ لڑکی نقصان میں رہتی۔" عروسہ نے بے تکلفی سے کہا۔

"کیوں؟"

"ظاہر ہے۔ میں کبھی نہ پسند کرتی کہ جسے میں پسند کرتی ہوں اسے کوئی اور پسند کرے۔" بات ضرورت سے زیادہ آگے کی ہو رہی تھی کامران نے سوچا کہ اس کی اس بات کی پذیرائی کی جائے یا اس سے گریز اختیار کیا جائے۔ یہ بات تو اس کے علم میں آ چکی تھی کہ عروسہ خاور صاحب کی بیٹی ہے جو اس فیکٹری کے پارٹنر ہیں۔ وہ تو خیر نوجوان، نوخیز اور منہ پھٹ ہے۔ لیکن اگر خاور صاحب کو اور خاص طور پر کرنل قل نواز کو یہ بات معلوم ہوئی۔ تو صورت حال خطرناک بھی ہو سکتی ہے بہر حال اسے حاجی صاحب کی عزت کا بھی خیال تھا۔ چنانچہ اس نے اس موضوع کو آگے نہ بڑھایا۔ عروسہ خود ہی بولی۔

"اچھا ایک بات بتایئے لیکن بالکل سچ سچ۔"

"جی فرمایئے۔"

"ان دونوں خواتین میں سے کس نے آپ پر چھلانگ لگائی۔ میری مراد فرخندہ اور ثانیہ سے ہے۔"

"نہ جانے آپ، کیا بات کر رہی ہیں۔ آپ مجھے ایک بات بتایئے۔ کیا آپ نے میرے انداز میں کوئی ایسی گستاخی پائی۔ جس سے آپ کو یہ احساس ہو کہ میں آپ کو صرف ایک خاتون سمجھ رہا ہوں۔"

"میں اس بات پر بے چین ہوں کہ ابھی تک آپ کے انداز میں ایسی کوئی بات کیوں نہیں پیدا ہوئی۔ میں آپ سے کھل کر اپنی پسند کا اظہار کر چکی ہوں مجھے تعجب ہے کہ آپ ایسے کسی اظہار سے کیوں گریزاں ہیں۔"

"میں ہر حالت میں اپنی اوقات میں رہتا ہوں عروسہ! آپ میرے مالک کی بیٹی ہیں میرے لیے قابل احترام انتہائی قابل احترام۔ کبھی خواب میں بھی آپ کے بارے میں کوئی غلط بات نہیں سوچ سکتا۔"

"یار! کمال کرتے ہیں آپ۔ نوجوان نسل سے تعلق ہے آپ کا۔ اور نوجوان نسل ان فرسودہ باتوں کو بالکل نہیں جانتی۔ بھاڑ میں ملازمت، ملازمت ہے اور دل، دل ہے۔ کیا سمجھے آپ۔"

"اور بڑی خوبصورتی، سے آپ اس بات کو گول کر گئے۔ جو میں نے فرخندہ اور ثانیہ کے بارے میں آپ سے کہی تھی۔"

"سچ کہوں آپ سے میں نے آج تک انہیں نگاہ بھر کر دیکھا بھی نہیں ہے۔"

"اور انہوں نے۔"

"میں نے کہا نا کہ انہوں نے بھی کبھی مجھ سے کسی ایسے مسئلے میں بات نہیں کی ہے۔ بلکہ میں آپ سے کہوں کہ میری ان کی بات تو آج تک ہوئی ہی نہیں ہے۔"

"خیر مجھے معلوم ہے بڑا فرسودہ گھر ہے۔ پتا نہیں یہاں کے لوگ کیسے جی لیتے ہیں۔ ویسے ایک بات سنیں۔ میں آج ڈیڈی کو چکر دے کر یہاں لائی ہوں۔ میں نے سوچا کہ اس انداز میں آپ سے ملاقات کرا دی جائے۔ بات یہ ہے کہ اس دن جب میں آپ سے مل کر گئی نا تو میں نے ثمر سے کھل کر کہہ دیا تھا کہ ثمر! ہو سکتا ہے مجھے اس شخص سے عشق ہو جائے۔ یہ ایسی ہی عمدہ شخصیت کا مالک ہے۔ بات کچھ سچ ہی ثابت ہوئی۔ میں نے اپنے سچے خوابوں میں آپ کو دیکھا اور میرے خوابوں نے میری رہنمائی کی۔ انہوں نے مجھے بتا دیا کہ اس کام میں وقت ضرور لگے گا لیکن میری اور آپ کی قربت ناممکن نہیں ہے۔" اسی وقت باہر سے شاہنواز کی آواز سنائی دی۔

"عروسہ صاحبہ! انکل خاور گاڑی میں بیٹھ گئے ہیں آپ کو بلا رہے ہیں۔"

"بس ڈیڈی بھی ہوا کے گھوڑے پر سوار رہتے ہیں۔ اچھا جناب عالی! چلتی ہوں جتنی باتیں آپ سے ہوئی ہیں۔ میرا خیال ہے میں نے آپ کے سوچنے کے لیے کافی کچھ مواد مہیا کر دیا ہے۔ ذرا غور کیجیے۔ میری شرافت دیکھیے کہ میں نے آپ سے ابھی تک آپ کے موبائل پر کوئی گفتگو نہیں کی۔ لیکن اب ایک دو دن کے بعد میں آپ سے کچھ باتیں کروں گی۔ اصل میں لڑکی ہوں تھوڑی بہت شرم تو آنکھوں میں ہے۔ ساری باتیں کھل کر نہیں کہہ سکتی۔ او کے خدا حافظ۔" یہ کہہ کر وہ باہر نکل گئی۔ کامران کا دیوتا کوچ کر گئے تھے۔ یہ لڑکی ہے یا قیامت، کیا چیز ہے یہ کم بخت، ٹھیک ہے بگڑے ہوئے رئیس زادے اسی طرح کے ہوتے ہیں۔ لیکن کیا رئیس زادیاں بھی ایسی ہوتی ہیں۔ اتنی بے باک اتنی بدزبان، زبان کے آگے لگام ہی نہیں ہے۔ وہ باہر تک نہیں آیا تھا حالانکہ عام حالات میں یقینی طور پر اس پر یہ فرض عائد ہوتا تھا کہ وہ کچھ نہ سہی تو کم از کم خاور صاحب کو اپنی فرم کے ڈائریکٹر ان میں سمجھ کر انہیں باہر تک چھوڑنے آتا۔ وہ وہیں گم صم بیٹھا رہا اس نے کار اسٹارٹ ہونے اور پھر اس کے گیٹ سے باہر نکلنے کی آواز سنی تھی۔ پھر وہ اس وقت چونکا جب شاہنواز اندر گھس

آیا تھا۔ شاہنواز نے اندر آ کر کامران کی صورت دیکھی اور اس کا فلک شگاف قہقہہ فضا میں بلند ہو گیا۔ کامران احمقوں کی طرح منہ پھاڑے اسے دیکھنے لگا تھا۔ اس نے شاہنواز کے ہنسنے پر بھی کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ شاہنواز تھوڑی دیر تک ہنستا رہا اور پھر بولا۔

"ارے ہونق اعظم! آخر ہو گئے ناچت، لیکن حلف اٹھاؤ کہ جو کچھ کہو گے سچ کہو گے، سچ کے سوا کچھ نہ کہو گے" کامران چونکا اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"جو کچھ کہوں گا سچ کہوں گا۔ سچ کے سوا کچھ نہ کہوں گا۔"

"کیا صورت حال رہی۔ سنا ہے آپ محترمہ کو سموسے بھی کھلا چکے ہیں۔"

"بہ خدا میں نے انہیں سموسے نہیں کھلائے۔ بلکہ وہ خود ہی مجھے سموسے کھلا گئیں۔" کامران نے مسخرے پن سے کہا اور شاہنواز کا پھر قہقہہ ابل پڑا۔ پھر بولا۔

"یار! بڑی دل پھینک لڑکی ہے۔ ہوشیار رہنا پڑے گا۔ ویسے ایک بات بتاؤں اگر تمہیں بیس فیصد بھی پسند ہے تو سمجھ لو کوئی مشکل نہیں تمہارے لیے۔ ہم ہیں نا۔"

شاہنواز! میں نے کبھی آپ کے لیے کچھ برا سوچا ہے۔" کامران نے کہا اور شاہنواز پھر ہنس پڑا۔

"بالکل نہیں۔ بالکل نہیں۔"

"تو آپ ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں۔"

"نہیں نہیں۔ خیر ایک بات میں کہتا ہوں۔ شکل صورت تو بری نہیں ہے یار!"

"شاہنواز! میں نے زندگی کو بہت تنگی سے گزارا ہے ایسی ذمے داریاں اٹھائی ہیں جو بہرحال میری عمر کے لوگ نہیں اٹھاتے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اس زندگی میں مجھے کبھی حسن و عشق کی باتوں سے سابقہ نہیں پڑا۔ لیکن میں نے اپنا ایک مقام ایک مزاج برقرار رکھا ہے۔ میرے خاندان کی بہت زیادہ کہانیاں تو منظر عام پر نہیں ہیں۔ لیکن اتنا ضرور جانتا ہوں کہ ہمارے خاندان میں کبھی کوئی ایسا اسکینڈل منظر عام پر نہیں آیا جو خاندانوں کی گردنیں جھکا دیتا ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ وہ لوگ ہم سے کہیں زیادہ بہتر حالت میں تھے۔ ہم تو ویسے بھی مصائب میں ڈوبے ہوئے لوگ ہیں۔ اتنی ساری باتیں کہنے کا مطلب یہ ہے کہ میرا اپنا ایک مزاج ہے۔ آپ لوگ تو میرے لیے انتہائی محترم ہیں۔ عروسہ ہوں یا اور کوئی اگر وہ آپ کے قریب سے بھی گزر رہی ہیں اور آپ نے ان سے بات کر لی ہے تو وہ میرے لیے بہت زیادہ قابل احترام ہیں۔"

"یار! میں جانتا ہوں۔ اگر میری اس بے تکلفی کا برا مان گئے ہو تو معافی چاہتا ہوں۔ یقین کرو۔ بس ایسے ہی سوال کر لیا تھا۔ مطمئن ہو میری طرف سے۔"

"بہت زیادہ۔" کامران نے جواب دیا اور محبت سے آگے بڑھ کر شاہنواز کو گلے سے لگا لیا۔ اب کچھ الجھنوں کا آغاز ہو گیا تھا۔ ورنہ زندگی بہ ظاہر پرسکون تھی۔ رحمان صاحب بہت زیادہ بوڑھے آدمی تو نہیں تھے۔ لیکن دمے کے مریض تھے اور بے چارے اکثر بیمار رہا کرتے تھے۔ چنانچہ زیادہ تر کام کی ذمے داری کامران ہی کے کندھوں پر آ پڑی تھی۔ رحمان صاحب نے دو تین بار کہا تھا۔

"بیٹے! میں کرنل صاحب سے بات کرنا چاہتا ہوں اور یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مجھے اب میری ذمے

داریوں سے سبکدوش کر دیں۔ میری صحت اس کی اجازت نہیں دیتی۔ تم اپنی ذمے داریاں سنبھال لو۔"

"رحمان صاحب! میں یہ چاہتا ہوں کہ بس آپ کی سرپرستی حاصل رہے۔ باقی کام آپ مجھے بتا دیا کریں۔ آپ ابھی جلد بازی نہ کریں۔" رحمان صاحب خاموش ہو گئے تھے اس دوران کامران بہت کچھ سوچتا رہا تھا۔ اس کے ذہن میں وہ تفصیل موجود تھی جو رحمان علی صاحب نے اسے بتائی تھی کئی بار اس کا دل چاہا کہ شاہنواز کو اپنا شریک راز بنائے لیکن بات وہی آ جاتی تھی کہ ابھی تک براہ راست وہ خود پروڈکشن سے متعلق نہیں ہو سکا تھا۔ چنانچہ بات رحمان علی پر ہی آ جاتی۔ بہت کچھ سوچنے کے بعد اس نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ باقاعدہ اس بات کی درخواست کرے گا کہ اسے فیکٹری وغیرہ کے معائنے کی اجازت دی جائے۔ لیکن کسی مناسب وقت پر۔ فی الحال اس کے علاوہ اس کے ذہن میں دو ہی الجھنیں تھیں۔ وہ پراسرار لڑکی سیتا اور دوسری پراسرار لڑکی بلکہ خوفناک لڑکی عروسہ، عروسہ نے ایک رات موبائل پر کال کیا۔ ساڑھے دس بجے کا وقت تھا اور کامران اپنی آرام گاہ میں تھا کہ موبائل پر بیل ہوئی اور عروسہ کا نمبر اس پر آ گیا۔

"ہیلو۔"

"ادھر آواز والے کیا کر رہے ہو۔"

"آرام" کامران نے جواب دیا۔

"میں اتنے دن سے انتظار کر رہی تھی کہ تم خود مجھ سے رابطہ قائم کرو۔"

"ضرورت نہیں پیش آئی تھی اس کی۔"

"کب تک پیش آئے گی۔"

"سمجھا نہیں مس عروسہ۔"

"سمجھ گئے ہو، بنو مت۔"

"آپ کے الفاظ میں سننا چاہتا ہوں۔"

"میں تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گی۔ بس تم نے مجھ سے ملنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔"

"مصروف آدمی ہوں۔ ظاہر ہے نوکری اور پھر گھر۔"

"بہت زیادہ گریز نہیں کر رہے ہو مجھ سے۔"

"کر رہا ہوں۔"

"کیوں۔"

"اس لیے کہ آپ تک آنا نہیں چاہتا۔"

"توہین کر رہے ہو میری۔"

"بالکل نہیں۔ احترام کر رہا ہوں۔"

"میں پہلے ہی کہہ چکی ہوں کہ ان حماقتوں کو نہیں مانتی۔"

"اور میں زبردستی کو نہیں مانتا۔"

"کون سی زبردستی کی ہے میں نے تمہارے ساتھ۔"

"جو کر رہی ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ بعد میں بات کروں گی تم سے، سارا موڈ چوپٹ کر دیا۔ میں نے تو سوچا تھا کہ کچھ اچھی باتیں کرو گے۔" دوسرے دن اتوار تھا۔ صبح ساڑھے دس بجے ایک ٹیکسی آ کر کمپاؤنڈ میں رکی۔ ایک صاحب اس سے نیچے اترے۔ دو ملازم جو کسی کام سے جا رہے تھے اس ٹیکسی کو دیکھ کر رک گئے پھر انہوں نے ٹیکسی کی جانب دوڑ لگا دی اور جلدی سے سامان وغیرہ سنبھال لیا۔ کامران نے حاجی صاحب کو دیکھ لیا۔ حاجی الیاس ٹیکسی سے اتر رہے تھے۔ کامران کو حاجی الیاس سے کچھ اس طرح عقیدت اور محبت ہو گئی تھی کہ وہ ان کی جانب بے تکلفی سے دوڑ پڑا۔ حاجی صاحب نے کامران کو دیکھا تو ان کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ انہوں نے دونوں ہاتھ پھیلائے اور کامران کو گلے سے لگا لیا۔

"گڈ...... گڈ...... گڈ...... شکل سے نظر آ رہا ہے کہ خوش ہو اور مطمئن بھی ہو۔"

"بالکل ٹھیک ہونا کوئی پریشانی تو نہیں ہے یہاں۔"

"جی بالکل نہیں۔" اتنی دیر میں کرنل صاحب، شاہنواز اور گھر کے تمام افراد حاجی صاحب کے پاس آ گئے۔

"بھائی جان یہ زیادتی ہے۔" کرنل گل نواز نے کہا۔

"کیا مطلب ہے۔" حاجی صاحب بولے۔ وہ ابھی تک کامران کو اپنے گلے سے چمٹائے ہوئے تھے۔

"آنے کی اطلاع بھی نہیں دی آپ نے اور پھر ٹیکسی سے آ گئے ہیں۔"

"دیکھو عزیزم زندگی اسی انداز میں گزر گئی۔ اب آخری وقت میں عادت بدلیں گے۔ کوشش کرتے ہیں کہ اپنی ذات سے کسی کو زیادہ تکلیف نہ دیں اب آ گئے ہیں تو تکلیفیں تو تمہیں اٹھانی پڑیں گی اور یہ الو کا پٹھا الگ کیوں کھڑا ہے۔ حاجی الیاس صاحب نے شاہ نواز کی طرف رخ کر کے کہا۔

"انتظار کر رہا تھا کہ آپ کامران کو چھوڑیں تو میں آپ سے ملوں۔"

"آ جا بھئی اور یہ دونوں، کیا ہماری کوئی عزت، کوئی حیثیت نہیں رہ گئی تمہارے دل میں۔" حاجی صاحب کا اشارہ لڑکیوں کی طرف تھا۔ دونوں لڑکیاں جھینپتے ہوئے آگے بڑھیں تو حاجی صاحب نے انہیں بھی سینے سے لگایا اور پھر مسز شاہ نواز کی طرف مڑ کر بولے۔

"بڑی بی! کتنے دانت ٹوٹے ہیں تمہارے۔"

"نہیں بھائی جان! دانت تو نہیں ٹوٹے میرے۔" بیگم گل نواز نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بھائی جان کہتی ہونا مجھے، اتنے دن کے بعد آیا ہوں۔ یار! یہ کیا تم نے ان سب کو منع کر دیا۔ سب مجھ سے دور دور کھڑے ہیں۔"

کامران حاجی صاحب کا یہ ایک مختلف روپ دیکھ رہا تھا۔ ان لوگوں نے بتایا تھا کہ حاجی صاحب کافی تیز مزاج ہیں۔ ذرا سی دیر میں عزت اتار کر رکھ دیا کرتے ہیں۔ کامران کو اس بات پر حیرت ہوئی تھی۔ کیونکہ حاجی صاحب تو بہت ہی نفیس اور ملائم انسان تھے۔ پتا نہیں یہ لوگ ایسی بات کیوں کہہ رہے تھے۔ کامران وہیں برآمدے میں رک گیا۔ کرنل گل نواز نے اسے انگلی کے اشارے سے قریب بلایا۔ حاجی صاحب

لڑکیوں سے باتیں کرتے ہوئے آگے جا رہے تھے۔ کرنل گل نواز نے کہا۔

"میاں تکلف تو ویسے بھی نہیں ہے۔ لیکن حاجی صاحب پر یہ اظہار مت کرنا کہ تم ذرا دور دور رہتے ہو۔ ہم تو تمہیں اپنے گھر کا ایک فرد ہی سمجھتے ہیں۔ لیکن تم پر کسی بات میں جبر نہیں کر سکتے۔ لیکن حاجی صاحب کچھ نہیں سنیں گے...... بس ذرا ساتھ ہی رہو تو اچھا ہے۔"

حاجی صاحب کے ساتھ کامران بھی اندر داخل ہو گیا تھا۔ کافی دیر تک کامران دوسرے لوگوں کے ہمراہ ان کے ساتھ رہا اور اس کے بعد چلا آیا۔ البتہ لنچ پر اس کا بلاوا آ گیا اور اس نے لنچ انہی لوگوں کے ساتھ کیا۔ حاجی صاحب بالکل مطمئن تھے۔ کھانے کے بعد وہ کہنے لگے۔

"تم نے دور دراز کی جگہ کیوں پسند کی ہے؟"

"وہ ذرا پرائیویسی رہتی ہے۔"

"تم کون سا شادی شدہ ہو بھائی۔ ویسے آرام سے تو ہو۔"

"بہت زیادہ آرام سے ہوں حاجی صاحب! بہت زیادہ آرام سے ہوں۔" کامران نے جواب دیا۔ حاجی صاحب کے آنے سے کافی رونق ہو گئی تھی رات کے کھانے پر بھی کامران ساتھ ہی رہا۔ اسے پتا چلا کہ حاجی صاحب صبح واپس چلے جائیں گے۔ سب ہی ان کے پیچھے پڑے ہوئے تھے کہ وہ چار دن یہاں رکیں۔

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تم لوگ تو اتنے مصروف ہو کہ گھر سے باہر نکلتے ہی نہیں اور نکلو گے بھی کیوں۔ کون ہے تمہارا جس کے پاس آؤ گے میں ہی آ جاتا ہوں جب میرا دل گھبراتا ہے۔ غلط تو نہیں کہہ رہا۔"

"نہیں بھائی جان ایسی کیا بات ہے۔ آپ جب حکم دیں حاضر ہو جائیں۔"

"میں تمہارے حکم پر آیا ہوں کیا۔" حاجی صاحب نے کہا۔

"نہیں بھائی جان! ہم بہت جلد حاضری دیں گے۔"

"ارے جاؤ منہ دیکھ لیا تو حاضری دیں گے ویسے پوچھتے بھی نہیں ہو کہ زندہ ہو یا مر گئے۔" بس طرح کی باتیں رات گئے ہوتی رہیں۔ دوسرے دن صبح حاجی صاحب چلے گئے۔ اسی شام کوئی پانچ بجے کے قریب جب آفس بند ہو گیا تھا اور کامران باہر نکلنے والا تھا کرنل گل نواز اس کے پاس پہنچ گئے۔

"گھر نہیں جاؤ گے بھئی۔"

"جی بس نکل رہا تھا۔"

"چلو آؤ میرے ساتھ چلو۔ میں ذرا رحمان صاحب کے پاس کام سے آیا تھا۔" کامران تھوڑی سی ہچکچاہٹ کے بعد کرنل گل نواز کے ساتھ باہر آ گیا۔ ڈرائیور نے دروازہ کھولا تو وہ آگے ڈرائیور کے ساتھ بیٹھنے لگا۔ کرنل صاحب نے کہا۔ "پیچھے آ جاؤ۔" کامران ان کے ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ راستے بھر خاموشی رہی۔ گاڑی سے اترنے کے بعد کرنل صاحب نے کہا۔

"بہت دن سے رمضان کے ہاتھ کی چائے نہیں پی ہے۔ آؤ آج تمہارے ساتھ تمہارے کمرے میں بیٹھ کر چائے پئیں گے۔" کامران نے ممنونیت سے گردن جھکا دی۔ کرنل گل نواز اس کے ساتھ اندر آ گئے تھے۔ رمضان بابا نے بڑے احترام سے چائے وغیرہ کے بارے میں پوچھا تو کرنل صاحب نے کہا۔

"ہاں رمضان بابا! خود تو کبھی آپ پوچھتے نہیں ہیں ہم نے سوچا کہ آج فرمائش کیے دیتے ہیں۔ چلیے چائے پلائیے اور جو آپ بیسن کے پکوڑے بناتے ہیں۔ موسم تو نہیں لیکن بنا کر کھلائیے آج۔"

"بس تھوڑی دیر میں حاضر کرتا ہوں۔"

"آرام سے بنائیے اور اچھے بنائیے مجھے جلدی نہیں۔" کرنل گل نواز نے کہا۔

"ہاں بھئی کامران!" کرنل صاحب نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "حاجی صاحب نے تمہیں میرے پاس بھیجا تھا۔ میں پہلے بھی یہ اعتراف کر چکا ہوں کہ تمہاری ظاہری شخصیت نے مجھے متاثر کیا اور میں نے تمہیں ذاتی طور پر پسند کیا اور معاف کرنا مقدور بھر محبت بھی دی تمہیں۔ بے شمار بار تمہارے بارے میں سوچا۔ تم کون ہو، حاجی صاحب سے کیا تعلق ہے۔ لیکن یہ بات ذرا معیوب سی لگی کہ تم سے تمہارے بارے میں تفصیلات پوچھوں۔ وقت گزرنے پر جب انسان کو اپنائیت کا احساس ہو جاتا ہے۔ تب وہ خود ہی اپنے بارے میں ساری تفصیلات بتا دیتا ہے بہر حال حاجی صاحب آئے ان سے تمہارے بارے میں تفصیلی گفتگو رہی۔ انہوں نے تمہارے بارے میں تفصیلات بتائیں۔ بیٹے! بڑا دکھ ہوا، اس دنیا میں اس طرح کے لوگ بہت سے ہوتے ہیں مگر تمہاری شرافت اور تمہارے والدین کی اعلا تربیت کا اندازہ مجھے ہو گیا تھا۔ حاجی صاحب سے معلوم ہوا کہ تم اپنی بہن کے قاتل کو قتل کرنے کے لیے گھر سے نکلے تھے کہ اپنے کرم سے اللہ نے تمہیں ایک جرم سے بچا لیا بیٹا! قانون نے تمہاری بہن کے قاتل کو سزائے موت دے دی۔ یہ تمہارے صبر کا نتیجہ تھا۔ اگر تم بھی قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیتے تو مشکل میں پھنس جاتے۔ قاتل تو مرنا ہی تھا تم بے موت مارے جاتے، خدا نے تم پر مہربانی کی۔ میں اس داستان سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے ماضی کو بھول جاؤ اور یہاں خوش و خرم رہو۔ فیکٹری کی ملازمت بس یوں سمجھ لو کہ تمہارے لیے ایک مشغلہ ہے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کا عطا کیا ہوا یہاں بہت کچھ ہے۔ میرے لیے تم شاہنواز ہی کی سی حیثیت رکھتے ہو۔ چنانچہ آج سے میرے اور تمہارے درمیان ایک نیا رشتہ قائم ہوا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم اس رشتے کو قبول بھی کرو گے اور اس کا بھرم بھی رکھو گے۔" کامران ان الفاظ سے بہت متاثر ہو گیا تھا۔ اس کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ اس کے بعد کرنل گل نواز نے اس کے ساتھ چائے وغیرہ پی اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر نکل گئے لیکن کامران کے لیے وہ سوچنے کو بہت کچھ چھوڑ گئے تھے۔

سب سے بڑی بات مرزا خاور بیگ کے بارے میں تھی۔ خاور صاحب جو کچھ کر رہے تھے۔ اس کا کرنل گل نواز کے علم میں ہونا بہت ضروری تھا۔ لیکن بیچ میں رحمان علی آ جاتے تھے۔ رحمان علی سے اس سلسلے میں جو باتیں ہوئی تھیں۔ وہ بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی تھیں۔ وہ بے چارے اول تو ضعیف آدمی تھے۔ دوسری بات یہ کہ فطرتاً امن پسند تھے اور اس طرح کے لوگ یعنی خاور بیگ جیسے جو اس طرح کے کام کیا کرتے ہیں فطرتاً ہی جرائم پیشہ ہوتے ہیں اور اس کا بھی اندیشہ تھا کہ اگر رحمان علی صاحب اس بات کو منظر عام پر لاتے تو خاور بیگ انہیں نقصان پہنچا دیتا اور چونکہ معاملہ ابھی براہ راست کامران سے تعلق نہیں رکھتا تھا۔ اس لیے کامران پر توجہ نہیں جاتی۔ بہت سے امور میں خاموشی اور رازداری بہتر ہوتی ہے۔ یہ سوچ کر کامران خاموش ہو گیا تھا۔ کوٹھی میں سب کا رویہ اس کے ساتھ اچھا تھا۔ فرخندہ اور شاہینہ کی اپنی محفلیں ہوا کرتی تھیں۔ کالج

وغیرہ کی دوست لڑکیاں آ جاتی تھیں کبھی کبھی۔ شاہنواز کے دوست بھی آ جاتے تھے لیکن اعتدال ہر جگہ قائم تھا۔ لڑکیاں اگر کہیں جاتیں تو ڈرائیور کے ساتھ جایا کرتی تھیں۔ کامران کو یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ یہ گھر بگڑا ہوا گھر نہیں ہے۔ بہت اچھے لوگ ہیں۔ سب کے سب زندگی کو ایک ترتیب میں گزارنے کے عادی تھے۔ البتہ ایک گڑبڑ تھی۔ عروسہ دو تین بار آ چکی تھی اور جب بھی آتی بڑے عجیب و غریب تاثرات چھوڑ کر جاتی۔ اس دن بھی شام کو واپسی ہوئی تھی اور کامران اپنے معمولات سے فراغت حاصل کر کے بیٹھا ہوا کافی پی رہا تھا کہ باہر دروازے پر آہٹیں سنائی دیں اور اس کے بعد عروسہ کی شکل نظر آئی۔ کامران چونک کر اسے دیکھا عروسہ اندر گھس آئی اس کے پیچھے ایک اور لڑکی بھی تھی۔ وہ بھی کسی جدید گھرانے کی فرد تھی۔ چست پتلون وغیرہ میں ملبوس۔

"تو کافی پی جا رہی ہے۔"

"آئیے۔ مس عروسہ! ویسے آپ بہت بے تکلف خاتون ہیں کیا آپ کے اپنے گھر میں بھی اسی طرح کی آزادی ہے؟"

"آزادی سے کیا مراد ہے آپ کی مسٹر کامران!"

"آپ نے دروازے پر رک کر اندر آنے کی اطلاع دینا بھی مناسب نہیں سمجھا۔"

"آپ مجھے سرزنش کر رہے ہیں۔"

"نہیں ایسے ہی اپنی معلومات میں اضافہ کر رہا تھا۔ ہیلو مس! آپ کو پہلی بار دیکھا ہے میں نے۔" کامران نے عروسہ کی دوسری ساتھی کی طرف رخ کر کے کہا۔

"ہیلو میرا نام نینا ہے۔ ہم لوگ کالج کے ساتھی ہیں۔ واقعی ہمیں دستک دے کر اندر آنا چاہیے تھا۔ اصل میں عروسہ آگے تھی اور میں پیچھے۔ جب یہ بغیر اطلاع کے اندر داخل ہو گئی تو میں پیچھے پیچھے اندر آ گئی۔"

"کوئی بات نہیں آئیے آپ لوگ تشریف رکھیے۔ اچھا یہ بتائیے چائے یا کافی۔ یا پھر کوئی......"

"نہیں جناب! کافی کی خوشبو نے مست کر دیا ہے۔ آپ ہمیں کافی ہی پلوائیے۔"

"رمضان بابا!" کامران نے ذرا زور سے آواز لگائی تو رمضان بابا اندر داخل ہو گیا۔

"بابا مہمان آئے ہیں اور کافی پینا چاہتے ہیں۔"

"پیش کرتا ہوں جناب!" رمضان بابا نے کہا۔ عروسہ اس دوران کچھ نہیں بولی تھی۔ غالباً اسے اپنی توہین کا احساس ہوا تھا۔

"سنائیے مس عروسہ! کیسی پڑھائی چل رہی ہے آپ کی اور مس نینا! بہرحال آپ لوگوں کے آنے سے خوشی ہوئی۔"

"خاک خوشی ہوئی۔ میں نے ہمیشہ محسوس کیا ہے کہ آپ ضرورت سے زیادہ پارسا بننے کی کوشش کرتے ہیں۔"

"ویسے پارسا کتنا خوب صورت لفظ ہے مس عروسہ، آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے۔"

"ہاں۔ میری لغت میں اسے جہالت کا دوسرا نام دیا جاتا ہے۔"

"واہ۔ پھر تو وہ لغت دیکھنے کے قابل ہو گی آپ کسی دن ہمیں اپنی لغت کی زیارت کرائیے نا۔" نینا

ہنس پڑی تھی۔ عروسہ خاصی شرمندہ ہورہی تھی۔ نینا نے کہا۔

''آپ کی بڑی تعریفیں کرتی ہیں مس عروسہ! اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپ تعریف کے قابل ہی ہیں۔ اللہ نے آپ کو بڑے اہتمام سے بنایا ہے۔''

''گڈ..... آج تک تو مرد حضرات خواتین کی تعریفیں کیا کرتے تھے۔ آپ پہلی خاتون ہیں جو کسی مرد کو شرمندہ کررہی ہیں۔'' نینا پھر ہنس پڑی اور بولی۔

''یقین کریں شرمندہ نہیں کررہی اور بات دراصل یہ ہے جی دیکھئے نا عورت اور مرد ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ ہم بھرپور طریقے سے زندگی میں اور زندگی کے معمولات میں اتنی ہی دلچسپی اور لطف لیا کرتے ہیں جتنی مرد۔ مرد اپنی بات کھل کر کہتے چلے آئے ہیں۔ اگر خاتون یہ الفاظ کہہ دے تو آخر کیا برائی ہے اس میں۔ کیا آپ یہ جانتے ہیں کہ ایک خاتون اپنے دل کی بات کیوں نہیں کہہ سکتی۔''

''نہیں میں نہیں جانتا۔''

''بنیادی بات یہ ہے کہ مردوں نے ہر شعبے میں عورت پر برتری حاصل کرنے کے لیے رسم و رواج تک تراشے ہیں اور ان رسم و رواج کو تاریخ بنادیا گیا ہے۔''

''ارے کیا بور باتیں کرنے بیٹھ گئیں تم۔ میں اس لیے لائی تھی تمہیں یہاں۔'' عروسہ نے غرا کر کہا۔

''سوری، سوری، سوری، عروسہ! کیا کروں عادت سے مجبور ہوں ویسے یقین کرو تمہارے کامران صاحب مجھے بڑے پسند آئے۔''

''بس انہیں میرا ہی سمجھ کر پسند کرنا اپنا مت سمجھ لینا۔'' عروسہ نے پھر بے باکی کا مظاہرہ کیا۔ لیکن نینا نے اس کی بات کا بالکل برا نہیں مانا۔ حقیقتاً نئی نسل کافی آگے بڑھ چکی ہے اور کبھی کبھی اس کی یہ بے باکی دل و دماغ کو ناگوار گزرنے لگتی ہے۔ رمضان بابا کافی لے آئے اور پھر کافی سے شغل ہونے لگا۔ نینا نے بتایا کہ'' عروسہ اسے کامران سے ملانے کے لیے لائی ہے'' عروسہ نے کہا۔

''ڈیڈی سے آپ کا تذکرہ ہوا تھا کہنے لگے کہ بے شک کامران ہمارا ملازم ہے لیکن پھر بھی کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ اسے کسی دن مجھ سے ملاؤ۔''

''مگر خاور بیگ صاحب سے یہ کس نے کہہ دیا کہ میں ان کا ملازم ہوں۔'' کامران کو عروسہ کے الفاظ خاصے ناگوار گزر رہے تھے۔

''نہیں کہنا ضروری تو نہیں ہے۔ آپ کو اس بات کا علم ہے کہ جس فیکٹری میں آپ نوکری کرتے ہیں۔ میرے ڈیڈی اس کے ففٹی پرسنٹ کے پارٹنر ہیں۔''

''حیرت کی بات ہے۔ مجھے تو بہت عرصے کے بعد یہ معلوم ہوا اور ویسے بھی میں آپ کو بتاؤں کہ آپ کے ڈیڈی سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اگر وہ فرم آپ کے ڈیڈی کی ہوتی تو آپ یقین کریں میں وہاں ملازمت نہ کرتا مجھے تو.....'' ارے ارے عروسہ! تم لڑنے آئی ہو کامران صاحب سے تم تو کہہ رہی تھیں کہ وہ بہت اچھے دوست ہیں تمہارے۔''

''ہماری دوستی ذرا اسی قسم کی ہے۔'' عروسہ نے فوراً قلابازی کھائی اور بھونڈے انداز میں ہنسنے لگی۔

''نہیں مس نینا! نہ میری ان سے کوئی دوستی ہے اور نہ ہی میں ان کے ڈیڈی کا ملازم ہوں اب اگر یہ اپنے طور پر ایسے الفاظ کہہ دیتی ہیں تو میں زیادہ سے زیادہ یہ کرسکتا ہوں کہ انہیں ڈانٹ ڈپٹ کر خاموش کر دوں۔ ان سے کہہ دوں کہ خبردار! اگر آپ نے آئندہ ایسی کوئی بات کہی تو جواب میں جو کچھ سنیں گی وہ آپ کے لیے خوش گوار نہیں ہوگا۔ میں تو کرنل گل نواز صاحب سے تعلق رکھتا ہوں اور دیکھیے۔ ان کی کوٹھی میں رہتا ہوں۔''

''اچھا اچھا چھوڑ دیئے ان باتوں کو یہ بتائیے کب آرہے ہیں ہمارے ہاں؟'' عروسہ پھر بولی۔

''نہیں میں اس کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ ہاں اگر کرنل گل نواز نے کسی کام سے آپ کے ہاں بھیجا تو ضرور جاؤں گا۔ ورنہ میرا کوئی ارادہ نہیں ہے۔''

''موڈ تو خراب کردیا تم نے کامران صاحب کا۔ اصل میں بات وہی ہوتی ہے۔ انسان کی پرکھ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہوتی کامران صاحب۔ میرا خیال ہے۔ عروسہ آپ کو سمجھ نہیں سکی۔''

''میری درخواست ہے ان سے کہ خدا کے لیے یہ مجھے سمجھنے کی بالکل کوشش نہ کریں۔ ان کے لیے بے مقصد اور بے کار رہے گا اور اس کے بعد میں ذرا معذرت چاہوں گا۔ میری اپنی کچھ مصروفیات ہیں۔'' عروسہ ایک جھٹکے سے کھڑی ہوگئی۔ پھر بولی۔

''کافی کی ایک پیالی پلا کر آپ نے ہماری جو بے عزتی کی ہے میں اسے کبھی نہیں بھولوں گی۔''

''نہیں مس عروسہ! آپ ہماری کا لفظ غلط استعمال کررہی ہیں آپ صرف اپنی کہیے۔ مس نینا سے تو میری پہلی بار ملاقات ہوئی ہے۔ اور میں ان کی بے عزتی کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔'' عروسہ تیزی سے مڑ کر باہر نکل گئی تھی۔ نینا نے البتہ پلٹ کر کامران کو دیکھا، دھیرے سے مسکرائی اور باہر نکل گئی۔ اس کی آنکھوں میں کامران کے لیے پسندیدگی کے تاثرات تھے۔ وہ دونوں چلی گئیں۔ عروسہ نے کامران کے بارے میں جو الفاظ استعمال کیے تھے۔ کامران نے اپنی دانست میں ان کا بھرپور بدلہ لے لیا تھا اور واقعی اسے عروسہ کے الفاظ سخت ناگوار گزر رہے تھے۔ ویسے بھی اگر عروسہ اس سے کسی اور حوالے سے ملی ہوتی تب بھی وہ خود کو خاور بیگ کا ملازم نہ سمجھتا۔ طبیعت پر کچھ تکدر سا طاری ہوگیا تھا۔ وہ باہر نکل آیا اور بالکل بے خیالی میں ٹہلتے ہوئے کوٹھی کے اس دوسرے حصے میں پہنچ گیا۔ جہاں گرشک اور سیتا رہتے تھے۔ اس وقت وہ خاص طور سے اس طرف نہیں آیا تھا اور کسی کی نظر بھی اس پر نہیں پڑی تھی۔ ویسے بھی اس نے کوٹھی کا یہ حصہ نہیں دیکھا تھا۔ آنا ہی نہیں ہوا تھا اس طرف محتاط آدمی تھا۔ اس لیے صرف اپنے کام سے کام رکھتا تھا۔ آج پہلی حویلی کے اس عقبی حصے میں پہنچ گیا۔ بڑی خوب صورت جگہ تھی بہت ہی سرسبز و شاداب بلکہ حویلی کے دوسرے حصوں سے کہیں زیادہ خوب صورت بے شمار حسین دل کش پھولوں کے تختے کمال کا حسن تھا ان میں اور بڑی ترتیب تھی۔ لیکن جو منظر اس نے دیکھا وہ بڑا حیران کن تھا۔ وہ ایک درخت کی آڑ میں ہوگیا۔ گرشک اور سیتا وہاں موجود تھے۔ بارش کی اس رات سیتا کو وہ ایک چڑیل سمجھا تھا کیونکہ اسے اس کے بارے میں کچھ معلوم ہی نہیں تھا۔ اس وقت پہلی بار اس نے ان دونوں کو دیکھا اور جس عالم میں دیکھا اسے دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ لکڑی کے دو بڑے لٹھے زمین پر گاڑ دیے گئے تھے۔ بالکل جمناسٹک، دنگ میں لاگ اسٹینڈ کے جیسے اور ان لاگ اسٹینڈ میں

اس نے اس عمر رسیدہ شخص کو دونوں ہاتھوں کے بل لٹکے ہوئے دیکھا۔ اس کے دونوں ہاتھ بالکل سیدھے لاگ اسٹینڈ پر جمے ہوئے تھے۔ درمیان میں اس کا بدن جھول رہا تھا۔ لیکن ایسے جھول رہا تھا کہ اس پر نگاہ جمانا مشکل تھا۔ بس یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ جیسے رسی کے کسی بڑے سے کو کھونٹوں میں باندھ کر خوب بل دے دیا جائے۔ اس طرح کسی لکڑی کے ڈنڈے کو پھنسا کر اچانک ہی چھوڑ دیا جائے۔ تو پوری قوت سے گھومنے لگتا ہے۔ بالکل یہی کیفیت بوڑھے گرشنک کی تھی۔ اسے بوڑھا کہنا بھی غلط تھا۔ کیونکہ اس کے جسم کی چستی جوانوں کے لیے بھی ناقابل یقین تھی۔ پہلے اس نے سیدھے بل کھائے۔ اس کے بعد الٹے اور پھر زمین پر پاؤں جما کر اس طرح اچھلنے لگا جیسے پیروں میں بہت ہی زبردست قسم کے اسپرنگ بندھے ہوں۔ وہ زمین سے کوئی دس بارہ گز اونچا اچھل رہا تھا۔ پھر ایک دوسرا منظر نگاہوں کے سامنے آیا۔ اچانک ہی ایک درخت سے چیخ سنائی دی اور درخت کی بلندی سے ایک لڑکی نے چھلانگ لگائی۔ بادامی رنگ کی پیلی آنکھوں والی بلبل کسی سمت سے پرواز کر کے دوسرے درخت پر جا رہی تھی کہ درخت سے چھلانگ لگانے والی لڑکی نے بیچ ہی میں اسے پکڑ لیا اور لٹھے کے آخری سرے پر جا کھڑی ہوئی۔ کامران کو چکر آ گیا۔ خاص قسم کے چست لباس میں ملبوس لڑکی نے لٹھے پر کھڑے ہو کر پرندے کو فضا میں پھینکا اور پرندے نے اڑان بھری لیکن اچانک ہی لڑکی اس لٹھے پر دوڑی اور پھر اس نے کوئی بارہ فٹ لمبی چھلانگ لگائی اور پرندے کی چستی کو ناکام بنا دیا۔ وہ پرندے کو پھر مٹھی میں پکڑ کر نیچے زمین پر جا کھڑی ہوئی اور ہنستے ہوئے بوڑھے گرشنک کو دیکھنے لگی۔ پرندہ اس کے ہاتھوں میں تھا۔ اس نے پیار سے اسے چوما اور فضا میں اچھال دیا۔ پھر وہ اپنی گردن کو چاروں طرف گردش دینے لگی۔ جیسے گردن کی رگوں کو کھول رہی ہو لیکن جو مظاہرہ کامران نے دیکھا تھا۔ وہ ناقابل یقین تھا کسی انسانی جسم میں اتنی برق بھری ہو سکتی ہے۔ یہ اس کے تصور سے بھی باہر تھا۔ ایک بار پھر لڑکی نے دوڑ لگائی۔ لٹھے کے سرے پر پاؤں جمایا اور وہاں سے ایک درخت کی شاخ پر۔ وہ بلاشبہ کوئی مشینی شخصیت معلوم ہو رہی تھی۔ درخت کی شاخ پر ایک ہاتھ سے کسی بندر کی طرح جھولی اور اس کے بعد اس نے دونوں پاؤں برابر کی شاخ پر ٹکا دیے۔ درخت کی وہ شاخ چھوڑی اور اگلی شاخ سے لٹک گئی اور اس کے بعد وہاں سے ایک دوسرے درخت پر پھر تیسرے پر۔ کامران کو اپنے ذہن پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے ادھر دیکھتا رہا اسی وقت اسے اپنے قریب آہٹ سنائی دی اور اس نے چونکی ہوئی نگاہوں سے اس طرف دیکھا۔ یہ طور خان تھا۔ طور خان کو البتہ وہ جانتا تھا اور یہ بھی معلوم تھا کہ یہ پرانی کوٹھی کا محافظ ہے۔ طور خان نے بھی اسے دیکھا اور حیرت زدہ رہ گیا۔ اس نے کچھ بولنے کی کوشش کی۔ لیکن کامران نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش کر دیا۔ طور خان نے مسکرا کر گردن ہلائی۔ کامران آہستہ آہستہ درختوں کی آڑ لیتا ہوا اس کی طرف چل پڑا اور پھر اس نے آگے چلنے کا اشارہ کیا۔ تو طور خان وہاں سے آگے بڑھ آیا۔ پھر وہ سامنے کے حصے میں آ گیا۔ جہاں ایک چھوٹا سا برآمدہ بنا ہوا تھا۔ اسی برآمدے میں طور خان کی چارپائی پڑی ہوئی تھی اور ایک دو کرسیاں۔ دروازہ اندر سے بند تھا شاید۔

کامران نے طور خان سے کہا۔

"تم یہاں رہتے ہو؟"

"جی سرکار! ادھر ہی ہمارا ٹھکانا ہے۔ ویسے سرکار اس رات آپ کے ساتھ جو کچھ ہو گیا تھا اس کا ہمیں بڑا افسوس ہے۔ تین چار بار ہم نے سوچا کہ جا کر آپ سے معافی مانگیں۔ مگر پھر سوچا کہ آپ بڑے لوگ ہو صاحب الٹی سیدھی باتیں کرو گے بلاوجہ سننے کو مل جائیں گی۔ اس لیے خاموش ہو گئے۔"

"نہیں طور خان! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ظاہر ہے تمہارا کیا قصور تھا اس میں۔"

"تھا صاحب! ہم پر ان لوگوں کی نگرانی کی ذمے داری ہے۔ یہ فرض ہمیں پورا کرنا ہی تھا۔"

"اچھا ایک بات بتاؤ طور خان! جیسا کہ میرے علم میں آیا کہ بارش میں لڑکی پر دورے پڑ جاتے ہیں بلکہ ٹھہرو۔ تم سے ذرا تفصیلی بات چیت کر لی جائے۔ بات چیت کرو گے۔"

"آپ حکم دو گے تو ضرور کریں گے صاحب! ہمیں معلوم ہے کہ آپ کی حیثیت کیا ہے اس دن جو ہمیں ڈانٹ پڑی ہے ہم تو سمجھے کہ نوکری گئی۔ مگر کرنل صاحب ایسے آدمی ہیں نہیں۔ البتہ غصے میں بہت تھے۔"

"میں جو تم سے سوال کر رہا تھا وہ یہ تھا کہ اگر لڑکی پر کبھی ایسے دورے کی کیفیت ہوا کرتی ہے تو تم اسے کیسے ہینڈل کرتے ہو۔"

"ہم نہیں کرتے صاحب! ہینڈل تو ری گرشنک بابا کرتا ہے اور وہ اسے پوری طرح سنبھال لیتا ہے۔"

"بارش دیکھ کر گرشنک پر ایسے دورے نہیں پڑتے۔"

"تبدیلی تو وہ بھی ہو جاتا ہے صاحب! لیکن عام طور سے خاموش رہتا ہے جب کہ بیتا پر دیوانگی سوار ہو جاتی ہے، جس کا مظاہرہ آپ نے اس دن دیکھ ہی لیا۔"

"ایسا کیوں ہے؟"

"یہ ہمیں نہیں معلوم صاحب! مالک کا راز ہے معلوم بھی ہوتا تو معاف کیجیے گا آپ کو بتاتے نہیں۔"

"تم اچھے آدمی ہو۔ اچھا یہ بتاؤ یہ کیا ہو رہا تھا۔"

"روز ہوتا ہے صاحب! چھلاوے ہیں وہ چھلاوے۔ پہلے تو آپ یقین کریں جب ہم نے یہ سب کچھ دیکھا تو دنگ رہ گئے۔ ہم نے یہی سمجھا تھا کہ یہ بری روحیں ہیں۔ جو کرنل صاحب کے سر لگ کر یہاں آ گئی ہیں۔ بہت دن تک ہم یہی سمجھتے رہے اور ڈرتے رہے ان سے۔ لیکن بعد میں پتا چلا کہ یہ ان کی ورزش ہوتی ہے۔ آپ نے تو کچھ بھی نہیں دیکھا صاحب! ایسے ایسے عجیب کام کرتے ہیں یہ لوگ کہ ہم بتائیں تو آپ دنگ رہ جائیں گے۔ کبھی کبھی دونوں میں پٹا بازی ہوتی ہے۔"

"پٹا بازی۔"

"ہاں۔ وہ لکڑیاں گرشنک نے خود ہی بنائی ہیں اور اس کے بعد ان لمبی لمبی لکڑیوں سے جو جنگ ہوتی ہے ان کے درمیان تو آپ یقین کریں کہ مشین بن جاتے ہیں دونوں کے دونوں۔ لکڑیاں نظر نہیں آتیں جب کہ وہ چھ سات فٹ لمبی ہوتی ہیں۔ اس طرح گھومتی ہیں کہ بس نشان نظر آتے ہیں ان کے کبھی کبھی دونوں میں سے کوئی نہ کوئی زخمی بھی ہو جاتا ہے۔ مگر اپنے معمولات کو نہیں چھوڑتے یہ لوگ۔"

"وہ لٹھے کس نے لگائے ہیں۔"

خوب گرشک بابا نے اور آپ پیچھے کا جوان دیکھ رہے ہیں۔ گرشک بابا ہی بلکہ دونوں کے ہاتھوں کا بنایا ہوا ہے۔ بس یہی ان کا مشغلہ ہے صاحب! کئی سال سے یہاں رہ رہے ہیں یہی سب کچھ کرتے ہیں۔"

"کیا کرنل صاحب اکثر یہاں آ کر ان کا جائزہ لیتے ہیں۔"

"اکثر تو نہیں صاحب! مہینے دو مہینے میں ایک آدھ بار ضرور چکر لگاتے ہیں۔"

"انہوں نے گرشک سے یہ نہیں کہا کہ دوسری طرف کا لان بھی ایسا ہی کر دے۔"

"نہیں صاحب! کرنل صاحب اس کا بڑا احترام کرتے ہیں ہم نے کئی بار انہیں گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھا دیکھا ہے۔ صاحب! بڑے پراسرار اقدامات ہوتے ہیں ان دونوں کے ویسے یہ مذہب میں بدھ ہیں۔"

"کون ہیں؟" کامران نے حیرت سے پوچھا۔

"ہم تھوڑے سے پڑھے لکھے ہیں صاحب۔ بدھ مت کے بارے میں زیادہ تو نہیں جانتے لیکن مہاتما بدھ کی مورتی کو پہچانتے ہیں۔ ان کے پاس مہاتما بدھ کی ایک مورتی ہے جو انہوں نے چکنی مٹی سے خود بنائی ہے اور کبھی کبھی وہ اس کی پوجا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔"

"یہ بات تم نے کرنل صاحب کو بتائی تھی۔"

"ہاں صاحب بتائی تھی۔ بلکہ ایک دن کرنل صاحب کو چوری چھپے وہ مورتی بھی دکھائی تھی۔ عام طور سے ان کے اندرونی حصے میں جانے کی اجازت کسی کو نہیں ہے۔ ہم نے بھی بس ایسے ہی دیکھ لی تھی اور کرنل صاحب کو اس بارے میں بتایا تھا تو کرنل صاحب نے کہا۔ یار! مجھے بھی کسی دن دکھاؤ۔ ایک بار موقع ملا تو میں نے کرنل صاحب کو بھی یہ مورتی دکھادی تھی۔"

"وہ کس طرح عبادت کیا کرتے ہیں۔"

"بس صاحب، آنکھیں بند کر کے مورتی کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ پاس میں چراغ وغیرہ جلا کر رکھ لیا کرتے ہیں۔"

"بڑی دلچسپ باتیں بتائی ہیں تم نے۔ مگر یہ بتاؤ یہ آئے کہاں سے۔"

"معافی چاہتے ہیں صاحب! کچھ جانتے اس بارے میں صاحب کی ہدایت بھی ہے کہ یہاں جو کچھ ہوتا ہے۔ اس کے بارے میں کسی دوسری جگہ کبھی زبان نہ کھولیں۔ ورنہ نہ زبان رہے گی اور نہ نوکری۔ ہمیں دونوں چیزوں کی ضرورت ہے صاحب۔"

"ٹھیک ہے اچھا طور خان بہت بہت شکریہ۔ میں چلتا ہوں۔"

"بڑی مہربانی صاحب! جو نہیں کیا ہم نے آپ کے لیے اس کی معافی۔" طور خان نے جواب دیا اور اس کے بعد کامران وہاں سے اٹھ گیا۔ وہ سمجھ نہیں پایا تھا کہ دونوں کرداروں کا کیا بھید ہے۔ دونوں ہی پراسرار تھے۔ عجیب وغریب اور اس وقت اس نے جو کچھ دیکھا تھا وہ ناقابل یقین تھا ایسی باتیں، قصے کہانیوں میں تو مل جایا کرتی ہیں۔ حقیقت کی دنیا سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا لیکن ایک طرف وہ عمر رسیدہ شخص جس کے بارے میں اصولی طور پر تو یہ سوچا جانا چاہیے کہ زندگی کے ڈھلان پر پھسل رہا ہے۔ لیکن اس کی چستی پھرتی

اور ورزش ناقابل یقین تھی اور پھر دوسری طرف لڑکی خدا کی پناہ! نازرن کی فلموں میں تو ایسی چھلانگیں دیکھی تھیں۔ لیکن وہ بھی رسیوں کے ساتھ جو پتا نہیں درختوں میں کہاں سے لٹک جاتے ہیں۔ لیکن یہ لڑکی قیامت تھی قیامت۔ انہی تمام باتوں کو سوچتا ہوا چلا آ رہا تھا کہ اچانک ہی کرنل نگل نواز نظر آئے جو اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر کھڑے ہوئے بغور راستہ دیکھ رہے تھے۔

"ہیلو۔" غالباً پرانی حویلی کی طرف نکل گئے تھے۔"

"جی..... جی ہاں۔"

"آؤ..... آؤ" وہ لان کی طرف چل پڑے یہاں کرسیاں اور میزیں پڑی ہوئی تھیں۔

"بیٹھو۔"

"جی سر!"

"کہاں تک چلے گئے تھے۔"

"سر! بے خیالی کے عالم میں حویلی کے پچھلے حصے کی جانب جا نکلا تھا۔ آپ یقین کیجیے وہاں تک جانے کا کوئی ارادہ ذہن میں نہیں تھا۔ بس یونہی چہل قدمی کرتا ہوا اس کے قریب پہنچ گیا تھا۔"

"بھئی تو پھر وضاحتیں کیوں کر رہے ہو تمہارے کہیں جانے پر پابندی تو نہیں ہے۔"

"نہیں بس ایسے ہی۔"

"کچھ دیکھا وہاں۔"

"جی سر! اور جو کچھ دیکھا اس نے بڑا حیران کر دیا۔"

"ورزش کر رہے ہوں گے وہ دونوں۔"

"ہم اسے ورزش تو نہیں کہہ سکتے۔"

"ہاں واقعی ہم اسے ورزش نہیں کہہ سکتے۔"

"سر معافی چاہتا ہوں کیا وہ دونوں عجیب وغریب کردار نہیں ہیں۔"

"ہیں کامران! بہت عجیب وغریب کردار ہیں۔ مگر میں تمہیں ان کے بارے میں تفصیل بتاؤں گا تو شاید تم سمجھو کہ جھوٹ بول رہا ہوں۔"

"نہیں سر! معافی چاہتا ہوں آپ کی تعریف کر رہا ہوں لیکن اس کا کوئی خاص مقصد نہیں ہے۔ آپ باکردار لوگ جھوٹ نہیں بولتے"

"شکریہ اصل میں اپنی جنگی مہمات کے سلسلے میں مجھے ایک ایسے ریڈار بیس اسٹیشن کی طرف جانا پڑا تھا۔ جہاں دشمن ملک کی جانب سے کچھ کارروائیاں ہو رہی تھیں۔ ریڈار بیس تباہ کر دیا گیا تھا یا تباہ ہو گیا تھا اندازہ یہ تھا کہ وہاں زلزلے نے تباہی پھیلی ہے۔ بے شک زلزلہ آیا تھا بے حد خوف ناک زلزلہ آیا تھا۔ لیکن ریڈار بیس کو جس طرح نیست و نابود کیا گیا تھا۔ وہ صرف زلزلے کا عمل نہیں تھا۔ بلکہ اس میں انسانی ہاتھوں کی کارروائی زیادہ تھی۔ زلزلے سے بس فائدہ اٹھایا گیا تھا۔ مجھے ایک ایسا ٹیپ درکار تھا۔ جس میں کوئی اہم سرکاری معاملہ ریکارڈ کیا گیا تھا۔ میرا کام صرف ٹیپ لے کر آنا تھا۔ اور خدا کے فضل سے میں نے یہ ٹیپ

حاصل کر لیا۔ لیکن دشمن میرے پیچھے لگ گئے۔ تب مجھے ایک غار میں چھپنا پڑا اور اس غار میں، میں نے ان دونوں کو دیکھا یعنی سیتا اور گرشک۔ اب جو کچھ میں تمہیں بتا رہا ہوں وہ سب سے عجیب پورشن ہے۔ لیکن میری درخواست ہے کہ اس پر شبہ مت کرنا۔ نہ جانے کیوں میری زبان تمہارے سامنے کھل گئی ہے۔ میں اپنے دشمنوں سے وہاں چھپا ہوا تھا۔ گرشک نے میری تھوڑی سی خاطر مدارات کی مجھے کھلایا پلایا اور اس کے بعد میں اس سیتا میں کرنے لگا۔ وہ ہماری زبان نہیں جانتا تھا۔ لیکن اچانک ہی مجھے یوں لگا جیسے ہم دونوں ایک دوسرے کی باتیں سمجھ رہے ہوں۔ گرشک کی آنکھیں مجھ پر گڑی ہوئی تھیں اور میں کچھ وقت کے لیے ماحول کو بالکل بھول گیا تھا۔ مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے میں ایک نوزائیدہ بچہ ہوں۔ جسے کوئی کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہا ہے یا بالکل ایک سادہ کتاب کی مانند ہوں۔ جس پر کوئی کہانی تحریر کی جا رہی ہے۔ گرشک کی آنکھوں میں سحر ہے۔ جب وہ کسی کو مسحور کرنا چاہتا ہے تو کر لیتا ہے۔ اس نے مجھ سے میرے بارے میں تفصیلات معلوم کیں اور پھر میں اسے ساتھ لے کر چل پڑا۔ میں نے پوری کامیابی کے ساتھ اپنا وہ ٹیپ اپنے اعلا حکام کے حوالے کیا۔ گرشک اور سیتا میرے ساتھ آ گئے تھے۔ میں انہیں اپنے گھر لے آیا اور یہاں میں نے ان کی فرمائش پر یعنی گرشک کی فرمائش پر یہ الگ تھلگ جگہ اس کے لیے منتخب کی۔ ایک بار نہیں کئی بار میں نے محسوس کیا کہ گرشک ایک ماہر ہپناٹسٹ ہے یا اگر وہ خود ہپناٹسٹ نہیں ہے تو اس کی آنکھوں میں ایک ساحرانہ قوت ہے اور وہ دوسرے کو اپنے ٹرانس میں آسانی سے لے لیا کرتا ہے اور ٹرانس کے عالم میں جو ہدایت وہ دوسرے کو دیتا ہے۔ دوسرا اس ہدایت پر عمل کرنے پر مجبور ہے۔ یہ ایک عجیب و غریب کہانی ہے۔ پتا نہیں یہ کوئی بیماری ہے یا اس کی یاد داشت کا کوئی ایسا خانہ کھل جاتا ہے جس میں بارش کی کسی ایسی بات کا کوئی تصور موجود ہے۔ یہ سب کچھ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اس رات بارش کے عالم میں باہر نکل آئی تھی۔ اور اس نے تم پر حملہ کیا تھا۔ ایسی ہی کیفیت ہو جاتی ہے اس کی۔"

"گرشک سے آپ کی ملاقاتیں ہوتی ہیں۔" کامران نے سوال کیا۔

"نہیں بھئی۔ بس کبھی کبھی ایسے ہی میں طور خان سے اس کی خیریت پتا کرنے چلا جاتا ہوں اور دو چار بار وہ میرے سامنے آیا ہے تو اس نے مجھ سے باتیں بھی کی ہیں اور تم یقین کرو میں نے طور خان سے پوچھا کہ کیا وہ اسے مقامی زبان سکھاتا ہے تو طور خان نے قسم کھا کر کہا کہ صاحب! میں بھلا اس سے بات کروں گا۔ لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ گرشک اب آسانی سے ہماری زبان بول لیتا ہے۔ گو اس کا لہجہ بہت عجیب اور مضحکہ خیز ہوتا ہے۔ لیکن اس کے الفاظ صاف ہوتے ہیں اب یہ اردو اسے کس نے سکھائی۔ یہ بتانے والا کوئی موجود نہیں ہے۔"

"اور لڑکی؟"

"سیتا! وہ بھی اردو جانتی ہے۔ یہ بات بھی مجھے طور خان نے بتائی تھی۔ وہ کبھی کبھی اپنی کوئی ضرورت ہوتی ہے تو طور خان سے کہہ دیا کرتی ہے۔ ویسے اس نے مجھ سے آج تک بات چیت نہیں کی۔"

"بڑی انوکھی کہانی ہے۔"

"ہاں کہانی ہی سمجھ لو لیکن میں تمہیں ایک بات بتاؤں۔ ان کی الجھن میں مت پڑنا۔ میں بھی

بہت وقت ضائع کر چکا ہوں۔"

"آپ کو یہ پتا ہے کہ وہ مہاتما بدھ ہیں۔"

"ہاں طور خان نے مجھے بتایا تھا انہوں نے مہاتما بدھ کی ایک مورتی بنائی ہے اور اس کی عبادت کرتے ہیں۔"

"اس دوران کبھی ان دونوں نے کہیں جانے کی ضرورت نہیں محسوس کی۔"

"کبھی نہیں۔ ان کی کوشش زیادہ سے زیادہ یہ ہوتی ہے کہ وہ کسی کے سامنے نہ آئیں۔ میں نے بھی ان کے راز کو راز ہی رکھا ہے۔ بہت کم لوگ اس بارے میں جانتے ہیں۔ ابھی تھوڑے دن پہلے میرا ایک غیر ملکی دوست جس کا تعلق مصر سے ہے علی سفیان کسی مہم سے واپس آیا تھا۔ یہ مہم اس نے کاشر بھرم پہاڑ کے پاس سرانجام دی تھی۔ کاشر بھرم چہارم کی ایک ایسی خانقاہ کا تذکرہ کیا تھا جہاں وہ پہنچ گیا تھا۔ اور وہاں اسے عجیب و غریب حالات پیش آئے۔ اس نے کچھ اس طرح کی باتیں کیں۔ کہ میں بادل نخواستہ گرشک کا تذکرہ کرنے پر مجبور ہو گیا۔ میں نے اسے بتایا کہ گرشک نامی ایک بدھسٹ یہاں میرے پاس موجود ہے۔ بس وہ پیچھے پڑ گیا۔ کہنے لگا کہ اگر کاشر بھرم کی خانقاہ کے بارے میں تھوڑی سی تفصیلات معلوم ہو جائیں تو وہ دوبارہ وہاں جانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اگر کوئی ایسا سلسلہ ہو جائے تب تو مزہ ہی آ جائے۔ تم یقینا کرو۔ میں یہ بات اسے بتا کر بعد میں اتنا پچھتایا کہ نا قابل بیان ہے اور اس پچھتاوے کی کوئی خاص وجہ نہیں تھی۔ بس مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں کوئی جرم کر بیٹھا ہوں اور مجھے یہ جرم نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

"میری معلومات اس سلسلے میں کچھ زیادہ تو نہیں ہیں۔ لیکن بات واقعی عجیب و غریب اور دلچسپ ہے۔"

"ہاں۔ علی سفیان کچھ دن کے بعد آنے ہی والا ہے۔ وہ ایک انتہائی دولت مند آدمی ہیں اور اس کے سمندری جہاز چلتے ہیں۔ بڑا صاحب حیثیت ہے۔ ایک مہم کے دوران ہی میری اس سے ملاقات ہو گئی تھی۔ آدمی بہت تیز اور چالاک ہے بہر حال چھوڑو ان باتوں کو تم سے کچھ اور بات کرنی تھی۔ اور صحیح معنوں میں اصل بات وہی ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ موقع پاتے ہی تم سے اس موضوع پر بات کروں۔"

"جی میں حاضر ہوں۔"

"آؤ ایسا کرتے ہیں۔ تمہارے ساتھ چل کر چائے یا کافی پیتے ہیں۔ وہاں بیٹھ کر تفصیلی بات چیت ہو گی۔"

"تشریف لائیے۔" کامران نے نیازمندی سے کہا اور پھر دونوں وہاں سے چل پڑے۔ کامران ایک عجیب سی سنسنی محسوس کر رہا تھا۔ رمضان بابا کو بہت عمدہ سی کافی بنانے کے لیے کہا۔ اور کرنل نگل نواز پر خیال انداز میں تھوڑی کھجانے لگا پھر بولا۔

"اصل میں رحمان علی! بے چارے بہت زیادہ بیمار ہو گئے ہیں۔ ہمارے بہت پرانے ساتھی ہیں اور سچی بات یہ ہے کہ آج تک انہوں نے بڑی ایمانداری سے ہمارے ساتھ کام کیا ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ ان کے چہرے پر پیلاہٹیں دوڑتی چلی جا رہی ہیں۔ ذمے داری بڑی چیز ہوتی ہیں۔ بہت ساری ذمے داریاں وہ ایک دم نہیں سنبھال سکتے۔ میں چاہتا ہوں کہ انہیں ریٹائر کر دوں اور تم ان کی جگہ سنبھال لو۔ میں

نے اس لیے تمہیں ان کے ساتھ منسلک کیا تھا اور ابھی میری دو دن پہلے ان سے بات چیت ہوئی تھی اور میں نے پوچھا تھا۔ کہ کیا آپ کی غیر موجودگی میں کامران آپ کا کام سنبھال سکتا ہے۔ تو انہوں نے بڑے اعتماد سے کہا تھا کہ ان سے اچھے طریقے سے اور ان سے نہایت بہتر انداز میں۔ یہ بات وہ پورے اعتماد سے کہہ رہے تھے۔ میں چاہتا ہوں کامران! کہ تم یہ ذمے داری قبول کر لو اور ان کے ساتھ کام شروع کر دو۔ ابھی وہ تمہاری معاونت کریں گے۔ منیجر کی سیٹ پر تمہیں ہی بیٹھنا ہوگا۔" کامران نے گردن جھکالی اور پھر کچھ دیر بعد گردن اٹھا کر بولا۔

"میں صرف آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا سر! آپ جس طرح مناسب سمجھیں۔" لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی کامران کے ذہن میں لاکھوں وسوسے گونج اٹھے تھے۔ اب جب کہ مکمل ذمے داری اس پر آ رہی ہے۔ بہرحال اسے مرزا خاور بیگ کے کرتوتوں کا انکشاف کرنا ہی پڑے گا لیکن قبل از وقت یہ مناسب نہیں ہے۔ البتہ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ رحمان علی صاحب کی پوزیشن بالکل صاف ہو جائے گی۔ کرنل صاحب بہت دیر تک باتیں کرتے رہے اور اس کے بعد اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔ لیکن اب پر اسرار خیالات نے کامران کے گرد گھیرا ڈال دیا تھا۔ بہت سی الجھنیں ایک ساتھ دماغ میں آ گئی تھیں۔ سیتا، درختوں پر چھلانگیں لگانے والی لڑکی، گرشک، سارے تصورات اس کے ذہن میں گڈمڈ ہو کر رہ گئے تھے۔ وہ ایک گہری سانس لے کر صوفے پر دراز ہو گیا اور سوچوں میں ڈوب گیا۔

"میں صرف آپ کے حکم کی تعمیل کروں گا سر! آپ جس طرح مناسب سمجھیں۔" لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی کامران کے ذہن میں لاکھوں وسوسے گونج اٹھے تھے۔ اب جب کہ مکمل ذمے داری اس پر آ رہی ہے۔ بہرحال اسے مرزا خاور بیگ کے کرتوتوں کا انکشاف کرنا ہی پڑے گا لیکن قبل از وقت یہ مناسب نہیں ہے۔ البتہ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ رحمان علی صاحب کی پوزیشن بالکل صاف ہو جائے گی کرنل صاحب بہت دیر تک باتیں کرتے رہے اور اس کے بعد اپنی جگہ سے اٹھ گئے۔ لیکن اب پر اسرار خیالات نے کامران کے گرد گھیرا ڈال دیا تھا۔ بہت سی الجھنیں ایک ساتھ دماغ میں آ گئی تھیں۔ سیتا، درختوں پر چھلانگیں لگانے والی لڑکی، گرشک بدھ مت کے پجاری، علی سفیان، مرزا خاور بیگ، سارے تصورات اس کے ذہن میں گڈمڈ ہو کر رہ گئے تھے۔ وہ ایک گہری سانس لے کر صوفے پر دراز ہو گیا اور سوچوں میں ڈوب گیا۔

حالانکہ بہت زیادہ وقت نہیں گزرا تھا۔ لیکن کچھ اس طرح کے حالات ہو گئے تھے کہ گھر کے تمام افراد کو کامران پر بے حد اعتماد ہو گیا تھا۔ حاجی الیاس صاحب لازمی امر ہے کہ کرنل نواز کو کامران کی پوری کہانی سنا گئے تھے اور یہ ایک پر وقار کہانی تھی۔ اس میں انسان کی شخصیت کے اہم پہلو سامنے آتے تھے۔ چنانچہ اس کا احترام کچھ اور زیادہ بڑھ گیا تھا۔ شاہ نواز تو خیر اس کا دوست تھا ہی، کرنل گل نواز کی مہربانیاں بھی کچھ زیادہ ہو گئی تھیں۔ اب کبھی کبھی اپنے ذاتی معاملات میں بھی وہ اس کی مدد لے لیا کرتے تھے۔ اس دن فیکٹری آفس میں بیٹھے ہوئے حساب کتاب چیک کر رہے تھے بے چارے رحمان صاحب خاصے بیمار ہو گئے تھے۔ اور ان دنوں چھٹیوں پر تھے۔ کامران ہی کرنل گل نواز کو سارے معاملات کی تفصیلات بتا رہا تھا کہ کرنل صاحب کو ٹیلی فون موصول ہوا۔ کچھ دیر وہ ٹیلی فون سنتے رہے اور اس کے بعد بولے۔

"مگر بیٹا! ہاں ہاں وہ تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ اچھا دیکھتا ہوں۔ نہیں نہیں میں کچھ کرتا ہوں۔" انہوں نے فون بند کر دیا اور پھر چونک کر کامران کو دیکھنے لگے۔

"کامران ڈرائیونگ تو کر لیتے ہو نا۔"

"جی سر۔"

"یار! یہ گاڑی کی چابی لو اور گھر چلے جاؤ۔ ثانیہ کی ایک دوست آ رہی ہے ایئرپورٹ لینے جانا ہے اسے، اس وقت صورت حال کچھ ایسی ہو گئی ہے کہ کسی اور کا بندوبست نہیں ہو سکتا۔"

"جی بہت بہتر۔" کامران نے جواب دیا اور اس کے بعد وہ کار لے کر گھر پہنچ گیا۔ حالانکہ اکثر گاڑیاں تھیں اور اکثر فارغ رہتی تھیں لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے۔ ثانیہ بے چینی سے باہر ہی ٹہل رہی تھی۔ گاڑی کو دیکھ کر فوراً اس کی طرف لپکی پھر قریب پہنچ کر ٹھٹھک گئی۔

"آپ۔"

"جی مس ثانیہ کرنل صاحب نے مجھے بھیجا ہے آپ کو ایئرپورٹ لے جانے کے لیے۔"

"اس وقت تو تکلف بھی نہیں کر سکتی۔ پلیز۔" اس نے کہا۔

کامران نیچے اترنے والا تھا کہ ثانیہ نے جلدی سے پچھلا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ گئی۔ کامران اترتے اترتے رک گیا تھا پھر اس نے کار اسٹارٹ کی اور باہر نکل گیا۔ ثانیہ کہنے لگی۔

"جناب کامران صاحب! ویسے تو آپ سیدھے سادے شریف آدمی ہیں لیکن ضرورت کے وقت کبھی کبھی شریف آدمی بھی ایسے ہی ہو جاتے ہیں۔ آپ ایسا کیجیے کہ کچھ دیر اپنی شرافت کو بالائے طاق رکھیے اور اس طرح گاڑی دوڑائیے کہ راستے میں کم از کم دس بارہ چالان ہو جائیں۔" کامران نے مسکراتی ہوئی نگاہوں سے ثانیہ کو دیکھا اور پھر پر مزاح الفاظ کے جواب میں خود بھی مسکرا کر بولا۔

"ایک عجیب خواہش ہے جو ابھی سمجھ میں نہیں آئی۔"

"میرا مطلب ہے کہ سارے چالان میں بھروں گی لیکن وہ جو آ رہی ہے نا وہ ایسی ہے کہ ہماری صورت میرا مطلب ہے میری صورت اسے نظر نہ آئی تو کم از کم پچاس چالان کرے گی میرے۔ ہم پہلے ہی لیٹ ہو چکے ہیں۔"

"اچھا آپ کا مطلب ہے کہ گاڑی تیز چلاؤں۔"

"ابھی آپ مطلب ہی پوچھ رہے ہیں واہ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔" ثانیہ خوش گوار موڈ میں بولی اور کامران نے گاڑی کی رفتار تیز کر دی۔

"گڈ...... آپ تو خاصے بہادر آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ میں ذرا سی الجھن میں ہوں کوئی بے تکی بات کر جاؤں تو براہ کرم محسوس نہ کیجیے گا۔" کامران نے کوئی جواب نہیں دیا اور جتنی جلدی ممکن ہو سکتا تھا۔ اسے ایئرپورٹ پہنچا دیا۔ ثانیہ جلدی سے اتر کر اندر کی جانب بھاگ گئی۔ جاتے جاتے اس نے کہا تھا۔

"آپ براہ کرم کار پارکنگ لاٹ پر لگا دیجیے اور میرے پاس آ جائیے۔" کامران کے ذہن میں کوئی خاص بات نہیں تھی بس جانتا تھا کہ ثانیہ اور فرخندہ کرنل گل نواز کی بیٹیاں اور شاہنواز کی بہنیں ہیں اس

کے دل میں ان دنوں کے لیے ایسا ہی احترام تھا جیسا بہنوں کے لیے ہوتا ہے۔ جب وہ کار پارکنگ میں لا کر ثانیہ کے پاس پہنچا تو وہ سر پکڑ کر بیٹھی تھی۔

"ارے خیریت...... کیا ہوا؟"

"فلائیٹ ایک گھنٹہ لیٹ ہے۔ پورے ایک گھنٹہ۔ کامران صاحب! یہ لوگ کس طرح کے ہیں جنہیں احساس نہیں ہوتا کہ ان کی کسی کوتاہی یا خامی سے دوسروں کو کس قدر تکلیف ہوتی ہے اور کتنا نقصان پہنچتا ہے۔"

"ہاں۔ اب یہ وبا عام ہو چکی ہے۔ ہم صرف اپنی ذات کا خیال کرتے ہیں۔ دوسروں کی تکلیف کے لیے ہمارے پاس کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔"

"کیا یہ اچھی بات ہے۔"

"کسی کو تکلیف دینا اگر اچھی بات ہو سکتی ہے۔ تو ہم اسے اچھی بات بھی کہہ سکتے ہیں۔"

"حالانکہ آپ یقین کریں۔ دیر ہو جانے کے تصور سے میرا میرا دل خون خشک ہو چکا ہے۔ وہ لڑکی جس کا نام تو کچھ اور ہے لیکن ہم پیار سے اسے سائرہ کہتے ہیں۔ اتنی حساس ہے کہ اگر ہم اس کو وقت پر ریسیو کرنے نہ پہنچ جاتے تو آپ یقین کریں بیٹھی نکڑی رو رہی ہوتی۔ عجیب وغریب شخصیت ہے اس کی، اچھا آپ ایک بات بتائیے۔ کافی پئیں گے۔"

"آپ ایسا کیجیے ثانیہ۔"

"جی جی جی۔ بتائیے کیسا کروں۔" ثانیہ نے سوال کیا۔

"نہیں میرا مطلب ہے آپ کینٹین میں جا بیٹھیے کافی پیجیے۔ میں یہاں......"

"میرا انتظار کریں گے۔ اس لیے کہ آپ ہمارے ملازم ہیں۔ یہی کہنا چاہتے ہیں نا آپ؟ بھئی تعجب کی بات ہے۔ گھر کا ہر فرد ایک بات کہتا ہے کہ آپ گھر کے ملازم نہیں ہیں۔ بلکہ جناب کرنل صاحب نے خاص طور سے سب کو بتایا ہے کہ آپ کے احترام میں کوئی کمی نہ کی جائے اور آپ۔ نہیں کامران صاحب یہ فرسودہ باتیں ہیں ہر انسان کا اپنا ایک مقام ہوتا ہے۔ اب یہ الگ بات ہے کہ برے لوگ اس مقام کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ ہم اتنے برے نہیں ہیں آپ یقین کریں کبھی آزما لیں ہمیں۔ یہ گھٹیا پن ہمارے اندر کبھی نہیں پائیں گے۔ آیئے بیٹھ کر کافی پیتے ہیں نا آپ آ جائیے پلیز۔' کامران ثانیہ کے ساتھ کافی ہاؤس پہنچ گیا تھا اس نے کافی کے لیے کہا اور ویٹر نے تھوڑی ہی دیر کے بعد کافی کے برتن سامنے لگا دیے۔ ثانیہ خاموشی سے کافی پیتی رہی تھی پھر اس نے کہا۔

"اب دیکھیے نا باتیں تو کچھ نہ کچھ کرنی ہیں۔ ہو سکتا ہے آپ سے اگر میری پہلے سے بے تکلفی ہوتی تو آپ خود مجھے اپنے ماضی کے بارے میں بتا چکے ہوتے لیکن اتفاق سے کبھی موقع نہیں ملا ویسے آپ ایک بات سمجھ لیجیے۔ میں بھی بری آدمی نہیں ہوں۔ بس ایک تھوڑا سا تصور اب ہمارے ہاں مردوں اور عورتوں میں اضطراب کا باقی ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ بلکہ بڑی بوڑھیاں کہتی ہیں کہ آنکھوں کی شرم بڑی ضروری ہے اس بات سے مراد میری یہ ہے کہ آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں آپ سے کسی طرح بے تکلف ہونا نہیں چاہتی۔ گھر کے

افراد تو ایک دوسرے سے بے تکلف ہوتے ہی ہیں۔ بس یوں کہیں کہ موقع موقع کی بات ہوتی ہے۔ موقع مل جائے تو یہ بے تکلفی بہت زیادہ آگے بڑھ جاتی ہے۔ ایک بات اور بھی بتاؤں آپ کو اس وقت بھی میں باتیں کر رہی ہوں نا۔ اس میں تھوڑا سا میرے ذہنی بحران کا بھی دخل ہے۔"

"میں اس کے نہ آنے سے الجھی ہوئی ہوں۔ میرا مطلب ہے فلائیٹ لیٹ ہو جانے سے۔ اصل میں سائرہ پہلے تو میری ایک دوست کی دوست تھی۔ اسی کے ذریعے میرے تعلقات ہوئے اور وہ جو دوست تھی وہ سائرہ کی دوست نہیں بلکہ سگی تایا زاد بہن تھی۔ تھی کیا بلکہ ہے اور اس وقت وہ ملک سے باہر ہے سائرہ اس بات کا پتا نہیں تھا؟ اب مجھے یہاں سے اسے لے کر اس کے تایا کے گھر جانا ہوگا۔ آپ کو دیر تو نہیں رہی آفس کے معاملات میں۔"

"نہیں۔ لیکن مجھے آفس فون کرنا ہوگا کیوں کہ کرنل صاحب وہیں موجود تھے۔"

"میں موبائل سے فون کیے دیتی ہوں آپ بالکل فکر نہ کریں۔ ابھی کر دوں گی کافی پی لیجیے ہم لوگ۔ پھر اٹھ کر باہر چلیں گے یہاں کا ماحول مجھے کچھ زیادہ اچھا نہیں لگا۔ کچھ گھٹی گھٹی سی جگہ ہے۔"

"جی۔"

"تو میں یہ کہہ رہی تھی کہ آپ سے بے تکلفی اتفاقیہ طور پر ہی نہیں ہو سکی خیر کوئی بات نہیں بعض کا ذرا دیر سے ہوتے ہیں لیکن ہو جاتے ہیں۔ مجھے اس بات کا علم ہوا تھا کہ آپ کی بہن کو آپ کے بہنوئی نے قتل کر دیا تھا۔"

"جی۔"

"وہ ایک برا انسان تھا۔"

"ظاہر ہے کسی کی زندگی چھین لینے والے چاہے وجہ کچھ بھی ہو اچھے انسان تو نہیں ہوتے۔ اصل میں ہمارے تایا ابو جو آئے تھے یعنی حاجی الیاس صاحب! انہوں نے آپ کے بارے میں پوری تفصیل بتائی تھی۔ ایک ایک سے پوچھا تھا کہ یہاں کے لوگوں کا رویہ آپ کے ساتھ کیسا ہے۔"

"ہاں۔ کچھ لوگ اس طرح خدا ترس ہوتے ہیں کہ درویش اور ولیوں کا درجہ پا جاتے ہیں۔ حاجی صاحب میرے رہنما ہیں۔ انہوں نے ایسے لمحات میں میری رہنمائی کی جب میرے بھٹک جانے کے لیے بے پناہ امکانات موجود تھے لیکن ان کی وجہ سے مجھے آپ جیسے اچھے لوگوں کا سہارا حاصل ہو گیا۔ اور میں اپنی دیوانگی رفع کرنے میں کامیاب ہو گیا۔"

"جی جی۔" کافی پینے کے بعد وہ مسکرا کر بولی۔

"آپ ایسا کیجیے بل ادا کر کے باہر آ جائیے بہر حال یہ بل آپ کو ادا کرنا ہے چونکہ آپ مرد ہیں۔"

"اس بات کے لیے خاص طور سے آپ کا شکر گزار ہوں۔" کامران نے کہا اور ثانیہ باہر نکل گئی۔ کامران جب بل وغیرہ ادا کر کے باہر پہنچا۔ تو ثانیہ آفس فون کر چکی تھی اس نے کہا۔

"ڈیڈی! وہیں موجود ہیں اور میں انہیں بتا چکی ہوں کہ فلائیٹ لیٹ ہے اور ہم ایک ڈیڑھ گھنٹہ لیٹ ہو جائیں گے۔ انہوں نے کہا کوئی بات نہیں کامران سے کہنا مطمئن رہے۔"

''بہت بہت شکریہ آپ کا۔'' پھر کافی دیر تک باتیں ہوتی رہیں کامران کو اس بات کی خوشی تھی کہ اس گھر کا ہر شخص اس کا احترام کرتا ہے۔ کام تو سب ہو ہی جاتے ہیں۔ لیکن اگر ذہنی طور پر اطمینان نصیب ہو جائے تو پھر زندگی ذرا پرسکون گزرتی ہے۔ یہ سارے معاملات ہو گئے ہیں۔ کامران نے ثانیہ کی خواہش کے مطابق اس کی سہیلی کو اس کے تایا کے گھر پہنچایا ثانیہ ساتھ ساتھ تھی پھر اس نے ثانیہ کو گھر چھوڑا اور آفس پہنچ گیا۔ لیکن یہاں آفس میں کچھ دوسری مصروفیات موجود تھیں۔ کرنل صاحب تو جا چکے تھے۔ لیکن محترمہ عروسہ موجود تھیں کامران کو دیکھ کر ہنس پڑیں۔

''سنا ہے کسی اہم مشن پر گئے تھے آپ۔ وہ سموسے میں نے خود منگوا لیے ہیں، آج چونکہ اکیلی دل اس لیے آپ کے ساتھ سموسے کھاؤں گی۔'' کامران خود بھی ذرا اچھے موڈ میں تھا مسکرا کر بولا۔

''کھانے پینے کے علاوہ آپ کی زندگی میں اور کچھ ہے عروسہ صاحبہ......''

''آپ ہیں نا۔'' عروسہ نے بے تکلفی سے کہا اور کامران چونک پڑا۔

''جی وہ میں...... میں بھی کوئی کھانے پینے کی چیز ہوں۔''

''اب یہ تو میں نہیں کہہ سکتی۔ آنے والا وقت بتائے گا کہ آپ چیز ہیں کیا؟ بتائیے کہاں کہاں گئے تھے؟''

''کچھ نہیں وہ ذرا مس ثانیہ کی ایک سہیلی آئی تھی ان کے سلسلے میں جانا پڑا۔''

''ہوں۔ خاصے مقبول ہیں آپ اس خاندان میں۔''

''جی۔''

''اچھا خیر۔ معاف کیا آپ کو اس کوتاہی پر آپ یہ بتائیے ہمارے ساتھ پکنک پر چل رہے ہیں۔''

''پکنک۔''

''جی ہاں۔ ہم لوگوں نے ایک پکنک ترتیب دی ہے اور فہرست میں آپ کا نام بھی شامل کر لیا ہے۔ کم از کم تین دن کا پروگرام ہوگا۔''

''واہ...... یعنی آپ واقعی بننے کی کوشش کر رہی ہیں کہ روٹی نہیں تو کیک کھائیے محترمہ! آپ کو پتا ہے کہ میں ملازمت پیشہ آدمی ہوں۔ اور اس قسم کی تفریحات کو افورڈ نہیں کر سکتا۔''

''ملازمت پیشہ تو آپ ہیں لیکن ملازم کس کے ہیں یہ آپ کو پتا ہے۔''

''مناسب سمجھیں تو بتا دیجیے۔''

''بتایا تو جا چکا ہے آپ کو کہ میرے ڈیڈی اس فرم کے برابر کے حصے دار ہیں۔ جب یہ لوگ آپ پر اپنے احکامات چلا سکتے ہیں۔ یعنی ثانیہ صاحبہ کو لے کر آپ ایئرپورٹ جا سکتے ہیں تو کیا خیال ہے میں اتنا حق نہیں رکھتی۔''

''اصل میں مجھے بتایا نہیں گیا کہ کس کے مجھ پر کیا کیا حقوق ہیں ورنہ میں آسانی سے فیصلہ کر سکتا تھا۔''

''اچھا اب فضول باتیں نہیں کیجیے سموسے آ گئے۔ سموسے کھاتے ہیں اور پکنک کا پروگرام ترتیب دیتے ہیں۔ ہمیں تین دن کے لیے جانا ہے۔''

''بہتر ہے آپ سموسے کھائیے تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کو کچھ عقل دے دے۔''

''کیا مطلب ہے اس بات کا۔''

''بی بی! میں آپ کے ساتھ نہیں جا سکتا۔''

''ہوں۔ تو یہ بات ہے۔ دیکھیں گے جناب ہم بھی اپنی حیثیت کو آزماتے ہیں۔ یہ دیکھیں گے کہ آپ پر ہمارا اتنا حق ہے یا نہیں۔ کہ ہم آپ کو کہیں لے جا سکیں۔ یہ مس ثانیہ ہی سارے حق حاصل کر چکی ہیں یا ہمارے ڈیڈی بھی ہمارے لیے کچھ کر سکتے ہیں۔'' اس بات کا اندازہ تو کامران کو اچھی طرح ہو گیا تھا کہ یہ بگڑی ہوئی مخلوق غلط فہمیوں کا شکار ہے اور ضرورت سے زیادہ آگے بڑھ رہی ہے۔ اسے روکنا پڑے گا اور یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ مگر اس سلسلے میں ایک اور عمل کیا جا سکتا ہے۔ وہ یہ کہ شاہنواز سے مشورہ لے لیا جائے۔ کہ شاہنواز کیا کہتا ہے وہی ان محترمہ کے سلسلے میں کوئی حل بتائے گا۔ سموسے آ گئے کامران نے بہت زیادہ بے اتفاقی کا مظاہرہ نہیں کیا بلاوجہ کی کوئی پرخاش وہ مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ خاص طور سے اسے سب سے زیادہ احساس یہ تھا کہ تھوڑے بہت وقت کے بعد اس کا معاملہ ذرا الگ ہو جائے گا یعنی اسے مرزا خاور بیگ کی حرکتیں منظر عام پر لانا ہوں گی اور پھر جو کچھ بھی ہوگا وہ ظاہر ہے بہتر نہیں ہوگا اب اس سلسلے میں کرنل گل نواز اسے سارے اختیارات دے چکے تھے کہ وہ رحمان صاحب کی سیٹ سنبھالے رکھے۔ رحمان صاحب کی پوزیشن کو بھی برقرار رکھنا تھا انتہائی شریف آدمی تھے۔ اپنے خوف کا شکار اپنی عمر کے احساس میں جکڑے جانتے تھے کہ اگر مرزا خاور بیگ کی دشمنی مول لے لی تو اسے برداشت نہیں کر پائیں گے۔ چنانچہ کشمکش کا شکار تھے اور اب تو بے چارے بیمار پڑے ہوئے تھے۔ کرنل گل نواز کو بھی ان کی بیماری کا احساس ہو گیا تھا۔ چنانچہ وہ مکمل طور پر ان کی تمام تر ذمہ داریاں کامران کو سونپ چکے تھے۔ عروسہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''تو تیاریاں کیجیے۔ میں بندوبست کرتی ہوں۔'' اسی شام شاہنواز سے عروسہ کے بارے میں تفصیلی بات چیت ہوئی۔

''ایک الجھن میں ہوں، میں آپ سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں شاہنواز۔''

''ارے واہ...... اللہ ہمیں مبارک کرے آپ کو بھی کوئی الجھن پیش آئی اور ہماری عزت بن گئی بھائی! کسی کام میں تو لاؤ ہمیں۔''

''اتنے تو میرے کام کر رہے ہیں آپ شاہنواز! اور کیا کام لوں میں آپ سے۔''

''اچھا اچھا جلدی بتاؤ مسئلہ کیا ہے۔ یہ تو خوش بختی ہے ہماری کہ تم پر بھی کوئی مسئلہ نازل ہوا۔ اور تمہیں ہماری مدد کی ضرورت پیش آئی۔ مسئلہ بتاؤ۔''

''مسئلے کا نام عروسہ ہے۔'' کامران نے کہا ایک لمحے کے لیے شاہنواز کے چہرے پر مذاق کے آثار نظر آئے اور پھر اس نے جو قہقہہ لگانا شروع کیے۔ تو خاموش ہونے کا نام نہیں لیتا تھا۔ کامران بے بسی سے اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔ بہت دیر تک شاہنواز ہنستا رہا پھر بولا۔

''ہاں اب بتاؤ کیا مسئلہ ہے۔''

''آپ کا پیٹ بھر گیا ہنستے ہوئے۔''

''عروسہ کے نام پر تو جتنی ہنسی آئے کم ہے لیکن ہنسنے کی بات یہ ہے کہ آخرکار اونٹ بھی پہاڑ کے

پہنچ آیا۔

"آپ پتا نہیں کسے اونٹ کہہ رہے ہیں اور کسے پہاڑ۔" کامران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جناب عالی! آپ اونٹ ہیں اور عروسہ پہاڑ۔"

"بالکل ٹھیک کہا آپ نے میں واقعی مشکل میں گرفتار ہو گیا ہوں۔"

"آپ کی ذاتی صورت حال کیا ہے۔"

"مطلب۔"

"مطلب یہ کہ کتنے نمبر ہیں ان خاتون کے۔"

"نمبر اور ان خاتون کے۔" کامران نے ہونٹ بھینچ کر کہا اور شاہنواز پھر ہنسنے لگا۔

"ٹھیک ہے شاہنواز آپ ہنستے رہیے میں خاموش ہو جاتا ہوں۔"

"ارے ارے برا نہ مانو بھائی! اصل میں یہ عروسہ جو ہے نا بس کیا بتایا جائے بگڑی ہوئی اولاد ہے۔ باپ کی اور جناب! مرزا صاحب پتا نہیں کیا سمجھتے ہیں اسے اور پتا نہیں کیا بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔"

"خیر جو وہ کہتے ہیں نا جیسا کریں گے ویسا بھریں گے۔ آپ کے ساتھ کیا بات پیش آئی۔"

جواب میں کامران نے وہ ساری تفصیل سنا دی۔

"ہوں۔ بھئی وہ ڈیڈی کے پارٹنر ضرور ہیں لیکن اب اس پارٹنر شپ میں آپ کی تقسیم تو شامل نہیں ہے۔ آپ کی اپنی مرضی ہو تو بے شک چلے جایئے۔ کوئی نہیں روکے گا آپ کو چونکہ یہ بات طے ہے کہ پکنک شاندار ہوگی۔ لیکن جہاں تک آپ کو احکامات دینے کا تعلق ہے تو میرا خیال ہے یہ مجال کسی میں نہیں ہے۔ حاجی صاحب! وہ درگت بنائیں گے کہ دیکھنے والے دیکھتے رہ جائیں گے۔ کوئی بھول کر بھی آپ کو آپ کی مرضی کے خلاف استعمال نہیں کر سکتا۔"

"مگر یہ مس عروسہ ہیں کیا چیز۔"

"کہا نا دولت مند باپ کی بگڑی ہوئی اولاد۔"

"لگتا ہے بالکل ایسا ہی لگتا ہے۔"

"خیر چھوڑو ان باتوں کو نہیں جانا چاہتے نا۔"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ پہلی بات تو یہ مس عروسہ سے میرا کوئی ذہنی ربط نہیں ہے۔ دو تین مرتبہ نظر میں وارد ہوئی ہیں اور سمو سے سمو سے چیختی آتی ہیں۔ معافی چاہتا ہوں اس بات کا پتا نہیں آپ سے کیا جذبات ہوں ان کے بارے میں، مجھے تو ان کا یہ انداز بڑا گھٹیا اور عجیب لگتا ہے۔"

"بس یار ہوتا ہے اب کیا کیا جائے طرح طرح کے انسان ہوتے ہیں۔"

"ایک سوال کروں؟"

"جانتا ہوں کیا پوچھو گے؟" شاہنواز ہنستے ہوئے بولا۔

"پہلے بتایئے۔"

"یہی کہ عروسہ کی توجہ میری طرف تو نہیں ہوئی کبھی۔"

"ارے واہ۔ آپ تو واقعی باکمال شخصیت ہیں۔ یہی پوچھ رہا تھا میں۔"

"نہیں اللہ کا شکر ہے۔ میں انہیں پسند نہیں آیا ویسے تمہیں ایک بات بتا دوں یار! مانو چاہے نا مانو۔ آدمی خوب صورت ہو عروسہ کردار کی بری نہیں ہے۔ بس غلط فہمیوں کا شکار ہے وہ یہ سوچتی ہے کہ اس کا باپ دنیا کا سب سے بڑا آدمی ہے اور وہ سب سے بڑے آدمی کی اکلوتی اولاد ہے۔ جو چاہے حاصل کر سکتی ہے۔ فلمی مریضہ ہے اس طرح کی فلمیں دیکھنے والے عام طور سے اپنے آپ کو انہی فلموں کا ایک کردار سمجھ لیتے ہیں اور بس سوچتے ہیں کہ جس طرح کی زندگی گزارنا چاہیں گزار سکتے ہیں۔"

"میں صرف ایک سوال کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ اگر میں مس عروسہ کا دماغ درست کر دوں تو کرنل صاحب کو تو اعتراض نہیں ہوگا۔"

"بالکل نہیں ہوگا۔ آپ کے ذاتی معاملات بالکل آپ سے متعلق ہیں اس سلسلے میں کسی کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ آپ یوں سمجھ لیجئے کہ آپ کسی کے زیر اثر نہیں ہیں۔ ارے وہ ہیں کیا چیز ہم آپ کو کوئی حکم نہیں دے سکتے۔" شاہنواز بولا اور کامران ہنسنے لگا پھر بولا۔

"نہیں شاہنواز! آپ جب چاہیں مجھے حکم دے سکتے ہیں۔ بات آئی گئی ہوگی۔ پتا نہیں اس پکنک پر کیا ہوا۔ عروسہ بہت ہی لاابالی فطرت کی مالک معلوم ہوتی تھی۔ یہاں زندگی میں ایک ٹھہراؤ آ گیا تھا۔ کوئی ایسا عمل نہیں ہوا تھا۔ جو تردد کا باعث ہوتا سیتا یا گرشک دوبارہ نظر نہیں آئے تھے لیکن کامران کے دل میں شدید تجسس تھا۔ سیتا کا جو روپ وہ دیکھ چکا تھا۔ وہ ناقابل فہم تھا۔ اس کے بعد کرنل صاحب سے ان کے بارے میں جو گفتگو ہوئی تھی وہ بھی خاصی حیران کن تھی۔ وہ کون لوگ تھے جو پہاڑیوں میں ان کا پیچھا کر رہے تھے۔ یہ سارا الجھاؤ کبھی کبھی کامران کو بری طرح الجھا کر رکھ دیتا تھا۔ دل کئی بار چاہا کہ اس علاقے میں جا کر ان لوگوں کی کارروائیاں دیکھے لیکن پھر اس کی ہمت نہیں پڑی تھی۔ کرنل صاحب ان لوگوں کے معاملات میں جس قدر جذباتی تھے۔ اس کا بھی کامران کو علم تھا۔ چنانچہ وہ کوئی ایسا عمل نہیں چاہتا تھا۔ جس سے کرنل صاحب کو کسی قسم کی شکایت کا موقع ملے۔ اس طرح سے اچھا خاصا وقت گزر گیا تھا اور جب ذہنی الجھنوں سے اس نے نجات حاصل کرنا چاہی تھی اسے ان سے نجات حاصل ہو گئی تھی۔ وہ اپنے طور پر مطمئن تھا جہاں تک زندگی میں آنے والے کرداروں کا تعلق تھا۔ تو ایسے کردار تو زندگی کا ایک حصہ بن جاتے ہیں۔ ان سے پریشان ہونا ایک طرح سے بے مقصد ہوتا ہے۔ زندگی کے مشاغل کے لیے اس نے بہت سے طریقہ کار اختیار کر لیے تھے۔ شاہنواز بہ ذات خود ایک بہت اچھا ساتھی تھا۔ یہاں گھر میں فرخندہ اور ثانیہ تھیں۔ اچھی فطرت کی مالک لڑکیاں تھیں۔ لے دے کر صرف ایک عروسہ رہ جاتی تھی۔ جس نے اسے تھوڑا سا ذہنی طور پر الجھا دیا تھا۔ لیکن بہرحال یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جو باعث پریشانی ہوتی۔۔ آج شام بادلوں سے ڈھکی ہوئی تھی اور موسم بھیگا بھیگا سا تھا۔ فیکٹری سے واپسی کے بعد کامران کوٹھی واپس آ گیا تھا۔ تمام لوگ اندر کوٹھی میں تھے شاہنواز اس کے پاس پہنچ گیا۔

"بارش ہو جانے کا خطرہ ہے۔"

"ہاں۔"

"پچھلا تجربہ یاد ہے نا۔"

"کون سا۔"

"وہی گردن اور چہرے پر خراشیں پڑ جانے والا۔" شاہنواز نے کہا اور کامران چونک پڑا۔

"ہاں۔ یار! بات واقعی بہت الجھی ہوئی ہے اور شاہنواز اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تمہاری کوٹھی میں یہ دو کردار بڑے عجیب ہیں۔"

"یقین کرو۔ جس طرح تم ان کے بارے میں تجسس کا شکار ہو۔ اسی طرح میری بھی یہی کیفیت ہے۔ لیکن چونکہ معاملہ کرنل گل نواز کا ہے چنانچہ ہمت نہیں پڑتی کہ ان کی خواہش کے برخلاف کچھ کیا جائے۔" کرنل گل نواز کامران کو تھوڑی بہت حقیقتیں بتا چکے تھے۔ لیکن کامران نے اس سلسلے میں مزید کوئی گفتگو کرنا مناسب نہیں سمجھی اور اس طرح معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ شکر تھا کہ یہ رات بادلوں کی گرج اور بجلیوں کی چمک تک محدود رہی بارش نہیں ہوئی تھی کامران نے کئی بار کھڑکی کے پاس جا کر ادھر کا نظارہ کیا اور اس کے بعد وہ بستر پر آ کر لیٹ گیا۔ سیتا یا گریٹنگ نظر نہیں آئے تھے۔ کامران کی اپنی معلومات بھی اس سلسلے میں نہ ہونے کے برابر تھیں۔ چنانچہ وہ خاموشی سے ان کے بارے میں سوچتے ہوئے گہری نیند سو گیا۔ دوسری صبح آسمان صاف شفاف تھا۔ لیکن نہ جانے کیوں کامران کے دل و دماغ پر وہی دونوں سوار تھے۔ آج خاص طور پر اسے اس بات کا احساس ہو رہا تھا کہ وہ پراسرار کردار اپنی نوعیت کے عجیب و غریب تھے۔ کیوں نہ ان کے بارے میں مزید کچھ تفصیلات معلوم کی جائیں۔ کرنل گل نواز نے کوئی پابندی نہیں لگائی تھی۔ وہ سب کسی بھی طرح گریٹنگ اور سیتا کی دل شکنی نہیں چاہتے تھے لیکن اس دوپہر فیکٹری میں ایک الگ صورت حال پیش آ گئی۔ رحمان صاحب معمول کے مطابق نہیں آئے تھے۔ پچھلے کافی دنوں سے وہ اسی طرح آ جا رہے تھے۔ ذرا سی طبیعت بہتر ہوتی تو آ جایا کرتے تھے بیمار ہو گئے تو مشکل پیش آ جاتی۔ بہر حال وہ اپنے معمولات میں مصروف تھا کہ ایک رجسٹر اس کے ہاتھ لگا جو ایک اردلی نے لا کر رکھ دیا تھا۔

"صاحب! یہ مجھے اس پرانی الماری میں ملا ہے۔ جو اس کونے میں رکھی ہوئی تھی۔ اس کے پیچھے گرا پڑا تھا یہ۔" کامران نے کوئی خاص توجہ نہیں دی۔ بے خیالی کے انداز میں اس نے رجسٹر کھول لیا لیکن جب اس نے رجسٹر کے کاغذات پر نگاہ ڈالی تو ایک دم چونک پڑا۔ اس رجسٹر میں کچھ پراسرار اندراجات تھے۔ ایک دو ایسی کمپنیوں کے نام تھے جو ان سے متعلق نہیں تھیں... لیکن پروڈکشن چارٹ میں ان کمپنیوں کے آرڈر لکھے ہوئے تھے۔ کامران غور کرتا رہا اور پھر اچانک ہی اسے رحمان صاحب کی بات یاد آئی۔ فیکٹری میں کچھ اس طرح کا مال بھی تیار ہوتا ہے۔ جس کے بارے میں یہ پتہ نہیں چلتا کہ وہ جاتا کہاں ہے۔ کامران نے فوراً ہی رجسٹر اپنے قبضے میں کر لیا۔ پھر اس کے ذہن میں تجسس نے سر ابھارا تو اس نے اس کمپنی کے ٹیلی فون نمبر نوٹ کیے اور ایک فون اس کمپنی کے مینجنگ ڈائریکٹر کو کر دیا۔

"مجھے ستار صاحب سے بات کرنی ہے۔"

"میں ستار ہی بول رہا ہوں۔"

"ستار صاحب! پچھلے مہینے کی ستائیس تاریخ کو جو سپلائی آپ کو دی گئی تھی کیا آپ نے اس کے

پے منٹ ہمیں بھجوا دی۔"

"کون صاحب بول رہے ہیں۔"

"آپ یہ سمجھ لیجئے کہ میں جو بھی بول رہا ہوں۔ ان معاملات سے متعلق ہوں اور یوں سمجھ لیجئے کہ کسی ہدایت پر بول رہا ہوں۔"

"آپ زحمت کیجئے۔ اگر کوئی بل رہ گیا ہے ہماری طرف تو آپ براہ راست یا تو خود تشریف لے آیئے یا بہ قول آپ کے انہیں بتایئے کہ وہ ہم سے آ کر مل لیں۔ ویسے آپ اگر اپنا تعارف کروا دیتے تو زیادہ بہتر تھا۔"

"شکریہ میں خود ہی آپ سے آ کر مل لوں گا۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ بات باقاعدہ ہو رہی ہے بہر حال وہ رجسٹر اس نے اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔ اور پھر شام کو وہ اسے اپنے ساتھ لے آیا اور اس نے رجسٹر اپنی خاص الماری چھپا کر رکھ دیا۔ یہ خفیہ کارروائی اس نے بڑی احتیاط سے کی تھی۔ دوسرے دن وہ معمول کے مطابق آفس پہنچ گیا کوئی خاص بات نہیں تھی۔ لیکن شام کو جب واپس پہنچا تو کمرے کا منظر دیکھ کر حیران رہ گیا۔ کمرے کی زبردست تلاشی لی گئی تھی۔ اس کا سارا سامان بکھرا پڑا تھا۔ لیکن حیران کن بات یہ تھی کہ بابا صاحب اپنی جگہ موجود تھے اور انہیں اس بارے میں کچھ پتا نہیں تھا کہ سامان کس نے بکھیرا ہے۔ البتہ کامران نے جب وہ رجسٹر تلاش کیا تو وہ اسے موجود نہ ملا۔ کامران کو ایک دم دکھ کا احساس ہوا پہلی بات تو یہ پریشان کن تھی کہ یہاں کوٹھی کے اس اندرونی حصے میں کون رجسٹر تلاش کرتے ہوئے پہنچ گیا۔ دوسری بات یہ کہ کس طرح سے ایک بیرونی شخص اسے جل دے گیا۔ اب اس کے پاس ایک بہت بڑا ثبوت ختم ہو گیا تھا۔ لیکن ایسا کرنے والا کون ہے۔ اور اس بات کا علم اسے کیسے ہو گیا کہ یہ رجسٹر کامران کے پاس ہو سکتا ہے۔ شدید الجھن کا شکار رہا تھا وہ۔ پھر تقریباً رات کے ساڑھے نو بجے تھے۔ جب اچانک ہی اسے ٹیلی فون کال موصول ہوئی۔ یہ ٹیلی فون کال عروسہ کی طرف سے تھی۔

"کامران صاحب! کیا کر رہے ہیں آپ۔"

"اس وقت جو کیا جا سکتا ہے وہی کر رہا ہوں میں۔" کامران نے عروسہ کی آواز پہچان کر جواب دیا۔

"مجھے آپ کی ضرورت ہے۔"

"تعجب ہے۔"

"کھانا کھا لیا آپ نے۔"

"ابھی تھوڑی دیر پہلے۔"

"تو کافی میرے ساتھ پی لیجئے۔"

"مس عروسہ! اس وقت میں باہر نہیں نکل سکتا۔"

"دیکھیے مجھے آپ سے اس وقت بہت ہی ضروری کام ہے۔ آپ براہ کرم ہوٹل میڈلین میں آ جایئے پلیز...... میں آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا کامران فون ہاتھ میں لیے

سوچتا رہا پھر اس نے ایک گہری سانس لی اور اٹھ گیا۔

عروسہ بلاوجہ گلے کا ہار بن رہی تھی کسی طرح اس سے پیچھا چھڑانا ضروری ہے۔ وہ سوچ رہا تھا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اچانک ہی اس کے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔ کیوں نہ عروسہ سے روابط بڑھائے جائیں۔ وہ مرزا خاور بیگ کی بیٹی ہے اور یقینی طور پر مرزا خاور بیگ اس طرح اس کی مٹھی میں آ سکتا ہے۔ وہ جس طرح بھی بن پڑے۔ کرنل گل نواز کو اس جھگڑے سے نکالنا چاہتا تھا۔ کرنل گل نواز نے اس پر مکمل اعتبار کیا تھا۔ تیار ہو کر وہ ہوٹل مینڈ لین چل پڑا۔ مینڈ لین کے مخصوص ہال میں اس نے عروسہ کو دیکھا جس کے سامنے کافی کے برتن سجے ہوئے تھے۔ لیکن دلچسپ بات یہ تھی کہ عروسہ تنہا نہیں تھی بلکہ اس کے ساتھ مرزا خاور بیگ بھی موجود تھا۔ جسے دیکھ کر ایک دم کامران کو شاک سا لگا تھا۔ وہ ان دونوں کے نزدیک پہنچ گیا۔ اس نے مرزا خاور بیگ کو سلام کیا تھا۔

"آؤ......آؤ......آؤ ینگ مین! ویسے ایک حیرت انگیز بات ہے اور وہ یہ کہ نہ جانے کیوں میری نگاہیں بار بار تم پر پڑتی رہی ہیں۔ میں خود بھی تم سے متاثر تھا۔ لیکن تم نے جو حرکت کی اس نے مجھے تم سے برگشتہ کر دیا۔ اور میں ذرا سی الجھن کا شکار ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے نوجوان آدمی کہ اگر تم عروسہ کے منظور نظر نہ ہوتے تو بڑا نقصان اٹھا سکتے تھے میرے ہاتھوں۔ خیر! بیٹھو یہ بتاؤ...... کافی پیو گے یا کوئی ٹھنڈی چیز۔"

کامران اس دوران خود کو سنبھالتا رہا تھا۔ اسے یہ کھیل کافی لمبا محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے آہستہ لہجے میں کہا۔

"کافی ہی مناسب رہے گی۔"

"ہاں کافی دل و دماغ کو سکون دیتی ہے۔ بڑی نایاب چیز ہوتی ہے یہ خیر! تو بات اصل میں یہ ہو رہی تھی کہ عروسہ سے بالکل اتفاقیہ طور پر تمہارے بارے میں بات چیت ہوئی وہ رجسٹر جو تمہارے ہاتھ لگا تھا جو ایک بے وقوف آدمی کی غلطی سے الماری کے پیچھے گر پڑا تھا۔ میں نے اسے کافی تلاش کیا لیکن وہ مجھے نہیں ملا۔ مجھے تو اصل میں اس کمپنی کے منیجر صاحب نے فون کر کے بتایا کہ تھوڑی دیر پہلے ایک فون آیا تھا جس میں ستائیس تاریخ کی ڈلیوری کی پےمنٹ کے بارے میں پوچھا گیا۔ رجسٹر میں ستائیس تاریخ کی ڈلیوری کے بارے میں تفصیلات لکھی تھیں۔ کمپنی کا نام اور فون نمبر بھی لکھا ہوا تھا۔ فوراً یہ بات میرے ذہن میں آئی کہ رجسٹر کسی کے ہاتھ لگ گیا ہے اور بعد میں آسانی سے مجھے پتا لگ گیا کہ وہ تمہارے ہاتھ لگا ہے اس کے علاوہ مجھے میرے کچھ خاص آدمیوں نے پہلے بھی یہ اطلاع دی تھی کہ میری ذاتی پروڈکشن کے بارے میں معلومات حاصل کی جا رہی ہے۔ بہرحال اس کے بعد میں نے اپنا ایک آدمی تمہاری رہائش گاہ پر بھیجا اور وہ رجسٹر تلاش کر کے لے آیا بیٹے بہت سچے آدمی ہو ایسے کاموں میں، میں نہیں جانتا کہ تمہارا ماضی کیا ہے۔ لیکن میں تمہیں سمجھانا چاہتا ہوں کچھ چیزیں دل میں وفاداری بھی بہت اچھی چیز ہے۔ لیکن یہ بات میں نہیں جانتا کہ اس رجسٹر اور اس معلومات کے ذریعے تم مجھے بلیک میل کرنا چاہتے ہو یا پھر اپنی وفاداری کا اظہار مرزا خاور بیگ سے۔"

اتنی صاف اور بے باک گفتگو کامران کے تصور میں بھی نہیں تھی۔ وہ کافی کے بڑے بڑے گھونٹ پینے لگا۔ جو ویٹر نے لا کر رکھ دی تھی۔ مرزا خاور بیگ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"سمجھاؤ اسے۔ سمجھاؤ اسے عروسہ گرم کافی پینے سے منہ بری طرح جل جاتا ہے اور کافی سے جلا

ہوا منہ بہت دیر تک ٹھیک نہیں ہوتا۔" عروسہ نے عجیب سی نگاہوں سے کامران کو دیکھا اور پھر بولی۔

"جب ڈیڈی نے مجھ سے کچھ تذکرے کیے تو میں نے ان سے کہا ڈیڈی! کامران تو میرے بہترین دوستوں میں سے ہیں اور ڈیڈی میں ذہنی طور پر ان سے بہت متاثر ہوں۔ تب ڈیڈی نے اپنا موڈ بدل لیا کامران۔ ورنہ ڈیڈی اپنے راستے میں آنے والی رکاوٹ کو دور کر دینے کے عادی ہیں۔" کامران کے لیے اس وقت فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ واقعی کوئی بہت بڑا جھگڑا مول نہیں لینا چاہتا تھا۔ لیکن یہ ساری باتیں ایسی تھیں کہ اسے سنبھلنا چاہیے تھا۔ اس نے کہا۔

"یہ بات میرے علم میں ہے جناب کہ آپ کرنل گل نواز کے پارٹنر ہیں اور کرنل گل صاحب آپ کا بھرپور احترام کرتے ہیں۔ آپ کو بلیک میل کرنے کا تو میں تصور بھی نہیں کر سکتا اور یہ بات میری فطرت کے خلاف بھی ہے۔ ہاں میں ذرا تجسس ضرور تھا کہ یہ پرائیویٹ پروڈکشن جو ہوتی ہے۔ اس کا پس منظر کیا ہے۔ دیکھیے سر! اس طرح کی فیکٹریوں اور کمپنیوں میں کچھ ایسے لوگ بھی پیدا ہو جاتے ہیں جو ذاتی طور پر اپنے مفادات حاصل کرتے ہیں۔"

"بالکل بالکل۔ یقیناً ہو جاتے ہیں اچھا تم مجھے یہ بات بتاؤ اب جب کہ تمہیں پتا چل گیا ہے کہ ان تمام کارروائیوں کا ذمے دار میں ہوں۔ تو تم اب اس سلسلے میں کیا ارادہ رکھتے ہو۔"

"نہیں۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں آپ کے خلاف کوئی قدم اٹھانے جاؤں گا تو براہ کرم یہ خیال اپنے دل سے نکال دیجیے۔"

"اوہ۔ اس کا مطلب ہے کہ تم نے صحیح آدمی کی سفارش کی تھی واقعی ایسے لوگ جو موقع کی نزاکت کو اتنی جلدی سمجھ لیتے ہیں قابل عزت بھی ہوتے ہیں اور قابل محبت بھی تم بالکل ٹھیک کہتے ہو بیٹا! تم سمجھ دار آدمی ہو دیکھو بات اصل میں یہ ہے کہ اس دور میں جو پہلے اپنے بارے میں نہ سوچے وہ احمق بلکہ احمق ترین انسان ہوتا ہے۔ یہ فیکٹری صحیح معنوں میں، میں نے قائم کروائی تھی۔ کرنل تو فوجی آدمی ہے۔ اس نے بے شک اس کے فیصلے حاصل کیے اپنے اختیارات سے کام لے کر لیکن وہ اسے چلانے کی اہلیت نہیں رکھتا۔ سیدھا سادا شریف آدمی ہے۔ بالکل نہیں جانتا کہ زمانے کے رنگ ڈھنگ کیا ہوتے ہیں اور یقین کرو اگر میں اسے بھرپور طریقے سے سپورٹ نہ دیتا تو اب تک یہ فیکٹری کبھی کی بند ہو چکی ہوتی۔ ویسے بھی وہ زمیندار قسم کا آدمی ہے۔ دولت کی کوئی کمی نہیں ہے اس کے پاس لیکن میں چاہتا تھا کہ میں اس سے کچھ فائدے حاصل کروں۔ میں نے اسے بھرپور منافع دیا ہے۔ اگر تم اس بارے میں مجھ سے معلومات حاصل کرو تو میں تمہیں یہ بتاؤں کہ وہ بالکل غیر مطمئن نہیں ہے اور ہر طرح سے میرے ساتھ تعاون کرتا ہے۔ میں اسے بھرپور فائدہ پہنچانے کے بعد اگر ذاتی طور پر اپنے لیے کچھ کر لیتا ہوں تو اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ وہ بے شمار میٹریل جو ضائع ہو سکتا ہے۔ میں اسے اپنے طور پر استعمال کرتا ہوں اور اس سے حاصل شدہ آمدنی خود رکھتا ہوں۔ بہرحال میں نے تمہیں پوری بات تفصیل سے سمجھا دی ہے تم جس طرح بھی مناسب سمجھو کرو۔ اب بتاؤ کیا چاہتے ہو۔"

"نہیں جناب! آپ بالکل مطمئن رہیں میں کچھ نہیں چاہتا۔ میں نے وہ رجسٹر اپنے پاس اس لیے رکھا کہ اس کے بارے میں مکمل طور پر تحقیق کر لوں اب جب کہ مجھے یہ پتا چل گیا ہے کہ آپ بذات خود

ان تمام معاملات سے نہ صرف واقف ہیں بلکہ آپ کا اپنا عمل ہے یہ۔ میں تو صرف ایک ملازم ہوں۔ بے شک کرنل صاحب مجھ پر بے پناہ مہربان ہیں۔ لیکن ان سارے معاملات میں میری مداخلت بے معنی ہے اس کا سارا ذمہ انہی کو جاتا ہے۔ آپ مطمئن رہیں۔ یہ بات ختم ہو گئی۔"

"واہ۔ عروسہ! اب مجھے تمہارے انتخاب کی داد دینا پڑے گی۔ بڑے صحیح آدمی کا فیصلہ کیا ہے تم نے دوست! تم مجھے پسند ہو عروسہ کو اجازت دے رہا ہوں میں کہ تمہارے ساتھ دوستی کرے اور اگر کبھی تقدیر یہ فیصلے لکھ دے کہ تم عروسہ کے لائف پارٹنر بن جاؤ۔ اوکے، عروسہ! تمہارا مہمان تمہارے ساتھ میں چلتا ہوں۔ جو کام مجھے کرنا تھا وہ ہو چکا ہے۔" مرزا خاور بیگ اٹھ گیا عروسہ کے ہونٹوں پر ایک دل نواز مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ کامران یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ اب جب اس نے اس منافقت سے کام لیا ہے۔ تو پھر اسے ایک بھر پور رنگ دینا چاہیے۔ اس کے علاوہ بھی کچھ فیصلے اس نے اپنے دل میں کیے تھے۔ بہر حال یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں اور وہ سوچ بیٹھا تھا کہ اب ذرا سی چالاکی سے کام لینا پڑے گا۔ واسطہ خطرناک لوگوں سے ہے۔ عروسہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوہ یقین کرو مجھے امید نہیں تھی کہ تم اس قدر ذہین انسان ثابت ہو گے۔"

"آپ نے میری کون سی ذہانت دیکھ لی مس عروسہ۔"

"ڈیڈی! بہت خطرناک آدمی ہیں تم یقین کرو انسانی زندگی ان کے لیے ایک مذاق کی حیثیت رکھتی ہے۔ میں تو یہ سوچتی ہوں کہ اگر اتفاق سے یہ ساری کہانی میرے علم میں نہ آ جاتی تو تمہارا کیا ہوتا۔"

"واقعی میں خود بھی اس بات سے خوف زدہ ہوں لیکن میں تمہیں سچ بتا رہا ہوں عروسہ! مرزا خاور بیگ سے میں کبھی جھگڑا مول نہ لیتا۔ وہ تو بس یہ خیال میرے دل میں تھا کہ کہیں فیکٹری میں موجود کچھ کارکنان یہ عمل تو نہیں کر رہے۔"

"خیر یقین کرو مجھے اس بارے میں کچھ نہیں معلوم۔ بس وہ تو تمہارا نام آ گیا تھا ورنہ میں ڈیڈی کے معاملات میں بالکل دلچسپی نہیں لیا کرتی۔"

"تمہارا کیا خیال ہے عروسہ! کیا کرنل صاحب کو ان معاملات کے بارے میں کچھ علم نہیں ہو گا۔"

"ارے چھوڑو کن فضول باتوں میں پڑ گئے تم۔ یہ معاملہ ان لوگوں کا ہے۔ تم نے اس سے اپنی دستبرداری ظاہر کر کے جو خوشیاں خریدی ہیں اس کا تمہیں اندازہ نہیں ہے۔ اب تو ڈیڈی نے بھی آزادی دے دی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ میں تمہارے بارے میں بہتر انداز میں سوچ سکتی ہوں ویسے میں تمہیں ایک بات بتاؤں۔ یقین کرو میں بڑی الٹے دماغ کی لڑکی ہوں۔ کبھی کبھی کوئی چیز مجھے بے پناہ پسند آتی ہے۔ تو صرف تھوڑی دیر کے لیے اس کے بعد مجھے اس چیز سے نفرت محسوس ہونے لگتی ہے۔ چنانچہ تمہارے بارے میں میرے خیالات کب تک اچھے ہیں اور کب خراب ہو جائیں۔" کامران مسکراتا ہوا بولا۔

"جب تمہارے خیالات میرے بارے میں خراب ہو جائیں تو بس ایک احسان کرنا مجھ پر۔"

"کیا۔"

"مجھے بتا دینا۔" کامران نے کہا اور عروسہ ہنسنے لگی۔ پھر بولی۔

"وعدہ ہے۔" نہ جانے کب تک کامران وہاں عروسہ کو بے وقوف بناتا رہا اور اس کے بعد اس نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"جناب ساڑھے بارہ بج رہے ہیں میں کبھی کوٹھی سے اتنی دیر غائب نہیں رہا کہیں میری تلاش نہ شروع ہو گئی ہو۔"

"فی الحال تو تم میری پسند ہو کامران! کسی اور کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا کہ جب تم میرے پاس ہو تو وہ تمہیں تلاش کرتا پھرے۔"

"پھر بھی عروسہ!"

"نہیں تھوڑا سا وقت رہ گیا ہے۔ بس جب تم کرنل گل نواز کی کوٹھی سے منتقل ہو کر میری کوٹھی میں آ جاؤ گے اوکے۔ چلو میں تمہیں ڈراپ کر دوں۔" عروسہ کامران کو کرنل گل نواز کی حویلی کے گیٹ پر چھوڑ گئی تھی۔ لیکن اس وقت کسی کی توجہ اس طرف نہیں تھی۔ چوکیدار بھی نیم غنودگی کے عالم میں تھا۔ بابا رمضان بھی سو گئے تھے۔ چنانچہ کامران بھی اپنے بستر پر جا کر لیٹ گیا۔ لیکن اس کے ہوش و حواس اڑے جا رہے تھے۔ دوسرا دن چھٹی کا تھا۔ رات کو نہ جانے کون سے پہر تک سوچتے رہنے کے بعد آخر کار اس نے فیصلہ کیا کہ کرنل گل نواز کو اس بارے میں تفصیلات بتا دے گا۔ لیکن کم از کم بنیاد تو کچھ ہونی چاہیے۔ زبانی طور پر کچھ کہہ دینے کا مطلب، یہ کہ اس بات کی تردید کر دی جائے تو ثبوت کوئی نہ ہو۔ مرزا خاور بیگ سے مل چکا تھا۔ اور یہ اندازہ ہو چکا تھا اسے کہ مرزا خاور بیگ ایک تجربے کار شخص ہے اور جب تک اس کے خلاف بہت زیادہ ٹھوس ثبوت نہ ہوں یہ بات منظر عام پر لانا مناسب نہیں ہو گا چنانچہ اس نے سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا کہ ابھی جلد بازی سے کام نہیں لے گا اور پہلے اس سلسلے میں ٹھوس شواہد جمع کرے گا۔ بہر حال یہ ساری باتیں براہ راست اس کی ذات سے تعلق نہیں رکھتی تھیں۔ ابھی رحمان صاحب بھی بہ دستور ٹیچر تھے۔ ذمے داریاں بے شک اسے دے دی گئی تھیں۔ لیکن باقی تمام ذمے داریاں ابھی انہی کی تھیں۔ پھر دوسرے دن سے اس نے اس سلسلے میں کام شروع کر دیا اور وہ تمام رجسٹر وغیرہ دیکھنے لگا۔ جن میں پروڈکشن کی تفصیل تھی لیکن یہ کام اس نے اتنے خفیہ پیمانے پر اور اس ذہانت سے شروع کیا تھا۔ کہ کسی کو ذرہ برابر شبہ نہ ہو سکا۔ تقریباً دس دن تک وہ یہ تفصیلات جمع کرتا رہا۔ فیکٹری کے دوسرے معاملات جو اس کے سپرد تھے۔ اپنی جگہ تھے لیکن وہ اس کے بعد اپنا کام کر رہا تھا اور اسے اس میں زبردست کامیابی حاصل ہوتی جا رہی تھی۔ میٹریل کی تفصیلات وہ الگ رجسٹر میں جمع کرتا جا رہا تھا۔ ادھر رحمان صاحب بے چارے اس طرح صاحب فراش ہوئے تھے کہ ان کی صحت بالکل تباہ ہو چکی تھی۔ یہاں تک کہ انہوں نے کرنل گل نواز سے درخواست کر دی کہ اب انہیں ان کے منصب سے سبکدوش کر دیا جائے۔ وہ اپنا فرض پورا کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ چنانچہ اس سلسلے میں ہدایات جاری کر دی گئیں اور ان کے تمام حسابات کیے جانے لگے۔ اس دوران دوسرے معاملات بھی چلتے رہے تھے۔ عروسہ غالباً اپنے دوستوں کے ساتھ کہیں سیر و سیاحت کے لیے گئی ہوئی تھی۔ کامران تو اس سلسلے میں اپنے آپ کو خوش نصیب سمجھتا تھا۔ عروسہ کی موجودگی اسے ذہنی کوفت کا شکار کرتی تھی۔ ورنہ وہ اپنے طور پر بہت مطمئن رہتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ابھی تک خود کرنل گل نواز نے مرزا خاور بیگ کے بارے میں کوئی ایسی بات

نہیں کی گئی تھی۔ جس میں یہ احکامات ہوتے کہ مرزا خاور بیگ کا اس کاروبار میں بڑا نمایاں کردار ہے اور انہیں بہت سے اختیارات حاصل ہیں۔ لیکن خود اسے ایسی کوئی ہدایت نہیں کی گئی تھی کہ مرزا خاور بیگ کا کوئی خصوصی خیال رکھے۔ یا کسی مسئلے میں ان سے ہدایت لے وہ پروڈکشن سائیڈ کے آدمی تھے۔ چنانچہ ان کا کام اس طرف زیادہ ہوتا تھا۔ البتہ یہ الگ بات ہے کہ فیکٹری کا سارا معاملہ ایک ہی طرح کی نوعیت رکھتا تھا اور سارے معاملات میں دونوں سائیڈ کے کام ہوا کرتے تھے۔ پھر اس دن شام کو گل نواز نے خود اس کے رہائشی حصے میں پہنچ کر اس سے ملاقات کی۔

"ہاں بھئی اصل میں جب مجھے تم سے کوئی خاص بات کرنا ہوتی ہے۔ تو میں تمہارے پاس آ جاتا ہوں۔ سمجھ لو میری آمد تمہارے لیے خطرے کی گھنٹی ہوتی ہے۔ یعنی یہ کہ تمہیں دوسرے معاملات ترک کر کے مجھے کچھ دینا پڑتا ہے۔"

"نہیں جناب! یہ تو میری ذمہ داری ہے۔"

"چھوڑو یار! کیا ذمہ داری ہے کیا ذمہ داری نہیں ہے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ میرا اور تمہارا تو پہلے دن سے ہی ایسا کوئی کاروباری رشتہ نہیں ہے۔ تم نے کچھ اس طرح ہم لوگوں کے دل و دماغ کو اپنے بس میں لیا ہے کہ میرا خیال ہے ہم میں سے ہر شخص تمہارے بارے میں بالکل اپنے طور پر سوچتا ہے اور تمہیں کسی دوسری حیثیت سے تسلیم نہیں کرتا۔ یہاں تمہیں حیرت ہوگی کہ میری مسز تک تمہارے بارے میں بڑی اپنائیت کے خیالات رکھتی ہیں۔ اکثر فرخندہ اور ثانیہ بھی تمہارے بارے میں گفتگو کرتی رہتی ہیں۔ لگتا ہی نہیں ہے کہ تم کہیں باہر سے آئے ہوئے آدمی ہو۔"

"آپ کی ان عنایتوں اور محبتوں کو میں اپنی تقدیر کی دین سمجھتا ہوں بہت کم لوگ میری طرح خوش نصیب ہوتے ہیں جنہیں اس طرح کی محبت کرنے والے مل جائیں۔ حقیقت یہ ہے کرنل صاحب کہ میں اکثر اپنے ماضی پر نگاہ ڈالتا ہوں اور سوچتا ہوں کہ وہ کون سی نیکی تھی جو میں نے نادانستگی میں کی تھی اور جس کے صلے میں مجھے آپ کا پیار حاصل ہوا۔"

"اچھا چھوڑو ان باتوں کو میں اصل میں تم سے یہ کہنا چاہتا تھا کہ فیکٹری میں جو تمہاری ذمہ داری لگائی گئی ہے وہ بے شک اس لیے تھی کہ ہم تمہیں کوئی ذمہ داری سونپنا چاہتے تھے۔ اس وقت سچی بات یہ ہے کہ تمہارے لیے دل میں یہ گوشے نہیں پیدا ہوئے تھے اس وقت تم صرف ایک ایسی شخصیت کے مالک تھے جس کے بارے میں حاجی صاحب نے ہدایت کی تھی۔ لیکن بعد میں تم نے اپنا مقام خود بنا لیا۔ اور اب تم اس حویلی کے ایک ذمہ دار فرد ہو۔ میرا مطلب سمجھ رہے ہو نا۔"

"جی۔"

"اب یہ تم پر منحصر ہے بلکہ میں تم سے اس موضوع پر بات کرنا چاہتا ہوں کہ تم فیکٹری میں اس حیثیت سے کام کرنا زیادہ پسند کرتے ہو یا پھر تمہارے لیے دوسرے شعبے منتخب کیے جائیں۔"

"نہیں جناب! میرا خیال ہے میں مطمئن ہوں۔"

"یہ بات میں ازراہ تکلف نہیں کہہ رہا۔ بلکہ میرے ذہن میں کچھ اور ہے۔ جس کے بارے میں تم

سے گفتگو کرنے کے بعد بات کرنا چاہتا ہوں۔" کامران کسی قدر الجھے ہوئے انداز میں کرنل نواز کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

"کرنل صاحب! بات اصل میں یہ تھی کہ میں اب یہاں آ چکا ہوں اور میں خود بھی اس بات کا اندازہ رکھتا ہوں کہ میرے سلسلے میں یہاں جو محبت بھرا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ وہ کوئی عام انداز نہیں ہے۔ بلکہ بہت سی خصوصیتیں ہیں اس میں اپنی بہتری کے تمام اختیارات میں نے آپ کو دیے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ میرے بارے میں جو کچھ آپ سوچیں گے وہی میرے حق میں سب سے بہتر ہوگا۔"

"ہوں۔ بھئی اصل میں بات یہ ہے کہ یہ فیکٹری ہماری زندگی کی بنیاد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میرے پاس بہت دولت ہے۔ زمینوں اور جائیدادوں کی آمدنی ہے اور یوں سمجھ لو کسی بھی طرح میں اس فیکٹری سے بہت زیادہ جذباتی لگاؤ نہیں رکھتا۔ بہت سے ایسے معاملات ہیں۔ جنہیں میں نظر انداز کر دیا کرتا ہوں۔ میں تو ذرا مختلف قسم کا آدمی ہوں ابھی کچھ دن کے بعد میرا ایک بہت ہی اچھا دوست! علی سفیان جس کے بارے میں میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ نسلاً مصری ہے ایک اچھا دولت مند اور کاروباری آدمی وہ آنے والا ہے۔ ایک فوجی کی زندگی میں وہ ایڈونچر ہی ہوتا ہے۔ اپنی زندگی کے ایک مختصر ایڈونچر کے بارے میں تو تمہیں معلوم ہے۔ بلکہ اس کے جیتے جاگتے کچھ ثبوت موجود ہیں۔ وہ کوئی منصوبہ بنا کر آ رہا ہے اور میں اپنی ایک چھوٹی سی ٹیم بنانا چاہتا ہوں۔ بلکہ ٹیم کیا چند ساتھی بہت زیادہ رش تو میں بھی جمع نہیں کروں گا۔ نہ جانے کیوں میرے دل میں بار بار یہ خیال آتا ہے کہ میں اس سلسلے میں تمہیں بھی اپنے ساتھ شامل کروں۔"

"حالانکہ میں نہیں سمجھا ہوں کہ آپ کا مقصد کیا ہے اور ہمیں آنے والے وقت میں کیا کرنا ہوگا۔ لیکن کرنل صاحب! میں آپ سے عرض کر چکا ہوں کہ آپ میرا رخ جس طرف موڑیں گے میں خوشی سے وہی سمت اختیار کروں گا۔"

"میں تم سے اصل میں یہی پوچھنا چاہتا تھا کامران! کہ اگر فرض کر دیں کسی مہم میں تمہیں اپنا ساتھی بنانا چاہوں تو کیا تم خوشی سے اسے قبول کرو گے۔"

"جی بالکل اور اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ خود میری زندگی کا کوئی محور نہیں ہے۔ میں تو ایک کٹی پتنگ کی مانند ہوں۔ جس کا رخ کسی بھی سمت ہو جائے۔"

"اب تو نہیں ہو یار! ایسا مت کہو ہم تمہارے خاندان کی طرح ہیں۔ کبھی آزما کر دیکھنا کسی مرحلے پر دیکھ لینا ایک ایک فرد تمہارا ساتھی ثابت ہوگا۔" کرنل صاحب کے ان الفاظ نے کامران کو بہت زیادہ متاثر کیا تھا۔ وہ گردن جھکائے سوچتا رہا پھر بولا۔

"مجھے بھی آپ کبھی خود سے دور نہیں پائیں گے۔"

"شکریہ۔ میں جانتا ہوں۔ تو میں تمہیں علی سفیان کے بارے میں بتا رہا تھا۔ بڑا دلچسپ آدمی ہے۔ اور ایک اور بات بتاؤں۔ شادیاں کرنے کا شوقین ہے ظاہر ہے ان علاقوں میں رہنے والوں کو قدرت نے تمام فراغت دی ہے اب مشغلہ تو کچھ نہ کچھ ہونا چاہیے۔ چنانچہ تمہیں خود بھی معلوم ہوگا کہ اس طرح کے رہنے والے زندگی کی دلچسپیوں کو کس انداز میں محسوس کرتے ہیں۔"

"جی۔"

"تو پھر میں اپنی ٹیم میں تمہارا نام لکھ لوں۔"

"خوشی کے ساتھ۔" کامران نے جواب دیا۔

"بھئی واہ۔ کام کی بات ہوئی۔"

"ایک اور بات آپ سے کرنا چاہتا تھا کرنل صاحب۔"

"ہاں بولو۔"

"فیکٹری میں یہ جو چند تحفظات مجھے دیے گئے ہیں۔ میں ان کے سلسلے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں بولو۔"

"کرنل صاحب؟ میں نہیں جانتا مرزا خاور بیگ سے آپ کے کیا ذہنی مراسم ہیں۔ اور آپ انہیں کیا حیثیت دیتے ہیں۔ مجھے صرف اتنا ہی معلوم ہوا ہے کہ وہ آپ کے پارٹنر ہیں۔ لیکن میں جو کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ وہ ذرا ان کے خلاف ہے۔"

"اوہو اچھا خیریت کیا بات ہے۔" کرنل صاحب پوری طرح متوجہ ہو گئے۔ پھر انہوں نے کہا۔

"اور یہ بات تو تمہارے علم میں آ چکی ہے کہ جو کام میں کر رہا ہوں اس سے مکمل طور پر ناواقف ہوں۔ بے شک یہ فوجی ٹھیکے مجھے مل گئے ہیں۔ لیکن میں پہلے بھی ان سے نمٹا ہوا تھا۔ یہ مرزا خاور بیگ ہی کی تحریک تھی کہ اس نے مجھے اس جانب راغب کیا اور بہرحال میں یہ کام کرنے کے لیے تیار ہو گیا اسے اس کام کا تجربہ ہے۔ تم بتاؤ کیا کہنا چاہتے تھے۔"

"یہ کہ مرزا خاور بیگ نے پروڈکشن ہاؤس میں اپنا ایک الگ کام شروع کر رکھا ہے اور اس وقت تک وہ صرف اپنے لیے جو پروڈکشن کر چکے ہیں اور سپلائی دے چکے ہیں اس کی مالیت تقریباً ساڑھے سترہ کروڑ ہے۔ یہ ساڑھے سترہ کروڑ روپے منافع ان کے اپنے اکاؤنٹ میں جا چکا ہے۔ ہماری فیکٹری سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"کیا؟" کرنل گل نواز کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"جی یہ ساری تفصیلات میرے پاس موجود ہیں۔" کامران نے کہا اور الماری سے وہ فائل نکال کر کرنل صاحب کے سامنے پھیلا دی۔ جو اس نے خود ترتیب دی تھی اور اس کے حوالے مستند تھے۔ بہت سی فوٹو کاپیاں تھیں جو ان کاغذات اور رسیدوں کی تھیں۔ جن کے ذریعے یہ سپلائی الگ سے دی گئی تھی۔"

"گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ سارا میٹریل فیکٹری کا استعمال ہوا ہے یعنی ہم دونوں کا مشترک اور اس کا فائدہ صرف مرزا خاور بیگ نے اٹھایا ہے۔"

"جی میں یہی کہنا چاہتا تھا۔"

"اوہ...... اوہ......" کرنل گل نواز نے افسوس بھرے لہجے میں کہا تھوڑی دیر تک گردن جھکائے کچھ سوچتے رہے پھر بولے۔

"دیکھو...... ایسا ہے میں اگر چاہوں تو اپنے اختیارات سے کام لے کر یہ ساری باتیں منظر عام

پر نے لاؤں اور مرزا خاور بیگ کو بدترین سزا دلاؤں۔ مگر اب تم مجھے مشورہ دو، کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ اصل میں میں اس دنیا کا انسان ہی نہیں ہوں۔ میری زندگی میرے مشاغل بالکل مختلف ہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ اپنے آپ کو ان جھگڑوں میں پھنسا کر ساری صورت حال، اوہو مگر نہیں ٹھہرو میرے پاس ایک ایسا آدمی موجود ہے جسے میں رحمان صاحب کی جگہ متعین کر سکتا ہوں یہ بھی ایک میرا ساتھی فوجی ہے میجر اقبال جو میرے ساتھ ریٹائر ہو چکا ہے۔ لیکن تم سمجھ لو کہ آتش و آہن ہے اور میرا بہترین دوست ہے۔ اسے اگر میں یہ تمام اختیارات دے دوں تو نیچا کر کے رکھ دے گا مرزا خاور بیگ کو۔ پانی پانی نکلوا لے گا اس سے۔"

"یار! مگر یہ ہوا بڑا غلط اصل میں مرزا خاور بیگ کے کچھ ایسے تعلقات ہیں جن سے میں فائدہ اٹھانا چاہتا تھا۔ مطلب ہے اپنی ایک نئی مہم کے سلسلے میں۔ علی سفیان کے بارے میں بتا رہا تھا تمہیں علی سفیان آنے والا ہے پچھلے کچھ دنوں سے مجھ سے اس کی گفتگو چل رہی ہے۔ وہ یہ کہتا ہے کہ اسے کچھ ایسے لوگ دستیاب ہوئے ہیں۔ جن کے ذریعے وہ ایک پراسرار مہم پر جانا چاہتا ہے۔ اس نے کہا کہ وہ آ کر تفصیلات بتائے گا۔ اور اس کے بعد یہیں سے تیاریاں کرے گا۔ میں مرزا خاور بیگ کو بھی اپنے ساتھ رکھنا چاہتا تھا۔ اب بتاؤ کیا کرنا چاہیے۔" کامران سوچ میں ڈوب گیا کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"پھر میں آپ سے ایک درخواست کروں گا۔ وہ یہ کہ رحمان صاحب کی جگہ میجر اقبال کو متعین کر لیا جائے۔ اور انہیں ان سارے معاملات کو سمجھنے کی ہدایت کر دی جائے۔ آپ کی اجازت سے میں ان سے تعاون کروں گا۔ آپ اس مہم کے سلسلے میں مرزا خاور بیگ کو اپنے ساتھ رکھ لیجیے۔ کہ وہ سارے معاملات ایکوریٹ کرے اور جب ہم اس مہم سے واپس آ گئیں۔ تو آپ مرزا صاحب کا احتساب کر لیجیے گا۔"

"گڈ آئیڈیا۔ میں ایسا ہی کرتا ہوں تم فکر مت کرو۔ اچھا اب میری بات سنو۔ میں علی سفیان کے بارے میں مختصراً تمہیں بتا چکا ہوں۔ تم ذہنی طور پر اس کے لیے تیار رہو۔ فیکٹری سے بے شک جاؤ۔ میجر اقبال کو ایک دو دن کے اندر ہی بلا لیا جائے گا۔ اپنا مکمل چارج ان تمام تفصیلات کے ساتھ انہیں دے دو۔ بلکہ ہم لوگ ایک میٹنگ رکھ لیں گے۔ اور اس طرح میجر اقبال یہ معاملات سنبھال لیں گے۔ لیکن میں انہیں ہدایت کر دوں گا کہ ابھی وہ مرزا خاور بیگ کے خلاف کوئی ایسا کام نہ کریں جو الجھن کا باعث ہو۔"

"ٹھیک ہے ایسا ہی کرتے ہیں۔" کامران نے جواب دیا اور اس کے تیسرے دن ہی میجر اقبال کو فیکٹری کا نیا منیجر مقرر کر دیا گیا۔ یہ اختیارات صرف کرنل گل نواز کے پاس تھے۔ چونکہ رحمان صاحب کا معاملہ بالکل الگ ہی تھا اس لیے وہ کوئی اعتراض بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن میجر اقبال کی تعیناتی کے دوسرے ہی دن شام کو مرزا خاور بیگ کا فون موصول ہوا۔

"شام کی چائے میرے ساتھ پی لو۔ بے شک وقت زیادہ نہیں ہے لیکن چائے کے ساتھ کوٹھی کے لان پر تمہارا انتظار کروں گا۔ اس وقت جب تم فیکٹری سے فارغ ہو جاؤ گے۔"

"میں حاضر ہو جاؤں گا جناب۔" مرزا خاور بیگ نے اپنی بیٹی کے ساتھ کامران کا استقبال کیا تھا۔ اپنی کوٹھی کے خوب صورت لان پر وہ کسی قدر فکرمند بیٹھا ہوا تھا۔

"سنا ہے تمہارے نئے منیجر صاحب نے چارج سنبھال لیا ہے۔"

"جی۔ وہ کرنل صاحب کے کچھ شناسا ہیں فوجی آدمی ہیں۔ لیکن مجھے ایک بات پر حیرت ہے جناب۔"

"کیا۔"

"آپ سے اس سلسلے میں مشورہ نہیں کیا گیا۔"

"ہمارے سیکشن مختلف ہیں۔ پروڈکشن سائیڈ پر صرف میں ڈیل کرتا ہوں اور دوسرے تمام شعبے کرنل کے پاس ہیں۔ لیکن مجھے ایک بات پر حیرت ہے۔"

"وہ کیا؟"

"اصولی طور پر میں سمجھتا تھا کہ کرنل گل نواز تمہیں منیجر مقرر کر دیں گے۔ بلکہ میں انتظار کر رہا تھا کہ جب تم باقاعدہ منیجر کی پوسٹ سنبھال لو تو میں تم سے مزید رابطے قائم کروں۔ اب میں تمہیں ایک اور پیش کش کرتا ہوں۔"

"فرمایئے۔"

"پروڈکشن سائیڈ پر آجاؤ۔ میں تمہیں ایک اہم عہدہ دینے کے لیے تیار ہوں۔ کرنل گل نواز کی کوٹھی چھوڑ دو۔ میری اس کوٹھی میں تمہارے لیے بہت جگہ ہے اور بے تکلفی سے تمہیں یہ بات بھی بتا دوں کہ عروسہ میری اکلوتی بیٹی ہے۔ تمہیں پسند کرتی ہے میں تمہارے اور اس کے لیے سب کچھ کر سکتا ہوں۔" ایک بار پھر کامران کے ذہن پر جھنجھلاہٹ سی طاری ہو گئی تھی۔ وہ کسی بھی قیمت پر عروسہ جیسی لڑکی کے ساتھ گزارہ نہیں کر سکتا تھا۔ عروسہ جو اس وقت لان میں موجود تھی اٹھ کر اندر چلی گئی تھی۔ وہ کب آئی تھی اور کہاں گئی تھی۔ اس بارے میں کامران کو بالکل معلوم نہیں تھا۔ مرزا خاور بیگ نے فوراً ہی لقمہ دیا۔

"اور اس کے لیے مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔ تم اپنے طور پر فیصلہ کر کے مجھے بعد میں بتا سکتے ہو۔"

"جی۔"

"چلو چائے پیو۔" واپس آنے کے بعد تنہائی حاصل ہوئی تو کامران کے ذہن پر ایک بار پھر چیونٹیاں رینگنے لگیں۔ کیسی بے تکلفی کی دنیا ہے یہ ہر طرح کی پیشکش اتنی آسانی سے کر دی جاتی ہیں کہ انسان کو یقین نہ آئے پچھلے دور میں کچھ اقدار ہوا کرتی تھیں۔ کچھ روایتیں ہوا کرتی تھیں۔ بزرگوں کا ایک مقام ہوتا تھا۔ لیکن اس دور میں بزرگوں کا کیا کام رہ گیا ہے۔ یہ بات بڑے غور کرنے والی تھی۔ اور اس پر غور کر کے دکھ ہی ہوتا تھا۔ بہر حال کامران نے بہت سے فیصلے کیے تھے۔ میجر اقبال واقعی ایک شاندار شخصیت تھی میٹنگ میں جو خفیہ طور پر صرف تین افراد کے درمیان ہوئی تھی۔ کرنل گل نواز نے میجر اقبال کو ساری تفصیلات بتا دیں۔ وہ رجسٹر اور فائل دکھائی گئیں اور میجر اقبال کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"مرزا صاحب سچے کھلاڑی ہیں آپ۔ کرنل صاحب مجھے حکم دیں کہ کب ان کے حسابات چیک کر کے آپ سے رجوع کروں۔"

"ابھی نہیں۔ اور اس وقت تک نہیں۔ جب تک کہ میں اس کے لیے آپ کو گرین سگنل نہ دوں۔"

"بہت بہتر۔" میجر اقبال نے جواب دیا۔ پھر ایک صبح جب کامران جاگا تو کوٹھی میں اس نے خصوصی ہنگامے پائے۔ رات تو بارش بھی نہیں ہوئی تھی۔ بھاگ دوڑ کی جا رہی تھی۔ اور ایک عجیب سا ماحول

تھا۔ ملازم ادھر سے ادھر بھاگے پھر رہے تھے۔ بابا صاحب بھی ناشتا تیار کرنے کے بعد باہر نکل گئے تھے۔ کامران خود باہر آ گیا اسی وقت گل نواز نے کامران کو اشارہ کیا اور اپنے قریب بلانے لگے کامران تیزی سے چلتے ہوئے ان کے پاس پہنچا۔

"خیریت ہے نا جناب۔" کامران نے کسی قدر تشویش بھری آواز میں کہا۔

"بالکل خیریت ہے۔ آج پورے بارہ بجے علی سفیان کچھ اور مہمانوں کے ساتھ آ رہے ہیں ان کے لیے تیاری کی جا رہی ہے۔"

"اوہ...... اس کا مطلب ہے کہ باقی سب خیریت ہے۔"

"ہاں بالکل خیریت ہے لیکن علی سفیان بذات خود بھونچال ہے۔ حالانکہ عمر رسیدہ آدمی ہے۔"

"میری ہی عمر کا ہوگا۔ لیکن نوجوانوں کی طرح شوخ اور کھلنڈرا ہے۔ تم دیکھنا اس کی شخصیت تمہیں پسند آئے گی۔"

"جی۔" کامران نے جواب دیا۔

"اچھا ہاں سنو۔ ایک اہم ذمے داری میں تمہیں سونپنا چاہتا ہوں۔"

"جی جی فرمایئے۔"

"دیکھو میں ایک فوجی آدمی ہوں۔ میرے وجود میں ایسے بے شمار راز چھپے ہوئے ہیں جن کا تعلق ملک کی سلامتی سے ہے۔ یہ راز میں موت کی قیمت پر بھی کسی کو نہیں دے سکتا۔ علی سفیان میرا بہترین دوست ہے۔ لیکن سیتا اور گرشک جیسا کہ میں نے تمہیں ان کے بارے میں بتایا میرے لیے ایک چیلنج ہیں۔ اور یہ چیلنج میں اپنی زندگی کے آخری سانس تک قبول کر چکا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ دوسروں کی نگاہیں ان دونوں پر پڑیں۔ میں طور خان کو ہدایت کیے دیتا ہوں۔ ان دونوں کو ان کے سامنے نہیں آنا چاہیے۔"

"بارش بھی ہو سکتی ہے۔ موسم بھی تبدیل ہو سکتا ہے۔ تمہیں ایک ایسا انتظام کرنا ہے کہ یہ کسی کی نگاہوں میں نہ آ سکیں۔"

"میں وہاں جا سکتا ہوں۔"

"بالکل بالکل۔ ان سے مل سکتے ہو۔ ان کے ساتھ رہ سکتے ہو۔ وقت گزار سکتے ہو۔ بلکہ میں تو سمجھتا ہوں یہ تمہارے لیے ایک دلچسپ مشغلہ ثابت ہوگا۔ یہ اعتبار میں نے صرف اس لیے کیا ہے تم پر کہ اب میں تمہیں شاہنواز کے برابر ہی درجہ دیتا ہوں۔ سمجھ رہے ہو نا تم اور زیادہ کچھ نہیں کہوں گا۔ بس اتنا کافی ہے۔"

"آپ بالکل مطمئن رہیں۔"

"میں ایئر پورٹ جاؤں گا۔ میرے ساتھ میر اخامان جائے گا۔ تم یہاں ذرا سی دیکھ بھال رکھنا۔"

"بہت بہتر۔" کامران نے جواب دیا۔ اسے کرنل گل نواز کے اس اعتماد پر خوشی ہوئی تھی۔ خود کرنل گل نواز کی کئی گاڑیاں تھیں۔ لیکن ان کے علاوہ بھی کچھ گاڑیاں حاصل کی گئی تھیں اور کرنل گل نواز کے گھر کا ایک ایک فرد ایئر پورٹ چل پڑا تھا اس سے اس بات کا اظہار ہوتا تھا کہ یہ لوگ آنے والے مہمانوں کو کس قدر اہمیت دیتے ہیں۔ چنانچہ کامران نے بھی اپنی ڈیوٹی سنبھال لی۔ سب سے پہلے اس نے اندر جا کر

ان کمروں کو دیکھا جو مہمانوں کے لیے تیار کیے گئے تھے۔ کیونکہ یہ کام کرنل گل نواز نے اپنی نگرانی میں کرایا تھا۔ اس لیے وہاں کوئی کمی نہیں پائی گئی۔ لیکن اس کے بعد کامران نے ملازموں کو بلا کر ان کے لیے تمام تر ہدایات جاری کیں کہ آنے والے مہمانوں کے آنے کے تھوڑی دیر کے بعد کس طرح کافی وغیرہ پیش کرنی ہے۔ کیسے ان کا استقبال کرنا ہے۔ اس کے علاوہ کامران کے ذہن میں جو شدید تجسس تھا۔ وہ گرشنک اور سیتا کے بارے میں تھا۔ چنانچہ وہ پرانی حویلی پہنچ گیا اور اس نے طور خان سے ملاقات کی جو اپنی جگہ مستعد تھا۔

"طور خان! کیا تمہیں کرنل صاحب نے میرے بارے میں کچھ بتایا ہے۔"

"جی جناب! کرنل صاحب نے بتا دیا ہے۔ لیکن ہم آپ سے سچ کہتے ہیں آپ اتنے اچھے آدمی ہو کہ کرنل صاحب کے بجائے اگر آپ خود آ کر ہم سے یہ بات کہتے کہ یہاں ان دونوں کی ذمہ داری آپ کو سونپ دی گئی ہے۔ اور ہمیں آپ کے ساتھ مل کر کام کرنا ہے۔ تو ہم وہی کرتے جو آپ کہتے ہیں۔"

"بہت بہت شکریہ تمہارا طور۔ اب صورت حال یہ ہے کہ ان دونوں کو مہمانوں کے سامنے نہیں آنا چاہیے۔ ان کے مشاغل اس طرح رکھنے ہیں کہ اگر بھولا بھٹکا مہمان اس طرف آ بھی جائے تو کم از کم ان دونوں سے نہ مل سکے۔ ان کے بارے میں میں تم سے کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں۔"

"حکم دیجیے جناب!" طور خان نے کہا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ کیا تم ان سے بے تکلف ہو چونکہ تم ان کے ساتھ رہتے ہو کوئی ایسی بات جو تم ان کے بارے میں مجھے بتا سکو۔"

"سب سے بڑی بات یہ ہے صاحب جی کہ یہ ہماری زبان کے کچھ الفاظ سمجھ چکے ہیں۔ دونوں کبھی کبھی تو اتنی صاف و شفاف اردو بولتے ہیں کہ میں حیران رہ جاتا ہوں۔"

"ارے کیا واقعی۔ میرا مطلب ہے۔ کیا انہوں نے تم سے یہ زبان سیکھی ہے۔"

"نہیں صاحب! میں ضرورت کی باتیں ان سے کرتا ضرور ہوں۔ لیکن بس ضرورت کی باتیں اب آپ یہ بتایئے کہ ضرورت کی باتوں سے ہٹ کر کوئی بات کریں تو تعجب ہوگا یا نہیں۔"

"بات تو واقعی تعجب کی ہے مثلاً تم بتا سکو گے کہ کیا بات کرتے ہیں۔"

"نہیں اگر کوئی ضرورت ہوتی ہے تو صاف الفاظ میں مجھے بتا دیتے ہیں کہ انہیں یہ چاہیے۔ کرنل گل نواز صاحب کا نام بھی اچھی طرح جانتے ہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ اہل خانہ کو بھی جانتے ہیں بس جب طوفانی بارش ہوتی ہے گرج چمک ہوتی ہے تو سیتا پر کسی قسم کا کوئی دورہ پڑ جاتا ہے۔ گرشنک بہت ٹھنڈے مزاج کا آدمی ہے۔ ہمیشہ نرم اور محبت بھرے لہجے میں بات کرتا ہے۔"

"کیا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اندر کے ماحول سے اکتا کر تمہارے پاس آ بیٹھتے ہوں۔"

"نہیں صاحب! یہ نہیں ہوتا۔"

"کیا تم نے انہیں پچھلے لان پر ورزش کرتے ہوئے دیکھا ہے۔"

"جی دیکھا ہے۔ اور دیکھ دیکھ کر پاگل ہو چکے ہیں ہم صاحب! آپ یقین کریں کہ کوئی پرندہ اتنا ... جو نہیں ... کوئی اس عمر کا بوڑھا اتنا طاقت ور نہیں ہوگا جتنا گرشنک ہے۔ صاحب! یہ

لوگ فولاد ہیں مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے یہ کسی سیارے کی مخلوق ہوں۔ اور زمین پر آ بسے ہوں۔"

"میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"اب تو آپ چلے جایئے صاحب! وہ کسی سے ملنے میں جھجکتے نہیں ہیں۔ بس میں ہی خیال رکھتا ہوں اس بات کا کیونکہ کرنل صاحب کا حکم ہے۔ پتا نہیں کیوں کرنل صاحب انہیں کسی سے بے تکلف نہیں ہونے دیتے۔ ایک اور بات میں آپ کو بتاؤں صاحب! وہ یہ ہے کہ سیتا تو خیر معصوم سی لڑکی ہے۔ لیکن گرشنک کی آنکھوں میں کوئی خاص بات ہے۔ مجھے تو لگتا ہے صاحب! وہ پراسرار علوم کا ماہر عالم ہے۔ جو آنکھوں کے ذریعے آپ کا خیال آپ کے دماغ سے نکال لیتا ہے۔ کتنی ہی بار میں نے محسوس کیا ہے۔"

"ہوں۔ مل لوں میں ان لوگوں سے۔"

"آپ ضرور چلے جایئے صاحب۔" یہ ساری باتیں اپنی جگہ تھیں۔ لیکن کامران یہ بات ضرور سوچ رہا تھا خود کرنل صاحب نے اس سے کہا تھا کہ گرشنک کی آنکھوں میں تنویمی قوت ہے۔ وہ ہپناٹزم کا ماہر معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ بات ابھی کھل کر سامنے نہیں آئی۔ لیکن اس کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ یہ صرف کامران کی اپنی معلومات تھیں۔ ایک بار اس نے تنویمی قوتوں کے مالک لوگوں کے بارے میں یہ سنا تھا کہ اگر وہ کسی کے دماغ کو ہپناٹزم کرنا چاہیں اگر وہ مدافعت کر کے ان کے ہپناٹزم سے بچنے کی کوشش کرے تو اسے چاہیے کہ اپنے آپ کو کسی تکلیف میں مبتلا کر لے۔ کوئی ایسی چیز جو اس کے دماغ کو منتشر رکھے۔ مثلاً وہ کوئی کانٹا اپنے بدن میں چبھوتا رہے یا کوئی ایسی چیز مٹھی میں دبا لے اور مٹھی کو بھینچ لے جو اسے تکلیف پہنچائے۔ تو پھر اس کا دماغ عامل کے ٹرانس میں نہیں جاتا۔ یہ بات اس نے کسی کتاب میں پڑھی تھی یا کسی سے سنی تھی۔ چنانچہ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور کچھ تو نظر نہیں آیا۔ لیکن ایک ایسے نوکدار پتھر کا ٹکڑا نظر آ گیا۔ جس کے کئی کونے تھے اور خاصے تیز تھے۔ عارضی طور پر یہ چیز اس کے لیے کارآمد ہو سکتی تھی۔ چنانچہ اس نے اسے مٹھی میں دبایا اور اپنا ہاتھ پتلون کی جیب میں ڈال کر اندر داخل ہو گیا۔ پہلی بار اس نے کوٹھی کے اس حصے کو دیکھا تھا اور یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گیا تھا کہ اندر کا ماحول اس قدر صاف شفاف تھا کہ بس دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ ویسے بھی وہاں ہر چیز مہیا کر دی گئی تھی۔ قالین، مسہریاں، دیواروں پر پردے، تصویریں، فانوس غرض ہر وہ چیز یہاں موجود تھی۔ جو ایک بہتر رہائش گاہ کے طور پر استعمال کی جا سکتی تھی۔ لیکن اس کو جس سلیقے سے استعمال کیا جا رہا تھا وہ بھی قابل دید تھا۔ ایک کمرے میں اسے گرشنک اور سیتا نظر آ گئے۔ دونوں ایک چھوٹی میز کے گرد بیٹھے ہوئے چھوٹے چھوٹے پتھروں کا کوئی کھیل کھیل رہے تھے۔ قدموں کی چاپ پر انہوں نے چونک کر اسے دیکھا اور دونوں ہی اپنی جگہ سے کھڑے ہو گئے۔ کامران نے خوش اخلاقی سے کہا۔

"ہیلو۔ میں کرنل صاحب کی اجازت سے یہاں آیا ہوں۔ کرنل صاحب نے مجھے آپ لوگوں کی خدمت گاری سونپی ہے۔ اصل میں یہاں کچھ مہمان آئے ہوئے ہیں۔ اور کرنل صاحب نہیں چاہتے کہ وہ مہمان آپ لوگوں کو پریشان کریں۔ یا آپ کے بارے میں جاننے کی کوشش کریں۔ انہوں نے مجھے ہدایت کی ہے کہ میں آپ کو پریشان ہونے سے بچاؤں۔ مسٹر گرشنک مجھے علم ہوا ہے کہ آپ ہماری تھوڑی بہت زبان سمجھ لیتے ہیں۔ آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کو یہاں میری آمد ناگوار تو نہیں گزری۔ یا جو

کچھ میں نے کہا ہے ان میں سے کوئی بات آپ کی مرضی کے خلاف تو نہیں ہے۔'' گرشک نے کامران کی آنکھوں میں دیکھا۔ اور پھر کامران کو ایک آواز سنائی دی۔

''نہیں۔'' یہ آواز گرشک کے منہ سے ہی نکلی تھی۔ بڑی پروقار اور رعب دار آواز تھی۔ پھر کامران نے سیتا کی طرف دیکھا اور اس کے دماغ کو ایک جھٹکا سا لگا۔ شاہنواز نے سیتا کے بارے میں اسے بتایا تھا۔ کامران نے سیتا کے نقوش دیکھے ایک انوکھا پن تھا ان میں۔ گرشک کے نقوش بھی کچھ اسی انداز کے تھے۔ لیکن ان نقوش کا تعلق کون سے علاقے سے تھا یہ بات کامران نہیں جانتا تھا۔ البتہ سیتا کو دیکھ کر اسے فوراً ہی یہ احساس ہوا کہ واقعی شاہنواز نے بالکل ٹھیک کہا تھا۔ پہلی نگاہ میں یہ لڑکی کوئی تاثر نہیں چھوڑتی تھی۔ لیکن اگر اسے دوبارہ اور تیسری بار دیکھا جائے تو صحیح معنوں میں اس کے حسن کا اندازہ ہوتا تھا۔ سیتا بھی پرشوق نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ کامران نے سیدھا سیدھا راستہ اختیار کیا تھا۔ اس نے ایک بار پھر گرشک کو دیکھا اور بولا۔

''بس آپ بھی ذرا سی احتیاط رکھیے گا۔ اگر کوئی بیرونی شخص ابھر آ جائے تو آپ باہر نہ نکلیں میں آپ کو حکم نہیں دے رہا۔ بلکہ آپ کی حفاظت کے خیال سے التجا کر رہا ہوں۔ اب میں چلتا ہوں آپ کا بہت بہت شکریہ کہ آپ نے میری بات صبر و تحمل سے سنی۔'' کامران نے گرشک کی جانب ہاتھ بڑھایا تو گرشک نے اپنا ہاتھ مصافحے کے لیے آگے بڑھا دیا۔ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کامران کو احساس ہوا جیسے اس نے کوئی انتہائی سخت پتھر اپنے ہاتھ میں لیا ہو۔ پھر اس نے سیتا کی جانب ہاتھ بڑھایا لیکن سیتا نے دونوں ہاتھ جوڑ کر ماتھے سے لگائے اور جھک گئی۔ اس نے اپنا ہاتھ کامران کے ہاتھ میں نہیں دیا تھا۔ کامران نے بھی گردن خم کی اور واپسی کے لیے پلٹ گیا۔ ایک شدید سنسنی کا احساس اس کے رگ و پے میں دوڑ رہا تھا۔ واقعی بڑے پراسرار اور عجیب سے کردار تھے۔ وہ باہر آ گیا اور پھر اس نے کلائی پر بندھی گھڑی پر وقت دیکھا اگر فلاحیت صحیح وقت پر پہنچ گئی ہے تو کرنل گل نواز کے مطابق وہ لوگ اب آنے ہی والے ہوں گے۔ لیکن گرشک اور سیتا سے ملاقات بڑی سنسنی خیز رہی تھی۔ یہ وہی لڑکی تھی جس نے کامران کی گردن اور چہرے پر نقش و نگار بنا دیے تھے۔ لیکن اس وقت تو وہ بالکل نارمل نظر آ رہی تھی۔ واقعی وہ دلکش نقوش کی مالک ہے۔ چوکیدار کے گیٹ کھولنے پر کامران کو اپنے ذہن سے وہ تمام خیالات جھٹکنے پڑے اور وہ ملازموں کے ساتھ مہمانوں کے استقبال کے لیے تیار ہو گیا۔ شاندار گاڑیوں سے مہمان اترنے لگے۔ کرنل گل نواز، شاہنواز اور ان کی بیگم شاہینہ اور فرخندہ کے بعد جو پہلی شخصیت گاڑی سے نیچے اتری وہ ایک عجیب و غریب شخصیت تھی۔ بلند و بالا قد و قامت کی مالک انتہائی سڈول اور متناسب جسم خاص قسم کا مصری لباس پہنے ہوئے۔ چہرہ سلگتی ہوئی آگ کی مانند نقوش بے حد جاذب، آنکھیں بڑی بڑی ہونٹوں کی بناوٹ بے مثال سر کے بال مخصوص انداز میں بنائے ہوئے۔ لیکن اتنے بڑے کہ اگر کھل جائیں تو پتا نہیں کیا حشر برپا ہو جائے۔ کھلے ہوئے سفید بازو جنہیں دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ کس قدر مضبوط بازو ہیں۔ بلاشبہ اس شخصیت کو ایک عجیب و غریب شخصیت کہا جا سکتا تھا۔ چہرے کے انتہائی جاذب نقوش جن میں ایک ایسی سفاکی اور درندگی بسی ہوئی کہ اندازہ ہو کہ کیا شخصیت ہے۔ کامران بھی دور سے ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ پھر علی سفیان نیچے اترا۔ یہ بھی اسی طرح بلند قد و قامت کا مالک کسی قدر سانولے چہرے والا۔ مہنے ہوئے نقوش کا مالک تھا۔ ایک نگاہ دیکھ کر ہی اندازہ ہو جاتا تھا کہ

یہ علی سفیان ہے۔ لڑکی شاید اس کی بیٹی تھی۔ مگر کمال کی شخصیت۔ پھر کچھ اور افراد نیچے اترے ایک درمیانے قد کا شخص جس کا چہرہ دیکھ کر یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ انتہائی ذہین شخصیت کا مالک ہے اور اس کے ساتھ ایک خوب صورت عورت جو اس کی عمر سے مطابقت رکھتی تھی۔ لیکن بڑی باوقار اور سحر انگیز شخصیت کی مالک کچھ اور افراد جو ان کے ملازم معلوم ہوتے تھے۔ یعنی سیکریٹری وغیرہ۔ پوری ٹیم نیچے اتر آئی اور اس وقت کرنل گلنواز نے کامران کو بڑے اعزاز سے نوازا۔ حالانکہ اور بھی کچھ افراد یہاں موجود تھے۔ لیکن انہوں نے اشارے سے کامران کو قریب بلایا اور کامران چونک کر ایک لمحے کے اندر سنبھل گیا۔ پھر پروقار انداز میں چلتے ہوئے ان کے نزدیک پہنچ گیا۔ تو کرنل گل نواز نے کہا۔

''کامران شائی! میرے دست راست اور ہمارے تمام کاروبار کے نگراں اور کامران یہ میرے دوست علی سفیان۔ یہ قزل شائی اور یہ شعورا شائی، قزل شائی کی بیگم۔ پروفیسر قزل شائی کا تعلق لیبیا سے ہے اور یہ دنیا کے ان گنے چنے لوگوں میں سے ہیں جو آثار قدیمہ اور زمانہ قدیم کی زبانوں کو پڑھنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے علی سفیان میرے دوست ہیں جن کا سرسری تعارف میں تم سے کرا چکا ہوں۔ آئیے آپ لوگ۔'' اور اس کے بعد کامران بھی ان کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ پھر وہ بڑی مستعدی سے سارے کام سرانجام دیتا رہا اور اس نے مہمانوں کی پذیرائی کے لیے جو کچھ کیا تھا اس سے خاص طور سے کرنل گلنواز بہت متاثر نظر آ رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ اور مہمانوں کا اطمینان یہ ظاہر کر رہا تھا کہ کامران کو اپنی کوششوں میں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ بہر حال وہ لنچ کے وقت تک ساتھ رہا اسے لنچ پر پیشکش بھی کی گئی لیکن کامران نے ادب سے گردن خم کر کے کہا۔

''میں بعد میں کھانا کھاؤں گا۔ براہ کرم آپ اس سے زیادہ زحمت نہ کیجیے گا۔'' کرنل گل نواز نے اسے بھرپور طریقے سے اپنے مہمانوں اور دوستوں سے روشناس کرا دیا تھا اور کامران اس کے لیے دلی طور پر ان کا شکر گزار تھا۔ ڈھائی بجے کے قریب وہ واپس اپنی رہائش گاہ میں آ گیا۔ اسے پہنچے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ شاہنواز اس کے پاس پہنچ گیا۔

''خیر آج کی کوئی بات نہیں ہے میں نے کھانا نہیں کھایا ہے شاید تمہیں اس بات کا اندازہ نہ ہو۔ اور کھانا میرے پیچھے پیچھے چلا آ رہا ہے۔''

''یار! کمال ہے۔ اب اتنی بلندی پر نہ لے جاؤ مجھے کہ نیچے دیکھنے سے ڈر لگے۔'' کامران نے کہا۔

''اور میرے سامنے آپ یہ احمقانہ قسم کی شاعری نہ فرمایا کیجیے۔ بلندی پر لے جاؤ اور نیچے دیکھنے سے ڈر لگے۔ یار! میں کہتا ہوں ان ساری باتوں کے علاوہ زندگی میں اور کچھ نہیں ہے۔'' ملازم کھانا لے کر آ گئے تھے۔ شاہنواز نے کامران کے ساتھ کھانا کھایا پھر بولا۔

''ڈیڈی تو تم پر صدقے ہو رہے ہیں کہہ رہے تھے کہ یار! پتا نہیں کون سا اچھا وقت تھا جب قدرت نے اسے ہمارے پاس بھیجا اس لڑکے نے تو کلیجہ پھاڑ کر دل میں جگہ بنالی ہے۔''

''میں نے کچھ نہیں کیا پتا نہیں آپ لوگ اتنے اچھے کیوں ہیں۔''

''بلاوجہ زور لے لیتے ہو۔ اور لگتا ہے خوبصورت الفاظ کی بھرمار ہے تمہارے پاس، مہمانوں سے ملے۔''

''ہاں کرنل صاحب کے مہمان اتنے ہی شاندار ہونے بھی چاہئیں۔''

''مجھے خطرے کی بو آ رہی ہے۔'' شاہنواز نے کہا۔

''مطلب ہے۔''

''میرا خیال ہے ان لوگوں کا اجتماع بے مقصد نہیں ہوا ہے۔ ضرور کوئی مہم ترتیب دی جا رہی ہے۔ اور جان سن جو کہتے ہیں نا کہ گھوڑے کہ بلکہ صحیح زبان میں تمہیں بتاؤں کہا جاتا ہے کہ گھوڑے کی اگاڑی اور نہیں نہیں...... غلط کہہ رہا ہوں میں۔ گھوڑے کی پچھاڑی اور مالک کی اگاڑی صحیح نہیں ہوتی خطرہ ہی رہتا ہے۔''

''یہ اگاڑی اور پچھاڑی ہوتی کیا ہے۔ مجھے اس بارے میں کچھ نہیں معلوم۔'' کامران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''پتا چل جائے گا بیٹا! جب تمہیں جنگلوں، پہاڑوں اور دریاؤں میں بھٹکنے کے لیے کہا جائے گا۔ پھنسے ہو خود پھنسے ہو۔ کوئی کیا کر سکتا ہے ورنہ سچی بات ہے کہ مہذب دنیا اس قدر خوشگوار ہے کہ کوئی احمق ہی کسی اور چکر میں پھنسنا پسند کرے گا۔''

''مجھے جو کچھ بھی کہیں گے کرنل صاحب ہی کہیں گے نا اور کسی کی کیا مجال ہے کہ مجھے اپنی خواہش کے مطابق استعمال کر سکے اور جہاں تک کرنل صاحب کا تعلق ہے۔''

''چلو ٹھیک ہے تم مطمئن ہو تو ہمیں کیا بھائی۔ جیسے دل چاہے پھنسو۔ ویسے ہم نے اپنے آپ کو خوب بچا رکھا ہے ان ساری حماقتوں سے۔''

''نہیں خیر زندگی کے مختلف پہلو ہوتے ہیں۔ اب جس چیز کو تم حماقت کہہ رہے ہو۔ ضروری تو نہیں ہے کہ وہ حماقت ہی ہو۔''

''بول لو۔ بول لو خوب بول لو۔ مزہ آئے گا بیٹے۔ جب پہاڑوں میں ہو بالا، ہو بالا ہو گی اور جنگل کے وحشی تمہیں پکڑ کر لے جائیں گے۔ بلکہ وحشی عورتیں تمہیں تاریخوں کے حساب سے تقسیم کر لیں گی۔ ویسے محترمہ کو دیکھا تو نے میرا مطلب ہے اینڈ سلفا۔''

''ہاں۔ بڑا متاثر کن کردار ہے۔ غالباً علی سفیان کی بیٹی ہے جب کہ باپ اس قدر ہولناک نظر نہیں آتا۔''

''جی نہیں۔ علی سفیان کی بیٹی نہیں بلکہ بیگم صاحبہ ہیں۔''

''کیا۔'' کامران اچھل پڑا۔

''جی جی خوشی ہو گی آپ کو یہ سن کر۔''

''یار! کیا واقعی۔''

''کہہ تو رہا ہوں نا۔''

''تب تو واقعی علی سفیان اس سے زیادہ خوف ناک ہیں۔ ایسی خوف ناک خواتین کو ہینڈل کرنا اور وہ بھی بیوی کی حیثیت سے۔'' کافی دیر تک شاہنواز اس سے باتیں کرتا رہا۔ واقعی یہ ایک انوکھا انکشاف تھا کہ وہ سفاک خاتون علی سفیان کی بیگم تھیں۔ دونوں کی عمروں کے فرق پر غور کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ بہر حال کرنل صاحب بتا چکے تھے ایک بار کہ علی سفیان کو شادیاں کرنے کا شوق ہے۔ ویسے بھی وہ عربی تھا۔ عربوں کے حرم کے بارے میں بھی بڑی تفصیلات معلوم ہو چکی تھیں۔ کیا فرق پڑتا ہے۔ البتہ دوسرا جوڑا خاصا پُروقار اور مہذب تھا۔ شاہنواز کے جانے کے بعد کافی دیر تک کامران مہمانوں کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ پھر اس کی ذہنی رو دوسری جانب بھٹک گئی تھی اور اسے گرشنک اور سیتا یاد آ گئے تھے۔ پھر ساڑھے پانچ بجے کے قریب اس کا بلاوا آ گیا۔ کرنل نگل نواز اس سے اپنے کمرے میں ملے تھے۔

''مہمان تیار ہو رہے ہیں شام کی چائے لان پر پی جائے گی۔ وہاں انتظامات کرا دو۔ تم نے تو ہماری توقع سے کہیں زیادہ عمدہ انتظامات کر لیے ہیں بھئی۔ آدمی ایسے ہی پھنستا ہے۔ اچھا ہاں ڈنر کے بعد ایک مخصوص میٹنگ ہو گی علی سفیان کا کہنا ہے کہ وہ بالکل تھکا ہوا نہیں ہے۔ چنانچہ جس مقصد کے تحت اس نے یہ سفر کیا ہے۔ اسی پر گفتگو کی جائے گی۔ گھر کے لوگوں میں صرف تمہیں اس میٹنگ میں شریک ہونا ہے۔ میں تمہیں وہ جگہ بتا دوں گا جہاں یہ میٹنگ کی جائے گی۔''

''بہت بہتر۔'' کامران کو واقعی بہت سے معاملات کا تجربہ نہیں تھا۔ لیکن ایک بات اور ہے کوئی ناتجربے کار آدمی ہر کام احتیاط سے کرتا ہے۔ چنانچہ شام کی چائے انتہائی پُرتکلف اور شاندار تھی۔ مہمان بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ نہ جانے کس طرح مرزا خاور بیگ کو بھی اطلاع ہو گئی۔ عروسہ کے ساتھ آ گئے تھے اور عروسہ حسب عادت اپنی لاتعلقیوں میں مصروف ہو گئی تھی اور یہ بھی ایک سچ تھا کہ کامران کو عروسہ کے آنے سے ایک عجیب طرح کی الجھن کا احساس ہوا تھا۔ یہ لڑکی کسی بھی وقت اور کہیں بھی ایسا عمل کر سکتی تھی اور ایسی بات کہہ سکتی تھی جو الجھن کا باعث بن جائے۔ بہر حال شام کی چائے کا سلسلہ جاری رہا۔ عروسہ مہمانوں کے ساتھ بیٹھی رہی اور پھر موقع ملتے ہی اس نے کامران کو اشارے سے ایک طرف آنے کے لیے کہا۔ مہمان خوش گپیوں میں مصروف تھے کامران کو وہاں جانا پڑا۔ عروسہ نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں ڈوب مروں۔'' کامران کو مذاق سوجھا تو وہ بولا۔

''کبھی کبھی دل کی باتوں پر عمل کرنا چاہیے۔'' عروسہ نے شاید اس کے الفاظ اچھی طرح نہیں سنے تھے۔ غرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''یہ سلوک ہوتا ہے یہاں تمہارے ساتھ۔''

''ہاں ایسا ہی ہوتا ہے۔''

''اور تم اس سلوک سے خوش ہو۔''

''بہت زیادہ۔''

''تب پھر تم بھی ڈوب مرو۔''

''مشترکہ پروگرام بنائیں گے۔ کسی وقت۔''

''تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے اور میں انگاروں پر لوٹ رہی ہوں۔''

''اٹھ جائیے آپ انگاروں سے مس عروسہ! کیوں لوٹ رہی ہیں آپ انگاروں پر۔''

''تم...... تم یہاں دو نمبر کے آدمی ہو۔''

''میرا خیال ہے۔ یہاں آدمیوں کے نمبر نہیں ہوتے۔''

''دیکھو..... میں اس وقت سخت افسردہ ہوں۔''

''تھوڑی دیر پہلے تو نہیں تھیں آپ۔''

''دکھاوا تھا وہ۔''

''آخر کیوں؟''

''تمہیں بھی میز پر ان لوگوں کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔''

''محترمہ! میں اس گھر کا ملازم ہوں۔''

''اور میں یہ چاہتی ہوں کہ تم ایک بڑے گھر کے مالک بن جاؤ۔ جو اس سے بھی بڑا گھر ہو۔''

''میں نے کبھی یہ خواب دیکھے ہیں۔''

''میں اس خواب کو حقیقت میں بدل سکتی ہوں۔''

''کیسے؟''

''تم جانتے ہو۔''

''نہیں جانتا۔''

''ٹھیک ہے۔ بہت جلد میں تمہیں بتاؤں گی کہ یہ خواب حقیقت میں کیسے بدلے جا سکتے ہیں۔''

''بہتر ہے میں انتظار کروں گا۔'' کامران نے بات ٹالنے کی غرض سے کہا۔ ان کی فضول باتیں کامران سمجھ رہا تھا۔ لیکن لڑکیاں عام طور سے اسی انداز کی حماقتیں کرتی ہیں۔ شام رات میں تبدیل ہوئی اور اس کے بعد عروسہ چلی گئی۔ ساڑھے نو بجے ڈنر کیا گیا۔ کامران ڈنر کے بعد اپنی رہائش گاہ میں آ گیا تھا۔ لیکن کوئی ساڑھے دس بجے کے قریب ملازم کامران کو بلانے آ گیا۔

''آپ کو کرنل صاحب نے بلایا ہے۔'' کرنل گل نواز نے کامران کا استقبال اپنے ایک خاص پرائیویٹ کمرے میں کیا تھا۔ جو ایک بہت بڑا کمرہ تھا اور اس میں بڑی سی میز بچھی ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی نشستیں لگی ہوئی تھیں۔ کامران اندر داخل ہوا تو اس ملازم نے باہر سے دروازہ بند کر دیا اور کمرے کے خاموش ماحول میں علی سفیان، امینہ سلفا، اور دوسرے مہمان یعنی قزل ثنائی اور اس کی بیوی شہور ثنائی موجود تھے۔ باقی تمام افراد کہیں چلے گئے تھے۔ علی سفیان اور قزل ثنائی کے علاوہ خود کرنل گل نواز تھے یا پھر کامران کا اضافہ ہوا تھا۔ گردنوں کے اشارے سے اسے خوش آمدید کہا گیا تھا۔ کرنل نے اسے بیٹھنے کی پیشکش کی اور اب کامران نے کسی قسم کی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا۔ کرنل اس بات سے مطمئن ہوا تھا۔ انہوں نے کہا۔

''حالانکہ میری خواہش تھی کہ علی سفیان ابھی کم از کم ایک ہفتے آرام کریں۔ ہم لوگ سیر و شکار کریں۔ دوسرے مہمان بھی جیسے قزل ثنائی صاحب آئے ہیں، ان لوگوں کو اپنا وطن دکھایا جائے لیکن علی سفیان اس بات کو نہیں مانتے۔''

''میرا ایک موقف ہے مسٹر کامران! ہمیں بہت جلد ایک بڑی اور طویل مہم پر نکلنا ہے۔ جب ہم مہم جوئی کے لیے نکلیں گے تو سیر و شکار تو ہمارے ہمراہ ہوں گے۔ پھر بھلا صرف ہمیں سیر و شکار کی کیا ضرورت ہے۔ میں تو یہ سوچتا ہوں کہ جو کام کل کرنا ہے وہ آج کیا جائے اور جو آج کرنا ہے وہ اب۔''

''ٹھیک ہے۔ بتاؤ کیا منصوبہ لے کر آئے ہو تم جس کے لیے پچھلے تین ماہ سے میرے کان کھا رہے ہو۔ اصل میں مسٹر قزل ثنائی کو تو یہ تفصیلات معلوم ہیں۔ بلکہ وہ اس تفصیل کا ایک بہت بڑا حصہ ہیں۔ لیکن کامران آپ کو نہیں معلوم کہ علی سفیان کا کیا منصوبہ ہے۔ میں مختصراً اس بارے میں بتا دوں اور یہ معلوم بھی علی سفیان نے مجھے تازہ ترین فراہم کی ہیں۔ علی سفیان تین مہینے سے کسی ایسی مہم کی تکمیل کے بارے میں کہہ رہے تھے جس میں وہ بہ قول ان کے دنیا کے ایسے نوادرات کے حصول کے لیے جدوجہد کرنا چاہتے ہیں جن کی تفصیل بتا دی جائے تو یقین نہ آئے۔ علی سفیان نے یہ بھی کہا ہے کہ ان پراسرار نوادارت کی تمام تصاویر اور جائے وقوع کی ویڈیو فلم ان کے پاس موجود ہے۔ اس پراسرار اور دشوار گزار خطے میں یہ فلم ایک ایسی شخصیت نے بنائی تھی جو اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ ہڈیوں کے ایک ڈھانچے کے پاس سے ویڈیو کیمرا برآمد ہوا تھا جس میں یہ کیسٹ لگا ہوا تھا۔ جس کی نئی ویڈیو آپ کے سامنے میرا مطلب ہے ہمارے سامنے پیش کی جائے گی۔ اس ویڈیو میں ان نوادرات کی جھلکیاں ہیں جن کی طرف علی سفیان ہمیں لے جانا چاہتے ہیں۔ تو علی سفیان یہ ایک رسمی تعارف ہو چکا ہے اور میرا خیال ہے اب آپ کامران کو اس بارے میں بتائیے۔''

''ہاں۔ یہ دیکھیے مسٹر کامران! یہ ویڈیو نہ آپ نے دیکھی ہے اور نہ کرنل گل نواز نے جب کہ ہم دونوں بلکہ ہم چاروں اسے بیشتر بار دیکھ چکے ہیں اور جب بھی ہم اسے دیکھتے ہیں ہم پر ایک سحر طاری ہو جاتا ہے۔ یہ دیکھیے۔ میں اس کا آغاز کرتا ہوں۔'' یہ کہہ کر علی سفیان نے وہ بہت چھوٹا پروجیکٹر جو خاص طریقے سے کہیں سے حاصل کیا گیا تھا۔ اسٹارٹ کر دیا جو کیسٹ اس پر لگایا گیا تھا۔ وہ بھی جدید ترین تھا۔ ویڈیو کیمرے کی فلم اس کیسٹ پر منتقل کی گئی تھی۔ سامنے لگے ہوئے پردے پر پروجیکٹر سے روشنی پڑنے لگی۔ اور پھر اس کے بعد ایک علاقے کی نشاندہی کی جانے لگی۔ پہاڑ، دریا، درخت، ویرانے، ریگستان اور نہ جانے کیسے کیسے ماحول سے گزرنے کے بعد آخرکار ایک ایسے علاقے کی تصویر اسکرین پر آئی جو کالے پہاڑوں پر مشتمل تھا۔ اس میں لاتعداد غار بنے ہوئے تھے۔ ویڈیو ماسٹر نے جس نفاست سے یہ ویڈیو فلم بنائی تھی۔ وہ بے مثال تھی۔ پھر ایک غار کا دہانہ نظر آیا اور کیمرہ اندر کے مناظر پیش کرنے لگا۔ غار میں پہلے اندھیرا تھا لیکن پھر آہستہ آہستہ اس میں مشعلیں روشن کر لی گئیں۔ کوئی انسانی وجود ابھی تک نظر نہیں آیا تھا۔ اور اس کے بعد غار کے در و دیوار کا منظر پیش کیا جانے لگا۔ اور یہ منظر حقیقی معنوں میں دنیا کا حیرت ناک منظر تھا۔ پتھر یلی دیواروں میں لاتعداد سنہری مجسمے نصب تھے۔ جن کے ہاتھوں میں مشعلیں نظر آ رہی تھیں۔ ان سنہرے مجسموں کی چمک سے اندازہ ہو جاتا تھا کہ یہ خالص سونے کے ہیں۔ ان کی آنکھوں میں ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ کیمرا آہستہ آہستہ ان تمام مناظر کو پیش کرتا چلا گیا اور پھر اس نے ایسے کچھ صندوقوں کو نمایاں کیا۔ جو تابوتوں کی شکل کے تھے۔ پھر کچھ ہاتھوں نے یہ تابوت کھولے اور جیسے روشنی کا طوفان آ گیا۔ آنکھیں چندھیا گئیں۔ رنگین روشنیوں سے پورا غار اس طرح روشن ہو گیا جیسے سورج غار میں اتر آیا ہو۔ یہ اعلیٰ درجے کے ہیرے جڑے ہوئے مجسمے تھے انسانوں کے مجسمے جو ان تابوتوں میں لیٹے ہوئے تھے۔ کیمرا بڑی تفصیل سے ان کی نشاندہی کرتا رہا۔ پھر پورے غار کو کیمرے سے دکھایا گیا۔ اگر یہ سب کچھ صحیح تھا اور انسانی دماغ یا کمپیوٹر کا کارنامہ نہیں تھا۔ تو اس عظیم الشان غار اور اس ناقابل یقین خزانے کو کائنات کا سب سے بڑا خزانہ کہا جا سکتا

تھا۔ اتنے قیمتی ہیرے اور اتنا سونا تو شاید بعض ملکوں کے محفوظ ذخائر میں بھی نہ ہو۔ ان سے تو ایک ملک آباد کیا جا سکتا تھا۔ غار کے در و دیوار جس انداز میں بنائے گئے تھے۔ وہ بھی دیکھنے کے قابل چیز تھی۔ پھر اچانک ہی علی سفیان کی آواز ابھری۔

"ہمیں اس پورے ماحول میں سوائے ان تابوتوں کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ جنہوں نے تابوت کھولے تھے۔ اندازہ یہ ہوتا ہے کہ یہ اسی شخص کے ساتھیوں کے ہاتھ تھے جس نے یہ ویڈیو بنائی۔ لیکن ہمیں ایک انسانی وجود کی نشاندہی بھی ہوتی ہے۔ غار کے آخری کونے میں ایک شخص پالتی مارے ہوئے ایک مخصوص انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔ اور اس کی گود میں ایک چھوٹی سی لڑکی نظر آ رہی تھی جس کی عمر بارہ یا تیرہ سال کے قریب ہوگی۔" لیکن ان دونوں کے چہرے پر نگاہ پڑتے ہی کامران اور کرنل گل نواز کے چہرے دھواں دھواں ہو گئے تھے۔ کامران نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کرنل گل نواز کی طرف دیکھا تھا۔ کرنل گل نواز کی آنکھیں شیشے کی گولیوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ کامران نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری اور اس تصویر کو دیکھنے لگا جو مسلسل اسکرین پر تھی۔ ایک لمحے کے لیے بھی اس بات کی نفی نہیں کی جا سکتی تھی کہ تصویر گرشک کی تھی۔ اور اس کی گود میں جو لڑکی بیٹھی ہوئی تھی وہ سیتا تھی۔ نقوش ملتے ہیں۔ بے شک چہرے مماثلت رکھتے ہیں بعض اوقات لیکن یہ جو دو چہرے نظر آ رہے تھے یہ گرشک اور سیتا ہی کے تھے۔ ان کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ گرشک مہاتما بدھ کے انداز میں یوگا کا آسن لگائے بیٹھا ہوا تھا اور سیتا کے چہرے پر شوخی تھی۔ وہ سامنے کا منظر دیکھ رہی تھی گرشک کا لباس بھی بدلا ہوا تھا۔ اس کے سر پر ایک انوکھا تاج تھا۔ اور اس کی آنکھیں ایک طرح سے پتھرائی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔ علی سفیان کی آواز ابھری۔

"یہ تمام تصویریں اور ویڈیو فلم دیکھ لی۔ میں نے بڑی مہارت سے اور بڑے ماہر اور تجربہ کار فنکاروں سے کیسٹ میں ملنے والی ان تصویروں کی جو تکمیل کرائی ہے اس کے ساتھ ہی پروفیسر قزل ثنائی اپنی زندگی کی وہ عجیب و غریب داستان تم دونوں کو بتانا چاہتے ہیں۔ جو اس خزانے سے علم کا ذریعہ بنی قزل ثنائی نے ہی یہ ویڈیو مجھے دی ہے پچھلے ایک سال سے یہ میرے پاس مصر میں مقیم ہیں۔ ان کا تعلق لیبیا سے ہے اور لیبیا کی بہت بڑی شخصیتوں میں شمار ہوتا ہے ان کا جیسا کہ میں تعارف کرا چکا ہوں۔ مسٹر قزل ثنائی آپ براہ کرم یہ بتائیے کہ ان پراسرار واقعات کا آغاز کہاں سے ہوا۔ روشنی کر دی جائے اور کرنل براہ کرم بہت عمدہ قسم کی کافی منگوا لی جائے۔ جب بھی میں اور میری بیوی اس ویڈیو کو دیکھتے ہیں۔ ہمارا دماغ اس بری طرح تھک جاتا ہے کہ ہم کافی کی دو دو تین تین پیالیاں پیے بغیر ذہنی سکون نہیں پاتے۔" کمرے میں روشنی کر دی گئی اور سب کے چہرے نمایاں ہو گئے۔ قزل ثنائی اور اس کی بیوی شعورا ثنائی نے آنکھیں بھینچی ہوئی تھیں۔ کرنل بھی عجیب سا نظر آ رہا تھا۔ خود کامران کی حالت خراب تھی لیکن کرنل اور کامران کی جو حالت تھی اس کی وجہ کچھ اور ہی تھی کرنل نے بھاری آواز میں کہا۔

"میرے نوجوان دوست! میں بھی وہی تھکن محسوس کر رہا ہوں یقیناً یہ پراسرار داستان اپنے اندر نہ جانے کیسے کیسے راز چھپائے ہوئے ہوگی۔ براہ کرم! تم کافی کا بندوبست کرو۔" کامران فوراً اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ دروازہ باہر سے بند تھا۔ پیچھے سے کرنل کی آواز ابھری۔

"میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ دروازہ باہر سے بند کر دے کوئی بھی اس طرح آئے تو اسے اندر نہ آنے دیا جائے۔ تم ذرا سا دروازہ بجا دو۔" کامران نے دروازہ بجا دیا تو دروازہ کھل گیا۔ اور کامران نے خود کچن میں جا کر عمدہ قسم کی کافی تیار کرنے کے لیے کہا۔ اور اس کے بعد واپس آ گیا۔ یہ واقعی ایک انتہائی پراسرار اور حیرت انگیز بات تھی۔ اندر ابھی اسی موضوع پر بات چیت ہو رہی تھی۔

"ہاں یہ دونوں زندہ لگتے ہیں۔ یقیناً وہ ایسے زندہ کردار جو اس خزانے کے واقف کار کہے جا سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ اسی غار میں موجود تھے بلکہ آپ نے دیکھا ہوگا کرنل کہ جس جگہ وہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ ایک باقاعدہ استھان تھا کیا میں آپ کو دوبارہ دکھاؤں؟"

"اس کی ضرورت نہیں ہے میرے پاس اس ویڈیو کے ایک ایک منظر کی تصویر موجود ہے۔ میں آپ کو وہ تصویریں پیش کرتا ہوں۔" قزل ثنائی نے پاس رکھے ہوئے چھوٹے سے بریف کیس سے تصویروں کا وہ لفافہ نکالا اور ان میں وہ تصویر تلاش کرنے لگا جو غار کے اس گوشے کی تھی۔ اور اس میں گرشک اور سیتا نظر آ رہے تھے۔ تصویریں کرنل اور کامران کے ہاتھ میں پہنچ گئیں۔ اور وہ دونوں سحر زدہ نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھنے لگے۔ کامران کو بھرپور اندازہ تھا کہ باقی کسی آدمی کو مطلب یہ کہ آنے والے مہمانوں کو اس بارے میں ذرہ برابر کچھ معلوم نہیں ہے کہ یہ دونوں پراسرار کردار جو اس ویڈیو میں نظر آ رہے ہیں۔ اس کوٹھی یا حویلی کے ایک گوشے میں زندہ سلامت موجود ہیں۔ اس بات کا اندازہ کامران نے اس بات سے لگایا تھا کہ کرنل گل نواز نے مکمل طور پر گرشک اور سیتا کو اپنی جگہ چھپے رہنے کو کہا تھا اب یہ بات معلوم نہیں تھی کہ کرنل گل نواز کو اس بات کا شبہ تھا کہ پروفیسر قزل ثنائی یا علی سفیان اور اس کے ساتھ دونوں عورتیں ان دونوں کی حقیقت سے کسی قدر واقف ہیں یا نہیں بہرحال کرنل کا رویہ اس سلسلے میں خود پراسرار تھا۔ یہ تصویریں دیکھی جاتی رہیں۔ تب علی سفیان نے کہا۔

"اور پروفیسر قزل کا کہنا ہے کہ یہ دونوں کردار اس خزانے کے حصول میں بہت بڑی حیثیت کے مالک ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ اس خزانے کے نگراں ہوں۔ اس بچی کے بارے میں تو کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن یہ بدھسٹ اس بارے میں شاید کچھ جانتا ہے۔"

"ہاں اس بات کے مکمل طور پر امکانات ہیں۔" تھوڑی دیر کے بعد کافی آ گئی کامران نے خود کافی بنا کر سب کو پیش کی۔ کرنل گل نواز نے مسکرا کر کامران کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور میرا یہ نوجوان دوست! جو کام بھی کرتا ہے۔ اس میں فراست اور ذہانت ہوتی ہے اور اب یہ دیکھو کافی اتنی مقدار میں موجود ہے کہ ہر شخص اپنی پسند کے مطابق پی سکتا ہے۔ وہ دو پیالیاں کافی پینے کے بعد کرنل گل نواز نے فرمائش کی۔"

"اب جب ان سارے معاملات کا آغاز اتنی برق رفتاری سے ہوا ہے تو میں پروفیسر ثنائی سے درخواست کروں گا کہ وہ تفصیل بتائیں جو ہم سب کے لیے پراسرار ہے۔"

"میں اس تفصیل کا آغاز کیے دیتا ہوں اگر آپ لوگوں کی اجازت ہو۔" علی سفیان نے کہا۔ "یہ اصل میں پروفیسر ثنائی کا ابتدائی تعارف ہے۔ ان کے شناسا انہیں ایک طرح سے جنونی کہتے ہیں اور اس میں

کوئی شک نہیں ہے کہ وہ تو خود میری نگاہوں میں پروفیسر ثنائی ایک عجیب و غریب شخصیت کے مالک ہیں جیسا کہ میں بتا چکا ہوں ان کا تعلق لیبیا سے ہے اور یہ باقاعدہ محکمہ آثار قدیمہ کے ایک اہم عہدے دار تھے۔ مجھے میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ خاصے عرصے پہلے ان کے کسی دوسرے عہدے دار سے کھٹ پٹ ہو گئی۔ اور انہوں نے اپنی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ انہیں اس نوکری کی ضرورت نہیں تھی۔ بلکہ محکمہ آثار قدیمہ کو ان کی ضرورت تھی۔ کیونکہ بہ ذات خود پروفیسر ثنائی ایک صاحب حیثیت انسان ہیں۔ ان کی رہائش گاہ ایک میوزیم کی حیثیت رکھتی ہے۔ دنیا کے بیش قیمت نوادرات ان کے اپنے نوادر خانے میں موجود ہیں۔ اور ان کے بارے میں طرح طرح کی پراسرار باتیں پھیلی ہوئی ہیں۔ جیسا کہ یہ بھی میں نے بتایا ہے کہ پروفیسر ثنائی قدیم زبانوں کے ماہر ہیں اور قدیم زبانیں پڑھنے میں ان کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا۔ اس بارے میں ان کی شہرت بین الاقوامی ہے۔ یہ ہے ان کی شخصیت اور دوسری بات میں یہ بیان کردوں کہ پروفیسر قزل ثنائی کو اپنی ہی ٹکر کی ایک خاتون مل گئیں جن سے انہوں نے شادی کر لی۔ یہ خاتون محترمہ شعورا ثنائی ہیں۔ شعورا ثنائی کا خاندان بھی بہت بڑا ہے اور اس خاندان کی سیاسی حیثیت بھی ہے۔ یہ ان کی مکمل شخصیت ہے اور اس کے بعد میں پروفیسر قزل ثنائی سے درخواست کروں گا کہ اب وہ بہ ذات خود اپنی داستان تفصیل سے بتا دیں۔ میں بس اسی حد تک بتانا چاہتا تھا۔ قزل ثنائی نے کچھ اس طرح کا انداز اختیار کیا جیسے وہ اپنی داستان کا آغاز کرنا چاہتا ہو۔ پھر اس نے کہا۔

"ویسے تو اس داستان کا آغاز بہت سے پہلوؤں سے کیا جا سکتا ہے۔ لیکن بنیادی طور پر میں واصل جلالی کا تذکرہ کروں گا جو میرا بہت اچھا دوست تھا وہ بھی مصری نژاد تھا۔ لیکن اس نے لیبیا میں بود و باش اختیار کی ہوئی تھی۔ اور اس شام جب موسم بے حد خوش گوار تھا۔ اس نے مجھے فون پر اپنے ایک دوست کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا۔

"رچرڈ بون کے بارے میں، میں بس تمہیں اتنا ہی بتا دوں کہ وہ انتہائی خوش ذوق انسان ہے اور میرے ساتھ اکثر مہم جوئی میں شریک رہ چکا ہے۔ بہت ہی خوش مزاج اور نوادرات کا رسیا ہے اس کا نام بہت بار اخبارات کی زینت بن چکا ہے۔ تم سے بہت متاثر ہے اور تمہارے ہاں کے نوادرات کی تفصیل کسی خاص رسالے میں پڑھ کر میرے پاس آیا ہے۔ وہ تم سے ملنا چاہتا ہے۔"

"رچرڈ بون بھی ایک جانا پہچانا نام ہے۔ کیا یہ وہی شخص نہیں ہے جس نے مغربی جرمنی کے میوزیم کو قدیم چینی نوادرات دیے تھے۔"

"بالکل وہی۔ کیا تم اس سے ملنا پسند کرو گے۔ وہ میرے پاس آیا ہوا ہے اور اس کے ساتھ کچھ اور افراد بھی ہیں۔ جو صرف تمہارے نوادرات کو دیکھنے کے لیے ایک طویل سفر طے کر کے یہاں تک آئے ہیں۔"

"میں اس سے زیادہ تمہیں جانتا ہوں واصل جلالی اگر تم انہیں یہاں لانا پسند کرتے ہو تو ظاہر ہے میں اعتراض کی ہمت نہیں کر سکتا۔"

"تو پھر ہم لوگ کب آ جائیں۔"

"میرا خیال ہے کل کا دن مناسب رہے گا اور ہم ساتھ ہی ڈنر بھی کر لیں گے۔"

"ڈنر کے بجائے اگر تم ہمیں شام کی چائے پر مدعو کرو۔ تو زیادہ مناسب رہے گا۔"

"شام کی چائے بھی ہمارے ہی ساتھ پی لینا اور ڈنر بھی کر لینا۔"

'واہ۔ اگر ایسی بات ہے تو بالکل ٹھیک ہے۔' میں نے اپنی بیوی کو ان مہمانوں کے بارے میں بتایا اور اسے ہدایت کی کہ بہترین کھانا تیار کرائے۔ شعورا کے لیے یہ کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ کیونکہ ہم میاں بیوی مہمان نواز تھے۔ شعورا نے مجھ سے مشورہ کیا ویسے بھی میرے اکثر دوست جن کا تعلق دنیا کے مختلف حصوں سے ہوتا تھا اور وہ قدیم زبانوں اور نوادرات سے دلچسپی رکھتے تھے۔ میرے پاس آتے رہتے تھے۔ بہر حال دوسرے دن شام کو رچرڈ بون اور دوسرے معزز مہمان پہنچ گئے۔ رچرڈ بون کے ساتھ اس کی بیٹی سیکملی بون بھی تھی اور سیکملی بون بے مثال حسن و جمال کی مالک تھی۔ ایک خوبصورت اور ذہین کم لڑکی جس نے تھوڑی ہی دیر میں میری بیوی یعنی شعورا سے بہت زیادہ بے تکلفی اختیار کر لی۔ دوسرے مہمانوں میں بھی کچھ لوگ نمایاں تھے جن میں خاص طور پر مسٹر دانش کا تذکرہ کروں گا۔ مسٹر دانش کا کچھ کچھ ڈیزائن اونٹ سے ملتا جلتا تھا جس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی۔ اپنی ناہموار شخصیت کے باوجود وہ ایک انوکھی چیز محسوس ہوتے تھے اور سچی بات یہ ہے کہ نہ صرف میں نے بلکہ میری بیوی نے بھی اس شخص کی عجیب کیفیت کو محسوس کیا تھا۔ وہ بہت کم بولتا تھا پتلے پتلے بھنچے ہوئے ہونٹ اور غیر معمولی طور پر سفید چہرہ یوں لگتا تھا جیسے اس کے وجود میں خون کی روانی بالکل نہیں ہے۔ بہر حال ہم نے یہ تمام باتیں محسوس کی تھیں۔ مسٹر دانش کے بارے میں دانش کا تعارف کراتے ہوئے رچرڈ بون نے کہا۔

"مسٹر دانش! تمہاری ہی لائن کے آدمی ہیں۔ مائی ڈیئر! قزل ثنائی! یہ بہ ظاہر خاموش طبع ہیں۔ لیکن جب بولتے ہیں تو علم و ادب کے دریا بہا دیتے ہیں۔ گو میری ان سے پرانی دوستی نہیں ہے۔ لیکن چند ہی ملاقاتوں میں انہوں نے اپنے لیے ایک جگہ بنا لی ہے۔ اس کے بعد سب سے پہلے رچرڈ بون نے میرے نوادر خانے کی سیر کی درخواست کی اور میں انہیں اپنے نوادر خانے میں لے گیا۔ وہ لوگ میرے اس نوادر خانے کو دیکھ کر دیوانے ہو گئے تھے۔ رچرڈ بون تو اس نوادر خانے کی اتنی تعریفیں کر رہا تھا کہ مجھے شرمندگی ہونے لگی تھی۔ دانش بھی کبھی کبھی بول پڑتا تھا۔ بہر حال انہوں نے میرے اس نوادر خانے کو دنیا کی ایک بہترین کاوش قرار دیا۔ اور جب وہ لوگ وہاں سے چلنے لگے تو بون کی بیٹی سیکملی نے بڑے پرجوش انداز میں شعورا سے گلے ملتے ہوئے کہا۔

"آپ سے مل کر دلی خوشی ہوئی ہے۔ مسز ثنائی! درحقیقت آپ کا پرتکلف کھانا آپ کا بہترین اخلاق، یہ تمام چیزیں زندگی بھر نہ بھولنے کے لیے ہیں۔" جب وہ سب چلے گئے تو شعورا نے کسی قدر الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"ایک بات بتاؤ ثنائی! کیا یہ شخص دانش عجیب و غریب شخصیت کا مالک نہیں ہے۔ تم نے اس کے سلسلے میں کوئی خاص بات محسوس کی ہے۔" میں نے چونک کر اپنی بیوی کو دیکھا اور کہا۔

"مثلاً۔"

"پتا نہیں کیوں وہ مجھے کوئی غیر انسانی شخصیت لگتی ہے۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر بھی نہیں

دیکھنا۔ لگتا ہے اس کے اعصاب چٹخ رہے ہوں، جیسے ہیں اور جب وہ بولتا ہے تو تم یقین کرو یہ آواز یوں لگتی ہے یہ آواز جذبات سے عاری ہو۔ زندگی سے دور ہو۔ بالکل ایسے جیسے دو پتھر آپس میں ٹکراتے ہیں۔ اور ان سے کوئی آواز بلند ہوتی ہے۔ حالانکہ الفاظ وہی ہوتے ہیں جو وہ کہنا چاہتا تھا۔ لیکن بس وہ آواز مشینی آواز محسوس ہوتی ہے۔" میں نے اپنی بیوی کی ان باتوں پر غور کیا اور پھر اس سے کہا۔

"کچھ لوگ عجیب و غریب خصوصیتوں کے حامل ہوتے ہیں۔ اور کچھ لوگ خود کو دوسروں سے منفرد ظاہر کرنے کے لیے مختلف قسم کی اداکاری کرتے ہیں۔"

"کیا خیال ہے۔ ان لوگوں سے دوبارہ ملاقات ہونے کا امکان ہے۔"

"وہ مجھے اپنے ہوٹل کا پتا دے گیا ہے۔ اگر کبھی وقت ملا تو میں اس سے ملوں گا۔ ویسے وہ بھی بے حد مصروف آدمی ہے۔ اور پھر وہ بے شک اچھے دوست تھے اور انہوں نے میری کاوشوں کو جس انداز میں سراہا ہے۔ میں بھی اس سے متاثر ہوں لیکن دوسری ملاقات کا شاید کوئی امکان نہ ہو۔" یہ خیال میرا تھا لیکن دوسرے ہی دن میرے ایک ملازم نے مجھے ایک شخص کے آنے کی اطلاع دی۔

"کون ہے وہ۔"

"سر! کل جو مہمان آئے تھے ان میں سے ایک ہے۔"

"کوئی نام بتایا ہے اپنا اور کیا اکیلا ہے۔"

"جی بالکل اکیلا سر!"

"خیر اسے ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔" میں نے کہا اور چند لمحوں کے بعد ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا۔ لیکن دانش کو دیکھ کر میں حیران رہ گیا تھا۔

"ہیلو مسٹر دانش۔"

"میں جانتا ہوں میرا اس طرح یہاں تنہا آنا خلاف اصول اور اقدار کے منافی ہے لیکن میں یہاں آنے کے لیے مجبور تھا۔"

"کوئی بات نہیں مسٹر دانش آیئے بیٹھیے۔ خیریت ...... بتایئے۔" دانش پر خیال انداز میں ایک دیوار کو تکتا رہا۔ حالانکہ مجھے اس طرح اس کا یہاں آنا پسند نہیں آیا تھا۔ وہ میرے دوست ناصل جلال کی معرفت یہاں آیا تھا۔ اور اس کے ساتھ ہی رچرڈ بون کا دوست تھا ذاتی طور پر میری اس سے کوئی ملاقات نہیں تھی۔ اور نہ ہی میں نے اس کی جانب کوئی خصوصی توجہ دی تھی۔ جس کی بنا پر یہ شخص بے تکلفی سے میرے پاس پہنچ گیا ہو۔ اور اب بھی وہ خاموش رہ کر میری ذہنی کیفیت خراب کر رہا تھا۔ میرا لہجہ خود بخود خشک ہو گیا اور میں نے اس سے کہا۔

"آپ نے کچھ بتایا نہیں مسٹر دانش۔"

"ہاں میں آپ سے ملنے کے لیے مجبور تھا قزل شنائی۔"

"میرا خیال ہے آپ کے پاس بہت زیادہ وقت ہے۔ دوسرے کو اپنے سامنے بٹھا کر سوچنا اور اپنے الفاظ کو بار بار دہرانا کوئی اچھی بات تو نہیں ہے۔"

"میری مجبوری کچھ ایسی ہی ہے کہ اس کے بارے میں کسی کو یقین دلانا مشکل کام ہے کیا اس پر یقین کر لیں گے آپ کہ جب میرے دوست یا شناسا جیسا کہ مسٹر رچرڈ بون آپ سے کہہ چکے ہیں کہ ہماری دوستی زیادہ پرانی نہیں ہے۔ اس لیے دوستی کو شناسائی کہنا زیادہ موضوع رہے گا۔ تو میں کہہ رہا تھا کہ جب مجھے اس بات کا علم ہوا کہ مسٹر رچرڈ بون کسی کی معرفت لیبیا آ کر آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ تو میں نے رچرڈ بون سے اپنے تعلقات بڑھا لیے اور یہاں تک کہ یہ سفر میں نے صرف آپ کے لیے کیا ہے۔"

"آپ اپنی شخصیت کی طرح پراسرار باتیں کر رہے ہیں۔ لیکن بہر حال میری گھر کی چھت کے نیچے ہیں آپ، اور میرا فرض ہے کہ نہ صرف آپ کا احترام کروں۔ بلکہ آپ کی باتوں کو بھی غور سے سنوں کیا آپ کہنا ہے آگے کچھ بتانا پسند کریں گے۔"

"ہاں میں جو کچھ آپ کو بتاؤں گا آپ اسے سن کر شاید یقین بھی نہیں کر پائیں گے۔ حقیقت یہ ہے مسٹر شنائی کہ میری شخصیت ایک معمہ رہی ہے۔ سنیں گے آپ میرے ان الفاظ پر لیکن میں آپ کو بتاؤں کہ میں وہ ہوں۔ جو خود اپنے آپ کو نہیں جانتا۔ میں نے کہا نا کہ آپ یا تو مجھے جھوٹا سمجھیں گے یا اداکار اور یہ بھی سوچ رہے ہوں گے آپ کہ شاید میری اس گفتگو کے پیچھے کوئی ایسا لالچ ہو۔ جو آپ کو کوئی نقصان پہنچانا چاہتا ہو لیکن ایسی بات نہیں ہے۔"

"میں اب تک آپ کا ایک لفظ بھی نہیں سمجھ سکا ہوں۔ کیا یہ بہتر نہیں ہو گا مسٹر دانش کہ آپ جو بھی کہنا چاہتے ہیں مختصر اور صاف الفاظ میں کہہ دیں۔"

"میں اپنے وجود میں بھٹکا ہوا انسان ہوں۔ میں نہیں جانتا کہ میں کون ہوں۔ میں نے سرد ہواؤں اور کھلے آسمان کے نیچے زندگی بسر کی ہے۔ ایک ایسے انسان کی حیثیت سے جو اپنے آپ کو نہیں پہچانتا۔ میں نے خود بھی یہ سوچا ہے کہ ممکن ہے میں کھوئی ہوئی یادداشت کا مریض ہوں۔ لیکن ایسا نہیں ہے مجھے بہت سی باتیں یاد ہیں۔ لیکن صرف میں اپنے آپ کو بھول گیا ہوں۔ اپنے آپ کو۔ میں نے کن لوگوں کے درمیان پرورش پائی ہے۔ ان میں کوئی بھی میرا اپنا نہیں ہے۔ لیکن میں ان کے درمیان کس طرح پہنچا۔ یہ بات وہ بھی مجھے نہیں بتا سکے۔ ان کا کہنا تھا کہ کوئی اور تھا جس کے ساتھ مجھے دیکھا گیا تھا اور اس کے بعد میں ان کے درمیان پہنچ گیا جو شخص مجھے لے کر آیا تھا۔ وہ گم ہو گیا میرا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ میں ایک بے مقصد زندگی گزار رہا ہوں۔ میری بات آپ کی سمجھ میں آ رہی ہے۔"

"افسوس مسٹر دانش۔ نہ میں کچھ سمجھ سکا ہوں اور نہ ہی یہ باتیں مجھے سنانے کا مقصد سمجھتا ہوں۔"

"تو پھر یوں سمجھے کہ میں ماضی کا صرف ایک نقش ہوں۔ اور میرا کل اثاثہ چمڑے کا ایک موٹا سا تعویذ ہے۔ جو نہ جانے کب سے میری گردن میں پڑا ہوا تھا۔ میں نے کبھی اس تعویذ۔ جو نہ جانے کب سے میری گردن میں پڑا ہوا تھا۔ میں نے کبھی اس تعویذ کی جانب توجہ نہیں دی اور جیسا کہ میں آپ کو بتا چکا ہوں۔ کہ میں اپنی ذات کا گمشدہ کردار ہوں۔ کئی بار یہ تعویذ میں نے لاپروائی سے ادھر ادھر ڈال دیا۔ لیکن یہ بھی ایک عجیب بات ہے کہ کہیں نہ کہیں سے وہ مجھ تک پہنچ ہی گیا۔ طویل عرصے تک نہ میں نے اور نہ کسی اور نے اس کی طرف توجہ دی۔ جن لوگوں نے مجھے اپنے ساتھ رکھا ہوا تھا وہ بہت اچھے لوگ تھے میرے لیے سب

کچھ کرنے کو تیار۔ لیکن انہوں نے مجھے یہ بات بھی صاف بتا دی تھی کہ ان سے میرا کوئی گہرا تعلق نہیں ہے۔ آخر کار میں نے ایک دن آفس چھوڑ دیا۔ اور اس وسیع کائنات میں بھٹکنے لگا ضرورت زندگی کو پورا کرنے کے لیے میں نے اپنے اطراف میں نظر ڈالی اور پھر بالکل اتفاقیہ طور پر ایک دن میں نے ریس کھیلی اور بھاری رقمیں جیت گیا۔ پھر یہ حیرت انگیز انکشاف مجھ پر ہوا کہ میں جوا کھیلوں یا ریس جیت ہمیشہ میری ہوتی ہے۔ رفتہ رفتہ میں ریس کلبوں کی مشہور شخصیت بن گیا۔ جب میں جوا کھیلنے بیٹھتا تو لوگ سوچ لیتے کہ آج ان کی جیبیں خالی ہو جائیں گی۔ اس طرح لوگوں نے میرے ساتھ جوا کھیلنا چھوڑ دیا تھا۔ یہ سب کچھ تھا لیکن کبھی میری الجھی ہوئی شخصیت میرے سامنے نہیں آ سکی۔ مجھے یوں لگتا تھا جیسے میرے اندر سے میرا وجود خالی ہے۔ اس بے نام سی الجھن کو ختم کرنے کے لیے میں نے وہ ساری حرکتیں کیں جو مجھے پسند نہیں تھیں۔ میرا طرز زندگی بہت بدل گیا تھا۔ میں جو تھا وہ نہیں ہوں۔ اور جو بننا چاہتا تھا وہ نہیں بن سکا۔ عمدہ کھانا، عمدہ پینا اور عیش و عشرت میں ڈوبے رہنا میرا معمول بن گیا۔ اپنی زندگی کے حالات چونکہ آپ کو سنا رہا ہوں اس لیے یہ بھی بتانا ضروری ہے کہ میں نے ایک لڑکی سے محبت بھی کی تھی۔ لیکن میں جانتا تھا کہ اسے مجھ سے نہیں میری دولت سے پیار ہے۔ میں یہ سب جانتا تھا لیکن اس کے باوجود مجھے آرزو تھی کہ وہ میرے قریب آئے پھر اسی لڑکی نے ایک بار میری توجہ گردن میں پڑے ہوئے تعویذ کی طرف دلوائی۔ اس نے کہا کہ یہ میلا کچیلا تعویذ میری گردن میں بہت برا لگتا ہے۔ میں اسے کیوں لٹکائے پھرتا ہوں۔ لڑکی کے کہنے پر میں نے اسے اتار پھینکا لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ آخر یہ تعویذ اتنے عرصے سے میرے ساتھ اور درجنوں بار گم ہونے کے بعد مجھ تک واپس پہنچ جاتا ہے۔ اس میں کیا ہے۔ جب میری محبوبہ چلی گئی تو میں نے اسے اٹھایا اور پہلی بار کھول کر دیکھا۔ مسٹر قزل ثنائی! اس تعویذ کے اندر کسی جانور کی انتہائی پتلی کھال یا جھلی پر ایک نقشہ اور اجنبی تحریر لکھی ہوئی تھی۔ مجھے یوں لگا جیسے اس تحریر کا میری زندگی سے کوئی گہرا تعلق ہو۔ لیکن میں وہ تحریر پڑھ نہیں سکتا تھا۔ وہ میرے لیے اجنبی تھی۔ یہ تعویذ میری گردن میں کہاں سے آئی اور جھلی پر لکھی تحریر کا کیا مفہوم ہے۔ یہ میری سمجھ میں بالکل نہیں آیا لیکن نہ جانے کیوں میرے ذہن میں یہ خلش پیدا ہو گئی کہ میں اس کے بارے میں معلومات حاصل کروں اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ میرے ماضی کا راز دار صرف یہی ایک تعویذ تھا ویسے تو میرے پورے وجود پر جو کچھ بھی تھا تبدیل ہوتا رہتا تھا۔ لیکن یہ تعویذ اس وقت کی چیز تھی جب میں نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچا تھا۔ میرے دل میں اچانک ہی یہ احساس بیدار ہوا کہ اس تعویذ کا میری زندگی سے کوئی گہرا تعلق ہے۔ لیکن اس کی تحریر پڑھ کر میں اپنی زندگی کے بارے میں کچھ بھی نہیں جان سکتا تھا۔ کیونکہ یہ تحریر میری سمجھ میں آتی ہی نہیں تھی۔ اس کے بعد یہ میرا سب سے بڑا مسئلہ بن گیا کہ میں اس تعویذ کی تحریر کی تفصیل معلوم کروں۔ میں نے بے شمار لوگوں سے رابطہ قائم کیا لیکن کوئی ایک شخص مجھے ایسا نہیں مل سکا جو اس تحریر کا راز مجھے بتا سکے پھر مجھے آپ کے بارے میں تفصیلات معلوم ہوئیں اور میرے دل میں یہ خواہش ابھری کہ میں اس سلسلے میں آپ سے رجوع کروں اور آپ سے ملاقات ہو گئی۔ آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ میں اس طرح یہاں تک کیوں پہنچا ہوں۔ کیا آپ میری مدد کریں گے؟" وہ سوالیہ انداز میں مجھے دیکھنے لگا۔ اور میں خاص الجھنوں کا شکار ہو گیا کیا کروں کیا کرنا چاہیے مجھے۔ میں نے سوچا۔

قزل ثنائی اول تو ویسے ہی ایک پراسرار شخصیت کا مالک تھا۔ انسان اگر اپنے فن میں اس قدر رچ بس جائے کہ اس میں کمال حاصل کر لے تو فن اس کی شخصیت کا ایک حصہ بن جاتا ہے۔ یا وہ خود اپنے فن کا ایک حصہ بن جاتا ہے۔ قزل ثنائی ماہر آثار قدیمہ تھا۔ اور نہ جانے اس کی زندگی میں کیسے کیسے پراسرار دور آئے ہوں گے۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ اس کی بیوی شعورا جو بہت پروقار اور نفیس شخصیت کی مالک تھی۔ وہ بھی اس کے رنگ میں اسی طرح رچی ہوئی تھی اس وقت کمرے کی فضا پر ایک عجیب سی پر ہول کیفیت طاری تھی اور وہاں موجود ہر شخص ایک عجیب سے سحر میں گرفتار تھا۔ کامران خود بھی اپنے آپ کو اس سحر سے الگ نہیں کہہ سکتا تھا۔ وہ منتظر تھے کہ قزل ثنائی آگے کے واقعات شروع کرے تو قزل ثنائی نے کہا۔

بہرحال اس شخص نے مجھ پر ایک مشکل وقت ڈال دیا تھا۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ خود اس کی شخصیت میں ایسی کراہت تھی جو انسان کو بڑی عجیب محسوس ہوتی تھی۔ اس کے بالکل پتلے پتلے لکیر کی شکل میں نظر آنے والے کھنچے ہوئے ہونٹ جب کھلتے تھے تو ایک عجیب سا مکروہ تصور ابھرنے لگتا تھا۔ مجھے اس شخص سے ایک ذہنی کوفت محسوس ہو رہی تھی۔ تاہم، وہ میرے گھر آیا تھا اور میرے دوست رچرڈ لون نے مجھ سے اس کا تعارف کرایا تھا۔ چنانچہ بداخلاقی کا مظاہرہ تو کرنا ممکن نہیں تھا۔ تاہم، میں نے اسے خشک نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو پھر آپ فرمائیے مسٹر دانش میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"آہ۔ میری بات تو بالکل صاف اور واضح ہے۔ آپ اس تعویذ کی تحریر پڑھنے کی کوشش کیجئے اور اگر آپ میری رہنمائی کر سکیں۔ تو میں آپ کا احسان مند ہوں گا۔"

"سوری...... شاید میرے لیے ممکن نہ ہو۔" میں نے اپنے اسی احساس کے زیر تحت کہا اور وہ بھنویں اٹھا کر مجھے دیکھنے لگا۔ میں نہیں جانتا کہ اس کے انداز میں میرے لیے نفرت تھی یا کوئی اور احساس۔ وہ مجھے گھورتا رہا اور میں نے جواب دیا۔

"میں ہمیشہ وہ کام کرتا ہوں جس کو میرے دل و دماغ قبول کرتے ہیں اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر کوئی چیز مجھے متوجہ کرتی ہے۔ تو میں اس پر کام کرتا ہوں ظاہر ہے میرا مسئلہ نہیں ہے اور اب تو خاصے عرصے سے میں نے یہ کام کرنا چھوڑ دیا ہے اور اس کی وجہ آپ کو بتاؤں اس کی وجہ میری بیوی ہے۔ شادی سے پہلے جو زندگی گزارتا ہے۔ شادی کے بعد اس میں خاصی تبدیلی نمایاں ہو جاتی ہے۔ میں نے زندگی کا ایک بہت بڑا حصہ پراسرار تحریریں پڑھنے میں صرف کیا ہے۔ لیکن اس کے بعد جب میں نے شعورا سے شادی کی تو دل میں یہ سوچا کہ اب زندگی کو صرف گھریلو بناؤں گا اور کار لے کر نکل جاؤں گا۔ ویسے دانش کیا آپ شادی شدہ ہیں۔ وہ میری تمام باتیں غور سے سن رہا تھا لیکن کم بخت ایسے سپاٹ چہرے والا تھا کہ لگتا تھا یہ چہرہ اس کا ہے ہی نہیں۔ مردہ اور زندگی سے دور چہرہ تھا اس طرح کا کہ بس الفاظ بیان نہ کر سکوں۔ اس کی افسردہ آواز ابھری۔

"مسٹر ثنائی! میں تو زندگی سے بہت دور کا انسان ہوں۔ زندگی نے کبھی میرے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ آپ شاید میری بات پر یقین نہ کر سکیں۔ زندگی کے ہر موڑ پر میں ایک ناکام انسان ثابت ہوا ہوں۔ محبت اور محبوبہ تک نہیں حاصل کر سکا۔ بیوی تو دور کی بات ہے۔"

''تم بھی آپ نے اپنی کسی محبوبہ لڑکی کے بارے میں بات کی تھی۔''

''ہاں کی تھی۔ وہ صرف میری توجہ اس تعویذ تک لانے کا ایک ذریعہ ثابت ہوئی اسے مجھ سے بہتر کوئی انسان مل گیا کیونکہ میں تو خود اس قابل نہیں تھا۔''

''بہرحال میں آپ سے یہی کہنا چاہتا ہوں کہ میں نے اپنی زندگی کے لمحات اپنی بیوی کو دے دیے ہیں اور پھر ممکن ہے آپ کے تعویذ میں کوئی ایسا راز نکل آئے۔ جو واقعی مجھے اپنی جانب متوجہ کرے اگر ایسا ہوا تو مجھے اپنی بیوی کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے گا۔''

''آپ اس انداز میں نہیں سوچ رہے قزل ثنائی جس میں ایک قابل اور اپنے فن کا ماہر انسان سوچتا ہے۔ آپ کو تو اپنی زندگی بھر کے فن سے وابستگی ہونی چاہیے۔ اصولی طور پر تو آپ نے شادی کر کے ہی غلطی کی۔ آپ جیسے لوگ تو دنیا کے لیے ایک سرمایہ ہوتے ہیں۔ آپ ذرا غور کیجیے اگر آپ نے میری مدد کی تو ہو سکتا ہے میری زندگی میں بھی کوئی خوب صورت لمحہ آ جائے۔ میں نے تو آپ پر بڑا بھروسا کیا ہے اور یہاں تک پہنچا ہوں۔ اس کے لیے مجھے بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ آپ یقین کریں۔''

''میں معذرت کے سوا کیا کر سکتا ہوں۔'' میں نے کہا۔

''خدا کے لیے کوئی گنجائش نکالیے۔''

''میں شرمندہ ہوں مسٹر دانش! میری زندگی اب میری نہیں۔ میری بیوی کی ہے۔ میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں اس کے لیے کر رہا ہوں کہ اسے خوشیاں حاصل ہوں۔''

''مگر یہ تو سوچیے کہ تعویذ کے راز کے افشاء ہونے پر میری پوری زندگی کا انحصار ہے اور اس الجھن کے سلجھنے سے میں بھی انسانوں کی طرح زندگی گزارنے کے قابل ہو جاؤں گا۔''

''میں جانتا ہوں لیکن۔''

''یہ ظلم ہے۔ آپ ظلم کر رہے ہیں مسٹر قزل ثنائی۔ آپ کو اپنے فن سے انصاف کرنا چاہیے۔''

''مجھے اپنے اصولوں سے بھی انصاف کرنا چاہیے۔''

''میں نے جھلاتے ہوئے انداز میں کہا۔

''اس کا مقصد ہے کہ آپ سے مزید درخواست کا کوئی جواز نہیں ہے۔''

''آپ میرے وطن آئے ہیں میرے مہمان ہیں۔ میرے دوستوں کے ساتھ آئے ہیں۔ مجھے بتایئے اس کے علاوہ میں آپ کی کیا خدمت کروں۔ میں اس سے گریز نہیں کروں گا۔ لیکن جو چیز میرے اصولوں سے ٹکراتی ہو معاف کیجیے گا میں وہ نہیں کر سکتا۔'' وہ چند لمحے مجھے دیکھتا رہا پھر مایوسی سے ہونٹ سکیڑ کر اٹھ گیا۔

''بعض لوگ اتنے سخت دل ہوتے ہیں کہ کسی کی زندگی بچانے کی بھی کوشش نہیں کرتے۔ مجھے افسوس ہے۔ آپ یقین کریں میرا خیال تھا کہ ایک صاحب علم انسان ہونے کی حیثیت سے آپ ضرور میری مدد کریں گے۔''

''میں شرمندہ ہوں۔'' میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔'' وہ اٹھا تو میں نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا اس نے اپنا ہاتھ آگے نہیں بڑھایا

اور بولا۔

''نہیں مسٹر ثنائی! ظاہر ہے میں خوش ہو کر یہاں سے نہیں جا رہا۔ ہاتھ تو دوستوں سے ملایا جاتا ہے۔ ان سے نہیں جو دوست نہ ہوں۔''

''اس نے کہا اور دروازے سے باہر نکل گیا۔ میں اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا میرے ذہن میں اس کے لیے وہی تصور موجود تھا اس وقت شعورا اندر آ گئی اور بولی۔

''ار۔۔۔یہ کون تھا؟ چلا گیا! کون آیا تھا۔''

''دانش تمہیں یاد ہے نا۔''

''اوہ ہاں۔ سوری مائی ڈیئر ثنائی مجھے ایک بات بتاؤ۔ کیا اس شخص کو دیکھ کر ذہن میں کراہت سی نہیں ابھرتی۔''

''ہاں..... واقعی جتنی بار بھی اسے دیکھو۔ اس کے چہرے میں ایک نئی بات نظر آتی ہے۔ ایک نیا چہرہ۔ اور دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کے کسی بھی روپ میں کوئی دل کشی نہیں ہوتی۔''

''اس وقت وہ کیوں آیا تھا۔''

''اپنی شکل و صورت کی ایک انوکھی کہانی لے کر۔''

''کیسی کہانی۔'' شعورا نے پوچھا۔

''کہانی واقعی پراسرار تھی۔ لیکن......'' میں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ نہ جانے آگے میں کیا کہنا چاہتا تھا۔ پھر شعورا کہنے لگی۔

''ویسے اصولی طور پر اسے تنہا تو یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ مسٹر بون کی بات دوسری ہے ویسے ان کی بیٹی بڑی سوہنی ہے۔ مجھے بہت اچھی لگی تھی وہ لڑکی۔''

''ہاں وہ پیاری ہے۔'' میں نے جواب دیا۔

''ویسے اگر مسٹر بون! الیسا میں ہی ہیں اور یہاں اپنی کسی مصروفیت کے تحت یہاں آئے ہیں تو ان کی بچی تو ان کے ساتھ مصروف نہیں ہوگی۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''اگر میں اسے پھر دعوت دوں۔''

''دے سکتی ہو اگر تم چاہو تو میں رچرڈ بون کو فون کر دوں گا۔''

''لیکن وہ شخص کیا کہانی لے کر آیا تھا۔'' شعورا نے دلچسپی سے پوچھا اور میں نے اسے وہ کہانی سنا دی۔ شعورا گہری سانس لے کر بولی۔

''تعجب ہے۔ واقعی مجھے سخت تعجب ہے۔ آپ نے اپنی فطرت کو خوب بدل لیا ہے۔ بھلا ایسی کوئی چیز آپ کے سامنے آئے اور آپ اس سے گریز کریں۔''

''یہ بات نہیں ہے شعورا۔ درحقیقت ایک طویل عرصے تک میں نے یہ سب کچھ کیا ہے۔ اور ہمیشہ اپنی مرضی سے کام کرنے کا عادی رہا ہوں۔ بہت عرصے تک میرے دوست مجھے شادی کے لیے آمادہ کرتے

رہے۔ لیکن میں نے سوچا کہ شادی میری زندگی کے لیے مناسب نہیں ہوگی۔ نہ میں بیوی کو وقت دے پاؤں گا اور نہ اپنے شوق کو شادی کے لیے میرے ذہن میں یہی بات تھی کہ جب بھی شادی کروں گا اپنی زندگی کا رخ تبدیل کرلوں گا۔ اور شعورا بہرحال تم اس بات کی گواہی دو گی کہ شادی کے بعد زندگی کا بقیہ حصہ میں نے تمہارے ہی نام کر دیا ہے۔" شعورا کی آنکھوں میں محبت ابھر آئی اور اس نے کہا۔

"آپ یقین کرلیں ثنائی! میں بھی آپ کے ساتھ زندگی گزار کر بہت مطمئن ہوں۔ معاف کیجیے، آپ لوگ سوچ رہے ہوں گے کہ میں نے اس چھوٹی سی داستان کو ایک افسانوی روپ دے دیا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب تک میں اپنی اس داستان یا اپنی آپ بیتی کو اس انداز میں نہ سناؤں جس انداز میں یہ سنائی جانی چاہیے تو بلاوجہ آپ لوگوں کا وقت ضائع ہوگا۔"

"آپ نے یہ کیسے سوچ لیا کہ ہم آپ کی اس افسانہ نگاری سے غیر مطمئن ہیں۔" کرنل گل نواز نے مسکراتے ہوئے کہا اور بقیہ لوگ بھی مسکرانے لگے۔ قزل ثنائی ان کی مسکراہٹوں سے الگ اپنے خیالات میں کھویا ہوا تھا کہنے لگا۔

"اصل میں مجھے زندگی میں عجیب و غریب تجربات ہو چکے ہیں۔ ایسے کچھ لوگوں کے لیے بھی میں نے کام کیا ہے۔ جو دانش کی طرح کے تھے۔ لیکن بعض اوقات مجھے بڑے تلخ تجربات کا سامنا کرنا پڑا۔ مثلاً یہ لوگ کسی بھی کہانی کو انتہائی پراسرار بنا کر میرے سامنے لے آئے اور جب میں نے ان کے لیے کچھ کیا تو بعد میں پتا چلا کہ انہوں نے مجھے دھوکا دیا۔ وہ تحریر کسی ایسے دفینے کی تھی جو خاص انداز میں دفن کیا جاتا ہے وہ اپنی الجھی ہوئی کہانی سنا کر دفینے کی تفصیل جاننا چاہتے تھے۔ ہوا ہے کئی بار ایسا ہوا ہے۔"

"میری بیوی کہنے لگی کہ تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو قزل ثنائی کہ یہ آدمی بھی ایسا ہے۔"

"اور یہ بات کیسے کہی جاسکتی ہے کہ آپ صرف یہ تحریر پڑھ لیں اور اگر آپ کو اس سے کچھ معلومات حاصل ہو جائیں تو اسے بتا دیں اگر اس سلسلے میں کوئی پیشکش کرنے تو انکار کر دیں۔" ہم دونوں تھوڑی دیر تک خاموش رہے۔ پھر میں نے کہا۔

"بہرحال شعورا...... اس بار میں اس کے لیے تیار نہیں ہوں گا۔ ظاہر ہے آپ جو مناسب سمجھتے ہیں وہی آپ کو کرنا ہے اچھا تو آپ ایک بات بتایئے کہ آپ سیمل بون کو میرے لیے دعوت دے رہے ہیں۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔" اس سے پہلے کہ اس لڑکی کو یہاں آنے کی دعوت دیتا وہ خود رچرڈ بون کے ساتھ شعورا کے پاس پہنچ گئی۔ بون نے کہا۔

"اصل میں کچھ ایسی مصروفیات چل رہی ہیں۔ ہائی ڈیئر قزل! کہ میں اپنی بیٹی کو بھی وقت نہیں دے پا رہا۔ سیمل نے مجھ سے فرمائش کی ہے کہ اگر ممکن ہو سکے تو میں اسے تمہارے گھر میں چھوڑ دوں۔ میں نے یہ سوچا کہ پہلے فون کرلوں۔ لیکن سیمل اس کے لیے بھی تیار نہیں تھی۔"

"ارے واہ۔ آپ نے وہ کیا ہے۔ مسٹر بون! جو میرے دل کی آواز تھی۔ پچھلی شام ہم دونوں اس موضوع پر بات کرتے رہے ہیں۔ آپ نے بہت اچھا کیا میری بیوی نے بھی مجھ سے اسی چیز کی فرمائش کی تھی۔"

"واہ...... یہ تو اچھی بات ہے۔ چلیے ٹھیک ہے اب مجھے بہت عمدہ سی چائے پلوایئے اس کے علاوہ کچھ نہیں کہوں گا۔" سیمل شعورا کے ساتھ باتیں کرنے لگی تھی اور اسی دوران مسٹر دانش کا ذکر چھڑ گیا اور میں نے رچرڈ بون کو بتایا۔

"مسٹر دانش یہاں آئے تھے۔"

"دانش۔ کب۔" رچرڈ بون نے تعجب سے کہا۔

"کل کی بات ہے۔"

"خیریت؟"

"ہاں۔ ویسے کیا آپ لوگ ایک ساتھ نہیں رہتے۔ میرا مطلب ہے کہ کیا آپ کا قیام ایک ساتھ نہیں ہے۔"

"نہیں، میں نے کہا تھا نا کہ میں اپنے مشن پر آ رہا تھا تو ان چند افراد نے مجھ سے فرمائش کی کہ وہ تمہارا فواد رخانہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ میں نے سوچا کہ تم سے اجازت لینے کی ضرورت تو ہے نہیں کیونکہ میرے اور تمہارے درمیان اجازت کا رشتہ نہیں ہے۔ چنانچہ میں نے ان کی یہ خواہش پوری کر دی۔"

"گویا ان سب کا قیام کہیں اور ہے۔"

"ہاں۔ ایک اور ہوٹل میں۔ ویسے ایک بات بتاؤ دانش کسی خاص بات کے لیے یہاں آیا تھا۔"

"ہاں بس یونہی۔" میں نے سرسری انداز میں کہا۔ اب ضروری تو نہیں تھا کہ میں ساری تفصیل رچرڈ بون کو بھی بتا دیتا۔ بہرحال دوسرے دن سے شعورا نے بون کی بیٹی سیمل کی تمام ذمے داریاں سنبھال لیں۔ یہ دونوں سیر و تفریح میں مصروف ہو گئیں اور میری ملاقاتیں بھی باقاعدگی سے رچرڈ بون سے ہونے لگیں۔ وہ یہاں اپنے کام میں مصروف تھا۔ کبھی کبھی اس کے دوست بھی یکجا ہوتے تھے پھر ایک دن رچرڈ بون نے ہم سب کو اپنے ہوٹل میں ہی مدعو کیا۔ لیکن اس ملاقات میں دانش موجود نہیں تھا۔ ایک ہفتے سے زیادہ گزر چکا تھا۔ میری اپنی مصروفیات معمول کے مطابق تھیں۔ سیمل شعورا کے ساتھ سیر و سیاحت کا منصوبہ بنائے ہوئے تھی۔ مجھ سے اس نے اجازت لی تو میں نے کہہ دیا کہ وہ جس طرح بھی جانا چاہیں گھوم پھر سکتی ہیں۔ بہرحال وہ دونوں اس دن بھی سیر و سیاحت کے لیے نکلی ہوئی تھیں۔ رچرڈ بون سے اکثر ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں۔ وہ اپنے کام میں مشغول تھا اور کبھی کبھی میرے پاس آجایا کرتا تھا۔ لیکن اپنی بیٹی کی جانب سے وہ بالکل مطمئن تھا البتہ دانش بالکل غائب ہو گیا تھا۔ بہرحال اس دن وہ دونوں گئیں تو خاصا وقت گزر گیا۔ کچھ اصول تھے سیر و سیاحت کے ویسے بھی لیبیا میں ایسی جگہیں کم تھیں جہاں سیر و سیاحت کے لیے جایا جاسکتا تھا۔ اور پھر شعورا صحیح معنوں میں باشعور تھی اور کچھ اصولوں پر کاربند۔ جب شام رات میں تبدیل ہوئی تو مجھے ذرا پریشانی ہوئی۔ میں نے سوچا کہ ممکن ہے سیمل بون اسے اپنے ہوٹل لے گئی ہو۔ چنانچہ میں نے رچرڈ بون کو فون کیا تاکہ ان دونوں کے بارے میں معلومات حاصل کروں اور جب اس سے رابطہ قائم ہوا تو میں نے ان دونوں کے بارے میں پوچھا۔

"نہیں وہ یہاں نہیں آئیں کیوں خیریت۔ میں تو خود ان دونوں کا انتظار کر رہا تھا کیونکہ سیمل نے

مجھ سے ساڑھے سات بجے آنے کے لیے کہا تھا وہ مجھے فون کر کے بتا رہی تھی کہ اسے ہوٹل کے اپنے سامان سے کچھ چیزیں لینی ہیں۔"

"اوہو۔ یہ لوگ واپس نہیں آئے۔ شعورا بھی ایک ذمہ دار خاتون ہے۔ میں نے اسی لیے حیران ہو کر تمہیں ٹیلی فون کیا تھا۔"

"ہوسکتا ہے کسی تفریح میں مشغول ہوگئی ہوں۔ ویسے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ محترمہ شعورا نے میری بیٹی کا دل جیت لیا ہے۔ اور کبھی کبھی تو میں یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہوں کہ یہاں سے واپسی پر اس کا دل کیسے لگے گا۔ ویسے حیرانی کی بات ہے کیا خاتون شعورا بھی اس طرح تمہیں اطلاع دیے بغیر دیر کر دیتی ہیں۔"

"بالکل نہیں۔ وہ ایک ذمہ دار عورت ہے۔ وہ جانتی ہے کہ اگر اسے دیر ہو جائے تو مجھے پریشانی ہو جاتی ہے۔"

"تو پھر بتاؤ کیا کریں۔" رچھ ڈبون پریشان لہجے میں بولا۔

"نہیں دیکھتے ہیں کیا صورت حال رہتی ہے۔ میں انتظار کر رہا ہوں۔" یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا۔ نہ جانے کیوں میرے ذہن میں شدید الجھنیں پیدا ہو رہی تھیں۔ حالانکہ شعورا ہر طرح سے ایک ذمہ دار خاتون تھی لیکن بہرحال عورت تھی کیا ہو سکتا ہے کوئی ایسا حادثہ جس کی خبر دیر تک نہ مل سکے۔ میں ذہن دوڑانے لگا کہ یہ لوگ کس طرح کے پروگرام میں دلچسپی اور حصہ لے سکتی ہیں۔ پھر دوبارہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تو میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو۔"

"ہاں قزل میں رچھ ڈبون بول رہا ہوں۔"

"ہاں بولو خیریت۔" میں نے بے تابی سے پوچھا۔

"ابھی چند لمحے قبل سیمل واپس ہوٹل پہنچی ہے۔"

"ہاں تو پھر۔"

"وہ تنہا ہے اور تمہاری کار بھی ساتھ لائی ہے۔"

"کیا۔" میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ہاں وہ تمہاری کار لائی ہے اور اس نے ایک پریشان کن کہانی سنائی ہے۔"

"کیا؟" میری پریشانی عروج پر پہنچتی جا رہی تھی۔

"اس نے بتایا کہ وہ دونوں شہر کے مضافات میں نکل گئی تھیں۔ کافی فاصلے پر شاید کچھ آثار قدیمہ موجود ہیں۔ شعورا سیمل کو وہ آثار قدیمہ دکھانے لے گئی تھی۔ کھنڈرات میں میری بیٹی کے بیان کے مطابق ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا لیکن جب وہ کھنڈرات کے اندر کا جائزہ لے رہی تھی تو انہوں نے باہر گاڑی رکنے کی آواز سنی۔ یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ گاڑی میں کون تھا۔ وہ اس وقت کھنڈرات کے مختلف حصوں کو دیکھتی پھر رہی تھیں۔ وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئی جہاں راستہ کچھ بھول بھلیوں کی شکل رکھتا تھا۔ سیمل کا بیان ہے کہ وہ چند لمحات کے لیے آگے بڑھ گئی تھی اور شعورا کیمرہ درست کرتی رہ گئی تھی۔ سیمل چونکہ چند سیڑھیاں طے کر

کے نشیب میں رہ گئی تھی اس لیے اوپر شعورا کو نہ دیکھ سکی۔ البتہ شعورا چند منٹ تک آگے نہ بڑھی تو اس نے حیران ہو کر آوازیں دیں اور پھر واپس آ گئی۔ شعورا کا کیمرہ زمین پر بے ترتیب حالت میں پڑا ہوا تھا۔ اور وہ خود موجود نہیں تھی۔ سیمل نے آگے بڑھ کر کیمرہ اٹھا لیا اور اس کے بعد وہ شعورا کو زور زور سے آوازیں دینے لگی اس نے قرب و جوار میں بھی اسے تلاش کیا اور نہ جانے کب تک اسے تلاش کرتی رہی لیکن اسے شعورا کا نام و نشان نہیں ملا۔ کھنڈرات میں مکمل خاموشی طاری تھی۔ وہ بہت زیادہ پریشان ہوئی اور پھر وہ کار کے قریب آ گئی۔ کار کے قریب ہی کسی دوسری کار کے نشانات بھی تھے۔ لیکن اب وہ کار وہاں موجود نہیں تھی۔ چونکہ سیمل کو صحیح طور پر راستے نہیں معلوم تھے۔ بہرحال پھر بھی اس نے کافی دیر تک شعورا کو تلاش کیا اور آوازیں دیتی پھرتی۔ پھر سخت دہشت زدہ ہو کر واپس چل پڑی۔ راستہ نہ جاننے کی وجہ سے وہ کہیں سے کہیں نکل گئی تھی اور بہت دیر تک ماری ماری پھرتی رہی تھی کافی دیر تک لوگوں سے راستہ پوچھتی ہوئی وہ ہوٹل واپس پہنچی ہے۔" میں سناٹے میں رہ گیا تھا اور دیر تک میرے منہ سے آواز نہیں نکل سکی تھی۔ یہ کیا ہوا اور کیسے ہوا یہ بات میری سمجھ میں بالکل نہیں آ رہی تھی۔ رچھ ڈبون نے کہا۔

"جو حالات ظاہر ہو رہے ہیں وہ یہ ہیں کہ شعورا کو کسی نے اغوا کر لیا ہے۔ میرے خیال میں تو فوری پولیس سے رابطہ قائم کرنا چاہیے۔" میں پھر بھی کچھ نہ بول سکا۔ دماغ اس بری طرح چکرا رہا تھا کہ بیان سے باہر ہے۔ رچھ ڈبون نے مجھے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"حوصلہ رکھو میں تمہارے پاس پہنچ رہا ہوں۔" ریسیور بند کر کے میں پاگلوں کی طرح دیواروں کو گھورنے لگا۔ میری زندگی تو اس طرح کے واقعات سے کبھی دوچار نہیں ہوئی تھی۔ میں تو ایک بالکل آزاد تھا۔ امن کے ساتھ ہر کام کرنے کا عادی۔ بہرحال کچھ دیر کے بعد رچھ ڈبون اپنے دو دوستوں اور سیمل کے ساتھ میرے پاس پہنچ گیا۔ سیمل نے ایک بار پھر مجھے ساری کہانی تفصیل سے سنائی لیکن میرے سوچنے سمجھنے کی قوتیں مفلوج ہوتی جا رہی تھیں۔ سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ ایسا کس نے کیا۔ اگر یہ کوئی مجرمانہ عمل تھا تو سیمل بون بھی کسی سے کم نہیں تھی۔ حسن و جمال میں بھی جوانی میں بھی یا پھر اگر لوٹ مار کا مسئلہ ہوتا تب بھی جس نے شعورا کو اغوا کیا تھا اسے سیمل کو بھی اس کے ساتھ ہی اغوا کرنا چاہیے تھا۔ آخر شعورا ہی کیوں۔ بہرحال اس کے بعد کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا۔ میں نے پولیس کو ٹیلی فون کیا اور ایک افسر اعلیٰ فوراً میرے پاس پہنچ گیا کیونکہ بہرحال میری اپنی حیثیت بھی غیر مستحکم نہیں ہے۔ میں نے اسے پوری تفصیل بتائی۔ پولیس افسر کا بھی وہی خیال تھا۔ وہ یہ کہ اگر یہ صرف ایک مجرمانہ کارروائی تھی تو دوسری لڑکی کو کیوں چھوڑ دیا گیا۔ لیکن ظاہر ہے ہم اس کا جواب نہیں دے سکتے تھے۔ البتہ میں نے افسر سے کہا۔

"آفیسر! میں نے تمہیں گھر پر اس لیے تکلیف دی ہے کہ میں اغوا کی تشہیر نہیں چاہتا۔ کیونکہ اس سے میری حیثیت متاثر ہوگی۔"

"سر! آپ اطمینان رکھیں ہم اس کی رپورٹ بھی درج نہیں کریں گے لیکن آپ یہ سمجھ لیجیے کہ مکمل پولیس آپ کے ساتھ ہے۔"

"میں آپ کا ذاتی طور پر شکر گزار ہوں آفیسر۔ ہم سب یہاں جاگ رہے ہیں۔ میرے پاس

جدوجہد کرنے کے لیے کوئی اشارہ نہیں ہے۔ جو میں بھاگ دوڑ کروں۔ بس میں یہیں آپ کی طرف سے کسی اطلاع کا انتظار کروں گا۔" رچرڈ بون نے اس موقع پر اپنے دوستوں کو واپس بھیج دیا۔ بلکہ اس نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا تھا کہ جس طرح میں پولیس آفیسر سے درخواست کر کے اس واقعے کی تشہیر روکنا چاہتا ہوں۔ اس سے غلطی ہوئی کہ وہ اپنے دوستوں کو یہاں لے آیا۔ میں نے اسے نظر انداز کر دیا اور رچرڈ بون سے کہا کہ اگر وہ بھی چاہے تو جا سکتا ہے۔ لیکن رچرڈ بون نے وہاں سے جانا پسند نہیں کیا۔ وہ اچی جٹی کے ساتھ میرے پاس رک گیا تھا اور مجھے تسلیاں دیتا رہا تھا۔ ساری رات اسی طرح گزر گئی۔ ہم انتظار کرتے رہے لیکن ہمیں کوئی جواب نہیں ملا۔ صبح کو میں نے رچرڈ بون سے کہا۔

"دوست! یہ زیادتی ہے اگر مجھے پولیس کی طرف سے کوئی اطلاع ملی تو میں تمہیں فوراً اطلاع کروں گا۔ تم جا کر آرام کرو۔" بہر حال وہ دونوں چلے گئے لیکن میری زندگی عذاب بن گئی۔ میں ایک پرسکون آدمی تھا۔ لیکن یہ اب کی بات ہے شعورا میری زندگی میں شامل ہو گئی۔ جب کہ کچھ عرصے قبل میں اتنا پرسکون نہیں تھا اور ہر عمل اس قدر برق رفتاری سے کرنے کا عادی تھا کہ دوسرا سوچتا ہی رہ جائے۔ لیکن جب سے میں نے شعورا کے ساتھ اپنی نئی زندگی کا آغاز کیا تھا۔ تو میں بہت پرسکون ہو گیا تھا۔ بہر حال کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جب انسان برائیوں کے راستے سے دور ہو جاتا ہے۔ یا سخت زندگی گزارنے سے پرہیز کر لیتا ہے تو حالات اسے اکساتے ہیں۔ ویسے میری کسی سے کوئی دشمنی بھی نہیں تھی۔ جس کی بنا پر میں یہ سوچتا کہ یہ دشمنی کا کوئی معاملہ ہے۔ اس کے علاوہ شعورا کی پوری زندگی سے بھی میں اچھی طرح واقف تھا۔ وہ ایک صاف ستھری لڑکی تھی اور اس کے نام کے ساتھ کبھی کسی دشمن کا کوئی تصور وابستہ نہیں تھا۔ ایک ایک لمحہ دھک دھک کر گزرتا رہا۔ سارا دن میں ٹیلی فون کے نزدیک بیٹھا رہا کہ ممکن ہے شعورا کے بارے میں کوئی اطلاع موصول ہو۔ لیکن ایسا نہ ہوا شام رات اور پھر اس وقت رات کے دو بجے تھے جب اچانک میرے ذہن میں دھماکہ ہوا۔ پہلی بار مجھے ایک ایسے شخص کا خیال آیا۔ جس نے مجھ سے ناخوشی کا اظہار کیا تھا اور اس نے ہاتھ نہ ملاتے ہوئے کہا تھا کہ میں خوش ہو کر واپس نہیں جا رہا۔ ہاتھ دوستوں سے ملائے جاتے ہیں۔ ان سے نہیں جن سے امیدیں ٹوٹ جاتی ہیں۔ دانش کا بدشکل چہرہ میرے سامنے آیا تھا اور اس کے ساتھ ہی میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ میں نے دانش کی ایک گہری پریشانی کو نظر انداز کر دیا تھا۔ ظاہر بات ہے اس کے انداز اور اس کی گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسے میری بات سے تکلیف پہنچی ہے۔ میرے پورے بدن میں ایک سنسنی سی دوڑ گئی اور پھر میں نے یادداشت پر زور دے کر دانش کا پتا یاد کیا۔ غالباً رچرڈ بون نے ہی مجھے بتایا تھا کہ دانش اس کے پاس نہیں بلکہ ایک اور ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہے۔ میرے دل میں خیال آیا کہ فوری طور پر دانش سے رابطہ قائم کیا جائے۔ بلکہ اس سے مل لیا جائے یہ ایک بہتر طریقہ رہے گا۔ میں نے فوراً ہی تیاریاں کیں اور بہت سے معاملات کے بارے میں سوچا ایک لمحے کے لیے میرے دل میں خیال آیا کہ رچرڈ بون کو بھی اس مسئلے میں شریک کر لوں لیکن پھر میں نے سوچا کہ اس طرح معاملہ الجھ جائے گا۔ بہر حال لباس تبدیل کرنے کے بعد میں نے اپنا ریوالور نکال کر جیب میں رکھا اور گاڑی لے کر نکل گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں مطلوبہ ہوٹل میں داخل ہو گیا۔ یہ شہر کے خوب صورت ترین اور اعلا ہوٹلوں میں سے ایک تھا۔ دن رات کی سروس تھی مگر

اس وقت ہال بہت سنسان تھا۔ لیکن مجھے اوپر جانے میں کوئی دقت نہیں ہوئی اور میں اوپری منزل میں پہنچ گیا۔ دل کی دھڑکنیں تیز ہو رہی تھیں۔ نہ جانے کیوں دماغ میں کسی خطرے کا احساس بھی ابھر رہا تھا جو کمرا نمبر مجھے بتایا گیا تھا اس کے سامنے پہنچ کر میں رکا اور اندر کی آوازیں سننے کی کوشش کرنے لگا۔ کچھ لمحوں کے بعد میں نے دروازے پر دستک دی اور کچھ لمحوں کے بعد دروازہ کھل گیا میرے سامنے دانش ہی کھڑا ہوا تھا۔ اس نے چونک کر مجھے دیکھا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو اور پھر وہ حیران لہجے میں بولا۔

"اوہو...... مسٹر قزل شانی آپ اس وقت خیریت۔"

"ہاں میں ہوں۔"

"آئیے آئیے اندر آئیے۔ آپ تنہا ہیں یا آپ کے ساتھ کوئی اور بھی ہے۔" اس نے پوچھا میں اندر داخل ہو گیا اور میں نے کہا۔

"جی مسٹر دانش میں تنہا ہی ہوں۔"

"آئیے پلیز بیٹھے۔ مجھے بڑی حیرت ہو رہی ہے۔ آپ اس طرح یہاں آئے۔ یقیناً کوئی اہم بات ہی ہو گی۔ بیٹھیے بیٹھیے پلیز میرے لیے بڑی حیرانی کی بات ہے۔"

"ہاں حیرانی کی بات واقعی ہے۔ مسٹر دانش! آپ نے مجھے اپنے دوستوں میں تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔"

"کیا مطلب؟" دانش نے حیرانی سے کہا۔ لیکن اس کا چہرہ بالکل بے تاثر تھا۔ اس کے چہرے سے کچھ معلوم کر لینا واقعی مشکل تھا۔ وہ بولا۔

"بہر حال آپ مجھے بتائیے کہ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔"

"آپ کا کیا خیال ہے آپ مجھے خود بتا دیجیے کہ اس وقت آپ میری کیا خدمت کر سکتے ہیں۔" میں نے اندھیرے میں تیر پھینکا۔

"تعجب کی بات ہے۔ نہ جانے آپ کیا کہہ رہے ہیں۔"

"نہیں میرے خیال میں تعجب نہیں ہے۔"

"آپ مجھے کچھ بتائیے تو سہی۔ مسئلہ کیا ہے۔"

"ایک الجھن پیش آ گئی ہے مسٹر دانش۔"

"کیا؟"

"غالباً اس دن میرے انکار سے آپ اس حد تک بددل ہو گئے کہ آپ نے مجھے سزا دینے کا فیصلہ کر لیا۔ میں نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کے مکروہ باریک ہونٹوں پر کچھ کھچاوٹ سی پیدا ہوئی جیسے وہ مسکرا رہا ہو۔ پھر وہ بولا۔

"نہیں مسٹر شانی! ملک آپ کا، شہر آپ کا، بس ایک روایت ہوتی ہے مسٹر قزل شانی کہ اگر کوئی کسی کے پاس آتا ہے تو اس کی تھوڑی بہت خاطر ضرور کرنی چاہیے۔ ارے ہاں کیا خیال ہے کافی کیسی رہے گی اس وقت۔"

"پلیز...... تکلیف نہ کریں میں چاہتا ہوں کہ معاملے کی بات ہو جائے۔" میں طاقت ور حریف

استعمال کر رہا تھا۔

"ہر معاملے کی بات ہو جائے گی سب سے بڑی بات یہ ہوتی ہے کہ ذہنوں میں وسعت رکھ کر بات کی جائے۔"

"تو سب سے پہلے آپ اپنی ذہنی وسعت کے ساتھ یہ تسلیم کریں کہ واقعی آپ نے......" میں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ دانش پرسکون انداز میں اپنی جگہ سے آگے بڑھا اور اس نے ٹیلی فون پر روم سروس کو کافی لانے کی ہدایت کی۔ پھر آہستہ قدموں سے چلتا ہوا ایک صوفے پر جا بیٹھا۔

"بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں۔ مسٹر قزل شائی! جن پر انسان کی زندگی کا انحصار ہوتا ہے۔ آپ خود مجھے بتائیے کہ معمولی سے کام بہت معمولی سے کام کے لیے آپ نے مجھے منع کر دیا۔ بہت فاصلے طے کر کے میں آپ کے پاس پہنچا تھا۔ آپ دوستانہ نہ سہی انسانی ہمدردی کے طور پر اگر میری مشکل کا حل تلاش کر لیتے تو اس میں کوئی بہت بڑا حرج تو نہیں تھا۔

"ہاں نہیں تھا بے شک لیکن اس کے نتیجے میں آپ نے جو کچھ کیا......" میں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور اپنے الفاظ کا تاثر دانش کے چہرے پر تلاش کرنے لگا۔ لیکن یہی سب سے بڑی مشکل تھی۔ دانش کا اس بارے میں نہ چونکنا اور خاموشی اختیار کر جانا۔ مجھے اس بات کا یقین دلا رہا تھا کہ شعورا کے اغوا میں اس کا ہاتھ ہے۔ روم سروس نے بڑی پھرتی کا مظاہرہ کیا دروازے پر دستک ہوئی اور دانش جلدی سے اٹھ کر خود دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ پھر اس نے ویٹر کو واپس جانے کی ہدایت کی اور خود کافی کی ٹرے لیے ہوئے میرے سامنے پہنچ گیا۔ اس کے ہونٹ اسی مکروہ انداز میں کھنچے ہوئے تھے۔ پھر اس کے بعد اس نے خاموشی سے گردن جھکا کر کافی بنائی۔ ایک پیالی میری طرف سرکائی اور دوسری خود اپنے ہاتھ میں لے کر بیٹھ گیا۔

"کافی لیجیے کافی۔ یہ فوری طور پر ذہنی سکون دیتی ہے۔ گفتگو تو ہوتی ہی رہتی ہے۔"

"آپ نے کہا تھا یہ میرا شہر ہے، میرا ملک ہے لیکن مسٹر دانش میرے شہر، میرے ملک میں آپ نے بڑی ذہانت سے مجھ پر ہی ہاتھ صاف کر دیا۔"

"دیکھیے انسان کا تعلق جذبات سے ہوتا ہے۔ غلطی تو ہر ایک سے ہو جاتی ہے۔ آپ سے بھی مجھ سے بھی۔ آپ بھی جذباتی ہو سکتے ہیں اور میں بھی جذباتی ہو سکتا ہوں۔"

"گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ شعورا آپ کی تحویل میں ہے۔" میں نے اپنے ان الفاظ کا اثر دیکھنے کے لیے کافی کی پیالی اٹھائی اور چسکیاں لینے لگا۔ ویسے اب کوئی شبہ باقی نہیں رہ گیا تھا۔ مجھے یقین ہوتا جا رہا تھا کہ شعورا کو دانش نے ہی اغوا کیا ہے اور ایک وجہ صاف ظاہر تھی۔ میں نے چونکہ اسے اس کے کام سے منع کر دیا تھا اس لیے اس نے میرے خلاف یہ کارروائی کی تھی۔ ابھی میں نے کافی کے چند ہی گھونٹ لیے تھے کہ دفعتاً مجھے اپنی پلکیں بوجھل محسوس ہونے لگیں اور میں نے چونک کر آنکھیں پھاڑیں۔ دانش یہاں بھی شاید کوئی کام دکھا گیا تھا۔ میں نے کافی کی پیالی بہ مشکل تمام میز پر رکھی اور دانش کی طرف دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن اس کا چہرہ دھندلا رہا تھا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ لیکن صورت حال کچھ ہی دیر بعد سمجھنے کے قابل نہ رہی۔ میرا ذہن آہستہ آہستہ ماؤف ہوتا جا رہا تھا۔ یہ شخص شیطان سے زیادہ چالاک تھا۔ آخر کار

میں بے ہوش ہو گیا جب وہ ویٹر سے کافی لینے گیا تھا تو اس نے ضرور ایسی کارروائی کر ڈالی تھی جو بعد میں میرے لیے بے ہوشی کا باعث بنی۔ پھر نہ جانے کب مجھے ہوش آیا تھا۔ لیکن جب ہوش آیا تو اس وقت بھی میری آنکھوں کے سامنے دائرے رقص کر رہے تھے اور میرے بدن میں ایک عجیب سی سنسنی ہو رہی تھی۔ چکر آ رہے تھے یوں لگ رہا تھا جیسے بدن ہل رہا ہو۔ میں نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ لیکن پھر اچانک ہی اس زور کا چکر آیا کہ میں نے گرنے سے بچنے کے لیے میز کا سہارا لیا میز پر کوئی ڈیکوریشن پیس رکھا ہوا تھا جو گر کر ٹوٹ گیا۔ ڈیکوریشن پیس کے گرنے کی آواز کمرے میں پھیلی تو دروازے پر آہٹ ہوئی۔ میں نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ سادہ سے لباس میں ملبوس ایک لڑکی کھڑی ہوئی تھی۔ اس نے مجھے میز کا سہارا لیتے ہوئے دیکھا اور آہستہ آہستہ میرے قریب آ گئی۔ پھر بولی۔

"براہ کرم آپ بیٹھ جائیے۔"

"آہ یہ...... یہ کمرا ہل رہا ہے۔"

"اسی لیے میں عرض کر رہی ہوں کہ بیٹھ جائیں۔" لڑکی بولی۔ میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور پھر کہنے لگا۔

"تم کون ہو؟"

"شیلانا۔" اس نے جواب دیا۔

"شی۔ لانا۔ مگر شیلانا یہ کمرا کیوں ہل رہا ہے۔"

"کیونکہ یہ کوئی کمرہ نہیں ہے سر! بلکہ ایک بڑے اسٹیمر کا کیبن ہے اور یہ اسٹیمر سمندر میں لنگر انداز ہے۔ سمندر میں اٹھنے والے بگولے اس اسٹیمر کو متحرک کیے ہوئے ہیں۔ اب آپ کو صورت حال کا صحیح اندازہ ہو جائے گا۔" لڑکی نے سکون سے جواب دیا اور ایک بار پھر میرے ذہن میں گرم گرم لہریں دوڑنے لگیں۔ میں نے حیرانی سے اس کی صورت دیکھی اور بولا۔

"لیکن میں یہاں کیسے آ گیا بلکہ مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے۔ پلیز شیلانا کیا تم مجھے بتانا پسند کرو گی۔"

"سوری سر! اس کے بارے میں مسٹر دانش ہی جواب دے سکیں گے۔" لڑکی نے بے خوفی سے کہا اور میں اچھل پڑا۔

"دانش۔"

"جی۔" میرے ذہن میں شدید گڑگڑاہٹیں ہو رہی تھیں۔ میں نے اپنی کیفیت کو سنبھال کر کہا۔

"میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔ کیا آپ اس کا انتظام کر سکتی ہیں۔"

"ہاں آپ تشریف رکھیے میں انہیں آپ کے جاگ جانے کی اطلاع دیتی ہوں۔ پلیز اگر آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو براہ کرم مجھے بتا دیجیے۔"

"نہیں شکریہ شیلانا! آپ اس طرح کریں کہ مسٹر دانش کو فوری طور پر میرے بارے میں اطلاع دے دیجیے بلکہ انہیں میرے پاس بھیج دیں۔"

"اوکے سر اوکے۔" لڑکی نے کہا اور باہر نکل گئی۔ ایک لمحے کے اندر مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ

دروازہ بند ہو گیا ہے۔ میں لرزتے ہوئے قدموں سے اپنی جگہ جا بیٹھا۔ لیکن اب میرا پورا وجود آگ میں جھلس رہا تھا۔ یہ شخص اس قدر خطرناک نکلے گا میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ بظاہر تو وہ بس رچرڈ بون کے ساتھ آنے والا ایک شخص تھا لیکن یہاں میرے وطن میں اس کے پاس ایسے وسائل کہاں سے آ گئے۔ ایک بار پھر میں شعورا کی طرف سے مضطرب ہو گیا۔ پتا نہیں اس کمینے نے شعورا کے ساتھ کیسا سلوک کیا ہوگا۔ میرے دل میں دانش کے لیے نفرت کا سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ پھر زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دروازہ کھلا اور دانش اندر داخل ہو گیا۔ وہ اس وقت بھی ایک قیمتی لباس میں ملبوس تھا۔ ویسے میں نے محسوس کیا تھا کہ اسے عمدہ قسم کے لباس پہننے کا شوق ہے پہلے اس بات پر میں نے غور نہیں کیا تھا لیکن اس وقت وہ جس اعلیٰ درجے کا سوٹ پہنے ہوئے تھا۔ اس کے بعد مجھے اس کا خیال آیا اور اس نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔

"اپنی چھوٹی سی دنیا میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں۔ مسٹر قزل ثنائی۔"

"ہاں بعض دفعہ باتیں ایسی ہوتی ہیں مسٹر دانش جنہیں انسان سرسری طور پر سن کر نظر انداز کر دیتا ہے۔ حالانکہ تم نے مجھے اپنے متعلق بتایا تھا کہ تم نے اپنی زندگی مجرمانہ طور پر گزاری ہے۔ لیکن ایک اندازہ مجھے ہو چکا ہے۔ وہ یہ کہ تم انتہائی گھٹیا قسم کے مجرم ہو گے۔ یہ انداز کسی پروقار شخصیت کے نہیں ہوتے۔"

"ممکن ہے۔ آپ آرام سے بیٹھیے۔ ہم لوگ جو کچھ بھی ہیں لیکن کم از کم ہمیں گفتگو کا سلیقہ ضرور آتا ہے۔"

"میری بیوی کہاں ہے۔" میں نے براہ راست سوال کیا۔

"میڈم! اسی اسٹیمر پر موجود ہیں اور نہایت آرام سے ہیں۔ میں نے ان کی عزت اور احترام میں کوئی کمی نہیں اٹھا رکھی۔"

"اسے یہاں لے آؤ۔" میرے حلق سے غراہٹ نکلی۔

"میں جانتا ہوں۔ آپ کے ذہن میں میرے لیے اس وقت، بہت غصہ اور نفرت ہوگی لیکن سوری۔ انسان جب اپنے مسائل میں اس قدر الجھ جاتا ہے کہ اخلاقیات کھو بیٹھے تو پھر اس سے کسی بہتری کی توقع رکھنا فضول ہوتا ہے۔ کم از کم آپ اس فلسفے سے تو اتفاق کرتے ہوں گے۔"

"ایک مجرم اسی انداز میں سوچ سکتا ہے۔ مسٹر دانش! تم اب مجھے بلیک میل کر کے اپنا یہ کام کرانا چاہتے ہو۔ ویسے میں تمہیں بتاؤں کہ پہلے بھی میرا واسطہ تم جیسے لوگوں سے پڑ چکا ہے۔ تم پہلے انسان نہیں ہو تم سے پہلے عجیب عجیب سر پھرے میرے پاس نقشے لے کر پہنچے۔ میں نے ان میں سے چند کی مدد بھی کی ہے لیکن بہتر نتائج نہیں نکلے اور وہ میرے دشمن بن گئے۔ انہوں نے میری زندگی کی زنجیر کاٹنے کی کوشش کی اس خوف کے ساتھ کہ اس نقشے کا راز پا کر میں خود بھی ان خزانوں کو حاصل کرنے کی کوشش نہ کروں۔ جو زمین میں پوشیدہ ہیں یہ نقشے اس کے علاوہ اور کیا دلکشی رکھتے ہیں" میرے ان الفاظ پر شاید پہلی بار اسے تازیانہ لگا تھا۔ اس کا چہرہ آہستہ آہستہ رنگ بدلنے لگا پھر اس کی آواز میں غراہٹ ابھر آئی اور بولا۔

"لیکن میری کہانی فریب نہیں تھی مسٹر قزل ثنائی۔"

"ان سب نے بھی یہی کہا تھا۔" میں نے جواب دیا اور وہ خاموشی سے مجھے دیکھتا رہا پھر بولا۔

"بہتر تو یہ ہوتا ہے کہ آپ انہی لائنوں پر غور کرتے جن کے بارے میں، میں نے آپ کو بتایا تھا۔ میری پوری زندگی الجھی ہوئی ہے اور میں اپنی اس زندگی کی اس ڈور کو سلجھانا چاہتا ہوں۔ لیکن آپ یہ سمجھتے ہیں کہ جو تعویذ میں آپ کو دکھانا چاہتا ہوں۔ وہ کسی خزانے کا نقشہ ہے۔ تو پھر اس کے ساتھ ساتھ آپ یہ بھی سمجھ لیجیے کہ اس خزانے کا تعلق میرے ماضی سے بھی ہوگا۔ میں ہر قیمت پر اسے تلاش کرنا چاہتا ہوں۔۔ آپ تصور نہیں کر سکتے کہ میں کتنی امیدیں لے کر آپ کے پاس پہنچا تھا۔ مگر آپ نے اپنے دوست رچرڈ بون کا بھی خیال نہیں کیا۔ خیر یہ آپ کا اپنا ذاتی مسئلہ تھا میں آپ سے دو ٹوک گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ میں ہر حال میں آپ کی مدد چاہتا ہوں آپ کو ہر قیمت پر مجھے اس پراسرار تحریر کا راز بتانا ہوگا اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو معاف کیجیے گا تو پھر کوئی بھی بھیانک المیہ آپ کا انتظار کرے گا اور اس کے ذمہ دار آپ خود ہوں گے۔"

"ہوں...... ٹھیک ہے میں آپ سے سودا کر سکتا ہوں لیکن ایک بدلی ہوئی شکل میں۔"

"کیا؟" اس نے سوال کیا۔

"شعورا کو میرے پاس لے آؤ میں تمہاری مدد کروں گا اور تمہیں تفصیل بتا دوں گا۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے ہونٹ کھولے لیکن میں نے کہا۔

"نہیں سنو۔ مجھ میں اور تم میں ایک بہت بڑا فرق ہے تم نے اپنی زندگی جرم کی دنیا میں گزاری ہے اور میں ایک پروقار شخصیت کا مالک رہا ہوں۔ تمہیں مجرمانہ عمل کرتے ہوئے بہت سے جھوٹ بولنا پڑتے ہوں گے۔ مجھے نہیں چنانچہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ ایک بہت بڑی سچائی ہے۔" وہ میری طرف دیکھ کر بولا۔

"آپ بہت صاف گوئی سے گفتگو کرتے ہیں مسٹر ثنائی! بعض اوقات یہ صاف گوئی نقصان دہ بھی ثابت ہو سکتی ہے۔ خیر چھوڑیے۔ آپ نے سب سے اچھا کام یہ کیا ہے کہ تنہا ہی مجھ تک آ پہنچے۔ اگر آپ اپنی طاقت کا مظاہرہ قانون کے ذریعے کرتے تو سمجھ لیجیے کہ سب سے بڑی غلطی کرتے۔ یہاں تنہا آ کر آپ نے میرے اور اپنے درمیان گفتگو کے راستے کھلے رکھے ہیں۔"

"میں شعورا سے ملنا چاہتا ہوں۔ اسے میرے پاس لے آؤ۔"

"نہیں اس سلسلے میں، میں معافی چاہتا ہوں۔" اس نے سرد لہجے میں کہا اور میں چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ پھر میں نے کہا۔

"کیوں؟"

"میں چاہتا ہوں مسٹر ثنائی کہ آپ میری مدد کریں۔ اس نقشے اور تحریر کو پڑھیں اور اس کا اصل تلاش کریں۔ آپ آخری آدمی ہیں اس کے بعد شاید میں زندگی میں کسی اور شخص کو تلاش کرنے کی ہمت نہیں رکھتا۔ آپ کو میں اس انداز میں نہیں چھوڑ سکتا چاہے بقیہ زندگی بھی اسی وحشت میں گزر جائے۔" اس کا لہجہ اور اس کا انداز بتا رہا تھا کہ بدبخت جو کچھ کہہ رہا ہے وہی کرے گا چنانچہ میں نے کہا۔

"سنو...... تم جس طرح سے چاہو گے میں تیار ہوں لیکن میرے ذہنی سکون کے لیے شعورا کو مجھ تک پہنچا دو۔"

"بالکل نہیں اس کے لیے میں معذرت چاہتا ہوں۔ وہ آپ کو اس وقت تک نہیں مل سکتی مسٹر ثنائی

جب تک میرا مسئلہ حل نہ ہو جائے۔ میں جانتا ہوں انسانی فطرت کے مطابق آپ کے دل میں میری نفرت انتہا کو پہنچ چکی ہوگی۔ آپ کو اپنی بیوی کی طلب ہے اور مجھے اپنے ماضی کی لیکن میں اپنا ماضی تلاش کیے بغیر آپ کو آپ کی بیوی سے نہیں ملنے دوں گا۔ سوچ لیجیے۔ غور کر لیجیے۔ میں آپ کو وقت دے رہا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ اچانک اپنی جگہ سے اٹھا اور کیبن سے باہر نکل گیا۔ میں منہ کھول کر اسے آوازیں ہی دیتا رہ گیا لیکن کیبن کا دروازہ معمول کے مطابق پھر باہر سے بند ہو چکا تھا۔ میرے ذہن میں سناٹے چھائے ہوئے تھے.. اس بات کا تو مجھے یقین ہو گیا تھا کہ شعورا اسی کے پاس ہے اور اس کے علاوہ کوئی ترکیب نہیں تھی کہ اس سے تعاون کیا جائے۔ رات کو مجھے کیبن سے نکال کر اسٹیمر ہی کے ایک دوسرے حصے میں لے جایا گیا۔ جہاں کھانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ دانش یہاں میرا منتظر تھا لیکن اس کے ساتھ ہی کچھ اور افراد بھی موجود تھے۔ میں نے سوچا کہ آخر اس شخص نے یہ افراد کہاں سے جمع کر لیے۔ یہ مقامی لوگ نہیں تھے۔ دانش نے کہا۔

"آئیے مسٹر ثنائی! یہ تمام لوگ آپ سے متعارف ہیں اور امید ہے کہ آگے چل کر آپ بھی ان سے متعارف ہو جائیں گے۔"

"آگے چل کر اس سے تمہاری کیا مراد ہے۔" میں نے سوال کیا۔

"میرا مطلب ہے ہر کام آہستہ آہستہ ہونا چاہیے۔"

"بہرحال میں نہیں سمجھتا کہ تمہارا مطلب کیا ہے۔"

"میں آپ کو ایک بار پھر پیش کش کرتا ہوں۔ مسٹر قزل ثنائی! کہ آپ ہم لوگوں کے ایک مخلص ساتھی بن جائیں۔ معذرت کے ساتھ یہ بات کہنا پڑ رہی ہے کہ آپ نے جس پس و پیش سے کام لیا ہے اس نے ہمارے درمیان ایک خلا پیدا کر دیا ہے۔"

"خیر مسٹر دانش خلا پیدا بھی ہوتے ہیں اور پر بھی ہو جاتے ہیں۔" میں نے مفاہمت کی جانب پہلا قدم بڑھایا۔

"ہاں یہ تو ہے لیکن اب یہ بتائیے کہ آپ نے کیا فیصلہ کیا اس بارے میں۔"

"اپنے ان ساتھیوں کے سامنے مجھے رسوا کرنا چاہتے ہو تو ٹھیک ہے میں ہتھیار ڈال رہا ہوں۔"

"نہیں مائی ڈیئر مجبوراً ایسا کرنا پڑ رہا ہے لیکن اگر آپ ہمارے ساتھ تعاون پر آمادہ ہو گئے ہیں تو ہتھیار ڈالنے کا تصور ذہن سے نکال دیں۔ آپ ہمارے لیے ایک بہت ہی معزز شخصیت ہیں اور صحیح معنوں میں ہم سب میں منفرد اور بڑی حیثیت کے مالک! کیونکہ ہماری بے شمار امیدیں آپ سے وابستہ ہیں۔ ایک معزز ساتھی کی حیثیت سے ہم آپ کے درمیان دوستی کی پیش کش کرتے ہیں چلیے کھانا شروع کیجیے۔ مجھے آپ کے فیصلے کا اندازہ ہو گیا ہے اور میں اس سے بے حد خوش ہوں۔ آئیے پلیز۔" سب نے کھانے کی جانب ہاتھ بڑھا دیے۔ ہر چند کہ میرے ذہن میں نفرتوں کا لاوا ابل رہا تھا۔ کوئی شخص اگر کسی کو کوئی غلط کام لینے کے لیے اس طرح مجبور کرے تو پھر اس شخص کو اپنے آپ پر قابو پانا واقعی مشکل ہو جاتا ہے۔ میں اس وقت اس عمل سے گزر رہا تھا جو میرے لیے انتہائی تکلیف دہ تھا۔ لیکن صورت حال کا جائزہ لے کر اس کی نزاکت کا احساس کرنا بھی عقل و دانش سے تعلق رکھتا ہے۔ میں شعورا کے لیے ہر کام کرنے کو تیار تھا۔ کیونکہ وہ میری زندگی کی ایک

بہت اچھی ساتھی تھی۔ میں اسے کوئی اذیت نہیں پہنچنے دے سکتا تھا۔ بہرحال کھانے سے فراغت کے بعد مجھے اپنے کیبن میں بھیج دیا گیا مجھے یہ بھی بتایا گیا تھا کہ اس سلسلے میں اس کا دوسرا قدم کیا ہوگا۔ مجھے بھی سوچنے کا موقع مل گیا تھا۔ کچھ عجیب سے احساسات دل میں آ رہے تھے۔ رچرڈ بون کی طرف سے بھی ایک لمحے کے لیے یہ خیال پیدا ہوا کہ کیا وہ واقعی ایک صاف ستھری شخصیت کا مالک ہے۔ یا پھر اس کے پس پردہ کوئی گڑبڑ ہے۔ لیکن رچرڈ بون جیسی شخصیت پر شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پھر ایک اور وحشت ناک خیال میرے دل پر سوار ہو گیا۔ وہ یہ کہ کہیں رچرڈ بون نے بھی کسی بڑی دولت کے لالچ میں دانش سے تعاون تو نہیں کیا۔ سمجھ میں نہیں آتا دنیا کے رنگ ایسے ہی ہیں۔ ہو سکتا ہے رچرڈ بون جان بوجھ کر دانش اور اس کے ساتھ کے پورے گروپ کو لے آیا ہو۔ گروپ کا تذکرہ تو خیر مجھ سے کرنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ کیونکہ میں اسے میرے خلاف عمل کرنا تھا۔ لیکن رچرڈ بون نے نہایت ذہانت کے ساتھ دانش کو مجھ تک پہنچا دیا۔ حال اب جو ہوگا آنے والا وقت اس کی صحیح تفصیل بتائے گا۔ نہ جانے کب تک یہ سوچیں میرے دل و دماغ پر سوار رہیں۔ پھر خاصی رات گئے دانش میرے پاس پہنچا اس کے جسم پر اس وقت بھی ایک خوب صورت لباس تھا اور وہ کامیابی سے مسکرا رہا تھا۔ بڑے دوستانہ انداز میں اس نے میرے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

"میں چاہتا ہوں مسٹر ثنائی! کہ اب تم اپنے کام کا آغاز کر دو۔ میں اپنی زندگی کی سب سے قیمتی چیز تمہارے حوالے کر رہا ہوں۔ لیکن یوں سمجھ لینا کہ اس قیمتی چیز کا بدل دوسری قیمتی چیز یعنی تمہاری بیوی ہے۔ کسی قسم کا فریب یا نقصان پہنچانے کی کوشش اپنے طور پر کر سکتے ہو اور شاید تم اس میں کامیابی بھی حاصل کر سکو۔ لیکن نتیجے میں تمہیں اپنی بہت ہی پیاری شخصیت بھی کھو دینی پڑے گی۔"

"دھمکیاں دے کر دوست بنانے کا طریقہ آپ ہی کی خوبی ہے مسٹر دانش۔"

"نہیں سمجھتے یار تم۔ تم نہیں سمجھتے۔ میں کتنی ذہنی اذیتوں کا شکار رہوں ایک شخص جو اپنے آپ کو نہیں جانتا۔ یہ نہیں معلوم کہ یہ کون ہے اور یہ جانتا ہے کہ اس تعویذ میں اس کی شخصیت کا راز پوشیدہ ہے۔"

"میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں ایسے کھیل درجنوں بار میرے سامنے آئے ہیں تم اس تحریر کو پراسرار رنگ دے کر مجھ سے اس کی تفصیل جاننا چاہتے ہو۔ لیکن جو کچھ تمہارے دل میں ہے مجھے اس کا بھی اندازہ ہے۔" دانش نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"بس یہی تمہاری غلط فہمی ہے۔ جو ہماری دوستی کی راہ میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔" میں نے طنزیہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"اگر یہ میری غلط فہمی ہے تو کیا یہ بتانا پسند کرو گے کہ تمہارے پاس یہ باہر کی دنیا سے جو لوگ آئے ہوئے ہیں کیا یہ سب تمہاری شخصیت کو جاننا چاہتے ہیں۔ میرا مطلب ہے ان سب کو اس تعویذ کی تحریر سے دلچسپی ہے۔" دانش کے ہونٹ ایک بار پھر مسکراہٹ کے انداز میں کھنچے پھر اس نے کہا۔

"دنیا بہت بڑی ہے۔ میرے دوست! اس بات سے میں ہی نہیں تم بھی ضرور واقف ہو گے میں اس بری دنیا کا ایک برا انسان ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ جب تک کسی کو لالچ نہ دیا جائے کسی کو کسی مشکل میں مجبور نہ کر دیا جائے۔ کوئی کسی کے ساتھ ہمدردی سے کام پر آمادہ نہیں ہوتا۔ یہ لوگ میرے ساتھ

رلچ میں آ گئے ہیں اور تم یقین کرو یہ لوگ بڑے مضبوط اور توانا لوگ ہیں اور وہ سب کچھ کر سکتے ہیں جو میں ان سے چاہوں کیا اس سے زیادہ اور کچھ کہنا میرے لیے ضروری ہے۔ کیا تم اب بھی میری بات کا مفہوم نہیں سمجھ سکو گے۔"

"لاؤ یہ تعویذ مجھے دے دو۔ کاغذ، قلم وغیرہ کا بندوبست بھی کر دو لیکن ایک بات کو ذہن میں رکھنا۔ اس کی تحریر اس وقت تمہارے سامنے آئے گی جب تم شستور کو میرے حوالے کر دو گے۔"

"دیکھو یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ اس وقت کی صورت حال کو سمجھو اس وقت تم مجھ سے سودے بازی کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہو۔ اس لیے میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ اس میں میری زندگی کے بہت سے مسائل پوشیدہ ہیں۔ میں تمہیں خوش رکھنے کی کوشش کروں گا۔" اس نے بدستور چالاکی سے جواب دیا۔ اور پھر اس نے یہ تعویذ میرے حوالے کر دیا۔ بہر حال اب ساری باتیں اپنی جگہ تھیں۔ مجھے یہ کام کرنا ہی تھا چنانچہ میں نے تیز روشنی کا انتظام کیا۔ پھر قلم اور کاغذ لے کر بیٹھ گیا۔ تعویذ کی جھلی کھول کر میں نے اس میں سے وہ پوشیدہ کاغذ نکالا۔ جو کسی جھلی ہی کا بنا ہوا تھا۔ اس پر ایک تحریر نمایاں تھی میں نے اپنی زندگی میں بہت سے راز حل کیے تھے۔ یہ خیال بھی میرے دل میں تھا کہ اگر میں اس تعویذ کی تحریر نہ پڑھ سکا اور دوسرے لوگوں کی مدد میں نے اس سے یہی کہا تو کیا وہ اس بات کو تسلیم کر لے گا اور اگر نہیں کرے گا تو اس کے بعد اس کا رویہ کیا ہو گا۔ بجائے اس کے کہ نئے جھگڑے پیدا کیے جائیں۔ میں اس تحریر کا معما حل کرنے کی کوشش کروں اور اس کے بعد میں اپنی فطرت کے مطابق اس تحریر میں کھو گیا۔ اور رفتہ رفتہ سب کچھ میرے ذہن سے نکل گیا۔ میں یہ بھول گیا کہ میں یہ سب کس کے لیے کر رہا ہوں۔ میری شناسائی عمل کر رہی تھی۔ یہ بڑی عجیب تحریر تھی۔ ناقابل یقین سی کیفیت کی مالک اس میں قدیم چینی زبان کو توڑ کر عربی زبان میں جملے ترتیب دیے گئے تھے۔ نقوش بنائے گئے تھے اور یہ خاص جگہ کی نشان دہی کرتے تھے۔ لیکن جملوں میں سے چینی زبان کے ٹکڑے اور عربی زبان کے ٹکڑے الگ الگ کر دیے جائیں تو ایک عجیب و غریب چیز بن جاتی تھی۔ میں ایسا ہی کرتا رہا بہت مشکل کام تھا اس کو سمجھنا بھی لیکن بہر حال میں نے یہ بات محسوس کر لی تھی کہ چینی زبان کے مخصوص الفاظ جن کے صرف نقوش ہوا کرتے ہیں۔ عربی زبان سے جوڑ کر ایک انتہائی پراسرار تحریر بنائی گئی تھی اور یہ کسی عام انسان کا کام نہیں تھا۔ میں جو بات کہہ رہا ہوں وہ حماقت پر مبنی ہے۔ لیکن انسان ایسی ہی فطرت کا مالک ہوتا ہے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر میں ان صلاحیتوں کا مالک نہ ہوتا۔ تو کوئی بھی اس تحریر کو نہیں پڑھ سکتا تھا۔ آخر کار میں نے اس تحریر کا راز حاصل کر لیا۔ چینی زبان الگ اور عربی زبان الگ کرنے کے بعد جب میں نے یہ تحریر پڑھی تو میں خود حیران رہ گیا اور مجھے یہ اندازہ ہونے لگا کہ کم از کم دانش جو کچھ کہہ رہا ہے وہ ایک سچ ہے وہ خود اپنی حقیقت سے ناآشنا ہے۔ کم از کم اس کی سچائی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن پھر اچانک ہی میری اپنی فطرت ابھر آئی۔ میرے دل میں انتقام کی ایک لہر اٹھی۔ اس شخص نے اگر اپنے آپ کو بہت زیادہ چالاک سمجھ کر مجھے مجرمانہ طور پر اس طرح اپنے قابو میں کر لیا ہے۔ تو اب وقت میرے ہاتھ میں ہے اب یہ میں ہوں جو اس سے انتقام لے سکتا ہوں اور حقیقی معنوں میں اس وقت میرے دل و دماغ میں دھواں سا بھر گیا تھا۔ میرے حلق سے غراہٹ نکلی۔

"سزا دوں گا تجھے دانش! میں تجھے وہ سزا دوں گا جو شاید کسی انسان نے کسی انسان کو نہ دی ہو۔"

اس کے بعد میں نے کاغذ پھاڑ ڈالے۔ جو اب تک ترتیب دیے تھے۔ اس کے بعد میں نے ان کاغذوں کو جلا کر راکھ کر دیا اور صرف ایک کاغذ کو پھیلا کر اس کی تکمیل کرنے لگا اور ان نشانات کو واضح شکل دینے لگا۔ اس کام میں مجھے صبح کے پانچ بج گئے تھے۔ لیکن جب میں نے فارغ ہونے کے بعد اس کاغذ کو سامنے رکھا تو درحقیقت میرے دل میں ایک خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اس وقت میں ایک سفاک انسان بن چکا تھا۔ اپنا اپنا انداز ہوتا ہے۔ کوئی برا آدمی قتل و غارت گری کی سوچتا ہے لیکن کسی شریف آدمی کو اگر کوئی برائی پر آمادہ کرے تو پھر وہ برائی اس قدر خوفناک ہوتی ہے کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔ بہت دیر تک میں اپنے منصوبوں میں ڈوبا رہا اور پھر تمام چیزیں رکھنے کے بعد اپنے بستر پر جا لیٹا۔ لیکن وہ پراسرار داستان جو میں نے اس تعویذ سے اخذ کی تھی۔ میرے ذہن میں گردش کرنے لگی۔ یہ ناقابل یقین داستان عقل سے اوپر کی چیز تھی۔ میں آثار قدیمہ کا آدمی تھا ایسی پراسرار داستان کے وجود سے منکر نہیں ہو سکتا تھا۔ عجائبات عالم میں نہ جانے کیا کیا کچھ بکھرا پڑا ہے۔ یہ تحریر میرے لیے انتہائی عجیب و غریب تھی۔ لیکن اگر اس تحریر کی عملی شکل سامنے آ گئے۔ تو ایک بار پھر شاید مجھے مہم جوئی کی دنیا میں واپس لوٹنا پڑے۔ ان ناقابل یقین واقعات کو اس طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ویسے میں چاہ رہا تھا کہ اب میں باقاعدہ دانش کے ساتھ شامل ہو جاؤں اور اس مہم کو سرانجام دوں اس کے ساتھ ساتھ ہی میں دانش کو وہ سزا دوں جو اس نے میری بیوی کو تکلیف دی ہے اور یہی اب میرا انتقام تھا۔ ٹھیک ہے دانش میری جان تم نے بڑی چالاکی سے مجھ سے اپنا کام سرانجام دلانے کی کوشش کر رہے تھے۔ لیکن آنے والا وقت۔ جس طرح سے تم پر گزرے گا۔ تم کیا اس دور کی تاریخ اسے نہیں بھول سکے گی۔ اس کے بعد میں نے آنکھیں بند کر لی تھیں لیکن صبح تک میں سو نہیں سکا تھا۔ نہ جانے کیسے کیسے مناظر میری آنکھوں میں گردش کر رہے تھے اور دوسری صبح پوری طرح اجالا بھی نہیں پھیلا تھا کہ دانش میرے کیبن میں آ گیا غالباً وہ بھی ساری رات جاگتا رہا تھا اور اس کے آثار اس کے چہرے سے نمایاں تھے اس نے آتے ہی کہا۔

"نہ جانے کیوں مجھے یقین ہے مسٹر شائی کہ آپ نے ضرور اس تحریر کے بارے میں کچھ نہ کچھ معلوم کر لیا ہو گا۔"

"میں اس بات پر حیران ہوں کہ دنیا سے صاحب فن لوگ کیا مٹ چکے ہیں۔"

"مطلب؟"

"تم نے اس تحریر کو کسی سے پڑھوانے کی کوشش نہیں کی۔"

"پھر وہی سوال کروں گا مطلب۔"

"یہ کوئی مشکل تو نہیں ہے۔"

"کیا واقعی۔ کیا واقعی تم نے اس کا معما حل کر لیا ہے۔ آہ...... دنیا میں تمہارے جیسے لوگ ہیں یا بھی تو نہیں۔ میرے دوست صرف تمہاری مہارت ہے ورنہ میں نے اس کے لیے کیا کچھ نہیں کیا۔ بہر حال تم مجھے بتاؤ۔ تم نے وہ تحریر سمجھ لی ہے نا۔"

"یہ واقعی اتنی مشکل نہیں تھی لیکن۔"

''لیکن سے آگے کہو تم اس وقت میری اعصابی کیفیت کے بارے میں نہیں جانتے۔'' وہ بے چین لہجے میں بولا۔

''مجھے اس کا پس منظر نہیں معلوم ہو سکا۔''

''خدا کے لیے مجھے واضح الفاظ میں سمجھاؤ۔'' دانش کے لہجے میں عاجزی پیدا ہو گئی۔ میں نے تعویذ اور اپنا لکھا ہوا کاغذ نکال لیا پھر بولا۔

''اگر تم سمجھ سکو تو میں تمہیں سمجھاؤں۔ یہ تحریر چینی اور عربی زبان کے قدیم الفاظ کو جوڑ کر بنائی گئی ہے۔ اور میں نے اس کا جو ترجمہ کیا ہے تم اسے باآسانی پڑھ سکتے ہو یہ دیکھو یہ سفیان کے نزدیک کا پہاڑی علاقہ ہے۔ کوہ قراقرم کے ساتھ ساتھ تبت کے ساتھ ساتھ برف پوش چوٹیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے اور وسیع و عریض برفانی میدانوں کا بھی تو یوں سمجھو یہ دیکھو میں نے وہ تعویذ ان کے سامنے پھیلا دیا اور کہا۔

''ممکن ہے دنیا کے مذاہب کے بارے میں تمہاری معلومات زیادہ نہ ہوں یہ نشان بدھ مذہب کی علامت ہیں اور قدیم تبتی زبان سے ترجمہ کیے گئے ہیں۔ قراقرم کے بائیں سمت یہ لائن اس راستے کی نشان دہی کرتی ہے۔ گویا تمہارے نقشے میں اس طرف کا اشارہ کیا گیا ہے اور یہ اشارے مسلسل موجود ہیں یہ گول دائرہ کسی بڑے میدان کا نشان ہے اور یہ بہت بڑی چٹان جس کے نیچے کھودنے کا اشارہ کیا گیا ہے یہ تمام تحریریں ٹکڑوں کی شکل میں ہیں مثلاً اس نشان کے ساتھ ساتھ یہ جملہ ہے اس سے سو قدم پر یہ دوسرا جملہ ہے چٹان کے نیچے پر چھوٹے چھوٹے اشاراتی جملے لیکن اصل جگہ پر میدان ہی ہے خیر ان میں شاید کچھ نام بھی شامل کیے گئے ہیں یہ نام میری سمجھ میں نہیں آتے میں نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا لیکن اچانک ہی دانش آگے بڑھا اس نے اپنے بازو میری گردن کے گرد حمائل کر دیے اور جذباتی لہجے میں بولا۔

''مجبور نہ ہوتا تو تمہارے ساتھ یہ سب کچھ نہ کرتا۔ لیکن یقین کرو جو کچھ تم کہہ رہے ہو وہ بالکل درست ہے۔ اور میرا دل ان تمام باتوں کو قبول کرتا ہے۔ آہ...... مجھے تمہاری مسلسل رہنمائی کی ضرورت ہے۔ خدا کے لیے خدا کے لیے اپنے دل سے میرے لیے برائی نکال دو۔ تم میرے رہنما ہو میں تمہارے قدموں کی خاک ہوں۔ میں تمہارے قدموں کی خاک ہوں۔''

''ہاں میرے دوست میں جانتا ہوں میری زبان سے نکلے ہوئے چند جملے تمہیں میرا قاتل بنا سکتے ہیں تم شعورا کو مارنے کی دھمکی دو گے۔'' میرے منہ سے زہریلے الفاظ نکل ہی گئے۔

''نہیں میری جان؟ تمہاری محبت تمہاری مفاہمت چاہتا ہوں ان راستوں پر تم تنہا میری رہنمائی کرو گے تم ہمارے سربراہ ہو گے جب ہم یہاں پہنچیں گے تو جو کچھ بھی ہمارا ہو گا اس میں آدھا حصہ تمہارا ہو گا۔ باقی آدھا حصہ باقی لوگ تقسیم کریں گے میں وعدہ کرتا ہوں کوئی ایسا انسان جو اپنی زندگی سے بھٹکا ہوا ہو۔ اگر کسی ایسے کام میں کسی کی مدد چاہتا ہے تو اس کے خلوص پر شبہ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ سمجھ لو میں پوری زندگی کی تڑپ کو تمہارے سامنے رکھ رہا ہوں۔ آہ تم ہی مجھے میری منزل تک پہنچا سکتے ہو۔'' وہ اس انداز میں گڑگڑا رہا تھا کہ اس نے شعورا کو اغوا نہ کیا ہوتا تو شاید میں اپنے خلوص کو ختم نہ کرتا۔ میں نے گہری سانس لے کر کہا۔

''ٹھیک ہے۔ لیکن اس کے لیے ایک شرط ہو گی دانش۔''

''کیا۔''

''شعورا کو میرے پاس پہنچا دو میں زیادہ سے زیادہ یہ کر سکتا ہوں کہ اس سے ملاقات کر کے اسے گھر جانے کی ہدایت کر دوں۔ اس کو ساتھ رکھنا بے شک ضروری نہیں ہے۔'' وہ سوچ میں ڈوب گیا تھوڑی دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔

''ڈیئر شائی! زندگی اور موت کے مسائل اس قسم کی جذباتی کیفیت میں مبتلا ہوتے ہیں میں جانتا ہوں کہ تم میرے ساتھ کبھی تعاون نہ کرتے۔ بہ ہر حال بہ حالت مجبوری مجھے یہ سب کچھ کرنا پڑا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی میں ایک بات اور بھی سوچتا ہوں۔ اس بات کے امکانات بھی ہیں کہ شاید تم اس طرح میرا ساتھ نہ دو۔ اگر ہماری ان کوششوں کے درمیان تمہاری بیوی کہیں رہے تو کیا حرج ہے اسے کوئی تکلیف نہیں ہو گی تم نے دیکھا ہو گا میرے ساتھ اور بھی لڑکیاں ہیں، میں ان کی عزت و آبرو ان کے تحفظ کا پورا پورا وعدہ کرتا ہوں اور آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ انہیں کوئی تکلیف نہیں ہو گی لیکن یہ ضروری ہے انہیں ساتھ رکھنا بہت ضروری ہے۔ میں اس فیصلے پر شرمندہ ہوں لیکن یہ فیصلہ یوں سمجھو کہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ یہ کہہ کر اس نے وہ کاغذ اور تعویذ اٹھایا اور کھڑا ہو گیا۔

''گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ۔''

''میں اس وقت اجازت چاہتا ہوں فوراً دوسری ملاقات کروں گا آپ نہیں جانتے مسٹر شائی کہ میری حالت کیا ہو رہی ہے اس کا صحیح معنوں میں اظہار نہیں کر سکتا۔ لیکن بہر حال خاموشی اور صبر کے ساتھ انتظار کر لو پلیز۔'' اس نے کہا اور میرے دل میں اس کے لیے نفرت کا ایک اور پودا اگ آیا تھا۔ میں نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ بے شک یہ وقت تمہارا ہے لیکن آنے والا وقت میرا ہو گا۔ میں تو انتظار کر لوں گا۔ لیکن تم تو اپنی زندگی کے سب سے بدترین حادثے سے دوچار ہو گے۔'' پھر اس کے بعد اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا میرے لیے کہ میں یہاں خاموشی سے آنے والے وقت کا انتظار کروں کئی دن گزر گئے۔ اس دوران نہ تو میری ملاقات شعورا سے کرائی گئی اور نہ ہی دانش میرے پاس پہنچا۔ ویسے یہ اندازہ مجھے ہو گیا تھا کہ وہ بہت چالاک آدمی ہے۔ وہ شاید دنیا میں کسی پر اعتبار نہیں کرتا لیکن بہر حال یہ ساری باتیں برداشت کرنی تھیں۔ میں نے یہ جائزہ لے لیا تھا کہ اس کے آدمی اسٹیمر پر مستعد رہتے ہیں۔ جانے نہیں اس نے ان لوگوں کے ساتھ کیا جاسوسی کی تھی۔ کبھی کبھی میں شعورا کے لیے سخت پریشان ہو جاتا تھا۔ اب مجھے یہ پتا نہیں تھا کہ میری غیر موجودگی میں رچرڈ بون اور دوسرے لوگوں کی کیا کیفیت ہوئی۔ ایک دن شام کے وقت میں چائے سے فارغ ہوا تھا کہ اچانک چائے کے بعد میرے ذہن پر ایک نشہ آور کیفیت طاری ہو گئی۔ لمحوں کے اندر مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ پھر کوئی گڑبڑ کی گئی ہے چائے میں کوئی نشہ آور چیز نے آہستہ آہستہ مجھ سے میرے حواس چھین لیے اور میں بے ہوش ہو گیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دانش صحیح معنوں میں ایک جرائم پیشہ آدمی تھا۔ اور وقت سے کھیلنا جانتا تھا۔ چنانچہ جب مجھے ہوش آیا تو پہلی بات جو میں نے محسوس کی وہ یہ تھی کہ اب میں کسی اسٹیمر میں نہیں ہوں۔ بس یہ احساس تھا جو میرے دل میں تھا لیکن اس کے باوجود ہوش کا یہ وقفہ طویل نہیں تھا۔ کیونکہ میں پوری طرح حالات کو سمجھنے بھی نہیں پایا تھا کہ مجھے اپنے بازوؤں میں سوئی کی چبھن کا احسا

ہی وا ۔ اور اس کے بعد وہی بے ہوشی طاری ہوئی ۔ پھر مسلسل ایک عجیب و غریب عمل جاری ہو گیا ۔ کبھی کبھی اور کبھی کبھی مجھے ہوش آتا تھا اور ایک بار ہوش کے عالم میں میں نے یہ بھی سوچا کہ دانش نے کسی سفر کا آغاز کر دیا ہے ۔ میں بار بار ہوش میں آتا اور عجیب و غریب کیفیات کا شکار ہو جاتا ۔ زیادہ سوچنے کا موقع نہیں ملتا تھا اس لیے مجھے کوئی اندازہ نہیں ہو سکا ۔ پھر آخری بار میری آنکھ ایک خیمے میں کھلی تھی اور ایک لمحے میں میں نے ان کھلی آنکھوں سے جو دیکھا اسے دیکھ کر میرے ذہن کو شدید جھٹکا لگا تھا ۔ میرا اندازہ غلط نہیں تھا اور ہوش کے لمحات خواب و خیال کے لمحات بھی نہیں تھے میں نے جو کچھ دیکھا وہ میرے لیے خوشگوار بھی تھا اور تشویشناک بھی میری بیوی شعورا میرے سامنے موجود تھی ۔ اس نے بہت عمدہ قسم کا لباس پہن رکھا تھا ۔ سمور کا کوٹ سمور کی ٹوپی پہنے ہوئے مجھ سے کچھ فاصلے پر بیٹھی ہوئی تھی جب اس نے مجھے جاگتا ہوا محسوس کیا تو جلدی سے اٹھ کر میرے پاس آ گئی ۔ میں یہ یقین کرنے کے لیے کہ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں ۔ وہ سچ ہے یا کوئی خواب، جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا تھا ۔ شعورا کی محبت بھری آواز نے مجھے یہ احساس دلایا کہ غلط نہیں ہے یہ سب کچھ جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں سچ ہے پھر وہ مجھ سے بولی ۔

”کیسی طبیعت ہے تمہاری، کیسے ہو تم ۔“

”ٹھیک ہوں شعورا لیکن تم ۔“

”میں بھی ٹھیک ہوں ۔ لیکن قزل ہم ایک ایسی مصیبت میں گرفتار ہو گئے ہیں ۔“ میں نے مکمل خود پر اپنے اعصاب پر قابو پایا اور بولا ۔

”کچھ نہیں شعورا ! زندگی میں کبھی کبھی ایسے موڑ بھی آ جاتے ہیں ۔ کیا ان لوگوں نے تمہیں اپنے بارے میں کچھ بتایا ہے ۔“

”ہاں دانش مجھ سے ملتا رہتا ہے ۔“ اس نے مجھے ایک طویل کہانی سنائی ہے ۔“

”شاید مجھے اس کا کچھ حصہ معلوم ہے ۔ لیکن پھر بھی اگر تم بتانا چاہو تو مجھے بتاؤ کیا کہانی سنائی ہے اس نے اور جواب میں شعورا نے مجھے جو کچھ بتایا یہ وہی تھا جس سے میں بخوبی واقف تھا ۔ وہ کہنے لگی ۔

”اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ان لوگوں نے مجھے مکمل یقین اور اعتماد دیا ہے ۔ بظاہر یوں لگتا ہے جیسے یہ شخص جس کا نام دانش ہے برا آدمی نہیں ہے ۔ لیکن ان لوگوں نے مجھے مکمل یقین اور اعتماد دیا ہے ۔ لیکن ان لوگوں نے جو چکر چلایا ہوا ہے وہ میری سمجھ میں بالکل نہیں آیا ۔

”مجھے معلوم ہے شعورا ۔ اور مختصر الفاظ میں یہ بتا دوں کہ جہاں تک میرا تعلق ہے اور میرا علم ہے تو یہ لوگ ایک خزانے کی تلاش میں ہیں ۔ خزانے کا جو نقشہ ان کے پاس ہے وہ قدیم عربی اور چینی زبان میں ہے اور یہ مجھ سے اپنی تحریر پڑھوانے کے بعد ہمیں ساتھ لے کر چل پڑے ہیں تا کہ ہماری مدد سے یہ خزانہ حاصل کر لیں ۔ ہم ان کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں اور تم جانتی ہو شعورا کہ دولت کی چمک ایک ایسی ہی چیز ہے ۔ کہ انسان انسانیت سے بہت دور چلا جاتا ہے ۔

”مگر ان لوگوں نے آپ کو دوران سفر بالکل بے ہوش رکھا ہے ۔ ویسے اس دوران میں ہی آپ کی نگرانی کرتی رہی ہوں ۔ انہوں نے مجھے اس کی اجازت دی تھی اور ہر طرح کی آسانی فراہم کی تھی ۔“

”ہاں وہ لوگ یہ سوچتے ہیں کہ ہوش میں رہ کر شاید ان لوگوں کو میری وجہ سے کچھ مشکلات پیش آ گئیں ۔۔“

”ایسا ہی ہے انہوں نے یہ بات کہی تھی مجھ سے ۔“ ویسے راستے میں انہوں نے مجھے آپ کے ساتھ ہی رکھا اور مجھے بتایا کہ آپ کو ہوش میں آنے کے بعد اس وقت تک کچھ نہ بتایا جائے جب تک وہ اجازت نہ دیں ۔“

”دانش کافی چالاک آدمی ہے ۔“ ابھی ہمارے درمیان یہی گفتگو ہو رہی تھی کہ دروازے سے دانش جھک کر اندر داخل ہو گیا اور میری جانب رخ کر کے بولا ۔

”آہا مسٹر قزل شائی ! ساری باتیں آپ کے ذہن میں یقیناً ہوں گی ۔ لیکن آپ کو ایک سمجھ دار آدمی کی حیثیت سے ان کے بارے میں کوئی سوال نہیں کرنا چاہیے ۔“

”واقعی تم ایک بہترین دوست ثابت ہوئے ہو دانش ! اور کس طرح ایک شخص سے تعاون حاصل کیا جاتا ہے ۔ وہ بھی ایک تاریخی عمل ہے ۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ میں حقیقتوں کا راز دار ہوں ۔ میں جانتا ہوں کہ تمہارے دل میں میرے لیے نفرت کے علاوہ کچھ نہیں ہو گا لیکن تمہیں شاید یہ بات معلوم نہیں ہے کہ میرے دل کے تار اس تعویذ سے جڑے ہوئے ہیں ۔ مجھے بتاؤ اب تمہیں کوئی پریشانی ہے ۔“

”سب سے بڑی پریشانی تو یہی ہے کہ تم نے مجھے ہوش و حواس سے دور کر دیا ہے ۔“

”نہیں اب اس کی ضرورت نہیں پیش آئے گی ۔ ہم اپنی منزل کے قریب پہنچ گئے ہیں اور اب میں چاہتا ہوں کہ نقشے کے ذریعے تم آگے کے سفر کا تعین کرو ۔ میں اب تمہیں بے ہوش نہیں کروں گا یہاں تک آتے ہوئے تم یقینی طور پر راستے میں ہمیں پریشان کر سکتے تھے ۔ لیکن میرا خیال ہے اب تم تعاون کے علاوہ کچھ نہیں کرو گے ۔ اگر میرا یہ کام مکمل ہو جائے گا مسٹر قزل ! تم یقین کرو تم مجھے اپنے غلاموں کی طرح پاؤ گے ۔ کیا سمجھے میں غلط نہیں کہتا ۔ دانش نے میرا اپنایا ہوا کاغذ میرے سامنے رکھ دیا اور بولا ۔

”اب ہمیں ان نئے نقشوں کا تعین کر کے وہ جن پر ہمیں سفر کرنا ہے ۔“ میں پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا ۔ بہر حال میں جانتا تھا کہ مجھے یہ کام تو کرنا ہی ہے ۔ خود میرے اپنے ذہن میں جو منصوبہ تھا ۔ اس کے لیے بھی یہی ضروری اور مناسب تھا ۔ آخر کار میں نے نقشے بنائے اور انہوں نے میرے بنائے ہوئے نقشے پر سفر کا آغاز کر دیا ۔ ویسے جن راستوں پر میں انہیں لے جا رہا تھا ۔ وہ بالکل ٹھیک راستے تھے ۔ ان دنوں دانش مجھ پر کافی مہربان تھا ۔ اور بڑی عزت و احترام کے ساتھ میرے ساتھ پیش آتا تھا ۔ اسے یقین تھا کہ جن نقشوں پر وہ سفر کر رہا ہے وہ بالکل درست ہیں وہ کہتا تھا اصل میں دل کا سفر بھی بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور میں یہ سفر دل سے کر رہا ہوں ۔ ایک یقین میرے ساتھ منسلک ہے ۔ مجھے پورا اعتماد ہے کہ آپ میرے ساتھ بہترین تعاون کر رہے ہیں مسٹر قزل شائی ! لیکن ایک عقل مند آدمی اس کو کہا جاتا ہے ۔ جو کوئی بھی لمحہ کمزور نہ چھوڑ دے ۔“ راستہ بہت دشوار گزار تھا لیکن دانش ایک شاندار منتظم تھا لیبیا پہنچ کر اس نے جس طرح اپنے لیے آسانی فراہم کر لیں تھیں وہ بھی ایک حیران کن عمل تھا ۔ کیونکہ آپ لوگوں کو لیبیا کی انتظامی حیثیت کا

ازہ نہیں ہے۔ کرنل قذافی نے وہاں غلط کاریوں کو تقریباً ختم کر دیا ہے ایک ایسا غلط کار وہاں پہنچ جاتے اور ہی ذمہ دار آدمی کو اس طرح اغوا کرلاتے۔ یہ معمولی بات نہیں تھی بہرحال اس نے اس سفر کے لیے بھی بہترین انتظامات کیے تھے اور اب ہم شاید سفیان کے مغربی حصے کی بلندیوں کو طے کر رہے تھے۔ یہ راستے بہت خطرناک تھے دشوار چڑھائیاں جن کے دوسری طرف سینکڑوں فٹ گہرے نشیب تھے اور ان گہرائیوں میں نوکیلی چٹانیں ابھری ہوئی تھیں۔ ابتدا میں کہیں کہیں بدھ عبادت گاہیں نظر آ جاتی تھیں لیکن اب تو ان کا میلوں پتا نہیں تھا۔ بڑے بڑے رسے باندھ کر راستے بنائے جاتے اور ان کے سہارے ہم لوگ بلندیوں پر بڑھتے۔ رات کو تو کبھی کبھی ان ہی غیر مناسب بلندیوں پر قیام کیا جاتا۔ جہاں زندگی کسی بھی لمحے موت سے ہمکنار ہو سکتی تھی۔ خیمے لگائے جاتے جو ڈھلان پر لگے ہوئے گرنے سے بچنے کے لیے ان پر خصوصی انتظامات کیے جاتے تھے۔ میں اور شعورا ہمیں ہر بار الگ ہی خیمہ دیا جاتا تھا۔ شعورا البتہ اس ہولناک سفر سے بہت زیادہ خوف زدہ تھی۔ تمہیں یاد ہے شعورا ایک بار تم نے مجھ سے کیا کہا تھا۔" اچانک ہی قزل شائی نے اپنی بیوی کی طرف دیکھ کر کہا۔ جس کا چہرہ اس وقت بھی خوف سے دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ غالباً ذہنی طور پر وہ انہی علاقوں کا سفر کر رہی تھی جو دانش کے ساتھ طے کیے گئے تھے۔ وہ ایک دم جھرجھری سی لے کر قزل شائی کو دیکھنے لگی۔ قزل شائی نے پھر کہا۔

"میں نے اس سے کہا کہ شعورا میرے اس علم کی وجہ سے تم بھی اس مصیبت کا شکار ہوئی ہو۔"

تب شعورا نے بڑے حسرت بھرے انداز میں مجھ سے پوچھا۔

"کیا اس سفر کی کوئی منزل ہے شائی۔" میں نے اسے جواب دیا کہ ہم منزل کے بہت قریب پہنچ گئے ہیں۔

"آہ۔ میں تھک گئی ہوں اور یہ محسوس کرتی ہوں کہ اگر یہ سفر اسی انداز میں جاری رہا تو شاید میں زیادہ عرصے تمہارا ساتھ نہ دے سکوں۔"

"نہیں شعورا ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں تمہاری سلامتی کے لیے ہی تو اب تک خوار ہو رہا ہوں۔ تم بےفکر رہو میں تمہیں اپنی دنیا میں زندہ سلامت لے جاؤں گا مکمل اعتماد کے ساتھ یہ بات کہہ رہا ہوں اور تم ہمیشہ مجھ پر اعتماد کرتی رہی ہو۔"

"مجھے اب بھی تم پر اعتماد ہے۔ لیکن اس ذلیل شخص نے کیا ہمارے ساتھ زیادتی نہیں کی ہے۔ اپنے مفاد کے لیے اس نے ہماری زندگی خطرے میں ڈال دی ہے۔ خزانہ وہ حاصل کرنا چاہتا ہے اور صعوبتیں ہم اٹھا رہے ہیں۔"

"خزانہ" میں نے زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ شعورا سوالیہ انداز میں مجھے دیکھ رہی تھی کچھ دیر کے بعد میں نے اس سے کہا۔

"خود کو بہت چالاک انسان سمجھتا ہے وہ۔ وہ ان لوگوں کو بھی جو اس کے ساتھ ہیں دھوکا دے رہا ہے شعورا۔ جو لوگ اس کے ساتھ صعوبتیں اٹھا رہے ہیں اس خوش فہمی کا شکار ہیں کہ ان کا سفر ایک عظیم الشان ... پر ختم ہوگا لیکن تعویذ کی تحریر میں نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔"

"ہاں آگے بولو۔"

"نہیں تھوڑا سا انتظار کرلو شعورا میں اس سے ایک ایسا انتقام لے رہا ہوں۔ ایک ایسی سزا دینے کی تیاریاں کر رہا ہوں۔ جو شاید کائنات کی تاریخ میں سب سے اہم سزا ہوگی۔ اس نے اپنی دانست میں مجھے بے بس کر دیا تھا لیکن آنے والا وقت۔"

"آہ مجھے کچھ تفصیل تو بتا دو۔" شعورا ضد کرنے لگی۔

"براہ کرم ابھی ضد نہ کرو بس اب تو تھوڑا سا وقت باقی رہ گیا ہے۔" شعورا خاموش ہو گئی۔ باہر برف کا طوفان آ رہا تھا۔ تیز ہوائیں چل رہی تھیں جو رات بھر چلتی رہیں لیکن صبح کی روشنی کے ساتھ تیز ہوائیں اور برف باری بند ہو گئیں البتہ سردی بڑھ گئی تھی۔ لیکن بہرحال پھر آگے کے سفر کا آغاز ہو گیا اور ایک عظیم الشان پہاڑی سلسلہ عبور کرنے کے بعد ہم ایک گہری کھائی کے نزدیک پہنچ گئے جسے عبور کرنے کے لیے بل کھاتے ہوئے لمبے نشیبی راستے سے گزرنا تھا فضا میں دھند پھیلی ہوئی تھی۔ اگر کوئی چیز نیچے گر جاتی تو اس کا نام و نشان بھی نہ ملتا۔ ہر دل میں خوف بسا ہوا تھا لیکن ہم سفر کر رہے تھے ایک روشن امید ان لوگوں کے دلوں میں چھپی ہوئی تھی۔ بلکہ کسی بھی لمحے موت کسی کو بھی دبوچ سکتی تھی۔ یہ خطرناک راستہ عبور کرنے میں پورا دن لگ گیا شام چھانے لگی۔ پہاڑی سلسلے کے قریب پہنچے تو ایک چٹانی مینار نظر آیا۔ نقشے کے مطابق ہمیں اس مینار کے قریب پہنچنا تھا اور اس کی خبر میں دانش کو دے چکا تھا دانش نے دور سے اسے دیکھا اور دیوانوں کی طرح میرے قریب پہنچ گیا۔

"مسٹر شائی! مسٹر شائی! کیا نقشے میں اس جگہ کی نشان دہی نہیں کی گئی ہے۔ کیا یہ وہی جگہ نہیں ہے۔"

"ہاں دانش ہم اپنی منزل پر پہنچ چکے ہیں۔ تم خیمے لگا دو۔" میں نے کہا اور دانش کا چہرہ خوشی اور مسرت سے سرخ ہو گیا۔ اس کے بعد زور و شور سے تیاریاں ہونے لگیں۔ میں دانش کے ساتھ بیٹھ گیا اور پھر اسے راستوں کے بارے میں بتانے لگا اور آخر کار ہم لوگ رات کے اندھیرے کی پرواہ کیے بغیر مصنوعی روشنیاں لے کر مینار کے بائیں جانب کے پہاڑوں کی طرف چل پڑے۔ نقشے میں یہ جگہ خاص طور پر نمایاں کی گئی تھی۔ درمیان میں ایک سیاہ دھبا نظر آیا جو غار کا دہانہ تھا اور اس کے سامنے چٹان اس طرح کھڑی تھی کہ جب تک اس چٹان کو ہٹایا نہ جائے غار میں داخلہ ناممکن تھا ہم نے اس کا بھرپور جائزہ لیا اور پھر میں نے کہا۔

"ہمیں یہ چٹان ہٹانی ہوگی۔"

"کیوں نہ اسی وقت یہ کام شروع کر دیا جائے۔"

"اگر تم بھی ساتھی تیار ہوں تو۔" میں نے کہا۔ دانش واپس پلٹا خزانے کے لالچ نے تھکن دور کر دی تھی۔ وہ لوگ گیس اور مٹی کے تیل کے لیمپ جلا کر چٹان کی طرف بڑھ گئے۔ بڑی بڑی کدالیں اور بیلچے چٹان کو توڑنے کے لیے تیار ہو گئے۔ میں انسان کی جدوجہد دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی دانست میں ایک روشن مستقبل کی جانب بڑھ رہے تھے لیکن مجھے اندازہ تھا کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ شعورا خوف زدہ لہجے میں بولی۔

"غور کرو ہم اپنے مقصد میں کامیاب ہو بھی گئے تو کیا ہم انہی راستوں سے واپس چلیں گے جن سے یہاں تک پہنچے ہیں اور کیا وہ راستے موت کے راستے نہیں ہیں۔ مجبوری بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ شعورا

ہمیں کچھ ایسے واقعات کا سامنا کرنا پڑے گا جو ہمارے لیے سمجھ میں نہ آنے والے ہوں گے اور تمہیں اس میں میرا ساتھ دینا ہے۔ میں اپنی زندگی میں کتنی بھی مشکل پیش آتی کبھی تمہیں اس طرح نہ لے کر آتا لیکن تمہیں دوسرے لوگ لائے ہیں اور دیکھو وہ شاید وہ راستہ بنانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ دانش یہ اطلاع دینے آرہا ہے۔'' اور آخرکار دانش میرے پاس پہنچ گیا اس کا سانس پھول رہا تھا اس نے کہا۔

''چٹان کے پیچھے غار کا دہانہ موجود ہے اور حیرت کی بات یہ ہے کہ اس سے ہلکی ہلکی روشنی چھن رہی ہے۔ کیا ہم اندر چلیں۔''

''ہاں میرا خیال ہے ہمیں ان کاموں پر آمادہ رہنا چاہیے۔ روشنی یا اندھیرے کا انتظار کرنا بے کار ہے۔'' میں نے شعورا کو اشارہ کیا اور ہم لوگ آگے بڑھ گئے۔ انہوں نے ٹارچیں سنبھالیں اور غار میں داخل ہو گئے۔ میں ان کی راہنمائی کر رہا تھا ایک چھوٹی سی سرنگ طے کرنے کے بعد ہم ایک وسیع وعریض غار میں پہنچ گئے جو انتہائی صاف ستھرا تھا۔ لیکن اس کی ساخت بہت عجیب تھی۔ پورے غار میں در بنے ہوئے تھے اور یہ قطعی طور پر غیر قدرتی نہیں تھے۔ یعنی انہیں انسانی ہاتھوں نے تراشا تھا۔ اور ان دروں کے ستونوں میں ننھے پتھر نصب کیے گئے تھے جن سے شعائیں خارج ہو رہی تھیں اور یہی شعائیں پراسرار روشنی پھیلا رہی تھیں۔ جو روشنیاں یہ لوگ اپنے ساتھ لے کر آئے تھے انہوں نے مل کر غار میں تیز روشنی کر دی تھی۔ اور اس تیز روشنی میں انہیں جو کچھ نظر آیا تھا وہ بڑا سحر انگیز تھا۔ یقیناً یہ دروازہ غیر قدرتی تھا۔ کیونکہ پتھروں کی تراش اتنی نفاست سے نہیں کی جا سکتی تھی اور قدرتی عمل اس طرح کا نہیں ہوتا وہ یقیناً انسانوں کے ہاتھوں کی تراش تھی۔ اور اس سے جو شعائیں نکل رہی تھیں کوئی بھی صاحب عقل انہیں دیکھ کر سمجھ سکتا تھا کہ اندر کیا ہے اس دروازے کے باہر دو تابوت رکھے ہوئے تھے یہ تابوت ہیروں سے جڑے ہوئے تھے اس قدر حسین اور خوشنما اور جن چوکیوں پر وہ رکھے ہوئے تھے وہ چوکیاں سونے کی بنی ہوئی تھیں۔ ہیروں سے جڑے تابوت ایک عجیب منظر پیش کر رہے تھے۔ دانش کے ساتھ جو لوگ پہنچے تھے وہ تو تقریباً نیم بے ہوشی کی سی کیفیت اختیار کر گئے تھے خود شعورا ایک طرح سے پتھرا سی گئی تھی لیکن میں پرسکون نگاہوں سے یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا۔ یہ میرے تجربے کی تکمیل تھی۔ یہ میرے علم کا خراج تھا۔ یعنی جو کچھ میں نے اس تعویذ میں پڑھا تھا اس کی عملی شکل اور میں نے جو دعوا کر ڈالا تھا کہ میں دانش کو ایسی بدترین سزا دوں گا کہ تاریخ اسے یاد رکھے گی۔ تعویذ کی نقشہ نویسی جس انداز میں کی گئی تھی۔ اس کے بارے میں یہ داد دیتا ہوں کہ جس نے بھی یہ تعویذ بنایا وہ کمال کی چیز تھی۔ البتہ دانش کی کیفیت اپنے ساتھیوں سے بالکل مختلف تھی وہ پتھرائی ہوئی نگاہوں سے ان دونوں تابوتوں کو دیکھ رہا تھا۔ آہستہ آہستہ اس کے قدم آگے بڑھے اور وہ ان میں سے ایک تابوت کے پاس پہنچ گیا۔ جب کہ دوسرے لوگ اس کی موجودگی کو بھول گئے تھے۔ جب ان کا سحر ٹوٹا تو وہ دیوانوں کی طرح اس دروازے کی جانب بھاگے جس کے اندر غالباً اس کائنات کا سب سے قیمتی خزانہ چھپا ہوا تھا۔ ہیروں کے یہ نقوش نمایاں نظر آرہے تھے۔ میں نے شعورا کی طرف دیکھا اور اس کا شانہ پکڑ کر جھنجھوڑا تو وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی پھر بولی۔

''یہ سب...... یہ سب..''

''ہاں دیکھتی رہو۔ جو کچھ میں نے کہا تھا اسے دیکھتی رہو۔ دانش کے ساتھ آنے والا ایک ایک

شخص اس غار میں داخل ہو گیا تھا اور اب ان کی کوئی آواز نہیں آرہی تھی۔ وہ غالباً اندر موجود خزانے میں محو ہو گئے تھے۔ ادھر دانش آہستہ آہستہ ان تابوتوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس سے مجھے یہ اندازہ ہوا کہ دانش درحقیقت اپنی ذات میں الجھا ہوا ایک شخص تھا۔ اپنی شخصیت کو تلاش کرنے والا تب اس نے ایک تابوت کھولا اور میں بے اختیار تھوڑا سا آگے بڑھ گیا۔ دیکھنا چاہتا تھا کہ اس تابوت میں کیا ہے۔ تب اس تابوت میں سے تقریباً چھ سات سال کی ایک بچی نمودار ہوئی۔ وہ تابوت میں اٹھ کر بیٹھ گئی تھی۔ اس کے چہرے پر ایک پراسرار روشنی گردش کر رہی تھی۔ پھر اس نے گردن گھما کر چاروں طرف دیکھا اور پھر اس کی نگاہیں دانش پر آکر ٹک گئیں۔ آہستہ آہستہ وہ تابوت سے باہر نکل آئی اور اس نے تابوت کا ڈھکن بند کر دیا۔ پھر اس نے انگلی سے دوسرے تابوت کی طرف اشارہ کر دیا اور دانش ایک سحر زدہ معمول کی مانند اس کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے تابوت کا یہ ڈھکنا کھولا اور اس کے اندر سے ایک شخص نمودار ہوا۔ کچھ لمحات تک تو خاموشی رہی پھر اس کے بعد اس کی آواز ابھری۔

''مہابدھی...... وان نموتو...... وردواستانی...... یہ تو ہی ہے نادان کربھانی...... آ گیا آخر تو...... آ گیا یہاں۔'' دانش اسے دیکھ رہا تھا یہ شخص آہستہ سے نیچے اتر آیا اور پھر اس نے تابوت میں ہاتھ ڈال کر ایک لبادہ نکالا۔ دانش جیسے پتھرا سا گیا تھا وہ لبادہ اس نے دانش کے کندھوں پر ڈال دیا اور دانش چونک پڑا۔

''مہابدھی، نماستو...... نماستو...... نماستو۔'' تابوت سے برآمد ہونے والے نے کہا اور دانش کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ شعورا مجھ سے لپٹ گئی تھی۔ یہ پراسرار ڈراما اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ تب اس شخص نے میری طرف رخ کر کے کہا۔

''مہان کرودھا۔ تم اسے یہاں لے کر آئے ہو۔ تم نے تاریخ کا ایک بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ یہ یہاں سے فرار ہو گیا تھا۔ یہ ستن کرودائی ہے جس نے مہاتما بدھ کے پیروکاروں کو نقصان پہنچا کر انہیں قتل کر کے یہاں سے راہ فرار حاصل کی تھی۔ اور پھر یہ دھن کرودی سنسار میں بھٹک گیا اور اپنے آپ ان کو بھول گیا۔ مہا کرودھانی تم نے بہت بڑا کام کیا کہ تم اسے یہاں لے آئے۔ اب اسے یہاں سے کوئی نہیں لے جا سکتا۔''

''بکواس مت کرو میں...... میں دانش ہوں، دانش۔''

''نہیں دانونموتو...... تم دانش نہیں ہو۔ تم دان نموتو ہو بدھا کے مجرم۔''

''سنو...... تم سنو...... قزل ثانی! چلو ہم یہاں سے بھاگ چلیں۔ ہمیں خزانہ نہیں چاہیے۔ ہمیں خزانہ نہیں چاہیے۔'' تب میں نے مسکرا کر اس سے کہا۔

''تم اپنے آپ کو دنیا کا چالاک ترین آدمی سمجھتے ہو نا دانش! تعویذ سے میں تمہاری یہ کہانی پڑھ چکا تھا اور مجھے اس بات کا پورا پورا یقین تھا کہ یہاں تمہیں ایسے واقعات پیش آئیں گے کہ تم پھر یہاں سے واپس نہیں جا سکو گے۔ چنانچہ اب تم اپنے کیے کی سزا بھگتو۔''

''چلو تم یہاں سے چلو۔ میں تمہیں اتنا کچھ دوں گا قزل ثانی کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔''

''دم کرودھانی۔ دم کرودھانی۔ مہابدھی ستو...... میری طرف دیکھو بدھا کے مجرم میری طرف دیکھو۔ وردوان سادھانی۔'' اس نے دانش کی طرف رخ کر کے کہا اور میں نے یقین کر وا اپنی آنکھوں سے اس

کی آنکھوں سے شعائیں نکلتی دیکھیں۔ یہ شعائیں واش کے گرد لپٹتی جا رہی تھیں اور اس کے بعد واش جیسے موم کا بن گیا۔ اس کے قدم آہستہ آہستہ تابوت کی جانب اٹھنے لگے اور پھر وہ تابوت میں لیٹ گیا۔ جب وہ تابوت میں لیٹ گیا تو اس تابوت سے نمودار ہونے والے نے تابوت بند کیا اور اس میں تالا ڈال لیا۔ پھر اس نے بچی کا ہاتھ پکڑا اور اسی پہاڑ میں موجود ایک دوسرے غار کی طرف چل پڑا۔ اس نے مجھ سے کچھ نہیں کہا تھا چند ہی لمحوں کے بعد وہاں میں اور شعورا رہ گئے۔ شعورا تھر تھر کانپ رہی تھی میں نے اسے سہارا دے کر کہا۔

”تمہیں شعورا میں موجود ہوں۔ تمہیں خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”وہ......وہ کہاں گئے۔ وہ کہاں گئے۔“ شعورا کی پھٹی پھٹی آواز ابھری۔ اور ہم دونوں ان شرانوں کے متلاشیوں کا جائزہ لینے کے لیے آگے بڑھ گئے۔ میں نے مضبوطی سے شعورا کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا تیز روشنیوں میں ہم اندر داخل ہوئے۔ کوئی دس قدم تک یہ پلیٹ فارم نما جگہ تھی اور اس کے بعد پاتال کی گہرائیاں ایسی گہرائیاں کہ انسان دیکھے تو دیوانہ ہو جائے اور ان گہرائیوں میں میرے خدا میرے خدا قزل ثنائی کے لہجے میں لرزشیں پیدا ہو گئیں۔ اس کی بیوی شعورا نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ کرنل گل نواز نے بے اختیار پوچھا۔

”اور وہ لوگ جو اس کے ساتھ گئے تھے۔“

پلیٹ فارم کی دوسری طرف کچھ بھی نہیں تھا سوائے ان گہرائیوں کے اور ان گہرائیوں میں جواہرات کے انبار چمک دار ہیرے اور اس طرح کی دوسری چیزیں نظر آ رہی تھیں۔ بس نظر کیا آ رہی تھیں ان کی روشنی ان کی دمک محسوس کی جا سکتی تھی اور باقی کچھ نہیں تھا۔ قزل ثنائی نے ایک گہری سانس لی۔ اور سب لوگوں پر ایک سکتہ سا طاری ہو گیا۔ بہت دیر تک یہ خاموشی طاری رہی۔ وہاں موجود ہر شخص اس کہانی میں گم تھا۔ خود کامران کی حالت بھی انہی جیسی تھی۔ بہت دیر تک وہ سب کے سب اس طرح ایک خاموش احساس میں ڈوبے رہے۔ اس کے بعد کرنل گل نواز نے ایک گہری سانس لی اور مدھم لہجے میں بولا۔

”یہ خدا انتہائی خوفناک کہانی ہے۔“ کامران گھٹے گھٹے انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگا تبھی اس کی نگاہیں اینہ سلفا کی جانب اٹھ گئیں۔ اس نے اینہ سلفا کے ہونٹوں پر ایک انتہائی پراسرار مسکراہٹ دیکھی ایک لمحے کے لیے اسے محسوس ہوا جیسے اینہ سلفا اس زمین کی مخلوق نہ ہو۔ ایک عجیب بدلا ہوا چہرہ لیکن یہ صرف اس کہانی کے اثرات تھے۔ ہر شخص پر سحر سا طاری تھا۔ پھر علی سفیان کی آواز ابھری۔

”اور کیا تم لوگ یقین کرو گے میری بات پر کہ جب یہ ویڈیو ہمیں حاصل ہوئی اور میرے دوست قزل ثنائی نے اسے دیکھا تو بے اختیار اچھل پڑا۔ اور حیرت سے بولا۔ کہ یہ دونوں چہرے...... یہ دونوں چہرے وہی ہیں جو اس نے ان تابوتوں سے نکلتے دیکھے تھے۔

”کون سے دونوں چہرے۔“ گل نواز کے حلق سے پھنسی پھنسی آواز نکلی۔

”وہی جو تم نے اس ویڈیو میں دیکھے۔“ گل نواز نے سہمی ہوئی سی نگاہوں سے کامران کو دیکھا اور آنکھیں بند کر لیں۔ یہ بھیانک انکشاف واقعی ناقابل فہم اور ناقابل یقین تھا۔ بہت پراسرار داستان تھی اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ یہ دونوں کردار گرشک اور سیتا یہاں اسی کوٹھی میں موجود تھے اور یہ سب سے خوف ناک بات تھی تبھی قزل ثنائی کی آواز ابھری۔

”اصل میں بدھ مذہب بہت قدیم ہے اور قدیم مذاہب میں اس طرح کی پراسرار کہانیاں نظر آ جاتی ہیں۔ لیکن قربان جاؤں ذات باری کے صرف ایک مذہب ایسا ہے مذہب اسلام جس میں جادو ٹونوں، دیوی، دیوتاؤں، سونا، چاندی، ہیرے جواہرات کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ بے شک بدھ مت کی تعلیمات بھی دوسرے مذاہب کی تعلیمات کی طرح عظمت کی حامل ہیں اور اس میں بھی انسانی مسائل کو اسی طرح اجاگر کیا گیا ہے۔ جس طرح مذہب اسلام میں لیکن جتنا شفاف اور کسی قسم کی الجھن سے پاک ہمارا دین ہے اور کوئی دین نہیں خیر! میں اس وقت ایک مذہبی آدمی کی حیثیت سے یہ تمام باتیں نہیں کہہ رہا۔ مجھے ایک شخص ایسا لا کر دکھا دو جو ہمارے مذہب میں کسی طرح کا کوئی سقم یا الجھن نکال سکے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو صاف و شفاف راستے اس مذہب کی تعلیمات میں دکھائے ہیں۔

”اس میں کوئی شک نہیں ہے۔“ کرنل گل نواز نے پر عقیدت لہجے میں کہا۔

”بہرحال یہ ساری کہانی ہے اور اب میرے دوست ہم لوگوں نے ایک منصوبہ بنایا ہے وہ یہ کہ ہم ذرا مختلف انداز میں آگے کی جانب سفر کریں گے۔ اور ان پراسرار کیفیتوں کا حل تلاش کریں گے۔ ظاہر ہے انسانی زندگی تھی یہ سب کچھ اسی انداز میں ہوتا ہے۔ یا تو ہاتھ پاؤں چھوڑ کر گوشہ نشین ہو جاؤ یا پھر کچھ کر دکھاؤ۔“ سب کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

♡......♡......♡

اس میٹنگ کے خاتمے کے بعد کامران اپنی آرام گاہ میں آ گیا تھا۔ اس کے ذہن میں بڑی عجیب و غریب کھلبلی ہو رہی تھی۔ ایسے پراسرار واقعات زندگی میں کبھی پیش نہیں آئے تھے۔ دوہری ذہنی مار پڑی تھی۔ پہلے تو وہ ویڈیو فلم جس میں ایک عظیم الشان خزانے کے نمونے نظر آئے تھے اور اس سے منسلک ایک انتہائی پراسرار کہانی آخر وہ کون تھا جس نے وہ ویڈیو فلم بنائی تھی۔ اور بعد میں اس سے کوئی فائدہ نہیں حاصل کر سکا تھا۔ پھر اس کے بعد قزل ثنائی کی اپنی داستان اور اس داستان کے انوکھے روپ اس میں بھی بوڑھے گرشک اور سیتا کے نشانات ملے تھے۔ یہ ایک انتہائی حیرت ناک بات تھی۔ اور حیرت کی بات مزید یہ تھی کہ یہ دونوں انوکھے کردار اس وقت ان کے پاس موجود تھے۔ بارش میں سیتا کی دیوانگی اور اس کے علاوہ جو منظر کامران نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اس کے حیرت ناک نقوش یہ ساری باتیں مل کر ایک عجیب پراسرار معمہ بن گئی تھیں اور یہ معمہ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ کیا ہے۔ جوں جوں سوچ رہا تھا دماغ کی چولیں ہلتی جا رہی تھیں اس وقت رات کے تقریباً ڈھائی بجے تھے اور ہر طرف ہو کا عالم طاری تھا۔ کہ اچانک ہی دروازے پر آہستہ سے دستک ہوئی اور کامران چونک پڑا۔ باہر سے کوئی شخص آیا ہوتا تو بیل بجی ہوتی۔ اس کا مطلب ہے کہ رمضان بابا دروازے پر موجود ہیں۔ مگر وہ اس طرح مدھم مدھم انداز میں دستک کیوں دے رہے ہیں۔ وہ جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھا۔ اور دروازے پر پہنچ کر اس نے دروازہ کھول دیا۔ لیکن باہر رمضان بابا نہیں بلکہ کرنل گل نواز کھڑا ہوا تھا۔ کامران چونک پڑا۔

”آپ...... آئیے آئیے...... آئیے۔“ اس نے کرنل گل نواز کو اندر آنے کی پیشکش کی گل نواز ایک گہری سانس لے کر اندر آ گیا اور پھر بھاری لہجے میں بولا۔

"ویسے تو میں انتہائی معذرت چاہتا ہوں کہ تمہیں اس طرح تکلیف دی مگر تھوڑی سی تسلی اس شکل میں ہوتی ہے کہ تم خود بھی جاگ رہے ہو اور تمہارے چہرے پر ایسے نقوش نظر نہیں آ رہے جن سے یہ احساس ہو کہ تم سو گئے تھے۔"

"نہیں سر! میں جاگ رہا تھا، ویسے مجھے شرمندگی ہوتی ہے۔ اس بات پر کہ آپ خود تشریف لے آتے ہیں۔ کوئی ایسا رابطہ انٹرکام وغیرہ کا کرنا چاہیے کہ آپ مجھے کال کر لیں۔"

"خیر یہ تو ہو جائے گا لیکن تمہاری یہ رہائش گاہ اس لحاظ سے بہت بہتر ہے کہ یہاں ہم مکمل تنہائی پا لیتے ہیں۔ اب میں نے باہر کے تمام دروازے بند کر دیے ہیں اور میں یہاں مطمئن ہوں کہ جو گفتگو میں یہاں کر رہا ہوں وہ صیغہ راز میں رہے گی اور خاص طور سے اس وقت ان حالات میں۔ ویسے مجھے بتاؤ کیا تمہارے ذہن میں کوئی تجسس نہیں ہے۔"

"آپ صرف تجسس کی بات کر رہے ہیں سر! یقین کریں میرا دماغ چٹخا جا رہا ہے۔"

"بالکل یہی کیفیت میری بھی ہے۔"

"قزل ثنائی کی داستان نے دماغ کی چولیں ہلا دی ہیں۔"

"اس میں کیا شک ہے؟"

"اور اس کے بعد وہ ویڈیو۔"

"جی۔"

"اور تیسرے مرحلے سے تو تم اچھی طرح واقف ہو۔" کرنل گل نواز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یقیناً جناب! ایک عجیب و غریب موضوع تیار ہو گیا ہے۔"

"ایسا ویسا یقین کرو وحشت ہو رہی ہے یہ تمام باتیں سوچ کر اگر شروع سے غور کریں تو بڑی عجیب و غریب صورت حال سامنے آتی ہے۔ ویسے میں تمہیں بتاؤں کہ ایک بات پر میرا ذہن خاص طور پر مرکوز ہے۔"

"کیا؟"

"میں نے تمہیں بتایا تھا کہ اس وقت جب میں ریڈار بیس کے سلسلے میں کام کر رہا تھا۔ تو میں کون سے علاقے میں تھا یہ تو میں تمہیں بتا چکا ہوں۔"

"جی بالکل۔ اور اس سے ہمیں اس بات کے شواہد ملتے ہیں کہ یہ معاملہ یقینی طور پر کوئی بہت ہی پراسرار نوعیت کا حامل ہے۔ خزانے کی باتیں دوبارہ سامنے آ چکی ہیں اور پھر سچ بتاؤں تمہیں کہ یہ قزل ثنائی۔ انتہائی پراسرار کردار کا مالک ہے۔ لیکن اس کی گفتگو تم نے سنی اس کے اندر برائی نہیں ہے۔ وہ بہ ظاہر ایک قابل اعتماد آدمی نظر آتا ہے۔ پراسرار اور انوکھی قوتوں کا مالک۔"

"جی۔ ایک سوال میں بھی آپ سے کر سکتا ہوں۔" کامران نے کہا۔

"ہاں جتنی ظاہر ہے میں آیا کس لیے ہوں تمہارے پاس میرے لیے تو صحیح بات یہ ہے کہ اب تم ہی میرا آدمی یا میرا گروہ ہو۔ باقی جو کچھ کرنا ہے تمہاری ہی مرضی سے کرنا ہے۔"

"آپ کا شکریہ۔ حالانکہ میں آپ سے پہلے بھی عرض کر چکا ہوں۔ کہ میں ان راستوں کا راہی نہیں ہوں۔"

"ارے چھوڑو یار۔ راستے واستے۔ راہی واہی سب کتابی افسانوی باتیں ہیں۔ انسان وقت پر جس کام کے لیے آمادہ ہو جائے۔ ماشاءاللہ جوان ہو اور پھر جس شان دار کارکردگی اور حیثیت کے مالک ہو تم مجھے اس کا اندازہ ہے۔ اصل میں کامران تم یوں سمجھ لو کہ اس وقت تمہارے علاوہ میرا اور کوئی راز دار نہیں ہے جو باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ تم سے ہی کرنا چاہتا ہوں۔ اور بہت سے پہلو قابل غور ہیں۔"

"جی میں حاضر ہوں آپ اطمینان رکھیں۔"

"میری اس وقت کی آمد سے کوفت تو محسوس نہیں کر رہے۔"

"یقین کر لیجیے نہیں۔" کامران نے کہا۔

"یقین کر لیا۔" کرنل گل نواز مسکراتے ہوئے بولا۔ وہ سامنے پڑے صوفے پر بیٹھ کر کچھ سوچنے لگا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"یہ دونوں پراسرار کردار یعنی سیتا اور گرشک آخر وہاں کیا کر رہے تھے اس کے علاوہ یہ بات تو بالکل ثابت ہو جاتی ہے کہ ان دونوں کو خزانے کے بارے میں معلوم ہے۔ ویڈیو فلم میں بھی گرشک ایک عجیب و غریب حیثیت سے سامنے نظر آتا ہے اور سیتا بھی۔ اور قزل ثنائی کی کہانی میں بھی وہ نمایاں ہے اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ ہم ان کے بارے میں کیا سوچیں۔"

"آپ یہ بتا چکے ہیں کرنل صاحب! کہ گرشک ایک پراسرار کردار ہے اور اس کی آنکھوں میں ایک تنویمی قوت ہے یعنی وہ کسی کو بھی مسحور کر سکتا ہے۔"

"میاں دعوے سے کہتا ہوں اب اتنا پارسا نہیں ہوں کہ ہر بات کو دنیا سے چھپا کر رکھوں واقعی ان کی ذہنی قوتوں ہی نے مجھے اب تک اس کے بارے میں کوئی نمایاں کارروائی کرنے سے روکے رکھا ہے ورنہ اور کچھ نہ کرتا ان لوگوں کو میں نے الگ تھلگ جگہ بے شک دے دی ہے۔ لیکن کم از کم ان کے بارے میں کھوج تو کرتا لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے جب بھی میرا ذہن ان کے بارے میں سوچتا ہے تو میرے ذہن کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور یہ کام گرشک کے سوا کسی اور کا نہیں ہے۔"

"ہمیں سے اس کی پراسرار کیفیت کا پتا چلتا ہے۔"

اس میں کیا شک ہے۔" کرنل گل نواز نے پر اعتراف لہجے میں کہا۔

"اب یہاں سے دوسرے بہت سے سوالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثلاً یہ انکل علی سفیان کیا چیز ہیں۔"

"علی سفیان! میرا ایک قابل اعتماد دوست ہے۔ اس کی شخصیت کے بارے میں بھی آپ کو بتا دوں۔ برا انسان نہیں ہے۔ اتنا دولت مند ہے کہ بڑے بڑے خزانے اس کے لیے بے مقصد ہو جاتے ہیں۔ بہ ذات خود اس کے پاس اتنا کچھ ہے کہ کسی خزانے کے لیے وہ اپنی زندگی خطرے میں نہیں ڈال سکتا کوئی بھی پراسرار عمل اس سے اس بات پر آمادہ کر سکتا ہے کہ وہ جدوجہد کرے۔"

"گویا آپ ان پر مکمل اعتماد کرتے ہیں۔"

"ہاں بالکل۔"

"اور قزل ثنائی کے بارے میں تو اس کہانی سے ہمیں بہت سی باتوں کا پتا چل جاتا ہے۔"

"بالکل۔ وہ اور اس کی بیوی۔ بالکل قائل اعتماد ہیں اب یہ بات تو تم خود بھی جانتے ہو کہ جب انسان ساری زندگی کسی ایسے معاملے کی کھوج میں گزار دے تو پھر اس کا شوق ہی نہیں، اس کی زندگی بن جاتا ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ بہ ظاہر یہ دونوں کردار میرے لیے بڑی حیثیت کے حامل ہیں اور میں ان پر مکمل اعتماد کر سکتا ہوں۔"

"گڈ...... علی سفیان چاہتے کیا ہیں۔"

"ان علاقوں کی جانب سفر جن کی تفصیل انہوں نے بتا ڈالی ہے۔"

"اور اس خزانے کا حصول۔"

"ہاں اصل مقصد اس پراسرار بھید کی گتھی سلجھانا ہے۔ کہ آخر یہ بھید کیا۔ باقی اس کے بعد دیکھیں گے کہ خزانے کے حصول کے لیے کیا کیا جا سکتا ہے۔ ویسے جو ہول ناک داستان قزل ثنائی نے سنائی ہے اس کا مطلب ہے کہ وہ خزانے ہیں تو سہی لیکن ان تک پہنچنا ناممکن ہے۔ بھلا پاتال کی گہرائیوں میں اترنے کے کون سے راستے ہو سکتے ہیں۔ اور وہ لوگ جو فنا ہو گئے ان کی داستان دہرانا کون پسند کرے گا۔ بس، تم یا علی سفیان یا قزل ثنائی۔" کامران کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی پھر اس نے کہا۔

"ایک شخص ایسا بھی ہے۔" کامران کے الفاظ سن کر کرنل گل نواز بے اختیار مسکرا دیا اور بولا۔

"مرزا خاور بیگ کی بات کرتے ہو۔" کامران کو بھی ہنسی آ گئی تھی۔

"آپ نے بالکل ٹھیک سمجھا۔"

"اور تم نے بالکل ٹھیک کہا۔" کرنل گل نواز بولا۔

"ویسے ایک بات میرے ذہن میں آتی ہے جناب۔"

"ہاں بولو۔"

"مرزا خاور بیگ، آپ کا پریکٹیکل ہینڈ بن سکتے ہیں۔" کرنل گل نواز پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا پھر بولا۔

"ہاں۔ جو لوگ اس طرح کی کارروائیاں کر لیتے ہیں۔ ان کے وسائل بھی بہت زیادہ ہوتے ہیں اور وہ انتظامی امور میں بھی باکمال ثابت ہو سکتے ہیں خیر...... بہت سے مسائل تو میں بھی حل کر سکتا ہوں۔ لیکن تمہاری نشان دہی بالکل درست ہے۔ ہم مرزا خاور بیگ کو بھی بھرپور طریقے سے اس راز میں شریک کر سکتے ہیں۔"

"اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا علی سفیان اور قزل ثنائی کو اس راز میں شریک کیا جا سکتا ہے۔"

"اس سلسلے میں تو تم سے سب سے اہم مشورہ کرنا ہے۔ ویڈیو فلم میں جو یہ دو کردار دکھائے گئے تھے۔ یہ بڑی بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔ میں یہ سوچتا ہوں کہ کیا ہمیں ان تمام باتوں سے پہلے گرشک سے اس بارے میں معلومات نہیں حاصل کر لینی چاہیے۔" کامران کسی سوچ میں ڈوب گیا اور پھر بولا۔

"آپ کے خیال میں گرشک آپ کے مسئلے کو سمجھ لے گا۔"

"سو فیصدی سمجھ لے گا کامران! اور اصل میں وہ نہیں ہے جو بنا ہوا ہے میں نہیں جانتا کہ وہ اپنے ان ایوانوں سے نکل کر باہر کی دنیا میں کہاں بھٹک رہا ہے۔ جب وہ اتنی بڑی حیثیت کا حامل ہے۔ جیسا کہ ویڈیو فلم میں میں نے اور تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تو ظاہر ہے اس کی اپنی ایک الگ ہی حیثیت ہوگی۔ پھر وہ کیوں اتنا نیچے جا کر بات کر رہا ہے میرا مطلب ہے۔ اس طرح کیوں چھپا ہوا ہے۔"

"ہاں آپ ٹھیک کہتے ہیں۔"

"میرا خیال ہے اگر میں گرشک سے مل کر یہ تمام باتیں کروں تو لازمی طور پر وہ مجھے اس بات سے روک دے گا کہ میں ان لوگوں کو اس کے بارے میں بتاؤں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں ان لوگوں کو اپنے اعتماد کے لیے مجھے گرشک اور سیتا سے بات کر لینی چاہیے۔" کامران سوچ میں ڈوب گیا پھر بولا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ اچھا ایک بات اور۔"

"ہاں بولا۔"

"کیا مرزا خاور بیگ کو گرشک اور سیتا کے بارے میں کچھ معلوم ہے۔"

"میرا خیال ہے اتنا ضرور معلوم ہوگا۔ کہ وہ ایسے افراد ہیں جنہیں میں نے اپنی کوٹھی کے ایک الگ تھلگ گوشے میں رکھا ہوا ہے میں نے اس سے زیادہ اس نے مجھ سے اس سلسلے میں کوئی کرید کی نہ میں نے اسے اپنے طور پر کچھ بتایا۔" کامران نے پرخیال انداز میں گردن ہلائی۔ اس کا ذہن اس وقت تیز رفتاری سے سوچ رہا تھا۔ کرنل گل نواز سے تعاون بھی بڑا ضروری تھا۔ بہر حال اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے گرشک کو ابھی کچھ نہ بتایا جائے۔ لیکن علی سفیان، مرزا خاور بیگ اور قزل ثنائی کو اعتماد میں ضرور لیا جائے۔ تا کہ کام میں باقاعدگی پیدا ہو جائے یہ تو طے ہے کہ آپ ان کے ساتھ ان علاقوں کی طرف سفر کرنا چاہتے ہیں۔"

"ہاں کامران! اب تم کچھ بھی کہو اس بات کو لیکن خواہش ہے کہ میں اس مہم کی ترتیب کروں۔" کامران مسکرا کر بولا۔

"اگر یہ آپ کی خواہش ہے جناب! تو ظاہر ہے یہ پھر میری خواہش بھی بن جاتی ہے۔"

"تو ہمارے درمیان یہ بات طے ہوئی کہ ہم دوسری میٹنگ اسی سلسلے میں رکھیں گے۔ اور ان لوگوں کو اپنے اعتماد میں لیں گے۔"

"بالکل۔ تم اس بات سے متفق تو ہو نا۔"

"ہاں۔ ویسے ایک بات اور بھی ہے۔ وہ یہ کہ اس تمام معاملے میں ہمیں اتنے مختصر انداز میں نہیں سوچنا چاہیے۔ کچھ ایسے کردار بھی ہیں جن کا تعلق ہم لوگوں سے مشترک ہی ہے۔ اور یہ کردار ہمارے بڑے کام آ سکتے ہیں۔"

"کون ہے وہ کیا میں انہیں جانتا ہوں۔" میں نے سوال کیا۔

"نہیں بالکل نہیں۔ اجنبی لوگ ہیں۔ ہم سب ان سے ملاقات کریں گے تم بالکل بے فکر رہو۔"

"اگر ہم اس مہم پر جائیں گے تو کیا گرشک اور سیتا کو اپنے ساتھ لے کر جائیں گے۔"

''میں نے کہا نا اب جب ہم انہیں اپنے اعتماد میں لے ہی رہے ہیں تو پھر یہ مشورہ ان سے ہی کیا جائے گا۔ تم اس بارے میں کیا کہتے ہو۔''

''نہیں نہیں ٹھیک ہے۔ واقعی جب ہم یہ سب کچھ کر رہے ہیں تو پھر ان لوگوں کو اعتماد میں لینے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ڈھائی سے تقریباً ساڑھے تین بج چکے تھے۔ کرنل نے معذرت کر کے اٹھتے ہوئے کہا۔

''بہر حال یقین کرو ساری الجھنیں دور ہو گئیں۔ تم جیسا مشیر ملنا مشکل ہے۔ تمہاری ہر رائے سے میں اتفاق کرتا ہوں۔ اب یوں کرو کہ آرام سے سو جاؤ۔ اور صبح اس وقت جاگو جب نیند پوری ہو جائے۔''

کامران مسکرا دیا پھر وہ کرنل کو دروازے تک چھوڑنے آیا تھا۔ رمضان بابا گہری نیند سو رہا تھا۔ پتا نہیں کرنل گل نواز کے اندر آنے کے لیے مین دروازہ کس نے کھولا تھا لیکن کرنل اس کوٹھی کا مالک تھا۔ اس سے یہ سوال کرنا خلاف آداب محسوس ہوا۔ کامران اندر داخل ہو گیا۔ اور اس کے بعد بستر پر لیٹ کر خیالات کی دنیا میں کھو گیا۔ جب ایسے معاملات ذہن میں آ جاتے ہیں تو نیند تو خود بخود دور چلی جاتی ہے۔ اس کا ذہن ان پراسرار ویرانوں میں سفر کرنے لگا۔ جن کا اس نے کبھی خواب میں بھی تصور نہیں کیا تھا۔ ہم جوئی کا اس کی زندگی سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ سادہ سادہ سی زندگی گزاری تھی۔ اپنے مسائل میں گرفتار رہا تھا اور ان مسائل نے ہی اس کا پیچھا نہیں چھوڑا تھا۔ زندگی میں صرف ایک بہن تھی۔ جس سے رشتوں کا تصور وابستہ تھا لیکن وہ رشتے بھی نہ رہے اور اگر حاجی الیاس نہ مل جاتے تو شاید تعلق جیل سے ہوتا کہ اسے اس قید سے کبھی رہائی نہ ملے۔ جتنی زندگی باقی ہے جیل میں ہی گزار دی جائے۔ مگر وقت کے فیصلے مختلف ہوتے ہیں۔ اس کی اعلیٰ ترین مثال اس وقت اس کی زندگی میں موجود تھی اور پھر یہ خیال بھی اس کے دل میں تھا کہ جب وقت ہی راستوں کا تعین کرتا ہے تو خود کسی مشکل میں پڑنے سے کیا فائدہ ہے اپنے آپ کو وقت کے دائرے پر چھوڑ دینا ہی بہتر ہے ابھی خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔ کہ دفعتاً باہر سے شور کی آواز سنائی دی۔ اور وہ چونک پڑا اس نے اس شور پر کان لگا دیے آواز کیسی ہے وہ تیزی سے اس کھڑکی پر پہنچا۔ جسے کھول کر باہر دیکھا جا سکتا تھا۔ باہر جھانکا تو اس نے کچھ ملازموں کو اور اس کے ساتھ ساتھ ہی علی سفیان قزل شائی اور امینہ سلفا کو دوڑتے ہوئے دیکھا۔ وہ لوگ چیختے چلاتے باہر بھاگ رہے تھے۔ اور یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان کے دوڑنے کی وجہ کیا ہے۔ کامران حیرانی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ ان کا رخ کسی ایک جانب نہیں تھا۔ بلکہ وہ سب ادھر ادھر پھیل کر جیسے کسی کو تلاش کر رہے تھے۔ دفعتاً ہی کامران کی نگاہیں مہندی کی اس باڑ کی جانب اٹھ گئیں جو یہاں سے صاف نظر آتی تھی لیکن اس جگہ سے نہیں جہاں وہ لوگ دوڑ رہے تھے کامران نے مہندی کی آڑ لے کر کسی کو دوڑتے ہوئے دیکھا۔ دوڑنے والا اس باڑ کے ساتھ ساتھ اسی طرف آ رہا تھا۔ کامران چونکہ بلندی پر تھا۔ اس لیے اس نے دوڑنے والے کو صاف دیکھ لیا۔ اور یہ دیکھ کر اس کی آنکھوں میں شدید حیرت کے آثار نمودار ہو گئے۔ کہ وہ سیتا تھی۔ جو ان لوگوں سے چھپی چھپی ایک طرف دوڑ رہی تھی۔ نہ جانے کامران کے ذہن میں کیا بجلی سی کوندی کہ وہ تیزی سے آگے بڑھا اور کھڑکی کے پاس سے ہٹ کر دروازے کی طرف دوڑنے لگا۔ رمضان بابا گھوڑے بیچ کر سوئے ہوئے تھے انہیں نہ کرنل گل نواز کے آنے کی خبر تھی اور نہ اب اس وقت کے ہنگامے کی۔ مہندی کی وہ باڑ جس کے ساتھ ساتھ سیتا دوڑتی ہوئی اس طرف آ رہی تھی۔ کامران کی رہائش گاہ کے بڑے دروازے سے گزرتی تھی۔

کامران نے برق رفتاری سے دروازہ کھولا۔ اور صحیح وقت پر اس نے یہ عمل کیا تھا۔ کیونکہ سیتا اس وقت اس دروازے کے عین سامنے سے گزر رہی تھی۔ دفعتاً ہی کامران نے اس کے خوب صورت گھنے اور لمبے ریشمی بالوں پر ہاتھ مارا اور جھٹکے سے اسے اندر کی جانب گھسیٹ لیا۔ سیتا کے حلق سے ایک مدھم سی آواز نکلی تھی۔ اور وہ بے اختیار اندر دوڑی چلی آئی تھی۔ کامران نے اسے گرنے سے سنبھالا اور پھر پھرتی سے دروازہ بند کر کے چٹخنی چڑھا دی۔ سیتا کی تیز چمک دار آنکھیں اس کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اس کے چہرے پر ایک لمحے کے لیے خوں خوار تاثرات ابھرے تھے۔ لیکن کامران نے دونوں ہاتھ سیدھے کر کے کہا۔

''تم یہاں اپنے آپ کو محفوظ سمجھو اور خاموشی سے چھپ جاؤ۔ میں کسی کو تمہارے بارے میں نہیں بتاؤں گا۔ اطمینان رکھو۔ اور اس وقت بھی صاف محسوس ہوا کہ سیتا نے کامران کے الفاظ صاف طریقے سے سن لیے ہیں۔ ایک لمحے کے لیے اس نے جھجکتے ہوئے اس دروازے کی طرف دیکھا بھاگنے والوں کا شور اس دروازے کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ لیکن کسی کو یہ شبہ نہیں ہو سکا تھا کہ سیتا اندر داخل ہو گئی۔ کامران نے پھر اس کے بازو کو تھپتھپایا اور اسے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ سیتا نے اس سے تعاون کیا تھا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی اندر آ گئی تھی۔ اندر مدھم بلب روشن تھے کامران نے پھر ہاتھ اٹھایا اور کہا۔

''یہاں آرام سے بیٹھ جاؤ۔ باہر کوئی ایسی جگہ نہیں ہے کہ کوئی تمہیں جھانک کر اندر دیکھ لے گا۔ تم یہاں بالکل محفوظ ہو اطمینان رکھو اس کے ساتھ ہی کامران نے سیتا کے ہاتھوں میں دبی ہوئی کوئی چیز دیکھی۔ اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ یہ ویڈیو کیسٹ تھا۔ ایک لمحے تک تو اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا اور پھر نہ جانے کیوں کلک کی آواز کے ساتھ ذہن کا ایک خانہ روشن ہو گیا۔ ویڈیو کیسٹ...... ویڈیو کیسٹ...... یہ ویڈیو کیسٹ تو وہی تھا۔ جس میں اس خانے کی تفصیل چھپی ہوئی تھی۔ کامران شدت حیرت سے گنگ رہ گیا۔ لڑکی نے ادھر ادھر دیکھا شاید وہ پیاسی تھی کیونکہ اس نے کئی بار خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ دفعتاً ہی باہر کے دروازے پر زوردار آوازیں سنائی دیں۔ کوئی دروازہ پیٹ رہا تھا۔ کامران ایک لمحے کے لیے رکا آوازیں کافی زوردار ہو گئیں تھیں۔ دفعتاً ہی لڑکی نے ایک سمت چھلانگ لگائی۔ اس نے وہ کھلی ہوئی کھڑکی دیکھ لی تھی۔ پھر کامران کی آنکھوں میں جیسے بجلی سی کوند گئی۔ لڑکی مچھلی کی طرح پھسل کر اس کھڑکی سے باہر نکل گئی تھی۔ لیکن اس سے ایک بات ہوئی تھی وہ یہ کہ اس کے ہاتھ میں دبا ہوا ویڈیو کیسٹ نیچے گر پڑا تھا۔ ایک لمحے کے لیے لڑکی کی ٹانگیں پھر نظر آئیں اور پھر وہ نہ جانے کس طرح کھڑکی سے اپنے بدن کو لچکاتی ہوئی باہر نکل گئی۔ کامران کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس طرح کہاں گئی ہو گی۔ ایک لمحے کے لیے اس کا دل چاہا کہ وہ دوڑ کر کھڑکی سے باہر جھانکے لیکن باہر دستک ہو رہی تھی۔ البتہ اس نے یہ کام ضرور کیا کہ پہلے جھک کر ویڈیو کیسٹ اٹھائی اور اس کے بعد کھڑکی بند کی ویڈیو فلم احتیاط سے ایک کارنس کے اوپر رکھی۔ ایسی جگہ جہاں سے اسے دیکھا نہ جا سکے۔ اور اس کے بعد چہرے پر نیند کے آثار پیدا کر کے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ کھلنے پر جو پہلی شکل اسے نظر آئی۔ وہ امینہ سلفا کی تھی۔ جس کا چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔ آنکھوں سے جیسے چنگاریاں سی اٹھ رہی تھیں۔ اس کے پیچھے ہی علی سفیان تھا۔ اور علی سفیان کے پیچھے کرنل گل نواز کوٹھی کے اندر کی روشنیاں جلتی جا رہی تھیں اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ چند ہی لمحوں کے بعد تمام لوگ باہر نکل آئیں گے۔ شاہ

نواز، رخشندہ، ثانیہ سب کے سب نیند میں ڈوبے ہوئے باہر نکل آئے تھے۔ گل نواز نے جلدی سے کہا۔

"تم سو رہے تھے نا۔"

"جی سر! کیوں خیریت۔" کامران نے حیرانی کا مظاہرہ کر کے کہا لیکن وہ محسوس کر رہا تھا کہ اینہ سلفا بڑی چبھتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ بالکل ایسا لگ رہا ہے جیسے اس کی آنکھیں کامران کے دماغ کی ہڈیوں کو توڑ کر اس کے سامنے داخل ہونا چاہتی ہیں۔ علی سفیان نے کہا۔

"مسٹر کامران! کوئی ابھی ادھر سے دوڑتا ہوا اس طرف آیا تھا اینہ سلفا نے اسے آپ کے دروازے تک تو دیکھا۔ وہ مہندی کی باڑ پکڑے اس طرف دوڑ رہی تھی اور اس کے بعد غائب ہو گئی۔ میرا مطلب ہے کہ وہ۔"

"کون جناب۔" کامران نے بھرپور حیرانی سے پوچھا۔

"نہیں علی سفیان وہ ادھر نہیں آ سکتا وہ جو کوئی بھی ہے اگر ادھر آتا تو کامران کا دروازہ بند نہ ہوتا۔"

"ہو سکتا ہے دروازہ پہلے سے کھلا ہو اور آنے والا خود اندر آ کر دروازہ بند کرنے میں کامیاب ہو گیا ہو۔" اینہ سلفا کی آواز سنائی دی۔

"نہیں دروازہ میں نے رات کو خود بند کیا تھا۔ بلکہ رمضان بابا دروازہ خود دیکھنے آئے تھے اور مجھ سے پوچھا بھی تھا کہ دروازہ بند کر دیا۔"

"لیکن میں نے اسے یہاں کے بعد آگے نہیں دیکھا۔" اینہ سلفا بولی۔

"تو آپ اندر آ جائیے ہو سکتا ہے کسی طرح دروازہ کھلا ہی رہ گیا ہو ہر بات کی گنجائش رکھنی چاہیے مگر وہ تھا کون...... کوئی چور۔"

"تھا نہیں تھی۔ میں نے اسے اچھی طرح دیکھا ہے۔" اینہ سلفا بولی۔

"آ جائیے آ جائیے اندر آ جائیے۔"

"تم دونوں جاؤ۔ میں ذرا دوسروں کو ہدایت کر دوں۔" کرنل گل نواز کے لہجے میں ایک ہلکی سی تلخی تھی۔ غالباً وہ اس بات کا برا مان رہا تھا کہ جب میں کہہ رہا ہوں کہ میں نے دروازہ اندر سے بند کیا ہے تو اینہ سلفا میرے الفاظ کی تردید کیوں کرنا چاہتی ہے۔ میں نے ایک نگاہ کرنل گل نواز کو دیکھا۔ اس دوران اینہ سلفا اور علی سفیان اندر داخل ہو گئے تھے۔ پہلی بار اینہ سلفا کو متحرک اور باعمل دیکھا تھا پھر وہ دونوں ہر اسی جگہ کا جائزہ لینے لگے جہاں کسی کے چھپ جانے کا امکان ہو سکتا تھا۔ کھڑکی خوش قسمتی سے میں نے بند کر دی تھی۔ اس لیے ایسی بات نہیں ہوئی تھی کہ ان کی توجہ اس طرف جاتی بہرحال کچھ لمحوں کے بعد کرنل گل نواز بھی اندر آ گیا رمضان بابا بھی جاگ گئے تھے اور حیرت سے اس بھاگ دوڑ کو دیکھ رہے تھے۔ بہرحال اس کے بعد کرنل گل نواز نے کہا۔

"چلو علی سفیان سونے دو بے چارے کو جو کوئی بھی تھا باہر نکل گیا۔"

کرنل گل نواز سب کو واپس لے گیا۔ چلتے ہوئے اس نے کہا۔

"کامران! آرام کرو۔ اب سب کچھ صبح کو دیکھا جائے گا۔" یہ کہہ کر اس نے غور سے کامران کی

صورت دیکھی۔ گویا یہ کہنا چاہتا ہو کہ صبح کو ہم اس موضوع پر بات کریں گے۔ کامران نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا تھا۔ لیکن اس کے بعد اس کا ذہن گہرے سناٹوں میں ڈوب گیا تھا۔ رمضان نے اندر جھانک کر کہا۔

"صاحب! روشنیاں بجھا دوں۔"

"پتا نہیں کیا ہوا تھا بابا رمضان! آپ کی بھی نیند خراب ہوئی۔" کامران نے کہا۔

"نہیں چھوٹے میاں! ایسا تو اکثر یہاں ہوتا رہتا ہے۔ آپ بارش والی وہ رات بھول گئے۔"

"ہاں۔ بالکل ٹھیک کہتے ہیں آپ اگر بارش کی رات کا معاملہ کچھ اور تھا آج کی صورت حال کچھ اور تھی۔"

"جی جی مطلب تو وہی تھا۔ آپ کو پہلے بھی اس سے واسطہ پڑ چکا ہے۔ اچھا کچھ چاہیے تو بتا دیجیے۔"

"نہیں آپ آرام کریں۔ بلکہ مجھے افسوس ہے کہ آپ کو بھی پریشان ہونا پڑا۔" رمضان گردن ہلا کر باہر نکل گیا۔

لیکن اب نیند کامران کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اس کے لیے پہلے بھی یہ کردار انتہائی پراسرار تھے۔ لیکن اب تو مزید پراسرار ہو گئے تھے۔ سینا کو ویڈیو فلم کے بارے میں بھی معلوم تھا۔ گویا وہ مکمل طور پر ایک ذہین انسان ہے اور ہر طرح چاق و چوبند۔ پتا نہیں اسے ویڈیو کے بارے میں کیسے معلوم ہو گیا اور پتا نہیں وہ ویڈیو کس کی تحویل میں تھی۔ قزل ثانی کی تحویل میں یا علی سفیان کی؟ لیکن سب سے زیادہ حیرت ناک کردار اسے اینہ سلفا کا لگ رہا تھا۔ اینہ سلفا کی پراسرار آنکھیں اور اس کا مکمل طور پر حیرت و اسرار میں ڈوبا ہوا وجود۔ یہ احساس دلاتا تھا کہ وہ کوئی بہت ہی پراسرار کردار ہے۔ کامران خاص طور سے اس کے بارے میں سوچتا رہا۔ پھر اچانک ہی اس کے ذہن میں ایک خیال پیدا ہوا۔ بہت سے کردار بکھر گئے ہیں۔ عروسہ، خاور بیگ اور اس کے بعد یہ سارے لوگ قزل ثانی کی سنائی ہوئی کہانی میں بہت سے پراسرار کردار جن کا وجود برقرار تھا۔ یہ سارے کردار سنسنی خیز داستانوں کے حامل تھے اور جس کے بارے میں بھی سوچا جاتا۔ بڑے عجیب سے احساسات دل میں جاگنے لگتے تھے۔ کامران بہت سی باتیں سوچتا رہا مگر اسے اتنا تو معلوم ہو ہی چکا تھا کہ یہ جو کچھ بھی ہے۔ اب زیادہ سے زیادہ دلچسپ ہوتا جا رہا ہے اور وہ خود کو اس کہانی سے الگ نہیں کر سکتا۔ کرنل گل نواز کا خیال تھا کہ مرزا خاور بیگ کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا جائے۔ تاکہ صورت حال بہتر ہو سکے اور یہاں کے معاملات میں تھوڑی سی تبدیلی پیدا ہو سکے۔ شاید رمضان بابا بھی اس کے بعد نہیں سوئے تھے کیونکہ صبح ہی صبح انہوں نے کمرے میں جھانک کر کہا تھا۔

"صاحب! کرسی پر بیٹھ کر پوری رات گزاری آپ نے میں نے دو تین بار آپ کو دیکھا۔ ایک بات آپ سے کہوں۔ کامران صاحب! اپنے آپ کو پریشان کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ آپ یقین معاف کیجیے گا اگر نوکری کرتے ہیں۔ تو نوکری کرتے رہیں۔ یہاں کے معاملات میں نہیں الجھنا چاہیے تو اپنے لیے کوئی چھوٹی موٹی جگہ تلاش کر لیں۔ ایسے تو صحت خراب ہو جائے گی آپ کی۔" کامران کو ہنسی آ گئی۔ بابا رمضان صرف ہمدردی میں یہ مشورہ دے رہا تھا اور اس سے زیادہ اس کا اور کوئی مقصد نہیں تھا۔

خیر اس بے چارے کو کیا معلوم کہ کامران کی ذہنی کیفیت کیا تھی۔ بابا نے کہا۔

"اب یہ بتایئے ناشتا تیار کر دوں آپ کے لیے۔"

"جی بابا صاحب کر دیں۔ آپ کی مہربانی ہوگی ویسے آپ بھی نہیں سو سکے۔"

"ہاں چھوٹے میاں! مجھے نیند تو ویسے بھی نہیں آ رہی تھی اور اگر سو بھی جاتا تو بے حسی ہوتی۔" یہ کہہ کر رمضان بابا باہر نکل گیا۔ کامران بہت دیر تک اس کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ پھر اس نے گہری سانس لی اور ناشتے کا انتظار کرنے لگا ہلکا پھلکا ناشتا کرتا تھا۔ رمضان بابا نے اس کی ضرورت کی تمام چیزیں اس کے سامنے لا کر رکھ دیں اور پھر وہ ناشتے میں مصروف ہو گیا۔

بہت زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی اور کچھ لمحوں کے بعد کرنل گل نواز اندر داخل ہو گیا۔ کامران نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا تھا۔ گل نواز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"رمضان بابا نے مجھے بتا دیا ہے کہ رات میں تم نہیں سوئے یہ فطری سی بات ہے۔ اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ جب انسان کے ساتھ اس طرح کے واقعات پیش آ گئیں۔ تو پھر نیند کہاں آتی ہے۔ بھئی بابا، احب! اب ہمیں یہ احساس ہو رہا ہے کہ ہم نے آپ کی خدمات سے بھرپور استفادہ نہیں کیا۔ آپ تو بہت اچھے آدمی ہیں۔ یعنی اتنی صبح ناشتا بھی کرا دیتے ہیں۔ چلیے ہمیں بھی کافی پلوا دیجئے۔

"جی حضور ابھی لایا۔" رمضان بابا نے کہا۔ کرنل گل نواز ایک صوفے پر بیٹھ کر کامران کی طرف دیکھنے لگا۔

"سر! آپ کو کچھ پیش کروں۔" کامران نے کہا۔

"پیش کرو نہ یار! پوچھنے کی کیا ضرورت ہے لاؤ۔ کیا ہے۔" کرنل گل نواز نے بے تکلفی سے کہا۔

تھوڑی دیر کے بعد رمضان بابا نے کافی کے برتن سامنے رکھ دیے۔ کیتلی سے خوشبودار بھاپ اٹھ رہی تھی۔ کرنل گل نواز گہری گہری سانسیں لینے لگا پھر بولا۔

"یہ کافی میری کمزوری ہے۔ تم یہ تازہ کافی لو۔ رات کے واقعات کے بارے میں کیا کہتے ہو۔ باہر کا دروازہ بند کر کے آیا ہوں۔ وہ سارے لوگ گھوڑے بیچ کر سو رہے ہیں۔ یہ اندازہ ہے مجھے۔"

"رات کے واقعات میں بڑے دلچسپ پہلو ہیں۔ سیتا! یہاں بھاگتے ہوئے داخل ہوئی تھی اور یہ بات میں پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ وہ جان بوجھ کر یہاں نہیں آئی تھی۔ لوگ اس کے پیچھے دوڑ پڑے تھے اور وہ جدھر منہ اٹھا چلی آئی تھی اور اتفاق سے منہ ادھر ہی اٹھ گیا تھا۔"

"جانتے ہو علی سفیان کیا کہہ رہا ہے۔"

"نہیں مجھے کیا معلوم۔"

"بڑی سنسنی خیز بات ہے۔"

"کیا؟"

"علی سفیان کا کمرا اوپر کی منزل پر ہے اور پیچھے کی دیوار اس قدر سپاٹ ہے کہ اس پر چڑھنا بہت ہی مشکل ہے۔ لیکن علی سفیان کا کہنا ہے کہ بیڈروم کی پچھلی کھڑکی سے کوئی اندر آیا اور اس نے وہ ویڈیو کیسٹ چرا لیا۔" کرنل گل نواز نے اپنے الفاظ کے دھماکے کا اثر کامران کے چہرے پر ڈھونڈنے کی کوشش کی لیکن

کامران پرسکون ہی رہا۔ جس پر کرنل گل نواز کو حیرت ہوئی تھی۔ وہ کسی قدر تجسس انداز میں کامران کی صورت دیکھتا رہا۔ پھر اس نے بات آگے بڑھائی۔

"کامران انہوں نے جو تفصیل بتائی اس کے مطابق ویڈیو فلم چرانے والی کوئی لڑکی تھی۔ وہ لوگ فوری طور پر جاگ گئے تھے اور انہوں نے لڑکی کا سایہ کھڑکی پر دیکھا تھا اور اس کے بعد لڑکی کھڑکی میں سے غائب ہو گئی۔ انہیں فوراً یہ اندازہ ہو گیا کہ وہ کوئی چور تھا اور پھر علی سفیان تیزی سے نیچے کی جانب دوڑا اور اس کے ساتھ ہی اس نے شور مچا دیا جس کے نتیجے میں ملازم وغیرہ بھی جاگ گئے۔ علی سفیان نے پیچھے سے لڑکی کو صاف دیکھا۔ البتہ سلفا یہ خبر لے کر آئی کہ چرائی جانے والی چیز ویڈیو فلم تھی۔ وہ فلم جس میں اس پراسرار خزانے کی تفصیل تھی۔ کیا سمجھے!"

"جی۔"

اور جہاں تک میں نے معلومات حاصل کی ہیں ویڈیو فلم حاصل کرنے کی کوشش کرنے والی سیتا تھی۔" ایک بار پھر کرنل گل نواز نے کامران کا چہرہ دیکھا۔ کامران کے چہرے پر تھوڑی سی جوشیلی کیفیت ضرور تھی۔ لیکن وہ حیرت نہیں تھی جو کرنل گل نواز اس کے چہرے پر دیکھنا چاہتا تھا اور کرنل گل نواز کا خیال تھا کہ بعض لوگوں کے چہرے سپاٹ ہوتے ہیں اور اعصاب اس قدر مضبوط کہ بڑی سے بڑی سنسنی خیز خبر پر وہ حیران نہیں ہوتے اور ان کے چہرے کے عضلات میں کوئی تناؤ یا تاثر نہیں پیدا ہوتا۔

پھر بھی وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکے۔

"کیا تم کو یہ سن کر حیرت نہیں ہوئی۔ میری تو عقل حیران رہ جاتی ہے۔ جب میں یہ سوچتا ہوں۔ گرشنک اور سیتا! ایسے دو پراسرار کردار جو مجھے سنکیانگ کی پہاڑیوں میں ملے تھے اور جو اس وقت سے لے کر آج تک میرے لیے ناقابل فہم رہے ہیں۔ اتنے چالاک ہیں! آخر انہیں اس ویڈیو فلم کے بارے میں کیسے معلوم ہوا۔ وہ تو اس طرح یہاں رہ رہے ہیں۔ جیسے کچھ معصوم سے جانور پکڑ کر بند کر دیے گئے ہوں۔ دنیا سے بے خبر حالات سے لاعلم وہ کیسے جانتے ہیں ویڈیو فلم کیا چیز ہوتی ہے۔ اس ویڈیو فلم سے ان کا کون سا مفاد یا راز وابستہ ہے؟ اس ویڈیو فلم میں ان دونوں کی تصویریں بھی موجود ہیں۔ یقین کرو کامران میرا تو دماغ ماؤف ہو گیا ہے۔ ایسے دو کردار جنہیں میں طویل عرصے سے پال رہا ہوں اس قدر پراسرار نکلیں گے میرے تو فرشتوں کو بھی یہ گمان نہیں تھا۔ کیا یہ حیرت انگیز بات نہیں ہے کہ وہ دونوں اس قدر چالاک اور دنیا سے اتنے واقف ہیں۔ کامران آنکھیں بند کر کے گردن ہلانے لگا۔۔

یہ بات واقعی اس کے لیے بھی بڑی سنسنی خیز تھی کہ کسی خزانے کا معاملہ تھا اور یہ دونوں افراد اس سے پوری طرح باخبر تھے اور انجان بنا موشی کے ساتھ یہاں کرنل گل نواز کی کوٹھی میں وقت گزار رہے تھے۔ حیران کن بات تھی مگر کامران ابھی گل نواز کی باتیں سننا چاہتا تھا اور گل نواز دل ہی دل میں اس بات پر حیران تھا کہ کامران ان واقعات سے قطعی متاثر نہیں ہو رہا۔ تاہم اس نے اپنا بیان جاری رکھا اور کہنے لگا۔

"میں پورے دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس طرف آنے والی سیتا ہی تھی۔ کامران مجھے یقین ہے تم مجھ سے کچھ نہیں چھپاؤ گے۔ کیا سیتا یہاں پہنچی تھی؟" کامران نے محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا۔

اپنی جگہ سے اٹھا اور باہر نکل گیا کرنل گل نواز حیران نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ کامران نے اچھی طرح دیکھ لیا کہ مہمان خانے کا دروازہ بند ہے اور ادھر ادھر آس پاس بھی کوئی نہیں ہے۔ رمضان بابا کچن میں کام کر رہے ہیں۔ تو وہ واپس آیا اور اس نے اپنے بیڈ روم کا دروازہ بند کر لیا۔ کرنل گل نواز کے چہرے پر بڑی سنسنی کے آثار تھے۔ انہوں نے کامران کو دیکھا اور بولے۔

"تمہاری ان تمام تر احتیاط کا مطلب ہے کہ تم اس بارے میں کچھ جانتے ہو۔"

"ہاں کرنل! وہ سیتا ہی تھی جو یہاں آئی تھی۔"

"تم نے اسے دیکھا تھا۔"

"ہاں۔"

"تمہارے خیال میں وہ اس طرف کیوں آئی تھی۔"

"بالکل اتفاقیہ طور پر اپنے آپ کو چھپانے کے لیے۔"

"پھر کیا ہوا؟"

"وہ لوگ اس کے پیچھے دوڑے چلے آ رہے تھے۔ وہ یہاں تک پہنچی اور اس کے بعد اس عقبی کھڑکی سے باہر نکل گئی۔ لیکن علی سفیان کے کمرے سے حاصل کی گئی ویڈیو فلم اس کے ہاتھ سے گر گئی اور اب وہ میرے پاس موجود ہے۔"

"اوہ میرے خدا۔ میرے خدا۔ میرے خدا۔" کرنل گل نواز نے آنکھیں بند کر لی تھیں وہ دیر تک گومگو کی حالت میں بیٹھے رہے اور پھر بولے۔

"ویڈیو فلم تمہارے پاس ہے۔"

"جی آپ کی امانت۔"

"نہیں..... مگر نہیں۔" کرنل گل نواز جیسے الجھ گئے۔ پھر کچھ دیر کے بعد بولے۔

"ویڈیو فلم مجھے دے دینا۔ اس بات کے سو فی صدی امکانات ہیں کہ سیتا یا گرشک تم سے ضرور رجوع کریں گے اور تم سے تعاون کی درخواست کریں گے اگر وہ اتنے ہی باشعور اور عقل مند ہیں۔ بہ صورت دیگر کسی نہ کسی طرح یہ فلم تم سے حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔"

"میں جانتا ہوں۔"

"تمہیں اپنا تحفظ بھی کرنا ہوگا۔ انتہائی حیرت انگیز ہیں یہ دونوں۔ پتا نہیں ان کے درمیان آپس میں کیا رشتہ ہے۔ باپ بیٹی تو وہ کسی قیمت پر نہیں ہو سکتے۔ خیر! بھئی کامران! یوں لگتا ہے۔ جیسے وقت ہمیں کسی بہت ہی دلچسپ مہم جوئی کے لیے تیار کر رہا ہے اور میرے دوست! تم اس بات سے اتفاق کرو یا نہ کرو اصل زندگی یہ مہم جوئی اور خطرات سے کھیلنا ہی ہے۔ گھر کی چار دیواری یا دفتر کی میز زندگی گذار دینا کوئی کمال نہیں۔ اللہ تعالیٰ اگر موقع دے تو انسان کو پیچھے نہیں ہٹنا چاہیے۔ اب میں تم سے تمہارا خیال نہیں پوچھوں گا۔ کیونکہ تم اخلاقاً ہاں کہہ دو گے۔"

"لیکن بہرحال میں تمہیں اس بات پر آمادہ کرتا رہوں گا کہ تھوڑا سا زندگی کا ڈھنگ بدل لو۔ دل

بھی لگ جاتا ہے اور جینے کا لطف بھی آ جاتا ہے۔"

"اس بارے میں آپ سے پہلے بھی اتفاق کر چکا ہوں کرنل مجھے اعتراض نہیں ہے۔"

"اس نئی صورت حال کے بارے میں کیا کہتے ہو۔"

"کچھ ایسی باتیں ہیں جو بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ آپ نے علی سفیان کے بارے میں بتایا کہ وہ آپ کے قابل اعتماد دوست ہیں۔ قزل شائی بھی ٹھیک آدمی ہیں۔ ہمیں اگر اس مہم جوئی میں انہیں ساتھ رکھنا ہے اور ان نئے حالات کے تحت کام کرنا ہے۔ تو پھر سب سے اہم ضرورت یہ ہے کہ ہمارے درمیان اعتماد کا رشتہ قائم ہے۔"

"سو فی صدی درست۔ بھلا اس میں شک کی کیا ضرورت ہے۔"

"تو پھر آپ کو بہت سی باتیں ان کے سامنے لانا ہوں گی۔ ایک اور خاص بات جو میں محسوس کر رہا ہوں۔"

"ہاں کہو۔"

"وہ یہ بھی سوچ سکتے ہیں کہ ویڈیو کے بارے میں جاننے کے بعد میں نے یا آپ نے وہ ویڈیو فلم کسی ذریعے سے حاصل کی ہے اور ہماری نیت میں کھوٹ ہے۔" کرنل پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔ پھر بولا۔

"بڑی دانش مندانہ بات کی ہے تم نے وہ سوچ سکتے ہیں۔"

"اور یہیں سے پھوٹ پڑ جائے گی۔"

"تو پھر کیا کریں۔"

"میں سمجھتا ہوں انہیں اعتماد میں لینا ضروری ہے۔ اب جب کہ یہ دونوں کردار سامنے آ چکے ہیں اور خاص طور سے سیتا جسے دیکھ لیا گیا ہے۔ اگر بعد میں ان لوگوں کو پتا چلے گا تو وہ سب لوگ یہی کہیں گے کہ ہم نے باقاعدہ ان کے خلاف سازش کی ہے۔" کرنل گہری سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ اس نے ایک ٹھنڈی سانس چھوڑتے ہوئے کہا۔

"مگر اس کا حل کیا ہے۔"

"حل یہ ہے کہ آپ اپنی کہانی ان کے کان میں ڈال دیں اور انہیں بتا دیں کہ کس طرح یہ دونوں کردار آپ کو ملے اور اس وقت آپ کی کوٹھی کے ایک حصے میں موجود ہیں۔ ایک بات اور مرزا خاور بیگ کو بھی آپ اس مہم میں شریک کرنے کے لیے تیار ہو گئے ہیں اور مرزا خاور بیگ بھی ان دونوں کرداروں کے بارے میں جانتا ہے۔"

"بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ہمیں ویڈیو ان کے حوالے کرنا پڑے گی۔"

"ہم ایک مشترکہ مہم سرانجام دے رہے ہیں اور کسی بھی کام میں سب سے پہلے مخلص ہونا ضروری ہے۔ ورنہ اس قسم کی مہمات ناکام ہو جاتی ہیں۔"

"ٹھیک ہے اور کوئی ایسی بات جو تمہارے ذہن میں ہو۔"

"نہیں۔"

''اچھا ذرا آؤ۔ سبیتا اور گرشک کو دیکھتے ہیں وہ کس کیفیت میں ہیں۔ ان سے ایک ملاقات کرنے کے بعد پھر ان لوگوں سے ملاقات کریں گے اور پوری صورت حال ان کے سامنے رکھ دیں گے۔ ویسے اس ہم میں اور بھی کچھ لوگوں کو شریک کرنا ہے۔ جو اکثر مہمات میں ہمارے شریک رہے ہیں۔ ایسے ہی میں نے تذکرہ کر دیا ہے بس...... آؤ چلتے ہیں۔'' اور اس کے بعد کرنل گل نواز کامران کے ساتھ باہر نکل آیا۔ دونوں نے باہر نکلنے کے بعد قرب و جوار کا جائزہ لیا اور پھر اس پرانی عمارت کی جانب بڑھ گئے۔ جہاں سبیتا اور گرشک کا قیام تھا۔

رات کے واقعات کی سنسنی خیزی ابھی تک ماحول پر مسلط تھی۔ یا پھر یہ محض ایک احساس تھا۔ یا پھر حقیقت کہ ایک عجیب سا سناٹا ماحول پر چھایا ہوا محسوس ہو رہا تھا اور بڑی عجیب سی کیفیت تھی۔ دونوں عمارت میں داخل ہو گئے۔ عمارت کا محافظ باہر ہی موجود تھا۔ وہ وہیں رہا کرتا تھا۔ کرنل گل نواز نے اسے دیکھا۔ یہ بات کرنل اچھی طرح جانتا تھا کہ بے شک یہ محافظ یہاں اپنی ذمہ داریاں احسن طریقے سے پوری کرتا ہے لیکن اگر گرشک اور سبیتا باہر نکل آتے تھے تو انہیں روکنے کی جرات اس کے اندر نہیں تھی۔ نا تو وہ اتنی ہمت رکھتا تھا اور نہ ہی اسے اس کے لیے خصوصی طور پر ہدایات دی گئی تھیں۔ کرنل نے کہا۔

''ہاں۔ سب ٹھیک ہے؟''

''جی سر!''

''کوئی خاص بات؟''

''نہیں جناب!''

دونوں اندر داخل ہو گئے اور کرنل گل نواز اس کمرے تک پہنچ گیا جہاں سبیتا اور کرنل کا قیام تھا۔ کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ کرنل نے کامران کی طرف دیکھا اور پھر اندر داخل ہو گیا لیکن کمرا خالی تھا۔ گرشک اور سبیتا دونوں میں سے کوئی وہاں موجود نہیں تھا۔ کرنل باہر آ گیا اور اس کے بعد عمارت کے ہر گوشے میں انہیں تلاش کیا گیا تھا لیکن وہ موجود نہیں تھے۔ تب کرنل پچھلے دروازے سے پچھلے باغ کی جانب نکل گیا جہاں وہ اکثر چلے جاتے ہیں۔ لیکن باغ میں بھی ان کا وجود نہیں تھا۔ کرنل گھوم کر سامنے کی سمت آیا تو محافظ چونک پڑا۔

''کہاں ہیں وہ دونوں۔'' کرنل کی آواز ابھری۔

''ج...... جی۔'' محافظ حیرت سے بولا۔

''میں کہتا ہوں کہاں ہیں وہ دونوں؟''

''کب دیکھا تھا تم نے انہیں۔''

''جی بس رات کو۔''

''صبح کو ناشتا نہیں دیا تھا نہیں۔''

''دیا تھا جناب! لیکن معمول کے مطابق ناشتا ٹیبل پر رکھ کر چلا آیا تھا۔''

''او ہو جاؤ دیکھو...... میں نے غور نہیں کیا۔ کہ ناشتا اب بھی ٹیبل پر موجود ہے۔'' ملازم اندر دوڑ گیا تھا اور واپس آ کر اس نے کہا۔

''جی ہاں...... وہ ایسے ہی رکھا ہوا ہے۔''

''وہ دونوں وہاں پر موجود نہیں ہیں۔''

''ص...... ص...... صاحب پتا نہیں کب؟'' محافظ خوف زدہ انداز میں ہکلایا۔ تو کرنل نے منہ سکوڑ کر گردن ہلائی۔

''بڑا مشکل کام ہے۔ بڑا مشکل کام ہے اپنے فرائض کو پورا کرنا اور رزق حلال حاصل کرنا۔ دیکھیں گے۔ آؤ کامران۔''

کرنل نے کہا اور اس کے بعد وہ باہر نکل آئے۔

''اس طرح پہلے کبھی نہیں ہوا۔'' کرنل نے سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔

''مطلب۔''

''میرا مطلب ہے۔ ایسا لگ رہا ہے۔ جیسے وہ فرار ہو گئے۔'' کامران بھی سوچ میں ڈوب گیا۔ کرنل گل نواز اور وہ باتیں کرتے ہوئے آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگے۔ تو کامران نے کہا۔

''اس کا مطلب ہے کہ رات کے واقعے کے فوراً بعد انہوں نے یہ جگہ چھوڑ دی۔''

''اندازہ یہی ہے یہ دونوں ضرورت سے زیادہ ہوشیار تھے اور انہوں نے خاموشی سے یہ وقت گزارا تھا۔ اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے لیے لیکن رات والی ویڈیو فلم اور اس کے بعد اس کو لے کر اڑنے کی کوشش کرنا یہ ظاہر کرتا ہے انہیں یہ احساس تو ہو گیا تھا کہ کچھ ایسے لوگ یہاں پہنچ چکے ہیں۔ جو ان کے بارے میں تھوڑا بہت جانتے ہیں۔ ویڈیو فلم حاصل کر کے وہ شاید اپنی بقا ہی چاہتے تھے اور اس میں ناکام ہو کر انہوں نے سوچا کہ اب ان کا راز فاش ہو گیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے یہاں سے راہ فرار اختیار کر لی۔ یار کامران! یہ تو غلط ہو گیا۔ حالانکہ ہم ان کی ذات کو کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتے تھے جو کچھ بھی کرتے اپنی مرضی سے ہی کرتے۔ لیکن وہ فرار ہو گئے مجھے ان کے یہاں سے فرار ہونے کا افسوس ہو رہا ہے۔ میں نے انہیں بڑی اچھی طرح رکھا تھا۔ انہیں مجھ پر اعتبار کرنا چاہیے تھا۔ اگر ایسی کوئی بات تھی اور ان کا کوئی راز تھا۔ تو ہم تو ان کی بھرپور مدد کرتے انہیں نقصان کسی صورت میں نہ پہنچاتے۔ انسان کہیں سے بھی تعلق رکھتا ہو۔ کسی بھی حیثیت کا حامل ہو یار بڑا خود غرض ہوتا ہے۔ بڑا مشکل ہے ایک دوسرے پر اعتبار کرنا۔'' کرنل گل نواز بڑبڑا رہا تھا۔ اس کے لب و لہجے سے شدید دکھ کا اظہار ہو رہا تھا۔ اس نے کہا۔

''اور اب ہمیں اپنا فیصلہ بدلنا ہو گا۔ میرا مطلب ہے جو فیصلہ ہم نے کیا تھا کہ علی سفیان وغیرہ کو اعتماد میں لیں گے۔ اس میں تبدیلی کرنا پڑے گی۔ اس سے غلط فہمیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ مثلاً اب اگر میں انہیں گرشک اور سبیتا کے بارے میں بتاؤں تو وہ یہ سوچیں گے کہ پہلے میں نے اس سلسلے میں خاموشی کیوں اختیار کر لی۔ جب ویڈیو فلم میں ان دونوں کے چہرے دیکھے تھے تو اسی وقت مجھے ان کے بارے میں بتا دینا چاہیے تھا۔'' کامران نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولا۔

''جی بالکل۔ اس سلسلے میں مکمل خاموشی اختیار کر لینی چاہیے اور جہاں تک ویڈیو فلم کا تعلق ہے۔ اس کے بارے میں تھوڑا سا غور کرنا پڑے گا۔''

"سچی بات تو یہ ہے کہ میں مکمل خلوص کے ساتھ ان لوگوں کا ساتھ دینا چاہتا ہوں۔ لیکن اب ویڈیو فلم کا حصول ہمارے علاوہ اور کسی کی کوشش نہیں ہو سکتی۔" لیکن علی سفیان وغیرہ بہت کشادہ دل لوگ تھے اور ان کا اپنا ایک معیار تھا۔ ناشتے پر قزل ثنائی اور علی سفیان خود ہی اس موضوع پر آ گئے۔

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ویڈیو فلم کے حصول کی کوشش کرنے کی۔"

"میں تو صرف ایک ہی بات کہہ سکتا ہوں۔" قزل ثنائی نے کہا اور سب کی سوالیہ نگاہیں اس کی جانب اٹھ گئیں۔ قزل ثنائی پرخیال انداز میں گردن ہلا رہا تھا۔

"سو فیصدی سو فیصدی۔ یہ اسی کا کام ہو سکتا ہے۔" قزل ثنائی کی بات اب بھی واضح نہیں تھی۔ اینہ سلفا نے کسی قدر جھنجلاتے ہوئے انداز میں کہا۔

"کس کی بات کر رہے ہیں مسٹر قزل ثنائی۔"

"دانش...... اصل میں تم لوگ اسے نہیں جانتے پراسرار قوتوں کا مالک دانش ابھی زندہ ہے اور اپنے مقصد سے دستبردار نہیں ہوا ہے۔ وہ کہیں اور کسی بھی جگہ پہنچ سکتا ہے۔"

"مگر اس معاملے کا ایک اور پہلو بھی ہے۔"

"وہ کیا؟"

"میں تمہیں بتا چکی ہوں مائی ڈیر مسٹر قزل ثنائی کہ وہ کوئی عورت تھی۔"

"آپ بالکل بتا چکی ہیں۔ لیکن آپ کا کیا خیال ہے وہ چالاک آدمی اپنے کام کے لیے کسی عورت کو استعمال نہیں کر سکتا۔" اس سلسلے میں بحث ہوتی رہی اور کرنل گل نواز کو یہ اطمینان ہوا کہ ان میں سے کسی کے ذہن میں کرنل کے حوالے سے کوئی شک نہیں ہے۔

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب کیا ہوگا۔"

"کچھ نہیں ہوگا۔ ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ اس ویڈیو کے چلے جانے سے ہمارا اصل مشن ناکام ہو جائے گا اور جس کے پاس یہ ویڈیو گئی ہے وہ اپنے مشن میں کامیاب ہو جائے گا۔ وہ تو راستے کا ایک نقشہ تھا بس۔ لیکن اصل کام تو کچھ اور ہی ہے۔ ہاں اتنا ہو سکتا ہے کہ جس کے پاس بھی وہ ویڈیو پہنچا ہے یا جس نے بھی اسے حاصل کیا ہے۔ اس سے ہماری اس مہم جوئی کے دوران ملاقات ضرور ہوگی۔"

"واقعی...... یہ بات تو ہے۔"

"لیکن کیا ہم ویڈیو کے بغیر ان راستوں پر سفر کر سکتے ہیں جن کی رہنمائی اس ویڈیو میں کی گئی ہے۔"

"بہ آسانی...... کیونکہ ویڈیو کا ماسٹر پرنٹ میرے پاس موجود ہے۔ وہ تو کاپی تھی جو غائب ہو گئی۔"

"کیا؟" سب اچھل پڑے۔

"ہاں...... ماسٹر پرنٹ مصر میں ایک بینک کے لاکر میں موجود ہے اور اسے میں بہ آسانی منگوا سکتا ہوں۔ میرا کوئی بھی کارندہ میری ہدایت پر مجھے وہ ماسٹر پرنٹ بھیج دے گا۔"

"تب پھر آپ ایک کام کیجیے مسٹر علی سفیان! اگر آپ کا کارندہ لاکر سے وہ ماسٹر پرنٹ نکال سکتا

ہے تو آپ اسے یہ ہدایت بھی بھیجیے کہ وہ ماسٹر پرنٹ نہ بھیجے بلکہ اس کی تین کاپیاں کرا کر تینوں کاپیاں یہاں بھجوا دے اور ماسٹر پرنٹ دوبارہ لاکر میں محفوظ کر دے۔" کرنل گل نواز نے مشورہ دیا اور علی سفیان نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی پھر بولا۔

"میں ایسا ہی کروں گا اور آپ یقین کیجیے۔ میرے ذہن میں یہی خیال تھا۔"

♡......♡......♡

ثانیہ، فرخندہ اور شاہنواز نے کامران کو اس کی قیام گاہ ہی میں پکڑا تھا۔ کامران ابھی کچھ دیر قبل ہی فیکٹری سے واپس آیا تھا۔ اپنی ذمے داریاں بھی اسے بہر حال پوری کرنی تھیں۔ حالانکہ کرنل گل نواز نے اس سے یہ کہہ دیا تھا کہ اب وہ بزنس کے معاملات کسی اور کے سپرد کر دے اور اپنے آپ کو ذہنی طور پر اس مہم کے لیے تیار کر لے لیکن فیکٹری کے معاملات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کامران کو یہ دیکھ کر بڑا افسوس ہوتا کہ فیکٹری کو مالی طور پر شدید نقصان پہنچایا جا رہا ہے۔ لیکن یہ بھی ایک سچائی تھی کہ کرنل گل نواز کے پاس اللہ کا دیا بہت کچھ تھا اور یہ نقصان ان کے لیے کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ پھر بھی بہر حال کم از کم کامران اسے اس طرح نقصان پہنچتے نہیں دیکھ سکتا تھا۔

تینوں نے اس کے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ اندر سے بند کر لیا تو کامران مسکرا کر بولا۔

"ارے باپ رے باپ۔ بڑے خطرناک ارادے معلوم ہوتے ہیں خواتین و حضرات کے۔"

"یار! تم آخر اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہو۔"

"آپ یقین کیجیے شاہنواز میں تو اپنے آپ کو کامران بھی نہیں سمجھتا۔ کیونکہ کامرانی ذرا مختلف چیز ہوتی ہے۔"

"اب آپ یہ جذباتی باتیں کر کے ہمارا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کریں گے۔ شاہنواز نے منہ بنا کر کہا اور کامران ہنسنے لگا۔

"آپ حکم دیجیے۔ میں اس کی تعمیل کروں گا۔"

"چائے پلوایئے پہلے، ثانیہ نے بڑے مدبرانہ انداز میں کہا۔ اور پھر خود ہی ہنس پڑی۔

"کچھ لوگ چہرے سے اتنے معصوم لگتے ہیں کہ بس لگتا ہے جیسے فرشتے زمین پر اتر آئے ہوں۔" سب ہنسنے لگے تھے۔ رمضان بابا نے چائے دی تو ثانیہ نے کہا۔

"اصل میں آپ سے یہ معلوم کرنا ہے کہ آخر یہ کیا کھچڑی پک رہی ہے گھر میں اور ہو کیا رہا ہے۔ یہ جو دو خواتین آئی ہیں نا۔ بس اپنی مثال آپ ہیں۔ ایک وہ مس ہول ناک ہیں بلکہ مسز ہول ناک جن کا نام اینہ سلفا ہے۔ ایک وہ شعورا بی بی ہیں۔ جنہیں ہم تمہیں شتورا کہا جائے یا بے شعورا وہ بس اپنی ہی دھن میں رہتی ہیں۔ شوہر پرستی کی اعلیٰ مثالیں قائم کرنے کے چکر میں۔ میں تو واقعی ان لوگوں سے بور ہو گئی ہوں۔ آنا ہی تھا تو کوئی ایسا ڈھنگ کا مہمان آیا ہوتا جس کے آنے سے لطف آ جاتا لیکن یہ پتا نہیں کون لوگ ہیں اور چاہتے کیا ہیں۔ آپ بتایئے کامران صاحب! یہ کیا ہو رہا ہے اور گزشتہ رات کو ہونے والی دھما چوکڑی جس کے بارے میں ابھی بالکل نہیں پتا چل سکا کہ کس سلسلے میں ہوئی تھی۔"

"دیکھیے خواتین و حضرات میں ایک وفادار ملازم ہوں اور کرنل گل نواز کو اپنا مالک سمجھتا ہوں۔ سمجھ رہی ہیں نا آپ اور جو میری سطح ہے نا بڑے سے غریب لوگوں کی سطح ہے اور ہم غریب لوگ ذرا نمک وغیرہ کا خاص خیال رکھتے ہیں۔"

"نمک کا خیال۔ یعنی وہ جو کہتے ہیں کہ نمک پھیکا ہے اور نمک تیز ہو گیا ہے۔"

"نہیں وہ جو کہتے ہیں کہ نمک حلالی اور نمک حرامی۔"

"اختلاف...... اختلاف۔" شاہ نواز نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"وہ اختلاف کیا ہے۔" کامران نے سوال کیا۔

"پہلے مجھے اس بات کا مطلب سمجھا دیا جائے کہ کھانے کو تو بہت سی چیزیں کھائی جاتی ہیں مرچیں بھی کھائی جاتی ہیں، گرم مسالا بھی کھایا جاتا ہے۔ پھل فروٹ، مٹھائی، فرض کیجیے میں آپ کو مٹھائی دیتا ہوں اور آپ اسے کھا لیتے ہیں۔ اس سے کوئی خرابی نہیں پیدا ہوتی۔ بس نمک ہی ایسی چیز ہے جسے حرام یا حلال کہا جاتا ہے۔ نمک حرام یا نمک حلال...... یہ شکر حلالی کیوں نہیں ہوتی آخر۔"

کامران نے شانے اچکا دیے۔

"آپ کس بحث میں الجھ گئے شاہنواز بھائی! پوچھیے نا ان سے۔" فرخندہ نے کہا۔

"ہاں یار! بتاؤ تو سہی یہ کیا چکر چل رہا ہے۔"

"آپ یقین کریں۔ ابھی تک مجھے بھی اس بارے میں کچھ نہیں معلوم میں تو محض ہدایت پر عمل کر رہا ہوں۔"

"بتائیں گے یہ کبھی؟" ثانیہ منہ ٹیڑھا کر کے بولی۔

"خیر اب پتا تو چل جائے گا۔ اب ایسا بھی نہیں ہے کہ پتا نہ چلے۔"

"اگر کچھ پتا چلا ہے تو براہ کرم مجھے بھی بتا دیجیے۔ بڑی خوشی ہو گی مجھے۔" اتنی دیر میں ایک ملازم آ گیا۔ اس نے اطلاع دی کہ کرنل صاحب کامران کا انتظار کر رہے ہیں۔ کامران نے اجازت طلب نگاہوں سے انہیں دیکھا تو شاہ نواز منہ بنا کر بولا۔

"ٹھیک ہے بوڑھے بچے تم بزرگ نہ ہو کر بھی ہمارے دادا بنتے جا رہے ہو۔ او کے او کے دادا جان! جائیے۔" کامران ہنستے ہوئے باہر نکل گیا تھا اور پھر مسکراتے ہوئے کرنل گل نواز کے پاس پہنچا تھا۔ جو اس کا انتظار کر رہا تھا۔

"تمہیں رپورٹ دینی تھی۔ رپورٹ یہ ہے کہ مصیبت خود بخود ٹل گئی ان کا خیال ہماری طرف نہیں گیا ہے اور انہوں نے ہماری کسی بددیانتی کے بارے میں نہیں سوچا ہے۔"

"کرنل صاحب! وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ سوچتے تو اس کا مطلب تھا کہ وہ بذات خود اچھے لوگ نہیں ہیں۔ انسان کی ایک حیثیت ہی تو ہوتی ہے۔ جو دوستی اور اجنبیت کا تعین کرتی ہے۔ انہیں آپ پر اگر اتنا اعتبار نہیں ہے تو بھلا اس قسم کی مہم جوئی کیسے کی جا سکتی ہے۔" کرنل مسکرانے لگا پھر بولا۔

"اب مسئلہ یہ ہے کہ آخر یہ دونوں کہاں گئے۔ انہیں تلاش کرنا تو بہت ضروری ہے۔"

"کہاں تلاش کیا جا سکتا ہے در بدر بھٹک رہے ہوں گے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس ماحول میں اجنبی ہیں۔ کہیں کوئی نقصان نہ اٹھا لیں۔"

"پتا نہیں یہ دونوں کیا بلا ہیں میں تو واقعی ششدر رہ گیا ہوں۔ کامران میرے خیال میں انہیں تلاش کرنے کے لیے ٹھوس منصوبہ بندی کرنا ہو گی۔ سمجھ رہے ہو نا تم۔"

"جی جی...... میں سمجھ رہا ہوں۔" کامران نے جواب دیا اور کرنل گل نواز گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ شام کو کوئی ساڑھے چھ بجے کا وقت تھا۔ جب عروسہ کی کار آندھی اور طوفان کی طرح کرنل گل نواز کی کوٹھی میں داخل ہوئی تھی اور سیدھی اس جگہ جا کر رک گئی تھی جہاں کامران کی قیام گاہ تھی۔ گویا کسی اور کا اس سے کوئی واسطہ نہیں تھا۔ آندھی طوفان ہی کی طرح اندر داخل ہوئی دروازہ کھلا ہی ہوا تھا۔ کامران اسے دیکھ کر چونک پڑا۔

"ارے آپ آئیے۔ آئیے۔"

"جی نہیں آپ آئیے میرے ساتھ۔" عروسہ نے حسب عادت حاکمانہ انداز میں کہا۔

"خیریت۔ کہاں لے جا رہی ہیں آپ مجھے۔"

"جہنم میں۔ چلیں گے آپ۔"

"نہیں پلیز...... آپ ہو آئیے واپسی میں ملاقات ہو جائے گی۔" کامران نے فوراً ہی کہا۔

"پلیز۔" وہ زچ ہو کر بولی۔

"نہیں کسی اور کام سے......"

"کامران صاحب! آپ یہ بھول گئے ہیں کہ مرزا خاور بیگ بھی اس فیکٹری کے ڈائریکٹروں میں سے ہیں۔ آپ کو ان کے احکامات کی تعمیل بھی کرنا ہو گی۔" کامران کو اس کے یہ الفاظ برے لگے تھے۔ تاہم اس نے نظر انداز کیا اور استہزائیہ انداز میں بولا۔

"آپ بتائیے تو سہی کہ آپ کہاں لے جا رہی ہیں مجھے۔"

"ڈیڈی نے بلایا ہے آپ کو۔ اب آپ کہیے کیا کہتے ہیں۔"

"آپ ان سے کہہ دیجیے کہ میں اس وقت مصروف ہوں نہیں آ سکتا۔" کامران بولا۔

"کیا...... کیا...... کیا؟"

"جی...... میں اس وقت آپ کے ساتھ نہیں جا سکتا۔"

"مگر انہوں نے کہا ہے کہ میں تمہیں اپنے ساتھ ہی لے کر آؤں۔"

"کیا طریقہ اختیار کریں گی۔ آپ مجھے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے۔" کامران تیکھے لہجے میں بولا۔

"عجیب آدمی ہیں آپ۔ بھئی ڈیڈی کو آپ سے کوئی ضروری کام ہو گا۔ انہوں نے بجائے ٹیلی فون کرنے کے مجھے یہاں بھیجا ہے۔ مجھے کیا کرنا چاہیے۔"

"کچھ نہیں کرنا چاہیے آپ کو یہاں سے واپس چلے جانا چاہیے اور وہاں جا کر ان سے یہ کہہ دینا چاہیے کہ میں اس وقت نہیں مل سکتا کہیں اور جانا ہے مجھے۔"

''دیکھتی ہوں کیسے جاتے نہیں آپ کہیں اور۔'' وہ بولی اور دروازے کی طرف جا کر اندر سے کنڈی چڑھا دی۔ کامران کو بے اختیار ہنسی آ گئی تھی۔ عروسہ اسے گھورتی رہی۔ پھر اس کے چہرے پر بے بسی کے آثار پیدا ہو گئے۔

''ٹھیک ہے میں چلی جاتی ہوں۔ آپ صرف مجھے ذلیل کرنے کے شوق میں یہ ساری حرکتیں کرتے ہیں مجھے اس بات کا علم ہے۔'' نہ جانے کیوں کامران کو اس پر رحم آ گیا۔ ہنستے ہوئے بولا۔

''بس اتنا ہی اسٹیمنا ہے آپ کا۔ اتنی ہی قوت برداشت ہے۔''

''بس بس ٹھیک ہے۔ نہ جائیے آپ۔''

''چلیے نا چل تو رہا ہوں ذرا حلیہ بدلنے کی اجازت دیں گی آپ۔'' عروسہ نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر منہ بنا کر ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ کامران نے دوسرا لباس نکالا تھا۔ اس کے بعد اپنا حلیہ درست کر کے وہ عروسہ کے ساتھ باہر نکل آیا۔ راستے بھر عروسہ نے کوئی بات چیت نہیں کی۔ اس کا منہ بنا رہا۔ کامران بھی گہری سوچوں میں ڈوبا رہا۔ کچھ دیر کے بعد وہ مرزا خاور بیگ کی کوٹھی پر پہنچ گیا۔ خیال تو یہ تھا کہ شاید عروسہ نے یہاں بھی کوئی ڈراما کیا ہو اور درحقیقت مرزا خاور بیگ نے اسے نہ بلایا ہو۔ لیکن مرزا خاور بیگ واقعی کامران کا منتظر تھا۔

''میں تم سے ملنا چاہتا تھا۔ میں نے سوچا کہ ٹیلی فون کر دوں تو یہ بولی کہ کسی کام سے جا رہی ہے تمہیں اپنے ساتھ لے آئے گی۔ سوری یار! کوئی مصروفیت تو نہیں تھی۔'' مرزا خاور بیگ نے انتہائی بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

''نہیں سر! کوئی خاص مصروفیت نہیں تھی۔'' عروسہ کینہ توز نگاہوں سے کامران کو دیکھ رہی تھی۔ مرزا خاور بیگ بیٹھ گیا اس نے عروسہ سے کہا۔

''تم بھی بیٹھ جاؤ عروسہ۔ اب تو تم بھی ہماری اس مہم کی پارٹنر بن چکی ہو۔'' کامران نے چونک کر مرزا خاور بیگ کو دیکھا تھا اور عروسہ کے ہونٹوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ مرزا خاور بیگ نے کہا۔

''ہاں۔ میں جانتا ہوں یہ بات تمہارے علم میں ہے کہ مجھے بھی اس مہم میں باقاعدہ شریک کر لیا گیا ہے اور تمہارے بارے میں تو مجھے پہلے ہی علم ہے کہ تم اس مہم پر جا رہے ہو۔ سنو میں واقعی تمہاری زندگی بنانے کا خواہش مند ہوں۔ پہلے بھی تمہیں پیش کش کر چکا ہوں۔ اپنے حسین مستقبل کو اس طرح نظر انداز نہ کرو۔ سیانوں کا کہنا ہے کہ قدرت ہر انسان کو ایک دفعہ موقع ضرور دیتی ہے۔ تم میرے ساتھ بھرپور تعاون کرو اور پھر دیکھو کہ زندگی میں کس طرح تمہارے لیے راہیں نکالتا ہوں۔ کامران نے ایک دم اپنا موڈ بدل لیا۔ اور نیاز مندی سے بولا۔

''جناب عالی! میری طرف سے آپ بلاوجہ غلط فہمیوں کا شکار رہتے ہیں۔ میں تو پہلے ہی آپ کی بے پناہ عزت کرتا ہوں اور جہاں تک اپنے حسین مستقبل کا سوال ہے۔ تو کیا آپ اس بات سے خوش نہیں ہوں گے کہ میں اپنا مستقبل خود اپنے ہاتھوں سے بناؤں۔'' مرزا خاور بیگ کا انداز بھی بدل گیا۔ اس نے نرم لہجے میں کہا۔

''ایسے لوگ انتہائی قابل قدر ہوتے ہیں اور میں ان کی عزت کرتا ہوں لیکن بیٹے! کہیں نہ کہیں تو ذریعے پیدا ہوتے ہیں۔ ہر کام یونہی تو نہیں ہو جاتا۔''

''پہلے بھی ایک بات میں نے آپ سے عرض کی تھی۔ اگر براہ راست آپ کا احسان مند ہوتا تو یقین کیجیے اتنا ہی اعتماد آپ پر کرتا۔ جتنا کرنل گل نواز پر کرتا ہوں لیکن آپ سے بھی منحرف تو نہیں ہوں میں اگر آپ مجھے اپنا کوئی ذاتی راز دیتے ہیں تو میرا آپ سے وعدہ ہے کہ کرنل گل نواز پر اس کا انکشاف نہیں کروں گا مجھے آزمایئے ضرور۔'' مرزا خاور بیگ کا چہرہ کھل گیا۔ عروسہ کی آنکھوں میں بھی محبت بھرا انداز پیدا ہو گیا۔ غالباً ان الفاظ نے دونوں باپ بیٹی کو بہت متاثر کیا تھا۔ مرزا خاور بیگ نے کہا۔

''گڈ..... ویری گڈ یہ ہوئی نا بات۔ ویسے یقین کرو تمہارا موقف میں تسلیم بھی کرتا ہوں اور مجھے پسند بھی ہے۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو اب ذرا کچھ اصل باتیں ہو جائیں۔ تمہیں اس مہم کے بارے میں کیا بتایا گیا ہے۔''

''اس سے پہلے آپ مجھے یہ بتایئے کہ آپ کو اس بارے میں کیا علم ہے۔'' کامران نے صاف گوئی سے کہا اور مرزا خاور بیگ عجیب سے انداز میں اس کا منہ دیکھنے لگا۔ کامران ہاتھ اٹھا کر بولا۔

''نہیں۔ کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ میں یہ بات اس لیے نہیں کہہ رہا کہ مجھے آپ پر اعتماد نہیں ہے۔ بے اعتمادی کے حوالے سے نہیں کہہ رہا۔ میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ آپ کو اس سلسلے میں کتنا علم ہے۔''

''یہ لوگ ایک ایسے عظیم الشان خزانے کے سلسلے میں کچھ معلومات رکھتے ہیں۔ جو تبت، چین وغیرہ کے کسی سرحدی علاقے میں پوشیدہ ہے اور اس سلسلے میں ان کے پاس میرا مطلب ہے قزل شائی اور علی سفیان کے پاس کچھ نقشے اور فلمیں وغیرہ موجود ہیں اور ان کے سہارے اس سمت سفر کرنے کے منصوبے بنا رہے ہیں اور یہ ٹیم تیاریوں کے بعد بہت جلد روانہ جائے گی۔''

''بالکل بالکل..... مجھے بھی اتنا ہی علم ہے۔''

''چلو ٹھیک ہے۔ میں تم سے صرف ایک بات کہہ رہا تھا۔ ہم لوگ ایک دوسرے سے مخلص ہیں یا کسی کے دل میں بظاہر یہ لالچ نہیں ہے کہ سارا خزانہ اسی کے ہاتھ لگ جائے۔ لیکن اپنے اپنے مفادات تو سب کو عزیز ہوں گے۔ دیکھو..... اس قسم کی مہمات میں اکثر افراتفری پھیلتی ہے۔ یہ کمبخت خزانے نہ جانے انسانی ذہن کو اس طرح تبدیل کیوں کر ڈالتے ہیں اور بات صرف خزانوں ہی کی نہیں ہے۔ انسان اس چھوٹی سی زندگی میں نہ جانے کیوں دولت کے انبار لگانے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ حالانکہ ہم میں سے ہر شخص صاحب حیثیت ہے علی سفیان کی اگر پوچھو تو ہم سب سے زیادہ دولت مند آدمی ہے، مصر کے گنے چنے خاندانوں میں سے ایک۔ قزل شائی بھی معمولی شخصیت نہیں ہے۔ پھر میرے پاس بھی اللہ کا دیا بہت کچھ ہے۔ کرنل گل نواز بھی صاحب حیثیت ہے۔ ہم میں سے کوئی بھی اتنا کمزور نہیں ہے مالی طور پر کہ دولت کے لیے دیوانہ ہو جائے لیکن خزانوں کی کشش ہی ایسی ہوتی ہے کہ ہر شخص خود غرض ہو جاتا ہے اب مجھے لے لو۔ چونکہ بات تمہارے علم میں آ چکی ہے اس لیے میں تمہیں بتا رہا ہوں ورنہ نہ بتاتا۔ وہ بہت شاندار کام ہے۔

کیونکہ وہ ایک ریٹائرڈ فوجی ہے تعلقات ہیں اس کے۔ جس جگہ بھی کسی کام کے لیے کہہ دیتا ہے وہ کام ہو جاتا ہے۔ میں پورے خلوص اور دیانت کے ساتھ اس کا ورکنگ پارٹنر ہوں۔ لیکن ایک چھوٹا سا چکر میں نے اپنا بھی چلا رکھا ہے۔ اس کے کاروبار کے ساتھ اس کے سہارے۔ اس میں نہ اس کی دولت اور سرمایہ لگا ہوا ہے۔ نہ اسے کوئی نقصان پہنچتا ہے۔ البتہ مجھے فائدہ پہنچ جاتا ہے اور یہ فائدہ میں اس کے نام سے حاصل کر رہا ہوں۔ اگر میں اسے اپنے اس کام میں شریک کرلوں تو سراسر نقصان ہے مجھے کیوں کہ یہ صرف میرا اور میرا ذاتی معاملہ ہے اور اس کی اسے اطلاع تک نہیں ہے لیکن تذکرہ کر دوں تو وہ اسے پسند نہیں کرے گا۔ چنانچہ خاموشی سے کام چلا رہا ہوں۔ میرا خیال ہے میری گفتگو طویل ہوتی جا رہی ہے۔ میں تم سے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر کبھی کسی موقع پر یہ لوگ آپس میں منتشر ہوتے ہیں تو تم میرے ساتھی کی حیثیت سے میرا ساتھ دو گے اور میں تو تمہیں بتا ہی چکا ہوں کہ میری تمام تر دولت عروسہ کی ہے۔ کیونکہ اس کے علاوہ اس کا وارث اور کوئی نہیں ہے اور عروسہ کا جو کچھ ہوگا وہ تمہارا بھی ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ تم عروسہ کو اپنی زندگی کا ساتھی بنا لو۔ اس سے زیادہ کھلی بات میرا خیال ہے دنیا کا کوئی باپ نہیں کر سکتا۔“

”جی۔“ ابھی ہم اس بات کو منظر عام پر تو نہیں لا سکتے جناب۔“ کامران نے کہا۔

”بالکل نہیں اور اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ شادی بیاہ تو فرصت اور آرام کی چیزیں ہوتی ہیں اور اب جب کہ علی سفیان اور یہ لوگ آ چکے ہیں اور ہمیں اس مہم میں بھی شریک ہونا ہے۔ لہٰذا اس بات کا فی الحال تذکرہ کرنا ہی مناسب ہوگا اور ہاں! عروسہ بھی ہمارے ساتھ جائے گی خواتین جا رہی ہیں ادھر امینہ سلطانہ ہے۔ شنائی کی بیوی شعورا ہے۔ چنانچہ میرے ساتھ عروسہ ہوگی۔“

”ان لوگوں نے آپ کو اس سلسلے میں آفر کر دی ہے۔“ کامران نے سوال کیا۔

”ہاں مکمل طور پر ساری تفصیلات سے آگاہ کر دیا گیا ہے مجھے۔“

”ٹھیک ہے جناب آپ مجھ پر اعتماد کر سکتے ہیں۔ بس اتنا خیال رکھیے گا کہ کرنل گل نواز کو کوئی نقصان نہیں پہنچے۔“

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا میں بھی نہیں چاہوں گا کہ اسے کوئی نقصان پہنچے۔ بس ایک سلسلہ رکھنا ہے چھوٹا سا۔ اپنے درمیان۔“

”جی..... میں تیار ہوں۔“ کامران نے جواب دیا۔ عروسہ مسکرانے لگی اور مرزا خاور بیگ نے بڑا پرجوش مصافحہ کیا۔ پھر بولا۔

”ہم — برخاستہ، میرے علاوہ سفیان، شنائی، کرنل گل نواز، میں اور ایک اور شخص کی شرکت پوری طرح ضروری تھی شریک ہوتا۔ وہ تینوں لوگوں کا چہیتا ہے۔“

”وہ کون ہے؟“

”رانا چندر سنگھ۔ ایک چھوٹی سی ریاست کا راجا تھا۔ اب ریاستوں کا وجود تو رہا نہیں لیکن اس کا اپنا ایک مقام ہے۔ کرنل کے بہترین دوستوں میں سے ہے۔“

”ٹھیک ہے کیا فرق پڑتا ہے۔“

”چلو۔ پھر ہمارے درمیان یہ معاملہ طے۔“

”جی۔“ اور اس کے بعد کامران ان لوگوں سے رخصت ہو کر وہاں سے چلا آیا لیکن اس کے ذہن میں فی الوقت ایک ہی خیال گردش کر رہا تھا۔ ان دونوں کو تلاش کرنے کی کوشش کس طرح کی جا سکتی ہے سوائے اس کے کہ سڑکیں ناپی جائیں اور اس نے اس کا آغاز کر دیا۔

♡ ...... ♡ ...... ♡

نتیجہ کچھ نہیں نکلا تھا۔ بھلا اس طرح فرار ہونے والے سڑکوں پر تو نہیں مل جاتے۔ کامران گھر واپس آ گیا۔ ثانیہ، فرخندہ، شاہنواز وغیرہ اب اس سے باقاعدہ ناراض ہو چکے تھے۔ جب وہ گھر میں داخل ہوا تو وہ لوگ سامنے ہی نظر آ گئے۔ تینوں نے اسے دیکھ کر ناراضگی کا کھلا اظہار کیا اور کامران مسکراتا ہوا ان کے پاس پہنچ گیا۔

”اصل میں مالکان اور ملازمین کے درمیان ایک فاصلہ ہونا چاہیے کبھی کبھار مالکان ملازمین کو اس قدر منہ لگا لیتے ہیں کہ ملازمین بدتمیز ہو جاتے ہیں جیسے میں..... بلاوجہ یہ سمجھ بیٹھا ہوں کہ آپ لوگوں کے دوستوں میں سے ہوں۔“

”یار! اگر تم سے کچھ کہا جائے تو برا مان جاؤ گے۔“

”نہیں جناب! ایسی بات نہیں ہے۔ میں ان اچھے ملازمین میں سے ہوں جو مالکوں کی ہر بات کو جائز سمجھتے ہیں۔“

”تم اچھے ملازم ہو یا بہت سمجھدار آدمی۔ لیکن ایک گھٹیا پن تمہارے اندر ضرور ہے کہ مخلص لوگوں کا خلوص ٹھکراتے ہو۔ ہم نے تمہیں اپنے دوستوں میں شامل کیا ہے۔ لیکن تم بار بار مالک اور ملازم کا چکر چلا کر اپنی گھٹیا ذہنیت کا مظاہرہ کرتے ہو۔“ شاہنواز بہت زیادہ چڑا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ کامران ایک دم ہنس پڑا۔

”بالکل صحیح تشخیص ہے آپ کی جناب شاہنواز صاحب! وہ جو کہتے ہیں نا کہ

لازم ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

تو اس وقت پاسبانِ عقل غالباً چائے پینے گیا ہوا ہے۔ کہو جانِ من! کیسی گزر رہی ہے۔ ہیلو...... پیاری پیاری لڑکیو..... تمہیں دیکھ کر نہ جانے ذہن کہاں کھو جاتا ہے۔ آؤ..... یار کہیں چل کر بیٹھیں کچھ چائے شائے پلواؤ ایسے ہی اتنی بڑی کوٹھی کے مالک بنے بیٹھے ہو۔“ کامران نے کہا اور وہ تینوں بھونچکے رہ گئے۔

”آؤ..... بھئی کیا کھڑے کھڑے بے وقوفوں کی طرح میرا منہ دیکھ رہے ہو۔“ کامران نے کہا اور شاہنواز کا ہاتھ پکڑ کر آگے چل پڑا۔ دونوں لڑکیاں بھی احمقوں کی طرح اس کے پیچھے چل رہی تھیں۔ ایک پھولوں کے کنج کے پیچھے بنچ پر بیٹھ کر کامران نے کہا۔

”بیٹھ یار شاہ نے..... بھئی ثانیہ جاؤ شاباش اور کسی ملازم کو چائے کے لیے کہہ آؤ۔ تم بیٹھو فرخندہ آؤ ادھر بیٹھ جاؤ گھاس پر میرے پاس۔“ کامران قیامت ڈھا رہا تھا اور ان تینوں پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے۔ شاہنواز نے بڑی مشکل سے کہا۔

’’تجھے کیا ہو گیا بھائی۔‘‘

’’سوری۔ سوری۔ صرف یہ بتا رہا تھا کہ میرے اور تمہارے درمیان بے تکلفی کا رشتہ قائم ہو جائے تو میرا انداز کیا ہوگا۔ اب بتایئے۔ یہ گھٹیا پن برداشت کر سکیں گے آپ۔‘‘

’’خدا کی پناہ، خدا کی پناہ۔ یہ بتاؤ کسی فلم کا آڈیشن دے کر آرہے ہو۔‘‘

’’نہیں جناب! شاہنواز صاحب! آپ کی محبت، ثانیہ اور فرخندہ کی بڑائی سر آنکھوں پر میں تو صرف یہ عرض کر رہا تھا......‘‘

’’بکواس بند کرو۔ میں ثانیہ اور فرخندہ کی بات تو نہیں کہہ رہا لیکن خدا کی قسم تمہارا یہ انداز مجھے تو بہت پسند آیا۔ میں تم سے یہی بے تکلفی چاہتا ہوں۔‘‘

’’کمال ہے۔ پتا نہیں کون سے جہاں کی مخلوق ہیں آپ لوگ، ٹھیک ہے یوں ہے تو یوں ہی سہی۔‘‘

’’تو میں دوڑ کر چائے کے لیے کہہ کر آؤں۔‘‘ ثانیہ نے کہا۔

’’نہیں۔ میں جاتا ہوں۔‘‘ کامران بولا۔ اسی وقت ایک ملازم سامنے نظر آیا تو ثانی نے اسے اشارہ کر کے یہیں چائے لانے کے لیے کہہ دیا۔ شاہنواز کہنے لگا۔

’’بھئی خدا کی قسم مزہ آ گیا۔ تو تم اپنے دوستوں سے اس طرح پیش آتے ہو۔ بے تکلفی تو ان سے خیر میری بھی خاصی ہو گئی ہے لیکن یہ انداز پہلے نہیں دیکھا مزہ آیا۔ بے حد مزہ آیا۔ ویسے اس وقت ہماری اس کوٹھی کی فضا بڑی پراسرار ہو گئی ہے۔ نہ جانے کیا کیا منصوبہ بندیاں کر رہے ہیں یہ لوگ اور وہ بھی ہمارے گھر میں اور ہمیں اس کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔ مگر جناب عالی پوری طرح ان معاملات میں ملوث ہیں۔‘‘

’’اتنا بھی نہیں معلوم آپ کو شاہنواز! کہ ایک مہم ترتیب دی جا رہی ہے اور اس میں اس خادم کو بھی شریک ہونا ہوگا۔‘‘

’’ہاں اتنی باتیں تو ہمیں بھی پتہ چل ہی گئی ہیں۔‘‘

’’شاہنواز کیا آپ بھی۔‘‘

’’نہیں بابا نہیں۔ میں ذرا مختلف انداز فکر رکھتا ہوں۔ انسان اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے شہر کی گلیوں اور سڑکوں پر مارا مارا پھرتا ہے۔ دفتروں کے چکر کاٹتا ہے نوکریاں تلاش کرتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے اتنا کچھ دے دیا ہے کہ آپ اپنی مہذب دنیا میں عیش و آرام کی زندگی گزار سکتے ہیں۔ تو اس کی نعمتوں کو ٹھکرانا ناشکری ہے۔ میں یہ سب چھوڑ کر جنگلوں پہاڑوں میں بھٹکنے کا قائل نہیں ہوں۔‘‘

’’مگر مجھے تو جانا پڑے گا۔‘‘

’’ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ ڈیڈی سے منحرف ہوں مسٹر کامران! ویسے بھی انتہا درجے کی بوریت کا سامنا ہے پتا نہیں کیسی خواتین ہیں وہ۔ خاتون تو ایمان داری کی بات یہ ہے مجھے تو رحلا معلوم ہوتی ہیں۔ میری مراد اینہ سلنا سے ہے کتنی پراسرار عورت ہے۔ بے پناہ خوب صورت لیکن ایک ایسے دہشت ناک وجود کی مالک کہ لگتا ہے کسی دوسرے سیارے کی مخلوق ہو۔ یقین کریں کبھی کبھی تو مجھے بالکل یہی لگتا ہے کامران

صاحب! کہ وہ اس دنیا کی انسان ہے ہی نہیں۔ میرا وہم بھی ہو سکتا ہے لیکن میں نے اس کی آنکھوں سے سرخ شعاعیں نکلتے ہوئے بھی دیکھی ہیں۔‘‘

’’اور...... اور وہ محترمہ شعورا۔ وہ قزل ثنائی اور وہ علی سفیان بغداد کے چور معلوم ہوتے ہیں۔ بالکل ویسا ہی چہرہ مہرہ ہے ان کا۔ پتا نہیں یہ ہمارے والد صاحب بھی چڑیا گھر کیسے بنا لیتے ہیں۔ تو آپ بھی ان کے ساتھ ہی جا رہے ہیں۔‘‘

’’ہاں امکان تو اسی بات کا ہے۔‘‘

’’عروسہ کے کیا حال ہیں۔‘‘

’’اس مہم میں شریک ہیں برابر کی ویسے آپ لوگوں سے بہت زیادہ گھلتی ملتی نہیں ہیں وہ۔‘‘

’’بھئی ہم ایسے کردار اخلاقاً تو برداشت کر لیا کرتے ہیں۔ بس اس سے زیادہ مشکل ہوتی ہے۔ بڑی بے تکی لڑکی ہے وہ چار افراد ایک ساتھ کھڑے ہیں۔ چاروں سے اس کی شناسائی نہیں بلکہ دوستی بھی ہے۔ وہ ان میں سے ایک شخص کو اپنے قریب سمجھتی ہے اور وہاں آ کر اسی سے ملتی ہے۔ باقی تین کو نظر انداز کر دیتی ہے اب آپ خود ہی بتایئے کہ ایسی کسی خاتون سے روابط کیسے بڑھائے جا سکتے ہیں! ویسے آپ کو مبارک باد ہو۔ سہرے بندھے ہوئے ہوں آپ کے سر پر۔‘‘ نہ جانے کیوں ثانیہ کے لہجے میں ایک تلخی سی پیدا ہو گئی جسے کامران نے محسوس کیا تھا۔ باقی لوگ ہنسنے لگے تھے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد چائے وغیرہ کا دور چلا۔ باتیں ہوتی رہیں فضا نارمل ہو گئی تھی۔ پھر دور سے کرنل گل نواز نظر آئے۔ جو اشارے سے کامران کو اپنے پاس بلا رہے تھے۔

’’جایئے چچا حضور! ابا حضور بلا رہے ہیں۔‘‘ شاہنواز نے کہا اور پھر بولا۔

’’ارے یہ ثانیہ اور فرخندہ کیوں نہ ہم انہیں چچا جان کہاں کریں۔ ویسے بھی ہمارا کوئی چچا نہیں تھا اب یہ چچا بن گئے ہیں ہمارے۔‘‘ کامران ہنستے ہوئے وہاں سے چل پڑا اور کرنل گل نواز کے پاس پہنچ گیا۔

’’ہاں بھئی۔ کیا رپورٹ ہے آج کی۔‘‘

’’کوئی خاص نہیں۔‘‘

’’بڑی عجیب بات ہے۔ ان دونوں کو میرے پاس رہتے ہوئے طویل عرصہ گزر چکا تھا لیکن میں اپنی تمام تر کوشش کے باوجود یہ معلوم کرنے میں ناکام رہا کہ وہ ہیں کیا چیز اور سچی بات یہ ہے کہ انہوں نے میرے ذہن کو الجھائے رکھا تھا۔ یہ بات بھی میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ وہ لوگ تو بالکل محدود زندگی بسر کر رہے تھے۔ میرے ساتھ ہی یہاں تک آئے تھے۔ اب یہاں سے فرار ہونے کے بعد پتا نہیں کہاں بھٹک رہے ہوں گے۔‘‘

’’کرنل صاحب وہ جہاں بھی ہوں گے۔ انہوں نے اپنے آپ کو محفوظ کر رکھا ہوگا اور ویسے بھی ہم ایسے دو پراسرار کرداروں کو اپنی مٹھی میں قید تو نہیں رکھ سکتے۔ جن کے ڈانڈے نہ جانے کہاں کہاں ملتے ہیں۔ ویڈیو فلم میں آپ نے خود دیکھا کہ وہ کہاں کس جگہ نظر آرہے تھے۔ یہ ساری کہانی کتنی عجیب ہے۔ میں تو جب اس کے بارے میں سوچنے بیٹھتا ہوں تو ششدر رہ جاتا ہوں ہاں...... اس سلسلے میں ایک خاص بات اور ہے وہ یہ کہ مرزا خاور بیگ سے ملاقات ہوئی تھی میری۔‘‘ کامران نے مرزا خاور بیگ سے ہونے

والی تمام گفتگو گل نواز کو سنا ڈالی تو کرنل نے کہا۔

"اس کی اس بات سے میں اتفاق کرتا ہوں اس قسم کی مہمات میں جن میں خزانوں کا تذکرہ خاص طور سے ہوتا ہے۔ معاملات بڑے الجھ جاتے ہیں اس کا کہنا بالکل ٹھیک ہے اور میں تمہیں ایک مشورہ دوں۔ جس طرح سے ہم نے اس معاملے میں خاموشی اختیار کی ہے آئندہ بھی ہمیں جاری رکھنا ہوگی۔ اب یہ کہنے کی ضرورت تو بالکل بھی نہیں ہے کہ ہم لوگوں کو ایک دوسرے پر اعتماد ہے اور میں تو تمہیں دل کی بات بتا رہا ہوں اگر اپنی آنکھوں سے بھی تمہیں اپنے خلاف کچھ کرتے ہوئے دیکھ لوں۔ تو میں یہی سمجھوں گا کہ اس میں میرا ہی مفاد کہیں پوشیدہ ہوگا اور تم سب کچھ میرے لیے کر رہے ہو۔ اب اس کے لیے کوئی شکریہ وکریہ ادا مت کرنا۔ ایسا اعتماد صدیوں میں قائم ہوتا ہے۔ تم ان لوگوں کے ساتھ ان کی خواہش کے مطابق تعاون جاری رکھو۔ اور یہ بات مجھ سے زیادہ تم بہتر جانتے ہو کہ کس مسئلے میں انہیں اعتماد میں لینا ہے اور کسی میں نہیں لینا۔ میں تمہیں کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔" کرنل بہت دیر تک اس موضوع پر باتیں کرتا رہا اور پھر کامران بہت سے الجھے ہوئے خیالات اپنے ذہن میں لے کر اپنی آرام گاہ میں آ گیا۔ دل بہلانے کے لیے رمضان بابا سے بہت دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ رمضان بابا اس کوٹھی کا پرانا نمک خوار تھا کہنے لگا۔

"بس صاحب بڑے لوگوں کے بڑے کھیل۔ ہم تو ان تماشوں کو دور دور سے ہی دیکھتے ہیں اور دور سے دیکھنا ہی اچھا ہوتا ہے۔ وہ جو کہتے ہیں نا کہ مالک کی اگاڑی اور گھوڑے کی پچھاڑی سے ہمیشہ دور رہنا چاہیے۔ پتا نہیں کب کس بات سے نقصان پہنچ جائے۔"

رات کو تمام ضروریات سے فارغ ہو کر کامران اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ دروازے وغیرہ بند کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں محسوس کی جاتی تھی۔ اس کا ذہن سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا اور جب ذہن سوچوں میں ڈوبا ہوتا ہے تو نیند سے براہ راست دشمنی پیدا ہو جاتی ہے۔ سونے کی کوشش میں ناکامی ہی ہوئی تھی۔ اور کامران اس وقت ان سوچوں سے بچنا چاہتا تھا۔ نیند نہیں آ رہی تھی۔ گرشک اور سیتا ذہن میں گردش کر رہے تھے اور وہ ان کی نفسیات کو دماغ میں رکھ کر ان کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ لوگ ان حالات سے اچھی طرح واقف تھے۔ انہیں اندازہ تھا کہ صورت حال ان کے لیے کس قدر سنگین ہے وہ علی سفیان اور قزل شائی کے بارے میں بھی جانتے تھے اور نہ جانے کس طرح انہوں نے اس بات کا پتا چلا لیا تھا کہ ایسی ویڈیو فلم موجود ہے۔ جو ان کی رہنمائی کرتی ہے اور ان کی جانب اشارہ کرتی ہے۔ وہ ویڈیو فلم انہوں نے حاصل کر لی۔ لیکن اتفاق سے وہ یہاں رہ گئی اتنے چالاک لوگ جو بے حد پھرتیلے ہیں۔ اس کا مظاہرہ بھی کامران اس جگہ دیکھ چکا تھا۔ یہ غلط خیال تھا کہ وہ کسی مشکل کا شکار ہو سکتے ہیں۔ انہوں نے ضرور اپنے لیے کوئی نہ کوئی جگہ منتخب کر لی ہوگی اور وہیں محفوظ ہوں گے۔ گھڑی نے ایک بجایا تو کامران نے اپنے منہ پر ہلکے ہلکے طمانچے لگائے۔ کیا مصیبت ہے یہ کم بخت خیالات بعض اوقات اتنے تکلیف دہ ہو جاتے ہیں کہ سونے نہیں دیتے۔ نیند تو آنی چاہیے بھائی ورنہ طبیعت خراب ہو جائے گی اسی وقت اسے اس کھڑکی پر ہلکی سی آہٹ محسوس ہوئی۔ جو عقب میں کھلتی تھی اور جس میں سلاخیں وغیرہ نہیں تھیں۔ کامران کی نگاہیں کھڑکی کی جانب اٹھ گئیں اور پھر کھڑکی میں اسے جو چہرہ نظر آیا۔ اسے دیکھ کر وہ سناٹے میں آ گیا۔ سیتا ہی تھی جو چمکتا نگاہوں سے اس کا اور

کمرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ پھر وہ کسی پھرتیلی بلی کی طرح اندر اتر گئی اور اس کے پیچھے ہی گرشک نمودار ہوا۔ کامران کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔

یہ دونوں اس طرح یہاں آ جائیں گے اس نے خواب میں نہیں سوچا تھا وہ بھونچکے انداز میں انہیں دیکھنے لگا۔ سیتا آگے بڑھ آئی۔ گرشک اس کے پیچھے تھا۔ پھر اچانک ہی گرشک کے حلق سے چیخ نکلی اور وہ سیتا کو دھکیل کے آگے آ گیا۔ اس کی آنکھیں شیشے کی گولیوں کی طرح چمک رہی تھیں اور منہ حیرت سے کھلا ہوا تھا۔ بہ مشکل تمام اس کے منہ سے نکلا۔

"دھرم دستونیہ پاتال پرتی، دھرم دستونیہ پاتال پرتی۔" یہ کہہ کر وہ گھٹنوں کے بل جھکا اور پھر زمین پر دونوں گھٹنے رکھ کر سجدہ ریز ہو گیا اس نے دونوں ہاتھ سامنے کر دیے تھے۔ سیتا حیرانی سے کبھی گرشک کو اور کبھی کامران کو دیکھ رہی تھی۔ وہ ایک طرف ہٹ گئی تھی۔ گرشک کچھ دیر اسی طرح سجدے میں پڑا رہا اور پھر سر اٹھا کر اس نے کہا۔

"پرنگا دیو، پربھو دیو آپ یہاں، آپ یہاں پر دشن سادوھانی، جے امرتا پرتا آپ یہاں۔"

کامران کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا تھا۔ گرشک نے اپنی جگہ سے اٹھ کر بے اختیار سیتا کا بازو پکڑا اور پھر کسی اجنبی زبان میں جو کامران کی سمجھ میں نہیں آئی تھی اس سے کچھ کہنے لگا۔ سیتا کی آنکھیں بھی حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ گرشک نے بے چینی سے یہ الفاظ دہرائے اور اس کے بعد پھر کامران کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"پربھو دیو! میں آپ کی زبان بول سکتا ہوں پربھو دیو! آپ، یہاں اس عالم میں اس حال میں اس طرح ملیں گے۔ ہم نے تو کبھی خوابوں میں بھی نہیں سوچا تھا۔ پرنگا دیو آپ دھرم دستونیہ ہیں پاتال پرتی ہیں آپ اور وہ جو پرکھنہ کی گہرائیوں میں آپ کا انتظار کر رہی ہے۔ ستی پرکھنہ، ستی پرکھنہ، پربھو دیو یاد ہے نا وہ آپ کو۔" کامران اپنے آپ کو سنبھال رہا تھا۔ بہ مشکل تمام اس نے کہا۔

"گرشک... اور سیتا! پتا نہیں تم لوگ مجھے جانتے ہو یا نہیں لیکن میں تمہیں جانتا ہوں۔"

"آپ ہمیں کیوں نہیں جانیں گے مہاراج! تو اور کون جانے گا؟ آپ دھرم دشی ہیں ہمارے آپ مایا کال ہیں۔ آپ کرم کرودھتا ہیں۔ سب کچھ تو آپ ہیں ہمارے ہمیں کیا معلوم تھا کہ آپ اس طرح ہمیں اس انوکھی دنیا میں مل جائیں گے۔ مہاراج! آپ آپ یہاں کیا کر رہے ہیں اور کیا آپ وہی ہیں۔ جس کے پاس سیتا مجھے لائی تھی؟"

"اب تم لوگ آ گئے ہو اور مجھ سے میری زبان میں بات کر سکتے ہو تو۔ بیٹھو میں تم سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ میں خود تمہارے لیے بہت پریشان اور الجھا ہوا تھا۔"

"دھرم دشی آپ مجھے ایک بتائیے کہ آپ ہمیں پہچانتے ہیں؟ کیا آپ کو پیودھا پریودھا کی کہانی معلوم ہے۔"

"کچھ نہیں معلوم مجھے اگر تم آرام سے بیٹھو۔ تو میں سنوں کہ تمہاری کہانی کیا ہے اور تم جو کچھ بھی مجھے کہہ رہے ہو اس کا مطلب کیا ہے۔" کامران اب پوری طرح سنبھل گیا تھا۔

"جے ہو مہاراج کی بیٹھو سیتا بیٹھو۔" وہ دونوں زمین پر بیٹھنے لگے۔ کامران نے کہا۔

"یہاں بیٹھو اس جگہ..... صوفے پر۔"

"نہیں دھرم وشنی! ہم اتنی جرات بھلا کہاں سے کر سکتے ہیں۔ آپ ہمارے دھرم دستو نیہ ہیں ہم تو آپ کے قدموں کی دھول ہیں مہاراج، ہم کیا اور ہماری اوقات کیا، ہم تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ آپ ہمیں اس طرح مل جائیں گے۔"

"میں کیا ہوں اور کیا نہیں ہوں۔ یہ بھی تم مجھے آرام سے بیٹھ کر ہی بتاؤ تو زیادہ بہتر ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ تمہاری اس طرح اس وقت آمد میرے لیے بڑی حیران کن ہے۔ مجھے ذرا تفصیل سے سمجھاؤ۔ یقین کرو مجھے کسی بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔"

"جے ہو...... مہاراج کی جے ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ سنسار کی گرد ابھی آپ کے دماغ پر موجود ہے اور اس گرد کو صاف ہونے میں کچھ وقت لگے گا۔"

"ایسا ہی سمجھ لو۔" کامران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ پتا نہیں یہ دونوں پاگل تھے۔ یا پھر کسی غلط فہمی کا شکار ہو گئے تھے۔ لیکن ان کی باتیں بے حد دلچسپ تھیں۔ کرنل گل نواز کو ان کی ضرورت تھی اور انہوں نے اسے ہدایت کی تھی کہ انہیں تلاش کرے اور اب یہ دونوں آ گئے تھے۔ تو کامران کو سنبھل کر ان سے ڈیل کرنی تھی۔ وہ سوچ ہی رہا تھا کہ ان سے کس طرح گفتگو کی جائے کہ اچانک ہی گرشنک نے سیتا سے پھر کچھ کہا اور اس کے بعد دونوں زمین پر دوزانو ہو گئے۔ انہوں نے ہاتھ جوڑ کر آنکھیں بند کر لی تھیں اور ان کی مدھم مدھم آوازیں ابھر رہی تھیں۔ کامران خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا۔ کچھ لمحوں کے بعد وہ گردنیں گھما کر اپنے آپ پر پھونکیں مارنے لگے۔ پھر گرشنک نے دونوں ہاتھ جوڑ کر ماتھے سے لگاتے ہوئے کہا۔

"دھرم وشنی! آپ مل گئے کھیل ہی بدل گیا۔ ہم نے تو کچھ اور ہی سوچا تھا۔ پر جے دھرما نے جے دھرما نے ہمارے مدد کی کہ آپ ہمیں نظر آ گئے۔ اب ہمیں کسی بات کی فکر نہیں ہے۔ ہمیں بالکل فکر نہیں ہے پربھو! اب کھیل بدل گیا، ہمیں تمہاری شکتی مل گئی۔ اب وہ ہمیں تلاش نہیں کر سکیں گے۔ مگر پربھو! تمہیں ہمارا ساتھ دینا پڑے گا۔" "بیٹھو گرشنک! اب آرام سے بیٹھ جاؤ۔ میری سنو۔ اور اپنی سناؤ۔ ہمارے پاس بہت وقت ہے۔"

"پربھو مجھے ایک بات بتائیے۔ وہ ویڈیو فلم جو ہمارے پاتال پرکھنڈ کی نشان دہی کرتی ہے کیا آپ کے پاس موجود ہے۔"

"نہیں وہ انہی کے پاس ہے۔ سیتا اس ویڈیو فلم کو وہاں سے اڑا کر لے آئی تھی۔ مگر اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ کیونکہ ویڈیو فلم کی بہت سی کاپیاں ان لوگوں کے پاس موجود تھیں۔ ایک غائب ہوتی تو دوسری انہیں مل جاتی لیکن انہیں تم دونوں کے بارے میں کچھ نہیں بتایا گیا ہے کہ تم دونوں یہاں موجود ہو۔"

"ہم جانتے تھے کہ آپ ہمارے مددگار ہیں اور وہ کرنل گل نواز بھی مہمان پرش ہیں۔ ہمیں ان کی مدد بھی حاصل تھی۔ ورنہ ہم اتنا سمے یہاں نہیں گزار سکتے۔"

"گرشنک! کیا تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ گے۔"

"نہیں مہاراج! آپ کو اپنے بارے میں بتانے کا مطلب ہے کہ ہم پوری سنگھوگتی کو جلا کر بھسم کر دیں۔ مہاراج! ہم اس سنگھوگتی کو نہیں جلا سکتے۔ ورنہ سارا کھیل ختم ہو جائے گا۔ دشمنوں کو کامیابی حاصل ہو

جائے گی۔ آپ ان باتوں کو راز ہی رہنے دیں کیونکہ آپ تو خود دھرم وشنی ہیں۔ ان سارے رازوں کے امین۔ آپ سے زیادہ ان باتوں کو اور کون جان سکتا ہے۔ پر سنسار کی گرد دماغ پر چڑھ جاتی ہے تو بہت سی باتیں کھو جاتی ہیں۔ آپ کو آہستہ آہستہ سب کچھ پتا چل جائے گا۔ بس اتنا جان لیجیے کہ ہمارے دیوتا ہیں آپ۔ ہمارے دھرم وشنی ہیں اور پاتال پرکھنڈ میں رہنے والی ستی پرکھنڈ آپ کا انتظار کر رہی ہے۔ آپ جب اس کے پاس پہنچیں گے تو سوتے شہر جاگ جائیں گے۔ مہاراج! آپ ہی کے دم سے تو یہ ڈھرم پر کھا ہے۔ آپ ہی کے دم سے یہ ڈھرم پر کھا ہے۔"

"میرے دم سے کیا ہے اور کیا نہیں ہے یہ تو شاید میرے فرشتوں کو بھی معلوم نہیں ہوگا۔ جو کچھ تم کہہ رہے ہو وہ میری سمجھ میں بالکل نہیں آیا لیکن تمہاری بات کو میں سنجیدگی سے سنوں گا۔ اب کیا وہ وقت آ گیا ہے۔ جب تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ گے اور مجھ سے میرے بارے میں پوچھو گے۔"

"کوئی ہرج نہیں ہے مہاراج! آپ تو صرف حکم دیں کہ ہمیں کیا کرنا ہے۔ ہم آپ کے حکم کی تعمیل کرنے کے پابند ہیں۔"

"ہوں۔ اچھا چلو ٹھیک ہے۔ اب یہ بتاؤ کہ تم سنکیانگ کی ان پہاڑیوں میں کیا کر رہے تھے۔"

"تپت بھوشا میں مہاراج! ہم دشمنوں سے چھپے ہوئے تھے۔"

"تمہارے دشمن کون ہیں۔"

"یہ بات سمے آپ کو بتائے گا۔ اسی کے لیے تو ہم نے آپ سے معافی مانگی ہے۔"

"اچھا ایک بات اور بتاؤ...... یہاں سے نکل کر کہاں چلے گئے تھے تم۔"

"کہیں نہیں مہاراج اسی کوٹھی کے ایک گوشے میں پناہ لی تھی ہم نے۔ ہم کہاں جاتے پر اب صورت حال بدل گئی ہے۔ ہمیں آپ کی شکتی آپ کا گیان حاصل ہو گیا ہے۔ مہاراج! جب بھی ضرورت ہوگی ہم آپ کے چرنوں میں آ جائیں گے۔ ہمارے چھپنے کے لیے یہاں تو بے شمار جگہیں ہیں اور ہم پھر چونکہ بہت عرصہ یہاں گزار چکے ہیں اس لیے نئے سنسار کے نئے باسیوں کے بارے میں ہمیں بہت کچھ معلوم ہو چکا ہے۔"

"تم اسی کوٹھی میں تھے؟"

"ہاں مہاراج! ایک ویران سی جگہ میں جہاں کسی کی نگاہ نہیں پہنچ سکتی تھی۔"

"یہاں کیوں آئے تھے۔"

"صرف وہ ویڈیو فلم لینے کے لیے لیکن ہمیں کیا معلوم تھا کہ یہاں ہمارا دھرم وشنی موجود ہے اور ہمارے من کی جوت جگنے والی ہے۔"

"اب کہاں جاؤ گے تم۔"

"اب کہیں نہیں جائیں گے مہاراج! آپ کو آپ کا ماضی یاد دلائیں گے۔ جب بھی اور جیسے بھی موقع ملے گا۔ پر مہاراج ایک بات آپ سے کہیں اگر آپ برا نہ مانیں تو۔"

"ہاں کہو۔"

"ہمارے بارے میں کسی کو بتائیے گا نہیں، اگر آپ نے ہمارے بارے میں ان لوگوں کو بتا دیا تو

مہاراج ہمارا تو کچھ نہیں بگڑے گا۔ ان کا کچھ بگڑ جائے گا کیونکہ ہمیں اپنی بقا کے لیے انہیں ختم کرنا پڑے گا اور مہاراج یہ ہم نہیں چاہتے کیونکہ خاص طور پر کرنل گل نواز ہمارا کھشک ہے اور ہمارے لیے بہت کچھ کر چکا ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ لیکن میرا تم سے رابطہ کس طرح ہو گا۔“

”اس کی آپ چنتا نہ کریں مہاراج! ہم ہواؤں میں چھپ سکتے ہیں۔ ہمیں ہواؤں میں چھپنے کا طریقہ آتا ہے۔ ہم ان کی نگاہوں میں نہیں آسکتے اور جب بھی ہمیں آپ کی ضرورت پڑی ہم آپ تک پہنچیں گے۔ آپ مہاراج، آپ بس ہم پر اعتبار کیجیے۔“

”ہوں اور اگر میں تم سے کبھی ملنا چاہوں گا تو۔“

”آپ جب بھی ہمیں آواز دیں گے ہم حاضر ہو جائیں گے۔ ہم آپ سے دور نہیں ہوں گے مہاراج! یہ الگ بات ہے کہ مصلحت کے تحت ہم آپ سے فوراً نہ مل سکیں گے۔ لیکن جیسے ہی موقع ملے گا ہم آپ سے ضرور ملیں گے چونکہ اب آپ کی رکھشا بھی ہم پر فرض ہو گئی ہے۔“

”تو تم مجھے مزید کچھ نہیں بتاؤ گے۔“

”مجبوری ہے۔ پدم پردھانی، مجبوری ہے دھرم دستو۔ یہ آپ کو سب کچھ پتا چل جائے گا لیکن سمے آنے پر۔ ہماری مجبوریوں کو سمجھیں۔“

”تو اب میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں۔“

”کچھ نہیں مہاراج! ہم چلتے ہیں پر ہم یہاں سے ایک انوکھی خوشی لے کر جا رہے ہیں۔ ایک ایسی خوشی جو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا اور اس خوشی کی وجہ یہ ہے کہ آپ ہماری نگری میں موجود ہیں۔ آپ اس نگر میں آچکے ہیں مہاراج! اب ہماری شکتی بدل گئی ہے۔ وہ سمے بدل گیا ہے جب ہم دشمنوں سے چھپتے پھرتے تھے۔ اب ہم اپنے دشمنوں سے کھلم کھلا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ آگیا دیجیے۔ جب بھی آپ ہمیں پکاریں گے ہم حالات کو سامنے رکھتے ہوئے آپ تک پہنچیں گے۔ ایسی جگہ ہمیں آواز نہ دیں جہاں دوسرے لوگ موجود ہوں۔“

”ایک منٹ ایک منٹ ایک بات اور سفو۔ علی سفیان اور اس کے ساتھ جو لوگ موجود ہیں۔ ان کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے۔“

”کچھ نہیں مہاراج! ان کی کہانی الگ ہے وہ جو کچھ چاہتے ہیں انہیں کرنے دیں۔ ممکن ہے انہیں کامیابی مل جائے۔ پر اس کے لیے انہیں ہماری فوج بنانا پڑے گا اور وہ کس طرح ہماری فوج بنتے ہیں۔ یہ سمے کی کہانی ہے اور سمے ہی پوری اور سچی کہانیاں سناتا ہے۔ بس مہاراج انتظار کرنا ہو گا چلتے ہیں ہم۔“ یہ کہہ کر دونوں مڑے اور کھڑکی کے پاس پہنچ گئے گرشک دوسری طرف کود گیا تھا۔ سیتا نے ایک پاؤں دوسری طرف رکھا اور پھر مڑ کر کامران کی طرف دیکھنے لگی۔ کئی ساعت تک وہ اسے دیکھتی رہی تھی۔ اس کی بڑی اور حسین آنکھوں میں ایک عجیب سا محبت بھرا انداز تھا اور اس کے بعد اس کے ہونٹ مدھم سے انداز میں مسکرائے اور وہ دوسری جانب کود گئی۔ کامران تیزی سے آگے بڑھ کر کھڑکی کے قریب پہنچا تھا لیکن حیرانی کی بات یہ تھی کہ کھڑکی کی دوسری طرف ان کا نام و نشان نہیں تھا۔ وہ جیسے فضا میں تحلیل ہو گئے تھے۔ پاتال کی گہرائیوں میں گھس گئے تھے۔ مگر بڑے ہی پراسرار کردار تھے۔ کامران نے کھڑکی بند کر دی اور اس کے بعد واپس اپنے بستر

پر لیٹ گیا اور بستر پر لیٹ کر سوچوں میں ڈوب گیا تھا۔ ”کیا ہو گیا تھا ان لوگوں کو۔ گرشک اور سیتا ہمیں اس حویلی میں موجود ہیں اس کو کہتے ہیں کہ بغل میں لڑکا اور شہر میں ڈھنڈورا۔ یہ لوگ انہیں نہ جانے کہاں کہاں تلاش کرتے پھر رہے ہیں۔ لیکن انہوں نے چالاکی سے کام لیا اور یہ بڑی عجیب بات ہے کہ وہ دونوں مقامی زبان بڑی خوش اسلوبی سے بول سکتے ہیں۔ مگر میں کیا بن گیا۔ کیا کیا بکواس کر رہے تھے وہ پاتال پر کھشی، دھرم دستی اور پتا نہیں کیا کیا۔ کون پاتال پر کھشا میں میرا انتظار کر رہا ہے۔ کون ہے وہ ہستی جو میرا راستہ تک رہی ہے۔ پتا نہیں کس طرح کے چکر پڑ گئے ہیں لیکن ہیں دلچسپ اور اب اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا کہ ان کی کہانی کو پوشیدہ ہی رکھا جائے۔ کرنل گل نواز کو بھی اس بارے میں بتانا مناسب نہیں ہے جب تک کہ خود ان تمام کرداروں کی وضاحت نہیں ہو جاتی۔“

”یہ فیصلہ کرنے کے بعد کامران کسی حد تک مطمئن ہو گیا تھا۔ دوسرے دن صبح کو وہ چہل قدمی کے لیے کوٹھی کے وسیع و عریض باغ میں نکل آیا وہ دونوں بھی ذہن میں تھے اور دوسرے بہت سے خیالات ذہن میں گردش کر رہے تھے۔ اچانک ہی اسے امینہ سلفا نظر آئی۔ جو جوگنگ سوٹ میں ملبوس جوگنگ کر رہی تھی۔ کامران نے اسے دیکھ کر واپس پلٹنا چاہا۔ لیکن امینہ سلفا کی آواز ابھری۔

”ہے..... سفو، ادھر آؤ ہے..... ہے۔“ کامران کو رکنا پڑا اور پھر وہ مودب انداز میں آگے بڑھ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ امینہ سلفا جسمانی طور پر قیامت تھی۔ چہرہ بھی حسین تھا لیکن ایک ایسی کرختگی لیے ہوئے۔ جسے مناسب الفاظ تک نہیں دیے جا سکتے تھے۔

بہر حال اس وقت بھی اس نے ایک مخصوص انداز میں بال باندھے ہوئے تھے اور بہت پرکشش نظر آرہی تھی۔ کامران اس کے قریب پہنچا تو وہ مسکرا کر بولی۔

”ڈرتے ہو مجھ سے۔“

”جی!“

”میں نے کہا ڈرتے ہو مجھ سے۔“

”نہیں تو۔“

”تو بھاگ کیوں رہے تھے۔“

”بھاگ نہیں رہا تھا۔“

”پھر کیا کر رہے تھے۔“

”واپس جا رہا تھا۔“

”کیوں۔“

”اس لیے کہ آپ یہاں جوگنگ کر رہی تھیں۔“

”یہ کوئی بری بات تھی۔“

”بالکل نہیں۔“

”آؤ ادھر بیٹھتے ہیں۔ آؤ.....“ اس نے دوبارہ کہا اور کامران اس کے ساتھ چل پڑا۔ تھوڑے

فاصلے پر ایک سنگ مرمر کی بنچ پڑی ہوئی تھی۔ وہ اس پر بیٹھ گئی اور بولی۔

"بیٹھو۔"

"شکریہ۔" کامران بیٹھ گیا۔

"تم عجیب سے انسان نہیں ہو۔"

"نہیں۔"

"میں نے محسوس کیا ہے کہ تم مجھے نہیں دیکھتے۔"

"کیا مجھے دیکھنا چاہیے؟" کامران نے سوال کیا۔

"ہاں میرے خیال میں دیکھنا چاہیے۔"

"کیوں؟"

"اس لیے کہ میں بدصورت نہیں ہوں۔"

"اگر کوئی بدصورت نہ ہو تو اسے دیکھتے رہنا چاہیے۔"

"یقیناً یہ اس کے حسن کو خراج تحسین ہوتا ہے۔"

"اور یہ خراج تحسین وہ ادا کرتے ہیں جن کا ان سے تعلق ہوتا ہے اور خاص طور سے علی سفیان جن کا تعلق مصر سے ہے۔ تن و توش میں مضبوط ہے۔ جب کہ میں ان کے ایک ہاتھ کو برداشت کرنے کی سکت بھی نہیں رکھتا۔" امینہ سلفا قہقہہ مار کر ہنس پڑیں پھر بولیں۔

"دیکھو نا اسے کہتے ہیں کہ جب تک کسی چیز کو چھو کر نہ دیکھو اس کی اصلیت پتا نہیں چلتی۔ میں نے تمہیں چھیڑا۔ تو تم کھل رہے ہو۔ ویسے میں نے کئی بار سوچا کہ تم سے دوستی کی جائے۔ کرو گے مجھ سے دوستی۔"

"اس سلسلے میں علی سفیان سے اجازت لینا پڑے گی۔" کامران نے کہا۔

"اوہ نہیں۔ میں اپنی مرضی کی مالک ہوں جو دل چاہے کر سکتی ہوں۔ پھر علی سفیان! وہ میرا مالک نہیں ہے شوہر ہے۔ وہ مجھے بھلا میری مرضی کے خلاف کیسے روک سکتا ہے۔ مجھے تو پہلی نگاہ میں ہی اچھے لگے تھے۔"

"شکریہ۔"

"مجھ سے ملتے رہا کرو۔"

"جی۔ آپ جب مجھے حکم دیں گی میں آپ کے پاس حاضر ہو جاؤں گا۔"

"اتنی نیازمندی مجھے اچھی نہیں لگتی حکم دوں گی حاضر ہو جاؤ گے۔ میں تم سے دوستی کرنا چاہتی ہوں اور دوستوں میں یہ تکلفات نہیں چلتے۔ سمجھے۔"

"او کے۔ جاؤں۔"

"بھاگنا چاہتے ہو تو جاؤ بھاگ جاؤ۔ مگر سنو میں تمہیں بہت جلد دوبارہ طلوں گی۔" کامران خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور تیز قدموں سے چلتا ہوا وہاں سے باہر نکل آیا۔ دل میں سوچ رہا تھا کہ یہ ان خوف ناک خاتون کو کیا سوجھی ہے۔ یہ تو بڑی بھیانک، قسم کی شخصیت ہے۔"

یہ کوئی ایسا خاص مسئلہ نہیں تھا۔ علی سفیان ویسے بھی ایک بے تکلف سا آدمی تھا۔ لیکن ذرا احتیاط

کرنا پڑے گی۔ امینہ سلفا کی ضرورت سے زیادہ بڑی آنکھوں میں جو کچھ نظر آ رہا تھا وہ اچھا نہیں تھا اور پھر یار غیر کی یہ بے باک خواتین واقعی اپنی مرضی کی مالک ہی ہوتی ہیں۔ یہاں سے فرصت ملی تو گھوم کر واپس پلٹا اور ثانیہ نظر آ گئی۔ عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا تو ثانیہ نے اسے انگلی کے اشارے سے بلایا اور وہ اس کے قریب پہنچ گیا۔

"میں نے اپنے بیڈ روم سے باکیں باغ کا منظر دیکھا تھا۔ جب آپ امینہ سلفا کے ساتھ بنچ پر بیٹھے ہوئے تھے۔"

"جی بس ایسے ہی چہل قدمی کرنے نکل آیا تھا۔ انہوں نے مجھے دیکھ لیا اور اشارے سے بلا لیا پھر باتیں کرنے لگیں۔" نہ جانے کیوں کامران کے انداز میں ایک مجرمانہ سی کیفیت پیدا ہو گئی۔

"نہیں نہیں۔ میں نے تو ایسے ہی یہ سوال کر لیا تھا۔ پتا نہیں یہ لوگ کب یہاں سے جائیں گے۔ ہماری تو ان سے ذرا بھی بے تکلفی نہیں ہو سکی۔ وہ دونوں خواتین اس طرح کی ہیں ہی نہیں۔ حالانکہ پاپا کہتے ہیں کہ ہم ان کی پذیرائی کریں۔ مگر دیکھیے نا کامران کہ جو لوگ بلاوجہ اپنے آپ کو دوسروں سے برتر سمجھیں ان سے دوستی کیسے کی جا سکتی ہے؟ ویسے آپ ان کے چکر میں بری طرح گھر گئے ہیں آپ اچھے خاصے آدمی ہیں۔ اس وقت شاہنواز بھائی بھی کہہ رہے تھے کہ کامران پر کچھ ضرورت سے زیادہ بوجھ ڈال دیا گیا ہے۔ یہ مناسب نہیں ہے۔ ایک بات پوچھوں۔"

"ضرور پوچھیے۔"

"یہ امینہ سلفا آپ کو عجیب نہیں لگی۔"

"دلچسپ ہے۔"

"ہوشیار رہیں اس طرح کے لوگ اچھے نہیں ہوتے۔"

"جی۔" پتا نہیں ثانیہ کیا کہنا چاہتی تھی۔ کچھ دبا دبا سا انداز تھا اس کا۔ کامران کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آئی تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک ثانیہ سے باتیں کرتا رہا۔ اس نے اپنی آرام گاہ میں ہی واپس پلٹ جانا زیادہ مناسب سمجھا۔ صبح ہی سے سارے کام غلط ہو رہے تھے۔ ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ کرنل گل نواز نے اسے ٹیلی فون کیا۔

"کہیں جا تو نہیں رہے۔"

"نہیں۔"

"آ رہا ہوں تمہارے پاس۔"

"جی میں حاضر ہو جاؤں۔"

"نہیں۔ میرا انتظار کرو...... اور ہاں رمضان بابا سے کہو ناشتا تیار کر لیں۔ میں تمہارے ساتھ ناشتا کروں گا۔"

"جی بہت بہتر۔" کامران نے کہا اور دوسری طرف سے فون بند ہونے کے بعد خود بھی ریسیور رکھ دیا۔ پھر وہ جلدی سے آگے بڑھ کر رمضان بابا کے کمرے میں پہنچ گیا۔

"بابا صاحب! کرنل صاحب ادھر ہی آ رہے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ آپ ان کے لیے بھی ناشتا تیار کرلیں۔ وہ یہیں ناشتا کریں گے۔"

"جی...... ابھی کرلیتا ہوں۔" رمضان بابا نے کہا۔ اور کچن کی طرف چل پڑے۔ کچھ ہی دیر کے بعد کرنل گل نواز کامران کے پاس پہنچ گیا۔ کامران نے انہیں مودبانہ انداز میں سلام کیا۔

"آؤ بیٹھو...... بہت سی باتیں کرنی ہیں تم سے۔" کرنل گل نواز بولا۔

"جی۔"

"پہلی بات تو یہی ہے، ان دونوں کا کوئی نشان تو نہیں ملا۔" کامران کے ذہن میں ایک لہر سی آ کر گزر گئی اور بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

"نہیں۔" لیکن اسے یہ بھرپور احساس ہوا تھا کہ نہیں کا یہ لفظ کہنے میں اس کی اپنی قوت ارادی کا دخل نہیں تھا۔ بلکہ یوں لگا تھا جیسے کوئی ذہنی دباؤ اس کی زبان کو متحرک کرنے کا باعث بنا ہو اور اس کے منہ سے لفظ نہیں نکل گیا ہو۔ اس بات پر وہ خود بھی حیران ہوا تھا لیکن اس کے بعد بھی وہ کرنل گل نواز کو یہ نہیں بتا سکا کہ رات کو گرشک اور سیتا آئے تھے اور انہوں نے ایک نئی کہانی کی داغ بیل ڈال دی تھی۔ کرنل چند لمحات تک خاموشی سے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔

"میرے خیال میں اب انہیں تلاش کرنے کی کوشش غیر ضروری ہے کیونکہ ہم نے کسی کو یہ نہیں بتایا کہ کچھ وقت قبل وہ ہمارے پاس موجود تھے۔ ویڈیو فلم کا معاملہ بھی دوسری صورت میں حل ہو گیا۔ یعنی یہ کہ انہوں نے فوری طور پر اس ویڈیو فلم کی کاپی منگوالی اور یہاں اسے دیکھا گیا ہے۔ لیکن اب اس بات پر تو کسی شک وشبے کی گنجائش نہیں ہے کہ گرشک اور سیتا ہماری اس دنیا سے نہ تو اس قدر غیر متعلق تھے اور نہ ہی وہ ہمارے معمولات سے غافل تھے۔ اس بات کے امکانات بھی ہو سکتے ہیں کامران کہ وہ علی سفیان اور قزل ثانی سے واقف تھے۔ ورنہ ان کے لحاظ ہو کر اس جگہ تک پہنچ جانے کی کیا ضرورت تھی۔ مجھ پر تو واقعی حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹنے لگتے ہیں۔ جب میں ان واقعات پر غور کرتا ہوں اب تم خود سوچو میں تو ایک محاذ پر کام کر رہا تھا اور میرے سپرد کچھ اور ذمہ داریاں تھیں۔ انہی فرائض کی ادائیگی کے دوران مجھے یہ دونوں ملے تھے اور میں صرف ازراہ ہمدردی انہیں یہاں لے آیا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ کوئی لمحہ ایسا آ سکتا ہے۔ جب یہ براہ راست میرے معاملات سے متعلق ہو جائیں گے۔ ویسے اگر اب ہمیں مل بھی گئے تو پھر ہماری ساری یہ مہم بدگمانی کا شکار ہو جائے گی۔ میں تو یہ سوچ رہا تھا کہ شاید ویڈیو فلم کی گمشدگی میں یہ لوگ ہم پر شبہ کریں کیونکہ یہاں ہمارے پاس بھرپور وسائل ہیں اور ہم کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ لیکن بے چارے اچھے لوگ ہیں انہوں نے کوئی ایسا خیال ظاہر نہیں کیا۔ میری بات سمجھ رہے ہو؟ اب ہمیں ان کی تلاش ترک کر دینی چاہیے۔"

"جی۔" کامران نے جواب دیا۔

اب میں تمہیں دوسرا مسئلہ بتاتا ہوں۔ رانا چندر سنگھ کے پاس میں تمہیں تنہا بھیج رہا ہوں۔ رانا چندر سنگھ سلطان گڑھی میں ہوتا ہے۔ اس کی کہانی تو طویل ہے۔ وہاں ہو سکتا ہے تمہیں کنور گیانیشور ملے۔ کنور گیانیشور کے بارے میں میں تمہیں کچھ نہیں بتانا چاہتا۔ وہاں جا کر خود پتا چل جائے گا۔ سلطان گڑھی کے

لیے میں انتظام کردوں گا۔ بس تمہیں کچھ ایسے معاملات پر رانا چندر سنگھ سے بات کرنی ہے جن کی تفصیل میں تمہیں ایک گھنٹے کے بعد فراہم کردوں گا۔ کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔"

"نہیں۔"

"مرزا کا حال سناؤ۔"

"ٹھیک ہے مجھے اپنا ساتھی بنا رہے ہیں۔ ویسے آپ نے ان کی بیٹی کو بھی ساتھ جانے کی اجازت دے دی ہے۔ انکل۔"

"اصل میں تم میرا موقف بھی سمجھنے کی کوشش کرو۔ مرزا ایک خطرناک آدمی ہے اور مجھے میرے پیچھے بھی نقصان پہنچا سکتا ہے۔ ایسے آدمی کا ساتھ رکھنا اس لیے بہت زیادہ ضروری ہے کہ......"

"مجھے اعتراض نہیں ہے۔ میں نے تو بس ایسے ہی سوال کرلیا تھا۔ چونکہ وہ مجھ سے اس کا تذکرہ کر رہے تھے۔ میں نے سوچا ممکن ہے یہ بات آپ کے علم میں نہ ہو۔ یا پھر انہوں نے فوراً آپ کو اس کے بارے میں نہ بتایا ہو۔"

"نہیں یہ بات میرے علم میں ہے اور چونکہ دو اور عورتیں ہمارے ساتھ ہیں اور ہو سکتا ہے مزید کچھ اور ہو جائیں۔ ٹیم تو بنانی ہی ہے۔ اس طرح ہم لوگ ساتھ چلیں گے کوئی حرج نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے جیسا آپ پسند کریں۔ مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔" کامران پھر بولا۔

"تو مجھے کب جانا ہے۔"

"میرے خیال میں آج ہی چلے جاؤ۔ ڈرائیور تمہیں سلطان گڑھی لے جائے گا۔ وہ رانا چندر سنگھ کی حویلی کے بارے میں بھی اچھی طرح جانتا ہے۔ تمہیں کوئی دقت نہیں ہوگی۔"

"یہ بہت اچھی بات ہے۔" کامران نے جواب دیا اتنی دیر میں رمضان بابا نے باہر سے جھانک کر پوچھا۔

"ناشتا تیار ہے صاحب جی۔ لے آؤں۔"

"ہاں رمضان بابا۔ بات یہ ہے کہ اندر کچھ بھی کھا پی لیا جائے۔ آپ کے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیزوں کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں ابھی لے کر آتا ہوں۔" رمضان بابا نے ناشتا لگا دیا۔ کرنل گل نواز نے مجبور کرکے کامران کو بھی اپنے ساتھ ناشتا کروایا۔ اور پھر بولا۔

"اگر کوئی اور بات تمہارے ذہن میں ہو تو مجھ سے پوچھ سکتے ہو۔"

"آپ اطمینان رکھیں۔"

"کرنل کے جانے کے بعد کامران گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ ناشتا کر چکا تھا ایک اور پیالی چائے پی اور اس کے بعد اٹھ کر لباس تبدیل کرنے چلا گیا۔ ذہن میں بہت سے خیالات گردش کر رہے تھے۔ دروازے سے باہر نکلا ہی تھا کہ عروسہ کی کار پورچ میں رکی ہوئی نظر آئی۔ کامران دوڑ کر مہندی کی باڑھ کی طرف جھک گیا عروسہ اسی کی طرف آ رہی تھی۔ ویسے بھی عروسہ کے یہاں کی لڑکیوں سے بہت زیادہ تعلقات

نہیں تھے۔ ملتے جلتے سب تھے بہ ظاہر گھلا ملا انداز بھی تھا لیکن صاف ظاہر تھا کہ نہ فرخندہ اور نہ ثانیہ اسے پسند کرتی ہیں اور نہ ہی عروسہ ان میں بہت زیادہ گھسنے کی کوشش کرتی ہے۔ شاہ نواز تو بے چارہ ویسے ہی مرنجان مرنج تھا۔ عروسہ دروازہ کھول کر اندر چلی گئی اور کامران نے لینڈ کروزر کی طرف دوڑ لگا دی۔

ڈرائیور لینڈ کروزر کی سیٹ پر موجود تھا۔ کامران نے برابر والی سیٹ کا دروازہ کھولا اور بولا۔

"جلدی سے نکل چلو۔"

"جی صاحب۔" ڈرائیور نے جواب دیا۔ کامران سائیڈ مرر میں پیچھے کا منظر دیکھ رہا تھا۔ وہ اس وقت تک سہمی ہوئی نگاہوں سے پیچھے دیکھتا رہا تھا جب تک کہ لینڈ کروزر گیٹ سے باہر نہ نکل گئی۔ لیکن گیٹ سے باہر نکلتے نکلتے اس نے عروسہ کی جھلک دیکھی تھی۔ جو تقریباً دوڑتی ہوئی باہر آئی تھی۔

یہ مرحلہ طے ہو گیا لینڈ کروزر پر سڑک پر دوڑنے لگی۔ کچھ دیر کے بعد لینڈ کروزر شہر سے باہر جانے والی سڑک پر نکل آئی۔ بلند و بالا عمارتیں آنکھوں سے اوجھل ہو چکی تھیں۔ اور اب دونوں سمت کھیت اور باغات نظر آ رہے تھے۔ قرب و جوار میں ایک پراسراری خاموشی پھیلی ہوئی تھی اور ایک عجیب سا احساس کامران کے دل پر تھا۔ سفر طے ہوتا رہا اور تقریباً پونے دو گھنٹے کے مسلسل اور تیز رفتار سفر کے بعد وہ ایک آبادی میں داخل ہوئے۔ سلطان گڑھ کے بارے میں کامران کو کچھ معلومات حاصل نہیں تھیں۔ لیکن لینڈ کروزر یہاں نہیں رکی تو کامران نے پوچھا۔

"یہ کون سی جگہ ہے۔"

"بستی ہے صاحب قصبہ ہدایت پور۔"

"سلطان گڑھی اس سے آگے ہے۔"

"جی سرکار! یہاں سے ایک کچی سڑک سلطان پور جاتی ہے۔"

بہر حال لینڈ کروزر نے یہ راستہ طے کیا اور اس کچی سڑک پر مڑ گئی۔ یہ علاقہ ضروریات زندگی کی بنیادی سہولتوں سے محروم تھا۔ لیکن قدرتی حسن سے مالا مال۔ جدھر نگاہ اٹھتی سبزہ ہی سبزہ نظر آتا۔ کچی سڑک آگے چل کر اور ناہموار ہو گئی تھی۔ دونوں سمت کھیت لہلہا رہے تھے۔ ان کے آخری سروں پہ باغ بکھرے ہوئے تھے۔ ڈرائیور نے کہا۔

"یہ کنور گیانیشور کے باغات ہیں۔"

"سلطان گڑھی اب یہاں سے کتنی دور ہے۔"

"کوئی آٹھ کلومیٹر ہے۔"

"تم یہاں آتے جاتے رہتے ہو۔"

"ہاں! کرنل صاحب کے کام سے۔"

"باغ بڑے خوبصورت ہیں۔"

"آپ چاہو تو صاحب! ہم کسی باغ پر گاڑی روکیں۔ گاڑی کی صفائی بھی کر لیں گے گندی ہو رہی ہے۔ جلدی نہیں ہے جانا تو سلطان گڑھی ہی ہے۔"

"ایک بات بتاؤ یہ رانا چندر سنگھ اور کنور گیانیشور میں کیا تعلق ہے۔"

"یہ تو آپ کو کنور صاحب ہی بتائیں گے۔" ڈرائیور نے مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"کیا مطلب۔"

"مطلب یہ صاحب کہ یہ فرق کنور صاحب ہی آپ کو بتائیں گے۔"

"ہوں۔" کامران نے ڈرائیور کو زیادہ مجبور کرنے کی کوشش نہیں کی اور خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد گاڑی ایک حسین باغ کے پاس پہنچ گئی۔ تو بے اختیار کامران کے منہ سے نکل گیا۔

"کیا حسین جگہ ہے یہ بھی انہی کی ہے۔"

"جی سرکار۔ ہم نے بتایا نا کہ ساری زمینیں اور باغ انہی کے ہیں۔ باغ میں کنارے پر کنواں ہے وہیں گاڑی دھوئیں گے۔"

"ٹھیک ہے حلیہ بھی بہت خراب ہو گیا ہے۔" کامران نے کہا آخر کار گاڑی آخری باغ کے پاس جا کر رک گئی تھی۔ کچی سڑک سے اتر کر اینٹوں کا ایک مضبوط احاطہ بنا ہوا تھا۔ جس میں ایک بڑا دروازہ نظر آ رہا تھا۔ یہی باغ میں جانے کا راستہ تھا۔ دروازے سے بالکل نزدیک ایک چھوٹی سی عمارت تھی۔ جو شاید مالی وغیرہ کی رہائش کے کام آتی تھی۔ باغ میں بائیں سمت زمین سے چار فٹ اونچی دیوار سے پانی کا کنواں بنا ہوا تھا۔ جس کی چرخی میں ڈول کی رسی پھنسی ہوئی تھی۔ ڈول پتھر کی ایک سل پر رکھا ہوا تھا اور اس سے کچھ ہٹ کر ویسی ہی اینٹوں کی ایک گھنگلی موجود تھی۔ جس میں کورے مٹکے رکھے ہوئے تھے۔

گاڑی رکی ہی تھی کہ ایک مالی آ گیا اور اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"جے رام جی کی مہاراج۔"

"پانی پینا ہے۔" ڈرائیور نے کہا۔

"ابھی نکالتا ہوں مالک۔" مالی نے کنویں کے پاس پہنچ کر ڈول پانی میں ڈال دیا اور پھر اس نے ڈول بھر کر پانی نکالا اور ان دونوں کو پانی پلایا۔ دونوں ہی نے اپنے منہ ہاتھ دھوئے تھے۔ اس کے بعد ڈرائیور نے کہا۔

"ہمیں گاڑی صاف کرنی ہے۔"

"آپ مڑیا سے پانی لے لو ہم کنویں سے نکال نکال کر مڑیا میں ڈالتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔" مڑیا ایک چھوٹا سا گڑھا تھا۔ جو شفاف پانی سے بھرا ہوا تھا۔ اس میں کنویں ہی کا پانی ڈول کے ذریعے آ جاتا تھا۔

چنانچہ ڈرائیور لینڈ کروزر کو دھونے میں مصروف ہو گیا۔ منہ ہاتھ دھو لیا گیا تھا۔ کامران نے بال سنوارے اور اس کے بعد وہ لوگ خوب اچھی طرح تیار ہو گئے۔ گاڑی بھی صاف شفاف ہو گئی تھی۔ بہر حال اس کے بعد اس کا رخ چندر سنگھ کی حویلی کی طرف ہو گیا۔ ایک بار پھر رانا چندر سنگھ کے بارے میں کامران نے سوال کیا تو ڈرائیور بولا۔

"معنی چاہتے ہیں سرکار! ایک ہی آدمی کے دو نام ہیں۔ بس کبھی وہ رانا چندر سنگھ ہوتے ہیں اور

کبھی کنور گیا نیشور۔"

"مطلب۔"

"بڑے آدمیوں کے شوق کا ہمیں کیا معلوم۔" ڈرائیور نے جواب دیا کامران کو حیرت ہوئی کہ کرنل نے بھی اس بارے میں کوئی تفصیل نہیں بتائی تھی۔ وہ خاموش ہو گیا اور پھر دور سے رانا چندر سنگھ کی حویلی نظر آنے لگی۔ عظیم الشان حویلی چاروں طرف سے درختوں میں گھری ہوئی تھی۔ سامنے کے رخ پر اونچا سا دروازہ نظر آ رہا تھا۔ جس پر بہت مضبوط پھاٹک لگا ہوا تھا۔ پھاٹک پر چوکیدار بھی موجود تھا۔ کنور گیا نیشور یار رانا چندر سنگھ درحقیقت راجا ہی معلوم ہوتا تھا۔ راجاؤں والی شان و شوکت یہاں نظر آ رہی تھی۔ وہ بہت عالی شان تھی۔ چوکیداروں نے گیٹ کھول دیا اور پھر ان میں سے ایک آگے بڑھ کر بولا۔

"مہاراج! کہاں سے آئے ہیں۔ کس سے ملنا ہے بتانا پسند کریں گے۔"

"ہاں۔ مجھے رانا چندر سنگھ کے پاس بھیجا گیا ہے اور بھیجنے والے کرنل گل نواز ہیں۔"

"نمستے سرکار! اندر آ جائیے۔ رانا صاحب حویلی میں موجود ہیں۔" ڈرائیور نے چوکیدار کے اشارے پر گاڑی آگے بڑھا دی۔ سامنے ہی حویلی کا صدر دروازہ تھا۔ بائیں سمت اونچے اونچے ستونوں کی وسیع عمارت نظر آتی تھی۔ جس کے سامنے پانچ سیڑھیوں کے بعد ایک دالان تھا۔ دالان میں بہت خوبصورت در بنے ہوئے تھے۔ یہاں بھی کئی ملازم مستعد کھڑے ہوئے تھے۔ لینڈ کروزر دالان کی سیڑھیوں کے پاس جا کر رکی۔ ملازموں نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور کامران نیچے اتر گیا۔ ایک ملازم نے آگے بڑھ کر اس کی پیشوائی کی اور کامران اس کے ساتھ چلتا ہوا دالان کی سیڑھیاں اتر کر ایک کمرے میں داخل ہو گیا۔ اندر پہنچ کر اسے اندازہ ہوا کہ جسے وہ کمرا سمجھ رہا ہے وہ ایک ہال ہے جسے ڈرائنگ روم کے طور پر بنایا گیا تھا۔ وکٹوریہ طرز کا چوڑے پایوں والا فرنیچر قیمتی دبیز قالین ریشمی پردے۔ آرائش کی لاتعداد اشیاء نفاست سے آراستہ تھیں۔

"آپ بیٹھیں مہاراج!"

"ہاں ہاں۔" کامران نے آہستہ سے کہا ایک ہلکی سی جھجک اس پر سوار تھی اور وہ ایک الجھن سی محسوس کر رہا تھا۔ پتا نہیں رانا چندر سنگھ اس کی بے تکلفی کا برا نہ محسوس کرے۔ ملازم نے پھر کہا۔

"مہاراج آپ بیٹھیے۔"

کامران نے سوچا کہ اب جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ چنانچہ وہ ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ چند ہی لمحوں کے بعد ایک ملازم نے چاندی کے جھلملاتے ہوئے گلاسوں میں ٹھنڈا پانی پیش کیا۔

"شکریہ..... کیا رانا صاحب کو میری آمد کی اطلاع دے دی گئی ہے۔"

"جی مہاراج۔ انہیں خبر دی گئی ہے۔ آنے ہی والے ہیں وہ آپ پانی پئیں۔" ملازم نے کہا اور کامران نے بے اختیار پانی کا ایک گلاس لے کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ پھر اس کے بعد وہ انتظار کرتا رہا۔ تقریباً دس منٹ کے بعد سفید براق دھوتی اور کرتے میں ملبوس قابل رشک آدمی کمرے میں داخل ہوا اس کی آنکھوں پر سنہری رنگ کی عینک لگی ہوئی تھی۔ رنگ بے حد صاف شفاف گھنی مونچھیں۔ جن پر سفید بال جھلک رہے تھے۔ موٹے موٹے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ کامران جلدی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ آنے والے نے

مسکراتے ہوئے کامران کی جانب ہاتھ بڑھائے اور بولا۔

"آپ کامران صاحب ہی ہیں نا۔ مجھے کرنل صاحب نے فون پر اطلاع دی تھی اور کہا تھا کہ آپ ان کے دست راست ہیں۔"

"آپ یہ بتائیے کہ آپ کیسے ہیں۔" کامران کو یک گونہ سکون ہوا تھا کہ کرنل نے یقینی طور پر اس کی حیثیت اسے بتا دی ہو گی اور اسی حیثیت کے مطابق وہ اس کا استقبال کر رہا ہے۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں بس میری بیٹی کے بارے میں شاید تمہیں معلوم ہو۔ وہ بیمار ہے جس کی وجہ سے مجھے خاصی الجھن رہتی ہے۔ بھگوان نے اگر ستارا کو صحت دے دی تو سمجھو سنسار میں میرے لیے کوئی پریشانی نہیں ہے۔"

"بہت افسوس ہوا میری بھی دعا ہے کہ آپ کی بیٹی کو صحت ملے۔"

"آپ بیٹھیے کامران صاحب! کھڑے کیوں ہو گئے۔ آپ کو پتا نہیں ہے۔ کرنل سے میرے کیسے تعلقات ہیں۔"

"جی۔" کامران نے جواب دیا۔

"ویسے میرے کچھ دوست آئے ہوئے ہیں۔ شکاری ہیں۔ اصل میں ساری زندگی سیر و شکار میں گزری ہے۔ ابھی ہم لوگ شکار کھیل رہے تھے۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ آپ آ جائیں۔ تو آپ کے اعزاز میں بھی ایک شکار کا پروگرام بنایا جائے۔ چونکہ میرے دوست آئے ہی اس مقصد کے تحت ہیں۔ آپ کو شکار سے کوئی دلچسپی ہے۔" کامران ایک بار پھر الجھ گیا۔ پتا نہیں کرنل نے کیا کہہ کر اس کا تعارف کرایا ہے۔ اب دہری الجھن تھی کہ اگر اپنی حیثیت کا اظہار کرتا ہے تو کرنل کی بات نیچی ہو جائے گی اور اپنی حیثیت سے بڑھ کر بات کرتا ہے تو بعد میں جب اصل حیثیت کھلے گی تو پریشانی ہو گی۔ گو کہ کرنل اسے بہت ہی عزت دیتا تھا۔ لیکن کرنل کی بات الگ ہے۔ چندر سنگھ جیسے لوگ حیثیتوں کے تعین میں خصوصیت برتتے ہیں۔

تاہم رانا چندر سنگھ نے خود ہی اس موضوع کو بدل دیا اور کسی کو بلانے کے لیے بیل بجا دی۔ دو ملازم دوڑتے ہوئے اندر داخل ہوئے تھے۔

"مہمان کا مکمل خیال رکھا جائے اور انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔" اس کے بعد رانا چندر سنگھ وہاں سے چلا گیا تھا۔ کامران کو اس کی شخصیت بہت شاندار نظر آئی تھی۔

دن گزر گیا۔ رات کا کھانا وغیرہ کھایا گیا۔ کامران کو جس مقصد کے لیے بھیجا گیا تھا اس پر ابھی تک گفتگو کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ لیکن رانا چندر سنگھ کے انداز سے یہ ظاہر ہوتا تھا۔ جیسے وہ بھی اس سلسلے میں بالکل جذباتی نہ ہو۔ رات گزر گئی۔ دوسرے دن صبح کو رانا چندر سنگھ نے کہا۔

"میرا کرنل گل نواز سے مسلسل رابطہ ہے۔ اس وقت ذرا ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں اگر دیر ہو جائے تو محسوس نہ کرنا۔ یہ حویلی تمہاری ہے اور یہاں تمہیں کبھی کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔ اگر چاہو تو فون پر کرنل سے بات کر سکتے ہو۔ واپس آنے کے بعد ہمارے درمیان گفتگو ہو گی۔"

"بہت بہتر جناب! میں کرنل سے بات کرنا چاہوں گا۔" کامران نے کہا۔

رانا چندر سنگھ تو چلا گیا تھوڑی دیر کے بعد ایک ملازم نے کہا کہ کرنل سے رابطہ قائم ہو چکا ہے۔"

"میں تمہارے ساتھ ہی چلتا ہوں۔" فون اس کمرے میں بھی تھا لیکن شاید لائنیں الگ تھیں۔ ملازم کی رہنمائی میں وہ ایک ہال نما کمرے میں پہنچا یہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ ٹیلی فون کا ریسیور نیچے رکھا ہوا تھا۔ کامران نے ریسیور اٹھا لیا اور بولا۔

"ہیلو...... انکل میں کامران بول رہا ہوں۔"

"ہاں کامران خیریت سے پہنچ گئے ہو کوئی مشکل تو نہیں ہوئی۔"

"نہیں لیکن تھوڑی سی الجھن پیدا ہو گئی ہے۔"

"کیا؟"

"اصل میں رانا چندر سنگھ کا رویہ میرے ساتھ بہت ہی بے تکلفانہ ہے۔ کرنل صاحب یہ نہیں معلوم ہو سکا مجھے کہ میں یہاں کس حیثیت سے بھیجا گیا ہوں۔ پہلی الجھن تو یہ ہے۔"

"تو صاحب زادے یہ الجھن دور کر لو۔ تم میرے بھتیجے کی حیثیت سے یہاں آئے اور اسی حیثیت کو تمہیں قائم رکھنا ہے۔"

"بہت شکریہ۔"

"ہاں...... ایک اور بات جو میرے ذہن میں ہے۔ پہلی بار تمہیں بتا رہا ہوں رانا چندر سنگھ بھی ایک پر اسرار شخصیت کا مالک ہے۔ نہ جانے کیوں کچھ بار مجھے یہ شبہ ہوا اور وہ بھی اس کی آنکھوں کو دیکھ کر کہ اسے اس بارے میں تھوڑی بہت معلومات پہلے سے حاصل ہیں۔ ہو سکتا ہے اس کے اپنے ذرائع بھی ہوں گے۔ مجھے شبہ ہے کہ کہیں گرشک اور سیتا اس کے پاس موجود نہ ہوں۔"

"یہ شبہ آپ کو کیسے ہوا کرنل صاحب۔"

"ٹیلی فون پر اتنی لمبی گفتگو نہیں کر سکتا۔ بعد میں بتاؤں گا۔ تمہیں خصوصی طور پر ایک کام کرنا ہے۔ تھوڑا سا حویلی کا جائزہ لے لو اس کے اطراف میں دیکھو کوئی ایسی انوکھی اور پر اسرار چیز تو نہیں ہے۔"

آپ کا مطلب سیتا اور گرشک یہاں آ چھپے ہیں۔ یا رانا چندر سنگھ نے انہیں اپنے ذرائع سے یہاں بلوا لیا ہے۔"

"میں نے کہا نا یہ ساری باتیں ٹیلی فون پر مجھ سے نہ پوچھو تو بہتر ہے جو کچھ میں بتا رہا ہوں۔ اس وقت وہی کرو۔ حویلی کا جائزہ لو۔ مجھے اس کے بارے میں مکمل رپورٹ درکار ہے۔"

"بہت بہتر۔" میں نے جواب دیا۔

"اور کچھ۔"

"نہیں۔ میرا خیال ہے۔ بس۔" اور اس کے بعد کامران اور کرنل کے درمیان رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔ سب سے پہلی بات جو کامران معلوم کرنا چاہتا تھا۔ وہ یہی تھی کہ کرنل نے اسے یہاں کس حیثیت سے متعارف کرایا ہے۔ بہر حال اب یہ بات کلیئر ہو گئی تھی اور کامران کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اسے یہاں کس طرح پیش آنا ہے۔ کرنل کے احکامات کی تعمیل کرنا کامران کی ذمہ داری تھی۔ حالانکہ حویلی کی تلاشی ایک خطرناک

کام تھا۔ لیکن یہ بھی کرنل ہی کی ہدایت تھی۔ چنانچہ اس سے گریز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کامران اپنا پروگرام ترتیب دینے لگا۔ رانا چندر سنگھ کا رہائشی علاقہ مہمان خانے سے ہٹ کر تھا اور ابھی تک کوئی ایسی شخصیت سامنے نہیں آئی تھی۔ جس کا تعلق رانا چندر سنگھ کے خاندان سے ہو۔ پورا دن اسی طرح گزر گیا اور پھر وہ وقت آ گیا جب حویلی کی تلاشی لی جا سکتی تھی۔ چنانچہ کامران تیار ہو کر باہر نکل آیا۔

مہمان خانے کے بیرونی حصے میں تاریکی تھی ملازم سو چکے تھے۔ کوئی آہٹ نہیں تھی۔ کامران نیم روشن حصے سے گزرتا ہوا ایک ایسی جگہ آ گیا جہاں سے ایک چھوٹی سی دیوار کود کر حویلی کے دوسرے حصے میں پہنچا جا سکتا تھا۔ یہ دیوار عبور کرنا کوئی مشکل کام ثابت نہیں ہوا اور وہ حویلی کے احاطے میں دوسری طرف اتر گیا۔ بہت دور حویلی کے بڑے پھاٹک پر چوکیداروں کی چہل پہل نظر آ رہی تھی۔ باقی ہر طرف خاموشی تھی۔ کامران اپنی جگہ رک کر ہر طرف کا جائزہ لیتا رہا۔ اس کے کان ان آہٹوں پر لگے ہوئے تھے۔ حویلی کے بارے میں یہ اندازہ نہیں تھا کہ یہاں کتے موجود ہیں یا نہیں۔ ان کی موجودگی متوقع تھی لیکن پھر یہ سوچ کر تسلی ہوئی کہ کتے ہوتے تو گیٹ پر کئی چوکیدار نہ رکھے جاتے اور اس دوران کتوں کے بھونکنے کی کوئی آواز بھی نہیں سنائی دی تھی۔

چنانچہ کامران کو اس بات کا اطمینان ہو گیا تھا کہ کم از کم حویلی میں کتے نہیں ہیں۔ اطمینان کے بعد احاطے کے دیوار کے ساتھ ساتھ وہ حویلی کی اصل عمارت کی جانب سرکنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد وہ حویلی کی بغلی دیوار کے پاس پہنچ گیا۔ یہاں دیوار سپاٹ تھی اور دور دور تک کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں سے حویلی کی عمارت میں داخل ہوا جا سکے۔

اس عظیم الشان حویلی کے بارے میں دن میں بھی یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ یہ کافی وسیع ہے لیکن اب اسے دیکھنے سے یہ پتا چل رہا تھا کہ واقعی اس کی وسعت بے پناہ ہے۔ کیونکہ یہاں تک پہنچنے میں کافی وقت لگ گیا۔ یہاں آ کر اندازہ ہوا کہ حویلی کے عقبی حصے کو سامنے والے حصے سے بالکل علیحدہ کر دیا گیا ہے۔ درمیان میں ایک اونچی دیوار حائل تھی اور اس دیوار سے دوسری طرف جانے کا کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔ گویا یہ کوشش بے مقصد ہی رہی۔

وہ یہاں رک کر سوچنے لگا اور پھر ایک دم اسے اپنی جگہ چھوڑنی پڑی۔ چونکہ اچانک ہی ایک آہٹ کے ساتھ ایک روشنی سی ابھری تھی۔ کامران کی نگاہیں بے اختیار اوپر اٹھ گئیں۔ اوپر سے کسی نے کوئی کھڑکی کھولی تھی اور اس کھڑکی سے روشنی کی شعاع باہر تک آئی تھی۔ کامران ایک درخت کی آڑ میں ہو گیا اور اس نے کھلی کھڑکی کا جائزہ لیا لیکن کھڑکی میں کوئی نظر نہیں آیا تھا۔ جس درخت کے نیچے وہ کھڑا ہوا تھا اس کی پھیلی ہوئی شاخیں دیوار کے اوپر سے گزر رہی تھیں۔ کچھ لمحوں کے بعد کھڑکی بند ہو گئی۔ آخری کوشش کے طور پر کامران نے فیصلہ کیا کہ یہ جگہ اوپر جانے کے لیے مناسب ترین ہو سکتی ہے۔ اگر اس درخت کی پھیلی ہوئی شاخوں سے کام لے کر کھڑکی تک پہنچا جائے تو شاید کام بن جائے۔

غالباً تقدیر اور وقت نے اس کی یہی رہنمائی کی ہے درخت پر چڑھنا مشکل کام نہیں تھا۔ چنانچہ اس نے پہلے درخت کا جائزہ لیا۔ پھر جوتے جیبوں میں ٹھونسے اور تنے کو پکڑ کر اوپر چڑھنے لگا کھڑکی کی دیوار

سے کچھ اوپر تھی لیکن اب اس کی درازوں میں سے روشنی نہیں چھن رہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ جس نے بھی یہ کھڑکی کھولی تھی وہ اسے بند کر کے واپس جا چکا تھا۔ درخت کی کسی بھی شاخ سے اس کھڑکی تک پہنچنا ممکن نہیں تھا اور پھر جانے بوجھے بغیر اس کے ذریعے اندر داخل ہونے کی کوشش خطرناک بھی ہو سکتی تھی۔ چنانچہ کامران نے دوسری طرف اترنا ہی مناسب سمجھا اس نے دیوار سے جھانک کر دوسری طرف دیکھا۔ ادھر بھی تاریکی تھی۔ احاطے کے ساتھ ساتھ درخت اس طرف بھی تھے اور ایسی ہی کوشش کے ذریعے دوسری جانب بھی اترا جا سکتا تھا۔ چنانچہ وہ کوشش کرنے لگا اور کچھ لمحوں کے بعد اس کے قدم زمین سے جا لگے۔ وہ آگے بڑھا اور کسی مناسب جگہ کا اندازہ کیے بغیر عمارت کی جانب بڑھنے لگا۔ درختوں کا سہارا اس وقت انتہائی تسلی بخش تھا۔ طویل و عریض احاطے کو دیکھ کر اسے چکر سا آ رہا تھا۔ یہ حویلی بہت بڑی جگہ گھیرے ہوئے تھی اور درختوں کا یہ سلسلہ ختم نہیں ہو رہا تھا۔ لیکن دفعتاً ایک بار پھر اسے ٹھٹکنا پڑا۔

جس جگہ وہ رکا تھا وہاں درختوں کے درمیان ایک اور وسیع جگہ تھی یعنی احاطے کی دیوار تو ایک کٹاؤ کی شکل میں تھی اور اس کٹاؤ میں زمین پر ستارے جگمگاتے نظر آ رہے تھے۔ یہ کیا ہے؟ اس نے متجسس نگاہوں سے اس چمکنے والی شے کو دیکھا اور پھر آہستہ آہستہ اس کی طرف چل پڑا۔ واقعی ستارے ہی تھے جو زمین پر چمک رہے تھے۔ لیکن پانی میں۔ اب اندازہ ہوا کہ یہ کوئی حوض ہے۔ جس کے سفید سفید کنارے بھی نظر آ رہے تھے۔ اور قریب پہنچنے پر اسے سنگ مرمر کی کچھ بینچیں بھی نظر آئیں۔ یہ ایک تالاب تھا وہ آگے بڑھ گیا۔ حویلی کے اس علاقے کا جائزہ لینا ہی مناسب ہوگا۔ پانی کو چھو کر چلنے والی ہوائیں خوشگوار تھیں قریب ہی کہیں رات کی رانی مہک رہی تھی۔ آخر کار وہ اس حوض کے کنارے جا کھڑا ہوا۔ اس وقت وہ انتہائی خطرناک حالت میں تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رانا چندر سنگھ نے اسے ایک معزز مہمان کی حیثیت دی تھی لیکن معزز مہمانوں کو بھی کچھ آداب ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے ہیں۔ اس طرح چوروں کی طرح حویلی میں چکر لگانا غیر اخلاقی حرکت تھی لیکن اب جب یہاں تک آ ہی گئے ہیں تو جائزہ لینے میں کیا حرج ہے۔ جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔ وہ کوٹھی کی طرف مڑا ہی تھا کہ اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس سے کچھ گز کے فاصلے پر بالکل قریب کوئی موجود تھا۔

اس سوال کا جواب آسان نہیں تھا۔ یہ کون تھا اور کب یہاں پہنچا تھا۔ کچھ پتا نہیں چل سکا تھا۔

اس سے پہلے یہ جگہ خالی تھی۔ یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ جو کوئی بھی ہے اس نے کامران کو دیکھا نہیں ہے وہ کامران کو دیکھ چکا تھا اور مسلسل دیکھے جا رہا تھا۔ ساکت، خاموش، کامران سکتے کے سے عالم میں کھڑا رہا۔ دیکھنے والے کی بھی کیفیت اس سے مختلف نہیں تھی آخر کار کامران کو تاریکی میں دیکھنے کی عادی آنکھوں نے دیکھا کہ وہ کوئی نسوانی وجود ہے ستاروں کی مدھم چھاؤں اس کے ہیولے کی نشان دہی کر رہی تھی۔ اور پھر اس کا لباس بھی سفید تھا۔ سیاہ زلفوں کا بادل کمر اور کولہوں سے اترتا ہوا پنڈلیوں کو چوم رہا تھا۔ لیکن وہ سنگ مرمر کا ایک مجسمہ ہی معلوم ہو رہی تھی۔ کون ہے اور اس طرح کیا کر رہی ہے۔ اگر پہلے سے کھڑی ہوتی تو یقینی طور پر اسے رانا چندر سنگھ کے ذوق کا ایک اعلیٰ شاہکار کہا جا سکتا تھا۔

یہ عجیب و غریب احساس کامران کے دل کو چھوتا رہا۔ وہ خود ہی سنبھلا آگے بڑھا یہ تصور ابھی تک ذہن سے نہیں نکال پایا تھا کہ وہ انسان ہے یا کوئی مجسمہ! لیکن مجسموں کے بال فضا اور ہوا میں نہیں لہراتے۔ پھر

یہ اس قدر ساکت کیوں ہے۔ اس کے لباس میں بھی لرزش تھی۔ زلفیں بھی ہوا سے اڑ رہی تھیں اور نیم وا آنکھوں میں ایک ایسا سحر خیز احساس چمک رہا تھا کہ دیکھ کر انسان سو جائے۔ اس کے خدوخال کی دل کشی سحر انگیز تھی اور سانسوں کا زیرو بم قیامت، تجسس قریب لایا تھا اور دل کشی اور قریب لے گئی۔ اور پھر ذہن اس کے سحر میں کھو گیا۔ خوف کا ہر احساس اس کی بے پناہ کشش میں جذب ہو گیا اور کامران کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"آپ...... آپ کون ہیں۔" یوں لگا جیسے پتھر کے بت آواز سے متحرک ہوتے ہوں اس کے بدن میں جنبش ہوئی اور اس نے کہا۔

"سرسوتی۔"

"سرسوتی۔؟" کامران نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"ہاں۔"

"کہاں رہتی ہیں۔"

"جمنا کے سروں میں۔"

"کیا۔" کامران حیرت سے بولا۔

"ہاں۔ ابھی چندر ما نکلے گا اور راجہ اندر کا رتھ دھرتی پر اترے گا۔ تان سور یہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے رتھ میں بٹھائے گا اور۔"

اس کے چہرے پر حیا کی سرخی پھیل گئی اور کامران تعجب سے اسے دیکھنے لگا۔ یہ لڑکی اسے بے وقوف بنا رہی ہے۔

اس نے گہری نگاہوں سے لڑکی کا چہرہ دیکھا۔ لیکن اسے فوراً اندازہ ہو گیا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ لڑکی کا معصوم چہرہ اس خیال کی نفی کرتا تھا۔ دفعتاً اسے یاد آیا کہ رانا چندر سنگھ نے اسے اپنی بیمار بیٹی کے بارے میں بتایا تو تھا لیکن یہ وہی نہ ہو...... اور اس کی بیماری...... کہیں یہ ذہنی طور پر معذور نہ ہو۔ کامران کے دل کو ایک دھکا سا لگا تھا۔

"سنو......" وہ اچانک بولی۔

"ہوں۔"

"یہ چندر ما کب نکلے گا۔"

"تمہیں اس کا انتظار ہے۔"

"ہاں۔"

"کیوں۔"

"مجھے جانا ہے۔"

"کہاں۔"

"اندر نگری میں۔ ساری رات وہاں سبھا ہوتی ہے۔ بینا سے سر نکلتے ہیں اور کومل کنکھنی میرے سروں پر ناچتی ہے۔ پھر صبح ہو جاتی ہے۔"

''صبح ہو جاتی ہے۔''

''ہاں۔''

''صبح کو تم کیا کرتی ہو۔'' کامران نے پوچھا۔

''صبح۔'' اس کی معصوم آواز ابھری۔ پھر اس نے اپنی مخروطی انگلی سے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''دیکھو...... تمہیں وہ سبز پتے پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں نا۔ وہی میرا گھر ہیں ان کی روشنی مجھے سلا دیتی ہے۔ پھر سورج نکلتا ہے۔ تو اس کی کرنیں میری آنکھوں میں چبھتی ہیں۔ سبز پتوں کے نیچے سبز روشنی پھیل جاتی ہے اور اس کے بعد میری آنکھوں میں نیند اتر آتی ہے پھر ستارے مجھے جگاتے ہیں۔ تب پتوں کے گھر سے باہر آ جاتی ہوں پھر یہاں کھڑے ہو کر چندرما کے نکلنے کا انتظار کرتی ہوں اور اس کے بعد چندرما رتھ نیچے آ جاتا ہے اور میں اس میں بیٹھ کر چاند نگر چلی جاتی ہوں۔ جہاں وہ میرا انتظار کرتے ہیں اور کالی کشنی رقص کرتی ہے بس یہی تو میرا جیون ہے تان سوریا کہتا ہے کہ میں بیلے کے پہلے پھول کی طرح پوتر ہوں۔ ہوتا ہوگا...... وہ کھوئی کھوئی سی باتیں کرنے لگی۔ اس کے لہجے میں اتنی معصومیت تھی کہ کامران اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس کرنے لگا۔ یہاں کا ماحول، لڑکی کے پراسرار اور حسین وجود نے چند لمحات کے لیے عجیب سی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ کامران کو اس بات کا یقین ہونے لگا کہ یہ لازمی طور پر رانا چندر سنگھ کی بیٹی ہے دفعتہً ہی اسے کچھ خیال آیا پھر اس نے کہا۔

''اس طرح تو تم روزانہ یہاں آتی ہوگی۔''

''ہاں۔ چندرما تو روز ہی نکلتا ہے نا۔'' وہ بہ دستور معصوم لہجے میں بولی۔

''اچھا ایک بات بتاؤ سرسوتی تمہارا کوئی اور نام بھی تو ہوگا۔''

''نام......'' اس نے کامران کی طرف دیکھے بغیر بہ دستور کھوئے کھوئے انداز میں سوال کیا۔ پھر بولی۔

''پتا نہیں...... اور کوئی نام تو نہیں ہے میرا۔ بس یہی نام ہے۔''

''ٹھیک ہے تم چندرما کے نکلنے کا انتظار کرو۔ میں چلتا ہوں۔'' کامران نے کہا لڑکی نے اس کی طرف توجہ بھی نہیں دی تھی۔ وہ بہ دستور آسمان کی جانب دیکھتی رہی تھی۔ کامران ایک گوشے میں چھپ گیا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اس کے جانے کے بعد لڑکی پر کیا ردعمل ہوتا ہے۔ لیکن لڑکی کو جیسے یاد بھی نہیں تھا کہ وہ اس سے ملا تھا۔ دس پندرہ منٹ گزر گئے دفعتہً کچھ آوازیں سنائی دیں اور کامران اپنی جگہ سمٹ گیا۔ حویلی کے مغربی حصے سے کوئی اس طرف آ رہا تھا۔ لیکن کوئی ایک آدمی نہیں تھا۔ بلکہ بہت سے افراد تھے اور پھر ایک اور منظر نگاہوں کے سامنے آیا۔ ایک بگھی حویلی میں داخل ہوئی جس میں چار گھوڑے جتے ہوئے تھے۔ پچھلے حصے میں دو آدمی کھڑے ہوئے تھے اور دو آدمی بگھی کے ساتھ پیدل چل رہے تھے۔ بڑی عجیب شان تھی اس بگھی کی۔ بگھی حویلی کے احاطے کی دیوار کے پاس پہنچی کامران کو یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ دروازہ کہاں سے نمودار ہو گیا۔ بگھی اس دروازے سے باہر نکل گئی تھی۔ کامران کی نگاہیں دور تک کا جائزہ لیتی رہی تھیں یہ پراسرار بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ ویسے رانا چندر سنگھ کی یہ حویلی اسے بڑی عجیب و غریب لگ رہی تھی۔ جب

جب مکمل خاموشی چھا گئی تو وہ باہر نکل آیا۔ اس نے لڑکی کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں لیکن اب لڑکی کا کہیں پتا نہیں تھا۔ کامران گردن جھٹکنے لگا۔ پتا نہیں کیا قصہ ہے لیکن رانا چندر سنگھ پر جس طرح کرنل گل نواز نے اعتماد کا اظہار کیا تھا۔ وہ الفاظ کامران کو یاد تھے۔ کرنل گل نواز نے کہا تھا۔

''وہ واحد آدمی ہے جسے میں نے ان دونوں کے بارے میں بتایا تھا لیکن اس انداز میں نہیں اور اب میں نے اسے صورت حال سے آگاہ کر دیا ہے۔'' گویا علی سفیان، قزل شائی وغیرہ سے کہیں زیادہ رانا چندر سنگھ کرنل گل نواز کے لیے قابل اعتماد تھا۔ کرنل گل نواز نے کچھ ذمے داریاں بھی رانا چندر سنگھ کے حوالے کی تھیں اور یہ تمام تفصیل کامران کے ذریعے ہی رانا چندر سنگھ تک پہنچ سکتی تھی۔

آخر کار وہ کمرے میں داخل ہو کر اپنے بستر پر لیٹ گیا اور پھر اس عمر میں نیند تو کوئی مسئلہ نہیں ہوتی۔ پھر صبح کو رانا چندر سنگھ کے آدمی ناشتے کے لیے بلانے آ گئے انہوں نے کامران سے تیار ہو کر کمرے میں پہنچنے کے لیے کہا اور کامران نے پھرتی سے اپنے آپ کو تیار کیا۔ ناشتے کے کمرے میں اس وقت رانا چندر سنگھ کا پورا خاندان موجود تھا۔ اور ایک کرسی پر وہ لڑکی بھی تھی جو رات کو اسے نظر آئی تھی۔ دن کی روشنی نے لڑکی کے حسن کو ماند نہیں کیا تھا وہ اتنی ہی پرسحر نظر آ رہی تھی۔ لیکن نہ تو وہ کامران کو دیکھ کر چونکی اور نہ کامران نے اس قسم کا کوئی اظہار کیا۔ رانا نے سب کا تعارف کراتے ہوئے لڑکی کا تعارف کرایا۔

''یہ رشنا ہے۔ رشنا وتی میری بیٹی!'' کامران کو اپنے اندازے کی تصدیق پر ایک خوشی کا سا احساس ہوا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ یہ لڑکی ذہنی مریضہ ہے اور رات کو وہ دورے کی کیفیت میں تھی راجہ اندر، سرسوتی، یہ سب دیوانگی کی باتیں تھیں۔ بہرحال ایک افسوس ناک بات تھی اتنی خوب صورت لڑکی اور پاگل ہے۔ لیکن اس وقت تو وہ بالکل نارمل نظر آ رہی تھی۔ ناشتے کے دوران بھی اس نے کئی بار لڑکی کا جائزہ لیا۔ اس پر کوئی خاص کیفیت نہیں تھی۔

بہرحال ناشتا ختم ہوا اور سب لوگ اٹھنے لگے تو رشنا بھی اٹھ گئی پتا نہیں کس خیال کے تحت رانا صاحب نے کہا۔

''بیٹھو گی نہیں رشنا۔''

''بیٹھوں ڈیڈی! کوئی کام ہے۔''

''نہیں کوئی کام تو نہیں ہے۔ بس ایسے ہی۔''

''میں آپ سے ایک سوال کروں مسٹر! کیا نام ہے ان کا ڈیڈی۔''

''ارے ہاں! ان کا نام کامران ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ میں نے سب لوگوں کے بارے میں کامران کو بتایا لیکن کامران کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتایا۔ یہ میرے دوست کرنل گل نواز کے بھتیجے ہیں۔''

''ایک بات بتائیں گے آپ کامران صاحب! آپ کے خیال میں میری عمر کتنی ہوگی۔'' کامران اس سوال پر بوکھلا گیا تھا۔ اس نے ادھر دیکھا لیکن رشنا خود ہی بول پڑی۔

''کیا میں بچی ہوں عجیب لوگ ہیں میرے گھر والے۔ معاف کیجیے میں ان کی برائی نہیں کر رہی یہ سب بہت اچھے ہیں۔ لیکن پتا نہیں مجھے بچوں کی طرح کیوں بہلاتے ہیں یہ لوگ۔ میرے ساتھ ہمدردی کی

جاتی ہے بہلانے کے انداز میں مجھے صحت مند کہا جاتا ہے اور میں سوچنے لگتی ہوں کہ مجھے کوئی بیماری ضرور ہے ورنہ سب لوگ مجھ سے ہمدردی کیوں کرتے۔"

"نہیں بیٹا! ایسی بات نہیں۔ ظاہر ہے تم ہماری اکلوتی بیٹی ہو ہر شخص تمہارے لیے متردد رہتا ہے میں چاہتا ہوں کہ تمہاری بہترین نگہداشت کی جائے۔"

"میرے لیے نگہداشت کے انجکشن منگوائے جاتے ہیں۔ نگہداشت کی دوائیں کھلائی جاتی ہیں سمجھ رہے ہیں آپ کامران صاحب۔ یہ میری نگہداشت کی جاتی ہے۔" اس نے کہا اور خاموشی سے گردن جھکا کر باہر نکل گئی۔ فضا کچھ بوجھل ہو گئی تھی۔ رفتہ رفتہ تمام لوگ وہاں سے چل پڑے اور صرف چندر سنگھ وغیرہ یہاں رہ گئے۔

"آؤ...... کمرے میں چلتے ہیں۔" رانا نے کہا۔

"آیئے۔" کمرے میں پہنچنے کے بعد رانا نے دروازہ بند کر لیا اور پھر بولا۔

"رشا کو دیکھ کر تمہیں افسوس ہوا ہوگا میری اکلوتی بچی ہے بس میری بدنصیبی کہ وہ کچھ ذہنی تکلیف میں مبتلا ہو گئی ہے۔ اچھا چھوڑو یہ بتاؤ کہ کیا پیغام دیا ہے کرنل گل نواز نے تمہیں میرے بارے میں۔" اس نے کہا۔

"کرنل صاحب نے جو تفصیل بتائی ہے وہ میں آپ سے عرض کیے دیتا ہوں۔"

"دیکھو فون پر انہوں نے مجھے مختصر حالات بتائے تھے اور یہ کہا تھا کہ ساری تفصیل مجھے تم بتاؤ گے۔ میں ایسا کرتا ہوں کہ کرنل سے تمہاری فون پر بات کرائے دیتا ہوں۔"

"آپ ضرور میری بات کرایئے لیکن کیا بات کرائیں گے آپ۔"

"یہی کہ تم مجھ پر مکمل اعتبار کرو اور مجھے وہ تفصیل بتاؤ جو بہت احتیاط کے ساتھ تمہیں اپنے ذہن میں محفوظ رکھنی ہے یا پھر مجھے بتانی ہے۔"

"جی مجھے یہ ہدایت کر دی گئی ہے کہ اس کے لیے آپ کو حکم کرنے کی ضرورت نہیں ہے مجھے کرنل صاحب نے ساری تفصیل بتا کر یہاں بھیجا ہے اور تفصیل کے لیے میں تمہید نہیں باندھوں گا۔ کیونکہ مجھے اس کا حق نہیں پہنچتا۔ بہت پرانی بات ہے جب کرنل صاحب ایک مصر کے میں ایک ریڈار اسٹیشن پر مشکل کا شکار ہو گئے تھے اور وہاں انہیں دو افراد ملے تھے جو مقامی باشندے نہیں تھے بلکہ تبت وغیرہ کے علاقے سے ان کا تعلق تھا ایک لڑکی تھی، اور ایک معمر آدمی۔ کرنل صاحب صرف انسانیت کے رشتے سے انہیں اپنے ساتھ لے آئے۔ کرنل صاحب نے حویلی میں ان کے لیے الگ جگہ بنوا دی۔ طویل عرصہ ہو گیا اس بات کو ان کے ذہن میں کبھی یہ بات نہیں آئی تھی کہ ان دونوں کی شخصیت کا کوئی حصہ پراسرار ہوگا۔ کچھ عرصے قبل کرنل صاحب کے ایک مصری دوست......"

"علی سفیان۔" رانا چندر سنگھ نے لقمہ دیا۔

"جی علی سفیان! تو میں بتا رہا تھا کہ رانا صاحب کہ کچھ مخلص دوست جن میں علی سفیان ان کی مسز ایمنہ سلفا، لیبیا کے رہنے والے ایک صاحب جن کا نام قزل ثنائی ہے ان کی مسز یہ لوگ کرنل صاحب کے پاس

پہنچے اور بات ان کے درمیان چھڑ گئی جس کی کوئی تفصیل میرے علم میں نہیں ہے۔ لیکن بعد میں جو تفصیل میرے علم میں آئی وہ یہ ہے کہ ان کے پاس کچھ ایسے پراسرار نشانات موجود تھے۔ جو تبت یا چین کے پراسرار علاقوں کی جانب رہنمائی کرتے ہیں۔ شاید کسی ایسے عظیم الشان خزانے کی تفصیل جو علی سفیان کو ویڈیو فلم کی شکل میں حاصل ہوئی تھی۔ یہ ویڈیو فلم کسی ایسے سیاح نے بنائی تھی جس کا بعد میں کوئی پتا نہیں لا تھا۔ معلوم ہوا ہے کہ ایک انسانی ڈھانچے کے پاس سے برآمد ہوئی تھی۔ یعنی جس شخص نے یہ ویڈیو فلم بنائی تھی وہ مر چکا تھا۔ بہر حال یہ نہ جانے کیسے کیسے ذرائع سے ہوتی ہوئی علی سفیان کے پاس پہنچی اور علی سفیان اسے لے کر یہاں دوڑ پڑے۔ قزل ثنائی بھی ساتھ تھے قزل ثنائی سے کچھ اس قسم کے واقعات اور شواہد ملے جس سے پتا چلتا تھا کہ کچھ پراسرار شخصیتیں اسی راستے کی راہی تھیں۔ ان میں ایک اور خطرناک آدمی جو اپنے آپ کو نہ جانے کیا بتاتا بھی تھا اور اس نے قزل ثنائی صاحب کو خاصی مشکل میں ڈال، یا اس کا نام واشن تھا۔"

"یہ ان لوگوں کے معاملات ہیں انہی کے چکر میں صورت حال یہ ہوئی ہے کہ جب وہ ویڈیو فلم دکھائی گئی تو ان میں ایک جگہ دو کردار جو ایک طرح سے بنیادی حیثیت کے حامل تھے نظر آئے یعنی ایک لڑکی اور ایک عمر رسیدہ شخص اور یہ دونوں سیتا اور گرشک ہی تھے۔"

"کیا......؟" رانا چندر سنگھ اچھل پڑا۔

"ہاں وہی دونوں کردار جن لوگوں کے پاس میرا مطلب ہے کہ کرنل گل نواز کے پاس رہائش پذیر تھے اور کرنل بہت عرصہ پہلے کہیں سے لے کر آئے تھے۔"

"انتہائی حیرت انگیز...... انتہائی حیرت انگیز بات ہے۔ اوہ مائی گاڈ کیا واقعی؟"

"جی!"

"وہ اب بھی وہاں موجود ہیں۔"

"وہی بات میں آپ کو آگے بتا رہا ہوں صورت حال یہ ہوئی کہ کرنل صاحب ان دونوں کو ویڈیو فلم میں دیکھ کر حیران رہ گئے۔ ان کے تصور سے بھی باہر تھا کہ ایسی کوئی صورت حال ہو سکتی ہے۔ بہر حال وہ اس وقت اس بات کو پی گئے۔ مجھے انہوں نے خاص طور سے اہمیت دی اور اس قابل سمجھا کہ اس راز میں شریک کر لیں۔

چنانچہ ہمارے درمیان جو گفتگو ہوئی اس میں میں نے انہیں بھی مشورہ دیا کہ اگر یہ لوگ قابل اعتماد ہیں۔ میرا مطلب علی سفیان اور قزل ثنائی وغیرہ تو آپ اس سلسلے میں انہیں رازدار بنا لیجیے اور یہ بتا دیجیے کہ یہ کردار آپ کے پاس اس طرح آئے اور یہیں موجود ہیں کرنل صاحب نے میری بات سے اتفاق کر لیا اور تیار ہو گئے لیکن اسی رات ہنگامہ آرائی ہوئی اور پتا چلا کہ وہ ویڈیو فلم غائب کر لی گئی اور انتہائی حیران کن بات یہ کہ ویڈیو فلم اس لڑکی سیتا نے حاصل کی تھی اور اس کے بعد وہ ویڈیو فلم سیتا کے ہاتھ سے گر گئی اور کرنل گل نواز تک پہنچ گئی۔ لیکن سیتا اور گرشک وہاں سے غائب ہو گئے۔" رانا چندر سنگھ نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا تھا پھر وہ بولا۔

"تو کیا ان دونوں کا پھر پتا نہیں چل سکا۔"

''نہیں۔'' کامران نے جواب دیا۔

''اف مائی گاڈ، پھر اب۔''

''یہ واقعات آپ تک پہنچا دیے گئے ہیں اصل میں اس ویڈیو فلم کا غائب ہونا کسی مشکل کا باعث نہیں بنا چونکہ علی سفیان نے اس کے کئی پرنٹ نکال لیے تھے اور مصر میں محفوظ تھے۔''

''اوہ ویری گڈ۔''

''کرنل صاحب اس کے بعد خاموشی اختیار کر گئے اور انہوں نے اس بارے میں کچھ نہیں بتایا۔'' کامران نے وہ پوری کہانی اس طرح سنا دی کہ وہ ساری باتیں بھی چھپالیں جو خالص اس کا ذاتی معاملہ تھیں۔ رانا چندر سنگھ بڑا حیران نظر آتا رہا۔ پھر وہ بولا۔

''اس کا مطلب ہے کہ اس بار کی مہم خاصی خطرناک ہوگی اور ہمارا رخ بھی تبت سنکیان اور ہمالیہ کی ترائی کے ان پراسرار علاقوں کی جانب ہوگا جہاں کی کہانیاں بڑی سنسنی خیز ہوتی ہیں۔'' رانا چندر سنگھ نے کہا اور پھر اچانک ہی اس کے چہرے پر خوشی کے آثار نظر آنے لگے پھر وہ بولا۔

''کرنل گل نواز کا تہ دل سے شکر گزار ہوں کہ اس نے ہمیشہ کی طرح مجھ پر بھروسہ کیا اصل میں میرے اور اس کے درمیان جو ایک اہم بات ہے وہ یہ ہے کہ ہم دونوں میں سے لالچی کوئی نہیں ہے۔ بھگوان کی دیا ہے کہ اس نے مجھے بھی بہت کچھ دیا ہے اور جہاں تک کرنل کا تعلق ہے تمہارے علم میں ہوگا کہ اس کے پاس بھی بہت کچھ ہے۔ بھئی واہ...... مزہ آئے گا مزہ آئے گا۔ نوجوان لڑکے کیا تم بھی ہمارے ساتھ ہی ہوگے۔''

''امکان اسی بات کا ہے۔'' کامران نے مدھم لہجے میں کہا۔

''کسی اور کے ساتھ ہونے کا بھی کوئی امکان ہے۔''

''ہاں مرزا خاور بیگ۔'' کامران نے جواب دیا اور رانا چندر سنگھ پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا پھر بولا۔

''اور میرے لیے کیا کہا ہے کرنل نے میرا مطلب ہے وہ بات جو فون پر نہیں ہو سکی۔''

''آپ کو کچھ انتظامات کرنے ہیں۔ اس کے علاوہ کرنل صاحب نے ایک آدمی کا تذکرہ کیا ہے۔ جس کا نام حسن شاہ ہے۔''

''اوہو حسن شاہ! ہاں ایک انتہائی مضبوط، قابل اعتماد اور صحیح معنوں میں قابل بھروسا شخصیت، ویسے بھی حسن شاہ ہمارے ساتھ ہوتا۔''

''کرنل صاحب کا کہنا ہے کہ حسن شاہ میرے ساتھ رہے گا۔''

''ٹھیک ہے۔ میں اسے بلا کر تم سے اس کا تعارف کرا دوں گا۔ وہ اس قدر زبردست انتظامی صلاحیت رکھتا ہے کہ بس سمجھ لو ہر مشکل کا حل اس کے پاس موجود ہوتا ہے انتہائی طاقت ور اور ذہین نوجوان ہے تمہیں واپسی کی کوئی جلدی تو نہیں ہے۔''

''نہیں۔ مجھ سے کہا گیا ہے کہ سارے کام کر کے ہی واپس آؤں۔'' کامران نے جواب دیا۔

''ٹھیک ہے ڈیئر کامران! تم آرام کرو میں حسن شاہ کو بلائے لیتا ہوں ویسے وہ دونوں بڑے

پراسرار کردار نکلے۔ کیا وہ باپ بیٹی تھے؟''

''کچھ نہیں کہا جا سکتا ان کے بارے میں۔''

''انہیں تلاش کرنے کی کوشش تو کی گئی ہے ہوگی۔''

''ناکام کوشش۔ بھلا انہیں کہاں تلاش کیا جا سکتا تھا لیکن ایک بات کا امکان ہے۔''

''کیا۔''

''ہو سکتا ہے وہ ہم سے زیادہ دور نہ رہیں اور ہمارے ساتھ ہی ان علاقوں کا سفر کریں۔ جہاں ہم جائیں۔'' رانا چندر سنگھ پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا پھر بولا۔

''بھئی ویری گڈ...... اس کا مطلب ہے کہ مجھے سارے کام چھوڑ کر آج ہی سے اس مہم کی تیاریاں شروع کر دینی چاہئیں۔ اصل میں مہمات تو بہت سی ہوتی ہیں۔ ہم ایک ٹارگٹ بناتے ہیں اور اس تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اس قسم کے دلچسپ واقعات واقعی بڑے انوکھے ہوتے'' رانا چندر سنگھ سے بہت سی باتیں ہوئیں اور اس کے بعد وہ دونوں رخصت ہو گئے۔ کامران اپنی آرام گاہ میں آ گیا بہت سے خیالات اس کے دل میں آ رہے تھے اور وہ سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ یہ بات اس نے کرنل گل نواز کو بھی نہیں بتائی تھی کہ خود اس کے ساتھ بڑے عجیب و غریب واقعات پیش آتے ہیں ویڈیو فلم والا معاملہ تو خیر کرنل کو بتانا بڑا ضروری تھی اور وہ ویڈیو کیسٹ اس۔ نے کرنل کے حوالے کر کے ذہانت کا ثبوت دیا تھا وہ بات چھپائی نہیں جانی چاہیے تھی لیکن گرشنک اور سیتا کی اس کے پاس آمد اور ان کا یہ بتانا کہ وہ حویلی ہی میں چھپے ہوئے ہیں اور اس کے بعد سب سے زیادہ اہم چیز ان کی وہ نامعلوم بکواس جو انہوں نے کامران کے بارے میں کی تھی یہاں کامران کو اسے آپ پر ہنسی آنے لگتی تھی۔ کہاں سے زندگی کا آغاز ہوا تھا ایک حادثے پر دیوانگی کا شکار ہونے جا رہا تھا۔ لیکن بھلا ہو حاجی الیاس کا کہ انہوں نے بچا لیا اور اس کے بعد زندگی نے کیسا انوکھا موڑ لیا تھا۔

لیکن بہرحال ایک بات ہے اس طرح ماضی کو بھلانے میں زیادہ آسانی ہو جاتی جس طرح کے کرداروں میں وہ گھر گیا تھا۔ ان میں زندگی کے لاتعداد ہنگامے چھپے ہوئے تھے بہت ساری شخصیتیں اردگرد بکھری ہوئی تھیں اور یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ حسین مستقبل بار بار دعوت دے رہا تھا۔ ثانیہ کا انداز کچھ دبا دبا سا لگاوٹ آمیز تھا۔ خیر ثانیہ اور فرخندہ کو تو ایسی نگاہوں سے دیکھا بھی نہیں جا سکتا تھا چونکہ کرنل گل نواز اور ان کے بیٹے شاہنواز نے کامران کو اپنے درمیان بالکل اپنے عزیزوں جیسی جگہ دی تھی کرنل صاحب ایک مخلص اور اچھے انسان تھے۔ شاہنواز بھی باپ ہی کی کاپی تھی۔ ان دونوں کے خلوص کو کسی بھی طرح داغ دار کرنے پر موت کو ترجیح دی جا سکتی تھی۔ اس کے بعد وہ محترمہ آ جاتی تھیں جو جان کا گویا ایک بنی ہوئی تھیں۔ مرزا خاور بیگ کی صاحب زادی۔

کچھ بھی تھا۔ مرزا خاور بیگ ایک لالچی فطرت انسان تھا جب کہ کامران یہ بھی سوچتا تھا کہ یہ شخص اس مہم کے درمیان کہیں کوئی مشکل نہ بن جائے۔ چنانچہ اس کی طرف سے ذاتی طور پر ہوشیار رہنا ضروری ہوگا۔ ایک بار پھر وہ الفاظ کامران کے ذہن میں گردش کرنے لگے جو گرشنک نے کہے تھے۔ ''دھرم دستو نہیں آپ...... پاتال پرستی ہیں...... پھر کھنا کی گہرائیوں میں انتظار کرنے والی ستی پرکھنا...... دھرم جنتی! ہمیں کیا

معلوم تھا کہ ہمارے بھاگ ہمیں آپ کے پاس لے جا رہے ہیں۔" یہ ساری باتیں توجہ طلب تھیں پتا نہیں ان کا کیا مقصد تھا۔

"یہ سوچیں ذہن کے پردوں سے ٹکرا رہی تھیں اور آنکھوں میں غنودگی کی سی کیفیت طاری ہوتی جا رہی تھی۔ پھر پلک جھپکے بھی نہیں تھے کہ دروازے پر آہٹ ہوئی اور کوئی دروازہ کھول کر اندر آ گیا۔ کامران جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ روشنی میں اس نے رشنا وتی کو دیکھا جو کہ انتہائی خوب صورت سفید ساڑھی میں انتہائی پروقار نظر آ رہی تھی۔

"رات بے شک سونے کے لیے ہوتی ہے اور کسی بھی اچھے انسان کو اس طرح کسی کی تنہائیوں میں مخل نہیں ہونا چاہیے۔ لیکن شاید میں اچھی انسان نہیں ہوں۔ کیسے ہیں آپ؟ سو گئے تھے کیا۔"

"نہیں سونے کی کوشش کر رہا تھا آیئے...... تشریف رکھیے۔"

"کیوں بے کار الفاظ ضائع کرتے ہیں۔ کامران صاحب! کیا آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ بیٹھیے۔"

اس کی حسین آواز ابھری۔

"چلیے ٹھیک ہے بیٹھیے۔"

"معافی چاہتی ہوں بڑے لاڈ پیار سے پلی ہوں اس لیے بہت بڑی ہو گئی ہوں۔ جو منہ میں آتا ہے بک دیتی ہوں۔ اصل میں کوئی ٹوکنے والا کوئی روکنے والا نہیں ہے۔ حالانکہ ہر غلط لفظ پر اعتراض ہونا چاہیے۔ آپ بتایئے میرا اس میں کیا قصور ہے۔" کامران مسکرا دیا پھر بولا۔

"واقعی آپ کا قصور نہیں ہے۔"

"ٹیڑھے سوال کر لیتی ہوں مثلاً اب اس وقت دل یہ چاہ رہا ہے کہ آپ سے پوچھوں کہ آپ کچھ پڑھے لکھے آدمی ہیں یا پھر گزارے لائق ہیں۔"

"گزارے والی بات ہی سمجھیں۔ تھوڑا بہت پڑھا لکھا بھی ہوں۔"

"میرا اپنا اندازہ ذرا اس سے مختلف ہے۔ خیر...... انسانی فطرت کے بارے میں تو ہر شخص تھوڑا بہت تو جانتا ہی ہے۔ آپ کیا کہتے ہیں اس بارے میں۔"

"جی شاید تھوڑا بہت۔" کامران نے پھر جواب دیا۔

"کم از کم اس حد تک تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ فطرت کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔"

"جی بالکل۔" کامران اسے بہ غور دیکھتے ہوئے بولا۔ ایک عجیب سا تاثر رشنا کے چہرے پر تھا اور وہ کچھ الجھی الجھی سی نظر آ رہی تھی۔ یہ بات کامران کے ذہن میں پہلے سے موجود تھی کہ وہ ایک منتشر ذہن کی لڑکی ہے۔ چنانچہ اس کے الفاظ کچھ بھی ہو سکتے ہیں۔ ایک لمحے تک وہ خاموش رہی پھر بولی۔

"عمر کی تین منزلیں ہوتی ہیں۔ بچپن، جوانی اور بڑھاپا۔ بچپن معصوم خواہشوں کا زمانہ ہوتا ہے۔ جس میں بڑی سادہ سادہ سی آرزوئیں ہوتی ہیں۔ اور جو آرزو بھی دل میں ہوتی ہے وہ مانگ لی جاتی ہے۔ اچھے کھانے، مٹھائیاں، کھلونے بس بات اس سے آگے نہیں ہوتی۔ اس کے بعد جوانی آتی ہے آتی ہے نا۔"

"ہاں کیوں نہیں؟"

"تو پھر آپ مجھے بتایئے...... کیا نام ہے آپ کا؟"

"کامران۔"

"ہاں کامران آپ مجھے بتایئے کہ اس عمر کی خواہش بے دست و پا کیوں ہوتی ہے۔ جس طرح بچپن میں مانگے اور بن مانگے سب کچھ مل جاتا ہے۔ جوانی میں کیوں نہیں ملتا۔ عمر کی ہر منزل میں کچھ ضرورتیں ہوتی ہیں۔ ہر عمر کے کچھ تقاضے ہوتے ہیں۔ جوانی کی عمر کے تقاضوں اور ضرورتوں پر کیوں پابندیاں لگا دی جاتی ہیں۔ بتایئے آپ طلب تو طلب ہی ہوتی ہے لیکن بس نہ جانے کیوں یہ طلب کرنے سے گریز کیا جاتا ہے۔ نہ جانے کیوں اسے انا کا مسئلہ بنا دیا جاتا ہے۔ ضرورت ہوتی ہے انسان کی یا پھر یہ کہا جائے کہ اس ضرورت کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی اگر نہیں ہوتی تو یہ آرزو اور یہ خواہش دل میں پیدا کیوں ہوتی ہے۔ آپ، مجھے بتایئے۔" وہ بغیر کسی جھجک کے بول رہی تھی اور مجھے حیرت ہو رہی تھی کہ جب خیالات اتنے منضبط اور مربوط ہوں تو کسی کو مریض کیوں کہا جاتا ہے۔ اس لڑکی کے الفاظ خدا کی پناہ کتنے خوف ناک تھے کوئی بھی جوان آدمی ان الفاظ کو سن کر دیوانگی کی حد میں داخل ہو سکتا تھا۔

بہرحال وہ دورے کی حالت میں پتا نہیں اس قسم کی باتیں کر رہی تھی یا پھر اس وقت ہوش تھی۔

کامران کو گزشتہ رات یاد آ گئی۔ جب وہ اپنے آپ کو سرسوتی بتا رہی تھی۔

"آپ کس سوچ میں ڈوب گئے۔"

"نہیں میں سوچ رہا ہوں کہ کیا آپ کے الفاظ جواب طلب ہیں۔"

"ظاہر ہے سوال کیا ہے میں نے، لیکن اگر آپ کا ذہن اتنی وسعتوں میں نہیں جا سکتا تو چھوڑ دیجیے۔ بس او کے، او کے کیا کہتے ہیں آپ کی پسندیدہ ڈش کون سی ہے۔"

"جی۔"

"آپ ایک انتہائی خوب صورت بستر پر کتنی دیر آرام کر سکتے ہیں مجھے جواب دیجیے دیکھیے ہاں اور جی نہ کرتے رہیے میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ میرا نام رشنا ہے۔ میں ہر وقت عزت و احترام کے نام سے پکاری جاتی ہوں۔ کوئی مجھے راجکماری کہتا ہے کوئی چھوٹی رانی۔ لیکن میرا دل چاہتا ہے کہ میرا کوئی ہم عمر مجھے صرف رشنا کہے آپ نے جی لگا دیا۔ نہ لگاتے تو اچھا تھا۔ میری خواہش ہے کہ کوئی مجھے آپ نہیں تم کہہ کر مخاطب کرے۔ آہ...... یہ سونے کی زنجیریں میرے بدن میں چبھنے لگی ہیں۔ یہ احترام میرے لیے میرے باپ نے خریدا ہے اور میں اس میں الجھ کر رہ گئی ہوں۔ ہمیں انسانی رشتوں سے اتنا دور کیوں کر دیا جاتا ہے۔ ہمارے ساتھ یہ سب کچھ کیوں کیا جاتا ہے۔ ہمیں بتایئے کیوں ہوتا ہے ایسا۔"

"کامران واقعی اس بھرپور اور منضبط سوال کا کوئی جواب نہیں دے سکا تھا۔ وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا تو رشنا کے چہرے پر ایک نفرت بھری مسکراہٹ ابھر آئی۔

"ڈوب مریے آپ سمجھے۔ ڈوب کے مر جایئے جو آپ کی اتنی اچھی شخصیت ہے۔ آپ کو جو ہونا چاہیے آپ وہ نہیں ہیں۔ مجھے بتایئے کیا یہ تنہائی میں، آپ اور فاصلے یہ سب ایک دوسرے کے متضاد نہیں ہیں۔" کامران ششدر رہ گیا تھا۔ وہ نفرت سے ہونٹ سکیڑے اسے دیکھتی اور پھر اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

''بزدل، بےکار، گھٹیا۔''

''ایک منٹ...... ایک منٹ سنیے۔''

''ہوں...... فرمایئے۔''

''میری بات تو سنیے...... رشنا جی۔''

''چاپلوسی۔ بےچلنے والے لوگ مجھے ناپسند ہیں۔''

''آپ میری بات سنیے۔ بہت زیادہ مدبر بننے کی کوشش نہ کیجیے۔'' کامران نے کہا اور وہ چونک کر رک گئی۔ پھر اس نے کہا۔

''کس انداز میں بات کر رہے ہیں آپ مجھ سے دیکھ رہے ہیں نا۔ دل کی ہر بات کہہ چکی ہوں آپ سے اور اس کے بعد، کہیے، سنیے، آیئے، جائیے، رشنا جی!''

''بات یہ نہیں ہے محترمہ! اصل میں آپ کے طبقے کے لوگوں کو ادب و آداب ہی سے خوش ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ بےتکلفی اور بےساختگی آپ کے مزاج کو برہم کر دیتی ہے۔ کیونکہ آپ کو اپنا منصب گھٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ مجھے کیا ضرورت تھی کہ میں آپ کو بلاوجہ اپنائیت سے مخاطب کرتا کیا جواب ملتا مجھے آپ سے۔ یہی ناکہ میں بدتمیز ہوں۔ گھٹیا نسل کا گھٹیا شخص ہوں۔ بڑے لوگوں سے باتیں کرنے کا سلیقہ نہیں ہے مجھے یہی کہتیں نہ آپ۔'' وہ چونک پڑی تو کامران بولا۔

''چلو آؤ بیٹھو...... اگر تم اسی بات کی خواہش مند ہو۔ تو بات یہ نہیں ہے کہ میں اس انداز میں کسی کو مخاطب کرنا نہیں جانتا آؤ...... ادھر آؤ بیٹھو۔'' اس کے چہرے پر ایک حیرت زدہ سی مسکراہٹ پھیل گئی یوں لگا جیسے وہ ان لفظوں سے بندھ گئی ہو۔ وہ واپس آ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ تب کامران نے کہا۔

''جو کچھ تم نے کہا ہے اس کا جواب چاہتی ہو نا۔''

''ہاں ہاں......'' وہ پرشوق لہجے میں بولی۔

''یہ بتاؤ کہ بچپن کے کھلونے جوانی کے طاق میں آ جائیں تو پھر کس شے کی طلب ہوتی ہے۔''

''خود سے جواب مانگو۔'' وہ بولی۔

''نہیں رشنا۔ جوانی سب کے لیے ایک جیسا تجربہ نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ ہر شخص کے لیے ایک الگ تحریر بن جاتی ہے۔''

''تنہا اس کرتے ہو تم گرمیوں کی سنسان دوپہر میں، جاڑوں کی لمبی راتوں میں، اس وقت جب آنکھ سوتے سوتے اچانک کھل جائے۔ بارش کی اس بھیگی شام میں جب تنہا کمرے کی کھڑکی سے ننھی ننھی پھواریں آ کر بدن کو بھگوئیں تو دل میں کیا تصور آتا ہے۔ کوئی احساس کوئی خواہش نہیں جاگتی؟ اس عمر کی طلب کے تمام راستے ایک ہی سمت جاتے ہیں مسٹر کامران ایک ہی سمت۔''

''کیا یہ آخری بات ہے۔'' کامران نے مسکرا کر سوال کیا۔

''ہاں یہ مٹی کی طلب ہے۔ یہ سانسوں کی آرزو ہے۔ حقیقتیں ایک ہی جیسی ہوتی ہیں۔ وہ ہاتھ پاؤں، وہ آنکھیں، ناک، کان، دماغ، دل سب یکساں ہوتے ہیں۔''

''تو پھر مجھے اپنی الجھن بتاؤ۔'' کامران نے کہا۔

''جو کہنا چاہتی ہوں کہہ نہیں پاتی۔ اس سے آگے کے الفاظ نہیں ہیں میرے پاس، مجھے غور سے دیکھو...... دیکھو۔'' وہ ایک بار پھر کرسی سے اٹھی اور سینہ تان کر کھڑی ہو گئی۔ اسے دیکھنا بہت مشکل کام تھا۔ وہ بولی۔

''کیا میں صرف احترام کے قابل ہوں۔ میرے لیے کسی کی آنکھوں میں خمار نہیں اتر سکتا، مجھے دیکھ کر کسی کے ہونٹ خشک نہیں ہو سکتے۔ کوئی مجھے دیکھ کر احترام کے مصنوعی تقاضے نہیں بھول سکتا۔ اس حویلی میں رہنے والوں کو صرف میرا احترام سکھایا گیا ہے۔ کسی کو یہ اجازت نہیں ہے کہ مجھے غور سے دیکھے۔ دل کے جذبات زبان پر لانا تو درکنار آنکھوں پر بھی نہ لا سکے۔ اس طرح کچل دیا گیا ہے میری روح کو سب قابل نفرت ہیں اور تم بھی...... تم سب۔'' اس نے مٹھیاں بھینچ کر کہا اس کا چہرہ لال بھبوکا ہو گیا تھا۔ آگ کی طرح سرخ ہو گئی تھی وہ۔ اس کی خوب صورت آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ وہ ہیجانی انداز میں کامران کے بالکل قریب آ گئی۔ بہت ہی قریب اس کے بدن کا لمس کامران کو اپنے سینے پر محسوس ہونے لگا۔ اس کے اوپر کے ہونٹوں پر پھیلے ہوئے سرمئی روئیں جن میں پسینے کے قطرے الجھے ہوئے تھے۔ اس کی سانسیں کسی زہریلی ناگن کی طرح پھنکارتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

کامران کو اپنے پورے بدن میں وحشتیں دوڑتی لگ رہی تھیں۔ اس کی زندگی میں بہت سی لڑکیاں آئی تھیں خاص طور سے...... خاص طور سے مرزا خاور کی بیٹی۔ وہ فیصلہ نہ کر پایا کہ اسے اس وقت کیا کرنا چاہیے کہ دروازے پر آہٹ ہوئی اور دو لڑکیاں اندر داخل ہو گئیں ان کے چہروں پر گھبراہٹ پھیلی ہوئی تھی انہوں نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا لیکن پھر رشنا کو دیکھ کر مؤدب ہو گئیں۔ پھر ان میں سے ایک بولی۔

''چھوٹی سرکار آپ یہاں ہیں تو آپ کے سونے کا سمے ہے آیئے آیئے...... آیئے۔'' انہوں نے دونوں طرف سے رشنا کے بازو پکڑ لیے۔ اور رشنا شکست خوردہ نگاہوں سے کامران کو دیکھتی رہی۔ اس کے چہرے کی آگ آہستہ آہستہ بجھنے لگی اور پھر وہ ہنس پڑی اور کامران کی طرف دیکھ کر گردن ہلاتے ہوئے بولی۔

''شاید باہر چاند نکل آیا ہے اندر جی! میرا انتظار کر رہے ہیں۔''

''آیئے......'' لڑکیاں اسے لیے ہوئے باہر نکل گئیں۔ کامران حیرت زدہ کھڑا رہ گیا تھا ویسے اس کی بیماری کامران کی سمجھ میں آ رہی تھی۔ وہ لوگ اس کا مرض نہیں جانتے تھے لیکن کامران کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کا مرض کیا ہے۔ باہر چاند نکل آیا ہے شاید یہ کوئی اشارہ تھا کامران کے لیے یا پھر دیوانگی کی وہ لہر جو ایک لمحے کے اندر اس کے دل و دماغ میں پھیل گئی تھی۔ نہ جانے کیوں اس وقت کامران پر ایک عجیب سی سحر ناک کیفیت طاری ہو رہی تھی۔ وہ لڑکھڑاتے قدموں سے آگے بڑھا اور اسی کرسی پر بیٹھ گیا جس پر تھوڑی دیر پہلے رشنا بیٹھی ہوئی تھی۔ بہت ہی پاکیزہ فطرت کا مالک تھا ورنہ کرنل گل نواز کے گھر میں بہت سی لڑکیاں تھیں۔ بہت سی خوب صورت ملازمائیں بھی تھیں۔ جوانی کی ایک عمر ہوتی ہے۔ اور یہ عمر بعض اوقات آنکھوں کے راستے اس طرح سامنے آتی ہے کہ انسان کو بھٹکنے میں ایک لمحہ بھی نہ لگے۔ لیکن کامران نے اپنے آپ کو اپنی پاکیزگی کے سہارے سنبھالا تھا۔ وہ کوئی ایسا عمل نہیں چاہتا تھا جو اس کی عزت کو داغ دار کر دے۔ لیکن اس وقت...... اس وقت رشنا نے ایک عجیب سی بےکلی اس کے اندر پیدا کر دی تھی۔ اس کا دماغ تاریک ہوتا جا رہا

تھا وہ اب تک اپنے آپ کو سنبھالے ہوئے تھا۔ لیکن اس وقت رشنا کے الفاظ نے اس کی طلب، اس کی خواہش، اس کی خود سپردگی نے کامران کو ایک عجیب سی جذباتی کیفیت کا شکار کر دیا تھا۔ اب تک اس نے اپنے جذبات کو سنبھالے رکھا تھا۔ لیکن اس وقت گرمیوں کی سنسان دوپہر میں، جاڑوں کی لمبی سیاہ راتوں میں یا بادلوں بھری شاموں میں کوئی انگڑائی ٹوٹتی تھی تو وہ اپنی نگاہوں پر پاکیزگی کا پردہ ڈال لیتا تھا اور پھر اور بھی بہت کچھ ہوا۔

خاص طور سے عروسہ نے وہ راستے، وہ فاصلے ختم کرنے کی کوشش کی جو اس نے اپنی ذات کے درمیان پیدا کر لیے تھے۔ لیکن اس نے اپنے آپ کو سنبھالے رکھا اور ان چند لمحات میں رشنا نے بہت آگے قدم بڑھا دیے۔ بے وقوف لڑکی! پتا نہیں کس جذباتی ہیجان کا شکار ہو گئی تھی۔ ویسے نہ جانے کیوں اسے بار بار لگ رہا تھا کہ چاند کا حوالہ بھی شاید ایک اشارہ ہی تھا اس کے لیے، کامران نے سوچا کہ اس اشارے کو سمجھ جاؤ۔ اپنے مقصد کے لیے پاگل نہیں ہے اس سے سودا کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ سودا بے حد خطرناک ہوگا۔ وہ اگر وہاں جائے اور رشنا اسے اپنے قرب کے لیے مجبور کرے تو کیا کیا جائے۔

بہر حال اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا یہ سب غلط ہے بالکل غلط اس کے بعد اس نے مضبوطی سے اپنے کمرے کا دروازہ بند کیا اور آرام کرنے کے لیے اپنے بستر پر لیٹ گیا۔ یہ ہولناک لمحات درحقیقت وقت کے سب سے مشکل لمحات تھے۔ اور انہی میں اپنے آپ کو سنبھال لینا عقل کی نشان دہی کرتا تھا۔

بہر حال یہاں ابھی خاصا کام تھا۔ رانا چندر سنگھ نے اس سے ملاقات کر کے کہا۔

”کامران! تم اگر چاہو تو سلطان گڑھی کے نواحی علاقوں میں گھوم پھر سکتے ہو۔ ڈرائیور اور گاڑی تمہیں دی جا سکتی ہے۔ میں ذرا کام سے جا رہا ہوں میں سمجھتا ہوں اب جب کرنل گل نواز نے اپنے اس سفر کا آغاز کر لیا ہے تو پھر مجھے بھی تمام انتظامات کر لینے چاہئیں چونکہ یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ کرنل میرے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے۔ میرے اور ان کے درمیان ایسی ہی دوستی ہے کہ بہ ظاہر لوگ اس کا مکمل اندازہ نہیں لگا سکتے۔ لیکن ہم ایک دوسرے پر جتنا اعتماد کرتے ہیں شاید بہت ہی کم لوگ ایک دوسرے پر کرتے ہوں گے۔ علی سفیان بہت گہرا دوست ہے کرنل کا اور بڑی پرانی دوستی ہے ان کی۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ علی سفیان کو بھی وہ درجہ حاصل نہیں ہے جو کرنل کے دل میں مجھے حاصل ہے۔ اس نے ایک بات کہہ دی بس سمجھ لو کہ وہ بات میری زندگی کا مقصد بن گئی۔ میں فوری تیاریاں شروع کر دینا چاہتا ہوں۔ حسن شاہ آ جائے تو میں تمہیں واپسی کی اجازت دے دوں گا تاکہ تم کرنل کو جا کر بتا دو کہ سارے کام اس کی خواہش کے مطابق ہو جائیں گے۔ ویسے فون پر تو میرا اس سے رابطہ رہتا ہی ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ لیکن مجھے ڈرائیور کی ضرورت نہیں ہے اگر آپ گاڑی مجھے دے سکتے ہیں تو دے دیجیے۔“

”بڑی اچھی بات ہے۔ تم جیپ لے جاؤ۔ گھومو پھرو اور جب دل چاہے ادھر آ جاؤ۔“ اصل میں کامران کے دل میں ایک خوف سا بیٹھ گیا تھا۔ رشنا دلی نے رات کو جس انداز میں اپنی طلب اور اپنی خواہشوں کا اظہار کیا تھا۔ اس کو صرف دیوانگی ہی سمجھنا کافی نہیں تھا۔ یہ دیوانگی اگر کچھ اور آگے بڑھ گئی تو عذاب جان بن جائے گی۔ کیونکہ بہر حال گزرنے والا ہر لمحہ اس بات کا احساس دلاتا تھا کہ رانا چندر سنگھ اور کرنل گل نواز

کے درمیان واقعی بڑے گہرے تعلقات ہیں اور اگر ان تعلقات میں ایک ایسی دراڑ پڑ جائے، جو کامران کی شکل میں ہو تو اس سے زیادہ دردناک بات اور کوئی نہیں ہو سکتی جبکہ کرنل گل نواز کامران پر بے حد اعتماد کرتے تھا۔ اعتماد کو قائم رکھنا ہی تو زندگی کا معیار ہوتا ہے۔ ویسے رشنا کو ناشتے کی میز پر دیکھا تھا۔ اور ایک دم خوف کا سا احساس ہوا تھا لیکن اس کا چہرہ اس طرح صاف شفاف تھا جیسے اسے اس بات کا علم بھی نہ ہو کہ رات کو اس نے کامران سے ملاقات کی تھی۔

کامران جیپ لے کر نکل گیا سلطان گڑھی کوئی قابل ذکر جگہ نہیں تھی۔ چھوٹے قصبے یا دیہاتوں کا سا معیار تھا اس کا۔ زیادہ تر کچی سڑکیں ٹوٹے پھوٹے بازار ایک پست زندگی کے تمام تر آثار لیکن نواحی علاقے پیلی سرسوں سے سجے ہوئے تھے۔ اور سرسوں کی مہک نے ماحول کو خوشگوار بنا دیا تھا۔ پتلی پگڈنڈی پر بہت دور تک جیپ دوڑاتا رہا۔ پھر کافی فاصلے پر اسے کسی کچے قلعے کے کھنڈرات نظر آئے ایسی جگہیں قابل غور ہوا کرتی ہیں۔ اس نے سوچا کہ ذرا جا کر دیکھے ویران قلعہ کس نوعیت کا مالک ہے۔

چنانچہ جیپ پگڈنڈی پر ہوتی ہوئی آخرکار اس جگہ پہنچ گئی جہاں بائیں سمت ڈھلان میں اترنے کے بعد کچے قلعے تک پہنچا جا سکتا تھا۔ جیپ کے لیے راستہ مشکل نہیں تھا ویسے کچے قلعے تک کوئی باقاعدہ پگڈنڈی بھی موجود نہیں تھی۔ ناہموار راستوں سے گزرتا ہوا آخرکار وہ قلعے تک پہنچ گیا۔ اسے قلعے کی تاریخ کے بارے میں بالکل نہیں معلوم تھا۔ ایسی جگہوں کی اگر تاریخ معلوم ہو جاتی تو دلچسپی بڑھ جاتی ہے۔ لیکن لگتا یہ ہی تھا جیسے زمانہ قدیم میں کسی ہندو راجا نے یہ قلعہ بنوایا ہو مزے دار بات یہ تھی کہ کچی مٹی کے مجسمے تک وہاں موجود تھے۔ گو وہ ٹوٹ پھوٹ چکے تھے۔ لیکن ان کی موجودگی قلعے کو نہایت بھیانک بنائے ہوئے تھی۔ کچھ حصے نہایت صاف شفاف تھے۔ زیادہ تر جگہوں پر جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ ایک عجیب سا پُراسرار سناٹا، پُراسرار سکون یہاں موجود تھا کامران جیپ سے اتر کر قلعے کے مختلف حصوں میں چکرانے لگا۔ حالانکہ وہ اس طرح کی دلیری کا قائل نہیں تھا۔ لیکن پتا نہیں کیوں اس وقت اس پر یہ عجیب سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔

بہر حال وہ ایک صاف شفاف جگہ بیٹھ گیا اور حالات پر غور کرنے لگا۔ تقدیر میں کیسی کیسی انوکھی باتیں لکھی ہوتی ہیں۔ زندگی کا رخ ہی بدل گیا تھا بھلا ان تمام چیزوں سے اسے کیا رغبت تھی۔ ایک الگ تھلگ زندگی کا قائل تھا۔ پھر وقت کے تھپیڑوں نے کہیں سے کہیں پہنچا دیا اور اب سلطان گڑھی کے ان پُراسرار اور نامعلوم کھنڈرات میں بیٹھا ہوا وہ حالات پر غور کر رہا تھا۔ دفعتاً ہی اسے اپنے عقب میں آہٹیں سنائی دیں اور وہ اچھل پڑا۔

باقاعدہ جنگل نہیں تھا کہ درندوں کا تصور کیا جا سکے لیکن پھر بھی یہ آہٹ اس کے لیے سنسنی خیز تھی اور جب اس نے پلٹ کر دیکھا تو درحقیقت اس کے پورے وجود میں شدید سنسنی دوڑ گئی۔ گرشک اور سیتا وہاں موجود تھے اور آہستہ قدموں سے اس کی جانب آ رہے تھے۔ اس وقت یہ دونوں اسے انتہائی پُراسرار مخلوق محسوس ہوئے۔ یہاں ان کی موجودگی اور ان کا نظر آنا ایک وہم تو سمجھا جا سکتا تھا۔ حقیقت نہیں۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھنے لگا دونوں ہی قریب پہنچ گئے۔ سیتا نے دونوں ہاتھ سیدھے کیے اور رکوع کے انداز میں جھک گئی۔ جب کہ گرشک اس کے قریب آ کر سجدے میں گر پڑا تھا [illegible]

"مہاوشتی! نمی دستو! مہان پربھو...... جے ہو مہان پربھو......" نہ جانے کیوں کامران کے منہ سے آواز نکل گئی۔

"گرشنک! سیدھے ہو جاؤ یہ سب کچھ مجھے ناپسند ہے سیدھے ہو جاؤ۔"

"جے مہانمی سدھو...... ہم تو آپ کے چرنوں کی دھول ہیں۔ دھول کو سرنگوں ہی رہنا چاہیے۔ کیونکہ وہ اٹھتی ہے تو شریر کو گندا کر دیتی ہے۔"

"مجھے بتاؤ تم یہاں تک کیسے پہنچے۔"

"مہان وستو...... ہم تو آپ کے چرنوں کے ساتھ ساتھ لگے پھر رہے ہیں۔ ہماری رہنمائی تو آپ ہی کریں گے۔ ہم آپ سے دور کہاں ہوتے ہیں۔"

"کیا مطلب...... تم میرے ساتھ لگے لگے یہاں تک آئے ہو؟" کامران نے سوال کیا۔

"ہاں نمی سدھو...... آپ کے ساتھ ساتھ۔"

"مگر کیوں؟"

"اس لیے کہ آپ مہان وستو ہیں ہمارے لیے، ہمارے رہنما ہیں ہمیں صحیح راستہ دکھانے والے۔"

"دیکھو بیٹھ جاؤ۔ اگر تم واقعی میرے لیے اپنے دل میں اتنی ہی عقیدت رکھتے ہو تو پہلے مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔ جب تک میں تمہارے بارے میں جانوں گا نہیں مجھے تمہاری حقیقت کیسے معلوم ہوگی۔"

"آپ مہان وردان ہیں ہمارے لیے۔"

"یہ تم کہتے ہو نا۔ جب کہ میں اپنے آپ کو جانتا ہی نہیں اور میں یہ بھی نہیں جانتا کہ تم نے مجھے اچانک ہی اتنا بڑا مقام کیسے دے دیا ہے۔ تو پھر میں نہ تمہارا رہبر بن سکتا ہوں نہ کچھ اور۔ دیکھو...... اگر کسی غلط فہمی کا شکار ہو تو یہ غلط فہمی دل سے نکال دو۔"

"دھرم وستوشیا! کوئی غلط فہمی نہیں ہے ہمیں۔ ہماری آنکھیں سنسار میں بہت دور تک دیکھ سکتی ہیں۔"

"میں تم سے کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہم حاضر ہیں مہان وستو۔"

"پہلے یہ بتاؤ کہ اس وقت تم اور سیتا وہاں پہاڑوں میں کیا کر رہے تھے۔ جب کرنل گل نواز تمہیں ملے تھے۔" کامران نے سوال کیا اس وقت واقعی وہ اپنے ذہن کو ان لوگوں کی طرف سے صاف کرنا چاہتا تھا۔ اسے یوں لگا جیسے صرف اس کی بات کے احترام کے طور پر گرشنک اپنی جگہ سے اٹھا ہو۔ اور پھر ایک مٹی کے ڈھیر پر دوزانو ہو کر بیٹھ گیا ہو۔ کامران کی نگاہیں سیتا کی طرف اٹھیں۔ سیتا کے دل کش چہرے پر عقیدت کے نقوش تھے۔ لیکن اس کی آنکھوں میں پسندیدگی کا ایک جذبہ بھی تھا جسے محسوس کیا جا سکتا ہے۔ جیسے ہی کامران کی نگاہیں اس سے ملیں۔ اس نے جلدی سے گھبرا کر آنکھیں جھکا لیں۔ لیکن کامران اس کی پرشوق آنکھوں میں پسندیدگی کی جھلک دیکھ چکا تھا۔ وہ بھی دوزانو بیٹھی ہوئی تھی۔ کامران کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے گرشنک سے کہا۔

"ہاں مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔"

"مہاستو...... ہمارے دشمن آپ کے علم میں ہیں۔ وہ مختلف روپ بدل کر ہماری تاک میں لگے ہوئے ہیں۔ وہ ہمیں اس منصب تک نہیں پہنچنے دینا چاہتے۔ جس کے لیے ہمارا انتخاب کر لیا گیا تھا اور جب ماترا بھوانی کا تیسرا صفحہ بند ہوا تو وہ ہم پر حملہ آور ہو گئے۔ تیسرے پاٹھ کے ختم ہوتے ہی انہوں نے چاہا کہ ہمیں پاتال کی گہرائیوں میں دفن کر دیں۔ لیکن ستی سندھورتا کا تو جیون ہی آپ کے ساتھ ہے۔ ماترا وانی کے چوتھے پاٹھ کے شروع ہوتے ہی ہمارے دشمن پھر ہمارے سامنے آ گئے۔ ستی سندھرتا تو پاتال کی گہرائیوں میں آپ کی راہ تک رہی ہے دھرم بستوشیہ! پاتال پرستی پرکھنا کی گہرائیوں میں ستی پرکھنا اس سمے تک آپ کا انتظار کرتی رہے گی۔ جب تک دھرم وشتی وہاں تک پہنچ نہیں جائیں گے۔"

"ایک منٹ...... ایک منٹ...... میں نے تم سے سوال کچھ کیا تھا اور تم کہانی کوئی اور لے کر بیٹھ گئے۔ میں تم سے صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ تم وہاں کیوں چھپے ہوئے تھے۔"

"وہی تو ہم بتا رہے ہیں دھرم وشتی! ہمارے دشمن جو پاتال پرکھنا میں اپنا اقتدار چاہتے ہیں ہمارے بھاگ کے تیسرے پاٹھ کے ختم ہوتے ہی ہمیں ختم کرنے کی فکر میں لگ گئے اور ہم، جس کی ذمے داری تھی کہ آپ کو تلاش کر کے پاتال پر دستو میں پہنچائیں۔ جان بچا کر وہاں سے بھاگے وہ لوگ ہمارا پیچھا کر رہے تھے۔ سو ہم ان غاروں میں آ کر چھپ گئے۔ وہاں ہمیں کرنل صاحب ملے اور ہم نے غنیمت سمجھا کہ وہ ہمیں اپنے پاس لے آئیں۔ پر مہاوستو ہر جگہ سنسار میں مایا کا بوجھ چل رہا ہے۔ یہ لوگ پاتال کا جھومر دیکھ چکے ہیں۔ نہ جانے، کب اور کہاں پہنچا تھا اور جیسے جیسے زمانہ بدلتا ہے۔ اپنی اپنی کوششیں کر لی جاتی ہیں سونے چاندی کی چمک ان لوگوں کا عیب ہے اور یہ پاتال کا جھومر حاصل کرنے کے لیے نہ جانے کیا کیا کوشش کرتے رہے ہیں وہ جو تصویریں بنائی گئی تھیں ہمارے لیے ضروری تھا کہ ہم انہیں وہاں تک جانے سے روکیں۔ پر بات نہ بن سکی اور بھان پڑ گئی...... دھرم دستو وہ دوسرے نئے روپ دھار کر پھر سے ہمارے پیچھے آ لگے ہیں۔ ہم نہ صرف اپنی بلکہ آپ کی سہایتا بھی کر رہے ہیں۔ کیونکہ ابھی آپ کے دماغ کے دروازے بند ہیں۔ آپ اپنا پرتم نہیں پہچان سکے ہیں۔ جب آپ اپنا پرتم پہچان لیں گے تو آپ کا سایہ ہمارے سروں پر ہوگا اس سمے تک ہمیں آپ کی رکھشا کرنا ہی ہوگی۔ ہم ان سے چھپ بھی رہے ہیں۔ اور آپ کی بھی رکھشا کر رہے ہیں۔"

"اور اگر میں تم سے یہ کہوں کہ گرشنک! تم کسی غلط فہمی کا شکار ہو کر مجھے نہ جانے کیا سمجھ رہے ہو تو کیا تم میری بات مان لو گے۔" جواب میں گرشنک نے عقیدت سے تین بار گردن جھکائی اور بولا۔

"آپ حکم دو گے تو مان لیں گے۔ لیکن اپنا کام جاری رکھیں گے کیونکہ ہمیں اپنا بھی اتم درکار ہے ہم اپنا بھی اتت چاہتے ہیں او ہو کوئی آ رہا ہے ہم چلتے ہیں۔ پر ہم سروھانی...... پر آپ میری طرف سے بے فکر رہنا۔ سنسار کے اس نئے روپ کو ہم نے اچھی طرح پہچان لیا اور اپنا پرشن کرنا جانتے ہیں۔"

کامران نے بھی کسی گاڑی کی آواز سنی تھی۔ اس کی اپنی جیپ تھوڑے فاصلے پر کھڑی تھی اور اسے نظر آ رہی تھی۔ اس نے گردن اٹھا کر دور تک دیکھا لیکن کوئی اور گاڑی اسے نظر نہیں آئی تھی۔ پھر اس نے پلٹ کر دیکھا تو سیتا اور گرشنک اپنی جگہ موجود نہیں تھے۔ ایک لمحے کے لیے کامران حیران رہ گیا۔ اس نے اپنی

جگہ سے کھڑے ہو کر دور تک نگاہیں دوڑائیں۔ لیکن ان دونوں کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔ وہ حیرانی سے گردن کھجانے لگا ابھی کچھ ہی لمحے گزرے تھے کہ اچانک ہی اسے اپنے بائیں سمت قدموں کی آہٹیں سنائی دیں اور اس نے ادھر گردن گھمائی۔ پانچ نقاب پوش تھے۔ جن کے ہاتھوں میں ریوالور دبے ہوئے تھے اور وہ دوڑتے ہوئے اسی طرف آ رہے تھے کامران کے بدن میں سرد لہریں دوڑ گئیں۔ اس نے خوف زدہ نگاہوں سے ان لوگوں کو دیکھا۔ وہ آن کی آن میں اس کے پاس پہنچ گئے۔ ان میں سے ایک شخص نے اپنے چہرے پر سے کالی نقاب ہٹا دی۔ بالکل گول اور انتہائی منحوس چہرے والا کوئی سفید فام تھا۔ پستول کی نال اس نے کامران کی پیشانی کے عین درمیان رکھ کر اس پر دباؤ ڈالتے ہوئے کہا۔

"کہاں گئے وہ دونوں۔ کہاں چلے گئے۔"

"وہ اس طرف۔" کامران نے ایک جانب اشارہ کیا تو دو آدمی اس کے اشارے کی جانب دوڑ گئے۔ سفید فام بہ دستور غراتی ہوئی آواز میں بولا۔

"کیا کہہ رہے تھے تم سے۔" کامران ایک لمحے کے اندر اپنے آپ کو سنبھالنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اور اسے یہ فیصلہ کرنا پڑا تھا کہ اس کا اگلا قدم کیا ہونا چاہیے۔ اس نے بڑی معصومیت سے جواب دیا۔

"پتا نہیں۔ کیا بکواس کر رہے تھے ان کی زبان میری سمجھ میں نہیں آ سکی۔ دھرم دستو...... پرشنت دھتی...... پتا نہیں کیا کیا...... میرا خیال ہے وہ نہ تو انگریزی جانتے تھے اور نہ مقامی زبان۔" گول چہرے والا سفید فام گہری نگاہوں سے کامران کا جائزہ لے رہا تھا۔ کامران بھی اس وقت بڑی اچھی اداکاری کر رہا تھا۔ پھر اس نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

"لیکن تم...... تم۔"

"میں پوچھتا ہوں اور کیا کہہ رہے تھے۔ وہ تمہیں کب سے جانتے ہیں؟"

"مجھے کہاں جانتے ہیں وہ بھائی! میں تو ایک مسافر ہوں دوسری جگہ سے یہاں آیا ہوں۔ رانا چندر سنگھ کا مہمان ہوں۔ وہ میری گاڑی کھڑی ہے گھومتا پھرتا اس طرف نکل آیا ہوں۔ یہ کچا قلعہ مجھے دلچسپ لگا چونکہ مجھے قدیم عمارتوں سے دلچسپی ہے اور میں ان کے بارے میں تحقیق کرتا رہتا ہوں اس کچے قلعے کو دیکھ کر میری وہی رگ جاگ اٹھی اور میں یہاں اس کا جائزہ لیتا رہا۔ مجھے تو یوں لگ رہا تھا بھائی جیسے وہ دو آوارہ روحیں ہوں جو اسی قلعے میں رہتی ہوں۔"

"بکواس کرتا ہے یہ لے چلو اسے اٹھا کر لے چلو۔" دوسرے آدمی نے کہا جو نقاب پہنے ہوئے تھا اسی وقت فائرنگ کی آواز سنائی دی اور اس کے ساتھ ہی دو انسانی چیخیں۔ وہ تینوں جو کامران کے پاس کھڑے تھے دہشت زدہ ہو گئے۔ تینوں نے دوڑ کر ایک کچی دیوار کی آڑ لے لی اور اس موقع سے فائدہ اٹھا کر کامران نے چھلانگ لگائی اور ایک دوسری دیوار کے پاس پہنچ گیا۔ پھر وہاں سے تیسری دیوار کے پیچھے اور اس کے بعد اس نے ان تینوں کو وہاں سے دوڑتے ہوئے دیکھا وہ برق رفتاری سے ایک سمت جا رہے تھے۔ کامران کی اپنی جیپ کا فاصلہ یہاں سے کافی تھا۔ اگر کوشش کرتا تب بھی ان لوگوں کی نگاہوں سے بچ کر اپنی جیپ تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔ لیکن اس نے اتنا فاصلہ اختیار کر لیا کہ اگر وہ لوگ واپس پلٹیں تو اسے آسانی

سے تلاش نہ کر سکیں لیکن کچھ ہی دیر کے بعد اس نے پھر کسی گاڑی کے اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی تھی اور کچھ دیر کے بعد آواز دور ہوتی چلی گئی۔ لیکن یہ اندازہ اب بھی نہیں ہو سکا تھا کہ گاڑی کہاں کھڑی ہوئی تھی اور کہاں چلی گئی۔

کامران تھوڑی دیر تک جائزہ لیتا رہا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد اسے یہ احساس ہو گیا کہ اب اس کچے قلعے میں کوئی ذی روح موجود نہیں ہے۔ لیکن تجسس اس کے ذہن پر بری طرح سوار تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک سوچتا رہا اور اس کے بعد اس کے قدم اس سمت بڑھ گئے۔ جہاں وہ دونوں افراد دوڑتے ہوئے گئے تھے اور بعد میں وہاں فائرنگ کی آواز سنائی دی تھی۔ اندازہ ٹھیک ہی نکلا۔ کوئی دو سو گز جانے کے بعد اس نے ایک جگہ زمین پر خون پڑا ہوا دیکھا اچھی خاصی مقدار تھی اس خون کی اور یہ تازہ ہی تھا۔ وہ جھک کر کچھ قلعے کی زمین پر نشان تلاش کرنے لگا اور پھر بہت سی چیزوں کی تصدیق ہو گئی۔ کوئی وہاں زخمی ہو کر گرا تھا۔ خون کی مقدار اتنی بھی نہیں تھی کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ زخمی ہونے والا ہلاک ہو گیا ہے۔ کسی دوسرے کے گرنے کے نشانات بھی تھے اور پھر اس طرح کے ہاتھوں کے نشانات جیسے سہارا لے کر اٹھنے کی کوشش کی گئی ہو۔ قدموں کے نشانات تو بہت سارے تھے۔

تھوڑی دیر تک تو کامران قرب و جوار کا جائزہ لیتا رہا لیکن آس پاس اسے کوئی انسانی جسم یا ایسے آثار نہیں ملے۔ ایک خوب صورت لائٹر ضرور پڑا ہوا تھا اس نے اس لائٹر کو اٹھا لیا اور اس کا جائزہ لینے لگا۔ عام سا لائٹر تھا کوئی خاص بات نہیں تھی اس میں۔ ملائشیا کا بنا ہوا تھا کچھ سوچنے کے بعد اس نے لائٹر اپنی جیب میں ڈال لیا اور پھر وہاں سے واپس پلٹ پڑا۔

اس کے بعد وہ جیپ اسٹارٹ کر کے سیدھا حویلی کی طرف گیا تھا لیکن اب ذہن میں بہت سے خیالات آ رہے تھے۔ سیتا اور گرشنک کا اس کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے سلطان گڑھی تک آ جانا اور اس کے بعد ان کی گفتگو ویسے یہ چیز کامران کے لیے بڑی مضحکہ خیز تھی کہ وہ لوگ اسے اپنا کوئی روحانی پیشوا سمجھ بیٹھے تھے۔ یہ تو بڑی بے تکی سی بات تھی۔ پتا نہیں یہ غلط فہمی انہیں کیوں ہو گئی تھی۔ وہ دونوں اس طرح اس غلط فہمی کا شکار تھے کہ اندازہ ہوتا تھا کہ انہیں سمجھایا بھی نہیں جا سکتا۔

بہت ساری الجھنیں ذہن پر سوار تھیں۔ اس کے بعد یہ لوگ جو ان دونوں کی تلاش میں آئے تھے وہ گول چہرے والا اجنبی سفید فام، معاملات الجھتے ہی جا رہے تھے حویلی تک پہنچتے پہنچتے بہت سارے نتیجے اخذ کر لیے گئے۔ آخری فیصلہ یہی تھا کہ معاملات چاہے جتنے پراسرار اور ناقابل یقین ہو جائیں ان میں دلچسپی لینا ہو گی۔ کرنل گل نواز کی وجہ سے اور پھر اپنے شوق کی بات بھی تھی۔

رانا چندر سنگھ رات کے کھانے پر موجود نہیں تھا اس کا مطلب ہے کہ وہ ابھی حویلی واپس نہیں آیا بہر حال کھانے کی میز پر رشنا وتی اور حویلی کے دوسرے افراد موجود تھے کامران کا ویسے ہی استقبال کیا گیا جیسے رانا صاحب کی موجودگی میں کیا جاتا تھا ان لوگوں نے خاصی پذیرائی کی تھی اس کی۔ رشنا اس طرح بے تعلق نظر آ رہی تھی، جیسے اس کی کامران سے کوئی جان پہچان ہی نہ ہو۔ بہر حال یہ نارمل لڑکی نہیں تھی۔ اس لیے اس پر کسی حیرانی کا اظہار بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کھانے کے بعد کامران خاموشی سے اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ بیڈ روم میں آ جانا ہی سب سے مناسب بات تھی۔ دن کے ہنگامے دماغ کی چولیں ہلا دینے کے لیے کافی تھے۔ اب

مزید کسی چکر میں نہیں پڑنا چاہتا تھا خاص طور سے اسے خدشہ تھا کہ کہیں رشنا دلی کمرے میں نہ گھس آئے۔ عجیب و غریب لڑکی تھی۔ ایک حسین ترین وجود لیکن کبھی کبھی اپنی تمام تر قدر کھو دینے والا اس نے کمرے کا دروازہ بھی اندر سے بند کر لیا تھا لیکن سوچ کے دروازے بند کرنا آسان نہیں ہوتا۔ نہ جانے کیا کیا خیالات ذہن میں چکراتے رہے کوئی پونے گیارہ بجے کا وقت تھا۔ جب دروازے پر دستک ہوئی۔ اور وہ اچھل پڑا۔ دل میں یہی خیال گزرا تھا کہ رشنا آ گئی۔ دوسری اور پھر تیسری دستک ہوئی تو بہ حالت مجبوری اس نے اپنی جگہ سے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ کمرے میں تیز روشنی پہلے ہی تھی لیکن دروازے میں رشنا نہیں بلکہ رانا چندر سنگھ اور اس کے پیچھے ایک لمبے چوڑے بدن کا طاقت ور سا آدمی کھڑا تھا جو اچھی شکل و صورت کا مالک تھا۔ لیکن چہرے کے نقوش انتہائی کھردرے۔ رانا چندر سنگھ کو دیکھ کر کامران نے اطمینان کی گہری سانس لی۔ رانا صاحب نے اسے بہ غور دیکھتے ہوئے کہا۔

"چہرے سے بھی سوئے ہوئے نہیں لگتے۔ پھر دروازہ کھولنے میں اتنی دیر کیوں کی تھی؟"

"واش روم میں تھا۔" کامران نے فوراً ہی جواب دیا۔

"ہاں یہی میرا اندازہ تھا۔ بیٹھو گے تھوڑی دیر ہمارے ساتھ۔"

"جی کیوں نہیں۔" کامران نے جواب دیا۔ "رانا چندر سنگھ ساتھ آنے والے شخص کو اشارہ کر کے اندر آ گیا۔ پیچھے آنے والے لمبے چوڑے بدن کے آدمی نے دروازہ بند کر دیا رانا چندر سنگھ نے کامران کی طرف اشارہ کر کے آنے والے شخص سے کہا۔

"کامران کا تعارف کرانا تو میرا خیال ہے بے کار ہی ہے۔ کامران یہ حسن شاہ ہے بس سمجھ لو کہ میرے تمام امور میں میرا دست راست، میرا انتہائی مخلص دوست۔ حسن شاہ بیٹھو۔" حسن شاہ نے مسکراتے ہوئے کامران سے ہاتھ ملایا اور بولا۔

"کامران صاحب! رانا صاحب مجھے آپ کے بارے میں بتا چکے ہیں اور میں یہ بات جانتا ہوں کہ رانا صاحب کا کرنل گل نواز سے کتنا گہرا تعلق ہے۔ آپ مجھے اپنے دوستوں میں شمار کیجیے۔"

"شکریہ حسن شاہ! رانا صاحب تمہارا تعارف بھی مجھ سے اتنا کرا چکے ہیں کہ مزید تعارف کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ہاں مجھے رانا صاحب کی یہی محبتیں حاصل ہیں۔"

"رسمی گفتگو ہو چکی ہے۔" رانا چندر سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بالکل بالکل۔"

"اصل میں کامران میں تو ایک کام سے گیا تھا لیکن ایک اتفاقیہ واقعے کے تحت حسن شاہ تمہاری جانب متوجہ ہو گیا اور ایک طرح سے اس سے تمہارا تعارف بھی ہو گیا۔ دن میں کیا واقعہ پیش آیا تھا رتولی کے قلعے میں۔" رانا کے الفاظ پر کامران چونک پڑا۔

"آپ کو۔ آپ کو کیسے معلوم؟"

"بڑا پراسرار واقعہ ہے پہلے تم مجھے بتاؤ کہ قصہ کیا ہوا تھا۔" رانا چندر سنگھ نے کہا۔ خاصی سنسنی خیز

بات تھی۔ کامران کو یہاں بھی اپنے اعصاب پر قابو پانا تھا۔ بات اصل میں یہ تھی کہ وہ کرنل گل نواز سے بالکل مخلص تھا۔ لیکن کچھ ایسے واقعات بیچ میں پیش آ گئے۔ جو اس نے گل نواز کو بھی نہیں بتائے تھے۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ان تمام واقعات کو صحیح طور پر سمجھ بھی نہیں پایا تھا۔ رانا چندر سنگھ کرنل کا کتنا ہی مخلص کیوں نہ ہو بات اتنی ہونی چاہیے کہ بعد میں نبھائی جا سکے۔ چنانچہ فوراً ہی اس نے اپنے ذہن میں کہانی مربوط کی اور حسن شاہ کی طرف دیکھنے لگا۔

"حسن شاہ کے بارے میں تمہیں بتا چکا ہوں۔ اب یہ ہمارے تمام معاملات کا شریک ہے اور ویسے بھی رانا چندر نے اتنا ہی کہا تھا کہ حسن شاہ نے ہاتھ اٹھا دیا۔

"بات کا تسلسل نہ توڑیے رانا صاحب! معافی چاہتا ہوں۔"

"ہاں۔۔دن کے واقعے کے بارے میں بتاؤ۔"

"آپ سے ان اطراف میں گھومنے پھرنے کی اجازت تو لے ہی لی تھی میں نے۔ جیپ لے کر نکل کھڑا ہوا اور سلطان گڑھی کے اندرونی علاقے دیکھتا ہوا بیرونی علاقے میں نکل آیا ایک پتلی پگڈنڈی بہت دور تک جا رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ تھوڑا سا فاصلہ طے کروں گا۔ سرسوں کے پیلے کھیت بڑے خوش گوار لگ رہے تھے۔ لیکن زیادہ دور نہیں چلا تھا کہ اس مٹی کے بنے ہوئے قلعے کی دیواریں اور فصیلیں نظر آ گئیں۔ قدیم عمارتوں سے مجھے ہمیشہ سے دلچسپی رہی ہے میں نے جیپ کا رخ اس طرف کر دیا اور اس کے بعد اس قلعے کے اندر داخل ہو کر اس کی تعمیر کا جائزہ لینے لگا کہ اچانک...... اچانک......" یہ کہہ کر کامران پھر رکا اور اس نے حسن شاہ کی طرف دیکھا پھر بولا۔

"کرشک اور سیتا وہ دونوں عقب سے نکل کر میرے پاس پہنچ گئے۔ میں آپ کو ان دونوں کے بارے میں بتا چکا ہوں کہ میرے لیے وہ انتہائی پراسرار شخصیتیں تھیں ایک رات کا واقعہ آپ کو بتانا بھول گیا۔ اس وقت کرنل گل نواز کی حویلی میں آئے ہوئے مجھے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا کہ ایک رات بارش ہو رہی تھی میں موسم سے لطف اٹھانے کے لیے باہر نکل آیا تو رات کی تاریکیوں میں رم جھم بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ میں اس سے لطف لیتا ہوا آگے بڑھنے لگا کہ اچانک کوئی بھیانک وجود مجھ پر حملہ آور ہوا۔ اور اس نے مجھے نوچ کھسوٹ کر رکھ دیا۔ بعد میں پتا چلا کہ یہ سیتا تھی ان دونوں پراسرار کرداروں کی کیفیت میرے ذہن میں ہمیشہ الجھی رہتی تھی بہرحال اس وقت تو خیر کچھ نہیں ہوا لیکن بعد میں بہت سوچا میں نے ان کے بارے میں کرنل بھی اس بات کی کوئی وجہ نہیں بتا سکے تھے۔ بہرحال آپ نے ان کھنڈرات کو کوئی نام دیا تھا رانا صاحب!" کامران نے رک کر رانا چندر سنگھ سے پوچھا۔

"ہاں رتولی کا قلعہ کہلاتا تھا وہ اب بھی یہی کہلاتا ہے۔ ویران پڑا ہوا ہے لیکن آسیب زدہ نہیں ہے۔ تو وہ دونوں تمہیں وہاں نظر آئے۔"

"ہاں۔ وہ میرے قریب پہنچے اور نامانوس زبان میں مجھ سے کچھ کہنے لگے۔ میں نے ان سے بہت طریقے سے گفتگو کرنا چاہی اور اشاروں میں ان سے پوچھا کہ وہ انگریزی، اردو یا ہندی سے واقف نہیں ہیں کیا۔ مجھے یوں لگا رانا صاحب جیسے وہ میری بات تو سمجھتے ہوں۔ لیکن اس کا جواب کسی ایسی زبان میں نہ

دینا چاہتے ہوں جو میری سمجھ میں آ جائے۔ ابھی وہ مجھے اپنا کوئی مفہوم سمجھانے کی کوشش کر ہی رہے تھے کہ اچانک مجھے وہاں کچھ آہٹیں سنائی دیں اور ایک گاڑی کی آواز بھی آئی، میں حیرانی سے ادھر دیکھنے لگا اور جب میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ دونوں غائب تھے۔ میں ابھی حیرانی سے صورت حال کا جائزہ ہی لے رہا تھا کہ اچانک مجھے پانچ افراد نظر آئے جو ہاتھوں میں ریوالور لیے میری جانب آ رہے تھے ان کے چہرے ڈھکے ہوئے تھے لیکن قریب آ کر ان میں سے ایک شخص نے اپنا چہرہ کھول دیا۔ یہ کوئی غیر ملکی تھا۔ سفید رنگ کی چمڑی کا مالک۔ مجھ سے پوچھنے لگا کہ وہ دونوں کہاں گئے۔ پھر اس نے دو آدمی ان کی تلاش میں اس طرف دوڑا دیے جدھر میں نے ان کے جانے کا اشارہ کیا تھا۔ اور وہ مجھ سے ان کے بارے میں پوچھنے لگے۔"

"ایک منٹ...... کیا انہوں نے گرشک اور سیتا کا نام لیا تھا۔" رانا چندر سنگھ نے سوال کیا۔

"نہیں بس وہ یہ پوچھ رہے تھے کہ ابھی جو دونوں تمہارے پاس تھے وہ کون ہیں اور کہاں رہتے ہیں۔ ان کا ارادہ تھا کہ مجھے اپنے ساتھ لے جائیں اور یقیناً وہ مجھ سے ان کے بارے میں پوچھنا چاہتے تھے کہ اچانک ہی گولی چلنے کی آواز سنائی دی۔

اور دو چیخیں ابھریں وہ لوگ مجھے چھوڑ کر اس طرف دوڑ پڑے تھے اور اس کے بعد وہ قلعے میں غائب ہو گئے میں وہاں سے واپس چلا آیا یہ ہے ساری کہانی۔" رانا چندر سنگھ نے حسن شاہ کی طرف دیکھا تو حسن شاہ کہنے لگا۔

"بالکل ٹھیک ہے۔ یہی سب کچھ ہوا تھا۔" حسن شاہ کے الفاظ پر کامران چونک کر حسن کو دیکھنے لگا تھا۔ حسن شاہ نے اس واقعے کی تصدیق کی تھی۔ یہ بات ذرا حیران کن تھی رانا چندر سنگھ نے فوراً ہی کہا۔

"وہ حسن شاہ تھا جس نے ان لوگوں پر گولی چلائی تھی۔ جو دوڑتے ہوئے گرشک اور سیتا کی تلاش میں گئے تھے۔ ان میں سے ایک کی ران میں گولی لگی تھی۔ دوسرا کم زخمی ہوا تھا ان میں گولی لگنے والا گر پڑا تھا۔ بعد میں تم نے بہ قول حسن شاہ کے وہاں جا کر جو خون وغیرہ دیکھا وہ اسی زخمی آدمی کا تھا باقی تینوں اسے سہارا دے کر دوسرے راستے سے اپنی گاڑی تک پہنچے تھے اور نکل گئے تھے۔" کامران حیرت زدہ نگاہوں سے حسن شاہ کو دیکھ رہا تھا تو حسن شاہ نے کہا۔

"اس کے پس منظر میں بھی ایک کہانی ہے کامران صاحب! جو میں رانا چندر کو بتا چکا ہوں۔"

"میں وہ کہانی کامران کے سامنے دہرائے دیتا ہوں۔ جیسا کہ کامران میں نے تمہیں حسن شاہ کے بارے میں بتایا۔ حسن شاہ میرے بہترین ساتھیوں میں سے ہے۔ زبردست انتظامی امور کا اور صلاحیتوں کا مالک میرے بہت سے مفادات کی نگرانی بھی کرتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی اس کا اپنا سلسلہ بھی ہے۔ یہ ان لوگوں سے خراج وصول کرتا ہے جو ناجائز دھندے کرتے ہیں۔ ہے نا دلچسپ اور حیرت انگیز بات۔"

"یقیناً ہے۔ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو جرائم پیشہ افراد کو بلیک میل کرتے ہیں۔"

"ہاں حسن شاہ! انہی لوگوں میں سے ہے۔ اس کا اصول ہے کہ کبھی کسی شریف آدمی کو پریشان نہیں کرتا۔ اور وہ جو بڑے تیس مار خاں بنتے ہیں ان کے چکر میں پڑا رہتا ہے اس کا صحیح معنوں میں کاروبار انہی سے چلتا ہے۔"

"ویری گڈ......" کامران نے کہا اور حسن شاہ ہنسنے لگا پھر بولا۔

"بہر حال یہ اسی کھیل کا قصہ ہے۔ ڈیوٹ پارک نامی ایک شخص جو اس وقت اسمگلنگ کی دنیا میں ایک اہم کام کر رہا ہے بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ ایک بین الاقوامی گروپ کے ساتھ شامل ہے کسی طرح میرے علم میں آ گیا۔ اپنے آپ کو بہت بڑی چیز سمجھتا ہے۔ بہر حال میں نے اس سے اپنا خرچ مانگا تو وہ مجھے دھمکیاں دینے لگا۔ ابتداء میں لوگ ایسا کرتے ہیں بعد میں ڈیوٹ کو اس کا احساس ہوا اور اس نے مجھ سے رابطے شروع کر دیے چونکہ اس کا قیمتی مال دو تین بار پکڑا گیا اور وہ یہ معلوم کرنے سے قاصر رہا کہ اس کے مال کی مخبری کس نے کی ہے۔ میں نے خود ہی اسے بتایا کہ ڈیوٹ! یہ میرا کام ہے اور تم سوچ لو یہ تو ابھی معمولی پیمانے پر ہوا ہے اس کے بعد جو کچھ ہوگا اس کی ذمے داری تمہیں ہی قبول کرنا ہوگی۔ بہر حال ڈیوٹ اوقات میں آ گیا۔ بات معمولی نہیں تھی اس شام میں ڈیوٹ سے ملنے کے لیے اس کے گھر گیا۔ اتفاق کی بات ہے کہ وہاں اس کے کچھ مہمان آئے ہوئے تھے انہی مہمانوں میں وہ بھی تھا۔"

"کون...... یہ تو بتاؤ۔" رانا چندر سنگھ نے کہا۔

"ہاں دراصل ان میں سے ایک شخص کا نام ایکسل برائٹ تھا۔ ایکسل برائٹ گول چہرے والا وہی شخص تھا جس کا حوالہ آپ نے دیا ہے مسٹر کامران۔ ایکسل برائٹ سے میری ملاقات انڈونیشیا میں ہوئی تھی۔ اچھا خاصا خطرناک آدمی ہے۔ ان دنوں وہ کسی خزانے کے چکر میں تھا اور طرح طرح کی کارروائیاں کر رہا تھا۔ پھر دوسری بار میری اس سے ملاقات ناگالینڈ میں ہوئی وہاں بھی وہ اپنی انہی کارروائیوں میں مصروف تھا شاید اس کے پاس کچھ خزانوں کے نقشے وغیرہ ہیں جو تبت، سنکیان کے علاقے میں کہیں پوشیدہ ہے۔ ڈیوٹ کو وہ اپنے منصوبوں کے بارے میں بتا رہا تھا اور ڈیوٹ سے کہہ رہا تھا کہ اسے کچھ ایسے لوگ درکار ہیں جو اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک ہوں اور خطرناک علاقوں اور راستوں میں اس کے ساتھ سفر کر سکیں۔ وہ آدمی وہ اپنے ساتھ لایا تھا۔ جو غالباً اسپین سے اس نے اپنے ساتھ شامل کیے تھے۔ اس کے بعد اس نے ڈیوٹ سے کچھ فرمائشیں کیں میں نے یہ تمام باتیں سنیں اور انہی باتوں میں رانا چندر سنگھ کا ذکر بھی آ گیا۔ وہ لوگ کسی اہم کام سے یہاں سلطان گڑھی آنا چاہتے تھے۔ رانا چندر سنگھ اور سلطان گڑھی، کا نام میرے لیے جس حیثیت کے حامل تھے آپ کو اس کا اندازہ ہو چکا ہوگا۔ بس میں ان کے پیچھے لگ گیا اور یوں سمجھ لیجیے کہ سائے کی طرح ان کا تعاقب کرنے لگا۔ ڈیوٹ نے اسے دو مقامی آدمی دیے۔ دو اس کے پاس اسپینش تھے اور پانچواں وہ خود تھا یہ لوگ رانا چندر سنگھ کی حویلی کے گرد چکرانے لگے۔ میں ان کے تعاقب میں تھا۔ پھر میں نے آپ کو دیکھا کامران صاحب! آپ جیپ میں بیٹھ کر چل پڑے تھے۔ یہ آپ کا تعاقب کرتے ہوئے کچے قلعے میں پہنچے تھے۔ اور وہاں انہوں نے جو کارروائی کی اس کی تفصیل آپ رانا صاحب کو بتا چکے ہیں۔ میں نے صرف اس لیے ان کے خلاف کارروائی کی کہ آپ رانا صاحب کی حویلی سے ان کی جیپ میں برآمد ہوئے تھے ورنہ سچی بات ہے میرا آپ سے تعارف نہیں تھا۔"

"ہاں میں حسن شاہ کی تلاش میں بے شک لگا تھا لیکن حسن شاہ سے میرا رابطہ نہیں ہو سکا تھا۔ شکر ہے خود حسن شاہ اس وقت تمہاری مدد کو پہنچ گئے ورنہ شاید تمہیں پریشانی ہوتی۔"

’’شاید کیا یقیناً پریشانی ہوتی ظاہر ہے وہ پانچ تھے میں تنہا ان کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا۔ حیرت کی بات ہے حسن شاہ کہ آپ نے تو جانتے بوجھتے بغیر ہی میری امداد کا آغاز کر دیا۔‘‘

’’مجھے خوشی ہے کہ میں نے ایک صحیح آدمی کے لیے کام کا آغاز کیا۔‘‘ حسن شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

’’ہاں اور یہ صحیح آدمی صحیح معنوں میں اب تمہارے ساتھ منسلک ہوگیا ہے۔ اب میں کرنل گل نواز کو کچھ اور منصوبے پیش کروں گا۔ یہ بڑے ضروری ہیں۔

’’یقیناً۔ ویسے حسن شاہ صاحب! آپ نے مجھے اپنا احسان مند کرلیا ہے۔‘‘

’’نہیں دوست! میں تو خوش ہوں کہ بے غرض میں تمہارے کسی کام آسکا۔ حسن شاہ نے کہا اور اس کے بعد کافی دیر بات چیت ہوتی رہی پھر حسن شاہ بولا۔

’’میں اسی وقت آپ سے ملتا کامران صاحب! مگر جب وہ لوگ وہاں سے فرار ہوئے تو میں نے سوچا کہ آپ تو محفوظ ہیں میں ذرا ان کا ٹھکانا دیکھ لوں کہ یہاں وہ کس جگہ ہوتے ہیں یا کس جگہ قیام کریں گے اور جس جگہ انہوں نے قیام کیا وہ دیکھ آیا ہوں۔‘‘

’’اوہ.....‘‘ ایک بار پھر کامران نے پر تجسس نگاہوں سے رانا چندر سنگھ کو دیکھا۔ رانا چندر سنگھ کا بھی چہرہ پر جوش نظر آ رہا تھا۔

’’یہ بات تم نے مجھے نہیں بتائی حسن شاہ!‘‘

’’بتاتا بھی۔ لیکن ذرا اطمینان کے ساتھ۔‘‘ حسن شاہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور رانا چندر سنگھ کامران کی طرف دیکھنے لگا پھر بولا۔

’’اب مجھے بتاؤ کامران! کیا میں نے حسن شاہ کے بارے میں غلط کہا تھا۔‘‘ کامران کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر وہ بولا۔

’’میرا خیال ہے نہیں۔ واقعی یہ ذہانت کی بات تھی۔‘‘

’’میں معافی چاہتا ہوں میری تعریف ہو رہی ہے اس لیے یہ الفاظ نہیں کہہ رہا بلکہ سچ سچ بتا رہا ہوں آپ کو۔ کامران صاحب کو میں نے دیکھ لیا تھا کہ وہ صورت حال سے خوف زدہ نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کے انداز میں یہ بات پائی جاتی تھی کہ وہ ان سے نمٹنے کے لیے تیار ہیں۔ مجھے یہ اندازہ تو ہوگیا تھا کہ اب اس صورت حال میں وہ لوگ کامران صاحب کو اغوا کر کے لے جانے یا کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کریں گے۔ بلکہ یہاں سے فرار ہو جائیں گے چنانچہ میں نے سوچا کہ کم از کم ایکسل برانٹ کے متعلق ٹھکانے کے بارے میں معلومات حاصل کرلی جائیں تاکہ بعد میں ہم اس سے نمٹ سکیں اس لیے میں ان کے پیچھے چل پڑا تھا۔‘‘

’’نہیں میرا خیال ہے تم نے ایک نہایت مناسب کام کیا تھا۔‘‘ کامران نے جواب دیا۔

’’مگر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بھی ان دونوں کے چکر میں ہے۔ یعنی گرشنک اور سیتا اس کا مقصد ہے کہ کچھ اور لوگوں کو بھی یہ بات معلوم ہے کہ گرشنک اور سیتا یہاں موجود ہیں۔‘‘

’’ایکسل برانٹ خود بتائے گا کہ وہ ان لوگوں کے پیچھے کیسے لگ گیا ہے۔ حسن شاہ نے کہا۔

’’کیا مطلب۔‘‘

’’میں اور کامران صاحب! آج رات کو ایکسل برانٹ سے ملاقات کریں گے اس کی اس رہائش گاہ پر ہمیں یہ بھی پتا چل جائے گا کہ اسے گرشنک اور سیتا کا پتا معلوم ہے یا نہیں۔ کامران کے ذہن میں ایک بار پھر سنسنی پیدا ہوگئی۔ گرشنک اور سیتا نے اسے جو مقام دیا تھا اس سے اندازہ تو یہ ہوتا تھا کہ چاہے وہ کسی بھی غلط فہمی شکار ہوں لیکن یہ بات طے ہے کہ وہ اس کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ ایسی صورت میں ان کا راز صرف کامران کی اپنی حد تک تھا۔ اس راز میں کسی اور کو شامل کیا جائے یا نہیں۔ خیر رانا چندر سنگھ یا حسن شاہ کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا مگر اس راز میں شریک کیا جاتا تو کرنل گل نواز کو ہی کیا جاتا۔ لیکن یہ ایک مضحکہ خیز عمل ہوتا اس سلسلے میں کامران کوئی صحیح فیصلہ نہیں کرسکا تھا۔ البتہ حسن شاہ نے اس سے پوچھا۔

’’کیوں کامران صاحب! کیا آپ میرا ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں۔‘‘ کامران کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ پھیل گئی۔

’’کیوں نہیں؟‘‘

’’اوکے اوکے۔‘‘

’’بھئی معاملہ اب تم لوگوں کے ہاتھ میں چلا گیا ہے جس طرح بھی تم پسند کرو۔‘‘ رانا چندر سنگھ نے کہا کامران کو یہاں کچھ اور وقت گزارنے کا موقع مل گیا تھا۔ لیکن اگر کچھ الجھن نہیں تھیں اس کے لیے تو وہ ان سے گریز کرنا چاہتا تھا۔ مثلاً بہت بڑی الجھن رشنا دتی تھی۔ جو بہر حال ایک اہم مسئلہ تھی کیونکہ کامران اپنا کردار بے داغ رکھنا چاہتا تھا اور ان معاملات میں پڑ کر اپنی پوزیشن خراب کرنے کا خواہش مند نہیں تھا۔ بعد میں حسن شاہ سے اس کی تفصیلی ملاقات ہوئی۔ حسن شاہ نے کہا۔

’’ایک دور دراز گوشے میں انہوں نے ایک بہت بڑی اور خوب صورت جگہ منتخب کی ہے میں نہیں جانتا کہ ایکسل برانٹ کو یہ جگہ کیسے حاصل ہوئی۔ لیکن بہر حال اس طرح کے لوگ اپنا کام چلا ہی لیا کرتے ہیں۔‘‘

’’تو پھر کیا پروگرام ہے۔‘‘

’’بس تھوڑی تیاریاں ہیں جو میں کیے لیتا ہوں۔ اس کے بعد ہم لوگ اپنے دوستوں سے ملاقات کرنے کے لیے چلیں گے۔‘‘ رات کے ابتدائی حصے میں حسن شاہ گاڑی میں بیٹھ کر چل پڑا۔ وہ مناسب رفتار سے بڑے مزے مزے سے سفر کر رہا تھا اس کے انداز میں نہ تو کوئی بے چینی تھی اور نہ کوئی ایسا احساس جس سے یہ پتا چلے کہ وہ کسی الجھن کا شکار ہے۔ ویسے بھی مضبوط اور طاقت ور آدمی تھا۔

رات کی تاریکی میں یہ سفر تقریباً پچیس منٹ تک جاری رہا پھر دور سے کچھ روشنیاں نظر آئیں اور حسن شاہ نے اشارہ کیا۔

’’وہ جو روشنیاں نظر آ رہی ہیں وہیں اس کا مسکن ہے۔‘‘

’’مگر وہ تو کوئی پارک جیسی چیز نظر آ رہی ہے۔‘‘

’’ہاں باغ ہے اور وہ عمارت باغ کے احاطے کے اندر ہے۔ وہ سامنے اس کا دروازہ ہے۔‘‘ کامران نے گردن ہلائی۔ گاڑی کچھ فاصلے پر روک دی گئی تھی۔ حسن شاہ نے کہا۔

"ایکسل برائٹ نے باقاعدہ اس جگہ کی حفاظت کے لیے آدمی مقرر کیے ہوئے ہیں۔"

"اندر داخلے کا کیا طریقہ اختیار کیا جائے گا۔" کامران نے سوال کیا۔

"احاطے کی دیوار پھلانگنی ہوگی۔ آپ کو اس میں دقت تو نہیں ہوگی مسٹر کامران۔"

"نہیں بالکل نہیں۔" کامران نے جواب دیا۔

"تو پھر آیئے کوئی مناسب جگہ منتخب کریں۔" تھوڑی دیر کے بعد گاڑی ایک جگہ پارک کر دی گئی۔ حسن شاہ کے ہاتھ میں ٹارچ موجود تھی اس نے ایک طرف کا رخ کیا اور احاطے کی جانب چل پڑا۔ روشنی صرف دروازے پر تھی۔ احاطے میں لگے درخت اندھیرے میں چھپے ہوئے تھے۔

بہر حال احاطے کی دیوار پر چڑھ کر دوسری طرف کودنا مشکل ثابت نہیں ہوا۔ وہ بہ آسانی اندر داخل ہو گئے تھے۔ نہایت وسیع و عریض باغ تھا۔ درختوں کے درمیان وہ بے آواز آگے بڑھنے لگے۔ ٹارچ روشن کرنے کی ضرورت نہیں پیش آئی تھی۔ درختوں کے سوا وہاں کچھ موجود نہیں تھا۔ ہوا سیبوں اور سنتروں کی خوشبو پھیلا رہی تھی۔ پھر وہ لوگ درختوں کے آخری سرے تک پہنچ گئے۔ سامنے ہی مٹیالے رنگ کی عمارت نظر آ رہی تھی۔ جس کے کسی اندرونی کمرے میں روشنی تھی۔ یہاں رک کر انہوں نے عمارت کا جائزہ لیا۔ ان کی نظریں گیٹ کا بھی اندازہ لگا رہی تھیں۔ لیکن دروازہ اوّل تو کافی فاصلے پر تھا۔ اور پھر کچھ درخت درمیان میں تھے۔ جن کی وجہ سے کوئی اندازہ نہیں تھا کہ وہاں کیا ہو رہا ہے محافظ وغیرہ وہاں موجود ہیں یا نہیں۔ اچانک ہی حسن شاہ کے منہ سے ایک ہلکی سی آواز نکلی اور اس نے بے اختیار ٹارچ روشن کر لی۔ کوئی ایسی ہی چیز تھی جسے وہ اچانک ہی دیکھنے پر مجبور ہو گیا تھا۔ کامران نے ٹارچ کی روشنی کے حلقے کی طرف دیکھا۔ اس کی نگاہیں ایک خوں خوار کتے پر پڑیں۔ جو بے تکے انداز میں زمین پر پڑا ہوا تھا۔ دوسرے لمحے کامران بھی حسن شاہ کے ساتھ جھک کر کتے کو دیکھنے لگا۔ انتہائی شاندار السیشین تھا۔ لیکن زندہ نہیں تھا حسن شاہ نے دو تین ٹھوکریں ماریں اور پھر سیدھا ہو کر بولا۔

"اوہو حسن شاہ! وہ دیکھو اس طرف۔" یہ کہہ کر کامران بے اختیار آگے بڑھ گیا۔ کتے کی لاش سے دس گز دور ویسے ہی ایک اور کتے کی لاش موجود تھی۔ حسن شاہ نے جلدی سے ٹارچ بجھا دی اور سرسراتی آواز میں بولا۔

"کوئی گڑبڑ ہے۔"

"یقیناً......" کامران نے جواب دیا۔

"ہوشیار...... اب میں ٹارچ نہیں جلاؤں گا...... پستول چلانا آتی ہے؟" اس نے ایک پستول کامران کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا اور کامران نے پستول سنبھال لیا۔ دونوں مزید احتیاط کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے عمارت تک پہنچ گئے۔ کتوں کی موجودگی بتاتی تھی کہ یہاں چوکیدار وغیرہ نہیں ہوں گے لیکن کسی نے کتوں کو ہلاک کر دیا تھا۔ یقینی بات تھی کہ کوئی ایسی ہی شخصیت یہاں داخل ہوئی تھی۔ جو خفیہ ذرائع سے اندر آئی ہوگی اور اس نے ہی کتوں کو ہلاک کر دیا تھا۔ چنانچہ یہ لوگ پوری احتیاط کے ساتھ آگے بڑھنے لگے۔ صدر دروازہ کھلا ہوا تھا۔ ایک لمحے کے لیے رک کر انہوں نے اندر کی آہٹ لی اور پھر حسن شاہ کامران کو اشارہ

کر کے اندر داخل ہو گیا۔

ایک بار پھر حسن شاہ نے ادھر ادھر دیکھا وہ یہ جائزہ لینا چاہتا تھا کہ اندر کی کیا صورت حال ہے خاصی گہری تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ اچانک ہی حسن شاہ کے منہ سے ایک آواز نکلی اور وہ اچھل کر کامران پر آ پڑا کامران اس ناگہانی کے لیے قطعی تیار نہیں تھا چنانچہ حسن شاہ کی لپیٹ میں آ گیا۔ اس کے ساتھ ہی کچھ سائے انہیں پھلانگتے ہوئے باہر نکل گئے تھے۔ کامران گرتے گرتے بچا تھا لیکن پھر بھی اس کی کہنی میں بڑے زور کی چوٹ لگی تھی۔ اسی وقت حسن شاہ نے بھاگنے والوں پر فائر کر دیا نہ جانے اس نے ایسا کیوں کیا تھا۔ لیکن جواب میں لگاتار کئی گولیاں ان کے سروں سے گزر گئیں۔ حسن شاہ نے پھر جوابی فائرنگ کی لیکن ان دوسرے فائروں کا جواب نہیں ملا۔ گرتے ہوئے ٹارچ حسن شاہ کے ہاتھ سے نکل گئی تھی۔ اور کامران کے ہاتھ لگی تھی۔ وہ بھی بالکل اتفاقیہ طور پر کامران کا ہاتھ اس ٹارچ پر جا پڑا تھا۔ اس نے پھرتی سے ٹارچ اٹھائی اور اس کے بعد دوسرا عمل بھی بے اختیار ہی تھا۔ کامران نے ٹارچ روشن کر کے دور تک روشنی ڈالی لیکن اب کسی کا پتا نہیں تھا۔ حسن شاہ کی آواز ابھری۔

"ڈیئر کامران! ٹھیک تو ہو۔"

"ہاں۔" بالکل ٹھیک ہوں لیکن بہ راہ کرم۔"

"ہاں ہاں...... ایک منٹ...... ایک منٹ ٹارچ بند کر دو اور فوراً اپنی جگہ چھوڑ دو اندر اور لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو ہمارا صحیح نشانہ لے سکتے ہیں۔" کامران نے بوکھلا کر ٹارچ بجھا دی اور پھرتی سے اپنی جگہ سے ہٹ کر ایک سمت رینگ گیا۔ حسن شاہ بھی اس کے قریب آ گیا تھا۔

"وہ لوگ گیٹ کی طرف نہیں گئے۔" حسن شاہ نے سرگوشی کی۔

"جہاں بھی گئے ہوں گے ہمارے ہاتھ نہیں آ سکتے ویسے یہ میری زندگی کا بدترین واقعہ ہے خدا کی پناہ کسی عورت نے اتنا زبردست گھونسا کسی کو نہیں مارا ہوگا۔ جو میرے جبڑے پر پڑا ہے۔"

"کیا......" کامران اچھل پڑا۔

"ہاں۔"

"عورت۔" سو فی صدی عورت۔"

"لک...... کیسے پتا۔"

"کمال کرتے ہو یار! عورت کے بارے میں پتا لگانے کی کیا ضرورت ہوتی ہے۔" حسن شاہ نے پر مزاح لہجے میں کہا۔

"اوہ...... میرا مطلب ہے۔"

"غالباً تمہیں آج تک کسی عورت نے گھونسا نہیں مارا۔" حسن شاہ اس واقعے سے بڑی خوشگوار کیفیت کا شکار ہو گیا تھا۔

"پھر بھی میں حیران ہوں۔"

"یار! کمال کرتے ہو گھونسا دس فٹ کے فاصلے سے نہیں مارا جاتا۔ پہلے وہ مجھ سے ٹکرائی اور اس

کے بعد اس نے گھونسہ جڑ دیا۔ اب تم خود سوچ لو اگر کوئی کسی سے ٹکرا جائے تو اندازہ تو ہو ہی جاتا ہے کہ ٹکرانے والے کا جغرافیہ کیا ہے۔" کامران کے منہ سے بے اختیار ہنسی نکل گئی تھی۔ دونوں آگے بڑھ گئے۔ یہاں داخل ہوتے ہی پراسرار واقعات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ وہ لوگ یہاں کوئی کارروائی کر کے نکل گئے تھے کون تھے؟ کیا تھے؟ اس کا کوئی اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ لیکن نہ جانے کیوں کامران کے ذہن میں ایک شبہ سر ابھار رہا تھا۔ البتہ اس نے شبے کا اظہار کسی سے نہیں کیا تھا۔ دونوں اندر پہنچ گئے۔ اندر کے معاملات میں بے ترتیبی نظر آ رہی تھی۔ پھر ایک راہداری میں انہیں ایک انسانی جسم پڑا ہوا ملا۔ ایک بار پھر ٹارچ روشن کی گئی تھی اور اس کا جائزہ لیا گیا تھا۔ کامران بری طرح اچھل پڑا۔ یہ کوئی غیر ملکی تھا لیکن سفید فام نہیں بلکہ اس کے چہرے کی تانبے جیسی رنگت بتاتی تھی کہ وہ اسپین کا باشندہ ہے۔ اس کی گردن نرخرے کے پاس سے کٹی ہوئی تھی۔ اور خون کی کیچڑ ہو گئی تھی اگر روشنی کیے بغیر وہ اس راہداری سے گزر جاتے تو ان کے قدموں کے نشانات مٹائے نہ مٹتے لاش کا اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد وہ وہاں سے آگے بڑھے۔ بہت ہی سنسنی خیز صورت حال پیش آ گئی تھی۔ وہ وہاں سے بھی آگے بڑھ گئے اور پھر اس عمارت میں انہیں دو لاشیں اور ملیں ان میں سے ایک لاش ایکسل برانٹ کی تھی۔ جس کی گردن اس طرح نرخرے کے پاس سے کاٹ دی گئی تھی۔ جیسے کسی تیز دھار والی چھری سے انہیں ذبح کر دیا گیا ہو وہ چھری بھی انہیں ایک بستر پر مل گئی تھی۔ دونوں کی نگاہوں میں شدید تجسس پیدا ہو گیا تھا۔

اب یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ اس عمارت میں ان لاشوں کے علاوہ اور کوئی زندہ وجود موجود نہیں ہے۔

حسن شاہ نے کہا۔

"یہ تین افراد وہ ہیں جن میں سے دو کا تعلق اسپین سے ہے اور ایک ایکسل برانٹ ہے باقی بد مقامی تھے جن میں سے ایک شدید زخمی ہو گیا تھا۔ میرا خیال ہے وہ واپس چلے گئے۔ وہ یہاں نہیں تھے۔ یہ تینوں یہاں تھے انہیں ذبح کر دیا گیا۔ اب صرف ایک کام کیا جا سکتا ہے مسٹر کامران۔"

"کیا؟" کامران نے سوال کیا۔

"جس قدر جلد ہو سکے یہاں کی تلاشی لی جائے۔ ہو سکتا ہے یہاں کوئی ایسی چیز دستیاب ہو جائے۔ جو ہمارے لیے کارآمد ہو۔ لائٹ جلا لی جائے۔"

"جیسا آپ پسند کریں حسن شاہ۔"

"روشنی کر کے ہر اس ممکن جگہ کا جائزہ لیا گیا۔ جہاں کسی چیز کے مل جانے کے امکانات ہو سکتے تھے۔ اور کوئی چیز کہیں سے نہ ملی البتہ ایکسل برانٹ کی مٹھی میں دبی ہوئی ایک چھوٹی سی ڈبیا دستیاب ہوئی حسن شاہ نے وہ ڈبیا اس کی مٹھی سے نکال لی اور بولا۔

"اوہو مائیکرو فلم...... یہ مائیکرو فلم کیسی ہے۔ اور اس کے اندر کوئی مائیکرو فلم موجود ہے۔"

"ہوں...... چلیں۔"

"ظاہر ہے لیکن بہت احتیاط سے تینوں افراد قتل ہوئے ہیں اور تینوں غیر ملکی ہیں۔ پولیس کو جب اس کا علم ہوگا تو بڑی زبردست تحقیقات ہوں گی۔ ہمارے یہاں آنے کا نشان نہیں ملنا چاہیے۔" کچھ دیر کے بعد ان کی گاڑی واپس حویلی کی طرف جا رہی تھی۔ بڑے سنسنی خیز حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ وہ حویلی میں

داخل ہو گئے اور پھر جب برآمدے سے گزر کر اندر پہنچے تو اچانک رانا چندر سنگھ اپنے کمرے سے نمودار ہو گیا دونوں اسے دیکھ کر چونک پڑے رانا چندر سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آؤ...... میں نے تم دونوں کے لیے عمدہ کافی کا بندوبست کیا ہے۔ میں جانتا تھا کہ واپس آنے کے بعد تمہیں شدت سے اس کی ضرورت محسوس ہوگی۔ آ جاؤ...... اندر آ جاؤ...... اس وقت تمام ملازم سو چکے ہیں۔ دیکھو میں نے خود ہی تمہارے لیے کافی تیار کی ہے۔" رانا چندر سنگھ نے اپنی اس خواب گاہ میں الیکٹرک کیتلی رکھی ہوئی تھی۔ وہ خاصا نفیس انسان تھا حسن شاہ نے آگے بڑھ کر کافی نکالنی چاہی تو وہ بولا۔

"نہیں اس وقت تم لوگ میری خواب گاہ میں میرے مہمان ہو۔ آرام سے بیٹھو اور یہ بتاؤ کہ کیا کارنامہ سرانجام دے کر آئے ہو۔"

"ایکسل برانٹ کو قتل کر دیا گیا۔ اس عمارت میں جہاں ہم گئے تھے وہاں ایکسل برانٹ کے ساتھ اس کے دونوں اسپینش ساتھیوں کی لاشیں موجود ہیں۔"

"اوہ...... مائی گاڈ۔" رانا چندر سنگھ کا ہاتھ کافی نکالتے نکالتے لرز گیا۔ اور کافی چھلک گئی۔ جسے اس نے صاف کیا اور پھر ایک ایک پیالی ان دونوں کو پیش کر کے اپنی پیالی لے کر بیٹھ گیا۔ حسن شاہ نے پوری تفصیل رانا چندر سنگھ کو سنائی اور وہ مائیکرو فلم کا رول جو کیس میں تھا نکال کر سامنے رکھ دیا۔

"اوہ...... میرے پاس آٹھ ایم ایم کا پروجیکٹر موجود ہے۔ کیا خیال ہے اسے دیکھا جائے۔"

"پروجیکٹر موجود ہے۔"

"ہاں۔ ایسی چیزیں میری دلچسپی ہیں ایک مرتبہ ایک ایسی الیکٹرونک مارکیٹ سے گزر رہا تھا جہاں باہر کے ممالک کی اشیاء فروخت ہوتی ہیں۔ وہاں مجھے یہ پروجیکٹر مل گیا تھا بہت خوب صورت تھا اس لیے میں نے لے لیا۔ ایسی ہی فلم اس پر چلتی ہے ہم اسے آٹھ ایم ایم کے ساتھ ساتھ زیرو ایم ایم پر بھی کر سکتے ہیں۔ یہی اس کی خوبی ہے۔"

"تو پھر یہ بھی دیکھ لی جائے۔" رانا چندر سنگھ نے الماری سے وہ پروجیکٹر نکالا ننھا سا پروجیکٹر واقعی بہت خوب صورت تھا مائیکرو فلم کے کیس سے وہ مائیکرو فلم نکالی گئی۔ ایک پردہ لگایا گیا اور اس کے بعد رانا نے پروجیکٹر آن کر دیا۔ اسکرین پر دھندلے دھندلے نقوش نمایاں ہونے لگے اور پھر جو دو شکلیں سامنے آئیں انہیں دیکھ کر رانا چندر سنگھ اور خود کامران کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ پہلی تصویر بوڑھے گرشک کی تھی دوسری سیتا کی اور اس کے بعد آگے جو فلم شروع ہوئی وہ ایک ناقابل یقین منظر پر ختم ہوئی۔ دھندلے دھندلے راستے جگہ جگہ مختلف قسم کی آبادیاں، چلتے پھرتے لوگ اس کے علاوہ ایک سرخ لکیر جو راستے بتا رہی تھی۔ پھر کوئی شہر اس کے بعد ٹوٹے پھوٹے کھنڈرات اور آخر میں ایک عجیب و غریب نشان جو آدھے سورج کی طرح جلتا ہوا نشان تھا۔ یہ سارے مناظر اس فلم میں تھے۔ کامران سنسنی خیز نگاہوں سے اس فلم کو دیکھ رہا تھا۔ وہ اس بارے میں تھوڑا بہت جانتا تھا اس نے وہ ویڈیو فلم بھی دیکھی تھی جس میں گرشک اور سیتا کو ایک عجیب و غریب شکل میں دکھایا گیا تھا۔ لیکن اس تازہ ترین فلم میں وہ دونوں موجودہ شکل میں موجود تھے۔" رانا چندر سنگھ نے پوری فلم دیکھنے کے بعد ایک گہری سانس لی اور بولا۔

"کچھ سمجھ میں آتا ہے؟"

"یہ کچھ راستوں کی نشاندہی ہے۔ پتا نہیں کون سی جگہ ہے؟" حسن شاہ نے کہا۔

"ہاں...... ہم اس سے بہت سے نتائج اخذ کر سکتے ہیں۔" راناچندر سنگھ بولا۔

"تو پھر کیا خیال ہے اس بارے میں؟"

"نہیں کامران مجھے معاف کرنا۔ اس نقشے کو میں اپنی ہی ملکیت قرار دوں گا۔ ہر چیز دوسروں کے ہاتھوں میں نہیں پہنچنی چاہیے۔ ہم اس پر کام کرتے ہیں۔"

"مجھے اعتراض نہیں ہے جناب! لیکن کیا مجھے اس کی اجازت ہے کہ میں اس کے بارے میں کرنل گل نواز کو بتا دوں۔"

"صرف کرنل گل نواز کو۔" راناچندر سنگھ نے کہا۔

"اور اب میرے لیے کیا حکم ہے میرا خیال ہے اب مجھے کافی وقت گزر چکا ہے۔"

"تم چاہو تو جا سکتے ہو۔ حسن شاہ کو میں وہ تمام ذمے داریاں سونپ دوں گا۔ جس کی ہدایت مجھے کرنل گل نواز نے کی ہے۔ بس اس کے بعد جیسا کرنل گل نواز کہے گا۔"

کافی کے دو کپ پینے کے بعد کامران واپس اپنے کمرے میں آ گیا۔ حسن شاہ اور راناچندر سنگھ وہیں رہ گئے تھے۔ پھر کامران نے لباس تبدیل کیا اور اپنے بستر پر دراز ہو گیا۔ لیکن اس کا ذہن سائیں سائیں کر رہا تھا۔ اب اس بات میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں تھی کہ ایکسل برانٹ کو گرشک ہی نے قتل کیا تھا اور وہ گھونسا جو حسن شاہ کے جبڑے پر پڑا تھا۔ سو فی صدی سیتا کا گھونسا ہو سکتا تھا۔ اس کا مقصد ہے کہ یہ دونوں ایکسل برانٹ کی اس رہائش گاہ میں داخل ہوئے تھے خود ایکسل برانٹ بھی تو انہی کی تلاش میں تھا۔ کیا سنسنی خیز حالات تھے۔ سیتا اور گرشک کا کردار پراسرار سے پراسرار ترین ہوتا جا رہا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ ایک نہیں اور بھی بہت سی پارٹیاں اس سلسلے میں کام کر رہی تھیں اور اپنے طور پر انہوں نے نقشے ترتیب دیے تھے۔ بنیادی چیز کوئی عظیم الشان خزانہ ہی تھا جس کے حصول کے لیے یہ سب لوگ کوشش کر رہے تھے۔ لیکن گرشک اور سیتا کا کردار اس میں کیا تھا اور پھر جو کہانی انہوں نے کامران کی ذات سے منسوب کر دی تھی اس کا پس منظر کیا تھا۔ کیا وہ دونوں چالاک کردار کسی طرح کوئی اپنا کھیل کھیل رہے تھے۔ مگر بات سمجھنے میں نہ آنے والی تھی۔ یہ پراسرار بھید بڑا حیران کن تھا اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اصلیت کیا ہے۔

آخرکار راناچندر سنگھ سے اجازت لے کر کامران وہاں سے چل پڑا۔ رشنا وتی سے اس کے بعد کوئی تفصیلی ملاقات نہیں ہوئی رہی تھی وہ اس عجیب و غریب کردار سے تھوڑا سا خوف زدہ ہو گیا تھا۔ راناچندر سنگھ جیسی شاندار شخصیت کو کسی بھی طرح کوئی دھوکا نہیں دیا جا سکتا تھا۔ وہ بہت اچھا انسان تھا حسن شاہ نے اسے رخصت کرتے ہوئے کہا۔

"نہ جانے کیوں میرا دل کہتا ہے مسٹر کامران کہ میرا اور آپ کا کوئی طویل ساتھ رہے گا۔ آپ مجھے ایک اچھا دوست پائیں گے۔ مجھے بھی آپ کی شخصیت بہت پسند آئی ہے۔ خیال رکھیے گا۔" کامران نے مسکرا کر اس سے ہاتھ ملایا اور اس کے بعد وہ وہاں سے چل پڑا اور آخرکار کرنل گل نواز کی حویلی پہنچ گیا۔

حویلی میں اس کی واپسی پر بہترین خیر مقدم کیا گیا تھا۔ کرنل گل نواز اپنے مہمانوں کے ساتھ شکار پر گیا ہوا تھا۔ قزل شاکی اس کی بیوی علی سفیان، ایمز سلفایہ تمام لوگ گئے تھے۔ شاہ نواز نہیں گیا تھا جب کہ مرزا خاور بیگ بھی ساتھ گئے ہوئے تھے شاہ نواز نے حویلی میں کامران کا خیر مقدم کرتے ہوئے کہا۔

"کرنل صاحب کے پراسرار کھیل میں تمہاری اس طرح کی شمولیت میرے لیے واقعی بڑی حیران کن ہے۔ کرنل صاحب بہت کم لوگوں کو اپنے معاملات میں اتنی مداخلت کی اجازت دیتے ہیں۔ مجھے تو اب یوں لگ رہا ہے۔ جیسے اچانک ہی ان کا کوئی گمشدہ بیٹا انہیں مل گیا ہو اور انہیں یہ پتا چلا ہو کہ ہم لوگ ان کی اصل اولاد نہیں ہیں۔"

"ارے ارے۔ آپ کے ان الفاظ میں مجھے کچھ ناراضگی کی بو آ رہی ہے۔ شاہ نواز۔"

"بھائی ناراض بھی ہوں گے تو تمہارا کیا بگاڑ لیں گے یہ بتاؤ۔ ویسے ایسی کوئی بات نہیں ہے میں خوش ہوں کہ کرنل صاحب سے تمہارے اتنے گہرے مراسم ہو گئے ہیں۔ ویسے جس مہم کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ وہ مجھے بڑی عجیب لگ رہی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے کوئی بہت ہی لمبا پروگرام ہو۔"

"آپ یقین کریں شاہ نواز! مجھے کوئی تفصیل نہیں بتائی گئی۔"

"ویسے ایک بات بتاؤں۔ گھر کے سارے افراد تم سے ناراض ہیں۔"

"ناراض ہیں۔"

"ہونا بھی چاہیے۔ یار! کوئی تک کی بات ہے یعنی تم ہو ہماری عمر کے اور دوستی تم نے کر رکھی ہے ان بوڑھے بوڑھیوں سے۔"

"نہیں میں اپنے فرائض پورے کر رہا ہوں بھائی! نوکر ہوں اس گھر کا۔" کامران نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے۔ نوکری کرو، نوکری کرو۔" دوسرا طنز ثانیہ نے کیا تھا۔

"سنا ہے۔ آپ ہمارے ہاں نوکری کر رہے ہیں۔"

"ارے آپ نے اتنی دیر میں سنا ثانیہ صاحبہ۔"

"ہاں واقعی دیر ہو گئی۔ اگر ہمیں یہ پتا ہوتا کہ آپ صرف اس گھر کے ملازم ہیں تو ہم آپ سے اتنی امیدیں وابستہ نہ کرتے۔ ہمیں تو اب پتا چلا ہے۔"

"ثانیہ صاحبہ! دیکھیے ایک بات کہوں...... حقیقت تو حقیقت ہی ہوتی ہے۔ ہوں تو میں اس گھر کا ملازم ہی چاہے کتنا بھی آگے بڑھ جاؤں۔ لیکن آپ مجھے خود بتائیے کہلاؤں گا کیا۔"

"ملازم۔" ثانیہ نے شانے ہلا کر کہا۔

"جی بالکل صحیح سوچا آپ نے۔"

"ایک بات کہوں آپ سے، بری بات ہے کسی کی محبت کسی کے خلوص کو اس طرح ٹھکرانا۔"

"کاش! مجھ پر یہ الزام نہ لگتا۔ محبت اور خلوص ٹھکرانے کی چیز تو نہیں ہوتے ثانیہ صاحبہ۔"

"آپ نے اپنے اوپر جو خول چڑھا رکھا ہے نا کامران صاحب! ہم میں سے ہر شخص جانتا ہے کہ

آپ اس سطح کے انسان نہیں ہیں۔ آپ نے صرف اپنے آپ کو محدود کیا ہے اور یہ زبردستی ہے آپ کی۔"

"اگر اس گھر میں کسی کو مجھ سے شکایت ہوتی ہے تو میں اس سے بڑی بدقسمتی اور کوئی تصور نہیں کرتا۔ چونکہ اس گھر میں مجھے جو عزت اور جو مقام ملا ہے......"

"اس کے علاوہ بھی کچھ کہہ سکتے ہیں آپ۔ کہہ سکتے ہیں تو پلیز ایک بار ضرور کہیں بڑا دل چاہتا ہے کہ آپ کوئی اچھی بات کریں۔" کامران ہنس کر خاموش ہو گیا تھا۔ بہرحال ثانیہ کا انداز کچھ عجیب سا تھا اور اسی رات وہ دوبارہ پھر کامران سے ملی۔ پُراسرار سا انداز تھا۔ کامران کے کمرے میں داخل ہوئی اور خاموشی سے بیٹھ گئی۔ کامران منتظر رہا کہ وہ کچھ کہے لیکن اس نے کچھ نہیں کہا تھا بڑا عجیب سا منظر رہا تھا۔ ثانیہ کے انداز سے یہ لگتا تھا۔ جیسے وہ کچھ کہنا چاہتی ہے۔ لیکن کہہ نہیں پا رہی۔ پھر کچھ لمحوں بعد وہ اٹھی اور تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ کامران بری طرح الجھ گیا تھا لیکن کچھ بھی تھا اپنے کردار کو وہ داغ دار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اتنے اچھے لوگوں کے درمیان جہاں اسے زندگی کی تمام آسائشیں مل گئی تھیں۔ عزت کا مقام ملا تھا کوئی ایسا عمل جو اسے ان لوگوں کی نگاہوں میں گرا دے۔ شاہ نواز جیسا دوست اور کرنل گل نواز جیسے مہربان انسان، کو ذرہ برابر تکلیف پہنچانا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ پھر اسے ایک پورا دن انتظار کرنا پڑا۔ رات کو کرنل گل نواز اپنے مہمانوں کے ساتھ واپس آ گئے تھے کھانے کی میز پر سب کی ملاقات ہوئی۔ کرنل گل نواز نے کسی خاص کیفیت کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن کھانے کے دوران اینہ سلفا عجیب سی نگاہوں سے بار بار کامران کو دیکھنے لگی تھی۔ کامران کو نہ جانے کیوں اس عورت سے تھوڑی سی الجھن ہوا کرتی تھی۔ اس وقت بھی اینہ سلفا کی آنکھیں اسے اپنے دماغ میں چبھتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔

دلچسپ بات تھی بہت سے انوکھے کردار اردگرد بکھر گئے تھے اور ان کی کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ رات کو اندازے کے مطابق کرنل گل نواز اس کے کمرے میں آ گئے۔

"ویسے تو ان تمام لوگوں کو یہ بات معلوم تھی کہ میں نے ہی تمہیں کہیں بھیجا ہے۔ لیکن ظاہر ہے ہر بات تو سب کو بتانے کی نہیں ہوتی۔ میں تم سے معلومات حاصل کرنے کے لیے بے چین ہوں۔"

"کرنل صاحب! نہ جانے کیوں میری چھٹی حس مجھے بتا رہی ہے کہ اس وقت کوئی اور بھی ہے جو ہماری باتیں سننے کے لیے متجسس ہے۔" کرنل گل نواز ایک دم سے حیران ہو گئے۔ انہوں نے عجیب سی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا پھر بولے۔

"اگر ایسی بات ہے تو آؤ میں تمہیں ایسی جگہ لے چلتا ہوں۔ جہاں یہ احساس تمہارے ذہن سے ختم ہو جائے۔" یہ جگہ حویلی کے ہی ایک گوشے میں تھی۔ ایک تہ خانہ تھا۔ کرنل گل نواز اس تہ خانے میں اترا اور اس نے تہ خانے کے راستے کو بند کر دیا۔ پھر مسکرا کر بولا۔

"حالانکہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے کہ اس حویلی میں کوئی انوکھا اور پُراسرار کھیل ہو رہا ہو۔ یہ تہ خانہ بھی میں نے نہیں بنوایا بلکہ پہلے سے بنا ہوا تھا۔ ویسے بعض اوقات کچھ چیزیں کیسے کام آ جاتی ہیں ویسے تمہیں یہ شبہ کیونکر ہوا کہ کوئی ہماری باتیں سن رہا ہے۔"

"اب آپ سے ہر بات مجھے کھل کر کرنا ہو گی کرنل صاحب!"

"یار! تم کمال کے انسان ہو۔ دو دن مجھ سے دور کیا رہے ہو کہ اچانک ہی میں انکل سے کرنل صاحب ہو جاتا ہوں۔" کامران ہنس کر خاموش ہو گیا تھا گل نواز نے کہا۔

"چلو خیر! اچھا اب یہ بتاؤ۔ رانا چندر سنگھ کے ہاں کیسی گزری۔"

"رانا صاحب! بہت نفیس انسان ہیں اور آپ نے جس طرح وہاں میری عزت افزائی کر دی تھی تو اس کے بعد تو رانا صاحب نے مجھے گھر کا ایک فرد ہی سمجھا۔"

"سمجھا کیا بھئی...... تم گھر کے ایک فرد ہو۔ اب مجھے وہاں قیام کے دوران کی تمام تفصیل بتا دو۔"

کامران نے کرنل گل نواز کو شروع سے لے کر آخر تک ساری تفصیل سنا دی اور اس کے بعد اس نے کرنل گل نواز کو اس بائیکر وفلم کے بارے میں بتایا اور کرنل گل نواز رخسار کھجانے لگا۔ پھر بولا۔

"خود علی سفیان کا، قزل ثنائی کا اور میرا بھی خیال ہے کہ اس وقت اس پُراسرار مہم کے لیے صرف ہم لوگ ہی سرگرم عمل نہیں ہیں بلکہ اور بھی کچھ پارٹیاں کوشش کر رہی ہیں۔ ایک عجیب مسئلہ یہ ہے کہ کامران! ہمیں یہ نہیں پتا چل سکا کہ دوسری پارٹیوں کو یہ تفصیلات کہاں سے معلوم ہوئیں۔ دیکھو بات وہی خزانے والی آ جاتی ہے۔ بے شک تم نے ویڈیو فلم میں دیکھا ہو گا کہ ایک عظیم الشان خزانہ ہے جس میں گرشنک اور سیتا کا کردار نمایاں حیثیت کا حامل ہے اور اس کی تشہیر ذرا مختلف انداز میں ہوئی ہے اب یہ پتا نہیں کہ اس کی تشہیر کا ذریعہ کیا تھا۔ جیسے یہ ویڈیو فلم ہی تھی جو علی سفیان کو ایک ڈھانچے کے پاس سے ملی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خود علی سفیان نے کبھی کسی ایسے آدمی سے کوئی تذکرہ کیا ہو اس بارے میں جو اس کہانی کو لے اڑا ہو اور اس کے ذریعے یہ کہانی دوسرے کانوں تک پہنچی ہو گی۔ اس کے علاوہ قزل ثنائی کی کہانی بھی تم نے سنی ہے یعنی دانش والی، دانش اپنے طور پر ایک نئی ہی کہانی لے کر منظر عام پر آیا تھا اور بہرحال دانش کی موت کی تصدیق بھی نہیں ہوئی۔ تو ایسا تو ہے کہ بہت سی پارٹیاں اس میں ملوث ہو گئی ہیں۔ لیکن ہمیں اپنا کام کرنا ہے۔"

"جی ایک اور انوکھی بات جو میں آپ کو خاص طور سے بتانا چاہتا ہوں۔"

"ہاں بولو۔"

"وہاں سلطان گڑھی میں گرشنک اور سیتا کی موجودگی کے نشانات ملے ہیں؟"

"کیا؟"

"ہاں...... جو قتل کی واردات میں نے آپ کو بتائی ہے وہ گرشنک اور سیتا کے ہاتھوں ہی تو قرع کی جا رہی ہے کیونکہ وہ دونوں ایک بار میرے سامنے بھی آئے تھے۔ مجھے یوں لگا تھا جیسے وہ مجھے کچھ بتانا چاہتے ہوں۔" کرنل گل نواز تو اس بات پر بری طرح اچھل پڑا تھا۔

"تمہارے سامنے بھی آئے تھے۔"

"جی۔"

"کیا واقعی...... مگر وہ وہاں کیسے پہنچ گئے میرے خدا...... یہ تو بہت ہی حیران کن بات ہے تمہیں کیا بتانا چاہتے تھے وہ۔"

"میں بالکل نہیں جانتا۔" کامران نے کہا۔ یہ انکشاف اس نے اس لیے کر دیا تھا کہ ظاہر ہے

رانا چندر سنگھ کے علم میں یہ بات آ چکی تھی کہ گرشک اور سیتا کامران کو ملے ہیں۔ ایکسل برائٹ وہیں انٹر ہوا تھا اور حسن شاہ نے اس بارے میں رانا چندر سنگھ کو بتایا تھا۔ بہرحال کرنل اس بات پر شدید حیرت کا شکار رہا اس نے کہا۔

"کم از کم اس سے مجھے یہ اطمینان ہو گیا کہ وہ لوگ کسی بڑی مشکل میں نہیں پھنسے بلکہ وہ اپنے طور پر اپنے لیے کچھ کرتے پھر رہے ہیں۔ کاش! وہ دل کی بات تمہیں بتا سکتے کم از کم مجھے اتنا اندازہ تو ہو جاتا کہ ان کا اپنا منصوبہ کیا ہے۔ ویسے ایک بات سنو۔ اگر وہ لوگ اتنے ہی چالاک ہیں کہ وہاں تک پہنچ گئے اس کا مقصد ہے کہ وہ دوبارہ بھی تم سے ملاقات کر سکتے ہیں۔"

"امکانات تو ہیں اس بات کے۔"

"میں نے اپنے طور پر ایک اور منصوبہ ذہن میں بنایا تھا میرا خیال ہے تم اور حسن شاہ...... حسن شاہ کے بارے میں بتا دوں کہ تمہیں شاید بتایا بھی تھا کہ وہ کس قدر ذہین اور قابل آدمی ہے خاص طور سے اس کی پی جان پہچان بہت زیادہ ہے۔ سرحدوں پر وہ بڑا کارآمد ہو سکتا ہے وہاں جہاں ہمیں مشکل پیش آئے گی۔ ں اور علی سفیان اب اس سلسلے میں باقاعدہ کارروائی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ہمیں بہت سی آسانیاں حاصل ہو جائیں گی۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم ایک پراسرار کردار کے طور پر آگے آگے سفر کرو اور ہمارے لیے آسانیاں تلاش کرو۔ حسن شاہ تمہارا ساتھی ہوگا یہ بات میں رانا چندر سنگھ سے بھی کر لوں گا۔"

"جیسا آپ پسند کریں مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔" کامران نے جواب دیا۔

"بڑی عجیب بات ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ مائیکرو فلم رانا چندر سنگھ کے پاس تو ضرور ہوگی۔"

"جی ہونی تو چاہیے۔"

"ٹھیک ہے تم ایسا کرو اپنے طور پر تیاریاں شروع کر دو۔ میں تمہیں آگے بھیجنا چاہتا ہوں۔ ایسے انداز میں کہ دوسروں کو اس کے بارے میں صحیح تفصیلات معلوم نہ ہوں۔"

"جی۔" کامران نے جواب دیا۔ ویسے اس کے لیے کچھ اور الجھنیں بھی تھیں۔ جن کا آغاز دوسرے ہی دن ہو گیا۔ محترمہ عروسہ کو اس بارے میں اطلاع مل گئی تھی کہ کامران واپس آ گیا ہے۔ فوراً ہی کوٹھی پہنچ گئیں۔ اس وقت تمام لوگ آس پاس ہی موجود تھے۔ ثانیہ، فرخندہ اور گھر کے دوسرے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں۔ عروسہ صاحبہ اپنی کار سے اتریں اور سیدھی ان لوگوں کے پاس پہنچ گئیں کامران بھی کہیں موجود تھا۔ انہوں نے غصیلی نظروں سے کامران کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کہاں تھے آپ۔" کامران نے حیران نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا اور پھر عروسہ کی طرف دیکھ کر بولا۔

"آپ نے مجھ سے کچھ کہا۔"

"اونچا سننے لگے ہیں کیا۔"

"آپ سے کچھ کہہ رہی ہیں محترمہ عروسہ!"

"کامران! میں کیا کہہ رہی ہوں سمجھ میں نہیں آ رہا کیا۔ ڈیڈی نے آپ کو بلایا ہے۔"

"واہ...... وارنٹ گرفتاری ہیں آپ کے پاس۔" کامران نے کہا۔

"آ پ نے میں آپ کو لینے آئی ہوں۔"

"میں مصروف ہوں عروسہ صاحبہ! آپ زبردستی مجھے لے جائیں گی کیا۔"

"ہاں لے جاؤں گی۔"

"تو لے جائیے۔"

"آپ چلیں گے نہیں۔"

"نہیں بالکل نہیں۔"

"سوچ لیجیے آپ۔"

"مجھے تو آپ کچھ ذہنی مریض لگتی ہیں۔ کیا سوچ لوں میں؟!"

"میں ذہنی مریضہ ہوں۔"

"لگتا تو ایسا ہی ہے۔ کیا آپ ہر اجنبی شخص سے اسی طرح گفتگو کرتی ہیں؟!"

"اجنبی۔" عروسہ غرا کر بولی۔

"میرا خیال ہے ہم لوگ اس قدر بے تکلف بھی نہیں ہیں۔"

"کیا بات ہے کس قسم کی پذیرائی ہو رہی ہے۔" عروسہ نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بہت سے لوگ ہیں آپ براہ کرم ان سے ملیے۔ بلاوجہ آپ میرے سر پڑ رہی ہیں آپ کی کسی بات کو ماننا میرے بس کی بات نہیں ہے۔"

"میں کہتی ہوں آپ کو ڈیڈی نے بلایا ہے۔"

"آپ ڈیڈی سے کہہ دیجیے مجھے اس وقت فرصت نہیں ہے۔" کامران نے خشک لہجے میں کہا۔

ثانیہ اور فرخندہ ہنس پڑی تھیں۔

عروسہ نے غصیلی نگاہوں سے انہیں دیکھا اور اس کے بعد تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی وہاں سے چلی گئی اور کچھ لمحوں کے بعد اس کی کار باہر نکل گئی تھی۔

شاہ نواز کے چہرے پر سنجیدگی کے آثار تھے اس نے کہا۔

"یہ اندازہ تو ہو چکا ہے مجھے بھی اور سب لوگوں کو بھی کہ کامران نے مس عروسہ کو ایسا کوئی مقام نہیں دیا۔ جس کی بنا پر وہ کامران سے اس طرح کی گفتگو کر سکیں۔ اس کے علاوہ نہ ہی کامران کا تعلق کسی طرح مرزا خاور بیگ سے ہے۔ کیونکہ یہ ڈیڈی کے ایک طرح سے ذاتی دوست ہیں۔ پھر یہ عروسہ صاحبہ اس قدر ڈرامہ کیوں کر رہی تھیں کس بنیاد پر۔ یہ ظاہر کوئی اس بات کا کیا جواب دے سکتا تھا۔ شاہ نواز نے خود ہی کہا۔

"میں خود ڈیڈی سے بات کروں گا اور ہدایت کرا دوں گا کہ آئندہ مس عروسہ کامران سے اس رویے کا اظہار نہ کریں۔ ورنہ ان کے ساتھ مزید سختی کی جائے گی۔" شاہ نواز کو عروسہ کا یہ انداز بہت برا لگا تھا۔

کامران نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ ثانیہ نے خود ہی سوال کیا۔

"کامران صاحب! آپ بتا سکتے ہیں کہ مس عروسہ ہمیشہ آپ کے ساتھ اسی طرح پیش آتی ہیں۔"

"میں آپ کو صرف یہ بتا سکتا ہوں کہ ان کے اس رویے پر میں نے اس سے بھی برا انداز اختیار کیا ہے ان کے ساتھ۔ لیکن اب کیا ہو سکتا ہے۔ پتا نہیں یہ عادت انہیں کیوں پڑی ہے۔"

’’ہوں...... ساری عادتیں نکال دی جاتی ہیں۔ کوئی طریقے کی بات کریں۔ آپ نے دیکھا ہوگا ہم لوگ بھی منہ نہیں لگاتے انہیں۔ ان کا انداز ہر ایک کے ساتھ ایک ہی ہوتا ہے۔‘‘

’’چھوڑیے۔ ہم پر کوئی اثر بھی تو نہیں پڑا۔‘‘ کامران نے بات برابر کرنے کے لیے کہا۔ بہرحال زندگی کے کھیل میں ایسے اضافی واقعات ہوا کرتے ہیں۔ جو درمیان میں آتے رہتے ہیں البتہ مرزا خاور بیگ سے پھر ایک ملاقات ہوئی تھی اور خاور بیگ نے بڑا اچھا استقبال کیا تھا کامران کا۔‘‘

’’سلطان گڑھی گئے تھے۔ مجھے پورے پروگرام سے آگاہ کر دیا گیا تھا۔ سلطان گڑھی کا رانا چندر سنگھ بہت ہی نفیس انسان ہے۔ ویسے تمہارے لیے میرے پاس ایک انتہائی اہم خبر ہے۔ میں نے اسی لیے تمہیں بلایا بھی تھا مگر عروسہ نے آ کر بتایا کہ تم اس وقت کچھ زیادہ مصروف تھے عروسہ تم سے بہت ناراض ہے۔‘‘

’’معافی چاہتا ہوں خاور بیگ صاحب! مس عروسہ کو یہ سمجھا دیجیے کہ اپنے انداز میں تھوڑی سی تبدیلی پیدا کریں۔ وہ بڑی حقارت سے میرے ساتھ پیش آتی ہیں۔ ظاہر ہے میں ان کے اس انداز کی پذیرائی تو نہیں کر سکتا۔‘‘

’’لاڈ ہے اس کا۔ تمہیں اپنی ملکیت سمجھتی ہے بس سر چڑھی ہے وہ۔‘‘

’’یہ تو آپ بھی جانتے ہیں مرزا خاور بیگ صاحب! کہ میں ان کی ملکیت نہیں ہوں۔ ایک غلط بات کیوں سمجھتی ہیں وہ اور سمجھتی ہیں تو بہرحال اس کا جواب بھی ہے میرے پاس۔‘‘ مرزا خاور بیگ نے سرونگاہوں سے کامران کو دیکھا اور بولا۔

’’خیر چھوڑو...... تم نے میری طبیعت کو بھی مکدر کر دیا ہے۔ بہرحال دیکھ لو جس طرح پسند کرو۔ میرا خیال ہے ہمیں دوسری ملاقات کرنی چاہیے۔ اس ملاقات میں ذرا ذہن پر بوجھ آ پڑا ہے تمہارے بھی اور میرے بھی ہمیں اس بوجھ سے نجات حاصل کرنی چاہیے۔‘‘

’’جی بہتر۔‘‘ کامران نے جواب دیا اور مرزا خاور بیگ کی کوٹھی سے چل پڑا۔ اس نے فیصلہ کیا تھا کہ کچھ بھی ہو عروسہ کو اب کوئی لفٹ نہیں دے گا۔

’’بہرحال ادھر کے معاملات ادھر تھے اپنے طور پر کارروائیاں ہو رہی تھیں۔ بوڑھے گرشک اور سیتا کے بارے میں مزید کوئی خبر نہیں ملی اور ویسے بھی حویلی میں انہیں تلاش کرنے کی کوشش ناکام رہی۔ یہ کوشش کامران ہی کرتا رہا تھا۔ پھر دو تین دن کے بعد کی بات ہے کہ حسن شاہ وہاں پہنچ گیا۔ دوسرے لوگ حسن شاہ کو نہیں جانتے تھے لیکن شاہ نواز اسے لے کر کامران کی رہائش گاہ میں آ گیا تھا۔ کامران بڑے خلوص کے ساتھ حسن شاہ سے گلے ملا تو حسن شاہ نے سنسنی خیز لہجے میں کہا۔

’’تو یہ ہے آپ کا دولت خانہ مسٹر کامران! خیر اب مسئلہ یہ ہے کہ میں آپ کو ایک خوش خبری دینے آیا ہوں۔ وہ یہ کہ مجھے اور آپ کو خفیہ طور پر سرحد پار کرنی ہے۔ یہ سمجھ لیجیے کہ ہماری زندگی کا ایک بہترین ایڈونچر شروع ہو رہا ہے اور بات ان بڑے لوگوں کے درمیان طے ہوگئی ہے۔ جو ذمے داریاں انہوں نے میرے سپرد کی تھیں۔ وہ میں پوری کر چکا ہوں سمجھ گئے نا آپ میری بات۔‘‘

’’مجھے کرنل صاحب نے ابھی اس بارے میں کچھ نہیں بتایا۔‘‘

’’یہ نئی تجویز ابھی کرنل صاحب کے کانوں تک بھی نہیں پہنچی۔ رات کو ان سے ملاقات کر کے میں رانا چندر سنگھ کا یہ پیغام ان تک پہنچاؤں گا اور اس کے بعد وہ مناسب فیصلہ کریں گے۔‘‘ اس ملاقات میں کامران، حسن شاہ اور کرنل گل نواز کے ساتھ شریک نہیں تھا۔ لیکن کرنل گل نواز نے دوسری ہی صبح ساڑھے تین بجے کے قریب کامران کی رہائش گاہ میں اس سے ملاقات کی تھی۔

’’کامران! رانا چندر سنگھ نے اور میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔ تمہیں خاموشی سے حسن شاہ کے ساتھ روانہ ہونا ہے حسن شاہ نے اس سلسلے میں کچھ ضروری کارروائیاں کی ہیں اور میں ان سے مکمل اتفاق کرتا ہوں۔‘‘

’’جیسا آپ پسند کریں۔‘‘ کامران نے خوشدلی سے جواب دیا تھا۔

کرنل گل نواز عجیب سی نظروں سے کامران کو دیکھنے لگا پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔ ’’تم سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں کامران۔‘‘

’’جی انکل۔‘‘

’’میں تم سے جو کچھ بھی کہتا ہوں تم اسے بغیر کسی اعتراض کے مان لیتے ہو۔‘‘

’’جی......‘‘

’’اس کی وجہ......؟‘‘

’’مجھے آپ پر مکمل اعتماد ہے۔ میں جانتا ہوں کہ میرے بارے میں آپ جو فیصلہ بھی کرتے ہیں وہ میرے لیے نقصان دہ نہیں ہوتا۔ آپ جو شاہ نواز کے بارے میں سوچتے ہیں وہی میرے بارے میں بھی پھر اعتراض کی کیا گنجائش ہے۔‘‘ کامران نے جواب دیا۔

’’شکریہ۔ بیٹے تم نے شاہ نواز کا حوالہ دیا ہے۔ اگر تم اس بات پر یقین کر سکتے ہو تو کر لو کہ میرے دل میں تمہارے لیے واقعی ایسے ہی جذبات ہیں۔ لیکن بعض معاملات میں تم اس پر فوقیت رکھتے ہو۔ مثلاً میں اسے اس مہم پر نہیں لے جا رہا، جانتے ہو کیوں؟‘‘

’’نہیں جانتا۔‘‘

’’اس لیے کہ وہ نہ تو ایڈونچر کی زندگی سے دلچسپی رکھتا ہے اور نہ اس طرح کی صلاحیتیں، جب کہ تم ایک آئیڈیل نوجوان ہو۔‘‘

’’میں نے ایسا کوئی کارنامہ تو سرانجام نہیں دیا۔‘‘

’’میری نگاہ کو کیا سمجھتے ہو۔‘‘

’’یقیناً بہت مکمل اور تجربے کار......‘‘ کامران نے جواب دیا۔

’’تو بس پھر یہ سمجھ لو کہ جو کچھ میں نے تمہارے بارے میں سوچا ہے۔ وہ نہایت مکمل ہے شاہ نواز کے اندر وہ صلاحیتیں نہیں ہے۔ جو تمہارے اندر ہیں۔ بے شک اس کے لیے دل میں بہترین جذبات رکھتا ہوں۔ میں اور رانا چندر سنگھ اس وقت سے زیادہ ایک دوسرے کے قریب ہیں۔ تم اس سے مل چکے ہو۔ یہ اندازہ تو تمہیں ہو گیا ہوگا کہ وہ بہت صاف ستھری طبیعت کا مالک ہے۔ اس کی سوچ بھی میری ہی طرح ہے۔ یعنی یہ کہ جو کام کیا جا رہا ہے وہ ایسا نہیں ہے کہ اس کے لیے زندگی اور موت کو نظر انداز کر دیا جائے۔ ہم بے

شمار معاملات میں ایک دوسرے سے بھرپور تعاون کرتے ہیں۔ یہ تو تم جان ہی چکے ہو کہ ہم ہی نہیں بلکہ یہ تمام لوگ ایک عظیم الشان خزانے کی تلاش میں ہیں اور اسی کے لیے جدوجہد کر رہے ہیں۔ لیکن ان میں کچھ کردار مشکوک ہیں۔ کیا کہتے ہو تم اس بارے میں کیا اپنی رائے دو گے۔"

"نہیں انکل! میں سچ بتاؤں آپ کو کہ میں صرف آپ کے احکامات کی تعمیل کر رہا ہوں۔ مجھے ان معاملات کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ اس لیے میں......"

"ٹھیک ہے میں جانتا ہوں کہ تم محتاط رویہ رکھتے ہو اور یہ اچھی بات ہے بری نہیں ہے۔ انسان کو ایک لمحے کے اندر ہر مسئلے میں نہیں کھل جانا چاہیے۔ لیکن میں تمہیں کچھ باتیں بتانا ضروری سمجھتا ہوں۔ رانا چندر سنگھ اس پوری مہم میں میرا سب سے قابل اعتماد ساتھی رہے گا اور تم تو ہو ہی میرا اپنا بازو۔ اس کے بعد بقیہ افراد کی باری آتی ہے۔ مثلاً علی سفیان کا تذکرہ کروں لا ابالی آدمی ہیں علی سفیان کا نظریہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ اس کے بعد قزل شائی آتا ہے۔ تو اس کی زندگی کی تھوڑی سی کہانی سن کر تمہیں اندازہ ہو گیا ہوگا کہ وہ ایک مہم جو ہے اور اس طرح کی مہمات میں بھرپور دلچسپی رکھتا ہے۔ جہاں تک مرزا خاور بیگ کا تعلق ہے ہم اسے صرف اس لیے ساتھ رکھ رہے ہیں کہ وہ یہاں کوئی ایسا عمل نہ کر ڈالے جو ہمارے لیے نقصان دہ ہو بے شک میں اس سے نمٹنے کی تمام تر صلاحیتیں رکھتا ہوں۔ جس وقت چاہوں گا انگلیاں ٹیڑھی کر کے وہ سب کچھ اس کے حلق سے نکلوا لوں گا۔ جس کے بارے میں وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس نے بڑی خوش اسلوبی سے ہضم کر لیا ہے۔ ایسی بات نہیں ہے۔ میں نے بھی بہرحال دنیا گزاری ہے۔ ان تمام لوگوں کا مخصوص کردار ہے اور میں نے تمہیں بتا دیا ہے ہمیں اسی کی روشنی میں آگے کا عمل کرنا ہے۔ بقیہ کردار بس ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ مثلاً ان دونوں کی بیویاں وغیرہ۔"

"نہیں انکل! جب آپ نے یہاں تک گفتگو کی ہے تو میں آپ سے اینہ سلفا کا تذکرہ ضرور کروں گا۔ وہ خاتون میرے لیے مکمل طور پر قابل احترام ہیں۔ لیکن مجھے ان کی ذات میں ایک انوکھا پن نظر آتا ہے۔ آپ ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔" کرنل گل نواز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ انہوں نے کہا۔

"بس یہی ایک خوبی ہے۔ جس کا میں ابھی تھوڑی دیر پہلے تذکرہ کر رہا تھا۔ تم یقین کرو تمہاری جگہ کوئی اور ہوتا تو اس بارے میں خود بھی منہ کرتا بالکل ٹھیک کہتے ہو۔ یہ تو میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ مصری نژاد علی سفیان تھوڑا سا رنگین مزاج ہے اینہ سلفا جیسی عورتیں اسے متاثر کر سکتی ہیں۔ ویسے بھی اس نے عربی روایات کے مطابق بہت سی شادیاں کیں ہیں اور پتہ نہیں مصر میں اس کی کتنی بیویاں ہوں گی۔ اینہ سلفا اس کی نئی بیوی ہے۔ مجھے خود اس عورت کے اندر کوئی پراسرار کیفیت نظر آتی ہے۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔ بہرحال ابھی اس کا کوئی ایسا کردار نگاہوں کے سامنے نہیں آیا جو قابل توجہ ہوتا۔"

"جی۔"

"خود تمہارے ذہن میں اس کے لیے کوئی خاص بات ہے۔"

"بالکل نہیں۔ بس ان کا تو انداز کچھ اس طرح کا ہے کہ وہ عجیب عجیب سی لگتی ہیں۔"

"قزل شائی کی بیوی شعورا ہے ایک سادہ سی شوہر پرست عورت اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔"

"ایک اور شخصیت ہے جو اس وقت ہم پر مسلط ہوتی جا رہی ہے۔" کامران نے کہا اور کرنل گل نواز چونک پڑا۔

"کون؟"

"مرزا خاور بیگ کی بیٹی عروسہ۔"

"ہاں حالانکہ میں نے مرزا کو بہت منع کیا کہ اینہ سلفا اور شعورا کی بات اور ہے ان کے شوہران کے ذمے دار ہیں۔ لیکن بہتر ہے کہ اس ماحول میں وہ عروسہ کو ساتھ نہ رکھے وہ ایک ناتجربے کار لڑکی ہے۔ مگر عروسہ تو مرزا خاور بیگ کی کائنات ہے اور اگر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ وہ عروسہ کے لیے ہی جی رہا ہے اس سے پہلے کسی مہم میں عروسہ کبھی ساتھ نہیں رہی ظاہر ہے، وہ مہم جو ٹائپ کی لڑکی نہیں ہے۔ لیکن اس بار پتا نہیں مرزا خاور بیگ کے دماغ میں کیا خرابی ہوتی ہے۔ حالانکہ میں نے اسے سمجھایا تھا لیکن کہتا ہے کہ عروسہ ساتھ جانا چاہتی ہے اور وہ اسے انکار نہیں کر سکتا۔"

"کوئی ایسی ترکیب نہیں ہے کہ مرزا خاور بیگ عروسہ کو ساتھ نہ لیں۔"

"نہیں کوئی ترکیب نہیں ہے لیکن چھوڑو ہمارا کیا ہے ہم اس کی ذمے داری قبول نہیں کریں گے۔ اور یہ بات میں نے مرزا خاور بیگ کو ڈھکے چھپے الفاظ میں بتا بھی دی ہے کہ مرزا تمہیں پھر اپنی بیٹی ہی کے لیے سرگرداں رہنا پڑے گا۔ کوئی کام کی بات نہیں ہو سکے گی۔ کہنے لگا میں عروسہ کو انکار نہیں کر سکتا۔ مگر تم کس لیے پریشان ہو کوئی ایسی ویسی بات؟"

"نہیں......" کامران نے ٹھنڈی سانس لے کر جواب دیا۔ کرنل گل نواز اسے سارا منصوبہ بتاتا رہا۔ اس نے ایک طرح سے کامران کو بریفنگ دی تھی۔ اور پھر اس کے بعد اس نے کہا۔ ہو سکتا ہے اب تمہارے روانہ ہونے سے پہلے میری تم سے ملاقات نہ ہو۔"

"ایک سوال اور کرنا چاہتا ہوں آپ سے۔"

"ہاں بولو۔"

"کیا علی سفیان وغیرہ کو اس بات کا علم ہے کہ میں پہلے جا رہا ہوں؟"

"کچھ کہا تو ہے میں نے ان سے اور صرف اتنا کہ میں تمہیں ضروری تیاریوں کے لیے کہیں بھیج رہا ہوں۔ اصل میں جن علاقوں میں تمہیں سفر کرنا ہے۔ اور جس انداز میں کرنا ہے۔ وہ بالکل مختلف بات ہے۔ میں اور رانا چندر سنگھ صورت حال کا جائزہ لے کر ذرا الگ طریقہ کار اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ بہرحال علی سفیان وغیرہ اس قدر ہمارے معاملات میں داخل نہیں ہو سکتے کہ ہم انہیں ہر بات کی نشاندہی کرتے رہیں۔ میں بات کو گول کر جاؤں گا۔ اور یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ مجھے تمہارے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔"

"اور مرزا خاور بیگ۔"

"بالکل نہیں۔ مرزا خاور بیگ کو بھی کچھ نہیں بتایا جا سکتا بلکہ اس سے تو خاص طور سے محتاط رہنے کی ضرورت ہوگی۔ اور میں یہ بات تمہیں بھی بتا دوں کہ علی سفیان قزل شائی اور رانا چندر سنگھ یہ سب بہرحال اس قدر نقصان دہ نہیں ہوں گے۔ لیکن مرزا خاور بیگ سے ہمیں مکمل طور پر ہوشیار رہنا ہوگا۔ تم اس بات کا خیال

رکھنا۔" پھر کرنل گل نواز تو چلا گیا لیکن کامران بے شمار سوچوں کو ذہن میں سمائے وقت گزارنے لگا۔

باہر ابھی گہرا سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ اور روشنی ابھی تک نمودار نہیں ہوئی تھی کامران کے ذہن پر ایک عجیب سا بوجھ سوار ہو گیا۔ کرنل گل نواز کی اس طرح کی باتوں نے اسے بہت ہی الجھنوں کا شکار کر دیا تھا۔ ایک بار پھر اس کی نگاہ اپنے ماضی کی طرف اٹھ گئی۔ بالکل ہی الگ انداز میں زندگی کا آغاز کیا تھا۔ والدین کی غیر موجودگی، بہن کا پیار، اس کی شادی اور اس کے بعد اس سے بچھڑ جانا، انتقام کا جذبہ سینے میں لے کر گھر سے باہر نکلنا اور اس کے بعد حاجی الیاس صاحب کا مل جانا۔ پھر یہاں آنا۔ یہ ساری چیزیں بڑی عجیب تھیں اور اب وہ ایک ایسی پراسرار اور خطرناک مہم پر روانہ ہو رہا تھا جس کے بارے میں اسے پوری طرح معلوم بھی نہیں تھا۔ کیا اس مہم میں زندگی کی سلامتی کی ضمانت دی جا سکتی ہے۔ اس قسم کے خطرناک کارنامے زندگی اور موت ہی کی حیثیت رکھتے تھے تو پھر کیا ہوگا۔ اندر سے ایک احساس ابھرا کہ جو کچھ بھی ہوگا بھلا اس سے خوف زدہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ زندگی میں کون سا سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں کہ اس کے لیے اتنی فکر کی جائے۔ بلکہ بے جگری سے ہر عمل کیا جائے تاکہ کرنل گل نواز نے اس کے بارے میں جو نظریہ قائم کیا ہے۔ اس کا مکمل ثبوت مل جائے۔ دفعتاً ہی اسے کچھ گزرے لمحات یاد آ گئے۔ بہت پرانی ہے۔ جب وہ ایک آزاد زندگی گزار رہا تھا۔ تعلیمی عمل جاری تھا۔ ایک بار کچھ دوستوں نے ایک بوڑھے نجومی کو پکڑ لیا۔ بوڑھا نجومی سڑک کے کنارے اداس بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے آگے ایک بورڈ لگا ہوا تھا۔ "قسمت کا حال معلوم کر لو۔" لڑکے ازراہ شرارت اس کے پاس جا بیٹھے تھے۔ کامران نے بھی اس نجومی کا چہرہ دیکھا تھا ایک فاقہ زدہ اور مفلوک الحال آدمی معلوم ہوتا تھا۔ لڑکے اس سے مذاق کرنے لگے۔ چند ایک نے اسے اپنے ہاتھ بھی دکھائے اور وہ انہیں ان کی زندگی سے متعلق باتیں بتاتا رہا۔ اسے انہوں نے پیسے بھی دیے اس نجومی سے ایک لڑکے نے سوال کر ڈالا۔ بابا جی! ایک بات بتائیے۔ آپ ہم سب کو ہماری تقدیر کا حال بتا رہے ہیں۔

آپ نے اپنی تقدیر کا حال بھی معلوم کیا۔ جواب میں نجومی کے ہونٹوں پر ایک مضمحل مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں۔ یہ جو کچھ میں کر رہا ہوں نا، فاقہ کشی اور بے بسی کی جو زندگی گزار رہا ہوں نا میں یہ ہی میری تقدیر ہے اور اس کا حال میں معلوم کر چکا ہوں۔" بڑا مکمل جواب دیا تھا اور پھر نجومی کا لہجہ، کامران بہت متاثر ہوا تھا اس نے تھوڑی سی رقم نکال کر نجومی کو دینا چاہی تو نجومی نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"بیٹے! بہت محبت ہے تمہاری اور بہت بہت شکریہ۔ لیکن میں تمہیں ایک بات بتاؤں یہ بھی میری تقدیر میں نہیں ہے۔"

"میں سمجھا نہیں بابا صاحب۔"

"بغیر کسی عمل کے کوئی پیسے حاصل کرنا بھیک لینا ہوتا ہے۔ بولو میں غلط تو نہیں کہہ رہا لیکن میری تقدیر میں بیٹے بھیک نہیں۔ میں اگر بھیک لوں گا تو مجھے راس نہیں آئے گی۔ ہاں اگر تم اپنا ہاتھ دکھانا چاہو اور اس کے بعد کچھ دینا چاہو تو میرے لیے ممکن ہو سکتا ہے۔ کامران نے اپنا ہاتھ نکال کر اس کے سامنے کر دیا۔ نجومی اس کا ہاتھ دیکھتا رہا کئی بار اس نے کامران کے چہرے کو دیکھا تھا۔ کامران کے دوست مذاق اڑانے لگے۔

"اب یہ سسپنس پیدا کر رہا ہے۔" نجومی نے ان کی بات پر توجہ نہیں دی اور کہنے لگا۔

"عجیب و غریب ہاتھ ہے۔ یہ ہاتھ تو حکمرانوں اور بادشاہوں کا ہوتا ہے۔ وہ جن کے قدموں تلے بہت کچھ آ جاتا ہے۔ حیرت کی بات ہے۔ حیرت کی بات ہے۔ دریا، پہاڑ، زندگی موت کی یہ لکیریں یکجا ہیں۔ بیٹے! کیا کرتے ہو تمہارا تعلق کون سے شعبے سے ہے۔" کامران نے اپنا ہاتھ ہنستے ہوئے پیچھے کر لیا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"میرا تعلق تو ایسے کسی شعبے سے نہیں ہے بابا صاحب! یہ لیجیے اب تو یہ معاوضہ آپ پر حلال ہو گیا۔ یہ مجھے آپ کو دینا ہی تھا۔"

"لیکن جو کچھ میں نے کہا ہے اس پر بھی یقین کر لینا ایسا ہے۔"

"معلیے ٹھیک ہے ہو سکتا ہے آنے والے وقت میں کوئی تکا مجھے بھی ملک کا وزیراعظم بنا دے۔"

کامران نے ہنستے ہوئے کہا تھا اور وہاں سے چلا آیا تھا اور آج اس کے ذہن میں بوڑھے کی وہی باتیں گونج رہی ہیں۔ تو کیا واقعی بوڑھا پیش گو ایک کامیاب نجومی تھا۔ اب تو یہی کہا جا سکتا تھا کچھ ایسی ذہنی بحرانی کیفیت ہوئی کہ کامران اپنی آرام گاہ سے باہر نکل آیا۔ صبح ہونے میں ابھی دیر تھی کوٹھی کے ماحول میں خاموشی اور سناٹے کا راج تھا۔ کامران بے خیالی کے عالم میں دور تک ٹہلتا چلا گیا۔ کافی دور جانے کے بعد اسے خیال آیا کہ ذرا اس سمت کا جائزہ بھی لے لے جہاں کسی زمانے میں گرشک اور سیتا رہا کرتے تھے۔ محافظ اب وہاں سے ہٹ چکا تھا جب وہی نہیں تھے تو حفاظت کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اس وقت وہ حصہ بالکل سنسان پڑا ہوا تھا۔ نہ جانے کیوں کامران کی آنکھوں میں امید جیسی کیفیت پیدا ہو گئی کیا وہ دونوں وہاں موجود ہیں۔ ممکن تو نہیں تھا وہ بہت چالاک تھے یہ تو کرنل گل نواز ہی تھا جو انہیں سیدھا اور بے وقوف سمجھتا رہا تھا۔ حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ بہت سی باتیں یاد آنے لگیں اور اس کی بھٹکتی ہوئی نگاہیں چاروں طرف کا جائزہ لیتی رہیں پھر وہ حویلی کے اس عقبی حصے کا جائزہ لینے لگیں جسے واقعی ایک آسیب زدہ علاقہ کہا جا سکتا تھا۔ کامران نے اسی جگہ گرشک اور سیتا کو جسمانی کرتب کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ لمحے آج بھی اس کے ذہن میں پوشیدہ تھے۔ انسانی جسم اس قدر چست اور پھرتیلے نہیں ہو سکتے۔ جس قدر چستی اور پھرتی کا وہ مظاہرہ کر رہے تھے۔ اس وقت بھی یہاں مکمل خاموشی اور سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ دفعتاً ہی کامران کی نظر ایک طرف اٹھ گئی۔ اسے پھولوں کے ایک کنج کے پیچھے مدھم مدھم روشنیاں نظر آئی تھیں وہ ایک دم سہم سا گیا۔ قرب و جوار کے درخت بھی بہت تھے ایک دوسرے سے جڑے ہوئے، اس علاقے کی خاص طور سے دیکھ بھال نہیں کی جاتی تھی۔ چنانچہ درختوں کے نیچے خودرو گھاس اگی ہوئی تھی جو خاصی اونچی ہو گئی تھی۔ جگہ جگہ ایسی ناہموار گھاس اور پھولوں کے کنج نظر آتے تھے جو انسانی ہاتھوں کی نفاست سے محروم تھے۔ ایسے ایک کنج کے پیچھے یہ روشنی نظر آ رہی تھی۔ ایک لمحے کے لیے تو کامران کے دل پر خوف و دہشت بیٹھ گئی تھی۔ لیکن پھر اس نے خود کو سنبھالا جو عمل اسے آگے چل کر کرنا تھا۔ اس کے لیے تو بڑی دلیری کی ضرورت تھی۔ اگر ایسی باتوں سے خوف زدہ ہو جائے گا تو آگے کیا کیا جا سکے گا۔ چنانچہ وہ ہمت کر کے آگے بڑھا۔ دل میں یہی خیال تھا کہ گرشک اور سیتا یہاں موجود ہیں اور شاید اس لیے کہ وہ خود بھی جانتے ہیں کہ کسی کو ان کی یہاں موجودگی کا احساس نہیں ہوگا اور وہ یہاں

بالکل محفوظ رہیں گے وہ بے آواز چلتا ہوا اس جگہ پہنچ گیا پھر اس نے ایک انسانی وجود کو وہاں دیکھا۔ اس کی جانب پشت تھی اور رخ دوسری طرف تھا۔ لیکن اس کے گرد چراغ جل رہے تھے۔ تقریباً آٹھ یا نو مٹی کے دیئوں میں جلتے ہوئے چراغ جو غالباً کسی تیل سے جل رہے تھے۔ اور اس کے درمیان وہ انسانی وجود بیٹھا ہوا تھا۔ لمبے لمبے بال کمر سے زمین تک آرہے تھے اور یہ جسم کسی بھی طور سیتا کا نہیں تھا۔ سیتا دبلے پتلے بدن کی مالک، ایک اسمارٹ سی لڑکی تھی جب کہ یہ جسم خاصا بھاری تھا۔ عقب سے دیکھنے ہی سے اندازہ ہو جاتا تھا کہ وہ نسوانی جسم ہے۔ یہ کون ہے؟ کامران نے شدید حیرت کے عالم میں سوچا۔ دل پر خوف تو مسلط ہوا تھا۔ لیکن یہاں کرنل گل نواز کی کوٹھی میں اسے جو عزت، جو مقام اور جو اختیارات حاصل تھے۔ وہ ہر خوف کی نفی کرتے تھے۔ اس کوٹھی کی مکمل تحفظ کی ذمے داریاں جو اس پر تھیں۔ یہ کون ہے معلوم ہونا چاہیے۔

چنانچہ وہ ایک دو قدم اور آگے بڑھا اور اس بار اس نے اپنے آپ کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش نہیں کی تھی وہ آگے بڑھا تو اس کے قدموں کی چاپ سن لی گئی۔ اور وہ انسانی وجود جیسے تڑپ سا اٹھا اس نے پلٹ کر دیکھا تو چراغوں کی روشنی میں اس کا چہرہ جیسے کامران کے سامنے نمایاں ہو گیا۔ ایک ایسا دلکش اور پراسرار چہرہ جسے دیکھ کر انسان پہلی نگاہ میں ہی مسحور ہو جائے۔ یہ امینہ سلفا تھی وہ پراسرار عورت، جس کے بارے میں کامران کا ذہن الجھا ہی رہا تھا اور یہ بات سوچ کر کہ سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں کیوں ہوا اس نے اس کے خیال کو نظر انداز کر دیا تھا لیکن اس وقت وہ جس عالم میں تھی وہ انتہائی حیران کن تھا۔ امینہ سلفا کی بڑی بڑی خوب صورت آنکھیں اس وقت کسی ڈائن کی آنکھیں لگ رہی تھیں۔ کاجل سے بھری ہوئی، وہ خوف ناک نگاہوں سے کامران کو دیکھتی رہی اور پھر اس کے چہرے کے نقوش تبدیل ہونے لگے۔ اور پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر آنکھیں بند کیں اور گردن جھٹکنے لگی۔

''آؤ..... دیکھو کیسا اتفاق ہے عبادت کرتے کرتے اچانک ہی مجھے تمہارا خیال آ گیا تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر موقع ملا تو تم سے بات کروں گی۔ مگر تم ادھر کیسے آ گئے۔ یقین کرو تمہاری اس وقت آمد میرے لیے ناقابل یقین ہے۔'' وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔ کامران نے بھی خود کو سنبھال لیا۔ اور بولا۔

''معافی چاہتا ہوں۔ اصل میں آنکھ کھل گئی تھی میں بہت دیر تک کوشش کرتا رہا کہ سو جاؤں لیکن نیند نہیں آئی۔ اٹھ کر ٹہلتا ہوا اس طرف نکل آیا اور یہاں ان چراغوں کی روشنی میں آپ کو دیکھا بات سمجھ نہیں آئی تھی اس لیے مزید معلومات حاصل کرنے آگے بڑھ آیا معافی چاہتا ہوں۔''

''یہ احمقانہ گفتگو کرنا ضروری ہے۔ معافی کس بات کی چاہتے ہو۔ میں کسی کو منع کر کے تو نہیں آئی تھی کہ وہ اس طرف نہ آئے۔ آؤ بیٹھو، دیکھو موسم کتنا خوشگوار ہے۔ ویسے تھوڑا سا جھوٹ بول رہے ہو مجھ سے۔'' کامران نے اب اپنے آپ کو پوری طرح سنبھال لیا تھا۔ اس نے کہا۔

''دیکھیے..... میں آپ کی سطح کا انسان نہیں ہوں۔ یہ بات تو آپ جانتی ہیں کہ میں اس کوٹھی میں ملازم کی حیثیت رکھتا ہوں۔ آپ کے حکم پر آپ کے قریب بیٹھنے کی جسارت کی ہے۔ کہیں میری جسارت پر ناراض نہ ہو جائیے گا۔'' جواب میں امینہ سلفا مسکرا دی۔

''دوسرا جھوٹ۔''

''چلیے۔ اب آپ تشریح کر دیجیے۔ پہلا جھوٹ کون سا تھا اور دوسرا جھوٹ کون سا ہے۔''

''تم نے ابھی تھوڑی دیر پہلے کہا تھا کہ سوتے سوتے تمہاری آنکھ کھل گئی تھی اور تم نیند نہ آنے کی وجہ سے یہاں نکل آئے تھے۔''

''جی کہا تھا۔''

''حالانکہ ایسی بات نہیں ہے۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے کرنل گل نواز تمہاری رہائش گاہ سے باہر نکلے تھے۔ تقریباً پینتیس منٹ تک وہ تمہارے ساتھ رہے تھے اور پھر اس کے بعد نکل کر واپس اپنی آرام گاہ میں چلے گئے تھے تم کہہ رہے تھے نا کہ آنکھ کھل گئی تھی۔ پھر نیند نہیں آئی۔''

''آپ نے اسے میرا جھوٹ قرار دیا۔ میڈم۔''

''تو جھوٹ نہیں تھا۔''

''بالکل نہیں۔ اب آنکھ کھلنے کی وجہ تو میں آپ کو نہیں بتا سکتا تھا کیونکہ یہ بتانے والی بات نہیں تھی۔ کرنل صاحب میری آرام گاہ میں آئے تھے انہیں کوئی کام تھا مجھ سے تو کیا میں آپ کو یہ بتاتا کہ کرنل صاحب نے آ کر مجھے جگا دیا تھا۔'' امینہ سلفا ہنس پڑی اور پھر بولی۔

''گڈ..... چالاک بھی ہو، ذہین ہو، دلیر بھی ہو، دوسرا جھوٹ یہ تھا کہ تم ابھی کہہ رہے تھے نا کہ تم صرف اس کوٹھی کے ملازم ہو لیکن یہ بات تم خود بھی جانتے ہو کہ تم صرف اس کوٹھی کے ملازم نہیں ہو۔ میں نے یہاں کے رہنے والے لوگوں کے دلوں میں تمہارے لیے بہت عزت پائی ہے۔ میری نگاہیں بہت تیز ہیں۔ ہر چیز کا بہ آسانی جائزہ لے سکتی ہیں۔ میں سمجھتی ہوں کہ تم اس کوٹھی کے سب سے پراسرار انسان ہو مجھے ایک بات کا جواب دو گے۔''

''جی.....''

''یہ بتاؤ، وہ کون تھا جس نے ویڈیو چرائی تھی اور اس کے بعد وہ تمہاری رہائش گاہ میں آ گھسا تھا۔ دیکھو..... اگر سچ بول دو گے تو یقین کرو اپنی اس فراست پر زندگی بھر ناز کرو گے کہ تم نے امینہ سلفا کی دوستی حاصل کر لی۔ شرط سچائی ہے بتاؤ وہ کون تھا۔''

''میڈم! میں نے آپ سے عرض کیا نا کہ میں آپ کی سطح کا انسان نہیں ہوں مجھے بولتے ہوئے بھی سخت احتیاط کرنا ہوتی ہے کہ کہیں کوئی ایسا لفظ زبان سے نہ نکل جائے جو آپ کی شان کے خلاف ہو اور اس کے بعد میں کرنل صاحب کے عتاب کا شکار ہو جاؤں۔ کیونکہ بہرحال آپ کرنل صاحب کے عزیز ترین دوست علی سفیان کی مسز ہیں۔''

''اور اگر تم میں تم سے یہ کہوں کہ بے تکان بولو، تمہارا ہر لفظ میرے پاس امانت ہو گا اور یہ امانت میں کہیں نہیں جانے دوں گی تو تمہیں مجھ پر اعتماد کر لینا چاہیے۔ کم از کم اس وقت تک جب تک کہ میری کوئی بات جھوٹ نہ ثابت ہو جائے۔''

''بہتر..... تو آپ کو اطمینان دلانے کے لیے میں یہ عرض کر دوں کہ میں نے نہیں دیکھا کہ وہ کون تھا؟'' امینہ سلفا ایک بار پھر کامران کی جانب دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں بے اعتباری کی جھلک تھی۔ دیے

تک وہ اسی طرح کامران کو دیکھتی رہی۔ کامران نے بھی اس سے نظریں ملا دی تھیں۔ بہرحال اب وہ اتنا کچا بھی نہیں تھا کہ ایک عورت کے سامنے اس قدر بے بس ہو جاتا بلکہ اب تو اس نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ اینہ سلفا کی تمام غلط فہمیاں دور کر دے۔ صرف کرنل گل نواز کا ملازم ہے اور کرنل نے اس سے یہ ہرگز نہیں کہا کہ دوسروں کے سامنے وہ بھیگی بلی بن جائے۔ اینہ سلفا اس کے چہرے کے تاثرات کا جائزہ لگتی رہی تھی۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میں جانتی ہوں تم عام آدمی نہیں ہو اور اگر میں یہ کہوں کہ تمہارے بارے میں، میں ضرورت سے زیادہ ہی جاننے کی کوشش کر چکی ہوں تو اس وقت تمہیں ضرور حیرانی ہوگی۔ لیکن آنے والا وقت جیسا کہ میں نے تم سے کہا کہ اگر تم اینہ سلفا کی دوستی حاصل کر لو۔ تو جب تک جیو گے اپنی فراست پر ناز کرتے رہو گے۔ میں نے غلط نہیں کہا تھا آنے والا وقت تمہیں بیہ بتائے گا کہ میری حیثیت کیا ہے۔"

"میڈم! آپ بڑی عجیب و غریب باتیں کر رہی ہیں۔ آپ کی شخصیت بھی بے حد پراسرار ہے۔ دیکھیے انسان فطری طور پر متجسس ہوتا ہے۔ اور کسی ایسی چیز کے بارے میں ضرور غور کرتا ہے جو اس کی سمجھ میں نہ آئے۔"

"میرے بارے میں کیا چیز تمہاری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"آپ نے اپنے اردگرد یہ چراغ روشن کر رکھے ہیں۔ پہلی بات تو یہ کہ ان چراغوں کا حصول کس طرح ممکن ہوا اور دوسری بات یہ کہ آپ نے ابھی کہا کہ آپ یہاں عبادت کر رہی تھیں یہ کیسی عبادت ہے۔ کیا آپ مسلمان نہیں ہیں۔" اینہ سلفا مسکرا دی پھر بولی۔

"میں کیا ہوں کیا نہیں ہوں اس کا انکشاف تو رفتہ رفتہ ہی ہوگا۔ میں صرف اتنا بتا دوں تمہیں اپنے بارے میں کہ میں دنیا کی چوبیس زبانوں سے واقف ہوں۔ چوبیس زبانیں جانتی ہوں اور میں نے ان کے بارے میں عظیم ترین تحقیقات کی ہیں۔ لیکن ابھی تم میرے ان الفاظ کو صحیح طور پر نہیں سمجھ سکو گے۔ تمہیں یہ بتانے کا ایک مقصد ہے اور میں بے مقصد بات کبھی نہیں کرتی۔ تو میں تمہیں بتا رہی تھی کہ دنیا کی قدیم ترین زبانوں سے واقفیت مجھے بہت سے نازک ترین مرحلوں سے گزار چکی ہے۔ خیر چھوڑو تم سے ایک سوال کرنا چاہتی ہوں میں۔"

"جی میڈم فرمایئے۔"

"کیا تمہیں خزانوں سے دلچسپی ہے۔" کامران نے اس سوال کے جواب میں تھوڑا سا توقف کیا۔ سوچ سمجھ کر ہی ہر جواب دینا تھا ظاہر ہے ایسی بات کرنی تھی۔ جس کا بعد میں بھی کوئی مفہوم نکلے۔ آخرکار اس نے مدھم لہجے میں کہا۔

"ایک حسین ترین زندگی کون نہیں گزارنا چاہتا؟ اور یہ اس کائنات کی بہت بڑی سچائی ہے کہ دولت کے سہارے زندگی کے سہارے ہوتے ہیں اگر دولت کے انبار لگے ہوں تو زندگی خود بہ خود خوشگوار ہو جاتی ہے۔ ظاہر ہے میں ایک ادنیٰ درجے کا ملازم ہوں میں یہ نہیں کہتا کہ یہاں میرے مسائل حل نہیں ہوتے اور میری ضرورتیں پوری نہیں ہوتیں۔ لیکن ایک آزاد اور خوشحال زندگی کی خواہش کسے نہیں ہوتی میرا مطلب ہے کہ خزانوں سے دلچسپی کسے نہیں ہوتی میں بھی ان کا خواہش مند ہوں اور جب کرنل صاحب نے

مجھے بتایا کہ یہ مہم جس کی تیاریاں وہ کر رہے ہیں ایک عظیم الشان خزانے کے حصول کے لیے ہے تو ظاہر ہے میری خواہشیں بھی جاگ اٹھی ہیں۔" اینہ سلفا کے چہرے پر سکون نظر آنے لگا اس نے کہا۔

"تو پھر میں تمہیں اپنا رازدار بنانے کے لیے تیار ہوں اور صرف ایک بات تم سے کہے دیتی ہوں یہ لوگ جس مہم پر جا رہے ہیں وہ بڑی خوفناک اور خطرات سے بھرپور ہے۔ اس مہم میں صرف میں ہوں جو ہر طرح کے مشکل حالات میں اپنی اس پوری ٹیم کی مدد کر سکتی ہوں۔ تم سوچ لو اگر تم میرے دست راست بن جاؤ تو سب سے زیادہ فائدے میں رہو گے۔ اور تمہیں دست راست بلاوجہ نہیں بنا رہی میں۔ شاید تمہیں خود بھی اپنی ذات سے منسوب کسی پراسرار عمل کا احساس نہیں ہے۔ تم عام انسان نہیں ہو کامران! تمہاری ذات میں ضرور کوئی ایسی کہانی پوشیدہ ہے جو ابھی تک دنیا کے علم میں نہیں آئی۔"

"میری ذات میں!" کامران نے سچ مچ حیرت سے کہا۔

"ہاں...... حیرت کی بات ہے واقعی حیرت کی بات ہے اور یہ وہ بات ہے جسے میں بھی ابھی تک نہیں سمجھ سکی۔"

"جب آپ نہیں سمجھ سکیں تو بھلا میں کیا سمجھ سکوں گا۔ مجھ میں اور آپ میں تو زمین آسمان کا فرق ہے۔" کامران نے کہا۔

"آؤ میرے ساتھ۔" اس نے اچانک ہی اپنی جگہ سے کھڑے ہو کر کہا۔

"کک...... کہاں۔" کامران بوکھلا سا گیا۔

"میرے بیڈروم میں۔"

"ہاں...... لیکن میں۔"

"مکمل ذمے دار ہوں میں ساری ذمے داری قبول کرتی ہو۔ ڈر کیوں رہے ہو۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ لیکن اس وقت؟! ابھی تو روشنی ہونے میں بھی بہت وقت ہے۔"

"اسی لیے تو تمہیں اپنے ساتھ لے جا رہی ہوں۔ دن کی روشنی میں سارے بھید کھل جاتے ہیں اور پراسرار بھید جس نے میرے دماغ کی چولیں ہلا ڈالی ہیں۔ میری سمجھ سے باہر ہے۔"

"کون سا بھید۔"

"یہی کہ تم کون ہو؟"

"ارے میں تو اتفاقیہ طور پر ادھر نکل آیا ہوں۔ اچانک ہی میری ذات میں کوئی پراسرار کیفیت پیدا ہو گئی۔ کامران نے ہنس کر کہا اور اینہ سلفا کا چہرہ ایک دم سے ست گیا۔

"میں غلط نہیں کہہ رہی۔"

"چلیے اگر آپ ذمے داری قبول کرتی ہیں کہ میرے آپ کے ساتھ جانے سے کوئی مسئلہ نہیں کھڑا ہوگا تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے عجیب سے انداز میں اپنے ہاتھوں کو ان چراغوں پر پھیرا اور ہر چراغ بجھ گیا۔ نہ ہوا لگی تھی انہیں اور نہ ہی کوئی اور ایسی کوشش کی گئی تھی۔ چراغوں کا اس طرح بجھ جانا بس یوں لگتا

تھا جیسے اس کی روشنی کا تعلق اینہ سلفا کے ہاتھ سے ہو۔اس نے وہ چراغ وہاں سے اٹھائے بھی نہیں تھے۔بلکہ انہیں بجھا کر واپس چل پڑی تھی۔کامران اس کے ساتھ چلتا ہوا کوٹھی میں داخل ہوا۔اصل میں اسے اس بات پر اعتبار تھا کہ کرنل گل نواز اس پر بھرپور یقین رکھتا ہے۔اگر اینہ سلفا کے سلسلے میں کوئی ایسی ویسی بات ہو بھی گئی تو جو کچھ وہ کرنل گل نواز کو بتائے گا اس پر بھرپور یقین کیا جائے گا۔اس لیے اسے اینہ سلفا کے اس عمل کی پروا نہیں تھی۔وہ اینہ سلفا کے ساتھ اس کے بیڈ روم میں داخل ہو گیا۔علی سفیان کے گہرے خراٹے گونج رہے تھے۔ایک لمحے کے لیے کامران کے چہرے پر ہچکچاہٹ کے آثار پیدا ہوئے۔تو اینہ سلفا نے کہا۔

”وہ خود سے کبھی نہیں جاگتا یہ بات تمہیں ذہن نشین کر لینی چاہیے۔میں صرف میں اسے جگاتی ہوں اور جب تک میں اسے نہیں جگاؤں گی اگر اس کے کان پر بم کے دھماکے بھی کر دیے جائیں تو وہ نہیں جاگے گا۔“ کامران نے بہرحال تعجب سے یہ الفاظ سنے تھے۔لیکن خود کچھ نہیں کہا تھا۔

”بیٹھو......میں تمہیں کچھ دکھانا چاہتی ہوں۔“ اس نے جس طرف اشارہ کیا تھا کامران وہاں بیٹھ گیا۔اور اینہ سلفا ایک الماری کی طرف متوجہ ہو گئی۔پھر اس نے آگے بڑھ کر الماری سے ایک ویڈیو کیسٹ نکالا اور سامنے رکھے ہوئے ٹی وی کی طرف چل پڑی ٹی وی اور وی سی آر آن کر کے وہ واپس پلٹی اور پھر کسی خیال کے تحت دروازے کے قریب پہنچی اور دروازہ بند کر دیا۔پھر وہ کامران کے پاس آ بیٹھی۔اور پھر اس نے کہا۔

”تم بے وقوف ہو نہ میں۔کرنل گل نواز جب ہمیں اس مہم پر باقاعدہ لے جا رہے ہیں تو لازمی بات ہے کہ انہوں نے تمہیں اس کے بارے میں مکمل تفصیلات بتائی ہوں گی۔اس لیے میں یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ تم اس ویڈیو سے ناواقف ہو یہ ویڈیو پراسرار نوعیت کی حامل ہے۔اس میں خزانے کے بارے میں تفصیلات ہیں جس کے لیے یہ سب سرگرداں ہیں اور اس کے حصول کے لیے تبت کے برفانی علاقوں کا پراسرار سفر کرنا چاہتے ہیں۔میں تمہیں بعد میں مزید تفصیلات بتاؤں گی۔پہلے یہ ویڈیو دیکھو۔“

یہ کہہ کر اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا ریموٹ آن کیا اور وی سی آر چلا دیا۔اسکرین پر بجلیاں تڑپنے لگیں۔اور کچھ لمحوں کے بعد اس پراسرار سفر کے راستے نمایاں ہونے لگے۔کامران بڑی دلچسپی سے ویڈیو دیکھ رہا تھا اس وقت دوبارہ یہ ویڈیو دیکھ کر وہ اسے ذہن میں محفوظ کر رہا تھا۔یہاں تک کہ وہ جگہ آ گئی جب اس نے گرشک اور سیتا کو وہاں دیکھا اور واقعی اسے چکر سا آ گیا۔گرشک اور سیتا بڑے کر و فر کے ساتھ ایک مخصوص لباس میں ملبوس سروں پر تاج پہنے نظر آئے تھے۔گرشک کے چہرے پر ایک پراسرار تقدس چھایا ہوا تھا۔اور سیتا بھی اتنی ہی پروقار نظر آ رہی تھی۔کامران نے خاص طور سے اس وقت اینہ سلفا کی صورت کو دیکھا۔اینہ سلفا تو ہر لمحہ سلگتی ہوئی آگ نظر آتی تھی اس وقت بھی وہ اسی ویڈیو میں کھوئی ہوئی تھی اور کمرے میں علی سفیان کے خراٹے گونج رہے تھے۔عجیب و غریب منظر تھی بلکہ اسے ناقابل یقین کہا جا سکتا تھا۔اچھی خاصی تیز روشنی ہو رہی تھی۔کبھی کبھی کھٹ پھٹ بھی ہو جایا کرتی تھی لیکن علی سفیان پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔

آخرکار ایک جگہ اچانک ہی اینہ سلفا نے تصویر اسٹل کر دی اور جو منظر کامران کی نگاہوں کے سامنے آیا۔اس نے اسے شدت حیرت سے گنگ کر دیا۔اینہ سلفا غالباً کسی جدید فنکشن کو چیک کرنے لگی اور وہ منظر آہستہ آہستہ ابھر کر اسکرین پر سامنے آ گیا۔یہ ایک بدھ بھکشو کی تصویر تھی جو اوپری بدن سے ننگا نچلے جسم پر خاص قسم کی

گیروا دھوتی، گلے میں ہیروں کا ہار بازوؤں پر بازو بند اور سر پر انتہائی خوب صورت تاج پہنے ہوئے تھا لیکن یہ چہرہ!! کامران پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔پھر اس کی نگاہیں اینہ سلفا کی جانب اٹھ گئیں۔اینہ مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔کامران کے منہ سے نکلا۔

”یہ......یہ......“

”ہاں آگے کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔“

”نہیں میرا مطلب ہے کہ یہ چہرہ۔“

”ہاں! یہ پاتال پرمتی ہے سمجھے! پاتال پرمتی۔“ کامران کا دماغ بھک سے اڑ گیا تھا۔یہی جملے تو گرشک نے اس کے سامنے کہے تھے۔اینہ سلفا کی آواز ابھری۔

”دھرم وستونیہ میں پاتال پرمتی سب سے بڑا دیوتا ہے اور پرکھنا کی گہرائیاں اس کا مسکن ہیں۔بدھ مت میں اسے بہت بڑے دیوتا کا درجہ حاصل ہے اور اس کے نام سے بہت کچھ حاصل کیا جاتا ہے، کامران کو بہت عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔یہ چہرہ صوفی صدری اسی کا چہرہ تھا۔اس کا اپنا چہرہ اور یہ بناوٹ نہیں تھی۔تصویر آہستہ آہستہ پیچھے چلی گئی اور اس کے بعد اس کا دوسرا حصہ سامنے آیا۔یہ حصہ بھی پہلے سے مختلف نہیں تھا۔لیکن اس وقت ایک اور شخصیت اس کے قریب نظر آ رہی تھی۔یہ کسی عورت کا جسم تھا جس کا سر پاتال پرمتی کی گود میں تھا اور اس کا بدن پیچھے سے نظر آ رہا تھا۔خوب صورت بدن کی مالک لڑکی دھرم وستونیہ کے اس گنج میں پاتال پرمتی کی گود میں سر رکھے بیٹھی ہوئی تھی۔کامران پر اس وقت حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے اسے گرشک کے الفاظ یاد آ رہے تھے۔”پاتال پرمتی آپ ستی پرکھنا کی گہرائیوں میں انتظار کرنے والی کو بھول گئے ستی پرکھنا، ستی پرکھنا دھرم وتی، بھول گئے آپ اسے جو آپ کا انتظار کر رہی ہے۔“ یہ عجیب و غریب الفاظ کامران کو اب تک یاد تھے۔ان کا مفہوم کیا تھا کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا لیکن یہ تصویر؟ اس کے ساتھ ہی اور بھی بہت سے سوالات اور خیالات اس کے ذہن میں اٹھ رہے تھے۔اینہ سلفا کے ہونٹوں پر وہی پراسرار کیفیت کھیل رہی تھی۔

”کچھ سمجھے؟ کچھ جانا؟“

”یہ ویڈیو فراڈ ہے۔“ کامران کے منہ سے نکلا اور اینہ سلفا کا کھنک دار قہقہہ گونج اٹھا۔کافی زور سے ہنسی تھی وہ۔کامران نے گھبرا کر پھر علی سفیان کی طرف دیکھا۔مگر خوب چیز تھا یہ علی سفیان بھی اس کے انداز میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔اور اس کے منحوس خراٹے مسلسل بلند ہو رہے تھے۔اینہ سلفا نے کہا۔

”نہیں یہ فراڈ نہیں ہے کامران! یہ ایک عجیب و غریب کہانی ہے۔اور آخرکار وہ سارے ڈانڈے مل جاتے ہیں۔جن کے بارے میں یہ تصور بھی نہیں کیا جاتا کہ ایسا ہو جائے گا۔میں نے یقین کرو علی سفیان سے شادی اس لیے نہیں کی تھی کہ اس کے ذریعے میں تم تک پہنچوں گی بلکہ بلکہ......“

وہ ایک دم جیسے خواب سے چونک پڑی۔اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھا اور اس کے بعد اچانک ہی اس نے ریموٹ سے وی سی آر بند کر دیا۔اور پھر کسی قدر وحشت زدہ لہجے میں بولی۔

”پتا نہیں۔کیا کچھ کہہ گئی ہوں میں؟ کبھی کبھی دیوانگی کے دورے پڑتے ہیں مجھ پر۔لیکن اتنی

بات میں ضرور کہوں گی کہ یہ سب پاگل ہیں۔ ایک مرحلہ ایسا آئے گا جب میں ہی ان کی رہنمائی کر سکتی ہوں۔ تم اگر میرا ساتھ دو گے تو بہت سی مشکلوں سے بچ جاؤ گے۔ پیشین گوئی ہے یہ میری۔ مانو گے میری بات۔"
کامران جتنا اس کی بات کیا مانتا وہ تو اس طلسم میں ہی کھو یا ہوا تھا اور اس پر ایک عجیب سی وحشت ناک کیفیت طاری تھی۔ "کیا ہے یہ سب، کچھ کیا ہے۔" امینہ سلفا نے کہا۔

"ہاں تم ابھی بہت سے رموز سے واقف نہیں ہو۔ وقت تمہیں سمجھائے گا۔ بس تم سے ایک بات کہنا چاہتی ہوں وہ یہ کہ دنیا کے بجائے مجھ پر بھروسہ کرنا کیونکہ ذمہ داری میری ہے سمجھے، ذمہ داری میری ہے۔ کوئی اور بھلا ان ذمہ داریوں کو کہاں قبول کرے گا۔"

"صبح ہو رہی ہے، میں چلتا ہوں۔" بمشکل ہی کامران نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ ایک شدید بے چینی، ایک عجیب سی الجھن نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا تھا۔ امینہ سلفا مسکرا دی اس نے ایک لفظ نہیں کہا تھا یہاں تک کہ جب کامران دروازے کی جانب بڑھا تب بھی وہ خاموش رہی اس نے یہ تک نہیں کہا تھا کہ دوسری ملاقات کب ہوگی۔ لیکن کامران اس وقت شدید ترین ذہنی دباؤ سے گزر رہا تھا۔ کمرے سے باہر نکل کر وہ محتاط انداز میں چلتا ہوا باہر نکل آیا اور پھر چاروں طرف دیکھتا ہوا تیزی سے اپنی رہائش گاہ کی طرف چل پڑا۔

"رمضان بابا صبح خیزی کے عادی تھے نماز پڑھتے تھے اس وقت بھی وہ نماز کی تیاریاں کر رہے تھے اسے دیکھ کر بولے۔

"بہت جلدی اٹھ گئے بیٹا! کیا نیند نہیں آئی تھی رات کو۔"

"ہاں رمضان بابا! کافی پلا دیجیے بہت اچھی سی، سر میں شدید درد ہو رہا ہے۔"

"ابھی بنا کر لاتا ہوں۔ نماز بعد میں پڑھ لوں گا۔"

"ارے نہیں نہیں معافی چاہتا ہوں۔ میں سمجھا آپ نماز پڑھ چکے ہیں۔ کامران نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"ابھی وقت ہے بیٹا!"

"نہیں! اذان ہو چکی ہے۔"

"ہاں۔ اذان ہو چکی ہے۔"

"تو پھر آپ پہلے نماز پڑھیں اس کے بعد مجھے کافی بنا کر دے دیں۔" کامران نے شرمندہ سے انداز میں کہا۔

"ٹھیک ہے لاتا ہوں۔" کامران اپنے کمرے میں جا کر بیٹھ گیا۔ دماغ تھا کہ سائیں سائیں کر رہا تھا۔ کوئی ایک بات جو سمجھ میں آ رہی ہو؟ خدا کی پناہ۔ کرنل گل نواز نے گرشک اور سینا کے بارے میں ہی کہا تھا۔ لیکن وہ تصویر اور تصویر جعلی تو نہیں معلوم ہوتی اور اگر نہیں تو پھر یہ کیا ہے۔ سوچنے کے لیے تو ہزار باتیں تھیں یہ سوچنا بھی اہمیت کا حامل تھا کہ خود امینہ سلفا کیا ہے۔ لیکن بات صرف سوچ تک ہی رہ جاتی تھی۔ بھلا اس سلسلے میں اور کیا کہا جا سکتا تھا۔ زیادہ آگے بڑھ کر کوئی عمل کرنا خطرے کا باعث بھی بن سکتا تھا۔

نہ جانے کیوں طبیعت پر ایک عجیب سا احساس بھی طاری تھا۔ جیسے کوئی اندر سے کہہ رہا ہو کہ یہ

کام ہونا بے حد ضروری ہے۔ یہ سفر ہونا چاہیے۔ چاہے اس میں کتنے ہی خطرات کیوں نہ ہوں آخری فیصلہ یہی کیا کہ امینہ سلفا کے اس معاملے کو خاموشی سے ٹال دیا جائے اور ایک نئی مصیبت مول نہ لی جائے۔ ظاہر ہے وہ پراسرار عورت اپنے وسائل بھی رکھتی ہوگی۔ جو دعوے وہ کر رہی تھی وہ بالکل بے وزن تو نہیں ہوں گے خاموشی سے وقت گزار کر اپنے معاملات کو محفوظ کیا جائے۔ الٹے سیدھے چکر میں پڑ کر کرنل گل نواز جیسی پر محبت شخصیت کو شکایت کا موقع نہیں دینا چاہیے۔ ایسے بہت سے احساسات اس وقت تک دماغ پر حاوی رہے جب تک بابا رمضان نے کافی لا کر نہ رکھ دی۔ بابا رمضان زبردست مزاج آشنا تھا۔ چنانچہ کافی کے ساتھ کھانے پینے کی کچھ اشیاء بھی تھیں اور وہ بھی ایسی جو کامران کو بے حد پسند تھیں۔ کامران خوشی سے بولا۔

"زندہ باد بابا رمضان! آپ جیسا بھی کوئی ہونا مشکل ہی ہے۔" پھر اس کے بعد وہ ڈٹ کر ناشتا کرتا رہا تھا۔ کوٹھی میں کسی کو معلوم نہیں تھا کہ اس مہم کے باقاعدہ آغاز سے پہلے یہ مہم کامران شروع کرنے جا رہا ہے۔ ظاہر ہے سبھی سے بات چھپائی تھی اور پھر کرنل گل نواز نے بلاوجہ ہی تو ان سارے واقعات کو پوشیدہ رکھنے کی ہدایت نہیں کی ہوگی۔

"بہرحال وہ تیار ہو گیا اور پھر ایسے ہی ٹہلتا ہوا کوٹھی کے اندرونی حصے کی جانب چل نکلا شاہنواز سے پہلے ملاقات ہوئی تھی۔

"کہاں خیریت؟"

"ہاں، بس ایسے ہی نکل آیا تھا۔ کیا مصروفیت ہے۔"

"بھئی مصروفیت تم جیسے بڑے لوگوں کو ہوتی ہے ہماری کہاں؟ یار! ہر طرح سے خوش نصیب ہو۔"

کامران پھیکی ہنسی ہنس کر خاموش ہو گیا۔ تو شاہنواز نے کہا۔

"پوچھا نہیں تم نے اپنی خوش نصیبی کے بارے میں۔"

"ظاہر ہے کوئی لطیفہ ہی سنا دو گے۔ کیا پوچھتا۔"

"اچھا۔ اپنی خوش نصیبی کو صرف ایک لطیفہ سمجھتے ہو۔"

"ہاں جانے دو...... کیا مصروفیت ہے آج "

"ارے ارے کیسی باتیں کر رہے ہو ہماری مصروفیت۔ بھئی مصروفیت تم جیسے بڑے لوگوں کو ہوتی ہے۔" پھر فرخندہ اور ثانیہ سے بھی ملاقات ہوئی۔ پتا نہیں کیوں ثانیہ کی نگاہوں میں ایک شکوہ سا رچا تھا اسے اپنے کمرے کے دروازے پر دیکھ کر وہ بولی۔

"ارے ارے کامران! آیئے...... خیریت میرا خیال ہے درجنوں بار آپ کوٹھی میں اندر آ گئے ہیں لیکن اس دروازے کو کبھی رونق نہیں بخشی غلطی سے آ گئے تھے کیا۔" کامران مسکراتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔

"جی...... آپ کہیں تو اس غلطی کی معافی مانگ لوں۔"

"نہیں میں تو بہت فراخ دل ہوں ہر شخص کو معافی مانگنے سے پہلے ہی معاف کر دیتی ہوں۔ آیئے بیٹھیے۔ اب ایمان داری سے بتایئے کوئی کام تھا مجھ سے۔"

"نہیں کوئی کام نہیں تھا۔ بس ایسے ہی دل چاہا کہ آپ کو سلام کر آؤں۔"

"ارے ارے ارے، ہمیں سلام کہیں سات سلام تو نہیں۔" وہ ثانیہ سے کافی دیر تک باتیں کرتا رہا ثانیہ حیران حیران سی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

"ذرا بتا دیجیے کامران! چکر کیا ہے کوئی جال بنا جا رہا ہے۔ میرے خلاف۔"

"دیکھیے یہ ہوتے ہیں بڑے آدمیوں کے انداز! ملازموں کے خلوص پر یقین ہی نہیں کیا جاتا۔"

"ٹھیک ہے جوتا اتار کر مار دیجیے سر پر، ملازم ملازم کہہ کر آپ اپنے آپ کو نہیں ہمیں ذلیل کرتے ہیں۔"

"اصل میں آپ لوگ اتنے اچھے ہیں کہ آپ کی ملازمت بھی تقدیر والوں کو ہی مل سکتی ہے۔"

"باپ رے باپ...... باپ رے باپ...... میں بس اب خود اپنا سر پیٹنا شروع کر دوں گی۔" پھر وہ وہاں سے بھی نکل آیا اور جیسے ہی باہر نکلا کرنل گل نواز سے ملاقات ہو گئی وہ بولے۔

"آؤ ہم سے بھی مل لو۔" وہ اسے اپنے مخصوص کمرے میں لے گئے جو ان کی نشست گاہ کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ ان کے سامنے جاتے ہی کامران کے ذہن میں رات کا تصور ابھرا۔ چراغوں کے درمیان بیٹھی ہوئی امینہ سلطانہ یاد آئی اور اس کے بعد وڈیو کی تصویر لیکن نہ جانے کیوں اسے ایسا لگا جیسے کسی نے اس کی زبان بند کر دی ہو۔ وہ انہیں کچھ بھی نہیں بتا سکا تھا۔ اس کے بعد کرنل گل نواز نے کہا۔

"حسن شاہ آ چکا ہے اس نے اطلاع دے دی ہے۔ براہ راست تمہیں اطلاع اس لیے نہیں دی کہ کہیں کسی اور کو پتہ نہ چل جائے۔ اس بار وہ پھر ہوٹل میں ٹھہرا ہے۔ اور وہیں سے تمہیں اپنے سفر پر روانہ ہونا ہو گا۔ یہ بتاؤ کوئی پیچ تو نہیں ہے تمہارے ذہن میں۔"

"بالکل نہیں انکل! میں خوشی سے تیار ہوں۔"

"جو تفصیلات میں نے تمہیں بتائی ہیں انہی کے مطابق عمل کرنا ہو گا۔ حسن شاہ بالکل قابل اعتبار آدمی ہے۔ اس پر بھروسا کر سکتے ہو۔ لیکن کامران اس سے زیادہ تمہیں خود پر بھروسا کرنا ہو گا۔ کوئی بھی واقعہ کوئی بھی ایسی صورت حال پیش آ سکتی ہے جو غیر متوقع ہو۔ تمہیں اپنے اوپر اعتماد کرنا ہو گا۔ حاجی الیاس صاحب! کو اگر یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میں تمہیں کس مہم میں جھونک رہا ہوں تو وہ مجھے ڈھائی گھنٹے تک مرغا بنائے اور کبھی اجازت نہ دیتے۔ لیکن میں تمہیں زندگی کے ہر رنگ سے آشنا کرنا چاہتا ہوں۔ یہ میری خواہش ہے کرنل گل نواز کے لہجے میں محبت تھی۔

"مجھے یقین ہے انکل!" پھر کامران کوٹھی سے باہر نکل آیا اور مقررہ وقت سے کچھ پہلے ہی ہوٹل پہنچ گیا جہاں حسن شاہ موجود تھا۔

"وقت کی پابندی کرنے والے ہمیشہ کامیاب لوگ ہوتے ہیں اور پھر تم میری پسندیدہ شخصیت ہو کامران! پروگرام میں معمولی سی تبدیلی ہوئی ہے۔ بس آدھے گھنٹے کے بعد یہاں سے نکل چلیں گے۔" اس کے بعد کامران حسن کو مصروف دیکھتا رہا تھا۔ جس نے بہت سے انتظامات کیے تھے۔ اس کے بعد اسے ایک فون ملا اور اس نے فون سننے کے بعد کہا۔

"چلو اٹھو۔" اور پھر وہ کامران کو ساتھ لے کر باہر نکل آیا باہر ایک منی ٹرک کھڑا ہوا تھا۔ جس کا پچھلا حصہ ترپالوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ بڑی بڑی مونچھوں والا چوڑا چکلا ڈرائیور ان کا منتظر تھا۔ حسن شاہ نے

کامران کو اشارہ کیا۔ اور ڈرائیور نے انہیں اپنے پاس ہی جگہ دے دی۔ ٹرک اسٹارٹ ہو کر چل پڑا۔ راستے میں ایک جگہ ٹرک رکا اور دو آدمی اس کے عقبی حصے میں سوار ہو گئے۔ کامران اچانک ہی عجیب سے احساس کا شکار ہو گیا۔ اب تک وہ بڑی ہمت کے ساتھ سارے معاملات سے نمٹ رہا تھا۔ حالانکہ ان راستوں کا راہی نہیں تھا۔ کچھ معلوم ہی نہیں تھا ایسی ہنگامہ آرائی کے بارے میں لیکن وقت سب کچھ سکھا دیتا ہے۔ کتنے سارے الجھنوں کے پہاڑ اس کے دماغ میں ٹوٹے تھے۔ کہاں سے چلا تھا۔ اور کہاں پہنچ گیا تھا۔ جب بھی یہ خیال آتا طبیعت پر عجیب سی بوجھل کیفیت سوار ہو جاتی۔

بہرحال جو کچھ بھی تھا اب تو اوکھلی میں سر دے ہی دیا تھا۔ اچانک ہی حسن شاہ کی آواز ابھری۔

"لازمی بات ہے کرنل صاحب نے تمہیں آگے کی تمام صورت حال سے آگاہ کر دیا ہو گا۔"

"ہاں کافی حد تک۔"

"ویسے اس سفر میں بھی خاصا وقت لگے گا اگر تھک جاؤ تو پیچھے چلے جانا۔ پیچھے آرام کا انتظام ہے۔"

"ہاں۔ کیوں نہیں۔" کامران نے آہستہ سے کہا۔ "رات گہری ہوتی جا رہی تھی ذہن کو آزاد چھوڑ دینا ضروری تھا لیکن یہ انسان کے اپنے بس کی بات نہیں ہوتی اور پھر خاص طور سے کسی ایسے مسئلے میں جس کا سر پاؤں ہی سمجھ میں نہ آئے۔ باقی ساری باتیں تو قابل برداشت تھیں لیکن امینہ سلطانہ نے جو وڈیو دکھائی تھی۔ اور اس میں جو نظر آیا تھا اس نے کامران کے ذہن کو خاصا الجھا دیا تھا۔

"اب بہت سی ذمے داریاں خود سنبھالنی تھیں رات کے پونے پانچ بجے تک یہ سفر جاری رہا۔ ڈرائیور تھکا تو اس نے ٹرک ایک جانب روک دیا۔ پیچھے سے ایک آدمی آگے آیا اور ڈرائیور پیچھے چلا گیا اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی اسی وقت حسن شاہ نے کہا۔

"میری بات مانو گے کامران!"

"بولو بولو...... جاؤ تھوڑی دیر پیچھے جا کر آرام کر لو۔ پلیز تمہیں اس سلسلے میں زیادہ محنت کرنی ہے۔"

"او کے۔" کامران نے جواب دیا اور اس کے بعد وہ پیچھے چلا گیا۔ اب تک ایسی کسی سچویشن سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ سفر میں اور وہ بھی ٹرک کے سفر میں نیند ذرا مشکل ہی سے آتی تھی۔ لیکن نیند بھی لاجواب چیز ہوتی ہے۔ جب آنا چاہتی۔ بس تو آ جاتی ہے پتا نہیں کب پلکیں جڑ گئیں آنکھ کھلی تو ایک عجیب سی بو ناک میں آ رہی تھی۔ ٹرک رکا ہوا تھا۔ اور یہ بو کہیں قریب سے ہی آ رہی تھی۔ کامران اپنی جگہ سے اٹھا باہر جھانکنے پر ایک دلچسپ منظر دیکھا۔ ٹرک سڑک کے کنارے رکا ہوا تھا۔ اور اس سے کچھ فاصلے پر مٹی کے تیل کے چولہے پر کڑاہی چڑھی ہوئی تھی۔ جس میں مچھلیاں تلی جا رہی تھیں۔ حسن شاہ مچھلیاں تلنے والوں کو ان کے قریب بیٹھا ہدایت دے رہا تھا۔ اس کی نگاہ ٹرک پر پڑی تو اس نے کامران کو جھانکتے ہوئے دیکھا اور ایک دم ہنس پڑا۔

"چلو نیچے اتر آؤ کامران! یہ پورا جنگل تمہارے نام ہے۔ تمہاری ملکیت ہے۔ ضروریات سے فارغ ہونے کے لیے کوئی چار دیواری نہیں ہے۔ لوٹا اٹھاؤ اور عیش کرو۔ مگر جلدی آ جانا مچھلیاں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔" کامران کو ایک عجیب سی فرحت کا احساس ہوا تھا لیکن اس تھوڑی سی نیند نے طبیعت ہشاش بشاش کر دی تھی۔ یا پھر بات اس ماحول کی تھی۔ ہر طرف ایک خوشگوار خنکی پھیلی ہوئی تھی اور بڑا دلچسپ منظر تھا وہ

ٹرک سے نیچے اتر آیا تمام انتظامات موجود تھے۔ لوٹا اٹھا کر خاصی دور چل پڑا۔ سڑک کے کنارے ڈھلان میں گو بھی اگی ہوئی تھی۔ اور سفید سفید پھول اس قدر حسین نظر آ رہے تھے کہ ان پر سے نگاہ نہ ہٹے ایک جگہ کچھ ڈھلان نظر آئی تو کامران نیچے اتر گیا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد جب واپس آیا تو حسن شاہ ہنس کر بولا۔

"کیسا رہا؟"

"یار اتنی خوب صورت گوبھی اور ان کے ساتھ یہ برا سلوک اچھا نہیں ہوگا۔"

"یہی برا سلوک ان کی زندگی بڑھاتا ہے۔" حسن شاہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ پھر بولا۔

"چلو آ جاؤ۔" ایک گندی سی چٹائی بچھا دی گئی اور گندی سی چٹائی پر گندے برتنوں میں مچھلی اور نان کا ناشتا۔ حسن شاہ بتانے لگا۔

"یہاں سے تھوڑے فاصلے پر پیچھے کی سمت نہر ہے بس یوں سمجھ لو یہ نہر مچھلیوں سے بھری ہوئی ہے۔ تھوڑے فاصلے پر تمہیں مچھلیاں بیچنے والے مل جائیں گے۔ اس سے اچھی مچھلی مشکل ہی سے نصیب ہوتی ہے۔ خوب ڈٹ کر ناشتا کیا گیا اور جب ناشتے سے فراغت ہوگئی تو حسن شاہ نے کہا۔

"آگے چائے بھی مل جائے گی سڑک کے کنارے چائے والے بھی کھڑے ہوتے ہیں ہمارے تمہارے مطلب کی چائے تو ملے گی لیکن ہوگی، چائے۔" اور واقعی چائے اور قہوہ دونوں چیزیں دستیاب ہو گئیں تھیں ابھی سورج زیادہ بلند نہیں ہوا تھا حسن شاہ نے کہا۔

"اب تھوڑی ہی دیر کے بعد ہم اپنی پہلی منزل تک پہنچ رہے ہیں سرحد عبور کرتے ہوئے تھوڑی سی دشواری ضرور پیش آئے گی۔ میں تمہارے ساتھ ایک مخصوص پوائنٹ تک جاؤں گا اور پھر میں تمہیں وہاں سے خدا حافظ کہہ دوں گا۔"

"ارے کیوں؟ مجھے تو پتا چلا کہ ہم دونوں ساتھ ہی ہوں گے۔"

"ہدایات ملی ہیں۔"

"اوہو خیریت۔"

"ہاں بس خیریت ہی ہے اصل میں اس جگہ سے اسمگلنگ ہوتی ہے اور یہ سارا انتظام اسمگلروں کا ہی ہے۔ کچھ پوائنٹ بنے ہوئے ہیں۔ تم یہ سمجھ لو کہ یہ سرکاری کھیل ہے۔ بس مجھ سے کچھ نہ کہلواؤ لیکن کوئی گڑبڑ ہوئی ہے شاید جس کی وجہ سے پروگرام میں تھوڑی سی تبدیلی کر دی گئی ہے۔"

"مجھے حیرت ہو رہی ہے۔" کامران نے کہا۔

"نہیں حیرت کی بات نہیں ہے۔ مسئلہ وہی ہے نا کہ جس طرف رخ کرو اور آگے بڑھو تبھی آگے کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں میں تمہیں کچھ ایسے نام اور پتے بتا رہا ہوں جو کام کے آدمی ثابت ہو سکتے ہیں۔"

بہرحال تھوڑا سا ذہنی جھٹکا لگا ہے میں یہ خود اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے کبھی ایسے راستوں پر سفر نہیں کیا اور پھر خاص طور سے ہمالیہ کے ان علاقوں میں جہاں ہمیں جانا ہے میں نے تو ان کی کہانیاں ہی سنی ہیں۔ لیکن اب جو کچھ بھی ہے جانا تو پڑے گا۔"

"ہو سکتا ہے آگے مجھے تمہارے پاس بھیج دیا جائے۔ لیکن ابھی کچھ شاید ایسے معاملات آ گئے ہیں جن کی وجہ سے میں تمہارا عارضی طور پر ساتھ چھوڑ رہا ہوں۔ اپنے آپ کو پوری طرح ہوشیار رکھو، بچہ تو سارے ہی ہوتے ہیں اور ہو جاتے ہیں۔" سفر اسی طرح جاری رہا اور تھوڑی دیر میں پہاڑی سلسلے شروع ہو گئے۔ یہاں کا موسم اور نظارے ہی مختلف تھے۔ ٹرک ابھی اب جن راستوں پر چل رہا تھا۔ وہ باقاعدہ سڑک وغیرہ نہیں تھی اس سلسلے میں کامران نے سوال کیا تو حسن شاہ بولا۔

"بڑے معصوم آدمی ہو بھئی۔ تم یہ سمجھو کہ ان راستوں پر سرکاری اسمگلنگ ہوتی ہے اور کچھ لوگوں کو باقاعدہ لائسنس جاری ہو جاتا ہے۔ ملکی معاملات اور ملکی ضروریات کے لیے کبھی کبھی یہ سرکاری اسمگلنگ بھی ضروری ہوتی ہے اور اس سلسلے میں کچھ خاص پوائنٹ بنائے گئے ہیں۔ بس وہیں سے کام ہوتا ہے۔ بہت سی ایسی چیزیں ہوتی ہیں جنہیں باقاعدہ منظر عام پر نہیں لایا جاتا تم یہ سمجھ لو کہ یہ سارے انتظامات ہم نے کیے ہیں اور اس کے لیے ظاہر ہے باقاعدہ راستے نہیں استعمال کیے جاتے۔" ٹرک انتہائی ناہموار راستوں پر سفر کر رہا تھا کبھی کبھی پکی سڑکیں بھی نظر آ جاتی لیکن ٹرک ادھر کا رخ نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ فوجی مقاصد کے لیے تھیں۔ دن چڑھتا گیا سورج بلند ہوتا گیا لیکن پہاڑوں کی وجہ سے موسمی حالات خراب نہ ہو سکے دوپہر کے وقت ٹرک ایک جنگل میں روک دیا گیا جہاں درختوں کے گھنے جھنڈ نظر آ رہے تھے۔

"یہ پہلا مرکز ہے۔" حسن شاہ نے بتایا۔

"کیا مطلب؟"

"وہ پہاڑیاں دیکھ رہے ہو نا۔"

"ہاں۔"

"ان کی دوسری طرف دوسرا ملک ہے۔"

"اوہو۔ مگر یہاں سرحدی فوجی تو نظر نہیں آ رہے۔"

"یہاں سے نظر نہیں آ سکتے۔ بائیں سمت فوجی چھاؤنی ہے۔"

"یہ سرحد کہاں سے عبور کی جائے گی۔"

"اسی پہاڑی سے نیچے اتر کر دیکھو تو کسی نہ کسی گاڑی کے نشانات نظر آ جائیں گے۔"

"یہاں اس جگہ۔"

"ہاں یہ جگہ غیر فوجی گاڑیوں کے لیے ہے اور یہ غیر فوجی گاڑیاں یہیں سے سرحد عبور کرتی ہیں۔" حسن شاہ نے معنی خیز لہجے میں کہا اور کامران تھوک نگل کر رہ گیا۔ بہرحال اس وقت وہ تینوں آدمی بھی جا چکے ہوتے تھے جنہوں نے ان کے ساتھ یہاں تک کا سفر کیا تھا۔ اور پھر وہ کھانے پینے کی تیاریاں کرنے لگے۔ حسن شاہ نے کہا۔

"ہاں بھئی۔ تو اب یہ بتاؤ تیار ہو بس مجھے یہیں سے پلٹ جانا تھا۔ ہو سکتا ہے کوئی تبدیلی ہو جائے مجھے یہاں واپس آنا پڑے۔ دیکھ لیں گے کیا صورت حال رہتی ہے۔ حسن شاہ خود بھی الجھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ چلتے ہوئے اس نے کہا۔

"ہاں ایک بات کا خیال رکھنا یہاں ورنہ یہ بھی نظر آ جاتے ہیں۔"

"مگر حسن شاہ تم یہاں سے کچھ زیادہ فاصلے سے واپس جا رہے ہو۔"

"ہاں۔ سرحد خالی نہیں ہے اجازت نامے لینے ہوتے ہیں ہو سکتا ہے مجھے اپنے لیے اجازت نامہ نہ ملے لیکن تمہیں تو بہر حال سرحد پار کرانی ہے۔ ہاں یہ ذرا اپنے پاس رکھ لو کام کی چیز ہے۔" اس نے ایک ریوالور کامران کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔" پھر بولا۔

"تو اسے استعمال تو جانتے ہو نا۔"

"ہاں۔" کامران نے جواب دیا۔ باقی وقت بس ایسے ہی گزر گیا تھا۔ حسن شاہ ان میں سے ایک آدمی کے ساتھ چلا گیا تھا۔ ٹرک اور باقی دونوں آدمی یہیں موجود تھے لیکن شاید گفتگو کے سلسلے میں احتیاط کی جاتی تھی اس لیے ان دونوں نے کامران سے کوئی بات نہیں کی تھی ہاں کوئی شام سات بجے کے قریب کامران نے حسن شاہ کو واپس آتے ہوئے دیکھا وہ مسکراتے ہوئے اس کے قریب پہنچا۔

"ابھی ہمارا تمہارا ساتھ ہے تھوڑا سا آگے چلنا ہے۔"

"وہ کام جو تم کرنے گئے تھے......"

"ہاں ہو گیا یہ ضروری ہوتا ہے۔ یہ علاقے عبور کرنا...... میرا مطلب ہے کچھ لوگوں کو مطمئن تو کرنا ہوتا ہے نا ورنہ غلط لوگ بھی یہاں آ جا سکتے ہیں۔"

"مطلب یہ کہ اس جگہ سے سرحد وہی عبور کر سکتے ہیں جو غلط نہ ہوں۔" کامران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بالکل۔ بات آہستہ آہستہ تمہاری سمجھ میں آتی جا رہی ہے۔ اور بہر حال یہ اچھی بات ہے۔" کامران تھوڑی دیر تک خاموش رہا پھر بولا۔

"یار! تم نے مجھے کافی الجھا دیا ہے۔"

"ارے کیوں؟" حسن شاہ حیرت سے بولا۔

"یہ بتا کر کہ آگے کے سفر میں تم میرا ساتھ نہیں دو گے۔" حسن شاہ کی پیشانی پر غور و فکر کی لکیریں دوڑ گئیں پھر اس نے کہا۔

"اور تم یقین کرو بات میری سمجھ میں بھی نہیں آئی ہے۔ مجھے تمہارے ساتھ کافی دور تک نکلنا تھا۔ لیکن اب میں تم سے کیا کہوں۔ رانا چندر سنگھ نے مجھے ہدایت کی ہے کہ کچھ تبدیلیاں اچانک ہی کی گئی ہیں۔ مطلب یہ کہ کرنل صاحب اور رانا چندر سنگھ کے مشترکہ فیصلے کے تحت۔ کیونکہ باقی لوگوں کو اس پروگرام کے بارے میں کچھ نہیں معلوم یعنی کہ علی سفیان قزل شانی وغیرہ کو یہ بالکل نہیں پتہ کہ ہم دونوں اس طرح پہلے سے اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے ہیں۔ سمجھ رہے ہو نا تم۔ اب یہ فیصلہ کیوں کیا گیا ہے؟ یہ اللہ بہتر جانتا ہے۔"

"ایک بات بتاؤ حسن شاہ! برا تو نہیں مانو گے میری بات کا۔"

"ارے نہیں بالکل نہیں۔ بھلا تم جیسے پیارے دوست کی بات کا برا منایا جا سکتا ہے۔ یقین کرو میں تمہیں بے حد پسند کرنے لگا ہوں تمہاری طبیعت میں تعاون اور فطرت میں ایسی نرمی ہے کہ انسان خود بخود

تم سے محبت کرنے لگتا ہے۔ ہوتی ہیں کچھ خوبیاں کچھ لوگوں میں جب کہ وہ خود اپنی خوبیوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔"

"تم اصل میں خود اچھے انسان ہو۔ اس لیے یہ بات کہہ رہے ہو۔ میں جو کہنا چاہتا تھا وہ یہ ہے کہ کیا رانا چندر سنگھ اپنے طور پر کوئی تبدیلی کر سکتے ہیں۔ جو کرنل گل نواز کو نہ معلوم ہو۔"

"ہاں یہ سوال بے شک تمہیں کرنا چاہیے۔ میرا جہاں تک اندازہ ہے ایسی بات ہے نہیں کیونکہ دونوں بڑی کھلی طبیعت کے مالک ہیں۔ کوئی اطلاع کوئی معلومات تو اس طرح کی ہو سکتی ہے کہ وہ اپنا پروگرام بدل دیں۔ ایک دوسرے سے عدم مفاہمت کا کوئی امکان نہیں ہے۔"

"ویسے میں تمہیں بتاؤں کہ اس تبدیلی کی وجہ کوئی اہم مسئلہ تھا۔ جو شاید اب حل ہو گیا ہے۔"

"کیا مطلب۔" کامران نے چونک کر کہا۔

"یعنی ابھی مجھے تمہارا کافی دور تک ساتھ دینا ہے۔ میں یہاں سے غائب نہیں ہو رہا۔"

"ارے واہ...... یہ ہوئی نا مردوں والی بات۔" کامران نے خوشی سے اچھلتے ہوئے کہا اور حسن شاہ ہنسنے لگا۔ کافی وقت گپ شپ میں گزر گیا۔ ساڑھے بارہ بجے کے قریب جب چاروں طرف گھور اندھیرا پھیل گیا تب ڈرائیور نے آگے چلنے پر آمادگی کا اظہار کیا اور سب ٹرک میں بیٹھ گئے۔ ٹرک کی بتیاں تک نہیں جلائی گئی تھیں اس کا مطلب ہے کہ سفر اب آگے چل کر سنگین ہوتا جا رہا تھا۔ ظاہر ہے سرحد عبور کرلی تھی یہ یک لائٹ تک بند کر دی گئی تھی اور اب بریک لگانے پر بھی پچھلی روشنیاں نہیں جل سکتی تھیں۔ چنانچہ اس طرح اس سفر کا آغاز ہو گیا۔ بڑی احتیاط اور سست رفتاری سے ڈرائیونگ کی جا رہی تھی۔ تقریباً ایک گھنٹے تک یہ ڈرائیونگ ایسی ہی رہی اور پھر ٹرک بلندی پر چڑھنا شروع ہو گیا۔ بہت ہی طاقتور ٹرک تھا۔ آرام سے بلند ہوتا گیا اور اس کے بعد پھر ہموار میدان آ گئے اب ان کی نگاہوں کے سامنے ایک وسیع و عریض میدان تھا اور ٹرک اس میں تیز رفتاری سے دوڑ رہا تھا اس میدان کو عبور کرنے کے بعد ٹرک ہرے بھرے میدان کے درمیان سے گزرنے لگا۔ یہ سفر ساری رات جاری رہا اور یہ لوگ پوری مستعدی سے جاگتے رہے۔ رات کی تاریکی میں قرب و جوار کے راستے نمایاں تھے۔ کہیں روشنی پھوٹی تو دور تک مخصوص طرز کی عمارتوں کے مناظر نظر آنے لگے۔ یہ تمام مناظر کامران کے لیے انتہائی دلچسپی کا باعث تھے اور وہ خوابوں کی سی کیفیت محسوس کر رہا تھا اور خود ان خوابوں کا ایک کردار بن گیا تھا۔

آخر کار ایک پہاڑی ٹیلے کی آڑ میں ٹرک روک لیا گیا اور حسن شاہ کی پراسرار آواز ابھری۔

"ہم سرحد عبور کر چکے ہیں اور اب یہ سفر زیادہ طویل نہیں رہا۔ یہاں رک جاتے ہیں اور اس کے بعد آگے کی صورت حال کا جائزہ لیں گے۔ ویسے یہ علاقہ مشرق بعید کی سرحد ہے۔ اس طرف شاہراہ ریشم ہے اور تمہیں اس شاہراہ پر جگہ جگہ منشیات کے رسیاؤں کے گروہ نظر آ جائیں گے یہ گروہ اب ہمارے وطن میں داخلے کے مجاز نہیں رہے۔ کیونکہ ان کی وطن میں آمد بند کر دی گئی ہے۔ ورنہ کچھ عرصے پہلے یہ منشیات کی ترسیل کا بہت بڑا ذریعہ تھا۔ یہاں سے کچھ فاصلے پر کھنڈر ہے۔ اور شاید اس بات کا تمہیں علم ہو کہ کھنڈر منشیات کے لوگوں کی جنت ہے۔ اور وہ یہاں ایک طرح سے ایک مقدس عبادت گاہ سمجھ کر آتے ہیں۔"

"عبادت گاہ۔" کامران نے حیرت سے کہا اور حسن شاہ ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔

"یار، میں زیادہ پڑھا لکھا آدمی نہیں ہوں لیکن اتنا جانتا ہوں کہ انسان بڑی کمزور چیز ہے۔ ہر بات اپنی ذات تک آ کر ختم ہو جاتی ہے۔ کہیں وہ پتھروں کو پوجتا ہے، کہیں آگ کو اور کہیں سانپ کو، کہیں دریاؤں کو، کہیں سورج کو اور کہیں سمندر کو۔ مقصد اپنی ذات کی تسکین ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ لوگ بھی بس اپنی ذات کی تسکین کے لیے جیتے ہیں اور بس۔" حسن شاہ پراسرار انداز میں خاموش ہو گیا۔ جیسے کسی انوکھے خیال نے اسے نہ جانے کیا سوچنے پر مجبور کر دیا ہو۔ دیر تک اسی طرح خاموش رہی اس کے بعد اس نے کہا۔

"یہ جگہ محفوظ ہے۔ ہم یہاں دن گزاریں گے اور پھر اس کے بعد کا سفر شروع کریں گے۔" دن کو خوب آرام کیا گیا تھا۔ اور پھر جب شفاف آسمان پر چاند کی پہلی جھلک نظر آئی تو سب کے سب آگے بڑھنے کے لیے مستعد ہو گئے۔ ٹرک کے قریب پہنچ کر کچھ کام کیے جانے لگے۔ ٹرک میں ڈیزل کے بڑے بڑے بیرل رکھے ہوئے تھے۔ انہیں ٹرک کی ٹنکی میں خالی کر کے وہیں پھینک دیا گیا۔ اور اس کے بعد ٹرک اسٹارٹ ہو کر چل پڑا۔ دن میں نیند پوری ہو چکی تھی اس لیے اس وقت سب پوری طرح مستعد تھے۔ راستے میں کامران نے حسن سے کہا۔

"اب یہ سفر کتنا طویل ہوگا۔"

"ساری رات سفر کریں گے اور پھر صبح کی روشنی میں قیام کیا جائے گا۔ اسی طرح ہم پورا دن گزاریں گے اور رات کو دوسری سرحد عبور کریں گے۔"

"دوسری سرحد۔"

"ہاں۔ یعنی دوسری جگہ جو ہمارے لیے خطرناک ہوگی وہاں ہمیں وہ آسانیاں نہیں حاصل ہوں گی۔ جو پہلی سرحد عبور کرتے ہوئے ہوئی تھیں۔ بلکہ پہلی سرحد کے عبور کرنے کا تو پتا بھی نہیں چلا تھا۔ ہے نا ایسی بات۔"

"ہاں۔ لیکن کیا تم یہاں آتے جاتے رہے حسن شاہ۔"

"میں نہیں۔ اس وقت ہماری رہنمائی یہ ٹرک ڈرائیو کر رہا ہے۔ جس کا نام افضل شاہ ہے۔ افضل شاہ ویسا ٹرک ڈرائیور تھا جو شروع سے ان لوگوں کے ساتھ تھا سفر جاری رہا آسمان پر چاند آنکھ مچولی کر رہا تھا۔ بادلوں کی اوٹ میں آتا تو اطراف میں بکھری ہوئی چٹانیں سیاہ کمبل اوڑھے ہوئے بھوتوں کی شکل اختیار کر جاتیں۔ پھر جب چاند نکلتا تو یہ بھوت روپ بدل لیتے تھے۔ یہاں تک کہ روشنی کی کرنوں نے اس صورت حال کو بدل دیا۔ اور بھوتوں کی آنکھ مچولی ختم ہو گئی۔ تاحد نگاہ پہاڑ، درخت اور سرسبز راستے بکھرے ہوئے تھے پس منظر میں ہمالیہ کا سلسلہ محسوس ہوتا تھا جیسے دنیا کی حد یہاں ختم ہو گئی ہو اور یہ بلندیاں آسمان سے جا لگی ہوں اس کے بعد کچھ نہ ہو۔ روشنی میں بھی یہ سفر جاری رہا اور آخر کار دن کو ایک بجے ٹرک روک دیا گیا۔ یہ ایک چھوٹا سا پہاڑی سلسلہ تھا۔ پھر یہاں حسن شاہ کی آواز ابھری۔

"اور اس پہاڑی سلسلے کے دوسری طرف تبت ہے۔"

"اور یہ پہاڑی سلسلہ کتنی دور ہے جہاں زمین کی حد ختم ہوتی محسوس ہوتی ہے۔" کامران نے

اسکول کے کسی طالب علم کی طرح پوچھا۔

"اتنا ہی دور سمجھ لو جتنا ہم سفر کر چکے ہیں۔" حسن شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور کامران ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ لگتا یوں تھا جیسے یہ پہاڑی سلسلے بالکل قریب ہوں۔ لیکن اتنا فاصلہ بہر حال، یہ قدرت کا طلسم ہے اور اس طلسم کے بارے میں عقل نے بھی ساتھ نہیں دیا۔ قدرت کے معاملات کو سمجھ لینا؟ بھلا انسان کے چھوٹے سے ذہن کی اتنی وسعت کہاں ہے۔

بہر حال رات ہونے تک وہیں قیام کیا گیا۔ اور پھر مقررہ وقت پر ٹرک نے سست رفتاری سے سفر کا آغاز کر دیا۔ حسن شاہ اب بہت سنجیدہ ہو گیا تھا اور تمام لوگ اس طرح چپ نظر آتے تھے۔ جیسے یہاں زندگی کو موت کا خطرہ ہو تا کامران نے سوال کر ہی لیا۔

"کیا ہوا خیریت تو ہے۔"

"ہاں ابھی تک تو خیریت ہے۔ ہم سرحد کے بالکل قریب پہنچ گئے ہیں اب اس سرحد کو عبور کر لیں تو سمجھو کہ بات بنی یہ اس سفر کا سب سے خطرناک مرحلہ ہے۔ معمول کے مطابق ٹرک کی روشنیاں گل تھیں۔ افضل شاہ نے سب سے کہہ دیا تھا کہ سگریٹ یا بیڑی پینے تک سے احتراز کریں۔ آگے کا کوئی اندازہ نہیں تھا کہ آگے کیا ہے۔ افضل شاہ ان راستوں کا ماہر تھا ورنہ سچی بات ہے کہ اس تاریک رات میں اور ایسے پہاڑی سلسلے میں یہ پتا ہی نہیں چلتا تھا کہ آگے کھڈ ہے بلندیاں ہیں، چٹانیں ہیں، کیا ہے۔ لیکن افضل شاہ سست رفتاری سے مگر بڑی مشاقی سے اس ٹرک کو چلا رہا تھا۔ کوئی دو گھنٹے کا سفر کرنے کے بعد ٹرک ان درے میں داخل ہو گیا جو سخت ناہموار تھا۔ ٹرک بری طرح اچھل کود رہا تھا اور ڈرائیونگ کرنے والے کو اس کا اسٹیئرنگ سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ اور پھر اچانک دور سے کسی کتے کی بھونکنے کی آوازیں سنائی دیں۔ اور افضل شاہ نے گھبرا کر بریک لگا دیے۔

"کیا..... کیا ہوا افضل شاہ!"

"خطرہ قریب ہے۔ آپ کتے کی آوازیں سن رہے ہو صاحب۔" افضل شاہ کی سہمی ہوئی آواز سنائی دی۔

"انجن بند کر دو۔" حسن شاہ نے کہا اور افضل شاہ نے جلدی سے سوئچ آف کر دیا۔ اس کے بعد بڑا گہرا سکوت خاموشی طاری ہو گئی۔ ان لوگوں نے اپنی سانسیں تک روک لی تھیں۔ کامران بھی انہی کی پیروی کر رہا تھا۔ کچھ دیر تک حسن شاہ آہٹیں لیتا رہا۔ وہ ایسے کاموں کا ماہر معلوم ہوتا تھا۔ اس کے بعد اس نے سرگوشی کی۔

"ٹھیک ہے افضل شاہ! آگے چلو۔" افضل شاہ نے پھر ٹرک اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دیا کتے کی آواز اب نہیں آ رہی تھی لیکن ایک بار اس کی آواز آنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ بے شک ان کے بارے میں اندازہ نہیں لگا سکے اور کسی اور طرف نکل گئے ہیں لیکن وہیں کہیں اطراف میں ہیں حسن شاہ نے آہستہ سے کہا۔

"درے سے نکلتے ہی رخ بدل لینا راستہ چاہے دائیں سمت کا ہو یا بائیں سمت کا۔ سیدھے چلنا خطرناک ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہو شاہ جی! ماہر ہو آپ ان علاقوں کے۔" افضل شاہ نے جواب دیا اور پھر

اندھیرے میں آنکھیں پھاڑتے ہوئے ٹرک ڈرائیو کرنے لگا۔ لیکن مشکل سے مزید دس منٹ گزرے ہوں گے کہ ہواؤں کے دوش پر کتوں کی آوازیں پھر سنائی دیں اور افضل شاہ نے جلدی سے انجن کا سوئچ آف کردیا۔ تھوڑی دیر انتظار کیا گیا آوازیں اب مسلسل سنائی دے رہی تھیں۔ افضل شاہ نے کہا۔

"صاحب! صورت حال ٹھیک نہیں معلوم ہو رہی۔"

"آ جاؤ۔" حسن شاہ نے کہا اور اس کے بعد ٹرک کے پچھلے حصے کی طرف چل پڑا۔ اس نے ٹرک کے پچھلے حصے سے اسٹین گنیں نکالیں اور ان دونوں کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"تم لوگ پچھلے حصے میں چلے جاؤ۔ افضل شاہ تم بھی۔ ڈرائیونگ میں کروں گا تمہارے پاس ریوالور ہے۔" اس بار حسن شاہ نے کامران سے پوچھا تھا۔

"ہاں ہے۔"

"نکال لو اور میرے پاس بیٹھ جاؤ۔" کامران نے اس کی ہدایت پر عمل کیا تھا۔ بدن میں سنسنی دوڑ رہی تھی اور دل کسی آنے والے شدید خطرے کی پیشین گوئی کر رہا تھا۔ لیکن سب سے زیادہ حیرت ناک بات یہ تھی کہ اس خوف ناک وقت میں سنسنی تو بے شک انسانی فطرت کا ایک حصہ ہوتی ہے۔ لیکن دل میں خوف کا گزر نہیں تھا۔ اور یہ ایک اجنبی بات تھی۔ خاص طور سے ایک ایسے شخص کے لیے جو اپنی زندگی میں کبھی ایسے حالات سے نہ گزرا ہو۔ اس کا ایک ہی مقصد ہو سکتا تھا کہ جب انسان کسی راستے پر نکل پڑتا ہے تو دل بھی اس کا ساتھ آہستہ آہستہ دینے ہی لگتا ہے۔ حسن شاہ نے ایک بار پھر ٹرک اسٹارٹ کیا اور پھر اس کی رفتار اس بار کافی تیز تھی۔ افضل شاہ کی نسبت وہ زیادہ اچھا ڈرائیور تھا۔ اور ٹرک کو سنبھالے ہوئے تھا۔ یہ وہ درہ جس میں یہ لوگ سفر کر رہے تھے۔ کافی طویل تھا اور اس کے دوسرے سرے کا کہیں پتا نہیں تھا۔ لیکن یوں لگتا تھا جیسے حسن شاہ نے اب کسی بھی مشکل کی پرواہ کرنا چھوڑ دی ہو۔ وہ ٹرک کی اچھل کود کو بالکل نظر انداز کیے ہوئے تھا اور اس طرح ٹرک دوڑائے جا رہا تھا جیسے کسی بات کی پرواہ نہ ہو لیکن یہ خیال غلط تھا۔ اچانک ہی کہیں دور پہاڑوں میں روشنی چمکی اور حسن شاہ نے ٹرک کی بریکوں پر دباؤ بڑھا دیا۔ کتوں کے بھونکنے کی آوازیں پھر پورے زور و شور سے آنے لگیں۔ اب یوں لگ رہا تھا جیسے وہ ان کی موجودگی سے واقف ہو چکے ہوں۔ ان کی آوازیں بڑھتی ہی جا رہی تھیں اور پھر اچانک ان کے بائیں سمت سے تیز سرچ لائٹ کی روشنی نیچے اترنے لگی اور حسن شاہ کے حلق سے غرائی ہوئی آواز نکلی۔

"لعنت ہے یار! گھر گئے۔" اس نے انجن بند کر دیا۔ سرچ لائٹ اسی طرف آ رہی تھی۔ اور کچھ ہی لمحوں کے بعد ٹرک تک پہنچنے والی تھی۔

"نہیں افضل شاہ کھیل خراب ہو گیا۔ کامران! صورت حال بگڑ گئی ہے چلو نیچے کود جاؤ۔ کود جاؤ جلدی۔" یہ کہہ کر وہ خود ٹرک کی دوسری طرف کا دروازہ کھول کر نیچے کود گیا۔ پچھلے حصے میں بیٹھے ہوئے دونوں آدمی بھی نیچے کود گئے تھے اور ایک بار پھر حسن شاہ کی آواز ابھری۔

"روشنیوں سے بچو۔" اور اس کے بعد وہ دوڑنے لگا۔ یہاں تک کہ ایک چوڑی چٹان سامنے آ گئی اور سب اس کے پیچھے پہنچ گئے۔ اسی وقت روشنی ٹرک پر سے گزری اور آگے بڑھ گئی لیکن فوراً ہی اس کا رخ بدلا

اور وہ تیزی سے واپس آ کر ٹرک پر مرکوز ہو گئی۔ اس کے بعد کچھ ہلچل سی ہوئی کچھ پتھر لڑھکے۔ روشنی ہونے لگی اور اب یہ روشنیاں ٹرک پر مرکوز ہو گئی تھیں۔ پھر ان میں سے کچھ روشنیوں کے دائرے آہستہ آہستہ گردش کرنے لگے وہ اطراف کا جائزہ لے رہے تھے۔ ایک روشنی ان پر سے بھی گزری لیکن چٹان نے انہیں محفوظ کیا ہوا تھا۔ یہ روشن دائرہ چٹان سے گزرتا ہوا آگے بڑھا اور پھر ایک نئی ہنگامہ آرائی شروع ہو گئی۔ اچانک ہی کتوں کی خوف ناک آوازوں سے طوفان برپا ہو گیا۔ چھوٹے چھوٹے پتھر لڑھک رہے تھے اور اندازہ یہ ہو رہا تھا کہ انہوں نے ان کی تلاش کے لیے کتوں کو آزاد چھوڑ دیا ہے۔

"بھاگو۔" حسن شاہ کی آواز ابھری اور اس آواز کے ساتھ ہی وہ چٹان کے عقب سے نکل کر بھاگا۔ ان کے متحرک ہوتے ہی فائرنگ شروع ہو گئی۔ انہیں دیکھ لیا گیا تھا اور اب گولیاں ان کے دائیں بائیں سے نکل رہی تھیں۔ دفعتاً افضل شاہ کی دلدوز چیخ ابھری۔ اور کامران نے اسے اچھل کر گرتے ہوئے دیکھا گولیاں افضل شاہ کو چاٹ گئی تھیں، ادھر کتے تھے کہ قریب سے قریب تر آتے جا رہے تھے۔ بس ایک لمحہ اس کے بعد زندگی ہے یا نہیں؟ کا تصور ہر احساس سے بے نیاز کر دینے والا کامران پوری قوت سے دوڑنے لگا۔ اس وقت رک کر یہ دیکھنے کی فرصت کسے تھی کہ کون گولیوں کا شکار ہو رہا ہے لیکن کامران محسوس کر رہا تھا کہ حسن شاہ اس کے ساتھ ساتھ دوڑ رہا ہے پھر اچانک ہی حسن شاہ نے پلٹ کر فائر کیا۔ اور ایک خون خوار شکاری کتا جو سر پر پہنچ گیا تھا ایک خوف ناک آواز کے ساتھ فضا میں اچھل کر پیچھے گر پڑا۔ لیکن پیچھے کتے اور بھی تھے۔ ایک کتے نے کامران پر چھلانگ لگائی تو کامران نے پہلی بار ریوالور استعمال کیا۔ گولی کتے نے پر لگی تھی۔ لیکن تیسرا کتا ایک لمبی چھلانگ لگا کر حسن شاہ تک پہنچ گیا اور اس نے حسن شاہ کو دبوچ لیا حسن شاہ کتے کے ساتھ نیچے گر پڑا تھا۔ اپنی زندگی بچانے کا تصور بے حد قیمتی ہوتا ہے۔ لیکن حسن شاہ تو اس کا رہنما بھی تھا۔ اس نے رخ بدلا اور حسن شاہ اور کتے کی جدوجہد دیکھنے لگا حسن شاہ کتے کو خود پر سے دھکیلنے میں مصروف تھا اور کتے نے اس کے شانے میں دانت گاڑ دیے تھے دونوں میں شدید کشمکش ہو رہی تھی۔ صورت حال ایسی نہیں تھی کہ کتے پر گولی چلائی جا سکے وہ اس طرح حسن شاہ سے لپٹا ہوا تھا کہ گولی چلانے کی کوشش انتہائی خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ کامران اس کے قریب پہنچا اور پھر اچانک ہی اس نے کتے کی ٹانگ پکڑ لی اور پوری قوت سے اسے گھسیٹا اس کے ساتھ ہی اس نے ریوالور کی نال اس کے سر پر رکھ کر ٹریگر دبا دیا۔ کتا ایک خوف ناک غراہٹ کے ساتھ اچھلا اور حسن شاہ اس کی گرفت سے آزاد ہو گیا۔ لیکن فائر کی آواز اور کتے کی غراہٹ سے ان لوگوں نے سمت کا اندازہ کر لیا۔ اور دوسرے لمحے اس طرف رخ کر کے فائرنگ شروع کر دی گئی گولیاں ان کے بالکل قریب سے گزرنے لگیں۔ وہ آس پاس کی چٹانوں کو ادھیڑ رہی تھیں۔ حسن شاہ کتے کی گرفت سے آزاد ہو کر ایک دم چیخا۔

"اس طرف ادھر۔" اور اس کے ساتھ ہی اس نے کامران کا بازو پکڑا اور درے کی پہاڑی دیوار کے بالکل قریب پہنچ گیا اس دیوار میں ایک رخنہ نظر آ رہا تھا جو بلندی کی طرف چلا گیا تھا۔

"اوپر...... اوپر......" حسن شاہ کی آواز کرب میں ڈوبی ہوئی تھی جس سے کامران کو یہ اندازہ ہوا کہ کتے نے حسن شاہ کو شدید زخمی کر دیا ہے۔

"آؤ میرا سہارا لو۔" کامران نے کہا اور حسن شاہ نے اپنا بازو، جس تیز رفتاری سے ممکن ہو سکتا تھا اوپر چڑھتا چھوٹے چھوٹے پتھر ان کے پیروں تلے آ کر لڑھک رہے تھے۔ ان پتھروں پر توازن برقرار رکھنا ایک انتہائی مشکل کام تھا۔ لیکن جب زندگی موت سے پہلے اس طرح لپٹ جاتی ہے تو جسمانی قوتیں بھی بے پناہ ہو جاتی ہیں اور اس وقت اعصاب کچھ زیادہ ہی کام کرنے لگتے ہیں۔ کامران نہ صرف اپنا وزن سنبھالے ہوئے تھا بلکہ وہ حسن شاہ کو بھی اپنے اوپر لادے آہستہ آہستہ سفر طے کر رہا تھا۔ نہ جانے یہ جان لیوا بلندیاں کتنی دیر میں ختم ہوئیں۔ گولیوں کی آوازیں اب بھی ابھر رہی تھیں۔ باقی تینوں افراد کا کوئی پتا نہیں تھا۔ افضل شاہ اور اس کے دونوں ساتھی جانے کہاں پھنس گئے تھے۔ درے کی دیواریں انہیں گولیوں سے محفوظ رکھے ہوئے تھیں۔ روشنیاں بھی اس طرف نہیں آ رہی تھیں لیکن کبھی کبھی ان کے گزرنے کا احساس ہوتا تھا۔

آخر کار کامران حسن شاہ کو لیے بلندیوں تک پہنچ گیا۔ اوپر ہوا انتہائی تیز تھی۔ رات کی تاریکی میں کامران نے ادھر ادھر نگاہیں دوڑائیں چٹانوں کے سوا کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اسی وقت حسن شاہ کی آواز ابھری۔

"سنو میرے دوست! میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ اس وقت کی ضرورت ہے۔ یہ مت سمجھنا کہ میں حالات سے ہار گیا ہوں یا کچھ کر نہیں سکتا۔ تم بالکل بے فکر رہنا میں آخری وقت تک ہمت سے کام لینے کی کوشش کرتا رہوں گا۔ میں سخت زخمی ہو گیا ہوں۔ کتے نے میرا بازو ہی نہیں سینہ بھی ادھیڑ دیا ہے میں یہاں خاموشی سے اپنے آپ کو چھپا لوں گا۔ اور جب یہ خطرہ ٹل جائے گا۔ تو یہاں سے نکلنے کی کوشش کروں گا۔"

"کیا مطلب؟" کامران حیرت سے بولا۔

"پہلے پروگرام میں بے شک تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن پہلے بھی مجھے یہی بتایا گیا تھا کہ میں تمہیں بھی سرحد عبور کرا دوں اس کے بعد کی ذمہ داریاں تم پر چھوڑ دی گئی ہیں۔"

"وہ سب کچھ ٹھیک ہے۔" لیکن ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ دفعتاً ہی کسی طرف سے گولیوں کی بارش شروع ہو گئی۔ اسٹین گن کی تڑتڑاہٹ اور اس کے ساتھ ہی سرچ لائٹ کی تیز روشنی جو یقیناً کسی انتہائی بلند مقام پر تھی۔ اور وہاں سے ان لوگوں کو بڑی کامیابی سے ٹریس کیا گیا تھا۔ حسن شاہ نے اچھل کر ایک طرف چھلانگ لگائی اور کامران بری طرح بے توازن ہو گیا۔ وہ پیچھے کی سمت گرا لیکن کسی چٹان یا زمین پر نہیں بلکہ خلا میں اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ وہ کسی سہارے کو پکڑنے کے لیے خلا میں ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ لیکن وہاں تیز و تند ہواؤں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ اس کا بدن کسی بے جان پتھر کی طرح خلا میں نیچے گر رہا تھا ہواؤں کی سنسناہٹ نے ذہن معطل کر دیا تھا۔ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں ایک لمحے کے لیے بالکل ختم ہو گئی تھیں اور پھر نہ جانے کتنی نیچے گرنے کے بعد اچانک ہی کمر میں شدید تکلیف کا احساس ہوا۔ لیکن قدرت کے کھیل بڑے دلچسپ اور انوکھے ہوا کرتے ہیں۔ اندازہ تو نہیں ہو سکا تھا کہ کیا ہوا ہے۔ لیکن کمر کی چوٹ نے تھوڑی دیر کے لیے حواس معطل کر دیے تھے۔ بدن اب بھی خلا میں تھا نہ ہاتھ کسی چیز پر ٹکے ہوئے تھے اور نہ پاؤں۔ پتا نہیں کیا ہوا تھا اس کے ساتھ لیکن جو کچھ بھی ہوا تھا ناقابل فہم تھا البتہ اس الجھن کو ہواؤں کی اس رگڑ نے دور کر دیا تھا جو کامران کے دماغ کو معطل کیے دے رہی تھی۔ یہ بھی اس کی زبردست قوت ارادی تھی کہ وہ اب تک ہوش حواس قائم رکھے اپنے آپ کو سنبھالے ہوا تھا لیکن آہستہ آہستہ سب کچھ نگاہوں سے دور ہو گیا تھا۔

اور دماغ کی سنسناہٹ نے ہوش و حواس چھین لیے تھے۔

پھر نہ جانے کب تک ہوش و حواس سے بیگانہ رہا۔ پھر ہوش آیا تو پاؤں کے نیچے پتھریلی زمین! سر پر چمکتا ہوا سورج تھا۔ کھلا، نیلا، شفاف آسمان زندگی کی خبر دے رہا تھا رفتہ رفتہ احساسات جاگتے گئے واقعات یاد آئے اور حسن شاہ کا خیال دل میں ابھرا۔ دل کو ایک گھونسا سا لگا تھا۔ پتا نہیں حسن شاہ کا کیا ہوا ایک لمحے کو تو یوں لگا جیسے پورا بدن ہواؤں میں اڑ رہا ہو۔ تمام خیالات ایسے ہی ہولناک تھے۔ پھر حیرانی سے کامران نے گردن ہلا کر چاروں طرف دیکھا۔ بانسوں کو زمین میں گاڑ کر ایک چھوٹا سا احاطہ بنایا گیا تھا۔ احاطے میں بہت سے درخت تھے اور اس وقت کامران انہی درختوں سے کچھ فاصلے پر ایک جگہ زمین پر لیٹا تھا۔ سر کے نیچے ایک نرم تکیہ رکھا ہوا تھا باقی کھردری زمین تھی اس کی نگاہوں کے سامنے بانسوں ہی سے بنی ہوئی ایک عمارت جیسی چیز دیکھی۔ جس پر کپڑے کے جھنڈے لگے ہوئے تھے عمارت کے صدر دروازے سے گٹھے ہوئے بدن کا مالک ایک بدھ بھکشو نارنجی لباس بدن پر لپیٹے ہوئے ایک نو سالہ لڑکے کے ساتھ آ رہا تھا لڑکے کے ہاتھوں میں لکڑی کا بنا ہوا ایک پیالا تھا۔ جس میں ہلکی ہلکی بھاپ اٹھ رہی تھی ایک لمحے کے اندازہ ہو گیا کہ دونوں کامران ہی کی سمت آ رہے ہیں۔ کامران سنبھل گیا اور اس نے اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی تو اسے احساس ہوا کہ جسم پر جا بجا زخم ہیں۔ جس طرح آسمان کی بلندیوں سے زمین کی پستیوں تک پہنچا تھا اس میں زندگی کا بچ جانا ہی ایک ناقابل یقین سی بات تھی لیکن قدرت ہمیشہ اپنے کرشمے دکھاتی ہے۔ کسی کو بچانا ہو تو آسمان سے زمین پر پھینک، دو خراش نہیں آنے دی بدن پر اور جب زندگی کی کہانی ختم ہوتی ہو تو لمحوں میں طاقت سلب ہو جاتی ہے بچانے والا بچانا چاہتا تھا اس نے بچا لیا اس میں حیرت کی کیا بات تھی۔

بہر حال وہ دونوں قریب آ گئے۔ بچہ بھی چھوٹا سا گیروانہ لباس پہنے ہوئے تھا۔ سر گھٹا ہوا تھا آنکھوں میں کاجل لگا ہوا تھا اس قدر معصوم چہرہ تھا کہ نگاہیں ہٹانے کو جی نہ چاہے۔ گردن کے اشارے سے اس نے دودھ کا پیالہ کامران سے لینے کو کہا۔

دوسرا آدمی بھی مسکراتی نگاہوں سے کامران کو دیکھ رہا تھا اس نے بھی اشارہ کیا مقصد یہ تھا کہ کامران دودھ پی لے دونوں نے دودھ کا پیالہ کامران کے ہاتھ میں تھمایا اور پھر اس کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھ گئے۔ کامران نے شکریہ ادا کر کے دودھ کو گھونٹ گھونٹ کر کے پینا شروع کر دیا۔ بہت ہی لذیذ دودھ غالباً بھیڑ کا تھا اور اس نے اس کے بدن کو ایسی تقویت پہنچائی کہ لگا جیسے کوئی تکلیف ہی نہ ہو ایک لمحے میں احساس بھی ہو گیا کہ دودھ میں کوئی دوا ملی ہوئی ہے۔ کسی خاص قسم کی جڑی بوٹی کے ساتھ ابالا ہوا تھا۔ اندازہ لگانے میں بھی کوئی دقت نہیں ہوئی تھی کہ یہی لوگ اس کی جان بچانے کا باعث بنے تھے۔ لیکن کیسے چویشن کیا تھی۔ کچھ پتا نہیں چل رہا تھا۔ دودھ ختم کرنے کے بعد کامران اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ بدھ بھکشو نے مسکراتی نگاہوں سے دیکھا تو کامران بولا۔

"افسوس۔ میں تمہاری زبان نہیں سمجھتا۔ کاش میں تمہاری زبان سمجھ سکتا۔"

"مگر میں تمہاری زبان سمجھتا ہوں اور بول بھی سکتا ہوں۔" بدھ بھکشو نے ٹوٹی پھوٹی اردو میں کہا

اور کامران حیرت سے اچھل پڑا۔

"ارے کیا واقعی۔ واہ یہ تو کمال ہو گیا۔" کامران کو ایک عجیب سی خوشگوار کیفیت کا احساس ہوا تھا پھر اس نے کہا۔

"بڑی خوشی ہوئی آپ مجھے کہاں سے لائے۔" بوڑھے بھکشو نے بہت دور انگلی سے اشارہ کر کے کہا۔

"وہاں اس درخت کی شاخ سے جو پہاڑی کی جڑ میں اگا ہوا ہے۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ نیکیوں کا درخت ہے اور صدیوں پہلے ایک نیک انسان نے دیوار میں بویا تھا شاید اسی لیے کہ وہ انسانی زندگیاں بچائے۔ تم اس درخت کی شاخ میں پھل کی طرح لٹکے ہوئے تھے میں صبح ہوا خوری کے لیے ادھر جاتا ہوں۔ چنانچہ میں نے وہ پھل توڑ لیا۔ البتہ تم بہت وزنی ہو تمہیں کندھوں پر لاد کر یہاں تک لاتے ہوئے خود میرے کندھوں میں درد ہو گیا لیکن مجھے خوشی ہے کہ میں ایک انسانی جان بچانے میں کامیاب ہو گیا۔" کامران حیرت سے یہ داستان سن رہا تھا۔ قدرت کو اس کی زندگی منظور تھی۔ چنانچہ اتنی بلندی سے گرنے کے بعد بھی اس کا کچھ نہ بگڑا۔

اس نے بوڑھے بھکشو کا شکریہ ادا کیا بچے کی پیشانی پر بوسہ دیا اور وہ خوشی سے ہنس پڑا۔

"یہ عبادت گاہ ہے۔"

"ہاں۔ میں یہیں رہتا ہوں پاس ہی ہماری بستی ہے اس کا نام تروالا ہے۔ تروالا کی آبادی بہت مختصر ہے۔ لوگ یہاں عبادت کرنے آ جاتے ہیں اور میں انہیں عبادت کراتا ہوں۔"

"تمہارا نام کیا ہے۔"

"سمبورا۔" بوڑھے نے جواب دیا۔

"اور یہ بچہ۔"

"ہاں یہ کیرا ہے۔"

"تمہارا بیٹا ہے۔"

"سبھی اپنے ہوتے ہیں اس بچے کے ماں باپ نہیں ہیں یہ ہماری عبادت گاہ میں رہتا ہے۔"

"کیا یہ بھی اردو زبان سمجھتا ہے۔"

"نہیں۔"

"تم نے ہماری زبان کہاں سے سیکھی۔"

"زندگی کے راستے بہت طویل ہوتے ہیں۔ کب کہاں، کون، کس طرح مل جائے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ بس یوں سمجھ لو کچھ ہم سفر ملے۔ کچھ لے گئے، کچھ دے گئے، اس میں یہ زبان بھی ہے۔" سمبورا نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔ اور کامران گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا بوڑھے نے کہا۔

"مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ تم کون ہو۔ کیا ہو۔ کہاں سے گرے تھے۔ کیوں گرے تھے۔ میں نے تو صرف اپنا فرض پورا کیا ہے۔ اگر کچھ تمہارا دل چاہے اگر تمہیں کہیں کسی جگہ میری مدد کی ضرورت ہو تو کہو۔"

"بہت شکریہ سمبورا۔ میں دل کی گہرائیوں سے تمہاری عزت کرتا ہوں۔ بس یوں سمجھ لو ایک جرائم پیشہ آدمی ہوں زندگی بچانے کے لیے بھاگ رہا تھا۔ سرحدی محافظ میرا پیچھا کر رہے تھے کہ اچانک گر پڑا۔

زندگی تھی کہ بچ گیا۔"

"خوشی ہوئی تمہارے زندہ بچ جانے کی۔"

"ایک جرائم پیشہ آدمی کی زندگی بچ جانے سے خوشی ہوتی ہے۔" کامران نے سوال کیا۔

"کیا ہوا تم انسان تو ہو نا۔ بات ختم ہو جاتی ہے۔ بس انسان ہونا کافی ہے۔ جہاں تک پیشے کا تعلق ہے یوں سمجھ لو کہ ہر شخص جینے کے لیے سہارے اور راستے تلاش کرتا ہے کون کس طرف نکل جائے یہ اوپر والا ہی جانتا ہے۔ ایک بھرپور۔ اس سے غرض ہے کہ ہم انسان کے کام آ رہے ہیں ایک بات اور کہوں تم اندر سے برے نہیں ہو۔ یہ میری زندگی بھر کا تجربہ ہے۔ اندر سے برے ہوتے تو کبھی اپنے بارے میں سچ بات نہ بتاتے۔ کچھ کہہ سن کر مجھے ٹال دیتے اندر کی اچھائیاں بس......" یہ کہہ کر وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گیا۔

"بستی تروالا کی آبادی کتنی ہوگی اور کھٹمنڈو یہاں سے کتنی دور ہے۔"

"کھٹمنڈو نہیں تبت کی بات کرو مگر وہ بھی یہاں سے کافی فاصلے پر ہے۔" کامران گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ اس کے دماغ میں جو خاکہ سا چلنے لگا تھا جو ہدایات اسے دی گئی تھیں۔ اس کو اسی کے تحت آگے کا سفر کرنا تھا لیکن اس سلسلے میں سب سے اہم بات یہ تھی کہ اسے کسی کو اپنا رازدار نہیں بنانا تھا۔ چاہے وہ کتنا ہی غیر متعلق شخص کیوں نہ ہو۔ البتہ نقصان یہ ہوا تھا کہ بے چارہ حسن شاہ اس کا ساتھ نہیں دے سکا تھا۔ حسن شاہ جس حالت میں تھا۔ اس سے اس بات کا اندازہ تو بخوبی لگایا جا سکتا تھا کہ شاید ہی اب وہ اس دنیا میں ہو۔

بہرحال بدھ بھکشو نے اس کی کافی خاطر مدارات کی سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ ٹوٹی پھوٹی اردو جانتا تھا اور اس طرح ان کے درمیان اجنبیت نہیں رہی تھی۔ سمبورا نے اس سے کہا کہ وہ یہاں آرام سے رہے جب تک اس کی کیفیت بہتر نہ ہو جائے یہاں سے جانے کا نام نہ لے۔ سورج کی طلائی کرنوں نے اور شاید دودھ میں ملی ہوئی کسی دوا نے کامران کو بہترین فائدہ پہنچایا تھا۔ وہ نہ جانے کب تک یہاں احاطے میں پڑا رہا۔ پھر جب ذہنی کیفیت بالکل بحال ہو گئی تو اپنی جگہ سے اٹھا اور احاطے کی جگہ سے باہر نکل آیا اس وقت کیرا اور سمبورا اندر خانقاہ میں تھے احاطے کے دروازے سے باہر آ کر اس نے قرب و جوار میں نگاہیں دوڑائیں۔ فضا میں گدھ اڑ رہے تھے اور بہت دور افق پر ہمالیہ کی بلند و بالا فصیل پھیلی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ ابھی اس کی نگاہیں ادھر ادھر ہی بھٹک رہی تھیں کہ پیچھے سے کیرا اس کے قریب آ گیا یہ بچہ اسے بہت پسند آیا تھا اس قدر معصوم چہرے شاذ و نادر ہی پیش آتے ہیں۔ بچے کے چہرے کی معصومیت اس قدر پر کشش تھی کہ دل اس کی جانب کھنچتا تھا کامران نے بھی محبت سے کیرا کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ ہنس پڑا پھر اس نے آگے کی سمت اشارہ کیا۔ کہنا چاہتا تھا کہ چلو تمہیں اپنی بستی دکھاؤں۔ کامران بھی یہاں رک کر صورت حال کا جائزہ لینا چاہتا تھا فیصلے کرنا چاہتا تھا۔

چنانچہ آگے بڑھنے کا اشارہ کیا اور دونوں آگے چل پڑے۔ بچہ اس طرح کامران کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا جیسے اسے اندھا سمجھتا ہو۔ وہ کامران کو لیے ہوئے ایک موڑ تک آ گیا جہاں بھورے آسمان سے اٹی ہوئی پتھروں کی ایک سڑک ندی کے کنارے کنارے چلی جا رہی تھی۔ کچھ آگے بڑھا تو اس نے چند عورتوں کو دیکھا جو ارغوانی رنگ کی شالیں اوڑھے ہوئے تھیں اور ان کے بائیں نتھنوں میں پیتل کی نتھنیں سجی ہوئی تھیں

سرداں پر جھکتی ہوئی نقرئی ٹہنیوں کے گلدستے رکھے آگے بڑھ رہی تھیں گویا یہ چھوٹی سی ندی جو تر وتازہ بستی کا احاطہ کیے ہوئے تھی ان لوگوں کا ذریعہ معاش بھی تھی۔ کامران لڑکے کی رہنمائی میں آگے بڑھتا رہا۔ ایک پشتے کے اوپر سے گزرتے ہوئے اس نے ایک چھوٹی سی نہر بھی دیکھی دوسری طرف چاول کے سرسبز کھیت پھیلے ہوئے تھے۔ کچھ اور آگے ایک کسان دو بھینسوں کے ذریعے کٹے ہوئے گیہوں روند رہا تھا اور ادھر ادھر بکھر جانے والے گیہوں کے خوشے سمیٹ کر بھینسوں کے قدموں تلے پھینک رہا تھا۔

آخرکار وہ بستی میں آ گئے۔ کتے اور مرغیاں کیچڑ اور گندگی کے ڈھیر کرید رہے تھے۔ ان کے آس پاس پالتو سور غول بنائے گلے سڑے چھلوں اور ان چھلکوں پر منہ مارتے پھر رہے تھے۔ ان مدارج سے گزرتا ہوا وہ اس خستہ حال جھونپڑے پر جا رکا جس کی حالت کافی بوسیدہ تھی کیرا نے اسے اشارہ کیا اور جھونپڑے کے اندر چلا گیا۔ شاید وہاں اس کا کوئی شناسا تھا اور اس کے بعد وہ باہر نکل آیا پھر کافی دیر تک وہ کامران کو اس ٹوٹے پھوٹے بوسیدہ حال گاؤں کی سیر کراتا رہا تھا چھوٹی سی جگہ تھی۔ بس تھوڑی ہی دیر میں یہ چکر پورا ہو گیا۔ کامران اب آگے کے منصوبے پر عمل کرنا چاہتا تھا۔ جو تفصیلات اسے بتائی گئی تھیں۔ اسے انہیں کے مطابق آگے کا سفر بھی کرنا تھا۔ بار بار حسن شاہ کا خیال دل میں آ جاتا تھا اور حلق میں ایک گولا سا اٹک جاتا تھا حالانکہ کامران کا اور اس کا ساتھ بہت زیادہ وقت تک نہیں رہا تھا وہ واپس خانقاہ میں آ گیا یہ دن اور یہ رات وہاں گزاری۔ لیکن ظاہر ہے یہاں رکنے کے لیے نہیں آیا تھا۔

چنانچہ وہاں سے جانا ضروری تھا اور دوسری صبح وہ اپنے ان محبت بھرے میزبانوں سے رخصت ہو کر ایک سمت کا اندازہ کر کے آگے بڑھنے لگا۔ کرنل گل نواز نے اس پر زبردست بھروسا کر لیا تھا۔ حالانکہ کامران نے اپنی زندگی میں اپنی فطرت کے مطابق بہت ہی پرسکون لمحات گزارے تھے۔ گزرے ہوئے لمحوں کی یادیں بڑی دل کش ہوتی ہیں کامران کی زندگی میں بھی ایسے الٹ پھیر آئے تھے۔ سب سے زیادہ دکھ کے وہ لمحات تھے۔ جب وہ اپنی اکلوتی بہن سے محروم ہو گیا تھا۔ قدرت نے اب اس کی بہن کے قتل کو کیفر کردار تک پہنچا دیا تھا۔ لیکن اس کے بعد حاجی الیاس صاحب اور پھر کرنل گل نواز کے گھرانے کی زندگی کو ایک بار بھرپور سہارا دیا تھا۔ وہاں ایسے ایسے کردار مل گئے تھے جنہوں نے اسے ہر طرح کی بہتری مہیا کی تھی اور پھر سے وہ زندگی کے معمول پر آ گیا تھا۔

بہرحال سفر کیا گیا اور وہ آگے بڑھتا چلا گیا خاصا طویل سفر طے کیا تھا۔ راستے اجنبی تھے۔ اور وہ ایک ان جانی منزل کی جانب چلا جا رہا تھا سورج سر پر سے گزر گیا۔ اور اچانک اسے احساس ہوا کہ زندگی کی ضروریات کے لیے اس نے کوئی بندوبست نہیں کیا ہے۔ پیٹ میں آگ دوڑ رہی تھی۔ لیکن اس آگ کو بجھانے کے لیے کوئی بندوبست نہیں تھا۔ زیادہ سفر نہیں کیا تھا کہ کچھ جھاڑیاں نظر آ گئیں۔ جن میں پھل لگے ہوئے تھے ان پھلوں کو بوٹ کہا جاتا ہے اور یہ بیلوں کی شکل میں پھیل جاتے ہیں۔ انتہائی شکر ادا کیا اس نے اللہ تعالیٰ کا کہ اس نے پیٹ بھرنے کا بندوبست کر دیا۔ اس نے بہت سی بوٹیں اور بیریاں کھائیں اور انہیں اپنے پاس ذخیرہ بھی کر لیا۔ پھر وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ شام کی جھکتی ہوئی بجلاہٹوں میں ایک بستی نظر آئی جو کافی پر رونق تھی۔ اور دور ہی سے اس کی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ بستی خاصی بہتر تھی اور وہاں کھانے پینے کا

بندوبست بھی ہو سکتا تھا۔

چنانچہ وہ ایک جھونپڑا ٹائپ کے ہوٹل میں داخل ہو گیا جہاں سرخ ٹوپی والے ایک ویٹر نے چاولوں پر مشتمل کھانا لا کر سامنے رکھا شدید بھوک میں یہ ایک نعمت تھی۔ خوب پیٹ بھر کر کھایا اور طبیعت سیر ہو گئی۔ رات گزارنے کے لیے ایک سایہ دار درخت کا انتخاب کیا اور اس کے نیچے جا کر لیٹ گیا۔

وہ اب اپنے اندر خاصا اعتماد پیدا کر چکا تھا اور اس اعتماد نے اسے نیند مہیا کر دی۔ دوسری صبح جب وہ جاگا تو اپنے سونے کی جگہ سے چند گز کے فاصلے پر کچھ خیمے نظر آئے۔ یہ یقینی بات تھی کہ رات کو یہ خیمے یہاں موجود نہیں تھے۔ گویا رات کے ہی کسی حصے میں یہاں یہ آبادی ہوئی ہے۔ پتا نہیں کس طرح کے خیمے ہیں اور کون لوگ ہیں کچھ دیر بعد اس نے ان خیموں کے درمیان چند لوگوں کو چلتے پھرتے دیکھا۔ اور یہ دیکھ کر اسے ایک دم خوشی کا سا احساس ہوا کہ ان میں سفید چمڑی والے لوگ نظر آ رہے تھے وہ پھرتی سے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ سامنے ہی چند نوجوان نظر آ رہے تھے جو آپس میں باتیں کرتے ہوئے ایک طرف جا رہے تھے وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا ان کے قریب پہنچ گیا۔

اجنبی دنیا، اجنبی لوگ بڑی عجیب و غریب کیفیت ہوتی ہے انسانوں کی۔ وہاں اگر کوئی انتہائی غیر بھی نظر آ جائے اور اپنا اپنا سا لگے تو دل بے اختیار اس کی جانب کھنچتا ہے۔ جس طرح کامران ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوا تھا اسی طرح وہ لوگ بھی اسی طرف توجہ دے رہے تھے۔ اور پھر انہوں نے مسکراتے ہوئے کامران کا خیر مقدم کیا۔

''ہیلو......'' ان میں سے ایک شخص بولا۔

''ہیلو سر...... آپ......''

''ہاں یورپین ہم لوگ انگلینڈ سے تعلق رکھتے ہیں۔'' اسی وقت خیمے سے ایک لڑکی باہر نکل آئی۔ یہ چست پتلون میں ملبوس تھی اور بہت خوب صورت تھی وہ بھی اس کے قریب ہی آ گئی۔

''آپ اکیلے ہیں مسٹر۔'' ایک نوجوان نے کامران سے پوچھا۔

''ہاں بالکل اکیلا۔''

''انہی علاقوں میں رہتے ہیں۔''

''نہیں اجنبی ہوں۔ آپ لوگ؟''

''ہم ٹورسٹ ہیں ان علاقوں کی سیر کر رہے ہیں۔''

''میرا نام کامران ہے۔'' اور وہ لوگ بھی اپنا تعارف کرانے لگے لڑکی نے اپنا نام ریتا گریجر بتایا تھا اور کامران سے باقاعدہ ہاتھ ملایا تھا۔ وہ کہنے لگی۔

''مگر تعجب کی بات یہ ہے کہ آپ اکیلے ہی سیاحت کر رہے ہیں۔''

''میرے ساتھ کچھ لوگ تھے جو یہ سفر ادھورا چھوڑ کر چلے گئے۔ اب میں تنہا ہی ان علاقوں میں بھٹک رہا ہوں۔''

''ہمارا ساتھ کیوں نہیں اختیار کر لیتے۔ ایک اچھے ساتھی ثابت ہوں گے ہم۔''

"کیوں نہیں۔ میں جانتا ہوں۔" کامران نے خوش اخلاقی سے کہا۔

"آیئے میں آپ کو اپنے ڈیڈی سے ملاؤں۔" ریٹا نے کہا اور کامران اس کے ساتھ چل پڑا۔ دوسری طرف گھوما تو کافی کی سوندھی سوندھی بو ناک سے ٹکرائی اور کامران نے دل ہی دل میں سوچا کہ بی بی تم ایک اچھی ساتھی ثابت ہو یا نہ ہو ظاہر ہے ایسا ممکن نہیں ہے کیونکہ میری منزل اور ہے اور تمہاری منزل اور۔ ہاں یہ ممکن ہو سکتا ہے کہ تھوڑا سا وقت تمہارے ساتھ بھی گزر جائے اور کچھ نہیں تو کم از کم کھانے پینے کی تھوڑی اچھی چیزیں ضرور مل جائیں گی۔ دوسری طرف ایک خیمے کے سامنے فولڈنگ اسٹولوں پر کئی افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ کچھ عمر رسیدہ تھے کچھ نوجوان تھے۔ ریٹا کے علاوہ تین لڑکیاں اور تھیں تھوڑے فاصلے پر چند مزدور یا ملازم ٹائپ کے لوگ کھانا تیار کر رہے تھے اسٹولوں پر بیٹھے ہوئے لوگوں نے چونک کر کامران کو دیکھا اور ریٹا گروجر بول اٹھی۔

"یہ مسٹر کامران ہیں ڈیڈی اور مسٹر کامران یہ میرے ڈیڈی ہیں۔"

"ہیلو......" عمر رسیدہ افراد میں سے ایک نے کہا۔

"سوری سر...... شاید میں آپ کی گفتگو کے دوران مخل ہوا ہوں۔"

"نہیں مائی ڈیئر! میرا نام نیلی گروجر ہے اور یہ میرے دوست۔" وہ تمام لوگوں کا تعارف کرانے لگا۔ سب خوش اخلاقی سے کامران سے ملے تھے۔ مسٹر گروجر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور یہ میری بیٹی ریٹا گروجر!" یہ کہہ کر مسٹر گروجر ہنس پڑا۔

"مسٹر کامران بھی ٹورسٹ ہیں ڈیڈی اور ان کے ساتھی انہیں چھوڑ گئے ہیں۔"

"نو پرابلم ہم انہیں کمپنی دیں گے۔ کیوں مسٹر کامران کیا آپ ہمارے ساتھ آگے کا سفر کرنا پسند کریں گے۔"

"مسرا اگر آپ پر بوجھ نہ بنوں۔" کامران نے انکساری سے کہا۔

"انسان انسان پر کبھی بوجھ نہیں بنتا۔" بہر حال وہ لوگ خاصے خوش اخلاق تھے تھوڑی ہی دیر میں کامران ان سے گھل مل گیا جن دوسرے لوگوں کا اس سے تعارف کرایا گیا تھا ان میں ایک شخص کا چہرہ کامران کو کچھ عجیب سا لگا۔ طباق جیسا گول چہرہ مڑی ہوئی ناک الوؤں جیسی گول گول آنکھیں پتلے پتلے بھینچے ہوئے ہونٹ وہ کسی سے آنکھ ملا کر بات نہیں کرتا تھا۔ چہرے پر بھی عجیب سی زردی پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن اس نے انتہائی نرم لہجے میں کامران کو ہیلو کہا تھا۔ یورپ کے آزاد منش لوگ تھے اور کامران ویسے بھی بس ان کے ساتھ تھوڑا سا وقت گزارنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے کسی پر بھی خاص توجہ نہیں دی۔ بس ریٹا گروجر سے ذرا لگاوٹ کے ساتھ پیش آیا تھا۔ اور مسٹر گروجر بھی ایک اچھی شخصیت کے مالک تھے بعد میں کامران ریٹا سے اس بارے میں معلومات حاصل کرنے لگا۔ تو ریٹا نے کہا۔

"میں اور ڈیڈی ان علاقوں کے بارے میں ایک کتاب لکھنا چاہتے ہیں یہاں کے رسم و رواج، علاقے اور یہاں کے رہنے والوں کی زندگی کے بارے میں۔ تبت کی پراسرار کہانیاں جن کے ذہن میں گردش کرتی رہتی ہیں ان تمام لوگوں کا ایک گروپ بنایا گیا ہے اور ان میں سے ہر شخص اپنے اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے اس طرف آیا ہے۔ ویسے مسٹر کامران آپ کے اس سمت سفر کرنے کا کوئی خاص مقصد ہے۔"

"ہاں کیوں نہیں۔ میرے ساتھی ایک منصوبہ بنا کر چلے تھے انہیں یہاں شاید خزانوں کی تلاش تھی لیکن میں بذات خود خزانوں کے چکر میں پڑنے والوں میں سے نہیں ہوں۔ میرا مقصد صرف ان پراسرار علاقوں کی سیر تھی۔ اور میں بدھ مذہب کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جاننے کا شوقین تھا اور یہی شوق مجھے اس طرف کھینچ کر لایا ہے۔"

"ویری گڈ...... اچھی بات ہے یہ تو ایک دلچسپ شوق ہے۔" ریٹا گروجر نے کہا یہ لوگ فراخ دل تھے انہوں نے بغیر کسی لالچ اور ضرورت کے کامران کو اپنے آپ میں ضم کر لیا۔ ریٹا گروجر نے مسٹر گروجر کو کامران کے مقاصد کے بارے میں بتا دیا تھا۔ مسٹر گروجر نے کہا۔

"تحقیق سے بہتر اور کوئی شوق نہیں ہے۔ اگر انسان کے اندر یہ تجسس نہ ہو تو شاید دنیا ایک خول میں بند ہو کر رہ جائے کوئی کام نہیں ہو۔ نوجوان تم ہمارے ساتھ رہو۔ ہم تمہیں اپنے درمیان خوش آمدید کہتے ہیں۔"

"بے حد شکریہ...... یقیناً یہی چیز انسانوں کے درمیان مشترک ہوتی ہے۔"

"ہم یہاں سے راکاپوشی کی سمت چلیں گے۔ راستے میں کئی بستیاں آتی ہیں وہاں سے ضروریات زندگی حاصل کریں گے۔" ایک لمحے کے اندر اندر کامران کے ذہن میں کئی چھناکے ہوئے تھے۔ راکاپوشی ہی وہ جگہ تھی جہاں کے بارے میں اسے خصوصی طور پر ہدایت دی گئی تھی۔ اور اسے مختلف کام سرانجام دیتے ہوئے راکاپوشی ہی پہنچنا تھا۔

وہ ان کے درمیان خوب گھل مل گیا۔ جس علاقے میں وہ لوگ اس وقت موجود تھے اس میں چاروں طرف برف پوش چوٹیاں بکھری ہوئی تھیں ایک تیز و تند دریا کوئی تین میل کے فاصلے پر بہہ رہا تھا بہر حال ریٹا گروجر اور دوسری لڑکیاں بھی کامران سے بات چیت کرتی رہیں اور پھر دوپہر کے بعد ان لوگوں نے آگے کے سفر کا فیصلہ کیا۔ ان کے ساتھ ایک دو خچر بھی تھے۔ زیادہ عمر رسیدہ لوگ خچروں پر سوار ہو گئے۔ باقی لوگ پیدل سفر کر رہے تھے۔ چنانچہ سفر کی رفتار صرف اتنی ہی تھی جتنی ہو سکتی تھی۔ یہ سفر شام تک جاری رہا۔ دریا نظر آیا۔ جو آگے جا کر سیدھا چلا جاتا تھا۔ پھر کچھ اور آگے بڑھے تو کافی فاصلے پر ایک بہت بڑا آبشار نظر آیا۔ جو بادلوں سے گرتا ہوا محسوس ہو رہا تھا اس کی مترنم آواز کانوں کو بہت بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ بتا چلا کہ آگے سامتا نامی گاؤں ہے اور ان لوگوں نے اسی گاؤں کا رخ کیا۔ لیکن فاصلہ اب بھی اتنا تھا کہ گاؤں تک پہنچتے پہنچتے رات ہو گئی۔ بلندی سے گہرائیوں میں مدھم روشنیاں ٹمٹماتی ہوئی نظر آئیں سب سے قریب کی ایک کٹیا میں شاید پن چکی چل رہی تھی۔ اطراف میں جگہ جگہ لنگور غول بنائے پھر رہے تھے۔ آخر کار ایک جگہ خیمے لگا دیے گئے۔ لیکن قرب و جوار میں لنگور موجود تھے جو کھانے پینے کی اشیاء کی تاک میں چکر لگا رہے تھے۔ کچھ لوگوں نے انہیں بھگانے کی ذمے داری سنبھال لی لیکن ان کوششوں سے لنگوروں پر کوئی اثر نہیں پڑا۔

تھوڑی دیر کے بعد کیروسین کے چولہے روشن کر لیے گئے اور سب لوگ دلچسپی سے کھانے پینے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ ان کے ساتھ کچھ کرائے کے مزدور بھی تھے جو مقامی لوگ تھے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ فضا میں کھانوں کی خوشبو چکرانے لگی جنگل میں منگل ہو گیا تھا کامران کرنل گل نواز کے سوچے

ے مشن کو پورا کر رہا تھا لیکن حسن شاہ جیسے اچھے آدمی نے بہت مختصر سے وقت میں کامران کے دل میں جگہ ئی تھی اور حسن شاہ کا خیال آتے ہی کامران مضمحل ہو جاتا تھا پتا نہیں بے چارے کی زندگی کی کہانی کس طرح تم ہوئی۔ لیکن بہرحال ہوتا ہے ایسا ہی ہوتا ہے پھر آسمان پر بادل گھر آئے اور بجلی چمکنے لگی۔ مسٹر گروجر کو آواز ئی تو وہ اسی سمت چل پڑے۔

کامران گھوم کر ایک خیمے کے نزدیک پہنچ گیا تھا اس وقت اس خیمے سے ایک آواز ابھری۔

"پھر بھی وہ اجنبی ہے ہمیں کسی اجنبی پر اس طرح بھروسا نہیں کر لینا چاہیے تھا۔"

"کیسی باتیں کرتے ہو اجنبی تو مزدور بھی ہیں۔ یہ تمہارے رشتے دار ہیں یا میرے۔" یہ آواز ریٹا کی تھی۔

"مزدوروں کی بات دوسری ہے ان کے بارے میں معلوم ہے کہ یہ پیشہ ور مزدور ہیں جب کہ یہ شخص س کے بارے میں کچھ تو معلوم ہو کہ وہ کون ہے۔ تم نے اس سے اس کے بارے میں کیوں نہیں پوچھا۔"

"او ہو میں اس کی ضرورت نہیں سمجھتی تمہارے پاس کون سا خزانہ ہے جو تم تشویش کا شکار ہو۔"

"اس کے باوجود میں چاہتا ہوں کہ اس سے ہوشیار رہا جائے۔"

"تمہیں اس کی اجازت ہے ہوشیار رہنے کا کام تم سنبھال لو۔" ریٹا نے تلخ لہجے میں کہا کامران کے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ یہ گفتگو اس کے بارے میں کی جا رہی ہے۔ لیکن اس پر اعتراض کرنے والا پتا نہیں کون تھا۔ اس کے دل میں تجسس تھا کہ کم از کم اس شخص کو دیکھے تو سہی۔ چنانچہ اس نے رخ بدل لیا اور لمبا چکر کاٹ کر اس خیمے کے سامنے آ گیا زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ریٹا باہر نکل آئی اس کے ساتھ وہ نوجوان بھی تھا۔ یہ نوجوان اسے پہلی ہی نگاہ میں بڑا دلچسپ محسوس ہوا تھا۔ اچھے قد و قامت کا مالک تھا اور شاید اسے والٹر کہہ کر متعارف کرایا گیا تھا۔ والٹر، کامران کے بارے میں تشویش کا شکار تھا۔ کامران نے سوچا کہ چلو رقیب روسیاہ بھی ہونا چاہیے۔ حالانکہ رقابت کا جواز کوئی بھی نہیں تھا۔ رات کے کھانے پر جب سب جمع ہوئے تو کامران کو بھی ساتھ بٹھایا گیا۔ والٹر اسے مسلسل گھور رہا تھا۔ کھانے کے دوران کوئی خاص بات نہیں ہوئی لیکن کھانے سے فراغت حاصل کر کے والٹر چالاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے پاس پہنچ گیا۔

"ہیلو آپ کا نام کامران ہے نا۔"

"جی۔ خیر ہے۔"

اصل میں مجھے مشرق اور مشرقی لوگ بہت پسند ہیں آپ بھی مشرقی ہیں میں آپ سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔"

"شکریہ۔" کامران اگر والٹر کی ریٹا سے بات چیت نہ سن لیتا تو شاید اس کے دل میں مذاق اڑانے کا تصور آتا۔ لیکن مسٹر والٹر دراصل کچھ کھسکے ہوئے تھے۔

"آپ کیا کرتے ہیں۔"

"جادو۔" کامران نے جواب دیا۔

"کیا جادو؟"

"ہاں جادو۔"

"میرا مطلب ہے کاروبار کیا ہے آپ کا۔" والٹر نے سوال کیا اور کامران ادھر ادھر دیکھنے لگا پھر بولا۔

"کسی وقت فرصت سے بتاؤں گا۔ ویسے تم مجھے کافی اچھے آدمی معلوم ہوتے ہو بس یوں سمجھ لو کہ کسی پارٹی کو پھانستا ہوں اور اسے لوٹ کر فرار ہو جاتا ہوں۔ مجھے ہمیشہ ساتھیوں کی ضرورت رہتی ہے۔ کیا اس سلسلے میں تم میرا ساتھ دینا پسند کرو گے۔"

"کک...... کیا مطلب؟"

"پہلے دوستی کرو مجھ سے پھر بتاؤں گا۔" اس وقت کسی نے والٹر کو آواز دی اور والٹر تیز رفتاری سے وہاں سے چلا گیا۔ کامران کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی ساری باتیں اپنی جگہ لیکن تھوڑی سی تفریح کر لینے میں کوئی حرج نہیں تھا۔ اچھا لگتا ہے اور اگر کوئی مرکز سامنے آ جائے تو پھر بات ہی کیا ہے۔

بہرحال کامران کو ان لوگوں کے ساتھ مستقل تو رہنا نہیں تھا۔ لیکن اسی رات والٹر نے پھر کامران کے لیے ایک دلچسپ ماحول پیدا کر دیا بادلوں سے ڈھکے آسمان نے ماحول کو تاریک کر رکھا تھا کچھ خیمے تھے جن میں روشنی جل رہی تھی یہ وہ لوگ تھے جو اندھیرے میں سونے کے عادی نہیں تھے۔ کامران کو بھی ایک خیمہ مہیا کر دیا گیا تھا اور وہ اپنے خیمے میں جاگ کر کسی خاص سوچ میں گم تھا اور خاص سوچ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں تھی کہ اب اس کے بعد کیا کرنا چاہیے۔ اور راستہ تو اختیار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کرنل گل نواز نے ایک ناتجربے کار آدمی کے اوپر اتنی اہم ذمے داری کر دی تھی۔ لیکن اس سلسلے میں انہوں نے ایک عجیب منطق پیش کی تھی۔

"جو لوگ بہت زیادہ محتاط ہوتے ہیں اور ہر طرح کے معاملات میں شریک ہو چکے ہوتے ہیں ان میں سب سے بڑی خرابی یہ ہوتی ہے کہ احتیاط کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں اور جو کسی شعبے میں نئے ہوتے ہیں وہ صرف احتیاط کرتے ہیں اور یہ بات طے ہے کہ احتیاط کرنا بہرحال اچھی بات ہے اور اس سے فائدے ہی فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ میں تم پر یہ ذمے داری صرف اس لیے عائد کر رہا ہوں کامران کہ تم ویسے بھی ایک ذمے دار اور محتاط آدمی ہو۔" کامران انہیں سوچوں میں گم تھا کہ اچانک اسے ایک آہٹ محسوس ہوئی۔ اور وہ چونک پڑا پھر اس نے اپنے خیمے کے نچلے حصے کو پراسرار انداز میں اوپر اٹھتے ہوئے دیکھا تھا۔ خیمے کے نچلے حصے سے ایک چہرہ نمودار ہوا اور کامران بری طرح چونک پڑا۔

اس چہرے کو یہاں اس دور دراز علاقے میں دیکھنے کی توقع نہیں تھی۔ یہ سیتا تھی جس کے چہرے پر ایک پراسرار کیفیت تھی۔

"جا کال، سندو حرم، ستوتب۔"

"سیتا تم!"

"گرشنکا کو آپ کی ضرورت ہے پرنجوویو۔"

"کب...... کہاں؟"

"ابھی، میرے ساتھ چلنا ہے آپ کو۔"

"ضروری ہے۔"

"ہاں۔"

"اوہ۔ اچھا..... ٹھیک ہے۔ چلو......" کامران نے کہا۔ اور پھر وہ اسی طرح خیمے کے پیچھے سے نکل آیا جس طرح سیتا اس تک آئی تھی۔ باہر تاریک رات پھیلی ہوئی تھی، سیتا نے آہستہ سے کہا۔

"پربھو دیو۔"

"میں جانتا ہوں تم یہ الفاظ مجھے مخاطب کر کے کہہ رہی ہو، لیکن یہ سب کچھ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ کیا تم مجھے کامران کہہ کر مخاطب نہیں کر سکتیں سیتا۔"

"آپ ہمارے دھرم دستو نیا پربھو۔ آپ کا نام کیسے لے سکتے ہیں ہم۔" سیتا نے کہا لیکن کامران نے محسوس کیا کہ اس کی آواز لرز رہی ہے۔

"تب کم از کم مجھے یہی بتا دو کہ میں تمہارا پربھو کیسے ہو گیا۔ جبکہ میں ایک مضبوط عقیدے کا مسلمان ہوں اور تم لوگ بدھ مت کے پیروکار۔"

"ہم یہ سب کچھ نہیں جانتے۔ بس آپ......" اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ کامران کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ کچھ افسردہ ہو گئی ہو۔

"کامران گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ اسے اچھی طرح اندازہ تھا کہ وہ انتہائی پراسرار حالات میں گھر گیا ہے۔ خاص طور سے اس وقت سے وہ عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گیا تھا جب سے اسے ایتہ سلفا نے وہ ویڈیو دکھائی تھی اور اس میں اس نے اپنے آپ کو عجیب حالت میں دیکھا تھا۔

خاصا فاصلہ طے ہو گیا۔ اور پھر تاریکی میں ایک مدھم روشنی نظر آئی۔ سیتا کا رخ اسی روشنی کی طرف تھا کچھ دیر کے بعد دونوں وہاں پہنچ گئے۔ یہ ایک بدھ خانقاہ تھی جو ایک پہاڑی کے دامن میں واقع تھی۔ مدھم روشنی خانقاہ میں روشن مشعل کی تھی اور یہاں گرشنک ان کا انتظار کر رہا تھا۔

"رکھا وہ تسو یہ بال کھن پاتال پرمتی۔" وہ رکوع کی کیفیت میں جھک کر بولا۔

"تم یہاں کیسے گرشنک۔"

"جہاں آپ پربھو وہاں ہم۔" گرشنک مسکرا کر بولا۔

"بڑی عجیب بات کرتے ہو تم۔"

"ہم ایک ہی راستے پر بڑھ رہے ہیں پربھو دیو...... ایک بات بتانی تھی آپ کو۔"

"بتاؤ۔"

"ان لوگوں کو ابھی چھوڑ دیں۔ وہ سب ٹھیک ہیں لیکن ان میں ایک...... وہ آپ کے حق میں ٹھیک نہیں ہے۔"

"والله......" کامران نے پوچھا۔

"نہیں پرمتی۔"

"پھر کون؟"

"بس آپ ابھی ان سے ہٹ جائیں۔ تھوڑی دور جائیں گے تو آپ کو ایک اور گروپ ملے گا۔

عارضی طور پر آپ ان کا ساتھ حاصل کر لیں۔"

"اس سے کیا ہو گا۔"

"آپ کو ایک خذرق طے کی پربھو۔"

"کیا وہ میرے لیے تیار ہو گی۔"

"ہاں۔"

"کیا کرنل نگل نواز مجھے یہاں مل سکیں گے۔"

"وہ لوگ اسی طرف آ رہے ہیں۔" کامران نے خاموشی سے گردن ہلا دی۔ گرشنک اور سیتا نے اس سے بہت سی باتیں کیں۔ انہوں نے اسے مطمئن کر دیا تھا۔ پھر اسے گروچن اور بمل کور ملے اور کسی نہ کسی طرح وہ ان میں شامل ہو گیا۔ گروچن اور بمل کور انوکھے اور دلچسپ کردار تھے۔

گروچن ایک خوب صورت سنہالی تھا۔ کائنات میں اسے بمل کور سے زیادہ حسین اور کوئی نہیں لگتا تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ بھگوان نے اسے بمل کور کی شکل میں سب کچھ دے دیا ہے۔ لیکن یہ سپنا۔ یہ سپنا ٹوٹ گیا۔ اچانک ٹوٹ گیا۔ انوکھی کہانی تھی اس کی۔

"سری لنکا میں کنڈی کے سرسبز پہاڑوں کے درمیان ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ اس کا خاندان سنہالی قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔ ماں مر چکی تھی، دو بہنوں کی شادی ہو چکی تھی اور بوڑھا باپ نیلم کی کان میں مزدوری کرتا تھا۔ اس نے ضد کر کے گروچن کو کولمبو بھیجا تھا۔ تاکہ وہ پڑھ لکھ کر اس کے بڑھاپے کا سہارا بنے۔ جب وہ کولمبو جا رہا تھا تو رات کو بمل کور اس کے سینے سے لگ کر سسکیاں لیتی رہی تھی۔ اس نے ساری رات بمل کور کو یقین دلایا تھا کہ وہ ایک پل کے لیے اسے نہ بھلائے گا۔ اس نے یہ بھی یقین دلایا تھا کہ پڑھ لکھ کر وہ بڑا آدمی بن جائے گا پھر وہ بوسیدہ مکان میں نہیں رہیں گے وہ نوکری کرے گا۔ بمل کور کو شہر لے جائے گا جہاں وہ سکھ اور اطمینان کی زندگی بسر کریں گے۔

ہر سال وہ بمل کو یہی سپنے دکھاتا، ہر سال وہ عہد و پیماں کرتے اور اس طرح وہ بچپن سے نکل کر جوانی کی سرحد پر پہنچے۔ گروچن بڑا ہو کر ایک کڑیل جوان بن گیا۔ ان کی محبت بھی عمر کے ساتھ ساتھ پروان چڑھ کر جوانی کے اس موڑ پر پہنچ گئی۔ جہاں ہوش و خرد کام کرنا چھوڑ دیتے ہیں۔ جب شباب کی اونچی پگڈنڈی محبت کو حسین حسین سپنوں کی دنیا میں لے جاتی ہے۔ جہاں فاصلے قربتوں میں بدل جاتے ہیں اور جذبات قید و بند کی بندشوں کو توڑ دینے کے لیے مچلنے لگتے ہیں۔

لیکن انہی دنوں گروچن کے بابو اچانک چل بسے اور نیلم کی کان کے مالک گردھاری لعل جی نے گروچن کو اپنے دفتر میں بلا بھیجا۔ وہ کان کا معائنہ کرنے آئے تھے اور ان کو اس کے باپ کی خبر ملی تو انہوں نے بڑا افسوس ظاہر کیا اور جب انہیں معلوم ہوا کہ گروچن پڑھا لکھا ہے تو انہیں بڑی دیا آئی۔ کم از کم گروچن کو بڑے بابو نے یہی بتایا تھا۔

گروچن جب ان سے ملنے پہاڑی کے نیچے بنے ہوئے ریسٹ ہاؤس میں پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ گردھاری لعل ہٹا کٹا جوان آدمی تھا۔ پینتیس چالیس کے لگ بھگ کا۔ مضبوط و توانا اور صورت شکل

سے خاصا دل کش اور باوقار نظر آتا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں لومڑی جیسی مکاری تھی۔ اس نے گروچرن کو اپنے دفتر میں ملازم رکھ لیا اور فوراً کولمبو پہنچ کر کام سنبھالنے کا حکم دیا۔ گروچرن کے لیے اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی تھی۔ لیکن وہ بمل کور کو چھوڑ کر جاتے ہوئے بڑا دکھ محسوس کر رہا تھا۔ اس نے اپنی بیوہ چاچی کو یقین دلایا کہ شہر پہنچتے ہی وہ ان دونوں کو بلا لے گا۔ بمل کور کی ماں اسکی سگی چاچی نہ تھی لیکن چونکہ وہ اس کے باپ کے دوست کی بیوی تھی۔ اس لیے بچپن سے ہی سے وہ اسے چاچی کہتا تھا۔

گروھاری نے گروچرن کو خاصی رقم دی اور ٹھہرنے کے لیے کمپنی کے گودام کے اوپر والا کمرا بھی دے دیا۔ گروچرن اس مہربانی پر حیران تھا۔ گروھاری نے جب اس سے کہا کہ وہ اپنی چاچی اور بمل کور کو بلا لے تو گروچرن کو پہلی بار شک ہوا۔ لیکن گروھاری نے ہنس کر اسے بتلایا کہ بڑے بابو نے اسے سب کچھ بتلا دیا تھا تو وہ مطمئن ہو گیا۔ اس کا دفتر بندرگاہ پر تھا جہاں گروھاری اینڈ کمپنی کے کئی بڑے گودام بھی تھے۔ اور سارے لوگ کام بھی یہیں کرتے تھے گروچرن نے بمل کور اور اس کی ماں کو بلانے میں دیر نہ کی تھی۔

لیکن پھر آہستہ آہستہ اسے گروھاری کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو گیا۔ نیلم کی کان کے علاوہ وہ کئی بڑے اسٹیمروں اور ایک چھوٹے جہاز کا بھی مالک تھا۔ جزائر مالدیپ اور انڈمان تک مال برداری کا ٹھیکہ تھا اور اس کے اسٹیمر بظاہر مال برداری کا کام کرتے تھے۔ لیکن دراصل وہ بہت بڑا اسمگلر تھا کان سے نکلنے والے نیلم کا بہترین حصہ وہ حکومت سے چھپا کر اسمگل کر دیتا تھا۔ وہ شرابی اور خطرناک قسم کا بدمعاش تھا۔ عیاشی کے لیے اس کے بنگلے پر بڑے بڑے سرکاری افسر دعوت پر آتے تھے اور گروھاری سے دشمنی کرنے والے کی زندگی سری لنکا میں سلامت نہ رہ سکتی تھی۔ اس کے ہاں پیشہ ور قاتل ملازم تھے اور اس کی مرضی کے خلاف کام کرنے والے کی لاش عموماً سمندر سے برآمد ہوتی تھی۔

گروچرن نے سوچا کہ نوکری چھوڑ کر گاؤں واپس چلا جائے لیکن پھر اس نے سوچا کہ اس طرح گروھاری ناراض ہو جائے گا اور پھر گاؤں جا کر وہ کیا کھائے گا۔ بمل کور سے کیا ہوا اسکے اطمینان کی زندگی کا وعدہ کیسے پورا ہوگا۔ یہاں اس کو معقول تنخواہ ملتی تھی۔ رہنے کو ٹھکانہ تھا۔ چند ماہ بعد وہ بمل کور کو ہمیشہ کے لیے اپنا بنا لے گا۔ اور پھر اسے گروھاری کی ذاتی زندگی سے کیا سروکار تھا وہ کتنا ہی برا کیوں نہ ہو اس کے ساتھ تو مہربانی سے پیش آتا تھا۔

اس طرح کئی ماہ گزر گئے۔ بمل کور دن بھر اس کا انتظار کرتی۔ شام کو وہ دفتر سے آتا تو دونوں ساتھ مل کر کھانا کھاتے اور پھر گھومنے کے بہانے ساحل پر نکل جاتے۔ چاندنی رات میں بمل کور اسے کسی دوسرے آسمان کی اپسرا نظر آتی۔ وہ جوان ہو کر قیامت بن چکی تھی۔ اس کا انگ انگ چاندنی میں کندن کی طرح دمکتا۔ اس کا حسین چہرہ، دل نواز مسکراہٹ اور محبت سے مخمور نگاہیں گروچرن کو دیوانہ بنا دیتیں تو بمل کور اسے پیار سے دور دھکیل دیتی اور یاد دلاتی کہ ملاپ کی گھڑی ابھی نہیں آئی۔

گروچرن ہر مہینے پر فیصلہ کرتا کہ بس اب مہینے کی تنخواہ ملتے ہی بیاہ کر لے گا۔ لیکن ہر ماہ بچنے والی رقم اس کام کے لیے کافی نہ ہوتی۔ شہر کا خرچ تین افراد کی ذمے داری پوری کرنے کے بعد اتنی رقم نہ چھوڑتا کہ بیاہ کے لیے کپڑے اور زیورات خرید سکے۔ اس طرح دن گزرتے جا رہے تھے اور گروچرن کی پریشانی بڑھتی جا

رہی تھی۔ پھر ایک دن جب وہ گھر پہنچا تو بمل کور موجود نہ تھی۔ چاچی پریشان بیٹھی تھی۔ گروچرن کو دیکھتے ہی وہ حیرت سے کھڑی ہو گئی۔ گروچرن نے پوچھا کہ بمل کور کہاں ہے۔ لیکن چاچی جواب دینے کے بجائے اسے پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھتی رہی اور جب گروچرن نے پھر وہی سوال کیا تو چاچی نے بدحواسی کے عالم میں بتایا کہ بمل کور تو کافی دیر پہلے اسی کے پاس گئی تھی۔

گروچرن نے حیران ہو کر چاچی کو دیکھا۔

"میرے پاس۔"

"ہاں تیرے پاس۔" چاچی روتے ہوئے بولی..

"دفتر کا آدمی آیا تھا اس نے بتایا تھا کہ تو زخمی ہو گیا ہے اور اسے فوراً بلایا ہے۔"

گروچرن کا سر چکرا گیا۔ وہ الٹے پاؤں دفتر واپس پہنچا۔ ایک ایک سے پوچھا۔ لیکن سب نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ بعض نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر اسے دیکھا۔ گروچرن بدحواسی اور غصے کے عالم میں واپس جا رہا تھا تو گودام کے آگے بوڑھے چوکیدار چندر ناتھ نے اسے اشارے سے بلایا۔

"کیا تیری پتنی بڑی سندر تھی گروچرن بابو۔"

"ہاں بابا۔ لیکن کیا تم کو پتا ہے کہ وہ کہاں ہے؟"

"نہیں پتر!...... پتا تو نہیں ہے۔" وہ خاموش ہو گیا۔

"بولو! بابا...... کیا بات ہے؟"

"یہ گروھاری نعل بڑا موذی ہے پتر! مجھے ڈر ہے کہ اس نے تیری پتنی کو اٹھوا لیا ہے۔"

"لیکن...... یہ کیسے ہو سکتا ہے بابا۔ میں تو......"

"تو کچھ نہیں کر سکتا بابو...... گروھاری راکشس ہے۔ اس نے کتنی کنواریوں کو ناس کیا ہے اور ہم غریب لوگ اس کا بگاڑ بھی کیا سکتے ہیں۔"

گروچرن نے اور کچھ نہیں سنا تھا۔ اسے گروھاری کا بنگلہ معلوم تھا اور اب اسے ایک ایک کر کے ساری باتیں سمجھ میں آ رہی تھیں۔ گروھاری کی مہربانیاں، اسے ملازمت دے کر کولمبو بلانا۔ پھر بمل اور اس کی ماں کو بلانے کی ترغیب دینا۔ یہ سب ایک چال تھی۔ بمل کور کو حاصل کرنے کی چال۔

گروھاری لال کا بنگلہ ایک بہت بڑے باغیچے کے درمیان واقع تھا۔ جس کی بلند چار دیواری پر خاردار تاروں کی باڑ لگی تھی۔ گیٹ پر مسلح چوکیدار ہوتا تھا۔ جو ظاہر ہے اسے اندر نہ جانے دے گا۔ آس پاس دور تک کوئی مکان نہ تھا۔ کچھ فاصلے پر سمندر تھا۔ جہاں ایک چھوٹی سی جیٹی تھی۔ اس کے برابر ہی وہ بوٹ ہاؤس تھا۔ جس میں گروھاری کی موٹر بوٹ کھڑی ہوئی تھی۔ جیٹی سے بنگلے تک جانے والی سیڑھیاں جس گیٹ پر ہوتی تھیں۔ وہ بھی بند رہتا تھا۔ وہ بنگلے کی چار دیواری کے گرد چکر کاٹتا رہا اور بالآخر اسے گھنے پیڑ کی ایک شاخ نظر آ گئی۔ جو چار دیواری کے قریب تھی۔ گروچرن بچپن سے پیڑوں پر چڑھنے کی مہارت رکھتا تھا۔ اس نے شاخ کے سہارے اندر چھلانگ لگا دی۔

گھنے درختوں میں گھرا ہوا بنگلہ ہر سمت روشن تھا۔ اندر بہت سے ملازموں کی آمد و رفت سے

اندازہ ہو رہا تھا کہ بہت سے لوگ موجود ہیں۔ گروچن نے درختوں اور جھاڑیوں کی آڑ میں بڑھنا شروع کیا اور بنگلے کے عقبی حصے میں پہنچ گیا۔ دروازہ بند تھا لیکن خوش قسمتی سے وہ ایک کھڑکی کو کھولنے میں کامیاب ہو گیا۔ وہ کمرہ جس میں گروچن داخل ہوا بالکل تاریک تھا۔ کچھ دیر بعد جب اس کی آنکھیں تاریکی سے مانوس ہوئیں تو اس نے دیکھا کہ کونے میں رکھی ہوئی الماری کے علاوہ کمرا بالکل خالی تھا۔ سامنے ایک اور دروازہ تھا۔ اسے کھولتے ہی قہقہوں اور باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ ایک لمبی سی راہداری سامنے چلی گئی تھی جس کے دونوں جانب کمرے تھے۔ راہ داری کے آخر میں کھلنے والا بڑا دروازہ ہال میں کھلتا تھا۔ جہاں سے آوازیں آ رہی تھیں۔ دبے پاؤں آگے بڑھ کر اس نے دروازے کا ہینڈل گھمایا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس نے دروازے سے جھانک کر دیکھا۔ کمرے میں گردھاری کے علاوہ اور مہمان بھی تھے۔ لیکن گردھاری ان سب سے الگ ایک صوفے پر جس شخص کے ساتھ باتیں کر رہا تھا۔ وہ کوئی غیر ملکی تھا۔ اس کی عمر ساٹھ کے لگ بھگ ہوگی۔ چہرے پر گھنی داڑھی تھی۔ عمر کے باوجود مضبوط جسامت کا مالک تھا۔ مہمانوں میں کئی عورتیں بھی تھیں۔ لیکن ان میں بمل کور کا کچھ پتا نہ تھا۔

ایک لمحے کو گروچن نے سوچا کہ ممکن ہے اس کا شبہ غلط ہو۔ بمل کور گھر واپس پہنچ چکی ہو لیکن پھر اسے خیال آیا کہ جس کسی نے بھی بمل کور کو دھوکے سے بلایا تھا۔ اس نے واپس بھیجنے کی نیت سے نہیں بلایا ہوگا۔ اور یہ حرکت گردھاری کے علاوہ اور کون کر سکتا تھا۔ اسے دوسرے کمروں کی تلاشی لینا چاہیے ابھی اس نے یہ ارادہ کیا ہی تھا کہ گردھاری اس غیر ملکی کے ساتھ اٹھ کر اس دروازے کی سمت بڑھا جس کے پیچھے گروچن کھڑا ہوا تھا۔

گروچن پھرتی کے ساتھ پیچھے ہٹا اس نے جلدی سے قریبی دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ اس کا دل زور زور سے اچھل رہا تھا۔ اگر گردھاری نے اسے پکڑ لیا تو خیر نہ ہوگی۔ تاریکی میں اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ یہ ایک کشادہ اور چوکور کمرا تھا۔ درمیان میں ایک میز رکھی ہوئی تھی۔ جس کے گرد دو کرسیاں تھیں۔ دوسری جانب ایک ریوالونگ کرسی تھی۔ ایک سمت بڑا سا صوفہ تھا میز کے دائیں جانب ایک کیبنٹ رکھی ہوئی تھی۔ اسی لمحے راہ داری کا دروازہ کھلا اور گردھاری نے اندر داخل ہو کر سوئچ دبایا۔ راہ داری روشن ہو گئی۔ وہ اسی دروازے کی سمت بڑھا جس کے پیچھے گروچن چھپا ہوا تھا۔

گروچن بدحواسی کے عالم میں پیچھے ہٹا۔ چھپنے کے لیے کوئی جگہ نہ تھی اس نے صوفے کے پیچھے چھلانگ لگا دی اور سانس روک کر لیٹ گیا اسی لمحے دروازہ کھلا اور کمرا روشن ہو گیا۔

"اب یہاں بیٹھ کر اطمینان سے گفتگو ہو سکے گی۔" آواز غیر ملکی کی تھی۔

"تشریف رکھیے۔" گردھاری نے کہا۔ "بات کرنے کے لیے اس سے بھی زیادہ محفوظ جگہ موجود ہے۔"

"گروچن نے گردن اٹھا کر دیکھا۔ گردھاری اور غیر ملکی آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ گردھاری نے ہاتھ بڑھا کر میز میں لگا ہوا ایک بٹن دبایا اور اچانک فرش کا وہ حصہ جہاں وہ دونوں بیٹھے ہوئے تھے زمین میں دھنسنے لگا۔ غیر ملکی نے گھبرا کر کرسی کا دستہ پکڑ لیا۔

"آرام سے بیٹھے رہیے۔" گردھاری کی آواز سنائی دی۔ اور پھر میز کرسیوں سمیت فرش کا وہ

حصہ لفٹ کی طرح خلا میں غائب ہو گیا۔

چند لمحے بعد گروچن اپنی جگہ سے اٹھا۔ اس نے ابھی قدم بڑھایا ہی ہوگا کہ بلا کسی آواز کے فرش پھر برابر ہو گیا۔ میز کرسی واپس آ گئی تھی لیکن گردھاری اور غیر ملکی کا پتا نہ تھا۔ وہ بلاشبہ کسی خفیہ تہ خانے میں گئے تھے۔ گروچن شاید عام حالات میں یہ راز جاننے کی کوشش نہ کرتا لیکن اسے بمل کور کی تلاش تھی۔ اور اب اسے یقین ہو رہا تھا کہ اگر گردھاری نے اسے اغوا کیا ہے تو وہ ضرور اسی زیر زمین جگہ پر ہوگی۔

اس نے آگے بڑھ کر گردھاری کی کرسی کو ٹٹولا۔ وہ عام قسم کی کشن دار گھومنے والی کرسی تھی۔ میز کی سطح کے نیچے سامنے کئی بٹن نظر آ رہے تھے۔ ان میں ایک بٹن سرخ تھا گروچن کا خیال تھا کہ گردھاری نے یہی بٹن دبایا تھا۔ وہ کرسی پر بیٹھ گیا اور پھر ہمت کر کے اس نے سرخ بٹن کو دبا دیا۔ کرسی سمیت فرش اچانک دھنسنے لگا۔ گروچن کو تمام جسم میں ایک عجیب سی سنسناہٹ ہونے لگی۔ یہ خودکار لفٹ بڑی تیزی سے نیچے جا رہی تھی اور پھر اچانک تاریکی سے نکل کر ایک روشن کمرے میں جا کر رک گئی۔ یہ کمرا بھی اوپر کے کمرے کی طرح تھا۔ لیکن بالکل بند۔ نہ کوئی دروازہ نظر آ رہا تھا اور نہ کوئی دریچہ۔ دیواریں لوہے کی بنی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔ گروچن کے بدن میں خوف کی سرد لہری دوڑ گئی۔ گردھاری اور غیر ملکی کہاں غائب ہو گئے۔ کونے میں لکڑی کے چھ بکسوں کے علاوہ اور کوئی سامان یا فرنیچر وہاں نہ تھا۔ لیکن یہاں بھی کوئی خفیہ دروازہ ضرور ہونا چاہیے تھا۔

گروچن اپنی جگہ سے اٹھ کر آگے بڑھا اور اس کے ہٹتے ہی لفٹ اچانک بلند ہونے لگی۔ چند لمحے بعد کمرے کی چھت برابر ہو گئی۔ اب وہ اس آہنی کمرے میں ہر سمت سے بند تھا۔ باہر نکلنے کا کوئی راستہ نظر نہ آتا تھا کیونکہ دیواریں بالکل چکنی اور سپاٹ تھیں اس نے دیواروں کو ٹھونک کر دیکھا۔ وہ ٹھوس تھیں۔ اس لیے یہ امید بھی جاتی رہی۔ اس نے کونوں میں رکھے ہوئے بکسوں پر نظر ڈالی۔ یہ پانچ فٹ لمبے اور دو فٹ اونچے تھے اور ترتیب سے رکھے ہوئے تھے۔ گروچن نے ان کے نزدیک جا کر دیکھنا شروع کیا۔ بکسوں پر لوہے کی پٹی چڑھی ہوئی تھی۔ جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اندر کوئی قیمتی چیز بند ہے۔

اسی لمحے ہلکی سی آہٹ ہوئی گروچن اچھل کر بکسوں کے پیچھے چھپ گیا۔ دیواروں میں پیدا ہونے والے خلا سے گردھاری اور غیر ملکی داخل ہوئے۔

"تم نے دیکھ لیا کہ میرا انتظام کتنا خفیہ ہے۔" گردھاری کہہ رہا تھا۔ "کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ اس پہاڑی کے اندر خفیہ جگہ بھی موجود ہے۔ یہ زمین دوز راستہ اتنا طویل ہے کہ ٹرالی کے بغیر وہاں تک پہنچنے میں ہمیں کم از کم آدھ گھنٹہ تو ضرور لگ جاتا۔"

"واقعی یہ سب کچھ حیرت انگیز ہے۔" غیر ملکی نے جواب دیا۔ "اس خفیہ تہ خانے کو بنانے میں بڑی کاری گری سے کام لیا گیا ہے۔"

گردھاری نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ پھر بولا۔

"پہلے یہاں ایک قدیم عمارت کے کھنڈر تھے۔ لیکن پہاڑی کے درمیان سے تہ خانے تک آنے والی سرنگ کا پتا ہمیں اچانک ہی لگا تھا۔ ہم مال اتارنے کے لیے ان پہاڑوں کے اندر والی کھاڑی استعمال کرتے تھے۔ ایک دن ہماری موٹر بوٹ ان چٹانوں سے ٹکرا کر ڈوب گئی۔ مال نکالنے کے لیے ہمارے

آدمیوں نے پانی میں غوطہ لگایا تو اس سرنگ کا پتا چلا۔ پھر میں نے اس شکستہ عمارت کو خرید لیا اور اپنا بنگلہ تعمیر کرایا۔ خود کار بوٹ اور دروازے ہماری اپنی کوشش ہے۔"

"اسی لیے تو آج تک کسی کو پتا نہ لگ سکا کہ تم اسمگلنگ کا مال کہاں چھپاتے ہو۔" غیر ملکی نے کہا۔

"ہاں...... یہ میرا راز اب صرف چند با اعتماد ساتھیوں کو معلوم ہے۔" گردھاری نے جواب دیا۔ "اس کی تعمیر کا کام کرنے والوں کی ہڈیاں سمندر کی تہ میں ہیں۔"

"اوہ...... اب میں بھی یقیناً قابل اعتماد ساتھیوں میں شمار ہوتا ہوں۔"

"بے شک اگر تم پر اعتماد نہ ہوتا تو یہ راز تم ہرگز نہ جان سکتے مسٹر مارتھر۔" گردھاری نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ "مجھے امید ہے تم بھی اسی اعتماد کا ثبوت دو گے۔"

"اوہ یقیناً...... یقیناً۔" مارتھر نے کہا۔

"تو پھر آؤ...... ہم اپنے دفتر میں بیٹھ کر بات کریں گے۔"

"اس مندر کے عقب میں یہ پرانے کھنڈر ایک قلعے کے ہیں۔" مارتھر نے نقشے پر انگلی رکھ کر کہا۔ "اس کے پیچھے یہاں پر یہ پہاڑی ختم ہوتی ہے اب یہاں صرف بڑی بڑی چٹانوں کے ڈھیر ہیں جن سے کان کا دہانہ ڈھک گیا ہے۔ یہ جگہ متالی کے شمال میں رڈوتا کے قریب واقع ہے اس کا مقامی نام سینترا ہے۔ سینترا ایک بدھ مت راج کماری تھی اور اس قلعے میں ہی اس کا محل تھا کہتے ہیں کہ اس پہاڑی میں سیلون کی سب سے بڑی یاقوت کی کان تھی۔ اس مندر میں بدھ کا سب سے بڑا مجسمہ ہے۔ اس کی دونوں آنکھیں بیش بہا یاقوت کی تھیں۔ لیکن اب صرف ایک آنکھ ہے۔" اس نے مسکرا کر گردھاری کو دیکھا پھر بولا۔

"دوسری آنکھ آج سے بیس سال پہلے چوری ہوگئی تھی۔ جب قبائلیوں نے راج کماری کے قلعے پر حملہ کیا تو اس نے اپنے یاقوت اور جواہرات کے ذخیرے کو اس کان میں چھپا دیا۔ اور اس کے دہانے کو بارود سے دھماکا کر کے بند کر دیا۔ اب یہ اندازہ کرنا بھی ممکن نہیں کہ دہانہ کہاں ہے کیونکہ پہاڑی کا یہ حصہ صرف مہیب چٹانوں کا ڈھیر ہے۔" وہ ایک لمحے کے لیے رکا۔ سگار جلا کر اس نے کئی کش لیے پھر گردھاری کی سمت دیکھا۔

"لیکن کان کے اندر جانے کا ایک راستہ اس محل سے بھی تھا اس خفیہ راستے کا علم صرف سینترا کو تھا اور یا اس کے بزرگوں کو تھا اور یہ راز نسل در نسل ہر حکمران کو منتقل ہوتا رہتا تھا لیکن راج کماری سینترا اس خاندان کی آخری راج کماری تھی۔ اس کے بعد اس سنہالی خاندان کی حکومت ختم ہوگئی۔ لیکن اس خفیہ راستے کا راز ایک اور شخص کو بھی معلوم تھا۔"

"بڑی پراسرار داستان ہے۔" گردھاری نے گہری سانس لے کر کہا۔ مارتھر مسکرا دیا۔ پھر کچھ دیر بعد وہ بولا۔

"ہاں...... مجھے بھی اس بات کا یقین نہ آتا اگر کی مورتی کی وہ دوسری آنکھ مجھے نہ مل جاتی۔"

"کیا......؟ وہ یاقوت۔"

"ہاں...... وہ بیش قیمت آنکھ جو بدھ کے مجسمے سے چوری ہوئی تھی۔ اب میرے پاس ہے۔" مارتھر نے کہا۔

"تمہارے پاس کیسے؟"

"پیرس کے ایک جوہری نے اس کی قیمت ہندوستانی روپے کے حساب سے تقریباً بارہ لاکھ لگائی تھی۔"

گردھاری کا چہرہ تمتمانے لگا۔

"لیکن وہ تم کو ملی کیسے؟"

اس کو چوری کرنے والے کا نام مہندرناتھ تھا چوری اس کے مرحوم باپ نے کی تھی۔ جو راج کماری کا خاص ملازم تھا۔ اس نے مرنے سے پہلے وہ انمول یاقوت اور خزانے تک پہنچنے کے خفیہ راستے کا نقشہ مہندرناتھ کو دے دیا تھا۔ مہندرناتھ نے اس راستے کو تلاش کرنے کی بڑی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ حالات خراب ہوئے تو وہ یاقوت کی آنکھ کو فروخت کرنے کے لیے پیرس پہنچا جہاں ہوٹل میں میری اس سے ملاقات ہوئی۔ اس نے معقول رقم کے تحت یاقوت اور نقشہ میرے ہاتھ فروخت کر دیا۔"

"یہ مہندرناتھ ابھی زندہ ہے۔" گردھاری لعل نے پوچھا۔

"نہیں وہ پیرس میں ہی اچانک مر گیا تھا۔"

"اوہ۔" گردھاری لعل معنی خیز انداز میں مسکرایا۔ "خیر اچھا ہی ہوا۔ معاملے کی بات ہو جائے۔"

"میں اس یاقوت کے چھ لاکھ روپے تم کو ابھی ادا کر دیتا ہوں۔" گردھاری نے کہا۔ "اور اگر ہم کو خزانہ تلاش کرنے میں کامیابی ہوگئی تو برابر کا حصہ دے گا۔"

"مجھے منظور ہے۔" مارتھر نے اطمینان کی سانس لیتے ہوئے کہا۔

"تم یاقوت لے کر آئے ہو۔"

"ہاں...... یاقوت اور نقشہ دونوں۔" مارتھر نے جواب دیا۔ "خالی ہاتھ آتا تو رقم کیسے طلب کرتا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں رقم تم کو ابھی ادا کیے دیتا ہوں۔" گردھاری نے میز پر لگا ہوا بٹن دبایا۔ کرسی کی پشت کی سمت دیوار کا ایک حصہ ہٹ گیا اور اس میں تجوری کا منہ نظر آنے لگا۔ گردھاری نے کرسی گھما کر تجوری کھولی اور پھر اچانک مارتھر کی سمت مڑا لیکن اس کے ہاتھ میں رقم کی بجائے ریوالور چمک رہا تھا۔

"یاقوت اور نقشہ میرے حوالے کر دو۔" اس نے غضب ناک لہجے میں کہا۔ مارتھر اطمینان سے مسکراتا رہا پھر بولا۔

"بے کار ہے گردھاری۔ تم رقم دیے بغیر یاقوت مجھ سے کبھی حاصل نہ کر سکو گے۔" اس نے حقارت آمیز لہجے میں کہا۔ "اور نقشے والا معاہدہ اب ختم سمجھو۔"

"گردھاری چند لمحوں تک اسے خونی نگاہوں سے گھورتا رہا پھر سانپ کی طرح پھنکارا۔"

گردھاری سے رقم اس طرح نہیں ایسے ملتی ہے۔"

فائر اتنا اچانک ہوا تھا کہ گولی لگنے کے بعد بھی مارتھر اسے حیرت سے گھورتا رہا۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا۔ لیکن پھر کرسی سے لڑھک کر نیچے گرا۔ وہ مر چکا تھا۔ گردھاری فاتحانہ انداز میں اپنی جگہ سے اٹھا اور مارتھر کی تلاشی لینے لگا۔ لیکن ذرا ہی دیر بعد اس کے چہرے پر حیرت اور بدحواسی نظر آنے لگی۔

مار تھر کے پاس سے نہ ہی یاقوت برآمد ہوا اور نہ ہی وہ نقشہ۔ گردھاری نے پھر اس کی تلاشی لی۔ اس کے کپڑے اتار کر سارا جسم ٹٹولا۔ لیکن ناکام رہا۔ غصے میں اس نے مارتھر کی لاش کو ایک زوردار ٹھوکر رسید کی، اور پھر اپنی کرسی پر بیٹھ کر شراب کے کئی گھونٹ حلق سے اتارے۔ اس کا چہرہ مایوسی اور ناکامی سے خوفناک ہو رہا تھا۔

"دغاباز۔" وہ غصے میں غرایا۔ "مجھے دھوکا دینے چلا تھا۔"

ذرا دیر بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور دروازے کی سمت بڑھا۔ جو کمرے کے دوسری جانب تھا۔ دروازے میں داخل ہو کر اس نے اسے بند کرنے کی زحمت گوارہ نہیں کی تھی۔

بمل نے سہمی ہوئی نگاہوں سے گردھاری کو دیکھا اور کھڑی ہو گئی۔

"بھگوان کے لیے اب مجھے جانے دو۔" اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا۔

گردھاری نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ "پاگل ہو گئی ہے لڑکی۔" اس نے حریص نگاہوں سے بمل کور کے گداز جسم کو ٹٹولتے ہوئے کہا۔ "اب تو کبھی یہاں سے نہ جا سکے گی۔"

"نہیں۔ بھگوان کے لیے ایسا نہ کرو۔" اس نے التجا کی۔ "میری بوڑھی ماں مر جائے گی اور...... اور گروچن۔"

"گروچن جیسے دو کوڑی کے چھوکرے کے لیے مری جا رہی ہے۔" گردھاری غرایا۔ "میں تجھے رانیوں کی طرح رکھوں گا۔"

"نہیں۔" بمل نے غصے سے کہا۔ "ہماری شادی ہونے والی ہے۔"

"شادی......" گردھاری نے ایک زوردار قہقہہ لگایا۔ "اگر تو نے اب جانے کی بات تو جانتی ہے کیا ہوگا۔"

"نہیں۔"

"ادھر آ۔" اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے گھسیٹتا ہوا دروازے تک لایا۔ فرش پر پڑی ہوئی مارتھر کی لاش دیکھ کر بمل کور کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ "اگر تو نے میری بات ماننے سے انکار کیا تو اس طرح تیری ماں اور گروچن دونوں کی لاش پڑی ملے گی۔"

"نہیں...... او بھگوان کے لیے نہیں۔" بمل نے اپنے دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ کر سسکیاں لینی شروع کر دیں۔

"تو پھر ضد کرنا چھوڑ دے۔" گردھاری نے اسے کمرے میں بچھے ہوئے آرام دہ بیڈ کی سمت زور سے دھکا دیا۔

بمل کور کسی بے جان کی طرح بستر پر گر کر سسکیاں لینے لگی۔ گردھاری نے شراب کا جام خالی کیا اور فاتحانہ انداز میں مسکراتے ہوئے اس کی سمت بڑھا۔

"رک جاؤ گردھاری۔" اچانک گروچن کی آواز کمرے میں گونجی۔

گردھاری سکتے کے عالم میں کھڑا رہ گیا۔ پھر آہستہ سے گھوما۔ دروازے پر گروچن کھڑا ہوا تھا اور اس کے ہاتھ میں ریوالور تھا جسے گردھاری میز پر چھوڑ آیا تھا۔

"اگر تم نے ذرا بھی جنبش کی تو گولی مار دوں گا۔" گروچن نے خونخوار لہجے میں کہا۔

"تم......" گردھاری نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔ "تم یہاں کیسے آ گئے؟"

"میں نے تمہاری تمام باتیں سن لی ہیں۔ تم نے قتل کیا ہے اور میں تمہیں قانون کے حوالے کروں گا۔"

گردھاری نے زوردار قہقہہ لگایا۔ "تم جیسے کتے میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے گروچن!" اس نے حقارت سے کہا۔ "یہ ریوالور خالی ہے۔ اس کی آخری گولیاں مارتھر کے سینے میں پیوست ہو چکی ہیں۔"

گروچن نے بے یقینی کے ساتھ ریوالور کی طرف دیکھا۔ "تم جھوٹے ہو۔"

"تو فائر کر کے دیکھ لو خود اندازہ ہو جائے گا" گردھاری نے کہا۔

گروچن نے پریشانی کے عالم میں ریوالور کو دیکھا۔

"نہیں...... اگر یہ خالی ہوتا تو تم اب تک یوں کھڑے نہ رہتے۔"

گردھاری نے اچانک جست لگائی۔ گروچن نے گھبرا کر فائر کیا۔ لیکن گولی خالی گئی۔ اور دوسرے ہی لمحے گردھاری اسے لیے ہوئے زمین پر گرا۔ گروچن جوان تھا اور اس کے بازوؤں میں جوانی کی قوت بھی تھی۔ لیکن نہ اسے تجربہ تھا اور نہ یہ اندازہ کہ گردھاری اتنا مضبوط ہوگا۔ اس سے پہلے کہ وہ وار کرتا گردھاری کا گھٹنا پوری قوت سے اس کے سینے پر پڑا اور وہ چاروں شانے چت ہو کر زمین پر گرا ریوالور اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ اس نے دونوں پیر اٹھا کر گردھاری کو دور پھینکنے کی کوشش کی لیکن وہ بجلی کی سی سرعت کے ساتھ ایک سمت ہٹا اور پھر اتنی زور کی ٹھوکر گروچن کے پیٹ پر پڑی کہ اس کا سانس رک گیا۔ دوسرے ہی لمحے ریوالور کا دستہ اس کی کنپٹی پر پڑا اور گروچن تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔ گردھاری نے غصے میں ریوالور کو گھمایا اور گروچن کے سینے کا نشانہ لے کر فائر کرنے والا تھا کہ بمل کور چیخ مار کر آگے بڑھی۔

"نہیں۔ بھگوان کے لیے اسے نہ مارو۔" اس نے التجا کے لیے گردھاری لعل کے پیر پکڑ لیے۔

گردھاری نے فاتحانہ نظروں سے اسے دیکھا اور پھر مسکرا دیا۔

"صرف ایک شرط پر۔" اس نے ہوسناک نگاہوں سے بمل کو گھورتے ہوئے کہا۔

"مجھے منظور ہے لیکن تم وعدہ کرو کہ تم گروچن کو چھوڑ دو گے۔"

"وعدہ۔" گردھاری لعل نے مسکراتے ہوئے ریوالور کو جیب میں رکھ لیا۔

گروچن کی آنکھ کھلی تو وہ ٹرالی میں پڑا ہوا تھا۔ جو لڑکھڑاہٹ کے ساتھ آگے چلی جا رہی تھی۔ اس کے نیچے بھی کسی کا گرم گرم جسم دبا ہوا تھا۔ ہر سمت تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اگر اس کی کھوپڑی اتنی مضبوط نہ ہوتی تو شاید اسے گھنٹوں ہوش نہ آتا۔ اس نے گھبرا کر نیچے ٹٹولا۔ لیکن صرف اتنا اندازہ کر سکا کہ نیچے دبا ہوا جسم بمل کور کا نہ تھا اور پھر اسے سب کچھ یاد آ گیا۔ ابھی وہ سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ ٹرالی تاریک سرنگ سے نکل کر ایک جگہ رک گئی۔ آسمان پر بکھرے ہوئے تاروں کو دیکھ کر اس نے اندازہ کر لیا کہ وہ تاریک سرنگ سے باہر آ چکے ہیں۔ لیکن اس نے یہ ظاہر کرنا مناسب نہ سمجھا کہ اسے ہوش آ چکا ہے۔

دوسرے ہی لمحے اسے گردھاری کا چہرہ نظر آیا۔ اس نے جلدی سے آنکھیں بند کر لیں اور اچانک

اسے محسوس ہوا کہ جیسے وہ خلا میں گرتا جا رہا ہے۔ گردھاری نے ڈرالی الٹ دی تھی۔ فضا میں گروچن نے گھبرا کر ہاتھ پیر مارے لیکن گردو پیش کوئی چیز پکڑ میں نہ آئی۔ خوف سے اس کو پسینہ آ گیا اور اسی لمحے وہ پوری قوت سے پانی کی سطح سے ٹکرایا۔

وہ گہرائیوں میں ڈوبتا چلا جا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اسے اپنا سینہ پھٹتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ خوف زدہ ہو کر اس نے پوری قوت سے ہاتھ پیر چلائے اور پھر اچانک پانی سے اوپر ابھر آیا۔ اس نے منہ کھول کر زور کا سانس لیا اور جب حواس بحال ہوئے تو اندازہ کیا کہ وہ سمندر کی سطح پر تیر رہا ہے۔ اگر وہ بے ہوش ہوتا تو یقیناً ڈوب کر مر گیا ہوتا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ ہر سمت پہاڑ کی بلند چوٹیاں تھیں اور پھر اچانک اس کی نظر سامنے پڑی۔ ایک اور جسم پانی کے اوپر تیر رہا تھا۔ گروچن تیرتا ہوا اس کے قریب پہنچا۔ تاروں کی روشنی میں اس نے مارتھر کو پہچان لیا۔ لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ مارتھر ابھی زندہ تھا۔ گروچن اسے گھسیٹتا ہوا پتھریلے کنارے تک لے آیا۔ مارتھر زندہ تھا۔ لیکن اس کی اکھڑی اکھڑی سانس سے ظاہر تھا کہ وہ شدید زخمی ہے۔ سینے کے زخم سے اب تک خون بہہ رہا تھا۔ گروچن نے جلدی سے اس کی قمیص کے بٹن کھول کر زخم دیکھا۔ اسی لمحے مارتھر نے آنکھیں کھول دیں۔ چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر مسکرا دیا۔

"بے کار ہے نوجوان۔" اس نے بہ مشکل کہا۔ "میرا نام مارتھر ہے اور میری موت کا ذمے دار گردھاری ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔ میں نے اسے گولی چلاتے دیکھا تھا۔ گروچن نے جلدی سے کہا۔

"اوہ تو کیا تم...... کیا تم اس کے آدمی ہو۔"

"نہیں مسٹر مارتھر۔ تمہارے بعد اس نے مجھے بھی گولی مارنے کی کوشش کی تھی۔"

مارتھر نے اٹھنا چاہا۔ پھر کراہ کر گر پڑا۔ "میں...... میں مر رہا ہوں۔" وہ بے بسی سے کراہا۔

"نہیں...... تم اسی طرح پڑے رہو۔ میں تمہیں......"

"بے کار ہے۔" وہ کراہتے ہوئے بولا۔ "سنو کیا تم گردھاری سے انتقام لینے کا وعدہ کرتے ہو۔"

"ہاں...... خواہ اس کام میں میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔" گروچن غضب ناک لہجے میں بولا۔ "اس نے...... اس نے میری منگیتر کو اغوا کر لیا ہے۔"

"تب مجھے یقین ہے کہ تم اسے زندہ نہ چھوڑو گے۔" مارتھر نے آہستہ سے کہا۔ "سنو میرے مرنے کے بعد تم...... میری بائیں آنکھ نکال لینا۔ ڈرو نہیں...... یہ نقلی آنکھ ہے۔ اس کے اندر ایک نقشہ ہے...... اور یہ آنکھ...... یہ آنکھ......" اچانک اس کی آواز ختم ہو گئی۔

مارتھر مر چکا تھا۔

گروچن جب دوبارہ گردھاری کے بنگلے پر پہنچا تو رات کے دو بج رہے تھے اس نے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا تھا لیکن گھر جا کر لباس تبدیل کرنے اور بمل کی ماں کو اطمینان دلانے میں بہر حال کچھ وقت لگ گیا تھا۔ دیوار پھلانگ کر وہ بنگلے میں داخل ہوا اور جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا اس درخت کے نیچے پہنچ گیا جو بنگلے کے عقب میں واقع تھا۔

وہ کھڑکی جس کے ذریعے گروچن پہلے اندر داخل ہوا تھا سامنے تھی۔ ہر سمت چھائی ہوئی خاموشی اور سکوت سے اندازہ ہوتا تھا کہ سب سو چکے ہیں۔ گروچن کو صرف ایک خدشہ تھا۔ اگر کسی نے اس کھڑکی کو اندر سے بند کر دیا تو وہ کیا کرے گا۔ اسے یقین تھا کہ اس بار گردھاری پہلے کی طرح غافل نہ ہوگا اس نے اپنے حفاظتی اقدامات سخت کر دیئے ہوں گے اور اگر وہ پھر گردھاری کے ہاتھ آ گیا تو زندہ واپس جانے کا امکان بھی نہیں تھا۔

گروچن کا دل کسی ان جانے خطرے کے احساس سے زور زور سے اچھل رہا تھا اس نے آہستہ آہستہ قدم بڑھایا اور دبے پاؤں کھڑکی کی سمت بڑھا کھڑکی کے نیچے بنی ہوئی کیاریوں کے گرد کمر تک اونچی باڑ تھی۔ وہ جھکا جھکا اس کی آڑ میں آگے بڑھتا رہا۔ کھڑکی کے عین نیچے پہنچ کر وہ اٹھا۔ اس نے کھڑکی کی سمت اپنا ہاتھ بڑھایا اور عین اسی لمحے کسی نے اس کی گردن کو آہنی شکنجے میں لے لیا۔ گروچن نے پھرتی کے ساتھ پلٹنا چاہا لیکن کمر کے اوپر چبھنے والے تیز دھار خنجر کی نوک نے اسے روک دیا۔ وہ حملہ آور کی گرفت میں بے بس تھا۔ جس نے پشت سے ایک بازو اس کی گردن کے گرد حمائل کر رکھا تھا اور دوسرے سے خنجر کی نوک اس کی پسلیوں میں لگا رکھی تھی۔ اس نے اپنا جسم ڈھیلا چھوڑ دیا تھا۔

"اگر ذرا بھی آواز نکالی تو ہمیشہ کے لیے خاموش کر دیے جاؤ گے۔" حملہ آور نے سرگوشی میں خبردار کیا۔

گروچن خاموش کھڑا رہا۔ اور پھر اچانک کلوروفارم میں تر رومال اس کی ناک پر رکھ دیا گیا۔ اس کا سر چکرانے لگا اور پھر آہستہ آہستہ وہ اپنے وجود سے بے خبر ہوتا گیا۔

اس کی آنکھ کھلی تو ہر سمت تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اس کا حلق کڑوا اور خشک ہو رہا تھا۔ آہستہ آہستہ آنکھیں تاریکی سے مانوس ہو گئیں تو گروچن کو ایک بے حد حسین چہرہ نظر آیا۔ کوئی لڑکی جھکی ہوئی اس کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے سوچا کہ شاید وہ خواب دیکھ رہا ہے لیکن اچانک چہرے پر ٹارچ کی روشنی پڑی۔ اس کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔ گھبرا کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ کیونکہ ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔

"پانی۔" گروچن نے بہ مشکل کہا۔ زبان میں کانٹے پڑے ہوئے تھے۔

"یہ ہوش میں آ گیا ہے۔" ایک مترنم آواز سنائی دی۔

ہلکی سی کلک کی آواز ہوئی اور ہر طرف روشنی پھیل گئی۔ لڑکی نے گلاس اس کے منہ سے لگایا تو گروچن نے جلدی جلدی پانی کے کئی گھونٹ لیے۔ حلق تر ہوا تو جان میں جان سی آ گئی۔ چھت میں لگے ہوئے مدھم بلب کی روشنی میں اس نے خود کو کسی گیراج نما کمرے میں پڑے ہوئے پایا۔ سامنے کھڑی ہوئی لڑکی بلا کی حسین تھی اس نے سیاہ رنگ کی تنگ پتلون اور اسی رنگ کی چست جرسی پہن رکھی تھی۔ اس کے ساتھ کھڑا ہوا نوجوان بھی ایسے ہی کپڑوں میں ملبوس تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک خوف ناک قسم کا ریوالور چمک رہا تھا۔ نوجوان چھریرے بدن کا تھا۔ اس کے بازو مضبوط اور گٹھے ہوئے تھے۔ چہرہ دل کش اور گندمی تھا۔ آنکھوں میں ذہانت کی چمک تھی وہ بہت غور سے گروچن کو دیکھ رہا تھا۔

"کون ہو تم۔" اس نے تحکمانہ لہجے میں سوال کیا۔

گروچن مسکرا دیا۔ "میرا خیال ہے یہ سوال مجھے کرنا چاہیے تھا۔" اس نے کہا۔ "تم نے کیوں مجھے یہاں قید کر رکھا ہے۔"

"بکواس مت کرو۔ سوال کا جواب دو۔" نوجوان نے کہا۔

"میرا نام گروچن ہے۔"

"تم گردھاری کے ملازم ہو۔"

"ہاں۔" گروچن نے جواب دیا۔ "لیکن تم کون ہو؟"

"تم کو معلوم ہے کہ گردھاری اس وقت کہاں ہے۔"

"ہاں..... وہ اپنے زمین دوز کمرے میں ہے۔ میں وہیں جا رہا تھا۔" گروچن نے کہا۔ "میں تو سمجھا تھا کہ گردھاری کے آدمی ہو۔"

"کیا مطلب؟" نوجوان نے پوچھا۔

"مطلب تو مجھے بھی نہیں معلوم اگر تم نے مجھے آزاد نہیں کیا تو گردھاری اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے گا۔" گروچن نے غصے سے کہا۔ "اس نے میری منگیتر کو اغوا کر لیا ہے اور کمل کور کی عزت خطرے میں ہے۔"

"اچھی کہانی ہے۔" نوجوان نے کہا۔ "لیکن تم نے خود ابھی اقرار کیا تھا کہ تم گردھاری کے ملازم ہو۔ تم اس کے مکان کی نگرانی بھی کر رہے تھے اور....."

"نگرانی؟" گروچن نے غصے میں کہا۔ "میں گردھاری کو قتل کرنے جا رہا تھا۔ اوہ..... شاید تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں اس بدمعاش کے گروہ کا آدمی ہوں۔" وہ اچانک مسکرا دیا۔ "لیکن ایسا نہیں ہے۔ بات یہ ہے کہ....." گروچن نے اسے اب تک پیش آنے والے تمام واقعات کی تفصیل بتائی اور بولا۔

"یہ محض اتفاق ہے کہ میں بچ گیا۔ گردھاری مجھے بھی مردہ سمجھ چکا ہے۔" نوجوان بہت غور سے گروچن کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ "تم سچ کہہ رہے ہو کہ مار تھر مر چکا ہے۔"

"ہاں۔ میں اس کی لاش کو اپنے ہاتھوں سے ریت میں چھپا کر آیا ہوں۔" گروچن نے جواب دیا۔ "اگر تم درمیان میں نہ کود پڑتے تو اب تک میں گردھاری کو ٹھکانے لگا چکا ہوتا۔"

"تم شاید اس لڑکی کی محبت میں دیوانے ہو گئے ہو۔" نوجوان نے ہنس کر کہا۔ "گردھاری کو قتل کیسے کرتے خالی ہاتھوں سے؟"

اور تب گروچن کو خیال آیا کہ وہ واقعی بالکل نہتا تھا۔ جبکہ گردھاری کے پاس بھرا ہوا ریوالور موجود ہے۔

"جذبات میں اندھے ہو گئے تھے۔ ہے نا؟" نوجوان نے ہنس کر کہا۔ "لو یہ پستول اپنے پاس رکھو۔ لیکن کیا تم کو معلوم ہے کہ گردھاری کے بنگلے میں برقی الارم لگا ہوا ہے۔"

"نہیں جب پہلی مرتبہ گیا تھا تو کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔" گروچن نے کہا۔

"ممکن ہے کہ اس وقت الارم کو آن نہ کیا گیا ہو۔" نوجوان نے کہا۔ "اب غور سے سنو۔ تم جیسے ہی اندر داخل ہو گے گردھاری کو پتا چل جائے گا۔ وہ تمہارا منتظر رہے گا۔ لیکن تم فکر نہ کرو۔ اس سے پہلے کہ وہ تم کو نقصان پہنچا سکے ہم تمہاری مدد کو پہنچ جائیں گے۔ تم یہ گھڑی اپنی کلائی پر باندھ لو۔ یہ ایک حساس قسم کا

ٹرانسمیٹر ہے اس کے ذریعے ہم تمہاری مدد کو پہنچ جائیں گے اور تمہاری گفتگو بھی سنتے رہیں گے۔"

"لیکن آپ ہیں کون؟ اور کیوں میری مدد کرنا چاہتے ہیں؟"

نوجوان مسکرا دیا۔ "میں جو بھی ہوں تمہارا دوست ہوں۔" نوجوان نے کہا۔ "تم مجھے شہزادہ کہہ سکتے ہو اور یہ ستارہ ہے۔"

"لیکن آپ کیوں خطرہ مول لے رہے ہیں۔"

"یہ طویل داستان ہے گروچن! ہم اس بارے میں پھر گفتگو کریں گے۔ چلو..... وقت برباد نہ کرو۔"

"جیسی آپ کی مرضی۔" گروچن نے اٹھتے ہوئے کہا۔

گردھاری بڑے اطمینان سے بیٹھا پی رہا تھا اس کا ایک ہاتھ کمل کور کی کمر کے گرد تھا۔ وہ اس طرح بیٹھی ہوئی تھی جیسے کوئی اعتراض نہ ہو۔

دروازہ اچانک کھلا اور گروچن غصے سے دہاڑا۔ "کمل..... اس پاپی کے پاس سے ہٹ جا۔" اس نے گردھاری کے سینے کا نشانہ لیتے ہوئے کہا۔

لیکن کمل اسی طرح بیٹھی رہی۔ گردھاری کے لبوں پر مکارانہ مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

"میں تجھے جان سے مار دوں گا۔" گروچن نے غصے میں چیخ کر کہا۔ "میری عزت سے کھیلنے سے پہلے تو۔"

"تو بالکل احمق ہے گروچن!" گردھاری نے حقارت آمیز لہجے میں کہا۔ "اس چھوکری کے پیچھے جان دے رہا ہے۔"

"میں تجھے قتل کر دوں گا۔" گروچن دہاڑا۔ اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔

"یہ تیرے بس کی بات نہیں کتے۔" گردھاری اچانک گرجا۔ "تو اب خود یہاں سے زندہ نہ جائے گا اور یہ چھوکری تو اب میرے بستر کی زینت بنے گی۔"

گروچن پر اب جنون طاری ہو گیا۔ پستول بلند کر کے وہ آگے بڑھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے ہاتھ پر اتنا زوردار وار پڑا کہ وہ چیخ اٹھا۔ پستول دور جا گرا۔ گردھاری نے زوردار قہقہہ لگایا گروچن نے غیظ و غضب کے عالم میں گردھاری پر چھلانگ لگا دی۔ لیکن گردھاری بلا کا پھرتیلا تھا اس کی لات برق رفتاری کے ساتھ گروچن کے پیٹ پر پڑی اور وہ دہرا ہو کر الٹ گیا۔

"لے جاؤ اس کتے کو....." گردھاری دہاڑا۔ "اس کی لاش سمندر کی تہہ میں ڈال دو۔ یہ سمجھتا تھا کہ میں اس بار بھی غافل ملوں گا۔ کیوں؟ لیکن شاید تجھے خبر نہیں کہ جیسے ہی تو کوٹھی میں داخل ہوا مجھے خبر ہو گئی تھی۔"

گروچن نے اٹھنا چاہا تھا لیکن پیچھے کھڑے ہوئے بدمعاشوں میں سے ایک کے پستول کا دستہ پوری قوت سے اس کے سر پر پڑا۔ گروچن کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

"اگر یہ زندہ بچ گیا..... تو پھر تم دونوں اپنی خیر نہ سمجھو۔" گردھاری دہاڑا۔

"نہیں بھگوان کے لیے ایسا....."

"مگر گردھاری کے زوردار تھپڑ نے کمل کا جملہ پورا نہ ہونے دیا۔ وہ الٹ کر قالین پر گری۔ اور

سسکیاں لینے لگی۔

دونوں بدمعاش بے ہوش گروچن کو گھسیٹتے ہوئے باہر لائے۔ کمرے میں کھڑی ٹرالی پر اسے ڈال کر جیسے ہی وہ آگے بڑھے ان کی آنکھیں خوف سے پھیلتی چلی گئیں۔ شہزاد کے پستول کی نال ان کے سینے کی طرف اٹھی ہوئی تھی۔ ان میں سے ایک نے پھرتی سے اپنا ہاتھ کمر سے لگے ہوئے ریوالور کی سمت بڑھایا۔ ٹھک کی ہلکی سی آواز ہوئی سائلنسر لگے ہوئے پستول کی گولی اس کے سینے سے پار ہو گئی۔ دوسرے بدمعاش نے ٹرالی چھوڑ کر دوسری جانب چھلانگ لگائی۔ لیکن ستارہ کی گولی نے اسے اٹھنے کا موقع نہ دیا۔ شہزاد نے ٹرالی سے گروچن کے جسم کو ہٹا کر دونوں بدمعاشوں کی لاشیں ٹرالی پر لادیں اور پھر ان کے اوپر گروچن کو ڈال کر ٹرالی کا ہینڈل پکڑا۔

"آؤ۔" اس نے ستارہ سے کہا۔

"لیکن اس طرح؟"

"ان کو سمندر کے حوالے کر کے ہم بھی اسی راستے سے نکلیں گے۔" شہزاد نے کہا۔ "کیونکہ گروچن نے مارتھر کی لاش اسی طرف کہیں چھپائی ہے۔"

"اوہ...... لیکن اتنی بلندی سے چھلانگ لگانا خطرناک نہ ہوگا۔"

"یقیناً ہوگا۔ لیکن مجبوری ہے۔" شہزاد نے کہا۔ "اور پھر گردھاری نے گروچن کو بھی اس جگہ سے سمندر میں پھینکا تھا۔ لیکن وہ بچ گیا۔"

"لیکن ہم ان لاشوں کو ٹھکانے لگا کر لفٹ کے ذریعے بھی تو باہر نکل سکتے ہیں۔"

"بڑی آسانی سے۔ لیکن کسی اور راستے سے یہاں تک پہنچنے میں کافی وقت لگے گا اور صبح ہونے میں صرف چند گھنٹے باقی ہیں۔ اس کے علاوہ جلد ہی گردھاری کو یہ پتا لگ جائے گا کہ اس کا منصوبہ ناکام ہو گیا ہے اور وہ تمام احتیاطی تدابیر اختیار کرے گا۔ نہیں اس سے پہلے مارتھر کی لاش تلاش کرنا ہے۔"

"بہت اچھا سرکار...... آپ کہتے ہیں تو ہم جان بھی دے دیں گے۔" ستارہ نے مسکرا کر کہا۔

"فکر نہ کرو تم اتنی آسانی سے نہیں مروگی۔" شہزاد نے کہا۔ "اور تم کو مر جانے دیا تو ہم زندہ رہ کر بھی کیا کریں گے۔"

ستارہ نے ایسی نگاہوں سے اسے گھورا کہ شہزاد بے اختیار مسکرا دیا۔

"جیپ اس سے آگے نہیں جا سکتی۔" شہزاد نے کہا اور جیپ کو گھما کر درختوں کے درمیان کھڑا کر دیا۔

اگلی سیٹ پر بیٹھی ہوئی ستارہ نے تھرماس نکالا اور پھر ناشتے کا سامان سیٹ پر رکھ کر نیچے اتر آئی۔

"میرا خیال ہے کہ آگے چلنے سے پہلے پیٹ پوجا کر لی جائے۔"

"ٹھیک خیال ہے۔ ویسے گروچن اگر تم کو تکلیف محسوس ہو رہی ہو تو بہتر ہے یہیں انتظار کرو۔"

"میری کھوپڑی کافی مضبوط ہے۔" گروچن نے سر پر بندھی ہوئی پٹی پر ہاتھ پھیر کر کہا۔ "ویسے میرا خیال ہے مٹھرا کی پہاڑی یہی ہے۔"

"ہم نقشے کی مدد سے آئے ہیں اس لیے یہیں ہونا چاہیے۔"

"ہاں...... اگر آپ نہ ہوتے تو مارتھر کی لاش چھونے کی ہمت مجھے کبھی نہ ہوتی۔" گروچن نے کہا۔ "اور پھر مردے کی آنکھ نکالنا۔" اس نے خوف سے جھرجھری لی۔

"تم مردوں کی بات کرتے ہو یہ حضرت تو زندوں کی آنکھوں کو نکالنے میں بھی تکلف نہیں کرتے۔" ستارہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور چائے کا کپ گروچن کی طرف بڑھایا۔

"گروچن نے جواب دیا۔" گردھاری کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ اس خفیہ کمرے میں کوئی داخل ہو سکتا ہے۔ میں صوفے کے پیچھے سے ان کی تمام باتیں سن رہا تھا۔"

"اور تم کو یقین ہے کہ یہ خزانے والی بات ٹھیک ہوگی۔"

"میرا خیال ہے سچ ہی ہوگی۔ ورنہ مارتھر بھلا کیوں گردھاری کے پاس آتا۔"

"کیا یہ وہی علاقہ نہیں ہے جہاں کچھ دنوں پہلے ایک باغی چھاپا مار گروپ کی سرگرمیوں کا سراغ ملا تھا۔"

"ہاں...... لیکن سری لنکا کی فوج نے اس کا صفایا کر دیا تھا۔ گروچن نے جواب دیا۔" جو گرفتار ہوئے تھے ان کو موت کی سزا ہوئی تھی۔"

"یہ پتا نہ لگ سکا کہ اس بغاوت کے پیچھے کس کا ہاتھ تھا۔"

"کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ بھارتی حکومت اس میں ملوث تھی۔" گروچن نے جواب دیا۔ "لیکن دراصل زبان کے مسئلے پر یہ جھگڑا ہمارے ملک میں بہت پرانا ہے۔ لیکن آپ یہ سب کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"بس یونہی...... یہ بات کیا عجیب نہیں کہ وہ خفیہ خزانہ بھی اسی علاقے میں واقع ہے۔"

"ہاں یہ بات تو ہے۔ لیکن یہ مارتھر تھا کون؟ اور آپ اس کا تعاقب کیوں کر رہے تھے۔"

مارتھر ایک فرانسیسی باشندہ تھا۔ کافی دنوں سے ایک گروہ خفیہ طور پر فرانس سے اسلحہ اسمگل کر کے سری لنکا بھیج رہا تھا کچھ عرصہ پہلے حکومت فرانس نے اس گروہ کو پکڑ لیا۔ اس کا سرغنہ مارا گیا۔ اور بقیہ قید میں ہیں۔ لیکن پتا نہ لگ سکا کہ اسلحہ سری لنکا پہنچ کر کہاں جاتا تھا۔ مارتھر پر بہت پہلے سے شبہ تھا۔ کیونکہ وہ اسلحے کی اسمگلنگ میں پہلے بھی ملوث رہ چکا ہے۔ جب وہ سری لنکا کے لیے روانہ ہوا تو ہم اس کے تعاقب میں یہاں آئے تھے اور جب مارتھر نے گردھاری کے بنگلے کا رخ کیا تو ہم اس کے پیچھے تھے۔ لیکن وہ رات گئے تک واپس نہ ہوا۔ ہم اس کا پتا لگانے کے لیے اندر داخل ہونے کا ارادہ کر رہے تھے کہ تم درمیان میں آ کودے۔ باقی تم خود جانتے ہو۔"

"کیا آپ کا تعلق پولیس سے ہے۔"

"نہیں بس یوں سمجھ لو کہ حکومت فرانس نے اس معاملے کی چھان بین کے لیے ہماری خدمات حاصل کی ہیں۔ ان کے خیال میں کسی غیر ملکی کو یہاں بھیجتے تو وہ آسانی سے نظر میں آ جاتا۔ میں پہلے بھی کئی بار سری لنکا آ چکا ہوں۔" شہزاد نے بتایا۔ "اور میں سنہالی زبان بھی جانتا ہوں بہ ظاہر میں بدھ مذہب پر تحقیق کرنے والا ایک اسکالر ہوں۔"

"اوہ پھر تو بڑی آسانی ہوگی۔" گروچن نے کہا۔ "اور یہ مس ستارہ۔"

"میں ان کی کھوپڑی پر تحقیق کر رہی ہوں۔" ستارہ نے مسکرا کر کہا۔

"ان کو سچ بات کہنے سے شرم آتی ہے۔ در اصل یہ میری...... وہ ہیں۔"

"دماغ درست ہے تمہارا۔" ستارہ کا چہرہ شرم سے گلنار ہو گیا۔

"یہ اندازہ تو تم کو کرنا ہے۔ تحقیق میں تمہیں تم کر رہی ہو محترمہ۔"

"چلو ختم کرو یہ بحث...... ابھی چڑھائی کو سر کرنا ہے۔" ستارہ نے پہاڑی کی سمت اشارہ کیا۔

جس راستے سے اوپر چڑھ رہے تھے۔ وہ بہت دشوار گزار تھا۔ بلندی پر پہنچنے کے بعد پہاڑی کی دوسری سمت لہریں لیتا ہوا سمندر صاف نظر آنے لگا تھا وہ قلعے کے قریب پہنچ چکے تھے۔ سب سے آگے شہزاد تھا۔ جس نے رائفل ہاتھ میں لے رکھی تھی اس کے پیچھے گروچن اور آخر میں ستارہ تھی آگے پیچھے چلتے ہوئے وہ اس جگہ پہنچ چکے تھے جہاں سے قلعے کا شکستہ پھاٹک صاف نظر آ رہا تھا۔ ہر سمت پر سکون سناٹا طاری تھا۔ شہزاد نے قدم بڑھایا ہی تھا کہ اچانک فائر کی آواز سناٹے میں گونج اٹھی۔ شہزاد پھرتی کے ساتھ زمین پر گرا۔ گروچن اور ستارہ دونوں تیزی سے جھاڑیوں کی آڑ میں ہو گئے۔

شہزاد نے لیٹے لیٹے دوربین آنکھوں سے لگا کر بلندی کا جائزہ لینا شروع کیا۔ فائر پہاڑی کے دائیں جانب سے ہوا تھا۔ جہاں گھنے پیڑ تھے۔ وہ رینگتے ہوئے چٹان کی آڑ میں پہنچ گیا۔ گروچن اور ستارہ پیٹ کے بل رینگتے ہوئے شہزاد کی سمت بڑھ رہے تھے اور اسی لمحے شہزاد نے حملہ آور کو دیکھ لیا۔ وہ ایک درخت کی آڑ میں کھڑا ہوا تھا۔ رائفل کی نال دوربین کی زد میں تھی۔ اچانک حملہ آور آگے بڑھا۔ اس نے چوکنے انداز میں نشیب کی طرف دیکھنا شروع کیا۔ شاید وہ سمجھ رہا تھا کہ نشانہ ٹھیک لگا ہے یا پھر اس جانب کی خاموشی سے اس نے اندازہ کیا ہو کہ اسے دیکھا نہیں جا سکا۔

شہزاد نے رائفل کی نال بلند کی۔ ٹیلی اسکوپ سے نشانہ لیا اور فائر کر دیا حملہ آور کئی فٹ اونچا فضا میں اچھلا اور لڑکھڑاتا ہوا نیچے آنے لگا گولی اس کی پیشانی میں سوراخ کرتی ہوئی نکل گئی تھی۔

لیکن وہ حملہ آور کو نہ پہچان سکے۔ گروچن کے لیے بھی اس کا چہرہ اجنبی تھا۔

"ممکن ہے کہ یہ حملہ آور گروہ سے تعلق رکھتا ہو۔" گروچن نے کہا۔ "اس علاقے میں ان کی اکا دکا ٹکڑیاں اب بھی باقی ہیں۔"

"ہاں ممکن ہے۔" شہزاد نے سوچتے ہوئے کہا۔ اس کا لہجہ بڑا پر اسرار تھا۔

حملہ آور کے پاس سے کوئی ایسی چیز برآمد نہ ہو سکی۔ جس سے اس کی شناخت ہو سکتی۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہ تھا کہ وہ سنہالی قبیلے سے تعلق رکھتا تھا۔ شہزاد نے اس کی آٹومیٹک رائفل گروچن کی طرف اچھال دی۔

"آپ کس سوچ میں پڑ گئے؟" گروچن نے کہا۔

"یہ رائفل بالکل نئی ہے۔" شہزاد نے کہا۔ "اور اسے صرف چند بار استعمال کیا گیا ہے۔"

ایک بار پھر وہ قلعے کی سمت بڑھنے لگے لیکن اس مرتبہ وہ بہت احتیاط سے قدم اٹھا رہے تھے۔ قلعے میں داخل ہونے تک پھر کوئی حملہ نہیں ہوا۔ پھر بھی وہ محتاط اور چوکنا رہے۔ شہزاد نے وہ باریک سا کاغذ نکالا جو مارتھر کی مصنوعی آنکھ کے نیچے سے برآمد ہوا تھا۔ یہ ایک نقشے کا چربہ تھا۔ وہ تینوں محدب شیشے کی مدد سے اس نقشے کا باری باری معائنہ کرتے رہے۔

قلعے کے بیرونی صحن کے بائیں جانب اس پرانے محل کے کھنڈرات تھے جس کی نشان دہی نقشے میں کی گئی تھی۔ وہ کھنڈرات میں داخل ہوئے۔ شکستہ راہ داریوں سے گزرتے ہوئے وہ ایک گول کمرے میں پہنچ گئے۔ جہاں سنگ مرمر کا ایک بلند سا تخت نما چبوترا بنا ہوا تھا۔ اس کی پشت پر مسند کے لیے تقریباً دو فٹ چوڑے دو گول اور نقشین قدمچوں سے اندازہ ہوتا تھا کہ راجہ اور رانی دونوں کے پیچھے یہاں ملازم کھڑے ہوتے تھے۔ جیب سے ناپنے کا ٹیپ نکال کر شہزاد نے دونوں قدمچوں کے درمیان کا فاصلہ ناپا اور پھر ان کے عین درمیان چاک سے نشان لگایا۔

"اب ہمیں یہ ٹائل اکھاڑنا چاہیے۔" اس نے نقشہ دوبارہ دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ ہٹیے میں اسے کھودتا ہوں۔" گروچن نے ایک لمبے پھل کا چاقو نکال کر ٹائل کے جوڑوں کا پلاسٹر کھودنا شروع کر دیا۔

پلاسٹر کافی مضبوط تھا اور گروچن کو کافی محنت کے بعد کامیابی ہوئی۔ اس نے بڑی احتیاط سے چاقو کی نوک کے ذریعے ٹائل کو علیحدہ کیا۔ حیرت و استعجاب سے ان کے منہ کھل گئے۔ اندر بنے ہوئے خلا کے اندر ایک آہنی کڑا صاف نظر آ رہا تھا۔ شہزاد نے جلدی سے گروچن کو ہٹا کر وہ کڑا پکڑا اور پوری قوت سے گھمانا چاہا لیکن اسے کامیابی نہیں ہوئی۔

"عجیب ہے اسے گھومنا چاہیے۔" اس نے کہا۔

"ممکن ہے اتنا طویل وقت گزرنے کے بعد یہ جام ہو گیا ہو۔" ستارہ نے کہا۔

"اسے دوسری جانب گھمائیے۔" گروچن نے کہا۔

شہزاد نے کڑے کو پکڑ کر پھر زور لگایا لیکن اس مرتبہ اسے زیادہ طاقت نہیں لگانی پڑی۔ کڑا آسانی سے گھوم گیا اور دوسرے ہی لمحے ہلکی سی گڑگڑاہٹ کے ساتھ تخت اپنی جگہ سے ہٹنے لگا۔ تخت کے ہٹنے سے فرش میں خلا پیدا ہو گیا تھا اور ایک زینے کی سیڑھیاں نظر آنے لگی تھیں۔ سیڑھیاں گہرائی تک جا کر تاریکی میں غائب ہو گئی تھیں۔ وہ حیرت زدہ کھڑے اس زینے کو گھور رہے تھے۔

"مارتھر نے سچ بتلایا تھا۔" گروچن اپنی خوشی پر قابو نہ پا سکا۔ "خزانہ یقیناً موجود ہے۔"

"ممکن ہے۔" شہزاد نے کہا۔

"پھر انتظار کیا ہے آیئے اندر چلتے ہیں۔"

"کچھ دیر ٹھہرو صدیوں سے بند یہ جگہ ممکن ہے زہریلی گیس سے بھری ہو۔"

جیب سے ٹارچ نکال کر انہوں نے سیڑھیاں اترنا شروع کیں۔ پانچویں سیڑھی پر قدم رکھتے ہی گڑگڑاہٹ کی آواز کے ساتھ فرش برابر ہو گیا۔ انہوں نے ٹارچ کی روشنی میں تہہ خانہ ہر سمت دیکھا۔ لیکن کوئی ایسی چیز نظر نہ آئی جس سے خفیہ دروازے کو پھر کھولا جا سکتا۔

"اگر باہر نکلنے کا راستہ نہ کھل سکا تو پھر کیا ہوگا۔" ستارہ نے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔

"پھر یہ ہوگا کہ ہم کبھی باہر نہ نکل سکیں گے۔" شہزاد نے کہا۔

"خدا نہ کرے۔ تم ایسی منحوس باتیں نہ کرو۔" ستارہ نے چڑ کر کہا۔

"تم ایسے احمقانہ سوال کیوں کرتی ہو۔ اس نقشے کے مطابق باہر نکلنے کے لیے ساتویں سیڑھی پر بنا ہوا وہ آہنی آتش دان آگے کھینچنا چاہیے۔ جس میں مشعل لگی ہوئی ہے۔"

وہ خاموشی سے سیڑھیاں اترتے رہے۔ خلا میں ان کے قدموں کی چاپ گونج رہی تھی۔ پوری چالیس سیڑھیاں اترنے کے بعد وہ ایک چوڑی سی راہ داری میں پہنچے۔ جو کچھ دور جا کر کشادہ ہو گئی تھی۔ سامنے محراب نما دروازہ تھا۔ جس میں لوہے کی سلاخوں کا مضبوط پھاٹک لگا ہوا تھا۔ اسے کھول کر وہ ایک گول کمرے میں داخل ہوئے جس کا رقبہ اور بناوٹ اوپر والے کمرے سے مشابہ تھیں۔ لیکن جب اس کے بعد شہزاد نے ٹارچ کی روشنی پھینکی تو ستارہ سہم کر اس سے لپٹ گئی۔ فرش پر پڑا ہوا ایک انسانی ڈھانچا جیسے ان کا منہ چڑا رہا ہو۔ اس کی آنکھوں کے بھیانک حلقے جیسے ان کو گھور رہے ہوں۔ وہ جو بھی تھا دیوار کے سہارے لیٹا ہوا مر گیا تھا۔ ایسا ہی دوسرا ڈھانچا اگلی کوٹھری میں تھا۔

"خدایا کیا بھیانک منظر ہے۔" ستارہ نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

"قدیم دور میں اہم قیدیوں کو ایسے ہی تہ خانے میں رکھا جاتا تھا۔" شہزاد نے کہا۔ "ایسا لگتا ہے کہ ان کو آزاد کرانے کا موقع کسی کو نہیں ملا۔"

"روایت کے مطابق سنترا کی راج کماری کو حملہ آوروں نے قتل کر دیا تھا۔" گروچن نے بتایا۔

"اور اس تہ خانے کا راز راج کماری کے علاوہ کسی کو معلوم نہ ہوگا۔"

"راہ داری کے خاتمے پر ایک اور آہنی پھاٹک تھا۔ جس کے اندر بنی ہوئی سیڑھیاں اور نیچے چلی گئی تھیں۔ اندر داخل ہونے سے پہلے شہزاد نے پھر نقشہ دیکھا۔

"ہمیں ابھی اور نیچے جانا ہے۔" اس نے پھاٹک کھولتے ہوئے کہا۔

وہ سیڑھیاں اتر کر ایک اور ہال نما کمرے میں پہنچے۔ جہاں دیواروں پر ہر سمت ہتھیار سجے ہوئے تھے۔ تلواریں، نیزے ڈھالیں، بھالے اور کلہاڑیاں ترتیب سے لگی ہوئی تھیں۔ کمرے میں لکڑی کے بے شمار صندوق بھی ہتھیاروں سے بھرے ہوئے تھے۔ درمیانی دیوار پر ایک جگہ دو تلواریں اور ایک ڈھال اس طرح لگے ہوئے تھے جیسے دیوار ہی کا حصہ ہوں۔ شہزاد نے وہ ڈھال دیوار سے اتار لی۔ اس کے نیچے لوہے کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا تھا۔ وہ اندر دھنستا چلا گیا۔ اور اس کے ساتھ بغیر کسی آواز کے دیوار کا ایک حصہ ہٹ گیا۔ اندر بالکل تاریکی تھی اس نے ٹارچ کی روشنی اندر پھینکی۔

حیرت سے وہ چیخ اٹھے۔

ایک بہت بڑا طویل سا ہال تھا۔ ان کے بالکل سامنے ایک بلند سے چبوترے پر مہاتما گوتم بدھ کا ایک بہت بڑا بت رکھا ہوا تھا۔ روشنی میں اس کا سنہرا رنگ اس طرح چمک رہا تھا جیسے یہ بت ابھی ابھی بنا کر رکھا گیا ہو۔ اور اس کی چمک سے ظاہر ہو رہا تھا کہ پورا بت سونے کا ہے۔ بت کے سامنے دو بڑے بڑے لکڑی کے صندوق رکھے ہوئے تھے۔ ان کے پٹ کھلے ہوئے تھے۔ اور اندر بھرے ہوئے زیورات، ہیرے اور یاقوت کی روشنی سے کمرا جگمگا اٹھا تھا۔ وہ چند لمحے دم بخود کھڑے رہے اور پھر اچانک گروچن بھاگتا ہوا آگے بڑھا اور گوتم بدھ کے قدموں میں سر رکھ کر رونے لگا۔

"یہ اسے کیا ہوا؟" ستارہ نے سرگوشی میں پوچھا۔

"خزانہ دیکھ کر خوشی سے بے تاب ہو گیا۔ اور مہاتما کا شکر ادا کر رہا ہے۔"

"مجھے تو یہ سب کچھ ایک خواب لگ رہا ہے۔"

"ہاں۔ لیکن آنکھیں حقیقت کو نہیں جھٹلا سکتی ہیں۔ ہم نے واقعی دنیا کا ایک بیش بہا خزانہ دریافت کر لیا ہے۔"

"گوتم بدھ امن کا پیغامبر تھا۔ محبت، امن اور آشتی کا پیکر تھا۔ اس نے راج پاٹ اور محل کی عیش و عشرت کی زندگی ترک کر کے خدا سے لو لگائی تھی اور دنیا کی ستم ظریفی دیکھیے کہ اس کے سامنے خزانے کا ڈھیر لگا دیا ہے۔ جس چیز سے اسے نفرت تھی، جس دولت کو ٹھکرا کر اس نے یہ پیغام دیا تھا کہ محبت، خدمت اور عبادت سے بڑا کوئی خزانہ نہیں۔ وہی اس کے سامنے لا کر ڈھیر کر دی گئی۔" شہزاد اس طرح بول رہا تھا جیسے گوتم بدھ سے مخاطب ہو۔

"انسان بڑا حریص واقع ہوا ہے۔" ستارہ نے کہا۔ "وہ ہمیشہ چمکتی ہوئی دولت کی سمت بھاگتا ہے۔"

"نہیں ستارہ دیوی۔" گروچن اچانک پلٹ کر بولا۔ "میں محبت کے پیچھے بھاگا تھا۔ جو دولت کے ہاتھوں بک گئی۔ بمل نے دولت کی خاطر گردھاری کو اپنا لیا۔ اب میں اس دولت سے محبت کو خریدوں گا۔"

وہ دیوانہ وار جواہرات سے بھرے ہوئے صندوق کی جانب بڑھا اس نے دونوں ہاتھوں سے اندر رکھے ہوئے جواہرات کو اٹھانا چاہا لیکن ناکام رہا۔ زیورات جیسے صندوق سے چپک گئے تھے۔ گروچن نے زور لگا کر اسے اٹھانا چاہا۔ اور دوسرے ہی لمحے انہیں یہ محسوس ہوا کہ وہ تاریک خلا میں گر رہے ہیں۔ ان کے قدموں کے نیچے سے اچانک ہی زمین کھسک گئی تھی۔ ستارہ نے خوف سے چیخ ماری۔ شہزاد نے اسے پکڑنے کے لیے ہاتھ پھیلائے لیکن ناکام رہا اور پھر اچانک ان کے پیر سخت اور چکنی سطح سے ٹکرائے اور وہ لڑھکتے چلے گئے۔ گرتے ہوئے ٹارچ شہزاد کے ہاتھ سے چھوٹ گئی تھی۔ اس لیے گہری تاریکی میں کچھ نظر نہ آ رہا تھا اس نے اٹھ کر اپنے جسم کو ٹٹولا معمولی سی خراش کے علاوہ اور کوئی چوٹ نہ آئی تھی۔

اچانک اسے کچھ یاد آیا اور اس نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر لائٹر نکالا۔ لائٹر جلاتے ہی اسے ستارہ نظر آئی جو بالکل قریب پڑی ہوئی تھی۔ شہزاد لپک کر اس کے قریب پہنچا۔

"ستارہ...... ستارہ......" اس نے آہستہ سے آواز دی۔

لیکن وہ ساکت پڑی رہی۔ شہزاد کو خوف سے پسینہ آ گیا۔ اس نے بے تاب ہو کر ستارہ کو اپنی باہوں میں بھر لیا۔

"ستارہ...... اوہ...... ستارہ......" وہ صدمے سے کراہا لیکن اسی لمحے ستارہ نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ زندہ تھی۔ دہشت سے بے ہوش ہو گئی تھی۔

"چند لمحے وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے شہزاد کو دیکھتی رہی اور پھر جلدی سے اٹھ بیٹھی۔

"خدایا تیرا شکر ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "میں تو سمجھی تھی کہ بس...... لیکن یہ ہوا کیا...... ہم کہاں ہیں۔"

"کچھ پتا نہیں...... شاید یہ کوئی خفیہ غار ہے۔" شہزاد نے کہا۔ اسی لمحے کوئی کراہا۔ شہزاد نے دوبارہ لائٹر جلا کر دیکھا کچھ فاصلے پر پڑا ہوا گروچن اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ دونوں لپک کر اس کے پاس پہنچے گروچن کے ماتھے پر ایک بڑا سا گومڑ نظر آ رہا تھا۔ جس سے خون رس رہا تھا۔ شاید اسی چوٹ سے وہ بے ہوش ہو گیا تھا اس نے خوف زدہ نظروں سے ہر سمت دیکھا۔

"یہ کیا ہو گیا...... ہم کہاں ہیں؟ وہ خزانہ کہاں گیا......" اس نے گھبرا کر کہا۔ "بھگوان کیا وہ سپنا تھا؟"

"نہیں گروچن وہ سپنا نہیں حقیقت تھی۔" شہزاد نے کہا۔ "لیکن وہ خزانہ دیوتاؤں کی امانت معلوم ہوتا ہے۔ میرا خیال ہے زیورات کے صندوق میں کوئی خفیہ میکنزم ہے۔ تاکہ اس خزانے کو کوئی چوری نہ کر سکے۔ تم نے جیسے ہی زیورات اٹھانے کی کوشش کی۔ ہمارے پیروں کے نیچے سے فرش اچانک کھسک گیا۔"

"بھگوان...... تو کیا ہم کسی خفیہ تہ خانے میں پھنس گئے ہیں۔" گروچن نے وحشت زدہ لہجے میں کہا۔

"مجھے تو یہ کوئی غار نظر آتا ہے۔ آؤ دیکھیں شاید باہر نکلنے کا کوئی راستہ ہو۔" شہزاد نے کہا۔

لائٹر جلا کر انہوں نے گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ بلاشبہ یہ کوئی غار تھا لیکن انتہائی خوب صورت غار۔ فرش سنگ مرمر کی طرح چکنے مگر سیاہ پتھر کا تھا۔ دیواروں پر قدیم دور کے نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ جگہ جگہ مشعلیں لگی ہوئی تھیں۔ اچانک شہزاد نے ایک مشعل دیوار سے نکالی۔

"کیا بات ہے؟" ستارہ نے پوچھا۔

"عجیب بات یہ ہے مشعل بالکل تازہ نظر آتی ہے۔" اس نے کہا اور لائٹر جلا کے مشعل سے لگا دیا۔ مشعل فوراً جل اٹھی تم دیکھ رہے ہو۔ اس میں بالکل تازہ تیل لگا ہوا ہے۔"

"ہاں۔ واقعی تم سچ کہتے ہو۔ اس کا مطلب ہے کہ......" ستارہ نے جملہ نامکمل چھوڑ دیا۔

"یہاں بلاشبہ کوئی پہلے آ چکا ہے۔" شہزاد نے کہا اور ایک اور مشعل نکال کر جلا دی۔ اسے گروچن نے تھام لیا۔

روشنی میں انہوں نے دیکھا کہ اس کشادہ کمرے کے آخر میں ایک محراب نما دروازہ تھا جو ایک سرنگ نما راستے میں کھلتا تھا۔ وہ اس میں داخل ہو کر آگے بڑھنے لگے۔ یہاں تازہ نم آلود ہوا آ رہی تھی۔ سرنگ مختصر سی تھی۔ وہ اس کے دہانے پر ایک بڑے سے غار میں داخل ہوئے اور نگاہ اٹھاتے ہی دم بخود رہ گئے۔ سامنے چبوترے پر گوتم بدھ کا بت انہیں گھور رہا تھا۔ ایک لمحے کو محسوس ہوا کہ وہ پھر خزانے والے کمرے میں واپس آ گئے ہیں لیکن جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ بناوٹ اور سائز میں یہ بت بھی اسی طرح تھا لیکن یہ سونے کا نہیں پتھر کا تھا۔

غار کافی بڑا تھا غار کے بالکل سامنے ایک طویل سرنگ چلی گئی تھی۔ وہ اس میں داخل ہو کر آگے بڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک جگہ پہنچ کر یہ سرنگ ختم ہو گئی۔ بڑی بڑی چٹانوں نے آگے کا راستہ بالکل بند کر دیا تھا۔ شہزاد غور سے سننے لگا۔

"کیا بات ہے؟" گروچن نے سرگوشی کی۔

"غور سے سنو...... کیا پانی کی لہروں کے ٹکرانے کی آواز نہیں آ رہی۔"

"ہاں ایسا لگتا ہے جیسے یہ راستہ سمندر کی طرف کھلتا ہے۔"

"ہے نہیں...... تھا...... اسے بند کر دیا گیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ مارتھر کی داستان سچی تھی۔"

"انہوں نے جلد ہی یہ اندازہ کر لیا کہ ان چٹانوں کو ہٹانا انسانی قوت کے بس کی بات نہیں تھی۔ اس لیے واپس غار میں آ گئے۔ گوتم بدھ کے مجسمے کے سامنے بیٹھ کر وہ سوچنے لگے کہ اگر باہر نہ نکل سکے تو انجام کیا ہوگا۔ وہ چبوترے سے ٹیک لگا کر فرش پر دراز ہو گئے۔

تکان سے اب ان پر غنودگی طاری ہونے لگی تھی کہ اچانک گڑگڑاہٹ کی آواز سے وہ اچھل پڑے۔ غار کی دیوار ایک جگہ سے ہٹتی چلی جا رہی تھی۔

سامنے ایک طویل سرنگ نمودار ہو گئی تھی۔ جس میں جلتی ہوئی بہت ساری شمعیں ان کی سمت بڑھتی چلی آ رہی تھیں۔ وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھے۔ شہزاد نے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور گروچن اور ستارہ کو لے کر پھرتی کے ساتھ گوتم بدھ کے مہیب بت کے عقب میں پہنچ گیا۔ وہاں چھپنے کی کوئی اور جگہ نہ تھی۔ مشعلوں کی روشنی اور قریب آ رہی تھی۔ اور اس کے ساتھ ہی بہت ہی مترنم آوازیں کوئی نغمہ گاتے ہوئے آگے بڑھ رہی تھیں۔

"یہ کیا چکر ہے۔" ستارہ نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا۔

"خاموشی سے دیکھتی رہو۔" شہزاد نے سرگوشی کی۔ "شاید قدرت نے باہر نکلنے کا موقع فراہم کیا ہے۔"

اور پھر انہوں نے حیرت زدہ نظروں سے وہ قافلہ دیکھا جو اب غار میں داخل ہو رہا تھا۔ آگے آگے کوئی پندرہ بیس خوب صورت لڑکیاں بسنتی ساڑھیوں میں ملبوس، ہاتھوں میں پیتل کے تھال اٹھائے ہوئے تھیں جن میں دیپ جل رہے تھے۔ ان کے دوسرے ہاتھ میں جلتی ہوئی مشعلیں تھیں۔ مدھم روشنی میں ان کے کندن جیسے گداز جسم دمک رہے تھے۔ وہ کوئی بھجن گا رہی تھیں۔ جس کی زبان ناقابل فہم تھی۔ ان کے پیچھے تقریباً ڈیڑھ سو مرد تھے۔ عجیب بات یہ تھی کہ ان سب کے جسم پر ملیشیا کی وردی تھی اور سب کے سب مسلح تھے۔ غار کے اندر داخل ہو کر وہ نیم دائرے کی شکل میں پھیل گئے۔ لڑکیوں نے پوجا کے انداز میں جھک کر آرتی اتاری اور تھال بت کے قدموں میں رکھ دیے۔ پھر مشعلوں کو ہاتھ میں لے کر رقص کرنا شروع کر دیا۔ عجیب ہیجان خیز رقص تھا۔ اب عورتوں کے ساتھ مرد بھی بھجن گا رہے تھے۔ تن بدن سے مدہوش لڑکیاں پوجا کا رقص کر رہی تھیں۔ ہر لمحہ ان کے قدموں میں تیزی اور جسم میں مستی سی آتی جا رہی تھی۔ ان کا لباس جسم سے سرکتا جا رہا تھا۔ اور اسی لمحے ایسا محسوس ہوا۔ جیسے بجلی سی گر پڑی ہو۔ ایک خوف ناک سی گڑگڑاہٹ فضا میں گونجی تھی اور پھر پورے غار میں بجلی کے جھماکے ہونے لگے۔ جیسے ہزاروں بجلیاں چمک رہی ہوں۔ لڑکیوں سمیت سب سجدے میں گر پڑے۔

چند لمحوں بعد بجلی کی کوند ختم ہو گئی۔ اور گوتم بدھ کے بت کی دونوں آنکھوں سے تیز روشنی خارج ہونے لگی۔ وہ دھیا رنگ کی یہ روشنی سرخ لائٹ کی طرح تیز تھی۔ جس میں تمام پجاری نہا گئے۔ بت کے عقب میں چھپے ہوئے شہزاد اور اس کے ساتھی تاریکی میں تھے۔ اور پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ سحر زدہ منظر دیکھ رہے تھے۔ اچانک ایک گونج دار آواز فضا میں ابھری۔ بت بول رہا تھا۔ مہاتما گوتم بدھ کے لبوں سے آواز نکل رہی تھی۔ لیکن یہ آواز قدیم سنہالی زبان میں تھی۔ شہزاد غور سے سن رہا تھا۔

میرے بچو!

تمہاری پاک دھرتی پر بسنے والے بدھ، بدھ کے اصولوں کو بھول گئے ہیں۔ وہ عیش و عشرت کی گناہ آلود زندگی کے عادی ہو گئے ہیں۔ وہ بدھ مت کی پوتر بھومی کو پاپیوں کے ہاتھ بیچ ڈالنے کی سازش کر رہے ہیں۔ تمہارا ملک، تمہاری صدیوں پرانی تہذیب، تمہاری عزت و آبرو، سب کچھ لٹ رہی ہے اور اگر تم اس کی حفاظت کے لیے کھڑے نہ ہوئے تو ایک دن تم غلامی کی زنجیروں میں جکڑ جاؤ گے۔ تمہاری عورتیں ان پاپیوں کے بستر کی زینت بن جائیں گی ہم اہنسا کے ماننے والے ہیں۔ اس لیے میرے بچو اٹھو جاگو اور اپنی دھرتی کو پاپیوں کے ہاتھوں سے چھین لو۔ یہاں صرف اسے بسنے کا حق ہے جو بدھ کو ماننے والا ہو۔ دشمنوں سے اپنی بھومی پاک کر ڈالو۔ آگے بڑھو مہاتما کی مدد تمہاری ہوگی۔ جاؤ اور سدھارتا کے حکم سے دشمنوں کا صفایا کر دو۔ ہم نے طغفارہ کو تمہاری رہنمائی کے لیے بھیجا ہے۔ اس کے حکم پر عمل کرو۔ اس کا حکم اپنے مہاتما کا حکم سمجھو۔ اس میں تمہاری سلامتی ہے۔"

ایک بار پھر غار میں کڑک ہوئی، بجلیاں سی کوندیں اور پھر سناٹا چھا گیا۔ گوتم بدھ کی آنکھ تاریک ہو گئی تھی۔ صرف مشعلیں روشن تھیں۔ اور ان کی روشنی میں اب بت کے سامنے ایک دراز قد شخص کھڑا ہوا تھا۔ اس کے چہرے پر چھوٹی سی نکوئی داڑھی تھی۔ سر بالکل گھٹا ہوا تھا۔ ہاتھ میں بدھ کا چکر تھا۔ کسی نے نہیں دیکھا کہ وہ کب اور کہاں سے نمودار ہوا چند لمحے وہ خاموشی سے کھڑا رہا۔ پھر آہستہ سے بولنا شروع کیا۔

"مہاتما بدھ کے ویرو...... جاؤ...... بارہ دری میں انتظار کرو۔ ہم بہت جلد مہاتما کے حکم پر عمل شروع کرنے والے ہیں۔"

تمام مرد خاموشی کے ساتھ سرنگ میں واپس چلے گئے۔ طغفارہ نے بدھ کے بت کے پیروں کو ہاتھ لگایا۔ سرنگ کا راستہ بند ہو گیا۔ دیوار اس طرح برابر ہو گئی۔ جیسے یہاں خلا کبھی رہا ہی نہ ہو۔

"شیتل اور رادھا...... اپنی نئی سہیلیوں کو سونے جل پلا دو۔" طغفارہ نے حکم دیا۔

سامنے بیٹھی ہوئی دو حسین لڑکیاں ساڑھی کا پلو سنبھال کر آگے بڑھیں۔ بت کے سامنے قدیم طرز کا جگ اور پیالے رکھے ہوئے تھے۔ ان میں سنہرے رنگ کا شربت رکھا ہوا تھا۔ شیتل اور رادھا نے پیالوں میں سنہرا شربت انڈیل کر تمام لڑکیوں کو پلایا۔ شربت کیا تھا جادو تھا۔ چند لمحے بعد ہی تمام لڑکیاں اس طرح مسکرا رہی تھیں جیسے گرد و پیش سے بے خبر ہو کر کوئی حسین خواب دیکھ رہی ہوں۔ ان کی آنکھوں میں سرخ سرخ ڈورے ابھر آئے تھے طغفارہ نے پھر اشارہ کیا شیتل اور رادھا مسکراتی ہوئی اس کے پاس آ گئیں۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"ان کو لے کر میرے ساتھ آؤ۔ آج رات ان سب کو گردھاری کے یہاں لے جانا ہے۔ وہاں آج ایک بڑی دعوت ہے۔ جس میں شہر کے بہت بڑے بڑے لیڈر اور سرکاری افسر آ رہے ہیں۔ تم ان لڑکیوں کے جوڑوں میں ٹرانسمیٹر پن لگا دینا نہیں بھولو گی۔" اس نے جگ ...... اٹھائے ان کے ہاتھ سے لے کر

رکھ دیے۔ لڑکیاں سحر زدہ انداز میں اسے گھور رہی تھیں۔ "اب ان حسین بھیڑوں کو ساتھ لے آؤ۔"

طغفارہ نے بدھ کے بت کے دوسرے پنجے کو ہاتھ لگایا۔ بت کے نیچے اچانک خلا پیدا ہو گیا۔ طغفارہ کے بعد باری باری ایک کر کے تمام لڑکیاں اس میں داخل ہو گئیں۔ خفیہ دروازہ بند ہو گیا۔ غار میں تاریکی چھائی تھی۔ کافی دیر تک وہ دم بخود بیٹھے رہے۔ گروچن مبہوت بنا اس طرح سامنے گھور رہا تھا۔ جیسے اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا ہو۔ لیکن شہزاد مسکرا رہا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ ہم باہر نکلنے کی کوشش کریں۔" ستارہ نے یاد دلایا۔

"نہیں۔" شہزاد نے کہا۔ "ہمیں طغفارہ کے خفیہ ہیڈ کوارٹر میں چلنا چاہیے۔"

"لیکن کیسے۔"

شہزاد نے جواب نہیں دیا۔ وہ اٹھ کر بت کے سامنے والے چبوترے پر اس جگہ کھڑا ہو گیا۔ جہاں ذرا دیر قبل طغفارہ کھڑا ہوا تھا۔ دو زانو بیٹھے ہوئے گوتم بدھ کے دونوں پیر اس کے شانوں کے برابر تھے۔ شہزاد نے داہنا پیر پیچھے کیا اس کا ہاتھ ایک بٹن سے ٹکرایا۔ اسے دباتے ہی دیوار کا ایک حصہ اپنی جگہ سے کھسک گیا۔ گروچن اور ستارہ کے منہ حیرت سے کھل گئے۔ شہزاد نے پھر بٹن دبایا۔ دیوار برابر ہو گئی۔

"میرا خیال صحیح تھا۔" اس نے کہا۔ "یہ سارا انتظام برقی ہے۔ کڑک کی آواز، بت کی تقریر اور روشنیاں کے جھماکے سب بجلی کا کرشمہ تھے۔"

"نہیں۔ آپ مہاتما کی توہین کر رہے ہیں۔" گروچن نے کہا۔

"پاگل نہ بنو...... اگر یہ مہاتما کا معجزہ ہوتا تو طغفارہ لڑکیوں کو گردھاری کے یہاں بھیجنے کی سازش نہ کرتا۔"

"لیکن......" گروچن نے کچھ کہنا چاہا۔ پھر رک گیا۔ "یہ لڑکیاں وہاں کیا کر رہی ہیں۔"

"جاسوسی۔ تم نے سنا نہیں کہ طغفارہ نے کیا ہدایت دی تھی۔" شہزاد نے کہا۔ "تمہارے ملک میں حکومت کا تختہ الٹنے کی ایک بھیانک سازش ہو رہی ہے گروچن۔ اس مقصد کے لیے یہاں بہت عرصے سے اسلحہ اسمگل کر کے لایا جا رہا تھا۔ اب یہ واضح ہو گیا کہ یہ اسلحہ کہاں جاتا تھا۔ بغاوت کی کوشش ناکام ہونے کے بعد سازشی گروہ مسلسل تیاریاں کرتا رہا اور اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ منظم طریقے سے کچھ ہونے والا ہے۔ ایک غیر ملکی طاقت اس میں ملوث ہے۔ سری لنکا پر قبضہ ہو جائے تو بحر ہند کا پورا علاقہ قابو میں آ سکتا ہے۔ تمہارے ملک کی جغرافیائی حیثیت فوجی اعتبار سے بہت اہم ہے۔ یہ لڑکیاں...... سیاست دانوں اور سرکاری افسران کے ذریعے اہم راز معلوم کرنے کا کام انجام دیں گی۔ اور ان خبروں کے ذریعے سازش آسانی سے کامیاب ہو سکتی ہے۔"

"لیکن پھر یہ خزانہ...... کیا ہارتھر بھی اس سازش میں شریک تھا۔" گروچن نے پوچھا۔

"نہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ صرف اسلحے کی اسمگلنگ میں ملوث تھا۔ خزانے کا راز ان کے ہاتھ اتفاقاً لگ گیا۔ اگر یہ راز طغفارہ کے گروہ کو معلوم ہوتا۔ تو خزانہ اب تک باقی نہ رہتا۔"

"لیکن یہ کیسے ممکن ہے۔ اگر وہ یہاں پر قابض ہیں تو خزانے کا راز ان کو ضرور معلوم ہوگا۔"

"نہیں۔ پہلے مجھے بھی یہ شک ہوا تھا۔ لیکن اب یقین ہے کہ وہ خزانے کے وجود سے لاعلم ہیں۔ ممکن ہے خزانے کی کہانی ان کو بھی کسی ذریعے سے معلوم ہوئی ہو اور اس کی تلاش کرتے ہوئے انھیں یہ خفیہ غار اور سرنگ مل گئی ہو جسے انہوں نے اپنا ہیڈ کوارٹر بنا لیا۔ گوتم کے بت اور غار کے خفیہ دروازوں کو انہوں نے برقی نظام سے خود کار بنا لیا اور مقامی آبادی کو مذہبی جنون میں مبتلا کر کے اپنا آلہ کار بنا رہے ہیں۔ کوئی بھی جاہل آدمی مہاتما کی آواز سن کر اسے معجزہ تصور کر سکتا ہے۔ بجلی کے ذریعے یہ سارا کرشمہ دیکھنے کے بعد وہ عقیدہ کو مہاتما گوتم بدھ کا اوتار ہی سمجھے گا۔ اور اس کے حکم پر جان دینے سے بھی دریغ نہ کرے گا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سارے کھیل کے پیچھے ایک خطرناک ذہن کام کر رہا ہے۔"

"آپ کو یقین ہے کہ خزانہ محفوظ ہے۔ ان کو اس کے وجود کا پتا نہیں۔" گروچن نے پوچھا۔

"ہاں بالکل یقین ہے۔" شہزاد نے کہا۔ "ورنہ اب تک وہ اسے خالی کر چکے ہوتے۔"

"پھر کیا ارادہ ہے۔"

"ہم اس سازش کو ناکام بنائیں گے۔ اس لیے ان کے خفیہ ہیڈ کوارٹر کا پتا لگانا ضروری ہے۔" شہزاد نے کہا۔ "اور میرا خیال ہے کہ اب یہ مشکل نہیں۔"

اس نے بدھ کے مجسمے کے بائیں پیر کے پیچھے ٹٹولا۔ ایک بٹن موجود تھا۔ اسے دباتے ہی چبوترے میں ایک خفیہ دروازہ نمودار ہو گیا۔ انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ شہزاد نے انھیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ اور اندر داخل ہوا۔ یہاں بھی ایک زینہ گہرائی میں چلا گیا تھا۔ وہ بڑی احتیاط سے نیچے اترنے لگے۔

سیڑھیاں ختم ہونے پر ایک دروازہ ملا جو بند تھا۔ لائٹر کی روشنی میں شہزاد نے دیکھا کہ یہ ساؤنڈ پروف دروازہ تھا اس نے آہستہ سے اسے کھولا۔ اندر گہری تاریکی تھی۔ سرد ہوا کا جھونکا ان کے چہرے سے ٹکرایا۔ انہوں نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا۔ شہزاد نے داخل ہونے سے پہلے احتیاطاً لائٹر بجھا دیا تھا لیکن جب کوئی آہٹ سنائی نہ دی تو اس نے پھر روشنی کی۔ وہ ایک جدید طرز کے سجے ہوئے ایئر کنڈیشنڈ کمرے میں تھے۔ جو ڈرائنگ روم کے انداز میں سجا ہوا تھا لیکن کمرا بالکل خالی تھا وہ دبے پاؤں آگے بڑھا۔

اور عین اسی لمحے کمرا روشنی سے جگمگا اٹھا۔ آنکھیں چکا چوند ہو گئیں اور جب ان کی نظریں سامنے اٹھیں تو معذور افراد کی وہیل چیئر پر پڑیں۔ اس میں بیٹھا ہوا شخص ان کو پہلے نظر نہیں آیا تھا۔ اس کے دونوں پیر مفلوج نظر آتے تھے۔ چہرہ انتہائی ربلا اور آنکھیں اندر دھنسی ہوئی تھیں۔ لیکن ان میں ایک شیطانی چمک تھی۔ ایسا مکروہ اور بھیانک چہرہ تھا کہ ان کے بدن میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ کرسی کے پیچھے عقیدہ کھڑا ہوا تھا۔

"سائمن سنگھ......؟" شہزاد کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

بڈھے کے پوپلے منہ سے نکلنے والا مدھم قہقہہ ایسا تھا کہ جیسے کہیں دور سے آواز آ رہی ہو۔

"خوش آمدید کیپٹن شہزاد۔" سائمن سنگھ نے کہا۔ "تم نے دیر کر دی یہاں تک پہنچنے میں۔"

"خوب۔ گویا تم ہمارے منتظر تھے۔" شہزاد نے کہا۔

"ہاں۔ تم نے اپنی آمد کا اعلان میرے ایک سپاہی کو قتل کر کے کیا تھا۔" سائمن نے کہا۔ "میں چاہتا تو آسانی سے تمہیں ٹھکانے لگا سکتا تھا۔"

"پھر چھوڑ کیوں دیا۔"

"تم سے ملنے کی خواہش تھی۔" سائمن نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن تم نے اتنی دیر کہاں لگا دی۔"

"ہم راستہ تلاش کر رہے تھے۔"

"جھوٹ مت بولو۔" سائمن نے کہا۔ "تم غار میں داخل ہونے کے بعد اچانک غائب ہو گئے اور ہمیں اس وقت تک نظر نہیں آ سکے۔ جب تک کہ پوجا ہال میں نہیں پہنچے۔"

"تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ ہمیں یہاں کا راستہ تلاش کرنے میں دیر لگی۔"

"تم اس راستے سے نہیں آئے ہو جو ہم کو معلوم ہے۔" سائمن سنگھ نے کہا۔ "اور اس کا مطلب ہے کہ غار میں داخل ہونے کا کوئی اور راستہ بھی ہے۔ جس سے ہم ابھی تک لاعلم ہیں۔"

"مجھے نہ تو پہلا راستہ معلوم تھا اور نہ دوسرا۔" شہزاد نے کہا۔ "ہم نے پجاریوں کو قتال لیے آتے دیکھا اور ان کا تعاقب کرتے ہوئے غار میں آ گئے۔ وہاں تمہارا جدید فراڈ دیکھتے ہی میں نے اندازہ کر لیا کہ یہ کارنامہ صرف تمہارا ہی ہو سکتا ہے۔"

سائمن سنگھ کا قہقہہ ایسا تھا جیسے بوتل سے پانی انڈیلا جا رہا ہو۔ "تم مجھے دھوکا نہیں دے شہزاد۔" اس نے کہا۔ "تم اس جلوس کے ساتھ نہیں تھے۔ یہاں اندر آنے والا ہر شخص میری نظر میں رہتا ہے۔" اس نے اچانک ہاتھ بڑھا کر میز پر لگا ہوا بٹن دبایا۔ سامنے لگے ہوئے ٹیلی ویژن پر وہ کمرا صاف نظر آ رہا تھا۔ جس سے وہ اندر آئے تھے۔ "اب بتاؤ کہ تم اندر کیسے داخل ہوئے تھے؟"

"میں جواب دے چکا ہوں۔" شہزاد نے کہا۔

"یہ فرانس نہیں ہے شہزاد! نہ تمہارا اپنا ملک ہے۔ تم میری مرضی کے بغیر یہاں سے زندہ نہیں جا سکتے۔"

"تم فرانس سے تو نکل آئے تھے سائمن سنگھ۔" شہزاد نے کہا۔ "لیکن مرنے سے پہلے میں تمہارے ناپاک وجود کو ختم کر دوں گا۔"

اس نے برق رفتاری سے ریوالور نکالا تھا لیکن دوسرے ہی لمحے یہ محسوس ہوا کہ تارے ناچ رہے ہیں۔ سر پر پڑنے والی ضرب اتنی شدید تھی کہ وہ توازن قائم نہ رکھ سکا۔ فضا میں ستارہ کی چیخ سنائی دی اور پھر اسے ہوش نہ رہا۔

شہزاد کی آنکھ کھلی تو وہ فرش پر پڑا ہوا تھا۔ اس کے سر میں زور زور سے دھماکے ہو رہے تھے۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو بے اختیار لبوں سے کراہ نکل گئی۔

وہ ایک مختصر کوٹھری تھی جس کی چھت اور دیواریں پتھر کی تھیں۔ دروازے پر لوہے کا مضبوط پٹ ہوا تھا۔ برابر میں گروچن بیٹھا ہوا تھا۔ جس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا۔ شہزاد نے سر پر بندھی ہوئی پٹی پر ہاتھ پھیرا اور ستارہ کے سہارے اٹھ بیٹھا۔ وہ غور سے ستارہ کو دیکھ رہا تھا۔

"انہوں نے مجھے کوئی اذیت نہیں پہنچائی میں نے ڈر کر چیخ ماری تھی۔" ستارہ نے اسے اطمینان دلایا۔ "لیکن ہم اس شیطان کی قید میں ہیں۔"

"وہ ہمیں زندہ نہ چھوڑے گا۔" گروچن نے خوف زدہ انداز میں سرگوشی کی۔ "لیکن میں اس خزانے کا راستہ ہرگز نہ بتلاؤں گا۔ چاہے وہ جان سے کیوں نہ مار دے۔"

"شش۔" شہزاد نے اسے منع کیا۔ "احتیاط سے بات کرو۔ ممکن ہے ہماری گفتگو سنی جا رہی ہو۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو شہزاد۔" اچانک سائمن سنگھ کی آواز کوٹھری میں گونجی۔ "یہ بھی اچھا ہے کہ گروچن کو راستہ معلوم ہے۔ اب تم کو فی الحال زحمت نہ دی جائے گی۔"

گروچن کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ شہزاد نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ "گروچن اگر تم نے زبان کھولی تو اس کے بعد زندگی سے ہاتھ دھو لو گے۔ اس کے بعد سائمن سنگھ کو تمہاری ضرورت نہ رہے گی۔"

"تم اطمینان رکھو شہزاد، گروچن مر سکتا ہے غداری نہیں کر سکتا۔" گروچن نے بڑے عزم کے ساتھ کہا۔

اسی لمحے آہٹ سنائی دی۔ دروازہ کھلا اور دو مسلح افراد کمرے میں داخل ہوئے۔ انہوں نے گروچن کو باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔ شہزاد اٹھ کر آگے بڑھا لیکن پستول کی نال دیکھ کر وہیں اپنی جگہ رک گیا۔

"صرف یہ ہمارے ساتھ جائے گا۔" مسلح گارڈ نے کہا۔

گروچن نے عزم بھری نگاہوں سے ان کو دیکھا اور باہر نکل گیا۔ دروازہ پھر بند ہو گیا وہ چند لمحے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ پھر شہزاد نے کلائی پر بندھی ہوئی رسٹ واچ پر نظر ڈالی۔

"تمہاری گھڑی میں وقت کیا ہوا ہے۔" اس نے ستارہ سے پوچھا۔ "یہ شاید بند ہو گئی ہے۔"

"دو بج رہے ہیں۔" ستارہ نے جواب دیا۔

شہزاد نے گھڑی میں چابی دے کر وقت ملایا۔ لیکن اس کی گھڑی بند نہیں ہوئی تھی۔ اس بہانے وہ ٹرانسمیٹر آن کر رہا تھا۔

"تم کو کچھ اندازہ ہے کہ ہم کہاں بند ہیں۔" اس نے ستارہ سے پوچھا۔

"قلعے کے باہر جو بارہ دری ہے ہم اس کے تہ خانے میں قید ہیں۔" ستارہ نے بتایا۔ "سائمن سنگھ کا اصل ہیڈ کوارٹر بھی یہی ہے اور کئی کمرے خودکار اسلحے سے بھرے ہوئے تھے۔ ڈائنامیٹ اور گولہ بارود کا ذخیرہ بھی ہے۔" ستارہ نے بتایا۔ "اس کمرے تک آنے والے راستے میں کئی کمرے اور ہیں جن کے اندر یہ سارا اسلحہ بھرا پڑا ہے۔ اور میں نے سینکڑوں باوردی چھاپا مار بھی دیکھے ہیں۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ......" فضا میں ابھرنے والی دل خراش چیخ سے اس کا جملہ نامکمل رہ گیا۔

"وہ گروچن پر تشدد کر رہے ہیں۔" ستارہ نے گھبرا کر کہا۔

"خدا کرے اس میں برداشت کی قوت ہو۔" شہزاد نے جواب دیا۔ "یہی دعا تمہارے لیے بھی کرتی ہوں۔" اس نے سرگوشی میں کہا۔

"کیا...... کیا مطلب۔"

"گروچن نے زبان نہیں کھولی تو...... تو میرے خیال میں وہ تم پر کوشش کریں گے۔" اس نے سرگوشی میں جواب دیا۔

دردناک چیخوں سے تہ خانہ لرز رہا تھا۔ تقریباً آدھ گھنٹے کے بعد چیخیں کراہوں میں بدل گئیں اور

پھر سناٹا چھا گیا۔ ان کو یہ اندازہ کرنے میں دشواری نہ ہوئی کہ گروچن نے خزانے کا راز بتا دیا ہے۔ انتظار کرتے کرتے ان کی آنکھ لگ گئی تھی کہ اچانک شہزاد چونک کر اٹھ بیٹھا۔ کسی چیز کے گرنے کا ہلکا سا دھماکا صاف سنائی دیا تھا۔ وہ غور سے سننے لگا۔ قدموں کی چاپ دروازے پر آ کر رک گئی۔ شہزاد نے ستارہ کو بیدار کر دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شاید ان کی باری آ پہنچی۔ دروازہ آہستہ سے کھلا اندر آنے والا ملیشیا کی وردی میں تھا۔ اس کے ہاتھ میں ٹامی گن تھی۔ سانولے رنگ کا وہ صحت مند نوجوان تھا۔ ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اس نے چپ رہنے کا اشارہ کیا اور انہیں لے کر وہ کمرے سے باہر آ گیا۔ جہاں مسلح گارڈ بے ہوش پڑا تھا۔ نوجوان نے پھرتی کے ساتھ اسے گھسیٹ کر اندر ڈالا اور تالا بند کر کے انہیں پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ وہ ایک نیم تاریک راہداری سے گزرتے ہوئے اس کمرے میں پہنچے جہاں خودکار ٹیلی ویژن سیٹ رکھے ہوئے تھے۔ نگرانی کرنے والا آپریٹر کرسی پر الٹا پڑا ہوا تھا۔ نوجوان نے ٹی وی سیٹس کی طرف اشارہ کیا جن کے اسکرین تاریک پڑے تھے کمرے کے دوسری جانب پہنچ کر اس نے ایک بٹن دبایا۔ دیوار کا ایک حصہ ہٹ گیا۔ سامنے سیڑھیاں تھیں ان سے گزر کر وہ بارہ دری کے دالان میں پہنچ گئے۔

ہر سمت سناٹا طاری تھا۔ وہ دیوار کے ساتھ چلتے ہوئے دالان کے آخری سرے پر پہنچے۔ نوجوان نے انہیں رکنے کا اشارہ کیا اور باہر نکل گیا۔ چند لمحے بعد وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ملیشیا کی وردی اور آٹومیٹک ریوالور تھا۔ اس نے اشارہ کیا۔ شہزاد نے لباس تبدیل کرنے میں دیر نہ لگائی رائفل ہاتھ میں سنبھال کر وہ باہر نکلے اور تب پہلی بار نوجوان سرگوشی میں بولا۔

"میرا نام سندر ہے۔" اس نے کہا۔ "اس شیطان سائمن سنگھ نے ملک تباہ کرنے کا پروگرام بنا لیا ہے۔ میں چھاپا ماروں کے دستے کا کمانڈر ہوں اور بہت دنوں سے اس منحوس سائمن سنگھ کے منصوبے ناکام بنانے کا منصوبہ سوچ رہا تھا۔ لیکن تمہارے ساتھی پر ہونے والے تشدد کو دیکھ کر اب برداشت نہ کر سکا۔ سائمن سنگھ کسی خزانے کا پتا معلوم کرنا چاہتا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے۔" شہزاد نے آہستہ سے کہا۔ "کیا وہ زندہ ہے۔"

"ہاں۔ لیکن بہت بری حالت میں۔" سندر نے کہا۔ "صبح تم دونوں کا نمبر تھا۔ اس لیے میں نے جان پر کھیل کر تم کو آزاد کرا لیا۔"

"کیا باہر نکلنا ممکن ہے؟"

"ہم کوشش کریں گے۔ میں نے ایک گارڈ کا تو کام تمام کر دیا۔ لیکن قلعے کے باہر ہر سمت نگرانی ہوتی ہے۔ کئی مسلح چھاپا مار اس وقت بھی پہرے پر ملیں گے۔"

"پھاٹک کے علاوہ قلعے سے باہر نکلنے کا کوئی راستہ ہے۔"

"ایک عقبی دروازہ ہے لیکن وہ زیادہ غیر محفوظ ہے۔ پھاٹک یونہی کھلا رہتا ہے تاکہ لوگ قلعے کو ویران ہی تصور کریں۔ پہرے دار باہر گھنے درختوں میں چھپے رہتے ہیں۔"

"چلو ہم وہیں مقابلہ کر لیں گے۔"

وہ بارہ دری سے نکل کر آگے بڑھے۔ سامنے ہی وہ شکستہ محل تھا۔ جہاں سے وہ زمین دوز خزانے

کے کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ وہ جھکے ہوئے تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے کہ الارم کی تیز آواز کانوں سے ٹکرائی۔ سندر نے انہیں محل کی سمت دھکا دیا اور پوری رفتار سے بھاگنا شروع کر دیا۔ وہ آگے پیچھے بھاگتے ہوئے محل کے دروازے میں داخل ہو کر دیوار کی آڑ میں بیٹھ گئے۔

"انہیں ہمارے فرار کی خبر ہو گئی۔" سندر نے ہانپتے ہوئے سرگوشی کی۔

"ہاں۔" شہزاد نے جواب دیا۔ تاریکی میں بھاگتے ہوئے سائے قلعے کے گیٹ کی سمت بڑھ رہے تھے۔ "اب کیا ہوگا۔"

"ہم باہر نہیں نکل سکتے وہ چپے چپے میں تلاش کریں گے۔" سندر نے کہا۔ "اور اگر پکڑے گئے تو موت یقینی ہے۔"

"پھر کیا ہو سکتا ہے وہ ادھر بھی ہماری تلاش میں ضرور آئیں گے۔"

"ہاں۔ صرف ایک صورت ہے۔" سندر سوچتے ہوئے بولا۔ "ہم اس خفیہ جگہ چھپ جائیں جہاں خزانہ پوشیدہ ہے۔ صرف وہ جگہ سائمن سنگھ کو نہیں معلوم۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو آؤ....." شہزاد نے آہستہ سے کہا۔

وہ بھاگتے ہوئے محل کے اندر داخل ہوئے۔ کئی راہ داریوں سے گزر کر وہ محل کے عقبی حصے میں پہنچ گئے۔ شہزاد اچانک رک گیا۔

"اب کدھر چلنا ہے؟" سندر نے پوچھا۔

"وہ سامنے گری ہوئی دیوار کا ڈھیر دیکھ رہے ہو۔" شہزاد نے اشارہ کیا۔

سندر جیسے ہی گھوما شہزاد کی رائفل کا کندہ اس کے سر پر پڑا۔ وہ کٹے ہوئے درخت کی طرح ڈھیر ہو گیا۔

"یہ..... یہ تم نے کیا کیا؟" ستارہ نے گھبرا کر پوچھا۔

"سائمن سنگھ اتنی آسانی سے ہمیں بے وقوف نہیں بنا سکتا۔" شہزاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"خدایا..... تو کیا یہ.....؟"

"ہاں۔ یہ سب ڈراما خزانے کا راستہ معلوم کرنے کے لیے رچایا گیا تھا۔" اس نے جواب دیا۔ "خود کار وی سرکٹ، پہرے داروں کا اتنی آسانی سے قابو میں آنا اور پھر اتنے ڈرامائی انداز میں ہمارے فرار کا علم ہو جانا۔ اور سندر کی یہ تجویز کہ ہم اس خفیہ تہ خانے میں چھپ جائیں۔ جہاں وہ خزانہ ہے۔ محض ایک چال تھی۔ مجھے یقین ہے کہ اس رائفل کا میگزین خالی ہوگا۔"

اس کا خیال بالکل درست نکلا۔ اس نے رائفل وہیں پھینک کر ٹامی گن اٹھالی۔ اور پھر سوچنے لگا۔

"اب کیا ارادہ ہے۔" ستارہ نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ اپنی کامیابی کی خبر سننے کے منتظر ہوں گے۔ کیا تم سندر کی وردی پہن سکتی ہو۔"

"کیوں؟"

"باہر نکلنے کا محفوظ راستہ قلعے کا پھاٹک ہے اور وردی میں شاید ہم انہیں دھوکا دینے میں کامیاب ہو جائیں۔"

ذرا دیر بعد وہ محل کی آڑ سے نکل کر بڑے اطمینان سے چلتے ہوئے قلعے کے شکستہ پھاٹک کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ملیشیا کی ڈھیلی وردی ستارہ نے پہن لی تھی اور بال پی کیپ میں چھپا لیے تھے۔ ان کے دل زور زور سے اچھل رہے تھے۔ راستے میں انہیں کسی نے نہیں ٹوکا۔ گیٹ خالی پڑا تھا۔ لیکن انہیں یقین تھا کہ باہر پہرہ دینے والے چھاپا مار ضرور چھپے ہوں گے۔ قلعے کے باہر فصیل کے نیچے سے ہی گھنے جنگل کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ درختوں کے نیچے اونچی اونچی گھاس اور جھاڑیاں تھیں۔ یہ اندازہ کرنا بہت دشوار تھا کہ پہرے پر مقرر چھاپا مار کہاں چھپے ہوں گے۔ اس لیے شہزاد نے دیوار کی فصیل کے برابر سے چلتے ہوئے عقب کی سمت بڑھنا شروع کیا۔ جیسے وہ کسی مخصوص جگہ پر جانا چاہتے ہوں۔ اسے یقین تھا کہ اتنے فاصلے سے کوئی ان پر شبہ نہیں کر سکتا۔

اور ہوا بھی یہی۔ کسی نے ان کو روکنے کی کوشش نہ کی۔ کچھ دور جا کر اچانک وہ جنگل میں گھس گئے اور پھر بڑی احتیاط سے اس سمت بڑھنے لگے جہاں جیپ کھڑی تھی۔

شہزاد کا اندازہ درست ہی نکلا۔ جیپ سے تمام اسلحہ غائب تھا۔ سارے ٹائر پنکچر تھے اور انجن بے کار کیا جا چکا تھا۔ البتہ ان کا بقیہ سامان اسی طرح پڑا تھا۔ کسی نے پیٹرول کے فاضل ڈبوں کو بھی ہٹانے کی ضرورت محسوس نہ کی تھی۔ اس نے آہستہ سے سیٹ کا کور ہٹایا اور اس کے نیچے سے طاقت ور وائرلیس نکال کر بات کرنے لگا۔ اس سے فارغ ہو کر اس نے پیٹرول کے فاضل ڈبے اٹھائے اور ستارہ کو ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ تقریباً آدھ گھنٹے تک وہ قلعے کے گرد جنگل میں گھومتے رہے یہاں تک کہ پیٹرول ختم ہو گیا۔ اور ان کی باتیں بھی۔

"مدد آنے میں تقریباً آدھ گھنٹہ اور لگے گا۔ اس نے ستارہ سے کہا۔ "تم پہلے ہیلی کاپٹر سے شہر واپس پہنچنے کی کوشش کرنا اور بقیہ تم جانتی ہو۔"

"اور تم۔"

"مجھے ہر قیمت پر گردھن کو رہا کرانا ہے اور سائمن سنگھ کو فرار کا موقع نہیں دینا ہے۔"

ستارہ نے اس کی سمت دیکھا اسے معلوم تھا کہ یہ شہزاد کا حکم ہے اور بحث سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

"او کے باس۔ لیکن اپنا خیال رکھنا۔"

"تمہیں بیوہ نہیں ہونے دوں گا۔" اس نے مسکرا کر کہا۔ "اب اپنے ٹھکانے کی سمت روانہ ہو جاؤ۔"

جب اسے یقین ہو گیا کہ ستارہ دور نکل چکی ہے تو اس نے جیب سے ماچس نکالی اور جلا کر گھاس پر پھینک دی۔ پیٹرول سے تر گھاس میں ایک دھماکے کے ساتھ گھاس بھڑک اٹھی اور چشم زدن میں ایک دائرے کی شکل میں پھیل گئی۔ وہ جگہ جگہ پیٹرول چھڑکتے آئے تھے لیکن شہزاد پہاڑی کے نیچے جانے کے بجائے قلعے کی سمت بھاگ رہا تھا۔ آگ کے شعلے اب درختوں سے بلند ہو چکے تھے شاخوں کے چٹخنے سے چنگاریاں فضا میں آتش بازی کی طرح اڑ رہی تھیں۔ آگ تیزی سے قلعے کی سمت بڑھ رہی تھی۔ شہزاد کو اب اطمینان ہو گیا تھا کہ جلد ہی قلعہ ہر سمت سے آگ کے شعلوں میں گھر جائے گا۔ اور اب وہ قلعے کے بالکل قریب پہنچ چکا تھا۔ آگ کے شعلوں کی روشنی میں اسے بھاگتے ہوئے..... چھاپا ماروں کی ٹولیاں نظر آ رہی تھیں۔ وہ اپنے

خفیہ اڈے سے نکل کر قلعے سے باہر آ رہے تھے۔ تاکہ آگ پر قابو پانے کی کوشش کریں۔ ہرے بھرے درختوں سے نکلنے والے شعلوں کے ساتھ اب گاڑھا دھواں فضا میں پھیل رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ چھاپا ماروں کو سب سے زیادہ فکر اپنے اسلحے اور گولے بارود کے ذخیرے کی ہوگی۔ لیکن شہزاد کو صرف دو باتوں کی فکر تھی۔ گروچن کو بچانے کی اور سائمن سنگھ کو ٹھکانے لگانے کی۔ اسے امید تھی کہ چھاپا مار آگے سے نکل کر فرار ہونے کی کوشش کریں گے لیکن اس سے پہلے سارا علاقہ گھیرے میں لیا جا چکا تھا۔ وائرلیس سے اس نے بہت واضح پیغام دیا تھا۔

جلد ہی وہ پھاٹک کے قریب پہنچ گیا۔ بے شمار چھاپا مار ادھر ادھر بھاگتے پھر رہے تھے اور عین اسی وقت فضا میں ہیلی کاپٹر کی تیز آواز سنائی دی۔ چھاپا ماروں کی نگاہیں بے ساختہ آسمان کی طرف بلند ہو گئیں۔ بہ یک وقت کئی رائفلوں کی نالیاں فضا میں بلند ہو گئیں۔ لیکن ہیلی کاپٹر کافی بلند تھا۔ شہزاد نے موقع سے فائدہ اٹھانے میں دیر نہ کی۔ وہ پھرتی کے ساتھ بارہ دری میں داخل ہوا اور خفیہ دروازے کی سمت بڑھنے لگا۔ ہر سمت سناٹا طاری تھا۔ بیشتر چھاپا مار باہر نکل چکے تھے۔ دو کے علاوہ باقی تمام ٹیلی ویژن آن تھے لیکن اس آپریٹر کا کوئی پتا نہ تھا۔ جو اس کمرے کا انچارج تھا۔ اسکرین پر تمام کمرے خالی نظر آ رہے تھے۔ شہزاد نے ان دونوں سیٹوں کو بھی آن کر دیا جن کے اسکرین تاریک تھے۔ اس کے سامنے والی اسکرین پر وہ کمرا نظر آنے لگا جس میں وہ قید تھے۔ لیکن کمرا خالی تھا۔ دوسری اسکرین پر اسے کوئی شخص کروٹ سے پڑا نظر آیا۔ شہزاد نے فوراً پہچان لیا گروچن بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔

شہزاد نے پریشانی کے عالم میں ادھر دیکھا۔ دروازہ مقفل تھا اور بہ ظاہر کوئی موجود نہ تھا۔ وہ پیچھے ہٹا اور ٹامی گن کی نالی بلند کی اور پھر دوسرے ہی لمحے دروازے کا تالا ٹوٹ کر دور جا گرا۔ لیکن فائر کی آواز سے پوری گیلری گونج اٹھی تھی۔ وہ چند لمحے منتظر رہا اور جب کوئی آہٹ نہ سنائی دی تو وہ پھرتی کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ گروچن بے ہوش تھا۔ اس نے زور سے اسے جھنجوڑا۔ گروچن نے کراہ کر آنکھیں کھول دیں۔

"کیا تم چل سکتے ہو۔ وقت بالکل نہیں ہے اور ہمیں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا ہے۔" اس نے کہا۔

"کوشش کروں گا۔" گروچن نے کہا۔ اور شہزاد کا سہارا لے کر اٹھنا چاہا لیکن درد سے تڑپ کر بیٹھ گیا۔ "انہوں نے میرے تلوے گرم لوہے سے جلا دیے ہیں۔"

"خدا غارت کرے اس شیطان کو۔" شہزاد نے دانت پیس کر کہا۔ "ٹھہرو۔ اب صرف ایک صورت ہے تم میرے گلے میں بازو ڈال کر پشت پر آ جاؤ۔"

"نہیں شہزاد بھائی تم نکل جاؤ کہیں میری وجہ سے تم بھی۔"

شہزاد نے انتظار نہیں کیا اسے اپنی پشت پر لادا اور تہ خانے سے باہر نکل آیا۔ آگ کے شعلے اب آسمان سے باتیں کر رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ ہر سمت سے قلعے کو جلا کر خاکستر کر دیں گے۔ دور سے فائرنگ کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ سیکورٹی فورسز فرار ہوتے ہوئے چھاپا ماروں کا صفایا کر رہی تھی۔ شہزاد نے گروچن کو ایک شکستہ برج کے ملبے کی آڑ میں بٹھا دیا۔

"تم یہیں انتظار کرو۔ میں سائمن سنگھ کی تلاش میں جا رہا ہوں۔" اس نے کہا۔

"بے کار ہے وہ بہت پہلے فرار ہو چکا ہے۔" گروچن نے کہا۔

"تم کو کیسے معلوم؟"

"اس نے تہ خانے میں ڈائنامائیٹ لگا دیا ہے۔ جاتے ہوئے وہ کہہ گیا تھا کہ میں اسی میں ہمیشہ کے لیے دفن ہو جاؤں گا۔"

اور اسی لمحے ایک انتہائی زبردست دھماکا ہوا کہ شہزاد اچھل کر دور جا گرا اور پھر مسلسل دھماکوں سے زمین ہلنے لگی۔ گرد و غبار کے بادل فضا میں چھا گئے۔ شہزاد اسی طرح پڑا رہا کچھ دیر بعد جب غبار چھٹا تو اس نے اٹھ کر آنکھیں صاف کیں اور سامنے دیکھا۔ بارہ دری کی جگہ اب صرف ملبے کا ڈھیر تھا۔

گھڑی میں لگے ہوئے ٹرانسمیٹر کے پیغام کے جواب میں ہیلی کاپٹر نے پہنچنے میں دیر نہ لگائی تھی۔ سرچ لائٹ کی روشنی سے قلعہ نہا گیا۔ چھاپا مار فرار ہو چکے تھے اور جنگل کے شعلے اب سرد پڑنے لگے تھے شہزاد بھاگتا ہوا ہیلی کاپٹر کے پاس گیا۔ سیکورٹی فورس کا کمانڈر باہر نکلا اور شہزاد سے لپٹ گیا۔

"تم واقعی بڑے دلیر ہو شہزاد۔ کمال کر دیا۔" اس نے خوشی سے بے قابو ہو کر کہا۔

"آپریشن کامیاب رہا۔"

"ہاں۔ بیشتر چھاپہ مار مارے جا چکے ہیں اور ان گنت گرفتار ہو چکے ہیں۔ لیکن افسوس کہ سائمن سنگھ نکل گیا۔"

گروچن کو سوار کرنے کے بعد وہ وہاں سے فوراً روانہ ہو گئے۔

کولمبو پہنچتے ہی انہوں نے گروچن کو اسپتال میں چھوڑا اور پھر گروھاری کے بنگلے کا رخ کیا۔ احاطے میں تیز روشنی ہو رہی تھی۔ سیکورٹی فورس نے پورے بنگلے کا محاصرہ کر رکھا تھا۔

"اتنی بھاری تعداد میں اسلحہ برآمد ہوا کہ ہم تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔" کمانڈر نے کہا۔ "اور مس ستارہ بروقت نہ پہنچ گئی ہوتیں تو شاید گروھاری اس اسلحے کے ذخیرے سمیت خفیہ راستے سے فرار ہو چکا تھا۔ وہ سارے ٹیپ بھی برآمد ہو گئے ہیں جن کے ذریعے بڑے بڑے سیاست دانوں اور دیگر افسران کے سازش میں ملوث ہونے کا ثبوت موجود ہے۔"

"میرا خیال ہے کہ یہ خبر عام ہوتے ہی ملک میں سنسنی پھیل جائے گی۔" شہزاد نے کہا۔

"سنسنی؟ ایسا ہنگامہ کھڑا ہوگا کہ صورت حال پر قابو پانا مشکل ہو جائے گا۔" کمانڈر نے جواب دیا۔ "سچ پوچھو تو تم نے ہمارے ملک کو تباہی سے بچا لیا ہے ہم کس طرح تمہارا شکریہ ادا کریں۔"

"یہ کارنامہ میں نے تنہا نہیں انجام دیا میری پارٹنر ستارہ بھی اس میں برابر کی شریک ہیں۔ آؤ ہم گروھاری کے زمین دوز ہیڈ کوارٹر میں چلتے ہیں۔ ستارہ وہیں ہوگی۔"

"تم دونوں بہت خوش قسمت ہو دوست!" کمانڈر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بھگوان کرے کہ یہ پارٹنر شپ ہمیشہ قائم رہے۔"

وہ ہال میں داخل ہوئے تو ستارہ خوشی سے اچھل پڑی۔ بھاگ کر وہ اس کے شانے سے لگی سسکیاں

لے رہی تھی۔

"خدایا تیرا شکر ہے۔" ستارہ نے گہری سانس لے کر کہا۔ "میں تو پریشان ہو گئی تھی۔ یہ بمل کور رو رو کر جان دے رہی ہے۔"

"ارے کیوں۔ گروچن بالکل صحیح سلامت ہے۔"

"کہاں...... وہ کہاں ہے؟" بمل کور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"ہم اسے ہسپتال چھوڑ آئے ہیں۔ لیکن فکر کی بات نہیں۔ معمولی سے زخم ہیں ایک دو روز میں ٹھیک ہو جائیں گے۔"

"مجھے وہاں لے چلو، بھگوان کے لیے مجھے وہاں لے چلو۔" بمل کور بے چینی سے بولی۔

"ہاں دلہن چلتے ہیں۔ ابھی چلتے ہیں۔" شہزاد نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ اور پھر وہ سب دوسرے کمرے کی طرف چل پڑے۔

کچھ دیر کے بعد وہ دوسرے کمرے میں پہنچ گئے۔ یہاں اسلحے کا بڑا ذخیرہ موجود تھا۔ سیکورٹی فورس کے لوگ بڑے بڑے کریٹ جمع کر رہے تھے۔

"اس خزانے کا کیا بنا۔" ستارہ نے پوچھا۔

"وہ قومی اور مذہبی امانت ہے۔" کمانڈر نے کہا۔ "مہربانی ہو گی ابھی اسے راز رہنے دیں۔"

"یہی مناسب ہو گا۔" شہزاد نے کہا۔ "میرا خیال ہے اب بمل کو اس کے گروچن سے ملوا دینا چاہیے۔ وہ بہت بے تاب ہے۔"

لیکن وہ ہال میں پہنچے تو بمل وہاں نہیں تھی۔ "ارے بمل کہاں گئی؟" شہزاد نے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ وہ بیڈ روم میں ہو گی۔" ستارہ نے کہا اور مسکرا دی۔ "گروچن سے ملاقات کے لیے تیاری کر رہی ہو گی۔ ٹھہرو میں دیکھتی ہوں۔"

اس نے آگے بڑھ کر ڈرائنگ روم کا دروازہ آہستہ سے کھولا اور اس کے اندر جھانکا۔ شہزاد نے اس کا منہ حیرت سے کھلتے دیکھ لیا تھا۔ وہ لپک کر ستارہ کے قریب پہنچ گیا۔

بمل سامنے کھڑی ہوئی تھی اس کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا اور اس سے کچھ فاصلے پر ایک شخص زمین پر بیٹھا ہوا تھا۔ دیوار کا ایک حصہ اپنی جگہ سے ہٹا ہوا تھا وہ شخص جلدی جلدی اندر سے نوٹوں کی گڈیاں نکال کر اس بریف کیس میں رکھ رہا تھا جو برابر رکھی ہوئی کرسی پر رکھا ہوا تھا نوٹ رکھنے کے بعد اس نے بہت سے کاغذات نکال کر بریف کیس میں رکھے اور اسے بند کر کے بمل کور کی طرف مڑا۔

"گروچن۔" ستارہ نے حیرت زدہ ہو کر سرگوشی کی۔

گروچن بریف کیس لے کر کھڑا ہوا، اس نے بمل کا ہاتھ پکڑا اور آگے بڑھا۔ لیکن اس کا رخ دروازے کی طرف نہیں تھا۔ بیڈ کے سامنے والی دیوار میں بنا ہوا خفیہ دروازہ صاف نظر آ رہا تھا۔

"ٹھہرو گروچن۔" شہزاد نے پھرتی کے ساتھ اندر داخل ہو کر کہا۔

گروچن اس طرح اچھلا جیسے بجلی کا تار چھو لیا ہو۔ اس کا ہاتھ تیزی کے ساتھ جیب کی طرف گیا۔

لیکن اس سے پہلے شہزاد نے فائر کر دیا۔ گروچن نے چلا کر اپنا ہاتھ پکڑ لیا جس میں گولی لگنے سے خون بہنے لگا تھا۔ بریف کیس ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑا تھا۔

"ہاتھ اوپر اٹھالو۔ ورنہ دوسری گولی تمہارے سر میں سوراخ کر دے گی۔" شہزاد نے خونخوار لہجے میں کہا اور اس کو ریوالور کی زد میں لے لیا۔

گروچن نفرت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ چند قدم پر کھڑی ہوئی بمل خوف زدہ نگاہوں سے کبھی گروچن کو دیکھ رہی تھی۔ کبھی شہزاد کو...... اور پھر اس سے پہلے کہ وہ کچھ کر سکتی۔ گروچن نے اچھل کر اسے اپنے سامنے گھسیٹ لیا۔

بمل کو ڈھال بنا کر اس نے الٹے قدم خفیہ دروازے کی سمت ہٹنا شروع کیا شہزاد نے پستول کی نال بلند کی۔

"نہیں۔" بمل کور نے خوف سے چیخ کر ہاتھ بلند کیے۔ "نہیں۔"

"یہ گروچن نہیں ہے بمل۔" شہزاد نے چلا کر کہا۔ "تم سامنے سے ہٹنے کی کوشش کرو۔"

بمل کور نے گھوم کر دیکھا وہ خوف سے کانپ رہی تھی۔ گروچن نے ایک ہاتھ سے بریف کیس پکڑا ہوا تھا۔ دونوں میں سے کسی کو چھوڑے بغیر وہ پستول نہیں نکال سکتا تھا۔ وہ جلد از جلد دروازے میں داخل ہو جانا چاہتا تھا اور شہزاد کو معلوم تھا کہ اس کے بعد بمل کور کو بچانا ممکن نہ رہے گا۔ بجلی کی سی سرعت سے اس نے گروچن پر چھلانگ لگا دی۔ فاصلہ کافی تھا۔ گروچن نے اچانک بمل کور کو دھکا دے کر جیب کی سمت ہاتھ بڑھایا۔ بمل کور سیدھی شہزاد پر آ گری اور گروچن پستول نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے فائر کیا۔ شہزاد نے پھرتی سے رخ بدلا۔ گولی صرف چند انچ کے فاصلے سے نکل گئی۔ گروچن نے دوسرے فائر کے لیے ہاتھ بلند کیا۔

کمرے میں زوردار دھماکا ہوا۔ بمل کور زور سے چیخی۔ لیکن گروچن اپنی جگہ کھڑا رہا۔ ستارہ کی گولی اس کے سینے سے پار ہو چکی تھی اس نے پیچھے ہٹنے کے لیے قدم اٹھایا اور پھر کٹے ہوئے درخت کی طرح منہ کے بل گرا اور ساکت ہو گیا۔

ستارہ بھاگتی ہوئی آگے بڑھی۔ اس نے بمل کور کو سہارا دے کر اٹھایا جو خوف اور صدمے سے دیوانوں کی طرح گروچن کی لاش کو دیکھ رہی تھی۔ کمانڈر آگے بڑھے۔

"تم ٹھیک تو ہو۔" اس نے شہزاد سے پوچھا۔

"ہاں۔" اس نے کہا اور بمل کور کی سمت مڑا۔ "یہ گروچن نہیں ہے بمل!" اس نے پھر کہا۔ اور جھک کر فرش پر پڑی ہوئی لاش کے چہرے پر چڑھی ہوئی نقلی جھلی کھینچ لی۔ اندر سے ایک بالکل اجنبی چہرہ جھانک رہا تھا۔ جس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں۔ "یہ سائمن اسمتھ تھا۔"

"سائمن اسمتھ۔" کمانڈر اچھل پڑا۔

"ہاں کمانڈر! یہ گروچن کے بھیس میں اس لیے آیا ہو گا کہ بمل کور پہچان نہ لے۔ یہ اس کی بدقسمتی ہے کہ ہم یہاں موجود تھے اور راستے میں بھی۔ معلوم ہے۔ گروچن کو ہم نے بچا لیا ہے۔" "آؤ بمل کور ہم تمہیں تمہارے گروچن کے پاس لے چلتے ہیں۔" ستارہ نے کہا۔ [illegible] بمل کور گروچن سے لپٹ گئی۔

یہ تھی گروچن کی داستان۔ اس کے بعد گروچن نے زندگی کا رخ بدل دیا اور اب وہ ان علاقوں میں گائیڈ کے فرائض سرانجام دیتا تھا۔ اس کی بیوی کمل کور بھی اس کے ساتھ شریک ہوتی تھی۔ کامران کے ساتھ ان دونوں کا رویہ بہترین تھا۔ حالانکہ اس ملاقات کا کوئی پس منظر نہیں تھا۔ لیکن دونوں نے دوستوں کی طرح اس کا استقبال کیا تھا۔

"نہ جانے کیوں بھائی جی۔ تمہارے چہرے میں ایسی کوئی خاص بات تھی ہے کہ تم سے اپنائیت محسوس ہوتی ہے۔ ہم تمہاری کیا خدمت کریں۔"

"میں ایک آوارہ گرد سیاح ہوں گروچن...... اور ان علاقوں میں کچھ لوگوں کا انتظار کر رہا ہوں۔ ممکن ہے وہ کبھی آ جائیں۔"

"تو آرام سے انتظار کرو۔ ہم تمہاری خدمت کریں گے۔ ہمیں بھی ایک پارٹی ملی ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ کب آگے جاتی ہے۔"

"پارٹی۔"

"ہاں جی۔ آگے کا سفر کرنا چاہتی ہے بات وہی ہے۔ بتاتا کون ہے مگر دل [illegible] اندر کسی خزانے کا لالچ ہوگا اور اس کے لیے زندگی کھونے نکل آئے ہیں۔"

"ہاں گروچن۔ یہ سب کچھ بہت عجیب ہے۔ زندگی کے چار دن ملے ہیں انسان کو۔ اگر وہ بھی اسی طرح کھو دیے جائیں تو باقی کیا رہ گیا۔"

"ایک بات اور ہے بھائی جی۔"

"کیا؟" کامران نے [illegible]

"یہ کم بخت زندگی [illegible] سے چور ہو کر جینے سے بہتر تو یہی ہوتا ہے بھائی جی کہ [illegible]" گروچن نے واقعی بہت بڑی بات کی تھی۔

کامران اس کی اس بات پر بہت وقت تک غور کرتا رہا تھا اس کے ساتھ ساتھ ہی وہ اب کسی حد تک ذہنی بحران کا شکار ہوتا جا رہا تھا اصل میں سارا [illegible] کے ساتھ تھا۔ کامران کو اب کچھ عجیب عجیب سا لگ رہا تھا۔ کرنل گل نواز نے اسے [illegible] اپنا خفیہ محافظ متعین کرنا چاہتا تھا لیکن منصوبہ بڑا کمزور تھا احسن شاہ نے درمیان میں ہی کچھ الجھنیں [illegible] کرنل گل نواز آخر چاہتا کیا ہے۔ اب یہاں اس سے رابطے کا کیا ذریعہ یا طریقہ ہو سکتا ہے۔ پھر دوسری طرف یہ گرشک اور سیتا درمیان میں تھے جو دو انتہائی پراسرار کردار تھے۔

کامران تو کسی طور نہیں جانتا تھا کہ اس کا کسی نہ کسی شکل میں کوئی تعلق بدھ مذہب کی کسی قدیم روایت سے ہو سکتا ہے۔ بھلا اس کا کیا خیال ہے اس کی زندگی کا آغاز تو نہایت ہی سادگی کے ساتھ ایک بے کسی سے بھرپور گھرانے میں ہوا تھا اور اس کے بعد زندگی کے [illegible] گئے تھے۔ کہاں ایک شہری آبادی میں رہنے والا معمولی سا انسان جو زیادہ سے زیادہ ہاتھ پاؤں مار سکتا تو کسی دفتر میں کلرکی کر رہا ہوتا۔ لیکن اس کے بعد یہ لق و دق صحرا یہ پہاڑ، یہ مہمات اس میں کوئی شک نہیں کہ حاجی الیاس صاحب نے بڑے

خلوص کے ساتھ اسے کرنل گل نواز کے پاس بھیجا تھا۔ لیکن بس اس کے بعد جو تبدیلیاں رونما ہوتی رہیں اس میں کسی کا کوئی دخل نہیں تھا۔

لیکن اب وہ سوچ رہا تھا کہ کرنل گل نواز کی مہربانیاں اپنی جگہ، باقی سارے کھیل جس میں مرزا خاور بیگ اور اس کی بیٹی کا کھیل بھی شامل تھا۔ (اتنا وہ بھی جانتا تھا کہ مرزا خاور بیگ بلاوجہ اسے اپنے ساتھ شریک نہیں کر رہا تھا بات اگر وہیں تک محدود رہتی تو کامران اپنے جوہر دکھا سکتا تھا لیکن اب جو کرنل گل نواز نے ایک انوکھا انتخاب کیا تھا اور اسے تنہا ان علاقوں میں بھیج دیا تھا تو یہاں وہ اپنی صلاحیتیں۔ بالکل محدود پا رہا تھا۔) بھلا میں کیا کر سکتا ہوں ان تمام معاملات کے مسئلے میں یہ تو بالکل ہی اجنبی کھیل ہے۔

حیران کن بات گرشک اور سیتا کا وہ بے پناہ احترام تھا جو وہ دونوں اسے کسی دیوتا کی طرح دے رہے تھے۔ ایک طرح سے فلمی کہانی ہی بن کر رہ گئی تھی۔ کبھی کبھی تو اسے اپنے آپ پر ہنسی آ جاتی تھی۔ میں ایک ایسا فلمی کردار ہوں۔ جس کی فلم کبھی پردہ سیمیں پر نہیں آ سکتی۔ لیکن اب مجھے کھلونا نہیں بننا چاہیے زندگی تو خیر ہوتی ہی جانے کی چیز ہے۔ لیکن اب ایسے بھی نہیں کہ بلاوجہ پہاڑوں میں جان دے دی جائے۔ کرنل گل نواز کی طرف سے اگر کوئی ایسا ٹھوس اور بھرپور قدم نہ اٹھایا گیا تو پھر مجھے اس سے منحرف ہونا پڑے گا۔ کسی کا آلۂ کار تو خیر میں کیا ہی بنوں گا۔ ان تمام معاملات سے بہت دور ہٹ جاؤں گا۔ یہی مناسب ہوگا میرے لیے کیونکہ میں اس اہلیت کا حامل نہیں ہوں۔ جس اہلیت کا حامل ان لوگوں نے مجھے سمجھ لیا ہے۔ اگر مجھ سے ملتی جلتی کوئی شکل اس ویڈیو کیسٹ میں موجود ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ میں بھی پراسرار کہانی کا کوئی کردار ہی نکل آؤں۔ احمقانہ بات ہے سب بے وقوفی کی باتیں۔"

گرشک اور سیتا جو کوئی بھی ہیں وہ جانیں ان کا کام جانے۔ بلاوجہ میں اس کھیل میں شریک نہیں ہوں گا۔

گروچن بہت اچھا دوست تھا اس نے بڑی خوش دلی سے کامران کو اپنے درمیان قبول کر لیا تھا لیکن پھر اس کی پارٹی پہنچ گئی۔ یعنی وہ پارٹی جو اسے گائیڈ کے طور پر اپنے ساتھ رکھنا چاہتی تھی اور جب کامران نے اس پارٹی کو دیکھا تو گہری سانس لے کر رہ گیا۔ اگر پہلے سے پتا ہوتا کہ نیل گروچہ والی ٹیم نے گروچن سے رابطہ کیا ہے تو وہ چپ چاپ یہاں سے بھی نکل لیتا اور کسی ایسی آبادی تک پہنچنے کی کوشش کرتا جہاں سے پھر غائب ہوا جا سکے۔ لیکن یہ لوگ اچانک ہی سامنے پہنچ گئے تھے۔

ریٹا گروچہ تو چیل کی طرح اس پر جھپٹی تھی۔

"تم...... تم...... تم......" اس نے بڑے غصے سے کہا تھا اور کامران خاموشی سے اسے دیکھتا رہا تھا مسٹر نیل گروچہ اور ان کی ٹیم کے افراد بھی آ گئے تھے۔

"تمہیں کیا ہوا تم اچانک کیوں غائب ہو گئے۔" نیل گروچہ نے کامران کو گھورتے ہوئے کہا۔

"میں کہاں غائب ہو گیا سر! آپ کے سامنے موجود ہوں۔"

"کیسی بات کرتے ہو کیا تمہیں اندازہ ہے کہ ہم تمہارے لیے کس قدر پریشان ہو گئے تھے۔"

"بس ادھر آ نکلا تھا ویسے مجھے تعجب ہے آپ گروچن کو کیسے جانتے ہیں۔"

”گروچن سے ہمارا رابطہ لہاسہ میں ہوا تھا اور ہم نے ان سے درخواست کی تھی کہ وہ ہمارے سفر میں ہمارا ساتھ دیں۔ بس کچھ تعلق ہے ان سے۔ پر تم مجھے یہ تو بتاؤ کہ تم وہاں سے کیسے غائب ہو گئے تھے اور کیوں غائب ہو گئے تھے وجہ کیا تھی اس کی؟؟“

”میں سیلانی آدمی ہوں مسٹر نیل گروچہ! ضروری نہیں ہے کہ میں آپ ہی سے منسلک رہا ہوں۔ وہ تو ایک عارضی بات تھی۔“

”کمال کرتے ہو۔ محبتوں سے تمہارا کبھی کوئی تعلق نہیں رہا۔ ارے بابا۔ تمہیں ملازم سمجھ کون رہا تھا ہم نے تمہیں گائیڈ کی حیثیت سے کبھی کچھ دیا بھی نہیں ہے۔ ہم تو بس ایک محبت کرنے والے کی حیثیت سے تمہاری قربت حاصل کر چکے تھے اور یہ ریٹا تمہیں کیا معلوم کس طرح تمہیں تلاش کرتی پھری ہے۔“ کامران نے ایک نگاہ ریٹا کو دیکھا، ریٹا اب بھی شکایتی نگاہوں سے کامران کو دیکھ رہی تھی۔ کامران کو دل ہی دل میں ہنسی آنے لگی۔ یہ خواتین کوئی اور کام نہیں کرتیں ادھر ثانیہ اور فرخندہ تھیں جن کے انداز سے کبھی کبھی وہی سب کچھ ٹپکنے لگتا تھا۔ جو خواتین کا ایک حصہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد محترمہ گروسہ جنہوں نے کامران کو اپنی ملکیت سمجھ لیا تھا اور پھر باقی تمام افراد کمال ہے کمال ہے۔

گروچنا نے جنگل پر خیمے لگوا لیے تھے اور گروچن نے اس کی پذیرائی شروع کر دی تھی۔ پھر اچانک ہی بادل گھر آئے اور بارش شروع ہو گئی۔ یہ بارش خاصی دلچسپ تھی اور گروچن نے کہا کہ قریب کی آبادی میں پناہ لینا زیادہ اچھا ہوگا۔ چونکہ یہ علاقے نشیب کے ہوتے ہیں۔ اگر بارش تیز ہوتی ہے تو پھر پہاڑوں سے پانی کے ریلے آتے ہیں اور میدان جل تھل ہو جاتا ہے۔ بستی زیادہ فاصلے پر نہیں ہے۔ اس لیے خیمے اکھاڑ کر بستی کا رخ کیا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔ تمام لوگ بارش میں بھیگ کر بستی میں داخل ہوئے تھے اور پھر انہیں ایک اسکول کی عمارت میں پناہ مل گئی۔ بارش واقعی خوف ناک حد تک تیز ہوتی جا رہی تھی۔ مزدوروں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ کافی بنائی گئی اور بارش میں یہ کافی مزہ دے گئی۔

سب کے سب بارش کا شکار تھے اور یہ بارش مسلسل جاری تھی۔ پہاڑوں سے آنے والے پانی کے ریلے میدان کو جل تھل کر گئے تھے تیز دھاروں میں پانی کے تودے اور بڑے بڑے پتھر لڑھکتے جا رہے تھے۔ جن کی آوازیں یہاں تک سنائی دے رہی تھیں۔ پھر صبح ہو گئی۔ لیکن بارش کا زور نہیں ٹوٹا۔ بستی میں کاروبار زندگی شروع ہو گئے تھے لیکن سب بارش کا شکار تھے۔ اوپر سے بڑی بڑی چٹانیں ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہی تھیں اور راستے بند ہو چکے تھے۔

یہ اسکول اس وقت بڑی آرام دہ جگہ ثابت ہوئی تھی۔ انہیں اجازت دے دی گئی تھی کہ جب تک بارش رہے وہ یہاں آرام کر سکتے ہیں۔ بارش چوبیس گھنٹے تک رہی اور پھر بند ہو گئی لیکن آسمان اب بھی سیاہ بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ مسٹر نیل گروچہ نے کہا۔

”ظاہر ہے اس قسم کے واقعات سے تو واسطہ پڑتا رہے گا۔ کیا کہتے ہیں مسٹر گروچن! ہم آگے کا سفر شروع کریں۔“

”میں تو ان علاقوں کی بارشوں کا عادی ہوں جناب اگر آپ پسند کرتے ہیں تو ٹھیک ہے۔“

”ہاں بالکل۔ ہمیں آگے چلنا ہوگا۔“ نیل گروچہ نے کہا گروچن کی بیوی بھی ساتھ تھی۔ دونوں کا جوڑا واقعی بڑی محبت کرنے والا تھا۔ اس بار سفر کافی مشکل تھا۔

جگہ جگہ چٹانی راستے بارش کی وجہ سے بند ہو گئے تھے اور کہیں کہیں اوپر سے گرنے والے تودوں نے سلسلے منقطع کر دیے تھے۔ چنانچہ مزدوروں کے مشوروں کی روشنی میں نئے راستے تلاش کرنا پڑے۔ کہساروں کے ڈھلوان کی بلندی پر پہنچے تو بائیں جانب وہ خانقاہ نظر آئی۔ جہاں ذبح شدہ بکروں کے سینگوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ درختوں کی شاخوں کے ساتھ سرخ فیتے بندھے ہوئے تھے۔

چنانچہ یہ لوگ یہ تفریح دیکھتے ہوئے آگے بڑھ گئے پھر ایک پہاڑی گاؤں کے قریب سے گزرے، تو وہاں ڈھول بج رہا تھا۔ نیل گروچہ اور ریٹا گروچہ کے لیے یہ منظر بڑا دل کش تھا۔ غالباً یہ ہندو تھے۔ جو درگا پوجا کر رہے تھے۔ ان کے سامنے ایک بھینس ذبح کی گئی اور لوگ بڑی عقیدت سے اس کا خون چاٹنے لگے۔ یہاں انہیں سفید چاولوں کا ایک مشروب پیش کیا گیا۔ جسے مسٹر نیل گروچہ نے خوشی سے قبول کر لیا۔ لیکن ظاہر ہے کامران کے لیے یہ ساری چیزیں نہیں تھیں وہ اپنے کھانے پینے کا بندوبست خود کر لیتا تھا۔

اس کے بعد یہ لوگ وہاں سے بھی آگے بڑھ گئے۔ پھر شاہ بلوط کے درختوں کی چھاؤں میں انہوں نے ایک جگہ قیام کیا۔ مسٹر نیل گروچہ بہت خوش اخلاق آدمی تھے اور بڑی دلچسپی سے کامران سے بھی باتیں کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ اکثر وہ کامران کے ساتھ ہی بیٹھے نظر آ رہے تھے۔ کامران البتہ ذہنی طور پر کچھ الجھا ہوا تھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ لیکن بہرحال طے یہی کیا گیا تھا کہ اگر کوئی مناسب جگہ نظر آ گئی اور اس دوران کرنل گل نواز سے کوئی رابطہ قائم نہ ہوا تو کامران ان کے راستے سے ہٹ جائے گا اور اپنے لیے خود کوئی منزل تلاش کرے گا۔ وہاں اپنے شہر میں یا اپنے وطن میں بھی کوئی ایسا نہیں تھا۔ جس کے لیے وطن واپسی ضروری ہو۔ زندگی گزارنے کے لیے جہاں بھی چھت مل جائے۔ بس چھت کا مل جانا شرط ہے۔ خاصا بددل سا ہو گیا تھا وہ۔

اس وقت وہ منہ ہاتھ وغیرہ دھو کر واپسی کے لیے پلٹا تھا کہ مسٹر نیل گروچہ نظر آ گئے۔

”ہیلو ڈیئر کامران۔“ وہ دیر تک کامران سے باتیں کرتے رہے انہوں نے بہت سی ایسی باتیں کیں جو خاصی رازداری کی حیثیت رکھتی تھیں۔ پھر خود ہی چونک کر بولے۔

”نہ جانے کیوں تم سے یہ باتیں کرتے ہوئے مجھے بالکل تکلف نہیں ہوتا۔ مجھے یہ لگتا ہے جیسے تم میرا ہر راز، راز رکھو گے۔“

”ایسا ہی ہوگا آپ میری طرف سے بالکل مطمئن رہیں۔ میں ایک بے ضرر آدمی ہوں۔“ کامران نے کہا۔

بہرحال بہت سی آبادیاں ملتی رہیں سفر جاری رہا پھر وہ ایک علاقے تنگا دیہ پہنچے کوئی گندی جگہ تھی۔ جگہ جگہ کیچڑ نظر آ رہی تھی اور پورا ماحول شدید گندگی کا شکار تھا۔ میلے کچیلے بچے اس کیچڑ میں لت پت کھیل رہے تھے اونچی جسامت کے کتے بڑی تعداد میں نظر پڑ رہے تھے۔ پتا یہ چلا کہ تنگوٹی اور کچھ رکھیں یا نہ رکھیں لیکن ان کے پاس یہ کتے ضرور ہوتے ہیں اور یہ ان کی شناخت ہوتی ہے۔ پہلے تو یہی طے کیا گیا تھا کہ

یہاں کچھ وقت قیام کریں گے اور تھکن اتاریں گے لیکن پھر یہ قیام مختصر کر لیا گیا، نیل گرد چہ نے کہا۔

"یہ علاقہ طویل قیام کے لیے بالکل ناموزوں ہے ہمیں یہاں سے وحر گھری کے لیے کوئی مناسب راستہ اختیار کرنا ہوگا۔"

"یوں لگتا ہے آپ کے پاس اپنے سفر کے لیے بہت کچھ موجود ہے۔" کامران نے کہا۔

"ہاں بے شک ظاہر ہے ہم مخصوص نقشوں کے سہارے سفر کر رہے ہیں۔" یہاں قیام کرنے کے بجائے کچھ اور آگے کا سفر طے کیا گیا۔ اور پھر ایک جگہ خیمے لگا دیے تھے یہ قصبہ ہی تھا۔ قصبے کے ہر مقام پر بدھ مت کا علامتی جھنڈا لہرا رہا تھا۔ میدان کے ایک سمت پتھروں سے بنی ہوئی ایک خانقاہ نظر آ رہی تھی۔ بہت سے لوگ ان کے خیموں کے پاس چکرانے لگے۔ ان میں مرد بھی تھے عورتیں بھی تھیں۔ سرخ، سفید چہرے ذرا ابھرے ہوئے نقوش یہ نقوش منگولوں سے مطابقت رکھتے تھے۔ قد چھوٹا، ہاتھ پاؤں بھی چھوٹے چھوٹے، عورتیں فیروزی اور نقرئی زیورات اور منکوں کی مالائیں پہنے ہوئے تھیں۔ گوندھی ہوئی زلفیں اور کمروں پر دھاری دار کمبل یہ لوگ بھی اسی خوں خوار نسل کے کتے رکھتے تھے۔ شام کو عبادت گاہ میں چہل پہل ہوگئی۔

پھر اچانک ہی ریٹا گرد چہ کامران کے پاس آ گئی۔ اس کے چہرے پر غصے کے آثار تھے۔

"تم انسان ہو یا......؟"

"یا......؟" کامران نے مسکرا کر سوال کیا۔

"لگتا ہے تمہاری آنکھیں دیکھنے کے قابل نہیں ہیں۔"

"ہاں ڈیئر ریٹا! تھوڑی سی کمزور ہیں میری آنکھیں۔ دور کی اور قریب کی دونوں نگاہیں کمزور ہیں۔ مگر آپ کیا کہنا چاہتی ہیں۔"

"تم مجھے نہیں دیکھ سکتے۔"

"نہیں نہیں۔ آپ کو تو دیکھ سکتا ہوں مس ریٹا!"

"کیا نظر آتا ہے تمہیں مجھ میں؟"

"آپ میں؟"

"کیا میں خوب صورت نہیں ہوں؟"

"آہ۔ اگر اتنی ہی گہرائیوں میں دیکھ سکتا۔ تو آج نہ جانے زندگی کے کون سے راستے پر ہوتا۔"

"میں نے تمہارے لیے سب کو ناراض کر دیا ہے اور تم ہو کہ بس۔ اچھا چلو مجھے اس عبادت گاہ تک لے جاؤ۔ میں ان کا طریقہ عبادت دیکھنا چاہتی ہوں۔"

"کیا دوسرے لوگوں کو اس سے دلچسپی نہیں ہے۔"

"ہوگی۔ مگر میں تمہارے ساتھ جاؤں گی۔" ریٹا گرد چہ کے انداز میں ضد تھی۔ کامران نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ بولی۔

"آؤ یار...... آؤ عجیب آدمی ہو۔ کیا تم سب ایک جیسے ہوتے ہو۔ میرا مطلب ہے ایسٹرن آؤ...... نا......" اس نے کامران کا ہاتھ پکڑا اور آگے کھینچنے لگی۔ کامران مجبوراً اس کے ساتھ چل دیا۔ عبادت گاہ

کے قریب پہنچ کر وہ لوگ عبادت کا منظر دیکھنے لگے۔ چاروں طرف سے۔

"رام منی پدم رادم منی پدم" کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں ایک ادھیڑ عمر عورت ایک ہاتھ اٹھائے آبنوسی منکے پر پھیر رہی تھی وہ دوسرے سے چاندی اور تانبے سے بنا ہوا عملیات کا پہیہ گھما رہی تھی۔ وہ ایک منتر بھی الاپ رہی تھی۔ منتر کی تحریر پہیے پر کندہ تھی اور بار بار سامنے آ رہی تھی۔

خاصا وقت یہاں گزر گیا۔ کامران کو بھی اس طریقۂ عبادت میں دلچسپی محسوس ہو رہی تھی۔ پھر جب انہیں رات کا احساس ہوا تو اس نے ریٹا گرد چہ سے کہا۔

"کیا واپس نہیں چلنا مس ریٹا۔"

"آؤ۔" وہ پھر کامران کا ہاتھ پکڑ کر چلی۔ کامران نے ایک بار اس کے ہاتھ سے ہاتھ چھڑانا چاہا۔ لیکن ریٹا نے اس کی کلائی پر گرفت مضبوط کر دی۔ لیکن تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد اس نے رخ بدلا تو کامران چونک کر بولا۔

"کہاں۔"

"آؤ ادھر۔ خیموں میں نہیں جائیں گے۔"

"تو پھر۔"

"وہ اس طرف، آؤ کچھ دیر بیٹھیں گے۔"

"لیکن دوسرے لوگ ہمارا انتظار کر رہے ہوں گے مس ریٹا!"

"کرنے دو آؤ۔" وہ بولی اور کامران اس کے ساتھ پتھروں سے بنے ہوئے ان کھنڈرات کی طرف چل پڑا۔ جو تاریکی میں ڈوبے ہوئے بہت پر اسرار لگ رہے تھے۔ یہاں سکون کا سمندر موجزن تھا۔ چاروں طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی ریٹا ایک پتھر پر بیٹھ گئی پھر بولی۔

"تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

"ہاں ہاں ضرور۔"

"آخر تم ہو کون؟"

"یہ ایک دلچسپ سوال ہے۔ اب اس کا جواب بھی آپ ہی بتا دیجیے۔ میرے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے میں نے آج تک اپنے آپ کو انسان سمجھا ہے اور بس۔"

"میں بتاؤں تم کون ہو۔" ریٹا بولی۔

"واہ...... یہ خوشی کی بات ہے کم از کم مجھے اپنے بارے میں پتا چل جائے گا۔"

"تم کسی ہندوستانی ریاست کے شہزادے ہو۔ جو بھیس بدل کر سیر و سیاحت کے لیے نکلے ہو یا پھر۔"

"ہاں...... یا پھر؟"

"اپنے گھر سے ناراض ہو کر چلے آئے ہو۔"

"اور کسی دن کچھ گھڑ سوار گھوڑے دوڑاتے ہوئے آئیں گے۔ مجھے سلام کر کے عاجزی سے کہیں گے کہ شہزادہ حضور! چلیے جہاں پناہ کی حالت بہت خراب ہے۔ وہ آپ کے غم میں سوکھ سوکھ کر کانٹا ہو گئے ہیں

ہو صرف آپ کو یاد کرتے ہیں۔" کامران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بالکل بالکل...... بالکل ایسا ہی ہوگا۔" دنیا کو حقیقت کی نگاہ سے دیکھئے ریتا! یہ کہانیاں اب بہت پرانی ہوگئی ہیں۔ آپ یقین کیجیے کہ موقع ملتے ہی آپ لوگوں کو لوٹ کر یہاں سے فرار ہو جاؤں گا۔

"کیسی باتیں کرتے ہو۔ ہم تو خود تمہارے ہاتھوں لٹنے کے لیے تیار ہیں۔ ویسے تم بہت چالاک آدمی ہو۔ بڑی خوب صورتی سے بات ٹال گئے۔ میں ایک بات بتاؤں۔"

"بتایئے۔"

"میں نے خوابوں میں ہمیشہ یہی دیکھا ہے اور پھر میرا ہی نہیں دوسرے لوگوں کا بھی یہی خیال ہے کہ تم کوئی معمولی شخصیت نہیں ہو۔"

"چلیے ٹھیک ہے آپ کا بہت بہت شکریہ۔ لیکن اگر آپ کو میری شخصیت کے بارے میں کچھ پتا چل جائے تو براہ کرم مجھے بھی بتا دیجیے گا کیونکہ میں بہت سی باتیں اپنے بارے میں نہیں جانتا۔"

"تم جھوٹ بولتے ہو۔"

"آیئے اب چلیں۔"

"نہیں ابھی نہیں۔"

"تو پھر......؟"

"میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

"کہیے!"

"میں تم سے محبت کرنے لگی ہوں۔ میں تم سے پیار کرتی ہوں۔ اس وقت نہ سہی، پھر کسی وقت تمہیں کسی کو نہیں، لیکن مجھے اپنے بارے میں بتانا ہوگا سمجھے۔" ریتا نے کہا اور وہ اسے گھورنے لگا، وہی پرانی بات ہے۔ پھر کامران نے سنبھل کر کہا۔

"مس ریتا! آپ کو پتا ہے کہ ان تمام باتوں کا انجام کیا ہوتا ہے۔"

"انجام...... کوئی انجام نہیں ہوتا بس تمہیں میری طرف متوجہ ہونا پڑے گا۔" کامران نہیں جانتا تھا کہ دور دیس کی لڑکیاں محبت کرنے کے بعد کیا سلوک کرتی ہیں۔ لیکن بہرحال بہ مشکل تمام وہ ریتا کو واپسی کے لیے تیار کر کے واپس لوٹا تھا۔ خیمے کے درمیان زندگی کے معمولات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ رات گزارنے کے بعد دوسری صبح پھر سفر کا آغاز کر دیا گیا وہ وہاں سے ایک اور بستی میں داخل ہوئے اور سفر کے ذرائع تلاش کرنے لگے۔ لیکن ان ملی جلی آبادیوں کے لوگ سواریوں کا تصور بھی نہیں رکھتے تھے۔ وہ پیدل ہی سفر کرتے تھے۔ صاحب حیثیت لوگوں میں صرف وہ افراد ایسے تھے۔ جن کے پاس گھوڑے موجود تھے صرف دو گھوڑے اور یہ لوگ پیدل سفر کیا کرتے تھے اور عموماً قافلوں کی شکل میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جاتے اس وقت ان کے ساتھ صرف بڑی نسل کے کتے ہوتے تھے۔ جن کی زنجیر کسی بزرگ کے ہاتھ میں ہوتی تھی کتے کی گردن میں ایک تحریر ضرور پڑی ہوتی جس پر لکھا ہوتا۔

"نیلے کتے کا منہ بند ہے کھلوانے کی کوشش مت کیجیے۔" البتہ ان لوگوں سے دھرگھری کا راستہ اور

نقشہ ضرور معلوم ہو گیا تھا۔ چنانچہ نقشوں کا تعین کر کے ایک مرتبہ پھر سفر شروع کر دیا گیا۔ تیس میل کا یہ سفر لاتعداد کہانیوں کا حامل تھا۔ دوران سفر بے شمار دلچسپ واقعات پیش آئے۔ آج کے دور میں تیس میل کا سفر دن میں دس بار کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ سفر قدیم داستانوں کی عملی تصویر پیش کر رہا تھا۔ دس میل کے بعد پہلا پڑاؤ کیا گیا تھا۔ پھر مزید دس میل کے بعد دوسرا۔ البتہ بقیہ دس میل کسی قدر تیز رفتاری سے طے کیے گئے۔ کیونکہ خیال تھا کہ دن کی روشنی میں ہی منزل پر پہنچ جائیں۔ اس دوران چونکہ کامران یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ اگر کرنل گل نواز کی طرف سے کوئی صحیح راستہ منتخب نہ کیا گیا تو کسی بھی آبادی میں پہنچ کر وہ اپنے لیے خود راستہ تلاش کرے گا اور اگر ممکن ہو سکا تو کہیں قیام بھی ہو جائے گا بشرطیکہ وہاں دل لگا۔

دھرگری کے آثار نظر آ گئے دھرگھری بڑا شہر تھا اور کسی قدر ڈھلانوں میں آباد۔ ان کی نگاہ سب سے اونچے اونچے بانسوں کے ایک احاطے پر پڑی۔ جہاں سورج، چاند اور آگ کی علامتیں آویزاں تھیں۔ پھڑ پھڑاتے ہوئے سفید عبادتی جھنڈوں کے درمیان خچر گھاس چر رہے تھے۔ نیچے جانے کا راستہ آلوؤں کی بیلوں اور سیاہ گندم کے کھیتوں سے گزرتا تھا۔ شہری آبادی کی ابتدا میں ایک نیلی جھونپڑی کے چھجے تلے پیلے، سنہرے اور سبز، سرخ رنگ میں بدھا کے سات مجسمے نصب تھے۔ جو شاکیہ منی کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کرتی تھی۔

یہ لوگ ان بانسوں سے گزر کر نیچے آبادی میں داخل ہو گئے قصبے کے مکانات پتھر سے بنے ہوئے تھے۔ ہر عمارت کئی منزلہ قلعہ کی مانند تھی جس کے اوپر عبادتی جھنڈے نظر آ رہے تھے۔ طویل مسافت طے کر کے یہ لوگ یہاں پہنچے تھے لیکن اس جگہ کی پراسرار دلکشی نے ذہن کو خود میں الجھا کر ساری تھکن دور کر دی تھی۔ نیل گرو جی بہت خوش نظر آ رہے تھے انہوں نے کہا۔

"اب جس قدر جلد ممکن ہو سکے کسی جگہ قیام کا بندوبست کر لو تاکہ ہم یہاں اپنا کام شروع کر سکیں۔ میرے خیال میں ہوٹل وغیرہ کی گنجائش تو یہاں کم ہی ہوگی۔ بلکہ ممکن ہے اس کا وجود ہی نہ ہو۔ لیکن ہمیں کوئی ایسی جگہ ضرور مل جائے گی جہاں ہم اپنے خیمے لگا سکیں۔"

"یہ کام شروع ہو گیا۔ اور ہم لوگوں نے پہاڑوں کے دامن میں قیام کیا یہ جگہ عام آبادی سے ذرا فاصلے پر تھی یہاں خیمے نہیں لگائے گئے۔ بلکہ یونہی بس عارضی قیام گاہ بنا لی گئی اور اس کے بعد مسٹر نیل گرو جی نے کامران کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"آؤ۔ ذرا تھوڑی سی سیر و سیاحت کر لی جائے۔" کامران نیل گرو جی کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ خود بھی اس جگہ کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ آبادی میں زیادہ دور نہیں گئے تھے کہ پگڑی اور مخصوص طرز کی داڑھی سے مرصع ایک سردار جی نظر آئے اور نہ جانے انہیں کیا خیال آیا کہ وہ رک گئے۔ کامران ان کے قریب پہنچ گیا تھا۔ انہوں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

"ست سری اکال۔ کہیے ہمارے لیے کوئی خدمت۔" سردار جی پڑھے لکھے معلوم ہوتے تھے۔ ان کے لہجے کی شگفتگی ان کے مزاج کا پتا دیتی تھی۔

"ہاں سردار جی! ہمیں کسی ایسی جگہ کی تلاش ہے۔ جہاں ہم اپنے خیمے لگا سکیں یہاں کی اجازت

کی ضرورت تو نہیں ہوتی۔"

"ہوتی ہے بھائی جی! ہر جگہ خیمے نہیں لگا۔ ئے جاتے۔ کسی ادھر کیمپن میں کیوں نہیں چلے جاتے یہاں سیاحوں کے لیے ہر طرح کی سہولت ہوتی ہے۔ پانی کا سرکاری نظام ہے۔ باقی ساری چیزیں بھی سستے داموں مل جاتی ہیں۔ بہت سے لوگ ٹھیں گے وہاں۔"

"آپ کا بہت شکریہ۔ ذرا ہمیں ادھر کا راستہ بتا دیجیے۔"

"ہاں ہاں جی۔ کیوں نہیں۔ وہ ادھر جو اونچی پہاڑی نظر آ رہی ہے اس کے نیچے ایک کیمپن ہے۔ بڑی اچھی جگہ ہے۔" پھر کامران نیل گردچ کو اس کیمپن کے بارے میں بتاتا رہا اور نیل گردچ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"دیکھو، گردچن یہ کام نہیں کر سکا تھا۔ تمہاری وجہ سے یہ کام بھی ہو گیا آؤ چلتے ہیں۔" یہاں پہنچنے میں تقریباً ایک ڈیڑھ گھنٹہ خرچ ہو گیا۔ شام جھک آئی تھی خیمے لگاتے ہوئے رات ہو گئی۔ کیمپن کے حالات پہلے ہی نظر آ گئے تھے۔ یہاں آوارہ گردوں کے غول کے غول نظر آ رہے تھے۔ ہر طرف چرس اور گانجے میں ڈوبی ہوئی ہوائیں تیر رہی تھیں۔ نوجوان لڑکے لڑکیاں لباس کی ترتیب سے بے نیاز جگہ جگہ ڈیرے جمائے ہوئے تھے۔ باقاعدہ خیمے استادہ تھے۔ چھاروں پر دنیا کی ہر چیز موجود تھی آوازیں بھی لگائی جا رہی تھیں۔ جنہیں دکان داروں کی معصومیت کے علاوہ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کیونکہ آوازوں کو سمجھنے والے یہاں نہ ہونے کے برابر ہی ہوں گے ویسے یہ علاقہ تبت کے روایت حسن کی مثال تھا۔ بہت دور ایک آبشار کی سفیدی متحرک نظر آ رہی تھی۔ جس سے بہنے والی ندی کیمپن کے پاس سے گزر رہی تھی اس لیے شاید یہ سردار جی نے کہا تھا کہ پانی کا نظام سرکاری ہے۔

بہرحال ایک الگ تھلگ جگہ منتخب کی گئی تھی اور اس کے بعد ہر شخص اپنی اپنی پسند کی تفریحات میں مصروف ہو گیا۔ چھاروں سے کھانے پینے کی صاف ستھری اشیاء خرید کی گئی تھیں۔ مقامی پکی ہوئی چیز خریدنے سے احتیاط کیا گیا۔ نیل گردچ بھی اس معاملے میں بہت محتاط تھا۔ کیونکہ ان علاقوں میں ہر جان دار شے حلال تھی اور اس کی ڈشیں تیار کرنے میں ان لوگوں کو کمال حاصل تھا۔ البتہ تہذیب اور دنیا کے قوانین کے باغی حرام و حلال کے فلسفے سے بے نیاز ہر چیز کو بے تکان خرید رہے تھے جو ان کے حلق کے راستے معدے تک اتر کر اس میں وزن پیدا کر سکتی تھی۔ پھر زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ ریٹا گردچ پھر اس پر نازل ہو گئی۔ اس نے کہا۔

"ہیلو...... کیا تم بیمار ہو۔"

"نہیں میں ڈاکٹر ہوں۔" کامران نے جواب دیا۔

"تم نے پوچھا نہیں کہ میں تمہیں بیمار کیوں کہہ رہی تھی۔"

"اس لیے کہ تم خود بیمار ہو ریٹا گردچ۔" کامران نے اس بار کسی قدر تلخ لہجے میں کہا۔

"میری صحت بے مثال ہے۔ لوگ مجھے میری شان دار صحت کی مبارک باد دیا کرتے ہیں۔"

"تو پھر میں کیا کروں؟"

"تم عجیب آدمی نہیں ہو۔ عجیب و غریب باتیں کرتے ہو۔"

"دیکھیے مس ریٹا گردچ۔ نیل گردچ بہت اچھے آدمی ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ کے ساتھ کوئی تلخ بات کر کے انہیں کوئی تکلیف پہنچاؤں۔ ویسے میں بہت جلد آپ لوگوں کا ساتھ چھوڑ دوں گا۔ میں آپ کے لیے مجبور نہیں ہوں۔ کتنی ہی بار میں آپ سے کہہ چکا ہوں کہ میں صرف آپ کا احترام کر سکتا ہوں۔ آپ نے جو محبت کی بات کی ہے وہ میرے لیے ایک احمقانہ بات ہے میں اس منزل کا راہی نہیں ہوں۔"

"کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں اپنا کام کرتی رہوں گی تم اپنا کام کرتے رہو اور جہاں تک تم جانے کی بات کرتے ہو۔ تو بس میں تم سے کہے دیتی ہوں کہ اس بار تم کہیں نہیں جاؤ گے۔" کامران کو ہنسی آ گئی۔ پتا نہیں یہ استحقاق کس بنیاد پر جتایا جا رہا تھا۔ پاگل ہی لڑکی معلوم ہوتی ہے۔

بہرحال لڑکیاں عام طور سے پاگل ہی ہوا کرتی ہیں۔ پھر اس کے بعد وقت گزرتا چلا گیا۔ ریٹا جھنجلا کر چلی گئی تھی اور یہ کامران کے حق میں بہتر ہی ہوا تھا۔ رات کا کھانا کھایا گیا اور اس کے بعد ان آوارہ گردوں کی آوارہ گردیوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے ہر شخص مصروف ہو گیا۔

دوسرے دن یہاں کے بارے میں خاصی معلومات حاصل کی گئیں گردچن اور بمل کامران سے بہت زیادہ مانوس تھے۔ گردچن اپنے طور پر کام کر رہا تھا اس نے کامران کو یہاں کے بارے میں معلومات فراہم کیں۔ وہ کہنے لگا۔

"اٹھارویں صدی میں گورکھوں نے سلطنت نیپال کی بنیاد رکھی تھی اس سے پہلے تیراکوٹ، ٹھیپورانگ کی بادشاہت کا صدر مقام تھا۔ جس کے معنی تبتی زبان میں خوشبودار پانیوں کی وادی ہے اس وادی کے باسی تبت کی پراسرار روایات کے امین ہیں بہت اچھی جگہ ہے یہ اور یہاں کے لوگ بھی بہت زیادہ خوش اخلاق ہیں۔ آج ایسا کرو تم میرے ساتھ دن گزارو۔ بمل بھی یہی کہہ رہی تھی کہ ان لوگوں نے تو تم پر قبضہ ہی جما لیا ہے۔" گردچن کی زندگی کے جو واقعات کامران کے علم میں آئے تھے۔ انہوں نے گردچن کی شخصیت کو کسی اور کی نگاہوں میں کوئی حیثیت دی ہو یا نہ دی ہو۔ لیکن کامران اس سے بہت زیادہ متاثر تھا بار بار اس نے محسوس کیا تھا کہ اگر کرنل گل نواز اس وقت مل جائیں اور آگے کے منصوبے طے ہو جائیں تو گردچن ان کا بہترین ساتھی ثابت ہو سکتا ہے لیکن اب یہ ساری سوچ ایک کہانی جیسی شکل اختیار کر گئی تھی۔ کرنل گل نواز یا تو خود اسے کھو بیٹھے تھے یا پھر ان کے درمیان اتنے فاصلے ہو گئے تھے کہ شاید اب کبھی ملاقات نہ ہو سکے۔ ایسے حالات میں خود پر انحصار کرنا ضروری ہوتا ہے اور باقی جہاں تک معاملات تھے ان پراسرار واقعات کے جو اس دوران پیش آئے تھے۔ تو لاکھوں انسانوں کی زندگی میں لاکھوں واقعات ہوا کرتے ہیں اور کبھی کبھی عمر کی آخری منزل تک ان کی کوئی توجیہہ نہیں ہوتی یہ آسانی ہے کہ آگے پیچھے کوئی نہیں ہے۔ چنانچہ کہیں بھی وقت گزاری کی جا سکتی ہے۔

کرشنک اور سیتا نے ایک دارنگ دی تھی لیکن جس طرح دوسرے بہت سے پراسرار معاملات میں کامران نے اپنے آپ وقت کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا۔ اسی طرح اس چیلنج کوئی کا بھی مسئلہ تھا۔ ضروری نہیں ہے کہ لکیر کا فقیر رہا جائے۔ اب آگے اپنے طور پر بھی کچھ کرنا ہے۔ بہت سے اچھے دوست اور ساتھی پیچھے رہ گئے تھے۔ لیکن تقدیر جو فیصلے کرتی ہے وہی مناسب ہوتا ہے۔

ریٹا گروچ ویسے تو بری نہیں تھی۔ لیکن اس کی جو احمقانہ بات تھی۔ وہ ذرا نا قابل فہم تھی اور اس کا کوئی مناسب جواب نہیں دیا جا سکتا تھا۔ ظاہر ہے نیل گروچ جو کچھ بھی تھے کامران پر ان کے کوئی اثرات نہیں تھے۔ اگر ان کا سہارا صرف اس لیے تلاش کیا جاتا کہ ایک بڑے آدمی کا ساتھ حاصل ہو جائے گا تو کرنل گل نواز اس سے اچھی اور بڑی حیثیت کا آدمی تھا۔

بہرحال یہ ساری باتیں ذہن میں آئیں اور وہ الجھ جاتا لیکن فیصلہ اس نے یہی کیا تھا کہ کہیں سے بھی اپنے راستے الگ کرے گا۔ کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ دھرگھری اچھا خاصا شہر تھا اور وہاں بدھ آبادی بڑی زبردست تھی۔ دیکھنے سے خوشی ہوتی تھی۔ کھیل تماشے اور عجیب عجیب طرح کے کرتب ان لوگوں کی زندگی کا ایک حصہ تھے۔ عام طور سے ریٹا گروچ کامران کا پیچھا کرتی رہتی تھی۔ اس وقت بھی وہ اچانک ہی نازل ہو گئی تھی۔

”کیا کر رہے ہو؟“ اس نے تحکمانہ انداز میں پوچھا۔

”جھک مجھتی ہیں آپ۔“

”جھانک۔“

”جھانک نہیں۔ جھک۔“

”نہیں۔ میں نہیں جانتی ہمارے ہاں نہیں ہوتی۔“

”خیر ہوتی تو ہر جگہ ہے۔ اب یہ الگ بات ہے طریقہ استعمال الگ الگ ہوتے ہیں۔“ کامران نے کہا۔

”تو پھر مطلب کیا ہے اس بات کا۔“

”میرا مطلب یہ تھا کہ جھک مار رہا ہوں۔“

”اوہو۔“ ریٹا گروچ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ وہ شاید مری ہوئی جھک تلاش کر رہی تھی کامران کو ہنسی آ گئی تو وہ بولی۔

”مذاق کر رہے ہو نا۔ آؤ اس طرف چلتے ہیں سدھارت فارم ہے آؤ نا پلیز۔ وہ جگہ بڑی خوب صورت اور سنسان ہے۔“ کامران خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑا۔ اطراف کے مناظر نمایاں تھے۔ بائیں سمت ایک مکان بنا ہوا تھا۔ جس کا نچلا حصہ بھیڑ، بکریوں اور دوسرے مویشیوں کا اصطبل تھا۔ لکڑی کی سیڑھی بالائی منزل تک جاتی تھی۔ وہاں سامنے ایک لمبا چوڑا کتا بندھا ہوا تھا۔ دوسرے چھوٹے جانور بچے اور چوزے بالائی منزل پر مکینوں کے ساتھ قیام پذیر تھے۔ چھجے کے بانسوں پر جانوروں کے سینگ سر نصب تھے۔ جن کے ساتھ بھیڑ کی کھالیں، تو ندے اور خشک گوشت کے ٹکڑے لٹک رہے تھے۔ سدھارت فارم بدھا کے ایک بہت بڑے اور بوسیدہ مجسمے کو کہا جاتا تھا۔ جو آبشار سے بننے والے ایک چھوٹے سے دریا کے کنارے تھا۔ ریٹا ادھر ہی کامران کو لے جا رہی تھی اور دونوں تختے نما کھیتوں میں سے ہوتے ہوئے اسی سمت چل رہے تھے۔ کھیتوں میں چار مختلف اقسام کے پودے نظر آ رہے تھے۔ بیچ میں پھلیاں اور لوکی کی بیلیں پھیلی ہوئی تھیں۔ دریا کے قریب ہی ہمالیائی لنگوروں کا ایک گروہ سرخ جوار کے کھیتوں کو تباہ کر رہا تھا۔ چھوٹے چھوٹے بچے ماؤں کی گردنوں سے لپٹے ہوئے تھے۔ گوتم کے بڑے مجسمے کے بائیں سمت ریٹا نے ایک جگہ منتخب کی اور

اس کا ہاتھ پکڑ کر اس جگہ بیٹھ گئی۔

”کہو کیسا وقت گزر رہا ہے۔“

”بہت برا۔“ کامران نے جواب دیا۔

”تم زندگی کو دل کش بنانا نہیں جانتے۔“

”میری زندگی کی دل کشی صرف اور صرف تنہائی ہے۔“

”دیکھو میں سچ کہہ رہی ہوں اگر میں تم سے بور ہو گئی تو تمہاری طرف رخ بھی نہیں کروں گی۔“

کامران دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ اس میں کتنا وقت لگے گا۔ کاش! آپ مجھے یہ بتا دیتیں۔ ابھی یہ لوگ باتیں کر ہی رہے تھے کہ انہوں نے نیل گروچ کو دیکھا جو اونٹ کی طرح منہ اٹھائے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے چلے آ رہے تھے۔

”ڈیڈی! یہ ادھر کہاں سے آ گئے۔“ ریٹا گروچ نے کہا بہرحال کامران اور ریٹا خود گروچ کے سامنے آ گئے تھے۔ نیل گروچ کے انداز میں ایک عجیب سی بے چینی پائی جاتی تھی۔

”ہیلو...... سوری۔ میں نے تم لوگوں کو ڈسٹرب کیا۔ مگر صورت حال کچھ عجیب سی پیش آ گئی ہے۔“

”خیریت؟“

”آؤ بیٹھو بیٹھو۔ بڑا اچھا ہوا کہ تم اس انداز میں مل گئے۔ گروچن پر میرا اعتماد کرنے کو دل چاہتا ہے لیکن نہ جانے کیوں میں اس سے اتنا کھل نہیں پاتا۔ حالانکہ اچھا آدمی ہے اس وقت ہم ایک مشکل کا شکار ہو گئے ہیں۔“

”کیا مسٹر گروچ! میں اس سلسلے میں آپ کی کچھ مدد کر سکتا ہوں۔“

”اسی لیے تمہیں تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ تم مجھے زیرک آدمی معلوم ہوتے ہو کوئی مشورہ دو۔“

”جی فرمایئے۔“

”اصل میں شروع ہی سے میں ایک شخص سے جو میرے اس گروہ میں شامل ہے۔ تھوڑا سا خوف زدہ تھا۔ ہم نے جب ان علاقوں میں آنے کا پروگرام بنایا تو صرف چند مخصوص لوگوں کو اپنا ساتھی منتخب کیا۔ وہ لوگ تھے جو ہم جوئی سے اچھی طرح واقفیت بھی رکھتے تھے اور خود فطری طور پر سمجھ دار لوگ تھے۔ میں اب تمہیں یہ کھل کر بتا دوں۔ ڈیئر کامران کہ ہم لوگوں کو ایک خزانے کے بارے میں معلومات حاصل ہوئی تھیں اور ہم اسی کے چکر میں یہاں آئے تھے۔ جب ہم نے ادھر آنے کا فیصلہ کیا تو ایک شخص سے ہماری ملاقات ہوئی تم نے اس گول چہرے والے آدمی کو دیکھا ہوگا جس سے میں نے تمہارا باقاعدہ تعارف نہیں کرایا۔ حالانکہ یہ ایک بدتہذیبی کی بات تھی۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ شخص کچھ اس طرح ہمارے درمیان گھسا ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ اس وقت اس کے ساتھ دو آدمی اور تھے۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ ہمارے ساتھ یہ سفر کرے۔ لیکن نہ جانے کیا ہوا میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ وہ ہپناٹزم کا ماہر ہے اور اس نے مجھے اپنے ٹرانس میں لے لیا اور میں اسے اپنے ساتھ لانے پر مجبور ہو گیا۔“

”کون ہے یہ شخص۔“ کامران نے سوال کیا۔

"وہی گول سا چہرہ ہے جس کا، پتلے پتلے بھینچے ہوئے ہونٹ۔" اور کامران کو وہ شخص یاد آ گیا۔ واقعی اس سے تعارف نہیں ہوا تھا۔ نیل گرد چہ نے کہا۔

"وہ دانش ہے۔ دانش تریگر۔" کامران کے ذہن کو ایک شدید جھٹکا لگا تھا۔ یہ نام اس کے لیے اجنبی نہیں تھا، قزل ثنائی اور شعبرا ثنائی نے اس کی بھرپور کہانی سنائی تھی اور شاید یہ اس کہانی کا اثر تھا کہ پہلی نگاہ میں کامران کو دیکھ کر ایک عجیب سا شک لگا تھا۔ لیکن اس بات کو اس نے اتفاق پر محمول کیا تھا۔ یہ شخص دانش ہے قزل ثنائی کی سنائی ہوئی کہانی تو بڑی پراسرار تھی۔ واقعی یہ شخص ہپناٹزم کا ماہر بھی تھا اور ان علاقوں سے اس کی کوئی پراسرار شناسائی بھی تھی۔ تو کیا یہ اسی لیے سفر کر رہا ہے۔ اب کے خیالات کا طلسم مسٹر نیل گرد چہ کے ان الفاظ نے توڑا۔

"میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اس شخص کو اپنے ساتھ لانے میں میرے ارادے کا دخل نہیں تھا یہ خود ہی ان دو بے وقوف سے آدمیوں کے ساتھ میرے پیچھے لگ گیا اور شاید میں نے اخلاقاً اسے برداشت بھی کر لیا۔ جب کہ ہم ذہنی طور پر اس سے قطعی مطابقت نہیں کھاتے۔ خیر بات اس کی کچھ بھی نہیں ہے لیکن اب اچانک ہی یہاں دھر گھری میں اس کی ٹیم کے کچھ اور افراد ملے ہیں۔ جن کا اس نے پہلے کوئی تذکرہ نہیں کیا تھا۔ لیکن اتفاق کی بات یہ ہے کہ ان افراد کو میں جانتا ہوں۔"

"کون؟"

"ان میں سے ایک گورڈن ہے۔ یہ گورڈن بہت ہی خطرناک آدمی ہے اور یہ دوسرے دو آدمی جو ہیں وہ بہت بڑے غنڈے ہیں اور یورپ کے ایک شہر میں ان کا کلب چلتا ہے۔"

"تو یہاں یہ کیا کرنے آئے ہیں۔"

"میں تمہیں گورڈن کے بارے میں بتاؤں۔ یہ گورڈن جو ہے افریقی مزاج ہے دیو کا دیو ہے بڑے خطرناک لوگوں میں شامل ہے۔ فرانس کی ایک جیل میں یہ تینوں یکجا ہوئے تھے اور پتا نہیں دانش سے ان کا رابطہ کیسے قائم ہو گیا۔"

"تو پھر کیا ہوا۔"

"بس اچانک ہی یہ ہمارے کیمپ پہنچ گئے اور دانش نے ان تینوں سے میرا تعارف کرایا میں بالکل اتفاقیہ طور پر ان تینوں کو جانتا ہوں لیکن میں نے ان سے شناسائی کا اظہار نہیں کیا گورڈن۔ ہیگ اور پوکر یہ تینوں خطرناک آدمی ہیں اور میں نہیں جانتا ان کی موجودگی کے بعد ہمارے اس چھوٹے سے گروپ میں کیا ہو جائے۔ ویسے میں تمہیں بتاؤں کامران بلکہ بتا چکا ہوں کہ ہم خزانے کی تلاش میں آئے تھے۔ لیکن اب یوں لگتا ہے۔ جیسے ہم موت کی تلاش میں ادھر آئے ہوں۔"

"نہیں نہیں آپ اس قدر بددل نہ ہوں مسٹر نیل گرد چہ۔"

"کیا بتاؤں دوست! اتنے اتنے خطرناک لوگ اگر ہمارے درمیان شامل ہو جائیں تو پھر کیا سوچا جا سکتا ہے۔"

"جی۔"

"کامران! تم سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں میں سو فی صدی اس بات کے لیے تیار ہوں کہ یہاں سے مہم کو ادھورا چھوڑ کر واپسی ہو جائے تو کوئی ہرج نہیں ہے۔ لیکن اگر تم کچھ عرصے تک میرا ساتھ دے دو تو شاید آگے چل کر بھی کوئی مناسب طریقہ کار سوچنے میں کامیاب ہو جاؤں۔"

"آپ گورڈن سے بہت زیادہ خوف زدہ ہیں۔"

"نہیں! میری بیٹی میرے ساتھ ہے۔ اس کے علاوہ تم یوں سمجھ لو کہ ہمارا تو کوئی قوت ہی نہیں رہی۔ اب تو یہ سمجھ لو کہ جو وہ چاہیں گے ہم وہی کرنے پر مجبور ہوں گے۔ کیونکہ گورڈن جیسا آدمی ان کے ساتھ ہے۔"

"بہرحال آپ نے بہت اچھا کیا ہے کہ مجھے اپنے معاملے میں شریک کر لیا۔ ورنہ بڑی پریشانی ہو جاتی۔ اور......"

"میں کہہ تو رہا ہوں کہ میرے تو اوسان خطا ہو گئے ہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں۔ اب یہاں سے میں اچانک ہی واپسی کا فیصلہ کرتا ہوں تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ ہمارے ساتھ زبردستی کریں۔" کامران سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے گورڈن ہیگ اور پوکر کو دیکھا۔ گورڈن تو واقعی بہت خطرناک شخصیت کا مالک تھا۔ کوئلے کی طرح کالا، بھیانک نقوش اور تن و توش خدا کی پناہ۔ اتنا زیادہ کہ لگتا تھا کہ کئی آدمی مل کر ایک ہو گئے ہیں کامران نے گرد چن کو بھی کسی قدر تشویش کا شکار دیکھا۔ گرد چن نے یا نیل مسٹر نیل گرد چہ سے کچھ کہا نہیں۔ لیکن موقع ملتے ہی وہ اور بمل کامران کے پاس پہنچ گئے۔

"کیجیے مسٹر کامران سیر ہو رہی ہے۔ آ یئے میں آپ کو بدھ عبادت گاہوں کے بارے میں بتاتا ہوں۔" کامران نے آمادگی کا اظہار کر دیا تو گرد چن اس کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

"ان لوگوں کا طریقہ عبادت بہت دلچسپ ہے لطف آتا ہے۔ یہاں دھر گھری میں بھی ان کی ایک بڑی عبادت گاہ ہے جو زیادہ دور نہیں ہے اور یہ عبادت کا وقت بھی ہے کیا خیال ہے چلیں۔" گرد چن نے اس دوران پہلے ابھی کوئی بات نہیں کی تھی۔ کامران کو اندازہ ہو گیا کہ وہ پہلے کچھ کہنے والا ہے۔

بہرحال وہ تینوں چل پڑے۔ کیمپ سے تقریباً تین میل دور جا کر راستہ تیزی سے اوپر کی طرف مڑ جاتا تھا۔ بائیں سمت کے آخری راستے کی ڈھلان پر ایک عظیم خانقاہ نظر آ رہی تھی۔ لوگ سرخ لبادوں میں ملبوس جوق در جوق اس خوبصورت خانقاہ کی جانب بڑھ رہے تھے۔ خانقاہ تک پہنچنے کا راستہ ایک چوبی پل سے گزرتا تھا۔ جو ایک گہری کھائی پر بنا ہوا تھا۔ پل پر سے گزرتے ہوئے کامران نے کھائی پر نظر ڈالی اور اس کے بدن میں ایک سرد سی لہر دوڑ گئی۔ کھائی بہت گہری تھی نیچے دیکھتے ہوئے بہت خوف آتا تھا۔ گرد چن کہنے لگا۔

"اس خانقاہ میں دن رات پوجا ہوتی ہے اور یہ باہر سے آنے والوں کے لیے بہت مقدس ہے۔ یہاں ہمیشہ ہی ہجوم رہتا ہے۔ اس وقت جو لوگ تمہیں نظر آ رہے ہیں وہ صرف دھر گھری کے باشندے نہیں ہیں۔"

"ہوں۔" کامران بولا۔ چوبی پل کو عبور کر کے وہ دوسری سمت پہنچ گئے اور پھر ان بے شمار انسانوں کے ہجوم میں داخل ہو گئے۔ خانقاہ کے بلند میناروں کے سنہری کلس اب روشنی میں جگمگا رہے تھے اور ان کی لو آسمان کو چھوتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ گرد چن نے کہا۔

"یہ کلس خالص سونے کے ہیں۔"

"ظاہر ہے گروچن! تمہیں ان کے بارے میں کافی معلومات حاصل ہوں گی۔ پہلے بھی آتے رہے ہو گے۔"

"اکثر...... میں نے کتنی ہی بار اس خانقاہ کو اندر سے بھی دیکھا ہے یہاں اتنا سونا اور جواہرات ہیں کہ اگر یورپ کے ڈاکوؤں کو معلوم ہو جائے تو جان کی بازی لگا دیں۔"

"تو کیا کبھی اس خزانے کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔"

"ممکن ہی نہیں ہے مقدس روحیں ان جواہرات کی حفاظت کرتی ہیں اور ان کے بارے میں بڑی کہانیاں مشہور ہیں۔" کامران کی نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں۔ رنگ برنگے متبرک جھنڈے اور پھر خانقاہ کے بائیں سمت کی وادی یہاں لاتعداد بدھ بھکشو جمع تھے اور ان سب کے ہاتھوں میں عبادت کے چرخے نظر آ رہے تھے۔

"آؤ...... میں تمہیں اندر سے دکھاؤں۔ مہمان خانقاہ میں داخل ہو۔ ان پر کوئی پابندی نہیں ہے۔"

"بہت رش ہے۔" کامران نے کہا۔

"دیکھو گے تو خوش ہو جاؤ گے اندر کا منظر۔" وہ پھر گروچن، بمل اور کامران کسی نہ کسی طرح اندر داخل ہو ہی گئے۔ حالانکہ اندر بھی انسانوں کا ایک سمندر موجزن تھا۔ لیکن بے حد سکون تھا۔ صرف منتر پڑھنے کی سرگوشیاں سنائی دے رہی تھیں۔ لاتعداد سونے کے چھوٹے بڑے بہت سے بت استادہ تھے جن کے جسموں پر جگہ جگہ ہیرے جڑے ہوئے تھے ایک پراسرار ہیبت پورے ماحول پر چھائی ہوئی تھی۔ کافی دیر تک وہ اس ماحول سے لطف اندوز ہوتے رہے اور پھر وہاں سے باہر نکل آئے۔ اس بات کی گنجائش نہیں تھی کہ کہیں اور جاتے۔ چنانچہ بس ٹہلتے ہوئے خاصے فاصلے پر پہنچ گئے۔ گروچن نے کہا۔

"کیا ذہنی طور پر مطمئن ہو۔"

"ہاں گروچن! تم جو کہنا چاہتے ہو کہتے رہو۔"

"مجھے اندازہ تھا تم ذہین آدمی ہو۔ اصل میں، میں اور بمل اب اس وقت خاصے پریشان ہو گئے ہیں۔"

"کیوں؟"

"تم نے ان تین نئے مہمانوں کو دیکھا۔ جن کے بارے میں مسٹر نیل گروچ بتاتے ہیں کہ وہ دانش کے مہمان ہیں اور دانش وہ آدمی ہے جس پر اگر غور سے نگاہ ڈالو تو تمہیں ایک کنڈلی مارے ہوا سانپ محسوس ہوگا۔" کامران کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی جو کافی معنی خیز تھی۔

"اچھی تشبیہ دی ہے تم نے اور میں نے ان تینوں کو بھی دیکھا ہے۔"

"یہ دانش مجھے اچھا آدمی نہیں معلوم ہوتا۔ بات صرف مسٹر نیل گروچ کی تھی۔ میں اپنے بارے میں تمہیں بتا چکا ہوں۔ بھیک نہیں مانگ رہا۔ آرام کی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ فطرتاً مہم جو ہوں اس لیے نیل گروچ کا ساتھ قبول کر لیا۔ لیکن اگر گوڈن جیسے لوگ اس مہم میں شامل ہو جائیں تو پھر مسئلہ بن سکتا ہے۔ نہ صرف میرے لیے بلکہ باقی لوگوں کے لیے بھی۔ کیونکہ یہ لوگ اچھے آدمی نہیں ہیں۔"

"ہاں۔ مجھے بھی اس کا اندازہ ہے۔"

"بمل کہتی ہے کہ ہمیں فوراً ان سے جدا ہو جانا چاہیے۔"

"ہوں۔ اصل میں میرے بارے میں بھی انہیں معلومات ہو چکی ہیں۔ یعنی ان لوگوں سے ملاقات ہوئی تھی اور مسٹر نیل گروچ ایک طرح سے زبردستی میرے محسن بن گئے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کرنا کیا چاہیے۔"

"ویسے تو خاموشی سے غائب ہوا جا سکتا ہے۔ بات صرف اسی شریف آدمی کی ہے جس کا نام نیل گروچ ہے۔"

"تھوڑا سا وقت انتظار کر لو۔ دیکھتے ہیں آگے کیا ہوتا ہے۔ نیل گروچ کو بتا دیں گے۔ ویسے میں سمجھتا ہوں کہ وہ خود بھی خاصا بددل ہو گیا ہے اور ممکن ہے یہاں سے واپسی کا سفر شروع کر دے۔"

"میرے خیال میں یہی ان کے حق میں بہتر ہے۔" گروچن نے کہا پھر بولا۔

"اور میرے دوست کامران میں تمہیں بتا رہا ہوں بلکہ بتا چکا ہوں کہ واقعی مجھے اس شخص سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" یہ لوگ جس جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ اس کی عبادت گاہ سے کافی فاصلے پر تھے اور ان کی کمپین سے بھی۔ لیکن کم بخت ریٹا گروچ بتا نہیں فضا میں سونگھنے کی قوت رکھتی تھی۔ یا کیا بات تھی۔ وہ تھوڑے ہی فاصلے پر آتی ہوئی نظر آئی اور سب سے پہلے کامران کی نگاہ ہی اس پر پڑی اور اس کے منہ سے نکلا۔

"اوہ مائی گاڈ۔" اس کے ان الفاظ پر بمل اور گروچن نے اچانک مڑ کر ادھر دیکھا اور وہ بولا۔

"ریٹا گروچ...... کیا ہوا؟"

"میں بتا سکتی ہوں۔" بمل مسکرا کر بولی۔

"کیوں خیریت؟"

"اگر میں شادی شدہ نہ ہوتی اور گروچن سے محبت نہ کرتی تو یقینی طور پر مسٹر کامران میرے مرکز نگاہ ہوتے۔ آئی ایم سوری...... ڈیئر کامران! ایک عورت تمہارے اندر جو کشش ہے میں صرف اس کے بارے میں بتا رہی ہوں گروچن کو...... گروچن ناراض ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"پاگل ہو تم۔ تو کیا ریٹا گروچ۔"

"میں اس لڑکی کو ریڈ کر چکی ہوں۔ حالانکہ میں نے اسے دور دور سے دیکھا ہے۔ لیکن جب بھی اس کی نگاہ مسٹر کامران پر پڑتی ہے، بس میں اس نگاہ کو لفظوں میں بیان نہیں کر سکتی۔ ویسے مسٹر کامران لڑکی تو بری نہیں ہے۔"

"آپ پلیز...... اس وقت مجھے اس سے بچائیں۔ میں ذہنی طور پر مطمئن نہیں ہوں اور کچھ سوچنا چاہتا ہوں۔"

"تو پھر ہم ایسا کرتے ہیں کہ اسے بہلا کر لے جاتے ہیں تم اس بڑے پتھر کے پیچھے چلے جاؤ۔ بعد میں کیمپ آ جانا۔"

"ہاں ایسا ہی کرو۔ میں تمہارا شکر گزار رہوں گا۔" کامران نے کہا گروچن اور بمل وہاں سے چلی

پڑنے تھے۔ پھر انہوں نے ریتا کو کیا سمجھایا اور کیا کہا کہ وہ مایوسی سے اس کے ساتھ چل پڑی شکر تھا کہ اس نے کامران کو یہاں نہیں دیکھا تھا۔ کامران پتھر پر بیٹھا انہیں دور جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اس نے گہری گہری سانسیں بھری تھیں اور سوچ میں ڈوب گیا تھا لیکن اچانک اسی وقت عقب سے کچھ آہٹیں ابھریں اور وہ چونک پڑا۔ اس نے حیران نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ سات عورتیں تھیں۔ مقامی مخصوص پجاریوں کے لباس میں ملبوس ان کے ہاتھوں میں تھالیاں تھیں اور ان تھالیوں میں چراغ روشن تھے۔ درمیان میں موتی سجے ہوئے تھے۔ حیرت کی بات تھی کہ ان کی نگاہیں کامران پر لگی ہوئی تھیں۔ ان میں سے ہر ایک کا چہرہ کامران کے لیے اجنبی تھا۔ پھر وہ ساتوں اس پتھر کے گرد کھڑی ہو گئیں۔ جس پر کامران بیٹھا ہوا تھا اور اس کے بعد انہوں نے مدھم آواز میں کچھ گانا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی وہ ہاتھوں میں جلتی ہوئی تھالیوں کو لہرا رہی تھیں۔ کامران احمقوں کی طرح انہیں دیکھتا رہا۔ وہ گاتا گاتی جاتی تھیں اور تھالیوں میں پڑے ہوئے موتیوں کو کامران کی طرف اچھالتی جاتی تھیں۔ وہ موتی کامران کے جسم سے ٹکرا کر زمین پر گر رہے تھے۔ وہ کوئی دس منٹ تک یہ کارروائی کرتی رہیں اور اس کے بعد انہوں نے تھالیاں زمین پر رکھیں اور کامران کے سامنے سجدہ ریز ہو گئیں ان کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔

"پرم پربھات...... دھرم دستو...... پاتال پرمتی...... جے ہو پاتال پرمتی......اپنے راستے پر چلتے رہو کہ یہی گیان دھیان کا راستہ ہے۔ جے پرم پرکھنا...... پاتال پرمتی...... جے ہو...... جے ہو...... جے ہو۔"
اس کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھیں اور آہستہ آہستہ قطار بنا کر ایک طرف چل پڑیں۔

کامران کو جیسے سکتہ سا ہو گیا تھا۔ وہ اس احمقانہ طرز عمل پر غور کر رہا تھا یہ کیا چکر ہے۔ وہ ساتوں عورتیں قطار بناتے ہوئے آگے بڑھتی رہیں اس کے بعد اسی عبادت گاہ میں داخل ہو گئیں۔ یہاں سے عبادت گاہ صاف نظر آتی تھی۔ کامران احمقانہ انداز میں بدستور اسے دیکھتا رہا۔ پھر اچانک ہی اسے کھانسی کی آواز سنائی دی۔ اور وہ پھر اچھل پڑا اور جب اس نے پلٹ کر دیکھا تو اسے دانش کھڑا ہوا نظر آیا۔ نہ جانے کیوں اسے دیکھ کر کامران کے دل پر خوف کی ایک لکیر سی بن گئی۔ دانش کڑی نگاہوں سے کامران کو گھور رہا تھا اور پھر اس کے پتلے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"جے پاتال پرمتی...... جے پرم پرکھنا۔" اس نے کہا اور قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔ پھر وہ زمین پر جھکا اور اس نے زمین پر پڑے ہوئے موتی اٹھائے اور انہیں ہتھیلی پر رکھ کر قریب کرتا ہوا بولا۔

"جانتے ہو مہذب دنیا میں اس ایک موتی کی کیا قیمت ہوگی۔ میں سمجھتا ہوں کم از کم سو ڈالر...... اور کتنے موتی تم پر نچھاور کیے گئے ہیں کچھ اندازہ ہو رہا ہے ان کا۔ ویسے اجازت دو تو ان موتیوں کو سمیٹ لوں یہ ہم دونوں کی مشترکہ ملکیت ہیں تم چاہو تو ان کے بدلے میں تمہیں ان کی آدھی قیمت دے سکتا ہوں۔ یعنی سو ڈالر فی موتی کے حساب سے پچاس ڈالر فی موتی تمہارا...... بولو سودا کرتے ہو۔" کامران چونک گیا اور اس نے کہا۔

"ہیلو مسٹر دانش۔"

"ویری گڈ...... اچھا آغاز کیا ہے تم نے۔ میرا خیال ہے ہم دونوں پہلی بار مخاطب ہو رہے ہیں اور میں حیران ہوں کہ میں نے اب تک تمہیں کیوں نظر انداز کیے رکھا۔ واہ...... بڑا خوش قسمت ہے نیل گروچ کہ

جس طرح بھی سہی اسے تم جیسے آدمی کا ساتھ ملا۔ اصل میں انسان اندھا ہوتا ہے۔ بلکہ عقل کا اندھا ہوتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر نہیں ہو سکتا۔ کبھی خیال ہی نہیں آیا۔ چلو ٹھیک ہے۔" وہ موتی چن رہا تھا کافی تعداد تھی ان موتیوں کی لیکن کامران نے ان میں سے ایک بھی موتی کو ہاتھ نہیں لگایا۔ دانش نے سارے موتی جمع کر لیے اور انہیں احتیاط سے اپنی جیبوں میں منتقل کرتے ہوئے بولا۔

"سودا برابر کا ہے اور میری پیش کش قائم ہے لیکن براہ کرم ان موتیوں کا ذکر کسی اور سے مت کرنا۔ ورنہ اس ہنگامے کا آغاز ابھی ہو جائے گا۔ جو بعد میں ہونا ہے۔"

"آپ نے سارے موتی اٹھا لیے مسٹر دانش۔"

"ہاں۔ ان میں سے آدھے تمہارے ہیں۔ موتی رکھنا چاہتے ہو تو موتی رکھ لو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن بس ایک درخواست ہے تم سے، کسی کو ان کے بارے میں کچھ بتاؤ گے نہیں۔" کامران کے ذہن میں ایک بجلی سی کوند گئی۔ اب وہ اس قدر...... بے وقوف بھی نہیں تھا کہ کسی کی چہرے کو دیکھ کر حماقت کا شکار ہو جاتا اور خوف سے سکڑ جاتا۔ حالانکہ قزل ثنائی نے اس شخص کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا۔ وہ بہت سنسنی خیز اور پراسرار تھا اور پھر تازہ ترین رپورٹ اس کے بارے میں نیل گروچ نے دی تھی۔

"گوڈن اور اس کے دونوں مجرم ساتھی اس کے غلام تھے۔" دانش نے کہا۔

"کیا خیال ہے۔ کیا ہم دوستانہ انداز میں بیٹھ کر بات کر سکتے ہیں۔"

"میں آپ کا احترام کرتا ہوں مسٹر دانش! حالانکہ میرا آپ سے کبھی باقاعدہ تعارف نہیں ہوا لیکن بہر حال مجھے معلوم ہے کہ آپ مسٹر نیل گروچ کی ٹیم کے ایک باعزت ممبر ہیں۔" کامران نے فوراً ہی چولا بدل لیا تھا لیکن دانش شیطانی انداز میں ہنس پڑا۔ پھر بولا۔

"نہیں۔ میں نیل گروچ کی ٹیم کا کوئی باعزت ممبر نہیں ہوں۔ بلکہ زبردستی اس کی ٹیم میں شامل ہوا ہوں اور وہ مجھ سے خائف ہے۔"

"میرے سامنے اس قسم کا کوئی تذکرہ نہیں ہوا۔ میں نے تو آپ سب کو یکجا ہی دیکھا ہے۔" کامران نے جواب دیا۔

"آؤ...... اگر مناسب سمجھو تو میرے ساتھ میرے خیمے میں چلو۔ مگر نہیں۔ خیمے میں تم سے بات چیت مناسب نہیں ہوگی۔ کھلی جگہ کی بات ہی اور ہوتی ہے۔ دوست اور دشمن نگاہوں کے سامنے رہتے ہیں۔"

"آپ کی مرضی ہے مسٹر دانش!" کامران نے کہا دانش اسے کافی فاصلے پر لے گیا۔ گروچن، بمل کے ساتھ چہل قدمی کر رہا تھا اس نے کئی بار نگاہیں اٹھا کر ادھر دیکھا تھا لیکن نہ تو دانش نے اور نہ کامران نے اس جانب توجہ دی۔ دانش نے اسے اپنے سامنے بٹھاتے ہوئے کہا۔

"ہاں دوست! مجھے اپنے دوسرے رخ کے بارے میں بتاؤ۔"

"دوسرا رخ۔"

"میرا مطلب ہے ماضی میں تم کیا تھے؟ اور کیا کرتے رہے ہو۔" کامران اب باہر کے ماحول کا اتنی طرح عادی ہو گیا تھا اور خاص طور سے اس ساری داستان میں جس طرح اسے نئی نئی تبدیلیوں کا سامنا کرنا

پڑا تھا انہوں نے اسے خاصا تیز کر دیا تھا۔ ایک لمحے تک اس نے اپنے بارے میں ایک کہانی گھڑلی اور بولا۔

"کچھ نہیں کرتا رہا ہوں مسٹر دانش۔ بس یوں سمجھ لیجیے کہ ایک ناکام زندگی گزار رہا ہوں۔"

"نہیں ٹالنے والی بات مت کرو۔ تمہارے بارے میں معلومات بہت ضروری ہو گئی ہیں۔ اگر میں تمہارے بارے میں کچھ انکشافات کروں گا تو تم حیران رہ جاؤ گے۔ لیکن وہ وقت سے پہلے ہوں گے۔ پہلے تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ۔"

"بس یہ سمجھیے مسٹر دانش! ایک یتیم خانے میں ہوش سنبھالا تھا۔ والدین کے بارے میں کچھ پتا نہیں تھا۔ تھوڑی زندگی گزارنے کے بعد وہ جگہ چھوڑ دی۔ چھوٹے موٹے جرم کرتا رہا۔ زندگی گزارنے کے لیے جو بھی طریقہ کار ممکن ہوا وہ کیا۔ پھر دل میں خیال آیا کہ تقدیر آزمائی کروں اور ممکن ہے کچھ ایسی چیز ہاتھ لگ جائے۔ جو مستقبل سنوارنے میں مدد دے۔ ایک دوست نے ایک خزانے کے بارے میں بتایا۔ وہ اپنے ساتھ لے کر چل پڑا اور اس نے مجھے پیش کش کی کہ اگر خزانہ حاصل ہو گیا۔ تو وہ اس کا بیس فی صد مجھے بھی دے گا۔ میں تو تھا ہی اس لالچ کا شکار کہ زندگی گزارنے کے لیے کچھ حاصل ہو جائے۔ اس کے ساتھ چل پڑا۔ غیر قانونی طریقے استعمال کیے گئے تھے۔ وہ مارا گیا اور میں ان علاقوں میں بھٹکنے لگا۔ بس یہ کہانی ہے۔"

دانش غور سے کامران کی صورت دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"تو تمہیں اپنے مرکز کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔"

"مرکز!"

"ہاں۔"

"میرا مرکز تو کچھ بھی نہیں ہے۔"

"ہے۔" دانش عجیب سے انداز میں بولا اور کامران سوالیہ انداز میں اسے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

"اگر ہے تو کم از کم میں اس کے بارے میں نہیں جانتا۔"

"مگر میں جانتا ہوں۔" دانش نے کہا اور ایک لمحے کے اندر اندر کامران کو اپنے بدن کے اندر چیونٹیاں رینگتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ وہ سوالیہ نگاہوں سے دانش کو دیکھنے لگا تو دانش نے کہا۔

"ایک منٹ رکو۔" اور اس کے بعد دانش نے اپنے سامان میں سے ایک چرمی بیگ نکالا۔ بیگ کو کھولا۔ اور اس میں سے ایک پیکٹ نکال لایا۔ اس پیکٹ میں کچھ تصویریں تھیں وہ تصویریں نکال کر اس نے کامران کے سامنے کیں اور کامران اس تصویر کو دیکھنے لگا۔

اپنے اعصاب پر قابو پانا مشکل کام ہوتا ہے لیکن کامران کو اب اس میں بھی مشق حاصل ہو گئی تھی اور خاص طور سے دانش جیسے گدھ کے سامنے اپنے تاثرات کو کنٹرول کرنا ناقابل یقین تھا۔ لیکن پھر بھی اس نے اپنی بھرپور کوشش کی اور اپنے چہرے کو سادہ ہی رہنے دیا۔ جو تصویر اسے نظر آئی تھی وہ اینہ سلفا کی تھی۔ لیکن عجیب سے انداز میں وہ ایک ملکہ کا لباس پہنے ہوئے تھی اور اس کے ہاتھ میں ایک سانپ لپٹا ہوا تھا۔ دانش نے کہا۔

"یہ اناطوسیہ ہے۔ ایک انوکھا اور پراسرار کردار جس سے ان علاقوں میں ہماری ملاقات ہو سکتی

ہے بلکہ ملاقات یقینی ہے۔"

"مگر یہ لباس، کیا یہ کہیں کی ملکہ ہے۔"

"زمانہ قدیم کے ان رازوں کی گتھی کھولنا ہی تو اصل مسئلہ ہے اور جب یہ راز کھل جائیں گے تو تم یہ سمجھ لو میرے دوست کہ وقت میں بڑی تبدیلیاں پیدا ہو جائیں گی۔ خیر یہ دیکھو۔" اس نے دوسری ایک تصویر نکال کر کامران کے سامنے کر دی۔ یہ تصویر کافی دھندلی تھی اور یوں لگتا تھا جیسے کیمرے سے نہ بنائی گئی ہو بلکہ کسی فنکار کی نقاشی ہو۔ پہلی تصویر بھی ایسی ہی تھی۔ لیکن اس میں گرشک اور سیتا کو صاف پہچانا جا سکتا تھا۔ اس نے یہ تصویر بھی کامران کے ہاتھ سے لے لی اور پھر آخری تصویر اسے دکھائی اور یہ تصویر خود کامران کی تصویر تھی۔ لیکن ہاتھ سے بنائی ہوئی۔ نقوش میں ہلکی سی تبدیلی تھی لیکن ایک لمحے میں اسے پہچانا جا سکتا تھا۔ کامران ان تصویروں کو دیکھ کر حیرت سے دانش کو دیکھنے لگا پھر بولا۔

"میں ان میں سے کسی کو نہیں پہچانتا۔"

"اسے بھی نہیں۔" دانش نے کامران کی اپنی تصویر کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں میں نے اس شخص کو کہیں نہیں دیکھا۔"

"غور سے دیکھو۔ ایک منٹ۔" وہ پھر اپنی جگہ سے اٹھا اور اس بار اس نے ایک آئینہ نکال کر کامران کے سامنے کر دیا۔

"اس کا کیا کروں۔"

"اپنا چہرہ دیکھو اور پھر اس تصویر کو دیکھو۔" کامران نے اس وقت بہترین اداکاری کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ پھیکی سی ہنسی ہنس کر بولا۔

"ہاں۔ اس کے کچھ نقوش تو مجھ سے ملتے جلتے ہیں مگر......" دانش نے تصویر کامران کے ہاتھ سے لے لی۔

"یہی تو مجھے معلوم کرنا تھا کہ اس کے نقوش تم سے کیوں ملتے ہیں۔"

"ارے کیا آپ مجھ پر کسی قسم کا شک کر رہے ہیں مسٹر دانش۔"

"شک نہیں۔ میں حیران ہو رہا ہوں۔ پہلا کردار ملا ہے مجھے۔ جسے میں برسوں سے تلاش کر رہا ہوں اور وہ تم ہو۔ دیکھو دوست! تمہارا ماضی کچھ بھی رہا ہو۔ تمہاری حیثیت کچھ بھی ہو۔ تم کہہ چکے ہو کہ تمہارا وہ دوست مر چکا ہے جو تمہیں خزانوں کے لیے لے کر یہاں تک پہنچا تھا۔ لیکن میں زندہ ہوں مجھے اپنا ہی دوست تصور کرو۔ میرے ساتھ رہو۔ یوں سمجھ لو مسٹر نیل کروچ کی اس ٹیم میں تم میرے ساتھ ہو۔ خزانہ میں تمہیں دوں گا۔"

"اگر ایسی بات ہے مسٹر دانش! تو آپ مجھے اپنے بہترین جانثاروں میں پائیں گے۔ میں زندگی کی پروا نہیں کرتا۔ لیکن اگر ضرورت پیش آئی۔ تو میں آپ کے لیے زندگی کی بازی لگا دوں گا۔"

"پھر ہاتھ ملاؤ آج سے تم میرے ساتھی ہو۔" دانش نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا تو کامران نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اچانک ہی اسے محسوس ہوا۔ جیسے ہاتھ برف کی طرح سرد ہے۔ بلکہ اور بے

جان جیسے کسی زندہ انسان کا ہاتھ ہی نہ ہو۔

اس نے اعصاب پر قابو پانا سیکھ لیا تھا اور اب وہ ہر قسم کا شاک بہ آسانی برداشت کر سکتا تھا۔ دانش بہت مطمئن نظر آنے لگا۔ پھر بولا۔

''مجھے یہاں کچھ ایسے لوگوں کی تلاش ہے جو ان خزانوں کی تلاش میں نکلے ہوئے ہیں۔ ان کے پاس بہترین نقشے اور بہترین ذرائع ہیں۔ میرے اصل حریف وہی ہیں۔ گو میں ان کے بارے میں بہت زیادہ نہیں جانتا۔ لیکن بہرحال تھوڑی بہت معلومات مجھے ان کے بارے میں ہیں۔ چنانچہ میں ان کے راستے روکتا ہوں گے۔ میرے کچھ ساتھی جو میرے لیے بڑی تقویت کا باعث ہیں آ چکے ہیں اور میں نے انہیں ان کی تلاش میں روانہ کر دیا ہے۔ تم نے گورڈن، ہیک اور بوکر کو دیکھا ہوگا۔ یہ تین افراد ہیں لیکن میں انہیں تمہیں بتا رہا ہوں۔ خاص طور سے گورڈن وہ بے مثال شخصیت کا مالک ہے۔ اس نے اپنی زندگی میں اتنے قتل کیے ہیں کہ وہ خود گن کر نہیں بتا سکتا۔ خیر میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔ تمہاری جانب میں اس لیے متوجہ ہوا تھا کہ تم مجھے اس تصویر سے مشابہ نظر آئے ہو۔ مجھے شبہ ہے کہ ناطوسہ بھی آ گئی ہے اور گورڈن اسی کی تلاش میں نکلا ہوا ہے۔ اب تم ایسا کرو۔ اپنے معاملات جاری رکھو لیکن زندگی کی ہر مشکل کو بھول جاؤ۔ میرے ساتھی ہو۔ میں ہر طرح تمہارا خیال رکھوں گا۔''

''بہت بہت شکریہ۔ آپ نے مجھے بڑی تقویت دی ہے مسٹر دانش! اور آپ دیکھیں گے کہ میں واقعی آپ کا بہترین ساتھی ثابت ہوں گا۔''

''مجھے یقین ہے۔'' دانش نے ایک بار پھر اس سے ہاتھ ملایا اور پھر دونوں وہاں سے اٹھ گئے۔

پھر اس کے بعد کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ البتہ محترمہ ریٹا گروچ آ گئیں۔ اور کامران سے فلسفہ بگھارنے لگیں۔

''میں نہیں سمجھتی کہ تمہارا نظریہ کیا ہے۔ اصل میں ہم کسی بہت خوب صورت چیز میں بدنما شے کو منسلک کر دیتے ہیں۔ میں تم سے بہت متاثر ہوں اور چاہتی ہوں کہ اس خشک اور ویران سفر میں تم میرے حقیقی ساتھی بن جاؤ۔''

''مجھے بتاؤ بھی ریٹا کہ یہ تمام لوگ ان جنگلوں میں کیوں بھٹک رہے ہیں۔''

''بس دیوانگی ہے، دیوانگی اور کچھ نہیں...... یہ سب دنیا کی ہر چیز سے مالا مال ہونے کے باوجود اور دولت کمانا چاہتے ہیں اور یہ خود بھی نہیں بتا سکتے کہ وہ اس دولت کا کیا کریں گے۔ میں تو یہ کہتی ہوں کہ تم ان لوگوں کا ساتھ چھوڑ دو۔ تم اپنی مرضی سے جیو میں تمہیں پسند کرنے لگی ہوں۔ یوں سمجھ لو میں تمہیں ہر چیز دوں گی۔ زندگی بہترین ہو جائے گی۔''

''دیکھتے ہیں کہ ہم آگے کیا کر سکتے ہیں۔'' کامران نے بات کو ٹالنے کی کوشش کی۔

بہرحال اس کے بعد یہاں سے آگے نکلنے کا فیصلہ کیا اور خیمے وغیرہ اکھاڑ کر سفر کا آغاز کر دیا۔ وقتِ گھڑی سے آگے کے سفر کا اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ اب کہاں جا رہے ہیں۔ لیکن محترمہ ریٹا گروچ نے بہ دستور کامران پر سواری کا نظر رکھی تھی وہ کامران کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی اور باہر کے مناظر سے لطف اندوز

ہو رہی تھی۔ ہمالیہ کی برف پوش چوٹیاں آسمان کی بلندیوں کو چھوتی ہوئی نظر آ رہی تھیں اور ان کے دامن میں ہنگلز وہاں راز مدفون تھے اس وقت یہ لوگ جس سڑک سے گزر رہے تھے وہ کافی کشادہ اور خوب صورت بنی ہوئی تھی۔ دونوں طرف کھیتوں کا سلسلہ پھیلا ہوا تھا اور ان کے پس منظر میں درختوں کے جھنڈ نظر آ رہے تھے۔ سرسبز و شاداب علاقہ جو نگاہوں کو خود میں جذب کر لیتا تھا۔

روانہ ہونے سے قبل دانش نے کامران کو ایک جدید ساخت پستول دیا اور کہا تھا

''یہ وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہوتی ہے اور اس سے بڑی تقویت رہتی ہے۔ تم خود سمجھ دار لڑکے ہو۔ جانتے ہو کہ ہتھیار کب اور کس جگہ استعمال کیے جاتے ہیں۔ کامران کو واقعی اس سے تقویت حاصل ہوئی تھی۔ پورے دن سفر جاری رہا۔ جگہ جگہ خانقاہیں نظر آتی تھیں کئی چھوٹی چھوٹی بستیاں اس سڑک کے کنارے آباد تھیں۔ پتا نہیں یہ سڑک کہاں جاتی ہوگی۔ اس کے بارے میں کم از کم کامران کو کچھ معلوم نہیں تھا۔

طے یہ کیا گیا تھا کہ اس کے بعد تنگولیا تک پہنچا جا سکتا ہے۔ پورا دن سفر جاری رہا تھا اور اس کے بعد تاریکی آہستہ آہستہ جھکتی چلی آئی تھی۔ مسٹر نیل گروچ راستے کے بارے میں بتاتے جا رہے تھے۔ انہوں نے کامران سے کہا۔

''اور اس کے بعد ہمارا سفر اس خانقاہ تک جاری رہے گا جو تنگولیا کے دروازہ سمجھی جاتی ہے۔ میں تمہیں اس خانقاہ کے بارے میں بتاؤں ہر ایک گھاٹی سے گزرنے کے بعد کسی قدر بلندی کا سفر کرتی نظر آئے گی۔ یہ خانقاہ ان علاقوں میں بڑی حیثیت رکھتی ہے اور زائرین یہاں کافی تعداد میں آتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی وہ لوگ بھی جو اس قسم کے معاملات میں دلچسپی لیتے ہیں۔''

بہرحال اس کے بعد کا سفر خاصی تیزی سے طے کیا گیا تھا اور پھر روشنیاں نظر آنے لگیں۔ یہ خانقاہ ہی کی روشنیاں تھیں اور ان کے آگے زائرین کے کیمپ لگے ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے بھی یہیں قیام کیا اور یہاں کی رونق دیکھنے لگے۔ کھانے پینے کا بندوبست بھی کیا گیا اور پھر اچانک ہی ریٹا گروچ کامران کے پاس آ گئی۔

''ہم اس خانقاہ کا جائزہ لیں گے مجھے بدھ بھکشوؤں کی عبادت بڑی پسند آئی ہے۔ تمہیں بھی واقعی بہت لطف آئے گا۔ آؤ میرے ساتھ۔'' اور کوئی کام تو تھا نہیں کامران کچھ ذہنی الجھنوں کا شکار تھا۔ چنانچہ وہ ریٹا گروچ کے ساتھ چل پڑا۔

اندر پوجا پاٹ ہو رہی تھی۔ روشنی کے لیے بہت سی مشعلیں اور لیمپ جلائے ہوئے تھے۔ انتہائی خوب صورت سرخ قالین بچھا ہوا تھا۔ اس سرخ قالین سے گزرتے ہوئے وہ لوگ اندر پہنچ گئے۔ وسیع و عریض ہال میں چربی کے سینکڑوں لیمپ روشن تھے۔ دیواروں کے ساتھ لگے ہوئے مشعلوں کے شعلے بہت خوف ناک منظر پیش کر رہے تھے۔ فضا میں ہر سمت عود و عنبر کی خوشبو بھی پھیلی ہوئی تھی۔ جس سے ہوا بھاری ہو رہی تھی۔ دیواروں میں لگے ہوئے طاقچوں میں رکھے ہوئے عجیب عجیب بتوں کی شکلیں ہر سمت سے گھور رہی تھیں۔ سرخ قالین ہر جگہ بچھا ہوا تھا جدھر بھی جاؤ ادھر سے ہی گزرنا ہوتا تھا۔ آخرکار یہ دونوں بہت سی محرابوں سے گزرتے ہوئے اس جگہ پہنچے۔ جہاں سترہ لاماؤں کے رنگین پتلے دیوار کے سہارے ایستادہ

تھے۔ ان کے گرد عبادت کے جھنڈے لگے ہوئے تھے۔ یہ جھنڈے ان سابق لاماؤں کے تھے۔ جو ابتدا سے اب تک ان عظیم خانقاہوں میں حکومت کرتے رہے تھے۔ بھجن کی آوازیں کانوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ سات چھریوں والے دروازے کو عبور کرنے کے بعد کامران اور ریٹا گروچہ اندر داخل ہوگئے۔ یہ بڑی عبادت گاہ کا دروازہ تھا۔ یہاں کچھ لامہ ایک قطار میں مہاتما بدھ کے سامنے سجدہ ریز تھے۔ ذہنی میں خانقاہ کا بڑا لامہ بھی تھا۔ گوتم بدھ کا بت سنگ مرمر کے ایک بڑے چبوترے پر رکھا ہوا تھا۔ اس کے نیچے ایک چوڑا سا زینہ تھا۔ جس پر بہت سے لامہ پیشانی جھکائے عبادت میں مصروف تھے۔ سونے کا بنا ہوا یہ بدھ انسانی قد سے بھی بڑا تھا۔ وہ اپنا ہاتھ سینے پر دل کے قریب رکھے ہوئے تھے اور اس کی ہتھیلیاں اوپر کی طرف اٹھی ہوئی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی ایک بڑی تختی پر مہاتما بدھ کی تاریخ لکھی ہوئی تھی اور ان کی تعلیمات کے بارے میں بھی اقوال تھے۔ کافی دیر تک یہ لوگ وہاں کا جائزہ لیتے رہے اور اس کے بعد ریٹا نے کہا۔

"ذہن پر کیسا بوجھ سا طاری ہوگیا ہے۔ کیا تم بھی میری ہی جیسی کیفیت محسوس کر رہے ہو۔"

"ہاں آؤ.....چلیں۔"

"چلو......" اور اس کے بعد یہ لوگ وہاں سے چل پڑے اور اپنی جگہ پہنچ گئے۔

"پتا نہیں۔ کیا ہوگیا ہے۔ ذہن کچھ بوجھل بوجھل سا لگ رہا ہے۔ میں نہیں جانتی تمہاری کیا کیفیت ہے۔"

"میں بھی آرام ہی کرنا چاہتا ہوں۔" کامران نے کہا پھر دونوں الگ الگ ہوگئے۔ دوسرے دن صبح ہی صبح کچھ ہنگامی سی کیفیت میں یہاں سے روانگی کا فیصلہ کیا گیا اور سب لوگ چل پڑے۔ یہ سفر کچھ عجیب سے انداز میں کیا جا رہا تھا۔ لگ رہا تھا جیسے کوئی اہم فیصلہ کیا گیا ہو۔ والش اب کامران کا اچھا دوست بن چکا تھا اور اس وقت اس نے اسے اپنے ساتھ رکھا تھا کہنے لگا۔

"اب تم اپنے آپ کو میرے ساتھیوں میں تصور کرو اور میرا ہی ساتھ اپنائے رکھو۔ ہوسکتا ہے دوسرے لوگوں کو اس کا احساس ہو لیکن پروا کی ضرورت نہیں ہے۔ کسی کو اگر احساس ہوتا ہے تو ہونے دو۔ کیونکہ مستقبل میں ہم دونوں ہی کو آگے کے معاملات طے کرنا ہوں گے۔ ویسے نیل گروچہ کی بیٹی تمہارے ساتھ لگی ہوئی ہے۔ ہوشیار رہنا کوئی ذاتی بات اس سے کبھی نہ کہنا۔" کامران نے اس سلسلے میں خاموشی ہی اختیار کی تھی۔

بہرحال سفر جاری رہا اور اس کے بعد یہ تمام لوگ ننگولیا پہنچ گئے۔ ننگولیا جدید ترین شہر تھا یہاں ان لوگوں نے قیام کے لیے ایک مناسب جگہ تلاش کی حالانکہ یہاں ہوٹل وغیرہ بھی تھے۔ اس کے علاوہ ایک رنگا رنگ زندگی غیر ملکی سیاحوں کی ٹولیاں بھی یہاں نظر آرہی تھیں۔ کامران نہیں جانتا تھا کہ ننگولیا کی کوئی خاص اہمیت بھی ہے۔

بہرحال قیام کرنے کے بعد کافی دیر تو اسی طرح گزر گئی اس کے بعد اچانک ہی والش کامران کے پاس آیا اور خاصے کرنسی نوٹ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔

"بغیر کسی تعرض کے انہیں رکھ لو اور بازار جا کر اپنے لیے خریداری کرلو۔ یہاں بہت سی ایسی

چیزیں مل جائیں گی۔ جو تمہاری ضرورت کے مطابق ہوں گی۔ اب جب تم میرے آدمیوں میں شامل ہو تو پھر اس سے گریز کرنا یہ احساس دلاتا ہوگا کہ تم نے دل سے مجھے اپنا دوست قبول نہیں کیا ہے۔"

"ایسی بات نہیں ہے مسٹر والش! آپ کا بے حد شکریہ۔ واقعی میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔"

"اوکے۔ اوکے۔" والش چلا گیا لیکن کامران اس کے بارے میں سوچنے لگا۔ صوفی صدی عجیب و غریب شخص تھا۔ جس کے بارے میں قزل ثنائی نے کامران کو تفصیل بتائی تھی۔ یا پھر اس کی کہانی سنائی تھی۔ کردار واقعی پراسرار تھا۔ لیکن کامران کے ساتھ وہ جس انداز میں پیش آرہا تھا۔ وہ تو بہت بہتر انداز تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ جب وہ پٹڑی سے اترے گا۔ تو کامران پٹڑی بدل لے گا۔ عارضی طور پر ان لوگوں کا سہارا بہت بہتر ثابت ہوا تھا کیونکہ کرنل گل نواز کی غلط پلاننگ نے کامران کو مصیبت میں ڈال دیا تھا۔ ویسے بہت سی پراسرار باتیں ہو رہی تھیں اور کامران سوچ رہا تھا کہ پتا نہیں اس پراسرار ماحول سے گلوخلاصی ملنے کی باتیں۔ بہت سے کردار اس کے پیچھے لگ گئے تھے۔ جن لوگوں کو پیچھے چھوڑ آیا تھا وہ تو الگ بات تھی۔ لیکن ریٹا گروچہ، والش وغیرہ وغیرہ۔

غرض یہ کہ یہ ساری چیزیں ذہن میں رکھنا تھیں۔ وہ ننگولیا نکل گیا۔ شہر نگاہوں کے سامنے تھا ملے جلے لوگ نظر آرہے تھے۔ جن میں مختلف رنگوں اور نسلوں کے لوگ تھے۔ ہندوؤں کی تعداد کچھ زیادہ معلوم ہوتی تھی۔ تلک لگائے دھوتی میں ملبوس ہندو اور پگڑی والے سکھوں کی بہتات تھی مخصوص لباسوں والے پٹھان بھی نظر آجاتے تھے۔ ماحول میں اتنی اجنبیت نہیں تھیں جتنی دوسرے چھوٹے علاقوں میں۔ عمارتیں خوب صورت اور کئی کئی منزلہ تھیں۔ ٹیکسیاں، ہاتھ سے کھینچنے والے رکشے جن میں انسان جانوروں کی جگہ جتے ہوتے تھے اور بہت سی دوسری سواریاں۔ کامران چلتا رہا اور پھر نہ جانے کتنے راستوں سے گزرتا ہوا ایک بازار میں آگیا۔ جدید دکانیں اور شوروم بکھرے ہوئے تھے۔ جنرل اسٹور جہاں شوکیسوں میں جدید تراش کے سوٹ لٹکے ہوئے تھے اور ضرورت کی بہت سی اشیاء موجود تھیں۔ کامران ایک اسٹور میں اندر داخل ہوگیا۔ ایک خوب صورت سی مقامی لڑکی نے اس کا استقبال کیا۔ وہ بہترین انگریزی بول رہی تھی۔ اور اس نے اس سے کامران کی ضرورت کے بارے میں پوچھا۔

پھر اسٹور ہی میں اس نے نیا لباس بھی تبدیل کرلیا تھا۔ باقی چیزیں خوب صورت اٹیچی کیس میں رکھی ہوئی اس کے ہاتھ میں موجود تھیں۔ انگریزی بولنے والی لڑکی سے کامران نے بہت دیر تک گفتگو کی تھی۔ اور پھر اچانک ہی اس کے ذہن میں کچھ تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں۔ والش نے اسے جو رقم دی تھی۔ وہ بہت کافی تھی اور اس سے بہت کچھ کیا جاسکتا تھا۔ یعنی یہاں سے فرار کا انتظام بھی۔ بے شک یہ ایک غیر اخلاقی حرکت ہوتی۔ کیونکہ والش نے اسے اپنی مقصد برداری کے لیے یہ رقم دی تھی۔ لیکن دنیا یہی کرتی ہے۔ یہاں سے کسی طرح باہر نکلنے کی کوشش کی جائے کرنل گل نواز کا تصور اب ذہن سے نکال دینا ہی بہتر ہوگا۔

بہرحال اس کے بعد وہ آگے بڑھتا رہا اور پھر اسے ایک خوب صورت سا ہوٹل نظر آیا۔ اور وہ ہوٹل میں داخل ہوگیا۔ ہوٹل کی ایک جھلک دیکھ کر ہی دل خوش ہوگیا تھا۔ اس میں لان کی جگہ جھیل بنائی گئی تھی۔ جس میں بہت ہی خوب صورت کشتیاں تیر رہی تھیں۔ کشتیوں میں چھوٹے چھوٹے مکان بنے ہوئے

تھے۔ جھیل کی وسعتوں میں احاطہ بنایا گیا تھا۔ جس میں ایک جگہ کھڑے ہو کر دوسری طرف کی دیوار نظر نہیں آتی تھی۔ اصل عمارت جھیل کے مشرقی گوشے میں تھی۔ جو چھ منزلہ تھی۔

ہوٹل بے انتہا شاندار تھا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ مہنگا نہیں تھا۔ کامران نے وہاں ایک کمرا حاصل کر لیا پورے ہوٹل میں چپٹی ناک والی لڑکیاں ویٹر کی حیثیت سے کام کرتی نظر آ رہی تھیں۔ جس بیٹر نے کامران کو کمرے تک پہنچایا تھا۔ وہ بھی لڑکی ہی تھی۔

بہرحال نیا خریدا ہوا سامان سجا کر وہ چلی گئی۔ کامران نے اسٹور سے خاصی بہتر خریداری کی تھی۔ چنانچہ شیونگ کا سامان لے کر وہ باتھ روم میں داخل ہو گیا اور ٹب میں جی بھر کر نہایا ایک انوکھی فرحت کا احساس ہو رہا تھا۔ ابھی ذہن کو ہر خیال سے آزاد کر دیا تھا۔ اس کے بعد اس نے کھانے پینے وغیرہ کے لیے چیزیں طلب کیں اور اس دنیا کے تمام مسئلوں کو بھول کر آرام کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کھانے پینے سے فراغت حاصل کر کے وہ بستر پر لیٹ گیا کہ پہلے ایک گہری نیند لے لی جائے اس کے بعد دیکھیں گے اور سوچیں گے کہ آگے کیا کرنا ہے۔ منگولیا سے یہ معلومات حاصل کی جائیں گی کہ اپنے وطن واپسی کے لیے کیا بندوبست کیا جائے گا۔ یا پھر یہاں کسی ایسے علاقے میں اپنے لیے کس طرح جگہ نکالی جا سکتی ہے۔ یہ دیکھا تھا کامران نے کہ یہاں ہندو، سکھ اور پٹھان وغیرہ نظر آتے ہیں۔ یقیناً اس بین الاقوامی شہر میں اس کے لیے بھی کوئی نہ کوئی جگہ نکل آئے گی۔ اور پھر اتنا وقت یہاں قیام کر کے جب اس کی ذات دوسروں کی نگاہوں سے اوجھل ہو جائے گی تو ایک بار پھر یہاں سے نکلنے کی کوشش کرے گا۔ کیونکہ یہ بات تو ظاہر تھی کہ دیارِ غیر میں دل لگانا دنیا کا مشکل ترین کام ہوتا ہے۔ جانا تو ہو گا ہی لیکن ایک نئی حیثیت سے اپنے وطن میں داخل ہو گا اور دیکھے گا کہ اس کا کیا مقام ہو سکتا ہے۔

بہت سے خیالات دل میں آ رہے تھے۔ دانش ایک خطرناک شخصیت تھی خاص طور سے اس کے ساتھی گورڈن وغیرہ۔ دانش کے ارادوں کا ابھی صحیح طرح اسے پتا نہیں چلا تھا۔ یہ بات بھی اس نے خود ہی بتا دی تھی کہ وہ زبردستی نیل کروچ کے گروہ میں داخل ہوا ہے۔ دانش نے اسے اعتماد کر کے آزادی تو دے دی تھی۔ لیکن کیا وہ اس کی گمشدگی پر کچھ بھاگ دوڑ کرے گا۔ یہ خیال بھی کئی بار دل میں آیا تھا اور وہ سوچنے لگا تھا کہ پتا نہیں کیا صورتحال پیش آئے۔

بہرحال شام کو سات بجے سو کر اٹھا طبیعت ہشاش بشاش تھی۔ منہ ہاتھ دھو کر لباس تبدیل کیا اور کمرے میں تالا لگا کر نچلی منزل کی طرف چل پڑا۔ پھر وہاں سے باہر آ کر جھیل سے باہر دیکھنے لگا۔ کمال کی جگہ بنائی تھی یہ، چھوٹے چھوٹے مکانات جھیل میں تیر رہے تھے ویٹرس لڑکیاں ان پر موجود مہمانوں کے لیے کھانے پینے کی اشیا لے کر جا رہی تھیں۔ بڑی جدت کی گئی تھی اور قیام کرنے والوں کو حسین ماحول مہیا کیا گیا تھا۔ بہت سے لوگ جھیل کے کنارے بھی چہل قدمی کر رہے تھے اور صرف دوسروں کی تفریحات سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ پھر کچھ لمحوں کے بعد ایک تیرتا ہوا مکان ساحل سے اس کے پاس آ لگا۔ اور ویٹرس لڑکی اس سے اتر کر اس کے پاس آ گئی۔

"ایکس کیوزمی سر! کیا آپ نمبر سات پر جانا پسند کریں گے۔"

"کیوں خیریت۔ کیا بات ہے۔" کامران نے بھی انگریزی میں کہا۔

"وہاں آپ کو بلایا جا رہا ہے۔"

"کون ہے وہاں۔"

"پتا نہیں۔ بس ایک خاتون ہیں جو آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔"

"کوئی نام نہیں بتایا انہوں نے۔"

"نہیں...... انہوں نے آپ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ میں انہیں آپ کا میسج دے دوں۔"

"ٹھیک ہے۔" کامران نے جواب دیا اور سوچ میں ڈوب گیا۔ ویٹر انتظار میں کھڑی ہوئی تھی اچانک ہی وہ بولی۔

"سر! آپ نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا۔"

"اوہ سوری۔ کیا تم مجھے وہاں تک پہنچا سکتی ہو۔"

"جی سر! آیئے۔" اس نے گردن خم کر کے کہا اور کامران اس کشتی پر سوار ہو گیا۔ جس سے اتر کر لڑکی یہاں آئی تھی۔ کشتی سست روی سے پانی کے سینے پر تیرنے لگی۔ ایک لمحے کے لیے کامران کے ذہن میں خیال آیا تھا کہ ممکن ہے ہو رینا گروچ ہو اور اس طرح مجھے سرپرائز دینا چاہتی ہو۔ وہ سات نمبر کی اس کشتی کو دیکھ رہا تھا اور کچھ لمحوں کے بعد وہ اس کشتی پر پہنچ گیا۔ کشتی پر بنی ہوئی جھونپڑی کے دروازے پر کوئی کھڑا ہوا تھا۔ لیکن اسے دیکھ کر کامران پر ایک بار پھر بم سا پھٹا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے جھونپڑی کے دروازے پر کھڑی ہوئی سیتا کو دیکھ رہا تھا۔ جو جدید لباس اور جدید انداز میں حلیہ بنائے انتہائی پرکشش لگ رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر مدھم سی مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ تیکھے نقوش کی لڑکی میں ایک عجیب سی کشش محسوس ہو رہی تھی۔ سیتا اس طرح یہاں نظر آئے گی۔ یہ کامران کے تصور میں بھی نہیں تھا۔

بہرحال وہ اس کشتی پر اتر گیا۔ سیتا آگے بڑھی اور اس نے بہت ہی پرکشش لہجے میں کہا۔

"پاتال پرمتی! معافی چاہتی ہوں آپ کو اس طرح بلانا میری اوقات سے باہر کی بات ہے لیکن آپ براہ کرم آیئے۔" کامران حیران حیران سا آگے بڑھ گیا اور وہ اسے جھونپڑی میں لے گئی۔ جھونپڑی باہر سے تو اتنی اچھی نظر نہیں آتی تھی لیکن اندر سے اس کی ڈیکوریشن قابل دید تھی۔ سیتا نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ بیٹھیے...... براہ کرم بیٹھیے۔" وہ ٹوٹی پھوٹی اردو بول رہی تھی لیکن اس کی اردو اس وقت بڑی اچھی لگ رہی تھی کہ بیان سے باہر ہے۔ جھونپڑی میں گرشک موجود نہیں تھا اس کا مطلب تھا کہ وہ اکیلی ہے حیرانی سے کچھ اس طرح اعصاب میں کشیدگی ہو گئی تھی کہ کامران کو بیٹھنے ہی میں عافیت نظر آئی۔ وہ بیٹھ کر سیتا کی صورت دیکھنے لگا۔ سیتا اس وقت قیامت نظر آ رہی تھی۔ انتہائی خوبصورت لیکن مقامی طرز کا لباس تھا۔ ویسے تو وہ بلاشبہ بے حد پرکشش لڑکی تھی اور پھر گرشک اور سیتا کی ورزش بھی دیکھ چکا تھا۔ سیتا اس وقت زیادہ کھل کر اس کے سامنے آئی تھی۔ کامران خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر اچانک ہی اس کے اندر ایک عجیب سی کیفیت ابھر آئی۔ اس نے سیتا سے کہا۔

''گرشک کہاں ہے؟''

''وہ میرے ساتھ نہیں ہے پاتال پرمتی!''

''سیتا! میں نہیں جانتا کہ تم گرشک کے بغیر مجھ سے بات کرنا پسند کروگی یا نہیں۔ لیکن تم نے مجھے یہاں بلایا ہے اور میں تمہارے کہنے سے یہاں پر آیا ہوں۔ تم یقین کرو اگر میں تمہیں دیکھ نہ لیتا اور تم مجھے نہ بلاتیں تو میں تمہارے پاس نہیں آتا۔'' کامران سیتا کا چہرہ بھی دیکھتا جا رہا تھا اور اس کے تاثرات کا اندازہ بھی لگاتا جا رہا تھا۔ اسے یوں لگا جیسے ان الفاظ پر سیتا کا چہرہ اتر گیا ہو۔

بہر حال اتنا اندازہ تو کامران کو ہو چکا تھا کہ نہ سیتا ذہنی طور پر کمتر ہے نہ گرشک۔ انہوں نے کرنل گل نواز کے پاس جیسا بھی وقت گزارا ہو۔ یا پھر سیتا کی برسات کے دنوں میں جس طرح بھی ذہنی کیفیت بگڑ جاتی ہے۔ لیکن اس کے بعد جو واقعات سامنے آئے تھے۔ انہوں نے کامران کو یہ احساس دلا دیا تھا کہ نہ تو سیتا کوئی معمولی شخصیت ہے اور نہ ہی گرشک مگر یہ دونوں کیا ہیں ابھی تک یہ بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ سیتا بہر حال ایک خوب صورت لڑکی تھی۔ نوجوان تھی۔ یہ الفاظ تو اس کے لیے دکھ کا باعث تو بنتا ہی تھے۔ کامران نے فوراً ہی کہا۔

''اور اس کی وجہ جب تک تم معلوم نہیں کروگی۔ میں نہیں بتاؤں گا۔'' سیتا نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا پھر بولی۔

''اور اگر میں معلوم کروں تو؟''

''تو میں بتا دوں گا۔'' کامران نے مسکرا کر کہا اور سیتا کے چہرے کی وہ اداسی ایک دم دور ہوگئی۔ جو کامران کے انداز سے پیدا ہوگئی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

''تو بتاؤ۔''

''سیتا! نہ جانے کیوں کتنی ہی بار مجھے یوں لگا۔ جیسے تم اور گرشک مجھ پر کچھ اعتبار کرتے ہو۔ میرے دل میں تمہارے لیے ایک گنجائش ایک دوستی کا جذبہ پیدا ہوا۔ لیکن تم دونوں اس طرح مجھ سے دور رہے کہ میں اپنی دوستی کا اظہار نہیں کر سکا سیتا! میں تمہارے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔''

''پاتال پرمتی! بعض کہانیاں تاریخ کے جھروکوں سے جھانکتی ہیں۔ پاتال پربھو...... میں آپ کی داسی ہوں۔ آنے والا وقت اپنے پردے خود ہٹاتا چلا جائے گا۔ ہم ان پردوں کے پیچھے سے جھانک رہے ہیں۔ ہمیں اجازت نہیں ہے کہ ہم آگے کی بات بتا دیں۔ لیکن پاتال پرمتی! ہم آپ کے محافظ ہیں یوں سمجھ لیجیے کہ ہم دونوں کو یہ ذمے داری سونپی گئی ہے کہ ہم آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچنے دیں۔ پاتال پرمتی...... ستی پرکھنا...... پاتال کی گہرائیوں میں سو رہی ہے اور جس کے ساتھ ایک قوم کی تقدیر بھی سو رہی ہے۔ آپ کے قدموں کی آہٹ سے جاگے گی اور آپ کا رخ اس طرف ہو گیا ہے۔ ہمیں حفاظت دینے والوں کو وہ ملے گا جس کے وہ خواہش مند ہیں اور آپ کو پاتال سنگھاسن۔ پاتال پرمتی! پرم پرکھنا...... یہ تو تاریخ ہے اور ہر ورق جب کھلے گا۔ تب ہی اصل بات سامنے آئے گی۔ میں اور سادھان سروتی، گرشک آپ کے لیے آنکھوں کے دروازے کھولے ہوئے ہیں۔''

''گویا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ تم ہر جگہ میری حفاظت کر رہی ہو۔ میں تو اسی بات پر حیران ہوں کہ تم اور گرشک آخر کون سے راستوں سے سفر کر رہے ہو۔''

''یہی ساری باتیں وہ ہیں جو ابھی بتانے کی اجازت نہیں ہے اور اگر ہم نے زبان کھول دی تو ہمارا وجود باقی نہیں رہے گا۔ ہماری زندگی کی کہانی ہماری زبان کے پیچھے ہے اور ہمیں یقین ہے پربھو کہ آپ ہمیں جینے کا موقع دیں گے۔ ہم تو آپ کے غلام ہیں۔''

''مگر میں تمہیں ایک بات بتاؤں سیتا میں واپس جانا چاہتا ہوں۔''

''نہیں پرم پربھو...... پرم پرکھنا...... آپ کو چاہنے والوں کی نگاہیں تو آپ پر لگی ہوئی ہیں وہ لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔''

''سیتا! تمہیں معلوم ہے کہ کرنل گل نواز نے مجھے ان علاقوں میں بھیجا تھا میرا ایک ساتھی تھا جو راستے میں بچھڑ گیا اور نتیجہ اس کی کوئی خبر نہیں ملی۔ اب اس کے بعد مجھے نہیں معلوم کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ میں بھٹک رہا ہوں۔''

''نہیں پربھو! آپ تو ان سب کی رہنمائی کر رہے ہیں۔ وہ آپ ہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ اگر ان کے دماغ یہ بات نہیں جانتے کہ آپ ان کے لیے کیا کر رہے ہیں تو یہ تو ان کی کم نظری ہے اور یہی ضروری بھی ہے۔ پربھو! یہ آدمی بھی تاریخ کا ایک کردار ہے باقی لوگ صرف آپ کے ہم سفر ہیں۔ لیکن پربھو ابھی آپ کو ان کے ساتھ رہنا ہے۔''

''کون؟'' کامران نے سوال کیا اور سیتا نے گردن جھکا لی کچھ دیر وہ سوچتی رہی اور پھر بولی۔

''ہو سکتا ہے پربھو! ہم روشنی لے کر آئیں اور اس وقت ہم آپ کو کچھ بتانے کے قابل ہو سکیں، میں بس آپ سے یہ کہنے آئی ہوں کہ سفر جاری رکھیں بددل نہ ہو۔ یہ سفر ہی آپ کے جیون کا ایک حصہ ہے۔ آپ اگر واپس بھی جانا چاہیں گے تو جا نہیں سکیں گے پربھو! کیونکہ بہت سی قوتیں پرم پرکھنا آپ کی نگرانی کر رہی ہیں آپ بہت سے دلوں کو روشن کرنے والوں میں سے ہیں۔ میں آپ کے پاس آتی رہوں گی۔ پربھو! اپنے آپ کو سنبھال کر رکھیں۔ وہ آپ کے سامنے آئے گی۔ بہت جلد آئے گی۔ لیکن پربھو! اس وقت تک اپنے آپ کو سنبھالے رکھیں یہ ضروری ہے۔''

''تمہاری ایک بات بھی میری سمجھ میں نہیں آ رہی سیتا!''

''آ جائے گی پربھو! سمجھ میں آ جائے گی آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتائیے۔''

''میں نے کہا نا میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں۔'' سیتا نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا اور نہ جانے کیوں کامران کو یہ احساس ہوا کہ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے قطرے چمک رہے ہیں۔ پھر اس نے جلدی سے رخ بدل لیا اور بولی۔

''نہیں پربھو آپ یہ کوشش نہ کریں۔ صرف وقت ضائع کریں گے اور کچھ نہیں ہوگا۔''

بہر حال سیتا بہت دیر تک اس سے باتیں کرتی رہی کامران کو ایک عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ پیچھے بہت سے کردار چھوڑ آیا تھا۔ فرخندہ اور ثانیہ بھی تھیں۔ خاص طور سے ثانیہ جو شاد نواز کی بہن اور گل نواز

کی بیٹی تھی۔ کبھی کبھی اس کے چہرے سے ایک نقاب سا ہٹ جاتا تھا اور اس وقت اس کی آنکھوں میں جو کچھ نظر آتا تھا۔ اس کی پذیرائی کسی بھی طور کامران کے لیے ممکن نہیں تھی۔ کیونکہ وہ وفا کا پتلا تھا اور نمک حلال کو اپنے وجود کا ایک حصہ سمجھتا تھا۔ اس کے بعد محترمہ عروسہ تھیں مرزا خاور بیگ کی بگڑی ہوئی بیٹی، جس کا خیال تھا کہ ایک معمولی سے آدمی کو بہ آسانی خریدا جا سکتا ہے۔ لیکن ان لوگوں نے کامران کو معمولی سمجھ لیا تھا۔ جب کہ وہ معمولی تھا نہیں۔ پھر یہ محترمہ ریٹا گر، جو آ گئی تھیں۔ مزے کی بات تھی۔ لیکن سیتا ان سب سے ایک مختلف حیثیت رکھتی تھی۔ اس کی آنکھوں کے چھلکتے ہوئے آنسو بڑی دکھ بھری کہانی پیش کر رہے تھے۔

پھر کچھ دیر کے بعد سیتا نے اسے رخصت کر دیا۔ چلتے ہوئے اس نے یہی کہا تھا کہ اپنے آپ کو سنبھالے رکھے واپسی کے راستے بند ہیں۔ اس بات پر کامران بہت دیر تک پریشانی کا شکار ہو رہا تھا لیکن بہرحال اس کی واپسی دانش کے پاس ہی ہوئی تھی۔ دانش اپنے کام میں مصروف تھا اس نے کامران کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”مجھے خوشی ہوئی ہے کہ تم نے اپنے آپ کو اس ماحول میں ضم کر لیا ہے یہی ضروری تھا تمہارے لیے اور یہی تمہیں فائدہ بھی دے گا۔ ویسے میں بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہا تھا آؤ بیٹھو...... کوئی اور کام تو نہیں ہے اب تمہیں۔“

”آپ جانتے ہیں مسٹر دانش کہ مجھے تو کوئی بھی کام نہیں ہے بس وقت گزر رہا ہے اور میں وقت کی کہانیوں میں الجھا ہوا ہوں۔“

”نہیں وقت برا نہیں ہے تم بہت صحیح سمت جا رہے ہو زندگی میں حالات دو ہی رخ اختیار کرتے ہیں اپنی پسند کے مطابق یا اس کے مخالف لیکن بہت کم خوش قسمت لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کا ہر قدم صحیح حالات کی سمت اٹھتا ہے اور تم انہی میں سے ایک ہو۔ خیر...... میں تمہیں کچھ لوگوں کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔ بلکہ یوں سمجھو کہ میں تمہیں ان کا راستہ دکھانا چاہتا ہوں۔“

”جی۔“ کامران نے بددلی سے کہا۔ سیتا سے ملاقات اسے بری طرح الجھائے ہوئے تھی ایک بار پھر سیتا کی انوکھی باتیں اس کے ذہن کو پراگندہ کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ دانش کی آنکھیں خلا میں گھور رہی تھیں پھر اس نے کہا۔

”جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا کہ وہ عظیم الشان خزانہ لوگوں کی نگاہوں سے محفوظ نہیں رہا ہے۔ بہت سے ایسے کردار ہیں۔ جو اس خزانے کا راستہ دیکھ چکے ہیں۔ انہی میں ایک بہت ہی طاقتور گروپ ہے۔ بلکہ اس گروپ کا کیپٹن تمہاری ہی دنیا کا ایک آدمی ہے۔ اس کا نام کرنل گل نواز ہے۔“

ایک بار پھر کامران کو اپنے اعصاب سنبھالنے پڑے تھے۔ لیکن اس وقت دانش کی آنکھیں اس کی جانب اٹھی ہوئی تھیں۔ بلکہ وہ کچھ اس طرح خیالات میں ڈوبا ہوا تھا۔ جیسے کچھ چہرے اس کی آنکھوں میں گردش کر رہے ہوں اس کی آواز ابھری۔

”مجھے اطلاع مل چکی ہے کہ وہ گروپ بھی منگولیا پہنچ چکا ہے اس کی قیام گاہ بھی میرے علم میں آ چکی ہے۔ یہ میرے دوست! اس گروپ میں جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے اور کوئی ہے یا نہیں ہے۔

لیکن ایک ایسا آدمی موجود ہے جس سے مجھے ازلی نفرت ہے اور جس نے میرے خوابوں کو تشنگی دینے میں صف اول کا کام کیا ہے۔ اس شخص کا نام قزل ثنائی ہے۔ یہ اس قدر قابل آدمی ہے کہ میں اسے اپنا دشمن سمجھنے کے باوجود اس کی قابلیت کا معترف ہوں اور یہ شخص میرے لیے سب سے زیادہ خطرناک ہے چونکہ یہ واحد آدمی ہے جو ان راستوں پر جا سکتا ہے۔ جہاں صرف میں جانا چاہتا ہوں۔ کامران بولے بغیر نہ رہ سکا اس نے کہا۔

”لیکن مسٹر دانش! کیا وہ لوگ بھی آپ کو جانتے ہیں۔“

”خاص طور سے قزل ثنائی اور اس کی بیوی شعورا۔ میں نہیں جانتا کہ اس کے ساتھ اور کون کون ہیں۔ لیکن جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے۔ تم یہ سمجھ لو کہ اس گروپ کا سربراہ کرنل گل نواز ہے۔ میں محتاط آدمی ہوں اور خاص طور سے اس وقت میں کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتا جب کہ گورڈن اور اس کے دونوں آدمی جسے میں تھرڈ آدمی کہتا ہوں میرے ساتھ نہیں بلکہ وہ کچھ معلومات کے لیے یہاں سے باہر نکلے ہوئے ہیں۔ میں نیل گروچہ کا گروپ بھی بالکل چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔ یہاں تک آنے کے لیے مجھے اس کا سہارا لینا ضروری تھا۔ ورنہ وہ میرے معیار کا آدمی نہیں ہے۔ ایک احمق اور بے ضرر آدمی جسے خزانوں کی تلاش تو ہے۔ لیکن اس کے اندر منزل پانے کی صلاحیت بھی نہیں ہے۔ کرنل گل نواز اپنے گروپ کے ساتھ یہاں منگولیا میں موجود ہے۔ اور میرے دوست میں نے تمہارے بارے میں ایک فیصلہ کیا ہے۔ میں نے بھی اپنی زندگی بہت سے الجھے مسائل میں اکائی ہے۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ کون کس حد تک کارآمد ہے۔ اپنی منزل کو پانے کے لیے تمہیں خود بھی جدوجہد کرنی ہے۔“

”مجھے کیا کرنا ہے مسٹر دانش!“

”آئی ایم سوری۔ میں نے تمہیں وہ تصویریں دکھائیں۔ جن میں تمہارا بھی ایک خاکہ موجود ہے۔ میں بے وقوف آدمی نہیں ہوں۔ تمہارے ماضی کے بارے میں تم سے جو کچھ سنا ہے۔ اس پر یقین بھی کر لیا میں نے چونکہ تم اپنے ماضی کی تصویر ہو اور تمہارے بیان کی روشنی میں اس تصویر کو پہچانا جا سکتا ہے۔ چنانچہ میں نے اس بات کی گنجائش رکھی ہے کہ اس تصویر میں جو تمہارا خاکہ ہے وہ اتفاقیہ بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن پھر بھی اہم بہت۔ ہے موقعوں پر اس بات کا جائزہ لیں گے کہ یہ اتفاق کیسا ہے۔ بلکہ یہ بھی ایک تجربہ ہے اگر کرنل گل نواز گروپ کو زیادہ معلومات حاصل ہیں۔ تو تمہیں دیکھ کر وہ لوگ چونکیں گے اور ہو سکتا ہے یہی تمہاری پذیرائی کی وجہ بن جائے۔“

”مطلب؟“

”میرے دوست! تمہیں اس گروپ میں جانا ہے اور کوئی دلچسپ کہانی لے کر مثلاً یہ کہ اسمگلروں نے تمہیں زبردستی اپنے ساتھ شامل کیا اور تمہیں لے کر چل پڑے پھر ان علاقوں میں اسمگلر مارے گئے اور تم رہ گئے۔ لیکن مقامی پولیس یہی سمجھی کہ تم بھی ان اسمگلروں کے ساتھ ہو اور اب تمہیں پناہ کی ضرورت ہے۔ بعد میں یہ تمہاری مرضی پر اور تمہاری صلاحیتوں پر منحصر ہے کہ کس طرح تم اس گروپ میں ٹھہر جاتے ہو۔ میرا مطلب سمجھ رہے ہو نا۔“ کامران دل ہی دل میں مسکرا دیا۔ ہر چالاک آدمی اپنی زندگی میں کچھ بے وقوفیاں کرتا ہے اور یہی بے وقوفیاں اس کی چالاکیوں کا خاتمہ کر دیتی ہیں۔ دانش جو کچھ بھی تھا یہاں عدم واقفیت کی بنا پر

حماقت کر رہا تھا اور اس سے دو چیزوں کا اظہار ہوتا تھا۔ نمبر ایک تو یہ کہ وہ اس قدر ذہین نہیں ہے اور نہ ہی ضرورت سے زیادہ پر اسرار قوتوں کا مالک ہے۔ نمبر دو اسے اس پر کوئی شبہ نہیں ہے۔

دونوں باتیں اچھی تھیں۔ کامران کو کچھ سوچتے دیکھ کر واش نے اس سے کہا۔

"نہیں۔ میرے اندر ایک بہت بڑی خوبی ہے میرے دوست! اور وہ یہ ہے کہ جب میں کسی کو دوستوں میں شامل کر لیتا ہوں اور میری کوئی ضرورت اس سے منسلک ہوتی ہے۔ تو میں اس پر اپنا اثر نہیں چھوڑتا بلکہ کوشش کرتا ہوں کہ وہ میری بات مان لے اور اگر نہ مانے تو بڑی خوش دلی سے اس کے راستوں پر چلنے کی اجازت دے دیتا ہوں۔"

"نہیں میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ میں تو بس یہ سوچ رہا تھا کہ میں کس طرح ان لوگوں میں شامل ہوں گا۔ لیکن کوئی بات نہیں۔"

"گویا تم تیار ہو۔"

"خوشی سے۔ اب جب آپ کا ساتھ حاصل کر لیا مسٹر واش! تو پھر آپ کی ضرورتوں سے منحرف ہونا خود غرضی ہے۔"

"مجھے تم اسی طرح کے آدمی معلوم ہوتے ہو تو بس تمہیں اب ان کے درمیان جانا ہے۔"

"آگے کا طریقہ کار کیا ہوگا۔"

"بالکل بے فکر رہو۔ پہلے ان میں گھل مل جاؤ۔ اور اس شبہے کو ختم کر دو جو وہ تم پر کر سکیں ہم لوگ ایک دوسرے کے سائے سے بھی دور رہیں گے۔ لیکن بے فکر رہنا میری نگاہ تم پر ہوگی اور تم میری زندگی میں کسی مشکل کا شکار نہیں ہو سکو گے۔"

"ایک سوال میرے ذہن میں مسلسل چبھ رہا ہے واش۔"

"ہوں بولو۔"

"تصویر میں میرا آنا کہ عجیب سا تھا۔ باقی تصویریں کس کی تھیں۔"

"نہیں جان! ابھی نہیں۔ میں تمہیں بتاؤں گا ضرور بتاؤں گا۔ لیکن مجھے حالات کی اس لکیر سے کچھ قدم آگے نکل جانے دو۔ جس کے اس طرف میرے لیے خطرات موجود ہیں۔ ہاں جب میرے قدم اس لکیر سے آگے بڑھ گئے۔ تو ماحول میری مٹھی میں ہوگا اور میں تمہیں سب کچھ بتا سکوں گا۔ اوکے۔"

"ٹھیک ہے۔" کامران نے گردن ہلائی پھر بولا۔

"ان لوگوں کی نشاندہی کیسے ہوگی۔"

"ڈریم ٹیمپل۔ اس جگہ کا نام ڈریم ٹیمپل ہے جہاں ان لوگوں کا قیام ہے۔ تم وہاں جا سکتے ہو۔"

"اوکے۔ میں دیکھ لوں گا۔" کامران کا دل خوشی سے اچھل رہا تھا۔ کرنل گل نواز کی تنگ لیا میں موجودگی کی خبر اس کے لیے ایک بہت بڑی خوش خبری تھی۔ حالانکہ وہ اب بہت بد دل ہو گیا تھا۔ لیکن یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ کرنل گل نواز بہ ذات خود ٹھیر رے دار انسان نکلا ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ حسن شاہ بے چارہ حادثے کا شکار ہو گیا تھا۔ دوسری بات کچھ اس طرح کے واقعات پیش آئے تھے کہ کرنل گل نواز خود بھی

ان میں الجھ گیا ہوگا۔ جس کی وجہ سے رابطے نہیں ہو سکے۔

لیکن بہرحال اب اس کی موجودگی کا پتا چل گیا تھا اس بات کی کامران کو بالکل پروا نہیں تھی کہ یہ بہت سے کردار اس کے گرد بکھر گئے ہیں.. ان کا کیا ہوگا۔ لیکن گل نواز کی موجودگی کے بعد اور بھی کوئی الجھن نہیں رہی تھی اور وہ مطمئن ہو گیا تھا اور اس کے بعد وہ مطلوبہ جگہ چل پڑا۔ ذہن میں بڑا تجسس اور بہت سے عجیب و غریب خیالات تھے۔ وہ تمام کردار نگاہوں کے سامنے آ رہے تھے جن سے وہاں رابطہ رہا تھا۔ دیکھیں کون سی نئی کہانیاں تیار ہو گئی ہیں۔ کون کون کرنل گل نواز کے ساتھ موجود ہے۔ یہ تمام احساسات لیے وہ ڈریم ٹیمپل کی جانب جا رہا تھا۔

یہ ایک دلچسپ اور عجیب بات تھی کہ کامران کہیں سے کہیں ہو کر کہیں پہنچا تھا لیکن ہر جگہ قدرت اس کی رہنمائی ضرور کرتی تھی۔ ایسے عجیب و غریب علاقوں میں، جن کا کبھی اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا، وہ اس طرح سفر کر رہا تھا جیسے کوئی قدیم مہم جو ہو۔ زندگی کے لاتعداد نشیب و فراز اس دوران پیش آ چکے تھے اور زندگی اور موت کا کھیل اس طرح سے شروع ہو گیا تھا کہ اگر عام حالات ہوتے اور وہ اپنے شہر میں زندگی گزارنے والا ایک عام سا آدمی ہوتا تو ایسے واقعات کا تصور اسے صرف ایک کہانی ہی محسوس ہوتا۔

بہرحال وہ کرنل گل نواز وغیرہ کے مل جانے کی خوشی کے احساس کو کسی طور نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اب ان کی زندگی کا انتہائی گہرا تعلق کرنل گل نواز سے ہو۔ اسے اس بارے میں اطلاع دینے والا بھی ایک الگ ہی شخص تھا۔ بہرحال اس کے بعد رکنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا امید و بیم کی کیفیت میں جب وہ اپنی مطلوبہ جگہ پہنچا تو وہاں اسے کیمپ لگا ہوا نظر آ گیا۔ بہت ہی اعلیٰ درجے کے خیمے تھے۔ وہ سواریاں بھی یعنی ایک ٹرک جو بالکل نیا اور کسا ہوا تھا اور ایک لینڈ کروزر جو جدید ساخت کی تھی اور پہاڑی سفر میں بہترین معاون ثابت ہو سکتی تھی۔ خیموں کا شہر آباد تھا کئی مقامی مزدور کھڑے ہوئے اس کمپنی کو دیکھ رہے تھے جو جدید ترین ساز و سامان سے آراستہ تھی اور پھر جب کامران ان کے درمیان پہنچا تو ایک زبردست ہنگامہ برپا ہو گیا۔

کامران کو معلوم تھا کہ اسے کیا کہنا ہے، کرنل گل نواز سے تمام باتیں طے ہو گئی تھیں۔ گو اس میں بے پناہ تبدیلیاں ہوئی تھیں اور کرنل گل نواز اور کامران کے منصوبے کے بہت ... سے اب سیٹ ہوئے تھے۔ جیسے حسن شاہ کی موت یا دوسرے الفاظ میں گم شدگی کیونکہ لاش اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھی گئی تھی۔ بلکہ ہنگامی طور پر کامران کو اس سے جدا ہونا پڑا تھا۔ لیکن جس کنڈیشن میں حسن شاہ رہ گیا تھا اس کے بعد زندگی بچ جانا کوئی معجزہ ہی ہو سکتا ہے اور معجزے بہرحال رونما ہوتے ہیں۔ کرنل گل نواز اسے دیر تک سینے سے لگائے کھڑا رہا تھا۔ کامران کو سب سے زیادہ تجسس اس بات کا تھا کہ یہاں کون کون آیا ہے۔ مرزا خاور بیگ اور حرد سہ کو اس نے دیکھ لیا۔ علی سفیان بھی موجود تھا اور پر اسرار عورت امیتہ سلفا اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ قزل تاشی اور شعورا بھی موجود تھے۔ ان لوگوں کے نسبے خاص طور... بہ کامران کے پاس ایک پر اسرار انکشاف تھا۔ راجا چندر سنگھ بھی کرا تھا لیکن اس کی بیٹی راجا چندر سنگھ کے ساتھ نہیں تھی۔ تروسہ صاحبہ اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ موجود تھیں اور اس طرح نخوت سے کھڑی اسے دیکھ رہی تھیں جیسے کسی حقیر سے انسان کو دیکھ رہی ہوں۔

ایک لمحے کے اندر کامران کو اس بات کا احساس ہو گیا کہ محترمہ عروسہ ناراض ہیں اور اسی لیے
قریب نہیں آ رہیں۔ البتہ کچھ لمحوں کے بعد مرزا خاور بیگ وہاں پہنچ گیا۔ اس نے خاموشی ہی اختیار کیے رکھی
تھی۔ جب کہ باقی لوگ کامران سے اس کی اچانک گمشدگی کے بارے میں معلومات حاصل کر رہے
تھے۔ کرنل نگل نواز نے انتہائی غور و خوض کے بعد کامران اور حسن شاہ سے کہا تھا کہ جب وہ دوبارہ یہاں ملیں تو
اسے یہ کہنا ہے کہ اسے اصل میں گرشک اور سیتا کے بارے میں معلومات حاصل ہوئی تھیں اور وہ اس چکر میں
ان کے پیچھے دوڑ پڑا تھا۔ ہلکے ہلکے اشارے تو دینے تھے نا۔ کیونکہ اگر گرشک اور سیتا بھی سامنے آ گئے تو اس
بار تو پورا گروپ ہوگا اور ان سے بالکل ہی اجنبیت کا اظہار کام میں رکاوٹ بن سکتا ہے۔ بڑے سوچ بچار کے
بعد یہ کہانی گھڑی گئی تھی اور کامران نے سب کے سامنے یہی کہا تھا۔

"بات اصل میں یہ ہے کہ ایک دن اتفاقیہ طور پر مجھے پتا چلا کہ وہ دونوں کردار یعنی گرشک اور سیتا
ہمارے ارد گرد منڈلا رہے ہیں۔ میں نے انہیں دیکھا کیونکہ محترمہ اینہ سلفا نے مجھے وہ ویڈیو فلم دکھائی تھی جس
میں گرشک اور سیتا کی شکلیں موجود تھیں۔ بہرحال میں بھی ایک متجسس آدمی ہوں۔ آپ سب لوگ بہت
بڑے لوگ ہیں جناب! میں جانتا تھا کہ میرے اس انکشاف پر صرف میرا مذاق اڑایا جائے گا۔ میں نے سوچا
کہ میں اپنے طور پر بھی تو کچھ نہ کچھ کر سکتا ہوں۔"

"ہاں خزانہ کسے برا لگتا ہے اور پھر کون ہے جو اپنے آپ کو تنہا خزانے کا مالک نہ بنانا چاہتا ہو۔"
مرزا خاور بیگ کی طنزیہ آواز ابھری اور کامران تیکھی نگاہوں سے مرزا خاور بیگ کو دیکھنے لگا۔

"ٹھیک کہتے ہیں مرزا صاحب! ہر شخص بہت بڑا آدمی بننا چاہتا ہے اور اس کے لیے وہ ہر ممکن
کارروائی کر لیتا ہے۔ میں نے تو خیر کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ لیکن لوگ اپنے ان محسنوں کو جوان کی تعمیر کا
ذریعہ بنتے ہیں۔ دھوکا دینے سے گریز نہیں کرتے اور در پردہ نہ جانے کیا کیا کچھ کرتے رہتے ہیں۔" کامران
کو مرزا خاور بیگ کی بات بہت بری لگی تھی اور اس نے بڑا تیکھا وار کیا تھا۔ مرزا خاور بیگ کا رنگ بدل گیا وہ
خاموش ہو گیا تھا۔ البتہ علی سفیان نے سوال کیا۔

"تو پھر ایک بات بتاؤ میرے بیٹے! کیا تم نے انہیں پایا۔"

"ہاں۔ میں انہی کے پیچھے پیچھے یہاں تک آیا ہوں۔"

"کیا؟" سب کے منہ سے آوازیں نکلیں۔

"ہاں وہ ان علاقوں میں دیکھے جاتے رہے ہیں۔ میں نے ان کی جھلکیاں پائیں اور اپنے طور پر
جانے کن کن مشکلات کا سامنا کرتا ہوا یہاں تک پہنچا۔"

"اس بارے میں صرف ایک بات کہہ سکتا ہوں میں۔" قزل شائی نے کہا اور لوگ سوالیہ انداز
میں قزل شائی کی طرف دیکھنے لگے۔

"کامران معمولی انسان نہیں ہے۔ ہم لوگ تو اپنی دولت اور وسائل کا سہارا لیتے ہوئے یہاں تک
پہنچے ہیں۔ لیکن ذرا آپ اس شخص پر غور کیجیے... تو وہ پراسرار کرداروں کا تعاقب بھی کر رہا تھا اور اس کے بعد
یہاں تک پہنچ بھی گیا۔ بڑی بات ہے بہت بڑی بات ہے۔"

"مگر وہ دونوں کہاں ہیں۔" مرزا خاور بیگ نے بے چینی سے پوچھا۔

"میری جیب میں۔" کامران نے فوراً ہی جواب دیا۔ مرزا خاور بیگ سے وہ بری طرح جل گیا
تھا۔ مرزا خاور بیگ ایک دم خاموش ہو گیا۔ جیسے اسے اندازہ ہو گیا ہو کہ اس وقت جو بات بھی وہ کرے گا وہ
کامران کو بہت بری لگے گی اور اس کے جواب وہ مزید باتیں کر سکتا ہے۔ مرزا خاور بیگ کا سارا کچا چٹھا کھول
دیں گی۔ کرنل نگل نواز نے اسے آرام کرنے کے لیے کہا اور اس کے لیے فوراً ہی ایک خیمہ نصب کرا دیا گیا۔
ان کے ساتھ مقامی مزدور بھی تھے۔ جو ان کے لیے بڑے کار آمد ثابت ہو رہے تھے۔

بہرحال اس کے بعد کامران کرنل نگل نواز اور رانا چندر سنگھ سے ملا اور اس دوران کی تمام تفصیلات
انہیں بتائیں۔ رانا چندر سنگھ نے انتہائی دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"حسن شاہ تو میرے لیے چراغ جن ہی ثابت ہوا تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ بہتر چراغ کے جن کو
بلانے کے لیے تو چراغ کو گھسنا پڑتا تھا لیکن حسن شاہ ہر کام اسی طرح کر دیا کرتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے پوری دنیا
اس نے اپنی مٹھی میں دبائی ہوئی ہو۔ آہ اس کی موت کو میں زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔"

"تب تو پھر یہ کہنا چاہیے کہ ہماری اس مہم کے سلسلے میں یہ ہماری پہلی قربانی ہے۔"

"مگر بہت بڑی شخصیت ہم سے جدا ہو گئی۔ اچھا گرشک اور سیتا کی کیا رپورٹ ہے۔"

"وہ زیادہ فاصلے پر نہیں ہیں۔ میرا خیال ہے وہ پراسرار طریقے سے آپ کا یا میرا تعاقب کر رہے ہیں۔"

"ملاقات ہوئی ان سے۔"

"ہاں۔ میں نے انہیں بالکل قریب سے دیکھا ہے۔" ساری باتیں اپنی جگہ، گرشک اور سیتا سے
روابط کے بارے میں کامران کا دل نہیں چاہتا تھا کہ کرنل نگل نواز کو بھی کچھ بتائے۔

بہرحال ایک حد ضرور ہوتی ہے ہر چیز کی۔ کرنل بہت خوش تھا پھر قزل شائی سے ملاقات ہوئی۔
قزل شائی اپنی بیوی شعورا کے ساتھ تھوڑے سے فاصلے پر موجود تھا۔ کامران جان بوجھ کر اس کے پاس پہنچا تھا۔
شعورا اسے دیکھ کر مسکرانے لگی پھر بولی۔

"پیارے بچو! ہم تمہارے کچھ بھی نہیں ہیں۔ لیکن یقین کرو اس مختصر سی ملاقات میں تم دلوں کو
بھا گئے ہو۔ ہم لوگوں نے درجنوں بار تمہارے بارے میں بات چیت کی اور سچ جانو میں نے تمہاری ماں ہی کی
طرح تمہیں دعائیں دی ہیں۔"

"شکریہ آنٹی! اصل میں میرا تجربہ تو بہت زیادہ نہیں ہے لیکن سنا ہوا ہے کتابوں میں پڑھا ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے عورت کو سب سے بڑا مقام ماں ہی کا دیا ہے۔ وہ ماں۔ ہے اور اس کے بعد کچھ ہے اور ماں ہر
عورت کے اندر ہوتی ہے۔ آپ بے شک میرے لیے بہت زیادہ قابل احترام ہیں۔"

"شکریہ۔ تم باتیں بڑی اچھی کرتے ہو۔ شعورا واقعی تمہارے بارے میں کئی بار کہہ چکی ہے کہ
دیکھو ہمارا اس شخص سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ لیکن خدا جانے کس مشکل میں پڑ گیا۔ بڑا پیارا سا بچہ تھا۔"

"آپ کے لیے ایک انوکھا سا انکشاف ہے۔ دوران گفتگو آپ نے میری زبان سے نگل گروچ
کا نام تو سنا ہوگا۔ نگل گروچ یہاں سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ ایک اور شخصیت ہے جو آپ

لوگوں کے لیے بڑی دلچسپی کا باعث ہوگی۔

"ہمارے لیے کون ہے وہ؟"

"دانش....." کامران نے کہا اور واقعی دونوں میاں بیوی کے لیے اطلاع کسی بم کے دھماکے سے کم نہیں تھی۔ دونوں پھٹی پھٹی آنکھوں سے کامران کو دیکھنے لگے۔

"دانش وہ یہاں ہے؟"

"ہاں۔"

"تم اسے کیسے پہچانتے ہو؟"

"آپ نے اس کا حلیہ جو بتایا تھا بعد میں مجھے اس کا نام بھی معلوم ہو گیا۔" کامران نے مختصر الفاظ میں نٹل گروچ کی بیان کی ہوئی کہانی اور باقی تفصیلات قزل ثنائی اور شعورا کو بتائیں۔ شعورا خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی پھر بولی۔

"یہ تو بڑی خطرناک صورت حال ہے۔"

"جیسی آپ کی آپ کو مجھے آپ لوگوں کی یہاں موجودگی کا پتا دانش نے ہی دیا تھا۔ اس کے علاوہ دانش یہاں بے حد طاقتور حیثیت رکھتا ہے۔ نٹل گروچ کے ساتھ بھی وہ زبردستی ہی شامل ہوا تھا۔ لیکن اب اس نے تین آدمیوں کو یہاں بلایا ہے۔ جو انتہائی خوف ناک ہیں اس میں فرانس کا ایک غنڈہ گورڈن بھی موجود ہے جسے میں نے بھی ایک نگاہ دیکھا تھا لیکن اب وہ یہاں موجود نہیں ہے۔ بس آپ یہ سمجھ لیجیے کہ وہ دلیر ہے۔"

"ہاں یہ نام ہمارا سنا ہوا ہے۔ یہ تو صورت حال بگڑ گئی کرنل گل نواز کو اس بارے میں بتایا۔"

"ابھی تک نہیں۔"

"میرا خیال ہے ہمیں آپس میں مشورہ کر لینا چاہیے۔" اور اس کے بعد ایک میٹنگ ہوئی مرزا خاور بیگ بھی اس میٹنگ میں شریک تھے اور عروسہ بھی وہاں موجود تھی۔ قزل ثنائی نے دانش کے بارے میں بتایا اور کرنل گل نواز چونک کر کامران کو دیکھنے لگا۔

"کیا واقعی یہ وہی شخص ہے۔"

"ہاں کرنل! میں آپ کو اس بارے میں تفصیل بتانا بھول گیا۔ قزل ثنائی صاحب کو دیکھ مجھے دانش یاد آ گیا۔" ایک بار پھر کامران کو دانش کے بارے میں تفصیلات بتانی پڑی تھیں۔ کرنل گل نواز نے کہا۔

"ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہے بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر کبھی کسی موقع پر نٹل گروچ ہم میں شامل ہونا چاہے۔ تو ہم اسے خوش آمدید کہیں گے۔"

"آپ پتا نہیں کیسی باتیں کرتے ہیں کرنل گل نواز! آپ کے خیالات سن کر تو ایسا لگتا ہے۔ جیسے آپ کسی مہم جوئی پر نہیں بلکہ کسی ثقافتی مشن پر جا رہے ہوں۔ اس کو بھی ساتھ لیں گے اس کو بھی ساتھ لیں گے دانش کے بارے میں آپ کو اندازہ ہو چکا ہے قزل ثنائی کے بیانات سے کہ وہ کس قدر خطرناک ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن جب یہ تفصیلات ہمارے علم میں آ گئی ہیں تو ایک انسان کو کسی کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔"

"مگر دانش نٹل گروچ کے ساتھ ہے۔"

"ہاں ہے پھر۔"

"میرا مطلب ہے وہ بھی ہمارے گروہ میں شامل ہو جائے گا۔"

"ایسا ہو تو اور اچھی بات ہے۔ ہم قریب سے اس پر نگاہ رکھ سکیں گے۔" کرنل گل نواز نے کہا اور اپنا سلفا جل بلا کر خاموش ہو گئی۔

رات کو کرنل گل نواز نے معمول کے مطابق پھر کامران سے ملاقات کی اور کہا۔

"آؤ بھئی۔ باہر کی فضا بہت خوش گوار ہے اور پھر ایک ایسی جگہ بات کرنا بہت زیادہ قابل اعتماد ہوتا ہے جہاں چاروں طرف کھلا علاقہ ہو اور یہ اندازہ ہو جائے کہ کوئی باتیں سننے کی کوشش نہیں کر رہا۔" کرنل گل نواز کامران کو ساتھ لیے ہوئے کیمپ سے کافی فاصلے پر واقع ایک ایسی کھلی جگہ پہنچ گیا جہاں سرسبز و شاداب گھاس بچھی ہوئی تھی اور اس پر بیٹھ کر فرحت کا احساس ہوتا تھا۔ بس پریشانی یہ تھی کہ گھاس میں چھوٹے چھوٹے کیڑے رینگ رہے تھے۔ جنہیں بار بار بھگانا پڑتا تھا۔ کرنل نے کہا۔

"ویسے تو ساری تفصیل مجھے معلوم ہو چکی ہے حسن شاہ کی موت واقعی میرے لیے بھی اتنے ہی دکھ کا باعث ہے۔ چندر سنگھ تو اس کا بہت ہی گہرا دوست تھا اس کے چہرے سے پتا چل رہا ہے کہ بہت دکھی ہے حسن شاہ کے لیے۔ خیر اس طرح کے کاموں میں کبھی کبھی ایسے مقام بھی آ جاتے ہیں۔ مجھے ذرا تفصیل سے گرشک اور سیتا کے بارے میں بتاؤ۔"

"وہ انہی علاقوں میں ہیں اور اکثر میرے سامنے آ چکے ہیں۔"

"تم سے تعارف ہو گیا ہے۔"

"ہاں۔"

"واہ۔ تو یہ نہیں بتایا انہوں نے کہ وہ ہیں کہاں؟"

"نہیں۔"

"ٹھیک ہے ظاہر ہے مگر بھائی بڑے پراسرار کردار ہیں وہ۔ ہمالیہ کی اس سرزمین پر میرا خیال ہے ان سے زیادہ پراسرار اور کوئی نہ ہو۔ خیر اب مجھے دانش کی بات بتاؤ۔"

"دانش یہاں موجود ہے۔ میرا اس سے تعارف بھی ہو چکا ہے اور آپ لوگوں کا تذکرہ بھی۔ آپ کو یہ سن کر ہنسی آئے گی کہ دانش ہی نے مجھے آپ کے بارے میں بتایا ہے۔"

"او میرے خدا! اس کا مطلب ہے وہ کم بخت مکمل طور پر حالات سے واقف ہے حالانکہ میری اس سے کوئی ملاقات نہیں ہوئی۔ بلکہ قزل ثنائی اور شعورا نے صرف اس کی کہانی سنائی تھی۔ لیکن بھائی بہت خطرناک چیز معلوم ہوتی ہے۔ ویسے تمہارا کیا خیال ہے۔ میرا مشورہ ٹھیک ہے نا۔"

"ہاں کوئی حرج نہیں۔ ہم قریب سے اس پر نگاہ رکھ سکیں گے اور ہمیں یہ پتا چل سکے گا کہ آخر وہ ہے کیا چیز۔"

"بہر حال سوچ لینا میں اپنی رائے مسلط نہیں کرنا چاہتا۔"

"اور باقی تمام معاملات۔"

"ہاں بالکل ٹھیک ہیں۔ ہمارے درمیان یہ خواتین بھی اہمیت کی حامل ہیں۔ رانا چندر سنگھ اپنی بیٹی کو نہیں لایا حالانکہ وہ بھی اپنی بیٹی کو چھوڑتا نہیں ہے۔ اس کی بیماری کی وجہ سے، میرا تو خیر کوئی مسئلہ نہیں ہے میں تو اپنے بیٹے تک کو نہیں لایا ساتھ۔ شعور ہے، اینر سانا ہے۔ بہرحال ابھی تک تو ٹھیک ٹھاک ہے کوئی بات نہیں ہے۔ لیکن اب اس کے بعد کے علاقوں کا معاملہ ہے جہاں سے ہمیں سفر کا آغاز کرنا ہے۔"

"میں نیل گروچ کا بھی خیال رکھوں گا بڑا ضروری ہے۔"

"ہاں بالکل۔ میں خود بھی یہ چاہتا ہوں ابھی ذرا رک جاؤ لیکن اس کے بعد اگر مناسب سمجھو تو نیل گروچ اور اس کی ٹیم کو ہماری ٹیم میں ہی شامل کر لینا۔ مجھے اعتراض نہیں ہوگا۔"

بہرحال اس کے بعد سلسلہ گفتگو منقطع ہو گیا تھا اور یہ لوگ الگ ہو گئے تھے۔ مرزا خاور بیگ نے پتا نہیں یہ رات کیسے گزاری لیکن صبح کو وہ بڑی بے تکلفی سے خیمے کا دروازہ کھول کر اندر آ گیا اور اس نے جھنجھوڑ کر کامران کو جگایا۔ کامران اسے دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔

"معافی چاہتا ہوں۔ لیکن جو شخص ساری رات جاگتا رہا ہو۔ وہ صبح کا اس سے زیادہ انتظار کیا کر سکتا ہے۔" کامران سنبھل کر اٹھ گیا۔

"کوئی کام ہے مجھ سے۔"

"منہ ہاتھ دھو لو اور اسی جگہ آ جاؤ جہاں تم رات کو کرنل کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ جاؤں...... آ رہے ہو۔" اس نے پوچھا۔

"آ رہا ہوں۔" کامران نے جواب دیا اور مرزا خاور بیگ خیمے سے باہر نکل گیا۔ سوتے سے جاگا تھا ذہن پر کاہلی تو تھی لیکن ٹھنڈے پانی سے منہ دھونے سے مزہ ہی آ گیا۔ طبیعت بھی خوش گوار ہو گئی۔ حلیہ درست کرنے کے بعد وہ خیمے سے باہر نکل آیا۔ باقی لوگ ابھی تک گہری اور آرام کی نیند سو رہے تھے۔ البتہ جب وہ اس جگہ پہنچا جہاں مرزا خاور بیگ نے اسے بلایا تھا۔ تو اسے دو باتوں پر ہنسی آ گئی۔ پہلی ہنسی تو اس بات پر آئی کہ رات کو مرزا خاور بیگ نے اسے اور کرنل گل نواز کو بڑے غور سے وہاں دیکھا تھا۔ اب یہ الگ بات ہے کہ اس کی ہمت نہیں پڑی تھی کہ وہ ان کی گفتگو میں مداخلت کرے۔ اور اس نے اظہار بھی کر لیا تھا اس بات کا کہ اسے پتا ہے۔ دوسری ہنسی اس بات پر آئی تھی کہ عروسہ صاحبہ کسی کام میں مصروف تھیں کھانے پینے کی چیزوں کے برتن ان کے پاس موجود تھے اور وہ خاتون بننے کی کوشش کر رہی تھیں۔ یعنی ان برتنوں سے مصروف تھیں۔ مرزا خاور بیگ نے اسے دور سے دیکھا اور خوش دلی سے ہاتھ ہلایا۔

بہرحال اس طرح کے لوگ بے غیرت تو ہوا کرتے ہیں۔ مرزا خاور بیگ نے ایسے اظہار کیا تھا کہ جیسے ان کے درمیان کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔ حالانکہ اس وقت سے ایک بار بھی کامران نے مرزا خاور بیگ پر توجہ نہیں دی تھی اور اس کی طرف رخ بھی نہیں کیا تھا۔ مرزا خاور بیگ کو بھی اس کا خوب اندازہ تھا۔ لیکن اب یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو۔

بہرحال مرزا خاور بیگ نے اس کا استقبال کیا۔

"آؤ میری جان! جوان بچوں کے نخرے تو اٹھانا ہی پڑتے ہیں۔ اور پھر ویسے بھی ہم تو تمہارے لیے ایک بے حقیقت شے ہیں تم ہماری ناز برداری کرنا کیوں پسند کرو گے۔"

"میں نہیں سمجھتا جناب کہ ہمیں ایک دوسرے کی ناز برداری کیوں کرنی چاہیے یا آپ میرے نخرے کیوں اٹھائیں۔ بہرحال آپ نے میرے اوپر کیچڑ اچھالی یہ آپ کا اپنا کردار ہے۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ خزانے کا حصول میں بھی چاہتا ہوں۔ ظاہر ہے نہ میں کرنل گل نواز کی اولاد ہوں اور نہ ہی میرا ان سے کوئی اور رشتہ ہے۔ احترام کا رشتہ تو ان کے لیے بھی۔ ہے اور آپ کے لیے بھی بہرحال آپ نے جو بات سوچی وہ آپ کی اپنی مرضی پر منحصر تھی۔"

"نہیں یار! سوری مجھے معاف کر دو۔ عروسہ نے بھی مجھے بہت ذلیل کیا ہے اور میں نے واقعی محسوس کیا ہے کہ میرے الفاظ غیر مناسب تھے بہرحال میں ان کے لیے معذرت خواہ ہوں۔"

"ٹھیک ہے کوئی بات نہیں ہے سر۔"

"عروسہ! کام ہو گیا ہو تو لاؤ بھئی چائے وغیرہ مجھے دو۔" عروسہ نے برتن سامنے رکھ دیئے۔ چائے کی مہک اٹھ رہی تھی۔ ساتھ میں کچھ دوسری چیزیں بنی تھیں۔ ابھی تک اس نے خاموشی ہی اختیار کیے رکھی تھی۔ بہرحال چائے بہت سے معاملات میں بے بس کر دیتی ہے۔ چنانچہ کامران نے بھی اپنا کپ اٹھایا اور ہنس کر بولا۔

"ابھی میں نے اس کا پہلا گھونٹ نہیں لیا ہے۔ مس عروسہ! لیکن آپ سے میری گزارش ہے کہ میرے لیے ایک کپ اور رکھیں نوازش ہو گی آپ کی۔"

"ایک کپ نہیں، دو کپ، کیوں کہ بہرحال ہم تمہاری ناراضگی دور کرنا چاہتے ہیں۔"

"نہیں مرزا صاحب! میں ناراض نہیں ہوں۔"

"اچھا تو اب یہ بتاؤ کہ کیا قصہ ہوا تھا۔"

"کہاں؟"

"مطلب یہ کہ تم اچانک ہی کیوں غائب ہو گئے تھے۔"

"جو بات میں نے وہاں بتائی تھی آپ کو اس پر یقین نہیں آیا۔"

"نہیں نہیں میرا مطلب ہے کہ کسی سے تذکرہ کیوں نہیں کیا کم از کم مجھے ہی بتا دیتے میں تمہارے لیے ہر طرح کی سہولتیں مہیا کر دیتا اور پھر کچھ ایسے انتظامات بھی کرتا جو تمہیں آسانی بخش دیتے۔"

"کچھ ایسے حالات تھے کہ مجھے بغیر کسی اطلاع کے یہ کام کرنا پڑا۔"

"ویسے واقعی وہ دونوں کردار وہی تھیں۔"

"سو فی صدی۔"

"تب تو واقعی ذرا سنسنی خیز بات ہے۔"

"ہاں ہے۔"

"تم سے ان کا تعارف ہوا۔"

"تعارف! نہیں، وہ لوگ کوئی مہذب دنیا کے مہذب فرد نہیں ہیں بلکہ وہ پراسرار سے کردار ہیں۔ جو نہ جانے زندہ شکل میں ہیں یا روحوں کی شکل میں رہتے ہیں۔ بڑی عجیب و غریب کیفیت ہے ان کی۔"

"اچھا۔ اور یہ دانش کا کیا چکر ہے۔"

"دانش واقعی ایک خطرناک آدمی ہے مجھے تو لگتا ہے کہ جیسے وہ پراسرار شخصیت کا مالک ہو۔"

"بہرحال اب میری بات سنو کیا ارادے ہیں۔ ایک پیش کش کرنا چاہتا ہوں اگر الگ گروپ بنانے کے خواہش مند ہو تو سب سے پہلے تمہارا ممبر میں بنوں گا۔"

"آپ یقین کیجیے۔ میں کرنل گل نواز سے کسی قسم کی کوئی غداری نہیں کرنا چاہتا۔ ان کے مجھ پر بے حد احسانات ہیں بس ایک اتفاق تھا کہ میں الگ سے چل پڑا اور انہیں بھی اطلاع نہیں دے سکا تھا۔ کوئی گروپ بنانے کا ارادہ نہیں تھا میرا۔"

"بیٹے! میرا تجربہ تم سے ہزار گنا زیادہ ہے۔ بے شک کرنل گل نواز کو کوئی نقصان نہ پہنچاؤ اسے خدا نے بہت کچھ دیا ہے وہ اب پچا آدمی ہے اس کا مستقبل اور اس کی اولاد کا مستقبل محفوظ ہے لیکن تم نے ابھی نوجوانی کی دنیا میں قدم رکھا ہے۔ تمہیں تو زندگی میں بہت کچھ چاہیے اس طرح کسی چیز کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ کام تو کرنے ہی پڑتے ہیں خیر چھوڑو میں یہ نہیں کہتا کہ فوراً ہی عمل کر ڈالو ابھی تو ہماری مہم کا طویل حصہ باقی ہے دیکھو آگے کیا حالات پیش آتے ہیں۔ لیکن بس میں یہ چاہتا ہوں کہ مجھے اپنا ساتھی ہی رکھنا۔"

"جی مرزا صاحب! آپ اطمینان رکھیں۔ میں تو صرف آپ لوگوں کا دست بازو ہوں۔ آپ سے الگ ہٹ کر میں کچھ بھی نہیں کرنا چاہتا۔" مرزا خاور بیگ کی چائے ختم ہو گئی تھی اس نے کہا۔

"اب میں تمہیں عروسہ کے حوالے کر کے جا رہا ہوں یہ شاید تم سے زیادہ ہی ناراض ہے۔" عروسہ نے چائے کا دوسرا کپ بڑے موقع سے بنا کر دیا تھا۔ مرزا خاور بیگ چلا گیا۔

"مس عروسہ آپ بھی ناراض ہیں مجھ سے۔"

"تمہیں میری ناراضگی کی کیا پروا۔"

"اصولی طور پر تو بات درست ہے ظاہر ہے ہمارے آپ کے درمیان ایسی کوئی چیز نہیں ہے۔"

"کتنی بار کہو گے یہ بات اور کیا ظاہر کرنا چاہتے ہو تم اس بات سے؟ پھر تم مجھ سے بے اعتنائی برتتے رہے ہو اور میں تمہارے پیچھے پیچھے بھاگ رہی ہوں۔"

"میں کس پر یہ بات ظاہر کرنا چاہتا ہوں مس عروسہ۔"

"یہی تو یہ سمجھ میں نہیں آتا اگر امینہ سلفا اور شعور اور دونوں شادی شدہ نہ ہوتیں تو میں تو یہی سمجھتی کہ شاید ایسی کوئی بات ہو۔"

"آپ اگر ایسا سوچتی ہیں تو سوچتی رہیے مجھے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"دیکھو۔ ہم اپنی دنیا سے بہت دور ان ویرانوں میں بھٹک رہے ہیں اور تم اس بات پر یقین کر سکتے ہو تو کر لو اور نہیں کر سکتے تو کوئی حرج نہیں ہے کہ میں تو صرف تمہاری وجہ سے یہ مصیبتیں جھیلتی آئی ہوں ورنہ مجھے مہم جوئی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے پہلے بھی تم سے یہ بات کہہ چکی ہوں۔"

"تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ مجھے صرف اس کی نشاندہی کر دیجیے۔" کامران نے کہا اور عروسہ زچ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔ پھر اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ جب کہ کسی کی تقدیر میں ذلیل ہونا لکھا ہوتا ہے تو کوئی اسے نہیں روک سکتا اور کوشش کروں گی کہ اپنی انا کو جگاؤں ورنہ نہ جگا سکی تو ڈیڈی سے کہوں گی کہ ڈیڈی واپس چلیں۔ میں یہاں نہیں رہنا چاہتی۔"

بہرحال تھوڑی دیر کے بعد کامران وہاں سے اٹھ گیا۔ کرنل گل نواز سے ایک بار پھر ملاقات ہوئی تو اس نے کہا۔

"سر اب آپ کا کیا پروگرام ہے۔"

"نہیں کچھ نہیں ہم ایک طریقہ کار متعین کر کے قدم بہ قدم آگے بڑھ رہے ہیں۔ تمہارے لیے حتمی فیصلہ یہی ہوا ہے کہ تم اگر چاہو تو نیل گروچ اور ہمارے درمیان رابطہ رکھو تمہیں ایسے خطرات سے بھی باخبر رہنا چاہیے۔"

"ٹھیک۔" بہرحال اس کے بعد کامران وہاں سے چل پڑا تھوڑے فاصلے پر آبادی تھی اور زندگی کے معاملات جاری ہو چکے تھے۔ آہستہ آہستہ دھوپ نکل آئی تھی اور اس خوش گوار دھوپ میں یہ جھیل بہترین سیر گاہ تھی۔ پہلے کامران کو اس کا اندازہ ہی نہیں تھا۔ لیکن اب وہ یہاں آنے والوں کو دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ جھیل میں خاص قسم کی کشتیاں، یقیناً جنہیں کامران پہلے بھی دیکھ چکا تھا۔ ساری کی ساری موجود تھیں ابھی کامران جھیل کے کنارے کھڑے ہو کر موٹر بوٹس میں سیر کرنے والوں کا نظارہ کر رہا تھا کہ ایک چھوٹا سا لڑکا اس کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے مقامی زبان میں کچھ کہا اور ایک کاغذ کامران کے ہاتھ میں تھما کر وہاں سے واپس لوٹ گیا۔ ایک چھوٹا سا سرخ لفافہ تھا۔ جس میں کوئی پرچہ رکھا ہوا تھا۔

پھر کامران نے حیرت سے وہ لفافہ کھول کر پرچہ نکالا جس پر انگریزی میں ایک تحریر تھی۔ لکھا ہوا تھا۔

سر! میں اور گرشک۔ آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ ہمیں آپ سے ایک ضروری کام ہے اگر آپ مہربانی سے کام لیں تو ہمارے دیے ہوئے پتے پر رات کو آ جائیں۔ ایک اور جھیل یہاں موجود ہے جسے یانگو کے نام سے پکارا جاتا ہے یانگو میں ایک چھوٹی سی خانقاہ بنی ہوئی ہے اس خانقاہ میں ٹھیک دس بجے کے قریب آپ کا انتظار کیا جائے گا۔ یانگو تک آنے کے لیے آپ کو شیانا آنا ہوگا۔ آبادی میں آ کر اب جس سے بھی شیانا کے بارے میں کہیں گے وہ آپ کو وہاں پہنچا دے گا۔ یہاں سے تقریباً کوئی ڈیڑھ گھنٹے کا سفر ہے اور ایک سو ساٹھ کلومیٹر پر یہ جگہ موجود ہے۔ البتہ وہاں سے خانقاہ تک آپ کو پیدل سفر کرنا ہوگا اور یہ سفر بھی ڈیڑھ میل سے کم نہیں ہے۔ یہ ایک تکلیف دہ مرحلہ ہے لیکن کچھ ایسی خاص وجوہات ہیں جن کی وجہ سے وہی جگہ ملاقات کے لیے پسند کی گئی ہے۔"

کامران حیران رہ گیا تھا۔ دیر تک وہ اس پرزے پر نگاہیں جمائے رہا اور اس کے بعد اس نے پرزے کو مٹھی میں بھینچ لیا۔ بہرحال بڑے تعجب کی بات تھی اور جو واقعات پیش آ رہے تھے کبھی کبھی کامران کو ان میں بے پناہ دلچسپی محسوس ہونے لگتی تھی۔ عجیب و غریب کھیل ہو رہا تھا اور اس کھیل کا کوئی جواب نہیں تھا۔

اگر ذرا سی حس کو قائم رکھا جائے تو ایسے کھیل دل لگی لگتے ہیں۔ بہرحال اس کے بعد کامران تنہا آوارہ گردی کرتا رہا۔ سڑکوں کے کنارے لگے ہوئے ڈسٹ بن میں سے اس نے ایک ڈسٹ بن میں اس کاغذ کو پرزے کر کے ڈال دیا۔

بہرحال یہ ایک دلچسپ بات تھی۔ وہ تھوڑا سا پر تجسس بھی تھا اس کا ذہن شدید سنسنی کا شکار تھا اور طبیعت میں ایک الجھن سی تھی۔ بہرحال اس نے فیصلہ کیا کہ تھوڑی دیر کے لیے کیمپ میں جائے گا اور اس کے بعد وقت سے بہت پہلے وہاں سے نکل لے گا تاکہ عین وقت پر کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔ حالانکہ فطری طور پر وہ آزاد تھا۔ اور خاص طور سے اس دوران جو کچھ واقعات پیش آ چکے تھے۔ اس کے بعد یہ اس کی ذمے داری نہیں رہی تھی کہ وہ صرف کرنل گل نوازی کے احکامات کا پابند رہے اپنے طور پر بھی بہت کچھ کر سکتا تھا۔

چنانچہ اس نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ کسی سے رابطہ نہ رکھا جائے تو بہتر ہے پھر وہ مقررہ وقت سے کافی پہلے وہاں سے نکل آیا اور اس انداز میں آوارہ گردی کرتا ہوا اتنی دور تک پہنچا کہ کوئی رکاوٹ نہ بن سکے پھر وہ ایک ریستوران میں جا بیٹھا اس نے پروگرام بنا لیا تھا کہ مطلوبہ جگہ وقت سے پہلے پہنچ جائے گا۔ اس نے جھیل یانگو کے بارے میں بھی تفصیلات معلوم کر لیں اور وہاں جانے کے ذرائع بھی معلوم کر لیے ابھی اسے یہاں بیٹھے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ مقامی آدمی جو تبتی تھا اس کے پاس پہنچ گیا اور اس نے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

''میرا نام شاتکیو ہے اور میں آپ کے پاس آیا ہوں آپ کو کچھ باتیں بتانا چاہتا ہوں آپ سوچیں گے تو سہی کہ میں اچانک ہی اس طرح آپ کے پاس آ کر یہ باتیں کیوں کہہ رہا ہوں لیکن بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کی کوئی تفصیل نہیں ہوتی۔ مجھے خاص طور سے آپ سے گرشک کے لیے بات کرنی ہے۔'' کامران بری طرح اچھل پڑا تھا۔ اس نے کہا۔

''نہیں یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جو آپ کو پریشان کر دے۔ میں صرف آپ کو بدھا کے نام پر یہ یقین دلانا چاہتا ہوں کہ میرے دل میں آپ کے لیے کوئی برائی نہیں ہے۔ میں گرشک کے بارے میں یہ بات آپ کو بتا سکتا ہوں کہ گرشک ایک پراسرار اور تارک الدنیا راہب ہے۔ جس نے صدیوں پہلے اپنے آپ کو دنیا سے دور کر لیا تھا اور ایک ایسی دنیا میں آنا چاہتا تھا وہ جو صدیوں بعد کی دنیا ہو۔ وہ اس دنیا کو دیکھ کر نئے نئے راستے منتخب کرنا چاہتا تھا۔ اسے بہت ساری پراسرار قوتیں حاصل ہیں۔ خاص طور جنگ و جدل کی قوت آپ جسے مارشل آرٹ کہتے ہو۔ گرشک اس مارشل آرٹ میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا۔ میں بھی مارشل آرٹ کا ماہر ہوں لیکن بہرحال اسے روحانی قوتیں بھی حاصل ہیں۔ ہمارے ہاں مارشل آرٹ کو ایک روحانی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور بہت سے کونوں کھدروں میں ایسے راہب مل جاتے ہیں۔ جو مارشل آرٹ کے بادشاہ ہوتے ہیں لیکن وہ اپنے اس حق کو صرف اپنی روحانی قوتوں کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اس کا جسمانی قوتوں سے کوئی تعلق نہیں ہے اور حقیقت میں روحانی اور اس کے بعد دماغی قوتوں کا استعمال ہی مارشل آرٹ کے تمام فنون کی روح ہوتا ہے۔ ہم اپنے بدن کی قوتوں سے کام نہیں لے سکتے جو دماغ کی قوتوں سے لے سکتے ہیں اور دماغ کو طاقت ور بنانے کے لیے روح کو طاقت ور بنانا بے حد ضروری ہوتا ہے۔ مارشل آرٹس کی تعلیمات میں تلقین کی جاتی ہے کہ اپنی روح کی پاکیزگی اور اچھے خیالات کا خیال رکھا جائے۔ چنانچہ ہو سکتا ہے کہ گرشک بھی تارک الدنیا راہب ہو اور کسی خاص مشن پر کام کر رہا ہو۔''

''ٹھیک ہے مسٹر شاتکیو لیکن آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔''

''دوستی۔''

''کیوں۔''

''اس لیے کہ گرشک جیسا عظیم دیوتا آپ کے پاس دیکھا گیا ہے۔''

''کب اور کہاں۔''

''یہ میں نہیں بتا سکتا۔''

''ٹھیک ہے مسٹر شاتکیو اگر کبھی ہماری دوبارہ ملاقات ہوئی تو میں دیکھوں گا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔''

نہ جانے یہ شخص کامران کے پاس کیوں آیا تھا۔ کامران اس پر بہت غور کرتا رہا تھا وہ چلا گیا اور اس کے جانے کے بعد کامران بھی وہاں سے اٹھ گیا باہر نکلنے کے بعد وہ تھوڑی دیر تک یہ جائزہ لیتا رہا کہ کوئی اس کے آس پاس موجود تو نہیں ہے پھر اس کے بعد اس نے یانگو کا سفر کیا۔ پرزے میں لکھے ہوئے تمام مقامات بالکل درست نکلے۔ آخر کار وہ جھیل یانگو پہنچ گیا۔ جو ایک قصبے کے کنارے واقع تھی۔ دیہی زندگی کے تمام مناظر یہاں بھی بکھرے ہوئے تھے۔ قصبے کے باہر بڑے بڑے پتھروں پر کھودے ہوئے مجسمے جو پہرے دار کہلاتے تھے پہرہ دے رہے تھے قدیم اسٹوپا کے دروازے پر یاتریوں کو سوم رس پیش کیا جا رہا تھا جو اسے بھی دیا گیا لیکن کامران نے اسے قبول نہیں کیا تھا۔ خانقاہ نظر آ گئی۔ خانقاہ کے اندر ماشا دیوتا کے حضور بکروں کے سروں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ پتھر کی جھونپڑیاں لکڑی کے خوف ناک مجسموں سے آراستہ تھیں۔ عام زندگی کے مناظر جگہ جگہ موجود تھے۔ گھروں کے صحن میں عورتیں اناج کوٹ رہی تھیں لکڑی کے گھروں میں بہت سے دلچسپ مناظر بکھرے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ عورتیں ہندوستانی عورتوں کی طرح گھڑوں میں پانی بھر کر لاتی تھیں ان کے لباس زیادہ تر سیاہ ہوتے تھے اور مرد گھونا خاکی لباس میں نظر آتے تھے۔

بہرحال خانقاہ کے آس پاس زندگی بڑے اچھے انداز میں بکھری ہوئی تھی ایک طرف جو کے کھیتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ جو کے کھیتوں سے پرے شلجم کے کھیت پھیلے ہوئے تھے۔ جن میں بانسوں پر مردہ کوے جگہ جگہ لٹکے نظر آ رہے تھے اور ایک جگہ ہی ایک ایسے شخص سے ملاقات ہوئی جو شاید ہندوستانی تھا۔ اس کا نام دیال سنگھ تھا اور وہ نہ جانے کب سے اس قصبے میں مقیم تھا وہ یہیں کھیتی باڑی کرتا تھا اس نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کامران کو سلام کیا۔ اور کہنے لگا۔

''لگتا ہے آپ ہندوستانی ہیں مہاراج!'' کامران نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور کہا۔

''تمہارا کیا نام ہے۔''

''دیال سنگھ''

''یہیں رہتے ہو؟''

''جی سرکار! یہ کھیت ہمارے ہی ہیں۔''

”بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر دیال سنگھ! اصل میں، میں خانقاہ کی طرف جا رہا ہوں۔“

”کون سی خانقاہ؟ ویسے تو مہاراج یو کے پھیلے ہوئے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی عبادت گاہیں۔“

”مجھے یہ بتایا گیا تھا کہ جھیل یانگو کے کنارے ایک خانقاہ ہے۔“

”ہاں۔ وہ تو آگے ہے۔ یہاں سے آپ سیدھے آگے چلے جائیں گے تو آگے چل کر آپ کو سوکھے صنوبر کے جنگل ملیں گے۔ بس انہیں پار کیا تو جھیل یانگو سامنے آ جائے گی مگر مائی باپ بائیں سمت کی طرف نہ جائیں وہ جگہ اچھی نہیں ہے۔“

”کیوں وہاں کیا ہے؟“

”بھوتوں کا جنگل کہلاتا ہے وہ بہت ہی پرانی کہانیاں ہیں وہاں کی جن میں سے ایک کہانی میں بھی آپ کو سنا سکتا ہوں۔“

”بولو۔“

”وہاں ایک گاؤں تھا۔ کسی زمانے میں وہاں بدھ رشی پدم سمبھو جب پہاڑی راکھشسوں کا خاتمہ کرنے کے لیے یہاں آئے تو ایک مادہ راکھشس وہاں سے بھاگ گئی۔ اس نے گاؤں والوں کو ایک ہیرا دیا اور کہا کہ وہ پدم سمبھو کو اس کے بارے میں نہ بتائیں۔ پدم سمبھو نے وہ ہیرا گوبر میں بدل دیا تو گاؤں والے سمجھے کہ وہ راکھشس انہیں دھوکا دے کر نکل گئی۔ انہوں نے پدم سمبھو کو سب کچھ بتا دیا اور اس کے بدلے میں اس راکھشس نے گاؤں پر سیلاب چھوڑ دیا۔ سارے گاؤں والے مر گئے اور اب ان کی روحیں وہاں بھٹکتی رہتی ہیں۔“ دلچسپ کہانی تھی۔ کامران نے ہنس کر کہا۔

”یار! کہانی تو واقعی بڑی مزے دار ہے چلو خیر۔“

”سرکار آئیے۔ کچھ کھا پی لیں ہمارے پاس اپنے دیس کا کوئی آدمی آتے تو بڑا اچھا لگتا ہے۔“

کامران نے اب اسے یہ تو نہیں بتایا کہ وہ ہندوستان کا باشندہ نہیں ہے۔ لیکن اس کا دل توڑنا بھی کامران نے مناسب نہیں سمجھا۔ اروے نے کامران کو پنیر اور مولیاں کھلائیں اور کامران اس کا شکریہ ادا کر کے آگے بڑھ گیا۔

آخر کار یہ فاصلہ بھی طے ہوا اور جھیل یانگو نظر آنے لگی۔ پہلے بھی اسے ایک جھیل نظر آئی تھی جس کے کنارے آبادی پھیلی ہوئی تھی اور پانی بھرنے والیاں اس سے پانی بھر رہی تھیں لیکن وہ یانگو نہیں تھی۔ یانگو ایک اچھی خاصی بڑی جھیل تھی۔ تقریباً ایک میل چوڑی اور نہ جانے کتنی گہری تھی۔ اطراف کے مناظر دیکھ کر اندازہ ہوا کہ اس کے ارد گرد کوئی تند دریا ہوگا اور کسی زلزلے نے چٹانی تودوں سے اس دریا کا راستہ بند کر دیا ہوگا۔ جس کی وجہ سے یہ جھیل وجود میں آئی۔ ایک خانقاہ کے علاوہ یہاں اور کوئی آبادی نہیں تھی اور یہی خانقاہ کامران کی منزل تھی۔ اندھیرا تیزی سے پھیلتا جا رہا تھا اور مناظر اس میں ڈوبتے جا رہے تھے۔ خانقاہ کے پاس ہی ایک جگہ منتخب کر کے وہ بیٹھ گیا اور وقت گزرنے کا انتظار کرنے لگا اطراف سے نہ جانے کیسی کیسی آوازیں ابھر رہی تھیں۔ ویسے واقعی بہت خوف ناک جگہ تھی خانقاہ میں کوئی رونق نہیں تھی۔ شاید یہاں کوئی تھا ہی نہیں اس پراسرار اور ہیبت ناک ماحول میں عجیب عجیب خیالات ذہن میں آ رہے تھے وہ کہانی بھی ذہن میں اتر رہی تھی جو اس دیال سنگھ نے سنائی تھی۔ سیلاب کی آواز تک کانوں میں ابھر رہی تھی۔ وقت گزرنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ دفعتاً ایک طرف سے ایک روشنی سی محسوس ہوئی اور کامران اچھل پڑا۔ خانقاہ میں کوئی چراغ روشن ہوا تھا اس کا مطلب ہے کہ کوئی اندر موجود ہے۔ چند لمحے وہ سوچتا رہا پھر اٹھنے کا ارادہ کر رہی رہا تھا کہ خانقاہ کے بوسیدہ دروازے سے کوئی برآمد ہوا اور کامران اپنی جگہ ٹھٹک گیا وہ بدھ بھکشو کے لباس میں طویل القامت ایک سایہ سا تھا۔ ابھی وہ اسے دیکھ ہی رہا تھا کہ اس کے پیچھے کئی دیگر سائے بھی نظر آئے۔ یہ سب عبادت گزار تھے لیکن نہ جانے کیوں کامران کی چھٹی حس اسے ایک عجیب سی کیفیت کا احساس دلا رہی تھی۔ وہ ایک قطار میں آگے بڑھنے لگے اور خانقاہ کے بائیں سمت ڈھلان میں اترنے لگے۔ ان کا انداز مشینی تھا۔ کامران دھڑکتے دل سے انہیں دیکھتا رہا۔ کچھ دیر بعد وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تھے۔ خانقاہ کا وہ مدھم چراغ روشن تھا پھر آسمان پر چاند نکل آیا اور آسمان پر چاندنی روشن ہونے لگی۔ ماحول کچھ اور پراسرار نظر آنے لگا تھا۔ گھڑی کی سوئیوں نے رات کے دس بجائے تو کامران آہستہ آہستہ چلتا ہوا خانقاہ کے دروازے پر آ گیا سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سیتا کہاں ہے کیا اس ہول ناک رات میں وہ بھی اتنا فاصلہ طے کر کے یہاں آئے گی۔ یا پھر وہ پہلے کہیں موجود ہے۔ خانقاہ کے دروازے کے پاس پہنچا تو ایک ستون کے پاس اس نے سیتا کو کھڑے دیکھا۔ دل دھڑک کر رہ گیا۔

سیتا اس وقت انتہائی پراسرار لگ رہی تھی ایک زندہ وجود لیکن جس کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ وہ چند قدم آگے بڑھی اور پھر اس نے گردن خم کر کے کہا۔

”جے گرو دستو...... جے پاتال پرتی...... جے پاتال پرتی۔“

”میں آ گیا ہوں سیتا۔“

”آپ اندر آ جائیے پربھو! باہر کی فضا ٹھیک نہیں ہے۔“

”کیا مطلب؟“ کامران نے تعجب سے پوچھا۔

”کچھ لوگ سائے کی طرح ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔“

”اوہو۔ ابھی ابھی اس خانقاہ سے کچھ لوگ باہر نکلے تھے۔“

”ہاں۔ میں نے دیکھا تھا آپ آئیے۔“ اس نے کہا اور خانقاہ کے دروازے سے اندر داخل ہو گئی۔ خانقاہ کے اندر بدن ٹھٹھرا دینے والی سردی تھی۔ جبکہ باہر کی فضا بالکل صاف شفاف تھی یا پھر یہ خوف کا احساس کہا جا سکتا ہے جو کامران کے وجود میں جا گزیں تھا۔ ایک طویل راہداری سے گزر کر وہ ایک کمرے میں داخل ہو گئی۔ جہاں کچھ نہیں تھا پھر اس نے ایک دیوار کے قریب جا کر وہاں کچھ ٹٹولا پتھر کھسکنے کی آواز سنائی دی اور تیز روشنی سے کمرا منور ہو گیا۔ سیتا نے کہا۔

”آئیے پاتال پرتی۔“ یہ کسی تہہ خانے کی سیڑھیاں تھیں آٹھ سیڑھیاں طے کر کے وہ تہہ خانے میں پہنچ گیا۔ یہاں دیواروں میں تین مشعلیں روشن تھیں اور ان کی روشنی کافی تھی اس روشنی میں ایک شخص ہرن کی چھال کی سرگ چھالہ پر پالتی مارے بیٹھا نظر آیا سیاہ کفن نما لباس میں ملبوس یہ گرشنک ہی تھا۔ جو اس وقت واقعی بہت پراسرار لگ رہا تھا گرشنک کا وجود کامران کے لیے کوئی اجنبی شخصیت نہیں تھی۔ کامران نے ان لوگوں کو جس انداز میں دیکھا تھا۔ کسی اور نے نہیں دیکھا ہوگا۔ اس نے کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا اور

گردن خم کر کے بولا۔

"پاتال پرمتی! ہم بے ادبی کر رہے ہیں۔ لیکن ہماری مجبوری سمجھ کر ہماری اس بے ادبی کو معاف کر دینا ہم جن حالات کا شکار ہوئے ہیں۔ انہوں نے ہمیں اس کے لیے مجبور کر دیا ہے بس یوں سمجھ لو کہ ہم تاریخ کی ایک مشکل کا شکار ہوئے ہیں جس کی پیش گوئی دلائی لامہ نے برسوں پہلے کر دی تھی سو سال پہلے، لیکن ہمیں یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ دور ہمارا ہوگا۔ جب ہمیں ان برے حالات کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"گرشک مجھے نہیں معلوم کہ تم کیسے اس مصیبت کا شکار ہوئے ہو۔ میں تو تمہارے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا بالکل اتفاقیہ طور پر تم میرے سامنے آئے اور میں آج تمہیں سچائی سے بتاؤں کہ جو کچھ کہہ کر تم مجھے مخاطب کرتے ہو۔ یعنی دھرم وشتی، پاتال پرمتی وغیرہ وغیرہ۔ میں اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا لیکن میرے دل میں خواہش ہے کہ تم مجھے اس کے بارے میں بتاؤ۔"

"ضرور بتائیں گے مہوستو۔ ضرور بتائیں گے پاتال پرمتی۔ مگر ہر کام کا ایک وقت مقرر کر دیا جاتا ہے آپ تو ہمارے دیوتا ہیں۔ ہم تو آپ سے بہت سی امیدیں لگائے بیٹھے ہیں۔ یہ سب کچھ آپ کو خود ہی یاد آجائے گا۔ دھرم وستونیہ، ستی پرجنی آپ کا انتظار کر رہی ہے اور یہ ایک انوکھی کہانی ہے۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ آپ اس وقت تک ہمیں معاف رکھیں گے۔ جب تک کہ اس کام کا وقت نہ آجائے۔ یہ تاریخ کی کہانی ہے مہاوستو اور تاریخ ہی اس کا انکشاف کرے گی۔ ہم تو صرف وہ ہیں جنہیں تاریخ کے اس کھیل کی حفاظت سونپی گئی ہے۔ مگر ہم آپ کی مدد کے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ ابھی اگر ہم آپ کو وہ کہانی بتائیں گے تو آپ کو سمجھ میں نہیں آسکے گی آپ ہمیں جھوٹا سمجھیں گے الجھ جائیں گے۔ اس سے پہلے پاتال پرمتی اس بارے میں جاننے کی کوشش مت کرو۔ اس بارے میں جاننے کی کوشش مت کرو صرف ہماری مدد کرو ہمیں تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ اگر تم یہ سوچتے ہو کہ تمہیں کوئی خزانہ درکار ہے تو پاتال پرمتی، پاتال میں سونے چاندی اور ہیرے جواہرات کے انبار ہیں۔ اگر تم اس دنیا کے حساب سے سوچو تو سو ٹرک بھر کر بھی اگر تم یہ خزانہ لانا چاہو تو یہاں بہت معمولی سا حصہ ختم ہوگا۔ پاتال پرمتی! وہ سب تمہارے لیے ہے روشنی والے پتھر جن کا تمہاری دنیا میں بہت بڑا مقام ہے۔ وہاں زمین بنانے کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں اور تم ان پر چل کر بڑی خوشی محسوس کرو گے لیکن وقت کا اندازہ ہونا چاہیے۔"

"تو اب یہ بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا ہے۔"

"ابھی ہم لوگوں نے تمہیں یہاں تک جس لیے تکلیف دی ہے۔ وہ ایک خاص مقصد کے لیے ہے کیا تم ہماری مدد کرو گے۔"

"ٹھیک ہے میں تیار ہوں۔"

"تم نے کچھ لوگوں کو یہاں سے جاتے ہوئے دیکھا ہے۔ یہ لوگ ہمارے دشمن ہیں اور بڑی پراسرار قوتوں کے مالک ہیں۔ وہ سونگھ لینے کی قوت رکھتے ہیں اور جو کچھ وہ تلاش کرتے پھر رہے ہیں وہ ہماری اہم ضرورت ہے۔"

"ہوں۔ بہرحال بولو کیا کرنا ہے ہمیں۔" اچانک ہی گرشک نے دونوں ہاتھ اٹھائے کچھ آہٹیں

سنائی دیں تھیں۔ سب اچانک ہی خاموش ہو گئے تھے اور ان آوازوں پر غور کر رہے تھے۔ پھر سیتا کی آواز سنائی دی۔

"کوئی ہے۔" کامران کو بھی اندازہ ہو چکا تھا کہ کوئی بہت ہی قریب ہے وہ خود بھی رک کر یہ آوازیں سننے کی کوشش کرنے لگا تھا۔ پھر دھماکے سنائی دینے لگے۔ اور کچھ ہی لمحوں کے بعد انہیں اندازہ ہو گیا کہ یہ فرش کو کسی ٹھوس چیز سے پیٹنے کے دھماکے تھے۔

"اس کا مطلب ہے کہ وہ لوگ فرش کے نیچے کی جگہ خالی ہونے کا اندازہ لگا رہے ہیں۔ غالباً انہیں کسی تہ خانے کی تلاش ہے۔"

"سو فی صدی ایسا ہی ہے۔" کامران نے سرگوشی کی۔ گرشک ابھی تک خاموش تھا۔ آہٹیں مسلسل ابھر رہی تھیں اور اندازہ ہوتا تھا کہ وہ لوگ بڑی شدت سے یہ کام کر رہے ہیں۔ اچانک ہی کامران نے پوچھا۔

"باہر نکلنے کا کوئی اور راستہ ہے۔" گرشک خاموشی سے اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ پھر وہ بولا۔

"آؤ...... میرا خیال ہے وہ نیچے آنے کا راستہ تلاش کر لیں گے۔ کامران اور سیتا گرشک کے ساتھ ایک سمت بڑھ گئے۔ گرشک تیز قدموں سے چلتا ہوا ایک بڑے سنگی مجسمے کے پاس پہنچا اور پھر مجسمے کے عقب میں موجود ایک خلا میں تینوں اتر گئے۔ غالباً کوئی گہری سرنگ تھی جس میں اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ گرشک نے کہا۔ ششش

"میرے قدموں کی آواز پر چلے آؤ...... یہاں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ بہرحال ان لوگوں کو زیادہ سے زیادہ پچاس گز کا فاصلہ طے کرنا پڑا تھا اس کے بعد چڑھائی شروع ہو گئی۔ مزید پچیس گز چلنے کے بعد ہوا کے جھونکے اور روشنی محسوس ہوئی۔ یہ لوگ خانقاہ کے احاطے میں ہی نکلے تھے۔ باہر چاند نکلا ہوا تھا اور اس کی پراسرار روشنی میں احاطہ نمایاں تھا۔

اصل دروازے سے نکلنے کا خطرہ نہیں مول لیا جا سکتا تھا۔ گرشک احاطے کی دیوار کے پاس پہنچ گیا۔ احاطے کی دیوار اتنی بلند نہیں تھی کہ اسے عبور کرتے ہوئے کوئی خاص مشکل پیش آتی۔ سیتا نے بھی اطمینان سے دیوار کود لی تھی۔ ویسے اس بات کا کامران سے بڑا گواہ اور کون تھا کہ یہ دونوں جسمانی طور پر چھلاوے تھے۔ وہ رات کبھی نہ بھولنے والی رات تھی۔ جب کامران نے ان دونوں کو کرنل گل نواز کی کوٹھی کے دوسرے حصے میں درختوں پر چھلانگیں لگاتے ہوئے دیکھا تھا۔ لگتا نہیں تھا کہ وہ انسان ہیں بس ایسی پراسرار روحیں معلوم ہو رہی تھیں۔ جو آوارہ گردی کر رہی ہوں۔

بہرحال جس طرح وہ دیوار سے دوسری طرف پہنچے تھے۔ اس طرف وہ وسیع میدان تھا۔ لیکن کسی قدر ڈھلان میں تھا۔ آس پاس کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جس کی آڑ لے کر آگے بڑھا جائے۔ مجبوراً اسی راستے آگے بڑھنا پڑا لیکن وہ کچھ ہی دور گئے ہوں گے کہ فضا میں سیٹیوں کی آوازیں ابھرنے لگیں۔ یہ سیٹیاں منہ سے بجائی جا رہی تھیں۔

"بھاگو۔" گرشک بولا اور تینوں بھاگنے لگے۔ لیکن اچانک ہی پیچھے سے گولیاں چلنے لگیں اور یہ

شا دچنگا دہاں ان کے جسموں کو چھوتی ہوئی گزر گئیں۔ بہرحال خوف انسانی فطرت کا ایک حصہ ہے کامران بھی کچھ لمحے کے لیے تو بدحواس ہو گیا تھا۔ لیکن پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھالا گولیاں جس طرح اچانک چلی تھیں اور ان کے قریب سے گزری تھیں اس سے کوئی بھی حادثہ ہو سکتا تھا۔ لیکن خیریت ہی رہی اس کے ساتھ ساتھ ہی پیچھے سے انسانی آوازیں بھی سنائی دینے لگی تھیں۔ وہ لوگ چیختے دہاڑتے ہوئے ان کا تعاقب کر رہے تھے اور گولیاں برسا رہے تھے۔

"لیٹ جاؤ۔ نیچے لیٹ جاؤ۔" اچانک گرشک نے کہا اور واقعی اس مسلسل چلنے والی گولیوں سے بچنے کے لیے یہ ضروری تھا کہ سب زمین بوس ہو جائیں باقی باتیں تو بعد کی ہیں۔ لیکن اس وقت ان کے جسم ان گولیوں سے چھلنی ہو سکتے تھے چنانچہ وہ سب اوندھے لیٹ گئے۔ گرشک نے اچانک ہی منہ سے کچھ بے معنی آوازیں نکالیں اور سیتا اسے دیکھنے لگی۔ گرشک پھر اسی انداز میں کچھ بولا تھا اور سیتا نے اسی انداز میں کچھ جواب بھی دیا تھا۔ یہ باتیں کامران کی سمجھ میں نہیں آ سکی تھیں اچانک ہی سیتا بولی۔

"وہ لوگ کچھ لمحوں کے بعد ہمارے سروں پر پہنچ جائیں گے۔ اب ان سے مقابلہ کرنے کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ آنے دو اب جو ہوگا دیکھا جائے گا۔" کامران نے بھی کہا۔

دوڑتے ہوئے لوگ برق رفتاری سے ان کی طرف آ رہے تھے اچانک ہی کامران کے ذہن میں ایک خیال گزرا کہ وہ لوگ جو ایسے پستول رکھتے ہیں کہ اتنے اناڑی بھی نہیں ہوتے کہ کھلے میدان میں دوڑتے ہوئے تین آدمیوں کو نشانہ نہ بنا سکیں۔ اس کا مقصد ہے ہے انہوں نے صرف انہیں روکنے کے لیے یہ گولیاں برسائی ہیں۔ اچانک ہی کامران کی نگاہ گرشک کی جانب اٹھ گئی۔ گرشک کچھ عمل کر رہا تھا۔ کامران نے دیکھا کہ وہ اپنی کلائی میں پڑے ہوئے ایک کڑے کو کلائی سے اتار رہا ہے۔

ویسا ہی دوسرا کڑا اس کی کلائی میں پڑا ہوا تھا۔ کڑے سے ایک باریک تار منسلک تھی۔ تقریباً دو فٹ لمبا وہ تار ڈھیلا کیا اور کڑا نیچے لٹک گیا۔ کامران کی نگاہیں ان لوگوں کی جانب اٹھ گئیں جو ان کے سروں پر پہنچ گئے تھے۔ ان کی تعداد چھ سات تھی۔ وہ سب خاص انداز کے چست لباسوں میں ملبوس تھے۔ ان لباسوں کا رنگ سیاہ تھا لیکن ان کے چہرے کھلے ہوئے تھے اور ایک لمحے کے اندر اندازہ ہو جاتا تھا کہ وہ ہمالیائی باشندے ہیں۔ ان میں دو سفید فام بھی تھے۔ ہمالیائی باشندوں کے ہاتھوں میں سیاہ چمکدار ڈنڈے چمک رہے تھے ان میں ایک باشندہ ان سب میں نمایاں حیثیت کا مالک تھا۔ اتنے دراز قامت لوگ اس علاقے میں کم ہی نظر آتے ہیں۔ چوڑی کلائیاں لبادے میں چھپے ہوئے بدن کی قوت کا اظہار کر رہی تھی۔ اس کا چہرہ بھی بے حد خطرناک تھا انہوں نے ان کے گرد گھیرا ڈال لیا تو ایک سفید فام نے جس کے ہاتھ میں پستول دبا ہوا تھا کڑک کر کہا۔

"کھڑے ہو جاؤ اگر کوئی جنبش کی تو۔"

"کیا چاہتے ہو تم؟" گرشک نے سوال کیا۔

"کھڑے ہو جاؤ...... سب سے پہلے کھڑے ہو جاؤ۔" گرشک آہستہ سے زمین سے اٹھا اور کھڑا ہو گیا۔

"اے تم بھی...... اور دونوں ہاتھ اوپر رکھو۔" دوسرے سفید فام نے کامران کے کمر پر ٹھوکر مار کر کہا۔

"چنانچہ کامران بھی آہستہ سے کھڑا ہو گیا لیکن جب ایک مقامی باشندے نے سیتا کے بال پکڑ کر اسے کھڑا کرنے کی کوشش کی تو نہ جانے کامران خود کو باز نہ رکھ سکا اس نے ایک زبردست ٹھوکر اس شخص کی پنڈلی میں ماری اور اس کے حلق سے ایک دردناک چیخ نکل گئی۔ سیتا نے نہ جانے کیا کیا کہ وہ فضا میں بلند ہو کر گردن کے بل نیچے گرا اور اس کے حلق سے کسی مرتی ہوئی بطخ کی آواز نکلی۔ پتھریلی زمین پر اس کی گردن کی ہڈی ہی نہیں ٹوٹی تھی بلکہ سر کے بھی پرخچے اڑ گئے تھے اور اس کے بعد ظاہر ہے کھیل تو شروع ہونا ہی تھا لمبے تڑنگے آدمی نے اچانک کامران کے شانے پر ہاتھ مارا اور کامران اپنا توازن نہ سنبھال سکا۔ جونہی وہ نیچے گرا قوی ہیکل پہلوان نما آدمی اس کے سینے پر سوار ہو کر اپنے چوڑے ہاتھ سے اس کی گردن دبانے لگا لیکن کامران بھی اب ان حالات کا عادی ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس نے عقب سے دونوں پاؤں اٹھا کر اس کی کنپٹیوں پر دے مارے جس کی بنا پر اس کی گردن آزاد ہو گئی اور پھر اس نے اس گرانڈیل شخص کو خود پر سے دھکیل دیا۔

دفعتاً فضا میں شائیں شائیں کی آواز ابھری اور ایک سفید فام جو گرشک کا نشانہ لے رہا تھا بری طرح چیخ پڑا۔ شائیں شائیں کی آوازیں بھی مسلسل ترنم پیدا کر رہی تھیں اور کامران دنیا کا سب سے حیرت ناک منظر دیکھ رہا تھا۔ سفید فام کی کلائی صابن کی طرح کٹ گئی تھی اور پستول اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا پڑا تھا۔ بات اسی حد تک ہوتی تو قابل قبول ہوتی لیکن اسی لمحے سفید فام کے بدن پر پڑنے والی لکیروں سے خون کی دھاریں پھوٹ گئیں اور پھر اس کے بدن کے بے شمار ٹکڑے بالکل اسی طرح کٹ کر زمین پر گر پڑے جیسے ہم کسی مولی کو درمیان سے کاٹ دیتے ہیں۔ شائیں شائیں کی آوازیں گرشک کی کلائی سے منسلک اس کڑے سے بلند ہو رہی تھیں۔ جس کا دوسرا حصہ فضا میں گردش کر رہا تھا۔ دوسرے سفید فام پستول بردار کا بھی یہی حشر ہوا۔ پستول وہ دونوں ہی استعمال کر رہے تھے۔ باقی تینوں نے چمکدار سیاہ ڈنڈے سنبھال لیے اور پیچھے ہٹ گئے۔ زمین پر گرے ہوئے قوی ہیکل شخص نے کسی مینڈک کی طرح زمین پر ہاتھ پاؤں ٹکا کر کامران پر چھلانگ لگائی۔ وہ کامران کو اٹھنے نہیں دینا چاہتا تھا۔ لیکن کامران بھی ابھی غافل نہیں ہوا تھا۔ اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور اس کی چھلانگ خالی گئی۔ لیکن اس کم بخت نے ایک لمحے رکے بغیر دوسری طرف چھلانگ لگائی۔ بے حد خوفناک انداز تھا اس کا۔ کامران بھی اگر زندگی بچانے کے لیے جدوجہد نہ کر رہا ہوتا تو وہ خوفناک آدمی اس پر آ پڑا تھا۔ چوتھی بار کامران نے ایک اور ترکیب کی اس بار جونہی وہ اس کے اوپر آیا اس نے پاؤں سیدھا کر دیا اور پوری قوت سے اس کے سینے پر ٹھوکر مار دی۔ اس دوران وہ الٹ گیا تھا۔ سیتا اس دوران پیچھے ہٹ گئی اور تینوں مقامی آدمی گرشک سے الجھ پڑے۔ وہ ڈنڈے دونوں ہاتھوں میں سنبھالے اس کے گرد گھوم رہے تھے۔ گرشک خاموشی سے کھڑا ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔

دفعتاً تینوں دہاڑتے ہوئے گرشک پر حملہ آور ہوئے اور شائیں شائیں کی آواز پھر گردش کرنے لگی۔ کامران نے تینوں کے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے ڈنڈوں کو ٹکڑوں میں تقسیم ہوتے دیکھا اس کے ساتھ ہی مقامی جوان درمیان سے دو ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ بس اس منظر کو دیکھتے ہوئے ذرا سی چوک ہو گئی اس وقت کم بخت دراز قامت مقامی آدمی نے اسے چھاپ لیا تھا۔ اس نے کامران کے بال پکڑ کر اس کا سر زمین

پرو ے مارا اور کامران کی آنکھوں کے سامنے ستارے ناچ گئے۔ اگر سیتا اسے کامران کے اوپر سے اٹھا کر دور نہ پھینک دیتی تو شاید وہ اس کا سینہ پاش پاش کر دیتا۔ کامران نے اسے خود پر سے اچھل کر دور گرتے ہوئے دیکھا اس کے بعد اسے کچھ نظر نہیں آیا تھا۔ دماغ پر قابو پانے کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں اور اس کے ذہن نے ساتھ چھوڑ دیا اور عقل و دانش کے یہ فاصلے نہ جانے کتنے طویل رہے۔ ایک عجیب سی آواز اسے ہوش میں لے آئی۔ غور کیا تو یہ ڈھول کی آواز تھی اور پاس ہی کہیں سے جھانجھن کی آواز بھی ابھر رہی تھی۔ کامران نے آنکھیں کھول کر اپنے ماحول پر غور کیا تو خود کو ایک خیمے میں پایا۔ آس پاس کوئی نہیں تھا اٹھنے کی کوشش کی تو پنڈلی کے پاس چبھن کا احساس ہوا۔

بہرحال اٹھ کر بیٹھ گیا پنڈلی کو ٹٹولا تو یہاں ایک باریک سی سوئی پیوست نظر آئی۔ کامران نے اس سوئی کو کھینچ کر حیرت سے اسے دیکھا۔ پنڈلی کے علاوہ پاؤں کی پانچوں انگلیوں میں بھی اسی ساخت کی مخصوص سوئیاں پائیں۔ ایسی ہی چند سوئیاں اس کی کنپٹیوں میں بھی پیوست تھیں۔ دل کو عجیب سے خوف کا احساس ہونے لگا یہ سب کیا ہے کون سی جگہ ہے۔ گزرے ہوئے واقعات ذہن سے دور نہ رہے اور وقت کا اندازہ کیا تھا تو صبح ہونے والی تھی۔ رات گزر چکی تھی لیکن اپنی اس کیفیت کا اسے کوئی اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ یہ سب کیسے ہوا۔

آخرکار وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر نکل آیا اور چند گز کے فاصلے پر اس نے ایک بدھ خانقاہ دیکھی جہاں عبادت ہو رہی تھی۔ عبادت گزار قطار در قطار ادھر سے ادھر آ جا رہے تھے۔ اطراف میں بے شمار خیمے بکھرے ہوئے تھے۔ کامران پاگلوں کی طرح ادھر ادھر دیکھنے لگا لیکن کرشنک اور سیتا اسے نظر نہیں آ رہے تھے۔ وہ شدید حیرانی کا شکار ہو گیا آخر یہ سب کیا ہے وہ یہاں کیسے آ گیا اور وہ دونوں کہاں غائب ہو گئے۔ عبادت گزاروں میں ان دونوں کو تلاش کرنے میں بھی ناکام ہی رہا وہ کافی دور نکل آیا تھا قرب و جوار میں عمارتیں بھی نظر آ رہی تھیں۔ جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ کوئی شہر ہے لیکن کون سا شہر بہت دیر تک سوچتا رہا آخر فیصلہ یہی کیا کہ یہاں رک کر ان کا انتظار کرنا بے سود ہے اس سے پہلے بھی وہ کئی بار اس انداز میں ملے اور الگ ہوئے تھے ان کے بارے میں تو یہ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا کہ رات کو ان کا کیا حشر ہوا لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا اسے یہاں لایا گیا ہے۔ یقینی بات ہے یہ وہ جگہ تو نہیں تھی جہاں وہ پہلے سے موجود تھا۔ مگر یہاں لانے والے وہ لوگ تو نہیں ہو سکتے جنہوں نے ان پر حملہ کیا تھا۔

بہرحال اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا مشکل تھا جب جوں حالات پر غور کر رہا تھا عقل ساتھ چھوڑتی جا رہی تھی۔ اس نے کرشنک کی خوفناک جنگ بھی دیکھی تھی۔ جو ناقابل یقین تھی۔ وہ انوکھا ہتھیار جو صرف لوہے کے دو کڑوں پر مشتمل تھا اور اس کے بعد اس کی کاٹ تلوار کی کاٹ سے ہزار گنا زیادہ تھی اور اس کے بعد سیتا کی پھرتی اور قوت ان دونوں کی نامانوس زبان...... سر بری طرح دکھنے لگا۔ سر کے عقب میں دوسرا اسرار ابھرا ہوا تھا۔ یہ اس قوی ہیکل مقامی آدمی کی وجہ سے نمودار ہوا تھا اور یہ بدن میں چبھی ہوئی سوئیاں، ایک اور خیال اس کے دماغ میں آیا لیکن اسے یہاں اس جگہ کسی خاص مقصد کے لیے تو نہیں چھوڑا گیا۔ ممکن ہے وہ لوگ تعاقب کر کے یہ اندازہ لگانا چاہتے ہوں کہ میں کہاں جاتا ہوں۔ ایسی شکل میں اگر اس نے ادھر کا

رخ کیا جہاں وہ لوگ ٹھہرے ہوئے تھے تو مصیبتیں نازل ہو جائیں گی۔

بہرحال بڑی انوکھی کیفیت تھی اس وقت اور صحیح معنوں میں وہ لمحات تھے جب کسی بھی سلسلے میں فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے اور پھر اچانک ہی ایک نام ذہن میں ابھرا شانگیو...... شانگیو بہت سی مشکلوں کا حل بن سکتا تھا اور اس کی رہائش گاہ کامران کے لیے کافی محفوظ ثابت ہو سکتی تھی۔ خاص طور سے ان لمحات میں اگر کوئی کامران کے تعاقب میں ہے بھی تو شانگیو کی رہائش گاہ اس کے لیے بھی دلچسپ ہو سکتی ہے۔ اس خیال سے کامران کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی اور اس نے تیز رفتاری سے ان عمارتوں کی جانب قدم بڑھا دیے۔ جو زیادہ دور نہیں تھیں۔

تھوڑی دیر کے بعد اسے ایک چوڑی سڑک نظر آئی اور اس نے عمارتوں کو پہچان لیا۔ جو کوئی بھی اسے یہاں تک لے آیا تھا اس نے کافی محنت کی تھی۔ بہرحال تھوڑی دور پہنچنے کے بعد اسے ٹیکسی مل گئی اور ٹیکسی نے اسے شانگیو کی رہائش گاہ پر اتار دیا۔ شانگیو درحقیقت مارشل آرٹ سے بڑی واقفیت رکھتا تھا اور یہاں اس کا اپنا ادارہ موجود تھا اور اس نے کامران کو دعوت بھی دی تھی کہ اگر کبھی اسے وقت ملے تو وہ اس کے ٹیمپل میں آئے۔ اس وقت بھی ٹیمپل کے بڑے سے ہال میں شانگیو اپنے شاگردوں کو تربیت دے رہا تھا اس کے اطراف میں دو عمر رسیدہ لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ اسے دیکھ کر شانگیو ایک دم اٹھ گیا۔

''ہم ہا...... تم، میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ مجھے اس بات کی تو امید تھی۔''

''کس بات کی؟''

''یہی کہ تم یہاں ضرور آؤ گے۔''

''کیا واقعی۔''

''ہاں۔''

''چلو ٹھیک ہے۔ میں تمہاری امید پر پورا اترا مجھے خوشی ہے۔''

''آؤ...... اندر چلیں۔ ویسے سب خیریت ہے نا۔ تمہارے حالات سے نہ جانے کیوں مجھے بے پناہ دلچسپی پیدا ہو گئی ہے آؤ......'' شانگیو اسے ساتھ لیے ہوئے ایک کمرے میں داخل ہو گیا۔ پھر بولا۔

''اچھا یہ بتاؤ کیا پیو گے۔''

''کچھ بھی پلا دو بلکہ کھلا بھی دو۔''

''ٹھیک ہے۔'' اس نے کہا اور ایک نوجوان کو بلا کر اسے کھانے پینے کی چیزیں لانے کے لیے کہہ دیا۔ پھر کامران نے کہا۔

''ویسے شانگیو! حقیقت یہ ہے کہ میں کافی الجھنوں کا شکار تھا۔ لیکن تمہارا تصور میرے لیے بڑا تسلی بخش ثابت ہوا ہے۔''

''خوشی ہوئی اس بات کو سن کر۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تمہیں اپنے مقصد میں کوئی کامیابی حاصل ہوئی۔''

''ابھی تک کچھ نہیں۔''

''ویسے میں خود بھی اپنے طور پر تمہیں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔''

"ضرور بتاؤ۔"

"یہ پراسرار کہانی بدھ تعلیمات سے تعلق نہیں رکھتی۔ ولائی لاماؤں کے کھیل بہت پراسرار ہوتے ہیں۔ نہ جانے کیوں مجھے یوں لگتا ہے۔ جیسے تمہارے اردگرد بہت ساری پراسرار قوتیں پھیلی ہوئی ہیں اور تمہیں کسی خاص مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہتی ہیں۔ ظاہر ہے تم صرف خزانے کے حصول کے لیے یہاں تک آئے ہو۔ میرا مطلب ہے اپنے لوگوں کے ساتھ۔"

"ہاں اور، وہ بھی میری ذاتی کوشش نہیں ہے۔"

"بہرحال تم ایک بات اپنے ذہن میں رکھو میں ایک مطمئن انسان ہوں۔ لیکن نہ جانے کیوں میرا دل چاہتا ہے کہ میں ہر طرح سے تمہارا ساتھ دوں۔ یہ سب تقدیر کے کھیل ہوتے ہیں۔ جو کام ہونا ہوتا ہے وہ ہو جاتا ہے۔ تم مجھے اپنے بہترین ساتھیوں میں سمجھ سکتے ہو۔"

"میں یہاں تک بلاوجہ ہی نہیں آیا۔ فی الحال مجھے کسی قیام گاہ کی ضرورت ہے۔"

"اوہو، کیسی قیام گاہ۔"

"چند گھنٹوں یا چند دنوں کے لیے کوئی قیام گاہ۔"

"کوئی ہوٹل؟" شانگیو نے سوال کیا۔

"نہیں ہوٹل نہیں۔"

"تو پھر یہ جگہ موجود ہے یہاں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

"یہ جگہ میرے لیے بے حد قیمتی ہے شانگیو! لیکن اس سے زیادہ قیمتی تم ہو میرے لیے..... جس انسان کو کوئی اور سہارا نہ حاصل ہو۔ اسے تم جیسے ہمدرد اور مخلف انسان کا سہارا بڑا قیمتی ہوتا ہے۔ میری وجہ سے تمہیں یہاں تکلیف ہوگی۔"

"بالکل نہیں مہمان کبھی باعث تکلیف نہیں ہوتے۔" کھانے پینے کی چیزیں آ گئیں اور اس کام سے فارغ ہونے کے بعد شانگیو نے کہا۔

"چلو اٹھو۔"

"کہاں؟"

"تمہیں تمہاری آرام گاہ دکھا دوں۔"

"شانگیو!"

"کچھ نہیں میں نے کہا نا یہ کوئی ایسا کام نہیں ہے جس کے لیے تم پریشانی کا شکار ہو۔"

"ٹھیک ہے۔" اس نے اس کا شکریہ ادا کیا اور وہ اسے ایک بڑے سے کمرے میں لے گیا۔ یہاں آرام کی تمام چیزیں موجود تھیں۔ غسل کرنے کے بعد کامران بستر پر دراز ہو گیا تھا۔

بہرحال وہ اپنے آپ کو یہاں محفوظ محسوس کر رہا تھا۔ اگر کسی نے اس کا تعاقب بھی کیا تھا تو شانگیو کے بارے میں جان کر وہ پریشان ہو جائے گا۔ بستر پر لیٹتے ہی خیالات کا سمندر تیزی سے اس کے ذہن میں موجزن ہو گیا۔ ایک ایک بات یاد آنے لگی۔ ایک ایک تصور باعث حیرت تھا۔ سیتا اور گرشنک اپنی زندگی کے

نہ جانے کون سے مشن میں مصروف تھے۔ وہ لوگ انتہائی پراسرار قوتوں کے مالک ہیں۔ ہوا میں سونگھ کر ایک دوسرے کا پتا چلا لیتے ہیں۔

بہرحال یہ بڑی عجیب و غریب بات تھی۔ پھر وہ لوگ جو اچانک ان پر حملہ آور ہوئے تھے۔ کتنے خوں خوار تھے۔ وہ تو تقدیر ہی تھی کہ کامران اس سے بچ گیا تھا ورنہ وہ آدمی تو آدمی سے زیادہ دیو معلوم ہوتا تھا۔ وہ کون تھا اور یہاں کیا کر رہا تھا اچانک ہی ایک اور احساس کامران کے دل میں پیدا ہوا۔ لیکن کچھ عوامل تھے جن کی بنا پر وہ یہ یقین کرنے کو تیار نہیں تھا کہ اس پر حملہ کرنے والا شخص کوروڈن ہو سکتا ہے دانش کا ساتھی کوئی عقل کی بات نہیں تھی۔

...... یہ سب کچھ بہت پراسرار تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ گرشنک اور سیتا ایک بار پھر گم ہو گئے تھے۔ شانگیو کی یہ رہائش گاہ بہت ہی آرام دہ ثابت ہوئی کامران کے لیے۔ پھر وہ خوب جی بھر کر سویا اور دوسرے دن صبح ہی جاگا۔ غسل وغیرہ سے فراغت حاصل کر کے وہ باہر نکل آیا۔ باہر مخصوص آوازیں سنائی دے رہی تھیں یہ آوازیں ہال سے ابھر رہی تھیں وہ بھی اس طرف بڑھ گیا۔ ہال میں شانگیو موجود تھا اور اس کے شاگرد مختلف قسم کی مشقیں کر رہے تھے۔ شانگیو اسے دیکھ کر مسکرایا اور بولا۔

"ہیلو ڈیئر کامران۔"

"ہیلو شانگیو۔"

"آؤ ان لوگوں کو دیکھو یہ ایک نئی دنیا ہے۔"

"ہاں واقعی اور اس نئی دنیا کو زمانہ قدیم کی اس تکنیک سے بہت دلچسپی ہے جو اس فن کی خوبی ہے۔"

"کیوں نہیں۔ ایسی ہی بات ہے ویسے تمہیں اس سے دلچسپی نہیں ہے۔"

"مجھے کبھی موقع نہیں ملا شانگیو۔"

"دوست! ایک بات کہوں تم سے جب بھی کبھی موقع ملے اس فن کو سیکھنے کی کوشش ضرور کرنا بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ تمہیں اپنے دشمنوں سے نجات مل جائے گی۔ بلکہ مارشل آرٹ دماغی صلاحیتوں کو جلا بخشتے ہیں اور ان کی مشقوں سے ذہنی قوتوں کو یکجا کرنے کی صلاحیتیں پیدا ہوتی ہیں۔" ابھی وہ یہی بات کر رہا تھا کہ دفعتاً ایک سمت سے کچھ آوازیں ابھرتی ہوئی محسوس ہوئیں اور یہ چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ ایک نوجوان لکڑی کے دو ٹکڑوں کو بجلی کی سی رفتار سے گھما رہا تھا۔ یہ دونوں ٹکڑے ایک زنجیر سے ایک دوسرے سے منسلک تھے اور آوازیں یہیں سے ابھر رہی تھیں۔ ایک لمحے کے اندر اندر وہ لمحات تازہ ہو گئے۔ جن میں گرشنک نے ایک کڑے اور تار کی مدد سے انسانوں کو صابن کی طرح کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ وہ ان نوجوانوں کو لکڑی کے دو ٹکڑے گھماتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"یہ کیا ہے؟"

"کہاں؟"

"وہی جو لڑکا گھما رہا ہے اور جس سے آوازیں پیدا ہو رہی ہیں۔"

"وہ ننچاکو ہے۔"

”کیا کام ہے اس کا۔“

”جس شخص کے ہاتھوں میں ہو وہ بیس دشمنوں کے سروں کے ٹکڑے اڑا سکتا۔ اس ہتھیار کی مدد سے۔“

”اس کی کوئی اور شکل بھی ہوتی ہے۔“

”یہ اپنی مرضی پر منحصر ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”ہر ماہر اپنے طرز کے ہتھیار ہی ایجاد کرتا ہے اور اس کے عمل میں مہارت حاصل کرتا ہے۔ اس میں گول لٹو بھی استعمال ہوتے ہیں اور نوکیلے ستارے بھی۔“

”کیا اسے گول کڑوں کی شکل میں بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔“

”کڑے؟“ شاتیگو نے سوال کیا۔

”ہاں۔ دو ایسے گول فولادی کڑے جو ایک ہاتھ کی کلائی میں پڑے ہوں اور ان میں سے ایک کڑا اتار لیا جائے اور وہ کسی ایسے باریک تار سے منسلک ہو جو نظر بھی نہ آتا ہو۔ پھر وہ کڑا شائیں شائیں کی آواز کے ساتھ فضا میں گونجے اور سامنے کھڑے ہوئے شخص کے بدن سے خون کی دھاریں پھوٹ نکلیں اور ہوا کا کوئی تیز جھونکا اس کے جسم کے حصوں کو کئی ٹکڑوں میں تقسیم کر دے۔“ شاتیگو پہلو بدل کر کامران کی طرف دیکھنے لگا اس کی آنکھوں میں اشتیاق تھا۔ اس نے کہا۔

”کیا تم نے ایسا کوئی مظاہرہ دیکھا ہے۔“

”ہاں ایک بار۔“ کامران نے فوراً ہی محتاط رویہ اختیار کیا۔

”کہاں..... کب؟“

”پرانی بات ہے غالباً جاپان میں۔“ کامران نے بات بنانے کے لیے کہا۔

”کون تھا وہ۔ کیا نام تھا اس کا۔“

”میں نے کہا نا کہ بس ایسے ہی یہ ایک رات کا واقعہ ہے جب میں جاپان کی سڑک پر جا رہا تھا وہ ایک بوڑھا آدمی تھا اور شاید اپنے دشمنوں میں گھر گیا تھا۔ پھر اس نے یہ مظاہرہ کیا تھا۔

”وہ کوئی بہت بڑا استاد ہوگا اور یہ فن اس کی اپنی ایجاد ہوگا۔ میں نے آج تک ایسا کوئی مظاہرہ نہیں دیکھا لیکن یہ بات سمجھ میں آتی ہے۔ گول کڑا اگر ٹھوس اور وزنی لوہے کا بنا ہوا ہو اور اس میں کوئی ایسا تار منسلک ہو جس کی کاٹ زبردست ہو۔ غالباً پلاٹینم اور فولاد کی اشتراک سے بنایا ہوا کوئی ایسا تار آتی ہی خوفناک کاٹ کا مالک ہو سکتا ہے۔ کڑے گھمانے والا اسے انسانی جسم کے مختلف حصوں میں اس طرح گزار دے کہ کھڑے ہوئے آدمی کو بھی نہ معلوم ہو کہ اس کے ساتھ کیا ہو گیا۔ لیکن اس کا بدن صابن کی طرح کٹ جائے۔ واہ کیا آئیڈیا ہے۔ لیکن بات معمولی نہیں ہے۔ کوئی بہت بڑا استاد ہی یہ کام کر سکتا ہے۔ کاش مجھے اس کے بارے میں معلوم ہو سکتا۔“ شاتیگو کے لہجے میں عجیب سی حسرت تھی اور کامران گرشک کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ پراسرار کردار، پراسرار لوگ۔ پراسرار عمل، گرشک اور سیتا واقعی عام لوگ نہیں تھے بلکہ انتہائی پراسرار کردار تھا ان کا۔

بہر حال شاتیگو کے ساتھ کامران نے کافی وقت گزارا لیکن ظاہر ہے کامران مستقل اس کے ٹھکانے پر تو پڑا نہیں رہ سکتا تھا۔ شاتیگو کو اس نے بڑا ہمدرد پایا۔ اور اس کے کردار میں اسے ایک بار پھر حسن شاہ کی جھلک محسوس ہوئی۔ حسن شاہ تو صرف ایک داغ تھا سینے پر جس نے بڑا اچھا کردار ادا کیا اس کے بعد کائنات کی وسعتوں میں گم ہو گیا۔ بہت بڑی چیز تھا وہ پھر اس نے شاتیگو سے اجازت لی اور وہاں سے چل پڑا۔

گزرے ہوئے پراسرار واقعات اس کے ذہن میں تازہ تھے اور یوں لگتا تھا جیسے ابھی تھوڑی ہی دیر قبل وہ ان واقعات سے گزرا ہو۔ اس نے اچانک ہی فیصلہ کیا تھا کہ ذرا نیل گروچ کی خبر بھی لے لے ویسے بھی والش نے اسے اپنی جاسوسی کے لیے بھیجا تھا اور وہ یقینی طور پر اس کا انتظار کر رہا ہوگا۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ کسی پراسرار ذریعے سے اس نے اس بارے میں معلومات بھی کرائی ہوں۔ پھر وہ وہاں پہنچ گیا۔ وہاں نیل گروچ، اس کی بیٹی ریٹا گروچ، والش اور دوسرے لوگ موجود تھے۔ ابھی تک والش نے ایسا کوئی عمل نہیں کیا تھا جس سے نیل گروچ یا اس کے ساتھ موجود لوگوں کو یہ احساس ہو کہ وہ والش کے قیدی بن چکے ہیں۔ سب سے پہلے کامران کی ملاقات ریٹا سے ہوئی۔ وہ کچھ عجیب سی کیفیات کا شکار نظر آ رہی تھی۔

”کہاں مر گئے تھے تم؟“ اس نے انتہائی بگڑے ہوئے لہجے میں کہا اور کامران چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

”کیسی ہیں آپ مس ریٹا! لگتا ہے شدید بے زاری کا شکار ہیں۔“

”ہاں میں زندگی سے بے زار ہو چکی ہوں۔“

”کیوں؟“

”اس کی وجہ تم ہو، صرف اور صرف تم۔“

”میں۔“

”ہاں۔“

”وہ کیوں؟“

”مت سوال کرو مجھ سے کوئی مت سوال کرو۔“ ریٹا نے کہا اسی وقت نیل گروچ ان کی آواز سن کر باہر آ گیا۔

”اوہ۔ تم..... تم کہاں غائب ہو گئے تھے بھئی۔ یہ غلط بات ہے ٹھیک ہے تم ہم میں سے نہیں ہو۔ نہ ہمارے گروہ میں شامل ہو تم لیکن کچھ اس طرح تم ہم میں داخل ہو گئے ہو کہ اجنبی نہیں لگتے۔ آؤ بیٹھو۔“

”ڈیڈی! کیا کہتے ہیں اب آپ اس بارے میں۔“ ریٹا نے جھنجھلائے ہوئے۔ لہجے میں کہا۔

”کس بارے میں۔“

”میں کہتی ہوں آخر ہمیں اس منحوس خزانے کا کیا کرنا ہے۔ کون سا ہم اپنی قبروں میں خزانے لے کر دفن ہوں گے۔ ڈیڈی کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی۔“

”اوہو مس ریٹا بہت پریشان ہو گئی ہیں۔“

”پریشانی کی بات ہے واقعی پریشانی کی بات تو ہے۔ لیکن ریٹا بہت سی حقیقتوں سے ناواقف

ہے۔" نیل گروچ نے دبی آواز میں کہا۔

"آپ بھی کچھ پریشان معلوم ہوتے ہیں مسٹر گروچ۔"

"بہت۔"

"کیوں...... کوئی خاص بات۔"

"بس خاص ہی باتیں ہیں ویسے تمہاری اطلاع کے لیے گورڈن واپس آ گیا ہے۔"

"گورڈن۔"

"ہاں وہی جس کے بارے میں، میں نے تمہیں بتایا تھا نا کہ دانش کے آدمیوں میں سے ہے اور دانش نے ان لوگوں کو اپنے منصوبوں کے مطابق بلایا ہے۔"

"اوہو اچھا۔ کوئی خاص بات۔"

"خاص بات بالکل نہیں ہے سوائے اس کے کہ وہ زخمی ہے۔"

"زخمی؟"

"ہاں۔"

"کیسے زخمی ہوا؟"

"میں نہیں جانتا۔"

"گڈ...... بڑی عجیب بات ہے۔"

"تم یہ بتاؤ۔ کیا تم کہیں جا رہے ہو؟ یا یہیں رہو گے میرے ساتھ۔"

"میں آپ کے ساتھ ہوں مس ریٹا! بس تھوڑے سے وقت کے لیے چلا گیا تھا۔" کامران کے الفاظ نے ریٹا کو کسی قدر نارمل کیا۔

بہرحال وہ بڑے الجھے ہوئے تھے۔ مسٹر نیل گروچ نے کہا۔

"آؤ...... میں تمہیں مسٹر گورڈن کو دکھاؤں۔" کامران ان کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ وہ مختلف خیموں سے گزرنے کے بعد وہ آخری خیمے کے سامنے پہنچ گئے۔ جس کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ نیل گروچ اندر داخل ہو گئے۔ کامران نے مسہری پر ایک لمبے تڑنگے شخص کو لیٹے ہوئے دیکھا اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن جیسے ہی کامران نے اس کے چہرے کا جائزہ لیا ایک لمحے کے لیے اس کے بدن کو جھٹکا سا لگا۔ یہ اجنبی آدمی نہیں تھا دوسری طرف بستر پر لیٹے ہوئے شخص نے کامران کو دیکھا اور ایک دم دونوں ہاتھ ٹکا کر اٹھنے کی کوشش کی۔

نیل گروچ دونوں کی کیفیت سے لاعلم تھا وہ مسہری کے پاس پڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا اور پھر اس نے کامران کی طرف دیکھ کر کہا۔

"مسٹر کامران! یہ گورڈن ہے۔" لیکن نہ کامران کے جسم میں جنبش ہوئی نہ گورڈن کے انداز میں کوئی تبدیلی ہوئی۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ کامران نے اپنے آپ کو سنبھالا اور چند قدم آگے بڑھ کر گورڈن کے قریب پہنچ گیا۔ لمبا تڑنگا آدمی جس کی پیشانی پر پٹی بندھی ہوئی تھی اس کے بازوؤں اور

کندھوں پر شدید زخم تھے۔ اس کا اوپری بدن کھلا ہوا تھا اور اس سے اس کے بدن کے بہترین مسلز نظر آ رہے تھے۔ اچانک ہی وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہونٹ بھنچ گئے۔ اس کی آنکھیں کسی ویرانے میں جلتے ہوئے چراغ کی مانند تھیں۔ خالی خالی اور بے نور اس وقت یہ عجیب و غریب آنکھیں اسے گھور رہی تھیں۔ بھنچے ہوئے ہونٹوں سے انتہائی سنگ دلی کا اظہار ہوتا تھا۔ تب اس نے نیل گروچ کی طرف دیکھا اور غرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"کون ہے یہ؟"

"کیوں؟ تم کچھ پریشان ہو گئے۔ گورڈن بیٹھو۔"

"میں پوچھتا ہوں۔ یہ کون ہے؟" اس کی آواز بہ دستور غرائی ہوئی تھی۔ ریٹا گروچ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ پھر اس نے اپنے باپ کو دیکھا جو نیل گروچ کو بھی احساس ہو گیا تھا کہ کوئی غیر معمولی صورت حال ہے۔ وہ اپنی کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا اور اس نے کہا۔

"گورڈن! بیٹھ جاؤ۔"

"ابھی نہیں، نیل گروچ ابھی نہیں۔ تم سامنے سے ہٹو۔" اس نے انتہائی سخت لہجے میں کہا اور پھر آہستہ آہستہ کامران کی جانب بڑھنے لگا۔ اب کامران کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ اپنے آپ کو تیار رکھے۔ گورڈن اس کے بالکل قریب پہنچ گیا اتنا قریب کہ اس کا بدن کامران کے بدن کو چھونے لگا اس کی آنکھیں گویا کامران کے دماغ کی ہڈیاں توڑ کر اس میں داخل ہونے کی کوشش کر رہی تھیں۔

بہرحال کامران نے اس شخص کو پہچان لیا تھا چونکہ چاندنی رات میں اس نے اس طویل قامت شخص کو اچھی طرح دیکھا تھا۔ جو گرشک کے مدمقابل اپنے ساتھیوں کے ساتھ آیا تھا اور اس کے بعد ایک زبردست جنگ ہوئی تھی۔ یہ شخص گرشک کے ہاتھ سے بچ گیا تھا۔ بعد کی صورت حال چونکہ کامران کو معلوم نہیں تھی۔ اس لیے وہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ کس طرح بچا چونکہ گرشک ایسی نہیں تھی جو آسانی سے اسے چھوڑ دیتی۔

ان تمام باتوں کے اظہار کا کوئی موقع نہیں تھا۔ کامران نے نیل گروچ کی طرف دیکھا اور بولا۔

"مسٹر نیل گروچ! یہ مذاق میری سمجھ میں نہیں آیا۔"

"گورڈن! پیچھے ہٹو۔ کیا میں دانش سے تمہاری شکایت کروں۔ میرے مہمان کے ساتھ تم کس طرح سے پیش آ رہے ہو۔"

"نہیں مسٹر نیل گروچ! پہلے مجھے اس آدمی سے کچھ بات کرنے دو۔ سنو...... کیا تم مجھے پہچانتے ہو؟"

"میں بھی تم سے یہی سوال کروں گا۔ کیوں مسٹر نیل گروچ! کیا کسی سے ملاقات کرنے کا یہی طریقہ ہے جس طرح یہ میرے سر پر مسلط ہونے کی کوشش کر رہا ہے اس کا میں کوئی انتظام کروں۔" کامران کے لہجے کی کرختگی نیل گروچ نے بھی محسوس کی تھی۔ ریٹا جلدی سے آگے بڑھی اور اس نے کامران کا بازو پکڑ کر پیچھے گھسیٹ لیا۔

"سنو کامران پلیز میری بات تو سنو۔ ڈیڈی! کیا ہے یہ سب کچھ کیا بدتمیزی ہے؟"

"میں کہتا ہوں گورڈن!" نیل گروچ ایک بار پھر گورڈن کی طرف بڑھا لیکن گورڈن نے نیل

گروچ کا بازو پکڑ کر اسے جھٹک دیا۔

"اس وقت میرا راستہ نہ روکو مسٹر نیل گروچ! اس شخص نے مجھے زخمی کیا ہے۔ یہی گرشک کا ساتھی تھا۔ یہی تھا وہ، میں اسے اچھی طرح پہچانتا ہوں۔"

"کیا؟" نیل گروچ کا منہ حیرت سے پھیل گیا لیکن اسی وقت ریتا آگے بڑھی اور دفعتاً اس نے نیل گروچ کی جیب سے ریوالور نکال لیا۔ چھوٹا آٹو میٹک ریوالور اس نے اس کا رخ گورڈن کی طرف کر دیا اور غرائی۔

"پیچھے ہٹو ورنہ میں تمہارے بدن میں سوراخ ہی سوراخ کر دوں گی۔" ریتا کے لہجے میں درندگی تھی گورڈن نے چونک کر اسے دیکھا اور دانت بھینچ کر نیل گروچ سے بولا۔

"گویا اب میں یہ سمجھوں کہ میں دشمنوں کے درمیان ہوں۔"

"تم پاگل ہو گئے ہو گورڈن! یہ میرا دوست ہے، یہ ہمارا ساتھی ہے کیسی فضول باتیں کر رہے ہو تم۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"میرا نام گورڈن ہے مسٹر گروچ! میں اگر ایک بار کسی کو دیکھ لیتا ہوں تو مرتے دم تک اسے نہیں بھول سکتا سمجھے تم۔ میں نے اس شخص کو گرشک کے ساتھ دیکھا تھا اور میں پورے اعتماد کے ساتھ کہتا ہوں کہ یہ وہی ہے۔"

"یہ ایک فضول بکواس ہے۔ بھلا اس کا تعلق گرشک سے کیسا؟" نیل گروچ نے کہا اور پھر کامران کی طرف رخ کر کے بولا۔

"مسٹر کامران! کیا تم گرشک سے مل چکے ہو۔"

"میں نہیں سمجھتا مسٹر نیل گروچ! بلکہ میں تو یہ سوچ رہا ہوں کہ اب آپ نے پاگلوں کی پرورش بھی کرنا شروع کر دی ہے۔"

"اپنی زبان سنبھال کے!" گورڈن نے دانت پیس کر کامران کی طرف قدم بڑھائے۔ لیکن دوسرے لمحے کامران نے ریتا کے ہاتھ سے پستول لپک لیا اور گورڈن کی طرف رخ کر کے بولا۔

"اور اگر اس کے بعد تم نے کوئی بدتمیزی کرنے کی کوشش کی تو یہ لڑکی شاید تم پر گولی نہ چلا سکتی لیکن میں......" گورڈن رک گیا وہ بری طرح تلملا رہا تھا۔ نیل گروچ اس کے آگے آیا اور اس کے سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر اسے پیچھے دھکیلتا ہوا بولا۔

"اگر تمہیں یہی سلوک میرے ساتھ کرنا تھا تو دانش نے بلاوجہ مجھے اپنا ساتھی بنایا، یہ مہمانوں سے گفتگو کرنے کا طریقہ نہیں ہے۔ پیچھے ہٹو اپنی مسہری پر بیٹھو اور صاف لہجے میں بات کرو کامران ہمارا دوست ہے وہ تمہیں کوئی غلط بات نہیں بتائے گا اور اگر تم سمجھتے ہو کہ اس وقت وہ تمہارے سامنے آیا تھا تو اس وقت یہ نہیں جانتا ہو گا کہ تم کون ہو۔"

گورڈن نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا پھر پیچھے ہٹتے ہوئے بولا۔

"نہیں مسٹر نیل گروچ!...... میں اپنے دشمنوں کو کبھی معاف نہیں کرتا۔ اس کی وجہ سے۔"

"سو فی صدی غلط فہمی ہوئی ہے تمہیں۔ سو فی صدی غلط فہمی ہوئی ہے یار! تم بھی ایلو تا

کامران! جواب دو اس بات کا کیا کسی وقت تم اس سے مل چکے ہو۔ براہ کرم اس کی اس وقت کی کیفیت کو معاف کر دو۔ آؤ...... مجھے اس بات کا جواب دو۔"

"نہیں مسٹر گروچ! میں نے اس شخص کو پہلی بار دیکھا ہے۔"

"ناممکن، ناممکن۔ میں پھر کہتا ہوں میری آنکھوں نے کبھی دھوکا نہیں کھایا۔ یہ وہی شخص ہے جو گرشک کے ساتھ تھا اور جس نے مجھے زخمی کیا تھا۔"

"میں واپس جا رہا ہوں۔ مسٹر نیل گروچ! اگر آپ اس پاگل کا دماغ درست کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو جب بھی آپ مجھے طلب کریں گے میں حاضر ہو جاؤں گا۔ آؤ ریتا!" کامران نے کہا۔ اور ریتا نے فوراً ہی واپسی کا رخ اختیار کیا نیل گروچ نے بھی انہیں روکنے کی کوشش نہیں کی تھی کامران ریتا کے ساتھ باہر نکل آیا لیکن اب اس کا ذہن زلزلوں کی زد میں تھا اس کا مطلب ہے کہ گورڈن نے گرشک کو تلاش کر لیا اور اب اس کے بعد کے حالات کیا ہوں گے۔ یہ ایک خطرناک صورت حال ہو گی۔ گورڈن یقیناً اس بات پر اصرار کرے گا کہ اس کی آنکھوں نے دھوکا نہیں کھایا۔ خیر کامران میدان چھوڑ کر بھاگنے والوں میں سے نہیں تھا۔ گورڈن کیا اس کا باپ بھی آ جائے بھلا اسے کیا فکر ہو سکتی تھی۔ البتہ گورڈن کو قتل کرنے کی ضرورت پیش آ گئی تو اس نے فیصلہ کیا کہ وہ دیر نہیں کرے گا۔ ریتا اسے ساتھ لیے اپنے کمرے میں آ گئی اس کا چہرہ بری طرح بگڑا ہوا تھا۔ اپنے کمرے میں داخل ہونے کے بعد اس نے کامران کو مسہری پر بٹھایا اور بولی۔

"واقعی اب ہم لوگ پاگل ہو گئے ہیں ہم واقعی پاگل ہو گئے ہیں براہ کرم اس واقعے کو ذہن پر بوجھ نہ بنانا۔ میں ڈیڈی سے بات کروں گی اور اس کے بعد میں وعدہ کرتی ہوں کہ اگر ڈیڈی کو نہ سنبھال سکی تو تمہیں بھی روکنے کی کوشش نہیں کروں گی۔ جو تمہارا دل چاہے کرنا۔ اس کے بعد میں تم پر سے اپنے تمام حقوق ختم کر دوں گی بھلا یہ کوئی بات ہوئی۔ ڈیڈی تو پاگل ہی ہو گئے ہیں سنک گئے ہیں بالکل۔ کیا کریں گے آخر ان لوگوں کے درمیان رہ کر؟ دانش ایک خطرناک آدمی ہے اور گورڈن اس کا دست راست ہم لوگوں کی ان کے درمیان گزر نہیں ہو گی۔ اچھا یہ بتاؤ کیا پلاؤں تمہیں۔"

"کچھ بھی پلاؤ میں کوئی ٹھنڈی چیز پینا چاہتا ہوں۔" کامران نے جواب دیا۔ ریتا نے کچھ ہی لمحوں کے بعد اس کا بندوبست کر لیا کچھ گھونٹ لینے کے بعد وہ بولی۔

"مجھے بہت افسوس ہے میری وجہ سے تمہاری اتنی بے عزتی ہو رہی ہے۔"

"تمہاری وجہ سے؟" کامران نے تعجب سے کہا۔

"ہاں کچھ بھی کہو تم، میں جانتی ہوں کہ دل کے راستے دل سے شروع ہو کر دل پر ختم ہوتے ہیں۔ سچ بتاؤ کیا تم میرے لیے یہاں نہیں آئے۔" کامران نے گہری سانس لی۔ پتا نہیں کیا چیز ہوتی ہیں یہ لڑکیاں خواہ مخواہ کی غلط فہمیوں کا شکار ابھی کوئی اور بات نہیں ہوئی تھی کہ نیل گروچ بھی یہاں پہنچ گیا۔

"بھئی جو کچھ تم پی رہے ہو وہ مجھے بھی پیوں گا ویسے میں تم سے شرمندہ ہوں ڈیئر کامران! مگر تم نے گورڈن کی تمام غلط فہمی دور کر دی ہے وہ بے وقوف پتا نہیں کیوں اس بات پر مصر ہے کہ تم ہی وہ شخص ہو جس نے اسے زخمی کیا ہے وہ ایسی ہی صورت حال سے دوچار ہوا ہے کہ اس کا ذہنی توازن بھی کسی قدر خراب ہو گیا

ہے۔ شاید تمہیں اس بات کا یقین نہ آئے کہ اس کے پانچ ایسے ساتھی مارے گئے ہیں۔ جن میں دو اس کے اپنے گہرے دوست اور ساتھی تھے اور باقی اس نے یہاں سے اکٹھا کیے تھے۔ لیکن وہ اس طرح مارے گئے کہ جو کچھ وہ سناتا ہے اس پر حیرت ہوئی ہے وہ کہتا ہے کہ ان کے بدن ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئے تھے ان کی لاشیں بھی نہیں سمیٹی جا سکیں۔ اور ابھی تک ان کی لاشیں ایک ویرانے میں ایک معبد کے قریب پڑی ہوئی چیل کوؤں کی غذا بن رہی ہیں گورڈن نے جو کہانی سنائی وہ انتہائی حیرت ناک ہے۔ بہر حال میں تم سے درخواست کرتا ہوں تم اس کی غلط فہمی کو معاف کر دو۔ میں نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا ہے کہ وہ کم از کم تم نہیں ہو سکتے۔ اصل میں جس وقت یہ واقعہ پیش آیا رات تھی چاند کی روشنی بھی تیز نہیں تھی کہ شکلوں کو صحیح طریقے سے پہچان لیا جائے۔ گورڈن کو غلط فہمی ہوئی تمہارے بارے میں وہ اب بھی مجھ سے یہی اصرار کر رہا ہے کہ اسے تمہاری شکل پہچاننے میں غلطی نہیں ہوئی۔ لیکن میں نے تمہارے بارے میں اسے ساری تفصیل بتا کر اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی ہے۔ بہر حال اب وہ نارمل ہو گیا ہے۔''

''مگر تعجب کی بات ہے اگر اس پر یہ پاگل پن مزید کچھ دیر سوار رہتا تو آپ خود سوچیے کہ کیا ہوتا۔ میں بھی کم از کم اپنا دفاع کرنے کا حق تو رکھتا ہوں۔''

''اس کی نوبت میں بھی نہیں آنے دیتا۔ تم اسے معاف کر دو میں خود شدید الجھنوں کا شکار ہو گیا ہوں۔ بعض اوقات تو دل الٹنے لگتا ہے میں سوچتا ہوں کہ ان تمام باتوں کا نتیجہ کسی خطرناک شکل میں ظاہر نہ ہو۔ بہر حال میں تمہیں وہ بات بتانا چاہتا ہوں جو گورڈن نے مجھے سنائی ہے۔ لاؤ بھئی جلدی سے ریٹا کیا کر رہی ہو تم میرے لیے کچھ منگواؤ اور سنو ریٹا جان! گورڈن کی اس بدتمیزی کو تم بھی نظر انداز کر دو۔ میں جانتا ہوں کہ جو کچھ اس نے کیا ہے وہ تم کو بھی سخت ناگوار گزرا ہوگا۔'' کچھ دیر خاموشی رہی نیل گروچ کے لیے مشروب آ گیا تھا اس نے گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

''گورڈن نے شدید جدوجہد کی تھی۔ اصل میں گرشنک ایک عجیب و غریب کردار ہے اب وقت آ گیا ہے کہ اس کے بارے میں تھوڑی سی تفصیلات مجھے معلوم ہوئی ہیں میں تمہیں ان تفصیلات سے آگاہ کروں۔ بس یوں سمجھ لو کہ دانش کو گرشنک اور کچھ اور کرداروں کی تلاش تھی اور اس نے گورڈن کی مدد سے وہ لوگ تلاش کر لیے گورڈن نے ذہانت سے کام لیتے ہوئے گرشنک کو ان خانقاہوں میں تلاش کیا اور اسے کامیابی حاصل ہو گئی۔ اس کے بیان کے مطابق، گرشنک ایک خانقاہ میں تھا لیکن جب گورڈن اس کا پتا لگاتا ہوا اس خانقاہ میں پہنچا تو گرشنک نے وہ جگہ چھوڑ دی۔ لیکن گورڈن دھن کا پکا ہے۔ اس نے وہ سارے راستے بند کر دیے۔ جس کے ذریعے گرشنک یہاں سے نکل سکتا تھا۔ وہ لوگوں سے گرشنک کے بارے میں معلومات حاصل کرتا رہا اور اس کے بعد اسے ایک ویران خانقاہ کا پتا چلا۔ جو جھیل یانکو کے کنارے واقع ہے۔ وہ دن قبل وہ رات کے وقت اس خانقاہ میں پہنچا۔ خانقاہ میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوتا تھا لیکن وہ شخص کہاں موجود تھا اس کے بارے میں وہ معلوم نہیں کر سکا۔ اس خانقاہ سے بھی باہر نکل آیا لیکن اس کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ یہاں تہ خانے وغیرہ نہ ہوں اس بار اس کی کوشش کامیاب ہوئی اس نے تہ خانہ تلاش کر لیا لیکن گرشنک کو پتا چل گیا کہ کوئی چند لمحے قبل اس تہ خانے میں داخل ہوا ہے اور پھر اس کے بعد ایک شدید مقابلہ ہوا۔''

''اوہ!''

''گورڈن کے بیان کے مطابق اس کے ساتھ ایک لڑکی اور نوجوان بھی تھا جنہوں نے اس سے جنگ کی۔ گرشنک نے کوئی خاص ہتھیار استعمال کیا اور گورڈن کے پانچ ساتھیوں کو قتل کر دیا۔''

''قتل......'' کامران کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''ہاں بھیانک قتل ان کے جسموں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہو گئے۔ وہ ہتھیار اس طرح انہیں کاٹتا ہوا گزر گیا جس طرح صابن کٹتا ہے۔ گورڈن خود بھی شدید زخمی ہوا اور بے ہوش ہو گیا۔ یہی چیز اس کی زندگی بچانے کا باعث بنی وہ شاید اسے مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے۔ ورنہ گورڈن بھی مارا جاتا۔'' کامران کے لیے بڑی عجیب کہانی تھی۔ اس نے تعجب بھرے لہجے میں کہا۔

''واقعی عجیب بات ہے لیکن اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے مسٹر نیل گروچ کہ آپ خود بھی ان تمام باتوں کے بارے میں خاصی تفصیل جانتے ہیں۔ بظاہر آپ مجھ سے بہت زیادہ محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن آپ نے مجھے اس بارے میں کچھ بھی نہیں بتایا۔''

''جتنا تھوڑا بہت بتا چکا ہوں سمجھ لو چند باتیں اور ایسی ہیں جن کا مجھے علم ہو گیا۔ مگر انہیں بتانا بے کار ہے تم یہ سمجھ لو کہ اس گروپ کے تمام لوگوں کے راستے اس خزانے کی طرف جاتے ہیں۔ جس کی کہانی پتا نہیں کہاں سے کہاں پہنچی ہوئی ہے۔''

''مسٹر دانش کہاں ہیں۔''

''وہ بس اپنی بھاگ دوڑ میں مصروف ہے۔ اس وقت موجود نہیں ہے۔''

''کیا اسے گورڈن کے زخمی ہو جانے کی بات معلوم ہے۔'' کامران نے پوچھا۔

''کہاں؟ اس کے بعد سے وہ آیا ہی نہیں ہے میں نے ہی اس کی مرہم پٹی وغیرہ کی ہے۔''

''تعجب کی بات ہے واقعی کہانی بہت عجیب ہے لیکن پتا نہیں اس بے وقوف آدمی کو اس سلسلے میں غلط فہمی کیوں ہوئی۔ بہر حال میں نہیں سمجھتا کہ ان حالات میں اب مجھے یہاں آپ کے پاس رہنا چاہیے۔''

''تم ہمارے ساتھ ہی رہو میں تو تم سے یہ کہتا ہوں کہ اب تمہیں کہیں جانا نہیں چاہیے۔''

''ٹھیک ہے۔'' اسی وقت باہر سے اطلاع آئی کہ دانش آ گیا ہے اور نیل گروچ کو اس کمرے میں طلب کرتا ہے جہاں گورڈن موجود ہے۔

''میں جاتا ہوں ملتا ہوں اس سے یقینی طور پر یہ اس کے لیے ایک سنسنی خیز خبر ہے کیونکہ اس نے گورڈن کو بڑے اعتماد کے ساتھ بلایا تھا۔'' نیل گروچ اٹھ کر وہاں سے چلا گیا اور کامران ریٹا کو دیکھنے لگا۔ ریٹا کے چہرے پر خاصے غصے کے تاثرات نظر آ رہے تھے۔

''کیا بات ہے ریٹا!''

''میں کچھ سوچ رہی ہوں کامران۔''

''کیا؟''

''یہی کہ اگر میں تمہارے ساتھ یہاں سے جانا چاہوں تو کیا تم مجھے اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو۔''

''کیا؟'' کامران نے چونک کر اسے دیکھا۔

''ہاں۔ ڈیڈی سے بات کروں گی میں، میں ان سے کہوں گی کہ میرا مستقبل میرے اپنے لیے ہے۔ میں ان کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتی اگر وہ اس سارے معاملے کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتے تو پھر میں کامران کے ساتھ جا رہی ہوں۔ کامران ہمیں خزانہ نہیں چاہیے۔ میں ایک گھریلو عورت ہوں ذہنی طور پر، تم مجھے اپنی زندگی میں شامل کر لو ہم عام لوگوں کی طرح زندگی گزار سکتے ہیں۔'' کامران کا دل چاہا کہ دل کھول کر قہقہے لگائے۔ پتا نہیں بے چاری کس طرح کی لڑکی ہے۔ غلط فہمیوں کا شکار ہو رہی ہے۔ ایک لمحے کو اس کا دل چاہا کہ ریتا گرو چ اور عروسہ کو آمنے سامنے کر دیا جائے۔ دونوں آرام سے ایک دوسرے سے نمٹ لیں گی۔ ہو سکتا ہے کبھی کوئی ایسا موقع آ ہی جائے۔ اس وقت واقعی لطف آئے گا۔ پھر اس نے سوچا کہ کرنل گل نواز کے پاس سے غائب ہوئے کافی وقت ہو چکا ہے۔ ان سے بھی ملنا چاہیے دانش نے اسے بلا بھیجا۔ اس کا خیال تھا کہ دانش کا موڈ بھی بگڑا ہوا ہوگا۔ لیکن دانش مسکراتے ہوئے اس سے ملا اور اس نے کہا۔

''اور یہ کہانی میرے علم میں آ چکی ہے کہ گورڈن تمہاری طرف سے غلط فہمی کا شکار ہو گیا ہے۔ گرو چ نے مجھے سب کچھ بتا دیا ہے گورڈن نے تم سے بدتمیزی بھی کی ہے اس کے لیے میں معافی چاہتا ہوں۔''

''وہ میرے مدمقابل آ گیا تھا اور میں نہیں جانتا کہ بات کچھ اور آگے بڑھتی تو ہم دونوں میں سے کسی ایک کو کیا نقصان پہنچتا۔''

''ہم سمجھ و شاید ایسا نہ ہو۔ ویسے وہ بڑا کینہ پرور آدمی ہے۔ بہرحال میں نے اسے سمجھا دیا۔ ہاں اب تم یہ بتاؤ کہ ان لوگوں کا کیا حال ہے؟''

''وہ ٹھیک ہیں اور اپنی دانست میں اپنی منزل کی طرف بڑھنے کے لیے تیار ہیں۔''

''بے وقوف، گدھے، کرنل گل نواز بھی کوئی احمق آدمی ہی معلوم ہوتا ہے مجھے، ان لوگوں میں سب سے زیادہ چالاک قزل ثنائی ہے ویسے میں بھی ان لوگوں کو دیکھ چکا ہوں پورا گروپ ساتھ ہے ایک دلچسپ انکشاف کروں گا تم پر۔ چھوڑو، گورڈن کے تکدر کو ذہن سے نکال دو میں تمہیں بڑی دلچسپ بات بتا رہا ہوں۔''

''ہاں کیا؟''

''اس پورے گروپ میں باقی جو لوگ ہیں وہ تو ہیں ہی لیکن ایک شخصیت ایسی ہے جس کا کوئی توڑ نہیں ہے اور تم دیکھ لینا مستقبل میں وہ تمہارے لیے انتہائی خطرناک ثابت ہوگی۔''

''کون؟''

''اناطوسیہ۔'' اس نے جواب دیا۔

''اناطوسیہ؟''

''ہاں۔''

''یہ نام آپ نے پہلے بھی لیا تھا مسٹر دانش! مگر میں کچھ سمجھ نہیں پایا تھا۔''

''امینہ سلفا۔''

''اوہ۔ کیا مطلب؟''

''بہت ہی خوف ناک شخصیت ہے اس کی، بہت ہی بھیانک کردار ہے۔ وہ زمانہ قدیم کی کوئی روح معلوم ہوتی ہے اگر میں تمہیں اس کے بارے میں تفصیل بتانا شروع کروں تو تم یقین نہ کر پاؤ۔''

''واقعی بڑے تعجب کی بات ہے۔'' کامران نے کہا لیکن اس کے ذہن کی چرخی چل پڑی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ امینہ سلفا انتہائی پراسرار عورت تھی۔ جو واقعات اس دوران پیش آ چکے تھے وہ اس کے علم میں بھی تھے۔ لیکن یہ معاملہ ہے کیا؟ وہ سوالیہ انداز میں دانش کو دیکھنے لگا۔ دانش جیسے اپنے آپ میں کھو گیا تھا۔ کچھ دیر تک وہ گہری گہری سانسیں لیتا رہا پھر اس نے آنکھیں بند کر کے گردن جھٹکی اور کہا۔

''بہتر ہے کہ ابھی ہم اناطوسیہ کے بارے میں زیادہ گفتگو نہ کریں ویسے تم الجھن نہ کرو۔ میں ان لوگوں کو دیکھ چکا ہوں اور وہ عورت اناطوسیہ ہی ہے۔''

''مجھے جب پتہ نہیں معلوم کہ اس کا اصل کردار کیا ہے تو میں اس بارے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔''

''بتاؤں گا میں تمہیں، بہت جلد بتاؤں گا۔ مجھے اپنے ان دو آدمیوں کی موت کا بہت صدمہ ہے۔ جنہیں میں نے فرانس سے گورڈن کے ساتھ بلایا تھا۔ گورڈن خود بھی آسانی سے ان کی موت کو فراموش نہیں کر سکے گا۔ ویسے مجھے تعجب ہے کہ اسے تم پر شک کیوں ہوا ہے۔ ممکن ہے رات ہونے کی وجہ سے وہ صحیح طور پر دیکھ نہ سکا اور اسے تمہارے خدوخال گرسنک کے ساتھی جیسے لگے ہوں۔''

''کیا اس کی غلط فہمی دور نہیں ہوئی؟''

''کہتا ہے کہ اس کی نظر نے زندگی میں کبھی دھوکا نہیں کھایا۔ بہرحال کیا کہا جا سکتا ہے؟''

''میرا خیال ہے یہ ایک بہت اہم مسئلہ ہے۔ وہ مجھے خاصا جنگلی آدمی معلوم ہوتا ہے اور ایک بات میں آپ کو بتا دوں مسٹر دانش! اپنا دفاع کرنا ہر شخص جانتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اسے میرے ہاتھوں کوئی نقصان پہنچ جائے۔''

''نہیں ضرورت نہیں پیش آئے گی میں ٹھیک کر لوں گا اسے۔ بہرحال اب مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں ان لوگوں کے معمولات پر نگاہ رکھنی ہے۔ میری رائے ہے کہ تم ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارو اور ہم سے خفیہ طور پر ملاقات کرو۔''

''مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے مسٹر دانش! بہرحال جیسا آپ کہیں۔''

''پلیز! تم میرے لیے بڑی اہمیت کے حامل ہو۔ کسی آدمی کو ان تک پہنچانا آسان کام نہیں ہوتا اور وہ بھی تم جیسے کسی سمجھ دار آدمی کو، سمجھتا ہوں تمہارا مل جانا میرے لیے بڑے کام کی بات ہے۔ اچھا خیر اب یہ ایک الگ بات ہے۔ تم جاؤ اور مجھ سے دوبارہ ملاقات کرو لیکن اہم ترین معلومات کے ساتھ۔''

''میں کیا معلومات فراہم کر سکتا ہوں آپ کو آپ نے مجھے ابھی تک اناطوسیہ کی تفصیل تو بتائی نہیں۔''

''دوسری ملاقات پر ساری تفصیل بتاؤں گا تمہیں۔ اصل میں پوری ایمانداری ہے تم سے کہوں کہ جن ہاتھوں نے گورڈن جیسے آدمی کو زخمی کر دیا ہے۔ وہ میرے لیے واقعی تشویش کا باعث ہیں۔ ذرا میں ان کا سراغ لگا لوں اس کے بعد آگے کے معاملات دیکھوں گا۔ محسوس نہ کرنا۔''

پھر اس کے بعد کامران وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ اور ظاہر ہے اب اس کا رخ کرنل گل نواز ہی کی

طرف ہوسکتا تھا۔ صحیح معنوں میں سوچا جاتا تو واقعی دلچسپ معاملات تھے۔ وہ کیا وہ تو کئی حصوں میں بٹا ہوا تھا۔ کرنل گل نواز اس کے بعد نیل گروپ، ادھر گرشک اور سیتا جو اسے کسی دیوتا کی طرح مانتے تھے۔ گرشک اور سیتا انتہائی پراسرار کردار تھے کامران جو کچھ وقت ان کے ساتھ رہ کر دیکھ چکا تھا اس نے اسے دنگ کر دیا تھا۔ زندگی میں کبھی ایسے پراسرار واقعات کا سامنا کا ہے کو پڑا تھا۔ لیکن اب یوں لگتا تھا جیسے وہ عام دنیا کا انسان ہی نہ ہو۔

بہرحال اب اس کا رخ کرنل گل نواز کی طرف تھا۔ سوچیں نہ جانے کیا کیا تھیں۔ کچھ بھی ہوتا حالات جیسے بھی ہوتے کبھی کبھی خیالات تو آ ہی جاتے ہیں اور ان سے پیچھا چھڑانا ایک مشکل کام ہے۔ کتنے پراسرار واقعات اور کردار اس کے اردگرد بکھر چکے تھے۔ حالانکہ حاجی الیاس صاحب نے اسے سادہ سادہ سے انداز میں کرنل گل نواز کے پاس ملازمت کے لیے بھیج دیا۔ اس نے اپنا کام بڑی خوش اسلوبی سے کیا۔ کرنل گل نواز نے اس پر خصوصی عنایات کرتے ہوئے اسے ایک گہرے جنجال میں پھنسا دیا تھا اور کبھی کبھی تو واقعی اسے ان تمام چیزوں سے شدید اکتاہٹ ہونے لگتی تھی۔ کیا ہے یہ سب کچھ؟ کرنل گل نواز تو بہرحال ایک پرمحبت انسان تھے۔ لیکن اس کے ساتھ یہ دوسرے بےشمار کردار ان کا کیا کیا جاتا۔ کرنل گل نواز سے لاکھ محبت اور وفاداری کے جذبات تھے۔ لیکن یقینی طور پر کوئی پراسرار قوت کامران کی زبان روکے ہوئے تھی اور گرشک اور سیتا کے بارے میں کرنل گل نواز کو بھی تفصیل نہیں بتائی جا سکی تھی جبکہ کم بخت دانش بڑی تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہا تھا۔ اور اسے یہاں ان دونوں کی موجودگی کا علم تھا۔ ویسے گورڈن کا معاملہ ذرا ٹیڑھا ہو گیا تھا۔ ظاہر ہے وہ ایک ہوش مند آدمی تھا اور ایک ہوش مند آدمی بھی وہ جسے کسی کے ہاتھوں شدید جسمانی ضربیں لگی ہوں۔ بھلا وہ کیسے بھول سکتا ہے کہ اسے ضربیں لگانے والا کون ہے خیر اب جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔ پہلی ملاقات کرنل گل نواز سے ہی ہوئی تھی۔ اور کرنل گل نواز نے اسے پیچھے پیچھے آنے کا اشارہ کیا تھا کہ دوسروں سے ملاقات نہ ہونے پائے۔ پھر ایک کسی قدر محفوظ جگہ پہنچ کر اس نے کہا۔

"ہاں سناؤ بھئی۔ کیسے جا رہے ہو۔"

"بس ٹھیک سر! میں جا رہا ہوں یا وقت مجھے لے جا رہا ہے۔" کرنل گل نواز کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ کہنے لگے۔

"ہاں میں جانتا ہوں۔ تم ان واقعات اور حالات سے اکتا گئے ہو گے۔ اب دیکھ لو جیسی تمہاری مرضی۔ میں نے تو تمہیں بہت سے مشن ایک ساتھ سونپ دیئے ہیں اور یہ بہرحال ایک زیادتی ہے تمہارے ساتھ۔ میں مانتا ہوں اس بات کو لیکن کیا کروں جبکہ تم نے کچھ اس طرح کے جوہر دکھائے اور اسی طرح میرے دل و دماغ پر چھا گئے کہ یقین کرو یا نہ کرو میں نے تمہیں اپنا وجود سمجھ لیا ہے۔ یعنی دست راست تو بہت دور کی چیز ہوتی ہے۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے تم میرے اندر سمائے ہوئے ہو میرے اندر، اور اسی لیے میں تمہیں اپنے طور سے متحرک کر دیتا ہوں۔ یعنی جس طرح میں اپنی زندگی کا ہر کام آسانی کر لیا کرتا تھا یہ شعبہ اصولی طور پر مجھے شاہ نواز کے سپرد کرنا چاہیے تھا لیکن اس کے بارے میں میرا تجربہ ہے کہ وہ میرے جیسی شخصیت کا مالک نہیں تھا قصور تمہارا ہے۔ تم اپنے وجود میں بڑی شخصیت لے کر کیوں پیدا ہوئے۔" کامران کو ہنسی آ گئی اس نے کہا۔

"سر! میں نے اعتراض تو نہیں کیا کسی کام پر، اصل میں اتنے سارے کردار بکھر گئے ہیں کہ کبھی

کبھی الجھن ہو جاتی ہے۔"

"سو فی صدی۔ لیکن یار ایک کام کرو۔ تھوڑا سا مزاج میں تبدیلی پیدا کر لو۔ اصل میں مشکلات کا بھی اپنا ایک مزہ ہے یقین کرو، آسانیاں اتنی دلکش نہیں ہوتیں جتنی مشکلات۔ حسرتیں، آرزوئیں، بند راستے، پتا نہیں انسان کے اندر کیا کیا چیزیں پیدا کر دیتے ہیں اور وہ بہت زیادہ باعمل ہو جاتا ہے۔ خیر تم سوچو گے کہ میں تمہیں خوب صورت باتیں کر کے اکسا رہا ہوں اور اپنے کام پر آمادہ کرنا چاہتا ہوں بہ خدا ایسی بات نہیں ہے۔ جو کچھ تم کرنا چاہو گے میں اس سے آگے تمہیں کچھ کرنے پر مجبور نہیں کروں گا۔ خیر سناؤ ادھر کی باتیں۔"

"ٹھیک ہے میں دانش کے مسئلے میں سخت محتاط ہوں۔ وہ بے حد خطرناک آدمی ہے۔"

"ہاں قزل ثانی سے اس بارے میں مزید گفتگو ہوئی تھی۔ وہ لوگ کچھ کچھ سمجھتے جا رہے ہیں اور جانتے ہیں کہ میں نے تمہیں ایک درمیانی شخصیت بنا رکھا ہے۔"

"کیا فرق پڑتا ہے آگے چل کر بات تو کھلنی ہی ہے ویسے دانش دوسرے گروپ کے طور پر ایک خطرناک آدمی ہے۔"

"میں تسلیم کرتا ہوں اس بات کو۔" کرنل گل نواز نے کہا۔

"اچھا خیر چھوڑو سب، یہ بتاؤ آگے کے کیا منصوبے ہیں۔"

"آپ لوگ کیا پروگرام بنا رہے ہیں۔"

"بس میرا خیال ہے چوبیس گھنٹے کے اندر اندر ہم یہاں سے آگے بڑھ جائیں گے اگر کوئی خاص بات درمیان میں نہ ہوئی تو۔"

"دانش! آپ لوگوں کے وجود سے پوری طرح واقف ہے۔ اس کے ساتھ اس وقت زیادہ لوگ نہیں ہیں۔ صرف گورڈن رہ گیا ہے اس کے دونوں ساتھی اور کچھ اور افراد ہلاک ہو چکے ہیں۔"

"کیا؟"

"ہاں۔"

"ہم..... مطلب یہ کہ کسی نے انہیں مارا؟"

"بس یہ نہیں معلوم۔ پتا چل جائے گا لیکن مجھے کچھ ایسے شواہد ملے ہیں ان لوگوں کے ساتھ لگ کر جیسے گرشک اور سیتا جناب، یہ ساتھ ساتھ سفر کر رہے ہوں اور اس وقت وہ یہیں موجود ہوں کرنل گل نواز سناٹے میں آ گیا تھا۔ وہ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

"اور یہ سچ ہے واقعی سچ ہے مجھے جتنا وہم تھا وہ تم نے ختم کر دیا۔" کرنل گل نواز کے الفاظ بڑے سنسنی خیز تھے۔

"میں سمجھا نہیں۔"

"میں نے گرشک کو بازار میں دیکھا تھا۔"

"اوہ..... کیا واقعی..... اور سیتا۔" کامران نے اجنبی بن کر کہا۔

"نہیں سیتا کو نہیں دیکھا لیکن گرشک اور مجھے ذرا سا افسوس بھی ہے وہ نا سیاس نکلا۔ غائب ہوا تو

اس طرح کہ میری طرف رخ بھی نہیں کیا جب کہ میں نے اس کے ساتھ اچھا ہی سلوک کیا تھا۔ ایک لمحے کے اندر کامران کے دل کو یہ خیال گزرا کہ بات تو واقعی ٹھیک ہے۔ گر شنک کو کرنل گل نواز سے تو خطرہ نہیں تھا اسے چاہیے تھا کہ کرنل گل نواز کو بھی اپنے اعتماد میں لیتا۔

بہرحال یہ اس کا اپنا عمل تھا وہ کیا کہہ سکتا ہے۔ کرنل گل نواز بہت دیر تک باتیں کرتا رہا اور پھر دونوں ٹہلتے ہوئے وہاں سے واپس چل پڑے۔ کامران کچھ وقت یہاں گزارنے کا فیصلہ کر کے ہی آیا تھا۔ بہرحال اس کی آمد کی خبر سب کو ہوگئی اور پھر وہی سلسلے دوبارہ شروع ہوگئے۔ مرزا خاور بیگ گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے والوں میں سے تھا۔ دونوں باپ بیٹی ساتھ ہی نظر آئے تھے۔ اس وقت بھی مرزا خاور بیگ مسکراتے ہوئے اس کی جانب بڑھا۔ لیکن عروسہ کا منہ بنا ہوا تھا۔

''ہیلو۔ بھئی خوب کام کر رہے ہو تھوڑی سی تفصیلات کا علم ہمیں بھی ہو چکا ہے یقینی کہ تم اس دوسرے گروپ کے لیے بھی کام کر رہے ہو۔ جو اسی سلسلے میں جا رہا ہے۔ ویسے میں تم سے ایک خاص بات کرنا چاہتا تھا۔ کب وقت دو گے؟''

''آپ جب کہیں مرزا صاحب۔''

''ویسے تو تم یقین کرو...... لیکن خیر چھوڑو۔ اچھا بتاؤ، جا تو نہیں رہے کہیں۔''

''نہیں۔''

''تو پھر ذرا شام کو سات بجے میرے پاس آجانا۔ کہیں اطمینان سے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔''

''بہتر ہے۔'' کامران نے جواب دیا۔

''چلو بھئی عروسہ! ہم اپنا وعدہ پورا کر رہے ہیں۔ یہ رہے تمہارے کامران صاحب سنبھالو انہیں۔'' یہ کہہ کر مرزا خاور بیگ وہاں سے چلا گیا۔ کامران اخلاقاً وہیں رک گیا تھا عروسہ اسے تیکھی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

''یہ تو میں مانتی ہوں کہ میرا اور تمہارا واقعی کوئی تعلق نہیں ہوا۔ لیکن مجھے ایک بات بتاؤ۔''

''جی مس عروسہ! ویسے آپ کی باتیں بڑی دلچسپ لیکن خطرناک ہوتی ہیں۔ میں ڈرتا ہوں ان سے۔''

''جو دل چاہے کہو مجھے کوئی پروا نہیں ہے۔ میں تم سے صرف ایک بات معلوم کرنا چاہتی ہوں بالکل سچ بتاؤ گے۔ یقین کرو خوش دلی سے تمہارا سچ قبول کروں گی۔'' کامران کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''آیئے اس طرف بیٹھتے ہیں۔'' اس نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا اور عروسہ اس کے ساتھ چل پڑی۔ وہاں بیٹھنے کے بعد کامران نے کہا۔

''جی فرمایئے۔''

''سچ بولنے کا وعدہ۔''

''مجھے ٹھیک ہے وعدہ۔''

''اور میں اس وعدے پر یقین کرلوں۔''

''اب یہ آپ کی مرضی ہے۔''

''میں یقین کرلوں گی۔''

''شکریہ۔''

''میں نے تمہیں کتنی بار اپنی طرف راغب کرنے کی کوشش کی ہے۔ جتنی صفائی اور سچائی کے ساتھ کھل کر میں نے تمہیں اپنے دل کی بات بتادی ہے۔ میرا خیال ہے عموماً ایسا نہیں ہوتا۔ لیکن انتہائی دکھ مجھے اس بات پر ہے کہ بات بھی کھوئی انتہا کر کے تم مجھے بھٹکے بھٹکے نظر آتے ہو۔''

''آپ نے مجھے سچ بولنے کے لیے کہا ہے عروسہ۔ سچ برداشت کرلیں گی آپ۔''

''ہاں۔''

''دیکھیے۔ آپ نے مجھے بہت شاندار پیش کشیں کی ہیں۔ جانتا ہوں لیکن میں نے ان میں سے کسی پیشکش کو قبول نہیں کیا اور اس کی وجہ میری انا ہے۔ آپ نے ابتدا ہی اس انداز میں کی۔ جیسے بھکاریوں کی خالی جھولی دیکھ کر کوئی نوٹوں کے انبار میں سے ایک ایک کر کے نوٹ اس میں ڈال دیتا ہے۔ تاکہ بھکاری اس کے قدموں کو چومتا رہے۔ محترمہ عروسہ! میں بھکاری نہیں ہوں اور نہ ہی مجھے کسی دولت سے کوئی دلچسپی ہے۔ میں اب بھی یہ بات آپ سے سچ کہتا ہوں کہ یہ لوگ کسی خزانے کی تلاش میں ہیں۔ لیکن میں صرف کرنل گل نواز صاحب کے لیے کام کر رہا ہوں اور میرا نظریہ بس اتنا ہی ہے۔ چنانچہ آپ کی پیشکشیں مجھے اپنی توہین محسوس ہوتی رہی ہیں۔ مرزا صاحب کا رویہ میرے ساتھ ایسا ہی رہا ہے۔ جیسے وہ کسی ننگے اور نادار نوجوان کو اپنی دولت کا رعب دکھا کر رجھانا چاہتے ہوں۔ محترمہ عروسہ! ان کی ہر گفتگو اور آپ سے ہر ملاقات مجھے اپنی توہین کا احساس دلاتی ہے اس کے بعد آپ کا کیا خیال ہے میں آپ سے محبت کروں گا۔ نہیں محترمہ عروسہ! مجھے آپ سے بالکل محبت نہیں ہے۔ ہاں...... آپ ایک شناسا خاتون ہیں۔ آپ کا احترام بہرحال کرتا رہوں گا۔'' عروسہ شکست خوردہ نگاہوں سے کامران کو دیکھتی رہی پھر بولی۔

''مجھے یہ بات معلوم نہیں تھی۔ اچھا اب دوسرا سوال۔''

''جی جی فرمایئے۔''

''کیا تمہارے دل میں کوئی ہے؟''

''دل ایک چھوٹا سا گوشت کا لوتھڑا ہوتا ہے۔ خون کنٹرول کرتا ہے اور انسان کی زندگی کو قائم رکھتا ہے۔ باقی باتیں شاعروں کے لیے رہنے دیجیے۔ دل میں بھلا کون آ سکتا ہے نازک سی چیز ہے۔ سب حماقتیں ہیں۔ بے تکی شاعری اور بکواس ہے۔ میرے دل میں کوئی بھی نہیں ہے۔''

''مطلب...... مطلب یہ کہ۔''

''جی ہاں مطلب یہ کہ جو کچھ سمجھ رہی ہیں وہ نہیں ہے۔ میں آپ سے کھل کر بات کہوں کہ میں نے ابھی اس بارے میں سوچا ہی نہیں ہے۔ بڑی عام سی زندگی گزری ہے میری۔ اور ابھی تک میں اپنے آپ کو صرف ایک ملازم سمجھتا ہوں۔ اب آپ اسے میری فطرت کہہ لیجیے۔ بلندیوں کی طرف دیکھتا ضرور ہوں لیکن ساتھ ہی اپنے پیروں کی جانب بھی دیکھتا ہوں۔ یہ پاؤں ہی مجھے بلندیوں تک لے جاسکتے ہیں۔ تو ٹھیک ہے ورنہ کوئی ایسی چھلانگ نہیں لگانا چاہتا۔ جس میں میری اپنی کوئی بڑی کوشش نہ شامل ہو۔''

''خیر مجھے تمہارے ان الفاظ سے خوشی ہوئی۔ بڑی اچھی ہوئی اور دقیانوسی باتیں کر رہے ہو۔ لیکن

سچ کہہ رہی ہوں یہ جان کر کہ تم کسی اور سے محبت نہیں کرتے مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ میں سمجھتی ہوں اب بھی میرے لیے موقع ہے۔ اگر میں اپنے آپ کو تبدیل کر کے تمہارے ٹائپ بنالوں تو شاید تم مجھے پسند کرنے لگو۔"

"مس عروسہ! کس چکر میں پڑ گئیں آپ۔ جو ایسے گھٹیا اور نا سمجھ آدمی کی طرف متوجہ ہیں جو آپ کی شخصیت کو وہ خراج تحسین نہیں پیش کر سکتا جو کوئی بھی نوجوان شخص جس کی جانب آپ متوجہ ہوں، پیش کر سکتا ہے۔ آپ اپنا نظریہ بدل دیجیے۔" عروسہ نے ایک ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بولی۔

"اب یہ مشورہ تو نہ دو مجھے۔ تم نے یہ کہہ کر میرا دل خوش کر دیا ہے کہ میرے لیے آئندہ مواقع ہیں۔ اوکے اب ہم نئے سرے سے کوشش کریں گے۔ وہ جو کہتے ہیں کہ نیا جال لائے پرانے شکاری تو اب آپ کو شکار کرنے کے لیے جناب! کوئی ایسی ہی چال چلنا پڑے گی۔ جس سے آپ ہمارے جال میں آ جائیں۔ اوہو وہ دیکھئے قزل شائی اور شعورا ادھر ہی آ رہے ہیں چنانچہ ہماری گفتگو کا سلسلہ ختم اور میں چلتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی کامران خاموشی سے اسے دیکھتا رہا تھا۔ پھر ٹھیک سات بجے وہ مرزا خاور بیگ کے پاس پہنچ گیا۔

ظاہر ہے اب اور یہاں کرنا ہی کیا تھا مرزا خاور بیگ اس کا منتظر تھا۔ "آؤ آؤ۔ اصل میں پتا نہیں کیوں تمہیں دیکھ کر ایک عجیب سا سحر ذہن پر سوار ہو جاتا ہے۔ دل چاہتا ہے تم سے دل کی ہر بات کہہ دی جائے۔ حالانکہ خطرہ موجود رہتا ہے۔"

"مرزا خاور بیگ صاحب! محترمہ عروسہ سے بھی یہی بات ہوئی تھی اصل میں قصور آپ کا نہیں ہے۔ آپ نے دولت کی آغوش میں آنکھ کھولی ہے۔ زندگی میں آپ اپنی ہر ضرورت ہر خواہش پوری کرتے رہے ہیں اور معاف کیجیے اس میں آپ کی اس شخصیت کا کوئی دخل نہیں بلکہ آپ کی وہ دولت ہے جو آپ کے راستے آسان کرتی چلی آئی اور آپ اب اس سوچ کو بالکل بدل نہیں سکتے کہ دنیا کی ہر چیز آپ اپنی دولت سے حاصل کر لیں گے۔ مرزا صاحب حقیقتاً ایسا نہیں ہوتا۔ بے شک زمانہ انتہائی بدحالی کا شکار ہے اپنی شخصیت کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے ضرورتیں انسان کو وہاں پہنچا دیتی ہیں جہاں اسکی اپنی کوششوں کا کوئی دخل نہیں ہوتا ہے اور آپ سمجھتے ہیں کہ آپ نے اپنی دولت سے ہر شخص کی کمر توڑ دی۔ معافی چاہتا ہوں میرے لیے آپ کو بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ میں دولت کے لیے جھکنے والوں میں سے نہیں ہوں اور آپ اپنا جو انداز اختیار کرتے ہیں۔ وہ ظاہر ہے مجھے متاثر نہیں کرتا۔ نہ میں مجبور ہوں کہ آپ کو خوش کروں۔"

"ارے ارے کیا باتیں کرنے لگے۔"

"آپ اپنے الفاظ پر غور کیجیے۔ آپ مجھے اپنا راز دار بنانا چاہتے ہیں اور خطرہ بھی محسوس کرتے ہیں تو کیا آپ کو پاگل کتے نے کاٹا ہے کہ آپ مجھے اپنا راز دار بنائیں۔ یا میں نے بھی آپ کو مجبور کیا ہے۔ آپ ایسے الفاظ استعمال کرتے ہیں کہ دل چاہتا ہے کہ آپ کے پاس نہ بیٹھا جائے۔" مرزا خاور بیگ کامران کی صورت دیکھتے رہے پھر اس نے کہا۔

"شاید ایسا ہے شاید میں غلطی کرتا ہوں۔ مگر بات وہی ہے نا کامران کہ ضرورت مند، لالچی یا جیب

سے کچھ نکال لینے والے اس غلطی کی نشاندہی نہیں کرتے بلکہ اسے ہی میرا معیار بنا دیتے ہیں سوری! بیٹھو۔"

"بے حد شکریہ۔" کامران نے کہا اور بیٹھ گیا۔

"ٹھیک ہے میں بھی اپنے آپ پر نظر ثانی کروں گا خاص طور سے تمہارے معاملے میں۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تم جس دوسرے گروپ کے ساتھ منسلک ہو گئے ہو اس کی کہانی کیا ہے۔"

"بس وہ لوگ اتفاقیہ طور پر مجھے راستے میں ملے تھے۔ میں بھی کچھ الجھنوں کا شکار تھا۔ مسٹر شگل گروچ نے مجھے خوش آمدید کہا اور ان سے رابطہ ہو گیا بس اتنی سی بات ہے۔ وہ لوگ بھی اسی خزانے کی تلاش میں بھٹک رہے ہیں۔ جس کی تلاش میں آپ۔"

"ہوں۔ کوئی ایسی خاص بات ہے ان میں جو تمہاری نظر میں اہمیت کی حامل ہو۔"

"پورا گروپ ہے وہ اور بڑی تیاریاں کر کے آیا ہے۔"

"میں اصل میں تم پر ایک انکشاف کرنا چاہتا ہوں۔"

"انکشاف۔"

"ہاں۔"

"جی فرمایئے۔ اس گروپ کا ایک شخص مجھے ملا ہے۔ ایک عجیب سا آدمی ہے انتہائی پراسرار شخصیت کا مالک مجھے تو یوں لگا جیسے اس کے اندر ہپناٹزم کی قوت ہو۔ اس نے علیحدگی میں مجھ سے ملاقات کی اور مجھے اپنے ساتھ شامل ہونے کی پیش کش کی۔ میں تمہیں اس کے بارے میں پوری تفصیل بھی بتاؤں گا۔ کیونکہ اس شخص نے مجھے ذرا سا الجھا دیا ہے۔ شاید تم اس کے بارے میں جانتے ہوں۔ اور میں اس وقت اسی لیے تم سے بات کرنا چاہتا تھا۔"

"کون ہے وہ شخص؟" کامران نے سوال کیا۔

"دانش۔" مرزا خاور بیگ نے کہا اور کامران کو ایک شدید جھٹکا لگا۔

کامران دیر تک پھٹی پھٹی آنکھوں سے مرزا خاور بیگ کی صورت دیکھتا رہا۔ اسے ایک دم شدید سنسنی کا احساس ہوا تھا۔ کرنل گل نواز کے گروپ میں علی سفیان کے ساتھ ایک پراسرار عورت اینہ سلفا تھی۔ جس کا کردار نا معلوم تھا اور جس کے بارے میں حتمی طور پر یہ کہا جا سکتا تھا کہ وہ ایک پراسرار عورت ہے قزل شائی یا اس کی بیوی شعورا تاریخ کے ماہر تھے لیکن بظاہر ان کے کردار میں کوئی ایسی چیز نظر نہیں آئی تھی۔ جو کرنل گل نواز کے لئے خطرناک ہو۔ پھر رانا چندر سنگھ تھا' بہت ہی اچھا آدمی ہر لحاظ سے قابل اعتبار۔ لیکن مرزا خاور بیگ وہ شخصیت تھی جو کھلم کھلا بری کہی جا سکتی تھی اور دانش جس کے بارے میں خاصی تفصیلات معلوم ہو چکی تھیں۔

چنانچہ دو کریلے ایک دوسرے میں شامل ہو گئے تھے۔ تو خطرات کا پیدا ہو جانا فطری عمل تھا۔ بہرحال مرزا خاور بیگ کو مطمئن کرنا بھی ضروری تھا۔ دانش سے بھی اس کی ملاقات ہو چکی تھی۔ اور کامران جانتا تھا کہ دانش بھی اس کی قربت چاہتا ہے۔ غرض یہ کہ خود کامران کے لئے بڑی مشکل پیدا ہو گئی تھی۔ مرزا خاور بیگ کی بات پر وہ دیر تک خاموش رہا پھر مرزا خاور بیگ نے کہا۔

"دیکھو...... بہت پہلے بھی میں نے تم سے کہا تھا۔ اب بھی کہہ رہا ہوں۔ ہم جنگلوں میں جو خاک چھان رہے ہیں۔ ان میں ہمارا نقطۂ نظر یہی ہے کہ ہم وہ عظیم الشان خزانے حاصل کریں جن کے بارے میں اب تک ہماری معلومات ہمارا ساتھ دیتی رہی ہیں۔ اور میں نے تمہیں یہ بھی پیش کش کی تھی کہ میری بیٹی تم سے محبت کرتی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تم اسے زندگی کا ساتھی بنالو۔ یہ بات تو تم بھی جانتے ہو کہ اس کے سوا دنیا میں میرا اور کوئی نہیں ہے۔ میرا ہر راستہ اسی کی طرف جاتا ہے یعنی اگر میں دولت کے حصول کی کوشش کرتا ہوں۔ تو ظاہر ہے میرے بعد یہ دولت میری بیٹی عروسہ کی ہی تحویل میں ہوگی گویا تمہاری تحویل میں۔ خیر ان باتوں کو چھوڑو تمہارا دل اسے قبول نہیں کرتا نہ سہی۔ ممکن ہے آگے کے سفر میں وہ تمہارا دل جیتنے میں کامیاب ہو جائے۔ ابھی تو جتنے کردار تمہارے اردگرد بکھرے پڑے ہیں، تم ان سبھی کی نگاہوں کا مرکز ہو۔ کیا سمجھے۔"

اچانک ہی کامران کے ذہن میں ایک خیال آیا۔ تو اس نے سوچا کہ سازشیوں کا ایک گروہ ہر قیمت پر مجرمانہ عمل کرے گا۔ اگر وہ ان کے ساتھ شمولیت پر آمادہ نہیں ہوا تب بھی کچھ نہ کچھ تو ہوگا اور وہ اس کے پیچھے نہ پیچھے سے واقف ہوگا ان کے درمیان رہ کر وہ کم از کم کرنل گل نواز کا تحفظ تو کر سکے گا۔ لیکن اس کے لئے ایک خوبی طریقہ کار اختیار کرنا ہوگا۔ اگر مرزا خاور بیگ کو شبہ ہوگیا کہ وہ ڈبل کراس کر رہا ہے۔ تو مرزا خاور بیگ کبھی اس کے ساتھ مخلص نہیں ہو سکے گا اس چالاک شخص کو تو بہت دور تک لے جانا تھا۔

بہرحال کرنل گل نواز کے احسانات ایسے نہیں تھے کہ انہیں دولت کے ترازو میں رکھ دیا جائے اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"مرزا صاحب! آپ مجھے کچھ سوچنے کا موقع دیجئے۔"

"نہیں۔"

"جی!"

"ہاں...... یہ عقل جو ہوتی ہے نا کبھی کبھی تو بڑے کارنامے دکھاتی ہے اور کبھی کبھی انسان کو اس طرح بھٹکاتی ہے کہ پھر وہ تباہی کے راستوں کی طرف بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ میں تمہیں سوچنے کا موقع نہیں دینا چاہتا۔ ہاں یا نہیں کا فیصلہ ابھی کر دو۔"

"لیکن مرزا صاحب۔"

"نہیں میرے عزیز بچے۔ میرے تمہارے درمیان بہت بڑے بڑے واقعات آچکے ہیں میں اب ان کا اہل نہیں ہو سکتا۔ میں نہ تمہیں کبھی کسی کے ہاتھوں نقصان پہنچنے دے سکتا ہوں۔ میرے ان الفاظ کو چاہے کچھ بھی کہہ لو۔ لیکن ظاہر ہے میں یہ کہہ رہا ہوں۔ تو ان کا کوئی مقصد ہے۔ ابھی فیصلہ کرو تمہیں میں بھی فیصلہ کر سکتے ہو۔ تمہیں کون سا کسی سے مشورہ کرنے جانا ہے۔ جہاں تک کرنل گل نواز کی بات ہے۔ تو بے شک میں نے تمہارے ساتھ اچھا سلوک کیا ہے۔ لیکن تم یہ کیوں سمجھتے ہو کہ وہی ایک واحد انسان ہے جو تمہارے ساتھ اچھا سلوک کر سکتا ہے اور بھی تو ہیں۔ میں بھی تو ہوں کیوں نہیں بھروسا کرتے مجھ پر۔"

"نہیں جناب! ایسی بات نہیں ہے۔"

"ایسی ہی بات ہے۔"

"ٹھیک ہے میں تیار ہوں۔" کامران نے کہا اور مرزا خاور بیگ چونک پڑا۔

"کک...... کیا مطلب؟"

"ایک شرط ہے مرزا صاحب اور اس پر آپ اچھی طرح غور کر لیجئے۔"

"جب میں نے آپ سے ہاں کہا تو سوچے سمجھے بغیر کہا لیکن یہ میری فطرت ہے کہ جو کہا اسے سچ ثابت کر سکوں۔ مجھ پر کبھی شبہ نہ کیجئے گا۔ بات جب بھی ختم ہو جائے۔ تو آپ یہ سمجھئے کہ جو بات ہوئی ہے وہی اہمیت کی حامل ہے۔"

"وعدہ کرتا ہوں۔"

"اور اگر آپ نے کبھی شبہ کیا تو میرے خیال میں مناسب نہیں ہوگا۔ دھوبی کا کتا بن کر رہ جاؤں گا میں نہ گھر کا نہ گھاٹ کا۔"

"ایسا نہیں ہوگا تم بے فکر رہو۔"

"او کے۔ پھر ٹھیک ہے اگر آپ مجھے اپنے ساتھ شامل کرنا چاہتے ہیں تو شامل کیجئے"

"تو کیا میں دانش کو اطلاع دے دوں۔"

"ہاں۔ اب آپ کا جو دل چاہے کیجئے گا۔" پھر کامران نے اپنی ان کاوشوں کا عملی مظاہرہ کیا۔ شام کو کرنل گل نواز رانا چندر سنگھ اور بقیہ افراد بیٹھے ہوئے تھے جن میں مرزا خاور بیگ بھی تھا تو کرنل گل نواز نے کہا۔

"میرا خیال ہے تم نے یہاں زیادہ وقت نہیں گزارا دیا کامران۔"

"جی سر! میں سمجھا نہیں۔"

"تمہاری ذمے داریاں دونوں طرف ہیں تمہیں وہاں زیادہ وقت گزارنا چاہیے۔ میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم یہاں اپنی دلچسپیوں میں زیادہ حصہ لے رہے ہو۔" کامران نے حیرت سے کرنل گل نواز کو دیکھا تھا انہوں نے کبھی یہ لہجہ اختیار نہیں کیا تھا لیکن کامران نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا دل میں تو کچھ اور ہی تھا لیکن گل نواز کو پتا نہیں کیا ہو گیا تھا کہ اس نے غصے کا مظاہرہ کیا کامران نے فوراً ہی کہا۔

"سر! میں اپنی دلچسپیاں سمجھا نہیں۔"

"تم سمجھتے ہو اور اچھی طرح سمجھتے ہو۔ مجھے معاف کرنا مرزا خاور بیگ تمہاری بیٹی اس وقت ہماری راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ بن رہی ہے۔"

"کیا فضول باتیں کر رہے ہو گل نواز۔"

"میں بالکل سچ کہہ رہا ہوں۔"

"تو اس رکاوٹ کو تم ہٹا دو نا۔"

"مجھ سے بات کیجئے جناب! اگر ایسا ہے بھی تو میں آپ کا زرخرید تو نہیں ہوں آپ نے میری ادائیگی تو نہیں کی ہے۔"

کامران کے ان الفاظ پر کرنل گل نواز پر ایسا سکتہ سا طاری ہوا کہ بس وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے

کامران کو دیکھتا ہی رہ گیا۔ ایک لفظ نہیں نکل سکا تھا اس کے منہ سے کافی دیر اسی طرح گزر گئی...... پھر کرنل گل نواز نے کہا۔

"یہ تم کہہ رہے ہوں۔"

"جی سر! میرا خیال ہے آپ میری زبان سے سن رہے ہیں آپ کی ہدایت پر میں اپنی دنیا چھوڑ کر یہاں دربدر ہوا ہوں۔"

"جانے نہیں اس وقت تم پر کون سا جنون سوار ہو گیا ہے۔ میں ابھی تم سے بات نہیں کر رہا بعد میں تم سے بات کروں گا۔ سمجھے۔"

"جیسا آپ پسند کریں تنگ آ چکا ہوں میں ایسا لگتا ہے جیسے ساری ذمے داریاں میرے ہی کندھوں پر ڈال دی گئی ہیں۔" کرنل گل نواز خود اٹھ کر وہاں سے چلا گیا تھا مرزا خاور بیگ کے چہرے پر ایک پراسرار مسکراہٹ پھیل رہی تھی جب کہ باقی تمام لوگ اس کشیدگی سے افسردہ تھے۔ خاص طور سے رانا چندر رانا چندر نے تنہائی میں کامران سے کہا۔" کامران! کرنل تو تم پر بہت بھروسا کرتے ہیں شاید اپنے بیٹے کی طرح" کامران نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر بولے۔" میں کرنل سے ملنا چاہتا ہوں۔ رانا صاحب! براہ کرم بندوبست کیجئے۔"

"ارے ہاں...... آؤ...... وہ بہت افسردہ ہے۔"

"نہیں کسی کھلی جگہ آپ انہیں میرے پاس لے آئیے۔"

"تم وہاں نہیں چلو گے۔"

"ہزار بار چلنے کے لئے تیار ہوں لیکن خطرہ ہے۔" کامران خود بھی بہت افسردہ تھا کرنل گل نواز جیسے آدمی سے جو الفاظ اس نے کہے تھے وہ اس کے ضمیر پر چرکے لگا رہے تھے لیکن وہ ضرورت بھی تھی۔ رانا چندر چلا گیا اور کامران کی نگاہیں چاروں طرف بھٹکنے لگیں۔ لیکن اس وقت وہ جس جگہ بیٹھا ہوا تھا وہاں ایسی کوئی جگہ نہیں تھی جو چھپنے کے لئے مناسب ہوتی۔

چنانچہ اس بات کے امکانات نہیں تھے کہ مرزا خاور بیگ آس پاس کہیں موجود ہے تھوڑی دیر کے بعد گل نواز رانا چندر کے ساتھ وہاں پہنچ گیا کامران نے احتیاط کے پیش نگاہ اس کی پذیرائی نہیں کی تھی۔ رانا چندر نے کہا۔

"کرنل اس سے ذرا خود پوچھو اسے شریف لڑکے کو کیا ہو گیا؟"

"میرا دل چاہ رہا ہے کہ کرنل صاحب کو جو الفاظ میں نے وہاں آپ سب کے سامنے کہے تھے ان پر میں اپنا سر پھوڑ لوں اور آپ کے پیروں میں اپنا خون مل دوں۔ کرنل صاحب وہ میرے الفاظ نہیں تھے۔ وہ صرف مصلحت کی زبان تھی۔ نہیں...... چونکیے نہیں۔ لازمی بات ہے کہ بہت سی آنکھیں آپ کی نگرانی کر رہی ہوں گی۔ آپ میری بات سن لیجئے۔ جو الفاظ میں نے اس وقت ادا کیے تھے وہ اس وقت کی مصلحت تھی۔ آپ اس مصلحت کو ذہن میں رکھیے میں آپ کو اس کی پوری تفصیل بتائے دیتا ہوں۔" کرنل گل نواز کا چہرہ جیسے ایک دم بحال ہو گیا ہو۔ کامران نے ان سے کہا۔

"میں آپ کے چہرے پر زندگی کی ہر خوشی اور مسکراہٹ دیکھنا چاہتا ہوں۔ جو الفاظ میں نے کہے تھے وہ میری ایک مجبوری تھی۔ میں تو آپ کے قدموں کی دھول ہوں کرنل صاحب اگر آپ میری کھال کے جوتے بھی بنا کر پہن لیں گے تو میں اسے اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی کہوں گا۔"

"ہم...... مگر ہوا کیا تھا بیٹا؟ بات کیا تھی؟"

"ہاں وہی سن لیجئے گا۔ میں اب بھی یہ کہہ رہا ہوں کہ کچھ آنکھیں آپ کی نگرانی کر رہی ہوں گی۔ چنانچہ ہم لوگ ایک ایسا رویہ اختیار کریں گے۔ جیسے ہمارے درمیان سخت تلخی ہو۔ دانش کے بارے میں بتا چکا ہوں کہ وہ نیل گروجی گروپ میں شامل ہے شامل کیا ہے بلکہ نیل گروجی خود اس کے شکنجے میں پھنسا ہوا ہے وہ ایک انتہائی تیز چالاک اور شاطر آدمی ہے۔ وہ مرزا خاور بیگ سے مل گیا ہے۔"

"کیا......" کرنل اچھل پڑا رانا چندر کی بھی یہی کیفیت ہوئی تھی۔

"ری ایکشن نہیں...... براہ کرم ری ایکشن نہیں ورنہ سارا کیا دھرا چوپٹ ہو جائے گا۔ آپ ری ایکشن نہ دیجئے گا۔ بہرحال جس طرح ان کا رابطہ قائم ہوا یہ بات میں نہیں جانتا لیکن دونوں نے متفقہ طور پر یہ طے کیا کہ وہ مجھے حاصل کر لیں اور مرزا خاور بیگ نے اس کا پیغام مجھے دیا ہے میں چاہتا تو جوتا اتار کر ان لوگوں کے منہ پر اتنا لگاتا کہ ان کا حلیہ درست ہو جاتا لیکن میرے ناقص ذہن نے یہ فیصلہ کیا کہ مجھے ان کے ساتھ شریک ہو جانا چاہیے تاکہ میں آپ کو ان کی سازشوں سے آگاہ کر سکوں یہ بتا سکوں آپ کو کہ وہ آپ کے خلاف کیا کر رہے ہیں۔ صرف اس خیال کے ساتھ میں نے ان کی قربت قبول کر لی ہے اور اس وقت کا ڈراما صرف اس لئے تھا کہ مرزا خاور بیگ دانش کو یہ بتائے کہ میں واقعی کرنل نواز سے ذہنی طور پر دور ہو چکا ہوں۔ کرنل صاحب اس سخت رویے کے لئے دل و جان سے معافی چاہتا ہوں۔"

"بیٹے میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں آگے بڑھ کر تمہیں سینے سے لگا لوں۔ بڑا جل رہا ہے میرا سینہ تمہارے لئے۔ جتنا تڑپ رہا ہوں تمہارے ان الفاظ کے بعد میں جانتا ہوں اور خدا جانتا ہے۔"

"نہیں میں بھی جانتا ہوں۔"

"مگر میں تمہیں سینے سے نہیں لگا سکتا کیوں کہ......"

"جی۔ ہزاروں مواقع آئیں گے اس کے کرنل صاحب! اب میں آپ کا حکم چاہتا ہوں۔"

"حکم۔"

"یہی کہ کیا میں ان کے ساتھ شامل ہو سکتا ہوں۔"

"یہ تو بہت بڑی بات ہے ہماری رہنمائی تو تم کر ہی رہے ہو لیکن یہ کہ یہ دو آتشہ ہو جائے گی اگر تم ایسا کر ڈالو۔"

"بس یہی اطلاع میں دینا چاہتا تھا اب میرے ساتھ تلخ باتیں کیجئے اور اگر ہو سکے تو آگے بڑھ کر میرا گریبان بھی پکڑ لیجئے۔ یہ ہمارے کیس کو پختہ کر دے گا۔"

"بیٹھو بیٹھو...... تھوڑی دیر بیٹھو پھر اس کے بعد کیا ہو گا۔"

"ہو سکتا ہے مجھے ان لوگوں کے ساتھ آگے بڑھنا پڑے۔ آپ ان کا تعاقب کیجئے کیونکہ یہ بات

میں جانتا ہوں کہ دانش اور مرزا خاور بیگ صرف خزانہ چاہتے ہیں آپ اپنا راستہ نظر انداز نہ کیجئے جب بھی آپ یہ دیکھیں کہ یہ غلط راستے پر ہیں اور آپ صحیح راستے پر جا رہے ہیں تو میں آپ کے پاس پہنچ جاؤں گا۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔ بالکل ٹھیک ہے۔"

"تو اب شروع ہو جائیے" اور کرنل گل نواز رخ بدل کر چیخنے لگا پھر بولا۔

"اس بھی تو نہیں سکتا اس بات پر میں اور تمہارا گریبان پکڑوں۔"

"کرنا پڑے گا" اور اس کے بعد یہ مظاہرہ شروع ہو گیا۔ کامران بھی تاثرات تو دے رہا تھا لیکن منہ سے ایک لفظ نہیں نکل رہا تھا جب کہ کرنل گل نواز چیخ رہا تھا اس نے غصے میں ریوالور بھی نکال لیا اور اس کا رخ کامران کی جانب کر دیا کرنل گل نواز بڑا بپھرا ہوا نظر آ رہا تھا۔ لیکن رانا چندر سنگھ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کے بعد کامران کی جانب رخ کر کے اسے یہاں سے چلے جانے کے لئے کہا۔

کامران پاؤں پٹختا ہوا خیموں کی طرف سے جانے لگا حالانکہ نگاہوں کے سامنے کوئی نہیں تھا لیکن اسے یقین تھا کہ ان دونوں کی زبردست نگرانی کی جا رہی ہوگی اور پھر کامران نے وہاں سے جانے کی تیاری شروع کر دی۔ مرزا خاور بیگ نے کہا۔

"اتنی جلدی نہ کرو کامران۔"

"ٹھیک تو ہے نوکری تو مجھے شہر میں بہت اچھی مل سکتی تھی اور سچی بات ہے کہ نہ ہی مجھے کسی خزانے سے کوئی دلچسپی تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ میرے بازو خود خزانہ ہیں میں اپنے لئے ایک بہتر زندگی حاصل کر سکتا ہوں مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔ یہ لوگ سمجھتے کیا ہیں آخر مجھے۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے تم ایسا کرو دانش کے پاس چلے جاؤ میں بھی تھوڑے بہت وقت کے بعد وہاں پہنچ جاؤں گا۔"

مرزا خاور بیگ نے کہا۔ اور یہی ہوا کامران اپنا مختصر سا سامان سمیٹ کر ایک بار پھر نیل گرو جر گروپ میں پہنچ گیا۔ وہاں اس کے لئے کوئی روک ٹوک تو تھی نہیں کوئی خاص بات ہی ابھی نہیں تھی اس نے لیکن دوسرے دن صبح دس بجے مرزا خاور بیگم بھی اپنی بیٹی عروسہ کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔

"میں بھی ناراض ہو کر چلا آیا ہوں بات تمہاری ہی ٹھیک تھی۔"

"بہت اچھا ہوا ہمارا اپنا گروپ الگ ہے لیکن ایک بات میں اور کہوں مرزا جی۔"

"آپ کا وہاں رہنا ضروری تھا تاکہ وہاں ہونے والی کارروائیوں کے بارے میں آپ ہمیں بتا سکتے۔"

"بیٹا! ہم تو گروپ الگ کر رہے ہیں۔"

"ہاں الگ تو کر رہے ہیں لیکن پھر بھی' چھوڑیے اصل میں میرا نقطہ نظر ذرا دوسرا ہے میں جانتا ہوں کہ تم جتنے افراد کو اپنے آپ پر مسلط کرو گے وہ سب تمہاری کاٹ میں ہی لگے رہیں گے چنانچہ اپنی منزل الگ بناؤ اور اسی پر کام کرو میں نے فیصلہ کیا ہے۔" اچانک دانش کہیں سے نکل آیا اور اس نے کامران کے بجائے خود جواب دیا۔

"وہ کیا؟"

"بس میرا کام تقریباً ہو چکا ہے اور مجھے ان لوگوں کی پروا نہیں ہے گورڈن میرے ساتھ موجود ہے وہ ہمارا بہترین ستون ثابت ہوگا۔ تم ہو مرزا خاور بیگ' میں ہوں' ہمارا نوجوان دوست کامران ہے۔ بس ان لوگوں کا ایک الگ گروپ بنا کر ہمیں یہاں سے آگے نکل جانا چاہیے۔"

"جیسا آپ پسند کریں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

کامران نے جواب دیا۔

دانش کے چہرے پر ایک پراسرار مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ ویسے بھی نہ جانے کیوں کامران کو بار بار یہ احساس ہوتا تھا کہ دانش کوئی معمولی شخصیت نہیں ہے وہ بے حد پراسرار انسان ہے اور پھر اس کے بعد مزید کارروائی ہوئی رینا گرو جر' عروسہ کے آ جانے سے بہت زیادہ برگشتہ ہو گئی تھی بلکہ دونوں کے درمیان ایک رقابت سی چل پڑی تھی۔ نیل گرو جر بھی پریشان تھا پھر دانش نے اپنے نئے کھیل کا آغاز کر دیا اس نے نیل گرو جر سے کہا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ ان حالات میں ہمارا ساتھ رہنا ممکن نہیں ہے نیل گرو جر! میں الگ گروپ بنا کر رہنا چاہتا ہوں۔" نیل گرو جر کو تو جیسے نئی زندگی مل گئی اس نے خود ہی کہا۔

"ٹھیک ہے جیسا آپ پسند کریں مسٹر دانش!" پھر دانش' اس کا دست راست دیو ہیکل گورڈن' مرزا خاور بیگ اور اس کی بیٹی عروسہ' کامران اور کچھ دوسرے افراد ایک الگ گروپ بنا کر ایک دن صبح ہی صبح وہاں سے چل پڑے کامران کے ذہن میں ایک تشویش تھی کہ پتا نہیں کرنل گل نواز کو ان کی اس طرح روانگی کا علم ہوا ہے یا نہیں لیکن بہرحال وہ لوگ بھی غافل نہیں تھے سب کے سب چاق و چوبند لوگ تھے البتہ نیل گرو جر گروپ کے بارے میں یہ شبہ تھا کامران کو کہ ہو سکتا ہے اور یہاں سے واپسی کا فیصلہ کرے لیکن بہرحال یہ اس کی تشویش نہیں تھی وہ پھر وہی صورت حال! سارے حالات بس زبردستی ہی اس پر مسلط ہو گئے تھے اس کی اپنی کوئی خواہش نہیں تھی کرنل گل نواز کے لیے وہ جو کچھ کر سکتا تھا کر رہا تھا اور اب آگے جو ہوگا وہ دیکھا جائے گا۔

پانچ چھ دن کا سفر نہایت خوش گوار گزرا تھا دانش کا رویہ اس کے ساتھ بہت ہی اچھا تھا۔ کرنل گل نواز سے کوئی رابطہ نہیں تھا۔ نہ ہی نیل گرو جر گروپ کے بارے میں پتا چل سکا تھا کہ وہ لوگ کیا کر رہے ہیں۔ بہرحال کوئی کچھ بھی کر رہا تھا یہ اس کی اپنی ذمے داری تھی کامران سمجھتا تھا کہ جو کچھ وہ کر رہا ہے وہ بھی بس ایک زبردستی ہی ہے۔ لیکن اگر کبھی اسے اپنے طور پر بھی کوئی فیصلہ کرنا پڑا تو وہ اس سے گریز نہیں کرے گا چھ دن گزر چکے تھے دانش نے راستے بھی الگ ہی منتخب کیے تھے پھر ایک دن ایک دلچسپ واقعہ پیش آ گیا عروسہ تو تھی ہی مختلف قسم کی انسان وہ مسلسل کامران کا پیچھا گھیرے ہوئے تھی اور اب تو وہ اسے اپنی مکمل ملکیت ہی سمجھنے لگی تھی۔ اکثر کہتی تھی۔ "دیکھا! دولت میں کتنی قوت ہے میرے ڈیڈی نے تمہیں خرید لیا۔ انکل سمجھتے تھے کہ چار ٹکے دے کر وہ تمہیں اپنا غلام بنائے رکھیں گے۔ لیکن ہم ان سے کہیں آگے کے لوگ ہیں۔"

کامران کو نہ جانے کیوں چڑ آ گئی۔ اس نے کہا۔

"ایک بات بتاؤں تمہیں عروسہ! کسی طور کسی بھی حیثیت سے تم مجھے پسند نہیں ہو۔ نہ تمہارے

اندر کوئی دل کشی ہے نہ تم اس قدر حسین ہو کہ کوئی تمہیں دیکھنے کی آرزو کرے یا تمہیں پانے کا خواہش مند ہو۔ اگر تمہارے ذہن میں ایسا کوئی خناس ہے بھی تو کم از کم میں وہ انسان نہیں ہوں جو میں تمہیں چاہوں۔ یہاں جو کچھ بھی ہو وہ ایک الگ بات ہے۔ لیکن اگر ہمیں واپس ہونے کا موقع ملا۔ تو کم از کم میں تمہیں اپنی زندگی میں شامل نہیں کروں گا۔"

"تم آخر سمجھتے کیا ہو اپنے آپ کو میں، تمہیں اپنے جوتے کی نوک پر نہیں مارتی سمجھے۔ میں تمہیں دو کوڑی کا بنا کر رکھ دوں گی۔ کتے کی طرح تمہاری گردن میں زنجیر ڈال کر تمہیں اپنے ساتھ لئے پھروں گی۔" نہ کامران نے اور نہ عروسہ نے یہ دیکھا تھا کہ اس وقت دانش ان دونوں کے پیچھے آکھڑا ہوا تھا نہ جانے کیوں وہ اس بری طرح جذباتی ہو گیا کہ اس نے ایک زوردار تھپڑ عروسہ کے منہ پر رسید کر دیا تھپڑ اتنا زوردار تھا کہ عروسہ دور جا گری دانش کے آگے بڑھا اور اس نے دو تین ٹھوکریں عروسہ کو ماریں اور عروسہ جنونیوں کی طرح چیخنے لگی۔

"کتے کی طرح زنجیر باندھ کر رکھے گی اسے' جانتی ہے کتیا وہ کون ہے۔ پاتال پرماتما' دھرم دھنی' گرو سنکھائی' ہمارا دیوتا' ہمارا پربھو' پاتال پربھو' تو اسے کتے کی طرح مارے گی۔ کتے کی طرح......" اس نے دو تین ٹھوکریں اور عروسہ کو رسید کیں اور اسی وقت مرزا خاور بیگ کہیں سے آگیا۔ دانش کی یہ حرکت دیکھ کر اس سے نہ رہا گیا اس نے جلدی سے پستول نکالا اور دانش پر فائر کر دیا۔ گولی دانش کی ران کو زخمی کرتی ہوئی نکل گئی تھی۔ مرزا خاور بیگ دیوانوں کی طرح چیخا۔

"حرام زادے! تیری جرات کیسے ہوئی کہ تو میری بیٹی پر اس طرح ہاتھ اٹھائے میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" دانش ایک دم ہوشیار ہو گیا اس کی ران سے خون بہہ رہا تھا لیکن وہ تنا ہوا کھڑا تھا۔ کامران نے جلدی سے آگے بڑھ کر ان کے درمیان مداخلت کی۔

"آپ میری بات تو سنیئے' میری بات، تو سنیئے مرزا صاحب اصل میں......"

"اور تم بے شرموں کی طرح یہ سب کچھ دیکھ رہے تھے۔"

"آپ میری بات سنیں گے لائیے یہ ریوالور مجھے دے دیجئے۔"

"نہیں میں اپنا ہتھیار کسی کے ہاتھ میں دینا پسند نہیں کرتا۔ کیوں مار رہا تھا یہ میری بیٹی کو۔" دانش نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اتنی دیر میں گورڈن آگیا اس نے خون خوار نگاہوں سے مرزا خاور بیگ کو دیکھا۔ لیکن اسی وقت دانش نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر کے کہا۔

"نہیں گورڈن کچھ نہیں مجھے اندر لے چلو' چھوٹا سا زخم ہے اس کی بینڈیج کر دو۔" یہ کہہ کر وہ لنگڑاتا ہوا گورڈن کے ساتھ اپنے خیمے کی طرف چل پڑا۔ اس کی ران سے بھل بھل خون بہہ رہا تھا۔ کامران سکتے کے سے عالم میں کھڑا ہوا تھا بہ مشکل تمام مرزا خاور بیگ نے سنبھالا دے کر عروسہ کو اٹھایا۔ عروسہ بری طرح رو رہی تھی۔

"مجھے بڑی چوٹ لگی ہے ڈیڈی۔"

"آؤ میرے ساتھ" کامران نے آگے بڑھ کر عروسہ کو سہارا دینا چاہا لیکن اس نے کامران کا ہاتھ جھٹک دیا اور خاور بیگ کے ساتھ خیمے میں چلی گئی۔ کامران نے شانے اچکائے لیکن یہ اندازہ اسے ہو چکا تھا

کہ مرزا خاور نے اپنی موت قریب بلا لی ہے۔

بڑا تکلیف دہ ماحول پیدا ہو گیا تھا اور بڑا ہی سنگین حادثہ تھا۔ مرزا خاور بیگ واقعی اپنی بیٹی پر جان دیتا تھا اس کی کیفیت دیکھ کر وہ دیوانہ ہو گیا اور اس نے صورتحال معلوم کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔

بہرحال اس کے بعد خاموشی طاری رہی پتا نہیں چل رہا تھا کہ دانش کے ساتھ مزید کیا ہوا رات ہو گئی مرزا خاور بیگ بھی اپنی بیٹی کے ساتھ خیمے سے باہر نہیں نکلا تھا۔ کھانا وغیرہ باقی لوگوں کے ساتھ کھایا اور اس کے بعد کامران بھی اپنے خیمے میں جا بیٹھا۔ کرنل گل نواز وغیرہ سے کوئی رابطہ نہیں ہوا تھا۔ پتا نہیں ان پر کیا گزری لیکن ایک اور حیران کن بات ہوئی تھی وہ یہ کہ جب عروسہ اسے برا بھلا کہہ رہی تھی اور دانش طیش میں آکر وہاں پہنچا تھا تو وہ اپنے منہ سے وہی الفاظ نکال رہا تھا جو گرشنک نے اپنے منہ سے ادا کئے تھے۔

پاتال پرماتما' دھرم دھنی اور پتا نہیں کیا کیا۔ دانش یہ الفاظ کیوں ادا کر رہا ہے۔ بہت دیر تک کامران غور کرتا رہا تھا اور انتہائی غور و خوض کے بعد ایک عجیب سا احساس اس کے ذہن میں جاگا۔ دانش کے پراسرار نقوش' گرشنک اور سیتا کے نقوش سے ملتے جلتے تھے بہ ظاہر اپنے نام یا اپنے حلیے سے وہ بدھ مت کا پیروکار یا ان علاقوں کا باشندہ نہیں معلوم ہوتا لیکن اب یہ احساس ہو رہا تھا کہ کچھ ہے ضرور...... بڑی الجھن کا شکار تھا۔ بہرحال دوسری صبح معمولات سے فراغت کے بعد ناشتا وغیرہ کیا اور خیمے سے باہر نکل آیا۔ خیمے اکھاڑے جا رہے تھے اور سب کے سب' خوش و خرم نظر آ رہے تھے گورڈن بھی اپنا کام سر انجام دے رہا تھا کامران نے مرزا خاور بیگ کے خیمے کی طرف نظر ڈالی خاور بیگم کا خیمہ بھی اکھاڑا جا چکا تھا لیکن وہ دونوں باپ بیٹی نظر نہیں آ رہے تھے کامران نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر دانش سے سوال کیا۔

"وہ دونوں کہاں گئے؟"

"گئے......" دانش نے کہا اور قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

"اوہو کہاں چلے گئے؟"

"وہاں۔ ادھر اس طرف......" دانش نے اشارہ کیا اور اچانک ہی کامران کانپ کر رہ گیا جدھر اس نے اشارہ کیا تھا وہاں یہ زمین ختم ہوتی تھی اور اس کے بعد ہزاروں فٹ کی گہرائیاں شروع ہو جاتی تھیں۔

"کک...... کدھر۔"

"ادھر" دانش پھر اسی انداز میں بولا اور کامران کے قدم آگے کی جانب بڑھ گئے وہی ہوا جس کا خدشہ تھا گہرائی میں دو لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ خون میں ڈوبی ہوئی لاشیں' ان کی گردنیں ان کے جسموں سے الگ تھیں ایک عروسہ کی لاش تھی اور دوسری مرزا خاور بیگ کی۔ کامران نے آنکھیں بند کیں اور وہاں سے پیچھے ہٹ گیا۔ دانش جیسا سفاک آدمی ہی سب کچھ کر سکتا تھا اس نے دیکھا کہ دانش نہایت لاپروائی سے خیمے اکھاڑنے والوں کو سامان جمع کرنے کی ہدایت دے رہا تھا۔

کامران لڑکھڑاتا ہوا ایک طرف چل پڑا اور پھر ایک پتھر پر بیٹھ گیا۔ بہرحال اس کے بعد آگے کا سفر شروع ہو گیا مرزا خاور بیگ اور عروسہ اس طرح مارے جائیں گے یہ بات کامران کے تصور میں بھی نہیں تھی۔ ابھی تک ٹرانسمیٹر بھی استعمال کرنے کا موقع نہیں آیا تھا۔ کیونکہ دانش عموماً اس پر نگاہ رکھتا تھا اور اس

وقت والش کو کسی شبے کا شکار کر دینے کا مطلب یہ تھا کہ کامران آسانی سے ان کا نوالہ بن جائے۔ والش کی زندگی کو وہ دیکھ چکا تھا آگے کا سفر شروع ہو گیا اور جاری رہا۔ یوں لگتا تھا جیسے والش ان علاقوں سے کافی واقفیت رکھتا ہو۔ مناظر بھی بدلتے جا رہے تھے پھر ایک رات والش خود ہی پھوٹ پڑا۔ خیمے لگے ہوئے تھے ماحول ابر آلود تھا۔ والش ایک پتھر پر بیٹھا ہوا تھا اس نے کہا۔

''ایک بات بتاؤ کامران! کیا تم مجھ سے اتفاق کرتے ہو میرا مطلب ہے کیا تم میرے ہمراہ سفر کرنے سے مطمئن ہو۔''

''مطمئن تو نہیں ہوں مسٹر والش! اصل میں یہ بات ہی ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئی کہ یہ سارا قصہ کیا ہے۔'' والش گہری سوچ میں ڈوب گیا پھر بولا۔

''جاننا چاہتے ہو یہ قصہ۔''

''ہاں میری خواہش ہے۔''

''اس میں تمہارا کردار بھی ہے میرا بھی ہے' کچھ اور لوگ بھی آتے ہیں کیا سمجھے۔ کچھ ایسے پراسرار کردار بھی جو ہماری مخالفت میں کام کر رہے ہیں بہت سی زنجیریں ہیں۔ جو مختلف سمتوں سے آئی ہیں اور ایک دوسرے میں الجھ گئی ہیں۔ میں ایک اوتار تھا۔ مہارشی' بدھ بھکشو' ہمیں نروان کی تلاش تھی اور میں اور میرے ساتھیوں کے گروپ نے یہ طے کیا کہ ایک طویل عرصے کے لئے زمین کی گہرائیاں اپنا لیں ہم نے اپنے تابوت بنائے' جنتر منتر پڑھے اور پہاڑوں میں روپوش ہو گئے۔ دنیا ترک کر دی تھی ہم نے ہمارا گیان اور مستقل استھان آگے بڑھ رہا تھا کہ گڑبڑ ہو گئی۔''

''گڑبڑ۔''

''ہاں۔''

''دلچسپ کہانی ہے بتانا پسند کرو گے۔'' کامران نے کہا۔ ''ہاں..... کیوں نہیں ہم نے اپنی زندگی میں درویشیت اپنائی اور خود کو ایک لمبے وقت کے لئے زمین کی گہرائیوں میں قید کر لیا۔ تاکہ جب ہماری آنکھ کھلے تو دنیا کے انکشافات کا وقت آ گیا ہو۔ یعنی وہ وقت جسے تم کچھ اور بھی کہتے ہو۔ شاید قیامت۔'' والش نے کہا اور کامران نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ لیں۔

''گویا تم اس وقت تک جینا چاہتے تھے۔''

''ہاں۔ حقیقتوں کا آغاز بھی دنیا سے ہوتا ہے اور انجام بھی وہیں جا کر ہوتا ہے اگر تم اپنی نگاہوں کی وسعت اور دل کی گہرائیوں سے سوچو۔'' کامران اس کے الفاظ میں کھو گیا غالباً وہ ان الفاظ کا مفہوم تلاش کرنے کی کوشش کر رہا تھا اور جب وہ اس میں ناکام رہا تو اس نے کہا۔

''مگر والش! تم لوگ کس طرح اس پر اپنے آپ کو آمادہ کر سکے۔''

''دیکھو کچھ راز ایسے ہوتے ہیں جن کا پوشیدہ رہنا ہی ضروری ہوتا ہے۔ مثلاً اگر تم یہ جاننا چاہتے ہو کہ ہم نے کس طرح ان غاروں میں اپنی زندگی کو قائم رکھا تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک ایسا مقدس راز ہے جو اگر منکشف ہو جائے تو دنیا میں ایسی بہت سی برائیاں پیدا ہو سکتی ہیں جن کا کوئی توڑ نہ ہو سکے۔''

''مثلاً۔''

''مثلاً..... بے شمار افراد اس فکر میں سرگرداں ہو جائیں گے کہ اپنی زندگی کو دوام کس طرح بخشیں.....''

''ہاں یہ تو ہے۔''

''انسان ہر حال میں زندہ رہنا چاہتا ہے۔ اصل میں اس سے یہی سب کچھ تو چھین لیا گیا تھا یعنی یہ کہ نہ وہ اپنی مرضی سے اس دنیا میں آتا ہے اور نہ اپنی مرضی سے اس دنیا سے جانے کا فیصلہ کرتا ہے اگر یہ فیصلے اس کے ہاتھوں میں آ جائیں تو پھر یہ سمجھ لو کہ آسمانوں میں مداخلت ہو جائے گی اور بہر طور یہ ممکن نہیں ہے۔''

''لیکن تم۔''

''اگر ہماری بات کرتے ہو تو ہم بھی اس بات کو پورے وثوق کے ساتھ کہتے ہیں کہ جو طریقہ کار ہم نے اختیار کیا اس پر ہم مطمئن ہیں اور دیکھو ہم میں تبدیلیاں رونما ہوئیں کیونکہ بہر طور ہمیں انسانی شکل میں تراشا گیا تھا اور انسانی شکل میں ہی اس دنیا میں بھیجا گیا اور اب بھی ہم انسان ہی ہیں یا اگر کوئی بھی ایسی بات ہو جائے مثلاً وہ پہاڑ جس کے اندر غار ہیں۔ زلزلے سے شق ہو جائے تو پھر تم کیا سمجھتے ہو۔ کیا ہمارے وجود باقی رہیں گے۔ نہیں ہم ان پہاڑوں کی چٹانوں کے نیچے ریزہ ریزہ ہو جائیں گے اور ہماری تمام آرزوئیں خاک میں مل جائیں گی.....'' کامران نے متحیرانہ انداز میں اسے دیکھا' کیا عجیب خیالات تھے..... کیا انوکھی بات تھی لیکن بہر حال اس کی بات میں وزن تھا۔ اس نے کہا۔

''میرا اصل نام کیا تمہارا کون تم اسے ہے تم چاہو تو مجھے والش کہو یا.....'' والش نے اس کے بعد پھر اپنی کہانی کا آغاز کیا اور کہنے لگا۔

''سو ہم نروان کے متلاشی اپنے تابوتوں میں زندگی کا سفر طے کر رہے تھے۔ زمانے کے ماہ و سال سے ہماری دلچسپیاں ختم ہو گئی تھیں ہم نے ان نفسیاتی خواہشوں کو دفن کر دیا تھا۔ جو انسان کو انسان بناتی ہیں اور جن کے سہارے وہ گناہ و ثواب کی منزلیں طے کرتا ہے لیکن شاید ہم ان انسانی صفات کو اپنے وجود سے نہیں مٹا سکے تھے جن کی تربیت ہمارے ضمیر میں کی گئی تھی اور یہی ہوا۔ نہ جانے کتنا وقت گزرا تھا نہ جانے کتنی صدیاں بیت گئی تھیں ہم پر کہ کم از کم میں اپنے بارے میں کہہ سکتا ہوں کہ میری زندگی میں ایک انقلاب پیدا ہوا وہ کچھ افراد تھے جو اس غار میں داخل ہو گئے تھے اور انہوں نے ہمارے درمیان پناہ لی تھی۔ ہمارے کان ان کی آوازیں سنتے تھے۔ ہماری آنکھیں انہیں دیکھ رہی تھیں لیکن صرف تصور کی شکل میں اور ہم نے یہ قدرت حاصل کر لی تھی کہ ہم تصور کی آنکھ سے سامنے آنے والی چیزوں کو دیکھ سکیں۔ جہاں تک ہم نے ان کے بارے میں اندازہ لگایا یہ احساس ہوا کہ ان کا تعلق یونان سے ہے۔ وہ آٹھ آدمی تھے۔ سات مرد اور ایک عورت' لیکن وہ عورت جسے میں نے صرف تصور کی آنکھ سے دیکھا تھا..... ناقابل یقین حسن کی مالک تھی۔ تم یہ سمجھو کامران کہ آسمانوں میں جب انسان کی خواہش کی تکمیل کی گئی ہے تو حضرت آدم کو ایک ایسی ہستی سے روشناس کرایا گیا جو ان کے لئے ناقابل یقین دل کشی کی مالک تھی اور پھر یہ دنیا کے لئے طے ہو گیا کہ انسان اپنی زندگی کو خوش گوار بنانے کے لئے نسل آدم کو آگے بڑھانے کے لئے اسی ہستی کا سہارا حاصل کرے اور پھر یہی ہوا۔ یہ دنیا دل کش پھولوں سے سج گئی اور یہ دل کشی کبھی ختم نہیں ہو سکتی۔ ہر ذی روح کے دل میں اپنی مخالف صنف

سے لذت انگیز ہونے کا جذبہ انتہائی ضروری قرار دیا گیا' کیونکہ خالق کائنات نے اسی طرح نسل آدم کو فروغ دینے کے بارے میں سوچا تھا سو میں نے اسے دیکھا اور دیکھنے کے بعد مجھے یہ محسوس ہوا۔ جیسے میری ہستی متزلزل ہوگئی ہو۔ میرے سارے وجود میں زلزلہ برپا ہوگیا ہو وہ کیا تھی' اس کے سراپے کو الفاظ کی گرفت میں گرفتار کرنا کسی طور ممکن نہیں تھا لیکن بس یوں سمجھ لو کہ وہ حسن کائنات تھی اور پھر مجھے اس کا نام بھی معلوم ہوگیا۔
اس کا نام اناطوسیہ تھا وہ ہمارے تابوتوں کو حیران نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ میں باقی لوگوں کی بات نہیں کرتا لیکن میں حیران نگاہوں سے اس حسن کائنات کو دیکھ رہا تھا جس نے میرے دل میں نروان کا تصور نکال دیا تھا اور میں...... میں...... اس حسین وجود کو دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ آہستہ آہستہ ہماری جانب متوجہ ہوئے وہ ہمارے بارے میں آمیز گفتگو کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ یہ تابوت یہاں اس غار میں کیوں سجے ہوئے ہیں ہو سکتا ہے ان میں ایک عظیم الشان خزانہ مدفون ہو ہر ایک کے دل میں الگ الگ خیالات تھے۔ کچھ خوف زدہ بھی تھے اور کچھ متحیر۔ پھر انہوں نے آپس میں طے کیا کہ ان تابوتوں کو کھول کھول کر دیکھا جائے اور پھر وہ ان تابوتوں کو دیکھنے لگے...... لیکن ان میں لاشیں دیکھ کر ان کے چہروں پر مایوسی کے آثار رونما ہوئے تھے۔ غالباً انہیں اس کی توقع نہیں تھی۔ سو وہ کہنے لگے۔

''ہم تو یہ سمجھے تھے کہ شاید اپنی دنیا سے ہٹنے کے بعد اپنے اوپر آنے والے مصائب سے بچ کر ہم اس لئے یہاں پہنچے ہیں کہ زندگی ہم پر کچھ اور ہی راز منکشف کرے لیکن آہ! تقدیر نے ساتھ نہ دیا۔''

''تم کیا سمجھے تھے۔'' ان میں سے ایک نے دوسرے سے پوچھا۔

''بس یہی کہ یہاں عظیم الشان خزانہ موجود ہے۔''

''اپنے ذہن کو خزانے سے پاک کر دو۔ دولت مند بننے کی کوشش میں جو تم نے کیا' اس کا نتیجہ تمہارے سامنے ہے.. ہم در بدر ہوگئے ہیں اور بے چاری اناطوسیہ ہمارے سامنے پریشان حال ہے۔''
اناطوسیہ کا نام لیتے ہوئے اس لڑکی کی طرف اشارہ کیا گیا تھا' پھر اس لڑکی نے میرے تابوت میں جھانک کر مجھے دیکھا' آہ میری آنکھیں تو بند تھیں لیکن میں یہ سمجھ رہا تھا کہ اس وقت مجھ پر کیا قیامتیں ٹوٹ رہی ہیں اس کی حسین آنکھیں مجھ پر نگران تھیں اور میں اپنے تصور کی آنکھ سے اسے دیکھ رہا تھا...... وہ حیران نگاہوں سے میرا جائزہ لے رہی تھی اور اپنی تمام تر کاوشوں سے یعنی اس وقت جو ہم نے اپنے ذہنوں کی گہرائیوں تک پہنچنے کا ایک جذبہ حاصل کر لیا تھا۔ ایک طریقہ حاصل کر لیا تھا...... تو میں یہ اندازہ لگا رہا تھا...... اس کی نگاہوں میں میرے لئے پسندیدگی کے جذبات ہیں اور وہ ذہنی طور پر مجھ سے بہت زیادہ متاثر ہوگئی ہے وہ سوچ رہی ہے کہ آہ! کاش میں عالم وجود میں ہوتا...... آہ کاش' میں زندگی میں ہوتا تو...... تو وہ میری قربت حاصل کرتی اور اس تصور سے میرا دل باغ باغ ہوگیا۔

میں نے سوچا کہ جو آگ میرے سینے میں لگی ہے...... اس کے شعلے وہاں تک پہنچ گئے ہیں اور وہ اس کی آنچ محسوس کئے بغیر نہیں رہ پا رہی اور اس کے بعد اضطراب تھا صرف اضطراب۔ اس کے بعد انہوں نے ہمارے تابوت بند کر دیئے...... لیکن...... لیکن میں اپنے تابوت میں تڑپ رہا تھا کہ آہ! کاش کسی طرح بھی ممکن ہو جائے۔ میں اس کی قربت حاصل کرلوں۔ میں اس کے قریب پہنچ جاؤں...... میں اسے دیکھتا رہوں۔

اس وقت تک دیکھتا رہوں جب تک کائنات کا آخری دن قریب نہ آ جائے۔'' لیکن ہر خواہش بھی تکمیل پانے کے لئے نہیں ہوتی...... میں نے اپنے دل میں غم کے انتہائی تاثرات محسوس کئے تھے...... وہ لوگ وہاں رہے اور ہم پر گفتگو کرتے رہے' ان میں سے ایک نے کہا۔

''یہ تو فراعنہ مصر کے مطابق صورتحال معلوم ہوتی ہے۔''

''فراعنہ مصر سے تمہاری کیا مراد ہے؟''

''وہاں فرعون کی ممیاں محفوظ کرلیا کرتے تھے اور انہیں اہراموں میں دفن کر دیا کرتے تھے یہاں میرا خیال ہے یہ امر قدیمی ہے۔''

''وہ کیسے......'' دوسرے نے سوال کیا۔

''اور وہ اس طرح کہ انہوں نے اپنے مردوں کو تابوت میں بند کر کے برفانی غار میں رکھ دیا ہے اور برف کی نمی ان کا تحفظ کر رہی ہے۔''

''کچھ عجیب سا لگتا ہے۔''

''کیوں؟''

''ان جسموں میں وہ حنوطیت معلوم نہیں ہوتی۔''

''ہو بھی سکتا ہے لیکن بہرحال ہمیں اس سے کیا۔''

اور پھر وہ اس غار سے رخصت ہوگئے جب وہ اس کے دہانے سے باہر نکل گئے تو میں نے اپنے دل میں غم کا شدید طوفان محسوس کیا...... آہ اناطوسیہ میرے دل پر اپنے نقش چھوڑ گئی تھی کہ اب میں ادھر کا رہا نہ ادھر کا...... میں بس اس کے تصور میں ڈوب گیا تھا۔ میری زندگی کے شب و روز غم میں گزرنے لگے میرا دل اس کے وجود کی خوشبو تلاش کرنے میں مصروف ہوگیا...... میں اپنے محور سے ہٹ گیا اب مجھے نروان کی تلاش نہیں تھی بلکہ میرے خیال میں ایک عورت آبسی تھی...... جس کے قرب کی خواہش مجھے دیوانہ کئے دے رہی تھی۔

نہ جانے کتنے سورج' کتنے چاند گزر گئے میری آنکھیں آنسوؤں کی برسات کرنے لگیں۔ میں اپنے آپ کو اس تابوت میں قیدی محسوس کرنے لگا میں اپنے محور سے ہٹتا جا رہا تھا...... مجھ پر انسان کا سایہ ہوگیا تھا اور وہ سارے مقاصد خاک میں مل گئے تھے جس کے لئے ہم نے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کی تھی۔ میرے ساتھی میری اس کیفیت سے نا آشنا تھے وہ اپنے گیان میں مصروف تھے اور سکون کی گہری نیند سو رہے تھے اور میں جاگ رہا تھا پھر میں اس وقت کا تعین آج تک نہ کر پاؤں گا۔ جس کے تحت میں وہاں وقت بسر کر رہا تھا اور پھر میں نے ایک روز غار میں قدموں کی آہٹیں محسوس کیں میں نے چشم تصور سے باہر دیکھا اور دل خوشی سے اچھل پڑا تھا۔

وہ اناطوسیہ ہی تھی۔ اناطوسیہ سیدھی میرے تابوت کے پاس آئی تھی اور میں خوشی سے پاگل ہو رہا تھا' لیکن صدیوں سے تابوت میں رہنے کی وجہ سے میں اپنے بدن کی جنبشوں کو متحرک نہیں کر سکتا تھا' سو میں انتظار کرتا رہا' اس نے وہ تابوت کھولا اور مجھے دیکھنے لگی اور پھر اس نے ڈرتے ڈرتے مجھے چھو کر دیکھا اور میرا جسم جگہ جگہ سے دبا کر دیکھتی رہی' میں اس کے ہاتھ کے لمس کو محسوس کر رہا تھا اور میرا دل خوشی سے بری طرح

اچھل رہا تھا۔ میں اس سے کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن یہ بھی مناسب نہیں تھا' یہ ایک ایسا عمل ہوتا جو اسے خوف زدہ کر سکتا تھا۔ اگر میں بول پڑتا تو ہو سکتا تھا وہ دہشت سے چیخیں مارتی ہوئی یہاں سے بھاگ جاتی' وہ مجھ میں کیا تلاش کرنا چاہتی تھی۔ مجھے تو اصل میں یہی دیکھنا تھا اور میں خاموشی سے اپنی جگہ منتظر رہا۔ پھر اس نے میرے جسم میں لچک پائی تو مجھے آہستہ سے تابوت سے نکال لیا اپنے نازک بدن کے ساتھ وہ جس قدر قوت رکھتی تھی' وہ بھی میرے لئے باعث حیرانی تھی' اس نے اپنے دونوں ہاتھوں میں مجھے اٹھایا اور تابوت سے مجھے نکال کر تابوت بند کر دیا۔

اب میں باہر کی دنیا میں تھا اور میرا اور اس مقدس عہد کا بندھن ٹوٹ چکا تھا۔ وہ مجھے اسی طرح اپنی بانہوں میں لئے ہوئے دہانے سے باہر نکلی...... اور پھر اس نے مجھے اپنے شانوں پر ڈال لیا۔ کمال کی جسامت اور مضبوطی تھی اس کی۔ ایک نازک اندام لڑکی جو دنیا کی حسین ترین عورت تھی جو یونان کی دیوی سائیکی سے کسی بھی طرح کمتر نہیں تھی مجھے اپنے شانوں پر ڈال کر لے جارہی تھی اور میں اس کے وجود کے لمس سے سرشار ہو رہا تھا...... اس نے یہ ناہموار راستے بڑی پراعتمادی سے طے کئے اور مجھے لئے ہوئے چلتی رہی۔ غالباً اس نے یہاں اپنے قیام کے لئے کسی اور غار کا انتخاب کیا تھا۔ سو یہی ہوا کہ ایک قدم آدم دہانے والے غار میں اندر داخل ہو کر اس نے مجھے کھردری زمین پر لٹا دیا...... اس کا سانس تیز تیز چل رہا تھا اور وہ میرے پاس ہی بیٹھ گئی تھی۔ اس کی نگاہیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں۔ میں اب بھی بند آنکھوں سے اسے دیکھ رہا تھا حالانکہ مجھ میں اتنی قوت تھی کہ میں اپنی آنکھیں کھول سکوں۔ لیکن وہی تصور میرے ذہن پر طاری تھا کہ کہیں وہ میرے جاگنے سے خوف زدہ نہ ہو جائے۔ کیونکہ بہر طور میں انسانی فطرت سے ناواقف نہیں تھا۔ سو وہ دوزانو میرے پاس بیٹھی رہی اور اس طرح نہ جانے کتنا وقت گزر گیا...... میرا دل خود بھی اس سے گفتگو کرنے کے لئے بے چین تھا لیکن اب بھی میں ہمت اور احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ سو پھر یوں ہوا کہ اس کے منہ سے پہلی بار ایک مدھم سی آواز نکلی۔

"آہ! اے حسین وجود۔ آہ! اے زندگی چھوڑ جانے والے۔ کاش تیرے اندر زندگی پیدا ہو جائے...... کاش تو ایک بار اپنے وجود میں واپس آجائے تو میں تجھ سے اتنا پیار کروں کہ دنیا سے پیار کا تصور ختم ہو جائے۔ تو میرے دل کی گہرائیوں میں اتنی دور تک چلا گیا ہے کہ شاید اب میری زندگی کا محور تو ہی تو ہے اے سونے والے کیا میرا پیار تجھ میں زندگی نہیں جگا سکتا۔ اے دنیا ترک کر دینے والے کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ تو پھر اپنے وجود میں واپس آجائے۔ آہ اگر میں صاحب علم ہوتی تو عالم برزخ میں تیری روح کو تلاش کرتی اور اس کو تیرے جسم میں داخل کر کے تجھے نئی زندگی دے دیتی۔ آہ! تو نہیں جانتا کہ میں نے تیرے لئے کیا کچھ چھوڑ دیا ہے' آہ...... اے حسین وجود کاش تو عالم زندگی میں آجائے۔ تو میری دنیا میں روشنی ہی روشنی پھیل جائے میں وہ سب کچھ بھول جاؤں جس کی بناء پر مجھے اپنی زمین چھوڑنی پڑی جن کی بناء پر مجھے ان پہاڑوں میں روپوش ہونا پڑا۔ کاش...... کاش...... کاش......" میں اس کے الفاظ سن رہا تھا اور میرے وجود میں روح اتر رہی تھی کتنی دل کش آواز تھی اس کی اور کتنی دل کش طلب' وہ جو کچھ چاہ رہی تھی' وہ لمحوں میں اسے ملنے والا تھا اور وہ بھی سوچ چکی کہ زندگی نے اس سے انصاف کیا۔ محبت میں اس نے ایک ایسا بلند مقام پایا' جس کی مثال نہ ملے۔

لیکن حقیقت یہ نہیں تھی حقیقت تو یہ تھی کہ میں زندہ تھا اور مجھے اس دنیا سے ابھی دوری حاصل نہیں ہوئی تھی۔ میں اس کی تمام آرزوؤں کی تکمیل تھا۔ سو میرے دوست کامران ایک ایسے شخص کے دل کا تصور کرو۔ جس کی چاہت اس کے سامنے مجسم کی گئی ہو۔ میں دیکھتا رہا...... سوچتا رہا اور اس کے لہجے میں نے فیصلہ کر لیا کہ اب اس سے زیادہ دوری ممکن نہیں ہے میں خود بھی اس کی قربت چاہتا تھا۔ سو میں نے آہستہ آہستہ اپنی آنکھیں کھول لیں اور اس کے چہرے پر شدید حیرانی کے نقوش دیکھے میں ابتدا میں اسے یہی بتانا چاہتا تھا کہ اس کے دل میں چھپی ہوئی محبت کے طوفان نے بالآخر مجھے زندگی سے روشناس کر دیا...... اسے شاید اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا...... وہ آگے جھکی اس نے میرے سینے پر ہاتھ رکھا اور اس کی مغموم آواز ابھری۔

"تصور بھی کیا چیز ہے...... انسان خواہش کرتا ہے اور پھر اپنی اس خواہش کو اپنے ساتھ زندہ دیکھ لیتا ہے۔ وہ سب کچھ نہیں ہے جو میں دیکھ رہی ہوں' میں جانتی ہوں...... وہ سب کچھ نہیں ہے۔ لیکن میرا دل نہ جانے کیوں چاہتا ہے کہ میں تجھے اسی طرح عالم زندگی میں آتے ہوئے دیکھوں...... کاش تیری آنکھیں پوری طرح کھل جائیں۔ کاش تو مجھے آواز دے۔" تو میں نے اسے آواز دی۔

"اناطوسیہ......" وہ اب بھی اس بات پر یقین کرنے کو تیار نہیں تھی اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی ایک مغموم مسکراہٹ' اس نے کہا۔

"اور میرے کان بھی تجھ سے متاثر ہوئے ہیں مجھے یوں لگا جیسے تو نے مجھے آواز دی۔ اور جب میں نے یہ محسوس کر لیا کہ درحقیقت وہ میری محبت میں انتہا تک ڈوب چکی ہے تو میرے دل کی بے قراری نے اسے حقیقتوں سے ناآشنا رکھنا مناسب نہ سمجھا۔ سو میں نے آہستہ سے اپنی جگہ سے جنبش کی اور اٹھ کر بیٹھ گیا...... تب وہ متحیر ہوئی اور اس نے مجھے بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا یہ حقیقت ہے؟"

"ہاں اناطوسیہ! یہ حقیقت ہے۔"

"تو عالم وجود میں آگیا ہے۔"

"ہاں۔ اناطوسیہ۔"

"کیا یہ ممکن ہو گیا ہے؟"

"شاید تیری محبت اس قدر عظیم ہے۔"

"آہ! اگر ایسا ہے تو اس کائنات کی سب سے انوکھی بات ہے یہ۔"

"جو ہو چکی ہے۔" "کیا تو مجھے میرے نام سے پکار رہا ہے؟"

"ہاں"

"لیکن تو مجھے کیسے جانتا ہے۔"

"محبت چیز ہی ایسی ہے کہ انسان محبوب سے روشناس ہو جاتا ہے" میرے ان الفاظ سے اناطوسیہ کی آنکھیں مسکراہٹ سے پھیل گئیں اس نے کہا۔ "کیا تو بھی مجھ سے محبت کرتا ہے۔"

"ہاں!" میں نے جواب دیا اور وہ حیران سی نظر آنے لگی۔ اس کی حیرانی کچھ دیر برقرار رہی پھر اس

نے ایک گہری سانس لے کر گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ انوکھی بات ہے لیکن ہے اور اب بھلا اپنے آپ کو دھوکا دینے سے کیا فائدہ...... تو نے کہا کہ تو مجھے چھو سکتا ہے اپنی مرضی سے...... مجھ تک پہنچ سکتا ہے تو آگے بڑھ...... انتظار کس بات کا ہے کیا میں تجھے پسند نہیں؟" سو میں نے اسے اپنی محبت کا ثبوت دیا اور کچھ لمحوں کے بعد وہ میری آغوش میں تھی اور اناطوسیہ میرے لمس سے سرشار ہوگئی۔

وہ نہ جانے کتنی دیر اسی طرح عالم جذبات میں مجھ سے لپٹی رہی تھی پھر اس کے بعد میری زندگی کا ایک نیا آغاز ہوا اور صدیوں سے جو مجاہدہ میں نے کیا تھا وہ سب کا سب خاک میں مل گیا حالانکہ اس دوران نہ جانے میں نے کتنے تجربات کر کے اپنے آپ کو نا قابل عمل بنایا تھا۔

غرض یہ کہ ہم نے اسی غار میں زندگی گزارنے کا آغاز کیا اور میں نے محسوس کیا کہ انسان جس انداز میں زندگی گزارتے ہیں غالباً اسی میں خوش رہ سکتے ہیں اگر وہ اپنی زندگی میں کسی نمایاں تبدیلی کے حامل ہو جائیں تو پھر ان کے لئے مشکلات میں گزارا کرنا ہوتا ہے اور یوں اگر زندگی گزاری جائے تو یہ بڑی خوبصورت زندگی ہوتی ہے۔ میری خلوتیں اناطوسیہ سے آباد تھیں اور ہم زندگی کے ہر اس راز سے آشنا ہو رہے تھے جس سے محرومی میں نے اپنائی تھی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ابھی تک اناطوسیہ کے بارے میں مجھے کچھ نہ معلوم ہوا تھا سو ایک دن میں نے اسے اس کے بارے میں سوال کر دیا۔

"اناطوسیہ!"

"ہاں۔"

"اناطوسیہ! تم میرے بارے میں تو جان چکی ہو کہ میں نروان کا متلاشی ایک شخص ہوں اور میں زندگی کی ان حقیقتوں کو جاننے کا خواہاں تھا جو آفاقی حیثیت رکھتی ہیں۔ لیکن تم آخر کون ہو؟ وہ آخر کون تھے جن کے ساتھ تم یہاں آئی تھیں؟" اناطوسیہ کے ہونٹوں پر پراسرار مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

"کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم مجھے جاننے کی کوشش نہ کرو۔"

"کیوں' کیا تم مجھے بتانا نہیں چاہتیں۔"

"ہاں شاید ایسا ہی ہے۔"

"آہ۔ مجھے غم ہوا اس بات پر۔"

"کیوں؟"

"کیا تم اپنی ذات میں کچھ ایسے راز پوشیدہ رکھنا چاہتی ہو۔ جس کا علم مجھے بھی نہ ہو سکے۔"

"اگر تمہیں ان باتوں کا علم ہو بھی جائے تو تمہیں اس سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوگا۔"

"محبت میں فائدہ یا نقصان نہیں دیکھا جاتا...... بلکہ ایک اعتماد ضروری ہوتا ہے۔" میں نے کہا اور وہ پرخیال نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی۔

میں نے کچھ دیر انتظار کر کے اس کے بولنے کا انتظار کیا اور پھر خود ہی کہا۔

"اس کے باوجود اگر تم مجھے اپنے بارے میں نہیں بتانا چاہتیں تو پھر میرا فرض ہے کہ میں تم سے

تمہارے بارے میں نہ پوچھوں۔"

"اور اپنے دل میں میرے لئے بال رکھو......" اس نے محبت بھری مسکراہٹ سے مجھے دیکھ کر کہا۔

"نہیں...... نہیں ایسی بات نہیں ہے میری محبت مجھے تم پر بے اعتمادی کی اجازت نہیں دیتی۔"

"تو پھر مجھے کچھ وقت دے دو...... بتا دوں گی کسی مناسب وقت پر تمہیں اپنے بارے میں۔"

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے" سوان پر فضاؤں میں جو زندگی ہم گزار رہے تھے وہ بڑی ہی حسین تھی پھر اس نے کہا۔ "اور جب انسان اپنی زندگی میں مکمل ہو جاتا ہے تو تمہارا کیا خیال ہے اسے اپنے لئے حسین جگہیں نہیں تلاش کرنی چاہئیں۔"

"میں تمہارا مطلب نہیں سمجھا۔"

"میرا مطلب ہے کہ کیوں نہ ہم یہاں سے نکلیں...... کہیں اور چلیں...... انسان' انسانوں کے درمیان ہی جا کر خوش رہتا ہے ان ویرانوں میں میرے اور تمہارے علاوہ کوئی نہیں ہے۔"

"محبت کرنے والے تو یہی چاہتے ہیں کہ ان کے درمیان کسی اور کی مداخلت نہ ہو؟"

"بے شک میں یہ جانتی ہوں...... اگر تم یہاں خوش ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں...... میں خود بھی یہی چاہتا ہوں کہ اب جب کہ ہم نے اپنی زندگی کا محور بدل لیا ہے تو پھر انسانوں کی مانند جینے کی کوشش کریں۔"

"تو پھر یہ محسوس کریں گے اور سوچیں گے کہ ہمیں اس سلسلے میں کیا کرنا چاہیے اور ہمارے لئے مشکل نہیں ہوگی...... ہم کوئی مناسب جگہ تلاش کر لیں گے۔"

"بے شک" پھر اچانک ہی مجھے کچھ خیال آیا اور میں نے اس سے پوچھا۔ "لیکن یہ تو بتاؤ کہ تمہارے وہ ساتھی کہاں چلے گئے۔ جن کے ساتھ تم اس غار میں داخل ہوئی تھیں۔" "وہ......" اس نے کہا اور بے اختیار مسکرا دی۔

"ہاں...... کیوں؟"

"ان کی کہانی بھی بے حد دلچسپ ہے۔" "کیا؟"

"بس یوں سمجھو کہ اس کہانی میں محبت کے وہ جذبے شامل ہیں جو نا قابل تسخیر ہوتے ہیں ہم نہ جانے کیا کیا صعوبتیں اٹھا کر یہاں تک پہنچے تھے اور اس کے بعد ہمیں پناہ گاہ کی تلاش تھی لیکن پھر وقت نے اپنا فیصلہ بدل دیا...... تمہیں دیکھنے کے بعد میں اس قدر بے چین ہوئی کہ میں نے تمہارے بارے میں سوچنا شروع کر دیا مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میں تم کو زیر دام حاصل کر لوں گی۔ نہ جانے کیوں میرے دل میں احساس تھا کہ میری محبت تمہیں پا لے گی سو میں نے ان سے علیحدگی اختیار کرنے کے بارے میں سوچا اور ہم لوگ یہاں سے بہت دور چلے گئے پھر میں نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی اور ان سے چھپتے چھپاتے یہاں پہنچ گئی۔ لیکن ان کے دلوں میں خیال نہیں تھا کہ میں اس طرف آؤں گی۔ میں نے اپنے گم ہونے کا ایسا ناٹک رچایا کہ وہ سوچ بھی نہیں سکیں گے کہ میں اپنی مرضی سے کہیں گئی ہوں اور پھر میں یہاں آ گئی۔"

میں نے اس کی بات پر کبھی شک نہیں کیا تھا...... وہ میری شرکت کی منزل سے دور تھی۔ میں اس

کے وجود میں اس طرح گم ہو گیا تھا کہ میرا دل چاہتا تھا کہ اپنے آپ کو اس میں ختم کر دوں اور اس کے بعد اس کے وجود سے علیحدگی کا تصور بھی ختم ہو جائے۔ یہاں میں نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ لیکن ایک دن صبح ہم جب اپنے غار سے باہر نکلے تو ہم نے عجیب سا منظر دیکھا۔ بلندیوں سے ہم نے گہرائیوں پر نظریں دوڑائیں تو ہمیں وہ لوگ نظر آئے جو اناطوسیہ کے ساتھی تھے وہ اس جانب آ رہے تھے...... اناطوسیہ کے چہرے پر مردنی پھیل گئی اس نے مجھ سے کہا۔

"اور یہ لوگ ایسے عالم ہیں اور ایسی قوت رکھتے ہیں کہ مجھے قابو میں کر لیں ان سے چھٹکارا حاصل کر لینا ضروری ہے۔" میں حیرانی سے اسے دیکھنے لگا پھر اس نے کہا۔

"آہ وہ ہم تک پہنچ جائیں گے...... اور یقیناً جس طرح انہوں نے ایک سمت اختیار کر لی ہے ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ حقیقتوں کا علم ہونے کے بعد ہی وہ یہاں تک پہنچے ہیں اور یہ سب کچھ میرے لئے بڑا مشکل ہو سکتا ہے...... کیونکہ میں ان سے بد عہدی کی مرتکب ہوئی ہوں اور اب انہوں نے اپنے علم سے ان باتوں کو جان لیا ہے۔"

میں حیرانی سے اس کی صورت دیکھنے لگا اور مجھے پہلی بار یہ احساس ہوا کہ اناطوسیہ میرے اور اپنے درمیان کچھ پردہ رکھتی ہے ایک راز رکھتی ہے...... اور مجھے ان تمام حقیقتوں میں شامل کرنا نہیں چاہتی جن کا تعلق اس کی زندگی سے ہے۔ سو میرے چہرے پر آزردگی دیکھ کر اس نے کہا۔

"اور اگر تم یہ سوچ رہے ہو کہ کچھ باتیں ایسی ہیں جو میں نے تمہیں نہیں بتائیں تو براہ کرم کسی غلط انداز میں نہ سوچنا۔ اگر اتنی ہی خواہش مند ہو ان باتوں کو جاننے کے تو میں تمہیں بے شک بتا دوں گی۔ لیکن تھوڑا انتظار کر لو۔ وقت کی کہانی کچھ آگے بڑھے تو میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گی' لیکن اب یہ میرے لئے ضروری ہو گیا ہے کہ میں ان کی ہلاکت کے بارے میں سوچوں۔"

میں نے چونک کر اسے دیکھا اور پوچھا "ان لوگوں کی ہلاکت کے بارے میں۔"

"ہاں"

"لیکن یہ کیسے ممکن ہے؟"

"ممکن ہے۔"

"کس طرح......؟"

"میں تمہیں بتاتی ہوں۔" اس نے کہا اور اس کے بعد میں نے ایک ایسا منظر دیکھا جس کا شاید تصور بھی نہیں کر سکتا تھا میں...... وہ ایک بہت بڑی چٹان تھی اتنی بڑی چٹان کے اگر پچاس آدمی بھی ہلانے کی کوشش کریں تو نہ ہلے۔ اناطوسیہ اس کی جانب بڑھی...... میں تعجب سے اس کا عمل دیکھتا رہا اس نے مجھ سے مدد طلب نہیں کی تھی۔ چٹان کے نزدیک پہنچ کر وہ رکی۔ میری جانب دیکھا...... تو میں آگے بڑھ کر بولا۔

"لیکن تم کیا کرنا چاہتی ہو۔"

"کچھ نہیں۔ جو کرنا چاہتی ہوں وہ دیکھو......" اور میں نے دیکھا اور میری آنکھیں بند ہو گئیں وہ چٹان پر دونوں ہاتھ ٹکا کر طاقت صرف کر رہی تھی نرم و نازک اناطوسیہ جس کے وجود کا ہر عضو نزاکت میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ لیکن میں نے یہ بھی دیکھا تھا کہ چٹان اپنی جگہ سے جنبش کرنے لگی ہے...... اور یہ بھی دیکھا میں نے کہ وہ گہرائیوں کا سفر کر رہی ہے اور اناطوسیہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو چکی ہے۔ چٹان اپنے ساتھ بے شمار پتھر لئے نیچے جا رہی تھی اور وہ لوگ وحشت سے منہ کھولے رہ گئے تھے۔ اتنا خوف آ بسا تھا ان کے دلوں میں کہ وہ اپنی مدافعت بھی نہ کر سکے...... اور میں نے انہیں دیکھا کہ چٹان نے انہیں پیس کر رکھ دیا لیکن میری حیرت اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی۔ یہ انسانی عمل نہیں تھا۔ یہ...... یہ...... یہ تو...... یہ تو ایسا عمل تھا جس کا تصور خواب میں بھی نہ کیا جا سکے۔" میں شدت حیرت سے گنگ ہو کر رہ گیا۔ اناطوسیہ قہقہے لگا رہی تھی اس نے کہا۔

"ضروری تھا...... یہ ضروری تھا اب کوئی میرے راز کا ساتھی نہ رہا۔" یہ الفاظ بھی میرے لئے ناقابل یقین تھے مجھے وہ لمحات یاد آ رہے تھے جب اناطوسیہ مجھے اٹھا کر طویل سفر طے کر کے وہ تک لے گئی تھی وہ بات بھی حیرت ناک تھی لیکن اس وقت میں نے یہ سوچا تھا کہ صرف میری محبت ہے' جس نے میرا وزن اس کے شانوں پر ہلکا کر دیا ہے لیکن اناطوسیہ میری نگاہوں میں اب کچھ پراسرار ہو گئی تھی تاہم میں نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا۔

البتہ ایک دن جب ہم کچھ جڑی بوٹیوں سے کشید کردہ شراب سے سرشار ہو گئے تھے۔ اچانک ہی اناطوسیہ میری نگاہوں میں اب کچھ پراسرار ہو گئی تھی تاہم میں نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا۔

البتہ ایک دن جب ہم کچھ جڑی بوٹیوں سے کشید کردہ شراب سے سرشار ہو گئے تھے اچانک ہی اناطوسیہ کھل گئی اس نے یہ شراب کچھ زیادہ ہی پی لی تھی اور بدمست ہو گئی تھی مجھے دیکھتے ہوئے اس نے کہا۔

"تم اس کائنات کے سب سے خوش نصیب انسان ہو۔ راکون تو ماسہ کہ تمہیں اناطوسیہ کا قرب حاصل ہے اس اناطوسیہ کا قرب جس کے لئے یونان کی تاریخ میں بہت سے انوکھے واقعات رونما ہوئے ہیں اور نہ جانے کتنے لوگ اناطوسیہ کے حصول میں اپنی جانیں گنوا چکے ہیں۔"

"اناطوسیہ یعنی تم۔"

"ہاں اناطوسیہ یعنی میں۔"

"لیکن اناطوسیہ' بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔"

"بات تو بڑے بڑے مفکروں کی سمجھ میں نہیں آئی ہے...... میں اناطوسیہ ہوں...... یونان کی دیوی راسیکا کا دوسرا روپ۔"

"راسیکا۔"

"ہاں دیوی راسیکا' جس نے چشمہ میوال سے آب حیات پی کر اپنے لئے ابدیت حاصل کر لی تھی۔"

"تو کیا تم راسیکا ہو۔"

"نہیں......"

"تو پھر......"

"راسیکا اپنا وجود کھو بیٹھی ہے۔"

"کیسے؟"

"اناطوسیہ کے ہاتھوں۔"

"میں سمجھا نہیں۔"

"راسیکا نے چشمہ میواں پی کر ابدیت تو حاصل کر لی تھی لیکن اسے یہ علم نہیں تھا کہ عقل کی قوت کے سامنے سب کچھ ہیچ ہے میں اس کی کنیز تھی۔ میں راسیکا کی کنیز تھی...... اور راسیکا مجھ سے اس لئے نالاں تھی کہ حسن و جمال میں میرا اور اس کا مقابلہ نہیں تھا دیکھنے والی نگاہ مجھے دیکھ کر بدمست ہو جاتی تھی۔ جب کہ وہ اپنی پذیرائی کی خواہاں تھی سو میرے ساتھ اس کا سلوک بہت برا تھا اور وہ یہ چاہتی تھی کہ ہر لمحے میں اس کی نگاہوں سے دور رہوں...... سو میں یہ کرتی تھی حالانکہ میرا محور کچھ اور ہی تھا میں تو یہ چاہتی تھی علم و عمل میں راسیکا کی مقابلہ بن جاؤں...... اور اس کے فرشتوں کو بھی گمان نہیں تھا کہ اناطوسیہ کیا کر رہی ہے سو اس نے اپنا تمام علم اور روحانیت ایسے مرکز میں سمودی تھی جسے وہ کائنات کی نگاہوں سے محفوظ رکھتی تھی سو دیوی راسیکا سورج دیوتا کے زیر اثر آئی اور ایسے عتاب میں گرفتار ہوئی کہ اسے گوشہ نشین ہونا پڑا اور مجھے اس کا موقع مل گیا سو میں نے اس کا علم اس کا عمل حاصل کر لیا اور یہاں تک آگے بڑھی کہ میں اس کے وجود میں سما گئی۔

لیکن دیوتاؤں کی چپقلش کچھ زیادہ ہی بڑھ گئی تھی سو سات ایوان منتشر ہو گئے اور تم نے خود دیکھا کہ آج وہ زمین کی گہرائی میں پیوست ہو گئے اور ان کا وجود ہمیشہ کے لئے مٹ گیا اور یہ تاریخ تھی یہ کہانی تھی جس کا اصل مفہوم اب ظاہر ہوا۔ لیکن ہم وہاں نہ رہ سکے میں اناطوسیہ ہوں دیوی راسیکا نہیں...... راسیکا تو بلندیوں کی رہنے والی تھی اور وہ میرے وجود میں کچھ اس طرح گم ہوئی کہ اس کا وجود فنا ہو گیا لیکن چشمہ میواں کی تمام خوبیاں میرے اندر جمع ہو گئیں۔ سو میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ کیا یہ ضروری ہے کہ میں یہاں محدود رہوں اور پھر میں نے سفر کیا سو میں وادی نیل پہنچی اور وادی نیل میں میں نے اپنے علم کا آغاز کیا...... سو یوں ہوا کہ فرعون کی ساری تاریخ میں میری شمولیت رہی اور میں فرعون کے لئے راستے منتخب کرتی رہی۔

یہاں تک کہ مجھے نیل کی ساحرہ کے نام سے مخاطب کیا جانے لگا لیکن وقت تبدیلیاں لاتا ہے اور میں اپنی تمام خواہشوں کو حاصل کرنے کے بعد وہاں سے کچھ سازشوں کا شکار ہو کر نکل کھڑی ہوئی اور وہاں ہم ایسے عتاب میں گرفتار ہو گئے تھے کہ اگر وادی نیل میں رہتے تو یقینی طور پر برائیوں کا شکار ہو جاتے اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ ہمیں قیدی بنا لیا جاتا وہ تمام ساتھی میری مانند نہ تھے چونکہ ان کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ راسیکا آسمانوں میں گم ہو گئی ہے یا زمین میں ہی اس کے ساتھ کوئی ایسا عمل ہوا ہے جس نے اسے گم کر دیا ہے۔ لیکن وہ میرے دل میں زندہ ہے اور آج بھی میرے قبضہ قدرت میں وہ قوتیں ہیں جو دیوی راسیکا میں تھیں......

نیل کی ساحرہ کے بارے میں صدیوں پہلے جو کہانیاں برپا ہوئی تھیں۔ یقیناً نیل کی داستانوں میں مدفون ہوں گی۔ لیکن کوئی بھی نہیں جانتا کہ میرا یہ سفر طویل رہا ہے اور اس طویل سفر کو طے کرتے ہوئے بالآخر میں اس جگہ پہنچی اور یہاں میں نے تمہیں دیکھا...... تو یوں محسوس کیا کہ جیسے تم میری طلب ہو کہ یہ تو تاریخ کے کچھ ایسے سربستہ راز ہیں جنہیں تاریخ کے پردوں میں ہی لپٹے رہنا چاہیے۔ یہ راز اگر عریاں ہو گئے تو بڑی مشکل ہو گی دنیا کو اور شاید خود مجھے۔"

میں اس کی باتیں سن رہا تھا اور دیکھ رہا تھا کہ عالم دیوانگی میں وہ کیا کہہ رہی ہے کیا نشے نے اس کے حواس چھین لئے ہیں۔ بات کچھ سمجھ میں آنے والی نہیں تھی...... وہ ایک ایسی فرسودہ کہانی سنانے میں مصروف تھی جس کا کوئی سر پاؤں نہیں تھا لیکن میرے لئے اس کی حقیقتوں کو تلاش کرنا مشکل نہیں تھا۔ کیونکہ ہم اتفاق سے صدیوں کے مسافر تھے وہ صدیوں کی مسافت طے کر کے یہاں تک پہنچے تھے اور جب ہم لوگ ہوش و حواس کی دنیا میں واپس آئے تو میں نے اس دیوی راسیکا کے بارے میں پوچھا اور وہ حیران رہ گئی۔

"ہاں یونان کی دیوی راسیکا تھی...... جس کے بارے میں سنا گیا تھا کہ وہ چشمہ میواں تک پہنچی اور اس نے ابدیت حاصل کر لی۔"

"اور اس کے بعد اناطوسیہ نے اس کے وجود میں بسیرا کر لیا" میں نے کہا۔

"اناطوسیہ تو میں ہوں۔"

"میں تمہاری ہی بات کر رہا ہوں۔" وہ تعجب بھری نگاہوں سے مجھے دیکھنے لگی...... پھر اس نے کہا۔

"کیا کہہ رہے ہو تم۔ تمہاری کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔"

"بات تو میری سمجھ میں بھی نہیں آئی لیکن اناطوسیہ کی اصل کہانی کیا ہے۔"

"اناطوسیہ کی کہانی بس اتنی سی ہے کہ اس نے اپنی زندگی میں بہت دکھ اٹھائے ہیں اور اس کے بعد ترک وطن کرنے پر مجبور ہو گئی۔ وہ سات آدمی جو میرے ہمراہ تھے اصل میں ان کا مجھ سے کوئی تعلق نہ تھا...... لیکن انہوں نے مجھ پر اپنا تسلط جما لیا تھا۔ وہ جرائم پیشہ لوگ تھے انہوں نے یونان میں جرائم کئے جو قابل معافی نہ تھے اس کے بعد طویل سفر کیا اپنے آپ کو پوشیدہ کرنے کے لئے سو ہم یہاں تک پہنچے اور تم پر تمام واقعات رونما ہوئے...... میں ان میں ملوث نہیں ہوں میرا ان سے کوئی رشتہ نہیں ہے بس یوں سمجھو کہ مشکل کا شکار ہو گئی ہوں اور یہی میری مجبوری تھی جن کی بنا پر میں نے ان سے چھٹکارا حاصل کر لیا۔"

میری گہری نگاہیں اناطوسیہ کا جائزہ لے رہی تھیں اور میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے بات ہی کچھ ایسی تھی۔

میرے دل میں اناطوسیہ کے لئے محبت کے سوا کچھ نہیں تھا اگر وہ مجھے اپنی تمام حقیقتیں بتا دیتی تو میں اسے چاہتا رہتا اور کبھی بھی میرے دل میں اس کے لئے ایسی کوئی برائی نہ پیدا ہونے پاتی جو میرے اور اس کے درمیان خلیج بن جائے۔ لیکن اس دن کے بعد سے وہ محتاط رہنے لگی میں نے اس کے رویے میں نمایاں تبدیلی دیکھی تھی۔ سو اس کی خواہش پر ہم سفر کرتے رہے اور بالآخر سرزمین ایران میں ہم نے اپنے لئے ایک ٹھکانہ بنا لیا...... وہ یہاں مطمئن اور خوش تھی...... اور بظاہر اس نے مجھ سے محبت کا وہ اظہار جاری رکھا تھا جس کی بنا پر اس نے میرے ساتھ وقت گزارنا شروع کیا تھا۔ میں خلوص دل سے اسے چاہتا تھا اور شاید تم اس بات پر یقین نہ کرو کہ میری محبت روز بروز بڑھتی جا رہی تھی اور اب میں اسے اپنے وجود کا ایک حصہ سمجھتا تھا میں نے اس کے لئے وہ سب کچھ ترک کر دیا تھا جسے میں نے نہ جانے کتنی مشکلوں سے اپنایا تھا اور اس دوران میں نے جو علم حاصل کیا تھا اس کا استعمال بھی ترک کر دیا تھا...... انسان جب محبت میں اندھا ہوتا ہے تو اس کی بینائی اس طرح ہوتی ہے کہ حقیقت کی بینائی بھی اس میں شامل ہو جاتی ہے۔ میں اپنی بینائی کھو چکا تھا......

اور میرے وجود میں صرف اناطوسیہ تھی۔ اناطوسیہ جو نیل کی ساحرہ کہلاتی تھی نیل کی اس ساحرہ کے بارے میں
دل میں کبھی کوئی ایسا احساس نہ پیدا ہوا لیکن اس وقت میں حیرت سے ٹھٹک رہ گیا...... جب ایک دن میں نے
اسے خفیہ طریقے سے ایک سفر کرتے دیکھا۔
رات کا وقت تھا اور وہ اپنی جگہ سے اس طرح سے اٹھی تھی جیسے مجھ سے چھپانا چاہتی ہو۔ میں حیران
رہ گیا...... اور پھر میں نے اناطوسیہ کا تعاقب کیا...... اناطوسیہ نے ایک طویل سفر کیا اور اس کے بعد وہ ایک
ایسی جگہ پہنچی جو ویرانے میں تھی لیکن اس جگہ میں نے جو کچھ دیکھا وہ بھی میرے لئے ناقابل یقین تھا...... وہاں
ایک ایسا مجسمہ موجود تھا جو پہاڑ کی ایک چٹان سے تراشا گیا تھا اور اس میں ایسے نقش کندہ تھے جو نہ جانے کون
سے دور کی نشان دہی کرتے تھے۔ اناطوسیہ ادھر ادھر گھومتی رہی تب میں نے اسے ایک شخص کے سامنے دیکھا جو
چادر اوڑھے ایک پتھریلی چٹان پر سو رہا تھا۔ یہ ساری باتیں میرے لئے ناقابل یقین تھیں۔ سو پھر یوں ہوا کہ وہ
شخص بھی آہٹیں پا کر اٹھ گیا اور اناطوسیہ کو دیکھ کر چونک پڑا...... اس نے کسی قدر درشت لہجے میں کہا۔

"تم پھر آ گئیں؟"

"ہاں۔"

"کیوں؟"

"سوراب، میں تمہارے لئے آئی ہوں اور تم نہیں جانتے کہ مجھے یہاں تک پہنچنے کے لئے کتنا
مشکل سفر کرنا پڑا"۔

"دیکھو لڑکی...... میں نے ان چٹانوں میں ان پتھروں میں اپنی زندگی سمو دی ہے اور یہ پتھر ہی
اب میری زندگی کا حاصل ہیں میں ان سے ایسے بت تراشنا چاہتا ہوں جو امر ہو جائیں، جنہیں کبھی زوال نہ ہو
اور یہ فن میں نے اپنے لئے منتخب کیا ہے میں کسی اور فن کا فنکار نہیں بننا چاہتا۔"

"تم مجھے دیکھو، میری جانب دیکھو...... تم نے میری طرف سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں مجھے
دیکھو...... مجھے تراشو اور تمہارا یہ تراشا ہوا مجسمہ یقینی طور پر امر ہوگا مگر تم میری جانب نگاہیں کیوں نہیں اٹھاتے۔"

"مجھ سے کہا گیا تھا کہ زندگی کا ایک دور مجھ پر ایسا گزرے گا جو میرے فن کو بہا لے جائے گا......
یہ فن میری زندگی ہے......
لڑکی! اور میں نہیں چاہتا کہ میں اس کے علاوہ کچھ اور دیکھوں۔"

"ایک بار، صرف ایک بار مجھ پر نگاہ ڈالو...... اگر تم نے میرے چہرے پر نگاہ ڈالنے کے بعد مجھ
سے کہا کہ میں چلی جاؤں تو پھر میں ضرور چلی جاؤں گی۔"

"لڑکی مجھے مجبور نہ کرو...... ساری دنیا کا حسن میری آنکھوں کے سامنے ماند ہے میں اپنے حسن کی
ایک ایسی صورت تراشنا چاہتا ہوں جو در حقیقت خود میرے اپنے وجود میں امر ہو جائے...... اور میں اسے اپنے
ذہن میں مجتمع کر رہا ہوں۔"

"آنکھیں بند کر کے" اناطوسیہ عجیب سے انداز میں ہنسی اور اس وقت میں نے دیکھا کہ اس شخص
نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا...... میں اب اسے قریب سے دیکھ رہا تھا اور ایک ایسی جگہ پوشیدہ ہو گیا تھا جہاں

سے میں اس پر نگاہ ڈال سکوں اور صحیح معنوں میں اس وقت میں نے اس پر نگاہ ڈالی تھی اور میں یہ بات بالکل
اعتماد کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ شاید یونان کے کیوپڈ سے بھی زیادہ خوب صورت تھا کیوپڈ کے بارے میں جو
حسن و جمال کی داستانیں سنی گئی ہیں اور جس طرح اس کی مجسمہ تراشی کی گئی ہے اس میں اسے بتایا گیا ہے کہ وہ
یونان کا حسین ترین نوجوان تھا اور اس کی محبوبہ سائیکی جو سائیکی دیوی کہلاتی تھی دنیا کی حسین ترین عورت تھی
اور اس وقت میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ بلاشک وشبہ یہ دونوں کردار ایک بار پھر یکجا ہو گئے ہیں نوجوان نے اسے
دیکھا اور اس کے بعد دیکھتا ہی رہ گیا بہت وقت گزر گیا...... اس کی نگاہیں اناطوسیہ کے چہرے سے نہیں ہٹ
رہی تھیں اور اناطوسیہ کی آنکھوں میں کامیابی کی مسکراہٹ اترتی آ رہی تھی۔ وہ اناطوسیہ کو دیکھتا رہا...... پھر اس
نے آگے بڑھ کر کہا۔

"کون ہے تو؟"

"اناطوسیہ ہے میرا نام۔"

"اناطوسیہ۔"

"ہاں۔"

"مگر...... مگر...... تو...... تو کیا میرے خوابوں نے حقیقت کا روپ دھار لیا ہے۔"

"میں سمجھی نہیں۔"

"اوہ شاید شاید...... میں اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کرنے جا رہا تھا۔"

"کیوں؟" اناطوسیہ نے نقرہ بار آواز میں پوچھا۔

"تو ہی تو ہے جو دل و دماغ میں بسی ہوئی ہے آہ تو ہی تو ہے لیکن...... لیکن میں تجھے راسیکا کے نام
سے جانتا ہوں میں۔ میں نے کتابوں میں تجھے ناسیکا کے نام سے پڑھا ہے۔ تو اناطوسیہ کیسے ہو سکتی ہے۔"

"میں جو کچھ بھی ہوں لیکن اب تیرے لئے ہوں کیا تو مجھے تراشے گا۔"

"آہ، میرا مجسمہ تو مکمل ہو چکا ہے۔"

"اور اگر تو مجھے نہ دیکھتا تو کیا ہوتا......" اناطوسیہ ایک پتھر پر بیٹھتی ہوئی بولی۔

"میں اپنے اسی تیشے سے خودکشی کر کے تاریخ میں اپنا نام شامل کر جاتا۔"

"اس لئے کہ تیری ہی طلب میں تو سرگرداں ہوا ہوں...... میں ایک بہت اچھے خاندان کا انسان
ہوں اور میرا خاندان بڑی اہمیت کا حامل ہے لیکن جب سے تو میرے خواب و خیال میں آئی میں نے تجھے
تلاش کرنا شروع کر دیا...... میں نہیں جانتا تھا کہ تو کہاں ہے لیکن میرے دل میں ایک احساس ضرور تھا وہ یہ کہ
ایک دن تو مجسم ہوگی۔ سو میں نے پتھروں میں تجھے تراشنا شروع کر دیا اور دیکھ یہ بے نام اور بے نقش
تصویریں۔ اسی کی حامل ہیں...... ان بے نقش چہروں کو تیرا نقش درکار ہے...... میں نے انہیں زندگی کے
حسین سے حسین روپ میں تراشا ہے...... لیکن بس میں وہ نقوش ان پتھروں کو نہیں دے سکتا تھا جو میرے
ذہن میں تھے کیونکہ وہ نقش کبھی مجسم نہیں ہوئے تھے میں اپنے احساسات کو جسم کی شکل تو دے سکتا تھا لیکن
چہرے کی تراش میرے لئے ناممکن تھی۔"

سو میرے دوست میں یہ سن رہا تھا اور میرے وجود میں آگ بھر رہی تھی' گو اناطوسیہ درحقیقت وہ نہ تھی جو ظاہر ہوئی تھی۔ وہ تو کچھ اور ہی تھی اور شاید نشے کے عالم میں اس نے اپنے بارے میں جو کچھ بتایا تھا وہ سچ ہی تھا...... جس کی وہ نفی کرتی رہی تھی اور یہ بت تراش اب اس کے لئے دیوانہ ہو رہا تھا اور اناطوسیہ اس کے انداز میں بھی ایسی کیفیت پائی جاتی تھی جیسے وہ بت تراش میں دلچسپی لینے لگی ہو اور یہ ہوتا تھا...... اکثر رات کی تنہائیوں میں اناطوسیہ کو میں اس کے بستر سے غائب پاتا تھا۔ گویا وہ اپنے طور پر بھی کسی عمل میں مصروف تھی یہ تو بہت برا ہوا...... جس کے لئے میں نے زندگی کا سب سے اہم مقصد ترک کر دیا تھا جس کے لئے میں نے اپنا مقدس عہد کھو دیا وہ بے وفا ہے' یہ تصور میرے دل کو لرزانے لگا۔

میں خاموشی سے وہاں سے واپس آ گیا کیونکہ اس سے آگے جو ہونے والا تھا وہ میں دیکھنا نہیں چاہتا تھا...... اناطوسیہ ابھی تک مجھ سے رابطہ رکھے ہوئے تھی اور میں جانتا تھا کہ ایک دن ایک بہت ہی بڑی چٹان میرے وجود پر بھی آ گرے گی اور میں ریزہ ریزہ ہو جاؤں گا انہی سات افراد کی مانند جو اناطوسیہ کے عاشق تھے۔ اناطوسیہ یقینی طور پر اسی مزاج کی حامل لڑکی تھی اس کے اندر صدیوں پرانی روح تھی' اور وہ سب کو بے وقوف بنا رہی تھی۔

لیکن میرے دوست! تمہارا نام کامران ہے نا' میں دوران گفتگو تمہارا نام ہی بھول گیا۔ تم یقین کرو وہ ایسی ہی تھی...... جو ایک نگاہ اسے دیکھے اسے زندگی کی ہر شے بری محسوس ہونے لگے۔ اناطوسیہ کے لئے میرے دل میں غم و غصے کا طوفان ابھر آیا تھا...... ایک مرد کی حیثیت سے میں رقابت کا شکار ہو گیا تھا...... میرا دل چاہا کہ اس بت تراش کو زندگی سے محروم کر دوں' لیکن قصور اس بت تراش کا نہیں تھا...... اس کے بعد بھی اناطوسیہ میرے ساتھ رہے گی اور میں یہ کبھی نہیں بھول سکوں گا کہ یہ بے وفا ہے اور مجھ سے علیحدگی کی خواہش مند' یعنی وہ کسی اور کو چاہ سکتی ہے اب اس کے لئے میرے دل میں یہ تمام چیزیں منجمد ہو گئی تھیں' میں جانتا تھا کہ وہ ایک بے وفا لڑکی ہے مگر میں کیا کروں...... پھر یوں ہونے لگا کہ راتوں کو اناطوسیہ غائب ہوتی تھی۔

پھر ایک رات میں نے اس کا انتظار کیا اور انتظار کرتے ہوئے بہت دیر ہو گئی۔ پھر جب وہ واپس آئی تو میں نے کہا۔

"اناطوسیہ...... تم ایسا کیوں نہیں کرتیں' کہ اب میرا ساتھ چھوڑ دو...... جس طرح کہ تم اس سے پہلے بھی شاید دوسروں کا ساتھ چھوڑتی رہی ہو۔" تب وہ اپنے اصل رنگ میں نمایاں ہو گئی اس نے آتش بھری نگاہوں سے مجھے دیکھ کر کہا۔

"تو اس میں غلط بھی کیا ہے...... یہ تو میری تاریخ ہے اور تم ایک معصوم انسان ہو جو اناطوسیہ کو نہ پہچان سکے...... کیا سمجھتے ہو تم...... کیا تم واحد ہو۔ نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ اپنی غلط فہمیوں کو دل سے نکال دو...... شاید تم مجھے عشر عشیر بھی نہیں سمجھ پائے۔ بے وقوف آدمی' میرا نام اناطوسیہ ہے...... یعنی موجودہ نام...... ماضی کی تاریخ اٹھا کر دیکھو کہ اناطوسیہ کیا ہے تم اناطوسیہ کی گرد کو بھی نہیں پا سکتے...... اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ اناطوسیہ صرف تمہاری غلام ہے تو حماقت تمہاری ہے' میری نہیں...... اگر تم صاحب علم ہوتے تو اناطوسیہ کو تحریر کی طرح پڑھنے کی کوشش کرتے' لیکن مجھے بھی ایسے ہی لوگ پسند ہیں جو اگر خود بھی کچھ ہوتے ہیں تو کسی حسن و شباب کو

دیکھ کر اپنے آپ کو فراموش کر دیتے ہیں۔ میری پسند بہت مختلف ہے اور تم کیا سمجھتے ہو۔ میں بے مقصد تمہارے پاس پہنچ گئی تھی۔ نہیں یہ ایک طویل کہانی ہے ایک ایسی کہانی جس کے بارے میں تم خوابوں میں بھی نہیں سوچ سکتے تم اناطوسیہ کو نہیں جانتے۔ میں نے تم سے ماضی کی تاریخ کا ذکر کیا ہے۔ جاؤ ماضی کی تاریخ اٹھا کر دیکھو اگر تم مجھے یونانی سمجھتے ہو تو یہ بھی غلط ہے اور اگر تمہارے خیال میں میرا تعلق بابل سے ہے تو تم بے وقوف ہو' میرا خمیر مصر کی سرزمین سے اٹھا ہے اور سرزمین مصر میں نہ صرف میں بلکہ میرے علاوہ اور بھی ساحرائیں پیدا ہوئی ہیں۔ میں ان کے نام بھی تمہیں بتا سکتی ہوں۔ لیکن کچھ راز ایسے ہوتے ہیں جنہیں راز رہنا ضروری ہوتا ہے۔ مصر میں مجھے نیل زادی یا نیل کی ساحرہ کہا جاتا ہے۔ صحرائے مصر میں میری لاتعداد کہانیاں مدفون ہیں۔ بہت سے فراعین میرے عشق میں گرفتار رہے اور اپنا منصب کھو بیٹھے ہاں تم جیسے لوگ میری پسند رہے ہو اور تم یہ سمجھو کہ میں نے اپنی پسند کو کائنات کے گوشے گوشے میں تلاش کیا۔ بہت پرانی بات ہے ماضی کی تاریخ میں' مجھے ایک انسان ملا ہو میں تمہاری تلاش میں چل پڑی...... اور میں نے تمہیں پا لیا...... وہ لوگ جو میرے ساتھ تھے میرے غلام تھے' لیکن...... یہ سب کچھ میں نے اپنی ضرورت کے تحت کیا تھا...... سو انہوں نے میرا ساتھ دیا لیکن حقیقتوں سے نا آشنا رہ کر...... اور جب میں نے تمہیں پا لیا تو یوں سمجھو ان کا وجود میرے لئے بے کار ہو گیا...... میں نے انہیں چھوڑ دیا اگر وہ میرے تعاقب میں نہ آتے تو زندہ رہتے لیکن میں نے جب یہ دیکھا کہ وہ آسانی سے میرا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ تو میں نے انہیں ریزہ ریزہ کر دیا...... اور اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ چٹان اپنی جگہ سے خود بخود اٹھ گئی تھی تو ذرا خود ہی سوچو قصور میرا نہیں تمہارا ہے۔ اصولی طور پر تو تمہیں میری طاقت کو تسلیم کر لینا چاہیے تھا سمجھ رہے ہو...... میں کیا ہوں تم سوچ بھی نہیں سکتے یہ حسن و جوانی مجھ پر قائم ہے اور ہزاروں صدیاں بھی اسے ملیامیٹ نہیں کر سکتیں...... میں نے اس کے لئے جو کچھ کیا ہے وہ صدیوں کی تاریخ میں درج ہے ارے بے وقوف شخص تو میرے لئے بس اتنا ہی ضروری تھا اور بھلا میں تیرا یہ طعنہ کیوں برداشت کروں گی' میں تیری غلام تو نہیں ہوں جو وقت مجھے تیرے ساتھ گزارنا تھا گزار لیا...... لیکن تجھ سے تو مجھے کچھ نہ حاصل ہوا...... میں تو سمجھتی تھی کہ برف زادوں میں مدفون تابوتوں میں سے جو ساحر برآمد ہوگا وہ میرے علم میں اضافہ کرے گا۔"

میں نے نینوا میں تین ساحروں پر اپنے جال ڈالے تھے اور وہ ساحر میرے لئے خودکشی کر گئے اور نینوا میں میرا نام اناطوسیہ نہ تھا اور اگر تو بابل کی ستارہ کے بارے میں کچھ جانے تو تو شاید اس پر یقین نہ کرے کہ ستارہ میں ہی تھی اور نیل کی ناگن کا نام تو سن ہی چکا ہے اور اب یونان کی اناطوسیہ تیرے سامنے ہے۔ تو اے شخص! تو خاک ہو جائے گا۔ تیرا وجود بھی مٹی میں مل جائے گا۔ لیکن اناطوسیہ کسی اور نام سے اس کائنات میں جی رہی ہو گی...... مجھے تو صدیوں کا سفر طے کرنا ہے۔ ساحروں نے مجھے اپنا علم دیا۔ مجھے پانے کے شوق میں انہوں نے اپنی زندگیاں کھو دیں مجھے بھی ان ساحروں سے عشق تھا اور تم...... سحر سے ناواقف ہو تم تو اپنے ہی جنون کا شکار نکلے اور آج تو طعنہ زنی کرتا ہے۔ چل یہ اچھا ہوا کہ تجھے علم ہو گیا کہ میں اب بت تراش کی جانب راغب ہوں اور وہ بلاشبہ صاحب فن ہے بہت عرصے تک میرا اور اس کا ساتھ رہے گا۔ کیونکہ اسے پتھروں کی جادوگری آتی ہے اور جادو کیسا بھی ہو میرے لئے قابل توجہ ہوتا ہے۔ میں تو جیتی رہوں گی تو بھلا

میرا ساتھ کہاں دے گا۔" میں نے درد بھرے لہجے میں کہا۔

"لیکن میں سچا ہوں...... اناطبیہ میں نے تو تیرے لئے نروان چھوڑ دیا وہ سب کچھ چھوڑ دیا جو میرے عہد میں شامل تھا۔"

"تیرا عہد سچا نہ تیرا عشق! اگر تو عشق کے لئے اپنا سچ چھوڑ سکتا ہے...... اور آگے چل کر کسی اور چیز کے لئے مجھے بھی چھوڑ سکتا ہے خیر نہ تو میں دیوانی ہوں اور نہ ہی اس قدر جذباتی اور احمق...... سمجھ رہا ہے نا تو...... تو نے خود ہی یہ راستہ بند کر دیا اور یہ داستان یہاں ختم ہو گئی ہے۔"

"مگر اناطبیہ میں تو تجھ سے عشق کرتا ہوں۔"

"بہت پرانی بات ہے میرے لئے...... بہت ہی پرانی بات۔"

"میں تجھ پر تشدد بھی کر سکتا ہوں۔"

"اوہ...... گویا یہ تیرا تشدد نہیں۔"

"میں نے تو تجھ سے کچھ شکایات بھرے الفاظ کہے تھے۔" میں نے کہا اور میں تیار ہو گیا کہ اگر یہ عورت ضرورت سے زیادہ اپنے آپ کو چالاک ظاہر کرے تو اس کے خلاف عمل کروں اور پھر یہی ہوا میں اچانک ہی اس پر جھپٹا تھا اور میں نے اس کو کس لیا تھا پھر میں نے اس کے ہاتھ مضبوطی سے باندھ دیئے اس وقت میں اس چٹان ہلانے والی کو بھول گیا تھا اور وہ مدافعت نہ کر سکی...... اس نے ہاتھ بندھوا لیے...... پھر پاؤں بھی اور اس کے بعد وہ سر جھکا کر بیٹھ گئی۔

میرے وجود میں نفرت کی چنگاریاں دوڑ رہی تھیں جو کچھ اس نے کہا تھا وہ میرے لئے آگ ہی آگ تھا اور یہ آگ میرے وجود کو جھلسائے دے رہی تھی لیکن مجھے کچھ دیر کے بعد تعجب ہی ہوا وہ زاروقطار رو رہی تھی اور اس نے اپنا منہ گھٹنوں میں چھپا لیا تھا اس کے آنسو زمین بھگو رہے تھے...... اور پھر اپنے آپ پر افسوس کرنے لگا۔

آہ کاش میں اپنے ساتھیوں کو نہ چھوڑتا...... میں وہ نہ کرتا جو کر چکا ہوں میں تو واقعی اپنا مقصد کھو بیٹھا تھا مجھے سچ مچ یہ نہیں کرنا چاہیے تھا اور کیا تو یہ تسلیم کرے گا کامران کہ ہم ان تابوتوں میں لیٹ کر دنیا کے بہت سے علوم سے واقف ہو گئے تھے ہم نے اپنی زندگی ہواؤں کو پیش کر دی تھی۔ بے شک ہم نے چشمہ حیات سے ابدی زندگی پانے کا راز نہیں حاصل کیا تھا لیکن جو کچھ ہم نے ترک کیا تھا اس کے نتیجے میں ہمیں صدیاں مل گئی تھیں وہ صدیاں جو دنیا کے آخری دن تک ہمارا ساتھ دیتیں اور یہ حقیقت ہے کہ یہ ایک نیا علم نیا تجربہ تھا جو ہم نے پالیا تھا۔ لیکن اس عہد کے ساتھ کہ اسے دوسرے تک نہیں پہنچائیں گے۔ ہم تو اپنی زندگی کے ہاوہ سال ترک کر کے ان پہاڑوں میں پناہ گزین تھے اور وہاں سے کبھی نہ نکلنے کا عہد کر چکے تھے سو ہمیں طویل زندگی ملی تھی اور اس زندگی کے ساتھ لاتعداد علوم بھی اور یہ عورت اپنے آپ کو آفاقی ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ بے شک ہمارے علم حرف ہمارے لئے تھے وہ جو جینے کے لئے جو ان کا کائنات کا مقصد تھا اور ہم نے اپنے علم کو کبھی کسی دوسرے مقصد کے لئے مخصوص نہیں کیا تھا۔ ورنہ اگر ہم تابوتوں سے نکل کر آس پاس میں پھیل جاتے تو ایک ایسا مقام حاصل کر لیتے جو شاید دوسروں کو نہ حاصل ہوتا اور ہمارے پیشواؤں کا سارا مقصد خاک میں مل جاتا ہم مخلص تھے۔ حالانکہ میں نے اپنے علم سے اور اپنے عہد سے بغاوت کی تھی۔ لیکن یہ بھی جانتا تھا میں کہ مقدس عہد کو توڑنا باعث سزا بنے گا اور اس سے بڑی سزا اور کیا ہو سکتی تھی کہ جس عورت کے لئے میں نے اپنا سب سے بڑا مقصد ترک کر دیا وہ...... وہ نہ نکلی جو میں نے سمجھا...... آہ کس قدر معصوم تھی وہ...... کس قدر حسین اور جاذب نگاہ تھی۔ میں کہتا ہوں کہ کامران اگر چاندنی کو سمیٹ کر انسانی شکل میں ڈھال دیا جائے تو اناطبیہ کے سوا کوئی صورت نہ بنی۔ وہ ایسی ہی چاند زادی تھی اور میں اسکے حسن میں گرفتار ہو کر کچھ اس طرح بے لگام ہوا تھا کہ اپنے آپ کو ہی بھول گیا تھا اور اس وقت اس کی زبانی یہ ساری کہانی سن کر مجھے بڑی شرم آ رہی تھی اور میں یہ سوچ رہا تھا کہ واپس انہی برف زاروں میں پہنچ جاؤں...... اپنے عہد شکنی کی توبہ کروں اور ایک بار پھر اپنے مقصد میں گم ہو جاؤں...... لیکن میں جن سیاہ کاریوں میں ملوث ہو گیا تھا اس کے بعد میرا اب وہاں ٹھکانا نہیں تھا میں تو جان بوجھ کر اس تک پہنچا تھا مگر وہ ایسی خوفناک ساحرہ ہے میں نے سوچا کہ اب میں اسے دیکھوں گا اور اس سے کہوں گا کہ یہ اپنا سحر مجھ پر آزمائے اور میں اپنے علم سے اس کے سحر کو فنا کر دوں گا۔ میں دیکھوں گا نینوا کی تارہ اور بابل کی ستارہ اور یونان کی اناطبیہ وونیل کی ساحرہ کس طرح مقابلے میں آتی ہے۔ لیکن مجھے یہ حیرت ہوئی تھی کہ وہ میرے سامنے بے بس تھی۔ زاق اوہ اپنے آپ کو کس طرح گرفتار بنانے کا باعث بن گئی تھی۔ جب کہ اس کے قول کے مطابق وہ بے شمار سحر جانتی تھی۔ سو واقعی حیرانی کی بات تھی اور میں واپس اس کے پاس پہنچا وہ اس طرح سکڑی ہوئی بیٹھی تھی اور کیا ہی احمق چیز ہوتا ہے یہ مرد کہ لمحہ بھر میں موم کی طرح پگھل جاتا ہے میں نے اسے پھولوں سے زیادہ نازک اور تصور سے زیادہ حسین سمجھا تھا اور اب اسے اس عالم میں دیکھ کر جانے کیوں میرے دل کو ایک دکھ کا احساس ہوا تھا...... یہ بیوقوف عورت اب بھی اسی طرح بیٹھی ہوئی تھی۔

میں نے اسے آواز دی تو اس نے مجھے گردن اٹھا کر دیکھا اور کامران کسی عورت کی آرزو بے مقصد نہیں کی گئی تھی یا کوئی عورت بے مقصد نہیں بخشی گئی تھی یہ تو انسان کے لئے کائنات مکمل کر دی گئی تھی اور شاید کائنات کے آخری دن تک محبت اسی طرح مرد کی نفسیات پر حاوی رہے گی۔ چاہے وہ اپنے آپ کو کتنا ہی منظم کر لے اور اس وقت اس کی آنکھوں میں جو سرخی نظر آ رہی تھی وہ اتنی دل کش تھی کہ نہ جانے کیوں میں موم کی مانند پگھل گیا اس کے الفاظ زہر میں ڈوبے ہوئے تھے اس نے اپنی جو داستان سنائی تھی وہ اتنی سنگین تھی کہ اگر دماغ سے سوچتا تو کبھی اس کی جانب راغب نہ ہوتا...... لیکن عشق کم بخت دل سوچتا ہے دماغ معطل ہو جاتا ہے اور مجھے اس پر اتنا پیار آیا کہ شاید الفاظ میں بیان کرنا اسے مناسب یا ممکن نہ ہو۔ میں نے اسے شکایت آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

زمانہ قبل کی ساحرہ! کاش تیرا علم اس سے بھی کہیں زیادہ ہوتا...... لیکن اس میں محبت کا عنصر بھی شامل ہوتا تو یہ جان سکتی کہ سچ کی قیمت کیا ہے میں تیرے لئے افسردہ ہوں مگر شاید تجھے اس عالم میں نہیں دیکھ سکتا، کم از کم اتنا ہی کہ میری دنیا سے دور ہو جا۔ کہیں میرے انتقامی جذبے اور شدید نہ ہو جائیں۔ میں اب صرف ایک انسان ہوں ایک معمولی انسان کی حیثیت سے اب زندگی گزارنا میرا مقصد بن گیا ہے اور شاید بقیہ زندگی میں تیری یاد میں گزاروں...... افسوس محبت کی بھیک تو کس سے...... وہ ایک بار پھر رو پڑی...... اور

سسکیاں لینے لگی۔ میں نے آگے بڑھ کر اس کے پاؤں تھام لئے لیکن وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلی تھی۔

''اناطوسیہ..... تو جا میں یہ سوچ سوچ کر پاگل ہو رہا ہوں کہ تجھے مجھ سے جدا ہونا ہے اور تیرے دل میں کسی اور کا پیار ہے۔'' اس نے سنا کی نگاہوں سے مجھے دیکھا..... پھر آہستہ سے بولی۔

''وہ دور کبھی نہیں آئے گا جب مرد عورت پر اعتبار کرنا سیکھ لے'' اس کے یہ الفاظ تعجب خیز تھے اس کے پیچھے کہے ہوئے الفاظ کی نفی..... میں نے کہا۔

''میں تیرا مطلب نہیں سمجھا۔''

''شک مرد کی فطرت ہے عورت اگر اسے اپنی زندگی کی آخری سانس بھی دے دے تو وہ یہی سوچتا رہے گا کہ وہ بے وفا تھی۔''

''تو کیا کہنا چاہتی ہے؟''

''وہ بدبخت سنگ تراش بس ایک اچھا سنگ تراش ہے اور میرا ذوق اس کے مطابق بس اتنی سی بات تھی کہ میں اس سے اپنا ایک مجسمہ بنوانا چاہتی تھی یہی لگاؤ تھا مجھے اس سے اس لئے اس سے ملتی جلتی تھی یہ سوچ کر کہ تمہارے اور میرے درمیان اعتماد کی دیوار قائم ہے بس اتنی سی بات تھی جسے تو نے افسانہ بنا دیا اور آخر میں بھی تو انسان ہوں میرے سینے میں بھی تو دل ہے، میرے دل میں بھی تو جذبات ہیں میرے اندر بھی تو یہ آرزو ہے کہ مجھے چاہا جائے۔ مجھے سمجھا جائے وہ جسے میں نے زندگی کے سب سے خوشگوار لمحات دے دیئے مجھ پر اعتبار کرے سو تو نے بھی اعتبار کو قتل کر دیا اور مجھے شک کی نگاہ سے دیکھا گویا میرا محبت تیرے لئے کچھ نہیں تھی۔'' میں اس کے الفاظ پر حیران رہ گیا میں نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''تو جو کچھ کہانی تو نے مجھے سنائی کیا اب تو اس سے منحرف ہے۔''

''نہ کر مجھ سے ایسی باتیں..... میں تجھ سے یہ باتیں نہیں کرنا چاہتی میں تیرے سامنے اپنی صفائی نہیں پیش کرنا چاہتی جانتی ہوں کچھ نہیں ملے گا مجھے..... تو سنگ دل ہے اور کسی سنگ دل سے کوئی توقع رکھنا اپنی بیوقوفی ہے کسی اور کی نہیں۔''

''دیوانی عورت کیوں مجھ سے کھیل رہی ہے تو نہیں جانتی کہ میں تجھ سے کتنا پیار کرتا ہوں اور اس پیار نے مجھے دیوانہ کر دیا ہے میں نہیں چاہتا جو میرا نہ ہو سکے وہ زیادہ دیر میری قربت میں رہے۔''

''اپنے آپ سے جدا کر دینا چاہتا ہے نا مجھے تو ہاتھ پکڑ میرا اور نکال دے مجھے یہاں سے..... دربدر ہو جاؤں گی نا..... یہی سمجھوں گی کہ غلطی کی تھی۔ غور نہیں کیا تھا..... تا کبھی میں ہار گئی۔''

''آہ تو مجھے پاگل کئے دے رہی ہے تیری ایک بات بھی میری سمجھ میں نہیں آ رہی۔''

''بس میں پھر سمجھانا بھی نہیں چاہتی..... کیوں اپنی صفائی پیش کروں میں کیوں نہیں سمجھا تو نے مجھے کیوں شک کیا مجھ پر بس یہ مجھ سے برداشت نہیں ہو سکا کیا اتنے عرصے کی رفاقت تجھ پر یہ ظاہر کرتی ہے کہ میں..... میں صرف تیری محبت نہیں ہوں اور بھی کچھ ہوں اس کے سوا۔''

''اناطوسیہ..... اناطوسیہ تجھے خدا کا واسطہ نہ کھیل مجھ سے نہ تڑپا مجھے یوں نہ قتل کر میں نے تجھے اپنی رفاقتیں دی ہیں۔

انتقام لے گا اس پر یہ بات ثابت کر دے گا کہ تو کون ہے ایک ایسے مذہب کا اور ایک ایسے علم کا پیروکار جو شاید اب دنیا میں کسی اور کے پاس نہ ہو تو میں نے اپنی قوت ارادی سے کام لیا اور زہر کے اثرات کو خود پر طاری نہ ہونے دیا..... پھر یہی ہوا کہ میں صحت کی جانب قدم بڑھانے لگا میں نے اپنے سینے سے زہر کا وہ اثر مٹا دیا اور سینے میں انتقام کو پال لیا۔ کامران اب اور کچھ نہیں تھا میرے پاس اس ناگن کے زہر کا شکار ہوا تھا اور اب اس ناگن کی ہلاکت میرے لئے ایک مقصد بن گئی تھی وہ تو بقول اس کے چشمہ حیواں سے آب حیات سے ہو نے تھی لیکن میں اپنے علم کی روشنی میں زندہ تھا اور یہ روشنی صدیوں تک میرا ساتھ دے سکتی تھی علم کا جو چراغ میرے وجود میں روشن تھا ابھی تو اس کی لو کا ایک سرا سلگا ہی تھا یہی تو اس چراغ میں بہت دور تک جانے کی سکت رہی تھی اور اپنا ممکن نہیں تھا کہ نیل کی ساحرہ مجھے اس طرح جل دے جا۔ یہ میں نے اس کی للکار قبول کر لی تھی اور اب بھلا اس بات کی کیا گنجائش تھی کہ میں اس کے فریب کا شکار رہوں۔ لیکن بعد میں میری کاوشوں نے میرا ساتھ نہ دیا یا پھر وہ چالاک عورت درحقیقت وہ جگہ چھوڑ گئی تھی۔

سنگ تراش کے سنگی مجسمے ویران پڑے ہوئے تھے وہاں ان کا نام و نشان نہیں تھا کہیں بھی جب وہ نہیں ملے تو میں نے یہ غور کر لیا کہ بالآخر ایک اور مکھی مکڑی کے جال میں جا پھنسی ہے اور سو اب کو تلاش کرنا اب ذرا مشکل ہی ہوگا لیکن وسیع کائنات میں وہ کہیں نہ کہیں تو مجھے مل ہی جائیں گے.. یوں نہ جانے کتنے ماہ و سال گزر گئے وقت کی گرد ہر احساس پر چڑھتی گئی۔ سوائے اس احساس کے کہ مجھے اناطوسیہ کی تلاش تھی۔ اناطوسیہ یا ستارہ کسی بھی نام میں کسی بھی روپ میں ہو مجھے بس ایک بار مل جائے میں اسے بتا دوں کہ مرد کا علم کیا ہوتا ہے۔ عورت تو صرف اس کے وجود کا چھوٹا سا ٹکڑا ہے جو اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کی دلکشی مرد کو دیوانہ بنا دیتی ہے کیونکہ یہ دیوانگی ازل سے اس کی تقدیر میں اس کی فطرت میں لکھی گئی ہے جہاں تک عورت کو مرد کا دیوانہ بنانے کا مقام دیا گیا ہے۔ بھلا اس سے کون منحرف ہو سکتا ہے لیکن صنف قوی یا وہ جس کے وجود کے ایک حصے کو اسی کے سامنے لا کھڑا کیا گیا ہے بڑی وسعتیں رکھتا ہے اس کا سارا جسم باقی رہ جاتا ہے اور اگر عقل کی یہ توجیہ ممکن نہ ہو سکے تو شاید فیصلہ کرنا مشکل ہو جائے گا میں نہیں کہتا کہ کامران کتنا وقت گزر گیا۔ ایک طویل عرصہ دنیا کے مختلف گوشوں میں چھپتا میں تاریخ کے ان گہواروں میں جہاں انسان پائے جاتے ہیں۔ میں نے اناطوسیہ کو تلاش کیا ہر رنگ اور ہر روپ میں اسے دیکھنا چاہا۔ لیکن وہ مجھے نظر نہیں آئی۔ بھلا میرے جینے کا اب مقصد ہی کیا تھا۔ میں نے طرح طرح کے گر اپنائے ایسے ایسے طریقے استعمال کئے میں نے کہ تفصیل بتانے بیٹھ جاؤں تو تمہارے وقت کا بہت بڑا حصہ ضائع ہو جائے۔''

''نہیں میں سمجھتا ہوں میرا وقت ضائع نہیں ہو رہا ہے بلکہ دانش میں تم سے روشناس ہو رہا ہوں۔ میں نے تمہاری تلاش میں کتنا وقت ضائع کیا ہے تم شاید اسے نہ سمجھ سکو۔'' کامران نے کہا۔ دانش کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ نظر آئی اور پھر وہ کہنے لگا۔

''ہاں دنیا اتنی ہی معصوم ہے لوگ اسی انداز میں سوچتے ہیں کاش اتنی سادگی سے پوچھنا چھوڑ دیا جائے۔'' کامران اس کی کہانی میں گم تھا اور وہ ایک عجیب سی کیفیت محسوس کر رہا تھا پھر دانش نے اپنی داستان کا سرا آگے سے جوڑتے ہوئے کہا۔ ''پھر یوں ہوا کہ میں ایک ایسے خطے میں پہنچا جو ویران تھا اور اسے

غاروں کی سرزمین کہنا غلط نہ ہوگا۔ میرے یہاں آنے کا کوئی خاص مقصد نہیں تھا بس اپنی آگ میں جھلستا ہوا یہاں آ نکلا تھا...... لیکن میرا یہاں آنا بے مقصد نہ ثابت ہوا۔ وقت شاید مجھے دھکیل کر یہاں لایا تھا ایسے ہی غاروں کے سلسلے میں ایک ایسے غار تک جا نکلا جو وسیع و عریض اور کشادہ تھا اس غار میں داخل ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اس کے باہر مجھے جلی ہوئی آگ کے نشانات ملے تھے اس کا مطلب ہے کہ غار کے دہانے کے باہر کچھ ایسے لوگ آ کر بیٹھے تھے جنہیں آگ جلانے کی ضرورت پیش آئی میں یہ جاننا چاہتا تھا کہ یہ کون ہیں اور میں غار میں داخل ہو گیا غار کے اوپری حصے سے چھننے والی سورج کی روشنی غار کے مناظر روشن کیے ہوئے تھے اور ان روشن مناظر میں جو چیز اہم تھی میں نے دیکھی وہ ایک سنگی مجسمہ تھا جو پتھر کی ایک چٹان کو تراش کر بنایا گیا تھا اور یہ مجسمہ ایک ایسی عورت کا تھا جسے پتھر کے روپ میں دیکھ کر انسان اپنے حواس معطل کر بیٹھے لیکن میرے حواس معطل نہ ہوئے کیونکہ یہ چہرہ میرا شناسا تھا یہ بدن میرا آشنا تھا یہ اناطوسیہ کا مجسمہ تھا۔ اناطوسیہ کا یہ حسین مجسمہ اور اس غار میں میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا...... لیکن پھر میں نے غار کے دہانے کے پاس کچھ آہٹیں سنیں اور میں اس جانب متوجہ ہوا اندر داخل ہونے والا ایک بوڑھا شخص تھا جس کے سر اور داڑھی کے تمام بال سفید ہو چکے تھے اس کے جسم پر میلا کچیلا لباس تھا ہاتھ میں لاٹھی تھی جسے زمین پر ٹکا کر وہ قدم قدم آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا میرے قریب آ گیا اور حیرت سے مجھے دیکھنے لگا۔ پھر اس کی لرزتی ہوئی آواز ابھری۔

”آہ...... کیا اس جگہ کی تقدیر کھل گئی۔ یہاں تو کبھی انسانوں کا گزر نہیں ہوتا۔ تم کون ہو میرے بھائی کوئی سیاح یا کوئی پراسرار وجود جو بھٹک کر اس طرف آ نکلا ہے۔“ میں اسے بغور دیکھتا رہا تو اس نے پھر لرزتی آواز میں کہا۔

”کیا تم مجھے اپنے بارے میں بتاؤ گے نہیں دوست اس طرف کیسے آ نکلنا ہوا کیا تم بھی کسی ویران دل کے مالک ہو جو ویرانوں میں آ گئے۔“

”مگر تم کون ہو اور یہ مجسمہ کس کا ہے۔“ میں نے سوال کیا اور وہ شخص غم آلود انداز میں اپنی لاٹھی زمین پر رکھ کر ایک دیوار سے پشت لگا کر بیٹھ گیا۔ پھر اس کی ڈوبتی ہوئی آواز ابھری۔

”میرا نام سوراب ہے۔“ یہ نام میرے ذہن میں ایک دھماکے کی مانند ابھرا تھا مجھے بہت کچھ یاد آ گیا تھا...... میں نے اسے حیرت سے دیکھا اور مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے نقوش نا آشنا نہ ہوں۔

”کیا سوراب بت تراش؟“

”ہاں یہ سنگی مجسمہ میں نے تراشا ہے۔“

”یہاں اس ویرانے میں کیوں؟“

”دل کی آگ میں جھلس کر“ اس نے جواب دیا اور میری حیرتیں آسمان کو چھونے لگیں میں نے کہا۔

”اناطوسیہ کے عشق میں گرفتار ہو کر......“ میرے ان الفاظ پر وہ چونکا اور اس نے حیران نگاہوں سے مجھے دیکھا اور بولا۔

”یہ نام تمہاری زبان تک کیسے آ گیا...... یہ نام تو ایک مقدس امانت ہے۔ میرے سینے میں لیکن تم کیا صرف اس مجسمے کو دیکھ کر تم اس کا نام لے سکتے ہو۔“

”میں نے غلط تو نہیں کہا کیا یہ اناطوسیہ کا مجسمہ ہے“

”ہاں...... یہ اسی قتالہ عالم کا مجسمہ ہے جو عورت نہیں بلکہ عورت کے روپ میں اسرار و رموز کا ایک مینار ہے...... اتنا بلند مینار کہ اس کی بلندیوں کو نہ چھوا جا سکے“ میرے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی اور میں نے کہا۔

”تو تم بوڑھے ہو گئے ہو۔“

”میں تمہاری بات کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”کیا اناطوسیہ وہ نہیں جس نے تم سے عشق کیا تھا اور جس نے تم سے اپنا مجسمہ تراشنے کا اظہار کیا تھا......“ میں نے پوچھا بوڑھے کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے لیکن میرے حلق سے قہقہہ نکل گیا تھا میں اس بوڑھے کی داستان جانتا تھا۔ میں سوراب کی داستان جانتا تھا اس بت تراش سوراب کی کیونکہ میں خود بھی اس داستان کا ایک حصہ تھا اور اناطوسیہ مجسم میرے ذہن میں آ گئی لیکن میں بوڑھے کی زبان سے اس کی داستان سننا چاہتا تھا اور بوڑھا آنسو بہاتی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے اور میں اس داستان کا منتظر ہو گیا جس کا تعلق اسی شاطر عورت سے تھا جو نیل کی ساحرہ تھی۔

سوراب کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور میں بالکل مختلف انداز سے سوچ رہا تھا شاید ہی مجھ سے قبل کسی نے رقیب کے لئے دل میں اس قدر ہمدردی محسوس کی ہو لیکن میں جانتا تھا کہ اس بدنصیب کو تو یہ بھی نہیں معلوم ہوگا کہ میں کون ہوں۔ اسے تو یہ بھی پتا نہ ہوگا کہ اس سے پہلے نہ جانے کتنے عاشقان اسی طرح آنسو بہاتے رہے ہوں گے سوراب ان حیرتوں کو نظر انداز کر بیٹھا تھا جو فطری تھیں...... یعنی اس نے مجھے نظر انداز کر دیا تھا جس نے اس کا اور اناطوسیہ کا نام لیا تھا۔ عشق کے مارے شاید ایسے ہی ہوتے ہیں ہوش و حواس سے بیگانہ۔ وہ اپنی ہی آگ میں جھلس رہا تھا اس نے کہا۔

”بچپن سے یہ روگ میرے دل کو لگا تھا اس کا محرک میرا باپ تھا ایک ماہر سنگ تراش مجسمے تراشتا تھا بڑے نام کا مالک تھا شاہی محلات میں اسے پتھروں کا درویش کہا جاتا تھا اور اس کے بنائے ہوئے مجسموں کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ ان میں راتوں کو زندگی دوڑ جاتی ہے تب میرے باپ کو تباہی نے آ گھیرا اس کے حواس پر کچھ نقش مسلط ہو گئے اور اس نے ان نقوش کو تراشنا شروع کر دیا۔ جو کچھ اس نے خوابوں میں دیکھا جسے اس نے اپنے تصور میں پایا اس کے ماہر ہاتھ اسے کوئی شکل نہ دے سکے وہ تو ایک ایسا تصور تھا جو انسانی ہاتھوں کی گرفت میں آ ہی نہیں سکتا تھا اور میرا باپ دیوانگی کی حدیں چھونے لگا۔ وہ پاگلوں کی طرح ہر لمحہ پتھروں کو توڑتا رہتا تھا اور اس پر جنون سوار تھا کہ وہ شکل تشکیل کرے جو اس کے دل کو قرار بخشے لیکن وہ طلسمی شکل اس کے ہاتھوں کی گرفت میں نہیں آ سکی تھی اور اس کے جنون نے اسے عقل و خرد سے بیگانہ کر دیا اور وہ عرف عام میں دیوانہ مشہور ہو گیا لیکن وہ میرا باپ تھا اور مجھے اس کی حالت دیکھ کر سخت افسوس ہوتا تھا۔ میرے دل نے مجھے آواز دی اور میں نے سوچا کہ وہ شکل مکمل کر دوں جو میرے باپ کو اس کے حواس واپس دے دے لیکن مشکل ہوا۔

میں نے لاتعداد مجسمے بنائے جب کہ میں اس سے واقف نہیں تھا لیکن ایک لگن ایک تڑپ مجھے

مجبور کر رہی تھی۔ سو پتھر میرے باپ نے مجھے دیکھا میرے بنائے ہوئے مجسمے دیکھے اور زار و قطار رو دیا۔ اس نے کہا کہ اے مصور! اے میرے بیٹے ایک ایسا نقش بنا دے جو تجھے میری آنکھوں میں نظر آ سکے۔ آہ کاش میں اپنی آنکھوں سے وہ نقش دیکھ سکوں اور یہ اس کے عشق کی انتہا تھی کہ جب میں نے اس کی آنکھوں میں جھانکا تو مجھے ایک ایسی حسین صورت نظر آئی جو اس کی آنکھوں سے میری آنکھوں میں منتقل ہو گئی مگر مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے اپنے باپ سے کہہ دیا کہ اسے بت تراش میں نے وہ شکل دیکھ لی ہے اور وہ مجسمہ میں تراش لوں گا اس نے حیرت سے کہا کہ کیا وہ شکل اس کی آنکھوں میں موجود ہے تو میں نے بدبختی سے اس کا اظہار کر دیا۔ اور اسی رات میرے باپ نے اپنی دونوں آنکھیں نکال لیں خود اپنے ہاتھوں سے اس نے اپنے آپ کو آنکھوں سے محروم کر دیا اور دیکھنا چاہا کہ وہ شکل کیسی ہے لیکن دیوانے کے پاس دیکھنے کے لئے رہ کیا گیا تھا یہاں تک کہ وہ ان زخموں کی تاب نہ لا کر دنیا سے دور ہو گیا لیکن ماں باپ ورثے میں اولاد کو نہ جانے کیا کیا دے جاتے ہیں میری کہانی ان کہانیوں میں بالکل ہی نمایاں حیثیت کی حامل ہے کیونکہ مجھے ورثے میں اپنے باپ کا عشق ملا تھا۔ آہ مجھے وہ شکل ملی تھی اور تقدیر میں یہی لکھا تھا کہ جو غم باپ کو اس دنیا سے لے گیا وہی میرے وجود کا حصہ بنے۔ پھر پہاڑی تھی اور میں اس وجود کو تراش دینا چاہتا تھا میری کیفیت بھی اپنے باپ سے کم نہ تھی پھر ایک دن وہ میرے سامنے آ گئی اور اس نے مجھ سے کہا کہ میں اس کا بت تراشوں میں جو کسی کو دیکھنا پسند نہیں کرتا تھا اسے دھتکارتا رہا۔ لیکن اس نے کہا کہ میں ایک بار اس کی طرف دیکھوں اور جب میں نے جھنجھلا کر اس کی طرف دیکھا اور کیا ہی برا وقت تھا کہ اسے دیکھنے کے بعد میرا دل و دماغ جھلس گیا یہ وہی حسن جہاں سوز تھا جس نے میرے باپ کی جان لی تھی اور اب مجسم ہو کر مجھ تک پہنچ گیا تھا۔"

کامران دانش کی اس کہانی میں بری طرح کھویا ہوا تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے وہ خود اسی ماحول کا ایک حصہ ہو اور خود ایک ایسا کردار جو ان تمام واقعات کا چشم دید گواہ ہو۔ دانش کی آواز ابھری۔

تم ایسے دیوانے کا خود ہی تصور کرو جو پشتوں سے ایک ہی گھاؤ کھاتا چلا آیا ہو...... سو میں نے وہ زخم کھایا اور چور چور ہو گیا۔ بس اس کے بعد اس کے سوا میرے پاس اور کوئی چارہ کار نہیں تھا اور وہ مجھے اس ویرانے میں لے آئی اس نے مجھ سے کہا کہ میں اس کا ایک ایسا مجسمہ تراشوں کہ جسے دیکھ کر انسان میری پوجا کرنے لگیں۔ سو یہی کیا میں نے لیکن ایک آبادی سے کچھ فاصلے پر ویرانوں میں وہ مجھے وہاں خود لے کر پہنچی تھی اور میں اس کے حسن سے سرشار اس کی محبت میں ڈوبا ہوا اپنے فن کی تمام تر مہارتوں کو آواز دیتا رہا اور میں نے ایسا ہی کیا۔ وہ بہت خوش تھی۔ وہ میرے گرد منڈلاتی رہتی تھی۔ وہ مجھ سے کہتی تھی کہ میں اس کائنات کا سب سے عظیم فنکار ہوں وہ میرے قدموں میں نثار ہوتی رہی اس نے مجھے اپنی مٹھی میں اس طرح جکڑ لیا کہ اس کے علاوہ اس کائنات میں مجھے اور کوئی شے نظر نہیں آتی تھی۔ آہ وہ حسین تھی وہ دل کش تھی نسوانیت کا ایک ایسا پیکر کبھی نظر نہ آنے والوں میں سے تھا اور میرے دوست! میں نے اسے چاہا تھا۔ اس سے محبت کی تھی میں نے اسے پتھر میں منتقل کر دیا لیکن ایک ایسا وجود دے کر جو اس کے اس حسن سے بھی زیادہ حسین تھا اور ہم نے ایک چھوٹا سا گھر بنایا اور وہ اپنے مجسمے کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی رہی۔ نہ جانے کیا تھی وہ۔ نہ جانے کون تھی اسے اپنے آپ ہی سے عشق تھا۔ وہ اپنے وجود پر ہی نثار ہوتی تھی اسے شاید اپنے سوا کسی اور سے

دلچسپی نہیں تھی وہ اپنے مجسمے کا طواف کرتی رہتی تھی اور میں ہنستا رہتا تھا بس میرے دل میں بھی اس کا وجود تھا اور یوں وقت گزرتا رہا میں اس کی محبت سے سرشار اس کی قربت سے بہرہ ور بس وقت گزار رہا تھا۔ اور میری ہر محبت کا جواب زیادہ محبت سے دیتی تھی اور انسان کو اور کیا چاہیے زندگی میں اگر محبوب کی قربت جائے تو کائنات اس کی نگاہ کے سامنے ہیچ ہو جاتی ہے میں اپنے آپ کو دنیا کا خوش قسمت ترین انسان سمجھتا تھا لیکن وقت مجھ پر ہنس رہا تھا۔ تقدیر مجھ پر ہنس رہی تھی وہ جگہ جہاں میں نے مجسمہ تراشا تھا کوئی عام جگہ تھی لیکن کچھ قسمت کے مارے ادھر آ نکلے راستہ بھٹک گئے تھے۔

ہم پہاڑوں کی اس چھوٹی سی چٹان کی آڑ میں جہاں ہم نے اپنا گھونسلا بنایا تھا آرام سے رہ رہے تھے سو میں نے تو نہ دیکھا لیکن اس نے دیکھا کہ وہ لوگ جو راستہ بھٹک کر پہنچے تھے اس مجسمے کے گرد پتھر ہوئے کھڑے تھے اور ان میں ایک حسین نوجوان بھی تھا جو ایک تندرست و توانا طاقت ور گھوڑے پر سوار ہوش سے عاری اس مجسمے کو دیکھ رہا تھا۔ سو مجھے فخر کا احساس ہوا وہ بھی میرے قریب تھی اس نے کہا۔ دیکھو...... وہ کس طرح تمہارے بنائے ہوئے مجسمے کو دیکھ رہا ہے۔"

"اس میں میرے فن کا کمال نہیں ہے بلکہ تیرے حسن کا کمال ہے۔"

"آہ...... اس کی آنکھوں میں کیسی وارفتگی نظر آ رہی ہے۔"

"مجھے تو وہ دیوانہ لگ رہا ہے۔"

"میرا دیوانہ" وہ فخریہ انداز میں بولی۔

"ہاں تمہارا دیوانہ میری ہی مانند" میں نے کہا اور اس نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ بس ایک لمحہ صرف ایک لمحہ مجھے یہ احساس ہوا کہ ان آنکھوں میں میرے لئے ایک غیر مناسب کیفیت ہے مگر اس کے بعد اس نے خود کو سنبھال لیا تھا وہ لوگ جو اس گھڑ سوار کے ساتھ آئے تھے...... اسے لے جانے کی کوشش کرنے لگے اور وہ بہ مشکل تمام جانے پر تیار ہوا وہ اپنے مجسمے کے قریب پہنچ گئی وہ مجھ سے کہنے لگی۔

"سو اب...... ہے کوئی مجھ جیسا۔"

"نہیں...... میں تجھے بتا چکا ہوں کہ تیری تاریخ طویل ہے ماضی سے تیرا گہرا تعلق ہے۔"

"تو ٹھیک کہتا ہے ماضی میں مجھے جانے کیسے کیسے ناموں سے پکارا گیا میں نہ جانے کون ہوں راسیکا ہوں ستارہ ہوں اور میرے نہ جانے کتنے نام تھے۔"

"تیری بات سمجھ میں نہیں آئی۔"

"نہ سمجھے گا تو نہ سمجھے گا تیری عمر کتنی تیری سمجھ کتنی۔"

لیکن اس وقت میں نے اس طرح اس کی بات پر غور نہیں کیا جس طرح پہلے کرتا تھا۔ میں تو اس کے عشق میں دیوانہ تھا اور طویل عرصے میں پہلی بار میں نے اسے اپنے سے دور پایا۔

رات کا آخری پہر تھا جب میں نے وہ جگہ خالی دیکھی جہاں وہ ہوا کرتی تھی۔ میں خوف سے پاگل ہو گیا میں نے اسے کہاں کہاں تلاش نہیں کیا اسے دیکھتا ہوا میں بہت دور نکل گیا لیکن جب واپس آیا تو وہ وہاں موجود تھی میں نے اس سے لاکھوں شکوے کئے اور وہ میرا مذاق اڑانے لگی کہنے لگی۔

"تو تو پاگل ہو گیا ہے' میں بھلا کہاں جاؤں گی۔ بس ایک تھوڑی سی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی مجھے اس مرے پاگل سے جو میرے مجسمے کو دیکھ کر اپنے حواس کھو بیٹھا ہے اور اب اس کے گھر میں کہرام مچا ہوا ہے۔"

"کیا مطلب۔" میں نے سوال کیا اور وہ چونک کر مجھے دیکھنے لگی پھر ہنس پڑی پھر بولی۔

"ایک دن تو ایسا آنا ہی ہے کہ تجھے میری حقیقت سے واقف ہونا ہے تو نے یہ کیوں نہ سوچا پاگل ...تراش کہ تیرے باپ نے بھی میری آرزو میں زندگی گنوادی تھی اور بھلا تیری بساط ہی کیا تو تو بہت چھوٹا شخص ہے' میں تو بہت بلندیوں سے زندگی کو دیکھتی ہوں تجھے کچھ نہیں معلوم اس بارے میں۔ سو اس وقت ...میری سمجھ میں نہیں آئی پھر میں نے ایک دن اپنے بنائے ہوئے مجسمے کے سامنے ایک شخص کو زار و قطار ...تے ہوئے دیکھا وہ مجسمے کے قدموں میں جا پڑا اور عجیب و غریب واقعات ہوتے رہے۔ وہ مصر کا کوئی امیر ...تھا جو بہت بڑی حیثیت کا مالک تھا لا تعداد گھڑ سوار بار بار آتے اور اسے اس مجسمے کے پاس سے پکڑ کر ...جاتے۔ مجھے اس کا خوف ہوا کہ کہیں وہ اس مجسمے کو ضائع ہی نہ کر دیں۔ لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا۔ ادھر ...یکا بہت خوش تھی وہ بار بار مجھ سے کہتی تھی کہ دیکھو یہ میں ہوں اور پھر اس نے ایک دن مجھ سے کہا کہ وہ ...کھیل کھیلنا چاہتی ہے اور مجھے اس کھیل میں اس کی مدد کرنا پڑے گی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ کھیل ...ہو گا تو وہ کہنے لگی کہ اس مجسمے کو یہاں سے ہٹا دیا جائے اور اس کی جگہ وہ خود کھڑی ہو جائے گی اور اس وقت ...وہ پاگل امیر زادہ جب کہ یہاں آئے گا تو وہ اس کی کیفیت کا تماشا دیکھے گی اس نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ ...بڑی دلچسپ کر اس امیر زادے کی حرکات و سکنات کا مطالعہ کر دوں اور وہ واقعی عجیب و غریب تھی وہ کہتی تھی کہ ...کھیل اسے مرغوب ہیں اور یہ کہا کہ اگر میں نے اس سے تعاون نہ کیا تو وہ مجھ سے ناراض ہو جائے گی۔

تو بھلا یہ بات میرے لئے کیسے قابل برداشت ہوتی کہ میں اسے ناراض ہونے دوں اس کی ...خواہش پر میں نے وہ مجسمہ وہاں سے ہٹا کر اپنی رہائش گاہ میں چھپا دیا اور وہ اس وقت اس مجسمے کی جگہ ...جا کھڑی ہوئی جب اس نے سفید گھوڑے کو آتے ہوئے دیکھا وہ دیوانہ امیر زادہ جسے اس کے اہل خاندان پکڑ کر لے جاتے تھے بار بار اس جگہ آ جاتا تھا اور یہاں اس مجسمے کے قدموں میں پڑا رہتا تھا۔

اس وقت راسیکا نے بھی ایسا ہی روپ اختیار کیا تھا جیسا کہ مجسمے کا تھا یعنی ایک لباس جو مجسمے جیسا ...تھا اور جو میں نے اپنے ہاتھوں سے اس کے وجود کو ڈھکنے کے لئے پتھر سے تراشا تھا۔

پاگل امیر زادہ معمول کے مطابق دو زانو ہو کر اس مجسمے یا پھر اصل راسیکا کے سامنے بیٹھ گیا اس ...نے دونوں ہاتھ سینے پر رکھے اور غم زدہ لہجے میں بولا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ میرا عشق اس منزل تک نہیں پہنچا۔ جو تیرے پتھریلے وجود کو انسان بنا دے ...لیکن ایک بات سن! اے آسمان زادی! بالآخر ایک دن میری محبت تیرے وجود میں زندگی بن جائے گی اور ...اگر ایسا نہ ہوا تو میں قسم کھاتا ہوں کہ اپنی زندگی کی آخری سانس تک تیرے قدموں میں صرف کر دوں گا تجھے ...میری محبت قبول کر کے انسانی شکل اختیار کرنا ہو گی۔ میں جانتا ہوں کہ تو ایک زندہ وجود ہے۔"

"ہاں تیری محبت نے میرے وجود میں زندگی دوڑا دی ہے۔" مجسمے نے کہا اور امیر زادہ آنکھیں ...پھاڑ کر اسے دیکھنے لگا پھر بے خودی کے عالم میں بولا۔

"کیا تو سچ کہتی ہے۔"

"تو اپنا ہاتھ اوپر اٹھا....." اس شخص نے کہا اور مجسمے نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھا دیا میں اس کی باتیں سن رہا تھا۔ میں نے بھی غضبناک نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔ کیونکہ اپنی محبت میں شراکت بھلا کون برداشت کر سکتا ہے۔

لیکن پاگل امیر زادہ اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے بعد اس نے بے حیائی کے ایسے مظاہرے کئے کہ مجھے غصے کے عالم میں باہر نکلنا پڑا۔ میں نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"راسیکا..... یہ کیا بدتمیزی ہے تیرا مذاق اب شرم ناک حد میں داخل ہو گیا ہے اور اے نوجوان کیا تو نہیں جانتا۔ عورت کیا ہی چالاک چیز ہوتی ہے' تو عقل سے اتنا خالی کیوں ہے۔" میں نے شدید غصے کا اظہار کیا۔

اور وہ شخص حیرانی سے مجھے دیکھنے لگا لیکن راسیکا کے انداز نہ بدلے۔ وہ نوجوان سے بولی۔

"تیرے اور میرے درمیان ملاقات کا یہ دور بڑا مختصر رہا ہے۔" اس کی آواز میں غم کے آثار تھے سو نوجوان نے سینہ تان کر کہا۔

"میں سمجھا نہیں بات۔"

"دیکھ یہ ہے وہ جادوگر جس نے مجھے پتھر بنا دیا تھا آہ یہی تو میرا دشمن ہے اور یہ ایک بار پھر مجھے پتھر میں بدل دے گا۔"

"میری زندگی میں یہ ممکن نہیں ہو گا۔" اس شخص نے کہا اور خنجر نکال کر میری جانب دوڑا۔ میں نے اس امیر زادے سے کہا کہ یہ جھوٹی ہے یہ مجسمہ نہیں ہے یہ زندہ ہے میں اس کا سب کچھ ہوں۔ میں نے بے شک اس کا مجسمہ تراشا تھا اور وہ مجسمہ اب غار میں پڑا ہوا ہے اور یہ اس کی جگہ آ کھڑی ہوئی ہے یہ میری ملکیت ہے۔"

لیکن پاگل امیر زادے نے ایک بات نہ سنی' مجھ پر اس نے خنجر سے کئی وار کئے اور میں شدید زخمی ہو کر گر پڑا۔ میں بے ہوش ہو گیا تھا اور وہ اس امیر زادے کے ساتھ وہاں سے چلی گئی اور اس کے بعد میں اسے تلاش نہ کر سکا..... آہ' میں نے اپنی زندگی اس کی تلاش میں گزار دی لیکن وہ مجھے نہ ملی میں نہ جانے کون کون سے خطوں میں اسے تلاش کرتا رہا۔ پھر بہت عرصے کے بعد ایک دن میں نے ایسا گروہ دیکھا جو شکار پر نکلا ہوا تھا اور شکار کے لئے اس نے خیمے لگائے تھے..... اور اس رات ایک آبشار کے کنارے چاندنی رات میں' میں نے اسے اس امیر زادے کے ساتھ دیکھا۔ وہ اس سے محبت کا وہی برتاؤ کر رہی تھی جو اس سے پہلے میرے ساتھ کرتی چلی آئی تھی اور امیر زادہ بے پناہ خوش تھا۔

میں نے عقل سے کام لیا اتنا تو میں نے کیا کہ بعد میں جب وہ شکار سے واپس لوٹا تو اس کا تعاقب کرتا ہوا میں مصر پہنچا اور مصر میں' میں نے اس کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو پتا چلا کہ وہ امیر زادے کے ساتھ رہتی ہے۔ نہ جانے کیسے کیسے جتن کر کے میں اس کے پاس پہنچا اور اس سے اپنا حال دل کہا تو وہ کبر آلود لہجے میں بولی۔ "اگر میں زندگی چاہتا ہوں تو واپس لوٹ جاؤں' ورنہ وہ مجھے ہلاک کرا دے گی۔" لیکن میں نے اس کی پروا نہیں کی اور ایک بار پھر انہوں نے مجھے زخمی کر کے پھینک دیا میں بہت عرصے تک دوبارہ اس سے ملاقات کی کوشش کرتا رہا لیکن پھر کچھ نہ ہو سکا ایک بار پھر میں اس امیر زادے کے سامنے آیا تو

وہ مجھ سے بھی زیادہ بدحواس تھا اور اس نے غم آلود لہجے میں مجھے بتایا کہ وہ اس کے پاس سے چلی گئی ہے ایک ایسے شخص کے ساتھ جو مصر کے ایک دور دراز گوشے میں ایک قبیلے کا سردار ہے اور اب وہ اس نوجوان سے نفرت کرتی ہے اور اس نے اسے کہہ دیا ہے کہ اگر وہ اس کی تلاش میں وہاں سے آگے بڑھا تو زندگی کھو بیٹھے گا۔" امیرزادے نے غم آلود لہجے میں مجھ سے کہا۔

"وہ تو ایک خواب تھی اور خواب کے بعد آنکھ کھل ہی جاتی ہے صبح ہو جاتی ہے۔"

پھر وہ صحراؤں میں نکل گیا تھا اور میں سمجھ گیا تھا کہ اب کوئی اور شخص اس کی ہوس کا نشانہ بن رہا ہوگا۔ آہ مجھے تو کچھ بھی نہیں معلوم تھا اس کے بارے میں...... پھر نہ جانے کہاں سے ہوتا ہوا میں یہاں تک پہنچا اور اس کے بعد میں نے یہاں اس کا سنگی بت تراشا اور اب میں اس سے بہت محبت کرتا ہوں۔ یہ ہے میری زندگی کی کہانی تو تم سوچ لینا نام بتایا تھا تم نے "عجیب سا نام ہے تمہارا شاید کامران...... تو کامران میں کس کیفیت کا شکار تھا کیا گزر رہی ہوگی مجھ پر۔ یہ تم سمجھ ہی گئے ہو گے لیکن ایک بات ہے میں نہ تو ان لوگوں کی طرح کمزور تھا اور نہ ہی معمولی میں تو خود ایک غیر معمولی شخصیت کا مالک تھا۔ وہ اگر چشمہ حیواں سے حیات ابدی حاصل کر چکی ہے تو میرا علم بھی محدود نہیں تھا بس ایک میں ہی تھا جو اس کا ساتھ دے سکتا تھا یا دے سکتا ہوں۔ وہ چاہے زندگی کو کتنا ہی طویل کرے میری زندگی کی طوالت بھی اس کا تعاقب کرتی رہے گی کیونکہ میں بھی اپنے علم میں کسی سے کم نہیں ہوں۔ جو میں تمہیں بتا نہیں سکتا اور نہ تم اسے جان سکتے ہو۔"

"وہ تو ٹھیک ہے دانش لیکن تم یہاں کیسے آ گئے۔"

"کہانی کا ایک حصہ ابھی جاری ہے کامران...... وہ تو سن لو" اس نے کہا اور کامران ایک گہری سانس لے کر گردن ہلانے لگا۔ یہ کہانی تو واقعی ایسی انوکھی ہے کہ اگر انسان اس کی تشہیر کرے تو لوگ اسے پتھر ماریں۔

سو کامران کے لئے یہ کہانی نایاب تھی اور وہ اسے دانش کی زبانی سننے کے لئے بے قرار لیکن دانش نے کچھ لمحے کا توقف اختیار کر لیا تھا اور کامران اس کی آواز سننے کا منتظر۔

دانش نے کہا۔

"اور وہ سنگ تراش معصوم تھا اس نے اپنے لئے ایک مجسمہ تراش کر اپنے آپ کو مطمئن کر لیا تھا لیکن بھلا وہ اتنی قربانی کہاں دے سکتا تھا ہم جو زروان کے متلاشی تھے ہم جو کائنات کی حقیقتوں کا راز پانے کے لئے ایک لمبی زندگی اپنا کر دنیا سے کنارہ کش ہو چکے تھے اور وہ علم حاصل کرنا چاہتے تھے جس کے حصول کے بعد نہ جانے اس دنیا کی طویل کہانی میں کہاں تک ہمارا دخل رہتا سو میں نے جو نقصان کیا تھا وہ نہ تو میرے باپ کی موت اور نہ میری دربدری سے پورا ہو سکتا تھا وہ نقصان تو ان ساری چیزوں سے بے حد قیمتی تھا وہ میرے مجاہدے کا نعم البدل تھے سو میں بھلا اسے کیسے چھوڑ سکتا تھا نسل کی اس ساحرہ کو جس نے ایک طویل عرصے سے اس دنیا میں اپنے پنجے گاڑ رکھے تھے میں نہیں جانتا تھا کہ میرے دل میں اس کے لئے انتقام کی آگ ہے یا محبت کی یا پھر کوئی اور جذبہ سلگ رہا ہے سو میں نے تمام تر معلومات حاصل کیں اور اس کے بعد ایک بار پھر صحرائے مصر سے میرا گزر ہوا اور نہ جانے کہاں کہاں میں نے اسے تلاش کیا۔ کچھ میرے جذبے

تھے کچھ میرا علم اور کچھ میری بہترین تلاش کہ بالآخر ایک بار پھر وہ مجھے نظر آ گئی۔ ایک چار گھوڑوں والی بگھی میں سوار تھی اور اس شان و شوکت سے مصر کی سڑک سے گزر رہی تھی کہ دیکھنے والے گردنیں اٹھا اٹھا کر اسے دیکھ رہے تھے اور اس کے چہرے پر ایک باریک نقاب تھا اور اس کی ہوش ربا آنکھیں انسانوں کو مست بنا رہی تھیں لیکن میں ان مستوں میں شامل نہیں تھا میں تو اس قتالہ عالم کو دیکھ رہا تھا جو آج بھی اتنا ہی حسن جہاں سوز رکھتی تھی جب کہ حسین بت تراش اپنی عمر کی ایک حد سے آگے گزر گیا تھا اور اس عورت کو واقعی زوال نہیں تھا جو یونان کی دیوی راسیکا کا روپ اختیار کر کے اس دنیا میں آئی تھی۔" آہ...... کیا خوفناک عورت ہے۔"

ایک لمحے کے لئے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی نگاہیں بھی مجھ پر پڑیں لیکن شاید وہ مجھے پہچان نہیں سکی تھی اور یہ صرف میرا اپنا خیال تھا میں ایک بار پھر اسے دیکھ کر یہ بھول گیا تھا کہ میں کون ہوں اور وہ کون ہے۔ سو ایک بازار سے گزر کر وہ ایک ایسی جگہ پہنچی جہاں خیمے لگے ہوئے تھے اور جگہ بے حد خوب صورت تھی اور یہاں پہنچ کر جب میں نے اس کے بارے میں معلومات حاصل کیں تو پتا چلا کہ وہ مصر کے ایک قدیم شاہی خاندان کے فرد ایمانوس کی بیوی ہے اور یہ شان و شوکت اسے ایمانوس کی بیوی ہونے کی وجہ سے حاصل ہے۔

سو پھر یوں ہوا کہ میں اس کا تعاقب کرتا رہا لیکن ایمانوس کی رہائش گاہ ایسی نہ تھی کہ میں اس میں آسانی سے داخل ہو سکتا اور یوں منہ اٹھائے اس میں داخل ہونا خطرناک اقدام تھا۔ مگر یہ میری خواہش تھی کہ میں ایک بار اسے شکست دے دوں ایک آس تھی ایک خیال تھا کہ شاید میں اسے ایک بار پھر اپنی محبت کا قائل کر سکوں۔

سو ایک بار کوشش کر لینے میں کوئی حرج نہیں تھا اور اس کے لئے میں نے نہ جانے کتنے عرصے سرگرداں رہا اور اس شام میں ایمانوس کی رہائش گاہ سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا شام کے سائے جھک آئے تھے کہ وہ اپنی بگھی میں باہر نکلی۔ تنہا تھی اور اس کے ساتھ صرف اس کے محافظ تھے جو گھوڑوں پر سوار تھے اور یوں لگتا تھا جیسے وہ ایک طویل فاصلہ طے کرنے کی خواہش مند ہو۔

سو میں نے بھی اپنے لئے ایک ذریعہ سفر تلاش کر لیا اور یہ نہ پوچھنا کامران کہ وہ ذریعہ سفر کیا تھا کہ میں تمہیں مختصر باتیں بتا چکا ہوں میرے اپنے علم مجھے بہت سی آسانیاں فراہم کر دیتے تھے اور اس وقت نہ جانے کیوں میرے دل میں یہ خواہش مچل رہی تھی کہ میں جس طرح بھی بن پڑے اس سے ملاقات کروں۔ سو میں اس کا تعاقب کرتا رہا اور وہ نہ جانے کتنا سفر طے کر کے اس صحرا میں داخل ہوئی۔ آہ کیا ہی تو پرفسوں عورت تھی اور عجیب و غریب قوتوں کی مالک۔

صحرا میں اس نے طویل سفر طے کیا آسمان پر چاند نکلا ہوا تھا اور ریت کے ٹیلوں پر چاندنی چھٹکی رہی تھی جب وہ سفر کر رہی تھی تو یوں لگ رہا تھا جیسے چاندنی نے سمٹ کر ایک انسانی جسم اختیار کر لیا ہو اور اس کے نازک قدم ریت کے ٹیلوں پر پڑ رہے ہوں۔ تو یہاں میں نے یہ اہرام دیکھا اور یہ صحرائے مینا ہی تھا جہاں وہ آئی تھی اور خدام جو اس کے ساتھ آئے تھے وہاں رک گئے تھے یہاں گھوڑا گاڑی کا سفر نہیں ہو سکتا تھا اور یہاں سے وہ پیدل اس اہرام کی جانب آ گئی تھی۔

بات میری سمجھ میں بالکل نہیں آئی تھی لیکن اب سے اچھا موقع شاید مجھے کبھی نصیب نہیں ہو سکتا تھا

ریت کے ٹیلوں کی آڑ لیتا ہوا میں اس کا تعاقب کرتا رہا اس صحرا میں پہنچا اور جب میں نے اسے اس اہرام میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تو میری خوشیاں انتہا کو پہنچ گئیں۔ آج وہ موقع مجھے مل گیا تھا جب میں اس کا سامنا کر سکتا تھا اور یہ طے کر لیا تھا میں نے کہ اس کی پراسرار قوتوں کے سامنے میں بھی سینہ تان کر کھڑا ہو جاؤں گا اور اپنی تمام تر علمی طاقتوں کو استعمال کر کے اسے زیر کرنے کی کوشش کروں گا۔

سو وہ پراسرار عورت اہرام میں داخل ہونے کے بعد ایک ہولناک سفر طے کرتی ہوئی یہاں تک آ گئی۔ میں بھی بے آواز اس کے پیچھے پیچھے یہاں تک پہنچ گیا تھا اور وہ جگہ جو تم دیکھ رہے ہو کامران اس جگہ میں نے اپنے آپ کو پوشیدہ کر لیا۔

تب اس نے اپنے چہرے سے نقاب اٹھائی اور یہاں موجود مشعلیں روشن کیں پھر اس خالی تابوت کے سامنے بیٹھ گئی۔

وہ دو زانو بیٹھی ہوئی تھی اور میں خاموشی سے اس کا تجزیہ کر رہا تھا پھر میں نے اس کے رونے کی آوازیں سنیں۔ وہ مدھم آواز میں رو رہی تھی۔ سسکیاں لے رہی تھی اور آہستہ آہستہ کچھ بڑبڑاتی بھی جا رہی تھی۔

میں نے اپنے کان اس کی آواز پر لگا دیئے اور جو کچھ وہ کہہ رہی تھی اسے سن کر مجھے اپنے کانوں پر شبہ ہونے لگا کیا یہ عورت جو کچھ کہہ رہی ہے وہ سچ ہے میں نے حیرانی سے سوچا اور پھر اپنے ذہن کی ساری قوتوں کو اس کی آواز سننے پر مرتکز کر دیا اس کے الفاظ کچھ یوں تھے۔

اور شاید میں اپنے آپ کو زندگی کے کسی دور میں معاف نہیں کر سکوں گی میں نے نہ جانے کتنی صدیوں کا سفر کیا ہے میں نے نہ جانے اپنے بارے میں کیا کیا سوچا تھا لیکن انسان انسان ہی ہوتا ہے اگر وہ غلطی نہ کرے تو اسے دیوی دیوتاؤں کا درجہ حاصل ہو جائے اور دیوی راسیکا تیری بددعائیں رنگ لائیں اور وہ سب کہ جنہیں میرے ہاتھوں تکلیف پہنچی۔ آہ مجھے معاف کر دو اے لوگو! مجھے معاف کر دو میں نے تمہارے دل دکھائے ہیں دیوی راسیکا! میں نے تجھ سے تیری صلاحیتیں چھین لیں اور یہ سمجھا کہ میں زندہ جاوید ہو کر اس کائنات کی سب سے خوش نصیب عورت ہوں گی۔ لیکن آہ میرا تجربہ غلط ہوا زندگی اتنی ہی بہترین ہے جتنی انسانوں کو حاصل ہوتی ہے اور جو اپنے آپ کو انسانیت سے الگ کرنے کی کوشش کرتے ہیں منہ کے بل گرتے ہیں۔ کاش! انسانی جسم میں دل جیسی کوئی شے نہ ہوتی۔ آہ...... میں کیا کروں۔ موت کی طلب کرتی ہوں تو خود پر ہنسی آتی ہے جیتی رہوں گی تو کسی کی یاد کو سینے سے لگائے ہوئے ہمیشہ سلگتی رہوں گی۔ آہ میں تجھے کبھی نہیں بھول سکتی کبھی نہیں، راکون تو ماسہ میں تجھے کبھی نہیں بھول سکتی۔ تو علم و عمل کا دیوتا تھا نہ جانے تو کیا تھا اور تیرے جیسا تو کوئی مجھے میری اس پوری طویل زندگی میں کبھی نہیں مل سکا۔ میں نے تو یہی سوچا تھا کہ انسانوں کے تجزیے کرتی رہوں۔ تنہا نئے لوگوں کے بارے میں معلومات حاصل کرتی رہوں اس میں میری بری فطرت کا دخل نہیں تھا۔ ہاں عورت تو ہوں میں۔ اپنے عورت پن کی بات کبھی نظر انداز نہیں کر سکوں گی لیکن راکون تو ماسہ جو دل میں اتر جائے وہی عورت کا محبوب بن جاتا ہے۔ کاش میں جلد بازی نہ کرتی۔ نہ جانے کتنے میری زندگی میں آئے لیکن تجھ سے الگ ہونے کے بعد میں نے جو کچھ کیا وہ ایک مذاق تھا وہ ایک کھیل تھا راکون تو ماسہ کاش میرے سامنے آ جائے تو میں تیرے قدموں میں گر کر تجھ سے معافی مانگوں۔ تجھ سے کہوں

راکون تو ماسہ کہ میری جانب صرف قہر کی نگاہ سے دیکھ مجھے کبھی اپنے قدموں میں جگہ نہ دے لیکن بس اتنا کہہ دے کہ میں تجھے دور دور سے دیکھ سکتی ہوں تیری یاد اس دل میں رکھ سکتی ہوں اگر تو مجھے اجازت دے دے تو میں تیرے گرد آلود پاؤں دھلاؤں۔ اگر تو مجھے اجازت دے تو میں تیرے بدن کا ایک ایک داغ صاف کر دوں اگر تو مجھے اجازت دے تو میں تیرا لباس صاف کروں! بس صرف تیری اجازت چاہیے صرف اتنی سی اجازت...... راکون تو ماسہ تو عورت کو نہ سمجھ سکا اور سچی بات یہ ہے کہ میں خود بھی نہیں سمجھ سکی! جب کوئی عورت ہوں کھو دینے کے بعد پانے کا تصور بڑا مضحکہ خیز ہوتا ہے۔ میں جانتی ہوں اگر میں تیرے سامنے آ جاؤں تو تو مجھے نفرت سے دھتکار دے گا ہاں ہوں تو میں اسی قابل! لیکن پھر بھی میں اپنے دل کی طلب کو کس طرح نظر انداز کر دوں۔ آہ راکون تو ماسہ میں تیرے لئے روتی ہوں میں تیرے لئے بہت روتی ہوں۔"

وہ سسک سسک کر رونے لگی اور میرے دوست کامران میرا دل موم کی طرح پگھلنے لگا اس بخت میں آج بھی اتنی قوت تھی کہ دلوں کو تسخیر کر لے حالانکہ کیا کچھ نہ بیتی تھی مجھ پر...... اور اس کے بعد اس نے بس نہیں کی تھی وہ مظلوم مصور پہاڑیوں میں زندگی گزار رہا تھا اور اس نے کہانی سنائی تھی وہ نہ جانے کہاں سے کہاں تک پہنچی ہوئی۔

وہ روتی رہی اس کی دل گداز سسکیاں فضا میں گونجتی رہیں۔ وہ سسکیاں اتنی دلدوز تھیں کہ میں اپنے آپ کو باز نہ رکھ سکا اور میری جنبش سے ایک ہلکی سی آہٹ پیدا ہو گئی جس پر وہ چونکی...... اس نے پلٹ کر دیکھا دیکھتی رہی ناقابل یقین انداز میں...... پھر پھیکے سے انداز میں ہنس کر بولی۔

"ہاں تیرا تصور ہی میرے لئے جاں بخش ہے تو مجھے زندہ رہنے میں مدد دیتا ہے تو ہنسے گا آہ...... تصور ہنسے گا اگر تو مجسم ہوتا تو تب قہقہہ لگاتا مجھ جیسی ذلیل و خوار عورت پر...... لیکن میں...... میں تو صرف تیرے ہی خواب دیکھتی ہوں آہ کاش یہ خواب میری آنکھوں میں اس طرح منجمد ہو جائیں کہ جب آنکھیں بھی بند کر لوں تب بھی مجھے تیری سانسوں کی گرمی محسوس ہو میں جاگ بھی رہی ہوں تب بھی تجھے محسوس کرتی رہوں۔"

وہ کہتی رہی اور میں حیران کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ تب اس نے کہا۔

"اور جب بھی مجھے موقع ملتا ہے میں یہاں آ کر دل کی بھڑاس نکال لیتی ہوں آہ راکون تو ماسہ کاش! تو بوڑھا ہو کر مر نہ گیا ہو۔ کاش زندگی میں ایک بار۔ تجھے دیکھنے کا موقع مل جائے صرف ایک بار...... راکون تو ماسہ میری ترستی ہوئی نگاہوں کو سکون حاصل ہو جائے گا۔"

میں چند قدم آگے بڑھا تو اس نے پیاس بھری نگاہوں سے مجھے دیکھا پھر بولی۔

"اتنے قریب تو تو اس سے پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔"

"ہاں اتنے قریب میں اس سے پہلے نہیں آیا تھا کہ وہ صرف میرا تصور ہوتا تھا۔" میں نے کہا۔

"اتنے قریب تو تو اس سے پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔"

"ہاں اتنے قریب میں اس سے پہلے نہیں آیا تھا کہ وہ صرف میرا تصور ہوتا تھا" میں نے کہا۔

"کیا؟"

"ہاں...... اور اب یہ میں ہوں جو زندہ سلامت تیرے سامنے موجود ہوں"

"نہیں۔" اس کے بدن کو جیسے شدید جھٹکا لگا۔

"ہاں مکار عورت تو نے جو کچھ کیا وہ ناقابل معافی ہے تو نے اتنا تو سوچا ہی ہوگا کہ میں بھی کوئی معمولی انسان نہیں ہوں۔ میں بھی تجھے اپنے بارے میں نہیں بتاؤں گا کہ میں کیا ہوں اور کیوں تیرے سینے موجود ہوں جب کہ تو نے مجھے چھوڑ ہی دیا تھا میرے دل میں تیرے لئے انتقام۔ یہ سمجھ رہی ہے نا وہ جو تو نے کیا تھا مجھ پر کارگر نہ ہو سکا تو اپنے آپ کو نہ جانے کیا سمجھتی ہے...... لیکن دیکھ بالآخر میں نے تجھے تلاش کر ہی لیا۔ چاہے اپنی دانست میں تو نے مجھے ختم ہی کیوں نہ کر دیا۔"

تجھے کامران عورت کے آنسوؤں سے واسطہ پڑا ہے کبھی...... اگر نہیں پڑا تو خوش نصیب ہے ورنہ آنسوؤں کا جال ایسا خوف ناک جال ہوتا ہے کہ بڑے بڑے اس میں الجھ کر زندگی بھر نہیں نکل پاتے اور اس کم بخت کی آنکھیں تو اتنی حسین تھیں کہ ان سے نکلنے والے آنسو کے ایک قطرے کی قیمت ادا کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں تھی میرا دل تو پاگل ہوا ہی رہا تھا اور اس کے الفاظ بھی مجھے عجیب سی کیفیت کا شکار کر رہے تھے لیکن پھر بھی میرے دل میں جو غصہ تھا وہ زبان تک آ ہی گیا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی اور اس نے آنکھیں بند کر کے کہا۔

"اگر تو زندہ ہے تو تو یہ سمجھ لے کہ مجھے میری دعاؤں کا پھل مل گیا اور تعجب کی بات ہے کہ مجھ جیسی گنہگار عورت کی دعائیں بھی قبول ہوتی ہیں۔ آہ...... دیوتاؤ! تم نے میرے اوپر جو احسان کیا ہے اسے کبھی نہیں بھول سکوں گی یہ احسان میری زندگی کا سب سے بڑا احسان ہے اور دیوتاؤ اس کے بدلے تم مجھ سے میری آنکھوں کی بینائی مانگو خوشی سے دے دوں گی۔ اور سن راکون تو نامہ! تجھ سے تو میں کچھ کہہ ہی نہیں سکتی کیونکہ اب میرے پاس تجھے کہنے کے لئے کچھ بھی نہیں ہے اور راکون تو نامہ بس اتنا کہہ کر اپنی زبان بند کئے لیتی ہوں کہ میں تیری گنہگار رہوں۔ تیری مجرم ہوں، تجھ سے معافی نہیں سزا کی بھیک مانگتی ہوں اور اپنے لئے وہ بھی تجویز کرتی ہوں وقت مجھ پر ختم ہو چکا ہے اور میں زندہ رہنے پر مجبور ہوں لیکن تو یوں کر کہ میرے جسم کو آگ میں جلا دے میرے بدن کی کھال جل جائے گی اور میرے جسم پر زخم ابھر آئیں گے پھر تو ان زخموں پر نمک پاشی کیا کرنا تاکہ میں اذیت و تکلیف سے تڑپتی رہوں میرے پیروں میں کہیں لے جا کر زنجیریں ڈال دے مجھے کسی ایسی جگہ ڈال دے جہاں سے ہوا کا گزر بھی نہ ہو۔ تو مجھے ایسی جگہ لے جا راکون تو نامہ جہاں انسانوں کا گزر نہ ہو اور وہاں تو میرے ساتھ یہ سلوک کر کہ میں اسی لائق ہوں اور شاید میری روح کو تیرے اسی سلوک سے ہی تسکین ملے گی یہ نہ سمجھنا راکون کہ میں تجھے اپنے فریب دے کر تیرے دل کو اپنی جانب مائل کرنا چاہتی ہوں اگر تو اب بھی میری طرف راغب ہوا تو یوں سمجھ کہ اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کرے گا۔ ایسی غلطی کہ شاید پھر تو کبھی اپنے آپ کو بھی معاف نہیں کر سکے گا۔ ایسی غلطی اب مت کرنا راکون تو نامہ اس کی خواہش نہیں ہے۔"

وہ حسین عورت روتی رہی اور اس کے حسین آنسو میرے دل پر قطرہ قطرہ گرتے رہے میرا دل پگھل گیا تھا اس کے آنسو مجھے موم کر رہے تھے۔ وہ جس انداز میں بول رہی تھی اس نے مجھے برباد کر دیا تھا۔ کامران اس نے مجھے تباہ کر دیا تھا اور اب کسی قدر میں اس سے منحرف ہو سکتا تھا میں چند قدم اور آگے بڑھا...... اور وہ بھک بھک کر رونے لگی۔ اس نے اپنا سر میرے سینے پر رکھ دیا اور کہنے لگی۔

"سوراب، اس کے بعد کوئی اور، پھر کوئی اور اور اب یہ ایمانوس لیکن راکون یقین میں تجھے ہمیشہ یاد کرتی ہوں۔ میں نے، میں نے صرف اپنے آپ کو بہلانے کی کوشش کی ہے لیکن اپنے آپ کو دھوکا نہیں دے سکی نہ ہی باز رکھ سکی اپنے آپ کو...... آہ راکون تو نامہ بس تو جلدی سے میرے لئے کوئی سزا منتخب کر دے بس اس کے علاوہ میں تجھ سے کچھ اور نہیں چاہتی۔"

"تو اپنے کیے پر نادم ہے؟"

"لہجہ نرم نہ کر...... تیرے لہجے میں آتش ہونی چاہیے۔"

"افسوس ایسا نہیں ہو سکتا۔" میں نے کرب ناک لہجے میں کہا۔

"نہیں راکون! دھوکے میں مت آ...... دیکھ تجھے دیوتاؤں کا واسطہ دھوکے میں مت آ۔" رامیکا نے کہا۔

"دیکھ اگر تو اپنے کیے پر نادم ہے تو میں تجھے معاف بھی کر سکتا ہوں۔"

"ہرگز نہیں...... میں معاف کیے جانے کے قابل نہیں ہوں تو سمجھتا کیوں نہیں...... تو کیوں نہیں سمجھتا"

اسی وقت قدموں کی تیز چاپ سنائی دی اور پھر کوئی بھاگتا ہوا اندر آیا میں اور وہ چونک کر آنے والے کو دیکھنے لگے۔

آنے والا خداموں میں سے ایک تھا اور بری طرح ہانپ رہا تھا اس کے چہرے پر خوف کے آثار تھے اس نے خادم کی طرف دیکھا اور کہا۔

"کیا ہے تو یہاں کیوں آ مرا؟"

"وہ آ گئے ہیں۔"

"کیا...... ؟ کون؟" وہ چونک کر بولی۔

"ایمانوس۔"

"کیا" اس بار وہ خوف زدہ نظر آنے لگی۔

"جی ہاں...... ایمانوس اعظم بہت سے افراد کے ساتھ برق رفتاری سے چلے آ رہے ہیں ان کے چہرے پر شدید غصہ ہے اور وہ ننگی تلواریں لئے ہوئے ہیں۔"

"یہ کیسے ہوا۔"

"جس قدر جلد ممکن ہو سکے اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور میری طرف دیکھنے لگا تو وہ بولی۔

"جا واپس جا اور خبردار ان کے نزدیک نہ جانا بلکہ کہیں پوشیدہ ہو جا ورنہ تو مارا جائے گا۔"

خادم باہر نکل بھاگا تھا وہ سرگوشی کے انداز میں بولی۔

"شاید اسے یہاں میری آمد کا پتا چلا ہے شاید اسے شبہ ہو گیا ہے لیکن آج ہی ایسا ہونا تھا۔"

اس نے چاروں طرف دیکھا اور پھر ایک خالی تابوت کا ڈھکنا اٹھایا اور میری طرف رخ کر کے بولی۔

"جلدی کر راکون تو نامہ جلدی۔ کچھ وقت کے لئے صرف کچھ وقت کے لئے آ جا، آہ میں ایمانوس کو مطمئن کر دینے کی کوشش کروں گی تو اس طرح آنکھیں بند کر لینا جیسے کوئی ممی ہو۔ جلدی کر، جلدی کر۔" اور میں

برق رفتاری سے تابوت میں جا لیٹا اس نے تابوت کا ڈھکن بند کر دیا تھا۔

میں اس عجیب و غریب تابوت کو حیرت سے دیکھ رہا تھا جس کا ڈھکن بند تھا لیکن مجھے اس کے آر پار سب کچھ نظر آ رہا تھا تابوت میں لیٹتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے جسم میں خون کی روانی رک گئی ہو۔ میرے اعضا شل ہو گئے ہوں میرے دل کی دھڑکن بند ہو گئی ہو۔ بس آنکھیں کھلی تھیں جو دیکھ سکتی تھیں کان سن سکتے تھے دماغ سوچ سکتا تھا لیکن میں...... میں بے جان تھا جنبش نہیں کر سکتا تھا میں اپنے سر کو دائیں بائیں جنبش بھی نہیں دے سکتا تھا۔

تب ہی میرے کانوں نے ایک قہقہہ سنا ایک زبردست قہقہہ اور میرے کانوں نے جو کچھ سنا میری آنکھوں نے جو کچھ دیکھا وہ میرے لئے ناقابل یقین تھا۔

آہ یہ قہقہہ تو راسیکا لگا رہی تھی اور پھر ایک نہیں مسلسل قہقہے وہ ہنستی رہی پیٹ پکڑ پکڑ کر ہنس رہی تھی۔ وہ ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوئی جا رہی تھی۔

ابھی چند لمحے قبل یہ عورت اس طرح آنسو بہا رہی تھی کہ کتنے ہی سخت دل کا مالک کوئی شخص کیوں نہ ہو ان آنسوؤں میں بہ کر رہ جائے۔ اور اب یہ ہنس رہی تھی لیکن اس کی ہنسی...... ! نہ جانے مجھے کیوں یوں محسوس ہوا جیسے میں نے پھر اس کے ہاتھوں دھوکا کھایا ہو۔ میں نے اسے چیخ کر آواز دی تب وہ ہنس کر بولی۔ ”ہاں میں تیری آواز سن رہی ہوں...... راکون توماسہ...... اور یہ اچھی بات ہے کہ تو بھی میری آواز سن رہا ہے مجھے دیکھ رہا ہے اور یہ بات صرف میں جانتی ہوں صرف میں...... اور کتنی خوشی ہو رہی ہے مجھے اپنی عقل و فراست پر اور کتنی ہنسی آ رہی ہے مجھے تجھ پر اور یہ حقیقت ہے کہ عورت کا وجود بہت طاقتور ہے اس کے پاس کچھ ایسے حربے ہیں کہ مرد قیامت تک ان حربوں کے سامنے نہ ٹک سکے گا میں نے تو تجربے کئے ہیں لاتعداد تجربے کئے ہیں کتابوں میں لکھی باتوں کا یقین نہ کر کے میں نے خود اپنے آپ کو آزمایا ہے۔“

”میرا بدن شل ہو گیا ہے میرے اعضا جنبش کرنے کے قابل نہیں رہے ہیں تو...... تو ہنس کیوں رہی ہے کیا تجھے اس بات کا خوف نہیں کہ ایمانوس یہاں آ جائے گا وہ یقینی طور پر مجھے یہاں دیکھنا پسند نہیں کرے گا اور کیا اس کی آمد کسی شبے کی بنیاد پر نہیں ہوتی۔“ جواب میں وہ پھر ہنسی اور بولی۔

”ایمانوس یہاں کبھی نہیں آ سکے گا۔“

”لیکن تیرے خادم نے تو۔“

”میں نے اس خادم کو بھی سمجھایا تھا کہ ایک مناسب وقت وہ مجھے یہاں آ کر ایمانوس کی آمد کی اطلاع دے دے۔“

”کیوں۔“ میں نے سوال کیا۔

”یہ ایک لمبی کہانی ہے بہت لمبی کہانی...... تو کیا اور تیری اوقات کیا۔ راکون توماسہ میں نے زندگی گزاری ہے اور گزار رہی ہوں مجھے علم ہے کہ تو ایک مختلف شخصیت ہے لیکن میرا ابھی یہی شوق رہا ہے میں بھی ذرا مختلف شخصیت ہوں وہ جو اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھتے ہیں۔ میں انہیں بے حقیقت بنا کر خوشی محسوس کرتی ہوں یہ میرا شوق ہے میں نے اس معصوم مصور کو چھوڑ دیا وہ میرے مقابلے پر کچھ بھی نہیں تھا اور باقی تجھے کیا

بتاؤں یوں سمجھ۔ لے کہ میں نیل کی ساحرہ ہوں صحرائے اعظم مصر کے بارے میں جتنا میں جانتی ہوں اتنا شاید ہی کوئی جانتا ہو میں فراعنہ کے دور سے گزری ہوں میں نے بیشمار ادوار دیکھے ہیں اور ایسی ہی ایک کہانی میرے ذہن میں آ گئی۔ جانتا ہے اس وقت جب میں اپنی گاڑی پر سیر کے لئے نکلی تھی اور میں نے تجھے دیکھا تھا۔ تجھے یہاں دیکھ کر میں ششدر رہ گئی تھی اور اتنا مجھے اندازہ تھا کہ جو شخص یہاں تک پہنچ گیا اور اس نے میرا پتا لگا لیا وہ معمولی نہ ہو گا تو میں نے سوچا کہ کیا کیا جائے اور میرے دماغ کی کتاب کھل گئی۔ اس کتاب میں مجھے صحرائے سینا یاد آیا اور یہ طلسمی مقبرہ جسے ایک عجیب و غریب روایت کی حیثیت حاصل ہے۔ یہاں یہ طلسمی اہرام ہے اور اس کی کہانی یوں ہے کہ راخو ناخ‘ جس کی موت واقع ہو گئی تھی اور جس کے بارے میں یہ فیصلہ کر لیا گیا تھا کہ اب اس کی تدفین کر دی جائے اسے حنوط کیا جانے لگا‘ لیکن حنوط کرنے والوں کو اس وقت شدید حیرت ہوئی جب راخو ناخ کی لاش ان کے درمیان سے غائب ہو گئی اور راخو ناخ کے لئے جو مقبرہ بنایا گیا تھا وہ خالی رہ گیا۔ لیکن یہ بھی ایک روایت تھی کہ اگر مقبرے خالی رہ جائیں تو جو نیا فرعون ظہور میں آتا ہے اس کی زندگی مختصر ترین ہو جاتی ہے سو اس وقت کے سیانوں نے فرعون وقت کو بتایا کہ راخو ناخ کے مقبرے کا وہ تابوت کچھ ایسی روایت کے تحت وہاں رکھا جائے کہ اس میں راخو ناخ خود نہ پہنچنے پائے وہ جہاں بھی ہو اس کی روح بھٹکتی ہی پھرے۔ اگر وہ کسی طرح واپس اپنے تابوت میں پہنچ گیا تو پھر بہت سی تباہیاں نازل ہوں گی عجیب و غریب روایت تھی اور اس روایت میں بہت سی دوسری روایتیں بھی شامل ہو گئی تھیں مثلاً اب جب تو اس تابوت میں موجود ہے تو تو کبھی باہر نہیں نکل سکے گا لیکن راخو ناخ کی طرح تو بھی زندہ رہے گا اور اسی تابوت میں تیری زندگی کا آخری لمحہ بھی گزر جائے گا چونکہ اس تابوت کو کھولنے اب کوئی نہیں آ سکے گا اور جب تک اس تابوت کو کوئی اجنبی ہاتھ نہ کھولے تیرے بدن میں خون کی روانی درست نہیں ہو سکتی۔ لیکن ایسا نہیں ہو گا کیونکہ کچھ وقت کے بعد یہ زمین بوس اہرام تیز ہواؤں کے جھکڑوں کی وجہ سے اپنی جگہ تبدیل کرنے والی ریت کے ٹیلوں کے درمیان داخل ہو جائے گا اس کی نشانیاں مٹ جائیں گی۔ ہاں کبھی صدیوں کے بعد یا ہزاروں سال بعد اگر آثار قدیمہ سے دلچسپی رکھنے والے کچھ لوگ یہاں پہنچ گئے تو شاید تجھے اس تابوت سے رہائی مل جائے لیکن اس وقت میں اب سے کہیں زیادہ طاقتور ہو چکی ہوں گی اور تو اس وقت بھی میرا مقابلہ نہیں کر پائے گا جب کہ مجھے اس کی کوئی امید نہیں ہے۔“

”لیکن کیوں...... آخر کیوں؟ تو نے کیوں ایسا کیا؟“

”اس لئے کہ میں زندہ رہنا چاہتی ہوں، اپنی خوشی سے۔ میں اپنی پسند کی زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔ میں کوئی ایسا الجھا ہوا مسئلہ اپنے سینے سے لگا کر نہیں پھر سکتی جو مجھے مضطرب رکھے۔“

میں غم و غصے سے اسے دیکھنے لگا وہ پھر ہنس رہی تھی اور اس کے بعد اس نے کہا۔

”تو گزرا وقت ہے اور میں جاری رہنے والوں میں سے ہوں اور اب تو یہاں اطمینان سے اپنی زندگی کے ماہ و سال کا حساب کر کیونکہ یہ بھی ایک دلچسپ مشغلہ ہے جب تو اپنی زندگی کے پہلے روز کا آغاز کرے گا تو اس دن تک پہنچتے ہوئے تجھے نہ جانے کتنا عرصہ لگ جائے گا اور تو پہلے دن کا حساب بھول جائے گا سو بہتر مشغلہ یہ ہے کہ اس کے بعد پھر پہلا دن یاد رکھنا اور اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔“ تو میں نے اس

سے کہا۔

"اے عورت میں تجھ سے رحم کی بھیک نہیں مانگوں گا البتہ یہ سچ ہے کہ تو شیطان کا دوسرا روپ ہے"

"اس سے بڑی اگر کوئی بات تیرے ذہن میں آئے تو وہ بھی کہہ دے ابھی میں یہاں موجود ہوں لیکن اب میں اطمینان کے ساتھ واپس جاؤں گی اور ایمانوس کے ساتھ ابھی خاصا وقت گزاروں گی کہ اگر تو اسے دیکھے تو فیصلہ کرے گا کہ وہ واقعی اس قابل ہے کہ اسے کچھ وقت اپنی زندگی میں دیا جائے۔"

اس نے واپسی کے لئے قدم بڑھا دیئے اور میں اسے دیکھتا رہ گیا۔ درحقیقت میں نہ تو اسے آواز دینا چاہتا تھا اور نہ ہی رحم کی بھیک مانگنا چاہتا تھا لیکن یہ سوچ رہا تھا میں کہ زندگی میں شاید اس سے زیادہ چالاک عورت اور کوئی نہ دیکھی ہوگی۔ واقعی اس نے مجھے اپنی ذہانت سے شکست دے دی تھی اور ایک ایسے عذاب میں گرفتار کر دیا تھا کہ آہ...... آہ...... آہ...... آہ......" دانش نے کرب ناک انداز میں کہا اور کامران اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گھورنے لگا اس کے دل میں حیرت کی لہریں اٹھ رہی تھیں اور حیرت نے اس کے سارے وجود کو جکڑ لیا تھا۔

دانش کے چہرے کے نقوش اس بات کا اظہار کرتے تھے کہ وہ اس وقت بڑے کرب سے گزر رہا ہے۔ ماضی کی ہزاروں داستانیں اس کے چہرے پر کندہ تھیں اور نہ جانے کیوں کامران کو یہ محسوس ہو رہا تھا کہ وہ ان داستانوں کو پڑھنے کا ماہر ہے ساری باتیں اس کے سامنے نمایاں تھیں اور اس وقت شاید اس بات کا اس سے بڑا گواہ اور کوئی نہیں تھا کہ دانش جو کچھ کہہ رہا ہے وہ بالکل سچ ہے۔ دانش بھی اس طرح خیالات میں کھو گیا تھا جیسے مکمل طور پر ماضی کا سفر کر رہا ہو اور یہ فطرت کا ایک ایسا حصہ ہے جس سے کوئی بھی روگردانی نہیں کر سکتا اور محبت ایک ایسا ہی جذبہ ہے کہ بڑے سے بڑا انسان بے بسی کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتا مگر حیرت کی بات تھی شدید حیرت کی شائی نے دانش کے بارے میں جو تفصیلات بتائی تھیں ان میں دانش کا کردار ایک مجرمانہ نوعیت کا حامل بن گیا تھا اور ویسے بھی یہاں نیل گروجر کے ساتھ وہ ایک جارح کی حیثیت سے تھا لیکن اب جب اس کی کہانی منظر عام پر آئی تھی تو یہ احساس ہوتا تھا کہ وہ بھی صدیوں کا بیمار ہے اور وقت نے اس کے ساتھ بڑا بے رحمانہ سلوک کیا ہے۔

بہرحال کسی کے ساتھ کچھ بھی ہوا ہو لیکن خود کامران کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا وہ سب سے مختلف تھا کامران تو کسی بھی طرح ان پراسرار خانوں میں فٹ ہی نہیں ہوتا تھا۔ بھلا کہاں اس کی زندگی کا آغاز ہوا شہروں میں رہنے والا ایک نیک دل انسان امن و امان سے زندگی بسر کرنے کا خواہش مند۔ پے در پے مصیبتوں کا شکار ہوتا چلا گیا اور آخر کار وقت کی زنجیر اسے باندھ کر کہاں سے کہاں لے آئی ہر چند کہ اب وہ اس ماحول کا عادی ہو چکا تھا۔ لیکن پھر بھی کبھی کبھی یہ ضرور سوچتا تھا کہ مہذب دنیا میں زندگی بسر کرنے والے کتنے پرسکون ہوتے ہیں۔ وہ کہاں، اور اس کی منزل کہاں۔

بہرحال یہ سب کچھ زندگی کا ایک حصہ بن چکا تھا کرنل گل نواز کے لئے اس کے دل میں بے پناہ عقیدت تھی اور جن حالات میں وہ اب کرنل گل نواز سے الگ ہو کر یہاں تک آیا تھا وہ بڑے تعجب خیز تھے نہ جانے اس کے دل و دماغ نے یہ فیصلے کیوں کر ڈالے۔ جبکہ دل میں دکھ بھی تھا کہ کرنل نے اس کے بارے میں

کس انداز میں سوچا ہوگا لیکن بہرحال اب یہ ضروری تھا کہ تمام صورتحال کرنل گل نواز کو بتا دی جائے دانش کا کردار بھی واضح کر دیا جائے مگر اس کے لئے بڑی تفصیل سے سب کچھ بتانا بڑا ضروری تھا۔ بے شمار باتیں اب بھی اس کے ذہن میں بند تھیں اور وہ اس پر حیران تھا۔ یعنی سب سے بڑی بات یہ تھی کہ کرنل گل نواز سے لاکھ عقیدت ہونے کے باوجود وہ ایک بار بھی ان کے سامنے اس بات کا انکشاف نہیں کر سکا تھا کہ گرشک اور سیتا سے اس کا مسلسل رابطہ ہے اور وہ بھی ان پراسرار منزلوں کے راہی ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ سفر کر رہے ہیں یہ بات کچھ ناقابل یقین سی تھی اور وہ اس پر سب سے زیادہ حیران تھا اور اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ گرشک اور سیتا کا اس مسئلے میں کیا کردار ہے مزید حیرت کی بات یہ تھی کہ دانش نے جیسی کہانی سن کر انکشاف ہوا تھا کہ وہ بھی ماضی قدیم کا ایک پراسرار کردار ہے اور ایک عجیب و غریب منزل سے گزر رہا ہے۔ اس نے بھی اسے پاتال پرماتما کہہ کر پکارا تھا چلو یہ لوگ تو ماضی قدیم کے پراسرار کردار ہیں لیکن میں ان میں کہاں سے آگھسا میں تو ایک سیدھی سادی زندگی گزارنے والا شخص ہوں بھلا میرا ان پراسرار واقعات میں کہاں سے دخل ہو گیا لیکن کیسٹ میں نظر آنے والا اپنا چہرہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

وہ کیا کہانی ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چہرے کی مماثلت نے سارا کھیل الٹ دیا ہو اس کے علاوہ تو اور کچھ نہیں سوچا جا سکتا لیکن ایک بات اور بھی تھی وہ یہ کہ دل کی گہرائیوں میں ایک موتی سا بھی کبھی چمکنے لگتا تھا اور اس کا انداز ایسا ہوتا تھا کہ اس موتی کی آب و تاب کوئی بہت ہی پراسرار مقصد رکھتی ہے پاتال پرستی کی سیاہ تری آخر کون تھی اور اس کا آغاز کہاں سے ہوا تھا۔

بہرحال یہ باتیں دماغ کے پرخچے اڑا دینے والی تھیں اور وہ ان کو سوچ سوچ کر سوائے چکر کھانے کے اور کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ دفعتاً ہی دانش چونک پڑا اور اس نے کامران کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

"کامران ہے نا تمہارا نام۔"

"یہ جانتے ہو کہ پہلے تمہارا کیا نام تھا؟"

"نہیں"

دیوتا تھے تم ہمارے دیوتا تھے۔ پاتال پرماتما' پاتال پرماتما"

"مسٹر دانش...... یہاں میں تھوڑا سا پریشان ہو جاتا ہوں۔"

"کیا......" دانش ایک بار پھر چونک پڑا۔

"میں تو اس جدید دنیا کا ایک جدید انسان ہوں یہ پاتال پرماتما' پاتال پرکھنا اور اس طرح کے دوسرے نام مجھے بڑے عجیب لگتے ہیں ان سے بھلا میرا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔" دانش نے ایک جھرجھری سی لی اور دفعتاً ہی وہ مجسم انکسار بن گیا۔

"اگر یہ نام میں نے تمہارے سامنے لئے ہیں تو میں تم سے معافی چاہتا ہوں کیونکہ میں نہیں......" وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گیا پھر بولا۔

"مجھے تھوڑی سی اجازت چاہیے۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے" دانش نے ایک لمحہ بھی نہیں لگایا اور اٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔

بہر حال بہت سی تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں کرنل گل نواز کو اس نے صورتحال سے آگاہ کر دیا تھا لیکن پھر بھی اس کے دل میں بڑی خواہش تھی کہ کرنل گل نواز سے بہت سی معذرتیں کرے اس تازہ صورتحال سے بھی اسے واقف کرنا ضروری تھا۔ اب یہاں تھوڑی سی بہتر کیفیت ہوگئی تھی ایک طرف تو ریٹا اور نیل گرو جر کا پتہ کٹ گیا تھا تو دوسری طرف عروسہ اور مرزا خاور بیگ کا معاملہ ایک انتہائی عجیب و غریب شکل اختیار کر چکا تھا۔ ان دونوں کی موت کی اطلاع بھی ابھی تک شاید کرنل گل نواز تک نہیں پہنچی تھی۔ یہ چیز بھی کامران کے ذہن میں بری طرح کھٹک رہی تھی۔

وہ موقع کی تلاش میں تھا اور یہ موقع اسے مل گیا دانش کے انداز میں سرکشی تھی گورڈن بھی اگرچہ ایک خطرناک آدمی تھا لیکن کامران محسوس کر رہا تھا کہ اس کے معاملے میں سب نرمی سے کام لیتے ہیں۔ کرنل گل نواز سے گفتگو کرنے کے لئے کامران نے ایک بہترین طریقہ کار اختیار کیا وہ ایک ایسے بلند ٹیلے کی چوٹی پر جا بیٹھا جو ہر جگہ سے نظر آ رہا تھا کوئی دس فٹ اونچا تھا چوٹی پر وہ یوگا کا آسن جما کر بیٹھ گیا۔ ٹرانسمیٹر اس نے آن کر لیا تھا اور دوسری طرف سے آنے والی آواز کا منتظر تھا ٹرانسمیٹر پر کرنل گل نواز ہی کے نمبر سیٹ تھے چنانچہ کچھ لمحوں کے بعد گل نواز سے رابطہ قائم ہو گیا۔ گل نواز کی بے صبر آواز ابھری تھی۔

''ہاں کامران! کہو بیٹے کیسے ہو؟''

''ٹھیک ہوں انکل! آپ لوگوں کے لئے دعا گو ہوں۔''

''شکریہ۔''

''آپ کہاں ہیں انکل۔''

''اپنے راستے پر چل رہے ہیں اور خیر مطمئن نہیں ہیں رانا چندر سنگھ بھی اس وقت میرے ساتھ ہی ہیں۔''

''جی ویسے کرنل آپ کے لئے ایک بہت بری خبر ہے۔''

''کیا؟'' کرنل گل نواز کی آواز سہمی ہوئی سی تھی۔

''مرزا خاور بیگ اور عروسہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔''

''کیا؟'' کرنل گل نواز کی آواز شدید حیرت میں ڈوبی ہوئی تھی۔

''ہاں۔ دانش نے انہیں قتل کرا دیا ان دونوں کی لاشیں ایک گہرے کھڈ میں پڑی ہوئی ہیں۔''

دوسری طرف کرنل گل نواز سکتے کے سے عالم میں رہ گیا تھا دیر تک وہ خاموش رہا پھر مدھم لہجے میں بولا۔

''لیکن کیوں؟ کیا ہوا تھا؟ واقعی یہ ایک ایسی وحشت ناک خبر ہے افسوس، افسوس مرزا خاور بیگ کی فطرت میں سازشیں اور انحراف تھا لیکن اس کے باوجود ہم یہ نہیں چاہتے تھے کہ..... کہ مگر یہ ہوا کیسے۔''

''بس مرزا خاور بیگ اپنی فطرت سے مجبور تھا دانش نے عروسہ کو ڈانٹ ڈپٹ کی تھی عروسہ فطرتاً بدتمیز تھی نتیجے میں مرزا خاور بیگ نے کچھ سوچے سمجھے بغیر دانش کو زخمی کر دیا اور لازمی بات ہے کہ دانش کے ساتھی اس بات کو برداشت نہیں کر سکے گورڈن نے انہیں موت کے گھاٹ اتار دیا۔''

''یہ انجام ہونا تھا اس کا بہر حال پھر بھی مجھے افسوس ہے کامران تم خیریت سے ہو۔''

''ہاں میرے پاس آپ کے لئے ایک اور بھی کہانی ہے لیکن وہ اتنی طویل ہے کہ میں اس طرح آپ کو نہیں سنا سکتا۔ بہر حال اب ہم آگے کا سفر کر رہے ہیں آپ کو میں راستوں سے آگاہ کرتا رہوں گا۔ آپ بس اپنا خیال رکھیے تبدیلیاں بہت عجیب ہو رہی ہیں محتاط رہنا ضروری ہے۔ ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں آپ سے آج تک کی تمام تر رپورٹ کے بعد یہ بات بالکل ٹھیک ہے کہ رانا چندر سنگھ آپ کے بہترین ساتھی ہیں لیکن باقی افراد سے ذرا محتاط رہیں۔ اس کی کوئی خاص وجہ نہیں ہے اصل میں اس قسم کی مہمات میں کسی کا ذہن بدل جانا کوئی حیرت ناک بات نہیں ہوتی۔''

''میں سمجھ رہا ہوں خیال رکھوں گا بے فکر رہو۔ لیکن اپنا بھی خیال رکھنا۔''

''جی۔'' اور اس کے بعد کامران نے ٹرانسمیٹر بند کر دیا تھا۔ بہت سی الجھنیں اس کے ذہن میں تھیں بڑے پراسرار کردار اس کے گرد بکھرے ہوئے تھے۔ گرشک اور سیتا دو پراسرار اور انوکھے کردار اور پھر اناطوسیہ جس کے بارے میں دانش کا کہنا تھا کہ اس کی موجودہ شکل امینہ سلطانہ کی ہے اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ امینہ سلطانہ ایک پراسرار کردار تھی کیا ہی دلچسپ اور انوکھی داستان ہے۔ ناقابل فہم اور ناقابل سمجھ اور خاص طور سے مجھ جیسے آدمی کے لئے۔ کامران نے سوچا۔

دانش، گورڈن اور ان کی ٹیم بہت اچھا سلوک کر رہی تھی اس کے ساتھ کامران کو وہ ایک دیوتا کی طرح ہی پوجتے تھے حالانکہ شروع میں دانش کا رویہ سخت تھا لیکن جب اس نے کامران کو اپنی کہانی سنائی تھی اس کے اندر ایک تبدیلی رونما ہو چکی تھی۔ کامران البتہ حالات سے کچھ دل برداشتہ تھا۔ یہ سارے لوگ اس کے لئے اجنبی تھے۔ حالانکہ وہ سب اس کی عزت کرتے تھے لیکن کامران کو ایک عجیب سی بے چینی گھیرے رہتی تھی۔ دانش نے اسے بہت سی باتیں بتائی تھیں۔ لیکن یہ نہیں بتایا تھا کہ اب وہ یہ سفر کس مقصد کے تحت کر رہا ہے کئی بار کامران کے ذہن میں یہ خیال بھی آیا کہ کم از کم دانش سے یہ تو معلوم کرے کہ اسے خود کیا کرنا ہے۔ لیکن نہ جانے کیوں جب بھی وہ یہ بات سوچتا اس کی زبان خود بہ خود بند ہو جاتی اور پھر ایک دن ایک پراسرار واقعہ پیش آ گیا۔

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا ایک پراسرار سے ویرانے میں خیمے لگے ہوئے تھے گورڈن اور دو تمام لوگ دانش کے ساتھ تھے آرام کی نیند سو رہے تھے کہ کامران کے خیمے کا پردہ ہٹا اور دو پراسرار وجود اندر داخل ہو گئے انہوں نے کالے رنگ کے لبادے پہن رکھے تھے۔ جو سر سے پاؤں تک تھے۔ صرف آنکھوں کی جگہ دو سوراخ تھے ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کامران کو جگایا اور کامران دہشت زدہ سا ہو گیا اس کے حلق سے آواز نکل گئی تھی لیکن فوراً ہی اسے سیتا کی آواز سنائی دی۔

''میں ہوں دھرم وتی لکشم مکاشنہ میں ہوں۔ خاموشی سے ہمارے ساتھ چلے آئیے جلدی آ جائیے۔''

کامران کچھ لمحے تک تو نیند کے عالم میں سوچتا رہا پھر دوسرے لبادے والے نے اس کی کلائی پکڑی اور اسے باہر کی جانب کھینچنے لگا۔'' خیمے میں خنجر سے ایک شگاف پیدا کیا گیا تھا اور اسی شگاف سے وہ لوگ اندر آئے تھے چنانچہ کامران کو بھی وہیں سے باہر نکالا گیا۔ وہ اسے ایک طرح کھینچتے ہو چل رہے تھے۔ کافی فاصلہ اسی طرح طے کیا گیا اور اس کے بعد کامران خود سنبھل گیا۔

''سیتا کیا یہ تم ہی ہو میں نے تمہاری آواز پہچان لی تھی۔''

"ہاں پاتال پرمتی! تمہاری خادمہ ہی ہے۔"

"اور تم؟"

"گرشنک ہوں پرم پربھو گرشنک ہوں میں۔"

"مگر اس طرح یہ تم مجھے۔"

"برے جال میں پھنس گئے ہیں آپ پرم پربھو راستے غلط ہو گئے ہیں وہ پاپی تو سدا سے اناطوسیہ کا غلام ہے۔ دیوانہ ہے اس کے لئے آپ کو اناطوسیہ کی بھینٹ چڑھانا چاہتا ہے تاکہ یہ بھینٹ سویکار کر لی جائے اور اسے اناطوسیہ قیدی کے طور پر مل جائے۔ پاتال پرمتی وہ آپ کی بلی دینا چاہتا ہے۔ آپ کو تی سنگھ تاتک نہیں پہنچنے دینا چاہتا وہ حالانکہ پاتال کی گہرائیوں میں وہ آپ کا انتظار کر رہی ہے وہ اس وچن کو نبھا رہی ہے پاتال پرمتی! جو پربھو دیو نے اس سے لیا تھا اور اب وہ دن پورے ہو رہے ہیں کہ پاتال کی گہرائیوں سے نکل کر وہ اپنے من کا دیوتا تلاش کر سکے۔ یہ شخص آپکو انہی راستوں سے ہٹانا چاہتا ہے یہ آپ کو دھوکا دے کر لے جا رہا ہے ہم کبھی آپ کا راستہ نہ کاٹتے اگر آپ کے لئے خطرہ نہ ہوتا وہ جو آپ کے ساتھ خزانوں کی تلاش میں آ رہے ہیں وہ تو معصوم اور سیدھے سادے لوگ ہیں ان کا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ لیکن یہ جو آپ کو ملا ہے۔ یہ آپ کے حق میں بہتر نہیں ہے۔ یہ وہ نہیں ہے جو اپنے آپ کو بتا رہا ہے یہ وہ نہیں ہے پرم پربھو...... اوہو یہ لوگ آ گئے۔ یہ لوگ آ گئے پیچھے......" اچانک ہی کامران نے والش' گورڈن اور اس کے ساتھیوں کو دیکھا جو بڑی کامیابی سے اور بڑی خاموشی کے ساتھ ان کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک پہنچ گئے تھے اور پھر انہوں نے کچھ سوچے سمجھے بغیر ان پر بڑی شدت سے حملہ کر دیا۔

گرشنک اور سیتا پھرتی سے ان کے چنگل سے نکل گئے تھے لیکن یہ لوگ تعداد میں بہت زیادہ تھے۔ انہوں نے ان پر تابڑ توڑ حملے شروع کر دیئے اور ایک بار پھر ایک انوکھی اور ناقابل یقین جنگ منظر عام پر آ گئی اور گرشنک کی آواز ابھری۔

"راکون تو ماسہ! ہمیں مجبور نہ کر کہ ہم اپنی تمام تر قوتیں تیرے خلاف استعمال کریں بچا اپنے آپ کو بچا۔" اور اس کے بعد ایک ہولناک جنگ کا آغاز ہو گیا والش نے اسے اپنا نام راکون تو ماسہ ہی بتایا تھا گرشنک اور سیتا ایک بار پھر اسی کیفیت میں نظر آ رہے تھے۔ جو کامران نے پہلے بھی دیکھی تھی۔ یعنی کرنل گل نواز کی حویلی میں جس طرح وہ ایک ویران حصے میں جسمانی ورزشوں کی مشق کر رہے تھے اس وقت بھی وہی پوزیشن تھی لیکن ایک گڑبڑ ہو گئی ایک بار گورڈن اپنی پوری قوت سے اچھلا اور کامران پر آ پڑا۔ وہ دیو ہیکل تھا کامران بری طرح لڑکھڑا کر زمین پر گرا۔ جگہ چونکہ چٹیل اور پتھریلی تھی اس لئے کامران کے سر میں چوٹ لگی اور اس کی آنکھوں میں ستارے ناچ گئے۔ چوٹ شدید تھی کچھ ہی لمحوں میں ماحول تاریک ہو گیا اور اس کے بعد یہ تاریکی نہ جانے کب تک جاری رہی کامران کچھ وقت کے لئے ہوش و حواس سے عاری ہو گیا تھا۔

پھر نہ جانے کیسے کیسے مناظر اس کی نگاہوں کے سامنے آئے کچھ چہرے جو اجنبی تھے شناسا ہو گئے اور وہ ان چہروں کو پہچاننے لگا نہ جانے کون تھے یہ لیکن وہ ان کو جانتا تھا کیونکہ انہی کے درمیان رہ رہا تھا۔ وہ اپنے آپ کو بھی یاد کرتا تھا تو اسے یاد آ جاتا تھا کہ وہ کامران ہے یہ بھی یاد آ جاتا تھا اسے کہ وہ ایک اہم مقصد

کے لئے سفر کر رہا ہے۔ لیکن والش وغیرہ اسے یاد نہیں تھے۔ نہ ہی گورڈن اور دوسرے لوگوں کے بارے میں اسے کچھ پتا تھا۔ وہ تو بس ایک انوکھے ماحول کا شناسا تھا۔ خاص طور سے وہ بوڑھا آدمی جسے کچھ لوگ شدید اذیتوں میں مبتلا کئے ہوئے تھے وہ زنجیروں میں جکڑا ہوا اس طرح کھڑا رہتا تھا کہ دیکھنے والوں کو ترس آنے لگے ایک ناقابل یقین سا خواب اس کی آنکھوں میں گردش کرتا رہا تھا اس خواب میں کچھ مخصوص چہرے نظر آتے تھے اور بس اس کے علاوہ کچھ نہیں وہ کبھی کبھی اکتاہٹ سی محسوس کرتا تھا لیکن بس کچھ لمحوں کے لئے۔

بہر حال کچھ لوگ اس کے ارد گرد ہمیشہ رہا کرتے تھے جن میں خاص طور پر ایک شخص جو پستہ قامت اور انتہائی مضبوط بدن کا مالک تھا اور اس کا نام سیزان تھا۔ یہ سیزان کون ہے یہ بات بالکل پتا نہیں چل سکی تھی لیکن ہمیشہ اعلا سے اعلا درجے کے لباس میں رہتا تھا اور یوں لگتا تھا کہ یہ سیزان کوئی بہت ہی اہم شخصیت ہے۔ کئی بار کامران نے اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا تھا اور اپنے آپ کو دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔

یہ میں تو نہیں ہوں آئینہ کسی اور کی تصویر پیش کر رہا ہے میرے ہاتھ پاؤں اس قدر مضبوط تو نہیں تھے میرا بدن اتنا چوڑا چکلا تو نہیں تھا۔ یہ تو ایک ایسا طلسمی خواب ہے جس کی تعبیر نہ جانے کیا ہے اور جو بار بار یہ چاہنے کے باوجود کہ اسے نہ دیکھا جائے۔ ذہن کے پردوں پر رقصاں رہتا ہے۔

بہر حال پستہ قد آدمی نے جس کا نام سیزان تھا کامران سے کہا۔

"آرام کرو کامران! ہمیں ابھی انتظار کرنا ہو گا وقت اچھے اچھوں کے دماغ درست کر دیتا ہے۔ جب اسے یہ احساس ہو جائے گا کہ یہ قطعی بے دست و پا ہے تو زبان کھولے بغیر چارہ نہیں رہے گا اس کے پاس اور ہمیں کامیابی حاصل ہو جائے گی جاؤ...... آرام کرو۔"

بہر حال یہ منحوس خواب کامران کے وجود پر مسلط ہو چکا تھا اس وقت بھی وہ اسی خواب کے عالم میں تھا۔ یا پھر ایسی حقیقتوں کے درمیان جن کے بارے میں اسے کچھ بھی یاد نہیں رہا تھا راہداری سے نکل کر وہ ایک کھلی جگہ پہنچا اور پھر اس شناسا عمارت کے ایک گوشے کی طرف چل پڑا جہاں کئی چھوٹے چھوٹے مکانات نظر آ رہے تھے ان مکانوں کے آخری مکان میں اس کی رہائش گاہ تھی وہ اپنی رہائش گاہ میں داخل ہو گیا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب وہ کیا کرے آہ...... نہ جانے وہ سب کے سب کہاں گئے۔ کون کون تھا...... ہاں...... کرنل گل نواز...... واقعی واقعی...... کرنل گل نواز کیا اچھا نام یاد آیا ہے اس کا گھرانا...... کون کون سے کردار تھے وہاں وہ غور کرنے لگا اور ایک ایک کر کے وہ تمام کردار اسے یاد آتے چلے گئے لیکن یہ سیزان کون ہے؟ آخر یہ سیزان کون ہے؟ اور وہ یہاں تک کیسے پہنچا؟ بس کچھ باتیں اس طرح حواس میں گڈمڈ ہوئی تھیں کہ ان کی تفصیل یاد نہیں آتی تھی لیکن ایسا لگتا تھا کہ ایک لمحہ ایسا ضرور آئے گا جب وہ سب اس کے سامنے آ جائیں گے اور وہ اس خواب سے چونک پڑے گا۔

بہر طور یہ ساری باتیں تھیں۔ کبھی کبھی تو بہت ہی عجیب سی کیفیت ہو جاتی تھی یہ نئے نئے چہرے اس کے شناسا تھے لیکن اسے یاد نہیں آتا تھا کہ ماضی میں یہ اس تک کیسے پہنچے وہ اسی کیفیت میں تھا کہ ایک عورت دروازہ کھول کر اندر گھس آئی اس وقت کامران کی کیفیت بہت عجیب ہو رہی تھی۔ وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا عورت نے کہا۔ "کیا تم مجھے آواز دے رہے تھے کامران۔" کامران اچھل پڑا اسی نام سے پکار رہی

تھی وہ اسے جو اس کا اپنا نام تھا لیکن پھر بھی کامران آہستہ آہستہ اسے یقین دلانے کی کوشش کرتا رہا کہ وہ اپنے ماضی سے واقفیت حاصل کر رہا ہے اچانک ہی اس نے کہا۔

"ایک بات بتاؤ گی تم؟"

"ہاں بولو۔"

"میں کون ہوں۔"

"کامران ہو تم......"

"سیزان کون ہے؟"

"ہمارا چیف۔"

"کہاں ہوں میں؟" مجھے بتاؤ میں کہاں ہوں۔"

"چیف کے پاس تم زندگی کے ایک ایسے سفر کی تیاری کر رہے ہو جو تمہارے دماغ کے سارے بند دروازے کھول دے گا۔"

"دیکھو میں بہت پریشان ہوں مجھے یوں لگتا ہے جیسے...... جیسے میں آدھی بڑا پریشان ہوں۔ اچھا ایک بات بتاؤ۔"

"ہاں بولو۔"

"کیا تم دانش کو جانتی ہو؟ دانش جس کا نام ماضی میں کچھ اور تھا شاید...... شاید راکون تو یاسہ" کامران نے صاف محسوس کیا کہ اس نام کو سن کر عورت کے چہرے پر ایک نمایاں تبدیلی پیدا ہوئی تھی۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں۔ میں نہیں جانتی کہ وہ کون ہے؟"

"کرنل گل نواز کو جانتی ہو۔"

"نہیں۔"

"اور اناطوسیہ کو؟"

"نہیں...... نہیں...... نہیں۔"

"جاؤ...... چلی جاؤ یہاں سے چلی جاؤ میں خود اپنے آپ کو تلاش کروں گا میں خود اپنے آپ کو پانے کی کوشش کروں گا" عورت خاموشی سے دروازے سے باہر نکل گئی تھی اور کامران ایک بار پھر اپنے بالوں کو مٹھیوں سے نوچنے لگا تھا۔

کہاں گئے وہ سب لوگ آخر ہوا کیا تھا یہ سارے نئے نئے لوگ کہاں سے آ گئے میری زندگی میں یہ تبدیلی کیسے پیدا ہوئی یاد تو سب کچھ آتا ہے، ہاں گرشک، گرشک، سیتا، کرنل گل نواز شاہ نواز اور بہت سے اور بہت سے۔

بہر حال وہ خاموشی سے گردن جھکا کر بیٹھ گیا پھر بہت دیر کے بعد دروازے پر دستک ہوئی اور پھر اسی عورت کی آواز سنائی دی۔

"کیا کھانا نہیں کھاؤ گے" اس کے ان الفاظ پر کامران کو بھوک کا احساس ہوا اور وہ اٹھ کر باہر نکل آیا بڑی وسیع و عریض جگہ تھی سامنے بڑی سی کالے رنگ کی میز پر کھانا لگا ہوا تھا۔

"میرے ساتھ اور کون کھائے گا؟" کامران نے سوال کیا۔ "تمہارے ساتھ تو کبھی کوئی نہیں کھاتا تنہا ہی کھاتے ہو تم۔"

"آج دل چاہتا ہے کوئی میرے ساتھ کھائے آؤ...... آ جاؤ۔"

"نہیں...... مجھے اجازت نہیں ہے۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ تم آقا اور میں غلام ہوں۔"

"کمال ہے۔" کامران ہنس پڑا "اب یہاں آقا اور غلام بھی ہو گئے بھلا مجھے آقا کس نے بنا دیا" وہ خاموشی سے کھانا کھاتا رہا اور پھر اپنے کمرے میں واپس آ گیا اس نے غور سے چاروں طرف گردن گھما کر کمرے کو دیکھا یہاں دو الماریاں رکھی ہوئی تھیں ایک میں اس کے لباس رکھے ہوئے تھے سب کے سب قرینے سے استری شدہ لٹکے ہوئے تھے دوسری الماری میں اور دوسری چیزیں جوتے، موزے اور بہترین اسلحہ کامران کو اندازہ ہوا کہ ان میں سے ہر چیز اس کی شناسا تھی کوئی چیز یہاں اجنبی نہیں لگ رہی تھی یہاں تک کہ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ جو رائفل رکھی ہوئی ہے اس کی نال میں گولی پھنس گئی ہے اور اسے اس کی صفائی کرنی ہے پورے کمرے میں جو کچھ موجود تھا وہ اس کے لئے اجنبی نہیں تھا اس نے ذہن پر زور دیا اور خواب کے احساس سے باہر نکل آیا تو اور بھی بہت کچھ یاد آنے لگا وہ پستہ قد آدمی جس کا نام سیزان تھا اور اس کا ایک اور ساتھی بھی تھا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان دونوں کا اس سے کیا تعلق ہے اور اس کے پس منظر میں کیا کہانی ہے وہ کون سی کہانی ہے جو اس کے ذہن سے اوجھل ہو چکی تھی۔

بہر حال اس کا ذہن ایک عجیب سے کرب کا شکار ہو گیا۔ اور پھر اسے وہ بوڑھا فیدی یاد آیا جس کا چہرہ نہ جانے کیوں شناسا سا لگتا تھا لیکن جس پر درندگی کی حد کر دی گئی ہے بالآخر کیا ہے یہ سب کچھ؟ سب کچھ کیا ہے؟ یہ تمام چیزیں بڑی خوف ناک تھیں اور کامران اپنے ذہن کی اس دہری کیفیت پر خود اپنے آپ سے خوف زدہ رہتا تھا۔

بہر حال ابھی وہ اپنی انہی سوچوں میں گھرا تھا کہ اچانک ہی ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی اور پھر اس نے آگے بڑھ کر اسے اٹھا لیا۔

"کامران" یہ تمہاری کی آواز تھی تمہاری سیزان کا دوسرا ساتھی تھا۔ کامران کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

"ہاں۔ بول رہا ہوں۔"

"ہمیں چار بجے یہاں سے نکلنا ہے تم تیار ہو کر چار بجے باہر آ جانا۔"

"ٹھیک ہے" کامران نے مشینی انداز میں گھڑی کی جانب دیکھا دو بج کر چالیس منٹ ہوئے تھے پھر وہ بستر پر لیٹ گیا اور اس نے آنکھیں بند کر لیں ذہن میں ایک عجیب سی روشنی اتر رہی تھی یوں لگ رہا تھا جیسے اس روشنی میں سارے خواب گندھ رہے ہوں وہ ان خوابوں کے ٹکڑوں کو دیکھتا رہا۔ کبھی ان میں کوئی چہرہ نمودار

جاتا اور کبھی تاریکیاں ہی تاریکیاں پھیل جاتیں۔

کامران نے گھڑی دیکھی تین بج کر بیس منٹ ہوئے تھے وہ تیار ہونے کے لئے اٹھ گیا۔ غسل خانے میں جا کر منہ ہاتھ دھویا اسے یہ اندازہ تھا کہ سیزان یا تہاری کے ساتھ جانے کے لئے اسے کون سا لباس پہننا ہے وہ تیار ہو کر باہر نکل آیا۔ دروازے کے باہر ایک شاندار اور قیمتی کار کھڑی ہوئی تھی اور وہاں کار کے نزدیک سفید وردی پہنے ہوئے ڈرائیور موجود تھا۔ یہ ڈرائیور بھی ناشناسا نہیں تھا۔ کامران اس کے ساتھ گاڑی کے اندر بیٹھ گیا ابھی زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ سیزان اور تہاری اندر سے برآمد ہوئے اور وہ بھی اسی اعلا درجے کی گاڑی میں جا بیٹھے دونوں نے کامران کو دیکھ کر شناسائی کے انداز میں گردن ہلا دی تھی اور پھر ڈرائیور نے یہ قیمتی کار آگے بڑھا دی تھی۔

کامران کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا سب کچھ اجنبی...... اجنبی...... اجنبی شہر کے مخصوص مناظر نظر آ رہے تھے لیکن اجنبی ہونے کے باوجود اسے یوں لگ رہا تھا جیسے پہلے بھی وہ ان علاقوں سے گزر چکا ہے بہرحال یہ سفر ختم ہوا اور گاڑی ایک ایسی جگہ جا کر رکی جہاں ایک بڑا سا آہنی دروازہ لگا ہوا تھا دروازے پر دو دربان کھڑے ہوئے تھے جنہوں نے کار کو دیکھ کر دروازہ کھول دیا تھا۔ چوڑی سی روش جس کے دونوں طرف وسیع و عریض لان پھیلے ہوئے تھے گو یہ لان بے ترتیب تھے۔ درختوں کی شکلیں کچھ ایسی نظر آ رہی تھیں جیسے ان پر توجہ نہ دی جاتی ہو لان کی گھاس بھی ناہموار تھی لیکن روش بہت خوب صورت تھی اور اس کا اختتام اس گول سیڑھیوں والی عمارت پر جا کر ہوتا تھا جہاں پہنچنے کے بعد ڈرائیور نے اتر کر دروازہ کھولا تھا سیزان اور تہاری دونوں نیچے اتر آئے اور کامران نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی اور انکے ساتھ ساتھ چل پڑا۔

اندر چند افراد نے ان کا استقبال کیا یہ سب مقامی لوگ تھے اور مخصوص طرز کے لباس پہنے ہوئے تھے۔

"سب لوگ آ چکے ہیں۔"

"کامران! تم باہر جا کر رکو۔" سیزان نے کہا اور کامران نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ وہ باہر نکلا اور گاڑی کے پاس جا کھڑا ہوا گاڑی کا ڈرائیور گاڑی کے پاس موجود نہیں تھا غالباً اسے اندازہ تھا کہ یہاں اسے کتنا وقت گزارنا ہے لیکن یہ بات ناقابل یقین سی تھی کہ ان لوگوں نے اسے اپنی جگہ سے باہر نکال دیا تھا اگر ایسی بات تھی تو وہ اسے یہاں لائے ہی کیوں تھے۔ وقت گزرتا رہا۔ کامران پر شدید اکتاہٹیں سوار ہونے لگی تھیں آخرکار اس نے سوچا کہ سب کچھ جہنم میں جائے۔ جو حقیقتیں ہیں وہ سامنے آ ہی جائیں گی جو لوگ بچھڑ گئے ہیں ان کے بارے میں اگر معلوم ہو سکا تو ٹھیک ہے ورنہ جو وقت گزر رہا ہے بھلا اس میں کیا خرابی ہے وقت گزرتا چلا گیا یہاں تک کہ روشنیاں جل اٹھیں لیکن کامران صبر و سکون کے ساتھ بیٹھا رہا پھر اندر سے بہت سے افراد برآمد ہوئے ان میں کچھ عورتیں بھی تھیں ڈرائیور جلدی سے گاڑی کے پاس آ گیا۔ کامران بھی گاڑی سے نیچے اتر آیا تھا ایک خوبصورت عورت نے جس کی عمر تیس سال سے کم نہیں ہوگی مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہیلو کامران! کتنے خوبصورت لگ رہے ہو تم۔"

"آپ اگر چاہیں تو اسے اپنے ساتھ لے جا سکتی ہیں مادام"

"مذاق کر رہے ہو۔ یہ اس قدر قیمتی ہے کہ تم اسے کبھی میرے حوالے نہیں کرو گے۔"

"ہاں ایسا تو ہے۔" سیزان نے کہا اور ہنس پڑا۔

بہرحال اس کے بعد یہ لوگ وہاں سے چل پڑے کئی دوسری جگہوں سے ہوتے ہوئے آخرکار اسی عمارت میں واپس آنا پڑا اور کامران کو احساس ہوا کہ یہ عمارت اب اجنبی نہیں لگ رہی آہ...... کیا طلسم ہے یہ...... کیا طلسم ہے۔ میں، میں اپنے آپ کو کہاں تلاش کروں۔ کیا ہو گیا۔ یہ کیا ہو گیا۔ سوچنا پڑے گا بہت غور کرنا پڑے گا کامران نے آخری بات یہی سوچی تھی دماغ میں ایک عجیب سی گھٹن تھی۔ جسمانی قوت بے پناہ بڑھ چکی تھی لیکن ماضی کے جو کچھ لمحے کھو گئے تھے انکی تلاش کا کوئی ذریعہ ہاتھ نہیں آتا تھا ان لمحوں کو کہاں تلاش کیا جائے وہ لمحے کہاں ملیں گے بے چینی شدید ہوتی چلی گئی اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ سیزان اور تہاری اس کے لئے کیا حیثیت رکھتے ہیں اور اسے کیوں اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں۔

بہرحال وقت کا انتظار کئے بغیر اور کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ وقت ہی مددگار ہوتا ہے تو کام بن جاتے ہیں ورنہ بعض اوقات زندگی تاریکیوں میں ہی گزر جاتی ہے دفعتہً اسے وہ بوڑھا شخص یاد آیا۔ جو وہاں زنجیروں سے بندھا ہوا تھا اور جس پر اذیتوں کے پہاڑ توڑ دیئے گئے تھے وہ ایک ایسا شخص تھا جو کھلا کھلا ان لوگوں کا مخالف تھا ہو سکتا ہے وہ کچھ بتانے پر آمادہ ہو جائے اس سے مل لینا چاہیے۔ کامران کو اس بات کا علم تھا کہ یہاں اس عمارت میں اس کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں ہے حالانکہ بوڑھا آدمی سیزان کے زیر احتساب تھا لیکن کم از کم کامران کو یہاں ہر جگہ آنے جانے کی اجازت تھی وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور مختلف راستے طے کرتا ہوا آخرکار اس قید خانے تک پہنچ گیا جہاں اس نے پہلی بار اپنے آپ کو محسوس کیا تھا بوڑھے کو چونکہ پوری طرح باندھ کر رکھا گیا تھا اور وہ خود بھی ایک کمزور سا آدمی تھا اس لئے اس کی بحفاظت کا کوئی بندوبست نہیں کیا گیا تھا وہ اندر داخل ہو گیا مدھم سی پیلی روشنی میں بوڑھا زنجیروں سے بندھا ہوا تھا اور اس کی گردن سینے پر جھکی ہوئی تھی۔

نہ جانے کیوں کامران کی چھٹی حس نے اسے یہ احساس دلایا کہ یہاں اس کے اور بوڑھے کے علاوہ بھی کوئی موجود ہے اس کی آنکھیں چاروں طرف بھٹکنے لگیں لیکن تقدیر بھی یاور تھی! اچانک ہی کوئی عقب سے اس پر حملہ آور ہوا تھا کامران ایک دم بیٹھ گیا اور حملہ آور اس کے کاندھے پر سے اچھلتا ہوا دوسری طرف جا گرا اس کے ہاتھ میں ایک چوڑے پھل والی چھوٹے سائز کی کلہاڑی تھی اس نے عقب سے کامران پر حملہ کرنے کی کوشش کی تھی اگر کامران کی چھٹی حس بروقت اسے اس خطرے کا احساس نہ دلا دیتی تو یقیناً وہ کلہاڑی کامران کے سر کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر سکتی تھی لیکن اس کے بعد کامران نے اسے موقع نہیں دیا! ذرا اچھل کر اس کی پشت پر سوار ہو گیا اور اس نے ایک لمحے کے اندر کلہاڑی والے کے ہاتھ سے کلہاڑا چھین لی اور پھر اسے پلٹ دیا لیکن جونہی اس نے اسے پلٹا ایک اور نسوانی چیخ کہیں سے ابھری یہ اس جگہ کسی تیسری شخصیت کے وجود کا پتا دیتی تھی پھر کوئی اس کے قریب پہنچ گیا اس نے اپنے نیچے دبوچے ہوئے آدمی کو پلٹ دیا اور یہ دیکھ کر حیران ہو گیا کہ یہ سیزان ہی کا ایک ملازم تھا اور اس کا نام شاید شاہری تھا شاہری جو ایک خوبصورت نوجوان تھا اور اسے سیزان کے ہاں ملازم ہوئے زیادہ وقت نہیں گزرا تھا شاہری وحشت بھری نگاہوں سے کامران کو دیکھ رہا تھا اور وہ تیسرا وجود جو اس کے قریب پہنچ گیا تھا ایک حسین اور نوجوان لڑکی کا وجود تھا جس کے بال بڑے خوبصورت انداز میں تراشے ہوئے تھے اور اس کے چہرے کے نقوش بے حد دل

کش تھے لیکن اس وقت اس کا دل کش چہرہ آنسوؤں میں بھیگا ہوا تھا کامران نے کلہاڑے کو ایک ٹھوکر لگائی اور وہ دور جا گرا۔ اس دوران اس نے دیکھا تھا کہ بندھے ہوئے گھوڑے نے بھی گردن اٹھالی ہے اور سہمی ہوئی نگاہوں سے اس سارے منظر کو دیکھ رہا ہے کامران کے چہرے پر ایک مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

"کمال ہے میں تو یہاں یہ سوچ کر آیا تھا کہ میں یہاں اس شخص کے پاس تنہا ہوں لیکن پتا یہ چلا کہ یہاں تو باقاعدہ ایک مجلس مشاورت جمی ہوئی ہے چلو تم کھڑے ہو جاؤ تم نے خود ہی مجھ پر حملہ کیا تھا اگر تقدیر میرا ساتھ نہ دیتی تو تم نے تو میرا سارا حساب کتاب کر دیا تھا۔ خیر اس کے باوجود میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔ میں تو اس بزرگ کے پاس اس سے اپنے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنے آیا تھا لیکن اب میرے ذہن میں تمہارے لئے تجسس جاگ اٹھا ہے۔ اس وقت آس پاس کوئی نہیں ہے۔ اور بے فکر رہو میں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا مجھے اپنے بارے میں سچ سچ بتا دو۔" کامران کے لہجے کی نرمی اور شگفتہ انداز ان لوگوں کے لئے باعث تقویت ثابت ہوا تھا لڑکی اپنی آستین سے آنسو خشک کرنے لگی۔ کامران نے کہا۔

"تمہارا نام تو میں جانتا ہوں شاہری ہے لیکن اس لڑکی کو میں پہلی بار دیکھ رہا ہوں۔"

"یہ نشینہ ہے۔ نشینہ۔"

"بڑے اچھے نام ہیں میرے لئے کسی قدر اجنبی۔ لیکن ذرا ایک بار باہر جا کر دیکھو آس پاس تو کوئی نہیں ہے اس کے بعد آؤ ہم یہاں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔" کامران نے کہا اور اس عقوبت خانے میں ایک پتھر پر جا بیٹھا۔

دماغ کی چولیں ہل گئی تھیں اور یہ اندازہ ہی نہیں ہوتا تھا کہ کہاں کیا ہے دماغ کی بدلی ہوئی حالت بڑی پریشان کن تھی۔ رفتہ رفتہ بہت سی باتیں یاد آ رہی تھیں وہ رات بھی یاد آئی تھی جب اچانک ہی دانش کا مقابلہ کچھ پراسرار لوگوں سے ہو گیا تھا بس وہی رات ہوش و حواس کی آخری رات تھی۔ اس کے بعد اندازہ ہی نہیں ہو سکا تھا کہ کب، کہاں اور کیا ہوا ہے اور اب یہ مٹے مٹے سے نقوش۔ شاہری رحم طلب نگاہوں سے کامران کو دیکھ رہا تھا تب وہ بولا۔

"یہاں ہم دونوں کی زندگی کو خطرہ ہے۔ میں نے بڑی مشکل سے میزان کے ہاں یہ ملازمت حاصل کی ہے تمہاری کو میں نے بہ مشکل تمام اپنے حق میں نرم کیا تھا۔ لیکن اس ملازمت کے حصول کی وجہ سالازار تھا۔"

"سالازار۔"

"ہاں یہ مظلوم شخص جو اپنی ذہانت کا شکار ہو گیا ہے ایک خاص مقصد کے لئے میزان نے حاصل کیا اور مظالم کے پہاڑ توڑ ڈالے۔"

"اوہ تو پھر۔"

"بس...... میں اس کی وجہ سے یہاں تک پہنچا یہ لڑکی...... یہ لڑکی میری منگیتر ہے نشینہ کا اپنے باپ کی جدائی سے برا حال ہو گیا تھا تب میں تین دن قبل اسے اپنی کار میں چھپا کر لایا اور اسے بہ مشکل تمام یہاں ایک عمارت میں محفوظ کیا یہ اپنے بچھڑے باپ سے ملنا چاہتی تھی سالازار...... پروفیسر سالازار میرا استاد بھی ہے۔"

"اوہ...... میں تمہاری اس کہانی سے افسردہ ہوں شاہری کاش میں تمہارے لئے کچھ کر سکتا۔"

"کیا تم میرے باپ کو رہائی نہیں دلوا سکتے"۔

"شاید ایسا ابھی ممکن نہ ہو لیکن ہو سکتا ہے آگے چل کر میں کچھ کر سکوں کیا یہ اس وقت تک زندہ رہے گا۔"

"ہاں جہاں تک میرا خیال ہے میزان اسے زندہ رکھے گا اگر اسے اس کی ضرورت ہے ایک وعدہ میں تم سے کر سکتا ہوں اگر میزان اس کی ہلاکت پر آمادہ ہوا تو میں اسے ہلاک نہیں ہونے دوں گا چاہے اس کے لئے مجھے میزان کی مخالفت کیوں نہ مول لینی پڑے بہر حال تم اسے یہاں سے لے جاؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ وقت سے پہلے تم کسی مصیبت کا شکار ہو جاؤ۔"

"یہ اپنے باپ سے مل لی ہے۔ نشینہ! تمہیں صبر کرنا ہوگا کچھ عرصے کے لئے تمہیں صبر کرنا ہوگا۔" نشینہ آنسو بہاتی رہی تھی۔ اس کے بعد وہ لوگ وہاں سے نکل گئے اور کامران واپس اپنی آرام گاہ میں آ گیا لیکن دل و دماغ کی جو کیفیت تھی وہ دیوانہ کئے دے رہی تھی۔

کرنل گل نواز اس کے لئے بنیادی حیثیت رکھتا تھا اور اسے یقین تھا کہ اس کی جدائی نے کرنل گل نواز کو بہت پریشان کر دیا ہوگا۔ غرض یہ کہ یہ ایک لمبا چکر تھا اور ابھی کچھ سمجھ میں نہیں آ سکا تھا وہ لمحات اس کے لئے سب سے زیادہ اہمیت کے حامل تھے جو گم ہو گئے تھے اب یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ سر میں لگنے والی چوٹ نے کچھ عرصے کے لئے اس سے اس کے حواس چھین لئے تھے اس چوٹ کا اب کوئی نام و نشان نہیں تھا اس کا مطلب ہے کہ اسے یہاں میزان وغیرہ کے پاس آئے ہوئے اچھا خاصا وقت گزر کر رہ گیا ہے اپنی آرام گاہ میں وہ بستر پر دراز ان تمام چیزوں کو سوچ رہا تھا۔ بس وہ جاننا چاہتا تھا کہ آخر وہ میزان کو کہاں ملا۔

پھر اسے نیند آ گئی اور دوسری صبح بادلوں کی گڑگڑاہٹ سے آنکھ کھلی طوفانی بارش ہو رہی تھی اور کان پڑا شور سنائی نہیں دے رہا تھا۔ وقت بھی کافی ہو گیا تھا۔ ابھی وہ بستر پر پڑا انگڑائیاں توڑ رہا تھا کہ تھوڑا سا دروازہ کھول کر اسی مہربان عورت نے جھانکا جس نے اپنا نام نہیں بتایا تھا وہ کامران کو جاگتا پا کر جلدی سے واپس پلٹ گئی کامران اسے آواز دینے کے لئے منہ کھول کر رہ گیا لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ واپس آ گئی اب اس کے ہاتھوں میں ایک ٹرالی تھی جس میں پھلوں کا جوس اور تازہ بھنے ہوئے گوشت کے ٹکڑے بڑی تعداد میں رکھے تھے ان پر زیتون کے پھول سجے ہوئے تھے یہ غالباً ناشتے اور کھانے کے درمیان کی کوئی چیز تھی۔

کامران نے اسے آواز دی۔

"سنو...... کیا تم مجھے اپنا نام نہیں بتاؤ گی۔"

"تم پوچھو گے تو بتا دوں گی۔" وہ مسکرائی۔

"چلو میں پوچھ رہا ہوں۔"

"تم مجھے سیرا کہہ سکتے ہو۔"

"سیرا میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں پوچھو۔"

"میں یہاں کب آیا۔"

"میں نہیں جانتی تھوڑے دن پہلے مجھے تمہاری خدمت کے لئے بلایا گیا تھا۔"

"اوہو..... اس کا مطلب ہے کہ تم مجھے میرے بارے میں کچھ بھی نہیں بتا سکتیں۔"

"صرف اتنا بتا سکتی ہوں کہ سیزان تمہیں بڑی اہمیت دیتا ہے اور اس کے ذہن میں تمہارے سلسلے میں کوئی خاص بات ہے بس اس سے زیادہ ایک خادمہ کو اگر کچھ معلوم ہو سکتا ہے تو تم ہی مجھے بتا دو" میرا کے بارے میں کامران کو یہ اندازہ ہو گیا کہ وہ واقعی کامران کو کچھ بھی نہیں بتا سکتی۔

بہر حال ناشتے سے فراغت حاصل ہوئی باہر موسلا دھار بارش ہو رہی تھی چنانچہ کامران ایک کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ تہاری ایک کیاری کے پاس بارش میں بھیگ رہا تھا۔ نہ جانے کیوں کامران کا دل چاہا کہ اس شخص سے ملاقات کرے۔ چنانچہ وہ باہر نکل آیا اور تہاری کے پاس پہنچ گیا۔

"آؤ..... بارش کا اپنا ایک مزہ ہوتا ہے میں تو آسمان سے برستے ہوئے پانی پر عاشق ہوں بارش کا لطف یہی ہے کہ انسان کا وجود پانی پانی ہو جائے۔ جب کہ بے شمار افراد اسے دروازے اور کھڑکیوں کے پیچھے انجوائے کرتے ہیں۔ بہر حال تم سناؤ تم کیسے ہو؟"

"میں ٹھیک ہوں آقائے تہاری! لیکن بس ایک الجھن ہے اپنے بارے میں کچھ نہیں جانتا میں اور یہ چیز بعض اوقات میرے ذہن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے اپنے بارے میں اگر تم کچھ بھول چکے ہو تو مجھ سے پوچھ سکتے ہو۔"

"میں اپنے ماضی کو تو کھو ہی چکا ہوں لیکن یہ جاننا چاہتا ہوں کہ مجھے کہاں سے لایا گیا۔"

"ایک دلچسپ اور انوکھی کہانی ہے یہ ہمارا ایک شخص سے مستقل جھگڑا چل رہا تھا۔ اس کا نام دانش تھا دانش کے بارے میں کچھ ایسے انکشافات ہوئے تھے کہ ہم اسے تلاش کرتے پھر رہے تھے۔ ہماری معلومات نے ہمیں بتایا کہ دانش ایک شخص کو بڑی اہمیت دے رہا ہے اور وہ تم ہو۔ ہمارا اس سے ٹکراؤ ہو گیا دانش تو خیر اپنے ساتھیوں کے ساتھ فرار ہو گیا۔ لیکن تم ہمارے ہاتھ لگ گئے اور ہم تمہیں اپنے ساتھ لے آئے۔ اصل میں ہمارا بہت بڑا کاروبار ہے لیکن اس کے باوجود ہم لوگوں نے ساری زندگی مہم جوئی میں گزاری ہے سیزان میرا بزنس پارٹنر ہے اور دور دور کا عزیز بھی اس کی پہنچ بے پناہ ہے لیکن میں تمہیں ذاتی طور پر بتا رہا ہوں کہ ہماری ساکھ بہت خراب ہوتی جا رہی ہے کیونکہ پے در پے نقصانات نے ہماری کمر توڑ دی ہے یوں سمجھ لو کہ ہم دونوں دوست اب ایک کھوکھلا پہاڑ ہیں بے شک آج تک ہم اس پہاڑ کے پھیلاؤ کو سنبھالے ہوئے ہیں اور لوگ اس پھیلاؤ سے ہیبت زدہ ہیں لیکن کسی کو معلوم نہیں کہ اس کے اندر کیا ہے۔"

"میں اب بھی نہیں سمجھا۔"

"یہاں ان تمام علاقوں میں ہماری بے شمار جائیداد ہے۔ تمباکو، فوڈ، کرومائیٹ اور تانبے کے کارخانے ہیں لیکن یہ سب غیر ملکی بینکوں میں گروی رکھے ہوئے ہیں۔ ہم پر اٹلی، فرانس، امریکا کے بڑے بڑے بینکوں کے قرضے ہیں۔ صرف ایک لمحہ ایک اعلان ہمیں دیوالیہ قرار دے دے گا اور ہم کچھ بھی نہیں رہیں گے۔ لیکن سیزان نے ایک ایسے خزانے کے بارے میں معلومات حاصل کیں جو بہت عظیم الشان ہے اگر وہ

خزانہ ہمیں معلوم ہو جائے اور پتا چل جائے تو تم یہ سمجھ لو کہ ہماری ساری زندگی سدھر جائے ہم بوڑھے سلازار کو اسی لئے پکڑ لائے ہیں۔ وہ ہماری آرزوؤں کا مرکز ہے۔"

"سلازار"

"ہاں وہ..... جس سے ہم اس خزانے کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ سنا یہ گیا ہے کہ اس کے ذہن میں خزانے کا راز بند ہے۔"

"اوہ..... تو اس پر جو تشدد کیا جا رہا ہے۔"

"ہاں..... ہم خزانوں کے متلاشی دیوانہ وار اس خزانے کے حصول کی کوششوں میں مصروف ہیں کیونکہ اسی میں ہماری زندگی یا موت کا پیغام ہے۔"

"مگر بوڑھا سلازار اس بارے میں کیسے جانتا ہے وہ یمن کا باشندہ ہے بین الاقوامی شہرت کا مالک۔ لیکن پاگل جس کے انکار بے وقوفی پر مشتمل ہیں وہ کہتا ہے کہ پھول درخت کا سرمایا ہوتے ہیں انہیں ڈالی سے جدا نہ کرو جو تمہارے لئے مخصوص ہے اس پر اکتفا کرو خزانے اگر پوشیدہ ہیں تو کسی کی امانت ہیں ان پر تمہارا حق نہیں ہے۔ انہیں مٹی میں مل جانے دو۔ بے وقوف آدمی درختوں سے پھل بھی توڑتے ہیں اناج زمین کی ملکیت ہے تو ان کو کیوں استعمال کرتے ہو۔ کوئی عقل کی بات ہے۔"

"لیکن سلازار کو تم لوگوں نے کہاں سے حاصل کیا؟"

"لمبی کہانی ہے بس ذرا سی غلطی ہو گئی سیزان سے اس کے ساتھ اس کی اکلوتی بیٹی بھی تھی جسے اس وقت کچھ نہ کہا گیا۔ اگر وہ بھی ہمارے ہاتھ لگ جاتی تو یہ بوڑھا ضرور زبان کھول دیتا" کامران ایک لمحے کے لئے کانپ کر رہ گیا پھر اس نے کہا۔

"مگر وہ کہاں گئی؟"

"بوڑھے کے حصول کے بعد گم ہو گئی۔"

"تلاش نہیں کیا؟"

"چالاک تھی غائب ہو گئی۔"

"بوڑھا اس خزانے کے بارے میں یقیناً جانتا ہے"

"لیکن خیر وہ زبان کھولے گا ضرور کھولے گا ہاں..... ہم اس پر تشدد کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھتے ہیں کہ وہ مر نہ جائے" ابھی کامران تہاری سے یہ باتیں کر ہی رہا تھا کہ ایک خادم بھیگتا ہوا آیا اور بولا۔

"آقائے سیزان آپ کو طلب کرتے ہیں آقائے تہاری!" یہ کہہ کر وہ وہاں سے واپس چلا گیا تہاری بھی اس کے ساتھ ہی چلا گیا تھا اور کامران وہیں کھڑا بارش میں بھیگ رہا تھا اس کے دماغ میں جیسے خشل اترتی جا رہی تھی۔

بہر حال وہ یہ سوچ رہا تھا کہ سیزان اسے دانش سے جدا کر کے لے آیا لیکن وہ کسی کا غلام تو نہیں ہے۔ کرنل عقیل نواز بھی کھو گیا ہے ٹرانسمیٹر بھی پاس نہیں ہے جو اس سے رابطہ ہو لیکن بہر حال یہ بات طے ہے کہ ان پراسرار علاقوں سے ایک بار پھر اسے اس جدید دنیا میں لے آیا گیا ہے اور یہ ایک بہت ہی افسوس ناک

عمل ہے وہ ان سب سے کٹ کر رہ گیا ہے جو مشرق کے ان پراسرار علاقوں میں بھٹک رہے ہیں اس کے علاوہ سلازار پر جو مظالم کیے جا رہے ہیں وہ کسی کی اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے ہیں سلازار کی مدد کرنی چاہیے اسے زندگی میں کوئی پیغام ملنا چاہیے روتی ہوئی لڑکی کا مران کو یاد آئی اور وہ اس کے بارے میں سوچنے لگا۔

بہر حال نشینہ اور شاہری ایک دوسرے کی زندگی کا حصہ ہیں ان کی مدد ضرور کرنی چاہیے کم از کم اتنا تو کیا جائے بعد میں جو ہوگا وہ دیکھا جائے گا زندگی نے تو ہمیشہ الٹے سیدھے راستے منتخب کئے ہیں۔ لیکن بہر طور سیدھے راستوں کا انتخاب بھی ضروری ہے۔ بارش نے نہ رکنے کا فیصلہ کیا تھا کامران نہ جانے کیسی کیسی سوچوں میں گھرا ہوا تھا شام کو ایک سنسان گوشے میں اسے شاہری مل گیا چہرے پر اداسی تھی کامران کو دیکھ کر وہ پھیکے سے انداز میں مسکرایا اور بولا۔

''میں بہت خوف زدہ رہا ہوں۔''

''کیوں؟''

''بس نہ جانے کیوں دل میں یہ خوف تھا کہ کہیں میری ان کوششوں کا سیزان کو پتہ نہ چل جائے۔''

''تم یہاں سے نکلنا چاہتے ہو۔''

''ہاں...... یہ میری سب سے بڑی خواہش ہے کہ میں سلازار کو لے کر یہاں سے نکل جاؤں۔''

''سیزان تمہیں بعد میں تلاش کرے گا۔''

''نہیں میرے دوست! ہمارے ذہن میں منصوبہ ہے۔ لیکن اس کے لئے ہمیں تمہارا ساتھ درکار ہے۔''

''میرا......'' کامران نے کہا۔

''ہاں۔''

''کیا چاہتے ہو مجھ سے بولو کیا چاہتے ہو۔''

''بس میں یہ چاہتا ہوں کہ ہم یہاں سے نکل جائیں اور تم میری مدد کرو۔''

''اگر ایسا ہے تو میں تیار ہوں اور ہو سکتا ہے میں خود بھی تمہارے ساتھ ہی نکل جاؤں۔'' کامران نے کہا۔ بہر حال اس نے اپنا منصوبہ تکمیل کو پہنچایا۔ رات کو دونوں پہرے داروں کے سر اس طرح پھٹ گئے جیسے تربوز پھٹ جاتا ہے وہ خون میں نہا گئے اور آواز پیدا کئے بغیر ایک دوسرے پر ڈھیر ہو گئے۔ یہ کام کامران نے سر انجام دیا تھا اس وقت نشینہ اور شاہری دونوں ساتھ تھے۔ بہر حال اس کے بعد سلازار کو آزاد کرایا گیا اور پھر کامران وغیرہ عمارت کے بغلی حصے میں آگئے۔ یہاں بھی کامران نے ان دونوں کی مدد کی اور دیوار عبور کر کے وہ سب باہر نکل آئے۔ بوڑھے سلازار سے بہت سست روی سے چلا جا رہا تھا چنانچہ یہاں بھی کامران نے اپنی جسمانی قوتوں سے کام لیا اور جھک کر سلازار کو اپنے کاندھے پر لاد لیا کافی فاصلہ اس طرح کیا اور اس کے بعد انہیں ایک جگہ رکنا پڑا۔ سامنے ایک چوڑی سڑک نظر آرہی تھی جو پر رونق تھی اور اس پر روشنیاں لگی ہوئی تھیں یہاں شاہری نے کہا۔

''اب تم تھوڑا سا انتظار کرو اور مجھے تھوڑا سا وقت دو۔'' ایک جگہ منتخب کر کے سب لوگ رک گئے

اور شاہری وہاں سے آگے بڑھ گیا بوڑھا سلازار زمین پر بیٹھ گیا تھا اور نشینہ اس کی دیکھ بھال کرنے لگی تھی۔ زیادہ دیر نہیں گزری اور پھر ایک کار قریب آکر رک گئی۔ جس کے اسٹیئرنگ سے شاہری نیچے اترا تھا۔

''آؤ بیٹھو...... بیٹھ جاؤ۔ نشینہ تم بابا سلازار کو لے کر پیچھے بیٹھ جاؤ اور تم میرے پاس آجاؤ۔''

شاہری نے کامران کو اشارہ کیا۔ کامران اب بھی اپنے ذہن پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا وہ اڑے اڑے نقوش آہستہ آہستہ مدھم پڑتے جا رہے تھے اپنا تجزیہ کرتا تو یہی اندازہ لگاتا کہ سر جس طرح زخمی ہوا تھا اس نے کچھ عرصے کے لئے اسے انوکھے خوابوں میں پھینک دیا تھا اور اب ان خوابوں کی دنیا سے واپس آتا جا رہا تھا اسے اندازہ ہو گیا کہ شاہری نے یہ کار کسی سے چھینی ہے۔ وہ کہنے لگا۔

''ذرا اس شخص کو اٹھا کر ان جھاڑیوں میں پھینک دو۔'' کامران نے دیکھا تو ڈرائیونگ سیٹ کی برابر والی سیٹ پر ایک مناسب جسامت کا آدمی نظر آیا جس کی گردن اس کے سینے پر ڈھلکی ہوئی تھی اور جس کے جسم پر ڈرائیور کی وردی تھی غالباً شاہری نے اسے بے ہوش کر کے یہ کار حاصل کی تھی۔ کامران نے بے ہوش شخص کے بغلوں میں ہاتھ ڈالا اسے اٹھا کر جھاڑیوں کی جانب اچھال دیا جو اس سڑک کے نشیب میں واقع تھی نہ جانے کیوں کامران کے اندر ایک وحشت بے دار ہو گئی تھی وہ اس حادثے کے بعد جسمانی طور پر اپنے آپ کو بہت طاقت ور پا رہا تھا اپنی دانست میں وہ ہلکے پھلکے کام کرتا تھا لیکن مقابل پر اس کے خوف ناک اثرات ہوا کرتے تھے۔ اس دوران شاہری نے کار آگے بڑھا دی تھی۔ کامران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تم نے یہ کار اسی شخص سے حاصل کی تھی نا۔''

''ہاں''۔

بہر حال یہ سفر خاصا طویل رہا اور اس کے بعد کچھ دیر کے لئے گاڑی پیٹرول پمپ پر جا کر رکی۔ شاہری نے اس میں پیٹرول بھروایا تھا دفعتاً ہی شاہری نے اس سے کہا۔

''مسٹر کامران! براہ کرم میں نے کچھ کھانے کی چیزیں یہاں سے خریدی ہیں۔ آپ انہیں لے لیجئے۔'' سفر کے دوران نشینہ اپنے باپ کو سنبھال رہی تھی اچانک ہی اس نے کہا۔

''ایک بات بتاؤ شاہری! یہ کار پیٹرول پمپ اور یہ تمام چیزیں کیا ہمارا راز نہیں کھول سکتیں۔''

''یقیناً لیکن ہمیں برق رفتاری سے دور نکل جانا ہوگا۔'' اور پھر اس کے بعد ہم اپنی منزل الگ تلاش کر لیں گے۔'' کامران ان باتوں سے بے خبر اپنے آپ میں مست تھا وہ اپنی ذہنی قوتوں کو اپنے اندر جمع کر رہا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ اسے نیند آگئی اس کے بعد جاگا تو اجالا پھوٹ چکا تھا اور کار غالباً رکی ہوئی تھی شاہری نے عاجزی سے کہا۔

''کامران! ہم اپنی منزل پر پہنچ گئے ہیں کار سے اترنا ہوگا۔''

اس کے بعد کوئی دو فرلانگ کا فاصلہ طے کرنا پڑا اور کامران ان تینوں کے ساتھ اس عمارت میں داخل ہو گیا جو خاصا فاصلہ طے کرنے کے بعد نگاہوں کے سامنے آئی تھی اس عمارت میں ان کی ملاقات ایک پستہ قامت شخص سے ہوئی جس کے چہرے کا رنگ تانبے کی مانند تھا۔ جسامت معمولی لیکن بدن مشقت کا عادی نظر آتا تھا۔ آنکھیں نیند سے قبل از وقت جاگنے کی وجہ سے چندھیائی ہوئی تھیں۔

''تم آگئے۔ بڑا اچھا ہوا اب تم تیاریاں کرلو تمہاری کشتی تیار ہے۔ میں ایک عمدہ سوداگر ہوں جس چیز کا سودا کرلیتا ہوں وہ سمجھ لو میرے سینے میں کیل کی طرح گڑ جاتی ہے۔''

''اگر مناسب سمجھو تو میرے ساتھ کچھ کھانے پینے کا فیصلہ کرو۔''

''نہیں...... ہم نے کھانا کھالیا ہے۔''

''ٹھیک ہے تمہیں واقعی جانا چاہیے کیونکہ تم اس علاقے سے نکل جاؤ تو زیادہ بہتر رہے گا حالانکہ یہ ایک مشکل کام ہے۔''

''کیوں؟'' شاہری نے حیرت سے پوچھا۔

''جس دریا میں تم سفر کرو گے وہ ماہی گیروں کی ملکیت نہیں ہے اس میں بہت سی سرکاری سرگرمیاں بھی ہوتی ہیں اس لیے یہ نہ سمجھو کہ ہم حسب مرضی سب کچھ کرلیں گے مچھلیاں پکڑنے والے عموماً سورج ڈھلنے کے بعد اپنے سفر کا آغاز کرتے ہیں اگر نامناسب وقت میں کوئی کشتی دریا میں آگے بڑھتی نظر آتی ہے تو اس پر سو نگاہیں جم جاتی ہیں۔ تم لوگ خواہ مخواہ بحری پولیس کی نگاہوں میں آجاؤ گے میری رائے ہے کہ تم شام کو چھ بجے کے بعد اس سفر کا آغاز کرو تاکہ کوئی خطرہ پیش نہ آئے۔''

''حالانکہ یہ تو بہت مشکل مرحلہ ہوگا۔''

''نہیں یہی محفوظ ہے۔''

''ہمیں جلدی نکالنے کا کوئی بندوبست نہیں کرسکتے تم۔''

''ممکن نہیں ہے۔ تم شام تک میرے مہمان ہو چھ بجے میں تمہاری کشتی تمہارے حوالے کردوں گا۔ اس کے بعد دریا میں تم اپنی مہارت کے مطابق سفر کرو گے۔'' شاہری گردن جھکا کر سوچنے لگا پھر اس نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ حالانکہ یہ ہمارے لیے بڑا مشکل وقت ہے پتا نہیں سیزان اپنے اختیارات سے کام لے کر ہماری تلاش کے لیے کون کون سا راستہ اختیار کرے۔''

''میں تمہیں مکمل پناہ دیتا ہوں اور اطمینان رکھو جسے میں پناہ دیتا ہوں اس کا بھرپور محافظ بن جاتا ہوں۔''

''میں ملازموں سے کہہ کر تمہاری قیام کا بندوبست کرتا ہوں۔'' وہ اٹھا اور ڈرائنگ روم میں سے باہر نکل گیا اس کے جانے کے بعد شاہری نے کامران کو بتایا۔ ''یہ شخص ایک ٹھیکے دار ہے اس کی اپنی کشتیاں بھی ماہی گیری کرتی ہیں۔ چھوٹے چھوٹے ماہی گیر اپنی کشتیاں اس کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں۔ اس کا کشتیاں بنانے کا ایک کارخانہ بھی ہے۔ ہمیں اس سے خریدی ہوئی ایک کشتی میں دریا کا سفر طے کرنا ہوگا۔''

''بہرحال یہ ہمارے بہت کام آئے گا'' سلاڑار نے پہلی بار اس ساری گفتگو میں مداخلت کی۔

''ہاں...... حالانکہ یہ ایک محفوظ قدم نہیں ہے لیکن مجبوری ہے'' پھر بعد میں ٹھیکیدار نے ان کے پاس آکر انہیں بتایا کہ ان کے قیام کا بندوبست کردیا گیا ہے یہ کمرا جس میں ان کے قیام کا بندوبست کیا گیا تھا اسپتال کا جنرل وارڈ معلوم ہوتا تھا لوہے کے قدیم پلنگ جن پر پرانے گدے بچھے ہوئے تھے۔ ان پر چادریں تکیے لگادیے گئے تھے اور پھر انہوں نے ناشتا کیا اور آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے۔ کافی وقت اس طرح گزر گیا اور سلاڑار کی حالت کچھ بہتر سی ہوگئی پھر نہ جانے کب تک وہ لوگ سوتے رہے اور کامران اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر نکل آیا راہداری میں اسے ایک کھلی ہوئی کھڑکی نظر آئی اور وہ کھڑکی کے قریب سے گزرا تو اسے کچھ آوازیں سنائی دیں کسی عورت نے کہا۔

''کون...... سیزان! وہ تو بہت بڑی شخصیت کا مالک ہے اگر اسے کسی طرح علم ہوگیا کہ تم نے اس کے مفروروں کی مدد کی ہے تو اپنا حشر جانتے ہو کیا ہوگا۔''

''تو پھر بتاؤ...... میں کیا کروں؟'' یہ ٹھیکے دار کی آواز تھی۔

''میرا مشورہ مانو گے۔''

''ہاں کہو۔''

''فوراً سیزان کو اس بارے میں اطلاع دو اور اسے بتاؤ کہ اس کے مفرور یہاں موجود ہیں۔ دوپہر کے کھانے میں انہیں خواب آور سفوف دے دو اور پھر انہیں رسیوں سے کس دو۔ اگر تم نے یہ کارنامہ سرانجام دے دیا تو یہ سمجھ لو کہ سیزان تمہارا دوست بن جائے گا اور اس سے تمہیں بہترین فائدے حاصل ہوں گے۔''

''ٹھیک ہے مجھے تمہارا مشورہ پسند آیا ہے۔''

''تو پھر اٹھو جلدی سے اور سیزان سے رابطہ قائم کرو۔'' یہ اتفاق ہی کی بات تھی کہ کامران نے ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو اتفاقیہ طور پر سن لی تھی اور اس گفتگو کے جو نتائج برآمد ہوسکتے تھے اس کا اسے بہ خوبی اندازہ تھا فوری طور پر کچھ کرنے کی ضرورت تھی فوری طور پر۔

چنانچہ وہ کھڑکی سے ہٹ کر دروازے پر آگیا اسے دبا کر دیکھا دروازہ اندر سے بند نہیں تھا۔ دروازے کو دھکا دے کر وہ اندر داخل ہوگیا ٹھیکے دار اور اس کی ساتھی عورت اسے دیکھ کر بری طرح اچھل پڑے۔ پھر ٹھیکے دار نے خود کو سنبھالا اور کسی قدر درشت لہجے میں بولا۔

''یہ...... یہ کیا بدتمیزی ہے۔''

''معافی چاہتا ہوں لیکن اس کے سوا چارہ کار بھی نہیں تھا۔''

''مطلب...... مطلب کیا ہے تمہارا۔'' ٹھیکیدار آواز کی لرزش پر قابو نہیں پاسکا تھا۔

''میں تم سے کچھ اہم باتیں کرنا چاہتا ہوں۔'' ٹھیکیدار نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر عورت کی طرف دیکھا پھر بولا۔

''کس سلسلے میں۔''

''کیا میں تمہاری اجازت سے دروازہ بند کرسکتا ہوں۔''

''کیوں؟''

''اس لیے کہ میں نہیں چاہتا کہ کوئی ہماری بات سنے۔''

کامران نے کہا اور دروازہ بند کرکے واپس پلٹ پڑا پھر وہ آہستہ سے بولا۔

''یہ تم جانتے ہو ٹھیکیدار کہ میں سیزان سے غداری کرکے یہاں تک انہیں لایا ہوں اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ اگر سیزان کو اس بارے میں علم ہوگیا تو وہ ہمیں زمین کی گہرائیوں سے بھی نکال لے گا۔''

''ہاں میں جانتا ہوں۔''

"اور تم اسے اطلاع دینے جا رہے تھے معافی چاہتا ہوں ٹھیکیدار تم دونوں کی باتیں میں نے سن لی ہیں۔" کامران کے ان الفاظ پر دونوں کی حالت خراب ہونے لگی۔

"تت.....تو پھر.....مم.....مطلب مطلب کیا ہے تمہارا۔"

"بدقسمتی سے میں جن حالات میں گھرا ہوا ہوں ان سے نکلنا میرے لئے بڑا ضروری ہے میں ایک شریف آدمی ہوں اور کبھی کسی کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کرتا لیکن سر کی چوٹ نے میری فطرت میں بڑی انوکھی تبدیلی پیدا کی ہے اب کسی انسان کو موت کے گھاٹ اتارنا میرے لئے کوئی مشکل کام نہیں رہا ہے۔ کامران بے خیالی میں درحقیقت سچ بول رہا تھا۔ ایسی ہی کیفیت ہوگئی تھی آج کل اس کی لیکن اس کے ان الفاظ نے ٹھیکیدار کو حواس باختہ کردیا۔" میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ جو خطرناک ہے اسے ختم کردو۔ تمہیں کشتی اور دوسرے لوازمات کے لئے ادائیگی کردی گئی تھی۔ لیکن تمہارے لالچ نے تمہیں برے راستے دکھائے۔ ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ میرے لئے زندگی بہت ضروری ہے۔ کیونکہ اس زندگی سے اور بھی بہت سے افراد کا واسطہ ہے" کامران نے کہا اور پھر پوری قوت سے آگے بڑھ کر ان دونوں کی گردن دبوچ لی۔ بالکل ایسا ہی لگا تھا جیسے عقاب نے غوطہ لگا کر اپنے شکار کو پکڑ لیا ہو۔ کامران کے ہاتھوں کی گرفت اس کی توقع سے زیادہ سخت تھی ان کے حلقوم اس کے ہاتھوں کے شکنجے میں تھے اور ان کے چہرے پہلے سرخ پھر سیاہ ہونے لگے آنکھوں کا رنگ بدلا اور چند لمحات کے بعد وہ بے نور ہوگئیں کچھ وقت اسی طرح گزرا اور پھر کامران نے انہیں چھوڑ دیا دونوں لڑھک کر زمین پر جا پڑے تھے۔ کامران کی نگاہیں کچھ دیر تک ان پر جمی رہیں اور پھر اس نے اس کمرے کا جائزہ لیا لوہے کا ایک بڑا صندوق نظر آیا جس پر ایک موٹا تالا پڑا ہوا تھا۔ صندوق اتنا بڑا تھا کہ اس میں دونوں کے جسم سما سکتے تھے تالا توڑ دینے میں کوئی بہت زیادہ دقت پیش نہیں آئی تھی صندوق کا ڈھکن کھولا تو اس میں بیش قیمت ملبوس بھرے ہوئے تھے۔ زمانہ قدیم کی طرز کے تھے سونے اور چاندی کی تاروں سے بنا ہوا اس کے علاوہ دو چھوٹے چھوٹے صندوقچے اس صندوق میں رکھے ہوئے تھے لیکن اس میں بہت سی جگہ تھی کامران نے دونوں کے بدن اس صندوق میں ٹھونس دیئے اور ذرا طاقت سے ڈھکن دبا کر بند کردیا۔ پھر تالا اسی طرح کنڈے میں ڈال کر اس نے چاروں طرف کا جائزہ لیا کوئی ایسا نشان نہیں تھا جس سے کمرے میں داخل ہونے والے کو یہاں کسی واردات کا شبہ ہو۔ بستر کی چادر ہی تک کامران نے ہموار کردیں اور کمرے میں استعمال کرنے والے جوتے شیلف میں رکھ دیئے۔ تاکہ کوئی چیز بے قرینہ محسوس نہ ہو پھر وہ دروازہ کھول کر باہر نکل آیا اب یہ ضروری تھا کہ اس کی حرکتیں دوسروں سے مختلف نہ ہوں۔ چنانچہ وہ اپنے کمرے میں آکر بستر پر دراز ہوگیا۔ آخر کار اسے جگایا گیا جگانے والا شاہری تھا اس نے کہا۔

"ملازمہ نے بتایا ہے کہ کھانا تیار ہے ہم تمہارے جاگنے کا انتظار کررہے تھے۔"

"ہاں ٹھیک ہے اٹھتا ہوں" کامران نے کہا اور پھر وہ تیار ہوگیا ملازمہ نے کھانے کا انتظام کردیا تھا اس نے ٹھیکیدار کے بارے میں پوچھا تو ملازمہ نے کہا۔

"وہ کہیں چلے گئے ہیں ہمیں نہیں معلوم کہ کب تک واپس آئیں گے۔"

"ہمارے لئے جو انتظام کیا گیا ہے اس کے بارے میں کیا رہا۔"

"میں نہیں جانتی۔" ملازمہ نے کہا۔ شاہری پریشان نظر آنے لگا۔ اس نے اس دوران کے دوسرے راستوں کے بارے میں سوچا تھا۔

بہرحال کچھ وقت کے بعد ایک خاص آدمی آیا اس کے سپرد کی تمام ذمے داریاں تھیں اس نے حیرانی سے کہا۔

"آپ کو بھی یہ بات نہیں معلوم کہ ٹھیکیدار صاحب کہاں گئے ہیں۔"

"نہیں بہرحال میں تم سے تیاریوں کے بارے میں پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"انہوں نے مجھے جو ہدایات دی تھیں میں نے ان کی تکمیل کردی ہے اب وقت ہی نہیں ہے بہتر ہے آپ میرے ساتھ چلیں۔ اب مزید انتظار غیر مناسب ہے۔"

"ہم نے تمام ادائیگیاں کردی ہیں۔ کیا تمہیں اس بات کا علم ہے۔" شاہری نے پوچھا۔

"ہاں۔ آپ اطمینان رکھیں۔" وہ دریا کے کنارے پہنچ گئے شاہری نے اس کے بارے میں خاطر خواہ معلومات حاصل کرلی تھیں۔ ایک نقشہ بھی اس کے پاس موجود تھا وہ اس سفر سے بہت مطمئن تھا۔ چنانچہ بوسیدہ وین انہیں ساحل تک لے آئی تھی وین میں مچھلیوں کی بو رچی ہوئی تھی۔

کامران وغیرہ باہر آگئے اور اس کے بعد وہ اس کشتی تک پہنچ گئے کشتی چھوٹی لیکن بہت سی خصوصیات کی حامل تھی۔ ملازم نے اسے بتایا ماہی گیر کبھی موٹر بوٹ استعمال نہیں کرتے ان کی کشتیاں بادبانی اور چپوار سے سفر کرتی ہیں۔ لیکن چونکہ تمہارے سفر کی نوعیت مختلف ہے اس لئے کہ ٹھیکیدار نے اس میں انجن لگوایا ہے۔"

"میں نے اس کی فرمائش کی تھی۔" شاہری نے کہا۔

"مجھے معلوم ہے لیکن خبردار اسے ابتدائی سفر میں استعمال نہ کرنا ورنہ بحری پولیس مشکوک ہوجائے گی۔"

"ٹھیک ہے۔" شاہری نے کہا کھانے پینے کی اشیا ضروریات کی دوسری چیزیں' موٹی رسیوں کے گچھے سب جائزہ لینے کے بعد وہ اس میں سوار ہوگئے سورج غروب ہوگیا اور شاہری نے رسا کھول دیا اور چپوار سنبھال لئے۔ کشتی روانی پر آئی تو اس نے چپوار کپ میں پھنسائے اور رسی کے ایک ڈھیر پر آبیٹھا اب وہ اپنی محبوبہ کے ساتھ بیٹھا مسکرا رہا تھا نشینہ بھی بہت خوش نظر آرہی تھی اپنے باپ کی کامیاب رہائی سے وہ بڑی مطمئن اور مسرور تھی۔

اس نے بڑے پیار سے اپنے محبوب کو دیکھا تھا کامران خاموش بیٹھا دریا کی روانی کو دیکھ رہا تھا دوسری کشتیوں نے ابھی بادبان نہیں کھولے تھے دیر تک اسی طرح خاموشی طاری رہی کامران وسیع دریا کے پھیلاؤ میں بکھری کشتیوں کو دیکھ رہا تھا اور اس کے ذہن میں ماضی گردش کررہا تھا۔ آہ.....کیسی عجیب بات ہے کیا ہوا ہے دماغ کی جنبوں نے یادداشت تو واپس کردی تھی لیکن بس ایک تبدیلی ضرور پیدا ہوگئی بدن کی طاقت بے پناہ بڑھ گئی تھی۔ کارکردگی کا انداز بھی تبدیل ہوگیا تھا۔ جسم میں بے حد پھرتی اور رفاقت آگئی تھی اور تھوڑی سی سنگ دلی بھی پیدا ہوگئی تھی ورنہ دو افراد کو اس طرح قتل کردینا۔ کامران جیسے آدمی کا کام نہیں تھا لیکن اب وہ اپنے دل میں اپنے کام کی تکمیل کے لئے بے پناہ قوتیں پاتا تھا۔

کرنل گل نواز قزل شاہی' اس کی بیوی شعورا' دونوں کی سنائی ہوئی کہانی۔ علی سفیان اس کے ساتھ ایک انتہائی پراسرار کردار جو دانش کے بیان کے مطابق ہزاروں سال سے زندہ تھا ایک انوکھی حیثیت کا حامل' ناقابل فہم' ناقابل سمجھ' کوئی بات جو ذہن میں آ رہی ہو۔ ایک عجیب سا احساس دل کی گہرائیوں میں اترتا تھا دانش کا وہ انداز وہ اسے پاتال پرستی اور پتا نہیں کیا کیا کہہ کر پکارتا تھا۔ جب کہ کامران سوچتا تھا کہ میں تو مہذب دنیا کا ایک فرد ہوں میرا بھلا ان معاملات سے کیا تعلق۔ لیکن یہ سب ہو چکا تھا اور اب یہاں ان تین افراد کی مدد بے لوث' بے غرض اس کے بعد کہاں جاؤں گا کچھ نہیں پتا سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ایک پراسرار سفر کے بعد اچانک وہ نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ گیا تھا شہری آبادیاں کاریں مکانات اس کا مطلب ہے کہ اسے بڑا طویل سفر طے کرا کر یہاں لایا گیا تھا۔

لیکن مقصد اب بھی نامعلوم تھا۔

دفعتاً کشتی کو جھٹکا لگا اور خیالات کا طلسم ٹوٹ گیا۔ کامران خاموشی کے بھنور سے نکل آیا اور تب شاہری نے کہا۔

''بادبان کھول دوں۔''

''کیوں؟''

''رفتار تیز ہے بادبان اس رفتار کو کنٹرول کرے گا اسی وقت دور سے ایک طاقت ور سرچ لائٹ روشن ہوئی اور اس نے لمحوں میں انہیں اپنی گرفت میں لے لیا یہ لوگ مستعد ہو گئے۔ نشینہ کشتی میں لیٹ گئی سرچ لائٹ کا دائرہ انہیں حصار میں لیے رہا پھر وہ بند ہو گئی۔ غالباً محافظوں کو شک ہوا تھا یہ لوگ ان کی کشتی کا رخ بدلتے دیکھ رہے تھے دفعتاً ہی شاہری کے منہ سے نکلا۔

''روشنی کی رفتار بھی کیا چیز ہے۔ کیا کوئی شے اس سے زیادہ تیز رفتار ہوگی۔''

''خیال۔'' کامران نے کہا۔

''ہاں۔ واقعی یہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔''

''کشتی بہت چھوٹی ہے کیا ہم اس سے ایک طویل سفر طے کر سکیں گے'' نشینہ نے سوال کیا۔

''ہاں۔ کوئی ایسی بات نہیں ہم اپنا سفر طے کر لیں گے۔''

''کیا خیال ہے کیوں نہ ہم لوگ باتیں کریں اس طرح سفر کٹے گا'' نشینہ ہی نے پیش کش کی وہ اپنے باپ کی آغوش میں سر رکھے لیٹی ہوئی تھی۔

''ہاں میں بھی تھوڑی بہت تفصیل جاننا چاہتا ہوں۔ مجھے بھی اپنی جدوجہد کا حال بتاؤ اس طرح سفر کی طوالت بھی آسان ہو جائے گی اور ہم سب آنے والے واقعات کے لیے ہوشیار بھی رہیں گے۔ تاریک رات خاموشی اور آسانی سے نہیں گزر سکے گی۔ بہتر ہے تم لوگ مجھے اپنے بارے میں تفصیل بتاؤ۔''

''میں بتاتا ہوں تمہیں میرے نوجوان دوست۔ کیونکہ تم ہمارے محسن ہو اور محسن کی کوئی بھی خواہش بس یوں سمجھ لو کہ ایمان کا درجہ رکھتی ہے۔ انسانی ہوس' دولت کی خواہش نفس کی بے راہ روی نے انسان سے سب کچھ چھین لیا ہے میں سیزان کے بارے میں تمہیں بتاؤں۔ اتنا کچھ موجود ہے اس کے پاس کہ اس کی نسلیں ختم کرنا چاہیں تو ختم نہیں کر سکیں گی سیزان کو کہیں سے ایک دستاویز مل گئی۔ یہ دستاویز اسے کسی سیاح کی لاش کے پاس سے دستیاب ہوئی تھی وہ اس عظیم خزانے کو حاصل کرنا چاہتا تھا جس کے حصول میں ناکام ہو کر وہ نیم دیوانہ ہو گیا ہے۔

بہرحال کوئی پراسرار خزانہ اس نقشے پر بنا ہوا تھا میری بدنصیبی کہ میں ایک ماہر تحریری کی حیثیت سے مشہور تھا۔ میں دنیا کی جدید و قدیم اشاراتی زبان کو پڑھنے کا ماہر سمجھا جاتا ہوں۔ بڑے بڑے لوگ مجھ سے رجوع کرتے ہیں۔ لیکن یقین کرو میں صرف وہی کہانیاں انہیں سناتا ہوں جو دنیا کے لیے بے ضرر ہوں۔ بھلا مجھے کیا پڑی ہے کہ میں کسی خزانے کا نقشہ بتا کر ہلاکت میں ڈالوں سو میں نے اس نقشے کا حال بھی سیزان کو نہیں بتایا اور سیزان مجھ پر تشدد پر آمادہ ہو گیا۔ سیزان نے اس سلسلے میں بہت سے لوگوں کو قتل کیا اس نے مجھے طرح طرح کے لالچ دیے۔ لیکن میں اپنے موقف پر قائم تھا میں نے وہ دستاویز ہی غائب کر دی اور ان سے کہا کہ اب وہ میرے پاس نہیں ہے۔ اگر اس کی دوسری کاپی ان کے پاس ہو تو وہ مجھے لا کر دیں۔ میں کوشش کروں گا کہ پوشیدہ تحریر پڑھ کر انہیں سنا دوں۔

لیکن ظاہر ہے سیزان احمق نہیں تھا اس نے سخت گیری کا مظاہرہ کیا اور مجھے میری بیٹی کے ساتھ اغوا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن نشینہ اپنی ذہانت سے اس کے جال سے نکل گئی اور چھپ گئی۔ وہ لوگ اسے تلاش نہیں کر سکے اور مجھے اغوا کر کے ایک طویل سفر طے کرا کے مجھے اپنے گھر لے گئے اور اس کے بعد انہوں نے مجھ پر تشدد شروع کر دیا نشینہ اپنے منگیتر شاہری سے ملی اور اس نے اس سے درخواست کی کہ وہ میرے حصول کے لیے کوشش کرے اور بے چارہ وہ جو بالکل ہی ایک الگ لائن کا آدمی تھا میری تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ یہ میری کہانی ہے جس میں سے کچھ میرے علم میں ہے اور کچھ میں نے تصور کیا ہے اور اب شاہری اور نشینہ اپنے بارے میں بتائیں گے۔''

''ہاں نشینہ کا دکھ میرے لیے زندگی کا سب سے بڑا دکھ تھا مجھے جب یہ تفصیل معلوم ہوئی تو میں نہ جانے کہاں کہاں مارا مارا پھرتا رہا یہ بات تو مجھے پتا چل گئی تھی کہ سلازار کو اغوا کرنے والا سیزان اور تہاری ہی ہے۔ بہرحال اس کے بعد میں تہاری تک پہنچ گیا اور تہاری نے مجھے اپنے گھر میں ملازم رکھ لیا۔ اس سے بہتر موقع اور مجھے کہاں مل سکتا تھا میں نے نشینہ کو پوشیدہ طور پر اپنے پاس بلایا اور اس سے وعدہ کیا کہ جونہی مجھے سلازار کے بارے میں تفصیل معلوم ہوگی۔ میں نہ صرف اس کے حصول کی کوشش کروں گا بلکہ نشینہ کو اس سے ملانے کی بھی کوشش کروں گا۔ اور آخر کار میں معلومات حاصل کرتا رہا۔ بس اتنی سی کہانی ہے اس رات جب میں نشینہ کو لے کر سلازار کے پاس پہنچا اور کیا بتاؤں میں کہ میں نے اس کے لیے کتنی سخت جدوجہد کی تھی پھر اچانک ہمارا دوست کامران ہمارے درمیان آ گیا بس تقدیر عجیب چیز ہوتی ہے۔ ہمارے تصور میں بھی نہیں تھا کہ کامران ہمارے لیے اس قدر کارآمد ثابت ہوگا۔''

''واقعی...... بڑی عجیب بات ہے خیر میں تمہیں ایک بات بتاؤں سیزان کی نسبت تہاری اتنا برا انسان نہیں ہے میں اس کے اہم کام سرانجام دیتا تھا کچھ ایسے کام بھی جو سیزان کے علم میں نہ ہوتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تہاری کا ذہن جرم کی طرف مائل تھا۔ وہ مالی طور پر اندر سے کھوکھلے ہو چکے تھے۔ تہاری کے

ساتھ بہت سے مسئلے لگے ہوئے تھے مجھے مختلف کاموں سے مختلف لوگوں کے پاس بھیجا جاتا تھا چنانچہ ان میں سے ایک شخص جو تمہاری کا دست راست تھا میں نے اس سے دوستی گانٹھ لی اسے بہت سے تحفے دیئے اس سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ یہ شخص میرے کام کا ثابت ہو سکتا ہے اور اس کے بعد اسی نے مجھے ٹھیکیدار سے ملایا تھا۔ ٹھیکیدار کو بہتر معاوضہ دے کر اس نے یہاں سے مجھے فرار کے راستے بتائے اور اس دریا کے ذریعے سفر کر کے ہمیں بحیرہ اسود کے سنگم کے قریب اسمگلروں کی آبادی تک پہنچنا ہے اسمگلر معقول معاوضہ لے کر ہمیں ایک اور جگہ پہنچا سکتے ہیں۔ جہاں سے ہم ایک محفوظ سفر طے کر کے ایک ایسی جگہ پہنچ سکتے ہیں جو ان کے علم میں نہیں ہے یہاں ایک اور شخص ہمیں ملے گا جو چین سے تعلق رکھتا ہے اور روحانی پیشوا ہے اس کے پاس پہنچ جانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم سیزان کو للکار سکتے ہیں اور اس سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم یہاں موجود ہیں۔ ہمت ہے تو آئے اور ہمارا کچھ بگاڑ سکتا ہے۔ تو بگاڑ لے۔

’’واقعی بڑی عجیب داستان ہے۔‘‘

’’ہاں۔‘‘

’’لیکن ایک تجربے کے ساتھ۔‘‘

’’وہ کیا؟‘‘

’’ایسے لوگوں پر کبھی اعتبار مت کرو جو صرف دولت کے دوست ہوں جیسے ٹھیکیدار۔‘‘

’’مگر وہ پتا نہیں کہاں مر گیا۔‘‘

’’ارے تمہیں ابھی تک نہیں پتا لالچ موت کی سمت لے جاتا ہے تم نے یہ نہیں سوچا کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ آخر کہاں چلا گیا ہو گا۔ شاید یہ تمہاری خوش قسمتی ہے کہ اس نے اپنے خادم کو تیاریوں کی ہدایت دے دی تھی ورنہ شاید تم اس وقت اس کشتی میں سفر نہ کر رہے ہوتے۔‘‘

’’کیوں؟‘‘ شاہری حیرت سے بولا۔

’’کیا تمہیں معلوم ہے کہ ٹھیکیدار اپنی بیوی کے ساتھ کہاں چلا گیا‘‘ نشینہ نے بے اختیار پوچھا۔

’’ہاں مجھے معلوم ہے اور ممکن ہے اب تک دوسروں کو بھی معلوم ہو چکا ہو۔ کیونکہ لاشوں کا تعفن کمروں میں پھیل چکا ہوگا‘‘ کامران نے زہریلے لہجے میں کہا اور وہ لوگ چند منٹ تک تو اس کی بات کا مطلب نہیں سمجھ پائے لیکن جب ان کی سمجھ میں آیا تو وہ اچھل پڑے۔

’’لاشیں...... تعفن۔‘‘ نشینہ حیرانی سے بولی۔

’’ہاں۔ ایک لالچی شخص جو معاوضہ لے کر ہر شخص کے لئے کام کرنے پر تیار ہو جاتا ہے قابل اعتبار نہیں ہوتا۔‘‘ کامران نے ان لوگوں کو تمام تفصیل بتائی اور ان کے سانس رک گئے وہ سکتے کے سے عالم میں کامران کو گھورتے رہ گئے تھے۔

سیزان انتہائی خطرناک آدمی تھا‘ یہی کیفیت اس کے دست راست تمہاری کی تھی۔ بوڑھے سلازار نشینہ اور شاہری کو ان لوگوں کے جنگل سے نکال کر کامران کو خوشی ہوئی تھی۔ سیزان اپنے مقصد کے حصول کے لئے جس طرح سلازار پر مظالم کر رہا تھا ان سے یہ ذہین اور قابل شخص زیادہ دیر زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ نشینہ بھی

قابل رحم تھی جو اپنے باپ کو بے پناہ چاہتی تھی۔ بہر حال اسے خوشی تھی کہ وہ ان لوگوں کے کام آیا تھا اور آخر کار اس وقت وہ آزادی سے سفر کر رہے تھے ٹھیکیدار کی موت کی کہانی نے ان تینوں کو ششدر کر دیا تھا اور وہ ابھی تک سحر زدہ تھے پھر بوڑھے سلازار نے کہا۔

’’تم نے اپنا نام کامران بتایا ہے نا!‘‘

کامران چونک کر بوڑھے کو دیکھنے لگا تو اس نے جلدی سے کہا۔

’’نہیں۔ میں اس نام پر شک نہیں کر رہا۔ کامران تم سے میں ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔‘‘

’’جی؟‘‘

’’جتنی جدوجہد تم نے میری زندگی کے لئے کی ہے اور جس طرح کسی عمل کی پروا کئے بغیر تم نے میری رہائی کے راستے صاف کئے ہیں میں تمہیں اس کا کیا صلہ دوں گا۔‘‘

’’کیا صلہ دے سکتے ہیں آپ؟‘‘ کامران نے کہا۔

’’ابھی تو سوچ رہا ہوں۔ اچھا ایک بات بتاؤ۔‘‘ سلازار بولا نشینہ اور شاہیری بھی ان کی طرف متوجہ تھے۔ انہیں یہ بھی احساس تھا کہ ان کا محسن کہیں بزرگ سلازار کی بات کا برا نہ مان جائے۔ کامران سوالیہ نگاہوں سے بوڑھے کو دیکھ رہا تھا تب سلازار نے کہا۔ ’’کیا خزانہ تمہارے لئے بھی دلچسپی کا باعث ہے؟‘‘

’’نہیں۔ اپنے بارے میں آپ کو کچھ بتاؤں تو آپ حیران رہ جائیں گے۔‘‘ کامران کے لہجے میں تلخی گھل گئی۔

’’کاش تم اس پر آمادہ ہو جاؤ۔‘‘

’’میں بھی آپ سے اس کی فرمائش کروں گی‘‘ نشینہ نے بے اختیار کہا۔

بہت سی انسانی کمزوریوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک انسانی کمزوری ہے اپنی ذات میں چھپے ہوئے طوفان کو ہمیشہ ہی راستوں کی تلاش ہوتی ہے بس سمندری طوفان ہوا کے چند جھونکوں سے بے لگام ہو کر مچل جاتے ہیں اور دلوں میں چھپے ہوئے طوفان ایک ایسی ہم درد نگاہ کی تلاش میں بھٹکتے ہیں جو دل کی گہرائیوں میں اپنی جگہ بنا لے اور اس کے بعد اندر کی آوازیں بے چین ہو جاتی ہیں۔ کامران اپنوں کو کھو بیٹھا تھا۔ بے شمار خواہشوں میں گھرا ہوا‘ لیکن اس طرح دنیا کو دیکھنے والا کہ کسی کی نگاہ میں اپنے لئے وہ جگہ نہ پا سکے جو اندر چھپے ہوئے طوفان کو متحرک کر دیتی ہے۔ اس وقت نشینہ‘ شاہیری اور سلازار بہتے دریا میں اس کشتی میں اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے اور کچھ اس طرح اس کے بارے میں جاننے کے خواہش مند نظر آ رہے تھے کہ اس کے دل میں بے اختیار انہیں اپنے بارے میں بتانے کی آرزو مچلنے لگی اور پھر ذہن کو ماضی کی طرف چھلانگ لگانے سے کون روک سکتا تھا وہ گھر جہاں ایک ایک کر کے اپنوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ لے دے کر ایک بہن رہ گئی تھی جسے بڑی چاہت سے پیا کے گھر روانہ کر دیا تھا اس نے۔ لیکن اس کے بعد اس کے بدکردار بہنوئی نے اس سے آخری نایاب موتی بھی چھین لیا۔ اس کی بہن کو قتل کر دیا گیا۔ تب اس نے سوچا کہ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔ کچھ تقدیر نے چھین لیا‘ کچھ دنیا نے۔ اسے دینے والا کوئی نہیں ہے اس کا کوئی نہیں۔

سب چھیننے والے ہیں ذہنی بحران نے شدت اختیار کی تو بہنوئی کی زندگی چھیننے کے لئے نکل پڑا اور جب مسجد کے سامنے سے گزر رہا تھا تو اللہ کا حکم صادر ہوا۔ اللہ اسے کسی انسان کی زندگی لینے کا گناہ گار نہیں بنانا چاہتا تھا۔ حاجی الیاس ملے جنہوں نے اسے زندگی کے دوسرے راستے دکھائے۔ لمحے تصویر بنتے چلے گئے اور یہ تصویریں زبان سے متحرک ہونے لگیں حاجی الیاس نے مجھے اپنے بھائی کرنل گل نواز کے پاس بھیجا اور وہاں مجھے زندگی نظر آئی وہاں کے ماحول نے مجھے جینے کا حوصلہ دیا۔ کرنل صاحب نے مجھے اتنا قریب کرلیا کہ میری تنہائیاں دور ہوگئیں ان کا بیٹا شاہ نواز بیٹیاں اور یہاں سے ملنے والے دوسرے بہت سے کردار میرے ارد گرد پھیل گئے۔ میں ماضی کو فراموش کرنے میں کامیاب ہوگیا اور اس کے بعد کچھ پراسرار واقعات نے میری زندگی میں نئے گل کھلا دیے۔ میں اس وقت تبت اور سنکیانگ کی وادیوں میں بھٹک رہا تھا کہ تبدیلیاں رونما ہوئیں زخمی ہوکر نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ گیا اور جب ہوش و حواس قائم ہوئے تو وہاں تھا جہاں سے تم لوگوں کو لے کر یہاں تک پہنچا۔ کامران نے ماضی کا حساب کتاب پورا کردیا اور چونک کر اپنے سامنے بیٹھے ہوئے ان لوگوں کو دیکھنے لگا جو اس کے لئے شناسا تھے۔ سلازار کے چہرے کی چمک بتاتی تھی کہ کچھ نئی چیزوں سے آشنا ہوا ہے کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر نشیبہ کی آواز ابھری۔

”کیا ہی دلچسپ بات ہے ہماری تقدیر سے ایسی ہی کہانیاں چھپی ہوئی ہیں کہیں نہ کہیں سے کسی نئی کہانی کا آغاز ہوجاتا ہے۔“ سلازار نشیبہ کو دیکھنے لگا پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

”تم سے ایک سوال کروں بیٹے سچا جواب دو گے“

”ہاں۔ میری خود دلی آرزو ہے کہ میں سچ کے کچھ رشتے قائم کروں جو چھوڑ آیا ہوں اسے کیسے پاسکوں گا۔ یہ نہیں جانتا۔“

”میں جانتا ہوں۔“ سلازار کی پراسرار آواز ابھری اور کامران چونک کر سلازار کو دیکھنے لگا۔

”آپ۔“

”ہاں“

”کیسے؟“

”بس بیٹے ابھی نشیبہ نے کچھ الفاظ کہے تھے۔ بات صحیح ہے ہماری زندگی سے بھی کچھ ایسے ہی واقعات منسلک ہیں لیکن میں تمہیں بتاؤں کہ خزانے انسان کی اپنی ذات میں پوشیدہ ہوتے ہیں۔ کوئی چھوٹا سا عمل تمہیں خوشیوں کا وہ خزانہ دے سکتا ہے جو تمہاری زندگی کو سیراب کردے۔ اپنی زندگی داؤ پر لگا کر سونے کے ڈھیر اور چمکتے ہوئے پتھر حاصل کرنا حماقت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ مالک دو جہاں نے زندگی کے جو سانس تمہیں عطا کیے ہیں۔ ان سے بڑا خزانہ اس کائنات میں کہیں نہیں ہے اور ان سانسوں کو خوش گوار بنانے کے لئے نہ سونا ضروری ہوتا ہے اور نہ ہیرے۔ خوشیاں تو اپنے اندر سے ابھرتی ہیں اور ان خوشیوں کے حصول کے لیے تمہیں اپنے چھوٹے چھوٹے کام کرنا ہوتے ہیں بس فیصلہ کرنا ضروری ہے۔“ کامران ان الفاظ پر غور کرنے لگا یہ اندازہ تو اسے ہوتا جا رہا تھا کہ یہ لوگ وہ ہیں جن کے اندر سچائی پلتی ہے پھر اس کے بعد اس موضوع میں اتنی دل کشی پیدا ہوئی کہ سبھی اس میں کھو گئے۔ کشتی کی رفتار خوب تیز ہوگئی تھی اور یہ لوگ باتوں

میں الجھے ہونے کی وجہ سے ماحول سے بے خبر ہوگئے تھے رات کی تاریکیوں میں دریا کے شور کے علاوہ اور کوئی آواز نہیں تھی اگر کوئی آواز تھی تو ان کی یہ پراسرار کہانیاں جو ایک انوکھا سحر بن گئی تھیں اور وہ سب اس سحر میں اس طرح کھو گئے تھے کہ سفر، راستوں کا کوئی احساس نہیں رہا تھا سلازار نے کہا۔

”ہمارا یہ سفر زیادہ طویل نہیں ہوگا۔ ہمیں کچھ وقت کے بعد دریا کے کنارے درختوں کا ایک ایسا جھنڈ نظر آئے گا جو مور کے پھیلے ہوئے پروں کی طرح نظر آتا ہے اس جھنڈ کو عبور کرکے ہی ہمیں اپنی کشتی کو کنارے کی سمت لانا ہوگا اور اس کی رفتار سست کرنا ہوگی تاکہ ہم ساحل پر اتر سکیں۔ اچانک ہی نشیبہ چونک پڑی۔ اس کے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکل گئی اور سب اسے دیکھنے لگے۔

”کیا بات ہے نشیبہ۔ کچھ ہوا۔“

”وہ جگہ تو کافی پیچھے رہ گئی ہے جہاں درختوں کا ایک جھنڈ کچھ اس ترتیب سے تھا کہ مور کے پھیلے ہوئے پر محسوس ہوتے تھے۔“

”کیا واقعی؟“ سلازار اچھل پڑا۔

”ہاں چونکہ ایسے کسی نشان کا تذکرہ میرے سامنے نہیں ہوا تھا اس لئے میں اس کے بارے میں بتا نہیں سکی۔“

”وہ جگہ کتنی پیچھے رہ گئی“ سلازار نے پوچھا۔

”کافی پیچھے“ اچانک ہی کامران کی آواز ابھری۔

”کشتی کی رفتار حیرت انگیز حد تک تیز نہیں ہوتی جارہی۔“

”میرے خدا! میرے خدا! میرے خدا!“ سلازار کا لہجہ خوف میں ڈوبا ہوا تھا۔

”کیا ہوا ضرور کوئی خاص بات ہے پاپا۔“ نشیبہ بھی وحشت زدہ ہوگئی۔

”ہاں ہمارا یہ سفر بہت تیز رفتاری سے طے ہوا ہے اور ہم باتوں میں ایسے الجھے کہ راستے کا خیال ہی نہ رہا یہ رفتار بتاتی ہے کہ ہم دریا کے آخری سرے کی طرف بڑھ رہے ہیں جہاں یہ دریا سمندر میں جا گرتا ہے۔“

”اوہ میرے خدا کشتی کی رفتار مسلسل بڑھتی ہی جارہی ہے“ نشیبہ کے حلق سے چیخ نکل گئی شاہیری نے آہستہ سے کہا۔

”زندگی بچانے کی جدوجہد شروع کردینی چاہیے ورنہ جہاں دریا سمندر میں گرتے ہیں وہاں زندگی نہیں بچتی پانی کا تیز بہاؤ گہرائیوں میں لے جاتا ہے اور ان گہرائیوں سے کوئی شے اوپر نہیں ابھرتی۔“

”کشتی کو دریا کے بہاؤ کے خلاف چلانا مشکل ہے میرا خیال ہے ہمیں انجن اسٹارٹ کرو بنا چاہیے اور اس کے ساتھ ہی اپنی جسمانی قوت کشتی کا رخ موڑنے میں استعمال کرنی چاہیے جلد جلدی۔ جلدی کرو“ اور اس کے بعد ہر شخص نے چپو سنبھال لئے اور کشتی کا رخ موڑنے کی کوشش شروع ہوگئی سلازار کشتی کے انجن کو جگانے میں مصروف ہوگیا کشتی پانی کی مخالف لہروں کا مقابلہ کرتے ہوئے ڈولنے لگی، سلازار اپنی کوششوں میں مصروف تھا اس نے روتی ہوئی آواز میں کہا۔

”خدا غارت کرے۔ پتا نہیں وہ کس کے لئے جدوجہد کر رہا تھا“ کامران نے سوال کر ڈالا۔

''کیوں؟ کیا بات ہے۔''

''کشتی کا انجن پرانا اور ناکارہ ہے اسٹارٹ ہی نہیں ہو رہا۔'' وہ بے چین لہجے میں بولا۔

''کشتی کو مخالف سمت چلانے کی کوشش خطرناک ہو سکتی ہے لہریں اور ان کا خوف ناک بہاؤ اسے الٹ دے گا۔''

''کیا کروں۔ یہ انجن اسٹارٹ ہی نہیں ہو رہا۔''

''میرا خیال ہے ہمیں بادبان کا رخ بدل دینا چاہیے اسے مخالف سمت موڑ دیا جائے تاکہ کشتی کی رفتار سست ہو جائے۔''

کامران پتا نہیں کیسے ذہانت کا مظاہرہ کر رہا تھا حالانکہ اسے ایسے کسی سفر کا کوئی تجربہ نہیں تھا بس اس وقت ہوش و حواس کو قابو میں رکھنے سے ہی کام بن سکتا تھا بہرحال وہ سب پوری محنت اور تن دہی سے یہ کام کر رہے تھے انتہائی مشکل پیش آئی بادبانوں کو ہوا کے مخالف سمت میں تاننے میں' لیکن کشتی کی رفتار میں کچھ کمی واقع ہو گئی' البتہ اب اسے مسلسل جھٹکے لگ رہے تھے اور یہ خوف دامن گیر ہو گیا تھا کہ کسی بھی لمحے وہ الٹ جائے گی باقی کام چپوؤں سے لیا جا رہا تھا اور یہ بھی انتہائی مشکل کام تھا موسم بالکل ٹھنڈا تھا اور ان کے جسم پسینوں سے تر ہونے لگے تھے دفعتاً ہی نشینہ نے کہا۔

''مجھے ڈر لگ رہا ہے کیوں نہ ہم ایک کام کریں۔''

''کیا؟''

''ہم کسی طرح ایک دوسرے سے منسلک ہو جائیں تاکہ اگر کشتی الٹ جائے اور ہم پانی میں گریں تو الگ الگ نہ ہو جائیں۔ مجھے تنہا موت سے خوف محسوس ہو رہا ہے۔''

''ہم بچ جائیں گے نشینہ ڈرو نہیں'' شاہیری کی آواز ابھری لیکن یہ بات صاف ظاہر ہو رہی تھی کہ اسے خود بھی زندہ بچ جانے کا یقین نہیں ہے نشینہ نے لرزتی آواز میں کہا۔

''مشکل ہے اب بہت مشکل ہے شاہیری۔''

''ہمت نہ ہارو، ہمت مت ہارو۔'' شاہیری آہستہ سے بولا صورتحال واقعی سنجیدہ ہو گئی تھی سلازار نے کہا۔

''ویسے نشینہ کی تجویز بری نہیں ہے۔ کشتی جس طرح ہچکولے کھا رہی ہے ہم میں سے کوئی اچھل کر دریا میں گر سکتا ہے اگر ہم ایک دوسرے سے منسلک ہو جائیں تو بہتر رہے گا' یہ کہہ کر سلازار اپنی جگہ سے اٹھا۔ کشتی کے کنارے کو پکڑ کر اپنے پاؤں جماتے ہوئے وہ آگے بڑھا تھ سے رسی کا ایک لچھا اٹھایا اور اسے کھول کر پھندے بنانے لگا اس نے ایک پھندا اپنی کمر سے کسا۔ دوسرا نشینہ کی کمر میں ڈال دیا' تیسرا اس نے شاہیری کی کمر میں باندھا اور اسے مضبوط کرنے کے بعد چوتھا پھندا تیار کرنے لگا لیکن کامران نے دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

''نہیں۔ میرے اور تم تینوں کے درمیان صرف زندگی کا رشتہ ہے موت میں تمہارے ساتھ شرکت نہیں کروں گا۔'' نہ جانے کس طرح یہ انوکھے الفاظ کامران کے منہ سے نکلے اور سلازار کے ہاتھ رک گئے پھر

اچانک ایک ہولناک آواز آئی اور کشتی کا بادبان پھٹ گیا کشتی پوری قوت سے گھوم گئی۔ سلازار چونکہ کھڑا ہوا تھا اس لیے وہ ہوا میں اچھلا اور پانی میں جا پڑا۔ بالکل وہی ہوا تھا جس کی پیشن گوئی اس نے ایک لمحہ قبل کی تھی۔ نشینہ اور شاہیری کے حلق سے دل خراش چیخیں نکلنے لگیں وہ خود بھی اس طرح ایک دوسرے میں الجھ گئے تھے لیکن اس وقت چند لمحات پہلے کی جانے والی کاوش بڑی کارآمد رہی تھی۔ کامران نے رسی پکڑی اور سلازار کو واپس کشتی پر کھینچ لیا وہ پانی میں شرابور اندر آ گرا کشتی مسلسل چکرا رہی تھی اور وہ اس کے ساتھ ساتھ گھوم رہے تھے کامران نے پوری پوری جسمانی قوت صرف کر کے بادبان کی تکلی گرائی اور کشتی کو ایک بار پھر یکساں رخ مل گیا۔ لیکن ظاہر ہے اب اس کا رخ پانی کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ ہی تھا وہ پھر اسی رفتار سے آگے بڑھنے لگی۔ ان کے پاس کوئی تدبیر نہیں رہی تھی۔ وہ سہمے ہوئے کبوتروں کی طرح گم صم پڑے ہوئے تھے' کامران نے چپوار سنبھالے اور کشتی کو ایک رخ پر کاٹنے لگا' چونکہ وہ صرف ایک سمت کا چپوار چلا تھا اس لیے کشتی آہستہ آہستہ اسی سمت کٹتی جا رہی تھی' حالانکہ کامران کی کاوش تنہا ہی تھی لیکن اس سے فائدہ ہو رہا تھا اور فائدہ یہ ہوا تھا کہ کشتی اب دریا کے چوڑے پاٹ میں بہنے کے بجائے تھوڑی تھوڑی کنارے کی طرف ہٹ رہی تھی۔ اس نے اپنی یہ کوشش کارگر ہوتے دیکھ کر ایک اور عمل کیا۔ رسی کے دوسرے لچھے کو اٹھا کر اس نے اس کا سرا تلاش کیا اور اسے چپوار کے فولادی کنڈے سے باندھنے لگا پھر پوری رسی کھول کر دوسرا سرا اپنی کمر سے کس لیا اس کے بعد وہ بہ دستور چپوار چلاتا رہا۔

اسے احساس ہوا کہ وہ لوگ۔ بے سدھ ہو گئے ہیں اور آنکھیں بند کیے ہوئے پڑے ہیں ایک انوکھی کیفیت ان پر طاری تھی۔ کامران کو ایک۔ اور انوکھا تجربہ ہوا وہ یہ کہ موت کا انتظار کس طرح کیا جاتا ہے۔ غالباً انہیں ان کے تجربے نے اب یہ بتا دیا تھا کہ زندگی چند لمحات کی باقی رہ گئی ہے اور آگے تھوڑے فاصلے پر موت منہ کھولے کھڑی ہے۔ اچانک کامران نے محسوس کیا کہ ایک بھیانک شور اٹھ رہا ہے۔ ایسی گڑگڑاہٹ جیسے بادل گرج رہے ہوں۔ تجربہ نہیں تھا لیکن اب آہستہ آہستہ بات سمجھ میں آ رہی تھی وہ جگہ قریب آتی جا رہی تھی جہاں دریا سمندر میں گر رہا تھا اور یہ آواز دریا سمندر میں گرنے کی گڑگڑاہٹ تھی۔ صورتحال بہت نازک ہو گئی تھی وہ جگہ اب زیادہ دور نہیں رہی تھی جہاں دریا سمندر میں گر رہا تھا کشتی اگر وہاں تک پہنچ گئی تو اس کا نام و نشان نہیں ملے گا۔ سلازار اور شاہیری وغیرہ بھی اس آواز سے صورتحال کو سمجھ گئے تھے ان کے حلق سے ہلکی ہلکی آوازیں نکل رہی تھیں لیکن یہ بے معنی آوازیں تھیں اور ان کا کوئی مقصد نہیں تھا۔ مضبوط رسی کے سرے کو کامران نے اس قدر کس کر چپوار کے ساتھ باندھا تھا کہ اس کے کھلنے کا امکان نہ رہے۔ دوسرے سرے کو اس نے اپنی کمر کے گرد لپیٹ کر گرہ دے لی تھی۔ کشتی کو اس نے جس مشقت کے ساتھ دریا کے کنارے کی طرف کاٹا تھا اس کے نتائج کا اسے اندازہ تھا پھر اس کے یقین کی تصدیق ہو گئی۔ تاریکی کے باوجود وہ سیاہ لکیر نظر آ رہی تھی جو بہت زیادہ فاصلے پر نہیں تھی کامران کے بدن میں بجلیاں دوڑ گئیں اسے یوں لگا جیسے اس کے اندر کچھ اور قوتیں مصروف کار ہوں اور اس کا ساتھ دے رہی ہوں۔ چپوار پوری قوت کے ساتھ چل رہا تھا لیکن اب پانی کی سرکشی بھی عروج پر پہنچ گئی تھی اور گرتا ہوا دریا پوری قوت سے کشتی کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا پھر ایک کڑاکے سے چپوار کا ڈنڈا درمیان سے ٹوٹ گیا' لیکن کامران نے اس کی پروا نہ کی اور چپوار کے ٹوٹتے ہی دریا

میں چھلانگ لگادی اپنے پیچھے اس نے چیخوں کی آوازیں سنی تھیں ۔ کامران کے وجود میں نہ جانے کہاں سے غیر معمولی قوتیں سرایت کرگئی تھیں ۔ اس کا اسے خود اندازہ نہیں تھا اب وہ سب کچھ بھول چکا تھا اس کے دل میں کسی کی مدد کا اب خیال نہیں تھا' بس وہ اس طوفانی بہاؤ سے جنگ کررہا تھا کس کے لئے' اسے اس کا احساس بھی نہیں تھا ۔ وہ صرف عمل کررہا تھا' تین انسانوں کے وزن سے لدی ہوئی کشتی اور پانی کی طاقت جس سے اس کی کش مکش جاری تھی اسے کنارہ درکار تھا اور کنارہ آخر کار اسے مل گیا ۔ دریا میں جھکے ہوئے درختوں کی شاخوں میں سے ایک شاخ اس کی گرفت میں آئی اور کامران نے اسے پوری قوت سے پکڑ کر آگے بڑھا درخت نے اس سے کہا کہ وہ تو برسوں سے اس طوفانی بہاؤ سے لڑرہا ہے ۔ پانی کا یہ بہاؤ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکا اور اس نے کامران کو مدد کی پیش کش کی اور کہا کہ تو میرا سہارا قبول کرکے اسے شکست دے ۔ کامران نے شاخ چھوڑے بغیر زمین پر قدم جمائے پھر شاخ ہی کے سہارے سے آگے بڑھا اور درخت کے تنے تک پہنچ گیا اس شدید مشقت نے اس کی عقل پر کوئی اثر نہیں ڈالا تھا' چنانچہ اس نے درخت کے تنے کے گرد تین چکر لگائے اور خود اپنے قوت سے کشتی کو سنبھالنے سے فارغ ہوگیا ۔ درخت کے مضبوط تنے نے کشتی کو سنبھال لیا اور وہ جلدی سے سامنے آگیا' پھر اس نے اسی حیوانی قوت کے ساتھ کشتی کو کھینچنا شروع کردیا اور کشتی ساحل پر آگئی ۔ یہ کسی ایک انسان کا کام نہیں تھا ۔ کامران اب بھی یہی محسوس کررہا تھا کہ اس کے اندر کچھ پراسرار قوتیں مصروف عمل ہیں' یہاں تک کہ کشتی خشکی پر آگئی اور کامران نے اس کو اوپر کھینچ لیا کشتی کے اندر موجود تینوں افراد زندہ تھے اور ہوش وخرد سے عاری نہیں ہوئے تھے وہ دیکھ چکے تھے کہ زندگی اور موت کی جنگ میں زندگی کی شکل دیکھی ۔ انہوں نے اس سے باہر چھلانگ لگادی ان کے حلق سے خوشی سے چیخیں نکل رہی تھیں ۔ وہ فوراً اٹھے اور اندھا دھند بھاگنے لگے لیکن زمین پر بکھری چھوٹی چھوٹی شاخوں سے الجھ کر پھر گر پڑے اور اب وہ زخمی کبوتروں کی طرح جھاڑیوں میں پڑے ہانپ رہے تھے کامران نے ان کا جائزہ لیا اور اپنی کمر سے رسی کھولنے لگا ۔ پھر وہ بھی ایک درخت کے تنے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا ۔ پانی کی ہولناک گرج کانوں کے پردے پھاڑے دے رہی تھی! لیکن اس وقت کچھ بھی برا نہیں لگ رہا تھا ۔ زندگی ان تمام چھوٹی چھوٹی اذیتوں سے کہیں زیادہ قیمتی تھی ۔ سب سے پہلے سلازار نے اپنے آپ کو سنبھالا اور کامران کے قریب آکر بولا ۔

"کیا تم زخمی ہو؟"

"نہیں"

"آں ۔ ہم واقعی بچ گئے ۔"

"تو اب ہم کیا کریں؟"

"کشتی محفوظ ہے اسے سنبھالنا چاہیے ۔"

"لیکن ہمارے جسموں میں اتنی قوت نہیں ہے اگر ہم صبح کا انتظار کرلیں تو اس دوران اعصابی کشیدگی بھی کم ہوجائے گی ۔"

"جیسا تم پسند کرو ۔" کامران نے کہا ۔

"کچھ وقت آرام کرلینا بہتر ہے" سلازار بولا اور واپس نشیبہ اور شاہیری کی طرف چلا گیا صبح کی

روشنی سے پہلے ان میں زندگی کے آثار نظر نہیں آئے تھے صبح جاگنے کے بعد وہ کامران کے بجائے کشتی کی طرف متوجہ ہوگئے اس میں جو کچھ محفوظ کیا تھا وہ باہر نکال لیا اور اس کے پیکٹ بنائے گئے ۔ کھانے پینے کی اشیا بھیگ گئی تھیں لیکن کچھ ایسی بھی تھیں جن پر پانی بے اثر تھا ان سے پیٹ پوجا کی گئی ۔ وہ غیر معمولی طور پر خاموش تھے ۔ آخر کار سلازار نے کہا ۔

"میرا خیال ہے ہم بہتر حالت میں ہیں اب ہمیں یہاں سے چلنا چاہیے ۔"

"ہاں ۔ یہاں رکنے کا کوئی جواز نہیں ہے ۔ یہ خوفناک شور اعصاب شکن ہے وہ سامان اٹھا کر بنڈل اپنے شانوں پر باندھنے لگے تو کامران نے بھی دو بڑے بنڈلوں کی طرف ہاتھ بڑھایا' لیکن سلازار نے ان پر ہاتھ رکھ دیا تھا ۔

"نہیں ۔ میرے دوست ۔ ہمیں اور شرمندہ نہ کرو تم ہمارے لئے دیوتاؤں کی حیثیت اختیار کرچکے ہو' بلکہ ہم تمہیں دیوتاؤں سے بھی بڑا درجہ دینا چاہتے ہیں بس ایسا نہ کرو ۔" کامران کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی اس نے سلازار کی بات کو نظر انداز کرکے وہ وزنی بنڈل اٹھا کر شانوں پر ڈال لئے اور کہا ۔

"نہیں میں دیوتا تو نہیں دوست کا درجہ چاہتا ہوں ۔" سلازار کی آنکھوں میں تشکر کا احساس اُبھر آیا ۔ وہ بولا ۔

"جو کچھ تم نے ہمارے لئے کیا ہے اس پر تبصرہ تک نہیں کیا جاسکتا ہمیں خدشہ تھا کہ تم زخمی نہ ہوگئے ہو ۔ ہم اس کے لئے فکرمند تھے لیکن خدا کا شکر ہے کہ ایسا نہیں ہوا ۔ نشیبہ اور شاہیری کی کیفیت بھی سلازار سے مختلف نہیں تھی' لیکن کامران نے ان تمام باتوں کو نظر انداز کردیا اور ہنس کر بولا ۔

"بڑی اچھی باتیں کررہے ہو تم لوگ آؤ ہم اب آگے بڑھیں ۔"

"میری ایک تجویز ہے ۔" سلازار بولا ۔

"ہاں' بولو کیا؟" کامران نے سوال کیا ۔

"جنگل میں زیادہ دور چلنا مناسب نہیں ہے میرا مطلب ہے کہ ہمیں دریا کا کنارہ نہیں چھوڑنا چاہیے اور اس کے ساتھ ساتھ سفر کرنا چاہیے ۔"

ہاں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمیں ساحل سمندر تک جانا ہے جو آبادی ہمارا اصل مقام ہے وہ ساحل پر ہی آباد ہے اور اسی آبادی سے ہمیں سمندر عبور کرنا ہوگا' یہاں کامران اپنی کوئی تجویز پیش نہیں کرسکتا تھا' کیونکہ اسے بہرحال ان کی رہنمائی میں ہی آگے بڑھنا تھا ۔ ابھی تک یہ بات طے نہیں پائی تھی کہ ان لوگوں کی آزادی کے بعد خود کامران کی منزل کون سی ہوگی ۔ وہ اپنی ڈار سے اتنی دور نکل آیا تھا کہ اسے حیرت ہوتی تھی ۔ دانش اور باقی دوسرے افراد یا کرنل گل نواز اور اس کی ٹیم پتا نہیں اب ان علاقوں میں کیا کررہی ہوگی سارے کردار ہی منتشر ہوگئے تھے گرشک وغیرہ کا بھی کہیں کوئی نشان نہیں تھا کامران یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ کتنا وقت اسے ان لوگوں سے جدا ہوئے گزرا ہے ابھی جب تک کوئی صحیح مقام حاصل نہ ہوجائے وہ اپنے طور پر تو کوئی فیصلہ کرہی نہیں سکتا تھا بہرحال وہ آگے بڑھتے رہے وہ ہولناک گرج ہر قدم کے ساتھ زیادہ ہوتی جارہی تھی اور یہی شور ان کی رہنمائی کررہا تھا ۔ آدھے دن کے سفر کے بعد بالآخر وہ اس جگہ پہنچ گئے جہاں دریا

سمندر میں گر رہا تھا۔ وہاں سے سمندر کوئی ڈیڑھ سو فٹ نیچے تھا اور ڈیڑھ سو فٹ کی بلندی سے سینکڑوں فٹ کی چوڑائی میں بہنے والا دریا جس بھیانک انداز سے نیچے گر رہا تھا وہ بس دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے کچھ لمحوں کے بعد یہ زمین فنا کی منزل میں داخل ہو جائے گی۔ سطح سمندر بلند ہوگی اور پورا جنگل زیر آب آجائے گا۔ پیروں کے نیچے زمین اس طرح لرز رہی تھی جیسے بس تھوڑی دیر کے بعد اس میں بڑے بڑے گڑھے پیدا ہو جائیں گے اور وہ آن کی آن میں سمندر میں داخل ہو جائے گی۔ نشینہ نے پوری قوت سے سلازار کا بازو پکڑا ہوا تھا اس نے کچھ کہا بھی تھا لیکن یہاں انسانی آواز تو بالکل بے مقصد ہو کر رہ گئی تھی۔ یہ جنگل سطح سمندر سے دو سو فٹ کی بلندی پر تھے اور ساحل تک اسی ڈھلان میں پھیلے ہوئے تھے۔ یہ لوگ بلندی پر ہی چلتے رہے اور ڈھلان عبور کرنے کی کوشش نہیں کی۔ شام تک ان کا سفر بلندی پر ہی رہا تھا گھنے درختوں نے آسمان چھپایا ہوا تھا پھر تاریکی ہونے پر یہ اندازہ ہو سکا کہ شام ہو چکی ہے۔ نشینہ نے باپ کے کان سے منہ لگا کر شاید اپنے تھک جانے کا اظہار کیا اور سلازار نے کامران سے کہا۔

"واقعی۔ اب آگے بڑھنے کی سکت نہیں رہی۔ اگر کوئی مشکل نہ ہو تو ہم یہاں قیام کر لیں۔"

"نہیں۔ مشکل کیا ہے وقت ہمارا ہے۔ لمحے ہمارے ہیں۔ کوئی انکار تو نہیں کر رہا۔" کامران نے جواب دیا اور انہوں نے اپنے اپنے بوجھل آثار کر ان کے ڈھیر لگا دیئے پھر ضروری امور سے فراغت حاصل کی جانے لگی سلازار نے کہا۔

"شاہیری کیا کہتے ہو؟ کیا اس بات کے امکانات ہیں کہ ہم اپنی منزل سے دور ہٹ گئے ہوں۔ یعنی وہ آبادی ہمیں آگے نہ مل سکے جہاں ہم کو پہنچنا ہے۔"

"کیوں۔ یہ خیال آپ کے ذہن میں کیوں آیا سلازار۔"

کامران نے سوال کیا۔

"بس۔ مجھے لگ رہا ہے کہ ہم اصل جگہ سے بھٹک گئے ہیں۔"

کوئی مشکل نہیں ہے۔ ہم وہ جگہ تلاش کر لیں گے۔" کامران نے حوصلہ مند لہجے میں کہا پھر بولا۔

"اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ لوگ یہیں قیام کریں اور مجھے اس جگہ کی تلاش کی اجازت دے دیں"

"ارے نہیں۔ تم سے تو ہم ایک لمحہ کی جدائی بھی پسند نہیں کریں گے ہر طرف پھیلی ہوئی موت کے آثار میں تم ہمارے لئے زندگی کا چراغ ہو جو کچھ بھی کریں گے ساتھ ہی کریں گے" نشینہ جلدی سے بولی۔

"جیسی آپ لوگوں کی مرضی۔" اور اس کے بعد سب اس طرح سے بے سدھ ہو کر پڑ گئے جیسے ان میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہ رہی ہو لیکن دوسری صبح ان کی مشکل خود بہ خود حل ہو گئی۔ سورج بلند بھی نہیں ہوا تھا کہ ایک آواز سنائی دی اور سب چونک پڑے ایک۔ لمحے کے لئے صحیح اندازہ نہ ہو سکا کہ آواز کیسی تھی لیکن آواز مسلسل آرہی تھی اور شاید سلازار کے لئے یہ کوئی خوشی کی بات تھی اس نے مسرور لہجے میں کہا۔

"یہ تو کنسو لے معلوم ہوتے ہیں کنسو لے" سلازار کا لہجہ خوشی سے بھرپور تھا۔

"ہاں۔ یہ ان کے سازوں کی آواز ہے۔ یقیناً ان کی آبادی قریب ہی ہے۔" اس کے بعد جیسے سلازار کے اندر نئی زندگی دوڑ گئی وہ تیزی سے سارے کام نمٹانے لگا کامران، شاہیری اور نشینہ بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئے تھے، لیکن کامران کو بھی معلوم نہیں تھا کہ یہ کنسولے کیا چیز ہوتے ہیں، تاہم وہ ان سے تعاون ہی کر رہا تھا اور اس کے بعد سلازار نے کہا۔

"چلو۔ چلو۔ ہمیں دیر نہیں کرنا چاہیے۔" یہ کہہ کر وہ آگے کی جانب چل پڑے وہ آوازیں بہ دستور آرہی تھیں اور جنگل بھیانک آواز سے گونج رہا تھا۔

"یہ لوگ کیا ساز بجا رہے ہیں"

"پتا نہیں مجھے ان کے بارے میں زیادہ معلومات نہیں ہیں ویسے یہ جرائم پیشہ لوگوں کا قبیلہ ہے، سمندری راستوں سے سفر کرتا ہے یہ لوگ ہماری مدد ضرور کریں گے اور ہمیں ہماری منزل تک پہنچا دیں گے لیکن ایک بات ضرور ہے۔ تمہارے ساز و سامان میں سے تمہارے پاس کچھ نہیں بچے گا۔"

سلازار نے کہا اور ہنس پڑا۔ بہر حال اتنی بات کامران کی سمجھ میں آگئی تھی کہ یہ کوئی مجرم قبیلہ ہے، جو لوٹ مار اور اسمگلنگ کرتا ہے اور ان لوگوں کے خیال کے مطابق وہ ان کی مدد کرے گا۔ سفر جاری رہا جنگل سمٹنے لگے تھے۔ درخت چھدرے ہوئے پھر خال خال رہ گئے ڈھلانوں پر بھی بس گھاس اور چٹانیں نظر آرہی تھیں۔ آخر کار وہ عظیم الشان میدان نظر آیا جس کے دوسری طرف کچے مکانوں کی آبادی تھی۔ عظیم الشان میدان میں کوئی کھیل ہو رہا تھا۔ دس بارہ افراد گھوڑوں پر سوار تھے اور ایک دوسرے کا پیچھا کر رہے تھے آگے دوڑنے والے گھڑ سوار کے ہاتھ میں کسی جانور کی کھال تھی اور اندازہ ہو رہا تھا کہ دوسرے اس کھال کو چھیننے کی کوشش کر رہے ہیں ان کے چوڑے ہاتھوں کی کلائیاں خون آلودہ تھیں اور خون کے سرخ سرخ دھبے ان کے لباسوں پر بھی پڑے ہوئے تھے۔

"یہی کنسو لے ہیں" سلازار نے آہستہ سے کہا۔

"لیکن یہ کیا کر رہے ہیں"

"یہ ان کا کھیل ہے اور کنسولا ہی کہلاتا ہے۔" سلازار نے جواب دیا کامران خاموش نگاہوں سے ان کی یہ بھاگ دوڑ دیکھ رہا تھا وہ سبھی تنومند تھے ان کے چہرے دھوپ میں تپ کر تانبے کے رنگ کے ہو گئے تھے اور وہ اچھے خاصے لمبے چوڑے جسموں کے مالک تھے۔ بہر حال گھوڑوں کی پشت پر یہ کھیل بہت دیر تک جاری رہا۔ کھال ایک دوسرے سے چھینی جاتی رہی پھر وہ ایک شہسوار کے ہاتھ لگی اور وہ دوسروں کو ڈاج دیتا ہوا گھوڑا دوڑاتا رہا اس نے اس وسیع میدان کے کئی چکر لگائے اور کوئی شہسوار اس سے کھال نہ چھین سکا میدان کے کنارے بے شمار افراد جمع تھے ان میں سے چند بڑے سائز کے دف بجا رہے تھے۔ نوجوان نے غالباً مطلوبہ چکر پورا کیا تو اچانک ساز بجنا بند ہو گئے اور لوگ شور مچانے لگے وہ رنگین کپڑے اچھال رہے تھے۔

"اف کیا کھیل ہے" کامران کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

"ہاں۔ وحشت اور دیوانگی کا کھیل۔ لیکن یہ کہیں اور سے یہاں پہنچا ہے" سلازار نے کہا۔

"کہاں سے۔" شاہیری بولا۔

"کسی اور علاقے میں یہ کھیل کھیلا جاتا ہے تمہارے خیال میں یہ کیا صرف جانور کی کھال ہو گی؟"

"تو پھر۔"

''تم ان کے جسموں پر پڑے ہوئے خون کے دھبے نہیں دیکھ رہے کچھ دیر پہلے یہ ایک زندہ اور طاقت ور بھیڑ ہوگی کھیل یہی ہوتا ہے ایک زندہ بھیڑ میدان میں چھوڑی جاتی ہے۔ اور پھر یہ جوان اسے زمین سے اٹھا کر بھاگتے ہیں اور اسے ایک دوسرے سے حاصل کرنے کے لئے چھینا جھپٹی کرتے ہیں یہاں تک کہ اس مظلوم بھیڑ کی موت ہو جاتی ہے' جو جوان اسے دوسروں سے بچا کر میدان کا چکر پورے کر لیتا ہے وہ فاتح ہوتا ہے۔ بشرطے کہ کوئی اور اسے چھونے نہ پائے اگر کسی نے اسے ہاتھ لگا لیا تو باقی چکر بے کار ہو جاتے ہیں۔''

''ظالمانہ کھیل ہے'' شہینہ نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

''انسان بہت سنگ دل مخلوق ہے'' شاہیری نے تبصرہ کیا۔ سلازار ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''چلو آگے بڑھیں۔ ہمیں ان کی ضرورت ہے۔ ان سے ملاقات کرنی ہے'' اس کے بعد یہ لوگ ڈھلان عبور کرنے لگے۔ کنسولے خوشیاں منا رہے تھے اچھل کود رہے تھے لیکن انہیں دیکھ کر ایک دم خاموشی طاری ہوگئی تمام نظریں ان کی جانب اٹھ گئی تھیں۔ سلازار نے آہستہ سے کہا۔

''ذرا سی رفتار تیز کرو۔ ہمیں ان کے قریب جلدی پہنچنا چاہیے'' رفتار تیز کر دی گئی اور کچھ دیر کے بعد وہ سب انکے قریب پہنچ گئے انہوں نے دو رویہ ہٹ کر انہیں آگے جانے کا راستہ دیا تھا ان سب نے دیکھ لیا تھا کہ کنسولے کا کوئی سردار بھی ہے جو تخت پر بیٹھا ہوا ہے یہ ایک عمر رسیدہ آدمی تھا اور اپنے لباس سے بہت عجیب نظر آ رہا تھا۔ آخر کار یہ سب اس کے سامنے پہنچ گئے تو سلازار نے اسے خاص انداز میں تعظیم دی اور وہ شخص تخت سے نیچے اتر آیا اس نے ہاتھ بلند کیا اور ساکت لوگوں میں زندگی دوڑ گئی ایک بار پھر شور شرابہ ہونے لگا اس شخص نے کہا۔

''تمہارے انداز سے پتا چلتا ہے کہ تم امن پسند اور معزز لوگ ہو ہم تمہیں مہمان کا درجہ دیتے ہیں آؤ ہمارے پاس بیٹھو میرے بیٹے نے یہ جنگ جیتی ہے ہم سب بہت خوش ہیں تم بھی ہماری خوشی میں شریک ہو جاؤ۔''

''ہماری طرف سے جیت کی مبارک باد قبول کرو'' سلازار نے کہا اور بوڑھے نے پھر ہاتھ اٹھا لیا پھر جیت کی رسم پوری ہونے لگی اور دلچسپ مناظر دیکھے گئے بھیڑوں کا ایک بہت بڑا گلہ ہانک کر میدان میں لے جایا گیا اور ہر شخص قصائی بن گیا۔ کچھ لوگوں نے جیتنے والے جوان کو مالا اور منکے پہنائے اور چاروں طرف بھیڑیں ذبح ہونے لگیں اس کے بعد معمر شخص اپنی جگہ سے اٹھ گیا اس نے انہیں ساتھ آنے کا اشارہ کیا سلازار نے آنکھ کے اشارے سے سب کو پیچھے آنے کے لئے کہا اور اس شخص کے پیچھے چلتے ہوئے ایک ایسی جگہ پر پہنچ گئے جسے سائبان سے ڈھک دیا گیا تھا اس کی چھتوں میں ٹوٹے ہوئے بحری جہازوں کے مڑے ہوئے تختے' رسیاں اور فرنیچر وغیرہ موجود تھا۔ پھر انہیں انتہائی قیمتی لیکن بوسیدہ کرسیاں بیٹھنے کے لئے دی گئیں بوڑھے نے کہا۔

''کہاں سے آئے ہو تم لوگ۔''

''معزز سردار! ہم بہت پریشان حال لوگ ہیں ہمارے دشمنوں نے ہماری موت کا سامان کر دیا تھا چنانچہ جان بچا کر بھاگے ہیں۔ تمہارے پاس امان لینے آئے ہیں۔''

''امان مل جائے گی لیکن تم لوگ جانا کہاں چاہتے ہو؟''

''ہم زلانہ کے رہنے والے ہیں۔ زلانہ جانا چاہتے ہیں اور اگر تم ہمیں سمندر عبور کرا کر زلانہ پہنچا دو تو ہم تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولیں گے۔''

''ہو جائے گا۔ اگر تم اس کے خواہش مند ہو تو میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔ کل ہی تمہیں زلانہ روانہ کر دیا جائے گا آج تم ہمارے مہمان ہو۔''

''معزز سردار! ہم غریب لوگ ہیں ہمیں کیا معاوضہ ادا کرنا ہوگا'' سلازار نے گردن خم کر کے کہا اور بوڑھا مسکرانے لگا۔

''معاوضہ تو اتنا ہوتا کہ تم ادا نہ کر سکتے لیکن آج میرے بیٹے نے فتح حاصل کی ہے اور میں بہت خوش ہوں اس لئے تم سے کوئی معاوضہ نہیں لیا جائے گا'' سلازار خوشی سے تالیاں بجانے لگا تھا۔ پورے میدان میں بھیڑیں بھونی جانے لگیں۔ دھوئیں' گوشت اور چربی کے جلنے کی بو سے فضا عجیب سی کیفیت اختیار کر گئی۔ بعد میں ان لوگوں کے بارے میں مزید معلومات حاصل ہونے لگیں یہ خانہ بدوش تھے اور انکے روابط دوسرے قبائل سے تھے ان کی خرمستیاں دیکھنے کے قابل تھیں۔ ان لوگوں کی بھی بھیڑ کے گوشت سے خاطر تواضع کی گئی۔ رات کو رقص و موسیقی کی محفل بجی۔ سب سردار کے بیٹے کو نذریں دے رہے تھے سلازار نے جو معاوضہ انکے لئے مخصوص کیا تھا وہ نذر کے طور پر پیش کیا گیا۔ سلازار کی لائی ہوئی جنس قیمت اشیا کو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا اور دوستی ذرا اور گہری ہوگئی۔ یہ رات شور شرابے میں گزری' لیکن سلازار بھی غیر مطمئن نہ تھا اور اسے مطمئن دیکھ کر باقی لوگ بھی مطمئن ہو گئے تھے کامران نے البتہ سوال کیا تھا۔

''سمندری سفر کے لئے یہ لوگ کیا بندوبست کریں گے؟ بہ ظاہر تو کچھ نظر نہیں آ رہا۔''

''ہاں۔ بہ ظاہر کچھ نظر نہیں آ رہا' لیکن حقیقت یہ ہے کہ بہت کچھ ہے'' اور سلازار کا کہنا بالکل درست تھا۔ سردار ویسے بھی پرسکون نظر آتا تھا اور اس نے ان لوگوں کے ساتھ پر وقار عمل ہی کیا اور انہیں دوسری ہی صبح ایک شان دار لانچ پیش کی گئی۔ کامران یہ لانچ دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ لانچ تمام تر جدید ضروریات سے آراستہ تھی اور سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ کسی حد تک غیر مہذب اور نیم وحشیوں کی طرح زندگی گزارنے والے یہ لوگ ایسے شان دار وسائل بھی رکھتے ہوں گے لانچ کو چلانے کے لئے بھی انہیں میں سے چند افراد انکے حوالے کر دیے گئے تھے اور اس کے ساتھ ہی کھانے پینے کی متعدد اشیا اور ایسی چیزیں بھی فراہم کر دی گئی تھیں۔ جو زلانہ تک کے سمندری سفر میں ان کے کام آ سکتی تھیں آخر کار انہوں نے انہیں رخصت کیا اور لانچ سمندر کی جھاگ اڑاتی لہروں کے درمیان سفر کرنے لگی پتا نہیں یہ سب کیا ہو رہا تھا؟ منزل کہاں تھی؟ سمندر کے سفر میں کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا' اور سب کچھ مرضی کے مطابق ہی ہو رہا تھا۔ آخر کار وہ منزل پر پہنچ گئے اور تین جگہ قیام کرنے کے بعد ایک ایسی آبادی میں داخل ہو گئے جسے جدید ترین کہا جا سکتا تھا یہی غالباً زلانہ کا علاقہ تھا زلانہ کے اس علاقے میں پہنچ کر سلازار نے اپنے وسائل سے کام لیا۔ اس نے کسی سے رابطہ کیا اور تھوڑی دیر کے بعد ایک شان دار قیمتی کار انہیں لینے کے لئے آ گئی۔ کار کی کھڑکیوں پر پردے پڑے ہوئے تھے جس کی وجہ کامران کی سمجھ میں نہیں آئی اور اس نے دوران سفر یہ بات پوچھ ہی لی۔

"کیا یہاں پردہ نشینی کی روایت ہے؟"

"نہیں۔ تم خود جانتے ہو کہ دنیا کے کسی بھی ملک میں بین الاقوامی قوانین کا احترام کیے بغیر داخل ہونا بدترین جرم ہے اور بعض حالات میں اس جرم کی سزا موت بھی ہو سکتی ہے یہاں زلانہ میں یہ جرم ناقابل تلافی ہے ہم کیونکہ پاسپورٹ اور کاغذات کے بغیر یہاں داخل ہو رہے ہیں سمجھ رہے ہو نا میرا دوست جونسانگ چینگ ہے احتیاطاً ہمارے لئے یہ اقدامات کر رہا ہے۔"

"لیکن اس طرح تو ہمیں سمندر کے سفر میں بھی مشکلات کا سامنا کرنا پڑ سکتا تھا؟"

"یوں سمجھ لو میرے عزیز کہ جس طرح تم سمندر میں ڈوبنے والی کشتی گھسیٹ کر ساحل تک لائے تھے اس دوران میں بھی ایسے ہی حالات سے گزرتا رہا ہوں میں نے یہاں تک کے سفر کا ایک ایک لمحہ صلیب پر لٹک کر گزارا ہے میرے ذہن میں صرف یہ بات تھی کہ اگر میں خیر و عافیت کے ساتھ زلانہ پہنچ گیا تو میرا دوست چینگ مجھے باقی حالات کے معاملے میں سنبھال لے گا۔ کیا سمجھے؟ چینگ بہت صاحب اثر ہے۔

لمبی کار چوڑے اور کشادہ راستوں سے گزرتے ہوئے آخر ایک ایسی گلی میں داخل ہوئی جو بہت پتلی تھی اور اس کے دونوں طرف رکاوٹیں کھڑی کی گئی تھیں یہاں چپٹی ناک، چھوٹی آنکھوں اور چھوٹے قد والے لوگ نظر آ رہے تھے کامران کو یوں محسوس ہوا کہ جیسے کسی کھلونا فیکٹری نے ایک ہی شکل کے متعدد کھلونے بنا کر اس علاقے میں چھوڑ دیے ہوں اس بات پر اسے خاصی حیرت ہوئی تھی۔ پھر کار گلی کے آخری سرے پر جا رکی۔ جہاں ایک عمارت بنی ہوئی تھی اور اس عمارت کا چوڑا گیٹ کھلا ہوا تھا۔ کار اس گیٹ سے اندر داخل ہو کر رک گئی۔ سامنے مخصوص طرز کی عمارت کا دروازہ نظر آ رہا تھا کار یہاں رکی اس کا انجن اسٹارٹ ہی رہا تھا۔ اچانک ہی کامران کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ زمین میں دھنس رہی ہو۔ ایک لمحے کے لئے شیشے کے دونوں طرف تاریکی پھیل گئی لیکن صرف ایک لمحے کے لئے اس کے بعد روشنی ہو گئی ڈرائیور نے کار آگے بڑھا دی تھی۔ گویا اب یہ کار انڈر گراؤنڈ ہو گئی تھی۔ انتہائی وسیع و عریض جگہ تھی۔ کئی اور کاریں بھی یہاں کھڑی تھیں سامنے شیشے کا ایک بڑا دروازہ نظر آ رہا تھا جس کے سامنے چند افراد کھڑے تھے ان ہی میں سر سے پاؤں تک سفید لبادے میں ملبوس ایک دراز قامت شخص کھڑا ہوا تھا جس کی آنکھوں کی جگہ بس دو لکیریں نظر آتی تھیں نوکیلی اور نیچے لٹکتی ہوئی مونچھیں اور نوکیلی داڑھی جو صرف تھوڑی کے آخری سرے پر اگی ہوئی تھی لیکن کوئی چھ انچ کے قریب لمبی تھی کار کے ڈرائیور نے دونوں طرف کے دروازے کھول دیے اور کار سے اترنے کے لئے گردن خم کر کے اشارہ کیا سب سے پہلے سلازار نیچے اترا اور نوکیلی مونچھوں والا شخص آگے بڑھا اس نے دونوں بازو سینے پر باندھے اور سلازار کے سینے سے لگا دیے۔ سلازار نے بھی وہی عمل کیا تھا دونوں کے درمیان کچھ الفاظ کا تبادلہ بھی ہوا تھا۔ نوکیلی مونچھوں والا شخص، جس کا نام چینگ تھا واپس پلٹا اور سلازار نے انہیں ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ وہاں کھڑے ہوئے لوگ گردنیں خم کر کے جھکے اور یہ لوگ درمیان شیشے کے دروازے سے گزرتے ہوئے اندر داخل ہو گئے بڑا حسین ماحول تھا سرخ قالین سرخ روشنیوں والے فانوس تھوڑے تھوڑے فاصلے پر انسانی قد و قامت کی گڑیاں کھڑی ہوئی تھیں سب کی سب ایک شکل، صورت کی، ایک رنگین کپڑے پہنے ہوئے ان کے چہرے بالکل سفید۔ شاید سب پر ایک ہی پینٹ کیا ہوا تھا لیکن ان کے قریب سے گزرنے کے بعد جب وہ

متعارف ہوئیں تو کامران دنگ رہ گیا وہ پتلے نہیں تھے بلکہ جاندار انسان تھے۔ عجیب جادو نگری تھی نشینہ کامران کے بالکل قریب کھڑی ہوئی تھی اس کی آنکھوں میں بھی دلچسپی کے آثار تھے۔ کامران نے سرگوشی میں کہا۔

"نشینہ یہ زندہ ہیں" نشینہ ایک دم چونک کر کامران کو دیکھنے لگی پھر بولی۔

"ہاں۔ کیوں نہیں۔ یہ گیشائیں کہلاتی ہیں۔" کامران کی سمجھ میں بات نہیں آئی تھی لیکن وہ خاموش ہو گیا پھر چینگ نے ایک گڑیا کو اشارہ کیا گڑیا آگے بڑھی لیکن اس کی چال بھی کامران کی سمجھ میں نہیں آئی تھی وہ پاؤں اٹھا کر چلنے کے بجائے زمین پر اس طرح رینگ رہی تھی جیسے اس کے پیروں میں چھوٹے سائز کے پہیے لگے ہوں۔ اس کی رفتار بھی اچھی خاصی تیز تھی۔ چینگ نے اس سے کچھ کہا اور وہ جھک گئی۔ پھر انتہائی صاف انگریزی زبان میں سلازار سے بولی۔

"آئیے۔ میں آپ لوگوں کو آپ کی آرام گاہ دکھا دوں۔"

سلازار ان لوگوں کی جانب مڑا اور بولا۔

"آپ لوگ ان کے ساتھ جائیں۔ یہ آپ کو آپ کی آرام گاہ دکھا دیں گی۔ میں اپنے دوست چینگ سے کچھ مزید بات چیت کر لوں گا۔"

"آؤ" شاہیری نے دوستانہ انداز میں کامران کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا اور یہ لوگ اس کسی چابی سے چلنے والی گڑیاں جیسی عورت کے ساتھ چل پڑے سب کے لئے الگ الگ کمرے مخصوص کیے گئے تھے۔ پھر ان کے کھانے پینے کا بندوبست کیا گیا تھا کامران اس وقت اپنے کمرے میں تھا۔ شاہیری اور نشینہ کے لئے بے شک الگ الگ کمرے مہیا کیے گئے تھے لیکن دونوں ایک ہی کمرے میں تھے کھانے پینے کی اشیا بھی اجنبی اجنبی سی تھیں۔ کامران نے انہیں دیکھا۔ چھوٹی چھوٹی خوب صورت پیالیاں اور ان میں تھوڑا تھوڑا سا کھانا۔ اسے ہنسی آنے لگی۔ لیکن بہرحال سب ملا کر کھایا جاتا تو کم از کم ایک آدمی کا گزارہ تو ہو ہی سکتا تھا بھوک بھی لگ رہی تھی۔ اس وقت کسی تکلف کی کوئی گنجائش نہیں تھی چنانچہ کامران نے بغیر کسی تردد کے کھانا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر میں نشینہ اور شاہیری بھی آ گئے اور کھاتے ہوئے بولے۔ "عجیب۔ سب کچھ بہت عجیب۔ تمہیں کیسا لگ رہا ہے کامران؟"

"کچھ نہیں کہہ سکتا بس سمجھ لو کچھ نہیں کہہ سکتا۔" پھر باقی وقت آرام سے گزارا گیا تھا یہاں وقت گزارنا برا نہیں لگتا تھا کیونکہ ـــــ اس سے گزر کر یہاں تک پہنچے تھے اس لئے ان تمام چیزوں کی قدر ہو رہی تھی۔

"تھوڑی دیر آرام کر لیا جائے۔ دیکھیں اس کے بعد کیا مصروفیت ہوتی ہے۔ سلازار تو اپنے دوست چینگ سے اس طرح مصروف ہو گئے ہیں کہ انہوں نے پلٹ کر ہماری خبر بھی نہیں لی لیکن بہرحال وہ جہاں بھی ہوں گے کام کی باتیں ہی کر رہے ہوں گے۔" کامران بھی آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا تھا اور لیٹتے ہی اس کے ذہن میں ماضی کے کیڑے کلبلانے لگے تھے۔ آہ۔ وقت کیا رکھتا ہے اس سے آگے کی کہانی کیا ہو گی زلانہ نہ جانے کون سا علاقہ ہے شہر کی جو کیفیت دیکھی تھی اس سے یہ اندازہ تو ہو جاتا تھا کہ چین کا کوئی شہر نہیں ہے یقیناً یہ کوئی ایسا ہی علاقہ ہے جہاں چینی باشندے آباد ہیں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے سب رنگ یار

آ رہے تھے اور وہ سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ کب اور کس وقت وہ ان لوگوں کے درمیان پہنچے گا کس طرح اپنی اس کیفیت کا اظہار کرے گا کہ اس ان کے درمیان سے جانا ہے سلازار کی جو لگاوٹ تھی وہ اس بات کا احساس دلا رہی تھی کہ سلازار اسے آسانی سے نہیں چھوڑے گا بہرحال دیکھیں اب کیا ہوتا ہے۔

رات کا کھانا بھی انہیں ان کے کمروں ہی میں دیا گیا تھا۔

سلازار ابھی تک چنگ کے ساتھ ہی وقت گزار رہا تھا شاہ میری اور نشیمہ خوش تھے اور کامران الجھنوں کا شکار تھا وہ اپنے ماضی کے نقوش میں انہیں تلاش کر رہا تھا جو اس کے ساتھ رہ چکے تھے اور فیصلے کر رہا تھا کہ کیا مستقبل کی ہر داستان انہی سے منسلک رکھی جائے یا پھر اس داستان میں کچھ تبدیلیاں کی جائیں۔ کرنل گل نواز اس کے ساتھی پھر اس کے بعد دانش' جس کے بارے میں یہ نہیں معلوم تھا کہ جن لوگوں کا دانش سے تصادم ہوا وہ کامران رہے' اور دانش کو کوئی جانی نقصان بھی پہنچ گیا یا پھر صورتحال میں تبدیلی ہوئی۔

بہرحال جن لوگوں کے درمیان کامران کو ہوش آیا تھا وہ تو بہتر لوگ نہیں تھے اور ان کے درمیان سے نکل آنا ہی ایک اچھا عمل رہا تھا۔ غرض یہ کہ یہ سب کچھ بڑا عجیب و غریب تھا اپنے تو وہ بھی نہیں تھے جن میں بے پناہ اپنائیت تھی عروسہ اور مرزا خاور بیگ تو دنیا ہی سے چلے گئے تھے اور اپنی کہانی ادھوری چھوڑ گئے تھے باقی تمام لوگ۔

کامران کا دماغ چکرا رہا تھا۔ ایک حل یہ بھی ہو سکتا تھا کہ خاموشی سے راستہ بدل دے چاہے یہ شخص سلازار جو بہ ظاہر تو درویش صفت ہے آگے کیا ارادہ رکھتا ہے شاہ میری اور نشیمہ بھی اچھے لوگ نہ تھے۔ انہی سے یہ کہا جائے کہ اس کے لئے کوئی منزل متعین کر دی جائے تو خاموشی سے کسی گم نام گوشے میں زندگی گزار لیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی دو اور کردار بھی اس کے لئے باعث حیرت تھے اور اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کردار کہاں فٹ ہوتے ہیں گرشک اور سیتا تو جب بھی اس کے سامنے آتے اسے دیوتاؤں کا درجہ دیتے اور ان کی پراسرار قوتیں بھی بڑی عجیب تھیں لیکن اس دوران جب وہ عجیب و غریب حالات کا شکار رہا تھا ان دونوں کا بھی کوئی نام و نشان نہیں ملا تھا یہ ذرا تعجب کی بات تھی انتہائی تعجب کی بات۔

بہرحال پہلے تو وقت کا انتظار ہی کیا جا سکتا تھا اور پھر وقت کا جو بھی فیصلہ ہوتا اسی کے مطابق آگے کا عمل۔

گرے ماؤچی کی عمر کے بارے میں تو شاید شنگھائی کے لوگ بھی نہ جانتے ہوں شنگھائی کے ایک قدیم علاقے میں اس کا گھرانا آباد تھا۔ وہ ہمیشہ سے ایک پراسرار شخصیت کا مالک تھا اس کے بارے میں شاید کبھی کسی کو معلوم نہ ہوتا' لیکن اسی کے خاندان کا ایک شخص اتفاق سے تاریخ دان نکل گیا اور اس نے سب سے پہلے اپنے خاندان کی تاریخ مہیا کی جو واقعی تاریخی حیثیت کی حامل تھی۔ چین کی سیاسی اور سماجی زندگی میں نمایاں اہمیت کا حامل۔ اسی میں گرے ماؤچی کا تذکرہ بھی آیا تھا اور گرے ماؤچی کا تذکرہ اس لئے ضروری تھا کہ وہ اس خاندان کا سب سے عمر رسیدہ شخص تھا اس نے اس خاندان کی بہت سی نسلوں کو دیکھا تھا خود اس نے شادی نہیں کی تھی اور اس کا نظریہ بڑا عجیب و غریب تھا۔ مورخ نے جب اس کی زندگی کی یہ داستان لکھی اور اس سے اس موضوع کے بارے میں پوچھا تو وہ ہنس کر بولا۔

''بے وقوفوں کی دنیا میں مجھے ایک کنوارہ انسان سمجھا جاتا ہے' لیکن سچ یہ ہے کہ میں تو بہت عرصہ

پہلے سے شادی شدہ ہوں میری بیوی یا میری محبوبہ جو بھی کچھ تم سمجھ لو ایک ایسی عجیب غریب ہستی ہے جس کے بارے میں' میں تمہیں بتاؤں تو تم لوگ ہنسنے کے سوا اور کوئی کام نہیں کرو گے۔''

''وہ کون ہے؟'' مورخ نے سوال کیا۔

''ستاروں کی دیوی۔ اس کی تخلیق ایک ستارے سے ہوئی ہے اور وہ خلاؤں میں چمکتی رہتی ہے جب کبھی میں اس کی آرزو کرتا ہوں تو وہ میرے پاس آتی ہے' لیکن میری قربت اختیار نہیں کرتی۔''

''کیوں؟''

''وہ کہتی ہے کہ اس کے حسن کا خراج ادا کرنے کے لئے پھولوں کا ایک محل بنوایا جائے اور اس محل کو اتنا سجا دیا جائے کہ اس میں کبھی رات نہ ہو تب وہ میری قربت میں آجائے گی اور دوستو! میں ایسے خزانوں کی تلاش میں ہوں جن سے میں یہ محل تعمیر کر دوں۔ مورخ نے صاف صاف لکھا تھا کہ اگر گرے ماؤچی کے یہ الفاظ دیوانگی قرار دیئے جائیں تو انہیں دیوانگی کہنے والا خود دماغی طور پر مشکوک ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اگر دنیا بھر کے سماجی' سیاسی یا مذہبی موضوعات پر گرے ماؤچی سے گفتگو کی جائے تو وہ اتنا بڑا عالم ہے کہ اس کے سامنے سارے لفظ بے کار ہو جاتے ہیں۔ ایسی وضاحتیں کرتا ہے' سوالی کے سوال کے بارے میں کہ سوالی دنگ رہ جائے بس ایک یہی واحد تصور ہے کہ وہ ستاروں کی دیوی کے بارے میں اس طرح کے خیالات رکھتا ہے۔

بار ہا وہ خزانوں کی تلاش میں بھی نکلا' صرف اس لئے کہ اس دیوی کی فرمائش پوری کر سکے' لیکن شاید خزانے اسے حاصل نہیں ہو سکے بہرحال مورخ نے اسے کئی صفحات میں جگہ دی تھی اور اس کے بارے میں انکشافات کئے تھے گرے ماؤچی نے کب اور کس طرح شنگھائی چھوڑا اس کے بارے میں ظاہر ہے کسی کو نہیں معلوم تھا۔ کیونکہ مورخ اپنی کتاب لکھ چکا تھا۔ ہاں زلانہ میں اس کی ملاقات چنگ سے ہو گئی اور اس نے چنگ کو ایسے ایسے مسائل سے نکالا کہ چنگ اس کا مرید بن گیا۔ چنگ زلانہ میں ایک اچھی حیثیت کا مالک شخص تھا اور یہاں خاصا صاحب حیثیت سمجھا جا سکتا تھا' لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی وہ یہاں چینیوں کی انجمن کا صدر بھی تھا اور ان کے ہر طرح کے مفادات کے لئے سینہ سپر بھی رہتا تھا۔ اس کے کچھ خفیہ ذرائع بھی تھے جن کے بارے میں حکومت زلانہ کے خاص خاص ارکان کو معلوم بھی تھا اب اسے کیا کہا جاتا کہ اس طرح کے خفیہ ذرائع جو کسی حد تک پراسرار بھی تھے۔ خود ان کے بھی کام آجایا کرتے تھے چنانچہ چنگ کو ہر طرح کی مراعات بھی حاصل تھیں یہ تھا گرے ماؤچی اور چنگ کا قصہ۔ زلانہ کے ایک نواحی علاقے میں گرے ماؤچی کا چھوٹا سا گھر تھا۔ ان تمام چینی روایات کا حامل جو دنیا کے لئے بڑی پرکشش سمجھی جاتی ہیں اور اس وقت اس مکان کے سب سے اندرونی کمرے میں گرے ماؤچی ایک ایسی عورت کے سامنے بیٹھا ہوا تھا جسے حسن و جمال کی دیوی کہا جا سکتا ہے۔ اس قدر حسین' اس قدر پرکشش ایسے دل کش چہرے اور جسمانی نقوش کی حامل کہ اسے دیکھ کر انسان اپنی عمر بھول جائے اور غالباً گرے ماؤچی اس وقت یہی کیفیت تھی۔ اسے اپنی عمر یاد نہیں تھی وہ بڑی عاشقانہ نگاہوں سے سامنے بیٹھی ہوئی عورت کو دیکھ رہا تھا جو ہزار کشش کا مرکز تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے اسے اپنی دل کش شخصیت کا بھرپور احساس ہو پھر اس نے گردن اٹھا کر کہا۔

''گرے ماؤچی! زندگی گوشہ نشینی کا نام نہیں ہوتی ۔ زندگی کا مقصد تحریک ہے اور اگر زندگی میں تحریک نہ ہو تو پھر انسان کسی بھی حالت میں ہو اسے زندہ نہیں کہا جا سکتا۔''

''تو ٹھیک کہتی ہے اناطوسیہ بالکل ٹھیک کہتی ہے تو۔''

''تو دیکھ رہی ہے اناطوسیہ لیکن تیری کم نگاہی تجھے محدود کئے ہوئے ہے۔''

''مطلب۔''

''مطلب یہ کہ تو صرف یہ منظر دیکھ رہی ہے جو سامنے کی دیوار پر نظر آ رہا ہے۔''

''گرے ماؤچی تو دنیا کے لاتعداد گوشوں میں پھیلا ہوا ہے۔ وہ بہت کچھ کر رہا ہے۔''

''واہ.. اس کا مطلب ہے کہ واقعی میں نے بڑی محدود نگاہ ڈالی تجھ پر۔ خیر چھوڑ ان باتوں کو اس وقت میں تجھے ایک دلچسپ صورتحال سے روشناس کرانا چاہتی ہوں۔''

''وہ کیا؟''

''دیکھ کہانی بہت طویل ہے زمانہ قدیم کی وہ کہانی جس کا تعلق میری زندگی سے رہا ہے تو جانتا ہے کہ میں نے صدیاں گزاری ہیں۔ تو یہ بھی جانتا ہے کہ میرا ایک محبوب ہے اور وہ محبوب خلاؤں میں بھٹک گیا ہے اور تو یہ بھی جانتا ہے کہ میری ایک رقیب ہے اور یہ رقیب پاتال کی گہرائیوں میں سو رہی ہے ایک طویل سلسلہ ہے ایک لمبا کھیل ہے' جس کے بارے میں نہ جانے کیا کیا کہانیاں بکھری ہوئی ہیں' لیکن ایک دلچسپ بات بھی ہے کہ وہ کردار اس وقت بھرپور طریقے سے باعمل ہے' جس کا تعلق میری طویل ترین زندگی سے ہے۔''

''میں سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں' اناطوسیہ! کہ تو کیا کہہ رہی ہے؟''

وہ لوگ خزانوں کا حصول چاہتے ہیں بہت سے کردار ان ہولناک پہاڑوں میں بھٹک رہے ہیں جہاں زندگی کم اور موت زیادہ ملتی ہے۔ پاتال کی گہرائیوں میں وہ ستی ساوتری سو رہی ہے جو پاتال پر ماتما کو اپنی زندگی کا ساتھی بنانا چاہتی ہے اور میں کائنات میں بھٹک رہی ہوں۔ میں جس نے ہمیشہ حال پر اپنی حکمرانی قائم رکھی ہے میں جو ہر اس کھیل کو فنا کرتی چلی آئی ہوں' جو لوگوں کے لئے بہت زیادہ باعث دلچسپی رہا ہے' چنانچہ اب بھی میں اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کے لئے وہ سب کچھ کر رہی ہوں جو مجھے کرتے رہنا چاہیے سمجھ رہا ہے تو گرے ماؤچی!''

''گرے ماؤچی نے اپنی زندگی میں لاتعداد تجربے کئے ہیں ہزار کھیل کھیلے ہیں' لیکن اناطوسیہ کے پاس صدیوں کا تجربہ ہے۔ بھلا گرے ماؤچی اناطوسیہ کے سارے راز کیسے حاصل کر سکتا ہے کچھ سمجھ رہا ہوں اور کچھ نہیں سمجھ پا رہا۔''

''خیر میں بھی نہیں چاہتی کہ تو اپنے ذہن کو بے مقصد الجھنوں میں ڈال رہ گرے ماؤچی! یہاں کچھ لوگ ہیں جن کے بارے میں تجھے تفصیل بتاتی ہوں ان میں سے ایک زمانہ ساز اور دنیا کا شناسا سلازار ہے سلازار جو قدیم تحریروں اور قدیم زبانوں کا ماہر ہے۔ سلازار کے پاس ایک ایسے خزانے کا نقشہ ہے جو اگر دنیا کے ہاتھ آ جائے تو بڑی حیثیت کا حامل ہے' لیکن سلازار اپنے آپ کو ایک بہت ہی بلند آتما سمجھتا ہے اور اس نقشے سے کوئی فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا۔ اس کے ساتھ اس کی بیٹی اور بیٹی کا محبوب شاہیری بھی ہے' لیکن ایک

اور شخصیت جو زمانہ قدیم سے آج تک کی الجھن بن گئی ہے اور جس کے بارے میں کہیں سے یہ شہادتیں نہیں ملتیں کہ یہ ماضی قدیم کا وہی کردار ہے یا پھر اس کا ہم شکل یا اس جیسی صفات رکھنے والا اس شخص کو سلازار نے نہ جانے کہاں سے پایا ہے لیکن بہرحال وہ غیر قانونی طور پر زمانہ میں داخل ہوئے ہیں اور یہاں مقیم ہیں۔ میں کامران نامی اس شخص کو سلازار سے الگ کرنا چاہتی ہوں تاکہ میں اسے اپنے لئے استعمال کر سکوں اور یہی وہ پراسرار وجود ہے جس کی صحیح تفصیل ابھی تک میرے علم میں نہیں آ سکی۔ گرے ماؤچی تو نہیں جانتا' لیکن میں جانتی ہوں کہ کہانی کیا شکل رکھتی ہے۔ میں اصل مقصد تجھ سے بیان کرتی ہوں۔ میری خواہش ہے کہ تو اس شخص کو حاصل کرے۔

''میں''

''کیا یہ ممکن ہے؟''

''ہاں ممکن ہے۔''

''لیکن کیسے؟''

''میں تجھے بتاتی ہوں۔''

''بتا میری زندگی' میری روح' میں بھی انہی کشتگان میں ہوں جنہوں نے تجھے چاہا اور جو تیرے حصول میں ناکام رہے۔''

''لیکن تجھے ایک فوقیت حاصل ہے گرے ماؤچی!'' سامنے بیٹھی ہوئی حسین عورت نے کہا۔

''کیا۔''

''تو میرے شکاروں میں نہیں رہا ہے۔ میں نے تو انہیں شکار کیا ہے جو میری محبت میں گرفتار ہوئے' لیکن تو بچا رہا' تو شکار نہیں ہوا بلکہ میرے دوستوں کی شکل اختیار کر گیا اور یہ تیری چالاکی ہی تھی' ورنہ تو جانتا ہے کہ میں مصر کی قلوپطرہ ثانی ہوں میں اپنے مطلوب نظر کو زندہ نہیں دیکھنا چاہتی کہ وہ کسی اور کی محبت کا مرکز بنے' مگر بے وقوف بوڑھے تجھ میں یہی تو خوبی تھی کہ کوئی حسین عورت تجھ پر تھوکنا بھی پسند نہ کرتی۔ میں نے سوچا کہ چلو ایک ایسے انسان کو زندہ ہی رہنے دیا جائے جسے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔'' گرے ماؤچی بے حیائی سے ہنسنے لگا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

''چل اتنا ہی کافی ہے کہ تو نے مجھے اپنے آپ سے محبت کرنے کی اجازت دی اور مجھے تیری قربت حاصل ہوئی اور آج بھی میری تشنگی اسی طرح سے ہے اور یہ تو تو جانتی ہے کہ ہر وہ کامیاب آدمی جو زندگی میں مطمئن اور خوش نظر آتا ہے وہی ہوتا ہے جو پہلے معاوضہ وصول کرے اس کے بعد کام۔''

''احمق بوڑھے تو کیا سمجھتا ہے کہ میں اپنے آپ کو تیرے حوالے کر دوں گی۔''

''ہاں۔ میں یہی سمجھتا ہوں۔ ہر ضرورت مند ایسا ہی کرتا ہے'' گرے ماؤچی نے بہ دستور بے حیائی سے ہنستے ہوئے کہا اور اناطوسیہ بھی مسکرانے لگی۔

''شیطان سے تیری قربت میرے خیال سے سب سے زیادہ ہے۔ خیر سن تجھے کیا کرنا ہے میں تجھے بتاتی ہوں۔''

’’کیا اس سے پہلے تم یہ نہیں پوچھو گی کہ تمہیں کیا کرنا ہے؟‘‘

’’تو جانتا ہے کہ مجھے غصہ آجاتا ہے تو میں بڑے سے بڑا استاد ٹھکرا دیتی ہوں۔‘‘

’’ٹھیک ہے‘ ٹھیک ہے میں سمجھ گیا میں اچھی طرح سمجھ گیا چلو تم سے معافی مانگے لیتا ہوں‘‘ گرے ماؤچی نے ہنستے ہوئے کہا۔

’’چھبا۔‘‘

’’کیا......؟ گرے ماؤچی چونک کر بولا۔

’’ہاں چنگ تیرا عقیدت مند تیرا معتقد‘‘

’’بالکل۔‘‘

’’وہ سب اسی کے پاس ہیں۔‘‘

’’اچھا پھر۔‘‘

’’ان میں ایک کامران ہے ایک سلازار‘ شاہیری اور سلازار کی بیٹی نشینہ یہ لوگ غیر قانونی طور پر زلانہ میں داخل ہوئے ہیں اور لازمی امر ہے کہ زلانہ کی حکومت غیر قانونی طور پر یہاں داخل ہونے والوں کو آزادی نہیں دے سکتی‘ لیکن گرفتار وہ ہونے چاہئیں جو کامران سے الگ ہیں‘ یعنی سلازار‘ نشینہ اور شاہیری۔ ان لوگوں کو پولیس کی تحویل میں پہنچ جانا چاہیے اور اسے تو اپنے پاس روک لے اور پھر اطمینان سے میرے سامنے پیش کر میں اسے لے کر یہاں سے نکل جاؤں گی‘ کیونکہ میری جنگ دوسرے لوگوں سے ہے‘‘

’’ٹھیک ہے۔ سب کچھ تیری خواہش کے مطابق ہو جائے گا اناطوسیہ! چنگ تو میرا اپنا ساتھی ہے۔ اسے جو بھی ہدایت دی جائے گی۔ وہ دل و جان سے اس پر عمل کرے گا۔‘‘

’’بس تو یہ کام جلد از جلد کر ڈال۔‘‘

’’اور میرا معاوضہ۔‘‘ گرے ماؤچی نے کہا۔

’’لعنت ہو تجھ پر۔‘‘ اناطوسیہ نے کہا اور اس کے بعد گرے ماؤچی آگے بڑھ کر اس کے پاس پہنچ گیا۔ چنگ کو گرے ماؤچی سے جو ہدایات ملیں انہوں نے اسے کچھ لمحوں کے لئے گنگ کر دیا۔ گرے ماؤچی نے اسے اپنے پاس بلایا تھا اور اپنی خواہش کا اظہار کیا تھا۔

’’میں بھلا تیرے حکم سے سرتابی کیسے کر سکتا ہوں میرے معزز روحانی پیشوا۔ ایسا ہی ہوگا جیسا تو چاہتا ہے بس ذرا سی اخلاقی......؟

’’بس......بس......بس۔ اس دنیا میں سب سے احمقانہ چیز اخلاق ہی ہے اور جو اس کے چکر میں پڑا سمجھ لے دنیا میں کچھ نہیں حاصل کر سکتا اس لئے تو ان احمقانہ الفاظ سے گریز کر اور جا...... کہ میری یہ کمزوری ہے کہ جب میں کسی چیز کی فرمائش کر دیتا ہوں تو پھر اس میں نکتہ چینی برداشت نہیں کر سکتا۔‘‘

’’ٹھیک ہے‘‘ چنگ بہرحال الجھا ہوا تھا لیکن اسے وہی کرنا تھا جو اس کے استاد محترم گرے ماؤچی نے کہا تھا چنانچہ وہ سب سے پہلے اپنی رہائش گاہ پہنچا جہاں اس کے معزز مہمان موجود تھے کامران کو اس نے الگ لے جا کر کہا۔

’’نوجوان! ......محسوس کر رہا ہوں کہ تیرے چہرے پر کچھ اضمحلال ہے بے شک سلازار میرا بہترین دوست ہے لیکن تو بھی میرے دوست کا دوست ہے تیری نوجوانی میرے لئے بڑی اہمیت کی حامل ہے شاہیری اپنی محبوبہ کے ساتھ وقت گزار رہا ہے کیا تجھے ایک حسین لڑکی کی ضرورت ہے۔ میں تیری مدد کر سکتا ہوں۔‘‘ کامران نے مسکراتے ہوئے چنگ کا شکریہ ادا کیا اور بولا۔

’’نہیں معزز میزبان! تیری محبت کو میں سر آنکھوں پر قبول کرتا ہوں لیکن میری ایسی کوئی ضرورت نہیں ہے۔‘‘

’’تب پھر آ میں تجھے اپنے اس حسین مرکز سے روشناس کراؤں‘‘ اور چنگ کامران کو ساتھ لئے ہوئے باہر نکل آیا وہ لڑکیاں جو گڑیوں جیسی شکل میں کامران کے سامنے آئی تھیں اور کامران نے ایک بار دل میں سوچا تھا کہ انہیں ذرا قریب سے دیکھا جائے ایک وسیع و عریض ہال میں جمع تھیں۔ چنگ نے کہا۔

’’بے وقوف لڑکیو! بھلا کسی مہمان کی دل جوئی نہ ہو اور تم عیش و عشرت سے وقت گزارو یہ تو مناسب نہیں ہے‘ میں اسے تمہارے حوالے کر رہا ہوں‘ یہ ایک نیک نفس انسان ہے اور تم اسے عورت پرست مت سمجھنا لیکن اس کی دلچسپی کا سامان کرو۔‘‘

’’آؤ معزز مہمان! ہم تمہیں جسمانی کرتب دکھائیں گے‘‘ ایک لڑکی نے انگریزی میں کہا اور کامران کا ہاتھ پکڑ لیا کامران نے کہا کہ چلو کوئی ہرج نہیں ہے تھوڑا سا وقت اسی طرح گزر جائے اس کے بعد چنگ نے اپنے کچھ لوگوں کو ٹیلی فون پر مخاطب کیا اور انہیں ہدایت دینے لگا اور اس کے بعد وہ سلازار کے پاس پہنچ گیا شاہیری اور نشینہ سلازار کے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے چنگ نے کہا۔

’’اس جگہ چونکہ ہر طرح کے لوگ آتے رہتے ہیں ان میں سرکاری نمائندے بھی ہوتے ہیں اور کبھی کبھی وہ حد سے آگے بڑھ جاتے ہیں یعنی ایسے کونے کھدرے تلاش کرتے ہیں جہاں وہ اپنے آپ کو تنہا محسوس کر سکیں یہ بات میرے ذہن میں مستقل طور سے آرہی تھی کہ کہیں کوئی تم تک نہ پہنچ جائے۔ اس لئے میں نے تمہارے لئے ایک معقول بندوبست کیا وہ مکان بھی بہت خوب صورت ہے اور وہاں تم اپنے آپ کو زیادہ پرسکون محسوس کرو گے۔‘‘

’’تم تو ہمیں بس یہاں سے نکالنے کا بندوبست کرو۔ ہم اپنی منزل چاہتے ہیں۔‘‘

’’ایسا ہی ہوگا فکر مند کیوں ہوتے ہو آؤ میرے ساتھ میں تمہیں تمہارے اس نئے گھر تک پہنچا دوں اور اس کے بعد چنگ ان لوگوں کو ساتھ لے کر باہر نکل آیا لمبی قیمتی کار ان کے استقبال کے لئے موجود تھی تینوں اس میں جا بیٹھے چنگ ڈرائیور کے پاس بیٹھ گیا تھا اس کے بعد اس نے ڈرائیور کو چلنے کی ہدایت کر دی لیکن سلازار چونک کر بولا۔

’’اور ہمارا چوتھا ساتھی میں تو سمجھا تھا کہ تم اسے ہم سے پہلے لے آئے ہو۔‘‘

’’لے آئے ہو نہیں لے گیا تھا۔‘‘

’’کہاں؟؟‘‘

’’وہ بھی تفریحات چاہتا تھا اور اس نے مجھ سے فرمائش کی تھی کہ اسے زنان خانے کی خوب

صورت جگہ دکھائی جائے۔ جب وہاں سے اس کا دل بھر جائے گا تو اسے تم تک پہنچا دیا جائے گا‘‘ چنگ نے جواب دیا۔

’’وہ ایک صاحب کردار نوجوان ہے خیر ظاہر ہے تم اسے اس کی مرضی سے لے ہی لے گئے ہو گے‘‘ سلازار نے آہستہ سے کہا اور اس کے بعد خاموشی سے یہ سفر طے ہونے لگا جس کا اختتام ایک چھوٹے سے خوب صورت مکان پر ہوا تھا مکان واقعی بہت پر سکون اور آرام دہ تھا علاقہ بھی انتہائی نفیس تھا چنگ انہیں بتانے لگا کہ یہاں ان کی رہائش کے لئے کیا کیا انتظامات موجود ہیں اور واقعی انہیں کسی شے کی ضرورت نہیں تھی تب بھی چنگ نے چلتے ہوئے کہا۔

’’اور یہاں دو ملازم آجائیں گے جو تمہیں ہر طرح کی سہولت فراہم کریں گے‘‘ اور اس کے ساتھ ہی چنگ اسی گاڑی میں بیٹھ کر چلا گیا‘ لیکن سلازار کی پیشانی شکن آلود تھی نشینہ نے اس سے سوال کیا اور پوچھا۔

’’کیا بات ہے پاپا! آپ کچھ مضطرب نظر آرہے ہیں۔‘‘ سلازار نے سرد نگاہوں سے نشینہ کو دیکھا اور بولا۔

’’کچھ گڑ بڑ ہوگئی ہے نشینہ! میری بد نصیبی ہے کہ کسی ہونے والے واقعے کے بارے میں مجھے پہلے سے کچھ اشارے مل جاتے ہیں اور کبھی کبھی یہ اشارے میری زندگی تلخ کر کے رکھ دیتے ہیں۔‘‘

’’آپ کے خیال میں کوئی خاص بات ہے۔‘‘

’’ہاں۔ میں خاص بات کا ہی تذکرہ کر رہا ہوں مجھے لگتا ہے کہ چنگ کی نیت میں کوئی فرق آگیا ہے۔‘‘

’’کیسا فرق؟؟‘‘

’’نشینہ! ماحول اتنا خراب اور انسان اتنے برے ہو چکے ہیں کہ اب کسی پر اعتبار کرتے ہوئے بھی بہت کچھ سوچنا پڑتا ہے چنگ میرا دوست ہے لیکن صرف میرے مفادات اس سے وابستہ ہیں اس کا کوئی مفاد مجھ سے وابستہ نہیں ہے اگر اسے اپنا کوئی مفاد یاد آجائے یا کہیں سے اسے کوئی پیش کش ہو جائے تو نہ جانے کیوں میرا دل کہتا ہے کہ چنگ میرے بارے میں اپنا رویہ بدل دے گا۔ وہ...... وہ......‘‘ سلازار جملے ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گیا اور پھر جو کچھ سلازار نے کہا تھا وہ سامنے آگیا شاہیری کو نشینہ نے باپ کی تشویش کے بارے میں بتایا تھا اس وقت تو شاہیری کوئی فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ سلازار کی تشویش میں کوئی جان ہے یا نہیں لیکن جب مکان کی بیل بجائی گئی اور دروازہ کھلنے پر سامنے والوں کو دیکھا گیا تو شاہیری کو سلازار کی بات یقین ہو گیا وہ مقامی سکیورٹی کے آدمی تھے۔ وردی میں ملبوس ایک دراز قامت شخص نے با ادب لہجے میں کہا۔

’’معاف کیجئے گا۔ بزرگ محترم! آپ کے بارے میں ہمیں اطلاع ملی ہے کہ آپ غیر قانونی طور پر زار شہ میں داخل ہوئے ہیں۔ کیا آپ ہمیں اپنے کاغذات دکھانا پسند کریں گے۔‘‘ سلازار نے سرد نگاہوں سے سامنے والے شخص کو دیکھا اور بولا۔

’’آپ کی اطلاع درست ہے آفیسر ہم واقعی غیر قانونی طور پر اس ملک میں داخل ہوئے ہیں ہماری ایک مجبوری تھی کسی سے زندگی بچا کر ہم یہاں تک پہنچے تھے لیکن ہمیں اس بات کا علم نہیں تھا کہ کسی بھی ملک میں غیر قانونی طور پر داخل ہونا جرم ہے‘ ہم سزا بھگت لیں گے‘ لیکن زندگی بچانا ہمارے لئے بہت ضروری تھا‘ لیکن آفیسر تم نے یہ نہیں پوچھا کہ ہم اس مکان تک کیسے پہنچے؟‘‘ سلازار نے طنزیہ لہجے میں کہا آفیسر ایک لمحے کے لئے بوکھلایا پھر بولا۔

’’یہ سب بھی پوچھا جائے گا لیکن ابھی نہیں تھوڑا سا وقت گزرنے کے بعد۔‘‘ یہ کہہ کر وہ اپنے پیچھے آنے والوں سے بولا۔

’’انہیں اپنی تحویل میں لے لو۔‘‘ سلازار نشینہ اور شاہیری گرفتار ہو گئے اور جب انہیں سکیورٹی کار میں بٹھا کر مقامی پولیس ہیڈ کوارٹر لے جایا جا رہا تھا تو سلازار نے آہستہ سے کہا۔

’’اور اسکا ایک مطلب اور بھی ہے کہ چنگ کو کسی طرح کامران کے بارے میں معلومات حاصل ہوگئی ہیں اور کامران ہماری طرح ان کا قیدی نہیں بنا۔‘‘ کسی نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

لڑکیاں واقعی کامران کی بڑی پذیرائی کر رہی تھیں اسے ہر طرح کی مراعات دی گئیں تھیں اور آخر کار گرے ماؤچی کی طرف سے دوسرا پیغام ملا اور چنگ نے اسے گرے ماؤچی تک پہنچا دیا اس بد شکل بوڑھے شخص کو دیکھ کر نہ جانے کیوں کامران کے دل میں ایک عجیب سا تصور ابھرا تھا‘ لیکن یہ ایک گم نام تصور تھا اسے کوئی نام نہیں دیا جا سکتا تھا گرے ماؤچی اسے لئے ہوئے ایک شاندار کمرے میں پہنچا جس میں قدم رکھتے ہی خوشبوؤں کے جھونکے کامران کا استقبال کرنے لگے کامران نے اس عظیم الشان کمرے میں ادھر ادھر دیکھا تو اسے ایک زرنگار کرسی پر ایک عورت نظر آئی جو بہت ہی عمدہ لباس میں ملبوس اس کی جانب دیکھ کر مسکرا رہی تھی اور یہ نقوش‘ یہ قد و قامت‘ پر اسرار آنکھیں یہ حیرت ناک وجود اینہ سلفا کے علاوہ کسی اور کا نہیں تھا کچھ لمحوں کے لئے تو کامران دھک سے رہ گیا تھا اینہ سلفا اس کا مطلب ہے کہ کرنل گل نواز اور دوسرے افراد کہیں آس پاس موجود ہیں اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ اینہ سلفا کو دیکھ کر خوشی کا اظہار کرے یا حیران ہو جائے تبھی اینہ سلفا کی آواز ابھری۔

’’پاتال پرستی! آگے آجاؤ...... آگے آجاؤ پاتال پرجو۔‘‘

کامران نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر چند قدم آگے بڑھ کر اینہ سلفا کے پاس پہنچ گیا۔

’’تمہاری یہاں موجودگی بتاتی ہے کہ علی سفیان‘ رانا چندر سنگھ‘ کرنل گل نواز وغیرہ آس پاس موجود ہیں‘‘ اینہ سلفا خاموشی سے دیکھتی رہی پھر ہنس کر بولی۔

’’قصور تمہارا نہیں ہے یہ تاریخ کی الجھن ہے۔‘‘ کامران نے محسوس کیا کہ اینہ سلفا کی آواز میں فرق ہے یہ آواز بھی بڑی جاندار تھی رعب سے بھرپور لیکن یہ اینہ سلفا کی آواز نہیں تھی تاہم کامران نے ہمت نہ ہاری وہ عورت اینہ سلفا جس کے کئی نام کامران کے علم میں آچکے تھے اس نے کہا‘‘ کیا کہنا چاہتی ہو اینہ سلفا! کیا میری دماغی صلاحیتوں پر شک کر رہی ہو تم۔‘‘

’’تمہاری دماغی صلاحیتیں بھلا شک کے قابل کیسے ہو سکتی ہیں میری یہ مجال پاتال پرکھنا بھلا میری یہ مجال...... دھرم دستو نے مجھے پہچان نہیں سکے تاہم‘ لیکن کوئی بات نہیں ہے‘ آنکھوں پر صدیوں کی گرد پڑ جائے تو بھلا اتنی آسانی کیسے ہو سکتی ہے وقت تو ہوتی ہے‘‘ کامران نے ایک گہری سانس لی اور بولا۔

’’اگر تم اپنے آپ کو اینہ سلفا تسلیم نہیں کرنا چاہتیں اور خود کوئی نیا کردار بن کر میرے سامنے آرہی

ہو تو مجھ پر کوئی فرق نہیں پڑتا صرف اتنا بتادو کیا تمہاری یہاں موجودگی سے میں یہ تصور کرسکتا ہوں کہ کرنل گل نواز وغیرہ آس پاس موجود ہیں" کامران کے لہجے میں بہرحال ایک اعتماد تھا ایک لمحے کے لئے اس نے اینہ سلفا کے چہرے پر ایک رنگ سا بدلتے ہوئے محسوس کیا لیکن پھر اس نے فوراً خود کو سنبھال لیا اور مدھم لہجے میں بولی۔

"گویا تم پرکھنا چاہتے ہو کہ میں......"

"ہاں ہاں آگے بولو تم اناطوسیہ ہو۔"

"اوہ رب عالم......رب عالم......رب عالم تم اناطوسیہ کو جانتے ہو۔"

"چلو ٹھیک ہے مجھ پر کوئی اثر نہیں پڑتا تم اپنے آپ کو اینہ سلفا کہو یا اناطوسیہ۔"

"اُف...... میں نے تو کچھ اور ہی سوچا تھا لیکن تم نے میرا نظریہ بالکل ہی تبدیل کردیا۔"

اینہ سلفا یا اناطوسیہ نے کہا اور اس کے بعد وہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی وہی قد وقامت' وہی چال ڈھال اینہ سلفا کیسی ہی اداکاری کرے' لیکن اپنی شخصیت کو وہ چھپا نہیں پارہی تھی اب یہ پتا نہیں کہ وہ اس طرح کیوں کررہی ہے کامران ابھی کھڑا ہی ہوا تھا اینہ سلفا نے کہا۔

"آؤ...... میں شاید تم سے ہار مان رہی ہوں لیکن میں اسے ہار نہیں کہتی اصل میں ابھی تک مجھے تمہاری شخصیت کو پڑھنے کا موقع نہیں ملا ہے میں نہ تو تمہاری ذہنی صلاحیتوں کے بارے میں کچھ جانتی ہوں اور نہ یہ جانتی ہوں کہ تمہاری کارکردگی کس حد تک ہے مجھے معاف کرنا تمہاری حیثیت صرف اتنی ہے کہ تم ایک ایسے کردار کے ہم شکل ہو جو بہت بڑی شخصیت کا مالک ہے ایک تاریخی شخصیت کا مالک وہ جو تاریخ بدلنے کی قوت اور صلاحیت رکھتا ہے آؤ...... اگر مجھ سے تعاون کرو گے تو یوں سمجھ لو کہ زندگی خوشیوں کا گھر بن جائے گی کامران اس کے ساتھ ساتھ چل پڑا وہ اسے لئے وہ دوسرے کمرے میں چلی آئی یہ کمرا خواب گاہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہوگا خوب صورت بستر پڑا ہوا تھا آرائش کی لاتعداد اشیاء وہاں موجود تھیں اینہ سلفا نے ایک صوفے کی طرف اشارہ کرکے کہا۔

"بیٹھو...... بیٹھ جاؤ......" کامران صوفے پر بیٹھ گیا۔ اینہ سلفا کہنے لگی۔

"میں نہیں جانتی کہ ان واقعات میں تمہارا کردار کہاں سے کہاں تک ہے میں نے تمہیں اس وقت دیکھا جب تم کرنل گل نواز کے ایک خاص اور اہم آدمی کی حیثیت سے میرے سامنے آئے کرنل گل نواز کی کوٹھی میں تو اور بھی بہت سے کردار تھے مجھے ان سے کوئی غرض نہیں تھی بہرحال میرے اور تمہارے درمیان ابھی تک ہوئی ایسی بات نہیں ہے جس کے تحت میں تمہیں اپنے گہرے دوستوں کا درجہ دوں لیکن تمہیں کچھ بتانا بے حد ضروری ہے میں معافی چاہتی ہوں جب تک میرے تمہارے درمیان گہرے رابطے نہیں قائم ہوجائیں گے میں تمہیں اپنے ماضی میں شریک نہیں کرسکتی لیکن جو کچھ تمہیں بتانا ضروری ہے وہ میری مجبوری ہے کیا کہتے ہو اس بارے میں۔"

"پہلے تو تم یہ تسلیم کرو کہ تم اینہ سلفا ہو" کامران نے مضبوط لہجے میں کہا اور اینہ سلفا اسے دیکھتی رہی پھر بولی "لیکن تم نے ابھی مجھے اناطوسیہ کہہ کر پکارا ہے"

"اس کی وجہ بھی میں تمہیں بتادوں گا" کامران بولا۔

"ابھی نہیں بتاؤ گے"

"نہیں......" کامران نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا اور اینہ سلفا اسے دیکھتی رہی پھر مسکرادی اس کے بعد بولی۔

"یہ ٹھوس لہجہ مجھے پسند آیا میں ذرا الگ طبیعت کی مالک ہوں شاید تمہیں میری کچھ باتوں پر حیرت ہو" کامران خاموش ہی رہا تھا۔ اینہ سلفا نے کہا۔

"علی سفیان سے بہت پہلے میں اپنے ایک الجھے ہوئے مسئلے میں پھنسی ہوئی تھی اور تمہیں یہ بتانے میں اب مجھے کوئی دقت نہیں ہے کہ علی سفیان سے میں نے صرف اسی مسئلے کے حل کے لئے شادی کی۔ ماضی میں میرا اور بھی کردار رہ چکا ہے جو میں تمہیں ابھی نہیں بتاؤں گی کیونکہ یہ سمجھ لو کہ وہ میری زندگی کے اہم رازوں میں سے ایک ہے"۔

"ٹھیک ہے میں کوئی ایسا راز تم سے نہیں پوچھوں گا اینہ سلفا جو تم نہ بتانا چاہو حالانکہ وہ رات میرے ذہن میں ہے جب تم کرنل گل نواز کی حویلی کے ایک پراسرار گوشے میں دیا جلائے بیٹھی تھیں میں نہیں جانتا کہ وہ کیا عمل تھا اور کیوں تھا' لیکن ایک انسان ہونے کی حیثیت سے آج تک میرا ذہن تجسس میں ڈوبا ہوا ہے کیا پہلے سوال کا جواب دے سکتی ہو تم۔"

"ہاں کیوں نہیں۔"

"تو بتاؤ وہ سب کیا تھا؟"

"کچھ پراسرار کرداروں کی تلاش، مجھے قدیم جادوئی عمل میں آتے ہیں۔ چراغوں کی روشنی میں ان چہروں کو تلاش کررہی تھی جن کے نشانات مجھے وہاں محسوس ہوئے تھے" کامران نے اس وقت اپنے چہرے کے تاثرات پر قابو رکھا ورنہ وہ سمجھ گیا تھا کہ اینہ سلفا کا اشارہ کس طرف ہے اینہ سلفا بھی غالباً اس وقت اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی' ورنہ آنکھوں کی چوری آسانی سے پکڑی جاتی ہے وہ کسی خیال میں ڈوبی ہوئی تھی اس نے کہا۔

"آہ...... کاش تم مجھ سے سب کچھ سچ سچ بولنے پر تیار ہوجاؤ میرا علم کہتا ہے کہ بے شک تم وہ نہیں ہو جو تمہیں سمجھا جارہا ہے لیکن تم اس بارے میں بہت کچھ بتاسکتے ہو خیر...... تو میں تمہیں بتارہی تھی کہ ماضی قدیم میں میرا ایک کردار رہا ہے میرا ایک مشن ہے جس کی تکمیل کے لئے میں مصروف عمل ہوں کامران ہے نا تمہارا نام۔"

"ہاں"

"کامران میں تم سے درخواست کرتی ہوں کہ تم مجھ سے تعاون کرو۔"

"میرا خیال ہے میں تم سے تعاون کررہا ہوں۔"

"ابھی نہیں...... ابھی تو تمہارے امتحان کی بہت سی منزلیں باقی ہیں۔"

"ٹھیک ہے میں ان سے گزرنے کی کوشش کروں گا۔"

کامران نے جواب دیا۔

"تو میں تمہیں بتا رہی تھی کہ میں ایک مشن پر کام کر رہی ہوں علی سفیان تبت اور سنکیانگ کے علاقوں میں جانے کی تیاریاں کر رہا تھا اور اسے میں نے ہی سفر کے لئے تیار کیا تھا اس عظیم الشان خزانے کا تذکرہ کر کے جو واقعی ایک بہت ہی عظیم خزانہ ہے" اینہ سلفا نے رک کر کامران کی صورت دیکھی اور کامران اس کی نگاہوں کا مفہوم سمجھ گیا اینہ سلفا یہ اندازہ لگانا چاہتی تھی کہ خزانے کے ذکر پر خود کامران کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔

بہر حال کامران نے اس سلسلے میں کوئی تاثر نہیں دیا اور اینہ سلفا صحیح طور پر اندازہ نہیں لگا سکی پھر بولی۔

"میرے بارے میں کچھ اور پوچھنا چاہتے ہو تو مجھے بتاؤ۔"

"اینہ سلفا کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ تم ایک ماضی کا کردار ہو"

"ہاں زمانہ قدیم میں میری مختلف شکلیں رہ چکی ہیں اور میں بس ایک مقصد ایک مشن کے لئے کام کر رہی ہوں اور وہ مشن خزانہ نہیں ہے کیونکہ لاتعداد خزانے میرے قدموں تلے بکھرے ہوئے ہیں مجھے ان کی طلب نہیں ہے ہاں ایسے خزانے میں انہیں دے سکتی ہوں جو میرے مقصد کے لیے کام کریں۔"

"ٹھیک ہے میں تم سے مزید کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں۔"

"مجھے بھی موقع دو گے۔"

"کیوں نہیں۔"

"تو پھر یوں کر لو کہ تم مجھ سے سوالات کرو اس کے بعد میں تمہیں جواب دوں گی۔"

"نہیں میں بس مختصراً تمہارے بارے میں جاننا چاہتا تھا اگر درمیان میں کوئی سوال میرے ذہن میں آیا تو میں کر لوں گا تم مجھ سے پوچھو کیا کرنا چاہتی ہو۔"

"پہلا سوال کیا خزانہ تمہاری بھی منزل ہے" کامران اپنے آپ کو ذہنی طور پر اس کے لئے تیار کر چکا تھا اور اتنی مہارت سے جواب دینا چاہتا تھا کہ صدیوں کا تجربہ رکھنے والی اس عورت کو شبہ نہ ہو سکے۔

"ایک بار پھر اپنا سوال دہراؤ"

"کیا خزانے تمہاری منزل ہیں؟"

"ہاں کون ہے جو دولت کا سہارا لے کر زندگی نہیں گزارنا چاہتا میں خزانے کا خواہش مند ہوں۔"

"وہ میں ہوں جو دولت کا سہارا لے کر زندگی نہیں گزارنا چاہتی خیر چھوڑو میری بات بالکل مختلف ہے اچھا تم یہ بتاؤ کہ وہاں کرنل گل نواز کی حویلی میں کیا گرشک اور سیتا سے تمہاری ملاقات ہوئی تھی" اینہ سلفا نے ایک بہت ہی ٹیڑھا سوال کر دیا کامران چکرا کر رہ گیا تھا پھر اس نے کہا۔

"نہیں لیکن گرشک اور سیتا کا نام بہت سی بار میرے کانوں میں آیا۔"

"آہ پھر مجھے یہ شبہ کیوں ہے کہ گرشک اور سیتا اس حویلی میں موجود تھے۔"

"موجود تھے۔"

"ہاں"

"مگر میں نے انہیں نہیں دیکھا۔"

"یہی تو مجھے شبہ ہے وہ رات جو ہنگاموں کی رات تھی اور جب کسی نے وہ کیسٹ چرا لیا تھا جس میں ماضی قدیم کی کہانی تھی اور خزانے کا ذکر تھا لیکن بے وقوفوں سنو۔ سے کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہاں بات صرف خزانے کی نہیں تھی بلکہ وہاں تو ایک بہت ہی عظیم پراسرار کہانی گردش کر رہی تھی جس کا علم کسی کو بھی نہیں تھا کسی کو بھی نہیں میرے سوا...... علی سفیان کو بھی نہیں۔ آہ...... میں غیر متعلق باتیں کرنے لگی ہوں تو تم کہہ رہے تھے کہ وہاں تم نے گرشک اور سیتا کو نہیں دیکھا۔ کیا تم یہ بات پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکتے ہو کہ اس دوران تمہارا ان سے کوئی تعلق نہیں رہا۔"

"نہیں اینہ سلفا یہ ایک احمقانہ تصور ہے جو تمہارے ذہن میں نہیں ابھرنا چاہیے"

"تعجب ہے پھر تو واقعی تعجب ہے میں تمہیں بتاؤں کہ تم ایک عجیب و غریب کردار ہو بہت ہی عجیب و غریب کردار۔ تم بس کیا کہوں میں تم سے تم یوں سمجھ لو حیرت انگیز طور پر ماضی قدیم کے ایک ایسے شخص سے اتنے ملتے جلتے ہو جو دیوتاؤں کی حیثیت رکھتا ہے اور جس کے نام کے ساتھ ایسی انوکھی اور پراسرار کہانیاں وابستہ ہیں کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے تم اس کے ہم شکل ہو اور اس طرح بہت سوں کی توجہ کا مرکز بن گئے ہو جن میں خود میں بھی شامل ہوں" کامران سپاٹ نگاہوں سے اینہ سلفا کو دیکھتا رہا تب اینہ سلفا بولی" اب تم مجھے میرے کچھ سوالات کا جواب دو"

"ہاں۔"

"تم اچانک ہی منظر سے غائب کیسے ہو گئے......"

"مجھے کچھ لوگوں نے اغوا کر لیا تھا ایک کردار تھا جس کے بارے میں شاید تمہیں بھی علم ہو کیونکہ میں نے اس کے بارے میں کرنل گل نواز کو بتا دیا تھا"

"والش کی بات کر رہے ہو"

"ہاں"

"آہ...... والش، والش ایک انتہائی بدنما اور شیطانی کردار ہے اس کا تعلق بھی ماضی سے ہے اور مجھے اس کے ہاتھوں بڑے نقصانات اٹھانے پڑے ہیں۔"

"تو پھر"

"والش کے ساتھ سفر کر رہا تھا میں کہ والش کا ٹکراؤ ایک گروپ سے ہو گیا" کامران نے اسے ساری تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"وہاں کرنل گل نواز کی کوٹھی میں تمہاری ملاقات گرشک اور سیتا سے نہیں ہوئی تھی۔"

"میں ان کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔"

"کیا کسی پراسرار وجود نے ایک ویڈیو کیسٹ تمہیں نہیں دیا تھا۔"

"تم نے پہلے بھی مجھ سے اس کے بارے میں پوچھا اور میں نے نفی میں جواب دیا تھا۔"

"پہلے کی بات ذرا مختلف ہے۔"

"ہوں۔ ٹھیک ہے چلو چھوڑو ان باتوں کو میں تمہیں کچھ بتانا چاہتی ہوں میں بے شک ان لوگوں

کے ساتھ شامل ہوں لیکن میرا مشن کچھ اور ہے اور اس مشن میں تم میرے معاون ہو سکتے ہو جو دو نام میں نے تمہارے سامنے لئے ہیں۔ ان کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہ پاتال پرکھنا کی تلاش میں ہیں اور اس کی قربت چاہتے ہیں کیونکہ گہرائیوں میں ان کی کہانی پوشیدہ ہے ایک عجیب اور پراسرار کہانی جو ابھی تم تک نہیں پہنچ سکی لیکن میں چاہتی ہوں اور جیسا کہ میں نے تم سے پہلے بھی کہا اور جیسا کہ اب میں تمہیں بتا رہی ہوں کہ تم میرا ساتھ دو میرے ساتھی بن کر سارے کام کرو ہم ان کا پیچھا کریں گے ان تک پہنچ جائیں گے لیکن ان کے درمیان پہنچ کر بھی تم میرے ساتھی رہو گے۔"

"میں ان سارے جھگڑوں سے آزاد ہونا چاہتا ہوں۔"

"افسوس نہیں ہو سکتے کیونکہ تم اس کہانی کا ایک اہم حصہ ہو۔"

"تو پھر مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

"مجھ سے تعاون۔"

"ایک بات بتاؤ گی اینہ سلفا۔"

"پوچھو۔"

"تم ان سے جدا ہو گئی ہو۔"

"نہیں۔"

"مطلب۔"

"مطلب نہیں بتاؤں گی تمہیں بس یوں سمجھ لو میں ان کے ساتھ ہوں ان کے درمیان ہوں اور ان سے الگ بھی ہوں ان لوگوں کو میرے بارے میں کوئی تشویش نہیں ہو گی کیونکہ میں نے جو عمل کیا ہے وہ تم تک آنے کے لئے کیا ہے اور میرے لئے وہ عمل مستحکم اور مکمل ہے۔" کامران کی سمجھ میں بات نہیں آ گئی تھی لیکن کسی بھی سلسلے میں بحث کرنا بے مقصد تھا ظاہر ہے جس مغالطے میں وہ بہت زیادہ نہیں جانتا تھا اس میں بولنا مناسب نہیں تھا اس نے البتہ اپنے طور پر ایک سوال کیا۔

"تمہارے ساتھ شامل رہ کر کیا میں کرنل گل نواز سے مل سکوں گا۔"

"ہاں ہم آخر کار ان سے جا ملیں گے وہ اس وقت کہاں ہیں میں تمہیں بتانا نہیں چاہتی لیکن یہ سمجھ لو کہ وہ اپنے مقصد کے لئے مصروف عمل ہیں البتہ ان کی رفتار بہت سست ہو گئی ہے کیونکہ انہوں نے اچھا خاصا وقت تمہیں تلاش کرنے میں بھی گزارہ ہے اور شاید اب تمہاری ملاقات سے مایوس ہو گئے ہیں لیکن میں تمہیں ان کے پاس ہی لے کر جاؤں گی البتہ جو کچھ میں نے کہا۔"

"نہیں اینہ سلفا! اگر اس کے بدلے میں مجھے کچھ بہتر اطلاعات کی امید ہو تو میں سمجھتا ہوں کہ میرا مقصد وہی رہے گا جو تھا اور جس کے تحت میں ان علاقوں میں آیا تھا۔"

"خزانہ۔"

"ظاہر ہے۔"

"وہ میں تمہیں اتنا مہیا کر دوں گی کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے لیکن اس کہانی میں تمہیں پورا پورا حصہ

لینا پڑے گا۔"

"میں تیار ہوں" کامران نے جواب دیا اور اینہ سلفا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی پھر اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے اور اس کے بعد ہم اپنے سفر کا دوبارہ آغاز کریں گے اور تم مکمل طور پر میرے ساتھ رہو گے۔"

"میں نے کہا نا میں تیار ہوں" کامران نے جواب دیا۔

♡......♡......♡

اینہ سلفا یا اباطوسیہ یا ماضی قدیم کا وہ پراسرار کردار جو نہ جانے کیسی کیسی کیفیتوں سے گزر چکا تھا اس وقت گرے ماؤچی کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اور گرے ماؤچی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

"تو وہ تمہارا ساتھ دینے پر تیار ہو گیا۔"

"ہاں مجھے اس کی توقع نہیں تھی لیکن حیرت انگیز طور پر وہ میرے ساتھ تعاون پر آمادہ ہو گیا ہے اصل میں وہ اسی دنیا کا انسان ہے گرے ماؤچی! اور دنیا بہت بری جگہ ہے ہمارا مقصد اور مشن دوسرا ہے لیکن اس کا مقصد اور مشن صرف خزانہ ہے جس کا میں نے اس سے وعدہ کر لیا ہے۔"

"میں اس سوچ میں ڈوبا ہوا ہوں کہ مجھے سالازار اور دوسرے لوگوں کے لئے کیا کرنا چاہیے اصل میں بات یہی آ جاتی ہے کہ میں نے ان لوگوں کو اسی لئے علیحدہ کیا تھا کہ وہ ہمارے میرا مطلب ہے تمہارے مقصد کے لئے کارگر نہیں تھے لیکن انہیں تیار کیا جا سکتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر ان کا ساتھ رہے اور تم بھی اپنا یہ مشن جاری رکھ سکو تو اس میں آسانی ہو جائے گی میری بات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔"

نشیمہ سالازار اور شاہیری ان تینوں سے اس شخص کی خاصی لاپ ڈاٹ ہو چکی ہے تم اس سفر میں انہیں اپنے ساتھ رکھو آسانی ہو جائے گی۔"

"ہاں یہ بے ضرر لوگ ہیں مجھے اعتراض نہیں سوائے اس کے کہ ان کے لئے تیاریاں کرنا ذرا مشکل کام ہو گا۔"

"گرے ماؤچی سے یہ بات کہہ رہی ہو"

"نہیں مگر انہیں تو پولیس کی تحویل میں دے دیا گیا ہے"

"گرے ماؤچی سے یہ بات کہہ رہی ہو" گرے ماؤچی پھر پہلے کے سے انداز میں بولا اور اینہ سلفا مسکرا دی۔

"سوری"

"ہو جائے گا سب کچھ ہو جائے گا ان کی واپسی بھی ہو جائے گی اور اس شخص کا اطمینان بھی ہو جائے گا"

"ٹھیک ہے تو پھر آپ تیاریاں کریں۔"

"گویا تم میری تجویز پر کام کرنے کے لئے تیار ہو؟"

"آپ مجھے حکم نہ بھی دیتیں تو ظاہر ہے میں اس کے علاوہ کیا کرتا؟"

"ٹھیک ہے میں تیاریاں کرتا ہوں" اس کے بعد گرے ماؤچی نے تیاریاں کیں زلانہ سے نکلنے میں انہیں کوئی وقت نہیں ہوئی چنانچہ انہوں نے زلانہ سے سفر کا آغاز کیا اور اینہ سلفا بھی ساتھ تھی لیکن ذرا الگ الگ سی اس کا مقصد کچھ اور تھا ایک طویل ترین فاصلہ طے کرنے کے بعد وہی مناظر نگاہوں کے سامنے آ گئے جن سے کامران گزر چکا تھا یہ حالات اس کا پیچھا چھوڑنے پر تیار نہیں تھے بہرحال سنکیانگ کے علاقے میں داخل ہونے کے بعد وہ ایک بدھ پگوڈے میں پہنچ گئے یہاں داخل ہونے کے لئے بدھ انداز اختیار کرنا پڑا تھا اب سلازار بھی بھرپور ساتھ دے رہا تھا اور اس کے مشورے بھی شامل حال تھے چنانچہ سب سے پہلے ان لوگوں نے بدھ یاتریوں کا روپ اختیار کیا سارے انتظامات بہ آسانی ہو گئے تھے اینہ سلفا کی ہدایت کے مطابق میں روپ اختیار کر کے وہ لوگ دوسروں کی نگاہوں سے بچ سکتے تھے۔

بہرحال وہ ان یاتریوں کے بھیس میں آ گئے اور خود بھی انہوں نے بدھ مندر میں پہلے دن پوجا پاٹ کی کامران کو یہ سب کچھ بہت عجیب لگ رہا تھا اس بار صورتحال خاصی تبدیل ہو گئی تھی لیکن یہ اندازہ اسے بہ خوبی ہو گیا تھا کہ وقت سے تعاون کرنا، وقت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ جس وقت وہ بدھ مندر میں داخل ہوا تو سب سے پہلے اس نے سامنے کی دیوار پر ایک بہت بڑا نقش بنا ہوا دیکھا یہ ایک عجیب و غریب نقش تھا ایک سانپ کی تصویر جو بہت ہی عجیب و غریب اور پراسرار نظر آ رہی تھی قرب و جوار میں یاتریوں کی بھیڑ تھی اطراف میں مجسمے جو مختلف شکلوں کے تھے پیلے اور سفید رنگ کے مختلف لباس میں پجاری جو پوجا پاٹ کے کاموں میں مصروف تھے کامران ان ساری چیزوں کو دیکھتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ وہ تینوں بھی اس کے ساتھ ہی تھے البتہ اینہ سلفا یہاں آ کر کچھ گم سی ہو گئی تھی۔ کامران اس عجیب و غریب سانپ کو دیکھتا رہا اسے یوں لگا جیسے سانپ لہریں لے رہا ہے کنڈلی بدل رہا ہے۔ کامران کو ایک سحر کا سا احساس ہوا۔ نہ جانے یہ سانپ اس کے ذہن میں کون سی جگہ فرض تھا اس کے بارے میں اسے کچھ معلوم نہیں تھا لیکن یہ اس کے ذہن میں تھا اور وہ اس وقت اس کے دماغ میں بری طرح چل رہا تھا نہ جانے اس سانپ سے اس کا کیا تعلق ہے اچانک ہی نشیمہ نے کامران کو دیکھا اور بولی۔

"کیا بات ہے کامران! تم رک کیوں گئے؟"

"نہیں کوئی بات نہیں ہے۔" کامران نے کہا اور ان کے ساتھ آگے قدم بڑھا دیئے۔

"سنگ مرمر کے فرش پر جگہ جگہ یاتریوں نے ڈیرے جمائے ہوئے تھے انہوں نے بھی ایک جگہ چن لی اور بیٹھ گئے سلازار نے کہا۔

"یہاں لوگ جو عمل کر رہے ہیں وہ ہمارے مذہب کے منافی ہے اور ہم کسی مجبوری کے عالم میں بھی ان کی نقل نہیں کر سکتے لیکن مجھے شبہ ہے کہ بہت جلد یہ لوگ ہمیں مشکوک نگاہوں سے دیکھیں گے اس لئے اب یہ بتاؤ کہ یہاں کیا کرنا ہے اور وہ تمہاری ساتھی عورت کہاں گئی جسے دیکھ کر نہ جانے کیوں میرے ذہن میں انوکھے اور پراسرار خیالات آنے لگتے ہیں اور اسے میں نے سفر میں بہ مشکل برداشت کیا ہے"

"یعنی اینہ سلفا۔"

"پتا نہیں کون" سلازار نے بے زاری سے لہجے میں کہا۔

"میں یہاں کسی مانوس شکل کو تلاش کرتا ہوں جس سے معلومات حاصل کر سکوں۔"

"مانوس شکل سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"میرا مطلب ہے کوئی ایسا نرم انسان جو مجھے کچھ بتا دے"

"احتیاط کے ساتھ یہ کرو ہم کسی کی نگاہوں میں مشکوک نہیں ہونا چاہئے" سلازار نے کہا۔

اور کامران سوچ میں ڈوب گیا اینہ سلفا غائب تھی ویسے بھی وہ پراسرار وجود اس پورے سفر کے دوران ہر لمحہ ان کے ساتھ نہیں رہا تھا بلکہ کئی جگہ گم ہو جاتی شناہیری نے کہا۔

"باہر یاتریوں نے ڈیرے جما رکھے ہیں وہاں پوجا نہیں ہوتی ہمیں اپنے لئے وہاں جگہ تلاش کرنا ہوگی۔"

"اس کے بعد کیا کریں گے؟"

"ظاہر ہے رات کا انتظار۔ رات کے کسی حصے میں یہاں عبادت ختم ضرور ہوتی ہوگی اسی وقت ہمارے کام کا آغاز ہوگا۔" کامران نے اینہ سلفا کی ہدایت کے مطابق کہا۔

"سلازار تھوڑی دیر سوچ میں ڈوبا رہا پھر کہا۔

"مگر کام کیا ہے؟"

"تم جانتے ہو بزرگ سلازار کہ اب ہم لوگ اناطوسیہ کی ہدایت پر کام کر رہے ہیں اناطوسیہ جو کچھ کہے گی وہی کر سکتے ہیں ظاہر ہے اس وقت وہ ہماری رہنما ہے" سلازار گہری سانس لے کر تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔

"مگر کیا اس وقت ہم تمہارے پاس نہیں ہوں گے جب تم کچھ کرو گے"

"میرا خیال ہے نہیں۔"

"اور اگر تمہیں کوئی مشکل پیش آ گئی تو۔"

"اس وقت کوئی اور میرا مددگار ہوگا" کامران نے جواب دیا اینہ سلفا کی یہی ہدایت ہے یہ بھی اس نے کہا تھا کہ اسے اینہ سلفا کے نام سے یاد نہ کیا جائے! اگر سلازار وغیرہ کے سامنے تذکرہ ہو کہ وہ کون ہے تو وہ اسے صرف اناطوسیہ کہے سلازار نے بھی اناطوسیہ سے ملنے کے بعد نہ تو کوئی سوال کیا تھا اور نہ اس کے بارے میں بہت زیادہ جاننے کی کوشش کی تھی۔

بہرحال وقت گزرتا رہا نشیمہ خاص طور سے بدھ مذہب کے اس ماحول سے زیادہ متاثر تھی اور بڑی دلچسپی سے سب کچھ دیکھ رہی تھی اس نے کہا۔

"عجیب طریقہ عبادت ہے لیکن پتا نہیں تم لوگوں نے کوئی بات محسوس کی یا نہیں"

"کیا؟"

"یہ لوگ ہماری طرف سے خاص طور سے مشکوک ہو چکے ہیں"

"ہاں.. مجھے بھی اس بات کا شبہ ہے آؤ...... ہمیں یہاں سے اٹھنا چاہیے کامران نے کہا اور پھر وہ باہر نکلتے ہوئے بولا۔

''میں آپ لوگوں کو ایک چیز دکھانا چاہتا ہوں خاص طور سے بزرگ سلازار آپ کو کیونکہ آپکو دنیا بھر کا تجربہ ہے''۔

''خیر! ایسی بھی بات نہیں ہے دنیا تو اس قدر وسیع ہے اس کی آغوش میں بسنے والے اتنے عجیب و غریب اور ناقابل فہم ہیں کہ سوچ کے دائرے تک وہاں نہیں پہنچ سکتے مگر تم مجھے کیا دکھانا چاہتے ہو؟''

''ادھر دیکھیے اس طرف اس دیوار کی طرف'' کامران نے اشارہ کیا اور تینوں کی نگاہیں اس طرف اٹھ گئیں''۔

''وہ دائرہ اور اس سے لپٹا ہوا سانپ''

''ہاں نہ جانے کیوں یہ نشان میرے ذہن سے چپک رہا ہے اور مجھے مضطرب کر رہا ہے''۔

''ہاں وہ ان لوگوں کا کوئی مذہبی نشان ہے''

''یہاں تو چاروں طرف عجیب عجیب نقش بنے ہوئے ہیں کہیں بارہ ہاتھوں والی عورت' کہیں بندر نما آدمی کہیں ہاتھی کی سونڈ والا حیوان اور کہیں چکر گھماتا ہوا کوئی مرد یہ نشان بھی اس سلسلے کی کوئی چیز ہو سکتی ہے'' شاہیر ی نے کہا۔

''بس انسان نہ جانے کیسی کیسی چیزوں کو ذہن میں رکھتا ہے اور کسی نہ کسی شکل میں اس کی عملی تصویر پیش کر دیتا ہے ان لوگوں کے مذہبی معاملات بھی ایسے ہی معلوم ہوتے ہیں''

''اس نشان کو خاص طور سے آپ ذہن میں رکھیے''۔

کامران نے نہ جانے کس خیال کے تحت کہا اور انہیں لے کر باہر نکل آیا۔

''آخر کار انہوں نے ایک ٹھکانا تلاش کر لیا لیکن سلازار گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا اس ٹھکانے پر پہنچنے کے بعد اس نے کہا۔

''کامران''۔

''ہاں''۔

''تم نے دائرے اور سانپ کا خاص طور سے تذکرہ کیا ہے''

''ہاں''

''کیا اس کے بارے میں کوئی خاص خیال ہے تمہارے ذہن میں''۔

''خاص خیال تو نہیں ہے لیکن آپ یوں سمجھ لیجئے کہ میں ایک عجیب سی الجھن میں مبتلا ہوں اور بہت کچھ سوچ رہا ہوں اس کے بارے میں، میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ لوگوں نے کہیں اور یہ نشان دیکھا ہے''۔ کوئی کچھ نہ بولا تو اچانک انشینہ نے کہا۔

''پتا نہیں کیوں۔ میں اس نشان سے واقف ہوں۔ میں نے جب اس پر غور کیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ جب ہم چنگ کی رہائش گاہ میں گئے تھے تو ایسا ہی ایک نشان ہمیں وہاں بھی نظر آیا تھا یہاں لاتعداد دیوی اور دیوتاؤں کے سنگی مجسمے عجیب عجیب شکلوں میں دیکھے تو مجھے یاد آیا دائرے کے اندر لہراتے ہوئے سانپ کو دیکھ کر میں نے بھی یہ سوچا تھا کہ یہ نشانات بدھ روایت کا کوئی سمبل ہوگا' کیونکہ وہاں مختلف شکلیں ڈریگن

وغیرہ کی پائی جاتی ہیں بے شک وہ میرے لئے کوئی اہم بات نہیں تھی جس کا میں تذکرہ کرتی یا اس کے بارے میں خاص طور سے سوچتی ویسے کامران کیا تم اس بات کی نشان دہی کرنا چاہتے ہو کہ ایسا نشان تم نے چنگ کی رہائش گاہ پر بھی دیکھا'' کامران نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''ہاں یہی میں بھی کہنا چاہتا تھا جب میں چنگ کی رہائش گاہ میں داخل ہوا اور میری نگاہ اس پر پڑی تو مجھے یہ احساس ہوا کہ یہ نشان میں نے کہیں دیکھا ہے لیکن مجھے یاد نہیں آسکا کہ کہاں، بات میرے ذہن سے نکل گئی تھی لیکن یہاں اس عبادت گاہ میں آنے کے بعد جب میری نگاہ اس نشان پر پڑی تو مجھے یاد آگیا کہ یہ نشان میرے لئے اجنبی نہیں ہے لیکن یہ بات میرے لئے حیرانی کا باعث ہے کہ چنگ کا اس نشان سے کیا تعلق ہے؟'' سلازار کی آنکھیں سوچ میں ڈوب گئی تھیں۔ دیر تک وہ سوچتا رہا پھر آہستہ سے بولا۔

''یہ حقیقت ہے کہ میں نے زندگی میں بہت کچھ کیا ہے لیکن اب مجھے احساس ہو رہا ہے کہ بہت سے معاملات میری سوچ سے آگے ہیں' جن کے بارے میں مجھے کوئی اندازہ نہیں ہو سکا پتا نہیں کیا اسرار ہے؟ چلو خیر چھوڑو اب یہ بتاؤ کہ آگے تم کیا کرنا چاہتے ہو؟''

''یہاں اس عبادت گاہ میں داخل ہونے کے بعد میں نے اس نشان کے سوا کوئی چیز نہیں دیکھی لیکن یہ ضروری ہے کہ ایک ایسے نشان کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں''۔

''کیوں ضروری ہے کیا تم یہ بتانا پسند کرو گے''

''میں نہیں جانتا بس یہ سمجھ لیجئے کہ اس نشان کو دیکھ کر میرے اندر کوئی خاص تحریک اٹھتی ہے۔ میں اسے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا'' کامران کے الفاظ پر سب خاموش ہو گئے تھے بہت دیر تک یہ خاموشی برقرار رہی اس کے بعد شاہیر نے پوچھا۔

''اچھا ایک بات بتاؤ۔ تم یہ رات کیوں اس عبادت گاہ میں گزارنا چاہتے ہو؟''

''نہیں۔ یہ ممکن نہیں ہے''۔

''آخر کیوں؟''

''بس یہ سمجھ لیجئے کہ اناطوسیہ یہ نہیں چاہتی''۔

''اناطوسیہ'' سلازار نے عجیب سے انداز میں کہا اور خاموش ہو گیا لیکن اس کی اس کیفیت سے کوئی صحیح بات ظاہر نہیں ہو رہی تھی اس کے بعد وقت گزرتا رہا رات ڈھلی تو کامران نے دیکھا کہ اندر آنے جانے والوں پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ عقیدت مندرات کے وقت بھی عبادت میں مصروف ہوا کرتے تھے کامران کی نظر اس طویل القامت شخص پر پڑی' جو چند پجاریوں کے درمیان کھڑا ہوا تھا اور کچھ بے زار بے زار سا نظر آ رہا تھا جب کہ پجاری اس کے سامنے اتنے مودب تھے جیسے وہ ان کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہو اس شخص کو کامران نے پہلے بھی دیکھا تھا لوگ اس کا احترام کر رہے تھے کوئی اس کے ہاتھ چوم رہا تھا' کوئی اس کے پاؤں چوم رہا تھا' کوئی اس کا لباس' کوئی اس کے بدن کو ہاتھ لگا رہا تھا اس کا مطلب ہے کہ یہ ان کی کوئی مقدس ہستی ہے اس کی عمر بھی اچھی خاصی تھی' لیکن عمر رسیدہ ہونے کے باوجود وہ انتہائی شاندار صحت کا مالک تھا نہ جانے کیوں کامران کو یہ شخص کچھ پر اسرار سا لگا اور کامران نے اس پر نگاہ رکھی اس وقت بھی وہ اپنے پیرو

کاروں کو کچھ بتا رہا تھا اس کے بعد وہ واپسی کے لئے پلٹ پڑا۔ کامران اس کے پیچھے چل پڑا تھا۔

سنگی ستونوں پر پتھریلے مجسموں کی آڑ لیتا ہوا وہ اس کا تعاقب کرتا رہا یہاں تک کہ وہ ایک ایسی جگہ داخل ہو گیا جسے رہائش گاہ کہا جا سکتا تھا اس رہائش میں دروازہ نہیں تھا بس کچھ راہداریاں مڑنے کے بعد ایک ایسی شکل اختیار کر جاتی تھی کہ اسے محفوظ کہا جا سکتا تھا لیکن یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ کوئی وہاں داخل نہ ہو سکے سنگی ستونوں ہی کی آڑ سے کامران نے دیکھا کہ اس شخص نے ایک جگہ پہنچ کر وہاں رکھے ہوئے مٹکے سے اپنا چہرہ دھویا وہ تلک وغیرہ صاف کیا جو اس کی پیشانی پر لگے ہوئے تھے گردن وغیرہ پر گیلا ہاتھ پھیرا اور آرام دہ بستر پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گیا ایک سمت روشنی ہو رہی تھی کچھ دیر وہ اس طرح بیٹھا رہا اور اس کے بعد بستر پر لیٹ گیا۔ گویا وہ آرام کرنے کا ارادہ رکھتا تھا بستر پر لیٹتے ہی اس نے کچھ ایسا عمل کیا جس سے وہ روشنی بجھ گئی اور تاریکی ہو گئی کامران اب اس بات سے خود کو متفق کر چکا تھا کہ اب اس شخص کو قابو کیا جائے جو سکتا ہے یہ اس کے لئے کار آمد ثابت ہو اینہ سلفا نے اسے ان معلومات کے لئے جو ہدایات کی تھیں ان کے مطابق ہی کام کرنا تھا تھوڑی دیر تک مزید انتظار کرتا رہا پھر وہ اپنی جگہ سے نکل کر آگے بڑھا اور پھر ایک دم دوبارہ روشنی ہو گئی غالباً وہ شخص جاگ رہا تھا اور اس کے حساس کانوں نے کامران کے قدموں کی آواز سن لی اسے دیکھ کر وہ ایک دم اپنے بستر پر اٹھ کر بیٹھ گیا اور اس نے انتہائی کرخت لہجے میں کہا۔

”کون ہے تو اور یہاں تک کیوں آیا ہے راستے میں تجھے کسی نے روکا نہیں تجھے معلوم ہے میں سارے دن کا تھکا ہوا ہوں اب میرے پاس کسی سے باتیں کرنے کے لئے کوئی وقت نہیں ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم لوگ ایسا کیوں کرتے ہو چلا یہاں سے چلا جا۔ اگر میں نے اپنے عبادت گزاروں کو آواز دے دی تو وہ تیرے ساتھ سخت سلوک کریں گے اگر تیرا کوئی کام ہے مجھ سے تو اس وقت نہیں صبح کو میرے پاس آنا جا تو نے مجھے سوتے سے جگا کر اچھا نہیں کیا۔“ وہ بے زارانہ انداز میں ہاتھ اٹھا کر بولا لیکن کامران چند قدم چل کر اس کے قریب پہنچ گیا اور پھر اچانک ہی کامران نے اس پر حملہ کر دیا اس نے پھرتی سے آگے بڑھ کر اسے گردن سے پکڑ لیا اور بستر سے اٹھا کر اسے کمرے کے وسط میں لے آیا اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں کامران اپنی اس قوت سے کام لے رہا تھا جو قدرتی طور پر اسے بخش دی گئی تھی اس سے جس کے بارے میں صحیح طور پر کوئی اندازہ بھی نہیں لگایا تھا اس شخص کو کامران کے اس عمل پر شدید حیرت ہوئی تھی اس نے اپنی گردن چھڑانے کے لئے کامران کی کلائی پر ہاتھ جما دیئے اور اپنے آپ کو کامران کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرنے لگا لیکن کامران اسے جھٹکے سے کمرے کے درمیان لے آیا اور پھر اس نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

”جس طرح تم نے بستر پر لیٹے لیٹے روشنی بند کی اور جلائی اور اس کے بعد تم نے یہ کہا کہ تم پجاریوں کو بلا سکتے ہو تو مجھے یہ خدشہ ہوا کہ کہیں تمہارے پاس کوئی ایسا انتظام نہ جس کے تحت تم باہر سے پجاریوں کو بھی بلا لو۔ اس لئے میں تمہیں یہاں تک لے آیا ہوں تمہاری گردن پر میری گرفت اتنی سخت نہیں ہے جسے غیر دوستانہ کہا جائے لیکن بہر صورت تم بھی تو تم رکھ سکتے ہو۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے سنو اور غور سے سنو نہ میں تمہارا عقیدت مند ہوں، نہ میں کسی ایسے کام سے آیا ہوں جس میں تمہاری دعائیں درکار ہوں۔ کیا سمجھے۔“

”تم میرے عقیدت مند نہیں ہو۔“ اس نے سوال کیا۔

”نہیں ہوں یہ کہا ہے میں نے میں تم سے کچھ معلومات حاصل کرنے کے لئے یہاں تک آیا ہوں اگر تم نے مجھے شرافت سے وہ معلومات فراہم کر دیں تو میں خاموشی سے تم سے معذرت کر کے اور تمہارا شکریہ ادا کر کے یہاں سے چلا جاؤں گا اور اگر تم نے کسی چالاکی یا ہوشیاری سے کام کیا تو تمہاری گردن کو اتنا چلا کر دوں گا کہ تمہارا سر اس پر ٹکا نہ رہ سکے اور وہ تمہاری موت کے بارے میں یہ سوچیں کہ آخر تم کس طرح موت سے ہم کنار ہوئے بولو کیا میں اس گرفت کو سخت کر دوں یا تمہاری گردن چھوڑ دوں۔“ کامران کی نگاہیں اس کا جائزہ لے رہی تھیں ایسے مواقع بہت کم آئے تھے کہ کامران نے کسی انسان کے ساتھ اس قدر جارحیت سے کام لیا ہو۔

بہر حال وہ خوف زدہ ہو گیا تھا اس نے کہا۔

”میری گردن چھوڑ دو۔“ اس کی آواز پھنسی پھنسی سی تھی چنانچہ کامران نے اس کی گردن چھوڑ دی پھر کہا۔

”آؤ اب یہاں بیٹھ جائیں، میری مجبوری تھی کہ میں چھپ کر تمہارے پاس آؤں کیونکہ اور کوئی ذریعہ مجھے نظر نہیں آیا تھا“ وہ شدید تکلیف کے عالم میں تھا اور دونوں ہاتھوں سے اپنی گردن کو مسل رہا تھا پھر اس نے پانی کے اس مٹکے کی طرف دیکھا جس سے اس نے پانی لے کر اپنا چہرہ وغیرہ دھویا تھا اس کے ہونٹوں پر پپڑی جم گئی تھی کامران نے اس سے نرم لہجے میں کہا۔

”تمہیں خاموش رکھنا میری مجبوری تھی لیکن اس کے علاوہ میں تمہارے ساتھ کوئی سختی نہیں کرنا چاہتا‘ پانی پینا چاہتے ہو۔“

”ہاں“ اس کے حلق سے بہ مشکل تمام آواز نکلی کامران نے جس طرح اس کی گردن دبائی تھی اس سے اس کی گردن کی کچھ رگیں دب گئی تھیں اس کی آواز پھنسنے لگی تھی چنانچہ کامران نے اشارہ کیا۔

”جاؤ۔ پانی پیو۔“ وہ خاموشی سے آگے بڑھا اس نے پانی پیا اور پھر کامران کے سامنے آ گیا۔

”بیٹھ جاؤ۔“ کامران نے اشارہ کیا اور وہ زمین پر بیٹھ گیا خوف کے آثار اب بھی اس کے چہرے پر کندہ تھے کئی بار اس کی نگاہیں ادھر ادھر اس انداز میں بھٹکی تھیں جیسے وہ کسی مدد کی تلاش میں ہو۔ کامران نے نرم لہجے میں کہا۔

”اگر تمہیں ڈرنے کا شوق ہے تو تمہارے اس شوق پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے میری خواہش ہے کہ تم مجھے سچا سمجھو۔ میں تم سے کچھ معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں اس کے بعد میں خاموشی سے یہاں سے چلا جاؤں گا بشرطیکہ تم نے کوئی گڑبڑ نہ کی ورنہ اس کے بعد جو کچھ ہوگا اس کے ذمے دار تم خود ہو گے۔“

”نہیں مہاراج! ہم بھلا آپ کو نقصان کیوں پہنچانے لگے آپ جس طرح ہمارے سامنے آئے بس اس بات نے ہمیں پریشان کر دیا ورنہ ہم تو سیدھے سچے آدمی ہیں کسی کو بھی نقصان نہ پہنچانے والے آپ جانتے ہیں ہمارا دھرم ایسا ہی ہے۔“

”ہاں تو میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔“

”پوچھیے مہاراج پوچھیے مہاراج“ اس نے کہا۔

''تم کتنے عرصے سے اس نیچپل میں ہو۔''

''جیون بیت گیا مہاراج! کوئی سولہ سال ہو گئے ہمیں یہاں رہتے ہوئے ہمارا تو اب باقی سنسار سے کوئی واسطہ ہی نہیں ہے۔''

''کیا نام ہے تمہارا۔''

''ساگاتری'' اس نے جواب دیا۔

''ساگاتری یہاں ایک مہاترم سام راشی ہوا کرتے تھے۔''

''ہاں مہاترم سام راشی تو بہت بڑے دلائی لامہ جنہوں نے تنہا یہ عبادت گاہ بنائی تھی۔''

''کہاں گئے وہ۔''

''اترم پر بھاتر اسنسار سے چلے گئے وہ انہوں نے ہارا کاری کر لی تھی۔''

''ہارا کاری؟''

''ہاں۔ آتم ہتھیا' خودکشی' جو کچھ بھی تم چاہو کہہ لو'' اس نے بڑے سکون سے جواب دیا۔

کامران کو اپنی سماعت پر شبہ ہونے لگا۔ پھر اس نے حیران لہجے میں کہا۔ ''ارے..... مگر کیوں؟''

''ہمارا خیال ٹھیک تھا تم ہمارے دھرم سے واقفیت نہیں رکھتے۔ ہمارے ہاں تو ہارا کاری کو یہ سمجھ لو کہ سب سے اچھی موت ہے سدھارت کے چرنوں میں جانے کے لئے۔''

''اس بات کو کتنا عرصہ گزر گیا؟''

''کوئی بارہ سال۔''

''مگر انہوں نے جینا کیوں نہ پسند کیا؟''

''ہمیں نہیں معلوم۔''

''یہ تو بڑی عجیب بات ہے اچھا ایک بات بتاؤ۔ اس مندر میں ایک تہ خانہ بھی تھا۔''

''ہاں تھا۔ اب بھی ہے۔''

''کیا میں اس تہ خانے کو دیکھ سکتا ہوں؟''

''مہاتری اس کے دروازے تو سدا کے لئے بند کر دیئے گئے ہیں کیونکہ اسی تہ خانے میں مہاترم سام راشی نے اپنے پران دیئے تھے اس کے بعد یہ تہ خانہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا؟''

''کیا مطلب..... کیسے بند کر دیا گیا؟''

''اینٹیں چن دی گئی ہیں وہاں اب تو وہاں چمگادڑوں کی بیٹ اور بدبودار گندے چوہوں کے سوا اور کچھ نہیں ملے گا۔''

''میں اسے ہی دیکھنا چاہتا ہوں۔'' کامران نے کہا۔

''ہرے رام ہرے رام۔ مہاراج' سات آٹھ سال سے وہاں کوئی بھی نہیں گیا۔ پوری طرح چن دیا گیا تھا اس تہ خانے کو اگر آپ چاہو تو میں آپ کو یہ دروازہ دکھا سکتا ہوں۔ جسے اب مضبوطی سے چن کر اس پر پلستر کر دیا گیا ہے۔'' کامران کچھ دیر سوچتا رہا پھر بولا۔

''اور کوئی ایسی شخصیت جو اس دور کی ہو جب مہاترم سام راشی زندہ تھے۔''

''ہاں۔ یوں تو بہت سے لوگ ہیں جو مہاترم سام راشی کے سیوک تھے لیکن اب اس مندر کی دیکھ بھال ایک ہندو دیوی' چترا دیوی کرتی ہیں اور چترا دیوی مہاترم کی بڑی خدمت کرنے والی تھیں حالانکہ......''

اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور کامران اپنے ذہن میں اس کے کہے ہوئے ایک ایک لفظ کو محفوظ کرنے لگا پھر اس نے کہا۔

''دیوی چتراوتی یا چترا دیوی جو بھی ہیں مجھے کہاں مل سکیں گی؟ کچھ معلومات کرنی ہیں مجھے دیکھو میں برا آدمی نہیں ہوں لیکن یہ ساری معلومات میری زندگی کے لئے ضروری ہیں مجھے چترا دیوی کا پتا بتاؤ۔''

''آپ مجھے ساتھ لے لیں میں آپ کو خود وہاں تک پہنچا کر چلا آؤں گا مہاتری'' اس نے کہا۔

''نہیں بالکل صاف ستھرا اور سیدھا سچا پتا بتا دو' بس' میں اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہتا'' ساگاتری گردن ہلانے لگا کچھ دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔

''تو آپ یاد کر لیجئے ان کا گھر تو یہاں سے کافی دور ہے لیکن مشکل نہیں ہوگا ان کے یہاں پہنچنا''

''پتا بتاؤ'' کامران نے کہا اور وہ پتا بتانے لگا جسے کامران نے ذہن نشین کر لیا تھا' پھر وہ بولا۔

''ٹھیک ہے اور کوئی ایسی بات جو اس دور سے تعلق رکھتی ہو۔''

''ہمارے من میں کچھ نہیں ہے مہاتری۔''

''ٹھیک ہے اب جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس کا خیال کرنا۔ میں یہاں سے جا رہا ہوں اور میں نے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا یہ مجبوری تھی کہ میں اس طرح تم تک پہنچا کیونکہ اگر میں آسانی سے تم سے یہ سوالات کرتا تو تم مجھے میرے ان سوالات کے جوابات نہ دیتے کیونکہ تم بڑے آدمی ہو میں نے دیکھا تھا کہ یہاں موجود پجاری اور عبادت گزار تمہارے آگے پیچھے پھرتے ہیں تمہارے پاؤں چھوتے ہیں لیکن اب بھی میں تمہیں ایک بات بتا رہا ہوں صرف ایک بات۔ یاد رکھنا کہ میرے یہاں سے جانے کے بعد اگر تم نے کوئی ایسی حرکت کی جس سے مجھے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوا تو میں تمہیں صرف وہ جملے بتانا چاہتا ہوں یقین کرنا نہ کرنا تمہاری مرضی ہے وہ یہ کہ میں نقصان پہنچانے والے کو کبھی زندہ نہیں چھوڑتا۔''

''آپ نے کچھ کیا ہی نہیں ہمارے ساتھ' جو ہم آپ کے ساتھ برا سلوک کریں گے ہم تو امن شانتی کے پجاری ہیں آپ بالکل بے فکر رہیں ہم کسی کو پتہ نہیں بتائیں گے کہ کوئی یہاں آیا تھا۔''

''شکریہ۔ اب مجھے باہر تک خود چھوڑ کر آؤ'' کامران نے کہا۔

''آیئے جو ہوا سو ہوا'' اور اس کے بعد وہ واقعی بڑی شرافت سے کامران کو عبادت گاہ کے دروازے کے باہر چھوڑ گیا لیکن کامران نے پھر بھی احتیاط رکھی تھی اور خاموشی سے تاریکیاں میں ایک جانب چل پڑا تھا لیکن یہ وہ رخ نہیں تھا جہاں وہ ان تینوں کو چھوڑ آیا تھا وہ تینوں یہ تو جانتے تھے کہ کامران کراناطوسیہ کے کسی کام سے جا رہا ہے اناطوسیہ سے ان کا بھرپور تعارف بھی ہو چکا تھا اور شریف النفس سلازار نے اناطوسیہ کے پراسرار کردار کو اسی حیثیت سے قبول بھی کر لیا تھا جس سے وہ چاہتی تھی۔ کچھ احسانات بھی تھے اناطوسیہ کے اس پر وہ یہ کہ جب پولیس نے انہیں زلزلہ میں گرفتار کر لیا تھا تو اس بات کے امکانات ختم ہو گئے تھے کہ

انہیں ایک بھی سزا دیئے بغیر چھوڑ دیا جائے لیکن اناطوسیہ نے گرے ماؤچی کے ساتھ مل کر اپنے اختیارات سے کام لیتے ہوئے انہیں نہ صرف رہائی دلائی تھی۔ بلکہ انہیں ہر طرح کی سہولتیں پیش کی تھیں اب یہ تو بعد میں ہی پتا چلا تھا کہ اناطوسیہ خود بھی ان کے ساتھ سنکیانگ تک آئی ہے اور پھر کامران نے اناطوسیہ کی اجازت سے انہیں تھوڑی بہت تفصیلات بھی بتادی تھیں جن میں ایک شخص کی تلاش شامل تھی یہ شخص اناطوسیہ کو درکار تھا جب کہ اناطوسیہ نے خود بھی نہیں بتایا تھا کہ جسے وہ تلاش کر رہی ہے وہ کس حیثیت کا حامل ہے اس نے البتہ اتنا ضرور کہا تھا۔

''کامران! اگر ہمیں وہ شخص جس کا نام میں تمہیں بعد میں بتاؤں گی مل جائے تو ہمارے بہت سے کام بن سکتے ہیں یا میں تمہیں بعد میں ساری تفصیلات بتادوں گی۔''

''ٹھیک ہے'' کامران نے کہا تھا اور اس وقت کامران سلازار کے پاس جانے کے بجائے اس طرف جارہا تھا جہاں اناطوسیہ نے اس سے ملنے کے لئے کہا تھا۔ یہ کسی قدر ویران سا علاقہ تھا جو عبادت گاہ کی مشرقی سمت خاصے فاصلے پر تھا اور یہاں چھوٹے چھوٹے ٹیلے بکھرے ہوئے تھے جب وہ ان ٹیلوں کے درمیان پہنچا تو ایک طرف سے اسے ہلکی سی آہٹ سنائی دی اور پھر اس نے اس حسین عورت کو ایک ٹیلے کی آڑ سے نکلتے ہوئے دیکھا جو اپنی عمر صدیوں پر مشتمل بتاتی تھی۔ لیکن جس کا حسن اب بھی بے مثال تھا علی سفیان مصر کا ایک انتہائی دولت مند شخص اس کے جال میں اس طرح اسیر تھا کہ اس کی خواہش کی تکمیل اپنی زندگی کا سب سے اہم مقصد سمجھتا تھا۔ اناطوسیہ مسکراتی ہوئی اس کے سامنے آ گئی آسمان پر چاند کھلا ہوا تھا۔ اور یوں لگتا تھا جیسے چاندنی سمٹ کر انسانی شکل اختیار کر گئی ہو۔ اناطوسیہ مسکراتی ہوئی اس کے سامنے پہنچ گئی۔

''صدیوں کا تجربہ ہے میرا اور میں جانتی ہوں کہ کامیاب اور کامران چہرے کیسے ہوتے ہیں تم اپنے نام کی طرح کامران واپس آئے ہو یعنی یہ معلوم کر کے کہ ہوزا کہاں مل سکتا ہے۔''

''ہوزا؟''

''ہاں...... راکان ہوزا ہی وہ شخص ہے جس کی ہمیں تلاش ہے یہ بھی تاریخ ہی کا ایک کردار ہے یوں سمجھ لو کہ اگر راکان ہوزا ہمیں مل جاتا ہے تو گرشک اور سیتا کا کھیل اس طرح ختم ہو سکتا ہے کہ وہ خود بھی تصور نہیں کر پائیں گے راکان ہوزا کی تلاش میری زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہے۔''

''تم نے مجھے اس کا نام بتادیا اینہ سلفا'' کامران نے کہا اور اینہ سلفا ہنس پڑی پھر بولی۔

''میں جانتی ہوں کہ کون سا کام کس وقت کرنا ہے لیکن براہ کرم یہ مت سمجھنا کہ میں تمہیں وقت سے پہلے کوئی بات اس لئے نہیں بتانا چاہتی کہ اس سے تمہاری حیثیت میں کوئی کمی واقع ہو بلکہ میں تمہیں صرف اس لئے بہت سی باتیں نہیں بتاتی کہ یہ میری ضرورت ہوتی ہے میری اس بات کا بھی برا نہیں ماننا۔''

کامران ہنس کر خاموش ہو گیا تو اینہ سلفا نے کہا۔

''ہاں ذرا جلدی سے بتاؤ کیا تم اس شخص سے کچھ معلومات حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے تمہیں پتا چل گیا کہ سام راشی کہاں ہے۔''

''سام راشی مر چکا ہے'' کامران نے انکشاف کیا اور ایک لمحے کے لئے اینہ سلفا کا چہرہ اتر گیا۔

''مر گیا ہے۔''

''ہاں۔ اس نے ہارا کاری کر لی ہے۔''

''اوہ...... اوہ...... یہ تو بہت برا ہوا اس کے بارے میں ہمیں تفصیل کہاں سے معلوم ہو سکے گی۔''

''رانی چترا دیوی سے'' کامران نے کہا اور اینہ حیران نگاہوں سے اس کا جائزہ لینے لگی کچھ لمحے اسے دیکھتی رہی پھر اس کے لبوں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی۔

''کامران...... مجھے خود بھی اس بات کا اندازہ تھا کہ کرنل گل نواز نے بلاوجہ ہی تم پر اتنا اعتبار نہ کر لیا ہوگا بلکہ اس نے کچھ دیکھا ہی ہوگا تمہارے اندر ورنہ اتنا تو میں بھی جانتی ہوں کہ خود اس کا بیٹا بھی موجود تھا اور بھی بہت سے کردار اور پھر بات اتنی ہی نہیں ہے۔ بلکہ اس دوران تم نے ویسے بھی بہت کچھ کیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ دنیا تمہاری حقیقتوں سے ناواقف ہے کرنل گل نواز نے تمہیں صرف ایک ذہین نوجوان سمجھ کر یہ حیثیت دی ہے وہ بالکل نہیں جانتا ہوگا کہ تمہارے اندر ایک تاریخی انسان چھپا ہوا ہے۔ ایک ایسا تاریخی انسان جو بدھ مت میں بہت ہی عظیم حیثیت کا مالک ہے چاہے تم اس کے ہم شکل ہی کیوں نہ سہی لیکن اس قدر ہم شکل ہو کہ تاریخ دھوکا کھا سکتی ہے۔'' اینہ سلفا اس انداز میں بول رہی تھی جیسے خود میں کھو گئی ہو پھر وہ ایک دم چونک پڑی اور بولی۔

''ہاں...... رانی چترا دیوی کے بارے میں بتا رہے تھے تم' کیا تم مجھے یہ بتانا پسند کرو گے کہ ساگاتری سے تمہاری کیا گفتگو ہوئی؟''

''ظاہر ہے میں تمہیں اس بارے میں پوری رپورٹ دینے کا پابند ہوں۔'' اور اس کے بعد کامران اسے وہ پوری تفصیل بتانے لگا جو انتہائی اہم حیثیت کی حامل تھی اس نے تمام تر داستان اسے سناتے ہوئے کہا۔

''میں نے رانی چترا دیوی کے بارے میں تفصیلات معلوم کر کے اس کا پتا ذہن نشین کر لیا ہے۔''

اینہ سلفا پر اشتیاق نگاہوں سے کامران کو دیکھ رہی تھی اچانک وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور ایک قدم آگے بڑھ کر اس نے کامران کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''کاش...... کاش......'' وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گئی پتا نہیں اس کاش کے آگے کی کہانی کیا تھی۔

کچھ دیر تک وہ اسی طرح جذباتی انداز میں کامران کا ہاتھ پکڑے رہی پھر بڑے جذباتی انداز میں بولی۔

''پدم ماترم کی بیگم نور بستی پر کھڑا دنیا کے آخری دن تک تمہارا انتظار کرتی رہے گی۔ مگر میں سارے راستے بند کر دوں گی جن سے تم اس سے جا سکو۔''

''کیا مطلب......'' کامران نے ان عجیب الفاظ سے الجھتے ہوئے کہا اور اسے محسوس ہوا جیسے اینہ سلفا چونک پڑی ہو۔ پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''مطلب ابھی نہیں بتاؤں گی۔''

"نہ بتاؤ میں تمہیں مجبور کرنے کا کوئی جواز نہیں رکھتا۔"

"ایسا نہ کہو کامران۔"

"کیوں؟"

"تم نہیں جانتے؟"

"کیا؟" کامران نے سوال کیا۔ لیکن اینہ سلفا نے گردن جھکا لی۔ کامران بھی خاموش ہو گیا تھا۔ البتہ اس کا ذہن ایک بار پھر پراگندگی کا شکار ہو گیا تھا جس طلسمی جال میں وہ گرفتار ہو گیا تھا اس سے نکلنا اب اس کے بس میں نہیں رہا تھا۔ کرنل گل نواز نے اس پر بہت احسانات کئے تھے لیکن ان احسانات کا جو صلہ اسے دینا پڑ رہا تھا وہ اس کی بساط سے زیادہ تھا وہ ایک بار کرنل سے بات کرنا چاہتا تھا۔ پوچھنا چاہتا تھا کہ اس کا یہ دور کب تک چلتا رہے گا۔

اینہ سلفا کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟"

"کچھ نہیں۔"

"چترا دیوی سے ملاقات کے لئے کب چلو گے۔"

"جب تم چاہو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

کامران نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے میں انتظامات کر لیتی ہوں۔" اور اس کے بعد باقی سارا انتظام کیا گیا سلازار' نشیبہ اور شاہیرفی نے یاتریوں کے لباس اتار پھینکے اور جدید لباس میں آ گئے اس کے بعد مطلوبہ علاقے تک کا سفر کیا گیا۔ ایک ہوٹل میں قیام کیا گیا اور اینہ سلفا نے یہ ذمے داری قبول کی کہ وہ رانی چترا دیوی کا پتا لگا کر آئے گی پھر اینہ سلفا ہی کی کاوش تھی کہ اس نے ایک ایسا ہوٹل دریافت کر لیا۔ جو رانی چترا دیوی کی رہائش گاہ سے تھوڑے فاصلے پر تھا اور یہ بات کامران' سلازار وغیرہ کو نہیں معلوم تھی جب انہیں اس نئے ہوٹل کے کمروں میں منتقل کیا گیا تو تب بھی وہ کسی قدر حیران بے شک ہوئے تھے لیکن انہیں یہ بات نہیں معلوم تھی کامران کے لئے جو کمرا منتخب کیا گیا تھا وہ تھوڑا الگ کو تھا۔ اور جب پہلی بار اینہ سلفا نے کامران سے کہا کہ رانی چترا دیوی کی رہائش گاہ یہاں سے بالکل سامنے ہے تو کامران بھی حیران رہ گیا۔

"آؤ میں تمہیں دکھاؤں۔" اینہ سلفا بچوں کی سی خوشی کے انداز میں بولی۔ بڑی حیرت انگیز شخصیت تھی مختلف لوگوں نے اس کے بارے میں جو مختلف کہانیاں سنائی تھیں اگر انہیں ذہن میں لایا جاتا' ذہن کے پرخچے اڑ جاتے تھے۔ صدیوں سے زندہ یہ عورت کتنی حیرت انگیز تھی یہ سوچ کر ہی دماغ کام کرنا چھوڑ دیتا تھا۔ کامران تو اس دنیا کا ایک معمولی سا انسان تھا اسے بھلا ان ہنگامہ آرائیوں کا کیا علم تھا بس وقت نے اسے کھینچ کھانچ کر اس منزل تک لا پھینکا تھا جو ایک حیران کن منزل تھی۔ بہرحال وقت انسان کو ہر طرح کے حالات کا سامنا کرنا سکھا دیتا ہے۔ کامران حیرت داشتیاق سے اٹھ گیا۔ اینہ سلفا نے اپنی کمرے کی کھڑکی کھولی اور بائیں سمت اشارہ کر کے بولی۔

"ادھر دیکھو۔" کامران نے اس کے اشارے کی طرف نگاہ دوڑائی تو اسے ایک عالی شان عمارت نظر آئی۔

"یہ چترا دیوی کی رہائش گاہ ہے" وہ کچھ حیرت سے بولا۔

"ہاں..... اور یہ ہوٹل جس میں ہم قیام پذیر ہیں یہ بھی چترا دیوی ہی کی ملکیت ہے۔"

"تو پھر اب کیا ارادہ ہے۔"

"تم اپنے کام کا آغاز کرو ہم تمہاری کامیابی کا انتظار کریں گے۔" اینہ سلفا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ یہ بات کامران کے علم میں آ چکی تھی کہ خود اینہ سلفا اس ہوٹل میں مقیم نہیں ہے بہرحال کامران تیار ہو کر باہر نکل آیا اور وہ اس چوڑی سڑک پر آ گیا جس کے دونوں سمت درخت جھول رہے تھے۔ سڑک شفاف تھی اور شاید رانی کے محل میں آنے جانے والوں کے لئے مخصوص تھی کیونکہ آگے جا کر وہ بند نظر آ رہی تھی۔ ابھی کامران اس عالی شان عمارت سے کافی فاصلے پر تھا کہ اس نے محل نما عمارت کے گیٹ سے ایک کار باہر نکلتے دیکھی۔ کھلی چھت والی کار تھی اور ڈرائیور کے علاوہ عقب میں دو افراد بیٹھے نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے یونہی سرسری سی نگاہ کامران پر ڈالی اور بغیر توجہ دیئے آگے بڑھ گئے بہرحال کامران بڑے گیٹ پر پہنچ گیا جہاں دو دربان کھڑے ہوئے تھے انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے کامران کو دیکھا اور پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

"ہاں کیا بات ہے؟"

"رانی چترا دیوی سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"کیوں؟"

"تمہیں نہیں بتا سکتا۔"

"اس طرح رانی جی کسی سے نہیں ملتیں اگر تمہیں کوئی ضروری کام ہو تو ان کی سیکرٹری سے اجازت لے کر تمہیں ان تک پہنچایا جا سکتا ہے۔"

"میں فضول بکواس نہیں سنتا۔ مجھے خاموشی سے رانی کے پاس پہنچا دو۔ بہت ضروری کام ہے ان سے۔"

"دیکھنے سے تو تم دیہاتی نہیں لگتے۔ لیکن باتیں بے وقوفوں جیسی کر رہے ہو۔ رانی صاحبہ کا مرتبہ جانتے ہو؟"

"تم میں سے ایک میرے ساتھ چلے اور مجھے وہاں تک پہنچا دے اور اب اس کے بعد کوئی بکواس نہیں سنوں گا میں۔"

"کیا تمہارا دماغ خراب ہے" ان میں سے ایک نے کہا اور کامران کا الٹا ہاتھ اس کے منہ پر پڑا دوسرا ایک دم چونک پڑا تھا لیکن کامران کے پاس اور کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ چنانچہ اس وقت اسے جارحیت سے کام لینا پڑا اس نے ان دونوں کی گردنیں پکڑ کر ان کے سر ایک دوسرے سے ٹکرا دیئے اور جب وہ بے ہوش ہو گئے تو آگے بڑھ گیا اتفاق سے قرب و جوار میں کوئی نہیں تھا ایک چوڑی روش اصل عمارت تک چلی گئی تھی جس کے دونوں طرف سرسبز و شاداب گھاس کے لان تھے کامران شیشے کے دروازے تک پہنچ گیا۔ دروازے سے اندر داخل ہو رہا تھا کہ ایک شخص نظر آیا جو اسے دیکھ کر چونک پڑا پھر وہ دانت بھینچتے ہوئے بولا۔

"ارے! سامنے سے ہٹو رانی صاحبہ آ رہی ہیں جلدی ہٹو باہر نکل جاؤ۔" اس نے گھبرا کے ایک طرف دیکھا اس ہال نما جگہ کے دونوں سمت دائرے کی شکل کے زینے تھے جن پر قالین بچھے ہوئے تھے اور انہی میں سے ایک زینے پر رانی چترا دیوی نیچے اتر رہی تھیں اس کے پیچھے اس کے دو باڈی گارڈ تھے رانی کی عمر زیادہ نہیں تھی اس کے چہرے پر انتہائی خوب صورتی تھی سامنے کھڑے ہوئے آدمی نے کامران کی قمیض پکڑ کر اسے باہر دھکیلنا چاہا لیکن اسی وقت کامران نے ایک زوردار لات اس کے سینے پر رسید کر دی اور وہ اچھل کر دور جا گرا رانی کی نگاہیں اسی طرف تھیں۔ وہ رک کر حیرت سے کامران کو دیکھنے لگی۔ پیچھے موجود دونوں آدمی گھبراہٹ میں نیچے اترنے کی بجائے کئی سیڑھیاں واپس اوپر چڑھ گئے پھر سنبھل کر جلدی سے نیچے آئے اور رانی سے آگے ہوتے ہوئے جلدی جلدی سیڑھیاں اتر کر نیچے آ گئے انہوں نے قالین پر پڑے ہوئے آدمی کو دیکھا جس نے پتا نہیں کیوں بے ہوشی اپنا لی تھی۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

"کک..... کون ہو تم یہ کیا کیا تم نے؟" کامران نے ہاتھ اٹھایا اور انگلی سے رانی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

"میں رانی چترا دیوی سے ملنا چاہتا ہوں اور راستے میں کوئی رکاوٹ پسند نہیں کرتا۔ رانی مجھے تم سے ملنا ہے" اس بار اس نے اونچی آواز میں کہا اس سے قبل وہ دونوں کچھ بولتے چترا دیوی نے وہیں سے کہا۔

"کون ہو تم..... میں تمہارے پاس آ رہی ہوں خبردار کوئی کچھ نہ کرے۔" چترا دلیری کے ساتھ سیڑھیاں اترنے لگی وہ یقینی طور پر ایک پروقار اور بہادر عورت تھی دونوں آگے پیچھے ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ چترا دیوی نے بے ہوش پڑے ہوئے آدمی کے پاس سے گزرتے ہوئے ایک نظر اس پر ڈالی اور پھر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کامران کے سامنے آ کھڑی ہوئی پھر اس نے کہا۔

"کیا کام ہے تمہیں مجھ سے؟"

"کھڑے کھڑے گفتگو نہیں ہو سکتی۔"

"ہوں..... آؤ اس طرف" رانی نے بدستور دلیری سے کہا۔ ہال میں ایک جانب سفید رنگ کے انتہائی خوب صورت صوفے پڑے ہوئے تھے ان کی طرف جاتے ہوئے رانی نے اپنے آدمی سے کہا۔

"اسے اٹھا کر لے جاؤ یہاں سے جاؤ کوئی بات نہیں ہے میں اس سے بات کر دوں گی" دونوں بے ہوش پڑے ہوئے آدمی کو اٹھانے لگے رانی صوفے پر اطمینان سے بیٹھ گئی اس نے دوسرے صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں تم اچھے خاصے انسان ہو تم نے میرے آدمی کو بلاوجہ مارا کیا صرف اس بات پر کہ وہ تمہیں مجھ تک آنے سے روک رہا تھا۔"

"اسی بات پر تمہارے دروازے کے دو پہرے دار بھی بے ہوش پڑے ہوئے ہیں۔"

"کیا؟" رانی کا منہ ایک لمحے کے لئے حیرت سے کھلا اور پھر نہ جانے کیوں اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"پاگل لگتے ہو۔ جانتے ہو یہاں آنے کے بعد ان حرکتوں کے نتیجے میں تمہارے ساتھ کیا سلوک

ہو سکتا ہے خیر چھوڑو مجھ سے کوئی کام ہے دشمن ہو میرے؟ مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہتے ہو۔ اصل میں ان لوگوں کی بھی کچھ ذمے داریاں ہیں جن کی وجہ سے یہ اجنبی لوگوں کو مجھ تک آنے سے روکتے ہیں اور بے چارے نوکر ہیں تم نے جو کچھ کیا وہ اچھا نہیں کیا خیر چھوڑو۔"

"مجھے ایک شخص کے بارے میں معلومات حاصل کرنی ہے" کامران نے کہا اور اس کے بعد وہ رانی کو اپنی آمد کی وجہ بتانے لگا لیکن یہاں اس کا کام نہیں بنا تھا۔ البتہ رانی نے اس کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا تھا اور کافی دیر تک اس کی خاطر مدارت کرتی رہی تھی اس نے کہا تھا کہ اسے بدلے ہوئے انداز کے لوگ بڑے پسند ہیں اور کامران کے اندر یہ تو بلا ہے بہرحال یہاں سے بھی کچھ کام نہیں بنا تھا۔ جب انا طوسینا اور امینہ سلفا کو اس بارے میں معلوم ہوا تو وہ کچھ بجھ سی گئی۔ پھر اس نے کہا۔

"وقت چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ ہمیں خود ہی اپنا سارا مقصد تلاش کرنا پڑے گا چنانچہ ایک بار پھر ہمیں ہمالیہ کی وادیوں کا سفر کرنا ہو گا" بہرحال یہ تیاریاں ہونے لگیں اور آخر کار آگے کے سفر کا وقت آ گیا امینہ سلفا نے ہر قسم کی معمولات کے مطابق ساری تیاریاں کی تھیں اور کامران ایک بار پھر انہی خطرناک راستوں کی جانب بڑھ رہا تھا جہاں سے وہ پہلے گزر چکا تھا اور اس کی زندگی میں بہت سے مشکل معاملات آئے تھے سلا زار شاہیری اور نشینہ ساتھ ہی تھے راکان ہوزا کا نہ ملنا بڑا پریشان کن تھا اور امینہ سلفا بڑے دکھ بھرے انداز میں کہتی تھی۔

"اگر وہ مل گیا یا مل جاتا تو یوں سمجھ لو ہماری ہر مشکل کا حل ہمارے پاس ہوتا۔ لیکن اب وہ خطرہ مستقل ہمارے ساتھ رہے گا"

"خطرہ؟"

"ہاں گرشک اور سیپا۔ وہ اسی وقت ہمارے لئے بے ضرر ہو سکتے تھے جب ارکان ہوزا ہمارے قبضے میں ہوتا۔"

"میں ایک سوال آپ سے کرنا چاہتا ہوں امینہ سلفا۔"

کامران نے کہا اور امینہ اسے دیکھنے لگی پھر بولی۔

"ہاں پوچھو۔"

"کیا اتنے عرصے کی گم شدگی پر ملکہ سفیان پریشان نہیں ہوں گی؟" وہ منہ بسور کر بولی۔

"ہونے دو مجھے کسی کی زیادہ پروا نہیں ہوتی اور پھر ایسا نہیں ہو گا میں کہہ چکی ہوں۔" بہرحال جس اعتماد سے وہ یہ الفاظ کہہ رہی تھی وہ سمجھ میں تو نہیں آتے تھے لیکن ہو گا کچھ اور وہی بہتر جانتی ہو گی۔

ہمالیہ کی وادیوں میں سفر کا آغاز ہو گیا اور یہ لوگ اس عظیم الشان پہاڑی سلسلے کی جانب بڑھ گئے جس میں کم از کم کامران نے خاصا وقت گزارا تھا وہ یہ بھی جانتا تھا کہ امینہ سلفا بھی ان علاقوں میں جا چکی ہے بہرحال سارے تجربے کار افراد قافلوں کی ترتیب میں مصروف ہو گئے برف میں سفر کرنے کے بعد خشکی کو خوش قسمتی کی علامت تصور کیا جاتا ہے خاص طور سے اس وقت جب بدن کے مسامات پسینے کے بجائے خون کی بوندیں ابھارتے ہیں اور ناخن گوشت چھوڑنے لگتے ہیں کبھی کبھی تو ایسے لمحات بھی آ جاتے ہیں جب انگلیاں

کٹ کر نیچے گر جاتی ہیں اور انسان کو احساس بھی نہیں ہوتا۔ بہر حال پچھلی رات کے قیام میں اس وقت تو لطف آ رہا تھا رات کو سب کے سو جانے کے بعد کامران باہر نکل آیا۔ چاند وادیوں سے اٹکھیلیاں کر رہا تھا۔ بادلوں کی اوٹ میں اطراف میں بکھری چٹانیں سیاہ کمبل اوڑھے بھوتوں کی طرح نظر آ رہی تھیں ہاں جب بادلوں کے سامنے ہٹتے تو یہ اصلی روپ میں نمایاں ہو جاتیں۔ نظر کی آخری حد تک سبز قالین بچھے نظر آتے تھے اور ان کے پس منظر میں ہمالیہ کا بلند سلسلہ آسمان سے جڑا محسوس ہوتا تھا سردی بہت زیادہ تھی منظر کچھ اتنا حسین تھا کہ کامران بہت دور تک نکل آیا بہر حال ایک جگہ رک کر وہ دور تک نگاہیں دوڑاتا رہا کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا دیکھا جا سکتا ہے فضا میں ایک سحر انگیز سی خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ بہر حال دوسرے دن پھر سفر کا آغاز ہو گیا چھوٹے چھوٹے شہر راستے میں آ جاتے تھے سفر کے لئے خچر حاصل کر لئے گئے تھے موسم خوشگوار تھا اور آسمان صاف...... خچر اس وقت بلندیاں عبور کر رہے تھے پھر ڈھلوانوں کا آغاز ہو گیا تھا۔

دوپہر شام اور پھر رات۔ چاند کی روشنی میں دور دور تک کے مناظر اجاگر ہو رہے تھے۔

ڈھلوانوں کے اختتام پر بائیں سمت کھنڈرات کا ایک وسیع شہر آباد نظر آیا تو سلازار نے بے اختیار کہا۔

"وہ کھنڈرات، ویران لگتے ہیں۔"

"ہاں وہ تماسور یہ کا تباہ شدہ شہر ہے اسے بھون بھرا بھی کہا جاتا ہے ہزاروں سال قبل کھٹمنڈو کو وادی نیپال کہا جاتا تھا لیکن اٹھارہویں صدی میں پرتھوی نارائن شاہ نے اسے رفتح کے ملحق کیا یہ گورکھا حکومت کے بانی بار بیہ شاہ کی نسل سے تھا لیکن اس کا اقتدار مستحکم نہیں تھا کیونکہ وزیر اعظم بھیم سین نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے ساز باز شروع کر دی انگریزوں نے یہاں حملہ کیا اور نیپال کی فوجوں کو شکست ہوئی پھر رانا جنگ بہادر نے انگریزوں کی مدد سے یہاں حکومت قائم کی۔ لیکن آخر کار تیری جون دیو کرم شاہ نے یہاں اقتدار سنبھال لیا۔ یہ کھنڈرات قدیم کھٹمنڈو کے ہیں" صبح کی روشنی نمودار ہوئی تو دور سے ایک بستی نظر آئی اور انہوں نے خچر روک لئے۔ اینہ ملفا نے بڑے اعتماد کے ساتھ کہا۔

"یہ بے ضرر لوگ ہیں اور ہمیں یہاں اسلحہ بھی مل سکتا ہے۔"

ابھرتے سورج کے ساتھ زندگی کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ کھیتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور ارغوانی لباس کی اوڑھنیوں میں چکل کی تقیص پہنے ہوئے عورتیں کھیتوں میں کام کرنا شروع کر چکی تھیں۔ پان کی فصل تیار تھی کتے بلیاں کیچڑ کے ڈھیر کریدے رہے تھے۔ آخر کار ایک جگہ انہوں نے خچر روک دیئے ننگ دھڑنگ بچوں نے ان کے گرد دائرہ بنا لیا تھا وہ دور سے انہیں دیکھ رہے تھے ماحول میں تعفن پھیلا ہوا تھا یہ سب کچھ بہت عجیب لگ رہا تھا یہیں پر انہیں وہ شخص ملا جو بڑی عجیب و غریب کیفیت کا حامل تھا اس اجنبی ماحول میں ایک شناسا سا چہرہ بہت عجیب لگ رہا تھا وہ ایک ایسی جگہ نظر آیا تھا جہاں خالص برفانی علاقہ پھیلا ہوا تھا چیڑ کے بغیر پھلوں کے درخت ہر طرف بکھرے ہوئے تھے جھاڑیاں بھی بہ کثرت تھیں۔ پہاڑ کے دامن میں خیمے لگائے گئے تھے اطراف میں آگ روشن کر لی گئی تھی جس کے لئے سوکھی جھاڑیاں بہت معاون تھیں یہ نہیں کہ وہ ان کے پاس پہنچا تھا بلکہ اینہ سلفا اسے لے کر آئی تھی۔

"یہ صفدر شاہ ہیں ان کے ساتھ ایک خاتون بھی ہیں اور ان کے ذریعے ہمیں بڑی مدد حاصل ہوئی ہے۔ حالانکہ یہ ان علاقوں کے باشندے نہیں ہیں۔ لیکن یہاں کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہیں کیونکہ کافی عرصے سے یہاں رہتے ہیں ان علاقوں کا جو نقشہ مجھے درکار تھا وہ ان کے ذریعے حاصل ہو گیا ہے۔ چنانچہ ہمارے لئے تو یہ بڑی کارآمد شخصیت ثابت ہوتے ہیں۔"

"گڈ...... بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر مسٹر صفدر شاہ۔"

کامران نے خاص طور سے صفدر شاہ پر توجہ دیتے ہوئے کہا یہ ایک فطری عمل ہوتا ہے کہ دیار غیر میں کوئی اپنا ہم زبان مل جائے تو اس سے خود بخود ایک الفت محسوس ہونے لگتی ہے صفدر شاہ روشن چہرے والا ایک پرکشش آدمی تھا چنانچہ ان لوگوں نے اسے بڑی خوشی سے قبول کر لیا ہر انسان کے پس منظر میں کوئی نہ کوئی داستان ہوتی ہے بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ انسان ہے ہی ایک داستان کا نام۔ کون ہے جو اپنے آپ کو واقعات سے دور کہہ سکتا ہے یہ واقعات ہی اس کی زندگی کا حصہ ہوتے ہیں صفدر شاہ نے بڑی پراسرار کہانی سنائی تھی اور وہ لوگ سونا بھول گئے تھے ایک رات کی کہانی لیکن ایسے واقعات سے پُر جنہیں سن کر عقل حیران رہ جائے اور انسانی مسائل کا ایک درخت سامنے آ کھڑا ہو صفدر شاہ نے اپنے بارے میں بتاتے ہوئے کہا۔

"میں ہندوستان کی سب سے بڑی فارماسیوٹیکل لیبارٹری میں ریسرچ کر رہا تھا یہ لیبارٹری برطانیہ اور فرانس کے تعاون سے قائم کی گئی تھی جہاں بیشتر ماہرین غیر ملکی ہیں ہم نے بہت سے ابتدائی امراض پر کامیاب تحقیق کی تھی۔ حکومت کے تعاون سے فارماسیوٹیکل ریسرچ سینٹر ہر نئی ایجاد یا دریافت پر معقول رقم انعام دیا کرتا تھا۔ لیکن اس روز میرا ذہن اپنے کام سے زیادہ اپنے دل کے زیر اثر تھا قدسیہ سے میری ملاقات کو صرف چند ہی دن گزرے تھے وہ نئی نئی ریسرچ اسسٹنٹ بھرتی ہو کر آئی تھی اور میرے سیکشن میں کام کر رہی تھی لیکن اس نے چند ہی دنوں میں میرے ہوش و حواس پر قبضہ کر لیا تھا۔ وہ خدوخال کے لحاظ سے غیر معمولی حسین تو نہ تھی لیکن اس کی سادگی اور خوش مزاجی میں ایسا پرکشش حسن تھا کہ میں سنجیدگی سے گھر والی کا تصور کرنے لگا مجھے نہیں معلوم کہ میں اس سے محبت کرتا تھا یا اس کشش کو صرف پسند کا نام دینا مناسب تھا میں اس کے قریب تر ہونا چاہتا تھا اور یہ بات ہر جوان اور حساس لڑکی کی طرح اس نے بھی محسوس کر لی تھی لیکن جب میں نے اسے اپنے ساتھ ڈنر کھانے کی دعوت دی تو اس نے بڑی شائستگی سے معذرت کر لی تھی۔

میں اس معذرت کو الجھن بنائے اپنے خیالات میں کھویا ہوا چلا جا رہا تھا۔

اور شاید اسی لئے دھماکے اور چیخ کی آواز پر بدحواس ہو کر اس طرح اچھلا کہ گرتے گرتے بچا تھا سینٹر کے احاطے کے گیٹ سے نکل کر ابھی چند قدم ہی گیا تھا کہ وہ حادثہ ہوا...... کسی کار نے ایک راہ گیر کو ٹکر مار دی تھی اور بڑی تیزی سے وہاں سے فرار ہو گئی تھی میں بھاگتا ہوا جب جائے حادثہ پر پہنچا تو کئی اور لوگ جمع ہو گئے تھے زخمی خون میں لت پت پڑا تھا...... شاید اسی لئے میں اسے نہ پہچان سکا میں پریکٹس نہیں کر رہا تھا لیکن میں سند یافتہ ڈاکٹر تھا اس لئے حسب عادت مجمع ہٹا کر زخمی پر جھکا وہ شدید زخمی تھا اور فوری طبی امداد نہ ملنے کی صورت میں مرنے کا بہت خدشہ تھا...... میں نے گھوم کر کہا۔

"تماشا نہ دیکھو...... کوئی بھاگ کر گیٹ تک جائے اور فون کر کے ایمبولینس کو بلوائے" میرا تحکمانہ لہجہ سن کر دو تین افراد گیٹ کی سمت بھاگے۔

''نادر علی۔''

''میں نے چونک کر دیکھا...... کیونکہ میرا نام نادر علی ہے اور زخمی کے لبوں سے اپنا نام سن کر مجھے حیرت ہوئی تھی میں غور سے دیکھنے کے باوجود اسے نہ پہچان سکا۔

''میں...... صفدر شاہ'' اس نے آہستہ سے کہا۔ ''میں تم سے ملنے آ رہا تھا''

''او صفدر شاہ......؟'' میں نے اسے غور سے دیکھا اس کے تمام بال سفید تھے چہرہ زرد اور اس کا تمام جسم لاغر ہو رہا تھا۔ نہیں یہ صفدر نہیں تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا ایمبولینس کا سائرن سنائی دیا۔ چند منٹ بعد ایمبولینس اسے لے کر اسپتال کی طرف بھاگ رہی تھی اور میں اس کے برابر بیٹھا ہوا تھا درد کی شدت سے وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔ میں اب بھی اس کے چہرے کو گھور رہا تھا۔ صفدر شاہ......؟'' واقعی یہ صفدر تھا اس حیرت انگیز تبدیلی کے باوجود میں نے اسے پہچان لیا لیکن میری نظروں میں صفدر کا وہ چہرہ گھوم رہا تھا جسے میں نے آج سے چھ برس قبل دیکھا تھا۔

خوب صورت جوان اور صحت مند چہرہ...... اس کی شخصیت میں بلا کی دلکشی تھی...... وہ ایک ممتاز ادیب اور نامور صحافی تھا اس سے میری پہلی ملاقات ڈاکٹر رائے کے ساتھ ہوئی تھی۔ میں ان دنوں سینٹر میں نیا نیا آیا تھا ڈاکٹر رائے میرے سینئر تھے اور سینٹر ہی میں ان کی مختصر سی قیام گاہ تھی شام کو میں ان سے ملنے گیا تو وہ لان میں چائے پی رہے تھے انہوں نے صفدر سے میرا تعارف کرایا اور ہم جلد ہی گھل مل گئے صفدر۔ تلاش میں افریقہ جا رہا ہے''

''میں حیران ہوں کہ ڈاکٹر رائے جیسے سمجھ دار آدمی نے کیسے اس احمقانہ خبر پر اعتبار کر لیا۔'' میں نے کہا۔ ''ساری دنیا کے سائنس داں کینسر کا علاج دریافت کرنے میں سرگرداں ہیں اور اب تک کامیاب نہ ہو سکے تو ایک جاہل وچ ڈاکٹر کیا کرے گا...... اور اگر یہ سچ بھی مان لیا جائے تو اب تک دنیا کے بے شمار ماہرین وہاں پہنچ چکے ہوتے۔''

''تم ٹھیک کہتے ہو...... لیکن ڈاکٹر رائے نہیں مانتا...... وہ ہر قیمت پر کانگو جا کر حقیقت معلوم کرنے کا فیصلہ کر چکا ہے۔''

صفدر شاہ نے کہا۔ ''اور میں چاہتا ہوں کہ آج ہم دونوں اسے روکنے کی پھر کوشش کریں'' یہ چھ سال پرانی بات تھی ہم ڈاکٹر رائے کو روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکے اس کے جانے کے بعد صفدر شاہ سے بھی میری ملاقات نہ ہو سکی۔

اور آج مجھ سے ملاقات کے لئے آتے ہوئے وہ اس طرح حادثے کا شکار ہو گیا...... اسپتال پہنچ کر میں اسے فوراً ایمرجنسی میں لے گیا میرا خیال صحیح تھا۔ اس کی چوٹ شدید تھی اور وہ موت، اور زیست کی کشمکش میں مبتلا تھا فوری طور پر اس کا آپریشن کیا گیا اس لئے دوسرے دن صبح تک میں اس سے یہ نہ پوچھ سکا کہ وہ کس سلسلے میں میرے پاس آ رہا تھا اور اس میں یہ حیرت انگیز تبدیلی کیسے آئی تھی

میں نے تمام رات صفدر کے کمرے میں ہی گزاری مجھے ہر لمحہ یہ معلوم کرنے کی بے قراری تھی کہ

صفدر اس حالت کو کیسے پہنچا۔ اس کی خوب صورت اور دل کش شخصیت گہنا کر رہ گئی تھی اس کی زندگی کا کوئی بھی لمحہ آخری ہو سکتا تھا صبح کے ساڑھے پانچ بجے تھے میں کرسی پر بیٹھے سو گیا تھا کہ اچانک محسوس ہوا کہ مجھے کوئی پکار رہا ہے میں چونک کر اٹھ بیٹھا۔

اسی لمحے صفدر نے پھر آواز دی وہ ہوش میں آ گیا تھا لیکن بے ہوشی کا اثر اب تک باقی تھا میں نے اس کا ہاتھ دبا کر آہستہ سے کہا۔

''میں موجود ہوں صفدر تم فکر مت کرو تم جلد اچھے ہو جاؤ گے۔''

اس کے لبوں پر ایک مردہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی...... اور وہ بولا۔

''نہیں...... صفدر کو اب جینے کی...... تمنا نہیں ہے۔''

میں نے اسے تسلی دی لیکن وہ پھر غافل ہو چکا تھا اس کا ہوش میں آنا ایک اچھی علامت تھی میں نے فوراً ڈاکٹروں کو مطلع کیا وہ بھی میری بات سے متفق تھے اسے درد کو دور کرنے کا انجکشن دیا گیا میں مطمئن ہو کر اپنے فلیٹ پر گیا نہا دھو کر لباس تبدیل کیا اور سینٹر چلا گیا لیکن تھکان اور فکر سے کام میں جی نہ لگ سکا اس لئے تین بجے اسپتال پہنچ گیا صفدر اب ہوش میں آ چکا تھا۔

''تم آ گئے'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا ''ڈاکٹر کہہ رہا تھا تم رات بھر سوئے نہیں آرام کر لیتے۔''

''کوئی بات نہیں'' میں نے گرم جوشی سے اسکا ہاتھ دباتے ہوئے کہا ''حادثہ بہت شدید تھا تم کو بس قسمت نے بچا لیا۔''

''یہ حادثہ نہیں تھا نادر علی!'' اس نے جواب دیا ''قتل کی دانستہ کوشش تھی''

''قتل......'' میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ہاں...... تم کو ڈاکٹر رائے یاد ہے نادر علی۔''

''ہاں...... اچھی طرح۔'' میں نے کہا جانے اب وہ کہاں ہے اور کچھ خبر نہیں کہ اسے اپنی مہم میں کامیابی ہوئی یا نہیں۔''

''وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے'' صفدر نے کہا۔

''اوہ...... کیا تم کو کوئی اطلاع موصول ہوئی ہے۔''

''نہیں...... میں اس کے آخری لمحات میں اس کے پاس ہی موجود تھا۔''

''کیا تم کانگو گئے تھے۔''

''ہاں...... اور تم کو اسی کے بارے میں بتلانے آ رہا تھا۔'' اس نے جواب دیا ''لیکن ایسا لگتا ہے وہ لوگ نہیں چاہتے کہ یہ راز افشاں ہو۔''

''کون نہیں چاہتے۔''

''آرام سے بیٹھ جاؤ داستان طویل ہے'' صفدر شاہ نے کہا۔ ''پہلے مجھے تھوڑا سا پانی دو۔'' میں نے تھرماس سے پانی نکال کر اسے پلا دیا۔

''تم فی الحال آرام کرو...... یہ باتیں بعد میں ہو سکتی ہیں۔''

میں نے کہا۔

"نجانے کیوں مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ پھر یہ موقع نہیں ملے گا۔"

"کیا حماقت کی باتیں کر رہے ہو۔ ڈاکٹروں نے اب تمہیں خطرے سے باہر قرار دیا ہے۔"

"ممکن ہے ڈاکٹروں کا خیال صحیح ہو...... پھر بھی مجھے یوں لگتا ہے کہ وقت بہت کم ہے اس لئے بیٹھ جاؤ اور غور سے سنو۔"

اس نے بڑے آہستہ لہجے میں کہنا شروع کیا۔

"فلوس ایئر پورٹ سے کوئی جواب نہیں مل رہا ہے" پائلٹ نے فکر مند لہجے میں کہا۔

میں ایک طیارے میں سفر کر رہا تھا پائلٹ ایک نوجوان افریقی تھا وہ بار بار ایئر پورٹ سے وائرلیس پر رابطہ قائم کر رہا تھا لیکن ادھر سے کوئی جواب نہیں مل رہا تھا۔

میں نے ڈاکٹر رائے کی تلاش میں جانے کا فیصلہ بالکل اچانک کیا تھا اس نے مجھے جو آخری خط لکھا تھا اس سے اتنی مایوسی ٹپک رہی تھی کہ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ رائے کسی مصیبت میں گرفتار ہے وہ میرا بچپن کا دوست تھا ہم دونوں بھائیوں کی طرح ایک دوسرے کو پیار کرتے تھے جب اس نے خط کا جواب دینا بند کر دیا تو میں نے خود جا کر اسے تلاش کرنے کا فیصلہ کر لیا لیکن پائلٹ کے لہجے کی پریشانی نے مجھے چونکا دیا تھا مجھے جو اطلاع ملی تھی اس کے مطابق رائے کنیامہ کے طیارے میں روانہ ہوئے تھے آدھ گھنٹے کی پرواز کے بعد اچانک پائلٹ نے ایک سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

"یہ جو دھبا سا نظر آ رہا ہے شنکولوبی ہے ہیروشیما پر گرنے والے پہلے ایٹم بم کے لئے یہیں سے یورینیم حاصل کیا گیا تھا" اس نے بتلایا "اتفاق سے یہاں کے بعد دور تک کسی آبادی کا نشان نہیں ملے گا"

پائلٹ کے اس جملے کے بعد ہی مجھے نیند آ گئی تھی اور پھر میں اس وقت چونکا جب اس نے فلوس سے جواب نہ ملنے پر پریشانی کا اظہار کیا تھا میں نے کھڑکی سے باہر نگاہ ڈالی تو منظر دیکھ کر حیران رہ گیا خشک اور بنجر پہاڑی علاقے سے گزر کر اب ہم ایسے علاقے میں پہنچ گئے تھے جہاں پہاڑی کی چوٹیاں برف پوش تھیں میں ابھی منظر دیکھنے میں مصروف تھا کہ پائلٹ نے پھر کہا۔

ایئر پورٹ سے اب تک کوئی جواب نہیں مل رہا ہے آپ بیلٹ باندھ لیں ہم چند منٹ میں لینڈ کرنے والے ہیں اس نے پہاڑی کی چوٹی عبور کرتے ہی طیارے کو غوطہ دیا اور ہم تیزی سے نیچے آ گئے زمین دور تھی لیکن ہریالی نظر آنے لگی تھی۔

"میں خوف زدہ تو نہیں ہوں" پائلٹ نے پھر کہا "لیکن اس علاقے میں آپ کو ہر خطرے کے لئے تیار رہنا چاہیے جب سے مقامی لوگوں کو اقتدار ملا ہے یہاں کے حالات اچھے نہیں ہیں ابھی کل ہی یہ میں گڑبڑ ہو چکی ہے فوج کے ایک حصے نے بغاوت کر دی تھی"

"مجھے ان حالات کا علم نہیں تھا۔" میں نے کہا۔ "آپ نے صبح کے اخبارات نہیں دیکھے ہوں گے بہرحال بغاوت پر قابو پالیا گیا ہے ان لوگوں نے آزادی تو حاصل کر لی ہے لیکن اسے برقرار رکھنے کی صلاحیت اب تک نہیں پیدا کی۔" میں خاموش رہا اس نے طیارے کو موڑا اور اشارہ کرتے ہوئے کہا "وہ شمال میں پہاڑ کی جو چوٹی نظر آ رہی ہے جس پر برف جمی ہوئی ہے...... اس کے نیچے کنیامہ کا میدانی علاقہ ہے۔"

"کنیامہ" میں نے چونک کر پوچھا "وہ یہاں سے کتنی دور ہے"

"کیا آپ وہاں جانا چاہتے ہیں" پائلٹ نے پوچھا "لیکن فرض کیجئے ہمیں لینڈ کرنے کی اجازت نہ ملے تو۔"

"یہ وقت آنے پر دیکھا جائے گا" میں نے جواب دیا۔

"اس وقت آنے پر دیکھا جائے گا" میں نے جواب دیا۔

"اس میدانی علاقے کے بعد ماؤنٹ شیپالیہ ہے" اس نے بتلایا۔

میں اچھل کر بیٹھ گیا "تم نے کیا نام لیا تھا ابھی۔"

"شیپالیہ...... ماؤنٹ شیپالیہ" اس نے مڑ کر حیرت سے مجھے دیکھا "یہ سطح سمندر سے تقریباً چودہ ہزار فٹ بلند ہے ہم ہمیشہ اس سے بچ کر پرواز کرتے ہیں کیونکہ اس پر طوفانی ہوائیں عموماً چلتی رہتی ہیں۔"

"عجیب نام ہے اس پہاڑ کا۔"

"نہیں تو...... افریقہ میں تو ایسے نام عجیب نہیں تصور کئے جاتے۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

"نقشے میں مجھے یہ نام کہیں نظر نہ آ سکا تھا۔"

ممکن ہے آپ کا نقشہ معیاری نہ ہو شیپالیہ کو افریقی علاقے میں کوئی اہم پہاڑی نہیں تصور کیا جا سکتا یہاں بہت زیادہ بلند چوٹیاں موجود ہیں۔"

"تم کو یہ نہیں معلوم کہ اس کا نام شیپالیہ کیوں رکھا گیا۔"

"جی نہیں...... وہ دیکھیے...... وہ سامنے فلوس نظر آ رہا ہے۔"

پائلٹ نے اس کے بعد طیارے کے کنٹرول پر توجہ رکھی اس لئے بات نہیں کی فاصلے پر عمارتوں کا سلسلہ نظر آ رہا تھا بیرک نما بنی ہوئی عمارتوں کی چھتیں ٹین کی بنی ہوئی تھیں ایک پختہ سڑک کے کنارے بازار جیسی عمارت نظر آ رہی تھی ایک جانب کچھ فاصلے پر سرخ اینٹوں کی بنی ہوئی عمارت یقیناً گرجا گھر کی تھی اس پر لگی ہوئی چمک دار صلیب صاف دکھائی دے رہی تھی مغرب میں بنے ہوئے بنگلے یقیناً یورپین باشندوں کی آبادی ہوگی اور شمال میں فلوس کی شہری آبادی تھی پائلٹ بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ اچانک اس کے چہرے پر تشویش کے آثار نمایاں ہوئے وہ بڑے غور سے سنسان سڑک کو دیکھ رہا تھا جہاں ایک واحد شخص سائیکل پر چلا جا رہا تھا پھر اس نے اطمینان کا سانس لیا۔

"سب ٹھیک ہے" اس نے کہا "آپ نے وہ کار دیکھی تھی۔"

"نہیں......" میں نے جواب دیا۔

"بہرحال میں نے دیکھ لی...... سب ٹھیک معلوم دیتا ہے سڑک سنسان دیکھ کر میں سمجھا تھا کہ تمام غیر ملکی چلے گئے اس لئے پریشان ہو گیا تھا لیکن اب اطمینان ہو گیا یہاں پر یورپین باشندوں کے علاوہ چند ہندوستانی بھی آباد ہیں لیکن آزادی ملنے کے بعد بیشتر چلے گئے وہ سیاہ کار جس کا میں ذکر کر رہا تھا مسٹر سائمن

ہے وہ اب بھی یہاں پر مجسٹریٹ ہیں اور ان کی موجودگی سے ظاہر ہوتا ہے کہ سب ٹھیک ہے کچھ عرصہ پہلے انہوں نے اپنے بیوی بچوں کو میرے ہی طیارے کے ذریعے ملک روانہ کر دیا تھا۔ حالات کے لحاظ سے ان کا فیصلہ مناسب تھا۔"

اسی لمحے جہاز نے لینڈ کرنے کے لئے غوطہ لگایا۔ کھجوروں کے ایک گھنے جھنڈ کے بالکل قریب سے گزرتے ہوئے جہاز نے رن وے پر دوڑنا شروع کر دیا اور ذرا دیر بعد طیارہ ایئر پورٹ کی عمارت سے نصف میل کے فاصلے پر رک گیا سرخ اینٹوں کی بنی ہوئی یہ عمارت اتنی چھوٹی سی تھی کہ اسے ایئر پورٹ تسلیم کرنے کو دل نہیں چاہتا تھا میں نے سیفٹی بیلٹ کھولنا شروع کر دیا۔

"ذرا ٹھہر جائیے" پائلٹ نے انجن بند کرتے ہوئے کہا ہر سمت مکمل سناٹا طاری تھا" مجھے یہ سناٹا بڑا عجیب محسوس ہو رہا۔ یہ سب لوگ آخر کہاں چلے گئے۔"

"اس میں کوئی شک نہیں کہ پورا ایئر پورٹ بالکل ویران لگ رہا تھا کسی سمت زندگی کے آثار نظر نہیں آتے تھے"

"واقعی حیرت کی بات ہے۔" میں نے کہا۔

"ایئر پورٹ کے عملے کو پیٹرول بھرنے کے لئے ضرور آنا چاہیے تھا۔" پائلٹ نے کہا" پتا نہیں یہ ایئر پورٹ منیجر پارڈ کہاں مر گیا۔

"کیا وہ یورپین ہے" میں نے پوچھا۔

"ہاں...... "اس نے جواب دیا" اس کے علاوہ اور کوئی تربیت یافتہ آدمی یہاں نہیں ہے اور طیارہ اترنے کے بعد بھی کسی کا آنا سمجھ میں نہیں آتا اگر میں نے خود مسٹر سائمن کی کار نہ دیکھی ہوتی تو یہی سمجھتا کہ یہاں کسی انسان کا وجود نہیں ہے۔"

"ممکن ہے سب آزادی کا جشن منا رہے ہوں۔"

"ممکن ہے...... لیکن آپ براہ مہربانی تھوڑی دیر یہاں انتظار کر لیں تاکہ میں جا کر ایک نظر عمارت کو دیکھ لوں ممکن ہے میرے اندیشے غلط ہوں لیکن احتیاط بہتر ہے"۔

"ٹھیک ہے" میں نے جواب دیا کیونکہ بات معقول تھی لیکن بہتر ہوتا کہ تم انتظار کرتے اور میں جا کر دیکھتا کیونکہ میں طیارہ نہیں چلا سکتا اگر کوئی خطرہ ہوا تو ہم فوراً پرواز تو کر سکیں گے۔"

"لیکن میں اس طرح آپ کو خطرے میں نہیں ڈال سکتا...... کیوں نہ دونوں چلیں۔"

"ایسی صورت میں ہم دونوں پھنس جائیں گے" میں نے کہا" طیارے کو فوراً فضا میں لے جانا ممکن نہ رہے گا۔" اس نے مجبوراً میری بات مان لی اور انجن اسٹارٹ کر کے تیار بیٹھ گیا میں اطمینان کے ساتھ بڑھتا ہوا ایئر پورٹ کی عمارت کی سمت بڑھنے لگا مجھے یقین تھا کہ عمارت خالی ہے پھر بھی ان جانے وسوسے ذہن میں سر ابھار رہے تھے لیکن جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ میرا خیال صحیح تھا عمارت میں کوئی بھی وجود نہیں تھا میں لیکن سے اندر داخل ہو کر دیکھتا ہوا عمارت کے عقب میں پہنچ گیا جہاں پیٹرول کے بہت سے ڈرم اور پیٹرول پینے کا پمپ، اسٹور میں رکھا ہوا تھا ہر چیز اس طرح لگ رہی تھی جیسے ابھی عملے کے افراد آ کر اپنا کام شروع

کر دیں گے لیکن وہاں کوئی نہ تھا میں چالیس گز کے فاصلے پر ایک پہاڑی کا ڈھلوان نظر آ رہا تھا میں نے ہر سمت نظر دوڑائی لیکن ہر چیز بالکل ساکت تھی میں نے طیارے کے پاس واپس آ کر پائلٹ سے کہا۔

"یہاں کوئی نہیں ہے تم چاہو تو پیٹرول بھر لو...... " پائلٹ نے دروازہ کھولا اور کود کر نیچے آ گیا میں اس کا انتظار کئے بغیر ایک بار پھر ایئر پورٹ کی عمارت میں داخل ہوا۔ بائیں طرف ایک دروازہ تھا میں نے اسے کھولا تو ایک نیم تاریک گیلری نظر آئی میں آگے بڑھتا ہوا ایک کمرے میں داخل ہوا جو شاید دفتر تھا میز پر کاغذات بکھرے ہوئے تھے ایک کونے میں کوکا کولا کی خالی بوتل رکھی تھی۔ چند کرسیاں اور الماریاں تھیں اور کونے میں چھوٹی سی میز پر ایک ٹائپ رائٹر رکھا ہوا تھا داہنے جانب کے کمرے کا دروازہ بند تھا شاید یہ کوئی دوسرا دفتر تھا میں ابھی اس میں جانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ پائلٹ کی آواز سنائی دی وہ دہشت زدہ لہجے میں مجھے پکار رہا تھا میں بھاگتا ہوا عمارت سے باہر نکلا پائلٹ تیزی سے میرے پاس آیا۔ اس کا چہرہ خوف سے سفید ہو رہا تھا۔

"آ...... آپ نے وہ آواز سنی؟"

"کون سی آواز؟"

"ابھی ابھی...... ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی اذیت سے چیخ رہا ہو۔" آواز اس سمت سے آ رہی تھی" اس نے درختوں کے گھنے جھنڈ کی سمت اشارہ کیا جس کے گرد گنجان جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔

میں نے غور سے اس سمت دیکھا لیکن کچھ نظر نہیں آیا دہکتے ہوئے سورج کی تپش سے فضا میں لہریں سی اٹھ رہی تھیں لیکن ہر سمت سناٹا طاری تھا" مجھے کچھ نظر نہیں آ رہا ہے۔"

"لیکن میں نے چیخ کی آواز بہت صاف سنی تھی جیسے کوئی انتہائی اذیت کے عالم میں چیخ رہا ہو...... بڑی دہشت ناک آواز تھی مجھے خوف محسوس ہو رہا ہے۔"

"اب تو سناٹا طاری ہے" میں نے کہا۔

"ہاں...... لیکن ذرا دیر پہلے چیخ صاف سنائی دی تھی...... کیا آپ کو یہ نہیں محسوس ہو رہا کہ کوئی چھپ کر ہمیں دیکھ رہا ہو اور...... " وہ اچانک رک گیا" سنیے...... اب سنیے کتنی دہشت ناک چیخ تھی...... سنیے پھر سنیے...... میں غلط نہیں کہہ رہا تھا"

"مجھے تو یہ کسی چڑیا کی آواز لگتی ہے" میں نے جواب دیا اسی لمحے چیخیں پھر فضا میں ابھریں پائلٹ بڑے غور سے سن رہا تھا...... اچانک وہ مسکرا دیا" آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں...... ان جھاڑیوں میں کوئی پرندہ ہی چیخ رہا ہے معافی چاہتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں...... سچ پوچھو تو میں خود بھی ڈر گیا تھا" میں نے کہا" میں طیارے میں پیٹرول بھروا دوں۔"

"نہیں میرے پاس واپسی کے لئے کافی پیٹرول ہے۔"

پائلٹ نے کہا" میں اس منحوس جگہ پر زیادہ دیر نہیں رکنا چاہتا۔ ٹھہریے ابھی اپنا سامان نہ اتاریے آپ نے عمارت میں اچھی طرح دیکھ لیا ہے۔"

میں پس و پیش میں پڑ گیا اب تک میں نے وہ بند کمرا نہیں دیکھا تھا لیکن وہاں کیا ہو سکتا تھا میں باہر

سبب اندیشوں میں مبتلا ہو رہا تھا سب ٹھیک ہی تھا ہاں......" میں نے جواب دیا لیکن پائلٹ نے شاید میری حالت کو محسوس کر لیا تھا" میں نے آج تک ایسا مسافر نہیں دیکھا جو مصیبت میں پڑنے کے لئے اتنا بے قرار ہو" اس نے کہا" میں سوچ رہا تھا کہ جھاڑیوں میں چڑیوں کی موجودگی والی بات غلط تھی اس موسم میں پرندے یہاں نہیں ہوتے اس کے علاوہ اگر جھاڑیوں میں پرندے ہیں بھی تو چیخنے کیوں لگے ممکن ہے جھاڑیوں میں کوئی اور بھی چھپنے کی کوشش کر رہا ہو مجھے اس سناٹے سے خوف آ رہا ہے میرا خیال ہے آپ پہلے فون کر کے حالات معلوم کر لیں تاکہ اگر کوئی گڑبڑ ہو تو میں واپس لے چلوں۔"

"اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں" میں نے کہا۔" اگر کوئی گڑبڑ ہوتی تو فضا سے ہمیں ضرور نظر آجاتی۔"

"آپ اپنی ذمے داری پر یہاں رک رہے ہیں" پائلٹ نے تشویش کے عالم میں کہا" ایک بار پھر سوچ لیجئے۔"

لیکن میں نے اس کو مطمئن کر دیا پائلٹ نے روانہ ہونے سے پہلے ایک بار پھر مجھے فکرمند نظروں سے دیکھا پھر خدا حافظ کہہ کر طیارے کی سمت چل پڑا سناٹا واقعی بڑا عجیب تھا لیکن میں یہاں آنے کے بعد راجے کو تلاش کئے بغیر نہیں جا سکتا تھا میں ایئر پورٹ کی عمارت کے دروازے پر پہنچا ہی تھا کہ جہاز کے اسٹارٹ ہونے کا شور سنائی دیا میں نے گھوم کر دیکھا اور ہاتھ ہلا کر پائلٹ کو الوداع کہا طیارہ رن وے پر دوڑنے لگا تو میں اندر چلا گیا گیلری سے گزر کر میں ایئر پورٹ منیجر کے کمرے کے دروازے پر پہنچا اور پھر آہستہ سے اس کا ہینڈل گھمایا...... دروازہ کھل گیا اندر کوئی بھی نہ تھا دفتر کی ہر چیز قرینے سے رکھی ہوئی تھی میز پر ٹیلی فون رکھا ہوا تھا کونے میں ایک میز پر وائرلیس سیٹ رکھا ہوا تھا دروازے سے چھن کر آنے والی روشنی میں فرش پر کوئی چیز چمک رہی تھی میں نے جھک کر دیکھا یہ ٹوٹے ہوئے شیشے کا ٹکڑا تھا میں نے ریڈیو کے سوئچ آن کر کے گھمائے لیکن کچھ بھی نہ ہوا میں نے وائرلیس سیٹ کے اندر جھانک کر دیکھا اور پھر گھوم کر عقب میں گیا۔ کسی نے سیٹ کو ناکارہ بنا دیا تھا شاید رائفل کے بٹ سے ضرب ماری تھی کیونکہ تمام والوٹوٹے پڑے تھے تار کھینچ کر الگ کر دیئے گئے تھے میں گھٹنوں کے بل جھکا ہوا دیکھ رہا تھا کہ شدید تعفن کا ایک بھبکا نتھنوں سے ٹکرایا جیسے کہیں گوشت سڑ رہا ہو۔

میں گھبرا کر کھڑا ہو گیا ایسا شدید تعفن تھا کہ قے ہوتے ہوتے رہ گئی میز پر رکھی ہوئی گھڑی چار بجا رہی تھی میں نے لپک کر ٹیلی فون کا ریسیور اٹھایا...... لیکن فون مردہ تھا میں بے بسی کے عالم میں کھڑا ہو گیا۔

دوسرے ہی لمحے طیارے کے انجن کی تیز آواز کانوں سے ٹکرائی میں چونک پڑا۔

لپک کر میں کھڑکی کے پاس پہنچا طیارہ فضا میں بلند ہو رہا تھا اور پھر ایئر فیلڈ کے کونے پر کوئی چیز دھوپ میں چمکی میں نے چونک کر دیکھا ایک کار بڑی تیز رفتاری سے آ رہی تھی اور دھوپ میں اس کا شیشہ چمک رہا تھا طیارہ درختوں کے اوپر سے ہوتا ہوا بلندی کی سمت اٹھ رہا تھا کار کا رخ ایئر پورٹ کی عمارت کی سمت تھا اور پھر چند منٹ بعد ہی کار عمارت کے سامنے آ کر رک گئی۔

ایک سفید فام شخص بڑی بدحواسی کے عالم میں کار سے باہر کودا اور چیخ چیخ کر ہوا میں ہاتھ ہلانے

لگا وہ طیارے کو واپس آنے کا اشارہ کر رہا تھا جو اب فضا میں ایک دھبے کی مانند نظر آ رہا تھا میں نے دریچے سے باہر کودنے کے لئے چوکھٹ پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ کسی آنے والی کار کی آواز سنائی دی دوسرے ہی لمحے ایک جیپ پوری رفتار سے آتی نظر آئی سفید فام نے گھوم کر دیکھا اور دہشت زدہ ہو کر بھاگا جیپ میں بیٹھے ہوئے سیاہ فام فوجی زور زور سے قہقہے لگا رہے تھے ان کی رائفلیں اور کار بائین دھوپ میں چمک رہی تھیں...... مجھے صورتحال سمجھنے میں دیر نہ لگی میں پھرتی کے ساتھ نیچے بیٹھ کر انتظار کرنے لگا سیاہ فام فوجیوں کا انداز ان کے وحشیانہ قہقہے ان کی نیت واضح کر رہے تھے۔

جیپ نے سیاہ فام سے آگے نکل کر اپنا رخ موڑا اور سفید فام کی سمت بڑھی جو بے بسی کے عالم میں کھڑا ہو گیا تھا اس کا چہرہ اس جانور کی طرح دہشت زدہ نظر آ رہا تھا جو ہر سمت سے شکاریوں میں گھر گیا ہو جیپ سے پانچ مسلح فوجی کود کر اترے اور سفید فام کی سمت بڑھنے لگے اور پھر اس کے قریب پہنچ کر ایک صف میں کھڑے ہو گئے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا فوجی بڑے اطمینان سے اترا اور فاتحانہ انداز میں آگے بڑھا اس کے موٹے سیاہ لبوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ تھی دوسرے فوجیوں کی ملگجی خاکی وردیوں کے برخلاف اس کی وردی سفید اور صاف شفاف تھی اس کے سیاہ چہرے پر درندگی جھلک رہی تھی میں سمجھ گیا کہ اب کیا ہونے والا ہے بالکل نادانستہ طور پر میں اس سفید فام کی مدد کے لئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا لیکن اسی لمحے سفید وردی والے افریقی نے ریوالور سے اچانک فائر کیا گولی سفید فام کے قدموں کے پاس جا کر لگی وہ خوف سے اچھل پڑا میں جلدی سے پھر بیٹھ گیا اور ذرا سا سر اٹھا کر باہر دیکھنے لگا ان مسلح فوجیوں کی موجودگی میں سفید فام کی مدد کرنا ممکن نہیں تھا اسی لمحے سفید وردی والے نے دہاڑ کر کوئی حکم دیا سفید فام دونوں ہاتھ بلند کر کے سپاہیوں کی سمت بڑھنے لگا۔

لیکن ابھی اس نے چند قدم ہی اٹھائے تھے کہ فضا میں پے در پے تین فائر ہوئے اور سفید فام لڑکھڑاتا ہوا زمین پر گرا چند بار اس کا جسم تڑپا اور پھر ساکت ہو گیا۔

میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں، درندگی اور سفاکی کا ایسا وحشت ناک منظر میں نے کبھی نہ دیکھا تھا غصے اور خوف سے میرا بدن لرز رہا تھا چند منٹ بعد جیپ کے اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی میں نے جھانک کر دیکھا سفید فام کی لاش کو وہیں دھوپ میں چھوڑ کر وہ واپس جا رہے تھے لیکن سفید وردی میں ملبوس فوجی اس میں موجود نہ تھا وہ ہنستا ہوا مقتول سفید فام کی کار کی سمت بڑھ رہا تھا۔ ایک بار اس کی نگاہ اس دریچے کی سمت اٹھی جس سے میں جھانک رہا تھا میں نے پھرتی کے ساتھ سر کو آڑ میں کر لیا تھا وہ چند لمحے کھڑکی کی طرف گھورتا رہا جیسے اسے شک ہو گیا ہو لیکن پھر کار کی سمت مڑ گیا۔

اسی لمحے جیپ پھر عمارت کی سمت آتی نظر آئی اور ایئر پورٹ کی عمارت کے سامنے آ کر رک گئی میں پنجوں کے بل چلتا ہوا آگے بڑھا کھلے ہوئے دروازے سے میں نے جھانک کر دیکھا میرا سوٹ کیس بیرونی دروازے کے بالکل برابر رکھا ہوا تھا ایک لمحے کو میں نے سوچا کہ اسے وہیں چھوڑ کر بھاگ جاؤں پھر خیال آیا کہ سوٹ کیس دیکھتے ہی ان کو معلوم ہو جائے گا کہ کوئی شخص طیارے کے ذریعے آیا ہے میں تیزی میں بھاگتا ہوا دروازے تک پہنچا اور سوٹ کیس لے کر واپس گیلری کے دروازے کی سمت لپکا دروازہ بند تھا میرا دل خوف سے کانپ اٹھا اگر یہ مقفل ہوا تو میں چوہے کی طرح پھنس جاؤں گا میں نے ہینڈل پکڑ کر آہستہ سے

گھمایا دروازہ کھل گیا۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا باہر سے سپاہیوں کے زور زور سے باتیں کرنے کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں میں دروازے سے باہر نکلا تو ایک شیڈ میں پہنچ گیا جس کی چھت ٹین کی تھی درختوں کا جھنڈ بہت دور محسوس ہو رہا تھا میں وہاں تک سپاہیوں کی نظر میں آئے بغیر نہیں پہنچ سکتا تھا اب گیلری میں بھاری بوٹوں کی چاپ گونجنے لگی تھی وہ اسی سمت آ رہے تھے۔

شیڈ میں بڑے بڑے کریٹ رکھے ہوئے تھے میں لپک کر ایک کریٹ کی آڑ میں بیٹھ گیا خوف سے دل اس طرح اچھل رہا تھا کہ لگتا تھا باہر نکل پڑے گا مجھے معلوم تھا کہ اگر انہوں نے مجھے دیکھ لیا تو موت یقینی تھی باتیں کرنے کی آواز قریب آتی جا رہی تھی دوسرے ہی لمحے وہ شیڈ میں داخل ہوئے کسی نے ایک خالی ٹین کو ٹھوکر ماری شور سے کمرا گونج اٹھا پھر ڈرم سرکانے کی آواز آئی میں سمجھا وہ یقینا مجھے تلاش کر رہے ہیں خوف سے میں نے سانس بھی روک لی تھی لیکن وہ ڈرم کو لڑھکاتے ہوئے باہر جا رہے تھے چند لمحے بعد وہ شیڈ سے باہر نکل گئے اب وہ عمارت کے سامنے کھڑے باتیں کر رہے تھے اور پھر اچانک فضا میں پیٹرول کی تیز بو پھیل گئی اور چند لمحے بعد ہی میں نے آگ کے شعلوں کی گرمی محسوس کی گوشت جلنے کی تیز بو اچانک فضا میں پھیلی تھی انہوں نے عمارت کو نہیں...... سفید فام کی لاش کو نذر آتش کیا تھا۔

میں اپنی جگہ چھپا رہا۔ فوجی چلے گئے اور ایک بار پھر مکمل سناٹا طاری ہو گیا کچھ دیر مزید انتظار کرنے کے بعد میں گیلری سے ہوتا ہوا ایک بار پھر صدر دروازے تک پہنچا جیپ جا چکی تھی لیکن مقتول سفید فام کی کار بالکل سامنے کھڑی تھی...... میں نے سوچا وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے قدرت نے فرار کا ایک نادر موقع فراہم کیا تھا سوٹ کیس ہاتھ میں لیے ہوئے میں دبے پاؤں باہر نکلا وہاں کوئی بھی نہ تھا میں جلدی سے سامنے کھڑی ہوئی کار کے پاس پہنچا اور دروازہ کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ چونک اٹھا صدر دروازہ زور سے کھلا تھا میں نے گھوم کر دیکھا سفید وردی والا فوجی باہر نکل رہا تھا اس نے دونوں ہاتھوں میں لوٹ کا سامان اٹھا رکھا تھا یہاں تک کہ ٹائپ رائٹر بھی لے آیا تھا۔

مجھے دیکھتے ہی اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں لیکن میں نے اس کو سنبھلنے کا موقع نہ دیا۔ سوٹ کیس پھینک کر میں نے اچانک اس پر چھلانگ لگا دی۔ ہم دونوں ایک ساتھ زمین پر گرے اس کے ہاتھ سامان میں الجھے ہوئے تھے۔ اس لیے مجھے موقع مل گیا میں نے پھرتی کے ساتھ اس کی کمر سے لگے ہوئے ریوالور کو جھپٹ لیا اس نے دہشت زدہ نگاہوں سے مجھے دیکھا لیکن میں نے فائر کرنے کے بجائے ریوالور کے دستے سے ایک بھرپور ضرب اس کے سر پر لگائی وہ کراہ کر بے ہوش ہو گیا۔ سب کچھ چشم زدن میں ہو گیا تھا میں جلدی سے اٹھا کار کے پاس آ کر میں نے سوٹ کیس پچھلی سیٹ پر پھینکا۔ ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ دوسرے ہی لمحے کار وہاں سے روانہ ہو گئی میں نے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا تھا۔ میں نے دیکھا کہ برابر والی سیٹ پر بدقسمت سفید فام کے کپڑے بکھرے پڑے تھے اس کے بریف کیس کا سامان بھی سیٹ پر بکھرا پڑا تھا بریف کیس پر نام کی ٹیپ لگی ہوئی تھی جس پر "سائمن" تحریر تھا۔

سخت گرمی کے باوجود مجھے سردی لگ رہی تھی سارا جسم پسینے سے تر تھا پائلٹ کے الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے تھے۔ جب تک مسٹر سائمن زندہ ہیں سمجھو سب ٹھیک ہے لیکن مسٹر سائمن اب مر چکے

تھے...... میں نے کار کی رفتار تیز کر دی اور خاردار جھاڑیوں کے درمیان بنے ہوئے راستے سے نکل کر جھاڑیوں کے درمیان بنے ہوئے راستے سے نکل کر جھاڑیوں کی آڑ میں کچے راستے پر چلتا رہا تاکہ اگر جیپ واپس آئے تو مجھے نہ دیکھ سکے تقریباً ایک میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد میں کار کو پکی سڑک پر لے آیا لیکن ابھی تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا کہ اچانک بریک لگانا پڑ گیا کسی نے کٹے ہوئے درخت سڑک پر ڈال کر راستہ بند کر دیا تھا۔ لیکن ایک جگہ درخت ہٹا کر کار کے نکلنے کا راستہ شاید بدنصیب سائمن نے بنایا تھا میں نے اس تنگ راستے سے احتیاط کے ساتھ کار کو نکالا...... اور پوری رفتار سے روانہ ہو گیا۔

پندرہ منٹ کے سفر کے بعد مجھے درختوں کی آڑ میں چھپی ہوئی چرچ کی عمارت نظر آئی جو میں نے فضا سے دیکھی تھی۔ قصبے کی آبادی یہاں سے ابھی دور تھی میں نے کار کو اس تنگ راستے پر ڈال دیا۔ جو چرچ کی سمت جاتا تھا لیکن ذرا دور جانے کے بعد ہی کار کو روک کر درختوں کی آڑ میں کھڑا کیا اور جھاڑیوں میں حتی الامکان چھپا دیا کم از کم پہلی نظر میں اسے دیکھنا ممکن نہ تھا ایک شاخ لے کر میں نے راستے پر بنے ہوئے ٹائر کے نشانات مٹا دیے سوٹ کیس میں سے اپنا پاسپورٹ، پرس اور سگریٹ کا نیا پیکٹ نکال کر جیب میں رکھا سیاہ فام فوجی کا ریوالور دوسری جیب سے نکال کر ہاتھ میں لے لیا۔ تھوڑی دور جا کر خاردار تاروں کی باڑھ نظر آئی میں نے ریوالور جیب میں رکھا اور باڑھ کے اندر داخل ہو گیا سامنے ایک بڑا سا میدان تھا دونوں جانب لگے ہوئے گول کے پول یہ بتا رہے تھے کہ کھیل کا میدان ہے میں تیز قدم رکھتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ میں چاہتا تھا کہ کسی طرح چرچ کی عمارت تک پہنچ جاؤں۔ کھلے میدان میں چلتے ہوئے ہر لمحہ یہ خدشہ تھا کہ دیکھ نہ لیا جاؤں لیکن میں چرچ کے دروازے تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا سیڑھیاں پھلانگتا ہوا میں گیٹ نما دروازے کے پاس پہنچا اور گھنٹی کا بٹن زور سے دبایا۔

دروازہ فوراً کھل گیا...... ایک سیاہ فام پادری دروازے میں کھڑا تھا وہ اتنا دراز قد تھا کہ پونے چھ فٹ قد ہونے کے باوجود میں اس کے سامنے بونا نظر آ رہا تھا اس کی ناک خمیدہ اور آنکھیں بے حد سیاہ اور چمکدار تھیں اتنا قد آور اور وجیہہ آدمی میں نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا اس کے پیچھے ایک بہت بڑا اور کشادہ ہال دور تک پھیلا ہوا تھا جس میں ہر طرف افریقی عورتیں اور بچے بکھرے ہوئے تھے لیکن افریقی فوجیوں کے چہرے کی سفاکی کے برخلاف ان عورتوں کے چہرے پر بڑا ٹھہراؤ تھا جیسے وہ انتہائی صبر و سکون کے ساتھ ہر مصیبت کے لیے تیار ہوں۔

پادری نے پیچھے ہٹ کر مجھے راستہ دیا اور جیسے ہی میں اندر داخل ہوا بھاری دروازہ بند کر کے مقفل کر دیا "میں لوئس ڈی سوزا کا نائب ہوں" انہوں نے اپنا تعارف کرایا اور پھر مجھے ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔

ہم بائیں جانب ایک گیلری سے گزرتے ہوئے چلتے رہے جس کے اختتام پر ایک دروازہ تھا پادری نے دروازے پر دستک دی اور پھر مجھے وہیں انتظار کرنے کی ہدایت کر کے دروازے کے اندر داخل ہو گیا اندر سے بہت سے لوگوں کی باتیں کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں چند لمحے بعد دروازہ کھلا اور اس مرتبہ ایک سفید فام پادری نے دروازہ کھولا یہ اتنا خوبصورت شخص تھا کہ میں چند لمحے کے لیے مبہوت رہ گیا۔ اس کے چہرے پر بلا کا وقار اور سنجیدگی تھی۔

"فادر لوئس ڈی سوزا" میں نے پوچھا۔

"ہاں..... برائے کرم اندر آ جاؤ۔" انہوں نے مجھے اشارہ کیا میں ایک چھوٹے سے دفتر میں داخل ہوا جو سادگی کا نمونہ تھا" تم انگریزی یا فرانسیسی میں بات کر سکتے ہو" انہوں نے بتلایا۔

میں نے مختصر الفاظ میں اپنا تعارف کرایا اور ان کو بتلایا کہ کس طرح میں ڈاکٹر رائے کی تلاش میں کنیامہ جانے کے لئے یہاں پہنچا اور پھر ائیر پورٹ پر کیا واقعہ پیش آیا جس نے مجھے وہاں سے فرار ہو کر چرچ تک آنے پر مجبور کر دیا فادر ڈی سوزا نے میری بات کاٹ کر پوچھا۔

"تم نے جس سفید وردی والے کو زخمی کیا تھا..... کیا وہ شدید زخمی ہے"

"جی نہیں..... میرا خیال ہے اب ہوش میں آ چکا ہوگا۔"

فادر لوئس ڈی سوزا نے فرانسیسی زبان میں اپنے نائب کو جلدی سے کچھ ہدایات دیں اور وہ باہر چلا گیا خوش قسمتی سے میں فرانسیسی جانتا تھا اس لئے مجھے صورتحال کی نزاکت کا اندازہ ہو گیا میرے کنیامہ تک زندہ پہنچنے کا امکان بہت کم تھا..... اس کے بعد وہ میری سمت مڑے اور انگریزی میں بتلانے لگے" گزشتہ چوبیس گھنٹوں سے فلوبی جہنم زار بنا ہوا ہے۔ فوج نے بغاوت کر دی ہے میرے اور چرچ کی عورتوں کے علاوہ کوئی سفید فام باشندہ زندہ نہیں بچا ہے۔ انہوں نے ہندوستانیوں کو بھی بے دردی سے قتل کر دیا کیونکہ ان کے خیال میں وہ سفید قاموں کے حمایتی تھے حالانکہ ایسا نہیں ہے وہ صرف اس قتل عام کے مخالف تھے۔ فلوبی میں سنگارے قبائل کی اکثریت ہے اور کنیامہ کے لوگوں سے سخت نفرت کرتے ہیں اس لئے رات کو انہوں نے بڑی سفاکی اور درندگی کا مظاہرہ کیا کنیامہ کے باشندے جس علاقے میں رہتے تھے وہاں اب خون اور متعفن لاشوں کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور یہ لوگ فوری طور پر کنیامہ کے قصبے پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں..... ان حالات میں تمہاری یہاں موجودگی کتنی خطرناک ہوگی اس کا اندازہ تم خود کر سکتے ہو۔"

انہوں نے رک کر میرے چہرے کا جائزہ لیا۔" تم بظاہر نڈر اور ذہین آدمی لگتے ہو جس فوجی کو تم نے ائیر پورٹ پر زخمی کیا تھا وہ لوکاڑے ہے جو کل تک ایڈمنسٹریشن میں ایک معمولی کلرک تھا لیکن اب پورے علاقے کا کمانڈر ہے..... اگر تم اس کے ہاتھ لگ گئے تو بڑے دردناک انجام سے دوچار ہو گے یہاں پر اس وقت لاقانونیت کا راج ہے..... کیا تم کو یہاں کے حالات کا علم نہیں تھا۔"

"بس یوں سمجھ لیجئے میں نے دانستہ یہ خطرہ مول لیا ہے۔"

میں نے کہا" ویسے بھی یہاں کے حالات کا علم کسی کو نہیں ہے۔"

"خیر اب یہ بحث بے کار ہے تمہیں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے تمہاری کار میں پیٹرول ہے"

"نہیں..... مجھے یہاں پہنچ کر اندازہ ہوا کہ پیٹرول تقریباً ختم ہو چکا ہے۔"

"تب پھر تم نے اچھا کیا جو یہاں آ گئے..... تم فلوبی سے زندہ واپس نہیں ہو سکتے تھے" فادر لوئس ڈی سوزا کھڑکی کے پاس جا کر چند لمحے باہر جھانکتے رہے پھر واپس آ گئے تمہارے لئے صرف ایک راستہ ہے مسٹر مظفر! اندھیرا ہونے میں آدھا گھنٹہ اور باقی ہے ہم تمہیں ایک ایسے کچے راستے سے لے جائیں گے جو فلوبی سے ہو کر نہیں گزرتا اس راستے سے ہم تمہیں یہاں سے روانہ ہونے والی سڑک تک پہنچا دیں گے۔

پچاس کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے تم اپنی منزل تک پہنچ جاؤ گے جو خوش قسمتی سے اب تک پر سکون ہے میں نے وہاں کے ٹن کی کانوں کے منیجر سے بات کی تھی اس نے بتایا کہ اب تک وہاں گڑبڑ نہیں ہوئی ہے وہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں بہ حفاظت اس ٹرنک روڈ تک پہنچا دے گا۔ جو الزبتھ ولی جاتی ہے وہاں سے تم روڈیشیا کی سرحد میں داخل ہو سکتے ہو۔"

"اور دوسرا راستہ کیا ہے۔" میں نے پوچھا۔

"دوسرا راستہ یہ ہے کہ تم کنیامہ چلے جاؤ..... سنگارے آج رات وہاں حملہ نہیں کریں گے۔ لوکاڑے کو ابھی تمہاری تلاش ہوگی اور وہ تمہیں ہر جگہ تلاش کرے گا اس لئے تم چاہو تو تم کنیامہ جانے والی سڑک پر مڑ جاؤ کنیامہ وہاں سے اسی کلومیٹر کے فاصلے پر شمال میں واقع ہے لیکن یہ راستہ بے حد خطرناک اور دشوار گزار ہے۔ سڑک پہاڑی کے تنگ نشیب و فراز سے گزرتی ہے۔ خطرناک موڑ اور ڈھلوان راستے میں آتے ہیں اور..... میں یہ بھی خبردار کر دوں کہ وہاں پہنچ کر تم ایک طرح سے پنجرے میں پھنس جاؤ گے کیونکہ کنیامہ سے آنے جانے کے لئے اس سڑک کے علاوہ کسی سمت سے کوئی راستہ نہیں ہے۔"

"آپ کا بے حد شکریہ۔" میں نے کہا۔

"لیکن ایک بات ضرور ہے تم وہاں جا کر اپنے دوست ڈاکٹر رائے کو بھی جلد از جلد یہاں سے نکل جانے پر آمادہ کر سکتے ہو۔ وہ اب تک کنیامہ میں ہی موجود ہیں اور وہاں اب تک کسی کو نہیں معلوم کہ ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے ہم تم کو سفر کے لئے پیٹرول مہیا کر سکتے ہیں۔"

"شکریہ فادر۔ کیا یہ بات یقینی ہے کہ کنیامہ پر حملہ ہوگا۔"

"قطعی یقینی ہے..... لوکاڑے وہاں کا حشر بڑا عبرتناک کرے گا اور اب کنیامہ والوں کی مدد کوئی نہیں کر سکتا کیونکہ ان کو تحفظ دینے والے اب موجود نہیں ہیں۔ تم کچھ دیر آرام کر لو میں پیٹرول کا انتظار کرتا ہوں۔"

اسی لمحے گیلری میں کوئی چلایا۔ اور عورتوں نے خوف زدہ آواز میں زور زور سے بولنا شروع کر دیا۔ فادر لوئس ڈی سوزا مجھے وہیں رکنے کی ہدایت کر کے تیزی کے ساتھ ہال کی سمت گئے عورتیں اور زیادہ خوف زدہ آواز میں چیخنے لگیں۔ لیکن پھر اچانک سناٹا چھا گیا خوف سے میرا حلق خشک ہو گیا تھا۔ ہتھیلیوں سے پسینہ آ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد کسی کے قدموں کی چاپ قریب آتی سنائی دی۔ میں نے ریوالور نکال کر ہاتھ میں لے لیا..... دروازہ کھلا لیکن آنے والے لوئس ڈی سوزا تھے۔ میں نے ریوالور کی نال نیچے کر لی وہ ایک لمحے تک ریوالور کو گھورتے رہے پھر درشت لہجے میں بولے۔

"اس ریوالور کو جیب میں رکھ لو۔ تمہارے علاوہ اس وقت کنیامہ کے تقریباً سو انسان میری پناہ میں ہیں..... میں اس مقدس جگہ کو انسان کے خون سے آلودہ نہیں دیکھنا چاہتا..... میں صرف یہ کہنے آیا تھا کہ تمہاری روانگی اب فوری طور پر ضروری ہو گئی ہے ابھی سپاہیوں سے بھری ہوئی ایک جیپ ائیر پورٹ کی سمت گئی ہے میں نے فادر ایمرسن سے کہہ دیا ہے کہ وہ تمہارے لئے کھانے اور پیٹرول کا فوری طور پر بندوبست کر دیں۔ وہ مشن کے احاطے کی خاردار باڑ کے پاس ہی ملیں گے..... تم تیار رہو۔"

ہم جب ہال سے گزر رہے تھے تو فادر ڈی سوزا نے عورتوں کے پاس رک کر مقامی زبان میں کچھ سمجھایا چھوٹے بچے مجھے خوف زدہ نگاہوں سے گھور رہے تھے عورتیں گردن ہلا کر فادر لوئس ڈی سوزا کی باتیں سن رہی تھیں گیلری کے آخر میں ایک دروازہ کھلا ہوا تھا فادر ڈی سوزا اس کے سامنے رک گئے۔

"کنیامہ کی ان بے گناہ عورتوں کی آنکھوں میں تم نے دہشت اور خوف کی جھلک دیکھی۔"

"جی ہاں...... وہ بہت خوف زدہ نظر آ رہی ہیں۔"

"ان کے ساتھ جو ہولناک بربریت کا سلوک ہوا ہے۔ ان کا اندازہ تم نہیں کر سکتے افسوس کہ وقت نہیں ہے ورنہ میں تم کو مشن کا اسپتال دکھاتا" وہ ایک دروازے سے نکل کر باہر آئے تو میں نے دیکھا کہ ایک سمت چرچ کی عمارت تھی۔ دوسری طرف مشن کی بڑی عمارت اور سامنے دور تک احاطے کا میدان پھیلا ہوا تھا وہ عمارتوں کے درمیان گزرتے ہوئے کھلے میدان کے کنارے تک پہنچ گئے تھے وہ جو داہنی سمت خاردار باڑ تک چلا گیا تھا جہاں درختوں کے گھنے جھنڈ نظر آ رہے تھے کہ اچانک کسی نے زور سے پکارا۔

"فادر لوئس ڈی سوزا۔"

ہم دونوں چونک کر گھومے فادر ایمرسن بھاگتے ہوئے ہماری سمت آ رہے تھے "فوجیوں کی جیپ واپس آ رہی ہے ہم پیٹرول نکالنے جا رہے تھے کہ برادران کی نظر پڑ گئی۔" انہوں نے بتایا ہے۔

"جیپ کتنی دور ہے" فادر ڈی سوزا نے جلدی سے پوچھا "وہ گیٹ تک پہنچ چکے ہیں۔"

"مسٹر صفدر کو چرچ میں لے جاؤ ان کو پادریوں کی عبا پہنا دو اور تم دونوں عبادت میں مصروف ہو جاؤ جب تک میں نہ آؤں وہیں رہنا دعا کرو کہ وہ چرچ میں نہ آئیں۔"

چرچ کے اندر کا ماحول ٹھنڈا اور پرسکون تھا روشنی ہلکی تھی میں اور فادر ایمرسن تیزی کے ساتھ اندر داخل ہوئے انہوں نے مجھے پادریوں کا مکمل عبا نما لباس پہنایا اور پھر پوری سنجیدگی سے کہا۔

"دو زانو ہو کر بیٹھ جاؤ اور خدا سے پوری عاجزی کے ساتھ سلامتی کی دعا مانگو۔"

میں پورے خلوص کے ساتھ دعا مانگ رہا تھا۔ آخر مسیحؑ کا خدا میرا بھی تو خدا تھا ریوالور میری عبا کی جیب میں تھا لیکن کان آہٹوں پر لگے ہوئے تھے اور پھر اسکول کے بچے گاتے ہوئے اچانک رک گئے مکمل سناٹے میں قدموں کی چاپ قریب آتی سنائی دی۔

"خدا ہم سب پر رحم کرے۔" فادر ایمرسن نے سرگوشی کی...... اور آنے والے قدم ہمارے بالکل قریب آ کر رک گئے مجھے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا کہ اچانک کسی نے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"مجھے افسوس ہے تمہاری عبادت میں خلل انداز ہوا" فادر لوئس ڈی سوزا کی آواز سنائی دی "وہ واپس چلے گئے۔"

انہوں نے کہا۔

"اتنی جلدی" میں نے پوچھا۔

انہوں نے مشن کے گرد دو چکر لگائے شاید وہ اس کار کو دیکھ رہے تھے جس میں تم ایئرپورٹ سے فرار ہوئے تھے۔

"شکر ہے کہ میں نے اسے اچھی طرح چھپا دیا تھا" میں نے کہا" کچھ لوکاڑے کے بارے میں پتا چلا"

"وہ ان کے ساتھ موجود تھا...... لیکن وہ دوبارہ بھی آ سکتے ہیں...... اس لئے تم جلد از جلد یہاں سے نکل جاؤ۔"

"آپ نے میری خاطر بہت بڑا خطرہ مول لیا ہے فادر" میں نے کہا" مجھے اندازہ نہ تھا کہ میں کتنی بڑی تباہی سے نکل کر یہاں آیا ہوں۔"

"ہر چیز خدا کی مرضی سے ہوتی ہے...... تم تیار ہو جاؤ...... برادران تمہیں لے کر باڑ تک جائیں گے اور پیٹرول مہیا کریں گے" انہوں نے کہا یہ سیاہ فام افریقی تھے وہ فوراً ہی روانہ ہو گئے" یہ کتنا خوش ہے" فادر نے آہستہ سے کہا۔

"میری دعا ہے کہ اس کی خوشی عارضی نہ ہو۔"

"خود آپ کا کیا حال ہے فادر" میں نے پوچھا" آپ کی زندگی بھی تو خطرے میں ہے"

"ہم کو بہر صورت میں رہنا ہے انجام ہمارے اختیار میں نہیں ہے جو مرضی معبود حقیقی کی ہو گی سر تسلیم خم کر دیں گے۔" انہوں نے بڑے سکون کے ساتھ کہا" آؤ...... اب باہر چلیں...... اندھیرا ہو رہا ہے"

ہم چرچ سے نکل کر عمارتوں کے درمیان آگے بڑھنے لگے کچھ دور چلنے کے بعد فادر لوئس ڈی سوزا نے کہا۔

"کنیامہ کی وادی بہت دور تک پھیلی ہوئی ہے تم وہاں پہنچ کر محسوس کرو گے کہ ایک نئی دنیا میں آ گئے ہو۔"

"لیکن میں صرف اسی کلومیٹر کے فاصلے پر واقع اس دنیا کی سلامتی کے لئے بے چین رہوں گا۔"

"تم جیسے نیک دل انسان سے یہی توقع ہے۔" فادر نے جواب دیا۔" لیکن تمہیں اپنے دوست کے علاوہ ایک اور فرض داری اٹھانی پڑے گی"

"آپ کا مطلب ہے ڈاکٹر تلک چوپڑا" میں نے پوچھا۔"نہیں...... کیا تم کو معلوم نہیں کہ ڈاکٹر تلک چوپڑا ایشیا لیہ پر جا کر لاپتا ہو گئے۔ خیال ہے وہ کسی حادثے کا شکار ہو گئے لیکن ان کی لاش کسی کو نہ مل سکی۔"

"تو پھر ڈاکٹر رائے وہاں بالکل اکیلا ہے۔"

"نہیں...... اس کے ساتھ وہاں ایک لڑکی بھی ہے۔"

"لڑکی" میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"ہاں۔"

"کون سی لڑکی۔"

"مس ایریشیا...... وہ امریکی ہے اور کہتے ہیں کہ ڈاکٹر تلک چوپڑا کی داشتہ تھی۔"

"اوہ...... مجھے اس کا علم نہیں تھا آپ کے خیال میں اس کی وجہ سے کچھ مشکل پیش آ سکے گی؟"

"نہیں...... مس ایریشیا بڑی سمجھ دار لڑکی ہے وہ یہاں ایک سال پہلے نرس کی حیثیت سے آئی تھی

لیکن جب ڈاکٹر تلک چوپڑا کنیامہ گئے تو وہ بھی ان کے ساتھ چلی گئی۔"

"تعجب ہے...... رائے نے عورتوں میں کبھی دلچسپی نہیں لی تھی۔"

"ضروری نہیں وہ ڈاکٹر رائے کی بھی داشتہ ہو" فادر ڈی سوزا نے کہا" ویسے میں اتنا جانتا ہوں کہ وہ تلک چوپڑا سے بہت محبت کرتی تھی۔"

"پھر اب تک وہ وہاں کیوں موجود ہے۔"

"وہ ڈاکٹر رائے کو کلینک میں مدد دیتی ہوگی بہرحال وہ ایک تربیت یافتہ نرس ہے" فادر نے جواب دیا۔ "تم کو کنیامہ کے متعلق کچھ نہیں معلوم نہ بتلانے کا وقت ہے تم یہیں ٹھہرو...... میں کھانا لیکر آتا ہوں۔"

وہ چلے گئے میں نے سگریٹ جلایا اور ابھی دو تین کش لئے تھے کہ فادر ڈی سوزا کھانے کی باسکٹ لئے ہوئے آ گئے ہم نے چرچ کے عقب سے میدان پار کیا اور خاردار باڑھ کے قریب پہنچ کر رک گئے۔

"تم کو یہاں سے کار تلاش کرنے میں دشواری تو نہ ہوگی؟"

انہوں نے پوچھا۔

"نہیں...... وہ سڑک کے پاس ان درختوں کے جھنڈ میں ہے" میں نے اشارے سے بتلایا۔

اسی لمحے تاریکی ایسے اچانک پھیل گئی کہ میں حیران رہ گیا۔ اتنی جلد رات ہوتے میں نے کبھی نہ دیکھی تھی ہر سمت سناٹا طاری تھا۔ ہم برادران کا انتظار کر رہے تھے۔

"تم کو یہ تو علم ہوگا کہ تمہارے دوست ڈاکٹر رائے کنیامہ میں کیا کر رہے ہیں" فادر ڈی سوزا نے پوچھا۔

"مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ کسی نامعلوم پودے شیپالیہ کی تلاش میں یہاں آئے ہیں جس کے متعلق ان کو یہ وہم ہے کہ کینسر جیسے مرض کو دور کر سکتا ہے۔"

"ہاں...... لیکن شیپالیہ کے متعلق یہ ان کا وہم نہیں۔ ایک حقیقت ہے کہ اس کے ذریعے کینسر کا علاج ہو سکتا ہے بلکہ ہوا ہے۔"

میں نے چونک کر ان کو دیکھا اور پھر فوراً ہی مجھے یاد آ گیا۔

"اوہ...... تو آپ ہی وہ پادری تھے" میں نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں...... وہ خوش قسمت شخص میں ہی ہوں" فادر ڈی سوزا نے جواب دیا۔

"آپ واقعی کینسر کے مریض تھے" میں نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا" اگر یہ سب سچ ہے تو پھر اسے معجزہ ہی کہا جائے گا۔"

"ہاں...... اور اب میں بالکل صحت مند ہوں" انہوں نے جواب دیا" تم حقیقت جاننے کے لئے بے چین ہو اس لئے سن لو ان دنوں کنیامہ کا مشن نیا نیا قائم ہوا تھا فادر اس وقت تک پادری نہیں بنے تھے صرف برادر تھے کیونکہ ان کو آئے ہوئے صرف چھ ماہ ہوئے تھے انہی دنوں ڈاکٹر تلک چوپڑا نے جو ہمارے مشن اسپتال کے انچارج تھے مجھے بتایا کہ میں کینسر کے مرض میں مبتلا ہوں جو پیٹ میں اتنا بڑھ چکا ہے جس کا علاج ممکن نہیں...... مجھے اعتراف ہے کہ یہ سن کر مجھے شدید دھچکا لگا تھا حالانکہ میرا ایمان ہے کہ موت برحق ہے۔ لیکن میں نے جلد ہی اس صدمے پر قابو پا لیا انہی دنوں میں حسب معمول اپنے سہ ماہی دورے پر کنیامہ

گیا۔ مجھے تین دن قیام کرنا تھا لیکن دوسرے ہی دن اتنا شدید بیمار ہوا کہ تین ہفتے تک وہاں رکنا پڑ گیا میں بستر پر موت کا منتظر تھا۔ چرچ میں کام کرنے والے نوسیکی میرے کمرے میں ہی میں کھانا وغیرہ پہنچا دیا کرتے تھے دسویں دن ایک مقامی آدمی سبزی قسم کی کوئی چیز کوٹ کر لایا اور بضد ہوا کہ میں اسے کھا لوں اس نے بتایا کہ یہ شیپالیہ کا پودا ہے جس سے میرا مرض جاتا رہے گا اس نے صاف گوئی سے بتایا کہ وہ یہ دوا ایک وچ ڈاکٹر سے بڑی منت کر کے لایا ہے کیونکہ یہ کہیں دستیاب نہیں ہوتی تم جانتے ہو گے کہ افریقہ میں وچ ڈاکٹر جادوگر کو کہتے ہیں۔ مجھے ان باتوں پر بالکل اعتقاد نہ تھا۔ لیکن وہ سب مجھے نئے عیسائی ہوئے تھے اس خیال سے کہ ان کا دل نہ ٹوٹے میں نے وہ ملا دو نما سبزی کھا لی لیکن دوسری صبح میں نے چرچ میں خصوصی دعا کا بندوبست کیا۔ جس میں تمام افریقی...... عیسائیوں کو جمع کیا اور ان سے کہا کہ وہ میری صحت کے لئے دعا کریں...... میں نے وچ ڈاکٹروں پر سے ان کا اعتقاد ختم کرنے کے لئے یہ قدم اٹھایا تھا۔ یہ دعا نو دن تک صبح و شام جاری رہی اور تم اسے دعا کا اثر کہو یا دوا کا لیکن مسٹر صفدر نویں شب میں مکمل طور پر صحت یاب ہو چکا تھا اور میں نے رات کی دعوت جو دعا کے اختتام پر ہوتی ہے سیر ہو کر کھائی...... اب تم کہو اس بارے میں کیا خیال ہے۔"

"میں اسے قدرت کا معجزہ ہی کہوں گا" میں نے جواب دیا۔

"مجھے بھی تم سے اتفاق ہے" فادر ڈی سوزا نے کہا۔

"لیکن ڈاکٹر تلک چوپڑا کو یقین تھا کہ یہ شیپالیہ کا معجزہ ہے جب ایکسرے نے تصدیق کر دی کہ میرا کینسر قطعی طور پر ختم ہو چکا ہے تو ڈاکٹر کی حیرت کی انتہا نہ رہی اور ان کو جنون سوار ہو گیا کہ وہ شیپالیہ کا پودا تلاش کر کے رہیں گے بدقسمتی سے یہ پودا اعتقاد بھی ہے اور کنیامہ کے لوگ اسے مقدس بھی تصور کرتے ہیں میرے لئے یہ ایک بہت بڑا اعزاز تھا جو وچ ڈاکٹر نے پودا فراہم کر دیا ڈاکٹر تلک چوپڑا کو اس بارے میں کچھ بتلانے سے اس نے انکار کر دیا ڈاکٹر نے مشن کی ملازمت سے استعفیٰ دے کر کنیامہ میں کلینک کھول لی اور شیپالیہ کی تلاش میں زندگی گنوا دی...... مجھے اس کا بہت افسوس ہے۔"

"لیکن ڈاکٹر رائے کو بھی یہی جنون سوار ہے" میں نے بتایا۔" وہ اسی شیپالیہ کی تلاش میں ملازمت چھوڑ کر یہاں آ گیا کیونکہ ڈاکٹر تلک چوپڑا اس کے دوست تھے اور انہوں نے اس پودے کے متعلق رائے کو خط لکھ دیا تھا"

"ہاں...... اپریل میں انہوں نے یہاں آ کر مجھے ڈاکٹر چوپڑا کی موت کی اطلاع دی تھی اس کے بعد ملاقات نہیں ہوئی لیکن ہر ماہ وہ مشن اسپتال سے ہی دوائیں وغیرہ منگاتے ہیں اس لئے ان کی خیریت معلوم ہو جاتی ہے۔"

"اس کا مطلب ہے وہ ابھی وہاں موجود ہے۔"

"ہاں۔" وہ اچانک خاموش ہو کر آہٹ سننے لگے" وہ شاید آ رہے ہیں۔"

تاریکی میں دو سائے برآمد ہو کر ہماری سمت بڑھے۔ "لو کھانے کی باسکٹ لے لو" فادر نے سرگوشی میں کہا۔

"اچھا خدا حافظ...... خدا تمہیں سلامت رکھے" میں نے عبا اتارنا شروع کی تو انہوں نے روک دیا

اور بولے ۔

"نہیں اسے چھپے رہو۔ کنیامہ پہنچ کر اسے چرچ میں جمع کرا دینا" انہوں نے مصافحہ کیا اور تیزی سے چرچ کی جانب روانہ ہو گئے میں نے انہیں ایک لحہ رک کر آنے والے افراد سے باتیں کرتے دیکھا اور پھر وہ آگے بڑھ گئے ۔

فادر ایمرسن تاریکی میں چھپ کر رہ گئے تھے ان کے دراز قد کے سامنے برادران بونے نظر آ رہے تھے دونوں کے ہاتھ میں پیٹرول کے ٹن تھے لیکن فادر ایمرسن نے دوسرے ہاتھ میں بوسیدہ سا سوٹ کیس بھی پکڑ رکھا تھا وہ دونوں میرے پاس پہنچ کر ابھی رکے ہی تھے کہ اچانک چرچ کے ٹاور کا گھنٹہ زور زور سے بجنے لگا۔

میں نے چونک کر دیکھا فادر ذی سوزا جو کافی دور جا چکے تھے ایک لمحے کے لئے رکے اور پھر پوری رفتار سے چرچ کی سمت بھاگتے ہوئے اسپتال والی عمارت میں غائب ہو گئے اور اسی لمحے قلوس سے آنے والے روڈ پر مجھے کئی ایک گاڑیوں کی روشنی نظر آئی خطرے کو بھانپتے ہی میں نے کھانے کی باسکٹ سنبھال کر باڑ کے دوسری سمت رکھی اور خاردار تار اٹھا کر درمیان سے گزرنے کے لئے قدم اٹھایا ہی تھا کہ فادر ایمرسن پر نظر پڑی وہ تنہا میری سمت بڑھ رہے تھے اور ہاتھ ہلا ہلا کر مجھے نکل بھاگنے کا اشارہ کر رہے تھے لیکن برادران اپنی جگہ بم بہ خود کھڑے ہو کر گیٹ کی سمت دیکھ رہے تھے جس میں کئی فوجی ٹرک داخل ہو رہے تھے میں نے ان کی سمت بڑھنے کا ارادہ کیا لیکن فادر ایمرسن نے مجھے پکڑ لیا۔ مجھے چرچ کا یہ میدان ایئر پورٹ کا میدان نظر آ رہا تھا......اور برادران کی جگہ مسٹر سائمن کھڑے محسوس ہو رہے تھے۔

اسی لمحہ اگلے ٹرک کی سرچ لائٹ کی روشنی اچانک فضا میں پھیلتی ہوئی نظر آئی میں ہاتھ چھڑا کر برادران تک بھاگتا ہوا پہنچا اور پیٹرول کا ٹن ان کے ہاتھ سے لے کر انہیں درختوں کی سمت دھکا دیا۔

"تم مشن نہیں پہنچ سکتے ۔ برادران درختوں کی سمت بھاگو۔ جاؤ۔" میں نے کہا اور جواب کا انتظار کئے بغیر باڑھ سے نکلنے کے لئے بھاگا جلدی میں میری عبا کی ایک آستین کانٹے میں پھنس کر پھٹ گئی فادر ایمرسن پہلے ہی باڑ پار کر چکے تھے انہوں نے لپک کر مجھے آگے چلنے کے لئے دھکا دیا ہم دونوں تیزی سے بھاگتے ہوئے درختوں کے اس جھنڈ تک پہنچ گئے جہاں میں نے کار چھپائی تھی میں نے دروازہ کھول کر باسکٹ اور ٹن پچھلی سیٹ پر ڈالا اور اسٹیرنگ سنبھال کر دروازہ آہستہ سے بند کر لیا دوسرا دروازہ کھولنے سے پہلے میں نے مرحوم سائمن کے کپڑے اٹھا کر پچھلی سیٹ پر ڈال دیئے اور فادر ایمرسن کے بیٹھتے ہی کار اسٹارٹ کر دی۔

اسی لمحے چرچ کی جانب سے سپاہیوں کے تضحیک آمیز قہقہے سنائی دیئے میری نظروں میں ایک بار پھر ایئر پورٹ کا منظر گھوم گیا اسی لمحے فائر کی آواز کے ساتھ ایک دل خراش چیخ فضا میں گونجی آواز بلاشبہ برادران کی تھی غصہ سے بے تاب ہو کر میں نے ریوالور جیب سے نکال کر دروازہ کھولا۔

"ظالم درندہ......وہ بے گناہ تھا۔" فادر ایمرسن نے مجھے گھسیٹ کر اندر کر لیا۔

"تم دیوانے تو نہیں ہو گئے ہو...... مسلح فوجیوں کا مقابلہ ریوالور سے کرو گے" انہوں نے غصے میں کہا "اس طرح تم سب کی جان لے لو گے"

بے بسی کے عالم میں میں نے پیر اندر رکھ کر دروازہ بند کر لیا۔ "تم ٹھیک کہتے ہو فادر!" "میں...نے

کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی ۔

"بائیں جانب سیدھے چلتے رہو" فادر سائمن نے کہا اور کنیامہ روڈ پر پہنچنے سے پہلے روشنی نہ جلانا ۔"

ہم تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ ایک بار پھر فائرنگ کی آواز فضا میں گونجی لیکن میں نے کار نہیں روکی اس لئے کہ ہم کسی کی مدد نہیں کر سکتے تھے...... کچے راستے چلتے ہوئے بہ مشکل دو سو گز گئے تھے کہ فادر سائمن نے کار رکوا دی اور خود نیچے اتر کر کہا "اب میرے پیچھے پیچھے کار لے کر آؤ۔"

میں نے ان کی ہدایت پر عمل کیا کچے ناہموار راستے پر کار آگے رینگتی رہی سڑک کی جانب قد آدم گھاس ہماری آڑ کئے ہوئے تھی اور سامنے دو ٹیلوں کے درمیان ایک تنگ راستے سے گزرنا تھا فادر ایمرسن نے مڑ کر دیکھا لیکن آگے بڑھتے رہے ان کا جھکا ہوا جسم تاریکی میں خوف ناک لگ رہا تھا میں نے بھی کار ان کے پیچھے ڈالے رکھی بانسوں کے گھنے جنگل سے نکلتے ہی ابھرتا ہوا چاند سامنے نظر آیا ہلکی روشنی میں مجھے کچا راستہ نظر آنے لگا۔ جس پر بیل گاڑی کے پہیوں نے واضح نشان بنا دیئے تھے۔ ہر سمت لانبی لانبی گھاس پھیلی ہوئی تھی جو ہماری پیش قدمی کی پردہ پوشی کر رہی تھی۔ ہم ایک چڑھائی پار کر کے نشیب میں آئے تو اچانک افریقہ کے مخصوص نقاروں کی تیز آواز کان سے ٹکرائی۔ نقاروں کے ساتھ ساتھ کنستر بھی ساز کی طرح بجتے جا رہے تھے۔ ان آوازوں میں عجیب پر اسرار اور خوف ناک موسیقی تھی اسی کے ساتھ لوگوں کے چیخنے اور اچھل کود کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں خوف کے باوجود میں کار کو آگے بڑھاتا رہا کیونکہ فادر ایمرسن نڈر ہو کر آگے بڑھ رہے تھے۔ ہم کسی آبادی کے بالکل قریب آ گئے تھے کیونکہ کچھ فاصلے پر روشن آگ بھی اب نظر آنے لگی تھی اور جب ہم آبادی سے اور قریب پہنچے تو بدمست قہقہوں کی گونج بھی سنائی دینے لگی گاؤں کی ساری آبادی جشن آزادی منا رہی تھی جن کے قہقہوں میں قتل و غارت گری کی چیخیں دب گئی تھیں ۔

اچانک فادر ایمرسن رک گئے میں نے بھی کار روک دی۔

وہ کھڑکی کے قریب آئے تو میں نے دیکھا کہ ان کا چہرہ پسینے سے تر تھا "سنکارے جشن منا رہے تھے انہوں نے کرب آمیز آواز میں کہا" لیکن ڈرنے کی ضرورت نہیں اس گاؤں سے گزرنے کے بعد پھر کوئی آبادی نہیں ملے گی۔

ہم پھر رک کر آگے بڑھنے لگے میں نے دیکھا کہ ایک سمت درختوں کی دیوار ہے اور دوسری سمت گاؤں میں جانے والی پگڈنڈیاں فرار کی دوسری کوئی راہ نہیں تھی۔ گاؤں کی سمت اب جھاڑیاں بھی بہت چھوٹی چھوٹی ہوتی جا رہی تھیں یہاں تک کہ ہم گاؤں کے بالکل مقابل آ گئے ہمارے درمیان چند روفی جھاڑیوں کی بس معمولی سی آڑ تھی آگ کے شعلوں کی روشنی میں بہ مشکل سو گز کے فاصلے پر بکھری ہوئی جھونپڑیاں نظر آ رہی تھیں آگ کے گرد دائرے میں بیٹھے ہوئے افریقی باشندے مجسم سے آزادی ملنے کا جشن اپنے روایتی رقص سے لطف اندوز ہو کر منا رہے تھے۔ کچھ فاصلے پر ایک ٹیلا نظر آ رہا تھا۔ فادر تیزی سے اس کی سمت بڑھ رہے تھے۔ میں نے بھی رفتار ذرا تیز کر دی کیونکہ اس ٹیلے سے گزرنے کے بعد ہم محفوظ ہو جاتے اور اسی لمحے بلا کسی وارننگ کے کار نے ہچکی لی اور رک گئی پیٹرول بالکل ختم ہو گیا تھا۔۔

خوف کی ایک سرد لہر میرے جسم میں دوڑ گئی ہم سلامتی سے صرف چند گز کے فاصلے پر تھے کہ یہ حادثہ

پیش آ گیا تھا۔ میں نے بے بسی کے عالم میں کھڑکی سے جھانکتے ہوئے فادر ایمرسن کا خوف زدہ چہرہ دیکھا۔

''پیٹرول ختم ہو گیا ہے فادر!'' میں نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

''جلدی کرو'' ہم دونوں کار کو دھکا دے کر کسی طرح اس ٹیلے سے نیچے لے چلتے ہیں'' انہوں نے آہستہ سے کہا۔

ہم دونوں نے پوری قوت لگائی...... لیکن دو تین بار کوشش کے باوجود کار چند قدم بڑھ کر پھر واپس آ گئی لیکن فادر ایمرسن نے ہمت نہیں ہاری۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں دھکا دوں اور خود اپنی پشت کار کی ڈگی سے لگا کر جھکے اور پوری قوت لگا کر کار کو پیچھے آنے سے روک دیا آہستہ آہستہ کار بڑھنے لگی اور پھر ہم اسے ٹیلے کی آڑ میں لانے میں کامیاب ہو گئے نقارے اور شور و غل کی آواز سے اب کان پھٹے جا رہے تھے لیکن یہی شور ہمیں بچا بھی رہا تھا ورنہ ہماری آہٹ سن لی گئی ہوتی۔ ہم نے بڑی بدحواسی کے عالم میں پیٹرول کے ٹن باہر نکالے فادر ایمرسن نے پہلا ٹن لا کر میرے پاس رکھا اور کھڑے ہو کر سامنے دیکھا تو بری طرح چونک پڑے میں نے بھی نگاہ اٹھا کر دیکھا تو ٹیلے کے اوپر کوئی چیز حرکت کرتی نظر آئی اور پھر چاند کی روشنی میں اچانک ایک دس بارہ سال کا افریقی لڑکا آڑ سے نکل کر ہمیں گھورنے لگا وہ ٹیلے کے اوپر بالکل ہمارے سامنے کھڑا تھا تیل لگا ہوا وہ ٹیلے کے اوپر بالکل ہمارے سامنے کھڑا تھا تیل لگا ہوا اس کا سیاہ جسم روشنی میں چمک رہا تھا میرا ہاتھ پھرتی کے ساتھ ریوالور پر گیا لیکن فوراً ہی رک گیا لڑکا دم بخود اپنی جگہ کھڑا ہوا نیچے دیکھ رہا تھا۔

''تم اس سے بات کرو فادر! کسی بھی طرح اسے باتوں میں لگائے رہو'' میں نے جلدی سے کہا'' اسے کچھ رقم دے کر روکو مگر کسی قیمت پر واپس گاؤں نہ جانے دو۔''

فادر ایمرسن نے افریقی زبان میں کچھ کہا لیکن جیسے ہی وہ آگے بڑھے لڑکا اچھل کر پیچھے ہٹا اور چلاتا ہوا گاؤں کی سمت بھاگ نکلا میں نے ٹن کا ڈھکن کھول کر پیٹرول ٹنکی میں ڈالنا شروع کیا تو میرے ہاتھ کانپ رہے تھے اور پیٹرول چھلک کر زمین پر گر رہا تھا پیٹرول کی تیز بو فضا میں پھیل رہی تھی فادر نے ہاتھ بڑھا کر ٹن کو سہارا دیا...... جلدی کرو...... جلدی......''

انہوں نے بدحواسی کے عالم میں کہا۔

''اس سے زیادہ جلدی ممکن نہیں۔'' میں نے جھنجلا کر جواب دیا۔

''لیکن ہم انتظار نہیں کر سکتے۔'' فادر ایمرسن نے پریشانی کے عالم میں کہا۔

''گھبرایئے نہیں فادر! ذرا دیر صبر کیجئے'' مجھے صرف اتنا اطمینان تھا کہ نقارے کے شور میں لڑکے کی آواز دیر سے سنائی دے گی پہلا ٹن تقریباً خالی ہو چکا تھا...... اور اسی لمحے اچانک نقارے کا شور بند ہو گیا۔

''جلدی اندر بیٹھو...... میں نے خالی ٹن فادر کے ہاتھ میں دے کر انہیں دھکا دیا اور ٹنکی کا ڈھکن بند کر کے دوسرا ٹن اٹھا کر پچھلی سیٹ پر پھینکا دروازہ کھول کر میں پھرتی کے ساتھ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اور گاڑی اسٹارٹ کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو صرف یہ خوف لاحق تھا کہ فیول پمپ کہیں ایئر لاک نہ ہو گیا ہو۔

لیکن قسمت ساتھ دے رہی تھی گاڑی فوراً اسٹارٹ ہو گئی۔

''پوری رفتار سے بھاگو'' فادر ایمرسن چلائے'' دائنی سمت۔''

میں نے ان کی ہدایت کی تعمیل کی کچے راستے پر کار گیند کی طرح اچھلنے لگی کچھ دور جاتے ہی گھنی جھاڑیوں اور گھاس کا سلسلہ شروع ہو گیا میں نے کار کی رفتار کم کر کے فادر ایمرسن کی طرف دیکھا وہ خوف سے ساکت بیٹھے سامنے کی سمت دیکھ رہے تھے...... اور تب مجھے ان کے خوف کا سبب یاد آیا...... وہ کنیامہ کے باشندے تھے اور جانتے تھے کہ سنکاریوں کے ہاتھ لگ گئے تو کیا حشر ہو گا تقریباً نصف میل جا کر میں نے ان سے پوچھا۔

''اب کدھر چلنا ہے فادر؟''

''سیدھے چلو......'' انہوں نے چونک کر کہا'' تقریباً سو گز بعد داہنی سمت مڑ کر کنیامہ جانے والی پختہ سڑک پر پہنچ جائیں گے۔''

♡ ...... ♡ ...... ♡

کنیامہ جانے والی پختہ اور ہموار سڑک پر ہماری کار پوری رفتار سے دوڑ رہی تھی فادر ایمرسن کے چہرے پر اب اطمینان جھلک رہا تھا جب ہم کو اطمینان ہو گیا کہ خطرے سے دور نکل آئے ہیں تو کار روک کر ہم نے دوسرے ٹن کا پیٹرول بھی ٹنکی میں بھر لیا میں کار میں واپس بیٹھا تو اتنی دیر میں پہلی بار فادر ایمرسن مسکرائے۔

''کیا خیال ہے اگر ایک کپ کافی کا پی لیا جائے۔''

انہوں نے کہا۔

''بڑا نیک خیال ہے۔'' میں نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔

فادر ایمرسن نے پچھلی سیٹ سے تھرماس اٹھا کر کافی انڈیلی اور ہم اپنے کپ لئے ہوئے اس پہاڑی کے کنارے آ گئے۔ جہاں کار رکی ہوئی تھی نشیب میں فاصلے پر صرف ایک جگہ روشنی نظر آ رہی تھی۔

''یہ روشنی شاید فلوس کی آبادی کی ہے؟'' میں نے پوچھا'' نہیں...... تمہیں لوگ جاتے وقت علاقے کا واحد پاور ہاؤس ناکارہ بنا گئے تھے'' فادر نے جواب دیا'' یہ روشنی چرچ کے اسپتال کی ہے ہمارا اپنا جنریٹر ہے۔''

''اس کا مطلب ہے فادر لوئس ڈی سوزا اب تک محفوظ ہے''

''ہاں...... کم از کم جب تک یہ روشنی باقی ہے'' انہوں نے جواب دیا'' سلامتی کی امید بھی باقی ہے۔''

ہم جلد ہی وہاں سے روانہ ہو گئے چکر دار پہاڑی سڑک بے حد تنگ اور خطرناک تھی بعض جگہ تو کسی دوسری کار کے گزرنے کا راستہ تک نہ تھا فادر ڈی سوزا کے الفاظ میرے کانوں میں گونج رہے تھے۔

''کنیامہ پہنچ کر تم ایک پنجرے میں پھنس کر رہ جاؤ گے کیونکہ واپسی کا دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔''

لیکن اب مجھے فکر نہ تھی اب سڑک کے دونوں جانب جنگل گھنا ہوتا جا رہا تھا پہاڑیاں ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھیں ہم ایک پہاڑی کو پار کر کے آگے بڑھتے کہ دوسری سامنے آ جاتی اور تازہ اور سرد ہوا کے جھونکے ہمیں تازہ دم کر رہے تھے فادر کی ہدایت پر اب میں نے کار کی لائٹ جلا دی تھی کیونکہ ایک پُرخطر پہاڑی سامنے تھی اس سے گزر کر جیسے ہی گھنے جنگل میں پہنچے بالکل اچانک بارش شروع ہو گئی کچھ دیر بعد بارش اور کڑک چمک اتنی تیز ہو گئی کہ راستہ دیکھنا ممکن نہ رہ گیا۔

"میرا خیال ہے اب کہیں رک جاؤ" فادر ایمرسن نے کہا "ایسے موسم میں آگے جانا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہوگا۔"

میں نے کار سڑک کے ایک کنارے لگا کر روک دی۔ مسلسل ڈرائیونگ سے میں اتنا تھک گیا تھا کہ سیٹ سے ٹیک لگاتے ہی بے خبر سو گیا اور جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ میں پوری سیٹ پر تنہا سویا ہوا تھا اور فادر ایمرسن نے مجھے کمبل اوڑھا دیا تھا۔ چاند غروب ہو رہا تھا بارش تھم چکی تھی میں نے اٹھ کر سگریٹ جلائی تو دیکھا کہ فادر پچھلی سیٹ پر سکڑے ہوئے سو رہے تھے۔ میں نے ماچس بجھائی اور دوبارہ لیٹنے جا رہا تھا کہ سامنے کا منظر اچانک تاریک ہو گیا میں نے چونک کر دیکھا تو حیران رہ گیا ہاتھیوں کا ایک بہت بڑا غول سڑک پر اس طرح آرام سے جا رہا تھا جیسے یہ ان کی اپنی سلطنت ہو میں دیر تک اس حسین منظر کو دیکھتا رہا۔ نیند آنکھوں سے غائب ہو چکی تھی ہاتھی نگاہوں سے دور چلے گئے تو میں کار سے اتر کر باہر آ گیا پوری کائنات پر پرسکون سناٹا طاری تھا دور پہاڑ کی برفیلی چوٹیاں چمک رہی تھیں میں قدرت کے حسن کے مشاہدے میں اس وقت تک کھویا رہا جب تک سورج کی ابتدائی کرنیں سورج کا پیغام لے کر نہیں آ گئیں۔

میں نے کار کا دروازہ کھولا تو فادر ایمرسن جاگ گئے ہم نے سیر ہو کر ناشتہ کیا کافی پی اور پھر روانہ ہو گئے۔

ہمارے سامنے بائیں ہاتھ کی جانب اب جنگل کم ہوتا جا رہا تھا اور راستہ نشیب میں جا رہا تھا جلد ہی ہم ایک ایسی وادی میں پہنچ گئے جہاں ایک سمت گھنا جنگل تھا دوسری جانب ایک سرسبز پہاڑ سے تین آبشار وادی میں گر رہے تھے ان کا شفاف پانی چاندنی کی طرح چمک رہا تھا بڑا روح پرور منظر تھا تقریباً ایک گھنٹے کے سفر کے بعد مجھے اندازہ ہو گیا کہ ہم کنیامہ کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ راستہ پیچ و خم کھاتا ہوا ایک بلند چوٹی پر پہنچ گیا تھا چند میل کے سفر کے بعد ہم پھر نشیب میں آ گئے وہاں سے گزرتے ہوئے مجھے پہلی بار ایک کنیامہ لڑکی نظر آئی جو مویشی چرا رہی تھی۔ ہم یقیناً آبادی سے قریب آ گئے تھے۔ جلد ہی ہم میدانی علاقے میں پہنچ گئے ہر سمت ہریالی ہریالی تھی دو گھنے جنگلوں کے بعد بلند پہاڑ نظر آ رہے تھے ہم ہر سمت سے ان پہاڑوں کے درمیان محصور تھے جیسے کسی قلعے میں بند ہو گئے ہوں۔

دور ہمیں شیپالیہ کی برف پوش چوٹی اب صاف نظر آ رہی تھی پہاڑ کی بناوٹ اور ساخت سے صاف پتا چل رہا تھا کہ یہ آتش فشاں پہاڑ ہے جس کی چوٹی آئس کریم کون کی طرح برف سے ڈھکی ہوئی تھی پہاڑ کے گرد کہر کے ہلکے بادلوں کے باوجود ایک سمت سے واضح طور پر وہ لاوا نظر آ رہا تھا جو آتش فشاں پھٹنے کے بعد بہہ کر جم گیا تھا اور اس کے نوکیلے نشیب و فراز چمک رہے تھے چوٹی سے اٹھنے والی بھاپ کہر میں شامل ہو کر پھیل رہی تھی آتش فشاں اب بھی زندہ تھا۔

میدانی علاقہ۔ جہ سے لے کر آبادی تک کا سفر بڑا دلکش اور حسین تھا ہر سمت پھیلا ہوا سبزہ زار آنکھوں کو بڑی تراوٹ دے رہا تھا جگہ جگہ دراز قد افریقی آتے جاتے نظر آ رہے تھے جن کو دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ صرف فادر ایمرسن ہی نہیں بلکہ کنیامہ کے تمام باشندے جسیم اور دراز قامت تھے تندرست اور خوبصورت مویشیوں کے ریوڑ جگہ جگہ چر رہے تھے۔ چھوٹے چھوٹے چرواہے ان کے ساتھ تھے کھیت میں کاشت کرنے والی ایک لڑکی

کار دیکھ کر کھڑی ہوئی تو میں نے دیکھا کہ اس کے جسم پر اسکرٹ نما گھاگھرے کے علاوہ اور کوئی لباس نہ تھا۔

کوہ شیپالیہ کی چوٹی قریب تر آتی جا رہی تھی یہ بات واضح ہوتی جا رہی تھی کہ اس آتش فشاں پہاڑ پر چڑھنا بہت دشوار گزار کام ہوگا کیونکہ جمے ہوئے لاوے کی وجہ سے جگہ جگہ نوکیلی چٹانیں سی ابھری ہوئی تھیں جو آتی چمکتی تھیں جن پر چڑھنا ایک مشکل مرحلہ ہوگا اور اگر شیپالیہ کا پودا واقعی اس پہاڑ پر پیدا ہوتا تھا تو اس کی تلاش کا کام جان لیوا ثابت ہوتا ایک متوقع بات تھی۔ ڈاکٹر ٹنگ چو پڑا کے افسوس ناک انجام پر کوئی حیرت نہ ہونا چاہیے تھی کہ ہم جلد ہی آبادی میں داخل ہو گئے۔

"لو تمہارا تو ایک طرف کا سفر ختم ہو گیا" فادر ایمرسن نے کہا "اب جلد ہی تمہارے دوست کو تلاش کرنا چاہیے تاکہ تم دونوں جلد از جلد یہاں سے محفوظ سرحدوں کی جانب نکل جاؤ۔"

ہم اس وقت کنیامہ کی آبادی میں داخل ہو رہے تھے میں نے دیکھا کہ پوری آبادی کوہ شیپالیہ کے عین دامن میں واقع تھی لیکن اچانک پانی کی جھلک دکھائی دی اور کچھ دور آگے جا کر آتش فشاں اور کوہ شیپالیہ کے درمیان ایک پتلی سی جھیل نے حد فاصل قائم کر دی تھی۔ آبادی کے برابر ایک پہاڑی پر قلعوں کی طرز کا بنا ہوا ایک چرچ سامنے تھا کنیامہ کی آبادی افریقی طرز کی جھونپڑیوں پر مشتمل تھی فرق صرف اتنا تھا کہ یہ قدرے کشادہ اور تعداد میں زیادہ تھیں سڑک کے دونوں جانب چھپر نما دکانیں تھیں جن میں سبزیاں پھل مچھلیاں اور دیگر روز مرہ کی اشیاء رکھی ہوئی تھیں کنیامہ کے لوگ عبا نما لبادہ اور ٹوپی پہنتے تھے۔ عورتوں کے لباس رنگ برنگے تھے وہ بڑے اطمینان اور بے فکری کے ساتھ گھوم رہے تھے۔

"ان لوگوں کو یقین دلانا بڑا مشکل ہوگا کہ مصیبت سر پر منڈلا رہی ہے" فادر نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ بات بالکل صحیح تھی۔

آبادی کے آخر میں پتھروں کی بنی عمارت تھی فادر ایمرسن نے وہیں رکنے کا اشارہ کیا اور بتایا یہی ڈاکٹر رائے کا کلینک تھا میں کار سے اترنے لگا تو انہوں نے روک دیا۔

"میں پہلے معلوم کر لوں کہ وہ یہاں ہیں بھی یا نہیں" انہوں نے کہا۔ وہ چند لمحے بعد ہی واپس آ گئے "شاید وہ گھر پر ہیں" انہوں نے بتلایا "سیدھے آگے چلو" ہم سڑک پر آگے بڑھتے رہے کچھ دور جا کر لکڑی کا ایک پل تھا جہاں سے سڑک مڑ گئی اب ہم نشیب کی طرف جا رہے تھے کچھ اور نشیب میں نیلے شفاف پانی میں کئی لڑکیاں غسل کے دوران چھیڑ چھاڑ کر رہی تھیں آگے جا کر سڑک ایک چھوٹی سی پہاڑی پر چڑھ گئی یہاں جھیل کی جانب لانبے لانبے سرسبز درختوں کی قطار چلی گئی تھی۔ منظر ایسا خوبصورت تھا کہ میں مبہوت رہ گیا اور پھر راستہ بالکل اچانک ہی مکان کے سامنے آ کر ختم ہو گیا مکان بہت کشادہ تھا اور کافی رقبے میں پھیلا ہوا تھا چھ سات دروازے ایک برآمدے میں کھلتے تھے جس کی چھت لکڑی اور بانس سے بنائی گئی تھی۔

دیواریں مٹی کی تھیں لیکن ان کو پلاستر کر کے سفید رنگ کر دیا گیا تھا کھڑکیوں پر رنگین پردے پڑے ہوئے تھے اگر میں نے اپنی آنکھوں سے فلوریز میں کھیلے جانے والے ہولناک خونی ڈرامے کو نہ دیکھا ہوتا تو یہی کہتا کہ ڈاکٹر رائے بڑی پرسکون جگہ آباد ہے۔

فادر ایمرسن مجھ سے پہلے مکان میں داخل ہو گئے میں نے دروازے میں قدم رکھا تو خود کو ایک

ٹھنڈے کشادہ اور سادگی کے ساتھ بنے ہوئے کمرے میں پایا۔ ایک کونے میں پتھر کا بنا ہوا آتش دان تھا دوسرے میں ایک لمبا آرام دہ صوفا بچھا ہوا تھا کئی آرام دہ کرسیاں قرینے سے لگی ہوئی تھیں۔ درمیان میں کئی چھوٹی میزیں تھیں فادر ایمرسن دوسرے کمرے میں چلے گئے تھے لیکن ان کی آواز سنائی دے رہی تھی اور پھر چند لمحے کے لئے میں سب کچھ بھول گیا میری نگاہ واٹر کلر سے بنی ہوئی ایک بڑی تصویر پہ جم کر رہ گئی تھی جو لکڑی کے فریم میں لگی دیوار پر آویزاں تھی اس میں تقریباً اٹھارہ انچ لمبا پودا نظر آ رہا تھا جس کا تنا سیاہ تھا اور پتیاں زرد سبزی مائل رنگ کی موٹی موٹی سی تھیں...... اور میرا دل کہہ رہا تھا کہ یہ شیپالیہ کے پودے کی تصویر ہے۔

اسی لمحے فادر ایمرسن کمرے میں داخل ہوئے ان کے پیچھے ایک افریقی ملازم تھا جس کا سیاہ رنگ سفید لباس میں اور نمایاں ہو گیا تھا" غضب ہو گیا" فادر نے بدحواسی کے عالم میں کہا ڈاکٹر رائے آج ہی سویرے اچانک کوہ شیپالیہ روانہ ہو گئے۔ اور ایرشیا بھی ان کے ساتھ ہیں۔ مجھے یہ خبر کلینک میں دی گئی تھی لیکن میں اس کی تصدیق کرنا چاہتا تھا۔ اب یہ کسی کو پتا نہیں کہ وہ کب واپس آئیں گے مجھے بے حد افسوس ہے" "اس میں آپ کا کیا قصور ہے فادر! کچھ پتا ہے کہ وہ کب روانہ ہوئے"

"آج ہی سورج نکلنے سے پہلے" "کوئی ایسا شخص ہے جو اس تک میرا پیغام پہنچا دے یا پھر مجھے اس کے پاس لے جائے"

"نہیں...... ان گھنے جنگلوں میں کوئی تم سے پانچ گز کے فاصلے پر بھی ہو تو تم اس کا سراغ نہیں لگا سکتے اور تمہارے ساتھ وہاں جانے پر کوئی تیار نہ ہو گا مقامی لوگ کوہ شیپالیہ پر جانے کے تصور سے بھی ڈرتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ آتش فشاں کے گرد بدروحیں منڈلاتی رہتی ہیں" انہوں نے کہا۔ "کوہ شیپالیہ پر چڑھنے کے لئے...... آتش فشاں والا راستہ اختیار کرنا ضروری ہے کیونکہ کسی اور سمت سے اوپر چڑھنا انسان کے بس کی بات نہیں۔"

"لیکن کیا ڈاکٹر رائے اکیلا ہی یہ چڑھائی سر کرے گا" میں نے پوچھا۔

"وہ یہاں کافی عرصے سے قیام پذیر تھے ممکن ہے انہوں نے خفیہ طور پر کوئی گائیڈ حاصل کر لیا ہو پھر رشوت دے کر کسی کو...... میرا مطلب ہے وچ ڈاکٹر کو ساتھ جانے پر رضامند کر لیا ہو۔"

"آپ کے خیال میں کیا یہ ممکن ہے"

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن مسئلہ دراصل یہاں سے واپسی کا ہے میں چاہتا تھا کہ تم آج ہی کنیامہ چھوڑ دو...... لیکن اگر تم ضروری سمجھو تو ایک دن یہاں قیام کر لو اس سے زیادہ ٹھہرنا خطرناک ہو گا"

"فرض کیا ڈاکٹر رائے کوہ شیپالیہ کی چوٹی تک پہنچنا چاہتا ہے...... کیا یہ کام ایک دن میں ممکن ہے۔"

"ضروری نہیں کہ وہ چوٹی سر کرنے کے ارادے سے گئے ہوں" انہوں نے جواب دیا۔

"فادر! میں جانتا ہوں کہ رائے کو کوہ پیمائی کا شوق کبھی نہ تھا۔ وہ کسی خاص مقصد کے لئے وہاں گیا ہو گا کیا کلینک پر آپ کو اس کے بارے میں کوئی خبر نہ مل سکی کیا وہ اس کی تلاش میں گیا ہے" میں نے اس تصویر کی سمت اشارہ کیا جس پر شیپالیہ کا پودا بنا ہوا تھا۔

فادر ایمرسن چند لمحے پس و پیش میں رہے" سچ پوچھو تو مجھے یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ تصویر شیپالیہ کی

ہے لیکن بہ ظاہر تمہارا خیال صحیح نظر آتا ہے کیونکہ کلینک کے ملازم نے بتایا تھا کہ وہ ایک ہفتے کا راشن ساتھ لے کر گئے ہیں"

"پھر یقیناً وہ اس پودے کی تلاش میں گیا ہے" میں نے کہا" شاید ہم اسے راستے میں کہیں روک سکیں۔"

"نہیں مسٹر...... میں تم کو توہمات میں مبتلا نہیں کرنا چاہتا لیکن یہاں کے لوگوں کا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ کوئی عام انسان کوہ شیپالیہ کی چوٹی تک نہیں پہنچ سکتا ان کو یقین ہے کہ ڈاکٹر فلک چوپڑا کی طرح ڈاکٹر رائے اور مس ایرشیا کو بھی بدروحیں راستے میں ہلاک کر دیں گی" وہ ایک لمحے رک کر میرا ردعمل دیکھنے لگے لیکن میں خاموش رہا تو وہ بولے۔

"میں خود ان احمقانہ باتوں کا قائل نہیں ہوں لیکن ان لوگوں کا کہنا ہے کہ جب تک سورج چمکتا رہتا ہے...... یہ بدروحیں باہر نہیں آتیں...... لیکن بارش ہوتے ہی یہ پہاڑ کے گرد منڈلانے لگتی ہیں اور آج بارش ضرور ہو گی اس لئے کوئی موگنگا بھی اس کے بعد رہنمائی کے لئے راضی نہیں ہو سکتا۔"

میری نظریں خود بہ خود شیپالیہ کی چوٹی کی سمت اٹھ گئیں جو سورج کی روشنی میں چمک رہی تھی مطلع بالکل صاف تھا۔ آسمان پر بادل کا دھبا تک نہیں تھا" بہ ظاہر تو بارش کا امکان نہیں...... ویسے آپ کا مشورہ کیا ہے۔"

"چونکہ بارش کا امکان نہیں اس لئے تمہارے دوست کی آج واپسی کی توقع بھی نہیں کی جا سکتی" انہوں نے صاف گوئی سے کہا۔ اس لئے تم اپنی سلامتی کی فکر کرو اور واپسی کی تیاری کرو تم میرے ساتھ بازار تک چلو کہ میں واپسی کے لئے تمہارے کھانے کا انتظام کر دوں۔"

"نہیں فادر...... شکریہ" میں نے جواب دیا" کون جانے موسم تبدیل ہو جائے ابھی سارا دن پڑا ہے ممکن ہے بارش کے آثار دیکھ کر شام تک ڈاکٹر رائے واپس آ جائے اس لئے آج میں یہاں رک کر اس کا انتظار کروں گا۔"

"اور اگر وہ شام تک نہیں واپس آئے" فادر نے پریشان لہجے میں پوچھا۔

"تو پھر میں واپس چلا جاؤں گا۔"

"تم ایک بات نہ بھولنا فادر ڈی سوزا کی اطلاع غلط نہیں ہوتی لوکا ڑے اور اس کے ساتھی سنگارے سپاہی کنیامہ پر حملہ ضرور کریں گے اور اس سے پہلے نکل جانے میں ہی عافیت ہے۔"

"لیکن آج رات تو حملے کا امکان نہیں" میں نے جواب دیا۔

"ممکن ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ کنیامہ کے لوگوں کی سلامتی کی یہ آخری رات ہے اور پھر اگر یہاں سے واپس ہوتے وقت لوکاڑے اپنی فوج کے ساتھ تو راستے میں مل گیا تو تمہارے لئے فرار کا راستہ بھی نہ رہے گا۔"

"ٹھیک ہے فادر...... بہت بہت شکریہ میں آج ہی رات یہاں سے روانہ ہو جاؤں گا۔"

"خدا تمہیں سلامتی کے ساتھ واپس پہنچائے" فادر ایمرسن نے خلوص کے ساتھ مجھے دعا دی۔

میں نے فادر کو چرچ تک پہنچایا۔ فادر لوئس ڈی سوزا کی دی ہوئی عبا وہاں جمع کرائی اور پھر واپس آ کر مکان میں آرام کرنے لیٹ گیا لیکن ایک عجیب طرح کا اضطراب اور بے قراری مجھ پر طاری تھی میں نے

ملازم سے غسل کی فرمائش کی تو اس نے باتھ روم میں گرم پانی لاکر رکھ دیا۔ غسل سے فارغ ہو کر میں نے لباس تبدیل کیا اور پھر لنچ کھانے بیٹھ گیا۔ ملازم بلاشبہ بڑا اچھا باورچی تھا میں نے اتنی لذیز مچھلی پہلے کبھی نہ کھائی تھی کھانے کے بعد ایک نئی توانائی کا احساس ہوا میں نے سگریٹ جلائی اور باغیچے میں ٹہلنے لگا۔

بار بار یہ خیال ستا رہا تھا کہ ڈاکٹر رائے شام تک واپس نہ آیا تو کیا ہوگا...... اتنا طویل سفر طے کر کے یوں ہی ناکام واپس چلا جاؤں میرے چلے جانے کے بعد اگر ڈاکٹر رائے یہاں واپس آیا تو سنگار سے اسے بھی یقیناً ہلاک کر دیں گے اپنے عزیز دوست کو موت کے منہ میں چھوڑ جانا بھاگ جانا بزدلی نہیں تو اور کیا ہوگا لیکن وہ کب واپس آئے گا باغیچے میں ایک جگہ کیلے کے درختوں کا ایک گھنا جھنڈ تھا ٹہلتے ہوئے مجھے اس کے درمیان کوئی چمکتی ہوئی چیز نظر آئی میں نے آگے بڑھ کر دیکھا تو دراصل وہ چھپر نما گیراج تھا جس کے دروازے کے گرد لگے ہوئے کیلے کے پودے گھنے ہو کر اتنے بڑے ہو گئے تھے کہ اندر کھڑی کار تقریباً چھپ گئی تھی میں نے اندر جا کر دیکھا تو ایک پرانی کار کھڑی تھی جس پہ گرد کی موٹی تہہ جمی ہوئی تھی ایک ٹائر پنکچر تھا اور انجن بھی گرد آلود تھا ڈاکٹر رائے ہمیشہ کا بے پرواہ تھا میں نے سوچا کہ وقت گزارنے کے لیے اس کی کار کی مرمت ہی کیوں نہ کر ڈالوں۔

میں نے ڈاکٹر رائے کی کار کی مرمت کی ٹائر بدلا۔ گیراج میں رکھے ہوئے ڈرم سے پیٹرول ڈال کر اس کی ٹنکی بھری اور پھر اسٹارٹ کر کے اطمینان کر لیا کہ وہ چالو حالت میں آگئی ہے اس کے بعد میں نے باقی ماندہ پیٹرول اپنی کار میں ڈال لیا تاکہ واپسی کے سفر میں دشواری نہ ہو پھر جانے کیوں میں نے ڈاکٹر رائے کی کار کو کیلے کے نیم خشک پتوں سے ڈھانپ دیا...... شاید اس لیے کہ ڈاکٹر رائے حیران ہو بہرحال خاصا وقت اس مصروفیت میں گزر گیا میں ابھی اس کام سے فارغ ہی ہوا تھا کہ ملازم نے آواز دی میں نے چونک کر دیکھا تو وہ جھیل کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ ایک ناؤ تیزی سے ہماری سمت آ رہی تھی۔

میں رائے کے ملازم کے ساتھ جھیل کے کنارے کھڑا ہوا تھا۔ درخت کے تنے کو کھوکھلا کر کے بنائی ہوئی افریقی طرز کی ناؤ کنارے سے قریب آ چکی تھی۔

ناؤ کے کنارے سے لگتے ہی ایک جوان عورت کود کر اتری اور ننگے پاؤں آگے بڑھی۔ اس نے پتلون کو گھٹنوں تک الٹ کر رکھا تھا۔ سفید رنگ کی قمیض کا کالر کھلا ہوا تھا اس کے خوب صورت چمکیلے بال جوڑے کی شکل میں پیچھے بندھے ہوئے تھے جسم سڈول اور دل کش تھا۔ اس نے حیرت سے مجھے دیکھا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو۔ رائے اور اس کا ملازم ناؤ گھسیٹ کر کنارے پر لانے لگے۔

"ہیلو۔" میں نے کہا۔ "میرا نام صفدر شاہ ہے۔ میں ڈاکٹر رائے کا پرانا دوست ہوں۔"

اس نے مسکراتے ہوئے گردن کو ہلکا سا خم دیا اور آگے بڑھی۔ قریب آنے پر میں نے دیکھا کہ اس کی عمر بہ مشکل چھبیس ستائیس سال ہوگی اور بلاشبہ وہ بہت خوبصورت تھی اسی دوران رائے بھی قریب آ گیا اس نے حیرت سے مجھے دیکھا۔ "صفدر۔ تم؟ میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا" وہ اتنا تھکا ہوا تھا کہ بات کرنے میں دشواری محسوس کر رہا تھا۔ "تم یہاں کیسے آ گئے؟" اس نے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

میں نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا ہم ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگے "تفصیل اطمینان سے بتاؤں گا

لیکن وقت بالکل نہیں ہے ہم کو فوراً یہاں سے روانہ ہونا ہے۔" میں نے اسے مختصراً صورتحال بتائی اس دوران میں ایریشا بھی ہمارے ساتھ آ گئی تھی۔

"تم چاہتے ہو کہ ہم دونوں بھی یہ جگہ چھوڑ دیں؟" رائے نے پوچھا۔

"ہاں...... آج ہی رات...... اس کے بعد فرار کا موقع نہ مل سکے گا۔"

رائے خاموش رہا وہ گہری سوچ میں تھا۔ ہم مکان سے قریب پہنچ گئے تو رائے نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "میں یہ جگہ چھوڑ کر نہیں جاؤں گا صفدر شاہ...... اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"تم ابھی بہت تھکے ہوئے ہو رائے!" میں نے پیار سے کہا۔ آرام کر کے کچھ کھا پی لو۔ پھر اس مسئلے پر بات چیت کریں گے۔" "ابھی تم صورتحال کی نزاکت نہیں سمجھتے ہو۔"

اس نے سر ہلایا...... "یہ بات نہیں صفدر! تم نے دوستی کا حق ادا کر دیا میں بیان نہیں کر سکتا تم کو دیکھ کر کتنی خوشی ہوئی ہے۔ دوست! ایک لمحے کو ماضی کی یادیں تازہ ہو گئی تھیں! گو صفدر تم نے میرے لئے بڑی زحمت اٹھائی لیکن......"

"یہ بحث چھوڑو رائے...... میں آیا ہی اس لئے تھا کہ تم کو واپس لے جاؤں گا۔"

اس نے غم زدہ نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ "نہیں دوست...... میں اس جگہ کو نہیں چھوڑ سکتا۔"

"تم دیوانے تو نہیں ہو گئے ہو۔ جو کچھ میں نے بتلایا کیا اس کے بعد بھی تم کو یہ امید ہے کہ سنگار سے تم دونوں کو زندہ چھوڑ دیں گے؟"

"میں دیوانہ نہیں ہوں پیارے۔" اس نے میرا ہاتھ محبت سے دبایا" ذرا اوپر بعد جب میں حقیقت بتلاؤں گا تو تم اندازہ کر لو گے کہ میرا فیصلہ کیوں اٹل ہے۔"

ڈاکٹر رائے مجھے مکان کے عقب میں لے گیا جہاں ایک کنارے پر کھلی ہوئی جگہ تھی جس کے آخری میں مٹی کی دیواروں کا ایک کمرا بنا ہوا تھا۔ دیواروں پر سفیدی کی گئی تھی رائے نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ کمرے میں لکڑی کی ایک بڑی سی میز تھی اس پر کتابیں اور کاغذات بکھرے ہوئے تھے کونے پر ایک کھلی ہوئی کتاب رکھی تھی اور اس پر بلاشبہ بالشت بھر کی ایک مکڑی بیٹھی اپنی سرخ آنکھوں سے مجھے گھور رہی تھی۔ میرے قدم رک گئے۔

"ڈرو نہیں پیارے یہ ٹانگنی ہے تنگک چوپڑا کی پالتو مکڑی...... دیکھنے میں خطرناک ہے لیکن زہریلی نہیں ہے۔ بالکل بے ضرر ہے۔" ڈاکٹر رائے نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "ادھر لال والی کرسی پر بیٹھ جاؤ میں آج تم کو یہ بتلانے والا ہوں کہ تنگک چوپڑا کا خط ملنے کے بعد میں نے اچانک تھنس آنے کا فیصلہ کیوں کیا اور کیوں واپس نہیں جاؤں گا" اس نے دراز سے ایک بڑا سا لفافہ نکال کر میری سمت بڑھایا "لو اسے دیکھ لو" لفافے سے ایکسرے کی تین تصویریں برآمد ہوئیں۔ میں نے ایکسرے کو اٹھا کر دیکھنا شروع کیا۔ "غور سے دیکھو یہ گہرے رنگ کے دھبے نظر آ رہے ہیں۔"

"ہاں......" میں نے جواب دیا۔

"یہ کینسر کے زخم ہیں پیٹ کے اندر۔"

"اوہ تو یہ فادر لونس کے ایکسرے اب تک محفوظ ہیں۔" میں نے کہا۔
"یہ ایکسرے فادر لونس کے نہیں...... میرے ہیں دوست۔"
رائے نے آہستہ سے کہا۔
"تمہارے۔" میں نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔
"ہاں میرے...... شیراڈو کے نامور ترین اسپیشلسٹ نے مجھے کینسر کا مریض بتلایا ہے"
"اوہ رائے" میں نے بہ مشکل خود پر قابو پایا۔" میں سوچ بھی نہ سکتا تھا۔"
"غم نہ کرو میرے دوست میرے علاوہ ہزار ہا افراد اس موذی بیماری کا شکار ہیں" اس نے تسلی دی' موت تو سب کو آنی ہے پیارے! لیکن میں سسک سسک کر نہیں مرنا چاہتا تھا۔ انہیں دنوں تلک چوپڑا کا خط ملا شیپالیہ کا تذکرہ ڈوبتے کو تنکے کا سہارا محسوس ہوا اور میں یہاں آ گیا اور......" اس نے اچانک سینہ دبا لیا اور آہستہ سے کراہا۔" کم بخت آج کی چڑھائی نے تھکا دیا۔"
میں نے لپک کر اسے سنبھالا اور جب وہ آرام سے کرسی پہ دراز ہو گیا تھا میں نے کہا۔" اسی لئے کہہ رہا تھا واپس چلو مرنا برحق ہے لیکن ضروری نہیں کہ اس کے ۔لئے ویرانہ منتخب کرو اور پھر ممکن ہے وہاں کوئی علاج......"
"نہیں۔" اس نے زور سے کہا اور پھر پیٹ پکڑ کر جھک گیا" ڈاکٹر نے میری زندگی کی جو مدت بتائی تھی وہ اب ختم ہو چکی ہے اس اذیت سے بہتر ہے مر ہی جاؤں۔"
"رائے میرے دوست! تمہاری اذیت کا کرب میرا دل بھی محسوس کر رہا۔ بہ" میں نے اسے پیار سے تھپکی دی؟؟ ذرا سوچو غور کرو...... ان درندوں کے ہاتھوں موت کتنی اذیت ناک ہوگی۔"
وہ شکست خوردہ انداز میں مسکرایا" صفدر اس سلسلے میں بحث نہ کرو تم جلد از جلد یہاں سے چلے جاؤ اور ایرشیا کو بھی یہاں سے لے جاؤ اسے اب شمالیہ واپس جانا چاہیے۔" اس نے کہا۔
"وہ محبت کا زخم کھائے ہوئے ہے تلک چوپڑا سے وہ بے پناہ محبت کرتی تھی اور تلک چوپڑا نے جس مقصد کے لئے جان دی ہے میں اسے ضرور پورا کروں گا شیپالیہ کا پودا حاصل کر کے یہ ثابت کروں گا کہ کینسر کا علاج ممکن ہے۔"
"تم کو یقین ہے کہ شیپالیہ کے پودے کا افسانہ سچ ہے؟"
میں نے اس سے پوچھا" فادر تو اپنی دعاؤں کا معجزہ کہتے ہیں۔"
"یہ تو اس وقت ثابت ہوگا جب شیپالیہ مل جائے لیکن مجھے یقین ہے کہ فادر کا مرض اسی پودے سے دور ہوا ہے میں اسے ضرور تلاش کروں گا۔ صفدر شاہ!"
"ذرا سوچو تو اس کی دریافت کتنے انسانوں کو اس اذیت ناک مرض سے نجات دلا سکتی ہے اس سے بڑی انسانی خدمت اور کیا ہو سکتی ہے" اس نے بڑے عزم کے ساتھ کہا" فادر جب درد سے تڑپ رہے تھے تو ایک گونڈ نے انہیں یہی پودا لا کر دیا تھا صرف ایک ہفتے بعد ان کا مرض جاتا رہا تم نے ہال میں پودے کی تصویر دیکھی تھی؟" میں نے سر ہلایا" ڈاکٹر تلک چوپڑا نے ان لوگوں سے جو معلومات حاصل کی تھیں ان کے مطابق یہ تصویر بنائی گئی تھی گونڈا نے صرف یہ بتلایا تھا کہ یہ پودا کوہ شیپالیہ پر ہوتا ہے نام سے بھی ظاہر ہوتا ہے

چونکہ کوہ شیپالیہ کی چوٹی سے پہلے یہ آتش فشاں چوٹی پڑتی ہے اس لئے ممکن ہے کہ اس کی وجہ سے پودے میں کوئی تاثیر پیدا ہو گئی ہو۔ جو کینسر جیسے مرض کو دور کر دیتی ہے۔ اس نے اس سلسلے میں بہت غور و فکر کیا ہے آتش فشاں پہاڑوں میں گندھک اور دوسری دھاتوں کی تیزابیت سے ریڈی ایشن پیدا ہوتا ہے کچھ بھی ہو یہ دنیا کی عظیم ترین دریافت ہوگی۔"
شام کے سائے پھیلنے لگے ڈاکٹر رائے نے مجھے دیکھا اور کہنا شروع کیا۔" میری حالت ایسی نہ تھی کہ کوہ شیپالیہ پر جانے کی ہمت کرتا لیکن دو دن قبل ایک گونڈا میرے کلینک پر آیا اس کے سینے میں درد تھا۔ میں نے اسے انجکشن دے کر آرام پہنچا دیا تو اس نے بتایا کہ تلک چوپڑا کی لاش اس نے کہاں پڑی دیکھی ہے وہ گونڈا بتا رہا تھا کہ وہ شیپالیہ پر پودا لینے گیا ہوگا۔"
"واپسی پر اسے تلک چوپڑا کی لاش ایک چٹان کے نشیب میں نظر آئی تھی اس سے مجھے یقین ہو گیا کہ وہ شیپالیہ کا پودا وہاں سے کہیں قریب ہی دستیاب ہے میں نے اس سے مقام کا پتا معلوم کیا جہاں اس نے لاش دیکھی تھی میں نے اس سے پوچھا تلک چوپڑا کی موت کیسے واقع ہوئی تو اس نے بتلایا کہ پہاڑوں کی بدروحوں نے اسے ہلاک کر دیا اس سے واضح ہو گیا کہ وہ آتش فشاں کے دہانے کے قریب شاید زہریلی گیسوں کے اثر سے بے ہوش ہو کر کھڈ میں گر گیا۔"
"ایک منٹ" میں نے کہا" تم نے یہ سب کیسے فرض کر لیا۔ تم کو کیا معلوم کہ وہ زہریلی گیس سے ہلاک ہوا؟"
"آتش فشاں کا دہانہ کوہ شیپالیہ کی چوٹی سے نیچے واقع ہے" رائے نے کہا" جب بارش ہوتی ہے تو اوپر سے بہہ کر آنے والا پانی اس دہانے میں جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے زہریلی گیسوں کے بادل پورے علاقے میں چھا جاتے ہیں ہم نے بہت عرصے تک اس کا مشاہدہ کیا انہیں منڈلاتے ہوئے بادلوں کو یہ لوگ روحیں سمجھتے ہیں ممکن ہے تلک چوپڑا انہیں بادلوں میں گھر کر کھڈ میں گر پڑا ہو اور اسی طرح مجھے یہ سراغ ملا تھا کہ شیپالیہ کی تلاش کہاں کرنا چاہیے اب کم از کم مجھے راستہ معلوم ہو گیا ہے میں دوسری کوشش میں وہاں ضرور پہنچوں گا۔"
مجھے اندازہ ہو گیا کہ اس وقت رائے سے مزید بحث کرنا بیکار ہوگی۔ اسی وقت ملازم نے آکر اطلاع دی کہ مکان تیار ہے۔ اور ہم مکان کی سمت روانہ ہو گئے کھانے کے بعد مس ایرشیا کمرے سے باہر چلی گئیں تو ڈاکٹر رائے اٹھ کر دروازے کے پاس کھڑا ہو گیا وہ بے حد نحیف نظر آ رہا تھا موت کے سائے اس کے چہرے پر منڈلا رہے تھے۔
"تم کب روانہ ہو گے۔ صفدر شاہ؟" اس نے پوچھا۔
"ابھی...... بشرطیکہ ایرشیا تیار ہو۔" میں نے کہا۔
عین اسی لمحے جھیل کے پار ایک بھیانک آواز فضا میں ابھری۔ ہلکی گڑگڑاہٹ کے ساتھ زمین لرزنے لگی آواز اتنی دہشت ناک تھی کہ میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اس نے میرے خوف زدہ چہرے کو دیکھا۔
"ڈرو نہیں" رائے نے مسکراتے ہوئے کہا آتش فشاں کے ایجر پیٹر سے ایسی آوازیں پیدا ہوتی

ہیں قبیلے کے وہمی لوگ اسے کسی مصیبت کا پیش خیمہ تصور کرتے ہیں لیکن یہ بکواس ہے" وہ اندر چلا گیا میں اکیلا بیٹھا ہوا سگریٹ کے کش لگا رہا تھا کہ ایرشیا اندر داخل ہوئی وہ میرے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

"ڈاکٹر رائے کا کہنا ہے کہ میں تمہارے ساتھ چلی جاؤں۔"

اس نے کہا۔

"ہاں...... وہ مجھے بتلا چکا ہے۔"

"میرا خیال ہے تم اسے بھی ساتھ چلنے پر راضی کر لو۔"

وہ بولی۔" آخر تم اس کے دوست ہو۔"

"وہ بہت ضدی ہے" میں نے کہا اور پھر یہ ایک حد تک صحیح بھی ہے لیکن میں نہیں چاہتا کہ تم دونوں میں سے کوئی بھی سنگاریوں کے ہاتھ لگ جائے انہوں نے اب تک بس درندگی کا مظاہرہ کیا ہے۔"

"رائے نے مجھے بتلا دیا ہے" اس نے جھرجھری لے کر کہا۔" اسی لئے میں تیار ہو گئی ہوں اس نے تم کو میرے متعلق بتلا دیا ہو گا۔ تلک چوپڑا کی موت کے بعد مجھے چلے جانا چاہیے تھا لیکن رائے اس کے نامکمل مشن کو پورا کرنے کی کوشش میں اس قدر پر خلوص تھا کہ میں اسے تنہا نہیں چھوڑ سکتی تھی اسے اب تک یقین ہے کہ شیالیہ کا پودا حاصل کر لے گا تلک چوپڑا کے بعد یہاں کی زندگی میں میرے لئے تنہائی کے علاوہ کیا رہ گیا ہے۔ لیکن رائے کے عزم و حوصلے نے مجھے بھی ایک مقصد دے دیا ہے شاید یہاں رہ کر محبت کے زخم مندمل ہو جاتے لیکن مجھے دکھ ہے کہ رائے تنہا رہ جائے گا۔"

"نہیں...... "میں نے غصے میں کہا" میں اسے سنگاریوں کی بربریت کا شکار نہیں ہونے دوں گا اسے ہمارے ساتھ چلنا ہو گا اور یہ کام تم کر سکتی ہو۔"

"میں؟"

"ہاں...... تم اس کو بتلا دو کہ اس کے بغیر تم بھی نہیں جاؤ گی۔ اسے مجبور کرنے کا اب یہی ایک طریقہ ہے جاؤ وقت ضائع نہ کرو۔"

وہ چلی گئی میں نے کمرے میں جا کر لباس تبدیل کیا ریوالور چیک کر کے جیب میں رکھا اور روشن دان کے سامنے آ کھڑا ہوا شام ابھی ہوئی ہی تھی لیکن ہر سمت گھنگھور تاریکی چھا گئی تھی صرف آتش فشاں کے دہانے کی روشنی فضا میں نظر آ رہی تھی خوب صورتی کے باوجود منظر ڈراؤنا سا لگ رہا تھا۔ قدموں کی آواز سن کر میں چونکا گھوم کر دیکھا تو ایرشیا تھی۔

"وہ بھی آ رہا ہے۔" اس نے کہا۔

"تمہاری ترکیب کارگر ہوئی لیکن مجھے اب تک یقین نہیں آ رہا کہ وہ اتنی آسانی سے کیسے رضا مند ہو گیا۔ البتہ وہ چند منٹ کے لئے کلینک پر رکنا چاہتا ہے تاکہ سوی کو ضروری ہدایات دے دے۔"

"چلتے ہوئے کلینک پر رک جائیں گے" میں نے کہا۔

"نہیں تم پہلے اسے وہاں لے جاؤ...... جب تک میں تیاری کر لوں گی۔"

کلینک پر سناٹا طاری تھا گاڑی رکتے ہی ڈاکٹر رائے اپنا بیگ لے کر اترا" تم چند منٹ انتظار

کرو۔ میں یہ دوائیں رکھ دوں اور چند ضروری کاغذات لے لوں" اس نے کہا۔

"اتنی دیر میں تم جا کر ایرشیا کو لے آؤ جاؤ وقت ضائع نہ کرو۔"

میں واپس پہنچا تو ایرشیا مکان کے باہر منتظر کھڑی تھی۔ سامنے دو سوٹ کیس رکھے تھے چند کمبل اور ایک بیگ کے علاوہ اس کے ہاتھ میں رائفل دیکھ کر میں چونک پڑا۔

"یہ تلک چوپڑا کی رائفل ہے" اس نے کہا" لیکن افسوس اس میں صرف چار راؤنڈ باقی بچے ہیں۔"

"کوئی بات نہیں لیکن تم رائفل چلانا جانتی ہو۔"

"ہاں"

"تو پھر اسے لے کر اگلی سیٹ پر آ جاؤ۔" میں نے کہا اور سامان ڈگی میں رکھ کر فوراً ہی روانہ ہو گیا۔

"آسمان پر بادل منڈلانے لگے تھے اس لئے چاند چھپ گیا تھا جھیل کی جانب سے ہوا تیز ہو گئی تھی ہم سب کلینک پر جا رکے تو صرف ایک دریچے میں لیمپ روشن تھا اور کھلا ہوا دروازہ کھٹا کھٹ بج رہا تھا۔ میں نے گاڑی روکی ایرشیا نے رائفل سیٹ پر رکھی اور بھاگتی ہوئی دروازے کی سمت بڑھی ہوا کے تیز جھکڑ سے اس کے بال اڑ رہے تھے۔ چند لمحے بالکل خاموشی رہی۔ ہوا بھی جیسے تھم گئی اور پھر دوسرے ہی لمحے اور شور سے آندھی چلنے لگی۔ اسی لمحے ایرشیا دروازے میں نمودار ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ پھڑپھڑا رہا تھا۔

"وہ چلا گیا...... "ایرشیا چلائی" ہمیں چھوڑ کر فرار ہو گیا۔"

اس نے لکھا تھا" تم اپنا سفر جاری رکھو میرا راستہ تم سے جدا ہو چکا ہے اور مجھے موت سے لڑنا ہے اور تم زندگی کی تلاش میں جا رہے ہو مجھے تلاش کرنے کی کوشش نہ کرنا" دستخط رائے کے تھے میں نے کاغذ مروڑ کے غصے میں باہر پھینک دیا اور کار کا انجن بند کر دیا۔

"اب کیا ارادہ ہے؟" ایرشیا نے پوچھا۔

"اسے تلاش کروں گا...... دس منٹ میں وہ دور نہیں جا سکتا۔"

"نہیں......" ایرشیا نے میرے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا" اس کی خواہش ہے تو رہنے دو...... اور پھر اس تاریکی میں اسے تلاش کہاں کرو گے؟"

ایرشیا ٹھیک کہہ رہی تھی موسم طوفانی ہو چکا تھا اور اس تاریکی میں تیز قدم رکھنا بھی ممکن نہ رہا تھا پھر کچھ اندازہ بھی نہ تھا کہ وہ کدھر گیا ہو گا میری حماقت ہے مجھے اسے تنہا نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔

ہم مجبوراً واپسی کے سفر پر روانہ ہو گئے گاؤں سے نکلتے ہی میں نے رفتار تیز کر دی۔ میں بارش ہونے سے قبل دور نکل جانا چاہتا تھا میرا دل افسردہ تھا کہ ناکام واپس جا رہا ہوں اتنی زحمت اٹھانا لا حاصل تھا ہم تقریباً ایک گھنٹے تک خاموشی سے سفر کرتے رہے دونوں اپنے خیالوں میں گم تھے میدانی راستہ پیچھے چھوڑ کر اب ہم چکردار پہاڑی راستے پر سفر کر رہے تھے.. ایرشیا بے چینی سے پہلو بدل رہی تھی..

"تم سو جاؤ" میں نے اس سے کہا۔

"بعد میں اگر تم تھک گیا تو تم اسٹیئرنگ سنبھال لینا کیونکہ ہمیں تمام رات سفر کرنا ہے اس نے کھوئی کھوئی نظروں سے مجھے دیکھا۔ میں بھی یہی چاہتی ہوں لیکن تم فکر نہ کرو۔"

ہم اس وقت راستے کی سب سے بلند پہاڑی پر تھے راستہ اتنا تنگ اور خطرناک تھا کہ مجھے رفتار دھیمی کرنا پڑ گئی نیچے ہر طرف تاریکی ہی تاریکی پھیلی ہوئی تھی ایریشیا بڑے غور سے نشیب میں دیکھ رہی تھی۔

"کیا بات ہے؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"نیچے روشنی نظر آرہی ہے لیکن بہت دور معلوم ہوتی ہے" اس نے کہا۔ میں نے فوراً بریک لگا کر گاڑی روک دی اور لائٹ بجھا دی سناٹے میں انجن کی ہلکی آواز کے علاوہ اور کوئی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی میں آگے بڑھتا ہوا اس جگہ پہنچ گیا جو سڑک کے بالکل کنارے واقع تھی ایک چٹان کے پاس سے نیچے جھانک کر دیکھا مدھم سی اور تیز لائٹ صاف چمک رہی تھی اور پھر موڑ پر آ کر غائب ہو گئی مجھے اپنا دل ڈوبتا ہوا محسوس ہونے لگا آنے والی گاڑی گھاٹی پار کر کے اب اسی پہاڑی پر چڑھ رہی تھی جس پر ہم کھڑے تھے بلاشبہ وہ دور تھی۔ لیکن پندرہ بیس منٹ میں ہم تک پہنچ جائے گی فرار کی یہ راہ بھی بند ہو چکی تھی میں اچانک سکتے سے چونکا اور بھاگتا ہوا کار تک آیا میں نے تیزی سے راستہ کاٹ کر کار کو پہاڑی کے سرے تک بڑھایا۔

"کیوں کیا کر رہے ہو؟" ایریشیا نے پوچھا۔

"کار کو واپس گھما رہا ہوں" میں نے جواب دیا "اگر تمہاری نظر نہ پڑتی تو ہم سنگاری درندوں کے کانوا سے جا ٹکراتے اس گاڑی کے پیچھے یقیناً فوجیوں کے ٹرک ہوں گے"

میں نے کار پھر بیک کی تو پہاڑی سے ٹکرایا اتنی تنگ جگہ میں کار کو گھمانا بہت دشوار تھا اور ہر لمحہ قیمتی تھا۔ چاند نکل آیا تھا لیکن پہاڑی کا یہ سایہ تاریک کئے ہوئے تھا۔

"اسٹیرنگ مجھے دے دو اور تم نیچے اتر کر گائیڈ کرو" ایریشیا بولی۔

اس کے بغیر گاڑی گھمانا مشکل ہوگا"

مشورہ بالکل صحیح تھا میں فوراً ہی نیچے اتر آیا میرے اشارے پر وہ گاڑی سڑک کے بالکل کنارے تک لے آئی اور پھر بیک کیا اس طرح دو مرتبہ کی کوشش سے گاڑی کا رخ پھر چینس کی طرف ہو گیا میں نے اطمینان کی سانس لی اور ایریشیا سے کہا کہ انجن بند کر دو سناٹا ہوتے ہی آنے والی گاڑی کی آواز صاف سنائی دینے لگی چڑھائی کی وجہ سے انجن کا شور بتا رہا تھا کہ یہ ٹرک ہے لیکن اکیلا میں نے آہستہ سے کہا۔

"تم گاڑی میں ٹھہرو میں ذرا موڑ تک جا کر دیکھتا ہوں"

ایریشیا ساتھ آنا چاہتی تھی۔ لیکن میں نے روک دیا۔

میں سڑک پر آگے بڑھتا ہوا موڑ تک آ گیا۔ آنے والے ٹرک کی ہیڈ لائٹ اب سامنے نظر آ رہی تھی۔ شور دم بہ دم نزدیک آ رہا تھا۔ میں انتظار کرتا رہا اور چند لمحے بعد مجھے پہاڑی کے دامن میں دوسرے ٹرک کی ہیڈ لائٹ بھی نظر آ گئی ایریشیا نے بھی شاید اسے دیکھ لیا تھا کیونکہ وہ چلا رہی تھی کہ میں فوراً واپس آ جاؤں لیکن میں اپنی جگہ دم بہ خود کھڑا گہرائی میں دیکھتا رہا بلکہ موڑ سے کچھ آگے بڑھ آیا اور تب میں نے روشنی کے ذریعے ٹرکوں کو گننا شروع کیا پانچ چھ...... سات...... میں نے دس ٹرک گنے لیکن اس لمحہ آگے آنے والے ٹرک کی روشنی اتنی قریب نظر آئی کہ میں پھرتی کے ساتھ واپس مڑا تا کہ بھاگ کر کار تک پہنچ جاؤں لیکن اسی لمحہ پہاڑی کے سائے میں کوئی چیز کھڑی نظر آئی پہلے تو میں سمجھا کہ کوئی جانور ہے لیکن آنکھیں تاریکی سے

مانوس ہوئیں تو میں نے پہچان لیا۔

یہ ایک جیپ تھی۔

"تم وہاں کیا کر رہے ہو؟" لڑکی کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔

میں چونک کر کار کی سمت بھاگا لیکن ابھی چند قدم ہی گیا تھا کہ تاریکی سے دو سائے نکل کر درمیان میں حائل ہو گئے ان کی خاکی وردی اور کاربائن دیکھ کر یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ یہ سنگاری فوجی تھے جو تاریکی میں چھپے میری نقل و حرکت پہلے سے دیکھ رہے تھے رک جانے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ میں زور سے چلایا۔

"تم فوراً چینس واپس چلی جاؤ...... ابھی......" لیکن دوسرے لمحے کسی نے پشت سے میری گردن دبوچ لی۔ آواز حلق میں گھٹ کر رہ گئی میں نے کاربائن کا دستہ ہوا میں بلند ہوتے دیکھا کسی نے مجھ پر جست لگائی میں نے بچنے کے لئے کروٹ لی لیکن اس ڈر سے کہ کہیں نیچے نہ گر جاؤں رک گیا سنگاری حملہ آور کے ہاتھ میری گردن کی طرف بڑھے تو میں نے ایک بھرپور گھونسا اس کے سر پر رسید کیا لیکن اس کے پتھر جیسے سر پر کچھ اثر نہ ہوا میں نے دوسرا مکا پیٹھ پر مارا تو نشانے پر پڑا وہ اچھل کر ہٹا۔

میں نے پھرتی کے ساتھ اٹھنا چاہا لیکن کسی کے بوٹ کی زوردار ٹھوکر پشت پر پڑی اور میں منہ کے بل ڈھیر ہو گیا۔

درد کی ٹیس بڑی شدید تھی اب میں دو درندوں کے درمیان اوندھا پڑا تھا۔ جو شاید میرے اٹھنے کے منتظر تھے میں اسی طرح پڑا رہا ایک تیسرا آدمی میرے قریب آ کر رک گیا اور پھر یکا یک میرے چہرے پر ٹارچ کی روشنی پڑی ٹارچ ذرا سی ہٹی تو میں نظریں اٹھائیں سفید وردی میں ملبوس لوکارنا میرے سامنے کھڑا تھا مجھے پہچان کر اس نے فاتحانہ قہقہہ لگایا خاکی وردی والے سپاہی نے کاربائن کی نال کا رخ میری سمت کر کے فائر کا ارادہ کیا ہی تھا کہ لوکارنے نے اسے ڈانٹ کر روک دیا کاربائن سامنے سے ہٹ گئی دوسرے ہی لمحے لوکارنے کے بوٹ کی بھرپور ضرب میری پسلی پر پڑی میں درد سے کراہ کر سیدھا ہو گیا ٹارچ کی روشنی اب پھر میرے چہرے پر تھی اچانک لوکارنے نے نفرت سے میرے منہ پر تھوک دیا میں نے غلاظت کو صاف کرنے کے لئے ہاتھ اٹھانا چاہا تو اس نے فوراً اپنے بوٹ میرے پنجے پر رکھ دیئے میں تکلیف سے تڑپ اٹھا۔

لوکارنے نے پھر وحشیانہ قہقہہ لگایا میں سمجھ گیا کہ وہ مجھے اذیت دے کر مارنا چاہتا ہے اچانک لوکارنے نے اپنی زبان میں چلا کر حکم دیا دو فوجی کاربائن سنبھال کر کار کی سمت بڑھنے لگے میں نے اٹھنا چاہا تو ایک ٹھوکر سر پر پڑی۔ میں زمین بوس ہو گیا حملہ آور سپاہی نیچے جھکا اور ہاتھ بڑھا کر کلائی سے میری گھڑی ایک جھٹکے سے اتار لی میری نظریں اب لوکارنے کے ریوالور کی نال پر جمی ہوئی تھیں موت صرف چند لمحے دور تھی میں نے چاہا ایک آخری کوشش پھر کر لوں۔ اپنی تمام تر قوت کو مجتمع کر کے میں اٹھنے والا تھا کہ فائرنگ کی آواز فضا میں گونجی...... کوئی زور سے چیخا...... اسی لمحے دوسرا فائر ہوا اور پھر تیسرا...... میں آزاد تھا سنگاری سپاہی اور لوکارنے مجھے چھوڑ کر پھرتی سے پلٹے۔

میں اچھل کر اٹھا کار سے کچھ آگے کھڑی ایریشیا مسلسل فائر کر رہی تھی لیکن ریوالور کی گولیاں ختم ہو چکی تھی۔

میں نے لوکار نے پر جست لگائی اور اسے ساتھ لئے ہوئے نیچے گرا اس کا دبلا پتلا جسم میری گرفت سے نکلنے کے لئے تڑپا لیکن میں نے ایک بار پھر اس کے ہاتھ سے ریوالور چھین لیا تھا اور ایک بار پھر میں نے اس کے سر پر ضرب لگائی اور پھرتی سے کھڑا ہو گیا دوسرا سپاہی موڑ سے آگے بڑھ چکا تھا تاکہ آنے والے ٹرکوں کو خبردار کرے اگلے ٹرک کی روشنی بالکل قریب آ چکی تھی۔

"بھاگو" میں نے چلا کر کہا لیکن وہ بت کی طرح ساکت کھڑی رہی میں نے لپک کر اس کا بازو پکڑا اور کار کا دروازہ کھول کر اس کے اندر دھکا دیا دوسرے ہی لمحے میں ڈرائیونگ سیٹ پر تھا کار اسٹارٹ کر کے میں نے پوری رفتار سے کار آگے بڑھا دی۔ میں راستے کی خطرناکی کی پروا کئے بغیر...... اس وقت تک کار کو بے تحاشا بھگاتا رہا جب تک تعاقب میں آنے والی ٹرک کی روشنی غائب نہ ہو گئی اریشیا خوف سے ساکت بیٹھی تھی۔

"بات کرنے کا موقع نہیں...... لیکن اگر بہادری کا سب سے بڑا تمغہ میرے پاس ہوتا تو میں تمہارے لگا دیتا" میں نے کہا۔

"تم نہ ہوتیں تو لکارنا آج مجھے ضرور ختم کر دیتا۔"

اریشیا کے لبوں سے دبی ہوئی سسکی سی نکلی اس نے گھٹی ہوئی آواز میں کہا۔

"مجھے ڈیش بورڈ پر رکھا ہوا ریوالور نظر آیا رائفل کے بجائے اسے لے کر میں نے قریب آتے ہوئے فوجیوں پر فائرنگ کر دی میں بھاگتی رہی فائر کرتی رہی میں سمجھی تھی۔ انہوں نے تمہیں مار ڈالا خدایا! مجھے کچھ پتا نہ تھا کہ میں کیا کر رہی ہوں۔"

"تم نے بڑی ہمت اور حوصلے کا ثبوت دیا اریشیا...... تم نے کمال کر دیا" میں نے کہا۔

"واقعی؟" اس نے آہستہ سے کہا اور میرے شانے پر سر رکھ کر سسکیاں لینے لگی۔

میں نے اسے دل کی بھڑاس نکالنے دی جب اس نے سر اٹھایا تو میں نے ہدایت کی وہ پیچھے دیکھتی رہے تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ تعاقب میں آنے والے درندے کتنی دور ہیں۔

ہم ایک بار پھر پیٹیں میں داخل ہو رہے تھے دشمن ہم سے چند میل کے فاصلے پر تھا لیکن ہم جانتے تھے کہ وہ پوری رفتار کے ساتھ آ رہے ہیں چرچ کے قریب پہنچتے ہی میں نے ہارن مسلسل بجانا شروع کر دیا تھا ابھی ہم دروازے سے دور ہی تھے کہ میں نے بہت سے لوگوں کو کار کی سمت بھاگتے ہوئے دیکھا اور ہیڈ لائٹ جلا دی تاکہ وہ ہمیں دشمن تصور نہ کر بیٹھیں اور پھر یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہ سب نوعمر لڑکے تھے ان کے ہاتھوں میں بانس کے بنے ہوئے نیزے تھے۔ میں نے کار روک دی ایک لڑکے نے نیزہ بلند کیا ہی تھا کہ دوسرے ہی لمحے فادر ایمرسن ہجوم کو چیرتے ہوئے ہماری سمت لپکے۔

"خدایا تیرا شکر ہے میں تمہارے لئے بڑا پریشان تھا۔"

انہوں نے کہا۔

"میں نے سب سے کہہ دیا ہے کہ فرار ہو جائیں۔ لیکن شاید انہیں بھاگنے کا موقع بھی نہ مل سکے گا۔ یہ لوگ خطرے کو اب بھی محسوس نہیں کر رہے ہیں۔"

"فادر آپ کار میں آ جائیے" میں نے کہا۔ "جلدی کیجئے وقت نہیں ہے۔"

"نہیں صفدر مجھے یہیں رہنا ہے" انہوں نے ایک لڑکے کو بلا کر کچھ کہا وہ اچھل کر کار کے بونٹ پر بیٹھ گیا نادان کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں جیسے یہ بھی ایک کھیل ہو۔

"یہ لڑکا تمہیں آبادی میں گائیڈ کرے گا ورنہ خدشہ ہے کہ لوگ دشمن سمجھ کر تم پر حملہ نہ کر دیں جہاں ممکن ہو چھپ جاؤ مس اریشیا تمہاری بہتر رہنمائی کر سکتی ہیں اب جاؤ...... خدا حافظ"

ہر سمت سے سنکی نقاروں کی تیز آواز گونجنے لگی تھی جو لوگوں کو خطرے سے خبردار کر رہے تھے بڑا ہولناک سا ماحول تھا جیسے ہی آبادی میں داخل ہوئے تاریکی سے ایک ہجوم بھاگتا ہوا ہماری سمت بڑھا ان کے ہاتھوں میں نیزے تھے لیکن لڑکا بونٹ پر کھڑے ہو کر اپنی زبان میں چلایا اور دونوں ہاتھ پھیلا کر ان سے کچھ کہنے لگا۔ ہجوم نے فوراً ہی ہمیں راستہ دے دیا۔ اور پھر تاریکی میں غائب ہو گیا میں ہیٹیں کے لوگوں کی سادگی پر افسوس کر رہا تھا یہ رائفل اور مشین گن کا مقابلہ نیزوں سے کرنے جا رہے تھے ان کا دردناک انجام واضح تھا۔ لیکن میں خود بھی ان کے لئے کیا کر سکتا تھا راستے میں لوگ ادھر بھاگ رہے تھے ان کو اپنی جان سے زیادہ مویشیوں اور سامان کی فکر تھی۔

عورتیں اپنے بچوں کو سینے سے لگائے اثاثہ سمیٹ رہی تھیں اور میں جانتا تھا کہ سنکاری درندے ان کے ساتھ کیا سلوک کریں گے۔

پل سے پہلے میں نے کار روکی تو لڑکا کود کر بھاگ گیا ہم کلینک سے ہوتے ہوئے مکان تک پہنچے جو تاریک پڑا تھا "رائفل اٹھا لو اور کھانے کا سامان اور کمبل نکال کر باقی سب کچھ کار میں ہی چھوڑ دو" میں نے اریشیا سے کہا "میں جب تک دیکھتا ہوں شاید ڈاکٹر رائے مکان کے اندر موجود ہو ویسے چھپنے کی محفوظ جگہ کہاں ہو سکتی ہے۔"

"صرف جھیل کے پار" اریشیا نے سامان نکالتے ہوئے کہا۔

مکان خالی تھا رائے وہاں بھی موجود نہیں تھا عقبی کمرے میں سرخ لکڑی بھی کہیں چھپ گئی تھی میں چکر کاٹ کر سامنے کی جانب آیا تو اریشیا کار کی ڈگی سے سامان نکال رہی تھی سامنے وردی میں چرچ کے پاس ہر سمت ٹرکوں کی ہیڈ لائٹس سے فضا روشن تھی اور اچانک مجھے محسوس ہوا کہ نقاروں کی آواز بند ہو گئی تھی میں نے نظر اٹھائی تو ٹرکوں کی روشنی میں بھاگتے ہوئے لوگ صاف دکھائی دے رہے تھے دوسرے ہی لمحے فضا فائرنگ کی آواز سے گونج اٹھی میں نے کئی لوگوں کو زمین پر گرتے دیکھا ایسا لگتا تھا کہ یہ ایک بھیانک خواب ہے یا میں کوئی جنگ کی فلم دیکھ رہا ہوں۔

اور پھر مشین گن کی آواز نے میرا سکتہ توڑ دیا میں نے گھبرا کر دیکھا غلطی سے میں کار کی لائٹ جلتی ہوئی چھوڑ آیا تھا اریشیا میری سمت بھاگتی ہوئی آ رہی تھی میں نے چیخ کر خبردار کرنے کے لئے منہ کھولا لیکن وہ تاریکی میں آ چکی تھی میں نے لپک کر اس کے ہاتھ سے کمبل لے کر کاندھے پر ڈالے کھانے کی ٹوکری ہاتھ میں لی اور اریشیا کے ساتھ جھیل کی سمت نشیب میں بھاگنے لگا ایک مرتبہ گھوم کر دیکھا تو دو ٹرک گاؤں سے نکل کر مکان کی سمت بڑھ رہے تھے چند لمحوں میں وہ ہماری کار تک پہنچ جائیں گے۔

جھیل کے کنارے پہنچ کر ایریشیا رک گئی" شاسی ناؤ کو لے کر فرار ہو گیا" اس نے گھبرا کر کہا۔

"کیا؟" میں نے چونک کر دیکھا ناؤ غائب تھی اب کیا ہو گا؟"

"آگے چلو...... مچھیروں کی کشتیاں کچھ فاصلے پر موجود ہوں گی"

ہم تیزی کے ساتھ آگے بھاگے سنکاری سپاہی مکان میں داخل ہو چکے تھے ان کی چیخ و پکار صاف سنائی دے رہی تھی جلد ہی ہم اس جگہ پہنچ گئے جہاں درختوں کے تنوں کو کھوکھلا کر کے بنائی ہوئی پتلی اور لمبی طرز کی بہت سی ناؤ لنگر انداز تھیں میں نے ایک قریبی ناؤ کے خول میں سامان پھینکا رائفل رکھی ناؤ کو ریت سے پانی میں دھکیلنے میں ایریشیا بھی میری مدد کرنے لگی پانی میں پہنچتے ہی ناؤ ڈانواں ڈول ہونے لگی۔

"تم دوسری جانب سے اسے پکڑ لو" ایریشیا نے کہا۔" میں بیٹھ جاؤں تب تم اوپر آنا" اس نے بانس کا چپو سنبھالتے ہوئے کہا۔

وہ اس قسم کی ناؤ چلانے میں ماہر تھی ہم تقریباً دو سو گز کا فاصلہ طے کر چکے تھے کہ کنارے پر ٹارچ کی روشنیاں نظر آنے لگیں "چپو نیچے کر کے لیٹ جاؤ" میں نے جلدی سے کہا۔

"وہ کنارے پر پہنچ چکے ہیں۔"

ہم اس چھوٹے سے جزیرے کے کنارے پہنچ چکے تھے جو جھیل کے بالکل درمیان واقع تھا فائرنگ کی آواز میں اب دردناک چیخیں شامل ہو چکی تھیں جگہ جگہ دھوئیں کے بادل اٹھ رہے تھے تیفیس کے لئے آزادی اور قتل و غارت آتش زدگی اور بربریت کا تحفہ لے کر آئی تھی جھیل کے کنارے سے ٹارچ کی روشنیاں غائب ہو چکی تھیں عورتوں کی چیخوں اور سنکاریوں کے قہقہوں سے اب اندازہ ہو رہا تھا کہ ڈرامے کا دوسرا باب شروع ہو چکا ہے۔

ایریشیا نے کہا" اب ہمیں آگے بڑھنا چاہیے" لیکن اسی لمحے جزیرے سے ایک پرندہ اتنی زور سے چیخ کر پھڑ پھڑایا کہ ہم ساکت ہو گئے میری نظریں کنارے پر تھیں اس لئے میں نے دیکھ لیا پرندے کی چیخ کے ساتھ ہی کنارے پر دو تاریک سائے اٹھ کھڑے ہو گئے تھے لوکارتا نے کنارے پر دو گارڈ چھوڑ دیئے تھے تاکہ ہم مچھیروں کی کشتیوں کے ذریعے ہمارا تعاقب کر سکے۔

اب صرف ایک چارہ تھا ایریشیا کے منع کرنے کے باوجود میں نے کپڑے اتارے اور برف کی طرح سرد پانی میں اتر گیا آہستہ آہستہ ناؤ کو دھکیلتے ہوئے میں جزیرے کے دوسرے کنارے پر لے آیا جزیرے کی آڑ میں ہمارے دیکھے جانے کا اب کوئی خطرہ نہ تھا میں کشتی میں واپس آیا تو سردی سے کانپ رہا تھا ایریشیا نے جلدی سے ایک کمبل میرے گرد لپیٹ دیا۔ وہاں سے ناؤ کو دھکیلتے ہوئے ہم ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں آتش فشاں سے بہتے ہوئے لاوے نے دو گھاٹیاں سی بنا دی تھیں کنارے والی گلی کے ساتھ ساتھ قد آدم گھاس اور گھنے درخت تھے ایریشیا نے ناؤ کو اس گلی میں موڑ دیا میں تاریکی میں ہر سمت گھور رہا تھا اگر رائے ادھر آیا تھا تو اس کی ناؤ کہیں اسی جگہ لنگر انداز ہوئی ہو گی لیکن مجھے کہیں اس کی ناؤ نظر نہ آئی مجبوراً میں نے ایریشیا سے پوچھا۔

"تمہارے خیال میں رائے کدھر گیا ہوا"

"وہ سیدھا آتش فشاں کے دہانے کی سمت جانے کی کوشش کرے گا" ایریشیا نے کہا" وہ اس وقت کہاں ہو گا۔ اندازہ کرنا ممکن نہیں نہ اس تاریکی میں اس کو تلاش کیا جا سکتا ہے"

"فکر نہ کرو ایریشیا اگر وہ اس کنارے پر ہے تو صبح ہم اسے آسانی سے تلاش کر لیں گے"

"ہاں صبح...... اس وقت تو مجھ میں اٹھنے کی سکت بھی نہیں ہے" اس نے تھکے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

جلد ہی ہم ایک جگہ پہنچ گئے جہاں دیو قامت سرکنڈوں کے پودوں نے سامنے کی جانب پردہ کئے رکھا تھا خشکی کی سمت کیلوں کے درخت اور گھنا جنگل تھا ہم نے ناؤ کو وہیں پر روکا اور گھسیٹ کر خشک کنارے تک لے آئے فضا میں گندھک کی سی بو پھیلی ہوئی تھی درختوں کے جھنڈ کے درمیان ہم نے ایک صاف جگہ تلاش کی۔ میں نے کیلے کے خشک پتے زمین پر ڈال کر اس پر کمبل بچھا دیا اتنی دیر میں پہلی مرتبہ ہم نے اطمینان محسوس کیا تھا ہم نے کشتی سے کھانے کا سامان اور رائفل اتار لی تھی۔

ایریشیا نے کھانا لگایا اور ہم دونوں جب سیر ہو کر کھا چکے تو اس نے تھرماس سے گرم گرم کافی نکال کر دی سردی سے کپکپاتے جسم کو کافی سے بڑی راحت ملی میں کمبل میں لیٹ گیا تو ایریشیا نے ایک اور کمبل مجھ پر ڈال دیا۔

چاند کی تیز روشنی میں وہ بڑی حسین لگ رہی تھی میں نے پہلی بار اس کی آنکھوں میں اپنے لئے ہمدردی اور محبت کی جھلک دیکھی۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہاری آنکھوں میں پوشیدہ کرب کو محسوس کر رہا ہوں تم بڑی حوصلہ مند لڑکی ہو...... محبت کے زخم کھانے والے اکثر ہمت ہار جاتے ہیں"

"میں ہار چکی تھی!" اس نے نظریں اٹھا کر پہاڑ کی چوٹی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن یہ حوصلہ مجھے تم نے دیا ہے" اور مجھ میں اس کا یہ حوصلہ توڑنے کی ہمت نہ تھی۔

صبح کے آثار نمودار ہوتے ہی میری آنکھ کھل گئی وہ کسی معصوم بچے کی طرح سو رہی تھی لیکن جیسے ہی میں نے اٹھنے کی کوشش کی، اس نے آنکھیں کھول دیں اس کی مسکراہٹ صبح کے نور کی طرح تازہ تھی ہم نے جلدی سے ناشتہ کیا اور روانہ ہو گئے۔ میں ڈاکٹر رائے کی ناؤ بھی نظر آ گئی جو ہم سے سو گز کے فاصلے پر لنگر انداز تھی نرم ریت پر اس کے قدموں کے نقش صاف نظر آ رہے تھے کچھ دور جانے کے بعد اس کے پیروں کے ساتھ ساتھ اس کے ہاتھ پنجوں کے نشان بھی نظر آنے لگے ایسا لگتا تھا کہ جگہ جگہ وہ گرتا پڑتا آگے بڑھا ہے میں نے ایریشیا کی سمت دیکھا اس نے گردن ہلا کر کہا۔

"اس حالت میں بھی اس نے ہمت نہ ہاری۔ وہ ہم سے پہلے روانہ ہو چکا ہے۔"

میں نے کوہ طنپالیہ کی بلند چوٹی کو دیکھا جو سورج کی کرنوں سے دمک رہی تھی۔

"تمہارے خیال میں وہ کدھر سے اوپر جائے گا؟"

"اس راستے جس پر وہ نکل گیا تھا لیکن جلدی کرو۔"

اس نے جواب دیا" وہ پہلے اس جگہ جائے گا جہاں ڈاکٹر نے گہرے کھڈ میں تنگ چوپڑا کی لاش دیکھی تھی لیکن اس حالت میں رائے ہرگز وہاں نہ پہنچ سکے گا" وہ جگہ تقریباً پندرہ سوفٹ کی بلندی پر تھی پہاڑی کی جگہ جگہ نوکیلی سطح تھی لاوے کی چٹانیں چکنی تھیں جن پر پیر پھسلتے تھے ہمارا خیال تھا ہم جلد ہی رائے کو تلاش کرلیں گے کیونکہ اس کی رفتار سست ہوگی بلندی پر پہنچتے ہی ہمیں جھیل کا منظر نظر آنے لگا۔ چھایا ہوا گہرا کہر آہستہ آہستہ ختم ہو رہا تھا ہم آتش فشاں سے بہ کر آنے والے جمے ہوئے لاوے کے کنارے کنارے آگے بڑھ رہے تھے اس کے داہنے جانب کے کنارے پر درختوں کا سلسلہ تھا جو اوپر جا کر گھنے جنگل میں تبدیل ہو گیا تھا جھیل کے کنارے بیٹھی ہوئی مرغابیاں اچانک پھڑ پھڑاتی ہوئی اڑیں شور سن کر ہم نے چونک کر دیکھا۔

پھر میں نے پھرتی کے ساتھ ایرشیا کو گھسیٹ کر پیچھے کرلیا۔ سیکڑوں کی تعداد میں اڑنے والی مرغابیوں نے چند لمحوں کے لئے بالکل آڑ کرلی تھی لیکن دوسرے ہی لمحے ایک لانبی سی ناؤ تیزی کے ساتھ کنارے کی سمت بڑھتی نظر آئی ہم دونوں پہاڑی کی سطح سے چپک گئے لیکن ناؤ میں بیٹھے ہوئے تمام لوگ قبائلی تھے ان میں کوئی بھی فوجی وردی میں نہ تھا ہم ابھی یہی سوچ رہے تھے کہ شاید قبیلے کے باشندے پناہ کی تلاش میں بھاگے ہیں کہ ایک دوسری ناؤ آگے بڑھتی نظر آئی۔ جس میں قبائلیوں کے علاوہ چند باوردی فوجی سپاہی بھی تھے اور پھر تیسری ناؤ سپاہیوں سے بھری ہوئی آگے آتی نظر آئی اب اس میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ یہ سب سنگاری درندے تھے جو ہمارے تعاقب میں آ رہے تھے۔

ذرا دیر بعد شور کی آواز سنائی دی۔ میں نے چونک کر دیکھا وہ سب ڈاکٹر رائے کی ناؤ کی طرف بھاگ رہے تھے جسے ہم غلطی سے چھپانا بھول گئے تھے اب وہ پہاڑی پر ضرور آئیں گے میں پھرتی سے ایرشیا کی سمت مڑا۔

"تم اس سامنے والے جنگل میں جا کر چھپ جاؤ ایرشیا۔"

میں نے کہا۔

"دونوں ساتھ رہے تو ضرور پکڑے جائیں گے میں رائے کو تلاش کر کے تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔"

"نہیں اب میں تمہیں تنہا نہیں چھوڑوں گی...... نہیں صفدر تم بھی مجھ کو چھوڑ کر نہ جاؤ" اس نے جنونی انداز میں کہا۔

"ہوش میں آؤ لڑکی" میں نے اسے جھنجھوڑا "میں جو کچھ کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو اگر ڈاکٹر رائے تم کو مل جائے تو اسے بھی وہیں چھپائے رکھنا میں ان کو دھوکا دے کر دوسری سمت جانے کی کوشش کرتا ہوں۔"

"تم ہوش میں آؤ صفدر!...... ایک مرتبہ تمہیں دیکھ لیا تو پھر وہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"نہیں ایرشیا ۔۔۔ وہ مجھے ہلاک نہ کر سکیں گے تم اطمینان رکھو" میں نے اسے یقین دلایا۔

"میں تنہا زیادہ تیزی سے اوپر چڑھ سکوں گا اب جاؤ۔"

میں نے اسے دھکا دیا ہے۔

"نہیں...... " وہ پاگلوں کی طرح چلائی "نہیں...... تم پھر واپس نہ آؤ گے"

میں نے اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر جھنجھوڑا پھر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے

کہا" میں ضرور واپس آؤں گا ایرشیا کیا تم کو اپنی محبت پر یقین نہیں ہے؟"

وہ چلی گئی لیکن میں اس کے بہتے ہوئے آنسوؤں کو نہ روک سکا اس لڑکی کی بے کسی نے مجھے اس سے کتنا قریب کر دیا تھا میں درختوں میں اسے چھوڑ کر کھلی ہوئی جگہ پر آ گیا تقریباً دو سو فٹ تک لاوے کی چٹانوں کے بعد بانسوں کے جنگل کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا دراڑوں کے درمیان بہنے والی نرم گندھک سے ظاہر تھا کہ باوجود یہ کہ خشک چٹانیں پرانے لاوے کی تھیں لیکن اندر آتش فشاں کا جہنم زار ابھی زندہ تھا میں نے پوری قوت سے پھلانگتے اور کودتے ہوئے بھاگنا شروع کر دیا چٹانوں کے درمیان دراڑیں پتلی تھیں اس لئے خطرہ نہ تھا لیکن ابھی میں نے ایک تہائی راستہ طے کیا ہوگا کہ رائفل کا پہلا فائر فضا میں گونجا۔

میں تعاقب کرنے والوں کی توجہ ایرشیا کی طرف سے ہٹانے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن اب انہوں نے مجھے دیکھ لیا تھا وہ شکاری کتوں کی طرح ہر طرف سے مجھے گھیرنے کی کوشش کریں گے میں لہراتا ہوا چکر کاٹ کر بھاگتا رہا اچانک ایک فائر اور ہوا پھر تیسرا فائر ہوا لیکن میں بھاگتا رہا اب مجھے بھی لطف آنے لگا تھا رات کی شراب اور عیاشی کے بعد بدمست سنگاریوں کا نشانہ ایسا ہی خراب ہونا چاہیے تھا میں نے مشرقی حصے کی جانب چٹانوں کو پھلانگ کے کنارے پہنچنے کے لئے جیسے ہی رخ بدلا گولیوں کی بوچھاڑ اپنے قریب ہوئی کہ بس بال بال بچ گیا لیکن رکا نہیں اس وقت تک بھاگتا رہا جب تک کہ جنگل میں داخل نہ ہو گیا۔

میں فوراً ہی پیٹ کے بل لیٹ گیا اور نشیب کی سمت نگاہ کی جھیل کے کنارے یکے بعد دیگرے کشتیاں آ کر رک گئی تھیں۔ سیاہ فام سنگاری نوکیلے نیزے لئے ہوئے ان سے اتر کر کنارے پر جمع ہو رہے تھے آخری کشتی رکی تو دو سپاہیوں کے درمیان ایک سفید وردی چمک رہی تھی لوکارنا کشتی سے اتر کر کنارے پر کھڑا ہوا تھا اور آدمیوں سے کچھ پوچھنے لگا۔

بلاتاخیر میں نے اپنی رائفل کی نال سیدھی کی دوربین سے لوکارنا کے سینے کا نشانہ لیا سانس روکی اور گولی چلا دی لیکن نشانہ خطا گیا گولی لوکارنے کے پیچھے زمین پر جا کے لگی میں نے یہ بعد میں دیکھا کہ دوربین ایک ہزار گز کے فاصلے پر سیٹ تھی مجھے دوسرا فائر کرنے کا موقع نہ ملا کنارے سے جوابی گولیوں کی بوچھاڑ شروع ہو گئی تھی میں کھسک کر جھاڑیوں کے پیچھے ہو گیا میں جانتا تھا کہ اگر دوسرا موقع ملا تو اب غلطی نہ ہوگی۔

لیکن دوسرا موقع ملے گا یا نہیں یہ کسے معلوم تھا میں نے دوربین سیٹ کر کے دیکھا کنارے پر سناٹا تھا لوکارنے اور اس کے ساتھی آڑ میں چھپ چکے تھے کچھ دیر تک جائزہ لیتا رہا اور مجھے ایک جگہ گھاس ہلتی نظر آئی میں نے فوراً ہی رائفل کندھے سے لگا لی اور انتظار کرنے لگا۔

اور عین اسی لمحے میری پشت کی جانب ایک بندر زور سے چیخا میں بجلی کی پھرتی کے ساتھ رائفل سنبھالے ہوئے گھوما سفید منہ والا لنگور زور زور سے اچھل رہا تھا میں سمجھ گیا کہ میری لاعلمی میں سنگاری اس جانب سے اوپر چڑھنے میں کامیاب ہو گئے ہیں اسی لمحے جنگل کی اس جانب سے سیٹیوں اور آوازوں کا شور بلند ہوا داہنے جانب کی گھنی جھاڑیوں میں سے اچانک ایک دھڑنگ سیاہ فام سنگاری برآمد ہوا اس نے مجھے دیکھتے ہی اپنے نیزے والا ہاتھ بلند کیا لیکن اس کے ہاتھ کو حرکت ہوتے ہی میں نے فائر کر دیا نیزہ ہوا میں تیرتا ہوا میری جانب بڑھا۔

بازو میں جیسے دہکتی ہوئی آگ سی بھر گئی تھی اور میں زمین پر چت پڑا تھا حملہ آور سنکاری کی لاش قریبی جھاڑیوں میں پڑی تھی میں نے پھرتی کے ساتھ پلٹ کر رائفل تلاش کی وہ قریب ہی پڑی تھی لیکن ٹوٹی ہوئی۔ نیزہ میرے بازو کو زخمی کرتا ہوا اس کے کندھے پر لگا تھا اور ہر سمت سکوت طاری ہو گیا تھا گولی کی آواز نے سب کو بتلا دیا تھا کہ میں کہاں ہوں۔

میں نے اٹھ کر تیزی کے ساتھ بھاگنا شروع کر دیا سنکا مجھے گھنے جنگل میں تلاش کریں گے اس لئے اب میرا رخ آتش فشاں کی چوٹی کی سمت تھا مجھے احساس تھا کہ جتنی جلدی بلندی پر پہنچ جاؤں گا اتنا ہی محفوظ رہوں گا خاردار جھاڑیاں زخمی کئے دے رہی تھیں اور اب میں نہتا تھا اور تعاقب کرنے والوں کا شور وغل پھر شروع ہو گیا تھا بازو کا زخم بالکل معمولی تھا اور اب میں اسے حرکت دے سکتا تھا لیکن آہستہ آہستہ جنگل ختم ہوتا جا رہا تھا اور یہ اندازہ تھا کہ جلد ہی میں کسی کھلی جگہ پر پہنچ جاؤں گا میں نے اپنا رخ بدل دیا اور ایک بار پھر گھنے جنگل میں گھس گیا۔

کچھ دیر کے بعد میں کافی اندر تک پہنچ گیا تھا ہر سمت مکمل سناٹا تھا چڑیوں کی آواز تک سنائی نہیں دے رہی تھی۔ ہوا مرطوب اور گرم تھی اور تعاقب میں آنے والے سنکاریوں کی آوازیں بھی نہیں آ رہی تھیں بانس کا جنگل ایک سمت رہ گیا تھا زمین پر کائی سی جمی ہوئی تھی۔ لیکن میں بھاگتا رہا مجھے معلوم تھا کہ موت پیچھا کر رہی ہے اور اگر پکڑا گیا تو بچنے کا سوال ہی نہیں تھا لیکن سناٹا اب خوف زدہ کرنے لگا تھا۔ اور پھر بانس کے گھنے جھنڈ دیوار کی طرح سامنے حائل ہو گئے تھے وہ شپالیہ کی ڈھلوان پر واقع جنگل کے آخری سرے تک پہنچ گیا تھا اور اسی لمحے سیٹی کی آواز دور سے سنائی دی۔ تعاقب جاری تھا۔

لیکن آواز سن کر مجھے اطمینان ہو گیا تھا کہ میں کہاں ہوں میں نے جنگل کے بالکل متوازی راستے پر چلنا شروع کر دیا جس کے ذریعے آتش فشاں کی چوٹی کے قریب پہنچنے کا امکان تھا۔ وقفے وقفے سے رک کر میں آہٹ لیتا اور پھر چل پڑتا۔ مجھے کچھ پتا نہیں کہ اس طرح چلتے ہوئے کتنی دیر ہو گئی تھی سارا جسم پسینے سے تر تھا زخم پر خون جم گیا تھا سانس پھول گیا تھا لیکن میں جلد از جلد سنکاری درندوں سے دور کوہ شپالیہ کی بلندیوں پر پہنچ کر کہر کے بادلوں میں گم ہو جانا چاہتا تھا اور پھر اچانک گندھک کی تیز بو میری ناک سے ٹکرائی میں رک گیا پھٹی ہوئی آستین سے ماتھے کا بہتا ہوا پسینہ صاف کیا اور آگے بڑھا۔ لیکن اب سطح میں پھسلن تھی اور جھاڑیاں اتنی گھنی ہو گئی تھیں کہ ان سے گزرنا دشوار تھا میں رک کر سوچ رہا تھا کہ کیا کروں اچانک بائیں جانب سے ہوا کے ساتھ بھاپ کے جھونکے اٹھتے نظر آئے جن میں گندھک کی تیز بو تھی میں نے اندازہ کر لیا کہ آتش فشاں بالکل قریب ہے تھکان کے شدید احساس کے ساتھ میرا سر چکرانے لگا اور میں اسی جگہ بیٹھ گیا۔

جب ذہن صاف ہوا تو میں پھر کھڑا ہوا میرا سارا لباس کیچڑ سے آلودہ ہو چکا تھا گندھک کا کہر اب بلندی سے آہستہ آہستہ نیچے آ رہا تھا میں نے بلا جھجک آتش فشاں کی سمت بڑھنا شروع کر دیا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد میں کھلی ہوئی جگہ پر نکل آیا جہاں پر ہر سمت سبزہ زار نظر آ رہا تھا پودے بہت لانبے لانبے تھے اور سبزہ زار کے آخر میں وہ نشیب تھا آتش نشاں کا لاوا کھول رہا تھا پکتے ہوئے لاوے کی ایک آواز صاف سنائی دے رہی تھی اس سے اٹھنے والی بھاپ میں گندھک کی بو بے حد تیز تھی اور سورج پوری آب و تاب سے میرے سر پر چمک رہا تھا لاوے کی حدت سے مجھے پسینہ آنے لگا مجھے اریشا سے جدا ہوئے چھ سات گھنٹے ہو چکے تھے اور اس دوران میں مسلسل چو ہتار بالوکا رنے اور اس کے آدمی یقیناً میری تلاش سے مایوس ہو کر واپس جا چکے ہوں گے مجھے اب لاوے کے دوسری جانب جانے کے لئے لمبا چکر کاٹنا تھا میں اس سمت اُگے ہوئے لانبے پودوں کے درمیان سے ہو کر آگے بڑھنے لگا۔ اچانک ایک سمت گھنے پودوں کو حرکت ہوئی اور میں خوف سے دم بخود ہو کر کھڑا ہو گیا۔

پھر پودے ساکت رہے میں دبے پاؤں بڑھتا ہوا اس جگہ پہنچا تو دیکھا کہ کسی جانور نے وہاں پودے کھا کر حصہ صاف کر دیا ہے وہ میری آہٹ سن کر بھاگ نکلا تھا لیکن میں جیسے ہی سیدھا کھڑا ہوا موت سامنے نظر آئی ایک سنکاری ہاتھ میں نیزہ تانے بالکل سامنے کھڑا تھا وہ بہ آسانی مجھے ہلاک کر سکتا تھا لیکن شاید لوکارنے مجھے زندہ پکڑنے کا حکم دیا تھا کیونکہ اس نے نیزہ پھینکنے کے بجائے ایک زوردار فاتحانہ نعرہ لگایا میں بالکل ساکت کھڑا تھا اور دوسرے ہی لمحے دائیں اور بائیں جانب سے تین مسلح سنکاری اچانک نکلے اور آہستہ آہستہ میری جانب بڑھنے لگے انہوں نے میرا تعاقب آخری وقت تک جاری رکھا تھا میں صرف خوش فہمی میں مبتلا رہا تھا۔

خوف اور احساس شکست نے مجھے مفلوج کر دیا تھا اور اب کوئی فرار کی راہ نہ تھی اذیت ناک اور ذلت آمیز موت کے تصور سے کانپ گیا لیکن قدرت کی مرضی کچھ اور تھی اچانک ایک خوف ناک غراہٹ سنائی دی اور سنکاریوں کے قدم رک گئے وہ اپنی زبان میں چیخ چیخ کر کچھ کہہ رہے تھے لیکن میرا مفلوج ذہن سمجھنے سے قاصر تھا اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ اتنا اچانک اور وحشت ناک تھا میں کانپ کر رہ گیا گھنی جھاڑیوں کے درمیان سے ایک بھیانک چہرہ باہر نکلا اس کے کھلے ہوئے جبڑوں سے نکلنے والی چیخ اتنی ہول ناک تھی کہ میں نے خوف سے آنکھیں بند کر لیں پورا پہاڑ اس آواز سے گونج اٹھا۔ اور پھر ایک گوریلا کھڑا ہو کر اپنا سینہ پیٹنے لگا اتنا بڑا خوف ناک گوریلا میں نے کبھی نہ دیکھا تھا وہ غیظ و غضب کے عالم میں سینہ پیٹ کر چنگھاڑ رہا سنکاری دم بخود کھڑے تھے اچانک گوریلا حملے کے لئے جھپٹا۔ اس کے قدموں سے زمین دہل رہی تھی۔ سرخ سرخ خونی آنکھیں شعلے برسا رہی تھیں۔ لیکن اسی لمحہ اچانک سامنے کھڑے ہوئے سنکاری نے پوری قوت سے نیزہ پھینکا جو گوریلے کے شانے میں جا کر پیوست ہو گیا۔

گوریلے کی خوف ناک دہاڑ سے فضا گونج اٹھی۔ اس نے ایک جھٹکے کے ساتھ نیزہ نکال کر تنکے کی طرح مسل دیا۔ اور لپک کر سنکاری کو گردن سے پکڑا اور اسے سر پر گھونسا رسید کیا سنکاری کا سر کسی تربوز کی طرح پھٹ کر بکھر گیا۔ گوریلا جیسے ہی گھوما۔ دوسرے سنکاری نے بھی اس پر نیزے سے وار کیا۔

لیکن میں نے اس کا انجام دیکھے بغیر بھاگنا شروع کر دیا۔

مجھے کچھ خبر نہ تھی کہ میں کدھر جا رہا ہوں۔ لیکن میں بھاگتا رہا۔ یہاں تک کہ اچانک میری نگاہوں کے سامنے تاریکی چھا گئی اور میں نوکیلی سخت سطح پر گر پڑا۔

میں پہلے یہی سمجھا تھا کہ بے ہوش ہو رہا ہوں لیکن آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ تاریکی کا سبب وہ گہرے بادل تھے۔ میں آتش فشاں کے دوسری جانب اس حصے میں پہنچ چکا تھا۔ جہاں لاوے کی سخت چٹانی سطح میں جگہ جگہ دراڑیں تھیں نوکیلی سطح سے زخمی ہو کر میرے ہاتھ سے خون بہہ رہا تھا۔ موسم چشم زدن میں تبدیل ہو چکا تھا اور

بارش کسی بھی لمحہ ہو جانا چاہتی تھی۔ مجھے یاد آیا کہ بارش ہوتے ہی دراڑوں سے زہریلی گیس کے بادل اٹھنا شروع ہو جائیں گے۔ میں نے اٹھ کر پھر بھاگنا شروع کر دیا۔ کچھ فاصلے پر مجھے درختوں کے بکھرے ہوئے جھنڈ نظر آ رہے تھے میں نے اس نشیب کی سمت دوڑنا شروع کر دیا اور جب گھنی جھاڑیوں کی جانب سے کوئی چلایا تو بھی میں نے مڑ کر نہیں دیکھا اب میں اس ڈھلوانی حصے کی سطح پر بھاگ رہا تھا جو جھیل کی جانب واقع تھا۔

اور پھر اچانک میری نظر ڈھلوان پر پڑی۔ صرف چند سو فٹ نیچے جھاڑیوں کے درمیان چھپے ہوئے سنکاری ایک دائرے کی شکل میں اوپر آ رہے تھے ان کے درمیان ایک سفید وردی بھی چمک رہی تھی میں کسی شکاری جانور کی طرح گھر کر لوکارنے کے جال میں پھنس چکا تھا اور پر چڑھنے کی سکت نہ تھی' نیچے سنکاری میرے منتظر تھے میں اپنی جگہ خاموش کھڑا تھا۔ ہوا کے تیز جھکڑ چلنا شروع ہو گئے تھے اور اب موت سے لڑنے کی قوت مجھ میں باقی نہیں رہی تھی اور پھر دائیں بائیں طرف کے درختوں کے درمیان مجھے ایک رنگین اسکرٹ نظر آئی۔ ارشیا میرے لبوں سے بے ساختہ نکلا شاید اس نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا کیونکہ وہ آگے بڑھ رہی تھی۔

''واپس جاؤ...... ارشیا واپس جاؤ'' میں پوری قوت سے چلایا۔

لیکن وہ نہیں رکی شاید اس نے میری آواز نہیں سنی تھی۔ وہ درختوں کی آڑ سے نکل کر اب کھلے علاقے میں آ گئی اور اسی لمحے اوپر چڑھتے ہوئے سنکاریوں نے بھی اسے دیکھ لیا۔ ان کے لبوں پر ایک وحشیانہ نعرہ بلند ہوا لیکن میری نگاہیں صرف ارشیا پر مرکوز تھیں میں اور کچھ نہیں دیکھ رہا تھا نیچے سے سنکاریوں کی چیخ و پکار قریب آتی جا رہی تھی اور پھر اچانک غصے کے بجائے مجھے ایک سکون محسوس ہوا ممکن ہے میں تنہا مرنے سے ڈر رہا تھا۔ اب قسمت میں یہی مرنا ہے تو ہم دونوں ساتھ مریں گے۔

ہوا اتنی تیز ہو گئی تھی کہ سیٹیاں سی بج رہی تھیں تاریکی پھیلتی جا رہی تھی۔ ارشیا لاوے کے پتھریلے اور دراڑوں والے حصے میں آ چکی تھی اچانک میں نے بھی اس کی سمت بھاگنا شروع کر دیا وہ کچھ چلا رہی تھی کہہ رہی تھی لیکن میں جیسے خواب میں بھاگ رہا تھا میرے کان کچھ نہیں سن رہے تھے صرف آنکھیں دیکھ رہی تھیں۔

یہاں تک کہ وہ میرے بازوؤں میں سما گئی میں نے اس کا بازو پکڑا اور درختوں کی سمت بھاگنا شروع کر دیا اور گھنے درختوں کے درمیان پہنچ کر مجھے احساس ہوا کہ وہ کیا کہہ رہی تھی۔

درختوں کے بالکل پاس دو زرد چٹانوں کے درمیان ڈاکٹر رائے ساکت پڑا ہوا تھا۔ اس کا بیگ برابر میں رکھا ہوا تھا۔ میں حیرت سے رائے کو گھورنے لگا اور پھر گھٹنے کے بل اس پر جھک گیا۔

''صفدر...... صفدر...... تم سنتے کیوں نہیں؟'' ارشیا نے مجھے جھنجھوڑا۔ ''رائے مر چکا ہے۔''

''رائے مر چکا ہے؟'' میں چونک اٹھا پہلی مرتبہ ہوش و حواس کا احساس ہوا' ارشیا کی آنکھیں غم ناک تھیں۔

''میں اسے تلاش کرتی ہوئی یہاں تک پہنچ گئی تھی لیکن اس کو مردہ پا کر یہیں رک گئی مجھے یقین ہو چکا تھا کہ اب تم بھی یہیں آؤ گے۔'' اس نے میرے شانے سے لگ کر سسکیاں لینی شروع کر دیں۔

آوازیں اب قریب آ گئی تھیں میں اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ میں نے ارشیا کا بازو پکڑ کر گھسیٹا' ''آؤ ارشیا اب وقت بالکل نہیں ہے۔''

''لیکن کہاں؟''

''ہم اوپر چلیں گے۔ اس وقت تک بھاگتے رہیں گے جب تک وہ ہمیں پکڑ نہ لیں۔''

''لیکن بارش ہونے والی ہے پانی پڑتے ہی زہریلی گیس کے بادل ہمیں گھیر لیں گے۔ ہم گھٹ کر مر جائیں گے۔''

''ہاں...... لیکن سنکاریوں کے ہاتھ لگ گئے تو اس سے زیادہ اذیت ناک موت مریں گے اور پھر ممکن ہے کہ بارش نہ بھی ہو۔''

چلتے ہوئے اچانک مجھے خیال آیا اور میں نے رائے کا بیگ اٹھا لیا اور پھر ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر ہم نے دوڑنا شروع کر دیا اب ہم لاوے کی چٹانوں کے درمیان کھلی ہوئی جگہ پر دوڑ رہے تھے کچھ دیر بعد درختوں کی جانب سے سنکاریوں کی آوازیں سنائی دیں شاید انہوں نے ہمیں دیکھ لیا تھا لیکن ہم رکے بغیر دوڑتے رہے گندھک کی بو ہر لحظہ تیز تر ہوتی جا رہی تھی لیکن ہمارا رخ آتش فشاں کی طرف تھا۔ کچھ دیر بعد سطح ناہموار ہو گئی۔ زمین سیاہ دھول سے اٹی ہوئی تھی۔ جس پر پیر پھسلتے تھے پھر بھی کہیں کہیں پودے اگے ہوئے تھے۔ ہم لاوے کی ایک بلند نوکیلی چٹان کے پاس پہنچ گئے تھے۔ آتش فشاں سے اٹھنے والی بھاپ کے بادل قریب تر آ رہے تھے کہ اچانک عقب سے کوئی چلایا اور پھر فائر کی آواز کے ساتھ ہی گولی چٹان سے ٹکرائی۔

''مڑ کر نہ دیکھو۔ خدا کے لئے بھاگتی رہو'' میں نے ارشیا سے کہا کہ کارلوٹے نے انتقام کی آخری کوشش کی تھی۔

اب ہم بالکل سیاہ اور پتھر جیسی سخت زمین پر چل رہے تھے۔ جسے شاید لاوے نے جلا دیا تھا درمیان میں دراڑیں بڑی ہوتی جا رہی تھیں اور کہیں کہیں گہرے گڑھے درمیان میں تھے اچانک گہرے بادلوں نے ہمیں گھیر لیا بڑی بڑی دراڑیں ہر سمت منہ کھولے ہوئے تھیں ہم جیسے ہی رکے بیک وقت کئی فائر ہوئے۔ ارشیا چیخ مار کر ایک سمت ہٹی۔ میں نے لپک کر اسے پکڑنا چاہا لیکن ایسا لگا جیسے اسے کوئی پوری قوت سے گھسیٹ رہا ہو۔ میں نے توازن قائم رکھنے کے لئے ایک نوکیلے پتھر کو پکڑ لیا۔ دوسرے ہاتھ میں ارشیا کی آستین تھی۔ جسے میں نے مضبوطی سے پکڑ رکھا تھا۔

لیکن دوسرے ہی لمحے وہ آستین بھی ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ ارشیا غائب ہو چکی تھی اور تاریکی میں مجھے کچھ نظر نہ آ رہا تھا۔

اور مجھے یوں لگا جیسے ارشیا نہیں...... زندہ رہنے کی آرزو گم ہو کر رہ گئی ہو۔

گہرے گہرے بادل روئی کے گالوں کی طرح ہر سمت پھیل گئے تھے۔ کچھ بھی نظر نہ آ رہا تھا۔ میں بالکل ساکت کھڑا تھا۔ نیچے سنکاریوں کے شور و غل کے علاوہ کبھی کبھی فائرنگ کی آواز آ رہی تھی۔ وہ اندازے سے فائرنگ کر رہے تھے میں نے اس جگہ بیٹھ کر ٹٹولنا شروع کیا۔ جہاں پر ارشیا غائب ہوئی تھی۔ جلد ہی مجھے ایک ڈھلوان کا کنارہ مل گیا۔ جو کسی گہری کھڈ میں چلا گیا تھا چکنی راکھ سے ہاتھ مس ہوا تو میں سمجھ گیا ارشیا پھسل کر کھڈ میں گر گئی تھی۔ تاریکی کی وجہ سے یہ اندازہ کرنا ممکن نہ تھا کہ گہرائی کتنی ہے میں نے آواز دی ''ارشیا'' لیکن آواز پہاڑوں میں گونج کر رہ گئی۔ ''ارشیا'' میں پھر چلایا۔ لیکن جواب نہ ملا میں ڈھلوان کی دراڑ کو ٹٹولتے ہوئے

آگے بڑھتا رہا کہ شاید کہیں سے نیچے اترنے کا راستہ مل جائے لیکن ڈھلوان آتنی سپاٹ اور چکنی تھی کہ آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی اسی لمحے کچھ فاصلے پر قدموں کی چاپ سنائی دی۔ میں چونک کر کھڑا ہو گیا۔ آواز بلاشبہ کسی کے قدموں کی تھی لیکن دور تھی شاید ایرشیا کسی دوسری جانب سے اوپر چڑھنے میں کامیاب ہو گئی ہو۔

آواز پھر سنائی دی اب داہنی جانب سے بالکل صاف قدموں کی بڑھتی ہوئی چاپ سنائی دے رہی تھی میں بے تحاشا اس سمت بڑھا تھوڑی دور جانے کے بعد مجھے کسی کا سایہ نظر آیا۔ گہرے بادلوں میں پہچاننا مشکل تھا لیکن ایرشیا کے علاوہ کون ہو سکتا ہے میں نے آواز دینے کے لئے منہ کھولا اور ہم بہ خوردہ گیا۔

سایہ بالکل قریب کھڑا تھا لیکن وہ ایرشیا نہیں...... کارلوٹے تھا۔ اس کے ہاتھ میں اسٹین گن دبی ہوئی تھی۔ اور اسی لمحے وہ میری سمت گھوما میں پھرتی کے ساتھ نیچے بیٹھ گیا۔ میرا خیال تھا کہ اس نے مجھے دیکھ لیا ہے۔ کیونکہ اس کی نگاہیں بالکل سامنے دیکھ رہی تھیں۔

چند لمحے گزر گئے اور کارلوٹے اسی طرح کھڑا کہر میں گھورتا رہا اور تب مجھے اندازہ ہوا کہ وہ اس جانب دیکھ رہا ہے جہاں سے کچھ دیر پہلے ایرشیا پھسل کر نیچے گری تھی۔ کیا اس نے نشیب میں ایرشیا کو کہیں دیکھ لیا ہے؟ منکاریوں کی آوازیں دور کہیں نشیب سے آ رہی تھیں وہ زور زور سے چیخ رہے تھے جیسے خوف زدہ ہو کر کارلوٹے کو واپس بلا رہے ہوں۔ لیکن کارلوٹے انتقام کی آگ میں جلتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا اب وہ مجھ سے چند قدم آگے نکل چکا تھا غصے سے میرا خون کھولنے لگا میں نے اچانک اس پر ایک جست لگائی۔

کارلوٹے بجلی کی سی پھرتی کے ساتھ گھوما تھا۔ لیکن میں نے اسٹین گن کی نال مضبوطی سے پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا ہم دونوں ایک ساتھ گرے اسٹین گن اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری۔

میں نے دونوں ہاتھوں سے اس کی گردن دبوچ کر پوری قوت سے دبا دی۔ غصے اور خوف کی گھٹی ہوئی ایک چیخ اس کے لبوں سے بلند ہوئی اور اس نے دونوں ہاتھوں سے میرے بال پکڑ لیے اور اتنی زور سے کھینچے کہ میں نے اس کی گردن چھوڑ دی۔ اس نے اسٹین گن کی طرف چھلانگ لگانی چاہی۔ تو میں نے اس کی ٹانگ پکڑ کر گھسیٹ لی۔ وہ دبلا پتلا ضرور تھا۔ لیکن ہم زندگی کی آخری جنگ لڑ رہے تھے اس لیے کارلوٹے جنون کی حالت میں تھا۔ میں نے جیسے ہی اٹھنا چاہا اس نے مجھے دبوچ لیا اور اپنے سر سے ایک بھرپور ٹکر ماری۔ میں نے پھرتی کے ساتھ سر ہٹایا لیکن شانے پر اتنی زور سے ضرب پڑی کہ میں تلملا اٹھا۔ اپنی پوری قوت لگا کر میں نے کروٹ لی اور اسے نیچے دبا لیا۔ غصے میں ایک بھرپور مکا میں نے اس کے جبڑے پر مارا لیکن اس نے دونوں پیروں سے مجھے پیچھے اچھال دیا۔ میں ڈھلوان کی نگر کے پاس گرا اور نیچے جانے سے بال بال بچا۔ کارلوٹے اب کھڑا ہو گیا تھا اور کسی درندے کی طرح ہانپ رہا تھا میں نے جیسے ہی کروٹ بدل کر اٹھنا چاہا اس نے ایک بھرپور لات میری کمر پر رسید کی۔ ایک لمحے کے لئے میں موت کے دہانے تک جا پہنچا لیکن ایک ہاتھ سے میں نے خود کو گرنے سے روک لیا اور پھرتی سے پلٹا میں نے دیکھا کہ کارلوٹے خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دوسری ضرب کے لئے اس کی لات اٹھی اور وہ پھسلا اور میرے اوپر سے ہوتا ہوا نشیب کی گہرائیوں میں جاتا نظر آیا۔ دوسرے ہی لمحے اس کی دل خراش چیخ فضا میں ابھری اور دور ہوتی چلی گئی۔ میں دہشت کے عالم میں چند لمحے اسی طرح پڑا رہا اور جب حواس بحال ہوئے تو پیٹ کے بل اس نگر تک

پہنچا۔ نیچے تقریباً دو سو فٹ کی گہرائی میں پکے ہوئے لاوے کے شعلے نظر آ رہے تھے۔

آہستہ آہستہ میں کھسکتا ہوا پیچھے ہٹتا رہا یہاں تک کہ میرے پیر کارلوٹے کی اسٹین گن سے ٹکرائے میں نے اٹھ کر اسٹین گن کو دیکھا اور اسے ہاتھ میں لے کر کھڑا ہو گیا کہر کے بادل اب نشیب میں پہنچ گئے تھے ہر سمت مکمل سکوت تھا۔ موت کا سا سناٹا۔ ہوا کا زور کم ہو چکا تھا۔ میں نے اندازہ لگانے کی کوشش کی۔ اور پھر اس سمت بڑھنا شروع کیا۔ جہاں ایرشیا غائب ہوئی تھی پچاس ساٹھ قدم چل کر مجھے کوئی چیز چمکتی ہوئی نظر آئی۔ قریب پہنچ کر دیکھا تو وہ ایرشیا کا ایک جوتا تھا۔ جو ایک ڈھلوان کے کنارے پڑا ہوا تھا میں نے جوتا اٹھایا اور پیٹ کے بل جھک کر نیچے جھانکا۔ بیس فٹ نیچے ایک بیضوی سا گڑھا تھا دھند ہلکی ہو چکی تھی اور گڑھے میں پڑی ہوئی ایرشیا مجھے دھندلی دھندلی سی نظر آ رہی تھی لیکن وہ بالکل ساکت تھی۔ میرا دل بیٹھنے لگا "ایرشیا" میں نے چلا کر آواز دی لیکن کوئی جواب نہ ملا۔

جوتے کو قمیض کے اندر ڈال کر میں نے جیسے ہی ڈھلوان پر پیر رکھا تیزی سے پھسلتا ہوا نیچے گرا میں نے دونوں ہاتھوں سے کسی چیز کو پکڑنے کی کوشش کی لیکن راکھ اتنی چکنی تھی کہ میں سیدھا ایرشیا کے پاس جا کر رکا چند لمحے میں راکھ کے ڈھیر پر ساکت پڑا رہا۔ مجھے یقین نہ آ رہا تھا کہ میں زندہ ہوں پھر میں آہستہ سے ایرشیا کی سمت پلٹا "ایرشیا" میں نے اسے زور سے پکارا۔

اور دوسرے ہی لمحے وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اور ہنستی چلی گئی۔ خوشی سے بے قابو ہو کر میں نے اسے دیوانہ وار جھنجھوڑا۔

"ایرشیا ہوش میں آؤ کیا ہو گیا ہے تم کو؟"

"ذرا اپنی شکل تو دیکھو" اس نے ہنسی پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ میں نے دیکھا کہ میں سر سے پاؤں تک سیاہ راکھ میں بھوت بنا ہوا تھا لیکن ایرشیا کو خود اپنے حلیے کا اندازہ نہ تھا۔

"خدایا تیرا شکر ہے میں تو سمجھا کہ تم......"

"مر چکی ہو؟" اس نے جملہ پورا کیا۔ "گرتے وقت میں بھی یہی سمجھی تھی اور شاید اسی دہشت سے بے ہوش ہو گئی تھی لیکن جب ہوش آیا تو خود کو آرام دہ بستر پر پایا لیکن میں اٹھ نہیں سکتی۔ میرے پیر میں موچ آ گئی ہے" آسمان پر بجلی کی چمک کے ساتھ زوردار گرج ہوئی میں گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ اگر بارش سے پہلے ہم باہر نہ نکل سکے تو انجام ظاہر تھا اسی لمحے میری نظر ایک سرنگ نما راستے پر پڑی جو تاریک نظر آ رہا تھا۔

"خدا جانے یہ سرنگ کیسی ہے۔ اور کہاں نکلتی ہے۔" میں نے کہا۔

"اندر سے آنے والی ہوا سے تو ظاہر ہوتا ہے کہ کہیں نہ کہیں اس کا دوسرا دہانہ کھلا ہوا ہے۔"

اس کی چوٹ شدید نہ تھی میرے سہارے جب وہ کھڑی ہوئی تو میں نے دیکھا اس کے ہاتھ میں رائے کا بیگ موجود تھا جسے میں بھول ہی گیا تھا ہم تاریک سرنگ میں آگے بڑھتے رہے تقریباً دس پندرہ منٹ بعد اچانک ایک سمت سے روشنی نظر آنے لگی خوشی سے میں مسکرا دیا ہم تیزی سے آگے بڑھے اور جیسے ہی موڑ سے آگے بڑھے حیرت سے ہماری آنکھیں پھیل گئیں سرنگ یہاں کسی ہال کی طرح کشادہ ہو گئی تھی اور روشنی زمین پر بکھرے ہوئے بے شمار پتھروں سے پھوٹ رہی تھی۔ اور یہ پتھر جیسا ہیرے تھے ہم دونوں مبہوت

کھڑے اس ہیرے کی کان کو دیکھ رہے تھے۔ لیکن یہاں رکنا خطرناک تھا۔ میں نے تھوڑے سے پتھر اٹھا کر رانے کے بیگ میں ڈال لئے اور پھر آگے بڑھنے لگے۔ سرنگ اب اوپر کو جا رہی تھی۔ چڑھائی دشوار گزار تھی اریشیا کی وجہ سے ہم آہستہ چل رہے تھے۔ لیکن تھوڑی ہی دور جا کر جب سرنگ مڑی تو ہمیں روشنی نظر آنے لگی۔

ہم گھنی جھاڑیوں کے درمیان درختوں کے جھنڈ میں نکلے تھے جہاں رانے کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ اریشیا کو باہر نکال کر میں نے سرنگ کے دہانے پر نظر ڈالی اور دم بخود رہ گیا۔ وہاں مجھے پہلی بار شیپالیہ کا وہ پودا نظر آیا جس کے لئے ملک چوپڑا اور رانے اپنی جانیں گنوا چکے تھے اور شیپالیہ کے پودے سرنگ کے اندر تک چلے گئے تھے۔ میں خوشی سے بے قابو ہو کر آگے بڑھا لیکن اریشیا نے میرا بازو پکڑ لیا۔

''یہ...... یہ...... شیپالیہ کا پودا ہے۔'' میں نے جوشِ مسرت سے اسے چیخ کر بتلایا۔

''ہاں..... میں نے دیکھ لیا ہے۔ صفدر...... لیکن خدا کے لئے اسے ہاتھ نہ لگانا'' اس نے کہا ''یہ خونی ہے...... اس نے اب تک دو قیمتی جانیں لی ہیں اور اگر تم اسے لے کر گئے تو جانے کتنے اور خون ہوں گے۔''

''لیکن اریشیا...... یہ کینسر کا علاج ہے۔''

''کچھ پتا نہیں صفدر...... دنیا میں ابھی کتنے کینسر پھیلے ہوئے ہیں۔

ہیں۔ کارلوٹے اور اس کے سنکاری کسی کینسر سے کم نہیں۔ نہیں صفدر پلیز اسے ہاتھ نہ لگانا۔''

رانے مر چکا تھا۔ شیپالیہ اسے موت سے نہیں بچا سکا۔ اریشیا کے لئے یہ پودا ہمیشہ روحانی اذیت کا باعث بنا رہتا۔ اس لئے میں واپس آ گیا اور اسی لمحے بارش کا پہلا قطرہ میرے اوپر گرا۔ کالے سیاہ بادل اتنی خاموشی سے پھیل گئے تھے جیسے وہ بھی غیظ و غضب میں بھرے ہوئے ہوں سنکاری طوفان کے تیور دیکھ کر بھاگ چکے تھے۔ ہم نے تیزی کے ساتھ پہاڑ سے نیچے اترنا شروع کر دیا۔ جھیل کے کنارے بالکل سناٹا تھا پھر بھی ہم نے احتیاط سے کام لیا۔ جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ سنکاری فرار ہو چکے ہیں ہمیں اپنی کشتی تلاش کرنے میں دشواری نہ ہوئی جلد ہی ہم دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔

مکان کی جگہ اب راکھ کا ڈھیر تھا جس میں اب بھی کہیں کہیں دھواں اٹھ رہا تھا۔ میری کار بھی جلی ہوئی پڑی تھی واپسی کا راستہ بند ہو چکا تھا اور اتنا طویل سفر ہم پیدل نہیں کر سکتے تھے۔ اریشیا نے مجھے بے بسی کے عالم میں دیکھا۔

''اب کیا ہو گا۔ صفدر؟''

میرے پاس بھی اس کا کوئی جواب نہ تھا اور پھر میری نظر کیلوں کے جھنڈ کی سمت گئی میں خوشی سے اچھل پڑا اریشیا مجھے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ لیکن میں اسے وہیں چھوڑ کر کیلوں کے جھنڈ کی طرف بھاگا۔ میرے رکھے ہوئے پتے خشک ہو گئے تھے۔ لیکن رانے کی کار سلامت تھی

ہم بلاتاخیر روانہ ہو گئے۔ پل سے آگے بڑھتے ہی ہمیں سڑک پر پڑی لاشوں کے گرد منڈلاتے ہوئے گدھ نظر آئے چینس کی آبادی راکھ کا ڈھیر ہو چکی تھی ننھے بچے عریاں عورتیں۔ جوان اور بوڑھے مرد کسی پر رحم نہ کھایا تھا۔ ایسا لگتا تھا کہ ہم میدانِ جنگ سے گزر رہے ہیں گھٹن سے دم گھٹ رہا تھا۔ چرچ کی عمارت بھی ملبے کا ڈھیر ہو چکی تھی ہم نے آبادی سے دور جا کر ہی سانس لی۔ ہم کو اب تک کے واقعات نے اتنا

نڈھال کر دیا تھا کہ راستے میں زیادہ گفتگو بھی نہ کر سکے۔ اور رات کے تین بجے جب ہم اس ڈھال سے اتر رہے تھے۔ جس کے آخر میں چینس سے آنے والی روڈ ٹوانہ جانے والی روڈ سے ملتی تھی تو ہمیں پہلے ٹرک کی پچھلی روشنی نظر آئی میں نے پھرتی سے کار روک دی۔ لیکن سنکاری فوجیوں کے ٹرکوں کا قافلہ رکے بغیر آگے بڑھتا رہا وہ اطمینان سے سفر کر رہے تھے کہ ہماری کار کی روشنی نہ دیکھ سکے۔

تقریباً نصف گھنٹے بعد ہم ٹوانہ جانے والی روڈ پر سفر کر رہے تھے۔ کچھ پتا نہیں اس راستے کے حالات کیا ہیں؟'' اریشیا نے کہا'' کیوں نہ ہم صبح کا انتظار کر لیں۔''

''میں خود یہی سوچ رہا تھا۔'' میں نے کہا۔

اگر سنکاریوں نے اس راستے پر قبضہ کر رکھا ہے تو تاریکی میں ہم پھنس جائیں گے۔''

''ہم نے کچھ دور جا کر کار کو سڑک سے نیچے اتار لیا اور سڑک سے کچھ فاصلے پر گھنے درختوں کے درمیان رک گئے میں سر ٹکاتے ہی بے خبر سو گیا اور اس وقت بے دار ہوا جب اریشیا نے مجھے جھنجھوڑا۔ صبح کا اجالا پھیل رہا تھا ہم فوراً اپنے سفر پر روانہ ہو گئے چند میل جانے کے بعد جب ہم ایک پہاڑی سے اتر کر مڑے تو کچھ فاصلے پر سڑک کے درمیان رکاوٹ نظر آئی کسی نے درخت کاٹ کر سڑک کے درمیان ڈال دیے تھے خطرے کی بو سونگھتے ہی میں نے کار کا رخ موڑا اور ناہموار سطح پر نشیبی حصے کا رخ کیا جہاں گھنا جنگل تھا۔

''اب کیا ہو گا'' اریشیا نے گھبرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''فکر نہ کرو۔ شکر ہے کہ ہم نے بروقت رکاوٹ دیکھ لی۔''

میں نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''تم کار میں ٹھہرو میں ذرا آگے بڑھ کر دیکھتا ہوں۔''

''صفدر......'' اریشیا نے میرا بازو پکڑ لیا'' اسٹین گن لیتے جاؤ۔''

''نہیں اریشیا...... اگر سڑک سنکاری فوجیوں کے قبضے میں ہے تو مقابلہ کرنا حماقت ہو گی۔ کوئی اور ترکیب سوچیں گے۔''

''لیکن تم خطرہ مول نہ لینا بے دھڑک فائر کرنا۔''

میں سڑک کے بجائے پہاڑی کی ڈھلوان کی جانب سے درختوں کی آڑ لیتا ہوا نیچے اترنے لگا پہاڑی کے عین نیچے مجھے ایک چھوٹا سا بنگلا نظر آیا جس کی چھت ٹین کی بنی ہوئی تھی ہر سمت سناٹا طاری تھا۔ مجھے کہیں سنکاری فوجی یا ان کی گاڑیاں نظر نہیں آئیں۔ بنگلے کے عقب میں چھوٹا سا باغیچہ تھا بنگلہ عین اس جگہ واقع تھا جہاں سڑک پہاڑی سے اتر کر مڑتی تھی دور ایک پہاڑ کے نیچے مجھے بہت سی جھونپڑیاں نظر آ رہی تھیں جن کے سامنے ٹریکٹر اور کرین کھڑے تھے لیکن سنکاریوں کا کہیں نام و نشان نہیں تھا۔

ایسا لگتا تھا کہ ہمارے اندیشے بے بنیاد تھے یہ بھی احتیاط لازمی تھی۔ بنگلے میں بھی زندگی کے کوئی آثار نہ تھے میں دبے پاؤں باغیچے سے ہوتا ہوا عقبی دروازے تک پہنچا دروازہ کھلا ہوا تھا لیکن ایک کمرا تاریک تھا چند لمحے کے پس و پیش کے بعد میں اندر داخل ہوا اور تب میں نے دائیں کمرے سے آتی ہوئی روشنی دیکھی میں فوراً رک گیا اندر کوئی باتیں کر رہا تھا'' تعجب ہے وہ اب تک نہیں پہنچے'' ایک بھاری آواز سنائی دی۔

''ممکن ہے راستے میں کہیں رک گیا ہو'' دوسرے نے جواب دیا۔

میں دبے پاؤں اس دروازے کی سمت بڑھا ۔ جدھر سے آواز آ رہی تھی لیکن تاریکی میں سامنے رکھی ہوئی تپائی سے ٹکرایا اس سے پہلے کہ میں سنبھلتا دروازہ جھٹکے کے ساتھ کھلا لیمپ کی روشنی میں ایک شخص مجھے ریوالور کی زد میں لئے کھڑا تھا میں نے اسے غور سے دیکھا لیکن وہ میرے لئے اجنبی تھا ''میری گاڑی خراب ہوگئی ہے اور میں......''

''اندر آجاؤ ۔ مسٹر صفدر! '' اجنبی نے مسکراتے ہوئے کہا ۔

''ہم کل سے تمہارا انتظار کر رہے ہیں ۔''

کمرے میں داخل ہوتے ہی میں چونک پڑا فادر لوئیس ڈی سوزا مسکرا رہے تھے ۔

''فادر آپ...... آپ زندہ ہیں ۔'' میں نے خوش ہو کر کہا ۔

''ان کو میرے متعلق غلط فہمی ہوئی ہے'' میں نے اجنبی کی سمت دیکھ کر کہا ۔

''نہیں صفدر...... ہملٹ کو کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی'' فادر نے کہا ۔

''میرا خیال تھا کہ تم ڈاکٹر رائے کو واپس جانے پر رضامند کر لو گے'' یا پھر کارلو ۔ نے اور سنکاری تم سب کو ٹھکانے لگا دیں گے میں حیرت سے فادر کی طرف دیکھ رہا تھا لیکن اب وہ بالکل مختلف نظر آ رہا تھا آنکھوں میں نرمی کے بجائے سفاکی جھلک رہی تھی ۔

''فادر......'' میں نے کہا ۔

''آپ بھی کارلو نے کے گروہ میں شامل تھے؟''

''تم ایریشیا کو لے کر آؤ'' فادر نے ہملٹ سے کہا ''اور یہ ریوالور مجھ کو دے دو'' احتیاطاً انہوں نے میری طرف دیکھا ۔

''کار کہاں ہے ۔''

میں نے دانستہ جھوٹ بولا ۔ ''رکاوٹ سے کچھ پہلے''

ہملٹ چلا گیا اب فادر اور میں تنہا تھے انہوں نے مجھے بیٹھ جانے کا اشارہ کیا ۔

''نہیں مسٹر صفدر میں کارلو نے کے گروہ میں شامل نہیں ہوں'' انہوں نے کہا ۔

''اس نے بغاوت کر کے ہمارے منصوبے کو خطرے میں ڈال دیا تھا موگابے نے مجھے رات اطلاع دی کہ وہ ہلاک ہو گیا ہے یہ سچ ہے؟''

''ہاں فادر! یہ سچ ہے ہم بمشکل جان بچا کر نکل سکے ہیں لیکن میں حیران ہوں کہ آپ کا رویہ کیوں بدل گیا؟'' میں نے ریوالور کی سمت اشارہ کیا ۔

''میرا خیال ہے بتانے میں کوئی حرج نہیں'' انہوں نے جواب دیا ۔

''کیونکہ یہ راز تمہارے ساتھ دفن ہو جائے گا کوہ شیپالیہ پر ہیروں کی ایک بہت بڑی کان ہے اور ہملٹ نے یورینیم کا بہت بڑا ذخیرہ ان پہاڑوں میں دریافت کیا ہے'' انہوں نے کھڑکی سے باہر اشارہ کیا ۔

''اس ملک کی آزادی سے پہلے ہم نے یہ راز معلوم کر لیا تھا ۔ نئی حکومت ہمارے آدمیوں پر مشتمل ہوتی لیکن بچارلو نے نے اچانک صورتحال بدل دی یہ راز سب سے پہلے ڈاکٹر چوپڑا کو معلوم ہو گیا تھا ۔ لیکن ہم نے

اسے بڑی خوبصورتی سے قتل کر دیا پھر تمہارے دوست رائے کو شیپالیہ کا جنون سوار ہوا مجھے خدشہ تھا کہ ممکن ہے چوپڑا نے اسے سب کچھ بتا دیا ہو ۔ اس لئے جب تم نے بتلایا کہ تم اسے واپس لے جانے کے لئے آئے ہو تو ہم نے تمہاری ہر ممکن مدد کی لیکن تم نے منافقت کا ثبوت دیا کیا یہ سچ ہے کہ تم نے ہیروں کا راز معلوم کر لیا ہے ۔''

''ہاں...... یہ سچ ہے لیکن یہ شیپالیہ کی کیا کہانی ہے کیا محض ایک فریب تھی؟''

''نہیں...... ڈاکٹر کا کہنا صحیح ہے کہ شیپالیہ واقعی کینسر کا علاج ہے'' فادر نے کہا ''ہیروں کی کان کا علم صرف اس ڈاکٹر کو تھا یا پھر ہمیں کیونکہ ہم نے اس سے بہت سے قیمتی ہیرے خریدے تھے میں نے دانستہ شیپالیہ کی دریافت کو راز رکھا اور اسے چھپنے نہیں دیا لیکن اس بدبخت چوپڑا نے یہ بات تمہارے دوست رائے کو لکھ دی ہمیں ڈر تھا کہ کہیں شیپالیہ کی تلاش کرتے ہوئے رائے اس راز سے واقف نہ ہو جائے اس لئے ہم نے اسے باز رکھنے کی کوشش کی ۔''

''فادر...... شاید تم کو یہ معلوم نہیں کہ رائے بھی کینسر کا مریض تھا ۔''

فادر چند لمحے تک مجھے حیرت سے دیکھتا رہا ۔ ''اوہ...... تو اس لئے وہ شیپالیہ کی تلاش میں دیوانہ تھا''

''ہاں وہ مر چکا ہے...... اور ہمیں نہ ہیروں سے دلچسپی ہے اور نہ یورینیم سے اس لئے......''

''نہیں صفدر شاہ'' انہوں نے جنونی انداز میں کہا ۔ ''ہم اس راز کے باہر جانے کا خطرہ اب مول نہیں لے سکتے ۔ اب حکومت سنگیمانی کے ہاتھ میں ہے اگر یہ خبر باہر کی دنیا تک چلی گئی تو سلطنت کا یہ حصہ دشمنوں کے ہاتھوں میں چلا جائے گا کیونکہ قسطنطنیہ ہم سے بہت قریب ہے اور ابھی ہمارے پاس مقابلے کے لئے نہ فوجی قوت ہے نہ مضبوط حکومت ۔''

''اس کا مطلب ہے آپ ہمیں یہاں سے باہر نہیں جانے دیں گے''

''اس کا مطلب بہت جلد تمہاری سمجھ میں آجائے گا'' انہوں نے شیطانی مسکراہٹ کے ساتھ کہا ''ہملٹ نے بہت دیر لگا دی ۔''

میں نے فادر کی نیت کو سمجھنے میں دیر نہ لگائی تھی ہمارے درمیان بہت تھوڑا سا فاصلہ تھا میں جست لگا کر اسے قابو کرنے کی بات سوچ ہی رہا تھا کہ باہر سے آہٹ سنائی دی ۔ فادر چونک اٹھا ۔

''خبردار ذرا بھی حرکت کی تو انجام کے ذمہ دار خود ہو گے'' انہوں نے ریوالور تان کر کہا ۔

اسی لمحے دروازہ کھلا اور ہملٹ اندر داخل ہوا ''لڑکی کار میں نہیں ہے'' اس نے غصے سے کہا ''اس نے ہم سے جھوٹ بولا تھا ۔ کار بھی اس نے ڈھلوان پر چھپا کر رکھی تھی'' فادر ڈی سوزا نے خونخوار نگاہوں سے میری سمت دیکھا ۔

''ایریشیا نے میرے ساتھ آنے سے انکار کر دیا'' میں نے دانستہ جھوٹ بولا ''وہ قیس میں رہے گی''

فادر اور ہملٹ مجھے گھورتے رہے پھر فادر نے ریوالور ہملٹ کو دے دیا ۔

''اسے باہر لے چلو یہاں مناسب نہیں ہے لاش کو کار میں ڈال کر جلا دیں گے تاکہ سنکاریوں کا کام معلوم ہو ۔''

ہم عقبی دروازے سے باہر نکلے میں جانتا تھا کہ کسی بھی پل پشت میں گولی پیوست ہو سکتی ہے

لیکن شاید وہ مجھے کار تک لے جا کر ختم کرنا چاہتے تھے تاکہ لاش اٹھانے کی زحمت نہ ہو ہم ذرا دیر بعد اس جھنڈ میں داخل ہوئے جہاں کار کھڑی تھی موت مجھ سے بہت ہی قریب تھی۔

''اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو.....'' اچانک ایک آواز سنائی دی۔

''ریوالور نیچے گرا دو'' ایرشیا کا لہجہ تحکمانہ تھا۔

لیکن حملہ نے بجلی کی سی پھرتی کے ساتھ گھوم کر فائر کیا' میں زمین پر لیٹ گیا اور دوسرے ہی لمحے فضا اسٹین گن کی آواز سے گونج اٹھی۔

''صفدر شاہ نے ایک گہری سانس لی اور خاموش ہو گیا۔

''پھر کیا ہوا صفدر شاہ؟''

''ایرشیا نے لوگوں کو ٹھکانے لگا دیا دوسرے معاملات بھی ٹھیک ہو گئے اور ہم نے یہ گھر بسا لیا'' صفدر شاہ مسکرا کر خاموش ہو گیا۔

''او کے صفدر شاہ......اب تم ہمارے لئے کام کرو اس خوبصورت زندگی کی مبارکباد جو تم اپنی محبوبہ کے ساتھ گزار رہے ہو۔''

''شکریہ...... جو وعدہ میں نے آپ سے کیا ہے میڈم' وہ میں ضرور پورا کروں گا''

سب کچھ ہو رہا تھا' لیکن کامران الجھا ہوا تھا سفر کا آغاز ہو گیا۔ کامران نے اکتائے ہوئے سے انداز میں کہا۔

''اب ہم کہاں جا رہے ہیں اینہ سلفا...... میرے خیال میں تمہیں مجھے بتانا چاہیے میں اب کرنل گل نواز کے پاس جانا چاہتا ہوں۔''

''وہیں جا رہے ہیں ہم لوگ۔''

''کب تک پہنچ جائیں گے اور کیا تمہیں یہاں سے وہاں تک جانے کا سیدھا راستہ معلوم ہے۔''

''مجھے بھی نہیں۔''

''میرا مطلب ہے جس راستے پر ہم سفر کر رہے ہیں وہ راستہ سیدھا وہاں تک جاتا ہے۔''

''تمہارا لہجہ بہت خراب ہے کامران'' اینہ سلفا نے کہا۔ اور کامران چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولا۔

''بات یہ ہے اینہ سلفا کہ کرنل گل نواز کے ہاں بھی میں بہت محتاط رہتا تھا تمہیں خود بھی اندازہ ہو گیا ہو گا جو ذمے داریاں مجھے دی گئی تھیں میں انہیں پورا کرتا تھا اور وہاں کے لوگ میری عزت کرتے تھے۔ اینہ سلفا کسی بھی طرح میں کسی مجبور حیثیت کا حامل نہیں ہوں تم بے شک...... میں تسلیم کرتا ہوں کہ تاریخ کا ایک کردار ہو اور تمہارے نام کے ساتھ بہت سی کہانیاں وابستہ ہیں لیکن مجھ پر کیا فرق پڑتا ہے میں تو ایک سیدھا سادا انسان ہوں میرا کسی سے کوئی رومان نہیں اور نہ ہی تم سے بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ تمہاری جو حاکمانہ فطرت ہے وہ مناسب نہیں۔ بے خاص طور سے میرے لئے۔''

''تمہارے لئے تو کسی بھی طور مناسب نہیں ہے کامران کیونکہ تم الگ چیز ہو تم مختلف انسان ہو

بے شک میں تمہیں تاریخ کے ایک کردار کا ہم شکل کہہ چکی ہوں لیکن کون جانے کہ تمہارے ہم شکل ہونے کی وجہ کیا ہے۔ یہ تو آنے والا وقت ہی بتا سکتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کامران کہ تم میرے حسن سے متاثر نہیں ہوئے ورنہ میں جسے چاہوں اسے اپنا دیوانہ بنا سکتی ہوں۔''

''کرنل گل نواز کی حویلی میں تو مجھے کوئی دیوانہ نظر نہیں آیا۔''

کامران نے پر مذاق لہجے میں کہا۔

''میں نے کہا نا کہ میں جسے چاہوں۔''

''اچھا چلو ٹھیک ہے لیکن میں تم سے تعاون نہیں کرنا چاہتا اور اس بات کے امکانات بھی ہیں کہ کسی بھی لمحے میں تم سے الگ ہو جاؤں سمجھ رہی ہو نا میری بات۔'' اینہ سلفا کے چہرے پر گہری سنجیدگی پھیل گئی اور اس نے کہا۔ ''ایسی حماقت کبھی مت کرنا بڑی مشکل میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ اصل میں بدنصیبی یہ ہے کہ ہم سب ایک تاریخی حادثے کا شکار ہوئے ہیں اور یہ تاریخی حادثہ بڑی عجیب نوعیت کا حامل ہے یہ تاریخی حادثہ اینہ سلفا کسی خیال میں کھو گئی اور کچھ لمحوں کے بعد یوں محسوس ہوا جیسے وہ ماحول ہی سے بے خبر ہو گئی ہو۔ پھر وہ بغیر کسی مقصد کے وہاں سے چلی گئی اور کامران ان لوگوں کے ساتھ آ بیٹھا سلازار نے اسے دیکھا اور بولا۔

''یہ راستہ بلند بھونگاری کی طرف جاتا ہے۔ بھونگاری ان علاقوں کا ایک اچھا خاصا شہر ہے اور وہاں جدید ترین انتظامات ہیں میرا خیال ہے ہم لوگ بھونگاری کی طرف ہی سفر کر رہے ہیں۔''

''میں نہیں جانتا۔'' کامران نے جواب دیا۔ لیکن بوڑھے سلازار کا کہنا ٹھیک ہی تھا اینہ سلفا نے بھی بعد میں یہی بتایا کہ ان کا رخ بھونگاری کی طرف ہے ہو سکتا ہے وہاں کرنل گل نواز وغیرہ سے بھی ملاقات ہو جائے بھونگاری کے راستے کا صحیح نقشہ اور وہاں...... کے سفر کے دشوار گزار مرحلوں کے بارے میں ساری تفصیلات معلوم ہو گئی تھیں اور آگے کا سفر ابھی جاری تھا اندازہ تھا کہ تقریباً پینتالیس منٹ کا سفر کرنا ہے بہرحال سفر جاری ہو گیا دوران سفر بے شمار دلچسپ واقعات پیش آئے اور اس کے بعد بھونگاری کے آثار نظر آنے لگے یہ شہر کسی قدر ڈھلوان نما آباد ہے انہوں نے اونچے اونچے بانسوں کے ایک احاطے کو دیکھا جہاں سورج چاند اور آگ کی علامتیں آویزاں تھیں پھڑ پھڑاتے ہوئے سفید عباداتی جھنڈوں کے درمیان خچر گھاس چر رہے تھے نیچے جانے کا راستہ آلوؤں کی بیلوں اور سیاہ گندم کی کھیتیوں سے گزرتا تھا۔ شہری آبادی کی ابتدا میں ایک جھونپڑی کے چھجے تلے نیلے سنہری سبز اور سرخ رنگ میں مہاتما بدھ کے سات مجسمے نصب تھے جو شاکیہ منی کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کرتے تھے یہ لوگ ان راستوں سے گزر کر نیچے آ کر وادی میں داخل ہو گئے آبادی کے مکانات پتھر کے بنے ہوئے تھے ہر عمارت کئی منزلہ قلعے کی مانند تھی لیکن اس کے باوجود اس جگہ کی پراسرار دلکشی نے ذہن کو خود میں الجھا کر ساری تھکن دور کر دی تھی خاص طور سے شاہیری تو بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ اس نے کہا۔

''اب جس قدر ممکن ہو سکے کسی جگہ قیام کا بندوبست کر لیا جائے۔ ویسے میرا خیال ہے کہ ہوٹل وغیرہ کی گنجائش تو یہاں کم ہی ہو گی۔ بلکہ ممکن ہے اس کا وجود ہی نہ ہو لیکن ہمیں کوئی ایسی جگہ ضرور مل جائے گی۔ جہاں خیمے لگائے جا سکیں بہرحال پہاڑوں کے دامن میں خچر روک دیے گئے یہ جگہ عام آبادی سے دور

تھی یہاں خیمے نہیں لگائے گئے بلکہ بس عارضی قیام گاہ بنالی گئی۔

شاہیری نے نشینہ کو ساتھ لیا اور کامران سے بولا۔

"آؤ ذرا تھوڑی سی معلومات حاصل کریں" سب لوگ چل پڑے سلازار کو وہیں چھوڑ دیا گیا تھا اور اسے کہا گیا تھا کہ جلد واپسی ہوگی اینہ سلفا اپنے طور پر سیر گشت کے لئے نکل گئی تھی اس کے انداز سے تو یوں لگتا تھا جیسے اسے کسی چیز کی پرواہی نہ ہو۔ بہرحال ایک شخص ملا اس سے معلومات کیں تو اس نے بتایا۔

"آپ ہر جگہ خیمے نہیں لگا سکتے اس طرف کیمپنگ ہے اور سیاحوں کے لئے کافی سہولت ہے پانی کا سرکاری انتظام بھی ہوتا ہے اور باقی ساری چیزیں بھی وہاں سستے داموں مل جاتی ہیں آپ ادھر چلے جائیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔"

"ٹھیک ہے راستہ کس طرف ہے" کامران نے پوچھا۔

"وہ ادھر جو اونچی پہاڑی نظر آرہی ہے بس اس کے پیچھے کیمپنگ ہے" اس شخص نے اشارہ کیا اور شاہیری فوراً ہی بولا۔

"واقعی ایسی جگہ تو اچھی ہی ہو سکتی ہے ہمارے لئے چلیں وہاں اپنے لئے مناسب جگہ تلاش کریں اس کے بعد آرام سے بیٹھیں گے کیمپنگ تک پہنچنے میں پورا ایک گھنٹہ صرف ہوا شام جو جھک آئی تھی کیمپ لگاتے لگاتے رات ہوگئی اور پھر کامران نے وہاں کے حالات کا جائزہ لیا نشہ آور ادویات کے عادی بگڑے ہوئے لوگ جو ہپی کہلاتے ہیں یہاں کافی تعداد میں موجود تھے یہ لوگ چرس اور گانجے کے نشے میں ڈوبے ہوئے تھے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں لباس کی ترتیب سے بے نیاز جگہ جگہ ڈیرے جمائے ہوئے تھے کچھ باقاعدہ خیمے بھی جگہ جگہ لگے ہوئے تھے اور یہاں واقعی کھانے پینے کی تمام اشیاء موجود تھیں۔ آوازیں بھی لگائی جارہی تھیں۔ جنہیں، دکان داروں کی مصروفیت کے علاوہ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ کیونکہ ان آوازوں کو سمجھنے والے اکا دکا ہی لوگ ہوں گے ویسے یہ علاقہ ہمالیہ کے دامن میں روایتی حسن کی مثال تھا بہت دور ایک آبشار کی سفیدی متحرک نظر آرہی تھی جس سے بننے والی ندی کیمپنگ کے پاس سے گزرتی تھی شاید ان لوگوں کو گائیڈ کرنے والے شخص نے پانی کے انتظام کا اشارہ اس ندی کی سمت کیا تھا۔ بہرحال شاہیری نے ایک جگہ منتخب کرلی کھانے پینے کی صاف ستھری اشیا کی خریداری کی گئی اور اس کے بعد شاہیری' سلازار اور اینہ سلفا کو اطلاع دینے چلا گیا۔ دونوں بھی بڑی سادگی کے ساتھ یہاں آگئے تھے بہرحال خاصی تفریح محسوس ہورہی تھی یہاں اور پھر تھوڑی دیر بعد اینہ سلفا کامران کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

"کیا سوچ رہے ہو کامران۔"

"یہ سوچ رہا ہوں کہ کیا کرنل قلب نواز وغیرہ ادھر آسکے ہیں"

"ہاں ان کا رخ اسی جانب ہے ہوسکتا ہے کل وہ لوگ تمہیں مل جائیں۔"

"کیا اس بات کے بھی امکانات ہیں کہ ایسا نہ ہو۔"

"ہاں ہے۔"

"ٹھیک۔" کامران نے کہا اور اینہ سلفا مسکراتی ہوئی نگاہوں سے ان مست لوگوں کو دیکھنے لگی

جن کی زندگی نشہ آور ادویات کے علاوہ کچھ نہیں تھی فضا میں چرس کی بو پھیلی ہوئی تھی" ہرے کرشنا ہرے راما" کا ورد ہورہا تھا ایک انوکھی دنیا آباد تھی یہاں کی پراسرار روایات بڑی دل کش تھیں کامران نے محسوس کیا کہ اینہ سلفا خاص طور پر اس پر نگاہ رکھ رہی ہے یہ رات گزری دوسرے دن کا آغاز ہوا اور یہ دن بھی آوارہ گردی ہی میں گزرا شام چھ بجے کے قریب سلازار بہت خوش تھا اس نے کہا۔

"نہ جانے کیوں یہاں آکر مجھے لگ رہا ہے کہ میں کوئی کارنامہ سرانجام دے لوں گا۔ ویسے کیا تم بتا سکتے ہو میرے دوست، کہ وہ عورت کہاں گئی؟"

"کون عورت؟"

"وہی جو اپنے آپ کو ہمارا مالک سمجھتی ہے۔ حالانکہ ایسی بات نہیں ہے البتہ میں تم سے یہ ضرور پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا تم اسے بہت بڑی حیثیت دیتے ہو" کامران نے ایک گہری سانس لی۔ سلازار کی بات کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ سلازار کچھ دیر انتظار کرتا رہا۔ پھر بولا۔

"میرا اندازہ ہے کہ اس بارے میں تم کوئی جواب نہیں دینا چاہتے۔"

"اور بات ایسی اہم بھی نہیں ہے کہ میں اس کا جواب دوں۔" کامران نے گول مول لہجہ میں کہا۔

"ٹھیک ہے تمہیں مجبور کرنے کا تو کوئی تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اصل میں مجھے ذرا جانا ہے شاہیری تم میرے ساتھ چلو گے نشینہ کیا تم اس نوجوان کے ساتھ وقت گزار سکتی ہو۔"

"ہاں کیا حرج ہے اس کے بارے میں آپ بھی جانتے ہیں اور میں بھی" کامران خاموش ہوگیا تھا معمول کے مطابق اینہ سلفا اپنے کسی کام سے چلی گئی تھی اور اس وقت وہ یہاں موجود نہیں تھی سلازار شاہیری کے ساتھ چلا گیا تو نشینہ نے مسکرا کر کامران کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"رہ گئے ہم تم۔"

"ہاں"

"آؤ ہم بھی کہیں گھومنے چلیں۔"

"مرضی ہے" کامران نے شانے ہلاتے ہوئے کہا۔ اور وہ دونوں آہستہ آہستہ آگے بڑھ گئے نشینہ نے کہا۔ "اس طرف چلتے ہیں" جس طرف سے اس نے اشارہ کیا تھا ادھر سدھارت بونگ کے پاس ایک جگہ سنسان تھی کامران خاموشی سے اس کے ساتھ چل پڑا اطراف کے مناظر نمایاں تھے بائیں سمت لکڑی کا بنا ہوا ایک مکان تھا جس کا نچلا حصہ بھیڑ بکریوں اور دوسرے مویشیوں کا اصطبل تھا لکڑی کی سیڑھی بالائی منزل تک جاتی تھی سامنے ہی ایک قد آور کتا بندھا ہوا تھا دوسرے چھوٹے جانور بالائی منزل پر کھونٹوں کے ساتھ ہی قیام پذیر تھے پیچھے کے بانسوں پر جانوروں کے سینگ تر نصب تھے جن کے ساتھ بھیڑ کی کھالیں تھیں اور خشک گوشت کے ٹکڑے لٹک رہے تھے سدھارت بونگ مہاتما بدھ کے بڑے قدیم اور بوسیدہ مجسمے کو کہا جاتا ہے جو دریائے بھیڑی کے کنارے تھا یہ دونوں تختہ نما کھیتوں میں سے ہوتے ہوئے اس سمت جارہے تھے کھیتوں میں جار مختلف اقسام کے پودے لہرا رہے تھے بیچ میں پچلیاں اور لوکی کی بیلیں پھیلی ہوئی تھیں دریا کے نزدیک ہمالیائی لنگوروں کا ایک گروہ سرخ جوار کے کھیتوں کو تباہ کررہا تھا چھوٹے چھوٹے بچے ماؤں کی

گربنوں سے لپٹے ہوئے تھے مہاتما بدھ کے مجسمے کی بائیں سمت ایک خوبصورت سی جگہ نشینہ کامران کے ساتھ جا بیٹھی وہ عجیب سی کیفیت کا شکار تھی کامران نے محسوس کیا کہ وہ اسے گہری نگاہوں سے دیکھ رہی ہے کامران نے چونک کر اسے دیکھا شاہیری سے نشینہ کا گہرا رشتہ تھا لیکن اس وقت نشینہ کی آنکھوں میں اسے جو کچھ محسوس ہو رہا تھا وہ بالکل ہی عجیب تھا۔ اس نے کہا۔

''مسٹر کامران میں بھٹک رہی ہوں۔'' کامران نے اسے چونک کر دیکھا پھر بولا۔

''میں سمجھا نہیں۔''

''شاہیری میرا منگیتر ہی نہیں میری زندگی کا مالک ہے میں اسے بہت چاہتی ہوں لیکن نہ جانے کیوں کامران رات کی تاریکیوں میں جب میری آنکھیں بند ہوتی ہیں تو تمہارا سایہ مجھ پر مسلط ہو جاتا ہے میں محسوس کرتی ہوں کہ میں شاہیری سے باغی ہوتی جا رہی ہوں۔''

''نہیں نشینہ یہ الفاظ کہہ کر عورت کے وقار کو پامال مت کرو یہ بہت بری بات ہے میں تو تم دونوں کی محبت کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں'' نشینہ نے آنکھیں بند کر لیں اور منہ اٹھا کر گہری گہری سانسیں لینے لگی پھر بولی۔

''ہاں مجھے احساس ہے میری سوچ بڑی احمقانہ ہوتی جا رہی ہے لیکن بس دیوانگی ہے میری اور میں پاگلوں کی طرح سوچنے لگی ہوں حالانکہ ایسا ہوگا نہیں لیکن پھر بھی......'' جیسے وہ خود سے مخاطب تھی پھر اس نے ایک دم گردن جھٹکتے ہوئے کہا۔

''تم یقین کرو یہ ایک عجیب و غریب احساس ہے جو خود مجھے ناپسند ہے آؤ انھیں یہاں سے ویسے بھونگاری بڑی عمدہ جگہ ہے اس کے بارے میں بڑی تفصیلات سن چکی ہوں آؤ دیکھیں بھونگاری میں بڑی عبادت گاہ بھی زیادہ دور نہیں ہے اور یہ عبادت کا وقت بھی ہے کامران اس کے ساتھ چل پڑا کیمپنگ سے تقریباً ایک میل آگے جا کر راستہ تین سمتوں کو جڑ جاتا تھا' بائیں سمت کے آخری راستے پر گہرے ڈھلان پھیلے ہوئے تھے اور ایک عظیم خانقاہ نظر آ رہی تھی یہاں لوگ سرخ توبوں میں ملبوس اس خانقاہ کی طرف جاتے ہوئے نظر آ رہے تھے اور انھوں نے قطاریں بنائی ہوئی تھیں خانقاہ تک پہنچنے کا راستہ ایک لکڑی کے پل سے گزرتا تھا۔ جو ایک گہری دراڑ میں بنا ہوا تھا۔ پل پر سے گزرتے ہوئے کامران نے دراڑ کی گہرائیوں میں نگاہ ڈالی اور بہت متاثر ہو گیا یہ جگہ بہت گہری تھی نیچے دیکھتے ہوئے بہت خوف آتا تھا۔ نشینہ نے کہا۔

''اس خانقاہ میں دن رات پوجا ہوتی ہے۔ یہ باہر سے آنے والوں کے لئے بہت مقدس ہے کیونکہ یہاں ہمیشہ اتنا ہی مجمع ہوتا ہے تمہارا کیا خیال ہے کامران کیا یہ لوگ بھونگاری کے باشندے ہوں گے۔''

''میں تو یہاں کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا'' کامران نے جواب دیا لکڑی کے پل کو عبور کر کے یہ دونوں دوسری سمت پہنچ گئے۔ بے شمار انسانوں کے ہجوم میں گم ہو گئے تھے۔ خانقاہ کے بلند میناروں کے سنہری کلس روشنی میں جگمگا رہے تھے اور ان کی نوکیں آسمان کو چھوتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔ نشینہ نے کہا۔

''یہ کلس خالص سونے کے ہیں۔''

''مجھے حیرت ہے۔''

''کس بات پر۔''

''تمہیں اس کے بارے میں معلومات کہاں سے حاصل ہوئیں۔''

''بس یہ میرا شوق ہے ویسے یہاں آ کر مجھے پتا نہیں کیوں اتنا لطف آ گیا ہے میں نے اس خانقاہ کو اندر سے بھی دیکھا ہے یہاں اتنا سونا اور جواہرات ہیں کہ اگر یورپ کے ڈاکوؤں کو معلوم ہو جائے تو جان کی بازی لگا دیں۔ میں تو ایک بات کہتی ہوں۔''

''کیا'' کامران دلچسپی سے بولا۔

''جس خزانے کی تلاش میں لوگ سرگرداں ہیں۔ کیا وہ یہاں موجود خزانے سے بڑا ہوگا اگر کسی ترکیب سے یہ خزانہ ہی حاصل کر لیا جائے تو'' کامران مسکرانے لگا'' پھر اس نے کہا۔

''نشینہ ایک بات بتاؤ۔''

''ہاں۔''

''ویسے تو میرے اردگرد پھیلے ہوئے سارے ہی کردار اپنی نوعیت کے عجیب ہیں اگر میں تم سے ایک بات کہوں تو کیا تم میری بات پر یقین کر لوگی۔''

''ہاں کر لوں گی'' نشینہ نے آنکھیں بند کر کے کہا اور کامران چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

''کیوں۔ یہ کیا بات ہوئی میرا تمہارا تعلق ہی کیا ہے تم نے ایک دم یہ الفاظ کہہ دیئے کہ تم میری بات پر یقین کر لوگی۔''

''تعلق ہے کامران۔''

''بس اتنا سا نا کہ میں نے تمہیں۔''

''نہیں پلیز یہ بات مت کہو وہ تو تمہارا بہت بڑا احسان ہے میری ذات پر تم نے مجھ پر اور شاہیری پر بہت بڑا احسان کیا ہے میرے باپ کی زندگی تمہاری ہی مرہون منت ہے۔ لیکن اس اعتماد کی وجہ کچھ اور ہے۔''

''کیا''

''کھل کر کہہ دوں۔''

''اگر مناسب سمجھو۔''

''میں نے تمہیں اپنی کمزوری کے بارے میں بتایا مجھے معاف کرنا بہت کچھ جانتی ہوں بہت سے معاملات کے بارے میں کہتے ہوئے جھجک کا احساس ہو رہا ہے۔ لیکن میں جانتی ہوں کہ عورت کو مرد کی ضرورت ہے۔ تم اگر چاہتے تو میری اس کمزوری سے ناجائز فائدہ اٹھا سکتے تھے لیکن تم نے مجھے صاف گوئی کے ساتھ منع کر دیا یہ بہت بڑی بات ہے کوئی چھوٹی موٹی بات نہیں ہے ایسے لوگوں پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔''

''جو میں تمہیں بتانا چاہتا تھا وہ یہ تھا کہ مجھے نہ اس خزانے سے دلچسپی ہے اور نہ اس خزانے جیسے میرے ایک سرپرست ہیں کرنل گل نواز بڑی عجیب کہانی ہے میری شہری زندگی کا ایک معمولی سا انسان تھا'' تھا'' کا لفظ میں ضرور استعمال کروں گا۔

میری ایک ہی بہن تھی جس کے لئے میں نے اپنی زندگی وقف کر دی تھی دنیا کی روایتوں کے مطابق میں نے اس کی شادی کر دی مگر میرا بہنوئی ایک برا انسان نکلا اور میری بہن کو قتل کر دیا اس نے۔ میں اسے قتل کرنے نکلا تھا کہ راستے میں میرے قدم روک دیے گئے۔ کرنل گل نواز تک پہنچا اور اس کے بعد صرف اس کے لئے کام کرتا ہوں۔ ان وادیوں میں بھٹک آیا نہ مجھے کسی خزانے سے دلچسپی ہے اور نہ میری زندگی میں اس کا کوئی دخل ہے بس سمجھ لو میں......" کامران خاموش ہو گیا۔

نشینہ سحر زدہ سی اس کی داستان سن رہی تھی اس نے کہا۔

"لیکن کامران۔"

"نہیں آؤ پلیز اس موضوع کو چھوڑ دیا جائے میں تمہیں صرف یہ بتانا چاہتا تھا کہ مجھے اس طرح کے خزانوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"ویسے بھی ان خزانوں کا حصول ناممکن ہے لوگ کہتے ہیں کہ مقدس روحیں ان خزانوں کی حفاظت کرتی ہیں یہاں تو خیر انکے بارے میں بڑی کہانیاں مشہور ہیں آؤ آگے بڑھیں" کامران اس کے ساتھ چل پڑا رنگ برنگے جھنڈے جگہ جگہ نظر آ رہے تھے۔ خانقاہ کے بائیں سمت کی وادی میں بہت سے یشور جمع تھے۔ ان سب کے ہاتھوں میں عبادت کے چرخے نظر آ رہے تھے۔

"اندر چلیں۔" نشینہ نے پوچھا۔

"کوئی رکاوٹ تو نہیں ہو گی۔"

"نہیں عبادت گاہ میں داخل ہونے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔"

"بہت بھیڑ ہے یہاں۔" کامران بولا۔

"تو کیا فرق پڑتا ہے اندر کا منظر دیکھیں گے تم یقین کرو تمہیں اسے دیکھ کر بڑی خوشی ہو گی۔"

"تب آؤ۔" کامران نے کہا اندر داخل ہونا واقعی مشکل ہوا تھا اتنے بڑے مجمع کے باوجود یہاں بے حد سکون تھا صرف منتر پڑھنے کی سرگوشیاں سنائی دے رہی تھیں۔ عظیم الشان ہال میں لاتعداد چھوٹے بڑے سونے کے بت استادہ تھے جن کے جسموں میں جگہ جگہ ہیرے جڑے ہوئے تھے ایک پراسراریت پورے ماحول پر چھائی ہوئی تھی دونوں کافی دیر تک اس ماحول سے لطف اندوز ہوتے رہے اور اس کے بعد گھٹن کا احساس کر کے وہاں سے باہر نکل آئے ایک عجیب سی گھٹن دل و دماغ پر طاری ہو گئی تھی۔ کامران نے کہا۔

"معاف کرنا میں نہیں جانتا کہ تمہارا موڈ کیا ہے لیکن میں خیموں میں واپس جانا چاہتا ہوں۔"

"ہاں چلو" نشینہ نے جواب دیا۔

کامران کو یوں محسوس ہوا جیسے نشینہ کسی قدر اداس ہو گئی ہو بہر حال وہ خیموں میں واپس آ گیا۔

شاہیری اور ملازم خیموں میں موجود نہیں تھے نشینہ نے کہا۔

"تم اگر چاہو تو آرام کرو۔" کامران اپنے خیمے میں واپس آ گیا اینہ سلفا ایک پراسرار عورت تھی اس کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ کب؟ کہاں؟ موجود ہے اور کہاں نہیں ہے۔ کامران آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا لیکن اب اس کے ذہن میں شدید بغاوت اٹھ رہی تھی کہ زندگی کا ایک طویل حصہ ان ہنگامہ

آرائیوں میں صرف ہو گیا تھا بالکل بے مقصد آخر اس کی اپنی زندگی کا مقصد کیا تھا؟ وہ کیوں ان علاقوں میں بھٹک رہا ہے؟ اس کا اپنا مفاد ان تمام معاملات سے کیا ہے اور دفعتہً ہی اس کے ذہن میں ایک عجیب سا احساس ابھرا اس نے سوچا کہ انسانوں کے گروہ کے گروہ دولت کے حصول کے لئے زندگی داؤ پر لگائے ہوئے ہیں اور ان علاقوں میں بھٹک رہے ہیں سوائے میرے اپنے...... میں کیوں یہاں موجود رہوں اور لوگوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنا ہوا ہوں میری اپنی بھی تو ایک زندگی ہے اور اب وقت کی شاہراہ مجھے بھی یہاں تک لے آئی ہے تو میں بھی اپنے مستقبل کی فکر کیوں نہ کروں یہ سب خزانوں کی تلاش میں ہیں خزانوں کے حصول کے بعد یہ اپنی حسین زندگی کے خواہش مند ہیں اور میں...... کیوں نہ میں اپنا ذہن اسی طرف مائل کر لوں بہت دیر تک وہ یہ سوچتا رہا۔ دفعتہً ہی خیمے کے باہر کچھ آہٹ سی محسوس ہوئی اور وہ چونک کر اس توقع کے ساتھ دروازے کی جانب دیکھنے لگا کہ کوئی پردہ اٹھا کر اندر داخل ہو تصور اینہ سلفا ہی کا تھا۔ کیونکہ وہی اتنی بے تکلفی کے ساتھ آ سکتی تھی۔

اینہ سلفا تو نہیں آئی لیکن ایک سفید کاغذ کا تہہ کیا ہوا ٹکڑا آ گرا اور کامران پھرتی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا کاغذ کے پرزے کی طرف لپکنے کے بجائے وہ خیمے کا پردہ ہٹا کر باہر نکل آیا اور ادھر ادھر نگاہیں دوڑانے لگا۔ دور دور تک کسی کا وجود نہیں تھا۔ دوسرے خیمے میں نشینہ موجود ہو گی نشینہ کو بھلا پرچہ لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ پھر دیکھوں تو سہی پرچے میں کیا ہے۔ چنانچہ وہ آگے بڑھا اور واپس خیمے میں داخل ہو گیا پھر اس نے وہ پرچہ اٹھایا اور اسے کھولنے لگا۔ پرچے پر بگڑی ہوئی انگریزی میں ایک پیغام لکھا ہوا تھا۔

"مسٹر کامران میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں اور آپ کو یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اب میری اور آپ کی ملاقات بہت ضروری ہے۔ جو جگہ میں آپ کو بتا رہی ہوں اسے ذہن نشین کر لیجئے یہاں ایک جھیل این سن کے نام سے جانی جاتی ہے۔ جھیل این سن کے بائیں جانب ایک خانقاہ بنی ہوئی ہے۔ میں اسی خانقاہ کے نزدیک ٹھیک رات کے دس بجے آپ کا انتظار کروں گی۔ یہاں تک آنے کے لئے آپ کو ایک مخصوص علاقے میں پہنچنا ہو گا۔ جہاں ٹیکسیاں ملتی ہیں۔ آپ ٹیکسی ڈرائیور کو این سن کے بارے میں بتا دیجئے۔ فاصلہ یہاں سے کافی زیادہ ہے تقریباً ایک گھنٹے کا سفر کرنا ہو گا آپ کو اور اس کے بعد این سن سے خانقاہ تک یہ سفر پیدل ہی کرنا ہو گا اور پیدل بھی یہ سفر ڈیڑھ میل سے کم نہیں ہے۔ بے شک آپ کو تکلیف ہو گی لیکن اس تبدیلی کی وجہ میں آپ کو ملاقات ہونے پر ہی بتاؤں گی۔

کامران نے حیرانی سے اس پرچے کو پڑھا۔ اس کے منہ سے آہستہ سے نکلا...... "سیتا۔" اس نے پرزہ مٹھی میں دبا لیا۔ ایک عجیب سے سکون کا احساس ہوا تھا۔ پتا نہیں کیوں وہ گرشک اور سیتا کے لئے پریشان تھا۔ ان دونوں سے ایک پراسرار انسیت محسوس ہوتی تھی.. یہ بڑی حیرت انگیز بات تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اینہ سلفا گرشک اور سیتا کی جانی دشمن ہے اور ایک پراسرار شخصیت کی تلاش میں ہے جس کے ذریعہ ان دونوں کو نقصان پہنچایا جائے۔ بہر حال اس نے پرچے کو پرزے پرزے کر کے مٹھی میں دبا لیا۔ وہ اسے ایسی جگہ پھینکنا چاہتا تھا جہاں وہ کسی کی نگاہوں میں نہ آ سکے۔

چنانچہ وہ باہر نکل آیا اور دیر تک آوارہ گردی کرتا رہا۔ مطلوبہ وقت پر اسے مطلوبہ جگہ پہنچنا تھا اور

ابھی اس میں وقت تھا۔ کاغذ کے پرزے اس نے ایک محفوظ جگہ ڈال دیئے تھے۔ بہت دیر تک وہ گھومتا رہا۔ کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔

پھر اس نے ایک ریستوران کا رخ کیا اور اس میں جا بیٹھا۔

فوراً ہی ویٹر اس کے پاس آ گیا تھا۔ کامران نے اس کو دیکھ کر کہا۔

''کافی ملے گی۔''

''ضرور ملے گی سر۔ اس کے ساتھ روسٹ مچھلی۔'' ویٹر بولا۔

''لے آؤ......'' کامران نے کہا اور ویٹر چلا گیا...... کامران کے سامنے ایک مجہول سا بوڑھا آدمی آ کر بیٹھ گیا تھا۔ بہت ہی دلچسپ سی شخصیت معلوم ہوتی تھی۔ اچانک ہی وہ کامران کی جانب مڑا اور اسے دیکھ کر مسکرانے لگا۔ بالکل ایسا ہی لگا تھا جیسے کسی چوہے نے دانت نکال دیئے ہوں۔ کامران بھی اسے دیکھ کر مسکرانے لگا۔

''مجھے قہوہ پلاؤ گے۔''

''آؤ میری میز پر آ جاؤ'' کامران بولا اور بوڑھا اس کی میز پر آ گیا۔ کامران نے کلائی پر بندھی ہوئی گھڑی میں وقت دیکھا' ابھی خاصا وقت تھا۔''

''میرا نام چوناؤ ہے۔''

''کیا کرتے ہو مسٹر چوناؤ۔''

''جھک مارتا ہوں۔''

''اچھا مشغلہ ہے۔'' کامران نے اس کے لئے قہوہ طلب کر لیا۔ بوڑھا اسے دیکھتا رہا اور قہوے کے گھونٹ لیتا رہا۔ پھر بولا۔

''میں مارشل آرٹ کا ماہر ہوں کیا سمجھے؟'' مارشل آرٹ کے بارے میں جانتے ہو؟''

''کوئی خاص بات نہیں۔''

''راکان ہونزا کا نام سنا ہے کبھی۔'' بوڑھا بولا اور کامران بری طرح اچھل پڑا۔ راکان ہونزا ایک پراسرار اور خطرناک کردار جس کے بارے میں صرف افسانے سنا تھا۔ خود کچھ نہیں جانتا تھا وہ۔

''مارشل آرٹ کا کوئی معروف نام نہیں ہے بیہ۔ اصل میں مارشل آرٹ کو ایک روحانی حیثیت بھی حاصل ہے اور بہت سے خلاقوں میں ایسے تارک الدنیا راہب مل جاتے ہیں جو مارشل آرٹ کے بادشاہ ہوتے ہیں۔ لیکن اپنے اس فن کو وہ صرف اپنی روحانی قوتوں کے لئے استعمال کرتے ہیں اور راکان ہونزا بھی ایک ایسا ہی نام ہے۔''

''کہاں رہتا ہے یہ۔'' کامران نے بڑی ذہانت سے سوال کیا۔ لیکن بوڑھے نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا اور بولا۔

''شاید تمہیں مارشل آرٹ کی تاریخ معلوم نہیں۔ یہ اس سے جسمانی قوتوں کا کوئی تعلق نہیں ہے روحانی اور اس کے بعد دماغی قوتوں کا استعمال ہی مارشل آرٹ کے تمام فنون کی روح ہوتا ہے۔ ہم اپنے بدن کی قوتوں کو طاقت ور بنانے کے لئے روح کو طاقت ور بنانا بے حد ضروری ہوتا ہے۔ مارشل آرٹ کی ہر تعلیم میں خاص طور سے اس بات کی تلقین کی جاتی ہے کہ اپنی روح کو پاکیزہ اور اچھے خیالات کا حامل رکھنا چاہیے چنانچہ ہو سکتا ہے کہ راکان ہونزا بھی کوئی تارک الدنیا راہب ہو بہر حال کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

''اچھا تمہارے اس قہوے کا شکریہ میں چلتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھا اور پاگلوں کی طرح وہاں سے واپس چل دیا۔ پھر کامران بھی تھوڑی دیر کے بعد وہاں سے اٹھ گیا تھا باہر نکل کر وہ یہ جائزہ لیتا رہا کہ اس کے آس پاس کوئی ایسا شخص تو موجود نہیں ہے جو اس کی نگرانی کر رہا ہو اور جب اسے اس بات کا یقین ہو گیا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے تو وہ اس ٹیکسی اسٹینڈ کی طرف چل پڑا جو تھوڑے ہی فاصلے پر تھا۔ آخر اس نے ایک ٹیکسی ڈرائیور سے بات کی اور ٹیکسی ڈرائیور کو جب اس نے مطلوبہ...... پتا بتایا تو وہ مستعد ہو گیا۔

''آیئے۔'' اس نے عقبی دروازہ کھول دیا۔ غالباً وہ اس لمبے سفر کے لئے بہ خوشی تیار ہو گیا تھا۔ کامران ٹیکسی میں بیٹھا اور ٹیکسی چل پڑی۔ کامران اپنے ارد گرد پھیلے ہوئے مناظر کو دیکھتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد ٹیکسی ایک لمبی اور شفاف سڑک پر نکل آئی جو خاصی عمدہ بنی ہوئی تھی۔ جھونگاری کی عمارتیں پیچھے رہ گئی تھیں۔ چھوٹے چھوٹے کارخانے اور معمولات زندگی کے دوسرے مناظر یہاں بکھرے ہوئے تھے اور کافی خوب صورت نظر آ رہے تھے۔ کامران کی نگاہیں باہر بھٹکتی رہیں۔ اندھیرا خوب پھیل چکا تھا۔ رات گہری ہو چکی تھی ٹیکسی کی رفتار تیز تھی اور کھلی سڑک پر ڈرائیور برق رفتاری کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ چنانچہ یہ سفر ایک گھنٹہ تین منٹ میں طے ہوا۔ یہ ایک صنعتی قصبہ تھا۔ دیہی زندگی کے مناظر یہاں بھی بکھرے ہوئے تھے۔ قصبے کے باہر بڑے بڑے پتھروں پر نقش کھدے ہوئے تھے محافظ ہتھیار لئے پہرہ دے رہے تھے۔ پرانے طرز کے سٹے ہوئے بڑے دروازے کے باہر سیاحت کو آنے والوں کے لئے موسم رس پیش کیا جا رہا تھا اور یہ موسم رس کامران کے علم میں تھا۔ یہ بھنگ ہوتی تھی اور اس کی کارستانی دیکھنے کے قابل ہوتی تھی معبد کے اندر مابستہ دیوتا کے حضور بکروں کے سروں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ پتھر کی جھونپڑیاں لکڑی کے خوف ناک انسانی مجسموں سے آراستہ تھیں۔ عام زندگی کے مناظر جگہ جگہ موجود تھے۔ گھروں کے صحن میں عورتیں عبادت کر رہی تھیں۔ جھیل ایم سن کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور تھوڑی دیر کے بعد اس کے بارے میں علم ہو گیا۔ یہاں سے پیدل سفر کرنا تھا۔ چونکہ سیتا کے پیغام میں اس کا خاص طور سے تذکرہ تھا۔ چنانچہ راستے کا تعین اسی کے مطابق کیا تھا۔ بہر حال' کامران نے اس اجنبی راستے کو طے کر لینا مناسب سمجھا۔۔ تاکہ تھوڑی دیر پہلے وہاں پہنچ جائے۔ قصبے سے نکلنے کے بعد جو کے کھیتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ سیاہ رنگ کے یاک گلے کی شکل میں جگہ جگہ میدانوں میں نظر آ رہے تھے۔ جو کے کھیتوں سے پرے شلغم کے کھیت پھیلے ہوئے تھے۔ جن میں بانسوں پر مرے ہوئے کوے لٹکے ہوئے جگہ جگہ نظر آتے تھے۔ کامران اپنی دھن میں مست چلا جا رہا تھا کہ اچانک اسے ایک آواز سنائی دی۔

''وحشت تیرے کی۔۔ کیچڑ ہی کیچڑ'' یہ آواز بڑی پر سحر تھی۔ اپنی زبان اور اپنے الفاظ کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے۔ کامران رک گیا وہ شخص لٹکے ہوئے پیٹ والا درمیانہ قد کا آدمی تھا۔

"میری بات سنو تم اردو بول رہے ہو۔"

"جے رام جی کی مہاراج" وہ جلدی سے دونوں ہاتھ جوڑ کر کامران کے پاس پہنچ گیا۔

"ہندوستانی ہو تم۔"

"جی مائی باپ۔ رام چرن نام ہے ہمارا یہیں رہتے ہیں۔ پر آپ کو ہندی بولتے دیکھ کر بڑی خوشی ہو رہی ہے۔"

"مجھے بھی۔"

"دھنے واد دھنے واد۔"

"کیا کرتے ہو۔"

"سرکار یہ کھیت ہمارے ہی ہیں۔"

"بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر اچھا اب یہ بتاؤ مجھے ایم۔ سن جانا ہے جھیل ایم سن کیسے جاؤں۔"

"جھیل ایم سن" رام چرن کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے خوف کے سے تاثرات پھیل گئے۔

"ہاں کیوں کیا بات ہے۔"

"نہیں سرکار تھوڑی بہت دیر ہمارے پاس گزار لو۔ کچھ جل پانی۔"

"نہیں رام چرن! اصل میں مجھے وقت پر وہاں پہنچنا ہے۔"

"سرکار ایک سوال کریں۔"

"ہاں ہاں کرو۔"

"وہاں کیوں جا رہے ہو۔"

"میں نے کہا نا مجھے کسی سے ملنا ہے۔"

"جس سے آپ کو ملنا ہے سرکار وہ آپ کا دوست ہے یا دشمن۔"

"دوست ہی ہے۔"

"نہیں ہو سکتا۔"

"کیوں؟" کامران نے سوال کیا۔

"سرکار وہ جگہ ٹھیک نہیں ہے۔"

"کیا ہے وہاں؟ مجھے بتاؤ اس جگہ کے بارے میں۔"

"بھوتوں کا بسیرا ہوتا ہے سرکار۔ بہت سی پرانی کہانیاں ہیں ایک گاؤں تھا کبھی کسی پرانے زمانے میں باھو رشی پدم شمبھو جب پہاڑی راکششوں کا خاتمہ کرنے کے لئے یہاں آئے تو ایک مادہ راکشش وہاں سے بھاگ نکلی۔ اس نے گاؤں والوں کو ایک ہیرا دیا اور کہا کہ وہ پدم شمبھو کو اس بارے میں نہ بتائیں۔ پدم شمبھو نے وہ ہیرا گوبر میں بدل دیا۔ تو گاؤں والے سمجھے کہ راکششنی دھوکا دے گئی۔ انہوں نے پدم شمبھو کو سب کچھ بتا دیا اور اس کے بدلے میں راکشش نے گاؤں والوں پر سیلاب چھوڑ دیا۔ سارے گاؤں والے مر گئے اور اب ان کی روحیں وہاں بھٹکتی رہتی ہیں۔"

بھید 2

ایم اے راحت

"ارے واہ۔" کامران نے قہقہہ لگایا۔ "بڑے مزے کی کہانی ہے تمہاری۔ رام چرن چلو اب مجھے راستہ بتا دو۔"

"سیدھا راستہ ہے سرکار۔" آگے چل کر سوکھے صنوبر کے جنگل ملیں گے انہیں پار کریں گے تو جھیل کنارے پہنچ جائیں گے۔ مگر سرکار ایک بات آپ کو بتائے دیتے ہیں کہ بائیں ہاتھ کی سمت نہ جائیں۔ وہ جگہ اچھی نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے شکریہ۔ اب میں چلتا ہوں۔"

"سرکار ہمارے ساتھ کچھ جل پانی اچھا ٹھہرو۔" اور اس کے بعد رام چرن نے اسے ایک بہت مزے کی چیز کھلائی۔ کامران کو وہ چیز بڑی پسند آئی تھی اور اس نے پوچھا۔

"رام چرن یہ کیا ہے۔"

"سرکار ریفر اور مولیاں ہیں ہم لوگ یہاں یہ بناتے ہیں۔"

"بہت اچھی ہیں۔ تمہارا بہت بہت شکریہ۔"

کامران نے کہا اور پھر وہ وہاں سے آگے چل پڑا۔ رام چرن کی باتیں بڑی مزے وار تھیں اور اب وہ اس کہانی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ ایسی لاتعداد کہانیاں ہر جگہ بکھری ہوتی ہیں۔ آخر کار یہ فاصلہ طے ہو گیا تھا اور وہ جھیل ایم سن پہنچ گیا۔ یہ جھیل...... تقریباً ایک میل چوڑی اور نہ جانے کتنی گہری تھی۔ آس پاس کے مناظر دیکھ کر اندازہ ہوا کہ اس کے آس پاس کوئی تند دریا بھی ہوگا اور کسی زلزلے نے چٹانی تودوں سے اس دریا کا راستہ بند کر دیا ہوگا۔ جس کی وجہ سے یہ جھیل وجود میں آئی۔ ایک خانقاہ کے علاوہ وہ یہاں اور کوئی آبادی نہیں تھی اور اسی خانقاہ کا حوالہ سیتا نے دیا تھا۔ اندھیرا شدید ہوتا جا رہا تھا اور آس پاس کے مناظر اس میں ڈوب چکے تھے۔ کامران نے سوچا کہ اب اسے خانقاہ کے پاس تیزی سے پہنچ جانا چاہیے۔ اجنبی راستے ہیں نہ جانے کس جگہ...... کون سا خطرہ منتظر ہو۔ چنانچہ اس کے قدم تیز تیز اٹھنے لگے اور وہ خانقاہ کے قریب پہنچ گیا۔ یہاں پہنچ کر اس نے ایک جگہ منتخب کی۔ اور وہاں جا کر بیٹھ گیا اور وقت گزرنے کا انتظار کرنے لگا۔

نہ جانے کیسی کیسی ہولناک آوازیں ابھر رہی تھیں۔ واقعی بڑی خوفناک جگہ تھی یہ۔ خانقاہ کے

بارے میں بھی کوئی اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ یہاں کوئی ہے یا نہیں۔ اس پراسرار اور ہیبت ناک ماحول میں عجیب و غریب خیالات ذہن میں آرہے تھے۔ رام چرن کی کہانیاں بھی ذہن میں آرہی تھیں۔ اور سیلاب کی آواز کانوں میں ابھر رہی تھی۔ وقت تھا کہ گزرنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ دفعتاً کسی طرف سے روشنی سی محسوس ہوئی اور کامران اچھل پڑا اس نے بے اختیار پلٹ کر دیکھا۔ روشنی کا یہ احساس اس کا وہم نہیں تھا۔

خانقاہ میں کوئی چراغ روشن ہوا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ کوئی اندر موجود ہے۔ حالانکہ اتنی دیر یہاں گزر چکی تھی اور ہلکی سی سانسوں کی آہٹ تک نہیں ابھری تھی۔ چند لمحات وہ سوچتا رہا۔ پھر اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ خانقاہ کے بوسیدہ دروازے سے کوئی برآمد ہوا اور کامران اپنی جگہ ساکت ہو گیا۔

بدھ بھکشو کے لباس میں ایک طویل القامت سایہ برآمد ہوا تھا۔ ابھی وہ اسے دیکھ ہی رہا تھا کہ اس کے پیچھے پیچھے یکے بعد دیگرے کئی سائے باہر نکل آئے وہ سب بدھ بھکشوؤں کے لباس میں تھے۔ لیکن نہ جانے کیوں یہ لوگ کامران کو انتہائی پراسرار لگ رہے تھے۔ وہ ایک قطار بنائے ہوئے آگے بڑھنے لگے اور خانقاہ کے بائیں سمت کے دالان میں اتر گئے۔ ایسا لگتا تھا کہ جیسے وہ مشینی انسان ہوں۔ کامران تو یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ اس کی طرف متوجہ ہوں گے اور سیتا کسی نئے عمل کا اظہار کرے گی۔ بہر حال کامران دھڑکتے دل کے ساتھ انہیں دیکھتا رہا۔ دالان میں اتر کر وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ خانقاہ کا چراغ اب بھی روشن تھا۔ چاند آہستہ آہستہ نکلتا آرہا تھا اور ماحول کی پراسراریت میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ چاندنی چاروں طرف پھیل گئی۔ گھڑی کی سوئیوں نے رات کے دس بجائے تو کامران اٹھ کھڑا ہوا۔ اور ہمت کر کے خانقاہ کے دروازے پر آگیا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ سیتا کہاں سے آئے گی۔ کیا اس ہولناک رات میں وہ یہیں سے نمودار ہوگی۔ خانقاہ کے دروازے کے پاس پہنچا تو چاندنی میں اس نے سیتا کو کھڑے دیکھا۔ دل دہل کر رہ گیا تھا سیتا ایک پراسرار کردار ایک زندہ وجود۔ لیکن جس کے بارے میں ابھی تک کچھ بھی نہیں معلوم تھا۔ کامران کی نگاہیں گرشنک کی تلاش میں بھٹکنے لگیں۔ لیکن گرشنک آس پاس نظر نہیں آرہا تھا۔ سیتا چند قدم آگے بڑھی اور اس نے دونوں ہاتھ سامنے کر کے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔

"پدم ماترا...... پدم ماترا پاتال پربھو پاتال پربھو۔"

"سیتا میں بہت دیر سے یہاں موجود ہوں۔"

"ہاں آجاؤ' اندر آجاؤ۔ باہر کی فضا ٹھیک نہیں ہے۔ آؤ۔"

اس نے کہا...... اور ایک بار پھر ہاتھ کے اشارے سے کامران کو تعظیم دی۔ کامران نے ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

"فضا ٹھیک نہیں ہے سے تمہاری کیا مراد ہے۔"

"کچھ لوگ سایے کی طرح ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہیں اور یہ لوگ ہمارے دوست نہیں ہیں۔"

"اوہ۔ ابھی ابھی اس خانقاہ سے کئی افراد باہر نکلے ہیں۔"

"ہاں مجھے معلوم ہے اس نے کہا اور دروازے سے اندر داخل ہو گئی۔ خانقاہ میں بدن ٹھٹھرا دینے

والی سردی تھی جب کہ باہر بالکل سردی نہیں تھی یا پھر خوف کا احساس تھا جو کامران کے وجود میں جاگزیں تھا۔ خانقاہ باہر سے تو چھوٹی نظر آتی تھی لیکن اندر سے اتنی چھوٹی نہیں تھی جس راہداری سے وہ گزر رہے تھے وہ انتہائی طویل تھی۔ یہاں تک کہ اس کا اختتام ہوا اور وہ ایک کمرے میں داخل ہو گئی۔ کامران اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ کمرا خالی تھا۔ فرش اور ننگی دیواریں اور بس لیکن ایک دیوار کے پاس جا کر سیتا نے کچھ ٹٹولا تھا۔ پتھر کھسکنے کی آواز سنائی دی اور تیز روشنی سے کمرا منور ہو گیا۔"

"آؤ" سیتا نے کہا۔ یہ کسی تہ خانے کی سیڑھیاں تھیں۔ کئی سیڑھیاں طے کر کے کامران نیچے پہنچا۔ یہاں دیواروں میں تین مشعلیں روشن تھیں اور یہاں اوپر کی نسبت خاصی تیز روشنی تھی۔ اس روشنی میں ایک شخص ہرن کے مرگ چھالے پر آلتی پالتی مارے بیٹھا تھا۔ اس کے جسم پر سیاہ لباس تھا۔ بڑی عجیب سی شخصیت تھی اس کی...... سیتا کے منہ سے نکلا۔

"اکال ستو...... اکال ستو یہ راکان ہونزا ہے کامران کے حواس پر بجلی سی گری تھی۔ راکان ہونزا جس کی تلاش اینہ سلفا کو تھی تاریخ کی اس عورت کو جس کی شخصیت نہ جانے کیا تھی۔ اس وقت سیاہ کفن میں لپٹے ہوئے شخص نے پہلو بدلا اور صاف ستھری انگریزی میں بولا۔

"تمہارا نام کامران ہے؟"

"ہاں"

"سیتا نے تمہارے بارے میں بہت کچھ بتایا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ تم پاتال پرمتی ہو۔"

"میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتا مسٹر راکان ہونزا۔"

آپ کو انگریزی بولتے دیکھ کر مجھے خوشی ہوئی۔ کم از کم میں آپ سے اپنے دل کی تمام باتیں کر سکتا ہوں۔"

"ہاں ضرور آؤ بیٹھو۔" اس نے دوستانہ انداز میں کہا اور کامران اس کے نزدیک آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا پھر اس نے کہا۔

"پہلے مجھے ان لوگوں کے بارے میں بتایئے۔ مسٹر راکان ہونزا جو ابھی اس خانقاہ سے باہر نکل گئے ہیں۔"

"وہ...... کچھ نہیں کہا جا سکتا۔"

"ابھی سیتا نے مجھے بتایا کہ یہ لوگ دشمن تھے۔"

"ہاں یہ لوگ دشمن ہی تھے یہ مجھے تلاش کر رہے تھے۔ شاید اناطوسیہ کے لئے۔ اناطوسیہ وہ ہے جسے تمہارے ساتھ دیکھا گیا ہے۔ بہت لمبا چکر چل رہا ہے بہت ہی لمبا چکر ہے۔ بس یوں سمجھو کہ بدھ مت کی تاریخ میں ایسے مشکل حالات کبھی نہیں آئے ہوں گے۔"

"آخر یہ لوگ کیا چاہتے تھے؟"

"شاید انہیں تمہارے ذریعے مجھے شکار کرنا تھا۔"

"میرے ذریعے؟"

”ہاں۔“

”میں تم سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں کامران! یہ لوگ تمہیں پاتال پرمتی پربھو کہتے ہیں میں تمہیں ابھی احترام کا وہ درجہ دینے سے گریز کروں گا جو دیوتاؤں کو دیا جاتا ہے اگر تم ہمارے دیوتا ہی نکلے اور وقت تمہارے دماغ میں سو گیا ہے تو اس وقت ہم تمہارا وہ احترام کریں گے۔ جب تم جاگو گے۔ یہی بات میں نے گرشک کو بھی بتائی تھی اور یہی سیتا کو بھی اور دوسروں کو بھی۔ وہ جو پاتال کی گہرائیوں میں اس کے منتظر ہیں جو سونے والوں کو جگا دے گا اور آبادیوں کو زندگی دے گا۔ اگر وہ تمہاری ہی شکل میں ہے تو ہم تمہارا تحفظ بالکل صحیح کر رہے ہیں۔ ویسے بھی اپنے بارے میں بتاؤں کہ ابھی ہم سب لوگ مصیبت زدہ ہیں اور کسی کو پوری تفصیل نہیں بتا سکتے۔ ہمیں تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ اگر ہم تمہیں اپنے بارے میں کچھ بتائیں گے تو تم اسے سمجھ نہیں پاؤ گے اور الجھ جاؤ گے اور ہمیں جھوٹا سمجھو گے اس لئے ہمارے بارے میں سب کچھ جاننے کی کوششیں نہیں کرنا ابھی ہمیں صرف تمہاری مدد کی ضرورت ہے ایک اچھے انسان کی حیثیت ہی سے سہی۔ سچھ رہے ہونا۔ ویسے ایک بات بتاؤ کامران' کہ تم اس خزانے سے دلچسپی رکھتے ہو جس کی کہانی ان سب کے ذہنوں میں ہے۔ کامران نے کیونکہ اپنے اندر نمایاں تبدیلی پیدا کی تھی اور اپنی سوچ کا انداز بدلا تھا۔ چنانچہ اس نے کہا۔

”ہاں کیوں نہیں' کیونکہ میں بھی اسی دنیا کا انسان ہوں اور خزانے زندگی گزارنے میں بڑے معاون ثابت ہوا کرتے ہیں۔“

”اور اگر میں تم سے وعدہ کرلوں کہ میں تمہیں اتنا بڑا خزانہ دوں گا کہ تمہاری نسلیں تک اسے نہ ختم کرسکیں تو کیا تم اس بات کا یقین کرلو گے۔“

”میں اپنے ضمیر کے خلاف کوئی کام نہیں کرسکتا۔ دولت بے شک ایک بہت بڑی شے ہے لیکن میں آنکھیں بند کرکے وہ خزانہ حاصل کرنے کی خواہش نہیں کروں گا جس کے عوض مجھے کچھ کام کرنا ہوگا۔ مجھے اس کام کی تفصیل ضرور معلوم ہونی چاہیے تاکہ میں اپنے مستقبل کا فیصلہ کرسکوں۔“

”اور اگر کام تمہارے ضمیر کے خلاف نہ ہوا تو؟“ راکان ہونزا نے سوال کیا۔

”تو اسے کرنے میں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔“ کامران نے جواب دیا۔

”تم......“ راکان ہونزا ایک لمحے کے لئے خاموش ہوا' پھر بولا۔

”تم ہماری امیدوں کا مرکز ہو۔ ایک ایسی عجیب وغریب مشکل پیش آگئی ہے کہ بیان سے باہر ہے۔ یوں سمجھ کہ ایک دھرم مشکل میں پڑ گیا ہے اور ہزاروں زندہ انسان موت کی نیند سو گئے ہیں لیکن مصنوعی موت کی نیند۔ کچھ لوگوں کی محنت انہیں زندگی سے روشناس کرسکتی ہے بس یہ سمجھ لو کہ وہ کسی کے منتظر ہیں اور ایک ایسی ستی ساوتری جو اپنی محبت کا شکار ہوئی ہے۔ کسی کے لئے پاتال پرمتی میں سکون کی نیند سو رہی ہے۔ لیکن کون جانے کہ ستی پرکھ مسکون میں ہے یا نہیں تم اس سنسار میں دھرم وستو کی شکل میں آگئے ہو۔ اب یہ تو پاتال پربھو ہی جانیں کہ تمہارا مصرف کیا ہے؟ سیتا اور گرشک کہتے ہیں کہ تم وہی ہو انہیں ثبوت مل گیا ہے لیکن میرے دوست یہ ثبوت میرے لئے ناکافی ہے۔ پھر بھی ہم چاہتے ہیں کہ اس دنیا کے ایک انسان کی حیثیت

سے تم ہمارے دست راست بن جاؤ کیونکہ تم سے اور کچھ...... نہ سہی لیکن شکل وصورت کا ایک رشتہ ہے۔ اب یہ تو آکاش والا ہی جانے کہ اس نے یہ رشتہ کیوں قائم کیا ہے۔ بہرحال یہ ساری باتیں اپنی جگہ ہیں۔ ہم تمہیں فولاد بنا دینا چاہتے ہیں۔ تمہارے اندر لوہے کی کاٹ پیدا کردینا چاہتے ہیں تاکہ ہمارے مقصد کے لئے تم ہمارے دشمنوں سے جنگ کرسکو۔“

”ایک سوال راکان ہونزا...... بات جب یہاں تک آگئی ہے تو میں تم سے کچھ چھپانا نہیں چاہتا۔“

”اگر تم کچھ چھپاؤ گے ہم سے تو یقین کرو ہماری ساری محنت خاک میں مل جائے گی۔“

”ایک عورت ہے جس کے مختلف نام سامنے آئے ہیں۔“

”ہاں۔ وہ ہمارے لئے ایک بھیانک کردار ہے یوں سمجھ لو کہ تاریخ میں چھپا ہوا ایک ایسا کردار جسے ہم بھی تلاش نہیں کرسکے۔ ہم ہندو ماترا پر یقین نہیں رکھتے لیکن وہ ہی باتیں ہیں اناطوسیہ یا تو بار بار جنم لیتی رہی ہے اور اگر نہیں تو اس نے ایک لمبی عمر پالی ہے اور اس کا طریقہ صرف وہی جانتی ہے کہ کیسے لیکن وہ ایک تاریخی کردار ہے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ ہماری تلاش میں سرگرداں ہے“ کامران کے ذہن میں ایک چھنا کا سا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔

”تو کیا تم یہ جانتے ہو راکان ہونزا کہ وہ میرے ذریعے تمہیں تلاش کررہی ہے۔“

”ہم اس سے بھی زیادہ جانتے ہیں۔ اگر نہ جانتے تو اتنی رازداری نہ برتی جاتی۔“

”ٹھیک ہے اب میں یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ میں تمہارے لئے کام کرنے کو تیار ہوں۔ ویسے اگر مجھے اتنا سا اور پتا چل جاتا کہ اناطوسیہ یا موجودہ امینہ سلفا تمہاری تلاش میں کیوں ہے تو مجھے آسانی ہوجاتی۔“

”وہ میرے ذریعے گرشک تک پہنچنا چاہتی ہے۔ گرشک پوشیدہ نہیں ہے وہ ہمارے اس مشن کا اہم ترین کارکن ہے اور تم یوں سمجھ لو کہ ہمارے لئے عظیم ترین کارنامے سرانجام دے رہا ہے۔ گرشک کے بارے میں تم یہ سمجھ لو کہ ہم نے اسے خود چھپایا ہوا ہے تاکہ وہ اناطوسیہ کے ہاتھ نہ لگ جائے بہرحال ساری باتیں اپنی جگہ ہیں۔ تمہارے اس اقرار سے مجھے خوشی ہوئی اور یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم ایک بڑے انسان ہو۔ سچ بولنے والے سچ کے پجاری۔“

”شکریہ۔“

”سیتا میں پورے اعتماد کے ساتھ اس شخص کو تمہارے حوالے کررہا ہوں اور تم اچھی طرح جانتی ہو کہ ہمارے آگے کے اقدامات کیا ہیں؟“ سیتا نے ایک ہاتھ سینے پر لپیٹا آدھی جھکی اور سیدھی کھڑی ہوگئی اور اس کے بعد وہ کامران کی جانب دیکھ کر مسکرائی۔

”خوشی تو اس بات کی ہے کہ وقت نے مجھے تمہاری قربت کا موقع دیا۔“ یہ الفاظ ادا کرنے کے بعد وہ ایک دم چونک سی پڑی جیسے اسے اس بات کا احساس ہوگیا ہو کہ یہ الفاظ ذرا الگ ہی نوعیت کے حامل ہیں اور انہیں ادا کرتے ہوئے تھوڑی سی احتیاط برتنی چاہیے تھی۔ اس کے بعد سیتا اسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرکے چل پڑی اور خاصا طویل سفر طے کرنے کے بعد غاروں کے ایک ایسے سلسلے کے پاس پہنچ گئی جو اس سے پہلے کامران کی نگاہوں میں نہیں آسکا تھا۔

''واہ یہ تو اچھی جگہ ہے غالباً تم پہلے سے...... یہاں سے واقف تھیں کیا گرشک یہیں ہے۔'' سیتا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ایک لمحے کے لئے رک کر کامران کی طرف دیکھا پھر سنجیدگی سے بولی۔

'' آؤ'' کامران اس کے ساتھ غاروں میں داخل ہوگیا۔ انتہائی وسیع و عریض غار میں جہاں پتھروں کی سلوں کو ایسے بچھایا گیا تھا کہ آرام دہ نشستگاہیں بن جائیں اور وہاں سکون اور اطمینان کا وقت گزارا جائے اس نے کامران سے بیٹھنے کے لئے کہا۔

''گرشک۔''

''وہ ابھی غائب ہے۔''

''لیکن راکان ہونزا نے تو کہا تھا......''

''ہاں کچھ ایسی باتیں ہوتی ہیں پدم ماترا کر انسان کو لفظوں کا الٹ پھیر کرنا پڑتا ہے۔ وہ ہے اور نہیں ہے۔''

''مگر میں اسے تلاش کرنا چاہتا ہوں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''ہم ضرور اسے تلاش کرلیں گے۔ میں بے حد پرامید ہوں۔''

''ٹھیک ہے'' کامران نے کہا اکال بھورنا' پدم ماترا' پاتال پرتی یہ سارے الفاظ اسے عجیب سے لگتے تھے لیکن فطرتاً ذرا مختلف قسم کا انسان تھا بہت سی عورتیں اس کے قریب پہنچی تھیں۔ یعنی عروسہ وغیرہ لیکن اس نے ان سے فاصلہ رکھا تھا اور ذہن کو اس حد تک نہیں جانے دیا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس میں ایک نئی الجھن پوشیدہ ہوتی ہے۔ بہرحال وہ غار کے ایک گوشے میں بیٹھ گیا۔ تب سیتا نے کہا۔

''میں اس سے بہت گہرا تعلق رکھتی ہوں۔ ہم لوگ ایک دوسرے کی بو پہچانتے ہیں۔ ہمیں علم ہوجاتا ہے کہ کون کہاں ہے۔ ہم ایک دوسرے کی بو پہچان لیتے ہیں۔''

''معنوی طور پر یا حقیقتاً''

''نہیں حقیقتاً۔ بہرحال ہمارے دشمن ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہیں اس لئے گرشک ابھی پوشیدہ ہے اس لئے راکان ہونزا نے جس طرح تم سے کہا ہے کہ گرشک کو تلاش کرلینا مشکل نہیں ہے تو ٹھیک کہا ہے۔''

''اچھا ایک بات بتاؤ۔ اناطوسیہ جس کے بارے میں مجھے خود پتا نہیں ہوتا کہ کس وقت کہاں ہے۔ اگر تمہارے سامنے آجائے تو کیا تمہیں اس سے نقصان پہنچ سکتا ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ میں نے تمہیں اور گرشک کو کرنل گل نواز کی کوٹھی میں...... جسمانی ورزش کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ تم لوگ ہواؤں میں اڑ کر ایک دوسرے پر وار کررہے تھے۔''

''ہاں۔ واقعی ہمیں شبہ ہوا تھا کہ ہمیں کسی نے دیکھ لیا ہے۔ ابھی راکان ہونزا نے کہا کہ وہ تمہیں فولاد بنادینا چاہتا ہے۔ ہمیں کچھ وقت کے لئے...... تمہیں ان لوگوں سے دور کرنا ہوگا۔''

''واہ یہی تو میں تم سے معلوم کرنا چاہتا تھا۔ میں کرنل گل نواز تک جانا چاہتا ہوں۔ عجیب سے انداز میں میرے راستے روکے گئے ہیں۔''

''دیکھو تھوڑی سی الجھنوں کا سامنا تو بے شک کرنا پڑے گا لیکن ہمارے اندازے کے مطابق میرا

مطلب ہے کہ جو صورتحال میرے سامنے ہے اس کے تحت تمہیں تھوڑی سی مشکلات کا سامنا کرنا ہوگا مثلاً تمہیں ایک بار پھر والش کے قریب جانا ہے۔ کیونکہ وہاں تمہاری بہتری ہے البتہ والش کا ساتھی گورڈن بہت خطرناک آدمی ہے۔ ابھی بہت سے ایسے راز الجھے ہوئے ہیں جنہیں بتادینا ذرا مشکل کام ہے۔ یوں سمجھ لو کہ بے شمار لوگ ہمارے پیچھے پڑ گئے ہیں اور ہمیں کسی ایسے ٹھوس انسان کی ضرورت ہے جو ماحول سمجھتا ہو ہر چیز سے واقف ہو۔ اب ہمیں گرشک کو تلاش کرنا ہے اس کے بعد دیکھیں گے کہ کیا کرنا ہے۔ ابھی وہ کچھ جواب نہ دے پایا تھا کہ دفعتاً کچھ آہٹیں سنائی دیں اور کامران اور سیتا خاموش ہوگئے۔

''کوئی ہے۔'' کامران نے سرگوشی کی۔ ایک بار پھر دھماکے سنائی دینے لگے۔ پتا نہیں یہ کیسے دھماکے تھے۔ بہت دیر تک یہ دھماکے ہوتے رہے۔ پھر سیتا نے کہا۔

''خطرہ ہے کہ وہ لوگ غاروں کی تلاشی لیتے پھر رہے ہیں۔ ضرور انہیں کسی طرح کا شبہ ہوا ہے آؤ ہمیں یہ جگہ فوراً چھوڑ دینی چاہیے۔'' کامران فوراً کھڑا ہوگیا اور اس کے بعد وہ ایک سمت بڑھ گئے۔ غار در غار گزرتے ہوئے وہ ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں خلا تھا وہ اس خلا میں اتر گئے۔ غالباً کوئی سرنگ تھی جس میں گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ سیتا نے کہا۔

''میرے قدموں کی آواز پر چلے آؤ۔ یہاں کوئی رکاوٹ نہیں ہے ہمیں زیادہ سے زیادہ سو گز کا فاصلہ طے کرنا پڑے گا۔ کامران نے خاموشی سے اس کے کہنے پر عمل کیا تھا۔ واقعی سو گز چلنے کے بعد چڑھائی شروع ہوگئی۔ مزید تھوڑا سا آگے بڑھے تھے کہ تیز ہوا کے جھونکے اور روشنی محسوس ہوئی۔ یہ لوگ غاروں سے گزرنے کے بعد جب اوپر نکلے تو وہ خانقاہ کا احاطہ ہی تھا۔ باہر چاند نکلا ہوا تھا اور اس کی پراسرار روشنی میں یہ احاطہ نمایاں تھا۔ کامران ششدر رہ گیا۔

''غاروں کا یہ سلسلہ خانقاہ سے جاملا ہے۔''

''اور بھی بہت کچھ ہے رفتہ رفتہ تمام چیزوں سے واقف ہوجاؤ گے۔ ویسے اصل دروازے سے نکلنے کا خطرہ مول نہیں لیا جاسکتا تھا۔ وہ احاطے کے قریب پہنچ گئی۔ احاطے کی دیوار اتنی بلند نہیں تھی کہ اسے عبور کرنے میں کوئی خاص مشکل پیش آتی اور پھر سیتا تو ویسے بھی جسمانی طور پر چھلاوہ تھی۔ وہ اطمینان سے احاطے کی دیوار کود گئی تھی۔ ایک طرف وسیع میدان تھا لیکن کسی قدر ڈھلوان تھا۔ آس پاس کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جس کی آڑ لے کر آگے بڑھا جائے۔ بہرحال مجبوراً اسی راستے پر آگے بڑھنا پڑا۔ لیکن زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے کہ فضا میں سیٹیوں کی آواز ابھرنے لگی۔ یہ سیٹیاں منہ سے بجائی جارہی تھیں۔

''دوڑو۔'' سیتا نے کہا اور کامران اس کے ساتھ تیزی سے بھاگنے لگا۔ لیکن پھر اچانک ہی گولیاں چلنے لگی تھیں اور بیشتر چنگاریاں ان کے جسموں کو چھوتی ہوئی گئی تھیں۔ کامران نے بدحواس ہوکر سیتا کی طرف دیکھا۔ سیتا بھی ان گولیوں سے بچ گئی تھی پیچھے سے چیخنے چلانے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں---- جو ان کا تعاقب کررہے تھے۔ اچانک ہی پیچھے سے راکان ہونزا کی آواز سنائی دی۔

''نیچے نیچے لیٹ جاؤ۔ نیچے راکان ہونزا کی آواز ہی ایک بم دھماکے کی مانند تھی۔ پتا نہیں وہ کب خانقاہ سے باہر نکلا تھا اور ان لوگوں کے ساتھ دوڑنے لگا تھا۔ تعجب کی بات تھی اس سے پہلے اس کی

قربت کا احساس بھی نہیں تھا۔ بہرحال کامران اور سیتا نیچے لیٹ گئے۔ راکان ہونزا نے سیتا سے کچھ کہا اور سیتا فوراً بولی۔

"ہاں کامران اب ان سے مقابلہ کرنے کے علاوہ کوئی اور چارہ کار نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے میں تیار ہوں۔" کامران نے کہا دوڑتے ہوئے لوگ برق رفتاری سے ان کی طرف آ رہے تھے۔ کامران کے ذہن میں ایک خیال گزرا کہ وہ لوگ جو آتشیں اسلحہ رکھتے ہیں اتنے اناڑی نہیں ہوتے کہ کھلے میدان میں...... دوڑتے ہوئے تین آدمیوں کو نشانہ نہ بنا سکیں۔ لگتا ہے کہ انہوں نے صرف ان لوگوں کو روکنے کے لئے گولیاں برسائی تھیں۔ اچانک ہی کامران نے راکان ہونزا کو ایک عجیب و غریب حرکت کرتے ہوئے دیکھا اس نے اپنی کلائی میں پڑے ہوئے کڑے کو کلائی سے اتار لیا۔ ویسا ہی ایک دوسرا کڑا اسی کلائی میں پڑا ہوا تھا۔ اتارا ہوا کڑا کوئی دو فٹ دور ہو گیا لیکن وہ ایک باریک تار سے منسلک تھا کیونکہ وہ راکان ہونزا کے ہاتھ کی حرکت کے ساتھ ہی جنبش کر رہا تھا۔ کامران نے ان لوگوں کو دیکھا جو اب ان کے سروں پر پہنچ گئے تھے۔ ان کی تعداد چھ سات تھی اور وہ نیپالی اسٹائل کے لبادوں میں لپٹے ہوئے تھے لیکن ان کے چہرے کھلے ہوئے تھے۔ ان میں چار مقامی باشندے تھے اور دو سفید فام۔ مقامی باشندوں کے ہاتھوں میں سیاہ چمک دار ڈنڈے دبے ہوئے تھے وہ بہت ہی پھرتیلے نظر آ رہے تھے۔ خاص طور سے ایک مقامی آدمی تو لگتا تھا جیسے نحوست کا دیوتا ہو اس کا چہرہ انتہائی مکروہ تھا۔

انہوں نے ان لوگوں کے گرد گھیرا ڈال دیا پھر ایک سفید فام نے جس کے ہاتھ میں پستول دبا ہوا تھا۔ کڑک کر کہا۔

"اگر تم نے کوئی جنبش کی تو......"

"کیا چاہتے ہو؟" راکان ہونزا نے صاف ستھری انگلش میں کہا۔

"ہاتھ اوپر رکھو اور تم بھی" دوسرے سفید فام نے کامران کے بدن پر ٹھوکر مارتے ہوئے کہا۔

کامران راکان ہونزا کو دیکھنے لگا۔ خود کو کنٹرول کرنا ضروری تھا لیکن پھر جب مقامی آدمی نے سیتا کے بال پکڑ کر اسے کھینچنے کی کوشش کی تو کامران اپنے آپ کو باز نہ رکھ سکا۔ اس نے ایک زبردست ٹھوکر اس مقامی شخص کی پنڈلی میں ماری اور اس کے حلق سے ایک کریہہ چیخ نکل گئی۔ ادھر سیتا نے نہ جانے کیا کیا کہ وہ فضا میں بلند ہو کر نیچے گری اور اس کی دوسری آواز بڑی دردناک تھی۔ سیتا نے جو کچھ بھی کیا تھا اس انداز میں کیا تھا کہ وہ شخص بری طرح پتھریلی زمین سے ٹکرایا تھا اور اس کی ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ ظاہر ہے اس کے بعد کھیل تو شروع ہونا ہی تھا۔ ایک انتہائی پھرتیلے مقامی آدمی نے اچانک کامران کے شانے پر ہاتھ مارا یہ وہی شخص تھا جس کا چہرہ انتہائی منحوس تھا۔ کامران اپنا توازن نہ سنبھال سکا۔ جونہی وہ نیچے گرا منحوس چہرے والا اس کے سینے پر سوار ہو کر اپنے چوڑے ہاتھ سے اس کی گردن دبانے لگا۔ لیکن کامران کو بھی بہت کچھ آ چکا تھا اس نے عقب سے دونوں پاؤں اٹھا کر اس کے کنپٹیوں پر مارے جس کی بناء پر کامران کی گردن آزاد ہو گئی اور اس نے اسے خود پر سے دھکیل دیا۔ پھر دفعتاً فضا میں ایک عجیب و غریب آواز گونجی جیسے تیز ہوا لکیریں بناتی ہوئی گزر رہی ہو اور اس کے ساتھ ہی ایک سفید فام جو راکان ہونزا کا نشانہ لے رہا تھا۔ بری طرح چونک پڑا۔

شائیں شائیں کی آوازیں اب مسلسل ترنم پیدا کر رہی تھیں اور کامران کی نگاہوں کے سامنے دنیا کا سب سے حیرت انگیز منظر تھا۔ سفید فام کی کلائی کٹ گئی تھی اور پستول اس کے کٹے ہوئے ہاتھ کے ساتھ اچھل کر دور جا پڑا تھا۔ بات اسی حد تک ہوتی تو قابل قبول ہوتی۔ لیکن دوسرے لمحے سفید فام کے جسم پر پڑنے والی لکیروں سے خون کی دھاریں پھوٹ بہیں اور پھر اس کے پورے بدن کے بے شمار ٹکڑے زمین پر بکھر گئے۔

شائیں شائیں کی آوازیں راکان ہونزا کی کلائی سے منسلک اس کڑے سے بلند ہو رہی تھیں جس کا دوسرا حصہ فضا میں گردش کر رہا تھا۔ دوسرے سفید فام پستول بردار کا بھی یہی حشر ہوا۔ پستول صرف انہی دونوں کے پاس تھے باقی لوگوں نے سیاہ چمک دار ڈنڈے سنبھال رکھے تھے۔ سفید فام تو شاید راکان ہونزا کے اس انوکھے ہتھیار سے واقف نہیں تھے اس لئے وہ مختلف ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئے لیکن مقامی لوگ شاید اس ہتھیار کی کاٹ سمجھتے تھے چنانچہ وہ پیچھے ہٹ گئے۔ ادھر زمین پر گرے ہوئے منحوس چہرے والے شخص نے کسی مینڈک کی طرح زمین پر ہاتھ پاؤں ٹکا کر کامران پر چھلانگ لگائی۔ وہ شاید کامران کو زمین سے اٹھنے نہیں دینا چاہتا تھا۔ کامران بھی غافل نہیں تھا اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور اس کی چھلانگ خالی گئی لیکن منحوس چہرے والے نے ایک لمحہ رکے بغیر دوسری چھلانگ بھی لگا دی۔ وہ بڑی خوفناک انداز میں مینڈک کی طرح اچھل کود رہا تھا اور اگر کامران بجلی کی طرح نہ تڑپ رہا ہوتا تو اس کا بچنا مشکل تھا اس کے بعد کامران نے ایک اور ترکیب کی اس بار جونہی وہ کامران کے اوپر آیا کامران نے پاؤں سیدھا کر دیا اور پوری قوت سے اس کے منہ پر ٹھوکر ماری۔ اس بار وہ الٹ گیا تھا ادھر سیتا پیچھے ہٹ گئی تھی اور تین مقامی باشندے اس سے الجھے ہوئے تھے۔ وہ دونوں ہاتھوں میں ڈنڈے سنبھالے پینترے بدل رہے تھے۔ راکان ہونزا خاموشی سے کھڑا ان دونوں کو دیکھ رہا تھا دفعتاً تین مقامی باشندے دھاڑتے ہوئے راکان ہونزا پر حملہ آور ہوئے اور شائیں شائیں کی آوازیں پھر گردش کرنے لگیں۔ کامران نے ان تینوں کے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے ڈنڈوں کو ٹکڑوں میں تقسیم ہوتے ہوئے دیکھا اور اس کے ساتھ ہی ایک مقامی نوجوان درمیان سے دو حصوں میں تقسیم ہو گیا بس اس منظر کو دیکھتے ہوئے چوک ہو گئی۔ اس بار منحوس شکل والے مقامی باشندے نے اسے چھاپ لیا۔ اس نے کامران کے بال پکڑ کر اس کا سر زمین پر دے مارا اور کامران کی آنکھوں کے سامنے ستارے ناچ گئے لیکن فوراً ہی سیتا نے پیچھے سے ان کی گردن پکڑی اور اسے اٹھا کر دور اچھال دیا۔ وہ غالباً اس بات پر آمادہ تھا کہ کامران کا بھیجا پاش پاش کر دے لیکن اس میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا البتہ کامران کی آنکھوں میں ستارے ناچ گئے تھے اور پھر ستارے بجھنے لگے اس نے دماغ پر قابو پانے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن سر پر لگنے والی چوٹیں اتنی شدید تھیں کہ وہ ہوش میں نہ رہ سکا۔ نہ جانے کتنی دیر بے ہوش رہا تھا پھر ایک عجیب سی آواز نے اسے ہوش میں لانے میں مدد کی تھی۔ آواز واقعی بڑی عجیب سی تھی۔ لگ رہا تھا جیسے صور پھونکا جا رہا ہو۔ لیکن وہ صور نہیں ناقوس تھا۔ ناقوس بجائے جا رہے تھے اور آس پاس بھجن کی آوازیں ابھر رہی تھیں۔ کامران نے آنکھیں کھول کر دیکھا ماحول پر غور کیا تو خود کو ایک چھولداری میں پایا۔ آس پاس کوئی موجود نہیں تھا۔ اٹھنے کی کوشش کی تو پنڈلی کے پاس چبھن کا احساس ہوا۔ بہرحال وہ اٹھ بیٹھا۔ پنڈلی کو ٹٹولا تو یہاں ایک باریک سی سوئی پیوست تھی۔ کامران نے حیرت سے اس سوئی کو دیکھا۔ پنڈلی کے علاوہ پاؤں کی پانچوں انگلیوں میں ویسے ہی

ساخت کی سوئیاں پیوست پائیں۔ ایسی ہی کچھ سوئیاں اس کی کنپٹیوں میں پیوست تھیں۔ نہ جانے دل میں کیو ں ایک عجیب سے خوف کا احساس امڈ آیا۔ یہ سب کیا ہے کون سی جگہ ہے۔ پھر گزرے ہوئے واقعات کو ذہن میں دوڑایا تو آہستہ آہستہ سب کچھ یاد آتا چلا گیا۔ وقت کا اندازہ کیا تو احساس ہوا کہ صبح کی روشنی پھوٹ رہی ہے۔ رات گزر چکی تھی لیکن یہ سب کچھ کیا تھا۔

کامران نے پھر ایک بار چھولداری کا جائزہ لیا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر باہر نکل آیا۔ چند گز کے فاصلے پر یہ ایک عبادت گاہ نظر آرہی تھی۔ بھجن کی آوازیں وہیں سے بلند ہو رہی تھیں اور بے شمار افراد قطار در قطار ادھر سے ادھر آجا رہے تھے۔ آس پاس بہت سی چھولداریاں بکھری ہوئی تھیں۔ کامران پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف کا جائزہ لینے لگا لیکن اسے کوئی شناسا چہرہ نظر نہیں آیا تھا۔ ''کہاں گئے یہ سب۔'' اس نے پریشانی کے انداز میں سوچا اور اس کے بعد وہ ان چھولداریوں کے درمیان انہیں تلاش کرنے لگا' لیکن ناممکن ہی رہا۔ کوئی ایک شکل جو نظر آئی ہو۔ پھر وہ وہاں سے چل پڑا اور یونہی ایک بے نام منزل کی طرف قدم اٹھا دیئے۔ قرب و جوار میں عمارتیں نظر آرہی تھیں جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ اچھا خاصا شہر ہے لیکن راکان ہونزا' سیتا یا پھر اس کے وہ ساتھی یعنی سلاذار شاہیری اور نشیبہ یا امینہ سلفا کسی کا کہیں پتا نہیں تھا۔ پتا نہیں رات کو ان کا کیا حشر ہوا۔ جوں جوں حالات پر غور کر رہا تھا عقل ساتھ چھوڑتی جا رہی تھی۔ وہ لمحے یاد آئے جب راکان ہونزا ایک خطرناک جنگ لڑ رہا تھا۔ وہ انوکھا ہتھیار جو صرف دو لوہے کے ٹکڑوں پر مشتمل تھا اور اس کی کاٹ خدا کی پناہ۔ جسم کی ہڈیاں صابن کی طرح کٹ جاتی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی سیتا کی پھرتی اور قوت۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا اور پھر یہ سوئیاں اسے یاد آیا کہ گرشنک بھی یہ کمال ایک بار دکھا چکا ہے۔ اچانک ہی ایک اور خیال ذہن میں آیا اس چھولداری میں اسے کسی خاص مقصد کے لئے تو نہیں پہنچایا گیا۔ ممکن ہے وہ لوگ تعاقب کر کے کامران کے ساتھیوں کا پتا لگانا چاہتے ہوں۔ بہرحال ابھی کوئی فیصلہ کرنا بڑا مشکل تھا۔ سوائے اس کے کہ یہ جائزہ لیا جائے کہ کون سی جگہ ہے اور کس حیثیت کی حامل۔ سب سے پہلے کامران نے اپنے جسم سے وہ عجیب و غریب سوئیاں نکال کر پھینکیں جن سے اسے تکلیف تو بالکل نہیں ہو رہی تھی لیکن پھر بھی وہ بہت عجیب و غریب لگ رہی تھیں اسے کوئی جسمانی تکلیف بالکل نہیں تھی۔ وہ شہر میں گھومتا رہا۔ شہر کا نام بھی معلوم ہو گیا تھا اسے۔ لیکن اس وقت اس کے پورے بدن میں سرد لہریں دوڑ گئیں جب اس نے علی سفیان کو ایک شاندار سے ہوٹل میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا۔ علی سفیان ٹیکسی سے اترا تھا۔ وہ ٹیکسی کا بل ادا کر کے ہوٹل میں داخل ہو گیا۔ کامران فوراً ہی اس کے پیچھے دوڑ پڑا تھا۔

کہیں وہ نگاہوں سے اوجھل نہ ہو جائے۔ ایک لمحے کے لئے تو اس نے سوچا تھا کہ ممکن ہے کہ کرنل گل نواز وغیرہ بھی وہیں موجود ہوں اور ان سے ملاقات کی جا سکے لیکن وہ علی سفیان کے سامنے نہیں آیا تھا۔ ہوٹل کی پانچویں منزل پر علی سفیان ایک کمرے میں داخل ہو گیا۔ کامران نہایت احتیاط سے اس منزل کی نگرانی کرنے لگا۔ بہرحال جائزہ لینا ضروری تھا اور اس کا اندازہ درست نکلا اس نے شعورا کو دیکھا جو اسی پانچویں منزل کے ایک کمرے میں تھی قزل شائی اور شعورا بہرحال معتدل لوگ تھے اور بڑی اچھی حیثیت کے حامل اس کے بعد بہت دیر گزر گئی لیکن کامران کو اور کوئی نظر نہیں آیا تھا۔

آخر کار اس نے قزل شائی ہی کے کمرے کا رخ کیا۔ دستک دی تو شعورا نے ہی دروازہ کھولا تھا ایک لمحے کے لئے وہ بھونچکی رہ گئی تھی جیسے اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا ہو۔ پیچھے سے قزل شائی کی آواز سنائی۔

''شعورا کون ہے؟'' شعورہ نے فوراً ہی کامران کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''آؤ کامران اندر آجاؤ۔''

''کامران'' اندر سے قزل شائی کی متحیر آواز سنائی دی۔ کامران اندر داخل ہوا لیکن اس نے دروازہ فوراً ہی اندر سے بند کر دیا تھا تاکہ کوئی اور اندر نہ آجائے قزل شائی حیرت بھری نظروں سے کامران کو دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔

''تم زندہ ہو؟''

''کیا آپ کو میری موت کی اطلاع ملی تھی؟''

''نہیں۔ کوئی اطلاع ہمیں نہیں ملی لیکن یہاں سبھی نے تمہیں مردہ تصور کر لیا تھا۔ بیٹھو پلیز۔ کدھر تھے تم اس دوران۔''

''لمبی کہانی ہے۔ مجھے آپ یہ بتایئے کرنل گل نواز کون سے کمرے میں ہیں؟''

''اوہ تو تمہیں کچھ نہیں معلوم؟''

''کیا مطلب......''

''کرنل صاحب سخت بیمار ہو گئے تھے ہم لوگ کافی آگے نکل چکے تھے لیکن کچھ ایسے حالات پیش آئے کہ ہمیں واپسی کا سفر طے کرنا پڑا اور ہم یہاں پہنچ گئے۔''

''کرنل بیمار ہو گئے تھے۔''

''ہاں۔''

''تو پھر۔''

''واپس چلے گئے۔''

''واپس چلے گئے؟''

''ہاں۔''

''ہم......مگر۔''

''نہیں ان کی کیفیت کافی خراب ہو گئی تھی اصل میں انہیں ایک زہریلی مکھی نے کاٹ لیا تھا جس کے اثرات نہایت مضر ہوتے ہیں۔ رانا چندر سنگھ انہیں لے کر واپس چلے گئے۔''

''رانا چندر سنگھ بھی گئے۔''

''ہاں اب صرف علی سفیان اس کی بیوی امینہ سلفا' میں اور شعورہ یہاں رہ گئے۔ ہم لوگوں نے اپنا ایک الگ گروپ بنایا ہے بلکہ بنایا گیا ہے بنا رہے ہیں یہ تو بڑی اچھی بات ہوئی کہ تم یہاں آگئے تمہیں بھی ہم ساتھ رکھیں گے لیکن تم اس دوران کہاں غائب ہو گئے تھے ان لوگوں کو مکمل تفصیل بتانا کامران نے مناسب نہیں سمجھا۔ کرنل گل نواز کے لئے وہ پریشان ہو گیا تھا اور اب سچی بات یہ ہے کہ یہاں رکنا اسے بالکل بے

مقصد لگ رہا تھا ظاہر ہے کرنل ہی کے لئے یہاں تک آیا تھا اور اب اگر کرنل صاحب ہی یہاں سے واپس چلے گئے تو اسے ان تمام چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی باقی سارے کام تو بالکل بے مقصد ہی تھے قزل ثنائی نے اس سے بہت سی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن اس نے کچھ نہیں بتایا۔ قزل ثنائی نے کہا۔

"تمہارے پاس کوئی کمرا تو ہوگا نہیں۔ میں تمہارے لئے ایک کمرا بک کرائے دیتا ہوں۔"

"نہیں میں ایک اور ہوٹل میں مقیم ہوں بعد میں آپ سے مل لوں گا۔ امینہ سلفا بھی یہاں موجود ہے۔"

"کیوں خاص طور سے تم نے اسی کے بارے میں کیوں سوال کیا۔؟

"نہیں کوئی خاص بات نہیں علی سفیان کو تو میں نے دیکھا تھا ایسے ہی معلوم کرنا چاہتا تھا وہ یہیں ہے۔"

"ہاں بالکل" قزل ثنائی نے بڑے اعتماد کے ساتھ کہا۔

"نہیں میرا مطلب تھا میرے علم میں یہ بات آئی تھی کہ وہ کافی دن یہاں سے غائب رہیں۔"

"امینہ سلفا۔"

"جی"

"نہیں بھئی جس نے بھی یہ تمہارے علم میں اضافہ کیا ہے دھوکا دیا ہے غلط کہا ہے وہ یہیں موجود تھی" کامران کا ذہن چکرا کر رہ گیا تھا زمانہ قدیم کی پراسرار روح واقعی اپنے اندر اسرار کے خزانے رکھتی تھی کامران اس کے سامنے نہیں آنا چاہتا تھا۔ خاصے عرصے سے وہ اس کے قریب نہیں پہنچی تھی۔ سلازار نشینہ وغیرہ بھی۔ فی الحال غائب ہی تھے۔ کامران ابھی...... کوئی فیصلہ کر رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے بہر حال تھوڑی دیر تک ان کے ساتھ رہنے کے بعد وہ خاموشی سے باہر نکل آیا۔ امینہ سلفا کے مسئلے میں اس کا ذہن بری طرح چکرایا ہوا تھا پھر اس نے فیصلہ کیا کہ خود بھی کسی مناسب جگہ قیام کرے۔ یہاں تاک ٹوئیاں مارتے ہوئے خاصا وقت گزر چکا ہے فیصلہ کرنا تھا کہ گرشنک اور سیتا کے مشن پر کام کیا جائے راکان ہونزا سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کیا جائے یا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اپنے گھر کا رخ کیا جائے۔ وہ وہاں سے نکل کر پیدل چلتا ہوا بہت دور آ گیا جن پراسرار واقعات میں وہ الجھا ہوا تھا انہوں نے اس کے دماغ کی چولیں ہلا دی تھیں پھر ایک اور ہوٹل کا بورڈ نظر آیا تو اس نے ادھر کا رخ کیا یہ بھی ایک اچھا ہوٹل تھا۔ اسے کمرا حاصل کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئی تھی اور وہ ہوٹل کے اس کمرے میں منتقل ہو گیا پھر تقریباً چوبیس گھنٹے اس نے بالکل سکون سے گزارے تھے صرف کھانے پینے کی اشیا طلب کرنے کے علاوہ اور کوئی عمل اس نے نہیں کیا تھا اور سکون سے وقت گزارا تھا لیکن سکون بعض لوگوں کی تقدیر ہی میں نہیں ہوتا وہ اب بھی اپنے کمرے میں ہی تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ سمجھا یہی تھا اس نے کہ ویٹر ہوگا لیکن آنے والی سیتا تھی جو بڑے اعتماد سے اندر داخل ہوئی تھی۔

"ارے۔" کامران اچھل کر بیٹھ گیا۔ سیتا مسکرا دی پھر بولی۔

"نہیں جا سکتے ناممکن ہی نہیں ہے۔"

"سیتا تم یہاں؟" کامران حیرت سے بولا۔

"یہی تو کہہ رہی ہوں نا کہ نہیں جا سکتے کہیں بھی نہیں جا سکتے تم ہم سے دور نہیں جا سکتے یہ وقت کی تحریر ہے۔"

"مگر تم یہاں کیسے آ نکلیں؟ تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ میں اس کمرے میں مقیم ہوں۔"

"اس لئے کہ تمہارے بالکل سامنے والے تیسرے کمرے میں ہم لوگ ہیں" سیتا نے جواب دیا۔

"ہم لوگ"

"ہاں میں اور راکان ہونزا۔"

"اوہ...... کیا واقعی۔"

"جھوٹ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا آؤ وہیں بیٹھ کر باتیں ہوں گی۔" کامران ایک گہری سانس لے کر کمرے سے باہر نکل آیا تھا اپنے کمرے کو لاک کر کے وہ سیتا کے ساتھ باہر نکل آیا اور آخر وہ دونوں سامنے والی روکے...... تیسرے کمرے میں داخل ہو گئے سیتا نے پلٹ کر کمرے کا دروازہ بند کر دیا تھا۔ کمرے میں بستر پر ایک شخص دراز تھا جس نے سلیپنگ سوٹ پہنا ہوا تھا۔ یہ راکان ہونزا کا نیا روپ تھا جو کامران دیکھ رہا تھا۔ سیتا دروازہ بند کر کے واپس مڑی راکان ہونزا بھی اٹھ کر بیٹھ گیا اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"بیٹھیے مسٹر کامران"

"کمال کے لوگ ہیں آپ میں تو بالکل اتفاقی طور پر اس ہوٹل میں آ کر مقیم ہو گیا ہوں۔"

"بس تو ہم تمہیں سونگھتے ہوئے یہاں تک آ گئے۔"

"وہاں کیا ہوا تھا کچھ پتا چل سکا میرے ساتھ جو واقعات پیش آئے تھے وہ آپ کے علم میں ہیں۔"

"ہاں بالکل علم میں ہیں ہم نے تمہیں اپنی نگاہوں سے اوجھل نہیں کیا ہمیں وہاں سے فوراً ہی پلٹنا پڑا کیونکہ خانقاہوں میں اب ہمارے لئے کوئی جگہ نہیں رہی ہے ہمارے دشمن ہمیں تلاش کر رہے ہیں وہ گرشنک کی تلاش میں زمین اور آسمان ایک کئے ہوئے ہیں چنانچہ ہم نے یہاں قیام کیا۔"

بڑی بات ہے میں حیران ہوں میری سمجھ میں یہ نہیں آیا کہ وہ لوگ کون ہیں؟"

"وہ تمہیں مختصر یہ بتاؤں کہ وہ بہت پراسرار لوگ ہیں ان لوگوں نے کئی جگہ مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے میں انسانوں کی زندگی سے کھیلنے کا شوقین نہیں ہوں لیکن جب صورتحال ناگزیر ہو جائے تو پھر کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی ہوتا ہے چنانچہ بہ حالت مجبوری مجھے ان لوگوں کا قتل کرنا پڑا۔ راکان ہونزا کے لہجے میں افسردگی جھلک رہی تھی۔ اگر آپ انہیں قتل نہ کرتے راکان ہونزا تو وہ آپ کے لئے بہت بڑی مصیبت بن سکتے تھے۔ بہر حال مجھے حیرانی ہے کہ آپ اس طرح یہاں تک آ گئے لیکن میں بے ہوش ہو گیا تھا۔

"تم شدید اذیت میں تھے اگر راکان ہونزا تمہارا فوری علاج نہ کرتے تو تمہیں ایک آدھ مہینے تک بستر پر پڑے رہنا پڑتا تمہیں اس علاج کے بعد وہاں پہنچایا گیا تھا۔"

"علاج"

"ہاں کیا تم نے ہوش میں آنے کے بعد اپنے جسم کے مختلف حصوں میں سوئیاں چبھی ہوئی محسوس نہیں کیں یہ ایک خاص طریقہ علاج ہے اور اس کے ذریعے تمہیں اس شدید تکلیف سے آزاد کر دیا گیا جو بعد میں تمہیں نڈھال کر دیتی۔ اصل میں ہمارے پاس اپنا کوئی ٹھکانا نہیں تھا اسی حالت میں ہم نے تمہیں وہاں

سے اٹھایا اور خانقاہ کے اس خیمے میں لے گئے۔ ہمیں یقین تھا کہ تم وہاں سے اپنی منزل پر واپس لوٹ آؤ گے۔ کیونکہ خانقاہ کا انتخاب غلط نہیں کیا گیا تھا وہ شہر سے زیادہ دور نہیں تھی۔ کامران واقعی حیران رہ گیا۔ گویا ان سوئیوں کے ذریعے اس کا علاج کیا گیا تھا انوکھا اور عجیب طریقہ علاج تھا جس نے اسے واقعی کسی تکلیف کا احساس نہیں ہونے دیا تھا۔

"اچھا اب یہ بتاؤ اب کیا کرنا ہے۔؟"

"ہم اپنا مشن جاری رکھیں گے ہم کوئی جرم نہیں کر رہے۔ بس یوں سمجھ لو کہ ہم مصیبتوں کا شکار ہیں اور اپنی مصیبتوں کو رفع کرنا چاہتے ہیں ہم اپنی منزل کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ ہم اس شہر کے باسی ہیں جو پاتال کی گہرائیوں میں سو رہا ہے اس سوتے ہوئے شہر کو جگانا ہمارا فرض اولین ہے اور تم سے بھی ہم اسی سلسلے میں مدد حاصل کر رہے ہیں۔"

"کیا اس میں وہ خزانہ بھی شامل ہے؟" کامران نے سوال کیا اور راکان ہونزا کے ہونٹوں پر ایک تلخ سی مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

"خزانہ صرف وہ ہوتا ہے جو کسی زندہ وجود کی ضرورتیں پوری کر دے۔ ہمارا خزانہ وہ چمک دار دھات یا چکنے پتھر نہیں ہیں بس ہمارا خزانہ کچھ اور ہی ہے اور تم یقین کرو جس خزانے کے طلب گار دنیا کے انسان ہوتے ہیں یعنی وہ جو اس کے چکر میں اپنا سب کچھ کھوئے ہوئے ہیں وہ جتنا تم چاہو گے ہم تمہیں دے دیں گے۔ آہستہ آہستہ تمہیں ہمارے بارے میں تفصیل معلوم ہو جائے گی اس سے قبل بھی ہم نے چند لوگوں کو اپنا رازدار بنانے کی کوشش کی تھی لیکن وہ غلط راستوں کے انسان تھے اور ہمیں اس غلط فیصلے سے شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ دراصل وہ لوگ یہ بات تسلیم کرنے کو تیار ہی نہیں تھے کہ...... اچانک ہی راکان ہونزا اس طرح خاموش ہو گیا جیسے اسے اپنے زیادہ بولنے کا احساس ہو گیا ہو پھر اس نے کہا۔

"تم ایک ذہین انسان ہو اور جیسا کہ میں نے تم سے کہا کہ تم خصوصی حیثیت کے حامل ہو ہمارے لئے اس لئے کہ تم پاتال پرستی کی امیدوں کا مرکز ہو تم پدم ماترا ہو ہمارے لئے اب تم وہ صورت کہاں سے لے کر آئے یہ جاننے والا جانتا ہے ہمیں تم سے جو مدد کی ضرورت ہے بس اس میں تم ہمارے معاون رہنا۔"

"بے فکر رہو۔ میں تمہارے مقصد کی تکمیل کے لئے مکمل طور پر تیار ہوں کسی لالچ کے بغیر۔"

"بہت بہت شکریہ۔ اصل میں سب سے بڑی مشکل جو ہمیں اس وقت پیش آ گئی ہے وہ گرشک کی غیر یقینی گمشدگی ہے سیتا کو بھی پہلے احساس نہیں تھا کہ ہواؤں میں سونگھ کر بھی وہ گرشک کو تلاش نہیں کر پائے گی لیکن گرشک اس طرح غائب ہو گیا ہے کہ اب تو اس بات کا شبہ ہونے لگا ہے کہ کہیں وہ کسی سازش کا شکار نہ ہو گیا ہو۔ اس لئے ہماری پریشانی اور زیادہ بڑھ گئی ہے ہم جانتے ہیں کہ ہمارے بے شمار دشمن ہمارے اردگرد بکھرے ہوئے ہیں گرشک کی تلاش کے بغیر ہمارا تمام کام بے مقصد ہو جاتا ہے۔ بس گرشک ہم میں شامل ہو جائے تو صورتحال آگے بڑھے ورنہ ہمارے قدم ایک طرح سے رک گئے ہیں۔"

"گویا سونگھ کر تم اس کے بارے میں معلومات حاصل نہیں کر سکتے" کامران نے سوال کیا اور سیتا افسردگی سے گردن ہلانے لگی۔ پھر بولی۔

"ہاں وہ ہماری سونگھنے کی حد سے باہر ہے۔"

"ہوں بہرحال میں تمہارا ساتھی ہوں جس طرح تم پسند کرو میں تمہاری مدد کے لئے حاضر ہوں ویسے بڑی حیرانی کی بات تھی میرے لئے جس طرح تم نے اس ہتھیار سے ان لوگوں کا مقابلہ کیا۔"

"مجبوری تھی مجبوری میں نے بالکل عاجز آ کر اس وقت تمہارے سامنے ان لوگوں پر ہتھیار اٹھایا تھا جب میرا تعاقب کرنے والوں نے زندگی مجھ پر تنگ کر دی تھی اور اس کے سوا کوئی چارہ نہیں رہا تھا کہ اب میں ان کا خاتمہ کر دوں۔ یہ مقدس ہتھیار جب کھلتا ہے تو خون چاٹ کر ہی واپس آتا ہے ورنہ اسے کھولنا گناہ ہے۔ یہ ہمارا مذہبی ہتھیار ہے اور اس ہتھیار سے ایک عہد وابستہ ہے اسے رکھنے والے اس کی قیمت ادا کرتے ہیں یہ جب کھلتا ہے تو اسے خون میں ڈبوئے بغیر واپس نہیں پہنچا جا سکتا۔"

"بڑی دلچسپ بڑی انوکھی باتیں ہیں تم سب حیرت انگیز ہو۔ اچھا ایک بات بتاؤ کہ کیا یہاں قیام محفوظ ہے؟"

"مجبوری ہے وہ لوگ خانقاہوں میں ہمیں تلاش کر رہے ہیں حالانکہ ان ہوٹلوں کی دنیا کو میں برداشت نہیں کر سکتا۔ میں خاموشی سے اپنے آپ کو چھپانا چاہتا تھا اور اس کے لئے یہ جگہ غیر محفوظ ہے بہت جلد ہم کوئی اچھی رہائش گاہ تلاش کر لیں گے بس گرشک ہمیں مل جائے اس کے بعد ہم آگے کے سفر کا آغاز کریں گے لیکن اب تم ہمارے لئے سب سے قیمتی انسان ہو۔ آہا۔ یاد آیا ہم تمہارے ساتھ ایک مذاق کرنا چاہتے ہیں۔ راکان ہونزا کے لہجے میں ایک کھلنڈرا پن جھلکنے لگا۔

"مذاق......" کامران نے تعجب سے کہا۔

"ہاں براہ کرم ہمارے اس مذاق کو برداشت کر لو۔"

"کیسے" کامران پھیکی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"آؤ اس جگہ بیٹھ جاؤ۔" سیتا نے کہا کامران نے ان کے ساتھ تعاون کرنے کا فیصلہ کیا تھا یہ لوگ جس طرح پراسرار شخصیتوں کے مالک تھے اس لحاظ سے ان کا کوئی بھی عمل باعث حیرت نہیں تھا چنانچہ کامران نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور جوتے اتار کر کمرے کے فرش پر بیٹھ گیا۔ ان دونوں نے بھی جوتے اتار دیئے تھے کامران دلچسپی سے ان کی حرکتیں دیکھتا رہا۔ پھر دونوں نے ہاتھ پاؤں زمین پر ٹکائے اور چوپایوں کی طرح چلتے ہوئے کامران کے قریب پہنچ گئے سیتا نے کامران کے پیروں کے تلوؤں پر ناک رکھی اور گہری گہری سانسیں کھینچنے لگی۔ وہ ہٹی تو راکان ہونزا نے بھی وہی حرکت دہرائی۔ وہ پیروں کے تلوؤں کو سونگھتے ہوئے پنڈلیاں پھر کامران کے سر تک پہنچ گئے لیکن دونوں انتہائی سنجیدہ تھے اور نہایت انہماک سے یہ کام کر رہے تھے یہ عمل دیر تک جاری رہا پھر دونوں سیدھے کھڑے ہو گئے۔ کامران اس پراسرار حرکت کے بارے میں کچھ بھی نہیں سمجھ سکا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے شکریہ ادا کیا اور خود بھی جوتیاں پہن کر بیٹھ گئے کامران نے خود بھی اپنے جوتے پہن لئے تھے۔

"یہ کیسا انوکھا مذاق نہیں تھا مسٹر راکان ہونزا۔"

"ہاں تھا تو انوکھا لیکن اسے مذاق نہ کہو ہم نے تمہیں بتایا تھا کہ ہماری قوت شامہ بہت تیز ہے ہم

فضاؤں میں سونگھ کر اپنے جانے پہچانے لوگوں کا پتا چلا لیتے ہیں ہم نے تمہارے بدن کی خوشبو اپنے ذہن میں اتار لی ہے اور تم ہماری سونگھنے کی حد میں ہو گے تو ہم تمہارا بہ آسانی پتا لگا سکتے ہیں وجہ یہ ہے کہ اب تم ہماری ایک ضرورت بن چکے ہو۔" کامران نے ایک گہری سانس لی تھی پھر اس نے کہا۔

"اچھا اب یہ بتاؤ کہ یہاں کب تک قیام ہوگا؟"

"تھوڑا وقت بس ذرا یہ اندازہ لگا لیا جائے کہ ہمارے دشمن ہم سے کتنے فاصلے پر ہیں۔"

"ٹھیک ہے میرے باہر نکلنے پر تو کوئی اعتراض نہیں ہے تمہیں۔"

"احتیاط بس احتیاط رکھنا" چنانچہ کامران وہاں سے نکل آیا۔ اس کے کمرے سے باہر نکلنے کے بعد سیتا نے پھر دروازہ اندر سے بند کر لیا تھا۔ کامران اپنے کمرے میں نہیں گیا بس دل چاہا تھا کہ آوارہ گردی کرے۔ نہ اب اسے کسی خطرے کا احساس تھا نہ ہی کوئی ایسی طلب جو اس کے دل میں خاص طور سے ہو۔ اب اس نے اپنے آپ کو ان واقعات میں ضم کر لیا تھا۔ کرنل گل نواز کے جانے کے بعد ہونا تو یہی چاہیے تھا کہ وہ خود بھی یہاں سے چلا جاتا' کیونکہ اب بھی یہ بات پورے اعتماد سے کہی جا سکتی تھی کہ خزانہ اس کی طلب نہیں تھا وہ سارے لوگ اس کے لئے دیوانے ہو رہے تھے اسے بالکل پروا نہیں تھی۔ یہ تمام احساسات اس کے لئے عجیب سی کیفیت کے حامل تھے اور وہ انہی میں الجھا ہوا تھا دیکھنا یہ تھا کہ اب اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔ کرنل گل نواز کے جانے کے بعد دل تو یہی چاہتا تھا کہ وہ خود بھی واپس چلا جائے اور وہاں اپنی دنیا میں مست ہو جائے لیکن یہ ایک عجیب و غریب کہانی شروع ہوئی تھی اور وہ پراسرار باتیں جو ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آسکی تھیں اسے متاثر کر رہی تھیں یعنی ایسی ستی ساوتری جو پاتال کی گہرائیوں میں اس کا انتظار کر رہی ہے جب کہ راکان ہونزا نے اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ وہ کردار وہ خود نہیں ہے بلکہ کسی ایک اہم کردار کا ہم شکل ہے اس کا ہم شکل اصل کردار کہاں ہے یہ بھی علم نہیں تھا جب بھی وہ اس بارے میں سوچتا ذہن عجیب سے تصور کا شکار ہو جاتا اور آخر کار یہی فیصلہ کرنے پر مجبور ہوتا کہ اب جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔ وہ اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کر سکتا بہت دیر تک وہ شہری آبادیوں کا جائزہ لیتا رہا۔ ایک مخصوص ثقافت ایک مخصوص انداز اور اس کے بعد اسے چونکنا پڑا۔

ایک انتہائی انوکھا کردار نظر آیا تھا اور یہ دانش تھا دانش نے اسے دیکھ لیا تھا جب کہ اس نے دانش کو نہیں دیکھا تھا۔ پھر جب عقب سے ایک ہاتھ اس کے کاندھے پر آ کر ٹکا تو وہ چونک پڑا اس نے پلٹ کر دیکھا اور اس کے چہرے پر عجیب و غریب تاثرات پھیل گئے۔

"ہاں اور بھلا اس بات میں کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے کہ تم کامران ہو۔"

"ہاں مسٹر دانش شک و شبے کی تو واقعی بات نہیں ہے۔ آپ کیسے ہیں؟"

"ٹھیک ہوں۔ لیکن تمہیں یہاں دیکھ کر مجھے جس قدر حیرانی ہوئی ہے میں اسے الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا۔"

"اور مجھے...... تعجب ہے مسٹر دانش کہ آپ نے مجھے کہاں گم کر دیا تھا۔" دانش نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر ایک طرف اشارہ کر کے بولا۔

"آؤ وہ اوپن ائیر ریسٹوران نظر آ رہا ہے ہم وہاں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔" دانش کا انداز نہایت دوستانہ تھا کامران اس کے ساتھ چل پڑا دانش کے مل جانے سے اسے ایک عجیب سی الجھن کا احساس ہو رہا تھا' لیکن ریسٹوران تک جاتے ہوئے اس نے یہ طے کر لیا تھا کہ اسے دانش سے کیا بات کرنی ہے شام جھک چکی تھی اور روشنیاں جلتی جا رہی تھیں دانش ایک خوبصورت سوٹ میں ملبوس بہت ہی اسمارٹ لگ رہا تھا۔ کرسیوں پر بیٹھنے کے بعد اس نے کافی طلب کر لی اور خاموشی سے کافی آنے کا انتظار کرتا رہا۔ کامران پر خیال نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ اسے اچھی طرح احساس تھا کہ دانش اس کے چہرے کا گہری نگاہوں سے جائزہ لے رہا ہے چنانچہ اس نے خود ہی سوال کر ڈالا۔

"آپ کچھ مشکوک' مشکوک سے نظر آ رہے ہیں۔ مسٹر دانش۔"

"نہیں مشکوک کا لفظ مناسب نہیں ہے میں تو تمہیں غور سے اس لئے دیکھ رہا ہوں کہ میں اس دوران تمہاری گمشدگی کے بارے میں بے حد پریشان رہا ہوں۔ تم مجھے خاصی بہتر حالت میں نظر آ رہے ہو۔"

"ہاں۔ میں بہتر حالت میں ہوں' لیکن میں یہ بات جاننا چاہتا ہوں کہ آخری بار جب ہماری ملاقات ہوئی تھی تو ہم کن حالات میں تھے اور پیش آنے والا سارا کھیل کیا تھا؟"

"تم اپنے بارے میں بتاؤ۔"

"میں نے تو ایک طویل سفر کیا ہے اور جن حالات کا شکار رہا ہوں آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"انہی حالات کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔"

"مسٹر دانش میں جن حالات کا شکار رہا ہوں ان کی کچھ تفصیل پیش خدمت ہے" کامران نے کہا اور دانش کو نہایت احتیاط کے ساتھ کچھ ایسے واقعات سنا دیئے جو تھوڑے بہت حقیقت تھے اور زیادہ تر تکلف۔"

"واقعی بڑی سنگین صورت حال ہے تم بلاشبہ بہت سی پراسرار قوتوں کی توجہ کا مرکز بن گئے ہو اور مجھے اس بات پر بڑی تشویش ہے اچھا ایک بات بتاؤ اس وقت کیا تم کرنل گل نواز کے ساتھ ہو۔"

بڑی سنگین کیفیت ہے کرنل گل نواز واپس جا چکا ہے اس کے ساتھ رانا چندر سنگھ بھی تھا وہ بھی واپس چلا گیا ہے اصل میں کرنل گل نواز بیمار ہو گیا تھا۔ رانا چندر سنگھ اسے لے کر چلا گیا' لیکن قزل شائی' اس کی بیوی شعورا' علی سفیان اور اس داستان کا سب سے خوف ناک کردار انا طوسیہ یا امینہ سلفا یہ ابھی موجود ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ کرنل گل نواز بے وقوف تھا' جن لوگوں کو اس نے اپنی مہم جوئی میں ساتھ لیا وہ بہت چالاک لوگ ہیں اور اپنا مقصد حل کرنے کے لئے سارے کام کر رہے ہیں اور تم' تم جیسے لوگوں کو وہ اپنے جوتے کے برابر تصور کرتے ہیں لیکن اتفاق کی بات یہ ہے کہ تم اس سلسلے میں تاریخ کا ایک پراسرار کردار بن گئے ہو' ایک ایسا کردار جس کے سلسلے میں بھی ابھی تک الجھا ہوا ہوں' جن لوگوں نے ہم پر حملہ کیا تھا وہ معمولی لوگ نہیں تھے بلکہ اس سلسلے میں انتہائی ٹھوس کردار کے حامل تھے میرا ایک بہترین ساتھی یعنی گورڈن شدید زخمی ہو گیا تھا' اتنا زخمی کہ عرصے تک زندگی اور موت کی کشمکش کا شکار رہا تھا بے شک اب وہ بہتر حالت میں ہے لیکن پھر بھی بہرحال وہ خطرناک عورت جو قزل شائی اور علی سفیان کے ساتھ ہے اس کہانی کا سب سے بھیانک کردار ہے اور اب میں تمہیں بتا دوں کہ میری اصل جنگ ہی اس کے ساتھ ہے وہ بے وقوف پروفیسر جس کا

نام قزل ثانی ہے اور بس یوں سمجھ لو کہ ایک ثانوی کردار ہے اور تم...... خیر چلو اٹھو یہاں سے چلتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے" کامران دانش کے ساتھ باہر نکل آیا فٹ پاتھ کے ساتھ ایک قیمتی گاڑی کھڑی ہوئی تھی دانش نے اس کا لاک کھولا اور اسٹیئرنگ پر جا بیٹھا۔ کامران کے لئے اس نے برابر کی سیٹ کا دروازہ کھول دیا تھا پھر اس نے گاڑی اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی کامران تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

"مسٹر دانش ہم لوگ کہاں جا رہے ہیں؟"

"جہاں میں تمہیں لے جا رہا ہوں وہاں سے تمہیں بہت سی قیمتی معلومات حاصل ہوں گی" کار تقریباً آدھے گھنٹے تک دوڑتی رہی پھر اس نے اسے سڑک سے نیچے اتار دیا کامران راستے پر غور کر رہا تھا۔ دانش کار کو اس طرح چلا رہا تھا جیسے یہ راستہ اس نے اچھی طرح دیکھا ہو۔ کچا اور ناہموار راستہ تھا لیکن اس کا اختتام ایک عمارت کے سامنے ہوا یہ خانقاہ نہیں تھی لیکن اس کی تعمیر کسی خانقاہ ہی کی مانند تھی بدصورت اور بھدی عمارت کے احاطے میں درخت بے ترتیب سے اگے ہوئے تھے سامنے ایک بڑا دروازہ تھا جس کے رخنوں سے روشنی چھن رہی تھی اچانک ہی دانش نے سوال کیا۔

"ریوالور ہے تمہارے پاس؟"

"نہیں۔" کامران نے سادگی سے جواب دیا۔

"میرا مطلب ہے کوئی بھی ایسا ہتھیار جس کو ہم اپنے تحفظ یا کسی پر حملہ کرنے کی شکل میں استعمال کریں۔"

"اوہو۔ میرے ذہن میں بالکل ایسا کوئی خیال نہیں تھا کہ کسی ایسی چیز کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔"

"ضرورت کا امکان تو بالکل نہیں ہے لیکن پھر بھی احتیاط اچھی چیز ہوتی ہے۔"

"افسوس اس وقت میرے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہے۔"

"خیر آؤ" دانش پر خیال انداز میں بولا اور کامران اس کے ساتھ چلتا ہوا عمارت کے اس بڑے دروازے کے پاس پہنچ گیا جو سامنے نظر آ رہا تھا دانش نے دروازے کے پٹ کو دھکیلا تو دروازہ چرچراہٹ کی آواز کے ساتھ کھل گیا دروازے کے دوسری طرف ایک کشادہ ہال بنا ہوا تھا جس میں لاتعداد تخت بنے ہوئے تھے ہال میں کئی ستون تھے اور ان ستونوں میں چربی سے جلنے والی مشعلیں نصب تھیں یہ مشعلیں ہی ہال کو روشن کر رہی تھیں دانش نے اندر داخل ہو کر چاروں طرف دیکھا اور پھر کامران کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کر کے ایک جگہ رک گیا۔ پھر اس نے کہا۔

"وہاں اس پتھر پر بیٹھ جاؤ" اشارہ ایک ستون کی طرف تھا۔

"بڑی پراسرار جگہ ہے۔" کامران نے متاثر لہجے میں کہا۔

"اور بے حد خوفناک بھی ہے۔"

"ہاں مجھے اندازہ ہو رہا ہے۔"

"میں نے تم سے کہا تھا کہ احتیاط اچھی چیز ہوتی ہے تمہیں کوئی ہتھیار ضرور ساتھ لانا چاہیے تھا خیر جو کچھ ہوتا ہے تقدیروں سے ہوتا ہے اور بڑے اہتمام سے ہوتا ہے دیکھو۔ اب جو کچھ ہو" دانش نے کوٹ کی

جیب میں ہاتھ ڈال کر ریوالور نکال لیا اور بولا۔

"اور اب دیکھو اس ریوالور کی نال کا رخ تمہارے دل کی طرف ہے نشانہ ٹھیک ہے نا" کامران چونک پڑا دانش کے چہرے کی سنجیدگی دیکھ کر اس نے حیرانی سے گردن ہلائی اور بولا۔

"کک۔ کیا مطلب؟"

"میری انگلی کا ہلکا سا دباؤ تمہارے دل میں سوراخ کر دے گا۔ دل کے سوراخ کا مطلب تم ضرور جانتے ہو گے" دانش کا لہجہ بدل گیا تھا۔

"کوئی دلچسپ مذاق لگ رہا ہے یہ مجھے" کامران نے اپنے وجود میں پھیل جانے والی سنسنی کو چھپانے کی کوشش کی۔

"ہرگز نہیں۔ یہ ایک سنگین حقیقت ہے یہ پرسکون جگہ تمہاری آخری آرام گاہ بھی بن سکتی ہے" دانش کا لہجہ اب بے حد سفاک ہو گیا تھا۔ کامران نے کہا۔

"میں بالکل نہیں سمجھا مسٹر دانش"

"بے وقوف کے بچے تم خود سے کہیں زیادہ ذہین لوگوں کو بے وقوف بنانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہو یہ بات پہلے ہی دن سے میرے علم میں تھی کہ تم مجھ سے مخلص نہیں ہو میں نے تمہیں پوری چھوٹ دی تھی کہ تم اپنی ذہانت استعمال کرتے رہو۔ میں عین وقت پر تمہاری گردن پکڑ دوں گا" کامران اپنی حیرتوں پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ دانش کا سفاک لہجہ اسے سنگین صورتحال کے بارے میں بتا رہا تھا پھر اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"کیا یہاں آنے کا یہی مقصد تھا مسٹر دانش۔"

"سو فیصدی۔"

"تو پھر اب کیا پروگرام ہے؟"

"اب میں تم سے سچ سننا چاہتا ہوں۔ صرف سچ۔"

"وہ کس سلسلے میں؟"

"تم انہی لوگوں کے لئے کام کر رہے ہو میری مراد اب علی سفیان اور امینہ سلفا کے کردار سے ہے۔"

"میں نے جو کچھ تمہیں بتایا ہے وہی ایک ٹھوس حقیقت ہے۔"

"کچھ ایسے کردار تمہارے اردگرد نظر آتے رہے ہیں جن کی حقیقت تو نہیں معلوم ہو سکی لیکن ان کے بارے میں شبہ ہے کہ وہ گرشک اور سیتانہ ہوں۔"

"مجھے تعجب ہے مسٹر دانش میرے سامنے اپنی مکروہ صورت پیش کرنے سے پہلے تم نے کسی گنجائش پر غور نہیں کیا مطلب یہ کہ ہو سکتا ہے کہ تمہاری غلط فہمیاں تھیں اور تم ایک کام کے آدمی سے ہاتھ دھو بیٹھو۔"

"بے وقوف لڑکے جس شخص کو تم گوردن کے نام سے جانتے ہو وہ اپنی نگاہ کو اپنا ایمان سمجھتا ہے۔ اس نے کبھی اس بارے میں دھوکا نہیں کھایا تمہارے گرد جو لڑکی نظر آتی ہے خصوصاً اس نے اس کے بارے میں بات کی ہے اور یہ سیتا ہے اس نے اس لڑکی کو پہچان لیا تھا جو اس وقت اس پراسرار اسب کے

ساتھ جنگ کر رہی تھی اور وہ پراسرار راہب...... وہ پراسرار راہب صرف اور صرف راکان ہونزا ہے مجھے اور راکان ہونزا سے تمہارا رابطہ قائم ہو چکا ہے۔ بولو میں غلط کہہ رہا ہوں؟"

"بہت دلچسپ کہانیاں سنا رہے ہو بہت انوکھی۔"

"تم میرے ساتھ شطرنج کھیل رہے ہو۔ کچھ نہیں جانتے تم میرے بارے میں' کچھ بھی نہیں مجھے بتاؤ راکان ہونزا کہاں ہے؟"

"اب کب تک یہ بکواس کرتے رہو گے کوئی وقت ہو سکتا ہے اس کا۔"

"جب تک تمہاری زبان نہ کھل جائے" دانش نے کہا اور پھر ایک ستون کی طرف رخ کر کے بولا۔

"آجاؤ اسے تمہاری ہی ضرورت ہے" کامران کی نگاہیں بے اختیار اس طرف اٹھ گئیں ستون کے پیچھے کچھ آہٹیں ابھری تھیں اس کے عقب سے گورڈن باہر نکل آیا اس وقت وہ بالکل تندرست و توانا نظر آ رہا تھا اس کا اوپری جسم بے لباس تھا اور مسلز ابھرے ہوئے تھے ایک نظر میں وہ لوہے کا بنا ہوا معلوم ہوتا تھا اس کی پیشانی پر پیلے رنگ کی پٹی بندھی ہوئی تھی جس میں ایک سرخ موتی جگمگا رہا تھا۔ آنکھیں شیشے کی گولیوں کی مانند چمک رہی تھیں کامران نے کہا۔

"مسٹر دانش اس سے قبل بھی تم مجھ پر شبہ کر کے شرمندہ ہو چکے ہو۔ ایک بار پھر وہی حرکت دہرا رہے ہو اس وقت بے شک میں تمہارے قبضے میں ہوں جو چاہو سو کر لو لیکن بہتر یہ ہے کہ ایک بار پھر غور کر لو۔"

"اتنا الجھ گیا ہوں میں مسٹر کامران کہ اب ایک ہی ترکیب سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ ان فضول کرداروں کے درمیان سے ہٹا دوں جو میرے لئے شدید الجھنوں کا باعث بنے ہوئے ہیں میں انہیں ختم کرتا چلوں اس سے کم از کم یہ فائدہ ضرور ہو گا کہ میں بہت زیادہ الجھنوں کا شکار نہیں رہوں گا۔"

"ٹھیک ہے' لیکن میں اب بھی یہی کہوں گا کہ میں آپ سے مخلص ہوں اور آپ جو کچھ کریں گے اس کے لئے آپکو پچھتانا پڑے گا۔"

"یہ مذاق میں بہت عرصے سے برداشت کر رہا ہوں اور پھر گورڈن کا بھی یہی کہنا ہے کہ ایسا ہی کیا جائے۔ گورڈن آگے بڑھ کر کامران کے مقابلے میں پہنچ گیا۔

"سنو! تمہیں مجھ سے جنگ کرنا ہو گی ان لوگوں کے بارے میں بتانا ہو گا جنہوں نے مجھے زخمی کیا اور میرے ساتھیوں کو قتل کیا۔"

"مجھے کچھ نہیں معلوم مسٹر گورڈن" کامران نے کہا ویسے اسے ایک دم اس سنگین صورتحال کا اندازہ ہو گیا تھا کہ گورڈن جیسے دیو کا مقابلہ آسان کام نہیں تھا اس وقت صحیح معنوں میں مشکل پیش آ گئی تھی اس کے لئے ذہانت سے کام لینا تھا۔ وہ اس طرح پیچھے ہٹا جیسے خوف زدہ ہو گیا ہو' لیکن حقیقت میں وہ دانش کے قریب پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا جس کے پاس پستول موجود تھا گورڈن کے بارے میں اچھی طرح معلوم ہو چکا تھا اسے کہ وہ مارشل آرٹ کا بہت بڑا ماہر ہے۔ جسمانی طور پر اس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا تھا لیکن اگر دانش کا پستول ہاتھ آ جائے تو کچھ کام بن سکتا ہے اسی وقت گورڈن فضا میں اچھلا اور پھر جیسے ہی فضا میں بلند ہوا کامران نے دانش پر چھلانگ لگا دی۔ گورڈن کسی برق رفتار پرندے کی طرح کامران پر آیا تھا' لیکن کامران

دانش کو لپیٹ میں لیتا ہوا دوسری طرف ہٹ گیا' لیکن زمین پر گرتے گرتے بھی اس نے وہ حیرت انگیز منظر دیکھ لیا تھا۔

گورڈن نے فضا میں دو تین قلابازیاں کھائیں اور اس طرح اس نے اپنا رخ تبدیل کر لیا ورنہ وہ ان دونوں پر ہی گرتا۔ کامران کیوں کہ دانش کو باقاعدہ نشانہ نہیں بنا سکا تھا اس لئے اس کا پستول بھی کامران کے ہاتھ میں نہ آ سکا دانش نے بدحواسی میں پستول کو سیدھا کر کے فائر کر دیا ایک بار پھر گورڈن نے فضا میں اچھل کر اپنی جگہ چھوڑ دی' ورنہ دانش کا غلط نشانہ اسے چاٹ جاتا لیکن اس بار وہ کامران کے بجائے دانش کے قریب گرا تھا اور اس نے نہ جانے کس طرح دانش کے ہاتھ سے پستول نکال لیا۔

"جو میرا شکار ہوتا ہے مسٹر دانش اسے میں کسی دوسرے کو مارنے کی اجازت بالکل نہیں دیتا۔"

گورڈن کی غراتی ہوئی آواز ابھری اس وقت وہ ایک انوکھا وحشی نظر آ رہا تھا ادھر دانش کامران کی لپیٹ میں آ کر بری طرح گرا تھا اور اس کے جسم پر چوٹیں بھی لگی تھیں وہ خود کو سنبھالنے لگا اور اس دوران کامران کو موقع مل گیا اس نے سوئپ لگا کر گورڈن کی ٹانگوں کو الجھانے کی کوشش کی لیکن اسے ایسا ہی لگا تھا جیسے اس کی ٹانگیں دو پتھریلے ستونوں میں جا پھنسی ہوں البتہ گورڈن کے چہرے پر دلچسپی پیدا ہو گئی تھی اور پھر اس نے ایک پاؤں کامران کی گردن پر رکھ دیا۔ کامران کو ایسا ہی لگا جیسے اس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ جائے گی بہ مشکل تمام اس نے اپنے آپ کو نکالا۔

"مار دو اس کتے کو مار دو" دانش ہانپتے ہوئے چیخا' لیکن گورڈن کے چہرے پر ایک سفاک مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے بڑے اطمینان سے ریوالور کا چیمبر خالی کیا اور پھر اسے ایک طرف اچھال دیا۔

"اٹھو" اس نے کامران کو مخاطب کیا کامران کی نگاہیں اس دوران چاروں طرف کا جائزہ لے رہی تھیں کوئی ایسی ترکیب سمجھ میں نہیں آ رہی تھی جس کے ذریعے اس مصیبت سے چھٹکارا پایا جا سکے بہر حال وہ اٹھ کھڑا ہوا تو گورڈن کی آواز ابھری۔

"بتاؤ راکان ہونزا کہاں ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم۔" کامران نے جواب دیا اور اس بار وہ گورڈن کا شکار ہو گیا اس کی لات کامران کے پیٹ پر پڑی۔ وہ کرب سے جھکا تو اس نے دوسری لات کامران کی ٹھوڑی پر ماری اور کامران اچھل کر دور جا پڑا اچانک ہی گورڈن نے ایک عجیب سے انداز میں پینترے بدلنا شروع کر دیئے اس کی ہلکی پھلکی ٹھوکریں کامران کے بدن پر پڑ رہی تھیں۔ لیکن کامران کو ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے اس کے بدن پر ہتھوڑوں سے ضربیں لگائی جا رہی ہوں۔ ہر ٹھوکر پر اس کے حلق سے ایک کراہ نکل جاتی تھی اس نے کتنی ہی بار ہاتھ ٹکا کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن سامنے ایک شاندار مدمقابل تھا جو رقص کے انداز میں پینترے بدل رہا تھا اور اسے اپنے ہاتھوں کا سہارا نہیں لینے دے رہا تھا۔

"جب برداشت کرنے کی قوت ختم ہو جائے تو راکان ہونزا کے بارے میں زبان کھول دینا۔" دانش نے کہا۔ کامران کی قوت برداشت واقعی ختم ہوتی جا رہی تھی پورے بدن کی ہڈیاں چیخ رہی تھیں ہڈیوں کے ایک ماہر کی طرح...... گورڈن اس کے جوڑوں پر ضربیں لگا رہا تھا پھر اس کی ایک ٹھوکر کامران کے

سر پہ پڑ گئی اور یہ ہر طرح سے ایک بہتر بات ہوئی کیونکہ بے ہوشی نے ان تکلیفوں سے بے نیاز کر دیا جو گورڈن کی لگائی ہوئی ضربوں سے پیدا ہوگئی تھیں اس کے بعد کیا ہوا اس کا اندازہ کامران کو نہیں تھا' لیکن ہوش آیا تو خود کو فضاؤں میں تیرتے ہوئے پایا۔ آسمان گہر آلود تھا' چمک ہوا کیں بدن میں زخم ڈال رہی تھیں۔ اس نے کرب سے آنکھیں بند کیں تو آنکھیں دوبارہ نہ کھلیں اور جب کھلیں تو رات کے ہول ناک سناٹے چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے۔ کانوں میں شیر کی دھاڑ گونج رہی تھی یوں لگ رہا تھا جیسے شیر کہیں قریب ہی موجود ہو۔ کامران کے اندر شدید وحشت بیدار ہوگئی اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو ٹوٹی ہوئی ہڈیاں چیخ پڑیں۔ ایسی تکلیف ہوئی کہ حلق سے کراہوں کے علاوہ اور کوئی آواز نہ نکل سکی اور اس تکلیف سے ایک بار پھر بے ہوشی طاری ہوگئی تیسری بار آنکھ کھلی تو بدن پر ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی۔ بینائی نے کام کیا تو ایک چوکور دروازہ نظر آیا جس کے دوسری طرف پانی کا سفید دھارا گرتا ہوا نظر آیا تھا۔ پانی اتنا قریب تھا کہ ایک پتھر پر گرنے کی وجہ سے اس کی پھواریں کامران کے بدن پر آرہی تھیں اس کے ساتھ ساتھ پانی جس جگہ گر رہا تھا وہاں سے بھی بہت تیز آواز بلند ہو رہی تھی۔ کامران نے ایک بار پھر خود کو سنبھالا اور اٹھنے کی کوشش کی تو ناکامی نہیں ہوئی۔ اسے محسوس ہوا کہ بدن میں اب وہ درد نہیں ہے جو پہلے تھا جب اپنے آپ کو سنبھالا تو دیکھا کہ چوکور دروازہ کسی چھولداری کا ہے جس کی چھت کافی بلند تھی۔ مزید کوشش کی تو اٹھ کھڑا ہوا حیرت انگیز بات تھی کہ جو کیفیت پچھلے ہوش کے عالم میں محسوس ہوئی تھی وہ اب نہیں تھی بلکہ جسم میں ایک انوکھی سی قوت کا احساس ہو رہا تھا کامران کچھ دیر سوچتا رہا پھر آہستہ قدموں سے باہر نکل آیا ایک حسین آبشار اس کی نگاہوں کے سامنے تھی پہاڑوں کی بلندیوں سے ایک لمبی چوڑی سفید لکیر زمین کی طرف گر رہی تھی اور اطراف میں ایسے حسین مناظر بکھرے ہوئے تھے لیکن دور دور تک کسی انسانی وجود کا پتا نہیں تھا ماضی کا ایک ایک لمحہ یاد آرہا تھا گورڈن نے بدن کی ہڈیاں چٹخا دی تھیں لیکن اب وہ کیفیت نہیں تھی بلکہ ایسا لگ رہا تھا کہ بدن اب پہلے سے کہیں زیادہ توانا ہوگیا ہو۔ ایسا کیسے ہوا۔

''کوئی ہے؟'' کامران نے زور سے پکارا اور اسی وقت آبشار سے بہنے والی ندی سے ایک انسانی وجود نے سر ابھار کر دیکھا نگاہوں نے دھوکا نہیں کھایا تھا۔ وہ کوئی لڑکی ہی تھی جس کے لمبے لمبے بال پانی میں بھیگ کر اس کے بدن سے چپٹ گئے تھے اس نے ایک نگاہ کامران پر ڈالی اور دوبارہ پانی میں غوطہ لگا دیا۔ کچھ دیر تک تو کامران حیرت کا شکار بنا اسی جگہ کھڑا رہا اور اس کی نگاہیں پانی کی گہرائیوں کا جائزہ لیتی رہیں اور پھر وہ اسے نظر آگئی شفاف پانی میں اس کا وجود بے چینی سے حرکت کر رہا تھا کامران کو احساس ہوا کہ وہ وحشت زدہ ہوگئی ہے یقیناً اس کے کپڑے کہیں آس پاس ہوں گے اور کامران کی وجہ سے وہ ان تک نہیں پہنچ پا رہی' چنانچہ وہ واپس پلٹ پڑا رخ بدل کر چند لمحے انتظار کرتا رہا اور ایک بار پھر اس نے ادھر دیکھا لڑکی تھی لیکن اب وہاں کچھ بھی نہیں تھا اس کی نگاہیں چاروں طرف بھٹکنے لگیں۔ تاحد نگاہ سناٹے کا راج تھا البتہ چھوٹے چھوٹے جانور ادھر ادھر پھرتے نظر آرہے تھے۔ ''کہاں گئیں تم سامنے آؤ۔'' کامران نے چیخ کر کہا اور جواب میں قدموں کی چاپ سنائی دی تب کامران نے چاپ کی سمت دیکھا اور ایک لمحے کے اندر اس کے سارے وجود میں ایک سنسنی سی پھیل گئی اور اس کے بھیگے ہوئے بالوں سے یہ احساس ہو رہا تھا کہ پانی میں وہی تھی اس

وقت اسے کامران اس لئے نہیں پہچان سکا تھا کہ اس کے بھیگے ہوئے بالوں کا بڑا حصہ اس کے چہرے پر بھی تھا سیتا کی حسین اور پرکشش آنکھوں میں ایک عجیب سی حیا نظر آرہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کامران کے قریب آگئی اس کے بدن پر ڈھیلا ڈھالا لباس تھا لیکن کامران کچھ لمحوں کے لئے حیران رہ گیا تھا سیتا کو شاید اس نے زندگی میں پہلی بار اتنے غور سے دیکھا تھا اور اسے ایک دم ایک عجیب سی کیفیت کا احساس ہوا تھا زندگی ہر رنگ سے آشنا ہو چکی تھی لیکن حسن و عشق کی کیفیت اس پر کبھی طاری نہیں ہوئی تھی اس کی جان وار آنکھیں لاکھوں حسین لڑکیوں پر بھاری تھیں۔ کچھ دیر سکتے کے عالم میں رہنے کے بعد اچانک ہی کامران نے اپنے آپ کو سنبھالا اور تعجب سے بولا۔

''سیتا تم۔''

''ہاں ایسا لگ رہا ہے جیسے تم نے مجھے پہچانا نہیں۔''

''پانی میں تم ہی تھیں نا۔''

''ہاں کیوں۔'' وہ پھر اسی انداز میں بولی اس کے چہرے پر ایک شرمندگی کی مسکراہٹ تھی شرم و حیا سے اس کا سمٹا ہوا وجود اس وقت اتنا دل کش لگ رہا تھا کہ نگاہیں اس پر سے ہٹنے نہ پا رہی تھیں اور شاید کامران کی انہی آنکھوں کے انداز نے اسے شرمسار کر دیا تھا کیونکہ بہرحال عورت تھی یا جو کچھ بھی تھی عورت کے روپ میں ہی تھی۔ کامران کو ایک دم احساس ہوا کہ اس کی نگاہیں بے باک ہوتی جا رہی ہیں چنانچہ اس نے رخ بدلتے ہوئے کہا۔

''میں تمہیں پہچان نہیں سکا تھا سیتا۔'' اور پھر وہ چھولداری کی طرف مڑ گیا۔

''ادھر کیوں جا رہے ہو؟''

''ایسے ہی کوئی خاص بات نہیں۔ کیوں؟''

''آؤ ادھر بیٹھتے ہیں۔'' اس نے کہا اور کامران نے اس کے اشارے کی طرف دیکھا۔ چھوٹے چھوٹے پتھر پڑے ہوئے تھے جو اوپر سے سپاٹ اور ہموار تھے۔ کامران اس کے ساتھ آگے بڑھ گیا اسے اس وقت سیتا کے وجود کی ہر شے دل کش محسوس ہو رہی تھی اس کی چال میں بے پناہ کشش تھی آخر کار وہ پتھر تک پہنچ گئی اور پھر وہ آہستہ سے ایک پتھر سے ٹک گئی۔

''ٹھیک تو ہو نا تم پرم پرکھو۔'' کامران کو اس وقت اس کے یہ الفاظ بہت گراں گزرے تھے لیکن بہرحال اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور بولا۔

''ہاں پتا نہیں کیوں میں نے تمہیں پانی میں نہیں پہچانا۔''

اس کے لہجے میں بھی شرم گھلی ہوئی تھی۔

''یہ کون سی جگہ ہے سیتا اور میں یہاں کیسے پہنچ گیا؟''

''پتا نہیں۔''

''تمہیں بھی نہیں پتا۔''

''ہاں مجھے نہیں پتا۔''

"یہ بات تو میں جانتا ہوں کہ مجھے ایک بار پھر زندگی کی طرف لانے والی تم ہی ہو۔"

"میں نہیں' راکان ہوزا۔"

"ایک ہی بات ہوئی تم دونوں الگ الگ تو نہیں ہو۔"

"نہیں ایسی بات نہیں ہے' ہم دونوں الگ الگ ہیں۔"

"اچھا یہ بتا سکتی ہو کہ مجھے کیسے بچایا گیا۔" وہ ایک عجیب سی کیفیت کا شکار تھی۔ لیکن کامران کے الفاظ پر اس نے کامران کی طرف دیکھا کامران کو یوں لگا جیسے وہ دل ہی دل میں مسکرا رہی ہو۔ پھر اس نے کہا۔

"یہ بتاؤ تم کیسے ہو؟"

"اب تو میں بالکل ٹھیک ہوں بلکہ پہلے سے کہیں زیادہ اپنے آپ کو تندرست پا رہا ہوں۔"

"وہ کون لوگ تھے جنہوں نے تمہیں مارا۔"

"اس سے پہلے تم مجھے ایک بات کا جواب دو کہ میں تمہیں کس حالت میں ملا تھا؟"

"افسوس میں اس وقت ساتھ نہیں تھی۔ راکان ہوزا تمہیں لایا تھا' تم بہت زیادہ زخمی تھے اور اس کے بعد تمہارا علاج کیا گیا۔"

"راکان ہوزا واقعی پراسرار قوتوں کا مالک ہے لیکن یہ بتاؤ کہ بعد میں کیا ہوا؟"

"آؤ پہلے میں تمہیں کچھ کھلاؤں پلاؤں۔" کامران اس کے ساتھ چھولداری والے علاقے میں پہنچ گیا پھر اس نے دیکھا کہ اس کی چھولداری کے پچھلے حصے میں ایک اور چھولداری لگی ہوئی ہے اس نے کھانے پینے کی چیزیں کامران کے سامنے رکھیں اور اس کے بعد چائے کا پانی چڑھا دیا' لیکن چائے بنانے کے بعد وہ بولی۔

"آؤ۔ جھرنے کے کنارے چلتے ہیں' کامران محسوس کر رہا تھا کہ سیتا اس وقت بہت خوب صورت لگ رہی ہے اور کسی قدر محجوبیت کے عالم میں ہے۔ بہرحال جھرنے کے کنارے بیٹھ کر وہ چائے پینے لگے بہت سی باتیں کی تھیں انہوں نے سیتا کا چہرہ کچھ عجیب سی کیفیتوں کا حامل تھا' ایک بار پھر اس نے وہی سوال کیا۔

"تمہیں مارنے والے کون تھے؟"

"دانش اور اس کے ساتھی۔"

"مگر کیوں؟"

"دانش اب باقی لوگوں کو اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا ہے' وہ بدل گیا ہے اور خود ہی کام کرنا چاہتا ہے۔ اس طرح علی سفیان' قزل ثنائی اور شعورا کو بھی خطرہ ہے۔ کہیں وہ ان لوگوں کو بھی راستے سے ہٹانے کی کوشش نہ کرے۔ شام آہستہ آہستہ جھکتی آ رہی تھی کامران سیتا سے بہت سی باتیں کرتا رہا اس دوران سیتا کے انداز میں وہی مخصوص کیفیت جھلکتی رہی تھی شام کے جھٹ پٹے سے پہلے اس نے ایک عجیب سا برتن نکالا۔ ایک آئل اسٹوو پر آگ جلائی اور اس برتن میں کوئی چیز ڈال کر اسے پانی سے بھر دیا۔ کامران اسے غور سے دیکھ رہا تھا اس نے ایک اور نہ مانوس حرکت کی تو کامران چونکے بغیر نہ رہ سکا کچھ نوک دار پتھر جو اس نے ایک

تھیلی سے نکالے تھے' برتن میں ڈالے اور برتن کو اوپر سے بند کر دیا۔ کامران نے ہنس کر کہا۔

"کیا تم یہ پتھر پکا رہی ہو؟"

"تمہارا شام کا کھانا۔"

"اچھا مذاق ہے۔"

"یہ مذاق تو کئی دن سے ہو رہا ہے آج تم پہلی بار ان پتھروں کو پکتے ہوئے دیکھ رہے ہو اسی پتھروں کا عرق تمہیں دیا جاتا رہا ہے تم دیکھو تم خود اپنے آپ کو کتنا فٹ کہہ رہے ہو۔"

"ارے تم کیا واقعی سنجیدہ ہو۔"

"ہاں۔ یہ راکان ہوزا کی تجویز ہے اور میں انہی تجاویز پر عمل کر رہی ہوں۔" کامران ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا بہرحال پتھر ابلتے رہے اور اس کے بعد سیتا نے اسے ایک خوبصورت برتن میں گہرے بھورے رنگ کا یہ سیال پیش کیا کامران نے عجیب سے انداز میں اس کا پہلا گھونٹ لیا تھا' لیکن وہ تو کافی خوش ذائقہ چیز تھی اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"واہ لوگ پتھروں کو کسی قابل نہیں سمجھتے۔" سیتا بھی ہنسنے لگی تھی پھر اس نے کہا۔

"یہ پتھر عام پتھر نہیں ہیں۔" آہستہ آہستہ رات پھیلتی چلی گئی۔ سیتا کا کہنا بالکل ٹھیک تھا جنگلی جانوروں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ رات گئے تک دونوں ایک ساتھ رہے اور اس کے بعد سیتا نے کہا۔

"اب تم آرام سے سو جاؤ تمہیں کوئی خطرہ پیش نہیں آئے گا۔ میں اپنی چھولداری میں جا رہی ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" کامران نے کہا اور اپنی چھولداری میں آرام کرنے لگا' لیکن خیالات کا طوفان ذہن پر سوار تھا اتنی سوچیں ذہن میں تھیں کہ ہر طرف طوفان بپا ہوا تھا۔ کیا کیا عجیب کہانیاں یہاں جنم لے چکی تھیں۔ بہت ہی خوف ناک صورتحال تھی سب سے بڑی بات یہ تھی کہ کرنل گل نواز جس نے اس سفر کے لئے اس قدر شدید محنت کی تھی۔ اب اس مہم میں شریک نہیں رہا تھا۔ کیا اس نے اس مہم کو خیر باد کہہ دیا ہے۔ رانا چندر سنگھ بھی نہیں تھا جہاں تک بات علی سفیان' قزل ثنائی اور شعورا کی تھی تو کامران کو ان لوگوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ خاور صاحب بھی بیٹی کے ساتھ دنیا چھوڑ چکے تھے۔ بہرحال کیسا بھی کردار تھا لیکن کامران کو تھوڑا سا غرور تھا اب اس کے بعد یہ سوچ بھی دامن گیر تھی کہ کیا یہاں اس مہم میں شریک رہنا ضروری ہے یا جا کر کرنل گل نواز کے حکم پر چلا جائے۔

لیکن ایک عجیب سا احساس ایک عجیب سی بے کلی دل میں جاگزیں تھی۔ کیا کیا جائے اور کیا نہ کیا جائے یہ ساری باتیں تو سوچنے کے قابل تھیں۔ ادھر یہ شخص جس کی تلاش میں خاص طور سے ابنیہ سلفا' اناطوسیہ یا زمانہ قدیم کی تاریخ کے وہ سارے کردار جو انتہائی بھیانک حیثیت کے حامل تھے' پتا نہیں یہ سب کچھ کیا تھا۔ وہ لوگ کامران کو ایک دیوتا کا درجہ دے رہے تھے اور راکان ہوزا پہلا آدمی تھا جس نے اس احساس کا اظہار کیا تھا کہ ممکن ہے وہ اس دیوتا کا صرف ہم شکل ہو۔ نہ جانے کتنا وقت گزر گیا غالباً رات کا آخری حصہ چل رہا تھا۔ کامران نے سونے کی بہت کوشش کی لیکن نیند نہیں آئی تھی خصوصاً پتھروں کا یہ شوربا اس کے لئے ایک حیرت ناک چیز تھی' لیکن اپنے بدن میں جو توانائیاں وہ محسوس کر رہا تھا وہ بے مثال تھیں آخر کار

صبح کی خنک ہوائیں چھولداری میں داخل ہونے لگیں اور رات بھر کی جگار نیند میں تبدیل ہوگئی جب آنکھ کھلی تو خوب دن چڑھ چکا تھا۔

موسم میں تھوڑی سی تبدیلی پیدا ہو چکی تھی لیکن یہ تبدیلی ناخوش گوار نہیں تھی۔ کامران اپنی جگہ سے اٹھا اور باہر نکل آیا لیکن سامنے ہی اس نے راکان ہونزا اور سیتا کو پتھروں پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ وہ دونوں باتیں کر رہے تھے۔ راکان ہونزا کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ وہ کھڑا ہوا اور کامران کی طرف بڑھنے لگا اس نے ایک جدید ساخت کا ڈھیلا ڈھالا لباس پہنا ہوا تھا۔ راکان ہونزا نے کہا۔

''اب سب سے پہلے تم نہا لو اس کے بعد ہم باقی باتیں کریں گے۔''

''نہیں میرا نہانے کا موڈ نہیں ہے۔'' کامران نے جواب دیا اور پھر ندی کنارے جا کر منہ دھو لیا۔ واپس پلٹا تو صرف راکان نظر آیا۔ سیتا غالباً ناشتے کی تیاری کے لئے اندر چلی گئی تھی۔ چند ہی لمحوں کے بعد وہ ناشتہ سنبھالے ہوئے باہر آ گئی۔

''ہاں اب پہلے تم مجھے اپنی جسمانی کیفیت کے بارے میں بتاؤ تم اندر سے کیا محسوس کر رہے ہو؟''

''انتہائی حیرت انگیز میں بڑی توانائی محسوس کر رہا ہوں۔ تم نے جو غذا منتخب کی ہے وہ واقعی توانائی کا سرچشمہ ہے۔''

''ہاں میرے دوست' میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ تم ہمارے لئے کس قدر اہمیت کے حامل ہو۔ ہم دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں اور یہ صرف تمہاری ذات ہے جو ہمیں دشمنوں سے بچائے گی جس شخص نے تمہیں زخمی کیا تھا میں نے اس کا بھی اچھی طرح جائزہ لے لیا ہے۔ وہ اب وہاں نہیں جہاں پہلے تھا۔''

''تو اب کیا ارادہ ہے تمہارا۔''

''میں تم سے یہ سوال کرنا چاہتا ہوں کہ کیا میرے' سیتا اور گرشک کے اہم ترین مشن میں تم ہمارا ساتھ دو گے؟''

''میرا خیال ہے کہ میں اب تک تو ایسا ہی کرتا رہا ہوں۔''

''اب تک جو کچھ کرتے رہے ہو وہ بے شک ہے لیکن اب تمہاری حیثیت بہت بدل چکی ہے' تم ان لوگوں کے لئے ایک خطرہ بن چکے ہو۔ اپنی دانست میں انہوں نے تمہیں ہلاک کر دیا تھا لیکن میں تمہیں ان پتھروں کی طرح بنا دوں گا جن پر کوئی چیز اثر نہیں کرتی۔''

''وہ کیسے......؟'' کامران نے سوال کیا۔

''مارشل آرٹ سکھا کر میں تمہیں اس قدر طاقت ور بنا دوں گا کہ تمہارے ساتھ کوئی غلط عمل کرتے ہوئے تمہارے دشمنوں کو ہزار بار سوچنا پڑے گا۔''

''لیکن کیا اس دوران خاموشی اختیار کی جائے گی مسٹر راکان ہونزا۔''

''تمہاری تربیت کے لئے کچھ وقت مخصوص کرنا ہوگا اور دوسرے کام بھی جاری رہیں گے۔''

''اور اگر اس دوران وہ لوگ اپنا کام کر کے نکل گئے تو۔''

''نہیں ان پر بھی نگاہ رکھی جائے گی تم یہ بتاؤ کہ کیا تم مارشل آرٹ سیکھنا پسند کرو گے۔''

''ہاں' جب میں یہاں ان سارے مسائل میں گھرا ہی ہوا ہوں تو بہتر ہے کہ تھوڑی سی جسمانی تربیت بھی ہو جائے۔ کامران صحیح معنوں میں اپنے بارے میں خود کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا۔ سوچتا تو بہت کچھ تھا' حقیقت یہ ہے کہ آج بھی اسے خزانے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ تو صرف کرنل گل نواز کے لئے ہر کام کرنا چاہتا تھا لیکن اب صورتحال کچھ ایسی ہو گئی تھی کہ اسے اپنے پیروں میں بیڑیاں سی پڑی ہوئی محسوس ہوتی تھیں اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ کچھ پراسرار قوتوں کے جال سے نہیں نکل سکتا۔ بہرحال وہ لوگ اس جگہ کو غالباً محفوظ سمجھتے تھے اور انہوں نے یہیں قیام کا فیصلہ کیا تھا یہ علاقہ بھی ایسا تھا کہ بالکل کوفت محسوس نہ ہو۔ راکان ہونزا اس سے بہت سی باتیں کرتا رہا تھا پھر اچانک ہی انہیں جنگلی جانوروں کی بھاگ دوڑ کی آوازیں سنائی دیں انہوں نے دیکھا کہ ایک چیتا نیل گائے کا تعاقب کر رہا ہے یہ ایک بڑا سنسنی خیز منظر تھا۔ خاص طور سے کامران کے لئے۔

وہ نیل گائے کی زندگی کی حفاظت اور چیتے کی شکار کی جدوجہد کو دیکھتا رہا۔ چیتے نے ایک بار نیل گائے پر چھپٹا مارا لیکن نیل گائے اسے چکر دے کر جھاڑیوں میں گھس گئی۔

کامران نے آہستہ سے کہا۔

''کافی خطرناک علاقہ ہے' یہاں درندے بھی ہوں گے' اس کا مجھے اندازہ نہیں تھا۔''

''لیکن ان سے خوف زدہ نہ ہونا یہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔'' راکان ہونزا نے عجیب سے لہجے میں کہا اور کامران چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

''میں سمجھا نہیں۔'' لیکن راکان ہونزا نے اس کے بعد کچھ نہیں کہا تھا۔ اچانک ہی کامران کو احساس ہوا جیسے راکان ہونزا یہ الفاظ کہہ کر خود الجھ گیا ہو۔ کامران نے بھی زیادہ چھان بین نہیں کی تھی۔ ہر بات کے پیچھے پڑ جانا ویسے بھی اس کی فطرت میں شامل نہیں تھا۔ یہ اندازہ اسے بخوبی ہو چکا تھا کہ اس کی زندگی جس پراسرار مشن سے دوچار ہو چکی ہے' اس میں بڑے بڑے لوگ اس کے گرد پھیل گئے ہیں۔ امینہ سلفا ایک تاریخی عورت جس کے بارے میں قزل شائی نے بتایا تھا لیکن دوسرے انداز میں۔ سیتا' گرشک' راکان ہونزا وغیرہ...... رات ہوئی تو وہ لوگ سونے کے لئے چلے گئے اور یہ رات بھی اسی طرح گزر گئی۔ دوسری صبح راکان ہونزا نے سیتا کو کچھ ہدایات دیں اور وہ اپنی چھولداری میں چلی گئی۔ راکان ہونزا کامران کو لے کر ایک سنسان گوشے میں آ گیا۔

''وہ تمہارا لباس موجود ہے اسے پہن لو۔'' کامران نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور راکان ہونزا نے انگلیوں سے کامران کے بدن کے مختلف حصے دبا کر دیکھے اس دوران وہ کامران سے سوالات بھی کرتا جا رہا تھا وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ جو کامران کے ساتھ ہوا ہے اس کے بعد اس کے جسم کے کسی حصے میں تکلیف تو نہیں ہے۔ بہرحال اس کا معائنہ کرنے کے بعد اس نے کہا۔

''جڑی بوٹیاں ازل سے انسانی جسم کی محافظ ہیں انکے بارے میں جاننا ضروری ہے بڑے بڑے ڈاکٹر ان چیزوں کو جس حصے میں استعمال کرتے ہیں انکی نمو بھی اسی زمین سے ہوئی ہے بس یوں کہو کہ جدید سائنس نے مشینوں کے ذریعے ان کی ہیئت بدل دی ہے چلو چھوڑو ان باتوں کو۔ آج میں تمہیں مارشل آرٹ کا

پہلا سبق دینا چاہتا ہوں۔ خالی ہاتھ اپنے دشمنوں کے حملوں کا دفاع کرنا' کیا تمہیں اس سے دلچسپی ہے؟''

''ہاں کیوں نہیں' میں وہ قوتیں حاصل کرنا چاہتا ہوں۔''

کامران نے جواب دیا۔

''تو سنو میرے دوست' انسان گوشت پوست کا لوتھڑا ہے' لیکن مٹی کا یہ پتلا اپنی صلاحیتوں سے ناواقف ہے جسم کی کوئی حقیقت نہیں' ہڈیاں ہلکی سی ضرب لگنے سے ٹوٹ جاتی ہیں لیکن تمہارے جسم میں جو سب سے طاقت ور شے ہے وہ تمہارا دماغ ہے۔ ذہنی قوت کا اگر تم اندازہ لگانا چاہتے ہو تو اس سے لگاؤ کہ پانی کا ایک ریلا عظیم الشان عمارتوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر لے جاتا ہے' لیکن پانی کی بے پناہ قوت انسان کے کنٹرول میں ہے سمندر کی گہرائی کو چیر کر اس نے راستے بنائے ہیں۔ خوف ناک طوفان بھی آبی جہازوں کو نقصان نہیں پہنچا سکتے' جن میں ان طوفانوں سے بچنے کی تیاریاں کرلی ہوتی ہیں' فضاؤں کی تسخیر ناممکن تھی' پرواز کرنے والے پرندوں کو صرف یہ قوتیں حاصل تھیں جو انہیں فضا میں پہنچا دیتی تھیں' لیکن آج کا انسان سیاروں تک پہنچ رہا ہے جنگل کے وحشی جانور جو درختوں کو جڑ سے اکھاڑنے کی قوت رکھتے ہیں' انسان سے دہشت زدہ ہیں اور بلاوجہ ہی نہیں ایک انسان دور کھڑے ہوئے لاتعداد جنگلی جانوروں کا صفایا کرسکتا ہے مجھے بتاؤ کیا یہ جسمانی قوت ہے کیا یہ کام بدن کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ نہیں' اس کا محرک ذہن ہی ہے ذہنی قوتوں نے جسمانی رد عمل کی شکل میں اپنے آپ کو ظاہر کیا۔

ذہن اس کائنات کی طاقت ور ترین شے ہے اور جب تم اپنے جسمانی نظام کو ذہن کے تابع کر دیتے ہو تو ذہن وہ تمام قوتیں تمہارے معمولی سے جسم کو بخش دیتا ہے جو نا قابل تسخیر ہوتی ہیں چنانچہ اپنے بدن کو ان ذہنی قوتوں کا تابع کرو۔ اپنے آپ کو ذہن کے بتائے ہوئے راستوں پر گامزن کر دو تم ایک فولادی چٹان کی مانند ہو جاؤ گے' جسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ تمہارے بدن کو صرف تمہارے ذہن کی طاقت کی ضرورت ہے۔ مارشل آرٹ کا سب سے پہلا اصول یہی ہے کہ اپنی جسمانی قوتوں کو ذہن کے کنٹرول میں دے دو اور ذہن کی قوتوں کو اپنے تابع بنالو یعنی تم جب چاہو اپنے ذہن کی گہرائیوں میں ڈوب جاؤ اور بدن کو بھول جاؤ پہلا سبق ذہن نشین کرلو۔ تمہیں اپنے ذہن کو یکسو کر کے جسم کو متحرک کرنا ہے'' یہ کہہ کر راکان ہونزا نے اپنی جیب سے ماچس کی ڈبیا نکالی اور کامران سے کہا۔

''اپنا ہاتھ ذرا پھیلاؤ اور کوشش کرو کہ تم اپنے ذہن کی گہرائیوں میں داخل ہو جاؤ۔ ذہن کی گہرائیوں میں پہنچنے کے بعد اپنے طور پر طے کرو کہ اس ماچس کو جلانے سے جو شعلہ ابھرے گا وہ تمہارے اس ہاتھ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا۔ بیٹھو پلیز بیٹھ جاؤ'' راکان ہونزا کی آواز خواب ناک ہوگئی۔ اس نے کامران کی آنکھوں میں دیکھا اور سرگوشی کے انداز میں بولا۔

''اب تم اپنے ذہن کی گہرائیوں کا سفر کر رہے ہو۔ سوچو غور کرو کہ یہ شعلہ بے اثر ہے تم پر یہ شعلہ بالکل بے اثر ہے'' یہ کہہ کر اس نے ماچس کی تیلی جلائی کامران ہوش و حواس کے عالم میں تھا۔ اس کا ذہن بھی کام کر رہا تھا اور آنکھیں بھی اس کی آنکھیں راکان ہونزا کی آنکھوں سے الجھی ہوئی تھیں پھر اس نے تیلی جلنے کی آواز سنی اور اس کے بعد یہ تیلی اس کی ہتھیلی پر آ گئی اور جب تک پوری تیلی جل کر راکھ نہ ہوگئی کامران نے

اپنے ہاتھ کو جنبش نہیں دی پھر جب تیلی جل کر راکھ ہوگئی تو راکان ہونزا نے اس کا ہاتھ پلٹ دیا اور کامران کو ایک عجیب سا جھٹکا لگا اس نے متحیرانہ انداز میں اپنی ہتھیلی کو دیکھا جس پر سفید سفید سا نشان تھا' اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا' نہ سوزش نہ چھالا۔

''ہاں یہ میری دماغی قوت تھی جس نے تمہاری دماغی قوت سے ہم آہنگ ہو کر تمہیں اس شعلے سے کوئی تکلیف نہ پہنچنے دی یہ قوت تمہیں اب اپنے ذہن میں پیدا کرنی چاہیے'' کامران گہری سانسیں لینے لگا تھا۔ بہرحال وقت گزرتا رہا جنگل کی یہ زندگی خوش گوار احساسات کی حامل تھی راکان ہونزا چلا گیا تھا اور یہاں سیتا کے سوا کوئی اور نہیں تھا سیتا کسی خادمہ کی طرح کامران کا خیال رکھتی تھی۔ وہ مسلسل پتھروں کا عرق اسے پلا رہی تھی اور کامران کو اپنے بدن میں فولادی قوتوں کا احساس ہوتا جا رہا تھا۔ وہ ایک اجنبی بدن کا مالک بن گیا تھا بہرحال دن گزرتے گئے اسے مختلف قسم کی مشقوں سے گزارا گیا راکان ہونزا کبھی کبھی نظر آتا تھا۔ واقعی کامران کے اندر بے شمار قوتیں ابھرتی آ رہی تھیں اور راکان ہونزا اسے ان کے بارے میں بتاتا جا رہا تھا۔

اب کامران اپنے ذہن کی قوتوں سے بہت دور دور تک دیکھ لیتا تھا اور راکان ہونزا نے اس سے کہا تھا۔

''بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ ہم تمہیں کچھ سکھا رہے ہیں تم خود بہ ذات خود زبردست قوتوں کے آدمی ہو اور اب تم یہ سمجھ لو کہ تمہاری جسمانی مشقوں کا آغاز ہوگا اور تم جس قدر جلد چاہو اپنے آپ کو اس کام میں ماہر کر سکتے ہو' البتہ ان جسمانی مشقوں سے کامران کو لطف ہی آ گیا۔ پتا نہیں یہ کیا کچھ ہو رہا تھا اس کے ساتھ۔ درختوں کی شاخوں کو نوکیلا بنا کر اسے بیساکھی کی شکل میں کامران کی بغلوں میں دے دیا جاتا اور کہا جاتا کہ وہ اپنی ذہنی قوت سے یہ محسوس کرے کہ یہ نوکیلی شاخیں اس کے بدن میں چبھ نہیں رہی ہیں۔ دو تین دن تک تو شدید تکلیف کا سامنا کرنا پڑا' خون تک نکل آتا تھا بدن سے' لیکن کامران کو ان سے بھی لطف آ رہا تھا اور اس کے بعد رفتہ رفتہ وہ نوکیلی شاخوں پر لٹکنے لگا اور اسے کوئی تکلیف نہیں ہوئی اور اس کے بعد گرم ریت کی باری آئی۔ جلتی ریت میں ہاتھ دبا دیئے جاتے اور کھال جھلسنے لگتی لیکن ذہنی قوتیں آخر کار اس تکلیف پر بھی قابو پانے میں کامیاب ہو گئیں۔ کامران کو یوں لگ رہا تھا کہ جیسے اس کا بدن کچھ کم ہوا ہے لیکن سارا بدن اب اس قدر ٹھوس ہو گیا تھا کہ وہ خود اپنے آپ پر حیران رہ جاتا۔ مہذب دنیا سے اس کا رابطہ تقریباً ختم ہی ہو گیا تھا۔ اب تو ان لوگوں کی شکلیں بھی آنکھوں سے اوجھل ہوتی جا رہی تھیں جن سے اس کا گہرا تعلق تھا۔ ادھر سیتا کی بالکل وہی کیفیت تھی ایسا لگتا تھا کہ وہ لوگ صرف کامران کو تیار کر رہے ہوں اور ان کی زندگی کا اور کوئی مقصد نہ رہ گیا ہو۔ اندازے کے مطابق کوئی ڈیڑھ مہینہ گزر چکا تھا' پھر ایک دن اچانک راکان ہونزا جو کہیں سے واپس آیا تھا کامران کو قریب بلا کر بولا۔

''واہ تمہارے دشمنوں نے ایک باقاعدہ کام تیار کرلیا ہے۔ خود علی سفیان اور قزل شائی نے آگے بڑھنے کے لئے بہترین اقدامات کئے ہیں۔ ان اقدامات میں آٹھ ایسے افراد شامل ہیں جو نہ صرف ان راستوں کے ماہر ہیں بلکہ جن کی کچھ اور حیثیت بھی ہے' یعنی وہ بہت سے پراسرار علوم کے ماہر بھی ہیں میں ان کے سربراہ کے بارے میں معلومات حاصل کر رہا ہوں البتہ ایک اطلاع تمہارے لئے اور ہے۔''

''کیا......؟ کامران نے سوال کیا۔

"دانش غائب ہے اور انتہائی پراسرار طور پر غائب ہے۔"

کامران نہ سمجھنے والے انداز میں راکان ہونزا کو دیکھنے لگا تھا۔

راکان ہونزا کے انداز سے پتا چلتا تھا کہ وہ کسی قدر الجھن کا شکار ہے بہت دیر تک خاموشی طاری رہی' پھر راکان ہونزا نے کہا۔ "اس سے پہلے جو لوگ ہمارے دشمن تھے وہ ہمارے لئے اس قدر خطرناک نہیں تھے لیکن اب....." وہ پھر خاموش ہو گیا اور کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔ "میرے خیال میں ہمیں مشورہ کرنا چاہیے۔"

"دو چلا گیا کامران کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔ بہر حال فیصلہ خود راکان کو ہی کرنا تھا۔ راکان نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں صرف ایک بات جاننا چاہتا ہوں۔"

کامران نے کہا۔

"ہاں کہو۔"

"ان لوگوں کا کیا حال ہے کیا نیا گروہ بہت خطرناک ہے۔"

"ہاں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ امینہ سلفا جیسی شاطر عورت ان کے ساتھ ہے اسے کراس کرنا آسان کام نہیں ہے لیکن اب تمہارا ان سے کیا واسطہ۔ کرنل گل نواز اور رانا چندر سنگھ تو واپس جا چکے ہیں راکان ہونزا نے کہا۔"

"یہ بھی ٹھیک ہے لیکن۔"

"لیکن کیا.....آگے کہو۔"

"بس کبھی کبھی الجھ جاتا ہوں۔"

"کیوں.....؟"

"ایسے ہی' میں سوچتا ہوں جب خزانے میری منزل نہیں ہیں تو میں گداگری کیوں کر رہا ہوں' کرنل گل نواز ان راستوں سے ہٹ گئے ہیں تو میرا ان معاملات سے کیا تعلق؟"

"ایسا نہ کہو۔ تم بے شمار انسانوں کے لئے زندگی کی نوید ہو۔ خود غرضی اچھی چیز نہیں ہوتی۔"

"تم کوئی عام انسان نہیں ہو وہ ہو جس کے شانوں پر ایک قوم کی ذمے داری ہے"

"جانتا ہوں۔"

"جانتے ہو تو اس انداز میں مت سوچو۔"

"ٹھیک ہے۔"

"میں نے تمہیں صورتحال بتائی ہے۔"

"ہاں"

"تمہیں منتشر ہونا ہے۔"

"جانا کہاں ہے؟"

"ہاں وہ میں تمہیں بتاتا ہوں یہاں سے کوئی بیس کلو میٹر دور ساگری نامی ایک قصبہ ہے اس قصبے

کے نواح میں ایک فارم ہاؤس ہے بے مثال حسن کا مالک' وسیع و عریض ایک اچھی خاصی وسعت کا پہاڑ اس کے فارم ہاؤس کا ایک حصہ ہے اور اس سے پھوٹنے والا چشمہ ایک آبشار کی شکل میں اس کے فارم ہاؤس کے صحن میں گرتا ہے۔"

"شلوزان اس فارم ہاؤس کا مالک ہے۔"

"شلوزان....."

"ہاں۔ نسلاً گریک ہے لاتعداد خوبیوں کا مالک ہے۔"

"ٹھیک۔"

"مجھے اس کی زندگی کی پوری کہانی معلوم ہے۔"

"وہ کیسے۔ کیا اس نے تمہیں بتایا تھا۔"

"نہیں۔"

"تو پھر۔"

"میں اسے اس وقت سے جانتا ہوں جب وہ شائی تھن کی خانقاہ میں داخل ہوا تھا۔

"شائی تھن؟" کامران نے سوال کیا۔

"کوشالہ کے جنوب میں ایک بستی ہے۔"

"ہوں پھر.....؟ کامران دلچسپی لیتے ہوئے بولا۔

صبح کا نور پھیلنے لگا تھا پتھر کے بنے ہوئے فرش پر شبنم کی نمی چمک رہی تھی سورج نکلتے ہی دھوپ کی کرنیں اسے چاٹ جائیں گی وہ اب تک خانقاہ کے اس ماحول کا عادی نہ ہو سکا تھا نیم خوابیدہ ذہن کے ساتھ جب خانقاہ کے احاطے میں آیا تو شیونگ کٹ اس کے ہاتھ میں تھی۔ پتھریلے فرش پر چلتے ہوئے اس کے کھڑاؤں کی کھٹا کھٹ سن کر کئی بھکشوؤں نے زیر لب مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔ اس نے ارغوانی رنگ کی ڈھیلی ڈھالی عبا کو ایک جھٹکا دیا اور احاطے کے درمیان میں بنے ہوئے کنویں سے پانی نکالا۔ بانس کے بنے ہوئے ڈونگے سے پانی پی کر اس کی نیند غائب ہو گئی بنی موکھا کے اصولوں کے تحت صبح بیدار ہوتے ہی اسے اپنی آتما کو پوتر کرنا چاہیے وہ ان دس عہد کا پابند تھا لیکن اب تک عادی نہ ہو سکا تھا۔

ڈول سے اپنی کھینچ کر اس نے غسل کیا۔ دوسرے بدھ بھکشوؤں کے درمیان وہ نمایاں نظر آ رہا تھا۔ اس کا دراز قد' رنگ اور خدوخال سب ان سے مختلف تھے۔ کنویں کی منڈیر پر بیٹھ کر اس نے ٹھنڈے پانی سے شیو کیا اور جب سر کے بال صاف کرنے لگا تو ایک بھکشو نے آ کر سیفٹی ریزر اس کے ہاتھ سے لے لیا اور اس کے سر کو بالکل صاف اور چکنا کر دیا۔

"کوپ جائی" اس نے بھکشو کا شکریہ آنری زبان میں ادا کیا۔ حالانکہ ایک دوسرے کی مدد کرنا ان کے فرض میں داخل تھا۔ وہ بھکشو کوئی جواب دیئے بغیر آگے بڑھ گیا اور احمد شلوزان مسکرا کر رہ گیا بھکشوؤں کے رواج کے مطابق شکریے کا جواب نہیں دیا جاتا۔

احمد شلوزان نازیری کا رہنے والا تھا۔ اپنے دشمنوں سے چھپ کر وہ اس بدھ خانقاہ میں بھکشو بن کر

زندگی بسر کر رہا تھا اس نے اپنی کوٹھڑی میں پہنچ کر عبا تبدیل کی۔ وہ خانقاہ کا واحد بھکشو تھا جس کے پاس دو عبائیں تھیں اپنا کاسہ اور چھتری اٹھا کر وہ بھیک مانگنے روانہ ہو گیا بھکشوؤں کے لئے لازم تھا کہ وہ صبح خود جا کر اپنے لئے ناشتے کی بھیک مانگیں۔ بلند چھری مینار سے گھنٹے کی آواز گونجنے لگی۔ اسے معلوم تھا کہ یہ گھنٹہ ایک سو آٹھ بار بجے گا وہ باہر نکلا تو دھوپ میں ابھی سے تمازت پیدا ہو چکی تھی۔

شہری سڑکیں صاف اور کشادہ تھیں۔ ابھی ان پر سناٹا طاری تھا۔ اکا دکا لوگ یا گاڑیاں نظر آ جاتی تھیں۔ شہر کے دوسرے علاقوں میں بنے ہوئے مندروں اور خانقاہوں کے کلس چمک رہے تھے۔ رہبانیہ کی ایک ویران شاہراہ پر وہ آگے بڑھتا رہا۔ وہ مسلسل یہ سوچ رہا تھا کہ آج وہ کس جگہ پر جا کر بھیک مانگے۔ یہ ہر صبح کا مسئلہ تھا کیونکہ ایک ہی علاقے کے لوگوں سے ایک سے زائد بار بھیک مانگنا غیر مہذب تصور کیا جاتا تھا۔

وہ سڑک کے موڑ سے آگے نکل کر ایک بڑے مندر کے قریب پہنچ گیا مندر کے سامنے ایک برف کے گولے والا سڑک کے درمیان کھڑا تھا اور اس کے گرد بچوں کی بھیڑ لگی ہوئی تھی۔

احمد شلوزان اور کنارے ہو گیا تاکہ برف والا کہیں گولا بنا کر اسے بھیک میں نہ دے دے اسی لمحے ایک لمبی سی کار مندر کی سیڑھیوں کے پاس آ کر رکی اور اس میں سے ایک مرد اور ایک لڑکی باہر نکلے۔ مرد خاصی عمر کا تھا لڑکی جوان اور بے حد خوب صورت تھی۔ وہ انگریز معلوم ہوتی تھی کوشش کے باوجود وہ اس کے چہرے سے نگاہ نہ ہٹا سکا۔ وہ شاید سیاح تھے اور مندر دیکھنے آئے تھے۔

وہ ابھی مندر سے کوئی بیس قدم کے فاصلے پر تھا۔ لڑکی بڑی دلچسپی کے ساتھ مندر کو دیکھ رہی تھی اس نے تصویر لینے کے لئے کیمرا آنکھوں سے لگایا ہی تھا کہ کچھ فاصلے پر کھڑا ہوا پستہ قد شخص تیزی کے ساتھ آگے بڑھا اس نے لڑکی کے پاس پہنچ کر بڑی برق رفتاری سے لڑکی کی بغل میں دبا ہوا پرس چھینا اور بے تحاشا بھاگ نکلا۔ لڑکی گھبرا کر مڑی اور حیرت زدہ نگاہوں سے بھاگتے ہوئے پرس چور کو دیکھنے لگی جو احمد شلوزان کی طرف بڑھ رہا تھا...... احمد سڑک کے درمیان میں آ کر کھڑا ہو گیا لیکن چور کو معلوم تھا کہ بھکشو ایسے معاملات میں دخل نہیں دیتے اس لئے اس نے پروا نہیں کی اور یہی اس کی غلطی تھی۔ کیونکہ دوسرے ہی لمحے احمد نے اپنی چھتری اس کی ٹانگ میں اڑا دی چور منہ کے بل گر پڑا۔ پرس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر کچھ فاصلے پر جا پڑا۔ خوف زدہ چور نے گھوم کر ایسی نگاہوں سے احمد کو دیکھا جیسے وہ کوئی بدروح ہو اور پھر پرس چھوڑ کر بھاگ نکلا۔

لڑکی اور مرد لپک کر احمد شلوزان کے پاس پہنچ گئے۔ احمد خاموش کھڑا رہا اس کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔

"تم انگریزی سمجھتے ہو؟" لڑکی نے مترنم آواز میں پوچھا۔

"ہاں" احمد شلوزان نے جواب دیا۔

"تم اپنا پرس اٹھا لو میں اسے ہاتھ نہیں لگا سکتا۔"

"کیوں؟" لڑکی حیران ہو کر مسکرائی۔

"بھکشو" عورت یا اس کی کسی چیز کو نہیں چھو سکتے" احمد شلوزان نے جواب دیا۔

"حیرت انگیز" لڑکی نے آہستہ سے کہا۔

"کیا تم عورت کو اپنا نام بھی نہیں بتا سکتے؟"

"میرا نام احمد شلوزان ہے میں تازیری کا رہنے والا ہوں۔"

"خوب مسٹر احمد تم بڑے دلچسپ بھکشو ہو۔ میں تمہاری بے حد ممنون ہوں" لڑکی نے کہا۔

"میرا نام کلاڈیا وارتھن اور یہ مسٹر تھامسن لارڈ ہیں۔ شاید تم کو یہ جان کر خوشی ہو کہ میرے والد جرمن تھے لیکن ماں صومالیہ سے تعلق رکھتی تھی ان کی شادی پانامہ میں ہوئی تھی۔"

"آپ کی صاف گوئی قابل ستائش ہے مس کلاڈیا۔ اس نے پہلی بار مسکرا کر اسے دیکھا۔

"مس نہیں مسز" کلاڈیا نے بڑے دل کش انداز میں کہا۔

"میرا خیال ہے اب ہوٹل واپس چلیں۔" تھامسن نے مداخلت کی۔

"تم کو جلدی ہے تو چلے جاؤ۔" کلاڈیا نے غصے میں کہا مسٹر شلوزان جیسے بھکشو سے بات کرنے کا موقع بار بار نہیں ملتا۔ ویسے کیا خیال ہے اگر آپ بھی ہوٹل چلیں ہم ساتھ چائے پئیں گے۔"

احمد شلوزان ایک لمحہ سوچتا رہا ہوٹل میں ناشتے اور چائے کا تصور بڑا سہانا تھا۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے آپ مجھے ناشتے کی بھکشا دے کر اگلے جنم میں ثواب پائیں گی۔"

کلاڈیا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اسے یہ پڑھا لکھا دل فریب بھکشو بہت پسند آیا تھا۔ ہوٹل کے گرل روم میں اسے کلاڈیا کے ساتھ بیٹھنا پڑا کیونکہ تھامسن معذرت کر کے چلا گیا تھا اسے ایک بھکشو کے ساتھ کلاڈیا کی یہ بے تکلفی ناگوار ہوئی تھی گرم گرم چائے اور ناشتے کی لذت احمد شلوزان کو ایک عرصے کے بعد نصیب ہوئی تھی اس لئے اس نے چائے کا دوسرا کپ بھی بنایا اور مزے لے کر پینے لگا۔

"تم ایک سال سے بھکشو بنے ہوئے ہو؟" کلاڈیا نے پوچھا۔

"یہ تو بڑی طویل مدت ہے۔"

"نہیں یہ مدت سمندر میں قطرے کے برابر ہے۔" احمد شلوزان نے کہا۔

"لوگ ساری عمر تپسیا کر کے بھی گیان حاصل نہیں کر پاتے۔"

"لیکن تم مسلمان تھے پھر اپنا مذہب کیوں چھوڑ دیا؟"

احمد شلوزان ہنس پڑا" میں اب بھی مسلمان ہوں۔ میں نے مذہب ترک نہیں کیا صرف ذہن کو سکون پہنچانے کے لئے یہ ریاضت کر رہا ہوں۔" اس نے بہانہ بنایا۔

"لیکن کیوں؟" یہ عمر فقیری اختیار کرنے کی تو نہیں؟ تم پر ایسی کیا مصیبت آن پڑی تھی؟ کلاڈیا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"لمبی کہانی سے تم بور ہو جاؤ گی۔"

"اوہ نہیں احمد! میں بڑی دلچسپی سے سنوں گی۔"

"مجھے صبح کی عبادت میں شریک ہونا ہے۔" احمد شلوزان نے کہا۔ "اگر میری داستان حیات اتنی ہی دلچسپ ہے تو میں شام کو آنے کی پھر کوشش کروں گا لیکن اس کے لئے پہلے گرو سے اجازت لینا ہوگی۔"

کلاڈیا نے مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا احمد مسکرا دیا۔ "میں نے پہلے بتا دیا تھا کہ بھکشو کے لئے عورت کو ہاتھ لگانا منع ہے۔"

احمد اس کش مکش میں تھا کہ کلاڈیا کے پاس جائے یا نہیں اس عورت کی شخصیت میں اسے ایک ان جانی کشش محسوس ہوئی تھی' لیکن دوسری طرف اتنے دنوں کی ریاضت خطرے میں تھی بدھ اصولوں کے مطابق پانچ باتوں سے پرہیز لازمی تھا۔ کسی جان دار کو ہلاک کرنا' چوری کرنا' نشہ کرنا' دل آزاری کرنا' لیکن بھکشوؤں پر مزید پانچ پرہیز لازم تھے ان کو جنسی تعلقات قائم کرنے' دوپہر کے بعد کسی قسم کی غذا کھانے' رقص و موسیقی' خوشبو اور ہر قسم کے زیور کی سختی سے ممانعت تھی لیکن وہ یہاں بدھ مذہب اختیار کرنے نہیں آیا تھا۔

احمد شلوزان انہی خیالات میں گم تھا کہ ایک بھکشو نے اسے آکر پیغام دیا کہ مہا گرو بلا رہے ہیں۔

وہ کمرے میں داخل ہوتے ہی چونک پڑا وہ اکیلے نہیں تھے ان کے سامنے کلاڈیا بیٹھی ہوئی چائے پی رہی تھی احمد شلوزان کو دیکھ کر مسکرا دی۔

"آجاؤ۔ آجاؤ...... احمد شلوزان" انہوں نے کہا۔

"مسز کلاڈیا وارتھن جو کچھ کہنا ہے تم خود کہو تو بہتر ہوگا۔"

"مجھے یہاں دیکھ کر تم اتنے حیران نہ ہو۔" کلاڈیا نے دل آویز انداز میں کہا تمہارے واپس آنے کے بعد مجھے خیال آیا کہ تم میری مدد کر سکتے ہو اس لئے میں خود یہاں آ گئی۔"

"میں ایک بھکشو تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔" احمد شلوزان نے حیران ہو کر پوچھا۔

"تم نے میرے شوہر ڈاکٹر آرتھر کا نام ضرور سنا ہوگا ان کی ایک کتاب "جنگل" حال ہی میں شائع ہوئی ہے" کلاڈیا نے کہا۔ احمد شلوزان نے سر ہلا دیا۔

"وہ آج کل آسام کی سرحد کے قریب گھنے جنگلات میں کسی جگہ کام کر رہے ہیں۔ انہیں ہمیشہ سے دشوار گزار اور دور دراز علاقوں کے غریب باشندوں کی مدد کا جنون ہے۔ میں ان کے پاس جانا چاہتی ہوں تم اس علاقے سے واقف بھی ہو اور مقامی زبان بھی جانتے ہو اس لئے مجھے تمہاری مدد درکار ہے۔"

"احمد شلوزان نے طوکا کی سمت دیکھا۔" "میری طرف سے تم کو اجازت ہے۔" انہوں نے فوراً کہا۔ "تمہاری شادی دو سال قبل ہوئی تھی آرتھر پہلے بھی کئی صومالیاتی ممالک میں غریبوں کے علاج کے لئے قیام کر چکے ہیں جب انہوں نے اس علاقے میں کام کرنے کا ذکر کیا تو میں نے ہی امدادی ڈسپنسری قائم کرنے کے لئے ان کو سرمایہ دیا تھا اس لئے سچ پوچھو تو غلطی میری ہی ہے۔ دراصل وہ اس علاقے کے مقامی لوگوں پر ایک کتاب لکھنا چاہتے تھے لیکن یہاں آنے کے کچھ عرصے بعد سے مجھے ان کے بارے میں کچھ خبر نہ مل سکی۔ ابتدا میں چند خطوط ملے لیکن پھر شاید وہ ایسی جگہ قیام پذیر ہو گئے جہاں سے خط و کتابت دشوار ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ صورتحال میرے لئے تکلیف دہ تھی اس لئے مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

"کیا میں اس سلسلے میں کچھ کر سکتا ہوں؟" احمد شلوزان نے پوچھا۔

"میں اپنی ازدواجی زندگی کے سلسلے میں مدد نہیں مانگ رہی ہوں۔" کلاڈین نے وضاحت کی" وہ میرا ذاتی معاملہ ہے آرتھر یہاں سے واپس نہیں جانا چاہتے۔ ہمیشہ ایک ہی بہانہ کر دیتے ہیں کہ بہت مصروف ہوں۔ بے حد اہم کام میں لگا ہوا ہوں اور میں کہتی ہوں کہ طلاق سے پہلے دو بدو بات کر لوں۔ تم کو اس جگہ تک میری رہنمائی کرنا ہے جہاں وہ ان دنوں مقیم ہیں۔"

"اوہ......" احمد شلوزان نے کہا۔

"ہاں تم میری مدد کر سکتے ہو جانے کیوں اس مختصر سی ملاقات میں مجھے تم پر اعتماد ہو گیا ہے۔ میں تم کو اس کام کا معقول معاوضہ دوں گی؟"

"ہم بھکشو لوگ کوئی خدمت کر کے معاوضہ نہیں لیتے۔" احمد شلوزان نے آہستہ سے کہا۔

"اوہ مجھے معاف کر دو۔" کلاڈیا نے کہا۔ "اسے خانقاہ کے لئے عطیہ سمجھ لینا اب تو تم کو کوئی اعتراض نہیں۔"

"ہمیں روانہ کب ہونا ہے؟"

"جتنی جلدی ممکن ہو سکے۔" کلاڈیا نے کہا۔

کلاڈیا کے جانے کے بعد وہ ایک عجیب سی بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ ابھی دھوپ کافی تیز تھی گرمی کی پرواہ کئے بغیر وہ بے مقصد سڑکوں پر گھومتا رہا۔ جب دھندلکا پھیلنے لگا تو چہل قدمی کرتا ہوا خانقاہ کی سمت واپس روانہ ہو گیا۔ سڑک سنسان ہو چکی تھی وہ اپنے خیالات میں گم تھا کہ اچانک ایک کار اس کے برابر آ کر رکی اور کسی نے پکارا۔

"شلوزان۔"

ایک لمحے کے لئے وہ گھبرا گیا اس نے سوچا کہ شاید ان لوگوں نے اسے تلاش کر لیا ہے۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر اس نے کار کی سمت دیکھا۔ تاریکی میں وہ کار کے اندر بیٹھے ہوئے شخص کو پہچان نہ سکا۔ اس لئے کار کے قریب پہنچ کر اندر جھانکا۔ آواز دینے والا اس کے وطن کے سفارت خانے کا ارتضیٰ تھا۔

"اوہ آپ ہیں۔" احمد شلوزان نے کہا۔ وہ ارتضیٰ کو پہچانتا تھا ان کی ملاقات ایک مرتبہ اتفاقاً ہو گئی تھی اور ارتضیٰ اس کے ساتھ بڑے خلوص سے پیش آیا تھا۔

"فرمایئے......؟" اس نے پوچھا۔

"اگر کوئی حرج نہ سمجھو تو کار میں بیٹھ جاؤ" ارتضیٰ نے کہا۔

"میں نہیں چاہتا کہ ہمیں کوئی اس طرح باتیں کرتا ہوا دیکھے" اس کا لہجہ راز دارانہ تھا احمد شلوزان ایک لمحے ہچکچایا لیکن پھر وہ دروازہ کھول کر ارتضیٰ کے برابر بیٹھ گیا۔

"کوئی اہم بات ہے؟"

"ہاں میرے دوست بہت اہم مجھے تمہاری مدد درکار ہے" ارتضیٰ نے کہا۔ احمد شلوزان حیران رہ گیا آج یہ دوسرا اتفاق تھا جو کسی کو اس کی مدد کی ضرورت پڑ گئی تھی۔

"میری مدد......؟" اس نے سوال کیا۔

"ہاں" ارتضیٰ نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"مجھے امید ہے کہ تم ایک برادر ملک کی مدد ضرور کرو گے۔"

"لیکن کس سلسلے میں؟"

"پہلے میری بات غور سے سن لو" ارتضیٰ نے کہا۔

"تم جانتے ہو کہ میں اپنے وطن کے سفارت خانے میں سکیورٹی کے شعبے کا انچارج ہوں مجھے ربانیہ میں ایک خاص مقصد کے لئے بھیجا گیا ہے۔ کچھ عرصے سے ہیروئن کی بھاری مقدار وطن کے مشرقی حصے میں پہنچ رہی ہے جہاں سے وہ بڑی ہوشیاری کے ساتھ ملک کے دونوں حصوں کے بڑے شہروں کو اسمگل ہوتی ہے اس کے بعد یہ شہر کے نوجوان طلبہ، کارکن، حکومت کے ملازمین میں چابک دستی کے ساتھ پھیلائی جاتی ہے۔ نئی نسل کو اس خطرناک نشے کا عادی بنانے کی یہ سازش بڑی سمجھ بوجھ کے ساتھ کی جارہی ہے جب وہ اس کے عادی ہوجاتے ہیں تو ان کو تخریبی مقصد کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور یہ ساری ہیروئن اس علاقے سے اسمگل ہوتی ہے۔ ہمارے وطن کے علاوہ اس کی بڑی منڈی تنزانیہ، ویالیہ اور دوسرے ممالک ہیں۔ یہ سازش ایک دشمن ملک دامے درمے کررہا ہے۔ ممکن ہے تم جانتے ہو کہ پہلے افیون سے مارفین بنتی ہے اور پھر اس سے ہیروئن بنائی جاتی ہے آئرلینڈ کے جنوبی علاقے میں آج بھی قبائل افیون کی کاشت کرتے ہیں حالانکہ یہ ممنوع ہے۔ فرلوس اور دوسرے سرحدی علاقوں سے افیون سمگل ہوتی تھی ربانیہ سمیت ملک بھر میں ہیروئن بنانے کا کوئی پلانٹ نہیں ہے خوش قسمتی سے ہمیں ایک شخص ایسا مل گیا جس نے اہم معلومات بہم پہنچائی ہیں اس کا نام طاؤس ہے وہ تماکش کے شہر کے قریب ایک پہاڑی گاؤں میں ٹیچر ہے۔ اس کا تعلق مقامی قبائل سے ہے وہ گزشتہ ایک سال سے ہمارے لئے کام کررہا ہے۔ اس سلسلے میں ہمیں آئر سکیورٹی سروس کا تعاون حاصل ہے ہم نے طاؤس کو ایک خفیہ وائرلیس سیٹ دیا تھا جس سے وہ اہم معلومات فراہم کرتا تھا اس نے آخری پیغام یہ دیا تھا کہ اس نے اس گھناؤنی سازش کا پتا چلالیا ہے اور ایسا سراغ مل گیا ہے جو اس گروہ کو بے نقاب کردے گا۔ لیکن اس کو شک ہے کہ کسی کو اس کے اور خفیہ ٹرانسمٹر کے بارے میں پتا چل گیا ہے اس کے لئے وہ وائرلیس سے تفصیل نہیں بتا سکتا۔ وہ اس پیغام کے بعد وائرلیس سیٹ تباہ کردے گا تاکہ اس کے خلاف کوئی ثبوت نہ مل سکے اس کے لئے خود ربانیہ آنا بھی خطرناک ہے کیونکہ ممکن ہے اس کی نگرانی ہورہی ہو۔ ذرا بھی شک ہوا تو وہ کبھی یہاں تک نہ پہنچ سکے گا اس لئے اس نے تاکید کی ہے کہ کسی قابل اعتماد آدمی کو جو آئر زبان جانتا ہو فوراً وہاں بھیجا جائے اور اس کام کے لئے تم موزوں ترین آدمی ہو۔"

"میں......؟ لیکن کیوں؟ میں......"

"پہلے پوری بات سن لو۔ ہمیں معلوم ہے کہ تم مسز کلاڈیا کے ساتھ جنوبی علاقے کی سمت جارہے ہو۔ تم آئر زبان اچھی طرح جانتے ہو۔ مسز کلاڈیا اپنے شوہر سے ملنے جارہی ہیں جن کا وکٹی اسپتال طاؤس کے گاؤں کے بالکل قریب ہے اور تم پر کسی کو شک بھی نہیں ہوسکتا اب بتاؤ تم سے زیادہ موزوں شخص کون ہوسکتا ہے؟"

"لیکن تم جانتے ہو کہ میں بھکشو ہوں اور کسی ایسے کام میں ملوث نہیں ہوسکتا۔"

"میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم تازیری کے کمانڈو فورس کے ایک بہادر سپاہی ہو اور صدر جیمس فراڈو کے کٹر حامی تھے اسی لئے جیمس فراڈو کے خاتمے کے بعد ملک چھوڑنے پر مجبور ہوگئے اور اب یہاں بظاہر بھکشو بن کر زندگی گزار رہے ہو۔"

"کیا تم...... مجھے بلیک میل کررہے ہو؟" احمد شلوزان نے غصے میں پوچھا۔

"نہیں برادر عزیز! ہرگز نہیں، میں تم جیسے مخلص انسان کے لئے یہ تصور بھی نہیں کرسکتا۔ یہ راز

صرف میری ذات تک محدود ہے۔ صدر جیمس فراڈو ہمارے عظیم محسن تھے تم ان کے سپاہی ہو۔ کیا تم ہماری مدد سے انکار کرسکو گے۔"

ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں کھانا کھاتے ہوئے کلاڈیا نے شلوزان کی سمت دیکھا بھکشوؤں کا لباس اتارنے کے بعد وہ ریڈی میڈ سوٹ میں بھی بڑا وجیہ لگ رہا تھا۔

دو دن سے وہ ربانیہ کے شہر میں مارے مارے پھرتے رہے تھے تب جا کر سفر کے انتظامات مکمل ہوئے تھے سب سے زیادہ دشواری علاقے کے لئے ٹویوٹا بس ویگن حاصل کرنے میں ہوئی تھی پھر کھانے پینے کا سامان، مچھر دانیاں، کمبل، پرائمس اسٹوو، جنگل میں جھاڑیاں کاٹنے والے لمبے چاقو، کپاس اور دیگر ضروری اشیا خریدنے میں کافی وقت لگا تھا ویگن میں تمام سامان لاد کے جمبو روڈ کے ریلوے اسٹیشن سے ٹرین کے ذریعے روانہ کروادیا گیا تھا انہوں نے اپنے لئے بھی سیٹ ریزرو کرالی تھی۔

احمد شلوزان کو ایک طویل مدت کے بعد کسی عورت کا قرب ملا تھا لیکن کلاڈیا عورت سے زیادہ ایک دلچسپ...... ساتھی ثابت ہوئی تھی اس کی بے باکی اور بے تکلفی میں خلوص تھا۔

وہ مغرب کی آزاد خیال عورتوں کی طرح جنس کی بھوکی نہیں تھی وہ ایک اچھی دوست اور ساتھی تھی احمد شلوزان کو یقین تھا کہ اس دشوار گزار سفر میں وہ بار ثابت نہ ہوگی اس نے کلاڈیا کو ارتضٰی کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا ان کی دوسری ملاقات سفارت خانے میں ہوئی تھی ارتضٰی اسے رات کی تاریکی میں وہاں لے گیا تھا وہاں ربانیہ سکیورٹی کا ایک اور افسر بھی موجود تھا اس کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ جلد از جلد طاؤس سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرے۔ شناخت کے لئے اسے کوڈ بتا دیا گیا تھا "شکل خرگوش جیسی دل شیر جیسا" آئر زبان کا یہ محاورہ شناختی کوڈ تھا جسے سن کر طاؤس سمجھ جائے گا کہ وہ جو کچھ اطلاع فراہم کرے اسے اچھی طرح ذہن نشین کرکے احمد شلوزان کو تیز رفتاری کے ساتھ تماکش کے شہر پہنچنا تھا اور پھر فون یا تار کے ذریعے اپنی آمد کی اطلاع ارتضٰی کو دینا تھی۔ وہ لوگ فوراً بذریعہ طیارہ وہاں پہنچ کر احمد شلوان سے رابطہ قائم کریں گے۔

احمد شلوزان نے محسوس کیا تھا کہ ارتضٰی کافی فکر مند تھا یہ مشن یقیناً بہت خطرناک ہوگا ورنہ وہ اتنا پریشان نہ ہوتا۔ احمد شلوزان اس مقصد کے لئے اپنی جان کا خطرہ نہ مول لیتا اگر مسئلہ ایک برادر ملک کا نہ ہوتا اب وہ وعدہ کرچکا تھا اور بہرصورت اسے پورا کرنا تھا۔ وہ اپنے خیالات میں کھویا ہوا تھا کہ اچانک اس کی نظر برابر والی میز پر پڑی۔ ایک بھاری بھرکم خطرناک شکل والا غیر ملکی کلاڈیا کو مسلسل گھور رہا تھا اس کے تینوں ساتھی بھی پیشہ ور بدمعاش لگ رہے تھے شراب کے گھونٹوں کے درمیان وہ سر جھکا کر رازدارانہ انداز میں سرگوشیاں کرتے اور مسکرانے لگتے۔ احمد شلوزان کو غصہ تو بہت آیا لیکن وہ خاموش رہا۔

"کیا سوچ رہے ہو احمد شلوزان۔" کلاڈیا کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

"کچھ نہیں، تم کافی پیو میں ابھی آیا۔" وہ کرسی سے اٹھا اور آرام سے چلتا ہوا باہر نکل گیا مقصد صرف یہ معلوم کرنا تھا کہ اس کی عدم موجودگی میں یہ بدمعاش کیا کرتے ہیں۔ وہ جیسے ہی واپس پہنچا اس کی نظر بدمعاشوں کی ٹولی کے اس فرد پر پڑی جو کلاڈیا کے پاس کھڑا تھا اور جھک کر اس سے کچھ کہہ رہا تھا اسے دیکھ کر کلاڈیا مسکرا اٹھی۔

""اچھا ہوا تم آگئے احمد۔" کلاڈیا نے کہا "انہیں بتاؤ کہ مجھے ان کے ساتھیوں کے ساتھ شراب پینے کی دعوت قبول نہیں ہے۔"

"گٹھے ہوئے بدن والے شخص نے بڑی حقارت سے احمد شلوزان کا جائزہ لیا۔

"تم نے سنا نہیں؟" احمد شلوزان نے کہا۔

"ہاں لیکن مجھے یقین نہیں آیا" بدمعاش نے غراتے ہوئے کہا۔

"تم کیا دلال ہو؟"

احمد شلوزان کے جسم میں آگ لگ گئی تھی اس نے بہ مشکل خود پر قابو پایا "تم شاید نشے میں ہو بہتر ہے کہ چلے جاؤ" اس نے ضبط کرتے ہوئے کہا۔

"لڑکی مسٹر ہیپ برزہ کو پسند آگئی ہے اسے جانا پڑے گا۔"

وہ غرایا۔

احمد شلوزان کا ہاتھ بجلی کی سی سرعت کے ساتھ چلا مکا اتنا بھرپور تھا کہ بدمعاش اپنا پیٹ پکڑ کر کراہنے لگا اسی لمحے بھاری بھرکم شخص آگے بڑھا۔ احمد شلوزان تیار ہوگیا۔ پہلے بدمعاش نے اپنا مکا بلند کیا۔ "خبردار جم!" ہیپ برزہ دہاڑا۔

"اپنی میز پر جاؤ۔"

"لیکن اس کتے نے مجھے مکا مارا ہے مسٹر ہیپ برزہ! میں اسے" مسٹر ہیپ برزہ نے اتنے خون خوار انداز میں اسے گھورا کہ جم کا جملہ پورا نہیں ہوسکا وہ اپنے ساتھیوں کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور بڑی خون خوار نظروں سے احمد شلوزان کو گھورنے لگا۔

"مجھے افسوس ہے مس! جم کچھ زیادہ ہی پی گیا تھا" ہیپ برزہ نے کلاڈیا سے معذرت کی۔

"کوئی بات نہیں اب اس کا نشہ دور ہوگیا۔" کلاڈیا نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"وہ بہت خطرناک آدمی ہے کیوں نہ آپ دونوں ہمارے ساتھ بیٹھ کر کچھ پئیں اس طرح تلخی دور ہوجائے گی۔"

"شکریہ مسٹر ہیپ برزہ! لیکن یہ ممکن نہیں" کلاڈیا کا لہجہ بے حد سخت تھا۔

"آج تک میری دعوت سے کسی نے انکار نہیں کیا" ہیپ برزہ نے بل ڈاگ جیسا منہ بنا کر کہا "ہم دوستی چاہتے ہیں۔" "گڈ بائی مسٹر!" کلاڈیا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

ہیپ برزہ کی آنکھیں سرخ ہوگئیں وہ زخمی بھیڑیے کی طرح انہیں گھورتا ہوا واپس چلا گیا احمد شلوزان کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"تم واقعی بڑے کام کے آدمی ہو" کلاڈیا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کسی بھکشو سے اتنی بہادری کی توقع نہیں ہوسکتی۔"

"میں ہمیشہ سے تو بھکشو نہیں تھا" احمد شلوزان نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بہتر یہ ہے کہ ہم یہاں سے اٹھ چلیں۔"

"سنا ہے رہانیہ میں بڑے حسین نائٹ کلب ہیں؟"

"ہاں لیکن میں نہیں جاسکوں گا" احمد شلوزان نے کہا کسی حسین عورت کی عزت کے لیے لڑنا اور بات ہے لیکن رقص و موسیقی۔ یہ ممکن نہیں۔"

"بڑے عجیب بھکشو ہو تم احمد شلوزان" کلاڈیا بے ساختہ ہنس پڑی۔

"جیسے تمہاری مرضی۔"

"یہ دوسری رات تھی تماکش جانے والی ٹرین کی ڈائننگ کار میں بیٹھے وہ کھانا کھا رہے تھے ایک موٹا سا پستہ قد کنڈیکٹر ٹکٹ چیک کرتا ہوا ان کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا وہ آتریوں کی طرح خوش مزاج تھا اور ہر ایک سے شگوفے بازی کرتا چلا آرہا تھا کلاڈیا نے پرس سے ٹکٹ نکال کر اسے دیا احمد شلوزان نے آتری زبان میں پوچھا۔

"کیا اگلا اسٹاپ وجیری کا ہوگا؟"

کنڈیکٹر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ کسی غیر ملکی سے اس روانی کے ساتھ آتری زبان میں گفتگو حیرت انگیز تھی۔

"ہاں۔ اگلا اسٹاپ وجیری ہوگا" اس نے جواب دیا۔

"کیا اب بھی وہاں فرائیڈ جھینگے ملتے ہیں؟" احمد شلوزان نے کہا۔

کنڈیکٹر بے ساختہ مسکرا دیا "ہاں ان میں بڑی توانائی ہوتی ہے" وہ ہنستا ہوا چلا گیا۔

"کیا باتیں ہورہی تھیں؟" کلاڈیا نے پوچھا۔

"کچھ نہیں مذاق کر رہا تھا" احمد شلوزان نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"تم زیادہ دن یہاں رہے تو خود بھی آتری باشندوں کی طرح ہوجاؤ گے" کلاڈیا بولی۔

"آخر تم کو اس زندگی میں کیا مزہ آتا ہے؟ تم دنیا میں بہت کچھ کرسکتے ہو؟"

"تمہارا کیا مطلب ہے دولت کما سکتا ہوں؟ عیش کرسکتا ہوں؟ شہرت اور مقام حاصل کرسکتا ہوں لیکن کلاڈیا زندگی صرف اسی کا نام نہیں جس نے دکھ نہ جھیلے ہوں وہ مسرت کا مزہ کیا جانیں جس نے فاقے نہ کیے ہوں اسے غذا کی لذت کا کیا احساس ہوگا انسان کی سب سے بڑی دولت اس کے ذہن کی آسودگی اس کا بلند ترین مقام خدمت میں ہے کسی کے دکھ درد میں شریک ہوکر جو مسرت ملتی ہے وہی سچی ہے" احمد شلوزان نے بولنا شروع کیا تو سب کچھ بتا دیا "میرا باپ تازیری کا ایک امیر اور صاحب اقتدار آدمی تھا میں نے عیش و عشرت کے ماحول میں آنکھیں کھولیں لیکن اپنے وطن کے لاکھوں غریب اور پس ماندہ انسانوں کو دیکھ کر میرا دل روتا تھا باپ کی مخالفت کے باوجود میں انقلاب پسندوں میں شامل ہوگیا۔ اپنے عظیم رہنما جیمس فراڈو کی رہنمائی میں کام کرتے ہوئے میں کمانڈوز میں شامل ہوگیا لیکن دشمنوں کو ہماری آزادی ایک آنکھ نہ بھائی تھی۔ جب جیمس فراڈو پر زوال آیا تو میں فرار ہوکر آئرلینڈ آگیا میرے باپ کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ کیونکہ وہ جیمس فراڈو کے حامی تھے۔ رہانیہ میں مجھے ایک آتری لڑکی سے محبت ہوگئی وہ بڑی معصوم اور البڑ لڑکی تھی پھر کسی ظالم نے اسے مارفین کے نشے کا عادی بنا دیا۔ میں نے اسے اس دلدل سے نکالنے کی بہت

کوشش کی لیکن وہ پھر اس کا شکار ہو جاتی اس کی سہیلیوں میں سے کوئی اسے مارفین سپلائی کرتی تھی پھر میں نے اسے اپنی محبت کی قسم دے کر یہ زہر ترک کرنے کی التجا کی اور اس نے واقعی نشہ چھوڑ دیا۔ لیکن اب بہت دیر ہو چکی تھی مارفین اس کی رگ رگ میں سرایت کر چکی تھی اور اس کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتی تھی۔ اس پر شدید دورے پڑنے لگے۔ جب حالت خراب ہوئی تو میں نے اس سے کہا کہ وہ پھر مارفین استعمال کرے لیکن میں نے پہلے اسے محبت کی قسم دی تھی، وہ تڑپ تڑپ کر مر گئی، لیکن اپنی قسم نہیں توڑی" کلاڈیا مبہوت بنی اس کی داستان سن رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ہمدردی اور غم کے آنسو جھلملانے لگے تھے۔

"اوہ ڈیئر!" کلاڈیا نے پیار سے اس کا بازو دبایا۔ "مجھے اندازہ نہ تھا کہ تم اتنے دکھی ہو۔"

اسی لمحے ایک موٹا سا آدمی ان کے پاس آ کر کھڑا ہوا اس کی توند احمد شلوزان کے بازو سے ٹکرانے لگی باریک سنہری کمانی کی عینک کے پیچھے اس کی آنکھیں کسی مسخرے کی طرح مسکرا رہی تھیں۔ "مداخلت کی معافی چاہتا ہوں۔" اس نے کلاڈیا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا آپ مسز آئزک ہیں؟"

"ہاں فرمایئے؟"

"میرا نام آرٹن ہے میں جنوب مشرقی صومالیہ میں کئی ہسپانوی اخباروں کا نمائندہ ہوں" اس نے جیب سے اپنا کارڈ نکال کر کلاڈیا کی سمت بڑھایا۔

"میری اطلاع کے مطابق آپ اپنے شوہر ڈاکٹر آئزک سے ملنے جا رہی ہیں کیا میں آپ سے کچھ پوچھ سکتا ہوں؟"

"تشریف رکھیے مسٹر آرٹن" کلاڈیا نے جواب دیا۔

آپ کیا پوچھنا چاہتے ہیں؟"

"آپ مسٹر احمد شلوزان ہیں؟" اس نے احمد سے پوچھا۔

"ہاں۔ آپ ہمارے بارے میں بہت باخبر معلوم ہوتے ہیں؟" احمد نے کہا۔

"آپ نے رباطیہ میں سفر کی تیاری کے سلسلے میں جو خریداری کی اس کے بعد یہ کوئی راز نہیں رہا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟"

"دیکھیے مسٹر آرٹن!" کلاڈیا نے کہا۔ "میں صرف اپنے شوہر سے ملنے جا رہی ہوں اس سلسلے میں کسی پبلسٹی کو پسند نہیں کرتی۔"

"آپ غلط نہ سمجھیں مسز کلاڈیا! میرا مسئلہ آپ کی ذات سے تعلق نہیں رکھتا یہ بین الاقوامی معاملہ ہے۔" آرٹن نے جواب دیا۔ "آپ کو علم ہے کہ سارتھ ایسٹ صومالیہ میں کیونسٹ گوریلے چھاپہ مار تنظیموں کو تربیت دے رہے ہیں ہمارے ہمسایہ ملک میں نیوگنی آئتاکل میں بسما اور آئرلینڈ میں موقبائل کی چھاپہ مار سرگرمیاں اسی کا سلسلہ ہیں یہ ساری کارروائیاں قبائلی علاقوں میں جاری ہیں۔ میں کیونسٹوں کا مخالف نہیں ہوں، لیکن حقیقت کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتا ہوں دوسرے صحافیوں کی طرح بعد میں۔ پورٹنگ مجھے سخت

ناپسند ہے۔"

"بڑی اچھی بات ہے مسٹر آرٹن! لیکن ہمارا اس سے کیا تعلق؟" کلاڈیا نے کہا۔

"آپ آئرلینڈ کے جنوبی پہاڑی علاقے میں ڈاکٹر آئزک کے پاس جا رہی ہیں مسز کلاڈیا؟" آرٹن نے کہا۔ "اسی علاقے میں کرنل گیری سرگرم ہے میں چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اپنی ویگن میں ساتھ لے چلیں۔"

"کیا آپ جرمن ہیں مسٹر آرٹن؟" احمد شلوزان نے پوچھا۔

"آپ مجھے جرمن یہودی کہہ سکتے ہیں" آرٹن نے جواب دیا۔

"ویسے میرا تعلق جرمن سے ہے لیکن میں مہاجر ہوں"۔

احمد شلوزان چونک پڑا لیکن اس سے پہلے کہ وہ منع کرتا کلاڈیا نے کہہ دیا۔

"ہمیں کوئی اعتراض نہیں آپ شوق سے ہمارے ساتھ شامل ہو سکتے ہیں۔" آرٹن شکریہ ادا کر کے چلا گیا تو کلاڈیا نے احمد شلوزان کے چہرے کی سمت دیکھا "تم کو آرٹن پسند نہیں آیا شاید؟" اس نے کہا۔

"اگر اس کا ساتھ چلنا مناسب نہیں تو......"

"یہ بات نہیں" احمد شلوزان نے جلدی سے کہا "اگر یہ سچ ہے کہ وہ واقعی صحافی ہے تو کوئی بات نہیں۔" اسے ارتھنی کی بات یاد آ رہی تھی۔

"اوہ تم بہت شکی ہوتے جا رہے ہو؟" کلاڈیا نے ہنستے ہوئے کہا۔ "وہ یقیناً صحافی ہے۔"

ڈنر کے بعد وہ اپنے کوپے میں آ کر بیٹھ گیا انہوں نے علیحدہ علیحدہ دو کوپے ریزرو کرائے تھے اسے کلاڈیا کا اس طرح کسی اجنبی کے ساتھ چلنے کی اجازت دینا بلاشبہ ناگوار ہوا تھا اور پھر یہ موٹا یہودی اسے بالکل نہیں بھایا تھا لیکن وہ کلاڈیا کو کسی بات سے منع کرنے کا حق نہیں رکھتا تھا۔ خود کلاڈیا کے بارے میں بھی وہ کیا جانتا تھا سوچتے سوچتے اسے نیند آ گئی۔

اس کی آنکھ اچانک کھلی تھی تاریکی میں کسی نے اس پر ایک دم چھلانگ لگائی اور پھر احمد کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا اس نے آزاد ہونے کے لئے بڑی جدوجہد کی لیکن وہ کوئی بھی تھا بہت طاقت ور تھا اور پھر تکیہ اتنی مضبوطی سے احمد کے منہ پر رکھا ہوا تھا کہ سانس لینا ممکن نہیں تھا اسے کچھ نظر بھی نہیں آ رہا تھا اس نے دونوں ہاتھوں سے حملہ آور کے بازو پکڑ کر زور لگایا لیکن اتنی دیر میں تکیے میں لگی ہوئی کلوروفارم دماغ میں سرایت کر چکی تھی وہ کمزور پڑتا جا رہا تھا تاریکیوں میں ڈوبتا جا رہا تھا اور پھر وہ بے ہوش ہو گیا۔

ہوش آیا تو وہ اپنی برتھ پر پڑا ہوا تھا کوپے میں کلوروفارم کی تیز بو پھیلی ہوئی تھی اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو چکرا گیا بڑی مشکل سے گرنے سے بچا دوبارہ جب حواس کچھ بحال ہوئے تو وہ کوپے کی دیوار کے سہارے کھڑا ہوا تھا درد سے اس کا سر پھٹا جا رہا تھا لڑکھڑاتے قدموں سے اس نے لائٹ جلائی اور حیران رہ گیا اس کا سوٹ کیس فرش پر کھلا ہوا تھا سارا سامان بکھرا ہوا تھا، لیکن وہ سب کچھ چھوڑ کر باہر نکلا اور لڑکھڑاتا ہوا باتھ روم میں پہنچا اسے ایک بڑی سی قے ہوئی لیکن کلوروفارم کی بو پھر بھی دماغ میں بسی رہی واپس آ کر اس نے جائزہ لیا رقم سمیت کوئی بھی چیز غائب نہ ہوئی تھی حملہ آور صرف تلاشی لے کر چلا گیا تھا لیکن اسے کس چیز کی تلاش تھی۔ اس کا سر چکرا رہا تھا۔ یہ معما اس کے لئے ناقابل حل تھا۔ وہ بے سدھ ہو کر برتھ پر گرا اور

آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔

صبح جب وہ ناشتے کے لئے ڈائننگ کار میں پہنچا تو آرٹن پہلے ہی کلاڈیا کے پاس بیٹھا ہوا تھا احمد شلوزان کو اس منہ پھٹ اور بے باک یہودی کی شکل سے چڑ ہوگئی تھی کلاڈیا نے اسکا مسکرا کر خیر مقدم کیا اور ویٹر کو ناشتہ لگانے کا اشارہ کر کے پوچھا۔ ''اور سناؤ احمد شلوزان آرام سے سوئے کہ نہیں؟''

''اگر کلوروفارم کی بے ہوشی آرام کی نیند میں شمار ہو سکتی ہے تو ضرور سویا۔'' احمد شلوزان نے آرٹن کی سمت دیکھتے ہوئے کہا۔

''رات کو کوئی میرے کوپے میں گھس آیا تھا۔ اس نے کلوروفارم سنگھا کر مجھے بے ہوش کر دیا۔''

''کیا......؟'' کلاڈیا نے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔

''احمد شلوزان نے حملے کی تفصیلات بتائیں۔ کلاڈیا حیرت زدہ انداز میں سنتی رہی۔ ''تم کو اس واردات کی رپورٹ کرنا چاہیے۔'' آرٹن نے کہا۔

''کوئی فائدہ نہیں۔ تلاشی کے علاوہ انہوں نے کسی چیز کو ہاتھ نہیں لگایا اور تم آئر پولیس کو جانتی ہو۔ وقت بھی ضائع ہوگا اور حاصل بھی کچھ نہیں ہوگا۔''

''لیکن اس حملے کا آخر مقصد کیا تھا؟'' کلاڈیا نے فکر مند لہجے میں کہا۔

''آئر لینڈ میں کم از کم بھکشوؤں سے کوئی دشمنی نہیں رکھتا۔''

احمد شلوزان نے کہا۔ ''ممکن ہے کسی کو اس بات پر غصہ ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیوں سفر کر رہا ہوں؟''

''تم اس شخص کو بھول گئے جسے ہوٹل میں گھونسا مارا تھا۔''

کلاڈیا نے یاد دلایا۔

''مسٹر احمد شلوزان نے؟'' آرٹن نے چونک کر پوچھا۔

''ہاں۔ وہ مجھے پریشان کر رہا تھا۔'' کلاڈیا نے تفصیل بتائی۔ ''مجھے وہ شخص ہیپ برزہ اور اس کے ساتھی خطرناک لگے تھے۔''

''مائی گاڈ! مسز کلاڈیا کیا تم کو نہیں معلوم کہ وہ کتنا خطرناک بدمعاش ہے؟'' آرٹن نے کہا۔

''واقعی......؟''

''میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ اسے کسی ملک سے خطرناک جرائم شاید قتل' اسمگلنگ جیسے جرائم میں ملوث ہونے کی بناء پر ملک بدر کر دیا گیا تھا اس کا گروہ اب بھی خطرناک جرائم کا ارتکاب کرتا ہے۔ آپ کو اس سے نہیں الجھنا چاہیے۔'' اس نے پریشان لہجے میں کہا۔

''لیکن اس ذرا سی بات کا انتقام لینے کے لئے وہ یہاں تک میرا تعاقب نہیں کرے گا۔'' احمد شلوزان نے کہا۔

''ممکن ہے اس کو تم پر کوئی شک ہو گیا ہو اسی لئے اس نے تمہاری تلاشی لی۔'' کلاڈیا نے کہا۔

''مجھے بہت افسوس ہے کہ میری وجہ سے تم کو یہ پریشانی اٹھانا پڑی۔'' کلاڈیا نے اسے دل آویز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا تم کسی ڈاکٹر کو دکھا لو احمد شلوزان مجھے لگتا ہے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔''

''میں ٹھیک ہوں کلاڈیا! شکریہ۔'' اس نے کہا۔

''خانقاہ کی تربیت نے تم میں بڑا ضبط پیدا کر دیا ہے۔''

کلاڈیا نے کہا۔

''کسی حد تک...... ہر مذہب نفس کشی سکھاتا ہے۔''

تماکش کی رونق احمد شلوزان کی گزشتہ آمد کے بعد سے اب اور زیادہ ہو چکی تھی شہر کی سڑکیں تنگ اور پر ہجوم تھیں۔ سڑک کے دونوں جانب اشیا بیچنے والے ٹھیلوں کا سلسلہ چلا گیا تھا۔ آئر لینڈ کا یہ دوسرا بڑا شہر تھا۔ کلاڈیا نے ایک جیڈ چاپ خریدا تھا۔ یہ ایک قیمتی پتھر کا بنا ہوا تھا جس پر کلاڈیا نے اپنا نام کندہ کرانے کے لئے دیا تھا اور اس وقت احمد شلوزان اسی لئے جا رہا تھا۔ تماکش آئر لینڈ کے جنوب میں ربانیہ سے کوئی پانچ سو میل کے فاصلے پر واقع تھا احمد شلوزان شہر کی رونق سے لطف اندوز ہونے کے لئے وانستہ پر ہجوم سڑکوں پر پیدل سفر کر رہا تھا ایک خوب صورت پہاڑی کے دامن میں یہ شہر دریائے نیل کے کنارے واقع تھا سطح سمندر سے یہ پانچ ہزار میل بلند تھا۔ احمد شلوزان اور کلاڈیا کے علاوہ آرٹن بھی آریل روڈ ہوٹل میں ٹھہرا تھا شہر میں غیر ملکی سیاحوں کے قیام کے قابل یہ واحد ہوٹل تھا۔ کلاڈیا کو جب وہ شاپنگ کے لئے لے کر نکلا تو آرٹن کہیں گیا ہوا تھا۔ احمد شلوزان کو یقین تھا کہ اگر وہ موجود ہوا تو ضرور ساتھ چپک جاتا انہوں نے اپنے سفر کی ضروریات کے لئے مزید خریداری کی تھی اور اسی دوران کلاڈیا نے وہ جیڈ چاپ بھی خریدا تھا۔ صاف و شفاف ہرے پتھر کا بنا ہوا یہ قیمتی تحفہ انہیں ایک کباڑی کی دکان سے مل گیا تھا وہ ایک تنگ راستے پر مڑا ہی تھا کہ کسی نے آواز دی۔

''اے...... جو...... ذرا ٹھہرنا'' احمد شلوزان نے مڑ کر دیکھا ایک پستہ قد چیچک رو شخص تیزی سے اس کی سمت بڑھ رہا تھا وہ پھر روانہ ہو گیا۔ پستہ قد ساتھ ساتھ چلتے ہوئے بولا۔

''ٹورسٹ ہو؟ میرے ساتھ آؤ بچا س بہت میں مزے کرا دوں گا۔'' احمد شلوزان نے گردن ہلائی اور آگے بڑھ گیا وہ پھر ساتھ لگ گیا۔ ''فرسٹ کلاس مزہ آ جائے گا۔''

''بھکشو کسی قسم کی بدکاری نہیں کرتے۔'' احمد شلوزان نے آئری زبان میں کہا۔ ''بھاگ جاؤ مجھے کچھ نہیں چاہیے۔''

پستہ قد نے حیران ہو کر اسے دیکھا۔ ''تم نے آئری زبان کہاں سے سیکھی؟'' اس نے پوچھا۔

''جہاں سے تم نے انگریزی سیکھی'' احمد شلوزان نے ہنس کر کہا۔ ''میں صرف شہر سے گزر رہا ہوں مجھے پہاڑی علاقے میں جانا ہے اس لئے پریشان نہ کرو۔''

''تم کو پہاڑی علاقے میں جانا ہے؟ تب پھر...... بڈ گولر سے بہتر گائیڈ نہ ملے گا۔ میں تمام قبائلی زبانیں جانتا ہوں سارے علاقے سے واقف ہوں صرف سو بہت روزانہ لوں گا۔''

''سنو گولر'' احمد شلوزان نے جھنجلا کر اسے غصے میں گھورا۔

''اپنا وقت برباد مت کرو اور میرا پیچھا چھوڑ دو مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے۔''

''تیز تیز قدم رکھتا ہوا آگے بڑھ گیا لیکن گولر بڑی دیر تک اس کا تعاقب کرتا رہا۔ احمد شلوزان کو اس پر ترس بھی آیا لیکن وہ جانتا تھا کہ ذرا سی بھی ہمدردی کی تو گولر پھر جونک کی طرح چمٹ جائے گا۔ اسے

ایک بوڑھے چینی کاری گر کا پتا معلوم تھا جو پتھر کی کندہ کاری کرنے رات نو بجے تک آ کر جیڈ لے جانے کے لئے کہا۔ احمد شلوزان مطمئن ہو کر واپس چل دیا۔

رات کا کھانا اس نے اطمینان سے کھایا کیونکہ آرتن باہر گیا ہوا تھا۔ کھانے کے بعد کلاڈیا نے کہا کہ "کافی کمرے میں چل کر پئیں گے" احمد شلوزان نے اعتراض نہیں کیا کافی کا آرڈر دے کر وہ احمد شلوزان کے ساتھ اپنے کمرے میں آ گئی اور لباس تبدیل کرنے باتھ روم میں چلی گئی۔ اس کی واپسی تک احمد شلوزان نے کافی تیار کر لی غسل سے فارغ ہو کر کلاڈیا اپنے بستر پر دراز ہو گئی اس نے کافی کی پیالی کلاڈیا کو دی۔

"میرے پاس ہی بیٹھ جاؤ" اس نے کہا۔ "کبھی کبھی مجھے تنہائی کا اس شدت سے احساس ہوتا ہے کہ تم جیسے ہم درد ساتھی کی ضرورت شدت سے محسوس ہوتی ہے۔"

"ایسی صورت میں بہتر یہی ہوگا کہ تم ڈاکٹر آئزک کو ساتھ لے کر واپس جاؤ۔"

کلاڈیا نے ایک ٹھنڈی سانس لی "شاید میں نے اس سے شادی کر کے غلطی کی تھی احمد شلوزان" کلاڈیا نے کہا۔ "وہ میرے پاس رہ کر بھی مجھ سے دور رہتا ہے"

احمد شلوزان نے موضوع بدلنے کے لئے بڈگولر کا قصہ سنانا شروع کر دیا کلاڈیا بددلی کے ساتھ سنتی رہی "بڑی مشکل سے جان چھڑا کر بھاگا تھا" احمد شلوزان نے ہنستے ہوئے اپنی بات مکمل کی۔

"احمد شلوزان! کیا تم عورتوں سے بہت نفرت کرتے ہو؟"

کلاڈیا نے اچانک پوچھا۔

"نفرت؟" "نہیں تو...... یہ خیال تمہیں کیوں آیا؟"

"تم مجھ سے نگاہیں ملانے سے بھی گریز کر رہے ہو اس لئے" کلاڈیا نے کہا۔

"انسان کبھی کبھی اپنی قسم بھی توڑ دیتا ہے تم کوئی گوتم بدھ تو نہیں ہو۔"

اس کی آواز میں کسک تھی کہ احمد شلوزان تڑپ اٹھا۔

اس نے بے بسی کے عالم میں کلاڈیا کو دیکھا۔

"یہ بات نہیں کلاڈیا! تم بے حد حسین اور دل کش ہو کوئی بھی مرد تمہیں اپنانے سے گریز نہیں کر سکتا میں بھی اس میں شامل ہوں لیکن تم کسی کی امانت ہو میں......"

"اگر ایسا نہ ہوتا اگر یہ مجبوری نہ ہو تو تم اس دوری کو ختم کر سکتے ہو؟" کلاڈیا نے بات کاٹ کر پوچھا اس کا لہجہ بڑا جذباتی تھا۔

"میں کچھ نہیں کہہ سکتا کلاڈیا" اس نے آہستہ سے جواب دیا۔

"احمد شلوزان میں محبت کے معاملے میں ہمیشہ سے بدنصیب ہوں۔ چھوٹی سی تھی تو ماں چل بسی میرے ڈیڈی دولت کو زندگی تصور کرتے تھے وہ کہتے تھے کہ دولت سے سب کچھ خریدا جا سکتا ہے انہوں نے بے حساب دولت کمائی مجھے بھی اس انداز سے تربیت دی کہ میرا شمار آج ذہین ترین بزنس مینجمنٹ میں ہوتا ہے لیکن میں نے جلد ہی محسوس کر لیا کہ دولت سے سب کچھ خریدا جا سکتا ہے لیکن محبت نہیں بے شمار لوگ مجھ سے شادی کرنے کے لئے بے تاب رہتے تھے خوبرو نوجوان دولت مند لیکن ان کو مجھ سے نہیں دولت سے پیار تھا

آئزک مجھ سے عمر میں بہت بڑے تھے وہ دولت مند نہیں تھے میں ان کی سچی ہم دردی کو محبت سمجھ بیٹھی اور شادی کر لی ان کو آج بھی مجھ سے پر خلوص ہم دردی ہے لیکن محبت وہ صرف اپنے پیشے سے کرتے ہیں مجھے تم سے ہم دردی نہیں چاہیے محبت چاہیے احمد شلوزان۔"

"کلاڈیا! میں تم کو پسند ضرور کرتا ہوں لیکن تمہاری مجبوری سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا اس نے کہا اور گھڑی پر نظر پڑتے ہی چونک اٹھا نو بج رہے ہیں مجھے تمہارا جیڈ لینے جانا ہے۔"

"وہ کل بھی تو آ سکتا ہے؟" کلاڈیا نے کہا۔

"نہیں میں آج ہی لے آؤں گا" اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے میں تمہارا انتظار کروں گی۔"

ہوٹل سے باہر تین پہیوں والے کئی سائیکل رکشا کھڑے تھے جنہیں آئر لینڈ میں سلائنگ کہتے ہیں احمد شلوزان جیسے ہی آگے بڑھا تاریکی سے اچانک ایک سایہ اس کی سمت لپکا۔

"ہے جو! اتنی رات گئے کہاں چل دیئے؟"

احمد شلوزان نے بڈگولر کی آواز پہچان لی اور بے ساختہ ہنس پڑا۔ "تم نے یہ کیسے معلوم کر لیا کہ میں یہاں ٹھہرا ہوں؟"

"تمام غیر ملکی سیاح ہوٹل میں ٹھہرے ہیں بڈ نے اپنی ذہانت پر مسکراتے ہوئے جواب دیا۔" ساتھ چلو۔ آج کی رات کا لطف تمام زندگی یاد رکھو گے۔"

"او خدا کے لئے بڈگولر میری جان چھوڑ دو" احمد شلوزان نے عاجز آ کر کہا۔

"گولر اچھے گاہک کو پہچانتا ہے جو...... وہ ہرگز تمہاری جان نہیں چھوڑے گا" احمد شلوزان تیز تیز چل رہا تھا اور پستہ قد بڈگولر کو تقریباً بھاگنا پڑ رہا تھا لیکن وہ پیچھے لگا رہا۔

"سنو بڈگولر" اچانک احمد شلوزان نے رک کر کہا۔ "تم اگر اس طرح نہ مانو گے تو میں دوسرا طریقہ بھی جانتا ہوں۔"

احمد شلوزان کے لہجے میں ایسی سختی تھی کہ بڈگولر ایک قدم پیچھے ہٹ کر اپنا سر کھجلانے لگا۔

احمد شلوزان جب دوبارہ روانہ ہوا تو گولر وہیں کھڑا رہا لیکن رفتار اور تیز کر دی چوراہے سے جب وہ دوسری سڑک پر مڑا تو گھوم کر دیکھا بڈگولر کا کہیں پتا نہیں چلا اس نے اطمینان کا سانس لیا اور آہستہ آہستہ چلنے لگا ربانیہ کے مقابلے میں تماکش کی راتیں ٹھنڈی ہوتی ہیں خنک ہوا کے ہلکے جھونکے بڑے لطیف لگ رہے تھے احمد شلوزان کا ذہن کلاڈیا کے بارے میں سوچنے لگا کیا کلاڈیا کے جذبات کو ٹھیس پہنچا کر اس نے غلطی کی ہے؟ آخر وہ کون ہوتا ہے کسی کو اخلاق کا درس دینے والا وہ محبت کی بھوکی ہے اور اس کی محبت ٹھکرانا بھی تو زیادتی ہے۔ کلاڈیا نے بڑے والہانہ انداز میں اسے دعوت دی تھی۔ وہ اچھی اور سمجھ دار عورت ہے پھر وہ کیوں ڈر رہا ہے۔

وہ اپنے خیالات میں گم اس گلی میں داخل ہوا جو چینی کاری گر کی دکان تک پہنچنے کا شارٹ کٹ تھی گلی نیم تاریک تھی۔ اچانک اسے خطرے کا احساس ہوا تاریکی سے دو سائے تیزی سے اس پر جھپٹے تھے۔ احمد

شلوزان پھرتی کے ساتھ گھوما لیکن اسی لمحے ایسا لگا جیسے کھوپڑی پر پہاڑ گر پڑا ہو۔ آنکھوں میں تارے رقص کرنے لگے۔ وہ لڑکھڑایا سنبھلنے کی کوشش کی لیکن گرتا ہی چلا گیا گلی کے پتھریلے فرش پر گرتے ہوئے اسے گندی نالی کی بو محسوس ہو رہی تھی لیکن ہلنے کی سکت نہ تھی اور پھر اسی لمحے زبردست ٹھوکر اس کی پسلیوں پر پڑی وہ درد سے کراہ اٹھا اس کے بعد تو پھر ہر سمت سے ٹھوکروں کی بارش ہو گئی۔ احمد شلوزان بے بسی کے عالم میں پڑا مار کھاتا رہا پھر کسی نے اس کا گریبان پکڑ کر کھڑا کیا اس کے بعد اس کے جبڑوں اور پیٹ پر مکوں کی مشق ہونے لگی اتنے آہنی گھلے کسی انسان کے نہیں ہو سکتے اسے کچھ پتا نہیں کہ مارنے والے کون تھے لیکن کسی کی شرٹ کے بڑے بڑے پھول اس کی آنکھوں کے سامنے رقص کر رہے تھے یہ پھول وہ پہلے بھی کہیں دیکھ چکا تھا پتا نہیں یہ حقیقت تھی کہ وہ خواب دیکھ رہا تھا اور پھر یہ خواب بھی ختم ہو گیا۔ ہر سمت تاریکی ہی تاریکی تھی اور پھر اسے کچھ یاد نہ رہا۔

"اوہ مائی گاڈ۔ یہ تم کو کیا ہوا؟"

آواز بڈ گولر کی تھی لیکن کہاں سے آ رہی تھی احمد شلوزان کے لئے یہ سمجھنا دشوار تھا بڈ گولر کا چیچک زدہ چہرہ اس پر جھکا ہوا تھا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں دھندلا دھندلا سا چہرا آہستہ آہستہ واضح ہوتا جا رہا تھا تعفن کی تیز بو ناک سے ٹکرا رہی تھی۔ نہیں یہ خواب نہیں تھا اس نے اٹھنا چاہا تو سارا جسم درد سے کراہ اٹھا۔ اس میں ہلنے جلنے کی بھی سکت نہ تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ جسم کی ساری ہڈیاں چکنا چور ہو گئی ہوں آہستہ آہستہ اس کے حواس بحال ہو رہے تھے۔

"اوہ خدایا تم تو خون میں لت پت ہو" بڈ گولر تشویش ناک لہجے میں بولا۔

احمد شلوزان نے اٹھنے کی کوشش کی" مجھے سہارا دو گولر۔"

اس نے کراہتے ہوئے کہا اس کے ہونٹ بھی سوج گئے تھے۔

منہ میں خون بھرا ہوا تھا وہ گولر کے سہارے بیٹھ گیا۔

"تمہاری حالت ٹھیک نہیں ہے فوراً کسی ڈاکٹر کو دکھانا ضروری ہے"

"نہیں گولر، بس تم مجھے ہوٹل تک پہنچا دو جلدی سے کوئی سملا ٹنگ لاؤ۔"

گولر اسے سہارا دے کر بہ مشکل سڑک تک لے آیا درد سے احمد شلوزان کا جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا ہر جگہ سے ٹیسیں اٹھ رہی تھیں سر چکرا رہا تھا۔ وہ بے ہوش نہیں تھا لیکن حواس کام نہیں کر رہے تھے گولر نے اسے بہ مشکل سملا ٹنگ میں ڈالا اور پھر خود بھی اسے سہارا دے کر اس میں بیٹھ گیا اس کے بعد وہ کسی طرح کلاڈیا کے کمرے میں پہنچا۔ پھر کچھ یاد نہیں رہا۔

جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ کلاڈیا کے بستر پر پڑا ہوا تھا گولر کمرے کے ایک کونے میں کھڑا ہوا تھا کلاڈیا کا پریشان حال چہرہ اس پر جھکا ہوا تھا اس کی گردن کو اپنے نازک ہاتھوں کے سہارے اٹھائے ہوئے وہ کچھ پلانے کی کوشش کر رہی تھی احمد شلوزان کو اپنے گلے میں آگ سی اترتی ہوئی محسوس ہوئی لیکن برانڈی نے اس کے ہوش و حواس بحال کر دیے۔

"یہ تم نے مجھے کیا پلا دیا؟" احمد شلوزان نے آہستہ سے کہا۔

"بات کرنے کی کوشش مت کرو۔ آرام سے لیٹے رہو۔"

کلاڈیا نے منع کیا۔

"نہیں اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"تم بالکل ٹھیک ہو؟ اپنا چہرہ دیکھا ہے؟ لگتا ہے کسی نے ہتھوڑے سے قیمہ بنانے کی کوشش کی ہے۔"

"معمولی چوٹیں ہیں ٹھیک ہو جائیں گی" اس نے کہا۔

"ڈاکٹر کو نہ بلوانا تم آر پولیس کو نہیں جانتیں۔ تفتیش میں کئی دن بلکہ کئی ہفتے لگ جائیں گے ہم یہاں رکنے پر مجبور ہو جائیں گے۔"

"لیکن تمہاری حالت......"

"ٹھیک ہے صبح تک بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔" احمد شلوزان نے بات کاٹ کر کہا۔

"اچھی بات ہے لیکن تم آرام سے لیٹے رہو مجھے نہیں معلوم کیا ہوا ہے لیکن صبح پوچھ لوں گی" کلاڈیا نے کہا۔

"میں بتاتا ہوں کیا ہوا؟ دو کتے کے بچوں نے ان پر اچانک حملہ کر کے بڑی بے دردی سے مارا ہے۔ میں ان کا تعاقب کر رہا تھا میں نے سب کچھ خود دیکھا ہے میرے ہی چلانے پر وہ ڈر کر بھاگ نکلے۔"

کلاڈیا نے گولر کی سمت دیکھا پھر احمد شلوزان کی سمت مڑ کر پوچھا" کیا یہ تمہارا دوست ہے۔"

"اب تو واقعی یہ میرا دوست ہے۔" احمد شلوزان نے مسکرانے کی کوشش کی تو درد سے سسکی نکل گئی اس نے آنکھیں بند کر لیں تو غنودگی طاری ہو گئی۔

کلاڈیا باتیں کر رہی تھی گولر اسے بتا رہا تھا کہ وہ ہر فن مولا ہے۔ بہترین گائیڈ ہے پانچ علاقائی زبانیں جانتا ہے پہاڑی علاقوں کے چپے چپے سے واقف ہے۔ کلاڈیا کے لئے بہترین گائیڈ ثابت ہو سکتا ہے پھر سودے بازی ہونے لگی گولر نے ڈیڑھ سو روپے یومیہ اجرت مانگی لیکن سوا سو پر راضی ہو گیا۔ کلاڈیا نے اس کی خدمات حاصل کر لی تھیں وہ بہت خوش تھا۔ احمد شلوزان یہ سب کچھ سن رہا تھا لیکن غنودگی اتنی شدید تھی کہ بولا نہیں جا رہا تھا پھر شاید وہ سو گیا۔

آنکھ کھلی تو کلاڈیا اس کے سرہانے کے برابر کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی وہ کچھ پی رہی تھی احمد شلوزان خود کو بہت بہتر محسوس کر رہا تھا۔

"بڈ گولر کہاں ہے؟" اس نے بے ساختہ پوچھا۔

"تم آرام سے سوتے رہو۔" کلاڈیا نے سختی سے ہدایت کی۔

"نہیں میں اب بالکل ٹھیک ہوں" اس نے اٹھنا چاہا لیکن درد کی ٹیسوں سے مجبور ہو کر ارادہ ترک کر دیا۔

"اوہ ڈارلنگ! خدا کے لئے لیٹے رہو" کلاڈیا نے آبدیدہ نظروں سے اسے دیکھا اور اس کے بالوں کو پیار سے سنوارنے لگی۔" مجھے بے حد افسوس ہے احمد شلوزان تم اندازہ نہیں کر سکتے کہ مجھے کتنا دکھ پہنچا ہے آخر یہ کس درندے کی حرکت ہے انہوں نے کیوں تم پر وحشیانہ تشدد کیا ہے؟"

"کچھ پتہ نہیں کلاڈیا!" احمد شلوزان نے جواب دیا کلاڈیا کے خلوص نے اسے بڑا متاثر کیا تھا وہ

اس کے لئے بے حد پریشان تھی۔ "مجھے کچھ یاد نہیں اور نہ یہ اندازہ ہے کہ ان لوگوں نے کیوں یہ کیا ہے؟"

"جب تک تم بالکل ٹھیک نہیں ہو جاتے ہم یہیں قیام کریں گے۔"

"نہیں کلاڈیا! ہماری ٹویوٹا ویگن آ چکی ہے تمام تیاریاں مکمل ہیں میں صبح تک بالکل ٹھیک ہو جاؤں گا" وہ اچانک اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"ہائیں یہ کیا کر رہے ہو لیٹ جاؤ۔" کلاڈیا لپک کر اس کے سامنے پہنچ گئی وہ اتنے قریب تھی کہ احمد شلوزان اس کے جسم کی حرارت محسوس کر رہا تھا وہ محبت بھری نگاہوں سے اسے گھور رہی تھی۔

"میں اپنے کمرے میں جا کر آرام کروں گا۔" احمد شلوزان نے اس کی آنکھوں کی گہرائیوں میں جھانکتے ہوئے کہا جہاں اٹھتا ہوا جوار بھاٹا نمایاں تھا۔

"شب بخیر" کلاڈیا نے سرگوشی میں کہا۔

احمد شلوزان جواب دیئے بغیر باہر نکل گیا نیم تاریک ہال میں پہنچ کر اس نے بازو ہلا کر اندازہ لگایا کہ چوٹ کتنی شدید ہے خوش قسمتی سے ہڈیاں سلامت تھیں۔ صرف درد کی ٹیسیں پریشان کر رہی تھیں۔ اس کے دل میں بار بار ایک ہی شبہ جنم لے رہا تھا۔

"آرٹن...... لیکن کیوں، یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ ہال سے نکل کر وہ اپنے کمرے کی سمت بڑھا۔ آرٹن کا کمرا پہلے آتا تھا دروازے پر رک کر اس نے دستک دی کوئی جواب نہ ملا اس نے پھر دستک دی لیکن خاموشی طاری رہی۔ مایوس ہو کر جانے کے لئے قدم اٹھا ہی تھا کہ ہلکی سی کراہ سنائی دی احمد شلوزان رک گیا کراہ پھر سنائی دی۔

احمد شلوزان نے دروازے کا ہینڈل گھمایا تو دروازہ کھل گیا۔ آہستہ سے پٹ کھول کر اس نے اندر قدم رکھا اور پھر دم بخود رہ گیا آرٹن اپنے بستر کے برابر فرش پر پڑا ہوا تھا احمد شلوزان لپک کر آگے بڑھا اور اس پر جھک گیا آرٹن کی قمیض خون میں تر تھی۔ سینے پر تین سوراخ تھے جو بلاشبہ گولیوں کے تھے اس نے آرٹن کی گردن پر ہاتھ رکھ کر نبض دیکھی اور اسی لمحے اس کی گردن کو جنبش ہوئی اس نے آنکھیں کھول کر احمد شلوزان کو دیکھا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو اور پھر نحیف آواز میں سرگوشی کی۔ "رینجر"

"بات کرنے کی کوشش مت کرو میں ڈاکٹر کو بلاتا ہوں۔"

"نہیں...... سنو...... رینجر......" آرٹن نے رک رک کر انگریزی میں تین الفاظ کہے۔

"وہ...... وہ......"

"پلیز خاموش رہو" احمد شلوزان نے جلدی سے کہا۔

لیکن آرٹن پہلے ہی خاموش ہو چکا تھا ہمیشہ کے لئے اس کی کھلی ہوئی آنکھیں بے حس ہو چکی تھیں احمد شلوزان نے پھر نبض دیکھی جو ساکت ہو چکی تھی۔

"اوہ گاڈ! نہیں" کلاڈیا نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

"تم کو یقین ہے کہ وہ......"

"ہاں وہ مر چکا ہے۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں" احمد شلوزان نے جواب دیا۔

"لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آتا پہلے تم پر قاتلانہ حملہ اور پھر آرٹن۔"

"ابھی یہ کہنا قبل از وقت ہوگا کہ دونوں میں کوئی تعلق ہے۔"

احمد شلوزان نے کہا" لیکن ممکن ہے کہ یہ حقیقت ہو مجھے اس کا ساتھی سمجھ کر نشانہ بنایا گیا ہو کچھ بھی ہو اب پولیس کو مطلع کرنا ضروری ہے۔"

"نہیں احمد شلوزان" کلاڈیا نے جلدی سے کہا۔

"لیکن قتل کی واردات ہے اسے گولی مار کر ہلاک کیا گیا ہے۔"

"اسی لئے تو منع کر رہی ہوں ہم کو لمبے عرصے کے لئے روک لیا جائے گا جو میرے لئے ممکن نہیں ہم ایسا نہیں کر سکتے" ہمیں رات ہی کو یہاں سے نکل جانا چاہیے۔"

"نہیں ہوش کی بات کرو اس طرح تو لاش ملنے کے بعد پولیس ہم پر ہی شبہ کرے گی یہ نہ بھولو کہ آرٹن کو ہمارے ساتھ دیکھا جا چکا ہے۔"

"احمد شلوزان تم سمجھتے کیوں نہیں؟ اس قتل سے ہمارا کوئی تعلق نہیں اگر ہم پولیس کے چکر میں پھنس گئے تو جانے کیا ہو؟ وہ ہم کو لمبے عرصے تک روک تو بہر حال سکتے ہیں ٹھیک ہے ہم صبح ہوتے ہی روانہ ہو جائیں گے۔"

"پھر سوچ لو کلاڈیا...... ایسا نہ ہو کہ......"

"احمد شلوزان! میں تم کو تو حکم نہیں دے سکتی صرف التجا کر سکتی ہوں" اس نے اس انداز سے کہا کہ احمد شلوزان خاموش ہو گیا۔

وہ صبح سویرے ہی اٹھ گئے احمد شلوزان اب خود کو بالکل ٹھیک محسوس کر رہا تھا ٹویوٹا ویگن کو قریب پارک کر کے انہوں نے سارا سامان لادا۔ روانگی سے پہلے کلاڈیا سامان کا جائزہ لے رہی تھی ویگن کا پچھلا دروازہ کھلا ہوا تھا کلاڈیا اس میں رکھے ہوئے سامان کا اندراج اپنی نوٹ بک میں کر رہی تھی وہ جلد ہی فارغ ہو گئی احمد شلوزان نے دروازہ بند کیا اور اگلی سیٹ کی سمت بڑھا وہ روانگی کے لئے تیار تھے اس نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے کے لئے دروازہ کھولا ہی تھا کہ ہوٹل کی جانب سے ایک باوردی شخص تیزی سے ویگن کی سمت [illegible] اس کے پیچھے ملیشیا کی وردی میں چار اور آدمی تھے احمد شلوزان رک گیا۔

"[illegible]" [illegible] لہجے میں کہا۔

"[illegible]"

"ہم جنوب میں ڈانسز آ نزک کے مشن تک جا رہے ہیں"

"احمد شلوزان نے کہا۔ یہ مسز کلاڈیا آنزک ہیں۔"

"تب آپ کو کسٹم چیکنگ کرانا ہوگی؟"

"لیکن ہم ملک سے باہر تو نہیں جا رہے ہیں۔"

"آپ ضلع کی سرحد پار کریں گے اس لئے کسٹم چیکنگ ضروری ہے۔"

"ایک منٹ کرنل!" اس نے دانستہ خوش کرنے کے لئے اسے کرنل کہا تھا گفتگو آ نز زبان میں

ہو رہی تھی اس لئے احمد شلوزان نے کلاڈیا کو صورت حال سے آگاہ کیا۔

''لیکن اس طرح تو بہت دیر ہو جائے گی۔'' کلاڈیا نے غصے سے کہا۔

''چہرے سے غصے یا پریشانی ظاہر کی تو انہیں شک ہو جائے گا اور پھر یہ ایک ایک چیز کی تلاشی لیں گے'' احمد شلوزان نے خبردار کیا۔

اور عین اسی لمحے بڈ گولر بڑی تیزی سے آتا ہوا نظر آیا۔ کیا تم گولر کو چھوڑ کر جا رہے تھے؟''

''نہیں گولر تمہارے ہی انتظار میں یہ کسٹم کی مصیبت گلے لگ گئی'' احمد شلوزان نے جھوٹ بولا۔

''فکر نہ کرو'' میں ابھی ان سور کے بچوں سے نمٹ لیتا ہوں'' گولر اور کسٹم کے لوگوں میں بڑی دیر تک بحث ہوتی رہی وہ مقامی زبان میں بات کر رہے تھے بالآخر کچھ دیر بعد گولر نے واپس آ کر بتایا ایک ہزار بھت پر معاملہ طے ہوا ہے''

احمد شلوزان...... احتجاج کرنا چاہتا تھا لیکن کلاڈیا نے پرس کھول کر رقم نکالی اور گولر کے ہاتھ پر رکھ دی وہ یہاں رک کر دوسرا خطرہ مول نہیں لینا چاہتی تھی۔

شہر سے باہر نکل رہے تھے جس سڑک پر سفر کر رہے تھے وہ ناہموار تھی دونوں طرف دھان کے لہلہاتے کھیت پھیلے ہوئے تھے جیپ نما ویگن کو احمد ڈرائیو کر رہا تھا کلاڈیا اس کے برابر بیٹھی ہوئی تھی پیچھے بیٹھا ہوا گولر اپنی شان میں مسلسل بکواس کئے جا رہا تھا اس کا منہ پان اور چھالیہ سے بھرا ہوا تھا بکریوں کی طرح جگالی کر رہا تھا۔ راستے میں بکھرے ہوئے دیہات آہستہ آہستہ دور ہوتے گئے سہ پہر تک وہ میدانی علاقے سے گزر کر ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں ہر سمت گھنا جنگل اور پہاڑیاں تھیں ایک جگہ سامنے کی پہاڑی کی نکر پر کوئی چیز دھوپ میں اچانک چمکی گولر نے چونک کر کلاڈیا کے بازو کو ہلایا اے میری! تم گن ساتھ لائی ہو'' اس نے پوچھا۔

''کیا؟'' کلاڈیا چونک پڑی۔ ''گن......؟ ہاں وہ پیچھے کہیں رکھی ہے۔''

''شاید اس کی ضرورت پڑ جائے'' گولر نے کہا ''ان پہاڑیوں پر اکثر ڈاکوؤں کا سامنا ہو جاتا ہے۔''

پہاڑی کے دامن میں پہنچ کر ایک جگہ احمد شلوزان نے جیپ روک لی قریب ہی ایک چشمے کی صاف شفاف دھار بلندی سے گر کر پھیل رہی تھی ہر سمت سبزہ ہی سبزہ تھا احمد شلوزان نے کہا کہ وہ یہیں قیام کریں گے قریب سے بانس کاٹ کر انہوں نے ویگن کے سامنے گاڑے اور اس پر برساتی ڈال کر خیمہ سا بنا لیا بڈ گولر نے بہ ضد ہو کر کھانا تیار کرنے کی ذمے داری خود اپنے سر لی احمد نے ویگن سے ٹن نکال کر اسے دیئے کھانے کے یہ ٹن چور بازار میں سستے داموں مل گئے تھے کافی بن گئی تو کلاڈیا اپنے اور احمد شلوزان کے قریب بیٹھ گئی اور دور تک پھیلے ہوئے جنگل اور پہاڑ کا جائزہ لینے لگی۔

''کتنا حسین منظر ہے ہر سمت مکمل سکوت، مکمل سکون۔''

کلاڈیا نے جذباتی لہجے میں کہا۔

''کچھ دیر بعد جب مچھر یلغار کریں گے تو سارا حسن بھول جاؤ گی۔'' احمد شلوزان نے ہنستے ہوئے کہا۔

''تم بے حد کتنے بدذوق ہو'' کلاڈیا نے کہا۔

رات کو وہ آرام سے سوئے کلاڈیا کے لئے اس نے ویگن میں بستر لگا دیا تھا گولر اگلی سیٹ پر سویا تھا لیکن احمد شلوزان خیمے کے نیچے لیٹ گیا تھا۔

احمد شلوزان جب صبح بیدار ہوا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ کلاڈیا لباس تبدیل کر کے چشمے کی سمت سے واپس آ رہی تھی اس نے خاکی رنگ کا وہ شکاری سوٹ پہن رکھا تھا جو انہوں نے ربانیہ سے خریدا تھا۔ ابھی سورج نہیں نکلا تھا گولر نے پھرتی کے ساتھ ناشتہ تیار کیا ناشتہ کرتے ہی وہ روانہ ہو گئے وہ جیسے جیسے آگے بڑھتے گئے راستہ خراب اور ناہموار ہوتا گیا۔ کہیں کہیں انہیں چکر کاٹ کر اصل راستے پر آنا پڑتا تھا۔ وادیوں اور دروں سے گزرتے ہوئے وہ آگے بڑھتے رہے۔

اب پہاڑیاں کم ہری اور زیادہ پتھریلی ہوتی جا رہی تھیں ڈھلوان پر ٹیک کے لمبے درخت کہیں کہیں نظر آ رہے تھے دو مرتبہ وہ ایسی جگہ پہنچے جہاں بڑے بڑے آٹومیٹک آرے لگے ہوئے تھے جن سے کٹے ہوئے لمبے شہتیروں کو ہاتھیوں کے ذریعے گھسیٹا جا رہا تھا احمد نے کئی جگہ رک کر نقشے کی مدد سے راستے کا تعین کیا لیکن گولر اس سلسلے میں بڑا کارآمد ثابت ہوا۔ وہ پہاڑی زبان میں مزدوروں سے راستہ پوچھ کر رہنمائی کر رہا تھا۔

سفر جاری رہا۔ تیسری شام انہوں نے پھر ایک ایسی جگہ قیام کیا جہاں قریب میں چشمہ تھا۔ احمد شلوزان ٹویوٹا کے اوپر مچھر دانی لگانے میں مصروف تھے کہ اچانک وہ نمودار ہوئے۔

وہ تینوں آئرلینڈ کے تھے دونوں نے بوسیدہ پتلونیں اور شرٹ پہن رکھی تھیں تیسرے کے جسم پر صرف ایک جرسی اور جانگیہ تھا جس کے ساتھ اس نے سر پر ایک میلی سی پگڑی باندھ رکھی تھی۔ تینوں کی بغل میں رائفلوں کی طرح لمبے جنگلی خنجر لٹک رہے تھے وہ جھاڑیوں سے نکل کر کچھ فاصلے پر کھڑے ہو گئے اور مسکرا کر انہیں دیکھنے لگے۔

''تو اسری'' احمد شلوزان نے کہا جس کا مطلب تھا سلامتی ہو۔

دونوں نے سینے پر ہاتھ باندھ کر جھکتے ہوئے جواب دیا ''سو اسدی کا'' گولر نے آہستہ سے سرگوشی کی۔ ''خبردار رہو ان بدمعاشوں کی نیت گڑبڑ نظر آتی ہے۔''

''یہ لوگ کون ہیں؟'' کلاڈیا نے ویگن سے سر نکال کر پوچھا۔

''اندر لیٹی رہو۔ گولر کہتا ہے یہ خطرناک نظر آتے ہیں۔'' احمد شلوزان نے خبردار کیا۔

ان میں سے ایک قدرے دراز قد تھا ذرا سا آگے بڑھا اس نے آنری زبان میں کہا۔ ''ہم پریشان نہیں کریں گے۔ ہمیں بھوک لگی ہے لیکن اگر تم پسند نہیں کرو تو ہم کھانا کہیں اور تلاش کر لیں گے۔''

''اندر سے کھانے کے چند ٹن پھینک دو'' احمد شلوزان نے کلاڈیا سے کہا اور پھر نو واردوں سے بولا۔ ''مہمانوں کو کھانا دینا باعث برکت ہوتا ہے۔''

''ہم اس نیک دل کے لئے احسان مند رہیں گے'' دراز قد نے جواب دیا۔

''سور کے بچے دھوکا دے رہے ہیں'' گولر نے سرگوشی کی ''ابھی خاموش رہو'' احمد شلوزان نے کہا اور کلاڈیا سے ٹن لے کر دراز قد کی سمت بڑھائے احمد شلوزان نے سگریٹ کا ایک پیکٹ بھی دیا وہ خوش ہو کر

آگے بڑھے اور وہیں بیٹھ کر کھانے لگے کھانے کے بعد انہوں نے سگریٹ سلگائے اور مزے لے لے کر کش لگانے لگے" اب تم کہیں اور جا کر آرام کرو۔" احمد شلوزان نے نرم لہجے میں کہا۔ وہ چند لمحے تو احمد شلوزان کو گھورتے رہے مسکراہٹ ان کے لبوں سے اچانک غائب ہو گئی تھی ان کی نگاہیں کیمپ کی ہر چیز کا جائزہ لے رہی تھیں دراز قد نے اپنی انگلی نچاتے ہوئے کہا۔

"مگر تمہارے پاس اتنی بہت سی چیزیں ہیں ہم لوگ غریب ہیں ہمارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔"

"یہ واقعی ایک افسوس ناک حقیقت ہے" احمد شلوزان نے کہا اور پھر گولر کی سمت مڑ کر انگریزی میں پوچھا۔

"کیا خیال ہے گولر ان کو کچھ رقم دے دیں؟"

"نہیں' اس طرح وہ سمجھیں گے ہم ڈر گئے ہیں اور حملہ کر دیں گے ان کو رائفل دکھا کر سختی سے دھمکی دو تو ڈر کر بھاگ جائیں گے۔"

احمد شلوزان نے رائفل مانگنے کے لئے کلاڈیا کی سمت رخ کیا تو یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گیا کہ اس کے ہاتھ میں ایک ننھا سا پستول پہلے سے موجود تھا اور وہ اس کا سلینڈر چیک کر رہی تھی اس نے تینوں لو واردوں کی سمت دیکھا تو وہ اپنا سامان سمیٹ کر جانے کی تیاری کر رہے تھے ذرا دیر بعد وہ آہستہ آہستہ چلتے ہوئے نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

"مجھے ان کے تیور اچھے نہیں لگتے" گولر نے فکر مند لہجے میں کہا۔

"ممکن ہے وہ واپس آئیں۔"

احمد شلوزان نے کلاڈیا کی سمت دیکھ کر پوچھا" ڈیئر پستول تمہارے پاس کہاں سے آ گیا؟"

ایسے ہی موقع کے لئے چھپا کر رکھا تھا" کلاڈیا نے مسکرا کر جواب دیا۔

"گولر پریشان نظر آتا ہے"

"اب وہ اپنے چیف کو جا کر بتائیں گے" گولر نے پریشان کن لہجے میں کہا اور پھر ایک بس وہاں پر آ کر رک گئی اس کا ڈرائیور اتر کر ویگن کے پاس آیا "سواسری" اس نے کہا۔

"سواسری دیکا" احمد شلوزان نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔ ڈرائیور نے بڑی خوش اخلاقی سے کہا" شاید آپ کو نہیں معلوم کہ آج واپسی کا دن ہے۔"

"واپسی کا دن؟" احمد شلوزان نے حیران ہو کر کہا۔

"ہاں آمد کا دن کل ہو گا آج اس راستے سے سواریوں کے آنے کا دن ہے سڑک تنگ ہونے کی وجہ سے آمد و رفت کے لئے ایک ایک دن مقرر ہے۔"

"اوہ ہم اس راستے سے پہلی مرتبہ سفر کر رہے ہیں اس لئے ہمیں پتا نہیں تھا" احمد شلوزان نے مسکرا کر جواب دیا" ہم گاڑی بیک کئے لیتے ہیں۔"

خطرناک راستے پر گاڑی بیک کرنا آسان کام نہیں تھا لیکن انہیں جلد ہی ایک کشادہ جگہ مل گئی احمد شلوزان نے ویگن سائیڈ میں لگائی اور بس گزر گئی۔ پھر اس نے کلاڈیا سے کہا کہ کیوں نہ ایک گاؤں

میں قیام کریں لیکن وہ راضی نہ ہوئی اس لئے وہ پھر آگے روانہ ہو گئے آگے جا کر سڑک بہت خراب ہو گئی تھی جگہ جگہ گڑھے اور ناہموار زمین تھی۔ دھچکوں کی وجہ سے پتلی سی سڑک پر ویگن سنبھالنا مشکل ہو رہا تھا۔ گرمی بھی اتنی بڑھ گئی تھی کہ پسینے کی دھاریں بہ رہی تھیں ایسا لگتا تھا کہ بارش ہونے والی ہے ہوا کے بند ہونے سے جو حبس تھا وہ بارش کی پیش گوئی کر رہا تھا وہ اب ڈھلوان پر سفر کر رہے تھے ایک سمت بلند پہاڑی تھی دوسری جانب گہری کھائی۔ احمد شلوزان احتیاط سے ڈرائیو کرتا رہا۔

سہ پہر کے قریب اچانک آسمان پر گہرے اور سیاہ بادل نمودار ہوئے۔ ہوا تیز ہو گئی اور موسم میں تیز خنکی پیدا ہو گئی اور پھر گرج چمک کے ساتھ زور دار بارش شروع ہو گئی۔ بارش کی شدت کی وجہ سے چند گز سے زیادہ فاصلے تک دیکھنا ممکن نہ رہا تھا ویگن بالکل رینگنے کے انداز میں آگے بڑھ رہی تھی وہ سب خاموش بیٹھے تھے کہ بڈ گولر نے ٹرانزسٹر اٹھا کر آن کر دیا۔ موسیقی کی تیز آواز اس ماحول میں بڑی روح پرور محسوس ہو رہی تھی۔

تھینک یو گولر" کلاڈیا نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

لیکن موسیقی اچانک بند ہو گئی ریڈیو نے ایک اعلان نشر کرنا شروع کر دیا۔

"پولیس کو ایک غیر ملکی صحافی آرنن کے قتل کے سلسلے میں دو غیر ملکی سیاحوں کی تلاش ہے جن کے بغیر قتل کی تفتیش میں دشواری ہو رہی ہے ان میں سے ایک مسز کلاڈیا آرنک ہیں اور دوسرے کا نام احمد شلوزان بتایا جاتا ہے جو ربانیہ کی ایک خانقاہ کا بھکشو ہے دونوں کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ جنوبی علاقے کی سمت بڑھ گئے ہیں اور......"

کلاڈیا نے ٹرانسسٹر بند کر دیا۔" مجھے پہلے ہی اس بات کا خدشہ تھا" کلاڈیا نے کہا۔

"کیا وہ ہمارے تعاقب میں ادھر آئیں گے؟" لیکن واپسی پر وہ ہمیں بہت پریشان کریں گے خدا کرے آرنک بے خبر نہ ہے" کلاڈیا نے اچانک کہا" میں نہیں چاہتی کہ اسے میری آمد کی خبر پہلے سے ہی مل جائے۔"

"لیکن کیوں؟"

"میں اس سے حقیقت معلوم کرنا چاہتی ہوں یہ نہیں چاہتی کہ وہ پہلے سے پھر کوئی نیا بہانہ سوچ کر میرا انتظار کرے۔"

احمد شلوزان نے نقشہ سامنے پھیلا کر دیکھا۔" اگر ہم رات بھر سفر کریں تو کل صبح وہاں پہنچ جائیں گے" اس نے کہا۔

"تو پھر ہم رات بھر سفر کریں گے۔" کلاڈیا نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"تاریکی میں اس راستے پر سفر کرنا بہت خطرناک ہو گا۔"

"اوہ تم فکر نہ کرو۔ میں بہر صورت صبح وہاں پہنچنا چاہتی ہوں۔"

رات کو احمد شلوزان نے ویگن کی رفتار بہت دھیمی کر دی تاکہ اچانک موڑ یا کوئی گڑھا وغیرہ آنے پر گاڑی قابو میں رکھے لیکن آدھی رات کو بارش اتنی موسلا دھار ہو گئی کہ سفر کرنا ممکن نہیں رہا اس لئے احمد

شلوزان نے ویگن کنارے لگا کر کھڑی کر دی تمام رات کڑک اور چمک کے ساتھ بارش ہوتی رہی اور جب رکی تو صبح کا اجالا پھیلنے لگا تھا وہ نشیب میں واقع وادی میں داخل ہوئے تو راستے میں اتنا کیچڑ تھا کہ جیپ نما ویگن کراہ کراہ کر چل رہی تھی۔ کچھ دیر بعد انہیں ایک آبادی نظر آنے لگی۔ ڈھلوان پر بیرک نما لمبی عمارتیں بنی ہوئی تھیں۔ احمد شلوزان نے نقشہ دیکھا اور پھر بتایا کہ اس کے خیال میں یہ ڈاکٹر آزک کا میڈیکل مشن ہے قریب ہی ایک چشمہ نظر آ رہا تھا۔

وہ دوبارہ روانہ ہوئے تو کلاڈیا ایک خوب صورت سوٹ میں ملبوس تھی جس میں اٹھنے والی خوشبو کے جھونکے ویگن کو معطر کر رہے تھے ایک سائیڈ روڈ پر مڑ کر وہ جلدی ہی ان بیرکوں تک پہنچ گئے جن کے سامنے لگے ہوئے بورڈ پر جلی حروف میں انگریزی اور آزری زبان میں لکھا ہوا تھا۔

''ساؤتھ ایسٹ اورینٹ فاؤنڈیشن میڈیکل سینٹر'' لکڑی کے بنے ہوئے بیرک نما کئی مکان برابر سے بنے ہوئے تھے مرد عورتیں اور بچے کنارے لگے ہوئے باغیچوں میں کام کر رہے تھے ویگن کو دیکھتے ہی وہ تجسس آمیز انداز میں کھڑے ہو گئے کہیں قریب ہی سے جنریٹر کے چلنے کی آواز آ رہی تھی جس سے شاید بجلی سپلائی ہوتی تھی کونے میں ایک بیرک نما شیڈ تھا جو کچن معلوم دیتا تھا کیونکہ عورتیں وہاں کھانا پکا رہی تھیں۔ احمد شلوزان نے درمیانی بیرک کے سامنے ویگن روک دی۔

چند منٹ میں لوگوں نے ویگن کو گھیر لیا وہ تعجب کے ساتھ ان نو واردوں کو دیکھ رہے تھے ان کے لباس مختلف تھے کچھ نے مقامی اور کچھ نے مغربی طرز کے کپڑے پہن رکھے تھے۔ چند ایک کے جسم پر اسپتال کی وردی تھی بیشتر بچے تقریباً ننگے تھے احمد شلوزان ویگن سے اترا ہی تھا کہ بیرک کے دروازے سے ایک نوجوان دراز قد اور خوب صورت آزری عورت ان کی سمت بڑھتی نظر آئی سادے لباس میں بھی اس کا حسن نمایاں تھا متناسب جسم اور بے حد حسین خدوخال والی عورت سب میں الگ نظر آ رہی تھی اس کی چال میں ایک وقار تھا۔

''گڈ مارننگ'' اس نے قریب پہنچ کر بڑی مترنم آواز میں کہا۔

''میں ابونا سارنگ ہوں آپ لوگ کہاں سے آ رہے ہیں؟'' اس نے صاف انگریزی زبان میں پوچھا۔

''ڈاکٹر آزک میرے شوہر ہیں۔'' کلاڈیا نے باہر نکلتے ہوئے کہا۔ ''میں کلاڈیا ہوں ان کی بیوی۔''

احمد شلوزان نے ابونا کی آنکھوں میں حیرت کی جھلک دیکھی۔

''اوہ......'' اس نے کچھ دیر بعد کہا لیکن ڈاکٹر آزک موجود نہیں ہیں وہ ایک گاؤں گئے ہوئے ہیں آپ آ جائیے نا...... ان کی واپسی تک یہاں آپ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔''

''شکریہ۔'' کلاڈیا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

وہ منہ ہاتھ دھو کر بیٹھے ہی تھے کہ سبز چائے اور کیک کا ناشتہ آ گیا اس دوران سب کا تعارف ہو چکا تھا انہوں نے دیکھا کہ تمام ملازمین باورچی اور لڑکے ابونا کے حکم کی بڑے احترام سے تعمیل کر رہے تھے ابونا کو بلاشبہ یہاں ایک اہم حیثیت حاصل تھی۔

''ڈاکٹر آزک اپنے مہمانوں کی ہمیشہ بہت خاطر کرتے ہیں'' ابونا نے کہا۔

''لیکن یہاں اتفاق سے ہی کوئی غیر ملکی آتا ہے۔''

''ایسا لگتا ہے تم ڈاکٹر کو بہت قریب سے جانتی ہو؟''

ابونا نے کہا۔

''ہاں۔ آہستہ آہستہ میری سمجھ میں آتا جا رہا ہے'' احمد شلوزان نے کلاڈیا کے لہجے میں حسد کی جھلک محسوس کی۔

''تم کو کچھ اندازہ ہے کہ ڈاکٹر کب تک واپس آ ئیں گے؟''

احمد شلوزان نے موضوع بدل کر پوچھا۔

ابونا کا لہجہ سنجیدہ ہو گیا۔ ''میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی ہم کئی دنوں سے ان کی واپسی کے منتظر ہیں لیکن کبھی کبھی ایسے سفر میں اندازے سے زیادہ دیر ہو جاتی ہے ممکن ہے کہ کسی علاقے میں مریض زیادہ رہے ہوں'' اسی لمحے ایک موٹی سی ملازمہ اندر داخل ہوئی اس نے بڑے ادب کے ساتھ ابونا سے پوچھا۔

''کیا مہمانوں کے لئے کھانا تیار کروں؟''

ابونا نے ہاں کہی اور ملازمہ چلی گئی احمد شلوزان نے حیرت سے ابونا کو دیکھا ''اس ملازمہ نے تم کو شہزادی کہہ کر مخاطب کیا تھا ابونا؟'' اس نے پوچھا

ابونا کا چہرہ شرم سے گلنار ہو گیا'' اوہ...... یہ صرف اعزازی خطاب ہے دراصل ہمارا تعلق ایک شاہی خاندان سے ہے بہت دور کا اس لئے علاقے کے لوگ مجھے شہزادی کہہ کر پکارتے ہیں'' اس نے کہا'' لیکن حیرت کی بات ہے کہ آپ ہماری زبان سمجھ لیتے ہیں؟''

احمد شلوزان ہنسنے لگا'' ابھی سیکھ رہا ہوں ویسے تم بھی تو انگریزی اچھی بول لیتی ہو۔''

اور وہ یہ سن کر حیران رہ گئے کہ ابونا نے آکسفورڈ میں تعلیم حاصل کی تھی وہ آکسفورڈ کی گریجویٹ تھی اس کے بعد وہ اپنی قوم کی خدمت کرنے آئرلینڈ آ گئی تھی ڈاکٹر آزک کو کسی طرح اس کے بارے میں معلوم ہو گیا اور انہوں نے خود اس سے ملاقات کر کے قبائلی علاقے میں کام کرنے کی دعوت دی وہ گزشتہ ایک سال سے ڈاکٹر کی معاون بن کر کام کر رہی تھی۔ ''شروع میں مجھے ڈر تھا کہ میں اس زندگی سے اکتا جاؤں گی لیکن ان غریب لوگوں کی بے کسی اور ان کی پرخلوص محبت نے میرا دل موہ لیا اب فی الحال میں انہی کے ساتھ رہوں گی۔''

اس نے بتایا۔

''تمہارے اور آزک کے نظریات یکساں ہیں'' کلاڈیا نے کہا۔

''ہاں۔ اس میں شک نہیں وہ صرف اچھے ڈاکٹر ہی نہیں ایک عظیم انسان بھی ہیں۔''

احمد شلوزان نے فوراً موضوع بدل دیا۔ ''وہ جس گاؤں میں گئے ہیں کیا وہ بہت دور واقع ہے؟''

ایک دن کا سفر ہے لیکن بہت دشوار گزار اسی لئے وہ جیپ میں گئے ہیں'' ابونا نے جواب دیا۔

''ہم انتظار کرنے کے بجائے کیوں نہ وہیں چلیں'' احمد شلوزان نے کلاڈیا سے مخاطب ہو کر پوچھا۔

''ابونا کے چہرے پر [illegible] کے آثار نمودار ہوئے۔

"ویسے تو کوئی حرج نہیں" اس نے کہا۔

"انہیں گئے ہوئے دن بھی کافی ہوئے ہیں اور عام طور پر جب ان کو واپسی میں دیر ہوتی ہے تو وہ کسی ہرکارے کو بھیج کر اطلاع دے دیتے ہیں لیکن دراصل وہ علاقے کے قبائل کو اپنی خدمت کے ذریعے جیتنا چاہتے ہیں کیونکہ وہ اب بھی کلینک میں آتے ہوئے ہچکچاتے ہیں ویسے میرے خیال میں سب ٹھیک ہی ہوگا۔"

"لیکن تم اس سلسلے میں کچھ پریشان نظر آتی ہو؟" احمد شلوزان نے کہا۔

"ہاں..... معمولی سی۔" ابوتا نے کہا۔

"یہ گاؤں کس سمت واقع ہے؟"

"شمال میں سرحدی علاقے کے قریب اس کا نام پا ہے وہاں خاصی آبادی ہے۔"

احمد شلوزان چونک اٹھا۔ "کیا کہا......؟" اس نے پوچھا ابوتا نے گردن ہلائی" کیا اس نام کے اور گاؤں بھی ہیں؟"

"اس علاقے میں تو یہی ہے" ابوتا نے کہا۔

"تب ہمیں فوراً وہاں چلنا چاہیے" احمد نے کلاڈیا سے کہا۔

"لیکن کیوں؟"

"بس میری چھٹی حس کہہ لو" اس نے بات بنائی "میں وضاحت نہیں کرسکتا لیکن میرا خیال ہے یہ بہتر ہوگا۔"

ابوتا نے ان کو مہمانوں کے لئے بنے ہوئے کمروں تک پہنچا دیا جو بہت آرام دہ تھے۔ رات کے کھانے کے بعد جب وہ کافی پی رہے تھے تو کلاڈیا نے کہا" پھر یہ طے رہا کہ اگر صبح تک آزک نہیں آئے تو ہم ان کے پاس چلیں گے؟"

"ہاں۔ یہی مناسب ہوگا" احمد شلوزان نے جواب دیا۔

"کیا خیال ہے ہم کلینک دیکھنے چلیں؟"

"تم ابوتا کے ساتھ چلے جاؤ میں تو اب آرام کروں گی۔ اس سفر نے بہت تھکا دیا کلاڈیا نے جواب دیا۔

ابوتا نے اسے [illegible]

باقی تمام ملازمین مقامی تھے کلینک کے معائنے کے بعد [illegible] لگی ہوئی روشنیوں کے درمیان سے ہوکر پارک کی سمت جاتی تھی احمد ابوتا کی معصومیت اور اس کے حسن کی سادگی سے بے حد متاثر ہوا تھا جانے کیوں اسے محسوس ہو رہا تھا کہ ابوتا کو اس کے تحفظ کی ضرورت ہے" تم کو یہ جگہ بہت پسند ہے" اس نے پوچھا۔

"ہاں" ابوتا نے گہری سانس لے کر جواب دیا۔ "اس کے باوجود مجھے ایک دن یہاں سے واپس چلے جانا ہے لیکن فی الحال میں ڈاکٹر آزک کے ساتھ یہاں بہت خوش ہوں۔"

"تم کو ڈاکٹر بہت پسند ہے؟"

"بے حد! اس کے دل میں غریب لوگوں کا اتھاہ درد ہے ایسا بے لوث انسان میں نے نہیں دیکھا۔"

"اس نے اپنی بیوی کے بارے میں تم سے ذکر نہیں کیا؟"

"صرف ایک مرتبہ" ابوتا نے ذرا دیر توقف کے بعد کہا" سچ پوچھو تو میں بھول ہی گئی تھی اسی لئے مسز آزک کو دیکھ کر تعجب ہوا تھا ویسے بھی ڈاکٹر کو اپنے کام کے علاوہ کسی اور چیز کا ہوش کہاں رہتا ہے"

پارک بے حد حسین تھا درمیان میں ایک پتلا سا چشمہ بہہ رہا تھا" بڑی خوب صورت جگہ ہے۔" احمد شلوزان نے کہا" تم کو یہاں تنہائی کا احساس نہیں ہوتا۔"

"کبھی کبھی ہوتا ہے" اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "ممکن ہے کبھی میں دوبارہ شادی کرلوں۔"

"دوبارہ......؟"

"ہاں" میرے پہلے شوہر گزشتہ سال کار کے حادثے میں ہلاک ہوگئے تھے۔"

احمد شلوزان کے دل میں اس دکھی لڑکی کے لئے ایک نیا احساس جنم لے رہا تھا وہ کچھ دیر بعد واپس ہوئے تو خاموش تھے۔

نویونا ویگن اتنی زور سے اچھلی کہ بڈگولر چیخ اٹھا۔ احمد شلوزان کو بے ساختہ ہنسی آگئی وہ ایک کچے راستے پر سفر کر رہے تھے جو ہاتھیوں کے لئے بنایا گیا تھا وہ صبح سویرے ہی روانہ ہوگئے تھے۔ کلاڈیا نے گرد و پیش میں پھیلی ہوئی سرسبز پہاڑیوں کو دیکھتے ہوئے ایک گہری سانس لی۔" اگر ذہن پریشان نہ ہوتا تو ان حسین منظر کا صحیح لطف آتا" اس نے کہا۔

"آپ پریشان نہ ہوں مسز آزک" ابوتا نے کہا" ڈاکٹر ان علاقوں سے اچھی طرح واقف ہیں اور انہیں کوئی خطرہ نہیں ہے۔"

کچھ دیر بعد وہ ایک پہاڑی ڈھلوان سے اتر رہے تھے جو بہت خطرناک تھی اچانک احمد شلوزان نے زور سے بریک لگایا۔ موڑ سے نکل کر ایک عمر رسیدہ شخص ایک دم سامنے آگیا تھا۔ اس کی پشت پر ایک لمبا ٹوکرا لدا ہوا تھا جس کو ایک بند کے ذریعے اس نے پیشانی سے باندھ رکھا تھا اس کے سر پر چینی طرز کی ٹوپی تھی۔ احمد شلوزان نے دیکھا کہ بوڑھا اتنا نحیف اور ناتواں تھا کہ ہڈیاں نظر آرہی تھیں وہ بوجھ سے جھکا ہوا تھا۔

"یہ غریب پیدل ہی تماکش تک سفر کرے گا" بڈگولر نے کہا۔

"تم کو کیسے معلوم؟" احمد شلوزان نے چونک کر پوچھا۔

"آپ دیکھتے نہیں اس کی پشت پر ٹوکرے میں افیون لدی ہوئی ہے" اس نے بتایا۔

"اس نے پورے سال محنت کر کے یہ جمع کی ہوگی" ابوتا نے بتایا۔ تماکش میں اسے مشکل سے اس ٹوکرے کے سو بھات ملیں گے جو دس ڈالر کے برابر ہوتے ہیں ممکن ہے یہ گرفتار بھی ہوجائے حالانکہ عموماً ایسا نہیں ہوتا۔"

"کیا یہ خود بھی افیون کھاتے ہیں۔" احمد شلوزان نے پوچھا۔

"بہت کم۔ یہ افیون کو زہریلا پھول کہتے ہیں" ابوتا نے جواب دیا" اور یہ سچ بھی ہے۔"

ایک خوبصورت وادی میں پہنچ کر وہ چشمے کے قریب لنچ کرنے کے لئے رک گئے ان کے چاروں

طرف بلند پہاڑیاں اور سرسبز جنگل تھا بڈ گولر نے ٹیوٹا کے انجن کو چیک کرنا شروع کر دیا کلاڈیا ہری بھری گھاس پر لیٹ گئی۔ احمد شلوزان نے دیکھا ایونا ننگے پیر چشمے کی سمت جا رہی تھی تو وہ خود بھی اس کے پیچھے چل دیا ایونا نے اسے دیکھا تو مسکرا دی۔

"کبھی کبھی مجھ پر اداسی کے دورے پڑتے ہیں" اس نے کہا" ایسے لمحات میں تنہائی کا شدید احساس ہوتا ہے۔"

"تم دوسری شادی کیوں نہیں کر لیتی ہو؟ تنہائی دور ہو جائے گی۔"

"ہاں۔ میں اکثر خود یہی سوچتی ہوں لیکن ڈاکٹر آرزک کو چھوڑ کر جانے کی ہمت نہیں ہوتی۔"

دونوں باتیں کرتے کرتے اتنی دور نکل آئے تھے کہ باقی لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تھے احمد شلوزان نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ایونا! میں ایک بات کہوں؟ تم کلاڈیا کے سامنے ڈاکٹر کا ذکر اتنی اپنائیت سے نہ کیا کرو مجھے ایسا لگتا ہے کہ اسے ناگوار ہوتا ہے۔"

"ہاں۔ میں نے بھی محسوس کیا ہے" ایونا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

وہ ایک ایسی جگہ پہنچ کر رک گئے جہاں چشمے نے ایک چھوٹے سے تالاب کی سی شکل اختیار کر لی تھی چاروں سمت گھنی جھاڑیاں تھیں اس ویرانے میں یہ بڑا حسین کنج تنہائی تھا۔

"تم ڈاکٹر کی واپسی میں ہونے والی تاخیر سے پریشان کیوں ہو ایونا؟" احمد شلوزان نے پوچھا" آخر کوئی وجہ ہوگی؟" اس نے ایونا کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے یہ صرف بے بنیاد خدشہ ہے لیکن کچھ عرصے سے خبر آ رہی ہے کہ کرنل جوزف اس علاقے میں سرگرم ہے۔"

"میں دوسری بار یہ نام سن رہا ہوں" احمد شلوزان نے کہا" تمہارے خیال میں یہ کرنل کسی اعتبار سے ڈاکٹر کے لئے خطرناک ہو سکتا ہے؟"

"یقین سے کچھ کہنا مشکل ہے۔ لیکن سننے میں آیا ہے کہ کئی گاؤں کے سرداروں کو اس نے اغوا کر کے بھاری رقم وصول کرنے کے بعد چھوڑا ہے اور چند کو ہلاک بھی کر دیا۔ ممکن ہے یہ صرف افواہیں ہوں۔"

"کیا اس کرنل کو مقامی آبادی کی اہمیت حاصل ہے؟"

"حقیقت پوچھو تو مجھے معلوم نہیں۔ لیکن ان دیہاتی لوگوں کو ورغلانا مشکل کام نہیں ہے۔"

"کیا کرنل نے اس گاؤں پاکو بھی اپنا نشانہ بنایا جہاں ہم چل رہے ہیں؟"

"مجھے نہیں معلوم میں صرف وہاں ایک مرتبہ گئی ہوں۔"

"اوہ تم وہاں جا چکی ہو؟ تب شاید تم اس شخص کو جانتی ہو جو اس گاؤں کے اسکول میں ٹیچر ہے۔"

"ہاں میں اسے جانتی ہوں" ایونا نے ہنستے ہوئے کہا۔" اس بے چارے کے ساتھ مصیبت یہ ہے کہ گاؤں والے تعلیم کے مخالف ہیں بڑی مشکل سے بچوں کو اسکول بھیجنے پر تیار ہوتے ہیں تم اسے کیونکر جانتے ہو؟"

رہبانیہ میں ایک شخص نے اس کا ذکر کیا تھا احمد شلوزان نے بات بنائی ایونا غور سے اس شخص کا چہرہ

دیکھ رہی تھی۔ وہ اٹھ کر ایک درخت کے پاس کھڑا ہو گیا ایونا بھی وہیں آ گئی۔

"وہ گولر بتا رہا تھا کہ تم بھکشو ہو" ایونا نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں کم از کم یہاں آنے سے پہلے تک تھا۔"

"یہ جھوٹ ہے بھکشو کسی عورت کو ہاتھ نہیں لگاتے اور تم نے تو میرا ہاتھ پکڑ رکھا ہے" ایونا نے کہا" تمہاری قسم تو ٹوٹ گئی۔"

احمد شلوزان نے گھبرا کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"میں نے چند روز کی رخصت لے لی" احمد شلوزان نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں شلوزان اب تو قسم ٹوٹ چکی ہے" اس نے احمد شلوزان کے شانوں پر سر رکھ کے اسے پکڑ لیا وہ خاموش کھڑا رہا۔ اسے ایک ان جانی مسرت ایک نامعلوم کیف کا احساس ہو رہا تھا چند لمحے کو وہ سب کچھ بھول گیا" میں بہت دکھی ہوں احمد شلوزان! تم پہلے شخص ہو جس نے اتنی مدت کے بعد مجھے یہ احساس دیا ہے کہ...... زندہ رہنے کے لئے ایک ساتھی کی ضرورت ہے' تم جیسے ہمدرد اور محبت کرنے والے ساتھی کی۔"

احمد شلوزان نے اس کی آنکھوں میں جھانکا محبت کا بے پناہ اتھاہ اور ناقابل برداشت دھارا اس کے قدم بہا لے گیا وہ اپنے خوابوں سے اس وقت چونکے جب کسی سیٹی کی آواز سنائی دی چند لمحے بعد جھاڑیوں کے درمیان سے بڈ گولر نمودار ہوا۔

"سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں" اس نے شریر مسکراہٹ کے ساتھ کہا احمد کو یقین تھا کہ وہ بہت پہلے سے چھپا ہوا ان کو دیکھ رہا تھا واپسی پر ایونا آگے نکل گئی گولر اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ وہ افیون کے کھیتوں کے درمیان سے گزر رہے تھے۔

"اب ہم گاؤں کے بالکل قریب پہنچ گئے ہیں" ایونا نے کہا۔

کچھ دور جا کر احمد نے ویگن روک دی اور نیچے اتر آیا حد نگاہ تک افیون کے کھیت پھیلے ہوئے تھے لیکن اسکے خیال کے برخلاف افیون کے پودوں کے بیضوی پھول سفید نہیں سرخ تھے۔ اسے یقین آ گیا کہ ارتضیٰ نے سچ کہا تھا کہ اس مقدار میں افیون کی کاشت اس کے شبہے کی تصدیق کر رہی تھی پھولوں سے عجیب بھنی بھنی خوشبو اٹھ رہی تھی گولر اتر کر اس کے قریب آ گیا۔

"کاش! میں اپنا پائپ لے کر آیا ہوتا" اس نے کہا۔

"دماغ صحیح ہے بھی بھول کر بھی اسے ہاتھ نہ لگانا۔"

"میں جانتا ہوں یہ زہریلے پھول ہیں بے حد زہریلے ایک مرتبہ میں ان کھیتوں سے گزر رہا تھا عورتیں پھول توڑنے میں مصروف تھیں ایک عورت نے کھیت میں اپنے ننھے بچے کو لٹا دیا تھا جب کام سے فارغ ہو کر اس نے بچہ اٹھایا تو بچہ مر چکا تھا۔ ان پھولوں کی بو اور ہوا میں بھی زہر ہوتا ہے۔"

احمد شلوزان نے جب دوبارہ گاڑی اسٹارٹ کی تو کلاڈیا نے پوچھا۔

"تم کیا دیکھ رہے تھے؟"

"زہریلے پھول" شلوزان نے مسکرا کر جواب دیا وہ اسے کچھ نہیں بتا سکتا تھا ارتضیٰ نے جوزف

واری اسے سونپی تھی اسے اب تک شلوزان نے سختی کے ساتھ راز رکھا تھا بڈ گولر نے اچانک چلا کر کہا۔

"ہے...... ادھر دیکھو وہ...... وہاں ایک جیپ کھڑی ہوئی ہے۔"

شلوزان نے بڈ گولر کی اٹھی ہوئی انگلی کی سمت دیکھا راستے کے بائیں جانب کچھ فاصلے پر واقعی ایک جیپ کھڑی تھی لیکن وہ بالکل خالی تھی۔

"یہ...... یہ تو ڈاکٹر آئزک کی جیپ ہے" ایونا نے پریشان لہجے میں کہا۔

گاڑی روک کر وہ سب تیزی سے چلتے ہوئے جیپ کے پاس پہنچے لیکن جیپ میں کوئی نہ تھا۔ کلاڈیا نے خوف زدہ نگاہوں سے قریب پھیلے ہوئے جنگل کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن آئزک کہاں ہے؟"

"کچھ پتا نہیں" شلوزان نے کہا اور جیپ کے اندر ہر سمت دیکھا' جیپ بالکل صحیح حالت میں تھی لیکن سامنے ڈیش بورڈ پر گرد جمی ہوئی تھی وہ باہر نکلنے والا تھا کہ رک گیا جمی ہوئی گرد پر کسی نے انگلی سے چند الفاظ لکھے تھے اس نے قریب سے پڑھا "کرنل" ...... وہ ان کا مطلب سمجھ گیا باہر نکلا تو بڈ گولر نے بونٹ بند کرتے ہوئے کہا۔

"انجن بالکل ٹھیک حالت میں ہے۔"

"اوہ شلوزان! میرا دل ڈر رہا ہے" کلاڈیا نے اس کے قریب آتے ہوئے کہا۔ "کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضرور ہے۔"

"میں خود بھی پریشان ہوں" شلوزان نے کہا۔

"وہ یقیناً واپس آ رہے تھے لیکن اگر جیپ خراب نہیں ہوئی تھی وہ غائب کہاں ہو گئے ممکن ہے کچھ بھول گئے ہوں اور اسے لینے پیدل ہی واپس گاؤں چلے گئے ہوں۔"

"تم مجھے اس طرح تسلی دینے کی کوشش مت کرو۔" کلاڈیا نے کہا۔

"میرا خیال ہے گاؤں پہنچ کر کچھ نہ کچھ ضرور پتا چل جائے گا" اس نے کلاڈیا کو اپنے خدشات سے لاعلم رکھتے ہوئے کہا۔

تقریباً بیس منٹ کے سفر کے بعد وہ ایک پہاڑی ٹیلے پر پہنچ گئے جہاں سے راستہ نشیب کو جاتا تھا اس ٹیلے کے نیچے کچھ فاصلے پر لکڑی کے بنے ہوئے بہت سے مکانات دور تک پھیلے ہوئے تھے گاؤں میں داخل ہونے والے راستے کے کنارے ایک بیرک نما مکان کے سامنے فلیگ پوسٹ پر آئرلینڈ کا پرچم لہرا رہا تھا یہ اسکول کی ایک عمارت تھی وہ جیسے ہی گاؤں میں داخل ہوئے مکانوں سے بہت سے گاؤں والوں نے نکل کر ان کی گاڑی کو گھیر لیا ان میں بچوں کی تعداد زیادہ تھی۔ ایک دبلا پتلا شخص جس نے سر پر ٹوپی پہن رکھی تھی اور سب میں نمایاں لگتا تھا آگے بڑھا اور ویگن کے اگلے دروازے کے سامنے رک کر بڑی جلدی جلدی شلوزان سے کچھ کہنے لگا لیکن شلوزان کی زبان نہ سمجھ سکا۔

"وہ کہہ رہا ہے کہ گاؤں میں ایک شخص بہت زخمی ہے اور قریب المرگ ہے" گولر نے بتایا۔ کلاڈیا کا چہرہ سفید پڑ گیا اس نے بہ مشکل پوچھا۔

"آئزک...... کیا وہ آئزک ہے؟"

گولر نے بات کرنے کے بعد بتایا "نہیں یہ زخمی شخص اسی گاؤں سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ شخص بتا رہا ہے کہ ڈاکٹر آئزک صبح سویرے ہی یہاں سے واپس روانہ ہو گئے تھے۔"

شلوزان نے ویگن اسٹارٹ کی اور کچھ فاصلے پر ایک کشادہ جگہ پر پارک کر دی گاؤں والے گاڑی کے ساتھ ساتھ بھاگتے ہوئے وہاں پہنچ گئے ان کی رہنمائی میں وہ اس مکان کے سامنے پہنچ کر رکے جس میں زخمی شخص پڑا ہوا تھا ایونا اپنے ساتھ فرسٹ ایڈ بکس لیتی آئی تھی زخمی شخص مکان کے کمرے میں بنے ہوئے مٹی کے چبوترے پر لیٹا ہوا تھا ایک لنگی کے علاوہ اس کے جسم پر اور کوئی لباس نہ تھا اس کے سینے پر کئی پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔ ایونا سارنگ نے جلدی سے جھک کر اس کی نبض دیکھی اور پھر شلوزان کی سمت دیکھ کر کہا۔

"یہ طاؤس ہے۔ وہی اسکول ٹیچر۔"

شلوزان نے پیچھے کھڑے مجمعے میں اس شخص کو دیکھا جس نے انہیں زخمی طاؤس کے متعلق اطلاع دی تھی۔

"اس سے پوچھو کہ یہ زخمی کیسے ہوا؟" اس نے بڈ گولر سے کہا۔

"بڈھے نے جو کچھ بتایا اس کا لب لباب یہ تھا کہ گاؤں میں کسی کو طاؤس سے دشمنی نہ تھی لیکن دو دن پہلے جیتھر مین کے ایک ساتھی نے اپنی بندوق اٹھائی اور بلا کچھ کہے طاؤس کو گولی مار دی۔ اس کے بعد وہ چلے گئے ان کے بعد وہ جادوگر آیا جو خود کو ڈاکٹر کہتا تھا اس نے اپنے جادو سے طاؤس کی جان بچانے کی بہت کوشش کی لیکن اس مرتبہ جادوگر کا جادو کمزور پڑ گیا اس کے جانے کے کچھ دیر کے بعد سے ہی طاؤس کی حالت پھر خراب ہونے لگی۔

طاؤس نے آنکھیں کھول دیں اور اٹھنے کی کوشش کی ایونا سارنگ نے جلدی سے اس کا سر پکڑا اور بہت آہستہ سے پھر لٹا دیا۔

"تم بولنے کی کوشش مت کرو" ایونا نے مقامی زبان میں کہا اور پھر شلوزان کی سمت مڑی "یہ ذرا دیر کا مہمان ہے۔" اس نے انگریزی میں بتایا۔

شلوزان نے مجمعے کو وہاں سے ہٹا دیا اور پھر جھک کر طاؤس کے کان کے پاس اس کی زبان میں کہا۔

"میں تمہارے لئے ایک پیغام لایا ہوں چہرہ خرگوش جیسا...... دل شیر جیسا...... تم پیغام سمجھے۔"

طاؤس نے آہستہ سے سر گھما کر شلوزان کی سمت دیکھا اس کی آنکھوں سے شدید کرب نمایاں تھا۔

"کرنل جوزف...... بتان میں۔"

شلوزان...... اسے بات نہ کرنے دو" ایونا نے جلدی سے کہا۔

"جادوگر...... ڈاکٹر......" طاؤس نے رک رک کر کہا "اسے معلوم ہے...... میں نے اسے سب بتا دیا ہے...... سب کچھ۔"

ایونا نے زبردستی شلوزان کو پیچھے ہٹا دیا اور طاؤس پر جھکی۔

طاؤس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں لیکن وہ مر چکا تھا۔

اسی رات گاؤں کے رواج کے مطابق طاؤس کی لاش کو ایک چتا پر رکھ کر جلا دیا گیا گاؤں سے باہر والے میدان میں تمام لوگ اکٹھے تھے چتا کے شعلے بلند ہو رہے تھے جلتی ہوئی مشعلوں اور چتا کی آگ سے دور تک روشنی پھیل گئی تھی شلوزان' کلاڈیا' ابونا اور بڈگولر سامنے والے مکان کے برآمدے میں کرسیوں پر بیٹھے تھے کلاڈیا کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا ابونا ساکت بیٹھی تھی بڈگولر اپنی کرسی پر پہلو بدل رہا تھا شلوزان کا ذہن حالات کا جائزہ لینے میں مصروف تھا ارتضٰی کے مطابق طاؤس نے پہلے ہی اطلاع دی تھی کہ اسے اپنی جان کا خطرہ ہے پھر جیلچھر یعنی کرنل جوزف نے اسے اچانک گاؤں پہنچ کر گولی ماردی یہ محض اتفاق تھا کہ اس کے بعد ڈاکٹر آرزک وہاں پہنچ گیا جس نے طاؤس کی جان بچانے کی کوشش کی طاؤس نے یہ محسوس کر کے کہ موت قریب ہے ڈاکٹر آرزک کو وہ تمام راز بتا دیا جو ارتضٰی معلوم کرنا چاہتا ہے ممکن ہے ڈاکٹر نے وعدہ کر لیا ہو کہ وہ کلینک پہنچ کر ساری تفصیل ارتضٰی کو بتا دے گا کلینک میں ڈاکٹر کے پاس طاقت ور وائرلیس موجود ہے گاؤں میں یقیناً کرنل جوزف کا کوئی جاسوس موجود ہے جس نے یہ اطلاع کرنل کو پہنچا دی کہ ڈاکٹر یہاں موجود ہے اور طاؤس کا علاج کر رہا ہے کرنل کو فوراً یہ خطرہ محسوس ہوا ہو گا کہ طاؤس ساری بات ڈاکٹر آرزک کو نہ بتا دے اور ڈاکٹر وائرلیس سے یہ رپورٹ ربانیہ پہنچا دے گا۔ اسی لئے اس نے واپسی میں ڈاکٹر کو بھی ختم کر دینے کا حکم دیا ہو گا ڈاکٹر آرزک نے کرنل کے مسلح دہشت پسندوں کو اپنی سمت بڑھتے دیکھ کر جلدی میں جیپ کے ڈیش بورڈ پر کرنل جوزف کا نام لکھ دیا اسے اپنے انجام کا احساس ہو گیا ہو گا لیکن اگر یہ سچ ہے تو ڈاکٹر آرزک کی لاش کہاں ہے؟ ممکن ہے انہوں نے جنگل میں چھپا دی ہو لیکن جیپ وہاں کیوں چھوڑ دی اگر وہ ڈاکٹر کی موت پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے تو ایسا ہرگز نہ کرتے ویسے بھی ڈاکٹر جرمنی باشندہ ہے۔ اس کی موت کی خبر عام ہوتے ہی آئر لینڈ کی حکومت کرنل جوزف کے خلاف شدید اقدام کرے گی کیا کرنل اس بات کو پسند کرے گا؟ نہیں' بات کچھ اور ہے کرنل جوزف نے ڈاکٹر کو اغوا کر لیا ہے ممکن ہے بھاری تاوان حاصل کرنے کے لئے...... یا پھر...... یہ معلوم کرنے کے لئے کہ طاؤس نے اسے کیا بتایا ایسی صورت میں وہ ڈاکٹر آرزک سے معلومات حاصل کرنے کے لئے تشدد کرے گا لیکن ڈاکٹر کو بھی یہ اندازہ ضرور ہو گا کہ زبان کھولنا خودکشی کے مترادف ہو گا اس کا مطلب یہ ہے کہ ڈاکٹر اس وقت کرنل کی قید میں ہے اور شدید خطرے میں ہے عام حالات میں شلوزان کسی کے لئے اپنی جان خطرے میں نہ ڈالتا اس معاملے سے اس کا کیا تعلق؟ لیکن ارتضٰی سے وعدہ کر چکا تھا اور مسئلہ ارتضٰی کا نہیں مسلم ممالک کی سلامتی کا تھا...... وہ لاتعلق نہیں رہ سکتا۔

''کلاڈیا!......'' شلوزان نے اچانک کہا'' مجھے تمہارے شوہر کی جان بچانے کے لئے بنتان جانا ہو گا'' اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا'' گولر تم کو معلوم ہے کہ یہ جگہ کہاں ہے؟'' ''ہاں میں جانتا ہوں یہاں سے ایک دن کی مسافت پر ہے لیکن وہ غیر آباد جگہ ہے لیکن وہ صرف کھنڈر ہیں اور بندہ اب وہاں کوئی نہیں رہتا اور وہاں کوئی سواری نہیں جا سکتی' صرف پیدل جانے کا راستہ ہے۔''

''لیکن تم کو کیسے معلوم ہوا کہ آرزک وہاں ہے اس ویرانے میں وہ کیا کرے گا؟'' کلاڈیا نے پریشان لہجے میں پوچھا۔

''لمبی کہانی ہے'' شلوزان نے کہا'' تفصیل ابھی مت پوچھو بعد میں سب بتا دوں گا۔''

''شلوزان! تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو...... آخر کیوں؟''

''تم ٹھیک کہتی ہو کلاڈیا'' شلوزان نے کہا'' لیکن فی الحال صرف اتنا بتاؤں گا کہ ڈاکٹر کے متعلق مجھے طاؤس نے بتایا تھا میرا خیال ہے میں اور گولر وہاں جا کر ڈاکٹر کو تلاش کر سکتے ہیں ممکن ہے اسے وہاں یرغمال بنا کر رکھا گیا ہو اور کرنل جوزف اس کی رہائی کے لئے بھاری تاوان وصولنا چاہتا ہو''

''لیکن کیوں......''

''اس سلسلے میں ابھی میں کچھ نہیں کہہ سکتا' لیکن اگر یہ سچ ہے تو ہم کرنل سے رہائی کی شرائط تو معلوم کر سکتے ہیں۔ بعد میں واپس آ کر تم کو بتا دیں گے۔''

''مجھے پروا نہیں کہ شرائط کیا ہیں؟'' کلاڈیا نے آہستہ سے کہا'' وہ جتنی بھی رقم طلب کرے گا میں ادا کر دوں گی'' لیکن میں تم کو وہاں تنہا نہیں جانے دوں گی۔''

''پاگل مت بنو میں تم کو ساتھ لے کر جا کر خطرہ مول نہیں لے سکتا''

''اور میں تم کو آرزک کے لئے اپنی جان خطرے میں ڈالنے کی اجازت نہیں دے سکتی وہ تمہارا کون ہوتا ہے میں اس کی بیوی ہوں' شوہر کی جان بچانے کی کوشش میرا فرض ہے تمہارا نہیں۔''

''نہیں کلاڈیا! تم اور ابونا فوراً کلینک واپس جاؤ وہاں پہنچ کر وائرلیس سے تماکش کو ساری اطلاع دے کر مدد مانگو اس دوران ہم بنتان جا کر جو کچھ ممکن ہے وہ کرتے ہیں۔''

کلاڈیا نے بہت ضد کی لیکن شلوزان اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوا کافی دیر کی حجت کے بعد بالآخر کلاڈیا راضی ہو گئی۔

''ٹھیک ہے شلوزان! بڑی احتیاط سے کام لینا ممکن ہے آرزک کو میں کھو چکی ہوں لیکن اس کے بعد تم کو بھی کھونے کے لئے تیار نہیں ہوں'' اس نے شلوزان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''بڈگولر نے سچ کہا تھا راستہ اتنا تنگ تھا کہ پیدل چلنا بھی مشکل ہو رہا تھا کہیں اتنا بڑا جنگل اور جھاڑیاں تھیں کہ گزرنا دشوار ہو جاتا اور کہیں کھلا ہوا میدانی علاقہ تھا سوائے ہاتھیوں کے انسانی قدموں کے نشان کہیں نظر نہ آتے تھے بڈگولر آگے آگے چل کر رہنمائی کر رہا تھا شلوزان کو بار بار پشت پر لدے سامان کو سنبھالنا پڑتا جھاڑیاں کاٹنے والا ایک لمبا چاقو اس کی کمر سے لٹک رہا تھا جس کے استعمال کی بار بار ضرورت پڑ رہی تھی ایسے ویران جنگل میں اس نے پہلے کبھی سفر نہ کیا تھا کبھی کبھی تو اس کو شک ہوتا کہ بڈگولر راستہ بھول گیا ہے بڈگولر نے اس خطرناک مہم کے لئے ایک بھاری معاوضہ کے بغیر بنتان جانے پر رضامندی کا اظہار نہیں تھا اس لئے وہ بہرحال وہاں تک ضرور جائے گا یہ خیال اسے تسلی دیتا تھا۔

دوپہر کے قریب وہ ایک چشمے کے قریب پہنچے تو لنچ کے لئے ٹھہر گئے بڈگولر نے پشت پر لدا ہوا سامان کا تھیلا اتار کر رکھا جس میں رائفل بھی شامل تھی اور سگریٹ جلا کر کش لینے لگا۔

''ہے شلوزان!......'' اس نے اپنے مخصوص انداز میں کہا پہلے تو جب مجھے معلوم ہوا کہ تم بھگوڑے ہو تو یقین ہی نہ آسکا پھر جب تم نے میری ساری پیش کش ٹھکرا دیں تو میں سمجھ گیا کہ بات ٹھیک ہے۔''

''اور اب کیا خیال ہے......؟ شلوزان نے ہنس کر پوچھا'' اب مہاتما بدھ کا ایک قول بار بار

آرہا ہے اپنے کام سے کام رکھو دوسرا خواہ کچھ بھی کر رہا ہو اس میں دخل مت دو کیا خیال ہے؟"
شلوزان بے ساختہ ہنس پڑا" تمہارے لئے یہ قول صادق آتا ہے بڈگولر! لیکن میری کچھ مجبوریاں ہیں۔"

"میری سمجھ میں تم اب تک نہیں آئے شلوزان! لیکن ایک بات مانو اگر یہ ڈاکٹر مر گیا ہو تو تم اس عورت سے شادی کر لینا وہ تم سے محبت کرتی ہے۔"

بڈگولر نے اتنی معصومیت سے کہا تھا کہ شلوزان متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا کلاڈیا کی شکل اس کی نظروں کے سامنے گھوم گئی شاید بڈگولر نے سچ کہا تھا لیکن اب تک خود اس کے دل میں کلاڈیا کی محبت نے جگہ نہیں پیدا کی تھی وہ بے حد مالدار تھی مغرب کی عورت تھی جانے کب اس کا دل بھر جائے اور ڈاکٹر کی طرح اس کو بھی بوجھ تصور کرنے لگے اس کے برخلاف ایوا...... پھول کی طرح نازک اور معصوم تھی اس نے اپنی محبت کو بلا کسی توقع کے اس کے دامن میں ڈال دیا تھا اور پھر اس طرح بے نیاز ہو گئی تھی جیسے یہ اس کا حق رہا ہو دیر تک وہ ان دونوں عورتوں کا موازنہ کرتا رہا کتنا تضاد تھا مغرب اور مشرق میں۔

وہ جلد ہی پھر چل پڑے۔ بڈگولر اتنے اطمینان سے آگے بڑھتا رہا جیسے بارہا اس راستے پر سفر کر چکا ہو وہ چلتے چلتے تھک چکے تھے لیکن ابھی ہمت باقی تھی سورج غروب ہونے کے کچھ ہی دیر بعد بڈگولر ایک جگہ رک گیا یہ جگہ خاصی بلندی پر تھی اور ہر سمت گھنا جنگل تھا اس نے مڑ کر سرگوشی میں کہا" ہے شلوزان! ......ذرا ادھر آؤ" شلوزان تیزی سے آگے بڑھا اور پھر بڈگولر کے پاس جا کر رک گیا جو نیچے دیر تک پھیلی ہوئی گھاٹ کی جانب اشارہ کر رہا تھا چاند کی صاف وشفاف روشنی میں نیچے بہت سی عمارتوں کے کھنڈرات نظر آرہے تھے پتھر کی بنائی ہوئی شکستہ عمارتوں کے اوپر بنے ہوئے بعض مینار اب تک محفوظ تھے۔

"یہاں......" بڈگولر نے فاتحانہ انداز میں کہا۔

کھنڈرات میں کئی جگہ روشنی ہو رہی تھی اور کبھی کبھی روشنی کمپاؤنڈ میں ایک جگہ سے دوسری جگہ حرکت کرتی نظر آتی تھی...... نہ جانے کیا تھا یہ سب......؟"

احمد شلوزان نے اپنی دوربین نکالی اور ٹیلے کے کنارے پیٹ کے بل لیٹ گیا۔ اس نے شکستہ مندر کے کمپاؤنڈ میں دیکھنا شروع کیا۔ اسے کبھی کبھی چلتے ہوئے آدمی نظر آتے لیکن فاصلہ اتنا تھا کہ صاف دیکھنا ممکن نہ تھا۔ روشنی الیکٹرک جنریٹر سے پیدا کی گئی تھی جس کے چلنے کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ جس جگہ جنریٹر نصب تھا وہیں قریب میں جیپ کی قسم کی کئی گاڑیاں کھڑی تھیں۔ کچھ فاصلے پر کھڑا ہوا ایک ہیلی کاپٹر بھی صاف نظر آرہا تھا اس کی دوسری سمت پچاس گیلن والے ایک درجن سے زائد پیٹرول کے ڈرم رکھے ہوئے تھے اس نے دوربین بڈگولر کی طرف بڑھا دی۔

"ایسا لگتا ہے کہ یہ جگہ کرنل کا مضبوط گڑھ ہے؟" احمد شلوزان نے کہا۔

"کرنل نے بڑی عمدہ جگہ کا انتخاب کیا ہے" بڈگولر نے جائزہ لینے کے بعد کہا" آئر لینڈ میں لوگ پرانے مندروں کے کھنڈر سے ہمیشہ دور بھاگتے ہیں ان کے خیال میں ایسی جگہ پر ہر وقت بدروحیں منڈلاتی رہتی ہیں اور ہم لوگ بدروحوں سے زیادہ اور کسی چیز سے نہیں ڈرتے خیر اب یہ بتاؤ کرنا کیا ہے؟"

"اچھا سوال ہے۔" احمد شلوزان نے مسکرا کر کہا" ان کے پاس جدید طرز کے آٹو میٹک ہتھیار ہوں گے اور شاید ہر سمت گارڈ بھی پہرے پر ہوں مجھے نہیں معلوم کہ ہم کتنے قریب پہنچ سکتے ہیں لیکن ہمیں بہر صورت یہ معلوم کرنا ہے کہ ڈاکٹر آرٹرک یہاں موجود ہے یا نہیں۔"

"میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے" اچانک بڈگولر نے کہا اور اسے بتانا شروع کیا" میں وہاں بھٹکتا ہوا پہنچ جاتا ہوں جیسے راستہ بھول گیا ہوں۔ وہ مجھے پکڑ لیں گے اور طرح طرح کے سوال کریں گے لیکن اس طرح میں یہ دیکھ لوں گا کہ ڈاکٹر وہاں ہے یا نہیں کیا خیال ہے؟"

"نہیں بڈگولر شکریہ" احمد شلوزان نے جواب دیا" اگر تم پکڑے گئے تو وہ زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"نہیں فی الحال ہم یہاں سے لیٹ کر باری باری ان کی نقل و حرکت پر نظر رکھیں گے" احمد شلوزان نے کہا" پہلے ایک گھنٹے کی باری میری ہے۔"

احمد شلوزان لمبے انتظار کے لئے تیار ہو کر بیٹھا تھا لیکن مشکل سے بیس منٹ گزرے ہوں گے کہ اسے ایک شخص کی شکل نظر آئی جو اس کے خیال میں یقیناً ڈاکٹر آرٹرک تھا اس نے جلدی سے دوربین کا فوکس ٹھیک کیا قدیم مندر کے کھنڈرات سے کئی افراد نکل کر سامنے والی عمارت کی سمت جا رہے تھے یہ قدیم عمارت بھکشوؤں کی رہائش گاہ کے طرز پر پتھروں کی بنی ہوئی تھی چھت کافی نیچی تھی اور پھر جیسے ہی وہ لوگ روشنی میں آئے اس نے ڈاکٹر کو پہچان لیا کلاڈیا نے بتایا تھا کہ ڈاکٹر کی عمر ابھی پینتالیس برس کی ہے لیکن بال بالکل سفید ہو چکے ہیں دو مسلح گارڈ ڈاکٹر کو اپنے درمیان میں لے کر چل رہے تھے سامنے والی عمارت کے گیٹ پر ایک مسلح گارڈ پہلے سے کھڑا تھا وہ دونوں ڈاکٹر کو لئے ہوئے اس گیٹ میں داخل ہوئے اور جب ذرا دیر بعد باہر نکلے تو ڈاکٹر ساتھ نہیں تھا انہوں نے گارڈ کے پاس چند لمحے رک کر باتیں کیں اور پھر مندر کی طرف واپس روانہ ہو گئے دروازے پر کھڑے ہوئے گارڈ نے سگریٹ جلائی اور دیوار کا سہارا لے کر کش لگانے لگا۔

احمد شلوزان نے آہستہ سے بڈگولر کو آواز دی۔ وہ پھرتی کے ساتھ اٹھ کر احمد شلوزان کے پاس آ گیا دونوں کچھ دیر مشورہ کرتے رہے پھر احمد شلوزان نے فیصلہ کیا کہ کچھ بھی ہو نیچے چل کر قریب سے جائزہ لینا چاہیے۔ سامان وہیں چھوڑ کر احمد شلوزان نے رائفل اٹھا لی۔ بڈگولر نے کہا نیچے جانے کا کوئی راستہ نہیں ہے اس نے سپاٹ ڈھلوان پر پھسل کر اترنا ہوگا۔ جھاڑیاں کاٹنے کے لئے اس نے اپنا لمبا جنگلی خنجر نکال لیا۔ ڈھلوان پر ہر سمت گھنی جھاڑیاں تھیں وہ ان کو پکڑ کر پھسلتے ہوئے بالآخر احاطے کی چار دیواری کے نیچے پہنچ گئے۔

قد آدم پرانی دیوار کے پتھر جگہ جگہ سے گر گئے تھے اور ان سے سوراخ بن گئے تھے۔ اچانک دیوار پر کسی چیز کے رینگنے کی آہٹ ہوئی۔ احمد شلوزان نے پھرتی کے ساتھ کمر سے لگے ہوئے پستول پر ہاتھ ڈالا لیکن وہ صرف ایک بندر تھا دبے پاؤں آگے بڑھتے ہوئے بالآخر احمد شلوزان نے ایک شگاف تلاش کر لیا جہاں سے بھکشوؤں کی اقامت گاہ کی پرانی عمارت صاف نظر آرہی تھی احاطے کی چار دیواری سے کوئی دس گز کے فاصلے پر واقع اس اقامت گاہ کا پچھلا حصہ بکھر چکا تھا شکستہ چھت اور دیواروں کا ملبہ صاف نظر آرہا تھا صرف اگلا حصہ اب تک سلامت تھا جس میں اس جانب سے کوئی دروازہ یا کھڑکی نظر نہیں آرہی تھی عمارت کے کچھ فاصلے پر مندر اور دوسری عمارتیں تھیں لیکن اقامت گاہ درمیان میں تھی اس لئے دوسری جانب دیکھنا ممکن نہ تھا۔

''ہم جھکے ہوئے بالکل مینڈکوں کے انداز میں آگے بڑھیں گے'' احمد شلوزان نے سرگوشی کی اور رائفل بڈگولر کو تھما دی'' پہلے میں جا رہا ہوں تم مجھے کور کئے رہنا ہم کے بعد دیگرے آگے بڑھیں گے۔

''بڈگولر ایک لمحہ سوچتا رہا پھر گردن ہلائی اور بندروں کی طرح چار دیواری پھاند کر اندر کود گیا ایک لمحہ رک کر وہ جھکا ہوا بھاگا اور اقامت گاہ کی دیوار کے سائے میں پہنچ کر رک گیا اس نے اتنی پھرتی دکھائی تھی کہ احمد کو اس کو روکنے کا موقع ہی نہ ملا ذرا دیر بعد وہ بھی بڈگولر کے پاس پہنچ گیا گری ہوئی عمارت کے ملبے کے درمیان سے گزرتے پتھروں کو پھلانگتے آخر کار وہ عمارت کے سامنے والے حصے کے پاس پہنچ گئے دیوار کی آڑ سے سر نکال کر احمد شلوزان نے جھانکا اور فوراً ہی پیچھے ہٹ گیا مسلح گارڈ دروازے کے پاس کھڑا ہوا تھا۔ احمد شلوزان نے ایک پتھر اٹھایا اور اشارے سے بڈگولر کو بتایا کہ اسے سامنے والے پرانے کنویں کی سمت پھینکتا ہے جیسے ہی اس کی پشت ہماری طرف ہوگی ہم چھلانگ لگا کر اسے غیر مسلح کر دیں گے تم مقامی زبان میں اسے خاموش رہنے کا حکم دینا۔

''میرا خیال ہے اسے ختم کر دینا زیادہ بہتر ہوگا'' بڈگولر نے کہا' لیکن احمد شلوزان نے سختی سے منع کر دیا' قتل و غارت گری نہیں ہوگی' اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

پتھر گرنے کی آواز سن کر گارڈ زور سے چونکا اور کنویں کی سمت دیکھنے لگا۔ احمد شلوزان نے دوسرا پتھر پھینکا۔ اس مرتبہ گارڈ نے پھرتی کے ساتھ آٹو میٹک گن کندھے سے اتار دی اور آگے بڑھا وہ پوری طرح چوکنا نظر آ رہا تھا ذرا دیر بعد اس نے جھک کر کنویں کے اندر جھانکا احمد شلوزان نے گردن سے اشارہ کیا اور بڈگولر کے ساتھ بھاگتا ہوا آگے بڑھا۔ آہٹ بڑھا وہ پوری طرح چوکنا نظر آ رہا تھا ذرا دیر بعد اس نے جھک کر کنویں کے اندر جھانکا احمد شلوزان نے گردن سے اشارہ کیا اور بڈگولر کے ساتھ بھاگتا ہوا آگے بڑھا آہٹ سن کر گارڈ نے پھرتی کے ساتھ مڑنے کی کوشش کی لیکن احمد شلوزان اس سے پہلے چھلانگ لگا چکا تھا وہ گارڈ کو ساتھ لے کر نیچے گرا گن اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری احمد شلوزان نے بجلی کی سی سرعت کے ساتھ گارڈ کی گردن اپنے بازو کی گرفت میں لے کر دبائی اور دوسرا ہاتھ اس کی منہ پر رکھ دیا بڈگولر نے رائفل کی نال گارڈ کے سینے پر رکھ دی اور مقامی زبان میں کچھ کہا احمد شلوزان نے اس کی گردن چھوڑ دی گارڈ کھڑا ہو کر خوف زدہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگا پھر خاموشی سے اقامت گاہ کی سمت بڑھنے لگا بڈگولر نے اسے عقبی حصے کی سمت چلنے کا حکم دیا۔

لیکن چند قدم چل کر وہ بڑی سرعت کے ساتھ جھکا اور ایک سمت بھاگ نکلا احمد شلوزان آٹو میٹک گن سے فائر کرنے کی ہمت نہ کر سکا گولی کی آواز ان کے سارے منصوبے پر پانی پھیر دیتی اس لمحے بڈگولر نے رائفل پھینکی اور تیر کی طرح گارڈ کی سمت جھپٹا جو ملبے پر چڑھنے کی کوشش کر رہا تھا بڈگولر نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر گارڈ کے پاس پہنچتے ہی اپنا خنجر والا ہاتھ بلند کیا اور تیز دھار خنجر نے گارڈ کی شہ رگ کاٹ ڈالی۔ خرخراہٹ کی آواز ہوئی اور اس کا بے جان جسم ملبے پر ڈھیر ہو گیا بڈگولر پہلے ہی اچھل کر دور ہو چکا تھا تاکہ خون سے کپڑے خراب نہ ہوں سب کچھ پلک جھپکتے ہوا تھا اور ایک لمحہ ضائع کئے بغیر وہ عمارت کے اندر داخل ہو گئے سامنے ایک مہین راہداری پھیلتی چلی گئی تھی جس کے دونوں جانب کوٹھریاں بنی ہوئی تھیں۔ احمد شلوزان نے

اپنی ٹارچ نکال کر لائٹ پھینکی ساری کوٹھریوں کے کواڑ غائب تھے صرف آخر میں ایک کوٹھری میں پرانا آہنی دروازہ نظر آ رہا تھا جو شاید حال ہی میں لگایا گیا تھا لیکن اس پر ایک بڑا سا تالا لگایا گیا تھا۔

''کنجی گارڈ کے پاس ہوگی'' احمد شلوزان نے سرگوشی کی'' بھاگ کر جاؤ'' بڈگولر کے جاتے ہی احمد شلوزان نے دروازے کے قریب جا کر آہستہ سے آواز دی'' ڈاکٹر آزک کیا آپ اندر موجود ہیں؟''

''کون ہو تم'' کسی نے بھاری لہجے میں پوچھا۔

''آہستہ بولئے۔ ہم آپ کو رہا کرانے آئے ہیں'' احمد شلوزان نے کہا۔ بڈگولر کنجی لے کر آ گیا چند لمحے بعد ہی ہم ڈاکٹر کو لے کر اقامت گاہ سے باہر آ گئے ڈاکٹر نے پھر اپنا سوال دہرایا احمد شلوزان نے سرگوشی کی' صبر سے کام لو ڈاکٹر ابھی خطرہ دور نہیں ہوا ہے۔''

گھنی جھاڑیوں سے گزرتے ہوئے ڈاکٹر آزک ایک مرتبہ پھر گر پڑا تو احمد شلوزان نے ٹارچ جلا کر اسے اٹھایا اس نے دیکھا کہ ڈاکٹر پسینے میں نہایا ہوا تھا پانی کی بوتل نکال کر اس نے ڈاکٹر کی سمت بڑھائی جس نے ایک گھونٹ پانی پی کر احمد شلوزان کی سمت دیکھا۔

''میں شراب نہیں پیتا ڈاکٹر'' احمد شلوزان نے اسے بتایا وہ رکے بغیر چلتے رہے بڈگولر آگے تھا ڈاکٹر درمیان میں اور احمد شلوزان سب سے پیچھے اقامت گاہ سے نکلنے میں انہیں کوئی دشواری نہ ہوئی تھی لیکن وہ ابھی ڈھلوان پر چڑھ ہی رہے تھے کہ نیچے شور وغل اور بھاگ دوڑ سی شروع ہو گئی۔

انہوں نے گارڈ کی لاش دریافت کر لی تھی اس لئے وہ دم لئے بغیر وہاں سے روانہ ہو گئے ایک مرتبہ جب ڈاکٹر خستہ حال ہو کر لڑکھڑانے لگا تو احمد شلوزان نے بڈگولر کو روک کر صورت حال بتائی۔ اس کا اندازہ صحیح نکلا بڈگولر کی جیب میں شراب موجود تھی ڈاکٹر چند گھونٹ پی کر تازہ دم ہو گیا تو وہ پھر روانہ ہو گئے۔ ڈاکٹر نے ایک بار پھر پوچھنا چاہا تو احمد شلوزان نے منع کر دیا کہ بات نہ کرے۔

صبح کا اجالا پھیلا تو وہ گھنے جنگل میں تھے سورج کی تمازت سے جنگل میں حبس ہو گیا لیکن وہ تھکے ہوئے قدموں سے آگے بڑھتے رہے تقریباً ایک گھنٹے کے سفر کے بعد اچانک ان کو ہیلی کاپٹر کا شور سنائی دیا اس کا مطلب تھا تلاش بڑی سرگرمی سے جاری تھی احمد شلوزان کے اشارے پر وہ پھرتی سے گھنے درختوں کے درمیان ہو گئے۔ انہیں معلوم تھا کہ فضا کے ساتھ زمین پر بھی ان کی تلاش ہو رہی ہوگی کچھ دیر بعد ڈاکٹر نے نڈھال لہجے میں پوچھا۔

''کیا ہم کچھ دیر رک کر آرام نہیں کر سکتے؟''۔

احمد شلوزان کو اس پر رحم آ گیا'' ٹھیک ہے لیکن جلد ناشتا کر کے پھر روانہ ہو جائیں گے۔''

''کیا تمہارا تعلق سکیورٹی سے ہے؟'' اس نے احمد شلوزان کی سمت دیکھ کر پوچھا۔

''نہیں ڈاکٹر'' احمد شلوزان نے ہنستے ہوئے کہا'' میں تو ایک ادنیٰ جنگجو ہوں آپ کی بیگم مجھے ساتھ لے کر آ رہی تھیں تو سفارت خانے والوں نے مجھے خاوند سے مل کر ان کا پیغام لانے کی ذمے داری سونپ دی۔

''آہ تو...... کوئی سچ کہہ رہا تھا لیکن مجھے یقین نہ آیا تھا۔

کلاڈیا واقعی یہاں تک پہنچ چکی ہے؟"

"وہ کلینک پر آپ کا انتظار کر رہی ہے۔" شلوزان نے کہا۔

"وہ ٹھیک تو ہے نا؟ لیکن یہاں کس لئے آئی ہے؟"

"یہ آپ دونوں کا ذاتی معاملہ ہے وہ خود بہتر طور پر بتا سکیں گی اہم بات یہ ہے کہ طاؤس نے آپ کو کیا بتایا ہے؟ میں اس کے آخری لمحات میں اس کے پاس موجود تھا اس نے مجھ سے صرف یہ کہا کہ آپ کو سب کچھ بتا دیا ہے۔ ہم اس وقت سنگین خطرے میں ہیں اور میں آپ کو تاریکی میں نہیں رکھنا چاہتا ممکن ہے ہم میں سے کوئی زندہ بچ کر نہ جا سکے اور ممکن ہے ایک بچ جائے اس لئے تمام باتیں ہم دونوں کو معلوم ہونا بہتر ہے۔"

"مجھے احساس ہے" ڈاکٹر آرتھر نے جواب دیا۔

"میں طاؤس کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا تھا لیکن اب میرا وہاں رکنا بے کار تھا اس کے بچنے کی کوئی صورت نہ رہی تھی لیکن اس نے جو کچھ مجھے بتایا وہ اتنا سنسنی خیز تھا کہ پہلے مجھے اس کا یقین نہ آ سکا بعد میں اس کے اصرار کرنے پر میں نے اس سے وعدہ کر لیا کہ میں کلینک پہنچ کر فوراً ہی وائرلیس پر باہر سے رابطہ قائم کروں گا اور ان حقائق کو بتا دوں گا وہ یہی چاہتا تھا" ڈاکٹر نے رک کر ایک گھونٹ لیا اور پھر کہنا شروع کیا۔

"طاؤس کا بیان ناقابل یقین ہے ایسا لگتا ہے کہ کرنل جوزف کو کسی طرح یہ علم ہو گیا کہ میں طاؤس کے پاس موجود تھا کیونکہ وہ بار بار یہی سوال کر رہا تھا کہ طاؤس نے مجھے کیا بتایا؟ میں نے اسے کچھ نہیں بتایا پھر بھی اب تک وہ بڑے اخلاق سے پیش آ رہا وہ خلاف توقع نوجوان اور جوشیلا آدمی ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ اب وہ تشدد ضرور کرتا کیونکہ طاؤس کے بارے میں......"

"طاؤس نے آپ کو کیا بتایا تھا؟" احمد شلوزان نے بات کاٹ کر پوچھا۔

"اس کی اطلاع کے مطابق ان کھنڈرات میں کرنل کے پاس ہیروئن بنانے کا جدید ترین برقی پلانٹ موجود ہے شاید تم کو پتا ہو کہ ہیروئن بنانا کتنا دشوار کام ہے اس کے لئے بڑی مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ خود مجھے زیادہ تفصیل نہیں معلوم ہے طاؤس کے مطابق ایک غیر معمولی بڑی رقم اس پلانٹ کے لگانے پر خرچ ہوئی ہے جسے ایک غیر ملکی طاقت نے فراہم کیا ہے اور اتنی بڑی مقدار میں ہیروئن تیار ہو رہی ہے کہ اندازہ نہیں کیا جا سکتا دنیا کے مختلف ملکوں میں یہ زہر فراہم کرنے کے لئے عالمگیر شہرت کے بدمعاشوں اور اسمگلروں کی خدمات حاصل کی گئی ہیں طاؤس بار بار زور دے رہا تھا کہ اس کے پیچھے جو اصل شخصیت ہے وہ کوئی اور ہے لیکن خود کرنل کو بھی اس کا نام نہیں معلوم تھا یہ پراسرار شخصیت تمام آپریشن کو کنٹرول کرتی ہے کرنل یہ کام صرف رقم کے لالچ میں کر رہا ہے جس سے وہ آخر حکومت کے خلاف ایک چھاپہ مار انقلابی تنظیم قائم کرے گا۔"

احمد شلوزان کے ذہن میں بار بار آرتھر کا خیال آ جاتا تھا موت سے پہلے آرتھر اپنے لبوں سے کچھ الفاظ ادا کرنا چاہتا تھا جو صحیح معنوں میں ادا نہیں ہو سکے تھے۔

"شکریہ ڈاکٹر! میرا خیال ہے اب چلیں۔"

ایک بار پھر وہ گھنے اور دشوار گزار راستے پر آگے بڑھنے لگے اگر بڈ گولر نہ ہوتا تو شاید وہ تمام عمر

جنگلوں میں بھٹکتے رہتے کیونکہ زمین پر اتنی گھنی جھاڑیاں تھیں کہ راستہ نظر نہیں آتا تھا کسی پگڈنڈی تک کا نام و نشان نہ تھا ایسا لگتا تھا کہ انسانی قدم یہاں کبھی آئے ہی نہیں۔ انہوں نے پھر فضا میں ہیلی کاپٹر کی آواز سنی لیکن اب وہ کافی دور تھی۔ ایک بار پھر وہ دم لینے کے لئے رکے ڈاکٹر ایک درخت کے سہارے دراز ہو گیا وہ بالکل نڈھال ہو چکا تھا۔

"مسٹر احمد شلوزان اگر اتفاق سے ہم زندہ بچ نکلے تو میں اور میری بیوی تمہارا احسان کبھی نہ بھولیں گے۔" اس نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ کلاڈیا مجھ سے ناخوش ہے۔ ممکن ہے وہ طلاق چاہتی ہو لیکن میں اسے الزام نہیں دے سکتا۔ وہ ایک امیر ترین عورت ہے میں جنگل کا ڈاکٹر۔ میرے جذبات کو سمجھنا اس کے لئے واقعی مشکل ہے۔"

"میرا خیال ہے اب اٹھنا چاہیے" احمد شلوزان نے اٹھتے ہوئے کہا سورج ڈھلنے لگا تھا کہ وہ جنگل سے باہر نکلے تازہ ہوا کے جھونکوں میں انہوں نے سکون کا سانس لیا۔

"اس پہاڑی کے نیچے آبادی واقع ہے" بڈ گولر نے اشارہ کیا لیکن احتیاط سے آگے بڑھنا" بلندی زیادہ نہیں تھی۔ آبادی پر نظر پڑتے ہی وہ مسکرائے کم از کم یہاں تک تو وہ بچ کر نکل آئے۔ بڈ گولر نے اچانک کہا۔

"مجھے کچھ گڑبڑ نظر آ رہی ہے گاؤں پر اتنا سناٹا کیوں طاری ہے؟"

احمد شلوزان جھکا ہوا سامنے کا جائزہ لے رہا تھا اچانک اس نے بڈ گولر کا بازو دبایا۔

"یہ دھواں کیسے اٹھ رہا ہے؟" اس نے دوربین لگاتے ہوئے کہا وہ جس پہاڑی ٹیلے پر لیٹے ہوئے تھے وہاں سے گاؤں بمشکل نصف کلومیٹر دور تھا۔ احمد شلوزان نے دوربین کا فوکس ٹھیک کیا تو حقیقت نظر آ گئی سکوت بے سبب نہیں تھا۔ تقریباً سارے مکانات جل چکے تھے بعض سے اب تک دھواں نکل رہا تھا اور ایک بھی آدمی کہیں حرکت کرتا نظر نہیں آتا تھا اس نے خاموشی سے دوربین بڈ گولر کی طرف بڑھا دی۔

"یہ آگ اتفاقی حادثہ نہیں نظر آتی" احمد شلوزان نے کہا۔ "خیال ہے کہ ہم آبادی کا چکر کاٹ کر آبادی کے باہر سے سڑک تک پہنچنے کی کوشش کریں یہ زیادہ محفوظ رہے گا۔"

وہ دوسری جانب کی ڈھلوان سے نیچے اترے وہ پوری طرح چوکنا تھے لیکن یہ کھلا ہوا ہموار علاقہ تھا باوجود یہ کہ گھاس سینے تک بلند تھی اور کسی قدر آڑ کر رہی تھی پھر بھی فضا سے دیکھے جانے کا خطرہ موجود تھا آبادی کو پار کرتے ہوئے گاؤں کی داہنی سمت کا حصہ نظر آ رہا تھا اس طرف کے تمام مکانات جل کر ملبے کا ڈھیر بن چکے تھے بیشتر سے اب بھی دھواں نکل رہا تھا احمد شلوزان نے پھر دوربین سے دیکھنا شروع کیا۔

ہیلی کاپٹر کی آواز اتنی اچانک آئی تھی کہ وہ بھاگ بھی نہ سکے۔ وہ جیسے ہی مڑے ہیلی کاپٹر ان کے سر پر پہنچ گیا احمد شلوزان پھرتی سے زمین پر لیٹ گیا۔ ڈاکٹر اور بڈ گولر نے بھی تقلید کی ہیلی کاپٹر ان کے سروں کے اوپر منڈلانے لگا تھا۔ احمد شلوزان نے لپک کر رائفل بڈ گولر کے ہاتھ سے لے لی اور ہیلی کاپٹر کے روٹر کا نشانہ لے کر گولی چلا دی ہیلی کاپٹر تیزی سے نیچے آیا اور مڑ کر دوسری طرف چلا گیا لیکن گھوم کر پھر ان کے اوپر پہنچ گیا اس مرتبہ وہ کافی بلندی پر تھا داہنی جانب کی کھڑکی کے پاس بیٹھے ہوئے شخص نے میگا فون باہر نکالا اور

تیز آواز فضا میں گونجی۔

"ڈاکٹر آرزک اور احمد شلوزان غور سے سنو اس میں تمہاری بہتری ہے۔"

"کرنل جوزف! یہ اسی کی آواز ہے۔" ڈاکٹر نے گھبرا کر کہا۔

"غور سے سنو ڈاکٹر! تمہاری بیوی اور نرس گاؤں میں ہیں وہ میرے سپاہیوں کی حراست میں ہیں تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ گاؤں جا کر خود کو بھی میرے آدمیوں کے حوالے کر دو ورنہ اپنی عورتوں کے انجام کے ذمے دار تم خود ہوں گے ہم ان کو نقصان نہیں پہنچانا چاہتے لیکن اب یہ تمہارے اختیار میں ہے"

"اوہ...... مائی گاڈ!" ڈاکٹر نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

احمد شلوزان نے دوربین کا رخ گاؤں کی طرف کر کے فوکس کیا اس مرتبہ کلاڈیا اور ربوتا سارنگ نظر آ رہی تھیں وہ کرنل کے خاکی وردی والے سپاہیوں کے نرغے میں تھیں ڈاکٹر آرزک نے غصے میں رائفل اٹھا کر ہیلی کاپٹر پر فائر کیا۔

"احمق نہ بنو!" میگا فون سے کرنل کی آواز سنائی دی۔

"ایک نظر گاؤں کی سمت ڈال کر دیکھ لو۔"

احمد شلوزان نے دیکھا کہ خستہ وردیوں میں ملبوس سپاہی کلاڈیا اور ربوتا کو دھکے دے کر آگے بڑھا رہے ہیں آگے کھڑے ہوئے ایک شخص کے ہاتھ میں ایک ہینڈ ٹرانسمیٹر تھا جس کے ذریعے وہ ہیلی کاپٹر سے رابطہ رکھے ہوئے تھے شاید وہ ہدایات کا منتظر تھا وہ لوگ تقریباً پچاس گز دور آ کر رک گئے۔

"ڈاکٹر آرزک! اب غور سے دیکھو شاید تم یہی چاہتے ہو"

کرنل کی آواز میگا فون پر گونجی۔

احمد شلوزان نے دیکھا کہ دو سپاہی آگے بڑھے انہوں نے کلاڈیا کے ہاتھ جکڑ کر بے بس کر دیا کلاڈیا نے جدوجہد شروع کی تو دو اور سپاہیوں نے اسے پکڑ کر قابو میں کر لیا۔

"دوربین مجھے دو" ڈاکٹر نے دوربین چھین کر آنکھوں سے لگائی اور پھر بے بسی کے عالم میں چیخا۔

"نہیں...... بہ خدا نہیں"

"خود پر قابو رکھو ورنہ......" اس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے ڈاکٹر نے دوربین پھینکی اور رائفل اٹھا کر گاؤں کی سمت بھاگنا شروع کر دیا۔

"ڈاکٹر پاگل نہ بنو رک جاؤ ڈاکٹر" احمد شلوزان غصے میں چلایا لیکن ڈاکٹر پر جیسے جنون طاری ہو گیا ہو وہ حیرت انگیز تیز رفتاری کے ساتھ بھاگ رہا تھا اور سپاہیوں سے کچھ فاصلے پر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی وہ بغیر نشانہ لئے گولی چلا رہا تھا اور پھر ایک سپاہی نے اپنی اسٹین گن بلند کی اور فضا فائرنگ کی تیز آواز سے گونج اٹھی۔ ڈاکٹر آرزک اچھلا اور گر کر ساکت ہو گیا۔

احمد شلوزان نے بڈ گولر کو اشارہ کیا اور بے تحاشا بھاگنا شروع کر دیا بڈ گولر نے ساتھ بھاگتے ہوئے کہا۔

"یہ کتے ان عورتوں کا ملیامیٹ کر دیں گے۔"

احمد شلوزان نے ہانپتے ہوئے جواب دیا۔ "مجھے معلوم ہے بڈ گولر لیکن ہم ان کے لئے کچھ نہیں کر سکتے۔"

وہ ابھی کچھ ہی دور گئے تھے کہ ہیلی کاپٹر سر پر منڈلانے لگا۔ احمد شلوزان نے غصے میں کلاڈیا کا پستول بلند کر کے نشانہ لیا ہیلی کاپٹر پھرتی سے پیچھے ہٹ گیا لیکن احمد شلوزان جانتا تھا کہ فرار کی کوشش اب بے سود ہوگی۔

"پستول پھینک دو مسٹر احمد شلوزان! ورنہ اپنی موت کے ذمے دار خود ہوں گے" میگا فون سے آواز آئی لیکن احمد شلوزان نے رفتار اور تیز کر دی ہیلی کاپٹر تیزی کے ساتھ آگے گیا اور سامنے کے میدان میں اتر گیا پائلٹ اور کرنل جوزف کود کر باہر نکلے پائلٹ کے ہاتھ میں سب مشین گن تھی اس نے ایک برسٹ فائر کیا گولیاں احمد شلوزان سے کچھ فاصلے پر زمین کو چاٹ گئیں لیکن وہ پھر بھی نہ رکا۔ اچانک بڈ گولر خوف زدہ لہجے میں چلایا۔

"خدا کے لئے رک جاؤ" احمد شلوزان نے پلٹ کر دیکھا بڈ گولر ہاتھ بلند کئے کھڑا تھا اس کے قدم رک گئے۔ شکست خوردہ انداز میں اس نے بھی ہاتھ اٹھا دیئے۔ دوسرے ہی لمحے کرنل جوزف اس کے سامنے کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"تم بلاشبہ بڑے جیالے ہو مسٹر احمد شلوزان!" کرنل نے کہا۔ "لیکن ایسی ضد حماقت تصور کی جاتی ہے۔"

جب وہ دوبارہ اس علاقے کی حدود میں داخل ہوئے تو صبح کا اجالا پھیل رہا تھا کرنل جوزف احکامات دے کر ہیلی کاپٹر سے واپس چلا گیا دس مسلح سپاہیوں کے نرغے میں وہ تمام رات سفر کرتے رہے تھے کلاڈیا کے چہرے پر سکوت طاری تھا وہ بڑے ضبط و تحمل کے ساتھ سر اٹھائے چلتی رہی تھی۔ احمد شلوزان اس کی ہمت و حوصلے سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

ربوتا سارنگ خاموش تھی لیکن اس کی آنکھوں سے وحشت جھلک رہی تھی بڈ گولر تمام راستے چوکنا رہا تھا جیسے کسی موقع کا منتظر ہو لیکن ان کے محافظوں نے ذرا سی بھی غفلت نہیں برتی تھی۔

قدیم مندر کے احاطے میں پہنچ کر انہیں پہلے مندر کی بڑی عمارت میں لے جایا گیا احمد شلوزان نے دیکھا کہ سخت حفاظتی پہرہ تھا۔ اسلحے کا خاصا انبار جمع کیا گیا تھا اور یہ ایک ملٹری کیمپ نظر آتا تھا۔ جلد ہی ان کو اسی شکستہ عمارت میں پہنچا دیا گیا جہاں ڈاکٹر آرزک کو رکھا گیا تھا لیکن اب ہر سمت پہرے دار نظر آ رہے تھے اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ ان کے لئے تین اور کوٹھریوں میں دروازے لگا دیئے گئے تھے اور ہر دروازے میں ایک گول سوراخ موجود تھا تا کہ اندر دیکھا جا سکے۔ کوٹھریوں کی دیواریں آہنی شیٹ اور لکڑی کے شہتیروں سے بنائی گئی تھیں۔ احمد شلوزان کو اسی کوٹھری میں رکھا جس میں ڈاکٹر آرزک قید تھا اور اس کے برابر والی کوٹھری میں ربوتا اور پھر بڈ گولر اور کلاڈیا کو رکھا گیا دروازہ بند ہونے کے بعد دائرہ نما سوراخ سے اس نے جھانکا تو یہ دیکھ کر اطمینان ہو گیا کہ راہداری میں کوئی پہرے دار نہیں تھا۔ احمد شلوزان نے حوالات کا جائزہ لیا۔ بیرونی دیوار پتھر کی تھی جس میں بلندی پر بنے ہوئے روشن دان سے نکلنا ممکن نہ تھا کوٹھریوں کی درمیانی دیوار

میں البتہ چھوٹا سا خلا تھا کچھ دیر بعد احمد شلوزان نے ربوتا کو آواز دی۔

''ربوتا کیا تم میری آواز سن رہی ہو؟ دیوار میں بلندی پر ایک خلا ہے۔''

اس نے فوراً ہی جواب دیا۔'' ہاں۔ تمہاری آواز صاف آ رہی ہے اور برابر والی دیوار میں بھی ایسا ہی خلا ہے۔''

''غور سے سنو ربوتا!'' احمد شلوزان نے کہا'' کلاڈیا سے کہہ دو کہ وہ بھی یہ پیغام آگے پہنچا دے۔ میں فرار کی کوئی صورت سوچ رہا ہوں وہ کیا ہوگی' ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا' لیکن تم سب تیار رہنا۔''

ربوتا نے ہدایت کی تعمیل کی تھی۔ وہ اس کی آواز سن رہا تھا تسلی دینے کے لئے تو اس نے یہ کہہ دیا تھا لیکن اس کے سامنے کوئی منصوبہ نہ تھا لیکن وہ بھکشوؤں کے تحمل سے کام لے رہا تھا۔ کوئی نہ کوئی صورت ضرور نکل آئے گی۔ اسی لمحے قدموں کی چاپ سنائی دی کوٹھری کا دروازہ کھلا۔ دو مسلح محافظوں نے ٹارچ کی روشنی میں اسے باہر آنے کو کہا ایک مرتبہ اس کا دل چاہا کہ محافظ پر چھلانگ لگا دے لیکن پھر اس نے فیصلہ کیا کہ یہ بے سود ہوگا اس لئے وہ باہر نکل آیا اس کی باقاعدہ تلاشی لینے کے بعد باہر چلنے کا اشارہ کیا گیا۔

باہر نکلتے ہی سورج کی تیز روشنی سے اس کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں لیکن کمپاؤنڈ سے گزر کر اس کے محافظ ایک بار پھر مندر کی بڑی عمارت میں داخل ہوئے جس کا بیشتر حصہ ابھی سلامت تھا پتھر کی اس خوب صورت عمارت کے ایک کمرے میں کرنل جوزف اس کا منتظر تھا۔

''اندر آ جاؤ مسٹر شلوزان! اس کرسی پر بیٹھ جاؤ۔ تمہاری شخصیت مجھے بڑی دلچسپ لگتی ہے۔''

''تم نے صرف یہ بتانے کے لئے تو مجھے نہیں بلایا ہوگا کرنل۔''

''نہیں۔ میں خود محسوس کر رہا ہوں کہ تم سے دو ٹوک بات زیادہ بہتر رہے گی'' کرنل نے مسکراتے ہوئے کہا۔'' تمہارے بارے میں مجھے سب کچھ معلوم ہے مسٹر احمد شلوزان! تم مسز آئزک کے ساتھ کس لئے آئے ہو یہاں کیا کر رہے ہو تم طاؤس سے چند اہم باتیں معلوم کرنے آئے تھے جو میری سرگرمیوں سے تعلق رکھتی ہیں تم کو تمہارے ملک کے سفارت خانے نے یہ ذمے داری سونپی ہے تم ایک تجربے کار تربیت یافتہ کمانڈو ہو اور اپنے ملک سے مفرور ہو۔ میرا خیال ہے کہ اس کے بعد تم حقیقت بتانے میں تامل نہ کرو گے۔''

''اور اگر میں پھر بھی انکار کر دوں تو......؟''

''ہم پھر بھی تمہیں فوراً ہلاک نہ کریں گے' کیونکہ ہمیں یہ ضرور معلوم کرنا ہے کہ طاؤس نے تم کو کیا بتایا ہے؟ اس کے لئے میرے پاس دوسرے طریقے بھی ہیں ہم ڈاکٹر کی طرح تم سب کو ختم کر سکتے ہیں لیکن پھر بھی میں نے تمہارے ساتھیوں کو زندہ رکھا ان کے لئے عجلت میں مہمان خانہ بنوایا۔ یہ سب بلا سبب نہیں ہے اگر تم نے حقیقت بتانے سے انکار کیا تو ہم تم پر نہیں تمہارے دونوں ساتھیوں پر تجربہ کریں گے میرا خیال ہے کہ تم کلاڈیا اور ربوتا جیسی حسین عورتوں کو اپنے سامنے بے عزت ہوتے نہ دیکھ سکو گے میرے آدمی عرصہ دراز سے عورتوں کی قربت سے محروم ہیں۔''

''تم اپنے ہیروئن پلانٹ کا راز افشا ہونے سے بہت ڈرتے ہو کرنل؟''

پلانٹ لگایا ہے ہمیں اپنے مال کی منہ مانگی قیمت مل جاتی ہے اور خریدار اس سے اپنے مقصد پورے کرتے ہیں انقلاب کو کامیاب بنانے کے لئے ہمارا یہ عمل کسی طرح بھی ناجائز نہیں ہے اگر طاؤس گڑبڑ نہ کرتا تو بہت سے لوگ تکلیف سے بچ جاتے لیکن ہمارے ٹرانسمیٹر نے اس کے سگنل پکڑ لئے اس طرح اس کی جاسوسی کا ہمیں بروقت علم ہو گیا تم اندازہ نہیں کر سکتے کہ ہمیں اس پلانٹ کو محفوظ رکھنے کی کس قدر ضرورت ہے۔''

''لیکن کرنل! مال کی سپلائی تم براہ راست تو نہیں کرتے ہوگے؟'' احمد شلوزان نے کہا۔

''کوئی بھی اتنا احمق نہیں ہو سکتا۔ عموماً مال تیار کرنے والے کبھی اپنی شخصیت کو خریداروں پر ظاہر نہیں ہونے دیتے''۔

''میں سمجھ گیا تمہارا مطلب درمیانی آدمی سے ہے۔''

کرنل نے کہا۔

لیکن ہمارا طریقہ کار مختلف ہے مسٹر! ہم کسی ایک درمیانی آدمی کے محتاج بن کر نہیں رہ سکتے اس لئے ہم نے یہ سلسلہ بھی ختم کر دیا ہے اب ہم مال کے سپلائر کو خود منتخب کرتے ہیں۔''

وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا۔

''اور ہمارے نئے انتخاب کو تم ذرا دیر بعد خود دیکھ لو گے اب تک ہم ایک درمیانی آدمی کے محتاج تھے جو ہم پر اپنی شخصیت بھی ظاہر نہیں کرتا تھا اس نے اس کاروبار کے لئے ایک خفیہ نام ''رینجر'' اختیار کر رکھا تھا اور میں کسی ان جانے شخص کا محتاج بن کر نہیں رہ سکتا تھا اس طرح کبھی ہم دھوکا بھی کھا سکتے تھے اس لئے میں نے بہت تلاش کے بعد ایک ایسے مضبوط اور تجربے کار شخص کو تلاش کیا جو مجھ سے دو بدو اور براہ راست رابطہ رکھ سکے تم چند لمحے بعد اس سے مل کر خود اندازہ کر لو گے کہ وہ شخص کتنا کارآمد ہے لو وہ آ ہی گیا شاید یہ تمہاری دوسری ملاقات ہے۔''

اور اسی لمحے ہیپ برزہ کمرے میں اندر داخل ہوا اس نے ایک قیمتی سوٹ پہن رکھا تھا۔

''ہیلو بھکشو! آخر ہم پھر مل گئے نا؟'' اس نے طنزیہ انداز میں احمد شلوزان سے کہا۔

''مسٹر احمد شلوزان کو ہمارے کاروبار میں بڑی دلچسپی ہے۔'' کرنل نے کہا۔

''اسی لئے میں نے سوچا تم سے ملوا دوں سفر میں تکلیف تو نہیں ہوتی؟''

''نہیں خصوصاً اس لئے کہ میں اس سرپھرے عاشق سے اس حالت میں ملنے کا بڑا مشتاق تھا'' ہیپ برزہ نے کہا۔

''افسوس کہ ایلگر اور جم یہاں نہیں ہیں ورنہ دوبارہ تمہاری مرمت کر کے بہت خوش ہوتے۔''

''اوہ! تو تماکش میں وہ بزدلانہ حملہ کرنے والے وہ دونوں تھے؟'' احمد شلوزان نے کہا۔

''لیکن تم نے آرثن کو کیوں قتل کر دیا ہیپ برزہ......؟''

''میں نے قتل کرا دیا؟ لو اور لو کرنل! یہاں آتے ہی مجھ پر قتل کا الزام بھی لگ گیا جب کہ میں نے مقتول کا نام پہلی بار سنا ہے۔''

''تم نے واقعی اس رپورٹر کو تماکش میں قتل نہیں کرایا؟'' احمد شلوزان نے پھر پوچھا۔

"مجھے کسی رپورٹر سے ایسی کیا دشمنی ہو سکتی ہے؟" ہیپ برزہ نے غصے میں کہا "البتہ تم کو جہنم رسید ہوتے دیکھ کر ضرور خوشی ہوگی۔"

"نہیں۔ پہلے ہمیں اس غدائی فوجدار سے بہت سی اہم معلومات حاصل کرنا ہیں جو شاید تمہارے لئے بھی دلچسپ ہوں ہیپ برزہ!"

"پہلے میری بات سنو کرنل!" احمد شلوزان نے کہا اس کا ذہن بڑی تیزی سے سوچ رہا تھا۔ "آرزک نے مرنے سے قبل مجھے بتایا تھا کہ اسے ٹائیگر نے گولی ماری ہے اور اگر ہیپ برزہ ٹائیگر نہیں ہے تو اس کا مطلب ہے ٹائیگر کو اگر یہ معلوم ہو گیا کہ اس کی جگہ ہیپ لینے والا ہے تو وہ خاموش نہیں بیٹھے گا۔"

"کیا بکواس ہے؟" ہیپ برزہ نے حقارت کے ساتھ کہا۔ "میں کسی گم نام ٹائیگر سے نہیں ڈرتا میں ہمیشہ صاف اور دوٹوک معاملہ کرنے کا عادی ہوں اور اس بات پر مجھے خیال آیا کہ ہم بے مقصد اپنا وقت ضائع کر رہے ہیں معاملے کی بات کرو کرنل تاکہ میں جلد اس منحوس جگہ سے واپس جا سکوں۔"

"میں فیصلہ کر چکا ہوں ہیپ برزہ" کرنل نے کہا۔ "اب کام شروع کرتے ہیں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔"

"اس کا مطلب ہے ابھی کچھ قباحت باقی ہے سنو کرنل: کہیں تمہاری نیت بدل تو نہیں گئی؟"

"نہیں۔ نہیں ہیپ! آئندہ ہم صرف تم سے بزنس کریں گے' لیکن ابھی مجھے کسی کی منظوری کا انتظار ہے۔"

"کیا مطلب.....؟ کیا تم کو بھی کسی منظوری کی ضرورت ہوتی ہے؟"

"میں ایک فرد واحد نہیں ہوں۔ ایک تنظیم کا فرد ہوں اس کے لئے سب کی منظوری لازمی ہے۔"

"اوہ کرنل! یہ کیا مذاق ہے پھر اس ویران مندر میں مجھے بلا کر کیوں پریشان کیا؟"

"ہم نے اس ویرانے میں تمہاری تفریح کا خیال رکھا ہے ہیپ! اگر مسٹر احمد شلوزان اب بھی ہٹ دھرمی سے کام لیتے رہے تو تم کو ایک شاندار تفریح ملے گی۔"

"میری صرف ایک تفریح ہے کرنل!" ہیپ برزہ نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"ہم نے اس کا بھی انتظام کر لیا ہے مسٹر ہیپ برزہ! تم نے مسز کلاڈیا کو تو دیکھا ہے؟ اس کے علاوہ ڈاکٹر آرزک کی ایک حسین آئرش معاون بھی ہمارے پاس موجود ہے تم ان میں سے جسے پسند کرو ل سکتی ہے۔"

ہیپ برزہ نے ایک غلیظ سا قہقہہ لگایا "مسز کلاڈیا؟ ہے تو ویسے بڑی شاندار۔"

احمد شلوزان پھر بھی خاموش رہا اس نے اپنے چہرے سے کچھ ظاہر نہیں ہونے دیا حالانکہ اس کا خون کھول رہا تھا۔

"انہیں مہمان خانے واپس لے جاؤ" کرنل نے غصے میں کہا۔

"ممکن ہے تنہائی میں ان کا دماغ صحیح فیصلہ کر سکے۔"

احمد شلوزان کے لئے یہ تصور بھی انتہائی گھناؤنا تھا کہ ریونا جیسی معصوم اور الھڑ لڑکی ہیپ برزہ کی گندی تفریح کا کھلونا بنے' لیکن وہ کر بھی کیا سکتا تھا اس نے سوچا کہ کم از کم ریونا کو ذہنی طور پر آنے والے لمحات کے لئے تیار ضرور کر دیا جائے اس لئے اپنی کوٹھری میں پہنچتے ہی اس نے ریونا کو خطرے سے آگاہ

کر دیا۔ چند لمحے ریونا بالکل خاموش رہی۔ شاید وہ سوچ رہی تھی کہ کیا جواب دے پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"اگر قسمت میں یہی لکھا ہے تو میں کیا کر سکتی ہوں؟"

احمد شلوزان تڑپ کے رہ گیا۔ کتنی بے بسی تھی اس جواب میں" کاش میں اس لمحے کے آنے سے پہلے تم کو یہاں سے نکال سکتا۔" اس نے کہا۔

"میرے پاس کوئی ہتھیار بھی تو نہیں ہے۔"

ریونا خاموش تھی۔ احمد شلوزان کا ذہن تیزی سے سوچ رہا تھا بیرونی دیوار پتھر کی تھی اسے توڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ کوٹھری کا دروازہ بہت مضبوط تھا اس کو اوزار کے بغیر نہیں توڑا جا سکتا تھا۔ خدایا کوئی نہ کوئی صورت تو ممکن ہو سکتی تھی کاش وہ ریونا کو اس بھیانک اذیت سے بچا سکتا۔ لیکن وقت بالکل نہیں تھا اور پھر اسی لمحے راہداری میں قدموں کی چاپ سنائی دی کسی کے بولنے کی آواز آئی ریونا کی کوٹھری کا دروازہ کھلا اور پھر بند ہو گیا قدموں کی چاپ دور ہوتی گئی اور ایک بار پھر سناٹا چھا گیا احمد شلوزان سر پکڑ کر بیٹھ گیا وہ ہار چکا تھا۔

لیکن پھر اچانک ہی اس کے ذہن میں آگ سی بھر گئی ریونا کی یہ قربانی رائیگاں نہیں جانا چاہیے اگر وہ یہاں سے نکل نہ سکے تو دشمن اپنے ناپاک عزائم میں کامیاب ہو جائے گا۔ نہیں مایوسی گناہ ہے اسے کچھ کرنا چاہیے۔ کاش کوئی ہتھیار پاس ہوتا معمولی سا ہی اور تب اچانک سے خیال آیا اس نے پھرتی کے ساتھ اپنی بیلٹ کمر سے کھولی۔ اس کے مضبوط بکل کی لمبی کیل اپنے ہاتھ میں لے کر آگے بڑھا۔ کوٹھری کے مضبوط دروازے کو کھولنا ممکن نہیں تھا لیکن راہداری والی دیوار دو انچ موٹے تختوں کی تھی جسے کیلوں سے جوڑا گیا تھا۔ اس نے گنا ہر تختے میں بیس کیلیں لگی ہوئی تھیں اس نے پہلی کیل کو نکالنے کی کوشش کی۔ یہ بہت مضبوطی سے لگی ہوئی تھی لیکن احمد شلوزان نے ہمت نہ ہاری۔ وہ زور لگا رہا اس کی انگلیاں دکھنے لگیں لیکن کیل ٹس سے مس نہ ہوئی۔ اس نے اور زور لگایا کیل ذرا سی سرکی یا صرف اس کا واہمہ تھا اس نے غور سے دیکھا کیل واقعی کچھ باہر آ گئی تھی۔ مایوسی گناہ ہے اس نے پھر کوشش شروع کر دی اور تقریباً پندرہ منٹ کی مسلسل کوشش کے بعد جب وہ پہلی کیل نکالنے میں کامیاب ہو گیا تو اتنا خوش تھا جیسے کوئی قلعہ فتح کر لیا ہو۔

وہ چھ کیلیں نکال چکا تھا اور ساتویں پر زور لگا رہا تھا کہ ریونا کی کوٹھری کا دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی احمد شلوزان کام چھوڑ کر سننے لگا جب گارڈ کے قدموں کی آواز دور چلی گئی تو اس نے آواز دی۔

"ریونا.....!"

کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر ریونا کی تھکی ہوئی آواز سنائی دی۔

"ریونا مر گئی احمد شلوزان! اس کا ناپاک نام اب مت لو۔"

سسکیوں کی آواز دل پر ضربیں لگا رہی تھی۔

"نہیں ریونا ایسا مت سوچو۔ ریونا پاکیزگی کبھی نہیں مر سکتی۔ پاکیزگی روح میں ہوتی ہے ریونا! جسے کوئی نہیں مار سکتا۔"

"اوہ احمد شلوزان! وہ درندہ تھا..... وحشی درندہ۔" ریونا نے غیظ و غضب کے عالم میں کہا۔

"ہمت سے کام لو ریونا! حوصلہ رکھو۔ ہم جلد یہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ سب

سے کہہ دو تیار رہیں۔" اس نے تسلی دی۔

چند لمحے خاموشی رہی پھر ربونا نے کہا۔ "میں تمہارا حکم نہیں بھولی تھی احمد شلوزان! میں اس کا ریوالور چرالائی ہوں۔ میں نے اسے ساڑھی میں چھپالیا تھا۔"

"ربونا تم واقعی بہت بہادر ہو" احمد شلوزان خوشی سے اچھل پڑا۔

"سنو! دیوار میں جو خلا ہے اس سے ریوالور میری کوٹھری میں پھینک دو۔"

ربونا نے ایک نیا حوصلہ اور تازہ قوت عطا کردی تھی جب آخری کیل بھی نکل آئی تو اس نے تمام کیلوں کو کونے میں چھپادیا تا کہ اگر گارڈ اندر آئے تو اسے کچھ نظر نہ آسکے اور یہ کام اس نے بہت بروقت کیا تھا کیونکہ اسی لمحے دروازہ کھلا اور ایک گارڈ کھانا لے کر اندر داخل ہوا دوسرا اپنی سب مشین گن اس پر تانے دروازے میں کھڑا تھا احمد شلوزان کی بھوک مٹ چکی تھی لیکن پھر اس نے سوچا کہ جسم کو توانا رکھنے کے لئے کھانا کھالینا بہتر ہوگا گارڈ جب برتن لے کر چلا گیا تو احمد شلوزان نے راہداری میں جھانک کر اطمینان کرلیا اور پھر کیل نکلے ہوئے تختے پر زور لگایا۔

تختہ فوراً علیحدہ ہوگیا۔ آزادی کے احساس نے اسے بے پایاں خوشی دی لیکن ابھی یہ پہلا مرحلہ تھا راہداری میں نکل کر اس نے باری باری ہر ایک دروازے پر دستک دے کر یہ خوش خبری سنائی اور تیار رہنے کی ہدایت کی اور پھر بیرونی دروازے کی سمت بڑھا دبے پاؤں آگے بڑھ کر اس نے ذرا سا جھانکا گارڈ دروازے کے بالکل قریب کھڑا ہوا تھا۔ احمد شلوزان جلدی سے پیچھے ہٹ گیا سورج ڈوب چکا تھا۔ لیکن اندھیرا ابھی پوری طرح نہیں پھیلا تھا اس نے سوچا ذرا اور تاریکی بڑھ جائے تو کامیابی آسان رہے گی' لیکن پھر خیال آیا کہ اگر کوئی گارڈ کھانا لیکر آگیا تو ساری محنت رائیگاں جائے گی۔ وہ باہر کھڑے ہوئے گارڈ کو آسانی سے قابو کرسکتا تھا لیکن مشکل یہ تھی کہ وہ پہلے دیکھ چکا تھا کہ بہت سے پہرے دار موجود تھے جو ہر سمت بکھرے ہوئے تھے۔ ڈاکٹر کے فرار کے بعد انہوں نے پہرہ سخت کردیا تھا۔

احمد شلوزان دبے پاؤں چلتا ہوا کلاڈیا کی کوٹھری کے سامنے پہنچا جو دروازے سے تیس فٹ کے فاصلے پر تھی اس نے آہستہ سے دستک دے کر کلاڈیا کو آواز دی۔

"سنو کلاڈیا! چند لمحے کے بعد تم پوری قوت سے چیخنا شروع کردینا۔ چیخ ایسی دہشت ناک ہو جیسے کوئی تمہیں قتل کررہا ہو اور جب تک ممکن ہو چیختی رہنا۔"

"ٹھیک ہے احمد شلوزان! لیکن تم کیا کررہے ہو؟" کلاڈیا نے پوچھا۔

"ابھی کچھ نہ پوچھو بس جو کہا اس پر عمل کرو اور تیار رہو۔"

کلاڈیا کو ہدایت دے کر وہ پھرتی کے ساتھ دروازے کے قریب پہنچ کر تاریکی میں کھڑا ہوگیا اس نے ربونا کا دیا ہوا پستول نکال کر نالی کی سمت سے پکڑ لیا اور اسی لمحے کلاڈیا کی دل خراش چیخ فضا میں ابھری۔ کلاڈیا واقعی دہشت زدہ انداز میں چیخ رہی تھی کہ اگر احمد شلوزان کو معلوم نہ ہوتا تو وہ ڈر جاتا اس کی چیخوں کی آواز باہر تک صاف سنائی دے رہی تھی احمد شلوزان تیار ہو کر کھڑا ہوگیا باہر کھڑے ہوئے گارڈ نے چند لمحے انتظار کیا اور پھر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا راہداری کے اندر داخل ہوا اور کلاڈیا کی کوٹھری کی سمت بڑھا۔

احمد شلوزان نے پستول کا دستہ اتنی زور سے گارڈ کے سر پر مارا کہ وہ کراہتا ہوا فوراً ہی ڈھیر ہوگیا احمد شلوزان نے پھرتی کے ساتھ جھک کر اس کی سب مشین گن ہتھیالی اور جیبوں کو ٹٹولنا شروع کیا۔ کنجی گارڈ کی جیب میں موجود تھی ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اس نے باری باری سب کو آزاد کردیا سب مشین گن اس نے بڈ گولر کو تھمادی۔

"اب تم سب غور سے سنو! بات کرنے کا وقت نہیں ہے۔" احمد شلوزان نے کہا۔

"ہم سب ایک دوسرے کے پیچھے چلتے ہوئے باہر نکلیں گے پہلے میں' پھر بڈ گولر' پھر ربونا اور آخر میں کلاڈیا۔ آرام سے چلتے ہوئے آگے بڑھنا۔ ذرا بھی آہٹ نہ ہو' جب تک میں نہ کہوں بھاگنا ہرگز نہیں اگر ہم سامنے کے درختوں تک پہنچنے میں کامیاب ہوجائیں تو سب وہیں جمع رہنا یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ شاید ہم فرار نہ ہوسکیں لیکن ویسے بھی کرنل فیصلہ کرچکا ہے کہ ہم میں سے کوئی زندہ واپس نہیں جائے گا اس لئے یہ ہماری آخری کوشش اور آخری موقع ہے" "ٹھیک!" سب خاموش رہے۔

"چلو......" اس نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

زندگی میں احمد شلوزان نے کبھی ایسی صورت حال کا مقابلہ نہیں کیا تھا دروازے کی آڑ میں رک کر اس نے باہر کا جائزہ لیا اور پھر مڑ کر پیچھے دیکھا تو بڈ گولر جھکا ہوا بے ہوش گارڈ کی جیبیں ٹٹول رہا تھا اس نے سرگوشی میں بڈ گولر کو ڈانٹا احاطے کے اندر دور دور بجلی کے بلب روشن تھے لیکن درمیان میں تاریکی کے سائے تھے اقامت گاہ کے دروازے کے بالکل سامنے پرانا کنواں تھا اور پھر ایک چھوٹی سی شکستہ عمارت تھی جس نے مندر کی عمارت کے بیرونی دروازے کی آڑ لے کر رکھی تھی جہاں کرنل جوزف کا ہیڈ کوارٹر تھا کئی اور گارڈ مختلف مقامات پر کھڑے نظر آرہے تھے احمد شلوزان جانتا تھا کہ کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ ان پہرے داروں کی نظر ان پر نہ پڑے بہ ظاہر یہ دشوار تھا لیکن بہرحال کوشش کرنا تھی۔

وہ آہستہ سے باہر نکلا اور سب کو چلنے کا اشارہ کیا دبے پاؤں آرام سے چلتے ہوئے آگے بڑھے اور تاریکی میں اس شکستہ عمارت کی سمت چلنے لگے جو سامنے نظر آرہی تھی چونکہ یہ مندر کے بالکل سامنے واقع تھی اس لئے پہرے داروں کی نظر اس سمت نہ تھی شاید اسی لئے وہ وہاں پہنچنے میں کامیاب ہوگئے عمارت کی آڑ میں آتے ہی وہ پہرے داروں کی نگاہ سے محفوظ ہوگئے اب ان کے اور بیرونی چار دیواری کے درمیان صرف پتھروں کے ڈرم اور برساتی سے ڈھکا ہوا گولہ بارود کے ذخیرے کا انبار رہ گیا تھا۔ چند لمحے انتظار کے بعد وہ بڑے بڑے ڈرموں کی آڑ میں پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ بلاشبہ اس کامیابی میں ان کی خوش قسمتی کو دخل تھا کوئی بھی پہرے دار ذرا سی گردن گھماتا تو انہیں دیکھ سکتا تھا لیکن ان سب کی توجہ شاید صرف اقامت گاہ اور بیرونی چار دیواری پر تھی وہ ڈرم اور گولہ بارود کے ڈھیر کی آڑ میں چھپے بیٹھے تھے اب احمد شلوزان سوچ رہا تھا کہ یہاں سے چار دیواری تک کی کھلی ہوئی جگہ کو کیسے پار کیا جائے تیس گز کے اس فاصلے کو پار کرنے کے بعد ان کے اور جنگل کے درمیان صرف احاطے کی چار دیواری تھی جسے عبور کرنا مشکل نہ تھا لیکن اس کھلی ہوئی جگہ میں پہنچتے ہی کسی نہ کسی پہرے دار کی نظر ان پر یقیناً پڑ جائے گی کیونکہ وہ خاص طور پر چار دیواری پر نگاہ رکھے

ہوئے تھے۔ "ہے..... اب کیا کرنا ہے؟" بڈ کولر نے سرگوشی کی۔ احمد شلوزان کو خود نہیں معلوم تھا کہ اگلا قدم کیا ہوگا؟" اس نے بڈ کولر کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور اسی لمحے فضا میں کئی فائر ہوئے اور ہر سمت سے پہرے داروں نے چلانا شروع کر دیا چیری ٹاور پر لگی ہوئی سرچ لائٹ کی تیز روشنی چار دیواری پر گھومنے لگی۔

"مارے گئے" احمد شلوزان نے زیر لب کہا۔

اس نے اس چار دیواری کے شمالی حصے کی طرف دیکھا تقریباً تیس گز کا فاصلہ تھا۔ ممکن ہے کہ وہ سب دیوار کے پار نہ پہنچ سکیں لیکن یہ بھی ممکن ہے چند جان بچانے میں کامیاب ہو جائیں اس نے گھوم کر دیکھا کئی مسلح گارڈ ہر سمت بھاگ بھاگ کر انہیں تلاش کر رہے تھے ان کے آٹو میٹک ہتھیاروں کی نالیں بلند تھیں وہ ذرا سے شبہے پر بے دریغ فائر کر رہے تھے ہر طرف افراتفری کا عالم تھا احمد نے اندازہ کر لیا کہ اب ان میں سے ایک بھی چار دیواری تک زندہ نہ پہنچ سکے گا اچانک اس کی نگاہ پیٹرول کے ڈرم پر پڑی۔

کاش میرے پاس ماچس ہوتی؟" اس نے آہستہ سے کہا۔

"ہے..... یہ لو۔" بڈ کولر نے مسکراتے ہوئے کہا اور جیب سے ماچس نکال کر اس کی سمت بڑھائی۔ "وہ چلتے وقت اس گارڈ کی سگریٹ ماچس لیتا آیا تھا۔"

احمد شلوزان نے قمیض کا پچھلا حصہ پھاڑا اور پھر جھکے ہوئے اٹھا اور ہاتھ اٹھا کر ڈرم کا ڈھکن کھولا کپڑے کو لپیٹ کر اس نے اچھی طرح پیٹرول میں بھگویا اور پھر اس کی بتی بنا کر ایک سرا ڈرم کے منہ میں رہنے دیا اور دوسرا سرا زمین تک لے آیا ماچس ہاتھ میں لے کر اس نے اپنے ساتھیوں کی سمت دیکھا۔

"جیسے ہی میں اشارہ کروں آندھی طوفان کی طرح چار دیواری کی سمت بھاگ نکلنا جتنی تیز ممکن ہو کچھ بھی ہو دیوار پھلانگنے سے پہلے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے باہر نکل کر ایک ساتھ رہنے کی کوشش کرنا۔"

کلاڈیا نے اس کی سمت دیکھ کر پوچھا۔

"اور تم کیا کرو گے......؟"

"میں بھی جلد ہی تم سے آملوں گا" احمد شلوزان نے کہا۔

"نہیں یہ دھماکے تمہارے چیتھڑے اڑا دے گا میں تم کو ایسا نہیں کرنے دوں گی۔"

"پاگل مت بنو اس کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں ہے میرے کہنے پر عمل کرو۔"

اسی لمحے بالکل اچانک ربوتا نے ایک جھٹکے کے ساتھ احمد شلوزان کی کمر میں لگا ہوا پستول نکال لیا اس سے پہلے کہ احمد شلوزان کچھ سمجھ سکتا ربوتا بجلی کی طرح ایک مخالف سمت بھاگ نکلی احمد شلوزان گھبرا کر پیچھے مڑا اور اس نے دیکھا کہ ربوتا کا رخ مندر کی جانب تھا جس کے گیٹ کی سیڑھیوں پر کرنل جوزف کھڑا ہو گیا تھا اس کے برابر میں ہیپ برزہ کھڑا ہو گیا تھا وہ احاطے میں پھیلی ہوئی افراتفری کو دیکھ رہے تھے احمد شلوزان نے ربوتا کو خبردار کرنے کے لئے منہ کھولا لیکن فوراً رک گیا اس طرح ان کو خبر ہو جائے گی کہ وہ کہاں چھپے ہوئے ہیں وہ بدحواسی کے عالم میں ربوتا کو دیکھ رہا تھا جس کا رخ اب کرنل جوزف کی سمت تھا۔

اور پھر کرنل کا چہرہ حیرت سے اوپر اٹھا اس نے ربوتا کو دیکھ لیا تھا لیکن اسی لمحے ربوتا نے پستول بلند کیا پے در پے کئی گولیاں چلیں اور ہیپ برزہ لڑکھڑا کر زینے سے نیچے گرا یہ سب کچھ چشم زدن میں ہو گیا۔

احمد شلوزان کو یقین تھا کہ کسی بھی لمحے قریب کھڑے ہوئے محافظوں کی سب مشین گن ربوتا کو چھلنی کر کے رکھ دے گی لیکن ربوتا کے اچانک حملے نے ان کو اتنا مبہوت کر دیا تھا کہ وہ منہ پھاڑے کھڑے رہے اور جیسے ہی انہیں ہوش آیا کرنل پھرتی کے ساتھ آگے بڑھا اور درمیان میں آگیا اور ہیپ برزہ کو اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا اس وقفے نے ربوتا کو موقع فراہم کر دیا وہ پلٹ کر پوری رفتار سے احمد شلوزان کی سمت واپس بھاگی لیکن اسی لمحے ایک گارڈ نے آگے بڑھ کر ربوتا پر گولیوں کی بارش شروع کر دی۔ گارڈ کی بدحواسی تھی یا ربوتا کے لہراتے ہوئے بھاگنے کا انداز یا محض قسمت...... گولیاں ربوتا کے ارد گرد کی زمین چاٹتی رہیں اور وہ خراش لگے بغیر آڑ میں پہنچنے میں کامیاب ہو گئی احمد شلوزان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹ لیا وہ اس کے کاندھے پر سر رکھ کر ہانپنے لگی۔

"میں...... میں نے اس درندے کو ختم کر دیا احمد شلوزان! میں نے اسے ختم کر دیا...... اب وہ کسی بے بس لڑکی کو بے عزت نہ کر سکے گا۔ میں نے اپنا انتقام لے لیا ہے" وہ جنونی انداز میں چیخی اور سسکیاں لینے لگی۔

"اسے کیا ہو گیا احمد شلوزان......؟ کلاڈیا نے حیرت زدہ لہجے میں پوچھا۔

"ہوش میں آؤ تم سب۔" احمد شلوزان نے غصہ میں کہا اور ماچس کی تیلی ہاتھ میں لے کر کہا۔

"بھاگو...... ورنہ پھر یہ موقع نہ ملے گا۔"

وہ سب بے تحاشا چار دیواری کی طرف بھاگ نکلے احمد شلوزان نے ماچس جلائی اور پیٹرول سے تر کپڑے کو آگ لگا دی شعلہ ایک بھبکے کے ساتھ بلند ہوا اور احمد شلوزان نے چھلانگ لگا کر بے تحاشا بھاگنا شروع کر دیا۔ اس نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا تھا، وہ حیران تھا کہ اب تک دھماکا کیوں نہیں ہوا۔ شعلہ بجھ گیا لیکن اب کچھ نہیں کیا جا سکتا تھا اور اسی لمحے ایک زبردست دھماکا ہوا اور احمد شلوزان منہ کے بل کئی گز دور جا گرا شعلوں کی آنچ اسے بالکل قریب محسوس ہو رہی تھی اور پھر دھماکے کے بعد دیگرے شروع ہو گئے۔ زمین لرز رہی تھی اور چیخ و پکار سے فضا گونجنے لگی تھی احمد شلوزان پھرتی کے ساتھ اٹھا اور بھاگنے لگا اسے کچھ احساس نہیں ہوا تھا سوائے اس کے کہ موت تعاقب کر رہی ہے زمین اس طرح لرز رہی تھی جیسے زلزلہ آگیا ہو لیکن چار دیواری کہاں چلی گئی؟" اس کو یہ بھی اندازہ نہ تھا کہ ملبے کے جس ڈھیر کو وہ پھلانگ چکا تھا وہی کبھی چار دیواری تھی اور اگلے ہی لمحے ایک اتنا قیامت خیز دھماکا ہوا کہ احمد شلوزان دور جا کر گرا فضا میں دور تک گڑگڑاہٹ سنائی دے رہی تھی زمین ویران ہو کر رہ گئی لیکن وہ زندہ تھا چل سکتا تھا۔

اس نے زمین سے اٹھ کر پھر بھاگنا شروع کر دیا اب سامنے گھنی جھاڑیاں تھیں جو اس کے چہرے کو زخمی کر رہی تھیں پھر اسے محسوس ہوا کہ کسی نے اس کو پکڑ کر سہارا دے رکھا ہے اور آگے دھکیل رہا ہے۔

"اوہ خدایا۔ ابھی بے ہوش نہ ہونا۔"

جب اس کی آنکھ کھلی تو آسمان پر ستارے چمک رہے تھے ہر سمت چاندنی پھیلی ہوئی تھی وہ درخت کے نیچے لیٹا ہوا تھا کلاڈیا اس کے پاس بیٹھی ہوئی تھی اور ربوتا پانی میں بھیگا ہوا کپڑا اس کے ماتھے پر رکھ رہی تھی وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔

"وقت ضائع مت کرو اور یہاں سے دور نکل چلو" اس نے کہا۔

"گھبراؤ نہیں" بڈ کولر نے مسکرا کر کہا" اب تعاقب کرنے کے لئے کوئی باقی نہیں بچا۔ ان کے

چیتھڑے اڑ گئے۔"

"احمد شلوزان! ہم تمہارا یہ احسان کبھی فراموش نہیں کر سکیں گے" سفارت خانے کے اعلیٰ افسر نے کہا" تم نے شجاعت اور دلیری کا جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ بے مثال ہے"

احمد شلوزان اس وقت سفارت خانے میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے برابر بیٹھا ہوا ارتضیٰ مسکرا رہا تھا" مجھے بتایئے کہ کرنل جوزف کے ہیروئن کے پلانٹ کا کیا حشر ہوا؟"

"تباہ ہو گیا" اس کے ساتھ اس کا گروہ بھی۔ صرف سات افراد زندہ بچے تھے جو آئر لینڈ کی جیل میں ہیں' کونسل نے بتایا" کرنل اور ہیپ برزہ کی لاشیں شناخت ہو چکی ہیں۔"

"لیکن ابھی ایک اصل مجرم باقی ہے وہ لوگ اسے صرف نام سے جانتے تھے...... ناٹیگر" احمد شلوزان نے کہا۔

"وہ بھی نہ بچ سکے گا" ارتضیٰ نے کہا۔" کرنل کے کاغذات سے وہ خفیہ فہرست مل گئی ہے جس میں مختلف ممالک میں کام کرنے والے ایجنٹوں کے نام پتے تھے ان کی گرفتاریاں جاری ہیں" اس نے بتایا۔" لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کو زہریلی ہیروئن سپلائی نہ ہو سکے گی تم نے پورے عالم اسلام کو اس خطرے سے بچا لیا ہے دوست۔"

احمد شلوزان ہوٹل میں داخل ہوا تو بہت خوش تھا وہ سوچ رہا تھا اس نے کہا تھا کہ وہ بے چینی سے انتظار کرے گی اور ربونا نویں منزل پر تھی اس نے کچھ نہیں کہا تھا لیکن اس کی اداس آنکھوں کو امید کی روشنی درکار تھی اور اچانک اسے تھامسن لارڈ نظر آیا۔ احمد شلوزان نے اسے فوراً پہچان لیا۔ کلاڈیا پہلی مرتبہ اسی کے ساتھ ملی تھی۔

"ہیلو مسٹر تھامسن!" احمد شلوزان نے کہا" تمہارے کاروبار کا کیا حال ہے؟"

"کاروبار......؟ تھامسن نے چونک کر پوچھا" اوہ...... تم...... تم وہ بھکشو۔ ہاں سب ٹھیک ہے کلاڈیا واپسی کی تیاری کر رہی ہے" وہ تیزی سے آگے بڑھ گیا احمد شلوزان اس کی بدحواسی پر حیران رہ گیا۔

"میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی۔ آؤ" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر خواب گاہ میں لے گئی۔

احمد شلوزان خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا اس نے اب تک شب خوابی کا لباس پہن رکھا تھا کتنی مختلف ہے مغرب کی عورت اور کتنی بے حیا۔ وہ کلاڈیا کی آنکھوں کا پیغام پڑھ رہا تھا۔ ایک ربونا تھی مشرق کی وفا شعار بیٹی...... جس نے اپنی عزت کے ڈاکو سے انتقام لینے کے لئے جان کی پروا نہیں کی۔

"کس سوچ میں پڑ گئے ڈارلنگ!" کلاڈیا کی آواز نے اسے چونکا دیا۔" اس سوٹ میں تم کتنے حسین لگ رہے ہو؟"

"تم واپس جا رہی ہو کلاڈیا" اس نے پوچھا۔

"ہاں ڈارلنگ! اور اسی لئے تم کو بلایا ہے" کلاڈیا نے کہا" جانے سے پہلے میں فیصلہ کرنا چاہتی ہوں میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی پہلے میں نے سوچا کہ تم سے شادی کر لوں لیکن پھر سوچا کہ عجلت میں کوئی ایسا فیصلہ نہ کر لوں جیسا کہ آئزک کے سلسلے میں کیا تھا بہتر ہے کہ ہم اس منزل تک پہنچنے سے پہلے ایک

دوسرے کو اچھی طرح سمجھ لیں محسوس کر لیں اور مطمئن کر لیں۔ تم سمجھ رہے ہو؟ اس وقت تک کے لئے میں چاہتی ہوں کہ تم میرے بزنس پارٹنر بن کر کام کرو۔ احمد شلوزان تم اندازہ نہیں کر سکتے کہ اس میں کتنا منافع ہے؟"

احمد شلوزان غور سے سن رہا تھا وہ کلاڈیا کے چہرے کے ہر اتار چڑھاؤ کو دیکھ رہا تھا اور اس کا مفہوم بھی سمجھ رہا تھا۔

"لیکن مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ تمہارا بزنس کیا ہے کلاڈیا؟"

کلاڈیا نے اس کے چہرے کو گھورا" میرا خیال ہے میں تم پر اعتماد کر سکتی ہوں احمد شلوزان!" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میرا بزنس خطرناک اور غیر قانونی ہے' لیکن اس میں بے حد منافع ہے" احمد شلوزان خاموش رہا۔" میں تم سے کچھ نہیں چھپاؤں گی تم نے کئی بار میری جان بچائی ہے"۔

کلاڈیا نے سوچتے ہوئے کہا۔

"سنو احمد شلوزان! یہ تو تم پہلے ہی جان چکے ہو کہ ہیپ برزہ ایک گم نام شخصیت ناٹیگر سے بزنس چھیننے کی کوشش کر رہا تھا اور کرنل جوزف بھی اس بات پر تیار ہو گیا تھا" احمد شلوزان نے سر ہلایا۔

"ویسے ناٹیگر بڑا خوب صورت' پرانا مردانہ نام ہے لوگ گم نام شخصیت سے جلد مرعوب ہو جاتے ہیں ہیپ برزہ بہت بے وقوف تھا ناٹیگر نے بانیہ میں ایک ایجنٹ مقرر کر رکھا تھا جو اس کے احکامات پر عمل درآمد کرتا تھا' لیکن ناٹیگر اپنے ایجنٹ سے بھی ایک دوسرے شخص کے ذریعے رابطے رکھتا تھا تاکہ اس کی شخصیت کا راز افشا نہ ہو۔ کیا تم جانتے ہو کہ ربانیہ میں ناٹیگر کا ایجنٹ کون تھا؟"

"کہتی رہو کلاڈیا میں سن رہا ہوں۔"

"آرٹن جو ایک جانا پہچانا صحافی تھا اس نے ناٹیگر کے ایجنٹ کی حیثیت سے بڑی دولت کمائی اتنی کہ جس کا وہ کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا لیکن وہ بڑا لالچی تھا اس نے دولت کے لالچ میں اپنے محسن سے غداری کی اور ہیپ برزہ کے ہاتھ بک گیا لیکن ناٹیگر کے جاسوس ہر جگہ موجود ہیں وہ اپنے ہر ایجنٹ کی نگرانی کرتے ہیں اس لئے آرٹن کی غداری کی خبر ناٹیگر کو مل گئی آرٹن اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود ناٹیگر کی شخصیت کا راز نہیں جان سکا تھا اور مزے کی بات یہ ہے کہ اسے تم پر شک تھا۔ تم پر احمد شلوزان!" کلاڈیا نے مترنم قہقہہ لگایا۔

"اسی لئے اس نے تمہیں ٹرین میں بے ہوش کر کے تلاشی لی تھی۔ احمق کہیں کا۔"

احمد شلوزان کی آنکھیں حیرت سے کھل گئیں" کلاڈیا! تم...... تو آرٹن کو تم نے گولی مار کر ہلاک کیا تھا؟"

"ہاں احمد شلوزان! مجبوری تھی وہ اور ہیپ برزہ تماکش میں ملاقات کر کے کرنل جوزف کے پلانٹ پر قبضہ کرنے کا پروگرام بنا رہے تھے ہیپ برزہ اسی لئے وہاں گیا تھا لیکن پھر بھی مجھے دیر ہو گئی آرٹن نے موت سے پہلے کرنل اور ہیپ برزہ میں رابطہ کرا دیا تھا اس کی سزا اسے ملنا ہی چاہیے تھی۔"

"اوہ! مجھے یقین نہیں آ رہا کہ یہ سب سچ ہے" احمد شلوزان نے کہا۔" تو کیا ڈاکٹر آئزک بھی اس میں......"

"نہیں ڈارلنگ! وہ بے چارا تو بالکل معصوم تھا اپنی شخصیت کو راز رکھنے کے لئے مجھے اس کی آڑ

لیتی تھی اور میرے رباشیہ آنے کا مقصد بھی آرثن کی سازش کو ناکام بنانا تھا۔ آئزک سے ملاقات تو محض ایک خوبصورت بہانہ تھی۔ اس بے چارے کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں ہو سکتا کہ ایک لڑکی بھی ٹائیگر ہو سکتی ہے۔ اور وہ اس کی اپنی بیوی ہے۔"

"اور تم یہ چاہتی ہو کہ میں رباشیہ میں یہ ذمے داریاں سنبھال لوں......؟"

"ہاں ڈارلنگ!" کلاڈیا نے مخمور لہجے میں کہا" آرثن اور تھامسن دونوں صرف ملازم تھے تھامسن کو میں عارضی طور پر رباشیہ لائی تھی لیکن تم میرے پارٹنر ہوگے بزنس میں بھی اور زندگی میں بھی۔"

"نہیں کلاڈیا! میں یہ پیش کش قبول نہیں کر سکتا۔ احمد شلوزان نے بستر پر دراز کلاڈیا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں اس صورتحال کے لئے بھی تیار تھی" کلاڈیا نے مسکراتے ہوئے کہا اور کھڑی ہوگئی فرق صرف یہ تھا کہ اب اس کے ہاتھوں میں پستول تھا' جس کا رخ احمد شلوزان کی سمت تھا۔

"تم مجھے قتل کر دو گی کلاڈیا......؟" احمد شلوزان نے اطمینان سے پوچھا۔

"ہاں ڈارلنگ مجھے اس کا دکھ رہے گا تم میرے محسن بھی ہو اور...... میں واقعی تم سے محبت کرتی ہوں اب تک تمہارے علاوہ یہ راز تھامسن کو معلوم تھا کہ میں کون ہوں میں تم کو یہ راز لے کر باہر جانے کی اجازت نہیں دے سکتی" اس نے فون کا ریسیور اٹھایا۔

"شاید تھامسن کا زندہ رہنا بھی مناسب نہیں میں اسے بھی بلائے لیتی ہوں"

"تم ذہنی مریض ہو کلاڈیا!" احمد شلوزان اٹھ کر آگے بڑھا۔

"نہیں احمد شلوزان! خبردار آگے مت بڑھنا" کلاڈیا ریسیور رکھ کر بولی۔

"میں ذہنی مریض نہیں ہوں تم مشرقی لوگ ذہنی مریض ہو کلاڈیا کی اس پیش کش کو نہ ٹھکراتے۔"

احمد شلوزان پھر آگے بڑھا" پھر آگے بڑھا" پستول مجھے دے دو کلاڈیا!"

"رک جاؤ احمد شلوزان......" کلاڈیا تقریباً چیخ اٹھی۔

لیکن احمد شلوزان نے جھک کر چھلانگ لگادی تھی وہ تربیت یافتہ کمانڈو تھا اور کلاڈیا بہر حال عورت تھی احمد شلوزان کی مضبوط گرفت میں وہ زخمی شیرنی کی طرح جدوجہد کر رہی تھی احمد شلوزان اس کی پستول چھین لینے کی کوشش کر رہا تھا اچانک کلاڈیا نے تڑپ کر گرفت سے نکلنے کی کوشش کی اور کمرے میں فائر کی آواز گونج اٹھی احمد شلوزان نے کلاڈیا کا جسم ڈھیلا ہوتے ہوئے محسوس کیا وہ جلدی سے اٹھا گولی کلاڈیا کے سر میں سوراخ کرتی ہوئی گزر گئی تھی۔

وہ چند لمحے کلاڈیا کے مردہ جسم کو دیکھتا رہا اور پھر خاموشی سے باہر نکل گیا۔

اس کا رخ نویں منزل پر ربوتا کے کمرے کی جانب تھا۔ راکان ہنزہ نے ایک گہری سانس لی اور پھر مسکرانے لگا۔

"تو یہ ہے شلوزان تم سمجھ گئے ہوگے کہ میرا مقصد کیا ہے میں تمہیں اس تک بھیجنا چاہتا ہوں کیونکہ ہمارے مقصد کے لئے وہ ایک کارآمد انسان ثابت ہو سکتا اور تم جب ان سے ملو گے تو تمہیں خوشی ہوگی۔"

"مگر مجھے وہاں جا کر کرنا کیا ہے؟" کامران نے الجھے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں دوست جیسا کہ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ تم اب اپنی ذات کے لئے کچھ نہیں ہو دوسرے لوگوں کی نسبت میں نے تمہارے ساتھ زیادہ بہتر رویہ اختیار کیا ہے میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ ہو سکتا ہے تم پاتال پر بھو کے ہم شکل ہو اور یہی اتفاق تمہیں الجھنوں میں ڈالے ہوئے ہو۔ لیکن اس کے باوجود تم جو حیثیت رکھتے ہو وہ بڑی اہمیت کی حامل ہے ہم تمہیں چھوڑ نہیں سکتے کیونکہ تم ہماری امیدوں کا واحد مرکز ہو کامران کے ذہن میں جھنجھلاہٹ کی ایک لہر اٹھی لیکن اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور بولا۔

"تو مجھے وہاں تک کیسے جانا ہوگا؟"

"میں تمہیں نقشہ بنا کر دے دیتا ہوں اور سفر کے لئے ایک خچر مہیا کئے دیتا ہوں تم ایک جنگجو کی حیثیت سے فارم ہاؤس تک جاؤ گے اور شلوزان تمہیں بتائے گا کہ اس سے آگے تمہیں کیا کرنا ہے۔

"بولو کیا تم تیار ہو۔"

"ٹھیک ہے مجھے کب روانہ ہونا ہوگا" کامران نے سوال کیا۔

"کل صبح سورج نکلنے سے پہلے۔"

"ٹھیک ہے میں تیار رہوں گا" کامران نے یہاں منافقت سے کام لیا تھا پھر ساری رات وہ سوچوں میں ڈوبا رہا تھا جھنجھلاہٹ کی جو لہر اس کے ذہن میں اٹھی تھی وہ ابھی تک قائم تھی وہ سوچ رہا تھا کہ میں کیوں جاؤں؟ کیا میرا دماغ خراب ہے کہ ایک گمنام مقصد کے لئے ادھر سے ادھر ڈولتا رہوں میرا دماغ تو خراب نہیں ہے کہ اپنی زندگی داؤ پر لگاؤں کیا کیا ہنگامہ آرائیاں نہیں ہوتی رہیں لیکن میں نے تو سب کچھ کرنل گل نواز کے لئے کیا تھا نہ ذاتی طور پر میرا مقصد خزانے کا حصول ہے اور نہ ہی میں ان میں سے کسی کا وفادار۔ پاتال پرستی اور دوسری احمقانہ کہانیاں جو ہیں مجھے ان سے بھی کوئی غرض نہیں ہے۔ کیا کروں گا ان کی کہانیوں میں الجھ کر کوئی مقصد ہو کوئی خواہش ہو اصولی طور پر مجھے کرنل گل نواز کے پاس واپس چلے جانا چاہیے وہاں کے معاملات سنبھالنا میری زندگی کا زیادہ اہم مقصد ہوگا انسانوں کی طرح زندگی گزاروں گا کرنل گل نواز اگر مجھے مہم جوئی پر آمادہ نہ کرتا تو میں کبھی ان برف زاروں میں نہ آتا بلاوجہ زندگی یہاں آ کر تلخ ہوگئی ہے اور پھر خطرات ہر لمحہ۔ ٹھیک ہے مسٹر راکان ہنزہ۔ آپ میرے لئے تیاریاں کریں میں پہلی فرصت میں کوئی بستی تلاش کروں گا اور اس کے بعد واپسی کے سفر کی تیاریاں جہاں تک بات رہی گرشک اور سیتا کی تو رشتہ دار تو نہیں ہیں وہ میرے۔ اگر آسانی سے کر سکتا ان کے لئے کچھ تو ضرور کرتا لیکن اس طرح مصیبت میں گرفتار ہونا عقل کی بات نہیں ہے نہ ہی چاہے وہ علی سفیان ہو قزل شاہی یا پھر امینہ سلفا جو ایک عجیب و غریب عورت تھی عورت تھی بھی یا نہیں یہ بات بھی میں نہیں جانتا لیکن بہر حال یہ سب کا سب ایک گورکھ دھندا تھا اور اب اصولی طور پر اس گورکھ دھندے سے نکل جانا چاہیے۔

کامران کو جو جسمانی تربیت دی گئی تھی وہ اس قدر شاندار تھی کہ اب وہ ایک انتہائی قوی ہیکل نوجوان تھا وہ لمحات تو کبھی کے پیچھے رہ گئے تھے جن میں وہ اپنی بہن کا انتقام لینے نکلا تھا اور اس کے بعد زندگی بدل گئی تھی دوسری صبح راکان ہنزہ اپنی دانست میں اسے جگانے آیا لیکن وہ کمبل کاٹنے سے

لیس تیار تھا راکان ہمزہ نے تعریفی انداز میں اسے دیکھا اور بولا۔

''جو لوگ زندگی کے کامیاب تر لوگ ہوتے ہیں ان کے جینے کا انداز یہی ہوتا ہے جو تمہارا ہے میں سوچ رہا تھا کہ میں تمہیں جا کر جگاؤں گا تم اٹھو گے اور میں تم سے کہوں گا کہ جلدی سے اٹھ کر تیاریاں کرو لیکن ایسا لگتا ہے جیسے تم تو ساری رات سوئے ہی نہیں ہو۔ خیر تمہارا ذریعہ سفر تیار کر دیا ہے کھانے پینے کی چیزیں بھی کافی موجود ہیں البتہ یہ بھکشوؤں کا لبادہ اوڑھنا پڑے گا اس لبادے میں سفر کرتے ہوئے تم بالکل محفوظ رہو گے اور پہلی بات تو یہ کہ سردی سے دوسری یہ کہ بھکشو اس طرح کے خچروں پر ویرانوں میں سفر کرتے رہتے ہیں۔ نہ تو کوئی ڈاکو ان کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور نہ کوئی اور۔

بہرحال میری تمام دعائیں تمہارے ساتھ ہیں شلوزان تمہیں آگے کے مصرف کے بارے میں بتانے گا سفر...... سفر...... زندگی ایک سفر کا نام تو ہے یہ زندگی ایک سفر کا نام ہے چاہے وہ سفر کسی بھی انداز میں ہو گھر سے دفتر' دفتر سے گھر بیوی بچے یا پھر پہاڑوں میں مہم جوئی اچھا جاؤ تمہاری محافظت ہو'' راکان ہمزہ نے کہا مضبوط خچر پر سامان بھی لدا ہوا تھا اور بیٹھنے کی جگہ بھی مناسب تھی چنانچہ کامران نے سفر کا آغاز کر دیا جب وہ کافی دور نکل آیا تو اسے اپنی حالت پر ہنسی آنے لگی۔''

''واہ! کامران بیٹے کیا زندگی ہے تمہاری کہاں سے آغاز ہوا تھا زندگی کا اور کہاں آ گئے' لیکن نہیں بابا واپس کرنل گل نواز کے پاس جانا تو چاہیے وہ ایک بہت اچھا آدمی تھا اور پھر وہاں کا ماحول اطراف میں پھیلے ہوئے تمام کردار جن میں سے دو افراد کا افسوس ناک طریقے سے خاتمہ ہو چکا تھا خاور اور اس کی بیٹی جو ایک احمقانہ موت کا شکار ہوئے تھے لیکن کیا کرنل گل نواز نے اگر کبھی دوبارہ مہم جوئی کی بات کی تو اس سے معذرت کر لوں گا اور بہ حالت مجبوری کوئی دوسرا راستہ تلاش کروں گا زندگی گزارنے کے لئے مجھے یہ زندگی نہیں چاہیے ایک احمقانہ عمل ہے سفر طے ہوتا رہا۔ کافی دور جانے کے بعد کامران نے راستہ تبدیل کر دیا جو راستہ شلوزان کے فارم ہاؤس کی طرف جاتا تھا اسے ترک کر کے وہ بالکل ہی الگ اور اجنبی راستے کی طرف چل پڑا جس کے بارے میں اسے کچھ بھی نہیں معلوم تھا مطلب یہی تھا کہ جیسے ہی کوئی بستی نظر آئی وہ اس بستی کا رخ کرے گا اور پھر وہاں سے اپنی واپسی کے لئے انتظام کرے گا لیکن بہرحال یہ بات طے تھی کہ تقدیر کا کوئی چکر اس کے ساتھ چل رہا تھا اسے اس بات کا بھی خدشہ تھا کہ راستے میں کہیں گرشک اور سیتا سے ملاقات نہ ہو جائے اور ایک مرتبہ پھر اسے الجھنوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔

یہ دونوں کردار اسے برے نہیں لگتے تھے لیکن بہرحال کسی کے لئے وہ اپنی زندگی کو ایک احمقانہ شکل نہیں دینا چاہتا تھا۔ ساری باتیں اپنی جگہ اسے اپنی پسند سے جینے کا حق تھا کیونکہ وہ کسی کا احسان مند نہیں تھا اور صرف دوسروں کے لئے کام کرنے کا خواہش مند بھی نہیں تھا گرشک اور سیتا تو نہ ملے لیکن رات کے پہلے قیام کے دوران اسے ایک جگہ آگ جلتی ہوئی نظر آئی تاحد نظر سفید ویرانے بکھرے ہوئے تھے آگ جلانے والے یقیناً انسان ہی ہوں گے انسانی فطرت میں تجسس کا عنصر نہ ہو تو پھر بچی بات یہ ہے کہ انسان انسان نہ رہے نہ جانے کب تک وہ اس آگ کو دیکھتا رہا جو دور سے نظر آ رہی تھی اور سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کون لوگ ہیں۔ خوب سردی ہو رہی تھی اس کے علاوہ تنہائی دفعتاً کامران کے ذہن میں خیال آیا کہ کہیں یہ اسی گروہ

کے لوگ نہ ہوں۔ اگر وہ مل جاتے ہیں تب بھی کوئی حرج نہیں ہے بے شک ان کے ساتھ آگے کا سفر نہ کیا جائے لیکن اگر وہ قزل شائی' شعورہ' علی سفیان وغیرہ ہیں تو کم از کم ان لوگوں سے مل لینا بہتر رہے گا۔ باقی وہ اسے اس کی مرضی کے خلاف مجبور تو نہیں کر سکتے۔''

چنانچہ کامران نے وہاں رکنا مناسب نہیں سمجھا اور پھر وہ اپنے خچر پر بیٹھ کر ان کی جانب چل پڑا جوں جوں وہ آگے بڑھتا جا رہا تھا آگ کے پس منظر میں ماحول اس کی آنکھوں کے سامنے نمایاں ہوتا جا رہا تھا اسے گھوڑے بھی نظر آئے تھے تین خیمے بھی لگے ہوئے تھے خاصے افراد تھے گمان یہی گزرتا تھا کہ یہ علی سفیان گروپ ہی ہو سکتا ہے لیکن جب وہ قریب پہنچا تو اسے اجنبی چہرے نظر آئے دو افراد نمایاں تھے سفید چمڑی والے تھے یہ دونوں...... اس کے علاوہ کچھ مقامی ملازم وغیرہ بھی نظر آ رہے تھے وہ لوگ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس ویران اور پراسرار ماحول میں بدھ بھکشوؤں کے لبادے میں لپٹے ہوئے کامران کو دیکھ رہے تھے جو خچر پر چلا آ رہا تھا یہاں تک کہ کامران ان کے قریب پہنچ گیا یہ دیکھ کر اسے مایوسی تو ہوئی تھی کہ یہ اجنبی چہرے تھے۔

لیکن بہرحال مقصد یہاں بھی حل ہو سکتا تھا اسے اس شلوزان سے گریز کرنا تھا باقی سب بعد کی باتیں ہیں ممکن ہے یہ لوگ اس کے لئے مشعل راہ ثابت ہوں اور اسے کسی آبادی کا پتا مل سکے دونوں میں سے ایک نے آگے بڑھ کر خوش آمدید کہا۔

کامران نیچے اتر آیا۔

''لگتا ہے تم کوئی لاما ہو جو کوئی بھی ہو ہم تمہیں خوش آمدید کہتے ہیں اور تمہیں ایک بہترین قہوے کی پیش کش کرتے ہیں براہ کرم اپنے خچر کو ادھر باندھ دو بلکہ ٹھہرو ہم ملازم سے کہتے ہیں کہ تم آدھی رات کو آنے والے مہمان ہو اور ہمیں تمہاری آمد سے خوشی بھی ہے اور اس کے علاوہ ایک اور بات کا پوری طرح اطمینان کر لو کہ ہم تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے بلکہ اس بات کے امکانات ہیں کہ تم ہمارے مددگار بھی ثابت ہو سکو اس نے بہت سی باتیں ایک ساتھ ہی کہہ دیں کامران نے گھوڑوں سے کچھ فاصلے پر خچروں کو باندھ دیا اور اپنے سامان کا گٹھڑ اتار کر ایک طرف رکھ دیا۔

''اس سامان کو اگر چاہو تو اپنے خیمے میں پہنچا دو'' ایک بار پھر اس بات کا یقین کر لو کہ تمہارے بالوں کے ناخن تک کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا ہم اس طرح کے لوگ ہیں ہی نہیں'' کامران نے پہلی بار ان کا شکریہ ادا کیا ملازموں نے سامان لے جا کر ایک خیمے میں رکھ دیا قہوہ شاید تیار ہی تھا اسے قہوے کا ایک مگ پیش کیا گیا وہ لوگ بھی اپنے اپنے مگ لے کر بیٹھ گئے تب ان میں سے ایک نے کہا۔

''میرا نام ایلوس ہے اور یہ میرا ساتھی ہارڈی ہم لوگ ایک عجیب حادثے کا شکار ہو گئے ہیں ہمارا ایک ساتھی گورڈن ان پہاڑوں کو کھو گیا ہے جسے ہم تلاش کر رہے ہیں ہماری زندگی کا مقصد اس کے علاوہ کچھ نہیں ہے کہ ہم گورڈن کو تلاش کریں کیونکہ ہم تین دوست ایک الگ ہی منصوبہ لے کر ان پہاڑوں میں نکلے تھے ہم اس منصوبے پر ہزار بار لعنت بھیجتے ہیں اگر ہمارا ساتھی ہمیں مل گیا تو ہم خاموشی سے شہری آبادی کا رخ کر لیں گے'' کامران نے ان کے چہروں پر سچائی تلاش کی۔ پھر بھی اسے اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ سچ بول رہے تھے یا نہیں لیکن بہرحال یہ جملہ اس کے لئے دل کشی کا باعث تھا کہ وہ لوگ اپنے دوست کی تلاش کے بعد شہری

آبادیوں کا رخ کریں گے ایلوس نے کہا۔

"تم نے اپنا نام نہیں بتایا دوست"

"میرا نام کامران ہے" ایلوس کامران کا صحیح تلفظ ادا نہیں کر پایا تو بولا۔

"مجھ سے نہیں بنتا میں تمہیں کارمن کہوں تو......؟"

"کوئی حرج نہیں ہے"۔

"ویسے تم بدھ بھکشو نہیں ہو"

"ہاں۔ میں بدھ بھکشو نہیں ہوں۔"

"تو پھر کون ہو......؟"

"ایک آوارہ گرد سیاح۔"

"اگر سیاحت کرنے کے لئے آئے ہو تو......تو......تو۔"

ایلوس نے اپنے دوست ہارڈی کی طرف دیکھا ہارڈی کی تیز نگاہوں نے شاید اسے کچھ سمجھایا تو وہ جلدی سے رک گیا پھر بولا۔

"تو تم یہاں کے راستوں سے بہ خوبی واقف ہوں گے؟"

"نہیں۔ کوئی خاص نہیں۔"

"پھر بھی ہم تم سے درخواست کریں گے کہ تم گورڈن کی تلاش میں ہماری مدد کرو۔"

"میں جس حد تک مدد کر سکتا ہوں ضرور کروں گا۔"

"اس وقت تک تم ہمارے ساتھ ہی رہو گے" کامران نے ایک لمحے کے لئے سوچا اور پھر گردن ہلا دی۔

بہرحال یہ لوگ بالکل مختلف تھے اگر تھوڑا سا ساتھ ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے انہیں اپنے کسی ساتھی کی تلاش تھی جس کے بارے میں بعد میں کامران کو تفصیلات معلوم ہوگئی تھیں اگر اس ساتھی کی تلاش میں تھوڑی سی کوشش ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے کوئی ایسی جگہ مل جائے جہاں سے آگے کے سفر کا آغاز کیا جائے بہرحال وہ ان لوگوں میں شامل ہو گیا انہوں نے اس کی اچھی طرح پذیرائی کی مزدور بھی ان کے ساتھ تھے مزدوروں اور ان کے درمیان ایک عجیب سی کیفیت چلی آرہی تھی یہاں سے خیمے اکھاڑ کر سفر کیا گیا گھوڑے اور خچر اس سفر میں استعمال کئے جا رہے تھے۔ ان کے پاس کھانے پینے کے سامان کی بھی خاصی مقدار تھی جو ملازم عام طور پر اپنے کندھوں پر اٹھائے ہوا کرتے تھے سفر کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی وہ واقعی ایسا ہی لگتا تھا جیسے کسی کو تلاش کر رہے ہوں لیکن کبھی کبھی کامران کو احساس ہوتا تھا کہ کوئی اور مسئلہ بھی ان کے درمیان میں ہے۔

❤......❤......❤

اس وقت بھی ایلوس اور ہارڈی ایک الگ تھلگ جگہ بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے ایلوس نے اپنے خنجر کی نوک سے زمین پر نقشہ بنا کر اپنے ساتھی کو سمجھانا شروع کیا اور بولا۔

"میں پورے یقین کے ساتھ کہہ رہا ہوں ہارڈی کہ مغرب میں واقع یہی وہ چوٹی ہے جس کی

ہمیں تلاش تھی تم اس نقشے کو ذہن نشین کر لو یہ ہمارا خیمہ ہے اور یہ اس جانب کا راستہ چوٹی کو جاتا ہے ہم نے اب تک شمال کی جانب سفر کیا لیکن اس جگہ سے ہمیں مغرب کی سمت مڑ جانا چاہیے تم سمجھ گئے یا نہیں۔"

"شش......شش" ہارڈی نے اچانک منہ سے آواز نکالتے ہوئے کہا سامنے سے کامران چلا آرہا تھا۔ وہ بولا۔ اس نقشے کو زمین سے مٹا دو وہ آرہا ہے" ہارڈی نے زمین پر بنا ہوا نقشہ مٹایا اور پھر کھڑے ہو کر زمین اپنے پیروں سے برابر کر دی اور اس طرح ہنس ہنس کر باتیں کرنے لگے گویا کامران کی آمد سے بے خبر ہوں لیکن ہارڈی کہہ رہا تھا۔

"یہ شخص فولاد کی طرح مضبوط معلوم ہوتا ہے اور یوں لگتا ہے جیسے انتہائی جسمانی قوت کے ساتھ ساتھ ذہنی صلاحیتیں بھی رکھتا ہے بہرحال ہم ہر طرح سے محتاط رہیں گے۔ کیونکہ کوئی بھی بات ہمارے لئے نقصان دہ ثابت ہو سکتی ہے" ایلوس نے کوئی جواب نہیں دیا اور چند لمحوں کے بعد کامران ان کے قریب پہنچ گیا۔

"ہم دونوں اس چوٹی کے بارے میں غور کر رہے تھے اس سامنے والی چوٹی کے بارے میں جانتے نہیں اس کا کیا نام ہے؟"

"کون سی چوٹی......؟"

"وہ جس پر برف چمک رہی ہے"

"ہاں لیکن مجھے اس کے بارے میں معلوم ہے ان پہاڑوں میں ہر چوٹی کا کوئی نہ کوئی نام ضرور رکھا گیا ہے تم جس چوٹی کی سمت اشارہ کر رہے ہو اس کا نام ارزک ہے لیکن بہت کم لوگوں کو یہ چوٹی دیکھنا نصیب ہوئی ہے۔"

"ارزک یہ نام عجیب ہی ہے۔ میں نے یہ نام کبھی نہیں سنا" ہارڈی بولا۔

"اگر ہمیں گورڈن بے چارے کی تلاش کا مسئلہ درپیش نہ ہوتا تو اس خوب صورت چوٹی کو نزدیک سے دیکھنے کی کوشش ضرور کرتے۔"

"بشرطیکہ وہاں تک زندہ پہنچ جاتے" کامران نے کہا۔

"کیوں۔ کوئی ایسی خاص بات ہے کیا؟"

"ہاں۔ یہاں کے بارے میں ضرورت سے زیادہ معلومات مجھے بھی حاصل نہیں ہیں لیکن چونکہ سیاحوں میں بھٹکتا رہا ہوں اور مختلف لوگوں سے بلکہ مقامی لوگوں سے یہاں کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی رہی ہیں یہاں کے پہاڑی قبائل کسی غیر ملکی کو اپنے علاقے میں برداشت نہیں کرتے اس لحاظ سے یہ علاقہ بے حد خطرناک کہلاتا ہے"

"بے شک۔ بے شک اور یہ بھی سنا ہے کہ یہاں کے لوگ پتھروں کی پوجا کرتے ہیں اور جادوگر کہلاتے ہیں اس علاقے ہی میں کہیں ایک شہر واقع ہے جس کا نام کوتا ہے" مانی کوتا" اور مانی کوتا میں ایک بہت بڑی بدھ خانقاہ ہے۔"

"بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو ادھر کے رہنے والے لوگوں کے بارے میں سنا ہے کہ یہ لوگ شیطان کے پجاری ہوتے ہیں۔"

"مگر مجھے یہ سب بکواس معلوم ہوتی ہے" ایلوس نے کہا۔

"نہیں یہ بکواس نہیں ہے حقیقت ہے وہ شیطان کی پوجا کرتے ہیں ہم اس علاقے کے دراصل بالکل قریب ہیں جس جگہ ہم اس وقت خیمہ زن ہیں یہ قبائل کا علاقہ ہے یہ قبائلی بڑے جیالے لوگ ہوتے ہیں اپنے علاقے میں کسی اجنبی کو نہیں آنے دیتے۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ انہوں نے ہمیں ابھی تک نہیں دیکھا۔ خاص طور پر ان لوگوں کو سفید چمڑی والوں سے بے پناہ نفرت ہے" کامران نے بتایا اور ایلوس کے چہرے پر ناخوشگوار کیفیت پھیل گئی لیکن وہ کچھ بولا نہیں تھا تھوڑی دیر کے بعد اس نے کہا۔

"لیکن اس ویران بنجر علاقے میں کیا رکھا ہے جو وہ اتنا ڈرتے ہیں؟"

"وہ ڈرتے نہیں ہیں کسی سے ان کا تعلق قدیم قبائل سے ہے جو سکندر اعظم اور چنگیز خان کے دور سے آباد ہیں مغل حملہ آوروں کے دور میں انہوں نے اپنے مذہب کو تبدیل کر دیا اور اس کے بعد وہ انگریزوں کو اپنا بدترین دشمن سمجھنے لگے۔"

"پھر تو یہ علاقہ واقعی ہمارے لئے خطرناک ہے۔"

"ہاں۔"

"اس لئے اب ہم یہاں سے شمال کی جانب سفر کریں گے تاکہ ان قبائل سے واسطہ نہ پڑے امید ہے ایک ہفتے کے اندر اندر ہم کسی مناسب جگہ پہنچ جائیں گے کیا تمہیں یقین ہے کہ تمہارے دوست گورڈن کو اسی علاقے میں اغوا کیا گیا ہے۔"

"ہاں۔ خدا کرے کہ وہ اب تک زندہ ہو" ایلوس نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

"یہ بالکل اتفاق ہے کہ اس ہارولڈ نے اس علاقے کے بارے میں تفصیلات بتائی تھیں یہ اس وقت کی بات ہے جب خود کامران کو وہاں سے اغوا کر لیا گیا تھا اور اس کے بعد اس نے ایک عجیب وغریب زندگی گزاری تھی چنانچہ اس نے اسی نظریے کو سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"اگر اسے قبائلیوں نے اغوا کیا ہے تو اتنے عرصے تک اس کے زندہ رہنے کا امکان نہیں ہے تاہم مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"اگر دوست تم وہاں تک ہماری رہنمائی کر دو تو ہم تمہارے بہت شکر گزار ہوں گے ظاہر ہے جب تم ان کے بارے میں اس قدر جانتے ہو تو تم یقیناً ہمیں وہاں تک پہنچا بھی سکتے ہو۔"

"کوشش کر سکتا ہوں" کامران نے جواب دیا۔

"بہرحال تمہیں شکار وغیرہ سے کوئی دلچسپی ہے؟"

"ہاں۔ کیوں نہیں۔"

"تو پھر اپنی مہارت کا مظاہرہ کرو" ایلوس نے اسے رائفل دیتے ہوئے کہا اور کامران مسکراتے ہوئے کھڑا ہو گیا اس نے رائفل کندھے پر ڈالی اور بولا۔

"زندگی تمہارے ساتھ ہی گزارنی ہے کچھ عرصے تک ویسے یہاں شکار کے آثار ہیں میں جا کر دیکھتا ہوں شاید کچھ مل جائے البتہ مجھے دیر ہو سکتی ہے ممکن ہے شام ہو جائے۔"

"کیا پیدل جاؤ گے......؟"

"ہاں فکر مت کرو شکار لے کر ہی آؤں گا" کامران نے ہنستے ہوئے کہا کامران جب ڈھلوان پر پہنچ کر نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تو وہ دونوں آہستہ آہستہ چلتے ہوئے بلند ٹیلے تک پہنچے اور اوپر پہنچ گئے پھر وہ اسے دیکھتے رہے اور اس کے بعد خاموشی سے کیمپ کی طرف روانہ ہو گئے خیموں کے سامنے ان کے ملازم کام میں مصروف تھے ان میں چار دراز قد ان کے ساتھ آئے تھے۔ ایک شخص یہیں انہیں علاقوں میں مل گیا تھا اس نے اپنی خدمات ملازم کی حیثیت سے پیش کر دی تھیں اس نے بتایا تھا کہ وہ اکثر ان علاقوں میں بھٹکتا رہتا ہے اور راستہ بھول جانے والوں کی رہنمائی کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ لوگ اسے کچھ دے دیا کرتے ہیں۔

بہرحال اس شخص کا نام وتیو تھا۔ وتیو ایک پراسرار سا آدمی تھا اور کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تھی کہ وہ کس طرح کا انسان ہے لیکن بہرحال اس کی ذات سے اب تک ان لوگوں کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی تھی پہاڑی ویرانے میں دور دور تک کسی انسانی وجود کا نشان تک نظر نہ آتا تھا ان کے خیالوں کے علاوہ ہر سمت اونچے بلند پہاڑوں کے سلسلے تھے اور ہر وقت مکمل سکوت طاری رہتا تھا۔ ہر طرف ویرانی چھائی رہتی تھی بلند پہاڑیوں کی چوٹیوں پر یہ برف چمکتی رہتی تھی چھوٹی پہاڑیوں کی ڈھلوانوں پر سبزے کا فرش بچھا ہوا تھا کہیں کہیں راستوں کے سلسلے نظر آتے تھے۔ ایلوس اور ہارڈی کی نگاہیں اس پہاڑ کی چوٹی پر جمی ہوئی تھیں جس کا نام ارزک تھا دفعتاً ہی ہارڈی نے کہا۔

"میرے خیمے میں آؤ" ہارڈی اپنے ساتھی کے ساتھ اس کے خیمے میں داخل ہو گیا۔ لیکن ان دونوں کو پتا نہیں تھا کہ پراسرار وتیو کی نگاہیں ان کا تعاقب کر رہی ہیں خیمے کے اندر پہنچ کر وہ دونوں ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھ گئے اور ہارڈی نے ایک کاغذ نکال کر اس پر پنسل سے پھر وہی نقشہ بنایا جو پہلے زمین پر کھینچا تھا۔

"ہمیں گورڈن سے جو کام لینا تھا وہ اب پورا ہو چکا تھا اور اب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ اس نئے آدمی کو اپنے ساتھ شامل کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ نہ جانے کیوں مجھے اس کی شخصیت وہ نظر نہیں آتی جو ہے کوئی ایسی بات ضرور ہے اس میں جو ناقابل فہم ہو۔ بہرحال ان قبائلیوں سے ہمیں بچ کر نکلنا ہے ویسے اب اندازہ ہوتا ہے کہ ہمیں جن علاقوں سے گزرنا ہے وہاں کے قبائل پر کوئی اثر نہیں اس بات کا۔"

"تو تمہارا مطلب ہے کہ اسے اب راستے سے ہٹا دیا جائے۔"

"ہاں میں اب پوری طرح سے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ ارزک کی چوٹی وہی ہے اور اب وہ تمہارے سامنے ہے۔ ہم کسی اجنبی کو اپنے ساتھ جگہ نہیں دے سکتے۔"

"اور ہمیں اسی چوٹی کی تلاش تھی......؟"

"ہاں چنانچہ اب مائی کونا تک ہمیں پہنچنے کے لئے اس کی ضرورت باقی نہیں رہی ہے"

"لیکن ہم تو اسے بہت ساری پیش کشیں کر چکے ہیں اور ویسے بھی تم نے اندازہ لگا لیا ہے اس کے بارے میں کہ وہ جسمانی طور پر بہت طاقتور اور ذہنی طور پر بھی بہت طاقتور آدمی ہے۔"

"یہی تو زیادہ خطرے کی بات ہے اگر وہ کوئی نارمل آدمی ہوتا تو ہم آسانی سے اسے ٹھکانے

لگا رہے" لیکن اب ذرا سوچنا پڑے گا کہ ایسے کیسے ممکن ہو سکتا ہے؟"

"میرا خیال ہے آسانی سے۔"

"وہ کیسے......؟"

"ہم اس سے کسی بات پر جھگڑا کیے لیتے ہیں اور پھر بہانہ بنا کر اس سے صاف کہہ دیں گے کہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے وہ غصے سے ہمیں چھوڑ کر چلا جائے گا۔"

"لیکن اس سے جھگڑا کرنا خطرے سے خالی نہیں ہوگا وہ ایک پھرتیلا آدمی ہے اور پھر ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ اسے یہ اندازہ ہو سکے کہ ہماری منزل مانی کوٹا ہے وہ علاقوں سے واقف ہے اور جلد یہ پتا چلا لے گا کہ ہم کس طرف گئے ہیں؟"

"تم ٹھیک کہتے ہو واقعی کچھ اور ہی سوچنا پڑے گا لیکن ہر قیمت پر اسے ٹھکانے لگانا ضروری ہے" دفعتاً ہی ایلوس چونک پڑا اور اس نے پھرتی کے ساتھ اپنا پستول نکال لیا پھر وہ سرگوشی کے انداز میں بولا۔

"اسی طرح باتیں کرتے رہو۔"

"بات کیا ہے؟"

"کوئی خیمے کے باہر کھڑا ہماری باتیں سن رہا ہے" ہارڈی نے فوراً ہی بلند آواز میں بولنا شروع کر دیا جب کہ ایلوس اٹھا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا آگے بڑھ گیا پھر اس نے پھرتی کے ساتھ خیمے کا پردہ ہٹایا اور جو کوئی سامنے تھا اس کا گریبان پکڑ کر اسے زور سے اندر کھینچ لیا۔

"بدمعاش چھپ کر ہماری باتیں سن رہا تھا" ایلوس نے غضب ناک لہجے میں کہا وہ اس کی کلائی سے اپنا گریبان چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا لیکن کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

"اور اب جو ہمارے درمیان باتیں ہوئی ہیں یہ ان کا انکشاف کر دے گا۔"

"تو پھر کیا کرنا چاہیے......؟"

"یار میں تو پہلے ہی کہہ رہا تھا کہ کوئی نہ کوئی چکر ضرور ہے پہلے یہ ہمیں ملا اور اس کے بعد وہ شخص جس نے اپنا نام کارمن بتایا ہے یا جو کچھ بھی اور ہم سے اس کی صحیح ادائیگی نہیں ہوتی۔"

"اب یہ بتاؤ کیا کیا جائے؟"

"فکر مت کرو ہم نے اتنی محنت اس لئے نہیں کی ہے کہ یہ چوہا اسے برباد کر دے" ایلوس نے غصیلے لہجے میں کہا اور پھر پستول لہرا کر بولا۔

"میرا خیال ہے ہمیں اس سے چھٹکارا پالینا چاہیے" وہ اس کا ہاتھ اس کی طرف بلند ہوا۔

"نہیں ایسا نہ کرو" وہ چیخا لیکن اس کی آواز گولی کے دھماکے میں دب کر رہ گئی۔

"یہی کرنا ہوگا اس کے ساتھی کے ساتھ بھی یہ بات اب طے ہو چکی ہے کہ جان بوجھ کر ہمارے درمیان شامل ہوا تھا پتا نہیں ان لوگوں کا منصوبہ کیا ہے یہ تو ایک طرح سے یہ کہنا چاہیے کہ کچھ نئے لوگ ہمارے راستے میں آگئے ہیں۔"

"اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں ہوگا کہ اب اسے بھی ہلاک کر دینا چاہیے" گولی کی آواز سن کر

ملازمین خیمے سے باہر آگئے تھے گولی چلنے کی آواز نے انہیں خوف زدہ بھی کر دیا تھا ایلوس نے کہا۔

"وہ خود اپنے جال میں پھنس گیا ہے۔"

"کیسے......؟" ہارڈی نے پوچھا۔

"وہ پیدل گیا ہے اس کے پاس بس چند کارتوس ہیں۔ ہم اگر اپنا سامان لاد کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جائیں گے اگر وہ پیدل ہمارا تعاقب کرتا ہے تو کرنے دو۔ اس ویران پہاڑی علاقے میں کھانے گرم لباس اور کارتوسوں کے بغیر وہ زیادہ دن زندہ نہیں رہ سکے گا ویسے بھی اب ہمیں اس کی منحوس شکل برداشت نہیں کرنی چاہیے بہرحال کامران کے لئے ایک اور مشکل پیدا ہو گئی تھی یہ لوگ اس سے ان علاقوں کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے کیونکہ انہیں مانی کوٹا پہنچنا تھا اور ادھر کامران بھی یہی چاہتا تھا کہ ان کے ساتھ مل کر کسی ایسی آبادی میں پہنچ جائے جہاں سے وہ اپنا راستہ ناپ سکے۔

ان لوگوں کے بارے میں اس کے ذہن میں کوئی غلط خیال نہیں تھا وہ اب تک یہی سمجھ رہا تھا کہ یہ دونوں اپنے ساتھی کی تلاش میں ہیں ظاہر ہے کہ ان علاقوں میں اس طرح بھٹکنے والے خزانوں وغیرہ ہی کے چکر میں پڑے ہوتے تھے اب اتنے سارے لوگ اس چکر میں پڑے ہوئے تھے تو کچھ لوگوں پر کیا توجہ دیتی بہرحال وہ تقریباً ایک گھنٹے تک شکار کی تلاش میں گھومتا رہا اور اس کے بعد اسے ایک بارہ سنگھا نظر آیا جو جھاڑیوں کے دوسری جانب چر رہا تھا۔ کامران دبے پاؤں شکار کی جانب بڑھنے لگا وہ جھاڑیوں کی آڑ لے کر بڑھ رہا تھا اچانک اسے احساس ہوا کہ کوئی اس کا تعاقب کر رہا ہے اس نے اپنے عقب میں جھاڑیوں کو ہلتے ہوئے دیکھ لیا تھا پھر اس نے کسی کو پھرتی کے ساتھ حرکت کرتے ہوئے دیکھا اور دوسرے ہی لمحے گولی اس کے کان سے سنسناتی ہوئی گزر گئی اس نے بجلی کی طرح پلٹ کر فائر کیا اور کوئی کراہتا ہوا جھاڑیوں کے اندر گرا۔

کامران تیزی سے آگے بڑھ کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ جھاڑیوں میں پڑا ہوا شخص بالکل ساکت تھا وہ دبلا پتلا سا نوجوان تھا اور حلیے سے کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا البتہ بڑھی ہوئی داڑھی اور کسی قدر بھیانک چہرہ یہ ثابت کرتا تھا کہ ممکن ہے کوئی ڈاکو وغیرہ ہو۔ کامران نے دل میں سوچا کہ شاید اس کا گروہ کہیں قریب ہی ہوگا اسے یہ اندازہ لگانے میں بھی دیر نہ لگی کہ اس ڈاکو کا گھوڑا بھی کہیں نزدیک ہی ہوگا کیونکہ اسے علم تھا کہ یہ لوگ پیدل کہیں نہیں جاتے اس ڈاکو نے کسی بلند جگہ سے اسے دیکھ لیا ہوگا اور تعاقب کرتا ہوا ادھر آگیا ہوگا۔ کامران آگے بڑھتا ہوا ڈھلوان کو طے کر کے اوپر پہنچ گیا اس کا اندازہ بالکل درست تھا اسے ایک گھوڑا نظر آیا جس پر زین کسی ہوئی تھی۔ آہستہ آہستہ وہ گھوڑے کی جانب بڑھا اور پھر اس نے گھوڑے کی پشت پر سوار ہو کر ہر سمت کا جائزہ لیا جنوب کی طرف کچھ فاصلے پر دھواں اٹھتا ہوا نظر آیا تھا یقیناً وہ ڈاکوؤں کا ڈیرہ ہے تاریکی پھیلتی جا رہی تھی۔ کامران کو اپنے کیمپ سے نکلے کافی دیر ہو گئی تھی اس سے زیادہ کچھ کرنا بالکل مناسب نہیں تھا ایک ڈاکو اس کے ہاتھ سے مارا گیا تھا اگر اس کے ساتھیوں کو اس کی موجودگی کا علم ہو جائے تو سنگین صورت حال پیش آسکتی ہے نہ جانے ان کی تعداد کتنی ہو چنانچہ واپس جا کر ایلوس اور ہارڈی کو اس کے بارے میں اطلاع دینا ضروری ہے باقی تو سارے ملازم ہیں ان سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور ڈاکو آسانی سے انہیں مار لیں گے۔

چنانچہ اس نے گھوڑے کا رخ تبدیل کیا اور اس طرف چل پڑا جہاں ان کا کیمپ لگا ہوا تھا کیمپ
کے قریب اس نے بڑے ٹیلے پر چڑھ کر دیکھا تو حیران رہ گیا ہر طرف ویرانی تھی نہ خیمے تھے نہ ایلوس نہ ہی
گھوڑے وغیرہ اس نے گرد و پیش کے ٹیلوں کا جائزہ لیا کوئی مشکوک بات نظر نہیں آئی وہ اپنی رائفل سنبھالے
چوکنا ہو کر آگے بڑھا جہاں ہارڈی کا خیمہ تھا وہاں اسے خون کے دھبے نظر آئے لیکن اس کے علاوہ کوئی ایسی چیز
نظر نہیں آئی جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہاں کوئی گڑبڑ ہوئی ہے اس کی تجربہ کار نگاہوں نے یہ اندازہ بے شک
لگا لیا تھا کہ وہ لوگ لوگ عجلت میں خیمے وغیرہ اکھاڑ کر سامان وغیرہ سمیت کہیں روانہ ہو گئے ہیں۔

کیوں کیا کسی حملے وغیرہ کا خوف تھا انہیں۔ پھر کسی چیز سے وہ خوف زدہ ہوئے بہر حال خون کے
دھبے اسے پریشان کر رہے تھے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کون ایسا ہے جس نے یہاں کوئی ہنگامہ آرائی کی ہے
اس نے گھوڑوں کے چھوڑے ہوئے نشانات سے یہ اندازہ بھی لگا لیا کہ وہ لوگ مغرب کی بجائے شمال کی
سمت گئے ہیں جہاں کوہ ارزک واقع تھا وہ حیران تھا کہ وہ لوگ اس خطرناک علاقے کی طرف کیوں گئے ہیں
نشان دیکھنے سے اندازہ ہوا کہ کسی بھاری چیز کو گھسیٹ کر لے جایا گیا ہے وہ ان نشانات کے ساتھ چلتا ہوا
ایک جھاڑی کے قریب پہنچ گیا جہاں ایک لاش پڑی ہوئی تھی۔ پہلی نظر میں وہ اسے مردہ ہی سمجھا تھا لیکن اس
نے جھک کر دیکھا تو اس کی سانس چل رہی تھی یہ دیتو تھا اس نے جلدی سے اس کے قریب پہنچ کر اس کا سر
اپنے زانوں پر رکھ لیا پانی کی بوتل اس کے منہ سے لگائی نیم بے ہوش شخص نے کراہ کراہ کر آنکھیں کھول دیں ا
س کی دھندلائی ہوئی آنکھوں نے کامران کو پہچان لیا تھا۔

''کس نے تمہارے ساتھ ایسا کیا ہے؟'' کامران نے غم زدہ لہجے میں پوچھا بے چارہ اچھا انسان
تھا اور کامران کے ساتھ خاص طور سے اس کا رویہ بہت ہی اچھا تھا بمشکل تمام اس کے منہ سے آواز نکلی۔

''ایلوس...... ایلوس۔''

''مگر کیوں......؟''

''وہ لوگ آپ کے خلاف باتیں کر رہے تھے میں ان کے خیمے کے باہر چھپ کر ان کی باتیں سن رہا
تھا انہوں نے مجھے گولی ماردی۔''

''کیا کہہ رہے تھے وہ'' کامران نے تشویش سے پوچھا۔

''وہ لوگ مانی کونا جا رہے ہیں وہ جس کی تلاش میں نکلے تھے اس کا کوئی وجود نہیں ہے انہوں نے
آپ سے جھوٹ بولا تھا کہ آپ کے ذریعے یہاں تک پہنچ سکیں''

''لیکن وہ مانی کونا کیوں گئے ہیں بتاؤ وہ مانی کونا کیوں گئے ہیں؟'' کامران نے سوال کیا مگر زخمی
کی گردن ڈھلک گئی کامران نے جھک کر دیکھا تو وہ مر چکا تھا وہ ایک لمحے تک اس مظلوم انسان کی صورت
دیکھتا رہا اور پھر اس نے گردن ہلا کر کہا۔

''کتے کے بچے سارے کے سارے جھوٹے ہیں سب کے سب فریبی سب کے سب فریبی ایک
معصوم انسان کو اس طرح ہلاک کر دیا جیسے کوئی درندہ کسی کی گردن چبا لیتا ہے غلط ہے نہیں یہ غلط ہے۔ میں امن
چاہتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ میں اس ساری ہنگامہ آرائی کو چھوڑ کر واپس کرنل گل نواز کے پاس پہنچ جاؤں

کوئی دلچسپی نہیں ہے مجھے ان خزانوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے مجھے کسی پراسرار علاقے کا حکمران بننے سے بدھ
مذہب سے میرا تعلق ہی کیا ہے جو میں بلاوجہ اس کے چکر میں پڑوں نہ میں پاتال پرتی ہوں نہ پربھو......
سب چکر بازی ہے۔ ہو سکتا ہے میں کسی کا ہم شکل ہوں لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں اپنی مرضی کے خلاف
کام کروں اور آج میرے دل میں انتقام کے جذبے ابھر رہے ہیں یہ تو غلط ہے جس کا جو دل چاہے کر لیتا ہے
ٹھیک ہے ایلوس!...... ؟ تم لوگوں نے اگر مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کی ہے تو بے فکر رہو میں تمہیں
کامیاب نہیں ہونے دوں گا۔

بہر حال اس نے اس لاش کو دفن کیا اور پھر وہ گھوڑے کے قریب آ گیا نہ جانے کیوں اس شخص کی
موت اس پر بری طرح اثر انداز ہوئی تھی پھر وہ اپنی فکر میں لگ گیا۔ اس پہاڑی علاقے میں سردی خاصی
تھی۔ رات بسر کرنے کے لئے کوئی مناسب جگہ بھی نہیں تھی نہ بستر تھا نہ خیمہ اور نہ کھانے پینے کا سامان یہ بھی
بس ایک اتفاق تھا کہ اس ڈاکو کا گھوڑا اسے مل گیا تھا۔

بہر حال اب اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں تھا کہ سفر جاری کیا جائے یقیناً کوئی نہ کوئی آبادی مل
ہی جائے گی وہ دوہری کیفیت کا شکار تھا ایک طرف تو دل یہ تمنا کر رہا تھا کہ جلد از جلد کوئی مناسب جگہ مل جائے
تو وہ اپنے وطن کا رخ کرے دوسری طرف نہ جانے کیوں اس کے دل میں ایک انتقامی جذبہ ابھر رہا تھا۔

بہر حال اسے یہ حیرت تھی کہ وہ لوگ مانی کونا کیوں گئے ہیں یہ ممنوعہ علاقہ تھا اور اس کی حدود
میں کسی اجنبی کو داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی بہت عرصے ان علاقوں میں بھٹکنے کے بعد کامران کو خاصی
معلومات حاصل ہو گئی تھی بہر حال اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا کہ ان لوگوں کی تلاش میں اسی سمت کا رخ
کیا جائے تاریکی پھیل چکی تھی لیکن آسمان پر نکلنے والے تارے چمکنے لگے تھے ان کی مدھم سی روشنی میں کامران
کے لئے یہ راستہ طے کرنا مشکل نہیں تھا گھوڑا تازہ دم تھا اس لئے وہ اتنا وقت گزارنے کے باوجود ان لوگوں کو
پکڑ سکتا تھا اسے یقین تھا کہ وہ تمام لوگ راتوں رات سفر کریں گے اور اس بات سے مطمئن ہوں گے کہ وہ
پیدل ہے کتنا ہی تیز کیوں نہ چلے ان تک نہیں پہنچ پائے گا اس نے کوہ ارزک کی برف پوش چوٹی کی طرف
دیکھا اور اپنے گھوڑے کا رخ اسی سمت موڑ دیا اسی سمت سے گزرنے کے بعد مانی کونا کا علاقہ مل جاتا تھا راستہ
تقریباً معلوم ہی تھا ایک بار جب امینہ سلطانہ اسے لے کر اس سمت آئی تھی تو اس نے وہاں ایک اقامت گاہ
میں کچھ وقت قیام کیا تھا اقامت گاہ کے گنجے پجاری اور بڑے مندر کے فلک شگاف بگل کی آواز اسے اب
تک یاد تھی وہ مندر جو کبھی مہاتما بدھ کے راہبوں کی خانقاہ تھی اب شیطان کے پجاریوں کے قبضے میں تھی رات
آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی جب اسے ایک بار پھر روشنی نظر آئی۔ یہ روشنی آگ سے ہی ہو رہی تھی۔

نشیب میں ایک چشمے کے کنارے آگ روشن تھی وہ غور سے اس آگ کے پس منظر میں لگے
ہوئے خیموں کو دیکھنے لگا اور اسے اندازہ ہو گیا کہ یہ خیمے کم از کم ایلوس ہارڈی وغیرہ کے نہیں ہیں کچھ دیر بعد
اسے اندازہ ہو گیا کہ یہ ان خانہ بدوش قبیلوں کا کوئی پڑاؤ ہے جو مانی کونا کے قرب و جوار کی پہاڑیوں میں
ادھر ادھر گھومتے رہتے ہیں یہ بڑے خون خوار اور وحشی لوگ تھے ایلوس اور ہارڈی یقیناً ان سے بچ کر ہی نکلے
ہوں گے اس نے کافی فاصلے سے چشمے کو پار کرنے کا فیصلہ کیا اور درختوں کی آڑ لیتا ہوا نشیب میں سے ہوتا ہوا

چشمے کے کنارے جا پہنچا جھاڑیوں کے پیچھے سے اس کی تیز نگاہوں نے گھوڑے پر سوار پہرے داروں کو دیکھا جو پڑاؤ کے احاطے میں پھیلے ہوئے تھے پھر اس کی نگاہ پڑاؤ کے نزدیک ہی کچھ اور خیموں پر بھی پڑی۔ پڑاؤ کے بیچ میں تین خیمے نصب تھے اور یہ انہی لوگوں کے خیمے تھے جو بے چارے مظلوم کا خون کر کے یہاں آئے تھے اگر اس کا اندازہ غلط نہیں تھا تو ان خانہ بدوشوں نے ایلوس اور ہارڈی کو ہلاک کر دیا تھا اندازہ لگانا ضروری تھا چنانچہ وہ بہت احتیاط کے ساتھ آگے بڑھا ان خانہ بدوشوں کے ایک شکاری کتے نے کھیل خراب کر دیا تاریکی میں اچانک ہی ایک غراہٹ سنائی دی اور اس کے بعد وہ کامران پر جھپٹا اس کی غراہٹ سنتے ہی خیموں سے مسلح افراد نکلے گھوڑوں پر سوار پہرے دار بھی اپنی اپنی کمان سنبھال کر اس طرف دوڑے یہ کس قدر خون خوار لوگ تھے کامران کو ان کا بخوبی اندازہ تھا اب اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ ہتھیار ڈال دے چنانچہ وہ خود ہی ان جھاڑیوں سے نکل کر کیمپ پہنچ گیا۔ گھوڑے پر سواروں نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا لیکن پھر اچانک ہی کامران کو ایک چانس مل گیا ایک گھوڑ سوار اس کے قریب سے گزرا گھوڑے کے ایک طرف نیام میں ایک تلوار لٹکی ہوئی تھی کامران کا ہاتھ بے اختیار طور پر ہی تلوار پر پہنچ گیا تھا اور پھر نہ جانے اسے کیا ہوا کہ اس نے تلوار اس نیام سے کھینچ لی اور اس کے بعد ان پر حملہ کر دیا پتا نہیں یہ کون سا جذبہ اور کون سی قوت تھی یا اسے جو تربیت دی گئی تھی اس میں اعلیٰ درجے کی تلوار بازی بھی شامل تھی تین سوار گر چکے تھے کہ اچانک ایلوس اور ہارڈی کی آواز سنائی دی وہ چیخ چیخ کر لوگوں کے درمیان میں سے ہٹنے کے لئے کہہ رہے تھے ایک لمحے کے لئے ان کی آواز سن کر کامران ایک بار پھر حیرت زدہ رہ گیا اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ لوگ ان کے قیدی نہیں ہیں اور نہ ہی مارے جا چکے ہیں بلکہ ان کے ساتھ ہیں اس کے لئے اتنے حملہ آوروں میں کچھ کر لینا ممکن نہیں تھا چنانچہ اب دو ہی باتیں تھیں یا تو ان کے قبضے میں چلا جائے یا زندگی کی جدوجہد کرے۔

اسے خود اپنی اس برق رفتاری پر حیرت ہوئی تھی بے شک ان لوگوں نے اسے پاتال پر متی کی حیثیت سے بڑی تربیت بھی دی تھی راکان ہمزہ، گرشک، سیتا، امینہ سلفا کتنے کتنے کردار ایسے تھے جنہوں نے اسے سنبھالنے میں بہت زیادہ جدوجہد کی تھی جو کچھ اسے حاصل ہو چکا تھا صحیح معنوں میں اسے خود بھی اس کا تجربہ نہیں ہو سکا تھا ابھی تک، لیکن اس وقت ان لوگوں کے درمیان سے نکل آنے کی یہ حرکت بڑی زبردست تھی اس نے جھاڑیوں میں چھلانگ لگائی اور تاریکی میں غائب ہو گیا حملہ آوروں نے تعاقب کرنے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ چیختے چلاتے اپنے پڑاؤ کی سمت واپس ہونے لگے تھے جو ایک لمحے میں ہو گیا تھا اور ایک آدمی کے ذریعے ہوا تھا اس کی انہیں امید نہیں تھی پتا نہیں وہ کیسے کیسے خوف کا شکار ہو گئے تھے ممکن ہے انہوں نے سوچا ہو کہ کامران تنہا نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ بڑے گروہ کی موجودگی کے امکانات ہیں بہرحال وہ ان سے چھپنے میں کامیاب ہو گیا کیونکہ انہوں نے اس کا پیچھا کرنے کی کوشش نہیں کی تھی پھر ایک بار دوبارہ ایلوس اور ہارڈی کی طرف سے عجیب و غریب کیفیت کا شکار ہو گیا پتا نہیں یہ لوگ مانی کو کس لئے جا رہے تھے اب یہاں رکنا عقل مندی کی نشانی نہیں تھی چنانچہ وہ تیزی سے چٹانوں کو پھلانگتا ہوا اس جگہ پہنچا جہاں گھوڑا بندھا ہوا تھا پھر گھوڑے پر سوار ہو کر وہ پوری رفتار سے اس سمت روانہ ہو گیا۔ جس طرف سے آیا تھا۔ اس کا خیال ٹھیک نکلا جس جگہ ان لوگوں کا کیمپ تھا اس سے دس میل مغرب میں ایک کیمپ کے آثار نظر آ رہے

جلتی ہوئی آگ کی روشنی میں اسے خیمے صاف نظر آنے لگے ایک بلند چٹان کی آڑ میں اس نے گھوڑے کو درخت سے باندھ دیا اور نرم گھاس پر چٹان سے ٹیک لگا کر دراز ہو گیا اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں لیکن ذہن جاگ رہا تھا تھکن دور کرنے کے لئے یہ ایک مناسب جگہ تھی۔

آخر کار صبح کا اجالا پھوٹنے لگا حالانکہ ابھی روشنی نہیں ہوئی تھی لیکن کیمپ میں زندگی کے آثار نمایاں ہو گئے آگ دوبارہ روشن ہو گئی اور کھانے کی خوشبو فضا میں پھیلنے لگی لوگوں کے چلنے پھرنے اور باتیں کرنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں یہ ایک خانہ بدوش قبیلہ تھا جو لوٹ مار اور ڈاکہ زنی پر گزارہ کرتا تھا ان کے ساتھ عورتیں نہیں ہوتی تھیں تاکہ بھاگتے وقت دشواری نہ ہو بہرحال اس وقت بھی وہ لوگ روانگی کی تیاریاں کر رہے تھے گھوڑوں پر زینیں کسی جا رہی تھیں۔ ہتھیار باندھے جا رہے تھے کامران ایک لمحے تک سوچتا رہا اور پھر اس کے بعد اس نے ان کے قریب جانے کا فیصلہ کیا وہ گھوڑے پر سوار ہو کر اطمینان کے ساتھ آگے بڑھ گیا اور چند ہی لمحوں میں اسے دیکھ لیا گیا اسے دیکھتے ہی بہت سی آوازیں ایک ساتھ بلند ہوئیں اور دوسرے ہی لمحے کئی رائفلوں نے اسے اپنی زد میں لے لیا کامران پر اطمینان انداز میں آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا اور اسی جرأت مندی کی وجہ سے خانہ بدوشوں کو گولی چلانے کی ہمت نہ ہوئی ان کے سردار نے گھوڑے کو ایڑھ لگائی اور اس کے پاس پہنچ گیا۔

دونوں گھوڑے رک گئے لیکن کامران کو ایک بار پھر شدید ذہنی جھٹکا لگا تھا یہ چہرہ اس کا جانا پہچانا تھا بیری سان ایسا شخص نہیں تھا جسے کامران آسانی سے بھلا سکتا وہ خون خوار آدمی تھا اور نہ جانے کیوں جب وہ پہلی بار کامران کو ملا تھا تو کامران کو ایسا ہی محسوس ہوا تھا کہ جیسے وہ ڈاکوؤں کا سردار ہو بیری سان نے بھی شاید کامران کو پہچان لیا تھا وہ اسے خون خوار نظروں سے دیکھنے لگا تو کامران نے کہا۔

"کیوں کیا بات ہے بیری سان کیا تم اندھے ہو گئے ہو دیکھو میں نے تمہیں ایک بار پھر تلاش کر لیا" بیری سان بری طرح غرایا اور بولا۔

"تم مجھے...... تم...... مجھے امید تھی کہ تم مجھے انہی علاقوں میں ملو گے" بیری سان کے ساتھی ڈاکو کامران کے گرد جمع ہونے لگے ان کی آنکھوں کی خون خواری چمک ماند پڑ گئی تھی لیکن بیری سان مشکوک نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا کامران بیری سان کے بارے میں جانتا تھا کہ یہ انتہائی ظالم اور مکار ہے نہ اس کے دل میں کسی کے لئے دوستی کا جذبہ ہے اور نہ اعتبار کا، لوٹ مار یقینی طور پر پہلے بھی اس کا پیشہ ہو گا۔

"کیا دیکھ رہے ہو بیری سان۔"

"تمہارے آدمی کہاں چھپے ہوئے ہیں؟"

"نہیں میں اکیلا ہی ہوں۔"

"جھوٹ بول رہے ہو۔"

"میں کہتا ہوں تو بتاؤ کہ یہاں کیا کر رہے ہو تم...... ورنہ میرے آدمی تمہاری کھال اتار دیں گے۔"

"میں تمہاری ہی تلاش میں نکلا ہوں۔"

"بے وقوف بنا رہے ہو مجھے۔"

''تم ہو ہی بے وقوف'' کامران نے کہا۔

''دیکھو ہوش و حواس درست کر کے بات کرو...... یہ تیرے باپ کی جاگیر نہیں ہے۔'' ابھی اس کے جملے پورے بھی نہیں ہوئے تھے کہ کامران کا ایک بھرپور تھپڑ اس کے رخسار پر پڑا۔ ضرب اتنی غیر متوقع تھی کہ وہ گھوڑے سے گرتے گرتے بچا اس کا ہاتھ پھرتی سے کمر تک گیا لیکن وہیں رک گیا کامران خود بھی تیار تھا پھر اس کی غراتی ہوئی آواز ابھری۔

''اگر تم لوگوں میں سے کسی نے حرکت کی تو اپنی موت کے ذمے دار خود ہو گے میرا تم سے کوئی جھگڑا نہیں ہے بیری سان سے بھی میری کوئی دشمنی نہیں ہے لیکن ہم اچھے دوست نہیں ہیں۔''

''پکڑو...... پکڑو اسے میں اس کی کھال اتار دوں گا۔''

لیکن کامران نے ان لوگوں کے انداز میں شدید جھجک محسوس کی اور دوسرے ہی لمحے اس نے تلوار نکال لی یہ وہی تلوار تھی جو اس نے گھوڑے سوار سے چھینی تھی اس نے کہا۔

''تمہارا سردار کتنا بزدل ہے ایک آدمی سے مقابلہ کرنے کے لئے تم سب کو آگے بڑھا رہا ہے کیا یہ تنہا میرا مقابلہ نہیں کر سکتا بڑھتے ہوئے قدم رک گئے وہ اپنے سردار کی سمت دیکھ رہے تھے بیری سان کے منہ سے غصے سے جھاگ نکل رہا تھا قبیلے کے اصول کے مطابق اب اسے اکیلے ہی کامران کا مقابلہ کرنا تھا اور وہ اس چیلنج کے جواب میں خاموش رہتا تو اپنے لوگوں کی نگاہوں میں ہمیشہ کے لئے گر جائے گا یہ بات وہ بہ خوبی جانتا تھا کہ اس نے اسے بڑی چالاکی کے ساتھ ذاتی مقابلے پر مجبور کر دیا ہے اور پھر اسے یہ بھی شک تھا کہ کامران اکیلا نہیں تھا یقیناً اس کے آدمی قریب ہی چھپے ہوئے ہوں گے اس کی خونی نگاہیں نفرت اور غصے سے کامران کو گھور رہی تھی کامران کے ہونٹوں پر ایک مدھم مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی بیری سان نے کہا۔

''کامران میری تیری پہلی ملاقات میں بھی میرے اور تیرے درمیان کوئی جنگلی ماحول نہیں پیدا ہوا تھا اور میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت بھی یہ تیری زیادتی ہے۔''

ڈرتا ہے بزدل۔''

''کتے...... اچانک بیری سان دھاڑا اور تلوار کھینچ کر کامران پر جھپٹا۔

''تیری موت میرے ہی ہاتھوں لکھی ہوئی ہے'' اس نے اچانک حملہ کیا لیکن کامران کی تلوار بھی تیار تھی اس کی تلوار بیری سان کی تلوار سے ٹکرائی سب لوگ دور ہٹ گئے اب وہ اپنے سردار کے انجام کے منتظر تھے دوسرے ہی لمحے دونوں کے درمیان خوف ناک جنگ شروع ہو گئی۔

بیری سان کسی زخمی درندے کی طرح جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہا تھا۔ دونوں کے تربیت یافتہ گھوڑے اپنے سواروں کے اشارے پر گھوم رہے تھے کامران ابھی تک صرف دفاع کر رہا تھا ایک بار پھر بیری سان نے غرا کر حملہ کیا اور بولا۔

''میں تیرا سر اپنے خیمے کے سامنے بانس میں نصب کروں گا کتے۔''

ابھی اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ کامران کی تلوار اس کی گردن پر پڑی اور اس کا سر اچھل کر دور جا گرا وہاں کھڑے لوگوں کے حلق سے آوازیں نکل گئیں۔

کامران نے انہیں گھورا اور بولا۔

''اور کوئی ہے جو موت کا مزہ چکھنا چاہتا ہے۔''

''کوئی کچھ نہ بولا بہت دیر تک خاموشی رہی پھر کسی ایک نے کہا۔

''ہاں۔ سردار مر چکا ہے۔''

''لیکن ہم اسے سردار نہیں مانیں گے'' ایک شخص نے کہا'' ہم اسے مار ڈالیں گے'' دوسرے نے کہا اور کامران اس کی طرف گھوم گیا اس نے اپنے گھوڑے کو اس کی طرف بڑھایا تو وہ خوف زدہ ہو کر بھاگ نکلا اس کے بعد کسی نے کچھ نہیں کہا تھا۔ کامران گھوڑے سے نیچے اتر آیا اور انہیں گھورتا ہوا اس طرف چل پڑا جہاں کھانا پک رہا تھا۔ وہاں جا کر وہ ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور پھر اس نے انہیں مزید خوف زدہ کرنے کے لئے کھانے کی ہانڈی اٹھائی اور اس میں موجود گرم کھانا کھانے لگا۔

وہ سب اسے خوف زدہ نگاہوں سے دیکھنے لگے اس کی تلوار نے ہی ان لوگوں کو خوف زدہ کر رکھا تھا کہ اس کے اس انداز سے وہ لوگ اور مرعوب ہو گئے خود کامران کو یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ یہ سب کیسے کر رہا ہے اس وقت وہ...... ایک انتہائی وحشی قبیلے کا کوئی سردار ہی معلوم ہو رہا تھا اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ یہ سب کچھ اس کی اپنی کوششوں کا نتیجہ نہیں ہے کوئی اور اندرونی قوت اسے اس طرح کے کام کرنے پر مجبور کر رہی ہے ورنہ خود تو وہ ایک خوش مزاج زندہ دل اور زندگی کی لطافتوں میں ڈوبا ہوا نوجوان تھا پا نہیں یہ تبدیلی کن پراسرار قوتوں کا کارنامہ ہے واقعی انہیں پراسرار قوتوں کا کارنامہ ہی کہا جا سکتا تھا۔ اس کا مطلب ہے اس نے واپسی کا جو فیصلہ کیا ہے اس پر عمل نہیں کر پائے گا۔ وہ پراسرار قوتیں جو اسے پاتال پر تھی اور نہ جانے کیا کیا کہتی ہیں اسے گھیرے ہوئے ہیں راکان ہنزہ بے شک اپنے عمل ترک کر چکا ہے۔ اور کامران اس کے چنگل سے نکل چکا ہے لیکن اس پراسرار علاقے کی پراسرار قوتیں اس کے ارد گرد پھیلی ہوئی ہیں اور وہ اتنی آسانی سے اس کا پیچھا نہیں چھوڑیں گی جس طرح وہ اس وقت وحشیانہ انداز میں اس گرم ہانڈی سے کھانا کھا رہا تھا۔ وہ ان لوگوں پر وحشت طاری کرنے کے لئے کافی تھا ایک لمحہ کے اندر کامران نے سوچا کہ اگر ان لوگوں کی غلامی اسے حاصل ہو جائے تو یہاں بہت سے کام ہو سکتے ہیں۔ وہ حیران ہوا کہ اس نے کبھی انسانوں کو غلام بنانے کے بارے میں نہیں سوچا تھا یہ کون سی پراسرار قوتیں ہیں جو اس کے ذہن پر حاوی ہو کر اسے ایک عجیب و غریب مقصد کے لئے اکسا رہی ہیں۔

اسے اپنی دوہری شخصیت کا احساس تھا ایک طرف وہ صرف کامران تھا جو ان ہنگامہ آرائیوں سے ہٹ کر اپنی دنیا میں واپس چلے جانا چاہتا تھا وہاں جہاں اس نے اپنی زندگی کے بہترین شب و روز گزارے تھے اور ایک طرف یہ کیفیت تھی آخر یہ سب کیا ہے کیا اس کی ذات پر کوئی اور شخصیت حاوی ہو گئی ہے کون ہے جو اسے ان سوچوں میں مبتلا کئے ہوئے ہے۔ غور کرنا پڑے گا اس پر، غور کرنا پڑے گا یہ تو اچھی بات نہیں ہے'' وہ اپنے آپ کو کسی کی تحویل میں دینا نہیں چاہتا تھا۔ اپنے طور پر زندگی گزارنے کا مزہ ہی کچھ اور ہوتا ہے اور اب وہ آئینہ سلفا اور اسی طرح کی دوسری شخصیتوں میں سے کسی کے جال میں پھنسنا نہیں چاہتا تھا۔

''یہ غلط ہے کامران'' اسے اپنے ذہن میں ایک آواز گونجتی ہوئی محسوس ہوئی اور وہ بری طرح

اچھل پڑا۔ آواز دوبارہ اس کے ذہن میں گونجی۔

"ہاں اس دوران تم نے پہلی بار میرا نام اپنی پیاری زبان سے پکارا ہے کامران مجھے معاف کرنا تم جانتے ہو میری پوری زندگی ایک مشن ہے اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم ان تمام چیزوں سے فرار حاصل کر کے اپنی دنیا میں واپس جا سکتے ہو تو ابھی براہ کرم ابھی ایسے مت سوچو...... اپنے طور پر فیصلے مت کرو۔ تمہیں ایک اہم کام کرنا ہے کتنی پر اسرار قوتیں تمہارے پیچھے کیوں نہ لگ جائیں۔ بہر حال وہ اہم کام کرنا ہے جس کے لئے تمہیں مخصوص کر دیا گیا ہے براہ کرم ابھی اس سے بھاگنے کی کوشش مت کرو اور جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں تمہیں ایک بات بتا دوں کہ نہ صرف میں بلکہ سب جو تمہارے خواہش مند ہیں تمہیں نہیں چھوڑیں گے" کامران کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھا تو اسے پھر ایک آواز سنائی دی۔

"جے اکال بھوڑی جے پرم پر ماتم بھلا تم اسے کیسے بھول سکتے ہو جس کا تمہاری زندگی سے اتنا گہرا تعلق تھا کہ تم سوچو بھی تو سوچ نہ پاؤ نہیں ایسے مت سوچو تمہیں ہمارا کام کرنا ہے ہمارا کام کرنا ہے تمہیں ہر قیمت پر" کامران کی آنکھوں میں سرخی سی بھر گئی اسے یوں لگا جیسے وہ انوکھی آواز اس کے سارے وجود پر حاوی ہوتی جا رہی ہو۔ اس کی آنکھوں میں خون کی سرخ چادر پھیل گئی ایک بار پھر اسے اپنا دماغ ماؤف ہوتا محسوس ہوا غالباً پر اسرار قوتوں نے اس کے ذہن پر اثر ڈالا تھا کیونکہ ان دنوں وہ زیادہ سے زیادہ یہ سوچ رہا تھا کہ وہ کسی آبادی میں پہنچ کر اپنے مشن پر نکل جائے تب اسے راکان ہنزہ کی آواز سنائی دی۔

"نہیں یہ ممکن نہیں ہے تمہیں ایک قوم کا فیصلہ کرنا ہو گا تم کیا جانو وہ کتنے ہیں جو تمہاری آس پر جی رہے ہیں۔ انہیں سنبھالنا تمہارا اپنا کام ہے اور سنو! یہ جو تمہارے ساتھ ہیں ان کو کنٹرول کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے وہ یہ کہ تم انہیں لالچ دو خزانے کا یہ علاقہ خزانے ہی کی وجہ سے مشہور ہے اور یہ سب کے سب ایک ہی راستے کے راہی ہیں۔ انہیں صرف اور صرف خزانے کا لالچ کسی قسم کے جرم سے باز رکھ سکتا ہے ورنہ یہ بالکل مختلف لوگ ہیں تمہیں ان کے ہاتھوں نقصان بھی پہنچ سکتا ہے اور آخری بات یہ کہ ابھی جانے کے بارے میں مت سوچو ظاہر ہے تمہیں اپنی دنیا میں ہی جانا ہے لیکن فیصلہ کرتے جاؤ فیصلہ کرنا بہت ضروری ہے۔" نہ جانے کیوں کامران کو اپنے دل و دماغ میں ایک عجیب سی کشمکش محسوس ہوئی کچھ آوازیں کچھ سنسناہٹیں اسے عجیب و غریب انداز میں محسوس ہو رہی تھیں وہ سوچوں میں ڈوبا ہوا تھا کیا کرے کیا نہ کرے اچانک ہی اس کے ذہن پر ایک سکون کی چادر چھا گئی کون سا ابھی کوئی راستہ اس کے سامنے پڑا ہے وقت بڑے بڑے فیصلے کر لیتا ہے وقت کے فیصلے کا انتظار کرنا چاہیے اس نے دل میں سوچا اور اس کے بعد اس پر ایک سکون سا چھا گیا اس نے بیری سان کو قتل کر دیا تھا بیری سان بلاوجہ اس کے راستے میں آیا تھا یہ صورتحال بحالت مجبوری پیدا ہوئی تھی۔ اس نے ان لوگوں کو دیکھا اور کرخت لہجے میں بولا۔

"کون ہے جو میرے ساتھ چلنے کو تیار ہے بولو! تمہارا سردار تو مارا گیا تم جسے چاہو اپنے قبیلے میں اسے سردار چنو لیکن تم میں سے جو میرا ساتھ دے گا اسے اتنی دولت دوں گا جس کا تم لوگوں نے تصور بھی نہ کیا ہو گا۔" کامران نے ان کے چہروں کے تاثرات بدلتے ہوئے دیکھے دولت کے ذکر پر ان کی

چمک اٹھیں لیکن ان کا شبہ دور نہیں ہوا تھا ان میں سے ایک نے کہا

"کیا تم سچ کہہ رہے ہو اس کا ثبوت کیا ہے جواب دو ورنہ ہم تمہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے"

کامران نے جواب دینے کے بجائے اپنا گھوڑا اس شخص کی طرف گھمایا اور وہ شخص خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹ گیا لیکن کامران نے اسے کچھ نہ کہا اور کافی دیر تک اس کی صورت دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

"اگر تم میں سے کسی کے دماغ میں کوئی سودا سمایا ہوا ہے تو آؤ میں اسے بتا دوں۔"

"یہ گھوڑا کس کا ہے؟"

"یہ ہمارے ایک آدمی کا ہے۔"

"ہاں یہ گھوڑا تمہارے ہی ایک آدمی کا ہے اس نے بزدلوں کی طرح مجھ پر وار کیا تھا اس لئے میں نے اسے ہلاک کر دیا۔" سب کھڑے ہوئے اسے غصے اور نفرت سے دیکھ رہے تھے پھر ایک شخص نے آگے بڑھ کر کہا۔

"تم ہمیں کہاں لے جاؤ گے اور کیا ہمیں تمہارا پابند رہنا ہو گا۔"

"تم بے وقوف بھی ہو اور بزدل بھی' نہ تمہارا کوئی گھر ہے اور نہ خاندان ان ویرانوں میں بھٹکتے ہوئے جنگلی جانوروں کی طرح مر جاؤ گے اگر تم سب جہنم میں ہی جانا چاہتے ہو تو میری بلا سے" وہ خونخوار نظروں سے اسے گھورنے لگے پھر بھاری بھرکم شخص نے کہا۔

"سنو! اگر تم ہمیں اس خزانے تک لے چلو گے تو ہمیں تمہاری رہنمائی پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"اور میں تم سے صرف ایک بات کہتا ہوں کہ میں سچ بولتا ہوں کہ میرے ساتھ چلو گے تو خطرات کا مقابلہ کرنا پڑے گا تمہیں تم میں سے بہت سے ہلاک بھی ہوں گے لیکن جو بچ جائیں گے انہیں اتنی دولت ملے گی جس کا کسی نے تصور بھی نہیں کیا ہو گا۔"

"ہمیں منظور ہے" ایک شخص نے کہا اور پھر ہر شخص یہی بات دہرانے لگا "ہمیں منظور ہے" "ہمیں منظور ہے۔"

"ایک بات یاد رکھو ہم بڑی خطرناک جگہ چل رہے ہیں"

"ہم کسی سے نہیں ڈرتے۔"

"تو پھر آؤ" اب کامران ان کی رہنمائی کر رہا تھا۔

"مقصد ابھی تک کچھ بھی نہیں تھا بس اچانک ہی جو کیفیت اس پر طاری ہوئی تھی وہ ایک سحر کی سی کیفیت تھی اور وہ اسی پر عمل کر رہا تھا۔ اس علاقے سے اسے اتنی واقفیت تھی کہ وہ آگے بڑھتا رہا۔ وہ لوگ اپنی پیش قدمی کو خفیہ رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کامران جانتا تھا کہ وہ لوگ اب ماتی کوتا پہنچنے والے ہیں۔ اب ممکن ہے بہت جلد وہ لوگ بھی مل جائیں۔ جن کے ساتھ ایلیس اور ہارڈی موجود ہیں۔ بہر حال وہ لوگ اس وادی تک پہنچ گئے جہاں چشمے کے کنارے خانہ بدوش خیمہ زن تھے۔ کامران نے اپنے ساتھیوں کو چٹانوں کے پاس کافی دور چھوڑ دیا اور چھ سات آدمیوں کو لے کر بستی تک آیا۔ یہاں بلندی تھی اور یہاں سے وہ نیچے کا منظر صاف دیکھ سکتے تھے۔ خانہ بدوشوں کے گھوڑے پڑاؤ کے نزدیک چر رہے تھے ایک سمت بھیڑوں کا

ریوڑ اپنی بھوک مٹانے میں مصروف تھا کئی سوار مختلف سمتوں میں پہرہ دے رہے تھے لیکن الیوس اور ہارڈی نظر
نہیں آرہے تھے۔ پتا نہیں وہ دونوں کہاں غائب ہوگئے۔

''ان کے آدمیوں کی تعداد ہم سے بہت کم ہے ہم آسانی سے انہیں ختم کرکے ان کے سامان پر
قبضہ کرسکتے ہیں۔''

''شاید عورتیں دیکھ کر تمہارے منہ میں پانی بھر آیا ہے۔''

''ان کی عورتیں بڑی خوب صورت ہوتی ہیں یہ لوگ کوہ ارزک سے سونا لے کر آتے ہیں اور انہیں
تاجروں کے ہاتھوں فروخت کردیتے ہیں۔'' کامران کو یاد آیا کہ کوہ ارزک کے بارے میں اس نے سنا تھا کہ
یہاں سونے کی کان ہے۔ اس نے پھر بھی کہا۔

''لیکن یہ سب کہانیاں ہیں۔ جہاں میں تمہیں لے جارہا ہوں وہاں مال وزر کے بے شمار خزانے
ہیں جو ساری زندگی کے لئے کافی ہوں گے تم سب کو احتیاط سے کام لینا ہوگا...... خبردار! کوئی باہر نہ آئے......
اور تم میرے ساتھ آؤ۔'' اس نے باقی پانچ افراد سے کہا۔

بہر حال جن کو واپس بھیجنے کی ہدایت کی گئی تھی وہ واپس چلے گئے۔ کامران ان چٹانوں کی آڑ لیتا
ہوا نشیب کی سمت بڑھا۔ وہ کیمپ کے قریب پہنچا ایک بلند جگہ جھاڑیوں کی آڑ سے کامران نے ایک بار پھر
کیمپ کا جائزہ لیا۔ لیکن اسے اپنے دشمنوں کا کوئی نشان نظر نہیں آیا۔ پھر وہ ایک بلند ٹیلے پر چڑھنے لگا اس سے
وادی کے دوسری طرف دیکھنا بھی ممکن تھا۔ بلندی پر پہنچ کر وہ چٹان کی آڑ میں لیٹ گیا اور اس نے چاروں
طرف دیکھنا شروع کیا اور پھر اچانک وہ اچھل پڑا بہت دور سے چند دھبے حرکت کرتے نظر آرہے تھے۔
کامران کو اندازہ ہوگیا کہ یہ بہت سے سوار ہیں جو وادی کی سمت بڑھ رہے ہیں وہ پھرتی کے ساتھ اپنی جگہ
سے ہٹا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر اس مقام پر پہنچا جہاں سے ہارڈی اور الیوس نے چشمے کو پار کیا تھا گیلی
زمین پر ان کے بوٹوں کے نشان واضح تھے۔

کامران کو اس بات پر حیرت تھی کہ خانہ بدوشوں نے کیسے ان پر اعتبار کرلیا کہ ان کو تنہا جانے دیا
بہر حال بہت سے معاملات علم میں نہیں آتے ادھر وہ نامعلوم سوار وادی کی سمت جن کی تعداد اچھی خاصی تھی۔
کامران ابھی صورتحال پر غور کررہا تھا کہ گولیاں چلنے کی آواز سن کر چونک پڑا اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور
بلندی پر چڑھنے لگا اس کے پانچوں ساتھی پیچھے آرہے تھے بلندی پر پہنچ کر انہوں نے جو منظر دیکھا وہ ان کے
لئے حیران کن تھا باقی دوسرے لوگوں نے وادی میں موجود خیمہ زن خانہ بدوشوں پر حملہ کردیا تھا اس اچانک
حملے سے خانہ بدوشوں کو سنبھلنے کا موقع نہیں ملا تھا اور ان کے بہت سے آدمی مارے گئے تھے لیکن پھر انہوں نے
یہ پوزیشن سنبھال لی اور خیمہ اور گھوڑوں کی آڑ میں مقابلہ کرنے لگے۔ وہ ایک بلندی سے فائر کررہے تھے اور
ان کے پاس رائفلیں تھیں اس لئے خانہ بدوشوں کا بھاری نقصان ہورہا تھا۔ وہ اپنی ہلکی بندوقوں سے مقابلہ
کررہے تھے اور بعض اپنے تیر کمانوں سے نشانہ لے رہے تھے پھر ہم حملہ آور فتح کے جوش میں نشیب کی طرف
لپکے گولیوں کی بوچھاڑ سے کئی سوار نیچے گرے لیکن باقی بھوکے درندوں کی طرح خانہ بدوشوں پر ٹوٹ پڑے۔
کامران کی آنکھوں میں خون اتر آیا اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور نشیب میں اتر کر چشمے

کے کنارے کنارے اس سمت جھپٹا اس نے اپنی تلوار نکال لی تھی جو دھوپ میں چمک رہی تھی۔ اس کے باقی
پانچوں ساتھی بھی پوری رفتار سے گھوڑے دوڑا رہے تھے الیوس اور ہارڈی کے جانے کے بعد ان خانہ بدوشوں
پر حملہ بے کار تھا۔ اس حملے نے اس کے تمام منصوبے پر پانی پھیر دیا تھا اور نہ جانے کیوں اس کے پورے
وجود میں غیظ وغضب کی بجلیاں کوند رہی تھیں۔

وہ کسی طوفان کی طرح کیمپ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ انہوں نے اسے تلوار لہراتے ہوئے دیکھا تو وہ
سمجھے کہ وہ ان پر حملہ کرنے آرہا ہے وہ بھی مقابلے کے لئے تیار ہونے لگے۔

ادھر خانہ بدوش بھی یہ سمجھے کہ ان پر دوسری سمت سے کوئی نیا حملہ ہورہا ہے انہوں نے اپنی
بندوقوں کا رخ کامران اور اس کے ساتھیوں کی طرف پھیر دیا اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حملہ آوروں
نے ان کے بچے کچے ساتھیوں کا صفایا کرنا شروع کردیا اس سے پہلے کہ خانہ بدوش سنبھل سکتے وہ ہر سمت سے
یلغار میں گھر چکے تھے کامران کے ساتھی جنہیں وہ اب اپنا ساتھی ہی کہہ سکتا تھا اور جو اس کے ساتھ سفر کررہے
تھے بڑی سفاکی کے ساتھ قتل عام کررہے تھے اور کامران ان کے بارے میں اندازہ لگا رہا تھا کہ یہ لوگ کس
قدر بھیانک ہیں یہ حقیقت تھی کہ بھیری سان نے جو گروہ بنایا تھا وہ معمولی حیثیت کا حامل نہیں تھا۔ وہ تو اتفاق
کی بات یہ تھی کہ کامران کسی پراسرار قوت کے سہارے کامرانی حاصل کرگیا تھا بھیری سان اگر ان لوگوں کو
اشارہ کردیتا تو یہ کامران کے اتنے ٹکڑے کرتے کہ گنے بھی نہ جاتے۔ اس وقت وہ ان کی سفاکی دیکھ رہا تھا۔
وہ لوگ عورتوں اور بچوں کو بھی بے دردی کے ساتھ قتل کررہے تھے۔ لیکن یہ صورتحال کامران کے لئے انتہائی
تکلیف دہ تھی۔

اس کا غصہ بڑھتا جارہا تھا یہاں تک کہ وہ ان کے قریب پہنچا اور اس نے اپنی تلوار سے اپنے کئی
ساتھیوں کو ٹھکانے لگا دیا اس نے اتنے قہر کے عالم میں حملہ کیا تھا کہ وہ لوگ بھاگنے لگے۔ اس دست بدست
جنگ میں رائفلوں کے استعمال کا موقع نہیں مل سکا تھا اور پھر بیشتر کی گولیاں بھی ختم ہوگئی تھیں۔ خانہ بدوش
الگ جانیں بچا بچا کر الگ الگ سمتوں میں بھاگ رہے تھے اور ان وحشیوں کی زد میں آکر ہلاک بھی ہورہے
تھے ذرا سی دیر کے بعد جنگ ختم ہوگئی زندہ بچنے والی عورتوں اور بچوں کی چیخ و پکار سے فضا بھی گونج رہی تھی
ادھر وہ لوگ کامران سے خوف زدہ ہوکر دور ہٹ گئے تھے وہ حیرت سے کامران کو دیکھ رہے تھے کامران نے
انتہائی خونخوار لہجے میں کہا۔

''کس نے تمہیں حملے کا حکم دیا تھا'' غصے میں کامران ایک خونخوار شیر نظر آرہا تھا ان میں سے ایک
نے کہا۔

''ڈولاس نے ڈولاس۔'' کامران اس شخص کو جانتا تھا وہ ایک خونخوار شخصیت کا مالک تھا۔

''کیوں۔''

''ہاں اس نے کہا تھا کہ تم ہمیں دھوکا دے کر بھاگ گئے اور خانہ بدوش ہم پر حملہ کرنے وا۔
ہیں کامران ایک خوف ناک دھاڑ کے ساتھ ڈولاس کی جانب جھپٹا جہاں وہ کھڑا ہوا اسے غصے سے گھور رہا
اس سے پہلے کہ وہ مدافعت کی کوئی کوشش کرسکے کامران کی تلوار موت بن کر اس پر گری اور اس کی گرد

کٹ کر دور جا گری۔

''درندوں وحشیو خدا تمہیں غارت کرے اس قتل عام سے تمہیں کیا مل گیا۔ کتنا سونا تمہارے ہاتھ لگا بولو؟ کتو کیا ملا تم کو۔''

''ان کے پاس سونا تھا ہی نہیں'' ان میں سے ایک نے مایوس کن لہجے میں کہا۔ ڈولاس نے جھوٹ بولا تھا گیدڑ کے بچو میں تم کو یہیں چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔ جاؤ تم سب جہنم میں۔''

''چلے جاؤ لیکن تم اس طرح ہماری بے عزتی نہیں کر سکتے۔'' ایک شخص نے چیخ کر کہا۔

''ہم تمہارے بغیر بھی زندہ رہ سکتے ہیں۔'' دوسرے نے کہا۔

''چلو ہمیں اس شخص کی ضرورت نہیں ہے'' ''احمقو اب تم بچ کر کہاں جاؤ گے میں نے دیکھا ہے قبائلیوں کا ایک بڑا گروہ اس سمت بڑھ رہا ہے فرار ہونے والے خانہ بدوش تمہارے قتل عام سے انہیں آگاہ کر دیں گے اس علاقے کے سارے قبائل تمہارے دشمن ہیں اب بتاؤ تم بچ کر کدھر جاؤ گے وہ لوگ کامران کے ان الفاظ سے خوف زدہ ہو گئے ان کی لوٹ مار کی وجہ سے علاقے کے تمام قبیلے ان کے دشمن تھے اور وہ اس علاقے میں اس لئے قدم نہیں رکھتے تھے کہ فرار ہونا دشوار تھا۔''

''تم نے اپنی موت کو خود دعوت دی ہے اب ہمیں اس شخص کے علاوہ کوئی اور نہیں بچا سکتا'' ایک بزرگ نے کہا۔

''ہم تمہاری ہر بات مانیں گے ہمیں معاف کر دو۔''

کامران نے تلوار نیام میں رکھی اور جلدی جلدی ان کا جائزہ لینے لگا۔ وہ لوگ اس کی ہدایت پر بلا تامل عمل کر رہے تھے خانہ بدوشوں کے گھوڑے جلدی جلدی جمع کئے جانے لگے اور سورج غروب ہوتے ہی وہ اپنے زخمیوں کو لے کر وہاں تیزی سے روانہ ہو گئے۔

کامران نے وہ راستہ اختیار نہیں کیا جس پر الیوس اور ہارڈی گئے تھے باوجود یہ کہ یہ ہموار راستہ تھا۔ اسے شہر جانے کا دوسرا راستہ بھی معلوم تھا کامران کو اعتماد تھا کہ وہ ان دونوں کو آسانی سے جالے گا لیکن اس وقت اسے ان قبائلی لوگوں سے بچ کر نکل جانے کی فکر لگی ہوئی تھی جن کے گروہ کو اس نے اپنی سمت بڑھتے دیکھا اسے یقین تھا کہ وہ اس کا تعاقب ضرور کریں گے بچے کھچے خانہ بدوشوں نے ان کو قتل عام کے متعلق ضرور بتا دیا ہوگا۔ خانہ بدوش بڑے غیظ و غضب کے عالم میں انتقام لینے کے لئے بڑھ رہے ہوں گے اس لئے سیدھے ہموار راستے پر جانے کے بجائے کامران نے مغرب کی سمت سے ایک دشوار گزار پہاڑی راستے پر آگے بڑھنا شروع کر دیا وہ تاریکی میں کسی شیطانی لشکر کی طرح تنگ دروں اور خطرناک گھاٹیوں کے درمیان ہوتے ہوئے سفر کر رہے تھے صبح سے پہلے وہ چٹانوں کے درمیان بہنے والی ایک ندی کے کنارے پہنچ گئے۔

وہ پانی کے اندر سے ہوتے ہوئے تین چار میل تک آگے بڑھتے رہے اس کے بعد کنارے پر آ گئے۔ کامران کو معلوم تھا کہ قبائلی ان کے نشانات تلاش کرتے ہوئے ان کا تعاقب کریں گے اس لئے اس نے دانستہ پانی میں سفر کیا تھا تاکہ دشمن ان کا سراغ نہ لگا سکیں اس کے علاوہ یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ دشمن کو یہ اندازہ ہو سکے کہ وہ شہر کی سمت جا رہے ہیں۔

ندی کے کنارے کافی دور تک چلنے کے بعد انہوں نے پہاڑوں کا رخ کیا سورج نکلا تو وہ خطرناک پہاڑیوں کے درمیان پہنچ چکے تھے تھکان سے ان سب کی حالت غیر ہو رہی تھی کامران نے وہاں قیام کرنے کا حکم دیا تاکہ وہ تازہ دم ہو جائیں۔ قبائلی کھانا تیار کرنے میں مصروف ہو گئے۔ کامران ان کو چھوڑ کر ایک سب سے اونچی پہاڑی پر پہنچا اور دوربین کے ذریعے گرد و پیش کا جائزہ لینے لگا جب اسے اطمینان ہو گیا کہ قبائلیوں کو ان کا سراغ نہیں مل سکا ہے تو اس نے نیچے آ کر اپنی بھوک مٹائی اور خود بھی آرام کرنے کے لئے دراز ہو گیا۔

سورج ڈھلتے ہی وہ پھر روانہ ہو گئے۔ یہاں سے راستہ بہت دشوار گزار تھا نوک دار چٹانوں سے گزرتے بلندیوں اور خطرناک ڈھلوانوں کو پار کرتے وہ مسلسل سفر کرتے رہے ایک سنسان پہاڑی علاقہ تھا کہ قبائلیوں کے چہرے سے خوف جھلکنے لگا انہیں خانہ بدوشوں کے حملے کا بھی اتنا ہی خوف تھا کہ وہ کامران کے ہر حکم کی تعمیل بلا تامل کر رہے تھے کامران نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لئے ایسا راستہ اختیار کیا تھا جس پر تعاقب کا امکان کم سے کم تھا وہ جیسے جیسے مغرب کی طرف بڑھتے گئے کامران کو وہ نشانات ملتے گئے جو شہر کے راستے کی رہنمائی کرتے تھے ویسے بھی وہ اسی چوٹی سے راستے کا اندازہ کرتا ہوا بڑھ رہا تھا سورج غروب ہونے سے پہلے وہ ایک چوڑی اور کشادہ وادی میں پہنچ گئے جس کی ڈھلوان سے شہر کی فصلیں نظر آ رہی تھیں۔

شہر ایک پہاڑ کے دامن میں واقع تھا۔ جہاں سے وہ وادی نظر آتی تھی جنوب میں اونچے نیچے ناہموار پہاڑوں کا سلسلہ کوہ ارزک تک چلا گیا تھا وادی کے شمال اور مغرب کا راستہ بلند پہاڑیوں سے گھرا ہوا تھا مشرق کی سمت ایک ڈھلوان راستہ چٹانوں کے درمیان سے ہوتا ہوا شہر کے بڑے پھاٹک کی سمت جاتا تھا۔

کامران نے اوپر چڑھ کر ہر سمت کا جائزہ لیا اور مطمئن ہو کر پڑاؤ پر واپس آ گیا وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر ایک محفوظ گھاٹی میں پہنچا اور ان کو وہیں پوشیدہ رہنے کی تاکید کی یہاں سے ایک ڈھلوان راستہ شہر کے بالکل قریب تک جاتا تھا اور جہاں پر ڈھلوان ختم ہوتی تھی وہ جگہ ہر سمت سے بلند چٹانوں سے گھری ہوئی تھی۔ فرار کی کوئی راہ نہ ہونے کی بنا پر یہ جگہ خطرناک ثابت ہو سکتی تھی لیکن گھوڑے اتنے تھک چکے تھے کہ آرام کے بغیر ان کو استعمال کرنا دشوار تھا اس کے ساتھی بھی تھکان سے نڈھال تھے اس لئے قیام کے علاوہ چارہ نہ تھا۔ کچھ دیر بعد وہ ایک گھاٹی تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ جو اس درے سے باہر جاتی تھی کچھ لوگوں کو وہاں نگرانی پر مامور کر کے واپس آیا اور ان لوگوں کو بتایا کہ وہ تنہا جا کر پہلے صورتحال کا جائزہ لے گا۔ تاکہ شہر میں داخلے کے لئے کوئی طریقہ سوچ سکے۔ قبائلیوں نے اسے شبہ بھری نگاہوں سے دیکھا لیکن خاموش رہے۔ کامران پر انہیں اعتبار رہا ہو یا نہیں اس کے بغیر وہ خود کو اس علاقے میں بے سہارا محسوس کرتے تھے انہیں ہر لمحہ خانہ بدوشوں کے حملے کا خدشہ لگا ہوا تھا۔ لیکن کامران کو اب کوئی فکر نہ تھی اسے یقین تھا کہ اگر قبائلی ان تک پہنچ بھی گئے تو اس پہاڑی علاقے میں مقابلہ دشوار نہیں ہوگا۔ اس کو یہ بھی معلوم تھا کہ شہر کے باشندے اپنی فصیلوں سے باہر بہت کم ہی نکلتے تھے اس لئے ان کی جانب سے کوئی خطرہ نہیں تھا۔

کامران خود بھی بہت تھکا ہوا تھا لیکن جب اس پر مہم جوئی کا جنون سوار ہوتا تھا تو وہ سب کچھ بھول جاتا تھا اس وقت بھی وہ بھوکا پیاسا ہونے کے باوجود چاق و چوبند نظر آ رہا تھا۔ وہ گھاٹی سے باہر نکلا تو ہر سمت

تاریکی پھیل چکی تھی۔ آسمان پر چمکتے ہوئے تاروں کی روشنی اس کی رہنمائی کے لئے کافی تھی۔ سیدھے جانے کے بجائے وہ چٹانوں کی آڑ لیتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا اور شاید اسی لئے اسے غار کا وہ دہانہ نظر آ گیا جس کے اندر وہ چھپے ہوئے تھے۔

یہ غار دو بلند نوکیلی چٹانوں کی آڑ میں تھا۔ پہاڑی سے باہر نکلی ہوئی ایک چٹان نے چھجے کی طرح اس پر سایہ کر رکھا تھا۔ تمارس کی گھنی بیلوں نے دہانے کو تقریباً چھپا رکھا تھا اگر اندر جلتی آگ کی روشنی کی جھلک نظر آتی تو کامران شاید اس میں پوشیدہ ٹھکانے کا پتا کبھی نہ لگا سکتا۔ وہ چٹانوں اور جھاڑیوں کی آڑ لیتا ہوا آگے بڑھا اور گھنی بیلوں کی آڑ سے اس نے اندر جھانکا باہر سے دہانہ چھوٹا تھا۔ لیکن اندر جا کر غار بہت کشادہ ہو گیا تھا۔

آگ کے گرد تین آدمی بیٹھے ہوئے تھے اور کھانے کے ساتھ ساتھ باتیں کر رہے تھے کامران نے فوراً انہیں پہچان لیا یہ تینوں الیوس اور ہارڈی کے ملازم تھے جنہیں وہ پہلے ہی دیکھ چکا تھا غار کے بالکل قریب اندرونی حصے میں گھوڑے بندھے ہوئے تھے اور دیگر ساز و سامان رکھا ہوا تھا ان کی باتیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ کیونکہ فاصلہ زیادہ نہیں تھا وہ سوچ رہا تھا کہ چوتھا ملازم اور وہ دونوں کہاں گئے۔

کامران دہانے سے ہٹ کر جھاڑیوں میں انتظار کرنے لگا اور یہ اچھا ہوا کیونکہ ذرا دیر بعد ہی چوتھا ملازم جلانے کے لئے لکڑیوں کو دونوں ہاتھوں میں اٹھائے نمودار ہوا غار کے دہانے کی سمت جاتے ہوئے وہ کامران کے اتنے قریب سے گزرا کہ وہ ہاتھ بڑھا کر اسے چھو سکتا تھا لیکن کامران نے ہاتھ نہیں بڑھایا بلکہ چیتے کی طرح جست لگا کر اس کی پشت پر سوار ہو گیا اور اتنے زور سے اس کی گردن دبائی کہ لکڑیاں اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑیں ملازم نے دہشت زدہ ہو کر چیخنا چاہا لیکن حلق سے آواز نہ نکل سکی۔

لکڑیاں جھاڑیوں پر گری تھیں اس لئے کوئی آواز نہیں ہوئی کامران کی گرفت اتنی سخت تھی کہ ملازم کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا جلد ہی کامران اسے زمین پر گرا کے سینے پر سوار ہو گیا اور خنجر اس کی گردن پر رکھ دیا ملازم نے اسے پہچان لیا تھا اور وہ اتنا دہشت زدہ ہو گیا تھا کہ اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

"وہ دونوں کہاں ہیں؟" کامران نے خونخوار لہجے میں سرگوشی کی۔ "جلدی بتا ورنہ گردن کاٹ کر پھینک دوں گا۔"

"وہ اندھیرا ہوتے ہی شیطانوں کے شہر کی طرف چلے گئے" ملازم نے گھٹی ہوئی کانپتی آواز میں کہا۔

"کیا وہ تنہا تھے؟"

"نہیں......ایک گنجا پجاری ان کے ساتھ تھا وہ اپنے ہتھیار بھی ساتھ لے گئے ہیں۔"

"وہ کس لئے شہر گئے ہیں۔"

"میں قسم کھاتا ہوں مجھے کچھ نہیں معلوم۔"

"مجھے سب کچھ سچ سچ بتا دو ورنہ جان سے مار دوں گا۔"

کامران نے دھمکی دی۔ دوسرے ہی لمحے کروٹ لے کر خنجر نکال کر اس نے کامران پر حملہ کر دیا لیکن

کامران نے بڑے اطمینان سے اس کے وار سے بچتے ہوئے جھپٹ کر اس کی گردن دونوں ہاتھوں میں دبوچ لی اپنی فولادی گرفت میں لے کر اتنے زور سے جھٹکا دیا کہ گردن چٹاخ سے ٹوٹ گئی بے جان جسم کو ایک جانب پھینک کر وہ پھرتی سے جھاڑیوں کی آڑ میں ہو گیا اسی وقت غار کے دہانے پر ایک سایہ نمودار ہوا آنے والے ملازم نے ڈرتے ڈرتے اپنے ساتھی کو آواز دی اور تاریکی میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

جب اسے کوئی جواب نہ ملا تو اس نے دوسرے ساتھیوں کو آواز دی رائفلیں ہاتھ میں لئے ہوئے وہ باہر نکلے اور ہر سمت دیکھنے لگے اچانک ان کی نظر اپنے ساتھی کی لاش پر پڑی وہ لاش پر جھک کر خوف زدہ لہجے میں باتیں کرنے لگے۔

"میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ یہ شیطانی جگہ ہے" ایک نے کہا۔

"انہوں نے آخر کار ہمارے ساتھی کی جان لے لی۔"

"وہ ہمیں بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے" دوسرے نے کہا۔

"یہ حرکت انہی شیطانی پجاریوں کی ہے" تیسرے نے کہا۔

"وہ صاحب لوگ کو بھی مار ڈالیں گے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو" پہلے نے کہا۔

"جانوروں پر سامان لدا ہوا ہے آؤ ہم فوراً یہاں سے بھاگ چلیں"

ذرا دیر بعد ہی وہ جانوروں پر لدے ہوئے ساز و سامان کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو گئے کامران اپنی خوش قسمتی پر مسکرا رہا تھا۔

کامران کی نگاہیں شہر کی روشنیوں پر مرکوز تھیں وہ ان لوگوں کے خفیہ ٹھکانے سے نکل کر چلتا ہوا شہر کی فصیل کے سامنے پہنچ گیا تھا اور اندر داخلے والے بڑے پھاٹک کی طرف دیکھ رہا تھا ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی اور وہ گھنے درختوں میں چھپا ہوا تھا اس لئے دیکھے جانے کا خدشہ نہ تھا شہر میں داخلے کا بڑا پھاٹک کھلا ہوا تھا مسلح پہرے دار نگرانی کے لئے مستعد کھڑے تھے کامران سوچ رہا تھا کہ شہر پر کسی حملے کا خطرہ بظاہر نہیں تھا پھر مسلح پہرے داروں کی موجودگی کا سبب کیا ہو سکتا تھا اس علاقے کے مسلمان قبائل شہر کو کافروں کا شیطانی شہر کہتے تھے اور ادھر کا رخ نہیں کرتے تھے اسے یقین تھا کہ الیوس اور ہارڈی اس وقت شہر میں کسی جگہ موجود تھے انہیں غار میں واپس بھی آنا تھا لیکن وہ کس مقصد کے لئے شہر گئے تھے یہ اسے نہیں معلوم تھا البتہ اندازہ ضرور تھا انتقام کا جنون اس پر سوار تھا اس لئے وہ ہر قیمت پر فصیل کے اندر جانا چاہتا تھا وہ ابھی تاریکی میں کھڑا اندر داخل ہونے کی ترکیب سوچ رہا تھا کہ مویشیوں کا ایک ریوڑ آتا ہوا نظر آیا۔

فوراً ہی ایک خیال اس کے ذہن میں آیا اور وہ جلدی سے اس موڑ پر پہنچ گیا جہاں سے مویشیوں کے ریوڑ کو گزرنا تھا۔ ذرا دیر بعد سامان سے لدا ہوا خچروں کا ایک قافلہ آتا نظر آیا جس کے آگے اور پیچھے بہت سے لوگ چل رہے تھے تاریکی کے باوجود ان کے پاس مشعلیں نہیں تھیں۔ جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ راستے سے بخوبی واقف ہیں۔ کامران نے پہچان لیا کہ وہ شہر کے باشندے تھے جنہوں نے لمبی عبائیں اور گول ٹوپیاں پہن رکھی تھی موڑ پر واقع ایک چٹان کی آڑ میں کھڑا وہ منتظر رہا حتیٰ کہ خچروں کی قطار گزر گئی اس

کے پیچھے چلنے والے اس کے قریب سے گزرے تو ان کے لباس کی بو اس کی ناک سے ٹکرائی۔

کامران انتظار کر رہا تھا جب آخری آدمی اس کے قریب سے گزرنے لگا تو اس نے جھپٹ کر اپنی کلائی سے اس کی گردن دبوچ لی اور گھسیٹ ہوا چٹان کی آڑ میں لے آیا دوسرے ہی لمحے ایک فولادی مکا اس کے جبڑے پر رسید کیا جو بے ہوش کر دینے کے لئے کافی تھا اس نے پھرتی کے ساتھ بے ہوش آدمی کا لباس اتار کر خود پہن لیا۔ اس کی کمر سے لگا ہوا پستول اور خنجر اپنی کمر میں لگایا اور آڑ سے باہر نکلا۔ تیز تیز قدم چلتا ہوا وہ خچروں کے ساتھ جانے والے لوگوں کی سمت بڑھا جو شہر کے پھاٹک پر پہنچ چکے تھے وہ دانستہ ان لوگوں کے پیچھے چل رہا تھا۔

وہ پھاٹک سے گزرے تو کسی نے کامران کی طرف توجہ نہ دی۔ شہر کے اندر داخل ہو کر وہ سڑک کے ہجوم میں شامل ہو گیا۔ لباس کے لحاظ سے وہ بھیڑوں کا چرواہا لگ رہا تھا۔ شہر کی روشن اور بارونق سڑکوں سے بہ خوبی واقف تھا یہ شہر ہمالیہ کی ترائی کی ایک پرانی بستی تھی یہاں کے باشندے مقامی اور منگول قوم کی مشترکہ تہذیب کے وارث تھے روایت کے مطابق منگولوں کے دور میں کافر قبیلے کا ایک گروہ یہاں آ کر آباد ہو گیا تھا وہ شیطان کی پوجا کرتے تھے۔ مقامی بدھ راہبوں اور ان کافروں کے درمیان شروع میں بڑی کشیدگی رہی لیکن کافروں نے اپنی چالاکی کے ذریعے مقامی آبادی کو بہت جلد زیر اثر کر لیا۔

وہ لوگ جادو ٹونے کے ماہر تھے جس کی بناء پر مقامی لوگ ان سے ڈرتے تھے اب شہر میں ملی جلی آبادی تھی کامران نے بدھ راہبوں کو بازار میں گھومتے دیکھا' جن کے سر گنجے تھے لیکن شکل و صورت سے وہ تبتی نہ لگتے تھے ان کا چہرہ اور خدوخال منگولوں سے زیادہ مشابہ تھے۔ درحقیقت اب یہ لوگ بدھ مذہب کے پجاری بھی نہ تھے راہبوں کا قدیم لباس انہوں نے اپنا لیا تھا لیکن خانقاہ اب بدھ کے بجائے شیطان کی پوجا کا مرکز بن گئی تھی اور راہبوں نے خانقاہ کی عمارت کو بھی تبدیل کر کے مندر کی طرح بنا لیا تھا۔

کامران نے وقت ضائع نہیں کیا۔ بلکہ وہ تیز تیز چلتا ہوا اس پرانی خانقاہ کے پاس پہنچا جو شہر سے کافی بلند پہاڑی کے ایک جانب واقع تھی اس خانقاہ تک پہاڑی کے کسی اور جانب سے پہنچنا ممکن نہیں تھا کیونکہ یہ شہر میں پہاڑی پر واقع تھا اس کی ڈھلوانیں سپاٹ دیواروں کی طرح تھیں یہ شہر کسی ناقابل تسخیر قلعہ کی مانند بنا ہوا تھا خانقاہ کی سیڑھیاں تقریباً سو فٹ چوڑی تھیں کامران کسی بوڑھے پجاری کی طرح آہستہ آہستہ سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر پہنچا خانقاہ کا کشادہ پھاٹک کھلا ہوا تھا اور وہاں داخلے پر کوئی پابندی نہ تھی۔ کامران نے اپنے جوتے اتار دیئے اور ننگے پاؤں اندر داخل ہوا ایک بہت وسیع اور کشادہ ہال سامنے تھا۔ جس میں جلتی ہوئی مشعلوں کی مدھم روشنی میں ہر سمت نیم تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ گنجے پجاری خاموشی کے ساتھ ادھر ادھر آ جا رہے تھے۔ کسی نے اس کی سمت توجہ نہ کی مندر میں دور دور سے بہت سے پجاری آتے تھے جو پردے میں چھپے ہوئے ارزک کے بڑے بت کو تعظیم دیتے اس لئے کامران کی وہاں موجودگی کوئی غیر معمولی بات نہ تھی اسے جب یہ اطمینان ہو گیا کہ کوئی اسے دیکھ نہیں رہا تھا تو وہ پھرتی سے ایک سمت نظر آتے ہوئے دروازے میں داخل ہو گیا جس پر مخمل کا پردہ پڑا ہوا تھا۔ ایک تنگ گلی نما راستے سے ہوتا ہوا وہ دوسرے ہال میں پہنچا۔ جو بالکل تاریک تھا وہ ٹٹولتا ہوا ایک زینے تک پہنچا اور احتیاط کے ساتھ سیڑھیاں طے کر کے ایک

غلام گردش میں پہنچا جو نیم تاریک تھی دریچوں کے پیچھے جلتے ہوئے چراغوں کی روشنی جالیوں سے آ رہی تھی۔

یہ چراغ ان کوٹھریوں میں جل رہے تھے جو پجاریوں کے آرام کرنے کے لئے بنی تھیں یا جہاں پر وہ طویل عرصے کے لئے مراقبہ کیا کرتے تھے تاکہ اپنی روحانی اور ساحرانہ قوتوں کو توانا بنا سکیں۔ اس غلام گردش کے آخر میں ایک اور زینہ تھا کامران اس پر چڑھتا ہوا زینے کے موڑ تک پہنچ گیا یہاں وہ ایک لمحے کے لئے ٹھہر گیا۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ زینے کے اختتام پر ایک مسلح پہرے دار موجود ہوگا اسے یہ بھی معلوم تھا کہ عموماً وہ اونگھتا سوتا رہتا ہے۔ لیکن ضروری نہیں تھا کہ وہ اس وقت بھی سو رہا ہو اس لئے کامران بڑی خاموشی اور احتیاط سے ایک ایک سیڑھی چڑھ کر اوپر پہنچا پہرے دار موجود تھا اس کا دیو قامت اور نیم عریاں جسم کسی گینڈے کی مانند مضبوط تھا وہ گونگا تھا۔ اس کا تیز دھار تیغہ پیروں پر رکھا ہوا تھا اور وہ دیوار کا سہارا لئے بے خبر سو رہا تھا۔

کامران ایک لمحے کے لئے سانس روکے کھڑا رہا...... پھر وہ بے پاؤں چلتا ہوا پہرے دار کے قریب سے گزر گیا اب وہ ایک بالائی غلام گردش میں تھا جس میں تانبے کے بنے ہوئے لیمپ جگہ جگہ لٹک رہے تھے وہ روشنشعوں کی ہلکی روشنی میں بڑھتا ہوا ایک محراب دار دروازے کے قریب پہنچا چند لمحے وہ کان لگا کر آہٹ سنتا رہا پھر آہستہ سے دروازے پر تین بار دستک دی۔ چند لمحے خاموشی رہی کامران دم بخود کھڑا تھا پھر کسی کے قدموں کی مدھم آہٹ سنائی دی اور دروازہ ایک جھٹکے کے ساتھ کھلا سامنے کھڑی ہوئی حسینہ کے حسن و جمال میں ایسا جادو تھا جو کسی شخص کو مبہوت کر دیتا۔ ہلکی روشنی میں اس کا خوب صورت اور سڈول جسم کسی مرمریں مجسمے کی طرح دمک رہا تھا اس کے آتشیں شباب میں ایک ساحرانہ کشش تھی باریک ریشمی لباس اس کی دلکشی کو چھپانے کے بجائے اور نمایاں کر رہا تھا بیش قیمت ہیرے اور جواہرات کی چمک اس کے حسن و شباب کی آب و تاب کے سامنے ماند نظر آ رہی تھی۔ وہ ایک لمحے کے لئے اسے غور سے دیکھتی رہی اور پھر فوراً ہی پہچان لیا۔

''کامران۔'' اس نے خوشی سے بے تاب ہوتے ہوئے کہا۔

''اوہ کامران! مجھے معلوم تھا تم ضرور آؤ گے۔''

لیکن کامران نے اس کی وارفتگی کو نظر انداز کرتے ہوئے اندر داخل ہو کر جلدی سے دروازہ بند کر دیا اس نے یہ دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا تھا کہ کمرے میں کوئی اور موجود نہیں تھا کمرے کے فرش پر بچھا ہوا دبیز قالین اتنا ملائم تھا کہ پیر دھنس رہے تھے ہر چیز کی سجاوٹ شاہانہ تھی۔ مخملی پردے چاروں سمت لٹک رہے تھے۔ چھت اور دیواروں پر لگے ہوئے جھاڑ اور فانوس کسی شاہی محل سے کم نہ تھے۔ خانقاہ کے بیرونی حصوں کی سادگی کے بعد اس کمرے میں داخل ہو کر یہ محسوس ہوتا تھا جیسے وہ خوابوں کی دنیا میں آ گیا ہو۔

''تم کو یہ کیسے معلوم تھا کہ میں ضرور آؤں گا شردھا؟''

کامران نے پوچھا۔

''تم نے ضرورت کے وقت کسی دوست کو مایوس نہیں کیا ہے۔''

''اور کس کو میری ضرورت ہے۔''

"مجھے۔"

"لیکن تم تو یہاں کی حکمران ہو لوگ دیوی سمجھ کر تمہاری پوجا کرتے ہیں"

"میں نے یہ سب کچھ تم کو خط میں لکھ تو دیا تھا۔"

کامران نے اسے حیرت سے دیکھا" خط؟ مجھے تمہارا کوئی خط نہیں ملا" شردھا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں" پھر تم یہاں کیسے آئے؟"

"یہ ایک طویل داستان ہے" اس نے جواب دیا۔

"پہلے تم مجھے یہ بتلاؤ کہ تمہیں کس چیز کی کمی تھی جو اس منحوس جگہ آکر پھنس گئیں اور ان شیطانوں کی دیوی بن کر ساری دنیا سے ناتا توڑ لیا اس کے باوجود تم کو میری مدد کی ضرورت کیوں پڑ گئی؟"

"تمہاری مدد کی اس وقت سے زیادہ ضرورت پہلے کبھی نہ تھی کامران" شردھا نے اداس لہجے میں کہا اس کے لہجے میں فکر و پریشانی کی جھلک تھی کامران نے محسوس کیا کہ وہ بے حد خوف زدہ ہے پھر شردھا کو فوراً ہی خیال آیا۔

"میں بھی کتنی خود غرض ہوں تم جانے کتنی دور سے سفر کر کے آرہے ہو اور میں اپنا دکھڑا لے کر بیٹھ گئی۔

"ادھر آؤ" پہلے آرام سے بیٹھ کر کچھ کھا پی لو" اس نے دیوان کی سمت اسے کھینچتے ہوئے کہا جس کے قریب ایک نیچی سی میز پر سونے کے ظروف میں کھانے کی چیزیں اور پھل رکھے ہوئے تھے کامران نے ذرا بھی تکلف نہ کیا اور دیوان پر بیٹھ کر کھانا کھانے لگا وہ بہت بھوکا تھا لذیز کھانوں اور بھنے ہوئے گوشت نے اس کو بڑا لطف دیا۔ شردھا قریب بیٹھی اسے محبت بھری نظروں سے دیکھتی رہی۔

"میں راج نہیں کر رہی ہوں کامران" شردھا نے کہا۔

"یہاں آکر میں نے پناہ لی تھی تبت کے راج محل کی زندگی اب خواب بن کر رہ گئی ہے بابا کی موت کے بعد میرے بھائیوں نے مجھ سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے میری شادی ایک راج کمار سے کر دی وہ آدمی نہیں بھیڑیا تھا اس کے ظلم سے نجات حاصل کرنے کے لئے میں ایک رات فرار ہو کر قبائلی لوگوں کے پاس پہنچ گئی اور انہوں نے مجھے پناہ دی۔ میرے بھائیوں نے مجھے واپس لینے سے انکار کر دیا۔ راج کمار نے مجھے دوبارہ حاصل کرنے کی بہت کوشش کی۔ پھر مجھے اغوا کرنے کے لئے بدمعاش بھیجے اس نے میرے اغوا کے لئے بھاری رقم کے انعام کا لالچ دیا تھا لیکن میں جن لوگوں کے تحفظ میں تھی ان سے مجھے حاصل کرنے میں راج کمار کامیاب نہ ہو سکا پھر اس نے مجھے قتل کرنے کی سازشیں شروع کر دیں میں جانتی تھی کہ ایک دن وہ اس میں کامیاب ہو جائے گا" وہ خاموش ہو گئی۔

"پھر کیا ہوا شردھا؟" کامران نے اس سمت دیکھ کر پوچھا۔

"تم یہاں کیسے پہنچ گئیں؟"

"میں زندگی سے عاجز آگئی تھی مرجانا چاہتی تھی۔"

شردھا نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میرے بابا شہر کے بارے میں اکثر ذکر کیا کرتے تھے وہ بڑے مذہبی آدمی تھے اس علاقے تک یاترا کے لیے آئے تو بدھ مذہب اختیار کرلیا پھر وہ اس خانقاہ کے بڑے لاما بن گئے بچپن ہی سے میں ان کی باتیں سنتی رہی تھی میں نے سوچا شاید من کی شانتی یہاں مل جائے بابا ہمیشہ کہتے تھے کہ بدھ مت شانتی کا مذہب ہے اس لئے میں اس شہر کے لئے روانہ ہوئی میں یہاں کبھی نہ پہنچتی اگر تم راستے میں نہ ملتے۔"

کامران مسکرانے لگا اسے وہ واقعہ یاد آگیا جب شردھا سے پہلی ملاقات ہوئی تھی لالچی قبائل نے شردھا کو اغوا کر لیا تھا اور زبردستی اپنے علاقے میں لے جا رہے تھے کامران ان دنوں اس علاقے سے گزر رہا تھا اس نے شردھا کو ان وحشیوں سے رہائی دلا کر اس شہر تک پہنچایا تھا اور اسی وقت اسے پہلی بار یہ شہر دیکھنے کا موقع ملا تھا۔

"تم جانتے ہو کہ میری یہاں آمد پر بدھ راہب کتنے خوش ہوئے تھے یہاں کے لوگ میرے بابا کو بھولے نہ تھے۔ وہ ان کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور باوجود یہ کہ ان کو یہ نہیں معلوم تھا کہ بابا کسی ریاست کے راجہ تھے اور ان کو اس بات پر دکھ بھی تھا کہ وہ خانقاہ چھوڑ کر چلے گئے پھر بھی انہوں نے میرا پرجوش خیر مقدم کیا لیکن تم کو اس کا اصل سبب نہیں معلوم تھا اس وقت میں بھی نہیں جانتی تھی راہبوں کو اپنے بزرگوں کی ایک پیش گوئی یاد تھی کہ ایک عورت جس کے سینے پر چاند کا نشان ہوگا اس شہر میں آئے گی اور وہ ان کی دیوی کا اوتار ہوگی ایک دن میری ملازمہ نے میرے جسم پر نشان دیکھ لیا یہ میرا پیدائشی نشان تھا بابا کہتے تھے میں چاند کی راج کماری ہوں۔ لیکن راہبوں نے یہ جانتے ہی مجھے دیوی کا اوتار قرار دے دیا اور مجھے اس خانقاہ میں دیوی بنا کر بٹھا دیا اور میری پوجا کرنے لگے۔"

"ہاں میں نے یہ بات سنی تھی میں سمجھا تھا کہ تمہارے حسن نے ان پر جادو کر دیا" کامران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہارے جانے کے بعد کچھ دن بڑے آرام سے گزرے میں بھی دیوی بن کر عیش کرتی رہی وہ میری پوجا کرتے رہے شروع میں تو پوجا کی رسمیں بڑی دلچسپ لگتی تھیں کبھی کبھی میں خود کو سچ مچ دیوی سمجھنے لگتی تھی یہ لوگ مجھے پوجتے رہے میرے قدموں پر بھینٹ چڑھاتے رہے وہ اپنی منتیں لے کر آتے اور جواہر قدموں پر ڈھیر کر دیتے۔ کبھی کبھی ان کی مرادیں پوری بھی ہو جاتی تھیں لیکن جلد ہی ان کی حقیقت معلوم ہو گئی یہ خانقاہ بدھ مت کے روحانی علوم کا مرکز نہیں رہی یہ شیطان کے پجاریوں کا اڈہ بن چکی ہے وہ یہاں کے لوگوں کو بے وقوف بنا کر لوٹ رہے ہیں۔ ان پر حکومت کر رہے ہیں اور آہستہ آہستہ شہر کے لوگوں کو اپنا ہم عقیدہ بناتے جا رہے ہیں اب مجھے بھی اس مقصد کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔"

"کیا یہ بات بدھ راہبوں کو نہیں معلوم؟"

"وہ جانتے ہیں لیکن ان کی تعداد برائے نام رہ گئی ہے باقی سب کو بڑے پجاری گرودشر نے اپنا ہم نوا بنا لیا ہے مال و زر دے کر ان کے منہ بند کر دیے ہیں اور وہ بدھوں کا لباس تو پہنتے ہیں لیکن ہیں شیطان کے پجاری۔ عام لوگ مجھے دیوی کا اوتار مان کر خوش ہیں فصلیں اچھی ہو رہی ہیں۔ خوشحالی آگئی ہے اس لئے وہ سب دیوی کی برکت تصور کرتے ہیں۔ لیکن دراصل اس ڈھونگ کی آڑ میں گرودشر ان پر حکومت کر رہا ہے۔"

"میں نے پہلے ہی تم کو خبردار کیا تھا کہ گرودشر مجھے بڑا مکار لگتا ہے" کامران نے کہا۔

"تم نے ٹھیک کہا تھا لیکن اس وقت مجھے اندازہ نہ تھا۔ میں یہاں مناتی کی تلاش میں آئی تھی لیکن گردشر نے مجھے اپنے شیطانی چکر میں پھانس لیا اور کامران وہ بڑا مکار اور ظالم ہے مجھے اس سے خوف آتا ہے وہ مجھ سے نفرت کرنے لگا ہے یہاں کے لوگ اگر میری پرستش نہ کر رہے ہوتے اگر میری وجہ سے اسے اتنی دولت نہ مل رہی ہوتی تو وہ مجھے اب تک ہلاک کر چکا ہوتا لیکن وہ ڈرتا ہے کہ اس طرح لوگ اس کے خلاف ہو جائیں گے۔

"تم واقعی مصیبت میں ہو۔"

"مصیبت! میں بدترین قید میں ہوں میں اس زندگی سے نجات چاہتی ہوں یہاں سے ہر قیمت پر فرار ہونا چاہتی ہوں۔"

"تو پھر تم اس جگہ کو چھوڑ کیوں نہیں دیتی؟"

"میں مجبور ہوں فرار کی تمام راہیں بند ہیں۔" شروھا نے آنکھیں بند کر کے کہا۔

"گردشر نے لوگوں کو یقین دلا دیا ہے کہ دیوی اگر یہاں سے چلی گئی تو تمام برکتیں بھی چلی جائیں گی یہاں ایسی تباہی آئے گی کہ یہاں کوئی باقی نہیں رہے گا اس نے مشہور کر دیا کہ دشمن دیوی کو اغوا کرنا چاہتے ہیں اس نے یہ سب کچھ اس لئے کیا ہے کہ لوگ زیادہ سے زیادہ مال و دولت کا نذرانہ دیتے رہیں اور اب وہ ڈرتا ہے کہ اگر میں یہاں سے فرار ہو گئی تو یہاں کے لوگ اسے زندہ نہ چھوڑیں گے اس لئے اس نے مجھے ہلاک نہیں کیا ورنہ وہ مجھ سے اتنی نفرت کرنے لگا ہے کہ اب تک کبھی کا ٹھکانے لگا چکا ہوتا۔"

"کیا تم اس کی قید میں ہو؟"

"یہاں قید بھی بڑی سخت ہے ہر لمحہ نگرانی ہوتی ہے اسے ڈر ہے کہ میں فرار ہو جاؤں گی اس لئے میں نے تم کو خط لکھا تھا"

"تم بار بار کس خط کا ذکر کر رہی ہو؟"

"ایک تاجر مجھے کچھ تحائف نذر کرنے آیا تھا یہ لوگ کبھی کبھی خرید و فروخت کرنے شہر آتے ہیں تو دیوی کو نذرانے دیتے ہیں اس کے ذریعے میں نے تم کو مدد کے لئے خط لکھا جس میں ساری باتیں تحریر کر دی تھیں میں نے اس کو اپنا مقدس نشان بھی دے دیا تھا یہ سونے کا بنا ہوا ایک چاند ہے جس پر جواہرات جڑے ہوئے ہیں اس نشان کو دیکھ کر سب تعظیم میں جھک جاتے ہیں اس شہر کے باہر کے قبائل بھی اس نشان کی تعظیم کرتے ہیں انہوں نے یہ سن رکھا ہے کہ اس کی بے ادبی کرنے والے پر دیوی کا قہر نازل ہوتا ہے میرا خیال تھا کہ تم اس نشان کی مدد سے بلا کسی دشواری کے یہاں پہنچ جاؤ گے۔"

"مجھے نہ خط ملا ہے اور نہ نشان" کامران نے کہا میں تو یہاں مکار انگریزوں کا تعاقب کرتا آ رہا ہوں جنہوں نے میرے وفادار ملازم کو قتل کر دیا وہ مجھے دھوکا دے کر کسی اجنبی علاقے تک لائے اور پھر مجھے تنہا چھوڑ کر فرار ہو گئے اور اس شہر میں ہیں۔"

"سفید فام لوگ اور یہاں؟" شروھا نے حیران ہو کر کہا۔

"ناممکن وہ یہاں تک زندہ نہیں پہنچ سکتے۔"

"مجھے ان کی آمد کا راز معلوم ہو چکا ہے۔" کامران نے کہا کسی طرح تمہارا خط اور وہ مقدس نشان ان کے ہاتھوں میں پہنچ گیا ہے تمہارا نشان دکھا کر وہ بحفاظت یہاں تک پہنچ گئے ہیں اور مجھے یقین ہے کہ وہ تمہیں اغوا کرنے آئے ہیں تاکہ تمہیں راج کمار کے حوالے کر کے دولت حاصل کریں۔"

شروھا اچھل کر بیٹھ گئی اس کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگی تھیں۔ "اس راکھشس کے پاس واپس جانے کے بجائے میں مرنا پسند کروں گی کہاں ہیں یہ دونوں کتے؟ میں ابھی ان کے متعلق لوگوں کو بتا دوں گی شہر کے لوگ ان کی بوٹیاں نوچ لیں گے"۔

"لیکن اس طرح تم بھی مصیبت میں پھنس جاؤ گی۔"

کامران نے کہا۔

"ممکن ہے لوگ ان انگریزوں اور گردشر کو بھی ہلاک کر دیں لیکن تمہارا خط ان کے ہاتھ لگ گیا تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ تم فرار کا منصوبہ بنا رہی ہو وہ تم کو بھی غدار قرار دیں گے۔"

"تم ٹھیک کہتے ہو" شروھا نے فکرمند لہجے میں کہا۔

"پھر کیا کروں؟"

"تم کو خانقاہ میں چلنے پھرنے کی تو آزادی ہے؟"

"ہاں یہ گنجے پجاری ہر لمحے چھپ کر میری نگرانی کرتے ہیں" شروھا نے کہا "لیکن وہ یہاں نہیں آتے کیونکہ اس جگہ سے باہر جانے کا صرف ایک ہی زینہ ہے جس پر ہر وقت ایک مسلح پہرے دار موجود رہتا ہے۔"

"اور وہ ایسے بے خبر سوتا ہے کہ میں یہاں تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا" کامران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لیکن اگر اسے شبہ ہو گیا کہ تم فرار ہونے کا منصوبہ بنا رہی ہو تو وہ تم کو کسی کوٹھری میں قید بھی کر سکتے ہیں"

"ہاں کامران میں کیا کروں؟" اس نے التجا کی۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آتا" ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا میرے ساتھ تقریباً سو جنگجو قبائل ہیں جنہیں میں گھاٹی میں ایک خفیہ جگہ چھوڑ آیا ہوں۔ لیکن فی الحال ان سے کوئی مدد نہیں مل سکتی اور ان کا دیر تک چھپا رہنا ممکن نہیں۔ میں یہاں ایلوس اور ہارڈی نامی اشخاص کو ڈھونڈنے آیا تھا لیکن یہ کام بعد میں بھی ہو سکتا ہے۔ پہلے تم کو یہاں سے نکالنا ضروری ہے۔ لیکن جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے کہ گردشر اور وہ دونوں اشخاص ہارڈی اور ایلوس کہاں ہیں میں کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا۔ شہر میں کوئی ایسا آدمی ہے جس پر تم بھروسا کر سکو؟"

"یہاں کا ہر شخص میرے لئے جان دے سکتا ہے لیکن وہ مجھے یہاں سے کسی قیمت پر جانے نہیں دے گا۔"

"تم نے کہا تھا کہ نیچے جانے کا واحد راستہ اس زینے سے ہے۔"

"ہاں یہ خانقاہ پہاڑ سے متصل بنائی گئی ہے اور ساری غلام گردشیں اور دالان پہاڑ کاٹ کر بنائے گئے ہیں یہ خانقاہ سب سے بڑی منزل ہے اور صرف میرے لئے مخصوص ہے۔ میرے لئے محل سے گزر کر باہر

جانے کا دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے جہاں ہر وقت سینکڑوں پجاری موجود رہتے ہیں۔ میری صرف ایک ذاتی ملازمہ ہے۔ جو قریب والی کوٹھری میں سو رہی ہے اس نے آج بھی بھنگ پی رکھی ہوگی اور صبح تک مدہوش پڑی رہے گی۔"

"یہ اور بھی بہتر ہے تم اس پستول کو اپنے پاس رکھو اور میرے جانے کے بعد دروازہ اندر سے بند کر لینا جب تک میں نہ آؤں دروازہ کسی کے لئے نہ کھولنا۔"

"لیکن تم کہاں جا رہے ہو؟" شردھا نے خوف زدہ لہجے میں سوال کیا۔

"جاسوسی کرنے۔" کامران نے جواب دیا۔ "یہ جاننا ضروری ہے کہ گردشر اور اس کے ساتھی کیا کر رہے ہیں۔ اگر میں تم کو ابھی لے کر چلوں تو ممکن ہے ان سے مڈبھیڑ ہو جائے اس طرح سارا کھیل بگڑ جائے گا۔ اگر میرا خیال درست ہے تو وہ آج ہی رات تم کو اغوا کر کے لے جانے کی کوشش کریں گے اور اگر ایسا ہوا تو ہم ان کو نہیں روکیں گے۔ جب وہ تمہیں لے کر شہر سے باہر نکلیں گے تو ہم قبائلیوں کو ساتھ لے کر تمہیں آزاد کرا لیں گے لیکن مجھے یہ منصوبہ پسند نہیں ہے۔ فائرنگ کے تبادلے میں تم کو بھی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ میں کوئی اور صورت نکالوں گا اب دروازہ بند کر لو اور میری دستک کا انتظار کرنا۔"

پہرے دار ہنوز خراٹے لے رہا تھا۔ کامران دبے پاؤں ان کے پاس سے گزر گیا۔ وہ نچلی منزل پر پہنچا تو ہر سمت تاریکی چھائی ہوئی تھی اسے معلوم تھا کہ ساری کوٹھریاں خالی ہوں گی کیونکہ تمام پجاری نیچے سوتے تھے وہ ابھی چند قدم ہی چلا تھا کہ کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی وہ جلدی سے ایک کوٹھری میں داخل ہو گیا اور انتظار کرنے لگا۔ ذرا دیر بعد ایک پجاری سامنے سے گزرا کامران نے آہستہ سے اسے "ہشت" کر کے اپنی طرف متوجہ کیا۔

پجاری نے اس کے قریب آ کر تاریکی میں جھانکا "کون ہو تم؟"

"گردشر کا غلام ہوں" کامران نے سرگوشی میں کہا۔

"یہاں نگرانی پر مامور ہوں۔ کیا وہ دو اشخاص آ گئے جنہیں گردشر نے بلایا تھا۔"

"ہاں گردشر انہیں خفیہ راستے سے لے آئے ہیں تاکہ کسی کو پتا نہ چل سکے۔ لیکن اگر گردشر نے تم کو پہرے پر لگایا ہے تو تم کو معلوم ہوگا کہ چکر کیا ہے۔"

"تم کو کیا معلوم ہے؟"

"گردشر بہت چالاک ہے جب اس تاجر نے گردشر کو شردھا دیوی کا خفیہ خط دکھایا تھا تو گردشر نے اسے خط لے جانے دیا تھا اس سے کہا تھا کہ شردھا دیوی نے جو کچھ کہا ہے اس پر عمل کرے ان کا ارادہ تھا کہ جب وہ آدمی جسے شردھا دیوی نے بلایا تھا انہیں لینے آئے گا تو دونوں کو ایک ساتھ ٹھکانے لگا دیا جائے گا۔ تاکہ لوگوں کو یہ بتلایا جا سکے کہ اس نے دیوی کو ہلاک کر دیا۔"

"واقعی گردشر بہت چالاک ہے۔"

"اس میں کیا شک ہے شردھا دیوی اب ان کے لئے خطرہ بن چکی ہے" پجاری نے کہا۔

"پھر یہ دو افراد کیوں آئے ہیں۔"

"تم کو یہ بھی نہیں معلوم؟ شردھا دیوی کا خط لے جانے والے لالچی تاجر نے وہ خط ان دونوں کے ہاتھ بھیج دیا تھا اور کہا تھا کہ وہ یہاں آ کر گردشر سے ملاقات کر لیں وہ لوگ دیوی کو کسی راج کمار کے پاس لے جا کر انعام حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

"لیکن اس سے گردشر کو کیا فائدہ حاصل ہوگا؟"

"ان کو دیوی سے ہمیشہ کے لئے نجات مل جائے گی۔"

"ہاں تم ٹھیک کہتے ہو اب جاؤ کسی کو یہ نہ بتلانا کہ میں یہاں پہرہ دے رہا ہوں۔"

کامران کا اندیشہ درست نکلا تھا گردشر ایک تیر سے دو شکار کر رہا تھا۔ اب شردھا کو الیاس اور ہارڈی کے ساتھ جانے دینا درست نہیں تھا اگر وہ کسی خفیہ راستے سے نکل گئے تو تلاش ممکن نہ ہوگی اسے فوری طور پر کچھ کرنا ہوگا پجاری ابھی اس کے پاس کھڑا باتیں کر رہا تھا کہ کامران نے ایک مدھم سی روشنی کو اس طرف بڑھتے دیکھا اس کے ساتھ ساتھ تیز قدموں کی چاپ بھی سنائی دی وہ کوٹھری کے اندر ہو گیا ذرا دیر بعد ایک دوسرا پجاری قریب آیا اس نے سرپوش سے اپنا چہرہ چھپایا ہوا تھا پہلے پجاری کو اس نے دیکھ کر کہا۔

"تم یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو؟ گردشر ان سفید فاموں کو لے کر شردھا دیوی کے کمرے میں گئے ہیں دیوی کی ملازمہ نے ابھی آ کر خبر دی ہے کہ کامران شہر میں داخل ہو چکا ہے اور کچھ دیر پہلے دیوی کے کمرے میں تھا اس کے جاتے ہی وہ یہ خبر دینے آئی تھی گردشر بہت خوف زدہ تھے وہ کہہ رہے تھے یہ کامران بہت خطرناک ہے ہم سب اس کو تلاش کر رہے ہیں تم میرے ساتھ آؤ اور تم بھی۔"

اچانک اس نے لیمپ بلند کیا جس کی روشنی کامران کے چہرے پر پڑی جو کوٹھری کے اندر تھا پجاری نے اس کا پجاریوں کے بجائے چرواہے کا لباس دیکھا تو اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ منہ کھولتا' کامران کا بھرپور مکا اس کے جبڑے پر پڑا وہ کٹے ہوئے درخت کی طرح نیچے گرا لیمپ گرنے کی آواز کے ساتھ ہی کامران نے دوسرے پجاری پر جست لگائی۔ دونوں ایک دوسرے سے ٹکرائے تاریکی میں صرف ایک مرتبہ ہلکی سی آواز ابھری لیکن پھر حلق میں گھٹ کر رہ گئی دوسرا پجاری طاقت ور تھا کئی مرتبہ وہ کامران کی گرفت سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

لیکن آخر کار کامران نے اس کا سر اتنی زور سے دیوار کے ساتھ ٹکرایا کہ وہ بے حس ہو گیا دوسرے ہی لمحے کامران پوری رفتار کے ساتھ سیڑھیوں کی سمت بھاگ رہا تھا اسے معلوم تھا کہ اس دوران کوئی اوپر نہیں گیا ہے شردھا نے کہا تھا کہ اوپر جانے کا یہ واحد راستہ ہے اس کے باوجود اس پجاری نے کہا تھا کہ گردشر ان دو اشخاص کو لے کر دیوی کے کمرے میں گیا ہے اور یہ کہ شردھا کی غدار ملازمہ نے جاسوسی کر کے اس کی موجودگی کا راز فاش کر دیا ہے۔

وہ بے تحاشا بھاگتا ہوا سیڑھیاں پھلانگ کر اوپر پہنچا پہرے دار اب بھی دیوار سے لگا ہوا تھا لیکن اب وہ کبھی بیدار نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کی پشت میں ایک خنجر دستے تک گھسا ہوا تھا کامران کو حیرت ہوئی کہ گردشر نے اپنے ہی آدمی کو کیوں ہلاک کر دیا لیکن سوچنے کا موقع نہ تھا اس کو خدشہ تھا کہ یہاں پہنچنے میں دیر ہو چکی تھی اس نے دروازے کو دھکا دیا۔ دروازہ کھلا ہوا تھا اور شردھا کمرے میں موجود نہ تھی کمرے میں کشن

بکھرے ہوئے تھے کامران دم بخود کھڑا رہا۔ روشنی میں اس کی تیز دھار تلوار چمک رہی تھی غصے میں اس کی آنکھیں قہر بار ہو رہی تھیں وہ کمرے میں ہر سمت کا جائزہ لیتی رہیں پھر دیوار پر پڑے ہوئے پردے پر ایک جگہ مرکوز ہو گئیں اگلے ہی لمحے وہ باہر جانے کے لئے دروازے کی سمت مڑا لیکن دو قدم چل کر بجلی کی سی پھرتی سے مڑا اس کی تلوار اچانک پردے پر جا پڑی وہ اتنی پھرتی کے ساتھ حملہ آور ہوا تھا کہ پردے کے پیچھے کھڑے ہوئے شخص کو بچنے کا موقع نہ مل سکا کامران کی خون آلود تلوار کے ہٹتے ہی وہ پردے کے ساتھ فرش پر گرا اس کے ہاتھ میں ایک تیز دھار خنجر تھا لیکن اب اسے استعمال کرنے کی سکت اس میں باقی نہ رہی تھی۔

''شردھا کہاں ہے؟'' کامران اپنی تلوار کی نوک زخمی پجاری کے سینے پر رکھتا ہوا دھاڑا'' جلدی بتاؤ ورنہ سر اڑا دوں گا۔''

فرش پر گرے ہوئے گنجے پجاری نے جواب نہیں دیا۔ اس کے حلق سے عجیب سی آوازیں نکل رہی تھیں اسی عالم میں وہ مر گیا وہ گونگا تھا۔ کامران دیوار کی سمت لپکا اور پردوں کو کھینچ کر ہٹانے لگا اسے یقین تھا کہ ان کے پیچھے دیوار میں کوئی خفیہ راستہ ضرور موجود تھا لیکن دیواریں بالکل سپاٹ نظر آ رہی تھیں کسی خفیہ دروازے کا سراغ نہ مل سکا اور خفیہ راستے معلوم کئے بغیر وہ شردھا کو اغوا کرنے والوں کا تعاقب نہ کر سکتا تھا غصے اور پریشانی کے عالم میں اس کا جسم پسینے سے تر ہو گیا اچانک اسے اپنے لباس کا خیال آیا۔ اس لباس میں وہ فوراً پہچان لیا جائے گا بے ہوش پڑے پجاری کا لباس کارآمد ثابت ہو سکتا تھا وہ پھرتی سے شردھا کے کمرے سے باہر نکلا اور سیڑھیاں پھلانگتا ہوا نیچے پہنچا لیکن اچانک اس کے قدم رک گئے وہاں ہر سمت روشنیاں حرکت کرتی نظر آ رہی تھیں ان گنت پجاری لیمپ ہاتھ میں لئے ادھر ادھر گھوم رہے تھے اور سیڑھیوں کے نیچے ہال میں مشعلیں لئے پجاریوں کا ایک ہجوم کھڑا ہوا تھا۔

ان کے ہاتھ میں رائفلیں اور ننگی تلواریں تھیں اسے دیکھتے ہی بیک وقت کئی پجاری چلائے اسی لمحے اس کی نظر ایک لڑکی پر پڑی جو دیوار سے لگی کھڑی تھی اس نے دونوں ہاتھوں میں مضبوطی کے ساتھ ایک رسی پکڑ رکھی تھی جو دیوار پر لٹک رہی تھی۔ کامران نے جیسے ہی قدم بڑھایا لڑکی نے زور سے رسی کو جھٹکا دیا کامران کو زمین پیروں کے نیچے سے نکلتی ہوئی محسوس ہوئی۔ بیک وقت کئی فائر ہوئے پجاریوں نے ایک فاتحانہ نعرہ بلند کیا۔

♥ ...... ♥ ...... ♥
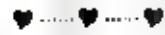
کامران کے جانے کے بعد شردھا نے دروازے کو مضبوطی سے بند کیا اور پھر دیوان پر دراز ہو کر سوچنے لگی کامران کا دیا ہوا پستول اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ ماضی کے ان رنگین لمحات کے تصور میں کھوئی ہوئی تھی جن میں اس کی ملاقات کامران سے پہلے ہوئی تھی۔ وہ ایک راج کماری تھی ایک راجہ کی بیوی تھی۔ ان گنت لوگوں نے اس کی بارگاہ حسن میں جگہ حاصل کرنے کی کوشش کی تھی لیکن کامران وہ پہلا شخص تھا جس نے اس پر فتح پائی تھی۔ جس کے بے باک اور کرخت رویے سے وہ متاثر ہوئی تھی اس نے پستول ایک سمت ڈال دیا اور تکیے کے سہارے لیٹ کر سوچنے لگی کیسا بہادر اور جی دار تھا یہ شخص کسی خطرے سے نہ ڈرتا تھا وہ اسے

رہا۔ وہ اس وقت چونکی جب دیوار پر ٹنگا ہوا ریشمی پردہ اچانک ہٹا اب تک وہ یہی سمجھتی تھی کہ کمرے کی دیواریں ٹھوس ہیں اور کمرے میں داخل ہونے کے لئے دروازے کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ لیکن ایک لمحے کو وہ دم بخود رہ گئی۔

پردہ ہٹا کر سامنے آنے والا شخص کسی دیو کی طرح مضبوط تھا۔ گنجا سر اور لمبے کان منگولوں کی طرح ترچھی آنکھیں اور چہرے سے نفرت اور بربریت ٹپک رہی تھی وہ اتنا بھیانک تھا کہ شردھا خوف سے بالکل بے حس ہو کر رہ گئی دیوار کا ایک حصہ اپنی جگہ سے ہٹ گیا تھا اور اس خفیہ دروازے سے نمودار ہونے والا شخص دونوں ہاتھ پھیلائے اس کی جانب بڑھ رہا تھا اس کے پیچھے دو سفید فام شخص کھڑے للچائی نظروں سے اسے گھور رہے تھے شردھا اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ پھر اچانک وہ بستر پر پڑے ہوئے پستول کی طرف جھپٹی۔ لیکن یہ دیو قامت بلا کا پھرتیلا تھا بجلی کی طرح جست لگا کر اس نے شردھا کو اپنی گرفت میں لے لیا شردھا نے خود کو آزاد کرنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن اس کی فولادی گرفت میں تڑپ کر رہ گئی اس نے چیخنے کے لئے منہ کھولا لیکن اس وحشی نے اس کا منہ دبا دیا اور اس کی آواز حلق میں گھٹ کر رہ گئی۔

''جلدی کرو اس کے ہاتھ پیر باندھ کر منہ بند کرو'' ایک سفید فام نے آہستہ سے کہا ذرا دیر میں شردھا بے بسی کے عالم میں پڑی ہوئی تھی اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا۔ باہر اس کا گونگا پہرے دار ہوگا اسے بھی ٹھکانے لگا دو۔''

سفید فام نے کہا۔

گنجے منگول نے گردن ہلائی اور کمرے سے تیز دھار خنجر نکال کر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا ذرا دیر بعد وہ مسکراتا ہوا واپس آیا اور شردھا کے سامنے کھڑا ہو گیا۔

''احمق لڑکی'' دیو قامت گردشر نے نفرت بھرے لہجے میں کہا۔

''تو خود کو چالاک سمجھتی تھی تجھے تو نہ اس خفیہ دروازے کا پتا تھا نہ اس بات کا کہ تیری ملازمہ مجھے ایک ایک لمحے کے حالات سے باخبر رکھتی تھی تو نے کامران کو یہاں بلا کر سمجھا تھا کہ میرے چنگل سے نکل جائے گی اب دیکھا کیا ہوا! تیری مدد کرنے والا وہ احمق کامران اب تک جہنم رسید ہو چکا ہوگا۔'' اس نے شردھا پر جھکتے ہوئے کہا اور ایک بھیانک قہقہہ لگایا۔

ہم اس کی لاش لوگوں کو دکھا کر یہ کہیں گے کہ اس غدار نے تجھ کو فرار کرا دیا اور یہ دونوں صاحب لوگ تجھے تیرے پتی کے پاس پہنچا دیں گے کیسا رہے گا میری دیوی؟''

''گردشر وقت برباد نہ کرو'' ایلوس نے کہا۔

''تم کو یقین ہے کہ پہاڑیوں کے درمیان پہنچنے کے بعد کوئی خطرہ نہ رہے گا؟''

''گردشر اس لڑکی کی طرح بے وقوف نہیں ہے'' گردشر نے سینہ پھلاتے ہوئے کہا۔

''اس خفیہ راستے کا علم کسی کو نہیں ہے۔''

''تو پھر چلو جب تک کامران کے مرنے کی تصدیق نہ ہو جائے یہاں ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں ہے۔''

گروشر نے شردھا کو اپنے کاندھے پر ڈالا اور وہ خفیہ دروازے میں داخل ہو گئے ان کے جاتے ہی دروازہ بند ہو گیا دیوار کے دونوں حصے برابر ہو گئے وہ ایک تنگ ڈھلوان رستے پر چلنے لگے جو نیچے کی سمت جاتا تھا کچھ دیر بعد وہ ایک زینے پر پہنچ گئے جو پہاڑ کی چٹان کو کاٹ کر بنایا گیا تھا زینے کے خاتمے پر وہ ایک تنگ سرنگ میں داخل ہوئے اور آخر کار ایک ایسی جگہ آ کر رک گئے جہاں سامنے دیوار تھی گروشر نے اپنا بوجھ ایلوس کے کاندھوں پر منتقل کیا اور دیوار کو دھکا دیا۔ چٹان گھوم کر ہٹی تو ایک اور خفیہ دروازہ نمودار ہو گیا جس کے گرد جنگلی بیلوں کی گھنی باڑھ تھی۔

گروشر نے لیمپ بجھا دیا اور وہ ایک غار میں داخل ہوئے اس سے گزر کر وہ کھلے آسمان کے نیچے پہنچ گئے شردھا نے دیکھا کہ غار کے سامنے بہنے والے چشمے کے کنارے گھنی جھاڑیاں تھیں جنھوں نے غار کے دہانے کو چھپا رکھا تھا۔ چشمہ پار کر کے وہ درختوں کے درمیان سے ہوتے ہوئے آگے بڑھے تو داہنی جانب کچھ فاصلے پر شردھا کو روشنیوں کی جھلک نظر آئی اور شہر کی آبادی سے دور بائیں طرف بلند پہاڑیوں کا سلسلہ دور تک پھیلا ہوا تھا۔

آسمان پر چمکتے ہوئے تاروں کی روشنی میں گروشر اور اس کے ساتھی آگے بڑھنے لگے ان کا رخ مغرب کی سمت والی چوٹی کی سمت تھا جو کچھ فاصلے پر نظر آ رہی تھی یہ فاصلہ انہوں نے بڑی خاموشی سے طے کیا گروشر کی طرح دونوں سفید فام بھی بڑی احتیاط سے چل رہے تھے اور گھبرائے ہوئے لگتے تھے ان کو خوف تھا کہ اگر شہر کے باشندوں کو خبر ہو گئی کہ ان کی دیوی کو اغوا کر کے لے جایا جا رہا ہے تو وہ انہیں زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ گروشر سب سے زیادہ خائف نظر آ رہا تھا۔ اس نے ایلوس اور ہارڈی کی آمد کی خبر لانے والے چرواہے کو قتل کر دیا تھا شہر کے باشندوں نے دیوی کی حفاظت کے لئے جس گونگے پہرے دار کو مقرر کیا تھا اسے بھی ٹھکانے لگا دیا گیا تھا اور امید تھی کہ اس کے آلہ کار پجاریوں نے اس کا کام بھی تمام کر دیا ہے لیکن اگر کامران کسی طرح بچ گیا تو پھر ان کی خیر نہ تھی۔

''اور تیز چلو...... اور تیز چلو......'' اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

''کامران کا تو کام تمام ہو چکا ہو گا نا''

''ہاں...... ہاں۔'' گروشر نے کہا'' لیکن تم لوگ جتنی جلدی یہاں سے نکل جاؤ بہتر ہے'' وہ خاموشی کے ساتھ خاموش راستے پر چلتے رہے اور پھر ڈھلوان سے اتر کر ایک اور پگڈنڈی پر چلنے لگے وہ تینوں بری طرح ہانپ رہے تھے۔

لو ہم غار کے پاس پہنچ گئے'' ایلوس نے کہا'' ادھر دائیں سمت چلو یہ رہا اس کا دہانہ وہ تینوں غار کے دہانے کی سمت بڑھے۔ دہانے پر لٹکی ہوئی بیلوں کو ہٹا کر ایلوس نے آواز دی لیکن کوئی جواب نہ ملا اس نے گروشر کی طرف دیکھا۔

''اسے یہیں پر ڈال دو'' اس نے شردھا کی سمت اشارہ کیا۔

''میں اندر جا کر ملازموں کو بلاتا ہوں انہوں نے سامان لاد کر گھوڑے تیار کر رکھے ہوں گے ہم فوراً ہی اس منحوس جگہ سے فرار ہو جائیں گے'' اس نے پھر آواز دی لیکن کوئی جواب نہ ملا تو وہ تیزی کے ساتھ

غار میں داخل ہوا۔

''کہاں مر گئے تم سب'' وہ غصے میں چلایا دوسرے ہی لمحے اس نے خوف زدہ لہجے میں چیخ کر آواز دی۔

''ہارڈی جلدی آؤ غضب ہو گیا۔''

♥ ...... ♥ ...... ♥

کامران کو ایسا لگا جیسے وہ جہنم کی تاریکیوں میں گرتا چلا جا رہا ہے اس نے ہر سمت ہاتھ پیر مارے لیکن کوئی سہارا نہ مل سکا اور پھر اچانک وہ ٹھوس پتھریلے فرش پر جا گرا اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو ہڈیاں سلامت نہ رہتیں لیکن وہ کوئی اور نہیں کامران تھا۔ اس کے باوجود اتنی اوپر سے گرنے کی بناء پر اس کا جسم جھنجھنا اٹھا تھا ایک لمحے تک وہ ساکت پڑا رہا اس کو کچھ اندازہ نہ تھا کہ وہ کہاں پھنس گیا اسے اپنی حماقت پر سخت غصہ آ رہا تھا حواس بحال ہوئے تو وہ آہستہ سے اٹھا خوش قسمتی سے اسے کوئی چوٹ نہیں آئی تھی وہ آہستہ سے اٹھا اس نے ٹٹول کر اپنی تلوار تلاش کی جو ہاتھ سے چھوٹ کر گر پڑی تھی اور جس خفیہ راستے سے وہ گرا تھا وہ بند ہو چکا تھا اسے کچھ پتہ نہ تھا کہ وہ کہاں تھا۔ ذرا دیر کی کوشش کے بعد اسے تلوار مل گئی۔ ہر سمت گہری تاریکی تھی اور اسے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا اسے یقین تھا کہ وہ کسی گہرے تہ خانے یا غار میں گرا تھا اور اس کے دشمنوں کو اس کی موت کا یقین ہو چکا تھا وہ ٹٹولتا ہوا آگے بڑھا جلد ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ یہ ایک چوکور تہ خانہ تھا اس میں صرف ایک دروازہ تھا جو باہر سے بند تھا۔

وہ ابھی دروازے کو ٹٹول ہی رہا تھا کہ آہٹ سنائی دی وہ ساکت کھڑا ہو گیا کوئی باہر سے دروازے کو ٹٹول رہا تھا کامران جلدی سے ایک سمت ہٹ گیا شاید وہ اس کی لاش دیکھنے اندر آ رہے تھے ان کو یقین ہو گا کہ کامران مر چکا ہے۔ اس کا دل زور زور سے اچھلنے لگا تلوار کے قبضے پر اس کی گرفت مضبوط ہو گئی دروازہ ایک جھٹکے کے ساتھ کھلا۔ اچانک ہی روشنی سے کامران کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں ایک شخص لیمپ ہاتھ میں لے اندر داخل ہوا کامران نے پھرتی کے ساتھ وار کیا۔ اور لپک کر لیمپ تھام لیا۔ اس کے قدموں میں ایک گنجے پجاری کی لاش پڑی تھی۔

دروازے کے باہر ایک طویل راستہ نظر آ رہا تھا وہ پھرتی کے ساتھ باہر نکلا۔ پتلا سا سرنگ نما راستہ نیچے چلا گیا تھا وہ ڈھلوان راستے پر چلتا ہوا آگے بڑھا۔ بلندی پر جانے سے خدشہ یہ تھا کہ وہ پھر دشمنوں کے نرغے میں نہ پہنچ جائے وہ بڑی احتیاط کے ساتھ ڈھلوان راستے پر نیچے جا رہا تھا ذرا سی آہٹ دشمنوں کو خبردار کر سکتی تھی اس کے دشمنوں کو شاید یقین آ چکا تھا کہ اس کا جسم زخموں سے چھلنی ہو کر اس تہ خانے میں پڑا ہوا ہو گا اور یہ واحد پجاری شاید اس بات کی تصدیق کرنے آیا تھا اس کو ذرا بھی شبہ ہوتا کہ وہ زندہ بچ گیا تھا تو یہ پجاری تنہا نہ آتا۔ ڈھلوان راستہ اچانک داہنی جانب مڑ گیا یہاں دیوار کے ساتھ جلتی ہوئی مشعلیں لگی ہوئی تھیں۔ کامران نے لیمپ بجھا کر زمین پر رکھا اور ایک مشعل نکال کر ہاتھ میں لے لی یہاں سے ڈھلوان اتنی زیادہ ہو گئی تھی کہ قدم جمانا مشکل تھا احتیاط کے باوجود تقریباً لڑکھڑاتا ہوا نیچے اترنے لگا یہاں تک کہ ہموار فرش پر پہنچ گیا لیکن آگے راستہ بند تھا اور ایک ٹھوس دیوار درمیان میں حائل تھی کامران کو یقین ہو گیا کہ وہ

پہاڑ کے اس زمین دوز حصے میں کھڑا تھا جس پر خانقاہ کی عمارت واقع تھی پھر اچانک اسے خیال آیا کہ اور تہہ خانوں کا علم راہبوں کے علاوہ کسی اور کو نہ ہوگا اور شردھا ان کے وجود سے لاعلم تھی شردھا کی یاد آتے ہی اس کے دل میں کسک سی ہوئی۔ جانے غریب کس حال میں ہوگی۔ کامران اس کو یہاں نکال کر لے جانے کا وعدہ کر کے آیا تھا اور خود پھنس کر رہ گیا تھا غصے میں اس نے پتھر کی دیوار پر لات ماری اور دم بخود رہ گیا۔

دیوار میں اچانک ہی راستہ نمودار ہو گیا تھا ایک حصہ بغیر کسی آواز کے گھوم کر دروازے کی سمت کھل گیا تھا۔ تازہ ہوا کا سرد جھونکا چہرے سے ٹکرایا روشنی میں اس کو ایک کشادہ غار نظر آیا خوشی سے اس کا دل اچھل پڑا۔ غار کے اندر داخل ہو کر جیسے ہی وہ آگے بڑھا اسے دہانہ نظر آ گیا اس نے جلدی سے مشعل بجھا دی اور کچھ دیر کھڑا رہا تاکہ آنکھیں تاریکی کی عادی ہو جائیں ذرا دیر بعد وہ آگے بڑھا اور غار سے باہر نکل آیا۔

آسمان پر چمکتے ہوئے تاروں نے آزادی کا احساس دلایا وہ بے پایاں مسرت کے ساتھ آگے بڑھا لیکن ایک دم رک گیا پانی میں چلنے والوں کے قدموں کی چھپاک چھپاک کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی کامران پھرتی کے ساتھ جھاڑیوں کی آڑ میں ہو گیا اگلے ہی لمحے بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز قریب آئی اور پھر ہانپتا ہوا ایک بدشکل پجاری آگے بڑھا یہ گردشر تھا دوسرے ہی لمحے کامران نے جست لگائی اور گردشر کو ساتھ لئے زمین پر گرا اس نے پھرتی کے ساتھ تلوار اس کی گردن میں رکھی اور سینے پر سوار ہو گیا۔

''تت...... تت...... تت، تم......'' گردشر کے حلق سے دہشت زدہ آواز نکلی۔

''تم زندہ ہو؟''

''نہیں یہ میرا بھوت تم پر سوار ہے'' کامران نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

''جلدی بتاؤ کہ شردھا کہاں ہے ورنہ گردن جسم سے الگ کر دوں گا۔''

''تم کامران ہو؟'' گردشر نے ہکلاتے ہوئے پوچھا۔

''شیطان کے بچے بتاتا ہے یا......''

''بتاتا ہوں...... ابھی بتاتا ہوں'' گردشر نے کانپ کر کہا۔

''وہ ان لوگوں کے قبضے میں ہے یعنی ایلوس اور ہارڈی کے۔''

''کہاں ہیں وہ دونوں؟''

''مم...... مم مجھے نہیں معلوم وہ اسے لے کر چلے گئے ہیں'' کامران نے تلوار پر زور ڈالا۔

''تو تجھے بھی وہیں بھیجے دیتا ہوں۔''

''ٹھہرو ٹھہرو...... مجھے نہ مارو۔ بتاتا ہوں۔'' گردشر چیخ اٹھا۔

''ہم اسے لے کر اس غار تک گئے تھے جہاں وہ دونوں چھپے ہوئے تھے لیکن ان کے ملازم گھوڑے لے کر فرار ہو چکے تھے انہوں نے مجھ پر غداری کا الزام لگایا ان کا خیال تھا کہ میں نے ان کے ملازموں کو قتل کروا دیا اور اب ان کو بھی ٹھکانے لگانے کی سازش کر رہا ہوں وہ جھوٹ بول رہے تھے یہ الزام غلط ہے مجھے پتا نہیں ان کے ملازم کہاں گئے انہوں نے مجھ پر حملہ کر دیا میرا ایک پجاری درمیان میں آ گیا اور میں وہاں سے فرار ہو گیا۔''

کامران نے اسے گریبان سے پکڑ کر اٹھایا وہ تھر تھر کانپ رہا تھا کامران نے کمر سے رسی نکالی اور اس کے دونوں ہاتھ مضبوطی کے ساتھ پشت پر باندھ دیئے اس نے خونخوار لہجے میں کہا۔

''ہم وہیں واپس چل رہے ہیں تو نے ذرا بھی آواز نکالی تو گردن اڑا دوں گا مجھے سیدھے اس غار کی سمت لے کر چل۔''

''نہیں'' گردشر نے التجا کی وہ مجھے مار ڈالیں گے۔''

''تو نے ایک لمحے بھی دیر کی تو میں تجھے قتل کر دوں گا۔''

کامران نے گرج کر کہا اور اسے آگے دھکا دیا۔

گردشر دیو قامت ہونے کے باوجود بڑا بزدل تھا۔ کانپتے ہوئے قدموں سے وہ آگے آگے چلنے لگا ڈھلوان سے اتر کر وہ جیسے ہی ہموار جگہ پہنچے کامران نے کہا۔

''میں یہ جگہ پہچانتا ہوں اور مجھے اب معلوم ہے کہ غار کہاں ہے اس لئے گڑبڑ نہ کرنا۔''

گردشر بے بسی کے عالم میں آگے آگے چلتا رہا ننگی تلوار کی چمک سے اس کا دل لرز رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ غار کے سامنے پہنچ گئے لیکن وہاں پر ہر سمت خاموشی طاری تھی۔

''وہ چلے گئے'' گردشر نے کانپتی آواز میں کہا۔

''مجھے پہلے ہی امید تھی لیکن میں صرف تصدیق کرنا چاہتا تھا۔''

''سنو'' گردشر نے خوف زدہ لہجے میں کہا کسی کے کراہنے کی آواز تھی اور بلاشبہ غار کے اندر سے آئی تھی کامران نے پھرتی کے ساتھ تلوار کی نوک گردشر کے سینے پر رکھ دی۔

''خبردار جو آواز نکالی'' اس نے کہا اور پھر ایک تسمے سے اس کے پیروں کو بھی باندھ دیا تاکہ فرار نہ ہو سکے۔

گردشر کو چھوڑ کر وہ دبے پاؤں غار میں داخل ہوا تاریکی میں کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ کراہ پھر سنائی دی وہ جو بھی تھا شدید اذیت میں تھا احتیاط سے قدم رکھتا ہوا آگے بڑھنے لگا اچانک اس کا پیر کسی نرم چیز سے ٹکرایا اور کوئی زور سے کراہا۔ کامران نے ٹٹول کر دیکھا کسی انسان کا جسم تھا اس نے اپنے ہاتھ پر نمی سی محسوس کی اور جیب سے ماچس نکال کر جلائی حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں اس کے ہاتھ خون میں تر تھے اور ہارڈی زمین پر پڑا ہوا کراہ رہا تھا۔

''ہارڈی'' کامران نے آہستہ سے کہا۔

لب مرگ ہارڈی نے اپنا نام سن کر آنکھیں کھول دیں اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو منہ سے خون آ گیا۔

''ایلو...... ایلوس'' اس نے کراہتے ہوئے کہا۔

''تم واپس آ گئے'' وہ آنکھیں بند کرتے ہوئے بولا۔

''میں ایلوس نہیں کامران ہوں ہارڈی شردھا کہاں ہے''

''الیوس ذلیل کمینہ......''

''میں نے اسے بچانے کی کوشش کی تھی گروشر پجاری نے مجھے زخمی کر دیا ہم یہاں پہنچے تو ملازم فرار ہو چکے تھے گروشر نے ہم سے غداری کی الیوس اس کو ختم کر دیتا لیکن اس کے ساتھی پجاری نے حملہ کر دیا گروشر بھاگ گیا اور الیوس......کمینہ الیوس مجھے مرتا چھوڑ کر اس لڑکی کے ساتھ فرار ہو گیا اس نے رہنمائی کے لئے اس پجاری کو پکڑ لیا وہ پیدل اس پہاڑی کو پار کرنا چاہتا تھا۔ہم......ہم میں اس کو......'' اچانک اس کی گردن ڈھلک گئی کامران نے باہر آ کر گروشر کو یہ سب بتایا اور اس کے پیر کھول دیئے گروشر کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

''وہ کبھی اس پہاڑ کو پار نہ کر سکیں گے راستے ہی میں مر جائیں گے'' اس نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''نہیں ہم ان کا تعاقب کریں گے اور تم میری رہنمائی کرو گے'' کامران بولا۔

''انہیں مر جانے دو'' گروشر نے غصے میں کہا۔

کامران نے تلوار کی نوک اس کے حلق پر رکھ دی۔

''کتے! اگر وہ مر گئے تو میں تجھے بھی زندہ نہیں چھوڑوں گا کیا تو چاہتا ہے کہ میں تجھے گھسیٹ کر لے چلوں اور شہر کے لوگوں کو تیری غداری کی داستان سناؤں؟ ان کو بتلا دوں کہ تو نے ان کی دیوی کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ وہ تیری ایک ایک بوٹی کر ڈالیں گے۔''

''نہیں۔'' گروشر خوف زدہ آواز میں چیخا ''نہیں......نہیں...... میں تمہاری ہر بات ماننے کے لئے تیار ہوں۔''

''تو پھر اٹھو ان کو روانہ ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی اگر سورج نکلنے سے پہلے وہ مجھے نہ ملے تو میں سمجھ جاؤں گا کہ تو نے دھوکا دیا ہے اور پھر۔''

گروشر گھبرا کر پیچھے ہٹا ''میں میں تم کو دھوکا نہیں دوں گا چلو''

صبح ہونے میں ابھی دیر تھی کامران اس وقت ایک خطرناک پہاڑی راستے سے اوپر چڑھ رہا تھا......اس نے قبائلیوں کو جس گھاٹی پر چھوڑا تھا وہ اس جگہ سے نصف فاصلے پر مغرب میں رہ گئی تھی تاریکی میں ذرا سی لغزش اسے موت کے منہ میں پہنچا سکتی تھی پھر بھی وہ بار بار گروشر کو تیز چلنے کی ہدایت کر رہا تھا۔وہ کہہ رہا تھا۔

''شروھا ہر قدم پر مزاحمت کر رہی ہو گی اس لئے وہ زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے۔''

لیکن صبح کا اجالا پھیلنے تک الیوس کو تلاش کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے وہ اس وقت ایک خطرناک نگر پر چڑھنے کی کوشش کر رہے تھے اور ایک ایک قدم دشوار گزار تھا اچانک بائیں جانب سے گولیاں چلنے کی آواز فضا میں گونج اٹھی۔کامران چونک کر مڑا، وہ اس وقت اتنی بلندی پر تھے کہ فاصلے کے باوجود پوری وادی کا منظر ان کے سامنے تھا۔دور شہر کی آبادی نظر آ رہی تھی۔کامران نے اس گھاٹی کی سمت دیکھا جہاں قبائلی چھپے ہوئے تھے چٹانوں کی آڑ میں اسے دھبے حرکت کرتے نظر آ رہے تھے۔رہ رہ کر دھواں اٹھتا ہوا نظر آ رہا تھا قبائلی آڑ سے فائرنگ کر رہے تھے اس نے پھرتی سے دوربین آنکھوں سے لگائی اس کو اندازہ ہو گیا کہ خانہ

بچانک سے لوگ نکل کر باہر آ رہے تھے۔

وہ شاید پتہ لگانے آ رہے تھے کہ فائرنگ کہاں ہو رہی تھی اچانک فائر کی آواز آئی کہ گروشر چیخ کر لیٹ گیا گولی سے اس کے سر کی ٹوپی اڑ گئی تھی اور وہ بال بال بچا تھا۔کامران پھرتی کے ساتھ ایک چٹان کی آڑ میں ہو گیا۔اس کی تیز نگاہیں حملہ آور کو تلاش کرنے لگیں۔کچھ دیر کے بعد ایک بلند چٹان کے پیچھے سے ایک سر نمودار ہوا پھر رائفل کی نال نکلتی دکھائی دی فائر اور گولی کامران کے پاس والی چٹان سے ٹکرائی لیکن کامران نے الیوس کو پہچان لیا تھا۔

الیوس واقعی ہر سمت سے مصیبت میں گھر گیا تھا اور یہ دیکھ کر کہ کامران بھی تعاقب کرتا ہوا سر پر آ پہنچا ہے اس نے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اس نے بلندی سے چیخ کر کامران کو گالیاں دینی شروع کر دیں پھر دھمکیوں پر اتر آیا گروشر اتنا وحشت زدہ ہو گیا تھا کہ چٹان کی آڑ میں دبک گیا کامران چٹانوں کی آڑ لیتا ہوا دشمن کی سمت بڑھنے لگا الیوس کو نہیں معلوم تھا کہ اس کے پاس رائفل نہیں ہے وہ اس خاموشی کو بھی کوئی چال سمجھ رہا تھا سورج ابھی بلند نہیں ہوا تھا اس لئے چٹانوں اور جھاڑیوں کے سائے میں کامران کی نقل و حرکت الیوس کو نظر نہ آ سکی۔لیکن جلد ہی یہ صورتحال بدل گئی۔الیوس بہت چالاک تھا اب اس نے کامران کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے مسلسل فائرنگ شروع کر دی جب بھی کامران ایک چٹان سے دوسری چٹان پر چھلانگ لگاتا گولی اس کا تعاقب کرتی لیکن وہ برابر بڑھتا ہی رہا۔

گولیوں کی بوچھاڑ کے باوجود وہ برابر بڑھتا ہی رہا گولیوں کی بوچھاڑ کے باوجود وہ ہر لمحہ الیوس سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا اور اس بات نے آخر کار الیوس کو بدحواس کر دیا کامران کو شروھا نظر نہیں آ رہی تھی لیکن اچانک اسے گنجا پجاری نظر آ گیا جس وقت الیوس رائفل لوڈ کر رہا تھا۔پجاری نے موقع سے فائدہ اٹھایا پشت پر بندھے ہوئے ہاتھوں کے باوجود وہ جست لگا کر وہاں سے اچھلا اور خرگوش کی طرح چھلانگیں لگاتا بھاگنے لگا۔الیوس نے طیش میں آ کر کمر سے لگے ہوئے پستول کو نکال کر فائر کیا گولی پجاری کے شانے پر لگی اور وہ چیخ مار کر لڑکھڑاتا ہوا دور جا گرا۔

سورج اچانک نکلا اس کی تیز روشنی براہ راست الیوس کی آنکھوں پر پڑی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں تو اس نے غصے میں ہاتھ کا سایہ کیا لیکن اتنی دیر میں کامران چھلانگیں مارتا کافی دور نکل آیا تھا الیوس نے چیخ کر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی لیکن کامران اسی لمحے کا منتظر تھا وہ مسلسل آگے بڑھتا رہا چٹانوں کی آڑ لیتا وہ ہر جست میں الیوس سے قریب تر ہوتا جا رہا تھا گولیاں اس کے پاس آ کر چٹانوں سے ٹکرا رہی تھیں پتھر کے ٹکڑے اڑ کر اسے لگ رہے تھے لیکن وہ یہ موقع ضائع کرنے کو تیار نہ تھا اس کا ہر قدم بلندی کو طے کر کے دشمن کی سمت بڑھ رہا تھا الیوس اتنا بدحواس ہو گیا تھا کہ نشانہ لئے بغیر مسلسل فائر کرتا رہا یہاں تک کہ گولیاں ختم ہو گئیں رائفل کا گھوڑا چٹ چٹ کر کے رہ گیا کامران اس دوران میں اس کے سر پر پہنچ چکا تھا رائفل دوبارہ لوڈ کرنے کا موقع باقی نہ رہا تھا وہ غصے اور جنون میں دھاڑ کر چیخا۔

''درندے! تو اب بھی مجھے نہ پکڑ سکے گا''

اس نے کامران کی گرفت سے بچنے کے لئے اچانک دوسری جانب چھلانگ لگائی لیکن گھبراہٹ

میں پیر ایک پتھر سے ٹکرایا ایک دل خراش چیخ بلند ہوئی اور وہ اس پتلی سی دراڑ کے اندر غائب ہو گیا جس کو
پھلانگ کر وہ دوسری طرف جانا چاہتا تھا۔ گہرائی اتنی تھی کہ خوف آتا تھا کامران نے جھانک کر دیکھا لیکن کچھ
نظر نہ آسکا۔ اس کا دوسرا دشمن بھی انتقام لینے سے پہلے جہنم رسید ہو چکا تھا مایوس ہو کر وہ پلٹا اور تب اس کی نظر
شردھا پر پڑی جس چٹان کے پیچھے سے ایلوس فائر کر رہا تھا اس کی آڑ میں وہ بندھی ہوئی تھی منہ میں کپڑا ٹھونسا
ہوا تھا پاؤں ننگے تھے چہرے پر جگہ جگہ خراشیں پڑی ہوئی تھیں لیکن اس کی آنکھوں سے خوف کے بجائے
مسرت جھلک رہی تھی کامران نے جلدی سے اسے آزاد کیا۔

"یہ لوگ کہہ رہے تھے کہ تم مر چکے ہو" اس نے مسرت بھرے لہجے میں کہا۔

"لیکن میرا دل کہتا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔"

"انہوں نے تو اپنی دانست میں مجھے مار ڈالا تھا" کامران نے کہا۔

"تمہیں کوئی نہیں مار سکتا کامران تم میری محبت کی طرح امر ہو۔"

"کیا؟" کامران نے چونک کر پوچھا اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"ہاں" کامران لیکن اب یہاں سے نکل چلو یہ خانہ بدوش اور قبائلی جب تک ایک دوسرے سے
لڑ رہے ہیں ہم بہ آسانی دور پہنچ سکتے ہیں۔"

"نہیں شردھا ان قبائلیوں کو میں یہاں لے کر آیا تھا انہیں مصیبت میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔"

"میں جانتی تھی تم یہی کہو گے" شردھا نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

ایلوس کی رائفل قریب ہی پڑی تھی کامران نے اسے اور کارتوسوں کا تھیلا اٹھایا اور شردھا کا ہاتھ
پکڑ کر اس جگہ واپس پہنچ گیا جہاں گردشر خوف سے چھپا ہوا تھا۔

"کیا یہاں سے گھاٹی تک پہنچنے کا کوئی محفوظ راستہ ہے؟"

کامران نے اس سے پوچھا۔

"اپنی سلامتی چاہتے ہو تو سچ بولنا۔"

"ہاں ایک خفیہ راستہ ہے" گردشر نے کہا" لیکن بہت خطرناک ہے میں بندھے ہوئے ہاتھوں
سے اس پر نہیں چل سکتا۔"

کامران نے اس کے ہاتھ کھول دیئے لیکن اس کی کمر سے رسی باندھی اور اس کا ایک سرا ہاتھ میں
پکڑ لیا "اب چلو" اس نے حکم دیا۔

گردشر ان کو لے کر اسی راستے پر چل پڑا لیکن نصف کے قریب فاصلہ طے کرنے کے بعد وہ انہیں
لے کر ایک تنگ راستے میں داخل ہو گیا یہ قدرتی نالے کی طرح کا تنگ رہ گزار تھا راستہ پتھروں کے درمیان چلا گیا
تھا دونوں سمت خوف ناک گہرائی تھی اس راستے پر احتیاط سے چلتے ہوئے آخر کار وہ ایک غار کے دہانے تک
جا پہنچے۔ غار ڈھلوان تھا اور اس میں داخل ہو کر تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ ایک جگہ بڑا سا شگاف نظر آیا اس میں
سے گزر کر وہ ایک دوسری پہاڑی کے کنارے نکل آئے۔

یہاں چٹانوں اور گھنے درختوں کی وجہ سے وہ دشمن کی نظر میں نہیں آسکتے تھے لیکن فائرنگ کی آواز

قریب سے سن رہے تھے جلد ہی وہ اس آڑ سے باہر نکلے تو قبائلیوں کی گھاٹی میں تھے اس نے چٹانوں کی آڑ
سے گولیاں برساتے قبائلیوں کو دیکھ کر آواز دی بیک وقت کئی رائفلوں کا رخ اس کی سمت ہو گیا لیکن فوراً ہی
انہوں نے اسے پہچان لیا اور حیرت زدہ نظروں سے ان دونوں کو دیکھنے لگے۔ شردھا کے خوبصورت لباس اور
حسن نے ان کو مبہوت کر دیا تھا لیکن دوسرے ہی لمحے وہ پھر دشمن سے نبرد آزما ہو گئے ایک قبائلی بھاگتا ہوا ان
کی سمت آیا۔

"تاریکی میں وہ بالکل ہمارے سروں پر آپہنچے ہیں" ان میں سے ایک نے کہا۔

"انہوں نے گھاٹی کے دہانے کو ہر سمت سے گھیر لیا ہے لیکن ہمارے سنتریوں نے انہیں بروقت
دیکھ لیا اگلی چوٹی پر ہمارے سنتری کو انہوں نے بے خبری میں ہلاک کر دیا تھا ورنہ اتنے قریب نہیں آسکتے تھے
اب ہم کیا کریں کامران؟"

کامران نے ایک قبائلی سے کمبل لے کر شردھا کے شانوں پر ڈال دیا۔

"گردشر کی نگرانی کرنا" اس نے کہا۔

"اگر یہ فرار ہونے کی کوشش کرے تو بے تامل ہلاک کر دینا۔"

"تم فکر مت کرو کامران اس کو ہلاک کرنے کا تو میں صرف بہانہ چاہتی ہوں" شردھا نے نفرت
اور حقارت سے گردشر کو دیکھا۔

کامران نے تین قبائلیوں کو ساتھ لیا اور گھاٹی کے دہانے کی سمت بڑھ گیا خانہ بدوشوں نے آہستہ
آہستہ ڈھلوانوں سے نیچے آنے کی کوشش شروع کر دی تا کہ قریب سے قبائلیوں کو نشانہ بنا سکیں ان کا بہت جانی
نقصان ہو رہا تھا لیکن وہ ہر قیمت پر آگے بڑھنا چاہتے تھے ادھر شہر کے پھاٹک سے نکل کر لوگ درختوں کی آڑ
میں آگے بڑھ رہے تھے۔

"اس سے پہلے کہ شہر کے پجاری بھی خانہ بدوشوں کے ساتھ شامل ہوں ہمیں اس جال سے نکل
جانا چاہیے" کامران نے کہا کہ وہ دیکھ رہا تھا کہ شہر کے لوگ شور مچاتے آہستہ آہستہ پہاڑی کی سمت بڑھ
رہے تھے اس نے جلدی سے چند سواروں کو اشارہ کیا اور گردشر اور شردھا کو دو خالی گھوڑوں پر سوار کرا کے حکم دیا
کہ وہ تیز رفتاری کے ساتھ غار کے ذریعے انہیں واپس لے جائے۔ قبائلیوں کو اس نے ہدایت کی کہ وہ شردھا
کے ہر حکم کی تعمیل کریں اگر کسی نے خلاف ورزی کی تو وہ ان کی سلامتی کا ذمے دار نہ ہو گا باقی لوگوں کو اس نے
فائرنگ روک کر آڑ میں چھپ جانے کا حکم دیا۔

ان سب کو روانہ کرنے کے بعد وہ صرف تین قبائلیوں کے ہمراہ گھاٹی میں ٹھہر گیا وہ گھاٹی کے
دہانے پر رک کر خانہ بدوشوں کی پیش قدمی کو روکنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ فوراً ہی انہوں نے دشمن پر فائرنگ شروع
کر دی لیکن خانہ بدوشوں نے محسوس کر لیا کہ دشمن پسپا ہو رہے ہیں اس لئے وہ اپنی کمین گاہوں سے نکل کر
نعرے سے آگے بڑھے کامران نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور گولیوں کی باڑھ پہ باڑھ نے بہت سے
دشمنوں کو ڈھیر کر دیا۔ دشمن اس اچانک حملے سے گھبرا کر بدحواسی کے عالم میں بھاگنے لگا لیکن اب ہر طرف
سے ان پر گولیوں کی بارش ہو رہی تھی۔

جب خانہ بدوش نظروں سے اوجھل ہو گئے تو کامران نے فائرنگ روکنے کا اشارہ کیا اور پھر سب کو جمع کر کے سرنگ کے خفیہ راستے کی سمت بھاگنے لگا خانہ بدوشوں نے اچانک فائرنگ رکنے کو چال سمجھا اور آڑ میں چھپے رہے۔ اس دوران میں کامران اور اس کے ساتھی گھوڑے دوڑاتے ہوئے خفیہ راستے سے دور نکل گئے ان کے باقی ساتھی گھاٹی کے دوسری جانب پہنچ کر انتظار کر رہے تھے۔ کامران نے انہیں آگے جانے کا حکم دیا باقی لوگ گھاٹی کی دوسری جانب اس کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ اس گہری گھاٹی کے اوپر پہاڑی گگر کے پاس پہنچ چکے تھے کامران نے انہیں تیزی کے ساتھ آگے بڑھنے کی ہدایت کی اسے غصہ آ رہا تھا کہ وہ بیک وقت دو جگہ کیسے موجود رہے۔ قبائلیوں کے آگے گروشر کو دھکیلتے رہنا بھی ضروری تھا اور تعاقب میں آنے والے دشمن کو روکنا بھی۔ شرودھا نے خنجر گروشر کی گردن پر رکھا ہوا تھا اور اسے آگے آگے لئے چل رہی تھی پہاڑی کی خطرناک ڈھلان کی گگر کے اوپر تنگ راستہ بہت خطرناک تھا تقریباً نصف میل تک یہ قدرتی پگڈنڈی تھی جو تقریباً ایک ہزار فٹ کی تاریک گہرائی تک چلی گئی تھی۔ کامران پہاڑی کی گگر کے کنارے کھڑا اپنے ساتھیوں کو اس خوف ناک راستے سے گزرتے دیکھتا رہا۔

ذرا دیر بعد اسے خانہ بدوشوں کا پہلا سوار بڑی تیز رفتاری سے گگر کی سمت جاتا نظر آیا۔ کامران نے ایک بڑی چٹان کی آڑ میں اپنے گھوڑے کو کھڑا کیا اور نشانہ لے کر فائر کیا لیکن فاصلہ اتنا زیادہ تھا کہ گولی سوار کے بجائے گھوڑے کو لگی زخمی گھوڑا بھڑک کر پیروں پر کھڑا ہو گیا غار کے دہانے کے پاس گگر بہت تنگ تھی تکلیف سے ہنہناتا ہوا گھوڑا توازن قائم نہ رکھ سکا اور سوار سمیت موت کی گہرائیوں میں گرتا چلا گیا اس حادثے نے پیچھے آنے والے تین اور سواروں کو بدحواس کر دیا انہوں نے اچانک اپنے گھوڑے کی باگ کھینچی ان کے پیچھے والے سوار ان سے آ کر ٹکرائے۔ اس افراتفری میں کئی ایک سوار اور کام آ گئے باقی غار کے اندر واپس جا گھسے۔ کچھ دیر بعد انہوں نے پھر باہر نکلنے کی کوشش کی لیکن ایک ہی برسٹ نے ان کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔

کامران نے گھوم کر دیکھا اس کے ساتھی پہاڑی کے دوسرے سرے پر پہنچ چکے تھے آخری چند سوار گھوڑوں سے اتر کر پیدل اس پگڈنڈی کو پار کر رہے تھے جیسے ہی وہ اس پل صراط کے پار پہنچے کامران نے اپنے گھوڑے کو ایڑھ لگائی۔ راستہ پگڈنڈی کی طرح تنگ تھا دونوں جانب گہری کھائی تھی گھوڑے کا ایک بھی قدم غلط پڑتا تو وہ کامران سمیت منہ کے بل جا گرتا۔ لیکن ان پہاڑی راستوں پر چلنے کا وہ عادی تھا۔

بے خوابی کے باعث کامران کا سر چکرا رہا تھا پھر بھی وہ رکا نہیں۔ اس خطرناک راستے کو پار کر کے جب وہ اس چٹان کے پاس رکا جہاں شرودھا کھڑی ہوئی تھی تو اس نے گھوم کر دیکھا۔ دشمن نے اب تک تعاقب نہیں کیا تھا شرودھا کا چہرہ سفید ہو رہا تھا۔ اس نے کامران کے بازو پر ہاتھ رکھا تو وہ چونک پڑا۔ "جتنی جلد ممکن ہو یہاں سے نکل چلو" شرودھا نے خوابیدہ لہجے میں کہا نیند اور تھکان سے اس کی آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں۔

وہ لوگ وہاں سے فوراً روانہ ہو گئے ان کے پاس اب گھوڑے کم رہ گئے تھے بلندی کی وجہ سے بہت سے قبائلیوں کو چکر آ رہے تھے خود کامران کے لئے آنکھیں کھلی رکھنا دشوار ہو رہا تھا وہ سب گروشر کے بتائے ہوئے راستہ پر آگے بڑھ رہے تھے راستہ اتنا تنگ اور خطرناک تھا کہ تیز رفتاری سے چلنا ممکن نہ تھا۔

گہری کھائیوں اور تنگ دروں سے گزرتے ہوئے وہ مسلسل بڑھتے رہے۔ رہ رہ کر ان کو عقب سے خانہ بدوشوں کے نعرے سنائی دے رہے تھے۔ دشمن تعاقب میں مسلسل چلا آ رہا تھا۔ پہاڑ کی برف پوش چوٹی نمایاں ہوتی جا رہی تھی گروشر نے قسم کھا کر یقین دلایا کہ وہ انہیں اس محفوظ راستے سے لے جا رہا ہے جو پہاڑیوں کے درمیان سے گزرتا تھا۔ خوف سے اس کا چہرہ سفید ہو رہا تھا اس کے ذہن میں صرف ایک خیال تھا کہ وہ راستہ اختیار کرے جس سے اس کی جان بچ جائے۔ وہ اس طرح چل رہے تھے جیسے پیروں میں جان نہ رہ گئی ہو۔ تھکان سے سب بری طرح نڈھال ہو رہے تھے۔ گھوڑے بھی آہستہ قدم ہو چکے تھے سرد ہوا کے تیز جھونکے تیر کی طرح چہرے سے ٹکرا رہے تھے۔ تاریکی بڑھتی جا رہی تھی آخر کار وہ پہاڑ کے ڈھلوان پر واقع پہاڑی سلسلے میں داخل ہو گئے۔

کوہ ارزک ایک فلک بوس عفریت کی طرح ان کے سامنے تھا اس کی برف پوش چوٹی دھند میں چھپی ہوئی تھی۔ دامن میں پہاڑیوں کا ایک طویل سلسلہ پھیلا ہوا تھا چوٹیاں بلند و بالا کلس کی طرح کھڑی تھیں سپاٹ ڈھلانیں، تنگ گگر اور خطرناک گہرائیوں کے کنارے سے ہو کر وہ بڑھتے رہے اور آخر کار ایک گھاٹی کے اوپر سے گزر کر بلند و بالا چوٹی کے قریب پلیٹ فارم نما چوڑی چٹان کے اوپر پہنچے۔ پہاڑی کا یہ حصہ بہت کشادہ تھا اور سامنے پہاڑی کے اندر کانسی کا بہت بڑا اور مضبوط پھاٹک تھا۔ جس پر نامعلوم زبان میں کچھ کندہ تھا۔ کامران ان الفاظ کو نہیں پڑھ سکا۔ پھاٹک پہاڑ کی چٹانوں کو کاٹ کر لگایا گیا تھا اور اتنا مضبوط تھا کہ توپ کا گولہ بھی اسے نہیں ہلا سکتا تھا۔

"یہ ارزک کا مقدس دروازہ ہے" گروشر نے کہا۔ "اس کو دھکا دو...... نہیں...... ڈرو نہیں میں قسم کھاتا ہوں اس میں کوئی چال نہیں ہے۔"

"اگر کوئی چال ہو بھی تو تم بھی زندہ نہیں بچ سکے۔"

کامران نے کہا اور پوری قوت سے دھکا دیا دروازے کے ساتھ ہی وہ بھی اندر گرتا چلا گیا۔

وزنی پھاٹک کا پٹ اس طرح کھلتا چلا گیا جیسے اس کا کوئی وزن ہی نہ ہو۔ اس کے پرانے قبضوں میں حال ہی میں تیل لگایا گیا تھا دیوار میں لگی ہوئی مشعل جلاتے ہی انہیں پہاڑ کاٹ کر بنائی گئی ایک کشادہ سرنگ کا دہانہ نظر آیا کچھ دور جا کر بوتل کی گردن کی طرح یہ دہانہ اتنا پھیل گیا تھا کہ اس کی بلندی اور چوڑائی کا اندازہ لگانا مشکل تھا۔

"یہ سرنگ پہاڑ کے دوسرے سرے پر جا کر نکلتی ہے" گروشر نے بتایا۔

"صبح تک ہم ان لوگوں سے بہت دور پہنچ چکے ہوں گے جو ہمارا تعاقب کر رہے ہیں کیونکہ اگر انہوں نے پہاڑ پر چڑھ کر دوسری سمت پہنچنے کی کوشش کی بھی تو پوری رات اور دوسرا دن ختم ہونے سے پہلے وہ اس پہاڑ کو عبور نہیں کر سکیں گے اگر وہ پہاڑ کے گرد سے سفر کرتے ہیں اور دروں میں گھاٹیوں کو پار کر کے دوسری جانب پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں تو اس سے بھی زیادہ وقت لگے گا اور ظاہر ہے کہ ہماری طرح وہ اور ان کے گھوڑے بھی اتنے تھک چکے ہیں کہ تیز رفتاری سے آگے بڑھنا ممکن نہیں۔

"اس خفیہ راستے کا علم تم کو پہلے سے تھا تو ان سفید فاموں کو کیوں نہیں بتایا؟" کامران نے سوال کیا۔

"میں ان کو اسی راستے سے لے جاتا' پہاڑوں کے اوپر سے نہیں" گروشر نے جواب دیا۔

"اس سرنگ میں کھانے پینے کا سامان بھی ہے اور آرام کرنے کے لئے کمرے بھی۔ سردیوں کے موسم میں خانقاہ کے پجاری یہاں کام کرتے ہیں۔"

کامران کے لئے گروشر کی بات پر یقین کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ خانہ بدوشوں کے پہنچنے سے پہلے وہ اپنے ساتھیوں کو سرنگ کے اندر لا کر اس کے مضبوط پھاٹک کو بند کر دینا چاہتا تھا اس لئے اس نے وہاں رکھے ہوئے چربی سے جلنے والے لیمپ روشن کرنے کا حکم دیا جب سارے قبائلی اندر آ گئے تو پھاٹک کو اندر سے بند کر دیا گیا وزنی اور مضبوط کانسی کی سلاخیں آدمی کی ٹانگوں کی طرح موٹی تھیں اور ایک سلاخ چھ سات آدمیوں سے کم کے لئے اٹھانا ممکن نہ تھا کامران کو اطمینان تھا کہ اس پھاٹک کو توڑنا دشمن کے لئے ممکن نہ تھا سرنگ میں آگے بڑھتے ہوئے اس نے گروشر کے گھوڑے کو ہر سمت سے نرغے میں رکھا تھا لیمپ کی روشنی میں وہ آگے بڑھتے رہے بے پناہ قوت اور حوصلے کے باوجود کامران تھکان سے نڈھال ہو رہا تھا۔ لیکن سرنگ میں رکھے ہوئے سامان کو دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی جا رہی تھیں کون تصور کر سکتا تھا کہ پہاڑ کو کاٹ کر ایک سرے سے دوسرے سرے تک کتنی کشادہ سرنگ بنائی جا سکتی ہے۔

سرنگ اتنی چوڑی تھی کہ تین سوار اس میں ایک ساتھ چل سکتے تھے چھت اتنی بلند تھی کہ روشنی میں بھی مشکل سے نظر آتی تھی فرش اور دیواریں بالکل ہموار تھیں جگہ جگہ کوٹھریاں بنی ہوئی تھیں کئی جگہ سے کدالوں سے کھدائی کے نشان نظر آئے پھر اسے جگہ جگہ دھندلی زردی جھلکتی دکھائی دی کچھ دیر بعد اچانک اس پر حقیقت کا انکشاف ہوا کہ کوہ ارزک کی داستانیں حقیقت تھیں سرنگ کی دیوار میں جھلکتی زردی سونے کی تھی اس زیر زمین سرنگ میں سونے کی وافر مقدار موجود تھی یہ حقیقت قبائلیوں سے بھی پوشیدہ نہ رہ سکی۔

اس کے برابر چلتے ہوئے سوار نے سرگوشی کی" یہ پجاری اسی جگہ سے سونا حاصل کرتے ہیں یہ سرنگ سونے کی بہت بڑی کان ہے" اس کی آنکھیں روشنی میں چمک رہی تھی۔

"آپ اجازت دیں تو میں اس گنجے سے اقبال کرا لوں کہ یہ سونے کا ذخیرہ کہاں پوشیدہ ہے۔"

"لیکن اس کی ضرورت پیش نہیں آئی گروشر نے بلا تامل ایک وسیع اور کشادہ کمرے میں رکھے ہوئے بڑے بڑے ڈھیلوں کی سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ خام سونے کے ڈلے ہیں ایک دوسرے کمرے میں ان کو صاف کرنے کے لئے اور خالص سونا نکالنے کے لئے بھٹی اور سامان تھا۔ اس نے بے پروائی سے کہا۔

"تم کو جتنا سونا چاہیے لے جاؤ۔ یہاں اتنا ذخیرہ ہے کہ ہزار گھوڑے بھی اسے لادنے کے لئے ناکافی ہوں گے اور ابھی ہم نے کان کو پوری طرح ہاتھ بھی نہیں لگایا ہے۔"

قبائلیوں کی نگاہوں میں حرص و ہوس کی چمک کامران کے لئے پریشانی کا باعث ہونے لگی تھی۔

"جتنے گھوڑے فاضل ہیں ان پر لاد لو" کامران نے کہا۔

"یہی بہت کافی ہوں گے۔"

اجازت ملتے ہی سب بھوکے گدھ کی طرح ٹوٹ پڑے ان کا بس چلتا تو سارا سونا لاد لیتے وہ

دیوانوں کی طرح اپنے تھیلوں کو بھر رہے تھے کامران نے ان سے خزانے تک لانے کا وعدہ کیا تھا اور وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ اب جو کچھ پیش آیا وہ کامران کے منصوبے کا حصہ تھا خوشی سے بے تاب ہو کر وہ ایک دوسرے سے کہہ رہے تھے" اب دوبارہ آئیں گے تو اپنے ساتھ اتنے گھوڑے لائیں گے کہ یہ سب اٹھا کر لے چلیں گے۔"

"بس ختم کرو" کامران دھاڑا۔

"تم نے اتنا سونا جمع کر لیا ہے کہ تمہاری سات پشتوں کے لئے کافی ہو گا۔"

لیکن قبائلیوں پر کوئی اثر نہ ہوا وہ اپنے تھیلے بھر بھر کے لادتے رہے کامران نے تلوار کھینچی اور گرجتا ہوا ان کی سمت لپکا "کم بختو" اگر خانہ بدوشوں نے تم سے پہلے پہاڑ پار کر لیا تو کیا یہ سونا قبر میں لے جاؤ گے۔"

بڑی مشکل سے وہ روانہ ہوئے سرنگ میں اناج کا وافر ذخیرہ تھا کامران کی ہدایت پر انہوں نے راستے کے لئے ضرورت کے مطابق اسے بھی لاد لیا نیند سے کامران کی آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں شروعا بھی گھوڑے کی پشت پر اونگھ رہی تھی لیکن وہ مسلسل بڑھتے رہے اور آخر کار سرنگ کے دوسرے پھاٹک تک پہنچ گئے جو مقفل نہیں تھا گروشر نے بتایا کہ خاص پجاریوں کے علاوہ اس سرنگ کا راز کسی کو نہیں معلوم انہوں نے بھاری دروازے کے پٹ کھولے صبح کے اجالے سے ان کی آنکھیں چکا چوند ہو گئیں۔

سامنے ایک چوڑی سی تکونی چٹان چبوترے کی طرح پھیلی ہوئی تھی اس کے آگے ایک تنگ سا راستہ پہاڑ کے کنارے کنارے چلا گیا تھا پیچ و خم کھاتے ہوئے اس راستے کے ایک سمت بلند پہاڑ کی دیوار تھی اور دوسری جانب ہزاروں فٹ گہری ڈھلوان جس کے نیچے بہنے والی ندی کا پانی چاندی کی لکیر کی طرح چمک رہا تھا بائیں جانب کا منظر چوٹیوں نے چھپا رکھا تھا۔ لیکن دائیں سمت کوہ ارزک سے ملے ہوئے پہاڑوں کا سلسلہ حد نظر تک پھیلا ہوا تھا۔

"جان بچانے کا یہی واحد راستہ ہے" گروشر نے درے کی سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہاں سے تین میل کے فاصلے پر یہ راستہ تم کو اس وادی میں پہنچا دے گا اور وہاں پانی اور شکار دونوں موجود ہیں تمہارے گھوڑوں کو چارہ بھی مل جائے گا جنوب میں واقع درے سے گزر کر تم تین دن کے سفر کے بعد اپنے جانے پہچانے علاقے میں پہنچ جاؤ گے اس سے پہلے کہ خانہ بدوش پہاڑ کو پار کر کے یہاں پہنچیں تمہارا نکل جانا بہتر ہے اب مجھے واپس جانے دو۔"

"ابھی نہیں" کامران نے کہا۔

"میں تم کو درے کے پاس پہنچ کر آزاد کر دوں گا وہاں سے تم بآسانی واپس آ سکتے ہو"۔

گروشر نے غصے میں اسے گھورا کامران کی آنکھیں مسلسل جاگنے سے خون کی طرح سرخ ہو رہی تھیں گروشر سہم کر خاموش ہو گیا قبائلی اپنے سونے کا ذخیرہ لے کر نکل جانے کے لئے اتنے بے تاب ہو رہے تھے کہ چھ سات سوار دروازے سے نکل کر روانہ ہو گئے کامران نے ان کو جاتے دیکھا تو ایک سوار کو حکم دیا کہ گروشر کو ساتھ لے کر آئے اور اپنا گھوڑا آگے بڑھا دیا تاکہ حسب معمول وہ سب سے آگے پہنچ کر رہنمائی کرے ایک قبائلی سب سے آگے نکل گیا تھا اور اب نہ وہ واپس آ سکتا تھا نہ کامران کو آگے نکل جانے کا راستہ دے سکتا تھا کامران نے اسے آواز دے کر پیچھے چلنے کی ہدایت کی اور اپنے گھوڑے کو آگے بڑھا دیا۔

کامران کا گھوڑا ابھی اس تنگ راستے پر پہنچا ہی تھا کہ اوپر سے چھوٹے بڑے پتھروں کا ریلا زبردست گڑگڑاہٹ کے ساتھ آکر راستے پر گرا۔ آگے جانے والا قبائلی بدقسمتی سے براہ راست اس کی زد میں آگیا اور وہ اس کو گھوڑے سمیت اس طرح بہا کر لے گیا جیسے جھاڑو جالے کو صاف کر کے لے جاتی ہے ایک بڑا سا پتھر کامران کے گھوڑے کی ٹانگ پر پڑا اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی اور وہ درد سے چیخ کر گرا اور گہری کھائی میں لڑھکتا ہوا محفوظ جگہ پر پہنچ گیا۔ شروھا کی دہشت ناک چیخ اور قبائلیوں کی چیخ و پکار سے فضا گونج اٹھی بلندی پر کچھ نظر نہیں آرہا تھا لیکن پھر بھی کئی قبائلیوں نے گولیاں برسانا شروع کر دیں جواب میں چوٹی کے اوپر سے فلک شگاف قہقہے سنائی دیئے باوجود یہ کہ کامران اس ہولناک حادثے سے دہل گیا تھا پھر بھی اس نے فوراً ہی حواس پر قابو پا کر اپنے ساتھیوں کو سرنگ کے اندر دھکیل دیا وہ بری طرح جال میں پھنس گئے تھے ان میں سے کئی تلوار سونت کر گرودشر کی سمت لپکے۔

"اس کی گردن اڑا دو اس غدار نے ہمیں دھوکے سے جال میں پھنسایا ہے" کئی بیک زبان بولے۔

گرودشر کا چہرہ خوف سے زرد پڑ گیا تھا اس سے پہلے کہ قبائلی اسے ہلاک کرتے کامران چلایا۔

"ٹھہرو خبردار اسے نہیں مارنا۔"

"میں قسم کھاتا ہوں کہ میں نے غداری نہیں کی۔ خانہ بدوش اتنی جلدی پہاڑ پار نہیں کر سکتے" گرودشر نے چیخ کر کہا۔

"کیا سرنگ میں پجاری موجود تھے؟" کامران نے پوچھا "ممکن ہے ہماری آمد کے وقت وہ اس پھاٹک سے فرار ہو کر اوپر پہنچ گئے ہوں۔"

"نہیں میں ارزک کی قسم کھاتا ہوں کہ سرنگ میں کوئی نہیں تھا ہم سال میں صرف تین بار سونا نکالتے ہیں مجھے نہیں معلوم کہ اوپر کون ہے۔"

کامران دوبارہ باہر نکل کر چند قدم آگے بڑھا دوسرے ہی لمحے پھر پتھروں کا ریلا آکر راستے پر گرا اور وہ بال بال بچ کر پیچھے ہٹا اور ایک زوردار قہقہہ بلندی سے گونجا۔

"مکار کتے! بھاگتا کیوں ہے؟ اب دیکھوں گا کہ تو بچ کر کیسے جائے گا تو سمجھتا تھا کہ میں اس دراڑ میں گر کر مر گیا؟

لیکن میں ابھی زندہ ہوں میں ایک درخت میں پھنس کر بچ گیا ہوں اور تو مجھے مردہ سمجھ کر واپس چلا گیا تیرے جانے کے بعد بہ آسانی اوپر چڑھ کر محفوظ جگہ پہنچ گیا تھا۔"

"ایلوس!" کامران نے دانت پیستے ہوئے کہا

"تو سمجھتا تھا کہ میں نے اس پجاری کو یونہی چھوڑ دیا تھا اس نے مجھے سرنگ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا جب میں نے تم لوگوں کو گرودشر کے ساتھ اس طرف کا رخ کرتے ہوئے دیکھا تو تم سے پہلے یہاں پہنچ گیا میرا بس چلتا تو پھاٹک کو اندر سے بند کر دیتا اور خانہ بدوش تم کو کتوں کی طرح ہلاک کر دیتے لیکن سلاخیں اتنی بھاری تھیں کہ میں تنہا ان کو اٹھا نہ سکا۔ اس لئے میں یہاں پہنچ گیا۔ اب تم میں سے ایک بھی زندہ واپس نہیں نکل سکے گا۔ میں یہاں سے تم کو دیکھ رہا ہوں اور تم اتنی بلندی پر میرا بال بھی بیکا نہیں کر سکتے۔

کچھ دیر میں خانہ بدوش یہاں پہنچ جائیں گے اور تم اسی سرنگ میں لڑ کر مر جاؤ گے میں شہر کے لوگوں کو بتا دوں گا کہ بوڑھا گرودشر شروھا کو اغوا کر کے تمہارے حوالے کر رہا ہے وہ اس کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے"

گرودشر خوف سے کانپ رہا تھا کامران بھی پریشان ہو گیا تھا تھکان اور بے خوابی سے وہ پہلے ہی بدحال تھا۔

"کیا اوپر جانے کا کوئی راستہ ہے؟" اس نے پوچھا۔

"کوئی ایسا راستہ نہیں ہے جس سے آدمی یا گھوڑا اوپر جا سکیں" گرودشر نے خوف زدہ لہجے میں جواب دیا۔

"لیکن"

"لیکن کیا؟"

گرودشر لیمپ اٹھا کر سرنگ کی دیوار کے ایک حصے کی سمت بڑھا جو دروازے کے قریب تھا اس نے لیمپ اوپر اٹھایا تو روشنی دیوار پر پڑی۔ پتھر کی دیوار میں دھات کی موٹی کیلوں کے قبضوں کی قطار اوپر چلی گئی تھی "پہلے یہاں ایک سیڑھی لگی ہوئی تھی" گرودشر نے بتایا۔

"اس کے ذریعے سرنگ کی چھت تک پہنچا جا سکتا تھا جہاں ایک شگاف ہے وہاں پر بیٹھ کر جنوبی حصے والے درے پر نگاہ رکھی جا سکتی تھی تاکہ اگر کوئی حملہ آور ادھر سے داخل ہو تو بروقت دیکھا جا سکے لیکن مدت سے ان قبضوں کو استعمال نہیں کیا گیا اور یہ زنگ لگ کر کمزور ہو چکے ہیں اس شگاف سے باہر نکلی ہوئی ایک چٹان پر پہنچا جا سکتا ہے لیکن میرا خیال ہے کہ وہاں سے اوپر چڑھنا ممکن نہیں کیونکہ پہاڑی بالکل سپاٹ ہے"

"ممکن ہے کہ ایلوس تک پہنچنے کا کوئی راستہ تلاش کر لوں۔"

کامران نے کہا۔ حالانکہ اس کا سر چکرا رہا تھا۔

قبائلی خوف کے مارے زور زور سے باتیں کر رہے تھے۔

شروھا تشویش بھری نگاہوں سے کامران کو دیکھ رہی تھی وہ دیوار کی سمت بڑھا تو شروھا نے اس کے بازو پر ہاتھ رکھ دیا کامران نے تھکی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا۔

"فکر نہ کرو شروھا میں یہ بازی بھی جیت کر دکھاؤں گا"

اس نے آہستہ سے کہا۔

سر کو جھٹک کر اس نے نیند بھگائی دیوار کے پاس پہنچا اور پھر قبضے کو پکڑ کر آزمایا۔ دوسرے ہی لمحے وہ ایک ایک قبضے پر قدم رکھ کر اوپر چڑھ رہا تھا رائفل اس کے کندھے سے لٹک رہی تھی۔ پچاس فٹ کے بعد لیمپ کی روشنی بالکل غائب ہو گئی زنگ آلود قبضوں پر پاؤں جماتے ہوئے ہر لمحہ خوف لاحق ہوتا تھا کہ اگر وہ ٹوٹ گیا تو موت یقینی تھی۔ کئی جگہ درمیانی قبضے غائب تھے لیکن ان کے درمیان فاصلہ زیادہ نہ تھا اس لئے کامران کو زیادہ دشواری نہ ہوئی۔ نیچے جلنے والے لیمپ جگنو کی طرح چمک رہے تھے آخرکار اسے اوپر روشنی کی جھلک نظر آنے لگی اور کچھ ہی دیر بعد وہ شگاف سے نکل کر چٹان پر پہنچ گیا جو قدرتی چھجے کی طرح باہر کی سمت نکلی ہوئی تھی یہ صرف چند گز چوڑی تھی کامران نے اس کے پاس بیٹھ کر چند لمحے آرام کیا تیز ہوا کے جھونکوں

کے سبب کھڑے رہ کر توازن قائم رکھنا مشکل تھا لیکن کامران نے پروا نہیں کی وہ پتھروں کے سہارے چٹان کے کنارے تک پہنچا اور جھانک کر دیکھا تو حیران رہ گیا۔

وہ پہاڑ کے بلند ترین حصے پر تھا وہاں سے سرنگ کا دہانہ تو نظر نہ آتا تھا۔ لیکن کوئی پندرہ بیس فٹ نیچے چٹان کی آڑ میں چھپا ہوا ایلوس اسے صاف نظر آ رہا تھا فاصلہ اتنا تھا کہ کامران اس کو بہ آسانی نشانہ بنا سکتا تھا لیکن تیز ہوا اور مسلسل جاگنے سے آنکھوں سے اتنا پانی بہ رہا تھا کہ نشانہ لینا ممکن نہ تھا وہ رینگتا ہوا کچھ اور نیچے اتر کر ایک چٹان کی آڑ میں پہنچا آنکھیں صاف کر کے اس نے رائفل کندھے سے لگائی دھندلائی نظروں سے نشانہ لیا اور لبلبی دبا دی فائر کی تیز آواز پہاڑوں میں گونج اٹھی لیکن گولی ایلوس کے سر سے ایک فٹ کے فاصلے پر واقع چٹان سے ٹکرائی دھندلائی آنکھوں سے اس نے ایلوس کو اچھل کر چٹان کی آڑ میں چھپتے دیکھا اسے معلوم تھا کہ ایلوس کے پاس اب آتشیں اسلحہ نہیں تھا۔

اس نے تیزی سے اترنا شروع کیا وہ ایلوس کو فرار ہونے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ اچانک اس نے ایلوس کو آڑ سے نکلتے دیکھا اس کے ہاتھ میں تلوار تھی جو شاید اسے سرنگ میں سے کہیں سے مل گئی تھی جلدی میں کامران کا پیر پھسلا اور توازن برقرار رکھنے کی کوشش میں رائفل اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی وہ کوشش کے باوجود پھسلتا ہوا ڈھلوان سطح سے ہوتا ہوا نیچے پہنچ گیا۔ قدم ٹھوس پتھر سے ٹکرائے اتنی زور سے جھٹکا لگا کہ ساری ہڈیاں جھنجھنا اٹھیں لیکن وہ موت کے منہ میں جانے سے بال بال بچا وہ پھرتی کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوا۔ نظریں اٹھا کر دیکھا تو ایلوس صرف چند قدم کے فاصلے پر کھڑا تھا اس کی آنکھوں سے جنون جھلک رہا تھا کامران نے پھرتی کے ساتھ تلوار کھینچی۔

”آؤ کامران ہماری تلوار اب قسمت کا فیصلہ کرے گی۔“

اس نے کہا۔

ایلوس نے اچانک جست لگا کر بھرپور وار کیا کامران نے جھکائی دے کر خود کو بچا لیا ایلوس اپنی جھونک میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ وہ پلٹا تو کامران نے وار کیا تلواریں جھنانے کے ساتھ ٹکرائیں۔ دونوں میں زبردست مقابلہ شروع ہو گیا۔ کچھ دیر تک کامران مسلسل پیچھے ہٹتا رہا۔ ایلوس فاتحانہ انداز میں بڑھ چڑھ کر وار کر رہا تھا پہاڑی کے بالکل کنارے پر جا کر کامران نے اچانک جھکائی دے کر ایک اور وار کیا اور بچنے کی کوشش میں ایلوس گرتے گرتے بچا۔

”مکار کتے!“ ایلوس نے دانت پیستے ہوئے جوابی وار کیا۔ لیکن کامران پھرتی کے ساتھ ایک سمت ہٹ گیا۔ اور وار خالی گیا۔

”یہ اس بے گناہ شخص کی طرف سے ہے جس کو مار کر تم جھاڑیوں میں پھینک آئے تھے“ کامران نے بجلی کی سی سرعت سے وار کیا۔

وار سر پر پڑا خون کا فوارہ نکلا۔ ایلوس لڑکھڑاتا ہوا پیچھے ہٹا۔

”اور یہ میری طرف سے“ کامران نے دوسرا وار کیا۔

وار ہلکا تھا لیکن ایلوس کا چہرہ خون سے تر ہو گیا وہ گھبرا کر پیچھے ہٹا اور ڈھلوان پر لڑھکتا چلا گیا ایک

دلخراش چیخ فضا میں بلند ہو کر دور ہوتی چلی گئی ایلوس نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ کامران بے دم ہو کر بیٹھ گیا اب اس میں کھڑے رہنے کی سکت نہ تھی۔ نیچے سے قبائلیوں نے فاتحانہ نعرے بلند کئے تو شور سن کر وہ چونک اٹھا۔ اسے کچھ پتا نہ تھا کہ وہ کس طرح نیچے اترا اس کی آنکھیں تقریباً بند تھیں۔ اچانک کسی کے نرم اور گداز بازوؤں نے اسے سہارا دیا خشک ہونٹوں پر تری محسوس ہوئی اس نے ایسی مٹھاس پہلے کبھی نہیں چکھی تھی۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو گھوڑے پر تھا وہ درے سے باہر وادی میں سفر کر رہے تھے۔ شردھا نے پانی کا چھوٹا مشکیزہ اس کے لبوں سے لگا رکھا تھا۔

شہری آبادی میں شریف زادوں کی طرح زندگی گزارنے والا کامران جوانی زندگی کے بدترین تضادات سے دو چار ہو چکا تھا اور جس نے اپنی فطرت میں اس قدر تبدیلیاں پیدا کی تھیں کہ پرانے جاننے والے اسے دیکھتے تو اس پر یقین نہ کر پاتے۔ پھر پہاڑوں کی اس زندگی سے روشناس ہوا۔ شرافت ہی اسے یہاں تک لائی تھی کرنل گل نواز کی خواہش تھی کہ وہ یہ سفر کریں کامران کی خوبیوں نے کرنل جیسے فوجی کو اس قدر متاثر کیا تھا کہ اپنے بیٹے کو اپنے ساتھ یہاں لانے کے بجائے اس نے کامران پر بھروسا کیا تھا۔ یہ معمولی بات نہیں تھی اور پھر حالات و واقعات نے خواہ مخواہ کامران کو ایک پراسرار شکل دے دی تھی۔

سیتا اور گرشنک دو انوکھے کردار جن سے پہلا تعارف کامران کا کرنل گل نواز کی کوٹھی پر ہی ہوا تھا اور پھر پراسرار افراد کا وہ گروہ جس سے نہ جانے کتنے واقعات وابستہ ہو گئے تھے لیکن بہرحال انسان کی فطرت کا ایک خاص حصہ ہوتا ہے جس سے ہٹنا اس کے بس کی بات نہیں۔ کامران صحیح معنوں میں کسی طرح کے خزانوں سے کوئی خاص دلچسپی نہیں رکھتا تھا۔ وہ تو بس کرنل گل نواز کے ساتھ آیا تھا اور پھر گرشنک اور سیتا نے اسے ایک نئی شکل دے دی۔

پاتال پرتی، پران پربھو اور نہ جانے کیا کیا نام دیئے گئے اسے۔ جب کہ بدھ مت سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہا تھا اس نے اس کے بارے میں پڑھا تک نہیں تھا لیکن اب اس پر جو انکشاف ہوئے تھے وہ بڑے حیران کن تھے اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ جو بھی ملتا ایسا ہی ملتا سوائے ایک کردار کے جس نے اسے یہ باور کرایا تھا کہ ہو سکتا ہے وہ اس پراسرار کردار کا ہم شکل ہو جس سے اسے منسوب کیا جا رہا ہے۔

بہرحال یہ ساری گزر چکی تھی اور اب وہ بے کسی کے ساتھ ایک گھوڑے کی پشت پر پڑا ہوا تھا اور ایک عورت اسے سنبھالے ہوئے تھی۔ شردھا نے اسے پانی پلایا۔ کامران کے ہوش و حواس آہستہ آہستہ جاگتے جا رہے تھے۔ گزرے ہوئے لمحات کا اسے پورا پورا احساس تھا پھر دوبارہ اس پر غنودگی سی طاری ہونے لگی اور اس کے بعد جب اسے ہوش آیا تو وہ ایک پہاڑی چٹان پر سیدھا لیٹا ہوا تھا سر پر کھلا آسمان تھا اور قرب و جوار میں ایک عجیب و غریب خاموشی پھیلی ہوئی تھی اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے آس پاس کوئی موجود ہو۔

نہ جانے کتنی دیر وہ اسی طرح پڑا رہا پھر اچانک ہی اسے شردھا یاد آئی جو اسے گھوڑے پر لئے ہوئے سفر کر رہی تھی شردھا کہاں ہے؟ اس کو اپنے کانوں میں ہواؤں کا شور محسوس ہو رہا تھا اور وہ چاروں طرف دیکھ رہا تھا لیکن وہ شور ہواؤں کا شور نہیں تھا بلکہ اس میں انسانی آوازیں بھی شامل تھی۔ ان آوازوں میں بچوں کی آوازیں بھی تھی اور پھر تھوڑی دیر بعد مکمل خاموشی طاری ہو گئی۔ گہری رات زمین پر اتر آئی تھی وہ اپنی جگہ

سے اٹھا اور ادھر ادھر کا جائزہ لینے لگا۔ پھر تھوڑے ہی فاصلے پر اسے جھونپڑیاں سی نظر آئیں وہ یہ اندازہ لگانے کے بعد کہ وہ انسانی آبادی کے قریب ہے بڑی عجیب وغریب کیفیت محسوس کرنے لگا۔

شردھا کا آس پاس کہیں کوئی پتا نہیں تھا اس کی ہمت نہ پڑی کہ وہ شردھا کو آواز دے اور وہ پھر اپنی جگہ سے اٹھا سامنے جھونپڑی نظر آئی وہ اس کی جانب بڑھا ہر طرف گہرا سناٹا طاری تھا۔ کبھی کبھی جنگلی جانوروں اور جھینگروں کی آوازیں سنائی دے جاتی تھیں۔ اس نے جھونپڑی کے دروازے سے کان لگا کر اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ وہاں کون ہے لیکن کچھ پتا نہیں چل سکا۔ ہر طرف گہرا اندھیرا پھیل چکا تھا اور اس اندھیرے میں کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد اس نے آہستہ آہستہ جھونپڑی کا دروازہ کھسکایا۔ اب وہ جسمانی طور پر اپنے آپ کو بالکل فٹ محسوس کر رہا تھا۔ باہر اب بھی خاموشی چھائی ہوئی تھی ذرا سا دروازہ کھول کر اس نے تاریکی میں نگاہیں دوڑائیں تو دو افراد کو زمین پر دراز پایا نہ جانے کون لوگ تھے وہ جھک کر انہیں دیکھنے لگا وہ گہری نیند سو رہے تھے ان کے لباس سے یہی اندازہ ہوتا تھا کہ وہ انہی علاقوں کے لوگ ہیں تھوڑی دیر تک وہ اس جھونپڑی کا جائزہ لیتا رہا اور پھر وہ باہر نکل آیا مگر جیسے ہی اس نے باہر قدم رکھا۔ اچانک ایک شخص نے اس پر جھپٹنے کی کوشش کی لیکن کامران کی طاقت ور لات اس کے سینے پر پڑی اور اس کے بعد کامران اس کی گردن پر سوار ہو گیا۔ اس کی انتہائی کوشش تھی کہ اس کی آواز نہ نکل سکے اس نے اپنا دایاں ہاتھ زور سے اس کی گردن پر جمایا اور بایاں ہاتھ اس کے منہ پر رکھ کر اوپر سے دبا دیا۔ مدمقابل شدید جدوجہد کر رہا تھا' لیکن کامران نے اس کا بدن گھٹنوں میں دبا لیا تھا اور اس نے اسے چیخنے کا موقع نہیں دیا پھر اس نے پوری قوت سے ایک ضرب اس کے سینے پر لگائی اس بار اس کے ہاتھ کا ایک حصہ اس کے نرخرے پر پڑا اور نہ جانے کیا ہوا کہ اس کے حلق سے ایک مرتے ہوئے بکرے جیسی آواز نکلی۔

کامران نے اسے زمین پر لٹا دیا نہ جانے کیوں اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ وہ شدید خطرات میں گھرا ہوا ہے۔ قبائلیوں کا کوئی پتا نہیں تھا گزرے ہوئے لمحات اس قدر بے تکے اور سنسنی خیز تھے کہ خود اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ ہوا کیا ہے بہرحال کامران نے ایک لمحے تک کچھ سوچا اور اس کے بعد اس نے دوڑنا شروع کر دیا۔ بس جو کچھ ہوا تھا ہیجان کے عالم میں ہی ہوا تھا اور سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا ہوا ہے۔ اسے ہوش نہیں تھا کہ وہ کتنی دیر تک دوڑتا رہا ہے۔ ایک بار بھی اس نے پیچھے پلٹ کر دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی حالانکہ وہ اپنے دوڑنے کی وجہ بھی نہیں جانتا تھا۔

بہرحال تھوڑے فاصلے کے بعد جنگل کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہاں کامران چند لمحوں کے لئے رکا۔ اس کا سینہ دھونکنی کی طرح پھول کر پچک رہا تھا اور آنکھیں پاگلوں کی طرح ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں تاحد نگاہ اونچے نیچے درخت پھیلے ہوئے تھے۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ کون سا علاقہ ہے بہرحال اس کی چھٹی حس اسے مسلسل خطرے کا احساس دلا رہی تھی اسے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے اس کے بہت سے دشمن ہوں جو روشنی ہوتے ہی اس کی جانب دوڑ پڑیں گے۔

نہ جانے کتنی دیر تک وہ مزید دوڑتا رہا اس کی انتہائی کوشش یہی تھی کہ اتنی دور جا نکلے کہ سورج نکلنے

کے بعد کوئی اس تک نہ پہنچ سکے وہ گھنے جنگلوں میں دوڑتا رہا اور اس وقت روشنی پھوٹ رہی تھی۔ جب اس نے اپنے آپ کو جنگلوں سے نکل کر ایک چٹانی میدان میں پایا ایک عجیب سی آواز فضا میں بکھر رہی تھی جس کے بارے میں اسے اندازہ ہوا کہ غالباً اس کے اطراف میں کہیں پانی یا کوئی جھرنا موجود ہے وہ رکے بغیر آگے بڑھتا رہا۔ چٹانوں میں چھوٹے چھوٹے پتھر بکھرے ہوئے تھے اور ان پتھروں پر دوڑتے ہوئے بار بار ٹھوکریں لگی تھیں' لیکن وہ وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا تھا

اب اسے کسی ایسی بستی کی تلاش تھی جو اس کی خواہش کی تکمیل کر دے۔ اس نے ہزار بار لعنت بھیجی تھی اس مہم جوئی پر یہ مہم جوئی اس کی ذاتی مہم جوئی نہیں تھی بلکہ یہ کرنل گل نواز کی کوشش تھی اور جب کرنل گل نواز ہی ان علاقوں میں نہیں ہے تو پھر بھاڑ میں جائیں گرشک' سیتا اور وہ تمام جو اسے نہ جانے کیا سے کیا بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور وہ تھکن سے بری طرح چور ہو رہا تھا۔ اب اس کے پیروں میں دوڑنے کی سکت نہیں رہی تھی' جس رفتار سے وہ اب تک دوڑتا رہا تھا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ اس نے طویل ترین سفر طے کیا ہے پھر اس وقت سورج پوری طرح فضاؤں میں بلند بھی نہیں ہوا تھا کہ عجیب وغریب آوازیں سنائی دیں وہ ٹھٹھک کر رک گیا اور ان کی آوازوں کو سننے کی کوشش کرنے لگا تھوڑی سی دیر کے بعد اسے اندازہ ہو گیا کہ یہ لکڑی کے تختے بجائے جا رہے ہیں جن کی آوازوں میں اتنی گونج تھی کہ وہ تیروں کی طرح کانوں میں لگ رہی تھیں یوں لگ رہا تھا جیسے یہ آوازیں چاروں طرف سے ابھر رہی ہوں ایک طرف ایک مخصوص انداز میں یہ آوازیں سنائی دیتیں پھر خاموشی طاری ہو جاتی' پھر دوسری طرف سے اس کا جواب ملتا۔ اتنا ناواقف بھی نہیں رہا تھا وہ ان علاقوں سے کہ اس کی وجہ نہ سمجھ سکتا۔

اطراف کے علاقوں میں کسی کے فرار کی اطلاع دی جا رہی تھی اور اس کے ہاتھ پاؤں پھول رہے تھے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کے فرار کا علم ان لوگوں کو ہو چکا ہے یقیناً یہ وہی قبائلی ہو سکتے ہیں جو یہاں جگہ جگہ آباد تھے اور اب وہ اپنے قیدی کے فرار کی اطلاع چاروں طرف دے رہے ہیں جنگل میں رہنے والوں کا طریقہ کار اس نے کتنی بار پڑھا اور سنا بھی تھا اب اس بات میں کوئی شک وشبہ بے کار تھا کہ وہ لوگ اس کی تلاش میں نکل پڑے ہوں گے وہ جس علاقے میں موجود تھا وہ سرسبز وشاداب تھا اور یقیناً وہ اس کے درمیان پناہ لے سکتا تھا وہ تھوڑی دیر کھڑا سوچتا رہا اور اس کے بعد آگے بڑھنے لگا چٹانوں کے درمیان طرح طرح کے حشرات الارض نظر آ جاتے تھے۔ لمبی لمبی گھاس بکھری ہوئی تھی کہیں کہیں چھدرے درخت بھی تھے کوئی بھی چٹان سبزے سے خالی نہیں تھی۔ ابھی وہ ایک بلند چٹان سے نیچے اترتا ہوا آگے بڑھ ہی رہا تھا کہ دفعتاً اس کے کانوں میں انسانی آوازیں گونجنے لگیں۔

وہ چیخ پکار رہے تھے وہ سمجھ گیا کہ وہ اس کے نزدیک آ گئے ہیں اور یقیناً یہ قبائلی ہی تھے اس کی تلاش میں سرگرداں۔ ان لوگوں کو اس تک پہنچنے میں اب یقیناً کوئی وقت نہیں ہوگی۔ کامران نے سوچا لیکن اب وہ زندگی کی قیمت پر بھی ان لوگوں کے قبضے میں نہیں جانا چاہتا تھا اس نے محسوس کیا کہ وہ اس کے چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں پتا نہیں شردھا نے اسے وہاں کیوں چھوڑ دیا یہ تو ایک عجیب وغریب بات تھی۔

بہرحال اب ان تمام باتوں کو سوچنے کا وقت نہیں تھا اس نے ایک سمت کا رخ کیا بس ایک.. ہی

ترکیب تھی کہ جس وقت تک آگے بڑھ سکتا ہے بڑھتا رہے۔ چنانچہ وہ جھاڑ جھنکار کو روندتا ہوا کسی ایسی جگہ کی تلاش میں مارا مارا پھرتا رہا جہاں چھپا جا سکے پھر شاید قدرت ہی کو اس پر رحم آ گیا درختوں کے درمیان گھرا ہوا ایک چٹانی سرا اسے نظر آیا جس کے دامن میں ایک بڑا سا سوراخ موجود تھا۔ جگہ بہت ہی خوب صورت تھی لیکن اس جگہ لطف لینے کا وقت نہیں تھا بس اسے ان کی نگاہوں سے روپوش ہونا تھا یہ اندازہ لگائے بغیر کہ اس غار میں کیا ہو سکتا ہے۔ وہ اس میں داخل ہو گیا۔ غار کی سطح ہموار تھی لیکن یہ بالکل تاریک تھا اس میں آگے بڑھنے میں البتہ اسے کوئی دقت نہیں ہوئی پہلے تو اس نے یہی سوچا تھا کہ یہ ایک چھوٹا سا غار ہے لیکن اندر داخل ہو کر پتا چلا کہ یہ کوئی غار نہیں بلکہ کوئی سرنگ تھی ممکن ہے یہ درندوں کی پناہ گاہ ہو لیکن اگر درندے یہاں ملے بھی تو باہر اس سے زیادہ وحشی درندے موجود تھے ان کے دوڑنے کی آوازیں کامران کو اپنے کانوں میں سنائی دے رہی تھیں۔

ایک دفعہ تو اسے یوں محسوس ہوا کہ ان میں سے کچھ غار کے بالکل قریب پہنچ گئے ہوں لیکن وہ رکے بغیر آگے بڑھتا رہا اب اسے سرنگ کے اس آخری حصے کی تلاش تھی اس کا سینہ اب بھی دھونکنی بنا ہوا تھا۔ کچھ لمحوں تک ایک دیوار سے ٹک کر کھڑے رہنے کے بعد وہ پھر آگے بڑھنے لگا اور یہ اندازہ لگانے لگا کہ کوئی غار میں داخل ہوا ہے یا نہیں سرنگ میں چلتے چلتے آنکھیں تاریکی سے شناسا ہو گئی تھیں اس کے دائیں جانب اور بائیں جانب سیاہ ناہموار پہاڑی دیواریں تھیں جن میں بعض جگہوں پر ایسے پتھر بھی ابھرے ہوئے تھے کہ اگر وہ ان سے ٹکرا جاتا تو شدید زخمی ہو سکتا تھا پھر اس نے رفتار تیز کر دی وہ نہیں جانتا تھا کہ سرنگ کتنی طویل ہے لیکن کچھ دور چل کر اسے احساس ہوا کہ جیسے وہاں پر حبس نہیں ہے جب کہ غار کے سوراخ میں اتنی دور تک نکل آنے کا مقصد یہ ہو سکتا تھا کہ وہاں ہوا کا گزر نہ ہو اور سانس گھٹ جائے لیکن ایسا نہیں ہو رہا تھا۔ وہ آگے بڑھتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے اپنے آپ کو ایک قدرتی ہال میں پایا۔ چاروں طرف خوف ناک دیواریں اسے گھور رہی تھیں گہرا اندھیرا تھا لیکن اب آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہو گئی تھیں غار بالکل صاف ستھرا تھا اور اپنی سانسوں کی آواز اسے صاف سنائی دے رہی تھیں۔ یہاں آ کر وہ رک گیا اور اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اسے کیا کرنا چاہیے یہ غار فی الحال تو بہترین پناہ گاہ تھا اس نے ایک جگہ منتخب کر لی۔ وہ تقریباً پانچ فٹ کی بلندی پر ابھری ہوئی ایک چٹانی مچان تھی جس پر چڑھنے میں اسے کوئی دقت نہیں ہوئی اس نے سوچا کہ اگر غار کے دہانے سے اندر داخل ہونے والے اسے تلاش کریں گے تو ممکن ہے ان کی توجہ اس طرف نہ جائے وہ مایوس ہو کر واپس لوٹ جائیں گے۔ چنانچہ وہ اس پر لیٹ گیا دل جیسے کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا۔ ہر لمحے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی دبے قدموں چلا آ رہا ہو اور اچانک ہی حملے کا ارادہ رکھتا ہو۔ اس چھوٹی سی چٹان پر لیٹے ہوئے اسے تقریباً دس پندرہ منٹ گزر گئے اور جب ذہن نے سنبھالا لیا تو اسے ایسا معلوم ہوا جیسے تمام آوازیں معدوم ہو گئی ہوں وہ ایک بار پھر اٹھ کر چٹان پر بیٹھ گیا اور پاؤں نیچے لٹکا لئے دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا۔ عجیب کیفیت ہو رہی تھی دل و دماغ کی۔

اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ لوگ اس کی تلاش میں ناکام ہو کر واپس چلے گئے ہوں لیکن ابھی اس غار سے باہر نکلنا مناسب نہیں تھا ایک بار پھر اس نے غار کا جائزہ لینا شروع کر دیا بظاہر یہ سب قدرتی ہی لگ

رہا تھا دیواروں کی تراش میں انسانی ہاتھوں کے کارنامے کہیں نظر نہیں آ رہے تھے اس کی نگاہ ایک سیاہ دھبے پر پڑی جو غار کے آخری حصے میں ایک دوسری ابھری ہوئی چٹان کے نیچے نظر آ رہا تھا۔ دیر تک وہ اس دھبے کو دیکھتا رہا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی چیز رکھی ہوئی ہو پھر وہ چٹان سے نیچے کودا اور داخلی دروازے سے دور تک دیکھنے لگا اب یہاں پرسکون اور پرہول سناٹا پھیلا ہوا تھا اور ہر سمت سے جو آوازیں ابھر رہی تھیں اب ان کا وجود نہیں تھا وہ مایوس ہو کر چلے گئے تھے۔

پھر اس نے سوچا کہ اس چیز کو دیکھوں کو یہ کیا ہے جو اسے ایک دھبے کی شکل میں نظر آ رہی ہے مزید نزدیک پہنچا تو اس پر ایک اور انکشاف ہوا۔ ایک بڑا سا ٹکڑا ابھرا ہوا تھا اور اس کے نیچے ایک سوراخ تھا۔ اس سوراخ کا قطر تین یا ساڑھے تین فٹ ہوگا لیکن دوسری طرف گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی اس سوراخ میں کیا ہے اس نے سوچا بیرونی راستے کی طرف تو قدم بڑھاتے ہوئے خوف محسوس ہوتا تھا کہ کہیں جنگلیوں کے ہتھے نہ چڑھ جائے یا کہیں قبائلیوں کے ہتھے نہ چڑھ جائے۔

بہرحال وہ کچھ نہ کچھ کرنا چاہتا تھا چنانچہ سارے خطروں سے بے نیاز وہ اس چٹان کے نیچے رینگتا ہوا آگے بڑھنے لگا تقریباً چار یا ساڑھے چار فٹ تک اسے سیدھا ہی گھسنا پڑا اور پھر اچانک ہی ایک ایسی ڈھلوان آ گئی جہاں وہ اپنے آپ کو کنٹرول نہیں رکھ سکا اور اوندھے منہ نیچے گر پڑا یہ بھی ایک خوش بختی تھی کہ نیچے جو جگہ تھی اس کی گہرائی چار پانچ فٹ سے زیادہ نہیں تھی تاہم پتھریلے فرش پر گرنے سے اچھی خاصی چوٹ لگی۔ ایک لمحے کے لئے وہ گھبرا گیا تھا وہ اپنے آپ کو سنبھال کر اٹھا تو اسے لگا کہ گرنے کے بعد وہ جس جگہ پہنچا ہے وہ تنگ نہیں ہے اور وہ یہاں با آسانی کھڑا ہو سکتا تھا۔

یہ بھی ایک سرنگ تھی جو تقریباً ساڑھے بیس فٹ تک گئی تھی۔ وہ اس میں آگے بڑھنے لگا اور جب اس کے آخری سرے پر پہنچا تو اسے لگا کہ یہاں انسانی ہاتھوں کی تراش خراش موجود ہے یہ سیڑھیاں تھیں جو نیچے گہرائی تک اترتی چلی گئی تھیں۔ پتا نہیں کیا قصہ ہے۔ اگر عام حالات ہوتے تو اس خوف ناک جگہ پر قدم رکھنے کو جی بھی نہیں چاہتا۔ خوف اور دہشت کے مارے بدن میں لہو منجمد ہو سکتا تھا لیکن اب زندگی جن حالات سے گزر رہی تھی اس میں خوف بے حقیقت چیز ہو کر رہ گیا تھا۔

چنانچہ وہ سیڑھیاں طے کرتا ہوا پھر ایک چوڑے اور بڑے ہال میں داخل ہو گیا عجیب و غریب جگہ تھی تاریکی چھائی ہوئی تھی لیکن دیواروں میں نصب مشعلیں صاف نظر آ رہی تھیں جو بجھی ہوئی تھیں۔ وہ تحیرانہ انداز میں دیواروں کو ٹٹولتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ روشنی اب اتنی بھی نہیں تھی کہ اسے ہر چیز نظر آ جاتی۔ مشعلوں کا اندازہ بھی بس اتفاق سے ہی ہو گیا تھا ایک مشعل کے نزدیک پہنچ کر وہ رکا اور یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگا کہ نیچے کیا ہے۔ نیچے ابھرے ہوئے پتھر پر اسے ایک ایسی چیز نظر آئی جسے دیکھ کر وہ چونک پڑا۔

یہ ایک الیکٹرونک لائٹر تھا اس لائٹر کی موجودگی اس کے لئے جتنی تعجب خیز ہو سکتی تھی اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اسے ہاتھ میں اٹھا کر اس نے اس کا بٹن دبایا تو چھوٹا سا شعلہ اس میں سے بلند ہو گیا اس نے اس شعلے کو مشعل سے لگایا تو مشعل فوراً روشن ہو گئی مشعل کی ملگجی اور دھندلی روشنی میں غار کا ماحول نمایاں ہو گیا تھا دیواروں پر سائے رینگ رہے تھے پھر نہ جانے اسے کیا سوجھی کہ اس نے مشعل اس کی جگہ سے اٹھائی اور

اسے لئے ہوئے دوسری مشعلیں روشن کرنے لگا۔ طلسمی غار روشن ہو گیا تھا اس نے متحیرانہ انداز میں اس کی سپاٹ دیواروں کو دیکھا۔ غار کے ایک اور حصہ میں ایک چوکور دروازہ نظر آیا تھا چنانچہ اب جب وہ یہاں تک پہنچ ہی گیا ہے تو اس کے اطراف جانے کی خواہش کیوں نہ پوری کی جائے اس نے سوچا۔

جب وہ ایک مشعل ہاتھ میں لے کر دروازے کی جانب بڑھ گیا، دروازے کا کوئی پٹ نہیں تھا بس یہ بھی اس دیوار میں تراش دیا گیا تھا آگے چل کر وہ بائیں سمت گھوم گیا تھا اور یہاں پھر سیڑھیاں نظر آ رہی تھیں اور تقریباً پندرہ سیڑھیاں طے کر کے جب وہ نیچے پہنچا تو اسے احساس ہوا کہ یہ دنیا کی سب سے حیرت ناک جگہ ہے۔ یہاں مخصوص قسم کے چوبی صندوق رکھے ہوئے تھے جن میں تالے پڑے ہوئے تھے اچانک اس کے بدن میں ایک تصور ابھرا اور اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے دماغ تھوڑی دیر کے لئے چکرا کر رہ گیا چوبی صندوقوں کا یہ انداز عجیب و غریب تھا اور ان میں پڑے ہوئے تالے کسی خاص بات کی غمازی کر رہے تھے وہ اپنے تجسس کو نہ روک سکا اور ایک چوبی صندوق کے پاس پہنچ گیا۔ لکڑی کے ان صندوقوں کی تعداد تقریباً بیس اکیس تھی۔ یہ کافی بڑے تھے اور اتنے وزنی تھی کہ ان میں سے ایک صندوق کو بھی تین چار آدمی مل کر نہیں اٹھا سکتے تھے صندوقوں کے ارد گرد کوئی ایسی چیز موجود نہیں تھی جن سے یہ تالے توڑے جا سکتے لیکن نہ جانے کیوں کامران کو یقین ہو گیا کہ وہ پراسرار خزانہ انہی صندوقوں میں موجود ہے جس کے لئے دنیا سرگرداں ہے اور جس کے لئے نہ جانے کتنے لوگوں کو زندگی سے ہاتھ دھونا پڑے ہیں آہ! سب کچھ مجھے ہی مل جائے گا؟

جو لوگ اس کی تلاش میں سرگرداں ہیں وہ اس کے لئے بھٹکتے ہی پھریں گے اگر زندگی میں یہاں سے واپسی ممکن ہوئی تو کیا مجھے ان خزانوں کی نشاندہی کسی کو کرنی چاہیے۔ کیا فائدہ اور بھی بہت سے لوگ موت کے گھاٹ اتر جائیں لیکن کیا یہ دنیا کا سب سے حیرت ناک واقعہ نہیں ہے جسے خزانے کی ضرورت نہیں ہے اس کے سامنے تو خزانہ آ گیا اور جو اس کے لئے مارے مارے پھر رہے ہیں وہ شاید کبھی اس تک نہ پہنچ سکیں بہرحال وہ کافی دیر تک کھڑا اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کرتا رہا تھا اس کے ذہن میں بہت سے خیالات آ رہے تھے عام طور سے اس طرح کے واقعات جتنے بھی پڑھے تھے ان میں ایسا ہی ہوتا تھا کہ کوئی مہم جو یا خزانوں کا رسیا خزانوں تک پہنچا تو اس حالت میں کہ وہ ان کے حصول کے قابل نہیں ہوتا تھا۔ اس وقت کامران بھی ایسی ہی کہانیوں کا ایک کردار تھا' لیکن اس احساس کو وہ دل میں نہ دبا سکا کہ وہ خزانہ دیکھے تو سکی وہ مشعل ہاتھ میں لئے ہوئے ادھر ادھر پھرتا رہا پھر اس نے ایک ایسا پتھر دیکھ لیا جسے توڑنے کی اگر کوشش کی جاتی تو وہ اس کی جگہ سے اکھاڑا جا سکتا تھا مشعل رکھنے کے لئے اس نے ایک جگہ منتخب کی اور اسے سیدھا کھڑا کر کے اس پتھر پر زور آزمائی کرنے لگا۔

پتھر کو مختلف سمتوں میں ہلا جلا کر اس نے باہر نکال لیا پھر مشعل لے کر صندوقوں کے پاس پہنچا اس کے بعد اس نے ایک صندوق کے تالے پر پتھر آزمانا شروع کر دیا دس بارہ ضربیں لگانے کے بعد تالا کھل گیا اس نے اسے صندوق کے کنڈے سے نکالا اور صندوق کا ڈھکنا کھول دیا۔ غار میں ایک دم دھندلی دھندلی پراسرار روشنی پھیل گئی صندوق میں اعلیٰ تراش کے بے شمار ہیرے جگمگا رہے تھے اس کے ساتھ ہی سونے کے بے شمار زیورات بھی اس میں موجود تھے جن کی ساخت بتاتی تھی کہ وہ انتہائی قدیم نوادرات ہیں یہ عظیم الشان

خزانہ جس کے لئے کرنل گل نواز' رانا چندر سنگھ' علی سفیان اور قزل شائی وغیرہ سرگرداں تھے اور دوسرے ساتھی الگ پراسرار کہانیوں کے حامل لیکن ان میں سے کوئی بھی خزانوں تک نہیں پہنچ سکا تھا اور کامران...... اسے بچ مچ ہنسی آ گئی دل کو ایک فخر کا احساس بھی ہوا۔ وہ خزانہ جس کے لئے نہ جانے کتنے مہم جو اور جرائم پیشہ افراد سرگرداں ہیں اس وقت اس کی تحویل میں ہے اس کے قدموں میں ہے ذہن پر ایک عجیب سا جنون طاری ہو گیا اس نے چند ہیرے اٹھا کر انہیں قریب سے دیکھا سونے کے زیورات کو مٹھیوں میں پکڑ پکڑ کر اٹھایا اور انہیں نیچے گرانے لگا یہ جنونی کیفیت کافی دیر تک طاری رہی' پھر اس کے ذہن میں سناٹے سے گونج اٹھے اسے یوں لگا جیسے وہ بے ہوش ہو رہا ہو اس نے آنکھیں بند کیں اور زمین پر پاؤں پھیلا کر صندوق سے ٹک کر بیٹھ گیا جو مشعل وہ اپنے ساتھ لایا تھا وہ اب بھی روشن تھی اور اس کی دھندلی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی جگمگاتے ہیروں کی روشنی بھی شامل تھی۔

اس نے اپنے چکراتے ہوئے ذہن کو قابو میں کرنے کی کوشش کی بہت سے حقائق اس کی آنکھوں کے سامنے گزر گئے خزانہ بے شک اس کے قدموں کے تلووں کے پاس ہے وہ یہ تمام صندوق کھول سکتا ہے۔ تمام خزانے کو اپنے قبضے میں کر سکتا ہے' لیکن کس لئے؟ کیا اسے یہاں سے لے جانا ممکن ہو سکے گا کیا اس خزانے کو حاصل کر کے وہ دنیا کا امیر ترین شخص بن سکتا ہے؟ لیکن اس دنیا میں پہنچنے کے ذرائع کیا ہوں گے جن راستوں سے وہ یہاں تک پہنچا ہے ان راستوں سے کیا خزانے کے ان وزنی صندوقوں کو گزارنا ممکن ہوگا۔ خزانے کسی کے لئے نہیں ہوتے یہ تو صرف ایک تصویر کی مانند ہیں کہ دیکھو اور بھول جاؤ میں صرف انہیں دیکھ سکتا ہوں ان سب کو اٹھا اٹھا کر اپنے سینے پر سجا سکتا ہوں لیکن ان تمام چیزوں سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔ بے بسی کے یہ لمحات جس کیفیت کے حامل ہو سکتے ہیں وہ الفاظ میں بیان نہیں کئے جا سکتے۔

کتنی دیر تک وہ اس عظیم الشان خزانے کو گھورتا رہا اور پھر ایک پتھر لے کر ایک اور صندوق پر پل پڑا اس کی کیفیت بھی مختلف نہیں تھی اندر لاتعداد سونے کے سکے بھرے ہوئے تھے نہ جانے کس دور کے تھے یہ سکے صندوق لبالب بھرا ہوا تھا اور اس صندوق کا وزن اتنا تھا کہ اسے دس آدمی بھی مل کر اپنی جگہ سے جنبش نہیں دے سکتے تھے سینکڑوں من سونا۔ یہ سارے صندوق یقیناً ایسی ہی چیزوں سے بھرے ہوئے ہوں گے۔ خزانہ اتنا وسیع ہے کہ اس سے تو ایک نئی دنیا آباد کی جا سکتی ہے نہ جانے کتنی دیر تک کامران پاگلوں کی طرح کھڑا ان کھلے صندوقوں کو دیکھتا رہا پھر گہری سانس لے کر اس نے صندوق بند کر دیئے۔

اگر دل و دماغ کو قابو میں نہ رکھا گیا تو وہ جانتا تھا کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا صرف اور صرف یہ کہ وہ ان دیواروں سے سر ٹکرا ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے۔ موت اور صرف موت' اس لئے خزانے کا تصور بے مقصد ہے بیکار حماقت نہ جانے کتنی دیر تک وہ اسی انداز میں سوچتا رہا اور آہستہ آہستہ اس نے خود پر قابو پا لیا۔

کسی خیال کے تحت اس نے وہ صندوق دوبارہ کھولا جس میں سونے کے سکے بھرے ہوئے تھے اور پھر اس میں سے چند سونے کے سکے نکال کر اپنے لباس میں چھپا لئے اس کام سے فارغ ہو کر وہ واپس پلٹ پڑا اور واپسی کے راستوں پر چل پڑا اس غار میں پہنچا، جہاں مشعلیں جل رہی تھیں۔ بدن پر شدید تھکاوٹ سوار ہو رہی تھی اس نے فیصلہ کیا کہ تھوڑی دیر آرام کر لیا جائے اس خیال کے تحت اس نے زمین پر

لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں جلتی ہوئی مشعل اسی جگہ لگا دی گئی تھی جہاں سے اسے نکالا تھا اس کے ذہن پر عجیب سا عالم طاری تھا دماغ بری طرح چکرا رہا تھا یوں لگ رہا تھا جیسے در و دیوار ہل رہے ہوں زور سے آنکھیں بھینچ کر اس نے دماغ کو پرسکون کرنے کی کوشش کی اور دیر تک اسی طرح پڑا رہا۔

تب اچانک پیٹ میں ایک ٹیس سی اٹھی اور اسے احساس ہوا کہ وہ بھوکا ہے اس کے ساتھ ہی ہونٹوں پر شدید تپش محسوس ہوتی تھی پیاس بھی تھی۔ اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے غار میں تمام چیزیں موجود تھیں لیکن پیٹ کا دوزخ بھرنے کا کوئی انتظام نہیں تھا سارے خزانے تھوڑی سی خوراک کے آگے ہیچ ہو جاتے ہیں، پانی کے چند قطرے اور غذا کا تھوڑا سا حصہ اس خزانے سے کہیں زیادہ قیمتی ہو سکتا ہے۔ یہ تمام تجربات اسے ذاتی طور پر ہو رہے تھے۔

تھوڑی دیر تک وہ اسی طرح سوچتا رہا پھر اس نے فیصلہ کیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو سکے وہ ان غاروں سے نکل جائے ورنہ یہیں پر بھوک اور پیاس کی شدت سے دم توڑنا پڑے گا اس روح فرسا تصور نے اسے مستعد کر دیا۔ بدن میں نہ جانے کہاں سے ایک انوکھی قوت پیدا ہو گئی اور اس نے واپسی کے راستے بڑی مہارت اور ذمے داری کے ساتھ طے کئے۔ آخر کار غار کے حصے میں پہنچ گیا جہاں سے باہر نکلنے کے بعد کھلی فضا میں سانس لی جا سکتی تھی۔ یہاں پہنچ کر اس نے آہٹیں لیں اور اس کے بعد غار کے دہانے سے باہر نکل آیا۔ دل میں یہی خیال تھا کہ پیٹ بھرنے کے لئے غذا تلاش کرے۔ فی الحال یہ جگہ اس کے لئے محفوظ تھی کیونکہ اس جگہ سے وہ لوگ اس کی تلاش کر کے واپس جا چکے تھے لیکن تا حد نگاہ کوئی ایسی چیز نہیں دکھائی دی جسے خوراک کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔ گھاس تھی یا پھر درخت جن پر پتوں کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں تھی اس وقت کچھ بھی کھایا جا سکتا تھا بشرطیکہ وہ غذا کے طور پر استعمال کیا جا سکے۔ کوئی پھل والا درخت چاہے اس کی نوعیت کچھ بھی ہو وہ ایسے کسی درخت کی تلاش میں غار سے کافی دور نکل آیا بھوک اور پیاس اب انتہا شدت اختیار کر چکے تھے نہ جانے اس نے کب سے کھانا نہیں کھایا تھا اور نہ پانی پیا تھا دماغ ساتھ چھوڑتا جا رہا تھا بہ مشکل تمام جو توتیں جمع کی تھیں وہ اب بحال نہیں رہی تھیں۔ پاؤں لڑکھڑا رہے تھے زبان خشک ہو گئی تھی اور ہونٹوں پر پپڑیاں جم گئی تھیں وہ دیوانوں کی طرح آگے بڑھتا رہا اس کی آنکھیں مسلسل غذا کی تلاش میں تھیں۔ لیکن یہاں تو کوئی جانور تک نہیں تھا اسی تگ و دو میں کافی دیر گزر گئی اب آنکھوں کے سامنے ترمرے ناچنے لگے تھے اور پیاس کی شدت ناقابل برداشت ہو گئی تھی اس کے حلق سے کراہیں نکلنے لگیں اور پھر جب پیروں میں آگے بڑھنے کی سکت نہ رہی تو وہیں بیٹھ گیا۔ بینائی ساتھ چھوڑتی جا رہی تھی، آس پاس چیزیں دھندلا نظر آ رہی تھیں۔ اوپر سورج چمک رہا تھا اور دھوپ کی شدت بھی ایسی تھی کہ بدن میں آگ سی لگی جا رہی تھی لیکن اب کچھ کیا نہیں جا سکتا تھا۔ سوچنے سمجھنے کی قوتیں آہستہ آہستہ مفلوج ہونے لگیں اور وہ زمین پر لیٹ گیا۔

اس کے بعد رفتہ رفتہ حواس ساتھ چھوڑ گئے۔ نہ جانے کتنی دیر اس عالم میں گزری تھی پھر ہوش آ گیا وہی کیفیت، کوئی فرق نہیں محسوس ہو رہا تھا۔ رفتہ رفتہ سوچنے سمجھنے کی قوتیں بحال ہوئیں تو ایک بار پھر اس نے اطراف کا جائزہ لیا اور یہ دیکھ کر بری طرح اچھل پڑا کہ یہ وہ جگہ نہیں تھی جہاں وہ زمین پر بیٹھا تھا اس بار پھر وہ کسی غار ہی میں موجود تھا۔

بدن کے نیچے پتھریلی زمین تھی آس پاس دیواریں نظر آ رہی تھیں وہ متحیرانہ انداز میں چاروں طرف دیکھتا رہا پھر زمین پر ہاتھ ٹکا کر اٹھنے کی کوشش کی اور اس میں کامیاب ہو گیا غار سنسان تھا۔ اس میں نیم تاریکی کی سی کیفیت تھی اور اس کے بارے میں اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ یہ کون سی جگہ تھی۔ اس نے اپنی جسمانی قوتیں بحال کر کے ایک زوردار آواز منہ سے نکالی۔ اس آواز میں کوئی لفظ نہیں تھا بس ایک چیخ تھی جو غار میں چکرا کر رہ گئی لیکن اس کے جواب میں فوراً تحریک ہوئی کوئی تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا فوراً اس کے نزدیک پہنچ گیا اس نے دھندلاتی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا ایک خوب صورت سی لڑکی تھی جسم پر شاید چیتے کی کھال کا لباس تھا گھنے بال بکھرے ہوئے تھے اور خدوخال انتہائی دلکش تھے۔ وہ دوڑتی ہوئی اس کے پاس پہنچی تھی اور اس کو ہوش و حواس میں دیکھ کر اس کے ہونٹوں سے ہنسی پھوٹنے لگی۔

کامران نے بے بسی کی نگاہوں سے اسے دیکھا ایک بار پھر اس کے منہ سے آواز نکلی۔ اس نے اسے پانی کا لفظ کہا صرف ایک یہی الفاظ منہ سے ادا ہوا تھا وہ تعجب بھرے انداز میں اسے دیکھتی رہی پھر شاید اس کی بات اس کی سمجھ میں آ گئی اور وہ وہاں سے واپس پلٹ گئی پھر تھوڑی دیر کے بعد ایک برتن میں پانی لے کر آ گئی۔ مٹی کا برتن تھا اس وقت یہ پانی اس کے لئے گویا آب حیات تھا کامران نے اس کے ہاتھوں سے پیالہ جھپٹ کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ تھوڑا سا پانی اس کے سینے پر بھی چھلک کر گرا تھا۔ وہ اسے ایک ہی سانس میں خالی کر گیا پھر اس نے پیالہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اور...... اور...... اور دو" وہ پیالہ لے کر واپس چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد اسے دوبارہ بھر کر پھر اس کے پاس لے آئی۔ پانی کا دوسرا پیالہ پینے کے بعد کامران نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔ لڑکی تھوڑی دیر کھڑی اسے دیکھتی رہی، اس وقت سوچنے سمجھنے کی قوتیں ساتھ نہیں دے رہی تھیں اور کامران کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا۔ ذہن پر زور دیتا تو ایسا لگتا جیسے دماغ ایک پھوڑا ایک پکا ہوا پھوڑا ہے جو ذرا بھی توجہ دینے سے دکھنے لگتا ہے لڑکی تھوڑی دیر اسے دیکھتی رہی اور پھر واپس پلٹ پڑی۔ اس مرتبہ جب وہ واپس آئی تو اس کے پاس جنگلی پھلوں کی اچھی خاصی مقدار موجود تھی کامران نے یہ سیب نما پھل اسی انداز میں جھپٹے جیسے پہلے پانی کا پیالہ جھپٹا تھا۔ پانی پینے سے جو نقاہت بڑھ گئی تھی وہ پھل کھانے سے رفتہ رفتہ دور ہو گئی۔ پیٹ میں غذا پہنچی تو آنکھیں بھاری ہونے لگیں عجیب سی مدہوشی طاری ہو گئی تھی۔ اس میں نیند کا کوئی تصور موجود نہیں تھا پورا بدن ایک عجیب سی سنسناہٹ کا شکار تھا۔ سوچنے سمجھنے کی قوتیں کچھ اور بہتر ہوتی جا رہی تھیں بس آنکھیں نہیں کھل رہی تھیں۔ پہلی بار یہ خیال اس کے ذہن میں آیا کہ وہ اس غار میں کیسے پہنچ گیا ظاہر ہے اپنے قدموں سے چل کر نہیں آیا تھا۔ کیا یہ لڑکی اسے یہاں تک اٹھا کر لائی ہے۔ کیا یہ غار کسی آبادی میں ہے بہت سے سوالات اس کے ذہن میں گردش کرنے لگے لڑکی کے بارے میں ایک نگاہ دیکھ کر ہی یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ مقامی ہے اور یقیناً کسی قبیلے کی باشندہ ہے۔ اس کا لباس اس کا اندازہ یہی بتاتا تھا یہی ممکن ہو سکتا تھا کہ وہ بے ہوشی کے عالم میں اسے یہاں لے آئی، وہ سوچتا رہا۔

یہ اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ لڑکی یہاں قریب ہی ہے یا یہاں سے چلی گئی۔ یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ دوسرے لوگوں کو اس نے کامران کے بارے میں بتا دیا یا صرف ابھی خود ہی اس کی موجودگی سے واقف

ہے کچھ دیر کے بعد کامران نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ لڑکی اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھی اسے دیکھ رہی تھی۔ کامران نے ہلکی سی کراہ کے ساتھ زمین پر ہاتھ ٹکائے اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اسے اٹھتے دیکھ کر لڑکی بھی اٹھ کر اس کی طرف بڑھ گئی تھی۔

"کیا تم میری بات سمجھتی ہو؟" کامران نے سوال کیا' لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس بیٹھی بیٹھی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی تھی۔

کامران کو اچھی طرح اندازہ ہو گیا کہ وہ صرف اشاروں کی زبان سمجھ سکتی ہے۔ خود کامران کی زبان نہیں بول سکتی۔ کامران کو اس بات سے مایوسی ہوئی تھی۔ کاش یہ اس کی زبان سمجھ سکتی تو اس جگہ کے ماحول کے بارے میں سمجھنے میں آسانی ہوتی۔ پتا تو چلتا کہ وہ کہاں ہے اور یہاں سے اسے اپنے مقصد کے حصول کے لئے کیا کچھ کرنا پڑے گا۔ لڑکی سے گفتگو کرنے کی بہت کوشش کی۔ اس لڑکی کی آنکھوں میں ایک شرارت کی چمک تھی' لیکن بس افسوس وہ زبان نہیں سمجھ پاتی تھی وہ پتھر کے بت کی مانند بیٹھی مسکراتی اسے دیکھتی رہی۔ کافی دیر اس طرح سے گزر گئی۔ تب کامران نے کہا۔

"کچھ کھانے کو اور دو، میری بھوک سیراب نہیں ہوتی" وہ اس انداز میں کامران کو دیکھتی رہی جیسے اس کے الفاظ سمجھنے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس کے بعد وہ اٹھ کر باہر نکل گئی تو کامران نے کہا۔

"خدا کرے تمہاری سمجھ میں کچھ آ ہی جائے" اور تقریباً دس منٹ کے بعد جب وہ واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں ایک بھنا ہوا پرندہ موجود تھا خاصا بڑا پرندہ تھا پتا نہیں کون سا تھا لیکن کامران کے لئے بہت پرکشش تھا اس نے یہ پرندہ کامران کی طرف بڑھا دیا اور کامران بھوکوں کی طرح اس پر پل پڑا۔ حالانکہ ٹھنڈا تھا اور پتا نہیں کب سے بھنا ہوا رکھا تھا' لیکن یہی کیا کم تھا کہ لڑکی اس کا مطلب سمجھ گئی تھی۔ جب اس نے پرندہ چٹ کر لیا تو لڑکی نے دوبارہ اسی مٹی کے پیالے میں پانی پیش کیا۔ لڑکی کے بارے میں کامران کے ذہن میں شدید تجسس تھا پتا نہیں وہ کس طرح اسے اٹھا کر یہاں تک لائی ہے۔ پھر کامران اپنی جگہ سے اٹھا اور غار کے دروازے کی طرف بڑھا۔ لڑکی نے کوئی تعرض نہیں کیا تھا۔ لیکن جب وہ غار کے دروازے سے باہر نکلنے لگا تو وہ جلدی سے آگے بڑھی اور اس نے کامران کا بازو پکڑ لیا اور گردن نفی میں ہلانے لگی یہ اشارہ تھا کہ وہ اسے باہر نہیں نکلنے دینا چاہتی لیکن اس کے انداز میں سختی نہ تھی بلکہ نرمی اور التجا تھی کامران اسے غور سے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے اس کا بازو آہستہ سے دبایا اور صرف غار سے باہر جھانکنے پر اکتفا کی۔ کچھ نظر نہیں آیا تھا سوائے اس کے کہ باہر روشنی پھیلی ہوئی تھی غالباً شام جھک آئی تھی کیونکہ اس روشنی میں دھوپ کی تیزی نہیں تھی کامران ایک گہرا سانس لے کر غار میں واپس پلٹا تو لڑکی کے چہرے پر اطمینان کے آثار نظر آئے۔

"میری اجنبی ہمدرد! سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں کس طرح مخاطب کروں تم سے ان حالات کے بارے میں کیسے معلوم کروں بہر طور میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے کسی بھی جذبے کے تحت سہی اس وقت میری مدد کی ہے۔ جب میں بے بس ہو چکا تھا" کامران نے یہ الفاظ کہہ کر لڑکی کو بازو سے پکڑ کر اپنے سامنے بٹھا لیا۔ اس کے انداز میں ایسی کوئی بے چینی یا اظہار نہیں تھا جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ وہ یہاں سے چلی جانا چاہتی ہے۔ پتا نہیں کس طرح اسے اتنی فرصت مل گئی تھی۔ کامران کو خیال گزرا کہ کہیں یہ لڑکی کی ہمدردی اس

کے لئے مصیبت نہ بن جائے۔ یقیناً قبائلی آس پاس ہوں گے جو اس کی طویل گمشدگی سے پریشان ہو کر اسے تلاش کرنے نکل پڑیں گے اور کہیں اس طرح کامران کی نشاندہی نہ ہو جائے۔ اس نے اشاروں کی زبان میں لڑکی کو یہ بات سمجھانے کی کوشش کی۔ اردو اور انگریزی زبان میں بھی بہت کچھ کہا لیکن وہ صرف مسکراتا جاتی تھی یا پھر ایک آدھ بات سمجھ میں آتی تو صرف اشاروں میں جواب دے دیتی۔ اس نے یہاں سے جانے کے لئے آمادگی نہیں ظاہر کی۔ یہاں تک کہ رات ہو گئی اور تاریکی پھیل گئی۔

کامران بے چینی سے کئی بار غار کے دروازے تک جا چکا تھا۔ لیکن ان اطراف میں انسانوں کی آمد و رفت نہیں معلوم ہوتی تھی اور یہ تو سوچنا ہی غلط تھا کہ وہ انسانوں سے دور کی کوئی جگہ ہو گی آس پاس نہ سہی کچھ فاصلے پر یہاں کوئی نہ کوئی بستی ضرور ہو گی۔ بہر طور تقدیر پر شاکر رہنا تھا حالات کا اندازہ لگائے بغیر یہاں سے نکلنے کی کوشش حماقت ہو سکتی تھی۔ چنانچہ وہ رات گہری ہونے کا انتظار کرنے لگا اور جب اسے اندازہ ہو گیا کہ رات کافی گہری ہو گئی ہے تو وہ لڑکی کا بازو پکڑ کر باہر آ گیا۔ اس بار لڑکی نے کوئی تعرض نہیں کیا تھا بلکہ اس نے غار سے نکلنے کے بعد کامران کا بازو پکڑا اور ایک سمت چلنے لگی۔ کامران خاموشی سے اس کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ چاند آہستہ آہستہ پہاڑوں کی اوٹ سے نمودار ہو رہا تھا اور ماحول پر سنہری چادر پھیلتی جا رہی تھی۔

وہ کامران کو ایک ٹیلے کی جانب لے گئی اور اس پر چڑھنے کا اشارہ کیا۔ کامران نے اس کی ہدایت پر عمل کیا، جب ٹیلے پر چڑھ کر اس نے دوسری سمت دیکھا تو اس کے خیال کی تصدیق ہو گئی۔ ایک باقاعدہ آبادی دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ یقیناً یہ مقامی آبادی تھی اور لڑکی اسی بستی سے تعلق رکھتی تھی۔ کامران نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر آبادی کی طرف اشارہ کیا اور اس نے اثبات میں گردن ہلا دی۔ جس سے اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ وہ اسی آبادی کی رہنے والی ہے۔

تب کامران نے مختلف طریقوں سے لڑکی کو سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ واپس چلی جائے۔ کہیں اس کے گھر والے اس کی تلاش میں یہاں نہ پہنچ جائیں۔ اس بات کے جواب میں لڑکی نے نفی میں گردن ہلائی اور وہیں اس چٹان پر بیٹھ گئی۔ چاندنی میں وہ پہلے سے زیادہ حسین معلوم ہو رہی تھی ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی اور اس کے بال ہوا میں اڑ رہے تھے۔ کامران نے غور سے اسے دیکھا اسے ایک دم یہ احساس ہوا کہ لڑکی کے نقوش میں مقامی لوگوں کی جھلک نہیں ہے بلکہ وہ ان سے مختلف قسم کے نقوش ہیں۔ بہت ہی خوبصورت' سادہ' اس کی آنکھوں میں ایک انوکھی چمک تھی اور وہ چمکیلی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ پتلے پتلے گلابی ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ کامران نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلائی اور بولا۔

"بدنصیبی ہے میری کہ تمہاری اس عنایت کا جواب تمہارے حسب منشا نہیں دے سکتا" لڑکی پھر مسکرا دی۔

چاند اب صاف نکل آیا تھا اور چاندنی اور تیز ہو گئی تھی اس چاندنی میں بستی صاف نظر آ رہی تھی' لیکن اب ان کے درمیان چہل پہل ختم ہو گئی تھی تقریباً آدھی رات اسی طرح گزر گئی۔ اشاروں ہی اشاروں میں باتیں ہوتی رہیں۔ وہ اگر اشارہ سمجھ لیتی تو جواب دے دیتی ورنہ خاموش رہتی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک چٹان پر لیٹ گئی۔ کامران نے آسمان کی طرف دیکھا اور اس کے ہونٹوں سے بڑبڑاہٹ نکلی۔

''ظالم آسمان! تو نے مجھے صحیح معنوں میں پراسرار کہانیوں کا ایک کردار بنا دیا ایسے کردار ناول نگاری میں تو نظر آجاتے ہیں۔ حقیقی زندگی سے ان کا کیا تعلق ہوتا ہے؟ آج اس پر یقین آیا ہے۔ یہ رات'' حسین لڑکی' چاندنی' ویسے کئی لڑکیاں اس دوران کامران کی زندگی میں آئی تھیں۔ کچھ نے اس کے دل میں دروازے چھوئے بھی تھے لیکن بس وقت نے اس سے آگے کچھ موقع ہی نہیں دیا تھا۔ خاص طور سے سینا جو ایک پرسکون ندی کی مانند تھی۔ اس کے ہونٹوں سے بھی گنگناہٹ ابھرتی تھی لیکن ایک پرسکون گنگناہٹ، آج اس نے کبھی کسی ہلکے پن کا مظاہرہ نہیں کیا تھا اور اب یہ خاتون اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ لڑکی بہت خوبصورت تھی اور کوئی بھی نوجوان مرد اس کی قربت کی خواہش کر سکتا تھا۔ اس کے اندر خود سپردگی کی کیفیت بھی تھی۔ بہرحال اسے نظرانداز کرنا پڑا۔ لڑکی غار میں اس کے قریب موجود تھی۔ اس نے پھر کہا۔

''کیا یہ مناسب نہیں ہوگا کہ اب تم بھی سو جاؤ یا پھر اپنی بستی میں واپس لوٹ جاؤ کہیں تمہاری یہ دلچسپی میرے لئے عذاب نہ بن جائے'' لڑکی بہ دستور احمقوں کی طرح اس کی صورت دیکھتی رہی تو کامران خود ہی فرش پر آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔ لڑکی اس سے تھوڑے فاصلے پر ایک پتھر سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی تھی۔

کامران دیر تک کروٹیں بدلتا رہا آخر کار نیند اس کی آنکھوں میں آگئی۔ پھر وہ اس وقت بیدار ہوا جب گوشت بھننے کی خوشبو ناک کے نتھنوں سے ٹکرائی اس نے تعجب سے ادھر ادھر دیکھا وہی غار تھا جہاں وہ سویا تھا۔ خوشبو باہر سے آرہی تھی، وہ اٹھ کر باہر گیا تو اس نے دیکھا کہ لڑکی لکڑیاں جلائے ایک بڑے سے پرندے کو بھون رہی ہے اس کے قدموں کی آہٹ پر اس نے مسکرا کر اسے دیکھا اور پھر آہستہ سے ہنس پڑی۔ پھر اس نے انگلی سے پرندے کی طرف اشارہ کیا اور پھر کامران کی طرف انگلی اٹھائی۔

''بہت بہت شکریہ۔ آپ جو کچھ کر رہی ہیں میں اس کا کوئی صلہ ادا نہیں کر سکوں گا آپ کو'' وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور مٹی کے ایک بڑے سے برتن کے پاس پہنچ گئی جس میں پانی بھرا ہوا تھا اس نے پیالے میں پانی بھر کر کامران کو دیکھا اور دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرنے لگی مقصد یہ تھا کہ منہ ہاتھ دھو لو۔ کامران نے پھر اس کا شکریہ ادا کیا، منہ ہاتھ دھونے کے بعد کامران نے پیالہ واپس رکھ دیا اور اس سے سوال کیا۔

''یہ پرندہ آپ کہاں سے لے آئیں محترمہ!'' لڑکی خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

''کچھ تو بولو۔ کم از کم اپنی زبان کے کچھ الفاظ ہی مجھے سکھا دو مجھے تو لگتا ہے تم گونگی ہو۔ کامران نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور اپنے سینے پر انگلی رکھ کر بولا۔

''کامران!...... کامران!'' لڑکی نے غور سے اسے دیکھا مگر جواب کوئی نہیں دیا تب کامران نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا تو وہ کتراتی ہوئی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی کامران پر جھلاہٹ سوار ہوگئی، اس نے کہا۔

''یار! تم تو اشاروں کی زبان کا بھی جواب نہیں دے سکتیں۔

چلو نہ دو' کھانا چل رہی ہو یہی کافی ہے' بھنا ہوا پرندہ اس نے کامران کی جانب کر دیا تب کامران نے اس کی طرف اشارہ کیا اور اس نے پرندے کی ایک ٹانگ توڑ کر اپنے ہاتھ میں لے لی۔

''بہت بہت شکریہ ویسے آپ کی ان نوازشات سے مجھے خطرہ ہی خطرہ محسوس ہو رہا ہے'' کامران

پرندے کو ادھیڑنے لگا پانی پیا یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ یہ پرندہ کہاں سے لے آئی پھر اس نے میری طرف دیکھا اور یوں لگا جیسے وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہو۔

''ہاں ہاں بولو'' وہ اس کی طرف دیکھتی رہی۔ پھر اپنے سینے پر انگلی رکھتے ہوئے باہر کی طرف اشارہ کیا اور کامران کو وہیں رکنے کا اشارہ کیا۔ اس کے انداز میں گہری سنجیدگی اتر آئی تھی جیسے وہ اسے کچھ کہنا چاہتی ہو۔ غالباً یہی کہ یہاں سے باہر نکلنے کی کوشش خطرناک ہو سکتی ہے کامران نے سوالیہ انداز میں اس سے پوچھا کہ وہ کب واپس آئے گی تو اس نے آسمان کی طرف رخ کر کے انگلی اٹھائی اور پھر چاند کی شکل بنانے لگی کامران اس کے اشارے کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ اس نے کہا۔

''میں انتظار کروں گا'' یوں لگا جیسے اس نے کامران کی بات سمجھ لی ہو۔ وہ اسے دیکھ کر مسکرائی اور پھر واپس چلی گئی۔ کامران کو اچھی طرح اندازہ تھا کہ لڑکی اسے یہاں رکنے کا اشارہ کر گئی ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ یہاں اس کا رکنا مناسب ہوگا بھی یا نہیں' اگر نہیں تو پھر کیا کرنا چاہیے۔ ممکن ہے یہاں کچھ وقت گزارنے کے بعد کوئی بہتر بات سمجھ میں آسکے۔ لڑکی چلی گئی اور کامران غار میں واپس آ کر اپنے لباس کو دیکھنے لگا لباس گندہ اور بوسیدہ ہو چکا تھا اسے دھونے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کیونکہ پانی کا تو یہاں کوئی انتظام نہیں تھا لیکن تھوڑی دیر کے لئے اتارا جا سکتا تھا چنانچہ اس نے اپنے اوپری جسم کو لباس سے آزاد کر دیا۔ پھر اچانک ہی اسے سونے کے ان سکوں کا خیال آیا جو اس نے غار سے نکلتے ہوئے جیب میں رکھ لئے تھے جیبیں ٹٹولی تو پتا چلا کہ سونے کا ایک بھی سکہ اس کی جیب میں نہیں ہے کامران کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ یہ سکے کون نکال سکتا ہے اس لڑکی کے علاوہ اور کچھ سوچا ہی نہیں جا سکتا تھا یا پھر یہ ہو سکتا ہے کہ سکے جیب سے کہیں گر گئے ہوں۔ لڑکی نے اگر یہ سکے نکالے ہیں تو...... تو...... اس سے آگے کوئی بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔

بہرحال کامران غار سے باہر نہیں نکلا تھا یہاں تک کہ رات ہوگئی۔ وہ بے چینی سے لڑکی کا انتظار کرنے لگا اور جب اس نے محسوس کیا کہ قرب و جوار کی تمام آوازیں معدوم ہوگئی ہیں تو وہ غار کے دہانے پر نکل آیا پھر چاند پچھلی رات کی مانند پہاڑیوں کی اوٹ سے نکلا تو اس نے لڑکی کا ہیولا اپنی طرف آتے دیکھا وہ آرہی تھی۔ نہ جانے کیوں کامران کو خوشی کا سا احساس ہوا وہ مسکراتی ہوئی کامران کے پاس آگئی۔ اس نے اپنے دونوں بازو کامران کے کندھے پر رکھے اور چہرہ کامران کے چہرے کے قریب لا کر اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگی۔ اس کے انداز میں عجیب سی جذباتی کیفیت تھی اور کامران کو اس کے بدن سے اٹھنے والی خوشبو مسحور کئے دے رہی تھی۔

پھر لڑکی اس کے ساتھ غار میں داخل ہوگئی۔ وہ اپنے ساتھ کچھ سامان بھی لائی تھی جو کسی بڑے سے درخت کے پتے میں لپٹا ہوا تھا اس میں جنگلی سیب بھنے ہوئے پرندے اور دودھ سے بنی ہوئی کھیر نما کوئی چیز تھی۔ اس نے یہ تمام سامان کامران کے سامنے رکھا اور مسکرانے لگی۔ کامران نے اسے کھانے کی دعوت دی لیکن وہ دونوں ہاتھوں سے اشارے کرنے لگی کہ وہ کھا چکی ہے۔ کافی سامان تھا اس نے پھل وغیرہ کھائے گوشت چٹ کر گیا اور تھوڑے سے پھل ایک طرف سرکا دیئے اس کے ذہن میں بہت سے سوالات تھے۔ وہ پوچھنا چاہتا تھا کہ کیا یہ غار محفوظ ہے' لیکن بہرحال جواب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ پھر لڑکی نے خود ہی

کامران سے باہر چلنے کی فرمائش کی اور دونوں غار سے نکل کر ایک سمت بڑھ گئے آج لڑکی نے ایک دوسرا راستہ اختیار کیا تھا ایک چھوٹا سا درہ تھا جو دو فرلانگ کے فاصلے پر تھا اس کا اختتام ایک بہت حسین جگہ ہوتا تھا جہاں چاندنی کا آبشار بہ رہا تھا۔ چھوٹی سی بلندی سے جہاں سے پانی گر رہا تھا غالباً اوپر کوئی چشمہ تھا۔ یہ گرتا ہوا پانی بہتا ہوا بہت دور تک چلا جاتا تھا۔ یہ جگہ بہت حسین معلوم ہوتی تھی۔ جس جگہ پانی گر رہا تھا وہاں تقریباً بارہ تیرہ گز کی چوڑائی میں تالاب سا بن گیا تھا یہ تالاب دیکھ کر کامران کی طبیعت مچل اٹھی اس نے فوراً ہی اپنا اوپری لباس اتارا اور نچلے لباس سمیت پانی میں داخل ہو گیا۔

لڑکی تالاب کے کنارے بیٹھ گئی اور مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔ ٹھنڈے پانی کے اس تالاب نے گویا بدن میں نئی زندگی دوڑا دی۔ تمام گرد و مٹی صاف ہو گئی تھی۔ پھر کامران نے اوپری لباس کو بھی رگڑ رگڑ کر دھویا لڑکی خاموشی سے اپنی جگہ بیٹھی رہی تھی۔ کئی بار اس کی کھنکتی ہوئی ہنسی بھی گونجی تھی۔ وہ ہنستی تو اس کے ہونٹوں کا زاویہ بے حد دل کش ہو جاتا اور ایسے موقعوں پر کامران کو نگاہیں چرا لینا پڑتیں۔ پھر جب وہ خوب اچھی طرح نہا کر پانی سے باہر نکلا تو وہ کامران کے نزدیک پہنچ گئی اس نے دونوں نرم و نازک ہاتھ اس کے سینے پر رکھ دیے اور عجیب سے انداز میں اسے دیکھنے لگی۔

کامران نے ایک دم اپنے آپ کو سنبھالا اور پھر اس کا بازو پکڑ کر وہ اسے ساتھ لئے چٹان پر آ بیٹھا۔ لڑکی کچھ عجیب سے انداز میں اسے دیکھ رہی تھی۔ دفعتاً ایک بار پھر درختوں کے تنے بج اٹھے اور دونوں چونک پڑے۔ لڑکی چونکنے انداز میں ادھر ادھر دیکھنے لگی اور پھر وحشت سے کھڑی ہو گئی اس نے کامران کا بازو پکڑا اور غار کی طرف دوڑنے لگی۔ دوڑتے دوڑتے کامران نے اپنا اوپری لباس جسے اس نے خشک ہونے کے لئے چٹان پر ڈالا تھا اٹھا لیا درختوں کے تنے بجنے کی آواز وہ پہلے بھی سن چکا تھا۔ یہ یقینی طور پر ایک دوسرے کو خبر کرنے کے لئے بجائے جاتے تھے۔

اس کا دل دھک سے ہو گیا گویا ان لوگوں کو اس کے یہاں موجود ہونے کی اطلاع مل گئی ہے۔ وہ دوڑتے ہوئے غار میں واپس آ گئے۔ لڑکی نے اسے غار کے اندرونی حصے میں پوشیدہ رہنے کا اشارہ کیا اور پھر خود برق رفتاری سے باہر نکل گئی۔

اس کے جانے کے بعد کامران غار کے دروازے تک آ گیا اور ان آوازوں کو سننے لگا جو چند لمحات تک تو فضا میں گونجتی رہیں اور اس کے بعد ایک ہیبت ناک سکوت چھا گیا اب اسے انتظار تھا کہ اس کی تلاش کے لئے کیا کارروائی ہوتی ہے۔ پتا نہیں یہ نشان دہی اس کے لئے کی گئی ہے یا پھر کوئی اور بات تھی۔ وقت تیزی سے گزرتا رہا دماغ میں دھماکے ہو رہے تھے کان آہٹوں پر لگے ہوئے تھے لیکن اب کوئی آواز نہیں سنائی دی تھی۔

تھوڑی دیر بعد لڑکی واپس آ گئی اس کی آنکھوں سے سکون کا اظہار ہو رہا تھا۔ جیسے وہ کہہ رہی ہو سب ٹھیک ہے کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ جانے پر آمادہ تھی اس نے کامران کی طرف ہاتھ ہلایا اور اشارے سے اسے بتایا کہ پھر آئے گی وہ انتظار کرے۔ پھر وہ چلی گئی۔ لیکن کامران اب سر پکڑ کر بیٹھ گیا تھا سارا کھیل بگڑ گیا تھا۔ حالات ایک عجیب شکل اختیار کر گئے تھے۔ آہ!...... کیا زندگی کا اختتام اسی جگہ

ہو جانا ہے واہ بھئی واہ!...... کہاں سے آغاز ہوا تھا اور کہاں انجام ہوگا لیکن اسی کو تقدیر کہتے ہیں کوئی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ شہری آبادی میں رہنے والا ایک سادہ لوح انسان جو محنت مزدوری کر کے نوکری کر کے زندگی گزار رہا تھا۔ ایک ایسی جگہ پہنچے گا جہاں سے اسے اس مہم جوئی کا موقع ملے گا اور اس کے بعد اس کے ساتھ جو کچھ ہوگا۔ وہ یہ ہوگا یہ سوچیں بڑی عجیب تھیں۔

اب کامران کے ذہن میں صرف ایک ہی بات تھی جس طرح بھی بن پڑے وہ یہاں سے چلا جائے حالانکہ اس انوکھی زندگی نے اسے جو عجیب و غریب صلاحیتیں بخشی تھیں۔ جو جسمانی قوتیں وہ اپنے اندر محسوس کر رہا تھا وہ ناقابل یقین سی تھیں اور وہ شدت سے اپنے بارے میں سوچ کر حیران ہو جاتا تھا۔ پھر سب سے بڑی بات یہ کہ کرنل گل نواز رانا چندر سنگھ علی سفیان اور اس کے ساتھ دوسرے تمام لوگ خاص طور سے وہ انوکھا کردار جس کے بارے میں سوچ کر بس حیرانی ہی ہوتی تھی حالانکہ یہ سب کچھ بہت عجیب و غریب تھا کم از کم مذہبی طور پر بھی وہ امینہ سلفا کے بارے میں یہ یقین کرنے کو تیار نہیں تھا کہ وہ صدیوں سے زندہ رہنے والی ایک عورت ہے۔ اور اس کی کہانی صدیوں پر محیط ہے ایسا قصے کہانیوں میں تو ملتا تھا حقیقتیں کیا ہیں یہ اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ پھر گرشک اور سیتا جو اسے پاتال پر مٹی کا باسی کہتے تھے پتا نہیں یہ سب کچھ کیا ہے۔ کیا ہوگا پتا نہیں یہاں سے نکلنا نصیب بھی ہوگا یا نہیں۔ کیا اس کی تقدیر میں یہی ہے کہ جنگلوں میں بھٹکتا ہوا مر جائے۔ آخر ان وحشیوں کے درمیان کب تک چھپا رہ سکتا ہے وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ کچھ اس طرح کی کیفیت ہوئی کہ غار کے اندر اسے الجھن سی ہونے لگی اور وہ غار سے باہر نکل آیا۔ پھر ایک کھلی جگہ آ کر لیٹ گیا۔ دل الٹ رہا تھا کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا اپنی زندگی کے بارے میں۔ بلاوجہ تمام خدشات ذہن پر لاد رکھے ہیں جو ہونا ہے وہ ہو جائے گا۔ اگر موت آنی ہے تو آ جائے مجبوری ہے۔

نہ جانے کب آنکھ لگ گئی اور نہ جانے پھر کب صبح ہو گئی آنکھ کھول کر دیکھا تو وہی بلا اس کے نزدیک موجود تھی وہ اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھی تشویش زدہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی صبح اٹھنے کے بعد اس کا چہرہ سامنے آیا تھا۔ دیکھ کر دل باغ باغ ہو جاتا لیکن نہ جانے کیوں کامران کو غصہ سا آنے لگا خواہ مخواہ وہ عذاب اس پر نازل ہو گیا ہے کامران کو جاگتے دیکھ کر وہ اٹھی اور اس کے قریب آ گئی اس نے آگے بڑھ کر کامران کے سینے پر ہاتھ رکھا اور کامران ایک تھکی تھکی سانس لے کر اٹھ بیٹھا تب اس نے پیار سے اس کا بازو پکڑا اور غار کی طرف چلنے کا اشارہ کیا۔

''اور میں جانتا ہوں کہ تم نے میرے لئے کھانے کا بندوبست کیا ہوگا بس کیا کہوں کاش! میں اس سے آگے بھی تمہارے بارے میں کچھ سوچ سکتا لیکن وقت اس کی اجازت نہیں دیتا'' وہ ویسے ہی ایک بڑے پتے میں کھانے پینے کی چیزیں لے کر آئی تھی۔ اس نے اس کے ساتھ ہی ایک اور پوٹلی سی اٹھائی جو ایک کونے میں رکھی ہوئی تھی اور اسے کامران کے سامنے کر کے کھول دیا اس میں کسی خوب صورت درندے کی کھال تھی۔ غالباً گل دار کی۔ اس نے وہ کھال اٹھائی اور اپنے بدن کے نچلے حصے پر اس طرح پہنی جیسے کامران کو اس کے استعمال کا طریقہ سمجھا رہی ہو۔ کامران حیرت سے اسے دیکھنے لگا لڑکی جو کچھ بتا رہی تھی۔ وہ حیران کن بات تھی وہ کامران سے کہہ رہی تھی کہ یہ کھال وہ اپنے بدن پر لپیٹ لے۔

"کیوں......؟" کامران نے بے اختیار سوال کیا اور وہ خاموشی سے کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ پھر اس نے اپنے ساتھ لائے ہوئے بنڈل میں سے دوسرا سامان نکالا جو عجیب سے چمڑے کی بوتلوں میں بند تھا کامران انہیں دیکھنے لگا بڑے بڑے جانوروں کی آنتیں۔ کسی طرح پھلا کر انہیں بوتل کی شکل دے دی گئی تھی ان بوتلوں میں مختلف قسم کے سیال بھرے ہوئے تھے کامران کی آنکھیں حیرت سے پھٹ گئیں۔ وہ اس کا مطلب سمجھ گیا تھا چند لمحات وہ سوچتا رہا پھر اس نے اس سے تعاون کیا۔ اس سے رخ بدل لینے کی درخواست کر کے کامران نے اپنا نچلا لباس اتارا اور وہ مضحکہ خیز کھال پہن لی لیکن خود اسے اپنے آپ پر ہنسی آ رہی تھی۔ اس نے دل میں سوچا کہ اس وقت وہ ٹارزن کی نسل کا آخری فرد معلوم ہو رہا ہے لیکن لڑکی تعریفی نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی اس نے بوتلوں سے سیال نکال کر لکڑی کے ایک برتن میں ڈالا اور پھر اسے ملانا شروع کر دیا۔ اس کے دونوں ہاتھ سیال میں لتھڑ گئے۔ پھر اس نے وہ سیال کامران کے بدن پر ملنا شروع کر دیا۔

کامران سمجھ گیا کہ وہ اسے مقامی آدمیوں کا روپ دینے کی کوشش کر رہی ہے بہرحال غریب مہذب علاقے میں جنگل کی ایک لڑکی کامران کا حلیہ بدل رہی تھی اور کامران کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنے آپ پر خوب ہنسے لیکن اندر سے اس کا دل یہ بھی کہہ رہا تھا کہ یہ بات کام کی ثابت ہوگی۔

اس کے بعد لڑکی نے اسے غور سے دیکھا اور اسے باہر چلنے کا اشارہ کیا۔ باہر اب دھوپ پھیل چکی تھی۔ اس دھوپ میں اس کے بدن پر اور چہرے پر ملا ہوا سیال خشک ہونے لگا اس نے اپنی کلائیوں کو دیکھا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ دھوپ لگنے کے بعد وہ بالکل ان لوگوں کے رنگ کی ہو گئی تھیں یہی کیفیت بقیہ بدن کی بھی تھی۔

کامران سوچنے لگا کہ یہ تصور لڑکی کے ذہن میں کیسے آیا اور یہ اشیاء اس نے کہاں سے حاصل کیں۔ بہرحال وہ لڑکی کے ساتھ وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ لڑکی نے اسے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا تھا، تاحد نگاہ چٹانیں، درخت اور جھاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ آبادی کا یہ دوسرا حصہ دن کی روشنی میں کامران نے پہلی بار دیکھا تھا لیکن اسے دیکھنے کے بعد کوئی صحیح فیصلہ کرنا مشکل تھا۔ البتہ اس سفر کے ساتھ یہ خیال اس کے ذہن میں ضرور ابھرا کہ ان لوگوں میں گھل مل کر فرار کا کوئی راستہ تلاش کیا جا سکتا ہے۔ جب کہ چھپ کر یہ ممکن نہیں تھا کتنا بہترین منصوبہ بنایا ہے اس نے۔ تعجب کی بات ہے کامران نے دل میں سوچا لیکن لڑکی نہ جانے اسے کہاں لے جا رہی تھی۔

نہ جانے کامران نے کیا سوچا کہ وہ ایک دم رک گیا لڑکی نے اسے آگے چلنے کا اشارہ کیا اور کامران ایک گہری سانس لے کر پھر آگے بڑھ گیا۔ اب وہ ایک پتلے درے سے گزر رہے تھے جس کے دونوں سمت پہاڑوں کی بلندیاں تھیں درے سے وہ ننی سمت گھوم کر وہ ایک چٹانی سمت پہنچ گئے۔ یہاں چٹانوں میں متعدد غار بکھرے ہوئے تھے انہی غاروں میں سے ایک کی طرف اس نے رخ کیا اور کامران گھبرا گیا۔

"کیا غاروں کے علاوہ اور کوئی جگہ نہیں ہے؟" لڑکی مسکرا دی اور ایک غار میں داخل ہو گئی۔

"بی بی! تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ میں ایک شریف آدمی ہوں۔ زندگی مجھے بھٹکا کر یہاں تک لے آئی ہے۔ اب آپ نے مجھے جو کر بنا دیا ہے تو اس کے بعد مزید کیا سلوک کریں گی آہ! کاش آپ مجھے ان

علاقوں سے باہر جانے کا راستہ بتا دیتیں تو آپ کا یہ احسان سارے احسانوں پر بھاری ہوتا۔"

"میں تمہیں زندگی کی طرف ہی لے جا رہی ہوں چلتے رہو۔"

اچانک ایک آواز سنائی دی اور کامران حیرت سے اچھل پڑا۔ اس نے ادھر اُدھر دیکھا۔ انگریزی زبان تھی آس پاس کوئی اور نہیں تھا اور یہ آواز اسی لڑکی کے ہونٹوں سے نکلی تھی لیکن دماغ پھٹ جائے گا اگر یہ الفاظ اس لڑکی کے ہوئے۔ کیا یہ دیوانگی کا دور شروع ہو چکا ہے۔ لڑکی نے ایک بار پھر مسکراتی نگاہوں سے کامران کو دیکھا۔ کامران نے پھولی سانس کے ساتھ کہا۔

"تم نے...... تم نے کچھ کہا......؟"

"ہاں اب مجبوری ہے اب تمہاری بات کا جواب دینا ہی پڑے گا" اس بار کامران نے لڑکی کے ہونٹ بھی ہلتے ہوئے دیکھے تھے۔ آواز بھی اسی کے ہونٹوں سے نکلی تھی دماغ بھک سے اڑ گیا۔ ممکن تھا کہ چکرا کر نیچے گر پڑتا بہ مشکل تمام غار کی نزدیکی دیوار کا سہارا لیا تھا۔ کامران کی پھٹی پھٹی آنکھیں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ شرارت آمیز نگاہوں سے کامران کو دیکھ رہی تھی۔ کچھ لمحے کامران آنکھیں پھاڑے اسے گھورتا رہا اور پھر اس کے قریب پہنچ گیا۔

"خدا کی قسم کیا یہ تم ہی بولی تھیں؟ کیا یہ تمہاری ہی زبان تھی؟"

"تم اندر تو چلو باہر کی دنیا ابھی تمہارے لئے اتنی محفوظ نہیں ہے" اس بار لڑکی نے سنجیدگی سے کہا اور کامران نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔

"خدا کی پناہ!...... خدا کی پناہ!...... میں پاگل ہو گیا ہوں یا پھر؟"

"بات سنو! اگر پاگل بھی ہو گئے ہو تو کم از کم اندر چلو" لڑکی نے کہا اور اس بار اس نے مضبوطی سے کامران کا بازو تھام لیا تھا لیکن کامران کی جو کیفیت تھی اس کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ یہ تو ناقابل یقین بات ہوئی تھی کیسے یقین کر لیتا۔ ذہن کا وقفہ اتنا طویل نہیں ہوتا یہ اس کی سماعت کا دھوکا نہیں تھا۔ لڑکی اب اس کے ہر سوال کا جواب صاف ستھری انگریزی میں دے رہی تھی دفعتاً کامران نے اسے عقب سے پکڑ لیا۔

"سنو لڑکی سنو! انسان کی قوت برداشت کے بارے میں جانتی ہو کچھ......؟"

"زیادہ نہیں جانتی" اس کی آواز میں اس بار شوخی تھی۔

"جتنا بھی جانتی ہو اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ ممکن ہے دیوانگی کے عالم میں تمہارے یہ خوب صورت بال نوچ ڈالوں یا تمہیں گھسوٹنے لگوں۔ مجھے بتاؤ کہ اچانک یہ تمہارا گونگا پن ختم کیسے ہو گیا اور ایک دم تم نے انگریزی کیسے بولنا شروع کر دی؟"

"سنو، تم نے اپنا نام کامران بتایا تھا نا۔ تم ایک مہذب انسان ہو میں جانتی ہوں، نہ تم میرے بال نوچو گے اور نہ تم مجھے کھاؤ گے۔ آ جاؤ چند لمحات اور انتظار کر لو سب کچھ پتا چل جائے گا" بس کیا بتایا جا سکتا تھا اس وقت کامران کی جو کیفیت تھی۔ شاید اس کے لئے الفاظ نہیں تراشے جا سکتے تھے۔ یہ غار بھی سرنگ نما تھا اس کا اختتام ایک بڑے سے ہال میں ہوا۔ جس کی چھت زیادہ اونچی نہیں تھی ہال میں روشنی پھیلی ہوئی تھی اور یہ روشنی بیٹری سے چلنے والے لیمپ کی تھی۔ روشنی کے قریب ہی ایک شخص تھا۔ جسے دیکھ کر کامران نے

متحیرانہ انداز میں پھٹی آنکھوں سے دیکھا۔ یہ سڈول بدن کا مالک ایک آدمی تھا۔ جو بارہ سنگھے کی کھال پر بیٹھا ہوا ایک کتاب پڑھ رہا تھا۔ ہر بات انوکھی' ہر چیز انوکھی اس نے اس شخص کو غور سے دیکھا وہ اس طرح کے ہی رنگوں میں رنگا ہوا تھا جیسے یہاں کے قبائلی ہوتے ہیں لیکن یہ کتاب جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ قدموں کی آہٹ پر چونک کر اس نے کامران کو دیکھا اور پھر کتاب کو درمیان سے کھلا چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"سیلینا مجھے تمہارے بارے میں بتا چکی ہے۔ تمہارا نام کامران ہے۔ ہیلو!" اس نے دایاں ہاتھ مصافحے کے لئے بڑھا دیا۔ کامران چکراتے ہوئے ذہن کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔ اس کا پھیلا ہوا ہاتھ نہ جانے کس طرح کامران کے ہاتھ نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا۔ یہ صرف ایک اعصابی عمل تھا اس شخص نے لڑکی کی طرف رخ کر کے کہا۔

"سیلینا باہر کا ماحول تو پرسکون ہے؟"

"ہاں پاپا بالکل" لڑکی نے جواب دیا اور ایک ابھرے ہوئے پتھر پر بیٹھ گئی اس کے ہونٹوں سے ہنسی پھوٹی پڑ رہی تھی اور اس کی شریر آنکھیں کچھ اور خوب صورت ہو گئی تھیں۔

"دیکھو عالم حیرت میں حرکت قلب بھی بند ہو سکتی ہے۔"

"نہیں بالکل نہیں آدمی صرف بے ہوش ہو سکتا ہے۔"

"کیا تم یہ پسند کرو گے کہ میں ہمیشہ کے لئے بے ہوش ہو جاؤں۔"

"بالکل نہیں" وہ مسکرا کر بولا۔

"تو مجھے سب سے پہلے یہ بتاؤ کہ تمہارے بدن پر کھال کا یہ لباس اور تمہارا یہ خیالا رنگ اور اس پر بہترین انگریزی اور یہ کتاب۔"

"میرا ایک جملہ تمہاری تمام حیرتیں ختم کر سکتا ہے وہ یہ کہ تم مجھے ہوسٹ مین کے نام سے پکار سکتے ہو۔ میرا نام ہوسٹ مین ہے اور یہ میری بیٹی سیلینا" کامران پتھرائی ہوئی نگاہوں سے دیکھتا رہا تو وہ مسکرا کر بولا۔

"بیٹھو پلیز! بہت سی باتیں کرنی ہیں تم سے اور سیلینا تم ذرا غار کے دہانے پر نگاہ رکھو احتیاط بہت اچھی چیز ہے۔"

"پاپا! آپ بالکل فکر نہ کریں میں نے دور دور تک کا جائزہ لے لیا ہے۔"

"گویا تم ہمارے سر پر مسلط رہنا چاہتی ہو؟"

"ہاں پاپا! بالکل کیونکہ مسٹر کامران میری دریافت ہیں۔"

"ٹھیک ہے لیکن زندگی کی حفاظت بھی کرو جاؤ ایک نگاہ اور باہر دیکھ آؤ" لڑکی اکتائے ہوئے انداز میں باہر نکل گئی۔ کامران پر اب بھی حیرتوں کے حملے ہو رہے تھے، لڑکی نے اس کے دماغ کی چولیں ہلا کر رکھ دی تھیں۔ کیا ہی شاندار اداکاری کی تھی اس نے۔ کئی دن تک کامران کے ہر سوال کے جواب میں اس کی آنکھیں صرف سادگی سے مسکراتی رہتی تھیں۔ ایک بار بھی اس کے چہرے سے یہ اظہار نہیں ہوا تھا کہ وہ اس کی بات سمجھ چکی ہے۔ بہ ظاہر وہ ایک سادہ دیوار کی مانند تھی لیکن درحقیقت! اوہ میرے خدا!..... میرے

خدا!..... اچانک ہی اس نے ایک بے تکا سوال کیا۔

"مسٹر ہوسٹ مین! آپ کو میرا نام کیسے معلوم ہوا؟"

"سیلینا نے بتایا" اسی وقت لڑکی واپس آ گئی۔

"سب ٹھیک ہے پاپا میں نے آپ کو بتایا ہے کہ میں نے باہر کا اچھی طرح جائزہ لیا ہے اور اس کے بعد مسٹر کامران کو یہاں تک لائی ہوں، میں بھلا کوئی رسک لے سکتی تھی۔"

"یقیناً تم واقعی بہت ذہین ہو"

"نہ صرف ذہین بلکہ فطین بھی۔" کامران نے بے اختیار مسکرا کر کہا اور دونوں ہنسنے لگے۔ پھر کامران نے کہا۔

"اگر آپ چاہتے ہیں مسٹر ہوسٹ مین کہ میری دماغی کیفیت متاثر نہ ہو جائے تو براہ کرم مجھے اپنے بارے میں تفصیل بتایئے"

"ہاں کیوں نہیں مختصر الفاظ میں تمہیں یہ بتایا جاسکتا ہے کہ میں یہاں خزانوں کی تلاش میں آیا تھا" ہوسٹ مین نے کہا اور کامران اس کی صورت دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

"اور آپ کی بیٹی' بس یہ دو افراد یہاں آئے تھے" کامران کے سوال پر ہوسٹ مین کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے الجھن کے آثار نمایاں ہو گئے پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"نہیں۔ میں اکیلا نہیں تھا لیکن اس جواب کے ساتھ ہی میں اب تمہارے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں؟"

"میرا نام کامران ہے اور آپ یہ سمجھ لیجئے کہ میں بھی یہاں خزانوں کی تلاش میں آیا تھا"

"وہی سوال تم سے بھی کرتا ہوں تنہا......؟"

"سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ بھلا ایسے علاقوں کا سفر تنہا کیا جاسکتا ہے؟"

"اس کا مطلب ہے تمہارے ساتھ کچھ اور لوگ بھی ہیں؟"

"ہیں نہیں تھے ہم بہت سے افراد تھے جن میں ایک لڑکی تھی اور تین میرے دوسرے ساتھی دو پراسرار طور پر غائب ہو گئے دو ابھی یہاں موجود قبائلیوں کی قید میں ہیں میں بھی انہی کا قیدی تھا لیکن وہاں سے نکل بھاگا ہوں"

"میں جانتا ہوں" ہوسٹ مین نے جواب دیا۔

"اس طرح آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ یہاں میری آمد کا مقصد کیا ہے؟"

"ہاں لیکن میرے دوست تمہاری پہنچ مجھ سے کہیں آگے ہے۔ معاف کرنا میں بہت زیادہ گھماؤ پھراؤ کا آدمی نہیں ہوں، صاف گفتگو کرتا ہوں اور یہ کہتے ہوئے میں ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا کہ تم میرے لئے ایک اہم شخصیت بن گئے ہو، جانتے ہو کیوں؟"

"نہیں جانتا' لیکن جاننا چاہتا ہوں۔"

"تمہارے لباس سے سونے کے چند سکے برآمد ہوئے ہیں جن کا تعلق اسی خزانے سے ہے، جس

نے بے شمار افراد کو پاگل بنا رکھا ہے" کامران چونک پڑا اسے وہ سکے یاد آ گئے جو اس نے اس عظیم الشان خزانے سے حاصل کئے تھے اور جو بعد میں ہوش آنے کے بعد اسے نہیں ملے۔ سکوں کی گمشدگی کا راز اب معلوم ہو گیا تھا۔ کامران کا ذہن برق رفتاری سے کچھ فیصلے کرنے لگا ہوسٹ مین اور سیلینا کی اپنے آپ میں دلچسپی کو اب وہ اچھی طرح محسوس کر چکا تھا اور اب اسے اس کی روشنی میں ان لوگوں سے گفتگو کرنی تھی۔ میں نے کہا۔

"ہاں وہ سکے میرے پاس موجود تھے اور بے ہوشی کے دوران غائب ہو گئے۔"

"غائب نہیں ہوئے میرے پاس وہ تمہاری امانت کے طور پر موجود ہیں۔"

"ٹھیک ہے ان ویرانوں میں اس امانت کا کیا بھی کیا جا سکتا ہے؟ مسٹر ہوسٹ مین بے کاری چیز ہے وہ خزانہ اب ہمارے لئے"

"نہیں دوست ایسی بات نہیں۔ میں ابھی تمہیں ساری تفصیلات نہیں بتاؤں گا لیکن آہستہ آہستہ تمہیں چند باتیں بتا دی جائیں گی، میری طرف سے ایک پیش کش قبول کرو۔"

"پیش کش......؟"

"ہاں۔"

"وہ کیا......"؟

"وہ یہ کہ میں تمہیں یہاں مکمل طور پر پناہ دے سکتا ہوں۔ تمہارے ساتھیوں کے بارے میں تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن ان کی بازیابی میں بھی کامیاب ہو سکوں گا یا نہیں اگر ان سے تمہارا کوئی ذہنی لگاؤ نہیں ہے تو یوں سمجھو کو تقدیر نے تمہیں تنہا یہ موقع دیا ہے ہمارے اور تمہارے درمیان سودے بازی ہو سکتی ہے۔ بشرطیکہ تم اسے پسند کرو اور اس سلسلے میں اپنی شرائط پیش کرو۔"

"سودے بازی......؟"

"ہاں"

"وہ کس قسم کی......؟"

"مجھے جواب دو کہ سونے کے وہ سکے تمہارے پاس کہاں سے آئے؟" ہوسٹ نے کامران کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"فرض کرو ہوسٹ مین! میں اس خزانے کا راز معلوم کر چکا ہوں ایسی حالت میں کیا ہوگا؟" ہوسٹ مین کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک پیدا ہو گئی۔ کامران کو یہ شخص بہت ذہین اور زیرک محسوس ہو رہا تھا۔

"میرا بھی یہی خیال ہے کہ تم کسی طرح اس خزانے تک پہنچ چکے ہو۔ میرا دل تو یہی چاہ رہا ہے کہ فوراً ہی تم سے اس کے بارے میں تفصیلات معلوم کراوں لیکن ظاہر ہے تم نہیں بتاؤ گے کیونکہ اس پر تمہاری زندگی کا بھی انحصار ہے۔ بتاؤ کہ کیا میں نے غلط کہا ہے؟"

"نہیں بالکل ٹھیک" کامران نے جواب دیا۔

"تو کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ تم خزانے کے اس راز میں مجھے بھی شامل کر لو۔ میں قبائلیوں سے تمہارا

تحفظ کروں گا تمہیں ہر طرح کی آسانیاں فراہم کروں گا اور اس کے بعد ہم خزانہ حاصل کریں گے اور یہاں سے نکل چلیں گے کیا تم اس پر تیار ہو؟"

"کیا یہاں سے نکلنا اتنا آسان ہوگا؟"

"تم آسانی کی بات کرتے ہو، میں کہتا ہوں یہ ہماری زندگی کا سب سے مشکل کام ہوگا' لیکن خزانے مشکل ہی سے حاصل ہوتے ہیں، البتہ میں تمہیں اس کا یقین دلاتا ہوں کہ میں انتہائی حد تک خزانے کو یہاں سے نکالنے کے لئے آسانیاں فراہم کر سکتا ہوں میرے پاس اس کے ذرائع موجود ہیں کامران پر خیال نگاہوں سے ہوسٹ مین کو دیکھنے لگا اس شخص کی قربت کامران کے لئے نہایت بہتر ثابت ہو سکتی تھی اس نے سوچا اور بعد کے معاملات تو خیر بعد میں ہی دیکھے جاتے وقتی طور پر کوئی موثر سہارا ضروری تھا چنانچہ کامران نے مدھم لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے مسٹر ہوسٹ مین! میں آپ کے ساتھ تعاون کر سکتا ہوں اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ جب انسان کسی چیز سے مکمل طور پر مایوس ہو جائے تو اس میں دوسروں کی شمولیت اسے گوارا کر لینی چاہیے۔ عام حالات میں شاید کسی بھی قیمت پر تعاون کی پیش کش نہ کرتا، لیکن میں خزانہ یہاں سے لے جانے میں بالکل بے بس ہوں بہر طور میں آپ کی خواہش پوری کرنے کو تیار ہوں"

ہوسٹ مین مستعدانہ انداز میں کھڑا ہو گیا اور پھر اس نے پرجوش انداز میں کامران سے مصافحہ کیا۔

"اور تم مجھے ایک بہترین ساتھی پاؤ گے یعنی ایک قابل اعتماد انسان!"

"میری کیا کوششیں ہوں گی پاپا" سیلینا نے کہا، ہوسٹ مین نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا تھوڑی دیر تک خاموشی طاری رہی پھر ہوسٹ مین نے کہا۔

"یہ غار تمہارے لئے بالکل محفوظ ہے فی الحال تم بڑے آرام سے یہاں رہ سکتے ہو، اس کے بعد تمہیں ان لوگوں میں رہنا ہوگا ہمارا کام آسان نہیں ہے جو پروگرام ہم لوگ بنائیں گے وہ طویل وقت لے گا اور میں تمہیں زیادہ دیر قید نہیں رکھنا چاہتا"

"کیا ان لوگوں کے درمیان میرے لئے رہنا ممکن ہوگا؟"

"میں اس ناممکن کو ممکن بناؤں گا" ہوسٹ مین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اس غار کو آپ کیسے بہتر تصور کرتے ہیں؟"

"کیونکہ یہ میرے لئے مخصوص ہے ہمارے درمیان یہ معاہدہ ہو چکا ہے تم اس پر کاربند رہو، رفتہ رفتہ ہم ایک دوسرے پر اعتماد کر لیں گے اور بہت سی باتیں علم میں آ جائیں گی۔"

"میرے پاس صرف ایک راز تھا جو میں نے آپ کو بتا دیا لیکن آپ اپنے آپ کو چھپانے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں، مسٹر ہوسٹ مین آپکو کھولنے کا کیا طریقہ ہوگا؟"

"میں خود بخود کھل جاؤں گا اس کی فکر مت کرو۔"

"ٹھیک ہے" کامران نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ ہوسٹ مین پھر کسی خیال میں کھو گیا تھا پھر اس نے کہا۔

''سیلینا اس غار میں تمہارے ساتھ رہ سکتی ہے' تمہیں ضرورت کی ساری چیزیں مہیا ہو جائیں گی کچھ وقت اطمینان سے گزارنا اس کے بعد......''

''ٹھیک ہے آپ بالکل بے فکر رہیں۔''

''اب مجھے ایک بات کا جواب دو گے؟''

''جی۔''

''تم اس خزانے تک کس طرح پہنچ گئے؟''

''ظاہر ہے میں اس کی تلاش میں ہی آیا تھا۔''

''نہیں میرا مطلب ہے کہ تمہیں اس تک رسائی کس طرح ہوئی؟''

''محنت اور کاوش سے۔''

''تمہارے پاس اس کے لئے معلومات تھیں؟''

''ہاں''

''وہ کہاں ہے؟ میرا مطلب ہے اسی علاقے میں ہے؟''

''مسٹر ہوسٹ مین! اس بارے میں تمہیں صرف اس وقت بتاؤں گا جب ہمیں ایک دوسرے پر مکمل اعتماد ہو جائے گا' بلکہ اس وقت جب اسے یہاں سے لے جانے کی ساری تیاریاں مکمل ہو جائیں گی' میرے پاس اس راز کے علاوہ اور کیا چیز ہے؟''

''یہ پریشانی کی بات ہے؟''

''اصولاً یہی مناسب ہے؟'' کامران نے جواب دیا۔

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن خزانے کو مطلوبہ جگہ منتقل کرنے کے لئے بھی پلاننگ کرنی ہوگی یہ کوشش کرنی ہوگی کہ کم سے کم لوگ اس میں شریک ہوں تاکہ خزانے کے زیادہ حصے دار نہ بنیں۔''

''میں معذرت چاہتا ہوں۔ ممکن ہے کہ وقت سے پہلے میں آپ کو اس بارے میں بتا دوں' لیکن یہ آپ کے اور ہمارے تعلقات کی نوعیت پر منحصر ہے'' ہوسٹ مین پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا پھر بولا۔

''ٹھیک ہے میں بھی جلد بازی نہیں کرنا چاہتا اوکے ڈیئر! میں بھی چلتا ہوں' سیلینا تمہیں اس جگہ کے بارے میں سب کچھ بتا دے گی'' سیلینا ہوسٹ مین کو غار کے دہانے تک چھوڑنے گئی تھی۔ کامران ہزاروں خیالات کے ہجوم میں گھر گیا یہ بالکل نئی صورت حال تھی' انوکھی اور اجنبی بہت کچھ سوچنا تھا اس بارے میں ہوسٹ مین کہا ہے' اس بات پر تو یقین کیا جا سکتا تھا کہ وہ بھی خزانے کی تلاش میں آنے والوں میں سے ایک ہے' لیکن باقی معاملات کیا ہیں۔ اس نے خود اپنے دوسرے ساتھیوں کا اقرار کیا تھا۔ بہ قول اس کے وہ یہاں سے نکلنے کے ذرائع رکھتا تھا لیکن اتنی کامیابی سے' وہ ان وحشیوں کے درمیان محفوظ کیسے ہے۔

دوسرا کردار اس لڑکی سیلینا کا تھا' سیلینا کی مکار فطرت کا مجھے اندازہ ہو چکا تھا وہ کسی قدر معصوم صورت ہونے کے باوجود کتنی گہری لڑکی تھی۔ بہترین اداکارہ بھی کامران کے خیال میں وہ ہوسٹ مین سے زیادہ خطرناک تھی۔ بہرحال دونوں باپ بیٹی کے بارے میں زیادہ سوچنے کا موقع نہیں ملا سیلینا مسکراتی ہوئی

واپس آ گئی۔

''ہاں'' اس نے شرارت بھرے انداز میں کہا۔

''چلو جنگلی لڑکی!''

''جنگلی لڑکی...... اور تم جنگلی مرد بلکہ بالکل جنگلی!'' وہ بے تکلفی سے بولی۔

''بالکل جنگلی!''

''ہاں' جو کسی کے جذبات کو نہ سمجھ سکے' اسے اور کیا کہا جا سکتا ہے؟''

''اوہ شاید'' کامران نے آہستہ سے کہا۔

''کہاں کے باشندے ہو؟''

''اسی زمین کا رہنے والا ہوں؟''

''پہاڑوں میں بھٹکنے کیوں نکل پڑے؟''

''تمہیں یہ سوال نہیں کرنا چاہیے۔''

''کیوں......؟''

''کیوں کہ یہی سوال میں تم سے بھی کر سکتا ہوں؟''

''میں تو پاپا کے ساتھ چلی آئی ورنہ مجھے ویرانوں میں زندگی گزارنے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

''تمہارا تعلق کہاں سے ہے؟''

''ہم لوگ ہالینڈ سے تعلق رکھتے ہیں' لیکن میں نے لندن میں زندگی گزاری ہے۔''

''ڈچ ہو......؟''

''ہاں''

''ٹھیک' ممی کہاں ہیں تمہاری؟''

''مر چکی ہیں میں نے تو ان کی شکل بھی نہیں دیکھی' اس لئے ان کے سلسلے میں میرے ساتھ کوئی اظہار افسوس بے معنی ہوگا۔''

''مسٹر ہوسٹ مین ہالینڈ میں کیا کرتے ہیں؟''

''پتا نہیں وہ بہترین ڈاکٹر بھی ہیں۔ بہترین تاریخ داں ہیں' آثار قدیمہ کے بہت بڑے ماہر ہیں۔ نوادرات کے بہت بڑے تاجر ہیں۔ اعلیٰ پائے کے سیاح ہیں اور سیاحت پر بہت سی کتابیں لکھ چکے ہیں' جن کے ترجمے دنیا کی بہت سی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ بے شمار زبانیں جانتے ہیں خاص طور سے مشرق کی قدیم زبانیں''

''یہاں کی زبان بھی جانتے ہوں گے؟''

''ظاہر ہے وہ ان پوشیدہ قبائل کی زبانیں بھی جانتے ہیں۔''

''اور تم......؟''

''میں جرمنی' فرنچ اور انگریزی کا ماہر ہوں۔''

"اور مقامی زبان......؟"
"اچھی طرح سیکھ چکی ہوں ورنہ ان کے درمیان کیسے بسر کر سکتی۔"
"گویا ان قبائلی باشندوں سے تمہارا براہ راست رابطہ ہے؟"
"ہاں بالکل۔"
"شبہ نہیں ہوا ان کو کبھی تم پر......؟"
"کبھی نہیں۔"
"کتنا عرصہ گزار چکے ہو تم لوگ!" کامران نے سوال کیا اور سیلینا کسی سوچ میں ڈوب گئی پھر بولی۔
"میرا خیال ہے اس سوال کا جواب پاپا کی پالیسی کے خلاف ہے؟"
"اوہ!" کامران نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی۔ سیلینا کی معلومات کی پول پہلے ہی کھل چکی تھی۔ اچھا تھا کہ اس نے اس وقت خود کو نمایاں کر دیا۔
"تم اپنی سناؤ تم نے ابھی پاپا کو بتایا تھا کہ تمہارے ساتھ کوئی عورت تھی کیا وہ تمہاری محبوبہ تھی؟"
"نہیں"
"تو پھر......؟" وہ بولی۔
"بس پھر کے آگے کچھ بھی نہیں ہے۔"
"ویسے میں ایک بات کہوں، تم لوگ عورت کے معاملے میں بڑے تنگ دل اور سنگ دل ہوتے ہو، کیا یہ سچ ہے تم لوگ نہ کسی سے کھل کر عشق کرتے ہو اور نہ کسی سے اپنائیت کا اظہار کرتے ہو؟"
"تمہاری یہاں موجودگی میرے لئے حیرت کا باعث ہے سیلینا! کتنے اعتماد سے تم لوگ ان کے درمیان آ بسے ہو، اگر کبھی انہیں تمہارے بارے میں شبہ ہو گیا تو......؟" کامران نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔
"ہاں ہو سکتا ہے لیکن پاپا خزانوں کے عاشق ہیں یہ خطرہ تو مول لیتا ہی تھا، ویسے اب یہ مشکل ہی ہوتی نظر آ رہی ہے۔ اچھا ایک بات بتاؤ کہ کیا اس خزانے میں قیمتی زیورات اور ہیرے بھی ہیں؟" وہ اشتیاق لہجے میں بولی۔
"اتنی دولت وہاں جمع ہے کہ عالم تصور میں نہیں آ سکتی۔ قدیم طرز کے لاکھوں زیورات اور جواہرات جو انسانی ذہن کو ماؤف کر دیتے ہیں۔"
"تم نے اس میں سے چند سکے ہی کیوں اٹھائے تھے؟"
"یہ سکے میں نے یادگار کے طور پر اٹھائے تھے، خزانے کے طور پر نہیں"
"کوئی زیور ہی اٹھا لاتے مجھے بھی نوادرات سے بہت دلچسپی ہے"
"شاید اس کا بہت بڑا حصہ اب تمہارے قبضے میں آ جائے"
"مجھ پر بھروسا کر سکتے ہو؟"
"مطلب......؟"
"مجھے اس خزانے کی ایک جھلک دکھا دو۔"

کامران طنزیہ انداز میں ہنسا پھر بولا "یہ میری پالیسی کے خلاف ہے" کامران کو ایک دم اس پر غصہ آ گیا تھا، کم بخت ناز و ادا کا جال بچھا کر فریب کر رہی تھی۔ وہ کچھ دیر تک کامران کو دیکھتی رہی پھر پھیکی سی ہنسی کے ساتھ بولی۔
"بدلہ لے رہے ہو نا مجھ سے، چلو کوئی بات نہیں میں نے برا نہیں مانا" کامران خاموش ہو گیا تھا پھر وہ کامران کو اس غار میں اس کی ضرورتوں کی چیزیں دکھانے لگی۔ ایک آرام دہ جگہ تھی جہاں ایسے وحشت ناک علاقے میں زندگی بسر کرنے کی مختصر ضرورتیں مہیا کر دی گئی تھیں، وہ بولی۔
"اپنا حلیہ تبدیل مت کرنا ویسے یہاں کوئی نہیں آئے گا۔ اطمینان رکھو اچھا اب میں بھی چلتی ہوں رات کو آؤں گی۔"
کامران نے گردن ہلا دی پھر وہ اسے غار کے دہانے تک چھوڑنے آیا اس کے نگاہوں سے اوجھل ہونے کے بعد وہ واپس آ کر غار میں لیٹ گیا دماغ میں سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ ہوسٹ مین بے حد پراسرار شخصیت کا مالک تھا اور سیلینا بے حد ذہین اور چالاک لڑکی تھی۔ یہ دونوں صرف اس لئے کامران کی طرف متوجہ ہوئے تھے کہ اس کے پاس سے سکے برآمد ہوئے تھے۔ شام کو ہوسٹ مین غار میں داخل ہوا اور اس نے آتے ہی سوال کیا۔
"ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں میں تم سے۔"
"ضرور...... مسٹر ہوسٹ!"
"کیا تم اپنے بارے میں یہ نہیں بتاؤ گے کہ تمہارا تعلق کہاں سے ہے؟"
"کمال کرتے ہو مسٹر ہوسٹ مین!"
"نہیں کمال نہیں کرتا اچھا ایک بات بتاؤ کیا تم گرشک نامی کسی شخص سے واقف ہو؟" اس کا یہ سوال کسی دھماکے سے کم نہیں تھا۔ لیکن کامران نے اپنے چہرے کو سنبھالے رکھا۔
"بولو...... جواب دو۔"
"نہیں یہ نام میرے لئے اجنبی ہے۔"
"کیا واقعی تم نے پاتال پرتی یا پرم پربھو کے بارے میں کچھ نہیں سنا؟"
"یار نہ جانے کیا باتیں کر رہے ہو؟" کامران نے اب اپنے آپ کو ذرا سنبھال لیا تھا۔
"اوہ!...... مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی ہے کہ تم وہ نہیں ہو۔"
"اور اب ایک بات سنو، تم بہت زیادہ پراسرار بن چکے ہو، میں کسی ایسے آدمی سے تعاون نہیں کر سکتا جو مجھ پر اتنا بھی اعتبار نہ کرتا ہو، جب کہ بات ایک ایسے خزانے کی ہے جو نہ جانے کتنے افراد کے لئے باعث دلچسپی اور دل کش ہے میں چونکہ تنہا رہ گیا ہوں اس لئے میں بھرپور طریقے سے کام نہیں کر سکا لیکن یہ بات تم ذہن میں رکھو کہ واحد میری شخصیت ہے جو کسی کو بھی اس خزانے تک پہنچا سکتی ہے۔"
"ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے خیر میں نے جو دو تین نام استعمال کئے وہ میں تمہیں بتا دوں۔ تم جانتے ہو کہ یہاں جتنے افراد موجود ہیں چاہے وہ قبائلیوں کی شکل میں ہوں، چاہے وہ کچھ بھی ہوں ان کا اپنا

ایک مذہب ہے ان کے اندر بھی بہت سے فرقے ہیں اور ان کے مختلف عقائد ہیں۔ ان میں سے ایک زرو بھوت کہلاتا ہے یہ بھوت جو ہوتے ہیں ان کا ایک نظریہ ہے۔ زمین کی گہرائیوں میں سمجھ لو پاتال میں ایک پورا قبیلہ موت کی نیند سو رہا ہے۔ ستی پرمتی اس قبیلے کی حکمران تھی۔ جس نے کسی سے محبت کی اور جس سے محبت کی وہ اس علاقے کا باشندہ نہیں تھا بلکہ وہ باہر کی دنیا کا انسان تھا۔ ستی پرمتی نے اس کے پیار میں اپنے آپ کو جنجال میں پھنسا لیا اور اس کے ساتھ اس کا پورا شہر گہری نیند سو گیا۔

وہ پاتال کی گہرائیوں میں اب بھی گہری نیند سو رہے ہیں اور ان کا ایمان اور اعتقاد ہے کہ پاتالی پرمتی آئے گا اور ستی ساوتری جاگ اٹھے گی۔ انہوں نے پاتال پرمتی کے مجسمے تراش رکھے ہیں، لیکن ایک دوسرا قبیلہ ہے۔ جو اس سوتے ہوئے شہر کو جاگتے دیکھنا نہیں چاہتا' چنانچہ اس نے اپنی ذمے داری لگائی ہے کہ وہ اسے وہاں تک نہیں پہنچنے دے گا۔ ہر جگہ کی کچھ لوک داستانیں ہوتی ہیں، عجیب وغریب عقائد ہوتے ہیں اس عقیدے کے مطابق گرشک اور سیتا یہ دو نام ہیں، جو پاتال پرمتی کو سوتے ہوئے شہر تک لے جانے کا باعث بنیں گے۔ بس داستانوں کے لئے۔

بہرحال میں نے ایسے ہی تم سے سوال کر دیا تھا'' خیر اس طرح کی کہانیاں تو عام ہوتی ہیں'' کامران نے بہ مشکل تمام کہا۔ پھر بولا۔

''اب یہ بتاؤ کہ آگے کیا کرنا ہے؟'' خزانے کو لے جانے کا کام تم کس طرح سرانجام دو گے؟''

''اصل میں سچ بات کہوں کہ ابھی میں تم سے صحیح طور پر واقف نہیں ہو سکا ہوں' پھر بھی ہمیں جلد بازی نہیں کرنی ہے۔ صبر اور ہمت سے کام لینا ہوگا اور یہی چیز ہمیں کامیابی سے ہمکنار کر سکتی ہے۔ ورنہ خزانوں کی تاریخ کے مطابق ہم بھی اس کے حصول کی کوشش میں زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔''

''نہیں مجھے کوئی جلدی نہیں ہے۔ تاہم افسوس اس بات کا ہے کہ ابھی ہمارے درمیان اعتماد کے وہ رشتے قائم نہیں ہوئے جو ہونے چاہئیں۔''

''کیا مطلب؟'' ہوسٹ مین نے نگاہیں چراتے ہوئے کہا۔

''بہت سی باتیں جو تمہارے ذہن میں محفوظ ہیں اور تم مجھ سے پوشیدہ رکھنا چاہتے ہو۔ خیر کوئی ایسی بات نہیں ہے ہم اپنے درمیان یہ طے کر لیتے ہیں کہ جو بات نہ بتانے کی ہو، اسے بتانے پر مجبور نہ کیا جائے'' ہوسٹ مین گردن خم کر کے کچھ سوچنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔

''لیکن بہت جلد وہ وقت آ جائے گا کامران کہ جب ہم ایک دوسرے کو اپنی زندگی کے تمام راز بتا دیں گے۔ اچھا اب میں چلتا ہوں اپنے ساتھیوں کی طرف سے مطمئن ہو جاؤ۔''

'' ٹھیک ہے، اچھا ایک بات بتاؤ۔ یہ جو حلیہ میرا سیلینا نے بنایا ہے اس کے بعد بھی مجھ پر پابندیاں لازمی ہیں۔ مجھے یہاں آزادی سے گھومنے پھرنے میں کیا وقت آ سکتی ہے؟''

''بہت سی باتیں ایسی ہیں۔ ان کے بہت سے معاملات تم نہیں جانتے ہو گے اس کی وجہ سے کسی جگہ کوئی بھی حادثہ پیش آ سکتا ہے۔''

''تب پھر ایسا کیوں نہیں کرتے کہ مجھے یہاں زندگی گزارنے کے راز بتاؤ؟''

''ٹھیک ہے میں تمہیں دوسری ملاقات پر جواب دوں گا۔''

وہ چلا گیا اور اس کے جانے کے بعد کامران کا ذہن خیالات کے سمندر میں تیرنے لگا۔ اس عجیب وغریب کہانی نے ایک بار پھر اس کے ذہن میں ہلچل پیدا کر دی تھی۔ یہ کہانی شروع ہی سے اس سے لپٹ گئی تھی اور عجیب وغریب انداز میں سامنے آتی رہتی تھی۔ گرشک اور سیتا نے مجھے پاتال پرمتی کہا تھا۔ حالات کی کڑیاں ملتی جا رہی تھیں۔ بہرحال یہ مقامی طور پر لوک کہانی تھی۔ دماغ کی چولیں ہل کر رہ گئی تھیں۔ اس سے زیادہ گہرائیوں میں جھانک لینا دماغ کو خراب کر دینے کے مترادف تھا۔ کامران کی زندگی میں بھلا اس طرح کے الجھاوے کہاں آئے تھے لیکن ماضی کی لکیروں کو پیٹنا بے معنی تھا اور اپنے حال پر افسوس کرنا جہالت' کیونکہ جس چیز سے کچھ حاصل نہ ہو اسے ذہن پر مسلط کرنے کا مطلب یہی ہے کہ دماغ کو خراب کیا جائے اور صلاحیتیں ختم کر لی جائیں۔ البتہ ایک بات بالکل سچ تھی کہ کامران کو یہاں آ کر جو کچھ ملا تھا وہ اس کی جسمانی صحت اور ہیئت کی شکل میں تھا۔ کیا عجیب وغریب بات تھی، کیسے کیسے لوگ ملے تھے۔

بہرحال اب دیکھو کہ اپنا اصل مقصد کب حاصل ہو سکتا ہے اور اس وقت کامران کا اصل مقصد یہی تھا کہ وہ کسی ایسی بستی پہنچ جائے جہاں سے اپنی دنیا کا سفر کیا جائے خزانہ اس نے دیکھا تھا اور اس خزانے کو دیکھنے کے بعد حقیقت یہ ہے کہ دنیا بھر کے خزانے ہیچ تھے۔ بے شمار ملکوں میں اتنی دولت سونے اور جواہرات کی شکل میں نہ ہوگی۔ جتنی وہاں اس غار میں محفوظ تھی۔ کامران اگر چاہتا تو وہاں اس غار تک آسانی سے جا سکتا تھا لیکن وہ چند سکے بھی کامران کی تحویل سے نکل کر ہوسٹ مین کی تحویل میں چلے گئے تھے۔

دوسرے دن سیلینا اس کے پاس آ گئی۔ وہ کامران کے لئے کچھ تحائف لائی تھی نہ جانے کیوں اس کی قربت بری نہیں لگتی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے کامران سے اس کی خیریت پوچھی تو کامران نے کہا۔

''اب تو میں تم لوگوں کا قیدی ہوں۔ بھلا ایک قیدی سے اس کی خیریت پوچھنے کی ضرورت کیا ہوتی ہے۔؟''

''ارے! کیوں، ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔''

''ہے''

''نہیں اب تمہارے ساتھ میں بھی قید رہ سکتی ہوں۔''

''کیا مطلب......؟''

''ہاں۔ ڈیڈی نے ایک ذمے داری میرے سپرد کی ہے اور وہ ذمے داری یہ ہے کہ تمہیں مقامی طور طریقے اور زبان سے روشناس کراؤں۔''

یہ خاصا دلچسپ کام تھا، جس کا آغاز سیلینا نے اسی دن سے کر دیا۔ یہ بے باک لڑکی بڑی مشکل چیز تھی اور کامران اس کی چالاکی کا تجربہ کر چکا تھا۔ چنانچہ وہ اس سے محتاط بھی تھا، اس نے محسوس کیا کہ سیلینا اسے کھولنا چاہتی ہے، پہلے بھی وہ خزانے کے بارے میں اس سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کر چکی تھی لیکن ظاہر ہے کامران بے وقوف نہیں تھا۔ ہوسٹ مین جن لوگوں کے خلاف کارروائی کر کے خزانہ لے جانا چاہتا تھا وہ اس کے اپنے آدمی تھے اس قسم کا آدمی کسی کے ساتھ بھی دھوکا کر سکتا ہے۔ کامران جانتا تھا کہ وہ صرف اس وقت

تک ہوسٹ مین کے لئے دلچسپی کا باعث ہے جب تک خزانے کا راستہ اسے پتہ نہ چل جائے۔

سیلینا کی تمام کاوشوں کو اس نے بڑی چالاکی سے ناکام بنا دیا اور اس سے اپنا کام نکالتا رہا۔ مقامی زبان پر عبور حاصل کرنا اور یہاں کے طور طریقے پوری ذہانت سے اس نے سیکھ لئے تھے۔ حالانکہ پہلے بھی گرشنک اور سیتا نے اسے اس بارے میں ہوشیار کیا تھا اور سمجھایا تھا۔ لیکن اب جو کچھ ہوا تھا وہ بہت کارآمد رہا تھا۔ سات دن اسی طرح گزر گئے تھے، ان سات دنوں میں ہوسٹ مین یہاں نہیں آیا تھا۔ البتہ سیلینا کے ساتھ گزرنے والے بعض لمحات بے حد پریشان کن ہوتے تھے اور کامران کو کافی ذہنی کوفت اٹھانی پڑتی تھی۔ وہ اسے اپنی عورت نہیں بنا سکتا تھا اور سیلینا چاہتی تھی کہ وہ اس کی تمام تر قربتیں حاصل کر لے۔ وہ جھنجھلاتی، ناراض ہو جاتی اور سنجیدگی سے صرف اپنا کام کرنے لگتی، لیکن کامران اس وقت کو بھی برداشت کر لیتا تھا۔

وہ اس پر طنزیہ فقرے کستی۔ سات آٹھ دن میں اس نے کافی حد تک مقامی زبان سیکھ لی تھی اور اس کو اس لہجے میں بولنے کی مشق بھی کرنے لگا تھا۔ آٹھویں دن ہوسٹ مین نے اس سے ملاقات کی۔ آتے ہی اس نے کامران سے مقامی زبان میں ہی اس کی خیریت پوچھی اور جب کامران نے اسی زبان میں جواب دیا تو وہ حیرت سے ہونٹ سکوڑ کر رہ گیا۔

"واہ! ...... شاگرد کو اتنا ہی ذہین ہونا چاہیے کہ استاد کو لطف آ جائے ویسے تم کہاں تک یہ زبان بول سکتے ہو؟"

"جہاں تک سیلینا نے سکھائی ہے؟" کامران نے جواب دیا۔

"مجھے تو یہ لگتا ہے کہ تم سالہا سال سے اس سلسلے میں کوشش کر رہے ہو اور تم نے ہم پر اس بات کا اظہار نہیں کیا۔"

"میں اسے اپنی کامیابی کی دلیل سمجھتا ہوں" کامران نے کہا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ مقامی زبان کی خاصی تربیت اسے اس دوران مل گئی تھی۔ جب کہ اسے جسمانی تربیت دی جا رہی تھی۔ بہرحال سیلینا کی وجہ سے وہ مقامی زبان پر عبور حاصل کرتا جا رہا تھا۔ پھر مزید کچھ وقت گزر گیا اب اکثر ہوسٹ مین اس کے پاس آ جاتا تھا ہر بار وہ ایک ہی بات کہتا تھا۔

"میں ہر اس مکان کا جائزہ لے لیا ہے کامران! جس کے ذریعے ہم یہاں سے نکل سکتے ہیں۔ لیکن افسوس اگر ایک مشکل نہ ہوتی تو میں تمہیں کامیابی کی خبر دے دیتا۔"

"وہ کیا مشکل ہے؟"

"جگہ کا تعین اگر ہو جائے۔ اس علاقے کے بارے میں ہی اگر مجھے بتا دو تو میں یہ منصوبہ بنا سکتا ہوں کہ ہم وہاں سے خزانہ کس طرح منتقل کر سکتے ہیں؟"

"سوری! یہ کام میں اس وقت تک نہیں کروں گا جب تک مجھے تمہاری ساری کارروائیوں کے بارے میں علم نہ ہو جائے"۔

"ہاں۔ میں جانتا ہوں' تمہاری جگہ اگر میں ہوتا تو مجھے بھی یہی کرنا تھا۔ لیکن ایک بات اور ان لو خزانے کو یہاں سے لے جانا اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ ہم کوئی مضبوط قدم نہ اٹھائیں۔ یہاں

کے لوگ بھی بے وقوف نہیں ہیں اور ہزار آنکھیں رکھتے ہیں۔"

"ظاہری بات ہے میں اس سے انکار نہیں کرتا" کامران نے کہا پھر مزید کچھ دن کے بعد ہوسٹ مین نے کہا۔

"اور اب وہ وقت آ گیا ہے کامران کہ اب ہم اپنا کام سر انجام دے سکیں۔ سنو! یہ قبیلہ جو ان آبادی میں موجود ہے، ہر سال ایک مقدس رسم مناتا ہے اور اس رسم کے ذریعے ایک خاص رات میں ان کا ایک رہنما نمودار ہوتا ہے اور یہ رہنما ان کے لئے برکتوں کا مظہر ہوتا ہے۔ سات دن تک وہ انہیں ہدایات دیتا رہتا ہے اور وہ آنکھیں بند کر کے اس کی ہدایت پر عمل کرتے رہتے ہیں اس بار جو رہنما نمودار ہوگا میں اس کے بارے میں جانتا ہوں۔ میں یہ کام کروا لوں گا کہ وہ رہنما وہ نہ ہو بلکہ تم ہو اور سات دن تک جو کام تم ان کے ساتھ انجام دو گے وہ اس خزانے کی منتقلی کا کام ہوگا بس اس کے علاوہ کوئی اور ترکیب میری سمجھ میں نہیں آئی" کامران حیرت سے ہوسٹ مین کو دیکھنے لگا پھر اس نے کہا۔

"کیا یہ ممکن ہو سکے گا؟"

"ہاں اگر یہ ممکن نہ ہوتا تو میں یہ کام سر انجام نہ دیتا۔"

"تو اب تمہارا مقصد یہ ہے کہ مجھے اس رہنما کی حیثیت سے نمودار ہونا ہوگا اور پھر میں انہیں خزانہ منتقل کرنے کی ہدایت دوں گا۔"

"ہاں"

"ٹھیک ہے اگر آپ یہ سمجھتے ہیں مسٹر ہوسٹ مین تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے اب میں تمہیں ایک نئے راستے سے روشناس کرانا چاہتا ہوں۔ یہ راستہ بہت پرخطر ہے لیکن اس میں کامیابی ہی اس جگہ تک پہنچا سکتی ہے۔ میں تمہیں کچھ لوگ مہیا کر دوں گا جو تمہیں وہ جگہ دکھائیں گے جہاں تمہیں مقدس رہنما کی حیثیت سے نمودار ہونا ہوگا"

"ٹھیک ہے اور اس کے بعد ہوسٹ مین نے یہ انتظام کر دیا۔ کامران کو بتایا گیا کہ چند لوگ اس کے ساتھ جا رہے ہیں، ان سے تعاون کرنا ضروری ہے اسے پہاڑوں کے درمیان یہ سفر پہلے ہی طے کرنا ہوگا"

جو لوگ اس کے حوالے کئے گئے تھے وہ انتہائی محتاط انداز میں پتلے پتلے دروں میں سفر کر رہے تھے بعض جگہ یہ سفر کافی مشکل ہو جاتا تھا ایک درہ اتنا پتلا تھا کہ اسے دو چٹانوں کے درمیان ایک دراز کہا جا سکتا تھا وہاں سے یہ لوگ اس طرح گزرے کہ بدن پر ہلکی ہلکی خراشیں بھی پڑ گئیں۔

لیکن بہرطور یہ اپنی منزل تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے انتہائی بلندی پر نہایت عجیب و غریب ساخت کی چٹانیں پھیلی ہوئی تھیں اس سے کہیں زیادہ بلندی پر ایک آبشار گر رہا تھا، جو پہاڑوں کے حصے کو سیراب کرتا ہوا اسی دراز میں آ جاتا تھا جو نالے کی شکل میں نیچے کی جانب چلا جاتا تھا۔ وہاں پر یہ لوگ رک گئے اور پھر ان میں سے ایک شخص نے انہیں آگے کے سفر کے بارے میں بتایا ان میں سے ایک صورتحال بتاتے ہوئے کہا۔

"یہ رسی یہاں باندھ دی جائے گی اس میں جگہ جگہ یہ لٹو لگے ہوئے ہیں جو ہاتھوں کو گرفت دیتے

میں مدد دیں گے ہم میں سے چار آدمی تمہارے ساتھ اس سرنگ کے دوسری جانب جائیں گے یہ خوف ناک آواز سن رہے ہو نا، یہ وہی جگہ ہے جہاں سے ہمیں اس پہاڑی میں داخل ہونا پڑے گا۔ وہ اس طرف دیکھئے آبشار کا پانی جھاگ اڑاتا ہوا جس سوراخ میں داخل ہو رہا ہے وہی سوراخ ہمارا راستہ ہے" کامران نے وحشت زدہ نگاہوں سے اس ہول ناک منظر کو دیکھا آبشار کا پانی خوف ناک آواز پیدا کرتا ہوا ایک چوڑے سے سوراخ میں داخل ہو رہا تھا۔ یہ تصور بھی پاگل پن ہی تھا کہ سوراخ میں داخل ہو کر اس ہول ناک پانی میں سفر کیا جاسکے لیکن یہ کرنا تھا۔

"ہم میں سے ایک آدمی اس پانی میں سفر کا عملی طریقہ بتائے گا تمہاری اجازت کی ضرورت ہے" کامران کی اجازت سے لوہے کی ایک موٹی سی سلاخ چٹان کے ایک رخنے میں گاڑ دی گئی اور رسی کا ایک سرا اس سے مضبوطی سے باندھ دیا گیا اس کے علاوہ ایک چھوٹی سی گھنٹی لٹکا دی گئی جس کے بارے میں بتایا گیا کہ جب یہ شخص اپنی منزل پر پہنچ جائے گا تو یہ رسی ہلا کر گھنٹی بجائے گا جس سے یہ اندازہ ہو جائے گا کہ وہ بغیر کسی دقت کے اپنی منزل پر پہنچ گیا ہے اور اس کے بعد اس ہول ناک سفر کا عملی مظاہرہ شروع ہو گیا۔

وہ شخص رسی پکڑ کر ہول ناک گہرائیوں میں نیچے اترنے لگا۔ وہ بڑی مہارت سے پاؤں ٹکاتا ہوا نیچے کی طرف جا رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد وہ سوراخ کے قریب پہنچ گیا چونکہ آبشار کا پانی اس سوراخ سے دوسری طرف جا رہا تھا اس لئے پانی کے بہاؤ کے ساتھ اسے داخل ہونے میں کوئی دقت نہیں ہوئی۔ ہاں اگر یہ پانی دوسری سمت سے آرہا ہوتا تو پانی کی اس سرنگ میں سفر ناممکن تھا دیکھتے ہی دیکھتے اس سرنگ نے اس شخص کو نگل لیا کامران دھڑکتے دل کے ساتھ اس ہول ناک سفر کے بارے میں سوچ رہا تھا، کوئی تین منٹ گزرے ہوں گے گھنٹی کی زور زور سے بجنے کی آواز سنائی دی اور وہ سب خوشی سے چیخنے لگے۔

پھر ان میں سے دوسرا آدمی اسی انداز میں سفر کر کے سرنگ کی دوسری طرف پہنچ گیا اس کے بعد کامران کا نمبر تھا۔ چند لمحات تو وہ الجھن کا شکار رہا لیکن اس کے بعد وہ رسی پکڑ کر نیچے کا سفر کرنے لگا، سوراخ کے قریب پانی کی خوف ناک چنگھاڑیں گونج رہی تھیں ہزاروں ٹن پانی اس سوراخ میں سے دھڑا دھڑ اتا دوسری طرف جا رہا تھا کامران نے اپنے بدن کو ڈھیلا چھوڑا اور رسی پکڑے پکڑے سوراخ میں داخل ہو گیا۔ سامنے سے بھی سوراخ بہت زیادہ کشادہ نہیں تھا۔ لیکن اندر پہنچ کر اس کا قطر بڑھ گیا ہول ناک پانی گونج پیدا کرتا ہوا کانوں کے پردے پھاڑتا ہوا برق کی سی صورت کے ساتھ دوسری طرف جا رہا تھا اور کامران کے ہوش و حواس رخصت ہوئے جا رہے تھے۔ اس وقت زندگی کی ضمانت صرف یہ رسی تھی، جس کے ذریعے اس نے اپنی رفتار پر قابو پا رکھا تھا اگر یہ رسی نہ ہوتی اور اسے مضبوطی سے گرفت میں نہ رکھا جاتا تو بیت ناک پانی اسے اس غار کی دیواروں پر دے مارتا اور اس کا جسم پاش پاش ہو جاتا۔ یہ انوکھا سفر در حقیقت دو ڈھائی منٹ سے زیادہ کا نہیں تھا رسی کے سہارے وہ دوسری طرف پہنچ گیا اور پھر اسے تقریباً چار فٹ نیچے اترنا پڑا اس کے بعد پانی کی شدت ایک دم کم ہو گئی۔ کیونکہ آگے چل کر وہ ایک ندی کی شکل میں پھیل گیا تھا اور ندی بھی اتنی کہ گھٹنے گھٹنے وہاں پانی موجود تھا۔ بات صرف اور صرف دھار کے نیچے سے نکلنے کی تھی جو غار کے سوراخ سے گر رہی تھی۔ دھار کی زد سے نکل جائے تو اس کے بعد کچھ نہیں رو سکتا تھا وہ دونوں افراد وہاں موجود تھے کامران کو

دیکھ کر وہ مسکرائے اور پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

"رسی کھینچ کر ادھر اطلاع دے دیجئے" کامران نے اس کی ہدایت پر عمل کیا اور اس کے بعد دوسری طرف سے رسی کھینچ لی گئی تھوڑی دیر کے بعد بقیہ افراد بھی یہاں پہنچ گئے۔

"آیئے ہمیں چلنا ہے"

"اور وہ پانچواں آدمی......؟"

"وہ سامان لے کر واپس چلا جائے گا" کامران اس کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ اب اس نے راستے میں بتایا کہ آگے قبائلی قبیلے موجود ہیں یہ لوگ چٹانوں کی آڑ میں سفر کرتے رہے۔ اس طرف کا منظر کافی خوب صورت تھا۔ کامران کو پتا تھا کہ اس وقت ہمالیہ کی چوٹیوں کے درمیان کسی وادی میں ہیں اور صحیح معنوں میں وہ ہمالیہ کے قیدی ہیں۔ کامران نے دیکھا کہ یہاں سبزیوں اور ترکاریوں کے کھیت پھیلے ہوئے تھے۔ اناج بھی اگایا جا رہا تھا۔ پھلوں کے باغات بھی تھے اس کا مطلب ہے کہ یہاں کے رہنے والے ضروریات زندگی سے مالا مال ہیں اور انہیں ان علاقوں میں زندگی گزارنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔ یہ مناظر دیکھتے ہوئے وہ آخر کار ایک ایسے علاقے میں پہنچ گئے۔ جہاں دور ہی سے ایک عظیم الشان چٹان نظر آتی تھی۔ یہ وہی چٹان تھی جہاں رہنما نمودار ہوتا تھا۔ اس جگہ ان کی پوجا کا مرکز تھا۔

"کیا یہ لوگ بدھ مذہب سے تعلق نہیں رکھتے؟"

"یہاں مختلف عقیدوں کے لوگ ہیں لیکن ہیں سب بدھ مست۔ آپ دھند میں لپٹی ہوئی ان پہاڑیوں کو دیکھ رہے ہوں گے۔ جو یہاں سے سرمئی بادلوں کی مانند نظر آرہی ہیں اسی جگہ یہ قبائل آباد ہیں۔"

"ہاں" کچھ دیر بعد وہ اس پہاڑی کے دامن میں پہنچ گئے۔ یہاں چھوٹے چھوٹے غار نظر آرہے تھے۔ جو جھاڑیوں میں چھپے ہوئے تھے اس میں سے ایک غار ان لوگوں کا مسکن تھا۔ یہاں باقاعدہ بندوبست تھا کامران کو ساتھ لانے والے تفصیل بتانے لگے۔ بہت وسیع اور کشادہ غار تھا جہاں جگہ جگہ چیزوں کے انبار پڑے ہوئے تھے کھانے پینے کی اشیا' بستر' درندوں کی کھالیں یہ تمام چیزیں یہاں موجود تھیں اور یہیں وہ لاشیں موجود تھیں۔ جن میں سے ایک اس شخص کی لاش تھی جو رہنما کی شکل میں اس پہاڑ کی چوٹی سے نمودار ہونے والا تھا۔

"یہ...... یہ......"

"ہاں آپ کو اس کی جگہ لینی ہوگی۔"

"ٹھیک ہے اب اس کے بعد کیا کرنا ہے؟"

"بس ہم لوگ جا رہے ہیں ہم دوسرے راستوں سے گزر کر اپنا کام جاری رکھیں گے اور جب ضرورت ہوئی تو یہاں واپس آئیں گے۔ آپ کو اسی غار میں رہنا ہوگا" کامران نے کوئی تعرض نہیں کیا۔ بہر حال ابھی کوئی صحیح فیصلہ نہیں کر پایا تھا، وہ سوچ رہا تھا کہ دیکھیں کہ آگے وقت کیا کہتا ہے۔ وہ خزانہ اس کے ذہن میں تھا اور وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اگر کوشش کر کے اس خزانے کا کچھ حصہ ساتھ لے بھی جایا جائے تو کیا اسے واپس نکالنا آسان ہوگا۔ یہاں اسے دو دن گزر گئے وہ تیسرا دن تھا جب اس نے غار سے کچھ فاصلے پر پہلی بار

کسی شخص کو دیکھا۔ یہ شخص سبزی کا ٹوکرہ کندھے پر رکھے جا رہا تھا اتفاق کی بات یہ ہے کہ اس کا پاؤں پھسلا اور اس کی ساری سبزی گر گئی۔

کامران اس سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا، بس یہ بے اختیاری ہی تھی کہ وہ اس کی جانب دوڑ پڑا اور اس نے سبزی اٹھانے میں اس شخص کی مدد کی۔ قریب پہنچ کر اس نے اس شخص کا چہرہ دیکھا اور اچانک ہی کامران کے پورے بدن میں سنسنی کی لہریں دوڑ گئیں یہ چہرہ...... یہ چہرہ...... وہ پاگلوں کی طرح اسے دیکھنے لگا۔

سبزی اٹھاتے اٹھاتے اس شخص نے بھی کامران کو دیکھا اور دفعتاً ہی اس کے حلق سے ایک عجیب، غریب آواز نکل گئی۔ یہ آواز چیخ نما تھی۔ کامران دوڑ کر آگے بڑھا اور اس نے اس شخص کے شانے جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"حسن شاہ...... حسن شاہ کیا واقعی یہ تمہی ہو حسن شاہ۔" اردو زبان استعمال کی تھی اس نے۔ اس شخص کے چہرے پر خون جمع ہو گیا۔ اس کی آنکھیں شیشے کی گولیوں کی طرح چمکنے لگیں...... پھر اس نے دونوں ہاتھ پھیلائے اور آگے بڑھ کر کامران سے لپٹ گیا۔ اس کے منہ سے نکلا۔

"کامران، یہی ہے نا تمہارا نام۔"

"تم حسن شاہ ہو۔"

"ہاں، میں حسن شاہ ہی ہوں۔"

"اوہ! میرے خدا میرا خدا۔ حسن شاہ تم زندہ ہو۔"

"ہاں۔"

"یہاں کون کون ہے تمہارے ساتھ۔ حسن شاہ یہاں کون کون ہے خدا کی قسم تمہیں دیکھ کر بس میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ میں اپنی کیفیت بیان کر سکوں۔ حسن شاہ تم ٹھیک تو ہو نا، میں تو پتا نہیں کب سے تمہاری موت کا یقین کیے ہوئے تھے۔ آہ! قدرت، بھی کیسے کیسے عجیب و غریب مناظر دکھاتی ہے حسن شاہ! کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا کہ تم مجھے کبھی زندہ مل جاؤ گے۔"

"مگر تم یہاں کیا کر رہے ہو اور کون کون ہے تمہارے ساتھ۔"

"اس وقت کوئی بھی نہیں ہے، بس تنہا ہوں۔"

"تنہا بھوت بستی میں۔"

"بھوت بستی۔"

"ہاں، آگے بھوت قبائل آباد ہیں۔"

"مجھے علم ہے ان کے بارے میں۔ ابھی تک میں ان کے درمیان نہیں گیا ہوں۔"

"لیکن میں انہی کے درمیان رہتا ہوں۔ ایک بھوت سردار کا ملازم ہوں میں۔"

"بھوت سردار کا ملازم۔"

"ہاں۔ حسن شاہ تم...... تم اس وقت سے یہیں ہو۔"

"ہاں۔"

"اوہ! میرے دوست یہ سبزی کس کی ہے کہاں لے جا رہے ہو۔"

"میرے مالک کی ہی ہے۔"

"تو پھر اب کیا کرو گے۔"

"کچھ بھی نہیں۔ حسن شاہ اب بھی وہی ہے میں تمہیں تفصیل سے اپنے بارے میں بتاؤں گا اگر تمہارے پاس وقت ہو۔ کیا تم بھی اس طرح کی کسی مشکل کا شکار ہو۔"

"نہیں یار میری مشکل کوئی اور ہے۔"

"آؤ پھر ہم لوگ ساتھ بیٹھیں۔ یہ سبزی اکٹھا کر لیں۔ ہمارے کام آئے گی۔"

"گویا واپس نہیں جاؤ گے۔"

"کون کمبخت مردود جانا چاہتا ہے۔ ہزار بار لعنت بھیجتا ہوں اس بھوت سردار پر یہ تو صرف وقت گزاری تھی اور میں یہاں سے نکلنے کے منصوبے بنا رہا تھا۔"

"بات اس وقت تک میری سمجھ میں نہیں آئے گی جب تک مجھے تفصیل نہیں بتاؤ گے۔"

"تو کہیں بیٹھ کر تفصیل سنو گے۔ ہمیں دیکھا جا سکتا ہے اکثر کبھی کبھی اکا دکا لوگ یہاں سے گزر جاتے ہیں۔ یہاں ایک غار میں میرا ٹھکانا ہے لیکن یہ میں خطرہ مول نہیں لوں گا۔ یہاں بے شمار غار پھیلے ہوئے ہیں اور پہلے میں تمہیں اپنا غار دکھاؤں سبزی اکٹھی کر کے ٹوکرے میں رکھی گئی اور کامران حسن شاہ کو لے کر اپنے اس غار میں آ گیا۔

"مائی گاڈ! یہ سب" حسن شاہ بولا۔

"ہاں میں نے کہا نا ہم دونوں کی کہانیاں خاصی طویل ہوں گی۔ مگر اس غار کے بجائے ہمیں کسی اور غار کا انتخاب کرنا ہو گا۔ کیونکہ کچھ لوگوں کا مجھ سے رابطہ ہے کسی بھی وقت وہ یہاں آ سکتے ہیں۔ تمہیں دیکھ کر انہیں حیرانی ہو گی۔"

"نہیں ہمیں یہ رسک نہیں لینا، آؤ۔" حسن شاہ نے کہا اور اس کے بعد کامران اسے لے کر کسی اور غار کی تلاش میں چل پڑا۔ حسن شاہ کے مل جانے کی جس قدر خوشی کامران کو تھی الفاظ میں بیان نہیں کی جا سکتی تھی۔ ان بھیانک حالات میں جبکہ ذہن نجانے کیسے کیسے وسوسوں کا شکار تھا۔ وہ تنہا ہونے کی وجہ سے براہ راست کوئی قدم بھی نہیں اٹھانا چاہ رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ہوسٹ مین نے اسے قربانی کا بکرا بنایا ہے۔ جن حالات میں وہ اسے پیش کرنا چاہتا تھا اس کے بعد کیا کہا جا سکتا ہے کہ صورت حال کیا ہوتی۔ قبائلی بے وقوف تو نہیں ہوتے اس بات کے بھرپور امکانات تھے کہ اگر انہیں صورت حال کا علم ہو جاتا تو وہ کامران کے خلاف بھرپور انتقامی کارروائی کرتے۔ کیونکہ ان کے راہنما کو قتل کروا دیا گیا تھا اور پھر ہوسٹ مین نے جن ذرائع سے بھی یہ کام کیا ہو۔ یہ قتل کوئی جرائم پیشہ شخص ہی کر سکتا تھا۔

دولت کے حصول کے لیے اس نے ممکن ہے اس سے پہلے بھی انسانی خون بہایا ہو۔ یہ خزانے اسی طرح انسان کو انسانیت سے دور کر دیتے ہیں۔ ممکن ہے خزانے کے حصول کے بعد وہ قاتل کچھ اور قتل کرنے کی کوشش کرتا۔ جن میں کامران کا قتل بھی شامل ہوتا۔ یہ ساری باتیں کامران نے پہلے بھی سوچی تھیں۔ لیکن

اب حسن شاہ کے مل جانے کے بعد وہ ان کا تدارک کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس لحاظ سے اسے مزید خوشی تھی آخرکار ایک غار انہیں نظر آیا یہاں غاروں کے طویل سلسلے پھیلے ہوئے تھے۔ یہ غار بھی اچھا خاصا کشادہ تھا۔ وہ لوگ اس میں آ بیٹھے۔ حسن شاہ نے کہا۔

''خدا کی قسم کبھی تصور بھی نہیں تھا کہ زندگی میں دوبارہ تم سے ملاقات ہو سکے گی کامران۔''

''حسن شاہ تم دوبارہ ملاقات کی بات کر رہے ہو۔ میں تو بڑے دکھ کے ساتھ تمہیں خدا کے سپرد کر چکا تھا۔ کیونکہ تمہاری زندگی کے امکانات بالکل نہیں تھے۔''

''ہاں، جو صورت حال پیش آئی تھی۔ وہ تو ایسی ہی تھی۔ اچھا خیر تم سناؤ، یہاں تک کیسے بھٹک رہے ہو اور تنہا کیسے ہو۔''

''لمبی داستان ہے۔''

''تو ہم اسی لیے تو یہاں آ کر بیٹھے ہیں۔''

''حسن شاہ کرنل گل نواز اور ان کی پوری ٹیم مختلف صعوبتوں سے گزرتی ہوئی یہاں تک پہنچی تھی۔''

کامران نے اپنی یادداشت کے سہارے اپنی پوری تفصیل بتائی اور حسن شاہ حیرت اور دلچسپی سے منہ کھولے یہ کہانی سنتا رہا۔ کامران نے گرشنک اور سیتا والی بات ابھی حسن شاہ کو نہیں بتائی تھی اور یہ نہیں بتایا تھا کہ اسے ایک پراسرار کردار بنانے کی کوشش کی گئی ہے اور وہ اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں کر سکا ہے البتہ موجودہ صورت حال سے اس نے حسن شاہ کو آگاہ کر دیا تھا کہ کس طرح اسے یہاں ایک خاص مقصد کے تحت لایا گیا ہے اور ہوسٹ مین اور اس کی بیٹی اس سے کیا چاہتے ہیں۔ اس نے حسن شاہ کو بتایا تھا کہ وہ خزانے تک پہنچ چکا ہے اور ہوسٹ مین نے اس کی جیب سے وہ سکے نکال لیے ہیں۔ جو وہاں سے لایا تھا۔ یہ الفاظ کہتے ہوئے اسے ذرا سی ہچکچاہٹ بھی ہوئی تھی۔ کیونکہ خزانہ ہر شخص کی کمزوری ہوتا ہے۔

وہ یہ سوچ رہا تھا کہ کہیں حسن شاہ دوبارہ اسے خزانے تک چلنے کے لیے نہ کہے۔ حسن شاہ نے پوری کہانی سنی اور اس کے بعد وہ پھیکے انداز میں مسکرانے لگا پھر بولا۔

''بہت خوب لیکن میرے دوست تم نے مجھے تو بتا دیا ہے کہ تم اس خزانے کی جگہ سے واقف ہو چکے ہو میری خواہش ہے کہ اب کسی اور کو یہ بات نہ بتانا اور جہاں تک بات رہی ہوسٹ مین کی کہ تم یہ سمجھ لو کہ یہ غیر ملکی سفید چمڑی والے کبھی کسی کے نہیں ہو سکتے۔ وہ صرف تمہیں اپنے مقصد کے لیے استعمال کر رہا ہے اور اس کی بیٹی اپنے سارے وجود کو تمہارے سپرد کر کے اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتی ہے۔''

''حسن شاہ میں جانتا ہوں لیکن کچھ اس طرح بے بس ہو چکا ہوں میں یہاں آ کر کہ میرے پاس کوئی اور ذریعہ ہی نہیں رہا۔ تم میرا یہ حلیہ دیکھ رہے ہو تو یہ اسی نے بتایا ہے تا کہ میں یہاں رہ سکوں۔''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تم میرا حلیہ دیکھو میں کون سے رنگوں میں رنگا ہوا ہوں۔ یہ سب تمہیں بے وقوف بنانے کی کوشش ہے خیر چھوڑو ان باتوں کو میرا ماننا ہے کہ میں جب اس حادثے کا شکار ہوا تو اس کے بعد عقل و خرد سے عاری ہو گیا۔ میں نہیں جانتا کہ میری یادداشت کا کتنا عرصہ گم رہا ہے میں نہیں جانتا کہ زندہ کس طرح بچا تھا اور یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کے بعد کہاں کہاں مارا مارا پھرتا رہا ہوں۔ اور تمہیں

ہنسی آئے گی کہ یہ بات اب سے صرف سولہ دن پہلے کی ہے میں ایک ایک دن گن رہا ہوں۔ میں انہیں قبائلیوں کے درمیان زندگی گزار رہا تھا اور ایک بھوت سردار کا ملازم تھا۔ بھوت سردار مجھ پر مکمل اعتبار کرتا ہے وہ؟ مجھ سے اسی طرح کام لیتا ہے کہ اچانک ایک رات میری یادداشت واپس آ گئی۔

میں سوتے سوتے جاگ پڑا میں ایک خواب دیکھ رہا تھا اور اس خواب میں میں نے اپنا ماضی دیکھا اور اس کے بعد جب میں جاگا تو میرا ماضی میرے ذہن سے محو نہیں ہوا جبش میں آنے کے بعد میں نے اپنے آپ کو یاد کیا۔ مجھے اپنا نام بھی یاد آ گیا اور وہ ساری گزری ہوئی داستان بھی جس کا تعلق مجھ سے اور تم سے تھا اور پھر باقی سب افراد سے جیسے رانا چندر سنگھ، یہ ساری کہانی مجھے یاد آئی اور اس کے بعد میں نے عقل و خرد کے ساتھ اپنے ماحول کو دیکھا۔ میرے دل میں یہی خیال تھا کہ جس طرح بھی بن پڑے موقع پاتے ہی میں یہاں سے نکلنے کی کوشش کروں اور میرے دوست بس یوں سمجھ لو کہ دو تین دن کے اندر میں یہاں سے نکل بھاگنے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ ان سولہ دنوں میں، میں نے صرف راستے تلاش کیے ہیں اور یہ کوششیں کی ہیں کہ مجھے صحیح راستے مل جائیں۔

''گویا تم کھوئی ہوئی یادداشت کے ساتھ زندگی گزارتے رہے ہو۔'' کامران نے شدید حیرت کے عالم میں پوچھا۔

''ہاں۔''

''تو اب کیا ارادہ ہے۔''

''سب سے پہلے میں تمہیں ایک مشورہ دینا چاہتا ہوں۔''

''ہاں، دو۔''

''دیکھو یہ خزانے جو ہوتے ہیں نا، میں نہیں جانتا کہ تم نے جو کچھ دیکھا ہے وہ کیا ہے۔ لیکن ان کا ایک اپنا طلسم ہوتا ہے ہم لوگ سوچ بھی نہیں سکتے کہ ان خزانوں پر کیسی کیسی روحوں کا قبضہ ہوتا ہے اور یہ روحیں بالکل نہیں چاہتیں کہ یہ خزانے مہذب دنیا میں جا کر اس طرح بٹ جائیں۔ چنانچہ انہیں کبھی نہیں لے جانے دیتیں۔ اگر ہم نے ان کا لالچ کیا اور یہ سوچا کہ اپنی دنیا میں جانے سے پہلے ہم ان کا کچھ حصہ اپنے ساتھ لے جائیں تو تم یقین کرو کہ ہم اپنی دنیا میں واپس نہیں جا سکیں گے۔ اس پر ہزار بار تھوکو اور صرف یہاں سے نکلنے کا فیصلہ کرو ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہیے اور اب جبکہ تم بتا رہے ہو کہ کرنل گل نواز بھی وطن واپس پہنچ گئے ہیں..... لازمی امر ہے کہ رانا چندر سنگھ بھی ان کے ساتھ گئے ہوں گے۔''

''ہاں یہی سنا تھا میں نے کہ کرنل گل نواز کچھ بیمار ہوئے تو رانا چندر سنگھ انہیں لے کر چلے گئے۔''

''میرے دوست ہماری واپسی ضروری ہے۔ تمہاری منت کرتا ہوں کہ ہر خیال کو ذہن سے نکال کر واپسی کے سفر کی تیاری کرو۔''

''حسن شاہ یقین کرو تمہارے یہ الفاظ سن کر مجھے بہت خوشی ہوئی اور تم یہ بالکل ٹھیک کہتے ہو کہ ان خزانوں پر پراسرار روحوں کا سایہ ہوتا ہے۔ میں خود بھی ایک ایسے ہی طلسم میں پھنس چکا ہوں اس کے بارے میں کبھی موقع ملا تو تمہیں بتاؤں گا۔ ابھی فی الحال میرا ذہن ... کچھ تفصیل سے بتانے کا نہیں۔''

"تو پھر تم میرے ساتھ چلنے کو تیار ہو۔"

"ہاں بالکل۔"

"بس تو پھر ٹھیک ہے، تین دن کا انتظار کیوں کیا جائے میں آج رات ہی تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا اور ہم یہ علاقہ چھوڑ دیں گے۔ فی الحال میں چلتا ہوں میں نے سفر کے لیے تیاریاں کی تھیں۔ میرا سامان وہیں بھوت سردار کے پاس موجود ہے ویسے ایک بات بتاؤں وہ لوگ مجھے دھوما کے نام سے جانتے ہیں۔ اور کچھ دن پہلے میں سوفی صدی دھوما تھا۔" حسن شاہ سے بہت دیر باتیں ہوتی رہیں اور اس کے بعد اس نے کہا اب مجھے چلنا چاہیے رات کے کسی بھی پہر میں اسی غار میں آ جاؤں گا۔ تم ہوشیار رہنا۔"

"کامران نے اس سے وعدہ کیا کہ وہ اسے تیار ملے گا۔ پھر وہ حسن شاہ کو چھوڑنے کے لیے باہر تک آیا۔ سبزیوں کا ٹوکرہ حسن شاہ نے اپنے سر پر رکھا اور اس کے بعد کامران اسے اس وقت تک دیکھتا رہا جب تک وہ نگاہوں سے اوجھل نہ ہو گیا اس کے رگ و پے میں ایک عجیب سی سنسنی دوڑ رہی تھی۔ بہت ہی خوف ناک راستہ طے کر کے یہاں تک پہنچا تھا اور اس کے بعد اسے جو کچھ کرنا تھا۔ وہ بھی انتہائی خوف ناک تھا۔ جس کے لیے وہ بڑی مشکل سے اپنے آپ کو تیار کر پا رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہ سب کچھ آسان نہیں ہوگا۔ وہ لوگ جو اس کے معاون تھے۔ نجانے کہاں غائب ہو گئے تھے اور اسے یہاں اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ لیکن خوش نصیبی تھی کہ وہ یہاں تک پہنچا تھا۔ اصل فیصلے تقدیر کرتی ہے اور تقدیر اس طرح اسے حسن شاہ تک پہنچانا چاہتی تھی۔ لیکن بڑی عجیب بات تھی۔ مایوسیوں کے اندھیروں میں جب روشنی چمکتی ہے تو کیسا عجیب لگتا ہے لیکن بات وہی تقدیر کی آ جاتی ہے۔

بہر حال وہ شدید سنسنی محسوس کرتا رہا اسے صرف یہ خوف تھا کہ کوئی اس تک پہنچ نہ جائے اور اسی خوف کا شکار وہ اس وقت تک رہا جب تک کہ رات گہری نہ ہو گئی۔ وہ غار میں نہیں گیا تھا۔ بلکہ باہر ہی اس راستے پر حسن شاہ کا انتظار کرتا رہا تھا۔ جس راستے پر حسن شاہ واپس گیا تھا۔ پھر رات کی دھندلاہٹوں میں اس نے کچھ دھبے متحرک دیکھے اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں دیکھنے لگا۔ تاریکی میں وہ دھبے آہستہ آہستہ نمایاں ہوتے جا رہے تھے۔ اس کے بعد کامران کو محسوس ہوا کہ وہ دو جانور ہیں۔ جنہیں کوئی لگام سے پکڑ کر گھسیٹتا ہوا لا رہا ہے۔ حسن شاہ نے اپنے انتخابات کے بارے میں بتایا تھا۔ یقیناً آنے والا حسن شاہ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ آخر کار آنے والا نمایاں ہوتا چلا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد حسن شاہ اس کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے بھی غالباً کامران کو کھڑے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

"تم تیار ہو۔"

"ہاں۔" کامران نے جواب دیا۔ وہ ان جانوروں کو دیکھ رہا تھا جو ان علاقوں کے مخصوص جانور تھے۔ یہ یاک کہلاتے ہیں..... دونوں یاکوں پر تھوڑا تھوڑا سامان لدا ہوا تھا۔ حسن شاہ نے کہا۔

"یہ صرف کھانے پینے کی چیزیں ہیں اور ان جانوروں کی خوراک بھی ایک مخصوص جگہ تک ہمیں انہی کے ذریعے پہنچنا ہوگا اور اس کے بعد ہم ایک بار پھر ایک سنسنی خیز سفر کریں گے۔"

"سنسنی خیز کیوں۔" کامران نے سوال کیا۔

"اس لیے کہ ان علاقوں کو عبور کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی کاغذات تو ہیں نہیں۔"

"اوہ۔" کامران نے پر خیال انداز میں گردن ہلائی۔ یاکوں کا یہ سفر بھی زندگی کا ایک دلچسپ تجربہ تھا۔ حالانکہ یہاں بے شمار افراد یہ ذریعہ سفر اختیار کرتے تھے۔ لیکن کامران کو کبھی ایسے کسی سفر کی نوبت نہیں آئی تھی۔ حسن شاہ نے اسے ان جانوروں پر بیٹھ کر سفر کرنا سکھایا اور اس کے بعد یاک مخصوص راستوں پر دوڑنے لگے۔" حسن شاہ نے کہا کہ یہ سفر ساری رات کرنا ہوگا اور صبح کسی ایسی جگہ گزاری جائے گی جہاں انسانوں کی نگاہوں سے چھپنے کا بندوبست ہو سکے۔

بہر حال یاک دوڑتے رہے راستے میں کوئی خاص بات نہیں کی گئی تھی۔ ویسے بھی ان پر خطر راستوں کو عبور کرنا ایک مشکل کام تھا۔ پھر ساری رات کا سفر گزر گیا اور صبح کی روشنی نمودار ہو گئی۔ کافی فاصلے پر گہرائیوں میں ایک بستی نظر آ رہی تھی۔ حسن شاہ نے اس بستی کو دیکھ کر کہا۔

"ہمیں اس سے بچ کر نکلنا ہوگا۔ ایسی چھوٹی چھوٹی بستیاں ہمیں راستے میں ملیں گی اور اس وقت تک ہمیں احتیاط کرنا ہوگی جب تک کہ ہم کسی باقاعدہ شہر تک نہ پہنچ جائیں۔ جو کچھ بھی کرنا ہے کرتے رہو یار زندگی اس طرح بے وقعت ہو کر میری نگاہوں کے سامنے آئی ہے کہ اب مجھے کسی چیز کی کوئی خاص پرواہ نہیں رہی ہے۔ میں تمہیں بتاؤں حسن شاہ کہ موت اس طرح میرے ساتھ ساتھ سفر کرتی رہی ہے کہ عام حالات میں کبھی خواب میں بھی یہ نہیں سوچ سکتا تھا۔ لیکن اس بات پر پورا یقین ہے کہ جب تک آسمان سے فیصلے نہ ہو جائیں کچھ ہوتا نہیں ہے چاہے حالات کتنے ہی مشکل کیوں نہ ہو جائیں۔"

"شعور یہ تو ہمارا ایمان ہے اور اس ایمان سے بھلا کون منکر ہو سکتا ہے۔"

"کیا خیال ہے؟ رات بھر کے سفر نے تھکا تو نہیں دیا۔"

"نہیں، اگر تم..... چلتے رہنا چاہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے، کامران نے جواب دیا۔ وہ دو یاک لے کر آیا تھا۔ ان پر خاص ساز و سامان لدا ہوا تھا۔ حسن شاہ نے کہا کہ سفر کا آغاز ابھی سے کر دینا چاہیے ہماری ضرورت کی تمام چیزیں لے آیا ہوں۔ بہر حال کامران نے حسن شاہ کی بات پر فوراً عمل کیا اور آخر کار یہ لوگ وہاں سے چل پڑے نجانے کب تک یہ سفر جاری رہا۔ وہ اس وقت تک چلتے رہے جب تک کہ انہیں ایک ریلوے لائن نظر نہیں آ گئی۔ ریلوے لائن اس وقت زندگی کا پیغام محسوس ہوئی تھی۔

"اس ریلوے لائن کی موجودگی یہ بات ظاہر کرتی ہے کہ ہم مہذب آبادیوں کے قریب پہنچ گئے ہیں۔"

"ہاں یقینی طور پر ہمیں کسی ایسی منزل تک لے جائے گی جہاں سے ہم آگے کے سفر کا آغاز کریں گے۔" اور ایسا ہی ہوا، صبح ہو گئی تھی۔ سورج چڑھ چکا تھا جب انہیں ایک ریلوے اسٹیشن نظر آیا۔ یاک ریلوے اسٹیشن سے کافی دور چھوڑ دیے گئے تھے اور زندگی کے ایک نئے مرحلے کا آغاز ہو گیا تھا۔ دیار غیر میں کاغذات وغیرہ کی عدم موجودگی میں انہیں اپنی منزل کا سفر کرنا تھا اور اس سفر میں انہیں کیا کیا مشکلات پیش آئیں۔ یہ ایک طویل اور اکتا دینے والی داستان تھی۔ لیکن اس بات کا اظہار کے انسان اگر جد و جہد کرے تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔ وہ اسمگل بھی ہوئے اور اسمگلروں کے ساتھ انہیں سرحد عبور کرتے ہوئے شدید گولیوں کی بوچھاڑ کا سامنا بھی کرنا پڑا لیکن تقدیر انہیں ان کی منزل تک پہنچانا چاہتی تھی۔ حالانکہ کامران بے شمار

رکھ دیں اپنے پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ نجانے کون کون اس کا ضرورت مند تھا۔ نجانے کیا کہانیاں اسے سنائی گئی تھیں۔ کہیں اسے پاتال پرستی کہا جاتا تھا اور کہیں کہا جاتا تھا کہ کسی سردھانی اس کا انتظار کر رہی ہے۔ لیکن یہ سردھانی کون تھی اور کامران سے اس کا کیا واسطہ تھا یہ بات کم از کم کامران کے لیے ناقابل فہم تھی۔

زندگی کا یہ رخ کسی بھی طرح اس کے لیے نہیں تھا۔ صرف ایک شخص نے کہا تھا کہ ہوسکتا ہے کوئی بہت بڑی غلط فہمی کام کر رہی ہو اور وہ اس کا شکار ہو۔ بہرحال وہ اپنے ملک کی سرحدوں میں داخل ہو گئے۔ یہاں پہنچ کر حسن شاہ نے سجدہ شکر ادا کیا اور بولا۔

"دراصل کسی بھی مسئلے میں بہت زیادہ تشویش اور حفاظتی کوششیں فائدہ دینے کے بجائے نقصان دیتی ہیں۔ مجھے معاف کرنا کامران یہ میرا نظریہ فکر ہے کہ جب اپنی کوششیں ناکام ہو جائیں اور کوئی ایسا مرحلہ سامنے آ جائے جس کا کوئی حل تمہارے پاس نہ ہو تو خود کو تقدیر کے دھارے پر چھوڑ دو اور آسمانوں کے فیصلے کا انتظار کرو۔ کامران نے اس بات سے اتفاق کیا تھا۔ راستے میں کئی بار حسن شاہ نے کامران کی شخصیت پر بھی تبصرہ کیا تھا۔

"یار معاف کرنا جب میں اور تم یہاں سے باہر نکلے تھے تو تمہاری شخصیت بالکل مختلف تھی۔ لیکن کامران میرا تجربہ ہے زندگی کے بارے میں اچھا خاصا۔ تم بہت تبدیل ہو چکے ہو۔ یوں لگتا ہے جیسے تمہارے اندر بے پناہ پراسرار قوتیں بیدار ہو گئی ہوں۔" کامران نے ہنس کر بات ٹال دی تھی۔ لیکن بہرحال سوچوں میں ضرور ڈوبا ہوا تھا اور اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس کی شخصیت کی یہ تبدیلیاں آگے کیا رنگ لائیں گی۔"

بہرحال حسن شاہ کو ساتھ لے کر وہ وہاں پہنچا تھا۔ جہاں کرنل گل نواز کا ٹھکانا تھا یہاں آنے کے بعد حسن شاہ نے کہا تھا کہ عارضی طور پر انہیں کسی ہوٹل میں قیام کر کے اپنا حلیہ وغیرہ درست کر لینا چاہیے اور یہ بات کامران بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ جو تبدیلیاں ان لوگوں میں رونما ہو چکی ہیں اور جو حلیہ ان کا بن چکا ہے کرنل گل نواز کی کوٹھی میں وہ حیرانی کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔ اس نے حسن شاہ سے اتفاق کیا تھا۔ حسن شاہ نے ہی پیسوں وغیرہ کا انتظام کیا تھا۔ نئے لباس خریدے گئے تھے اور حلیہ سنوارا گیا تھا۔

بہرحال بالکل مہذب لوگوں کے انداز میں وہ لوگ کرنل گل نواز کی کوٹھی میں پہنچے تھے اور وہاں پہنچتے ہی ہنگامہ ہو گیا تھا۔ شاہنواز، ثانیہ، فرخندہ، گھر کے تقریباً تمام ہی افراد ان کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ ان کامران نے بالکل بے خیالی کے انداز میں پوچھا تھا۔

"وہ کرنل صاحب کی طبیعت کیسی ہے۔"

"کیا۔" شاہنواز کا منہ حیرت سے کھل گیا اور کامران کے ذہن کو ایک شدید جھٹکا لگا۔ شاہنواز کے سوالیہ انداز نے اسے بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔ تاہم اس نے بے تکلفی سے پوچھا۔

"میں کرنل صاحب کی بات کر رہا ہوں کرنل گل نواز۔"

"کہاں ہیں ڈیڈی۔" شاہنواز نے سوال کیا۔

"اوہو۔ شاید وہ ابھی تک یہاں نہیں پہنچے۔ ہم جلدی آ گئے مجھے خود احساس تھا۔ یہ حسن شاہ کے الفاظ تھے۔"

"مگر ہوا کیا؟ سب لوگ واپس آ گئے؟" شاہنواز نے سوال کیا یہ بات فوراً ہی سمجھ میں آ گئی تھی کہ کرنل گل نواز اور ان کا گروپ ابھی تک یہاں نہیں پہنچا ہے۔ ان لوگوں کو تشویش میں ڈالنے کے بجائے حسن شاہ نے فوراً ہی بات کو سنبھال لیا تھا۔ وہ سب اس سے طرح طرح کے سوال کرنے لگے۔

"ہاں ہم لوگ جس مہم پر گئے تھے۔ اس میں درمیان میں کچھ ایسی مشکلات پیش آ گئیں کہ کرنل صاحب نے واپسی کا فیصلہ کر لیا۔ کچھ دوست وہیں رہ گئے۔ لیکن کرنل صاحب رانا چندر سنگھ وغیرہ واپس آ گئے وہ ہم سے پہلے چل پڑے تھے۔ کیونکہ ہم کو وہاں پر بہت انتظام کرنے تھے۔ لیکن انہیں راستے میں کئی جگہ رکنا بھی تھا۔ جبکہ ہم ان کے بعد میں چلنے کے باوجود تیز رفتاری سے سفر کرتے ہوئے واپس پہنچ گئے۔"

"کوئی تشویش کی بات تو نہیں ہے۔" شاہنواز نے سوال کیا۔

"نہیں بالکل نہیں، آپ لوگ مطمئن رہیں یا وہ آنے والے ہی ہوں گے۔ ہوسکتا ہے ایک دو ہفتے لگ جائیں۔" حسن شاہ نے کہا۔ کامران نے اس دوران مکمل خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

"میں تھوڑا سا آرام کر لوں۔" حسن شاہ کے ساتھ تنہائی ملتے ہی کامران نے کہا۔

"یار بڑی گڑبڑ ہو گئی اب صرف ایک ہی گنجائش رہ جاتی ہے وہ یہ کہ رانا چندر سنگھ کا محل بھی دیکھ لیا جائے ہوسکتا ہے کہ کرنل گل نواز زیادہ بیمار ہو گئے ہوں۔ اور ان لوگوں کو پریشان نہ کرنے کی وجہ سے رانا چندر سنگھ کرنل گل نواز کو اپنے محل لے گئے ہوں۔"

"تو پھر میرا خیال ہے کہ وہیں چلنا چاہیے۔"

"ہاں ان لوگوں کو تھوڑا سا اطمینان دلا دیا جائے۔" کامران نے ہی شاہنواز سے بات کی تھی۔

"میں کرنل صاحب ہی کے دیے ہوئے ایک کام سے جا رہا ہوں شاہنواز۔ اس دوران اگر کرنل صاحب آ جائیں تو آپ صرف ان سے اتنا کہہ دیں کہ میں آپ ہی کے کام گیا ہوا ہوں۔ واپس آ جاؤں گا۔"

"یار مگر مجھے تو تم سے بہت سی باتیں کرنی تھیں۔ ابھی ایک دو دن آرام تو کر لو۔"

"کرنل صاحب کے حکم کی تعمیل تو میں نے ہر کام سے پہلے کی ہے۔ شاہنواز اور اب بھی میں یہی چاہتا ہوں کہ انہیں مجھ سے کوئی شکایت نہ ہو۔"

"واپسی کب تک ہو جائے گی۔"

"جلد سے جلد تم بے فکر رہو۔" کامران ان لوگوں کو جھوٹی تسلیاں دے کر وہاں سے حسن شاہ کے ساتھ چل پڑا اور اس کے بعد ان کی دوسری منزل رانا چندر سنگھ کا محل تھا لیکن یہاں بھی ان کو مایوسی کا منہ دیکھنا پڑا۔ رانا چندر سنگھ بھی واپس نہیں پہنچا تھا۔ حالانکہ یہ لوگ کافی دن پہلے چل پڑے تھے۔ تمام صورت حال کارندوں کے ذریعے حسن شاہ کو معلوم ہوئی تھی۔ یہاں آ کر حسن شاہ نے رائے دی۔

"میرا خیال ہے وہ کسی بہت بڑے حادثے کا شکار ہو چکے ہیں۔" کامران بھی افسوس میں ڈوبا ہوا تھا اس نے کہا۔

"یہ تو بڑا مسئلہ ہو گیا اب کیا کیا جائے۔"

"نہیں۔ میں ان لوگوں کا سامنا نہیں کر سکتا۔ بھلا میں انہیں کیا جواب دوں گا وہاں تو وہ سب مجھ

پر اس طرح اعتبار کرتے ہیں کہ میرا کہا ہوا ان کے لیے حرفِ آخر ہوتا ہے۔ مگر میں کرنل گل نواز کا پتا بھی نہیں لگا سکتا کیا کہوں گا ان سے۔ حسن شاہ سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ پھر اس کہا۔

"تب پھر ایک ترکیب ہو سکتی ہے ہم لوگ یہیں رہ کر ان کا انتظار کریں ظاہر ہے اب ہمارے پاس وہ ذرائع تو نہیں ہو سکتے کہ ہم فوراً ہی ان علاقوں میں واپس چلے جائیں۔ تاممکن ہے یہ۔ میں یہاں رکوں اور تم وہاں چلے جاؤ رانا چندر سنگھ پہلے آ ئے تو میں تمہیں اس بارے میں اطلاع دوں گا اور اگر کرنل صاحب آ جائیں تو تم مجھے بتاؤ گے قیام کسی ہوٹل وغیرہ میں بھی کر سکتے ہو۔"

"وہ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

"ایک بات بتاؤ کامران۔"

"سمجھ رہا ہوں تم کیا پوچھو گے، پیسوں کے بارے میں پوچھ رہے ہو نا۔ لاکھوں روپے میرے بینکوں میں پڑے ہوئے ہیں جو کرنل صاحب نے مجھے تنخواہ کے طور پر ادا کیے تھے۔ کوئی مصرف ہی نہیں تھا ان کا میرے پاس۔ پیسوں کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

"میں یہیں محل میں رہوں گا۔ تم جب چاہو یہاں آ سکتے ہو اور جب چاہو مجھ سے رابطہ قائم کر سکتے ہو۔ مجھے وہاں جا کر اپنے ہوٹل کے بارے میں بھی بتا دینا۔" کامران واپس آ گیا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے کرنل گل نواز کی کوٹھی کی طرف جاتا تو بے شمار سوالیہ نگاہیں اس کا استقبال کرتیں اور ان سے ہزاروں سوالات کیے جاتے۔ پھر نجانے ان کا ردِعمل کیا ہوتا۔ وہ وہاں جانے سے بچ رہا تھا۔ حالانکہ دل اندر سے کہہ رہا تھا کہ ان لوگوں کو بھی تسلی دینا اور حقیقتِ حال سے آگاہ کرنا ضروری ہے تاکہ وہ ذہنی طور پر کسی بھی واقعے کے لیے تیار رہیں۔ بات وہی تھی کامران کی فطرت میں وفا شعاری تھی اور اندر سے وہ ایک انتہائی نیک نفس انسان تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ یہ لوگ دکھی ہوں۔ بلکہ اب تو اسے یہ احساس بھی ہو رہا تھا کہ بغیر معلومات کیے اسے کرنل گل نواز کی کوٹھی میں نہیں جانا چاہیے تھا۔

کم از کم وہ لوگ اس احساس کا شکار رہتے کہ کرنل باہر ہے اور اپنی مہم جوئی میں مصروف ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کرنل آخر گیا کہاں۔ اس بارے میں کس سے معلومات حاصل کرے۔ اپنے آپ کو پوشیدہ بھی رکھنا تھا لیکن ہوٹل میں دل بھی نہیں لگ رہا تھا۔ بہرحال یہ اس کا اپنا شہر تھا۔ کافی واقفیت حاصل ہو چکی تھی اس کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی کہ وہ شاہنواز وغیرہ کے پاس جا کر ان سے باتیں کرے۔ اس دن گھومنے پھرنے نکل گیا اور بس یونہی آوارہ گردی کرتا ہوا میوزیم کے سامنے جا پہنچا یہ میوزیم بے مثال تھا اس سے پہلے کامران یہاں کبھی نہیں آیا تھا۔

لیکن ایک بار ثانیہ اور فرخندہ اس میوزیم کی تعریفیں کر رہی تھیں۔ بس یونہی وقت گزاری کے لیے وہ ٹکٹ خرید کر میوزیم کی عمارت میں داخل ہو گیا۔ وہ مختلف مرحلوں سے گزرتا ہوا ایک ایسے حصے میں پہنچ گیا جہاں ہمالیائی مذاہب کے بارے میں دستاویزات تصویریں، مجسمے اور آثارِ قدیمہ سے ملنے والے بہت سے نوادرات موجود تھے۔ نجانے کیوں بدھ مذہب سے متعلق چیزیں دیکھتے ہوئے ایک عجیب سا احساس ہوا تھا۔ غالباً یہ پچھلے گزرے ہوئے وقت کی بات تھی کیونکہ وہ ان دنوں وہیں زیادہ وقت گزارتا رہا تھا۔

چنانچہ اسے اس سے دلچسپی ہوتی اور وہ کافی دلچسپی سے ان تمام چیزوں کو دیکھنے لگا۔ دفعتاً اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے عقب میں کوئی کھڑا ہوا ہے۔ وہ بے اختیار چونک کر پلٹا اور حیران رہ گیا۔ سنہرے بالوں والی وہ حسین لڑکی ایک عجیب و غریب شخصیت رکھتی تھی۔ اس کا رنگ گندمی اور بے حد ملاحت لیے ہوئے تھا۔ لیکن سر کے بال سنہرے تھے۔

"ہیلو۔" وہ مسکرائی۔

"ہیلو۔" کامران نے بھی بے اختیار کہا۔

"بہت دیر سے آپ کو دیکھ رہی ہوں سر! براہ کرم محسوس نہ کریں میرا نام نیرینہ ہے۔ نیرینہ علی ویسے تو میں برٹش ہوں لیکن میرے فادر مصری تھے۔ اس طرح سے ہم مذہباً مسلمان ہیں۔ مجھے بدھ مت سے بڑی دلچسپی ہے اور میں اس سلسلے میں تحقیق کرتی پھر رہی ہوں۔ جہاں جہاں میرے وسائل مجھے لے جا سکتے تھے میں جا چکی ہوں۔ ہر جگہ سے مجھے جو تھوڑی بہت معلومات حاصل ہو جاتی ہیں انہیں میں اپنے پاس ریکارڈ کے طور پر رکھ لیتی ہوں۔ اس میوزیم میں واقعی بڑا عظیم خزانہ بدھ مذہب سے متعلق موجود ہے۔ آپ اتنی دلچسپی سے ان چیزوں کو دیکھ رہے تھے تو مجھے احساس ہوا کہ آپ بھی بدھ مذہب سے دلچسپی رکھتے ہیں۔"

"ہاں ایسی ہی بات ہے، مجھے واقعی بدھ مذہب سے بڑی دلچسپی ہے۔"

"اور ایک چیز ہوتی ہے کباب اور دوسری ہوتی ہے ہڈی، کباب میں اگر ہڈی داخل ہو جائے تو کباب کا مزہ بری طرح خراب ہو جاتا ہے۔ مجھ سے ملیے میں ہڈی ہوں۔" ایک اور نسوانی آواز سنائی دی۔ اور میں اور نیرینہ دونوں پلٹ پڑے۔ صاف پتا چلتا تھا کہ وہ مشرقِ بعید کے کسی علاقے کی ہے۔ اس نے کہا۔

"جی ہاں، میرا تعلق تھائی لینڈ سے ہے اور آپ مجھے رتھا کہہ سکتے ہیں اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ مجھے رتھا کیوں کہیں گے۔ تو میں آپ سے عرض کر چکی ہوں کہ ہڈی بھی ایک چیز ہوتی ہے آپ لوگوں کی گفتگو آپ یقین کیجیے جان بوجھ کر نہیں سنی میں نے بلکہ میں اس ریک کے دوسری طرف تھی اور جھک کر ان مجسموں کو دیکھ رہی تھی جو ریک کے نچلے حصے میں ہیں کہ آپ کی باتیں میرے کانوں میں پڑیں وہ ایسے لوگ جو میرے ہم ذوق ہوں میری توجہ کا باعث بن ہی سکتے تھے۔ البتہ آپ ذرا لہجہ خشک بنا کر کہہ سکتے ہیں کہ مس رتھا براہ کرم آپ ہمیں ذرا تنہا چھوڑ دیجیے۔ کامران تو کچھ نہ بولا لیکن نیرینہ ہنس پڑی پھر اس نے کہا۔

"ہم ذوق لوگ نظر انداز تو نہیں کیے جا سکتے۔ اچھا اب یہ بتائیے مسٹر آپ نے تو اپنا نام تک نہیں بتایا۔"

"میرا نام کامران ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"بہت بہت شکریہ مجھے اس لفظ کے معنی معلوم ہیں۔ یعنی کامیاب اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپ زندگی کے ہر مشن میں کامیاب ہوں گے۔ رتھا نے کہا۔ نیرینہ کہنے لگی۔

"اب ہم اس طرح مل گئے ہیں تو کیوں نہ کہیں ایک ساتھ بیٹھ کر کافی پی جائے۔ میں آپ دونوں کو دعوت دیتی ہوں۔"

"ارے..... ارے..... ارے میں ہڈی نہیں بنوں گی کیا۔"

"نہیں مس رتھا آپ کا خیال غلط ہے۔ آپ کسی بھی شکل میں ہڈی تو نہیں ہیں۔"

''تب پھر شکریہ میں...... مس نیر ینہ کی کافی کی دعوت قبول کرتی ہوں۔'' کامران ان دونوں لڑکیوں کے ساتھ باہر نکل آیا۔ پھر کچھ دیر کے بعد وہ ایک کیفے میں جا بیٹھے۔ نیرینہ نے کافی کا آرڈر دے دیا تھا۔

''بعض اوقات اس طرح دوستیاں ہو جاتی ہیں اور ایسے ہو جاتی ہیں کہ زندگی بھر چلتی ہیں۔''

''ویسے آپ لوگ کیا کرتے ہیں اپنا اپنا تعارف تو کرائیے۔''

''بس میرے ڈیڈی کاروبار کرتے ہیں اور میں سیر و سیاحت۔'' نیرینہ نے کہا۔

''اور میں کچھ نہیں کرتی۔ کچھ نہیں کرتی۔ میرے اہل خانہ تھائی لینڈ میں ہیں اور میں یہاں تعلیم حاصل کر رہی ہوں۔'' کامران نے چونک کر نیرینہ کو دیکھا تھا۔ نیرینہ نے کامران سے کچھ اور کہا تھا لیکن جب کامران نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا تو اسے لگا جیسے نیرینہ اسے اس مسئلے میں خاموش رہنے کا اشارہ کر رہی ہو۔ کامران نے بہرحال اس بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی۔ البتہ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ یہ کیفیت ذرا اجنبی اجنبی ہی ہے اسے بہت زیادہ لڑکیوں کی قربت حاصل نہیں رہی تھی۔ حالانکہ اس مہم کے دوران کچھ ایسے کردار اس کے قریب آئے تھے جنہوں نے اپنے جال میں پھانسنے کی کوشش کی تھی لیکن فطری طور پر کامران ذرا مختلف قسم کا نوجوان تھا۔ وہ اس جال میں نہیں پھنسا تھا۔ ہاں اگر کوئی کردار اس کے ذہن کے پردے کو چھوتا تھا تو وہ صرف سیتا تھی۔ گرشک اور سیتا کے لیے اس کے دل میں اب بھی بڑی جگہ تھی اور وہ اکثر اس کے بارے میں سوچتا رہتا تھا۔

نجانے وہ دونوں کہاں غائب ہو گئے اور نجانے اس طرح واپس آ جانے سے ان کے اپنے معاملات پر کیا اثر پڑا لیکن یہ کوئی بات نہیں تھی وہ ان کے لیے مجبور تو نہیں تھا۔ جو کچھ بھی ہو رہا تھا وہ بالکل غیر فطری بات تھی۔ بہرحال کافی دیر تک یہ لوگ باتیں کرتے رہے اور اس کے بعد کامران ہی نے ان سے اجازت مانگی۔

''بڑی اچھی کمپنی رہی آپ لوگوں سے، ہو سکتا ہے کبھی دوبارہ ملاقات بھی ہو جائے۔'' نیرینہ تو کچھ نہ کہا لیکن ریتھا اسے غور سے دیکھتی ہوئی بولی۔

''ہو سکتا ہے کیا؟ ہونا چاہیے۔''

''ہاں کیوں نہیں۔ کبھی کبھی ملنے میں کوئی حرج نہیں ہے آپ کا قیام کہاں ہے مسٹر کامران۔''

''ایک ہوٹل میں رہتا ہوں۔'' کامران نے اپنے ہوٹل کا نام بتاتے ہوئے کہا۔

''گڈ، جب گھر نہیں ہے آپ کا۔''

''ہاں گھر نہیں ہے۔'' کامران نے جواب دیا۔

''اوہ، سوری میں کچھ زیادہ ہی کرید میں پڑ گئی سوری...... سوری'' نیرینہ کو شاید خود اپنی حماقت کا احساس ہو گیا تھا۔ جاتے ہوئے ریتھا نے اسے گہری نگاہوں سے دیکھا پھر آہستہ سے بولی۔

''آپ سے ضرور ملاقات ہوگی مسٹر کامران۔''

''ہاں کیوں نہیں۔'' کامران نے جواب دیا اور اس کے بعد وہ وہاں سے واپس آ گیا۔ لڑکیوں کی موجودگی سے اسے تھوڑی سی بہتر کیفیت کا احساس ضرور ہوا تھا۔ لڑکیاں خاصی دلچسپ تھیں۔ بس ان کے

درمیان رابطہ اسی شکل میں تھا کہ وہ بدھ مذہب سے دلچسپی رکھتی تھیں۔ باقی اور کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی۔ لیکن دوسرے دن شام کو ساڑھے پانچ بجے کے قریب جب وہ لباس وغیرہ تبدیل کر کے باہر نکلنے کی تیاری کر رہا تھا کہ کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی اور وہ اس طرف دیکھنے لگا۔

''کون ہے آ جاؤ دروازہ کھلا ہوا ہے۔'' ویٹر کے علاوہ کون ہو سکتا تھا۔ یہاں اس کے ملاقاتی وغیرہ نہیں آتے تھے۔ لیکن دروازہ کھول کر جو شخصیت اندر داخل ہوئی اسے دیکھ کر کامران بری طرح چونک پڑا۔

''سوری...... میں نے کہا تھا ناں کہ ہماری یہ ملاقات آخری ملاقات نہیں ہوگی۔'' ریتھا نے کہا اور کامران کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''ہیلو! مس ریتھا آپ کو یہاں کا پتا کیسے مل گیا۔''

''ارے آپ نے ہی تو بتایا تھا۔''

''اوہ، ہاں واقعی۔''

''اب جہاں بھی جانے کا ارادہ آپ کر رہے ہیں میں جانتی ہوں کہ وہ کوئی سوچی سمجھی جگہ نہیں ہے آئیے چلتے ہیں۔''

''کہاں۔'' کامران نے سوال کیا اور ریتھا نے اسے گہری نگاہوں سے دیکھا پھر بولی۔

''پوچھنا ضروری ہے۔'' کامران نے گہری نگاہوں سے ریتھا کو دیکھا پھر بولا۔

''آئیے۔'' اسے یہ اندازہ ہونے لگا تھا کہ ریتھا کسی غلط فہمی کا شکار ہے لیکن بہرحال چونکہ خود بھی اس کا کوئی خاص مقصد نہیں تھا۔ بس ایک عجیب سا وقت گزار رہا تھا۔ کرنل گل نواز کا انتظار تھا اسے بہت عرصہ ہو گیا تھا اسے ان علاقوں سے چلے۔ اگر وہ لوگ خیریت سے ہیں تو انہیں اب تک پہنچ جانا چاہیے یا پھر کرنل ان لوگوں کو چکر دے کر کہیں اور آگے بڑھ گیا ہے۔ ایسی صورت میں تھوڑی سی غلطی ہوگی۔ حسن شاہ کا ملنا تو بہت ہی اچھی بات تھی۔ حسن شاہ ایک شاندار شخصیت تھی اور صحیح معنوں میں کامران کا دل اس سے ملا تھا۔ اگر وہ وہاں سے آگے بڑھ جاتے اور اپنے معاملات میں مصروف رہتے تو حسن شاہ کی موجودگی بہت ہی کامیابیوں کی ضامن ہو سکتی تھی۔ لیکن یہ خیال بھی درست نہیں تھا کیونکہ کرنل گل نواز کے بارے میں یہ پتا چلا تھا کہ وہ بیمار ہو گیا ہے۔ ایسی حالت میں وہ کرنل گل نواز سے دور بھی نہیں رہ سکتا تھا۔

جہاں تک خزانوں کا معاملہ تھا۔ تو کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ واحد شخصیت ہے جس نے دنیا کے عظیم الشان خزانے کا نظارہ کیا ہے جس کے بارے میں سوچ کر ہی انسان اپنا ذہنی توازن کھو سکتا ہے۔ بہرحال یہ راز اس نے حسن شاہ کو بھی نہیں بتایا تھا۔ ایسی باتیں بتانے کے لیے نہیں ہوتیں۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ اگر کرنل گل نواز اسے مل جاتا تو وہ کرنل ہی کو اس خزانے کے بارے میں تفصیل بتا سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے کرنل دوبارہ اس مہم جوئی پر آمادہ ہو۔ لیکن کرنل ہی موجود نہیں تھا۔ اس کا انتظار کر لیا جائے ورنہ اس کے بعد زندگی کے دوسرے رخ تلاش کیے جائیں۔ جہاں خزانے کا تعلق تھا۔ نجانے کیوں کامران کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں محسوس ہو رہی تھی۔

محنت اور جدوجہد تو زندگی کی ضامن ہے۔ دولت کے انبار جمع کر لو لیکن صحت اور خوشی نہ ہو تو اس دولت کا کیا کیا جائے اور ویسے بھی اسے کوئی تجربہ نہیں تھا اس سلسلے میں لوگوں کا کہنا ہے کہ اگر دولت ہو تو باقی

کسی شے کی حاجت نہیں رہتی۔ بہر حال یہ سب بعد کے معاملات تھے۔ رنتھا کے ساتھ وہ باہر نکل آیا اور بولا۔

"ہاں آپ نے بڑی جرات سے کام لیا ہے مس رنتھا اب بتایئے کہاں چلیں۔"

"اپنے آپ کو مجھ پر چھوڑ دو میں تمہیں لیگون کلب لے جاؤں گی۔"

"یہ لیگون کلب کیا ہے۔"

"بس بے آؤ۔" اس نے رنتھا سے تعاون کیا۔ رنتھا اسے جس کلب میں لے گئی وہ واقعی دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ شہر سے کافی دور، حالانکہ کامران نے شہر میں بہت وقت گزارا تھا۔ لیکن اس طرف وہ کبھی نہیں آیا تھا۔ یہ کلب ایک نواحی علاقے میں ایک دریا کے کنارے واقع تھا۔ اتنی پرفضا اور اتنا حسین مقام کہ دیکھنے والی آنکھ دیکھے تو وہاں کی گرویدہ ہو جائے۔ کلب کی وسیع و عریض عمارت میں طرح طرح کی دلچسپیاں پیدا کی گئی تھیں۔

رنتھا نے ایک میز سنبھال لی۔ کامران وہاں کا ماحول دیکھنے لگا۔ رنتھا بولی۔

"پہلے آئے ہیں مسٹر کامران! یہاں۔"

"کبھی نہیں۔"

"مجھے اندازہ تھا۔"

"آپ کو کون سی چیز کا اندازہ ہے رنتھا۔" کامران نے پرمزاح انداز میں سوال کیا۔ رنتھا مسکرا کر رہ گئی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ پھر وہ بولی۔

"میں چاہتی ہوں مسٹر کامران کہ آپ مجھے اپنی زندگی کے کچھ دن دے دیں۔"

"کچھ دن۔"

"ہاں۔"

"وجہ۔"

"بس آپ مجھے بہت اچھے لگے ہیں۔"

"اچھے لگنے کا مطلب یہ تو نہیں ہے......"

"نہیں کوئی ایسی بات نہ کریں جو دل شکنی کا باعث ہو۔ تھوڑا سا ملتے رہیں مجھ سے۔ آیئے میں آپ کو اپنا گھر دکھاتی ہوں۔" میرا مطلب ہے یہاں سے اٹھنے کے بعد......او ہو یہ ڈفر کہاں سے آ گیا۔ رنتھا نے کہا۔ آنے والا غالباً کسی افریقی ملک کا باشندہ تھا۔ سیاہ فام بھدے نقوش کا مالک لیکن بڑا اچھا تن و توش، بڑا کسرتی و ورزشی جسم نظر آ رہا تھا۔

"ہیلو رنتھا، ہیلو مسٹر میرا نام رینڈی ہے، رنتھا یہ کون ہیں۔"

"ایک منٹ......ایک منٹ......ٹھہرو کیا تم نے یہاں بیٹھنے کی اجازت لی ہے۔" رنتھا نے رینڈی کو کرسی گھسیٹتے ہوئے دیکھ کر کہا اور وہ چونک پڑا اس کے چہرے پر شرمندگی کے آثار نظر آنے تھے پھر وہ بولا۔

"سوری......کیا میں یہاں بیٹھ سکتا ہوں مس رنتھا؟"

"نہیں ہم لوگ پرائیویٹ گفتگو کر رہے ہیں اور میں آپ کو اپنی گفتگو میں مداخلت کی اجازت نہیں

دے سکتی مسٹر رینڈی۔" رینڈی نے چونک کر اسے دیکھا پھر شانے اچکائے اور آہستہ سے بولا۔

"اگر تم ناراض ہو تو تمہاری ناراضگی کی کوئی وجہ میرے علم میں نہیں ہے اگر اس نئے دوست کی پذیرائی کر رہی ہو تو تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہارے ساتھ کسی اور کو برداشت نہیں کر سکتا۔ او کے۔" اس نے کہا اس کے بعد واپسی کے لیے پلٹ گیا۔

"اگر وہ بیٹھ جاتا تو کیا حرج تھا۔" کامران نے کہا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے بہر حال یہ جگہ تمہیں کیسی لگی۔"

"جگہ واقعی بہت اچھی ہے بڑی پُر فضا۔"

"اس کے بعد میں تمہیں اپنا گھر دکھاؤں گی۔ اچھا تم مجھے یہ بتاؤ سچ سچ بتانا کہ تمہارے مشاغل کیا ہیں۔"

"میں نے کہا نا، رنتھا کچھ بھی نہیں کرتا۔"

"تو پھر تمہارے ذرائع آمدنی۔"

"بس کچھ رقم ہے میرے پاس اسے خرچ کر رہا ہوں۔"

"والدین وغیرہ۔"

"میں نے کہا نا کچھ بھی نہیں ہے اور پلیز! یہ گھریلو قسم کی باتیں مجھے بالکل اچھی نہیں لگتیں۔" کامران کے انداز میں کسی قدر جھنجلاہٹ پیدا ہو گئی تھی۔ واپسی میں رنتھا اسے اپنے گھر لے کر آئی۔ ایک چھوٹا سا خوبصورت گھر جس کا تالا رنتھا نے خود کھولا تھا۔ کامران کو یہ لڑکی بہت ہی پراسرار محسوس ہوئی تھی۔ اور وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ کسی اور مشکل میں نہ پڑ جائے۔ لیکن اب تک جتنے حالات سے وہ گزرا تھا اس کے بعد کوئی مشکل اس کے لیے مشکل نہیں رہی تھی۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا ویسے بھی اگر تھوڑی سی دلچسپی کا سامان پیدا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ تنہا اور بے مقصد زندگی سے فائدہ بھی کیا۔" وہ رنتھا کے مکان کو دیکھتا ہوا ایک وسیع و عریض کمرے میں آ گیا۔

"تمہیں اندازہ نہیں ہے کہ تمہارے آ جانے سے میں کس قدر خوش ہوں۔"

"شکریہ کے علاوہ اور میں کیا کہہ سکتا ہوں مس رنتھا۔"

"آؤ میں تمہیں موسیقی سناؤں۔" اس نے کہا اور دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ کامران پُرسکون تھا۔ کوئی ایسی بات نہیں تھی جو باعث حیرت ہو۔ بہر حال وہ اتنی واقفیت ضرور رکھتا تھا ماحول سے کہ رنتھا کی دلچسپی کو محسوس کر سکے۔ اب یہ الگ بات ہے کہ اس دلچسپی کی وجہ کیا تھی۔ کیا بدھ مذہب سے اس کی دلچسپی یا کچھ اور۔ غرض یہ کہ وہ رنتھا کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ دفعتاً ہی فضا میں ایک عجیب سی موسیقی نشر ہونے لگی۔ موسیقی کی آوازیں بہت قریب سے آ رہی تھیں اور حقیقت یہ ہے کہ جو ساز بجائے جا رہے تھے جو کیسٹ بج رہا تھا اس کی دھنیں بڑی پراسرار تھیں۔ اچانک ایک چھم کی آواز کے ساتھ ایک بالکل نئے دروازے سے رنتھا نمودار ہوئی۔ لیکن اس نے بہت ہی خاص قسم کا لباس پہن رکھا تھا۔ بدھ مذہب کی ایسی رقاصائیں جو مخصوص اور انتہائی پُرکشش لباس پہنتی ہیں اور رنتھا بھی اس وقت بہت ہی پُرکشش نظر آ رہی تھی۔ اس نے بازوؤں پر بازو بند باندھ رکھے تھے۔ اس کا چمکدار ریشمی جسم اس لباس میں اس قدر حسین نظر آ رہا تھا کہ دیکھنے والی نگاہیں

مسحور ہو جائیں۔ اس کے چہرے پر ایک گہری سنجیدگی طاری تھی۔ اور پھر اس نے ایک انوکھے رقص کا آغاز کر دیا۔

وہ رقص اس موسیقی سے مکمل طور پر ہم آہنگ معلوم ہوتا تھا۔ جو نشر ہو رہی تھی نجانے کیوں کامران پر ایک عجیب سی بے خودی طاری ہونے لگی۔ اس کا ذہن ایک پراسرار دھن میں لپٹنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی ایک مدھم سی آواز ابھری۔ جیسے کوئی عورت گا رہی ہو۔ گانے کے بول بھی کچھ کچھ سمجھ میں آ رہے تھے۔ جو کچھ یوں تھے۔

"خوابوں کی دنیا میں سو جانے والے۔

تو مجھ سے کتنی ہی دور چلا جائے لیکن تو ہمیشہ میرے قریب رہے گا۔ زمین کی گہرائیوں میں تیرا انتظار کروں گی۔ اس وقت تک جب تک کہ تو واپس نہ آ جائے۔ میں تیرا انتظار کروں گی۔" رتھا رقص کرنے لگی پھر اچانک ہی وہ سیدھی ہوئی۔ اور اس کے منہ سے آواز نکلی۔

"اور تو میرے راستوں کا راہی ہے کوئی اور مجھے اپنی گرفت میں نہیں لے سکتا۔" وہ سیدھی ہوئی تو کامران کی آنکھیں شدت حیرت سے پھیل گئیں۔ اب وہ رتھا نہیں نیرینہ تھی کامران گردن جھٹکنے لگا۔ اور دفعتاً ہی اس نے قوت ارادی سے کام لیا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"بند کرو یہ رقص۔ بند کرو یہ آوازیں۔" کامران کی دھاڑ ابھری اور ایک دم موسیقی رک گئی اس کے ساتھ ہی رتھا بھی رک گئی۔ اس نے حیرت زدہ نگاہوں سے کامران کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا ہوا؟"

"کیا ہو رہا ہے یہ سب کچھ، کیا کر رہی ہو یہ تم رتھا۔ میری مرضی کے خلاف مجھے تو ان تمام چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"اوہ۔" رتھا حیران لہجے میں بولی۔

"ہاں۔"

"اوہ معافی چاہتی ہوں۔" رتھا کے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت پھیل گئی۔ پھر وہ آہستہ سے گردن جھکا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ کامران بھی پریشان نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ یہ کیسا انوکھا اور سحر انگیز ماحول تھا اور یہ ہو کیا رہا ہے۔ سب کچھ کوئی الجھا ہوا ناٹک کوئی سمجھ میں نہ آنے والی کہانی۔ رتھا لباس تبدیل کر کے آ گئی۔ اس نے جھینپی جھینپی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"میرا خیال تھا کہ تم اس انوکھے ماحول میں دلچسپی لو گے، یہ خیال مجھے اس وقت پیدا ہوا جب تم میوزیم میں بدھ مذہب کا مطالعہ کر رہے تھے۔"

"رتھا مجھے ذاتی طور پر بدھ مذہب سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں مسلمان ہوں اور خدا کے فضل سے اپنے عقیدے پر پختہ اور اس سے مطمئن ہوں۔ بس ایک تجسس والی بات تھی جو کچھ وجوہات کی بناء پر میرے دل میں پیدا ہو گیا تھا۔"

"ٹھیک۔"

"ٹھیک ہے اب تم مجھے اجازت دو گی۔"

"کہاں جاؤ گے۔ ذرا دیکھو رات کتنی گزر چکی ہے۔" اس نے گھڑی کی طرف اشارہ کیا اور کامران ایک بار پھر ششدر رہ گیا۔ رات کا وقت تھا اور گھڑی میں دو بج رہے تھے۔ اتنی دیر کامران کو تو وقت گزرنے کا احساس بھی نہیں ہو سکا تھا۔ اسے ایک دم یوں لگا جیسے وہ کسی پراسرار طلسمی چکر میں پھنس گیا ہو۔ اس نے کہا۔

"جانا تو ہے نا رتھا ظاہر ہے میں یہاں نہیں رک سکتا۔"

"تمہاری مرضی ہے۔" رتھا اسے دروازے تک چھوڑنے آئی۔ جب وہ باہر نکلا تو موسم بہت خوبصورت تھا۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور کہیں کہیں چاند اور بادل کے درمیان آنکھ مچولی ہو رہی تھی۔ کامران سیٹی بجاتا ہوا سنسان سڑک پر چلتا رہا۔ نجانے کیوں اس وقت اس کے اندر ایک عجیب سی کیفیت ابھر رہی تھی۔ بس کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ رتھا کا التفات بھی اچھا لگ رہا تھا۔ نیرینہ کی یاس انگیز خاموشی..... اچانک اسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی دھیرے دھیرے اس کے پیچھے چل رہا ہو۔ اس نے گھوم کر دائیں طرف دیکھا تو کوئی بھی نہیں تھا۔ چلنے کے بعد رکنے کے بعد وہ آگے بڑھا تو قدموں کی چاپ اسے اپنا تعاقب کرتی ہوئی محسوس ہوئی۔ سڑک ویران تھی لیکن یہ قدموں کی چاپ کوئی وہم نہیں تھی۔ کوئی ہے۔ آخر کوئی ہے تو آخر نظر کیوں نہیں آ رہا۔ کامران نے سوچا کہ جن حالات سے گزر کر آ رہا ہوں وہ اس کے ذہن کو بھٹکانے کے لیے کافی تھے۔ رتھا نے ایک پراسرار ماحول پیدا کرنے کی کوشش کی تھی اور یہ حقیقت ہے کہ جتنا وقت یہاں گزرا تھا وہ حیران کن تھا۔ نجانے اتنا وقت کیسے گزر گیا۔

پھر وہ تھوڑا سا آگے بڑھا تھا کہ اچانک ایک پولیس مین اس کے سامنے آ گیا۔ کامران سمجھ گیا کہ اتنی رات گئے سڑک پر ایک آدمی کو تنہا چلتے دیکھ کر پولیس مین اس کے قریب پہنچا ہے کامران نے خود ہی کہا۔

"ہیلو آفیسر!"

"ہیلو کہاں گھوم رہے ہو اس وقت۔"

"بس ایک دوست کے پاس بیٹھا ہوا تھا وقت زیادہ ہو گیا اب گھر جا رہا ہوں۔"

"بتاؤ گے تمہارا گھر کہاں ہے۔"

"ایک ہوٹل کے کمرے میں۔"

"ٹھیک ہے تم جا سکتے ہو۔"

"لیکن یہ وقت گھومنے کے لیے مناسب نہیں ہے ہم لوگوں کو رات بھر ڈیوٹی کرنا ہوتی ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے علاقوں میں امن وامان رہے۔"

"شکریہ آفیسر۔" یہ کہہ کر کامران آگے بڑھ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنے ہوٹل کے کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ لیکن ایک بار پھر اسے احساس ہوا کہ ایک جھونکا اس کے قریب سے گزرا ہے بالکل اس طرح جیسے کہ چھپاکے سے قریب سے نکل جائے۔ نہ کوئی چاپ تھی اور نہ کوئی دوسری آواز۔ لیکن کامران کو پورا پورا یقین تھا کہ کوئی نہ کوئی ضرور ساتھ ہے کون ہے یہ؟ یہ کیا احمقانہ احساس ہے۔ وہ دل ہی دل میں سوچنے لگا۔

لیکن کوئی فیصلہ کرنا مشکل تھا۔

بہرحال اس نے لباس تبدیل کیا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔ ہر طرف خاموشی طاری تھی۔ ذہن میں ابھی تک ننھے ننھے سے دائرے ابھر رہے تھے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ بہرحال وہ بہت دیر تک سوچتا رہا اس کے بعد اس نے چھوٹے فریج سے پانی بھرا اور اسے غٹاغٹ پی گیا۔ اس کا ذہن ابھی تک الجھا ہوا تھا اور وہ رتھا کے تصور میں ڈوبا ہوا تھا۔ کبھی کبھی اسے نیرینہ کا پراسرار چہرہ بھی نظر آ جاتا تھا۔ بمشکل تمام اس نے بستر پر لیٹ کر سونے کی کوشش کی اور نیند نے اسے ان الجھنوں سے آزاد کر دیا۔

لیکن دوسرے دن عجیب مجہول سا دن تھا۔ طبیعت پر ایک گرانی صاف محسوس ہوتی تھی۔ دن کے کوئی ساڑھے دس بجے تھے اس نے ابھی تک ناشتہ بھی نہیں کیا تھا کہ دروازے پر پھر دستک ہوئی اور اس کے بعد رتھا اندر آ گئی۔ وہ رتھا کو دیکھ کر چونک پڑا۔ رتھا کے چہرے پر شرمندگی کے آثار تھے۔ اس نے گردن جھکائے جھکائے کہا۔

"سوری...... سوری...... مجھے خود بھی احساس ہے کہ جو کچھ میں کر رہی ہوں وہ کسی بھی طور درست نہیں ہے کسی شخص کو اس کی مرضی کے بغیر اس طرح پریشان کرنا ایک گھٹیا عمل ہے لیکن اس امید پر یہ عمل کر رہی ہوں کہ تم مجھے معاف کر دو گے۔"

"بیٹھو رتھا کیا بات ہے؟ خاصی الجھی الجھی نظر آ رہی ہو۔"

"ہاں، کچھ ایسی ہی کیفیت ہے میرے ساتھ جسے میں خود نہیں سمجھ پا رہی میری بات پر یقین کرو یا نہ کرو لیکن میں تمہیں سچ بتاؤں کہ میرے قدم خود بخود تمہاری طرف اٹھ جاتے ہیں۔ مجھے معاف کر دینا کامران مجھے معاف کر دینا۔"

"بیٹھو رتھا...... بیٹھو کیا ناشتہ کیا ہے تم نے یا نہیں۔" رتھا نے عجیب سی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ اس کے چہرے پر روئی روئی سی کیفیت تھی۔ کامران نے نجانے کیوں اس کے لیے دل میں بڑی ہمدردی محسوس کی اور آگے بڑھ کر کہا۔

"رتھا تم خود اس بات کو اتنی زیادہ گہرائی میں محسوس کر رہی ہو۔ کوئی بات نہیں ہے انسان اسی طرح کبھی کبھی ایک دوسرے سے متاثر ہو جاتا ہے، مجھے تمہارا آنا برا تو نہیں لگا۔" کامران کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے ان الفاظ پر رتھا کا چہرہ کھل اٹھا ہو۔ اس نے شرمساری نگاہوں سے کامران کو دیکھا اور بولی۔

"یہ تمہاری اچھائی ہے کامران اس میں میری کوئی خوبی نہیں ہے۔ میں خود یقین کرو اپنی اس کیفیت سے شرمندہ ہوں۔ میں سوچتی ہوں کہ تم کیا سوچتے ہوگے میرے بارے میں۔"

"میں تمہارے بارے میں بالکل برے انداز سے نہیں سوچتا بس۔ کیوں بلاوجہ مجھے شرمندہ کر رہی ہو۔" کامران نے کہا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے یہ الفاظ جانے بوجھے نہیں ہیں۔ جیسے یہ الفاظ خود بخود اس کے منہ سے نکل رہے ہیں۔ کسی غیر مرئی قوت کے تحت۔ لیکن بات واقعی حیران کن تھی۔ کیوں ہو رہا ہے ایسا۔ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ یہ لڑکی اچانک ہی اسے ملی ہے اور اس کے بعد یہ اس کے دل و دماغ پر چھائی جا رہی ہے۔ سیتا کے اثرات زائل ہو رہے ہیں۔ کیوں اس وقت اس کی یہ کیفیت اسے متاثر کر رہی ہے اس نے

سوچا۔ لیکن اس وقت وہ ان زیادہ الجھنوں میں نہیں پڑ سکتا تھا اور پھر اس کے بعد رتھا اس طرح اس کے دل و دماغ پر چھانے لگی کہ وہ خود بھی اس کا کوئی مفہوم تلاش نہیں کر سکا۔ بس وہ رتھا کے جال میں گرفتار ہوتا جا رہا تھا۔ اور اس میں اس کی قوت فیصلہ کو کوئی دخل نہیں تھا۔ اب ہر روز رتھا اس کے ساتھ ہوتی تھی۔ حسن شاہ سے بھی رابطہ قائم نہیں تھا اور نہ ہی کامران کو کوئی فکر رہ گئی تھی۔ رتھا نے ایک دن اس سے کہا۔

"ہمارا اس طرح ملنا تو مناسب نہیں ہے تم ہوٹل میں رہتے ہو اور میں جس گھر میں رہتی ہوں وہ اس قابل نہیں ہے جس میں تمہیں مستقل وہاں رکھوں میرا خیال ہے ہم ایک مکان کا بندوبست کیے لیتے ہیں۔"

"مکان۔"

"ہاں مکان۔"

"مگر رتھا......"

"نہیں یہ ذمے داری تم پر مجھ پر چھوڑ دو بلکہ میں تو یہ کہتی ہوں کہ اپنی ہر ذمے داری مجھ پر چھوڑ دو۔" رتھا نے کہا اور کامران ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔ "ایسا ہوتا تو نہیں ہے رتھا۔ ذمے داریاں تو مردوں ہی کو نبھانی پڑتی ہیں۔"

"بعض ذمے داریوں میں عورتوں کو بھی بڑا دخل ہوتا ہے۔" اس دوران نہ تو کامران کرنل گل نواز کے گھر گیا تھا۔ حالانکہ ایک ہی شہر تھا ایک ہی جگہ تھی۔ اور اب اس کے دل میں گل نواز کے لیے اس کے دل میں اتنی زیادہ الجھنیں رہ گئی تھیں۔ اسے یوں لگ رہا تھا۔ جیسے رتھا اس کی زندگی کا ایک حصہ ہو۔ بس اب وہ رتھا ہی کے ساتھ رہنا چاہتا تھا۔ مکان بھی لے لیا گیا۔ رتھا نے اس کے لیے پورا مکان سجایا اور پھر بولی۔

"بس اب ہماری تمام تر ملاقاتیں یہیں ہوا کریں گی اور اگر تم میرے ساتھ رہو تو۔"

"نہیں۔ کیا مطلب ہے تمہارا میں تمہارے ساتھ رہوں۔"

"ہاں۔" رتھا کے چہرے پر ایک عجیب سا رنگ آ گیا۔ وہ کہنے لگی لیکن کس حیثیت سے۔"

"دوست کی حیثیت سے رتھا۔ الجھنے یا پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔"

"نہیں بالکل نہیں نہ میں الجھ رہی ہوں نہ پریشان ہو رہی ہوں۔ لیکن میرا خیال ہے کامران ابھی یہ مطالبہ رہنے دو ہمیں وقت آنے کا انتظار کرنا ہوگا۔"

بہرحال رتھا نے اس وقت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا لیکن کامران کو یوں لگ رہا تھا کہ جیسے وہ کسی طلسم کی گہرائیوں میں ڈوبتا چلا جا رہا ہو۔ اب اسے رتھا کے علاوہ اور کچھ یاد نہیں رہ گیا تھا۔ اور وہ ہر وقت اس کے بارے میں سوچتا رہتا تھا۔ رتھا روزانہ اس کے پاس آتی تھی اور پورا دن اس کے ساتھ ہی رہا کرتی تھی۔ وہ بہت خوب صورت لباس بھی تبدیل کرتی رہتی تھی لیکن کامران نے محسوس کیا تھا کہ اس کے اندر محبت سے زیادہ عقیدت ہوتی ہے وہ کامران کو مخاطب بھی اسی انداز میں کرتی تھی۔ لیکن اس نے وہ الفاظ کبھی نہیں کہے تھے۔ یعنی پاتال پرستی اور کوئی ایسی بات۔ اس کے علاوہ نیرینہ علی کبھی نظر نہیں آئی تھی۔ زندگی میں ایک عجیب سا ٹھہراؤ سا پیدا ہو گیا تھا اور بڑی قربتیں پیدا ہوگئی تھیں۔ کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا تھا جس میں پریشانی ہوئی۔

بہرحال ایک شام کامران اور ر-تھا گھر سے نکلے۔ اس روز موسم بہت اچھا تھا۔ آسمان پر بادل برائے نام بھی نہیں تھے۔ خنکی بہت کم تھی اور ہوا بہت بھلی معلوم ہو رہی تھی۔ کامران ر-تھا کے ساتھ ایک پرفضا مقام پر چہل قدمی کرنے لگا یہ ایک پارک نما جگہ تھی۔

جو شہر سے کافی فاصلے پر تھی۔ موسم کی مناسبت سے لوگ یہاں سیر و سیاحت کے لیے آ جایا کرتے تھے یہاں چھوٹے چھوٹے ہوٹل بھی بنے ہوئے تھے۔ کافی دیر کے بعد ر-تھا نے کہا۔

''سنہری گھر۔''

''عجیب سا نام ہے۔'' کامران نے کہا اور ر-تھا پراسرار انداز میں مسکرا دی۔ بہرحال وہ دونوں اس سنہری گھر میں داخل ہو گئے۔ کامران کو یوں لگا جیسے یہاں کا ماحول بھی عجیب عجیب سا ہے وہ آگے بڑھے تو بہت سی نگاہوں نے ان کا طواف کیا۔ سنہری گھر، لکڑی کے کیبنوں سے بنا ہوا تھا اور وہاں ہر طرف موی مجسمے رکھے گئے تھے یہ مجسمے زمانہ قدیم کے بہت سے کرداروں کی شکل میں بنائے گئے تھے۔ کامران حیرت سے بولا۔

''مجھے تو یوں لگ رہا ہے ر-تھا جیسے تمہارے ساتھ میں اس شہر کو دیکھ رہا ہوں۔''

''تو پھر تو تم میرے ساتھ ہی تھے نا۔'' ر-تھا نے مسکرا کر کہا۔

''میرا یہ مطلب نہیں ہے مطلب یہ کہ یہاں میں نے بڑا وقت گزارا ہے لیکن جن جگہوں پر میں تمہارے ساتھ جا رہا ہوں وہ میرے لیے اس قدر اجنبی ہیں۔ جیسے کسی دوسرے ملک میں آ گیا ہوں تعجب کی بات ہے یہاں میں بالکل پہلی بار آیا ہوں۔''

''سنہری گھر ایک حسین ترین جگہ ہے یہاں قدیم بدھ ماحول کو نمایاں کیا گیا ہے آؤ چونکہ تمہیں خود بھی بدھ ماحول سے دلچسپی ہے اس لیے میں تمہیں یہاں کی سیر کراؤں۔ ایک زمین دوز راستے سیکور کرام بہت بڑے ہال میں آ گئے یہاں واقعی لاتعداد مجسمے تھے۔ دونوں طرف سوونڈ وزنی ہوئی تھیں۔ جن میں طرح طرح کے مجسمے نظر آ رہے تھے۔ وہ قریب آ کر بولی۔

''آؤ اس مجسمے کو دیکھو۔ یہ سائتہ موہنہ ہے۔''

''سائتہ موہنہ بڑا خوبصورت نام ہے۔ کون تھی یہ؟''

''ایک عظیم راہبہ جس نے اپنا ایک نظریہ حیات تشکیل دیا اور اس کے بعد اپنے آپ کو آگ میں جلا کر راکھ کر لیا۔''

''بدھ مت میں ہارا کاری ایک بہترین موت ہوتی ہے۔''

''ہاں، خودکشی یا خود کو مارنا عام دل گردے کا کام نہیں ہے۔''

''نظریہ کیا ہے اس سلسلے میں۔'' کامران نے سوال کیا۔

''دوسروں کو اذیتیں دینا تو بہت آسان ہوتا ہے انسان با آسانی دوسرے انسان کی جان لے لیتا ہے۔ لیکن جان دینا ایک بڑا کام ہے۔ اپنے آپ کو نقصان پہنچانا آسان کام نہیں ہوتا اور اس میں بڑے دل گردے کی ضرورت ہوتی ہے کسی پر غصہ آئے، کسی سے بدلہ لینے کا خیال دل میں آئے تو اسے نقصان پہنچانے کے بجائے اپنے آپ کو اذیتیں دے کر نقصان پہنچانا بڑائی کی دلیل ہوتا ہے اور یہ ہماری تعلیمات ہیں۔''

''کچھ عجیب سی ہیں۔''

''نہیں عجیب نہیں ہیں۔ آؤ میں تمہیں دوسرے مجسمے دکھاؤں۔'' ر-تھا نے اچانک ہی سلسلہ گفتگو تبدیل کر دیا اور سنہری گھر کے اس زمین دوز تہ خانے کے دوسری جانب چل پڑی اور پھر وہ تہ خانے کے ایک حصے میں جا کر رک گئی۔ آس پاس کچھ اور افراد بھی موجود تھے۔ جو شیشوں کے شوکیسوں میں سجے ہوئے موی مجسموں کو دیکھ رہے تھے۔ کامران کو شدید حیرت اس بات پر ہوئی کہ کافی عرصے تک اس کا ساتھ شاہ نواز اور کرنل گل نواز کی بیٹیوں سے رہا تھا۔ یہ خوش ذوق لوگ تھے۔ سیر و سیاحت کے رسیا۔ لیکن کبھی انہوں نے سنہرے گھر کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ جبکہ یہ جگہ تو ایک تاریخی حیثیت رکھتی تھی۔ کرنل گل نواز نے بھی کبھی اس جگہ کے بارے میں کچھ نہیں کہا تھا۔

اس کی وجہ نامعلوم تھی۔ بہرحال موی مجسموں کے اس چھوٹے سے شہر کے اس گوشے میں ر-تھا رک گئی۔ اس کی نگاہوں کا مرکز ایک خوب صورت لڑکی کا مجسمہ تھا۔ جو مخصوص بدھ راہبہ کا لباس پہنے ہوئی تھی۔ لیکن حسن و جمال میں یکتا۔

''یہ ستان پر بھانہ ہے۔'' ر-تھا نے کہا۔

''یہ کیا ہوتا ہے۔'' کامران نے پرمزاح انداز میں کہا تو ر-تھا جلدی سے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

''نہیں، مقدس دیویوں اور دیوتاؤں کو اس انداز میں نہیں مخاطب کرتے۔ ستان پر بھانہ ایک عظیم دیوی ہے۔ بدھ مت کی ایک قابل قدر ہستی۔''

''اچھا، بہرحال یہ کیا حیثیت رکھتی ہے یہ میں نہیں جانتا۔'' ر-تھا نے ایسی عجیب سی نگاہوں سے کامران کو دیکھا کہ کامران حیران رہ گیا۔ اس وقت ر-تھا کی آنکھیں اسے ر-تھا کی آنکھیں نہیں معلوم ہوئی تھیں۔ بلکہ نجانے کیوں ان آنکھوں میں اسے ایک عجیب سی شناسا شکل نظر آئی۔ کامران سوچتا رہ گیا ر-تھا نے اس سے کہا۔

''کامران آؤ آگے آؤ۔ میں تم سے درخواست کرتی ہوں کہ جو کچھ بھی دیکھو اس کا تاثر تمہارے دل پر کچھ ہو یا نہ ہو۔ لیکن ان کے بارے میں کوئی برا لفظ کبھی نہ کہنا۔'' کامران نے فوراً ہی کہا۔

''مجھے افسوس ہے ر-تھا میں نے تمہارے جذبات کی توہین کی۔ اسی وقت ایک دراز قامت عورت ان لوگوں کی جانب متوجہ ہو گئی۔ وہ بھاری جسامت کے باوجود حیرت انگیز طور پر بہت خوب صورت تھی۔ اس کا قد تقریباً چھ فٹ رہا ہوگا۔ شانے اور کولہے بڑے چوڑے تھے۔ ٹانگیں لمبی اور سڈول تھیں۔ چہرے سے بڑی بھولی بھالی سی لگ رہی تھی۔ کامران اسے دیکھنے لگا۔ عورت لڑکھڑاتی ہوئی سی آواز میں بولی۔

''ہیلو! تم لوگ شاید بدھ مت پر تحقیق کر رہے ہو۔ ایشی ادھر آؤ دیکھو میں تمہیں کچھ لوگوں سے طواتی ہوں۔ اس نے ان لوگوں کی طرف سے کوئی جواب ملے بغیر اس انداز میں کہا جیسے اسے ان لوگوں پر اقتدار حاصل ہو دوسری لڑکی چھوٹے سے قد کی بھرے بھرے جسم والی تھی۔ رنگ بے حد سفید تھا۔ چہرہ گول اور بڑی بڑی آنکھیں تھیں۔ اس نے اپنے سنہری بالوں کی پونی باندھ رکھی تھی۔ جسم پر بلاؤز کے ساتھ سکرٹ تھی

اسکرٹ تھا۔ وہ واقعی کوئی حسین گڑیا نظر آ رہی تھی خاص طور سے اپنے چھوٹے قد کی وجہ سے اس کی شخصیت میں کوئی ایسی بات ضرور تھی۔ جسے ایک دو نظر دیکھنے کے بعد دل میں یہ خواہش پیدا ہوتی تھی کہ اسے دوبارہ بھی دیکھا جائے۔

"ہیلو سر!"

"ہیلو۔" جواب میں ر-تھا نے ہی کہا۔ کامران نے خاموشی اختیار کر رکھی تھی۔

"آپ لوگ آئیے ہیزل تم بھی آؤ۔ ایک اور لڑکی بھی پہنچ گئی اس دعوت کی وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ لیکن بے اختیار قدم اس کی جانب اٹھ گئے۔ تیسری لڑکی کسی قدر سانولے رنگ اور کسے ہوئے ورزشی جسم کی مالک نظر آتی تھی۔ پھر دو اور لڑکیاں ملی اور اس طرح ان کی تعداد پانچ ہوگئی۔

وہ انہیں تہ خانے سے ملحق ایک بڑے سے کمرے میں لے گئی۔ جہاں نشستیں پڑی ہوئی تھیں۔ پھر انہوں نے انہیں بیٹھ جانے کا اشارہ کیا اور وہ سب بیٹھ گئے۔ ر-تھا مطمئن نظر آ رہی تھی۔ جیسے وہ کامران کو ان لوگوں سے ملانے کے لیے لائی ہو وہ خود بھی پرسکون بیٹھی ہوئی تھی۔

"آپ لوگ یہاں آئے ہیں میں چاہتی ہوں کہ آپ کی خاطر مدارات کی جائے۔"

"تکلف کی ضرورت نہیں ہے میڈم ہم لوگ......"

"نہیں...... نہیں تکلف کی بات نہیں ہے۔ یہ میرا فرض ہے۔ آپ کا نام نہیں معلوم ہو سکا۔" دراز قامت عورت نے جو سب سے پہلے ملی تھی۔ کامران کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"میرا نام کامران ہے کیا آپ ر-تھا سے پہلے سے واقف ہیں۔" جواب میں وہ عورت عجیب سے انداز میں مسکرا دی۔ اس کی مسکراہٹ کا مفہوم بھی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ یہ ایک انتہائی پراسرار سا ماحول بن گیا تھا۔ کامران کی سمجھ میں تو کوئی بات نہیں آ رہی۔ لیکن ر-تھا اس طرح مطمئن تھی۔ جیسے میں سب کچھ کرانے کے لیے لایا گیا ہوں۔ پھر دو اور ملازمائیں کھانے پینے کی اشیاء لیے ہوئے قریب آ گئیں۔ انہوں نے گھٹنوں تک جھک کر ان لوگوں کو تعظیم دی اور وہ اپنی حیرانی کو چھپا بھی نہیں سکا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان لوگوں کا یہ التفات اور یہ خاطر مدارات کیا معنی رکھتی ہے۔ ظاہر ہے یہاں شہری گھر میں تو بہت سے لوگ آتے ہوں گے۔

اس میوزیم کی کیفیت ہی عجیب تھی۔ بہر حال تقریباً ایک گھنٹہ یہ لوگ میوزیم میں رہے جب وہ وہاں سے رخصت ہونے لگے تو دراز قامت عورت نے جس نے بعد میں اپنا نام شجیرہ بتایا تھا۔ کہا:

"آپ لوگ کسی دن میری رہائش گاہ پر تشریف لائیے۔ یہ لڑکیاں بہت اچھی رقاصائیں ہیں وہ آپ کے لیے ستانیکی رقص پیش کریں گی۔" کامران نے ستانیکی رقص کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ البتہ اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلے۔

"کیا آپ لوگ ساتھ ہی رہتی ہیں۔"

"ہاں۔"

"بہتر ہے۔ میں کسی دن ضرور آؤں گا۔" کامران نے کہا اور اچانک ہی اس کی نگاہ ان تمام عورتوں

کے گلوں میں پڑے ہوئے لاکٹوں پر پڑی حیرت کی بات یہ تھی۔ تمام کے ڈیزائن اور بناوٹ ایک جیسی تھی اور جو سبھی کی گردنوں میں پڑے ہوئے تھے۔ یہ بالکل مچھلی کی شکل میں تھے اور مچھلی کے درمیانی حصے میں بدھا کی تصویر تھی۔ کچھ عجیب و غریب کیفیت تھی۔ اس کی بہر حال سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ان لوگوں نے کامران کو اتنی عزت اتنی حیثیت کیوں دی ہے اور اس کے بعد یہ دعوت۔

بہر حال کامران ر-تھا کے ساتھ باہر نکل آیا اور وہ لوگ سڑک پر پیدل چل پڑے۔ سڑکوں پر خاصی چہل پہل تھی۔ حالانکہ شام کا اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا۔ دکانوں کے نیون سائن جل گئے تھے۔ ر-تھا نے کہا۔

"کیسا لگا یہاں آ کر۔"

"کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔" کامران نے جواب دیا۔

"کوئی الجھی ہوئی کہانی تو یاد نہیں آ رہی۔ کوئی ایسا گزرا ہوا واقعہ جو تمہاری زندگی سے تعلق رکھتا ہو۔" ر-تھا نے کہا اور کامران چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"مطلب۔"

"نہیں...... نہیں کوئی مطلب نہیں ہے...... مطلب صرف اتنا سا ہے کہ بعض اوقات ہم لوگ ایسے حالات کا شکار ہو جاتے ہیں کہ باقی کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ ہم سوچنا چاہتے ہیں لیکن ہماری سوچیں بھی ہمارا ساتھ نہیں دیتیں۔ خیر اب ہم کسی دن شجیرہ کے گھر چلیں گے۔ کیا تم وہاں جانا پسند کرو گے۔"

"ہاں یہ لوگ بڑی بے لوث شخصیت کے مالک ہیں، میں ضرور چلوں گا۔ مگر میری سمجھ میں کچھ آیا نہیں ہے۔"

"انتظار کرنا ہوگا۔ صدیوں سے سوئی ہوئی داستانیں ایک دم سے تو زندہ نہیں ہو جاتیں۔ وقت آہستہ آہستہ انہیں ذہنوں میں منتقل کرتا ہے۔" ر-تھا نے کہا اور پھر اس طرح چونک پڑی جیسے سوتے ہوئے جاگ پڑی ہو۔ یا یہ الفاظ جو اس نے کہے کسی اور مقصد کے تحت کہے گئے ہوں۔ لیکن کامران کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر ان باتوں کا مطلب کیا ہے۔

بہر حال وہ آگے بڑھتے رہے اور پھر خود بخود ایک گلی میں داخل ہو گئے۔ سامنے ایک عمارت نظر آ رہی تھی عمارت کے سامنے ان کے قدم رک گئے۔ لیکن کامران کو خود یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ وہ یہاں کیوں رکا ہے پرانے شہر کی کوئی لمبی گلی تھی۔ پختہ اینٹوں کا فرش بنا ہوا تھا۔ پتھریلی اینٹوں سے بنی ہوئی سڑک پر جگہ جگہ کوڑے کرکٹ کا ڈھیر بکھرا ہوا تھا۔ مکانات کی حالت اتنی خستہ تھی کہ اصولی طور پر انہیں رہائش کے لیے ناقابل قرار دے دینا چاہیے تھا۔ جس جگہ ان کے قدم رکے تھے۔ وہ ایک بڑا سا چوبی دروازہ تھا اور اس پر ایک خوبصورت بورڈ لگا ہوا تھا جو اس علاقے کا شاید سب سے خوبصورت نقطہ تھا۔ اس پر لکھا ہوا تھا۔

"آپ کے لیے ایک قیمتی آرام گاہ" اور اس کے ساتھ ہی اندر آنے کی دعوت بھی دی گئی تھی۔

"آؤ۔" ر-تھا نے کہا۔ کامران کا منہ ایک لمحہ کے لیے حیرت سے کھلا جیسے وہ پوچھنا چاہتا ہو کہ اندر داخل ہونے کی کیا ضرورت ہے لیکن اس کے منہ سے آواز نہ نکلی۔ البتہ قدم ر-تھا کا اس طرح ساتھ دے رہے تھے۔ جیسے وہ اس کے جسم سے بندھا ہوا ہو۔ دروازے کے دوسری طرف پتلی سی نیم روشن راہداری تھی

جوزیا دو لمبی نہیں تھی پھر ایک کاؤنٹر نظر آیا جہاں ایک دبلے پتلے جسم کا جھینگر نما آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ رتھا کامران کو لے کر وہاں پہنچ گئی اور پھر اس نے کہا۔

''یہ ایک عمدہ جگہ ہے آؤ۔ میں تمہیں زندگی کی نئی جہت سے روشناس کراؤں۔ کاؤنٹر پر بیٹھی ہوئی لڑکی نے انہیں دو چمکدار سکے دیے جو غالباً اندر جانے کے ٹوکن تھے۔ رتھا نے اس طرح یہ سکے لے کر اپنے لباس میں رکھ لیے جیسے وہ یہاں کے تمام اصولوں سے اچھی طرح واقف ہو۔ پھر دروازہ کھول کر جس جگہ داخل ہوئے۔ وہ ایک عجیب سی پر گھٹن جگہ تھی۔ اندر قدم رکھتے ہی جو چیز کامران کے نتھنوں سے ٹکرائی وہ چرس کی بو تھی۔ یہ کوئی ڈرگز ہاؤس تھا۔

قرب و جوار میں بیٹھے ہوئے لوگ مختلف طرح کی منشیات سے شغل کر رہے تھے۔ ہال کی سجاوٹ بھی اسی ڈھنگ پر کی گئی تھی۔ ہال بہت کشادہ تھا۔ میزیں اور کرسیاں دیوار کے ساتھ رکھی گئی تھیں۔ درمیان میں ڈانس کے لیے جگہ چھوڑ دی گئی تھی۔ جہاں تین چار جوڑے لڑکھڑاتے قدموں سے ڈول رہے تھے۔ بڑی حیرت ہو رہی تھی کامران کو۔ یہ کون سی دنیا ہے اور اگر یہ جگہ اس شہر میں موجود ہے تو پھر وہ ساری باتیں کیا حیثیت رکھتی ہیں جن میں لمبے لمبے کہا جاتا ہے کہ یہ تمام چیزیں جائز نہیں ہیں۔ رتھا کامران کے ساتھ آگے بڑھ گئی اور پھر اس نے ایک میز سنبھال لی۔ ابھی وہ میز پر بیٹھی ہی تھی کہ دو افراد وہاں پہنچ گئے۔ ایک مرد اور ایک عورت۔ یہ بھی کچھ عجیب سے نقوش کے مالک تھے۔ اچانک ہی عورت نے کامران کو دیکھا اور بولی۔

''ہیلو تم آ گئے۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''نہیں ہم اپنے معزز مہمانوں کو ہمیشہ خوش آمدید کہتے ہیں۔''

''شکریہ۔''

''لیڈی کیا آپ میرے ساتھ آنا پسند کریں گی۔'' مرد نے جھک کر رتھا سے کہا اور رتھا کامران کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

''سوری ڈیئر...... بس چند لمحوں کے لیے۔''

''ہاں...... ٹھیک ہے۔'' کامران نے جواب دیا اور رتھا اٹھ کر اس کے ساتھ چلی گئی جبکہ آنے والی عورت اس کے سامنے بیٹھ گئی تھی۔

''یہاں کوئی نام نہیں ہوتے اس لیے نہ میں تم سے تمہارا نام پوچھوں گی اور نہ تمہیں اپنا بتاؤں گی ویسے میں تمہاری ہر خدمت کے لیے تیار ہوں بتاؤ مجھے تمہارے لیے کیا کرنا ہے۔'' کامران اسے دیکھتا رہا پھر اچانک ہی رتھا واپس آ گئی اور اس کے منہ سے آواز نکلی۔

''ہیلو شیری ہیلو۔'' ایسا لگتا تھا جیسے رتھا اس لڑکی کو اچھی طرح جانتی ہو۔ لڑکی نے چونک کر رتھا کی طرف چہرہ گھمایا۔ پھر پھیکی آواز میں کہا۔

''ہاں۔ کیسی ہو رتھا۔''

''ٹھیک ہوں تم بہت دن کے بعد مجھے نظر آئیں۔''

''ہاں بس مصروف رہتی ہوں۔'' شیری نے جواب دیا۔ دونوں کامران کے سامنے بیٹھی ہوئی تھیں۔ شیری بدستور کامران کو دیکھے جا رہی تھی۔ اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے اور وہ انہیں ہر بار زبان سے تر کر رہی تھی۔ کامران کو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کچھ کہنا چاہتی ہے لیکن شاید اسے مناسب الفاظ نہیں مل رہے یا ہمت اس کا ساتھ نہیں دے رہی۔ کامران کے منہ سے نکلا۔

''مس شیری! چلیے آپ کا نام آپ کے منہ سے نہ ہی سہی رتھا کے منہ سے مجھے معلوم ہو گیا آپ کیا پئیں گی۔''

''کچھ نہیں۔'' لڑکی نے جواب دیا۔ عین اسی وقت ایک آدمی اٹھ کر اس کے قریب آ گیا اور بڑی بدتمیزی سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

''تو یہاں کیا کر رہی ہے۔ مجھے انتظار کے لیے کہہ کر آئی اور یہاں آ کر بیٹھ گئی۔ کتنی دیر ہوئی تجھے اندازہ ہے۔''

''نہیں میں یہیں بیٹھنا چاہتی ہوں۔ فیلر!'' شیری نے جواب دیا۔

''میں کہتا ہوں اٹھو یا پھر میں تمہارے بال پکڑ کر تمہیں اٹھاؤں۔''

''کیا میں تمہارے باپ کی ملازم ہوں۔'' شیری نے غصیلے لہجے میں کہا۔ فیلر کے چہرے پر شدید غصے کے آثار نظر آئے اور پھر وہ غراتی ہوئی آواز میں بولا۔

''جانتی ہو اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔''

''کچھ نہیں ہوگا۔ میں یہاں بیٹھی ہوں اس جگہ سے کوئی مجھے نہیں اٹھا سکتا۔'' اس دوران رتھا بالکل خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ ہر طرح کے تاثرات سے بالکل عاری تھا۔ دفعتاً فیلر کامران کی جانب متوجہ ہو گیا اور غصیلے لہجے میں بولا۔

''اس کے بعد اگر تم یہاں داخل ہوئے تو میں تمہاری دونوں ٹانگیں توڑ دوں گا۔ یہ میری ساتھی لڑکی ہے اگر خیریت چاہتے ہو تو فوراً یہاں سے روانہ ہو جاؤ۔'' شیری کے چہرے پر شدید بے چینی نظر آنے لگی اور وہ آگے بڑھی اور اس نے آہستہ آہستہ اپنا ہاتھ کامران کے بازو میں ڈال دیا۔ فیلر آگے بڑھا اور بولا۔

''سمجھ رہے ہو نا تم۔''

''اور میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ تم بہت زیادہ بدتمیزی کر رہے ہو اس کے بعد اگر تم نے ایک لفظ بھی منہ سے نکالا...... تو......'' اس کا جملہ ابھی پورا بھی نہیں ہوا تھا کہ فیلر کا بھرپور گھونسا اس کے جبڑے پر پڑا اور کامران کو کافی چوٹ لگی شیری اور رتھا دونوں چیخ پڑی تھیں۔ کامران کے ہونٹوں سے خون بھی نکل آیا۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ رتھا نے جلدی سے اس کا بازو پکڑا اور بولی۔

''سوری...... سوری...... سوری کامران...... سوری۔ آہ تمہارے تو خون نکل آیا ہے۔'' کامران نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ آہستہ آہستہ اس طرح اٹھا جیسے فیلر کے گھونسے نے اس کا دماغ درست کر دیا ہو لیکن پھر دوسرے ہی لمحے فیلر پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ کامران کا اٹھا ہاتھ اس کے منہ پر زور سے پڑا۔ اس کے بعد دوسرا گھونسا اس کی ٹھوڑی کے نیچے۔ فیلر نے اس طرح قلابازی کھائی تھی جیسے اسے کہیں بلندی سے نیچے

پھینک دیا گیا ہو۔ ہال میں کئی چیخیں گونجیں، لوگ سمت سمت کر دیواروں کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور زور زور سے چلانے لگے۔ لیکن فیلر نے اٹھنے میں دیر نہیں لگائی۔ غصے کی وجہ سے اس کے چہرے کے نقوش بگڑ کر بھیانک ہو گئے تھے۔ آنکھیں انگاروں کی طرح سرخ ہو گئی تھیں اور زبان سے گالیوں کی برسات شروع ہو گئی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر ایک گھونسا کامران کے پہلو میں مارا۔

وہ بہت پھرتیلا اور طاقت ور تھا۔ لیکن کامران پہلے والا کامران نہیں تھا۔ وہ جن مراحل سے گزر چکا تھا اور جس طرح بدھ راہبوں نے اسے نجانے کیا سے کیا بنا دیا تھا۔ چنانچہ غصے اور نفرت کی وجہ سے اس کے رگ و پے میں آگ لگ گئی۔ فیلر سیدھا کھڑا ہوا تھا۔ چنانچہ کامران نے اسے گھونسوں پر رکھ لیا اور چند ہی لمحوں کے بعد اس کی ناک اور منہ سے خون جاری ہو گیا۔ کنپٹی کے نزدیک ایک زخم بھی لگا اور اس کے کپڑوں پر خون کے دھبے پھیل گئے۔

کامران اس کی ٹھیک ٹھاک مرمت کر رہا تھا اور پھر ایک ایسا گھونسہ فیلر کے سینے پر پڑا کہ اس کے حلق سے ایک انتہائی دلخراش چیخ نکل گئی۔ وہ فرش پر گر گیا اور گرنے سے اس کا سر پھٹ گیا۔ اس کے چہرے پر خون ہی خون تھا۔ لیکن کامران پر جنون کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ نفع نقصان سے بے نیاز ہو کر اس نے اس پر اپنے وار جاری رکھے کہ اچانک ہی رتھا نے اسے پیچھے سے پکڑ لیا۔

”پلیز...... کامران پلیز...... پلیز میری بات تو سنو؟“ وہ کامران کے بازو میں ہاتھ ڈال کر اسے پیچھے گھسیٹنے لگی۔ کامران پر دیوانگی سوار تھی۔ اگر تھوڑی دیر اور گزر جاتی تو شاید فیلر کو زندگی سے ہی ہاتھ دھونا پڑتے۔ اسے احساس نہیں رہا تھا کہ وہ کیا کرنے جا رہا ہے بڑی مشکل سے رتھا نے اسے پیچھے کھینچا۔ روشنیاں اور لوگوں کے چہرے ہر شے دھندلا سی گئی تھیں۔ رتھا اسے کھینچتی ہوئی دروازے تک لائی اور پھر اسے دروازے سے باہر نکال لیا۔

”وہ اس لڑکی پر ظلم کرے گا۔“ کامران نے کہا۔

”نہیں وہ باہر چلی گئی ہے۔ اب وہ وہاں نہیں ہے۔“ رتھا اسے لیے ہوئے تیزی سے باہر نکلی۔ شاید وہ جانتی تھی کہ اس کے بعد انتظامیہ کا کیا ردعمل ہوگا اور پولیس کس طرح ان کے پیچھے لگے گی چنانچہ وہ کامران کو گھسیٹتی ہوئی گلی میں دور تک لے گئی۔ ابھی تک وہاں سے کوئی باہر نہیں نکلا تھا۔ اگر کوئی پولیس کو فون کر دیتا تو یقیناً اب تک پولیس بھی پہنچ گئی ہوتی۔ اس کا ایک ہی مطلب ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ یعنی جہاں خباثت کا اڈہ تھا۔ اپنے معاملات میں پولیس کی مداخلت پسند نہیں کرتے۔

بہرحال ہم کافی دور نکل آئے۔ میں جھلا کر بولا۔

”تم مر کیوں رہی ہو۔ کیا بگاڑ لیں گے یہ لوگ ہمارا۔“

”اوہ، مائی ڈیئر تم نہیں جانتے فیلر بہت خطرناک آدمی ہے وہ تو اتفاق کی بات ہے کہ اس کے دوسرے ساتھی اس وقت اس کے پاس موجود نہیں ہیں۔

”مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہے۔“

”آؤ ذرا...... پلیز ادھر آؤ۔ اگر وہ لوگ آ گئے تو بڑی مصیبت ہو جائے گی۔

”ہمیں جلد از جلد یہاں سے نکل جانا چاہیے یہ کہہ کر رتھا نے پرس سے اپنا بڑا سا رومال نکالا اور کامران کی ٹھوڑی پر بہ جانے والا خون صاف کرنے لگی۔ کامران خاموش کھڑا رہا۔ رتھا بولی۔

”تم یہیں ٹھہرو میں ٹیکسی کا بندوبست کرتی ہوں۔“

”اوکے...... اوکے...... اوکے تم بہت زیادہ خوف زدہ ہو جبکہ میں اتنا خوف زدہ نہیں ہوں۔“ کامران نے جواب دیا۔ اس پر ایک عجیب سی کیفیت طاری تھی۔ عام حالات میں وہ اپنے آپ کو اس قدر کھویا کھویا محسوس نہیں کرتا تھا۔ لیکن اس وقت وہ خاص طور سے آج کا رن تو بڑا ہی عجیب گزرا تھا۔ لڑکیاں ہی لڑکیاں اور اس طرح اس کی ذات پر مسلط جیسے وہ ان سب کا جانا پہچانا کردار ہو۔ سنہرا گھر اور اس کے بعد یہ کلب اور سب سے حیران کن شخصیت رتھا۔ رتھا جس طرح اس پر مسلط ہو گئی تھی۔ وہ کچھ غیر مناسب سی بات تھی۔ لیکن اس دوران کامران کو کوئی احساس ہی نہیں ہوا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے اس کا ذہن کسی طلسم میں جکڑا ہوا ہے اور یہ طلسم پوری طرح اس کی ذات پر حاوی ہوا جا رہا ہے۔

لب اس وقت کامران جن حالات کا شکار تھا۔ وہ ناقابل فہم تھے۔ تبت اور اس کے نواحی علاقوں سے واپسی کے بعد اس نے یہ نہیں سوچا تھا کہ وہ اس طرح در بدر ہو جائے گا کرنل گل نواز کا گھر موجود تھا اور وہ گھر اس کے لیے ہر طرح سے گوشہ عافیت تھا۔ کامران جس خزانے کو دیکھ کر آیا تھا۔ اس کے بعد ہر طرح کے خزانے اس کی نگاہوں میں ہیچ ہو گئے تھے۔ اتنی دولت اگر انسان دیوانگی ہی کا شکار ہو تو اس زمین دوز غار سے نکلنے کی کوشش ہی نہ کرے۔ اپنے لیے کھانے پینے کا بندوبست کرے اور ساری زندگی ان خزانوں سے کھیلتا رہے۔

آخر خزانے ہوتے کس لیے ہیں اپنی ذات کی بہتری کے لیے نا۔ عیش و عشرت کی زندگی گزارنے کے لیے لیکن ان کے حصول کے لیے اگر زندگی ہی جاتی رہے تو پھر ایسے خزانوں کا کیا فائدہ۔ کامران کو کبھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ وہ دوبارہ ان خزانوں تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ وہ دنیا کے کسی بھی انسان کو یہاں تک کہ حسن شاہ جیسے آدمی کو جو اس کی پسندیدہ شخصیت تھی۔ اس خزانے کے بارے میں کچھ نہیں بتانا چاہتا تھا اور نہ ہی اس نے ایسا کوئی تذکرہ حسن شاہ سے کیا تھا۔ کیونکہ اس کے امکانات بھی تھے کہ وہ اگر وہیں تبت کے علاقے میں حسن شاہ سے ان خزانوں کا تذکرہ کر دیتا تو حسن شاہ وہاں سے واپسی ہی کی نہ سوچتا بلکہ خزانے کے حصول کے چکر میں لگ جاتا۔

کمبخت نشہ ہی ایسا ہوتا ہے کہ اس کے بعد کسی اور شے کی طرف عقل راغب ہی نہیں ہوتی۔ لیکن کامران کو ایک اور احساس بھی تھا وہ یہ کہ اس کے نام کے ساتھ جو پراسرار رشتے قائم کر لیے گئے ہیں وہ بڑے عجیب ہیں۔ ویسے کامران کو یہ اندازہ بھی ہو رہا تھا کہ گرشک اور بیتا جو مسلسل اس کے پیچھے لگے رہے تھے۔ راہ کو بیٹھے ہیں اور وہ یقینی طور پر وہیں ان پہاڑی علاقوں میں بھٹک رہے ہوں گے۔ بہرحال کچھ دیر کے بعد رتھا ایک ٹیکسی لے آئی۔ اور اس نے پچھلا دروازہ کھول کر کامران کو پیچھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ کچھ دیر کے بعد رتھا ایک اور نئی جگہ پہنچ گئی۔ اس نے ڈرائیور کو جو پتا بتایا تھا وہ کامران کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ لیکن یہ ایک چھوٹا سا خوبصورت نما مکان تھا۔ جب ٹیکسی سے اتر کر رتھا نے بل ادا کیا اور کامران وغیرہ مکان کی طرف بڑھے تو کامران نے کہا۔

"آج تم کیا کر رہی ہو رتھا۔ تمہاری ساری باتیں میری سمجھ نہ آنے والی ہیں۔" رتھا نے اسے ایسی عجیب سی آنکھوں سے دیکھا کہ کامران حیران رہ گیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے رتھا میں ایک دم تبدیلی رونما ہوگئی ہو۔ پھر کامران خاموشی کے ساتھ اندر داخل ہوگیا۔ ایک ڈرائنگ روم میں پہنچنے کے بعد رتھا نے اسے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور اس کے بعد اندر چلی گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک فرسٹ ایڈ بکس لے کر آئی اور اس نے کہا۔

"لو یہ ٹیبلیٹ لے لو۔ یہ گولی کھا لو اس لڑائی سے اگر تمہارے جسم میں کہیں تکلیف ہو رہی ہے تو درست ہو جائے گی۔" کامران ہنسنے لگا پھر بولا۔

"رتھا کیا تم نے مجھے کوئی نازک اندام مرد سمجھ رکھا ہے میں نے زندگی کے اتنے اونچے نیچے دیکھے ہیں کہ ایسی چیزیں میرے لیے بے مقصد ہیں۔"

"اچھا اچھا چلو یہ گولی کھا لو۔" رتھا پر اعتبار تو کرنا ہی پڑا تھا۔ کامران نے گولی کھالی اور اس کے بعد رتھا اس کے لیے سونے کا ایک لباس لے آئی۔

"مجھے صرف یہ بات بتاؤ یہ جگہ کون سی ہے اور اس سے تمہارا کیا تعلق ہے۔"

"تم بہت پراسرار لڑکی ہو رتھا۔ میں نہیں سمجھ پایا کہ تم آخر ہو کیا۔"

"اور میں نے تم سے ایک بات کہی تھی۔ وہ یہ کہ وقت آنے پر، سب کچھ تمہاری سمجھ میں آجائے گا۔ میں تمہاری ایک بہت اچھی دوست ہوں۔ تمہارے مشکل وقت کی ساتھی۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ اس وقت تم بالکل تنہا ہو۔ تمہارے قرب و جوار میں کچھ نہیں ہے اگر تم کچھ وقت کے لیے مجھ پر اعتبار کرلو تو یقین کرو تمہیں مایوسی نہیں ہوگی۔"

"نہیں رتھا تم ایک بہت اچھی لڑکی ہو۔ میں تمہاری عزت بھی کرتا ہوں اور تمہاری قدر کرتا ہوں لیکن تمہاری شخصیت میری سمجھ میں نہیں آسکی۔"

"پلیز...... کامران پلیز میں ہاتھ جوڑ کر تم سے درخواست کرتی ہوں۔ تم مجھے تھوڑے دنوں کی مہلت دے دو پھر تم سب کچھ سمجھ جاؤ گے۔"

"او کے...... او کے۔"

"لیکن یہ جو کچھ ہوا ہے اچھا نہیں ہوا۔ تم نے ایک برے آدمی کو اپنا دشمن بنا لیا ہے۔"

"بچا لیا تم نے اسے میرے ہاتھوں سے ورنہ ختم کر دیتا اسے۔"

"کیا یہ بے وقوفی کی بات نہیں ہے کامران تم جانتے ہو اس کا نتیجہ کیا ہوتا۔ ایک طرف تو پولیس تمہارے پیچھے پڑ جاتی اور دوسری طرف اس کا گروہ تمہیں سکون نہیں لینے دیتا۔"

"اس کا کوئی گروہ ہے۔"

"یوں سمجھ لو گروہ ہی ہے اور یہ لوگ بڑے زبردست قسم کے جرائم پیشہ لوگ ہیں۔"

"ٹھیک ہے لیکن آخر اسے مجھ سے الجھنے کی کیا ضرورت تھی۔ حالانکہ میرا اس سے براہ راست تو کوئی واسطہ نہیں تھا۔

"وہ لڑکی شیری جسے مجھے لگتا ہے تم پسند کرنے لگے تھے۔"

"ارے نہیں...... آج کا دن تو ویسے ہی بڑا عجیب گزرا ہے اتنی لڑکیوں سے ملایا ہے تم نے مجھے کہ میری عقل سے باہر ہے۔"

"ابھی تو تمہیں بہت کچھ کرنا ہے ویسے ایک آدھ دن تمہیں یہیں گزارنا پڑے گا۔ میں ٹیلر کے بارے میں معلومات حاصل کروں گی کہ اس پر کیا گزری۔ تم نے اسے بہت بری طرح مارا تھا۔ مجھے خدشہ ہے کہ وہ مر ہی نہ جائے۔"

"بھاڑ میں جائے۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ یہ میری آنکھیں کیوں جھک رہی ہیں کیا تم نے جو گولی مجھے کھلائی ہے اس میں نیند لانے والی کوئی دوا تھی۔"

"ہاں۔ تم رات کو پرسکون نیند سوؤ گے۔"

"ویسے یہ غلط ہے رتھا۔ کسی پر اتنا حاوی نہیں ہونا چاہیے کہ اس سے اس کی مرضی بھی نہ پوچھی جائے۔" کامران کی آواز میں مدھم سی لڑکھڑاہٹ پیدا ہوگئی۔ اور پھر اس کی پلکیں ایک دوسرے کی طرف جھکنے لگیں۔" رتھا نے پیار بھرے انداز میں اس کی کمر میں ہاتھ ڈالا اور اسے سہارا دے کر بستر تک لے گئی۔ بستر پر گر کر کامران کو ہوش نہیں رہا تھا۔

♥......♥......♥

پھر دوسرے دن وہ واپس اپنے ہوٹل آگیا تھا۔ رتھا اس مکان میں رہ گئی تھی اور اس نے کہا تھا کہ وہ بہت جلد کامران سے آکر ملے گی۔ بہر حال یہ گزرے ہوئے واقعات کامران کے لئے بڑے عجیب و غریب حیثیت کے حامل تھے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ ان واقعات کے پس منظر میں کیا ہے۔ بڑی بدنصیبی کی بات یہ تھی کہ ان واقعات کا راز دار کوئی نہیں تھا اور نہ ہی کوئی ایسی شخصیت بہ ظاہر نظر آئی تھی۔ جس سے وہ اس بارے میں تفصیلات معلوم کرے وہ مکان جس میں اس نے رتھا کے ساتھ قیام کیا تھا۔ وہ بھی اس کے لیے اجنبی تھا۔ یہ واقعات اچانک ہی ایک عجیب و غریب شکل اختیار کر گئے تھے۔ اس کا دل چاہا کہ کرنل گل نواز کے گھر جائے۔ شاہ نواز کو ان تمام واقعات کے بارے میں بتائے۔ لیکن یہ بھی ایک عجیب و غریب بات تھی کہ چاہنے کے باوجود وہ وہاں ان کے گھر نہیں جا سکا۔ ہوٹل میں ہی اس نے کافی وقت گزارا۔ رتھا دوسرے دن بھی نہیں آئی تھی۔ تیسرے دن بھی وہ نہیں آئی تو کامران کو حیرت ہوئی۔ لیکن اس نے دل میں فیصلہ کیا کہ اسے خوامخواہ ان پراسرار چکروں میں نہیں پڑنا چاہیے۔ پھر چوتھے دن اچانک اسے حسن شاہ کی طرف سے فون موصول ہوا اس نے وعدے کے مطابق حسن شاہ کو اپنے ہوٹل اور اس کے فون نمبر کے بارے میں بتا دیا تھا۔ حسن شاہ کی آواز سنائی دی۔

"کامران بڑے عجیب و غریب حالات پیش آئے ہیں مجھے۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے کوئی غیر مرئی قوت ہمارے راستوں میں آ گئی ہے ویسے تو مجھے زندگی میں بہت سے پراسرار واقعات سے بھی واسطہ پڑا ہے۔ لیکن اس وقت جو ہوا ہے۔ وہ بہت عجیب و غریب ہے اس کے بارے میں تو میں بعد میں بتاؤں گا۔ تم نے کہا تھا کہ تمہارے پاس اچھی خاصی رقم موجود ہے اگر اس میں کوئی کمی ہے تو میں تمہیں ایک پتا دیتا ہوں اس

پتے پر چلے جانا یہاں تمہیں عیسیٰ نامی ایک شخص ملے گا۔ عیسیٰ خان پٹھان ہے اس سے تم جتنی رقم مانگو گے وہ تمہیں دے دے گا۔ میں نے اسے ہدایت کردی ہے تمہیں ہر قیمت پر اسپین پہنچنا ہے۔ انتہائی بارسوخ ذرائع سے مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ اس وقت رانا چندر سنگھ اور کرنل گل نواز اسپین میں موجود ہیں انہیں قیدی بنا کر لے جایا گیا ہے مجھے خاصی تفصیلات معلوم ہوئی ہیں۔ تمہیں بذریعہ ہوائی جہاز پہلے میڈرڈ اور اس کے بعد وسکایہ پہنچنا ہے جو اسپین کے انتہائی جدید اور بڑے شہروں میں شمار ہوتا ہے۔ وسکایہ میں ہوٹل کیرول میں تمہیں قیام کرنا ہے۔

میں تمہیں کیرول میں ہی مل جاؤں گا۔ میں تو فوراً جا رہا ہوں۔ جس شخص نے مجھے اس بارے میں اطلاع دی ہے۔ اسے فوراً اسپین واپس ہونا ہے اس لیے معذرت خواہ ہوں کہ تمہیں ساتھ نہ لے سکا لیکن بہرحال اگر تم مناسب سمجھو اور کرنل گل نواز کو مشکلات سے نکالنا چاہو تو فوراً اسپین آ جاؤ۔ وہاں ہم دونوں مل کر کرنل گل نواز اور رانا چندر سنگھ کی رہائی کی کوشش کریں گے اور مجھے معاف کرنا بات بڑی کر رہا ہوں لیکن حقیقتیں غلط نہیں ہوتیں۔ اگر تم کرنل گل نواز سے اتنی دلچسپی نہ رکھتے تو پھر تم تکلیف مت کرنا۔ میرا رانا چندر سنگھ سے بہت قریبی ساتھ ہے تم یہ سمجھ لو کہ میں یہ معلومات حاصل ہونے کے بعد خود کو نہیں روک سکوں گا۔ کیا سمجھ رہے ہو۔

''ٹھیک ہے میں فیصلہ کرلوں گا اور اگر مجھے اسپین آنا ہوا تو میں تمہیں جا کر ہوٹل کیرول میں ملاقات کرکے اطلاع دوں گا۔''

''اوکے خدا حافظ میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے ورنہ تم سے مزید تفصیلی باتیں کرتا۔'' دوسری طرف سے فون بند ہوگیا۔ لیکن کامران چکرا کر رہ گیا تھا یہ عجیب و غریب اطلاع اسے اچانک ملی تھی اور وہ گہری سوچوں میں ڈوب گیا تھا۔ کیا اسے اسپین جانا چاہیے؟ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ یہاں جو حالات پیش آ رہے تھے۔ وہ بڑے الجھے ہوئے تھے۔ اگر کرنل گل نواز مل جائے تو اس بار اسے اپنے رازوں میں شریک کر ہی لے گا۔ اسے بتائے گا کہ کس طرح وہ الجھنوں میں گرفتار ہے۔ یہ بھی بتائے گا کہ گرشک اور سیتا کا اس ہم جوئی کے دوران کیا رویہ رہا۔ اسے یہ بھی بتائے گا کہ یہ لوگ اور روحیں نہیں بلکہ وہاں پر بہت سے لوگ اسے ایک انوکھے کردار کے نام سے یاد کرتے رہے ہیں۔ پاتال پرتی۔ پرم پربھو، اسے کہانیاں سناتے رہے ہیں کہ کوئی ستی ساوتری اس کے لیے زمین کی گہرائیوں میں سو رہی ہے۔ اسے یہ بھی بتایا جاتا رہا ہے کہ ایک پورا شہر اس کا منتظر ہے اور پاتال کی گہرائیوں میں کوئی اس کا انتظار کر رہا ہے۔

یہ عجیب و غریب کہانی صرف کہانی کی شکل میں رہتی اگر اسے یہ انتہائی پراسرار واقعات نہ پیش آئے ہوتے۔ یہ ساری کی ساری بڑی عجیب و غریب کہانیاں تھیں دھرم دستونیاں، ستی پرکتہ، دھرونی، بدھ مذہب کے کسی ایک کردار کی حیثیت سے وہ کس طرح کس کس کی توجہ کا نشان بن گیا ہے۔ اس مشکل سے نکلنے کا کیا ذریعہ ہوسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حسن شاہ بہت ہی شاندار شخصیت تھی۔ لیکن وہ حسن شاہ کو بھی اس بارے میں کوئی تفصیل نہیں بتانا چاہتا تھا۔

یہ تفصیل ایک طرح سے کسی کی امانت تھی۔ جس کے لیے اس سے کہا گیا تھا کہ اس امانت کی حفاظت کی جائے۔ لیکن تعجب کی بات تھی۔ اچانک ہی یہ انوکھی کہانیاں اس کی زندگی میں کیسے شامل ہوگئیں۔

جبکہ وہ تو ایک سیدھا سچا نوجوان تھا۔ جو نیکیوں کے راستے زیادہ پسند کرتا تھا۔ اپنے مذہب پر بھی وہ پوری طرح کاربند تھا اور اس کو ان فضولیات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ لیکن یہ فضولیات تھیں جو اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی تھیں۔ گھن چکر بن کر رہ گیا تھا۔ وہ چاہتا تو وہ ایک پرسکون نیند سو سکتا تھا۔ لیکن حالات اسے مہلت ہی نہیں دے رہے تھے۔ اب کیا کروں کیا نہ کروں وہ آنکھیں بند کر کے بیٹھ گیا۔ رستھا بھی اس کی ایسی ہمدرد اور غمگسار نہیں تھی اور پھر وہ اتنے دن سے مسلسل غائب تھی اس کا مطلب تھا کہ وہ اپنے کام سے لگ گئی ہے اس کا احساس بھی تھا اسے کہ کہیں وہ فیلر کے ہاتھ نہ لگ گئی ہو اور فیلر نے اسے کوئی نقصان نہ پہنچا دیا ہو۔ کیا رستھا کو تلاش کیا جائے؟ دل نے کہا۔

فضولیات میں جتنے اترتے چلے جاؤ گے، اترتے رہو گے۔ آج رستھا کی کہانی سامنے آئی ہے اس کے علاوہ بہت سی کہانیاں تھیں جیسے نیرینہ علی جو اس کے بعد اسے پھر کبھی نہیں ملی تھی۔ وہ ایک انوکھا اور پراسرار کردار تھی۔ اچانک ہی اس کے ذہن نے ایک فیصلہ کیا کہ اسے اسپین جانا چاہیے۔ وسائل ہیں راستے ہیں تو کیوں نہ کوشش کرلی جائے اور اس کے بعد اس نے سب سے پہلا فیصلہ یہ کیا کہ یہ ہوٹل چھوڑ دیا جائے۔ ہوسکتا ہے اسپین جانے کے لیے اسے کچھ وقت درکار ہو اور اس دوران رستھا وہاں پہنچ جائے ایک بار پھر وہ الجھنوں میں پھنس جائے گا۔ ہوٹل کا پورا بل ادا کر کے وہ اپنے مختصر سامان کے ساتھ باہر نکل آیا۔ ہوٹل کی بھلا کیا کمی تھی۔ کرنل گل نواز کی طرف جانے کو جی نہیں چاہا تھا۔ شاہنواز سوائے پریشان ہونے کے اور کیا کرسکے گا وہ عام قسم کا نوجوان تھا اور کامران یہ بات جانتا تھا کہ اگر وہ اس گھر میں کرنل گل نواز کی گمشدگی کی اس طرح اطلاع دے گا تو وہاں بھی الجھنوں کے سوا اسے کچھ نہیں ملے گا۔

بہرحال ایک اور ہوٹل میں اس نے ایک کمرا حاصل کیا اور پھر اس پتے پر جا پہنچا جس پتے پر عیسیٰ خان سے ملاقات کرنی تھی۔ تقریباً ساڑھے چھ فٹ قد و قامت کے اس خوبصورت پٹھان نے بڑی خوش دلی سے اس کا استقبال کیا۔''

''میرا نام کامران ہے۔''

''جی کامران خان میں سمجھتا ہے آپ کو حسن شاہ نے بھیجا، میرے کو بولو پہلے یہ بتاؤ کہ آپ کو اسپین جانا ہے۔''

''آپ کو اس نے خاصی تفصیل بتا دی ہے خان صاحب! ہاں میں اسپین جانا چاہتا ہوں۔''

''تو پھر ٹھیک ہے میرے کو کل کا دن دو تمہارا پاسپورٹ اور ٹکٹ آ جائے گا۔''

''ایک دن میں سب کچھ ہوجائے گا۔''

''بابا ایک دن میں تو دنیا بدل جاتا ہے۔ حکومتیں بدل جاتا ہے۔ ملک ختم ہوجاتا ہے سونامی آ جاتا ہے لاکھوں لوگ ختم ہوجاتا ہے۔ ابھی تم بولتا ہے اسپین جانے کا بندوبست ایک دن میں ہوجائے گا یا نہیں۔'' عیسیٰ خان نے کہا اور کامران ہنسنے لگا۔

''آپ کے وسائل ہیں خان صاحب ورنہ یہ عام آدمی کے بس کی بات نہیں ہے۔''

''ابی یار تمہارے کو کیا بولے عام آدمی کا بات کرتے ہو ناں۔ عام آدمی کو تو پیٹ بھر کر روٹی بھی

نہیں ملتا ہے بے چارے کو۔ ٹھیک ہے میرے کو یہ بتاؤ، تمہارا قیام کدھر ہے اگر اور ٹھہرنا چاہو تو یہ جگہ موجود ہے تمہارے لیے۔"

"نہیں میں ایک ہوٹل میں رہتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے کل رات کو ساڑھے آٹھ بجے تمہارے کو فون کروں گا اس وقت میں بتا دے گا کہ سارا پروگرام کیا ہے۔"

"ٹھیک ہے خان صاحب۔"

"ابی روپے پیسے کا فکر مت کرنا۔ حسن شاہ سے میرا حساب چلتا ہے۔"

"ہاں میں آپ کو یہ بتانا چاہتا تھا کہ پیسے میرے اکاؤنٹ میں بھی کافی پڑے ہوئے ہیں مجھے بتا دیجیے کہ کتنے پیسے وہاں سے نکلوا لوں۔"

"ابی ٹھیک ہے میں تمہارے کو کل بتاؤں گا۔ کل انتظام ہو جائے گا پرسوں باقی سارا کام کرے گا بیٹو کھانا منگواتا ہے تمہارے لیے۔"

"آپ کا بے حد شکریہ عیسیٰ خان صاحب میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔"

"ابی چائے مائے تو پیو۔" عیسیٰ خان نے کہا۔ وہ اپنے روائتی انداز میں میری خاطر مدارات کرنے لگا اور تھوڑی دیر کے بعد میں وہاں سے چل پڑا۔ ہوٹل میں اپنے کمرے میں پہنچنے کے بعد میرے پورے بدن میں ہلکی ہلکی اینٹھن سی ہونے لگی۔ ایک انتہائی طویل اور خطرناک مہم ختم ہوئی تھی اور اس کے بعد اسپین جس کا میں نے صرف تذکرہ ہی سنا تھا کبھی اس کا نظارہ نہیں کیا تھا۔ میرے ذہن میں اس قدیم ملک کے بارے میں بہت سی داستانیں ابھرنے لگی تھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کی قدامت اس سے مذہبی تعلقات اور بہت سے ایسے واقعات منسلک تھے کہ میں یہاں جاتے ہوئے ایک اعصابی کشیدگی محسوس کر رہا تھا۔

لیکن میرا دل اندر سے کہہ رہا تھا کہ مجھے وہاں جانا چاہیے دیکھوں وہاں کون کون سے واقعات میرے منتظر ہیں۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

کامران کو بار بار اپنے ماضی پر غور کرنا پڑتا تھا۔ جب بھی بچپن پر نگاہ ڈالا۔ انتہائی عجیب و غریب کیفیات کا احساس ہونے لگتا تھا۔ ماں باپ کے ساتھ بچپن کا آغاز ہوا۔ تعلیمی مشاغل مکمل ہوئے۔ ایک بھری زندگی میں جس پر ساری محبتیں نچھاور تھیں۔ ماں باپ کا پیار حاصل تھا پھر یوں لگا جیسے زہریلی ہواؤں نے اس کے گھر کا رخ کیا ہو۔ ماں باپ چل بسے۔ بہن کی ذمے داری سر پر آ پڑی اور اس نے ایک نہایت ذمے دار بھائی کی طرح بہن کو اس کے گھر روانہ کر دیا۔ لیکن بدنصیبی نے بہن بھی اس سے چھین لی اور پھر انتقام کی آگ میں سلگتا ہوا وہ بہن کے قاتل سے انتقام لینے نکلا تو نیکیوں نے اس کا راستہ روک لیا۔ بس وہیں اس کی پراسرار زندگی کا آغاز ہوا تھا۔

کرنل گل نواز کا گھر اس کے لیے ایک طلسم کدہ ثابت ہوا اور وہاں جو واقعات اسے پیش آئے انہوں نے اس کی زندگی کا رخ ہی بدل دیا۔ کرنل کی محبت اور اس کی اپنی فطرت کی وفاداری نے اسے کرنل

سے اس طرح منسلک کر دیا کہ باقی تمام معاملات ذہن سے محو ہی ہو گئے۔ پھر اس کے بعد اسے ایک پراسرار کردار ملا۔ وہ خود اس کیسٹ میں موجود تھا جس کا تعلق ہمالیائی علاقوں میں چھپے ہوئے ایک خزانے سے اور بدھ مذہب سے تھا۔ اس مذہب کے بارے میں تو اسے مکمل تفصیلی معلومات تک نہیں حاصل تھیں، پھر نہ جانے کس طرح وہ سب اس کی زندگی سے منسلک ہو گیا۔

اس کے بعد حالات پراسرار سے پراسرار تر ہوتے چلے گئے۔ گرشک اور سیتا اور اس کے بعد کرنل گل نواز کے پراسرار مہمان جنہوں نے اس کی زندگی کا رخ ہی بدل دیا لیکن اس نے کسی خزانے کے حصول کے لیے یہ زندگی نہیں اپنائی تھی۔ بلکہ صرف کرنل گل نواز کی محبت تھی۔ اس کے احسانات تھے جنہوں نے اس حد تک مجبور کر دیا تھا۔ یہ سب بڑی عجیب و غریب کہانی تھی۔ اس کے بعد جو حالات پیش آئے وہ اس قدر پراسرار تھے کہ خود اس کا دماغ چکرا کر رہ جاتا تھا۔ اسے یوں لگتا تھا جیسے وہ ایک سحر کے جال میں گرفتار ہو اور یہ سحر اس کا پیچھا نہ چھوڑنا چاہتا ہو۔ اب اس کے بعد حسن شاہ نے نشان دہی کی تھی کہ کرنل گل نواز اسپین میں ہے۔ دو ہی باتیں تھیں یا تو وہ ہر کردار پر لعنت بھیج کر اپنی زندگی کے لیے کوئی صحیح راستہ تلاش کرتا یا وہی سب کچھ جواب تک پیش آتا رہا تھا، لیکن ایک اور خیال بھی اس کے دل میں تھا۔ اگر وہ ان تمام چیزوں کو چھوڑ کر کہیں گوشہ نشین ہو جائے، اپنا نام تک بدل لے تو کیا یہ سحر عظیم اس کا پیچھا چھوڑ سکے گا۔

بعض اوقات اس کے لیے فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا تھا۔ بہت سے کردار زندگی میں آئے تھے اور چلے گئے تھے۔ عروسہ کی موت اسے یاد تھی۔ پتا نہیں بے چاری کس طرح اس کے جال میں پھنس گئی، اس کا تو کوئی قصور نہیں تھا۔ بہرحال اس کے بعد بہت سے ایسے کردار، سیتا نے اسے متاثر کیا تھا لیکن وہ ایسا ناقابل یقین کردار تھا جس کے بارے میں سوچ کر بھی ایک عجیب سی وحشت دل میں سما جاتی تھی۔ وہ لوگ اس سے نہ جانے کیا چاہتے تھے۔ انہوں نے اسے ماضی قدیم کا ایک ایسا کردار قرار دیا تھا جو کسی کی محبت کا مرکز تھا اور وہ جس کی محبت کا مرکز تھا، وہ پاتال کی گہرائیوں میں سو رہی تھی۔ لاحول ولا قوۃ، کیا یہ ایک عقل میں آنے والی بات ہے لیکن کیا کرتا، وہ سحر تو اس کی جان ہی نہیں چھوڑتا تھا۔

ریتھا اس وقت کے بعد سے اس طرح غائب ہوئی تھی کہ اس کا کوئی نام و نشان نہیں تھا، حالانکہ اگر وہ چاہتا تو وہ جگہ جہاں ریتھا اسے لے گئی تھی اسے یاد تھی اور وہ وہاں جا کر اسے تلاش کر سکتا تھا لیکن ان دنوں اسے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے اس کا ہر قدم کسی پراسرار قوت کے تابع ہے۔ وہ خود اپنے طور پر کوئی عمل نہیں کر رہا تھا۔ اب اس وقت بھی وہ ڈانوا ڈول تھا۔ عیسیٰ خان اس کی روانگی کا بندوبست کر رہا تھا اور ایک آدھ دن میں اسے اسپین کے لیے روانہ ہو جانا تھا۔ حسن شاہ نے اس سے یہی توقع ظاہر کی تھی کہ وہاں پہنچ کر وہ اسے مل جائے گا اور دونوں کرنل گل نواز کو تلاش کریں گے اور اس کی مدد کریں گے۔

حسن شاہ، رانا چندر سنگھ کا اتنا ہی وفادار تھا جتنا کامران کرنل گل نواز کا۔ آخری فیصلہ اس نے یہی کیا کہ اب زندگی میں کوئی اور دلکشی تو باقی نہیں رہی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اسپین ہی چلا جائے چنانچہ اس نے آخری فیصلہ کیا۔ عیسیٰ خان سے معمول کے مطابق ملاقات ہوئی تو اس نے کہا کہ آج رات کی فلائٹ سے اسے اسپین روانہ ہو جانا ہے۔ ایک عجیب و غریب تاثر ہے وہ جہاز میں سوار تھا اور اسپین جیسے روائتی ملک کے

سفر کا آغاز ہو گیا تھا۔

نہ جانے کیا کیا خیالات اس کے دل میں آ رہے تھے۔ ان ہی خیالات میں سفر کٹا اور آخر کار وہ اپنی منزل پر پہنچ گیا۔ ضروری امور سے فراغت حاصل کرنے کے بعد ایک ہوٹل کے نمائندے نے اس کی توجہ حاصل کر لی اور تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں منتقل ہو گیا۔ معقول رقم اس کے پاس موجود تھی اور اسے یہاں ایک اچھی زندگی گزارنے میں کسی وقت کا سامنا نہیں تھا البتہ اسے یہ بات معلوم نہیں تھی کہ حسن شاہ کس طرح اس سے ملاقات کرے گا۔

لیکن بہرحال اگر حسن شاہ نے اسے یہاں تک پہنچایا ہے تو لازمی بات ہے کہ وہی اس سے رابطہ بھی قائم کرے گا۔ چنانچہ وہ سکون سے میڈرڈ کے اس شاندار ہوٹل میں قیام پذیر تھا۔ اپنے قیام کے بعد وہ پہلی بار نیچے اترا اور عالی شان ہوٹل کے ہال میں داخل ہو گیا۔ کمرے کے لحاظ سے اس کی میز ریزرو تھی۔ وہ اپنی میز پر جا کر بیٹھ گیا حالانکہ بہت کم دنیاداری اسے آتی تھی، لیکن وقت اور ماحول سب سے بڑا استاد ہوتا ہے۔ ایک اجنبی ملک میں جہاں کی زبان کی اسے ذرا شدبد بھی نہیں تھی اجنبی لوگوں کے درمیان اس اجنبی جگہ بھی بڑے اعتماد کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور اس کی طائرانہ نگاہیں چاروں طرف کا جائزہ لے رہی تھیں لیکن اس کے بعد اس کی نگاہوں کا جو مرکز بنا اس نے حقیقی طور پر اس سے اس کے حواس چھین لیے۔ سامنے دو لڑکیاں ایک میز پر بیٹھی ہوئی تھیں اور وہ ان دونوں کو پہچانتا تھا۔ دو مختلف کردار جن میں ایک ریتھا اور دوسری وہ چھوٹی سی گڑیا رشی تھی جسے ایک نگاہ دیکھ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا بلکہ ذہن کے خانوں میں اس کی تصویر باقی رہ جاتی تھی۔

یہ لڑکی شجیرہ نامی ایک خطرناک عورت کے ساتھ نظر آئی تھی، لیکن اس وقت وہ ریتھا کے ساتھ تھی۔ ریتھا جو اس کی زندگی میں ایک خاصا دخل حاصل کر چکی تھی۔ یہاں میڈرڈ میں بڑے تعجب کی بات تھی۔ ایک لمحے کے لیے اس کا دل چاہا کہ یہاں سے اٹھ جائے لیکن نہ جانے کیوں وہ ایسا نہ کر سکا اور ریتھا کے بارے میں وہ اپنے تجسس کو ختم نہیں کر سکتا تھا پھر ریتھا نے بھی اسے دیکھ لیا اور کامران کو محسوس ہوا جیسے ریتھا کو اسے دیکھ کر حیرت نہ ہوئی ہو۔ البتہ وہ اپنی جگہ سے اٹھ ضرور گئی تھی۔ اس نے رشی کو بھی اپنے ساتھ آنے کو کہا تھا۔

وہ دونوں کامران کی میز کے پاس پہنچیں۔ ریتھا نے آہستہ سے کہا۔

"ہیلو۔"

"ہیلو۔" کامران نے سرد مہری سے جواب دیا۔ ریتھا نے اپنے لیے کرسی گھسیٹ لی اور رشی کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

"بیٹھو۔" کامران خاموشی سے ان دونوں کی صورت دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً ریتھا مسکرا پڑی۔

"تمہاری خاموشی چیخ چیخ کر کہہ رہی ہے کہ تم مجھ سے سخت ناراض ہو۔"

"میرا خیال ہے تمہیں یہ چیخیں کہیں اور سے سنائی دے رہی ہوں گی۔ میرے بارے میں غلط فہمی کا شکار مت ہو۔" کامران نے جواب دیا اور ریتھا ہنس پڑی پھر بولی۔

"یہ جلے کٹے جملے بھی اسی بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ تم سخت ناراض ہو۔"

"یار کمال ہے میرا کیا تعلق ہے تم سے ریتھا۔ صرف معمولی سی شناسائی کو اس قدر اہمیت دے رہی ہو۔"

زندگی میں بے شمار لوگ ملتے ہیں۔ جدا ہوتے ہیں۔ اب یہ تو نہیں ہے کہ کسی کی ذات پر تسلط ہی قائم کر لیا جائے۔"

"تم یقین کرو۔ میں تمہارا پیچھا کرتی ہوئی یہاں تک آئی ہوں۔ تم سے خصوصی طور پر دور رہنے کی کوشش کرتی رہی ہوں۔ میں نے تمہیں فیلر کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ انتہائی خطرناک آدمی ہے البتہ یہ نہیں بتایا تھا میں نے تمہیں کہ وہ اسپین کا باشندہ ہے۔" ایک ہلکا سا چھناکا میرے ذہن میں ہوا تھا۔

"فیلر اسپینش ہے؟"

"یہاں اس کا پورا خاندان موجود ہے۔ تمہارے ہاتھوں شدید زخمی ہوا ہے۔ وہ زندگی اور موت کی کش مکش کا شکار رہا تو اس کے دو بھائی وہاں پہنچے اور اسے یہاں لے آئے۔ اب وہ میڈرڈ کے ایک اسپتال میں ہے۔ اس نے اپنے بھائیوں کو ساری کہانی سنا دی ہے۔"

"مگر تم اس کے پیچھے یہاں تک کیوں چلی آئیں؟"

"یہ ایک الگ داستان ہے اور میرے لیے قابل توجہ اس لیے ہو گئی جب مجھے پتا چلا کہ تم اسپین آ رہے ہو؟"

"تمہیں یہ کہاں سے پتا چلا۔"

"پولیس میں ہوتے تو بہت کامیاب رہتے۔ کس قدر جرح کرتے ہو۔ جہاں سے تمہارا پاسپورٹ اور کاغذات تیار کرائے جا رہے تھے۔ میرا مطلب ہے عیسیٰ خان نامی شخص تمہاری تصویر کے ساتھ جو پاسپورٹ بنوا رہا تھا وہیں پر میڈم شجیرہ اپنا پاسپورٹ بنوانے کی تیاریاں کر رہی تھیں۔ انہوں نے مجھے یہ بات بتائی اور میں نے ارجنٹ اپنے یہاں آنے کی تیاریاں کر لیں۔"

"تو کیا میڈم شجیرہ بھی یہاں موجود ہیں۔"

"اتفاق سے وہ بھی اسپینش ہیں۔ اصل میں اسپین میں رہنے والوں کے نقوش مشرق سے اس قدر ملتے جلتے ہیں کہ کبھی کبھی انہیں نہیں پہچانا جا سکتا۔" کامران کا سر چکرانے لگا۔ دو متضاد باتیں تھیں۔ حسن شاہ نے بتایا تھا کہ کرنل گل نواز اسپین میں ہے اور اس کی مدد کے لیے انہیں اسپین جانا ہے۔ یہاں دوسری کہانی بھی اسپین ہی سے متعلق نکلی۔ ریتھا نے اور بھی باتیں بتائیں اور کامران کا ذہن صاف ہو گیا۔ ریتھا نے اس سے کہا۔

"تم یقین کرو۔ فیلر بے حد خطرناک آدمی ہے۔ اس کے بھائی بھی جرائم پیشہ ہیں اور اسپین کے انڈر ورلڈ سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا اور ایک اور انوکھی بات بتاؤں تمہیں۔ میڈم شجیرہ نے بتایا ہے کہ فیلر کے بھائیوں کو بھی تمہاری یہاں آمد کا پتا چل گیا ہے۔"

"لو...... میں نہ ہوا کسی ملک کا صدر ہو گیا۔" کامران نے ہنستے ہوئے کہا پھر بولا۔

"مگر تم لوگ یہاں کیوں چلے آئے؟"

"میں نے بتایا نا کہ میڈم شجیرہ کے ساتھ میں یہاں چلی آئی۔"

"کب تک قیام ہے؟"

"کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ویسے تم اگر پسند کرو تو میں تمہیں اسپین کی سیر کرا سکتی ہوں کیونکہ میں اور

ریشی اسپین سے اچھی طرح واقف ہیں۔"

"میں اگر جنوبی امریکا جاؤں گا تب بھی تم میرا پیچھا کرو گی اور بعد میں یہی بتاؤ گی کہ تم تو وہاں کے باشندوں کی طرح سے ہو۔"

"شاید ایسا ہو۔" رجھا نے ہنس کر کہا۔ اس دوران خوب صورت لڑکی ریشی خاموش رہی تھی مگر اس پر جب بھی نگاہ ڈالی جاتی بالکل ایسا ہی لگتا جیسے کوئی گڑیا ہو۔ بہت پیاری تھی وہ۔ بہرحال یہ ایک دلچسپ ملاقات تھی۔ رجھا نے جو کچھ بتایا تھا وہ سمجھ میں آنے والی بات تھی۔ کامران نے اسے تسلیم کر لیا تھا لیکن یہ کہ فیلر بھی یہاں موجود ہے اور اس کے بھائیوں کو اس کے بارے میں پتا چل چکا ہے اسے شدید حیرت ہو رہی تھی۔ یہ سب کچھ غیر فطری تھا، ناقابلِ فہم۔

لیکن بہرحال تھا تو سہی۔ رجھا نے کہا۔ "کیا خیال ہے میرا ساتھ تمہیں پسند ہو گا کہ نہیں۔"

"بس کیا کہا جا سکتا ہے؟"

"میں تمہارے کمرے کے بارے میں جانتی ہوں۔ میرا قیام میڈم شجیرہ کے ساتھ ہے۔ کل ہم اسپین کی سیر کریں گے۔" کامران نے رجھا کو یہ تک نہیں بتایا کہ وہ یہاں کیوں آیا ہے اور نہ ہی رجھا نے پوچھا۔ یہ سب کچھ، باتیں اسے مسلسل الجھا رہی تھیں۔ رجھا کا کردار انتہائی پر اسرار تھا بہرحال وہ چلی گئی اور کامران نہ جانے کب تک اس کے بارے میں سوچتا رہا پھر اسے حسن شاہ کا خیال آیا۔ حسن شاہ کے پاس کوئی جادوئی چھڑی تو ہے نہیں کہ وہ اسے میڈرڈ میں تلاش کرے گا۔ اس سے ملاقات کا کیا ذریعہ ہو سکتا ہے اور ایسا کیسے ہو گا؟ کامران کے ذہن میں ایک بار پھر جھنجھلاہٹ سی آ گئی۔ یہ ساری الجھنیں خود بخود دور ہو گئیں۔ مجھے کیا پڑی ہے کہ اپنے آپ کو عذاب میں گرفتار کروں۔ اس بار پھر اس خیال سے وہ مطمئن ہو گیا دوسرے دن رجھا آ گئی۔ اس نے ٹیلیفون کر کے کہا تھا کہ وہ دو بجے کے بعد یہاں پہنچے گی اور اس وقت تقریباً پونے تین بج رہے تھے۔ جب وہ ایک خوب صورت کار میں بیٹھ کر باہر نکل آئے۔ اسپین کے آسمان پر بس کہیں کہیں بادلوں کا کوئی ٹکڑا تھا ورنہ ہر طرف دور تک نیلا آسمان پھیلا ہوا تھا اور سنہری دھوپ شہر کے گلی کوچوں پر دھوم دھام سے برس رہی تھی۔

قرب و جوار کے مناظر بہت دل کش تھے۔ اس وقت رجھا کامران کے برابر بیٹھی ہوئی تھی جب کہ ریشی گاڑی چلا رہی تھی۔ کامران نے رجھا سے یہ سوال نہیں کیا تھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔ ویسے اسپین کا اس وقت یہ موسم جس میں دھوپ بھی تھی اور ٹھنڈک بھی تھی۔ کامران کو خاصا اچھا لگ رہا تھا اور وہ خوش تھا۔ رجھا اسے اس طرح میڈرڈ کے تفریحی مقامات دکھا رہی تھی جیسے یہ اس کا خود اپنا شہر ہو۔ گاڑی چلتی رہی۔ کامران رجھا سے مختلف موضوعات پر باتیں کرنے لگا۔ دورانِ گفتگو ایک بار پھر فیلر کا ذکر نکل آیا۔

"میڈم شجیرہ نے فیلر کے سلسلے میں بڑی ذمہ داریوں کے ساتھ معلومات حاصل کر رکھی ہیں۔ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ فیلر کو تمہاری یہاں آمد کے بارے میں علم ہے اور وہ لوگ تمہیں جگہ جگہ تلاش کر رہے ہیں۔" کامران نے رجھا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"فیلر جانتا تھا کہ تم میری ساتھی ہو۔ کیا وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا؟"

"میڈم شجیرہ نے بھی یہ خدشہ ظاہر کیا ہے کہ تمہارا پتا معلوم کرنے کے لیے وہ مجھے پکڑ سکتے ہیں، لیکن فکر کی بات نہیں۔ میں اپنی حفاظت کر سکتی ہوں۔ تمہیں بالکل فکر نہیں کرنا چاہیے۔" کامران نے ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"میں کبھی اپنی فکر نہیں کرتا۔" ریشی اس تمام گفتگو سے بے نیاز ڈرائیونگ کر رہی تھی اور اس کی پشت اور گھنگھریالے بال بے حد خوب صورت نظر آ رہے تھے۔ یہ لڑکی انتہائی پرکشش تھی اور جب بھی اس پر نگاہ ڈالی جاتی دل و دماغ میں عورت بیدار ہو جاتی تھی۔ اس وقت اس نے چوڑی آستینوں والا ایک لمبا مخصوص طرز کا لباس پہنا ہوا تھا جس پر متعدد کلر کی پھول پتیاں اور بیلیں چھپی ہوئی تھیں۔ گلے میں سیاہ سرخ اور سبز موتیوں والی تین لڑیوں کی مالا پڑی ہوئی تھی۔ کلائیوں میں نقشین کنگن تھے۔ اس نے ہلکے سبز رنگ کا دھوپ کا چشمہ بھی لگا رکھا تھا جو اس کے چہرے پر بہت بھلا لگ رہا تھا۔ کمر میں کرتے کے اوپر اس نے ایک سنہری زنجیر باندھ رکھی تھی جس نے اس کی کمر کا دل آویز خم نمایاں کر دیا تھا۔ اس لباس اور انداز نے اس کی شخصیت میں ایک ایسا حسن پیدا کر دیا تھا کہ اسے دیکھ کر ذہن و احساس میں امنگوں کے طوفان اٹھنے لگتے تھے۔

کامران جس طرح کا ٹھوس کردار کا نوجوان تھا وہ بھی اس وقت اسے دیکھ کر اپنے ذہن میں عجیب سے مد و جزر محسوس کر رہا تھا۔ اس وقت کار ایک ایسے علاقے سے گزر رہی تھی جہاں بڑے بڑے شان دار بنگلے اور کاٹیج تھے۔ وکٹورین طرز کی پرانی اور پتھریلی عمارتیں جو چھوٹے موٹے محل یا قلعے کی طرح نظر آتی تھیں۔ آبادی خال خال تھی لیکن بہت خوب صورت جگہ تھی۔ ریشی نے ایک عمارت کے سامنے گاڑی روکی۔ یہ عمارت بھی وکٹورین اسٹائل کی تھی۔ فاؤنڈیشن سے لے کر اوپر تک پوری عمارت میں پتھر ہی پتھر استعمال ہوا تھا۔ دروازوں اور کھڑکیوں کی لکڑی کا رنگ کالا تھا۔ عمارت کی ظاہری حالت کافی بوسیدہ دکھائی دیتی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے بہت عرصے سے اس پر رنگ و روغن نہ کیا ہو۔ گیٹ پر ایک چھوٹی سی تختی لگی ہوئی تھی جس پر ڈی گھریکا لکھا ہوا تھا۔ کامران نے ایک لمحے کے لیے رجھا کو دیکھا تو رجھا نے مسکرا کر آنکھیں بند کر لیں اور مطمئن رہنے کے لیے اشارہ کیا۔

بہرحال یہ لوگ عمارت کے صدر دروازے تک جا پہنچے۔ رجھا نے کال بیل بجائی اور تھوڑی ہی دیر بعد ایک پستہ قد عورت نے دروازہ کھولا۔ اس کے چہرے کے تاثرات میں بڑی کرختگی تھی، لیکن تھوڑی دیر بعد یہ کرختگی نرمی میں تبدیل ہو گئی۔ اس نے کامران کو بہت غور سے دیکھا اور تعظیمی انداز میں جھک گئی۔

"آئیے۔ آئیے۔ اندر آ جائیے۔" کامران کو یہ بھی بہت عجیب لگا تھا بہرحال وہ اندر داخل ہو گیا۔ عمارت باہر سے اتنی وسیع نظر نہیں آتی تھی جتنی درحقیقت تھی۔ وہ لوگ ایک طویل راہداری میں چل رہے تھے۔ راہداری میں سرخ رنگ کا قالین بچھا ہوا تھا۔ دونوں طرف دیواروں پر وال پیپر لگا ہوا تھا اور یہ وال پیپر بھی سرخ رنگ کا تھا۔ اس پر سنہرے رنگ سے بہت سی تصاویر بنی ہوئی تھیں۔ دونوں طرف تین تین دروازے تھے۔ ایک سب سے بڑی حیرت انگیز بات یہ تھی کہ ان تصویروں میں بدھ اسٹائل کے پگوڈے خانقاہیں اور بدھ بھکشو آتے جاتے نظر آ رہے تھے۔ کامران ایک بار پھر دھک سے رہ گیا۔

"یہ کیا قصہ ہے؟ یہ سارے معاملات ایک ہی طرف کیوں اشارہ کرتے ہیں۔ بدھ مت...... بدھ

مت اور صرف بدھ مت۔ یہ بدھ مت اس کی زندگی سے کیوں چپک گیا ہے۔ ویسے تو سب کچھ غیر فطری سا لگتا تھا۔ رتھا، ریشی، فیلر اور وہ تھیرہ میوزیم سارے کا سارا عجیب۔ کامران کو یاد آیا کہ رتھا اسے اس میوزیم میں ملی تھی جہاں وہ بدھ مت کے نوادرات کا جائزہ لے رہا تھا اور بدھ مت کے حوالے ہی سے رتھا نے اس سے گفتگو بھی کی تھی اور اس کے قریب آئی تھی۔ دفعتاً ہی کامران کو یوں لگا جیسے کوئی نئی بات نہ ہوئی ہو۔ سارا معاملہ اسی پیچیدہ چکر سے تعلق رکھتا ہو، جس میں پھنس کر وہ ایک طویل عرصہ تبت، سنکیانگ اور ہمالیہ کی ترائیوں کے دوسرے علاقوں میں گزر چکا تھا اور جہاں کرنل گل نواز گم ہو گیا تھا۔ آہ...... کیا ہے یہ سب کچھ۔ کیا میں واقعی زمانہ قدیم کا کوئی بدھ ہوں؟ لیکن کامران کا مذہب اس بات کی نفی کرتا تھا۔ اس وقت ایک عجیب و غریب کیفیت اس پر طاری تھی۔ وہ رتھا کے ساتھ قدم آگے بڑھا رہا تھا، لیکن اس کا ذہن اسی طرح عجیب و غریب خیالات میں پھنسا ہوا تھا۔

جب وہ راہداری کے اختتام پر پہنچا تو یکا یک ساکت ہو گیا۔ وہ ہونقوں کی طرح گردن اٹھائے اس تصویر کو گھور رہا تھا جو راہداری کے آخر میں لگی ہوئی تھی۔ یہ تصویر تقریباً تین فٹ چوڑی اور پانچ فٹ لمبی تھی۔ یہ سب سے حیرانی کی بات تھی کہ یہ سیتا اور کرشن کی تصویر تھی۔ کامران کو سردی لہر اپنے جسم میں دوڑتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس راہداری میں بے شمار تصاویر بدھ مذہب سے متعلق تھیں اور ان تصویروں میں سیتا اور کرشن کی تصویر وہ اس روغنی تصویر کو دیکھتا رہا۔ مصور جو کوئی بھی تھا بلا کا فن کار تھا جس نے یہ شاہ کار تخلیق کیا تھا۔

دونوں جیتے جاگتے کردار محسوس ہوتے تھے۔ خاص طور سے سیتا جو اس تصویر میں اپنی اصل سے زیادہ حسین نظر آتی تھی، اس کے اندر دل و دماغ کو جو تسخیر کر لینے والی صلاحیت تھی اور آنکھوں میں جو طلسماتی چمک تھی وہ یوں نظر آ رہی تھی جیسے سیتا اس تصویر میں منجمد ہو گئی ہو۔ رنگوں کا امتزاج انتہائی دل کش تھا۔ اس وقت اسے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے سیتا اس سے اپنی آنکھوں سے کچھ کہنے والی ہو اور ابھی چند لمحوں کے بعد وہ بول پڑے گی۔ کتنی ہی دیر تک کسی سحر انگیز کیفیت میں وہ وہاں کھڑا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ تصویر یہاں کیوں ہے۔ اس نے گھوم کر رتھا اور ریشی کو دیکھنے کی کوشش کی مگر وہ اس دوسرے دروازے تک پہنچ چکی تھیں جہاں کسی نے دروازہ کھول دیا تھا۔ اچانک رتھا کی آواز ابھری۔

''مسٹر کامران پلیز......!'' اور کامران ایک دم چونک پڑا۔ پھر وہ اپنے آپ کو سنبھال کر ان کے پیچھے کمرے میں داخل ہو گیا جس کمرے میں داخل ہوا وہ کافی کشادہ تھا۔ فرش پر ایک دبیز سرخ قالین بچھا ہوا تھا۔ درمیان میں ایک میز بھی تھی جس کی سطح ہلکے نیلے شیشے کی تھی۔ ہال کی مشرقی دیوار کے ساتھ ایک چھوٹی میز صوفہ سیٹ اور کرسیاں پڑی ہوئی تھیں۔ دیواروں پر سنہری پینٹ کیا گیا تھا۔ سامنے کچھ شوکیس رکھے ہوئے تھے جن میں عجیب و غریب قسم کی اشیاء رکھی ہوئی تھیں۔ ان اشیا میں مہاتما بدھ کا مجسمہ بھی تھا۔ کوئی ڈیڑھ فٹ لمبا سنہرے رنگ کا مجسمہ شوکیس کے پاس سنگ مرمر سے بنی ہوئی ایک خوب صورت مخمل پر رکھا ہوا تھا۔ وہ مجسمہ یا تو خالص سونے کا تھا یا پھر سونے کا پانی پھرا ہوا تھا۔ پھر میری نگاہیں اس شخص کی جانب اٹھ گئیں جس نے دروازہ کھولا تھا۔ وہ ایک دبلا پتلا مجہول سا آدمی تھا۔ گال پچکے ہوئے اور آنکھوں کے گرد حلقے تھے۔ اسے دیکھ کر ایک عجیب سا احساس ہوتا تھا، بالکل یوں لگتا تھا جیسے کوئی مردہ قبر سے اٹھ کر آ گیا ہو۔ چہرے پر اتنی

زردی تھی کہ لگتا تھا کہ اس کے جسم میں خون نام کی کوئی چیز نہیں ہے بالکل پھیکا اور بے نور چہرہ تھا۔ اس نے گیروے رنگ کا لباس پہنا ہوا تھا۔ لیکن سب سے زیادہ حیرت انگیز چیز اس کی آنکھیں تھیں۔ اس کی آنکھوں کا اس کے پورے وجود سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ ان آنکھوں میں گہری پراسرار چمک تھی اور اس کی پتلیوں کا رنگ اس قدر نیلا تھا کہ اسے دیکھ کر ایک عجیب سا احساس دل میں پیدا ہوتا تھا۔

دفعتاً ہی رتھا نے کہا۔

''ہیلو! پردھان پرسو! یہ وہی مشہور عالم شخصیت کامران ہیں جن کا تذکرہ آپ کے کانوں تک بھی پہنچ چکا ہو گا۔'' اس شخص نے دو قدم پیچھے ہٹ کر دونوں ہاتھ سیدھے کیے اور رکوع کے انداز میں جھک گیا۔ رتھا نے کہا۔

''یہ طریقہ تعظیم ہے۔''

''بڑا انتظار تھا آپ کا...... پاتال پرتی!'' پردھان پرسو نے کہا اور کامران اچھل پڑا۔ پاتال پرتی...... پاتال پرتی...... پاتال پرتی۔ دفعتاً ہی اس کے ذہن میں جھلاہٹ بیدار ہو گئی۔ اس نے کہا۔

''آپ نے مجھے کسی اور نام سے مخاطب کیا۔ پردھان پرسو! میرا نام کامران ہے۔''

''اوہ...... ہاں، واقعی واقعی۔ آپ کی شخصیت بہت متاثر کن ہے آپ کی بڑی مہربانی ہے کہ آپ نے یہاں تک آنے کی زحمت گوارہ کی۔''

''میں تو ایک معمولی سا آدمی ہوں۔ پردھان پرسو۔'' کامران نے کہا۔ پردھان پرسو نے بہت غور سے کامران کو دیکھا اور بہت دھیرے سے مسکرایا اور پھر آہستہ سے بولا۔

''یہ تو وقت بتائے گا کہ آپ کیا ہیں اور وہ وقت جلد ہی آنے والا ہے۔''

''اچھا۔ گویا میں جو کچھ ہوں وہ میں خود اپنے بارے میں نہیں جانتا۔'' کامران نے کہا اور مردہ بوڑھا مسکرایا اور اس کے ساتھ ہی رتھا اور ریشی بھی ہولے سے ہنسیں اور کامران کے ذہن میں پھر ایک الجھن سی بیدار ہو گئی۔ بہرحال اس کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ اسی وقت پردھان کی آواز ابھری۔

''آئیے۔ آپ یہاں آئے ہیں، ہماری خوش بختی ہے۔ بیٹھیے تاکہ ہماری عزت میں اضافہ ہو۔'' اس نے کرسیوں کی طرف اشارہ کیا اور سب لوگ بیٹھ گئے۔ کامران ایک کرسی پر بیٹھنے لگا تو پردھان پرسو نے جلدی سے کہا۔

''نہیں یہ نہیں۔ آپ کے بیٹھنے کی جگہ یہ ہے۔'' اس نے ایک اونچی سی کرسی سامنے کی جس کا انداز اور بناوٹ شاہانہ قسم کا تھا۔ کامران جھنجھلایا ہوا سا تو تھا لیکن بہرحال اس جھنجھلاہٹ کا وہ کوئی اظہار نہ کر سکا چونکہ اس کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ جس جگہ وہ بیٹھا ہوا تھا یہاں سے سونے کا وہ مجسمہ صاف نظر آتا تھا جو مہاتما بدھ کا تھا۔ پردھان پرسو نے کہا۔

''ریشی جاؤ۔ کسی مشروب کا انتظام کرو۔'' اس نے اس انداز میں ریشی کو حکم دیا تھا جیسے ریشی اس کے لیے ایک الگ ہی درجہ رکھتی ہو۔ ریشی اپنی جگہ سے اٹھ گئی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ چند لمحوں کے بعد دروازہ کھلا اور ایک لڑکی اندر داخل ہوئی۔ یہ گیشاؤں کا لباس پہنے ہوئے تھی اور اس کا چہرہ سفید پینٹ سے رنگا

ہوا تھا۔ اس نے اندر داخل ہو کر گردن جھکائی تو پردھان پرسو نے کہا۔

"ایک مہمان آتما نے ہمارے گھر کو رونق بخشی ہے۔ جاؤ ان کے لیے کوئی اچھا مشروب لے کر آؤ۔" اور لڑکی باہر نکل گئی۔ کامران کی نگاہیں اطراف میں بھٹک رہی تھیں۔ پھر اسے گرشک اور سیتا کی وہ تصویر یاد آئی جو تصویر سے زیادہ یوں لگتا تھا جیسے دو انسانوں کو فریم میں چپکا دیا گیا ہو۔ ایک لمحے کے لیے کامران کے دل میں خیال آیا کہ تصویر کے بارے میں پوچھے لیکن نہ جانے کس مصلحت کے تحت اس کی زبان بند ہی رہی اس وقت پردھان پرسو کی آواز ابھری۔

"آپ کو یہاں آئے ہوئے کتنا وقت گزر گیا۔ مہمان متی۔"

"زیادہ نہیں۔"

"اچھا، اچھا۔ رتھا نے مجھے بتایا تھا کہ آپ اچین آئے ہیں۔ میں نہیں جاننا چاہتا کہ اچین میں آپ کسی اور مقصد کے تحت آئے ہیں، لیکن رتھا سے مجھے یہ معلوم ہوا تھا کہ فیلر سے آپ کا جھگڑا ہوا تھا۔ یہ بتا دینا آپ کو بہت ضروری ہے کہ آپ اس ملک میں اجنبی ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے لیے کوئی پریشانی پیدا ہو جائے۔ میں فیلر کو جانتا ہوں وہ سنگ دل، ظالم اور خودغرض ہے۔ شرافت اس کے قریب سے بھی نہیں گزری۔ یہاں اس کے بھائی زیرزمین دنیا کے لوگ ہیں اور مجرمانہ کارروائیاں کرتے رہتے ہیں۔ مہمان متی آپ کو احتیاط کرنا ہوگی۔ ویسے تو آپ کے خادم آپ کے اردگرد بکھرے ہوئے ہیں لیکن پھر بھی میری خواہش ہے کہ آپ ہوشیار رہیں۔"

"میں زیادہ ڈرتا نہیں ہوں کسی سے۔ فیلر اگر کوئی بہت بڑی چیز ہے تو مجھے بھی کمزور نہیں پائے گا۔"

"بالکل ٹھیک ہے ہم بھی آپ کے خادم ہیں۔ آپ کے پاس بھی دوستوں کی کمی نہیں ہے۔ سارے دوست آپ کے دوست ہیں۔" ابھی یہیں تک بات پہنچی تھی کہ وہی لڑکی اندر داخل ہوئی اور اپنے خوب صورت وجود کی نمائش کرتی ہوئی، چاندی کی ایک چھوٹی سی ٹرے سنبھالے ہوئے کامران کے پاس آ گئی۔ ٹرے میں چاندی کے گلاس رکھے ہوئے تھے۔ اس نے سب کو ایک ایک گلاس پیش کیا اور واپس چلی گئی۔ گلاس میں ایک خوب صورت مشروب اوپر تک بھرا ہوا تھا لیکن وہ اس قدر گاڑھا تھا اور اس میں کچھ عجیب قسم کی مہک تھی۔ یہ ایک انتہائی دل کش مہک تھی۔ وہ مشروب کامران کے لیے اجنبی تھا تاہم اس نے ایک چھوٹا سا گھونٹ بھرا اور اس کا ذائقہ بھی اسے بے حد عجیب لگا۔ بڑا تیز تلخ اور کسیلا ذائقہ تھا۔

کامران کو اپنی بہترین خوشبو کے باوجود وہ مشروب پسند نہیں آیا لیکن اس کا پہلا گھونٹ حلق سے اترا تو زبان پر فوراً ہی لطیف اور مہک انگیز مٹھاس محسوس ہوئی۔ تعجب کی بات تھی لیکن تعجب کی بات نہیں بھی تھی کیونکہ کامران کی زندگی کا اب ہر قدم پراسرار گتھیوں میں لپٹا ہوا تھا۔ بہرحال وہ اب اس مشروب کو بڑے شوق سے ایک ایک گھونٹ کر کے پینے لگا۔ سب لوگ اپنے مشروب سے شغل کر رہے تھے۔ جب گلاس خالی ہو گئے تو سب سے پہلے رتھا اپنی جگہ سے اٹھی اور ریشی کو اشارہ کر کے بولی۔

"آؤ ریشی۔ ذرا اوپری منزل پر چلتے ہیں۔" "کامران! پردھان پرسو تمہارے لیے بہت اچھے ساتھی ثابت ہوں گے۔ ان سے باتیں کرو۔" کامران نے اس بات کو بھی حیرت زدہ انداز میں دیکھا تھا۔ بہرحال ان

کے جانے کے بعد پردھان پرسو اس کے سامنے رہ گیا۔ اس وقت کامران پر ایک ایسی کیفیت طاری تھی جسے الفاظ میں بیان کرنا مشکل تھا۔ ذہن پر بڑی نشاط انگیز اور روح پرور کیفیت طاری تھی اور جسم بے حد ہلکا پھلکا لگ رہا تھا پھر اچانک ہی کامران کی نگاہ پردھان پرسو کی کلائی پر پڑی۔ اس کلائی میں ایک زنجیر نظر آ رہی تھی۔ یہ بالکل ویسی ہی زنجیر تھی جیسی اس نے ایک بار ان سب کے گلے میں دیکھی تھی اور حیران ہوا تھا۔ پردھان پرسو اس زنجیر کو آہستہ آہستہ سہلا رہا تھا۔ پھر وہ بولا۔

"پاتال پرمتی! آپ نے مجھے اپنے اصل نام سے محروم کر دیا ہے لیکن نام کچھ بھی ہو، اصل چیز انسان کی شخصیت ہوتی ہے۔ آپ مجھے بہت پسند آئے۔ آپ میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جو پاتال پرمتی کی شخصیت کا ایک حصہ ہوتی ہیں۔ آپ اس کائنات کے صفحے پر ایک ایسی نہ مٹنے والی تحریر ہیں جو صدیوں سے قائم ہے اور صدیوں تک قائم رہے گی کیوں کہ آپ پر ایک عہد ساز ذمے داری آ پڑی ہوئی ہے۔ ویسے پاتال پرمتی کیا آپ مجھے اپنے بارے میں بتانا پسند کریں گے۔ میرا مطلب ہے اپنے ماضی کے بارے میں۔"

کامران نے اسے غور سے دیکھا۔ ایک لمحے کے لیے اس کا دل چاہا کہ اس شخص سے باقی تمام باتیں پوچھے۔ یہ ایک اچھا موقع بھی تھا۔ اس نے کہا۔

"پردھان پرسو میرے بارے میں کیا جاننے چاہتے ہو؟"

"آپ کا ماضی پاتال پرمتی!"

"تم جس فضول نام سے مجھے مخاطب کر رہے ہو۔ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جب تم نے مجھ سے اس طرح کا سوال کیا ہے تو میرا دل چاہتا ہے کہ میں تمہیں پوری تفصیل بتا دوں۔"

"میری اس سے زیادہ خوش قسمتی اور کچھ نہیں ہوگی پاتال پرمتی!"

"حالانکہ یہ نام مجھے بالکل پسند نہیں ہے، لیکن پھر بھی تم کہہ رہے ہو تو میں اسے صبر سے برداشت کیے لیتا ہوں۔ دیکھو۔ پہلی بات تو یہ کہ میں بدھشٹ نہیں ہوں۔" کامران کے ان الفاظ پر پردھان پرسو نے غور سے اسے دیکھا پھر آہستہ سے بولا۔

"ٹھیک ہے آپ کا اپنا دھرم کیا ہے؟"

"اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے میں مسلمان ہوں۔ ایک مسلمان گھرانے میں جنم لیا۔ مسلمانوں کی طرح پروان چڑھا۔ میرے والدین درمیانے درجے کے لوگ تھے۔ ایک بہن تھی میری، جو ایک حادثے کا شکار ہو گئی۔ اس حادثے کے بعد دنیا مجھے بہت بری لگنے لگی۔ میں بہن کے قاتلوں سے انتقام لینے نکلا تو میری رہنمائی ہوئی۔ مجھے انتقام سے روک دیا گیا۔ اس کے بعد میں ایک گھر میں ملازمت کرنے لگا اور وہاں مجھے ایسے نیک دل اور اچھے لوگ ملے جنہوں نے میرا دل جیت لیا۔ ان کے ساتھ میں تبت اور سنکیانگ کے علاقے میں گیا۔ اس دوران مجھے دو کردار ملے جن میں سے ایک کا نام گرشک اور دوسرے کا نام سیتا تھا۔" کامران نے کہا اور اچانک ہی پردھان پرسو اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ اس نے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کیے پھر جھکا اور اس کے بعد سجدہ ریز ہو گیا۔ کامران نے حیرانی سے اپنی کرسی پیچھے ہٹا لی تھی۔ پردھان پرسو کچھ دیر تک سجدے میں پڑا رہا پھر اٹھا اور کرسی پر بیٹھ گیا۔

”آپ نے دو ایسے نام لیے جو ہمارے لیے مقدس دیوتاؤں کا درجہ رکھتے ہیں۔“

”ہوگا...... ہوگا۔“ کامران نے بہ دستور جھنجلائے ہوئے لہجے میں کہا۔ پھر بولا۔

”اس کے بعد میری زندگی عجیب و غریب ہنگاموں سے دوچار ہوگئی اور ابھی تم نے مجھے پاتال پرمتی اور نہ جانے کیا کیا کہا۔ احمقانہ نام دیے جب کہ تم سمجھتے ہو اور تمہیں علم ہو چکا ہے کہ میں مسلمان ہوں اور ہم لوگوں کے ہاں اس طرح کی کسی بات کی گنجائش یا لچک نہیں ہوتی۔“ پردھان پرسو کامران کی باتیں بڑے غور سے سن رہا تھا۔ جب وہ دم لینے کے لیے رکا تو اس نے کہا۔

”ایک سوال کرنا چاہتا ہوں مہامنی!“

”پھر وہی مہامنی!“

”یہ تو محبت کے الفاظ ہیں۔ بڑائی کی بات ہے۔ آپ ہی بتایئے کہ آپ کے دل میں کبھی کسی کی محبت جاگی؟“ کامران نے حیرانی سے دیکھا۔ وہ پلک جھپکائے بغیر کامران کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں میں وہ زنجیر بہ دستور گردش کر رہی تھی۔ زنجیر میں لگا ہوا خوب صورت لاکٹ اس کی انگلیوں میں گردش کر رہا تھا اور دائیں بائیں ڈول رہا تھا۔ اچانک ہی کامران کو اپنے ذہن میں ایک ہلکی ہلکی سنسناہٹ سی محسوس ہوئی۔ حواس پر ایک ناقابل یقین غنودگی چھانے لگی اور آنکھوں کے پپوٹے بھاری ہونے لگے پھر وہ بولا۔

”پتا نہیں میں نے کسی سے محبت کی ہے یا نہیں۔ بس بہت سے چہرے میری نگاہوں کے سامنے آئے ہیں۔ ہاں اگر تم سوچو کہ کسی چہرے نے میرے دل میں کوئی جگہ بنائی ہے یا نہیں تو وہ سیتا ہی تھی۔ کیا ایسا کردار ہے اس کے اندر جسے میں کوئی نام نہیں دے سکتا۔“ کامران کہتا رہا اور پردھان پرسو سنتا رہا۔ دھیرے دھیرے بالکل دھیرے دھیرے جیسے کوئی گونج پہاڑیوں سے معدوم ہوتی ہے۔ کامران کی آواز خود اس کے کانوں سے دور ہوتی چلی گئی اور پھر پردھان پرسو کا ہیولا بھی تحلیل ہونے لگا۔ رفتہ رفتہ ہر چیز اس کی آنکھوں سے اوجھل ہوگئی اور اس کے گرد اندھیرا چھا گیا۔ اس نے دیکھا کہ وہ اندھیرے میں چلا جا رہا ہے۔ ایک روشنی ایک پراسرار روشنی اس کے سامنے پرواز کرتی ہوئی آگے بڑھ رہی ہے اور وہ اسی کے پیچھے چلا ہوا آگے بڑھ رہا ہے۔ یہاں تک کہ جنگل سے باہر نکلتا ہے تو ایک ناقابل یقین حد تک خوب صورت دنیا میں پہنچ جاتا ہے اور حیران ہوکر ادھر ادھر دیکھتا ہے۔ یہ عجیب اور انوکھی دنیا ہے، چاروں طرف اوپر نیچے دائیں بائیں بے شمار رنگوں کی لہریں چکراتی پھر رہی ہیں ان کے مختلف رنگ ہیں، رنگ ہی رنگ۔ ان گنت جیسے رنگوں کا طوفان آیا ہوا ہے۔

قدموں کے نیچے سبز گھاس بچھی ہوئی ہے۔ ایسی نرم ایسی پیاری اور اس طرح ترشی ہوئی کہ بس انسان دیکھے اور دیکھتا ہی رہ جائے۔ گرد و پیش میں درخت ہی درخت ہیں۔ چھوٹے چھوٹے گول ان کے رنگ بھی عجیب ہیں۔ سنہرے، سرخ اور پیارے۔ ان پر پھول کھلے ہوئے ہیں اور اتنے زیادہ ہیں کہ جدھر نظر جاتی ہے پھول ہی پھول نظر آتے ہیں۔ شاداب اور معطر ان کی خوشبو سے پورا علاقہ معطر ہو رہا ہے۔ یہ رنگ کامران کے گرد منڈلا رہے ہیں اور وہ خود ایک لہر کی طرح سبک ہوکر گویا بہتا چلا جا رہا ہے۔ کچھ دیر کے بعد ایک ایسی جگہ پہنچتا ہے جہاں فرش پر اتنے پھول کھلے ہوئے ہیں کہ گھاس نظر نہیں آتی۔ وہ پھولوں پر چلتا ہوا

آگے بڑھتا ہے تو سامنے سے ایک خوب صورت لڑکی آتی ہوئی نظر آتی ہے اس کے جسم پر کیسری لبادہ ہے اور چہرہ ڈھکا ہوا ہے۔ ایک عجیب و غریب انداز کا لباس ہے اور اس کا جسم شاخ گل کی طرح لچک رہا ہے۔ آہستہ آہستہ وہ کامران کے قریب پہنچ جاتی ہے۔ دور وہ گھٹنے ٹیک کر اور سر جھکا کر اسے تعظیم دیتی ہے۔ کامران کے اندر بھی ایک عجیب سی ادا پیدا ہو جاتی ہے جیسے وہ سکندر اعظم ہو اور دنیا اس کے آگے جھکی ہوئی ہو۔ پھر وہ حسینہ اسے پھول پیش کرتی ہے اور کامران اس پھول کو اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے۔ پھول کی خوشبو اس قدر معطر ہے کہ وہ سر سے پیر تک سرشار ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ پھر وہاں سے آگے بڑھ جاتا ہے۔ پرندوں کی آواز سے ساری وادی گونج رہی ہے لیکن یہ پرندے بھی اجنبی ہیں۔ اس نے ایسے پرندے پہلے کبھی نہیں دیکھے۔ بے حد خوش رنگ، خوش نما پرندے عالم مستی میں چہچہا رہے ہیں۔ ان کی آوازیں موسیقی کی نشاط انگیز گونج اور نغمہ رنگین ہے۔ کامران اس سارے ماحول سے اس طرح متاثر ہو جاتا ہے کہ اسے اپنے وجود کا احساس نہیں رہتا پھر کچھ اور آگے چلتا ہے تو اسے ایک شخص نظر آتا ہے یہ بھی بدھ مت کے لباس میں ہے۔ آہستہ آہستہ وہ اس کے قریب آ کر ٹھہر جاتا ہے۔ اس کے پیچھے ایک لڑکی بالکل چھوٹی سی دبلی پتلی، اس نے بھی پہلے والی لڑکی کی طرح لباس پہن رکھا ہے۔ چند لمحوں کے توقف کے بعد پہلے والی لڑکی کے انداز میں وہ دونوں بھی اسے تعظیم دیتے ہیں۔

پھر آنے والا شخص اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور پیچھے ہاتھ کرتا ہے۔ لڑکی نے ہاتھ میں ایک تھالی اٹھا رکھی ہے۔ کیسری لبادے میں ملبوس شخص تھالی میں مخمل پر رکھی ہوئی ایک انگوٹھی اٹھاتا ہے اور اسے کامران کے دائیں ہاتھ کی پہلی انگلی میں پہنا دیتا ہے۔ کامران اسے غور سے دیکھ رہا ہے وہ ایک دبلا پتلا طویل القامت آدمی ہے۔ اس کی شکل خاص قسم کے تھائی باشندوں جیسی ہے۔ انگوٹھی پہنا کر وہ تھالی سے ایک زنجیر اٹھاتا ہے جس میں ایک خاص قسم کا لاکٹ لٹکا ہوا ہے۔ زنجیر وہ شخص کامران کے گلے میں ڈال دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ دونوں پھر اسے تعظیم دیتے ہیں اور اپنا کام سرانجام دے کر واپس پھولوں کے جھنڈ میں غائب ہو جاتے ہیں۔ کامران چند لمحے وہاں کھڑا رہتا ہے اس کے بعد اس کے قدم پھر آگے بڑھ جاتے ہیں اور اب وہ جس مقام سے گزر رہا ہے یہاں چاروں طرف پتلی پتلی پختہ نہریں ہیں، جن میں چاندی کی طرح جھلملاتا پانی بہہ رہا ہے۔

آگے ایک بارہ دری نظر آتی ہے۔ خوشبو یہاں بھی چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے اور پرندے ادھر سے ادھر اڑتے پھر رہے ہیں۔ پھولوں کے تختے چاروں طرف بچھے ہوئے ہیں۔ وہ نہروں کے پاس سے گزرتا ہوا اچانک ایک عمارت کے پاس پہنچ گیا۔ یہ قدیم طرز کی عمارت ہے۔ سامنے چھ ستون ہیں اور سامنے ایک خوب صورت دالان ہے۔

کامران ایکس سیڑھیاں چڑھ کر ان ستونوں کے درمیان سے گزر کر صحن میں پہنچتا ہے اور اچانک اسی وقت ایک آدمی نہر کے محرابی دروازے سے نکل کر اس کے سامنے آجاتا ہے۔ دفعتاً ہی کامران کے ذہن کو ایک جھٹکا لگتا ہے۔ اس کے سامنے اس کا ہم شکل کھڑا ہوتا ہے۔ اسے لگتا ہے جیسے آئینہ اس کے سامنے ہو، بجز اس کے جسم لباس اور سامنے آنے والے آدمی کے لباس میں بہت فرق ہے۔ اس نے جو لباس پہن رکھا ہے اس پر چاندی اور موتیوں کا انتہائی باریک اور نفیس کام ہے۔ سر پر ایک خاص قسم کا تاج رکھا ہوا ہے اور اس

کی گردن میں سونے کا ایک سانپ لپٹا ہوا ہے۔ وہ کامران کو دیکھ کر مسکراتا ہے اور کامران کے ہونٹ مسکراہٹ کے انداز میں پھیل جاتے ہیں۔ وہ نرم اور دوستانہ لہجے میں کہتا ہے۔

"تم کون ہو؟" کامران سوچ میں ڈوب جاتا ہے اس وقت اسے اپنا نام یاد نہیں آتا۔

"کیا نام ہے تمہارا؟" وہ پھر پوچھتا ہے۔ کامران اپنے ذہن پر زور دیتا ہے لیکن تعجب ہے اسے اپنا نام یاد نہیں آتا۔ وہ مسکراتا ہے پھر ہمدردی سے کہتا ہے۔

"کیا تمہاری کوئی پہچان ہے؟"

"نہیں۔"

"کیوں......؟"

"کیونکہ تم اور میں ایک ہی ہیں۔ ہم دونوں ایک دوسرے کا سایہ ہیں اور سائے کی کوئی پہچان نہیں ہوتی۔"

"ہاں شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔ تمہیں یاد ہے کہ تم کہاں سے آئے ہو لیکن اس وقت کامران کو کچھ یاد نہیں آتا۔ وہ گردن ہلا کر کہتا ہے۔

"نہیں۔ میں نہیں جانتا میں کون ہوں۔ میرا نام کیا ہے اور میں کہاں سے آیا ہوں۔ کچھ بھی نہیں جانتا میں گویا میں کچھ بھی نہیں ہوں۔"

"لیکن میں ہوں، اگر تم نہیں ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں ہوں۔"

"یقیناً ایسا ہی ہے، مگر تم کون ہو؟" کامران نے اس سے پوچھا اور اس نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا۔ کامران نے دیکھا کہ اس کی چاروں انگلیوں میں زمرد، یاقوت اور فیروزے کی انگوٹھیاں تھیں اور کلائی میں سونے کا ایک سانپ کڑے کی شکل میں پڑا ہوا تھا جس کی آنکھوں میں لعل جڑے ہوئے تھے۔ اس نے اپنے ہاتھ کو چاروں طرف گھمایا پھر اس نے کہا۔

"میں اس علاقے کا حکمران ہوں۔ یہ پرندے میرے لیے بولتے ہیں۔ یہ ہوائیں میرا دل بہلاتی ہیں۔ وادی کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک میں ہی ہوں۔ صرف میں ہی ہوں اور ستی ساوتری پاتالا پردھانی میری محبوبہ ہے۔ سمجھ رہے ہو نا تم...... میں پاتال پرستی ہوں اور تم میری نقل سمجھے۔ تم صرف میری نقل ہو۔"

"مگر میں خود کون ہوں، مجھے کیوں یاد نہیں آتا؟"

"اس لیے کہ تم صرف سایہ ہو...... میرا سایہ۔"

"تو پھر میں یہاں کیوں آیا ہوں؟"

"اس لیے کہ ابھی وقت کو تمہاری ضرورت ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میری جگہ کو سنبھالے رہو۔ وہ سب کچھ جس کا فیصلہ ہو گیا ہے جو صدہا سال سے سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا چلا آ رہا ہے، تکمیل کو پہنچے۔ تم میری جگہ آ جاؤ اور پھر انتظار کرو۔ جب تم بادشاہوں کی وادی میں جاؤ اور سونے والے جاگ اٹھیں، اس وقت فضاؤں کی مہک ناقابل یقین ہوگی۔ داسیاں رقص کریں گی اور آسمان پر پورا چاند طلوع ہوگا اور پھر وہ جاگ اٹھے گی جو میری منتظر ہے جسے وقت نے سلا رکھا ہے اور آگے بہت کچھ ہوگا۔ سمجھ رہے ہو نا۔ اب تمہیں اس وقت تک میری شکل اختیار کرنا ہوگی جب تک میں خود اپنی شکل میں نہ آ جاؤں۔ سمجھ رہے ہو۔ اب میرا ادھ

تمہارے وجود کو مل چکا ہے۔

مجھے اجازت دو۔" یہ کہہ کر وہ واپس مڑا اور دھیرے دھیرے فضا میں تحلیل ہو گیا۔ اس سے زیادہ وضاحت اور کیا ہو سکتی تھی، اس سے زیادہ تفصیل اور کیا بتائی جا سکتی تھی۔ کامران کو پوری طرح اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ درحقیقت وہ زمانہ قدیم کے ایک انوکھے کردار کا ہم شکل ہونے کی وجہ سے ان سارے معاملات کا شکار ہوا ہے۔ کیسٹ میں جو تصویر نمایاں تھی وہ کامران کی نہیں بلکہ اس پراسرار شخص کی تھی اور کامران صرف اس کی ہم شکلی کا شکار ہوا تھا۔ پتا نہیں وہ خوفناک عورت جس کا نام اینہ سلفا تھا اور جس کے بارے میں یہ انکشاف ہوا تھا کہ وہ زمانہ قدیم کی ایک ایسی عورت ہے جو صدیوں سے جیتی چلی آئی ہے۔ علی سفیان اس کا نیا شکار ہے۔ اس عورت کو بھی خزانوں کی ضرورت نہیں تھی بلکہ اس کہانی میں اس کا کردار بھی بڑا پراسرار تھا۔

وہ کوئی اور ہی وجود رکھتی تھی۔ باقی قزل ثنائی اس کی بیوی شعورہ، دانش اور دوسرے بہت سے کردار کرنل گل نواز، رانا چندر سنگھ اور نہ جانے کون کون یہ سب ایسی ڈور میں بندھے ہوئے تھے۔ کامران کو اب اس بات کا علم ہو چکا تھا کہ خود اس کا اپنا مقام کیا ہے۔ پرکھنز کی وادیوں میں سونے والی اس کی محبوبہ نہیں تھی بلکہ اس شخص کی تھی جو کامران کا ہم شکل تھا۔ ایک شخص نے صرف ایک شخص نے اس بات کا خدشہ ظاہر کیا تھا کہ ممکن ہے کہ کامران اس شخص کا ہم شکل ہو۔ کامران نے سوچا کہ اب ان سارے معاملات سے گلوخلاصی تو ممکن نہیں ہے چنانچہ کیوں نہ خود اس کہانی میں کھو جایا جائے۔ حسن شاہ نے اسے یہاں صرف اس لیے بلایا تھا کہ اسپین میں اسے کرنل گل نواز کی موجودگی کی کوئی خبر ملی تھی۔ وہ نہ جانے اس وقت کہاں ہے۔ کامران نے کسی پراسرار طلسم کے زیر اثر سوچا کہ اسے اب اس کہانی میں ایک کردار بن جانا چاہیے جو اس کے چاروں طرف لپٹ گئی ہے۔ وہ کتنی ہی کوشش کر لے اس کہانی سے فرار حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔

بہرحال اس نے آنکھیں بند کر لیں اور دھیرے دھیرے نیند کی آغوش میں چلا گیا۔ پھر جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے پردھان پرسو کو دیکھا جو اس کے سامنے بیٹھا مسکرا رہا تھا مگر اب اس کے ہاتھوں میں زنجیر نہیں تھی۔ دونوں لڑکیاں ابھی تک واپس نہیں آئی تھیں۔ کامران تھوڑی دیر تک عجیب سے انداز میں کھویا کھویا سا رہا پھر اس نے پشیمان لہجے میں پردھان پرسو کو دیکھا اور بولا۔

"شاید میں سو گیا تھا۔"

"کوئی بات نہیں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے۔" بہرحال کامران حیران تھا کہ اگر وہ سو گیا تھا تو کیوں اور کیسے۔ کیا یہ اس مشروب کا اثر تھا مگر وہ مشروب تو باقی لوگوں نے بھی پیا تھا مگر ان پر کوئی اثر کیوں نہیں ہوا۔ وہ الجھے ہوئے انداز میں آہستہ آہستہ کنپٹی پر انگلی پھیرتا رہا۔ اس کے ذہن میں اب دھند سی تھی۔ ان گنت خیالات یوں الجھ گئے تھے جیسے بہت بڑی ڈور الجھ گئی ہو۔ سر میں ہلکی ہلکی جھنک بھی ہو رہی تھی۔ کوئی چیز واضح نہیں تھی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ شاید اس نے کوئی خواب دیکھا ہے مگر کیسا خواب تھا وہ، ذہن کے پردے پر کچھ تصویریں تو تھیں مگر اتنی مبہم اور دھندلی کہ کوئی شکل واضح نہیں بن رہی تھی۔ اسی وقت پردھان پرسو کی آواز سنائی دی۔

"کیا بات ہے کیا تمہاری طبیعت کچھ خراب ہے کامران!"

''ہاں سر میں درد ہے۔''

''کوئی بات نہیں ابھی کھلی ہوا میں جاؤ گے تو ٹھیک ہو جاؤ گے۔''

''وہ دونوں ابھی تک نہیں آ گئیں۔'' کامران نے ریشی اور ریتھا کے بارے میں سوال کیا لیکن ابھی پردھان پرسو نے کوئی جواب نہیں دیا تھا کہ دونوں لڑکیاں دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئیں۔ ان دونوں نے اپنے ہاتھوں میں کتابیں تھام رکھی تھیں۔ پردھان نے خوش مزاجی سے کہا۔

''شاید تمہیں اپنے مطلب کی کتابیں مل گئیں۔'' ریتھا نے گردن ہلائی اور بولی۔

''ہاں۔ ایک کتاب میں کامران کے لیے بھی لائی ہوں۔ یہ ان کی پسند کی کتاب ہوگی۔''

''واہ۔ یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔''

''ویسے آپ لوگوں کی اس دوران کیسی گفتگو رہی۔''

''بس میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ یہ تو بہت بڑی شخصیت کے مالک ہیں اور انہیں اتنا ہی ذہین اور اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک ہونا بھی چاہیے۔ میں تم دونوں کا شکر گزار ہوں کہ تمہاری بہ دولت مجھے اتنے عظیم انسان سے ملنے کا موقع ملا۔ اب مجھے امید ہے کہ مجھے دوبارہ بھی شرف ملاقات بخشا جائے گا۔''

''کیوں نہیں، ہم انہیں دوبارہ یہاں ضرور لائیں گے۔''

''ویسے ایک خیال میرے ذہن میں اور ہے۔''

''ہاں بولیے۔''

''کیوں نہ ہم انہیں اپنی سوسائٹی میں شامل کر لیں۔ ہمارے گروپ کو ان کی ضرورت ہے۔''

''بلاشبہ یہ بہت اچھی بات ہوگی۔'' اس بار ریشی نے بھی اس گفتگو میں مداخلت کی۔

''کیوں جناب! آپ کیا کہتے ہیں۔ اصل میں ہم نے ایک سوسائٹی بنائی ہے۔ ہمارے ممبروں کی تعداد بہت کم ہے۔ اس میں ہر ذوق کے لوگ موجود ہیں۔ خواتین حضرات بھی۔ ہماری خوش قسمتی ہوگی کہ آپ بھی ہماری سوسائٹی کی اعزازی رکنیت قبول فرما لیں۔''

''کیا یہ دونوں بھی سوسائٹی کی ممبر ہیں؟''

''ہاں دونوں۔ بلکہ یہی دونوں نہیں اور بھی کئی ہیں جنہیں آپ پسند کریں گے۔''

''ٹھیک ہے۔ میں غور کروں گا۔'' کامران نے جواب دیا، پھر وہاں سے واپسی کی ٹھہری۔ پردھان پرسو انہیں چھوڑنے دروازے تک آیا۔ جب یہ لوگ دروازے کے قریب پہنچے کامران نے اس شخص کو دیکھا۔ وہ قریبی کمرے سے اچانک برآمد ہوا تھا۔ ایک لمبے چوڑے جسم کا آدمی تھا اور اس کا چہرہ انتہائی درجے کا سرخ۔ سر کے بال چھوٹے چھوٹے اور دونوں کان ٹوٹے ہوئے۔ وہ کوئی پہلوان نظر آ رہا تھا۔ اس نے خوشگوار مسکراہٹ کے ساتھ اسے دیکھا اور بولا۔

''ہیلو'' اس نے بس اتنا ہی کہا تھا کہ پردھان پرسو نے آگے آ کر کہا۔

''تم جاؤ۔'' اور وہ شخص اس طرح واپس چلا گیا جیسے ان الفاظ کے ساتھ بندھا ہوا ہو۔ رات ہو چکی تھی اور روشنیاں جگ مگاتی دکھائی دے رہی تھیں۔ موسم بہت اچھا تھا۔ آسمان ستاروں سے سجا ہوا تھا اور چاند

نیلے سمندر میں محو سفر تھا، لیکن نہ جانے کیوں اس وقت یہ سب پھیکا پھیکا سا لگ رہا تھا۔ نہ چاند، نہ ستاروں اور نہ ان روشنیوں میں کوئی دل کشی محسوس ہو رہی تھی۔ گاڑی انہیں لے کر چل پڑی۔ ریتھا کامران کے ساتھ ٹیک کر بیٹھی ہوئی تھی، لیکن کامران کے ذہن پر ایک دھندی چھائی ہوئی تھی۔ بہرحال تھوڑی دیر کے بعد یہ لوگ ایک ریستوران کے سامنے رک گئے۔

''یہاں کیوں؟'' کامران نے سوال کیا۔

''آؤ تمہیں ایک عمدہ چیز پلاتی ہوں جو خالص اسپینش ہے۔ یہ ایک ہلکے کلر کی قہوہ نما کافی تھی، لیکن کمال کی چیز تھی، بالکل جادوئی اثر۔ کامران ایک دم زندگی سے بھرپور ہو گیا اور اسے ہر چیز دل کش نظر آنے لگی۔ بہرحال یہاں سے اٹھے اور ان دونوں لڑکیوں نے اسے اس کی رہائش گاہ پر چھوڑا۔ کامران نے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ جانا چاہتی ہو تو جاؤ۔ میں یہاں کچھ وقت رکوں گا۔'' وہ فٹ پاتھ پر رک گیا۔ لڑکیاں چلی گئی تھیں۔ بڑی خوشگوار سی کیفیت محسوس ہو رہی تھی۔ کچھ دیر تک وہ وہاں کھڑا رہا اور پھر اپنی آرام گاہ کی طرف چل پڑا۔ ابھی اسے اندر گئے ہوئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک اطلاعی گھنٹی۔ اس نے جا کر دروازہ کھولا تو ایک لمبے اور دبلے پتلے بدن کا آدمی کھڑا ہوا تھا۔ اس کے گھنگھریالے بال، تانبے جیسی رنگت اور دل کش آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ مقامی آدمی ہے۔ وہ کامران کے لیے بالکل اجنبی تھا۔ کامران نے کہا۔

''جی کہیے۔''

''آپ مسٹر کامران ہیں؟''

''ہاں۔''

''کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟''

''آ جائیے۔'' کامران نے کہا اور اس نے محسوس کیا کہ وہ کچھ پریشان اور گھبرایا گھبرایا سا ہے۔ بار بار ادھر ادھر دیکھنے لگتا تھا۔ کمرے میں داخل ہو کر کامران نے اس سے پوچھا۔

''جی فرمائیے۔ میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟''

''آپ میرے لیے کچھ نہ کیجیے بلکہ میں آپ کے لیے کچھ کرنے آیا ہوں۔ اگرچہ میں نہیں جانتا کہ مجھے یہاں آنا چاہیے تھا یا نہیں، مگر میں شاید ذہنی خلجان کا شکار ہوں، پھر یہ بھی امکان ہے کہ آپ میری باتیں سن کر مجھے پاگل سمجھیں۔ اس کے باوجود میں خود کو یہاں آنے سے روک نہیں سکا۔ میں آپ کا ہمدرد ہوں۔ میں دو دن سے آپ کا تعاقب کر رہا ہوں۔''

''کیوں......؟'' کامران نے چونک کر پوچھا۔

''میں نے کہا نا کہ میں کوئی عقلی جواز پیش نہیں کر سکتا۔ شاید یہ کوئی اندرونی جذبہ ہے کہ میں آپ کے پیچھے رہوں اور دیکھوں کہ آپ کہاں جاتے ہیں اور کیا کرتے ہیں۔''

''تمہاری باتیں بہت عجیب لگ رہی ہیں مجھے، مگر میرا پیچھا کرنے کی کوئی وجہ تو ہوگی؟''

''ہاں ہے۔''

''کیا وجہ ہے؟''

"میں...... میں......" وہ سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے کہا کہ کیا آپ مجھے سگریٹ پینے کی اجازت دیں گے۔"

"ہاں۔ پی لیں۔" کامران نے کہا۔ اس کی انگلیاں کانپ رہی تھیں۔ اس نے سگریٹ نکال کر جلائی اور اس کے کئی کش لیے، پھر منہ سے خارج ہوتے ہوئے دھوئیں کو اس طرح دیکھنے لگا جیسے اپنے حواس جمع کرنے کی کوشش کر رہا ہو، پھر اس نے کہا۔

"یہ سب کچھ بڑا عجیب ہے۔ آپ شاید یقین نہیں کریں گے مگر مناسب یہی ہے کہ میں آپ کو سب کچھ بتا دوں۔ کم از کم میرے ذہن کا بوجھ تو کچھ ہلکا ہو جائے گا۔ کل جب آپ ر۔تھا کے ساتھ روانہ ہوئے تو آپ کے پیچھے تھا۔ میں جانتا تھا کہ فیلڈر سے آپ کا جھگڑا ہوا ہے۔ مجھے یہ معلوم ہے کہ اس وقت فیلڈر کہاں ہے اور اس کے ساتھیوں کے آپ کے بارے میں کیا جذبات ہیں۔ آج بھی میں نے آپ کا تعاقب کیا۔ آپ ایک مخصوص جگہ گئے اور وہاں کافی وقت گزارا آپ نے اور اس کے بعد وہ لڑکیاں آپ کو یہاں چھوڑ کر چلی گئیں۔"

"بابا! یہ سب ٹھیک ہے مگر تم کہنا کیا چاہتے ہو۔ مطلب کیا ہے تمہارا۔" کامران نے مضطرب ہو کر کہا۔

"کیا آپ میرے چند سوالوں کے جواب دیں گے؟" کامران اسے دیکھنے لگا۔ یہ عجیب و غریب شخص ہے۔ ابھی تک اس نے کام کی ایک بات بھی نہیں کی اور بے سر و پا باتیں کیے جا رہا ہے۔ بہرحال کامران نے تجسس میں ڈوب کر کہا۔

"ہاں۔ بولو۔"

"آپ ر۔تھا کے دوست ہیں؟"

"ہاں۔"

"ر۔تھا کے بارے میں تو میں جانتا ہوں لیکن ایک اور نام ہے۔ آپ مجھے اس کے بارے میں بتائیے وہ ہے نیرینہ۔" اس نے کہا اور کامران چونک پڑا۔

"ہاں۔"

"کیا آپ ان کے بھی دوست ہیں؟"

"یہی سمجھ لو۔ کیا نیرینہ تمہاری کوئی رشتے دار ہے؟"

"نیرینہ نہیں بلکہ ر۔تھا۔ میں ر۔تھا کا بھائی ہوں۔"

"اوہ۔ بڑی عجیب بات ہے۔ کئی بار یہ خیال میرے ذہن سے گزرا کہ تمہاری شکل میں مجھے کوئی نظر آتا ہے۔ اب اندازہ ہوا کہ تمہاری شکل ر۔تھا سے بہت ملتی ہے۔"

"ہاں۔ میرا نام رونیک ہے۔ لوگ مجھے رونی کہہ کر پکارتے ہیں۔"

"ٹھیک۔" کامران نے کہا۔

"آپ کو ناگوار تو گزرے گا، اگر میں آپ سے یہ پوچھوں کہ آپ کے گلے میں جو یہ زنجیر اور انگلی میں جو انگوٹھی ہے وہ آپ کو کہاں سے ملی؟" کامران نے اپنے گلے میں پڑی ہوئی زنجیر کو دیکھا پھر انگوٹھی کو۔

انگوٹھی سونے کی تھی اور اس میں جو نگ لگا ہوا تھا وہ شاید یاقوت تھا۔ زنجیر بالکل ویسی ہی تھی جیسی کامران نے ان لڑکیوں کے گلے میں دیکھی تھی۔ کامران کو بالکل اندازہ نہیں تھا کہ یہ دونوں چیزیں کب اور کس طرح اس کے گلے میں پہنچیں اور کس نے پہنائیں۔ وہ لمحات اس کے ذہن سے نکل گئے تھے۔ اس کا مطلب ہے جب وہ سو گیا تھا تب پروھان پرسو نے اس کی انگلی اور گردن میں پہنا دی تھیں۔ اس نے کہا۔

"کیا آپ پروھان پرسو سے ملے تھے؟"

"ہاں۔"

"اس کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟"

"وہ نیک آدمی لگتا ہے۔"

"کیا اس نے آپ کو اپنی سوسائٹی میں شامل ہونے کی دعوت دی ہے؟"

"ہاں۔"

"آہ...... یہی ہونا تھا...... یہی ہونا تھا...... میں جانتا تھا...... میں جانتا تھا۔" رونی نے کہا۔ وہ بہت مضطرب اور پریشان نظر آ رہا تھا۔ چہرے کے تاثرات سے کوئی صحیح اندازہ نہیں ہوتا تھا۔ آخر کار اس نے کہا۔

"آپ میرا مشورہ مانیں تو ان لوگوں کا ساتھ چھوڑ دیں۔"

"کیا مطلب؟"

"میں اپنا مطلب خود نہیں جانتا۔ میں ٹھیک سے وضاحت بھی نہیں کر سکتا، لیکن میں یہ جانتا ہوں کہ آپ کی بھلائی اسی میں ہے آپ دوبارہ ان لوگوں میں سے کسی سے نہ ملیں۔ نہ پروھان پرسو سے نہ ر۔تھا سے نہ نیرینہ شد نگی سے۔"

"تم پاگل ہو گئے ہو واقعی؟"

"آپ یقین کریں اسی میں آپ کی بھلائی ہے۔"

"میری بھلائی کس میں ہے یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ تم میری فکر نہ کرو۔"

"ٹھیک ہے۔ میرے پاس اپنی بات کو ثابت کرنے کے لیے کچھ بھی نہیں ہے، لیکن آپ یقین کیجیے کہ یہ دونوں چیزیں آپ کی بربادی کا آغاز ہوں گی۔"

"تمہاری بکواس میں بہت دیر سے سن رہا ہوں۔ اب اور کچھ کہنا ہے یا نہیں۔"

"آپ مجھے دھکے دے کر باہر نکال دیں مگر میں اپنی بات کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آپ نہیں جانتے کہ وہ لوگ کیسے ہیں؟ وہ بڑے سنگ دل اور ظالم لوگ ہیں۔ مکار اور خود غرض اور شیطان کے شاگرد۔ وہ ہر طرح کے کام کر سکتے ہیں۔ وہ کسی پر رحم نہیں کرتے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ کیا کرتے ہیں اور جو کچھ کرتے ہیں اس مقصد کے لیے انہیں نوجوان مردوں اور عورتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ کو بھی انہوں نے کسی خاص مقصد کے لیے پھانسا ہے۔"

"اور وہ مقصد کیا ہے؟"

"یہی تو میں نہیں جانتا۔"

"اس کے باوجود میں تمہاری ان باتوں پر یقین کرلوں۔" کامران نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہاں۔ تمہیں میری باتوں پر یقین کرلینا چاہیے۔ آپ نہیں جانتے کہ آپ کتنے خطرناک جال میں پھنس گئے ہیں۔ وہ دیوانے لوگ ہیں۔ ان کا کوئی مذہب نہیں ہے۔ یقینی طور پر وہ شیطان کے پجاری ہیں۔ آہ...... آپ کا کردار کیا ہے یہ میں نہیں جانتا، لیکن وہ آپ کو اپنے کسی خاص مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ میں آپ کو بتاؤں کہ شاید آپ ریتھا سے محبت کرتے ہیں، لیکن وہ آپ سے محبت نہیں کرتی۔ ان لوگوں کے پاس نوجوان لوگوں کو پھنسانے کے لیے ان گنت خوب صورت اور جوان لڑکیاں ہیں جو اپنی اس سوسائٹی کے لیے سب کچھ کرتی ہیں۔ صرف ریتھا ہی نہیں بلکہ اور بھی بہت سی لڑکیاں۔ آپ کے قرب و جوار میں مکھیوں کی طرح بھنبھنائیں گی۔ آپ ایسا کیجیے ان میں سے کسی بھی عورت کو بہ حیثیت عورت استعمال کرنے کی دعوت دیجیے آپ دیکھ لیجیے کہ کوئی بھی انکار نہیں کرے گی۔"

"آخر تمہیں ان باتوں کا شبہ کیسے ہوا؟"

"میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ ریتھا میری بہن ہے وہ ان کے گروہ میں شامل ہے۔ دنیا کی ہر چیز کا نشہ کرتی ہے وہ۔ اس کا کردار بے حد پراسرار ہے۔ ایک دو دفعہ مجھے بھی اس گروہ میں شامل کرنے کی کوشش کی گئی تھی مگر میں نہیں پھنسا۔ ابھی مجھے ان کے گروہ کے بارے میں کوئی خاص بات معلوم نہیں ہوسکی ہے اور اسی بنا پر انہوں نے مجھے زندہ چھوڑ رکھا ہے ورنہ وہ کسی ایسے شخص کو زندہ نہیں چھوڑتے جو معلومات حاصل ہونے کے بعد ان کی سوسائٹی میں شامل نہ ہو۔ ریتھا کو بھی میں نے بہت سمجھانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ اور گردن تک دلدل میں پھنس چکی ہے۔ اب میرا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ وہ مجھے اپنا بھائی بھی نہیں کہتی۔"

"میں سمجھ گیا تھا کہ آپ کو پھانسا گیا ہے اور اس کے بعد آپ کا جھگڑا فیلر سے ہوا۔ وہ آپ کے گرد صرف ایک جال پھیلا رہے ہیں اور اس کا آخری ثبوت یہ زنجیر اور انگوٹھی ہے۔"

"فیلر کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟"

"فیلر بہت بڑا اسمگلر ہے۔ اس کا پروھان پر سو سے جھگڑا چلتا رہتا ہے۔ جھگڑے کی نوعیت کا مجھے علم نہیں ہے، لیکن فیلر سوسائٹی کی لڑکیوں کو اسمگلنگ کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہے بہر طور آپ دو خطرناک گروہوں کے درمیان پھنسے ہوئے ہیں اور کہیں نہ کہیں سے نقصان اٹھا جائیں گے۔"

"مجھے تمہاری کسی بات کا اعتبار نہیں ہے، مگر فرض کرلو ایسا ہے تو اس صورت میں مجھے کیا کرنا چاہیے؟"

"اگر جینا چاہتے ہو تو یہاں سے نکل بھاگیے۔ اسپین کو چھوڑ دیجیے اور کہیں دور چلے جائیے۔ ریتھا یا رشی آپ کی منزل نہیں، وہ تو آپ کو سینکڑوں حسین لڑکیاں فراہم کرسکتے ہیں۔"

"اب تم بکواس زیادہ نہیں کر رہے؟" کامران نے کہا۔

"آپ کی مرضی۔ یہ میرا فرض تھا۔ اب باقی آپ جانیں اور آپ کا کام، مگر میری باتوں پر غور ضرور کرلیجیے۔"

"اچھا ایک بات بتاؤ۔ تم نے شجیرہ نامی کسی عورت کو دیکھا ہے؟"

"نہیں۔"

"کیا تم کرشنک اور سیتا کو جانتے ہو؟"

"نہیں۔"

"ٹھیک۔ میں تمہاری باتوں پر غور ضرور کروں گا۔"

"بہت بہت شکریہ آپ کا۔ میں نے انسانی ہمدردی کی بنا پر آپ کو ان تمام حالات سے آگاہ کردیا ہے۔ اب میں چلتا ہوں۔" اس نے کہا۔ کامران دروازہ بند کرکے صوفے پر آ بیٹھا۔ ایک عجیب سی بے چینی اس کے دل میں پیدا ہوگئی تھی۔ جو کچھ روئی نے کہا تھا اس کا کوئی سر پیر نہیں تھا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ لوگ بڑے ظالم، مکار اور سنگ دل ہیں اور ہر کام کر گزرتے ہیں، لیکن ابھی تک تو ایسا کوئی مسئلہ میرے سامنے نہیں آیا تھا۔ ویسے میں نے یہ محسوس کیا تھا کہ لڑکیوں کا بہت بڑا گروہ یکجا ہوگیا ہے، جن میں سے ایک حسین لڑکی موجود ہے۔ صرف یہ بات ذرا سوچنے والی تھی۔ ریتھا بھی بے حد پیاری لڑکی تھی اور باقی دوسری لڑکیاں بھی بے ضرر ہی لگتی تھیں۔ اب رہ گیا پروھان پر سو تو بے شک وہ ایک بدشکل اور بدنما انسان تھا، مگر اس کا رویہ بہت اچھا تھا۔ وہ بہت قابل تھا۔ اس کی شخصیت میں کوئی ایسی بات محسوس نہیں ہوئی تھی۔

اس نے یہ بھی کہا تھا کہ وہ کامران کو کسی خاص مقصد کے لیے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بھی ایک احمقانہ بات تھی اور وہ خواب جو کامران نے عالم مدہوشی میں دیکھا تھا اور جس کے دھندلے دھندلے سے خاکے اس کے ذہن میں تھے لیکن کوئی مربوط خاکہ نہیں تھا۔ پتا نہیں وہ خواب کیوں نظر آیا تھا۔ بہرحال ہوسکتا ہے کہ یہ روئی فیلر کا آدمی ہو اور فیلر کسی طرح کامران کا اس سوسائٹی میں شامل ہونا پسند نہ کرتا ہو۔ ہوسکتا ہے...... ہوسکتا ہے یقینی طور پر وہ شخص اپنی باتوں میں مخلص نہیں تھا۔ اس نے کہا تھا کہ ان لوگوں کے پاس بہت سی خوب صورت اور جوان لڑکیاں ہیں جو بلاتکلف اپنے آپ کو پیش کردیتی ہیں۔

بہرحال یہ بات بھی غور کرنے والی تھی اور اگر پتا چلایا جائے تو پتا چل جائے گا۔ اسے یہ بھی یاد آیا کہ جب وہ لوگ اس مکان سے واپس آرہے تھے تو رشی گاڑی چلا رہی تھی اور ریتھا ضرورت سے زیادہ چپکی ہوئی تھی مگر دونوں بالکل مطمئن تھے۔ کامران نے آخری فیصلہ کیا کہ روئی کے الفاظ کو بالکل ہی غلط نہ سمجھ لیا جائے بلکہ اس سلسلے میں ذرا سی معلومات حاصل کرلینا ضروری ہے۔

ادھر اس نے فیلر کی طرف بھی اشارہ کیا تھا۔ غرض یہ کہ وہ دیر تک سوچتا رہا اور پھر اچانک اسے کچھ خیال آیا۔ اس نے اپنے لباس کو ٹٹول کر دیکھا۔ اس لباس میں اسے کاغذ کا ایک ٹکڑا ملا وہ کسی رائٹنگ پیڈ کا آدھا حصہ تھا اور اس پر ایک عبارت درج تھی۔ عبارت میں لکھا ہوا تھا۔

"مسٹر کامران جس طرح بھی ممکن ہو آپ کل رات نو بجے مجھ سے ضرور آ کر ملیں۔ میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں کیونکہ میں ہر طرف سے خطروں میں گھری ہوئی ہوں۔ آپ مجھے ان مصائب سے نجات دلا سکتے ہیں۔ براہ کرم مجھ سے ضرور ملیے۔ یہ میری زندگی اور موت کا سوال ہے۔ پلیز! مسٹر کامران آپ مجھے نہیں جانتے لیکن میں آپ کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ اس کے بعد ایک مختصر سا پتا لکھا ہوا تھا۔ کامران شدید الجھن میں گرفتار ہوگیا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ پرچہ کہاں سے اس کی جیب میں آگیا۔ اس میں جو تاریخ درج تھی وہ گزرے ہوئے دن کی تھی۔ ابھی نو بجنے میں بہت دیر باقی تھی۔ گویا اس ملاقات کی خواہش

آج ہی تحریر کی گئی ہے۔ کامران نے فوری طور پر لباس تبدیل کیا۔ باہر نکل آیا اور ایک ٹیکسی میں بیٹھ کر ڈرائیور کو وہ پتا بتا دیا جو پرچے پر تحریر تھا۔ ڈرائیور نے گردن ہلائی اور گاڑی آگے بڑھا دی۔ ایک ناقابل فہم الجھن سی بے چینی کامران پر مسلط ہوگئی تھی۔ خدا خدا کر کے وہ اپنی منزل پر پہنچا اور ٹیکسی چھوڑ کر پیدل چل پڑا جو پتا اس کو بتایا گیا تھا۔ اسے تلاش کرنے میں اس کو کوئی خاص دقت پیش نہیں آئی۔ یہاں فلیٹ بنے ہوئے تھے۔ نیچے دکانیں اور اوپر کی منزل میں رہائش۔ اسٹریٹ سناٹے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ وہ مطلوبہ جگہ تلاش کرتا ہوا آگے بڑھتا رہا اور پھر اس نے وہ عمارت تلاش کر لی جس کا پتا دیا گیا تھا۔ یہ ایک پرانی دو منزلہ عمارت تھی۔ نیچے دکانیں تھیں اوپر فلیٹ۔ کامران نے ادھر ادھر دیکھا اور سیڑھیاں چڑھنے لگا۔ اوپر پہنچ کر اس نے آخر کار دائیں طرف کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ کال بیل نظر نہیں آ رہی تھی۔ تین چار منٹ تک وہ دروازہ کھٹکھٹاتا رہا لیکن شاید اندر کوئی نہیں۔ کامران کو کچھ عجیب سا احساس ہونے لگا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کون ہے جو خطرے میں ہے اور اس نے کامران سے مدد مانگی ہے۔ ایک بار پھر اس کا ہاتھ دروازے پر جا پڑا اور اس نے محسوس کیا کہ دروازہ بند نہیں ہے۔ اس نے دروازے پر دباؤ ڈالا وہ کھلا ہوا تھا۔ کامران اندر داخل ہوگیا۔ دیوار کو ٹٹول کر سوئچ بورڈ تلاش کیا اور بتی جلا دی۔ کمرے میں کوئی نہیں تھا البتہ افراتفری کے آثار تھے۔ چیزیں بے ترتیبی سے پڑی ہوئی تھیں۔ وہ حیرت سے دوسری چیزوں کو دیکھتا ہوا پچھلے کمرے میں داخل ہوا اور بتی جلا دی۔ کمرے میں روشنی پھیلتے ہی اسے وہ لاش نظر آئی جو کمرے کے درمیان میں پڑی تھی۔ یہ ایک خوب صورت لڑکی کی لاش تھی اور کامران کو ایک لمحے میں اندازہ ہوگیا کہ انہی پانچوں لڑکیوں میں سے ایک تھی، جن کی ملاقات اس سے ہو چکی تھی۔ لڑکی کا گلا ایک کان سے لے کر دوسرے کان تک کٹا ہوا تھا۔ کامران سکتے میں کھڑا رہ گیا۔ اس کی آنکھیں پتھرا سی گئی تھیں۔ وہ خود کو ایک پتھر کے بے جان بت کی طرح محسوس کر رہا تھا پھر اس نے اپنے آپ کو سنبھال کر کمرے کا جائزہ لیا۔ ایسا لگتا تھا جیسے لڑکی نے مرنے سے پہلے شدید جدوجہد کی ہو۔ ایک بار پھر کامران کی نگاہیں اس کی لاش پر جم گئیں۔ لڑکی کے بدن پر ایک مختصر سا لباس تھا۔ اچانک کامران کا دھیان ایک ایسی جگہ گیا کہ دہشت سے اس کا سارا بدن کانپ گیا۔ لڑکی کا گلا ایک کان سے دوسرے کان تک کٹا ہوا تھا لہٰذا اس کے جسم کا سارا خون فرش پر ہونا چاہیے تھا۔ مگر فرش پر خون کے صرف چھوٹے چھوٹے دھبے تھے اور کچھ بھی نہیں تھا۔ اس سے زیادہ حیرت ناک بات اور کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ آخر اس کے بدن کا سارا خون کہاں گیا۔ یہ منظر اس قدر دہشت ناک تھا کہ کامران اعصابی طور پر کچھ دیر کے لیے مفلوج ہوگیا تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ سامنے ایک کرسی پڑی ہوئی تھی۔ وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کی نگاہیں لڑکی کے کٹے ہوئے گلے کو دیکھ رہی تھیں۔ نہ جانے کتنی دیر گزر گئی۔

پھر سب سے پہلا خیال جو اس کے ذہن میں آیا وہ یہ تھا کہ کہیں کوئی اس وقت اندر آ نہ جائے۔ اس نے کتنی ہی بار جانور ذبح ہوتے ہوئے دیکھے تھے جب ان کا گلا کٹتا تھا تو خون کا فوارہ ابل پڑتا تھا۔ لڑکی کا گلا بھی بالکل اسی طرح کٹا ہوا تھا لیکن قالین پر صرف چند چھوٹے بڑے دھبے تھے، حالانکہ لاش کے ہر حصے سے پتا چلتا تھا کہ اسے مرے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی۔

پھر آخر یہ سب کیا تھا؟ دفعتاً ایک اور خیال اس کے ذہن میں آیا۔ اگر وہ تھوڑا سا پہلے پہنچ جاتا تو شاید

لڑکی زندہ ہوتی۔ پتا نہیں اس نے نو بجے کا وقت ہی کیوں مقرر کیا تھا۔ کیا اسے یہ معلوم تھا کہ نو بجے کے بعد اسے ہلاک کر دیا جائے گا۔ دوسرا سوال یہ تھا کہ اسے کس نے قتل کیا۔ ایک ہی خیال ذہن میں آتا تھا۔ فیلر اور فیلر۔

لیکن فیلر تو اسپتال میں ہے۔ یہ کام اس کے کسی ساتھی نے ہی انجام دیا ہوگا، لیکن آخر اس نے یہ قدم کیوں اٹھایا۔ اچانک بہران کو روزی کا خیال آیا۔ روزی نے کہا تھا کہ فیلر ایک اسمگلر ہے اور اس مقصد کے لیے وہ لڑکیوں کو استعمال کرتا ہے۔ آہستہ آہستہ کامران کے ذہن میں اجالا پھیلنے لگا۔ یہ لڑکی کسی مجبوری کی تحت ہی فیلر کے گروہ میں شامل ہوئی ہوگی۔ شاید وہ فیلر کے گروہ کو چھوڑنا چاہتی ہو۔ اس نے اسی بنا پر کامران کی مدد حاصل کرنے کی کوشش کی اور فیلر کو اس کا علم ہوگیا ہو۔ اس کے سوا اور کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔

اچانک ہی کامران کے اندر ایک آواز جاگی۔

’’نہیں...... اس کے خون کا حساب ضرور لیا جائے گا۔ فیلر کو اس کے خون کا حساب دینا ہوگا۔‘‘

اب اس کے بعد اسے ایک دم یہ احساس ہونے لگا کہ یہاں سے نکل جانا بہت ضروری ہے۔ اگر پولیس پہنچ گئی تو پھر کچھ بھی کہا جائے پولیس اس بات پر یقین نہیں کرے گی کہ اس کا قاتل میں نہیں ہوں۔ وہ تیز تیز قدموں سے سیڑھیاں اتر کر نیچے آگیا۔ گلی پار کی، حسب معمول یہ سڑک یا گلی سنسان پڑی تھی اور اندازہ یہ ہو رہا تھا کہ کسی نے کامران کو وہاں جاتے یا واپس آتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ وہاں سے واپس چل پڑا۔ اس منظر نے اسے اعصابی طور پر سخت پریشان کر دیا تھا۔ وہ وہاں سے آگے بڑھا اور تنہائی اور سکون کی تلاش میں ادھر ادھر نگاہیں دوڑانے لگا۔ ان کشیدہ اعصاب کو سہارا دینے کے لیے کوئی کام ہونا چاہیے تھا۔

ایک جگہ سے ایک بیوٹی سیلون کا بورڈ نظر آیا اور اس نے اس کا رخ کیا۔ اندر داخل ہوا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ یہ بھی ایک شناسا لڑکی تھی اور اس کا نام لیرا تھا۔ اس دوران جن لڑکیوں سے ملاقات ہوئی تھی۔ ان کی تعداد اچھی خاصی تھی اور کامران کی ان سے شناسائیاں بھی ہوگئی تھیں۔ لیرا نے بھی اسے پہچان لیا۔

’’ارے تم!..... ٹھہرو ایک منٹ میں آتی ہوں۔‘‘ پھر ایک منٹ سے کم وقفے میں سیلون کے برابر والے کمرے میں روشنی ہوئی۔ پھر دروازہ کھلا اور لیرا کی آواز سنائی دی۔

’’آؤ اندر آؤ۔‘‘ لیرا نے ایک مختصر نائٹی پہن رکھی تھی جو بمشکل نصف کولہوں تک پہنچ رہی تھی۔ ٹانگیں بے لباس تھیں اور بدن کے اوپری حصے میں اس نے نائٹی کے نیچے کچھ نہیں پہن رکھا تھا۔ اس نے جلدی سے دروازہ بند کر کے لاک کر دیا اور بولی۔

’’آؤ۔‘‘ آخر میں اس کمرے میں پہنچ گیا جو اس کا بیڈ روم معلوم ہوتا تھا۔

بہت سلیقے سے آراستہ کمرا تھا قالین، صوفہ سیٹ، کامران بے جان سا ہو کر ایک صوفے پر گر پڑا۔ لیرا سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے اب تو نہ اسے کچھ بتانے کی ضرورت تھی اور نہ اسے مجھ سے کچھ پوچھنے کی۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر اس کے بعد اس نے خود ہی کہا۔

’’اب بتاؤ۔ کیا بات ہے۔ تم بہت پریشان دکھائی دیتے ہو۔‘‘

’’ہاں۔ میں بہت پریشان ہوں۔‘‘

’’کیوں؟‘‘

"کیا تم اس لڑکی کو جانتی ہو جو تمہارے ساتھ تھی۔ بوٹے سے بدن کی درمیانہ بدن والی لڑکی۔"
"شکی کے بارے میں تو نہیں کہہ رہے تم؟"
"ہوسکتا ہے اس کا نام شکی ہو۔ وہ آج کل فیلر کے ساتھ دکھائی دیتی تھی۔"
"ارے ہاں۔ وہ شکی ہی ہے۔"
"تم اس کے بارے میں کیا جانتی ہو؟"
"کچھ بھی نہیں، سوائے اس کے کہ وہ ہمارے گروپ کی ممبر ہے۔ تھوڑے عرصے پیشتر کہیں اور سے آئی تھی۔ اس کی ملاقات فیلر سے ہوئی اور وہ فیلر کی دوست بن گئی۔ ریتھا کی طرف سے مایوس ہونے کے بعد فیلر ویسے بھی اکیلا رہ گیا تھا۔"
"تمہیں فیلر کے بارے میں اور کچھ معلوم ہے۔ وہ کیا کرتا ہے؟"
"مگر تم یہ سب کچھ کیوں پوچھ رہے ہو؟"
"اگر مناسب سمجھو تو بتادو۔"
"میں خود بھی اچھی طرح نہیں جانتی، لیکن عام خیال یہی ہے کہ وہ اسمگلر ہے اور لڑکیوں سے دوستی اس لیے کرتا ہے کہ ان سے اسمگلنگ کا کام لینا چاہتا ہے۔ ریتھا بھی اس کے لیے یہی کام کرتی تھی لیکن وہ کسی نہ کسی طرح اس کے چنگل سے نکل بھاگی۔ ہوسکتا ہے وہ لڑکی شکی بھی اسی کام کے لیے استعمال ہوتی ہو۔" ایک لمحے تک کامران سوچتا رہا کہ اسے شکی کی موت کے بارے میں بتائے یا نہیں۔ پھر اس نے کہا۔
"شکی کو قتل کردیا گیا۔"
"کب......؟" اس نے چونک کر کہا۔
"یہ نہیں پتا، لیکن وہ اپنے فلیٹ میں مردہ پڑی ہوئی ہے۔"
"اوہ مائی گاڈ!......وہ تو بہت اچھی لڑکی تھی۔"
"ہاں۔ کسی نے بے دردی سے اس کا گلا کاٹ ڈالا۔"
"مگر تمہیں اس بارے میں کیسے معلوم؟"
"میں اس کے فلیٹ پر گیا تھا۔ اسے اپنی جان کا خطرہ تھا اور اس نے مجھے بلایا تھا کہ شاید میں اس کی جان بچاسکوں، لیکن شاید مجھے دیر ہوگئی۔ جب میں وہاں پہنچا تو وہ مرچکی تھی اور اس کا گلا ایک کان سے دوسرے کان تک کٹا ہوا تھا۔"
"ریتھا نے مجھے بتایا تھا کہ تمہارا فیلر سے جھگڑا ہوا اور جھگڑے کا سبب شاید وہ لڑکی شکی تھی۔"
"ہاں۔ یقینی طور پر۔"
"مگر اس میں تمہارا تو کوئی قصور نہیں ہے۔ تم نے اپنی طرف سے کوتاہی نہیں کی۔ تم تو اس کی مدد کرنا چاہتے تھے مگر وہ خوف زدہ کیوں تھی؟"
"اور کس سے تھی؟" کامران نے کہا۔
"ان دنوں وہ فیلر کے ساتھ دیکھی جاتی تھی۔ وہ بڑا ظالم اور کمینہ آدمی ہے۔ ممکن ہے کسی بات پر شکی

سے ناراض ہوگیا ہوگا۔ کامران نے گردن گھما کر لیرا کو دیکھا۔ اس کا چہرہ تپ رہا تھا پھر وہ بولی۔
"یقیناً وہ فیلر سے ہی خوف زدہ تھی۔"
"اور ممکن ہے وہ فیلر کے بارے میں کچھ بتانا چاہتی ہو۔" کامران نے کہا۔
"بالکل اور فیلر کو اس پر شبہ ہوگیا اور اس نے اسے خاموش کردیا۔"
"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔"
"کیا......؟"
"وہ بات بڑی عجیب اور دہشت ناک ہے۔ شکی کی لاش کے پاس خون کی مقدار بہت کم تھی حالانکہ وہاں خون کا سمندر ہونا چاہیے تھا۔"
"ہوسکتا ہے وہ خون کی کمی کی مریضہ ہو۔"
"مگر اس کی صحت تو بڑی اچھی تھی۔"
"تمہارے اعصاب بہت بری طرح کشیدہ ہوگئے ہیں۔ تم بہت پریشان لگ رہے ہو۔ میرے قریب آؤ۔ میں تمہیں سکون دوں گی۔" اس نے کہا اور آگے بڑھ کر کامران کی گردن میں بانہیں ڈال دیں۔ اس کے چہرے پر ایک دل فریب مسکراہٹ بکھری ہوئی تھی۔ کامران تھوڑی دیر تک سوچتا رہا اور اس کے بعد وہ لیرا کے بستر پر جالیٹا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ ویسے یہ بیڈ روم بہت شان دار تھا۔ فرش پر دبیز قالین، سنگھار میز اور بہت ہی خوب صورت قسم کا بیڈ۔ ہر طرح سے یہ خوب صورت مجسمہ تھا۔ اس کے علاوہ یہاں ایک شاندار شوکیس رکھا ہوا تھا اور شوکیس میں ایک چیز رکھی تھی۔ ایک غیر یقینی چیز جو بار بار کامران کے سامنے آرہی تھی۔ بدھ کا خوب صورت سنہرا مجسمہ ویسا ہی مجسمہ جیسا اسے پردھان پرسو کے گھر میں نظر آیا تھا۔ لیرا تھوڑی دیر کے بعد آگئی اور اس نے کہا۔
"کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو بتاؤ۔"
"کتنی ضرورتیں پوری کروگی تم؟"
"جتنی تمہاری ضرورت ہوگی۔ ہم سب تمہاری ضرورتیں پوری کریں گے۔" اچانک ہی کامران کو ایک عجیب سا احساس ہوا۔ اس نے ایک آواز سنی تھی۔ صاف اور واضح۔ وہم کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اس آواز کے کہے ہوئے الفاظ سو فی صدی لیرا کے نہیں تھے۔ اس نے کہا تھا۔
"ہم سب تمہاری ضرورتیں پوری کریں گے۔" کہتے ہوئے ہونٹ تو بے شک لیرا کے ہی ہلے تھے مگر آواز کسی اور کی تھی۔ یہ کیسی آواز ہے......؟ کیسی آواز ہے یہ......؟ کامران کو احساس ہوا کہ یہ شجیرہ کی آواز ہے۔ ہاں یہ شجیرہ کی آواز ہی تھی۔ ایک بار پھر کامران کے ذہن پر ایک دھندی چھاگئی۔ جس طلسمی جال میں وہ پھنسا تھا اس سے پہلے کے حالات ایسے نہیں تھے۔ اب تو یوں لگتا تھا جیسے کسی خوف ناک طلسم نے اسے جکڑ لیا ہو۔ حسن شاد کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا کہ وہ کہاں ہے۔ یہاں تو کھیل ہی نیا شروع ہوگیا تھا۔ جن حالات میں وہ جکڑا گیا تھا اس کے بعد تو اسے اس بات کا اندازہ ہوگیا تھا کہ اب تو اس کا اچین سے نکلنا بھی ایک کام ہی ہے۔ آہ......کاش میں یہاں سے نکل سکوں۔ اس نے سوچا۔ ابھی وہ انہی سوچوں میں گم تھا

کہ دروازے پر آہٹ ہوئی۔ وہ سمجھا کہ لیرا آ گئی ہوگی، لیکن وہ لیرا نہیں ریشی تھی۔ ریشی رتھا کی ساتھی اور ثریا جیسی حسین عورت اور ان عورتوں کے بارے میں روثی نے بڑی تفصیل بتائی تھی۔

"ہیلو۔" ریشی کی آواز ابھری۔

"ہیلو۔" کامران نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا پھر چونک کر بولا۔

"تم..... تم یہاں..... رتھا کہاں ہے؟"

"جہاں بھی ہے پرسکون ہے۔ مجھے لیرا نے بلایا تھا کہ تمہاری دیکھ بھال کروں۔ وہ اپنے بیوٹی سیلون میں ہے۔"

"تم سب ایک دوسرے سے واقف ہو۔"

"ہاں کیوں نہیں۔ ایک گروپ ہے ہمارا۔ بہرحال سناؤ رات کیسی گزری۔ لیرا کا کہنا ہے کہ تم ایک پرکشش نوجوان ہو۔"

"کیا مطلب؟" کامران نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا اور ریشی عجیب سے انداز میں مسکرا دی۔ کامران کو یاد آ گیا کہ رات کو اسے آخری ہوش اس وقت کا تھا جب اسے شجیرہ کی آواز سنائی دی تھی اور اس کے بعد خاموشی۔ ریشی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"خیر اچھا اب تم یہ بتاؤ۔ تمہارے لیے ناشتہ تیار کروں۔ ویسے تم نے اخبارات دیکھ لیے۔"

"اخبارات..... نہیں، کیوں؟"

"کامران تم بہت بری طرح مصیبت میں پھنس گئے ہو؟"

"ہوا کیا.....؟ مجھے بتاؤ تو سہی۔" کامران نے کہا اور ریشی نے چند اخبارات کامران کے سامنے کر دیے۔ ان اخبارات میں شگی کے قتل کی خبر شائع ہوئی تھی، لیکن تفصیلات زیادہ نہیں تھیں۔ اخبارات کے مطابق شگی کی لاش تقریباً پونے بارہ بجے دریافت ہوئی تھی اور یہ بھی پولیس کو ایک پراسرار فون کال کے ذریعے بتایا گیا تھا کہ خون ہو گیا ہے اور پھر پتا چلا کہ فون بند کر دیا گیا تھا۔ پولیس موقع واردات پر پہنچ گئی اور پھر اسے شگی کی لاش ملی۔ پولیس کے بیان کے مطابق شگی کوئی آٹھ بجے اپنے فلیٹ میں واپس آئی تھی اور تھوڑی دیر کے بعد اسے قتل کر دیا گیا۔ پولیس کو چھوٹے چھوٹے کچھ سراغ ضرور ملے۔ انگلیوں کے نشانات وغیرہ بھی تھے۔

بہرحال کئی جگہ اس قسم کے نشانات تھے جس سے صرف ظاہر ہوتا تھا کہ یہ اشارہ کامران کی جانب ہے۔ کسی اخبار نے اس کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا شگی کے جسم سے بہت کم مقدار میں خون نکلا ہے۔ واقعی ریشی کا کہنا بالکل درست تھا۔ اس وقت کامران بری طرح مصیبت میں گرفتار ہو گیا تھا۔

"سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اب تم کیا کرو گے؟"

"میں نہیں جانتا، البتہ یہ بات طے ہے کہ یہ سازش فیلر کی ہے۔"

"محتاط رہنا ہوگا۔ فی الحال لیرا کا یہ فلیٹ تمہارے لیے بہت بہتر ہے۔ ابھی آتی میں ناشتہ لے کر آؤں۔ تھوڑی دیر بعد وہ ناشتہ لے آئی۔ پھر اس کے بعد سارا دن کامران نے لیرا کے بیڈ روم میں ہی گزارا۔ شام کے اخبارات آئے تو رہی سہی کسر بھی پوری ہو گئی تھی۔ شگی کی موت ہی صفحہ اول کی زینت بنی ہوئی تھی

اور اس بار پولیس نے کامران کے بارے میں خاصی نشان دہی ظاہر کر دی تھی یعنی ایک ایسے نوجوان کو پراسرار طریقے سے مختلف جگہوں پر دیکھا جا رہا تھا پھر ایک اور سنسنی خیز اطلاع ملی، جس نوجوان پر شبہ تھا اس کی رہائش گاہ پر چھاپا مارا گیا تو وہاں کاغذ کا ایک ٹکڑا ملا، جس پر شگی نے اسے اپنی مدد کے لیے بلایا تھا۔ قاتل کا نام کامران اور ایک ایشیائی نوجوان بتایا گیا تھا۔ پولیس نے خیال ظاہر کیا تھا کہ کامران شگی کے فلیٹ پر پہنچا اور اسی دوران دونوں کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہو گیا جس پر مشتعل ہو کر کامران نے شگی کو مار ڈالا۔

بہرحال شام کو رتھا وغیرہ یہاں آ گئی۔ ریشی اور دوسری دو لڑکیاں بھی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ پولیس کامران کی تلاش میں اسپین کے گلی کوچوں میں ماری ماری پھر رہی ہے، اس لیے کامران کو باہر نہیں نکلنا چاہیے تھا۔ اس کے پاس اپنی بے گناہی ثابت کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے اس لیے یہ جگہ بھی اس کے لیے خطرناک ہو گئی ہے۔

"تو آخر میں کہاں جاؤں؟" کامران نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔ رتھا نے دوسری لڑکی طرف دیکھا اور دوسری سے تیسری کی طرف پھر لیرا ہمدردی سے بولی۔

"ہم تمہیں شہر سے باہر ایک ایسی جگہ لے جائیں گے جہاں تمہیں تلاش نہیں کیا جا سکے گا۔"

"تو کیا اب مجھے قیدی کی حیثیت سے زندگی گزارنا ہوگی۔"

"تو پھر.....؟"

"میں فیلر کو تلاش کرنا چاہتا ہوں۔" کامران نے جواب دیا۔ وہ سب ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگیں۔ پھر لیرا نے کہا۔

خیر!..... فی الحال تو تم یہاں رکو۔ یہاں کی پولیس بہت تیز ہے۔ وہ ہر جگہ تمہاری بو سونگھتی پھر رہی ہے۔ ہر قیمت پر تمہیں یہاں سے منتقل ہونا پڑے گا۔" تھوڑی دیر تک وہ یہاں موجود رہیں اور اس کے بعد چلی گئیں۔ کامران سخت ہیجانی کیفیت کا شکار تھا۔ ایک بار پھر وہ اخبار اٹھا کر شگی کی موت کی خبریں پڑھنے لگا۔ اخبارات نے بہت سی سرخیاں لگائی تھیں۔ قاتل کے بارے میں طرح طرح کی باتیں کی گئی تھیں۔ اخبارات پر نگاہ ڈالتے ہوئے دفعتاً ہی کامران کی نگاہ ایک چھوٹے سے اشتہار پر پڑی اور دفعتاً ہی اس کے پورے جسم میں شدید سنسنی دوڑ گئی۔ اس نے اس چھوٹے سے اشتہار کو آنکھیں پھاڑ کر پڑھا۔ لکھا تھا۔

تنہائیوں کا ساتھی!

میرا عزیز ترین دوست، میرا محسن، میرا پیارا

جسے نہ جانے کب سے تلاش کر رہا ہوں میں، اگر وہ اس اشتہار کو پڑھ لے تو مجھے اس ٹیلیفون نمبر پر فون کرے۔

حسن شاہ

کامران کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔ یہ حسن شاہ کا ہی دیا ہوا اشتہار تھا۔ اسے ایک دم اپنے اندر سے خوشی پھوٹتی ہوئی محسوس ہوئی۔ حسن شاہ بہت سی مشکلوں کا حل میری لاتعداد الجھنوں کا ساتھی آہ۔ موت کے بھیانک گڑھوں میں جاتے ہوئے اچانک ہی کامران کو زندگی کا احساس ہوا تھا اگر حسن شاہ مل جائے تو بہت

سے جھگڑوں سے نجات مل سکتی ہے۔ کامران نے لرزتے ہوئے بدن کے ساتھ چاروں طرف دیکھا۔ ایک طرف ٹیلیفون رکھا ہوا تھا۔ وہ جلدی سے ٹیلیفون کی جانب بڑھ گیا، لیکن پھر اس نے کسی خیال کے تحت کمرے سے باہر نکل کر دیکھا۔ اب یہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ دروازہ اندر سے بند کر کے وہ ٹیلی فون تک آیا اور اس کے بعد اس نے اخبار میں دیے گئے نمبر ڈائل کرنا شروع کر دیے۔ یوں لگتا تھا جیسے حسن شاہ فون کے قریب بیٹھا ہوا ہو۔ جیسے ہی آخری نمبر ڈائل ہوا فون کی بیل ہوئی اور پھر فوراً ہی دوسری طرف سے فون اٹھا لیا گیا۔

"ہیلو...... کون بول رہا ہے؟"

"وہ جسے نہ جانے کب سے تمہاری آواز کا انتظار تھا۔ کہاں ہو۔ کیا کر رہے ہو؟"

"حسن شاہ جس اخبار میں تم نے اشتہار دیا ہے اسے پڑھا۔"

"ہاں اور اس شبہے کا شکار ہوں کہ تمہارا حوالہ دیا گیا ہے۔"

"بالکل ٹھیک۔ اب بتاؤ میں کیا کروں؟"

"کچھ نہیں۔ مجھے بتاؤ، اس وقت کس جگہ ہو؟"

"کیا فون ٹریس نہیں کیا جا رہا ہوگا؟"

"اگر کیا بھی جا رہا ہے تو فکر مت کرو۔ میں تمہیں وہاں سے نکال لاؤں گا۔"

"تو پھر پتا نوٹ کرو۔" میں نے کہا اور لیرا کے فلیٹ کا پتا بیوٹی سیلون کے پتے کے ساتھ بتا دیا۔ اب یہ رسک تو لینا ہی تھا۔ پولیس جن بھوت نہیں ہوتی کہ لمحوں کے اندر پہنچ جائے۔ اس سے پہلے میں اپنی حفاظت کا بندوبست کر لوں گا۔ اگر پولیس فون کو ٹریس بھی کر لیتی ہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ حسن شاہ نے کہا۔

"میں نیلے رنگ کی ڈاج میں آ رہا ہوں جو بیوٹی سیلون کی سامنے والی سڑک پر تمہارا انتظار کرے گی۔ بے فکر رہو تمہارے لیے میں قتل عام کر دوں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ میں پہنچتا ہوں۔ تم جتنی جلدی ممکن ہو سکے آ جاؤ۔"

"خدا حافظ۔" حسن شاہ نے کہا۔

"کامران کے بدن میں بجلیاں بھر گئی تھیں۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اچانک ہی وہ ہر طرح کے طلسم سے آزاد ہو گیا ہو۔ اس وقت لیرا وغیرہ کو بتانے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اس نے پھرتی سے جوتے وغیرہ پہنے، اپنا حلیہ سنوارا اور پھرتی سے لیرا کے فلیٹ کے بغلی حصے سے باہر آ گیا۔ فلیٹ میں ایک راستہ پچھلی سمت بھی کھلتا تھا۔ گو ادھر سے گلی بہت لمبی تھی، لیکن وہ تیزی سے اس گلی کو عبور کر کے اس کے سرے پر پہنچ گیا۔ پھر ایک لمبا چکر لگا کر بیوٹی سیلون کے سامنے والے حصے میں عام اور کشادہ سڑک تھی۔ کامران اپنے لیے کوئی ایسی جگہ تلاش کرنے لگا جہاں وہ چھپ کر حسن شاہ کا انتظار کر سکے اور اس کے لیے اسے تھوڑا سا آگے جانا پڑا۔ یہاں ایک دکان بنی ہوئی تھی جس کی شاید مرمت ہو رہی تھی۔ خاصا کاٹھ کباڑ دکان کے سامنے پڑا ہوا تھا۔ وہ اس کی آڑ میں جا کھڑا ہوا۔ پھر اسے کھڑے ہوئے تین منٹ سے زیادہ نہیں ہوئے تھے کہ ایک لمبی چوڑی بغیر چھت والی ڈاج آتی ہوئی نظر آئی۔ حسن شاہ ڈاج میں بیٹھا ہوا تھا۔ کامران اپنی جگہ سے آگے نکل آیا اور اس نے حسن شاہ کی طرف ہاتھ ہلایا۔

حسن شاہ بھی پوری چالاکی کے ساتھ ادھر ادھر نگاہیں دوڑاتا ہوا آ رہا تھا۔ بیوٹی سیلون اس نے دیکھ لیا تھا۔ حالانکہ کامران کا وہاں سے خاصا فاصلہ تھا لیکن حسن شاہ جانتا تھا کہ کامران بیوٹی سیلون کے آس پاس ہی ہوگا۔ چنانچہ اس نے فوراً ہی کامران کو دیکھ لیا تھا۔ ڈاج اس کے پاس آ کر رکی اور کامران نے اوپر ہی سے اندر چھلانگ لگا دی۔ حسن شاہ نے برق رفتاری سے ڈاج آگے بڑھا دی تھی۔ پولیس کا کوئی نام و نشان نہیں تھا۔

کامران کو بڑی ڈھارس ہوئی تھی، جس طرح وہ اپنے آپ کو تنہا محسوس کر رہا تھا وہ بہت ہی پریشان کن کیفیت تھی، لیکن اب حسن شاہ کے مل جانے کے بعد اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ بہت پرسکون ہو۔ ڈاج شہری آبادی سے باہر نکل آئی اور پھر ایک انتہائی نواحی قصبے میں حسن شاہ نے اسے ایک چھوٹے سے مکان کے سامنے روک دیا۔ کامران نے مکان کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"بڑی پرفضا جگہ ہے۔ تمہیں کہاں سے حاصل ہوئی؟"

"یہ بھی پروفیسر جوگندر کی ملکیت ہے۔ انہوں نے وہیں رہائش گاہ کے طور پر اسے اپنے لیے بنا رکھا ہے۔ جب بھی شہر کی ہنگامہ آرائیوں سے تھک جاتے ہیں۔ یہاں آ جاتے ہیں۔"

"پروفیسر جوگندر......؟"

"ہاں۔ ایک ماڈرن سادھو جنہیں دنیا کی ستائیس زبانوں پر اسی طرح عبور حاصل ہے جس طرح وہ اپنی مادری زبان بولتے ہیں۔ میں ان سے تمہارا تفصیلی تعارف کراؤں گا۔ ان دنوں وہ ڈسکا پاری میں ہیں۔"

حسن شاہ کامران کو اندر لے گیا۔ ایک چھوٹے سے خوش نما اور خوش ذوق شخصیت کے مالک کا شخص جس طرح کا ہو سکتا تھا اس طرح پروفیسر جوگندر کا یہ مکان تھا جو مکمل طور پر حسن شاہ کی تحویل میں ہی تھا۔

"مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم خاصے پریشان رہے ہو۔ تمہارے چہرے پر تھکن منجمد ہے چنانچہ میں سب سے پہلے یہ کہوں گا کہ غسل خانے میں جاؤ۔ غسل کرو۔ کچھ کھانا چاہو تو میں انتظام کروں۔ کچن میں دنیا جہان کی چیزیں موجود ہیں۔ پھر سو جاؤ اور اس وقت تک سوتے رہو جب تک کہ تمہارے جسم کے روئیں روئیں سے تھکن نہ نکل جائے۔ ہماری باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔ اخبار میں جو کچھ پڑھا ہے میں نے اس کی طرف سے بھی بے فکر ہو جاؤ۔ یہاں تمہیں کسی قسم کی الجھن کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔"

"کچھ کھانا چاہتا ہوں۔"

"میں بندوبست کرتا ہوں۔ چلو جاؤ، غسل خانے میں جاؤ۔ میں تمہارے لیے لباس دیتا ہوں۔"

"اوہو...... کیا لباس یہاں موجود ہے؟" کامران نے سوال کیا۔

"میں نے کہا نا بڑے اچھے انتظامات کر رکھے ہیں میں نے یہاں۔" حسن شاہ پہلے بھی حیرت انگیز ہی ثابت ہوا تھا۔ رانا چندر سنگھ کی ناک کا بال تھا اور رانا چندر سنگھ بھی کسی معمولی شخصیت کا مالک نہیں تھا۔ کامران کو اس بارے میں سب کچھ معلوم تھا۔ جدید طرز کا غسل خانہ جہاں جدید ترین غسل کے لوازمات کی تمام گنجائش موجود تھی۔ حسن شاہ کا دیا ہوا سلک کا کرتا پاجامہ جو کامران کی بہترین پسند تھا اور خوش قسمتی سے اس کے بدن پر بھی اس طرح آ گیا تھا جیسے اسی کے لیے بنایا گیا ہو۔ ویسے بھی اس کی اور حسن شاہ کی جسامت ایک جیسی ہی تھی۔ پھر اس کے بعد حسن شاہ کی پہلی خاطر مدارات اعلیٰ درجے کے سینڈوچز کچھ دوسرے

لوازمات اور انتہائی نفیس برازیلین کافی۔"

"یار اس جنت کا کیا نام ہے؟"

"نورانی۔" حسن شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور اپنی کافی کے سپ لینے لگا پھر بولا۔

"بعد میں تفصیلی گفتگو ہوگی۔ میں چاہتا ہوں کہ تم مکمل طور پر آرام کرو۔ کسی بھی موضوع پر کوئی بھی بات نہیں کرنی ہے ابھی۔ میں نے دل ہی دل میں حسن شاہ کا بہت بہت شکریہ ادا کیا۔ واقعی شدید ترین ذہنی اور جسمانی تھکن کے بعد یہ لمحات میسر آجانا میرے لیے ایک طرح سے نئی زندگی کا باعث تھا۔ حسن شاہ نے مجھے میرا بیڈ روم دکھا دیا۔ پردے کھینچے اور اس کے بعد دروازہ بند کر کے چلا گیا۔ میں بستر پر لیٹا چھت کو گھورتا رہا۔ گزرے ہوئے واقعات انوکھی داستانیں، کیا ہے یار!...... یہ سب کچھ کیسے میری زندگی سے لپٹ گیا ہے۔

میں تو ایک سیدھا سادا شہری تھا پھر کامران نے ایک اور فیصلہ کیا۔ دنیا میں کسی نہ کسی پر تو بھروسا کرنا ہی ہوتا ہے۔ گرشنک اور سیتا سے کہانی کا آغاز ہوا تھا۔ یعنی ان پراسرار واقعات کا پھر کرنل گل نواز نے اسے ان واقعات میں الجھا لیا تھا۔ حسن شاہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی تھا، لیکن اس قدر قابل اعتماد دوست دوسرا کوئی نہیں۔ اس نے فیصلہ کیا کہ حسن شاہ کو اپنا مکمل رازدار بنا لے گا۔ چاہے ان پراسرار قوتوں کو کوئی اعتراض ہی کیوں نہ ہو۔ کون سا ان سے میرا رشتہ ہے۔ اندازہ تو یہی ہوتا ہے کہ میں صرف زمانہ قدیم کے کسی پراسرار کردار کی ہم شکلی کی بنا پر ان مصیبتوں کا شکار ہو گیا ہوں۔ کامران نے آخری فیصلہ بھی کیا اور اس کے بعد اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ نیند بھی ایسی مزے دار آئی کہ واقعی عضو عضو سے تھکاوٹ نکل گئی یا پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حسن شاہ نے ہی کوئی کارروائی کی ہو، اس گہری نیند کے لیے۔ جاگا تو روشنیاں جل اٹھی تھیں۔ ہر طرف ایک مدھم مدھم سی خاموشی طاری تھی جیسے کوئی بولتے بولتے چپ ہو گیا ہو پھر دروازہ ذرا سا کھلا۔ حسن شاہ نے جھانک کر دیکھا تو کامران نے آواز دی۔

"جاگ گیا ہوں بھائی!"

"یہ پروفیسر جوگندر ہیں کون؟"

"ان کے نام سے ایک کہانی منسلک ہے۔ بڑی پراسرار قوتوں کا مالک ہے یہ شخص۔ رانا چندر سنگھ کا استاد سمجھ لو۔ اس نے خود ہی رابطہ کر کے وہاں سے پوچھا تھا کہ کیا رانا چندر سنگھ اسپین آیا ہوا ہے کیونکہ اس نے اسے وسکایہ میں دیکھا ہے لیکن کچھ لوگوں کے ساتھ پروفیسر جوگندر خود بھی وسکایہ میں ہی رہتا ہے۔ بہرحال میں تمہاری آمد کا منتظر تھا۔ میں نے اس سے رابطہ قائم کر لیا۔ اس نے کہا۔ جب بھی تم پہنچو میں تمہیں لے کر اس کے پاس آجاؤں۔

"حسن شاہ! میں تو بڑی مصیبتوں میں پھنسا ہوا ہوں۔" کامران نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

"مجھے بتاؤ آخر قصہ کیا ہے؟"

"قصہ تو کرنل گل نواز کی کوٹھی سے ہی شروع ہو گیا تھا اور اس کے بعد جو کچھ ہم پر گزری ہے اس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"اور یہ میں تم سے کہنے کا بالکل حق نہیں رکھتا کہ تم مجھے اپنی گزری ہوئی زندگی کے بارے میں

بتاؤ، لیکن اگر مجھے بتادو تو مجھ پر اعتماد ہوگا اور مجھے خوشی بھی ہوگی۔"

"ہاں۔ میں چاہتا ہوں کہ میں تمہیں ساری تفصیل بتاؤں۔ کامران نے پہلے اپنے ماضی کے بارے میں اسے تھوڑا سا بتایا اور اس کے بعد اصل کہانی وہاں سے شروع کی جب اس نے گرشنک اور سیتا کو کرنل گل نواز کی کوٹھی میں دیکھا تھا اور کرنل گل نواز نے گرشنک اور سیتا سے ملاقات کا واقعہ بتایا تھا۔ حسن شاہ شدت حیرت سے منہ کھولے یہ کہانی سن رہا تھا اور اس کے بعد اس نے مکمل کہانی جو شیکی کے قتل تک آتی تھی، حسن شاہ کو سنائی۔ حسن شاہ جیسے تصویر حیرت بن گیا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے کامران کو دیکھ رہا تھا، پھر اس نے کہا۔

"اور تم اس قدر گہرے انسان ہو۔ میں نے تو خواب میں بھی نہیں سوچا تھا لیکن میرے دوست اصل میں وقت اپنے فیصلے خود بہ خود کرتا ہے اور وقت کے فیصلے ہی درست ہوتے ہیں۔ اب تو انتہائی اشد ضرورت ہے کہ تم پروفیسر جوگندر سے ملو۔"

"پروفیسر جوگندر کا نام تم اس طرح سے لے رہے ہو حسن کہ میرے دل میں ان سے ملاقات کے لیے نہ جانے کتنا تجسس پیدا ہو چکا ہے۔ کون ہے یہ پروفیسر جوگندر!"

"مختصر الفاظ میں تمہیں اس کی تفصیل بتاتا ہوں۔ یہ تو تمہیں معلوم ہی ہے کہ میرا بچپن بلکہ میرے خاندان کا بچپن بھی رانا چندر سنگھ کے ساتھ ہی گزرا ہے۔ ہمارے ان کے ایک طرح کے خاندانی تعلقات تھے۔ میں نے بچپن سے رانا چندر سنگھ کو دیکھا ہے۔ بے شک اتنا بڑا آدمی ہے وہ کہ ہم اسے دوست تو نہیں کہہ سکتے، لیکن پھر بھی وہ ہمارے لیے دوستوں ہی کی طرح تھا۔ میری اور اس کی عمر میں بہت فرق ہے اور میں اس کی عزت کرتا ہوں۔"

"گڈ۔"

"تو میں اندر آیا جاتا ہوں۔" حسن شاہ اندر آ گیا۔ وہ کامران کو غور سے دیکھتا ہوا بولا۔

"ہاں۔ اب ہوئی نا بات۔ چلو اب فٹافٹ منہ دھو لو اور یہ بتاؤ۔ ساڑھے سات بجے ہیں۔ چائے یا کافی پیو گے یا کھانا کھاؤ گے؟"

"اپنے آپ کو اس وقت اسی شکل میں فٹ رکھا جاتا ہے جب کوئی بوجھل کھانا نہ کھایا جائے اور کسی ہلکی چیز پر گزارہ کیا جائے۔"

"میں نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ بہت عمدہ قسم کا سوپ بنایا ہے تمہارے لیے اور پائن ایپل پائیز، مزہ آجائے گا۔ ویسے میں تمہیں ایک بات بتا دوں کہ میں ایک بہترین کک ہوں۔ بے شمار کھانے پکانے جانتا ہوں، لیکن افسوس بتاتا نہیں ہوں کسی کو، کیونکہ پھر فرمائشیں میری شخصیت ہی بدل دیتی ہیں۔ سوائے رانا چندر سنگھ کے، جو خفیہ طور پر گوشت کی ڈشیں مجھ سے بنوایا کرتے تھے، کیونکہ خود وہ گوشت خور خاندان سے تعلق نہیں رکھتے تھے۔" حسن شاہ نے کہا اور ہنس پڑا۔

کامران نے بھی اس ہنسی میں اس کا ساتھ دیا تھا۔ نیند بھرپور طریقے سے پوری ہوئی تھی، اس لیے عضو عضو میں سرشاری تھی۔ حسن شاہ نے کہا۔

"اب یہ بتاؤ باہر سفر کرنا پسند کرو گے یا پھر......؟"

"نہیں۔ حسن شاہ کوئی ایسی خاص ضرورت محسوس نہیں کر رہا ہوں۔ یہاں کا بھی موسم خوشگوار ہے۔"

"آؤ۔ اوپر چل کر بیٹھتے ہیں۔" حسن شاہ نے کہا۔

"مکان کی خوب صورت چھت پر سے دور دور تک کا نظارہ ہوتا تھا۔ گو اس وقت ماحول تاریکی میں ڈوب چکا تھا، لیکن پھر بھی دور دور تک کا منظر نظر آ رہا تھا۔ پہاڑیوں پر کہر اتری ہوئی تھی اور ان کے دھندلے دھندلے خاکے نمایاں تھے۔ آبادی زیادہ بڑی نہیں تھی۔ اس کا اندازہ روشنیوں سے ہو جاتا تھا۔ حسن شاہ نے کہا۔

"ہاں اب بتاؤ یہ سارا چکر کیا چل گیا؟ میں تو اس بات کا منتظر تھا کہ تم میڈرڈ پہنچ جاؤ تو ہم دونوں یہاں سے دسکایا کا سفر کریں۔"

"دسکایا کیوں......؟"

"پروفیسر جوگندر کا خیال تھا کہ رانا چندر سنگھ اور کرنل گل نواز کو دسکایا ہی لایا گیا ہے۔"

"پروفیسر جوگندر سنگھ کا یہ خیال تھا۔"

"ہاں۔"

"میرے بھائی کے بارے میں شاید کبھی تم سے تذکرہ نہیں آیا۔ اس کا نام رحیم شاہ ہے۔ رحیم شاہ مجھ سے سوا سال چھوٹا ہے اور ان دنوں بھی چنداپور کے ایک چھوٹے سے خوب صورت علاقے میں رہتے تھے۔ ملی جلی ہندو مسلمان آبادی تھی۔ ہمارے گھر کے برابر ایک ہندو خاندان آباد تھا۔ رحیم شاہ کی دوستی اس ہندو خاندان کے نوجوان ست پرکاش سے تھی۔ ست پرکاش ایک متوسط درجے کے راجپوت گھرانے کا لڑکا تھا۔ باپ مر چکا تھا۔ بڑی بہن جسے ہم سب لوگ بڑی عزت اور مقام دیتے تھے۔ اس کا نام رتنو تھا۔ رتنو کے علاوہ اس گھر میں ان کی بوڑھی ماں تھی۔ باپ کی چھوڑی ہوئی زمین سے گھر کے اخراجات کے لیے آمدنی ہو جاتی تھی۔

پرانے طرز کا بہت بڑا مکان تھا جس کی ڈیوڑھی میں اکثر ہم سب ساتھ بیٹھ جایا کرتے تھے۔ رحیم شاہ کی زیادہ دوستی ست پرکاش کے ساتھ ساتھ موہنی سے بھی تھی۔ موہنی ست پرکاش کی چھوٹی بہن تھی اور ہم سب لوگ آپس میں گھلے ملے تھے۔ ہمارا اٹھنا بیٹھنا دو الگ مذہب کے فرد ہونے کے باوجود بہت ساتھ ساتھ تھا۔

پھر رحیم شاہ اور موہنی ایک دوسرے کے قریب آتے چلے گئے۔ تمام تہوار ساتھ ساتھ ہوتے تھے۔ عید ہوتی تو ست پرکاش کے گھر میں بھی عید ہوا کرتی تھی۔ ہمارا خاندان انہیں اپنے آپ میں پوری طرح شامل رکھتا تھا۔ ہولی یا دیوالی ہوتی تو ہم سارے کے سارے ساتھ ساتھ ہوا کرتے تھے۔ بہر حال موہنی رحیم شاہ سے محبت کرنے لگی تھی اور ان دونوں کا پیار دنیا کے جھگڑوں سے آزاد آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ ایک دوسرے کی محبت میں ڈوبتے چلے جا رہے تھے۔ ان لوگوں سے ملاقات تقریباً روزانہ ہی ہوتی تھی۔ میری سب سے بڑی بھابی کو رتنو سے ایسی محبت ہوگئی تھی کہ دونوں ایک دوسرے سے الگ رہا ہی نہیں کرتی تھیں اور اس طرح موہنی کو بھی آنے جانے کا موقع مل جاتا تھا۔ گھروں سے بھی خوب لین دین ہوا کرتا تھا۔ اُدھر سے بھی کھانا آتے اور اِدھر سے بھی ایسی چیزیں جو ہندو گھرانوں میں کھائی جا سکتی تھیں، بھجوائی جاتیں۔ سب ایک دوسرے کو دیکھتے، مسکراتے، چھیڑتے اور شرارتیں کرتے۔ اکثر میں نے رحیم شاہ اور موہنی کو ایک دوسرے سے چھیڑ چھاڑ کرتے دیکھا تھا پھر اچانک موہنی کی ماں کا انتقال ہو گیا۔

کچھ دیر کے بعد حسن شاہ نے کہا۔

"رحیم شاہ نے بجن کماری کے بارے میں جو تفصیل بتائی وہ ناقابل فراموش تھی۔" اس نے بہت ہی لفظوں میں مجھے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

ست پرکاس کی ماں اور بجن کماری کا خاندان ایک تھا۔ وہ رشتے میں بجن کماری کی خالہ تھی لیکن چونکہ بجن کماری تمام رشتے داروں اور دوسرے لوگوں سے الگ تھلگ حویلی میں رہتی تھی اور کسی کا آنا جانا نہیں تھا اس لیے ست پرکاش کے گھر والوں نے بھی بجن کماری کو دوسری بار دیکھا تھا۔ ایک مرتبہ وہ ست پرکاش کے باپ کی موت کے وقت آئی تھی اور دوسری بار اس کی ماں کی ارتھی پر۔ وہ دراز قد بلاشبہ راج کماریوں کی طرح حسین تھی۔

عمر خاصی تھی، کسی طرح چوبیس پچیس سے کم نہ ہوگی۔ قد نکلتا ہوا، چہرہ بیضوی اور رنگ سورج کی کرنوں کی طرح سنہرا۔ پتلے پتلے ہونٹ اتنے سرخ کہ لگتا تھا کہ لپ اسٹک لگی ہوئی ہے۔ بال سیاہ اور لانبے شانوں پر دو حصوں میں بکھرے ہوئے اور آنکھیں...... سحرزدہ ان میں جھانکو تو لگتا تھا کہ جانے کتنی گہرائیوں میں ڈوب جاؤ گے۔ میں نے ایک دو بار اسے دیکھا لیکن ایک مرتبہ نظریں ملیں تو ایسا لگا جیسے کرنٹ لگ گیا ہو۔ دوبارہ نظریں نہ ملا سکا۔ جانے کیوں وہ اس وحشت پر ہلکے سے مسکرا دی۔

موہنی نے رو رو کر برا حال کر رکھا تھا اور کسی کے سمجھانے سے بھی اس کی ہچکیاں بند نہیں ہو رہی تھیں، لیکن جب بجن کماری نے اس کی پشت پر ہاتھ رکھا تو موہنی نے چونک کر اسے پہلی بار دیکھا اور پھر اسے ایسے سحرزدہ انداز میں دیکھتی رہی جیسے سکتہ ہو گیا ہو۔ بجن کماری نے جھک کر اسے پیار کیا لیکن جانے کیوں یہ دیکھ کر مجھے تسلی ہوئی کہ اس نے موہنی کے گالوں کو نہیں گردن کو چوما تھا اور پھر اس نے اسے پیار سے لپٹا لیا تھا۔ مجھے بجن کماری کی اس حرکت پر بھی حسد ہوا تھا جیسے وہ میرا حق چھین رہی ہو اور پھر دوسرے دن دیدی نے مجھے بتایا کہ بجن کماری اپنے ساتھ موہنی کو چندر پور لے گئی ہے۔

"موہنی کبھی ماتا جی سے ایک دن کے لیے بھی جدا نہیں ہوئی تھی۔" دیدی نے روتے ہوئے بتایا۔

"اس نے رو رو کر جی ہلکان کر لیا تھا۔ بجن کماری بہ ضد ہو کر لے گئی ہیں اور اچھا ہی ہوا شاید اس کا دل وہاں بہل جائے۔"

"لیکن مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے موہنی ہمیشہ کے لیے چلی گئی ہو۔ یہ دیوانہ پن نہیں تھا تو اور کیا تھا لیکن میں بھی دل کے ہاتھوں مجبور تھا۔

"بجن کماری تمہاری رشتے دار ہیں دیدی؟!" میں نے پوچھا۔

"ہاں بھیا!...... وہ ہماری ننھیالی رشتے دار ہے۔ ماتا جی رشتے میں اس کی خالہ ہوتی تھیں۔"

"پھر یہ لوگ کبھی آتے کیوں نہیں تھے؟"

"وہ بڑے لوگ ہیں۔" دیدی جن کا نام رتنو تھا، انہوں نے مجھے بتایا۔ "ماتا جی کہتی تھی ہمارے پرناناؤں کے نانے بانے والے راجا ہوا کرتے تھے اور ان کی رشتے داری شہنشاہ اکبر سے تھی۔"

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" میں نے کہا۔ "شہنشاہ اکبر تو مسلمان تھا۔"

"ہاں کہتے تو یہی ہیں، پر ماتا جی بتاتی تھیں کہ اکبر مسلمان بھی تھا اور ہندو بھی۔ اسے ہندو دھرم سے بڑا پیار تھا۔ وہ ہمارے دیوتاؤں کو بھی مانتا تھا۔ اس نے بہت سی ہندو لڑکیوں سے شادی رچائی تھی۔ گجن کماری کا خاندان بھی اسی طرح راجپوت تھا اور گجن کماری کے دادا جس کے پیٹ سے تھے۔ وہ شہنشاہ اکبر کی رانی رہ چکی تھی۔ کہتے ہیں کہ وہ اتنی خوب صورت تھی کہ شہنشاہ اس پر بری طرح مرمٹا تھا اور شادی کر کے اسے اپنے ساتھ لے گیا تھا، لیکن اکبر کی موت کے بعد وہ واپس آ گئی تھی اور پھر ہمیشہ یہیں رہی۔"

"لیکن یہ لوگ اس ویران علاقے میں کیوں رہتے ہیں؟"

"کہتے ہیں، ان کی ماں کی وصیت تھی اور مہارانی نے بھی یہی وصیت کی تھی کہ ان کی اولاد نے حویلی کی رہائش ترک کی تو وہ تباہ ہو جائے گی۔ ان کے پاس دھن دولت بہت کچھ ہے، لیکن گجن کماری بے چاری وہ بھی میری طرح ودھوا ہے۔ اس کا شوہر ایک حادثے میں مر گیا تھا۔

گجن کماری کے بارے میں یہ باتیں میں نے پہلی بار سنی تھیں لیکن مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ مجھے صرف موہنی کی جدائی کا غم تھا۔ ایک ایک لمحہ کاٹنا دوبھر ہو رہا تھا اور میں اپنی تڑپ کا کسی سے اظہار بھی نہیں کر سکتا تھا، لیکن قدرت نے خود راستہ نکال دیا۔

موہنی کے جانے کے چھ دن بعد اچانک ست پرکاش بیمار پڑ گیا۔ اسے جاڑا بخار شروع ہو گیا تھا جو بڑھتا ہی چلا گیا۔ رجو دیدی بہت پریشان تھیں۔ میں ہر لمحہ ست پرکاش کی خدمت کرتا۔ ڈاکٹر کو لانا، دوا لانا اور وقت پر ست پرکاش کو دوا دینا۔ یہ سب میری ذمے داری تھی۔ ایک دن ست پرکاش نے رجو سے کہا کہ موہنی کو دیکھنے کو بڑا جی چاہتا ہے۔ رجو بے چاری کیا جواب دیتی۔ کہنے لگی۔ کوئی ہے بھی نہیں جس کو بھیج کر موہنی کو بلوائیں۔ میں نے فوری موقع سے فائدہ اٹھایا۔

"رجو تم کہو تو میں جا کر لے آؤں۔"

"ہاں لیکن بھیا کہیں وہ لوگ برا نہ مانیں۔" رجو نے کہا

"وہ کیوں برا مانیں گے؟" ست پرکاش نے کہا۔

"آج تک تو کبھی رشتے داری یاد نہیں آئی تھی۔ اب آئی تو بہن کو لے کر چل دی، ویسے بھی مجھے یہ گجن کماری ایک آنکھ نہیں بھاتی۔"

"ایسا نہ کہو ست پرکاش!" رجو نے فوراً ٹوکا۔ "آخر وہ بھی تمہاری بہن ہوتی ہے۔"

"لیکن ست پرکاش اتنا بضد ہوا کہ بالآخر رجو نے مجھے چندر پور جانے کو کہہ دیا۔ میں نے ست پرکاش کے لیے تین دن کی دوا لا کر رکھ دی اور پھر دوسرے ہی دن گھوڑا لے کر چندر پور روانہ ہو گیا۔ زندگی میں دوسری بار میں چندر پور جا رہا تھا۔ ایک بار ست پرکاش کے ساتھ میلے کے زمانے میں گیا تھا اور اب تنہا جا رہا تھا۔ آبادی سے باہر نکلتے ہی میں نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور جلد از جلد موہنی کے پاس پہنچنے کے لیے پوری رفتار سے روانہ ہو گیا۔

فاصلہ زیادہ نہیں تھا لیکن مسلسل چڑھائی تھی اس لیے حویلی تک پہنچنے میں دیر ہو گئی۔ دوپہر کا وقت ہو چکا تھا۔ سڑک کے دونوں جانب گھنے درخت تھے۔ گھوڑا بری طرح ہانپ رہا تھا لیکن بلندی پر حویلی کی

عمارت درختوں کی اوٹ سے جھانک رہی تھی، اس لیے میں نے بار بار ایڑ لگا کر گھوڑے کی رفتار تیز کی۔ کچھ دیر بعد درختوں کا سلسلہ ختم ہو گیا اور مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ حویلی قلعے کے اندر واقع تھی۔ قلعے کی شکستہ فصیل اب بھی اتنی بلند تھی کہ اس کو پار کرنا مشکل نہیں تھا اور اندر جانے کا واحد راستہ بڑے پھاٹک سے تھا جو کھلا ہوا تھا۔ ہر سمت عجیب سی ویرانی برس رہی تھی اور دور دور تک کسی آبادی یا متنفس کا پتا نہیں تھا۔

میں پھاٹک سے گزر کر جیسے ہی اندر داخل ہوا تو بارہ دری نظر آئی، جس کے سامنے وہی بگھی کھڑی تھی جس پر سوار ہو کر گجن کماری آئی تھی۔ سوائے حویلی کی عمارت کے ہر طرف کھنڈر نظر آ رہے تھے۔ بائیں جانب اصطبل تھا جس میں بندھے ہوئے مشکی گھوڑے باہر نظر آ رہے تھے لیکن کسی آدم زاد کا کوئی پتا نہ تھا۔ میں نے اصطبل کا رخ کیا اور اپنا گھوڑا ایک خالی تھان پر باندھ ہی رہا تھا کہ کسی نے آہستہ سے پوچھا۔

"کیا موہنی کے گھر سے آئے ہو......؟" میں چونک کر پیچھے مڑا۔ بوڑھے سائیس کو داخل ہوتے میں نہیں دیکھ سکا تھا۔ وہ اتنا بوڑھا تھا کہ اس کی بھنویں تک سفید ہو چکی تھیں۔ اندر دھنسی ہوئی آنکھوں سے وہ مجھے عجیب انداز سے گھور رہا تھا۔

"ہاں تم گجن کماری کو خبر کر دو۔" میں نے اسے جواب دیا۔

"گجن کماری!...... اس وقت......" وہ کہتے کہتے رک گیا۔

"ہاں۔ میں موہنی کو لینے آیا ہوں، اس لیے تم اسے فوراً خبر کر دو۔" میں نے جواب دیا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے۔" بوڑھے نے کہا۔ "گجن کماری اس وقت کسی سے نہیں ملتی ہیں۔"

"لیکن میں اتنی دور سے آیا ہوں اور پھر موہنی کو لے کر واپس بھی جانا ہے۔" میں نے کہا۔

"یہ ان کے آرام کا وقت ہے۔" بوڑھے نے غصے میں جواب دیا۔ "میں انہیں نہیں جگا سکتا۔"

"اچھا تو پھر موہنی کو اطلاع دو۔" بوڑھا زیر لب بڑبڑاتا ہوا اندر چلا گیا۔ مجھے حیرت ہو رہی تھی کہ اتنی بڑی حویلی میں کوئی نوکر چاکر نہیں نظر آتا۔ جانے کیوں اس جگہ پر ایک ان جانا سا خوف طاری ہو رہا تھا۔ اتنے میں موہنی آتی ہوئی نظر آئی۔ مجھے دیکھ کر وہ خوشی سے مسکرا دی۔ وہ تقریباً بھاگتی ہوئی میرے قریب آئی۔

"ارے تم......! تم یہاں کیسے آ گئے؟" اس نے مجھے والہانہ انداز میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم کو میری آمد پر کوئی اعتراض ہے تو واپس چلا جاؤں۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔"

"ارے نہیں، تم تو برا مان گئے۔" موہنی جلدی سے بولی۔

"یہاں کیوں کھڑے ہو، اندر آ جاؤ۔"

وہ مجھے لیے ہوئے مختلف راہ داریوں سے گزر کر ایک ہال نما کمرے میں پہنچی۔ حویلی کیا تھی، پچ کا شاہی محل تھا۔ بڑے بڑے جھاڑ اور قندیلیں کمرے میں لگی ہوئی تھیں، لیکن جدید دور کی سجاوٹ کی طرح کرسی میز فرنیچر کا نام و نشان نہیں تھا۔ قیمتی ایرانی قالین فرش پر بچھے ہوئے تھے۔ مخملی غلاف والے گاؤ تکیے قرینے سے سجے ہوئے تھے۔ جگہ جگہ چاندی کے اگال دان رکھے ہوئے تھے۔ درمیان میں ایک گاؤ تکیے کے سامنے بڑی خوب صورت سی نقشین صراحی اور گلاس رکھے تھے۔ دیواروں پر قدیم دور کے ہتھیار سجے ہوئے تھے اور سامنے کی دیوار پر لگی ہوئی تصویروں کے درمیان میں شہنشاہ اکبر کی تصویر تھی۔ سونے کے حسین فریم

میں لگی ہوئی اس تصویر کے برابر جو تصویر تھی وہ ہو بہو جگن کماری کی تھی۔

"جگن کماری بڑی حسین نظر آ رہی تھی۔" میں نے تصویر کو گھورتے ہوئے کہا۔

"یہ جگن کماری نہیں۔ ان کی پرداوی ہیں جو ایک بہت بڑے شہنشاہ کی مہارانی تھیں۔" موتی نے بتلایا۔

"ناممکن۔" میں نے کہا۔ "اتنی مشابہت ممکن نہیں۔"

لیکن موتی نے جو کچھ کہا تھا وہ صحیح تھا۔ کچھ دیر بعد وہ اٹھ کر اندر گئی۔ میں نے دانستہ اسے ست پرکاش کی بیماری کے بارے میں نہیں بتایا تھا، ورنہ تو پریشان ہو جاتی۔ میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ جگن کماری کی اجازت کے بغیر موتی کیسے جائے گی اور اگر کماری دیر سے سو کر اٹھی تو واپس جانا ممکن نہیں ہوگا کیونکہ سہ پہر ہو رہی تھی اور راستہ ویران جنگل سے گزرتا تھا۔ موتی ایک خوب صورت سی سینی میں کھانا لے کر آ گئی۔ میں بھوک سے بے حال ہو رہا تھا اس لیے بلا تامل کھانے بیٹھ گیا۔

"گھر میں کوئی ملازم نہیں ہے؟" میں نے کھانا کھاتے ہوئے پوچھا۔

"ہے کیوں نہیں درجنوں ہیں۔" موتی نے جواب دیا۔

"پھر تم کیوں کھانا لینے گئی تھیں؟"

"اوہ۔ دراصل سب اس وقت سو رہے ہیں۔"

"سو رہے ہیں؟" میں نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔

"ہاں دراصل جگن کماری رات کو دیر تک جاگتی ہیں۔ صبح ہونے تک روزانہ راگ رنگ کی محفل جمتی ہے، اس لیے دن کو سب آرام کرتے ہیں۔"

"عجیب بات ہے۔" میں نے کہا۔ "اس ویرانے میں راگ رنگ کی محفل کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا۔"

"مجھے خود تعجب ہوا تھا۔" موتی نے کہا۔ "لیکن یہ روزانہ کا معمول ہے، اس لیے میں بھی عادی ہو گئی ہوں۔"

"موتی! میں تمہیں لینے آیا ہوں۔" میں نے بلا آخر اسے بتایا۔ "رتو نے تمہیں بلایا ہے۔"

"لیکن...... موتی کسی سوچ میں پڑ گئی۔ "جگن کماری تو ابھی سو رہی ہے۔ میں ان سے پوچھے بغیر کیسے جا سکتی ہوں۔"

"میں خود یہی سوچ رہا تھا۔ وقت کم ہے اس لیے تم ان کو جگا کر اجازت لے لو۔"

"نہیں اس کوئی نہیں جگا سکتا۔"

"کیا مطلب......؟"

"یہ ان کا حکم ہے۔" موتی نے جواب دیا۔ وہ خود ہی بے دار ہوتی ہیں۔ دن میں کسی کو ان کے کمرے میں جانے کی اجازت نہیں ہے۔"

"کیا روزانہ ہی ایسا ہوتا ہے؟"

"ہاں۔"

"تب پھر کیا ہوگا۔ شام سے پہلے میرا جانا ضروری ہے۔" موتی بھی سوچ میں پڑ گئی۔

"صرف ایک صورت ہے۔" اس نے کہا۔ "تم آج رات یہیں ٹھہر جاؤ۔ ہم کل صبح چلیں گے۔"

اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ ہم دونوں حویلی سے نکل کر باہر آ گئے۔ گھومتے ہوئے ہم ایک برگد کے بڑے درخت کے نیچے جا کر بیٹھ گئے۔ زندگی میں پہلی بار مجھے موتی سے تنہائی میں ملنے کا موقع نصیب ہوا تھا۔ میرا دل اس طرح اچھل رہا تھا جیسے سینہ توڑ کر باہر نکل آئے گا۔ موتی بھی مجھے جن لجائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کے دل کی کیفیت کی چغلی کھا رہی تھی۔

"تم نہیں تھیں تو ایک لمحہ بھی میرا دل نہیں لگ رہا تھا۔" میں نے آہستہ سے کہا۔ "لیکن پھر یہ سوچ کر صبر کر لیتا تھا کہ شاید تمہارا یہاں دل بہل جائے۔"

"تمام دن میں پریشان رہتی تھی۔" موتی نے کہا۔ "ہر لمحہ دل چاہتا تھا کہ میں واپس پہنچ جاؤں۔"

"کیوں......؟ یہاں تو تم بڑے آرام سے تھیں۔" موتی نے ملامت آمیز نظروں سے مجھے دیکھا۔

"جب آپ پاس نہ ہوں تو آرام کیسا؟" اس نے کہا۔

"ہاں۔ رتو یاد آتی ہوگی۔ وہ بھی ہر وقت تمہارے لیے بے چین رہتی تھیں؟"

"رتو دیدی کے علاوہ بھی کوئی یاد آتا تھا۔" اس نے پلکیں جھکاتے ہوئے کہا۔ خوشی سے بے تاب ہو کر میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"سچ......؟ اوہ موتی...... موتی...... تم نے آج مجھے دیوانہ کر دیا ہے۔" میں نے اس کا ہاتھ بھینچتے ہوئے کہا۔

"تم تو سدا کے دیوانے ہو۔" اس نے شرارت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"ہاں سدا سے تم نے دیوانہ بنا رکھا ہے۔" میں نے اسے محبت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "تمہارے بغیر ایسا لگتا تھا جیسے زندگی ویران ہو گئی ہو۔"

"سب منہ دیکھے کی باتیں ہیں۔ بس رہنے دو۔"

"نہیں موتی! میں قسم کھا کر کہتا ہوں۔ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔" موتی ہنس پڑی۔

"کسی فلم سے یہ باتیں سیکھ لی ہیں شاید۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"نہیں موتی! میری محبت کا یوں مذاق نہ اڑاؤ۔" اس نے پیار سے میرا ہاتھ دبایا۔

"برا مان گئے؟ میں تو مذاق کر رہی تھی۔"

"مجھے معلوم ہے، لیکن موتی! پلیز تم سے سچ کہہ رہا ہوں۔ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔" موتی نے ایک ٹھنڈی سانس بھری۔

"میرا خود یہی حال ہے...... الیاس!" اس نے دھیرے سے کہا۔ "لیکن......؟"

"لیکن کیا......؟"

"جب یہ سوچتی ہوں کہ ایسا کبھی نہیں ہو سکے گا تو دل بیٹھنے لگتا ہے۔"

"ایسا کیوں نہیں ہو سکے گا؟"

"میں ہندو ہوں......اور......اور......"

"اور میں مسلمان...... یہی بات ہے نا...... لیکن مذہب ہماری محبت میں دیوار نہیں بن سکتا۔ ہم اس دیوار کو گرا دیں گے۔"

"سوچنا اور بات ہے، لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" اس نے افسردہ ہو کر کہا۔

"ہم کہیں دور چلے جائیں گے۔ دور...... اتنی دور جہاں ذات پات کے یہ بندھن ہماری محبت میں حائل نہ ہو سکیں۔"

"میں جانتی ہوں کہ ایسا ممکن ہے لیکن رتو دیدی رو رو کر مر جائیں گی اور مہر ست پر کاش کسی کو کیا منہ دکھائے گا۔"

"میرا بنایا ہوا خیالی محل مسمار ہو گیا۔ بے شک یہ کیسے ممکن تھا۔ میں اپنے دوست اور رتو کو دنیا کے سامنے یوں رسوا کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا، لیکن میں موہنی کے بغیر زندہ بھی نہیں رہ سکتا تھا۔ خدایا میں کیا کروں؟ موہنی نے شاید میری پریشانی بھانپ لی تھی۔

"پر محبت کرنا پاپ نہیں ہے الیاس!" اس نے تسلی دی۔

"ہم ایک دوسرے سے محبت کرتے رہیں گے۔"

"نہیں موہنی!...... محبت کرنا پاپ نہیں ہے، لیکن اگر دنیا کو پتا لگ گیا کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے پیار کرتے ہیں تو وہ اسے پاپ بنا دیں گے۔"

"دنیا کو پتا ہی کیوں لگے گا؟" اس نے آہستہ سے کہا۔

"تمہاری نگاہوں میں تمہیں دوسروں کے سامنے دیکھتے ہوئے بھی ڈرتا تھا کہ کہیں کسی کو شبہ ہو جائے۔" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"بڑے جھوٹے ہو۔ ہمیشہ تو مریدوں کی طرح گھورتے رہتے تھے۔" اس نے ہنسی روکتے ہوئے کہا اور میں تھوڑی دیر کے لیے سب کچھ بھول گیا۔ شام کا دھندلکا پھیلنے لگا تھا اور میں نے حویلی کی طرف نگاہ کی تو وہاں مجھے بہت سے لوگ چلتے پھرتے نظر آئے۔

"شاید گجن کماری بیدار ہو گئی ہیں۔" میں نے کہا۔ موہنی چونک کر اٹھ بیٹھی۔

"ہائے تم نے باتوں میں ایسا لگایا کہ بالکل دھیان نہ رہا۔ وہ مجھے ڈھونڈ رہی ہوں گی۔" موہنی نے گھبرا کر کہا۔

ہم دونوں ساتھ ساتھ حویلی میں داخل ہوئے۔ ایسا لگتا تھا جیسے میں خواب دیکھ رہا ہوں۔ ویران اور سنسان عمارت میں نوکروں اور داسیوں کی فوج اس طرح مصروف نظر آ رہی تھی جیسے ابھی شہنشاہ اکبر تشریف لانے والے ہوں۔ ان کے جسم پر قدیم طرز کے لیکن صاف ستھرے لباس تھے۔ وہ بڑا کمرا جہاں میں موہنی کے ساتھ بیٹھا تھا۔ عود اور عطر کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ کسی نے ہماری سمت توجہ نہ کی۔ کمرے میں ایک طرف بچھی ہوئی اجلی چاندنی پر مختلف ساز قرینے سے بکھیر رہے تھے۔ میں محو حیرت بنا کھڑا تھا کہ اچانک تمام کے تمام ملازم اور داسیاں صف بستہ کھڑے ہو کر تعظیم میں جھک گئے اور بے ساختہ میری نظریں زینے کی سمت اٹھ گئیں۔

گجن کماری آہستہ آہستہ نیچے اتر رہی تھی۔ اس کے جسم پر باریک لباس تھا جس سے اس صاف و شفاف حسن چاندی کی طرح جھلک رہا تھا۔ وہ بلاشبہ ایک راج کماری نظر آ رہی تھی۔ اس کا فراوا حسن بھی بڑا پر وقار لگ رہا تھا۔ اس کے لبوں پر مجھے دیکھ کر ایک خفیف سی مسکراہٹ ابھری۔ میں اس کو دیکھنے میں اتنا محو تھا کہ جب تک وہ قریب نہ آ گئی۔ میری نظر اس کے ساتھ ساتھ چلنے والے عمر رسیدہ شخص پر نہ پڑی اور جب پہلی بار میں نے اس بڈھے کو دیکھا تو ایک شدید قسم کی کراہیت کا احساس ہوا۔ باوجود یہ کہ اس نے شاہانہ لباس پہنا ہوا تھا، پھر بھی جھریاں پڑے سانولے چہرے پر ایک عجیب قسم کی خباثت جھلک رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں شیطانی چمک تھی اور نگاہ ملتے ہی مجھے یوں لگا جیسے جسم میں برقی رو دوڑ گئی ہو۔ میں نے جلدی سے نگاہیں جھکا لیں۔

"یہ گجن کماری کے پتا جی ہیں۔" موہنی نے سرگوشی میں کہا۔ "رانا ہرمیندر سنگھ، سنا ہے ان کی عمر سو سال ہے بلکہ شاید اس سے بھی اوپر۔ یہ صرف رات کو گجن کماری کے ساتھ نیچے آتے ہیں اور کھانے کے بعد کچھ دیر بیٹھ کر واپس چلے جاتے ہیں۔"

میں نے تعجب سے رانا ہرمیندر سنگھ کی سمت دیکھا جو اب زینے سے اتر کر ہماری سمت بڑھ رہا تھا۔ اتنی عمر کے باوجود اس کے جسم میں جوانوں کی سی چستی تھی اور جب اس نے مجھے ایک بار پھر گھورا تو مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی گدھ کسی لاش کو گھور رہا ہو۔ اس کی آنکھوں میں گدھ جیسی حرص اور بھوک نظر آ رہی تھی۔ ایک بار پھر مجھے شدید نفرت کا احساس ہوا اور ایسا لگا جیسے ہر سمت کسی سڑی ہوئی لاش کی بو پھیل گئی ہو۔ میں اپنی اس نفرت پر خود حیران تھا۔

"آداب......!" میں نے رانا اور گجن کماری کی طرف دیکھ کر کہا۔ بڈھے نے مجھے نفرت زدہ نگاہوں سے دیکھا اور پھر آگے بڑھ گیا لیکن گجن کماری میرے پاس رک گئی۔ اس نے بڑی دل آویز مسکراہٹ کے ساتھ مجھے دیکھا۔

"کب آئے تم الیاس!" اس نے مجھے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"بہت دیر ہوئی انہیں آئے ہوئے۔" موہنی نے جلدی سے کہا۔ "آپ سو رہی تھیں اس لیے میں نے اطلاع نہیں دی۔"

"میں موہنی کو لینے آیا ہوں۔" میں نے وضاحت کی۔

گجن کماری کی بڑی بڑی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اس نے مجھے گھور کر دیکھا۔

"آؤ۔ پہلے کھانا کھا لیں پھر باتیں ہوں گی۔" اس نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

کھانے پر رانا ہرمیندر سنگھ، گجن کماری اور موہنی کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔ ان گنت ملازمین انواع و اقسام کے کھانے لا کر دسترخوان پر لگا رہے تھے اور تعجب کی بات یہ تھی کہ کھانے میں گوشت کی بھی مختلف ڈشیں موجود تھیں۔ موہنی نے گوشت کو ہاتھ نہیں لگایا اور جیسے ہی میں نے اس ڈش کی سمت ہاتھ بڑھایا اس نے اس طرح مجھے گھورا کہ میں نے فوراً ہی ہاتھ کھینچ لیا۔ کھانے کے بعد داسیاں ہاتھ دھلانے کے لیے طشت لے کر آ گئیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے میں مغل اعظم کے دسترخوان پر بیٹھا ہوں۔

کھانا ختم ہوتے ہی اچانک فضا میں موسیقی کی آواز ابھری۔ میں نے چونک کر سامنے دیکھا۔ جانے کب سازندے آ کر بیٹھ گئے تھے اور ان کے سامنے دو بے حد خوب صورت رقاصائیں پیروں میں گھنگھرو باندھ رہی تھیں۔ میں نے ایک دو بار بجن کماری سے موہنی کی بات کرنے کی کوشش کی مگر وہ ٹال گئی۔ رانا ہریمیندر سنگھ اس دوران بالکل خاموش رہے تھے۔ انہوں نے آہستہ سے بجن کماری کے کان میں کچھ کہا اور اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ جانے سے پہلے انہوں نے ایک بار پھر مجھے نفرت انگیز انداز میں گھورا اور پھر سیڑھیاں طے کر کے اوپر چلے گئے۔

میں نے محسوس کیا کہ باپ کے جاتے ہی بجن کماری میں اچانک ہی تبدیلی آ گئی تھی۔ اس کا موڈ خوشگوار ہو گیا تھا اور چہرے پر شگفتگی آ گئی تھی۔ شاید وہ اپنے باپ سے بہت ڈرتی تھی۔ سازندے اپنے ساز و سامان کو سنبھال کر تیار ہو گئے تھے۔ رقاصائیں لہراتی ہوئی کھڑی ہو گئی تھیں۔

”بجن کماری!“ میں نے پھر مخاطب کیا۔ ”میں صبح سویرے ہی واپس جانا چاہتا ہوں۔“

”ایسی بھی کیا جلدی ہے الیاس!“ بجن کماری نے بڑے پیار سے جواب دیا۔ ”اور پھر صبح ہونے میں ابھی بڑی دیر باقی ہے۔“

”جی دراصل مجھے آج ہی واپس پہنچنا تھا۔ موہنی کا انتظار ہو رہا ہو گا۔“

”ست پرکاش اب ٹھیک ہے۔ بخار اتر گیا ہے۔“

”جی۔“ میں نے حیران ہو کر پوچھا۔ میں نے اسے پرکاش کی بیماری کے بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔

”اطمینان سے بیٹھو۔ مجھے معلوم ہے اور پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔“

”کیا بھیا بیمار ہیں؟“ موہنی نے پریشان لہجے میں پوچھا۔

”نہیں۔“ بجن کماری کا لہجہ اچانک درشت ہو گیا تھا۔ اب وہ بالکل ٹھیک ہیں۔“

”لیکن آپ کو کیسے معلوم؟“ میں نے حیران ہو کر پوچھا۔ بجن کماری نے مجھے ملامت آمیز نظروں سے گھورا۔

”باتیں پھر کر لیں گے ابھی تو راگ و رنگ سے مزہ لے لو۔“ اس نے اچانک مسکرا کر کہا۔

”تم موہنی کے لیے جتنے بے تاب ہو اس کا مجھے احساس ہے، لیکن تم جانتے ہو کہ یہ محبت تمہیں کتنی مہنگی پڑے گی؟“

میرا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا۔ موہنی خوف زدہ نگاہوں سے اسے گھورنے لگی۔

”لیکن بجن کماری میں......“

”اب چپ بھی رہو الیاس!“ بجن کماری نے مجھے بڑی لگاوٹ سے اپنے قریب گھسیٹ لیا۔ ”محبت کبھی چھپتی نہیں۔ یہ کم بخت آنکھوں سے بولتی ہے۔“ اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”لیکن دل پر کسے اختیار ہے۔“

رقاصاؤں کے گھنگھرو بجے، طبلے پر تھاپ پڑی اور رقص شروع ہو گیا اور پھر فضا میں ایک ایسا مدھر اور سحر انگیز نغمہ ابھرا کہ روح کی گہرائیوں میں اترتا چلا گیا۔ میں نے سکتے کے عالم میں دونوں خوبرو رقاصاؤں

کو اپنی جانب بڑھتے دیکھا۔ وہ ہمارے قریب آ کر رقص کرنے لگیں۔ مجھے نغمے کے بول یاد نہیں لیکن اتنا ضرور یاد ہے کہ ان میں شہد کی مٹھاس اور جادو کی سی سحر انگیزی تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ساری کائنات تھرک رہی ہو۔ جیسے ہر چیز رقصاں ہو۔ جیسے ہوش و حواس پر خمار سا چھا گیا ہو۔ بجن کماری مجھ سے اور قریب آ گئی تھی۔ اس نے چاندی کا ایک جام میرے لبوں سے لگایا۔

اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں مجھے گھور رہی تھیں اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میں ان کی گہرائیوں میں ڈوبتا جا رہا ہوں۔ دونوں حسین رقاصائیں اچانک رقص کرتے کرتے میرے قریب آ کر بیٹھ گئیں اور پھر انہوں نے پیر پھیلا کر اپنے جسموں کو کمان کی طرح خم کیا اور میری سمت دیکھ کر ایک نغمہ شروع کیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ہر سمت محبت کی شمعیں روشن ہو گئی ہوں۔ نرم نرم شبنم کی طرح ٹھنڈی روشنی فضا میں بکھر گئی تھی۔ رقاصاؤں نے اپنے ہاتھ فضا میں لہرائے اور پھر ان کے ہاتھ بلوریں جام لیے ہوئے آہستہ آہستہ میرے لبوں کی طرف بڑھنے لگے۔ مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میرا اپنا وجود اس سحر زدہ ماحول میں تحلیل ہو کر رہ گیا ہو جیسے میں عمر خیام کی کسی رباعی کا ایک کردار ہوں۔ نغمہ کانوں میں رس گھول رہا تھا۔ حسن میرے قدموں میں رقصاں تھا اور شباب میرے پہلو میں جھوم رہا تھا۔

جب میری آنکھ کھلی تو میں ایک نرم و گداز بستر پر دراز تھا۔ چھت پر لٹکا ہوا خوش نما جھاڑ تاریکی میں چمک رہا تھا۔ نہ وہ بزم موسیقی تھی نہ وہ روح پرور نغمہ اور نہ رقص و سرور۔ میں ایک تاریک کمرے میں تنہا لیٹا ہوا تھا۔ آہستہ آہستہ مجھے سب کچھ یاد آ گیا اور میں پھر چونک کر اٹھ بیٹھا۔ ہلکی سی سرسراہٹ دریچے کی جانب سے سنائی دی تھی۔ میں نے گھور کر دیکھا تو تاریکی میں ایک ہیولا سا نظر آیا۔ کوئی دریچے کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کا باریک ریشمی لباس ہوا کے ساتھ اڑ رہا تھا اور اس کے سیاہ ریشمی بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے۔

”موہنی!“ میں نے بے ساختہ پکارا۔ وہ تیزی سے پلٹی اور جھپٹ کر میرے بستر کے قریب آ گئی۔

”موہنی کو تم کبھی نہ حاصل کر سکو گے مورکھ!“ اس نے غضب ناک لہجے میں کہا۔ اس کی آنکھیں غصے سے شعلے کی طرح چمک رہی تھیں۔ وہ موہنی نہیں بجن کماری تھی۔

”کماری!...... تم۔“ میں نے گھبرا کر کہا۔

وہ چند لمحے مجھے اسی عالم میں گھورتی رہی پھر آنکھوں میں دہکتی ہوئی آگ ماند پڑ گئی۔ ایک دل نواز مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر نمودار ہوئی۔

”صرف بجن کہو مجھے!“ اس نے توبہ شکن انداز میں سرگوشی کی۔

مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ شاید یہ بھی کوئی خواب تھا۔ شاید میں نشے میں تھا لیکن پھر بجن کماری کا کافر ادا جسم اپنی جیتی جاگتی رعنائیوں کے ساتھ میرے قریب آ گیا۔ اس کے جسم کا گداز اور اس کی مرمریں باہوں کا لمس میرے ہوش و حواس پر چھانے لگا اور شاید میں تمام تر بندشیں توڑ کر اس خواب کی تعبیر حاصل کر لیتا لیکن وہ اچانک اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

”یہ...... یہ تمہارے بازو پر کیا ہے؟“ اس نے خوف زدہ لہجے میں پوچھا۔

میں نے اپنے بازو کو دیکھا پھر یاد آیا کہ اس رانی کا باندھا ہوا تعویذ موجود تھا جس پر

چڑھا ہوا تھا۔

''کچھ نہیں تعویذ ہے۔'' میں نے کہا۔ ''شاید تعویذ اس کے نرم نازک بازو پر گڑ گیا تھا۔ ''تم بلاوجہ ڈر گئیں۔''

''اسے اتار دو۔'' بجن کماری نے حکم دیا۔

''کیوں.....؟'' میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

''یہ ہمارے درمیان حائل ہے۔'' بجن کماری پھنکاری۔

میری سمجھ میں کچھ نہ آیا پھر اچانک مجھے خیال آیا کہ وہ ہندو ہے۔ شاید اس لیے یہ کہہ رہی ہے۔ میں مسکرایا۔ میرا ہاتھ تعویذ کھولنے کے لیے بڑھا۔ پھر خود بہ خود رک گیا۔ کوئی انجانی قوت مجھے روک رہی تھی۔

''نہیں بجن! یہ میری ماں نے باندھا تھا۔ اسے میں نہیں اتار سکتا۔'' میں نے جواب دیا۔

''کیا میرے کہنے سے بھی نہیں؟'' اس نے ایک تو بہ شکن انگڑائی لے کر پوچھا۔

ایک لمحے کے لیے میرا عزم ڈگمگایا۔ لیکن پھر مجھے موتی کا خیال آیا۔ میں اس کے ساتھ بے وفائی نہیں کر سکتا تھا۔

''تم موتی کو کبھی نہ حاصل کر سکو گے۔'' بجن کماری نے غصے میں کہا۔ اس نے میرا ذہن پڑھ لیا تھا۔

''میں صبح اسے یہاں سے لے جاؤں گا بجن کماری!'' میں نے بھی غصے میں جواب دیا۔

''اور.....اور اگر اسے حاصل کرنے کے لیے ضروری ہوا تو میں اپنا مذہب بھی تبدیل کر لوں گا۔'' بجن کماری نے ایک زہریلا قہقہہ لگایا۔

''تم اسے پھر بھی حاصل نہ کر سکو گے۔ موتی میری ہے۔ وہ میری اجازت کے بغیر یہاں سے بھی نہیں جائے گی۔''

''بے شک وہ میری کوئی نہیں ہے۔'' میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''لیکن مجھے رتو دیدی نے اسے لینے کے لیے بھیجا ہے۔ میں ابھی واپس جا رہا ہوں اور اب ان کو لے کر آؤں گا۔''

''وہ پھر بھی نہ جا سکے گی۔'' اس نے درشت لہجے میں کہا۔ تم نے میری توہین کی ہے الیاس اور تم کو اس کی سزا ملے گی۔''

مجھے اس کے لہجے پر سخت غصہ آیا۔ میں اس کا نوکر تو نہیں تھا۔ وہ کماری ہو گی تو اپنے گھر میں۔ جیتا میرے ساتھ اسے اس انداز میں گفتگو کرنے کا کوئی حق نہ تھا۔ میں نے سرہانے رکھا ہوا لباس اٹھایا اور اسے پہن کر جانے کے لیے مڑا۔

بجن کماری کا طنزیہ قہقہہ بلند ہوا۔ میں نے غصے میں پلٹ کر دیکھا لیکن کمرا خالی تھا۔ بجن کماری وہاں نہیں تھی۔ میں چند لمحے حیران کھڑا رہا۔ پھر دروازے کی سمت بڑھا۔ دروازہ مقفل تھا۔ میں نے بار بار زور لگایا لیکن دروازہ نہ کھل سکا۔ کیا وہ زبردستی مجھے یہاں قید رکھے گی۔ خوف کی ایک سرد لہر میرے جسم میں دوڑ گئی۔ میں نے پھر دروازے کا ہینڈل گھمایا لیکن دروازہ نہ کھل سکا۔

''دروازہ کھول دو بجن کماری!'' میں نے غصے میں چلا کر کہا۔

''لیکن کوئی جواب نہ مل سکا۔ مجبوراً میں واپس آ کر بستر پر لیٹ گیا۔ صورت حال پریشان کن تھی۔ میں یہاں بالکل تنہا تھا۔ بجن کماری کے پاس ملازموں کی فوج تھی اور پھر مجھے یاد آیا کہ ان میں بعض خوف ناک شکل کے حبشی بھی تھے۔ یہاں کوئی مدد بھی نہیں مل سکتی تھی۔ دور دور تک کوئی آبادی نہ تھی۔ اچانک میری نظر دریچے پر پڑی۔ میں لپک کر اس کے قریب پہنچا۔ میں نے باہر جھانکا اور سہم گیا۔ یہ کمرا زمین سے اتنی بلندی پر واقع تھا کہ اس راستے سے نیچے اترنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ شاید یہ حویلی کے بلند مینار پر واقع کوئی کمرا تھا۔ پھر کیا کروں؟ میں اسی عالم میں کھڑا باہر جھانک رہا تھا۔ صبح ہونے والی تھی۔ صبح کی پہلی کرن پہاڑ کے دامن سے ابھری تو مجھ میں ایک نئی ہمت پیدا ہوئی۔ میں دروازے کے قریب آیا اور زور زور سے اسے پیٹنے لگا لیکن کوئی اثر نہ ہوا۔ غصے میں ایک بار پھر میں نے پوری قوت سے دروازے کا ہینڈل گھمایا اور دروازہ بلا کسی دشواری کے کھل گیا۔ چند لمحے مجھے یقین نہ آیا۔ میں کھلے ہوئے دروازے میں کھڑا رہا۔

ممکن ہے یہ بھی بجن کماری کی کوئی چال ہو۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ میں زینہ اترنے لگا۔ میرا خیال صحیح تھا۔ یہ کمرا حویلی کے قدیم مینار پر واقع تھا۔ میں نیچے پہنچا تو ہر سمت سناٹا طاری تھا۔ نہ کوئی ملازم نظر آ رہا تھا اور نہ بجن کماری اور نہ ہی موتی۔ ایک لمحے کو میں نے سوچا کہ موتی کو تلاش کر کے خاموشی سے ساتھ لے چلوں لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں ہو گی اور اگر بجن کماری نے مجھے پھر روک لیا تو مشکل ہو سکتی ہے۔

میں دبے پاؤں چلتا ہوا اصطبل پہنچا۔ گھوڑے پر جلدی جلدی زین کسی اور حویلی کی چہار دیواری سے باہر نکل آیا۔ کسی نے میرا راستہ نہیں روکا۔ سڑک پر پہنچتے ہی میں نے گھوڑے کو ایڑ لگائی۔ ابھی سورج پوری طرح نہیں نکلا تھا اور گھنے جنگل میں اب تک تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ سڑک بہت تنگ اور ناہموار تھی۔ ایک جانب گہری کھائی تھی اور ذرا سی بے پروائی مجھے سیکڑوں فٹ کی گہرائی میں پھینک سکتی تھی، اس لیے میں نے رفتار سست کر دی۔ مطلوبہ سڑک پر پہنچنے کے لیے مجھے اب چند منٹ درکار تھے۔

اور عین اسی وقت جھاڑیوں میں سے کسی چیز نے گھوڑے پر چھلانگ لگا دی۔ میں اپنے خیالات میں اتنا کھویا ہوا تھا کہ کچھ نہ دیکھ سکا۔ میرا گھوڑا خوف سے ہنہنا کر اچھلا اور پھر اس سے پہلے کہ میں سنبھل سکتا گھوڑے کی پشت سے لڑھک کر گہری کھائی کی طرف گرنے لگا۔ میں نے خلا میں ہاتھ مارے لیکن ہاتھ کچھ نہ آیا۔ خوف سے میری آنکھیں بند ہو گئیں۔ میں گہرائیوں میں گرتا چلا گیا اور مجھے کچھ یاد نہ رہا۔

وہ موتی تھی..... غم زدہ، پریشان اور پرنم آنکھیں بھی موتی کی تھیں اور وہ مجھ پر جھکی ہوئی تھی۔ میں ایک بار پھر آرام دہ بستر پر دراز تھا۔ جلتی ہوئی شمعوں سے ظاہر تھا کہ رات ہو چکی ہے۔ شاید موتی کی آنکھوں سے گرنے والے آنسوؤں نے مجھے بیدار کر دیا تھا۔

''موتی!'' میں نے آہستہ سے کہا۔ موتی نے چونک کر مجھے دیکھا اور پھر خوشی سے مسکرا دی۔ ہاں یہ خواب نہ تھا۔ وہ موتی ہی تھی۔

''بھگوان! تو نے میری پرارتھنا سن لی۔'' اس نے خوش ہو کر کہا۔

میں نے اٹھنے کی کوشش کی۔ درد کی ٹیسوں سے سارا بدن دکھ اٹھا۔ موتی نے جلدی سے ہاتھ بڑھا کر مجھے لٹا دیا۔

"نہیں۔ نہیں، تم اٹھنے کی کوشش نہ کرو۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"زندگی تھی جو بچ گئے۔ ورنہ جس طرح راموکاکا تم کو لے کر آئے تھے، میں تو سمجھی تھی کہ تم..... تم......" وہ سسکیاں لینے لگی۔

مجھے یاد آ گیا۔ میرا گھوڑا اچانک بدک گیا تھا اور میں اس کی پشت سے کھائی کی سمت گر گیا تھا۔ حیرت تھی کہ بچ کیسے گیا۔ میں نے ہاتھ بڑھا کر موہنی کے چہرے سے آنسو پونچھے۔

"ابھی تو میں زندہ ہوں پگلی! رو کیوں رہی ہے؟" میں نے آہستہ سے کہا۔ موہنی نے پیار بھری نظروں سے مجھے دیکھا۔

"تم مجھے چھوڑ کر کہاں جا رہے تھے؟" اس نے پوچھا۔ ایک لمحے کو دل چاہا کہ اسے کجن کماری کی ساری باتیں بتا دوں پھر سوچا یہ مناسب نہیں ہوگا۔

"تجھے چھوڑ کر کہاں جاؤں گا موہنی! بس دل گھبرا رہا تھا۔ یونہی ٹہلنے نکل گیا تھا۔ اچانک گھوڑا بدک گیا۔"

"میں نے منع کیا تھا کہ یہ جگہ اچھی نہیں لیکن تم نہیں مانے۔"

"اسی کی تو سزا ملی ہے۔" وہ مسکرا دی۔

"اس حالت میں بھی شرارت سے باز نہیں آتے۔"

"کیا بہت چوٹ لگی ہے۔" میں نے پوچھا۔

"ہاں، لیکن بھگوان کی کرپا سے تم بچ گئے۔ راموکاکا کہہ رہا تھا کہ ایک درخت میں پھنس کر تم نیچے گرنے سے بچ گئے ورنہ......"

"ورنہ اب تک سورگ باش ہو گئے ہوتے۔" میں نے کہا۔ موہنی نے جلدی سے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

"کیسی بدشگونی کرتے ہو۔" اس نے غصے میں مجھے گھورا۔ "اگر..... اگر تم کو کچھ ہو جاتا تو......"

"تو کیا ہوا......؟"

"میں بھی جان دے دیتی۔" اس نے نظریں جھکا کر بڑے عزم سے کہا۔

میں نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے اور اس کے چہرے کو گھورنے لگا۔ وہ واقعی موہنی تھی۔ اس کے چہرے پر بکھرا ہوا حسن چاند کی طرح دمک رہا تھا۔ میں نے بے ساختہ اس کا ہاتھ چوم لیا۔ موہنی نے شرما کر ایک دم اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

"یہ راموکاکا کون ہیں؟" میں نے پوچھا۔

"ایک غریب لکڑہارا ہے۔ جنگل میں سے لکڑیاں کاٹ کر حویلی میں دیتا ہے۔ اس نے تم کو گرتے ہوئے دیکھ لیا تھا اور اٹھا کر یہاں لایا تھا۔" موہنی نے بتایا۔ "راموکاکا نے بتایا تھا کہ تم کو صرف معمولی چوٹیں آئی ہیں۔ وہ دوا لگا کر کہتا تھا کہ صبح تک ٹھیک ہو جاؤ گے۔"

"کجن کماری کہاں ہے؟"

"وہ کچھ دیر پہلے تم کو دیکھ کر گئی ہیں۔"

"تمہاری واپسی کے بارے میں اس نے کیا کہا؟"

"کہہ رہی تھیں کہ تم ٹھیک ہو جاؤ گے تو پھر وہ اپنی فٹن میں ہم دونوں کو گھر بھیج دیں گی۔" موہنی نے بتایا۔

میں کچھ دیر سوچتا رہا۔ کیا واقعی کجن کماری نے اپنا فیصلہ بدل دیا تھا یا محض موہنی کو تسلی دینے کے لیے ایسا کہہ دیا تھا۔

"فکر نہ کرو۔ کجن کماری نے آدمی گھر بھیج کر کہلوا دیا ہے کہ ہم دو تین دن بعد آئیں گے۔" موہنی نے مجھے فکرمند دیکھ کر کہا۔

"موہنی..... کبھی تم نے ایک بات سوچی؟"

"کون سی بات......؟"

"کجن کماری، اس کا باپ، اس کے تمام نوکر دن میں کہاں غائب ہو جاتے ہیں؟"

"اس میں بھلا سوچنے کی کیا بات ہے؟" چندرا نے کہا۔

"جب رات بھر جاگیں گے تو دن کو سوئیں گے ہی۔"

"کیا اس رات میں بے ہوش ہو گیا تھا۔"

"بے ہوش..... تم کب کی بات کر رہے ہو؟"

"کل رات کی۔ مجھے یاد نہیں کہ میں اس کمرے میں کیسے پہنچا تھا؟"

"موہنی بے ساختہ ہنس پڑی، پھر اس نے پریشان کن نظروں سے مجھے دیکھا جیسے میری حالت پر شک کر رہی ہو۔"

"تم کجن کماری کے ساتھ خود ہی چل کر گئے تھے۔" اس نے کہا۔

"مجھے یاد نہیں پڑتا شاید چوٹ کی وجہ سے..... نہیں موہنی میرا دماغ ٹھیک ہے۔" میں نے کہا۔ "لیکن کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کجن کماری، یہ حویلی اور یہاں کا سب کچھ حقیقت نہیں ایک خواب ہے۔"

موہنی اب واقعی پریشان ہو گئی تھی۔

"الیاس! اب تم سو جاؤ۔ لاؤ میں تمہارا سر دبا دوں۔" وہ سر دباتی رہی۔ میں سوچتا رہا۔ کجن کماری نے جھگی بنائی تھی کہ موہنی اب کبھی واپس نہیں جا سکے گی، لیکن کیا وہ زبردستی موہنی کو روک سکتی تھی۔ وہ موہنی کے ہنسنے دار تھی۔ اگر اس نے ست پرکاش اور رگھو سے موہنی کو مزید روکنے کی خواہش ظاہر کی تو وہ یقیناً انکار نہ کر سکے گا اس لیے میرا ضد کرنا بیکار تھا جیسے ہی طبیعت ٹھیک ہو گی میں واپس چلا جاؤں گا۔

میں سوچ ہی رہا تھا کہ کجن کماری آ گئی۔ موہنی کو دیکھ کر اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے شاید اسے ناگوار ہوا تھا کہ وہ میرا سر دبا رہی تھی۔ موہنی نے سہم کر ہاتھ روک لیے لیکن کجن کماری دوسرے ہی لمحے مسکرا کر بیٹھ گئی۔

"کیسی طبیعت ہے الیاس!" اس نے قریب آ کر پوچھا۔

"سارا بدن دکھ رہا ہے" میں نے جواب دیا۔

"موہنی! تم ذرا جا کر دیکھو کھانا لگ جائے تو ہمیں بلا لینا۔" اس نے بڑے پیار سے کہا۔

"اچھا جی!" موہنی فوراً ہی چلی گئی۔ گجن کماری میرے بستر کے سرہانے آ کر بیٹھ گئی۔

"تم نے مجھے ناراض نہ کیا ہوتا تو یہ سزا کیوں ملتی؟" اس نے آہستہ سے کہا۔

"اوہ!...... تو یہ سزا اس وجہ سے ملی ہے؟" میں بھی ہنس پڑا۔ "مجھ پر تمہارا قابو نہ چل سکا تو شاید میرے گھوڑے پر چل گیا۔"

"الیاس! تم بڑے نادان ہو۔" اس نے مخمور نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔ "آج تک کسی نے میری محبت کو نہیں ٹھکرایا۔"

میں چونک پڑا۔ مجھے پہلی بار اندازہ ہوا کہ وہ مجھ پر کیوں مہربان ہے۔

"لیکن تم شادی شدہ ہو گجن کماری!"

"تھی...... اس بے وقوف نے بھی ایسی ہی غلطی کی تھی۔"

"تو کیا تم نے اپنے شوہر کو......"

"نہیں۔ تم غلط سمجھ رہے ہو۔ کیلاش ناتھ کی موت واقعی ایک حادثہ تھی۔ ہماری آپس میں تکرار ہوئی تھی اور وہ غصے میں یہ دھمکی دے کر گیا تھا کہ واپس نہیں آئے گا۔ پتا جی اسی بات پر ناراض ہو گئے تھے۔ راستے میں اسے حادثہ پیش آ گیا اور وہ مر گیا۔"

"پھر بھی تم بیوہ ہو۔ ہندو مذہب میں بیوہ......"

"جہنم میں ڈالو مذہب کو۔" وہ جھنجھلا کر بولی۔ "میں صرف گجن کماری ہوں۔ اپنی مرضی کی مالک۔"

اس نے فرعونی انداز میں کہا۔ میں ہنس دیا۔

"بڑی ضدی اور ظالم بھی ہو تم!" وہ مسکرا دی۔

"مجھے جو چیز پسند آ جائے اسے حاصل کر کے چھوڑتی ہوں۔"

"اس وقت تو میں ہل بھی نہیں سکتا تھا۔" میں نے بہانہ کیا۔ "اس مسئلہ پر پھر بات کریں گے۔"

اس نے مجھے ملامت بھری نظروں سے دیکھا۔ "مجھ سے جھوٹ بولنا بے کار ہے الیاس!" اس نے کہا۔

"موہنی کا خیال چھوڑ دو۔ وہ تمہاری کبھی نہیں ہو سکتی۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ کوئی ہندو اپنی لڑکی تم سے بیاہ دے گا؟"

"تم بھی تو ہندو ہو گجن کماری!"

"میں نے کہا نا...... میں صرف گجن ہوں۔ میں تم سے وعدہ کرتی ہوں کہ تمہاری ہر خواہش پوری کروں گی۔ تم جانتے ہو مجھے کسی چیز کی کمی نہیں۔"

"تم چاہتی ہو کہ میں موہنی کا دل توڑ دوں؟" میں نے غصے میں کہا۔

اس نے مجھے ملامت آمیز نگاہوں سے گھورا اور پھر کھڑی ہو گئی۔

"تم ضدی ہی نہیں بد قسمت بھی ہو۔" اس نے جواب دیا۔ "تمہارے لیے فٹن تیار ہے۔ بہتر ہے کہ اسی وقت چلے جاؤ۔" اس نے دروازے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

"لیکن اس وقت، اس حالت میں میں کیسے جاؤں؟"

"یہ تم جانو۔ لیکن میں پھر کہتی ہوں کہ بہتر ہے ابھی چلے جاؤ ورنہ......"

"اور موہنی......!"

وہ غضب ناک انداز میں مڑی۔ "موہنی میری بہن ہے۔ میں تم جیسے آوارہ آدمی کے ساتھ اسے نہیں جانے دوں گی۔"

اس سے پہلے کہ میں جواب دیتا وہ جا چکی تھی۔ میرے لیے توہین ناقابل برداشت تھی۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ اسی وقت روانہ ہو جاؤں گا۔ کوشش کر کے میں بستر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ میرے ہاتھ پیر سلامت تھے لیکن خراشوں میں ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ پھر بھی میں اسی حالت میں ہال کے اندر پہنچا۔ گجن کماری اور موہنی کھڑی باتیں کر رہی تھیں۔

"موہنی......!" میں نے پکارا۔

گجن کماری نے پلٹ کر مجھے دیکھا اور پھر ایک ملازم کو اشارہ کیا۔

"اسے باہر فٹن تک پہنچا دو۔" اس نے نفرت آمیز لہجے میں کہا۔

میں نے موہنی کی سمت دیکھا۔ وہ بے بسی کے عالم میں مجھے دیکھ رہی تھی۔ ملازم حکم کی تعمیل کے لیے میری سمت بڑھا۔ میں غصے میں پیچ و تاب کھاتا ہوا دروازے سے باہر نکل گیا۔ گجن کماری کی فٹن تیار کھڑی تھی۔ کوچوان نے دروازہ کھولا، لیکن میں اس مغرور لڑکی کا احسان لینے کو اس حالت میں بھی تیار نہ تھا۔ اس لیے سیدھا اصطبل کی سمت بڑھا۔ میں نے اپنے گھوڑے پر زین کسی اور تکلیف کے باوجود اس پر سوار ہو کر چل دیا۔

رات کا وقت تھا۔ راستہ خطرناک تھا لیکن غصے کے عالم میں تکلیف اور خطرے، کسی چیز کا احساس نہ رہا۔ مجھے نہیں یاد کہ میں نے کس طرح سفر طے کیا۔ رات کے پچھلے پہر میں گھر پہنچ گیا۔

موہنی کی موت کی خبر مجھے شنوائی میں ملی تھی۔ میں زخمی حالت میں چندر پور سے گھر پہنچا تو تایا کی بیماری اور فوراً پہنچنے کا تار گھر پہنچ چکا تھا۔ ارشد بھائی اور بھابی بے چینی کے ساتھ میرے منتظر تھے، لیکن میری حالت دیکھ کر وہ بدحواس ہو گئے۔ انہوں نے صبح کی گاڑی سے شنوائی جانے کا فیصلہ کیا، لیکن بھائی بہ ضد ہو گئے کہ مجھے اس حالت میں سفر نہیں کرنا چاہیے اور وہ تنہا جائیں گے۔ بڑی مشکل سے میں انہیں یقین دلا سکا کہ معمولی چوٹیں ہیں اور میں ان کے ساتھ ہی جاؤں گا۔

گاڑی صبح پانچ بجے روانہ ہوئی تھی۔ اس لیے ست پرکاش اور ریتو سے بھی نہ مل سکا۔ خیال تھا کہ چند روز بعد ہی واپس آ جاؤں گا، لیکن قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ تایا ہمارے پہنچنے کے چند روز بعد اللہ کو پیارے ہو گئے۔ شنوائی ان دنوں جنگی قیدیوں کا بہت بڑا کیمپ تھا اور ابا اور تایا نے مل کر یہاں کھانا سپلائی کرنے کا ٹھیکہ لے رکھا تھا۔ لاکھوں کا بزنس تھا اور اس لیے ابا نے مجھے وہیں روک لیا اور ارشد بھائی چند روز بعد بھابی کو لے کر واپس آ گئے۔

موہنی کی اچانک موت کی خبر مجھے بھابی کی چٹھی میں ملی تھی۔ انہوں نے صرف اتنا لکھا تھا کہ

چندر پور میں ایک اتفاقی حادثے میں موہنی ہلاک ہوگئی۔ اسے سانپ نے ڈس لیا تھا۔ مجھے اس خبر سے شدید صدمہ پہنچا۔ چند روز تک میں بالکل سکتے کے عالم میں رہا۔ دل کہتا تھا کہ یہ جھوٹ ہے۔ اسے سانپ نے نہیں ایک حسین ناگن نے ڈس لیا تھا، جس کا نام گجن کماری تھا۔

لیکن کام کی مصروفیات میں، میں آہستہ آہستہ یہ غم بھی بھول گیا۔ پھر خبر ملی کہ موہنی کا گھر اجڑ گیا۔ اس کے بعد رتو بھی چند ماہ کے وقفے کے بعد چل بسی۔ اس کے بعد اس طرف جانے کا خیال بھی اذیت کا باعث ہوتا تھا۔ دن گزرتے رہے۔ یہاں تک کہ جنگ ختم ہوگئی۔ شنوائی کا کیمپ بھی کچھ دنوں کے بعد ختم ہوگیا۔ اس کیمپ سے ہزاروں افراد کے روزگار کا سلسلہ تھا۔ یہ لوگ جنگ کے بعد سے بے روزگاری کا شکار ہوگئے، لیکن ہم نے اتنا کما لیا تھا کہ فوری طور پر کوئی اثر نہ پڑا اور ہم نے جنگلات کے ٹھیکے کا کام شروع کر دیا۔

یہ 1949ء کا زمانہ تھا جب ایک کام سے مجھے چرن پور جانے کا اتفاق ہوا۔ میرا اسکول کا دوست سرفراز وہاں ریلوے میں ملازم تھا اور اس کی شادی میں شرکت کا میں وعدہ کر چکا تھا۔ چرن پور پہنچ کر ہم بچپن سے لے کر جوانی کے ان ایام کو یاد کرتے رہے جو ہم نے ایک ساتھ گزارے تھے۔ سرفراز نے مجھے بتایا کہ فرید ان دنوں اپنے ہی علاقے کے اسپتال میں سرجن کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ وہ لندن سے ایف آر سی ایس کرکے آیا تھا۔ بچپن کے ساتھیوں میں فرید اور ست پرکاش میرے عزیز ترین دوست تھے، اس لیے سرفراز کی شادی کے بعد میں فرید سے ملنے کے لیے روانہ ہوگیا۔

اسٹیشن سے اترا تو دنیا ہی بدل گئی تھی۔ چھوٹی سی آبادی اب ایک بڑا شہر بن چکی تھی۔ اسپتال اسٹیشن سے قریب ہی تھا اس لیے مجھے فرید کا پتا لگانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ میں دوپہر کو پہنچا تھا۔ فرید کو میری آمد کی کوئی اطلاع نہیں تھی۔ اسپتال پہنچا تو معلوم ہوا کہ فرید آپریشن تھیٹر میں ہے۔ میں اس کے کمرے میں انتظار کرنے لگا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ میں اس کا منتظر ہوں، اس لیے جب وہ آپریشن تھیٹر سے واپس آیا تو مجھے پہچان نہ سکا۔ اس نے سمجھا کہ شاید میں کوئی مریض ہوں، اس لیے قدرے ناگواری سے مجھے دیکھا اور واش بیسن میں ہاتھ دھونے لگا۔

”بہت مصروف ہیں ڈاکٹر صاحب!“ میں نے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

”ہاں بھئی آج کئی آپریشن تھے۔ آپ لوگ اگر باہر انتظار کرلیا کریں تو کوئی حرج تو نہیں۔“ وہ ترش لہجے میں بولا۔

”میرا خیال ہے آپ اپنی آنکھوں کا آپریشن کرالیں تو مناسب ہوگا۔“ میں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”کیا مطلب؟“ وہ غصے میں میری طرف مڑا اور پھر حیرت اور مسرت سے اس کا چہرہ کھل اٹھا۔

”ابے تو یہاں..... کب آیا؟“ وہ دوڑ کر مجھ سے لپٹ گیا۔ صابن بھرے ہاتھ تو دھولے، کپڑوں کا ناس کر دیا۔“ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

”خدا کی قسم تجھے دیکھ کر سب کچھ بھول گیا۔ تو ہے بڑا ظالم، کبھی بھول کر خط تک نہ بھیجا۔“

”اور تو نے بڑے خط بھیجے تھے۔“

”میری جان مجھے تیرا پتا نہیں معلوم تھا۔ لندن سے آیا تو ارشد بھائی کا تبادلہ ہوچکا تھا اور یہاں ایسا پھنسا کہ کہیں آنے جانے کے قابل بھی نہ رہ گیا۔“

”وہ مجھے اپنے بنگلے میں لے گئے جو قریب ہی واقع تھا۔ کھانے کے بعد ہم دیر تک باتیں کرتے رہے اور ماضی کو یاد کرکے دل خوش کرتے رہے۔ اسے شام کو پھر اسپتال جانا تھا اس لیے میں آرام کرنے لیٹ گیا۔ فرید بنگلے میں تنہا رہتا تھا۔ والدین اب بھی گاؤں ہی میں مقیم تھے۔ جہاں ان کی بڑی زمینداری تھی۔ میں سو کر اٹھا تو شام ہو رہی تھی۔ فرید اپنی کار چھوڑ گیا تھا۔ میں سیدھا موہنی کے گھر کی سمت پہنچا، لیکن وہاں اب کئی منزلہ عمارت کھڑی ہوئی تھی۔

بہت دیر تک میں گاڑی میں بیٹھا حسرت بھری نظروں سے اس عمارت کو دیکھتا رہا۔ ست پرکاش، موہنی، رتو..... سب کی صورتیں آنکھوں میں رقص کر رہی تھیں۔ مجھے یہ تک احساس نہ تھا کہ رخسار آنسوؤں سے تر ہو چکے تھے، لیکن اب وہاں کچھ بھی نہ تھا صرف یادیں تھیں۔ ان کا درد تھا اور صرف ایک خلش تھی۔

رات کو میں نے فرید سے ست پرکاش کے بارے میں پوچھا لیکن اسے بھی زیادہ علم نہیں تھا، کیوں کہ ان دنوں وہ اپنی تعلیم کے لیے باہر گیا ہوا تھا۔ ہم دیر تک ست پرکاش کو یاد کرتے رہے۔ میرا ارادہ تھا کہ دوسرے دن واپس چلا جاؤں گا، لیکن فرید بہ ضد ہوگیا کہ چند روز رکنا ہوگا۔ میں یہ سوچ کر اپنے بستر پر لیٹ گیا کہ دوسرے دن اسے راضی کرلوں گا۔ ہر لمحہ اذیت دے رہا تھا۔ موہنی کے بغیر یہاں رکنا میرے لیے برداشت سے باہر تھا، لیکن فرید کو میرے دل کی کیفیت کا علم نہ تھا۔

آنکھ لگتے ہی گجن کماری کی حویلی میں تھا۔ وہی کمرا تھا۔ وہی راگ و رنگ کی محفل تھی اور وہی رقاصائیں اور پھر میں حیرت سے اچھل پڑا کیونکہ میرے قریب نیم دراز رقاصہ نے جب چہرہ اٹھایا تو میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ موہنی تھی۔ اس کے چہرے پر غم و یاس کے بادل چھائے ہوئے تھے اور وہ اس طرح مجھے دیکھ رہی تھی جیسے وہ شدید بے بسی کے عالم میں ہو۔ میں نے گجن کماری کی طرف دیکھا اس کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

”موہنی!“ میں نے غصے میں کہا۔ ”یہ تم کیا کر رہی ہو؟“

لیکن موہنی خاموش رہی۔ جام لیے ہوئے ہاتھ میری سمت ہنوز بڑھا ہوا تھا۔

”کیا تم کو موہنی کا یہ روپ پسند نہیں ہے؟“ گجن کماری نے زہریلے لہجے میں پوچھا۔

”گجن!..... تم اس طرح موہنی کو بے عزت نہیں کرسکتیں۔“ میں نے غصے میں چیخ کر کہا۔ ”وہ میری..... میری.....“

”موہنی میری داسی ہے۔ وہ اب میرے حکم کی پابند ہے۔“ گجن کماری نے جواب دیا۔

”نہیں۔ نہیں تم موہنی پر یہ ظلم نہیں کرسکتیں۔“ میں نے لپک کر موہنی کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ”موہنی ہم یہاں ایک منٹ بھی نہیں ٹھہر سکتے۔“

میں نے اسے اپنی سمت گھسیٹا۔ لیکن موہنی نے ایک جھٹکے میں اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ ایک لمحے کے لیے اس نے مجھے خوف زدہ نظروں سے دیکھا اور پھر اٹھ کر رقص کرنے لگی۔ اس نے کوئی نغمہ شروع کر دیا تھا۔ بڑا

المیہ نغمہ تھا۔ اس کی آواز رس گھول رہی تھی۔ کانوں میں گھنٹیاں سی بج رہی تھیں اور گجن کماری...... وہ فاتحانہ انداز میں قہقہہ لگا رہی تھی۔

"موہنی......!" میں غصے میں دھاڑ کر اس کی سمت بڑھا۔

اور اسی لمحے میری آنکھ کھل گئی۔ تمام جسم پسینے سے تر تھا۔ دل زور زور سے اچھل رہا تھا لیکن میں چندر پور میں نہیں اپنے بستر پر پڑا ہوا تھا۔ کمرا بالکل تاریک تھا۔

میں نے اٹھ کر لائٹ جلائی۔ رات کے دو بج رہے تھے۔ حلق بالکل خشک ہو رہا تھا، اس لیے میں نے تھرماس میں سے پانی انڈیلا اور پورا گلاس خالی کر دیا۔

موہنی کی صورت میری نگاہوں میں گھوم رہی تھی۔ عالمِ خواب میں بھی وہ ایک لفظ نہیں بولی تھی، لیکن اس کی نگاہیں بہت کچھ کہہ گئی تھیں۔ ان میں اتھاہ غم تھا، بے پناہ شکوہ تھا اور بے انتہا بے بسی اور کرب تھا۔ میرا دل تڑپ کر رہ گیا۔ بار بار خیال آتا کہ موہنی زندہ ہے وہ میری منتظر ہے۔ گجن کماری نے اسے قید کر رکھا ہے۔ اپنا غلام بنا لیا ہے اور اسے مجھ سے یہ شکایت ہے کہ میں نے اسے بھلا دیا۔ اس کرب اور اذیت سے نجات دلانے کی کوشش نہیں کی۔ کوئی انجانی قوت مجھے چندر پور بلا رہی تھی۔

میں نے کپڑے بدلے اور باہر نکل آیا۔ فرید کی گاڑی گیراج میں موجود تھی، لیکن چابی گاڑی میں نہ تھی۔ شاید فرید کے پاس ہو۔ میں اس کے کمرے کے سامنے پہنچا ہی تھا کہ دروازہ کھلا۔ فرید شب خوابی کے لباس میں کھڑا تھا۔ مجھے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"خیریت تو ہے؟" اس نے سوال کیا۔ "میں آہٹ سن کر اٹھ بیٹھا، لیکن تم اتنی رات گئے کیا کر رہے ہو؟"

"کچھ نہیں۔ ذرا طبیعت گھبرا رہی تھی۔ شاید باہر گھومنے سے تسکین ہو۔" میں نے بہانہ کیا۔ "گاڑی کی چابی دے دو۔"

"لیکن تم اتنی رات گئے کہاں جاؤ گے؟" اس نے مجھے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بس ذرا یوں ہی تفریح کروں گا۔"

"الیاس! تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو اور تمہاری طبیعت بھی ٹھیک نہیں ہے۔" اس نے فکرمند لہجے میں کہا۔ "اندر آ جاؤ۔ میں تمہیں کوئی مسکن دوا دیتا ہوں۔"

"دوا......؟" میں نے جھنجھلا کر کہا۔ "تم پاگل ہو۔ مجھے دوا کی ضرورت نہیں، کھلی ہوا میں گھومنے کی خواہش ہے۔"

"اتنی رات کو؟" اس نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ "نہیں یار! آج کل یہاں اتنی رات گئے گھومنا مناسب نہیں۔"

"کیوں......؟"

"قتل اور ڈکیتی کی وارداتیں بہت عام ہو گئی ہیں اور پولیس ان پراسرار وارداتوں کا پتا چلانے سے قاصر ہے۔"

"لیکن میرے پاس ہے کیا جو کوئی ڈاکا ڈالے گا۔"

"تمہاری زندگی، جو مجھے بہت پیاری ہے۔" اس نے میرا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹ لیا۔

"ہم دیر تک باتیں کرتے رہے۔ فرید نے مجھے ایک دوا پلائی جس سے اعصاب کو بڑا سکون ملا۔ پھر اس وعدے کے ساتھ کہ وہ صبح کو کار میرے پاس چھوڑ کر جائے گا میں اپنے کمرے میں واپس آ گیا۔ جب میں بستر پر لیٹا تو صبح کی سپیدی افق پر پھیلنے لگی تھی۔

میں دیر تک سوتا رہا۔ جب آنکھ کھلی تو گیارہ بج رہے تھے۔ غسل کر کے میں نے لباس تبدیل کیا۔ خانساماں نے ناشتہ لگا دیا۔ بھوک لگ رہی تھی اس لیے پیٹ بھر کر ناشتہ کیا اور جب باہر نکلا تو بارہ بجنے والے تھے۔ گاڑی اسٹارٹ کر کے میں نے چندر پور کے راستے پر چھوڑ دی۔ ایک ان جانی سی مسرت کا احساس ذہن پر چھاتا جا رہا تھا۔ جیسے میں واقعی موہنی کے پاس جا رہا ہوں، لیکن موہنی تو مر چکی ہے۔

چندر پور جانے والی سڑک اب کچھ چوڑی ہو گئی تھی اور ہموار بھی کر دی گئی تھی۔ اب چونکہ اس پر بس چلنے لگی تھی اس لیے گھوڑے اور یکے کا استعمال کم ہو گیا تھا۔ سڑک کے کنارے لگے ہوئے درخت بھی کم نظر آ رہے تھے اور جھاڑیاں صاف کر دی گئی تھیں، لیکن ڈھلوان پر گھنا جنگل اب بھی موجود تھا۔ راستے میں مجھے صرف ایک بس ملی ورنہ زیادہ تر یاتری پیدل یا گھوڑے پر سوار ملے۔ بدھ کا دن تھا اور شدید گرمی تھی۔ ہوا بند تھی اور ایسا لگتا تھا کہ شام تک بارش ہو جائے گی۔

رام چندر جی کا مندر نظر آنے لگا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں بن باس کے زمانے میں انھوں نے قیام کیا تھا۔ راج محل کی عیش و عشرت میں پلنے والا یہ راج کمار کتنی تکالیف برداشت کر کے یہاں پہنچا تھا۔ ان دنوں آمد و رفت کا راستہ بھی نہ رہا ہو گا۔ یہاں نہ کوئی مندر تھا نہ کوئی آبادی، لیکن اس ویران جنگل میں بھی سیتا نے ان کا ساتھ نہ چھوڑا تھا اور اپنے جیون ساتھی کے دکھ درد میں یہاں بھی برابر کی شریک رہی تھیں۔ میں سوچنے لگا کہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے کتنی محبت تھی۔ یہ مندر یہ پہاڑی اور یہ ہرے بھرے پرانے درخت سب رام اور سیتا کی محبت کے گواہ ہیں۔ وہ سیتا کی جاں نثاری اور شوہر پرستی کے شاہد تھے۔ یہ جگہ ان کی محبت کی یادگار تھی۔ جس طرح یونانی دیو مالا میں اپالو نے کوہ اولمپس کو اپنا ٹھکانا بنایا تھا اسی طرح ہندو دیو مالا میں چندر پور کو رام چندر جی کے مسکن کی حیثیت سے متبرک حیثیت حاصل تھی۔

میں انہی خیالات میں گم تھا کہ گجن کماری کی حویلی جانے والی سڑک کا موڑ آ گیا۔ مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ یہ سڑک پہلے سے بھی خراب حالت میں تھی۔ جگہ جگہ گڑھے پڑ گئے تھے۔ جھاڑیاں سڑک کے درمیان میں بھی اگ آئی تھیں، جیسے برسوں سے اس پر سفر نہ کیا گیا ہو۔ میری کار بہت آہستہ رفتار سے ہچکولے کھاتی آگے بڑھ رہی تھی اور مجھے وہ دن یاد آ رہے تھے جب میں موہنی کو لینے یہاں آیا تھا لیکن اب موہنی بہت دور جا چکی تھی۔ میں اسے کبھی نہیں اپنا سکوں گا البتہ اس کی یاد ہمیشہ میرے ذہن میں تازہ رہے گی۔ اس کی محبت سے میری یادوں کا چمن ہمیشہ مہکتا رہے گا۔ گجن کماری...... مجھے یاد آیا کہ اس نے کہا تھا کہ تم موہنی کو کبھی حاصل نہیں کر سکو گے پھر میں یہاں کیوں آیا تھا گجن کماری کے پاس کیوں جا رہا تھا۔

قلعے کا پھاٹک آ چکا تھا۔ اندر داخل ہوا تو ہر طرف ویرانی ہی ویرانی تھی جیسے یہاں اب کوئی نہ ہو۔

شاید گجن کماری بھی یہاں سے چلی گئی ہو۔ میں نے اس کے بارے میں کسی سے پوچھا بھی نہیں تھا۔ کار سے اتر کر میں آگے بڑھا۔ اصطبل بھی ویران تھا۔ حویلی میں بھی کسی کی رہائش کے امکان نہ تھے۔ میرا یہاں آنا حماقت تھی۔ میں نے سوچا اور پھر اسی پیڑ کے نیچے جا کر بیٹھ گیا، جہاں ہم نے اپنی محبت کا پہلا اقرار کیا تھا۔ موتی نہیں تھی، لیکن اس کے کنوارے بدن کی خوشبو فضا میں رچی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی اور مجھے بیٹھے بیٹھے ایسی نیند آئی کہ کچھ ہوش نہ رہا۔

آنکھ کھلی تو اندھیرا چھا چکا تھا۔ میں چونک کر اٹھ بیٹھا۔ حویلی میں روشنی ہو رہی تھی۔ نوکر اور داسیاں بھاگ بھاگ کر کام کر رہے تھے۔ میں نے آنکھیں مل کر دیکھا۔ نہیں یہ خواب نہ تھا۔ حویلی میں زندگی کے آثار پہلے کی طرح نظر آ رہے تھے۔ اور پھر گھنگھروؤں کی ہلکی سی چھنک سے میں اچھل پڑا۔ میں نے گھوم کر دیکھا۔ درخت کی جس موٹی جڑ کے سہارے میں سو گیا تھا وہاں کوئی بیٹھا ہوا تھا۔

"بڑی گہری نیند سوئے تھے۔" فضا میں سرگوشی ابھری۔

"خدایا..... اگر میں خواب نہیں دیکھ رہا تو یہ کیا تھا۔ آواز موتی کی تھی۔

"موتی تم.....!"

"ہاں الیاس! میں تمہاری موتی ہوں۔" اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "کتنے کٹھور ہو تم۔ کبھی ہمیں یاد بھی نہ کیا۔"

"لیکن..... لیکن میں نے تو سنا تھا کہ تم مر گئیں۔" وہ غم زدہ انداز میں ہنسی۔

"تمہارے لیے میں کبھی نہیں مروں گی۔ الیاس میں کب سے تمہارا انتظار کر رہی تھی۔ مجھے یقین تھا تم ضرور آؤ گے۔"

خدایا تو کیا ان لوگوں نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا۔ مجھے موتی کی موت کی اطلاع اس لیے دی گئی تھی کہ میں ادھر کا رخ نہ کروں۔ کتنے ظالم ہیں یہ لوگ۔ میں بے ساختہ موتی کی سمت مڑا۔

"اوہ..... موتی..... موتی..... مجھے معاف کر دو۔ لوگوں نے مجھے دھوکا دیا تھا۔"

دوسرے ہی لمحے وہ میرے بازوؤں میں تھی۔ اس کے جسم سے تیز خوشبوؤں کے بھبکے اٹھ رہے تھے اور وہ رو رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں غم کے بادل اسی طرح لہرا رہے تھے جیسے میں نے خواب میں دیکھا تھا۔

"موتی.....!" میں نے اس کا بھیگا ہوا چہرہ اوپر اٹھایا۔ "مجھے ست پرکاش اور رینو کی موت کا بڑا دکھ ہے۔" وہ سسکیاں لینے لگی۔

"اب دنیا میں میرا کوئی نہیں ہے سوائے تمہارے!" اس نے آہستہ سے کہا۔ "میں روزانہ اس درخت کے نیچے بیٹھ کر تمہیں یاد کرتی تھی۔ میرا دل کہتا تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔"

"لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ تم زندہ ہو۔" میں نے کہا۔ "میں یہاں دوپہر سے بیٹھے بیٹھے سو گیا۔ میرا خیال تھا کہ یہاں کوئی نہیں ہے۔ تم مجھے کیوں نظر نہیں آئیں۔"

"مجھے دن میں باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"کیا مطلب.....؟"

"دن میں اپنے کمرے میں بند رہتی ہوں۔"

"لیکن کیوں.....؟ گجن کماری کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ تمہیں اس طرح قید رکھے۔"

"آہ الیاس! تم کو کچھ نہیں معلوم۔" اس نے ایک سرد آہ بھری۔ "گجن کماری!"

لیکن وہ جملہ مکمل نہ کر سکی۔ تاریکی میں گجن کماری اتنی اچانک نمودار ہوئی تھی کہ ہمیں پتا نہ چل سکا۔ موتی سہم کر مجھ سے دور ہٹ گئی لیکن گجن مسکرا رہی تھی۔

"ابھی جی نہیں بھرا باتوں سے تم دونوں کا۔" اس نے مسکرا کر پوچھا۔

"کیا تم کو معلوم تھا کہ میں آیا ہوں۔" میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

"مجھے سب کچھ پتا رہتا ہے الیاس!" گجن نے پراسرار انداز میں مسکرا کر کہا۔ "آؤ کھانا لگ چکا ہے۔"

ہم دونوں اس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ موتی نے میرا ہاتھ دبا کر التجا آمیز نظروں سے مجھے دیکھا۔ وہ کچھ اشارہ کر رہی تھی لیکن میں نہیں سمجھ سکا۔ ایک بار پھر وہی کمرا تھا۔ وہی ساحرانہ ماحول، وہی نوکر اور داسیاں اور وہی ساز و نغمے کی محفل۔ فرق صرف اتنا تھا کہ گجن کا باپ نہیں تھا اور رقاصہ بھی صرف ایک تھی۔

کھانے کے بعد میں نے گجن سے اس کے باپ کے متعلق پوچھا تو اس نے جواب دیا کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں ہے۔ موتی اٹھ کر چلی گئی تھی۔ اچانک طبلے پر تھاپ پڑی اور گھنگھروؤں کی جھنکار گونجی۔ میں نے چونک کر سامنے دیکھا۔ دو رقاصائیں سامنے تھیں اور ان میں ایک موتی تھی۔

"گجن.....!" میں نے غصے سے کہا۔

لیکن موتی نے مجھے نظروں سے منع کیا۔ میں چپ ہو گیا اور پھر رقص شروع ہو گیا۔ فضا میں موتی کی جادو بھری آواز رس گھولنے لگی۔ وہ دونوں رقص کرتی، پیچ و خم کھاتی میرے سامنے بیٹھ گئیں اور مجھ پر خمار سا چھانے لگا۔ خواب کا سارا منظر حقیقت بن کر میرے سامنے آ گیا تھا۔ دونوں کے ہاتھوں میں بھرے ہوئے جام میرے لبوں تک آ رہے تھے۔ وہ میرے سامنے دراز تھیں اور گجن کسی راج کماری کی طرح شان سے بیٹھی مسکرا رہی تھی۔ میں سب کچھ بھول چکا تھا صرف موتی کی شکل میرے سامنے تھی۔ فضا میں ساز و آواز کا سحر رچا ہوا تھا۔ ذہن پر ایک نشہ طاری ہوتا جا رہا تھا۔ ایک وارفتگی کا عالم تھا جس میں میں ڈوبتا چلا جا رہا تھا۔

اور پھر جب آنکھ کھلی تو پھر اسی مینار والے کمرے میں تھا۔ ہر سمت تاریکی تھی۔ سکوت تھا۔ ایک عجیب بھینی بھینی خمار آلود خوشبو فضا میں رچی ہوئی تھی اور پھر اچانک مجھے محسوس ہوا کہ میں تنہا نہیں ہوں۔ گداز جسم کا لمس، گرم گرم سانسیں۔ میں اچھل کر بیٹھ گیا۔

میں تنہا نہیں تھا۔ گجن میرے ساتھ تھی۔ میں نے غصے میں اسے گھور کر دیکھا۔

"گجن کماری! تم اس طرح مجھ سے کچھ حاصل نہ کر سکو گی۔ میں نے کہا۔ تم جانتی ہو میں موتی سے محبت کرتا ہوں۔"

"اگر تم اس سے محبت کرتے ہوتے تو اتنے ضدی نہ ہوتے۔"

"کیا..... کیا مطلب؟"

"تم اسے میری مرضی کے بغیر بھی حاصل نہ کر سکو گے بچے!" اس نے آہستہ سے کہا۔

"اور تمہاری مرضی کیا ہے؟"

"اب تم اتنے نادان بھی نہیں ہو۔" اس نے کافرانہ ادا کے ساتھ کہا۔

"میں سوچنے لگا۔ موہنی کو حاصل کرنے کی یہ قیمت زیادہ نہیں تھی لیکن میرے ضمیر نے موہنی کی محبت کو اتنے پست داموں خریدنا گوارا نہ کیا۔

"نہیں کجن! میں موہنی سے بے وفائی نہیں کر سکتا۔ میری محبت یہ سودا کرنے پر تیار نہ ہوگی۔" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔ تاریکی میں بھی اس کا قیامت خیز حسن دمک رہا تھا اور کسی کو بھی دیوانہ بنا سکتا تھا۔

"سنو الیاس! تم بہت بے وقوف ہو۔ تم نہیں جانتے کہ میں نے کس طرح موہنی کو اب تک بچا رکھا ہے۔ اگر میں نہ چاہتی تو پتا جی کی مرضی کب کی پوری ہو جاتی۔"

"پتا جی کی مرضی؟" میں نے تعجب سے کہا۔ "وہ کیا ہے؟"

"وہ چھوڑو۔ لیکن میں تم سے آخری بار کہہ رہی ہوں۔ صرف اس لیے کہ میں بھی دل کے ہاتھوں مجبور ہوں۔ میں نہیں چاہتی کہ موہنی کو دکھ پہنچاؤں۔ آج تک کسی کو مجھے ٹھکرانے کی ہمت نہیں ہوئی، لیکن میں موہنی سے سگی بہن کی طرح پیار کرتی ہوں۔ صرف اس لیے تم کو موقع دے رہی ہوں۔"

"یہ اچھا پیار ہے کہ اس کے پیار پر ڈاکا ڈالنا چاہ رہی ہو۔" میں نے طنزیہ کہا۔

"نہیں۔ میں صرف اپنے پیار کی تسکین چاہتی ہوں، پھر موہنی آزاد ہو گی۔"

"مجھے افسوس ہے کجن میں......"

"مورکھ! کیا تو سمجھتا ہے کہ میں مجبور ہوں۔" اس نے غصے سے پھنکار کر کہا۔ اس وقت تو میرے اختیار میں ہے۔ تیرا تعویذ بھی میری راہ میں حائل نہیں ہے۔"

میرا ہاتھ بے ساختہ اپنے بازو پر گیا۔ تعویذ غائب تھا۔ "تعویذ کہاں گیا کجن!" میں نے گرج کر پوچھا۔

"یہ اپنی موہنی سے پوچھنا۔" اس نے زہریلی ہنسی سے جواب دیا۔ "میں تمہیں ایک موقع اور دیتی ہوں پھر تمہاری قسمت جانے۔"

"تم مجھے کبھی مجبور نہ کر سکو گی۔ کجن میں......"

"لیکن کجن وہاں نہیں تھی۔ میں نے اندھیرے میں ہر سمت گھورا لیکن کمرا خالی تھا۔

میں گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔ سرہانے رکھے ہوئے شمع دان کو جلانے کے لیے ماچس بھی نہ تھی لیکن تاریکی سے آنکھیں عادی ہو گئی تھیں اور میں نے ہر سمت دیکھا۔ کجن کا کہیں پتا نہ تھا۔ کسی ان جانے خوف سے میرا دل دھڑکنے لگا۔ میں دروازے کی سمت بڑھا لیکن اسی لمحے دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہوئی۔ وہ موہنی تھی۔

"موہنی!" میں نے بے ساختہ آگے بڑھ کر اسے بازوؤں میں سمیٹ لیا۔ "کجن تمہاری دشمن ہے۔ موہنی! وہ تمہاری محبت کو چھین لینا چاہتی ہے۔ وہ......وہ......"

"اس کی بات مان لو الیاس ورنہ......"

"یہ تم کہہ رہی ہو موہنی!"

"ہاں الیاس! اسی میں ہم دونوں کی بھلائی ہے، ورنہ تم کو ہمیشہ کے لیے مجھ سے چھین لے گی۔"

"نہیں موہنی! میں صرف تمہارا ہوں۔ یہ میری محبت، میری زندگی، سب کچھ صرف تمہارے لیے ہے۔ کجن کو کوئی حق نہیں پہنچتا۔"

"الیاس......!" موہنی نے غصے میں کہا۔ "تم آخر سمجھتے کیوں نہیں؟"

"میں کیا نہیں سمجھتا......؟"

"موہنی نے بے بسی کے عالم میں سسکی لی۔

"کجن اور راجا جی دونوں......"

اس کا جملہ پورا ہونے سے پہلے دروازہ زور سے کھلا۔ کجن سامنے کھڑی تھی۔

"تم جاؤ موہنی! اس مورکھ کو بھول جاؤ۔ پتا جی کا یہی حکم ہے۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔"

"نہیں نہیں۔" موہنی مجھ سے لپٹ گئی۔ "اتنی ظالم نہ ہو کجن۔ تم نے مجھے وچن دیا تھا۔"

"وقت گزر گیا موہنی! اب میں مجبور ہوں۔ جاؤ پتا جی تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔" اس کا لہجہ اتنا تحکمانہ تھا کہ موہنی میرے پاس سے ہٹ گئی، لیکن اس نے کوئی چیز میری مٹھی میں دبا دی تھی۔ میں نے ٹٹول کر دیکھا، وہ تعویذ تھا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ موہنی کرب آمیز اور بے بس نظروں سے مجھے دیکھ رہی تھی۔

"جاؤ۔" کجن گرجی۔

موہنی دروازے سے باہر نکل گئی۔ میں چونک پڑا۔

"ٹھہرو موہنی......!" میں نے غصے سے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ "کجن کماری تم کو مجبور نہیں کر سکتی۔"

"یہ تم کو ابھی اندازہ ہو جائے گا۔" کجن کماری نے درمیان میں آتے ہوئے کہا۔

اس کے دونوں بازو پھیلے ہوئے تھے اور آنکھیں...... وہ انگارے کی طرح دہک رہی تھیں۔ وہ ایک فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ میری طرف بڑھ رہی تھی۔ "اب تم صرف اور صرف میرے ہو اور ہمیشہ ہمیشہ میرے ہی رہو گے۔"

میں نے خوف زدہ ہو کر اپنا ہاتھ بڑھایا۔ میرا ہاتھ جیسے ہی اس کے بازو سے ٹکرایا۔ وہ چیخ مار کر پیچھے ہٹی۔ آنکھوں کی آگ اچانک بجھ گئی اور وہ وحشت زدہ نظروں سے میرے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی۔ میں نے حیرت زدہ ہو کر اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا۔ اس میں میرا تعویذ تھا جو موہنی مجھے واپس کر گئی تھی۔ کجن کماری اس تعویذ سے خوف زدہ تھی، لیکن کیوں......؟ اچانک ایک بھیانک شبہ میرے ذہن میں جنم لینے لگا اور عین اسی لمحے کوئی چیز پھڑپھڑاتی ہوئی میرے سر سے گزری۔ میں خوف زدہ ہو کر پیچھے ہٹا۔ خوف سے میرا دل زور زور سے اچھل رہا تھا۔ فضا میں سیٹی کی سی آواز گونجی اور پھر میں نے دیکھا کہ وہ صرف ایک چمگادڑ تھی۔

اس نے اچانک مجھ پر ایک اور جھپٹا مارا، جیسے حملہ کر رہی ہو۔ میں اچھل کر پیچھے ہٹا اور اسی لمحے وہ پھڑپھڑاتی ہوئی دریچے سے باہر نکل گئی۔ میں نے پلٹ کر دیکھا تو کجن کماری بھی غائب تھی۔

چند لمحے بعد جب حواس قابو میں آئے تو میں بستر پر بیٹھ گیا۔ تعویذ میں نے اپنے بازو پر باندھا

اور فوری طور پر فیصلہ کیا کہ کچھ بھی ہو۔ موہنی کو لے کر ابھی یہاں سے چلا جاؤں گا۔ میں اس عزم کے ساتھ کمرے سے باہر نکلا اور زینہ اتر کر پہلی منزل پر پہنچا۔ جگن کماری اور اس کے پتا جی یہیں رہتے تھے اور مجھے یقین تھا کہ موہنی بھی یہیں پر ہوگی۔ اس نے کہا تھا کہ دن میں اسے کمرے سے نکلنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ یقیناً ان لوگوں نے اسے یہیں قید کر رکھا ہوگا۔ میرا دل موہنی کے ساتھ اس ظالمانہ سلوک کے تصور سے غم و غصے سے بھر گیا۔ سامنے ایک لمبی راہ داری تھی جس کے دونوں جانب کمرے تھے اور ہر سمت تاریکی مسلط تھی۔ سناٹا ایسا تھا جیسے میں قبرستان میں پہنچ گیا ہوں۔ جانے موہنی کس کمرے میں ہوگی۔ میں کچھ ہی دور گیا تھا۔ ایک دروازے سے بولنے کی آواز سن کر رک گیا۔ آواز جگن کماری کے پتا کی تھی اور وہ شدید غصے کے عالم میں بول رہے تھے۔

''اب میں تمہاری کوئی بات نہیں سنوں گا۔'' وہ گرج کر بولے۔ ''تمہاری وجہ سے یہ پہلے بھی بچ کر نکل گیا اور آج بھی تمہاری حماقت......''

لیکن وہ تعویذ اسے یقیناً موہنی نے واپس کیا ہوگا۔ جگن کماری نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

''موہنی...... موہنی...... تم نے اسے بلاوجہ سر پر چڑھا رکھا ہے، کسی دن میں اس کا خون پی جاؤں گا۔''

''نہیں پتا جی! آپ اس کو ہاتھ نہیں لگائیں گے'' جگن کماری نے غصے میں کہا۔

''پاگل لڑکی اگر تو سمجھتی ہے کہ تو اسے بچا لے گی تو یہ تیری بھول ہے۔ آج صرف میرا حکم چلے گا۔''

''مجھے خطرے کا احساس شدت سے ہونے لگا۔ یہ لوگ موہنی سے انتقام لینے پر آمادہ تھے اور مجھے اس سے پہلے موہنی کو یہاں سے نکال کر لے جانا تھا۔ یہ سوچ کر میں نے ہر کمرے کا دروازہ کھول کر جھانکنا شروع کر دیا، لیکن تمام کمرے سنسان پڑے تھے۔ ان سے آنے والی سیلن کی بو سے ظاہر تھا کہ یہاں کوئی نہیں رہتا، لیکن اگلے کمرے میں جھانک کر جب میں واپس ہونے والا تھا اچانک میری نظر مسہری پر پڑی اور میں رک گیا۔ کوئی اوندھے منہ مسہری پر پڑا تھا۔ میں لپک کر مسہری کے قریب پہنچا۔ تاریکی میں بھی موہنی کو پہچاننا میرے لیے دشوار نہ تھا۔

''موہنی......!'' میں نے آہستہ سے کہا، لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے جلدی سے اس کے شانے ہلائے۔ ''موہنی خدا کے لیے جلدی اٹھو۔ وقت کم ہے لیکن وہ پھر بھی پڑی رہی۔ خوف سے میرا دل کانپ اٹھا۔ کہیں ان ظالموں نے اسے ختم تو نہیں کر دیا۔ میں نے جھک کر اسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا اور پھرتی کے ساتھ کمرے سے باہر نکالا۔ نیچے پہنچتے ہی میں نے اسے کار کی پچھلی سیٹ پر ڈال کر شیشے چڑھائے اور دروازوں کو اندر سے لاک کر کے اسٹیئرنگ سنبھالا۔ کار بغیر کسی دشواری کے اسٹارٹ ہوگئی۔ میں نے لائٹ نہیں جلائی تاکہ ان لوگوں کو ہمارے فرار کا پتا نہ لگ جائے اور کار ایک جھٹکے سے آگے بڑھی۔

قلعہ سے باہر نکل کر میں نے چند ہی فرلانگ کا فاصلہ طے کیا تھا کوئی سیاہ سی شے سامنے شیشے سے ٹکرائی۔ میرے پیر بے ساختہ بریک پر چلے گئے۔ دوسرے ہی لمحے میری نظریں، دو بہت بڑی سیاہ چمگادڑوں پر پڑیں جو کار کے سامنے چکرا رہی تھیں۔ ان کی آنکھیں تاریکی میں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ خوف کی ایک سرد لہر میرے جسم میں دوڑ گئی۔ میں نے اپنی کھڑکی کا شیشہ بھی چڑھا لیا اور کار پھر آگے بڑھنے لگی۔

چمگادڑیں غیظ و غضب کے عالم میں حملہ کر رہی تھیں اور پھر میں نے محسوس کیا کہ ان حملوں کا مرکز پچھلی سیٹ تھی۔ بجلی کی سی سرعت کے ساتھ ایک خیال میرے ذہن میں آیا۔ وہ موہنی سے انتقام کی باتیں کر رہے تھے۔ موہنی کی زندگی خطرے میں تھی۔ میں نے پھرتی سے وہ تعویذ اپنے بازو سے کھولا اور موہنی کے بازو پر باندھ دیا۔

ایک بھیانک سیٹی فضا میں گونجی۔ آواز اتنی تیز اور بھیانک تھی کہ میں دہشت سے کانپ گیا۔ میں نے پلٹ کر دیکھا، کار کے سامنے والے شیشے پر ایک چمگادڑ کھڑی مجھے گھور رہی تھی۔ میں نے کار تیزی سے آگے کی طرف بڑھا دی۔ خوف و دہشت کے باعث میری ہمت نہ ہوئی کہ میں دروازہ کھول کر باہر اتر دوں اور اسے بھگا سکوں۔ ایک ان جانے اور شدید خطرے کا احساس حواس پر چھایا ہوا تھا۔ میں آگے بڑھا اور پھر اچانک میری نظریں چمگادڑ کی آنکھوں سے ٹکرائیں۔ ایسا لگا جیسے بجلی نے زوردار جھٹکا مارا ہو۔ انگاروں کی طرح دہکتی آنکھوں پر میری نگاہ جم کر رہ گئی تھی۔ مجھے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے چمگادڑ کا جسم پھیلتا جا رہا ہو۔ یہاں تک کہ مجھے سامنے سوائے سیاہی کے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ تمام جسم میں ایک عجیب سی سنسناہٹ ہو رہی تھی اور میں تاریکی میں ایسا محسوس کر رہا تھا جیسے کسی نے جسم میں آگ بھر دی ہو۔ سر پر ہتھوڑے سے چل رہے تھے۔ دم گھٹتا جا رہا تھا۔ میں گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔ سورج کی تیز روشنی سے کار آگ ہو رہی تھی۔ تمام کھڑکیاں بند تھیں، اس لیے شاید حبس سے دم گھٹتا جا رہا تھا۔ کوئی کھڑکی پر دستک دے رہا تھا۔ سورج کی وجہ سے آنکھیں چندھیا رہی تھیں اس لیے صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔ تمام جسم پسینے سے تر تھا۔ پچھلی سیٹ پر موہنی آرام سے سو رہی تھی۔ اس کے لبوں پر بڑی معصوم سی مسکراہٹ تھی۔ سنہرے بالوں اور ماتھے پر پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔ کسی نے پھر زور زور سے شیشے پر تھپکی دی۔ میں نے چونک کر دیکھا اور پھر شیشہ نیچے گرا دیا۔ تازہ ہوا کا جھونکا اندر آیا تو جیسے جان آ گئی۔ میں نے نظریں اٹھا کر سامنے دیکھا۔

''دو باوردی پولیس والے اندر جھانک رہے تھے اور کار چندرپور جانے والی سڑک کے ایک خطرناک ڈھلوان پر بیچ میں کھڑی تھی۔ مجھے یاد نہ تھا کہ میں یہاں کیسے پہنچا اور کار کیسے رکی۔ ذرا سی غفلت مجھے موت کے منہ میں لے جا سکتی تھی، کیونکہ سامنے سینکڑوں فٹ گہری کھائی تھی۔

''ذرا باہر تشریف لے آیئے۔'' ایک نوجوان پولیس افسر نے مجھ سے کہا۔ میں بلا تامل کار سے باہر اتر آیا۔ کچھ فاصلے پر پولیس کی ایک اور جیپ کھڑی ہوئی تھی، جس میں چند پولیس والے بھی بیٹھے نظر آ رہے تھے۔

''جی فرمایئے۔''

''یہ کار پارک کرنے کی جگہ ہے۔''

''نہیں اور مجھے خود علم نہیں کہ میں کب یہاں پہنچا اور کیسے کار یہاں رو کی۔''

''کیا آپ نشے میں تھے؟''

''نہیں۔ لیکن......'' میری سمجھ میں نہ آیا کہ میں اسے کیا بتاؤں۔

''آپ کا نام الیاس ہے؟''

"جی ہاں، لیکن آپ کو کیسے معلوم ہوا؟"

"ڈاکٹر فرید آپ کے لیے پریشان ہیں۔ ہم آپ کی تلاش میں سرگرداں ہیں اور آپ یہاں عیش دے رہے ہیں، بیچ سڑک پر۔" اس نے پچھلی سیٹ پر موہنی کو گھورتے ہوئے کہا۔

میرا پارہ ایک دم چڑھ گیا۔ موہنی کے متعلق ایسی رکیک بات کیسے سن سکتا تھا۔

"تمیز سے بات کرو سب انسپکٹر!" میں نے غصے میں کہا۔ یہ کوئی آوارہ لڑکی نہیں ہے۔"

"اسی لیے رات سے تمہارے ساتھ یہاں سنسان اور ویران جگہ سو رہی ہے۔"

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔"

"مسٹر الیاس! اگر ڈاکٹر فرید آپ کے دوست نہ ہوتے تو میں تم کو اچھی طرح سمجھتا۔ ادھر آیئے ادھر آیئے۔" وہ مجھے لے کر کار کے پیچھے آیا۔ "ڈگی کھولو۔" اس نے کانسٹیبل سے کہا۔ کانسٹیبل نے ڈگی کا ڈھکن اوپر اٹھایا۔

میں دم بخود رہ گیا۔ خوف سے میرا جسم لرز گیا۔ اندر ایک لڑکی سکڑی ہوئی پڑی تھی۔ وہ بہت خوب صورت تھی اور لباس سے کسی دیہات میں رہنے والی معلوم ہوتی تھی۔ لیکن وہ مردہ تھی۔ اتنے فاصلے سے بھی اس کی خوف سے کھلی ہوئی آنکھیں موت کا پتا دے رہی تھیں۔

"اب آپ مجھے سمجھا سکیں گے کہ یہ کیا ہے؟"

"م...... میں کچھ نہیں جانتا۔" میں نے بہ مشکل کہا۔ "نہ مجھے یہ پتا ہے کہ اسے یہاں کس نے بند کیا اور یہ کیسے مری؟"

"اور وہ لڑکی کون ہے؟" اس نے موہنی کی طرف اشارہ کیا۔

"یہ موہنی ہے۔"

"یہ آپ کی کار میں کیا کر رہی ہے؟"

"میں اسے لے کر اس کے گھر جا رہا ہوں۔ اس کی زندگی خطرے میں تھی۔"

"آپ اسے کہاں سے لا رہے ہیں؟"

"گجن کماری کی حویلی سے۔"

اس نے مجھے غور سے گھورا۔ "یہ وہاں کیا کر رہی تھی؟"

"گجن کماری نے اسے زبردستی قید کر رکھا تھا۔" اس کے لبوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"بہت اچھا۔ آپ نے گجن کماری کو دیکھا تھا؟"

"جی ہاں۔ اس نے دھمکی دی تھی کہ وہ موہنی سے انتقام لے گی اس لیے میں اسے حویلی سے لے جا رہا تھا۔" اب وہ عجیب انداز میں مسکرا دیا جیسے وہ میرا مذاق اڑا رہا ہو۔

"آپ اس طرح کیوں ہنس رہے ہیں؟ میں سچ کہہ رہا ہوں۔"

"جی ہاں۔ جی ہاں۔ کیوں نہیں؟" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ڈاکٹر صاحب کی وجہ سے مجبور ہوں، اس لیے آپ ایسا کیجیے کہ فی الحال اس لڑکی کے گھر چلیے۔

ہم پہلے تھانے میں آپ کا بیان لیں گے۔ اس کے بعد سوچیں گے کہ آپ کے ساتھ کیا سلوک کریں۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب بھی تھانے چل کر پوچھ لیجیے گا۔" اس نے کہا۔ "کیا اتنا کافی نہیں کہ آپ کی کار کی ڈگی سے ایک لاش برآمد ہوئی ہے۔"

"لیکن میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔"

"یہی حال ہمارا اپنا بھی ہے مسٹر الیاس! لیکن چند ماہ سے اس علاقے میں ہر روز کسی نہ کسی نوجوان لڑکی یا لڑکے کی لاش برآمد ہو رہی ہے اور ان کی موت کا سبب ہم اب تک نہیں معلوم کر سکے۔ نہ ہی قاتل کے بارے میں کچھ پتا چل سکا۔ پہلی بار ہمیں کوئی مشتبہ شخص ملا ہے، لیکن خیر یہ گفتگو تھانے پہنچ کر ہوگی۔"

مجھے اپنی حالت کا احساس پہلی مرتبہ ہوا تھا۔ صورت حال بڑی نازک تھی۔ میں لاش کے بارے میں کوئی وضاحت کرنے سے قاصر تھا، لیکن وہ میری کار سے مشتبہ حالت میں برآمد ہوئی تھی اس لیے پریشانی فطری تھی لیکن سب انسپکٹر کے حکم کی تعمیل کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

تھانے پہنچنے کے ذرا دیر بعد ہی فرید وہاں آ گیا۔ نامعلوم لڑکی کی لاش پوسٹ مارٹم کے لیے بھیج دی گئی۔ فرید بھی صورت حال سے بڑا پریشان تھا۔ میری واحد گواہ موہنی تھی جو میری صفائی میں کچھ کہہ سکتی تھی، لیکن تمام تر کوششوں کے باوجود اسے بیدار نہ کیا جا سکا۔ اس پر پراسرار بے ہوشی کی کیفیت طاری تھی، اس لیے اسے اسپتال بھیج دیا گیا۔ میں نے فرید سے کہا کہ میں پولیس کو بیان دینے سے پہلے تنہائی میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ فرید کے لیے اس کا انتظام کرنا مشکل نہیں تھا۔ چند منٹ کے بعد ہم ایک علیحدہ کمرے میں بیٹھ گئے۔

"سب سے پہلے تو میں یہ بتاؤں کہ میں بے قصور ہوں۔" میں نے کہا۔

"مجھے نہیں معلوم کہ لڑکی کی لاش ڈگی میں کس نے رکھی اور اسے کس نے ہلاک کیا ہے۔"

"مجھے معلوم ہے الیاس!" فرید نے جواب دیا۔ "پولیس بھی تم کو مجرم نہیں سمجھتی لیکن جن حالات میں لاش ملی ہے وہ تم کو مشتبہ ضرور بنا دیتے ہیں۔"

"بے شک لیکن اب تک یہ معما حل نہیں ہو سکا۔"

"چند ماہ سے چندر پور کے گرد و نواح میں ہر روز ایک لاش ضرور ملتی ہے۔" فرید نے بتایا۔ "اس لیے پولیس وہاں تعینات ہے، لیکن تمام تر نگرانی کے باوجود یہ سلسلہ جاری ہے اور کوئی سراغ نہیں مل سکا۔" اس نے کہا۔

"عام طور پر پوجا کرنے والے یاتری شکار ہوتے ہیں۔ میں نے خود کوئی پانچ چھ لاشوں کا پوسٹ مارٹم کیا ہے۔ ہر ایک کی موت خون کی کمی سے واقع ہوئی ہے۔ ایسا لگتا تھا کہ کسی نے جسم کا خون کا قطرہ قطرہ چوس لیا ہے۔ جسم پر کسی قسم کا کوئی نشان نہیں ہوتا۔ سوائے گردن کے جہاں دو متورم باریک سوراخ ملتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ سب کسی پراسرار درندے کا شکار ہوتے ہیں۔"

میں سوچتا رہا۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ سب کیا تھا۔ اچانک میرے ذہن میں گجن کماری کے یہ الفاظ گونجے۔ "میں اس کا خون پی کر دم لوں گی۔" اور میں اچھل پڑا۔

”سنو فرید!...... مجھے نہیں معلوم کہ میرا شبہ کس حد تک صحیح ہے۔ لیکن پہلے تم میری داستان کی تفصیل سن لو۔“

اور پھر میں نے موہنی، ست پرکاش اور رتنو سے اپنے تعلقات سے لے کر جگن کماری سے کل ملاقات سے اب تک کے تمام واقعات اسے تفصیل سے سنا دیے۔ وہ دم بخود سنتا رہا۔ ایک مرتبہ میں نے محسوس کیا کہ وہ کچھ پوچھنا چاہتا ہے۔ لیکن پھر چپ ہو گیا اور جب میں تفصیل بتا چکا تو اس نے پوچھا۔

”تم کہتے ہو کہ گزشتہ رات جگن کماری اور اس کے پتاجی سے ملاقات ہوئی تھی۔“ اس نے کہا۔ ”تم کو یقین ہے...... کہیں یہ بھی کوئی خواب تو نہیں؟“

”نہیں۔ یہ حقیقت ہے۔ میں نے بیداری کے عالم میں یہ دیکھا ہے۔“

”سب انسپکٹر نے مجھے تمہاری گفتگو کے بارے میں بتایا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔“

”لیکن میں جھوٹ کیوں بولوں گا؟“

”الیاس! تمہاری اس بات پر کوئی کیسے یقین کر سکتا ہے؟ کیا تم کو یہ علم نہیں کہ جگن کماری اور اس کے باپ کو مرے ہوئے مدت گزر چکی ہے۔“

”کیا......؟“ میں حیرت سے اچھل پڑا۔ ”یہ ناممکن ہے۔“

”یہ حقیقت ہے۔ تمام لوگ اس کے گواہ ہیں۔“ اس نے یقین دلایا۔

”تو پھر میرے خدا!...... تو کیا میرا یہ شبہ ٹھیک ہے کہ......“ میں نے شدید کشمکش کے عالم میں کہا۔

”بہ ظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے۔“ فرید نے جواب دیا۔ ”لیکن آج کل کے دور میں کون ویمپائر کے وجود پر یقین کرے گا۔ بلاشبہ بعض اوقات قدیم کتابوں میں ان کے وجود کا اعتراف کیا گیا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایسے مردے رات کو انسانوں کی طرح زندہ ہو جاتے ہیں اور ان میں اور عام انسانوں میں تمیز کرنا ناممکن ہوتا ہے اور یہ بھی سنا ہے کہ وہ انسانوں اور جانوروں کے خون سیراب ہو کر زندہ رہتے ہوں اور اپنے شکار کو سحر زدہ کر کے قابو میں کر لیتے ہیں، لیکن اگر یہ کہانی پولیس کو سنائیں گے تو کون یقین کرے گا؟“

”مجھے احساس ہے فرید!...... لیکن یہ حقیقت ہے۔“

”پھر انہوں نے تم کو کیسے چھوڑ دیا؟“

”شاید جگن کماری نے سچ کہا ہو شاید اسے واقعی مجھ سے محبت ہو گئی ہو اور شاید......“

”لیکن پیارے عدالت اس شاید پر یقین نہیں کرے گی۔ ہمیں اس دور کے قانون سے واسطہ جو ویمپائر کو نہیں مانتا۔“

”صرف ایک صورت ہے۔“ میں نے کہا۔

”وہ کیا......؟“

میں نے اسے اپنی تجویز بتائی۔ ”اس صورت میں پولیس خود چشم دید گواہ بن جائے گی۔“

”ہاں تجویز معقول ہے۔“ فرید نے کہا۔ ”میں ابھی ایس پی سے بات کرتا ہوں۔“

”اس سے پہلے میں موہنی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔“ میں نے کہا۔

”میں خود بھی یہی سوچ رہا تھا۔ شاید اسے ہوش آ گیا ہو۔ اس کا بیان تمہاری بات میں وزن پیدا کر سکتا ہے۔“ اس نے کہا۔ ”آؤ۔ پہلے اسپتال چلتے ہیں۔“

فرید، انسپکٹر گوربچن میرے ساتھ تھے۔ ہم اسپتال پہنچے تو موہنی بے ہوش تھی۔ وہ اس طرح بے خبر پڑی تھی جیسے گہری نیند سو رہی ہو۔ میں نے سرہانے پہنچ کر اس کا شانہ ہلایا، لیکن کوئی اثر نہیں ہوا۔ اچانک میری نظر اس کے سرہانے رکھے ہوئے تعویذ پر پڑی اور میں چونک گیا۔ شاید نرس نے اسے انجکشن وغیرہ دیتے ہوئے اسے کھول کر رکھ دیا ہوگا۔ میں نے تعویذ فوراً اس کے بازو پر باندھا۔

”کیا کر رہے ہو الیاس!“ فرید نے پوچھا۔

”تم اس بات کی سختی سے ہدایت کر دو کہ یہ تعویذ ایک لمحے کے لیے بھی اس کے بازو سے نہ کھولا جائے۔“ میں نے کہا۔

”کیوں......؟“ فرید نے حیرت سے مجھے دیکھا۔

”اس کی زندگی بچانے کا یہی ایک طریقہ ہے۔“ میں نے جواب دیا۔

”میں نے تم بتایا نہیں تھا کہ جگن کماری اس تعویذ سے دور بھاگتی تھی۔“

”ٹھیک ہے۔ تم دونوں یہیں ٹھہرو میں ابھی آیا۔“ اس نے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

”الیاس صاحب!“ انسپکٹر گوربچن نے کہا۔ ”شاید میری جگہ کوئی اور ہوتا تو آپ کو مکار یا دیوانہ تصور کرتا، لیکن میرا خیال ہے کہ آپ کا شبہ صحیح ہے۔“

”واقعی انسپکٹر......!“ میں خوش ہو کر بولا۔ ”تم کو میری بات پر یقین ہے۔“

”ہاں، کیوں کہ میں چھٹیوں میں گھر گیا تھا تو ایک دن میں نے ان پراسرار وارداتوں کا ذکر اپنے تایا جی سے کیا تھا۔ انہوں نے بھی یہی شبہ ظاہر کیا تھا اور مجھے مشورہ دیا تھا کہ میں مولانا اکبر سے اس سلسلے میں ملاقات کروں، لیکن میں نے ان کی بات پر توجہ نہ دی تھی۔“

”یہ اکبر علی کون ہیں؟“

”ہمارے گاؤں کے ایک بزرگ ہیں۔ کہتے ہیں بڑے عالم ہیں اور ایسے معاملات میں بڑا عبور رکھتے ہیں۔“

”تو پھر ہم کیوں نہ آزمائش کر لیں۔ ہو سکتا ہے اس سے بہت سے بے گناہوں کی زندگی بچ جائے۔“

”ہاں۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔“ انسپکٹر نے سوچتے ہوئے کہا۔ ”لیکن معلوم نہیں مولانا اکبر علی یہاں آنے کو تیار بھی ہوں گے یا نہیں؟“

”کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے؟“

”ٹھیک ہے، لیکن میرا گاؤں بہت دور ہے۔ وہ آج تو یہاں نہیں پہنچ سکیں گے۔ پھر بھی میں آدمی بھیج دیتا ہوں۔“

اسی وقت فرید اپنے ساتھ ایک عمر رسیدہ ڈاکٹر کو لے کر کمرے میں داخل ہوا۔ میٹرن اور دو نرسیں

بھی ان کے ساتھ تھیں۔ فرید نے ہم سے ان کا تعارف کرایا۔

''الیاس! یہ ڈاکٹر سجاش ہیں۔ ہمارے اسپتال کے سینئر فزیشن۔'' اس نے کہا۔ ''موہنی ان کے زیرِ علاج ہے۔''

میں نے بڑے ادب سے ڈاکٹر سجاش سے ہاتھ ملایا۔ ''ڈاکٹر! اس کے ہوش میں آنے کی کب تک امید ہے؟'' میں نے پوچھا۔

''میں خود حیران ہوں۔'' ڈاکٹر سجاش نے کہا۔ ''اس کی بے ہوشی کا کوئی مسئلہ نظر نہیں آیا۔ کم از کم فزیکلی وجہ نہیں ہے۔ میں نے اچھی طرح معائنہ کرلیا ہے اور ہوش میں لانے کی تمام تر تدابیر کرچکا ہوں۔ صرف یہی سمجھ میں آتا ہے کہ اس بے ہوشی کا کوئی نفسیاتی سبب ہو۔ کوئی صدمہ پہنچا ہو یا پھر......''

''یا پھر...... ڈاکٹر!'' انسپکٹر نے فوراً پوچھا۔

ڈاکٹر سجاش نے ہماری طرف دیکھا۔ ''فرید نے مجھے تمام تفصیلات بتادی ہیں۔'' انہوں نے کہا۔ ''اور اگر ان پر اعتبار کرلیا جائے تو پھر یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ لڑکی ان ہی غیر مرئی اثرات کے زیرِ اثر ہو۔''

''کیا یہ ممکن ہے ڈاکٹر!'' میں نے پوچھا۔

''دنیا میں بہت سے اسباب ایسے ہیں جس پر سائنس کے نقطہ نظر سے اعتبار نہیں کرسکتے، پھر بھی ہمیں ان سے واسطہ پڑتا رہتا ہے اور ہم ان کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ بہرحال وقت اس حقیقت کو ثابت کردے گا۔''

موہنی کے لیے ایک علیحدہ کمرا اور دو نرسوں کا بندوبست کردیا گیا۔ جب ہم باہر نکل رہے تھے تو فرید نے کہا۔

''میں نے تعویذ کے بارے میں سختی سے ہدایت کردی ہے، تم فکر مت کرو۔''

ہم پولیس اسٹیشن پہنچے۔ پوسٹ مارٹم کی ابتدائی رپورٹ آگئی تھی۔ نامعلوم لڑکی کے جسم میں خون کی کمی کی وجہ سے موت واقع ہوئی تھی۔ اس کے جسم میں خون کا ایک قطرہ بھی نہیں تھا۔

میں بے حد تھکا ہوا تھا۔ فرید کی ضمانت پر مجھے اس کے بنگلے میں جانے کی اجازت مل گئی تھی۔ نہا دھو کر میں نے لباس تبدیل کیا اور سہ پہر کو کھانا کھایا۔ کھانے کے بعد ہم جب چائے پی رہے تھے تو ڈاکٹر سجاش بھی آگئے۔

''اگر تم برا نہ مانو تو ایک تجویز پیش کروں فرید!''

''جی فرمایئے۔''

''الیاس کو میرے حوالے کردو۔ میں ان کو اپنے نفسیاتی وارڈ میں رکھنا چاہتا ہوں۔''

فرید نے میری سمت دیکھا۔

''ڈاکٹر ویسے میں پاگل نہیں ہوں، لیکن مجھے منظور ہے۔ اس طرح میری بھی تسلی ہوجائے گی۔''

ڈاکٹر سجاش مسکرا دیے۔ ''مجھے تمہاری ذہنی حالت پر شبہ نہیں ہے الیاس!'' انہوں نے کہا۔ ''میں تمہاری ذہنی کیفیت کا بخوبی معائنہ کرنا چاہتا ہوں۔''

''میں حاضر ہوں ڈاکٹر!'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

نفسیاتی وارڈ کی دو منزلہ عمارت کسی قید خانے سے کم نہ تھی۔ بلند چہار دیواری پر خاردار تاروں کی باڑ لگی ہوئی تھی۔ داخلے کا صرف ایک گیٹ تھا جس پر مسلح پہرے دار ہر وقت موجود رہتا تھا۔ احاطے کے اندر بہت بڑی بڑی سرچ لائٹیں لگی ہوئی تھیں۔ مضبوط جسم والے بہت سے وارڈ بوائے عمارت کے مختلف حصوں میں گھومتے پھرتے رہتے تھے۔ ڈاکٹر سجاش ایک گھنٹے سے زیادہ دیر تک میرا معائنہ کرتے رہے۔ ایکسرے، خون اور پیشاب اور تمام کیمیکل ٹیسٹ کے بعد انہوں نے مجھے صحیح الدماغ قرار دیا تھا اور پھر مجھ سے دوبارہ تمام تفصیلات سنتے رہے۔ انہوں نے مجھ سے اتنے سوالات کیے کہ میں تھک گیا اور بالآخر وہ مجھے اس کمرے تک چھوڑنے آئے، جو پہلی منزل پر واقع تھا۔

کمرے میں ایک آرام دہ بستر، دو کرسیاں اور ایک میز موجود تھی۔ میز پر تازہ پھل، ایک گلاس میں دودھ اور ایک میں جوس رکھا ہوا تھا۔ کھانے کے لیے پلیٹ میں صرف دو سینڈوچ تھے لیکن ہر چیز پلاسٹک کی تھی۔ شیشے یا لوہے کی کوئی چیز نہ تھی۔ کمرے کی واحد کھڑکی مین گیٹ کی طرف کھلتی تھی، لیکن اس پر لوہے کی موٹی سلاخیں مضبوطی سے لگی ہوئی تھیں۔ روشن دان بلندی پر تھا غرض یہ کہ ذہنی مریضوں کو رکھنے کے لیے تمام احتیاطی تدابیر کی گئی تھیں۔ میرا ذہن موہنی میں لگا ہوا تھا، لیکن ڈاکٹر نے فون کرنے کے بعد بتایا تھا کہ وہ اب تک بے ہوش ہے۔

مجھے ابھی بھوک نہیں تھی اس لیے میں بستر پر آرام سے لیٹ گیا۔ ذہن یہ بات قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھا کہ جس جن کماری سے میں اتنی بار مل چکا ہوں، جس کے گداز جسم کا لمس محسوس کرچکا ہوں، جس سے اتنی بار بات چیت کرچکا ہوں وہ انسان نہ تھی...... ویمپائر تھی۔ ایک ایسی لاش تھی جو نہ زندوں میں تھی نہ مردوں میں، جس کی غذا خون تھی۔ انسان کا تازہ لہو پی کر جس کے جسم میں زندگی کی توانائیاں بھر آتی تھیں اور جذبات کو زندہ ہوجاتی تھی۔ تاریکی میں اس کے لیے حیات اور اجالا اس کی موت کا پیامبر تھا۔ خوف کی ایک سرد لہر میرے جسم میں دوڑ گئی۔

وہ مجھ سے محبت کرتی تھی اور موہنی سے پیار کرتی تھی اور اس لیے اس نے ہم دونوں کا لہو نہیں پیا۔ اپنے باپ کو ہم سے دور رکھا۔ وہ بہرحال ایک عورت تھی۔ شاید اسے زندگی میں پیار نہیں ملا تھا اس لیے وہ پیار کی بھوکی تھی۔ مجھے اس کی التجا آمیز آنکھیں یاد آگئیں اور اس سے نفرت کے بجائے ایک نامعلوم سی ہمدردی محسوس ہونے لگی۔

تاریکی پھیلتے ہی کمرے کی بجلی روشن ہوگئی اور تب مجھے اندازہ ہوا کہ بجلی کا سوئچ بھی کمرے میں نہیں تھا۔ اسی لمحے ڈاکٹر سجاش کمرے میں داخل ہوئے۔ ان کے ہمراہ ایک شخص بھی تھا۔ اس نے کمرے میں ایک خودکار کیمرہ نصب کیا جس کا رخ دریچے اور روشن دان کی طرف تھا۔ اس کے جانے کے بعد ڈاکٹر سجاش میرے بستر کے قریب کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئے۔

''تم نے جو تجویز فرید کو پیش کی تھی۔ اس میں تھوڑی سی ترمیم میں نے کردی ہے۔'' انہوں نے کہا۔ اسی لمحے دروازے پر دستک ہوئی۔ ''شاید کافی آگئی۔ کم ان۔'' انہوں نے کہا۔ ایک باوردی سفید پوش بیرا

کافی کے دو مگ ٹرے میں لیے اندر داخل ہوا۔

"لو کافی پی لو۔"

"شکریہ۔" میں نے کپ لیتے ہوئے کہا۔

"مسٹر الیاس!" ڈاکٹر سبھاش نے کہا۔ جب میں لندن میں تعلیم حاصل کر رہا تھا تو مجھے روحانیت پر تحقیق کا شوق ہوا اور میں سائنٹک سوسائٹی کا ممبر بن گیا۔ انہوں نے ایک کافی کا مگ لے کر میری سمت دیکھا۔ یہ ایک بین الاقوامی ادارہ ہے جو روحانیت پر تحقیق کا سب سے پرانا مرکز ہے اور اس میں دنیا کے تقریباً تمام ممبر شامل ہیں۔ ہندوستان سے اس کی نمائندگی کا شرف مجھے حاصل ہے۔ ہم روح کے وجود پر یقین رکھتے ہیں۔ دنیا میں ہونے والے تمام روحانی واقعات کا ریکارڈ اس سوسائٹی میں موجود ہے اور یہیں پر مجھے ویمپائر کے وجود کے متعلق معلومات حاصل ہوئیں۔

"تو میرا شبہ غلط نہیں تھا۔" میں نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"نہیں، لیکن مجھے یہ بتاؤ کہ تمہیں یہ شک کیوں ہوا؟"

"گجن کماری میرے تعویذ کو دیکھ کر خوف زدہ ہو جاتی تھی اور گزشتہ رات جب وہ میری سمت بڑھی تو تعویذ اس کے بازو پر مس ہو گیا۔ وہ چیخ کر خوف زدہ انداز میں پیچھے ہٹی اور اس کے بعد ایک چمگادڑ نے مجھ پر حملہ کر دیا۔ تب میرے ذہن میں اس شبے نے جنم لیا۔ میں نے ویمپائر پر ایک ناول پڑھی تھی اور جو کچھ پڑھا تھا وہ میرے حالات سے بڑی مشابہت رکھتا تھا۔

"تم بہت خوش قسمت ہو الیاس!" ڈاکٹر سبھاش نے کہا۔ "ورنہ گجن کماری اب تک تم کو اپنی برادری میں شامل کر چکی ہوتی۔"

"لیکن ڈاکٹر رات کو حویلی میں نوکر چاکر، وہ رقص و سرور...... کیا وہ سب بھی خواب تھا؟"

"نہیں۔ ممکن ہے کہ وہ سب گجن کماری یا اس کے باپ کے شکار ہوں اور ان کی طرح تاریکی میں زندہ ہو جاتے ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کو تنویمی کیفیت میں نظر آتے ہوں۔"

"کیا مطلب؟"

"ویمپائر ایک تیز اور زود اثر تنویمی قوت کی مالک ہوتی ہیں۔ وہ عموماً اپنے شکار کو ہپناٹائز کر کے بے بس کر دیتی ہیں تاکہ وہ مزاحمت نہ کر سکے۔"

مجھے اچانک گجن کماری کے باپ کی آنکھیں یاد آ گئیں اور پھر وہ چمگادڑ جس نے کار کے سامنے بیٹھ کر مجھے بے حس کر دیا تھا۔ اس کی انگاروں کی طرح دہکتی ہوئی آنکھوں کو دیکھتے ہی میں سحر زدہ سا ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر! اگر یہ سچ تسلیم کر لیا جائے کہ میرا واسطہ ویمپائر کے ایک خاندان سے تھا تو یہ سب زندہ کیسے تھے۔ ان کو غذا کے لیے اتنا خون کہاں سے مل جاتا تھا؟"

"ڈاکٹر سبھاش مسکرا دیے۔"

"بڑا اچھا سوال ہے۔ میں نے بھی اس بارے میں سوچا تھا۔" انہوں نے جواب دیا۔ "ویمپائر جانوروں اور انسانوں کے خون پر زندہ رہتی ہے۔ میں نے انسپکٹر گور کھن سے معلومات کی تھیں۔ بہت مدت

سے چندر پور کے علاقے میں جانوروں کی لاشیں ملتی تھیں، جن کے جسم پر کوئی نشان نہ ہوتا تھا۔ جب ابتداء میں یہ سلسلہ شروع ہوا تو لوگوں نے سمجھا کہ سانپ کے کاٹنے سے یہ مرے ہیں، بعد میں لوگوں نے اس کو جانوروں کی پراسرار بیماری سے تعبیر کیا، لیکن انسانی لاشیں ملنے لگیں تو پولیس میدان میں آ گئی۔"

خوف سے میرے جسم میں جھرجھری آ گئی۔ "یہ سوچ کر ہی خوف آتا ہے کہ میں اور موہنی دونوں اتنے عرصے تک زندہ لاشوں کے درمیان پھنسے رہے۔"

"بے شک! لیکن شاید تم دونوں ہی ان کا موت کا ذریعہ بھی بن جاؤ، ورنہ جانے کتنے انجان لوگ اس کا شکار ہوتے رہیں گے۔"

"کیا ان کو ختم کرنے کی کوئی صورت ہے ڈاکٹر!"

"ہم کوشش کریں گے۔" انہوں نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "اب تم آرام کرو اور سنو! میں نے تمہارے دروازے پر ایک آدمی کی ڈیوٹی لگا دی ہے۔ ضرورت ہو تو اسے آواز دے لینا اور دروازہ کھلا رہے گا یہاں کے دروازوں میں تالے نہیں ہیں، اسے بند نہ کرنا کیونکہ میں دوبارہ آؤں گا۔"

میں بستر پر لیٹا دیر تک سوچتا رہا۔ ٹھیک نو بجے روشنی بجھ گئی۔ یہ مریضوں کے سونے کا وقت تھا۔ تاریکی ہوتے ہی اَن جانے وسوسوں نے ذہن میں گھر کرنا شروع کر دیا اور پھر جانے کب آنکھ لگ گئی۔

آنکھ کھلی تو مجھے اندازہ ہوا کہ کوئی پکار رہا ہے۔ ہر سمت تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ میں نے بے ساختہ کھلے دروازے کی سمت دیکھا لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔ اسی لمحے پھر کسی نے پکارا۔

"الیاس! میں یہاں ہوں۔"

میں نے گھوم کر دریچے کی طرف نظر کی تو ایک چہرہ نظر آیا۔ کوئی دریچے سے جھانک رہا تھا، لیکن تاریکی اور دریچے میں لگی ہوئی سلاخوں اور جالی کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں بستر سے اٹھ کر تیزی سے دریچے کی سمت پہنچا۔

"موہنی تم......!" میں نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔ دریچے سے باہر موہنی کا چہرہ صاف نظر آ رہا تھا۔

"ہاں الیاس! تم فوراً باہر آ جاؤ۔ مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔"

"نیند کا خمار آہستہ آہستہ دور ہو رہا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ موہنی کھڑکی کے باہر کیسے پہنچی۔ باہر کوئی بالکونی نہ تھی اور میرا کمرا دوسری منزل پر تھا۔

"تم اندر کیوں نہیں آ گئیں؟" میں نے سوال کیا۔

"بحث مت کرو۔ وقت نہیں ہے۔ تم فوراً باہر لان میں آؤ۔"

میں سمجھ چکا تھا۔ میں نے آہستہ سے کہا۔ "میں نہیں آ سکتا مجھے باہر جانے کی اجازت نہیں ہے۔"

"باہر کوئی نہیں ہے تم اطمینان سے آ سکتے ہو۔" موہنی نے التجا کی۔

"نہیں گجن کماری! تم مجھے اس طرح بے وقوف نہیں بنا سکتی ہو۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر سے نما لیے موہنی کے روپ میں جھانکتی ہوئی گجن کماری کا چہرہ غصے سے بھیانک ہو گیا اور اچانک اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح چمکنے لگیں۔ مجھے ایک جھٹکا سا لگا اور یوں محسوس ہوا جیسے میں تاریک گہرائیوں میں

ڈوبتا ہوا جا رہا ہوں۔

کچھ دیر کے لیے تو ذہنی طور پر بالکل معطل ہو گیا تھا۔ گجن کماری کی خوف ناک آنکھوں کا سامنا کرنا میرے بس کی بات نہیں تھی۔ میں دیر تک اسی وحشت کا شکار رہا۔ پھر اچانک مجھے دور سے موہنی کی آواز سنائی دی۔

”الیاس۔ کیا تم اپنی موہنی کی بات نہیں مانو گے۔“

”موہنی......“ میرے منہ سے نکلا۔

”ہاں۔ موہنی۔“

”تمہارے لیے تو میں جان بھی دے سکتا ہوں موہنی۔“

”تو پھر انتظار کس بات کا ہے۔“

”کیا کروں؟“

”باہر آ جاؤ۔ میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔“

میرے قدم بے اختیار دروازے کی طرف اٹھ گئے۔ لیکن اسی وقت کچھ ہوا۔ تیز روشنی کی چمک ہوئی اور کوئی میرے سامنے آ گیا۔

”ہٹ جاؤ...... کون ہو تم۔“ میں نے ڈپٹ کر کہا۔

”چھوڑ دیجیے۔“ میں نے کہا۔

”مکار...... فریبی......“ دریچے سے آواز آئی۔ مجھے دھوکا دیتا ہے۔ میں تجھے ایسا سبق دوں گی کہ زندگی بھر یاد رکھے گا۔

کوئی مجھے جھنجوڑ رہا تھا اور بالآخر اچانک مجھے ہوش آ گیا۔ ڈاکٹر سجاش اور ان کا اسسٹنٹ مجھے بازوؤں میں دبوچے ہوئے تھے میں نے انہیں پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھا۔

”آپ......؟“ میں نے حیران ہو کر کہا۔

”ہاں الیاس...... اور یہ اچھا ہوا کہ ہم یہاں موجود تھے ورنہ تم اس کے جال میں پھنس جاتے“ ڈاکٹر سجاش نے کہا۔

”خدایا...... میں نے ماتھے سے پسینہ پونچھتے ہوئے کہا۔“ مجھے کیا ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر؟“

”تم اس کی نظروں سے سحر زدہ ہو گئے تھے اور اس عالم میں تم اس کی ہر ہدایت پر عمل کر گزرتے۔“ ڈاکٹر اپنے ساتھیوں کی سمت مڑا فلم ابھی ڈیویلپ کرو۔ مجھے یقین ہے کہ اس کی تصویر نہیں آئی ہو گی۔ لیکن پھر بھی تصدیق ضروری ہے۔“ اس نے کہا۔ ”اور جاتے ہوئے دو کپ کافی بھجوا دینا۔“

”ڈاکٹر سجاش کا خیال صحیح تھا۔ فلم پر کوئی تصویر نہیں آئی تھی۔ سوائے دریچے کے کافی پیتے ہوئے مجھے اچانک موہنی کا خیال آیا۔ میں اچھل پڑا۔

ڈاکٹر موہنی اکیلی ہے۔ وہ شدید خطرے میں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ گجن کماری......“

”آؤ۔ ڈاکٹر سجاش میرا جملہ پورا ہونے سے قبل کھڑے ہو گئے تھے۔ مجھے بالکل خیال نہ رہا تھا“

زنانہ وارڈ ہماری بلڈنگ کے سامنے واقع تھا۔ ہم تقریباً بھاگتے ہوئے وہاں پہنچے تھے۔ موہنی کا کمرا تاریک تھا اور اس کے دروازے پر تعینات وارڈ بوائے کا کہیں کوئی پتا نہیں تھا۔ ہم ایک لمحے کے لیے دروازے پر رکے ڈاکٹر نے مجھے اشارے سے خاموش رہنے کی ہدایت کی اور ہم آہستہ سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔ ڈاکٹر نے جیب سے ٹارچ نکال کر بستر پر روشنی پھینکی موہنی کا بستر خالی تھا۔ اس کے برابر بستر پر لگی ہوئی نرس بے خبر سو رہی تھی۔

غضب ہو گیا وہ موہنی کو لے گئی۔ میں بدحواسی کے عالم میں چیخا۔ ڈاکٹر نے ٹارچ کی روشنی میں پورا غسل خانہ اور کمرا دیکھا اور پھر ہم دونوں باہر نکل گئے۔ گیٹ پر بیٹھے ہوئے چوکیدار نے ڈاکٹر کو حیرت سے دیکھا اور کھڑا ہو گیا۔

”تم نے اس لڑکی کو باہر کیوں جانے دیا۔“ ڈاکٹر نے گرج کر کہا۔

”جج...... جی...... میں سمجھا شاید وہ لان میں ٹہلنے جا رہی ہیں۔“

”لان پر؟ کتنی دیر ہوئی اسے گئے ہوئے؟“

”جی بس ابھی گئی ہیں۔ آپ کے آنے سے دو منٹ پہلے۔“

”میرے ساتھ آؤ۔“ ڈاکٹر نے کہا۔

”ہم تینوں بھاگتے ہوئے سامنے پھیلے ہوئے وسیع لان میں پہنچے ڈاکٹر نے ٹارچ کی روشنی میں ہر سمت دیکھا۔ لیکن وہاں کوئی نہ تھا۔ لان کے کنارے کنارے پھولوں کی کیاریاں تھیں۔ ڈاکٹر سجاش نے جھاڑیوں پر روشنی ڈالی اور آگے بڑھنا شروع کیا۔ میرا دل انجانے اندیشے سے بیٹھا جا رہا تھا۔ جانے موہنی زندہ بھی ہو گی یا نہیں ہم ابھی تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ جھاڑیوں سے ایک تیز چیخ ابھری اور دوسرے ہی لمحے ایک بڑی چمگادڑ پھڑ پھڑاتے ہوئے فضا میں اڑی۔ ہم لپک کر جھاڑیوں کے درمیان پہنچے موہنی کا ساکت جسم جھاڑیوں کی آڑ میں پڑا ہوا تھا۔

”موہنی۔“ میں چیخ مار کر آگے بڑھا ”موہنی...... او موہنی میں اپنی سسکی نہ روک سکا۔

”اسے اٹھا کر کمرے میں لے چلو الیاس۔ وقت ضائع نہ کرو۔“ ڈاکٹر نے مجھے ڈانٹا۔

”ڈاکٹر سجاش کے حکم پر سجاش کے کمرے کی لائٹ جلا دی گئی تھی۔ موہنی زندہ تھی۔ بستر پر ساکت لیٹی ہوئی تھی۔ موہنی کے چہرے پر شدید کرب کے آثار تھے لیکن ہم بروقت پہنچے تھے۔ اس کے بازو سے بندھا ہوا تعویذ تقریباً کھل چکا تھا۔ اس کے بازو پر جگہ جگہ خراشیں تھیں جیسے کسی نے تعویذ نوچنے کی شدید جدوجہد کی ہو۔“

ڈاکٹر! آپ یہ خراشیں دیکھ رہے ہیں۔“ میں نے کہا۔ گجن کماری تعویذ کو ہاتھ لگاتے ہوئے ڈرتی تھی۔ پھر یہ کس کی حرکت ہو سکتی ہے؟“

”موہنی کی۔“ ڈاکٹر نے جواب دیا۔ ”گجن کماری کے تنویمی عمل کے زیر اثر اس نے خود تعویذ اتارنے کی کوشش کی تھی۔ اگر ہم کو ذرا دیر ہو جاتی تو وہ بدروح اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتی۔“

”خدایا۔ ہم کس عذاب میں گرفتار ہیں۔“ میں نے کہا۔ ”کیا اس بلا سے نجات نہیں ملے گی۔

''ہمت سے کام لو۔ الیاس۔''

''لیکن ڈاکٹر! جب وہ ہمیں اس طرح بے بس کرسکتی ہے تو کسی دن کامیاب بھی ہوجائے گی۔''

''ہم اسے موقع نہیں دیں گے۔ کل ہم اسے ہمیشہ کے لیے ختم کرنے کی کوشش کریں گے۔''

''لیکن کیسے؟''

''وقت آنے پر دیکھ لینا۔ فی الحال اپنے حواس پر قابو رکھو۔'' نرس کو ہوش آ گیا تھا۔ وہ یہ بتلانے سے قاصر تھی کہ اسے کیسے نیند آ گئی۔ اسے کچھ یاد نہ تھا دروازے پر متعین وارڈ بوائے کا یہ کہنا تھا کہ اسے نرس نے کافی لانے کے لیے بھیجا تھا اور موہنی پر ہنوز بے ہوشی طاری تھی۔ اس سے کچھ معلوم کرنا ممکن نہ تھا۔ تمام رات کمرے میں روشنی جلتی رہی اور ہم کرسیوں پر بیٹھے انتظار کرتے رہے لیکن کجن کماری دوبارہ نہ آئی۔

دوسرے دن ہم سہ پہر کو کجن کماری کی حویلی پہنچ گئے۔ ہمارے ہمراہ پولیس کی جیپ بھی تھی اور انسپکٹر گورچکن مولانا اکبر علی کو لے آیا تھا۔ ڈاکٹر سجاش بھی اپنے کہنے کے مطابق پوری تیاری سے آئے تھے۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ کجن کماری رات سے قبل بیدار نہ ہوگی۔ اس لیے ہمیں دن کی روشنی میں اس کے مسکن کا پتا چلا لینا چاہیے ہم نے تمام حویلی چھان ماری تمام کمرے خالی تھے۔ ہر چیز پر گرد و غبار کی تہ چڑھی ہوئی تھی۔ جگہ جگہ مکڑی کے جالے لگے ہوئے تھے۔ نہ وہ رات والی رونق تھی۔ نہ محفل رقص و سرور کے آثار نہ وہ آسائش و زیبائش۔ مجھے یقین نہیں آیا تھا۔ میں اس حویلی کو اپنی آنکھوں سے آباد دیکھ چکا تھا۔ میں یہاں قیام کرچکا تھا۔ رقص و نغمے کی بزم سے لطف اندوز ہوچکا تھا۔ ڈاکٹر سجاش اور دوسرے تمام لوگ کئی گھنٹے کی تلاش کے بعد تھک گئے ہم نے حویلی کے گرد و پیش قلعہ کے کھنڈرات بھی چھان لیے لیکن لاحاصل۔ نہ کہیں کوئی خفیہ مسکن ملا نہ کوئی قبر جس میں زندہ لاشوں کا سراغ ملتا۔ ''اب کیا کرنا چاہیے۔'' انسپکٹر گورچکن نے پوچھا۔

''رات کا انتظار۔'' ڈاکٹر سجاش نے جواب دیا۔ ''مجھے یقین ہے کہ رات کو کجن کماری اور اس کے ساتھیوں سے ضرور ملاقات ہوگی۔''

''بے شک۔'' میں نے اعتماد سے کہا۔ مولانا اکبر علی مسلسل دعائیں پڑھنے میں مصروف تھے۔ ساتھ میں آئے ہوئے سپاہیوں نے چائے بنائی اور ہم ناشتہ کرکے چائے پینے لگے۔ گفتگو کا موضوع کجن کماری تھی۔ میرا ذہن موہنی کے لیے فکرمند تھا۔ ڈاکٹر سجاش نے اس کی حفاظت کے لیے تمام انتظامات کردیے تھے۔ سب انسپکٹر موہنی کی نگرانی کے لیے مقرر کردیا گیا تھا۔ لیکن میں پھر بھی مطمئن نہیں تھا۔

شام کا اندھیرا پھیلتے ہی کئی ایک پیٹرومکس جلا لیے گئے۔ ہم اپنے ہمراہ ٹارچیں بھی لے کر آئے تھے۔ میرے پاس بھی ٹارچ موجود تھی ہم حویلی کے سامنے بیٹھے انتظار کررہے تھے۔ ہر سمت موت کا سناٹا طاری تھا۔ یہاں تک کہ مکمل تاریکی چھا گئی۔ میری نگاہیں حویلی کی سمت لگی ہوئی تھیں۔ لیکن وہاں مکمل سکوت طاری تھا۔ ''تعجب ہے'' میری زبان سے نکلا۔

''کیا ہوا؟ کس بات پر تعجب ہے۔'' انسپکٹر نے مزید پوچھا۔

''اندھیرا ہوتے ہی حویلی میں چہل پہل ہوجاتی تھی۔ لیکن آج سناٹا ہے۔''

''انہیں ہماری موجودگی کا علم ہوگیا ہے۔'' ڈاکٹر سجاش نے کہا۔

''وہ دیکھیے'' انسپکٹر گورچکن نے اچانک کہا۔ ''اس مینار کے اوپر والے کمرے میں روشنی ہو رہی ہے'' سب کی نظریں بے ساختہ اوپر اٹھیں۔ بلاشبہ کمرے میں روشنی نظر آ رہی تھی۔ جس میں، میں کئی بار قیام کرچکا تھا انسپکٹر اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔ ''آئیے وہاں ضرور کوئی موجود ہے۔'' اس نے پولیس والے کو اشارہ کیا۔

''ٹھہرو انسپکٹر۔'' ڈاکٹر سجاش نے کہا۔ ''ہمارا واسطہ کسی خطرناک مجرم سے نہیں جسے تم گرفتار کرلو..... بدروحوں سے ہے۔''

''پھر کیا کریں؟'' انسپکٹر نے پوچھا۔

''صبر و تحمل سے کام لو۔'' مولانا صاحب نے کہا۔ اور ہمارے پیچھے آؤ۔ بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

''کوئی آدمی تنہا نہ رہے۔ ڈاکٹر سجاش نے ہدایت کی۔'' پیٹرومیکس یہیں رہنے دو، ٹارچیں ساتھ لے لو۔''

ہم ایک دوسرے کے پیچھے چلتے ہوئے حویلی کی سمت بڑھے ڈاکٹر سجاش سب سے آگے تھے اور ان کے ہاتھ میں ایک پستول تھا۔ دوسرے میں ٹارچ ان کے پیچھے مولانا صاحب جن کی سفید داڑھی تاریکی میں چمک رہی تھی۔ ان کے پیچھے میں، انسپکٹر گورچکن اور فرید ہر ایک کا دل آنے والے لمحات کے خطرے سے اچھل رہا تھا۔ ہم ابھی سیڑھیاں چڑھ کر حویلی کے پھاٹک پر پہنچے ہی تھے کہ فرید چلایا۔

''ڈاکٹر سجاش۔ ہوشیار۔'' ڈاکٹر اچھل کر آگے بڑھا اور اسی لمحے ایک بہت بڑا سا پتھر حویلی کی چھت سے ایک دھماکے کے ساتھ ٹکرا کر چکنا چور ہوگیا۔ اگر ایک لمحہ بھی دیر ہوجاتی۔ تو ڈاکٹر سجاش کے جسم کا بھرتہ ہوجاتا۔ بیک وقت کئی ٹارچیں اوپر کی سمت بلند ہوئیں۔ حویلی کی چھت پر بنی ہوئی پتھر کی منڈیر ایک جگہ سے ٹوٹی ہوئی تھی۔ لیکن وہاں کوئی نہ تھا۔ ممکن ہے یہ اتفاقیہ حادثہ رہا ہو۔ لیکن دل قبول کرنے کو تیار نہ تھا۔ چند لمحے انتظار کرکے ہم اندر داخل ہوگئے۔ بڑا ہال بالکل خالی تھا۔ فرش پر بچھے ہوئے قالین پر گرد کی تہ جمی ہوئی تھی۔ ٹارچ کی روشنی میں ہر سمت جائزہ لیا گیا لیکن وہاں کوئی نہیں تھا۔

''اوپر جانے کا زینہ سامنے ہے۔'' میں نے بتلایا۔

ہم سب زینے کی سمت بڑھے اچانک ایک دھماکا ہوا اور کوئی زور سے چیخا۔ سب گھبرا کر پلٹے۔ ٹارچ کی روشنی فرش پر پڑی۔ چھت پر لگا ہوا بڑا جھاڑ ٹوٹ کر گر پڑا تھا اور پیچھے آنے والا کانسٹیبل پیر پکڑ کر کراہ رہا تھا۔ لیکن وہ بال بال بچ گیا تھا۔ صرف اس کا پیر زخمی ہوگیا تھا۔ ڈاکٹر نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ زخم معمولی تھا لیکن اب اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں رہا تھا ہم کجن کے حملوں کی زد میں تھے۔

''تم دونوں جیپ کے پاس جا کر بیٹھو، پیٹرومیکس روشن رکھنا۔'' ڈاکٹر سجاش نے کانسٹیبلوں سے کہا جو خوف سے سہمے ہوئے تھے۔

ہم زینہ طے کرکے اوپر والے کمرے میں پہنچ گئے لیکن وہ خالی تھا۔ ہال مکمل تاریک تھا۔ کچھ دیر پہلے نظر آنے والی روشنی کا نام و نشان نہیں تھا۔ ہم ایک بار پھر زینہ اتر کر پہلی منزل تک آئے جہاں ان گنت کمرے بنے ہوئے تھے۔ دن میں ہم ان کمروں کی تلاشی لے چکے تھے۔ لیکن اب ایک بار پھر دیکھ لینے میں

کوئی حرج نہ تھا۔ راہ داری سے گزرتے ہوئے میں ایک دروازے کے سامنے رک گیا۔ میرے پیچھے آتے ہوئے فرید اور انسپکٹر بھی رک گئے۔

"کیا بات ہے الیاس۔" فرید نے پوچھا۔

"ڈاکٹر سجاش اور مولانا بھی مڑکر مجھے دیکھنے لگے۔

"یہ مقفل دروازہ۔" میں نے کہا۔ "دن میں ہم نے اس کے اندر نہیں دیکھا تھا۔"

"ہاں لیکن شاید اس شکستہ حصے کی سمت کھلتا ہے جو ہم باہر سے دیکھ چکے ہیں۔"

"ڈاکٹر سجاش نے کہا۔ ضرورت ہوئی تو کل دن میں اسے توڑ لیں گے۔"

"دروازہ اتنا مضبوط تھا کہ ہم اسے کھولنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ پھر ہم آگے بڑھے اور اسی لمبی راہ داری کے اگلے حصے سے ایک بھیانک قہقہہ بلند ہوا قہقہہ اتنا بھیانک تھا کہ جسم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ڈاکٹر سجاش نے پھرتی سے ٹارچ کی روشنی ادھر پھینکی لیکن وہاں کچھ نہ تھا۔ اچانک پھڑ پھڑ کی آواز ہوئی اور ایک چمگادڑ چھت سے اڑ کر ڈاکٹر سجاش کی سمت جھپٹی ڈاکٹر کی پستول سے فائر ہوا گولی چلنے کی آواز کے ساتھ ہی ایک انسانی چیخ فضا میں بلند ہوئی۔ سب تیزی سے آگے بڑھے میں نے جیسے ہی قدم آگے بڑھانا چاہا کسی کے نرم و نازک ہاتھوں نے میرا بازو پکڑ لیا۔ میں گھبرا کر پلٹا۔

بجن کماری میرے سامنے کھڑی مسکرا رہی تھی۔ اپنی تمام تر قیامت خیز رعنائیوں کے ساتھ۔ میں نے کچھ کہنا چاہا مگر اس نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے چپ رہنے کا اشارہ کیا اور اس دروازے کی سمت گھسیٹا جو کھلا ہوا تھا۔ مجھے یاد آیا کہ یہ وہی دروازہ ہے جسے کھولنے میں ہم کامیاب نہ ہو سکے تھے۔ بجن کماری کی نگاہیں مجھ پر مرکوز تھیں اور ان میں جلتی ہوئی آگ کی چمک نے مجھے مسحور کر دیا تھا۔ خدایا...... وہ کتنی حسین تھی۔ آج تک میں نے اسے جی بھر کے نہیں دیکھا تھا۔ میں بلا تامل اس کے ساتھ اس دروازے میں داخل ہو گیا۔ دروازہ ایک زوردار آواز کے ساتھ بند ہو گیا۔

دروازہ بند ہونے کی آواز کے ساتھ سب چونک کر ادھر پلٹے بہ یک وقت کئی ٹارچوں کی روشنیاں ادھر پڑیں اور پھر فرید نے چیخ کر کہا۔

"الیاس کہاں ہے؟"

"وہ بھاگتے ہوئے دروازے کے قریب آئے۔ لیکن دروازہ مضبوطی سے بند تھا۔ ان کی تمام تر کوششوں کے باوجود دروازہ نہ کھل سکا۔ انہوں نے ہر سمت مجھے تلاش کیا۔ تمام کمرے چھان مارے لیکن میرا کہیں پتا نہیں تھا۔

"بلاشبہ وہ اسی میں گیا ہے۔" انسپکٹر نے کہا۔ "وہ پہلے بھی اس کے سامنے رکا تھا۔ مجھے اس شخص کی حرکتوں سے پہلے ہی شبہ ہو رہا تھا۔"

"بے وقوف آدمی وہ خود نہیں گیا، اسے لے جایا گیا ہے۔" مولوی صاحب نے کہا۔

"لیکن کیسے؟"

"انسپکٹر...... یہ بحث کا وقت نہیں۔ الیاس کی زندگی خطرے میں ہے۔" ڈاکٹر سجاش نے

میں کہا۔ "اس دروازے کو ہر قیمت پر توڑنا پڑے گا۔"

"میں چند کدالیں ساتھ لایا تھا، وہ جیپ میں ہیں۔" انسپکٹر نے کہا۔

"میں ابھی لے کر آیا۔" فرید بدحواسی کے عالم میں آگے بڑھا۔

"ٹھہرو۔ ہم ساتھ چلیں گے۔" ڈاکٹر سجاش نے کہا۔ "کوئی شخص ایک لمحے کے لیے بھی تنہا نہ رہے۔"

وہ سب ایک ساتھ نیچے اترے۔ زخمی کانسٹیبل اور اس کا ساتھی خوفزدہ اور سہمے ہوئے بیٹھے تھے۔ جیپ میں چار کدالیں موجود تھیں۔ وہ ان کو لے کر واپس ہوئے لیکن ابھی حویلی میں پہنچے بھی نہ تھے کہ ایک ہولناک دھماکے سے فضا گونج اٹھی۔ ایک لمحہ کے لیے وہ دم بہ خود کھڑے رہ گئے۔ پھر ڈاکٹر سجاش نے بھاگ کر جیپ کے پاس سے پیٹرومیکس اٹھایا اور وہ تیزی سے اندر داخل ہوئے۔

ہال میں ہر سمت گرد و غبار بھرا ہوا تھا۔ جس میں کچھ نظر نہ آ رہا تھا۔ دھول ان کی آنکھوں اور حلق میں گھس گئی۔ سب کھانسنے لگے اور سب کی نگاہیں اوپر جانے والے زینے پر تھیں۔ جو ملبے سے اٹا پڑا تھا۔ اوپر کی چھت اس طرح گری تھی کہ زینہ بھی اس کے ساتھ ہی ٹوٹ گیا تھا اور اب اوپر جانے کا راستہ مسدود ہو چکا تھا۔

"میرے خدا۔ اب کیا ہوگا۔" فرید نے دہشت زدہ لہجے میں کہا۔

ڈاکٹر سجاش بھی بدحواسی کے عالم میں سامنے دیکھ رہا تھا اور اسی لمحے فضا ایک بار پھر بھیانک قہقہوں سے گونج اٹھی۔ ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

"اب کیا ہوگا ڈاکٹر۔" فرید بے بسی کے عالم میں چیخا۔

"خدا پر بھروسا رکھو بیٹے! مولانا اکبر علی نے کہا۔ "تم کسی بھی طرح اس دروازے پر پہنچ کر اندر جانے کا بندوبست کرو۔ میں اپنا کام شروع کرتا ہوں۔ اللہ نے چاہا تو الیاس کا بال بھی بیکا نہ ہوگا۔"

وہ سب حویلی سے باہر آ گئے۔ مولوی صاحب ایک صاف سی جگہ مصلیٰ بچھا کر عبادت کے لیے بیٹھ گئے۔ ڈاکٹر سجاش اور اس کے ساتھی صورت حال پر غور کرنے لگے۔

"اگر ہم کسی طرح اوپر کی منزل تک پہنچ جائیں تو دروازہ توڑ سکتے ہیں۔" ڈاکٹر سجاش نے کہا۔ "کیونکہ چھت صرف زینے کی گری ہے۔"

"لیکن اتنی بلندی پر سیڑھی کے بغیر کیسے پہنچ سکتے ہیں۔" ڈاکٹر فرید نے کہا۔

"ٹھہرو...... سیڑھی کا بندوبست ہو سکتا ہے۔" انسپکٹر نے فوراً کہا۔ "سامنے بانس رکھے ہوئے ہیں۔"

کلہاڑی جیب میں رکھی ہوئی تھی۔ انہوں نے بڑی پھرتی کے ساتھ اصطبل کے پاس رکھے ہوئے بانسوں سے سیڑھی تیار کرنا شروع کی لیکن تمام تر عجلت کے باوجود کافی دیر لگ گئی اور جب وہ اپنے کام سے فارغ ہوئے تو بارہ بجنے والے تھے وہ سیڑھی لے کر اس کھڑکی کے نیچے آئے جو پہلی منزل پر کھلتی تھی۔ ڈاکٹر سجاش اپنی کار تک گئے اور وہاں سے کلام پاک کا ایک چھوٹا سا نسخہ نکال کر انہوں نے اپنے گلے میں ڈال لیا۔ اس کے بعد ان کے پاس پہنچے۔

"پہلے میں اوپر جاؤں گا۔" انہوں نے کہا۔

"لیکن سر یہ مناسب نہیں ہے۔" انسپکٹر نے کہا۔

"میں مناسب سمجھ کر کہہ رہا ہوں۔" انہوں نے کہا۔

اور پھر وہ اطمینان سے عارضی بنی ہوئی سیڑھی پر اوپر چڑھنے لگے اب تک کے واقعات نے ان سب کو بہت وحشت زدہ کر دیا تھا۔ اس لیے سب خوف زدہ نگاہوں سے اوپر دیکھ رہے تھے۔ جیسے کسی بھی لمحہ کوئی نیا حادثہ رونما ہونے والا ہو۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

ادھر الیاس ایک نئی مصیبت میں گرفتار تھا۔

بجن اور اس کے باپ میں شدید بحث جاری تھی۔ بجن کا باپ پیاسی نگاہوں سے الیاس کو دیکھ رہا تھا۔

"ضد نہ کر۔ لڑکی پیاس سے میرا حلق خشک ہو رہا ہے۔ آج ہم باہر بھی نہیں جا سکے ہیں۔ مجھے اپنا حلق تر کر لینے دو۔"

"نہیں پتاجی۔ آپ وعدہ کر چکے ہیں۔ اب اس کا خون آپ کا ہے۔ لیکن کچھ دیر بعد۔"

"تو بڑی ضدی ہے بجن!" اس کے باپ نے بالآخر ہار مان لی۔ "ٹھیک ہے تو اپنی خواہش پوری کر لے لیکن جلدی کر۔ میں جب تک ان مورکھوں کی خبر لیتا ہوں۔"

بجن نے الیاس کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر زینہ اترنے لگی یہ زینہ اسی دروازے سے نیچے جاتا تھا جسے وہ نہ کھول سکے تھے۔ وہ زینہ اترتے ہوئے حویلی کے تہ خانے کے دروازے پر پہنچ گئے۔ یہاں بھی اوپر کی طرح بہت سے کمرے بنے ہوئے تھے۔ بجن نے دروازہ مضبوطی سے بند کیا اور الیاس کو لے کر ایک کمرے کی سمت بڑھی۔ وہ بھی بجن کو پیاسی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ اس کے ذہن پر خمار سا طاری تھا اور دل میں صرف ایک خواہش مچل رہی تھی کسی بھی طرح بجن کو حاصل کرے۔

"الیاس...... میرے الیاس...... بالآخر میں تم کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔" بجن نے فاتحانہ انداز میں کہا۔

"ہاں بجن اور میں بھی کتنا بدقسمت تھا۔ جو آج تک تم سے دور رہا۔"

"نہیں پیارے۔ اب تم کبھی مجھ سے جدا نہ ہو گے۔ ہم اپنے محل میں ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔ ہمیشہ ہمیشہ۔"

وہ کمرے میں بچھی ہوئی مسہری کی سمت بڑھ رہے تھے۔ کمرا شاہانہ انداز میں سجا ہوا تھا۔ مدھم مدھم سی روشنی پھیلی ہوئی تھی اور ایک تیز خوشبو ہر سمت فضا میں رچی ہوئی تھی۔ الیاس سحر زدہ انداز میں بجن کو گھور رہا تھا۔ جیسے اس کی پرستش کر رہا ہو۔"

بجن کے ریشمی جسم کا لمس اسے دیوانہ بنا رہا تھا اس نے وارفتگی کے عالم میں بجن کو اپنے بازوؤں میں بھر لیا۔ بجن کے لب حریصانہ انداز میں اس کی سمت بڑھے اور عین اسی لمحے کمرے میں تیز روشنی پھیل گئی جیسے سورج نکل آیا ہو۔ بجن چیخ کر پیچھے گری۔ اس کی پھٹی پھٹی دہشت زدہ نگاہیں خلا میں گھور رہی تھیں اور الیاس نے آنکھیں کھول دیں۔ اس نے حیرت زدہ نظروں سے ہر سمت دیکھنا شروع کیا لیکن اس کی سمجھ میں

نہ آ رہا تھا کہ وہ کہاں ہے اور پھر اس کی نظر بجن کے بے حس و حرکت بدن پر پڑی اور وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

دروازہ توڑنے میں ان کو بڑی دشواری ہوئی اتنا مضبوط دروازہ تھا کہ ان کے ہاتھوں سے خون نکل آیا۔ لیکن بالآخر دروازہ کھل گیا۔ ڈاکٹر سجاش خوشی سے اچھل پڑے۔ ان کے سامنے ایک زینہ تھا جو نیچے چلا گیا تھا۔ وہ تیزی کے ساتھ زینہ اترتے ہوئے آگے بڑھے اور تہ خانے کے دروازے پر جا کر رک گئے۔ یہ دروازہ بھی مقفل تھا۔ ڈاکٹر کراہ اٹھا۔

"مسلسل دیر ہو رہی ہے۔ اب اسے توڑنے میں بھی دیر لگے گی۔" اس نے مایوس ہو کر کہا۔

اور ابھی وہ یہ سوچ ہی رہے تھے کہ کیا کیا جائے کہ دروازہ ایک جھٹکے کے ساتھ کھلا تاریکی میں ان کو ایک خوف ناک شکل سامنے گھورتی ہوئی نظر آئی اور ڈاکٹر سجاش کے پستول سے اچانک فائر ہوا۔ فضا میں ایک بھیانک چیخ بلند ہوئی۔

"یہ آپ نے کیا کیا؟" فرید عقب سے چیخا۔ "شاید الیاس ہو۔"

"نہیں فرید...... یہ الیاس نہیں ہے۔" ڈاکٹر نے ٹارچ کی روشنی سامنے پھینکی۔

فرش پر بجن کے پتاجی کی لاش پڑی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ اتنا مکروہ اور بھیانک تھا کہ دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہوتے تھے اور اس کی پھیلی ہوئی آنکھیں خلا میں گھور رہی تھیں۔

"اب یہ ہمیشہ کے لیے مر گیا۔" ڈاکٹر سجاش نے کہا۔

"کیا مطلب...... یہ کون ہے؟" انسپکٹر گوربچن نے کہا۔ وہ اس بڈھے کے سینے کو دیکھ رہا تھا۔ جہاں ڈاکٹر کی گولی نے چھید کر دیا تھا۔ لیکن حیرت انگیز بات یہ تھی کہ اس سے خون نہیں نکل رہا تھا۔

"ویمپائر...... زندہ لاش...... اور یہ بلاشبہ بجن کا باپ رانا ہرمندر سنگھ ہے۔" ڈاکٹر سجاش نے کہا۔ "انسپکٹر تم پریشان نہ ہو۔ میں نے قتل نہیں کیا ہے صرف ایک زندہ لاش کو ابدی نیند سلا دیا ہے۔"

"لیکن الیاس کہاں ہے۔" فرید نے پھر پوچھا۔

اور وہ سب ایک بار پھر آگے بڑھے۔ اب ان کا رخ کمروں کی طرف تھا۔ انہوں نے باری باری ہر کمرے کا دروازہ کھولنا شروع کیا اور انہیں یہ دیکھ کر شدید حیرت ہوئی کہ کمروں میں دن کی طرح روشنی ہو رہی تھی اور ہر کمرے میں ایک لاش پڑی ہوئی تھی۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

میں حیرت اور پریشانی کے عالم میں کھڑا ہوا بجن کی لاش کو گھور رہا تھا کہ اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور ڈاکٹر سجاش سامنے کھڑے نظر آئے۔ ہم ایک دوسرے کو تکتے کے عالم میں گھورتے رہے پھر اچانک فرید میری سمت لپکا۔

"الیاس۔ اوہ۔ خدا کا شکر ہے کہ تم سلامت ہو۔"

"کیا مطلب ہے۔" میں نے پوچھا۔ "اور میں یہاں کیسے پہنچ گیا۔ مجھے کچھ یاد نہیں۔"

اسی لمحے ایک فائر کا دھماکا ہوا۔ ہم دونوں اچھل پڑے۔ میں نے گجن کی سمت دیکھا۔ اس کے سینے میں سوراخ ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر سجاش کے پستول کی نال سے دھواں نکل رہا تھا۔

''سجاش...... یہ تم نے کیا کیا۔'' میں نے گھبرا کر کہا۔

''تمہیں اس بلا سے ہمیشہ کے لیے نجات دلا دی۔'' ڈاکٹر نے سرد لہجے میں کہا۔ ''آؤ مجھے اپنا کام مکمل کرنا ہے۔''

اور پھر ڈاکٹر نے ہر کمرے میں جا کر پڑی ہوئی لاش کا سینہ چھلنی کر دیا۔ میں نے ان سب کو پہچان لیا۔ وہ گجن کے ملازم۔ داسیاں اور رقاصاؤں کی لاشیں تھیں۔ ہم سب حیرت کے ساتھ ڈاکٹر کو دیکھ رہے تھے اور پھر جب ہم نے تمام کمروں کو دیکھ لیا اور کوئی مزید لاش نہ ملی۔ تو ہم راہ داری میں آ گئے۔ اسی لمحے حیرت انگیز طور پر تمام کمرے اچانک تاریک ہو گئے۔''

ہم ایک ایک کر کے نیچے اترے۔ پیٹرومیکس جل رہا تھا۔ رات کے چار بج چکے تھے مولانا اکبر علی اب تک عبادت میں مصروف تھے انسپکٹر گوردھن نے اپنے آدمیوں کو چائے بنانے کا حکم دیا۔ سب پر بری طرح تھکن طاری تھی۔

''ڈاکٹر یہ آپ نے ان لاشوں پر گولی کیوں چلائی۔'' انسپکٹر نے پوچھا۔

ڈاکٹر مسکرا دیے۔

''یہ گولیاں چاندی کی تھیں...... اور ویمپائر زندہ لاشوں کو صرف انہیں سے ہلاک کیا جا سکتا ہے۔ چاندی متبرک دھات ہے اور......''

وہ ہمیں تفصیل سے اپنی تحقیق کے بارے میں بتانے لگے۔

''لیکن وہ کمروں میں تیز روشنی کیسے ہو رہی تھی۔'' فرید نے پوچھا۔

''یہ روشنی میری دعاؤں کا نور تھا بیٹے۔''

ہم نے چونک کر دیکھا۔ مولوی صاحب سلام پھیر کر مصلّے سے اٹھ رہے تھے۔ ''ان بدروحوں کی موت روشنی ہے۔ روشنی جو اللہ کے کلام سے پیدا ہوتی ہے۔ اس ذات باری کا نور تمام ظلمتوں کی موت ہے۔''

''بے شک...... بے شک۔'' ڈاکٹر سجاش نے کہا۔

اسی لمحے ایک جیپ ہمارے قریب آ کر رکی۔ سب انسپکٹر سنواہی اور بہت سے کانسٹیبل اتر کر ہماری طرف بڑھے اور موہنی ان سب سے آگے تھی۔

''موہنی۔'' میں خوشی سے چلایا۔

وہ بھاگتی ہوئی آئی اور میرے بازوؤں میں سما گئی۔ سب مسکرا دیے۔

''ان کو ہوش آ گیا تھا اور یہ بضد ہو گئیں کہ ہم فوراً یہاں چلیں۔ آپ سب کی زندگی خطرے میں ہے۔'' سنواہی نے وضاحت کی۔

عجیب داستان تھی۔ لیکن اب کوئی داستان عجیب نہیں لگتی تھی۔ زندگی جیسے عجیب و غریب واقعات کا مجموعہ بن گئی تھی۔ کامران نے حسن شاہ سے کہا۔

''ایک سوال کروں حسن شاہ۔''

''ہاں کرو......''

''کیا یہ زندگی ہماری پسند کی ہے؟؟''

حسن شاہ کچھ دیر سوچتا رہا، پھر بولا۔ ''میں سمجھا نہیں۔''

''میں تمہیں اپنے بارے میں تفصیل بتا چکا ہوں۔ ایک نرم و نازک فطرت کا مالک انسان تھا میں، میری زندگی ہر طرح کے ہنگاموں سے پاک تھی کہ تقدیر نے میرے راستے بدل دیے اور پھر...... کیا تھا، کیا ہو گیا۔ لیکن حسن شاہ۔ اخلاق مروت انسان سے بعض اوقات اس کی قیمتی زندگی تک چھین لیتا ہے۔ کرنل گل نواز کے لیے ہم جو کچھ کر رہے ہیں۔ کیا اس میں ہماری اپنی کوئی غرض ہے۔ مگر ہماری زندگی کا کوئی لمحہ ہمارا اپنا نہیں ہے۔ میں تو کچھ اور سوچ رہا ہوں حسن شاہ۔

''یہی کہ وطن واپس چلا جاؤں۔'' سب کچھ چھوڑ دوں۔''

''اتنا کچھ کرنے کے باوجود۔''

''ہاں۔ کوئی سرا نہیں مل رہا مجھے۔ کہاں تک جانا ہے۔ کیا کرنا ہے۔ کوئی تقدیر ہو، کوئی منزل تو ہو۔''

''منزل موت کو کہتے ہیں۔''

''کتابی بات ہے۔''

''کتابی ہی سہی، سچ تو ہے۔'' حسن شاہ نے کہا۔

''جوگندر سنگھ سے نہیں ملو گے؟''

''سوچنا پڑے گا۔ اچانک مجھ پر یہ خیال سوار ہوا ہے کہ میں...... کامران نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ وہ خود بھی نہیں سمجھ سکا تھا کہ اچانک اس کے ذہن پر اب یہ احساس بری طرح مسلط ہو گیا تھا۔ ایک شدید اکتاہٹ اس کے وجود پر سوار تھی۔ وہ سب کچھ بھول جانا چاہتا تھا۔ گرشک، سیتا، علی سفیان، بہت سے کرداروں کی مالک اینہ سلفا...... پھر کرنل گل نواز اس کا سارا خاندان...... بہت وفا کی ہے میں نے اس خاندان سے بہت کچھ کیا ہے۔ لیکن خود میری زندگی۔'' کامران نے سوچا۔

پھر اس نے کچھ فیصلے کیے، حسن شاہ کو بھی اس نے ان فیصلوں میں شامل نہیں کیا تھا۔ وطن واپسی بے کار ہے۔ کسی نہ کسی طرح وہ پھر انہیں الجھنوں میں پھنس جائے گا۔ دنیا بے حد وسیع ہے کوئی یاد تو نہیں کر رہا اسے وطن میں، اس کا اپنا کون ہے کون سی ذمہ داری ہے اس کے اوپر...... ہاں۔ بس اب ہر طرح کی غلامی سے آزادی ضروری ہے۔

حسن شاہ نے پھر اس کے بارے میں کوئی بات نہیں کی تھی یہاں تک کہ ایک دن کامران نے حسن شاہ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ وہ اسی دوران بہت سے عمل کرتا رہا تھا۔ اس نے ایسی جگہوں کے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں جہاں ہر طرح کے ناجائز کام ہوتے تھے۔ انہیں میں انسانوں کی اسمگلنگ بھی تھی۔ ایسے میں ایک ایجنٹ کے ساتھ وہ ایک سمندری جہاز پر پہنچا تھا۔ ایجنٹ نے اس سے رقم لی تھی اور پھر اسے جہاز کے کپتان کے سامنے پیش کر دیا تھا۔

"تم خلاصی کی حیثیت سے کام کرنا چاہتے ہو۔" کپتان نے پوچھا۔

"ہاں......" کامران نے جواب دیا۔

"مگر تم ایسے لگتے تو نہیں ہو۔"

"کیسے؟"

"میرا مطلب ہے محنت کرنے والے۔"

"ایسی بات نہیں ہے۔"

"پڑھے لکھے ہو۔"

"معمولی سا......" کامران نے جواب دیا۔

"ایک بات کا جواب دو۔"

"پوچھو......" کامران نے بے زاری سے کہا۔

"دیکھو۔ جواب دینا ضروری ہے۔"

"ہاں بھائی پوچھو۔"

"کوئی قتل وغیرہ کیا ہے؟"

"نہیں؟"

"کوئی اور جرم......"

"ہاں......!" کامران کو اب غصہ آ گیا تھا۔

"کیا؟"

بیس سال پہلے امرود کے ایک درخت سے بہت سے امرود توڑے تھے۔"

"اچھا......پھر؟"

"کھائے......" کامران سوکھے سے منہ سے بولا۔ اور کپتان سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

پھر صورت حال اس کی سمجھ میں آئی تو اس نے ناراض ہونے کے بجائے ایک قہقہہ لگایا اور بولا۔

"ایسے لوگ میری پسند ہیں۔ او کے......او کے۔ مگر تمہیں تھوڑی سی تکلیف اٹھانی پڑے گی۔"

"اٹھاؤں گا۔" کامران نے جواب دیا۔

اس کے بعد ایک ہفتے تک اسے جہاز میں چھپے رہنا پڑا تھا۔ واپس جا سکتا تھا۔ لیکن!......وہ صرف ان حالات سے نکلنا چاہتا تھا۔ حسن شاہ اسے تلاش کر رہا ہوگا......اس سے بچنا بھی ضروری تھا اور وہ بے لگام اسمگل ہو کر جا رہا تھا۔ دوسرے بہت سے معاملات بھی ضروری تھے۔ پھر ایک ہفتے کے بعد جہاز نے بندرگاہ چھوڑ دی اور کامران خلاصیوں کی وردی میں آ گیا۔

وہ خوش تھا اس کا دل چاہتا تھا کہ ماضی کا ایک بھی نقش اس کے ذہن پر نہ رہے۔ سب کچھ بھلا جانا چاہتا تھا وہ۔ آخری نشانی ایک بہن تھی وہ بھی نہ رہی۔ وہ ایک نئی دنیا کا نیا انسان بننا چاہتا تھا۔ کپتان بھی اچھا آدمی تھا اس سے مہربانی سے پیش آتا تھا۔ شاندار زندگی گزارنے کے بعد یہ مشقت کی زندگی کا

ایک الگ مزہ رکھتی تھی۔ فرش دھونا، فرنیچر کی صفائی کرنا، مشینوں میں تیل ڈالنا یہ اس کے کام تھے۔ زندگی میں تبدیلی ویسے بھی بڑی دل کش ہوتی ہے۔ ان کاموں میں اسے بہت لطف آ رہا تھا۔ پھر اس کی ملاقات جہاز کے فورمین سے ہوئی۔ یہ ایک عمر رسیدہ آدمی تھا اور اس کا نام ڈیوسن تھا۔ ڈیوسن ایک پر محبت شخصیت کا مالک تھا اور خود بہ خود کامران کی جانب راغب ہوا تھا۔ اس نے کہا تھا۔

کہ کامران اس کے ایک ایسے بھائی کا ہم شکل ہے۔ جو اب اس دنیا میں نہیں ہے بہرحال وہ کامران سے بہت زیادہ متاثر ہو گیا تھا اور کامران کا زیادہ وقت اسی کے ساتھ گزرتا تھا۔ بہرحال نہ جانے کیا بات تھی کہ جہاز کے دوسرے خلاصی بھی کامران سے کچھ دبے دبے سے رہتے تھے اور یوں لگتا تھا جیسے وہ اسے اپنے آپ سے برتر سمجھتے ہوں۔ کامران کی فطرت کا تجزیہ کپتان نے بھی کیا تھا۔ دوسرے خلاصی مختلف قسم کے گھٹیا کاموں میں مصروف رہتے تھے۔ جن میں شراب نوشی بھی تھی لیکن کامران شراب وغیرہ نہیں پیتا تھا۔

بہرحال سمندر کے سفر کا یہ انوکھا تجربہ بھی اس کی زندگی میں ایک نمایاں مقام رکھتا تھا۔ اس کے علاوہ اسے شدت کے ساتھ اس بات کا احساس ہوا تھا کہ زندگی کی سب سے خوشگوار اور سب سے تکلیف دہ کیفیت ماضی کی یادیں ہیں۔ وہ کردار ہیں۔ جو زندگی سے چمٹے ہوتے ہیں۔

بہرحال وہ ان کرداروں کو بھولنے کی کوشش کرتا تھا۔ البتہ ایک بات ضرور تھی کہ ان میں کوئی دکھ بھری یاد نہیں تھی۔ ہر لمحہ اسے یہ بھی خطرہ رہتا تھا کہ وہ پراسرار کردار جو اس کی زندگی کا ایک حصہ بنے ہوئے ہیں کہیں دوبارہ اس سے نہ آ چمٹیں جہاز اپنی پہلی منزل پر پہنچ گیا۔ خلاصی سیر کے لیے جہاز سے چلے جاتے۔ لیکن کامران کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ اپنے کاموں میں مصروف رہتا تھا۔ بلکہ اس نے ڈیوسن سے جہاز کی مشینری کے بارے میں بھی معلومات حاصل کی تھیں اور اسسٹ کرنے لگا تھا۔

یہاں اس ملک میں جہاں پر سامان لوڈ ہوتا تھا۔ بھاری کرینیں مال لوڈ کر رہی تھیں۔ اس شام بارش ہو چکی تھی۔ مطلع اب بھی ابر آلود تھا۔ سامان تیزی سے جہاز میں لوڈ کیا جا رہا تھا۔ کیونکہ یہ خطرہ تھا کہ کارٹن بھیگ نہ جائیں۔ کرینیں کام کر رہی تھیں اور مال بندرگاہ سے جہاز پر آ رہا تھا۔ کپتان ایڈلے اپنی نگرانی میں سامان بھی لوڈ کرا رہا تھا کہ ایک حادثہ ہو گیا۔ کرین کافی وزن لا کر جہاز کی طرف آ رہی تھی کہ اس کے کنڈے کا تار ٹوٹ گیا۔ بھاری پیٹیاں عین اسی جگہ چھوٹ گئیں۔ جہاں ایڈلے کھڑا ہوا تھا۔

کامران اس کرین پر کام نہیں کر رہا تھا۔ بلکہ وہاں سے کچھ فاصلے پر کسی اور کام میں مصروف تھا۔ نہ جانے کس طرح اس کی نگاہیں اوپر کی جانب اٹھ گئیں اور پھر باقی جو کچھ ہوا اس میں اس کی سوچ یا اس کی نیت کا کوئی دخل نہیں تھا۔ اس نے غیر ارادی طور پر چھلانگ لگائی تھی۔ ٹنوں وزنی پیٹیاں نیچے آ رہی تھیں اور ان کا احاطہ بے حد وسیع تھا ان پانچ سات گز کے دائرے میں ان سے بچنا ناممکن تھا۔ چنانچہ کامران نے کپتان ایڈلے کی کمر میں ہاتھ ڈالا اور اسے اٹھا کر ایک لمبی چھلانگ لگا دی۔ یہ ایک چھلانگ اسے پیٹیاں گرنے سے تھوڑے فاصلے پر لے گئی اور دوسری چھلانگ زمین پر پاؤں لگاتے ہی اس نے لگائی تھی اور وہ کپتان کو لیے ہوئے جہاز کی بلندی سے سمندر میں آ رہا تھا۔ دبی دبی سی چیخیں چاروں طرف سے ابھریں کپتان ایڈلے ایک لمحے کے لیے حواس کھو بیٹھا۔ پیٹیوں کی زد میں آ کر چھ افراد ہلاک اور چھ شدید زخمی

ہو گئے تھے۔

کپتان کے بچنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اگر کامران اسے پکڑے ہوئے جہاز کے عرشے پر رک بھی جاتا تب بھی گرنے والی پیٹیوں کے دائرہ عمل سے الگ نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن سمندر میں لگائی جانے والی چھلانگ سے خود اسے بھی بچا لیا تھا اور اسے بھی۔ البتہ جہاز کا وہ حصہ بری طرح متاثر ہوا تھا۔ اوپر زبردست چیخ و پکار مچی ہوئی تھی۔ ایڈلے نے اوپر دیکھا اور پھر اپنے کپتانی کے لباس کے باوجود تیرنے لگا۔

بہرحال کسی نہ کسی طرح دونوں بلندی پر آ گئے تھے۔ ایڈلے فوراً ہی متاثرہ حصے کی طرف بھاگا اور دیکھ بھال میں مصروف ہو گیا۔ اس نے کامران کی طرف رخ بھی نہیں کیا تھا اور کارروائیوں میں مصروف ہو گیا تھا۔ بہت ہی خوفناک حادثہ تھا۔ مقامی حکام کو بھی اس بارے میں اطلاع دینی پڑی اور وہاں زبردست کارروائیاں شروع ہو گئیں۔ بڑا دکھ بھرا حادثہ تھا۔ کئی ساتھی جدا ہو گئے تھے۔ جن سے کامران کی یہاں اس دوران اچھی خاصی شناسائی ہو گئی تھی۔ ضروری امور طے پائے۔ ان کی آخری رسومات ادا کی گئیں۔ بعض کی نعشیں مقامی حکام کی مدد سے ان کے وطن بھیجی گئیں۔ جہاز پر خاصا سوگ منایا گیا۔

لیکن زندگی بہرحال رواں دواں رہنے کے لیے ہے چنانچہ کچھ عرصے کے بعد جہاز نے وہاں سے بھی لنگر اٹھا دیے اور اپنی دوسری منزل کی جانب چل پڑا۔ یہی زندگی کے معمولات ہیں کوئی بھی حادثہ ہو جائے۔ کوئی بھی بڑے سے بڑا کام ہو جائے۔ زندگی یونہی اپنا سفر کرتی رہتی ہے۔ کامران معمول کے مطابق اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ جہاز کے سفر کو شروع ہوئے دوسرا دن تھا۔ کامران دوپہر کے کھانے کے بعد آرام کرنے کے لیے اپنی آرام گاہ میں آ کر بیٹھا ہی تھا کہ ڈیوسن آ گیا۔

"کامران مسٹر ایڈلے نے تمہیں طلب کیا ہے۔"

"کہاں ہیں وہ؟"

"میرے ساتھ آؤ؟" ڈیوسن نے کہا اور کامران اس کے ساتھ چل پڑا۔ راستے میں اس نے کہا۔

"خیریت تو ہے مسٹر ڈیوسن۔"

"میں نہیں جانتا۔"

"کپتان ایڈلے کہاں ہے؟"

"اپنے کیبن میں۔" ڈیوسن نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ نہ جانے کیوں کامران کو ایک عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ کوئی غلطی تو نہیں ہوئی ہے۔ لیکن بہرحال جو کچھ بھی ہے دیکھنا تو ہے۔ ویسے اب تک یہاں لوگوں کا رویہ اس کے ساتھ بہت ہی اچھا رہا تھا۔ آخرکار وہ کپتان کے کیبن میں داخل ہو گیا۔ کپتان ایک آرام دہ کرسی پر دراز تھا۔ شراب کے برتن اس کے برابر رکھے ہوئے تھے۔ اس نے ڈیوسن کو دیکھا اور بولا۔

"تھینک یو مسٹر ڈیوسن آپ جائیے۔" ڈیوسن وہاں سے چل پڑا اور باہر نکل گیا۔ کپتان نے شراب کا ایک اور گلاس بنایا اور بولا۔

"کیا میرا ساتھ دینا پسند کرو گے۔"

"نہیں سر! میں نہیں پیتا۔" کامران نے جواب دیا۔

"ہاں! مجھے اس بات کا علم تو ہے۔ لیکن اگر میں تمہیں پیش کروں۔"

"میں آپ کا دلی شکریہ ادا کروں گا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ یہ بہت بڑا اعزاز ہے میرے لیے۔ لیکن سر! میرا نام کامران ہے اور میرا تعلق جس مذہب سے ہے اس میں شراب کی ممانعت کی جاتی ہے۔ میں نہیں پیتا اور میں نے کبھی نہیں پی۔"

"تب میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔ پلیز بیٹھ جاؤ۔"

"سر......!"

"بیٹھ...... جاؤ...... یار میں تم سے کہہ رہا ہوں...... بیٹھو......" کپتان نے دوستانہ انداز میں کہا اور کامران بیٹھ گیا۔ کپتان بولا۔

"میں نے تمہارے احسان کا شکریہ ادا نہیں کیا۔ یہ لفظ اخلاقی حیثیت سے رائج ہے۔ لیکن میرے نزدیک یہ احسان کا بدلہ نہیں بن سکتا۔"

"سر! میں نے آپ پر کوئی احسان نہیں کیا۔" کامران بولا۔

"نہیں میری جان! یہ حقیقت پسندی کا دور ہے۔ آج بھی لوگ کسی کو تکلیف میں دیکھ کر کبھی کبھی کچھ کر بھی دیتے ہیں لیکن کسی کے لیے اپنی زندگی کو ہلاکت میں ڈال دینا ایک الگ عمل ہے اور تم نے ایسا ہی کیا تھا۔ تم اس کرین کی زد میں نہیں تھے۔ لیکن تم نے اس کی زد میں آ کر مجھے سنبھالا اور چھلانگ لگا دی۔ تمہاری دوسری چھلانگ بھی قابل تعریف تھی۔ تمہارے بارے میں مجھے یہ اندازہ تو پہلے ہی ہے کہ تم غیر معمولی شخصیت کے مالک ہو بلکہ جب تم جہاز پر آئے تھے تب بھی میں نے یہی بات کہی تھی کہ کیا تم خلاصیوں میں کام کر سکو گے۔"

"بہرحال تم غیر معمولی انسان ہو۔ انتہائی طاقتور پھرتیلے اور ذہین۔ میں نہیں جانتا کہ تم کن حالات کا شکار ہو کر اس جہاز تک پہنچے ہو اور اس کام پر آمادہ ہوئے ہو۔ یہ بتاؤ اپنا وطن کیوں چھوڑ دیا تم نے۔"

"سر! وطن میں میرا اپنا کوئی نہیں تھا۔ میں ہر جگہ تنہا تھا اور تنہا ہوں۔"

"تعلیم یافتہ ہو۔"

"تھوڑا بہت۔"

"اس کے بعد کیا کرنے کا ارادہ ہے۔"

"کچھ نہیں سر! جس وقت تک آپ اس جہاز پر رہنے دیں گے رہتا رہوں گا اور جب آپ کو میری ضرورت نہیں رہے گی کہیں اتر جاؤں گا۔"

"تم نے چونکہ میری زندگی بچائی ہے خیر زندگی کا کوئی معاوضہ تو کبھی نہیں ہوتا نہ کچھ دیا جا سکتا ہے۔ اتنا میں ضرور پیش کش کرتا ہوں میں کہ تم جس ملک میں بھی اترنا چاہو میں تمہارا وہاں بندوبست کر دوں گا۔ اگر جہاز پر رہنا پسند کرو گے تو جب تک میں اس جہاز پر نوکری کر رہا ہوں اس وقت تک تم میرے ساتھ جہاز پر رہ سکتے ہو۔ تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔"

"آپ نے بہت بڑی بات کہہ دی ہے سر! میں اس کے لیے شکریہ......"

"نہیں...... تم شکریہ نہیں ادا کرو گے میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ کسی اچھی بات کا شکریہ ادا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کے اثر کو زائل کر دیا جائے۔ آج سے میں تمہیں، جہاز کے کیبن میں سپروائزر کی ڈیوٹی دیتا ہوں۔ تم خلاصی کا کام نہیں کرو گے۔ مسافروں کے آرام کا خیال تمہاری ڈیوٹی ہوگی ان کی کیبنوں کو ضرورتوں کی چیزیں فراہم کرو گے۔ دس افراد تمہاری ماتحتی میں کام کریں گے۔"

"میں بہت خوش ہوں سر! اور آپ کے حکم کے مطابق شکریہ نہیں ادا کروں گا۔" کامران نے مسرور لہجے میں کہا اور جہاز پر ایک نئی زندگی کا آغاز شروع ہو گیا۔ کامران کو اپنے فیصلے پر خوشی تھی۔ کرنل نواز نے بہت اچھا سلوک کیا تھا اس کے ساتھ بڑی اچھی زندگی دی تھی اسے بڑا باعزت مقام دیا تھا لیکن بعد میں وہ جن طلسمی حالات کا شکار ہو گیا تھا۔ انہوں نے اسے خاصا بددل سا کر دیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ بڑے بڑے مہم جو بڑے بڑے ارب پتی اور کھرب پتی اس کی نگاہوں میں ہیچ ہو گئے تھے۔ کیونکہ جو خزانہ اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا۔ اس کے بعد دولت کی کوئی وقعت نہیں رہی تھی اس کی نگاہوں میں۔

خزانے اس طرح غاروں میں پڑے رہتے ہیں اور ان کا کوئی مقام نہیں ہوتا۔ زندگی میں آزادی کی چند سانسیں ہر چیز سے زیادہ قیمتی ہوتی ہیں۔ نہ اسے پاتال پرستی کی کوئی فکر تھی۔ بلکہ اب تو وہ اس جنجال سے نکلنا چاہتا تھا۔ سمندری سفر تو بہت ہی زیادہ دل کش تھا۔ کیونکہ ہر طرح کے الجھے ہوئے معاملات سمندر میں ختم ہو جاتے تھے۔ غرض یہ کہ جہاز کا یہ سفر جاری رہا۔ کچھ دنوں کے بعد ایک اور ملک میں قیام کیا گیا اور جہاز لنگر انداز ہو گیا۔ یہ جہاز کارگو اور مسافر بردار دونوں حیثیتوں کا حامل تھا۔ نئے ملک میں نئے کام شروع ہو گئے اور کامران بھی اپنے فرائض پورے کرنے لگا۔

مسافروں کو معلومات فراہم کرنا اس کی ذمے داری تھی۔ انہی معلومات فراہم کرنے کے دوران اس کی ملاقات سدرہ بیکان سے ہوئی۔ یہ ایک انتہائی ماڈرن اور خوب صورت لڑکی تھی۔ بڑے متناسب اور بے حسین قد و قامت کی مالک اس کا تعلق یمن سے تھا۔ وہ سیاہ نقاب لگائے ہوئے تھی۔ اس کے کاغذات کچھ گڑبڑ تھے۔ چنانچہ اس نے کامران سے رجوع کیا۔

"مجھے بتایا گیا ہے کہ میرے کاغذات درست نہیں ہیں۔ وقت بالکل نہیں ہے۔ اگر میں اس جہاز سے روانہ نہ ہو سکی تو میرے لیے بڑی مشکلات کھڑی ہو جائیں گی۔"

"آپ کے کاغذات درست ہو جائیں گے مس......"

"سدرہ بیکان......" اس نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے مس بیکان۔"

"آپ کا بے حد شکریہ۔" اس نے کہا اور کامران نے اس کے کاغذات کی درستگی کے احکامات جاری کر دیے اور اس کے بعد وہ اپنے دوسرے معمولات میں مصروف ہو گیا۔ سدرہ بیکان کی آنکھیں تھوڑی دیر تک اس کے ذہن میں رہی تھیں۔ نقاب کے پیچھے سے ان آنکھوں کی بے چینی ایک عجیب سی دلکشی کی حامل تھی۔

بہرحال اس کے بعد وہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ سدرہ بیکان اسے دوبارہ نہیں ملی تھی۔ آخر کار جہاز نے لنگر اٹھا لیے اور کیبن انچارج کی حیثیت سے کامران کیبنوں کی چیکنگ میں مصروف ہو گیا۔

فرسٹ کلاس کے ایک کیبن پر اس نے دستک دی۔ تو اندر سے ایک نغمہ بار آواز سنائی دی۔

"آ ؤ...... کون ہے۔" کامران کیبن کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ تو اس نے ایک انتہائی حسین خاتون کو کسی رسالے کی ورق گردانی میں مصروف دیکھا۔ خاتون نے نگاہیں اٹھا کر کامران کی طرف دیکھا اور کامران کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ اس کے خدوخال تو اجنبی تھے لیکن آنکھیں اجنبی نہیں تھیں۔ یہ وہی آنکھیں تھیں جو دیر تک اس کے ذہن پر چھائی رہی تھیں۔ دفعتہً اس کی آواز ابھری۔

"اوہو...... آپ...... آیئے خیریت۔"

"میں کیبن سپروائزر ہوں۔"

"اوہو...... اچھا تو آپ اپنی ڈیوٹی سرانجام دیتے ہوئے ادھر تشریف لائے ہیں۔"

"جی بالکل...... آپ بتایئے آپ کو یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔"

"آپ بیٹھیے تو سہی...... مجھے کیا کیا تکلیفیں ہیں میں ذرا آپ کو اطمینان سے بتاؤں گی۔" وہ ایک شوخ سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"جی فرمایئے۔"

"آپ میری تکلیف کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔"

"جی بے شک اس جہاز پر جب تک آپ کا یہ سفر جاری ہے میرا یہ فرض ہے کہ میں آپ کو کوئی تکلیف نہ پہنچنے دوں۔"

"اور جب یہ جہاز کا سفر ختم ہو جائے تب۔" اس نے بدستور شرارت بھرے لہجے میں کہا۔ کامران کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ چند لمحے مسکراتی رہی پھر بولی۔

"اصل میں...... میں تنہائی کی تکلیف کا شکار ہوں۔ بڑی بوریت میں وقت گزر رہا ہے۔ بس یہ چند رسالے ہیں میرے پاس جو میرا ساتھ دے رہے ہیں ورنہ۔"

"آپ انہیں پڑھ لیں تو میں آپ کو کتابیں اور رسالے فراہم کر دوں گا۔ جہاز کی لائبریری میں ہر طرح کا لٹریچر موجود ہے۔"

"کیا وہ بولتے بھی ہیں۔" اس نے کامران کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں بولتے تو نہیں۔"

"تو پھر کیا فائدہ۔ ہاں اگر آپ جیسا ساتھی کچھ وقت کے لیے مجھے مل جائے تو......"

"اوہ...... آپ جب بھی مجھے طلب فرمائیں گی میں حاضر ہو جاؤں گا۔ میری ڈیوٹی تو جہاز کے سب کیبنوں میں ہوتی ہے۔"

"دیکھیں...... انسان کو کب کس چیز کی ضرورت پیش آ سکتی ہے وہ کیا بتائے اب میرا کافی پینے کو دل چاہ رہا ہے۔ لیکن تنہا کافی پینے میں کوئی مزہ نہیں ہوتا۔"

"جہاز میں آپ کے ہم منصب لوگ موجود ہیں۔ شام کو کسی کلب کی تفریحات شروع ہو جاتی ہیں لہٰذا آپ یقیناً ہماری فراہم کردہ تفریحات سے لطف اندوز ہوں گی۔" کامران کے ان الفاظ پر اچانک ہی

اس کے چہرے کے نقوش بدل گئے اور پھر وہ سرد لہجے میں بولی۔

''بہت شکریہ...... سپروائزر صاحب اگر کوئی تکلیف ہوئی تو آپ کو اطلاع دے دی جائے گی۔''

یہ کہہ کر اس نے پھر وہی رسالہ اٹھالیا۔ کامران ایک لمحے کے لیے وہاں رکا اور پھر باہر نکل آیا۔ وہ کچھ لمحات تک اس کے ذہن میں سوچ بنی رہی تھی۔ لیکن اس کے بعد وہ اپنے کاموں میں مصروف ہوگیا۔ ہر قسم کی الجھنوں سے پاک رہ کر اب وہ اپنا وقت گزارنا چاہتا تھا۔ پہلے ماضی کے الجھے ہوئے جال ختم ہوجائیں اس کے بعد فیصلہ کرے گا کہ آگے کیا کرنا چاہیے بے شک ایک حسین وجود نے اس کی پذیرائی کی تھی۔

لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ نہ جانے کیسی کیسی نگاہوں کا مرکز رہ چکا تھا۔ اس کے بعد وہ اپنے کاموں میں مصروف ہوگیا۔ شام ہوگئی۔ رات کو اس کی ڈیوٹی ختم ہوجاتی تھی اور رات کا سپروائزر اپنی ذمے داریاں سنبھال لیتا تھا۔ ڈیوٹی کے خاتمے کے بعد وہ لباس تبدیل کرکے باہر نکل آیا۔ ڈیوٹی ختم ہوجاتی تھی تو اس کے بعد کسی پر کوئی پابندی نہیں رہ جاتی تھی۔ اس کے علاوہ اسے خصوصی مراعات حاصل تھیں۔ کیونکہ کیپٹن اسے بڑی اہمیت دیتا تھا۔

لیکن ابھی تک اس نے کیپٹن کی دی ہوئی مراعات سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا تھا۔ جب کہ کیپٹن اس سے پوچھتا رہتا تھا کہ اسے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔ اب یہاں کچھ لوگوں سے اس کی شناسائی بھی ہوگئی تھی۔ چند لمحوں بعد وہ کلب میں داخل ہوگیا۔ یہاں وہ لوگ موجود تھے جن کی اس وقت ڈیوٹی ختم ہوگئی تھی۔ کلب میں رونقیں شباب پر تھیں۔ دفعتاً اسے ایک مترنم آواز سنائی دی۔

''ہیلو......'' وہ چونک کر اس سمت پلٹا۔ وہی بیٹھی ہوئی تھی اور اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اسی نے اسے آواز دی تھی۔ کامران نے اسے دیکھا تو وہ مسکرا دی۔ کامران اس کے قریب پہنچ گیا تو وہ بولی۔

''دیکھا ناں غلط تو نہیں کہا تھا میں نے۔ میں اب بھی تنہا ہوں۔''

''میں بیٹھ سکتا ہوں۔''

''بڑی مہربانی کچھ تو رعایت کی تم نے۔'' کامران کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ پھر اس نے کہا۔

''اصل میں مجبوریاں ہوتی ہیں خاتون۔ میں جہاز کا ایک معمولی سا ملازم ہوں اور آپ یقینی طور پر ایک صاحب حیثیت اور صاحب عزت خاتون! مجھے تو آپ سے گفتگو کا سلیقہ بھی نہیں آتا۔''

''گڈ...... چلو چھوڑو ان باتوں کو۔ اب تمہیں کافی کی پیش کش بھی کرسکتی ہوں۔''

''آپ کی نوازش ہے۔ لیکن میزبانی میری رہے گی۔'' وہ ہنس کر خاموش ہوگئی۔ کامران نے ویٹر کو کافی کے لیے کہا اور اس کی طرف متوجہ ہوگیا۔

''آپ کیبن سپروائزر ہیں۔''

''جی۔''

''تب تو خاصا ساتھ رہے گا ہمارا اور آپ کا۔ ویسے جہاں تک میرا خیال ہے آپ کا تعلق ایشیا سے ہی ہے۔''

''جی......''

''کیا نام ہے آپ کا......''

''کامران۔''

''ویری گڈ...... چہرے سے آپ کامران ہی معلوم ہوتے ہیں اپنا نام تو میں آپ کو بتا ہی چکی ہوں۔ یعنی سدرہ بیگان۔ تعلق یمن سے ہے اور حالات عجیب وغریب۔ یہاں میڈرونا میں ایک اہم کام کے لیے آئی تھی اور عجیب وغریب حالات کا شکار ہوگئی۔ اس قدر مشکل وقت گزارا ہے میں نے کہ اگر مضبوط اعصاب کی مالک نہ ہوتی تو پاگل ہوچکی ہوتی۔ کچھ دشمن میری تاک میں ہیں وہ یقیناً میرا ہوائی سفر متوقع کررہے ہوں گے۔ لیکن میں نے انہیں دھوکا دینے کے لیے بحری سفر کا فیصلہ کیا اور میرے سفر کے کاغذات اسی ہنگامہ خیزی میں درست نہ ہوسکے...... میں بڑی تشویش کا شکار تھی کہ اگر مجھے جہاز میں سوار نہ کرایا گیا تو میرا کیا بنے گا۔ ایسے وقت میں آپ نے میری بھرپور مدد کی ہے۔''

''ظاہر ہے میرے لیے تو بہت بڑی بات تھی۔''

''نہیں کوئی ایسی بات نہیں۔'' کامران نے جواب دیا۔ اس کی طلب کردہ کافی آگئی تھی۔ چنانچہ اس نے خود ہی سدرہ بیگان کو کافی دی اور اس نے شکریے کے ساتھ کافی کا کپ قبول کرلیا۔'' پھر بولی۔

''آپ مجھے بہت اچھے لگے ہیں۔ میں بے تکلفی سے آپ سے مخاطب ہوں آپ نے ذرا بھی محسوس نہیں کیا۔ بس یوں سمجھیں کہ میں شدید ذہنی الجھن میں مبتلا ہوئی تھی۔ حالانکہ حالات میرے خود پیدا کردہ نہیں تھے۔ مجھے پہلے سے کچھ بھی نہیں معلوم تھا اس بارے میں۔ بس یوں سمجھیں کہ کچھ پراسرار لوگ میرے پیچھے لگے ہوئے تھے وہ مجھے کیا نقصان پہنچانا چاہتے تھے اور کیوں۔ اس کا مجھے علم نہیں ہوسکا۔ ان کی کارروائیاں بڑی عجیب وغریب تھیں۔''

بہرحال اب یہاں تک بات پہنچی ہے دیکھو! اب کیا ہوتا ہے۔'' آپ کا یہ سفر کہاں تک ہے؟''

''بنگال جارہی ہوں۔ وہیں پراسرار کی سرزمین بنگال پراسرار کہانیوں کی سرزمین ہے۔ آپ تو دنیا گردہیں بنگال گئے ہیں کبھی۔''

''نہیں کیونکہ جہاز پر ملازمت کرتے ہوئے مجھے زیادہ وقت نہیں گزرا ہے۔''

''ویسے ایک بات کہوں آپ سے۔ کہہ سکتی ہوں۔''

''جی...... جی۔'' کامران نے کہا۔

''آپ کی شکل وصورت اور کشادہ پیشانی اس بات کا اظہار کرتی ہے کہ آپ اس معیار اور اس مزاج کے آدمی نہیں ہیں۔ اصل میں آپ کو اتنا بتادوں کہ میں نے نفسیات کی تعلیم حاصل کی ہے۔ چہرہ شناسی سے بہت دلچسپی رکھتی ہوں بہرحال ہوسکتا ہے کہ میرا یہ خیال غلط ہو اور آپ اپنی اس ملازمت سے مطمئن ہوں۔ لیکن بس یہ لگتا ہے کہ آپ کسی خاص وجہ سے یہ ملازمت کررہے ہیں۔'' کامران ہنس کر خاموش ہوگیا۔ کافی دیر تک وہ کامران سے بڑی اپنائیت سے باتیں کرتی رہی اور جب بہت دیر گزر گئی تو اس نے کہا۔

''اب میں جانا چاہتی ہوں۔'' کامران نے کہا۔

''میں آپ کو آپ کے کیبن تک لے کر چلوں۔''

"نہیں تکلیف نہ کریں۔ شکریہ۔" وہ چلی گئی اور کامران قرب و جوار میں ہونے والی تفریحات کا جائزہ لیتا رہا۔ لیکن نہ جانے کیوں سدرہ بیکان نے اس کے ذہن میں ایک خلش سی پیدا کر دی تھی۔ ایک عجیب سا احساس۔ سدرہ بیکان کے نقوش اس کی عمر کسی بھی طرح امینہ سلفا سے میل نہیں کھاتی تھی لیکن جب بھی وہ سدرہ بیکان کو دیکھتا اسے امینہ سلفا یاد آ جاتی۔ امینہ سلفا کا ماضی جو انتہائی پراسرار اور اگر کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ خطرناک تھا...... اور اس کے بارے میں سوچ کر ایک وحشت کا سا احساس ہوتا تھا۔

بہرحال کامران جن حالات سے گزر چکا تھا۔ اس میں سدرہ بیکان یا امینہ سلفا جیسی کوئی شخصیت اسے متاثر نہیں کر سکی تھی۔ ہاں...... یہ الگ بات ہے کہ اس تنہائی میں اسے ایک ایسی شخصیت مل گئی تھی جو انتہائی پراسرار معلوم ہوتی تھی۔ اس نے کچھ ایسے تذکرے بھی کر دیے تھے جو کامران کے لیے الگ حیثیت کے حامل تھے۔ دوسرے دن لنچ کے بعد سدرہ بیکان اسے تلاش کرتی ہوئی پہنچ گئی۔ وہ اپنے معمولات میں مصروف رہا تھا۔ حالانکہ صبح جاگنے کے بعد سدرہ بیکان اسے یاد آئی تھی۔ لیکن خود سے اس کے پاس جانے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ البتہ وہ خود اسے تلاش کرتی ہوئی پہنچ گئی۔

"کمال ہے میں تو سمجھ رہی تھی کہ مجھے ایک اچھا دوست مل گیا۔ جو کم از کم اور کچھ نہیں تو مجھ سے میری خیریت تو معلوم کرتا رہے گا۔"

"واقعی! میری ذمے داری تھی کہ میں آ کر آپ سے آپ کی ضروریات کے بارے میں پوچھوں۔ اصل میں ہوتا یہ ہے کہ جب بھی کیبنوں میں مسافر کسی الجھن کا شکار ہوتا ہے تو مجھے طلب کر لیا جاتا ہے۔ باقی خود سے کسی کے پاس جانے کی اجازت نہیں ہے۔"

"میرے پاس آنے کی بھی نہیں۔"

"نہیں میرا مطلب ہے......" کامران نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

بہرحال اس کے بعد وہ کافی دیر تک کامران کے ساتھ رہی۔ بڑی اپنائیت کا اظہار کر رہی تھی وہ...... پہلا دن...... دوسرا دن اور پھر تیسرا دن گزر گیا۔ سمندر معتدل تھا اور کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی۔ تیسرے دن وہ ڈیک پر ایک گوشے میں آ بیٹھی اور پھر کہنے لگی۔

"اچھا یہ بتایئے مسٹر کامران کبھی ہیگل کے بارے میں کچھ سنا ہے۔"

"مختصراً...... ہیگل کی قدیم تاریخ دنیا کے بہت سے قدیم مقامات سے زیادہ قدیم ہے اس کے بارے میں اکثر مقالے اور مضامین آتے رہتے ہیں۔"

"آپ نے کبھی ان پر غور کیا ہے۔"

"نہیں...... کیوں وہ میری منزل نہیں تھی۔"

"مسٹر کامران بعض چہرے بڑے عجیب ہوتے ہیں۔ ان پر گہری نگاہوں سے ریسرچ کی جائے تو وہ کچھ سے کچھ نکلتے ہیں خیر...... میرے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔"

"آپ...... ایک مہربان خاتون ہیں۔ جو مجھ جیسے جہاز کے معمولی ملازم کو اس قدر عزت دے رہی ہیں۔"

"نہیں پلیز...... اپنے آپ کو معمولی ملازم نہ کہو۔" وہ بے اختیار بولی اور پھر ایک دم خاموش ہو گئی۔ جیسے اسے اپنی اس بے اختیاری پر افسوس ہوا ہو۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"میری زندگی سے کچھ پراسرار واقعات وابستہ ہیں۔ یہ پراسرار واقعات میرے پیدا کردہ نہیں بس یوں سمجھ لیجیے کہ اچانک ہی۔ مجھ پر ان کا انکشاف ہوا کچھ لوگ میرے پیچھے لگ گئے وہ کون ہیں۔ میں آج تک نہیں جان سکی۔ وہ مجھے زندہ نہیں دیکھنا چاہتے اگر میں ان کے ہاتھ لگ جاتی تو یقیناً وہ مجھے قتل کر دیتے۔ موت کا خوف انسان کی فطرت سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ مسٹر کامران بہت عرصے سے اپنی زندگی کے لیے بھاگ رہی ہوں۔ لیکن کبھی کبھی یوں لگتا ہے۔ جیسے میں تنہا کچھ نہیں کر سکوں گی۔ مسٹر کامران مجھے ایک ایسے ساتھی کی ضرورت ہے۔ جو میرا ہمدرد ہو۔ میرے لیے سب کچھ کر سکے۔ نہ جانے کیوں فطرت میری رہنمائی آپ کی طرف سے کر رہی ہے۔ مسٹر کامران...... میں...... میں کیا کہوں آپ سے...... یوں سمجھ لیجیے کہ میری خواہش ہے کہ آپ میری زندگی کا ایک حصہ بن جائیں۔ میں اپنی ساری پریشانیاں آپ کو سونپ کر زندگی گزارنا چاہتی ہوں۔ دیکھیے میں آپ سے کھل کر بات کر رہی ہوں۔ میرے پاس بے پناہ دولت ہے۔ میں آپ کو کسی پریشانی کا شکار نہیں ہونے دوں گی۔ خدا کی قسم میں نے زندگی میں پہلی بار یہ الفاظ کسی سے کہے ہیں۔ میں کوئی بری عورت نہیں ہوں۔ بس یوں سمجھ لیجیے کہ دل آپ کی طرف آمادہ ہو گیا ہے۔ پلیز مجھ پر غور کیجیے گا۔" وہ اچانک اپنی جگہ سے اٹھی اور تیز تیز قدموں سے چلی گئی۔ کامران حیرانی سے اس کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ اسے اپنے آپ پر ہنسی آ رہی تھی۔

دنیا میں لاتعداد انسان تنہا ہی زندگی گزارتے ہیں۔ کبھی ان کی زندگی میں ایسے واقعات پیش آ جاتے ہیں۔ جو ان کے لیے اجنبی ہوتے ہیں۔ لیکن پھر وہ ان سے نکل جاتا ہے اور پھر اس کے بعد ساری زندگی سپاٹ گزر جاتی ہے۔ لیکن کامران کی زندگی سے پراسرار واقعات چپکے ہوئے تھے۔ کرنل گل نواز کو صرف اس لیے چھوڑا تھا کہ گرشک، بیتا، امینہ سلفا اور نہ جانے کون کون سے کردار اس کی ذات سے مسلط ہو گئے تھے۔

اب تو خود اس کی ذات اس قدر پراسرار تھی کہ اگر کسی کو اس کی مکمل کہانی معلوم ہو جاتی تو وہ خود کامران کو انتہائی حیرت کی نگاہ سے دیکھتا۔ جس زندگی سے بچنے کی کوشش میں کامران نے سب کچھ چھوڑ دیا تھا۔ وہ بڑی تیز رفتاری سے اس کی جانب دوڑی چلی آ رہی تھی۔ جہاز کے اس سفر میں بھی اسے ایک انتہائی پراسرار کردار مل گیا تھا۔ جو کسی بھی طور سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ سدرہ بیکان نے اسے جو پیش کش کی تھی وہ بڑی عجیب و غریب تھی۔ لیکن بہرحال کامران اس کے بارے میں غور کر رہا تھا۔ بہت وقت اسی طرح گزر گیا اور نہ جانے کے بعد آخرکار جہاز ہیگل کی بندرگاہ سے جا لگا۔

ہیگل پراسرار روایتوں کا مالک تھا اور یہاں کے بارے میں بہت سی قدیم داستانیں سن رکھی تھیں۔ بندرگاہ کا شہر ہیگل۔ بذات خود ہیگل ہی کے نام سے مشہور تھا۔ کامران مشکل کے عالم میں تھا اور سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے کیا سدرہ بیکان کی پیش کش قبول کر لینی چاہیے۔ بات وہی تھی۔ جن الجھنوں سے بچا گیا تھا۔ کہیں وہی الجھنیں اس پر دوبارہ مسلط نہ ہو جائیں۔ سدرہ بیکان جوں جوں ہیگل قریب آتا جا رہا

تھا اس کی خوشامدوں میں مصروف ہو گئی تھی۔

بہر حال جہاز کے بندرگاہ سے لگنے کے بعد مسافر اترنے لگے۔ کامران اپنی ذمے داریوں میں مصروف تھا۔ سدرہ بیکان جہاز سے اتر کر اس کے قریب پہنچی اور بولی۔

"تم نے اب تک مجھے اپنے فیصلے سے آگاہ نہیں کیا کامران۔" اس دوران وہ اسے بے تکلفی سے تم کہہ کر مخاطب کرنے لگی تھی۔

"میں واقعی کوئی فیصلہ نہیں کر پایا۔"

"میں تمہیں کچھ اور تفصیل بتاؤں گی۔ اپنے بارے میں۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے۔ تمہارا یہ جہاز دس دن یہاں رکے گا۔ مجھے تھوڑا سا وقت دو گے۔" "ہاں کیوں نہیں۔"

"تو ٹھیک ہے میں خود تمہیں یہاں آ کر تلاش کر لوں گی۔" وہ چلی گئی تو کامران کو یوں لگا جیسے سر سے کوئی بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ اس دوران بھی اس نے کافی غور کیا تھا۔ سدرہ بیکان پرکشش لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ اس طرح تو زندگی پر ایک بوجھ مسلط ہو جائے گا۔ آزادی کی زندگی حاصل کرنے کے لیے ہی تو وہ اس جہاز پر چڑھا تھا۔ ورنہ حسن شاہ بہت اچھا دوست تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ کسی بھی طور اس پر آمادہ نہیں تھا کہ کرنل گل نواز یا رانا چندر سنگھ کو چھوڑ دے۔

بہر حال وہ جہاز پر اپنی مصروفیات میں مصروف رہا۔ ہر شخص ہی اس کا ہمدرد اور دیوانہ بن گیا تھا۔ خود کیپٹن وغیرہ بھی اس سے بہت زیادہ انسیت کا اظہار کرتے تھے۔ ایڈلے نے تو اس سے کہا تھا۔

"میں تمہارا عہدہ مزید بڑھا سکتا ہوں۔ کم از کم اس وقت تک میری ذات سے منسلک رہو۔ جب تک کہ میں خود آن ڈیوٹی ہوں۔ اگر گہرے سمندروں میں دل بھر جائے تو زندگی کا کوئی اور رخ اپنا لینا۔ ویسے میں تمہیں بتاؤں اگر تھوڑے عرصے تم اس جہاز میں رہے تو یہ تمہیں اپنی اولاد کی مانند محسوس ہونے لگے گا۔ تم اس کی حفاظت کے لیے اپنا سب کچھ لٹا دو گے۔ میں کم از کم یہی محسوس کرتا ہوں۔ کامران ہنس کر خاموش ہو گیا تھا۔

تین دن گزر گئے۔ جہاز کے خلاصی اور عملے کے دوسرے افراد کیپٹن کی اجازت سے ہینگل کی سیر کو چل پڑے تھے۔ پراسرار واقعات کا حامل یہ ملک اور اس کا یہ شہر ایک مخصوص طرز زندگی رکھتا تھا۔ جو کافی دلکش تھی۔

یہاں قدیم معبد پگوڈے اور مندر پھیلے ہوئے تھے۔ یہ بھی بد روایات کا حامل تھا اور یہ بات بڑا باعث دلچسپی تھی کہ یمن کی دوشیزہ یہاں اتر گئی تھی اور اب لاپتا تھی چوتھے دن کامران ہینگل کے ایک بازار سے گزر رہا تھا اور یہاں کے طرز زندگی کو دلچسپی کی نگاہوں سے دیکھتا جا رہا تھا کہ اچانک ہی کسی نے عقب سے اسے آواز دی۔

"مسٹر کامران!" نہ جانے کیوں یہ لہجہ اسے جانا پہچانا محسوس ہوا۔ اور وہ چونک پڑا اس نے پلٹ کر دیکھا۔ تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ یہ شعورہ ثنائی تھی۔ شعورہ قزل ثنائی۔ وہ اس سے چند گز کے فاصلے پر تھی۔ تیزی سے اس کے قریب پہنچی اور اس نے عجیب سی خوشی کے عالم میں کہا۔

"مسٹر کامران کیا واقعی یہ آپ ہی ہیں؟" کامران نے مسکرا کر گردن ہلائی۔

"میڈم آپ......"

"ثنائی...... ثنائی بھی میرے ساتھ ہیں۔ وہ دیکھیں اس دکان پر قدیم نوادرات دیکھ رہے ہیں۔"

کامران اندازہ نہیں لگا سکا کہ انہیں ان لوگوں سے مل کر خوشی ہوئی ہے یا الجھن۔ کیونکہ بہر حال وہ ان الجھنوں سے نکلنا ہی چاہتا تھا۔ پھر شعورہ نے قزل ثنائی کو آواز دی اور قزل ثنائی بھی ایک خوشگوار حیرت کے ساتھ کامران کو ملا۔

"کمال ہے بھئی...... یہ کیسے ہو گیا۔" کامران نے اپنے آپ کو سنبھال کر کہا۔

"کیا باقی لوگ بھی......"

"نہیں ہمارے ساتھ کوئی نہیں ہے۔ ان لوگوں سے ہمارا ساتھ چھوٹ چکا ہے۔" کامران نے ایک گہری سانس لی۔ پھر بولا۔

"یہاں آپ کب سے ہیں۔"

"تھوڑے دن ہی گزرے ہیں۔ زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ ہینگل اپنے ہی ایک کام سے آئے تھے۔ آؤ کچھ وقت تمہارے ساتھ رہے گا۔ تمہیں یہاں دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ ایک کھلے میدان میں نیچے جہاں پارکنگ لاٹ تھی۔ پارکنگ لاٹ سے انہوں نے اپنی کار نکالی۔ قزل ثنائی نے اسٹیرنگ سنبھالا۔ کامران اس کے برابر بیٹھ گیا۔ شعورہ ثنائی پچھلی سیٹ پر جا بیٹھی تھی۔ راستے میں قزل ثنائی نے کہا۔

"لیکن تم ہینگل کب پہنچے؟"

"چار پانچ دن ہو گئے۔"

"کس طرح؟"

"ایک سمندری جہاز پر کیبن سپروائزر ہوں۔"

"کیا؟" قزل ثنائی نے حیرت سے کہا۔

"ہاں......"

"کمال ہے بھئی کمال ہے۔ خیر پہنچنا تو تھا تمہیں یہاں۔"

"کیا مطلب؟" کامران نے سوال کیا اور قزل ثنائی مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ خاموش ہو گیا۔ پھر اس نے کار ایک خوب صورت عمارت کے احاطے میں کھڑی کر دی۔ یہ عمارت بھی ہینگل کی طرز تعمیر کا ایک نادر نمونہ تھی۔

"آپ یہاں رہتے ہیں؟"

"ہاں......"

"تنہا۔"

"تنہا ہی سمجھ لو۔"

"یہ عمارت آپ نے کرائے پر حاصل کی ہے۔"

"نہیں کسی نے مجھے قیام کے لیے دی ہے۔"

"کس نے؟"

کہانی سنی تھی وہ بھی بڑی حیران کن تھی۔ امینہ سلفا کے بارے میں تفصیلات معلوم ہوئی تھیں وہ بھی دماغ چکرا دینے والی تھیں اور بعد میں امینہ سلفا جو کچھ ثابت ہوئی اس نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ قزل شانی کا کہنا بالکل سچ تھا۔ یہ شخص واقعی صاحب علم ہے اور اس نے جو کچھ کہا ہے۔ اس کی کچھ نہ کچھ حیثیت ضرور ہے لیکن پھر کیا کروں میں، کرنل گل نواز میرے لیے انتہائی قابل احترام ہستی تھی۔ لیکن میں نے اسے صرف ان واقعات سے بچنے کے لیے چھوڑ دیا۔ کیا قزل شانی اس بارے میں میری رہنمائی کر سکتا ہے۔ پھر کامران نے سونے کی کوشش شروع کر دی۔

دماغی تھکن اس طرح دور ہو سکتی تھی۔ جہاں تک جہاز کا مسئلہ تھا۔ اس نے ایک دم ہی فیصلہ کیا تھا کہ وہ اب جہاز پر واپس نہیں جائے گا۔ بے شک وہاں اس کے کچھ لوگوں سے بہت اچھے تعلقات ہو گئے تھے۔ خاص طور سے کپتان ایڈلے ڈیوسن اور چند دوسرے افراد اس کے ساتھ بڑی محبت سے پیش آئے تھے اور اسے اپنے درمیان رکھنا چاہتے تھے۔ لیکن کامران کا دل ایک دم اب اس عمل سے اچاٹ ہو گیا تھا۔ اگر واقعی قزل شانی کا کہنا درست ہے تو پھر میں کس طرح ان حالات سے بھاگ سکوں گا۔ مگر واہ...... اسے تقدیر کہاں سے گھیر کر کہاں لائی۔ نہ مسجد میں الیاس احمد ملتے نہ کرنل گل نواز تک رسائی حاصل ہوتی اور نہ یہ اس کے بعد پیچ در پیچ واقعات کا عظیم الشان سلسلہ شروع ہوتا۔

کمال ہے کہانی کا آغاز کہاں سے ہوتا ہے اور اختتام...... اختتام کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ کہاں ہوگا۔ نہ جانے کب نیند آ گئی جاگا تو شام کے چھ بج رہے تھے۔ اپنی جگہ سے اٹھا۔ ملحق باتھ روم میں منہ ہاتھ وغیرہ دھویا بال سنوارے باہر نکلا ہی تھا کہ شعورہ نظر آ گئی۔ مسکرا کر گردن ہلائی اور بولی۔

"بس اب میں تمہیں جگانے آ رہی تھی۔ لان پر شانی تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ چائے لے کر آ رہی ہوں لان پر چلے جاؤ۔" پہلی بار کامران نے محسوس کیا کہ اس عمارت میں قزل شانی اور شعورہ شانی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ شعورہ سارے کام خود ہی اپنے ہاتھوں سے کرتی ہے یہ بڑے تعجب کی بات تھی۔ قزل شانی کے بارے میں اسے یہ علم ہو چکا تھا کہ وہ لیبیا کا رہنے والا ہے۔ لیکن یہاں ہیگل میں اس کا یہ انداز بڑا عجیب سا تھا۔ قزل شانی نے مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کیا تھا۔ اس کے سامنے ایک بہت ہی خوب صورت پیڈ رکھا تھا اور وہ اس کے اوپر لکیریں بنا رہا تھا۔ اسے دیکھ کر اس نے پین بند کیا اور بولا۔

"تمہارے چہرے کی شگفتگی بتا رہی ہے کہ تم نے ایک خوشگوار نیند لی ہے۔"

"ہاں......"

"اور یہ لکیریں مجھے بتا رہی ہیں کہ تم نے بہت سے فیصلے کیے ہیں۔"

"لکیریں؟" کامران نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ہاں...... کتابی علم سے حاصل ہونے والی معلومات دیکھو! خواہ مخواہ فضول باتیں کرنے لگ جاتا ہوں۔ اچھا ایمان داری سے ایک بات بتاؤ کہ کیا تم نے جہاز پر جانے کا ارادہ ترک نہیں کیا۔"

"کر دیا ہے۔"

"یہ لکیریں بتاتی ہیں کاش! میں تمہیں بتا سکتا کہ لکیروں کا علم کیا ہوتا ہے یہ اس کائنات کا پراسرار

ترین علم ہے اور میں تمہیں بتاؤں کہ یونان کے ایک باشندے سورانوس نے یہ علم حاصل کیا تھا۔ اس کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ دیوی زیوس اور دیوتا اسپادو تک اس کی رسائی ہو چکی تھی اور ان دونوں نے اسے اپنا دوست مان کر اسے اپنا یہ علم دیا تھا۔ اہل یونان اس بات کو ایک روایت کے طور پر بیان کرتے ہیں۔ لیکن اس شخص کی ایک کتاب کا قلمی نسخہ میرے ہاتھ لگ گیا تھا۔ اس قلمی نسخے میں وہ لکیروں کے اس علم کے بارے میں دنیا کو بتانا چاہتا تھا۔ لیکن تقدیر نے اسے مہلت نہیں دی اور وہ آخر کار موت کی آغوش میں چلا گیا۔ یہ قلمی نسخہ بڑے پراسرار حالات میں مجھ تک پہنچا اور میں نے اس پر سالہا سال صرف کیے۔

یہ لکیریں بڑا سچ بولتی ہیں ہم اس سچ کو یونانی سچ کہتے ہیں۔ قزل شانی کا لہجہ خواب ناک ہو گیا۔ یہ شخص اب کامران کے لیے بہت زیادہ پراسراریت اختیار کرتا جا رہا تھا اس نے کہا۔

"میں چاہتا ہوں کامران میں تمہیں بہت سی حقیقتوں سے آشنا کروں۔ بولو کیا میری کچھ وقت کی زحمت قبول کرو گے۔"

"ہاں۔" کامران نے پراعتماد لہجے میں جواب دیا۔

"شعورہ چائے لا رہی ہے۔ اپنی باتیں اپنے ہی درمیان ہونی اور رہنی چاہئیں وہ بہتر ہوتا ہے۔" کامران واقعی ایک طلسمی جال میں جکڑا گیا تھا۔ اسے مختلف لوگوں نے علم دیا تھا۔ جسمانی طور پر اس وقت وہ ایک طاقت ور ترین انسان تھا اور بہت کچھ کر سکتا تھا۔ جہاز پر اس نے کپتان ایڈلے کو جس طرح گود میں اٹھا کر پٹخا مارا تھا۔ وہ ایک انسانی طاقت نہیں تھی۔ بلکہ گرشک اور سیتا کی تربیت کی دی ہوئی طاقت تھی جس نے اسے زمین پر قدم ٹکائے بغیر ایڈلے کو بازوؤں میں دبوچ کر عرشے سے سمندر تک جانے کی قوت بخشی تھی۔

شعورہ ٹرالی دھکیلتی ہوئی پاس پہنچ گئی۔ ٹرالی پر بہت سا سامان لدا ہوا تھا۔ کامران نے ہنس کر کہا۔

"مسز میرا خیال ہے کہ اگر میں ایک ہفتے تک آپ کے پاس ٹھہر گیا تو میرا وزن خوب بڑھ جائے گا۔"

"نہیں...... نہیں، ایسی بات نہیں ہے اس میں ایسی چیزیں زیادہ نہیں ہیں جس میں کولیسٹرول یا فیٹ ہو پلیز! مجھے خوشی ہو رہی ہے کہ میں ایک مہمان کی مدارات کر رہی ہوں اور مہمان بھی وہ جو انتہائی پراسرار قوتوں کا حامل ہے کھانے پینے کی چیزوں سے فراغت حاصل کی گئی پھر شعورہ نے کہا۔

"قزل کی آنکھوں سے پتا چلتا ہے کہ اب اس کی خواہش ہے کہ میں اندر چلی جاؤں رات کا کھانا بنانا ہے مجھے، اس لیے مجھے اجازت۔"

"ایک درخواست کے ساتھ۔" کامران نے کہا۔

"ہاں...... کہو...... کہو مسز کہہ رہے ہو مجھے اور درخواست کر رہے ہو؟"

"کوئی بہت ہی ہلکی پھلکی چیز رات کے کھانے میں ہو آپ اپنے لیے کچھ بھی کریں۔"

"او کے...... او کے۔" شعورہ نے کہا اور وہاں سے ٹرالی دھکیلتی ہوئی چلی گئی۔ تو قزل شانی نے وہ پیڈ سامنے رکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں اب اجازت ہے کہ تمہیں پریشان کروں۔"

''میں پریشان ہونا چاہتا ہوں۔'' کامران نے ایک خوش گوار مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''میں بہت خوش ہوں کہ تم ایک شگفتہ مزاجی کے ساتھ ان الجھے ہوئے حالات کو سننا چاہتے ہو جو کسی کے بھی ذہن کو خراب کر سکتے ہیں۔ میرے دوست یہ مزاجی شگفتگی انسان کو لاتعداد مسائل سے نکال لیتی ہے اور وہ خوش گوار حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے۔ میرا مطلب ہے کہ خوش مزاجی کے ساتھ وہ ہر قسم کے حالات کا مقابلہ کر لیتا ہے۔ دیکھو میں تمہیں پہلے تھوڑی سی تفصیل بتاتا ہوں۔ علی سفیان مصر کا ایک دولت مند انسان ہے۔ اس نے زندگی میں عیش و عشرت کے سوا کچھ نہیں کیا ہے۔ وہ فطرتاً مہم جو ہے اور اسی مہم جو فطرت سے متاثر ہو کر اس نے بہت سے الجھے ہوئے سفر کیے ہیں۔ جن میں اس کی زندگی لاتعداد بار خطروں سے دوچار ہوئی۔ پھر اینہ سلفا جو درحقیقت ایک پراسرار کردار ہے۔ اس کی زندگی میں داخل ہوئی۔ اینہ سلفا کے بارے میں لکیریں کہتی ہیں کہ یہ ایک عجیب و غریب کردار ہے ایسا جسے ماضی کا ایک عفریت کہا جا سکتا ہے۔

یعنی وہ ایک ایسی شخصیت ہو سکتی ہے۔ جو بس میں تمہیں صحیح الفاظ میں نہیں بتا سکتا۔ مجھے لکیروں میں ایک نام ملتا ہے اور یہ نام ہے اناطوسیہ کامران کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا تھا۔ درحقیقت اینہ سلفا۔ اناطوسیہ کی حیثیت ہی سے اس کے سامنے آئی تھی۔ قزل شائی نے کچھ لکیروں کو اپنے چہرے کے قریب کر کے کہا۔

''اور اینہ سلفا نے صرف اس لیے علی سفیان سے شادی کی کہ علی سفیان اس کے اس مقصد کی تکمیل کرے جو ابھی تک تاریک پردوں میں چھپا ہوا ہے۔ میرے دوست میں تمہیں وہ باتیں بتا رہا ہوں۔ جو گزر چکی ہیں مستقبل کا حال کوئی ذی روح نہیں بتا سکتا۔ کسی بھی حوالے سے لے لو مذہب کے حوالے سے لے لو۔ سائنس کے حوالے سے لے لو، جہاں تک قدرت نے انسان کو اجازت دی ہے وہاں تک انسان اپنے قدم آگے بڑھا سکتا ہے اور جہاں یہ اجازت نہیں ملی ہے۔ وہاں کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ لکیروں کا یہ عمل ماضی کے واقعات کا احاطہ کرتا ہے مستقبل کے نہیں۔ تو میں تم سے کہہ رہا تھا کہ یہ سلسلہ جاری ہوا۔

اب آؤ میں تمہیں تمہارے ماضی کے بارے میں بتاتا ہوں۔ میں نے لکیروں سے تمہارے بارے میں سوال کیا اور لکیروں نے جہاں تک میری رہنمائی کی وہ یہ تھی سادگی سے زندگی گزارنے والے کامران کی زندگی میں کوئی ایک کردار ایسا تھا۔ جسے وہ دل و جان سے چاہتا تھا۔ کوئی حادثہ ہوا، وہ کردار اس سے بچھڑ گیا اور اس کے بعد کامران کو اچانک ہی ایک ایسا کردار ملا جو اس کے لیے اجنبی تھا۔ مجھے معاف کرنا کامران تمہاری عجیب و غریب ذمے داریاں کچھ مخصوص حالات کی بنا پر ہوئیں۔ اب میں تم سے پورے وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ راکان ہونزہ کی تلاش نے تمہیں منتخب کیا تمہارے نقوش ایک ایسے شخص سے ملتے جلتے ہیں جو ایک انوکھی دنیا کے لیے ایک انوکھا کردار تھا۔

میرے دوست میں کوئی جادوگر، عامل، نجومی یا کوئی بہت بڑا عالم نہیں ہوں۔ میں نے تمہیں اپنی حقیقت بتادی کہ لکیروں کا علم مجھے کہاں سے حاصل ہوا اور میرے تجربات نے مجھے یہ یقین دلا دیا کہ یہ علم جھوٹا نہیں ہے، نامکمل نہیں ہے بلکہ یہ ماضی کی تمام باتیں صحیح بتاتا ہے اور مستقبل کے لیے خاموش ہے۔ ہاں! اسے کیا جا سکتا ہے۔ ماضی کی روشنی میں اس عمل کو آگے کے لیے استعمال کیا جا سکے۔ تاریخ کے دو انوکھے کردار جن کو میں نے اس تمام کارروائی کے دوران سنا یعنی گرشک اور سیتا لکیروں کا عمل بتاتا ہے کہ وہ دو کردار تم سے اجنبی نہیں ہیں۔ بلکہ ان نقوش کی بنا پر جو ماضی کے اس انوکھے کردار سے ملتے ہیں تم ان کے شناسا ہو۔ اور وہ تمہارا سہارا حاصل کرنے میں سرگرداں رہے ہیں۔

اور اب بھی ان کی آنکھیں تمہیں نظر انداز نہیں کر سکیں بس! ان کے بہت سے ایسے معاملات ہیں جن کی بنا پر وہ کھل کر تمہارے سامنے نہیں آ سکتے۔ لیکن وہ تمہارے ارد گرد منڈلاتے رہے ہیں اور منڈلاتے رہیں گے۔ دوست ایک ایسا انکشاف میں تم پر کر رہا ہوں کہ اگر کسی اور کے سامنے کروں تو تم لاتعداد مشکلوں میں گھر جاؤ۔ مثلاً یہ کہ وہ عظیم الشان خزانہ، جس کے لیے خلقت سرگرداں ہے۔ تمہارے علم میں آ چکا ہے تمہاری آنکھوں میں جو چمک آ بسی ہے تم نے خود بھی کبھی اس کا تجزیہ نہیں کیا ہوگا۔

خزانوں کے عمل بڑے پراسرار ہوتے ہیں۔ اصل میں وہ دیوتاؤں کی شناخت ہوتے ہیں اور دیوتا جس کی آنکھوں میں جا بسیں اس کی آنکھوں میں تبدیلیاں تو رونما ہونی ہی چاہئیں۔ رات کی تنہائیوں میں بارہ اور ایک بجے کے درمیان جب دو دن یعنی پہلے دن کی رات اور دوسرے دن کی صبح کا سنگم ہوتا ہے تو دیوتاؤں کی آنکھیں تمہاری آنکھوں سے باہر جھانکتی ہیں۔ دنیا دیکھتی ہے ایسے وقت میں کبھی رات کی تاریکیوں میں دور تک دیکھنا تمہاری آنکھوں کی روشنی نہ جانے کہاں تک جائے گی اور اس منظر کو نمایاں کر دے گی۔ جو تمہاری آنکھوں کی روشنی کی زد میں ہوگا۔

یہ ان خزانوں کا عکس ہے جنہیں تم اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو اور یہ تمہارے دل کی سیرابی ہے۔ یعنی وہ بڑائی جو آسمانی کہلائی جا سکتی ہے۔ میرے عزیز دوست میں تمہیں علی سفیان رانا چندر سنگھ اور کرنل گل نواز کے بارے میں بھی بتا سکتا ہوں۔ یہ لوگ ان خزانوں کی تلاش میں بھٹک رہے ہیں۔ کرنل گل نواز بیمار ہو گیا تھا۔ اپنے وطن جانے کے بجائے وہ رانا چندر سنگھ کے ساتھ ایک اور تلاش میں نکل گیا۔ اب وہ ٹھیک ہے اور اپنے وطن جانے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ وہ دوبارہ اس مہم جوئی کے لیے نئے سرے سے اپنے آپ کو تیار کریں گے جہاں تک اینہ سلفا کا تعلق ہے۔ وہ علی سفیان کے ساتھ لگی ہوئی ہے اور اس وقت کرنل گل نواز کی کوٹھی پہنچ چکی ہے۔ کرنل گل نواز بھی بہت مختصر سے وقت میں جانے والا ہے وہ لوگ تمہارے لیے سرگرداں ہیں۔ کیونکہ تمہاری ذات کے کچھ اور راز ان کے سامنے نمایاں ہو چکے ہیں۔ کامران نے دونوں ہاتھ چہرے پر رکھ لیے تھے۔ قزل شائی کہتا تھا کہ وہ جادوگر نہیں ہے لیکن اس نے جو راز کامران کو بتائے تھے۔ جن کے بارے میں کامران کے سوا کوئی اور نہیں جانتا تھا۔ اب ان حالات میں قزل شائی کامران کے لیے کس قدر اہمیت کا حامل ہو گیا تھا۔ اس کا فیصلہ کرنے میں کامران کو کوئی وقت نہیں ہوئی تھی۔ اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

''آپ بہت کچھ جانتے ہیں اور آپ نے جو کچھ کہا ہے وہ لفظ بہ لفظ صحیح ہے، خدا کی قسم یہ صرف اللہ تعالیٰ کا بخشا ہوا علم ہے جو اس نے مجھ تک پہنچا دیا ہے۔ لیکن میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ ماضی کے بارے میں تو بتا سکتا ہوں میں۔ مستقبل کا حال اسی طرح میری نظروں سے پوشیدہ ہے۔ جس طرح دنیا بھر کے تمام انسانوں کی آنکھوں سے۔''

"میں یہاں تک کیوں پہنچا ہوں۔" کامران نے سوال کیا اور قزل شائی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تم خود نہیں پہنچے بلائے گئے ہو۔"

"کیا مطلب؟" کامران حیرت سے بولا۔

"تم نے یہ فیصلہ کیا تھا کامران کہ تم اپنے طور پر زندگی گزارو گے اور اسی لیے تم نے ایک ناخوشگوار فیصلہ بھی کیا تھا اور وہ یہ کہ ایک عام اور اچھے انسان کی طرح زندگی گزارو گے۔ لیکن کامران تقدیر کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں۔ تم کتنی ہی کوششیں کرلو ان واقعات سے نہیں بھاگ سکو گے۔"

"مجھے اندازہ ہو رہا ہے مگر مسز شائی! آپ نے یہ انکشاف تو کیا کہ میں کسی خزانے سے واقف ہو چکا ہوں اور اس کی روشنی میری آنکھوں میں آبسی ہے۔ لیکن آپ نے مجھ سے یہ نہیں پوچھا کہ میں نے وہ خزانہ کب اور کہاں دیکھا۔"

"پوچھنا بھی نہیں چاہتا۔ مجھے میرے سارے خزانے میری ذات میں پوشیدہ ہیں اور جو خزانے میری ذات میں پوشیدہ ہیں۔ وہ روئے زمین پر نہیں پائے جاتے ہیں اور میری بیوی ان خزانوں سے پوری طرح مطمئن ہے۔ ہاں...... ہر پراسرار عمل کی تفتیش میری زندگی کا ایک حصہ ہے اور ہم دونوں میاں بیوی یہی کرتے ہیں۔ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم سنہرے روپہلے اور رات کی تاریکیوں میں چمکنے والے پتھروں یا دھاتوں کے لیے اپنی زندگی قربان کر دیں۔ ہم دونوں زندگی کا ایک بڑا حصہ گزار چکے ہیں اور بڑے مطمئن ہیں ایک دوسرے سے ہمارا محبوب مشغلہ یہی ہے کہ ہم پراسرار واقعات کی کھوج لگائیں اور اس وقت بھی ہم اپنے اس کام میں مشغول ہیں۔"

"میرا خیال ہے آپ سے زیادہ مناسب اور اچھا انسان میرے لیے اور کوئی نہیں ہے۔ کرنل گل نواز مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں ان کے پورے خاندان نے مجھے ایسے وقت میں سہارا دیا ہے۔ مسز شائی جب میں ذہنی طور پر بیٹھ کر کہیں سے کہیں پہنچ سکتا تھا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ میں حالات کا شکار ہو کر موت کے راستے اپنا لیتا۔ یعنی وہ سب کچھ جو مجھے پھانسی کے پھندے تک لے جاتا۔ لیکن اس کے بعد کرنل گل نواز نے مجھے اپنے شوق میں شامل کر لیا۔ ہاں لکیریں آپ کو بالکل صحیح بتا رہی ہیں۔ کرشک اور سیتا طویل عرصے تک میرے ساتھ رہے ہیں۔ دونوں مجھ پر اعتبار کرتے ہیں اور مسز قزل شائی بڑی عجیب و غریب کہانیوں میں ملوث کر لیا ہے انہوں نے مجھے۔ میں آپ کو اپنی داستان اس لیے سنا رہا ہوں کہ ممکن ہے آپ آگے کے سلسلے میں میری مدد کر سکیں۔

اور اس کے بعد کامران نے اس وقت سے جب اس نے کرنل گل نواز کی کوٹھی میں کرشک اور سیتا کو دیکھا تھا اور اس کے بعد سے اس پوری مہم جوئی کے دوران جو واقعات پیش آئے اور پھر اس نے اس خزانے کے بارے میں ساری تفصیل قزل شائی کو سنا دی۔ قزل شائی پتھر کے بت کی مانند ٹکر ٹکر اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔ کامران خاموش ہوا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھا۔ بڑی عقیدت سے اس نے کامران کے دونوں ہاتھوں کو چوما اور بولا۔

"تم بہت بڑے آدمی ہو...... بہت بڑے آدمی...... میں تم سے ہاتھ جوڑ کر ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ جو عمل تمہاری تقدیر سے منسلک کر دیا گیا ہے اس سے انحراف نہ کرنا۔ اس پر عمل کرنا تمہاری زندگی کا ایک مقصد ہے۔"

"وہ عمل کیا ہے؟" کامران نے سوال کیا۔

"آہ...... وہ عمل جس کے لیے سدرہ بیکان تمہیں یہاں تک لائی ہے۔"

"لائی ہے۔"

"ہاں...... میں تمہیں بتا چکا ہوں بس کچھ منٹ اور اس کے بعد وہ یہاں پہنچنے والی ہے۔" قزل شائی نے کہا اور کامران ایک زبردست سنسنی محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔

خاصی دیر تک کامران "قزل شائی" کے الفاظ کے سحر میں ڈوبا رہا۔ سدرہ بیکان کے بارے میں قزل شائی کے الفاظ نے اس کا دماغ جھنجھنا دیا تھا۔ سدرہ بیکان جو اسے بالکل اتفاقیہ طور پر ملی تھیں۔ لیکن قزل شائی کچھ اور ہی کہانی سنا رہا تھا۔

"دفعتہً ہی کامران کے دماغ میں نفرت کی ایک تیز لہر اٹھی۔

"یہ تو زیادتی ہے۔ میں اپنی پسند اور آزادی کی زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ یہ سب مجھے کیوں گھیرے ہوئے ہیں۔ ان کے باپ کا نوکر تو نہیں ہوں میں...... کہ میں اتنا کمزور اور ناکارہ...... نہیں کھیلوں گا میں ان لوگوں کے ہاتھوں۔ دیکھوں کوئی میرا کیا بگاڑتا ہے۔ ایک کرنل گل نواز تھا جسے میں اپنا سب سے قریبی عزیز قرار دیتا تھا جب میں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تو باقی لوگ کیا حیثیت رکھتے ہیں۔"

کامران نے قزل شائی سے کہا۔ "آپ مجھے سدرہ بیکان کے بارے میں بتائیے۔"

"کیوں؟"

"آپ اسے جانتے ہیں۔"

"نہیں۔" قزل شائی نے بڑے سکون سے کہا۔

"جی......؟" کامران حیرت سے بولا۔

"ہاں۔ میں اسے نہیں جانتا۔"

"آپ نے کہا کہ وہ ابھی یہاں آنے والی ہے۔"

"ہاں...... میں نے کہا ہے۔"

کامران کی آنکھوں میں ناخوشگواری کے تاثرات ابھر آئے۔ وہ بولا۔ "یہ بڑی عجیب بات ہے۔ میرے مستقبل کی پیش گوئی سب کرنے بیٹھ جاتے ہیں انداز ایسا ہوتا ہے جیسے مجھ سے تعزیت کر رہے ہوں۔ ایسی بات نہیں ہے، سر میں نے زندگی میں شرافت کو اول نام ضرور دیا ہے لیکن خود کو کمزور کبھی نہیں سمجھا۔ آپ بھی بچوں کی طرح مجھ سے کھیل رہے ہیں۔"

"ارے نہیں۔ تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں واقعی سدرہ بیکان کو نہیں جانتا۔ یہ نام بھی مجھے لکیروں میں ہی الجھا ہوا ملا ہے۔"

"اور وہ یہاں آنے والی ہے۔"

"صرف چند منٹ کے اندر اندر......"

"مجھ سے ملنے! میرے لیے......" کامران نے اوپری ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"سو فی صدی۔"

"تو پھر معاف کیجیے آپ کی لکیروں کا کھیل میں ہی غلط کر رہا ہوں۔" کامران نے کہا۔

"کیسے......؟" قزل ثنائی نے کہا۔

"ایسے۔" کامران بولا اور اس نے دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی۔ اس کے بعد وہ وہاں نہیں رکا تھا۔ باہر آ کر بھی وہ پاگلوں کی طرح دوڑتا رہا۔ نہ جانے کتنی دور نکل آیا تھا۔ شدید جھلاہٹ کا شکار تھا۔ "یہ کیا بات ہوئی۔ سب میری تقدیر کے مالک بن گئے ہیں۔ کوئی بھی گرشک، سبینا، یا دوسرے۔ میں اپنی پسند کی زندگی گزاروں گا۔ دل و دماغ میں ایک جنون تھا۔ دیکھتا ہوں یہ پراسرار قوتیں کس طرح مجھے استعمال کرتی ہیں۔ اپنی شخصیت ہی بدل ڈالوں گا۔ اور اس نے ایسا ہی کیا۔ وہ شہر چھوڑ ایک دوسرے شہر آیا۔ اور یہاں کاغذات......اور پاسپورٹ نہ ہونے کی وجہ سے گرفتار کر لیا گیا۔

"کہاں سے آئے ہو......؟" پوچھا گیا اور کامران نے اپنے وطن کا نام بتا دیا۔

"کیسے آئے ہو؟"

"اسمگل ہو کر۔"

"کیوں؟"

"روزگار کی تلاش میں۔"

"اسمگلروں کے نام بتاؤ......" کامران کے لیے کچھ نام دینا کون سا مشکل تھا۔ بہرحال اس پر تھوڑا سا رحم کیا گیا کچھ عرصہ اسے جیل میں رکھا گیا اور پھر اس کے وطن واپس بھجوا دیا گیا۔ کامران جانتا تھا کہ پراسرار قوتیں اس کے پیچھے لگی ہوئی ہیں۔ لیکن اسے بھی ضد ہو گئی تھی۔ وہ اگر چاہتا تو کرنل گل نواز کا حوالہ دے سکتا تھا اس کے اہل خاندان کامران کو بچانے کے لیے سب کچھ کرتے لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ البتہ اس کا خیال بالکل ٹھیک نکلا۔ قزل ثنائی نے لکیروں کے حوالے سے اسے بتایا تھا کہ اسے تاریخ کے اس فیصلے کے ساتھ چلنا ہوگا۔ انحراف اس کی تقدیر سیاہ کر دے گا۔

اور ایسا ہی ہوا۔ اسے صرف چند روز کے لیے جیل بھیجا گیا تھا۔ لیکن عارضی قیدیوں میں سے ایک کا خون ہو گیا اور اس خون کا الزام اس پر لگا۔ نتیجے میں اس کی یہ عارضی سزا عمر قید میں تبدیل ہو گئی۔

جیل کی سخت زندگی بھی کامران نے اپنے طور پر گزارنے کا فیصلہ کیا تھا۔ بس ایک جنون تھا ایک ضد تھی۔ اگر کرنل گل نواز کا ساتھ نہیں دے سکا تو پھر کچھ بھی نہیں کروں گا۔ گرشک، سبینا، قزل ثنائی اور شوورہ کیسی ہی کہانیاں کیوں نہ شروع کر دیں۔ پاتال کی گہرائیوں میں سونے والی۔ سوتا ہوا شہر۔ یہ ساری حیران کن داستانیں۔ اس کی ذات سے منسوب کر دی گئی تھیں وہ اکتا گیا تھا ان داستانوں سے۔

جتنا عظیم الشان خزانہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا۔ اس کے بعد سچی بات یہ ہے کہ دنیا بڑی چیکی چمکی نظر آتی تھی۔ اگر کوئی وہ خزانہ لا کر اس کے پاس ڈھیر کر دیتا۔ تو بھلا کون اس سے منہ موڑتا۔ لیکن کسی چیز کے بارے میں یہ اندازہ لگا لیتا کہ وہ دسترس سے باہر ہے بہت بڑی بات ہوتی اور پھر اس سے کنارہ کشی اختیار کر لینا۔ اس سے بھی بڑی یہ بات۔ قزل ثنائی نے اس کے ہاتھ بلاوجہ نہیں چومے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ اتنے بڑے خزانے کو ٹھکرا کر صبر سے بیٹھ جانا دنیا کا سب سے مشکل کام ہوتا ہے جو اس نے انجام دیا تھا۔ غرض یہ کہ جیل میں وہ زندگی گزارنے لگا۔ کال کوٹھریوں میں بے بس معصوم انسان جو باہر کی دنیا کے لیے خوف و دہشت کی علامت تھے کامران کے لیے دلچسپی کا باعث تھے۔ وہ معصوم انہیں اس لیے کہتا تھا کہ ان میں سے ہر ایک اپنے اندر ایک نئی اور انوکھی داستان چھپائے ہوئے تھا۔

کامران کی بیرک میں بھی اس کے ساتھ چند افراد اور تھے۔ جن میں آپس میں کافی اختلافات تھے۔ جرم تو جرم ہی ہوتا ہے۔ سب نے کوئی نہ کوئی جرم کیا تھا۔ لیکن حالات اور واقعات جدا جدا تھے اور ان ہی لوگوں میں بدرشاہ بھی تھا۔ بدرشاہ کا کہنا تھا کہ وہ بے گناہ ہے اور اسے ناکردہ جرم کی سزا دی گئی ہے۔ مجرموں کے ایک گروہ نے اس سے غیر قانونی کام کروانے کی کوشش کی تھی اور اس کے انکار پر گروہ کے سرغنہ نے اسے ایک قتل کی واردات میں پھنسا دیا تھا۔ پولیس نے اپنی اعلیٰ کارکردگی دکھانے کے لیے چشم دید گواہ عدالت میں پیش کر دیے اور جج نے اسے چودہ سال قید بامشقت کی سزا سنا دی۔

بدرشاہ کا کہنا تھا کہ اس کے ماں باپ نے اسے اپنی محنت کی کمائی سے پڑھایا لکھایا تھا اور وہ ان کی کوئی خدمت نہیں کر سکا۔ وہ کہتا تھا کہ اگر باہر نکلنے کا موقع ملا تو وہ ان لوگوں کو نہیں بخشے گا۔ جنہوں نے اس کے ساتھ یہ سب کچھ کیا۔ اب اس ماحول میں بہت سا وقت گزارنے کے بعد اس کی زندگی صرف اسی مقصد کے لیے وقف ہے۔ بدرشاہ سے اس کی کہانی سن کر اس سے تعلقات کو بڑھانے کے لیے ضروری تھا۔ کیونکہ اس سے بہت کام نکل رہے تھے۔ اس کے ذریعے جیل کے آداب اور قوانین بھی جاننے کا موقع ملا تھا۔

بہرحال اس نے کامران کو وہاں کے اطراف کا نقشہ بتاتے ہوئے کہا۔

"اس جیل کے تین طرف عمودی پہاڑیاں ہیں۔ ایک طرف آبادی اور اس کے سامنے بلندی پر ریلوے اسٹیشن واقع ہے۔ جیل کے حکام کا کہنا ہے کہ کوئی بھی قیدی یہاں سے فرار ہونے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ جیل کی تاریخ بھی ان کے اس دعوے کی تصدیق کرتی ہے۔ لیکن اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ اس فصیل کے اندر سزا کاٹنے والے قیدی بڑے شریف النفس اور سیدھے سادے ہیں۔ جو فرار کا خیال بھی ذہن میں نہ لاتے ہوں گے۔ اس دنیا کا کون شخص آزاد فضاؤں میں سانس نہیں لینا چاہتا تھا۔

اس جیل کے قیدی بھی آزادی کے خواب دیکھا کرتے تھے۔ یہاں بھی فرار کی کوششیں آئے دن ہوتی رہتی تھیں۔ لیکن ایسی کوشش کرنے والے یا تو محافظوں کی گولیوں کا نشانہ بن جاتے ہیں۔ یا دوبارہ پکڑ لیے جاتے ہیں۔ ایسے موقع پر دوسرے قیدی ہمت ہار بیٹھتے تھے۔ لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد جیل کے کسی نہ کسی گوشے میں فرار کی کوششوں کی منصوبہ بندی ہونے لگتی۔" بدرشاہ کی معلومات سے لگتا تھا کہ اس کے ذہن میں بھی فرار کا منصوبہ پرورش پا رہا ہے اور وہ اس سلسلے میں منصوبہ بندی میں لگا ہوا ہے۔ اس نے کامران کو تفصیلات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا:

''ہاں اگر کسی قیدی نے جیل کے عملے کے ساتھ تعاون سے وقت گزارا تو اس بات کے امکانات ہو جاتے ہیں کہ اس کے ساتھ رعایت برتی جائے۔ البتہ عدم تعاون اور فرار کی کوشش کی جسارت میں نہ صرف یہ کہ اس سے ذاتی مشقت لی جاتی ہے۔ بلکہ اس کی کوشش میں عین ممکن ہے کہ اسے اپنی جان سے بھی ہاتھ دھونا پڑیں۔'' ان معلومات کے نتیجے میں کامران کے ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''بہرحال رات کا آخری پہر شروع ہونے کے ساتھ ہی دور سے سیکورٹی والوں کی سیٹیوں کی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں۔ جو ایک دوسرے کو ہوشیار رہنے کی ہدایت کرتے تھے۔ جیل کے سارے قیدیوں کے ساتھ کامران کو بھی ایک بڑے سے میدان میں جانا پڑتا تھا۔

بدرشاہ کی بتائی ہوئی تفصیلات کو ذہن میں رکھتے ہوئے اس نے جیل کی عمارت کا جائزہ لینا شروع کر دیا تھا۔

اونچی اونچی فصیلوں پر مستعد پہرے دار اپنی ذمے داریاں بہ خوبی نباہ رہے تھے۔ سخت گرمی اور چلچلاتی ہوئی دھوپ کے باوجود ان کے جسم کسی درخت کے تنے کی مانند اکڑے ہوئے نظر آتے تھے۔ کامران نے قیدیوں کے ہجوم میں بدرشاہ کو تلاش کیا۔ جو فاصلے پر ایک تالاب نما جگہ پر منہ ہاتھ دھوتا نظر آ گیا تھا۔

اسے اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر بدرشاہ کے چہرے پر اپنائیت کی ایک لہر دوڑ گئی اور وہ مسکرا کر کھڑا ہو گیا۔

''آؤ..... کامران منہ ہاتھ دھو لو۔'' اس نے کہا اور کامران نے آگے بڑھ کر پانی کے کچھ چھینٹے اپنے منہ پر مارے اور اس کے بعد دوسرے قیدیوں کے ساتھ صبح کی سرزی ہوئی چائے پینے لگا۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد تمام قیدی جن کا تعلق انہی کے درجے سے تھا۔ ویگنوں میں سوار کرائے جانے لگے۔ یہ یقیناً اس جگہ تک لے جانے کے لیے کیا جا رہا تھا جہاں ان سے مشقت لی جاتی تھی۔

گاڑیاں جیل کی عمارت سے باہر آ گئیں اور سامنے بدرشاہ کے بیان کے مطابق پھیلی ہوئی عمودی پہاڑیاں جیل کی عمارت کو پراسرار بنانے لگیں۔ گاڑیاں کافی دیر تک سفر کرتی رہی تھیں۔ چند لمحات کے بعد ان کے بریکوں سے چکی کے پاٹوں جیسی آوازیں ابھرنے لگیں۔ شاید یہ رک رہی تھیں۔ کامران نے باہر کی طرف جھانکنے کی کوشش کی۔ جس کے نتیجے میں سامنے بھورے رنگ کی سخت چٹانیں نظر آئیں۔ یقیناً یہی وہ جگہ تھی جہاں پر ان سے کام لیا جاتا تھا۔

چند ہی منٹ میں وہ لوگ ان چٹانوں میں گھرے ایک وسیع میدان میں قطاریں بنا کر کھڑے ہو گئے۔ کام شروع ہو گیا تھا۔ بدرشاہ کے ساتھ ہی کامران کی ڈیوٹی بھی لگائی گئی تھی۔ اتنی سختیاں جھیلنے کے بعد بھی اس کے اندر طبیعت کی شگفتگی باقی تھی۔ سب کے حصے میں مختلف کام تھے اور ان کی نگرانی کے لیے چند مقدم متعین کر دیے گئے تھے۔ اونچے قد اور گھنی مونچھوں والے محافظ ہاتھ میں رائفلیں سنبھالے اپنی ڈیوٹی سر انجام دے رہے تھے۔ بدرشاہ تو اب اس زندگی کا عادی ہو چکا تھا اور اطمینان سے اپنے کام میں مصروف تھا۔ لیکن کامران کو یہ کام ذرا عجیب سا لگ رہا تھا۔

پہاڑ کی گول چٹانوں سے پتھر کاٹنے تھے اور سارے قیدی اس کام میں لگ گئے تھے۔ کامران کو بھی بہرحال دوسروں کی تقلید کرنا پڑی وہ اپنے ہاتھ میں اوزار لیے ایک چٹان پر زور آزمائی کرنے لگا۔ لیکن اس کے اوزار چلانے کا انداز بالکل بے ڈھنگا تھا۔ زندگی میں کبھی اس قسم کی مشقت سے واسطہ نہیں پڑا تھا۔ اس نے بدرشاہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''کیا اس کام سے تمہیں بہت دلچسپی ہے بدرشاہ!''

''کیا کریں بھائی اس جگہ یہی سب کچھ ہے نہ کریں تو..... اور۔'' ابھی اس کے جملے پورے بھی نہیں ہوئے تھے کہ ایک خوف ناک آدمی اس کے پاس پہنچ گیا۔

''کیا بات ہے کیا پریشانی ہے؟''

''کچھ نہیں۔'' بدرشاہ نے کہا اور کامران نے اپنا رخ بدل لیا۔ مقررہ وقت پر کام ختم کرنے کے بعد ان کی واپسی شروع ہو گئی۔ آج کی کارکردگی کوئی خاص نہیں تھی ہاں..... البتہ جیل سے نکل کر باہر کے اطراف میں دیکھنے کا جو موقع ملا تھا۔ وہ ذرا دلچسپ تھا۔ کامران کا ذہن بہت تیزی سے اس ماحول کی رنگینیوں میں اپنے مقصد کو تلاش کر رہا تھا اور آہستہ آہستہ اس میں کسی حد تک کامیاب بھی ہوتا جا رہا تھا۔ اس کے ذہن میں بھی یہاں سے فرار کا منصوبہ تھا۔ وہ تنہا یہ کام نہیں کرنا چاہتا تھا۔ کچھ ایسے لوگوں کی تلاش تھی۔ جو بھرپور طریقے سے کام سر انجام دے سکیں۔

بہرحال..... دوسرا دن، تیسرا دن اور پھر چوتھا دن اور پھر اس دن بھی چلچلاتی دھوپ میں چٹانیں توڑتے توڑتے بڑی طبیعت اکتا گئی تھی۔ کامران نے کتنی ہی بار اپنے ان ماضی کے کرداروں کے بارے میں سوچا تھا۔ جو سخت سے سخت لمحات میں اس کا ساتھ دیا کرتے تھے۔ اس دن گرمی کچھ زیادہ تھی اور تمام قیدیوں کی حالت دھوپ کی شدت سے کافی خراب ہو چکی تھی۔ بدرشاہ کامران کے پاس آ بیٹھا۔

''لعنت ہے ایسی زندگی پر۔'' وہ غرا کر بولا۔

''تو چلو نکل چلتے ہیں۔'' کامران نے کہا اور بدرشاہ اسے گھورنے لگا۔ پھر بولا۔

''مذاق اڑا رہے ہو۔''

''نہیں..... بالکل نہیں۔ البتہ تمہیں عقل کے استعمال کی دعوت دے رہا ہوں۔'' کامران نے کہا۔

''مطلب؟''

''جس تکلیف کی وجہ سے تم زندگی پر لعنت بھیج رہے ہو۔ وہ صرف تمہیں تو نہیں ہے۔''

''تم دیکھو! چٹانیں آگ ہو رہی ہیں۔''

''ہاں..... بالکل..... اور ایک دن ہم انہی جھلستی ہوئی چٹانوں میں دم توڑ دیں گے۔''

''تو پھر کیا کریں؟'' وہ بولا۔

''کچھ نہیں بے بسی سے مر جاؤ۔'' بدرشاہ کامران کو گھورنے لگا پھر بولا۔

''تم مجھے سبق پڑھانے کی کوشش کر رہے ہو۔''

''نہیں بے بسی کی موت سے بچانے کی کوشش کر رہا ہوں۔''

''اپنی اوقات جانتے ہو۔'' بدرشاہ غصیلے لہجے میں بولا۔

"میں اپنی اوقات بالکل نہیں جانتا۔ لیکن تمہاری اوقات میری سمجھ میں آ رہی ہے۔"
"ہتھوڑا اٹھا کر تمہارے سر پر ماروں گا اور تمہارے سر کے دو ٹکڑے کر دوں گا۔"
"مرد کے بچے ہو تو ایسا کر کے دکھاؤ...... ورنہ اپنے ہاتھوں پر تھوکو اور اپنے چہرے پر مل لو۔"
کامران کی غراتی ہوئی آواز ابھری۔ اچانک ہی اس کی فطرت میں ایک تبدیلی رونما ہو گئی تھی۔ بدرشاہ اسے گھورتا رہا پھر زچ لہجے میں بولا۔
"تم آخر کہنا کیا چاہتے ہو۔ میں نے کہا ناں تمہیں مرد بنانا چاہتا ہوں۔ اگر اتنے ہی بڑے مرد ہو تو خود کیوں اس قید میں ہو۔"
"اس لیے کہ اپنی مردانگی کو صحیح طریقے سے استعمال کر سکوں۔"
"تم مجھ سے یہ بکواس کیوں کر رہے ہو۔"
"اس لیے کہ ایک سے دو بھلے ہوتے ہیں۔"
"میرے خدا......" تمہاری یہ بکواس شاید میری سمجھ میں آ جائے۔ غصہ تو آسانی سے دلا دیتے ہو ابھی تک کام کی بات کوئی نہیں کی ہے۔"
"بدرشاہ ہمیں یہاں سے نکلنا ہے۔"
"تم جانتے ہو کہ یہاں سے فرار کی کوششیں کتنے ہی لوگ کر چکے ہیں اور مارے گئے ہیں۔"
"ہاں...... جانتا ہوں۔"
"ابھی تم کیا کہہ رہے تھے۔"
"کب؟"
"ابھی تھوڑی دیر پہلے۔"
"اپنی زندگی پر لعنت بھیج رہا تھا۔"
"بالکل...... جب ایسی زندگی جو لعنت کے قابل ہو۔ اور دوسرے لوگوں کے چنگل میں گم ہو جائے تو انسان کے اندر ایک نیا انسان ابھرنا چاہیے۔"
"تو تمہارے اندر کون سا نیا انسان ابھرا ہے۔"
"ابھرا ہے بدرشاہ...... ابھرا ہے اور یہ انسان تمہیں اپنا رازدار بنانا چاہتا ہے۔" کامران نے کہا اور بدرشاہ کامران کو گھورنے لگا۔ پھر اس کی آنکھوں کا رنگ بدل گیا اور اس کے موٹے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر بولا۔
"جو کہنا چاہتے ہو صاف صاف کیوں نہیں کہتے۔"
"دیکھو! ہر کام انسان اکیلے ہی کرتا ہے۔ لیکن اگر اس کا کوئی ساتھی بھی ہو تو لطف آ جاتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ انسان تنہا اس دنیا میں آیا ہے اور تنہا ہی اس دنیا سے جائے گا۔ میں اس بات سے انکار نہیں کرتا۔ لیکن اس دنیا سے جاتے ہوئے اگر میں تمہارا رہ جاؤں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ ہاں اگر یہاں سے جاتے ہوئے تم میرے ساتھ ہو۔ تو کیسا رہے گا۔"

"واقعی! تمہارے ذہن میں کوئی پروگرام ہے۔"
"اس پہاڑی کو توڑ کر جہاں سے وہ لوگ سڑک نکالنا چاہتے ہیں۔ اس کام کے لیے ابھی کافی وقت لگے گا۔ لیکن آنے والے وقت میں یہ کام ختم ہو جائے گا اور ہمیں ایک بار پھر صرف اور صرف جیل کی تنگ و تاریک کوٹھریوں میں موت کی آمد کا انتظار کرنا پڑے گا۔ یا پھر ان پہاڑیوں میں ہم وقت گزاریں گے۔" بدرشاہ کچھ سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔
"ہاں...... بالکل ٹھیک ہے موت ہمارے لیے جیل کی کوٹھریوں میں بھی ہے ان چٹانوں میں بھی ہے یا پھر اس کے بعد جہاں بھی ہماری ڈیوٹی لگائی جائے گی۔ ظاہر ہے۔ قیدی انسان نہیں ہوتے۔"
"میں بھی یہی کہنا چاہتا ہوں۔"
"تو پھر یہ بتاؤ کرنا کیا ہے؟"
"وقت لگے گا ہر کام میں وقت لگے گا۔ ہم دونوں اتنے شریف بن جائیں گے۔ کوئی مقدم یا محافظ ہمارے بارے میں یہ نہ سوچ سکے کہ ہم فرار کی کوشش کر سکتے ہیں۔" بدرشاہ سوچتا رہا۔ پھر ایک بار دوبارہ مسکرا دیا۔
"اور اس کے بعد......؟"
"اور اس کے بعد یہاں سے فرار۔"
"اس علاقے کے بارے میں جانتے ہو۔"
"زیادہ نہیں...... تمہیں معلوم ہے کچھ۔"
"ہاں......"
"کیا جانتے ہو تم اس علاقے کے بارے میں۔"
"یہاں سے دور دور جنگل پھیلے ہوئے ہیں۔ پہاڑی جنگل اور یہاں ان پہاڑی جنگلوں سے زندہ سلامت نکل جانا بہت مشکل کام ہوتا ہے۔"
"تو ہم زندہ سلامت کب نکلنا چاہتے ہیں۔"
"بالکل ٹھیک......" بدرشاہ نے کہا۔
"تم ان پہاڑی جنگلوں کے بارے میں اور کیا جانتے ہو۔"
"کچھ ایسے لوگوں سے جنہوں نے فرار کی کوشش کی اور گرفتار ہو کر واپس آ گئے ان علاقوں کے بارے میں بہت سی تفصیلات بتائی ہیں۔ آبادیاں بے شک ہیں یہاں لیکن اتنے فاصلے پر کہ صحیح طور پر اس کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔ ان فاصلوں کو عبور کر کے ان آبادیوں تک پہنچنا ایک اصل مسئلہ ہے۔ ہاں...... اگر ہم آبادیوں میں پہنچ گئے تو کام بن سکتا ہے۔"
"تو پھر ہمیں سب سے پہلے ان بیڑیوں سے نجات حاصل کرنا ہوگی۔ جو ہمارے پیروں میں پڑی ہوئی ہیں۔"
"یہی میں بھی کہنے والا تھا۔ ان سے کیسے نجات حاصل کریں گے۔"

”مقدسوں کی محبت اور ہمدردی حاصل کر کے۔“

”تو پھر تم لیڈر بن جاؤ۔ میں تمہارے پیچھے چلوں گا۔ لیکن سوچ لینا آگے کے معاملات۔“

”یوں کرتے ہیں بدرشاہ کل جب ہمیں دوپہر کا وقفہ ملا تو ہم ان علاقوں کی جغرافیائی کیفیت کے بارے میں بات کریں گے۔“ بدرشاہ نے گردن ہلادی پھر بولا۔

”ٹھیک ہے تم یہ سمجھ لو کہ تمہارے ساتھ ہوں اور تم نے مجھے مرد کا بچہ ہونے کا طعنہ دیا ہے۔ تو ٹھیک ہے، میں ثابت کر دوں گا کہ میں مرد ہی کا بچہ ہوں۔ کیا سمجھے؟“

”بالکل سمجھ گیا.....“ کامران نے مسکرا کر کہا اور بدرشاہ بھی مسکرانے لگا۔ کامران نے اس شخص کو پوری طرح شیشے میں اتار لیا تھا۔ کسی کام کا آغاز ہونا ہی سب سے بڑی بات ہوتی ہے اور اس کے بعد سارے معاملات تقدیر کے ہاتھ ہوتے ہیں۔ بدرشاہ ایک اچھی شخصیت کا مالک تھا اور کامران نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ فرار ہونے کے سلسلے میں پوری طرح سنجیدہ ہے۔ ایسے آدمی کو شیشے میں اتارنے کا مقصد بھی ہوتا ہے کہ اس کام کا آغاز ہو جائے۔ جس کا کامران اب خواہش مند تھا۔ وہ جو کچھ بھی کرنا چاہتا تھا۔ اپنی ہی کاوشوں سے کرنا چاہتا تھا۔

حالانکہ وہ ان پراسرار قوتوں کا سہارا لے سکتا تھا۔ جو کبھی اسے پاتال پرتی کبھی پرم پربھو.....اور کبھی نہ جانے کیا کیا کہتی تھیں۔ لیکن انہی سے پیچھا چھڑانے کے لیے وہ جیل تک پہنچا تھا۔ ورنہ اس کی شخصیت ہی بالکل مختلف ہوتی ......اور اب وہ کسی بھی طرح ان پراسرار قوتوں کا سہارا نہیں لینا چاہتا تھا۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ اسے جس طرح جسمانی طور پر طاقت ور کر دیا گیا تھا۔ وہ آج بھی اس کے کام آ سکتا تھا۔

دوسرے دن منصوبے کے مطابق وہ اور بدرشاہ کھانے کے وقفے میں جلتی ہوئی چٹانوں میں سے ایک ایسی چٹان کا سایہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے جس کے نیچے بیٹھ کر وہ گفتگو کر سکتے۔ بدرشاہ نے ادھر ادھر دیکھا چند لمحات دیکھتا رہا۔ دوپہر کا کھانا انہیں ملا تھا۔ وہ انہوں نے بڑی برق رفتاری سے اپنے حلق میں ٹھونسا۔ پھر تھوڑا سا وقت حاصل کر کے آگے کا منصوبہ ترتیب دیا جانے لگا۔

بدرشاہ نے پتھر کا ایک ٹکڑا اٹھایا اور اس سے چٹان پر لکیریں ڈال کر ایک نقشہ بنانے لگا۔ پھر بولا۔

”یہ وہ جگہ ہے جہاں ہم اس وقت موجود ہیں۔ میں نے آج ادھر چٹانوں کے درمیان اچھی خاصی دیکھ بھال کی ہے اور ایک ایسی جگہ نظر میں آ گئی ہے جسے اگر ہم اپنے فرار کے لیے استعمال کریں تو ہمارے لیے سب سے مناسب ہو گی۔ ایک دو دن میں، میں تمہیں اس جگہ کا نظارہ بھی کرا دوں گا۔ اصل میں ہمیں کافی گہرائی میں کودنا پڑے گا اور اس کے بعد ہم اس درے میں داخل ہو جائیں گے۔ جو پتھریلا اور ٹوٹا پھوٹا درہ ہے۔ میری مراد ان دو پہاڑی رخنوں سے ہے۔ جو ہمیں یہاں سے دور لے جائیں گے اور ان کی بلندی پر بھاگا نہیں جا سکتا۔“

”مطلب؟“

”فرض کرو کہ اگر فوری طور پر انہیں ہمارے فرار کا علم ہو جاتا ہے اور وہ ہمارا پیچھا کرنے ہیں تو انہیں بھی بلندی سے کود کر اس درے میں بھاگنا پڑے گا۔ اگر وہ دور ہی سے گولیاں چلاتے ہیں۔ تو یہ درہ ہمیں محفوظ پناہ دے گا اور گولیاں چٹانوں سے ٹکرا کر بے اثر ہو جائیں گی۔ فرض کرو ان میں سے کچھ جیالے ہمارا پیچھا کرتے ہوئے نیچے کود بھی آتے ہیں تو انہیں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ہم تو زندگی اور موت کا کھیل کھیلیں گے۔ لیکن وہ صرف اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے ایسا کھیل نہیں کھیل سکیں گے۔ اس کے بعد وہ اس بلندی سے دوڑ کر اپنی گاڑیوں کی طرف بھاگیں گے اور اس میں انہیں تقریباً پچیس منٹ کا وقفہ لگ جائے گا۔ ہو سکتا ہے کچھ زیادہ بھی لگ جائے۔ اس دوران ہمیں کم از کم اس درے سے باہر نکلنے کا موقع مل جائے گا۔ ...... ہم بھاگ رہے ہوتے ہیں۔ اب اگر خوش بختی بھی ہوئی کہ کوئی ہمیں دیکھنے نہ پائے اور ہم اس درے میں اپنی بیڑیوں کے سلسلے سے نمٹ سکیں۔ تو بڑی شاندار بات ہو جائے گی۔“

”ہاں.....سب سے زیادہ فکر کی بات یہی ہے کہ بیڑیوں سمیت ہم اتنی تیز رفتاری سے دوڑ نہیں سکتے۔ کیا کیا جا سکتا ہے اس سلسلے میں؟“

”صبر.....اب جب تم میرے دل میں فرار کی روشنیوں کے چراغ جلا چکے ہو تو ان باتوں کو مجھ پر چھوڑ دو۔ یقینی طور پر تمہیں اپنی عمر کے مطابق ان تمام چیزوں کا کوئی تجربہ نہیں ہو گا۔“ بدرشاہ کی اس بات پر کامران نے مدھم سی مسکراہٹ کے ساتھ ادھر ادھر دیکھا۔ پھر اس رات کوٹھری میں واپس آنے کے بعد اس نے خاموشی کے ساتھ دیوار سے ٹیک لگا لی۔ چند لمحات آنکھیں بند کیے دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا رہا۔ پھر آنکھیں کھول کر چاروں اطراف کا بہ خوبی جائزہ لینے لگا۔ فی الحال ان بیڑیوں سے نجات اتنی آسانی سے نظر نہیں آتی تھی۔

بہرحال ان کا سب سے مشکل مرحلہ یہ بیڑیاں تھیں۔ پھر اس سلسلے میں بھی بدرشاہ ہی نے کام دکھایا۔ انہیں پہاڑ کی چٹان تک لے جانے والی گاڑی میں ویسے تو بیٹھنے کے لیے سیٹیں بھی نہیں تھیں۔ لیکن لکڑیوں میں لگی ہوئی جالی کے ساتھ ایک آری نما پتری ویلڈ ہوئی نظر آئی اور بدرشاہ نے غیر محسوس طریقے سے اس کو لکڑی سے علیحدہ کرنے کی کوشش شروع کر دی۔

وہ گاڑی میں لگنے والے جھٹکوں کا بھرپور فائدہ اٹھا رہا تھا اور آخرکار وہ اپنی اس کوشش میں کامیاب ہو گیا۔ جھٹکوں سے الگ ہونے والی پتری کو اس نے وہیں کونے میں اٹکا دیا۔ البتہ واپسی پر وہ پتری اس کے لباس میں منتقل ہو گئی اور رات کے پچھلے پہر اس نے کامران کو اپنے کارنامے سے آگاہ کیا۔

”یہ دیکھو! میں نے آخرکار وہ چیز حاصل کر لی۔“

”کیا......؟“ کامران نے سوال کیا۔

”لوہے کو کاٹنے والا بلیڈ۔“ کامران نے چونک کر اس کے ہاتھ میں دبے ہوئے اس لوہے کے ٹکڑے کو دیکھا تھا۔

”یہاں کہاں سے آیا؟“

”اس کو جانے دو...... میں نے تم سے کہا تھا نا کہ جو چراغ تم نے جلایا ہے اب اس کی روشنی میں بجھنے جاؤ۔ میں کیا کرتا ہوں۔“

”لیکن اس سے کس طرح ہم ان مضبوط بیڑیوں کو کاٹ سکیں گے۔“

"اب اس کے لیے تھوڑی عقل کی ضرورت ہے۔ بیڑیوں کا سارا لوہا ایک ہی ہیئت کا نہیں تھا، بلکہ اس میں موٹا اور پتلا دونوں قسم کا لوہا موجود ہے۔ اگر ہم کسی طرح اس بیچ والے ڈنڈے کو آدھے سے کچھ زیادہ تک کاٹ سکیں۔ تو ہم با آسانی ان سے آزاد ہو سکتے ہیں اور یہ سب کچھ اس طرح سے ہو کہ بیڑیاں ایک دم ہمارے ہاتھ پیروں سے نہ نکل جائیں۔" کامران بدرشاہ کی بات کو بہ خوبی سمجھ رہا تھا اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"واقعی تم نے بڑا زبردست کام کیا ہے۔"

"ہاں...... بس احتیاط شرط ہے۔" بہرحال ان دونوں نے لوہے کی اس چھڑی کو دو برابر کے حصوں میں تقسیم کر لیا اور مقدموں کی نظر سے بچا کر ممکنہ فارغ وقت میں لوہے کی بیڑیوں پر زور آزمائی کرتے رہے۔ تیسرے دن انہیں اپنی اس کارروائی میں کامیابی ہو سکی تھی روزمرہ کے معاملات جاری تھے۔ کامران اور بدرشاہ دل ہی دل میں اپنے پروگرام سے مطمئن تھے۔ بدرشاہ نے کامران کو وہ ڈھلان بھی دکھا دی تھی جس میں انہیں کودنا تھا اور پھر وہاں سے اس درے میں داخل ہونا تھا۔ جو انہیں یہاں سے ایک آزاد دنیا میں لے جانے والا تھا۔ آخر وہ دن آ گیا۔ جس میں انہیں زندگی اور موت کا انتخاب کرنا تھا۔ موسم معمول کے مطابق بہت سخت تھا۔ مقدم بھی تنگ آ گئے تھے اور چھاؤں تلاش کر کے چٹانوں کے سائے میں دبکے ہوئے تھے۔ کھانے کا وقفہ ہوا اور تمام قیدی کھانا لینے کے لیے لائن میں لگ گئے۔ کامران اور بدرشاہ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اس وقت تمام لوگوں کی توجہ کھانے کی طرف تھی۔ کسی کو کسی اور چیز کا خیال نہیں تھا۔

انہوں نے کٹی ہوئی بیڑیوں کی طرف دیکھا اور ایک چٹان کی اوٹ میں بیٹھ کر آخری عمل کرنے لگے جس میں انہیں زیادہ وقت نہیں لگا۔ بیڑیوں سے آزاد ہونے کے بعد ساری تھکن دور ہو گئی تھی اور ان کے جسموں میں بجلی سی بھر گئی تھی۔ اب انہیں کسی شے کی فکر نہیں تھی۔ نتیجہ کچھ بھی ہو۔ جو فیصلہ دل میں کر لیا تھا اس پر عمل درآمد کرنا تھا۔ بیڑیوں سے آزادی حاصل کرتے ہی وہ ان چٹانوں کی طرف دوڑے۔ جہاں سے نیچے کودنا تھا۔ سوچنے کا وقت نہیں تھا۔ فیصلہ کرنا تھا۔

حالانکہ اگر کوئی اتنی بلندی سے انہیں نیچے کودنے کے لیے کہتا تو وہ مذاق ہی سمجھا جا سکتا تھا۔ مگر نہ صرف کامران بلکہ بدرشاہ بھی نیچے کود کر اپنی ٹانگوں پر ہی کھڑے رہے تھے اور جب اس بات کا اطمینان ہو گیا کہ ان کی ٹانگیں دوڑنے کے قابل ہیں تو انہوں نے دوڑ لگانا شروع کر دی۔ وہ اپنی سماعت کو ذہن سے کھرچ پھینکنا چاہتے تھے۔ تاکہ سوچنے اور سمجھنے کی قوتیں ان کے قریب نہ رہیں۔

اصل میں سوچ ہی راستے روکتی ہے ایسے موقعوں پر۔ چنانچہ انہوں نے اپنے سوچنے سمجھنے کی تمام قوتیں ختم کر دی تھیں۔ صرف ایک تصور ان کے ذہن میں تھا کہ انہیں نکلنا ہے۔ پیچھے کیا ہو رہا تھا۔ محافظ آ رہے تھے یا نہیں۔ انہیں ان کے فرار کا علم ہو گیا تھا یا نہیں یہ بالکل نہیں سوچ رہے تھے۔ بس دوڑ رہے تھے اور دوڑتے ہوئے وہ آخرکار اس درے میں داخل ہو گئے جہاں چھوٹے نوکیلے پتھر ان کے پیروں کا استقبال کرنے کے لیے تیار تھے۔ لیکن بات وہی ہوتی ہے مشکلات کے بغیر زندگی میں آسانیوں کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ نوکیلے پتھروں کی چبھن انہوں نے اپنے دل سے نکال دی تھی۔ بس ایک لگن اور ایک

احساس کہ اتنی دور نکل جائیں کہ وہ لوگ انہیں پکڑ نہ سکیں۔

اب جب یہاں تک بات بن چکی تھی اور اس کے بعد ان کے ہاتھ آنے کا مطلب یہ تھا کہ خودکشی...... اور صرف خودکشی اور اگر خودکشی ہی کرنی ہے تو پھر اس طرح کیوں نہ کی جائے۔ انہیں یہ اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ کب تک دور دور پھیلے ہوئے جنگلوں میں دوڑتے رہے کب درخت ان کے سامنے آئے وہ ہر درخت سے ٹکراتے ہوئے دوڑ رہے تھے اور وہ دوڑتے رہے اس وقت تک جب تک سانس سینے میں سمایا رہا اور بدن کی قوت ساتھ دیتی رہی۔ جب یہ محسوس ہوا کہ چند قدم بھی اور دوڑے تو گر پڑیں گے۔ تو انہوں نے اپنے حواس کو واپس آنے کی اجازت دے دی اور ہوش میں آ گئے۔

پہلے بدرشاہ کی رفتار سست ہوئی اور پھر کامران کی۔ پھر انہوں نے مسکرا کر ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور بدرشاہ پیچھے کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر حیرت سے منہ کھول کر بولا۔

"کامران۔"

"ہاں۔"

"کون سا علاقہ ہے یہ۔" کامران مسکرا دیا پھر بولا۔

"اگر تمہیں معلوم ہے تو مجھے بتا دو۔"

"کتنا فاصلہ طے کیا ہوگا ہم نے؟"

"کیا ہم ہوش میں آ گئے۔"

"شاید؟"

"نہیں ابھی نہیں آئے۔ بھلا ہم یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہم نے کتنا فاصلہ طے کر لیا۔"

"واقعی...... اس وقت تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ہم نہیں دوڑ رہے تھے۔ بلکہ ہمارے اندر کوئی اور قوت دوڑ رہی تھی۔"

"بے شک وہ زندگی کی قوت تھی۔ اب ذرا اتنی بلندی سے کود کر اور ہوش و حواس میں رہ کر دوڑ کر دکھاؤ۔"

بدرشاہ ہنسنے لگا پھر بولا۔ "نہیں دوڑ سکتے۔ بہرحال چھوڑو اب ان باتوں میں کیا رکھا ہے۔ میرے خیال میں اب ہمیں چھپ جانا چاہیے۔ محافظ اتنے بے خبر نہیں ہوں گے۔ ہمارے فرار کی اطلاع ہو چکی ہوگی۔ اگر وہ اپنے قدموں کے ذریعے یہاں تک پہنچے لیکن ان کے پاس ایسے ذرائع ہوں گے کہ وہ ہمیں تلاش کرتے ہوئے ان جنگلوں میں داخل ہو جائیں گے۔ ہمیں لمبے عرصے تک اپنے آپ کو چھپائے رکھنا ہوگا۔ اس خیال نے ان لوگوں کی تھکن دور کر دی۔ شاہ بلوط کے گھنے درختوں کے جھنڈ میں وہ خرگوشوں کی طرح داخل ہو گئے۔ ابھی دن کا بڑا حصہ باقی تھا۔ طے کیا گیا کہ رات کو سفر کیا جائے گا اور دن میں کہیں چھپ جائیں گے۔

ایک دو گھنٹے آرام کرنے کے بعد انہوں نے پہلے اپنا حلیہ درست کرنے کی کوشش کی بدرشاہ نے کھانے پینے کی چیزوں کا انتظام کیا تھا۔ جس سے کام لیا جا سکتا تھا۔ پتا نہیں اس نے یہ چیزیں کہاں سے حاصل کی تھیں۔

بہر حال یہ لوگ خاموشی سے درخت کے ایک جھنڈ میں بیٹھے رہے پھر اس کے بعد بدر شاہ نے کہا۔

''پیاس لگ رہی ہے نا۔''

''ہاں......''

''آہ کاش ہمیں کہیں سے پانی مل جائے۔'' کامران مسکرا دیا اور اس نے کہا۔

''خواہشات انسان کا کس طرح پیچھا کرتی ہیں۔ بدر شاہ پہلے ہم زندگی کے خواہش مند تھے اور اب جب زندگی کا تھوڑا بہت انتظام ہو گیا تو اب ہمیں زندگی کے دوسرے لوازمات کی ضرورت ہوتی ہے۔''

''اس سے کہاں چھٹکارا پایا جا سکتا ہے۔''

''کیا خیال ہے ہمت ہے کہ پانی تلاش کیا جائے؟''

''کیوں نہیں...... ہمیں تھوڑی ہمت کرنی چاہیے۔ لیکن تھوڑا سا وقت اور گزر لو تا کہ سورج ڈھل جائے۔'' سانسیں آہستہ آہستہ اعتدال پر آتی جا رہی تھیں اور وہ لوگ بہتر کیفیت میں آ گئے تھے۔ بدر شاہ یہاں سے آگے بڑھا، درختوں کے جھنڈ دور دور تک بکھرے ہوئے تھے اور یہ لوگ کوشش کر رہے تھے کہ کہیں کسی جگہ کسی سے مڈبھیڑ نہ ہونے پائے۔ اس علاقے کے بارے میں معلومات نہیں تھی۔ بدر شاہ نے یہاں کے بارے میں جو نقشے حاصل کیے تھے۔ ان سے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ تا حد نظر دور دور تک کوئی بستی نہیں ہے اور انسانوں کا خطرہ نہیں ہے۔ بہر حال یہی ضروری تھا باقی جہاں تک جنگلوں کا معاملہ تھا۔ تو ہو سکتا ہے قدرت نے اپنے وعدے کو پورا کرنے کے لیے یہاں بھی ان کے لیے انتظام کیا ہو یعنی انہیں کوئی چیز مل جائے۔

دن تیزی سے ختم ہوتا جا رہا تھا۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ ساری رات سفر کریں گے اور اس کے بعد آرام کریں گے۔ وہ لوگ آگے بڑھتے رہے اور قدرت ہمیشہ انسان کی مدد کرتی ہے۔ ابھی زیادہ فاصلہ نہ طے کیا گیا تھا کہ پانی کی شرر شرر کی آواز سنائی دی اور اس آواز کو محسوس کرتے ہی ان لوگوں نے ادھر کا رخ کیا۔ وہ ایک چھوٹا سا برساتی نالہ تھا۔ نہ جانے کہاں سے آ رہا تھا۔ نالے میں بے شک پانی زیادہ نہیں تھا۔ لیکن اتنا ضرور تھا کہ اس کی آواز نشر ہو رہی تھی۔ اس کے بعد وہ اس پانی میں گھس گئے اور اوندھے منہ جانے کتنی دیر تک اس میں پڑے رہے۔ پانی نے ان کی جسمانی تھکن اس طرح نچوڑ دی تھی۔ جیسے انہوں نے کوئی مشقت ہی نہ کی ہو۔

نہ جانے کب تک وہ اس پانی میں بیٹھے رہے اور قدرت کی اس نعمت سے سرفراز ہوتے رہے لیکن ان کے کان اب بھی آہٹوں پر لگے ہوئے تھے۔ انہیں اس بات کا پورا پورا یقین تھا کہ جیل کے جو کارندے وہاں بکھرے ہوئے ہیں۔ وہ اس قدر مشقت نہیں اٹھائیں گے اور جنگل کی ان صعوبتوں کو برداشت نہیں کریں گے۔ بہر حال اس کے بعد پانی پیا گیا اور رات آہستہ آہستہ نیچے اترنے لگی۔ درختوں پر بسیرا کرنے والے پرندے واپس آنے لگے۔ یہاں زیادہ دیر قیام ممکن نہیں تھا کیونکہ بہر حال وہ لوگ بھی اپنے ہتھکنڈے فرائض پورے کریں گے۔ یوں تو انہیں اس وقت ان کے بارے میں معلوم ہو گیا ہوگا۔ اگر تھوڑی بہت دیر بھی گئی ہوگی۔ تو جیل کے حکام کی طرف سے بہر حال انہیں ہدایت ملی ہوگی کہ ہر حال میں انہیں تلاش کریں۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ دستے گاڑیوں کے ذریعے یہاں پہنچنے کی کوشش کریں۔

بہر حال سورج چھپ گیا۔ انہیں یوں محسوس ہوتا تھا۔ جیسے اطراف میں اور بھی بہت سے جاندار گردش کر رہے ہوں۔ کھانے پینے کے لیے ابھی تک کوئی ایسی چیز نظر نہیں آئی تھی جو ان کا ساتھ دے سکتی۔ لیکن پانی پینے کے بعد کم از کم اتنی زندگی ضرور بڑھ گئی تھی کہ وہ تھوڑی دیر بھوکے رہ سکیں۔

وہ چلتے رہے جہاں بھی کھڑ کتا تو دل دہل جاتے تھے۔ پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے رات کی تاریکی میں وہ آگے بڑھتے رہے اور جنوب کی طرف ایک بلند پہاڑی ٹیلے تک کسی مصیبت کا سامنا کیے بغیر پہنچ گئے۔ یہاں کچھ ایسے آثار نظر آئے جن سے شبہ ہوا کہ شاید انسانی قدم یہاں تک پہنچ چکے ہیں۔ لیکن بہر طور انہوں نے اپنی احتیاط کو برقرار رکھا اور ایک سمت کا تعین کر کے چل پڑے۔

نہ جانے کتنے نشیب و فراز انہوں نے طے کیے تھے۔ نہ جانے کتنے جھاڑ جھنکار کو عبور کیا تھا۔ پھر یہاں سے آگے بڑھ کر ہم ایسے مقام پر جا نکلے۔ جہاں یقیناً برسوں سے کسی انسان نے قدم نہ رکھا ہوگا۔ رات کا ایک حصہ ایک کھائی کے اندر گزارا۔ یہاں سانپوں اور زہریلے کیڑوں مکوڑوں کا خطرہ تھا۔ لیکن یہ خطرہ اس خطرے سے بہر طور بہتر تھا۔ جس میں انہیں نہ جانے کتنا عرصہ گزارنا پڑتا اور اس کے بعد نیند ایک مہربان ماں کی طرح ان پر مہربان ہو گئی۔

وہ ایک شفاف چٹان پر لیٹے اور اس طرح سوئے کہ سورج کی کرنوں نے گدگدی کر کے انہیں جگایا لیکن اب بھوک انہیں دیوانہ کیے دے رہی تھی اور یہ بات بالکل درست تھی کہ خدا نے انسان کو رزق دینے کا وعدہ کیا ہے، یہ رزق پیلے رنگ کے عجیب و غریب پھلوں پر مشتمل تھا۔ جنہیں توڑ کر کھانے سے ان میں مٹھاس کا احساس بھی ہوا ویسے وہ سیب نہیں تھے۔ لیکن سیب نما ضرور تھے۔ جن کا چھلکا موٹا اور سخت تھا اور ان کے اندر سے لیچی کی طرح گودا برآمد ہوتا تھا۔

لیکن ٹھوس، بھرپور اور نمی سے بھرا ہوا۔ یہ پھل اس وقت ان کے لیے وہ نعمت تھے کہ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ قدرت نے انہیں انسانوں سے اتنا دور کیوں رکھا ہے۔ غالباً اس لیے کہ انسان زندہ رہے کیونکہ اسے موت اس کے وقت پر ہی آنی ہوتی ہے۔

بہر حال ابھی تک انہیں کسی خطرے کا سامنا بھی نہیں کرنا پڑا تھا اور ان کی کوشش انہیں زندہ رکھے ہوئے تھی۔ جیسا کہ انہوں نے طے کیا تھا کہ دن میں وہ آرام کریں گے۔ وہ اس پر عمل کرنا چاہتے تھے لیکن پہلی بات یہ کہ یہاں چھپنے کے لیے کوئی معقول جگہ نظر نہیں آ رہی تھی۔ دوسری بات یہ کہ رات کو وہ اپنے پروگرام کے خلاف آرام کر چکے تھے اور اس وقت ساری تھکن دور ہو چکی تھی یہ خصوصاً ان پھلوں نے انہیں ایک طرح سے نئی زندگی بخش دی تھی۔

چنانچہ سب سے پہلا کام انہوں نے یہ کیا کہ ان پھلوں کو توڑ کر اپنے لباس میں جس قدر محفوظ کر سکتے تھے کر لیا۔ بلکہ بدر شاہ نے تو اپنی قمیص اتار کر ایک گٹھڑی سی بنائی تھی اور اس میں بے شمار پھل بھر لیے تھے۔ پھر اس نے اپنی آستین کو گلے میں باندھ لیا اور اس کے بعد کامران کی طرف دیکھ کر مسکرایا تھا۔

''میرا خیال ہے اتنے ہی کافی ہیں۔ جیسے قدرت نے ہمارے لیے یہاں بندوبست کیا ہے ایسے ہی ممکن ہے آگے بھی قدرت کی طرف سے آسودگی ملے گی۔'' بہر طور اس کے بعد انہوں نے آگے کا سفر شروع

کر دیا۔ لیکن ان کی آنکھیں چاروں طرف دیکھ رہی تھیں۔ بس انسان کے اندر کا احساس ہوتا ہے۔ بار بار کو ایسی آوازیں آتی تھیں۔ جن سے شبہ ہوتا تھا کہ جیل کے سپاہی ان کے تعاقب میں آ رہے ہیں۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔

اس پورے دن وہ سفر کرتے رہے اور اس کے بعد شام دھندلا گئی اور پھر شام تاریکیوں میں تبدیل ہو گئی۔ پھل انہیں سہارا دیتے رہے تھے اور راستے میں کئی بار انہیں ان پھلوں سے سیر ہونے کا موقع ملا تھا۔ رات ہو گئی تو اچانک ہی بدر شاہ نے سرگوشی میں آواز دیتے ہوئے کہا۔

"کامران رکو، سنو۔" کامران رک گیا تو بدر شاہ نے ایک جانب اشارہ کیا۔ کامران نے ادھر دیکھا تو کامران کی بھی روح فنا ہو گئی۔ اسے یوں محسوس ہوا تھا۔ جیسے یہاں کچھ انسان موجود ہوں۔ لیکن چند ہی لمحوں کے بعد انہیں خود اپنے اس خیال کی تردید کرنی پڑی۔ اگر وہ انسان تھے تو کم از کم جنبش تو ضرور کرتے وہ خاص قسم کے سرو نما پودے تھے۔ جن کا ایک جنگل سا بکھرا ہوا تھا۔ البتہ اس جنگل کو دیکھ کر انہیں ایک احساس ضرور ہوا تھا اور بدر شاہ نے اس احساس کو اپنی زبان میں ادا کر دیا۔

"کامران لگتا ہے کہ قرب و جوار میں کوئی آبادی ضرور ہے۔"

"کس طرح کہہ سکتے ہو یہ بات؟"

"ان درختوں کی ترتیب دیکھو۔"

"ہاں......"

"کیا سمجھتے ہو؟"

"یہی کہ انسانی ہاتھوں کے لگائے ہوئے ہیں۔"

"بالکل میرا بھی یہی خیال ہے۔"

"اگر بستی ہے تو کیا ہمیں اس بستی میں داخل ہونا چاہیے۔"

"کیا مطلب؟"

"ہمارے جسموں پر قیدیوں کے لباس ہیں۔"

"ہاں اگر ہم رات کی تاریکی میں اس بستی میں داخل ہوں تو؟"

"مگر رات کی تاریکی میں بستی کو تلاش کرنا بھی ایک مشکل کام ہے۔"

"تلاش کی جا سکتی ہے۔"

"کیسے؟"

"وہ درخت دیکھو۔"

"کون سا؟"

"وہ جو سامنے ہے۔"

"ہاں......"

"اگر اس کی بلندی پر چڑھ کر ہم بستی کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں تو میرا خیال ہے وہ ہمیں نظر آ سکتی ہے کیونکہ بہرحال دنیا کی کوئی بستی بے چراغ نہیں ہوتی۔"

"واقعی تمہارا خیال درست ہے۔" اور اس کے بعد وہ اس درخت تک پہنچ گئے بدر شاہ کو درخت پر چڑھنا بآسانی آتا تھا۔ چنانچہ وہ درخت کی بلندی پر پہنچ گیا اور پھر اس نے وہیں سے آواز لگائی۔

"کامران۔" اس کی آواز میں خوشی کا عنصر دیکھ کر کامران کو یہ احساس ہو گیا کہ غالباً اس نے بستی تلاش کر لی ہے۔

"کیوں کیا بات ہے؟"

"بستی......"

"کتنے فاصلے پر ہے۔"

"میرا خیال ہے تقریباً ایک کلومیٹر سے زیادہ۔"

"چل سکو گے وہاں تک؟"

"کیوں نہیں۔"

"راستوں کا اندازہ لگایا؟"

"اب راستوں کا اندازہ کون لگائے البتہ میں نے راستوں کی سمت کا اندازہ لگا لیا ہے۔"

"تو پھر نیچے آؤ۔" کامران نے کہا اور بدر شاہ درخت سے نیچے اتر آیا۔ اس کے بعد کامران کو اس کی رہنمائی میں بستی تک پہنچنا تھا۔ چنانچہ انہوں نے سفر کا آغاز کر دیا۔ یہ فاصلہ بڑی خوش اسلوبی سے طے ہو گیا۔ بستی کے آثار تھوڑی دور چلنے کے بعد ہی نظر آنے لگے تھے۔ تقدیر کی رہنمائی پر انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ بہرحال اب تک کی تو تمام کوششیں کارگر ثابت ہوئی تھیں۔ ایک جگہ پہنچنے پر ذرا سی مشکل کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ راستہ دشوار گزار تھا۔ لیکن بہرحال وہ یہاں سے بھی گزر گئے اور اس کے بعد انہیں خود حیرت ہوتی کہ بستی ان سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی وہ پہلے اس تک نہیں پہنچے نہ جانے کیوں بستی اس وقت تاریکی میں ڈوب چکی تھی۔ چھوٹے چھوٹے مکانات چاروں طرف بکھرے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ ایک جگہ پہنچ کے بعد بدر شاہ رکا اور کہنے لگا۔

"ہاں...... بھئی اب یہ بتاؤ کہ کیا ارادہ ہے؟"

"ابھی تک تو ہم تقدیر کے ارادوں پر انحصار کرتے رہے ہیں اب کیا ارادہ ہو سکتا ہے ہمارا؟"

"مطلب یہ ہے کہ کوئی چکر چلانا ہے یا؟"

"چکر سے تمہاری کیا مراد ہے؟" کامران نے کہا اور بدر شاہ ہنسنے لگا پھر بولا۔

"اچھا تم ایسا کرو وہ جو سامنے درخت نظر آ رہا ہے وہاں جا کر بیٹھ جاؤ میں تھوڑی دیر کے بعد وہاں پہنچ جاؤں گا۔" کامران نے بدر شاہ کی باتیں سمجھنے کی کوشش کی۔ لیکن نہیں سمجھ سکا اور اس نے دونوں شانے ہلا دیئے۔ جس درخت کی طرف بدر شاہ نے اشارہ کیا تھا۔ اس کے قریب پہنچ کر وہ بیٹھ گیا۔ تھکن سے ذہن پر غنودگی سوار ہو رہی تھی۔ نہ جانے کتنی دیر کے بعد بدر شاہ واپس آیا تو اس کے پاس ایک گٹھڑی سی تھی۔ وہ گٹھڑی کامران کے سامنے کھولتے ہوئے بولا۔

"کپڑے ہیں۔ چوری کر کے لایا ہوں۔ انہیں پہنو۔ تھوڑی سی کرنسی بھی ہاتھ لگ گئی ہے ایک اچھے خاصے گھر میں داخل ہوا تھا۔ بہر حال مجبوری تھی۔ یہ کام کرنے کو دل نہیں چاہتا تھا۔ لیکن مجبوری انسان سے سب کچھ کرا دیتی ہے۔ دیکھو اندازہ تو یہ ہے کہ یہ لباس تمہارے بدن پر بھی آ جائے گا۔ اور میرے بدن پر بھی۔ کم از کم قیدیوں کی اس حیثیت سے تو چھٹکارا پالیں گے۔ جوتوں کا انتظام نہیں ہو سکا اور یہ چیز بڑی مشکل ثابت ہوگی۔" "لیکن خیر چلو ایسا بنالیں گے کہ صورت شکل سے دیہاتی نظر آئیں۔ ایسا ہی لب و لہجہ بھی اختیار کرنا ہوگا۔ یہ کرنسی بھی آگے ہی رکھو اچھی خاصی رقم ہے البتہ صبح کو اس چوری کا یقینی پتہ چل جائے گا۔ اگر ہم یہاں سے دور نہیں جاتے تو مشکل پیش آئے گی۔ اس لیے کہ ایک بار پھر تقدیر کا فیصلہ منظور کرو۔ اس رات کو ہمیں آرام نہیں کرنا ہے۔"

کامران نے بدر شاہ کی بات سے اتفاق کیا۔ انہوں نے لباس تبدیل کیے اور آخر کار وہاں سے بھی روانہ ہوگئے۔ بدر شاہ نے آدھی کرنسی کامران کے حوالے کر دی تھی۔ پھر تقریباً کوئی تین میل کا فاصلہ انہوں نے طے کیا تھا کہ اس بار انہیں ایک اور بڑی بستی نظر آئی...... اور اس بستی میں پہنچنے کے بعد انہوں نے سکون کا سانس لیا۔ رات تقریباً آدھی سے زیادہ گزر چکی تھی اب آدھی رات کو کسی کے گھر کا دروازہ تو نہیں کھٹکایا جا سکتا تھا۔ وہ ایک جگہ آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے۔ لیکن نیند نہیں آئی تھی۔ کامران اور بدر شاہ اس بات سے بہت خوش تھے کہ تقدیر نے ان کی مدد کی ہے اور انہیں راہنمائی حاصل ہوئی ہے۔

صبح کو نہ جانے کہاں سے کھانے کی عجیب خوشبو پائی تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ بیٹھے اور پھر یہ دیکھ کر ان کا دل خوش ہوگیا کہ تھوڑے ہی فاصلے پر ایک جھونپڑا نما ہوٹل موجود ہے۔ وہاں غالباً پراٹھے پک رہے تھے۔ جیب میں کرنسی ہو، انسان دو دن کا بھوکا ہو اور پراٹھوں کی خوشبو آئے تو اس کی رفتار کتنی تیز ہو سکتی ہے یہ کوئی بھوکا ہی صحیح طور پر اندازہ لگا سکتا ہے۔ قیمہ اور پراٹھے اتنے کھائے کہ حلق تک بھر گیا اور اس کے بعد چائے کی تین تین پیالیاں۔

دکاندار ایک سیدھا سادہ آدمی تھا اس نے اس بات پر غور نہیں کیا اپنے کپڑوں سے، جگہ ہونے سے وہ دیہاتی معلوم ہو رہے تھے۔ چنانچہ اس نے کوئی توجہ نہیں دی تھی زندگی کی ابتدائی آسودگی حاصل ہوگئی تھی۔ اس کے بعد دن کی روشنی میں وہ اس آبادی کو دیکھنے کے لیے نکلے تو اندازہ ہوا کہ ایک باقاعدہ قصبہ ہے نام بھی معلوم ہوگیا تھا۔ بدر شاہ نے کامران کی طرف دیکھا اور بولا۔

"کامران یہاں سے ہمارا سفر علیحدہ ہوتا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"دیکھو ہم دونوں مفرور قیدی ہیں یقینی طور پر جس جگہ بھی ان لوگوں کی پہنچ ہوگی وہ ہمارا حلیہ نشر کرا دیں گے۔ اب اگر ہم دونوں ساتھ رہے تو شک کی بہت سی نگاہیں ہم تک پہنچ سکتی ہیں اور پھر ویسے بھی دوست زندگی میں ساتھی جدا ہوتے ہیں۔ ہماری بقا کے لیے ضروری ہے کہ ہم ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کرلیں۔ میرے ذہن میں پہلے ہی سے یہ بات تھی۔ اسی لیے میں نے کرنسی کا آدھا حصہ تمہیں دے دیا تھا۔ اب اپنی زندگی کی تلاش کرو۔"

"بدر شاہ کیا تم اسی بستی میں رہو گے؟"

"نہیں میں ایک بس اڈہ دیکھ رہا ہوں۔ جہاں سے بسیں مختلف سمتوں کو جاتی ہیں۔ ہم دونوں کو وہاں سے ایک ایک بس میں بیٹھ کر روانہ ہونا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم بھی مجھے جو کچھ اپنے بارے میں بتا چکے ہو اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ تمہارا خود کسی سمت کا کوئی تعین نہیں ہے چنانچہ تقدیر جہاں بھی لے جائے۔" کامران نے بدر شاہ سے کہا۔

"ٹھیک ہے بدر شاہ۔ پھر ایسا کرو تم جاؤ۔ میں بھی چلا جاؤں گا۔"

بدر شاہ کی بات خاصی حد تک صحیح تھی وہ جانا چاہتا تھا اور اسے روکنا بے معنی تھا۔ چنانچہ کچھ دیر بعد کامران نے اسے ایک بس میں سوار ہوتے ہوئے دیکھا۔ کامران البتہ ذرا سوچ سمجھ کر کام کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے وہ بستی کے بازاروں میں گھوما۔ بازار آہستہ آہستہ کھلتے جا رہے تھے۔ ایک دکان سے کامران نے سستا سا جوتا خریدا اور جوتا پہننے سے پہلے پیر اچھی طرح دھو لیے۔ وہاں سے آگے بڑھا تو وہ ایک حجام کے پاس پہنچا۔ سڑک چھاپ حجام سے اس نے شیو بنوالیا۔ بال ترشوائے، آئینے میں دیکھا تو نہ جانے کیا نظر آیا۔ ماضی کی بہت سی کہانیاں تازہ ہوگئی تھیں۔ لیکن اس کے باوجود یہاں سے جانا تھا۔ کسی بھی سمت کسی بھی جگہ اور ان تمام تیاریوں کے بعد کامران نے بدر شاہ کا فارمولا اپنانا مناسب سمجھا۔ کامران بس کے قریب سب سے پہلے پہنچا اور اس میں بیٹھ گیا اور تھوڑی دیر کے بعد بس اسے اس کی منزل کی جانب لے چلی۔

انسان اپنے لیے زندگی کے کیا کیا معیار بناتا ہے۔ کس کس طرح کی زندگی کے بارے میں سوچتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سب کچھ اس کے بس میں نہیں ہوتا۔ کامران نے آنکھ کھولی تھی وہ کوئی معیاری ماحول نہیں تھا۔ بس ایک عجیب سی زندگی تھی۔ پھر اس کے بعد زندگی کے رخ بدلتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ اس حال کو پہنچ گیا۔ سچی بات یہ ہے کہ اسے کبھی اپنے بارے میں سوچنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ لیکن بس انسان کی سوچیں تو یکساں ہی ہوتی ہیں۔ چاہے وہ کتنا ہی وحشی فطرت کا مالک کیوں نہ ہو۔ کامران ایک سفاک قاتل بھی تھا۔ ایک وحشی انسان بھی تھا۔ وہ سب کچھ تھا۔ کامران جسے اچھی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ اگر وہ خود بھی اپنے بارے میں سوچ لیتا تو یہ احساس ہوتا کہ واقعی میں ایک عام انسان سے مختلف ہوں۔ آج بھی اس کے ہاتھ کسی کی گردن کاٹتے وقت لرزش نہیں کرتے تھے۔ وہ نہایت سفاکی سے کسی کی بھی گردن کاٹ سکتا تھا۔ کسی کو بھی زندگی سے محروم کر سکتا تھا۔

کامران اور بدر شاہ جس طرح جیل سے فرار ہوئے تھے۔ یہ ان لوگوں کی خوش قسمتی تھی جو وہ ان تک نہیں پہنچ پائے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو نہ جانے کتنے لوگوں کو زندگی سے محروم کر کے وہ دوبارہ ان لوگوں کے قبضے میں جاتا۔ لیکن بہر حال طبیعت ہر وقت خونریزی کی طرف مائل بھی نہیں ہوتی کبھی کبھی انسانیت کا لباس پہننے کو بھی دل چاہتا تھا۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ انسان فطری طور پر بہت اچھا ہوتا ہے وقت اور حالات اسے بد سے بدتر بنا دیتے ہیں۔

بس کے سفر میں کامران کی نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں اور وہ ایسے چہرے تلاش کر رہا تھا۔ جو اس کی جانب نگراں ہوں، کامران دیکھ رہا تھا کہ کون اس کے بارے میں شبہے کا اظہار کرتا ہے۔ اس

وقت اس کا جو حلیہ تھا وہ ایسا تھا کہ کوئی خاص طور سے اس کی جانب متوجہ نہیں ہو سکتا تھا۔ کوئی دل کشی نہیں تھی اس کے روپ میں اور یہ اچھا تھا۔ وہ عمدہ لباس پہننا بھی جانتا تھا۔ اچھی زندگی گزارنا بھی آتی تھی اسے۔ لیکن بس ایسے ہی ٹھیک تھا۔

وقت نے اگر کبھی موقع دیا تو اپنے آپ کو سجانے کی کوشش کروں گا کبھی کبھی اس کے دل میں خیال آتا تھا۔

کیونکہ خواہشیں اس کے دل میں بھی جنم لیتی تھیں۔ وہ ان دولت مندوں کے بارے میں بھی جانتا تھا۔ جو عالی شان کوٹھیوں میں رہتے ہیں۔ عالی شان کاروں میں گھومتے ہیں۔ ان کا معیار زندگی ہی دوسرا ہوتا ہے اور وہ بڑے آدمی کہلاتے ہیں۔ خیر کامران اپنے جیسے دوسرے کسی آدمی کی بات نہیں کرتا تھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو دیکھ کر اس کے دل میں جلن کا احساس ضرور پیدا ہوتا تھا۔

لیکن بہرحال ساری سوچیں تو پوری نہیں ہو جاتیں کہیں نہ کہیں تشنگی رہ جاتی ہے اور یہ تشنگی ہی شاید جرم کی زندگی کی طرف مائل کرتی ہے۔ حالانکہ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ ضمیر مجرم ہو تو انسان کا خوشیوں سے واسطہ کم ہی رہ جاتا ہے۔ کامران نے بس کنڈیکٹر کو ایک نوٹ دیا اور اس نے باقی رقم ایک ٹکٹ کے ساتھ واپس کر دی۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ یہ بس کہاں جائے گی۔ یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ اس کا سفر کتنا طویل ہے۔ لیکن یہ سفر تھا دلچسپ، کئی گھنٹے گزرنے کے بعد بس ایک جگہ رکی، تو وہاں ایک ہوٹل بنا ہوا تھا۔ مسافر اترنے لگے کامران بھی اتر گیا۔ ویرانہ تھا لیکن دور دور کے مناظر بے حد خوشنما تھے۔

مسافر یہاں کھانے پینے کے لیے اترے۔ کامران بھی اتر گیا اور اس کے بعد ہوٹل میں داخل ہو کر اس نے بھی کچھ چیزیں طلب کیں، انہیں کھایا، ایک عجیب سی فرحت کا احساس ہوا تھا۔ اپنی پسند کی زندگی گزارنا کتنا حسین مشغلہ ہے۔ یہ کیا کہ جیل کی دیواروں کے پیچھے زندگی گزاری جائے۔ وہ نہ جانے کیا کیا سوچتا رہا۔ بس کی طرف سے اعلان ہوا کہ مسافر واپس آ جائیں۔ بس آگے روانہ ہونے والی ہے۔ پھر دوسری منزل کئی گھنٹے کے بعد کے سفر کے بعد آئی تھی اور کامران یہاں بھی دوسرے مسافروں کے ساتھ نیچے اترا۔ غالباً درمیان کی کوئی آبادی تھی۔

بس کا سفر ابھی اور طویل تھا۔ کامران اس چھوٹے سے خوشنما ہوٹل میں جا بیٹھا۔ جس کے بارے میں اسے بتایا گیا تھا کہ بس یہاں تقریباً آدھے گھنٹے رکے گی اور مسافر آرام سے کھا پی لیں، کیونکہ اس کے بعد جو اسٹاپ ہوگا۔ وہ بس کا آخری سٹاپ ہوگا۔ بہرحال اس زندگی میں کچھ لطف آ رہا تھا۔

چنانچہ کامران پھر ہوٹل میں جا کر بیٹھ گیا اور اس نے وہاں اور بھی کئی گاڑیوں وغیرہ کو کھڑے دیکھا۔ ہوٹل کی ایک میز پر بیٹھنے کے بعد اس نے ویٹر کو بلایا اور اس سے کہا کہ وہ کھانا کھانا چاہتا ہے۔ ویٹر نے اسے کھانوں کے نام بتائے۔ تو اس نے کہا کہ کوئی بھی کھانا لے آؤ۔

کامران کھانا کھانے میں مشغول تھا کہ کھانا کھاتے ہوئے اس کی نگاہ سامنے کی طرف اٹھ گئی۔ اس نے دو افراد کو دیکھا۔ دونوں اسمارٹ نظر آ رہے تھے، عمدہ لباسوں میں ملبوس تھے اور اتفاق کی بات ہے؟ کہ وہ بھی اس کی جانب ہی دیکھ رہے تھے۔ انسان کی چھٹی حس یقینی پوری ہوتی ہے۔ کامران کو اس وقت ان

بات کا احساس ہوا۔ نہ جانے کیوں اسے لگا کہ جیسے ان کی آنکھوں میں کوئی خاص بات ہے۔ دونوں اچھی جسامتوں کے مالک تھے اور خاصے توانا نظر آ رہے تھے۔ نہ جانے کیوں کامران کے ذہن میں ایک بے چینی سی پیدا ہوگئی۔ وہ کھانے میں مصروف رہا اور کوئی دس منٹ کے بعد اس سے فراغت حاصل ہوگئی۔ اس نے ویٹر سے چائے طلب کی اب جب زندگی کو سکون دینا ہی ہے تو کیوں نہ پورے اطمینان کے ساتھ یہ کام لیا جائے۔ اس نے چائے کا آرڈر دینے کے بعد کرسی کی پشت سے گردن ٹکائی اور آنکھیں بند کر لیں۔

نہ جانے کیوں وہ دونوں اس کے ذہن میں کھٹک رہے تھے۔ لیکن اس وقت کامران چونک پڑا جب اسے اپنی میز کی کرسیاں کھسکنے کی آواز سنائی دی۔ وہ دونوں اس کے پاس آ گئے تھے اور بے تکلفی سے کرسیاں گھسیٹ کر بیٹھ گئے تھے۔ کامران نے انہیں دیکھا اور اس کی آنکھوں میں ناگواری کے تاثرات پیدا ہوئے تو ان میں سے ایک جلدی سے بولا۔

''معافی چاہتے ہیں۔ جناب لیکن انسانوں کے درمیان تھوڑی سی دوستی بھی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔'' کامران خاموش نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے ان سے کہا۔

''فرض کیجیے میں پسند نہیں کروں تو؟''

''تب بھی ہم آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہیں گے۔''

''یعنی زبردستی۔''

''آپ اسے زبردستی کہہ لیں۔ لیکن یہ زبردستی نہیں ہے۔''

''آپ کے کہنے سے۔''

''یہی سمجھ لیجیے کہ میں آپ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔''

''دیکھیے ہم آپ سے قانون کے نام پر ایک درخواست کرنا چاہتے ہیں۔''

''مطلب؟'' کامران غرا کر بولا۔ جواب میں ان دونوں نے اپنی اپنی جیب سے اپنے شناختی کارڈ نکال لیے اور انہیں اس کے سامنے رکھتے ہوئے بولے۔

''ہمارا تعلق ڈسپریشن پولیس ڈیپارٹمنٹ سے ہے۔ آپ ان پر ہمارے نام اور نشان دیکھ سکتے ہیں اور ہر شریف شہری کا فرض ہے کہ وہ انتظامیہ سے تعاون کرے۔''

کامران کے بدن میں ایک لمحے کے لیے سنسناہٹ دوڑ گئی تھی۔ بزدل نہیں تھا وہ۔ ان دونوں کو باآسانی اپنے ہاتھوں کے شکنجے میں لے کر زندگی سے محروم کر سکتا تھا۔ لیکن ابھی اس کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور کہا۔

''ٹھیک ہے جناب میں پڑھا لکھا آدمی نہیں ہوں اس لیے آپ کے یہ کارڈ دیکھنا میرے لیے بے کار ہے آپ حکم کریں مجھے کیا کرنا ہے؟''

ان میں سے ایک نے پھر اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک تصویر نکالی۔ یہ تصویر اس وقت کی تھی جب اسے جیل بھیجا گیا تھا اور وہاں اس کی یہ تصویر اتاری گئی تھی اور اسے جیل کے ریکارڈ میں رکھا گیا تھا اور ظاہر بات ہے تھوڑے سے رد و بدل کے ساتھ یہ تصویر اس وقت کے چہرے سے بالکل مل رہی تھی۔ تصویر سے

نکالنے والے نے تصویر نکالی اور کامران کے چہرے کے قریب کرتا ہوا بولا۔

"آپ خود یہ تصویر دیکھ سکتے ہیں۔"

"میری تصویر۔" کامران حیرت زدہ لہجے میں بولا۔

"آپ تسلیم کرتے ہیں نا کہ یہ آپ ہی کی تصویر ہے۔"

"ہاں یقیناً میری تصویر ہے، مگر یہ آپ کے پاس کہاں سے آئی؟" کامران نے حیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ ان دونوں کی تیز نگاہیں اس کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں اور وہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ اس کی کھوپڑی میں اتر کر اسکی اصلیت جاننا چاہتے ہیں۔

"یہ جیل سے بھاگے ہوئے دو قیدیوں میں سے ایک کی تصویر ہے اور اس شخص کا نام کامران ہے، معاف کرنا ہم نے تمہارا نام نہیں پوچھا۔"

"لوگ مجھے حفیظ کہتے ہیں۔" اس نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر کہا۔

مسٹر حفیظ! ہماری اپنی زندگی میں ایسے بہت سے واقعات پیش آئے ہیں جب اتفاق سے دو شکلیں ایک جیسی مل گئی ہیں۔ حالانکہ جیل سے بھاگا ہوا قیدی جس کا نام کامران ہے، جیل سے بھاگتے وقت دوسرے حلیے میں تھا۔ اس کی داڑھی بڑھی ہوئی تھی اور اس کا لباس جیل کا تھا اور اس کا حلیہ اس تصویر سے بالکل مختلف تھا۔ لیکن حلیہ درست بھی کیا جا سکتا ہے آپ صرف ہمارا شک دور کریں گے۔ کیا سمجھے۔

"گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس تصویر کی وجہ سے آپ مجھے جیل سے بھاگا ہوا قیدی قرار دیں گے۔"

"بالکل نہیں قرار دیں گے۔ اگر آپ وہ قیدی نہ نکلے تو آپ کہاں جا رہے تھے؟"

"جی وہ سامنے والی بس کھڑی ہے نا میں اس کا مسافر ہوں ایک جگہ ملازمت کرتا ہوں جہاں سے یہ بس چلی ہے اور جہاں یہ ختم ہوگی وہاں میرا گھر ہے۔ آپ چاہیں تو دیکھ سکتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے ہم بالکل یہ چاہیں گے۔ لیکن جہاں اس بس کا سفر ختم ہوتا ہے وہیں پولیس ہیڈ کوارٹر بھی ہے۔ آپ! اگر آپ کا کوئی سامان اس بس میں رکھا ہو تو اٹھا کر ہماری جیپ میں لے آئیں۔ اصل میں ہمیں یہ تصویر بھی فراہم کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ جیل سے بھاگنے والے دو قیدیوں کو تلاش کیا جائے۔ ان میں سے ایک کی تصویر یہ ہے۔ جو ہم نے آپ کے سامنے رکھی ہے۔ دوسری تصویر بھی اگر آپ دیکھنا چاہیں تو......" اس نے دوبارہ جیب میں ہاتھ ڈالا اور وہ دوسری تصویر بھی نکال لی...... اور ظاہر ہے یہ تصویر بدر شاہ کی تھی۔ کامران نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"حالانکہ میں تنہا ہوں...... اور میرے ساتھ کوئی سامان وغیرہ بھی نہیں ہے لیکن پھر بھی مجھے لگ رہا ہے کہ جیسے میں کسی مصیبت میں پھنس گیا ہوں۔"

"بالکل نہیں...... ہر شریف آدمی ہمارے لیے اتنا ہی قابل احترام ہے جتنے آپ ہیں۔ آپ براہ کرم اٹھیے اور ہمارے ساتھ چلیے لیکن اس فراغت کے بعد بلکہ اس تکلیف دہی کی وجہ سے آپ کا بل بھی ہم خود ادا کریں گے۔" اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔ لیکن کامران کا ذہن برق رفتاری سے کام کر رہا تھا۔ ظاہر ہے بھاڑ میں سے نکل کر چولہے میں تو جانے سے رہا۔ اسے کچھ نہ کچھ کرنا تھا اور اس نے اپنے آپ کو اس کے لیے مستعد کر لیا۔ ان کی جیپ اس ہوٹل سے کافی فاصلے پر کھڑی ہوئی تھی اور اس پر پولیس کے نشانات نظر آ رہے تھے۔ کامران نے بڑے پرسکون انداز میں ان سے تعاون کیا اور بل بھی انہیں ادا کرنے دیا۔ پھر اس نے کہا۔

"دیکھیے جناب اگر قانون کے محافظ ہیں تو میں بھی قانون کی عزت کرنے والا ایک شہری ہوں۔ آپ کے ساتھ مکمل تعاون کروں گا۔ یہ سب کچھ کر کے آپ مجھے شرمندہ نہ کریں۔" انہوں نے کامران کی اس شرافت کا شرافت ہی سے جواب دیا تھا اور اس کے بعد نہایت دوستانہ انداز میں اسے جیپ کی جانب لے چلے تھے۔

ایک انتہائی نازک موڑ آ گیا تھا۔ اگر کامران ذرا بھی غفلت برتتا اور یہ لوگ اسے لے کر پولیس ہیڈ کوارٹر پہنچ جاتے تو اتنا کامران بھی جانتا تھا کہ پولیس اس قدر بے وقوف نہیں ہوتی کہ اس کی شناخت نہ کر پاتی۔ اس کی انگلیوں کے نشانات پولیس کے ریکارڈ میں موجود ہوں گے۔ اس کی آواز...... چال ڈھال...... اس کا انداز سب کچھ ان کے پاس موجود ہوگا۔ اس وقت ان سے تھوڑا سا تعاون اور اس کے بعد موقع کی تلاش ایک لمحے کے اندر کامران نے اپنے ذہن میں فیصلہ کر لیا تھا اور چونکہ اس نے اب تک ان کے ساتھ بہترین تعاون کیا تھا۔ اس لیے وہ اس کی جانب سے کچھ مطمئن سے ہو گئے تھے۔ ممکن ہے انہیں یہ خیال ہو کہ واقعی کامران وہ شخص نہیں جسکی انہیں تلاش ہے۔

غلط فہمی تو ہر انسان کو ہو سکتی ہے اور چہرے ہر جگہ مشابہت رکھ سکتے ہیں۔ وہ ان کے ساتھ اس جیپ میں جا بیٹھا۔ جو کچھ فاصلے پہ کھڑی تھی اور یہ بھی بہت اچھی بات ہے کہ ان دو کے علاوہ ان کے ساتھ کوئی تیسرا شخص نہیں تھا۔ البتہ کامران یہ سوچ کر حیران تھا۔ پولیس نے جو کچھ بھی کیا تھا۔ نہایت برق رفتاری سے کیا تھا۔ دو مفرور قیدیوں کے فرار کی کہانی ہر جگہ پھیل گئی تھی۔ نہ صرف یہ بلکہ اسپیشل پولیس والوں کو ان کی تصویریں تک فراہم کر دی گئی تھیں۔ ان میں سے ایک شخص نے جیپ اسٹارٹ کر کے آگے بڑھائی۔ دوسرا کامران کے پاس بیٹھ گیا اور اس کے بعد جیپ چل پڑی۔

بہرحال اپنے آپ کو کامران نے ان لوگوں میں کتنا ہی معصوم اور شریف زادہ ظاہر کیا تھا۔ لیکن نہ وہ معصوم تھا اور نہ شرافت سے اس کا کوئی تعلق تھا۔ اس نے اپنے ذہن میں ایک منصوبہ تراش لیا تھا اور اگر واقعی کامران ان کے ساتھ اس شرافت کا برتاؤ نہ کرتا اور اتنے خلوص سے پیش نہیں آتا تو لازمی امر تھا کہ یہ اپنے انتخابات کی بنا پر اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑی ڈال سکتے تھے۔ لیکن اس کے رویے نے انہیں نرم کر لیا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد ہوٹل پیچھے رہ گیا۔ بس کے بقیہ مسافر وہیں موجود تھے اور اب نظر نہیں آ رہے تھے۔ سڑک بہت سی جگہوں سے نشیب و فراز میں اترتی تھی اور چڑھتی تھی۔ خوب صورت راستہ نگاہوں کے سامنے تھا۔ خاموشی طویل ہو گئی تو کامران کے ساتھ بیٹھے ہوئے آدمی نے کہا۔

"آپ کس سوچ میں پڑ گئے جناب؟"

"دیکھیے اگر ایسی کوئی مصیبت انسان کے گلے میں پڑ جائے تو خوف زدہ تو ہوتا ہی ہے۔"

"ہاں آپ بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔ لیکن آپ کو ہم پر بھروسا رکھنا چاہیے۔ آپ واقعی ایک شریف

آدمی ہیں اور دنیا کا کوئی بھی شخص کسی بھی شریف آدمی کو پریشان کرنا پسند نہیں کرتا...... آپ نے خود دیکھا کہ
آپ کی تصویر ہمارے مفرور قیدی کی...... میرا مطلب ہے آپ کا چہرہ ہمارے مفرور قیدی کی تصویر سے ملتا
ہے۔ ہماری غلط فہمی بھی بے جا نہیں ہے۔"

"بالکل...... بالکل...... میں نے اس بات سے انکار نہیں کیا۔"

"یہ تھوڑا سا تعاون آپ کو ہمارا مستقل دوست بنا دے گا۔ ویسے کیا کرتے ہیں؟"

"بھائی جی! بہت چھوٹا موٹا کاروبار کرتا ہوں یہ جو ہوتے ہیں نا (بٹن اور سلائی کا دوسرا سامان وغیرہ۔) اس کی چھوٹی سی دکان ہے۔ شہر جاتا ہوں سامان لے آتا ہوں بس گزارا ہو جاتا ہے۔"

"ٹھیک...... ٹھیک چلیں آپ کو شہر چھوڑ دیا جائے گا۔ آپ کا کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ بس ایک دو گھنٹے آپ ہمیں دے دیں گے۔"

"خوشی کے ساتھ۔" اس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے کہا اور دور دور تک نگاہیں دوڑائیں۔ دائیں بائیں سامنے پیچھے بسیں کئی بار یہاں سے گزری تھیں۔ کئی بار سامنے آئی تھیں۔ لیکن اس وقت اتفاق سے کم از کم دور دور تک کوئی بس نہ پیچھے تھی نہ آگے۔ کامران بدستور سینے پر ہاتھ رکھے ہوئے تھا اور اس کے بعد جو اس نے کیا وہ ان لوگوں کی توقع کے برعکس تھا۔ یعنی گردن ہی جھکا دی تھی اور اچانک ہی اس نے ایک زوردار ٹکر برابر بیٹھے ہوئے شخص کی ناک پر ماری اور اس کے حلق سے ایک آواز سی نکل گئی۔ ان لوگوں کو شاید اس کی جسمانی طاقت کا اندازہ نہیں تھا۔ جیل کی زندگی میں انتہائی مشقت کرنے کے بعد اور پہاڑی پتھروں کو ریزہ ریزہ کرنے کے بعد اس کے جسم و جاں میں جو قوت پیدا ہو گئی تھی۔ وہ ان لوگوں کے تصور میں نہیں ہوگی۔

اس کی ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی یا اگر نہیں بھی ٹوٹی تو شدید زخمی ہو گئی اور کامران نے اس کو اس کی جگہ سے اٹھایا گردن پکڑی پتلون کی بیلٹ پکڑی اور ڈرائیونگ کرنے والے پر دے مارا اس بات سے بے نیاز ہو کر کہ اس کا کیا بنے گا۔ یا جیپ کا کیا ہوگا۔ البتہ بالکل بے وقوفی سے کام نہیں لیا تھا اس نے۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ جیپ کے دونوں طرف اس وقت کوئی گڑھا اور کھائی نہیں ہے۔ بلکہ درخت لگے ہوئے تھے۔ چنانچہ ایسا کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اندازے کے مطابق ڈرائیونگ کرنے والا اس اچانک افتاد سے بہک گیا اور جیپ سڑک چھوڑ کر درختوں کی طرف لپکی۔ کامران نے اپنے آپ کو بیلنس کر رکھا تھا۔

چنانچہ جیسے ہی جیپ ایک درخت سے ٹکرائی اس نے اپنے جسم کو جھٹکے سے سنبھال کر پھرتی سے نیچے چھلانگ لگا دی۔ اس کے بعد اتنی تیزی سے دوڑا کہ اگر کسی ٹورنامنٹ میں حصہ لے رہا ہوتا تو پہلا پرائز اس کا ہی ہوتا۔ لیکن اس کے مدمقابل بھی سیکورٹی سے تعلق رکھتے تھے۔ اپنی شرافت سے دھوکا کھا کر انہوں نے جو نقصان اٹھایا تھا۔ ظاہر ہے اس سے ان کے جسم میں ٹوٹ پھوٹ ہوئی ہوگی۔ لیکن اپنے کو بچانا انہوں نے بھی سیکھا تھا۔ جیپ کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس کا کیا حشر ہوا۔ لیکن تھوڑی دور نکلنے کے بعد کامران نے پلٹ کر دیکھا تو وہ دونوں اپنے اپنے پیروں پر کھڑے نظر آئے۔ وہ ایک دوسرے کو سہارا دیے ہوئے تھے اور پھر انہوں نے دوڑنا شروع کر دیا۔ رخ کامران ہی کی جانب تھا۔

"واہ......" کامران نے دل میں سوچا اچھے مدمقابل ہیں۔ ذرا بھاگ دوڑ کا مزہ آئے گا۔ لیکن

اس وقت اور مزہ آیا۔ جب کامران نے فائروں کی آواز سنی اور اگر ذرا سا ڈھلان نہ آجاتا تو یقینی طور پر ان کے ریوالور سے چلائی ہوئی گولیاں کامران کے جسم میں سوراخ کر دیتیں۔

"ارے باپ رے...... یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں تھا۔" کامران کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ اس کے بعد اس نے ڈھلان میں اترتے ہی راستہ بدل لیا اور پھرتی سے بائیں سمت بھاگنے لگا۔ کوئی خاص مقصد نہیں تھا۔ راستے بے شک ناہموار تھے۔ لیکن کامران صرف یہ دیکھ رہا تھا کہ وہ سیدھے دوڑتے ہوئے آ رہے ہیں۔ اصل میں ان کے ریوالوروں سے خطرہ تھا۔ کامران ایک لمحے کے لیے چھپنے کے لیے کوئی جگہ تلاش کرنا چاہتا تھا۔ ویسے بھی کامران کے اور ان کے درمیان میں فاصلہ بے حد ہو گیا تھا کہ اگر وہ کنارے تک پہنچیں تو کامران کو خاصی دور نکلنے کا موقع مل جائے گا۔ یہی موقع اس کے لیے فائدہ مند ہو سکتا تھا اور آگے چل کر اسے یہ موقع مل گیا۔ وہ پتھریلی چٹانیں اس کی معاون بن سکتی تھیں۔ جو اس راستے میں بکھری ہوئی تھیں۔

چنانچہ اس نے سب سے پہلے ان پتھریلی چٹانوں کی آڑ لی اور یہاں رک کر اپنا سانس درست کرتا رہا اور پھر اس نے ہلکا سا جھانک کر دیکھا۔ وہ دونوں ابھی ڈھلان کے کنارے تک نہیں پہنچے تھے۔ دونوں ہی زخمی ہوں گے اور برق رفتاری کا وہ مظاہرہ نہیں کر سکیں گے۔ جو اس وقت کامران کر رہا تھا۔ لیکن چند ہی لمحوں بعد وہ اسے ڈھلان کے سرے پر نظر آئے۔ دونوں کے ہاتھوں میں ریوالور دبے ہوئے تھے اور دونوں شانے سے شانہ ملائے ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔ وہ جس کی ناک زخمی تھی۔ اس نے شاید ناک پر رومال رکھا ہوا تھا۔ دوسرے ہاتھ سے ریوالور تھامے ہوئے تھا۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرف گم ہو گیا ہے۔ پھر جب کامران نے انہیں اتر کر سامنے جاتے ہوئے دیکھا تو اس کے ہونٹوں پر ایک آسودہ سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

اور اس نے سوچا اب دیر نہیں کرنی چاہیے۔ چنانچہ چٹانوں کے درمیان زگ زیگ راستہ بناتا ہوا کامران آگے کی سمت دوڑنے لگا۔ ہر قیمت پر اسے ان کے چنگل سے نکل جانا تھا اور اس کی رفتار انتہائی تسلی بخش تھی۔ اس کے بعد بہت دیر تک وہ دوڑتا رہا۔" اس دوران رک رک کر صورت حال کا جائزہ بھی لیتا رہا تھا۔

لیکن وہ دونوں بھٹک گئے تھے۔ ہو سکتا ہے واپس بھی چلے گئے ہوں لیکن دشمن کی طرف سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہیے۔ اسی قول کے مصداق جس حد تک ہو سکتا تھا آگے بڑھتا رہا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد چٹانوں کی گھاس کے عقب میں یا کسی جھنڈ کے پیچھے چھپ کر وہ ماحول کا جائزہ بھی لیتا تھا کہ کہیں وہ اس کا تعاقب تو نہیں کر رہے ہیں لیکن ایسا نہیں تھا۔ پھر اس نے ایک جگہ رک کر سانس لینے کا فیصلہ کر لیا۔

حالات اس کے حق میں تھے۔ اس نے ایک سایہ دار جگہ پر بیٹھ کر زور سے آنکھیں بھینچیں اور گزرتے ہوئے وقت کا انتظار کرنے لگا۔ یہ اندازہ تو اسے ہو گیا تھا کہ وہ انہیں ڈاج دینے میں کامیاب ہو گیا ہے اور اب ان کا اس تک پہنچنا مشکل ہے۔ لیکن بہرحال جس طرح انہوں نے اپنے آپ کو سنبھالا تھا۔ اس سے یہ خطرہ بدستور باقی تھا اور کامران کوئی احمقانہ غلطی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بیٹھے بیٹھے اس کی نگاہ دور ایک ایسی جگہ پر پڑی۔ جسے دیکھ کر نہ جانے کیوں ذہن کے پردوں پر کچھ مٹے مٹے نقوش ابھر آئے تھے۔ یہ ایک کھنڈر تھا۔ ایک ٹوٹا ہوا گھر! اور نہ جانے کیوں فاصلہ اچھا خاصا ہونے کے باوجود کامران کو یہ احساس ہوا کہ

اس ٹوٹے ہوئے گھر کو پہلے بھی کبھی دیکھا ہے۔

اس ویرانے میں یہ ایک ہی مکان تھا۔ لیکن اب اسے مکان کہنا بے وقوفی کی بات تھی۔ نہ جانے اس کا ماضی کیا ہوگا۔ کیونکہ خاصے وسیع و عریض حصے میں پھیلا ہوا تھا اور ذہن کے وہ مٹے مٹے سے نقوش مربوط ہوتے جا رہے تھے۔ وہ اس مکان میں پہلے بھی آ چکا تھا۔ بہت پہلے اس وقت وہ استاد سلامت کے ساتھ رہتا تھا اور آخری بار ایک مکان میں گٹر لائن کے ذریعے گھس کر، اس نے ایک فائل چرائی تھی۔ جو سرخ رنگ کے کور میں لپٹی ہوئی تھی۔ لیکن اس کے بعد باہر آ کر پتا چلا کہ باہر پولیس نے تباہی مچا رکھی ہے۔ استاد سلامت مارا گیا تھا اور کئی لڑکے بھی مارے گئے تھے۔

اور پھر کامران بھاگا اور وہ فائل...... وہ فائل کامران نے اسی کھنڈر میں چھپائی تھی۔ نہ جانے کیوں ذہن کو ایک عجیب سا احساس ہوا تھا اور یہاں وقت گزارنے کی بجائے کامران اپنی جگہ سے اٹھا اور ان کھنڈرات کی طرف بڑھ گیا۔ کامران کے اوپر نہ جانے کیسا احساس غالب آ گیا تھا جس کے تحت وہ یہ سب کچھ کر رہا تھا۔ ورنہ کاغذوں کے ڈھیر سے اسے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ مگر اس وقت اس کے دل میں یہ آرزو شدت سے پروان چڑھ رہی تھی کہ ذرا دیکھوں تو سہی۔

گزرے ہوئے زمانے نے کیا کیا رنگ دکھائے ہیں۔ کھنڈر ابھی تک اسی انداز میں پڑا ہوا ہے۔ تو ممکن ہے وہ فائل بھی وہیں موجود ہو حالانکہ اس سے پہلے اسے نہیں معلوم تھا کہ استاد سلامت وہ فائل کیوں حاصل کرنا چاہتا ہے یا اس میں کیا ہے۔ اسے ایسی چیزوں سے پہلے کبھی دلچسپی نہیں رہی تھی۔

کامران کو وہ انگریز بھی یاد تھے۔ جنہوں نے استاد سلامت کو اس کام پر آمادہ کیا تھا ایک عجیب سی کیفیت دل پر طاری ہو گئی۔ لیکن احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا۔ اس نے کہا۔ وہ بھی چٹانوں کی آڑ لے کر چل رہا تھا۔ اس کی رفتار بہت سست تھی۔ لیکن اسے یہ بھی خیال تھا کہ اگر زخمی آدمیوں نے سیکورٹی کے دوسرے لوگوں کو ہوشیار کر دیا تو وہ لوگ کچھ ہیلی کاپٹر وغیرہ لے آئے تو اسے آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے۔ آیا! اس کے لیے یہ کھنڈر نہایت مناسب جگہ ہے یہاں محفوظ رہنے کے لیے بہت سے مقامات ہیں۔

کامران کو یاد تھا اس نے دیکھا تھا۔ یہاں کئی دالان بنے ہوئے تھے۔ اس نے اسے گھر کہا تھا۔ لیکن حقیقی معنوں میں یہ گھر نہیں تھا۔ پتلی اینٹوں سے بنی ہوئی ایک قدیم طرز کی عمارت تھی۔ غالباً مغلوں کے دور سے اس کا تعلق تھا۔ چونکہ مغلوں ہی کو شوق تھا کہ جگہ جگہ اینٹوں کے ڈھیر لگاتے رہیں اور اپنی نشانیاں چھوڑ جائیں۔

یہ بادشاہ بھی خوب ہوتے ہیں جو دل چاہتا ہے کر لیتے ہیں اور اپنا نام در و دیوار پر لکھ جایا کرتے ہیں۔ کیا حاصل ہوتا ہے؟ اس نام سے۔ کیا تصور ابھرتا ہے۔ ان ناموں کے ساتھ۔ سوائے اس کے کہ واہ واہ دیکھو۔ کیا صاحب ذوق تھے۔ ان تصورات نے فاصلے کم کر دیے اور تھوڑی دیر کے بعد وہ اینٹوں کے اس ڈھیر میں داخل ہو گیا۔ کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہا تھا۔

آگے چل کر مٹی پتلے پتلے ستون جن کے سامنے تین سیڑھیاں، اوپر چبوترہ، چبوترے کے بعد سیدھے دروازے اور بغیر چھت کا دالان۔ بغیر چھت کا اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اس کی چھت اسی وقت گر چکی تھی جب کامران پہلی بار یہاں آیا تھا اور نیچے اینٹوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ اس کے بعد باہر کی سمت ایک

ٹوٹا پھوٹا دروازہ۔ ایسے دروازے سامنے اور دوسری طرف بھی تھے۔ لیکن باہر کی سمت کا ٹوٹا ہوا دروازہ کامران کے لیے اس لیے باعث دلچسپی تھا کہ وہاں اس نے ایک فائل چھپائی ہوئی تھی۔ وہ فائل یقینی طور پر کسی اہمیت کی حامل تھی اور استاد سلامت کو اس کی ضرورت تھی۔ پتا نہیں کوئی یہاں تک پہنچا یا نہیں؟

فائل کسی کے ہاتھ لگی یا نہیں۔ اپنی دانست میں تو اس نے ایک محفوظ مقام پر چھپایا تھا۔ کامران اندر داخل ہو گیا اور اس کے بعد اس نے ایک جگہ اس فائل کو دیکھا اور جب اس خلاء میں ہاتھ ڈالا تو فائل کا سرا اس کے ہاتھ میں آ گیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی سانپ کی ایک پھنکار بھی سنائی دی۔ انتہائی خوف زدہ ہو کر فائل کامران نے اوپر کھینچ لی۔

اسے خدشہ تھا کہ کہیں سانپ فائل کے اوپر ہی نہ بیٹھا ہو اور فائل کے ساتھ ساتھ نیچے آ گرے۔ لیکن ابھی اتنی روشنی باقی تھی کہ وہ دیکھ سکتا تھا کہ سانپ فائل کے ساتھ گرا ہے یا نہیں۔ سانپ نہیں گرا تھا۔ لیکن اس کے حساس کانوں نے یہ اندازہ اچھی طرح لگا لیا تھا کہ سانپ وہاں موجود ہے۔ کامران نے فائل کو اٹھایا اور دوڑتا ہوا اسی ڈر سے باہر نکل آیا۔ دل پر ایک دہشت سی سوار ہو گئی تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ اس کھنڈر میں سانپ ہے اور یہاں زندگی گزارنا اپنی جان خطرے میں ڈالنے کے مترادف ہے۔

لیکن دوسری طرف بھی زندگی خطرے میں ہی تھی۔ کم از کم یہ جائزہ لے لیا جائے کہ سیکورٹی کے آدمی اس کی تلاش میں چاروں طرف پھیل گئے ہیں یا نہیں۔ اس کے علاوہ اب تھوڑا سا راستہ بھی ذہن میں بنتا جا رہا تھا۔ فائل کو اس نے زور زور سے ہاتھ مار کر جھاڑا اور پھر اس چبوترے پر آ گیا جہاں سے دور دور تک دیکھا جا سکتا تھا۔ لیکن اینٹوں کی چند دیواریں اب بھی قائم تھیں اور وہ ان کے درمیان پناہ لے سکتا تھا۔ سانپ کی پھنکار نے اسے خوف زدہ کر دیا تھا اور اس سے بچنے کے لیے اس نے انتظامات شروع کر دیے۔

فائل کو ایک جگہ رکھ کر اس نے اینٹوں کے ایسے ٹکڑے اٹھائے۔ جن سے وہ سانپ کا نشانہ لے سکے۔ اگر وہ ادھر آئے اور اس کے بعد اس نے اپنے لیے ایک مناسب ٹھکانا بنا لیا اور وقت گزارنے لگا۔ سورج چھپ گیا۔ کامران نے فیصلہ کر لیا تھا کہ تقریباً آدھی رات تک یہاں رکے گا اور جب یہ اطمینان ہو جائے گا کہ قرب و جوار میں کوئی نہیں ہے تو پھر یہاں سے نکلنے کی کوشش کرے گا۔

وہ بستی وہ راستے اسے یاد تھے جن سے گزر کر وہ یہاں تک آیا تھا اور اس کے بعد واپس وہاں پہنچا تھا۔ چنانچہ اچھا خاصا مطمئن ہو گیا۔ رات بڑی برق رفتاری سے آگے بڑھتی رہی۔ کیوں کہ کامران کا پیٹ بھرا ہوا تھا۔ اس لیے اس وقت بھی اسے کوئی خاص بھوک نہیں تھی۔ آدھی رات کے بعد جس سفر کا آغاز ہوگا وہ اسے بستی تک پہنچا دے گا اور پھر وہاں کھانا وغیرہ کھایا جا سکتا تھا۔ جیب میں بھی مناسب رقم موجود تھی اور کھانا وغیرہ کھایا جا سکتا تھا۔ اس لیے اسے کوئی خاص پروا نہیں تھی۔

بہرحال تھوڑی دیر کے بعد چاند نے سر ابھارا اور پر اسرار کھنڈر میں روشنی پھیل گئی اس روشنی میں شوقیہ طور پر اس نے اس فائل کے بند کھولے اور اس میں لگے ہوئے کاغذات دیکھنے لگا۔ ایک لمحے کے اندر اسے احساس ہوا کہ اگر تیز ہوا کے جھونکے چل پڑے تو یہ بوسیدہ کاغذات ریزہ ریزہ ہو کر بکھر جائیں گے۔ ان کی رنگت کی پیلاہٹ کا رات کی اس روشنی میں صحیح اندازہ تو نہیں ہو رہا تھا۔ لیکن صفحات اس قدر سخت

تھے۔ اس سے احساس ہوتا تھا کہ ذرا سی لغزش سے یہ ریزہ ریزہ ہو سکتے ہیں۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے۔" دیکھنا چاہیے کہ ان میں کیا ہے؟"

لیکن یہ دیکھنے کے لیے کسی مناسب جگہ کا انتظام ضروری تھا۔ چنانچہ اس نے احتیاط سے اس فائل کو دوبارہ باندھ لیا اور مزید احتیاط کرنے کے لیے اسے ایک جانب رکھ دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ حالات بتا رہے تھے کہ کم از کم سیکورٹی والے یہاں تک نہیں پہنچے۔ اپنے حافظے کو مجتمع کر کے اس نے ان سمتوں کا اندازہ لگا لیا۔ جہاں سے دوڑ کر وہ اور اس کا دوست نعیم یہاں تک آئے تھے اور اس کے بعد یہاں سے نکل گئے تھے۔

کامران کی یادداشت مسلسل اس کا ساتھ دے رہی تھی اور اس نے بستی کی اس سمت کا اندازہ لگایا تھا۔ ویسے یہ حقیقت ہے کہ اگر کوئی بلند جگہ اسے مل جاتی تو وہاں سے دیکھتا تو یقینی طور پر اسے بستی کے چراغ اور روشنیاں نظر آ جاتیں۔ خیر یہ کوئی اہم مسئلہ نہیں تھا۔ زندگی کی بہت سی گزری ہوئی یادیں دماغ سے گزرتی رہیں اور پھر نہ جانے کتنا وقت گزرا تھا کہ اچانک ہی اسے اینٹوں پر انسانی قدموں کی آواز سنائی دی اور وہ سہم کر رہ گیا۔ اس نے دل میں سوچا۔

"ارے باپ رے اس کا مطلب ہے ان کم بختوں نے میرا پیچھا نہیں چھوڑا۔ اب کرنا کیا چاہیے؟" سانپ کو مارنے کے لیے جو اینٹیں اس نے جمع کی تھیں۔ ان میں سے دو اینٹوں کے ٹکڑے اس نے اٹھا لیے۔ اس وقت بھی اس کا ہتھیار ہو سکتے تھے اور وہ سانس روکے انتظار کرتا رہا۔ پھر سامنے والے ستون کے پاس اسے ایک انسانی سایہ نظر آیا اور اس وقت اس سائے نے بھی اسے دیکھ لیا۔ وہ بری طرح سہم گیا تھا۔ اس نے بھاگنے کی کوشش کی لیکن اینٹوں پر سے اس کا پاؤں پھسل گیا اور وہ نیچے گر پڑا۔ کامران کو اندازہ ہو گیا کہ وہ تنہا ہی ہے۔ چنانچہ اس نے غرا کر کہا۔

"خبردار اپنی جگہ پڑے رہو اگر اٹھنے کی کوشش کی تو تمہارے ہاتھ پاؤں ٹوٹ جائیں گے۔" وہ جو کوئی بھی تھا۔ اپنی جگہ ساکت رہ گیا۔ البتہ اس نے دونوں ہاتھ نکال لیے تھے اور اینٹوں کے ڈھیر ہی پر اکڑوں بیٹھ گیا تھا۔ کامران سن گن لیتا رہا۔ وہ یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس کے ساتھ اور کتنے افراد ہیں۔ اگر یہ ان دونوں میں سے ایک ہے تو اس کا دوسرا ساتھی کس کیفیت میں ہے۔ یا وہ پولیس فورس کی مدد لینے کے لیے گیا ہے؟ یا پھر...... یا پھر...... لیکن اسے کوئی اندازہ نہیں ہو سکا۔ کامران آہستہ سے آگے بڑھا اور اس کے بعد اس نے کہا۔

"اٹھ جاؤ...... کھڑے ہو جاؤ۔"

"دیکھو بھائی اگر تم پولیس والے نہیں ہو تو میرے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہارے لیے کوئی غلط بات نہیں سوچوں گا۔ نہ تمہیں کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کروں گا۔"

کامران اس کے الفاظ کو سنتا رہا۔ نہ جانے کیوں ایک بار پھر اس کے ذہن میں ایک خلش سی بیدار ہو گئی تھی۔ یہ آواز یہ لہجہ وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور اس کے قریب پہنچ گیا۔ چاند کی روشنی اتنی تیز تھی کہ دونوں ایک دوسرے کے نقش اچھی طرح دیکھ سکتے تھے۔ دوسرے ہی لمحے اس شخص کے منہ سے آواز نکلی۔

"کامران۔" اور اب کامران کے ذہن کے بند بھی کھل گئے۔ کامران کے ہاتھوں سے اینٹیں گر پڑیں اور اس کے منہ سے نکلا۔

"نعیم خان۔"

"کامران ہی ہے نا تو میرے بھائی؟" "تو کامران ہی ہے نا میری جان۔ میرے دوست!" وہ بری طرح کامران سے لپٹ گیا اور پھر نہ جانے کتنی دیر تک وہ لپٹے کھڑے رہے تھے۔ کون کہتا ہے کہ دنیا کا برے سے برا انسان محبت سے دور ہوتا ہے۔ محبت ایک آفاقی جذبہ ہے اگر انسان کے دل میں محبت نہ ہو تو انسانیت کا وجود مٹ جائے۔ کوئی نہیں تھا اس کا اس دنیا میں لیکن انسان تھا۔ بچپن کا ایک ساتھی تھا اور کامران کا دل بے پناہ خوش ہوا تھا۔ اس کے مل جانے سے، اس کا مطلب تھا کہ محبت کے افسانے موجود تھے اور وہ بھی کسی کو چاہ سکتا تھا۔ بشرطے کہ کوئی چاہنے والا ہے۔

وہ دونوں بڑی دیر تک ایک دوسرے سے لپٹے رہے۔ پھر نعیم نے کہا۔

"کیسی عجیب بات ہے کامران! تم یقین کرو یہاں تک آئے ہو میرے دل میں یہ خیال آیا تھا کہ ایک بار میرا دوست انتہائی برے حالات میں یہاں تک آیا تھا۔ کاش آج بھی وہ یہاں پہنچ جائے۔ کامران لوگ کہتے ہیں کہ انسان کی زندگی کے پورے چوبیس گھنٹے میں ایک لمحہ ایسا ضرور آتا ہے جب وہ دل سے کسی بات کی آرزو کرے اور اس کی وہ آرزو پوری ہو جائے۔ مجھے تو یقین نہیں آ رہا کہ ایسا ہو چکا ہے۔"

"تم پہلی بار یہاں آئے ہو؟"

"دوسری بار۔"

"ہاں...... میرا مطلب ہے اس وقت کے بعد۔"

"ہاں۔ اس وقت کے بعد میں پہلی بار یہاں آیا ہوں۔"

"نعیم خان! یہاں سانپ ہے میں اس کی پھنکار سن چکا ہوں۔ کیا خیال ہے یہاں سے ہٹ کر کسی اور جگہ چٹان کی آڑ میں بیٹھیں۔" نعیم خان نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا پھر بولا۔

"ٹھیک ہے چلو۔ باہر چلتے ہیں کیوں خطرہ مول لیا جائے۔"

"ہاں......" کامران نے کہا۔ واپس آتے ہوئے کامران نے پتھر پر رکھی ہوئی فائل اٹھائی تو نعیم چونک پڑا۔

"یہ...... یہ کیا یہ وہی فائل ہے؟ جسے ہم نے یہاں محفوظ کیا تھا۔"

"ہاں وہی ہے۔"

"میرے خدا...... میرے خدا...... تم اسے ساتھ لیے ہوئے پھر رہے ہو۔ یا آج ہی اسے حاصل کیا ہے؟"

"اس دن کے بعد سے آج ہی یہاں پہنچا ہوں اور آج ہی میں نے یہ فائل حاصل کی ہے۔"

"خیر اس سے تو انکار نہیں کہ انسان کی کوششوں سے ہٹ کر الگ ایک ایسی دنیا ہے جہاں اس کی ان کوششوں کا یقین ہوتا ہے۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ فیصلے اس نے کیے ہیں۔ لیکن فیصلے کہیں اور سے ہوتے ہیں اور

عمل بھی کہیں اور سے ہی ہوتا ہے۔"

"بالکل ٹھیک کہتے ہو مجھے تم سے اتفاق ہے۔ میں بھی اس طرف آ پہنچا تھا پھر میں نے یہ کھنڈرات پہچان لیے۔ مجھے یہ فائل یاد آئی اور میں نے یہ فائل یہاں سے نکال لی۔ حالانکہ استاد سلامت کی موت کے بعد ہمارے لیے یہ ساری چیزیں بے معنی ہیں۔"

"دیکھا اس میں کیا ہے؟"

"اتنے بوسیدہ کاغذات ہیں کہ اگر فائل کھول کر دیکھا جائے اور فائل ہاتھ سے گر پڑے یا تیز ہوا چلنے لگے تو ریزہ ریزہ ہو جائیں۔"

"گویا کوئی بہت ہی قدیم دستاویزات ہیں۔"

"ایسا ہی لگتا ہے۔"

"خیر ہمیں اس سے کیا؟"

"مگر میرا دل اسے پھینکنے کو نہیں چاہتا۔"

"نہیں نہیں دیکھیں گے کسی وقت اگر موقع ملا تو اندازہ لگانے کی کوشش کریں گے کہ آخر اس میں ہے کیا؟ اور جن لوگوں کو اس کی ضرورت تھی وہ کس لیے تھی؟"

نعیم خان گردن ہلانے لگا پھر وہ کامران کو دیکھ کر مسکرایا۔

"اچھا یہ بتاؤ تم نے مجھے ایک نظر میں پہچان لیا تھا؟"

"ہاں...... نعیم خان اور ایک غیر جذباتی انسان ہونے کے باوجود اس بات سے انکار نہیں کروں گا کہ میں نے شاید اپنے دل میں تمہاری بہت بڑی جگہ محسوس کی ہے۔ میں تم سے بہت دوستی اور انسیت رکھتا ہوں۔"

"دوست دل کی بات کہنے میں کبھی بخل سے کام نہیں لینا چاہیے۔ تم یقین کرو میں نے بھی پوری زندگی تمہیں یاد کیا ہے اور شاید ہمارے دلوں کا خلوص ہی تھا جس نے ہمیں ایک بار پھر ایک دوسرے سے ملا دیا۔" کامران نے نعیم خان کی اس بات سے اتفاق کیا۔ پھر اس نے نعیم خان سے کہا۔

"اچھا یہ بتاؤ کیا کرتے ہو؟ کیا کرتے رہے ہو آج تک؟"

"چوریاں۔" نعیم خان نے جواب دیا۔ کامران نے مسکراتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا اور کہا۔

"گروپ بنا رکھا ہے؟"

"بالکل نہیں تنہا ہوں۔"

"کوئی ٹھکانا بنایا ہے؟"

"بالکل نہیں ساری دنیا کو بلکہ ساری دنیا کو تو نہیں اپنے ملک کو اپنا ٹھکانا بنا رکھا ہے۔ جس شہر میں دل چاہتا ہے چلا جاتا ہوں۔ چھوٹا موٹا کوئی کام کرتا ہوں۔ بس اتنی رقم حاصل کر لیتا ہوں کہ عیش سے زندگی بسر ہو جائے۔ ویسے ایک بات بتاؤں تمہیں۔ یقین کرو کبھی کسی مرے ہوئے کو نہیں مارا چوری بھی کی تو ایسی جگہ جہاں مالکوں کے دل کو کوئی دکھ نہ ہو۔ بلکہ وہ کہیں کہ چلو بھاڑ میں جائے جو کچھ بھی گیا۔ مجھے پتا ہے اور میری بات اور ہنسی نہیں آئے گی تمہیں یہ سن کر جہاں چوری کرتا ہوں وہاں سے بھی اگر لاکھوں رکھا ہوا ہو تو اتنا ہی

319

لیتا ہوں کہ اپنا کام چل جائے اور دوسرے کا کام بھی خراب نہ ہو۔ لوگ یقینی طور پر حیرت کرتے ہوں گے۔ مگر میری سوچ مختلف ہے۔

"کیا؟" کامران نے مسکرا کر کہا۔

"میں سوچتا ہوں کہ بہت بڑی رقم آ گئی تو ایک جگہ ٹکنا پڑے گا۔ رقم کو سنبھالنا پڑے گا۔ کہیں نا ملوث بھی ہو سکتا ہوں۔"

"ان کھنڈرات میں دوبارہ کیسے آ نکلے؟"

"بس چوری کرنے ایک گھر میں داخل ہوا تھا۔ جگار ہو گئی۔ تم جانتے ہو گھر کس کا تھا۔"

"بھلا میں کیسے جان سکتا ہوں؟"

"ڈی ایس پی صاحب کا۔ پولیس کے افسر اعلیٰ بھلا انہیں کیا مشکل ہو سکتی تھی۔ موبائل لگا دی میرے پیچھے اور میں نے برق رفتاری کا ریکارڈ قائم کیا۔ لیکن رخ اس طرف ہو گیا۔ اب یہ کیا معلوم تھا کہ تقدیر مجھے اس طرف کیوں لا رہی ہے۔"

"واقعی! تقدیر کے کھیل ایسے ہی ہوتے ہیں۔"

"اور اب قصہ چہار درویش کے تحت بلکہ قصہ دو درویش کے تحت تم اپنی سناؤ۔" اس نے پر مزاح لہجے میں پوچھا۔

"یوں سمجھ لو بنیاد تو اپنی بھی غلط ہی ہو گئی تھی۔ استاد سلامت کے ساتھ رہنے والے اس کے سوا کیا کر سکتے تھے جو اس نے سکھایا تھا۔ چنانچہ سمجھ لو کہ ہم بھی ان ہی لائنوں پر سفر کر رہے ہیں۔"

"کس پیمانے پر؟" نعیم خان نے سوال کیا اور کامران اسے اس سے بچھڑنے کے بعد کی زندگی کے واقعات بتانے لگا۔ نعیم خان نے اس کے مضبوط بازوؤں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"لگ رہا ہے واقعی لگ رہا ہے کہ بڑے بڑے کام کرتے رہے ہو۔ خدا تمہاری صحت اور زندگی سلامت رکھے۔ ویسے کوئی چکر وکر چلایا نہیں۔"

"چکر۔"

"میرا مطلب ہے زندگی میں رنگینیوں کا کوئی دخل ہے یا نہیں؟"

"جیل کی رنگینیوں سے فرصت ملتی تو زندگی کی رنگینیوں کے بارے میں سوچتے۔"

"گویا اب تک فارغ البال ہو۔"

"نہیں بال تو میرے سر پر کافی ہیں۔" کامران نے کہا اور نعیم خان ہنسنے لگا پھر بولا۔

"یار! خدا کی قسم! زندگی ایک بار پھر لذتوں سے ہمکنار ہو گئی ہے اور وہ مل گیا ہے جسے کھونے کا غم آج تک تھا۔ آؤ میرا خیال ہے کہ ان کھنڈرات میں وقت نہ گزاریں۔ تم بھی خطرے میں ہو میں بھی خطرے میں ہوں اور جب دو دوست مل جائیں تو بھلا خطرے جیسی چیز کا کیا تعلق کیا تم مجھ سے اتفاق کرتے ہو؟"

"سو فی صدی۔" کامران نے جواب دیا۔

"بس تو پھر اٹھتے ہیں۔" کامران خود بھی یہی ارادہ رکھتا تھا کہ آدھی رات کو یہاں سے نکل

جاؤں۔ چنانچہ کامران نے نعیم خان کے ساتھ وہاں سے قدم آگے بڑھا دیے۔ وہ فائل انہوں نے اپنے ساتھ ہی لے لی تھی۔

وہ دونوں وہاں سے چل پڑے۔ نعیم خان کے مل جانے سے کامران کو جس قدر خوشی ہوئی تھی وہ بیان سے باہر ہے۔ حالانکہ بدرشاہ بھی بہت عرصہ تک اس کے ساتھ رہا تھا لیکن بدرشاہ سے وہ شناسائی اور قربت نہیں ہوئی تھی۔ جو نعیم سے تھی۔ نعیم خان ایک خوش مکھ اور کھلنڈرا نوجوان تھا۔ اب اس کی شخصیت اور بھی نکھری ہوئی نظر آ رہی تھی۔ راستے میں وہ دونوں باتیں کرتے رہے اور اتنا لمبا سفر ان دونوں نے کیا کہ صبح کا اجالا نمودار ہو گیا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی ان کی خوشی کی انتہا نہیں رہی۔ جب انہوں نے ایک بستی دیکھی۔ بستی ان کے لیے اجنبی تھی۔ کچے پکے مکان تاحد نظر بکھرے ہوئے تھے۔ لیکن ان کی بناوٹ سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ بستی کافی پسماندہ ہے۔ جو سب سے پہلی چیز انہیں نظر آئی۔ وہ ایک تندور سے اٹھتا ہوا دھواں تھا۔ چھوٹے سے جھونپڑا ہوٹل کے اندر ابتدائی کارروائی ہو رہی تھی۔ "نعیم خان نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"بزرگوں کا کہنا ہے کہ اگر سب سے پہلے صبح کو رزق نظر آ جائے تو اس کا مطلب ہے وہ دن خوشحالی اور خوش بختی کا دن ہے۔ جب کہ میرے پاس اچھی خاصی رقم بھی موجود ہے۔ ویسے تمہیں اس بستی کے بارے میں کچھ اندازہ ہے؟"

"نہیں۔"

"خیر سب کچھ معلوم ہو جائے گا۔" وہ دونوں آہستہ قدموں سے چلتے ہوئے آخرکار بستی میں داخل ہو گئے۔ تندور کے کنارے بیٹھا ہوا شخص آٹا تیار کر کے بیٹھا ہوا تھا۔ تھوڑے فاصلے پر کچھ دیگچے بچے ہوئے تھے۔ جن کے پیچھے ایک دوسرا آدمی موجود تھا۔ ایک شخص ایک چھوٹی سی میز کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔ ایک دو کھانا سرو کرنے والے تھے۔ وہ دونوں اندر داخل ہوئے اور میز پر جا بیٹھے فوراً ہی ویٹر ان کے پاس پہنچ گیا اور اس نے کہا۔

"آج کچھ جلدی نہیں آ گئے بابو۔ کارخانہ تو ابھی ساڑھے سات بجے کھلے گا۔"

"کون سا کارخانہ۔" کامران نے سوال کیا۔

"نہیں! ہم سمجھے کہ تم کارخانے کے مزدور ہو۔ کیا تم کارخانے میں کام نہیں کرتے؟"

"کیوں نہیں کرتے؟ ہم تو تم سے پوچھ رہے تھے کہ کون سا کارخانہ؟ کیا تمہارا یہ کارخانہ میرا مطلب ہے ہوٹل؟" کامران کے بجائے نعیم خان نے کہا اور ویٹر ہنسنے لگا۔

"نہیں...... بابو صاحب ہمارا کارخانہ تو پانچ بجے کھل جاتا ہے۔"

"تو کیا کھلا رہے ہو اپنے اس کارخانے سے؟"

"بس جی...... صبح کو تو نہاری ہی ملتی ہے آپ کیا کھاؤ گے؟"

"اور چائے نہیں ملتی؟" نعیم نے پوچھا۔

"لیجیے بابو صاحب آپ تو شہر والوں کی سی باتیں کر رہے ہیں۔ شہر والے ہی بے چارے روٹی کھانے سے پہلے چائے پیتے ہیں۔ وہ جو کہتے ہیں نا تی...... تی۔"

"تی......" کامران نے تعجب سے کہا۔

"ہاں...... جی ایسا ہی کہتے ہیں نا وہ...... وہ منہ دھونے اور دانت صاف کیے بغیر جو چائے پیتے ہیں اسے تی نہیں کہتے تو اور کیا کہتے ہیں؟"

"ہاں...... ہاں...... تی۔" نعیم خان نے ہنستے ہوئے کہا پھر بولا۔

"نہیں...... نہیں ہمیں تی نہیں چاہیے بلکہ پہلے کھانا چاہیے اور اس کے بعد تی پلانا۔" ویٹر ہنستا ہوا آگے بڑھ گیا تو کامران نے نعیم کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"یار یہ تی میں نے پہلی بار سنی ہے۔"

"میں سمجھتا ہوں یہ ویٹر انگریزوں سے زیادہ سمجھدار ہے۔"

"کیوں؟"

"بیڈ ٹی کو یہ تی کہہ رہا ہے۔ بیڈ کا مطلب اسپیلنگ کے ساتھ اگر نہ بتایا جائے تو خراب بھی ہوتا ہے یعنی خراب چائے۔ اس نے چائے کی عزت بچالی ہے۔"

"اوہ۔" کامران ہنسنے لگا۔ "کیا خوب صورت لگ رہا ہے اس وقت کا سارا ماحول۔" وہ دونوں انتظار کرنے لگے ویٹر نے تندور پر بیٹھے نان بائی سے روٹیاں لگانے کے لیے کہہ دیا تھا اور پھر نہاری والے کی جانب بڑھ گیا تھا۔ اتنی دیر میں ایک اور آدمی وہاں داخل ہوا بدن پر چیتھڑے جھول رہے تھے۔ داڑھی بے ترتیبی سے بڑھی ہوئی تھی۔

جسامت بہت شاندار تھی۔ جسم کی وجہ سے عمر کا اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ وہ ان دونوں سے نکلتے ہوئے قد کا مالک تھا۔ لیکن یقینی طور پر اس کی عمر بہت زیادہ تھی۔ چہرے کے نقوش میں ایک اجنبیت سی پائی جاتی تھی۔ آنکھوں میں البتہ ایک شوخی جیسی چمک تھی۔ دوسرا ویٹر جو خالی کھڑا ہوا تھا۔ آگے بڑھا اور اس کے قریب پہنچ کر بولا۔

"اے چلو باہر۔ یار تم صبح ہی صبح کیوں آ مرتے ہو؟ بدن دیکھو پہاڑ جیسا بھیک مانگنے کی عادت پڑ جاتی ہے تو غیرت ہی مر جاتی ہے۔"

"او میرے پیارے بھائی نہ میں نے تجھ سے بھیک مانگی ہے اور نہ ہی مانگوں گا۔ اگر کچھ شریف لوگ نیکیاں کمانا چاہتے ہوں تو تم بیچ میں کیوں آ جاتے ہو؟"

"ڈنڈا مار دو بھوتنی والے کو اور بھگا دو یہاں سے۔" کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے آدمی نے کہا۔

"چلو ادھر سے چلو یہاں سے باہر نکلو۔"

"ابھی نکل جاؤں گا، بگ باس، بس ایک منٹ ذرا شریف آدمی سے بات کرنے دو۔" اس نے ان دونوں کی طرف اشارہ کر کے کہا اور نعیم خان جلدی سے بولا۔

"ادھر آؤ بابا جی! ادھر آؤ کیا بات ہے؟" ویٹر پیچھے ہٹ گیا تھا۔ وہ شخص ان کے پاس پہنچ گیا تھا۔

"دیکھو یار صبح کا آغاز ہوتا ہے۔ ننھی منھی چڑیاں اور پرندے رزق کی تلاش میں نکل آتے ہیں۔ تمہارے ہم بھی تو ان پرندوں کی مانند ہیں۔ تمہیں دیکھا ادھر آ گئے۔ اب ان سے کہو کہ ڈنڈے وڈے نہ

ماریں ہمیں، ہوسکتا ہے کہ تمہارے دل میں رحم آ ہی جائے۔"

"کیا چاہتے ہو؟"

"پیٹ کا یہ دوزخ بھرنا چاہتا ہوں۔"

"تو پھر بیٹھو نا یار! او بھائی بات سن۔" نعیم خان نے اس ویٹر کو پکارا جسے انہوں نے پہلے ہی آرڈر دیا ہوا تھا اور وہ قریب آ گیا۔ بوڑھا آدمی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا تھا۔

"بابا جی کے لیے ایک بہت فرسٹ کلاس پلیٹ بھر کر نہاری لاؤ اور بابا جی روٹیاں کتنی کھاؤ گے؟"

"آٹھ...... اگر پلیٹ بھر کر کھلاؤ گے تو؟"

"ارے باپ رے کوئی بات نہیں کھاؤ۔ کھاؤ...... سنا نہیں تم نے آٹھ روٹیاں بھی لے کر آنا۔"

"بابو صاحب! یہ حرام لوگ محنت مزدوری نہیں کرتے۔ کتنی بار ہمارے مالک نے کہا ہے کہ جلیہ ٹھیک ٹھاک کر کے ادھر آ جاؤ برتن صاف کرو ویٹر کا کام کرو تین وقت کی روٹی اور پچاس روپے ہفتہ ملیں گے۔"

"لو کمال کرتے ہو۔ چوبیس روٹیاں کھلاؤ گے مجھے، بھگا دو گے چار دن کے اندر اندر تمہاری آمدنی تو میں کھا جاؤں گا۔ اس لیے میں تمہیں تکلیف نہیں دیتا۔ کامران اور نعیم خان ہنسنے لگے بوڑھا خاصا دلچسپ معلوم ہوتا تھا۔ انہوں نے اس سے کچھ نہیں کہا۔ وہ بیٹھا ہوا لالچی نگاہوں سے روٹیاں لگانے والے کو دیکھ رہا۔ ویسے اس کی جسامت سے یہی اندازہ ہوتا تھا کہ واقعی آٹھ روٹیوں سے کم نہیں کھاتا ہوگا۔

بہرحال ویٹر آٹھ روٹیاں اس کے لیے چار ہمارے لیے اسی طرح نہاری کی پلیٹیں بھی اس کی نہاری ان کی مقدار سے چار گنا زیادہ تھی وہ جیسے دنیا کو بھول گیا تھا۔ وہ دونوں بھی کھانے میں معروف ہو گئے تھے۔ کامران کی نگاہیں کئی بار بوڑھے کی جانب اٹھی تھیں اور ہر بار اس کے ذہن میں ایک تاثر ابھرا تھا۔ وہ کسی انوکھی شخصیت کا مالک تھا۔ کھانے سے فراغت حاصل ہوگئی۔ درحقیقت وہ آٹھوں روٹیاں چٹ کر گیا تھا اور نہاری کی بہت بڑی پلیٹ اس طرح صاف ہوگئی تھی، جسے دھونے کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی۔ کامران نے اس سے پوچھا۔

"بابا جی اور کھاؤ گے؟"

"نہیں۔"

"پیٹ بھر گیا بس چلتے ہیں۔ شکریہ تو سب ہی ادا کرتے ہیں۔ ہم تم کو ایک دعا دیتے ہیں زندگی میں ایک بار جو چاہو وہ پالو۔"

"بیٹھو بابا جی۔ بیٹھیں۔ چائے نہیں پئیں گے۔" نعیم خان نے کہا۔ اور وہ اٹھتے اٹھتے بیٹھ گیا پھر جھینپی ہوئی سی ہنسی کے ساتھ بولا۔

"سچ مچ پلاؤ گے یا مذاق کرو گے؟"

"نہیں بابا جی۔" نعیم خان نے ویٹر کو اشارہ کیا اور بولا۔

"بابا کے لیے چار کپ چائے لاؤ اور ایک ایک کپ ہمارے لیے۔"

"صاحب ایک بات کہیں برا تو نہیں مانو گے آپ؟" ویٹر بولا۔

"بالکل نہیں برا مانیں گے۔" وہ کاؤنٹر پر جو چاچا جی بیٹھے ہیں نا انہوں نے کہا ہے کہ پہلے آپ پیسے لے لیں۔ دیکھیے صاحب! برا نہ مانیے۔ اصل میں۔"

"ایک منٹ ایک منٹ۔" نعیم خان نے کہا اور جیب سے سو روپے کا ایک نوٹ نکال کر ویٹر کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"کافی ہوں گے یا اور؟"

"نہیں صاحب۔ کافی ہیں۔" ویٹر نوٹ لے کر آگے بڑھ گیا۔ بوڑھا بابا ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔

"اصل میں قصور ان کا بھی نہیں ہے۔ اس دنیا میں رہنے والے کسی بھی شخص کا قصور نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو سانس لینے والے ہوتے ہیں نا بڑے کمزور ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی کا ایک ہی محور ہوتا ہے۔ اب دیکھو نا وہ بھی دکان سجا کر بیٹھے ہیں۔ کوئی اگر انہیں لوٹ کر چل دے تو کیا کریں گے بے چارے۔ اگر فرض کرو کہ ہمارے ساتھ مار پیٹ بھی کرلیں تو کیا ملے گا انہیں۔ نقصان تو ہو گیا نا۔ جھگڑا الگ۔ بے قصور ہیں، وہ بے قصور ہے۔"

"فلسفی معلوم ہوتے ہیں بابا جی۔"

"فلسفہ" "منطق سائنس اور پتا نہیں کیا کیا سب اپنے سر پر ٹوپیوں کی طرح اوڑھ رکھا ہے ہم لوگوں نے۔"

"کچھ پڑھے لکھے ہو بابا جی؟"

"نہیں بالکل نہیں۔"

"نام کیا ہے تمہارا؟"

"اصلی نام سنو گے یا تمہاری پسند کا کوئی نام بتا دوں۔"

"اصلی نام بتا دو تو کوئی حرج نہیں ہے۔"

"تو میرا نام پروفیسر سپارکن ہے۔"

"کیا؟"

"پروفیسر سپارکن۔"

"عجیب نام ہے۔ مذہب کیا ہے آپ کا؟"

"انسانیت۔" اس نے جواب دیا۔

"پروفیسر کس چیز کے ہیں۔"

"انسانیت کا۔" وہ پھر بولا۔

"آدمی کافی چالاک ہو۔"

"ہاں مجھے اس بات کا اعتراف ہے۔"

"خیر دل تو چاہتا ہے کہ تم سے تمہارے بارے میں بہت کچھ معلوم کرنے کا لیکن تم سوچو گے کہ تھوڑی سی روٹی کیا کھلا دی ہے۔ دوبارہ بھی تمہارے سر پڑ رہے ہیں۔"

"نہیں میرے بارے میں تم اور کیا معلوم کرنا چاہتے ہو؟ یا پھر اپنے بارے میں کچھ معلوم کرنا چاہو تو مجھ سے رجوع کرو۔"

"اچھا ہمارے بارے میں کیا جانتے ہو تم؟"

"چائے پینے کے بعد زیادہ اچھا رہے گا۔ یہ لوگ سوچیں گے کہ ہم یہاں بلا وجہ تماشا لگا رہے ہیں۔ تم لوگ چائے پی کر میرے ساتھ اٹھو گے وہ دیکھو سامنے جو چبوترا ہے اس چبوترے تک پہنچنے کے لیے سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں۔ کیا ٹھنڈی چھاؤں ہوتی ہے وہاں میں تمہیں اپنے بارے میں بہت سی باتیں بتاؤں گا۔"

"گڈ ٹھیک، بابا جی ویسے ساری باتیں اپنی جگہ لیکن آدمی دلچسپ ہو۔"

ابھی تو میں نے اپنی دلچسپیوں کو صحیح طور پر بتایا بھی نہیں ہے، کیا سمجھے، جب ساری باتیں سنو گے تو اور مزہ آئے گا تمہیں۔" بوڑھے نے کہا۔

"اس سے پہلے کبھی مفت کی چائے پی ہے؟"

"تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تم مفت کی چائے پینے والے ہو۔"

"انسان کی کمزوری ہے...... اس کی بات کا برا کبھی نہیں مانو میں بھی انسان ہوں۔ کمزور ہوں۔ بے وقوفی کی کوئی بھی بات کر سکتا ہوں۔ ارے بھائی کرنے دو کیا فرق پڑتا ہے۔"

"ہاں۔ چلو ٹھیک ہے، کوئی بات نہیں۔" چائے آ گئی۔ ویٹر کو چونکہ سو کا نوٹ مل چکا تھا۔ جو اس کے پورے حساب سے بھی کچھ زیادہ تھا۔ چنانچہ چائے کے ساتھ ساتھ ہی اس نے چودہ روپے انہیں واپس کیے تو نعیم خان نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"کتنے پیسے بنے تمہارے؟"

"چھیاسی روپے صاحب۔"

"ٹھیک ہے چائے تک کا بل ہو گیا۔"

"جی صاحب۔"

"تم بھی کیا یاد کرو گے کہ آج ہمارے بوڑھے بابا کا منہ دیکھا تھا تم نے۔ رکھ لو۔" ویٹر کی آنکھیں واقعی حیرت سے پھیل گئی تھیں۔" اس نے کہا۔

"سارے پیسے رکھ لوں صاحب۔"

"سارے رکھ لو۔" ویٹر کا چہرہ خوشی سے چمکتا جا رہا تھا۔ بوڑھے پروفیسر سپارکن نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یار عزت بڑھا دی ہے تم نے۔ اب دیکھو نا۔ تم چلے جاؤ گے کل سے یہ کمزور انسان اس بات کی دعا مانگے گا کہ ہوٹل میں جو سب سے پہلا آدمی داخل ہو اس کے ساتھ ہی میں بھی اندر آ جاؤں اور اس کا دن بھر کی کمائی صبح ہی صبح ہو جائے۔ پورے دن میں بھی یہ بے چارہ چودہ روپے سے اوپر نہیں کما پاتا ہوگا۔ دو ڈھائی روپے تنخواہ ملتی ہوگی۔ اس کو روزانہ کی، چودہ روپے۔ اس کا مطلب ہے۔ سات دن کی تنخواہ۔ بھئی واہ۔ مگر یہ نہیں معلوم کہ کل آنے والا نہ تو مجھے کچھ کھلائے گا نہ اسے کچھ دے گا۔ صرف آج ہوتا ہے

پڑتا ہے۔ آج کر لو کل کے چکر میں پڑو گے تو ایسے چکراؤ گے کہ چکراتے ہی رہ جاؤ گے۔ کھوپڑی گھوم گھوم کر چکر بن جائے گی۔ آج صرف آج کیا سمجھے۔" اس نے کہا اور گرم گرم چائے حلق میں انڈیلنے لگا۔

"عجیب بڑی خریدار تھی۔" نعیم نے سوالیہ نگاہوں سے کامران کو دیکھا۔ وہ اس کے اس طرح دیکھنے کا مطلب سمجھ گیا تھا۔ وہ پوچھ رہا تھا کہ بوڑھے کو اپنے ساتھ لگایا جائے یا نہ لگایا جائے۔

کامران نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی۔ مقصد یہ تھا کہ ہمارا کیا جاتا ہے۔ تھوڑی دیر اس کے چپ شپ ہی رہے گی ہمیں کون سی اپنی ڈیوٹی پر جانا ہے۔

بہرحال کافی دیر تک یہاں اس ہوٹل میں بیٹھے اور اس کے بعد وہاں سے اٹھ گئے۔ بوڑھا بھی ان کے ساتھ ساتھ ہی اٹھ گیا تھا۔ ویسے ساری باتیں اپنی جگہ لیکن اس کی شخصیت میں کوئی ایسی بات تو تھی۔ جو بڑی عجیب محسوس ہوتی تھی۔ یا تو اس نے اپنا حلیہ ہی ایسا بنا رکھا تھا۔ یا اس طرح کے لوگ بھی ہوتے ہیں مفت کا کھا کھا کر سانڈ ہو جاتے ہیں اور کھانے کے لیے اپنی شعبدہ گری دکھانے سے گریز نہیں کرتے۔

اس نے جس درخت کے بارے میں کہا تھا۔ وہ بھی یہاں سے خاصے فاصلے پر تھا۔ وہ دونوں اس کے ساتھ آگے بڑھ گئے۔ چبوترے پر سیڑھیاں بنائی گئی تھیں۔ خاصا شفاف چبوترہ تھا۔ بے گھر و بے در لوگوں کے لیے بہترین پناہ گاہ۔ پورے درخت کا سایا اس چبوترے کو گھیرے ہوئے تھا۔ درخت بھی خاصا پرانا معلوم ہوتا ہے۔ بہرحال بوڑھے کے ساتھ جا کر بیٹھ گئے۔ بوڑھے نے کہا۔

"تو دوستو! صورت حال یہ ہے کہ میں نے تمہیں اپنے جال میں پھانس لیا ہے کہ ہوٹل والے جو ہیں، وہ یہ مجھے مفت خوروں کا گرو سمجھتے ہیں۔ اب دیکھو نا۔ زندگی میں تھوڑی سی تبدیلی تو ہونی ہی چاہیے۔ یہ بتاؤ دوپہر کا کھانا کھلاؤ گے مجھے؟"

"ابھی کھا لو؟" نعیم طنزیہ انداز میں بولا۔ اور بوڑھا ہنسنے لگا۔

"نہیں، دوپہر کا کھانا دوپہر کو۔"

"ٹھیک ہے بابا کھا لینا۔ کب منع کر رہے ہیں ہم، ویسے اپنے بارے میں اور کچھ نہیں بتاؤ گے؟"

"میں نے تمہارا ماضی بتایا، حال بھی بتایا۔ مشورہ بھی دیا۔" خبردار مجھ سے کبھی مستقبل کے بارے میں مت پوچھنا۔ کیونکہ جو لوگ مستقبل کے بارے میں بتانے لگتے ہیں۔ وہ لوگ جھوٹے ہوتے ہیں۔ مستقبل تو اس کتاب میں لکھا ہوتا ہے جس کا ایک ایک ورق آہستہ آہستہ کھلتا ہے اور اپنی داستان بیان کرتا چلا جاتا ہے۔"

"اصل میں رزق بڑی عجیب چیز ہے۔ اس کے لیے انسان اس دنیا میں نہ جانے کہاں کہاں مارا مارا پھرتا ہے۔ اچھا تم بتاؤ مجھے تمہارے سامنے اگر دولت کے انبار لگا دیے جائیں تو کیا اس دولت کو ٹھکرا دو گے۔ دیکھو سچائی بڑی اچھی ہوتی ہے سچ بولنے والا بہت سے فائدے میں رہتا ہے۔ بے مقصد جھوٹ بولنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ ہاں میں نے تم سے ایک سوال کیا تھا کہ اگر تمہارے سامنے دولت کے انبار لگا دیے جائیں تو کیا تم انہیں ٹھکرا دو گے؟"

"نہیں۔"

"گڈ! تو تم دونوں کو ایک بات بتا دوں میں کہ دولت تمہاری پہنچ سے باہر نہیں ہے۔ تمہیں، تمہارا مقصد

حاصل ہو سکتا ہے۔ وہ پا سکتے ہو تم جو تمہاری سب سے بڑی آرزو ہو، لیکن پانے کے لیے محنت کرنا ہوتی ہے۔"

"تمہیں کسی شے کی ضرورت نہیں ہے۔" نعیم خان پھر اپنے مذاق پر اتر آیا۔

"روٹی چاہیے روٹی۔"

"اس کے لیے تم کیا کرتے ہو؟"

"تم جیسے بڑے دل والوں کو تلاش کرتا ہوں۔ کچھ دھتکار دیتے ہیں اور کچھ میری توقع پر پورے اترتے ہیں۔"

"خود کوئی محنت کیوں نہیں کرتے؟"

"میرے پیارے دوست! محنت کے مختلف انداز ہوتے ہیں۔ میں جو محنت کر رہا ہوں وہ کرتا ہوں۔ مطلب سمجھ رہے ہو نا میرا۔ میری محنت، بہرحال مجھے کچھ نہ کچھ دے دیتی ہے۔ جیسے روٹی۔" وہ ہنسنے لگے تھے پروفیسر سپارکن بھی ہنسنے لگا نعیم نے کہا۔

"بہرحال پروفیسر! تمہارا حیرت انگیز علم بھلایا نہیں جا سکتا۔ کیا تم ہمارے ساتھ رہنا پسند کرو گے؟"

"کمال کرتے ہو، ایسے اچھے دوست جو کھانا بھی کھلائیں عزت بھی دیں بھلا کون انہیں چھوڑنا پسند کرتا ہے۔ ہاں انہیں خود ہی عقل آ جائے تو دوسری بات ہے۔"

"تم ایک دلچسپ آدمی ہو۔"

"نہ صرف دلچسپ بلکہ سمجھ لو جو کھاؤں گا۔ اس کی ادائیگی بھی کروں گا۔"

"مثلاً؟"

"مثلاً تمہارا تحفظ، تمہیں ان لوگوں سے بچانے کا کام جو تمہاری فکر میں سرگرداں رہتے ہیں اور تمہیں نقصان پہنچانا چاہتے ہیں۔"

"خیر، یہ ایک الگ بات ہے، تم ہمارے لیے قابل احترام ہو، ہم اس حیثیت سے نہیں بلکہ تمہیں اپنے ایک دوست کی حیثیت سے اپنے ساتھ رکھنا چاہتے ہیں۔" بوڑھا اپنی جگہ سے اٹھا، سب سے پہلے اس نے ان دونوں کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ اور بولا۔

"چلو اب آرام سے سو جاتے ہیں، سونا صحت بخش چیز ہے۔" اس نے کہا اور اس کے بعد وہیں لیٹ گیا۔ کامران اور نعیم بیٹھے رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد بوڑھے کے خراٹے گونجنے لگے۔ نعیم خان نے کہا۔

"واقعی! یہ ایک اچھا ساتھی ثابت ہو سکتا ہے اور ہم اس پر کوئی شبہ بھی نہیں کر سکتے۔"

یہ لوگ نہ جانے کب تک بوڑھے کے بارے میں بات چیت کرتے رہے تھے اور پھر انہیں نیند آ گئی تھی۔ چھاؤں دار درخت ایک آرام دہ بستر ہی محسوس ہوا تھا۔ خوب گہری نیند سوئے۔ جاگے تو شام کے سائے جھک رہے تھے۔ پروفیسر سپارکن اداس بیٹھا ہوا تھا۔

"ہیلو پروفیسر۔" کامران نے پکارا۔

"بھاڑ میں گیا۔" پروفیسر منہ بسور کر بولا۔

"کون؟"

"پروفیسر۔" اس نے کہا۔" اسی دوران نعیم خان بھی اٹھ کر بیٹھ گیا اور ہماری گفتگو سننے لگا۔

"پھر آپ کون ہیں؟" کامران نے کہا۔

"گدھا۔"

"نعیم خان! اٹھو ذرا دیکھو یہ گدھا چبوترے پر کیسے چڑھ آیا اور پروفیسر سپارکن کہاں گئے؟" کامران نے کہا اور نعیم بے اختیار ہنس پڑا پروفیسر نے اسے گھونسا دکھاتے ہوئے کہا۔

"میں اگر چاہتا تو تمہاری جیب سے پیسے نکال کر ہوٹل میں جا کر کھانا کھا سکتا تھا۔ تم نہیں جانتے ایک وقت کا کھانا ترک کرنے کا مطلب کیا ہوتا ہے؟"

"ارے ارے اوہ۔ سوری پروفیسر۔ آپ اس بات پر ناراض ہو رہے تھے چلیں جلدی [illegible]۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے پاس کھانا ختم ہو جائے۔ بہت نقصان ہو جائے گا۔"

"میرا جی جلانے کی کوشش مت کرو۔ اب شام ہی کو کھانا مل سکے گا۔ وہ دیکھو! سارے برتن دھو کر [illegible] رکھے ہوئے ہیں اس نے۔"

"پروفیسر! آپ چلے کیوں نہ گئے؟ آپ کھانا کھا لیتے۔ پیسے نکال لیتے ہماری جیب سے۔ اب ہمارے درمیان اتنی گہری دوستی ہو گئی ہے۔ تو بھلا اس بات کی کیا گنجائش ہے کہ آپ انتظار کرتے۔"

"پیسے تو نہیں نکالے تھے۔ تمہاری جیب سے، لیکن گیا تھا اس ذلیل کے پاس۔"

"پھر۔"

"کہنے لگا کوئی ایک بار بے وقوف بنتا ہے۔ بار بار نہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"تمہارے بارے میں کہہ رہا تھا۔" پروفیسر نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"اوہو۔ اچھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اب ہم تمہارے کھانے کے پیسے نہیں دیں گے۔ پروفیسر۔"

"بالکل یہی مطلب تھا۔ دل تو چاہتا ہے کہ...... کہ...... کہ۔" پروفیسر نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"چلیے تھوڑا سا صبر کر لیجیے۔"

"صبر بالکل نہیں کروں گا۔"

"تو پھر؟"

"چائے ہو گی اس کے پاس اور بسکٹ بھی۔"

"ارے ہاں۔ چائے پئیں گے پروفیسر صاحب؟"

"پئیں گے نا۔" وہ اچانک خوش ہو کر بولا۔

"بالکل پئیں گے۔"

"تو پھر۔ اٹھو یار۔ جلدی کرو۔" مزے کی چیز تھی یہ پروفیسر بھی۔ وہ اٹھ کر اس کے ساتھ چل [illegible]۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے بہت سارے بسکٹ منگوا لیے۔ پروفیسر کے ہاتھ کی صفائی دیکھنے کے قابل تھی۔ وہ بڑی تیزی سے یہ تمام چیزیں ہڑپ کرتا رہا۔ ہوٹل کے ویٹر وغیرہ ان کی طرف سے مشکوک ہی

تھے۔ کیونکہ ان کے لباس وغیرہ کوئی خاص نہیں تھے۔ بہرحال یہ سب کچھ ہوا اور اس کے بعد وہ لوگ تمام چیزوں سے فراغت حاصل کر کے بیٹھ گئے۔ کامران نے نعیم سے کہا۔

''نعیم خان! اب کب تک یہاں رہنے کا ارادہ ہے؟''

''میں بھی یہی کہنا چاہتا تھا۔ یہاں سے نکلو۔'' پروفیسر نے کہا۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ یہ بھی کوئی رہنے کی جگہ ہے۔ بے کار، ویران، اجاڑ۔''

''پروفیسر کیا آپ بھی ہمارے ساتھ جائیں گے؟''

''ارے تو اب میں یہاں اکیلا لیٹا لیٹا کیا کروں گا۔'' زندگی میں پہلی بار کچھ اچھے دوست ملے ہیں۔ تو ان کے ساتھ ہی گزارہ کروں گا۔'' وہ دونوں ہنسنے لگے۔ بہرطور کامران تو پروفیسر سے بہت متاثر ہو گیا تھا۔ کیونکہ اس نے کامران کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا۔ وہ ایسا تھا کہ جس کا کچھ حصہ کامران خود بھی نہیں جانتا تھا۔ بہرحال انہیں کیا فرق پڑتا۔ دنیا میں نکل آئے تھے۔ یونہی زندگی گزارنی تھی۔ ذہن میں کونسا منصوبے تھے۔ بس آوارگی، پیٹ بھرنا یہی ساری چیزیں۔

اگر یہ پروفیسر سپارکن بھی ان کے ساتھ شامل ہو جائے تو کیا حرج ہے؟ کم از کم ایک اچھے ساتھی کا اضافہ ہی ہوگا۔ جو کچھ عجیب سی پراسرار قوتوں کا مالک معلوم ہوتا تھا۔ پھر رات ہو گئی۔ رات کا کھانا بھی انہوں نے یہیں کھایا اور کامران نے پروفیسر سے پوچھا۔

''پروفیسر ایک بات بتائیے؟''

''واہ...... کتنی عزت سے مخاطب کیا ہے۔ تمہارا شکر گزار ہوں میں۔ پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو؟''

''آپ کی زندگی کا مقصد یہ کھانا پینا اور زندگی گزارنا ہے یا کچھ اور بھی؟'' کامران کے ان الفاظ پر پروفیسر سپارکن کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گیا۔ پھر اس کے بعد اس نے نگاہیں اٹھا کر ان کی طرف دیکھا۔ تو اس کی آنکھوں میں ایک تیز چمک لہرا رہی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

''پہلی بات تو یہ ہے کہ انسان کا اس دنیا میں آنے کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے۔ کبھی کبھی وہ یہ مقصد خود نہیں جانتا۔ لیکن وقت کی تحریر اسے بتاتی ہے کہ اس دنیا میں آنے سے اس کا کیا مقصد تھا؟ مطلب سمجھ رہے ہو گے میرا۔''

میری زندگی کا بھی ایک مقصد ہے اور تم دونوں کا مجھ سے ملنا بھی ایک مقصد ہے۔ وقت سے بہت پہلے تم نے مجھ سے یہ سوال کر لیا۔ میں تو خیر تم لوگوں کی حقیقت جانتا ہوں۔ تم میری حقیقت نہیں جانتے۔ اب تم نے یہ سوال کر ہی ڈالا ہے تو سچ یہ ہے کہ میری زندگی کا مقصد صرف روٹیاں کھانا اور سوجانا نہیں ہے۔ بلکہ آسمانوں کے مقدس فیصلوں کے مطابق میری زندگی کا بھی ایک مقصد ہے اور تم دونوں کی ملاقات اس عمل کا نتیجہ ہے۔ جو قدرتی طور پر ہو رہا ہے۔

سنو گے میری بات پر یقین نہیں کرو گے۔ تم دونوں کی فطرت کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ دنیا کو بہت آسان سمجھا ہوا ہے تم نے۔ تمہارا قصور بھی نہیں ہے۔ جو زندگی تم نے گزاری ہے اس میں دنیا واقعی

آسان ہوتی ہے۔ جیل چلے گئے۔ باہر نکل آئے انسانوں سے اپنا حصہ چھینو گے دوبارہ جیل چلے جاؤ گے۔ بہتر ہے اس کے عادی ہو۔ اس لیے تم پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ لیکن دوست! حقیقت یہ نہیں ہے اگر تم واقعی حقیقت دیکھنے کے خواہش مند ہو۔ تو مجھ سے اس کا اظہار کرو۔''

''کیا مطلب پروفیسر؟'' کامران نے کہا۔

''میری حقیقت جاننا چاہتے ہو یا اپنا مستقبل؟''

''پروفیسر ایک بات کا تو ہم یقین کر چکے ہیں کہ تم واقعی کچھ سچے علوم جانتے ہو۔ لیکن اگر ایسی کوئی بات ہے تو میں سمجھتا ہوں۔ تم ہمیں دوست کہہ چکے ہو۔ دوستوں کی حیثیت سے ہمیں اپنے بارے میں بتاؤ۔''

''جلدی تو نہیں ہو جائے گی؟''

''نہیں پروفیسر میرے خیال میں جلدی نہیں ہے۔''

''پیسے بھی ہیں تمہارے پاس؟''

''تم پیسوں کے بارے میں بار بار سوال کیوں کرتے ہو؟'' پروفیسر نے ایک غمگین مسکراہٹ سے انہیں دیکھا۔ پھر بولا۔

''اس لیے کہ تمہاری دنیا میں اس حقیر شے کی سب سے زیادہ عزت اور حیثیت ہے۔''

''مگر تم اسے حقیر شے کہتے ہو؟''

''ہاں۔''

''کیوں پروفیسر؟''

''اس لیے کہ یہ حقیر ہے۔ جو چیز انسان کی ذات پر حاوی ہو جائے وہ کوئی اچھی چیز نہیں ہوتی۔''

''لیکن پروفیسر اس کے بغیر ہوٹل کے ملازمین تمہیں دھکے دے کر نکال چکے ہیں۔'' جواب میں پروفیسر کے ہونٹوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ پھیل گئی۔

''یہ دھکے کھانا ضروری تھا۔''

''کیوں؟''

''اس لیے کہ یہ میری تقدیر کا ایک حصہ ہے۔''

''کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔''

''آ جائے گی۔'' پروفیسر نے جواب دیا۔

''تو پھر کیا ارادہ ہے؟ یہاں سے نکلیں گے؟''

''ہاں...... ریلوے اسٹیشن کے بارے میں جانتے ہو؟''

''نہیں۔''

''میں تمہیں وہاں تک کا راستہ بتاؤں گا۔ پروفیسر بھی ان کی طرح مست مولا تھا۔ رات تقریباً ساڑھے گیارہ بجے اس نے ان دونوں سے کہا۔

''اٹھو، چلو کافی آرام ہو گیا۔''

''کیا مطلب سوؤ گے نہیں پروفیسر؟''
''کیا فیصلہ کیا تھا ہم نے۔''
''یہاں سے نکل جانے کا۔''
''بارہ بجے ٹرین آئے گی۔اس سے پہلے ہمیں اسٹیشن پہنچ جانا چاہیے۔شرافت سے ٹکٹ خریدیں گے۔''
''لیکن کہاں کے؟''
''تمہارے ہاں اس جگہ کو وزیر آباد کہا جاتا ہے۔'' پروفیسر نے کہا۔
''وہاں چلو گے؟''
''ہاں۔''
''لیکن کیوں؟''
''دیکھو کچھ سوالات کے جوابات منزل پر پہنچنے کے بعد دیے جاتے ہیں۔اس سے پہلے مجھ سے بہت زیادہ سوالات مت کرو۔'' انہوں نے گردن ہلا دی تھی اور وہ ایک اچھا خاصا فاصلہ پیدل طے کر کے ریلوے اسٹیشن پہنچ گئے۔ پروفیسر کو یہاں کے بارے میں غالباً بہت زیادہ معلومات حاصل تھیں۔اس نے وزیر آباد کے لیے ٹکٹ خریدے ٹھیک بارہ بج کر دس منٹ پر ایک ٹرین یہاں رکی اور وہ اس کے ایک کمپارٹمنٹ میں سوار ہو گئے تھوڑی دیر کے بعد ٹرین چل پڑی تھی۔

ٹرین میں بیٹھنے کے بعد پروفیسر تو اوپر کی برتھ پر لیٹ کر گہری نیند سو گیا تھا۔ان دونوں کو البتہ نیند نہیں آ رہی تھی۔نعیم نے کہا۔
''یار ایک بات بتاؤ۔''
''ہاں! پوچھو۔''
''کیا ہم اپنے آپ کو کسی قدر محفوظ نہیں سمجھ رہے؟''
''مطلب؟''
''یوں لگ رہا ہے جیسے بہت سی نگاہیں جو ہمارا تعاقب کر رہی تھیں اب ہم سے دور ہو گئی ہوں۔''
''کیا واقعی تم بھی ایسا ہی محسوس کر رہے ہو؟'' کامران نے حیرانی سے پوچھا۔
''اور تم؟''
''یقین کرو۔ بالکل یہی احساسات میرے ہیں۔''
''ویسے ایک بات کہوں کامران؟''
''ہاں! کہو۔''
''یہ پروفیسر واقعی ایک پراسرار شخصیت ہے۔''
''اس میں کوئی شک نہیں ہے یار! مجھے تو اس نے دیوانہ کر دیا ہے۔''
''نہیں کچھ ہے۔کوئی ایسی بات ہے۔جو اس شخص کے اندر ہے۔یہ تو بڑی صلاحیتوں والا ہے۔ جس طرح اس نے بیٹھ کر ہمیں ہمارے بارے میں بتایا ہے۔اگر دکان لگا کر بیٹھ جائے تو تم یہ دیکھو آج کل

یہاں دکانوں سے زیادہ کسی چیز میں کوئی کاروبار نہیں ہے۔ ہر سڑک پر ایک عامل بابا بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ انسان کو دنیا بھر کی کہانیاں سناتے ہیں۔
میں سمجھتا ہوں کہ یہ کہانیاں لوگوں کے لیے پسندیدہ کہانیاں ہیں اور بے شمار حالات کے بھٹکے ہوئے ان کہانیوں کو جاننے کے لیے اچھا خاصا سرمایہ صرف کر دیتے ہیں۔''
''بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔ چلو خیر دیکھتے ہیں۔ وزیر آباد پہنچ کر بڑے میاں کیا کرتے ہیں؟''
رات بھر کا سفر تھا۔انہیں اندازہ نہیں تھا پھر رات کا آخری پہر ڈھل چکا تو پروفیسر نیچے اتر آیا۔اس نے کہا۔
''اب جو اسٹاپ آئے گا وہ وزیر آباد کا ہو گا۔اور اس وقت پانچ بج کر بیس منٹ ہو رہے ہوں گے۔''
''خواب میں دیکھ رہے تھے؟'' نعیم نے جواب دیا۔
''ہاں ایسا ہی سمجھ لو۔اچھا ایک بات بتاؤ؟ تم لوگ جو زندگی گزارتے ہو مجھے اس کے بارے میں معلوم ہے۔کیا اس زندگی میں تم نے اسلحہ وغیرہ کا استعمال بھی سیکھا ہے۔؟''
''کیا مطلب؟''
''مطلب یہ کہ اسلحہ چلا سکتے ہو؟''
''اچھی طرح مگر تم یہ کیوں پوچھ رہے ہو؟''
''یار ڈاکو ہو، چور ہو۔ ظاہر ہے قلم تو نہیں چلا رہے ہو گے۔تمہارے کاروبار میں تو اسلحہ نہایت ضروری ہے۔''
''جب تم جانتے ہو تو یہ سوال کیوں کر رہے ہو؟''
''ایسے ہی بس پوچھ لیا تھا میں نے۔'' اس نے کہا اور اس کے بعد انہوں نے ٹرین کی بریکوں کی آواز سنی۔ پروفیسر سپارکن نیچے اترنے کے لیے تیار ہو گیا تھا۔ وہ لوگ بھی اس کے ساتھ دروازے پر آ کھڑے ہوئے۔ یعنی سوتے سوتے اس کا ٹھیک وقت پر نیچے اتر آنا بھی اپنی جگہ ایک الگ حیثیت کا حامل تھا لیکن بہت سی باتیں اب تک اتنی پراسرار تھیں۔اس کی صحیح طور پر سمجھ ہی نہیں آتی تھیں۔
پلیٹ فارم پر جو بورڈ لگا ہوا تھا۔ وہ وزیر آباد کا ہی تھا اور انہوں نے اچھی طرح دیکھا تھا۔ بہر حال یہ سارا مسئلہ اپنی جگہ وزیر آباد کا ریلوے اسٹیشن بہت خوب صورت تھا۔ یہاں درختوں کے جھنڈ کے جھنڈ لگے ہوئے تھے اور چاروں طرف سے پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو اٹھ رہی تھی۔ صبح کا فرحت بخش ماحول، سورج ابھی نہیں نکلا تھا۔ ریلوے اسٹیشن پر زندگی کا آغاز ہو چکا تھا۔ بوڑھے نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''ناشتا کر کے چلو گے یا باہر شہر میں کہیں کرو گے؟''
''بھوک لگ رہی ہے۔''
''وہی کم بخت تو ہے جو ہر وقت لگی رہتی ہے۔''
''تم کسی ڈاکٹر کو اپنا پیٹ دکھاؤ۔ ہر وقت بھوک کا لگنا۔''
''چھوڑو..... چھوڑو..... طنز مت کرو۔ اچھا خیر کوئی بات نہیں ہے۔ ناشتا میں تمہیں کراؤں گا۔''
''تم؟''

"ہاں..... ہاں..... میں۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔" کامران کے بجائے نعیم خان نے کہا۔ وہ ریلوے پلیٹ فارم سے نکل آیا۔ ٹکٹ چیکر کو انہوں نے ٹکٹ دے دیے تھے۔ باہر نکلنے کے بعد اس نے ایک تانگے والے سے کہا۔

"شام نگر جاؤ گے؟"

"جائیں گے صاحب۔"

"کتنے پیسے لو گے؟"

"بیس روپے۔"

"چلو آ جاؤ۔" اس نے ان دونوں سے کہا اور وہ تانگے میں بیٹھ گئے۔ کامران نے تانگے میں بیٹھتے ہی پوچھا۔

"یہ شام نگر کیا ہے؟"

"وزیر آباد کا ایک نواحی علاقہ ہے۔ دیکھو گے تو دل خوش ہو جائے گا۔ تانگے کا سفر جاری ہو گیا اور وہ وزیر آباد کا علاقہ دیکھنے لگے۔ تانگہ پہلے چھوٹے بڑے مکانات کے درمیان سے گزرا تھا۔ یہاں تک کہ سڑکوں پر بھی دونوں طرف گھاس ہی بکھری ہوئی تھی۔ بعض جگہ پکی سڑکیں بنی ہوئی تھیں۔ حالانکہ ان پر تانگے وغیرہ چلتے تھے۔ لیکن کیا شفاف ماحول تھا۔ پتا نہیں اس کے لیے کیا طریقہ کار استعمال کیا گیا تھا۔ یا تو وزیر آباد کی انتظامیہ نے یہاں بہت ہی توجہ سے کام کیا تھا۔ یا پھر کوئی ایسی شخصیت یہاں رہتی تھی جس کی وجہ سے وزیر آباد بہت صاف ستھرا نظر آتا تھا۔

یہی کیفیت نواحی علاقوں کی تھی۔ نواحی علاقے کی سڑک بے شک پکی بنی ہوئی تھی لیکن اتنی اچھی سڑکوں کا تصور شہری علاقوں میں بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ پھر کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد پروفیسر کے اشارے پر تانگے والے نے تانگہ ایک ذیلی سڑک پر اتار دیا۔ یہ ذیلی سڑک بھی اپنی مثال آپ تھی۔ بہت ہی شاندار بنی ہوئی تھی۔ اس کے دونوں طرف درختوں کے جھنڈ سر جوڑے کھڑے ہوئے تھے۔

"کیا عمدہ جگہ ہے؟ بالکل پراسرار کہانیوں جیسی۔" نعیم نے کہا۔ کامران نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کامران اب دن کے اجالے میں اس ماحول کو دیکھ رہا تھا۔ لیکن اس وقت وہ لوگ حیران ہو گئے جب ذیلی سڑک ایک بڑے سے لوہے کے گیٹ پر جا کر ختم ہو گئی۔ یہ نواحی علاقے میں ایک نہایت خوب صورت مکان تھا۔ جو سرخ سلوں سے بنا ہوا تھا۔ پہاڑی پتھروں کو تراش کر بنایا ہوا یہ عظیم الشان مکان ایک قلعہ ہی محسوس ہو رہا تھا۔ اس کا عظیم الشان پھاٹک کھلا ہوا تھا۔ لیکن بوڑھا پروفیسر سپارکن وہیں اتر گیا اور اس نے کامران کی طرف رخ کر کے کہا۔

"تانگے والے کو بیس روپے دے دو۔"

"ٹھیک ہے۔" کامران نے تانگے والے کو بیس روپے دیے اور پروفیسر ان دونوں کو ساتھ آنے کا اشارہ کر کے اندر چل پڑا۔

"ارے بابا جی۔ کس کا گھر ہے کیوں جوتے پڑواؤ گے؟" ہم تو رات کی تاریکی میں لوگوں کے

گھروں میں گھسا کرتے ہیں۔ یہ تم؟"

"آ جاؤ..... آ جاؤ۔ جوتے پڑیں گے تو مجھے آگے کر دینا۔" اس نے کہا۔ وہ تینوں آگے بڑھتے رہے اور پھر جیسے ہی وہ مکان کے صدر دروازے تک پہنچے چار افراد باہر نکل آئے۔ یہ مقامی لوگ تھے۔ لیکن انہوں نے ادب سے جھک کر انہیں راستہ دیا اور دروازہ کھول دیا۔ نعیم نے حیران نگاہوں سے کامران کو دیکھا۔ بڑے دروازے سے وہ اندر داخل ہوئے تو محسوس ہوا جیسے الف لیلیٰ کے کسی طلسمی محل میں آ گئے ہوں۔ یہ ایک انتہائی عظیم الشان ڈرائنگ روم تھا۔ جس میں موٹا ایرانی قالین بچھا ہوا تھا۔

چاروں طرف ایرانی فرنیچر سجا ہوا تھا۔ چھت میں جگہ جگہ بڑے بڑے روشن فانوس لٹک رہے تھے۔ کیونکہ دروازہ بند کر دینے سے اس جگہ بالکل اندھیرا چھا جاتا ہو گا۔ اندر اتنی ٹھنڈی نرم اور خوش گوار فضا پھیلی ہوئی تھی کہ انسان دیکھے اور دیکھتا ہی رہ جائے۔ پروفیسر نے کہا۔

"اب تم دونوں کو آرام کرنے کا پورا پورا موقع دیا جائے گا۔ آؤ میرے ساتھ۔" اس نے کہا اور اس کے بعد وہ بالکل سامنے بنی ہوئی چوڑی سیڑھیاں طے کرنے لگا۔ سیڑھیوں سے اوپر جا کر دونوں جانب راہ داری تھی اور اس راہ داری میں بے شمار کمروں کے دروازے نظر آ رہے تھے۔ اس نے ایک دروازہ کھولا اور بولا۔

"دونوں ایک کمرے میں رہنا چاہو تو ایک کمرے میں رہو اور الگ الگ کمرہ چاہو تو اپنی پسند کا کمرا منتخب کر لو۔ یہ سارے کمرے خالی ہیں۔"

"للل..... لیکن پروفیسر؟"

"اب جبکہ پروفیسر پر اعتماد کر کے یہاں تک آ ہی گئے ہو تو جو میں کہہ رہا ہوں وہ کرو۔ میں نے تم سے کہہ دیا ہے کہ اگر کسی بھی مشکل کا شکار ہوئے تو اس کی ذمہ داری میں قبول کروں گا۔ چلو جاؤ اب کمرے میں جاؤ۔ میں بھی تھوڑی دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔" ان دونوں کے ہوش و حواس رخصت ہوئے جا رہے تھے۔ لیکن بہرحال وہ اندر داخل ہو گئے۔ بیڈ روم اتنا سجا ہوا تھا کہ ایک تخمینے کے مطابق اس کی سجاوٹ پر ہی لاکھوں روپیہ خرچ ہوا ہو گا۔ ڈبل مسہریاں پڑی ہوئی تھیں۔ کمرے کی وسعت بھی بے پناہ تھی۔ اٹیچڈ باتھ تھا۔ دیواروں پر حسین تصاویر آویزاں تھیں۔ ایک ایسا پراسرار ماحول تھا۔ جو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ فرش پر بھی بے حد قیمتی قالین بچھا ہوا تھا۔ بیٹھنے کے لیے صوفے پڑے ہوئے تھے۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس ماحول کو دیکھنے لگے۔ نعیم نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر کہا۔

"کامران ذرا میرے بازو پر چٹکی تو بھرو۔"

"نہیں یار ہوش میں ہیں۔ لیکن میں ایک بات محسوس کر رہا ہوں۔"

"کیا؟"

"ابھی تھوڑی دیر کے بعد مکان کا مالک اندر آئے گا اور ہم سے پوچھے گا کہ ہم کون ہیں؟ اور اس کے بعد ہماری جو درگت بنے گی وہ دیکھنے کے قابل ہو گی۔"

"لگتا نہیں ہے۔"

"کیوں؟"

''تم نے دیکھا نہیں کہ جن لوگوں نے اس کا استقبال کیا ہے وہ کتنے مودب نظر آ رہے تھے۔''

''ہاں یہ تو ہے۔''

''تو پھر؟''

''اس کا کیا مطلب ہے؟ یہ تو میں خود بھی نہیں کہہ سکتا۔''

''ایک کام کرتے ہیں۔''

''کیا؟''

''اس وقت تک یہاں گزارتے ہیں جب تک کوئی مصیبت سر پر نہ آن پڑے۔''

''ٹھیک کہتے ہو۔'' اس کے بعد انہوں نے جوتے وغیرہ اتارے پھر نعیم نے کہا۔

''حلیہ اتنا خراب ہو رہا ہے کہ نہانے کو جی چاہتا ہے۔''

''جاؤ...... پھر نہالو۔'' کامران نے کہا۔

''تم نہیں نہاؤ گے؟''

''ابے کیا ایک ساتھ غسل خانے میں گھسے گا؟'' کامران نے نعیم سے کہا۔

''حرج تو کوئی نہیں ہے تم شرماتے ہو تو ٹھیک ہے میں چلا جاتا ہوں۔'' وہ بولا۔ پھر دروازہ کھول کر اندر گھسا اور دوسرے ہی لمحے باہر نکل آیا۔

''کامران ذرا ادھر آؤ۔''

''کیوں خیریت کیا ہوا؟''

''آؤ تو سہی یار۔'' اس نے کہا اور کامران جو ذہنی طور پر خود بھی منتشر تھا دروازے پر پہنچ گیا۔ اسے اندر کا ماحول دکھاتے ہوئے کہا۔

''دیکھو، ذرا دیکھو یہ غسل خانہ ہے؟'' واقعی دیکھنے کی جگہ تھی۔ سنگ مرمر کی دیواریں فرش اور جدید ترین نہانے کے آلات جنہیں انہوں نے کبھی تصویروں میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ نعیم نے کہا۔

''بڑے میاں اپھانسی پر چڑھائے بغیر نہیں رہیں گے۔ پتا نہیں کس کے گھر میں گھس آئے ہیں۔''

''اب تم بتاؤ یار۔ سوچ لیا ہے جو ہوگا دیکھیں گے۔ خود سے نمٹیں گے۔'' اور پھر نعیم نے دروازہ اندر سے بند کر لیا۔ کامران واپس آ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ ابھی بیٹھا ہی تھا کہ دروازہ کھلا اور ایک ملازم دو جوڑے لیے ہوئے اندر آیا۔ ساتھ میں چپلیں وغیرہ بھی تھیں۔'' اس نے کہا۔

''پروفیسر صاحب! نے یہ لباس آپ دونوں کے لیے بھیجے ہیں۔ یہ آپ کے ساتھی کا ہے اور یہ آپ کا۔ یہ لباس پہن لو۔ غسل کر لو پہلے۔ شاید تمہارا ساتھی باتھ روم میں ہے۔''

''ہاں! مگر بھائی میری بات سنو۔'' اس شخص نے دونوں ہاتھ جوڑے اور کہا۔

''بس! جناب ضرورت کی باتیں مجھ سے کیجیے۔ آپ یقینی طور پر یہاں اجنبی ہیں کچھ سوالات کرنا چاہتے ہوں گے۔ افسوس آپ کو ان کا جواب نہیں دے سکتا۔'' اس نے کہا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا پلٹ کر واپس نکل گیا۔ کامران نے ایک بات خاص طور پر محسوس کی تھی۔ اس ملازم کے نقوش کچھ عجیب سے تھے

اور اگر کامران کا اندازہ غلط نہیں تھا تو اس کے نقوش اس بوڑھے سے ملتے جلتے تھے۔

بہرحال لباس کی انہیں سخت ضرورت تھی۔ اب یہ نہیں معلوم تھا کہ یہ لباس جو آیا ہے۔ یہ کامران اور نعیم کے بدن پر صحیح ہوگا بھی یا نہیں۔'' کامران نے دروازہ کھٹکھٹایا تو نعیم بولا۔

''مزہ آ رہا ہے یار۔ تھوڑی دیر ذرا پانی کے ٹب میں پڑا رہنے دو۔'' لگ رہا ہے کسی دریا میں تیر رہا ہوں اور یہ دریا ساکت ہو گیا ہے۔ ٹھنڈا میٹھا پانی واہ۔

''پانی والے! تمہارے کپڑے باہر ٹنگے ہوئے ہیں۔ ٹب سے نکل کر قدرتی لباس میں باہر مت آنا ہاتھ بڑھا کر کپڑے لے لینا۔''

''کپڑے؟''

''ہاں۔''

''کہاں سے آئے؟''

''بکواس بند۔'' کامران نے کہا اور کپڑے وہیں دروازے کے پاس ایک اسٹینڈ پر ٹانگ کر واپس پلٹ پڑا۔ بہرحال حیرتوں کے پہاڑ جوان دونوں پر ٹوٹے تھے ان کی مثال ناممکن تھی۔ وہ کون ہے؟ اس طرح ذہنیں کیوں اٹھا رہا ہے۔ اگر واقعی اس شان دار حویلی کا مالک ہے تو ہوٹل کے لوگوں کا رویہ اس کے ساتھ اتنا برا کیوں تھا اور وہ کس طرح ڈیسٹ بن کر وہاں وقت گزار رہا تھا۔ کیوں؟ آخر کیوں؟ اور اس نے کامران کو جو اس کے ماضی کے بارے میں بتایا تھا۔ وہ بھی ناقابل یقین تھا۔ خدا کی پناہ، خدا کی پناہ۔ کیا عجیب و غریب بات تھی۔ کافی دیر کے بعد نعیم خان باہر نکلا۔ اپنے لباس کو دیکھ کر ششدر تھا۔ کہنے لگا۔

''یار دیکھو! یہ لباس تو میرے بدن پر اس طرح فٹ آیا ہے۔ جیسے میرے لیے ہی سلوایا گیا ہو۔''

کامران نے کوئی جواب نہیں دیا۔ نعیم خان کا حلیہ ہی بدل گیا تھا۔ کامران اپنے کپڑے اٹھائے باتھ روم میں داخل ہو گیا۔ ایک جھلک پہلے ہی دیکھی اس باتھ روم کی۔ اب واقعی اسے دیکھا تو ہوش و حواس ساتھ چھوڑنے لگے تھے۔

کیا کیا انوکھی چیزیں یہاں موجود تھیں۔ جدید زمانے سے بالکل ہم آہنگ۔ لباس ایک طرف ٹانگ کر کامران نے اپنا لباس اتارا اور باتھ روم کی ایک ایک شے کو دیکھتا رہا۔ ایک بٹن دبایا تو ایک شاور سے ہلکے دھوئیں کا غبار نکل پڑا۔ ایک لمحے کے لیے تو کامران گھبرا کر پیچھے ہٹا۔ لیکن پھر اسے احساس ہوا کہ یہ بھاپ تو بہت لطیف اور اپنے اندر پانی کی نمی لیے ہوئے ہے۔ اس کی لطافتیں اس کے بدن کے رؤئیں رؤئیں سے تھکن نچوڑنے لگیں اور اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کے تمام مسامات کھلتے جا رہے ہوں۔

دھوئیں میں پہلی بار غسل کیا تھا۔ چند لمحوں کے اندر اندر دھواں پورے باتھ روم میں بھر گیا اور کامران درحقیقت اپنے آپ کو طلسمی دنیا کا شہزادہ دیکھنے لگا۔ بہت دیر تک اس دھوئیں میں رہا اور اس کے بعد بٹن بند کر دیا۔ تو دھواں بھی بند ہو گیا۔ پھر کامران پانی کے ٹب میں جا لیٹا۔ ہلکا گرم پانی مزید لطف دے گیا۔ نعیم خان اگر اتنی دیر تک غسل خانے سے باہر نہیں نکلا تھا تو اس میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ یہ غسل خانہ انوکھی سی چیز۔ پھر بھی ان تمام چیزوں سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ ذہن پر دبی دبا ڈر رہا۔ کبھی کبھی

تو یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے یہ سب ایک پراسرار اور انوکھا خواب ہو۔ آخر بڈھا کیا چیز ہے؟ نعیم خان کئی بار دروازہ بجا چکا تھا۔ آخر کامران لباس پہنچ کر باہر نکل آیا تو نعیم خان نے کہا۔

"اس وقت دو شہزادے اپنی خواب گاہ میں زیر...... زیر زیر کیا کہیں گے بار۔"

"آگے خاموش رہیں گے۔" کامران نے کہا۔

"بالکل نہیں رہیں گے۔ اب تم مجھے یہ بتاؤ؟ کیا میں پاگل ہو جاؤں۔"

"تمہاری مرضی ہے۔ میں تو ہو چکا ہوں۔ تم نے وہ دھوئیں والا جن دبایا تھا؟"

"دبایا تھا مگر ڈر گیا تھا۔"

"کیوں؟"

"میں نے سوچا کہیں آگ نہ لگ جائے۔"

"تم نے اس دھوئیں میں پانی کی نمی محسوس نہیں کی؟"

"میں اپنی کھوپڑی میں حماقت کی نمی محسوس کر رہا ہوں۔ تمہاری کیا کیفیت ہے؟"

"بس کچھ سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے۔"

"کہیں یہ بوڑھا کوئی پراسرار روح تو نہیں ہے؟"

"روحیں آٹھ روٹیاں نہیں کھاتیں اور ہر وقت پیٹ پر ہاتھ پھیر کر بھوک بھوک نہیں چیختی رہتیں۔ کیونکہ زندگی سے ان کا تعلق ختم ہو چکا ہوتا ہے اور انہیں بھوک نہیں لگتی۔"

"یہ بھی ٹھیک کہتے ہو۔ میں نے بھی یہی سنا ہے مگر......"

"میرا خیال ہے اب چھوڑو۔ کچھ وقت کے لیے ذہن کو سکون دو۔" اس نے کہا تھا کہ ناشتا۔ ابھی کامران کے منہ سے اتنا ہی نکلا تھا کہ وہ ملازم پھر اندر داخل ہوا۔

"ناشتا تیار ہے جناب! عالی جاہ آپ کو طلب کرتے ہیں۔"

"عالی جاہ!؟" ان دونوں نے بیک وقت منہ پھاڑ کر کہا۔

"آیئے اور پھر انہوں نے ایک بڑی سی ناشتے کی میز پر عالی جاہ کو دیکھا۔ اس وقت عالی جاہ واقعی عالی جاہ نظر آ رہے تھے۔ پروفیسر سپارگن ہی تھا جو کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور بہت شاندار چیزیں۔ نعیم خان ضرورت سے زیادہ بولنے کا عادی تھا کہنے لگا۔

"اب یہ بتاؤ چچا سپارگن کیا ان قابوں سے سانپ اور بچھو برآمد ہوں گے؟"

"تم جو کھانا چاہو گے بس ان کا تصور ذہن میں رکھنا۔" قابوں کا ڈھکن اٹھاؤ گے تو وہی تمہیں ملے گا۔"

"کیا تم سامری کے پوتے ہو؟" نعیم خان بولا۔

"سامری! یہ کیا چیز ہوتی ہے؟"

"ہوتی نہیں۔ ہوتا تھا۔"

"کون تھا؟"

"جادوگر۔"

"نہیں میں جادوگر نہیں ہوں۔"

"تو پھر یہ کیا چکر چلایا ہوا ہے تم نے۔"

"بس یوں سمجھو کہ دنیا کی بے ثباتی کا تجزیہ کر رہا ہوں۔ کس قدر ناپائیدار ہے۔ یہ دنیا بے مقصد خواہ مخواہ زندگی کا کوئی مقصد بنایا جاتا ہے اور اس کے بعد انسان اس مقصد کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے۔ کبھی اس مقصد کو پا لیتا ہے کبھی نہیں پاتا۔ نہیں پاتا تو دل میں دکھوں کے انبار لگا لیتا ہے۔ چلو ناشتا شروع کرو۔ ٹھنڈا ہو جائے گا۔" بہترین ناشتا کر کے وہ شکم سیر ہو گئے تھے۔" کامران نے کہا۔

"پروفیسر اب تو آپ اپنے بارے میں بتا دیجیے۔"

"کیا بتا دوں نام بتا دیا میں نے تمہیں کہ پروفیسر سپارگن ہے۔ یہ سب میری اپنی ملکیت ہے۔"

"تو پھر در بدر کیوں مارے مارے پھر رہے تھے؟"

"یہ بھی بتا چکا ہوں۔"

"تم اتنے ہی امیر آدمی ہو؟"

"نہیں میں بہت غریب آدمی ہوں۔ اتنا غریب کہ تم غربت کی انتہا کے بارے میں بھی اتنا نہیں سوچ سکتے۔"

"خدا تم جیسا غریب ہر ایک کو بنائے۔" نعیم خان نے کہا اور دونوں ہاتھ منہ پر پھیر لیے۔ کامران کو ہنسی آ گئی تھی۔ لیکن بوڑھا سنجیدہ ہو رہا تھا۔ اس نے کہا۔

"تمہاری عمریں ابھی اتنی ہیں کہ تم میرے الفاظ پر ہنسو گے۔ حقیقت کی گہرائیوں تک پہنچنے والی آنکھ عمر کے تجربے کے ساتھ ہوتی ہے۔ خیر آرام کرو۔ وہ اپنے کمرے میں آرام کرنے کے لیے واپس آ گئے۔ لیکن ان کی حیرتیں عروج پر تھیں۔ بوڑھے کو جس عالم میں دیکھا تھا۔ اس کے بعد تو مذاق میں بھی نہیں سوچا جا سکتا تھا کہ وہ اتنا دولت مند انسان ہوگا۔ اس حویلی کے اخراجات بھی اتنے ہوں گے کہ ایک دن کا خرچ ایک شخص کی تنخواہ سے بھی زیادہ ہوگا۔

ملازمین، کھانے پینے کے انبار اور پھر وہ حیرت ناک تصور جس میں اس ہوٹل والے بیروں کے الفاظ شامل تھے۔ جس سے وہ بوڑھے کی ذلت کرتے تھے۔

بہر حال وہ دونوں شدید حیرت میں گم تھے۔ رات گزرنے کے بعد صبح ہوئی۔

اور صبح کا ناشتا بھی اتنا ہی شاندار تھا۔ پروفیسر سپارگن ناشتے پر ان کے ساتھ موجود تھا اور خاموشی سے ناشتا کر رہا تھا۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ اس نے اس وقت اپنے آپ کو سنوار لیا تھا۔ لباس بھی بہت عمدہ پہنے ہوئے تھا۔ بال وغیرہ بھی ترتیب سے درست کر لیے تھے۔ ناشتا اس نے انتہائی خاموشی سے کیا۔ پھر ان کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگا۔ تو کامران نے کہا۔

"ایک بات بتائیے پروفیسر۔"

"ہاں پوچھو۔"

"آپ ہمیں یہاں لے آئے ہیں اور بہ قول آپ کے یہ عمارت آپ کی ملکیت ہے۔ یہ بتائیے

ہم کتنے دن کے مہمان ہیں۔ یہاں عموماً یہ کہا جاتا ہے کہ مہمان ایک دن دو دن یا تین کے ہوتے ہیں۔ کیا تیسرے دن ہمیں یہاں سے نکل جانا پڑے گا؟"

"یہ تم پر منحصر ہے۔" بوڑھے نے جواب دیا۔

"وہ کیسے؟"

"جلد بازی نہ کرو۔ کہا جاتا ہے کہ ٹھنڈا کر کے کھانا زیادہ مناسب ہوتا ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن جب بات اس قدر حیرت ناک ہو تو ٹھنڈا ہونے کا انتظار بڑا مشکل ہوتا ہے۔"

"ہاں یہ تو ہے۔ اچھا خیر چلو کوئی بات نہیں۔ میں تمہیں اس عمارت کے نظارے کراتا ہوں۔" پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور انہیں ساتھ لے کر چل پڑا۔ اس عمارت کے ہر گوشے کو دیکھ کر دل میں ایک نیا احساس ابھرتا تھا۔ وہ اس کے ساتھ آگے بڑھتے رہے۔ اس حویلی نما عمارت کی وسعتیں بے پناہ تھیں۔ وہ ایک جگہ پہنچ کر گہرائیوں میں اترنے لگا۔ وہاں سیڑھیاں تھیں اور ایک سیدھا سادہ راستہ تھا۔ پھر وہ تہہ خانے میں پہنچ گئے۔ تہہ خانے کی وسعتیں اس حویلی کی وسعتوں کا مظہر تھیں۔ یہاں نہ جانے کیا کچھ تھا۔

بوڑھے نے باقاعدہ ایک چابی سے تہہ خانے کا دروازہ کھولا تھا اور چابی اسی دروازے میں لگی چھوڑ دی تھی۔ پھر وہ اندر داخل ہوا اور ایک بڑی سی الماری کے پاس پہنچ گیا الماری تقریباً دس فٹ اونچی اور چوڑی تھی۔ اس نے اس کے پٹ کھولے تو رنگین روشنیوں کا طوفان امڈ پڑا۔ الماری کے مختلف خانوں میں مختلف چیزیں موجود تھیں۔ یہ رنگین روشنیاں سرخ، سبز، نیلی تھیں اور ان میں کچھ ایسی سفید روشنیاں بھی تھیں۔ لگتا تھا ننھے ننھے بے شمار بلب جل رہے ہوں۔

یہ انتہائی اعلیٰ درجے کے ہیرے تھے جنہیں دیکھ کر ان پر سکتہ طاری ہو گیا۔ نعیم خان کو تو غشی آ گئی ہو۔ بات یہیں تک نہیں تھی۔ سونے کے ڈھیلوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ یہ خالص سونا تھا جسے پگھلا کر کوئی باقاعدہ شکل نہیں دی گئی تھی۔ بلکہ بس ہموار اور ناہموار ٹکڑوں کی شکل میں۔ یہ الماری کے پورے خانے میں بھرا تھا۔ اس کے بعد سونے کے سکے، پھر نوٹوں کے انبار وہ اس عظیم الشان خزانے کی مالیت کا صحیح اندازہ تک نہیں لگا سکتے تھے۔ کیونکہ ان کے تصورات بھی کبھی اتنی دولت تک نہیں پہنچے تھے۔ وہ یہ سب کچھ دیکھتے رہے۔ بوڑھا پروفیسر سپارکن خاموش تھا۔ اس کے بعد اس نے یہ الماری بند کر دی اور بولا۔

"آؤ۔" وہ سحر زدہ سے اس کے ساتھ چل پڑے اور کافی دیر تک وہ انہیں یہاں مختلف چیزیں دکھاتا رہا۔ بلاشبہ یہ الف لیلیٰ کی رات تھی اور ان کی کیفیت بالکل ان لوگوں کی سی تھی جو سحر میں گرفتار ہو گئے ہوں اور جن کے ہوش و حواس ان کا ساتھ نہ دے پا رہے ہوں۔ بس پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہ یہ سب کچھ دیکھتے رہے تھے اور اس وقت بھی چل رہے تھے بس! جب کہ ہوش و حواس بڑی عجیب کیفیتوں کا احساس دلا رہے تھے۔ وہ باہر آ گئے اور بوڑھا اس بار انہیں اپنی خواب گاہ میں لے گیا۔ اس کے چہرے پر ایک پراسرار خاموشی چھائی ہوئی تھی اور اس نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور ان کے تھکے ہوئے جسم یہی طلب کر رہے تھے کہ انہیں بیٹھنے کا موقع ملے۔ وہ تھکے تھکے انداز میں بیٹھ گئے۔ تو بوڑھے نے کہا۔

"میں تمہارے چہرے پر اضمحلال کی جھلکیاں دیکھ رہا ہوں۔"

"نہیں پروفیسر سپارکن۔ بات پھر وہی آ جاتی ہے کہ تم جس قدر دولت مند ہو اور یہ سب کچھ جو تم نے ہمیں دکھایا ہے ہماری عقل اسے تسلیم نہیں کر رہی اور ہم شدید حیران ہیں۔"

"تمہیں حیرانی کس بات کی ہے؟"

"یہ کہ تم اگر اتنے دولت مند ہو تو پھر وہ کیا تھا۔ جو ہوٹل کے سامنے ہمیں پیش آیا۔"

"وہ کچھ نہیں تھا میں نے کہا نا انسان اپنے آپ کو نہ جانے کیا کیا کچھ سمجھ لیتا ہے۔ جب کہ درحقیقت وہ کچھ بھی نہیں ہوتا۔ یہ صرف اس کی سوچ ہے کہ وہ نہ جانے اپنے آپ کو کیا کیا کچھ سمجھ لیتا ہے۔ مطلب سمجھ رہے ہو نا میرا۔ میں صرف تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ سب کچھ میرے پاس ہے اور یہ سب کچھ تمہارے پاس بھی ہو سکتا ہے۔ بولو کیا تم یہ سب حاصل کرنے کے خواہشمند ہو؟"

"دیکھو پروفیسر! ہم انسان ہیں اور انسان بہر طور انسان ہی ہوتا ہے۔ چاہے اپنے آپ کو کتنا ہی ہوس سے بے نیاز کرنے کی کوشش کیوں نہ کرے۔ دولت کا خواہش مند کون نہیں ہوتا ہم بھی ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ اگر تمہیں اس دولت کی پیش کش کی جائے تو تم اسے حاصل کرنے کی کوشش ضرور کرو گے۔"

"بالکل! بھلا انکار کا کیا سوال۔" نعیم خان نے کہا۔

"لیکن میرے عزیز دوستو! یہ بات بھی تمہیں معلوم ہے کہ دولت حاصل کرنے کے لیے محنت کرنی ہوتی ہے۔"

"ہاں بے شک۔"

"میں نے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ محنت ہی سے حاصل کیا ہے اور اگر تم اس کے خواہش مند ہو تو میں اس سب کے حصول کے سلسلے میں تمہاری مدد کر سکتا ہوں۔"

"کیسے؟ کیا کرنا ہو گا ہمیں؟"

"ہاں، یہ تم سوال کر رہے ہو۔ کچھ کیے بغیر کچھ ملنا ناممکنات میں سے ہوتا ہے۔"

"کہانیاں سنانے کے بجائے پروفیسر ہمیں وہ طریقہ بتاؤ جس سے ہم یہ سب کچھ حاصل کر سکیں۔"

"تمہیں اس کے لیے نیلی پاتال کا سفر کرنا ہو گا۔"

"کیا مطلب؟"

"نیلی پاتال ایک انوکھی سرزمین جو تمہاری اسی دنیا میں ہے۔ لیکن وہاں کی زندگی۔ تمہاری اس دنیا کی عام زندگی سے بہت مختلف ہے۔ وہاں کچھ اور ہے۔ جو تمہیں دیکھنا ہو گا کیا سمجھے؟"

"لیکن نیلی پاتال کے بارے میں تو ہمیں کچھ بھی نہیں معلوم۔"

"اس کے بارے میں، میں تمہیں بتاؤں گا۔"

"کب بتاؤ گے؟"

"اس کا بھی ایک وقت متعین ہے۔"

"لیکن اگر ہم......" نعیم خان نے کہا۔ تو پروفیسر سپارکن نے ہاتھ اٹھا کر اسے بات کرنے سے روک دیا۔

"نہیں تم کچھ نہ کہو تو بہتر ہے چونکہ جو کچھ تم کہو گے بے مقصد ہوگا اور اس کی تکمیل نہیں ہو سکے گی۔"

"مطلب؟"

"مطلب یہ ہے کہ میں تمہیں بتاؤں گا کہ تمہیں اس کے حصول کے لیے کیا کرنا ہے۔"

"میں نے بھی تو کہا تھا پروفیسر سپارکن کہ وہ سب کچھ ہمیں کب بتاؤ گے؟"

"بہت جلد۔ بہت ہی جلد۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم انتظار کریں گے۔"

"ہاں انتظار زیادہ مناسب ہوتا ہے۔ تمہیں تھوڑا انتظار کرنا ہوگا۔ اب تم نے یہ سب کچھ دیکھ لیا۔ جاؤ آرام کرو اور اس تصور سے اپنے آپ کو خوشیاں بخشو کہ آنے والے وقت میں یہ سب کچھ تمہارا بھی ہو سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے ہم اس کو حاصل کرنے کے لیے کوشش کریں گے۔" اور اس کے بعد پروفیسر سپارکن بھی ان کے ساتھ ہی واپس آ گیا اور اس نے تھوڑی دیر کے بعد انہیں رخصت کر دیا تھا اور وہ دونوں گرتے پڑتے کمرے تک آ گئے اور ایک ہی بستر پر گر پڑے۔ بہت دیر تک ان کے ہوش و حواس ان کا ساتھ نہیں دے سکے تھے اور وہ پریشانی کا شکار رہے تھے۔ پھر نعیم خان نے کہا۔

"آہ...... کاش اس بات سے آنکھ نہ کھل جائے۔"

"کیا مطلب؟"

"یقین کرو۔ لگ رہا جیسے خواب دیکھ رہے ہیں۔ یقین ہی نہیں آ رہا کہ یہ خواب نہیں ہے۔"

"ٹھیک کہتے ہو۔"

"لیکن ایک بات اور بھی کہنا چاہتا ہوں، کامران۔"

"کیا؟"

"اس سے پہلے کہ آنکھ کھل جائے کچھ لینا ضروری ہے۔"

"سمجھا نہیں۔"

"سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"تفصیل تو بتاؤ۔"

"کیا ہم شریف لوگ ہیں؟"

"بالکل نہیں! کیوں شرافت کا مذاق اڑاتے ہو؟" کامران نے کہا۔

"واقعی ایسا ہی ہے۔ ہم نے اب تک زندگی میں جو کچھ کیا ہے۔ اس میں کوئی ایسا کام نہیں ہے جس کا تعلق انسانیت سے ہو۔ جب ہم اتنے ہی برے لوگ ہیں تو بلاوجہ اچھا بننے کی کوشش کیوں کریں۔"

"اگر افسانہ نگاری کر رہے ہو تو الگ بات ہے اور اگر کچھ کہنا چاہتے ہو تو بتاؤ۔"

"اس دولت کا حصول جو ابھی ہماری دسترس میں ہے اور ہم صرف خواب نہیں دیکھ رہے ہیں۔"

"اس کا فیصلہ تو ہم کر چکے ہیں۔"

"نہیں ابھی اس کا صحیح فیصلہ نہیں کیا ہے ہم نے۔"

"صحیح فیصلے سے تمہاری کیا مراد ہے؟"

"نیلی پاتال یہ کیا چیز ہے؟"

"میری خالہ کا گھر نہیں ہے۔ تم نہیں جانتے اس کے بارے میں۔ تو تمہارا کیا خیال ہے میں جانتا ہوں کیا؟"

"نہیں۔ لیکن بوڑھا کہتا ہے کہ اس دولت کے حصول کے لیے ہمیں کسی نیلی پاتال کا سفر کرنا ہوگا۔"

"ہاں۔"

"وہ سفر کتنا وسیع ہے۔ کتنا طویل ہے۔ نیلی پاتال کہاں واقع ہے؟ نہ تمہیں معلوم ہے نہ مجھے۔ لیکن ایک بات ہم دونوں جانتے ہیں؟"

"یہ کہ اس حویلی کی گہرائیوں میں نیلی پاتال ضرور ہے۔"

"یعنی وہ جگہ جہاں ہم یہ سب کچھ دیکھ کر آئے ہیں۔"

"بالکل میں یہی کہنا چاہتا ہوں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن۔"

"بوڑھے کو قتل کرنا ہوگا۔" نعیم نے اتنی سنجیدگی سے کہا کہ کامران پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔ نعیم خان کی آنکھوں میں درندگی ابھر آئی تھی۔ اس نے کہا۔

"اور یہ قتل تم کرو گے۔"

"میں۔"

"ہاں۔"

"میں ہی کیوں؟"

"اس لیے کہ تم یقین کرو۔ میں نے ڈاکے ڈالے ہیں۔ میرا مطلب ہے۔ بعض اوقات دن کی روشنی میں بھی بچوں کو یرغمال بنا کر دولت حاصل کی ہے۔ لیکن قتل آج تک نہیں کیا تھا۔"

"اس بوڑھے کو تم قتل کرو گے۔ اسے قتل کرنے کے بعد ہم یہ دولت حاصل کر لیں گے۔"

"کیا یہ آسان ہوگا؟"

"دنیا کا کوئی کام آسان نہیں ہوتا۔ لیکن ایک چیز جو نگاہ کے سامنے ہے۔ اسے چھوڑ کر بوڑھے کی وجہ سے نیلی پاتال کا رخ کرنا ہمارے لیے ایک صحیح عمل نہیں ہوگا۔"

"وہ تو ٹھیک کہتے ہو۔ لیکن۔"

"یار...... یا تو تم نے مجھے اب تک کی کہانیاں غلط سنائی ہیں یا پھر تم بزدل ہوتے جا رہے ہو۔"

"نہ میں نے کہانیاں غلط سنائی ہیں نہ میں بزدل ہو رہا ہوں لیکن ایک بات میں تم سے کہوں۔ پروفیسر سپارکن کو قتل کر کے مجھے دلی رنج ہوگا۔"

''ہم دونوں چوبیس گھنٹے تک مسلسل روتے رہیں گے۔ میرا وعدہ ہے میری ہچکیاں اور آنسو کسی طرح بند نہیں ہوں گے۔ لیکن اس کے بعد ہم جو زندگی گزاریں گے وہ ہمارے تصور سے بھی باہر ہوگی۔'' نعیم خان ہمیشہ کا مسخرہ تھا اور ایسی باتیں کرتا تھا کہ سنسنی خیز ماحول کے باوجود کامران کو ہنسی آ جاتی تھی۔ کامران نے کہا۔

''غور کرلو۔ نعیم خان۔''

''غور! جتنا کیا جاتا ہے نا انسان اتنا ہی بھٹک جاتا ہے۔ کوئی غور کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم فیصلہ کریں گے صرف فیصلہ۔''

''تمہارا مطلب ہے بوڑھے کا قتل۔''

''بے حد ضروری۔''

''کب؟''

''اب سے کچھ دیر کے بعد۔ اس وقت جب ہم یہ محسوس کریں گے کہ وہ سو چکا ہے۔''

''اور اس کے بعد۔''

''اس کے بعد اس کی لاش کو ٹھکانے لگا دیں گے۔ پھر ایک ایک کرکے ان ملازموں کا بھی خاتمہ کردیں گے۔ جو یہاں موجود ہیں۔ یہاں باہر کے لوگ کم سے کم ہی آتے ہوں گے اور بہ ظاہر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ بوڑھا بھی باہر کے لوگوں سے بہت زیادہ قربت نہیں رکھتا۔ ایسے عالم میں ہم اسے باآسانی قتل کرنے کے بعد چھپا سکتے ہیں اور پھر ملازموں کو قتل کرکے کچھ عرصہ اس عمارت میں گزاریں گے اور اس کے بعد یہ سارا مال باہر کی دنیا میں منتقل کرلیں گے۔'' بہت دیر تک وہ منصوبہ بندی کرتے رہے اور اس کے بعد کامران نے کہا۔

''ایک بار پھر سوچ لو نعیم خان۔''

''دیکھو کامران۔'' تمام مفکر یہی کہتے چلے آئے ہیں کہ سوچنے میں وقت ضائع کرنے کی بجائے عمل کرنا زیادہ مناسب ہوتا ہے۔''

''تو یہ تمہارا آخری فیصلہ ہے یہ کہ پروفیسر سپارکن کو قتل کردیا جائے۔''

''سو فیصدی۔ اس کے علاوہ اور کوئی ترکیب ہی نہیں ہے۔ تم خود سوچو۔ کیا چیز ہے۔ ہمیں یہاں تک جانے کے لیے کتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ہمیں مستقل طور پر پروفیسر سپارکن کا مرہون منت رہنا پڑے گا اور ہم اسی کے سہارے آگے قدم بڑھا سکیں گے۔ اس کے بجائے یہ جو کچھ ہمیں نظر آ رہا ہے۔ اگر اس میں سے کوئی آدھا حصہ بھی ہمیں مل جاتا ہے۔ تو بس سمجھ لو کہ ہمیں زندگی بھر کچھ کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔ لعنت بھیج دیں گے ہم جرم کی اس دنیا پر۔ اس ملک کے کسی شہر میں کوئی بڑے آدمی کی حیثیت اختیار کرکے زندگی گزاریں گے۔''

بہرحال اس میں کوئی شک نہیں کہ نعیم خان کا منصوبہ بہت اچھا اور کامران بھی اس سے منحرف نہیں تھا۔ بس ایک احساس دل میں بار بار ابھرتا تھا۔ وہ یہ کہ پروفیسر سپارکن اتنا برا آدمی نہیں ہے۔ ایک اچھا دوست اور ایک اچھا ساتھی ہے، دولت کے لیے وہ اسے قتل کرکے زیادہ خوشی محسوس نہیں کریں گے۔ تاہم

جس کا نام نعیم خان تھا بہ ظاہر ایک بے ضرر چوہا نظر آتا تھا۔ لیکن درحقیقت بہت خطرناک آدمی معلوم ہوتا تھا۔ وہ اسی بات پر مصر تھا کہ اب پروفیسر سپارکن کو قتل کردیا جائے۔ پھر جب گھڑی نے پونے بارہ کا وقت دکھایا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ گئے نعیم خان نے کہا۔

''سب سے پہلے ہمیں ایک ایسے خنجر کی تلاش ہوگی۔ جس کی مدد سے ہم پروفیسر سپارکن کا سر اس کے دھڑ سے الگ کرسکیں۔''

''میں ہاتھوں سے بھی یہ کام کرسکتا ہوں۔''

''نہیں ہم رسک نہیں لیں گے۔'' ویسے میں نے ایسے خنجر دیکھے ہیں۔''

''کہاں؟''

''اس کمرے میں جو بائیں سمت ہے۔ یہ خنجر نوادرات میں سے ہیں۔ لیکن تم نے دیکھا ہوگا۔ میں نے چمڑے کے کیس سے ایک خنجر نکال کر اس کی دھار دیکھی تھی۔ اس وقت مقصد کوئی نہیں تھا۔ لیکن مجھے کیا معلوم تھا کہ بہت جلد مجھے اس خنجر کی ضرورت پیش آ جائے گی۔''

''تم کمال کے انسان ہو نعیم خان۔''

''نہیں ہم اپنے آپ کو انسان تو نہیں کہہ سکتے۔ ہم نے انسانوں سے الگ ہٹ کر آج تک زندگی گزاری ہے؟ کیا تم کہہ سکتے ہو کہ ہم انسانوں کی طرح جیتے رہے ہیں۔''

''دیکھو۔ نعیم خان میں نصیحتوں سے سخت گریزاں ہوں۔ نصیحت کرنے والے مجھے احمق لگتے ہیں اگر تم میرے اچھے دوست رہنا چاہتے ہو تو کبھی طنزیہ گفتگو نہ کرنا۔ میں تمہاری زندگی کے بارے میں کچھ نہیں کہتا، ہر شخص کو اپنے طور پر زندگی گزارنا پسند ہے۔ جہاں تک میری زندگی کا تعلق ہے۔ میں اپنے آج تک کے عمل سے مطمئن ہوں اور میرا ضمیر اس کے لیے بالکل واغدار نہیں ہے۔''

''آؤ۔'' نعیم خان نے کامران سے کہا اور وہ اس کمرے کی جانب چل پڑے جہاں سے ان کی ان نئی مجرمانہ زندگی کا آغاز ہونے والا تھا۔

دیواروں پر آویزاں ہتھیاروں کا شوق بھی عجیب ہوتا ہے، ویسے بھی اب تک انہوں نے پروفیسر سپارکن کی یہ جتنی مملکت دیکھی تھی، اس میں ساری ہی چیزیں نوادرات کی حیثیت رکھتی تھیں۔ ہر چیز کی ایک اپنی قیمت ہوتی تھی، جو خزانہ اس نے ہمیں دکھایا تھا۔ وہ ناقابل یقین مالیت کا حامل تھا۔

''بہرحال وہاں سے انہوں نے اپنی پسند کا وہ خنجر اٹھایا اسے اس کے کیس سے نکال کر دیکھا، بے مثال چیز تھی۔ ایسی کہ ایک ہی وار میں گردن دور جا پڑے۔

وہ ایک بھرپور منصوبے کے تحت، پروفیسر سپارکن کے بیڈروم کی طرف چل پڑے اس وقت ان کے اندر شیطان کا بسیرا تھا اور دلوں میں سے انسانیت کا ہر تصور مٹ گیا تھا۔ پروفیسر سپارکن نے حالانکہ ان کے ساتھ اب تک بہت اچھا سلوک کیا تھا۔ لیکن دولت کے حصول کی خواہش خزانوں کی چمک دمک، صدیوں سے انسان کی عقل چھینتی چلی آ رہی ہے۔ وہ بھی اس وقت اس بے عقلی کا شکار تھے، کمرے کے دروازے کو دبا کر دیکھا تو وہ کھل گیا۔

اندر پروفیسر سپارکن شب خوابی کے لباس میں ملبوس گہری نیند سو رہا تھا۔ آنے والے لمحات سے بے خبر۔ ہر خوف سے آزاد، انہوں نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا۔ "اس کے سانسوں کی رفتار بتا رہی ہے کہ اس کی نیند خاصی گہری ہے۔ سوتے میں کسی کو قتل کرنا ایک وحشیانہ عمل تھا۔ لیکن اس سے زیادہ وحشیانہ تصور تو اس قتل کا ہی تھا، بھلا ایسے اقدار کی انہیں کیا پرواہ ہو سکتی تھی۔ کامران کے جبڑے بھنچ گئے اس نے خنجر کو مٹھی میں دبایا اور آہستہ آہستہ پروفیسر سپارکن کی مسہری کی جانب چل پڑا۔

اس وقت کامران کے دل میں رحم کا کوئی جذبہ نہیں تھا۔ کامران نے خنجر کو تولا۔ پھر اس کے مضبوط ہاتھ پروفیسر سپارکن کی جانب بڑھے اور صرف پلک جھپکنے کی دیر تھی۔ خون کے ایک فوارے کے ساتھ پروفیسر سپارکن کی گردن اس کے شانے سے جدا ہو گئی۔ اس کا بدن ایسے تڑپا کہ گردن اچھل کر نیچے فرش پر جا پڑی۔ وہ پیچھے ہٹ گئے تھے۔ کامران نے نعیم خان کے چہرے پر خوف کے آثار دیکھے تھے۔ پروفیسر کا بدن تڑپ تڑپ کر نیچے آ رہا تھا۔ وہ بہت طاقت ور انسان تھا۔ وہ کمرے کے فرش، دیواروں اور مسہری کے بستر پر خون کا دریا موجزن دیکھتے رہے۔ پھر کامران نے وہ خنجر اسی کے بستر سے صاف کیا اور نعیم خان کو ساتھ آنے کا اشارہ کر کے باہر نکل آیا۔ نعیم خان کے منہ سے کوئی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ کامران نے اسے باہر نکلنے کے بعد مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا پھر کہا۔

"کیوں؟..... کیا ہو گیا؟"

"یار کامران! اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ تو ایک انتہائی سفاک آدمی ہے۔"

"میں نے تم سے کہا تھا نا نعیم خان، ہمیں ایک دوسرے کے جذبات کا خیال رکھنا ہوگا۔"

"اور اس کے ساتھ ساتھ ہی تو بہت زیادہ تند مزاج ہے، اسی تندی کے ساتھ میرا جی چاہتا ہے کہ تجھے تندور کہنا شروع کر دیں کیسا لقب ہے یہ؟"

"لقب کو گولی مارو۔ ایسا کرتے ہیں اب اس خزانے کو حاصل کرنے کے لیے۔"

"ایک منٹ..... نعیم خان ایک منٹ......" کامران نے کہا اور نعیم خان جو سوالیہ نگاہوں سے کامران کو دیکھ رہا تھا کامران نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔

"نعیم خان میں نے تمہیں دوسرا مشورہ بھی دیا تھا۔"

"کیا؟" مجھے یاد نہیں ہے۔"

"ہو سکتا ہے بات میرے ذہن میں ہی ہو، لیکن ایک بات بتاؤ۔" ہم نے اب تک یہاں جتنا وقت گزارا ہے۔ اس میں ہم نے یہ اچھی طرح محسوس کر لیا ہے کہ پروفیسر سپارکن کے رابطے باہر کے کسی شخص سے بالکل نہیں ہیں۔ وہ ایک تقریباً تنہا آدمی ہے اس کے علاوہ اگر یہاں اور کوئی ہے تو ہم آسانی سے اسے بھی زندگی سے محروم کر دیں گے اور یہیں چھپا دیں گے۔ کیوں نہ اس وقت تک یہیں قیام کیا جائے، جب تک بیرونی دنیا سے ہمارے لیے کوئی کارروائی نہ ہو یا کوئی ایسی شخصیت ہمارے درمیان نہ آئے جسے ہم مشکل محسوس کریں البتہ ایک کام کر لیا جائے۔"

"کیا؟"

"یہ دولت اس جگہ سے منتقل کر کے کسی اور جگہ پوشیدہ کر دی جائے اور اس شاندار وسیع و عریض عمارت میں یہ کام مشکل نہیں ہے۔"

"گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ ہم پروفیسر کی دولت کے ساتھ ساتھ اس مکان پر بھی قبضہ کر لیں۔ یہیں قیام کریں اور یہیں سے زندگی کی عیش حاصل کریں۔"

"اور اس کے بعد پر سکون ذرائع اختیار کرتے ہوئے، اپنی پسند کی زندگی گزاریں۔" نعیم خان مسرور لہجے میں بولا۔

"یہی میں کہنا چاہتا ہوں۔"

"خیال برا نہیں ہے۔ ہم ایسا کر سکتے ہیں۔"

"لیکن دوست ایک بات کہوں۔"

"ہاں..... بولو۔"

"عقلمند انسان وہی ہے جو سب سے پہلے اپنی شخصیت پر کوئی شک نہ آنے دے اور جو کام بھی کرے اس یقین کے ساتھ کرے کہ اس میں اسے شکست ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔"

"مطلب کیا ہے؟"

"پروفیسر سپارکن کی لاش کو سب سے پہلے ٹھکانے لگانا ہے، اس کا بستر، اس کا خون آلود بدن، خون آلود قالین، دیواروں پر پڑے ہوئے خون کے چھینٹے، کیا یہ ساری چیزیں ایسی نہیں کہ کہیں اتفاق سے باہر کی دنیا کا کوئی شخص اندر آ جائے تو ہمارا حلیہ بگڑ جائے۔"

"مطلب یہ ہے کہ پہلے وہاں کی صفائی کر دی جائے۔"

"ٹھیک ہے سو فیصدی۔" پروفیسر سپارکن کے جسم کو زمین کی گہرائیوں میں اتارنے کے لیے یا اسے نذر آتش کرنے کے لیے کسی مناسب جگہ کو تلاش کرو اور اس کے بعد سب سے پہلا کام یہ کر لو کہ خود دیواروں کو صاف کرو۔ فرش قالین وغیرہ۔"

"لعنت ہے۔" کامران نے غراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کیوں؟ کیا ہوا؟"

"کاش اس بات کا بھی خیال رکھ لیا جاتا۔"

"تو کیا ہوتا؟"

"بے وقوف آدمی، قتل کرنے کے لیے ضروری تو نہیں ہے کہ ہر طرف وحشیانہ جدوجہد کا ماحول پیدا کر دیا جائے۔ وہ آسانی سے گردن دبا کر بھی ہلاک کیا جا سکتا تھا۔"

"اس وقت ہمارے ذہن میں یہ منصوبہ نہیں تھا نا۔"

"اسی لیے تو میں کہتا ہوں کہ ہر منصوبے کو ہر لحاظ سے مکمل ہونا چاہیے۔"

"اب جو ہو گیا سو ہو گیا۔ آؤ پہلے ہم اپنے اس فرض سے نجات حاصل کر لیں۔"

"اور پھر انہوں نے ایک ایسی جگہ تلاش کر لی جہاں پروفیسر سپارکن کے جسم کو گہرائیوں میں اتار کر

روپوش کیا جا سکتا تھا۔ تمام انتظامات کر لیے گئے مکان میں تلاش کر کے ایک ایسا بڑا کپڑے کا تھیلا بھی تلاش کر لیا گیا۔ جس میں پروفیسر سپارکن کے سر اور دھڑ کو یکجا کر کے اس کا منہ باندھا جا سکتا تھا اور پھر اس کے نیچے کو گہرائیوں میں دفن کیا جا سکتا تھا۔ اس کام سے فراغت حاصل کرنے کے بعد وہ پروفیسر سپارکن کی خواب گاہ کی طرف چل پڑے۔

ذہن میں کوئی تصور نہیں تھا۔ کوئی احساس نہیں تھا۔ البتہ نعیم خان کے قدموں میں کامران نے ہلکی سے لرزش محسوس کی تھی اور اس کا خوب مذاق اڑایا تھا۔ نتیجے میں نعیم بری طرح چڑ گیا تھا۔

"تم کیا سمجھتے ہو۔ میں تم سے کسی طرح کمزور ہوں۔"

"نہیں تو مجھ سے ہر طرح طاقت ور ہے۔ بزدل چوہے۔ چل آ جا۔ فضول باتوں سے گریز کر ایک بات ذہن میں رکھنا تیری حیثیت، ایک مزدور سے زیادہ نہیں ہے۔ بوڑھے کی لاش تیرے ہی شانوں پر اس جگہ تک پہنچے گی۔"

"ارے واہ! تم نے اس کے وزن کا صحیح اندازہ نہیں لگایا کیا۔ کیا میں تنہا اسے اٹھا سکوں گا؟"

"جو کچھ بھی ہو، تیرا بھی کوئی مصرف ہونا چاہیے۔ ورنہ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ خنجر کے ایک ہی وار سے تیری بھی گردن تن سے جدا کر دوں۔"

"یہ اتنا آسان نہیں ہوگا۔ دوست۔"

"چل آگے بڑھ۔" کامران نے نعیم خان کو دھکا دیتے ہوئے کہا اور نعیم جھلائے ہوئے انداز میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ کامران سے کئی قدم آگے بڑھنے کے بعد اس نے دروازہ کھولا اور اندر ہو گیا۔ کامران اس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا، لیکن پھر اندر سے نعیم کی ایسی دہشت ناک چیخ ابھری کہ کامران کے کان جھنجھنا کر رہ گئے۔ ایک لمحہ انتظار کرنے کے بعد، کامران نے دو لمبی لمبی چھلانگیں لگائیں، کامران کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ نعیم خان کیوں چیخا ہے، کیا صرف خون کی وجہ سے یا کچھ اور ہوا ہے اس کے ساتھ۔

چنانچہ دوسرے لمحے کامران بھی اندر داخل ہو گیا اور پھر بلاشبہ کامران کی آنکھیں بھی ایک دم پتھرا گئی تھیں، سامنے والے صوفے پر پروفیسر سپارکن بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی گردن اس کے شانوں پر جڑی ہوئی تھی۔ ہاں خون کی وہ لکیر جو گردن کٹنے سے بن سکتی تھی، بنی ہوئی تھی اور اس پر خون کا گہرا رنگ چڑھا ہوا تھا، جمے ہوئے خون کی ایک لکیر سی بن گئی تھی۔ یہ بھی سوچا جا سکتا تھا کہ نعیم خان یا کسی اور نے پروفیسر سپارکن کو صوفے پر بٹھا کر اس کی گردن اس کے شانوں پر رکھ دی ہو۔ لیکن اس کی متحرک آنکھیں، جھپکتی ہوئی پلکیں اور چہرے پر ایک عجیب سا انداز، درحقیقت کامران کی بھی جان کھینچے لے رہا تھا۔ نعیم خان پر تو لرزہ طاری ہو رہا تھا، ایک لمحے کے لیے کامران بھی سکتے کا شکار رہا، دوسرے لمحے کامران نے نعیم خان کے شانے پر ہاتھ مارا اور وہ چونک کر کامران کو دیکھنے لگا۔ پھر اس کے حلق سے آواز نکلی۔

"یہ ۔۔۔۔۔۔ یہ ۔۔۔۔۔۔ یہ"

"آؤ۔ بیٹھ جاؤ سامنے۔ بیٹھ جاؤ۔" آواز پروفیسر سپارکن کی ہی تھی، بولنے کا انداز بھی مشینی نہیں تھا۔ پھر اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور اپنی گردن پر جمے ہوئے خون کو صاف کرنے لگا۔" پھر اس نے یہ ہاتھ اپنے

کپڑوں سے پونچھ لیا، کامران کی نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں، فرش، دیواریں، بستر، سب کے سب خون آلود تھا۔ اتنا خون کسی انسان کے جسم سے بہ جائے۔ چاہے کتنا ہی طاقت ور کیوں نہ ہو، لیکن اس کے کیفیت نہیں بے دار ہوتی اور پھر کیسی احمقانہ سوچ تھی، کامران نے اپنے ہاتھ سے اس کی گردن علیحدہ کی تھی اور اس کے دھڑ کو نیچے گر کر تڑپتے ہوئے دیکھا تھا، پروفیسر سپارکن کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے آہستہ سے کہا۔

"اور اب تمہیں یہ بتانے میں عار نہیں ہے کہ میرا نام سپارکو ہے۔" کامران نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ یہ کوئی ایسا انکشاف نہیں تھا جس پر حیرت ہوتی، کامران نے ایک قدم آگے بڑھ کر کہا۔

"تم زندہ ہو؟"

"یہ سوال حماقت کی حدود میں داخل کرتا ہے تمہیں۔ تمہارے نزدیک زندگی کیا ہے اور موت کیا ہے۔ تمہاری آنکھیں مجھے دیکھ رہی ہیں اگر تم مجھے زندہ سمجھتے ہو تو زندہ سمجھو اور اگر زندہ نہیں سمجھتے تو اپنے عمل کو کامیاب سمجھو۔"

"لیکن پروفیسر سپارکن۔"

"ہاں۔ یہ کہہ سکتے ہو تم، پروفیسر سپارکن مر گیا۔"

"تم کیا کہنا چاہتے ہو؟" کامران نے کہا۔

"اب میں کہنا چاہتا نہیں ہوں۔ بلکہ کہہ رہا ہوں۔ تم نے دوستی کا وہ عمل ختم کر دیا لیکن بے وقوفو! تم کیا سمجھتے تھے۔ کیا میں یہ بات نہیں جانتا تھا کہ تمہیں ایسا کرنا ہے۔ میں نے اسی لیے تمہیں اس دولت کی چمک دکھائی تھی کہ تم اپنی اصلیت پر آ جاؤ۔"

"مگر تم زندہ ہو؟"

"سپارکو کے پورے وجود کے ٹکڑے کر ڈالو، انہیں دنیا بھر میں منتشر کر دو جب کہو گے وہ تمہیں آواز دے گا۔ ایسی اور اسی شکل میں۔"

"مگر کیسے؟"

"یہی بتانے کے لیے تو میں تمہیں بیٹھنے کی دعوت دے رہا ہوں۔" اس نے کہا۔ کامران نے نعیم خان کا ہاتھ پکڑا اور صوفے کی جانب بڑھ گیا۔ بدروحوں، جادوگروں اور اسی طرح کے دوسرے کرداروں کا ذکر وہ بارہا سنا تھا۔ لیکن سب سے بڑی بات یہ تھی کہ سینہ خوف سے آزاد ہو گیا تھا۔ بھیانک سے بھیانک بات پر ڈر نہیں لگتا تھا اور یہی کامران کی خوبی تھی۔ البتہ نعیم خان کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ وہ دونوں بیٹھ گئے۔ بوڑھے کے چہرے پر ایک دلچسپ مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

"اور اب میں تم کو آسانی سے قتل کر دوں گا۔ تمہارے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اس مکان کے مختلف گوشوں میں دفن کر دوں گا۔ کیا سمجھے؟"

"تم ایسا نہیں کر سکتے۔ پروفیسر سپارکن۔"

"میں نے کہا نا پروفیسر سپارکن ایسا نہیں کر سکتا لیکن سپارکو ایسے کر سکتا ہے۔"

"ٹھیک ہے تو پھر تم ایسا کر کے دکھا دو۔" کامران نے کہا اور نعیم خان کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی جانب چھلانگ لگا دی، کامران دروازے سے باہر نکل گیا تھا۔ نعیم خان میرا ساتھ دے رہا تھا وہ دونوں اب اس عمارت سے نکل جانا چاہتے تھے یہ طلسم خانہ انہیں بے حد خوف ناک محسوس ہو رہا تھا لیکن اس وقت ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب انہوں نے اس جگہ جہاں عمارت میں داخل ہونے کا دروازہ تھا۔ ایک دیوار دیکھی۔ خالی دیوار جس میں کوئی دروازہ نہیں تھا۔

"کچھ غلط فہمی ہو گئی ادھر آؤ۔" کامران نے نعیم خان سے کہا اور وہ دوسری جانب بھاگنے لگے اور اس کے بعد درحقیقت ان کے حواس جواب دینے لگے۔" وہ عمارت کی ہر راہداری سے گزرے، لیکن عمارت میں ایک بھی دروازہ نہیں تھا۔ کہیں کوئی ایسی جگہ نہیں تھی جہاں سے باہر نکلا جا سکے۔ یہ ناقابل یقین بات تھی کہ ایک کٹا ہوا سر دوبارہ اپنے بدن سے جڑ جائے۔ نعیم خان کا تو پورا وجود پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ اس کے چہرے پر خوف و دہشت کے آثار منجمد تھے۔

پھر وہ ایک راہداری سے مڑے اور ایک بند دروازے کے پاس جا پہنچے۔ یہ آخری جگہ تھی، جہاں وہ باہر نکلنے کے لیے کوئی راستہ۔ کوئی کھڑکی یا روشن دان تلاش کرنا چاہتے تھے، باقی عمارت کے تو دروازے ہی ناپید ہو چکے تھے، انہوں نے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئے۔ لیکن سامنے کرسی پر جو شخصیت بیٹھی ہوئی تھی۔ پروفیسر سپارکن کی ہی تھی، وہ خاموشی سے بیٹھا انہیں گھور رہا تھا۔

"تھک گئے ہو تو سامنے بیٹھ جاؤ۔"

"تم ہمیں ہلاک نہیں کر سکو گے پروفیسر سپارکن۔"

"ہاں۔ تمہیں ہلاک کرنا بھی نہیں چاہتا کیونکہ مجھے تم سے ایک اہم کام لینا ہے۔ انتہائی اہم۔" نعیم خان نے کامران کی طرف اور کامران نے نعیم خان کی طرف دیکھا پھر کامران نے مصلحت سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"کیا کام لینا چاہتے ہو تم ہم سے۔"

"دیکھو نا کوئی چالاکی تمہارے کام آئے گی نہ کوئی ذہانت، تم اس دولت کے خواہش مند تھے نا یہ ساری دولت، یہ مکان، یہ سب کچھ میں تمہیں اپنی وصیت میں دے کر جا سکتا ہوں۔ تم اسے اپنی ہی ملکیت سمجھو۔ اگر تم مجھ سے اس کا مطالبہ کرتے تو ایک لمحے کے اندر اندر بات ختم ہو جاتی اور میں تم سے کہتا کہ یہ سب تمہارا ہے۔"

"لل...... لل...... لیکن کیوں؟"

"اس لیے کہ مجھے تم سے ایک کام لینا ہے اور وہ کام تمہارے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا۔"

"کیا کام ہے؟"

"وہی میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں، بیٹھو، زندگی میں کبھی نیلی پاتال کا نام سنا ہے۔"

"نیلی پاتال؟"

"ہاں...... تمہاری اس دنیا کی طرح، بس کچھ بدلے ہوئے اصولوں کے ساتھ۔"

"وہ کیا چیز ہے؟"

"ایک علاقہ، ایک مملکت، ایک داستان ہے، ایک قلم رو ہے جس کی کہانیاں تمہاری دنیا کی کہانیوں سے مختلف ہیں۔"

"اچھا ٹھیک ہے پھر؟"

"تمہیں نیلی پاتال جانا ہے۔"

"ک...... کیوں؟"

"اس لیے کہ وہاں تمہیں ایک اہم کام سرانجام دینا ہے۔ وہاں کے روحانی پیشوا سپارکو کے لیے۔"

"یعنی تمہارے لیے؟"

"ہاں۔"

"تو پھر؟"

"وہ کام سرانجام دینے کے بعد جب تم واپسی کا سفر کرو گے۔ تو یہ سب کچھ تمہارا ہو گا۔"

"کام کیا ہے؟"

"نہیں کوئی شرط نہیں ہے۔ کوئی ایسی پابندی نہیں لگاؤ گے تم جو میرے لیے ناممکن ہو۔"

"لیکن نیلی پاتال کے بارے میں ہم کچھ نہیں جانتے۔"

"سپارکو کا علم تمہیں اس کے بارے میں سب کچھ بتائے گا۔"

"آخر ہمیں وہاں کیا کرنا پڑے گا۔"

"میں نے کہا نا یہ سب کچھ تمہیں وہاں پہنچنے کے بعد ہی معلوم ہو گا اور یقین جانو اس پاتال میں داخل ہونے کے بعد تم اپنے آپ کو اس وادی سے اجنبی نہیں پاؤ گے۔"

"اور اگر ہم اس سے انکار کر دیں۔"

"تو پھر اسی عمارت کے دروازے کی دیواروں میں تمہاری زندگی کا اختتام ہو جائے گا اور اب صرف ایک فیصلہ کر کے تمہیں جواب دینا ہے۔ اگر میں اس کرسی سے اٹھ گیا تو سمجھ لو کہ تمہارے لیے دنیا ختم ہو جائے گی۔" کامران نے ایک لمحے کے لیے سوچا پھر آہستہ سے کہا۔

"ہمیں منظور ہے۔" نعیم خان نے متحیرانہ نگاہوں سے کامران کو دیکھا تو اس نے نعیم خان سے کہا۔

"تم اگر میری بات سے انحراف کرنا چاہتے ہو تو بے شک کرو۔ لیکن میں صورت حال کو سمجھ چکا ہوں۔ نیلی پاتال کا مطلب ہے ایک ایسی سرزمین جہاں ہماری عقل و دانش ہمارا ساتھ نہیں دے گی۔"

"ایسا نہ کہو۔" "تم نیلی پاتال میں بھیجے جاؤ گے۔ ان تمام ضرورتوں کی تکمیل کے ساتھ جو تمہیں وہاں پیش آ سکتی ہیں۔"

"بولو نعیم خان کیا کہتے ہو؟"

"بھلا میں کیسے انکار کر سکتا ہوں۔ اس کے بغیر کوئی چارہ بھی تو نہیں ہے۔"

"آؤ میں تمہیں نیلی پاتال لے چلوں۔" بوڑھا اپنی جگہ کھڑا ہو گیا۔ وہاں سے نکلنے کے بعد اس

نے کچھ ایسی چیزیں مہیا کیں جو جنگ و جدل سے تعلق رکھتی تھیں۔ ریوالور، رائفل اور اس کے بعد کہنے لگا۔
"تمہیں گھوڑے نیلی پاتال کے داخلی دروازے پر ہی مل جائیں گے۔"

"اب ہمیں کہاں جانا ہے؟" کامران نے پوچھا۔

"نیلی پاتال۔"

"میرا مطلب ہے کہ اس تک کے سفر کے لیے کیا ذریعہ اختیار کیا جائے گا۔"

"آؤ...... یہاں تمہیں کوئی دروازہ نہیں ملتا؟"

"نہیں۔"

"یہاں صرف ایک ہی دروازہ ہے جو نیلی پاتال میں کھلتا ہے۔"

"کیا؟" کامران نے چونک کر پوچھا۔

"کہاں ہے وہ دروازہ؟" کامران نے سوال کیا اور بوڑھا ایک کمرے میں داخل ہو کر رک گیا۔ سامنے ہی ایک دروازہ نظر آ رہا تھا۔ وہ اس سے پہلے بھی اس کمرے میں آ چکے تھے۔ لیکن یہ دروازہ یہاں موجود نہیں تھا۔ بوڑھے نے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا اور بولا۔

"آؤ۔" کامران اور نعیم خان ڈرتے ڈرتے اس دروازے سے باہر نکلے تھے اور اس کے بعد یوں لگا کہ جیسے ان کے وجود بے پناہ ہلکے ہلکے ہو گئے ہوں۔ ایک لمحے کے لیے تیز ہواؤں کا شور، بادلوں کی گڑگڑاہٹ، بجلی کی چمک ان کی پلکیں جھپک گئی تھیں اور اس کے بعد آنکھیں کھول کر جو منظر انہوں نے دیکھا۔ اسے دیکھ کر ان کے وجود خوف سے کپکپا اٹھے تھے۔

ایک ناقابل یقین دہشت، خوف کا ایک عجیب سا انداز کامران تو خیر پھر بھی بہتر حالت میں تھا۔ لیکن نعیم خان کی حالت زیادہ خراب معلوم ہوتی تھی، وہ خوف سے تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جن حالات سے وہ گزر رہے تھے انہیں مدنگاہ رکھتے ہوئے کسی بھی شخص کی ذہنی حالت خراب سے خراب تر ہو سکتی تھی۔ جو بیتی تھی ان پر وہ اتنی عجیب اور حیرت ناک تھی کہ اس کے بعد اچھے اچھے اپنے دل و دماغ نہیں سنبھال سکتے تھے۔

چنانچہ وہ پریشانی کے عالم میں کھڑے رہے، ان کی عقل یہ تسلیم نہیں کر پا رہی تھی کہ یہ سب کچھ کیا ہو گیا ایک ایسا گھر جس کے دروازے بند ہو گئے تھے اور اس کے بعد جس دروازے سے انہیں باہر لایا گیا، ایک ایسی جگہ کھلا تھا۔ جسے دیکھ کر بس خوابوں کا گمان ہوتا تھا۔ پتہ نہیں کونسا علاقہ ہے۔ بہر حال کامران نے خود ہی اپنے آپ کو سنبھالا اور کہا۔

"نعیم خان۔"

"ہوں؟" نعیم خان نے کہا اور پھر اس طرح اچھلا جیسے بچھو نے کاٹ لیا ہو، پھر اس کے منہ سے بھرائی ہوئی آواز نکلی۔

"یہ...... یہ کیا ہو گیا؟"

"خود کو سنبھالو نعیم خان۔"

"ہم ہم...... مگر کامران۔"

"ہاں بولو۔"

"کیا تم اپنے آپ کو ہوش و حواس میں محسوس کر رہے ہو؟"

"ہاں...... کیوں نہیں۔"

"کامران مگر میں......"

"نعیم خان میں تم سے پھر کہہ رہا ہوں خود کو سنبھالو۔"

"وہ تو ٹھیک ہے لیکن ہم ہیں کہاں؟ ارے باپ رے۔ دیکھو پیچھے تو کوئی مکان بھی نہیں ہے۔"

"سپارکو نے کیا کہا تھا۔"

"کب؟"

"اس نے اس جگہ کا کوئی نام بتایا تھا؟"

"ہاں۔"

"کیا نام بتایا تھا؟"

"نیلی پاتال۔"

"ہاں۔"

"مگر ہم یہاں؟"

"آ چکے ہیں۔"

"ہم مگر واپسی...... واپسی کہاں سے ہوگی؟"

"یہ نہ تم جانتے ہو نہ میں۔"

"تب تو پھر؟"

"جیسے حالات ہیں ان کے تحت ہمیں گزارہ کرنا ہوگا۔"

"ارے باپ رے کس مصیبت میں پھنس گئے کامران؟"

"بزرگوں نے بہت ساری باتیں سچ کہی ہیں؟"

"کیا مطلب؟"

"کہا ہے نا کہ لالچ کا انجام برا ہوتا ہے۔"

"ہاں یہ تم ٹھیک کہتے ہو۔ اس دولت کو دیکھ کر ہمارے منہ میں پانی بھر آیا تھا لیکن ہم بھول گئے تھے کہ جس شخص نے ہمیں یہ سب کچھ دکھایا ہے وہ بھی کوئی بے وقوف آدمی نہیں ہے بلکہ وہ انتہائی پراسرار شخصیت ہے اور...... اور......" نعیم خان نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا پھر بولا۔

"مگر اب کیا ہوگا؟"

"دیکھو بزرگوں نے یہ بھی کہا ہے۔" کہ جب حالات اپنی عقل سے باہر ہو جائیں تو پھر انسان کو وقت کا انتظار کرنا ہوگا۔"

"مگر پیارے بھائی یہاں اس ویرانے میں جہاں صرف ہم دونوں ہیں اور ہمارے علاوہ کوئی نہیں ہے۔ وقت کا انتظار کر کے ہمیں کیا ملے گا؟"

"تو پھر تم کیا کرنا چاہتے ہو؟"

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔"

"میں تمہیں یہی سمجھا رہا ہوں کہ اپنے آپ کو پریشان کرنا یا خوف زدہ ہونے کی بجائے یہ انتظار کرو کہ وقت ہمارے لیے آئندہ کون سے راستے متعین کرتا ہے۔"

"پھنس گئے بری طرح پھنس گئے۔"

"پھنس چکے ہو نا۔"

"اب اس میں شک کہاں رہ جاتا ہے۔"

"تو بس اب حالات کا انتظار کرو۔" کامران نے کہا۔ اور نعیم خان خوف زدہ نگاہوں سے کامران کو دیکھنے لگا۔ پھر وہ اپنی جگہ بیٹھ گیا اور اس نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ کامران کی نگاہیں چاروں طرف کا جائزہ لے رہی تھیں۔ دور دور تک ویرانے بکھرے ہوئے تھے۔ پہاڑی ٹیلے، درختوں کے جھنڈ، پرندے جانوروں کی آوازیں، یہ ماحول تھا یہاں کا۔ کامران بھی وہیں بیٹھ گیا۔ اب کامران یہ تو نہیں کہہ رہا تھا کہ وہ انسان نہیں فولاد ہے ایک انسان ہونے کی حیثیت سے موجودہ حالات اسے بھی متاثر کر رہے تھے۔

لیکن بہر حال ان حالات سے نجات تو حاصل کرنی ہی تھی۔ کافی دیر اسی طرح گزر گئی۔ پھر انہیں ایک ہلکی سی گھڑگھڑاہٹ سنائی دی اور کامران کی نگاہیں سامنے کی طرف اٹھ گئیں، کوئی نہیں تھا۔ لیکن ان کے سامنے کچھ نم مٹی تھی اور اس نم مٹی پر کامران نے جو کچھ دیکھا اسے دیکھ کر ایک لمحے کے لیے اس کی آنکھیں حیرت سے اور پھیل گئیں کسی کے قدموں کے نشانات تھے جو اس نم مٹی پر بنتے چلے آ رہے تھے۔ جیسے کوئی نادیدہ انسان چل رہا ہو۔ کامران نے نعیم خان کو اس کی جانب جان بوجھ کر متوجہ نہیں کیا کیونکہ وہ بہر حال ایک خوف زدہ انسان تھا۔ لیکن قدموں کے یہ نشانات کامران دیکھ رہا تھا۔ جو ان سے چند فٹ کے فاصلے پر آ کر رک گئے تھے اور پھر پروفیسر سپارکی آواز ابھری۔

"کامران، نعیم خان۔" نعیم خان تو بری طرح اچھل پڑا کامران چونکہ کسی غیر متوقع واقعہ کا منتظر تھا۔ چنانچہ اس کی یہ کیفیت نہیں ہوئی تھی۔ لیکن نعیم خان پھٹی پھٹی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے دبی ہوئی آواز میں کہا۔

"ابھی کسی نے مجھے پکارا تھا۔"

"تمہیں نہیں مجھے۔"

"ہاں...... کامران...... کامران۔ سوری کامران ہی کہا تھا اس نے کہا۔"

"ہاں آواز آئی تھی۔"

"مگر کس کی؟"

"پروفیسر سپارکن کی۔"

"میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ مجھے پروفیسر سپارکن نہیں بلکہ سپارکو کہو۔ ڈاکٹر سپارکو۔" آواز نے کہا اور نعیم خان ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

"تم نے بھی سنی یہ آواز۔"

"خاموش رہو یار! بک بک کیے بغیر تمہارا گزارہ نہیں ہوتا۔" کامران نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

"مگر یہ آواز؟"

"شٹ اپ پلیز شٹ اپ۔" کامران نے نعیم خان کو ڈانٹا۔ پھر کہا۔

"ٹھیک ہے سپارکو، اب تم بتاؤ کیا چاہتے ہو تم؟"

"ہاں...... میں وہی بتا رہا تھا تمہیں۔ دیکھو میں ایک بار پھر تمہیں تفصیل بتاتا ہوں میرا تعلق اسی نیلی پاتال سے ہے۔ یہ پاتال تمہاری ہی زمین کا ایک حصہ ہے۔ اس پاتال میں جادوگروں کا راج ہے۔ ہر شخص تھوڑا بہت جادو جانتا ہے اور جادوگروں کی اس آبادی میں تمہاری طرح سائنسی ہتھیاروں کے بجائے جادو کی جنگ ہوتی ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ لوگ آتشیں ہتھیاروں سے ناواقف ہیں۔ سب آتشیں ہتھیاروں کا استعمال جانتے ہیں۔ جادوگروں کے مختلف ٹولے ہوتے ہیں یہاں۔" ہر شخص اپنا اپنا سحر پھونک کر اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اقتدار کی یہ جنگ تمہاری دنیا کی جنگ سے مختلف نہیں ہوتی۔ اس میں انسانوں کے ساتھ بدترین سلوک ہوتا ہے۔ خون بہتا ہے۔ گردنیں کٹتی ہیں۔" سب کچھ ہوتا ہے یہاں۔ نیلی پاتال کے لوگ ایک دوسرے سے واقف رہتے ہیں۔ میں ابھی اپنے بارے میں تمہیں کچھ نہیں بتاؤں گا۔ بس یہ سمجھ لو کہ میں اس علاقے کا ایک ڈاکٹر ہوں۔ لیکن میرے خلاف سازشوں کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوا کہ اگر میں یہاں اس پاتال میں رہا تو یقینی طور پر کسی بڑی سازش کا شکار ہو جاؤں گا۔ میں نے اپنے طور پر سوچا اور پھر میں اس نئی دنیا میں داخل ہو گیا جو تمہاری دنیا ہے۔"

سائنس کی دنیا ہے، سائنسی دماغوں کی دنیا ہے۔ کمپیوٹر کی اس دنیا میں، میں نے آ کر یہ سوچا کہ اگر میں اس دنیا کے چند افراد اپنی دنیا میں لے جاؤں تو یقینی طور پر نیلی پاتال کا سحر ان پر اثر انداز نہیں ہو گا اور میری مشکل حل ہو جائے گی اور اس کے لیے اتفاقیہ طور پر میری نظر تم دونوں پر پڑی اور میرے دل نے کہا کہ تم دونوں ہو جو نیلی پاتال کا سحر توڑ سکتے ہو۔ میری بات سن رہے ہو نا کامران۔"

"ہاں، میں سن رہا ہوں سپارکو۔"

"چنانچہ میں نے اس کے لیے انتظامات کیے اور تم سے رابطہ قائم کیا اس کے بعد تمہیں اس جگہ لے آیا اور پھر میں نے تمہیں وہ دکھایا۔ جو تم لوگوں کے لیے باعث دلچسپی ہوتا ہے۔ یعنی چمک دار ہیرے، سونے کے زیورات اور اسی طرح کی دوسری تمام چیزیں دوستو! نیلی پاتال میں ان چیزوں کی کوئی حیثیت اور اہمیت نہیں ہے۔ یہ صرف تمہاری دنیا کا کھیل ہے۔ یہاں کی کہانیاں بالکل مختلف ہیں۔ یہاں کا ماحول بالکل مختلف ہے چنانچہ میں نے سوچا کہ اگر تم میرے مقصد کے لیے کار آمد ثابت ہوئے تو میں تمہیں یہ سب کچھ دے دوں گا اور تم سے اپنے لیے وہ حاصل کروں گا۔ جو میری عزت و توقیر میں اضافہ کرے اور میری آرزوؤں کی تکمیل کر دے، کیا سمجھے؟"

"مگر تم ہو کہاں۔ سپارکو؟" کامران کے بجائے نعیم خان نے پوچھا۔

"دیکھو یہ میں تمہیں بتا چکا ہوں، یہاں میرے مخالفوں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے۔

چنانچہ میں روپوش ہو گیا ہوں۔ میں نادیدہ انسان بن گیا ہوں۔ تم ہی نہیں دوسرے لوگ بھی مجھے نہیں دیکھ سکتے۔ میں تمہیں بھی ایک وقت کے لیے نادیدہ بنا سکتا ہوں۔ لیکن نادیدہ رہ کر تم ہمارے لیے کام نہیں کر سکتے۔ تمہاری دنیا بالکل اجنبی ہے اور یہاں کا ماحول بالکل الگ۔" میرے دوست اب میں تمہیں بتا دوں کہ تم نے دولت کے حصول کے لیے اپنی دانست میں مجھے قتل کر دیا تھا لیکن تم نے دیکھا کہ میرے بدن کا جو حصہ تم نے میرے وجود سے جدا کر دیا تھا۔ وہ میں نے دوبارہ اسی جگہ قائم کر لیا۔

یہاں کے جادوگروں کے لیے یہ مشکل کام نہیں ہے۔ لیکن یہ صرف ان ساحروں کا کام ہے جو اپنے علم میں بے پناہ مہارت حاصل کر چکے ہوں۔ یہ ایک الگ بات ہے، میں تمہیں بتاؤں کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔ اگر تم میرے مقصد کی تکمیل کر لو گے تو اطمینان رکھو وہ سب کچھ تمہارا ہو گا۔ جس کے لیے تم نے مجھے قتل کرنے کی کوشش کی تھی اور آخری بات میں تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ پروفیسر سپارکن یا یہاں کا سپارکو کا وعدہ کبھی جھوٹا نہیں ہوتا۔

کامران نے محسوس کیا کہ نہ صرف اسے بلکہ نعیم خان کو بھی اس کی ان باتوں سے خاصا سکون نصیب ہوا تھا۔ نعیم خان کچھ نہ کچھ سوچتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔

"مگر ہم تو یہاں کے بارے میں اور کچھ بھی نہیں جانتے۔"

"میں جو ہوں۔" میں تمہیں یہاں کی اتنی تفصیل سمجھاؤں گا اور وہ کچھ دکھاؤں گا جس کا تم تصور بھی نہیں کر سکتے پھر جب تم یہاں کے ماحول سے واقف ہو جاؤ گے تو میں تمہیں اپنا مقصد بتاؤں گا کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔ بولو میرے کام کے لیے تیار ہو اور اس کے بدلے میں تم جانتے ہو کہ میں تمہیں کیا پیش کش کر چکا ہوں۔"

"کیا اس کام میں ہماری جان جا سکتی ہے۔"

"زندگی کا کوئی بھی مرحلہ ایسا نہیں ہوتا جس میں زندگی کو خطرہ نہ ہو۔ اصل میں یہی تو انسان کا اصل کھیل ہے۔ وہ زندگی کے لیے کوشش اور جدوجہد کرتا ہے اور اس میں کامیابی اور ناکامی حاصل کرتا ہے۔ میرے دوست یہی میرا مقصد ہے اور تمہیں میرے لیے یہی کرنا ہے، لیکن ہوشیاری اوّل چیز ہے۔ تم جس دنیا کے انسان ہو۔ وہ سائنسی دنیا ہے اور سائنسی دنیا کے لوگ پراسرار دنیا سے کہیں زیادہ ذہین ہوتے ہیں اور یہ بات تمہاری دنیا میں رہ کر میں نے جان لی ہے۔"

"اگر تم یہ محسوس کرتے ہو۔ سپارکو کہ ہم تمہارے کام آ سکتے ہیں تو پھر یہ اطمینان رکھو کہ ہم تمہارے کام آنے کے لیے تیار ہیں۔

"گڈ...... ویری گڈ...... میں یہی چاہتا ہوں بس اور کچھ نہیں۔"

"اب یہ بتاؤ کہ ہمیں کیا کرنا ہے؟"

"نہیں ابھی تمہیں کچھ نہیں کرنا۔ دیکھو جب تمہیں خوراک کی ضرورت ہو گی تمہیں خوراک مل جائے گی۔ تمہاری ہر ضرورت تمہاری خواہش کے مطابق پوری ہو جائے گی، تمہیں یہاں کی زبان لمحوں میں سکھا دی جائے گی۔ کیونکہ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں نیلی پاتال کا ایک بہت بڑا ساحر ہوں اور سحر کے عمل سے اچھی طرح واقف ہوں جب تم اس ماحول میں اپنے آپ کو اجنبی نہیں محسوس کرو گے تو پھر تمہیں ہمارے لیے کام کرنا ہو گا۔ کیا سمجھے؟"

"مگر کیا نیلی پاتال کے رہنے والے دو اجنبی افراد کی آمد کو حیرت کی نگاہ سے نہیں دیکھیں گے؟"

"میں تمہیں ایک مقام دوں گا۔ ایک کردار دوں گا۔ یہ میری ذمہ داری ہے اور اس کردار میں بہت سے لوگ تمہارے شناسا ہوں گے۔ تمہارا تعلق ایک بستی سے ہوتا۔ لیکن اس بستی کے اصل کردار جن کی جگہ تمہیں دینی ہے۔ وہاں سے غائب کر دوں گا اور وہ اس وقت تک وہاں نہیں پہنچیں گے جب تک کہ تم اپنا کام سرانجام نہیں دے لو گے۔"

"اگر ایسی بات ہے سپارکو تو ہم تمہارے کام کی تکمیل کے لیے حاضر ہیں۔" کامران نے کہا اور نعیم خان گہری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ سپارکو چند لمحات تک خاموش رہا پھر اس نے کہا۔

"تو پھر ٹھیک ہے تم سمجھ لو کہ سپارکو تمہاری خدمت کے لیے حاضر ہے۔"

"ابھی بتاؤ ہمیں کہاں سے کام کا آغاز کرنا ہو گا۔"

"آؤ۔ ابھی تمہیں نادیدہ حیثیت سے ایک ماحول سے روشناس کراؤں۔ اپنے آپ کو سنبھالے رکھنا۔ خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں، جو کچھ ہو گا۔ میرے سحر کے زیر اثر ہو گا اور تمہیں اس سے کوئی تکلیف نہیں ہو گی۔" اس کے بعد سپارکو کی آواز بند ہو گئی۔ وہ نہیں سمجھ پائے تھے کہ کیا ہونے والا ہے۔ لیکن اچانک ہی چاروں طرف سے شور کی آوازیں ابھرنے لگیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے ہواؤں کا کوئی بہت بڑا طوفان ان کی جانب لپک رہا ہے۔ نعیم خان گھبرا کر کھڑا ہو گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ پھر واقعی انہیں جھاڑ جھنکاڑ اڑتے ہوئے نظر آئے گرد و غبار کا ایک طوفان عظیم ان کی جانب اڑا چلا آ رہا تھا۔ نعیم خان نے کامران کا بازو پکڑ لیا۔ تو کامران نے آہستہ سے اس سے کہا۔

"وہ ہمیں بتا چکا ہے کہ ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔" نعیم خان یہ سن کر کسی حد تک مطمئن ہو گیا تھا اور پھر یہ طوفان ان کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ لیکن اچانک ہی ان کے قدم زمین سے اکھڑ گئے اور انہیں یوں لگا جیسے وہ فضا میں بلند ہوتے جا رہے ہوں ہواؤں کا یہ طوفان انہیں خاصی بلندی پر لے گیا۔ نعیم خان مضبوطی سے کامران کا بازو پکڑے ہوئے تھا۔ لیکن کامران نہ جانے کیوں مطمئن تھا اور اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ واقعی اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔

پھر گرد و غبار کا یہ طوفان اچانک ختم ہو گیا اور انہوں نے اپنے جسموں کو زمین پر گرتے ہوئے محسوس کیا۔" نعیم خان کے حلق سے آواز نکل گئی تھی لیکن انتہائی نرم روی سے ان کے پیروں نے زمین چھو لی۔ وہ ایک بلند و بالا پہاڑی ٹیلے پر کھڑے ہوئے تھے اور ان کے سامنے کا ماحول بالکل صاف شفاف تھا۔ لیکن اس صاف شفاف ماحول میں بھی جو وحشتناک کیفیت بکھری ہوئی تھی۔ اس نے انہیں چند لمحوں کے لیے حواس باختہ کر دیا اور وہ بڑی پریشانی کا شکار ہو گئے۔

جگہ جگہ سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ جھونپڑیاں اور مکانات جلے ہوئے پڑے تھے کہیں کہیں انسانی

کراہیں اور چیخیں سنائی دے رہی تھیں۔ زمین خون سے لالہ زار ہو رہی تھی۔ جلتی ہوئی جھونپڑیوں سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ گوشت جلنے کی چراند پھیلی ہوئی تھی۔ بس کبھی کوئی زندگی سے محروم ہونے والا نظر آ جاتا...... اور لیں! آوارہ کتے اور بلی وغیرہ علاقہ چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ جگہ جگہ کیڑوں کے ڈھیر بکھرے ہوئے تھے۔ لیکن یہ تباہی و بربادی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ نعیم خان نے کامران کی طرف دیکھا اور بولا۔

''خدا کی قسم میں پاگل ہو جاؤں گا۔''

''ہو جاؤ۔'' کامران نے نعیم خان کو گھورتے ہوئے کہا۔

''یار تم عجیب آدمی ہو۔'' یہ دیکھ رہے ہو۔ یہ سب کیا ہے؟ ذہن کو سنبھالنا مشکل ہو رہا ہے۔''

''تمہارا کیا خیال ہے صرف تم ہی انسان ہو۔ میں جانور ہوں۔''

''مگر پیارے بھائی......'' نعیم خان نے بے بسی سے کہا اور گہری گہری سانسیں لینے لگا۔

جوں جوں یہ لوگ نیچے اتر رہے تھے۔ ماحول خوفناک سے خوفناک تر ہوتا جا رہا تھا۔ لاشیں، خون، آگ جابجا بکھرا ہوا سامان، نعیم خان نے لرزتے ہوئے لہجے میں کامران کو آواز دی۔

''کامران......''

''ہوں۔'' کامران نے حتی الامکان اپنے لہجے کو پرسکون رکھتے ہوئے کہا۔

''میری طبیعت الٹ رہی ہے۔''

''خود کو سنبھالو نعیم خان۔'' کامران نے کہا اور آگے بڑھنے لگا۔ ماحول کا تاثر ایسا نہیں تھا کہ وہ خود کو لاتعلق رکھ سکتا۔ لیکن اس وقت اسے ایک عجیب سا احساس ہو رہا تھا۔ یہ سب کچھ جو اس کی نظروں کے سامنے تھا۔ آخر کیا ہے؟ ایسا لگتا ہے جیسے زندگی بھر اس مصیبت سے چھٹکارا نہیں ملے گا۔ وہ مہذب دنیا کا ایک مہذب انسان بننا چاہتا تھا۔ وہ عام انسانوں کی طرح نوکری چاکری کر کے ایک گھر بنانا چاہتا تھا۔ جہاں اس کی بیوی ہو، بچے ہوں، لیکن وقت اسے دھکیل کر پھر ایسی ہی کسی دنیا میں پہنچا دیتا تھا۔ اس کا مطلب ہے۔ کہ قزل شائی کی پیشن گوئی ٹھیک تھی۔ یہ پراسرار حالات کبھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ اگر یہی سب کچھ تھا تو کرنل گل نواز کو چھوڑنے کی کیا ضرورت تھی۔ بہر حال اب یہ سمجھنے کی کوئی وقت نہیں تھی کہ وہ دونوں نیلی پاتال میں تھے۔

نعیم خان کا چہرہ سفید ہو رہا تھا۔

''میں ایک بات کہوں گا نعیم کہ خود کو سنبھالو؟''

''یہ سب کیا ہے کامران؟'' وہ لرزتی آواز میں بولا۔

''نیلی پاتال۔'' کامران نے کہا۔

''میرا بھی یہی اندازہ ہے نعیم خان نے کہا اور ہماری نظریں ان ٹیلوں کا جائزہ لینے لگیں۔ جن میں غار بکھرے ہوئے تھے۔ پھر اچانک ہی ہمیں ایک اور آواز سنائی دی۔ یہ کسی بچے کے رونے کی آواز تھی۔

نعیم خان نے بھی یہ آواز سن لی تھی اور ادھر ادھر گردن گھما رہا تھا۔ پھر وہ سرگوشی کے انداز میں بولا۔

''میں قسم کھانے کے لیے تیار ہوں کہ یہ کسی بچے کے رونے کی آواز ہے۔''

''ہاں۔ تجھے قسم کھانے کی کیا ضرورت ہے۔'' کامران نے نعیم خان سے کہا۔

''لیکن بچے...... اوہو...... یہ شاید پہاڑی غار ہیں، خدا کی پناہ ہم نے زندگی میں بہت کچھ دیکھا لیکن جو کچھ اب دیکھ رہے ہیں اس کا کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔''

''فضول باتوں سے گریز کرو۔''

''یار ہمدور تو بیچ بیچ ہر وقت جلتا رہتا ہے۔ میں کہتا ہوں کبھی تو انسانوں کی طرح بات بھی کیا کرو۔ میں تمہارا دوست ہوں۔''

''اے میرے پیارے دوست کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ تو اپنی چونچ بند رکھے۔''

''چلو ٹھیک ہے تم اپنی چونچ کھلی رکھو۔ میرے اوپر کیا فرق پڑتا ہے۔'' نعیم خان نے روٹھے ہوئے لہجے میں کہا اور کامران کو ہنسی آ گئی۔ حالانکہ جن مناظر سے وہ گزر رہے تھے انہیں دیکھنے کے بعد ہنسنے کی گنجائش بالکل نہیں تھی۔ ایک عجیب دکھن دل میں پیدا ہو رہی تھی۔ پھر وہ اس بچے کی تلاش میں نگاہیں دوڑانے لگے اور انہیں بالکل نہیں پتہ چل سکا کہ وہ کہاں ہے؟ آواز بھی دوبارہ نہیں آئی تھی۔ لیکن کچھ دیر بعد ہی اچانک ہلکی سی آواز دوبارہ ابھری۔

اور اس بار انہوں نے اس کی سمت کا اندازہ لگا لیا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہیں یہ احساس بھی ہوا تھا کہ جیسے کسی نے بچے کا منہ ایک دم دبا لیا ہو۔ نعیم خان نے انگلی سے اشارہ کیا اور وہ آہستہ آہستہ اس پہاڑ کے بالکل قریب پہنچ گئے۔ جس میں غار کا دہانہ تھا اور اس دہانے کے اندر یقینی طور پر کسی انسان کی موجودگی کا احساس ہوتا تھا۔ نعیم خان نے کہا۔

''اور انہیں یہ اندازہ لگانے میں کوئی وقت نہیں ہو رہی تھی کہ یہاں جو کچھ موجود ہے یا جو کوئی بھی یہاں آ کر چھپا ہے۔ یہ ان میں سے ایک ہے۔ جن پر یوں ظلم کیا گیا ہے۔''

''اس کے علاوہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان میں سے کوئی شخص مسلح ہو اور ہمیں دشمن کا آدمی سمجھ کر حملہ کر دے۔''

''یار کبھی کبھی تو اتنی شان دار بات کرتا ہے کہ مجھے تیری عقل پر حیرت ہوتی ہے۔''

''نعیم خان میں نے تجھ سے کہا ہے کہ جب حالات سنسنی خیز ہوں تو زیادہ بکواس سے گریز کیا کر۔''

''تو نے مجھے اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ خیر یہی سہی۔ اب کیا کریں بول۔''

''ہم اسے آواز دیتے ہیں۔'' اور پھر کامران نے زور سے چیخ کر کہا۔

''تم جو کوئی بھی ہو باہر نکل آؤ۔ ہم تمہارے دشمن نہیں ہیں ہم تمہاری مدد کرنا چاہتے ہیں۔''

لیکن کوئی آواز نہ ابھری۔ ویسے یہ اندازہ تو ہو گیا تھا انہیں کہ اندر کوئی موجود ہے۔ ایک بار پھر میں نے وہی جملے دوبارہ دہرائے اور پھر اس کا جو ردعمل ہوا وہ اتنی اگر وہ اس کے لیے پہلے سے تیار نہ ہوتے تو یقینی طور پر ہمیں شدید نقصان اٹھانا پڑتا۔ وہ ایک نوجوان عورت تھی مقامی لوگوں کا مخصوص لباس پہنے ہوئے۔ ہاتھ میں نیزہ لیے ہوئے ایک وحشیانہ چیخ کے ساتھ باہر نکلی تھی۔ اور ان کے رخ کا اندازہ لگاتے ہی نیزہ ہم پر کھینچ مارا تھا۔ کامران اور نعیم خان دونوں بیٹھ گئے تھے۔ اور نیزہ اوپر سے گزرتا ہوا دور چلا گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی

عورت ایک وحشیانہ چیخ کے ساتھ ان پر آ رہی تھی۔ کامران نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔ اور وہ بری طرح چیخ رہی تھی۔ اپنا سر بری طرح کامران کے سینے پر مار رہی تھی۔ کامران نے اس کی کلائیوں کو مضبوطی سے پکڑتے ہوئے کہا۔

''میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ ہم دوست ہیں۔ دشمن نہیں ہیں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ اپنے آپ کو قابو میں کرو۔ اگر ہم تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچائیں تو دوستوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش تم خود بھی نہ کرو۔ اور اگر تم نے بہت زیادہ جدوجہد کرنے کی کوشش کی تو میں گردن دبا کر تمہیں بے ہوش کر دوں گا۔ ہوش میں آؤ۔ ہوش میں آؤ۔'' کامران نے عورت کو پوری قوت سے جھنجھوڑا اور آہستہ آہستہ وہ اپنے حواس قائم کرتی چلی گئی۔ پھر اس نے انہیں دیکھا اور غالباً اسے یہ احساس ہوا کہ ان کے نقوش اس سے مختلف ہیں۔ ویسے کامران نے عورت کی صورت دیکھی تھی اور یہ اندازہ لگانے سے قاصر رہا تھا کہ یہ کون سے علاقے کے نقوش ہو سکتے ہیں۔ لیکن ان نقوش میں دلکشی تھی۔ ویسے انہوں نے اس قبیلے میں کچھ لاشیں دیکھیں۔ ان کے چہرے صاف ستھرے رنگ گندمی اور نقوش تیکھے تھے۔ پتہ نہیں کون سی جگہ تھی یہ نیلی پاتال اور کہاں اس کا جائے وقوع تھا۔ عورت آہستہ آہستہ ہوش میں آتی چلی گئی۔ وہ انہیں گھورتی رہی اس کی آنکھوں میں خون لہرا رہا تھا۔ کامران نے آہستہ سے کہا۔

''اندر اور کوئی بھی ہے؟''

''کوئی نہیں ہے۔ تم...... تم کہتے ہو۔ تم ہمارے دشمن نہیں ہو۔ دوست ہو۔ دوست ہو تم ہمارے؟''

''ہاں، ہم تمہارے دوست ہیں اور ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جنہوں نے بستی میں یہ تباہی مچائی ہے۔''

''تو پھر تم کون ہو؟''

''تم اس کی فکر نہ کرو۔ جو کوئی بھی ہیں کم از کم تمہیں نقصان پہنچانے کی کوشش تو نہیں کریں گے۔ کامران نے کہا اور آہستہ آہستہ وہ اعتدال پر آتی گئی۔ پھر اچانک اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی دھاریں پھوٹ پڑیں اور اس نے بلکتے ہوئے کہا۔

''اندر میرا بچہ ہے۔ میرا بچہ ہے۔ باقی اور کوئی نہیں ہے اندر۔ صرف میں تھی اور میرا بچہ تھا، اور اب تو مجھے قتل کر دو یا مجھے پناہ دے دو۔ مجھے پناہ چاہیے۔''

''تم فکر نہ کرو۔ تم ہماری پناہ میں ہو۔ ہم تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے اور نہ ہی تمہیں نقصان پہنچنے دیں گے۔'' بمشکل تمام عورت کو انہوں نے اس بات پر آمادہ کر لیا کہ وہ انہیں دشمن نہ سمجھے اور اس کے بعد وہ اس کے بچے کو بھی باہر لے آئے۔ نعیم خان نے اس خوبصورت بچے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''تم یہ بتاؤ بہن کہ کیا تمہارے پاس اس کے کھانے پینے کا بندوبست ہے؟'' بہن کے لفظ نے غالباً اسے مطمئن کر دیا تھا۔ ویسے یہ انسانی زبان عجیب چیز ہوتی ہے۔ زبان کی ایک جنبش انسان کو زندگی بخش دیتی اور دوسری جنبش اسے موت سے ہمکنار کر دیتی ہے۔ عورت نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

''نہیں جو کچھ بھی ہے بستی میں رہ گیا ہے...... آہ...... میں...... ادھر...... ادھر نہیں جا سکتی۔ میں سب کچھ نہیں دیکھ سکی میرا پورا گھر تباہ کر دیا گیا۔''

''تم یہاں رکو کامران میں وہاں سے کھانے پینے کی چیزیں تلاش کر کے لاتا ہوں۔'' کامران نے نعیم خان کو اس بات سے نہیں روکا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد نعیم خان تیزی سے دوڑتا ہوا آبادی کی طرف چلا گیا ویسے نعیم خان میں یہ خوبی تھی کہ اگر ہوش و حواس میں ہوتا تو ہر کام میں بڑی مستعدی دکھاتا اور اس وقت اس پر کوئی خوف بھی طاری نہیں ہوتا تھا۔ بہرحال تھوڑی دیر کے بعد نعیم خان واپس آیا تو کھانے پینے کے کافی چیزیں ساتھ لایا تھا۔ بھری پری بستی تھی۔

غالباً وہ جو کوئی بھی تھے۔ صرف اس بستی کو تاراج کرنا چاہتے تھے۔ لوٹ مار انہوں نے ممکن ہے کی لیکن کوئی قیمتی چیز انہوں نے لوٹی تھی۔ غرضیکہ وہ لوگ اس عورت کو سمجھانے بجھانے میں کامیاب ہو گئے اس کا نام توشالہ تھا پھر توشالہ نے انہیں ایک دردناک کہانی سنائی۔ لیکن کہانی سنانے سے پہلے وہ اسے اس کے بچے کے ساتھ بہت دور لے آئے تھے۔ یہ بات انہوں نے اس کے بعد کی تھی۔ جب اس نے بتایا تھا کہ اس کا شوہر اس کا باپ، اور اس کے شوہر کا باپ سب قتل ہو چکے ہیں۔ وہ اپنے گھر میں تنہا بچی ہے۔ باقی اور اس بستی میں اس کا کوئی بھی نہیں ہے۔ وہ توشالہ کو اپنے ساتھ لے کر وہاں سے آگے آ گئے۔

اور پھر کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد انتہائی احتیاط کے ساتھ انہوں نے ایک پہاڑی غار میں قیام کیا تھا۔ نعیم خان نے عقلمندی سے کام لے کر کھانے پینے کی بے شمار اشیاء اپنے پاس جمع کر لی تھیں اور ایک بڑی گٹھڑی باندھ کر لے آیا تھا۔ اس گٹھڑی سے اس نے کھانے پینے کی اشیاء نکالیں اور بمشکل تمام انہوں نے عورت کو اس بات پر راضی کیا کہ وہ کچھ کھا پی لے...... کھانے پینے سے اس کے بدن میں جان آ گئی۔ ادھر ان دونوں نے بھی کھا پی کر پیٹ کا دوزخ بھر لیا تھا۔ اس کے بعد توشالہ نے انہیں اپنی بقیہ کہانی سنائی تھی۔ اس وقت رات ہو چکی تھی اور تاحد نظر سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ ان کے کان آہٹوں پر لگے ہوئے تھے۔ کامران نے توشالہ سے پوچھا۔

''تمہارا کیا خیال ہے؟ جن لوگوں نے بستی میں تباہی پھیلائی ہے۔ کیا ان کا یہاں قریب ہونا ممکن ہے۔''

''میں نہیں جانتی...... میں کچھ بھی نہیں جانتی۔ آہ! میں کچھ بھی نہیں جانتی۔''

''ان لوگوں کو جانتی ہو جنہوں نے یہ تباہی پھیلائی ہے۔''

''ہاں۔'' اس نے جواب دیا اس سے پہلے کہ وہ اپنی کہانی کا آغاز کرتی اچانک ہی اس کا بچہ رونے لگا تھا۔

''توشالہ تم پہلے اس بچے کا پیٹ بھرو۔''

اس نے آنسو بھری آنکھوں سے انہیں دیکھا۔ پھر کھانے پینے کے سامان سے اشیاء تلاش کر کے بچے کی طرف متوجہ ہو گئی۔ کامران اور نعیم خان اب کافی حد تک پرسکون ہو گئے تھے۔ نعیم خان نے کہا۔

''جب تک توشالہ اپنے بچے کو فیڈ کرا لے تو ہم یہاں کچھ دور چلیں۔ ممکن ہے ہماری موجودگی اسے شرمسار کرے۔''

''ٹھیک ہے۔ آؤ۔'' کامران نے نعیم خان سے کہا اور وہ دونوں توشالہ کے پاس سے دور ہٹ

گئے اور ایک فاصلہ اختیار کر کے بیٹھ گئے۔ نعیم خان گہری سانس لے کر بولا۔

''کامران دیکھا ان تمام چیزوں کو دیکھ کر دل میں دولت کی ہوس کم نہیں ہو جاتی۔''

کامران نے چونک کر نعیم خان کو دیکھا۔ زندگی میں ایسے مواقع بہت کم آئے تھے جب انہوں نے دنیا سے ہٹ کر اپنے بارے میں سوچا ہو۔ وحشت ناک زندگی گزارتے ہوئے بس یہی خیال دل میں رہتا تھا کہ کس نے کیا کیا ہے اور کسے کیا نقصان پہنچایا جائے۔ انسانیت کا کوئی نقصان اگر غلطی سے کر ڈالتے تو خود اپنے آپ پر حیرت ہوتی تھی کہ یہ کیا کیا ہے۔ اس وقت بھی نعیم خان کے اس جملے نے ذہن میں نجانے کیسے کیسے خیالات پیدا کر دیے تھے۔ کامران اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے کچھ لمحے سوچتا رہا۔ پھر اس نے ہنس کر کہا۔

''نعیم خان۔''

''میں...... تمہارے جواب کا منتظر ہوں۔''

''یہ نیلی پاتال ہے۔''

''ہاں۔''

''کیا یہ کوئی جادوئی پاتال ہے۔''

''بالکل۔''

''کیا اس وادی میں خیالات کا تبدیل ہو جانا ممکن ہے؟''

''کیا مطلب؟''

''ہم لوگوں نے اپنی زندگی میں کبھی اتنی گہری باتیں سوچی ہیں؟''

''کبھی نہیں۔'' نعیم خان بھی مسکرا دیا۔

''لیکن اب سوچ رہے ہیں۔''

''تو کیا تم بھی وہی سوچ رہے ہو جو میں؟'' نعیم خان نے کہا۔

''نہیں۔''

''پھر تم یہ کیسے کہتے ہو؟''

''تمہاری زبانی سن کر۔''

''نہیں میری بات کا جواب دو۔''

''کیا جواب دوں؟''

''یہ جلی ہوئی بستی ہے۔ بے گور و کفن پڑی ہوئی لاشیں۔ یہ معصوم بچہ جس کی ماں اس کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتی۔ یہ دونوں اسی غار میں دم توڑ دیتے اب ان کا کوئی بھی نہیں ہے۔ اس دنیا میں کیا زندگی اتنی ہی معمولی چیز ہے۔''

''وہ تو ہے۔''

''تم نے پہلے بھی اس بارے میں سوچا تھا؟''

''بہت کم۔''

''یعنی سوچا تھا۔''

''ہاں۔''

''کیا سوچا تھا مجھے بتاؤ؟''

''یہ نعیم خان کہ ہم جو کام کر رہے ہیں اس میں عیش و عشرت بھی ہے۔ حکمرانی بھی ہے کسی کی بات سننے کو نہیں ملے گی۔ کسی کے زیر تحت کام نہیں کریں گے لیکن کام کرتے ہوئے بندوق کی ایک گولی ایک لمحے میں اندھا دھند زندگی کا خاتمہ کر سکتی ہے۔ کیا تم نے کبھی نہیں سوچا؟''

''سوچا تھا۔''

''زندگی کی ناپائیداری کے بارے میں تو بات یہاں آ کر ختم ہو جاتی ہے۔''

''بالکل۔''

''لیکن انسان کو عمل کے دو راستے اپنانے پڑتے ہیں۔''

''وہ کون سے۔''

''ایک نیگیٹو ایک پوزیٹو...... نیگیٹو راستے میں خطرے ہیں اور پوزیٹو میں بھی خطرات ہیں۔ نیگیٹو راستے میں یہ خطرات ہیں کہ پولیس سے مقابلہ ہو جائے کسی کو قتل کرتے ہوئے خود بھی قتل ہو جاؤ یا کوئی اور حادثہ پیش آ جائے...... لیکن پوزیٹو راستے بھی ان خطرات سے خالی نہیں ہیں۔''

''وہ کیسے؟''

''بیماریاں، بھوک، بے روزگاری، افلاس، تنگ دستی، یہ تمام چیزیں مل کر زندگی کو کھا جاتی ہیں۔ بس بہت مشکل ہے فیصلہ کرنا۔''

''ٹھیک کہتے ہو۔'' نعیم خان نے گردن ہلائی۔

''تم کیا کہہ رہے تھے؟''

''میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہم دولت کے حصول کے لیے سرگرداں رہے ہیں۔''

''نعیم خان میں تمہیں دل کی بات بتاتا ہوں...... دولت میرے لیے کبھی کوئی مسئلہ نہیں رہی ہے۔''

''کیا واقعی؟''

''ہاں۔''

''لیکن خواہش مند تو ضرور ہو گے۔ کہ تمہارے پاس دولت ہو عیش و عشرت کی زندگی بسر کرو تم۔''

''ہاں، اس سے کس احمق کو انکار ہے۔''

''میرا بھی بس اتنا ہی مطلب ہے۔ لیکن یہاں آنے کے بعد نجانے کیوں دل سے یہ احساس مٹتا جا رہا ہے۔'' کامران خاموش ہو گیا۔ کچھ دیر کے بعد نعیم خان نے کہا۔

''لیکن اس کے باوجود تم دیکھو کہ یہ ایک نئی دنیا ہے ہماری دنیا سے بالکل مختلف پتہ نہیں بوڑھا سپارکو کیا چاہتا ہے اور یہاں بھیجنے سے اس کا کیا مقصد ہے۔'' اس سوال کا جواب کامران کے پاس بھی نہیں

تھا۔ چنانچہ اس نے خاموشی اختیار کرلی۔ تھوڑی دیر کے بعد عورت کی آواز سنائی دی۔

''بھائی بچہ سوچکا ہے اگر تم چاہو تو میں تمہارے پاس آجاؤں...... ''نعیم خان نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''ہم آرہے ہیں تمہارے پاس۔'' کامران نے نعیم خان کے بگڑے ہوئے موڈ کو دیکھا تو حیرت سے کہا۔

''کیا ہوگیا نعیم خان؟''

''اس نے ایک بہت بڑا لفظ استعمال کیا ہے۔''

''عورت نے؟''

''ہاں۔''

''کیا؟''

''بھائی کہا ہے اس نے ہمیں۔''

''تو پھر؟'' کامران نے حیرت سے پوچھا۔

''نہیں، شاید میرے اور تمہارے ذہن میں یہی فرق ہے کامران، شاید میں اس پوری دنیا کا اتنا بڑا انسان نہیں بن سکا ہوں۔ جب کوئی کسی کو بھائی کہہ دیتا ہے۔ خاص طور سے ایک بے بس اور مجبور لڑکی تو بھائی کے شانوں پر بہت سی ذمہ داریاں عائد ہوجاتی ہیں اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے بجائے ان سے گریز بہت مشکل ہوجاتا ہے۔ بہت ہی مشکل۔''

کامران نے حیرت سے نعیم خان کو دیکھا بہرحال اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ کہ ہر شخصیت کے دو روپ ہوتے ہیں۔ لیکن اس وقت وہ اس پر غور کرنے کے لیے نہیں آئے تھے۔ وہ عورت کے پاس پہنچ گئے۔ اس نے کہا۔

''بچہ سوچکا تھا۔ میں نے سوچا تم لوگ انتظار کررہے ہوگے۔''

''تم ہمیں بتاؤ یہ سارا قصہ کیا ہے۔ کیا ہوا ہے یہ؟''

''میں زیادہ تفصیل تو کیا بتاؤں۔ بہت سے معاملات ایسے ہیں جن کا براہ راست مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ صرف سنی سنائی باتیں ہیں اور انہی سنی سنائی باتوں کو میں تمہارے سامنے دہرا سکتی ہوں۔''

''ہاں...... ہاں جو کچھ بھی ہے ہمیں کام کی بات بتاؤ۔ کام کی بات بتاؤ۔'' نعیم نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ لڑکی کی آنکھیں سوچ میں ڈوب گئی تھیں۔'' اس نے کہا۔

''ہاں...... بات بہت پرانی ہے۔ بہت پرانی ہے جس بستی کو تم نے دیکھا ہے۔ کیا تم اس کا نام جانتے ہو؟''

''نہیں؟''

''اس کا نام کمالیہ تھا۔''

''ٹھیک ہے آگے بڑھو۔''

''کمالیہ پر ایک شخص حکومت کرتا تھا۔ اس کا نام شموتا تھا...... شموتا کے خلاف بغاوت ہوگئی اور شموتا اور اس کے اہل خاندان کو قتل کردیا گیا۔ صرف شموتا کا بیٹا شمبا زندہ بچا وہ کچھ افراد کو ساتھ لے کر پہاڑیوں میں گم ہوگیا اور اس کے بعد بستی کمالیہ پر فرعونا کی حکومت ہوگئی۔

فرعونا، فطرتاً زراعت پیشہ تھا اور اسے صرف اس بات پر غصہ آتا تھا کہ شموتا نے بستی کمالیہ کو فاقہ کشی پر مجبور کردیا ہے۔ وہ نہ خود کچھ کرتا ہے اور نہ کسی اور کو کچھ کرنے دیتا ہے۔ چنانچہ اس نے کام شروع کردیا اور کمالیہ کے نواحی علاقے میں جہاں پتھریلی اور بنجر زمین پڑی ہوئی تھی۔ فرعونا نے تمام نوجوانوں، بوڑھوں اور بچوں کو زمین کی کھدائی میں مصروف کردیا۔ پھر اس زمین میں دور دراز سے لائی ہوئی مٹی شامل کرکے اسے قابل کاشت بنایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کمالیہ کے چاروں طرف کا علاقہ سرسبز ہوگیا۔'' یہاں باغات لگائے گئے اور اس علاقے پر ایسا نکھار آیا کہ ہر طرف سبزہ لہرانے لگا۔ کھیت، باغات، ترکاریوں کے بڑے بڑے قطعے، یہ بستی قدرت کی دولت سے مالا مال ہوگئی۔

ہر گھر میں خوراک کی قلت ختم ہوگئی مویشیوں کے لیے چراگاہیں تیار ہوگئیں اور دودھ اور اون کی ضرورت بھی پوری ہوگئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فرعونا کی حکومت مضبوط سے مضبوط تر ہوتی چلی گئی اور کمالیہ کے محنت کش اپنی محنت کا پھل کھانے لگے۔ ہر شخص خوش تھا۔ ہر ایک کو سہولتیں حاصل تھیں اور سب فرعونا کے گن گانے لگے۔

لیکن فرعونا نے یہ بات نظر انداز کردی کہ شمبا اس کے قبضے میں نہیں آسکا ہے۔ وہ نکل گیا ہے۔ چونکہ فرعونا یہاں کا ہر دل عزیز سردار تھا اسلیے ایک رات اسے اطلاع ملی کہ شموتا کا بیٹا...... شمبا، راتوں رات اس پر شب خون مار کر اس کے اہل خاندان کا قتل کردینا چاہتا ہے۔ اور اپنے خاندان کا بدلہ لینے کا خواہش مند ہے۔ فرعونا جہاں زراعت پیشہ تھا۔ وہیں تمام تر معلومات حاصل کرنے کے بعد اس نے ہوشیاری بھی حاصل کرلی تھی۔

سرداری کرنا آسان کام نہیں ہوتا۔ چنانچہ رات کو جب پوری بستی سوئی تھی، تین گھوڑے بستی کمالیہ کی سرحدوں سے اندر داخل ہوئے سوتی ہوئی بستی پر حملہ کرکے شمبا فرعونا کو قتل کردینا چاہتا تھا۔ اور اس کے بعد کمالیہ پر اپنی سرداری کا اعلان، لیکن سرحد سے کافی دور بڑے پہاڑی ٹیلوں کے درے میں فرعونا کے پوشیدہ افراد نے ان کا استقبال کیا اور ان کی بندوقیں جو چلنے بھی نہیں پائی تھیں ان سے جدا ہوگئیں، آٹھ افراد گرفتار ہوئے۔ باقی بائیس افراد وہیں ڈھیر ہوگئے، گرفتار ہونے والوں میں شمبا بھی تھا۔ بندوقوں کی آواز نے سوئی ہوئی بستی کو جگادیا تھا اور سب حیران تھے کہ سردار فرعونا کی آواز ابھری۔

''بستی والو! یہ سونے کا وقت نہیں ہے۔ اپنے گھر روشن کرلو۔ سونے والے سب کچھ کھودیتے ہیں۔ یہ جاگنے کے لمحات ہیں اور پھر بستی والے جاگ گئے اور صبح کے سورج نے زنجیروں میں جکڑے ہوئے شمبا اور اس کے ساتھیوں کو دیکھا۔ شمبا کی گردن جھکی ہوئی تھی جس وقت اس کا باپ قتل ہوا تھا۔ اور وہ فرار ہوا تھا تو شمبا کی عمر زیادہ نہیں تھی۔ اب وہ ایک بھرپور نوجوان تھا۔ اور اس کے انگ انگ سے جوانی ٹپکتی تھی۔ بستی کے چوک میں کھڑا ہوا تھا اور سردار فرعونا نے ساری بستی کو جمع ہونے کا حکم دیا تھا جب پوری بستی جمع ہوگئی تو سردار فرعونا نے بستی کے لوگوں کو طلب کیا اور ان سے کہا۔

"ایک مقامی شخصیت نے۔ جب کہ مقامی وہ بھی نہیں ہے۔ آؤ تفصیل سے بیٹھ کر بات چیت کریں گے۔ تمہیں جہاز پر واپس جانے کی جلدی تو نہیں ہے۔"

"نہیں۔"

"تب پھر آؤ..... واقعی بہت سی ایسی باتیں جمع ہو گئی ہیں۔ جو ہمارے درمیان ہونا چاہیے۔" قزل شائی نے کہا۔" اس شخص سے کامران کی کوئی زیادہ واقفیت نہیں رہی تھی۔ بس کرنل گل نواز کے مہمان کی حیثیت سے اس نے بھی اس کی پذیرائی کی تھی۔ جبکہ کرنل گل نواز نے خود کامران کو اختیار اور اہمیت دے ڈالی تھی۔

"اچھا اب میری ڈیوٹی شروع ہوتی ہے۔ یہ بتائیے مسٹر کامران! کھانا کھائیں گے آپ؟"

"نہیں کھانا۔"

"وقت تو ہو چکا ہے۔"

"بھئی پھر پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ جب وقت ہو چکا ہے تو کھانے کا بندوبست کیجیے۔" قزل شائی نے اپنی بیوی سے کہا اور شعورہ وہاں سے چلی گئی۔ کامران کو ان لوگوں کی یہاں اس بے تکلفی سے رہائش پر حیرت ہو رہی تھی۔ اس نے قزل شائی کے سامنے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"بہت خوب صورت ڈرائنگ روم ہے۔ ویسے مسٹر قزل شائی! اصولی طور پر مجھے آپ سے اس قدر بے تکلف نہیں ہونا چاہیے۔"

"ایک منٹ ایک منٹ، میں نے بعد میں تمہارے بارے میں خاصی معلومات جمع کی تھیں۔ کرنل گل نواز ہی نے مجھے تمہاری پوری شخصیت کے بارے میں بتایا تھا اور کہا تھا کہ تم کوئی معمولی انسان نہیں ہو۔ بلکہ تمہارا اپنا ایک ماضی ہے اور بس اتفاقات کے ہاتھوں سفر کرتے ہوئے کرنل تک پہنچے ہو۔ اصولی طور پر مسٹر کامران کرنل کو کچھ اور بھی فیصلے کرنے چاہیے تھے۔ لیکن بہر حال اب یہ ان کا معاملہ ہے۔"

"ایک بات بتائیے مسٹر قزل شائی۔"

"ہاں..... ہاں پوچھو۔"

"کیا کرنل بھی ہیکل میں موجود ہیں۔"

"ارے نہیں بھئی بالکل نہیں۔ میں تو وہیں تبت میں ان سے الگ ہو گیا تھا۔ بڑے پر اسرار اور عجیب و غریب حالات پیش آئے تھے۔ بات اصل میں وہی ہے مسٹر کامران کہ انسان اپنی زندگی کا کوئی تعین نہیں کر سکتا۔ کب تک اس دنیا میں ہے اور کب چلا جائے گا۔ لیکن خواہشات کے پھن اسے ڈستے رہتے ہیں اور وہ اپنی خواہشوں کی تکمیل کے لیے زندگی کی بھی پروا نہیں کرتا۔ میں نہ جانے کیسے کیسے واقعات کا شکار ہو چکا ہوں۔ شعورہ میری زندگی کا ایک حصہ ہے ہم دونوں کا ذوق ایک ہی ہے اور یوں سمجھ لیجیے۔ کامران کہ پر اسرار واقعات ہماری زندگی کا ایک حصہ بن چکے ہیں۔"

ہم تبت کی سرزمین پر ان پر اسرار وادیوں میں بھٹک رہے تھے کہ مجھے ایک بہت ہی قدیم دوست مل گیا۔ وہ بھی وہاں کسی پر اسرار عقدے کو حل کرنے کے لیے پہنچا ہوا تھا اور شدید زخمی ہو گیا تھا۔ مجھے اب کی خدمت کا موقع ملا اور وہیں سے میں کرنل گل نواز سے الگ ہو گیا۔ کیونکہ وہ لوگ میرے دوست کی بحالی تک

کچھ وقت دینے کے لیے تیار نہیں تھے۔ بس سمجھ لو اس کے بعد مجھے اپنے دوست کی زندگی کے لیے بھٹکنا پڑا اور وہ میرے لیے ایک کہانی چھوڑ گیا۔

ایک عجیب و غریب کہانی بس یوں سمجھ لو کہ میں اسی سلسلے میں یہاں مقیم ہوں۔ بڑی عجیب بات ہے شاید تم یقین نہ کرو۔ میرے دوست کی زندگی سے جو واقعات وابستہ تھے ان میں تمہارا ذکر بھی ہے کامران! میرے ان الفاظ پر ہنسو، حیرت کرو یا مجھے پاگل سمجھو۔ حقیقت یہی ہے کہ تمہاری تقدیر میں ان واقعات کو حل کرنے کی ذمہ داری لکھی ہوئی ہے چاہے تم اس سے کتنا ہی بچو۔ میں تمہیں ایک تحریر سے روشناس کرانا چاہتا ہوں۔

یہ بتاؤ میری ان باتوں سے ذہنی کوفت کا شکار تو نہیں ہو رہے۔"

"اصل میں مسٹر قزل شائی! میں ان الجھنوں سے نکلنے کا فیصلہ کر چکا ہوں میرے دل میں اتنے سارے راز جمع ہو چکے ہیں کہ اب مزید رازوں کو دفن کرنے کے لیے جگہ باقی نہیں رہی ہے۔"

"تو پھر مجھے اپنا راز دار بنا لو میں تمہیں اپنی طرف سے مطمئن کرنے کی کوشش کروں گا۔ یہ بتاؤ کیا تم وہ جہاز چھوڑ سکتے ہو۔"

"ہاں..... مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ میں تو ان واقعات سے فرار چاہتا تھا۔ جہاز سے الگ ہو کر میں یہاں تک پہنچا ہوں۔ کپتان اور جہاز کے عملے کے افراد مجھ سے محبت کرتے ہیں اور مجھے اپنے درمیان ہمیشہ کے لیے رکھنا چاہتے ہیں۔"

"یہ تو ہونا ہے۔" قزل شائی جلدی سے بولا۔ اور کامران چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"ہونا ہے۔"

"ہاں..... تم جہاں بھی جاؤ گے تمہیں محبت ملے گی۔ یہ تمہاری زندگی کا حصہ ہے۔ جو بھی تمہیں دیکھے گا۔ تم سے محبت کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔ تم وہی سب کچھ لیے پیدا ہوئے ہو اور جب میں نے تمہیں کرنل گل نواز کے ہاں دیکھا تھا۔ تو شعورہ سے تمہارے بارے میں کچھ کہا تھا۔ میں جادوگر ہوں نا کوئی پر اسرار قوتوں کا مالک نہ کوئی جادوئی علم میرے قبضے میں ہے۔ بس یوں سمجھ لو کہ کتابوں سے جو علم حاصل کیا ہے۔ وہی میری زندگی بن گیا ہے۔ ابھی تھوڑی دیر میں شعورہ آئے گی اس سے پوچھنا میں نے اس وقت کیا کہا تھا۔ جب تمہیں پہلی بار دیکھا تھا۔" قزل شائی یہ الفاظ ادا کر رہا تھا کہ شعورہ اندر آ گئی اور وہ مسکرا کر بولا۔

"شعورہ! جب ہم نے پہلی بار کامران کو کرنل گل نواز کی کوٹھی میں دیکھا تھا تو میں نے کیا کہا تھا۔ شعورہ مسکرائی اور بولی۔

"ہم تمہیں ایک بات بتائیں کامران! ہم لوگ کوشش کرتے ہیں کہ جھوٹ نہ بولیں بعض اوقات ہماری یہ کوششیں ہمیں نقصان بھی پہنچا دیتی ہیں۔ لیکن یقین کرو ہم لوگ جھوٹ نہیں بولتے۔" قزل شائی نے جب تمہیں دیکھا تھا تو اس کے بعد جب پہلی رات جب ہم سونے کے لیے اپنے بیڈ روم میں گئے تھے تو قزل نے کہا تھا کہ شعورہ یہ بتاؤ یہاں جو کردار موجود ہیں ان میں سب سے عجیب اور انوکھا کردار کون سا ہے۔ تو میں نے مینہ ملنا کا نام لیا تھا۔ قزل شائی نے کہا کہ بے شک وہ عورت تاریخ کا کوئی انوکھا اور پر اسرار کردار معلوم

ہوتی ہے۔ جس کے لیے واشن اور کئی دوسرے افراد ہم سے رابطہ قائم کر چکے ہیں۔ لیکن تمہیں حیرت ہوگی کہ اس سے بھی زیادہ پراسرار کردار ایک اور یہاں موجود ہے اور اس طرح موجود ہے کہ وہ شاید خود بھی اپنے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ میں نے حیرت سے کہا تھا کہ وہ کون ہے؟ تو قزل ثنائی نے کہا کہ کامران۔

مجھے تو اس وقت صحیح طور سے تمہارا نام تک نہیں معلوم تھا۔ میں نے کہا کہ قزل اس شخص کی پراسرار بات کیا ہے۔ تو قزل نے کہا کہ یہ تاریخ کا ایک اہم کردار بننے والا ہے اور حالات اس طرف رخ کر رہے ہیں۔ قزل نے ایک اور پیش گوئی بھی کی تھی۔ شعورہ نے کہا اور کامران حیرت بھری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ بولی قزل نے کہا تھا کہ کچھ ایسے پراسرار کردار اس سے ملاقات کر چکے ہیں۔ جو ابھی تک کسی کے علم میں نہیں ہیں۔"

"بعد میں اس کی کوئی توجیہ مسٹر قزل ثنائی نے۔" کامران نے بے اختیار پوچھا۔

"نہیں کر سکا...... میں نہیں کر سکا۔ لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ سرزمین ہمالیہ میں جو واقعات تمہیں پیش آئے ہوئے ہیں۔ وہ کسی کو نہیں پیش آئے ہوں گے۔" کامران کچھ نڈھال سا ہو گیا۔ شعورہ نے کہا۔

"میں کھانا لگاتی ہوں یہی اطلاع دینے آئی تھی۔" کامران نے کہا۔

"مسٹر قزل ثنائی آپ مزید کیا کہنا چاہتے ہیں مجھ سے اس بارے میں۔"

"صرف یہ میرے دوست کہ تم لاکھ ان واقعات سے بھاگنے کی کوشش کرو جو چیز تقدیر کا ایک حصہ بن چکی ہے وہ تمہیں کرنا ہوگا۔ دیکھو میں تم سے پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ میرا علم صرف کتابی ہے اور صحیح بات بتاؤں تمہیں۔ دنیا کا ہر علم جھوٹا ہو سکتا ہے۔ کتاب کا علم جھوٹا نہیں ہوتا۔ کتاب نے جو کچھ سکھایا ہے۔ انسانیت کے پہلے دن سے لے کر آخری دن تک اسی سے رہنمائی حاصل کرتا چلا آیا ہے۔ چاہے وہ مذہب کے بارے میں ہو چاہے دنیا کے بارے میں۔ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرے گا۔ کتاب کے بارے میں مکمل طور سے مخلص ہو جاؤ۔ تو پھر اس کا اپنا ایک کردار شروع ہوتا ہے۔ یہ اوراق جنہیں تم بے جان کاغذ کے ٹکڑے سمجھے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اوراق بولتے ہیں اور انہی میں راز کائنات پوشیدہ ہے۔ میں نے آج تک کسی پراپنی علم دانی کا رعب نہیں ڈالا۔ اور نہ ہی میں اس قابل ہوں کہ اپنے آپ کو بہت زیادہ صاحب علم سمجھوں۔ ظاہر کروں۔ لیکن کتابیں بولتی ہیں۔ مجھے بتاتی ہیں۔"

"بعد میں جب میں نے تمہارے بارے میں معلومات حاصل کیں تو مجھے بہت عجیب و غریب باتیں معلوم ہوئیں۔ اب تم ایسا کرو کہ مجھ سے سنو تا کہ تم سچائیوں کے قائل ہو جاؤ پہلی بات میں تمہیں یہ بتاؤں کہ جو عورت تمہیں یہاں لے کر آئی ہے اور جس نے تمہیں اپنا نام سدرہ بیکان بتایا ہے اور جس کا تعلق یمن سے ہے وہ یوں سمجھ لو کہ انہی لکیروں پر چلتی ہوئی تمہارا تعاقب کرتی ہوئی اس جہاز تک پہنچی تھی اور وہاں سے اس نے تم تک رسائی حاصل کی تھی اور اس نے حالات کے تحت تمہیں پیش کش کی تھی کہ تم اس کا ساتھ دو۔ سمجھ رہے ہو نا تم۔"

کامران پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس کا ذہن جھنجھنا گیا تھا۔ قزل ثنائی نے کہا۔

"شعورہ کھانا لگا چکی ہوگی۔ دوست کوئی ثبوت نہیں ہے میرے پاس اپنے خلوص کا۔ کوئی ایسی ٹھوس بات یا ایسا کوئی لفظ میں تم سے نہیں کہہ سکتا۔ جس میں تمہیں اپنے خلوص کا یقین دلا سکوں۔ میں تمہیں صرف ایک بات بتاتا ہوں کہ تم جس کام کے لیے مخصوص کیے گئے ہو۔ وہ ہر حالت میں انجام دو گے۔ کیونکہ تقدیر کی تحریر ہے اور کتابوں نے مجھے اس کا علم دیا ہے۔ دل چاہے تو اس سے انحراف کر لو۔ بغاوت کر لو اور کتابوں کو جھوٹ ثابت کرنے کی کوشش کر لو۔ ابتداء میں تمہیں یوں لگے گا۔ جیسے تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے ہو۔ لیکن حقیقت میں تمہیں کامیابی نہیں حاصل ہوگی۔ بلکہ تم وہ سب کرنے پر مجبور ہو گے جو تمہارے ذریعے ہونا ہے اور اس کا صرف ایک پورشن میں تمہیں یہ بتا دوں کہ تم نے کرنل گل نواز کا ایک بہترین ساتھی ہوتے ہوئے آخر کار کرنل سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اپنے آپ کو اس ماحول سے نکالنے کے لیے اس جہاز پر اسمگل ہو کر چل پڑے ویسے دنیا بہت وسیع ہے اور تم کہیں بھی گم ہو سکتے ہو۔ لیکن سدرہ بیکان کا تمہیں اس جہاز پر مل جانا۔ تمہیں اپنی طرف متوجہ کرنا۔ تمہارا اس کی جانب متوجہ ہو جانا اور اس کے بعد یہ گل تک پہنچ جانا یہ سب ایسی کہانی کا ایک حصہ ہے جو تمہاری زندگی سے وابستہ ہے۔"

اب تم یوں کرو کہ واپس جہاز میں چلے جاؤ، جہاز تمہیں دنیا کے آخری سرے پر چھوڑ دے وہاں تمہیں ایسے کردار مل جائیں گے جو تمہیں اسی طرف گھسیٹ لائیں گے۔ کامران نے کسی قدر جھنجلاہٹ سے کہا۔

"اور اس کا اختتام کہاں ہوگا؟"

"آہ...... یہی تو آج تک کسی کو نہیں معلوم ہو سکا۔ کوئی کتاب یہ علم نہیں دیتی کہ کسی بھی انسان کا اختتام کیا ہے۔ ہم دنیا کے ایک سرے پر پیدا ہوتے ہیں۔ زندگی کا آغاز کرتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ ہمارا محور صرف ایک ہے اور دنیا کے آخری سرے پر ہماری موت واقع ہوتی ہے۔ دوست یہ راز کائنات کے مالک نے انسانوں کو نہیں دیا۔ بالکل نہیں دیا۔"

"یہ تو عجیب بات ہے۔ گویا میں اپنی پسند کی زندگی نہیں گزار سکتا۔" کامران نے اتنا ہی کہا تھا کہ شعورہ آ گئی۔

"میں نے بہترین کھانا پکایا ہے۔ کامران چاہے تم ہمارے ایک وقت کے مہمان کیوں نہ ہو۔ لیکن ہم تمہیں مخلصانہ طور پر خوش آمدید کہتے ہیں۔" اور اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اتنے مختصر وقت میں۔ شعورہ نے انتہائی نفیس کھانا تیار کیا تھا۔ کامران نے ذہنی الجھن کے باوجود خوب اچھی طرح یہ کھانا کھایا بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ اس ذہنی الجھن نے اس کی بھوک بے انتہا کھول دی تھی۔ اچھی طرح شکم سیر ہوا اور اس کے بعد عمدہ قسم کی کافی پی کر کہا۔

"مجھے تو یوں لگ رہا ہے کہ جیسے اس کھانے میں کوئی خواب آور دوا شامل تھی۔ ہماری گندم کی بات ہے تو بھلا اس سے زیادہ خواب آور دوا اور کیا ہو سکتی ہے۔" چنانچہ کیا مجھے سونے کی اجازت مل سکے گی۔"

"ہاں...... ہاں کیوں نہیں بلکہ یہی مناسب ہوگا کہ تم کچھ وقت آرام کر لو اور پھر کامران کو ایک اعلیٰ درجے کے بیڈ روم میں پہنچا دیا گیا۔ وہ بستر پر لیٹا اور حقیقت اسے چکر آنے لگے۔ ہر کردار اپنی جگہ انتہائی پراسرار...... یہ قزل ثنائی جو باتیں بتا رہا ہے یہ تو بڑی سنسنی خیز باتیں ہیں۔ ویسے قزل ثنائی سے اس نے جو

"میری بستی کے لوگو! اس لڑکے کو پہچانتے ہو؟ یہ شمبا ہے۔ شمونا کا بیٹا شمبا، یہ وہ لڑکا ہے۔ جو شمونا کی موت کے بعد فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا میری بستی کے پانچ معزز بوڑھے افراد کے ساتھ رات کی تاریکیوں میں اس بستی میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ اگر یہ جواب نہ دے تو جواب میرے پاس ہے۔ اور جواب یہ ہے کہ مجھے اور میرے اہل خاندان کو قتل کر کے بستی کی سرداری حاصل کرنا چاہتا تھا۔"

پانچ معزز بوڑھے سامنے آئے اور انہوں نے شمبا سے سوال کیا۔

"اے لڑکے کیا یہ سچ ہے جو سردار فرعونا کہہ رہا ہے؟" شمبا نے نفرت بھری نگاہوں سے فرعونا کو دیکھا اور پھر بے باکی سے بولا۔

"ہاں! یہ سچ ہے۔"

"افراد جو تیرے ساتھ آئے تھے ان کی تعداد کتنی تھی؟"

"میرے علاوہ انتیس، مجھے ملا کر تیس۔"

"کیا یہ سب مسلح تھے؟"

"ہاں...... ان کے پاس بندوقیں تھیں اور یہ پوری طرح کمالیہ کو آگ اور خون میں لپیٹ دینا چاہتے تھے۔"

"کیوں؟"

"فرعونا سے انتقام لینے کے لیے۔"

"اس کے بعد تو کیا کرتا؟"

"اس کے بعد میں فرعونا اور اس کے اہل خان کے سر اسی بستی کے سرحدی علاقے میں لٹکا دیتا اور میرے آدمی پوری بستی کو محاصرے میں لے لیتے، پھر میں ان لوگوں کو ختم کر دیتا جنہوں نے اس وقت جب وہ میرے باپ کے غدار تھے فرعونا کی مدد کی تھی۔"

"اس کے بعد تو کیا کرتا؟"

"اس کے بعد میں ساری بستی کو لوٹ لیتا۔ ان کا سارا خزانہ چھین لیتا اور پھر میرے یہ آدمی بستی پر حکمرانی کرتے، لوگوں کو ایک ایک روٹی کے لیے ترسایا جاتا۔"

"ایسا تو کیوں کرنا چاہتا تھا؟"

"اپنے باپ کی موت کا انتقام لینے کے لیے، اپنی ماں اور اپنے اہل خاندان کی موت کا انتقام لینے کے لیے۔"

"لیکن تو اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔"

"ہاں......"

"اب تیرے ذہن میں کیا ہے؟"

"کچھ نہیں۔"

"کیا مطلب؟"

"صرف یہ کہ جب کامیابی کی امید نہ رہے تو انسان کو حالات سے سمجھوتہ کرنا چاہیے۔ اب یہ شخص جو کچھ کرنا چاہے۔" شمبا نے جس انداز میں ان تمام سوالات کے جواب دیے تھے اس نے بستی کے لوگوں کو خوفزدہ کر دیا تھا۔ وہ حیران تھے اور پریشانی کے عالم میں سردار فرعونا کو دیکھ رہے تھے۔ بستی کے بوڑھوں نے سردار فرعونا سے کہا۔

"یہ آٹھ افراد بھی خطرناک ہیں۔ فرعونا تم نے ان کا ارادہ دیکھ لیا۔ اب بھلا بستی میں کون ہے جو ان کا ہمدرد ہو۔ انہیں فوری طور پر سزائے موت دی جائے۔"

سردار فرعونا نے دونوں ہاتھ اٹھائے اور بولا۔

"معزز بزرگو! تم نے ایک بات کہی ہے۔"

"کیا؟"

"تم نے کہا ہے۔ کہ اس وقت اس بستی میں ان کا کوئی ہمدرد نہیں ہے۔"

"ہاں پوری بستی والوں سے پوچھ، کیا ایسا کوئی ہے جو ان تمام باتوں کو سننے کے بعد ان سے ہمدردی رکھتا ہو۔"

"ہاں...... ہے۔" سردار فرعونا نے کہا۔

"کون؟"

"میں۔" فرعونا بولا۔ اور بستی کے لوگ شدت حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر رہ گئے تھے۔

"کیا کہہ رہا ہے تو سردار فرعونا؟" بوڑھوں میں سے ایک نے کہا۔

"ہاں...... تم نے دیکھا کہ کیا کڑیل جوان ہے۔ جوانی اس کے انگ انگ سے ٹپک رہی ہے۔ کتنا بے باک اور جواں مرد ہے یہ۔ کتنی دلیری سے اس نے اپنے جرم کا اعتراف کیا ہے اور اپنے آگے کے مقصد بتائے ہیں۔ میرے معزز بوڑھو! ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچو، اتنا بڑا بہادر جوان اگر ہماری بستی کا وفادار ہو تو کیا ہم اسے اپنی فوجوں کا سالار نہیں بنا سکتے، میں سردار ہوں تم لوگوں کا۔ تم نے مجھے اتنا حق دیا ہے کہ کبھی کبھی میں تمہارے فیصلوں سے اختلاف کر سکوں۔ بولو کیا تم مجھے اس اختلاف کی اجازت دو گے؟"

"لیکن فرعونا، یہ اختلاف تیرے لیے خطرناک ہے۔"

"زندگی اور موت دیوتاؤں کے فیصلے کی محتاج ہوتی ہے۔ ہم اپنے لیے کوئی راستہ طے نہیں کر پاتے۔ دوستو، معزز بزرگو! میں تمہارے فیصلے سے بس اتنا سا اختلاف کرنا چاہتا ہوں کہ ابھی شمبا کو سزائے موت نہ دی جائے بلکہ انتظار کیا جائے اسے سمجھایا جائے اور کہا جائے کہ وہ کمالیہ کا وفادار بن کر جیئے۔ دیکھو بستی والو انہیں قتل کر دینا بہت آسان ہے۔ لیکن اگر تم کسی کو زندگی دینے کی اہلیت رکھتے ہو تو اپنا فرض پورا کرو۔ میں یہی فرض پورا کرتے ہوئے انہیں قید خانے میں پہنچا رہا ہوں۔ اس کے بعد میں کوشش کروں گا۔ کہ انہیں سمجھا سکوں۔ ایک اعلان میں اور تمہارے سامنے کرنا چاہتا ہوں۔" سردار فرعونا نے کہا۔

"میرے دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ اور اگر پہاڑی قبیلے کے اصولوں کے مطابق میں اپنے لوگوں میں ایک پسندیدہ شخصیت کا حامل رہا ہوں۔ تو سرداری میرے کس بیٹے کو ملے گی اور اس کے لیے میرا بڑا بیٹا

حق دار ہے۔لیکن دوستو یہ سرداری میں نے شمبا کے باپ شمونا سے حاصل کی ہے اس کی برائیوں اور بد عنوانیوں کے نتیجے میں اگر شمبا ایک اچھا انسان بن جاتا ہے اگر وہ کمالیہ کے لیے وہی سب کچھ کرنے کو تیار ہو جاتا ہے جو بستی کے اچھے لوگ کیا کرتے ہیں تو آج میں آپ کے سامنے یہ اعلان کرتا ہوں کہ میں یہ سرداری اپنے بیٹوں کے بجائے شمبا کو دوں گا، میرا شمبا سے یہ وعدہ ہے۔"

چنانچہ بستی والوں کی گردنیں لٹک گئیں، سردار نے اپنے حق کو استعمال کرتے ہوئے یہ فیصلہ سنایا تھا۔اس لیے اب کسی کے بولنے کی گنجائش نہیں تھی۔اور شمبا کو اس کے ساتھیوں کے ہمراہ قید خانے میں پھینکا دیا گیا۔البتہ فرعونا نے قید خانے پر محافظوں کی تعداد بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔

"اور شمبا، یہ بات میں تجھے بتائے دے رہا ہوں۔کہ اگر اس دوران تم نے کوئی خطرناک قدم اٹھانے کی کوشش کی تو پھر میں تیری زندگی نہیں بچا سکوں گا۔" شمبا نے اسے نفرت سے دیکھا اور خاموش ہو گیا۔

پھر یوں ہوا کہ سردار فرعونا شمبا کو مستقل طور پر سمجھانے لگا۔اس نے کچھ بزرگوں کو اس بات پر متعین کیا کہ وہ شمبا کو سمجھائیں اور پھر ان لوگوں نے فرعونا سے کہا کہ شمبا مکمل طور پر خاموش رہتا ہے۔وہ کسی کی بات کا کوئی جواب نہیں دیتا یہاں تک کہ اکیس دن کے بعد سردار فرعونا نے وعدے کے مطابق شمبا اور اس کے ساتھیوں کو میدان میں طلب کیا اور سردار فرعونا نے تمام لوگوں کو جمع کرنے کے بعد شمبا سے سوال کیا۔

"شمبا اس دوران بڑے بڑے بزرگ تمہیں سمجھاتے رہے ہیں۔میں نے بھی تجھے زندگی کی سچائی کے راستے دکھائے ہیں۔اب بول، بتا کیا تو ہمارے بتائے ہوئے راستوں پر چلنے کے لیے تیار ہے؟"

تو شمبا نے کہا۔

"بستی والو! سردار فرعونا میرے باپ کا قاتل ہے تو میرے گھرانے کا قاتل ہے، میں تمہاری تعلیمات پر عمل کرنے کے لیے تیار ہوں اور اس کے لیے میں یہ وعدہ کرتا ہوں کہ میں بستی والوں کو بھی معاف کر دوں گا۔لیکن اس کے لیے ایک شرط ہے۔سردار فرعونا!"

"کیا؟" فرعونا نے پوچھا۔

"مجھے تیرا اور تیرے اہل خاندان کا سر چاہیے۔تجھے معاف کرنے کا مطلب یہ ہے کہ میں نے اپنے باپ کے خون کو معاف کر دیا ہے۔اور میں نے ایسا نہیں کیا، میں تجھے اور تیرے خاندان کو اسی طرح سے قتل کرنے کا خواہش مند ہوں۔جس طرح تو نے میرے خاندان کو قتل کیا تھا اور اس خون کو میں بیچنے کے لیے تیار نہیں ہوں، خون کا بدلہ خون بس، یہی میرا اصول ہے، اور یہی میرا ایمان۔"

بستی کے لوگ بپھر گئے۔ہر شخص نے کچھ نہ کچھ کہنا شروع کر دیا۔ان میں سے کسی نے کہا۔

"تو اپنے باپ کو ایک مقدس انسان سمجھتا ہے۔شمبا یہ وہ شخص تھا جس نے پوری بستی کو موت کی نیند سلانا چاہا تھا۔

"سردار فرعونا! اسے اسی وقت موت کی سزا دے دو، ورنہ یہ سمجھ لو کہ تم اپنے لیے ایک سانپ پال لو گے یہ شخص برے باپ کا برا بیٹا ہے اسے زندگی دینے کا یہ مقصد ہے کہ تم نے بستی کے لیے موت قبول کر لی ہے۔"

سردار فرعونا! سوچ میں ڈوبا رہا۔اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔پھر اس نے بھری ہوئی آواز میں کہا۔

"نہیں میں اسے قتل نہیں کروں گا۔مجھے خوف نہیں ہے اس سے، ہاں آخری فیصلہ میں یہ کر رہا ہوں کہ شمبا اپنے آٹھ ساتھیوں کو لے کر کمالیہ سے اتنا دور نکل جائے کہ ہواؤں کے ساتھ اس کی خوشبو کمالیہ تک نہ پہنچ سکے، اور یہ بات بھی شمبا کو بتائی جا رہی ہے کہ اگر دوبارہ کبھی اس کے قدم بستی کمالیہ کی جانب اٹھے تو اسے زندگی نہیں دی جائے گی۔پھر کمالیہ کی سرحدوں پر اس کا سر لٹکا ہوگا۔گھوڑے مہیا کر دو ان لوگوں کو ہاتھ باندھ کر یہاں سے روانہ کر دو۔"

اور پھر یوں ہوا کہ آٹھ گھوڑے لائے گئے۔شمبا کو گھوڑے کی پشت پر بٹھایا گیا۔اور اس کے بعد ان گھوڑوں کو چابک مار دیے گئے۔آٹھ گھوڑے کمالیہ کی سرحدوں سے مخالف سمت دوڑنے لگے۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

پھر کافی عرصہ گزر گیا، بستی کے لوگ شمبا کو بھول گئے تھے کسی کو یہ یاد نہیں تھا کہ شمبا نامی کسی شخص نے فرعونا کے خلاف بغاوت کی تھی اور فرعونا نے بے شک شمونا اور اس کے خاندان کو قتل کر کے سرداری حاصل کی تھی۔لیکن اس نے بستی والوں کے لیے بہت کچھ کیا۔اور یہی وجہ تھی کہ بستی والے اپنے سردار سے بے انتہا خوش تھے۔اور پرسکون زندگی گزار رہے تھے۔

پھر ایک رات جب تمام لوگ خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔بیرونی ماحول میں برف کے ننھے ننھے ذرات سیاہی میں سفیدی پیدا کر رہے تھے کہ بستی کی سرحدوں میں کچھ آہن پوش داخل ہوئے جو سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق تھے اور ان کے پاس بہترین بندوقیں تھیں۔فائر کی پہلی آواز پر فرعونا جاگ اٹھا اور اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔کہ ذرا دیکھو کہ وہ کون ہے۔جس نے سوتے ہوؤں کو جگانے کی کوشش کی ہے۔جبکہ بستی میں ایسا کبھی نہیں ہوتا تھا۔کہ بے جا فائرنگ کی جائے۔اور عام لوگوں کو پریشان کیا جائے۔

بہر حال تین چار لوگ اس طرف روانہ کیے گئے جہاں سے فائر کی آواز ابھری تھی۔وہ لوگ واپس تو نہ آئے البتہ فائرنگ کی آوازیں اور چیخیں ضرور سنائی دی تھیں اور اس کے بعد یہ چیخیں چاروں طرف گونجنے لگیں۔

پوری بستی جاگ گئی تھی اور ہر طرف سے شور و غوغا بلند ہونے لگا تھا۔جس میں فائرنگ کی آواز بھی شامل تھی۔آہن پوشوں کے خلاف کچھ بندوقیں استعمال ہوئیں۔سردار کے آدمی چاروں طرف پھیل گئے۔لیکن آہن پوش پوری طرح لوہے میں ڈوبے ہوئے تھے کہ گولیاں ان پر بے اثر ثابت ہو رہی تھیں۔البتہ ان کی طرف سے چلائی جانے والی گولیاں ہر شخص کو زندگی سے محروم کر رہی تھیں۔نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی وقت میں مقابلہ کرنے والوں میں سے ایک بھی باقی نہ رہا اور بستی میں جگہ جگہ انسانی لاشیں نظر آنے لگیں۔

اس خونی رات کی صبح رات کی تاریکیوں سے زیادہ تاریک تھی۔چاروں طرف سے آہ و زاری کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں اور آہن پوش پوری بستی میں پھیل گئے تھے۔یہ لوگ کون تھے۔کہاں سے آئے تھے؟ اب تک کسی کو کچھ پتہ نہیں چل سکا تھا۔خود سردار کو بھی زنجیروں میں جکڑ لیا گیا تھا۔

آہنی لباس والوں نے بستی کے تمام افراد کو ایک جگہ جمع کر دیا تھا۔ان لوگوں کی حالت بے حد ابتر

تھی اور تمام لوگ اپنے ساتھیوں اور رشتہ داروں کی موت پر گریہ وزاری کر رہے تھے۔ ان تمام لوگوں کے بھی ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ غرضیکہ ایک ایسی عبرت ناک فضا تھی کہ اسے دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہو جائیں۔

پھر ان آہن پوشوں کا سردار سامنے آیا اور اس نے اپنا تعارف شمبا کے نام سے کرایا۔ مجمعے میں کئی ایک لوگ ایسے بھی تھے جنہوں نے شمبا کے خلاف رائے دی تھی۔ کہ اسے موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ بہر حال شمبا ایک اونچی جگہ پر چڑھ گیا اور غرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"پہچانو مجھے! کمالیہ کے کتو، مجھے پہچانو، میں کون ہوں، شمبا ہوں میں مجھے، میں وہ ہوں جسے تم لوگوں نے بستی بدر کیا تھا۔ آج میں اپنی تمام قوتوں کے ساتھ واپس آیا ہوں اور آج میں فرعونا سے اپنا بدلہ لوں گا، اور سنو اب میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ بستی کے کسی گھر سے رونے کی آواز نہ ابھرے۔ اگر کسی گھر سے بھی آہ و بکا سنائی دی۔ تو پورے گھر کو فنا کر دیا جائے گا۔" ابھی شمبا نے اتنا ہی کہا تھا کہ ایک زخمی بچہ شدت تکلیف سے رو پڑا اور جانتے ہو شمبا نے اس کے ساتھ کیا کیا۔ تو شالہ نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں اور کامران اور نعیم خان اس کی صورت دیکھنے لگے تھے۔ کچھ لمحوں کے بعد تو شالہ نے اپنی آنکھیں کھولی جن میں نمی تیر رہی تھی۔ وہ پھر گویا ہوئی۔ "شمبا نے اس بچے کو مجمعے کے درمیان بلا کر اپنی بندوق سے پے در پے فائر کیے اور نتیجے میں اس بچے کے ٹکڑے فضا میں بکھر گئے۔ یہ منظر پورے مجمعے کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ لیکن سب کے سب اس لیے خاموش تھے کہ کہیں شمبا کی اگلی گولی ان کے سینوں کے پار نہ ہو۔" پھر بستی کے گرد پہرہ بٹھا دیا گیا اور لوگوں کے ہاتھ پیر کھول کر بستی میں چھوڑ دیا گیا۔ لوگ زور سے سانس لینا بھی بھول گئے تھے۔ ہر شخص سہا دبکا بیٹھا تھا اور کسی بچے کی آواز ابھرتی تو اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا جاتا۔ پھر دوسرا حکم جاری ہوا۔

"بستی کے کسی گھر میں چراغ نہ جلایا جائے شمبا کی آمد کا استقبال تاریکیوں سے کیا جائے۔ کہ اب اس کے مخالفوں کی تقدیر میں تاریکی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔"

"سو یہی ہوا۔ آج تیسرا دن تھا۔ کہ بستی کے کسی گھر میں روشنی نہیں کی گئی تھی۔ لیکن شمبا کے احکامات بدستور جاری تھے دو دن تک وہ بستی میں ان لوگوں کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا تھا۔ انہیں میں سردار فرعونا بھی تھا۔ اب بھلا کس کی مجال تھی کہ شمبا کے خلاف ہتھیار اٹھاتا پھر اس کا تیسرا حکم ملا۔

"تمام لوگ اپنے اپنے مال و دولت کے انبار میدان میں ایک جگہ جمع کر دیں اور خبردار اس بات کو ذہن میں رکھا جائے کہ کسی کے پاس کوئی قیمتی شے موجود نہ رہے۔ اجناس وغیرہ کے ذخائر بھی وہیں میدان میں جمع کر دیے جائیں اور ہر وہ شے جو کسی کی ملکیت تھی۔ اب شمبا کی ملکیت میں دے دی جائے کہ جسم کے کپڑوں کے علاوہ کسی کے پاس کچھ باقی نہ رہے اگر اس حکم کی پورے طور سے تعمیل نہ ہوئی اور کسی نے کچھ چھپانے کی کوشش کی تو یہ سمجھ لیا جائے گا کہ وہ ہمارا غدار ہے اور بستی کمالیہ والے غداری کی سزا سے بخوبی واقف ہیں۔"

پورا دن اس حکم کی تعمیل میں گزر گیا ہے۔ میدان میں، ڈھیروں انبار لگ گئے تھے۔ کمالیہ والوں کے پاس بہت کچھ تھا۔ کون جانے شمبا کا کوئی نیا حکم ان کی موت کا پروانہ ہی ہو۔ سب کے سب سہمے ہوئے گھروں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ بیچارے کھانا پینا بھی بھول گئے تھے۔ بس بچوں کی شکم سیری کے لیے جو کچھ بھی مل رہا تھا وہ اپنے بچوں کے حلق سے نیچے اتار رہے تھے۔ باقی کسی کے منہ میں کوئی چیز نہیں گئی تھی اور صرف پانی پر گزارہ کر رہے تھے۔ اس طرح شمبا شاید ان لوگوں سے اپنی بستی بدر کیے جانے کا انتقام لے رہا تھا اور بستی تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی۔

بالآخر میدان میں جمع ہونے والی اشیا کی چھان بین ہو رہی تھی اور اس کی نگرانی کرنے والا شمبا خود تھا اور اپنے کاموں میں معروف تھا اور ادھر بستی والے جاگ رہے تھے وہ جانتے تھے کہ جو کچھ ہوا وہ وہیں تک محدود نہیں رہے گا۔ پتہ نہیں ظالم شمبا اور کون سے احکامات صادر کرے گا اور ان لوگوں پر کیا کیا مصیبتیں ٹوٹیں گی۔ جو لوگ گرفتار ہو چکے تھے وہ بستی کے دانشور تھے۔ وہی کوئی مشورہ بھی دے سکتے تھے۔ لیکن اب مشورہ دینے والا کوئی بھی نہیں تھا اور پھر بستی کے مکانات میں نقل و حرکت پر بھی پابندی لگا دی گئی۔ لوگ اپنی مرضی سے دروازوں سے گزر کر نہیں جا سکتے تھے۔ آہن پوش جگہ جگہ ان کی نگرانی کر رہے تھے۔

پوری بستی میں اب کچھ باقی نہ رہا تھا۔ شمبا نے انہیں ہر طرح سے پیس دیا تھا۔ اور اب وہ صرف اپنی موت کے منتظر تھے۔ پھر بستی میں جانے کیا کچھ ہوتا رہا تھا۔ انہوں نے میرے شوہر کو بھی مار دیا تھا اور میں صرف اپنے بچے کی حفاظت کے لیے کسی نہ کسی طرح وہاں سے نکل آئی اور اپنے بچے کے ساتھ ان غاروں میں آ کر چھپ گئی اور پھر تم لوگ یہاں پہنچ گئے اور اب میں تمہارے سامنے ہوں۔" لڑکی کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئی تھی۔

واقعی یہ ایک کرب ناک اور عبرت ناک داستان تھی۔ کامران اور نعیم خان بے شک مجرم تھے، لیکن پھر بھی اس عورت کی داستان سن کر نجانے کیوں ایک دکھ کا احساس ہوا تھا اور دل نے یہ کہا تھا کہ انہیں ضرور اس عورت کی مدد کرنی چاہیے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اس کی مدد کس طرح کی جائے بہر حال کامران نے کہا۔

"او لڑکی کیا تم یہ جاننا چاہو گی کہ اس بستی کا کیا ہوا؟"

"ہاں بے شک، کیونکہ میرے ماں باپ بھی وہاں تھے۔"

"ہمیں افسوس ہے، اب وہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ بستی کا ہر گھر جلا ہوا پڑا ہے۔ بستی کے مکینوں کی لاشیں بستی کی گلیوں میں بکھری پڑی ہیں اور اب وہاں کچھ بھی نہیں بچا۔" کامران کے ان الفاظ کو سن کر لڑکی پر ایک سکتہ سا طاری ہو گیا تھا اور وہ دونوں گھبرا کر اسکی صورت دیکھنے لگے۔ لیکن پھر وہ اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر رو پڑی تھی اور کافی دیر تک روتی رہی تھی۔ وہ دونوں یونہی اپنی جگہ بیٹھے رہے تھے۔

پھر نعیم خان اپنی جگہ سے اٹھ کر اس لڑکی کے قریب پہنچ گیا اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔

"بس کرو لڑکی! یہ تو ہونا ہی تھا اور اسے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔ لیکن اب تم جس مقصد کے لیے جی رہی ہو وہ پورا کرو یعنی اپنے بچے کی پرورش...... ظاہر ہے تم اپنے بچے کی وجہ سے وہاں سے بھاگی تھیں، اور اب تمہیں اس بچے کے لیے جینا ہے لیکن اس طرح ان غاروں میں تم کیسے جیو گی؟" لڑکی نے ان الفاظ کو سن کر اپنا سر اٹھایا اور پہلے نعیم خان پھر کامران کو دیکھا اور پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"تم ٹھیک کہتے ہو بھائی، واقعی اب مجھے اس بچے کے لیے جینا ہے۔ میں اپنا سب کچھ اس بچے پر لٹا دوں گی۔ اس کی پرورش کروں گی، اب یہی میرے جینے کا مقصد ہے۔"

''لیکن اس طرح ان غاروں میں؟'' کامران نے کہا۔

''نہیں ہم ان غاروں میں نہیں رہیں گے۔ ان غاروں سے نکل کر کچھ دور تک پہاڑی سلسلہ ہے۔ یہ پہاڑی سلسلہ گھنے جنگلوں پر ختم ہوتا ہے اور جنگلوں کی مغربی سمت میں ایک بستی آباد ہے جسے چمن بستی کہتے ہیں۔ تم دونوں مجھے وہاں تک لے چلو گے اور اگر تم نے ایسا کیا تو میرے اوپر بہت بڑا احسان ہوگا۔''

لڑکی خاموش ہوگئی تھی اور اب اس بات کی منتظر تھی کہ وہ اس سلسلے میں اس سے کیا کہتے ہیں۔ نعیم خان کامران کی طرف پلٹا تھا اور وہ دونوں ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے۔

زندگی میں لاتعداد جرم کیے تھے۔ برائیاں کی تھیں اور مختلف چکروں سے ہوتے ہوئے یہاں آ پھنسے تھے۔ لیکن بہرحال دل میں یہی خیال تھا کہ اس مظلوم لڑکی کی مدد ضرور کرنی چاہیے۔ دو تین منٹ اسی طرح گزر گئے۔ غالباً نعیم خان کامران کے اشارے کا منتظر تھا اور کامران نے سر ہلایا اور اس بات کی تائید کی تھی کہ اس کی مدد کرنا ہوگی اور کامران کے اس عمل سے نعیم خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ پھر وہ لڑکی کی طرف پلٹا اور بولا۔

''لڑکی، ہم لوگ تیری مدد کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ہمیں یہاں سے کب چلنا ہوگا؟''

''کل سورج ڈھلنے کے بعد ہم اپنے سفر کا آغاز کریں گے اور کوشش کرکے ان جنگلوں تک پہنچ جائیں گے۔ تاکہ اگلے دن کی روشنی تپتے پتھروں پر نہ گزرے پھر جنگل سے گزرتے ہوئے ہم اس جگہ کی طرف جائیں گے جہاں چمن بستی آباد ہے۔''

''ٹھیک ہے اب تو بھی آرام کر۔'' ابھی نعیم خان نے اتنا ہی کہا تھا کہ لڑکی پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی اور نعیم خان احمقوں کی طرح کامران کی صورت دیکھنے لگا۔ بعض اوقات ایسی ہی بات کہہ جاتا تھا کہ بس سر پیٹنے کو دل کرے، یعنی جس عورت کے ماں باپ شوہر کو کتے کی موت مار دیا گیا ہو۔ اس سے بڑے آرام سے کہہ رہا تھا کہ تم آرام کرو۔

بہرحال وہ دونوں اپنی جگہ بیٹھے رہے لڑکی بھی کچھ لمحوں کے لیے خاموش ہوگئی تھی وہ لوگ بھی خاموش تھے۔ غرض یہ کہ ایک عجیب سی فضا تھی۔ پھر کچھ دیر کے بعد وہ بولی۔

''اور تم لوگ، تم نے اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔''

''ہم لوگ، مسافر ہیں اور اتنی دور سے آئے ہیں کہ بہت لمبے عرصے میں ہم نے یہ سفر کیا ہے۔''

''لیکن تم لوگ ہو کون؟''

جو بھی ہیں، ہم تیرے ہمدرد ہیں۔''

''شکریہ اے! میرے ہمدردو میں تمہاری کہانی سننے کے لیے اصرار نہیں کروں گی، لیکن اتنا تمہیں بتا دوں کہ تمہیں اس ہمدردی کا صلہ ضرور ملے گا۔'' پھر وہ خاموش ہوگئی تھی وہ دونوں بھی اسے تنہائی فراہم کر رہے تھے اور اسی لیے خاموش تھے۔ ظاہر ہے ابھی وہ اس صدمے سے باہر نہیں نکلنے پا رہی تھی۔

اس کے بعد وہ اپنے بچے کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ تب کامران نعیم خان سے مخاطب ہوا۔

''کہو نعیم خان! کیسا لگا یہ روپ تمہیں؟''

''یار زندگی واقعی میں اسی چیز کا نام ہے۔''

''کیا جیل کی سلاخوں کے پیچھے یہ سوچا تھا کہ کبھی پروفیسر سپارکو سے واسطہ پڑے گا اور اس کے ذریعے اس انوکھی دنیا میں آنے کا موقع ملے گا اور اب دیکھو اب ایک ایسی جگہ ہم لوگ موجود ہیں جس کا تصور بھی ہمارے ذہنوں میں نہیں تھا۔''

''بہرحال اب جو کچھ بھی ہے۔ فی الحال اس لڑکی کو اس کی منزل مقصود تک پہنچانا ہمارا کام ہے۔ اس کے بعد اس منحوس بوڑھے کو آواز دیں۔ اور اس سے کہیں گے کہ ہمیں اس نیلی پاتال سے باہر لے چلے۔ اس سے اچھی وہ جیل تھی کی جہاں بربریت کا ایسا عالم تو نہ تھا۔''

''ویسے نعیم خان، کچھ وقت یہاں ضرور گزارنا چاہیے۔ اماں بالکل ہی سٹھیا گئے ہو کیا؟''

''میں تمہیں ساٹھ سال کا لگتا ہوں۔''

''ہم..... ہم...... میرا مطلب ہے۔''

''کیا مطلب ہے پروفیسر سپارکن کو شاید بھول گئے ہو تم۔ کتنی بے دردی سے ہم نے اس کی گردن اتاری تھی اور جب ہم واپس اس جگہ پہنچے تھے تو۔''

نعیم خان اس منظر کو یاد کرنے لگا تھا اور پھر اس پر کپکپی طاری ہوگئی۔

''واقعی یار! جب تک وہ سپارکو نہ چاہے گا، ہم یہاں سے نہیں نکل سکتے۔ چنانچہ مجبوراً اس وقت تک ہمیں یہاں رہنا پڑے گا۔ جب تک سپارکو ہمیں واپس اپنی دنیا میں لے جائے گا۔''

پھر وہ دونوں ہی خاموش ہوگئے تھے۔ غرضیکہ وقت گزرتا رہا اور وہ وقت آ پہنچا جب انہیں یہاں سے روانہ ہونا تھا اور وہ تینوں اس غار سے نکل آئے تھے۔ پھر لڑکی نے ایک جانب رخ کیا تھا اور وہ دونوں اس کے ساتھ ساتھ چل پڑے تھے۔ بچہ لڑکی کی گود میں ہی تھا اور اس وقت جاگ رہا تھا وہ بہت ہی پیارا بچہ تھا۔

بہرحال سفر کا آغاز ہوا تھا اور ان دونوں نے خود کو تقدیر کے سہارے چھوڑ دیا۔ تقدیر ابھی نجانے کہاں کہاں لے جائے گی اور کیا کیا رنگ دیکھنے پڑیں گے۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

سفر طے ہوتا رہا۔ پہاڑی سلسلہ کافی طویل تھا۔ لیکن لڑکی کے کہنے کے مطابق یہ سفر رات کے دوران طے ہو سکتا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ دن کی روشنی میں جنگل تک پہنچ جاتے۔ سو یہی ہوا۔ سورج ابھی پوری طرح نمودار نہیں ہونے پایا تھا کہ انہوں نے کافی فاصلے پر درخت لہلہاتے ہوئے دیکھے تھے۔ ان درختوں میں انہیں ناریل کے درخت بھی نظر آئے تھے اور ہماری رفتار تیز ہوگئی تھی۔

پورے دن کے بعد کوئی کھانے کی پینے کی شے نظر آئی تھی اور اسے دیکھ کر دل بے قابو ہوگیا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ جلدی سے وہاں پہنچیں اور ان ناریلوں کو توڑ کر پیٹ کی آگ بجھائیں۔ چنانچہ وہ تینوں ہی تیزی سے دوڑنے لگے۔ بچہ اس وقت کامران کے ہاتھوں میں تھا اور وہ دوڑنے میں احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ تاکہ بچے کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ چند لمحات کے بعد وہ اس جگہ پہنچ گئے تھے۔ جہاں ناریل کے درخت موجود تھے۔ دو منٹ تک نعیم خان رکا رہا۔ پھر اس نے بندروں کی طرح درخت پر چڑھنا شروع کر دیا۔

اس کی پھرتی تو کامران جنگل میں بھی دیکھ چکا تھا اور اب پھرتی کا ایک اور مظاہرہ پھر سے سامنے تھا۔ اس نے نہایت اطمینان سے تین چار ناریل توڑ کر نیچے پھینکے تھے۔ جو توشالہ نے آگے بڑھ کر پکڑ لیے تھے۔ پھر نعیم خان نیچے اتر آیا اور کامران نے بچہ توشالہ کو دے دیا اور وہ دونوں ناریل توڑنے لگے۔ ایک ناریل توشالہ کو دیا اور دوسرے ناریل وہ دونوں لے کر بیٹھ گئے پھر پہلے ناریل کا پانی پیا گیا اور اس کے بعد گودا کھایا گیا اور کچھ دیر کے لیے ایک جگہ بیٹھ گئے۔ ایک انتہائی آرام دہ جگہ تھی اور یہاں کچھ عرصہ با آسانی گزارہ کیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ فیصلہ یہ کیا گیا کہ کچھ دیر آرام کیا جائے گا اور اس کے بعد آگے کا سفر شروع کیا جائے گا۔ نعیم خان نے کہا۔

''بے شک یہاں خطرناک جانور ضرور ہوں گے اور ہمیں ان سے بچاؤ کے لیے کیا طریقہ اختیار کرنا ہوگا؟''

''سیدھی سی بات ہے نعیم خان! جب ہم کسی جگہ قیام کے لیے رکیں گے تو ہم دونوں میں سے ایک کو پہرہ دینا ہوگا۔ بے شک ہمارے پاس کوئی ہتھیار نہیں لیکن۔''

''ہتھیار ہے۔'' لڑکی نے کہا اور دوڑ کر ایک درخت کی آڑ میں پوشیدہ ہوگئی اور جب وہ باہر آئی تو اس کے ہاتھ میں انتہائی چمکدار خنجر تھا۔ پھر وہ کہنے لگی۔

''بے شک یہ ہتھیار جانوروں سے جنگ کرنے کے لیے ناکافی ہے۔ لیکن پھر بھی ہم اس سے کئی کام لے سکتے ہیں۔ مثلاً اس کے چوڑے پھل سے درختوں کی شاخیں کاٹ کر اور انہیں نوکدار بنا کر بھالے جیسا بنا سکتے ہیں۔''

''ہاں یہ ایک اچھی ترکیب ہے۔ اور نعیم خان اب یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ دو تین مضبوط شاخیں کاٹو اور اس خنجر کی مدد سے انہیں نوکدار بنادو۔''

سو نعیم خان نے ایسا ہی کیا۔ جنگل میں کافی دور اندر چلا گیا تھا اور جب تھوڑی دیر کے بعد واپس لوٹا تو اس کے ہاتھوں میں شاخوں کا ایک گٹھر موجود تھا۔ پھر اس نے ان کی چھلائی شروع کردی اور تھوڑی ہی دیر میں چار پانچ شاخوں کو نوکدار بنا دیا تھا اور انہیں احتیاط سے سنبھال کر رکھ لیا گیا تھا۔

بہرحال فیصلہ یہ کیا گیا تھا کہ مزید ایک آدھے گھنٹے تک یہاں رکنے کے بعد آگے کا سفر شروع کریں گے۔ توشالہ کا بچہ نہ صرف خوش شکل تھا بلکہ خوش مزاج بھی معلوم ہوتا تھا اور اس پورے سفر میں اس نے انہیں تنگ نہیں کیا تھا۔ اس وقت بھی وہ درختوں پر موجود پرندوں کو دیکھ کر خوش ہو رہا تھا اور توشالہ اس کی طرف سے مطمئن تھی۔

پھر کچھ دیر بعد انہوں نے سفر کا آغاز کیا۔ طے یہ کیا گیا تھا کہ سورج غروب ہونے تک کا سفر جاری رکھا جائے گا اور اندھیرہ ہونے تک کوئی مناسب جگہ تلاش کر کے وہاں قیام کرلیا جائے گا۔ چنانچہ وہ سفر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ شام ہوگئی اور انہوں نے ایک ایسے درخت کا انتخاب کیا جو زمین سے بہت اونچا تو نہ تھا لیکن اس کی شاخیں کچھ اس طرح آپس میں جڑی ہوئی تھیں کہ ان پر با آسانی قیام کیا جاسکتا تھا۔ پھر انہوں نے پہلے توشالہ کو اوپر چڑھایا تھا۔ پھر نعیم خان اوپر چڑھا اور کامران نے بچے کو احتیاط سے اونچا کر کے

نعیم خان کو پکڑایا اور اس کے بعد میں خود بھی اوپر چڑھ گیا تھا۔ کھانے پینے کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ ظاہر ہے یہاں کئی پھل دار درخت تھے اور نعیم خان نیچے اتر کر کئی پھل توڑ لایا تھا۔ بہرحال پھل کھا کر انہوں نے پیٹ بھرا اور پھر کامران نے نعیم خان سے کہا۔

''نعیم خان! تم اور توشالہ چاہو تو بھرپور آرام کرو۔ میں جاگ رہا ہوں۔ ویسے توشالہ ہمیں مزید کتنے دن لگیں گے۔''

''بس ایک سورج اور ایک چاند اور ہمیں جنگل کے راستے میں گزارنا ہوگا اور اس کے اگلے سورج چڑھنے تک ہم چمن بستی میں ہوں گے۔''

''ایک سورج ایک چاند۔'' نعیم خان حیرانی سے بولا۔

''دنوں کا حساب ہے۔ نعیم خان۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ ہم کل بھی اپنا سفر کریں گے اور پرسوں صبح ہم لوگ چمن بستی میں ہوں گے۔''

''بالکل ٹھیک۔''

''لیکن توشالہ ایک درخواست ہے تم سے۔''

''کیا؟''

''تم بستی والوں پر یہ ظاہر نہیں کرو گی کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم اپنے طور پر کسی طرح بستی میں داخل ہوجائیں گے اور اگر ہم سے ہمارے بارے میں کوئی پوچھے گا تو ہم بھی اسے شمبا کا شکار بتادیں گے۔''

''ٹھیک ہے، جیسی تمہاری مرضی۔''

''میرا خیال ہے۔ اب تم لوگ ستا لو میں جاگ رہا ہوں۔'' پھر وہ لوگ خاموش ہوگئے تھے۔ درختوں کی جڑی ہوئی شاخوں کے درمیان یہ لوگ اطمینان سے بیٹھ گئے تھے۔ توشالہ اپنے بچے کو سینے سے چمٹائے ہوئے تھی۔ نعیم خان بھی خاموش تھا۔

پھر کچھ ہی دیر کے بعد دونوں اونگھنے لگے تھے اور کامران آہستگی کے ساتھ درخت سے نیچے اتر آیا تھا اور درخت کے نیچے ٹہلنے لگا تھا۔ پھر ایک عجیب واقعہ ہوا۔ کامران ٹہلنے کے انداز میں واپس آ رہا تھا۔ کہ اچانک ہی اسے احساس ہوا کہ اسی درخت سے کوئی چیز نیچے آگئی ہے اور کامران نے جھٹ گردن اٹھا کر اوپر دیکھا تھا۔ بچے کو نیچے کی طرف آتے ہوئے دیکھ کر اسی سیدھ میں بھاگا اور دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر آرام سے بچے کو کیچ کرلیا۔

بچہ اس آفت سے پریشان ہو کر جاگ گیا تھا اور رونے لگا تھا لیکن میں نے جلدی سے اپنے کندھے سے لگالیا اور تھوڑی سی تگ و دو کے بعد بچے کو چپ کرانے میں کامیاب ہوگیا۔ توشالہ شاید گہری نیند سوگئی تھی۔ نعیم خان بھی اپنی جگہ مست تھا اور یقیناً توشالہ کی نیند گہری ہوگئی ہوگی۔ جب ہی اس نے ہاتھ یا پاؤں ڈھیلے چھوڑ دیے اور جس کے نتیجے میں یہ بچہ نیچے آ رہا تھا۔ لیکن بس خدا کو اس بچے کی زندگی عزیز تھی۔ لہٰذا اسے خراش تک نہیں آئی تھی۔

پھر بچہ کامران کے کندھے سے سر لگائے لگائے سو گیا تھا اور کامران مزید کچھ دیر ٹہلنے کے بعد ایک جگہ بیٹھ گیا تھا۔ اسی عالم میں رات گزر گئی اور سورج کی پہلی کرن کے ساتھ ہی وہ دونوں جاگ اٹھے۔ توشالہ نے گھبراہٹ کے عالم میں اپنی گود کی طرف دیکھا اور پھر ادھر اُدھر۔ پھر اس کی نظر نیچے پڑی اور بچے کو کامران کی گود میں دیکھ کر وہ مطمئن ہو گئی۔

اس کے بعد وہ دونوں نیچے اتر آئے تھے اور توشالہ نے لپک کر بچے کو گود میں لے لیا تھا۔

"وہ دراصل تم گہری نیند سو گئی تھیں۔ چنانچہ اس خیال سے کہ کہیں بچہ نیچے نہ گر پڑے میں اسے لے کر نیچے آ گیا تھا۔"

"بھائی! آپ کا بہت بہت احسان ہے یہ واقعی۔ اگر یہ گر پڑتا تو نجانے اس کا کیا حشر ہوتا۔"

"خیر چھوڑو ان باتوں کو۔ نعیم خان!"

"لیس باس۔"

"ڈیوٹی۔"

"باس پانچ منٹ درکار، ابھی ذخیرہ کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر نعیم خان جنگل میں ایک سمت دوڑ گیا اور پانچ منٹ میں اس نے کئی طرح کے پھل جمع کر لیے تھے۔ ویسے نعیم خان واقعی بہت پھرتیلا تھا اور اس کا مظاہرہ میں کئی مرتبہ دیکھ چکا تھا۔

بہر حال انہوں نے پھلوں کا ناشتا کیا اور اس کے بعد سفر کا آغاز کر دیا۔ پھر دوسرا دن اور دوسری رات بھی گزر گئی۔ تیسرے دن بھی انہوں نے سفر جاری رکھا اور اس وقت جب سورج پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا تھا۔ انہیں ایک بستی کے آثار نظر آنے لگے۔ لکڑی کے بنے ہوئے چھوٹے بڑے مکان اور ان مکانوں کے درمیان لوگ آ جا رہے تھے۔ وہ لوگ اپنی جگہ پر ٹھہر گئے تھے۔ توشالہ کہنے لگی۔

"تھوڑی دور چل کر بستی کا بڑا دروازہ آ جاتا ہے۔ اس بڑے دروازے سے اندر داخل ہو کر بستی میں کہیں بھی جا سکتے ہیں۔"

"توشالہ! کیا ایسا ممکن نہیں کہ ہم اس بڑے دروازے کے بجائے اور کسی جگہ سے اس بستی میں داخل ہوں۔"

"بستی کے چاروں طرف ایک دیوار سی بنی ہے۔ لیکن اس دیوار کو پار کیا جا سکتا ہے۔"

"کس طرح؟" نعیم خان نے کہا۔

"بھئی زیادہ تر علاقہ جنگل پر مشتمل ہے اور ظاہر ہے جب بستی کے آس پاس درخت نظر آ رہے ہیں۔ تو درخت [illegible] کر دوسری طرف کودا جا سکتا ہے۔" کامران نے کہا۔

"ہاں...... بالکل ٹھیک ہے۔" توشالہ نے تائید کی تھی۔ پھر وہ کہنے لگی۔ "اور میرے بھائیو! میں تمہاری بے حد شکر گزار ہوں کہ تم نے اس سفر میں میری بھرپور مدد کی۔ میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔ اور ہاں ایک اور بات اور۔"

"کیا؟" نعیم خان نے پوچھا۔

"یوں تو بستی میں تم اپنے طریقے سے داخل ہو گے لیکن خدانخواستہ اگر کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ تو شیراک کا نام بے دھڑک لے لینا اور کہنا کہ تم اس کے مہمان ہو۔ اصل میں شیراک اسی بستی کا بہت معزز آدمی ہے اور میرے ماں باپ کا احسان مند۔ کیوں کہ میرے ماں باپ نے ایک مرتبہ اس کی جان بچائی تھی اور اب میں اسی کے پاس رہوں گی اور اسے تمہارے بارے میں سب کچھ بتا دوں گی۔ چنانچہ کوئی بھی افتاد پڑے تو تم بلا جھجک شیراک کے پاس چلے آنا۔"

"ٹھیک ہے۔ تمہاری بہت مہربانی۔" کامران نے کہا۔

بہر حال لڑکی نے گلوگیر آواز میں ان کا شکریہ ادا کیا اور پھر بچے کو سینے سے لگائے اس طرف چل پڑی تھی جہاں بستی کا دروازہ موجود تھا۔ وہ دونوں اپنی جگہ کھڑے اسے جاتے دیکھتے رہے تھے۔ پھر کامران نے نعیم خان کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کہو نعیم خان کیا خیال ہے۔ بستی کو اندر سے دیکھا جائے۔"

"ہاں، کوئی حرج نہیں ہے اور ظاہر ہے خطرے کی کوئی بات بھی نہیں ہے۔"

"لیکن ٹھہرو۔"

"کیا ہوا؟"

"اگر ہم توشالہ کے ساتھ ہی بستی میں داخل ہوں تو کیا حرج ہے۔ ظاہر ہے یوں بھی ہم توشالہ کے ساتھ تو نہیں رہیں گے، تو پھر کیوں نہ ہم بستی میں بھی اس کے ساتھ داخل ہوں اور شیراک پر بھی اپنا تاثر قائم کریں۔"

"یہ بات تو ہے۔ پھر اب کیا کریں؟"

"توشالہ کو روکو۔ وہ زیادہ دور نہیں گئی ہے۔ دیکھو وہ جا رہی ہے۔" کامران نے کہا اور نعیم خان پاگلوں کی طرح دوڑنے لگا۔ آن کی آن میں اس نے توشالہ کو جا لیا۔ توشالہ چونک کر اسے دیکھنے لگی اور پھر بولی۔

"خیر تو ہے میرے بھائی، کیا بات؟"

"توشالہ ہم بہت سی ایسی باتیں نہیں کر سکے ہیں جو کرنا چاہتے تھے کچھ ایسا ذہن الجھا ہے کہ ہم ان باتوں کی طرف توجہ ہی نہیں دے سکے۔" توشالہ نہ سمجھنے والے انداز میں نعیم خان کو دیکھتی رہی، میں بھی قریب ہی پہنچ گیا تھا۔ کامران نے کہا۔

"اصل میں ہم ان علاقوں میں اجنبی ہیں۔ ہم اپنے آپ کو پوشیدہ تو کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد صورت حال بہت مختلف ہو جائے گی اور ہم آگے کے سفر سے محروم رہیں گے۔"

"میرے بھائیو! تم سے جدا ہونے کو تو میرا دل بھی نہیں چاہتا لیکن میں بے یار و مددگار تمہیں رکنے کی دعوت کیا دیتی۔ بے شک شیراک بہت اچھا انسان ہے لیکن پھر بھی کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"ہمیں صرف اتنی مہلت درکار ہے۔ کہ ہم یہاں کے نقشوں سے واقفیت حاصل کر لیں۔"

"میرا خیال ہے۔ شیراک اتنا اچھا انسان تو ہے کہ صورت حال کو سمجھ کر تمہاری مدد کرے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بستی میں داخل ہوتے ہی اس بستی کے لوگوں نے توشالہ کو اور انہیں اس طرح تپاک سے

ہاتھوں ہاتھ لیا تھا کہ وہ خود حیران رہ گئے تھے لیکن جب ہر شخص کی پیشکش کو ٹھکرا کر توشالہ نے شیراک کے آگے سر جھکایا تو شیراک نے اس کا سر اپنے چوڑے سینے سے لگا لیا اور بولا۔

"مجھے تیری بستی کی مکمل داستان معلوم ہے توشالہ آہ۔ کاش میں بے بس انسان کوئی ایسا ذریعہ حاصل کر سکتا۔ جس سے تیری اور بستی والوں کی مدد ہو سکتی۔ لیکن تقدیر نے کچھ ذمہ داریاں میرے سپرد کی ہیں۔ تو بھی آ گئی ہے۔ اس سے اچھی تو اور کوئی بات نہیں ہے۔" شیراک اپنی آبادی میں صاحب ثروت انسان تھا اور اس کی بہت سی زمینیں وہاں موجود تھیں۔

چنانچہ وہ ایک خوشحال حیثیت رکھتا تھا اور اس نے ان سب کی بہترین خاطر مدارات کی۔ اس خاطر مدارات سے فارغ ہو کر توشالہ نے سسکیاں بھرتے ہوئے شیراک کو اپنی کہانی سنانا چاہی تو شیراک نے کہا۔

"نہیں توشالہ مجھے ان دردناک لمحات کے بارے میں کچھ نہ بتا۔ آ میں تجھے دکھاؤں کہ میں کیسے کرب سے گزر رہا ہوں۔" اور پھر شیراک ان لوگوں کو جہاں لے گیا وہ ایک تہ خانہ تھا۔ اس تہ خانے میں بلبز وغیرہ لگے ہوئے تھے۔ ان میں سے دو بستروں پر دو قوی ہیکل جوان آنکھیں بند کیے ہوئے دراز تھے۔ توشالہ نے ایک لمحے میں انہیں پہچان لیا۔ ان میں سے ایک جیوا تھا اور دوسرا اس کا بھائی شبان تھا۔ توشالہ کے منہ سے دکھ بھری آواز نکلی۔

"یہ دونوں ...... آہ ...... یہ دونوں ہماری بستی کے قابل فخر نوجوان۔"

"ہاں بیٹھو میں تمہیں ان کی کہانی سناتا ہوں۔" شیراک نے کہا اور پھر کچھ لمحے تک جیسے وہ اپنے ذہن میں اس کہانی کو مربوط کرتا رہا اس کے بعد غمزدہ آواز میں بولا۔

"اس وقت شمبا۔ شیطان صفت شمبا بستی میں قہر و غضب کے طوفان برپا کر رہا تھا۔ بستی کے ایک بہت بڑے لیکن تاریک مکان میں ایک عمر رسیدہ بوڑھا ایک بستر پر بیٹھا ہوا اپنے سامنے موجود خوبصورت نوجوانوں کو دیکھ رہا تھا۔ جو اس کے پوتے تھے۔ بوڑھا اپنے بیٹے کی موت کے بعد ان دونوں پوتوں کو اپنے سینے پر لگے ہوئے زخموں میں سموئے ہوئے تھا۔ بوڑھے کی بیوی اس کے گھر میں ہی تھی اور اس کی بہو بھی۔ یعنی ان بیٹوں کی ماں۔ یہ خاندان صرف چار افراد پر مشتمل تھا۔ بوڑھے کے پوتے بہت ہی چاق و چوبند اور توانا تھے۔ ان دونوں جوانوں کے علاوہ بوڑھے کی اور کوئی کمائی نہیں تھی۔ اور اس نے ان کی بہترین پرورش کی تھی۔

دونوں ہی چاق و چوبند، پھرتیلے اور بہت ہی خوش مزاج انسان تھے۔ لیکن اس وقت سب پر شمبا کی صورت میں تباہی نازل تھی۔ پھر بوڑھا ان دونوں جوانوں سے مخاطب ہوا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم دونوں کی رگوں میں بجلیاں بھری ہوئی ہیں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تم ہر کام کرنے کے قابل ہو۔ لیکن میرے بچو! یوں سمجھ لو کہ اس دنیا میں میرا تمہارے سوا اور کون ہے۔ تمہیں کھونے کے بعد میرے پاس جینے کے لیے اور کچھ نہیں ہوگا۔ خیر میری تو زندگی ہی کیا۔ میں تو اپنے آپ کو کسی کے بدلے موت کے لیے بھی پیش کر سکتا ہوں۔ لیکن اصل مسئلہ تمہاری ماں کا ہے۔"

"بابا! تو نے ہمیں جو تربیت اور طاقت بخشی ہے۔ وہ اس قدر ناکارہ نہیں کہ جو ذمے داری ہم نے اپنے کاندھوں پر لی ہے۔ اسے پورا نہ کر سکیں۔"

"تم دونوں ٹھیک کہتے ہو۔ لیکن میں اپنے اس کمبخت دل کو کیا کہوں۔ پوری بستی خوف کا شکار ہے اور ہر شخص عقل سے کام لینا چھوڑ چکا ہے۔ اس وقت بھلا کون ہے۔ جو منصوبہ بندی کر سکے۔ ان حالات میں میرے بچو ...... میں تمہیں اس کی اجازت کیسے دوں؟"

"دیکھ رہے ہو بابا اس کمینے شمبا نے بستی میں کیا اندھیر مچا رکھا ہے۔ کیا کہا جا سکتا ہے کل کا دن کیا ہو اور وہ کون سا نیا حکم دے دے۔ ہمیں بستی کے لوگوں کے لیے کچھ نہ کچھ ہاتھ پاؤں ہلانا چاہیے۔ ورنہ بعد میں ہمارے بارے میں بھی حکم صادر ہو سکتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تاخیر کی صورت میں صرف پچھتاوے رہ جائیں۔"

"میں تم دونوں سے پوری طرح اتفاق کرتا ہوں۔ میرے بچو! اپنی ماں سے اجازت لے لو۔ وہ کیا کہتی ہے۔" عورت نے گردن اٹھا کر جذباتی نگاہوں سے اپنے دونوں بیٹوں کو دیکھا اور بولی۔

"اگر میرے دونوں بیٹے بستی کمالیہ میں کام آ سکتے ہیں تو میں سمجھوں گی کہ میں نے اپنا فرض پورا کر دیا۔"

"آفرین ہے تجھ پر بہو ...... آفرین ہے۔"

"تو پھر بابا ہمیں اجازت دو۔"

"ٹھیک ہے تم لوگ جاؤ۔ گو کہ تجویز تم لوگوں نے پیش کی ہے۔ اس میں جتنے خطرات ہیں اس کا مجھے اندازہ ہے۔ جس زمین دوز راستے سے تم بستی سے باہر نکلنا چاہتے ہو۔ یہ بارش میں شہر میں جمع ہونے والے پانی کو نکالنے کے لیے بنایا گیا ہے۔ اس میں برسوں سے غلاظت بہتی ہے۔ اور غلاظت ایسی بدبو دار ہوا پیدا کرتی ہے۔ جو انسانی زندگی کے لیے مہلک ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ اس زمین دوز گزرگاہ میں حشرات الارض بھی ملیں گے اور تمہارا وہاں سے گزرنا بے حد مشکل ہوگا۔"

"ہم کسی کام کے لیے نہیں جا رہے ہیں بابا۔ ہمیں خوفزدہ نہ کرو۔ ہم ہر قسم کی دشواریوں سے گزر جائیں گے۔ عزم پختہ ہوں تو راستے رب عظیم صاف کر دیتا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ بچو رب عظیم تمہارا ساتھ دے میں تمہیں دعاؤں کے علاوہ اور کیا دے سکتا ہوں۔"

دونوں بھائیوں نے خوش ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا اور جیوا نے شبان سے ہاتھ ملایا اور اس کے بعد دو بوڑھے اور اپنی ماں کے قریب آ گئے۔ دونوں نے ان کی پیشانیاں چومیں۔ ماں کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر رخساروں تک آ گئے تھے۔ جیوا نے کہا۔

"نہیں ماں ...... بہادر بیٹوں کی مائیں انہیں مسکرا کر رخصت کرتی ہیں ہم کوئی شکار کرنے نہیں جا رہے بلکہ بستی کمالیہ کو بچانے کے لیے ایک کوشش کر رہے ہیں۔ شاید ہماری یہ کوشش کارگر ہو جائے۔"

"تم سب سے قریبی بستی جاؤ گے۔ بستی کے سردار کو ساری صورت حال بتا کر اس سے مشورہ لینا کہ کیا کیا جائے؟ صرف ایک بستی کے لوگ اس مصیبت پر قابو پانے میں ناکام رہیں تو کسی دوسری بستی کا رخ کرنا۔ دنیا میں ایسی بہت سی غیرت مند بستیاں موجود ہیں۔ جو مصیبت میں پھنسے ہوؤں کی مدد بھی کرتی ہیں۔"

"ہمارا انتظار کرنا بابا۔ ہم واپس آئیں گے۔ ہم ضرور واپس آئیں گے۔" شبان نے کہا اور اس کے بعد دونوں وہاں سے رخصت ہو گئے۔ شاید یہاں سے روانگی کی تیاریاں وہ پہلے ہی کر چکے تھے۔ چنانچہ دونوں نے اپنے اپنے تھیلے اپنے شانوں سے باندھے اور ایسے لباس استعمال کیے جو ان کے راستے میں

رکاوٹ نہ ثابت ہوں۔"

اب گھر سے نکل کر اس جگہ تک جانے کا مسئلہ تھا۔ جہاں زمین دوز راستہ جو گندے پانی کی گزرگاہ تھی۔ شروع ہوتا تھا۔ رات کی تاریکی میں وہ صرف چھپکلیوں کی طرح زمین پر رینگتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ جہاں کہیں بھی آہٹ محسوس ہوتی وہ رک جاتے تھے زمین دوز گزرگاہ کا فاصلہ ان کے گھر سے بہت زیادہ نہیں تھا۔ بس ایک چھوٹا سا راستہ عبور کرنا ہوتا تھا۔ لیکن اس راستے کو عبور کرنے میں کافی وقت لگ گیا۔

چونکہ دشمن شیطان کے جگہ جگہ اپنے گھوڑوں پر سوار گردش کرتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ اس زمین دوز راستے کے دہانے تک پہنچ گئے یہ دہانہ کھلا ہوا تھا اور گندا پانی اس وقت یہاں موجود نہیں تھا۔ کیونکہ وہ صرف برساتی پانی کی نکاسی کے لیے استعمال ہوتا تھا۔

دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور دونوں دہانے میں سے نیچے اتر گئے۔ بوڑھے نے درست کہا تھا۔ یہاں شدید بدبو پھیلی ہوئی تھی۔ لیکن ایک بڑی مشکل کو ٹالنے کے لیے چھوٹی تکلیفیں برداشت کرنا ہی ہوں گی۔ انہوں نے اپنے چہروں پر کپڑا لپیٹ لیا اور دونوں تاریکی میں آگے بڑھنے لگے۔ ان کے چلنے کی رفتار بے حد سست تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ زمین کے نیچے دور تک نکل آئے۔ شدید بدبو سے دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ سانس لینے میں بھی دشواری ہو رہی تھی۔

جسم پسینہ پسینہ ہو گئے تھے۔ لیکن دونوں آگے بڑھتے رہے تھے۔ اور انہیں جب یہ احساس ہو گیا کہ وہ دہانہ بہت پیچھے رہ گیا ہے اور اگر وہ یہاں روشنی کر لیں تو انہیں آگے بڑھنے میں کوئی وقت نہیں ہوگی اور اس روشنی میں انہیں نہیں دیکھا جا سکتا۔ تو دونوں نے اپنے جسم پر بندھے ہوئے تھیلوں میں ہاتھ ڈال کر چربی اور پلور کے بنے ہوئے چراغ نکال لیے جنہیں روشن کر کے روشنی حاصل کی جا سکتی تھی۔ چراغوں نے ان کے راستے آسان بنا دیے تھے۔ اور شاید تقدیر ان کی مدد پر آمادہ تھی۔

کیونکہ چند ہی گز کے فاصلے پر انہوں نے ایک کالے رنگ کے ناگ کو اپنے راستے میں حائل دیکھا اگر چراغ روشن نہ کرتے تو اس ناگ کے قریب سے گزرنا پڑتا اور اس وقت نہیں کہا جا سکتا تھا کہ موذی جانور ان کے ساتھ کیا سلوک کرتا۔ لیکن روشنی ہوتے ہی سانپ کی تیز پھنکار گونجی تھی اور دونوں ٹھٹھک کر رک گئے تھے۔ تب جیوا نے خنجر ہاتھ میں لے لیا اور اسے نوک کی طرف سے پکڑ کر سانپ کا جائزہ لینے لگا۔ شبان نے آہستہ سے کہا۔

"نشانہ خطا نہیں ہونا چاہیے۔" جیوا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ بہترین نشانہ باز تھا۔ اور چاقو پھینک کر مارنے میں وہ اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا۔ اس نے سانپ کے پھن کا نشانہ لیا اور دوسرے ہی لمحے اس کے ہاتھ سے نکلنے والا چاقو سانپ کے پھن میں ترازو ہو گیا۔ موذی جانور زمین پر لوٹ پوٹ ہونے لگا۔ اور وہ مدھم روشنی میں اس کا جائزہ لیتے رہے۔ پھر جب انہوں نے محسوس کیا کہ سانپ کا جسم ٹھنڈا ہو چکا ہے تو آگے بڑھے اور جیوا نے اپنا چاقو سانپ کے پھن سے نکال کر چاقو کو صاف کر کے دوبارہ اپنے لباس میں رکھ لیا۔

اس کے بعد مدھم روشنی میں وہ دونوں آگے بڑھتے رہے ان کی حالت خراب ہوتی جا رہی تھی۔ لیکن وہ دونوں آگے بڑھتے رہے۔ لیکن دونوں جانتے تھے جس مقصد کے لیے انہوں نے یہ سفر اختیار کیا ہے وہ بہت سے لوگوں کی زندگی کا باعث بن سکتا ہے۔

چنانچہ اپنی تمام تر قوت برداشت سے کام لیتے ہوئے وہ آگے بڑھ رہے تھے۔ بالآخر انہیں اس طویل ترین راستے کا دوسرا سرا نظر آ گیا اور ٹھنڈی ہوا کے جھونکے اندر آنے لگے۔ دونوں نے فوراً ہی روشنیاں بجھا دی تھیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ دشمن یہاں موجود ہے یا نہیں تاہم ان کا خیال تو رکھنا ہی تھا۔

دونوں کافی دیر تک وہاں رک کر باہر ہونے والی آہٹوں کا جائزہ لیتے رہے۔ اور پھر انہوں نے کوئی آہٹ نہ پائی۔ تو جیوا نے شبان کے شانوں پر چڑھ کر اوپر قدم رکھا اور باہر کا جائزہ لینے کے بعد دونوں ہاتھ سوراخ پر ٹکا کر اوپر آ گیا۔ پھر اس نے شبان کو بھی اوپر کھینچ لیا اور دونوں بھائی سیدھے کھڑے ہو کر اپنے چہرے سے کپڑے اتارنے لگے۔ اور پھر تازہ ہوا میں گہری گہری سانسیں لینے سے ان کی حالت بہتر ہو گئی۔ اس سفر کے بعد نجانے کیوں انہیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ اب وہ اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کر لیں گے۔

لیکن آگے کا سفر اتنا آسان نہیں تھا۔ بستی کے چاروں طرف محافظ اپنے گھوڑوں پر سوار گشت کرتے پھرتے تھے یہ اندازہ لگانے کے لیے کہ یہاں سے کوئی باہر تو نہیں جا رہا۔ ویسے تو آس پاس کسی کی موجودگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

انہوں نے سمت کا تعین کر کے آگے بڑھنا شروع کر دیا تھا۔ چھوٹے بڑے ٹیلے ان کو چھپانے میں معاون ثابت ہو رہے تھے یوں بھی آسمان کہر آلود ہو رہا تھا۔ اور روشنی زمین تک نہ پہنچ رہی تھی۔ جس کی وجہ سے چاروں طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ لیکن جو لوگ تاریکی میں دیر تک موجود رہے ہوں وہ کم از کم اس تاریکی میں مدھم سایوں کی موجودگی کا اندازہ ضرور لگا سکتے تھے۔

انہیں ابھی آگے بڑھتے ہوئے زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ دفعتاً ہی گھوڑوں کی ہنہناہٹ ان کے کانوں میں گونجی اور دونوں کے بدن میں سرد لہریں دوڑنے لگیں۔ آواز جہاں سے آئی تھی وہاں سے ان کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ اتفاق کی بات یہ تھی کہ قرب و جوار میں کوئی ایسا ٹیلہ بھی نہیں تھا۔ جس کے عقب میں پوشیدہ ہوا جا سکتا تھا۔ دونوں پھرتی سے زمین پر لیٹ گئے اس وقت اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ کار نہیں تھا گھوڑوں کی آوازیں دوبارہ گونجیں اور انہوں نے ان کی سمت کا اندازہ لگایا۔ ایک اونچا ٹیلہ ان سے کافی دور موجود تھا۔

یقیناً گھوڑوں کی آوازیں اسی ٹیلے کے عقب سے آئی تھیں وہ زمین پر سانسیں روکے لیٹے رہے۔ ان کی نظریں ٹیلے کا طواف کرتی رہیں۔ گھڑ سوار ٹیلے کے عقب سے برآمد نہ ہوئے۔ جس سے اس بات کا پتہ چلتا تھا کہ وہ وہاں رکے ہوئے ہیں کچھ دیر بعد شبان نے سرگوشی کی۔

"اب کیا کیا جائے۔ وہ ہمیں یہاں سے آگے بڑھتے ہوئے دیکھ سکتے ہیں اور ان سے بچ کر آگے نکل جانے کا کوئی راستہ بھی نہیں ہے۔"

"اس کے علاوہ کوئی اور چارہ کار نہیں کہ ہم انہیں ختم کر دیں۔" جیوا نفرت بھرے لہجے میں بولا۔

"ان کی تعداد کا اندازہ نہیں ہے۔"

"وہ کتنے بھی ہوں۔ ہم ضرور انہیں ختم کر دیں گے۔ تو بے فکر رہ شبان میرا کلہاڑہ ان سب کا خون

چاٹ لے گا۔ اگر ہم اس کوشش میں مر بھی گئے تو برا نہ ہوگا۔ یہ سب ہماری بستی کے لوگوں کے قاتل ہیں۔"

"تو پھر دیر کرنا بے کار ہے۔" شبان بھی پرجوش ہوگیا۔ دونوں نے اپنی کمر سے بندھے ہوئے کلہاڑے سنبھالے اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ البتہ ٹیلے تک پہنچتے ہوئے انہوں نے قدموں کی آوازیں نہیں پیدا ہونے دی تھیں۔ ٹیلے کے عقب میں ان کی خوش قسمتی سے صرف دو محافظ موجود تھے جنہوں نے اپنے آہنی لباس خود اتارے ہوئے تھے اور ٹیلے سے کمر لگائے آرام کر رہے تھے۔ ان سے کچھ فاصلے پر ان کے گھوڑے ہوشیار معلوم ہوتے تھے۔ اور کسی اجنبی کی موجودگی کا احساس کر کے کنوتیاں بدل رہے تھے۔

شبان اور جیوا ان پر موت بن کر جھپٹے اور ان کے وزنی کلہاڑے ان کی کھوپڑی کی ہڈیاں کاٹتے ہوئے گردن میں اتر گئے۔ ان میں سے ایک آخری چیخ ابھری۔ اور فضا میں گردش کرنے لگی۔ شبان اور جیوا نے ہوشیار جنگجوؤں کی مانند سب سے پہلے ان کے ہتھیاروں پر ہاتھ ڈالے اور ان کی بندوقیں قبضے میں کر لیں۔ ان کے کارتوس اپنی تحویل میں لے کر وہ گھوڑوں کی طرف بڑھے اور اچھل کر ان پر سوار ہوگئے۔ لیکن شاید کچھ اور محافظ آس پاس موجود تھے۔ اور شاید کسی وجہ سے ان کی طرف متوجہ بھی ہوگئے تھے کیونکہ دوسرے لیے کئی فائر ہوئے اور گولیاں ان کے آس پاس سے نکل گئیں۔ انہوں نے سوچا تھا کہ اب انہیں آسانی ہو جائے گی۔ لیکن گھوڑوں کی پشت پر سوار ہوتے ہی ان پر گولیوں کی بارش شروع ہوگئی تھی۔

اس کا قطعی موقع نہیں تھا۔ کہ رک کر جوابی فائر کیے جاتے محافظوں کی سمت کا بھی اندازہ نہیں ہو سکا تھا بے تحاشہ گھوڑے دوڑ رہے تھے۔ لیکن محافظ تعداد میں کافی معلوم ہوتے تھے اور چاروں طرف سے ان پر یلغار کر رہے تھے۔ گولیوں کی بارش سے اندازہ ہوتا تھا کہ دونوں پوری طرح ان کی نگاہوں میں ہیں اور وہ بخوبی یہ بات جانتے تھے کہ بھاگنے والے ان کے ساتھیوں میں سے نہیں ہیں۔ جس سمت شبان اور جیوا کو سفر کرنا تھا۔ وہ اب نگاہوں سے اوجھل ہوگئی تھی۔

فی الحال ان گولیوں سے بچنے کے لیے وہ بے تحاشا گھوڑے دوڑا رہے تھے اور سمت کا تعین کھو بیٹھے۔ اس وقت نہایت مخدوش حالت پیدا ہوگئی تھی۔ انہیں کافی تشویش لگی ہوئی تھی دونوں بھائیوں کو ایک دوسرے کا خیال بھی تھا۔ گھوڑے اس وقت بلندیوں کو عبور کر رہے تھے۔ اور ان کی رفتار سست ہوگئی تھی۔ جبکہ حملہ آور ابھی میدانوں ہی میں تھے اور ان کے قریب پہنچنے کی رفتار زیادہ تیز تھی۔ پھر ایک گولی نے شبان کے گھوڑے کے پاؤں کو زخمی کر دیا۔ گھوڑا لڑکھڑاتا ہوا سر کے بل آ رہا۔ شبان اگر ایک ہوشیار گھڑسوار نہ ہوتا تو سنگلاخ چٹانوں پر گر کر اس کا بھیجا باہر نکل آتا۔ اور اعضا ٹوٹ پھوٹ جاتے۔

لیکن جیسے ہی گھوڑا زمین بوس ہونے لگا اس نے گھوڑے کی پشت سے چھلانگ لگا دی۔ گھوڑا ڈھلان پر دور تک لڑھکتا چلا گیا اور شبان نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔

جیوا نے اپنے گھوڑے کی لگامیں کھینچ لیں۔ گردن گھما کر شبان کی جانب دیکھا اور پھر صورت حال کی نزاکت محسوس کر کے زندگی کی پرواہ کیے بغیر واپس لوٹا۔ شبان کا گھوڑا تو کافی دور جا چکا تھا اور زمین پر ایڑیاں رگڑ رہا تھا۔ جیوا نے اپنے گھوڑے کو شبان کے قریب لا کر اپنا ہاتھ سہارے کے لیے پیش کیا اور دوسرے

ہی لمحے شبان کو اپنے گھوڑے پر سوار کر لیا۔ خود جیوا کا گھوڑا بھی بدحواس ہو رہا تھا اور آس پاس سے نکلتے ہوئے دہکتے انگاروں سے خوفزدہ ہو رہا تھا۔ پھر دو سوار اس کی پشت پر آ گئے تھے۔ چنانچہ وہ بری طرح بدکنے لگا۔

شبان نے سرسراتے لہجے میں کہا۔

"یہ بلندیاں اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو آگے جا کر ختم ہو جائیں گی ہمارے پاس راہ فرار نہیں ہے۔ ان لوگوں نے ہمیں گھیر لیا ہے۔"

"یوں لگتا ہے جیسے ہم دریائے نیل کی طرف جا رہے ہیں۔"

"میرا بھی یہی اندازہ ہے۔"

"مگر اس طرف سے تو ہمارے لیے فرار کا کوئی راستہ نہیں ہے۔"

"ہاں..... ایسا ہی ہے۔" جیوا نے سرد لہجے میں کہا اور اس دوران میں محافظ انہیں تین سمت سے گھیرے ہوئے مسلسل ان کے پیچھے آ رہے تھے اور اب انہوں نے یہ بلندیاں طے کرنا شروع کر دی تھیں۔ گھوڑا مسلسل آگے بڑھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ پہاڑی کٹاؤ سامنے آ گیا۔ جس کے آگے راستہ مسدود تھا اور نشیب میں دریائے نیل بہہ رہا تھا۔ پہاڑی چٹانوں سے سر ٹکراتے ہوئے وہ ہولناک آوازیں پیدا کر رہا تھا۔ یہ دریا اس علاقے کا سب سے بڑا دریا کہلاتا تھا اور اسے مقامی زبان میں برف کا دریا کہا جاتا تھا۔ پہاڑوں سے پگھلنے والی برف سے یہ دریا بنا تھا اور اس کا پانی اتنا سرد ہوتا تھا کہ اطراف میں اس سرد پانی کی وجہ سے موسم ہمیشہ سرد رہتا تھا۔

اس دریا میں کودنا ہی موت کو آواز دینا تھا۔ لیکن موت کی آوازیں چاروں طرف سے ابھر رہی تھیں کہ دہکتے ہوئے انگارے ان کے جسموں کو چھو لیں اور وہ بے جان ہو جائیں۔ گھوڑے نے ہنہنا کر واپس پلٹنے کی کوشش کی تو دونوں اس کی پشت سے کود گئے وحشی جانور یہاں آ کر پوری طرح بدک گیا تھا۔ کیونکہ اس نے بھی اپنے سامنے موت کو دیکھ لیا تھا۔ شبان نے جیوا کو دیکھا۔ جیوا نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"اب اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ ہم دریا میں چھلانگ لگا دیں۔" شبان نے گہری سانس لی اور بولا۔

"رب عظیم کی یہی مرضی ہے تو یہی سہی۔ یہاں سے کسی سمت نکلنا یا اپنے آپ کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا ہمارے لیے ناممکن ہے۔"

"ہاں اگر ہم نے اپنے آپ کو زندہ رکھنے کے لیے ان کی تحویل میں دے دیا۔ تو ہم سے وہ ہمارے خاندان کے بارے میں پوچھیں گے اور اس کے بعد ہمارے ماں اور باپ زندہ نہ رہ سکیں گے۔"

"نہیں..... ہم ان کے لیے بدنامی کا باعث یا موت کا سبب نہیں بنیں گے۔ شبان نے کہا اور دونوں بھائیوں نے متفق ہو کر دریا کے کٹاؤ سے نیچے چھلانگیں لگا دیں۔ ان کے جسم یخ بستہ ہواؤں کو چیرتے ہوئے گہرے پانیوں کی جانب سفر کر رہے تھے۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

شیراک انہیں یہ کہانی سنا رہا تھا اور وہ حیران نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ یقین نہیں

آتا تھا کہ وہ ان پراسرار داستانوں کے ساتھی بن گئے ہیں۔ بھلا ان کا اس انوکھی دنیا سے کیا تعلق۔ نجانے کمبخت سپارکو نے کہاں لا پھینکا تھا۔ جو کچھ نظر آ رہا تھا۔ اسے دیکھ دیکھ کر دل و دماغ دہشت کا شکار ہو رہے تھے۔ کامران کو سب سے زیادہ نعیم خان پر حیرت تھی۔ کامران کی فطرت تو بہت حد تک تبدیل ہو چکی تھی اور وہ ہر طرح کی صورت حال برداشت کرنے کا عادی ہو چکا تھا۔ لیکن نعیم خان جس پامردی سے ان تمام حالات کا مقابلہ کر رہا تھا اس پر کامران کو حیرت تھی۔ بلکہ وہ تو یہ محسوس کر رہا تھا۔ کہ نعیم خان اس سے زیادہ مستعد ہے۔ اور اس تمام صورت حال سے نمٹنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اس کے بعد کامران شیراک سے متاثر تھا۔ جو بستی کمالیہ کی کہانی اس طرح سنا رہا تھا کہ جیسے وہ اس کی بستی کی کہانی ہو۔ شمبا نے کمالیہ کو جس طرح تباہ کیا تھا۔ وہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور اس کے بعد اس بات کی یقینی وضاحت ہو جاتی تھی کہ آنے والے وقت میں بگڑا ہوا سانڈ یا بھوکا شیر کسی بھی جانب رخ کر سکتا ہے۔ چھوٹے آدمی کو جب طاقت مل جاتی ہے تو وہ ہر شخص کے لیے خطرناک ثابت ہوتی ہے۔ اگر وہ کوئی صاحب ظرف ہوتا اور اس بات کا خیال کرتا کہ ماضی میں اس کے ساتھ رحم اور انصاف سے کام لیا گیا ہو تو شاید اس سے خطرہ محسوس نہ کیا جاتا۔

لیکن اب تو نجانے کون کون سی بستیاں شمبا کے غیظ و غضب کا شکار ہونے والی تھیں۔ بہر حال اس وقت بات صرف کمالیہ کی ہو رہی تھی۔ شیراک نے کہانی کو آگے بڑھاتے ہوئے کہا اور شمبا کو اپنے ان دو ساتھیوں کی صورت میں جرمن جنہیں باہر جانے والے راستے پر کلہاڑوں سے قتل کر دیا گیا تھا اور یہ بات مل ہو گئی کہ کچھ لوگ یقینی طور پر کمالیہ سے باہر نکلنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ چنانچہ اس نے اپنے ساتھیوں کو بلا کر غضبناک لہجہ میں کہا۔

”کون یہاں سے باہر نکلا ہے؟ اس کے بارے میں مجھے مکمل طور پر معلومات درکار ہیں اور اگر یہ معلومات مجھے چند لمحوں کے اندر فراہم نہ کر دی گئیں تو سمجھ لینا کہ تم لوگوں کی زندگی بھی خطرے میں پڑ جائے گی اور شمبا کے آدمی جانتے تھے کہ شمبا اگر کوئی بات کہہ دیتا ہے۔ تو اسے پورا کرنے کے لیے یقینی طور پر عمل کر ڈالتا ہے۔ چنانچہ وہ قہر اور غضب بن کر بستی والوں پر ٹوٹ پڑے اور ان محافظوں نے پوری بستی کو اپنے گھوڑوں کے پیروں تلے روند ڈالا۔ جو بستی کے ایک ایک شخص کو پیغام دے رہے تھے۔ وہ کہہ رہے تھے۔

”بستی والو تم میں سے ہر شخص اس میدان میں جمع ہو جائے۔ جو مشرقی کنارے پر وسعتوں میں پھیلا ہوا ہے۔ ہر خاندان الگ الگ ڈیرہ ڈالے اور اگر اس حکم کی تعمیل نہ کی گئی تو شمبا کے حکم پر شام تک بستی میں قتل عام شروع ہو جائے گا۔ بے چارے بستی والے ہر لمحہ ایک نئی مصیبت کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ اس نئے حکم پر لرز اٹھے۔

عام خیال یہی تھا کہ وہاں میدان عظیم میں انہیں قتل کر دیا جائے گا اور اگر قتل نہیں کیا جائے گا تو پھر اس طرح اس میدان میں جمع ہونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ بہر حال جب سورج بلندی پر پہنچا تو پورا میدان کمالیہ کے بے یار و مددگار انسانوں سے بھر چکا تھا۔ اور شمبا کے لڑاکے ان کی ترتیب کر رہے تھے۔ ہر خاندان کو تھوڑے تھوڑے فاصلے پر جمع کیا گیا تھا۔ بوڑھے بچے اور عورتیں تک بے گھر ہو کر

یہاں آ گئے تھے۔ ان کے ہونٹوں سے آہیں نکل رہی تھیں۔ لیکن زور سے رونے کی اجازت کسی کو بھی نہیں تھی۔ چنانچہ ان کی آہ و زاری بالکل بند تھی۔ البتہ آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں پر کوئی پابندی نہیں لگا سکتا تھا۔ جب شمبا غیظ و غضب کا دیوتا بن کر اپنے گھوڑے پر سوار ان کے درمیان پہنچا اور ایک ایک قدم آگے بڑھ کر ان کے خاندانوں کے درمیان چکر لگانے لگا۔ پھر اس نے ان کے سامنے رک کر کہا۔

”رات کو کچھ افراد بستی سے باہر نکلے ہیں اور میرے دو آدمیوں کو قتل کر کے یہاں سے فرار ہو گئے ہیں۔ بعد میں انہوں نے دریا میں چھلانگ لگا کر اپنے آپ کو ہماری گرفت سے محفوظ کر لیا ہے۔ وہ کون ہیں اور ان کا تعلق کون سے خاندان سے ہے۔ مجھے یہ معلومات فوراً چاہئیں اگر یہ معلومات مجھے حاصل نہ ہو سکیں اور یہ نہ پتہ چل سکا کہ وہ کس مقصد سے باہر گئے ہیں اور کس طرح گئے ہیں تو یہ سمجھو کہ اس طرح لوگوں کو قتل کر دوں گا کہ تم لوگوں کو لاشیں اٹھانا مشکل ہو جائے گا۔ دبی ہوئی چیخیں آہیں، اور سسکیاں، بلند ہوئیں۔ تو شمبا نے گرج کر کہا۔

”نہیں رونے کی اجازت نہیں ہے۔ رونے کے لیے تمہارے پاس بہت وقت پڑا ہوا ہے۔ جو کہا جا رہا ہے اس کی تعمیل ہو۔“ شمبا کے خون خوار سپاہی ان کے سامنے جا جا کر ان سے سوالات کرنے لگے۔ بستی کے لوگ سہمی ہوئی نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے تھے اور یہ جاننا چاہتے تھے کہ ان کے گھروں میں سے کون غائب ہے۔ وہ جو مر چکے تھے ان کی اطلاع تو دوسروں کو مل ہی چکی تھی۔ اب دیکھنا یہ تھا کہ وہ کون ہیں۔ جو بستی سے نکل گئے ہیں۔ تب بوڑھے کے پڑوسی نے بوڑھے کا چہرہ دیکھا اور گردن گھما کر اس کے پوتوں کو تلاش کرنے لگا۔ لیکن اس نے دیکھا کہ اس کی بہو کے علاوہ کوئی اس کے پاس نہیں ہے۔ چنانچہ اس شخص کے چہرے پر چونکنے کے آثار پیدا ہو گئے۔ چونکہ وہ جانتا تھا کہ بوڑھے کے پوتے شبان اور جیوا کل تک زندہ سلامت موجود تھے۔

لیکن اب وہ نظر نہیں آ رہے تھے۔ اس کی بے چینی کو بوڑھے نے بھی دیکھ لیا تھا۔ تب ہی دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں اور بوڑھے کی آنکھیں شیشے کی طرح چمکنے لگیں۔ وہ اپنے ساتھی کو غور سے دیکھ رہا تھا اور ساتھی کے چہرے پر دہشت کے آثار پھیل گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ شمبا کے ساتھی اس جانب آ رہے ہیں پھر انہوں نے بوڑھے کے پڑوسی سے اس کے خاندان کے بارے میں پوچھا اور وہاں سے چند قدم آگے بڑھ کر بوڑھے کے سامنے پہنچ گئے۔ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے بولے۔

”تیرا بیٹا کہاں ہے؟“ سپاہی نے پوچھا۔

”طویل عرصہ قبل وہ اس دنیا سے رخصت ہو گیا ہے۔“ بوڑھا غمزدہ لہجے میں بولا اور وہ لوگ اسے غور سے دیکھتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ جبکہ بوڑھے کے پڑوسی نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور اس کے اہل خاندان بھی منہ بند کیے خاموش کھڑے رہے تھے سپاہی دوسرے لوگوں سے سوالات کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے اور جب وہ ذرا دور نکل گئے تو بوڑھے کے پڑوسی نے بوڑھے سے کہا۔

”تیرے دونوں پوتے کہاں ہیں؟“

”کیا خاموشی مناسب نہیں ہے؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں نے اپنے پوتوں کو ان لوگوں کے خوف سے

چھپا دیا ہے۔ ہرگز نہیں۔ وہ کمالیہ کے لیے امداد لینے گئے ہیں۔'' پڑوسی خاموش ہو گیا تھا۔ سپاہیوں کی یہ پوچھ گچھ رات گئے تک جاری رہی تھی اور تمام دن اس میدان میں کھڑے بسر کرنے والے کمالیہ بستی کے لوگوں کو رات گئے اپنے اپنے گھروں میں جانے کی اجازت ملی تھی۔ یہ پتہ نہیں چل سکا تھا کہ یہاں سے باہر جانے والے کون ہیں؟ لیکن شمبا جانتا تھا کہ وہ لوگ یقینی طور پر کمالیہ بستی ہی سے تعلق رکھتے ہیں جو اس کے دو ساتھیوں کو قتل کر کے باہر نکل گئے ہیں۔

دو ساتھیوں کو قتل کرنے کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ یا ان کی موت شمبا کے لیے کوئی تشویش کی بات نہیں تھی۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ جن لوگوں نے انہیں قتل کیا ان کے اندر یہ دلیری کہاں سے پیدا ہو گئی اور کہیں یہ دلیری دوبارہ کسی کے دل میں نہ جاگ اٹھے۔ چنانچہ اس کا سدباب کرنا ضروری تھا۔ دوسری صبح اس نے اعلان کیا آخر کار وہ یہ پتہ تو چلا ہی لے گا کہ اس کے دو ساتھیوں کو قتل کر کے بستی سے باہر نکل جانے والے کون تھے؟ لیکن اس کے ساتھ ہی بستی والوں پر جو قیامت ٹوٹے گی وہ ان کے تصور سے بھی باہر ہو گی۔

کمالیہ والے خاموشی سے برداشت کر گئے۔ ان کے اندر اب اتنی سکت نہیں تھی کہ شمبا کی کسی بات کا جواب دے سکیں۔ شمبا نے یہاں کام شروع کر دیا اور نجانے کس کس طریقے سے وہ بستی کمالیہ والوں کو اس سلسلے میں خوفزدہ کرنے کی کوششیں کر رہا تھا۔ چنانچہ بہت سے درخت کاٹے گئے اور جگہ جگہ انہیں نصب کر کے پھانسی گھر بنائے جانے لگے کمالیہ کے بدنصیب باشندے یہ نہیں جانتے تھے کہ پھانسی دینے کے لیے کس کس کو منتخب کیا جا رہا ہے۔ یہ اجتماعی پھانسی گھر دو دن میں تیار ہو گئے اور ان میں بڑے بڑے رسے پھندوں کی شکل میں لٹکا دیئے گئے۔ تب شمبا نے اعلان کیا۔

''بستی والو! تمہارے سردار کے باپ نے مجھے شہر بدر کیا تھا اور ذلیل و خوار کر کے اس بستی سے نکالا تھا۔ اس وقت اس کے باپ کے جتنے ہمنوا تھے۔ وہ سب میرے علم میں ہیں اور اب میں انہیں بتاؤں گا کہ شمبا کو اس بستی سے نکالنے کا کیا نتیجہ ہو سکتا تھا۔ گو اس کام میں ایک طویل عرصہ لگا ہے۔ غالباً چودہ یا پندرہ برس کے بعد ہی سہی۔ میں اپنے انتقام کی تکمیل کر رہا ہوں۔ چنانچہ کل شام سورج ڈوبنے کے بعد جب تاریکی چاروں طرف مسلط ہو جائے گی ان تمام لوگوں کو ان پھانسی کے پھندوں میں لٹکا دیا جائے گا اور یوں میرے انتقام کی تکمیل ہو جائے گی۔ کمالیہ والو! ان لوگوں سے اپنا انتقام پورا کرنے کے بعد میں اس بستی کی سرداری کا منصب سنبھالوں گا ہو سکتا ہے۔ تم لوگوں کو وفادار پا کر میں تمہیں معاف کر دوں۔ حالانکہ تمہارا تعلق بھی اسی بستی سے ہے۔ جہاں سے مجھے بے عزت کر کے نکالا گیا تھا۔ لیکن ایک بات کان کھول کر سن لینا کہ اس کے بعد پوری بستی شمبا کی محکوم ہو گی۔ یہاں ہر گھر میں چراغ میرے حکم پر جلے گا اور میرے حکم سے بجھے گا۔ تم سب کو میرے ہر حکم کی تعمیل کرنا ہو گا۔ چنانچہ انتظار کرو۔ اس وقت کا جب ان لوگوں سے تمہاری بستی کو نجات مل جائے۔ جو تمہاری تباہی لے کر آئے گا۔'' لوگوں کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ فرعونا بہت اچھا سردار تھا اور جن لوگوں کو پھانسی کے لیے منتخب کیا گیا تھا وہ بھی بہت معزز اور عزت کرنے والے لوگ تھے۔ اس وقت تو ہر ایک کو اپنی جان کی فکر تھی۔ چنانچہ کون کسی کے لیے روتا۔ رونے کے لیے تو ان لوگوں کے گھرانے ہی کافی تھے۔ جنہیں موت کی سزا دی جا رہی تھی۔ وہ سسک رہے تھے۔ بے آواز رو رہے تھے۔ جو عذاب ان پر نازل

ہوا تھا۔ اس سے بچنے کا کوئی راستہ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

بہر حال اب وہ شمبا کے رحم و کرم پر تھے۔ پھر جب دوسرا دن طلوع ہوا تو موت ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرانے لگی۔ جن لوگوں کے لیے پھانسی گھر بنایا گیا تھا۔ وہ انتظار کرتے رہے۔ ہر شخص کا سینہ غم سے پھٹا جا رہا تھا اور شمبا کے ہرکارے جو قرب و جوار میں بھٹکتے پھر رہے تھے۔ ان لوگوں کو پھانسی گھر کے نزدیک جمع ہو جانے کا حکم دینے لگے اور بدنصیبوں نے اپنی بستی والوں کی موت کا نظارہ دیکھنے کے لیے خود کو تیار کیا۔ وہ لوگ بھیڑ اور بکریوں کی مانند تھے۔ چنانچہ اس طرح چلتے ہوئے وہ پھانسی گھر کے کنارے پہنچ گئے۔

وقت پر لگا کر اڑ رہا تھا۔ کہ شام کی سیاہیاں تقدیروں پر چھانے لگیں اور موت کے قہقہے گردش کرنے لگے۔ انہیں زنجیروں میں باندھ کر پھانسی گھروں تک لایا گیا اور پھر انہیں اونچی جگہ پر کھڑا کر دیا گیا۔ جو خاص طور سے اس مقصد کے لیے بنائی گئی تھیں۔ شمبا نے مسکراتی نگاہوں سے سب کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر شیطان کی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

''کمالیہ والو! ان سب سے نجات۔ تم سب کے لیے نجات ہو گی اور اس کے بعد میری سرداری میں اس بستی میں نئے دور کا آغاز ہو گا۔ دیکھو! موت کس طرح ان کی جانب بڑھ رہی ہے۔'' شمبا کے اشارے پر شمبا کے آدمی ان لوگوں کی جانب ایک ایک قدم آگے بڑھنے لگے اور بستی والوں کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

''لیکن یہ آج تک پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کون تھے۔ کہاں سے آئے تھے۔ جنہوں نے اچانک ہی شمبا کے ان آگے بڑھنے والے ساتھیوں پر گولیوں کی بارش کی اور انہیں وہیں ڈھیر کر دیا۔ یہ گولیاں نجانے کہاں سے چلائی گئی تھیں افراتفری پھیل گئی۔ شمبا کے ساتھ جو خونخوار محافظ موجود تھے۔ وہ آتش پا ہو گئے اور اس کے بعد شمبا کے اشارے پر قتل عام شروع ہو گیا۔ یوں ساری بستی تباہ ہو گئی اور جگہ جگہ آتش دا من کے مظاہرے ہونے لگے۔ یہ کہانی ہے بدنصیب کمالیہ کی۔ وہ افراد جو دریا میں بہتے ہوئے یہاں تک پہنچے تھے۔ بچا لیے گئے۔ یعنی جیوا اور شبان جو اس بوڑھے کے پوتے تھے اور یہ بچی تو شالہ جنہیں تم لوگ یہاں لے کر آئے ہو......'' شیراک دردبھرے انداز میں خاموش ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی تھی اور ہم یہ سوچ رہے تھے کہ خداوند عالم ہم کس مصیبت میں پھنس گئے۔ برا ہو اس ذلیل سپارکو کا جو ہمارے لیے اس عذاب کا باعث بنا تھا۔ شیراک نے کہا۔

''معزز مہمانوں! تم تو شالہ کو لے کر یہاں تک آئے ہو۔ حالانکہ میں جانتا ہوں میری بستی کے لوگ اس بات کے خلاف ہو جائیں گے کہ ہم شمبا سے کوئی خطرہ مول لیں۔ لیکن بہر حال دیکھیں گے اور دیکھ کر غور کریں گے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ میں تم لوگوں کو پوشیدہ رکھنے کے لیے بھرپور کوشش کروں گا۔'' تو نعیم خان نے کامران کو دیکھا اور کامران نے نعیم خان کو اور اس وقت وہ مصلحتاً خاموش ہو گئے۔ لیکن جب انہیں تنہائی مہیا کی گئی تو کامران نے نعیم خان سے کہا۔

''نعیم خان! اس خوفناک مکان میں داخلے کے دروازے کو شاید ہم عمر بھر نہ تلاش کر سکیں۔ جس کے ایک دروازے سے ہم اس پراسرار دنیا میں پہنچے ہیں۔ لیکن اب یہ بتاؤ کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔'' نعیم خان

کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے تھے۔ اس نے کامران کی جانب دیکھا پھر بولا۔

''ایک بات بتاؤ گے؟''

''کیا؟''

''دیکھو زندگی میں کیا کچھ نہیں کیا ہم نے جرم و سزا کی دنیا میں ہمارا بڑا نام ہے، کامران..... لیکن ایک ایسی دنیا۔ جو ہمارے سامنے آتی ہے تو کیا ہم اس کی دل کشی سے انکار کر سکتے ہیں۔'' کامران نے حیرت سے نعیم خان کی طرف دیکھا اور کہا۔

''یار ساری باتیں اپنی جگہ، ایک بات محسوس کی ہے وہ یہ کہ کم از کم اس دنیا میں آنے کے بعد تو انتہائی بہادر ہو گیا ہے۔'' نعیم خان پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔ پھر بولا۔

''بزدل تو میں کبھی بھی نہیں تھا۔ بس تم یوں سمجھ لو کہ ایک تحریک ہوتی ہے انسان کے اندر۔ وہ تحریک اس کی فطرت میں رچ بس جاتی ہے اور پھر وہ اسی تحریک کے زیر اثر کام کرتا ہے۔ دیکھو! میں تمہیں ایک بات بتاؤں ہم اس پراسرار دنیا میں آ گئے ہیں اور وقت کچھ ایسی شکل اختیار کر گیا ہے کہ ہمیں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہمیں یہاں کسی خاص مقصد کے تحت بھیجا گیا ہے۔ جب یہ ایک خاص مقصد ہماری تقدیر کا ایک حصہ بن چکا ہے۔ تو کیوں نہ ہم کوئی ایسا کام کریں۔''

''میں یہی تو کہہ رہا تھا۔ نعیم خان کہ اب تیرے اندر ایک انوکھی کیفیت پیدا ہو گئی ہے۔ جب کہ تو ہر نئے کام سے بیزاری کا اعلان کرتا تھا۔''

''سچی بات تو یہ ہے کامران کہ سارا کام میرے لیے بڑی دلچسپی کا باعث ہے اور میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ مجھے یہاں کچھ کر کے زیادہ خوشی حاصل ہو رہی ہے اور میری ایک اور رائے بھی ہے۔''

''کیا؟''

''یہ کہ تو خود بھی ان معاملات میں دلچسپی لے ہمارے لیے یہ بڑی دلکشی کے حامل ہیں۔'' کامران گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ اگر غور کیا جاتا تو یہ سچ ہے کہ نعیم خان غلط نہیں کہہ رہا تھا۔ کامران نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تو میرے پیارے دوست! اب کیا فیصلہ ہے تیرا؟''

''فیصلہ ہمارا نہیں تقدیر کا ہے۔ البتہ عمل کے بارے میں ہم فیصلے کر سکتے ہیں۔''

''وہ بھی تقدیر ہی کے فیصلے ہوں گے۔ جو ہمارے لیے عمل متعین کریں گے۔''

''بڑی اچھی بات کہی ہے تو نے۔ جو ہم سوچیں گے وہی ہماری تقدیر کی سوچ ہو گی۔''

''تو پھر بتا کیا سوچا جائے؟''

''میں بتاؤں؟ شیراک بہت اچھا انسان ہے۔ وہ کبھی بھی یہ بات نہیں کہے گا کہ ہم اس کی بستی چھوڑ کر چلے جائیں۔ یہ مہمان نوازی کے آداب کے خلاف بات ہو گی۔ لیکن جس چیز کو ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ کسی اور کے لیے باعث تکلیف ہے۔ ہمیں کیا غرض ہے کہ ہم اس کی تکلیفوں میں اضافہ کر دیں۔ یعنی۔''

''کل دن کی روشنی میں ہم یہ بستی چھوڑ دیں گے۔''

''کہاں جائیں گے؟''

''تقدیر کے فیصلوں کی تلاش میں۔'' نعیم خان نے جواب دیا اور کامران اسے دیکھ کر مسکرانے لگا لیکن جب دوسری صبح انہوں نے شیراک سے اپنے مقصد کا اظہار کیا تو شیراک انہیں عجیب سی نگاہوں سے دیکھتا ہوا بولا۔

''میں جانتا ہوں اور واقعی مجھے وہ نہیں کہنا چاہیے تھا۔ جو میں پچھلی رات کہہ چکا ہوں۔''

''کیا سردار شیراک؟''

''یہی کہ مہمان نوازی کے اصولوں کے مطابق مجھے تمہارے لیے ہر تکلیف برداشت کرنا پڑے گی۔''

''ٹھیک کہتے ہو۔ لیکن آداب مہمانی کچھ ہوتے ہیں۔ تو آداب میزبانی بھی کچھ ہوتے ہیں۔ مطلب یہ کہ دونوں کو اپنا فرض کرنا چاہیے تم اپنا فرض پورا کرنے کے لیے تیار ہو تو ہم بھی اپنا فرض پورا کریں گے۔''

''تمہارا فرض کیا ہے؟''

کہ اب تو شالہ تمہارے پاس پہنچ چکی ہے اور ہمارا بس یہی مقصد تھا۔ تھوڑا سا ہمیں آگے بڑھنے کی اجازت دو۔''

''مگر تم۔''

''نہیں سردار شیراک! اس سلسلے میں ہم تمہاری کسی بات کو نہیں مانیں گے۔''

''مجھے دکھ ہوگا۔''

''لیکن ہمیں نہیں ہوگا اور ہم تمہیں ایک اچھے دوست کی حیثیت سے ہمیشہ یاد رکھیں گے۔''

''پھر مجھے بتاؤ تمہارے لیے کیا کروں؟''

''نہیں کچھ بھی نہیں بس یوں سمجھ لو ہم جا رہے ہیں۔''

''ایسے نہیں۔''

''پھر۔''

''تمہیں یہاں سے رات کی تاریکیوں میں جانا پڑے گا۔ تاکہ یہ پتا نہ چلے کہ تم یہاں سے نکلے ہو۔'' انہوں نے سردار شیراک کی مشکل کو سمجھا اور اس کے بعد اس کی بات کو تسلیم کر لیا۔ چنانچہ اس رات انہیں عمدہ قسم کے گھوڑے فراہم کیے گئے، کھانے پینے کی اشیا اور اس کے علاوہ ان علاقوں کے بارے میں تھوڑی سی معلومات اور پھر ہم دونوں نے رات کی تاریکیوں میں اپنے گھوڑے آگے بڑھا دیے۔

آدھی رات تک یہ سفر جاری رہا۔ چاند کے ساتھ ساتھ وہ اپنی مسافتیں طے کر رہے تھے۔ پھر آدھی رات گزری تھی کہ چاند پر دھندلاہٹیں طاری ہونے لگیں۔ جن علاقوں سے وہ گزر رہے تھے۔ چاندنی میں وہ انہیں بے حد پراسرار نظر آ رہے تھے۔ تاحد نظر سنگلاخ زمین جس پر جگہ جگہ چٹانیں ابھری ہوئی تھیں۔ کہاں سبزے کا نام و نشان نہیں تھا۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

وہ سب تنکوں کی طرح منتشر ہو گئے تھے۔ علی سفیان، امینہ سلفا، رانا چندر سنگھ، کرنل گل نواز، قزل

شاٹی اور شعورہ، درحقیقت پہاڑوں کی پراسرار وادیوں میں بھٹکتے ہوئے انہیں زندگی کے تلخ ترین تجربات ہوئے تھے۔ ان میں سب سے نمایاں کردار کامران کا رہا تھا۔ حالانکہ کرنل گل نواز نے کامران کو صرف ایک اچھے ساتھی کی حیثیت سے اپنے ساتھ رکھا تھا۔ لیکن بعد میں کامران ایسی پراسرار شخصیت اختیار کرتا چلا گیا کہ وہ سب اس کے لیے مجبور ہوگئے۔ کرنل گل نواز کو آج بھی یقین تھا کہ کامران اس سے مخلص تھا اور یقینی طور پر اس کی شخصیت میں کچھ ایسی باتیں پوشیدہ تھیں جو شاید اس کے علم میں بھی نہیں تھیں۔ بہت عرصے تک وہ ان کے لیے وہاں ان پراسرار وادیوں میں بھی کام کرتا رہا۔ لیکن پھر اس کے بعد وہ گم ہوگیا۔

کرنل گل نواز واقعی بیمار ہوگیا تھا۔ لیکن اس طرح بھی نہیں کہ اس کی حالت بہت زیادہ بگڑ جاتی۔ ہاں! مسلسل ناکامیوں اور موسمی اثرات نے اس کی صحت پر برا اثر ڈالا تھا۔ غرض یہ کہ انہیں وہاں سے واپس پلٹنا پڑا تھا۔ لیکن پھر راستے میں، قزل شاٹی اور شعورہ نے ان سے اجازت مانگ لی۔ قزل شاٹی نے کہا۔

"یہ حقیقت تو واضح ہو چکی ہے کہ اب خزانے ہماری دسترس میں نہیں ہیں۔ چنانچہ اب وقت نہیں ضائع کرنا چاہیے۔ میں نے اور شعورہ نے اپنے پروگرام ترتیب دے لیے ہیں۔ میں آپ لوگوں سے اجازت چاہتا ہوں۔" رکنے کی وجہ بھی نہیں تھی۔ البتہ قزل شاٹی نے کرنل گل نواز سے یہ ضرور پوچھا تھا۔

"اب آپ کا کیا پروگرام ہے کرنل؟"

"کچھ مایوسی سی ذہن پر طاری ہوگئی ہے۔ میں تو کم از کم اپنے گھر، وطن واپس جاؤں گا۔"

"ٹھیک آپ اب آرام کریں تو زیادہ بہتر ہے۔" قزل شاٹی تو چلا گیا لیکن اس کے بعد رانا چندر سنگھ نے اپنے پروگرام میں کچھ تبدیلی کی اور کرنل گل نواز کو بھی اس کا ساتھ دینا پڑا۔ علی سفیان اور امینہ سلفا بھی ساتھ ہی تھے۔ وہ لوگ مختلف ملکوں میں گھومتے رہے اور اس کے بعد آخرکار کرنل گل نواز کی فرمائش پر یہ افراد وطن واپس چل پڑے۔ قزل شاٹی نے چلتے وقت انتہائی خفیہ طریقے سے ایک بند لفافہ کرنل گل نواز کو دیتے ہوئے کہا تھا۔

"کرنل براہِ کرم وعدے کی پابندی کریں۔ یہ لفافہ آپ اپنے گھر جا کر ہی کھولیں اور اس کے بعد جو کچھ اس میں تحریر ہے۔ اس پر غور کریں اور صحیح فیصلہ کریں۔" کرنل گل نواز نے لفافہ رکھ لیا تھا۔ وطن واپس آنے کے بعد قزل شاٹی کے الفاظ اس کے ذہن میں کھٹکتے رہے۔ علی سفیان اور امینہ سلفا اس کے ساتھ ہی آ گئے تھے۔ رانا چندر سنگھ نے اجازت مانگ لی تھی۔ حسن شاہ وغیرہ کا بھی کوئی پتا نہیں تھا۔

بہرحال یہ مہم ایک ناکام مہم قرار دی گئی۔ علی سفیان نے کہا۔

"میں زندگی کا بہترین مشغلہ مہم جوئی سمجھتا ہوں۔ معاف کرنا کرنل، تمہارے ساتھ یہ مہم جوئی کر کے مجھے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوسکا۔ اب میں دیکھوں گا کہ کون سی نئی پارٹی بنا سکتا ہوں۔ جو زیادہ موثر ہو۔ چنانچہ میں بھی یہاں سے واپسی کا پروگرام بنا رہا ہوں۔"

کرنل گل نواز نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ البتہ جب شاہ نواز نے اسے تنہائی میں بتایا کہ کامران یہاں آیا تھا تو کرنل گل نواز تو کھول کر رہ گیا۔

"تم نے اسے روکا کیوں نہیں۔"

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ ایک انتہائی مختصر ملاقات کر کے اور آپ کے بارے میں معلومات حاصل کر کے یہاں سے اس طرح چلا جائے گا۔ میں نے سوچا کہ ظاہر ہے وہ ہمارے پاس ہی رہے گا مگر وہ گم ہوگیا۔"

"وہ کون تھا۔ کیا تھا۔ کچھ پتا نہیں چل سکا۔ کرنل گل نواز نے پھر قزل شاٹی کا دیا ہوا لفافہ کھولا۔ اس میں ایک پرچہ تھا اور اس پرچے نے کرنل گل نواز کو ششدر کر کے رکھ دیا تھا۔ قزل شاٹی نے لکھا تھا۔

عزیز کرنل گل نواز!

میں نہ کوئی جادوگر ہوں نہ کوئی دیوتا نہ درویش، بس میرے پاس تھوڑا سا علم ہے جو مجھے بزرگوں اور کتابوں سے حاصل ہوا ہے۔ میں اس علم سے تکے بازی کرتا رہتا ہوں اور یہ تکے بازی کافی حد تک سچ ثابت ہوجاتی ہے۔ سمجھ لو یہی میرا سرمایہ ہے۔ میں تمہیں تھوڑی سی تفصیل بتانا چاہتا ہوں۔ اس مہم میں میری تھوڑی سی ریسرچ بھی رہی ہے۔ کامران ایک پراسرار کردار ہے۔ وہ اسی دنیا کا سیدھا اور سچا آدمی ہے۔ لیکن کچھ پراسرار قوتوں کی نظروں میں آ گیا ہے اور وہ اس سے کام لے رہی ہیں۔ میں زیادہ نہیں جانتا۔ لیکن خصوصی طور پر ایک نشاندہی کرنا چاہتا ہوں اور یہ نشاندہی علی سفیان کی بیوی امینہ سلفا کے بارے میں ہے۔ امینہ سلفا کو اگر تم کوئی معمولی عورت سمجھتے ہو تو کرنل یہ تمہاری بھول ہے۔ علی سفیان بھی اس کی حقیقت نہیں جانتا وہ صدیوں پرانی ایک روح ہے۔ جو کسی خاص مشن پر کام کر رہی ہے اس کا مشن کیا ہے؟ یہ میں بھی نہیں جانتا اور شاید کوئی بھی نہیں جانتا۔ لیکن وہ انتہائی پراسرار قوتوں کی مالک ہے۔ وہ کامران کے بارے میں بھی جانتی ہے۔

وہ کیا کر رہی ہے؟ یہ کوئی نہیں جانتا۔ لیکن اس نے علی سفیان کا سہارا اسی لیے پکڑا ہے کہ علی سفیان اپنے کچھ وسائل رکھتا ہے۔

بہرحال وہ کسی کے لیے نقصان دہ نہیں ہے۔ جب تک کہ اس کا اپنا کوئی مفاد مجروح نہ ہو۔ لیکن اگر وہ چاہے تو بہت سے انکشافات کر سکتی ہے۔ تم اس سلسلے میں اگر کوئی کوشش کر سکتے ہو تو ضرور کرلو۔

مخلص

قزل شاٹی

کرنل گل نواز ششدر رہ گیا تھا اور پھر اسے شدید جستجو پیدا ہوگئی۔ اس نے یہ خط علی سفیان کو دکھا دیا اور علی سفیان بھی حیران رہ گیا تھا۔ لیکن اسی رات امینہ سلفا ان پر کھل گئی اس نے علی سفیان سے کہا۔

"علی سفیان۔ کرنل گل نواز کو بلا کر لاؤ۔ ہم لوگ ایک میٹنگ کریں گے۔" علی سفیان جو قزل شاٹی کے خط کے زیر اثر تھا۔ باہر نکل گیا اور کرنل گل نواز کو بلا کر امینہ سلفا کے کمرے میں آ گیا۔ امینہ سلفا کو دیکھ کر وہ لوگ ششدر رہ گئے تھے۔ امینہ سلفا نے اس وقت روپ ہی بدلا ہوا تھا۔ جب کہ چند ہی منٹ پہلے علی سفیان وہاں سے گیا تھا۔ تو امینہ سلفا دوسرے روپ میں تھی۔ لیکن اس وقت مصری کوئی پراسرار حسینہ نظر آ رہی تھی اور اس کے چہرے پر ایک عجیب سی پراسرار کیفیت طاری تھی۔ اس نے ان دونوں کو دیکھا اور اشارہ کیا کہ بیٹھ جائیں۔

پھر اس کے بعد وہ ایک عجیب سے انداز میں پالتی مار کر بیٹھ گئی اور اس نے کہا۔

''علی سفیان تم گواہ ہو اس بات کے...... کہ میں نے آج تک تم سے کوئی غداری نہیں کی تمہارے لیے ایک باوفا عورت رہی ہوں۔ میں نے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا ہاں اس بات کا میں اعتراف کرتی ہوں کہ میری زندگی کا مشن بہت مختلف ہے۔ تم لوگ اسے سمجھ نہ پاؤ گے۔ نہ محسوس کر پاؤ گے۔ علی سفیان میں کسی کی تلاش میں بھٹک رہی ہوں اور یہ تلاش بڑی عجیب و غریب ہے اور اسی کے لیے میں نے تمہارا ساتھ حاصل کیا تھا اور تمہارے ساتھ ان وادیوں میں بھٹکتی پھرتی تھی۔ لیکن جو کچھ میں تلاش کر رہی تھی وہ مجھے نہیں ملا۔ علی سفیان مجھے اندازہ ہوا ہے۔ کہ زندگی کے راستے بدلے بغیر میں اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔ میں تم سے معافی چاہتی ہوں۔ تمہاری زندگی کا مقصد قدیم تبت کی تاریخ کے اس عظیم الشان خزانے کی تلاش ہے۔ میں بھی اس خزانے کے بارے میں تفصیل نہیں جانتی لیکن ایک انکشاف میں تم پر کرنا چاہتی ہوں۔

وہ لڑکا کامران جو بہ ظاہر ایک معمولی شخصیت کا مالک تھا۔ اس خزانے تک پہنچ چکا ہے۔ اس کی آنکھیں اس خزانے کی شناسا ہیں۔ وہ ایک بہت ہی عجیب و غریب کردار ہے۔ یا پھر یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ انتہائی پراسرار قوتیں اس کے بارے میں دھوکہ کھا چکی ہیں۔ کیونکہ وہ زمانہ قدیم کے ایک عجیب و غریب کردار کا ہم شکل ہے اور یہ کردار بدھ مذہب سے تعلق رکھتا ہے۔ پوری تفصیل میں تمہیں نہیں بتا سکتی اور نہ ہی میں جانتی ہوں۔ لیکن زمانہ قدیم کا کوئی انوکھا واقعہ اس کی ذات سے منسلک ہے۔ آؤ...... میں تمہیں وہ کیسٹ دوبارہ دکھاتی ہوں۔ جو ہم لوگ لے کر آئے تھے۔''

امینہ سلفا نے تمام تیاریاں کر رکھی تھیں۔ کیسٹ اس کے پاس کہاں سے آئی یہ کسی کو نہیں معلوم تھا۔ لیکن کیسٹ چلنے لگی۔ کرنل گل نواز اور علی سفیان پردے پر نگاہیں جمائے ہوئے تھے۔ امینہ سلفا کے الفاظ نے انہیں مسحور کر دیا تھا اور وہ اس کی باتوں میں پوری پوری دلچسپی لے رہے تھے۔ پھر امینہ سلفا نے آ کر کیسٹ اس جگہ اسٹل کر دیا۔ جہاں کامران ایک بدھ راہب کے روپ میں بیٹھا ہوا تھا اور وہ لوگ ششدر رہ گئے۔ کیسٹ پہلے بھی ان کے سامنے آئی تھی لیکن انہوں نے غور نہیں کیا تھا۔ لیکن اب امینہ سلفا نے ان کی نشاندہی کی تو وہ لوگ اس منظر کو دیکھ کر ششدر رہ گئے۔ امینہ سلفا کی آواز پھر ابھری۔

''یہ ہے وہ کردار جس کے دھوکے میں کامران کو وہ پراسرار قوتیں اپنا مرکز بنائے ہوئے ہیں۔ کرنل گل نواز تم گرشک اور سیتا کی بات کرتے ہو۔ علی سفیان کے فرشتوں کو بھی نہیں معلوم کہ گرشک اور سیتا طویل عرصے تمہارے پاس رہ چکے ہیں اور تم نے ان کی مدد کی ہے۔ تمہارے علاوہ اگر کوئی شخص ان کے بارے میں جانتا تھا تو وہ کامران تھا۔ انہوں نے کامران سے رابطہ قائم کر لیا تھا اور اسے دیوتاؤں کی طرح پوجنے لگے تھے پھر اس سفر کے دوران بھی وہ کامران کی راہنمائی کرتے رہے۔ میں نہیں جانتی کہ کامران کہاں ہے۔ لیکن وہ زندہ ہے۔ وہ پراسرار قوتیں اس کے اردگرد بکھری ہوئی ہیں اور وہ آسانی سے اس کا پیچھا نہیں چھوڑیں گی۔ تاریخ کا ایک مشن ہے اور وہ پورا نہیں ہو سکا۔ مگر مجھے یہ مشن پورا کرنا ہے۔ اس لیے اب شاید میں تمہارا ساتھ نہ دے سکوں۔'' علی سفیان چونک پڑا اور اس نے کہا۔

''تمہارا مطلب کیا ہے۔ امینہ؟''

''میں تم سے رخصت ہو رہی ہوں۔ یہ میرے لیے ضروری ہے۔''

''مگر اس کی ضرورت کیا ہے امینہ؟ تمہارا جو بھی پروگرام ہو میں اس میں تمہارے ساتھ شانہ بشانہ چلنے کے لیے تیار ہوں۔'' امینہ مسکرائی اور بولی۔

''تم ایک بہت اچھے انسان ہو علی سفیان، مجھے اپنے جدوجہد کا انداز بدل لینے دو۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ عرصے کے بعد میں دوبارہ تم سے آملوں۔ لیکن اب میرے لیے نئے جہانوں کی تلاش میری مجبوری ہے۔ کرنل بہت اچھے ساتھ کا شکریہ۔'' امینہ سلفا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''لیکن امینہ تم جا کہاں رہی ہو؟''

''بس علی سفیان جتنا بتا سکتی تھی میں نے تمہیں بتا دیا۔ اگر خزانے کے متلاشی ہو تو کامران کو تلاش کرو۔ وہ خزانے تک جا چکا ہے۔ یہ میرا علم کہتا ہے۔ گرشک اور سیتا بھی اس کا تعاقب کر رہے ہیں۔ وہ نہ جانے کہاں سے کہاں جائے گا۔ ہم کچھ نہیں جانتے۔'' امینہ سلفا نے کہا اور اپنی جگہ سے آگے بڑھ کر دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ علی سفیان جلدی سے اپنی جگہ سے اٹھا اور دروازے کی طرف دوڑا لیکن دروازے کے باہر خاموش رات پھیلی ہوئی تھی۔ امینہ سلفا کی ہوا کا بھی نشان نہیں تھا۔ علی سفیان دونوں ہاتھ سینے پر رکھ کر رہ گیا۔

کرنل گل نواز اسے ہمدردانہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

''یار! ساری باتیں اپنی جگہ، مجھے اس سے بہت محبت تھی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اس طرح مجھے چھوڑ کر چلی جائے گی۔''

''وہ ایک انتہائی پراسرار کردار تھا۔ علی سفیان تمہیں سنبھلنا ہوگا۔ قزل ثانی نے جو کہانی سنائی تھی میرا خیال ہے کہ تم نے اس پر یقین نہیں کیا تھا۔ لیکن پتا نہیں کیوں مجھے یقین تھا۔'' علی سفیان تھوڑی دیر تک افسردگی سے گردن ہلاتا رہا پھر بولا۔

''خیر میرے لیے وہ صرف ایک عورت تھی۔ ایک بیوی۔ میرا خیال ہے اس سے میرا کوئی روحانی رشتہ نہیں تھا۔ میں اسے بھلانے میں آسانی سے کامیاب ہو جاؤں گا۔ لیکن کمال ہے یار! بڑی عجیب بات ہے۔ بڑی عجیب۔'' علی سفیان تھوڑی دیر تک افسردہ رہا اس کے بعد اس نے کہا۔

''کیا وہ کامران واقعی ایسی ہی پراسرار شخصیت کا مالک تھا۔''

''خدا کی قسم میں اس کے لیے شدید حیران ہوں۔ کیسی عجیب بات ہے کتنے کردار اس مہم کے دوران ہم سے رخصت ہو گئے۔ جیسے خاور اس کی بیٹی وغیرہ وغیرہ۔'' وہ لوگ سوچ میں ڈوب گئے۔ کرنل گل نواز کو واقعی حیرت تھی اور وہ سوچ رہا تھا کہ کامران نہ جانے اس وقت کہاں ہوگا اور کامران واقعی زندگی کی صعوبتوں میں گرفتار صحرا گردی کر رہا تھا۔

❤......❤......❤

نعیم خان بالکل مختلف انسان تھا۔ اس کی سوچوں میں زیادہ گہرائی بھی نہیں تھی۔ لیکن کامران جب بھی تھوڑی سی تنہائی حاصل کر لیتا۔ خود پر غور کرنے لگتا۔ وہ خود سے باتیں کرتے ہوئے کہتا تھا۔

''کامران زندگی میں کبھی تو یہ خواہش دل میں ابھری ہوگی کہ تم کبھی صحرا گردی کرو۔ جو واقعات تمہاری زندگی سے چپک گئے ہیں۔ کیا وہ واقعی زندگی کے آخری سانس تک تمہارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔''

نعیم خان نے اس سے کہا تھا۔

"نعیم خان تم یقین کرو۔ جو کچھ مجھ پر بیت رہی ہے۔ میں قطعی طور پر اس کا اہل نہیں تھا۔ میں نہیں جانتا کہ تقدیر نے میرے ساتھ یہ کھیل کیوں کھیلا ہے۔ میں تو سیدھی سادی زندگی گزارنے والا ایک نوجوان تھا۔"

"بس تقدیر کے کھیل ایسے ہی ہوتے ہیں۔"

"تقدیر کے کھیل واقعی ایسے ہی ہوتے ہیں۔"

"سفر کی تیسری رات ان کی ملاقات جس شخص سے ہوئی وہ بڑی عجیب و غریب حیثیت کا مالک تھا۔ ایک ایشیائی نوجوان جو کامران کے ہی کے وطن سے تعلق رکھتا تھا اور ان صحراؤں میں کسی خاص مقصد کے تحت بھٹک رہا تھا۔ اس رات موسم بہت شدید تھا۔ ان لوگوں کو صورت حال کا کوئی اندازہ نہیں تھا کہ وہ کدھر جا رہے ہیں۔ ان تین دنوں میں انہیں کوئی اور آبادی بھی نہیں ملی تھی۔ جہاں سے وہ اپنے راستوں کے بارے میں معلومات حاصل کر لیتے۔ نعیم خان تو خیر بہت زیادہ متجسس تھا۔ لیکن کامران کو قزل ثنائی کے الفاظ یاد تھے۔ جو کہتا تھا کہ کامران تم دنیا کے کسی بھی خطے میں پہنچ جاؤ۔ جو مشکل تمہیں درپیش ہے تمہیں اس میں ملوث ہونا ہی پڑے گا۔

کامران سارے کرداروں کو پیچھے چھوڑ آیا تھا۔ لیکن پتا نہیں وہ کردار اس کا پیچھا چھوڑیں گے یا نہیں۔

بہر حال اس دھندلائی ہوئی رات میں انہیں جو روشنی نظر آئی وہ آگ کی روشنی تھی اور جو شخص انہیں ملا وہ عجیب و غریب شخصیت کا مالک۔ اس نے مسکرا کر ان دونوں کو دیکھا اور ہنس کر بولا۔

"اس قدر چہرہ شناس ہو چکا ہوں میں کہ تم لوگوں کے بارے میں ایک لمحے کے اندر اندر بتا سکتا ہوں کہ تمہارا تعلق کہاں سے ہے اور مجھے خوشی ہے کہ میرے ہم وطن میرے ساتھ ہیں۔"

"کیا تمہیں مہذب آبادیوں کے راستے یاد ہیں؟"

"ہاں..... کیوں نہیں۔"

"کیا تم ہمیں بتا سکتے ہو؟"

"بتا سکتا ہوں۔ لیکن تھوڑے سے وقفے کے بعد کیوں کہ اس دوران مجھے تمہاری ہی طرح یہاں بھٹکنا ہے۔ ایک خاص مقصد کے تحت۔"

"میرے دوست اگر تم ہمیں صرف بتا دو کہ ہم کس طرف سے نکل جائیں۔" وہ ہنسنے لگا پھر بولا۔

"نہیں۔ ہر شخص خود غرض ہے۔ میں بھی انہیں خود غرضوں میں سے ایک ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ تم تھوڑا سا توقف کر لو اور میرے ساتھ ہی مہذب آبادیوں کا رخ کرو۔ میری تنہائی بھی دور ہو جائے گی۔"

"تمہیں کتنا وقت لگ جائے گا۔"

"بہت زیادہ نہیں۔" اور بہ حالت مجبوری کامران اور نعیم خان نے اس کی معیت قبول کر لی اس نے ان لوگوں کی کافی خاطر مدارات کی تھی۔ وہ جنگلوں سے خاصی واقفیت رکھتا تھا اور جانتا تھا کہ شکار کس وقت اور کہاں مل سکتا ہے۔ چوں کہ انہی کا ہم وطن تھا اس لیے باقی سارے معاملات میں بھی اسے کافی واقفیت حاصل تھی اپنے بارے میں اس نے بتاتے ہوئے کہا۔

"ہاں..... میں کون ہوں کیا ہوں رفتہ رفتہ تمہیں پتا چل ہی جائے گا۔ مگر ایک بات کا خیال رکھنا کہ میں ایک بے ضرر آدمی ہوں۔ میرے ہاتھوں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ کیوں کہ میری زندگی جن واقعات سے دوچار ہو چکی ہے۔ اس کے بعد یہ گنجائش نہیں رہتی ہے کہ میں کسی کو کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کروں۔ اپنے ماضی کے بارے میں تفصیل میں جانے کے بجائے میں تمہیں اپنے اس سمندری سفر کے بارے میں بتاتا ہوں۔ جس میں ہمارا جہاز ایک خوف ناک حادثے کا شکار ہو گیا اور ایسی خوف ناک تباہی پھیلی کہ خداوند عالم کبھی کسی کو ایسی تباہی نہ دکھائے۔

ہم لوگ جانوروں کی طرح چیختے ہوئے ادھر ادھر بھاگ رہے تھے۔ بہ مشکل تمام ایک چھوٹی سی کشتی میرے ہاتھ لگی اور میں نے وہ کشتی سمندر میں گرا دی اور چھوٹی سی کشتی میں مجھے جو کچھ ملا میرے اور میرے دو ساتھیوں کے لیے کافی تھا۔ حادثہ اس طرح اچانک ہوا تھا اور خطرے کی گھنٹی ایک دم بجی تھی کہ سب کے ہی حواس گم ہو گئے تھے۔ جہاز میں ایک بھگدڑ مچ گئی تھی۔ صرف مجھے ہی نہیں بلکہ کسی کو بھی، جہاز کے کپتان کو بھی کھانے پینے کی چیزیں لینے کا خیال نہیں آیا تھا۔ جو ہمارے ہاتھ لگا تھا وہ چند گلے سڑے بسکٹ اور تھوڑا سا پانی تھا۔ بہر حال ہم اس چھوٹی سی کشتی کو لے کر چل پڑے ہم نے بہت سے لوگوں کو جدوجہد کرتے دیکھا تھا۔ لیکن ظالم سمندر نے پتا نہیں کسے زندگی دی اور کسے موت..... ویران سمندر میں صرف تین آدمی تھے۔ جو کشتی میں کھڑے بھی نہیں ہو سکتے تھے۔

اس لیے چھوٹی سی کشتی کے الٹ جانے کا خدشہ تھا۔ اس کشتی میں میرے ساتھ جو دوسرے دو آدمی سوار ہونے میں کامیاب ہوئے تھے ان میں سے ایک انگریز تھا وہ میری ہی طرح نام کردہ کا مسافر تھا۔ اس کا نام شاید ڈیمل تھا دوسرا آدمی غرق شدہ جہاز کے ملازموں میں سے تھا۔ پست قامت، قوی ہیکل اور ہکلا۔ میں اس کا نام نہیں جانتا اور ہم پورے آٹھ دن تک اس کشتی میں پڑے رہے۔

دوسرے دن متلاطم سمندر پرسکون ہو گیا۔ ان دو دنوں میں ہم نے آپس میں گفتگو کرنے کی کوشش نہ کی۔ ہم یا تو خاموش بیٹھے افق کی طرف دیکھا کرتے یا پھر آسمان کو گھورا کرتے۔ دن بہ دن بڑھتی ہوئی نقاہت زندگی سے اور مایوس کیے دے رہی تھی۔ ہم اپنے دل میں خوف دہراس کے لیے بھیانک موت کے منتظر تھے۔

اور چوتھے دن پانی ختم ہو گیا۔ سورج کی تیز تیز کرنیں ہماری جلد کو جلانے لگیں ہماری جلد میں دراڑیں پڑنی شروع ہو گئیں۔ ہماری حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی ہم عجیب عجیب باتیں سوچتے اور ان کا اظہار آنکھوں میں کرنے لگے۔

چھٹے دن بھوک اور پیاس ہمیں نیم جان کر چکی تھی اور اس دن ڈیمل نے اپنے خیالات کو الفاظ کا جامہ پہنایا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ہماری آوازیں نقاہت سے اتنی کمزور ہو رہی تھیں کہ ہم سرگوشیوں میں ہی باتیں کر سکتے تھے یاد پڑتا ہے کہ ہماری آوازیں پھٹی ہوئی اور مردہ سی ہو گئی تھیں۔

"اگر تم میری بات مانو تو ہم اپنی بھوک اور پیاس کا علاج کر سکتے ہیں۔" ڈیمل نے کہا۔

"کہو....." میں نے کہا۔

''ہم قرعہ اندازی کرتے ہیں۔'' اس نے کہا ہم تینوں میں سے جس کا نام بھی نکلے گا دوسرے آدمی اسے ذبح کر کے اس کا خون پی لیں گے۔''

''نہیں۔'' میں نے سختی سے مخالفت کرتے ہوئے کہا۔ ''حیران ہوں کہ ایسا ناپاک خیال تمہیں آیا ہی کس طرح! اس سے تو یہ ہزار درجہ بہتر ہے کہ بھوک اور پیاس سے ہی مر جائیں یا ہماری کشتی الٹ جائے اور شارک مچھلیاں ہمیں کھا لیں۔''

''سوچ لو دوست! اس کے علاوہ اور کوئی صورت ممکن نہیں۔ بے شک ہم میں سے ایک آدمی مارا جائے گا لیکن اس کے طفیل دوسرے دو بچ جائیں گے۔ بہت ممکن ہے کہ قرعہ میرے ہی نام پڑے۔''

میں نے ڈیمل کی یہ تجویز ماننے سے انکار کر دیا۔ لیکن ہمارا تیسرا ساتھی ڈیمل کے قریب بیٹھا ہوا تھا رات بھر اس سے سرگوشیاں کرتا رہا اور میں اپنے ہاتھ میں کھلا چاقو لیے ساری رات ہوشیار بیٹھا رہا کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک یا دونوں مجھ پر حملہ کرنے کی کوشش کریں تو میں اپنا بچاؤ کر سکوں حالانکہ میں نحیف و نزار تھا اور ان میں سے کسی ایک کا بھی مقابلہ نہ کر سکتا تھا تیسرا ساتھی ڈیمل کو شاید یہی مشورہ دے رہا تھا کہ وہ مجھے ذبح کر ڈالیں کیوں کہ میں اپنے دل میں خوف لیے رات بھر بیٹھا رہا اور میں نے ڈیمل کی تجویز منظور کر لی اور اب ہم تینوں دھڑکتے دل لیے نتیجے کے منتظر تھے...... قرعہ اندازی کی گئی اور...... قرعہ ہمارے تیسرے ساتھی کے نام پڑا۔

لیکن وہ ہم دونوں سے زیادہ طاقتور تھا چنانچہ اس نے فیصلہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور سچ تو یہ ہے کہ کون آدمی ذبح ہونا پسند کرے گا لیکن ڈیمل اپنی بات پر اڑا ہوا تھا کہ وہ بہر طور اس ملاح کو ذبح کر کے رہے گا۔ اس نے دفعتہً ڈیمل کے منہ پر دو تین گھونسے رسید کر دیے۔ اب وہ دونوں آپس میں گتھ گئے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو پچھاڑنے کی کوشش میں اٹھ کھڑے ہوئے اور کشتی الٹنے کے قریب ہو گئی۔ میں ملاح کی ٹانگوں سے لپٹ کر اسے گرانے کی کوشش کر رہا تھا۔ چونکہ ہم تینوں ایک طرف آ گئے تھے۔ اس لیے کشتی اس طرف سے اتنی جھک گئی تھی کہ پانی اس کے کناروں پر سے گزر کر اندر گرنے لگا۔ کشتی کے جھٹکنے کی وجہ سے ملاح اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا وہ لڑکھڑایا اور ڈیمل کو لے کر کشتی کے کنارے پر گرا۔ کشتی اور جھکی اور وہ دونوں لڑھک کر سمندر میں جا پڑے اور چشم زدن میں وزنی پتھر کی طرح غرق ہو گئے۔ مجھے یاد ہے کہ اس وقت میرے منہ سے ایک بھیانک قہقہہ پھوٹ پڑا تھا۔

میں کشتی میں اوندھے منہ اس طرح لیٹ گیا کہ میری ٹانگیں کشتی کے ایک کنارے تھیں اور تھوڑی دوسرے کنارے پر ٹکی ہوئی تھیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ سمندر کا پانی پی لوں اور اس کی ناقابل برداشت کڑواہٹ سے پاگل ہو کر اپنی مایوس اور الم ناک زندگی کا خاتمہ کر لوں؟ لیکن میں ایسا نہ کر سکا اور خدا جانے کب تک یوں بے حس و حرکت پڑا رہا۔ حتیٰ کہ دور افق پر نظر آتے ہوئے نیلے سے بادبان بھی میرے بدن میں گرمی اور دل میں جوش و ولولہ پیدا نہ کر سکے وہ جہاز (حقیقت میں دو مستولوں والا جہاز ہی تھا) میری طرف آ رہا تھا اور میں بڑی بے قراری سے اسے اپنے قریب آتے دیکھ رہا تھا۔ موجوں کے تھپیڑے کھا کر میری چھوٹی سی کشتی دائیں بائیں ڈول رہی تھی۔ اس کے ساتھ میرا سر بھی ڈول رہا تھا۔ چنانچہ افق اور جہاز کے

دونوں بادبان بھی ڈولتے نظر آ رہے تھے۔ کوئی اور وقت ہوتا تو یقیناً مجھے چکر آ جاتے لیکن اس وقت تو میں جیسے پتھر میں تبدیل ہو گیا تھا۔ حتیٰ کہ مجھے یہ خیال بھی نہ آیا کہ اسی جہاز کے کپتان کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کے لیے اپنی قمیص اتار کر ہوا میں ہلاتا۔

اس کے بعد مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ کیا ہوا۔ مجھ پر ایک طرح کی غنودگی طاری ہو گئی اور جب دوبارہ آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو ایک کیبن میں بستر پر لیٹے پایا۔ البتہ کچھ دھندلا سا احساس ہے کہ کسی نے مجھے جہاز کے عرشے تک پہنچایا تھا یہ بھی یاد ہے کہ ایک عجیب سا خدوخال والا چہرہ، جس پر جھائیاں پڑی ہوئی تھیں عرشے کے جنگلے سے جھکا ہوا مجھے دیکھ رہا تھا۔ یہ بھی یاد ہے کہ اس آدمی کے بال سرخ تھے اس کے علاوہ میں نے اپنی آنکھوں کے قریب ہی ایک دوسرا کالا اور بھیانک چہرہ دیکھا تھا جس کی آنکھوں میں عجیب سی حیوانی چمک تھی۔ اس وقت میں نے خیال کیا تھا کہ وہ یا تو میرا وہم تھا یا پھر میں نے کوئی بھیانک خواب دیکھا تھا لیکن جب میں نے اس کالے بھیانک چہرے والی عجیب ہستی کو دیکھا تو مجھے اپنی رائے بدلنی پڑی۔ مجھے یہ بھی یاد ہے کہ کوئی کڑوی کسیلی چیز میرے حلق میں انڈیلی گئی تھی اور بس۔

میں نے اپنے آپ کو جس کیبن میں پایا وہ چھوٹا اور غلیظ تھا۔ کالے بالوں اور چھوٹی کالی مونچھوں والا ایک نوجوان، جس کا نچلا ہونٹ نسبتاً بڑا تھا، مجھ پر جھکا میری نبض ٹٹول رہا تھا ہم دونوں کوئی ایک منٹ تک خاموشی سے ایک دوسرے کی صورت تکتے رہے اس نوجوان کی آنکھیں کچھ عجیب سی تھیں۔ پرنم، غیر جذباتی اور ہلکے سبز رنگ کی۔

عین اسی وقت کیبن کی چھت پر سے گڑگڑاہٹ کی آواز آئی۔ جیسے کوئی لوہے کا وزنی پلنگ گھسیٹ رہا ہو۔ پھر گھٹی گھٹی غراہٹ کی آواز سنائی دی۔ جیسے کوئی خون خوار درندہ غرا رہا ہو۔ اس کی آواز سنتے ہی وہ نوجوان، جو میری نبض دیکھ رہا تھا بے چینی سے پہلو بدل کر بولا۔

''اب طبیعت کیسی ہے؟''

''اچھی ہے شکریہ۔'' میں نے جواب دیا۔

میں اس سے پوچھنا چاہتا تھا کہ میں اس کیبن میں کس طرح آ گیا۔ معلوم ہوتا ہے اس نے میرے چہرے سے میری دلی کیفیت کا اندازہ لگا لیا۔ کیوں کہ وہ فوراً ہی میرا ہاتھ تھپتھپا کے بولا۔

''ہم نے تمہیں ایک کشتی میں سے اٹھایا تا م کرو سو بھوک اور پیاس سے تم نیم جان ہو رہے تھے۔ تمہاری کشتی میں کچھ عجیب سے نشانات تھے۔ جیسے دو آدمیوں نے کشتی لڑی ہو۔''

اور اسی وقت میں نے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا۔ اف وہ! کیسا سوکھ گیا تھا وہ! محض چمڑے اور ہڈیوں کا مجموعہ...... اور مجھے پچھلے واقعات یاد آ گئے ڈیمل کا مشورہ اور اس کی اور ملاح کی غرقابی۔

''لو...... یہ پی لو۔'' اس نوجوان نے کوئی سرخ رنگ کا مشروب مجھے پینے کے لیے دیا۔ وہ ٹھنڈا تھا۔ لیکن اس کے چند گھونٹوں نے میرے حلق سے نیچے اترتے ہی بدن میں قوت و توانائی کی روح دوڑا دی۔

''یہ تمہاری خوش قسمتی ہے دوست۔'' اس نے کہا۔ ''تمہیں ایک ایسے جہاز نے بچایا جس کے مسافروں میں ایک ڈاکٹر بھی ہے۔''

"وہ ایک عالم بے خودی میں بولتا چلا جا رہا ہے کہ دفعتہً اسے ہوش آ گیا اور وہ چونک کر بولا۔
"میں ذرا باورچی کی خبر لے آؤں۔ کم بخت نے اب تک کھانا تیار کیا کہ نہیں۔" کیبن کی چھت پر پھر وہی پرندہ غرایا اور اس دفعہ اس کی غراہٹ بڑی بھیانک اور وحشیانہ اور لرزا دینے والی تھی۔

"یہ کیسی آواز ہے؟" میں نے پوچھا۔ لیکن میرا معالج کوئی جواب دیئے بغیر باہر چلا گیا چند منٹوں بعد ہی وہ ایک پیالہ اٹھائے آیا جس میں گرم گرم بھنا ہوا گوشت تھا۔ اس نے گوشت کا پیالہ ایک ڈبل روٹی میرے سامنے رکھ دی گوشت کی خوشبو نے میرے نتھنوں میں پہنچتے ہی مجھے ایسا بے چین کیا کہ میں درندے کی غراہٹ بھول کر ندیدوں کی طرح کھانے پر ٹوٹ پڑا۔

ایک دن کے آرام اور ایک رات کی پرسکون نیند کے بعد مجھ میں اتنی توانائی آ گئی کہ میں اپنے بستر پر سے اٹھ کر کیبن کی دیوار پر بنے ہوئے چھوٹے گول روشن دان کے سامنے کھڑا ہو سکا۔ سمندر پرسکون تھا اور جہاز نہایت سبک رفتاری سے نامعلوم منزل کی طرف چلا جا رہا تھا۔ روشن دان کے سامنے کھڑے ابھی مجھے چند منٹ ہوئے تھے کہ وکرم بھاٹیہ آ گیا میں نے اس سے پہننے کے لیے کپڑے مانگے۔ کیوں کہ میرے کپڑے پھٹ گئے تھے انہوں نے اپنے کپڑے مجھے دے دیے جو میرے جسم پر ڈھیلے تھے۔

"اس کا کپتان بڑا ہی واہیات اور بے پروا آدمی ہے۔ وکرم بھاٹیہ نے کہا۔
"اس وقت وہ اپنے کیبن کے فرش پر نشے میں دھت پڑا ہے۔"
"کہاں جا رہا ہے یہ جہاز؟"
"ہوم کراس۔ لیکن پہلے یہ مجھے اپنی منزل تک پہنچا دے گا۔" وکرم بولا۔
"کون سی منزل ہے تمہاری؟" میں نے پوچھا۔
"ایک جزیرہ۔" وہ بولا۔
"کون سا جزیرہ......؟"
"خدا جا۔ زیون سا جزیرہ۔"
"کیا مطلب......؟"
"بھئی وہ جزیرہ جہاں میں رہتا ہوں۔ لیکن جہاں تک مجھے معلوم ہے، اس جزیرے کا کوئی نام نہیں۔ اس لیے میں کیا بتاؤں کہ میں کہاں جا رہا ہوں؟"

اور وہ اپنا نچلا ہونٹ لٹکا کر عجیب نظروں سے میری صورت تکنے لگا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ اپنی منزل کا پتا بتانا نہیں چاہتا تھا چنانچہ میں نے بھی اس کے متعلق کچھ پوچھنا، کم از کم اس وقت مناسب نہ سمجھا بہرحال یہ آدمی یعنی وکرم بھاٹیہ اس وقت مجھے بڑا پراسرار معلوم ہو رہا تھا اور میں یہ سوچنے پر مجبور تھا کہ اس کی ذات سے ضرور کوئی راز وابستہ ہے۔

جب میں کپڑے بدل چکا تو ہم دونوں کیبن سے باہر آ گئے۔

باہر آتے تو زینے پر ایک آدمی راستہ روکے کھڑا تھا۔ وہ کہیں آگے جھانک رہا تھا اور ہماری طرف اس کی پشت تھی۔ تاہم میں دیکھ سکتا تھا کہ وہ بڑا ہی بدقطع آدمی تھا۔ پست قامت، دبلا اور بے ڈھنگا۔ دوسری

یب بات یہ تھی کہ اس کی گردن بولتے وقت اس کے ہونٹوں کے کونوں پر تھوک جمع ہو جاتا تھا اور اس کی زبان بھی غیر محسوس طور سے تتلاتی تھی۔

"کون سا جہاز ہے یہ؟" میں نے کمزور اور پھٹی ہوئی آواز میں پوچھا۔
"چھوٹا سا تجارتی جہاز ہے اس جہاز کا کپتان، جو اس کا مالک بھی ہے نرا احمق آدمی ہے اور یو پارک نام ہے اس کا؟ بہرحال اگر سمندر پرسکون ہو تو یہ جہاز سفر کرنے کے لیے برا نہیں میں بھی ایک مسافر ہوں۔"

اس وقت پھر میرے کیبن کی چھت پر وہی درندہ غرایا۔ ساتھ ہی کسی آدمی کی خوف زدہ آواز سنائی دی اور پھر کسی دوسرے آدمی کی آواز آئی جو پہلے کو انگریزی میں گالیاں دے رہا تھا۔

"تم نیم جاں تھے۔" میرے معالج نے جلدی سے کہا۔ "بلکہ یوں قریب المرگ تھے لیکن میں نے چند خاص دوائیں تمہارے بدن میں داخل کر دیں۔ اپنے اس ہاتھ پر یہ سوجن دیکھ رہے ہو نا؟ یہ میں نے انجکشن دیے تھے کوئی تیس گھنٹوں تک تم بے ہوش پڑے رہے۔"

میرے دماغ میں جو جھنجھناہٹ سی معلوم ہو رہی تھی وہ اب کم ہونے لگی تھی اور میں پچھلے واقعات اور اپنی موجودہ حالت کے متعلق بغیر کسی الجھاؤ کے سوچ سکتا تھا۔ دفعتہً کئی کتوں کے بھونکنے کی آواز سے میرے خیالات کے تار و پود بکھر گئے۔

"ذرا بھوک معلوم ہو رہی ہے۔ کیا اب میری حالت اس قابل ہے کہ میں کچھ کھا سکوں؟" میں نے پوچھا۔

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔" اس وقت شاید گوشت تیار ہو گا۔"
"بس تو میں تھوڑا سا کھا لوں گا۔"
لیکن اس نے قدرے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ "میں یہ معلوم کرنے کے لیے بے چین ہوں کہ تم اس کشتی میں اکیلے کیوں تھے؟ کیا گذری تم پر؟"

اور میرا خیال ہے کہ میں نے اس کی آنکھوں میں شک کی جھلک دیکھی تھی۔ کتے پھر بھونکنے لگے۔
"لعنت ہے، کیا گڑبڑ مچا رکھی ہے ان کتوں نے۔" وہ بے چین سا ہو کر چیخا اور فوراً اٹھ کر کیبن سے باہر چلا گیا۔

اور میں نے اسے کسی کو ڈانٹتے سنا اور یہ جسے میرا معالج ڈانٹ رہا تھا کوئی عجیب سی زبان تھی جو میری سمجھ میں نہ آئی۔ اپنی صفائی پیش کر رہا تھا۔ وہ آواز جو میرے معالج کی ڈانٹ کا جواب دے رہی تھی۔ کچھ غیر انسانی سی تھی پھر ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے کوئی کسی کو پیٹ رہا ہو۔ لیکن میں نے خیال کیا کہ میرے کانوں نے مجھے دھوکا دیا ہے۔ میرا معالج کسی کو ایسے بے دردی سے کیوں پیٹنے لگا؟ پھر اس نے چیخ کر کتوں کو خاموش کیا اور واپس کیبن میں آ گیا۔

"ہاں تو تم مجھے اپنی کہانی سنانے والے تھے؟" وہ دروازے میں سے ہی بولا میں نے اسے بتایا کہ میرا نام دانش ابراہیم ہے اور یہ کہ میں طبیعات کا طالب علم رہ چکا ہوں وہ بڑی دلچسپی سے آگے کی طرف جھک گیا۔

"میں بھی ایسا ہی طالب علم تھا اور اب بھی اس سائنس کی اس شاخ سے دلچسپی ہے۔" اس نے کہا۔ "اُفوہ! کتنے جانوروں پر تجربات کیے تھے! لیکن دس سال ہوئے کہ......" وہ بولتے بولتے رک گیا جیسے اسے کچھ یاد آ گیا ہو اور چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "خیر اتو یہ بتاؤ کہ تم اس کشتی میں کہاں سے آ گئے اور اکیلے کیوں تھے؟"

میں نے اپنے مصائب کی کہانی مفصل طور سے سنا دی۔ وہ میری صاف گوئی سے مرعوب و مطمئن نظر آتا تھا۔ اس نے پھر طبیعات کا موضوع چھیڑ دیا اور بڑے فخریہ انداز میں اعلان کیا کہ وہ خود بھی علم حیئت کا طالب علم رہ چکا ہے۔ لیکن اس کی باتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے زمانے کا کمزور ترین طالب علم رہا ہوگا۔ سر کے بال غیر معمولی طور پر سے موٹے اور حد درجے سیاہ تھے۔ یہ بے ڈھنگا آدمی گہرے سبز رنگ کے کپڑوں میں ملبوس تھا۔ کتے جنہیں میں دیکھ نہیں سکتا تھا، زور زور سے غرائے اور وہ کبڑا آدمی گویا انتہائی خوف کے عالم میں بے اختیار پیچھے ہٹا۔ وہ سیدھا مجھ پر آیا۔ اس خیال سے وہ مجھ سے ٹکرا نہ جائے میں نے اپنے دونوں ہاتھ اسے روکنے کے لیے آگے کر دیے۔ میرے ہاتھوں کا اس کے بدن سے چھونا تھا کہ وہ حیوان کی پھرتی سے اچھل کر ہماری طرف گھوم گیا اور میں بہ مشکل اپنی چیخ روک سکا۔

یوں معلوم ہوتا ہے جیسے وہ ہوّا ہو، جس سے مائیں اپنے بچوں کو ڈرایا کرتی ہیں۔ اس کا نہایت مکروہ، ڈراؤنا اور سیاہ چہرہ دیکھ کر میں کئی قدم پیچھے ہٹ گیا اور واقعی اس کا عجیب چہرہ تھا۔ اس کی پیشانی اندر کو دھنسی ہوئی تھی اور جبڑے آگے کی طرف بڑھے ہوئے جیسے کسی جانور کی تھوتھنی ہو۔ اس کا منہ نیم وا تھا اور انتہائی نوک دار درندوں کے سے، اس کے دانت منہ سے جھانک رہے تھے۔ ایسے دانت کسی انسان کے ہو ہی نہیں سکتے اس کی آنکھیں اتنی سرخ تھیں کہ جنہیں عام اصطلاح میں "خونی آنکھیں" کہا جاتا ہے اور اس کے سیاہ و مکروہ چہرے سے عجیب طرح کی گھبراہٹ ہو رہی تھی۔

"ہٹ جا راستے سے خبیث کہیں کا۔" وکرم بھائیہ نے ڈانٹ کر کہا اور وہ سیاہ چہرے والا آدمی کچھ کہے بغیر ایک طرف ہٹ گیا۔

میں زینے پر چڑھنے لگا۔ حالانکہ میں اس بھیانک آدمی کے چہرہ کی طرف دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن بار بار میری نظر اس کی طرف اٹھ جاتی تھی، وکرم بھائیہ اس بھیانک آدمی کے پاس چند لمحوں کے لیے رکا رہا۔

"تم یہاں کیا جھک مار رہے ہو؟" وہ اس بھیانک آدمی سے کہہ رہا تھا "تمہارا کام وہاں ہے، جاؤ وہاں۔"

"وہ......وہ...... مجھے اپنے قریب آنے ہی نہیں دیتے۔" بھیانک آدمی نے جواب دیا۔ اس کی آواز بھی عجیب تھی۔ مصنوعی غیر فطری اور انسانوں کی آواز سے نمایاں طور پر مختلف۔

"قریب نہیں آنے دیتے!" وکرم بھائیہ نے غصہ سے کہا۔

"لیکن میں کہتا ہوں کہ جاؤ۔"

وہ کچھ اور بھی، کہنا چاہتا تھا لیکن اسی وقت اسے میری موجودگی کا احساس ہوا اور وہ غصہ سے بولا۔ میں دو چار سیڑھیاں چڑھ کے وکرم بھائیہ کے انتظار میں رک گیا تھا اور وہیں کھڑا حیرت سے اس بھیانک آدمی کی بدصورتی کا جائزہ لے رہا تھا میں نے ایسا مکروہ، بھیانک اور غیر متناسب چہرہ کبھی خواب میں بھی نہ

دیکھا تھا۔ لیکن اس کے باوجود مجھے کچھ دھندلا سا احساس تھا کہ ایسا چہرہ میں پہلے بھی دیکھ چکا ہوں اور دماغ پر زور ڈالنے سے مجھے یاد آیا کہ جب مجھے ٹائم کردسو کی کشتی میں نیم جاں حالت میں اٹھایا جا رہا تھا تو مجھے گھڑی بھر کے لیے ہوش آ گیا تھا اور میں نے اسی بھیانک چہرے کو اپنی آنکھوں کے قریب دیکھا تھا اور جسے اب تک میں اپنا وہم یا خواب سمجھے ہوئے تھا۔

وکرم بھائیہ نے مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا تو میں بہ مشکل اس بھوت پر سے اپنی نظریں ہٹا سکا...... خدا جانے کیوں اس آدمی کو دیکھتے ہی ایک طرح کا ان جانا خوف میرے دل میں جاں گزیں ہو گیا۔ کوشش کے باوجود میں اس خوف سے نجات حاصل نہ کر سکا۔

ہم عرشہ پر پہنچے۔ میں نے اسے کیبن میں پڑے پڑے اوپر سے آتی ہوئی آوازوں کے سہارے، عرشہ کو جیسا سمجھا تھا وہ اس سے قطعی مختلف تھا اتنا گندا عرشہ کسی مچھلیاں پکڑنے کے جہاز کا بھی نہ رہا ہوگا۔ عرشے پر باسی اور سڑے ہوئے گوشت کے ٹکڑوں کے علاوہ کوئی خاص طرح کی سبزی بدبودار دھجیاں سی بکھری پڑی تھیں۔ ایک مستول سے کئی شکاری کتے بندھے ہوئے تھے۔ جو ہمیں دیکھتے ہی اچھلنے اور غرانے لگے۔ دوسرے مستول کے قریب ایک آہنی پنجرہ رکھا ہوا تھا۔ جس میں زبردست تیندوا بند تھا۔ پنجرہ اتنا چھوٹا تھا کہ تیندوا اس میں بے مشکل کھڑا ہو سکتا تھا۔ تیندوے کے پیچھے، جہاز کی دیوار کے قریب، بہت سے ڈربوں میں خرگوش بند تھے۔

اور پھر ایک دوسرے پنجرے میں (ایک اونٹ جیسے جانور) کو گویا ٹھونس دیا گیا تھا پورے عرشے پر اگر کوئی انسان تھا تو وہ جہاز راں تھا جو پہیے کو، جس سے جہاز کا رخ بدلا جاتا ہے۔ دونوں ہاتھوں سے پکڑے بت کی طرح بے حس و حرکت کھڑا تھا۔

ہم لوگ اس جہاز راں کے قریب سے گزرتے ہوئے عرشے کے انتہائی سرے پر پہنچے اور جنگلے پر کہنیاں ٹیک کر، جہاز کے چلنے کی وجہ سے اٹھی ہوئی، ہلکی ہلکی لہروں کا رقص دیکھنے لگے سمندر پرسکون تھا اور ہوا کے فرحت بخش جھونکے چل رہے تھے۔

"یہ سب کیا ہے یار!" کچھ دیر بعد میں نے وکرم بھائیہ سے پوچھا۔ "کہیں یہ تیرتا ہوا چڑیا گھر تو نہیں۔"

"معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے۔" اس نے جواب دیا۔

"آخر جانور اس جہاز پر کیوں ہیں؟ ان کی موجودگی میری تو سمجھ میں نہیں آئی اگر یہ سامان تجارت ہے تو واقعی عجیب سامان ہے۔ کیا واقعی جہاز کا کپتان ان جانوروں کو چند ایک جزائر اور شہروں میں فروخت کرنا چاہتا تھا۔"

"معلوم تو کچھ ایسا ہی ہوتا ہے۔" وکرم بھائیہ نے بڑی بے زاری سے کہا اور پھر میری طرف سے منہ پھیر کر جنگلے پر جھک گیا۔

یکا یک زینے کی طرف سے ایک غیر انسانی چیخ سنائی دی۔ پھر کوئی بے تحاشا گالیاں بکنے لگا۔ دوسرے ہی لمحے وہ سیاہ چہرے والا بھیانک آدمی انتہائی بدحواسی کے عالم میں چڑھ آیا۔ اس کے پیچھے ہی پیچھے ایک دوہرے بدن کا آدمی بھاگا آ رہا تھا۔ جو سر پر کپتان کی ٹوپی رکھے ہوئے تھا۔ اس بھیانک آدمی کو دیکھتے

ہی کتے، جو مجھ پر بھونک بھونک کر تھک گئے تھے پھر بھونکنے اور غرانے لگے۔ وہ اس بھیانک آدمی پر جھپٹنے کی کوشش میں زنجیریں توڑنے لگے تھے۔ جن سے وہ بندھے ہوئے تھے۔ کتے کو یوں غصے میں دیکھ کر وہ بھیانک آدمی آگے بڑھنے کی ہمت نہ کر سکا۔

اور میں نے دیکھا کہ اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔ اسی اثنا میں وہ موٹا جو سر پر کپتان کی ٹوپی رکھے ہوئے تھا اور جس کے بال سرخ تھے اس بھوت کے پیچھے پہنچ گیا۔ اس نے اپنا زبردست گھونسا بھوت کی گردن پر رسید کیا اور وہ جھٹکا کھاتے ہوئے بیل کی طرح لڑکھڑا کر کتوں کے سامنے گرا۔ اسے گرتے دیکھ کر سرخ بالوں والا آدمی خوشی سے چلا اٹھا اور پھر اس کے منہ سے گالیوں کا سیلاب سا بہہ نکلا۔

سرخ بالوں والے آدمی کو دیکھتے ہی وکرم بھاٹیہ نے "بس بہت ہوا...... بس بہت ہوا۔" کہہ کر چلانا شروع کر دیا۔ لیکن سرخ بالوں والے پر اس کے چلانے کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ یا تو وکرم بھاٹیہ کی کوئی حقیقت ہی نہ سمجھتا تھا۔ یا پھر بہرہ تھا۔ اس عرصے میں جہاز کے دوسرے ملازم بھی وہاں آ گئے تھے۔

وہ سیاہ چہرے والا بھوت کتوں کے سامنے پڑا عجیب طرح کی غیر انسانی آواز میں چیخ رہا تھا اور کتے تھے کہ اپنی تھوتھنیاں مار مار کر اسے اور بھی سہمائے دیتے تھے۔ ملاح وہاں جمع ہو گئے تھے اس بھوت کو بچانے کے بجائے خوشی سے تالیاں پیٹ پیٹ کر چلا رہے تھے۔ گویا یہ ان کے لیے ایک دلچسپ کھیل تھا۔ وکرم بھاٹیہ نے دانت بھینچ کر زیر لب ایک گالی بک دی اور وہاں سے ہٹ آیا۔ میں اس کے پیچھے تھا۔

اپنی قوت جمع کر کے سیاہ چہرے والا بھوت بھی اٹھا۔ لرزتے قدموں سے جنگلے کے قریب پہنچا اور سمندر کی طرف منہ کر کے جانوروں کی طرح ہانپنے لگا۔ وہ بار بار گردن گھما کر کتوں کی طرف دیکھ لیتا تھا اور اس وقت اس کی آنکھوں سے عجیب طرح کا خوف ٹپکنے لگتا تھا اور اس کا اوپر کا ہونٹ جیسے خود بہ خود دانتوں کو ڈھانپ جاتا تھا۔ سرخ بالوں والا آدمی کھڑا ہنس رہا تھا۔

"دیکھیے کپتان صاحب۔" وکرم بھاٹیہ نے سرخ بالوں والے آدمی کی کہنی پکڑ کر کہا۔

"آئندہ ایسا نہ ہو۔" کپتان دفعتہً وکرم بھاٹیہ کی طرف گھوم گیا۔ میں وکرم بھاٹیہ کے پیچھے کھڑا تھا۔ چنانچہ میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھیں عادی شرابیوں کی طرح سرخ تھیں اور شاید اس وقت بھی وہ پیے ہوئے تھا۔

"ایسا ہی ہوگا۔ ہزار بار ہوگا۔" اس نے نہایت مکروہ آواز میں کہا اور چند ثانیوں تک وکرم بھاٹیہ کو گھورتے رہنے کے بعد بولا۔

"حرامی۔"

"وہ جیسا بھی ہے اس جہاز کا مسافر ہے۔" وکرم بھاٹیہ نے کہا۔ "اور میں تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ پھر کبھی اس پر ہاتھ نہ اٹھانا۔"

"جہنم میں جائے وہ مسافر اور اس کے ساتھ تم خود بھی۔" کپتان لڑکھڑا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا۔ "یہ میرا جہاز ہے میرا۔ میں جو چاہوں کر سکتا ہوں۔ تم کون ہوتے ہو مجھ پر حکم چلانے والے۔ میں اس بحری مملکت کا بادشاہ ہوں۔"

میرا خیال تھا کہ کپتان کو نشے میں دیکھ کر وکرم بھاٹیہ اس معاملے کو زیادہ طول نہ دے گا۔ لیکن میں نے دیکھا کہ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے مٹھیاں بھینچ لیں اور کپتان کے قریب جا کر بولا۔

"کپتان صاحب! میں آخری بار تمہیں خبردار کیے دیتا ہوں کہ آئندہ سے میرے آدمی کے ساتھ برا سلوک نہ کیا جائے جب سے ہم اس جہاز پر سوار ہوئے ہیں۔ تمہاری ناانصافیوں کو صبر اور سکون سے برداشت کرتے آئے ہیں۔ لیکن برداشت کی بھی آخر ایک حد ہوتی ہے۔"

"تیز شراب کے نشے نے کپتان کی قوت گویائی چند ثانیوں تک گویا سلب کر دی اور بڑی کوشش کے بعد وہ صرف 'حرامی کے بچے' کہہ سکا۔

میں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وکرم بھاٹیہ کا غصہ بڑا تیز ہے اور وہ بڑی کوششوں سے اپنے آپ کو روکے ہوئے ہے۔ بات بڑھتے دیکھ کر میں نے بیچ میں پڑنا مناسب سمجھا۔ کیوں کہ مجھے یقین ہو چلا تھا کہ کپتان اور وکرم بھاٹیہ ایک دوسرے پر گھونسے چلا رہے ہوں گے۔

"یہ آدمی پیے ہوئے ہیں۔" میں نے وکرم بھاٹیہ کو پیچھے کھینچتے ہوئے کہا۔ "اس پر تمہاری باتوں کا کم از کم اس وقت کوئی اثر نہ ہوگا۔"

"یہ ہر وقت پیے رہتا ہے۔ لیکن یہ بہانہ اسے مسافروں کی تنگ کرنے کی اجازت نہیں دیتا۔"

"یہ میرا جہاز ہے۔" کپتان دونوں ہاتھوں سے اپنا سینہ کوٹ کر چیخا۔ "ہمیشہ صاف رہتا تھا اور عرشہ تو آئینے کو بھی شرماتا تھا اور اب دیکھو تم نے اس کی کیا درگت بنا رکھی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ وہ جگہ بھی اتنی گندی نہ ہوگی جہاں پورے شہر کا کوڑا کرکٹ ڈالا جاتا ہے۔ واہ! کیا مسافر ہیں میرے جہاز کے بھی۔" کپتان نے پھر کہا۔

"تمہاری اجازت کے بعد ہی یہ جانور اس جہاز پر چڑھائے گئے تھے۔" وکرم بھاٹیہ نے آہستہ سے کہا۔

"کاش! میں تمہارے اس جہنمی جزیرے سے واقف نہ ہوتا۔ کبھی میں نے اسے دیکھا بھی نہ ہوتا...... اور...... اور ان جانوروں کی کیا ضرورت ہے تمہیں؟ کیوں لیے جا رہے ہو انہیں اور تمہارا وہ آدمی...... اسے آدمی کون کہہ سکتا ہے۔ وہ تو...... وہ تو...... جانور...... اور...... اس کا چہرہ...... افوہ...... ! تم اسے؟"

"بہرحال اسے اپنے حال پر چھوڑ دو۔" وکرم بھاٹیہ نے نرمی سے کہا اور کپتان کے قریب سے ہٹ آیا۔ لیکن موخر الذکر اب جھگڑا کرنے پر تلا ہوا تھا۔ چنانچہ وہ آگے بڑھ کر نہایت توہین آمیز لہجے میں چیخا۔

کان کھول کر سن لو اگر تمہارا وہ شیطان ساتھی پھر اس طرف آیا تو خدا کی قسم میں اس کا پیٹ چیر کر آنتیں سمندر میں پھینک دوں گا...... تم کون ہوتے ہو مجھ پر حکم چلانے والے؟ یہ میرا جہاز ہے میرا۔" وہ پھر اپنا سینہ کوٹنے لگا۔ "میں اس کا کپتان ہوں اور مالک بھی اور مجھے تمہارے مشوروں کی ضرورت نہیں۔ یہاں میرے بنائے ہوئے قوانین پر عمل ہوتا ہے...... میں قانون ساز ہوں یہاں کا، کیا سمجھے۔ تم کیا اور تمہاری حیثیت کیا؟ میں نے اس جہنمی جزیرے سے امریکہ تک دو آدمیوں کو لے جانے اور پھر وہاں سے چند جانوروں کو لانے کا معاملہ طے کیا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ ایک کالے منہ والا شیطان اور ایک......"

اور اس نے وکرم بھائیہ کو گالی دی۔ موخر الذکر گھونسا تان کر کپتان کی طرف لپکا۔ لیکن میں نے اسے پکڑ لیا۔

"کیا کر رہے ہو۔ وکرم بھائیہ۔" میں نے کہا۔ "یہ آدمی اپنے ہوش میں نہیں۔ منہ نہ لگواس کے۔"
"کپتان کے جوش میں آ رہا تھا بکے جا رہا تھا۔ وہ وکرم بھائیہ کی ماں بہن اور پورے خاندان سے عجیب عجیب طرح کے رشتے جوڑ رہا تھا۔

"شٹ اپ۔" میں چیخا۔ کیوں کہ میں نے دیکھا کہ وکرم بھائیہ کا چہرہ دہک رہا تھا اور مجھے یقین ہو چلا تھا کہ وہ اسی جگہ کپتان کا گلا گھونٹ دے گا۔

اور کپتان کی گالیوں کا ہدف اب میں تھا۔ وہ گالیوں میں ایسی نئی نئی اصطلاحیں وضع کر رہا تھا کہ مجھ جیسا ٹھنڈے مزاج کا آدمی بھی غصہ کی لہر محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا اور کپتان۔

"شٹ اپ۔" کہتے وقت میں یہ بھول گیا تھا کہ میں ایک غرق شدہ جہاز کا بے سہارا مسافر ہوں اور یہ کہ کپتان نے از راہ کرم مجھے اپنے جہاز میں جگہ دی تھی اور میں نے کرایہ بھی ادا نہ کیا تھا۔ مجھے یاد دلا کر اور پھر میری سات پشتوں تک کی خبر لے ڈالی۔

بہر حال میں ایک زبردست جھگڑے کو جس کا انجام خون خرابہ ہوتا ہے بروقت دبا دینے میں کامیاب رہا تھا۔

اور اس دن سورج غروب ہونے کے کچھ ہی دیر بعد، ہمارا جہاز لنگر انداز ہوا اور دور سمندر پر ایک داغ سا نظر آ رہا تھا۔ وکرم بھائیہ نے بتایا کہ وہی جزیرہ اس کی منزل ہے جزیرہ کے عقب سے دھوئیں کی ایک باریک سی لکیر آسمان کی نیلاہٹوں تک اٹھی ہوئی تھی۔

جب دور وہ جزیرہ نظر آیا تو کپتان عرشہ پر نہیں تھا۔ مجھ پر غصہ اتار چکنے کے بعد وہ اپنے کیبن میں چلا گیا اور اس وقت شاید اس کے فرش پر نشے میں پڑا پڑا تھا۔ اس کی جگہ کپتان کے فرائض وہ دبلا پتلا آدمی انجام دے رہا تھا۔ جسے میں جہاز کا رخ بدلنے کے پہیے پر مستعد دیکھا تھا۔ یہ آدمی بھی وکرم بھائیہ سے خفا معلوم ہوتا تھا۔ چنانچہ اس نے ہم دونوں کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ ہم نے اس کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا، کھانے کے درمیان میں نے اس سے بات چیت کرنے کی کوشش کی۔ لیکن اس نے میری طرف سے منہ پھیر لیا۔ صاف ظاہر تھا کہ اس آدمی کو بلکہ جہاز کے ہر ملازم کو وکرم بھائیہ اس کے سیاہ چہرے والے خدمت گار اور جانوروں سے سخت نفرت تھی۔ وکرم بھائیہ نے ان جانوروں کے متعلق مجھے کچھ نہ بتایا تھا۔ حالانکہ میں وکرم بھائیہ اور ان جانوروں کے متعلق سب کچھ جان لینے کے لیے بے چین تھا۔ لیکن خود میں نے بھی اس سے کچھ پوچھنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

کھانے سے فراغت پا کر میں اور وکرم بھائیہ عرشے پر آ گئے۔ شفاف آسمان پر تارے جگمگا رہے تھے۔ رات خاموش تھی۔ البتہ کبھی کبھی جانوروں کے پہلو بدلنے کی ہلکی سی سرسراہٹ سنائی دے جاتی تھی۔ تیندوا اپنی اگلی ٹانگوں میں منہ چھپائے سو رہا تھا۔ کتے خاموش تھے۔ شاید وہ بھی سو رہے تھے۔ وکرم بھائیہ نے سگریٹ نکال کر ایک مجھے پیش کیا اور ایک اپنے منہ میں دبا لیا۔

اور اب وہ مجھ سے میرے وطن کے بارے میں پوچھنے لگا۔ اس کے لہجے میں حسرت و یاس اور بے چینی جھلک رہی تھی۔ وہ اس آدمی کی طرح وطن کے متعلق باتیں پوچھ رہا تھا۔ جس کی زندگی اس ملک میں بڑی خوش گوار گزر رہی ہو اور پھر اسے اچانک ہی وہاں سے چلے آنا پڑا ہو اور دوبارہ وطن کی صورت دیکھنا نصیب نہ ہوئی ہو اور میں اسے اپنے وطن کی باتیں بتانے لگا اور میں نے دیکھا کہ وہ اپنے ہونٹ کاٹ رہا تھا۔ شاید وہ ان آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جو پلکوں تک آ گئے تھے۔ میں نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹا کر جزیرے کی طرف دیکھا۔ جو وکرم بھائیہ کی منزل تھی اور خیالات میرے ذہن میں امنڈ کر آ رہے تھے۔

وکرم بھائیہ کون ہے؟ وہ اپنا گھر بار وطن چھوڑ کر اس دور افتادہ جزیرے میں کیوں پڑا ہوا ہے۔ کیا وہ مجرم ہے؟ کوئی خونی جو قانون کی گرفت سے بچنے کے لیے بھاگ آیا ہو۔ لیکن ان سوالوں کے جواب میرے پاس نہ تھے۔

وکرم بھائیہ کوئی بھی ہو۔ میرے لیے تو وہ ایک فرشتہ تھا۔ جو آسمان کی ان دیکھی اور ان جان وسعتوں سے محض میری جان بچانے کے لیے اتر آیا تھا۔ کل وہ اس جہاز سے رخصت ہو جائے گا اور پھر میرے لیے اس کا وجود اور عدم وجود برابر ہوگا۔ عام حالات میں یہ خیال مجھے مطمئن کر دیتا تھا۔ لیکن حالات غیر معمولی تھے۔ اول تو یہی بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ وکرم بھائیہ جیسا مہذب اور تعلیم یافتہ آدمی اس جزیرے میں کیوں پڑا ہوا ہے اور پھر کپتان کے الفاظ میرے کانوں میں گونجنے لگے۔

واقعی وکرم بھائیہ کو ان جانوروں کی کیا ضرورت تھی اور جب میں نے پہلے ان جانوروں کے متعلق پوچھا تھا تو اس نے ان سے اپنی بے تعلقی ظاہر کی تھی۔ آخر کیوں ..... اور اس کے سیاہ خدمت گار کا نرالا پن.....؟ وہ کسی طرح انسان معلوم ہی نہ ہوتا تھا اور ان سوالات نے وکرم بھائیہ کے گرد اسرار کا ایک حلقہ پیدا کر دیا تھا۔ اس کی ذات میرے لیے ایک ناقابل حل معمہ بن کر رہ گئی تھی۔ میرا تصور عجیب عجیب بھیانک تصویریں مجھے دکھانے لگا اور میری زبان لڑکھڑا گئی۔ اب میں رک رک کر بول رہا تھا۔ شکر ہے کہ وکرم بھائیہ نے اس فوری تبدیلی کو محسوس نہ کیا۔

اور آدھی رات تک ہم وطن کی باتیں کرتے رہے اور جب اس موضوع سے اکتا گئے یا یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ وکرم بھائیہ بھی اکتا گیا تو ہم خاموش ہو گئے۔ ہم جنگلے پر کہنیاں ٹکائے اپنے اپنے خیالات میں گم خلا میں گھورتے رہے۔ رات پر سکون اور خنک تھی۔

"وکرم بھائیہ۔" میں نے کچھ دیر کے بعد کہا اگر میں کہوں کہ تم نے مجھے دوسری زندگی بخشی ہے تو شاید بے جا نہ ہوگا۔ میں تمہارا احسان تا عمر نہ بھولوں گا۔"

"ارے کیا احسان اور کیسی بات۔" اس نے جواب دیا۔ یہ تو ایک اتفاق تھا اور بس۔ بلکہ کہنا چاہیے کہ تمہاری قسمت اچھی تھی۔"

"تم کچھ بھی کہو۔ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ خدا نے تمہیں فرشتہ بنا کر میری جان بچانے کے لیے بھیجا تھا۔ تمہارا شکریہ۔"

"یہ رسمی باتیں رہنے دو یار میں کہہ چکا ہوں کہ یہ اتفاق تھا اور بس تم بیمار تھے میں نے تمہارا علاج

کیا۔ تم بھوکے تھے اور میں نے تمہیں کھانا کھلایا۔ میری جگہ اگر کوئی دوسرا ہوتا وہ بھی ہمدردی سے مجبور ہو کر ایسا ہی کرتا۔ اس کے علاوہ اس میں میری ایک ذاتی غرض بھی پوشیدہ تھی۔ میں بے حد اکتا گیا تھا اور کسی مہذب آدمی سے باتیں کرنا چاہتا تھا۔ اگر اس دن میری طبیعت مکدر ہوتی، میرا مزاج بگڑا ہوا ہوتا اور مجھے تمہارے حال پر رحم نہ آ گیا ہوتا تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت تم کہاں ہوتے۔"

"تم کچھ بھی سمجھو میں تو......"

"اتفاق۔ میرے دوست اتفاق، جسے ہم کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ انسانوں کی قسمتیں بدل دیتا ہے۔ ذرا سوچو تو کہ میں یہاں کیوں ہوں؟" کیا وجہ ہے کہ میں تمہاری طرح خوش و خرم انسان ہونے کے بجائے ایک بیزار اور اداس آدمی ہوں۔ کیوں میں دنیا کے جھمیلوں اور اس کی دلچسپی سے کٹ سا گیا ہوں۔ اتفاق...... میرے دوست میں اتفاق کا شکار ہوں۔ ایک رات دس منٹ کے لیے اتفاقاً میری عقل رخصت ہو گئی اور معاملہ ختم۔ وہ بولتے بولتے رک گیا۔

"اچھا پھر؟"

"پھر کچھ نہیں۔"

چند ثانیوں تک خاموشی کا وقفہ رہا۔ پھر وہ ہنس پڑا۔

"دانش! یار اس تاروں بھری رات میں کوئی خاص بات ہے کہ آدمی جذباتی بن کر اپنے متعلق ہی باتیں کرنے لگتا ہے۔ میں احمق ہوں۔ نرا احمق...... لیکن میں اپنے متعلق باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ تمہارے سامنے اپنے دل کی بھڑاس...... لیکن نہیں۔"

"مجھ پر اعتبار کرو۔ تمہارا راز قیامت تک میرے سینے میں دفن رہے گا۔" چند ثانیوں تک وہ کچھ سوچتا رہا۔

"نہیں یار۔" اپنا دکھڑا رونے سے کیا فائدہ ہوگا......" اس طرح میری زندگی تو نہ بدل جائے گی؟ بہتر ہے کہ راز کو راز ہی رہنے دیا جائے اپنا راز ظاہر نہ کرنا عقلمندی کی علامت ہے۔ اگر میں نے تمہیں اپنی کہانی سنائی بھی تو مجھے کیا مل جائے گا۔ چند لمحوں کا عارضی سکون۔ اس کے بعد وہی مایوسی اور وہی بے زاری۔"

وہ خاموش ہو گیا۔ وہ شاید مجھے اپنی کہانی سنا دینا چاہتا تھا۔ لیکن وہ ڈر رہا تھا۔ خدا جانے کس سے ڈر رہا تھا۔ میں نے بھی اسے مجبور کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ چنانچہ میں دوسری طرف دیکھنے لگا۔ مجھ سے کوئی دس قدم دور ایک سیاہ سایہ دکرم پر جھکا ہوا تھا۔ یہ دکرم بھالیہ کا وہی سیاہ چہرے والا خدمت گار تھا۔ اس نے گردن گھما کر ایک لمحے کے لیے میری طرف دیکھا اور میری ریڑھ کی ہڈی میں ٹھنڈی لہر سی دوڑ گئی۔

اس کی آنکھیں اندھیرے میں چمک رہی تھیں بلی کی آنکھوں کی طرح اس کی آنکھوں میں وہی نیلی چمک تھی جو رات کو بلی شیر یا دوسرے درندوں کی آنکھوں میں آ جاتی ہے اور مجھے دکرم بھالیہ کا وہ ملازم کوئی درندہ یا...... عفریت معلوم ہوا اور مجھے بھوتوں اور چڑیلوں کی طرح وہ سب کہانیاں یاد آ گئیں جو میں بچپن میں اپنی دادی سے سنا کرتا تھا اور وہی بچپن کا خوف بھی لوٹ آیا جو میں ان کہانیوں کو سن کر محسوس کیا کرتا تھا۔

"نہیں یار اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے۔" میں نے دل میں سوچا۔" وہ بھوت پریت تو ہے

نہیں تمہاری ہی طرح کا انسان ہے۔ البتہ ذرا بدصورت ہے بے چارا۔"

اور اسی وقت دکرم بھالیہ کی آواز سنائی دی۔

"رات بہت ہو چکی ہے۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "اب ہمیں چل کر سونا چاہیے۔"

"چلو۔" میں نے کہا۔

میرے کیبن کے سامنے پہنچ کر دکرم بھالیہ نے مجھے شب بخیر کہا اور اپنے کیبن کی طرف چلا گیا۔

اور اس رات صبح ہونے تک میں بھیانک خواب دیکھتا رہا۔ بھوتوں اور چڑیلوں کے خواب، عجیب طرح کے درندوں کے خواب، جو ہماری طرح دو ٹانگوں پر چلتے تھے اور جن کی آنکھیں اندھیرے میں ہیروں کی طرح چمکتی تھیں۔ میں چونک کر اٹھتا تو میرا پورا بدن ٹھنڈے پسینے میں شرابور ہوتا اور کیبن کی دیوار پر ٹنگی ہوئی پوٹلی کسی کا بھیانک سر بن جاتی اور کواڑوں کے دروازے اور روشن دان میں سے آتی ہوئی چاندنی کے سائے چڑیلوں کی طرح ناچنے لگتے۔ میں گھبرا کر آنکھیں بند کرتا تو تصور میں دکرم بھالیہ کے سیاہ چہرے والے ملازم کو اپنی ساری ہیبت ناکی کے ساتھ اپنے سامنے لا کھڑا کرتا۔

اور پھر کتوں نے غرانا شروع کیا اور صبح تک غراتے رہے۔

دوسرے دن صبح سویرے ہی میری آنکھ کھل گئی۔ میں ساری رات بھیانک خواب دیکھتا رہا تھا اور صبح ہونے سے شاید دو چار گھنٹے پہلے سو گیا تھا۔ آنکھ کھلتے ہی ایک پھٹی ہوئی آواز کانوں میں پڑی عرشہ پر موجود آدمی چیخ چیخ کر کسی کو کوئی ہدایات دے رہا تھا۔ آیا خدا جانے اس پر حکم چلا رہا تھا۔ میں آنکھیں مل کر سوچنے لگا کہ میں کہاں ہوں؟ اوٹ پٹانگ خوابوں نے دماغ سن کر دیا تھا اور کوئی بات یاد نہیں آ رہی تھی۔ دفعتہً پیروں کی چاپ سنائی دی کوئی دوڑ رہا تھا۔

اور پھر کوئی بھاری چیز لڑھکا دی گئی اور اس گڑگڑاہٹ سے میرے کیبن کی ساری دیواریں لرز اٹھیں۔ پھر آہنی زنجیروں کی کھنک سنائی دی اور پانی کا چھپاکا سا ہوا۔ جیسے کوئی چیز سمندر میں گری ہو۔ ساتھ ہی سمندر کا پانی میرے کیبن کے روشن دان کے شیشے سے ٹکرایا میں گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔

میں کیبن سے باہر آیا اور تیزی سے زینہ چڑھ کر اوپر پہنچا۔ جہاز کا کپتان میری طرف پشت کیے کھڑا تھا اور سورج کی پہلی کرنوں میں اس کے بے ترتیب سرخ بال سونے کے تاروں کی طرح چمک رہے تھے۔ جہاز کے آخری مستول سے ایک مضبوط راستہ بنا ہوا تھا۔ تیندوا بے چارا خوف کے مارے ایک کونے میں دبک گیا تھا۔

"نیچے اتار دو۔" کپتان چلا رہا تھا۔ "اتار دو جانوروں کو ہم جہاز کو ان سے پاک کر دیں گے ہائے! ہائے! کتنا صاف تھا میرا جہاز۔"

" کپتان میرا راستہ روکے کھڑا تھا۔ چنانچہ میں نے آہستہ سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا کہ راستہ چھوٹ جائے تو میں بھی عرشہ پر پہنچ جاؤں۔ وہ پھرکی کی طرح میری طرف گھوم گیا اور میں نے دیکھا کہ وہ اس وقت بھی نشے میں تھا۔

"اوے!" وہ چیخا اور اس کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔ "یہ تو ہمارے مسٹر دانش......"

"بہت اچھا میں خود مسٹر شٹ اپ کی مدد کروں گا۔" کپتان پھر چیخ کر بولا۔ اور اب جہاز میں
یک عجیب طرح کا ڈرامہ کھیلا جانے لگا۔ میں باری باری ہر ایک کے سامنے گڑگڑانے لگا پہلے وکرم بھاٹیہ کے
سفید بالوں والے ساتھی کے سامنے گڑگڑایا کہ وہ مجھے اپنے ساتھ لے چلے اس نے نفی میں سر ہلایا تو کپتان
کے سامنے میں گھٹنوں کے بل جھک گیا کہ وہ مجھے اپنے جہاز سے نہ اتارے اس کے منہ پھیر لینے سے میں
نے ایک ملاح سے التجا کی کہ وہ کپتان سے میری سفارش کر دے۔ وکرم بھاٹیہ بے تعلق اور خاموش کھڑا تھا۔
کی ذلت و خواری کبھی میں نے محسوس نہ کی ہوگی جیسی کہ اس وقت میں محسوس کر رہا تھا۔

"مسٹر شٹ اپ! تمہیں ابھی اور اسی وقت ہمارے جہاز سے اترنا ہوگا۔" کپتان بس یہی کہتا رہا۔

"اور نہایت شرمندگی محسوس کرتے ہوئے میری آنکھیں پرنم ہو گئیں کپتان مجھے دھکا تا رہا، وکرم
بھاٹیہ اور اس کا ساتھی میری طرف سے منہ پھیر کر کھڑے ہو گئے۔ ملاح سامان نیچے اتارتے رہے اور میں
ایک طرف کھڑا اپنی قسمت کو روتا رہا کسی کو میری حالت پر رحم نہ آیا۔ میں جنگلے پر کہنیاں ٹیک کر جھک گیا کوئی
بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ خدا جانے کیا ہونے والا تھا؟ وکرم بھاٹیہ بھی مجھے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے
تیار نہ تھا۔ کپتان اپنے جہاز میں رکھنا نہیں چاہتا تھا اور میں، خدا جانے میرا کیا ہونے والا تھا۔

بادبانوں والی ایک لمبی سی کشتی جہاز سے لگی کھڑی تھی اور جہاز سے سامان کو کشتی میں رکھ رہے تھے۔
کیوں کہ کشتی جہاز سے اسی طرح اڑا دی گئی تھی کہ جہاز کے ابھرے ہوئے پہلو نے اس کا بہت حصہ چھپا لیا تھا۔

"وکرم بھاٹیہ اور اس کے ساتھی نے میری طرف دیکھا تک نہیں۔ گویا وہ میری موجودگی کو فراموش
کر چکے تھے۔ اس وقت جہاز کا کپتان بھی میری طرف متوجہ نہ تھا۔ وہ اپنے ملازموں کو سامان اتارنے کے
متعلق ہدایت دے رہا تھا اور ان کی مدد کرنے کے بجائے انہیں اور بوکھلا دیتا تھا۔ میں جنگلے پر کہنیاں ٹیکے کھڑا
تھا اور اپنی بے بسی پر رو پڑنے کو جی چاہتا تھا۔ آج میں نے ناشتہ بھی نہ کیا اور اب مجھے بھوک محسوس ہو رہی
تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اگر کپتان نے مجھے جہاز سے جبراً نکالنا چاہا تو میں نہ تو اس کا مقابلہ کر سکوں گا اور نہ
وکرم بھاٹیہ اور اس کے ساتھی کو ہی مجبور کر سکوں گا کہ وہ مجھے اپنے ساتھ لے چلیں۔ عجیب حالت تھی۔ میری
میں خاموش کھڑا تقدیر کے فیصلے کا منتظر تھا۔

آخر کار وکرم بھاٹیہ کا سب سامان کشتی میں پہنچا دیا گیا اور اب ایک عجیب طرح کی جدوجہد شروع
ہوئی۔ کپتان نے چیخ کر کہا اور دو تین ملاح مجھے اس زینے کی طرف دھکیلنے لگے جس پر وکرم بھاٹیہ اور اس کا
ساتھی چند منٹ پہلے کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ لیکن اب وہ وہاں نہ تھے۔ میں نے ہاتھ پاؤں چلائے ایک
ملاح کے منہ پر دو ایک گھونسے بھی رسید کیے۔ لیکن وہ مجھے گھسیٹ کر زینے تک لے ہی گئے اور اس جدوجہد
کے باوجود میں یہ دیکھے بغیر نہ رہ سکا کہ وکرم بھاٹیہ کے ساتھ جو لوگ کشتی میں بیٹھے ہوئے تھے ان کے چہرے
کالے اور بھورے تھے۔ ان کی کشتی سامان سے بھر گئی تھی اور وکرم بھاٹیہ کے عجیب چہرے والے ساتھی اسے
خوفناک جزیرے کی طرف لے جا رہے تھے۔

کشتی جہاز سے دور ہٹ گئی تھی اور اب عین میرے نیچے بہتا ہوا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ اگر میں
نے اپنے دونوں پاؤں جہاز کی دیوار پر لٹکا کے اپنے آپ کو پوری قوت سے پیچھے دھکیل دیا ہوتا تو ملاح یقیناً

"دانش ابراہیم......" میں نے لقمہ دیا۔

"جہنم میں گیا۔ دانش۔" وہ بولا۔

"شٹ اپ۔"

"یہ ہے تمہارا نام۔ مسٹر شٹ اپ۔" اس بے وقوف شرابی کو جواب مزید دینا مناسب نہیں تھا۔
چنانچہ میں خاموش رہا۔ لیکن اس نے اب جو حرکت کی تھی وہ خلاف توقع تھی۔ اس نے اس زینے کی طرف
اشارہ کیا جس پر سے ہو کر مسافر پلیٹ فارم پر سے جہاز میں اور جہاز سے پلیٹ فارم پر آتے جاتے ہیں۔
اس زینے پر وکرم بھاٹیہ کھڑا سفید بالوں والے ایک دوسرے دوہرے بدن کے آدمی سے باتیں کر رہا تھا۔ یہ
آدمی جامنی رنگ کی میلی پتلون اور میلی سی قمیص پہنے ہوئے تھا۔

"اس طرف...... مسٹر شٹ اپ...... اس طرف۔" کپتان زینے کی طرف اشارہ کر کے گرجا۔"

"کیا مطلب؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"مطلب......؟ مطلب یہ کہ اب رخصت ہو جاؤ اس جہاز سے...... میرے خدا! کتنا گندا کر رکھا
ہے۔ میرا جہاز۔ اب ہم اس کی صفائی کریں گے اور کان پکڑتا ہوں کہ کبھی اس جہنمی جزیرے کے قریب سے
بھی نہیں گزروں گا۔ ہاں تو مسٹر شٹ اپ۔ اس طرف...... اس طرف۔"

میں احمقوں کی طرح کپتان کی صورت تکنے لگا اور بجلی کی سی تیزی سے ایک خیال دماغ میں کوند
گیا...... ایسے جھگڑالو شرابی کے ساتھ تنہا سفر کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔ چنانچہ میں نے گھوم کر سوالیہ نظروں
سے وکرم بھاٹیہ کو دیکھا۔

"نہیں ہم تمہیں اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتے۔" وکرم بھاٹیہ کے سفید بالوں والے ساتھی نے کہا۔

"آپ مجھے اپنے ساتھ نہیں لے کر جائیں گے؟" میں نے خوف زدہ نظروں سے وکرم بھاٹیہ
کے ساتھی کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ایسا کرخت چہرہ جس سے حد درجہ مستقل مزاجی کے آثار ظاہر ہوں میں نے کبھی کسی کا نہ دیکھا تھا۔

"دیکھو بھئی۔" اب میں کپتان سے مخاطب ہوا۔

"ایک لفظ نہیں سننا۔" کپتان نے منہ بنا کر کہا۔ "اتر جاؤ اس جہاز سے...... فوراً۔ ہمارا جہاز
جانوروں اور...... اور...... آدم خوروں کے لیے نہیں ہے چلو اترو مسٹر شٹ اپ اگر یہ لوگ تمہیں اپنے ساتھ
نہیں لے جاتے تو ہم کیا کریں۔ کود جاؤ سمندر میں اور تیر کر اس جہنمی جزیرے تک پہنچ جاؤ ڈوب جاؤ۔ لیکن
ہمیں بخشو! تم میں سے ایک آدمی بھی ہمیں اپنے جہاز پر نہیں چاہیے۔ بہر حال تم اس جہاز سے اسی وقت اترو
گے۔ چاہے اپنے دوستوں کے ساتھ جاؤ، چاہے اکیلے۔"

"وکرم بھاٹیہ!" میں نے بے کس و بے سہارا فریادی کی طرح فریاد کی۔

اس نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر اپنے سفید بالوں والے ساتھی کی طرف اشارہ کیا۔
مطلب یہ تھا کہ اب وہ اس آدمی کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

"افسوس ہے کہ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔" وکرم بھاٹیہ نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

مجھے سمندر میں پھینک دیتے۔ ہم لوگ ایک دوسرے پر گرے اور وکرم بھاٹیہ کے عجیب چہروں والے ساتھی خوشی سے چلا اٹھے فوراً ہی میں نے وکرم بھاٹیہ کی آواز سنی وہ انہیں ڈانٹ رہا تھا۔ گالیاں بکتا ہوا کپتان اور دو تین ملازم اپنے ساتھیوں کی مدد کو دوڑے۔

میں بے تحاشا لاتیں چلا رہا تھا اور چیخ بھی رہا تھا۔ لیکن کپتان کی آواز میری آواز پر غالب آ گئی۔ وہ اپنے ملازموں کو نہایت شرم ناک قسم کی گالیاں دے رہا تھا۔ کپتان کی گالیاں سن کر آخر کار ملازموں کی رگ حمیت پھڑکی اور یہ مجھ پر یوں جھپٹے جیسے شکاری کتے لومڑی پر۔ ان سب نے مل کر مجھے اٹھا لیا اور اٹھائے ہوئے جہاز کے پچھلے حصے کی طرف بھاگے۔ جہاز کی دم سے نام کردسو کی کشتی بندھی ہوئی تھی۔ جو نصف کے قریب سمندر کے پانی سے بھر گئی تھی۔ اس میں نہ تو چپو تھے اور نہ اشیائے خورد و نوش۔ میں نے اس خطرناک کشتی میں سوار ہونے سے صاف انکار کر دیا اور احتجاج کے طور پر اپنا بدن اکڑا کے جہاز کے عرشے پر لمبا لمبا لیٹ گیا۔ اب کپتان نے عاجز آ کر مجھے کشتی میں پہنچانے کی ایک انوکھی ترکیب سوچی۔ اس کی ہدایت کے مطابق ملاحوں نے میرے ہاتھ پاؤں مل کر ایک مضبوط رسے سے باندھ دیے بالکل اسی طرح کہ ذبح کرتے وقت گائے کی چاروں ٹانگیں باندھ دی جاتی ہیں اور اس طرح مال مویشی کی طرح مجھے کشتی میں اتارا گیا اور پھر رسہ کاٹ دیا گیا جس سے وہ کشتی بندھی ہوئی تھی۔

کشتی آہستہ آہستہ جہاز سے دور ہونے لگی اور میں نے حسرت سے دیکھا کہ جہاز کے بادبان کھول دیے گئے ہیں۔ اس کا پچھلا پنکھا پانی میں گھوما۔ کپتان کی پھٹی ہوئی آواز سنائی دی اور جہاز مخالف سمت میں چل دیا اور تھوڑی دیر بعد وہ میری نظروں سے اوجھل تھا۔

شروع شروع میں مجھے تو یقین ہی نہ آیا کہ جو کچھ ہو چکا ہے وہ حقیقت میں کشتی کے پیندے میں بھرے ہوئے پانی میں بیٹھا دیوانوں کی طرح سمندر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میرے سوچنے سمجھنے کی قوتیں سلب ہو چکی تھیں اور اعضا بے جان سے ہو گئے تھے۔ میری پھر ویسی ہی حالت تھی۔ جیسی کہ نام کردسو کی غرقابی کے بعد ہو گئی تھی۔ میں پھر اسی کشتی میں اکیلا اور بھوکا پڑا تھا۔ میں نے جزیرے کی طرف دیکھا وہ کشتی جس میں وکرم بھاٹیہ تھا۔ اب بہت ہی چھوٹی نظر آ رہی تھی۔

رفتہ رفتہ میرا دماغ کام کرنے لگا۔ مجھے اپنی حالت زار کا احساس ہوا کہ میں زندگی سے دور تھا اور موت سے قریب...... زندگی کی کوئی امید نہ تھی۔ اب کوئی معجزہ ہی مجھے بچا سکتا تھا۔ اگر کشتی کسی طرح جزیرے تک پہنچ جائے تو شاید میں بچ جاؤں۔ لیکن اس کی امید بہت کم تھی۔ کیوں کہ جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ کشتی میں چپو نہ تھا اور وہ ہوا اور موجوں کے رحم و کرم پر تھی۔ آپ بھولے نہ ہوں گے کہ وکرم بھاٹیہ نے مجھے اسی کشتی میں سے نیم جان حالت میں اٹھایا تھا اور اس کے بعد میں ہوش میں آ گیا تھا۔ چنانچہ نقاہت اب تک باقی تھی اور پھر میں بھوکا بھی تھا۔ اگر میں کمزور اور بھوکا نہ ہوتا تو شاید اتنی جلد ہمت نہ ہارتا۔ بہر حال وجہ کچھ بھی ہو میں اپنی زندگی سے مایوس ہو گیا اور بے اختیار پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور اس کے پیندے میں جمع پانی پر گھونسے مارنے لگا اور نہایت خشوع سے میں نے اپنی موت کی دعا کی۔

لیکن جب جزیرے والوں نے دیکھا کہ ظالم کپتان نے واقعی مجھے اپنے جہاز سے نکال باہر کیا

ہے تو انہیں میری حالت پر رحم آ گیا۔ میری کشتی کو موجیں جزیرے کی طرف ہی لیے جا رہی تھیں اور وہ تر چھی پھر رہی تھیں اور میں نے پاگل کر دینے والی خوشی کی لہریں محسوس کرتے ہوئے دیکھا کہ جزیرے والوں نے اپنی کشتی کا رخ میری طرف پھیر دیا۔ کشتی میرے قریب آئی اور میں نے دیکھا کہ وکرم بھاٹیہ کا سفید بالوں والا ساتھی کشتی کی پچھلی نشست پر کتوں اور سامان کے بیچ میں بیٹھا مجھے گھور رہا تھا۔ اس نے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے اور چہرے کی کرختگی میں کچھ اضافہ ہی ہو گیا تھا۔ وکرم بھاٹیہ کے سیاہ چہرے والا بھوت خدمت گار تیندوے کے پنجرے کے قریب دبکا بیٹھا عجیب نظروں سے میری جانب دیکھ رہا تھا۔

کشتی میں تین دوسرے آدمی بھی تھے اور عجیب حیوانی چہرے تھے ان تینوں کے۔ شکاری کتے ان کی طرف دیکھ دیکھ کر غرا رہے تھے۔ وکرم بھاٹیہ جو کشتی کے رخ پھیرنے کا ڈنڈا پکڑے بیٹھا تھا اپنی کشتی کو میری کشتی کے قریب لے آیا۔ وہ کشتی سامان اور پنجروں سے اتنی بھر گئی تھی کہ اب اس میں ایک تنکا بھی نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ چنانچہ وکرم بھاٹیہ نے میری کشتی کے اگلے حصے سے بندھا ہوا رسا اپنی کشتی کے پچھلے حصے سے باندھ لیا۔

اس عرصے میں خوشی کی وہ لہریں جو میں نے محسوس کی تھیں۔ مدھم پڑ چکی تھیں۔ چنانچہ میں نے جذبات کی فراوانی سے رندھی ہوئی آواز میں اس کا شکریہ ادا کیا اور پھر اسے بتایا کہ میری کشتی نصف پانی سے بھری ہوئی ہے اور اس کے غرق ہو جانے کا خدشہ ہے وکرم بھاٹیہ نے کچھ کہے بغیر ایک ڈولچی میرے ہاتھ میں پکڑا دی اور تھوڑی دیر میں، اپنی کشتی میں سے پانی الٹنے میں مصروف رہا۔

جب پورا پانی پھینک چکا تو معلوم ہوا کہ کشتی خاصی مضبوط تھی اور اب میں اطمینان سے بیٹھ کر وکرم بھاٹیہ کے ساتھیوں کا جائزہ لے سکتا تھا۔

سفید بالوں والا آدمی بہ دستور مجھے گھور رہا تھا اس کے چہرے سے معلوم ہو رہا تھا کہ اس وقت وہ بے چین اور متوحش ہے جب میں نے اس کی طرف دیکھا تو وہ جلدی سے نظریں جھکا کر کتوں کے سر سہلانے لگا۔ میں کہہ چکا ہوں کہ وہ دوہرے بدن کا مضبوط آدمی تھا ماتھا بلند اور چہرے کے نقوش قدرے پھیلے پھیلے سے۔ پپوٹوں کے اوپر کی جلد ڈھیلی ہو کر دیدوں پر لٹک آئی تھی۔ اس کے ہونٹوں کے کونے پھیلی ہوئی ٹھوڑی کی طرف جھکے ہوئے تھے اور دونوں کونوں پر گہرے گہرے قوسین تھے۔ چہرے مہرے سے وہ چڑچڑا اور زبردست قوت ارادی کا مالک معلوم ہوتا تھا۔ وہ وکرم بھاٹیہ سے اتنی نیچی آواز میں باتیں کر رہا تھا کہ میں سن نہ سکتا تھا۔

اس آدمی پر سے ہٹ کر میری نظریں دوسرے تین آدمیوں پر مرکوز ہو گئیں وہ عجیب آدمی تھے۔ وہ جن کے صرف چہرے ہی دیکھ سکتا تھا۔ بڑے گھناؤنے چہرے تھے ان تینوں کے، میں بڑے غور سے بڑی دیر تک ان کے چہرے دیکھتا رہا۔ لیکن کراہیت کا اثر زائل نہ ہوا۔ حالانکہ اس گھن اور کراہیت کا سبب میں اس وقت سمجھ نہ سکا۔ وہ تینوں مجھے صرف بھورے آدمی معلوم ہوئے لیکن بھورا رنگ ایسا مکروہ کہاں ہوتا ہے۔ ایک دوسری عجیب بات یہ تھی کہ ان کے پورے بدن پر حتیٰ کہ ہاتھوں اور پیروں کی انگلیوں اور ناخنوں پر بھی کچھ میلی سفید پٹیاں لپٹی ہوئی تھیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے مصر کے کسی قدیم قبرستان سے تین ممیاں زندہ ہو کر نکل آئی ہوں۔ سروں پر بے ڈھنگی پگڑیاں باندھے ہوئے تھے اور ان پگڑیوں کے نیچے سے ان کی تھوتھنیاں جھانک رہی تھیں اور ان کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی وحشیانہ چمک تھی۔ بیٹھے ہوئے قد و قامت میں عام

انسانوں سے بڑھ کر معلوم ہوتے تھے۔ لیکن بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ حقیقت میں وہ طویل القامت نہ تھے۔ بلکہ بات یوں تھی کہ ان کا دھڑ عام انسانوں کی بہ نسبت لمبا تھا اور بدن کا نچلا حصہ یعنی ان کی ٹانگیں، حیرت انگیز حد تک چھوٹی تھیں صرف یہی نہیں بلکہ گھٹنوں کے نیچے سے ان کی ٹانگیں مڑی ہوئی تھیں۔

قصہ مختصر یہ تینوں انسان کے بجائے کوئی دوسری ہی مخلوق معلوم ہوتے تھے۔ بدہیبت بدوضع، بد صورت گھناؤنے اور تینوں کے پیچھے وکرم بھاٹیہ کا وہ سیاہ چہرے والا خدمت گار بیٹھا تھا۔ جس کی آنکھیں اندھیرے میں چمکتی تھیں۔

جب میں ان تینوں شیطانوں جیسی صورتوں والے آدمیوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ تو پہلے ایک پھر دوسرے اور پھر تیسرے نے میری طرف سے منہ پھیر لیا اور اب وہ کن انکھیوں سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔ مجھے اپنی طرف یوں گھورتے دیکھ کر وہ بے چینی محسوس کرنے لگے تھے۔ چنانچہ میں ان پر سے نظر ہٹا کر جزیرے کی طرف دیکھنے لگا۔

وہ ایک نیچا اور سرسبز جزیرہ تھا۔ جس میں تاڑ کے درخت بہ کثرت معلوم ہوتے تھے۔ جزیرے کے کسی نظر نہ آنے والے مقام سے سفید دھوئیں کا ایک ستون سا کافی اونچائی تک بلند ہوتا چلا گیا تھا اور پھر اوپر جا کر دھند کی طرح پھیل گیا تھا اور اب ہماری کشتی دو راستوں کی آغوش میں تھی۔ ساحل ریتیلا اور بھورا تھا اور یہ بتدریج سطح سمندر سے کوئی ساٹھ ستر فٹ بلند ہوتا چلا گیا تھا۔ یہ ڈھلوان اوپر تک خودرو درختوں پودوں اور جھاڑیوں سے ڈھکی ہوئی تھی اور اس ڈھلان پر جزیرے کی چوٹی اور کنارے کے بیچ میں پتھروں کی ایک چوکور دیوار بنی ہوئی تھی اور اس دیوار کے پیچھے شاید گھر تھے جس کی چھتیں میں اپنی کشتی میں بیٹھے بیٹھے دیکھ سکتا تھا۔

کنارے پر ایک آدمی وکرم بھاٹیہ اور اس کے ساتھیوں کی آمد کا منتظر کھڑا تھا اور میرا خیال ہے کہ میں نے جھاڑیوں کے پیچھے سے دوسرے بدہیبت لوگوں کو بھی جھانکتے دیکھا تھا۔ لیکن جب ہماری کشتیاں کنارے کی طرف بڑھیں تو میں انہیں نہ دیکھ سکا شاید وہ چھپ گئے تھے۔

وہ آدمی جو کنارے پر کھڑا تھا۔ درمیانے قد کا تھا اور اس کا چہرہ بھی کالا تھا۔ اس کا منہ خوف ناک حد تک بڑا تھا اور ہونٹ گویا تھے ہی نہیں۔ ہاتھ غیر معمولی طور پر لمبے تھے۔ جو اس کے بدقطع جسم کے دونوں طرف کٹی ہوئی ٹہنیوں کی طرح لٹک رہے تھے۔ اس کی ٹانگیں بھی لمبی اور گھٹنے کے قریب سے مڑی ہوئی تھیں۔ اس کا بڑا سا سر بڑے بے ڈھنگے پن سے اس کے سینے کی طرف جھکا ہوا تھا۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ اس کی کمر خمیدہ تھی۔ وہ بھی وکرم بھاٹیہ اور اس کے سفید بالوں والے ساتھی کی طرح جامنی رنگ کی پتلون اور سفید قمیض پہنے ہوئے تھا۔

جب ہماری کشتیاں اور قریب پہنچیں تو وہ عجیب الخلقت شخص کنارے پر ریت اڑا کر بھاگنے اور بندروں کی سی مضحکہ خیز حرکتیں کرنے لگا۔

وکرم بھاٹیہ نے کہا اور تینوں شیطان صورت ملاح اور وکرم بھاٹیہ کا کالے چہرے والا خدمت گار بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ چاروں عجیب حیوانی پھرتی سے سمندر میں کود پڑے اور کشتی کو کنارے کی طرف کھینچنے لگے۔ وکرم بھاٹیہ نے کشتی کا رخ اس بندرگاہ کی طرف پھیر دیا۔ جو ساحل کاٹ کر بنائی گئی تھی۔ کنارے پر

اچھل کود کرتا ہوا ایک عجیب الخلقت شخص اب ہماری طرف دوڑا۔ تینوں بھورے آدمی پھر کشتی پر چڑھ آئے اور بادبان اتارنے کے بعد کنارے پر کود پڑے اور اس عجیب الخلقت کی مدد سے کشتی میں سے سامان اٹھا اٹھا کر کنارے پر ڈھیر کرنے لگے۔ میں کہہ چکا ہوں کہ تینوں شیطان صورت ملاحوں کے جسم پر کپڑے کی پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔

چنانچہ میں ان کے ہاتھ پاؤں حتیٰ کہ ناخن اور انگلیاں بھی نہ دیکھ سکتا تھا۔ ان کی چال دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔ چلتے وقت ان کی ٹانگیں کچھ عجیب طرح سے حرکت کرتی تھیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کہ وہ غلط جگہ جوڑی گئی ہیں وہ وکرم بھاٹیہ کا سفید بالوں والا ساتھی کتوں کو لے کر کشتی سے اترا تو وہ ان عجیب آدمیوں کو دیکھ کر بے تحاشہ بھونکنے اور غرانے لگے۔ اب وکرم بھاٹیہ بھی کشتی سے اتر آیا اور وہ بھی سامان اتارنے میں مصروف ہو گیا۔ میں ایسی ناتوانی محسوس کر رہا تھا کہ ان کی کوئی مدد نہ کر سکتا تھا۔ چنانچہ میں ایک طرف خاموش کھڑا تھا۔

دفعتاً کتوں پر جیسے جنون سوار ہو گیا اور وکرم بھاٹیہ کے سفید بالوں والے ساتھی کے ہاتھ سے زنجیریں چھڑا کر ان عجیب آدمیوں کی طرف بھاگے اور اگر اس سفید بالوں والے آدمی اور میں نے دوڑ کر ان کتوں کو نہ پکڑ لیا ہوتا تو وہ ان بھوتوں میں سے ایک آدھ کو بھنبھوڑ ڈالتے اور میری حرکت کے بعد ہی سفید بالوں والے آدمی کو میری موجودگی کا احساس ہوا۔

''معلوم ہوتا ہے تم صبح سے بھوکے ہو۔'' اس نے گونج دار آواز میں کہا۔

''مجھے واقعی افسوس ہے کہ مجھے پہلے یہ خیال نہ آیا۔ تم ہمارے مہمان ہو بن بلائے ہی سہی اس لیے تمہارا خیال رکھنا ہمارا اخلاقی فرض ہے۔''

اور اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں چند ثانیوں تک وہ میری آنکھوں میں جھانکتا رہا۔ جیسے میرے باطن کا جائزہ لے رہا ہو۔

''وکرم بھاٹیہ نے مجھے بتایا ہے۔'' کچھ دیر بعد اس نے کہا۔

''تم تعلیم یافتہ ہو اور سائنس کی تعلیم بھی پائی ہے۔ تم نے.....کون سی سائنس سیکھی ہے۔''

''حیاتیات کا طالب علم رہ چکا ہوں۔''

''واہ.....واقعی بڑی خوشی کی بات ہے۔ ہم بھی حیاتیات داں ہیں یعنی میں اور وکرم بھاٹیہ اور یہ جزیرہ ایک طرح کا حیاتیاتی مستقر ہے۔ یہاں سے کافی مسالہ لے جایا جاتا ہے۔'' اور ان عجیب آدمیوں کی طرف دیکھا جو اس وقت تیندوے کا پنجرا اتارنے میں مصروف تھے۔

''میں نہیں کہہ سکتا کہ تمہیں کب تک یہاں رہنا پڑے گا۔'' اس نے کہا۔ ''کیوں کہ یہ جزیرہ عام بحری راستے سے ہٹ کر ہے۔ کبھی کبھی سال دو سال میں ایک دفعہ کوئی بھولا بھٹکا جہاز اس طرف آ نکلتا ہے۔''

اتنا کہنے کے بعد وہ وکرم بھاٹیہ کے قریب پہنچا اور کچھ اشارے کر کے سامنے نظر آتی ہوئی چاردیواری کی طرف جو ایک چھوٹا قلعہ تھا چلا گیا۔ وکرم بھاٹیہ کے بھوتوں جیسے چہروں والے خدمت گار یا شاید ملازم سامان اٹھا اٹھا کر ایک چھوٹے پہیوں والے ٹھیلے میں رکھ رہے تھے۔ لاما کا پنجرہ اور خرگوشوں کے کابک کشتی میں ہی تھے۔ جب تیندوے کا پنجرہ بھی لادا جا چکا تو وکرم بھاٹیہ میرے پاس آیا۔

"معاف کرنا یار۔" اس نے کہا اب تک میں تم سے کوئی بات نہ کر سکا۔ دراصل وہ کپتان ایک اوتھا۔ اگر تم جہاز پر رہ جاتے تو خدا جانے وہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کرتا؟ یہ اچھا ہی ہوا کہ ہم تمہیں یہاں لے آئے۔"

"اور دوسری دفعہ بھی تم ہی نے میری جان بچائی۔" میں نے کہا۔

"اب پھر کہیں شکریہ ادا نہ کرنے لگ جانا۔ یہ جزیرہ بڑا ہی واہیات ہے۔ ہوسکتا ہے کہ تم بعد میں یہاں آنے پر پچھتاؤ۔ اگر تمہاری جگہ میں ہوتا تو اس جزیرے پر قدم رکھنے سے پہلے ہی سوچ لیتا۔ آدمی......" یک لخت وہ خاموش ہوگیا۔ چند ثانیوں کے بعد موضوع بدل کر بولا۔

"آؤ! پہلے خرگوش کا کابک اتار لیں۔" اور ہم ایک کابک کنارے پر لے آئے اور یہ دیکھ کر میری حیرت کی انتہائی نہ رہی کہ وکرم بھاٹیہ نے کابک کا دروازہ کھول کر اسے اوندھا دیا۔ کوئی بیس خرگوش پکے پھلوں کی طرح کابک میں سے ٹپک پڑے۔ وکرم بھاٹیہ نے ہنکار کر انہیں جھاڑیوں کی طرف بھگا دیا۔

"جاؤ! اور اپنی نسل بڑھاؤ۔" اس نے ایک سرگوشی کے عالم میں کہا۔ "تاکہ ہمیں بہت سا گوشت مل سکے۔ پچھلے کئی مہینوں سے یہاں گوشت کی کمی ہوگئی ہے۔"

عین اسی وقت سفید بالوں والا وہرے بدن کا آدمی چند بسکٹ اور ایک تھرماس میں چائے لیے آگیا۔

"ابھی چائے...... پیٹ کی آگ بجھا لو ذرا۔" اس نے پہلی دفعہ بے تکلفی سے دوستانہ لہجے میں کہا۔

میں بسکٹ چبانے اور چائے پینے لگا۔ وکرم بھاٹیہ اور اس کا سفید بالوں والا ساتھی خرگوش کے دوسرے کابک اتارنے میں مصروف ہوگئے انہوں نے پچاس کے قریب خرگوش آزاد کر دیے صرف تین کابک تیندوے کے پنجرے کے ساتھ حصار یا قلعہ میں پہنچا دیے گئے۔

جہاز تام کر دسو کی غرقابی کے بعد مجھ پر اتنی کچھ بیت چکی تھی اور میں ایسے ایسے خلاف توقع حادثات سے گذر چکا تھا کہ اب کوئی چیز مجھے زیادہ حیرت زدہ نہیں کرتی تھی۔ حالانکہ اگر میں سیدھا سیدھا اور عام حالات میں اس جزیرے میں آیا ہوتا تو یہاں ایک ایک چیز مجھے حیران کر دیتی۔ میں لاما کے پنجرے کے پیچھے پیچھے چلا جا رہا تھا کہ وکرم بھاٹیہ تیر کی طرح میرے پاس آیا۔

"ابراہیم...... اس حصار میں جانے کی ممانعت ہے۔"

میں نے دیکھا کہ سامان کا بکس اور تیندوے کا پنجرہ حصار کے دروازے کے باہر رکھا ہوا تھا۔ واقعی اس چھوٹے سے قلعے میں کسی کو داخل ہونے کی اجازت نہ تھی۔ گھوم کر دیکھا تو کشتی خالی کی جا چکی تھی اور وہ تینوں پیٹیاں بندھے بھورے آدمی اسے کنارے پر کھینچ رہے تھے۔ سفید بالوں والا وہرے بدن کا آدمی لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہماری طرف آ رہا تھا۔ قریب آتے ہی اس نے وکرم بھاٹیہ سے کہا۔

"اب ان بن بلائے مہمان کا مسئلہ درپیش ہے کہاں رکھا جائے انہیں؟"

"یہ بھی تو سائنس دان ہیں۔" وکرم بھاٹیہ نے آہستہ سے کہا۔

"میں وہ کام کرنے کے لیے بے چین ہوں۔ اب نیا مال آ گیا ہے۔ تو میں ذرا تاخیر نہیں کر سکتا۔" سفید بالوں والے نے گردن سے حصار کی طرف اشارہ کیا اور اس کی آنکھوں میں عجیب طرح کی چمک آ گئی۔

"بے شک تم بہت بے چین ہو گے۔" وکرم بھاٹیہ نے بڑی خاکساری سے کہا۔

"میں جلد از جلد اپنا کام شروع کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن ہم اپنے بن بلائے مہمان کو نہ تو 'وہاں' بھیج سکتے ہیں اور نہ ہمارے پاس اتنا وقت ہی ہے کہ ان کے لیے ایک جھونپڑا بنا دیں۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ فی الحال ہم ان پر بھروسہ بھی نہیں کر سکتے۔"

"اب میں آپ کے اختیار میں ہوں۔" میں نے جلدی سے کہا۔ حالانکہ میں نہیں جانتا کہ 'وہاں' سے ان کا کیا مطلب تھا۔

"میں خود بھی اسی مسئلہ پر غور کر رہا تھا۔" وکرم بھاٹیہ نے سر کھجا کر کہا۔ "میرے کمرے کا دروازہ باہر کھلتا ہے اور......"

"بالکل ٹھیک۔" سفید بالوں والے آدمی نے یوں خوش ہو کر کہا۔ جیسے کوئی اہم عالمی مسئلہ حل ہو گیا ہو۔ "ابراہیم صاحب! معاف کرنا بھئی کہ میں ہر بات کو ایک اسرار بنا دیتا ہوں۔ کم از کم تمہیں تو ایسا ہی معلوم ہوگا۔ لیکن خود تعلیم یافتہ اور عقل مند ہو اور سمجھ سکتے ہو کہ یہاں بن بلائے آ گئے ہو۔ ہماری یہ چھوٹی سی رہائش گاہ مجھے اعتراف ہے کہ ایک طرح کا پراسرار مکان ہے۔ لیکن یہاں بہت زیادہ بھیانک چیزیں نہیں ہیں لیکن ابھی چونکہ تم سے پوری طرح واقف نہیں۔"

"ٹھیک ہے جناب!" میں نے خوش دلی سے کہا۔ "ابھی آپ مجھ پر بھروسا نہیں کر سکتے اگر میں آپ کی بے اعتباری پر اعتراض کروں یا برا مانوں تو یہ میری حماقت ہوگی۔"

"میرا اندازہ غلط نہ تھا۔ تم واقعی عقل مند ہو۔" اس نے کہا اور ہونٹ مروڑ کر مسکرایا۔ میں ان مردہ دل! گھنے، آدمیوں میں سے تھا جو کبھی مسکراتے نہیں اور اگر مجبوراً مسکراتے ہیں تو صرف اپنے ہونٹوں کے کونوں سے گویا مسکرانا سیکھ رہے ہوں۔ بے چارے۔

ہم حصار کے صدر دروازے کے سامنے سے گزرتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ اس دروازے کے کواڑ چوبی اور چوکھٹا آہنی تھا۔ دروازے میں تالا پڑا ہوا تھا۔ تھوڑی دور تک ہم دروازے کے پہلو میں چلتے رہے اور اب ایک چھوٹے سے دروازے کے سامنے کھڑے تھے۔ یہ دروازہ بھی حصار کی دیوار میں ہی تھا اور صدر دروازے سے زیادہ دور نہیں تھا۔ سفید بالوں والے نے پتلون کی جیب میں ہاتھ ڈال کر چابیوں کا گچھا برآمد کیا۔ دروازہ کھولا اور اندر داخل ہوگیا۔ چابیوں کا گچھا اور مقفل دروازے...... میرے لیے تو یہ بھی ایک اسرار تھا۔ خصوصاً یہ بات کہ دروازے بڑی احتیاط سے بند کیے گئے تھے۔

میں بھی اس کے پیچھے ہی پیچھے دروازے سے گذر کر ایک چھوٹے سے کمرے میں پہنچ گیا۔ اس کمرے میں تھوڑا سا فرنیچر تھا۔ لیکن اتنا بے آرام نہ تھا۔ اس چھوٹے سے کمرے کا عقبی دروازہ جو باہر کھلنے والے دروازے کے مقابل تھا۔ اس وقت نیم وا تھے اور میں اس کے پیچھے چھوٹا سا صحن دیکھ سکتا تھا۔ وکرم بھاٹیہ نے جلدی سے آگے بڑھ کر وہ عقبی دروازہ بند کر دیا۔ کمرے کے ایک نیم تاریک کونے میں ایک جالی دار جھولا بندھا ہوا تھا اور چھوٹی سی کھڑکی تھی۔ جس میں آہنی سلاخیں لگی ہوئی تھیں اور اس کے شیشے اندھے ہو رہے تھے۔ اس کا رخ سمندر کی طرف تھا۔ اس کھڑکی کے سامنے کھڑے ہو کر سمندر کی ویران وسعتوں پر نظر

دوڑائی جاسکتی تھی۔ بہت ممکن ہے کسی کے لیے سمندر کا نظارہ دلچسپ ہو۔ لیکن مجھے تو اسے دیکھتے ہی وحشت سی ہونے لگتی تھی۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ مجھے پچھلے واقعات یاد آجاتے تھے۔

"ابراہیم...... یہ کمرا ہے تمہارا۔" سفید بالوں والے نے کہا۔ "اس عقبی دروازے کو میں دوسری طرف سے مقفل کردوں گا۔ مبادا کوئی ناگہانی حادثہ نہ ہوجائے بہرحال احتیاط لازمی ہے۔ اور اس کے بعد اس نے میری توجہ ایک اونچی پشت والی کرسی اور کتابوں کی الماری کی طرف مبذول کرائی جو جالی دار جھولے کے قریب تھی۔ اسی الماری میں لاطینی اور یونانی زبان کے عمل جراحی کے متعلق کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ افسوس ہے کہ میں ان زبانوں سے واقف نہیں۔ چند انگریزی کتابیں بھی تھیں۔

سفید بالوں والا سامنے کے دروازے سے باہر چلا گیا۔ گویا وہ میری موجودگی میں عقبی دروازہ کھولنا چاہتا تھا۔ جس کے پیچھے خدا جانے کون سے اسرار تھے۔

"ہم کھانا اسی کمرے میں کھاتے ہیں۔" وکرم بھاٹیہ نے کہا اور پھر کچھ سوچ کر وہ فوراً ہی سفید بالوں والے کے پیچھے کمرے سے باہر چلا گیا۔

"مارکوس۔" میں نے وکرم بھاٹیہ کی آواز سنی اور ایک عجیب نام کی طرف پہلے کوئی دھیان نہ دیا۔ لیکن جب میں الماری کے سامنے کھڑا کتابیں الٹ پلٹ رہا تھا تو دفعتہ یہ عام نام لاشعور کی گہرائیوں میں سے ابھر کر سطح ذہن میں آگیا۔

"مارکوس۔" یہ نام میں نے پہلے کہاں سنا تھا؟"

میں کھڑکی کے سامنے بیٹھ کر وہ بسکٹ چبانے لگا۔ جو ناشتے کے بعد بچ گئے تھے۔ مارکوس......

مارکوس...... دماغ پر لاکھ زور ڈالنے کے باوجود مجھے یاد نہ آیا کہ پہلے میں نے یہ نام کہاں سنا تھا؟"

کھڑکی میں سے مجھے سمندر نظر آرہا تھا۔ ویران اور پٹیاں بندھے ہوئے آدمیوں میں سے ایک سامان کا بڑا سا گٹھرا لڑھکاتا ہوا حصار کی طرف لا رہا تھا۔ جہاں وہ آڑ میں جا کر میری نظروں سے اوجھل ہوگیا...... عقبی دروازے میں چابی گھومنے کی آواز آئی۔ سفید بالوں والے نے حسب وعدہ اسے مقفل کردیا تھا تاکہ میں کسی ناگہانی حادثے کا شکار نہ ہوجاؤں۔ یہاں کون سا حادثہ ہوسکتا تھا؟ کیا خطرہ تھا یہاں۔ اس سفید بالوں والے کا مقصد کیا تھا؟ میں الجھ گیا۔ فوراً ہی شکاری کتوں کی آواز سنائی دی۔ وہ بھونک نہیں رہے تھے۔ بلکہ کچھ عجیب ڈھنگ سے غراتے ہوئے فوں...... فوں کررہے تھے۔ میں ان کتوں کے پیروں کی چاپ اور وکرم بھاٹیہ کی آواز سن رہا تھا۔ جو انہیں پچکار پچکار کے ان کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کررہا تھا۔

"یہ گم نام، اور دور افتادہ جزیرہ، یہ حصار، مقفل عقبی دروازہ، اور یہاں کی ہر چیز کے متعلق اور ان دونوں آدمیوں کی حد سے بڑھی ہوئی راز داری نے مجھے الجھن میں ڈال دیا اور میں ان چیزوں اور اسی عجیب نام...... مارکوس کے متعلق سوچنے لگا۔ نام مجھے جانا پہچانا معلوم ہوتا تھا۔ یقیناً یہ نام میں پہلے بھی سن چکا تھا۔ لیکن کب اور کہاں؟ یہ یاد نہیں آتا تھا اور پھر میں سفید پٹیاں بندھے غیر مخص اور بدصورت آدمیوں کے متعلق سوچنے لگا۔ چلنے کا انداز اور اعضاء کی ایسی حرکت کسی انسان کی تو ہو نہیں سکتی اور مجھے یاد آیا کہ ان آدمیوں نے مجھ سے کوئی بات نہ کی تھی۔ حالانکہ کن انکھیوں سے میری طرف دیکھ لیتے تھے۔

اور ان کے دیکھنے کا انداز بھی ناتجربے کار وحشیوں کا تھا۔ میں سوچنے لگا وہ کون سی زبان بولتے ہوں گے؟

یہ سب کے سب نرالے آدمی، ضرورت سے زیادہ کم گو معلوم ہوتے تھے۔ لیکن میں نے ان کی آوازیں تو سنی تھیں اور عجیب آوازیں بھیانک اور غیر انسانی، کیا ہوگیا تھا انہیں اور پھر مجھے وکرم بھاٹیہ کا کالے چہرے والا خدمت گار یاد آگیا۔ جس کی آنکھیں اندھیرے میں چمکتی تھیں۔

اور میں ابھی اس کے متعلق سوچ ہی رہا تھا کہ وہ ایک ٹرے اٹھائے کمرے میں داخل ہوا۔ وہ میرے لیے کھانا لے کر آیا تھا۔ ایک چائے دانی میں چائے اور ایک رکابی میں ابلی ہوئی سبزی۔ اس وقت وہ سفید کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ اس نے جھک کر ٹرے میرے سامنے میز پر رکھ دی اور...... اور...... انتہائی خوف اور حیرت نے میرے اعضاء مفلوج سے کردیے۔ جب وہ جھک کر ٹرے رکھ رہا تھا۔ تو دفعتاً اس کے دونوں کان جو بالوں کے نیچے چھپے ہوئے تھے۔ جیسے اچھل کر بالوں سے باہر نکل آئے۔ میں نے حیرت اور خوف سے دیکھا کہ اس کے کان بلی کے کانوں کی طرح اوپر اٹھے ہوئے اور نوک دار تھے۔

صرف یہی نہیں بلکہ ان پر ملائم بال بھی تھے۔

"آپ کا ناشتا جناب!" اس نے غیر انسانی آواز میں کہا۔ میں نے جواب نہ دیا۔ سکتے کے عالم میں بیٹھا ہوا پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کی صورت تکتا رہا۔

وہ پلٹ کر چلا گیا۔ میری نظریں اس کا تعاقب کرتی رہیں۔ دفعتہً بجلی کی سی تیزی سے ایک فقرہ میرے ذہن میں کوند گیا...... ڈاکٹر مارکوس کے بنائے ہوئے...... آگے کیا تھا......؟ آگے کیا تھا......؟ اور فوراً ہی دوسرا جملہ سطح ذہن پر ابھر آیا۔

"ڈاکٹر مارکوس کے بنائے ہوئے بھوت۔" اور پھر ظالم ڈاکٹر مارکوس......" میرا ذہن دس سال پیچھے گھوم گیا...... "ظالم ڈاکٹر مارکوس اور مجھے یاد آیا کہ دس یا بارہ سال پہلے ایک پمفلٹ چھپا تھا۔ جس کی سرخی تھی۔ "ظالم ڈاکٹر مارکوس" ...... اور پھر مجھے سب کچھ یاد آگیا۔ اس وقت میں کم عمر لڑکا تھا اور اسکول میں پڑھتا تھا۔ ڈاکٹر مارکوس کی عمر اس وقت پچاس سال کے لگ بھگ ہوگی۔

"ڈاکٹر مارکوس...... ہندوستان کا مشہور ترین ماہر الاعضاء تھا۔ علم تشریح کا ماہر اپنے چڑچڑے پن اور غیر معمولی ذہانت کی وجہ سے سائنسی دنیا میں مشہور تھا۔ کیا وکرم بھاٹیہ کا سفید بالوں والا ساتھی۔ وہی ڈاکٹر مارکوس ہے؟

اس نے نقل خون کے متعلق حیرت انگیز حقائق شائع کیے تھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ بعد میں معلوم ہوا تھا کہ وہ روگی اور کم نشوونما پائے ہوئے بچوں پر بہت قیمتی اور کامیاب تجربات کررہا تھا کہ یکا یک اس کے خلاف ایک ہلڑ مچ گیا۔ ایک اخبار نویس، اس یقین کے ساتھ کہ وہ نہایت سنسنی خیز باتوں کا انکشاف کرے گا۔ ڈاکٹر مارکوس کا معاون اور شاگرد بن کر اس کی تجربہ گاہ میں پہنچ گیا۔ اس اخبار نویس نے پمفلٹ شائع کیا تھا۔ جس نے پورے ملک میں ایک آگ سی لگا دی تھی اور آخرکار ڈاکٹر وطن چھوڑنے پر مجبور ہوگیا تھا۔ جس دن یہ پمفلٹ چھپا اس کے دوسرے ہی دن ایک ایسا واقعہ ہوا جس نے گویا جلتی پر تیل کا کام دیا۔

ہوا یوں کہ ایک اعضاء بریدہ کتا ڈاکٹر مارکوس کی تجربہ گاہ سے بھاگ نکلا اور ڈاکٹر مارکوس کے ظالمانہ تجربات کا جیتا جاگتا ثبوت لوگوں کو مل گیا۔

اسی اخبار نویس کا ماموں یا چچا ایک کثیر الاشاعت روزنامے کا ایڈیٹر تھا چنانچہ اس نے ڈاکٹر مارکوس اور اس کے تجربات کے متعلق ایک اشتعال انگیز اداریہ لکھا اور یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ شروع ہی سے کم عقل جذباتی لوگ سائنس دانوں اور ان کے تجربات کی مخالفت کرتے آئے ہیں۔ لیکن ایڈیٹر نے اپنے بھتیجے کے چشم دید واقعات بیان کرنے کے بعد لکھا کہ ڈاکٹر مارکوس کے تجربات اتنے ظالمانہ اور انسانیت سوز ہیں کہ کوئی بھی انہیں برداشت نہیں کرسکتا۔ ثبوت کے طور پر اس نے اعضاء بریدہ کتے کا واقعہ پیش کیا۔ جو ڈاکٹر مارکوس کی تجربہ گاہ سے بھاگ نکلا تھا اور جس پر مارکوس تجربہ کررہا تھا۔

نتیجہ اسکا یہ ہوا کہ پورے ملک میں مارکوس کے خلاف غم و غصہ کی ایک لہر دوڑ گئی۔ اگر مارکوس اپنے تجربات سے دستبردار ہوجاتا تو شاید یہ طوفان تھم جاتا۔ لیکن اس نے وطن چھوڑنا قبول کرلیا۔ یہ نہ قبول کیا کہ اپنے تجربات کو نامکمل چھوڑ دے۔ اس کے ملک سے رخصت ہونے کے بعد سے آج تک کسی کو اس کا کوئی پتا نہ چلا کہ وہ کہاں گیا۔

اور مجھے یقین ہوگیا کہ وہ وکرم بھاٹیہ کا سفید بالوں والا ساتھی وہی جلا وطن ڈاکٹر مارکوس ہے اور میں نے سمجھ لیا کہ تیندوے اور دوسرے جانور کا جو یہاں لائے گئے ہیں کیا حشر ہوگا عین اسی وقت ایک عجیب سی بو میری ناک میں داخل ہوکر تیر کی طرح دماغ میں جا لگی۔ یہ بو مقفل عقبی دروازے کے پیچھے سے آرہی تھی۔ یہ بو میرے لیے نئی نہ تھی۔ یہ دراصل عفونت کی بو تھی۔ اگر آپ کبھی آپریشن کے کمرے میں گئے ہوں تو آپ کی ناک بھی اس مخصوص بو سے واقف ہوگی...... تو میرے کمرے کے پیچھے ڈاکٹر مارکوس کا آپریشن تھیٹر تھا۔

عین اسی وقت تیندوے کے غرانے کی آواز آئی یہ آواز میرے کمرے کے عقبی دروازے کے پیچھے سے آرہی تھی۔ چنانچہ ظاہر ہوا کہ تیندوے کو حصار میں پہنچا دیا گیا تھا...... پھر ایک کتا چیخ پڑا۔ جیسے اس کی پسلیوں پر لات جمادی گئی ہو۔

"زندہ جانوروں کی چیر پھاڑ کا عمل کسی دوسرے سائنس دان یا سائنس کے طالب علم کے لیے اتنا بھیانک نہیں ہوسکتا۔" میں نے سوچا۔

"پھر اس قدر رازداری کی کیا ضرورت تھی؟"

اور مجھے وکرم بھاٹیہ کے سیاہ چہرے والے خدمت گار کی اندھیرے میں چمکتی ہوئی آنکھیں اور اس کے نوک دار کان یاد آگئے اور میرے خیالات بدکے ہوئے گھوڑے کی طرح سرپٹ بھاگ نکلے۔ ان الٹے سیدھے اور بھیانک خیالات سے پیچھا چھڑانے کے لیے میں سمندر کی طرف دیکھنے لگا۔ لیکن ان اخبارات نے میرا پیچھا نہ چھوڑا۔

آخر یہ سب کیا تھا؟ کیا مطلب تھا۔ ان باتوں کا؟ ایک دور افتادہ جزیرے میں ایک مقفل حصار ایک علم تشریح کا ماہر اور یہ عجیب چہروں والے بد ہیت، گھناؤنے اور مڑی ہوئی ٹانگوں والے بھیانک آدمی اور چند کتے اور لاما اور وہ آزاد کیے ہوئے خرگوش...... آخر یہ سب کیا تھا؟ کیا تھا......؟"

"اوہو میں اس کی ضرورت نہیں سمجھتی تمہارے پاس کون سا خزانہ ہے جو تم تشویش کا شکار ہو۔"

"اس کے باوجود میں چاہتا ہوں کہ اس سے ہوشیار رہا جائے۔"

"تمہیں اس کی اجازت ہے ہوشیار رہنے کا کام تم سنبھال لو۔" ریٹا نے تلخ لہجے میں کہا کامران کے لیے یہ سمجھنا مشکل نہیں تھا کہ یہ گفتگو اس کے بارے میں کی جارہی ہے۔ لیکن اس پر اعتراض کرنے والا چاہیں کون تھا۔ اس کے دل میں تجسس تھا کہ کم از کم اس شخص کو دیکھے تو سہی۔ چنانچہ اس نے رخ بدل لیا اور لمبا چکر کاٹ کر اس خیمے کے سامنے آگیا زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ریٹا باہر نکل آئی اس کے ساتھ وہ نوجوان بھی تھا۔ یہ نوجوان اسے پہلی ہی نگاہ میں بڑا دلچسپ محسوس ہوا تھا۔ اچھے قد و قامت کا مالک تھا اور شاید اسے والٹر کہہ کر متعارف کرایا گیا تھا۔ والٹر، کامران کے بارے میں تشویش کا شکار تھا۔ کامران نے سوچا کہ چلو رقیب روسیاہ بھی ہونا چاہیے۔ حالانکہ رقابت کا جواز کوئی بھی نہیں تھا۔ رات کے کھانے پر جب سب جمع ہوئے تو کامران کو بھی ساتھ بٹھایا گیا۔ والٹر اسے مسلسل گھور رہا تھا۔ کھانے کے دوران کوئی خاص بات نہیں ہوئی لیکن کھانے سے فراغت حاصل کرکے والٹر چالاکی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے پاس پہنچ گیا۔

"چلو آپ کا نام کامران ہے نا۔"

"جی۔ خیریت۔"

اصل میں مجھے مشرق اور مشرقی لوگ بہت پسند ہیں آپ بھی مشرقی ہیں میں آپ سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔"

"دیکھیے۔" کامران اگر والٹر کی ریٹا سے بات چیت نہ سن لیتا تو شاید اس کے دل میں مذاق اڑانے کا تصور نہ آتا۔ لیکن مسٹر والٹر ذرا کچھ کھسکے ہوئے تھے۔

"آپ کیا کرتے ہیں۔"

"جادو۔" کامران نے جواب دیا۔

"کیا جادو؟"

دوپہر کا ایک بجا ہوا تھا کہ وکرم بھاٹیہ کمرے میں آیا۔ صبح سے اب تک میں کھڑکی کے سامنے ہی بیٹھا سوچتا رہا تھا۔ وکرم بھاٹیہ کے پیچھے اس کا وہی سیاہ چہرے والا خدمت گار کھانے کی ٹرے اٹھائے کمرے میں آیا۔ میں نے کن انکھیوں سے اس عجیب آدمی کی طرف دیکھا۔ وہ بے چین نظروں سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ وکرم بھاٹیہ نے بتایا کہ کھانا وہ میرے ساتھ ہی کھائے گا اور یہ کہ مصروف ہونے کی وجہ سے کھانے میں شریک نہیں ہوسکے۔

"مارکوس......!" میں نے کہا۔ "یہ نام میں پہلے بھی سن چکا ہوں۔"

"لعنت ہے۔ ضرور سنا ہوگا۔" اس نے ہونٹ چبا کر کہا۔

بے خیالی میں منہ سے نکل گیا۔ بہرحال، میرے خیال میں یہ ایک نام تمہاری بہت سی الجھنیں دور کرے گا اور یہاں کے بہت سے اسرار، اسرار نہیں رہیں گے...... کیا پیو گے، وہسکی؟

"میں شراب کو چھوتا تک نہیں۔"

"ہاں...... تم دانش ابراہیم ہو۔ پکے مسلمان بلکہ کاش! میں بھی تمہاری طرح پرہیزگار ہوتا۔ ایک طرح کی لعنت ہے یہ شراب بھی۔ لیکن توبہ کرنے سے کیا ہوگا۔ جب چور گھوڑا چرا ہی لے گئے تو پھر اصطبل کو مقفل رکھنے سے کیا حاصل۔ یعنی یہ لعنتی شراب ہے۔ جس کی چاہت نے مجھے اس جزیرے میں لا پھینکا۔ جب مارکوس نے مجھے وطن سے باہر لے جانے کی پیش کش کی تھی۔ تو اس وقت میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھ رہا تھا۔ لیکن یہ عجیب......"

"وکرم بھائیہ۔" جب اس کا سیاہ چہرے والا خدمت گار چلا گیا تو میں نے جلدی سے کہا۔ "تمہارا یہ ملازم......"

"ہاں۔ کیا ہوا اس بے چارے کو؟" اس نے بے تعلقی سے پوچھا۔

"اس کے کان نوک دار ہیں۔"

وہ لقمہ منہ میں رکھ کر چند ثانیوں تک میری صورت تکتا رہا۔

"نوک دار کان!" وہ بولا۔

"ہاں اوپر کو اٹھتے ہوئے اور ان پر ملائم بال بھی ہیں۔"

وہ وہسکی کا گلاس ایک ہی سانس میں خالی کر گیا۔

"لیکن میرا تو خیال...... یعنی اس کے بال کانوں کو چھپائے رہتے تھے۔"

"صبح جب وہ ناشتہ میرے سامنے رکھ رہا تھا۔ تو مجھے اس کے کان نظر آ گئے تھے اور اس کی آنکھیں بھی اندھیرے میں چمکتی ہیں۔"

اس اثناء میں وکرم بھائیہ اپنی گھبراہٹ پر قابو پا کر سنبھل چکا تھا۔

"شروع سے ہی مجھے کچھ شک سا تھا۔" اس نے قدرے ہکلا کر کہا۔ "کہ اس کے کانوں میں ضرور کوئی خاص بات ہے۔ جب ہی تو وہ انہیں بالوں کے نیچے چھپائے رکھتا ہے۔ تو کیسے تھے اس کے کان؟"

صاف ظاہر تھا کہ وکرم بھائیہ سب کچھ جانتا ہے۔ لیکن بن رہا ہے۔ بہر حال میں اسے جھوٹا اور مکار ثابت کرنا نہیں چاہتا تھا۔ چنانچہ میں نے جواب دیا۔

"نوک دار ذرا چھوٹے اوپر کو اٹھتے ہوئے روئیں دار۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ وہ پورا کا پورا ایک عجیب آدمی ہے۔"

دفعتہً کوئی جانور انتہائی تکلیف کے عالم میں چیخ اٹھا۔ اس لرزا دینے والی چیخ کی آواز عقبی مقفل دروازے کے پیچھے سے آئی تھی۔ یقیناً یہ تیندوے کی چیخ تھی۔ میں نے دیکھا کہ وکرم بھائیہ کو جھرجھری سی آ گئی۔

"اچھا؟" اس نے ہونٹ دبا کر مصنوعی حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"کہاں سے پکڑ لائے اس آدمی کو؟"

"وہ...... وہ...... واقعی بہت بدصورت آدمی ہے۔ معلوم نہیں کہ کس ملک کا ہے؟ بہر حال بہت مخلص ہے اور ہم ایک دوسرے سے مانوس بھی ہو چکے ہیں۔ تو کیا خیال ہے۔ تمہارا اس کے متعلق؟"

"معاف کرنا یار وکرم بھائیہ! میں تو تمہارے اس ملازم کو انسان سمجھتا ہی نہیں وہ تو کوئی اور ہی چیز ہے۔ وہ عجیب اور بالکل ہی مختلف مخلوق کے اختلاط کا نتیجہ ہے۔ میں وہمی اور ڈرپوک نہیں ہوں لیکن یہ حقیقت ہے کہ جب وہ میرے قریب ہوتا ہے تو ایک طرح کا خوف میرے دل پر مسلط ہو جاتا ہے۔ جیسے جیسے...... مجھے کسی خوں خوار درندے کے سامنے چھوڑ دیا گیا ہو۔ تمہارا یہ ملازم کسی درندے سے مشابہہ ہے جیسے ایک جانور کے اعضا دوسرے جانور کے جسم سے جوڑ دیے ہوں۔ مجسم شیطان ہے وہ۔"

"اوہ...... اس کا تو مجھے کبھی خیال نہیں آیا تھا۔" وکرم بھائیہ نے لقمہ نگل کر کہا۔

"معلوم ہوتا ہے جہاز کا کپتان اور دوسرے ملاحوں نے شاید تمہاری طرح ہی محسوس کیا تھا اور اسی لیے انھیں میرے ملازم سے بھی نفرت ہو گئی تھی۔"

تیندوا پھر چیخا اور اس دفعہ میں اس بری طرح اچھل پڑا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی اذیت پہنچا رہا ہو۔ سخت اذیت۔ وکرم بھائیہ نے جھرجھری سی لی اور زیر لب ایک گالی بک دی۔ میں سوچ رہا تھا کہ جب ہماری کشتیاں ساحل کی طرف بڑھ رہی تھیں تو وہاں منتظر کھڑے ہوئے عجیب الخلقت دوپائے کے متعلق پوچھ کر اور وکرم بھائیہ کو گھیر کر اس سے اگلوا لوں۔ ابھی میں بات شروع کرنے کے متعلق سوچ رہا تھا کہ تیندوا پھر چیخا اور چند منٹوں تک چیختا رہا۔

"اور تمہارے وہ ملاح اور کنارے پر منتظر کھڑا ہوا آدمی!" میں نے کہا۔ "کس نسل سے ہیں یہ لوگ؟"

"بہت اچھے آدمی ہیں۔" وکرم بھائیہ نے بھنوؤں کو سکیڑ کر بے خیالی میں کہا۔ تیندوا پھر چیخا اور یہ چیخ پچھلی چیخوں سے بھی بھیانک تھی۔ وکرم بھائیہ خالی خالی نظروں سے میری طرف چند ثانیوں تک دیکھتا رہا۔ پھر وہسکی کا ایک جام چڑھایا اور موضوع بدل کر دوسری باتیں کرنے لگا۔ پہلے اس نے شراب کے نقصانات گنائے۔ پھر کہا "میں اس مشروب کے نقصانات سے واقف ہونے کے باوجود اسے ترک نہیں کر سکتا۔" اور پھر اس نے بڑے جوش سے کہا۔ "اگر وہ نہیں ہوتا تو میں کبھی کا مر چکا ہوتا۔ چنانچہ اس نے مجھے حیات نو بخشی تھی۔ وغیرہ۔ میں بیچ میں "ہوں۔" "ہاں" کرتا رہا اور اس طرح کھانا ختم ہوا۔ وکرم بھائیہ کا سیاہ چہرے اور نوک دار کانوں والا ملازم کمرے میں داخل ہوا اور ٹرے اٹھا کر عجیب نظروں سے میری طرف دیکھتا ہوا چلا گیا۔ وکرم بھائیہ بھی اس کے پیچھے ہی پیچھے کمرے سے نکل گیا۔

تیندوا جس کے اعضا کی شاید قطع و برید کی جا رہی تھی۔ مسلسل چیخ رہا تھا۔ وہ پہر ڈھلتے ڈھلتے ان چیخوں میں شدت پیدا ہو گئی ابتدا میں چیخیں صرف تکلیف دہ تھیں۔ لیکن اب وہ حواس پر چھا رہی تھیں۔ وہ ناقابل برداشت ہو گئیں لرزا دینے والی اور ناقابل برداشت۔ میں اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ میں نے اپنے ہاتھوں کی مٹھیوں کو بھینچ لیا اور آخر کار میں نے اپنی انگلیاں کانوں میں ٹھونس لیں۔

لیکن چیخیں پھر بھی سنائی دیتی رہیں۔ ان کی شدت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ میں زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکا اور کمرے سے باہر آ گیا۔ دھوپ میں بلا کی تیزی تھی لیکن میں نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ میں حصار کے دروازے کے سامنے پہنچا وہ پھر مقفل کر دیا گیا تھا۔ دروازے کے سامنے سے گزرتا ہوا میں آخری سرے پر پہنچا اور ایک طرف مڑ گیا۔

باہر چیخیں اور بھی زور سے سنائی دے رہی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے دنیا کی ساری تکلیفوں اور عذابوں کو قوت گویائی مل گئی ہو۔ اگر میری جگہ کوئی پتھر دل آدمی ہوتا تو وہ بھی ان چیخوں کو برداشت نہیں کر سکتا۔ یقیناً وہ بھی میری طرح بھاگ نکلتا کسی ایسی جگہ کی تلاش میں جہاں تک یہ چیخیں پہنچ نہ پائیں۔ چلچلاتی ہوئی دھوپ میں سامنے نظر آتا ویران سمندر، سرسبز درخت، جھاڑیاں اور حصار میں سے آتی ہوئی چیخوں کی آوازیں۔

ایک عجیب دنیا تھی یہ جس میں، میں اپنے آپ کو پا رہا تھا۔ پریشان اور برہم۔ میں اندھا دھند آگے بڑھتا چلا گیا۔

یہ جانے بغیر کہ میں کہاں جا رہا ہوں۔ سبزے سے ڈھکی ہوئی ڈھلان پر چڑھتا رہا۔ بلند اور گھنے درختوں میں گزرنے کے بعد میں ایک چشمے پر پہنچ گیا اور اب اسی چشمے کے کنارے چلتا ہوا میں نیچے اتر رہا تھا یا تو میں حصار سے بہت دور آ گیا تھا۔ یا پھر گھنے درختوں اور گنجان جھاڑیوں نے حصار کی طرف سے آتی ہوئی آواز کو کہیں آگے بڑھ کر روک لیا تھا۔ بہرحال اب مجھے تیندوے کی چیخیں سنائی نہیں دے رہی تھیں۔

ہوا بند تھی لیکن یہاں جنگل میں گھنے درختوں کی چھاؤں میں خاصی ٹھنڈک تھی اور گہری خاموشی حتیٰ کہ پتوں کی سرسراہٹ بھی سنائی نہیں دے رہی تھی۔ دفعتہً ہلکی سی سرسراہٹ نے اس موت کی سی خاموشی کو توڑ دیا۔ فوراً ہی خرگوش دائیں طرف کی جھاڑیوں میں سے نکل آیا اور چند ثانیوں تک مونچھیں ہلا ہلا کر مجھے دیکھتا رہا اور پھر بائیں طرف کی جھاڑیوں میں گھس گیا۔

خدا جانے میں حصار سے کتنی دور آ گیا تھا کہ اس وقت شدید تھکن محسوس کر رہا تھا۔ چنانچہ تھوڑے سے پس و پیش کے بعد میں وہیں گھاس پر بیٹھ گیا۔

یہ بہت خوبصورت جگہ تھی۔ وہ چشمہ جس کے کنارے کنارے چل کر میں یہاں آیا تھا۔ لمبی لمبی گھاس کے نیچے چھپ گیا تھا لیکن جہاں چھدری گھاس تھی۔ وہاں اس کا بلوریں پانی درختوں کے پتوں میں سے چھن چھن کر آتی ہوئی کرنوں میں چاندی کی طرح جگمگاتا نظر آ رہا تھا۔ چشمے کے دوسرے کنارے سے گھنے درختوں اور گنجان بیلوں کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا تھا اور نظریں افق تک پہنچنے سے پہلے ہی سبز پودے میں الجھ کر رہ جاتی تھیں اور جگہ جگہ سرخ و سفید پھول قمقموں کی طرح معلوم ہوتے تھے۔ تھوڑی دیر تک میں اس سکون کن منظر سے لطف اندوز ہوتا رہا لیکن فوراً ہی وکرم بھائیہ کا سیاہ چہرے والا ملازم یاد آ گیا۔ میں اس کے متعلق سوچنا نہیں چاہتا تھا لیکن اس کی صورت تصور میں سے نکلتی ہی نہ تھی۔ اسی کے متعلق سوچتے سوچتے وہیں نرم نرم گھاس پر سو گیا۔

خدا جانے میں کب تک سوتا رہا۔ دفعتہً کوئی آواز سن کر میری آنکھ کھل گئی یہ آواز چشمے کے دوسرے کنارے سے آ رہی تھی چند ثانیوں تک تو مجھے لمبی لمبی گھاس اور سبزے کے علاوہ کچھ نظر نہ آیا۔ دفعتہً ایک چشمے والے کنارے پر کوئی چیز نمودار ہوئی۔ ابتدا میں تو میں معلوم نہ کر سکا کہ وہ کیا تھی۔ اس نے اپنا سر جھکا! اور چشمے سے پانی پینے لگا۔ غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ کوئی آدمی تھا جو چوپائے کی طرح چاروں ٹانگوں پر جھکا منہ سے پانی پی رہا تھا۔

''اور میں اس جنگل سے جلد از جلد نکلنے کے خیال سے پلٹ کر اندھا دھند بھاگا۔'' میں جھاڑیوں میں گھستا چلا گیا۔ اس لیے کہ جلد از جلد حصار میں پہنچ جانا چاہتا تھا۔ میں اس جنگل میں محفوظ نہ تھا لیکن حصار شاید دور تھا کیونکہ تیندوے کی چیخیں سنائی نہیں دے رہی تھیں چنانچہ میں چاہتا تھا کہ کم سے کم کھلی جگہ میں ہی پہنچ جاؤں اور ایک حد تک اپنے آپ کو محفوظ تصور کر سکوں۔ خرگوش شکاری کسی جھاڑی یا درخت کے پیچھے سے اچانک مجھ پر حملہ کر سکتا تھا۔

''میں بھاگا چلا جا رہا تھا کہ درختوں اور جھاڑیوں کے بیچ میں چھوٹی سی کھلی جگہ دیکھ کر رک گیا۔ اگر میں یوں نہ رک گیا ہوتا تو میرا دوسرا قدم مجھے اس کھلی جگہ میں پہنچا دیتا اور پھر...... پھر...... پھر خدا جانے کیا ہوتا؟

کسی زلزلے یا طوفان باد و باراں سے بہت سے درختوں کے گر جانے کی وجہ سے جنگل کے بیچ میں یہ چھوٹا سا گھاس کا قطعہ پیدا ہو گیا تھا۔ اس قطعے کے دوسرے کنارے سے پھر گھنا جنگل شروع ہو کر جزیرے کے انتہائی سرے تک چلا گیا تھا۔

اس کھلی جگہ میں عین میرے سامنے گرے ہوئے درخت کے ایک تنے پر تین آدمی بیٹھے تھے۔ وہ میری موجودگی سے بے خبر تھے۔ یہ بھی نیم حیوان اور نیم انسان تھے۔ حیران ہوں کہ اس جزیرے کے ان عجیب الخلقت باشندوں کو کیا کہوں۔ جو انسان تھے نہ حیوان ان میں سے ایک عورت معلوم ہوتی تھی اور سر کی کمر کے گرد بندھی ہوئی کپڑے کی پتلی پٹی کے علاوہ ان کے بدن پر دوسرا لباس نہ تھا اور میں نے حیرت سے دیکھا کہ ان کی جلد کی رنگت زردی مائل بادامی تھی۔ پہلے کبھی میں نے کسی کی جلد کا ایسا عجیب رنگ نہیں دیکھا تھا۔ ان کے چہرے بے ڈھنگے اور چربی دار تھے ان کی ٹھوڑیاں نہ تھیں۔ پیشانی اندر کی طرف دھنسی ہوئی اور سر پر سور کے سے سخت اور چھوٹے چھوٹے بال تھے۔ ان میں سے ایک اپنے دونوں ساتھیوں سے کچھ کہہ رہا تھا اور دوسرے دو ایسی دلچسپی سے ان کی باتیں سن رہے تھے کہ میرے پیروں کی چاپ اور جھاڑیوں کی سرسراہٹ نہ سن سکے۔ یا اگر سنی بھی ہوگی تو انہوں نے اس طرف کوئی دھیان نہیں دیا۔ وہ اپنے سر اور کندھے دائیں بائیں جھلا رہے تھے جیسے انہیں وجد آ گیا ہو۔

بولنے والی آواز گہری کھردری اور رقت آمیز تھی۔ حالانکہ میں اس کی آواز صاف طور سے سن سکتا تھا لیکن سمجھ نہ سکا کہ وہ کیا کہہ رہا تھا۔ یکایک اس کی آواز باریک اور لہجہ تیز ہو گیا اور وہ دونوں ہاتھ پھیلا کر کھڑا ہو گیا۔

اس کے ساتھ ہی اس کے دونوں ساتھی بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ اب وہ تینوں ہم آہنگ ہو کر کوئی کچھ نہ آنے والی زبان میں ایک گیت گا رہے تھے اور اس کی تال پر اپنا سر اور اپنے پورے جسم کو ایک خاص دھن میں دائیں بائیں جھلا رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ ان کی ٹانگیں بھی غیر معمولی طور پر چھوٹی تھیں اور پنجے لمبے اور بے ڈھنگے تھے۔ وہ تینوں ٹانگیں اچھال اچھال کر اور ہاتھ ہلا ہلا کر ایک دائرے میں گھومنے لگے۔ ان کی چیخ چیخ سی آواز میں ایک خاص قسم کا ترنم پیدا ہو گیا تھا۔ وہ کوئی گیت گا رہے تھے۔ جس کے ہر شعر کے آخر میں ''آلو یا سائید بالولہ تھا۔'' خوشی سے ان کی آنکھیں چمکنے اور حیوانوں کے سے چہرے دمکنے لگے۔ ان کے بے ہونٹ منہ سے رالیں نکلنے لگیں اور جب میں دم بخود کھڑا ان کی حرکتیں دیکھ رہا تھا کہ وہ انسان ہونے

کے باوجود مجھے کیوں گھناؤنے اور خوں خوار معلوم ہوتے تھے۔ کیا بات تھی کہ یہ لوگ مجھے بیک وقت انوکھے اور پھر بھی جانے بوجھے معلوم ہوتے تھے۔

اور ان سوالوں کے جواب مجھے مل گئے۔ وہ تینوں، جو کوئی پراسرار آدمی تھے۔ دھڑ لمبا اور ٹانگیں چھوٹی تھیں۔ بہت چھوٹی کوئی ایک منٹ تک ہم ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اور پھر وہ مڑ مڑ کر میری طرف دیکھتے رہے اور جھاڑیوں میں گھس گئے ٹہنیاں ٹوٹنے کی آواز آئی جو دور ہوتی گئی اور پھر غائب ہوگئی۔ ان کے جانے کے بعد بھی بہت دیر تک میں ان ہی جھاڑیوں کی طرف منہ کیے بیٹھا رہا۔ جس میں وہ گھسے تھے۔ میری نیند ہوا ہوگئی تھی۔

رفتہ رفتہ مجھے اپنی پشت کی طرف سے ہلکی سی آواز سنائی دی۔ میں اچھل پڑا جلدی سے مڑ کر دیکھا تو ایک خرگوش کی سفید لرزتی ہوئی دم سبز جھاڑیوں میں غائب ہو رہی تھی۔ میں اٹھ کھڑا ہوا۔

وہی جنگل تھا۔ وہی مسحور کن منظر، لیکن اس میں نیم انسان اور نیم حیوان مخلوق کو دیکھنے کے بعد اس میں کوئی دلکشی زندہ نہ رہ گئی تھی۔ میں نے چاروں طرف دیکھا اور ساتھ ہی تکلیف دہ احساس ہوا کہ میں نہتا تھا۔

پھر میں نے سوچا کہ وہ نیم حیوان آدمی وحشیوں کی طرح ننگا نہ تھا۔ بلکہ کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ چناں چہ...... میں نے اپنے آپ کو سمجھاتے ہوئے تسلی دی۔ تھوڑا بہت مہذب ضرور تھا۔

تاہم میں گھبراہٹ اور بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ اب میں وہاں ٹھہرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہاں ٹھہرنا خطرے کو دعوت دینا تھا۔ چنانچہ میں دائیں طرف چل دیا۔ لیکن حالت یہ تھی کہ خوفزدہ نظروں سے درختوں اور جھاڑیوں کو دیکھتا جا رہا تھا۔ کہ شاید ان کے پیچھے وہ چھپے ہوئے ہوں گے۔

لیکن عجیب آدمی تھا وہ میں نے سوچا ''آدمی'' سوال تو یہی ہے کہ کیا حقیقت میں وہ آدمی ہی تھا۔؟ اگر آدمی تھا تو چاروں ٹانگوں پر کھڑے ہو کر منہ سے پانی کیوں سڑپ رہا تھا۔

دفعتاً کسی جانور کی لرزا دینے والی چیخ نے میرے حالات کے تار و پود بکھیر دیے۔ اس چیخ کو تیندوے کی چیخ سمجھ کر میں بے اختیار اٹھا اچھل جس طرف سے آواز آئی اس کی مخالف سمت چل دیا۔ میں پھر چشمے پر کھڑا تھا۔ کچھ سوچے بغیر میں چشمے میں اتر پڑا اور اسے عبور کر کے گویا عالم خواب میں دوسرے کنارے پر پہنچ گیا۔ میں خالی الذہن سا جھاڑیوں اور گھنے درختوں میں گھس گیا اور چلتا رہا۔

سامنے سبز گھاس کے عین وسط میں گہری سرخی دیکھ کر میرے پیر خود بہ خود تھم گئے ہمت کر کے آگے بڑھا۔ تو معلوم ہوا کہ یہ ایک خاص طرح کے لگز تھے میرے ہونٹ مسکراہٹ کی صورت میں پھیل گئے اور اس وقت تک پھیلے رہے۔ جب تک کہ ایک منحوس چیز نظر نہ آگئی۔ جھاڑیوں کے قریب ایک مردہ خرگوش پر بڑی بڑی نیلے رنگ کی مکھیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ خرگوش کا سر اس کے جسم سے الگ پڑا تھا۔ اور اس کا گلا کسی نے چبا سا ڈالا تھا۔ گھاس پر پڑے ہوئے خون کے دھبے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ خرگوش کو تھوڑی دیر پہلے ہی مارا گیا تھا۔

خرگوش کے جسم پر پڑے ہوئے نشانات سے پتہ چلتا تھا۔ کہ یکا یک جھپٹ کر پکڑ لیا گیا ہوگا اور فوراً ہی اس کی گردن مروڑ ڈالی گئی ہوگی۔ میں سوچ رہا تھا۔ کہ ایسا ظالمانہ کام کس نے اور کیوں کیا ہوگا؟ اس

بے ضرر جانور سے کسی کو کیا پرخاش ہو سکتی تھی۔

اب تک جنگل میں مجھے کوئی درندہ نظر نہ آیا تھا۔ تو پھر...... تو پھر...... وہ آدمی جسے میں نے پانی سڑپتے دیکھا تھا وہاں۔ یہ اسی کا کام تھا۔ اس کا چہرہ غیر انسانی تھا۔ کسی درندے جیسے حیوان صفت آدمیوں میں اکیلا اور نہتا تھا...... اور وہ جھاڑیوں جیسے روپ بدلنے لگے۔ میرا تصور انہیں عجیب بھیانک شکلوں میں دیکھنے لگا۔ درختوں اور پودوں کے سائے بھی کچھ کچھ نظر آنے لگے۔ ہلکی سی سرسراہٹ کی آواز بھی بھیانک بن گئی اور نظر نہ آنے والے عفریت کی خونی آنکھیں مجھے گھورنے لگیں اور میں اس جنگل سے جلد از جلد نکلنے کے خیال سے پلٹ کر اندھا دھند بھاگا میں جھاڑیوں میں گھستا چلا گیا۔ اس کے لیے جلد از جلد حصار شاید دور تھا۔ کیوں کہ تیندوے کی چیخیں سنائی نہیں دے رہی تھیں میں چاہتا تھا کہ کم از کم کھلی جگہ میں ہی پہنچ جاؤں اور ایک حد تک اپنے آپ کو محفوظ تصور کر سکوں۔ خرگوش شکاری کسی جھاڑی یا درخت کے پیچھے سے اچانک مجھ پر حملہ کر سکتا تھا۔

وہ تینوں پراسرار جنگلی ناچ رہے تھے بہ ظاہر انسان معلوم ہوتے تھے۔ یعنی ہماری طرح دو ٹانگوں پر چلتے تھے۔ لیکن ان کے چہرے ان کے ہاتھ اور ان کی حرکتیں کسی جانور سے حیرت انگیز مشابہت رکھتی تھیں حتیٰ کہ ان کی آوازیں بھی کسی جانور کی سی تھیں۔ میں غور سے اس کی طرف دیکھتا رہا اور اب معلوم ہوا کہ کیا بات تھی۔ ہر چند کہ وہ دو ٹانگوں پر کھڑے تھے۔ ہر چند کہ ان کے جسم کی ساخت انسانوں کے جسم کی بے ڈھنگی نقل تھی۔ لیکن وہ تینوں جنگلی سور سے مشابہ تھے۔

اس حقیقت کے انکشاف نے مجھ پر سکتہ طاری کر دیا۔ وہ تینوں جو وحشیوں کی طرح ناچ رہے تھے۔ سور نما آدمی تھے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ انہیں اور کیا کہوں۔ ویسی ہی تھوتھنیاں اور بدن پر ویسے ہی ناپاک سخت بال وہ تینوں میری موجودگی سے بے خبر ناچتے رہے۔ دفعتاً ان میں سے ایک نے ہوا میں چھلانگ لگائی۔ پھر دوسرے اور تیسرے نے اس کی تقلید کی اور اب وہ دیوانوں کی طرح چھلانگیں لگا کر عجیب آواز میں ''غر غر'' کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک کا پیر پھسلا اور وہ سنبھلنے کی کوشش میں ایک لمحہ کے لیے اپنے ہاتھوں اور پیروں پر کھڑا ہو گیا۔ حالاں کہ وہ جلدی سے اٹھ کر ناچنے لگا تھا۔ لیکن اس ایک لمحے ہی میں میں نے دیکھ لیا کہ وہ سور تھا۔ ہو بہو سور جیسا! مجھے ٹھنڈے پسینے چھوٹنے لگے اور خاموشی سے پلٹ کر چل دیا۔

میں بڑی احتیاط سے چل رہا تھا۔ لیکن پھر بھی وہ خشک پتے میرے پیروں تلے دب کر ہلکی سی آواز دے اٹھتے اور میں پلٹ کر پیچھے دیکھنے لگتا کہ وہ تینوں میرا پیچھا تو نہیں کر رہے اور اس کھلی جگہ سے کافی دور نکل جانے کے بعد ہی میرے خوف میں ذرا کمی واقع ہوئی اور اب میں قدرے اطمینان اور بے خوفی سے جھاڑیوں کو ہٹاتا آگے بڑھتا رہا۔ اس وقت مجھے صرف ایک ہی خیال تھا کہ جلد سے جلد میں ان نفرت انگیز جان داروں سے دور چلا جاؤں اور میں اپنی دھن میں ایسا مگن تھا کہ میں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ اب میں ایک چھوٹی سی پگڈنڈی پر چل رہا ہوں۔ جو جنگل کے عین وسط سے گزر رہی تھی۔

اور تھوڑی دور چلتے رہنے کے بعد ایک اور کھلی جگہ میں پہنچ گیا۔ اس میدان کے دوسرے کنارے سے جنگل پھر شروع ہو جاتا تھا۔ پگڈنڈی جس پر میں چل رہا تھا۔ اس میدان کو قطع کرتی ہوئی سامنے کے جنگل

میں گھس گئی تھی۔ جب میں اس میدان سے گزر رہا تھا۔ کہ اتفاقاً میری نظر دائیں طرف اٹھ گئی اور میں چونک پڑا۔ مجھ سے کوئی تیس گز دور جھاڑیوں کے پیچھے بے ڈھنگی ٹانگیں میرے متوازی چل رہی تھیں۔ لیکن اس طرح کہ چاپ سنائی نہیں دیتی تھیں۔ اس کے بدن کا اوپری حصہ جس کی دو ٹانگیں تھیں۔ گنجان بیلوں کے پیچھے چھپا ہوا تھا۔ چلتے چلتے رک گیا میرا خیال تھا۔ کہ اس طویل ٹانگوں والے نے مجھے دیکھا نہیں ہے۔ چناں چہ جب وہ آگے بڑھ جائے گا۔ یا کسی طرف چلا جائے گا۔ تو میں اپنی راہ لوں گا۔ لیکن یہ دیکھ کر میرے بدن میں خوف کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ کہ میرے رکتے ہی وہ بھی رک گیا۔ میں خوفزدہ ہوا اور اپنے سر پر پاؤں رکھ کر اندھا دھند بھاگنے سے بہ مشکل رک سکا۔

میں نے بیلوں کے الجھے ہوئے بال کی طرف غور سے دیکھا اور تھوڑی سی کوشش کے بعد ہی اس کا اوپری جسم دیکھنے میں کامیاب ہو گیا اور مجھے اسے پہچاننے میں دیر نہ لگی۔ یہ وہی عفریت تھا جسے میں نے چشمے سے چوپایوں کی طرح پانی پیتے دیکھا عین اسی وقت اس نے گردن گھما کر میری طرف دیکھا نیم تاریکی میں اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ اس کی آنکھیں زبردست روشنی سے منور تھیں۔ اس نے فوراً میری طرف سے منہ پھیر لیا۔ ایک ثانیے تک وہ اپنی جگہ کھڑا رہا اور پھر بیلوں کو گھسیٹتا اور جھاڑیوں کو کچلتا ہوا بھاگا...... اب میں اسے دیکھ نہیں سکتا تھا۔ لیکن محسوس کر رہا تھا۔ کہ وہ کہیں قریب ہی چھپا مجھے دیکھ رہا ہے۔

لیکن وہ ہے کون؟ میں نے دل ہی دل میں سوچا اور وہ میرے ساتھ کیوں چل رہا ہے اس سوال کا جواب ایسا بھیانک ملا کہ میں کانپ گیا۔ میں نہتا تھا۔ ایک معمولی لکڑی بھی میرے پاس نہ تھی۔ پھر اس سے بچنے کے لیے اندھا دھند بھاگنا بھی حماقت تھی۔ بہت ممکن ہے۔ اس طرح میں کسی دوسری مصیبت میں پھنس جاؤں۔ بہر حال ایک بات تو صاف تھی کہ وہ حیوان ہو یا انسان یا کوئی بھوت اس میں مجھ پر حملہ کرنے کی ہمت نہ تھی۔ اگر ہوتی تو وہ مجھ پر حملہ کر چکا ہوتا۔ چنانچہ اسی خیال سے اپنی ہمت بندھا کر میں اس طرف چل دیا جس طرف وہ عین قریب گیا تھا۔ میں اس کے سامنے اپنے اس خوف کا اظہار کرنا نہ چاہتا تھا۔ جو میری ریڑھ کی ہڈی میں ٹھنڈک کی لہر دوڑا رہا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ مجھے خوفزدہ دیکھ کر وہ حملہ کرنے کی ہمت کر بیٹھے اور یہی ایک خیال تھا۔ جس نے میرا رخ اس طرف پھیر دیا۔ جس طرف کہ وہ گیا تھا۔ میں بیلوں سے الجھتا اور جھاڑیوں میں پھنستا بہ ظاہر بڑی دلیری سے آگے بڑھ رہا تھا۔ لیکن دل کا خدا ہی حافظ تھا اور پھر میں نے اسے دیکھ لیا۔ وہ مجھ سے کوئی بیس گز دور کھڑا میری طرف دیکھ رہا تھا۔ ہمت کر کے میں چند قدم اور اس کی طرف بڑھا۔

"کون ہو تم؟" میں نے پوچھا۔ اس نے مجھ سے نظریں ملانے کی کوشش کی۔

"کوئی نہیں۔" اس نے جواب دیا اور چھلانگیں مارتا ہوا بھاگا۔ کچھ دور تک بھاگتے رہنے کے بعد اس نے پلٹ کر میری طرف دیکھا اس کی آنکھیں تاروں کی طرح چمک رہی تھیں۔ حالاں کہ میرا دل جیسے اچھل کر حلق میں پھنس گیا تھا۔ لیکن میں جانتا تھا کہ اس خطرے کا مقابلہ کیے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں اور اسی میں میری بہتری بھی تھی۔ اگر میں ذرا بھی خوف کا مظاہرہ کرتا تو وہ یقیناً میرے چیتھڑے بکھیر دیتا۔ چناں چہ میں مٹھیاں بھینچ کر اس کی طرف بڑھا اور وہ بھاگا اور چھلاوے کی طرح شام کے دھندلکے میں غائب ہو گیا اور اب پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ دن ختم ہو چکا تھا۔ افق پر تاریکی پھیلنے لگی تھی۔

درختوں کے نیچے دھندلکا سمٹنے اور اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ ایک تنہا مکھی میرے سر پر بھنبھنا رہی تھی۔ اس جنگل میں تو رات گزار نہیں سکتا تھا۔ یہ خودکشی کے مترادف تھا۔ یہ بھوتوں کا جنگل تھا۔ ان بھوتوں کا جو پل بھر میں ٹکڑے کر سکتے ہیں۔ حصار ہر چند کہ دار العقوبت تھا۔ لیکن پورے جزیرے میں وہی ایک جگہ تھی۔ جہاں میں محفوظ تھا چنانچہ ان جھاڑیوں کی طرف جن کے پیچھے وہ چھلاوہ غائب ہوا تھا۔ دیکھے بغیر اپنے خیال میں اسی راستے پر چل دیا۔ کہ جس سے یہاں تک آیا تھا۔ میں جلد از جلد چشمے تک پہنچ جانا چاہتا تھا۔ وہاں سے میں بڑی آسانی سے حصار تک پہنچ سکتا تھا۔

جزیرے میں وہ میرا پہلا دن تھا اور ایک دن میں بلکہ آخری چند گھنٹوں میں، میں نے ایسی عجیب چیزیں دیکھی تھیں جو میں نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھی ہوں گی اور میرے لیے وہ ایک خواب پریشان ہی تو تھا۔

تھوڑی دور چلنے کے بعد میں نے اپنے آپ کو چھوٹے سے ہموار میدان میں پایا۔ یہاں درخت چھوٹے چھوٹے تھے اور آسمان نظر آ رہا تھا۔ اندھیرا اتر چکا تھا اور آسمان پر تارے ایک ایک کر کے روشن ہونے لگے تھے۔ درخت اور جھاڑیاں جو دن کی روشنی میں گہری سبز تھیں۔ اب سیاہ پراسرار نظر آ رہی تھیں۔ میں آگے بڑھا۔ درخت بھوتوں کے سائے اور جھاڑیاں الجھے ہوئے بالوں والی چڑیلیں نظر آنے لگیں۔ جیسے جیسے میں آگے بڑھ رہا تھا۔ درخت چھوٹے اور جھاڑیاں گنجان ہوتی جا رہی تھیں۔ پھر میں ایک ریتلے میدان سے گزرا وہاں عجیب پیلی پیلی اور نرم ریت تھی وہ شاید گندھک کا برادہ تھا۔

اس گندھک کے میدان سے گزرنے کے بعد میں پھر گنجان جھاڑیوں میں تھا کہ دفعتہً مجھے اپنے دائیں طرف سے کوئی آواز سنائی دی۔ میں رک گیا۔ کوئی آواز آ رہی تھی یا شاید میرا وہم تھا۔ میں پھر چلنے لگا۔ آواز پھر سنائی دی میں رک گیا۔ آواز بھی رک گئی۔

چناں چہ میں اس آواز کو اپنے پیروں ہی کی چاپ سمجھا۔ لیکن احتیاط میں جھاڑیوں سے ذرا ہٹ کر چلنے لگا۔ اور دس قدم کے بعد اچانک پیچھے گھوم جاتا۔ تاکہ اگر کوئی میرا پیچھا کر رہا ہو۔ تو اسے دیکھ لوں۔ لیکن وہاں کوئی نہ تھا۔ اسکے باوجود میری چھٹی حس مجھے اپنے قریب ہی کسی ہستی کی موجودگی کا احساس دلا رہی تھی۔ اب میں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ تھوڑی دیر بعد ہی میں قدرے بلند مقام سے گزر رہا تھا۔ یہاں پہنچ کر میں دفعتہً پیچھے گھوما...... اور اس دفعہ میں نے کچھ اور دیکھا۔

اندھیرے افق کے پس منظر میں مجھے اپنے پیچھے ایک بے ڈول سایہ نظر آیا۔ جو میرے گھومتے ہی جھاڑیوں میں چھپ گیا۔ اب کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں تھی۔ وہ چھچھی رنگ کے چہرے والی عفریت میرا پیچھا کر رہی تھی اور اس کے ساتھ ہی ایک دوسری بھیانک حقیقت کا انکشاف ہوا۔ میں راستہ بھول گیا۔ کچھ دور تک میں انتہائی خوف کے عالم میں دیوانوں کی طرح بھاگتا رہا۔ عفریت میرا پیچھا کرتا رہا۔ میرا تعاقب کرنے والا یا تو مجھ پر حملہ کرنے کی جرات نہ رکھتا تھا۔ یا پھر مناسب موقع کا منتظر تھا۔ احتیاط میں جھاڑیوں سے حتی الامکان دور دور ہی چل رہا تھا اور بار بار گھوم کر پیچھے دیکھ لیتا اور کان لگا کر سنتا اور کوئی آواز نہ سن کر اپنی ڈھارس بندھاتا۔ تاکہ وہ سایہ جو میں نے دیکھا تھا۔ یا تو چکر خیالی تھا یا میرے تعاقب سے باز آ گیا تھا اور پھر سمندر کا شور سنائی دیا اور میں نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ یکا یک مجھے اپنے پیچھے ایسی آواز سنائی دی جیسے کوئی

ٹھوکر کھا کر گرا ہو۔ میں نے جلدی سے گھوم کر دیکھا درختوں کے سائے میں ایک دوسرا سایہ حرکت کرتا نظر آیا۔ وہ سایہ فوراً ہی درختوں کے سائے میں گم ہو گیا میں کان لگا کر سننے لگا۔ مگر کوئی آواز نہ آ رہی تھی۔

کچھ بھی تو نہیں۔ وہم ہے میرا۔ میں نے دل ہی دل میں سوچا اور اس طرف چل دیا جس طرف سے سمندر کے شور کی آواز آ رہی تھی۔

کوئی ایک منٹ تک چلتے رہنے کے بعد میں گھنے جنگل سے نکل آیا۔ یہاں درخت چھدرے چھدرے تھے اور ایک چپٹی سی چٹان سمندر میں دور تک چلی گئی تھی۔ رات خاموش تھی اور آسمان شفاف جگمگاتے ہوئے تاروں کا عکس سمندر کے گدلے پانی میں لرز رہا تھا۔ ایک طرف پتھریلے ساحل سمندر کے پانی نے گھس گھس کر بلور کی طرح چمکا دیا تھا۔ مشرقی ساحل حدِ نظر تک پھیلتا چلا گیا تھا۔ لیکن مغربی ساحل کو ایک اونچی راس نے چھپا لیا تھا اور اب مجھے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر مارکوس کی بندرگاہ اور حصار مغرب کی طرف تھا۔

پیچھے کے جنگل میں سے ٹہنیوں کے ٹوٹنے اور جھاڑیوں کے سرسرانے کی آواز آئی۔ میں نے گھوم کر کالے کالے نظر آتے ہوئے درختوں کی طرف دیکھا مجھے کچھ نظر نہ آیا۔ یوں کہیے کہ بہت کچھ نظر آیا۔ کیوں کہ تاروں کی روشنی میں مجھے ہر سایہ بھیانک اور خوف ناک روپ میں نظر آ رہا تھا۔ کوئی ایک منٹ تک میں درختوں اور جھاڑیوں کے سایوں کو گھورتا ہوا اور انہیں عبور کرنے کے لیے مغرب کی طرف چل دیا اور ابھی میں نے اپنا پہلا قدم اٹھایا تھا کہ ان سایوں میں سے ایک نے جنبش کی اور میرے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

میرا دل بری طرح دھڑک رہا تھا اور پیر من من بھاری ہو رہے تھے۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد ہی کھاڑی کا موڑ نظر آیا۔ میں رک گیا میرا تعاقب کرتا ہوا سایہ مجھ سے کوئی بارہ گز کے فاصلے پر رک گیا۔ کنارے کے آخری موڑ پر ایک ہلکی سی ٹمٹماتی ہوئی روشنی نظر آ رہی تھی۔ روشنی کا وہ لرزاں نقطہ تقریباً دو میل کے فاصلہ پر ہو گا۔ اس پر پہنچنے کے لیے مجھے پھر جھاڑیوں اور درختوں کے بیچ سے گزرنا تھا۔ اب جو میرا تعاقب کر رہا تھا۔ اسے ذرا صاف طور سے دیکھ سکتا تھا۔ وہ کوئی جانور نہ تھا۔ کیوں کہ وہ دو ٹانگوں پر کھڑا تھا۔ میں نے بولنے کے لیے منہ کھولا۔ لیکن آواز حلق میں اٹک گئی۔

میں نے پھر کوشش کی۔

''کون ہے؟'' میری آواز پھٹی ہوئی اور کھردری تھی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہمت کر کے میں نے ایک قدم اس کی طرف بڑھایا۔ اور وہ وہیں کھڑا رہا۔ البتہ کچھ سمٹ سا گیا تھا۔ پھر میں آگے بڑھا اور پتھر سے ٹھوکر کھا کر گرتے گرتے بچا۔ پھر بجلی کی سی تیزی سے ایک خیال میرے ذہن میں کوند گیا۔ اپنی نظریں اس سائے پر سے ہٹائے بغیر میں نے جھک کر وہ پتھر اٹھا لیا۔ میرے پتھر اٹھاتے ہی وہ ہوشیار کتے کی طرح اچھل کر اندھیرے کی چادر میں روپوش ہو گیا۔ مجھے یاد آیا کہ بچپن میں جب کتے میرے پیچھے دوڑتے تھے تو میں اپنے رومال کی فلاخن بنا کر ایک بڑی سی اینٹ رکھ لیا کرتا تھا اور ان کی طرف پھینکا کرتا تھا اور اس وقت بھی میں نے یہ ہی کیا۔

اس سے لیس ہو کر میں سامنے نظر آتے ہوئے درختوں کے جھنڈ کی طرف چلا۔ چند منٹوں بعد ہی اس جنگل کے سامنے کھڑا تھا۔ میں اس میں گھستا ہوا ڈر رہا تھا اور میرا یہ ڈر بے جا نہ تھا وہ جو میرا تعاقب کر رہا

ان جھاڑیوں کے پیچھے سے مجھ پر اچانک حملہ کر سکتا تھا۔ لیکن اس جنگل کو عبور کیے بغیر میں بندرگاہ اور حصار تک بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ بہت دیر تک اپنی ہمت بندھاتا رہا اور پھر مٹھیاں بھینچ کر بھاگتا ہوا اس جنگل میں گھس گیا۔

میں بھاگتا رہا۔ میری سانس پھول گئی پیر جواب دینے لگے تھے۔ میں بھاگتا رہا۔ آخر کار میں اس جنگل سے نکل کر ساحل پر آ گیا اور کوئی دوسرا بھی ٹہنیاں توڑتا اور جھاڑیوں کو پھلانگتا میرے پیچھے ساحل پر آ گیا۔

مارے خوف کے میرے حواس گم ہو گئے اور میں ساحل پر بھاگنے لگا۔ بھاگتے ہوئے نرم پیروں کی چاپ میرا پیچھا کر رہی تھی اور مارے خوف کے میرے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ اور میں نے اپنی رفتار دگنی کر دی۔ سامنے آتے ہوئے ایک پتھر کے پیچھے سے ٹھگنے قد و قامت کے دو چار سائے نکلے اور دو ٹانگوں پر چوکتے ہوئے جھاڑیوں میں گھس گئے۔ کس قدر بھیانک گھڑی تھی۔ میں اس سنسان ساحل پر دیوانوں کی طرح بھاگا جا رہا تھا اور موت میرا تعاقب کر رہی تھی۔

اس رات اور اس گھڑی کو میں مرتے دم تک نہ بھول سکوں گا۔ میں سمندر کے اتنے نزدیک بھاگا جا رہا تھا۔ کہ سمندر کا پانی بار بار آگے بڑھ کر میرے قدم چوم لیتا تھا۔ میں برابر اسکے پیروں کی چاپ سن رہا تھا۔ جو میرا پیچھا کر رہا تھا۔ اور یہ چاپ دم بہ دم میرے قریب ہوتی جا رہی تھی۔ دور بہت دور ٹمٹماتی ہوئی روشنی نظر آ رہی تھی۔ رات خاموش اور اندھیری تھی اور بھیانک موت میرا پیچھا کر رہی تھی۔

تھپ...... تھپ...... موت کے قدموں کی چاپ قریب سے قریب تر ہوتی جا رہی تھی۔ اب میری سانس پھول رہی تھی اور میری رانوں میں جیسا کہ کسی نے سیسہ اتار دیا تھا۔

وہ ٹمٹماتی ہوئی روشنی اب کافی دور تھی۔ اور میں نے انتہائی مایوسی کے عالم میں سوچا کہ حصار تک پہنچنے سے پہلے ہی وہ بھوت جو میرا پیچھا کر رہا تھا۔ مجھے دبوچ لے گا اور میں نے اپنی جان بچانے کی خاطر آخری کوشش کی اور میں بھاگتے بھاگتے یکا یک رک کر گھوما اور جو میرے پیچھے بھاگا آ رہا تھا۔ اپنے آپ کو فوراً نہ روک سکا اور اپنے زور پر ہی بھاگتا ہوا میرے قریب آ گیا میں نے دیکھا کہ وہ چوپایوں کی طرح چاروں ٹانگوں پر بھاگ رہا ہے اور میرے گھومتے ہی وہ سنبھل کر اٹھ کھڑا ہوا۔

ایک منٹ ضائع کیے بغیر میں نے اپنا ہاتھ جس میں رومال تھا۔ تیزی سے گھمایا۔ اور رومال کے دونوں سروں کو جو میری مٹھی میں تھے چھوڑ دیے۔ رومال کے کوپے میں سے پتھر زوں کر کے نکلا اور عفریت کی دائیں کنپٹی پر پڑا۔ اس کی کھوپڑی ٹن سے بجی وہ عفریت لڑکھڑا کر سیدھا مجھ پر آیا۔ میں تو ساحل پر تھا اور منہ پانی میں میں اس سیاہ ڈھیر کے قریب رہنے کی جرات نہ کر سکا۔ میں نے خوف زدہ نظروں سے ایک دفعہ اس کی طرف دیکھا۔ وہ بے ہوش تھا۔ لیکن خوف تھا کہ وہ بہت جلد ہوش میں آ جائے گا۔ کیوں کہ اس کا چہرہ پانی میں تھا۔

چناں چہ میں اس ٹمٹماتی ہوئی روشنی کی طرف تیزی سے چلا۔ جو دور سے نظر آ رہی تھی اور ابھی میں تھوڑی دور ہی چلا تھا کہ تیندوے کی چیخیں سنائی دیں۔ اس آواز سے گھبرا کر میں بھوتوں کے اس جنگل میں گھس پڑا مگر اب یہی چیخیں میرے لیے زندگی کا پیغام لا رہی تھیں۔ تیندوے کی وہ آواز جس سے بچنے کے لیے میں جزیرے کے طلسمات میں جا پھنسا تھا۔ اب میرے بدن میں زندگی و توانائی کی لہریں دوڑ رہی تھیں۔ کس قدر حیرت انگیز تضاد تھا۔ اب میری ٹانگیں بالکل ہی جواب دے گئی تھیں اور میں بے ہوش ہونے کے قریب تھا۔

آخر میں، میں اپنی قوت سمیٹ کر حصار کی طرف بڑھا اور میں نے سنا کہ کوئی آواز مجھے پکار رہی تھی۔ حصار کے قریب پہنچ کر دیکھا کہ وہ ٹمٹماتی ہوئی روشنی جو میں نے دو میل کے فاصلے پر دیکھی تھی۔ میرے کمرے کے کھلے ہوئے دروازے میں سے آرہی تھی۔ حصار کے دائیں طرف کے کونے سے ایک آواز مجھے پکار رہی تھی۔

"دانش..... دانش۔" اور یہ وکرم بھاٹیہ کی آواز تھی۔

میں بھاگتا رہا پھر میں نے وکرم بھاٹیہ کی آواز سنی اور چند منٹوں بعد ہی اندھیرے میں اس سے ٹکرا گیا۔

"ارے کہاں تھے تم؟" وکرم بھاٹیہ نے پوچھا۔

"میں اور مارکوس دن بھر اتنے مصروف رہے کہ تمہارا خیال ہی نہ آیا ابھی کوئی آدھ گھنٹے پہلے ہی یاد آیا کہ اس جزیرے میں ہم دو کے علاوہ ایک تیسرا آدمی بھی آگیا ہے جو ہمارا مہمان ہے۔"

"وہ مجھے کمرے میں لے آیا۔" میں اونچی پشت والی کرسی میں ڈھیر ہو گیا۔ لالٹین کی مریضانہ روشنی میری آنکھوں میں چبھ رہی تھی۔

"یہ تو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔" اس نے کہا۔ "تم ہمیں خبر کیے بغیر ہی جزیرے کی سیر کرنے نکل پڑو گے۔ میں ڈر رہا تھا..... کہ..... کہ ارے یہ کیا ہوا.....؟

میری قوت برداشت جواب دے گئی میرا سر سینے پر جھک گیا۔ وکرم بھاٹیہ نے جلدی سے تھوڑا پانی میرے حلق میں ٹپکا دیا۔

"خدا کے لیے....." میں نے مری ہوئی آواز میں کہا۔ "یہ دروازہ بند کرو۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری مڈبھیڑ ہمارے جزیرے کے..... آہ ہم..... میرا مطلب ہے کہ تم نے شاید کچھ عجائبات دیکھ لیے ہیں۔" اس نے کہا اور دروازہ بند کر کے اندر سے تالا لگا دیا اور پھر اس نے تھوڑا سا پانی اور دیا۔ جسے میں ایک فرمانبردار بچے کی طرح پی گیا۔ وکرم بھاٹیہ نے مجھ سے کچھ نہ پوچھا۔ بلکہ کہا صرف یہ کہ کھانا کھا لوں۔ حالاں کہ مجھے ذرا بھوک نہ تھی۔ لیکن وکرم بھاٹیہ کے مجبور کرنے پر میں نے تھوڑا سا کھا لیا۔

میں بے ہوش ہوا چاہتا تھا۔ مجھ پر غنودگی چھا رہی تھی۔ میں نے وکرم بھاٹیہ کو بڑبڑاتے ہوئے سنا۔

"غلطی اصل میں میری ہی تھی۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "مجھے چاہیے تھا کہ پہلے ہی تمہیں خبردار کر دیتا۔ لیکن یہ تو بتاؤ کہ اس کمرے سے تم کب نکلے۔ کس طرف گئے۔ کیا دیکھا تم نے؟" میں نے اسے پورا واقعہ سنا دیا۔

"وکرم یہ سب کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"تم کچھ زیادہ ہی گھبرا گئے ہو۔ ورنہ میرے خیال میں یہ اتنی بھیانک بات نہیں ہے۔ جتنی کہ تم سمجھ رہے ہو۔ اس ایک دن میں ہی تمہارے ساتھ اتنے عجیب واقعات ہو گئے ہیں کہ تم۔"

عین اسی وقت تیندوا بڑی بھیانک آواز میں چیخا۔

"لعنت ہے۔" وکرم بھاٹیہ نے دانت پیس کر کہا۔ "یہ جگہ تو جہنم سے بھی بدتر ہے۔"

"وکرم!" میں نے کہا۔ "سچ بتاؤ وہ کون تھا جو میرا تعاقب کر رہا تھا۔ آدمی تھا یا درندہ؟"

"بہتر ہے کہ تم اس وقت سو جاؤ اگر تم آج رات نہ سوئے تو صبح تک یقیناً پاگل ہو جاؤ گے۔"

میں وکرم بھاٹیہ کے سامنے جم کر کھڑا ہو گیا۔

"وہ کون تھا جو میرا تعاقب کر رہا تھا؟" میں نے ذرا رُک کر پوچھا۔ اس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں بجھ سی گئیں اور رنگ فق ہو گیا۔

"تمہارے بیان سے تو یہی معلوم ہوتا ہے۔" کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ "کوئی بھوت پریت تھا۔"

بے چینی اور سنسنی کی ایک لہر مجھے کپکپاتی ہوئی گزر گئی۔ میں دھپ سے کرسی پر گر پڑا اور دونوں ہاتھوں سے میں نے اپنا سر تھام لیا۔ تیندوا پھر چیخنے لگا۔ وکرم بھاٹیہ اپنی جگہ سے اٹھ کر میرے پیچھے کھڑا ہوا اور اس نے اپنے ہاتھ میرے کندھوں پر رکھ دیے۔

"دیکھو ابراہیم دانش!" اس نے بڑے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔ "تمہاری غلطی تھی کہ تم ہم سے پوچھے بغیر ہمارے اس آسیب زدہ جزیرے میں تفریح کو نکل پڑے۔ بہر حال جو کچھ ہونا تھا۔ ہو چکا۔ لیکن یہ جزیرہ اتنا بھیانک نہیں ہے۔ جتنا کہ تم سمجھ رہے ہو۔ دراصل ہوا یہ ہے کہ پے در پے واقعات سے تمہارے اعصاب متاثر ہوئے ہیں اور تم بہت گھبرا گئے ہو۔ چناں چہ اس وقت تمہیں آرام کی سخت ضرورت ہے۔ لیکن یہ تیندوا تمام رات چیختا رہے گا اور تم نہ سو سکو گے۔ چناں چہ میں تمہیں ایک دوا دیتا ہوں۔ جو تمہیں صبح تک سلائے رکھے گی تمہیں پرسکون نیند کی سخت ضرورت ہے۔ ورنہ تم پاگل ہو جاؤ گے۔"

اور وہ میرے جواب کا انتظار کیے بغیر کمرے سے چلا گیا اور منٹوں بعد ہی وہ کانچ کا پیانہ لیے ہوئے لوٹا۔ جس میں کالے رنگ کی کوئی سیاہ شے تھی۔ کچھ کہے بغیر میں نے وہ دوا پی لی۔ وکرم بھاٹیہ نے مجھے سہارا دے کر اٹھایا اور جالی دار جھولے میں لٹا دیا۔

"کیا کروں؟" میں نے سوچا۔

"اور فوراً مجھے فرار ہو جانے کا خیال آیا۔ میرے کمرے کا دروازہ جو باہر کی طرف کھلتا تھا اور میں آسانی سے فرار ہو سکتا تھا۔ مجھے یقین تھا۔ کہ مارکوس زندہ آدمی ہی کی چیر پھاڑ کر رہا تھا۔ کسی دوسرے ڈاکٹر کے لیے یہ بات ممکن ہو یا نہ ہو۔ لیکن ڈاکٹر مارکوس کے لیے یہ بات ممکن تھی۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اس بدنصیب آدمی کو میز پر تڑپتے ہوئے دیکھا تھا۔ جب سے میں نے ڈاکٹر مارکوس کا نام سنا تھا۔ جزیرے کے بدصورت باشندوں کا تعلق اس سے ملانے کی کوشش کر رہا تھا۔ شروع ہی سے مجھے شک تھا کہ جزیرے کے باشندے کی بدصورتی اور بے چینی میں ڈاکٹر مارکوس کا ہاتھ ہے اور وہ شک یقین میں بدل گیا۔

وہ عجیب طرح کے جان دار۔ جنہیں سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہوں۔ ڈاکٹر مارکوس کے کسی گھناؤنے تجربے کا شکار تھے اور اب بجلی کی سی تیزی سے یہ بھیانک خیال میرے ذہن میں آیا۔ وکرم بھاٹیہ اور مارکوس مجھے اس لیے اپنے ساتھ لائے ہیں کہ مجھ پر کوئی بھیانک تجربہ کریں اور میری بھی شکل و صورت بگاڑ کر ان حیوان نما آدمیوں کے ساتھ جزیرے میں چھوڑ دیں۔ اس خیال نے مجھے لرزا دیا۔

"نہیں میں ڈاکٹر مارکوس کو اپنے اوپر تجربہ نہیں کرنے دوں گا۔ میں حیوان بننا نہیں چاہتا تھا۔ مجھے

اپنے آپ کو بچانا ہے۔ بہر طور پر بچانا ہے۔ میں نے کمرے میں نظریں دوڑائیں۔ شاید کوئی ہتھیار مل جائے۔ جس سے میں اپنی حفاظت کر سکوں۔ لیکن وہاں کوئی ہتھیار نہ تھا۔

چنانچہ میں نے یہ کیا کہ کرسی پر اپنا پیر رکھ کر اس کی ہتھی پوری قوت سے کھینچی..... تھوڑی سی کوشش کے بعد ہتھی اکھڑ گئی۔ اسے اتفاق کہیے یا میری خوش قسمتی کہ اس کے ساتھ ہی ساتھ اس میں لگی ہوئی ایک کیل بھی نکل آئی۔ خاصی لمبی اور نوکدار کیل تھی۔ اور جس نے اس معمولی سی ہتھی کو ایک جان لیوا ہتھیار بنا دیا تھا۔

دفعتاً مجھے باہر کی طرف سے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ سامنے وکرم بھاٹیہ کھڑا ہوا تھا۔ غالباً وہ اس دروازے کو باہر سے مقفل کر دینا چاہتا تھا۔ اس خیال نے کہ یہ لوگ مجھے قید کرنا چاہتے ہیں مجھے پاگل کر دیا اور میں کیل دار ہتھی اٹھا کر وکرم بھاٹیہ کی طرف لپکا۔ میں نے اس پر وار کر دیا۔ وہ اچھل کر ایک طرف ہو گیا۔ ایک لمحے تک میں کشش و پنج کے عالم میں کھڑا رہا اور پھر حصار کے کنگر کی طرف بھاگا۔

”ابراہیم۔“ میں نے وکرم بھاٹیہ کی آواز سنی۔ ”یہ کیا پاگل پنا ہے۔“

”اگر میں رکا تو وہ مجھے پکڑ کر کمرے میں بند کر دے گا اور پھر مارکوس کا تجربہ.....“ میں نے سوچا اور پھر اپنی رفتار تیز کر دی۔ وکرم بھاٹیہ حصار کے کنگر پر نمودار ہوا۔

”ابراہیم! بھگوان کے لیے رک جاؤ“ وہ چلایا اور میرے پیچھے بھاگا۔

اس وقعہ میں شمال مشرق کی طرف اندھا دھند بھاگ رہا تھا کل میں مغربی جنگل میں گھسا تھا۔ چنانچہ اس طرف یعنی شمال مشرق کی طرف میرے خیال میں کوئی خطرہ نہ تھا۔ بھاگتے بھاگتے میں نے گردن گھما کر دیکھا۔ وکرم بھاٹیہ کے ساتھ اس کا سیاہ چہرے والا ملازم بھی جس کے کان نوکدار تھے۔ جس کی آنکھیں اندھیرے میں چمکتی تھیں میرا تعاقب کر رہا تھا۔ میں ڈھلان پر چڑھتا ہوا جزیرے کی چوٹی پر پہنچا اور مشرق کی طرف ایک سنگ ستھانی گھاٹی میں گھس گیا۔

میں تقریباً ایک میل تک رکے بغیر بھاگتا رہا۔ میرا دل بری طرح دھڑک رہا تھا اور سانس دھونکنی کی طرح چل رہی تھی۔ اب مجھے وکرم بھاٹیہ اور اس کا ملازم کہیں نظر نہ آ رہے تھے اور نہ ہی ان کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ چنانچہ میں بے ڈر ہو کر ساحل کی طرف چلا۔ فرنوں کے جھنڈ میں لیٹ کر میں لمبی لمبی سانسیں لینے لگا۔ ایک ڈیڑھ میل تک اندھا دھند دوڑنے کی وجہ سے بالکل ہی تھکا مارا تھا۔

اس لیے اس جگہ میں بہت دیر تک پڑا رہا۔ میرے چاروں طرف پھیلا ہوا خوفناک منظر اور چاروں طرف خاموشی تھی۔ اس خاموشی میں تنہا ایک مچھر کی بھنبھناہٹ تھی۔ جس نے مجھے تلاش کر لیا تھا۔ پھر ایسی آواز آئی جیسے کوئی زبردست سانس لے رہا ہو۔ غور سے سننے پر معلوم ہوا کہ وہ سمندر کا شور تھا۔ جسے ہوا کے جھونکے آرام گاہ تک لے آئے تھے۔

کوئی ایک گھنٹہ بعد وکرم بھاٹیہ کی آواز سنائی دی۔ جو مغرب کی طرف سے آ رہی تھی۔ وہ کچھ کہہ رہا تھا اور اس کی آواز نے مجھے چونکا کر یہ سوچنے پر مجبور کر دیا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیے۔ سارے جزیرے میں ان کے چیر پھاڑ کرنے والوں یعنی وکرم بھاٹیہ اور مارکوس کے بنائے ہوئے حیوان نما آدمیوں کے علاوہ اور کوئی

نہ بستا تھا۔ ان باشندوں کو ڈاکٹر مارکوس اور وکرم بھاٹیہ میرے خلاف استعمال کر سکتے تھے۔ میرے پاس کیل دار ہتھے کے علاوہ اور کوئی ہتھیار نہ تھا۔

چنانچہ کسی آخری نتیجے پر پہنچے بغیر میں فرنوں کے جھنڈ میں اس وقت تک پڑا رہا جب تک پیاس نے مجھے بے چین نہ کر دیا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ کھانا کہاں سے حاصل کروں۔ یہ کہ نباتات کے متعلق میری معلومات صفر تھی اور میں نہیں جانتا تھا کہ اس جنگل میں اُگے ہوئے کس درخت کا پھل مجھے توانائی بخش سکتا ہے اور کون سا موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے۔ خرگوش پکڑنے کا بھی میرے پاس کوئی سامان نہ تھا۔ آخر کار انتہائی مایوسی کے عالم میں میرے خیالات کا رُخ جزیرے کے حیوان نما باشندوں کی طرح پھر گیا اور میں سوچنے لگا کہ کیا کوئی اور میری مدد کر سکتا ہے۔ میں ان کی حرکتیں یاد کر کے کوئی امید افزاء نتیجہ حاصل کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

ابھی میں انہی خیالات میں الجھا ہوا تھا۔ کہ شکاری کتوں کے بھونکنے کی آواز آئی۔ خطرہ قریب تھا۔ اگر میں وہیں چھپا رہتا تو پکڑا جاتا۔ چنانچہ میں کیل دار ہتھی لے کر اپنی کمین گاہ سے نکل آیا اور اس طرف چل دیا۔ جس طرف سے کتوں کی آواز آ رہی تھی۔ میں خاردار جھاڑیوں کے جھنڈ میں گھستا چلا گیا۔ جب میں اس جھنڈ سے باہر نکلا تو میرے کپڑے تار تار تھے۔ بدن پر ان گنت خراشوں میں سے خون رس رہا تھا اور میں ایک ندی کے ڈیلٹا کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔ کچھ سوچے بغیر ندی میں اتر گیا۔

اور مغرب کی طرف چل پڑا۔

جلد ہی میں نے اپنے آپ کو ایک چشمے کے گھٹنوں گھٹنوں پانی میں کھڑے پایا۔ میں کنارے پر چڑھ کے جنگل میں گھس گیا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد رُک کر اپنا دم درست کرنے لگا۔ چند منٹوں بعد ہی خاردار جھاڑیوں کے دوسری طرف سے کتے کے بھونکنے کی آواز آئی۔ صرف ایک کتے کی آواز تھی۔ جو بھونک کر خاموش ہو گیا۔ میں نے اطمینان کی سانس لے کر سوچا۔

کہ اب وکرم بھاٹیہ اور مارکوس مجھے نہ پا سکتے تھے۔

منٹ پر منٹ گزرتے رہے۔ خاموشی گہری ہوتی چلی گئی۔ آخر میری ہمت بندھنے لگی۔ خوف اور مایوسی کا احساس اب اتنا شدید نہ تھا۔ میں اس احساس کی حدود سے آگے نکل چکا تھا۔ اور اب صرف زندگی اور موت کا سوال درپیش تھا۔ خوف اور مایوسی نے انتہا کو پہنچ کر مجھے کسی بھی خطرے کا مقابلہ کرنے کے قابل بنا دیا تھا۔ حتیٰ کہ میں ڈاکٹر مارکوس سے بھی دو دو ہاتھ کرنے کے لیے تیار تھا۔ اس کے علاوہ جب میں چشمے میں بھاگ رہا تھا۔ مجھے خیال آیا تھا کہ اگر میں پکڑا گیا اور اگر مارکوس نے مجھ پر تجربہ کرنا چاہا تو میں اس عذاب سے بچنے کے لیے سمندر میں کود پڑوں گا۔ بے شک میں خودکشی کر لوں گا اور ایسا کرنے سے مجھے کوئی نہ روک سکتا تھا۔

اور جس وقت میں چشمے میں بھاگ رہا تھا۔ مجھے یہ بھی خیال آیا۔ کہ اسی وقت میں اپنے آپ کو غرق کر کے اپنے سب دکھوں کا ایک ہی وقت میں خاتمہ کر لوں۔ لیکن پھر شوق تحقیق نے مجھے ایسا کرنے سے باز رکھا۔ اس جزیرے کے عجائبات دیکھے اور ان کے بارے میں پوری پوری معلومات حاصل کیے بغیر میں مرنا

نہیں چاہتا تھا۔ میں اپنی عجیب و غریب مہم کو ادھوری چھوڑنا نہ چاہتا تھا اور موت تو بہر حال آنی ہی ہے۔

خاردار جھاڑیوں کے جھنڈ میں سے اندھا دھند گزرنے کی وجہ سے میرا جو حشر ہو گیا تھا۔ ہاتھ پاؤں بری طرح درد کر رہے تھے۔ مجھے آرام کی ضرورت تھی۔ میں ٹانگیں پھیلا کر لیٹتا اور ایسی انگڑائی لینا چاہتا تھا کہ میری پسلیاں چیخ اٹھیں۔ میں نے یونہی درختوں اور بیلوں پر نظر دوڑائی اور ایک درخت کی گھنی بیل کے سبز پتوں میں سے ایک سیاہ چہرہ جھانکتا ہوا نظر آیا۔ وہ بڑے غور سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔

میں نے اسے فوراً پہچان لیا۔ یہ وہی بندر نما انسان ہے۔ جسے میں نے ساحل پر جب ہماری کشتیاں قریب آ گئی تھیں۔ دیوانوں کی طرح بھاگتے اور مضحکہ خیز حرکتیں کرتے دیکھا تھا۔ وہ بیل کے پیچھے سے نکل کر درخت کی ٹہنی پر بیٹھ گیا اور سر ہلا ہلا کر جانے کیا کیا کہنے لگا۔ مجھے تو صرف تم تم کی سی آواز سنائی دے رہی تھی۔

میں کیل وار ہتھیار مضبوطی سے پکڑے اس کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ وہ درخت سے کود کر میرے سامنے کھڑا ہو گیا۔ وہ بڑی دلچسپی سے مجھے دیکھنے لگا۔ یہ بندر نما آدمی مجھے اتنا گھناؤنا اور بھیانک نہ معلوم ہوا۔ جتنے کہ وہ حیوان آدمی معلوم ہوئے تھے۔

"تم..... " اس نے کہا "کشتی میں؟"

تو ثابت ہوا کہ وہ انسان تھا۔ کم سے کم وکرم بھالیہ کے سیاہ چہرہ والے ملازم سے تو انسان تھا۔ کیوں کہ وہ بول سکتا تھا۔

"ہاں میں وہی ہوں۔" میں نے کہا۔ "میں ہی کشتی میں بیٹھ کر یہاں آیا تھا۔ جب تم کنارے پر منتظر کھڑے تھے۔"

"اوہ..... منتظر۔" اس نے یوں حیرت سے کہا جیسے "منتظر" کا لفظ اس کے لیے بالکل نیا ہو۔ وہ بہت دیر تک میری صورت تکتا رہا اور پھر میرے پورے بدن کا جائزہ لینے لگا۔ اس نے کئی دفعہ مجھے سر سے پیر تک دیکھا۔ کسی خاص بات نے اسے الجھن میں ڈال دیا تھا۔ اس کی نظر میرے ہاتھوں کی انگلیوں پر گڑ گئی۔ وہ بہت دیر تک میرے ہاتھوں کو دیکھتا رہا اور پھر اپنے ہاتھوں کی انگلیاں گننے لگا۔

"ایک..... دو..... تین..... چار..... پانچ! اوہ..... حیرت سے اچھل پڑا۔ میں اس کی حیرت کا سبب نہ سمجھ سکا۔ لیکن بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ ان حیوان نما آدمیوں میں سے اکثر کے ہاتھ ناقص تھے اور بعضوں کی تو تین تین انگلیاں تھیں۔ جیسا کہ میں کہہ رہا ہوں کہ میں اس بندر نما آدمی کی اس حرکت کو نہ سمجھ سکا تھا۔ چناں چہ اس کی اس حرکت کو میں نے "خوش آمدید" پر محمول کرتے ہوئے جواباً میں نے بھی ایسا ہی کیا۔ اور وہ مارے انبساط کے جھوم جھوم گیا پھر اس نے بڑی دلچسپی سے میری طرف دیکھا اور حیرت انگیز پھرتی سے جھاڑیوں اور بیلوں کے جھنڈ میں گھس گیا۔

میں بھی اس کے پیچھے جھنڈ میں جا گھسا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ ایک درخت سے رسے کی طرح لٹکتی ہوئی بیل کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پکڑے انتہائی خوشی کے عالم میں جھولے کھا رہا تھا۔

"سنو تو۔" میں نے کہا۔

وہ الٹی قلا بازی کھا کر میرے سامنے کھڑا ہو گیا۔

"مجھے کچھ کھانے کو ملے گا؟" میں نے پوچھا۔

"کھانے کو..... کھانے کو!" وہ بولا۔ "ہم آدمی ہیں۔ ہم کھاتے ہیں۔ وہاں جھونپڑوں میں جھونپڑوں میں۔"

"کہاں ہیں جھونپڑیاں؟"

"وہ!" اس نے حیرت سے کہا۔

"میں اجنبی ہوں۔"

"اجنبی! اجنبی..... ! وہ اجنبی۔" وہ بڑبڑایا اور پلٹ کر ایک طرف چل دیا۔

"آؤ..... آؤ۔" اس نے گردن گھما کر میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ میں اس کے پیچھے ہو لیا۔

میں نے سوچا کہ جھونپڑیاں تو ان حیوان نما آدمیوں کی رہائش گاہ ہوں گی۔

اور پھر میں نے پر امید ہو کر سوچا کہ بہت ممکن ہے۔ کہ میں ان میں سے کسی ایک کو اپنا دوست بنا لوں۔ لیکن اس وقت مجھے معلوم نہ تھا۔ کہ یہ حیوان نما آدمی انسانی جذبات سے ذرا بھی واقف نہ تھے۔ چوں کہ وہ انسان تھے ہی نہیں۔ اس لیے انسانیت اور انسانی جذبات انہیں ورثے میں نہیں ملے تھے۔

میرا بندر نما دلبرا اپنے لمبے لمبے ہاتھ ہلاتا میرے ساتھ ساتھ چل رہا تھا اور میں سوچ رہا تھا کہ کیا اسے یاد ہو گا۔ کہ وہ پہلے کون تھا اور اس جزیرے میں کیسے پہنچا۔

"تم کب سے یہاں مقیم ہو؟" میں نے پوچھا۔

"کب سے؟ مقیم..... مقیم! میں نے سوال دہرایا۔ تو اس نے اپنے ایک ہاتھ کی دو انگلیاں دبا کر تین میری آنکھوں کی سامنے نچائیں۔ معلوم ہوا کہ وہ بالکل ہی فاتر العقل نہ تھا۔ میں اس کا مطلب سمجھنے کی کوشش کرنے لگا اور معلوم ہوا کہ میں اپنے سوالوں سے اسے بیزار کیے دے رہا تھا۔ جب میں نے اس سے دو چار سوال پوچھے تو وہ مجھ سے دور ہٹ کر ایک درخت سے لٹکتے ہوئے پھلوں کی طرف کودا اور مٹھی بھر پھل توڑ کر ان کے چھلکے اتارے اور کودا بڑے مزے سے کھانے لگا۔ میں نے اپنے دل میں خوشی اور اطمینان کی لہر محسوس کی۔ کھانے کا مسئلہ ایک حد تک حل ہو گیا تھا۔ یعنی میں بھی اس درخت کے پھل کھا سکتا تھا۔ میں نے اس سے سوالات پوچھے جن کے جواب اس نے کچھ الٹے سیدھے دیے ایک دو جواب کچھ ٹھیک بھی تھے۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ وہ رٹے رٹائے جملے طوطے کی طرح بولے جاتا تھا۔

میں اس کی حرکتیں دیکھنے اور اس کی باتیں سننے میں ایسا منہمک تھا۔ کہ میں نے اس بات پر غور ہی نہ کیا کہ ہم کس طرف اور کہاں جا رہے تھے؟ تھوڑی دور چلنے کے بعد ہم جلتے ہوئے بھورے درختوں کے جھنڈ میں سے گزر کر ایک کھلی جگہ میں آ گئے۔ اس میدان میں کچھ زردی مائل بھورے پرت جمے ہوئے تھے۔ اور پورے میدان میں دھواں سا منڈلا رہا تھا۔ جو آنکھوں اور ناک میں گھس کر جلن پیدا کر دیتا تھا۔ بائیں طرف ننگی ننگی چٹانوں کا سلسلہ تھا۔ جن کے پیچھے سمندر نظر آ رہا تھا۔ راستہ اس کھلی جگہ کے عین وسط میں سے گزرتا ہوا ایک کہاسے میں اتر گیا تھا۔

چند لمحوں کے بعد ہی ہم اس کھنائے میں تھے۔

کبھی کسی زلزلے کی وجہ سے چٹانی سلسلے میں یہ کافی بڑی دراڑ پیدا ہو گئی ہو گی۔ اس کھنائے میں اندھیرا تھا اور اس میں آتش فشانی راکھ بچھی ہوئی تھی۔ جس میں ٹخنوں ٹخنوں تک پاؤں دھنس جاتے تھے۔ جیسے جیسے ہم آگے بڑھتے گئے۔ کھنائے کی چٹانی دیواروں کی چوٹیاں ایک دوسرے کے قریب ہوتی گئیں اور پھر آپس میں مل گئیں۔ اب ہمارے سر پر آتش فشانی چٹان کی مضبوط چھت تھی اور اس کے نیچے گھور اندھیرا۔

”مگر!“ میرے راہبر نے کہا۔

اور میں چلتے چلتے رُک گیا۔ جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ وہاں اندھیرا تھا۔ یا شاید مجھے اندھیرا معلوم ہو رہا تھا۔ کیوں کہ میں روشنی سے آیا تھا اور میری آنکھیں اندھیرے میں دیکھ نہ سکتی تھیں۔ میں کچھ نہ دیکھ سکتا تھا۔ البتہ عجیب طرح کی آوازیں سن رہا تھا۔ میں آنکھیں پھاڑ کر اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کرنے لگا۔

دفعتہ ایک عجیب طرح کی بُو نے دماغ پراگندہ کر دیا اور ایسی بُو تھی جو بندروں اور دوسرے جانوروں کے گندے پنجروں میں سے اٹھتی ہے۔ سامنے کھنائے کی چوٹیاں پھر کھل گئی تھیں اور دھوپ درختوں اور جھاڑیوں پر ناچ رہی تھی۔ اس دھوپ کا عکس کھنائے کی تاریکی کو دور کرنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ بڑا ہی بھیانک مقام تھا وہ۔ جہاں میں کھڑا تھا۔

یکلخت کسی سرد سی لچکیلی چیز نے میرے ہاتھ کو چھوا۔ میں اچھل پڑا اور دیکھا کہ میرے قریب ہی زردی مائل کوئی دھندلی چیز کھڑی تھی۔ یہ چیز ایسی تھی۔ جیسا کھال کھینچا ہوا بچہ لیکن اس کا چہرہ جیسا تھا ویسی ہی تھوتھنی۔ اس اثناء میں میری آنکھیں اندھیرے کی عادی ہو چکی تھیں اور میں تھوڑا تھوڑا دیکھنے لگا تھا۔ ریچھ جیسے چہرے والا پست قد اور گھناؤنا جانور سامنے کھڑا بڑے غور سے مجھے دیکھ رہا تھا اور میرا بندر نما راہبر غائب تھا۔

وہ جگہ جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں۔ ایک کھنائے یا چٹانی سلسلوں کے بیچ میں ایک تنگ سی گزرگاہ تھی۔ جس کی دیواروں سے لگ کر اُگی ہوئی جھاڑیوں نے جگہ جگہ تاریک بھٹ سے بنا رکھے تھے۔ یا شاید جھاڑیوں کو ترتیب سے کاٹ کر بھٹ بنائے گئے تھے۔ ان بھٹوں میں سے گزرتے ہوئے راستہ بمشکل تین گز چوڑا ہو گا اور اسی راستے پر پھلوں کے سڑے ہوئے چھلکے، درختوں کے پتے اور ڈنٹھل پڑے ہوئے تھے اور انہی سڑی ہوئی چیزوں سے بُو اٹھ رہی تھی۔

زردی مائل ریچھ جیسی تھوتھنی والا جانور ابھی میرا جائزہ لے ہی رہا تھا کہ میرا بندر نما راہبر ایک قریب بھٹ کے دروازے میں نمودار ہوا اور ہاتھ ہلا ہلا کر مجھے اپنی طرف بلانے لگا۔ ابھی میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا تھا کہ دوسرے بھٹ سے ایک زبردست ڈیل ڈول کا بے ہنگم جانور نکل کر راستے کے بیچ میں کھڑا ہو گیا اور گھور گھور کر مجھے دیکھنے لگا۔ اس دیو کو دیکھ کر میں ایسا خوفزدہ ہوا کہ میری گھگھی بندھ گئی اور جی چاہا کہ بھاگ جاؤں یہاں سے۔ لیکن پھر اس خیال سے کہ اب اوکھلی میں سر دے ہی دیا تو دھماکوں سے کیوں ڈروں۔ میں نے بھاگ جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ میں ان عجیب الخلقت لوگوں کے متعلق پوری پوری معلومات لیے بغیر وہاں سے جانا نہیں چاہتا تھا۔ چناں چہ میں نے کیل دار ہتھیار مضبوطی سے پکڑا، آگے بڑھا اور اس بھٹ میں جس کے دروازے میں سے یہ نمودار ہوا تھا۔ داخل ہو گیا۔

بھٹ نیم دائرے میں بنا ہوا تھا اور شہد کی مکھیوں کی نصف چھتے کی شکل کا تھا۔ سامنے چٹانی دیوار تھی۔ جس کے قریب ناریلوں کا انبار لگا ہوا تھا اور ایک طرف لکڑی اور پتھر کے بے ڈھنگے برتن بے ترتیب پڑے تھے۔ ایک بڑا تھلہ یا اس کے جیسا کوئی برتن ایک ٹیڑھی ٹانگوں والی چپائی پر رکھا ہوا تھا۔ بھٹ تاریک اور سرد تھا۔ ایک کونے میں کسی چیز کا ایک کالا سا ڈھیر پڑا تھا۔ جب میں اندر داخل ہوا تو اس ڈھیر میں سے آواز آئی۔

”باؤ۔“ اور معلوم ہوا کہ یہ بھی کوئی جاندار تھا۔ میں ایک طرف پالتی مار کر بیٹھ گیا اور میرے بندر نما راہبر نے ایک کٹا ہوا ناریل فوراً ہی میری طرف بڑھا دیا۔ بھٹ کی تاریکی میں میرا دم گھٹ رہا تھا اور تیز بدبو ذہن پریشان کیے دے رہی تھی۔ لیکن بھوک کا احساس ان سب احساسات پر غالب تھا۔

چناں چہ میں نے بندر نما راہبر سے ناریل لے لیا۔ اور اس کے گودے کے ٹکڑے حتی الامکان سکون و اطمینان سے کھانے لگا۔ ریچھ جیسی تھوتھنی والا پست قد جاندار بھٹ کے دروازے میں کھڑا تھا۔

اسکے پیچھے کوئی دوسرا جاندار کھڑا تھا۔ جس کے چہرے کا رنگ بادامی تھا اور آنکھیں چمکدار۔ دونوں بڑی دلچسپی سے میری ایک ایک حرکت دیکھ رہے تھے۔

”باؤ۔“ کونے کے پراسرار ڈھیر میں سے پھر آواز آئی۔

”یہ آدمی ہے میری طرح...... پانچ۔“ میرا بندر نما راہبر بولا۔

”آدمی...... آدمی میری طرح۔“

”چپ۔“ پراسرار کالا ڈھیر بولا۔

اور پھر خاموشی چھا گئی۔ موت کی سی خاموشی۔ میں ناریل کے ٹکڑے چباتا رہا۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اندھیرے میں دیکھ رہا تھا۔ لیکن اس پراسرار کالے ڈھیر اور دوسرے سایوں میں کوئی تمیز نہ کر سکتا تھا۔ کہ ان میں کون سا سایہ جاندار ہے اور کون سا غیر جاندار۔

”آدمی ہے...... سچ سچ آدمی۔“ پراسرار کالے ڈھیر نے پھر کہا۔ ”رہنے آیا ہے۔“

بندر نما راہبر نے میری طرف دیکھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس سوال کا جواب میں دوں۔ ”میں آدمی ہوں۔ تمہارے ساتھ رہنے آیا ہوں۔“ میں نے کہا۔

”واہ...... واہ...... آدمی ہے...... آدمی...... اسے قانون سیکھ لینا چاہیے۔ یہ ضروری ہے ہر آدمی کو قانون سیکھ لینا چاہیے۔“ آواز نے کہا۔

اور اب میں اندھیرے میں اس کالے ڈھیر کو دیکھ سکتا تھا۔ وہ پالتی مارے بیٹھا تھا۔ بس اس کے سوا میں کچھ اور نہ معلوم کر سکا اور پھر میں نے دیکھا کہ بھٹ کے دروازے میں دوسرے نمودار ہوئے۔ کیل دار ہتھیار پر میری گرفت مضبوط ہو گئی۔ اندھیرے میں سے آواز آئی۔

”کہو۔ چار ٹانگوں سے چلنا گناہ ہے۔“

اس کے آخری الفاظ میں نے سنے کیوں کہ میرا دھیان بھٹ کے دروازے کی طرف تھا۔

”کہو...... کہو! چار ٹانگوں سے چلنا گناہ ہے۔“ آواز نے پھر کہا۔

میں گڑ بڑا گیا۔

"کہو جو کہا جائے تم بھی کہو۔" میرے بندر نما راہبر نے کہا۔ اور بھٹ کے دروازے سے مجھے جھانکنے والے نے بھی دھمکی آمیز لہجے میں میرے راہبر کی بات دہرائی اور مجھے وہ وقت یاد آ گیا۔ جب میں نے اپنے دونوں ہاتھوں میں لڈو لے کر بسم اللہ پڑھی تھی۔ آج پھر میری گویا یہی تقریب تھی۔

بہرحال مجھے احساس ہوا کہ میری خیریت اسی میں ہے کہ میں احمقانہ انداز میں الفاظ دہراتا چلا جاؤں اور اب ایک ناقابل فہم تقریب ادا کی جانے لگی۔ اندھیرے میں سے آتی ہوئی آواز جو الفاظ کہتی اسے ہم سب جھوم جھوم کر دہراتے اور وہ عجیب الخلقت لوگ الفاظ کو دہراتے وقت ایک وجد کے عالم میں اپنے زانوں کو بھی پیٹتے جاتے تھے۔ ان کے دیکھا دیکھی میں بھی ایسا ہی کر رہا تھا۔ وہ اندھیرا بھٹ، دروازے میں کھڑی ہوئی عجیب مخلوق اور کالے پراسرار ڈھیر میں سے آتی ہوئی آواز۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے میں کسی دوسری ہی دنیا میں پہنچ گیا ہوں اور یوں کہہ رہی تھی وہ آواز، جس کے ہر لفظ کو ایک کورس کی شکل میں دہرایا جا رہا تھا۔

"چاروں ٹانگوں سے چلنا گناہ ہے کیوں کہ ہم آدمی ہیں۔
درختوں پر ناخن گھسنا اور چھیلنا گناہ ہے۔ کیوں کہ ہم آدمی ہیں۔
دوسرے آدمی کو بھنبھوڑنا گناہ ہے کیوں کہ ہم آدمی ہیں۔
گوشت اور مچھلی کھانا گناہ ہے۔ کیوں کہ ہم آدمی ہیں۔"

اور جب ان معمولی قسم کے امتناعی احکامات کی فہرست ختم ہوئی تو پھر ایسے امتناعی احکامات کی فہرست جنہیں کوئی تصور میں بھی نہیں لا سکتا۔ یہ احکامات کسی پاگل دماغ کی اختراع معلوم ہوتے تھے اور ان پر عمل کرنا میرے خیال میں کسی انسان کے بس کا روگ نہ تھا۔ بہرحال ان امتناعی احکامات کو بھی دہراتے اور پاگلوں کی طرح جھومتے رہے۔ بظاہر میں جوش و خروش اور احترام سے وہ الفاظ دہراتا رہا تھا لیکن دل ہی دل میں، میں ہنس رہا تھا اور دل کا حال کون جان سکا ہے اور اگر ان وحشیوں کو معلوم ہو جاتا کہ میں دل میں ان کے قوانین کا مذاق اڑا رہا ہوں۔ تو وہ یقیناً میرے ٹکڑے کر دیتے چند منٹوں بعد الفاظ کی ترتیب بدل گئی اور ہم دوسرا گیت گانے لگے۔

"اس کا گھر عذاب کا گھر۔

وہ جلاتا ہے وہ مارتا ہے...... وہ بناتا ہے...... وہ بگاڑتا ہے۔ وہ زخمی کرتا ہے...... وہ اچھا کرتا ہے۔"

اور اسی طرح ہم بہت دیر تک "وہ" کی مدح سرائی کرتے رہے۔ بہت ممکن ہے ان حیوان نما آدمیوں کے لیے اس کا کوئی مطلب ہو۔ لیکن میرے لیے تو یہ پوری تقریب بے معنی اور احمقانہ تھی۔ "وہ بجلی چمکاتا ہے اور وہ بجلی کی چمک ہے۔ ہم نے جھوم کر گایا۔ وہ سمندروں کا آقا ہے۔ وہ زمینوں کا آقا ہے وہ بادلوں کا آقا ہے۔"

اور ان الفاظ کے ساتھ ہی ایک بھیانک حقیقت کا احساس ہوا۔ ڈاکٹر مارکوس نے ان لوگوں کو حیوانوں جیسا بنا دینے کے بعد ان کے ذہنوں پر اپنی قوتوں کا اثر جما دیا اور اب یہ لوگ اس مارکوس کو خدا سمجھ

بیٹھے۔ بے شک یہ مارکوس کی قوتوں کی تعریف تھی۔ یہ حیوان نما لوگ اسے اپنا معبود سمجھتے تھے۔ میں اسے اپنا معبود بنا لینے کو تیار نہ تھا۔ لیکن مجھے اپنی جان عزیز تھی۔ مجھے اپنے چاروں طرف بیٹھے اور کھڑے ہوئے وحشیوں کے لمبے ناخنوں اور خونخوار نوک دار دانتوں کا احساس بھی تھا۔ چناں چہ میں اپنے دل میں نفرت و غصہ لیے اپنی مرضی کے خلاف مارکوس کی تعریف میں گیت گا رہا تھا۔

"وہ آقا ہے۔ آسمان پر چمکتے ہوئے تاروں کا۔"

اور آخر کار یہ "مداح سرائی" ختم ہوئی اور میرے بندر نما راہبر کا چہرہ چکنے چکنے پسینے سے چمکنے لگا۔ اس عرصے میں میری آنکھیں اندھیرے کی عادی ہو چکی تھیں اور میں نے بھی انتہائی کونے میں بیٹھے ہوئے جان دار کو دیکھا۔ یہی وہ جان دار تھا۔ جو مجھے شروع شروع میں کالا ڈھیر معلوم ہوا تھا اور یہی جان دار قانون کا ورد کرتا تھا۔ اس کا قد آدمی کا سا تھا۔ لیکن اس کے بدن پر لمبے لمبے بھورے اور گھنے بال تھے۔ کیا تھا وہ!! اور یہ سب کیا تھا ذرا اپنے آپ کو دنیا کے سب سے زیادہ گھناؤنے اور بھیانک لنگڑے لنجھوں اور پاگلوں میں تصور کیجیے اور پھر آپ شاید ہی اس وقت کی حالت کو ایک حد تک سمجھ سکیں گے۔

"اس کی پانچ ٹانگیں ہیں پوری پانچ میری طرح۔" میرا بندر نما راہبر بولا۔

اور میں نے اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیے۔ کونے میں بیٹھا ہوا بھورا جان دار میری طرف جھکا۔

"چاروں ٹانگوں سے چلنا گناہ ہے۔" اس نے کہا اور اپنے عجیب طرح کے پنجوں سے میری انگلیاں پکڑ لیں۔ یوں معلوم ہوا جیسے ہرن کے کھروں کو کسی عمل سے پنجے میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ میں حیرت سے چیخ پڑا۔ اس کا چہرہ میرے اور قریب آیا اور وہ میرے ناخن دیکھنے لگا۔ وہ اور جھکا اور اس کا چہرہ بھٹ کے دروازے سے آتی ہوئی دھندلی روشنی میں آ گیا اور میں کانپ اٹھا۔ اس کا چہرہ نہ آدمی کا تھا اور نہ جانور کا بلکہ بے ترتیب بھورے بالوں کا ایک گچھا سا تھا۔ جس میں حرکت کرتے ہوئے تین دھبے اس کی آنکھوں اور منہ کا پتہ دے رہے تھے۔

"اس کے ناخن چھوٹے ہیں۔" وہ بولا۔ "اور اچھا ہے۔ کیوں کہ کئی ایک آدمی بڑے ناخنوں کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہو گئے تھے۔"

اس نے میرے ہاتھ چھوڑ دیے اور میں نے فوراً کیل دار ہتھیار پکڑ لیا۔ جو میں نے اپنی گود میں رکھ لیا تھا۔

"جڑیں کھاؤ۔ پتے کھاؤ گوشت نہ کھاؤ یہی ہے اس کی مرضی۔" میرے بندر نما راہبر نے کہا۔

"میں قانون گو ہوں۔" بھورے بالوں والا بھوت بولا۔ "نئے آدمی میرے پاس لائے جاتے ہیں۔ کہ میں انہیں قانون سکھاؤں اور میں یہاں اندھیرے میں بیٹھ کر قانون بناتا ہوں۔"

"سچ ہے۔" دروازے میں کھڑے ہوئے حیوان نما آدمیوں میں سے ایک نے کہا۔

"اور جو لوگ قانون شکنی کرتے ہیں۔ عذاب پاتے ہیں۔ کوئی اس کی گرفت سے بچ نہیں سکتا۔"

"کوئی نہیں بچ سکتا۔" حیوان نما انسانوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

"کوئی نہیں ہیں...... کوئی نہیں ہیں۔" میرا بندر نما راہبر بولا۔ "دیکھو ایک دفعہ مجھ سے گناہ ہو گیا

تھا۔ میں بولنے کے بجائے بندر کی طرح "خوں.....خوں" کرنے لگا تھا۔ چناں چہ دیکھو میرے ہاتھ گرم سلاخ سے داغ دیے گئے۔ وہ عظیم ہے وہ جو اہے۔ کوئی بچ نہیں سکتا۔" بھورے بالوں والے بھوت نے کہا۔

"کوئی بچ نہیں سکتا۔" حیوان نما لوگوں نے معنی خیز نظروں سے ایک دوسروں کی طرف دیکھتے ہوئے دہرایا۔

"ہر وہ آدمی جو بڑے ارادے رکھتا ہے۔" قانون گو نے کہا۔ "ہم نہیں جانتے کہ تمہارے ارادے کیا ہیں۔ لیکن جان لیں گے کئی لوگ جان دار چیزوں کا پیچھا کرنا چاہتے ہیں۔ چھپ کر بیٹھنا اور چھپنا چاہتے ہیں۔ مارنا اور کاٹنا چاہتے ہیں۔ خون چوسنا چاہتے ہیں اور یہ سب برے ارادے ہیں۔ دوسرے آدمی کو بھنبھوڑنا گناہ ہے۔ کیوں کہ آدمی ہیں۔ گوشت اور مچھلی کھانا گناہ ہے کیوں کہ ہم آدمی ہیں۔"

"کوئی بچ نہیں سکتا۔" دروازے میں کھڑے ہوئے ایک اور جان دار نے کہا۔

"ہر وہ آدمی جو بڑا کام کرتا ہے۔ سزا پاتا ہے۔" قانون گو بولا۔ "کئی لوگ چھالیں چھیلتے ہیں جڑیں کریدتے ہیں اور زمین سونگھ کر چلتے ہیں۔ یہ بڑے کام ہیں اور ان کی سزا مقرر ہے۔"

"کوئی بچ نہیں سکتا۔" میرے بندر نما رہبر نے پنڈلی کھجا کر کہا۔

"کوئی بچ نہیں سکتا۔" سب نے کہا۔

"عذاب سخت ہے اور یقینی ہے چناں چہ قوانین سیکھ لو۔"

بھٹ میں شور مچ رہا تھا۔ یہاں تک کہ ایک سئور نما آدمی نے ریچھ جیسی تھوتھنی والے کے کان میں کچھ کہا۔ جسے میں نہ سن سکا۔ بھٹ کے دروازے میں جتنے بھی حیوان نما آدمی کھڑے تھے۔ وہ سب کے سب وہاں سے ایک خوف اور گھبراہٹ کے عالم میں بھاگے۔ میرا بندر نما رہبر بگولے کی طرح بھٹ سے باہر نکل گیا۔ اس کے پیچھے قانون گو چلا اور اس وقت میں نے دیکھا کہ وہ دیوہیکل تھا اور اس کے بدن پر بھورے اور سفید بال تھے۔ اب میں بھٹ میں اکیلا رہ گیا۔

چند ثانیوں کے بعد میں بھی اٹھ کر اس گڑبڑ کی وجہ معلوم کرنے کے لیے دروازے کی طرف چلا اور ابھی میں دروازے تک پہنچا بھی نہیں تھا کہ شکاری کتے کے بھونکنے کی آواز آئی۔

اور میں دوسرے ہی لمحے کیل دار ہتھیار مضبوطی سے پکڑے بھٹ کے باہر کھڑا تھا میرے سامنے تقریباً حیوان نما آدمیوں کی بال دار اور گھناؤنی پشتیں تھیں۔ وہ اچک اچک کر کہیں آگے دیکھ رہے تھے۔ سر ہلا ہلا کر ایک دوسرے سے کچھ کہہ رہے تھے۔ دوسرے حیوان نما آدمی اپنے اپنے بھٹ کے دروازوں میں سے جھانک رہے تھے۔

فرار کی کوئی راہ نہ تھی۔ میں نے چاروں طرف نظریں دوڑائیں اور دائیں طرف مجھ سے کوئی چھ گز آگے چٹانی دیوار میں ایک تنگ شگاف نظر آ گیا اور میں اس شگاف کی طرف بھاگا۔

"رک جاؤ۔" مارکوس چلایا۔ "لیکن جب میں نہ رکا۔ تو اس نے حکم دیا۔" "پکڑ لو اسے۔" حیوان نما آدمیوں میں سے پہلے ایک پھر دوسرا اور تیسرا میری طرف گھوم لیا۔ تھوڑی دیر بعد ان سب کے منہ میری طرف تھے۔ ان کے حیوانی دماغ جو بہت دیر میں کوئی بات سمجھ سکتے تھے۔

میں نے اس بھورے چہرے والے کو جو راستہ روکے کھڑا تھا اپنے کندھے سے دھکا دیا۔ اس وقت وہ مارکوس کی بات سمجھنے کے لیے ہمہ تن اس طرح متوجہ تھا چناں چہ میرا دھکا لگتے ہی وہ اپنے پیچھے کھڑے ہوئے۔ دوسرے حیوان نما آدمی پر گرا گرتے گرتے اس نے ہاتھ چلایا اور مجھے پکڑنا چاہا۔ لیکن میں غوطہ مار کر نکل گیا ریچھ جیسی تھوتھنی والا پستہ قد آدمی مجھ پر جھپٹ پڑا۔

میں نے کیل دار ڈنڈے سے اس پر وار کر دیا نوک دار کیل اس کے گال پر خراش لگا گئی۔ وہ ایک چیخ کے ساتھ پیچھے ہٹا اور دوسرے ہی لمحے میں اس ڈھلوان شگاف میں بھاگا جا رہا تھا۔ شگاف کے دہانے پر سے شور کی آوازیں آ رہی تھیں۔

"پکڑ لو.....پکڑ لو۔" یہ شگاف چٹانی دیوار میں ایک قدرتی چمنی سا تھا جو اوپر ہی اوپر چڑھتا چلا گیا تھا۔ بھورے چہرے والے زبردست حیوان نما آدمی شگاف کے دہانے میں نمودار ہوا اور چند قدم آگے بڑھ کر رک گیا اور عجیب طرح سے ہاتھ پاؤں ہلانے لگا۔ وہ بے چارا اس تنگ شگاف میں پھنس گیا تھا۔

"آگے بڑھو۔" اس کے پیچھے کھڑے ہوئے حیوان نما لوگ چلا رہے تھے۔ میں ٹھوکریں کھاتا اور لڑھکنے سے بال بال بچتا آخر کار اوپر پہنچ گیا۔ یہ جگہ حیوان نما آدمیوں کے گاؤں کے مغربی سمت میں تھی۔

میں نے اس گندھک کے میدان کو جسکے متعلق پہلے کسی جگہ لکھ رہا ہوں۔ دیوانوں کی طرح بھاگ کر عبور کیا اور اب میں ڈھلوان اتر رہا تھا۔ اس ڈھلوان پر درخت یوں ایک دوسرے سے ملے کھڑے تھے۔ کہ ہر گھڑی ان سے ٹکرا جانے کا خدشہ لگا رہتا تھا۔ اس جنگل کو عبور کرنے کے بعد میں نرسلوں کے جھنڈ میں بھاگا جا رہا تھا۔

معلوم ہوتا تھا کہ پورا گاؤں کا گاؤں میرا تعاقب کر رہا تھا نرسلوں کے ٹوٹنے کی آواز آئی مارکوس، وکرم بھاٹیہ اور حیوان نما آدمی شاید بہت قریب آ گئے تھے۔ دفعتہً دائیں طرف سے شکاری کتے کے بھونکنے کی آواز آئی اور اس طرف سے مارکوس اور وکرم بھاٹیہ کی آوازیں سنائی دیں وہ دونوں مجھے پکار رہے تھے۔ میں بائیں طرف مڑ گیا اور اسی وقت میں نے وکرم بھاٹیہ کی آواز سنی۔

"اپنی جان بچانے کے لیے بھاگو....." خدا جانے یہ میرا وہم تھا یا واقعی میں نے اس کی آواز سنی تھی۔ میں اندھا دھند بھاگا جا رہا تھا۔ کہ میرا پیر پھسلا اور میں گرتے گرتے بچا۔ سخت اور خشک خطہ ختم ہو چکا تھا اور اب میں چکنے چکنے کیچڑ پر بھاگ رہا تھا۔ پہلے کیچڑ ٹخنوں تک آیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد میں بید کے جنگل میں تھا۔ جس کے عین وسط میں ایک چھوٹی پگڈنڈی گذرتی تھی۔ میرا تعاقب کرنے والوں کی آوازیں قریب آ گئیں پھر دائیں سے گزرتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ ایک جگہ بلی کے قد وقامت کے تین عجیب طرح کے جانور جھاڑیوں میں سے نکلے اور میری ٹانگوں سے ٹکراتے ہوئے سامنے کی جھاڑیوں میں گھس گئے۔ پگڈنڈی جس پر میں بھاگا جا رہا تھا۔ بید کے جنگل میں سے نکل کر سیدھی اوپر چڑھتی گئی تھی اور پھر بید کے دوسرے جنگل میں گھس گئی تھی۔

پھر وہی پگڈنڈی ایک گہرے پہاڑی نالے کے متوازی کسی طرح چلی گئی تھی دفعتہً وہ مڑی اور میں ایسا اندھا دھند بھاگ رہا تھا کہ میں نے یہ موڑ نہ دیکھا اور جب دیکھا تو اپنے آپ کو روک نہ سکا

اور میرا قدم خلاء میں پڑا نیچے کچھ نہ تھا۔ میں سنبھل نہ سکا اور قلابازیاں کھاتا۔ پہاڑی نالے کے پیندے میں اُگی ہوئی خاردار جھاڑیوں میں گرا۔ بڑی کوششوں کے بعد اٹھا تو میرے ایک کان کی لو چر گئی تھی۔ پورا چہرا زخمی تھا اور ہر زخم سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ جگہ جہاں میں گرا تھا۔ گاڑھی گاڑھی دھند سے پر تھی اور ایک چشمہ خاردار جھاڑیوں کی جڑوں میں سے نکل کر تیزی سے نشیب کی طرف بہا جا رہا تھا۔ یہ دھند اس چشمے کے پانی سے اُٹھ رہی تھی۔

لیکن اس وقت میں اتنا گھبرایا ہوا تھا۔ کہ میں نے اس کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ میں دائیں طرف گھوم گیا اور چشمے کے کنارے کنارے چل پڑا میرے گھٹنوں میں سخت چوٹیں آئی تھیں اور دونوں ہتھیلیاں زخمی تھیں۔ اگر میری جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو شاید ہمت ہار بیٹھتا۔ لیکن میں آخر وقت تک اپنی زندگی کے لیے جدوجہد کرنا چاہتا تھا۔

چنانچہ یہ سوچ کر کہ چشمے کے کنارے چلتا ہوا ساحل پر پہنچ جاؤں گا۔ میں لنگڑاتا ہوا چل پڑا اور جب میں بہت آگے نکل گیا۔ تو ایک بھیانک حقیقت کا انکشاف ہوا۔ وہ کیل دار ہتھیار جو میرے بچاؤ کا کمزور لیکن واحد ذریعہ تھا۔ پہاڑی نالے میں گرتے وقت میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا اور اب میں بالکل نہتا تھا۔

یکا یک نالہ تنگ ہو گیا۔ اتنا تنگ کہ چشمے کے کنارے چلنا بہت مشکل تھا۔ چناں چہ میں چشمے میں اتر گیا۔ لیکن فوراً ہی ایک چیخ کے ساتھ اچھل کر چشمے سے باہر آ گیا۔ اس کا پانی قریب اُبل رہا تھا۔ میں چٹانی دیوار پر اُگی ہوئی جھاڑیوں کو پکڑ پکڑ چشمے کے کنارے پر قدم قدم بڑی احتیاط سے آگے بڑھنے لگا۔ پھر ایک طرف مڑ گیا اور اب اس کے دہانے میں افق کو دیکھا اور سمندر کا شور سن سکتا تھا۔

میرا پورا بدن تپ رہا تھا۔ ہر زخم اور ہر خراش میں سے کسی نے جیسے مرچیں بھر دی تھیں میری سانسیں سینے میں نہ سما رہی تھی۔ البتہ میرا تعاقب کرنے والوں کی آوازیں سنائی نہیں دے رہی تھیں۔ وہ یا تو بہت پیچھے رہ گئے تھے۔ یا پھر تھک کر لوٹ گئے تھے۔ امید کی ننھی سی کرن میرے مایوس دل کی تاریکی میں رینگ آئی اور میں نے سوچا کہ ابھی میں اپنے آپ کو غرق نہ کروں گا۔ ابھی مجھے زندہ رہنا ہے۔

میں نے گھوم کر پہاڑی نالے میں غور سے دیکھا کان لگا کر سنا...... نہیں کوئی آواز نہیں، مکھیوں کی بھنبھناہٹ کے علاوہ کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

"خدایا میں بچ گیا تھا۔"

"کوئی بچ نہیں سکتا۔" مجھے قانون گو کے الفاظ یاد آ گئے۔

اور فوراً کتے کے بھونکنے کی آواز آئی۔ پھر شور وغل کی آوازیں آنے لگیں اور پھر چابک کا ایک سڑا کا سنائی دیا...... آوازیں دم بدم قریب ہوتی گئیں۔ پھر کہیں اُوپر سے گزرتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ وہ مدھم ہونے لگیں...... پھر وہی خاموشی...... وہ لوگ واپس چلے گئے تھے۔ تعاقب ختم ہو چکا تھا۔

اور اب مجھے معلوم ہوا کہ حیوان نما آدمیوں سے کسی بھی طرح کی امید وابستہ کرنا حماقت تھی۔ وہ مارکوس کے غلام تھے۔ اس کے بندے تھے۔ وہ اس کی مرضی کے خلاف میری کوئی مدد نہ کر سکتے تھے۔ چناں چہ بھوتوں اور شیطانوں کے اس پر اسرار جزیرے میں اکیلا اور تنہا تھا۔ یہاں کا ایک ایک باشندہ میری جان کا

دشمن تھا۔ کس قدر قابلِ رحم حالت تھی میری۔

جیسے جیسے میں آگے بڑھتا گیا۔ گرم پانی کا چشمہ پھیلتا گیا۔ آخر کار وہ گیلی ریت میں تبدیل ہو گیا۔ جس پر جگہ جگہ گھاس اُگی تھی۔ میرے قدموں کی چاپ سن کر۔ کیڑے اور دوسرے گھناؤنے آبی کیڑے گھاس میں سے نکلنے اور بھاگتے ہوئے دوسرے کنارے پر اُگی ہوئی گھاس میں جا گھستے میں کئی گز تک اس چشمے کے کنارے کنارے چلتا رہا۔

اب میں محفوظ ہوں۔ میں نے سوچا اور جھاڑیوں کے ایک جھنڈ کی طرف چلا اور پھر مجھے خیال آیا کہ اس جزیرے سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتا تھا۔ وہ لوگ یقیناً اب بھی مجھے تلاش کرتے پھر رہے تھے میں نہتا تھا اور میں جزیرہ چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا تھا۔ چناں چہ وہ لوگ ضرور مجھے پکڑ لیں گے۔ میں زندگی سے مایوس ہو گیا۔

اور اس مایوسی کے عالم میں مجھے خیال آیا وہ لوگ اب بھی مجھے پورے جزیرے میں تلاش کر رہے ہوں گے اور حصار خالی ہو گا۔ چنانچہ کیوں نہ میں وہاں پہنچ جاؤں۔ دیوار کسی نہ کسی جگہ سے ضرور کمزور ہو گی۔ جہاں سے میں ایک دو پتھر اکھاڑ کر حصار میں گھس سکتا ہوں اور وہاں حصار میں مجھے ضرور کوئی ہتھیار مل جائے گا اور پھر میں اپنی حفاظت کر سکوں گا۔

اور اس خیال کے آتے ہی میں اندازاً حصار کی طرف چلا مجھے یقین تھا کہ سمندر کے کنارے چلتا ہوا۔ میں حصار تک پہنچ جاؤں گا اور یقیناً اسے خالی پاؤں گا۔ سورج مغرب کی طرف ڈھل گیا۔ لیکن دھوپ میں خاصی تیزی تھی۔ سمندر میں مدوجزر کی ابتدا ہو چکی تھی اور گندا پانی ساحل پر خاصی دور تک چڑھ آیا تھا کچھ ہی دور آگے بڑھنے کے بعد ساحل جنوب کی طرف مڑ گیا تھا اور اب سورج میری دائیں جانب تھا۔

میں بڑے اطمینان سے آگے بڑھ رہا تھا۔ کہ دفعتہً ساحل کی جھاڑیوں میں جیسے جان سی پڑ گئی وہ جیسے اپنے آپ کو جھنجھوڑنے لگیں اور پھر ان میں سے ایک اور پھر دوسرا حیوان نما آدمی نکل نکل کر ساحل پر آ کھڑے ہوئے پھر مارکوس کا سفید چہرہ نظر آیا۔ اس کے پیچھے وکرم بھاٹیہ تھا۔ انہیں دیکھتے ہی میں رک گیا۔ وہ ایک دوسرے کو ہدایتیں دیتے میری طرف بڑھے وہ حیوان نما آدمی چکر کاٹ کر میری پشت کی طرف نمودار ہوا اور میرے اور جھاڑیوں کی بیچ میں حائل ہو گیا۔ وکرم بھاٹیہ سیدھا میری طرف آ رہا تھا۔ اس کے پیچھے کتے کو چمکارتا ہوا مارکوس تھا اور ان دونوں کے ہاتھوں میں لمبے لمبے چرمی چابک تھے۔

ایک لمحے تک میں بت بنا کھڑا رہا۔ پھر مجھے جیسے ہوش آ گیا۔ میں گھوم کر بھاگا اور سمندر میں اتر گیا کنارے پر پانی بہت کم تھا۔ چناں چہ میں اس وقت تک آگے بڑھتا رہا۔ جب تک پانی میری کمر تک نہ آ گیا۔ یہ جگہ ساحل سے کوئی تیس گز دور تھی اور وہاں پہنچ کر میں اپنا تعاقب کرنے والوں کی طرف گھوم کر کھڑا ہو گیا وکرم بھاٹیہ کنارے پر کھڑا حیرت سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور بال بے ترتیب تھے۔ مارکوس بڑے مغرورانہ قدم اُٹھاتا ہوا وکرم بھاٹیہ کے قریب آ کھڑا ہوا۔ کتا جس کی زنجیر مارکوس کے ہاتھ میں تھی۔ میری طرف دیکھ کر برابر بھونک رہا تھا۔ اور حیوان نما لوگ جھاڑیوں کے قریب کھڑے حیرت اور دلچسپی سے میری طرف دیکھ رہے تھے۔

"یہ کیا کر رہے ہو؟ دانش ابراہیم!" وکرم بھاٹیہ بولا۔

"کیا کر رہا ہوں۔؟ تم پوچھتے ہو کہ میں کیا کر رہا ہوں؟ تو سنو میں اپنے آپ کو غرق کر دینا چاہتا ہوں۔" میں نے جواب دیا۔ وکرم بھاٹیہ اور مارکوس کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"کیوں؟" مارکوس نے پوچھا۔

"اس لیے کہ تمہارے ہاتھوں اذیت پانے سے موت بدرجہا بہتر ہے۔"

"دیکھا...... کیا کہا تھا میں نے؟" وکرم بھاٹیہ نے مارکوس کی طرف گھومتے ہوئے کہا۔ متوخر الذکر نے نیچی آواز میں کچھ جواب دیا۔ جسے میں سن نہ سکا۔

"لیکن تمہیں یہ خیال آیا ہی کیوں...... کہ میں تمہیں اذیت دوں گا۔ میں کوئی......" مارکوس نے کہنا شروع کیا۔

"مارکوس! مجھے دھوکہ دینے کی کوشش نہ کرو۔" میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے جواب دیا۔ "خدا کی قسم عذاب کے فرشتے بھی تم سے پناہ مانگتے ہوں گے۔"

"مارکوس! کانوں سے سنا غلط ہو سکتا ہے۔ آنکھوں دیکھا نہیں۔ تمہارے آپریشن تھیٹر میں میں نے جو نظارے دیکھے ہیں۔ اس نے مجھے شیطنیت کا یقین دلایا ہے اور اس کا ثبوت وہ کھڑے ہوئے بدصورت آدمی ہیں۔"

"شش! چپ رہو یار!" وکرم بھاٹیہ نے جلدی سے کہا۔

"کیوں چپ رہوں۔" میں نے کڑک کر کہا۔ "میں کہوں گا۔ ضرور کہوں گا۔ یہ بدصورت اور گھناؤنی ہستیاں پہلے کیا تھیں؟ میری اور تمہاری طرح انسان تھے یا نہیں اور اب دیکھو تم لوگوں نے انہیں کیا بنا دیا۔ میں ان کے جیسا نہیں بننا چاہتا کہ مارکوس مجھے بھی ان لوگوں جیسا بنا دے۔" اور میں نے وکرم بھاٹیہ کے پیچھے کھڑے ہوئے۔ اس کے سیاہ چہرے والے ملازم اور جھاڑیوں کے قریب کھڑے ہوئے حیوان نما آدمیوں کی طرف اشارہ کیا۔

"کبھی یہ لوگ بھی میری اور تمہاری طرح انسان تھے۔" میں نے اونچی آواز میں کہا۔ تاکہ حیوان نما آدمی بھی سن سکیں۔ "لیکن اب وہ نہ انسانوں کی صف میں ہیں اور نہ حیوانوں کی۔ تم نے کسی شیطانی عمل سے ان کی جسمانی ساخت، شکل وصورت اور دماغوں کو تبدیل کر کے انہیں غلام بنا لیا ہے اور تم ان کے معبود بن بیٹھے ہو۔ سنو بدہیت لوگو سنو!" میں نے حیوان نما آدمیوں کو مخاطب کیا۔ "میری بات غور سے سنو تمہارے آقا تم سے ڈرتے ہیں۔ پھر کیوں ان سے دب کر رہتے ہو۔ یہ صرف دو ہی ہیں اور تمہاری تعداد......"

"ابراہیم! خدا کے لیے چپ رہو۔" وکرم بھاٹیہ چلایا۔

اور وہ دونوں شور مچانے لگے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے بد ہیئت بندے میری باتیں سنیں اور دور کھڑے ہوئے حیوان نما آدمی اپنے لمبے لمبے ہاتھ لٹکائے اور شاید سر جھکائے میری باتیں سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں چیخ چیخ کر پرجوش تقریر کر رہا تھا۔ مجھے ٹھیک یاد نہیں کہ میں نے کیا کہا۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ میں نے ان حیوان نما آدمیوں کے دماغوں کو جھنجھوڑ کر یہ بات ان کے ذہن

نشین کرانی چاہی تھی کہ وکرم بھاٹیہ اور مارکوس کو فوراً مارنا چاہیے۔ ان سے ڈرنا اور ان کو اپنا معبود سمجھنا حماقت ہے۔ دوسرے لفظوں میں، میں انہیں بغاوت پر اکسا رہا تھا۔ انہیں اپنے ساتھ ملانا چاہتا تھا۔ کہ وہ میری سرکردگی میں مارکوس اور وکرم بھاٹیہ کا خاتمہ کر سکیں اور میں نے دیکھا کہ ایک حیوان نما آدمی میری تقریر ٹھیک سے سننے کے لیے چند قدم آگے بڑھ آیا۔ دوسروں نے اس کی تقلید کی۔ میں غالباً ان کی ذہنی قوتیں بیدار کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ میرا دل اس معمولی سی خوشی سے ناچ اٹھا۔ میری سانس پھول گئی تھی۔ چنانچہ میں اپنا دم درست کرنے کے لیے خاموش ہو گیا۔

"دانش ابراہیم پہلے میری بات سن لو۔" مارکوس نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کہا "اور پھر تمہارا جو جی چاہے کرو۔"

"بہت اچھا۔ کہو۔"

اس نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور پھر سوچ کر انگریزی زبان میں کہا۔

"سمجھنے کی کوشش کرو ابراہیم...... یہ لوگ کبھی انسان نہ تھے...... یہ حیوان تھے۔ میں نے ایک خاص عمل جراحی سے انہیں انسانی شکل وصورت دے دی۔ یقین مانو دانش! یہ سب جانور تھے تم باہر آ جاؤ۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنے تجربات کی پوری روداد سناؤں گا۔"

میں نے ایک قہقہہ لگایا۔

"مارکوس!" میں نے کہا۔ "میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں کہ جتنا کہ تم مجھے سمجھتے ہو تمہاری یہ کہانی بے بنیاد ہے تم انہیں حیوان کہتے ہو حالاں کہ یہ لوگ بول سکتے ہیں۔ جھونپڑیاں بنا سکتے ہیں اور کمال ہے کہ کھانا بھی پکا سکتے ہیں۔"

"تم نے انہیں حیوان سے انسان نہیں بنایا ہے۔ مارکوس! مجھے یقین ہے کہ یہ کبھی انسان تھے۔ جن کی شکل وصورت تم نے کسی عمل جراحی سے بگاڑ دی ہے نہیں مارکوس میں تمہاری باتوں میں آنے والا نہیں ہوں۔ جہاں تم کھڑے ہو۔ اس سے چند قدم ہی آگے پانی گہرا ہے اور پھر شارک مچھلیاں بھی بہت ہیں۔"

"وہی تو میری راہ ہے۔ اس طرح میرے مصائب کا خاتمہ ایک ہی وقت میں ہو جائے گا۔"

"ٹھہرو۔" مارکوس نے چیخ کر کہا اور اپنی جیب سے کوئی سیاہ چمک دار چیز نکال کر ساحل کی ریت پر پھینک دی۔

"یہ بھرا ہوا پستول ہے۔ وکرم بھاٹیہ بھی اپنا پستول یہیں پھینکے دیتا ہے۔ اب ہم کنارے پر سے ہٹ کر دور چلے جاتے ہیں۔ تم باہر آ کر دونوں پستول اٹھا لو پھر تم اپنے آپ کو محفوظ سمجھ سکو گے نا؟"

"یہ بھی تمہاری کوئی چال ہوگی۔" میں نے کہا۔

"دانش! بے وقوف نہ بنو اور صورت حال پر غور کرو۔ اول تو تم بن بلائے مہمان ہو ہم تمہیں اپنی مرضی سے یہاں نہیں لائے اگر وکرم بھاٹیہ تمہاری سفارش نہ کرتا۔ اگر ہم تم پر کوئی تجربہ کرنا چاہتے تو گزشتہ رات ہی تمہیں بے ہوشی کی دوا اس طرح پلا دیتے کہ تمہارے فرشتوں کو بھی خبر نہ ہوتی لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ ہم نے دو دفعہ تمہاری جان بچائی ہے اور یہ بھی سن لو کہ تمہیں جزیرے میں بھٹکنے نہ دیا۔ تمہاری تلاش میں نکلے

اور تلاش کر لیا اور یہ ایسا ہم نے محض تمہاری بہتری کے لیے کیا ہے یہ جزیرہ کم از کم تمہارے لیے پراسرار ہے اس کی ہر جھاڑی اور ہر درخت کے پیچھے تمہاری موت چھپی ہوئی ہے۔ ہم تمہاری بھلائی چاہتے ہیں۔ اگر ہم چاہتے تو اسی وقت گولی مار دیتے۔ لیکن تم دیکھ رہے ہو کہ اس کے بجائے ہم نے اپنے پستول یہاں پھینک دیے ہیں۔"

"اگر تمہارا یہ کہنا سچ ہے تو تم نے اپنے حیوان نما آدمیوں کو میرے پیچھے کیوں لگا دیا تھا۔"

اس لیے کہ ہمیں یقین تھا کہ ہم تمہیں پکڑ لیں گے اور تمہیں خطرے سے محفوظ رکھنے کی یہی ایک صورت تھی اور یہی وجہ ہے کہ جب تم خطرے کی حدود سے نکل گئے۔ تو ہم اس راستے سے ہٹ گئے جس سے تم گئے تھے۔ تاکہ یہ حیوان زمین سونگھ سونگھ کر تمہارا تعاقب نہ کر سکیں۔"

"مارکوس کے دلائل قابل قبول تھے۔ لیکن فوراً مجھے کچھ یاد آ گیا۔

"لیکن" میں نے کہا۔ "تمہاری تجربہ گاہ میں ایک میز پر پٹیاں بندھا ہوا ہے۔ وہ......"

"وہ تیندوا تھا۔"

"دانش!" وکرم بھاٹیہ نے کہا۔ "تم نہایت اعلیٰ درجے کے گدھے ہو۔ ساحل پر آ کے یہ پستول اٹھا لو اور پھر جو کچھ پوچھنا ہے پوچھو تمہاری یہ حماقت ہے کہ تم وہاں کمر کمر پانی میں کھڑے چلا رہے ہو۔ ہم سب کی تمہاری میری اور مارکوس کی تباہی کا باعث بن سکتی ہے۔"

میں چند ثانیوں تک سوچتا رہا۔

"بہت اچھا" میں نے کہا وکرم بھاٹیہ نے کہا۔ "ہمارا وقار اور رعب خاک میں مل جائے گا۔

"تو پھر ان درختوں کے پاس چلے جاؤ۔"

"بے اعتباری کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔" وکرم بھاٹیہ نے کہا۔ بہر حال وہ دونوں ان حیوان نما آدمیوں کی طرف گھوم گئے۔ جو میری تقریر سننے کے لیے آگے بڑھ آئے تھے۔ وکرم بھاٹیہ نے اپنا چابک تڑخ سے ہوا میں بجایا اور حیوان نما آدمی کوک بھرے کھلونوں کی طرح ایک دم سے گھوم کر انتہائی خوف کے عالم میں لرزاں و ترساں جھاڑیوں کی اور درختوں کی طرف بھاگے۔ جب وہ جھاڑیوں اور درختوں کے پیچھے جا کر نظروں سے اوجھل ہو گئے تو مارکوس اور وکرم بھاٹیہ کنارِ آب سے کافی دور ہٹ گئے اور میری طرف پیٹھ کر کے کھڑے ہو گئے۔ میں ساحل پر آ گیا میں نے دونوں پستول اٹھائے اور ان کا معائنہ کرنے لگا کہ بھرے ہوئے ہیں یا مجھے دھوکا دیا گیا ہے۔ وہ بھرے ہوئے تھے۔ مزید اطمینان کے لیے میں نے ایک پستول کی نالی ساحل پر پڑے ہوئے ایک پتھر کی طرف کر کے لبلبی دبا دی۔ زبردست دھماکے سے جنگل گونج اٹھا اور پستول کی گولی مضبوط پتھر سے ٹکرا کر ریزہ ریزہ ہو گئی۔ اسکے بعد بھی میں چند ثانیوں تک کشمکش و پیچ کے عالم میں کھڑا رہا۔

"بہت اچھا میں تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔" میں نے کہا اور دونوں ہاتھوں میں پستول پکڑ کر ان کی طرف بڑھا۔

"ہاں اب آئے راہ پر۔" مارکوس نے کہا۔ "لیکن میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ تمہاری حماقت نے پورا دن ضائع کر دیا۔"

اور اب وہ میرے آگے چلے حیوان نما آدمیوں کا گروہ جھاڑیوں کے پیچھے حیران کھڑا تھا۔ میں ان کے قریب سے بہ ظاہر پرسکون اور اطمینان سے گزر گیا۔ وہ لوگ اپنی جگہ پر کھڑے حیرت اور دلچسپی سے مجھے دیکھتے رہے۔ لیکن ایک حیوان نما آدمی میرے پیچھے چلا۔ حیوان نما آدمی یقیناً میری باتوں پر غور کر رہے تھے۔ ممکن ہے۔ وہ پہلے جانور رہے ہوں لیکن میں نے پہلے کبھی جانوروں کو کسی بات پر یوں انسانوں کی طرح غور کرتے نہ دیکھا تھا اور آپ نے بھی دیکھا ہے کبھی؟ یقیناً نہیں...... چناں چہ پھر میں ڈرنے لگا!

"کیسے یقین کر لوں کہ یہ پہلے انسان نہ تھے؟" میں دل میں بولا اور میرا جی چاہا کہ مارکوس اور وکرم بھاٹیہ پر گولی چلا دوں اور اگر ان حیوان نما آدمیوں میں ہوں جو خدا جانے میرے ساتھ کیا سلوک کریں۔ اکیلے رہ جانے کا خوف نہ ہوتا تو میں مارکوس اور وکرم بھاٹیہ کو وہیں ڈھیر کر دیتا۔ بہر حال وہ دونوں میری طرح ہی مکمل انسان تھے اور ان حیوان نما انسانوں سے زیادہ میرے رفیق ہو سکتے تھے۔ اور یہی ایک خیال میری ڈھارس بندھائے ہوئے تھا۔ ورنہ میں ضرور کوئی احمقانہ حرکت کر بیٹھتا۔

اور جب ہم کھانا کھا چکے تو مارکوس نے کہا۔ "حسب وعدہ تمہیں سب کچھ سمجھائے دیتا ہوں۔ یقین مانو! آج تک میرا سابقہ تم جیسے ضدی آدمی سے نہیں پڑا اور نہ کبھی کسی گیدڑ بھبکیوں سے متاثر ہوا ہوں اور یہ بھی سن لو کہ اگر دوبارہ تم نے خودکشی کر لینے کی دھمکی دی تو میں تمہیں نہیں بچاؤں گا۔ چاہے تمہاری موت سے مجھے کوئی نقصان ہی کیوں نہ پہنچ جائے۔ شروع سے ہی اپنا ذاتی فائدہ پیش نظر رکھنے کا عادی رہا ہوں۔ لیکن تمہارے معاملے میں اپنا اصول بدل دوں گا۔

وہ میرے کمرے میں کھڑکی کے سامنے رکھی ہوئی اونچی پشت والی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور جلتا ہوا سگار اس کی موٹی موٹی انگلیوں میں پھنسا ہوا تھا اور ہوا کے جھونکے سے جھولتی ہوئی لالٹین کی روشنی اس کے سفید بالوں اور چہرے کے کرخت خدوخال کو نمایاں کر رہی تھی۔ میں مارکوس کے سامنے اس سے جتنی دور بیٹھ سکتا تھا۔ بیٹھا تھا ہم دونوں کے بیچ میں چھوٹی سی میز پر پڑی تھی اور میں اب تک اپنے ہاتھ میں ایک بھرا ہوا پستول لیے تھا۔ وکرم بھاٹیہ کمرے میں نہ تھا اور میرے خیال میں یہ اچھا ہی تھا۔ کیوں کہ ان دونوں کی موجودگی میں اپنے آپ کو ذرا کم محفوظ سمجھتا تھا۔

"تو اب تو تمہیں یقین آیا کہ جس پر عمل جراحی کر رہا ہوں اور جسے تم آدمی سمجھ رہے ہو وہ دراصل تیندوا ہی ہے؟" مارکوس نے پوچھا۔

یہاں میں یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں۔ کہ حصار میں آتے ہی مارکوس مجھے اپنی تجربہ گاہ یا آپریشن تھیٹر میں لے گیا تھا اور مجھے وہ جان وار دکھایا تھا۔ جو پٹیوں میں لپٹا پڑا تھا اور جسے میں آدمی سمجھ رہا تھا اور دہلا سے بھاگ نکلا تھا۔

"بے شک وہ تیندوا ہی ہے۔" میں نے سر ہلا کر کہا۔ "اور زندہ بھی ہے۔ لیکن اس کا جسم اس طرح سے چیر پھاڑا گیا ہے اور اس کے اعضاء کی اس طرح قطع و برید کی ہے کہ کبھی کوئی انسان اپنے جانی دشمن کے ساتھ بھی ایسا سلوک نہیں کرتا۔ یہ بڑا ظلم ہے۔

"بس بھئی تم اپنے ان رحیمانہ جذبات کو اپنے تک ہی رکھو۔" مارکوس نے کہا۔ "کم سے کم میرے

سامنے ان کا اظہار بے فائدہ ہے۔ مجھے احساس ہے کہ وہ انتظار تمہارے لیے بھیانک ہوگا۔ شروع شروع میں وکرم بھائیہ کی بھی ایسی ہی حالت ہوگئی تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ وہ ایسے بھیانک نظاروں کا عادی ہوگیا۔ اچھا اب خاموش بیٹھو اور غور سے سنو۔ میں علم و تشریح پر ایک بسیط لیکچر دیتا ہوں۔ سنو اور اعمال و اعضاء سمجھنے کی کوشش کرو۔ جو باتیں میں تمہیں بتا رہا ہوں۔ وہ کوئی اور نہ بتا سکے گا۔"

اور وہ آنکھیں نیم وا کر کے اپنے تجربات کی روداد سنانے لگا۔ انداز ابتدا میں اکتائے ہوئے آدمی کا سا تھا۔ جیسے وہ بادل ناخواستہ پرانی داستان سنا رہا ہے لیکن تھوڑی دیر بعد ہی وہ ذرا گرما گیا اور اب وہ ایک جوش و تفخر کے ساتھ بڑی روانی سے بول رہا تھا۔ اس کی تمام تشریحات اور دلائل سیدھے سادھے اور قابل قبول تھے کہ کبھی اسکا لب و لہجہ طنزیہ ہو جاتا اور اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک آ جاتی۔ میں نے مارکوس کو غلط سمجھا تھا۔ چناں چہ تھوڑی دیر بعد ہی میرا سر شرم سے جھک گیا۔

"ابراہیم! ایک ماہر سرجن کسی بھی جان دار کو جس طرح چاہے تبدیل کر سکتا ہے۔" مارکوس نے کہا۔ "میں حیران ہوں کہ مجھ سے پہلے کسی سرجن نے ایسے تجربات نہ کیے۔ حالاں کہ معمولی سا کام ہے یہ..... یعنی پٹھوں' اعضا اور زبان کی ایک ڈھنگ سے قطع و برید تعجب ہے کہ مجھ سے پہلے کوئی اس کام کی طرف متوجہ نہ ہوا۔ خیر یہ تو غالباً تم جانتے ہی ہو کہ آپریشن کے ذریعہ آنکھوں کا بھینگا پن دور کیا جا سکتا ہے اور اسی طرح سرجری کے ذریعہ کسی کے بدن میں تبدیلی کرنا بہت ہی معمولی بات ہے۔ یعنی پست قامتی کو بلند قامتی میں تبدیلی کرنا۔ موٹاپے کو لاغری میں تبدیل کرنا اور یہ دونوں چیزیں خاص غدودوں کے افعال بدل دینے سے ممکن ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ مدھم ہوتی ہوئی آنکھوں کو دوبارہ روشن کرنا اور مڑی ہوئی ٹانگوں کو سیدھی کرنا وغیرہ یہ سب آپریشن عام ہیں اور مجھے یقین ہے تم ایسے آپریشن کے متعلق سن چکے ہو گے۔ حتیٰ کہ سرجری کا یہ کمال ہے کہ اندھے کو آنکھیں اور بگڑے ہوئے پھیپھڑے والے کو نئے پھیپھڑے مل جاتے ہیں۔"

"یہ سب درست ہے۔" میں نے کہا۔ "لیکن تمہارے وہ حیوان نما آدمی.....؟"

"ذرا صبر سے کام لو۔ اپنے وقت پر ہر بات صاف ہو جائے گی۔ بقول تمہارے میرے یہ حیوان نما آدمی جسمانی تغیر تبدیلی کا ادنیٰ نمونہ ہیں سرجری کے ذریعہ اس سے بھی بہتر نتائج پیدا کیے جا سکتے ہیں اور کیے جائیں گے۔ اس خاص قسم کی سرجری کی تکمیل میرے ہاتھوں ہوگی۔ میرے بھائی یہ حیوان آدمی ہیں۔ جو تم نے اس جزیرے میں دیکھے ہیں میری ابتدائی مشق کا نتیجہ ہے سرجری کے ذریعہ صرف صورت بگاڑی ہی نہیں سنواری جا سکتی ہے۔ سرجری گویا دو دھاری تلوار ہے۔ لیکن اس کا ماہر ہونا ضروری ہے۔ غالباً تم نے کسی آپریشن کے متعلق سنا ہوگا۔ کہ کسی جانور یا انسان کی ناک ٹوٹ گئی یعنی بالکل ہی بیکار ہوگئی اب اس کی دوسری ناک تو اگ نہیں سکتی اور اسے چہرے پر ہی رہنے دیا جا سکتا ہے۔ چناں چہ سرجن یہ کرتا ہے کہ ناک کاٹ دیتا ہے۔ اور زخمی کی پیشانی کی تھوڑی سی جلد کاٹ کر ناک کی جگہ سی دیتا ہے۔ زخم مندمل ہونے پر اسی کی جس کی ناک ٹوٹ کر بے کار ہوگئی تھی۔ شکل و صورت بالکل ہی تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہ چھوٹے پیمانے پر جسمانی ترمیم ہوتی یعنی جسم کے ایک حصہ کو کاٹ کر اسی جسم میں دوسری جگہ لگا دیا جائے۔ اسی طرح دو الگ الگ جان داروں کے تازہ کٹے ہوئے اعضاء کو جوڑنا ممکن ہے۔ یعنی کسی ایک جان دار کے خواہ وہ کسی نسل سے

ہوں اعضاء کو یا کسی حصہ کو دوسرے جان دار کے جسم سے جوڑا جا سکتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ بھی ممکن ہے کہ گینڈے کا سینگ بیل کے ماتھے پر اور چوہے کی دم بلی کے سر پر لگا دی جائے۔ سئور کے اعضا اور ریچھ کو اور بندر کے اعضاء بھیڑ کو لگائے جا سکتے ہیں اور اس طرح ایک ہوشیار سرجن بالکل نئی قسم کے اور ہیبت ناک جانور بنا سکتا ہے۔"

"ہیبت ناک جانور بنا سکتا ہے!" میں نے کہا۔ "تو تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ۔"

"بالکل یہ مخلوق جو تم نے اس جزیرے میں دیکھی در حقیقت تبدیل کیے ہوئے جانور ہیں جس طرح ایک بت تراش پتھر کو کاٹ چھانٹ کر اسے نت نئی شکلیں دے سکتا ہے۔ بالکل اسی طرح ایک سرجن جان داروں کے اعضاء کی قطع برید کر کے کایا پلٹ سکتا ہے اور میری زندگی کا حصہ یہی عمل سیکھنے میں صرف ہوا ہے سالہا سال تک میں علم سیکھتا اور تجربات کرتا رہا ہوں۔ بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ میں نے اپنی عمر اسی کے لیے وقف کر دی ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ تم حیران ہو رہے ہو۔ لیکن یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ یہ سب باتیں صدیوں سے علم تشریح کی کتابوں میں موجود ہیں۔ لیکن کسی نے ان کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش نہیں کی۔ میں پہلا آدمی ہوں۔ جو اس خاص عمل کی طرف متوجہ ہوا۔ میں جانوروں کی صرف ظاہری شکل و صورت ہی نہیں بلکہ ان کے اعضاء کے اعمال و افعال بھی بدل دیتا ہوں میں نے تجربات کی ابتدا نقل و خون سے کی تھی اور یہ تجربات عام ہیں۔ بہر حال اب تم سمجھ گئے ہو گے۔ کہ جانوروں کے جسم کے ایک حصہ کو دوسرے جسم کے حصہ سے جوڑنا ممکن ہے۔ اس طرح دو الگ الگ جانوروں کے جسم کے بھی حصہ کو جوڑنا ممکن ہے۔ لیکن اس کے باوجود آج تک کسی نے اس میدان میں تجربات نہیں کیے حالاں کہ ہر سرجن جانتا ہے کہ کسی بھی جانور کی جسمانی ساخت بدلی جا سکتی ہے۔ یہاں تک کہ میں اس عمل کی طرف متوجہ ہوا۔ ابتداء میں جیسا کہ تم سمجھ گئے ہو گے میں چوری چھپے یہ تجربات کرتا رہا اور آخر مجھے اپنی محنتوں کا پھل مل گیا۔"

"لیکن؟" میں نے کہا۔ "یہ جانور بولتے بھی تو ہیں۔"

اور وہ مجھے سمجھانے لگا کہ سرجری سے جانوروں کی نہ صرف جسمانی ساخت بلکہ ہر چیز بدل جاتی ہے۔ یعنی اس کی کایا پلٹ کر دی جاتی ہے۔ ایک سئور کو اس عمل کے بعد سکھایا پڑھایا جا سکتا ہے۔ اس کی ذہنی قوتوں کی نشوونما کی جا سکتی ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس کی جنسی زندگی بھی تبدیل کی جا سکتی ہے اور اس طرح ایک نئی مخلوق پیدا ہوتی ہے جو انسانوں سے قریب تر اور جانوروں سے دور ہو جاتی ہے بہ ظاہر میں نے مارکوس کی اس بات سے اتفاق کیا۔ لیکن میں اس کی اس تشریح سے مطمئن نہ تھا۔ میں اس کا یہ آخری فارمولا سمجھ نہ سکا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ وہ جانوروں کو انسانی شکل کیوں دیتا ہے جب کہ وہ کہیں کوئی دوسری شکل بھی دے سکتا تھا۔ میرے خیال میں اس کا یہ عمل کہ انسان کے ڈھانچے کو اپنے تجربات کا "ماڈل" بنانا صرف انسانوں [illegible] پہنچتی تھا اور ایک طرح انسانیت سوز بھی تھا۔

اس نے اعتراف کیا کہ انسانی ساخت کا انتخاب اس سے اتفاقاً ہو گیا۔

میں بھیڑوں کو لاما اور لاما کو بھیڑوں میں تبدیل کر سکتا تھا۔ لیکن میں نے اس لیے ایسا نہیں کیا۔ میرے خیال میں انسانی ڈھانچے میں ایک خاص فنکارانہ بات ہے جو کسی فنکار کو متاثر کر سکتی ہے چناں چہ مجھے بھی متاثر کیا اور میں نے اپنے نمونوں کے لیے غیر شعوری طور سے انسانوں کا ہی ڈھانچہ پسند کیا

لیکن میں نے صرف آدمی ہی نہیں بنائے ایک دفعہ..... اور وہ ایک دو منٹ تک خاموش رہا..... "سال..... افوہ..... کتنے جلد گزر گئے..... اور تمہیں بچانے کی کوشش میں، میں نے اپنا پورا دن ضائع کر دیا اور تمہیں سمجھانے میں ایک گھنٹہ اور ضائع کر رہا ہوں۔"

"لیکن ایک بات میں نہیں سمجھا۔" میں نے کہا۔

"اپنے تجربات کی وجہ سے تم۔ ان بے زبان جانوروں کو جو سخت عذاب دیتے ہو۔ وہ کہاں تک درست ہے؟" میرے خیال میں تو یہ معاف کرنا تمہاری خود غرضی اور ظلم ہے۔ آخر تم نے اس کے لیے اپنے آپ کو کس بنا پر حق بجانب سمجھ لیا ہے۔ میں تمہارے تجربات کی مخالفت نہیں کر رہا ہوں۔ لیکن یہ سخت عذاب جو تم....."

"بات یہ ہے کہ تمہارے اور میرے خیالات میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ تم شاید مادہ پرست ہو۔ جو میں نہیں ہوں۔"

"میں قطعی مادہ پرست نہیں ہوں۔" میں نے ذرا گرم ہو کر کہا۔

"میرے نزدیک تو بہرحال سبھی تکالیف اور اذیت کا خیال تمہارے اور میرے خیال میں چند فاصلے قائم کرتا ہے۔ جب تک تم کسی کی درد بھری چیخیں بے چینی اور ہمدردی کی لہر محسوس کیے بغیر سن نہ سکو گے، جب تک تم سخت دلی سے کسی کو تڑپتے نہ دیکھ سکو گے اور جب تک خود اپنی تکلیف کا احساس تمہیں بے چین کرتا رہے گا۔ تب تک مجھے کہنا پڑتا ہے کہ تم میں اور جانوروں میں کوئی فرق نہ رہ جائے گا۔ تمہیں معلوم نہیں کہ جانور درد اور تکلیف کو کیوں اور کس طرح محسوس کرتے ہیں۔"

"اگر ہم بھی جانوروں کی طرح تکلیف محسوس کرنے لگیں تو پھر ہم میں اور ان میں کیا فرق رہ جائے گا اور تکلیف شاید ہماری اور تمہاری دنیا میں یونہی سی ہے۔ ممکن ہے کسی میں درد تکلیف کا کوئی وجود نہ ہو۔ اس دنیا میں بھی یہ چیز کہاں، اسے کون محسوس کرتا ہے۔ تم کہو گے ہر وہ شے جو زندہ ہے غالباً تم میری بات سمجھے نہیں۔ بہت اچھا دیکھو....." اور اس نے اپنی جیب سے ایک تیز چاقو نکالا اور کرسی پر اس طرح بیٹھ گیا۔ کہ میں مارکوس کی ایک ران لالٹین کی روشنی میں بہ خوبی دیکھ سکتا تھا۔ اس نے اپنی ران میں ایک جگہ کا انتخاب کر کے چاقو کا پھل دستے تک اتار دیا۔ اور پھر آہستہ آہستہ واپس کھینچ لیا۔

"دیکھا دانش! تمہیں یقین نہ آئے گا۔ لیکن مجھے ذرا بھی تکلیف نہیں ہوئی۔"

بہرحال اس سے کیا ثابت ہوا مارکوس؟"

"یہی کہ پٹھے درد محسوس نہیں کرتے البتہ جلد میں درد محسوس کرنے کی قابلیت ہے مگر معمولی سی۔ پوری ران میں صرف چند مقامات ایسے ہیں جو درد محسوس کر سکتے ہیں۔ ایسی جگہ جو درد محسوس کرتی ہے۔ وہاں چھوٹی سی پن بھی چبھو دی جائے تو تم تکلیف سے بلبلا اٹھو گے۔ درد ایک طرح سے شیر ہے جو ہمیں خبردار کرتا ہے اپنے آپ کو بچانے کی ہم میں تحریک پیدا کرتا ہے اگر درد نہ ہو تو ہم اپنے آپ سے بے پروا ہو جاتے۔ چناں چہ ہم درد محسوس کرتے ہیں۔ لیکن ہر پٹھا..... میرا مطلب حتیٰ کہ جنسیاتی عمل بھی تکلیف دہ نہیں ہوتا۔ تم کو یہ سن کر شاید تعجب ہوگا کہ بصریاتی اعصابات میں بھی درد تکلیف محسوس کرنے کی قابلیت نہیں ہے یہ ہی وجہ ہے کہ اندھے آدمی اپنی آنکھوں میں کسی طرح کی تکلیف محسوس نہیں کرتے۔ حالاں کہ ان کے بصری اعصابات ختم ہو چکے ہوتے ہیں۔ اس طرح سے سمعی اعصابات مجروح ہو جائیں تو تم بہرے ہو جاؤ گے اور یہ بہرہ پن تمہیں کوئی تکلیف نہیں دے گا۔ اس طرح بعض چھوٹے قسم کے جانور مثلاً مچھلیاں، کبھی کوئی تکلیف محسوس نہیں کرتیں۔

اب رہا انسان تو وہ جتنا زیادہ تعلیم یافتہ اور ہوشیار ہوگا اتنا ہی اپنے آپ کو درد اور تکلیف سے بچا سکے گا۔ وہ اپنے بدن کے ان حصوں کو جو درد محسوس نہیں کرتے درد کا سوال رہ ہی کہاں جاتا ہے۔

دانش میں بھی قدامت پسند ہوں خدا کی قدرتوں کا معائنہ میں نے تم سے زیادہ کیا ہے اس کی باتوں کو میں نے اپنے طور سے سمجھنے کی کوشش کی ہے اور سمجھا ہے میری عمر خدا کی قدرتوں کو سمجھنے میں گزری ہے میرے مقابلے میں تم یوں سمجھو کہ تتلیاں پکڑتے رہے ہو۔ چناں چہ درد کا تکلیف کے قانون کو سمجھ لینے کے بعد میں جنت اور دوزخ کے تصور کو تسلیم نہیں کرتا۔ کیوں کہ آدمی اگر درد اور تکلیف کے قوانین کو سمجھ جائے تو ان چیزوں سے اپنے آپ کو بچا سکتا ہے اور پھر جنت کی راحتوں اور دوزخ کے عذابوں کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی۔ یہ میرا خیال ہے۔ چناں چہ اس لیے شروع میں لوگ مجھے ڈاکٹر شیطان کہا کرتے تھے۔ تم چاہو تو مجھے کافر کہہ لو۔ حالاں کہ میں زمانے کے وجود کا قائل ہوں لیکن عاقبت کے عذابوں اور راحتوں کا قائل نہیں ہوں۔ بات کہاں سے کہاں جا پہنچی۔ بہرحال اس طرح میں نے اپنے طور پر تحقیق کی جو میرے خیال میں مجھے صحیح راستے پر اور دوسروں کے خیال میں غلط راستے پر لے آئی۔ فطرت کو میں نے جس طرح سمجھنے کی کوشش کی کسی نے نہیں کی۔ رفتہ رفتہ میں اپنے تحقیق اور تجربات کا میدان وسیع کرتا گیا۔ پہلے میں اپنے آپ سے ایک سوال پوچھتا خود ہی اس کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کرتا اور اس کوشش میں ایک سوال پیدا ہو جاتا۔ کیا وہ ممکن ہے؟ کیا یوں ہو سکتا ہے؟ کیا یوں نہیں ہو سکتا؟

بہ ظاہر یہ سوالات معمولی ہیں۔ لیکن تم نہیں جانتے کہ تحقیق کے لیے یہ کتنی اہمیت رکھتے ہیں اور ان کے جواب تلاش کرنے کی کوشش میں۔ میں کہاں سے کہاں جا پہنچا اور نتیجہ وہ چیز جس پر تم تجربہ کر رہے ہوتے ہو۔ چیز نہیں بلکہ ایک مسئلہ بن جاتی ہے۔

میں معلوم کرنا چاہتا ہوں صرف یہ بھی معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کسی بھی جان دار میں ملائمیت کی حد کہاں تک ہے۔ یعنی کسی بھی زندہ چیز میں دوسرے روپ میں ڈھلنے کی صلاحیت کہاں تک ہے۔ یعنی کسی بھی زندہ جسم میں کتنی لچک ہے اور اس لچک کے سہارے اسے کہاں تک تبدیل کیا جا سکتا ہے اور یہ ہی شوق تحقیق جس نے میرے رحمانہ اور ہمدردانہ جذبات کو مردہ کر دیا ہے۔

"لیکن یہ بڑی مذموم حرکت ہے۔" میں نے کہنا شروع کیا۔

"اب تک میں نے اس معاملے کے اخلاقی پہلو پر غور نہیں کیا ہے اور کرنا بھی نہیں چاہتا۔ فطرت کا مطالعہ کرنے والا فطرت کی طرح ہی بے درد ہوتا ہے۔ میں فطرت کا مطالعہ کرتا رہا۔ محض اپنے سوالات کے جواب حاصل کرنے کے لیے اور دیکھو میرے سوالوں کے جواب زندہ اور مجسم جواب ان جھونپڑیوں میں موجود ہیں۔ جہاں تھوڑی دیر پہلے تم چھپے بیٹھے تھے..... مجھے اور دکرم بھائیہ کو یہاں آئے گیارہ سال ہو چکے ہیں۔ جب ہم یہاں آئے تو ہمارے ساتھ چھ ملازم تھے اور اس وقت یہ جزیرہ غیر آباد اور ویران تھا۔ مجھے

جزیرے کی رہ خاموشی اچھی طرح یاد ہے۔ ہر جگہ خاموشی تھی۔ جنگل میں اور گھاٹیوں میں موت کی سی خاموشی کا راج تھا۔ یہاں کوئی نہ رہتا تھا۔ کوئی جانور تک نہ رہتا تھا۔ یہ جزیرہ گویا میرا ہی منتظر تھا۔ یہ سب واقعات مجھے اچھی طرح یاد ہیں گویا ابھی کل کی بات ہو۔''

''ہمارا سامان اتارا گیا اور اس حصار کی بنیاد رکھی گئی۔ ہمارے ملازموں نے کھاڑے کے قریب اپنے لیے جھونپڑیاں بنالیں اور میں نے اپنا کام شروع کیا۔ ہم بہت سے جانور اپنے ساتھ لائے تھے۔ میں نے پہلا تجربہ ایک بھیڑ پر کیا۔ ایک دن اور ایک رات تک اس کے اعضاء کی قطع و برید کرتا رہا۔ لیکن دوسرے دن میرا وہ ہاتھ جس میں جراحی کا چاقو تھا۔ ذرا سا بہک گیا اور بھیڑ مر گئی۔

میں نے دوسری بھیڑ پر تجربہ شروع کیا اور اس کے بدن پر پٹیاں باندھ کر اسکے زخم مندمل ہو جانے کا انتظار کرنے لگا۔ شروع میں، میں اپنے تجربے سے مطمئن تھا۔ کیوں کہ وہ تبدیل شدہ بھیڑ مجھے مکمل انسان معلوم ہوتی تھی لیکن دوسرے دن جب میں اسے دیکھنے گیا تو مجھے بڑی مایوسی ہوئی۔ بھیڑ مجھے بھولی نہ تھی اسے یاد تھا کہ میں اسے دو دن تک اذیت پہنچاتا رہا تھا۔ چناں چہ مجھے دیکھتے ہی وہ چیخنے چلانے لگی۔ وہ مجھ سے ڈرنے لگی۔ حالاں کہ اس کی جسمانی ساخت انسان کی سی تھی۔

لیکن اس میں بھیڑ کی صفات بدستور موجود تھیں۔ میں جتنے غور سے اس چیز کو دیکھتا جو نہ انسان تھی اور نہ جانور۔ اتنی زیادہ مجھے بے ڈھنگی اور نفرت انگیز معلوم ہوتی آخر کار میں برداشت نہیں کر سکا اور میں نے اسے مار ڈالا۔ یہ بزدل اور بودے جانور میرے تجربے کے لیے مناسب نہ تھے۔ تبدیلی کے بعد بھی ان میں بھیڑوں کی صفات بدستور باقی رہتی تھی۔ چنانچہ ان جانوروں کو انسان بنانا فضول تھا۔''

چنانچہ اب میں نے ایک گوریلے کا انتخاب کیا اور بڑی احتیاط اور کاوش سے اس پر کام کرتا رہا۔ شب و روز کی ان تھک محنتوں اور کئی مشکلات سے گزرنے کے بعد میں نے اپنا پہلا آدمی بنایا۔ گوریلے کے دماغ کو نئی طرح سے ڈھالنے کی ضرورت تھی اور میں اس طرف متوجہ رہا۔ کیوں کہ اس کی جسمانی ساخت تو انسان سے ملتی جلتی تھی ہی۔ لیکن اس کی ذہنی قوتوں کو بڑھانا اور بدلنا تھا۔ جب میں اپنا کام کر چکا تو میرا خیال تھا کہ میرا بنایا ہوا یہ پہلا آدمی حبشیوں کی کسی نئی نسل کا آدمی معلوم ہوگا۔ وہ میرے سامنے بے حس و حرکت پڑا تھا۔

سر سے پیر تک پٹیوں میں لپٹا ہوا۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ وہ زندہ ہے تو میں وہاں سے ہٹ کر وکرم بھاٹیہ کے پاس آیا۔ وہ اس وقت تمہاری طرح ہی خوفزدہ اور گھبرایا ہوا تھا۔ جب میں گوریلے کو انسان میں تبدیل کر رہا تھا۔ وکرم بھاٹیہ نے اس کی کراہیں سنی تھیں۔ جیسی کہ تم نے انسان بنتے ہوئے تیندوے کی سنی تھیں۔ اتنی جلد میں وکرم بھاٹیہ کو اپنا رازدار نہیں بنا سکتا تھا۔ لیکن ہمارے ملازم مجھ سے کچھ کٹ سے گئے تھے اور مجھ سے ڈرنے لگے تھے۔ چناں چہ مجبوراً مجھے وکرم بھاٹیہ کو اپنے تجربات میں شریک کرنا پڑا۔ ہمارے ملازم اتنے خوفزدہ ہوئے کہ میرے اور وکرم کے سمجھانے کے باوجود وہ یہاں رہنے کو تیار نہ ہوئے اور ایک دن موقع ملتے ہی فرار ہو گئے۔ لیکن بعد کا واقعہ ہے۔

خیر میں نے اپنے بنائے ہوئے پہلے آدمی کو چار پانچ مہینے تک تعلیم و تربیت دی۔ میں نے اسے

اردو زبان سکھائی، گنتی سکھائی تھی۔ کہ وہ الف بے پڑھنے لگا۔ لیکن اس معاملے میں بڑا کند ذہن تھا۔ ج، ح، خ میں تمیز نہ کر سکتا تھا۔ کہنے کا مطلب یہ کہ جب اس نے نیا روپ پایا یوں کہہ لو نیا جنم لیا تو اسکا دماغ بالکل صاف تھا اور اسے اپنے پچھلے جنم کے واقعات یاد نہ تھے یعنی رہ گیا تھا۔ وہ کیا کرتا تھا۔ قصہ مختصر کہ جب اس کے زخم بالکل مندمل ہو گئے اور وہ ذرا ذرا بولنے لگا تو میں اسے لے کر اپنے ملازموں کے پاس گیا۔ اور ایک نیا آدمی کہہ کر اس کا تعارف کرایا۔

شروع شروع میں تو وہ اس سے ڈرتے رہے۔ لیکن رفتہ رفتہ اس سے مانوس ہو گئے۔ چناں چہ اپنے نئے آدمی کو اپنے ملازموں کے پاس چھوڑ آیا کہ وہ اسے تہذیب وغیرہ سکھائیں اور یہ دیکھ کر میری خوشی کی انتہا نہ رہی کہ میرے نئے آدمی نے بہت جلد سب باتیں سیکھ لیں اور اپنے لیے ایک جھونپڑی بھی بنائی جو ہمارے ملازموں کی بنائی ہوئی جھونپڑیوں سے بدرجہا بہتر اور آرام دہ تھی۔

ایک دن میں چہل قدمی کرتا ہوا جنگل کی طرف جا نکلا اور وہاں ایک عجیب نظارہ دیکھا۔ میرا بنایا ہوا ایک آدمی ایک درخت کے تنے پر بیٹھا دانت نکال نکال کر ہمارے ایک ملازم کو ڈرا رہا تھا۔ میں نے اسے ڈرا دھمکا کر اسے نیچے اتارا اور اسے سمجھایا کہ یوں درختوں پر اچھلنا اور دانت نکالنا بڑی غیر انسانی اور شرم ناک بات ہے۔ میں نے اسے سمجھا بجھا کر جھونپڑیوں کی طرف بھیج دیا۔ لیکن اس واقعہ کے بعد انکشاف ہوا کہ میرا تجربہ نامکمل تھا۔ گوریلے میں بندر جیسی صفات بدستور موجود تھیں۔

چنانچہ میں نے اپنے تجربات کی روداد شائع کرنے کا خیال اس وقت تک اٹھا رکھا جب تک کہ کوئی چیز نہ بنا لیتا۔ ایک ایسی چیز جس میں کوئی خامی نہ ہو اور یہی میری منزل مقصود ہے۔ میں اس منزل مقصود تک پہنچ کر ہی دم لوں گا۔

''خیر یہ تو ہے میری پوری داستان ہمارے ملازم کبھی کے مر چکے تھے۔ ایک کشتی میں سے لڑھک کر سمندر میں جا پڑا۔ دوسرے نے اپنے زخمی ہونے پر کسی زہریلی بوٹی کا عرق پیا اور مر گیا۔ تین ہماری کشتی لے کر فرار ہو گئے اور میرا خیال ہے وہ بھی مر گئے ہوں گے اور چھٹا جو بچ رہا تھا مارا گیا۔ بہر حال ان کی کمی میں نے اپنے بنائے ہوئے حیوان لوگوں سے پوری کر لی ہے۔''

''لیکن اس چھٹے ملازم کا کیا ہوا۔ وہی جو مارا گیا؟'' میں نے کہا۔

''بات یوں ہے کہ...... بہت سے حیوان لوگ بنا چکنے کے بعد میں نے ایک چیز بنائی۔'' مارکوس ہچکچانے لگا۔

''پھر؟''

''وہ جان دار بھی مارا گیا۔

''میں سمجھا نہیں تم کیا کہنا چاہتے ہو۔''

''ہاں اسی جان دار نے چھٹے ملازم کو مار ڈالا۔ صرف یہی نہیں بلکہ اس نے کئی حیوان لوگوں کا بھی خاتمہ کر دیا۔ ہم کوئی چار دن تک اس خونی کا تعاقب کرتے رہے۔ جو حصار میں سے اتفاقاً بھاگ نکلا تھا۔ میں کیا بنانا چاہتا تھا اور وہ کیا بن گیا تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں نہ تھے وہ زمین پر لڑھکتا ہوا چلتا تھا۔ اس کی گردن

سانپ کی طرح لمبی تھی۔ جو بدن سے آگے آگے بل کھاتی رینگا کرتی تھی اور اس کا چہرہ بہت ہی ڈراؤنا تھا۔ چند روز تک وہ جنگل میں چھپا رہا۔ جو بھی اس جنگل کے قریب سے گزرتا۔ وہ اچانک اس پر حملہ کر دیتا اور اسے مار کر پھر جنگل میں گھس جاتا۔ آخر کار ہم نے اس کا خاتمہ کر ڈالنے کا فیصلہ کیا۔ وہ بھاگ کر جزیرے کے شمالی حصے میں چلا گیا۔ جہاں وہ چھپا ہوا تھا۔ وہاں پہنچ کر ہم نے تعاقب کرنے والی جماعت کے دو حصے کیے۔ کہ اسے کسی طرح نرغے میں لے لیا جائے کہ وہ بھاگ نہ سکے۔ ہمارا چھٹا ملازم دوسری جماعت کے ساتھ تھا اور اس کے پاس دو نالی بندوق بھی تھی۔

بہر حال جب ہمیں اپنے ملازم کی لاش ملی تو یہ دیکھ کر ہم حیران رہ گئے۔ بندوق کی دونوں نالیاں نہ صرف موڑ دی گئی تھیں بلکہ انہیں دانتوں سے کتر لیا گیا تھا۔ غالباً اب تم نے اس خونی کی طاقت کا اندازہ لگا لیا ہوگا۔ خیر وہ خونی دکرم بھائیہ کی بندوق کا نشانہ بنا اور اس کے بعد میں نے جانوروں کو انسانی شکل میں ڈھالنے کا فیصلہ کیا اور قسم کھائی کہ کبھی کوئی نئی طرح کا جانور بنانے کی کوشش نہیں کروں گا۔ اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ میں نے بہ قول تمہارے آدمی کے ڈھانچے کو ماڈل کیوں بنایا ہے۔

وہ خاموش ہو گیا میں بھی خاموش تھا۔

''تو۔'' کچھ دیر بعد اس نے کہا' کوئی بیس سال سے' اور ان بیس سالوں میں نو سال وطن کے بھی شامل ہیں۔ میں یہ تجربات کر رہا ہوں۔ بہ ظاہر کامیاب تجربات کیے جا سکتے ہیں۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ ان میں کوئی خامی باقی رہ گئی ہے اور یہی خامی ہے جو مجھے اکساتی رہتی ہے۔ میں مکمل ہر طرح مکمل انسان بنانا چاہتا ہوں۔ جانوروں کو انسانی ڈھانچے میں ڈھال لینا۔ اب میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ لیکن بعض بعض جانوروں کے پنجوں کو ہاتھوں میں تبدیل کرنے میں خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور سب سے بڑا مشکل کام ہے۔ ذہنی قوتوں کا بدلنا۔ اب جانوروں کی قوتیں' آدمی بن جانے کے بعد بھی کچھ زیادہ نہیں ابھرتیں۔ حالاں کہ میں آپریشن کے دوران ان کے دماغوں پر ہی زیادہ توجہ دیتا ہوں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کا دماغ جانوروں جیسے نہیں رہتے۔ لیکن انسانوں کے سے بھی نہیں رہتے۔

خیر یہاں تک تو ٹھیک ہے۔ لیکن میرے تجربات میں ایک ایسی خامی رہ گئی ہے جسے میں آج تک نہ تو دور کر سکا اور نہ ہی سمجھ سکا۔ میں اس وقت تک تجربات کرتا رہوں گا۔ جب تک کہ یہ خامی دور نہیں کر لیتا۔ یعنی میں ان کی نفرت نہیں بدل سکتا۔

ابتدا میں ان کی حیوانی فطرت دبی رہتی ہے اور پھر یکا یک ابھر آتی ہے۔ میں اب تک یہ معلوم نہیں کر سکا کہ ان کی جبلتوں کا مخزن جسم میں کس جگہ جمع ہوتا ہے اور کس طرح ان کی جبلتیں بدلی جا سکتی ہیں۔ میرے بنائے ہوئے آدمی تمہیں بے ڈھنگے اور گھناؤنے معلوم ہوتے ہوں گے اور مجھے بھی ایسے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ مجھے یقین ہو جاتا ہے کہ میں نے ایک مکمل انسان بنا لیا ہے۔ لیکن جیسے جیسے وقت گزرتا ہے۔ میرا یہ یقین ڈانواں ڈول ہونے لگتا ہے اور مجھے اپنے بنائے ہوئے آدمیوں میں ان کی حیوانی فطرتیں نظر آنے لگتی ہیں۔

اور یہ تو ایک مشہور کہاوت ہے کہ لومڑی اپنا رنگ تو بدل سکتی ہے۔ لیکن اپنی جبلتیں نہیں بدل

سکتی۔ لیکن میں اس کہاوت کو غلط ثابت کر کے رہوں گا۔ ہر دفعہ میں جب بھی کسی نئے جانور پر تجربہ کرتا ہوں تو بڑے یقین کے ساتھ اپنے آپ سے یہ کہتا ہوں کہ اس دفعہ میں ایک عظیم چیز ایک مکمل انسان بنا لوں گا۔ لیکن پھر میں دیکھتا ہوں کہ آہستہ آہستہ اس کی حیوانی فطرتیں نمایاں ہونے لگتی ہیں میں اپنے آپ سے کہتا ہوں کہ ایک انسان بنانے کے لیے لاکھوں کروڑوں سال چاہئیں۔ لیکن تم نے دس سال میں جو کچھ بنا لیا ہے۔ وہ کوئی سو سال میں بھی نہیں بنا سکتا اور اس طرح اپنی ہمت بندھا کر میں دوسرے جانوروں پر تجربہ کرنے میں لگ جاتا ہوں۔''

چند ثانیوں تک خاموشی کا وقفہ لیا۔

''لیکن اب میرا کام قریب الختم ہے۔ میری محنت کا پھل ملنے والا ہے۔ یہ تیندوا جس پر اب......''

''وہ پھر اپنے اصلی روپ میں آ جاتے ہیں۔'' اس نے گویا اپنے آپ سے کہا۔'' اس حصار سے باہر جانے کے بعد ان کی وحشیانہ عود کر آتی ہیں۔ وہ درندہ جو عمل جراحی کے وقت سو گیا تھا۔ پھر بیدار ہونے لگتا ہے۔ پھر وہ جانور بننے لگتے ہیں۔''

خاموشی کا طویل وقفہ رہا۔

تو پھر تم ان حیوانوں کو کہاں سے میں چھوڑ آتے ہو۔ جہاں وہ چھپتے پھرتے ہیں؟'' میں نے پوچھا۔

''انہیں خود ہی چلے جاتے ہیں۔ جب مجھے ان میں وحشیانہ صفات نظر آتی ہیں تو انہیں حصار سے نکال دیتا ہوں اور وہ ان بھٹوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ وہ سب مجھ سے اور وار لعتو بت سے ڈرتے ہیں۔ وہ حیوان لوگ جو بھٹوں میں رہتے ہیں۔ خود انسانوں کی اور ان کے افعال انسانی کی بھونڈی نقل ہیں۔ نہ تو وہ انسان ہیں اور نہ ہی جانور انہیں انسان اور جانور کی درمیانی کڑی سمجھو۔ ان کی حرکتیں عجیب مضحکہ خیز ہوتی ہیں۔ ایسی حرکتیں جنہیں نہ تو کوئی انسان کرتا ہے اور نہ جانور۔ ان کی حرکات کچھ جانوروں کی اور کچھ کچھ انسانوں کی سی ہوتی ہیں۔ دکرم بھائیہ کو ان حیوان لوگوں سے خاصی دلچسپی ہے۔

چنانچہ وہ ان کے اعمال و افعال کے متعلق بہت زیادہ معلومات رکھتا ہے۔ اس نے دو ایک کو ہماری خدمت کے لیے سدھایا بھی ہے۔ دکرم بھائیہ ان حیوان لوگوں میں سے کئی ایک کو خاص طور سے پسند کرنے لگا۔ ہم نے انہیں چند قوانین سکھا دیے ہیں جنہیں وہ طوطے کی طرح رٹا کرتے ہیں اور ایک حد تک ان پر عمل کرتے ہیں۔ ان میں اتنی سمجھ بوجھ بھی ہے کہ انہوں نے اپنے لیے جھونپڑے بنا لیے ہیں۔ لیکن جب وہ اپنی روح کی گہرائیوں میں جھانکتے ہیں تو انہیں اپنا پچھلا روپ نظر آتا ہے اور پھر وہ جانور بننے لگتے ہیں۔ تمہارے لیے یہ حیوان لوگ کتنے ہی دل چسپ کیوں نہ ہوں۔ میرے لیے ایک مجسم مضحکہ ہیں۔ ان کی ایک ایک حرکت گویا مجھے بدلتی معلوم ہوتی ہے کہ تم نے انہیں کچھ بھی نہ رہنے دیا۔ میری کل امیدیں اس تیندوے سے وابستہ ہیں۔ میں نے اس کی جبلتیں بدلنے کی ہر ممکن کوشش کی ہے۔ اس کی کھوپڑی اور دماغ پر میں نے زیادہ وقت صرف کیا ہے۔ چنانچہ ہو سکتا ہے۔ کہ جب تیندوے کی پٹیاں کھلیں تو وہ مکمل انسان ہو۔''

''ہاں تو دانش!'' چند ثانیوں کی خاموشی کے بعد مارکوس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ کیا اب بھی تم مجھ سے بدظن ہو؟''

اور جواب میں میں نے دونوں پستول اس کی طرف بڑھا دیے۔

"انہیں اپنے پاس ہی رکھو۔" اس نے مسکرا کر کہا اور پھر ایک طویل جمائی لے کر بولا۔

"تمہارے یہ دو دن عجیب گزرے ہیں۔ یعنی عجیب طرح کے واقعات سے اور میں سمجھتا ہوں کہ ان مسلسل واقعات اور خود تمہارے متضاد جذبات کے ہیجان نے تمہیں تھکا مارا ہوگا۔ چنانچہ بہتر ہے کہ اب تم سو جاؤ۔ چند گھنٹوں کی پرسکون نیند تمہیں پرسکون کر دے گی۔ شکر ہے سب باتیں صاف ہو گئیں۔" مارکوس چند ثانیوں تک کھڑا مجھے دیکھتا رہا اور پھر عقبی دروازہ کھول کر حصار میں چلا گیا۔ اب اس دروازے کو مقفل رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔"

میں نے اٹھ کر باہر کھلتا ہوا دروازہ بند کیا اور پھر بیٹھ کر ڈاکٹر مارکوس کی باتوں پر غور کرنے لگا۔ خدا جانے کیا بات تھی کہ مارکوس نے جو کچھ کہا تھا۔ اس سے آگے میں سوچ ہی نہ سکتا تھا۔ میری ساری ذہنی قوتیں جیسے ایک دائرے میں مقید ہو کر رہ گئی تھیں۔ کمرے کی کھڑکی میں اندھیرا جھانک رہا تھا اور باہر سکوت طاری تھا اور جیسے کسی آسیبی اثر نے مجھے پتھر کا کر دیا تھا۔ اپنی جگہ سے ہل تک نہ سکتا تھا۔ آخر کار بڑی کوششوں کے بعد میں اٹھا شمع بجھائی اور جالی دار جھولے میں لیٹ گیا۔ کمرے کی تاریک فضا میں بھیانک ہیولے رقص کرتے رہے۔ اندھیرا گرجتا رہا۔ باہر ہوا سسکیاں بھرتی رہی اور...... خدا جانے میں کب سو گیا۔

دوسرے دن سویرے ہی میری آنکھ کھل گئی۔ مارکوس نے حیوان لوگوں کی جبلتوں کے متعلق جو باتیں کہی تھیں۔ انہیں میں بھولا نہ تھا۔ میں نے فوراً ہی جالی دار جھولے میں سے نکل کر دیکھا اور یہ اطمینان کر کے کہ وہ مضبوط ہے اور آسانی سے ٹوٹ نہیں سکتا۔ میں نے کھڑکی کی سلاخوں کا معائنہ کیا وہ بھی خاصی مضبوط تھیں۔ میری یہ حرکت بہت ممکن ہے آپ کو مضحکہ خیز، بزدلانہ معلوم ہوں۔ لیکن مارکوس کے یہ کہنے کے بعد کہ حیوان لوگوں کی فطرت نہیں بدلتی میرے دل میں ان کی طرف سے ایک طرح کا خوف جاگزیں ہو گیا تھا اور مجھے یقین تھا کہ اگر میری جگہ کوئی دوسرا ہوتا تو وہ بھی دروازے کے کواڑوں اور کھڑکی کی سلاخوں کی مضبوطی کی طرف سے مطمئن ہوئے بغیر اس کمرے میں سکون سے نہ رہ سکتا۔

دفعتہً وکرم بھاٹیہ کے سیاہ چہرے والے ملازم کی آواز سنائی دی۔ میرا ہاتھ بے اختیار پستول پر جا پڑا۔ میں نے پستول جیب میں رکھ کر ایک ہاتھ سے جیب میں ہی پکڑے رکھا اور دوسرے ہاتھ سے دروازہ کھول دیا۔

"سلام صاحب۔" اس نے وحشیانہ انداز میں کہا اور اپنے دونوں بے ڈھنگے ہاتھوں پر ناشتے کی کشتی سنبھالے کمرے میں آ گیا۔ آج ناشتے میں ایک نئی چیز شامل تھی۔ بھنا ہوا خرگوش جو بڑی ا ناڑی پن سے پکایا گیا تھا۔ وکرم بھاٹیہ اپنے حیوان ملازم کے پیچھے ہی تھا۔ اس نے میرے اس ہاتھ کی طرف دیکھا۔ جس سے میں جیب میں پستول پکڑے ہوئے تھا۔ وہ سمجھ کر مسکرانے لگا۔

تیندوا جس پر مارکوس نے تجربہ کیا تھا۔ اب آرام کر رہا تھا۔ مارکوس اس پر عمل جراحی پورا کر چکا تھا اور تیندوے کے پورے جسم پر پٹیاں کس دی گئی تھیں کہ زخم مندمل ہو جائیں اور اعضا کو جس طرح موڑا گیا ہے اسی حالت میں رہیں۔ دوسرے لفظوں میں مارکوس آج فرصت سے تھا۔ لیکن چوں کہ وہ تنہائی پسند واقع

ہوا تھا۔ اس لیے ہمارے ساتھ ناشتے میں شریک نہ ہوا۔

پہلا لقمہ منہ میں رکھتے ہی میں نے حیوان لوگوں کا ذکر چھیڑ دیا۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ کس بات نے ان وحشیوں کو مارکوس اور وکرم بھاٹیہ کو حملہ کرنے سے اب تک روکے رکھا ہے اور یہ کہ اگر واقعی ان میں وحشیانہ صفات بہ دستور موجود ہیں تو وہ آپس میں ہی کیوں ایک دوسرے کو نوچ کھسوٹ نہیں ڈالتے۔

وکرم بھاٹیہ نے بتایا کہ اس کی اور مارکوس کی سلامتی کا انحصار ان لوگوں کی محدود ذہنی قوتوں پر تھا۔ ہر چند کی ان کی سمجھ بڑھ گئی تھی اور ہر چند کہ ان کی وحشیانہ صفات بہ دستور قائم تھیں۔ لیکن مارکوس نے چند مخصوص خیالات ان کے دماغوں میں اس طرح ٹھونس دیے تھے کہ وہ کسی طرح اپنے دماغوں سے ان خیالات کو دور نہیں کر سکتے تھے۔ گویا ان کو ہپناٹائز کر لیا گیا تھا۔ ان کے ذہنوں کو جکڑ لیا گیا تھا۔ چند باتوں کے متعلق انہیں بتایا گیا تھا کہ وہ بری ہیں اور ایسا کرنے والا۔ شدید عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

اس طرح ممنوعات کی ایک طویل فہرست ان کے ذہن نشین کر دی گئی تھی۔ ان ممنوعات یا بری باتوں کی ان کی ذہنی قوتوں کے تار پود کے ساتھ اس طرح باندھ دیا گیا تھا کہ وہ ان پر غور کرلے اور ان احساسات کی خلاف ورزی کرنے کا کوئی امکان باقی نہیں رہ گیا تھا۔ تاہم بعض باتوں میں حیوان لوگوں کی جبلتیں اور مارکوس کا پیدا کردہ یقین آپس میں ٹکرا جاتے تھے اور بعض دفعہ ان کی حیوانی جبلتیں مارکوس کے پیدا کردہ یقین پر غالب آ جاتی تھیں اور وہ چوری چھپے "گناہ" کر گزرتے تھے اور اس کا علاج نہ وکرم بھاٹیہ کے پاس تھا اور نہ مارکوس کے پاس۔ وہ ان باتوں کو جنہیں حیوان لوگ قوانین کہتے تھے۔ مسلسل رٹتے رہتے تھے۔ لیکن جب ان کی حیوانیت ابھر آتی تو وہ ان قوانین کو توڑنے سے دریغ نہیں کرتے۔

چنانچہ وکرم بھاٹیہ اور مارکوس حیوان لوگوں پر کڑی نظر رکھتے اور کوشش کرتے کہ ان کے منہ کو خون نہ لگ جائے اور اسی لیے وہ دونوں بھی زیادہ تر سبزیاں ہی ابال کر کھاتے تھے۔ آپ جانیے اگر کوئی درندہ ایک دفعہ بھی خون کا مزہ چکھ لے تو وہ خونخوار بن ہی جاتا ہے اور پھر نتیجہ معلوم!

وکرم بھاٹیہ نے بتایا کہ شام ہوتے ہی گر یہ صفت حیوان لوگوں میں ان کی پرانی فطرت زور پکڑنے لگتی ہے۔ ان میں سویا ہوا درندہ پن بیدار ہو جاتا ہے اور مارکوس کے سکھائے ہوئے قوانین ان کے لاشعور میں دفن ہو جاتے ہیں اور وہ رات میں ایسے ایسے کام کر گزرتے ہیں جن کا دن میں تصور بھی نہیں کر سکتے اور مجھے اس جزیرے میں اپنی پہلی رات یاد آ گئی۔ جس چیتے جیسے آدمی نے میرا پیچھا کیا تھا اور میں اس کی کھوپڑی پر پتھر مار کر اپنے آپ کو بچا سکا تھا...... لیکن اس جزیرے میں میرے قیام کے ابتدائی دنوں میں قانون شکنی کے بہت کم نہ ہونے کے برابر واقعات ہوئے تھے۔ رات ہوتے ہی پورے جزیرے میں سکوت طاری ہو جاتا تھا۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں یہاں جزیرے کا حدود اربع اور حیوان لوگوں کے متعلق چند ضروری باتیں بتا دوں کہ آگے کہانی کے تسلسل میں فرق نہ آئے۔

یہ جزیرہ جس کا کوئی نام نہ تھا اور جس کے آس پاس میلوں تک کوئی دوسرا جزیرہ نہ تھا۔ آتش فشاں تھا۔ اس کا رقبہ تقریباً آٹھ مربع میل ہوگا۔ بعض اوقات زلزلے کے نامعلوم جھٹکے محسوس ہوتے تھے اور کبھی کبھی

چٹانوں کی کسی دراڑ سے دھواں نکلنے لگتا تھا۔ لیکن ایسا بہت کم محسوس ہوتا تھا۔ صرف گرم پانی کا چشمہ خوابیدہ کوہ آتش فشاں کی اٹل نشانی باقی رہ گیا تھا۔ جب مارکوس اور وکرم بھائیہ یہاں آئے تو یہ جزیرہ بالکل ہی ویران اور غیر آباد تھا۔

یہ نہ معلوم ہو سکا کہ مارکوس نے اس جزیرے کا کس طرح پتا لگایا۔ لیکن اب اس کی آبادی ان عجیب وغریب سانچھ یا اس سے کچھ زیادہ 'حیوان لوگوں' پر مشتمل تھی۔ اس تعداد میں وہ حیوان شامل نہیں ہیں۔ جو جھاڑیوں کی جڑوں میں رہتے ہیں اور مارکوس کے ابتدائی تجربات کا نتیجہ ہیں اس جزیرے میں آنے کے بعد سے لے کر میرے آنے تک مارکوس نے ایک سو بیس کے قریب حیوان لوگ بنائے تھے۔ جن میں سے کئی ایک طبعی موت مرے اور کئی ایک کو اس بے ہاتھ پاؤں کے خونی شیطان کی طرح مار ڈالا گیا جس کا ذکر مارکوس نے کیا تھا۔

ہاں ایک بات اور بتانا ضروری سمجھتا ہوں۔ ان حیوان لوگوں میں "عورتوں" کی تعداد بہت کم تھی اور حالاں کہ مارکوس نے حیوان لوگوں کو جنسی تعلقات سے پرہیز کی تاکید کر دی تھی۔ لیکن سال دو سال میں ان کے بچے پیدا ہو ہی جاتے تھے۔ جن میں سے اکثر پوری طرح جانور ہوتے تھے۔ چناں چہ مارکوس ان بچوں پر عمل جراحی کر کے انہیں انسانی شکل وصورت دے دیتا تھا۔ اس طرح ایک بات سے ظاہر ہوا کہ مارکوس کے تجربات حیوانوں کی تولید وتناسل پر بھی اثر انداز ہوتے تھے۔

ان حیوان لوگوں کی شکل وصورت بیان کرنا کم از کم میرے لیے ناممکن ہے۔ تاہم میں الفاظ کے ذریعہ ایک خاکہ کھینچنے کی کوشش کرتا ہوں۔ آپ اپنے تصور کی مدد سے اس میں رنگ بھر لیجیے۔ سب سے نمایاں چیز ان کے دھڑ اور ٹانگوں کی ناموزونیت تھی۔ یعنی چھوٹی مڑی ہوئی ٹانگیں آنکھیں ان کے بے ڈھنگے پن کی ایسی عادی ہو گئیں کہ مجھے خود اپنی ٹانگیں عجیب اور انوکھی معلوم ہونے لگیں اور میں اپنے آپ پر شرمانے لگا۔ دوسری نمایاں چیز ان کا اندر کو دھنسا ہوا چہرہ اور پھر ان کی کمر کا غیر انسانی جھکاؤ۔ حتیٰ کہ بندر آدمی کی کمر میں بھی وہ سیدھا پن نہیں تھا۔ جو انسان کے جسم کو خوب صورت اور باوقار بناتا ہے۔ بعض کی گردنیں گویا تھی ہی نہیں۔

چنانچہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے سر کندھوں پر دھرا ہوا ہو۔ بعض کے کندھے کچھ عجیب ڈھنگ سے اوپر کو اٹھے ہوئے تھے۔ ان کے ہاتھوں جو کبھی ان کی اگلی ٹانگیں تھیں بے جان سے لٹکتے رہتے تھے۔ کئی ایک حیوان لوگوں کے بدن پر بھورے بھورے بال تھے۔

اب رہے ان کے چہرے تو ایسا بدشکل آدمی کبھی کسی کے تصور میں بھی نہ آیا ہوگا۔ دھنسا ہوا تھا' آگے کو نکلے ہوئے جبڑے' چپٹی ناک' اور نتھنے بیچ میں سے اوپر اٹھے ہوئے' کھڑے نوک دار کان' سر پر چھوٹے چھوٹے اور اکثروں کے نرم بال اور ترچھی چمک دار آنکھیں۔ حیوان لوگ ہنس نہیں سکتے تھے۔ البتہ بندر آدمی ہونٹ پھیلا کر مسکرانے کی نقل کر لیتا تھا۔ ان مشترکہ باتوں کے علاوہ ان کے سروں کی ساخت میں تھوڑا سا مگر نمایاں فرق تھا۔ ہر حیوان آدمی کا سر اس کا اصل کا پتا دیتا تھا۔ یعنی آپ ان کے سروں کو دیکھ کر یہ معلوم کر سکتے تھے کہ یہ چیتا تھا۔ ریچھ یہ سور اور یہ نسل جس پر عمل جراحی کر کے اسے آدمی کی طرح دو ٹانگوں پر کھڑا کر دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ ان کی آوازیں بھی ایک سی نہ تھیں۔ چیتے کی آواز میں غراہٹ تھی اور سور کی

آواز میں کھڑ کھڑاہٹ اسی طرح دوسرے حیوان لوگوں کی آوازوں کو تصور کر لیجیے ان کے ہاتھ ناقص اور بے جان سے ہوتے تھے۔

ان حیوان لوگوں میں سے دو بہت خوف ناک اور خطرناک تھے۔ ایک تو وہی چیتا آدمی تھا۔ جس نے میرا تعاقب کیا تھا اور دوسرا ایک عجیب مخلوط حیوان آدمی تھا۔ جسے لکڑ بھگا سور کے اعضا جوڑ دیے گئے تھے اور پھر وہ بھورے بالوں والا آدمی تھا۔ جو کشتی لے کر آیا تھا۔

اور پھر وکرم بھائیہ کا ملازم خاص جس کا چہرہ ریچھ کا تھا اور پھر ایک دوسرا ایسا عجیب جان دار جسے بکرے اور گوریلے کے اعضا جوڑ کر بنایا گیا اور جو سانگیر (سانپوں کا دیوتا جس کی شکل انسان۔ کان، دم اور ٹانگیں بکرے کی ہوتی تھیں۔ جیسا معلوم ہوتا تھا۔ ان کے علاوہ تین سو مرد اور تین سو عورتیں' ایک گینڈا گھوڑا مرد (جو گینڈے اور گھوڑے کے اعضا کا مجموعہ تھا) اور چند دوسری حیوان عورتیں تھیں۔ جن کی اصلیت معلوم نہ کر سکا۔ اس کے علاوہ چند بھڑیے مرد ایک ریچھ آدمی' ایک 'کتا' آدمی اور پھر ایک ریچھ لومڑی تھی۔ جس کے بدن سے سخت بو اٹھتی تھی۔ اس ریچھ لومڑی عورت سے مجھے شروع ہی سے نفرت تھی۔

شروع شروع میں میں ان حیوان آدمیوں سے ڈرتا رہا۔ کیوں کہ میں جانتا تھا کہ ان کی حیوانی جبلتیں بدلی نہیں گئیں۔ لیکن رفتہ رفتہ میں ان سے مانوس ہوتا چلا گیا۔ وکرم بھائیہ ان کے ساتھ بڑا دوستانہ سلوک کرتا تھا۔ وہ اتنے عرصے سے ان کے ساتھ تھا۔

یہ بدصورت اور بے ڈھنگے حیوان آدمی اسے عام انسانوں جیسے ہی معلوم ہوتے تھے۔ مہذب زندگی اب اس کے لیے خواب وخیال بن چکی تھی۔ سال میں ایک دفعہ وہ ڈاکٹر مارکوس کے ایجنٹ کی حیثیت سے یورپ جاتا اور ضرورت کے جانور خرید کر واپس چلا آتا اور میرے خیال میں وہاں بھی وہ کسی مہذب آدمی سے نہ ملتا تھا۔

چنانچہ جب میں اس جزیرے میں آیا تو اسے بہت مسرت حاصل ہوئی۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ وکرم بھائیہ کو بعض حیوان لوگوں سے ایک خاص قسم کا لگاؤ بھی ہو گیا تھا اور ان کی بہت سی باتیں پسند تھیں۔ ابتدا میں اس نے اپنے اس رجحان کو مجھ سے چھپانے کی کوشش کی۔ لیکن زیادہ دنوں تک نہ چھپا سکا۔ میں نہیں جانتا کہ حیوان آدمیوں سے اس کے اس خاص لگاؤ کی وجہ کیا تھی۔

وکرم بھائیہ کا سیاہ چہرے والا ملازم دوسرے حیوان لوگوں کے ساتھ کہائے میں بنے ہوئے جھونپڑوں میں نہ رہتا تھا۔ بلکہ حصار کے پیچھے ایک خشک نالے میں رہتا تھا۔ ہر چند کہ یہ سیاہ چہرے والا ملازم بندر آدمی کی طرح ہوشیار نہ تھا۔ لیکن وکرم بھائیہ نے اسے ایک خاص تربیت دی تھی۔ اور وہ دیکھنے میں بھی دوسرے حیوان لوگوں سے زیادہ آدمی معلوم ہوتا تھا۔ وکرم بھائیہ نے اسے کھانا پکانے کے علاوہ دوسرے گھریلو کام بھی سکھا دیے تھے۔ یہ ملازم تین جانوروں کا مجموعہ تھا۔ ریچھ' کتا' بیل' لیکن بڑا ریچھ زیادہ تھا۔

وہ بڑا مخلص اور جان نثار تھا۔ بلکہ میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ وہ وکرم بھائیہ کی پوجا کیا کرتا تھا اور جب موخر الذکر کبھی اس کی پیٹھ تھپتھپاتا یا پیار سے اسے پکارتا تو وہ مارے خوشی کے ناچنے لگتا۔ لیکن جب وکرم بھائیہ نشے میں ہوتا تو وہ اپنے وفادار ملازم کو پیٹنے سے بھی دریغ نہ کرتا۔ لیکن وہ اپنے آقا کے قریب سے

نہ تھا۔ اسے پٹنے کی کوئی پروا نہ تھی۔ اسے تو اپنے آقا کا قرب چاہیے تھا۔ بس......

میں کہہ چکا ہوں کہ رفتہ رفتہ ان حیوان لوگوں سے مانوس ہوگیا اور ان کی وہ باتیں جو مجھے ابتدا میں غیر انسانی اور مضحکہ خیز معلوم ہوتی تھیں بعد میں ایسی نہ معلوم ہوئیں۔ اگر وکرم بھائیہ اور مارکوس اس جزیرے میں نہ ہوتے تو شاید میں بھی ان کی طرح نیم انسان اور نیم حیوان بن جاتا۔ میں جب بھی کسی حیوان آدمی کو جنگل میں لکڑیاں چیرتے یا کوئی دوسرا کام کرتے دیکھتا تو بہ مشکل اپنے آپ کو یقین دلا سکتا کہ میں اس سے مختلف اور بہتر ہوں یا پھر یوں ہوتا کہ کسی حیوان آدمی کو دیکھ کر میں سوچنے لگتا کہ اسے پہلے بھی کہیں میں نے دیکھا ہے۔

شاید اپنے وطن میں، شاید اپنے محلے میں، شاید اپنے گھر میں، اور اس خیال سے پیچھا چھڑانے اور اپنے آپ کو یقین دلانے کے لیے کہ اس حیوان آدمی کو میں نے صرف اس جزیرے میں ہی دیکھا ہے۔ لاکھ جتن کرنے پڑتے مجھے خوف ہوتا تھا کہ میں حیوان لوگوں جیسا بنتا جا رہا ہوں۔ چنانچہ ہر رات سونے سے پہلے میں اپنی ایک ایک حرکت یاد کرتا اور سوچتا کہ کہیں وہ حیوان لوگوں سے ملتی جلتی تو نہیں۔ لیکن پھر ان کی اندھیرے میں چمکتی ہوئی آنکھیں، ان کے بے ڈھنگا پن ان کے بدن پر بال، چپٹی ناک اور دھنسا ہوا ماتھا وغیرہ یاد کر کے اپنے آپ کو یقین دلا کر ہی میں سو سکتا تھا۔ لیکن خواب میں وہ بھٹ میں رہتے اور چشمے سے منہ لگا کر پانی پیتے تھے اور جب میں چونک کر اٹھتا تو میرا پورا بدن ٹھنڈے پسینے میں شرابور ہو جاتا یوں معلوم ہوتا جیسے کچھ ہونے والا تھا۔ خدا جانے کیا ہونے والا تھا۔

میں چوں کہ مصنف اور ادیب ہوں۔ اس لیے کہانی کا تسلسل قائم نہ رکھ سکا اور اس اصل قصہ سے ہٹ کر شاید بہت سے غیر ضروری اور بہت آگے کی باتیں کہہ گیا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں۔ کہ وہ باتیں جو پچھلے باب میں بیان کی گئی ہیں۔ ضروری تھیں۔ اول تو اس لیے کہ اس طرح آپ مارکوس کے بنائے ہوئے حیوان لوگوں کی خصلتوں اور خود میرے جذبات سے واقف ہو گئے ہوں گے اور دوم اس لیے کہ آگے کہیں کہانی کا سلسلہ نہ ٹوٹے گا۔

ناشتہ سے فارغ ہو کر میں وکرم بھائیہ کے ساتھ گرم چشمے کا منبع اور وہ جگہ دیکھنے گیا جہاں سے بخارات خارج ہوتے تھے۔ ہم دونوں کے ہاتھوں میں لمبے لمبے چابک تھے اور جیبوں میں بھرے ہوئے پستول، جنگل میں سے گزرتے وقت ہم نے خرگوش کی آواز سنی وہ بڑی خوف زدہ آواز میں "چیں چیں" کر رہا تھا۔ ہم رک کر سننے لگے لیکن پھر کوئی آواز سنائی نہ دی۔ اس لیے آگے بڑھ گئے۔ چند عجیب طرح کے چھوٹے چھوٹے جانور جن کا رنگ پیلا اور پچھلی ٹانگیں لمبی تھیں۔ ایک جھاڑی میں سے نکلے اور پھدکتے ہوئے دوسری جھاڑی میں گھس گئے۔

وکرم بھائیہ نے بتایا کہ یہ مارکوس کے بنائے ہوئے ابتدائی نمونوں کے بچے تھے۔ لیکن ان میں خراب عادت تھی کہ خود اپنے ہی بچوں کو کھا جاتے تھے۔ ان جانوروں کو پہلی بار میں نے اس رات دیکھا تھا جب چیتا آدمی میرا پیچھا کر رہا تھا اور دوسری دفعہ گزشتہ کل ہی دیکھا تھا۔ جب میں حصار سے فرار ہو گیا تھا۔ ان میں سے ایک جانور ایک گرے ہوئے درخت کی جڑ میں گھس گیا تھا۔ وکرم بھائیہ نے آگے بڑھ کر

اسے پکڑ لیا۔ وہ بلی کی طرح غرانے اور پچھلی ٹانگیں چلانے لگا ایک دفعہ اس نے میری کلائی پر کاٹ بھی لیا۔ لیکن اس کے دانت اتنے چھوٹے تھے کہ مجھے معلوم نہیں ہوا۔ وکرم بھائیہ نے بتایا کہ یہ جانور خاصا "نفاست پسند" واقع ہوا ہے اور کیچڑ وغیرہ میں اپنا بل نہیں بناتا۔

چشمے کے منبع تک جاتے وقت ہم نے ایک درخت پر ناخنوں کے نشانات دیکھے۔ کسی حیوان آدمی نے اپنے ناخن تیز کیے تھے۔ وکرم بھائیہ نے میری توجہ ان نشانات کی طرف مبذول کرائی۔

"قانون کی رو سے درختوں پر ناخن گھسنا اور چھال چھیلنا گناہ ہے۔" اس نے کہا۔ "اور تم دیکھ ہی رہے ہو کہ حیوان لوگ اس قانون کا کتنا لحاظ کرتے ہیں۔"

"مجھے ٹھیک سے یاد نہیں لیکن کچھ دھندلا سا احساس ہے کہ اس درخت سے چند قدم آگے ہی ہماری ملاقات سالمیر (بکرے اور گوریلے کا مجموعہ) اور بندر آدمی سے ہوگئی۔ ان دونوں نے بڑے ادب سے وکرم بھائیہ کو سلام کیا۔

"سلامتی ہو ان دونوں پر جو چابکیں رکھتے ہیں۔"

"اور اب تیسرا چابک والا بھی آ گیا ہے۔" وکرم بھائیہ نے میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "چنانچہ اب کبھی کوئی شرارت نہ کرنا۔"

"تو کیا اسے بتایا نہیں گیا؟" بندر آدمی نے پوچھا۔ "تو کہہ رہا تھا اسے بھی آقا بنایا ہے۔"

سالمیر نے کچھ عجیب نظروں سے مجھے دیکھا اور پھر بولا۔

"اس تیسرے چابک والے کا جو سمندر میں گھس جاتا ہے۔ چہرہ بہت پتلا اور سفید ہے۔"

"ہاں لیکن اس کے ہاتھ میں پتلا چابک ہے۔ جس کا ایک ہی لڑا کا چمڑی ادھیڑ دیتا ہے۔" وکرم بھائیہ بولا۔

"لیکن کل اس کے بدن سے خون اور آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔" سالمیر نے کہا "تم اور تمہارا آقا ایسا کبھی نہیں کرتے۔"

"زیادہ بک بک نہ کرو۔" وکرم بھائیہ نے ڈانٹ کر کہا۔

"خود تمہارے بدن سے خون اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگیں گے۔"

"لیکن اس کی پانچ انگلیاں ہیں۔" بندر آدمی بولا۔ "یہ مجھ جیسا ہی تو ہے۔"

"دانش ابراہیم چلو یہاں سے۔" وکرم بھائیہ نے جھنجلا کر کہا اور ہاتھ پکڑ کر مجھے آگے گھسیٹ لیا۔

"لیکن وہ بولتا نہیں ہے۔" سالمیر نے کہا۔ "آدمیوں کی تو آواز ہوتی ہے وہ بولتے ہیں۔"

"کل اس نے مجھ سے کھانے کی کوئی چیز مانگی تھی۔" بندر آدمی نے کہا۔ "وہ کھانے کی چیزوں سے بھی واقف نہیں۔"

"پھر خدا جانے وہ کیا کہتے رہے۔ میں نے سالمیر کے ہنسنے کی آواز سنی یا یوں کہیے کہ قہقہہ نما آواز سنی کیوں کہ وہ لوگ جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں ہنسنا جانتے ہی نہ تھے۔ یا ہنس نہ سکتے تھے۔"

اور جب ہم گرم پانی کے منبع اور وہ دراز جہاں سے بخارات نکلتے تھے۔ دیکھ کر لوٹ رہے تھے تو

ہمیں جنگل میں ایک مردہ خرگوش پڑا ملا۔ اس کے صحیح معنوں میں چیتھڑے اڑا دیے گئے تھے۔ سینے پر کا گوشت غائب تھا اور ریڑھ کی ہڈی چبا ڈالی گئی تھی۔

"ارے!" وکرم بھاٹیہ مردہ خرگوش دیکھ کر دم بخود رہ گیا۔ پھر اس نے اپنی ٹانگ سے خرگوش کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور بڑبڑایا۔ "اف دانش ابراہیم۔ اس سے تم کیا نتیجہ اخذ کرتے ہو؟"

"معلوم ہوتا ہے تمہارے کسی گوشت خور حیوان آدمی کی پرانی عادت عود کر آئی ہے۔" میں نے جواب دیا۔ "دیکھ نہیں رہے ہو اس کی ریڑھ کی ہڈی چبائی گئی ہے اور سینے کا گوشت کھا لیا گیا ہے۔"

"وکرم بھاٹیہ چند ثانیوں تک سکتے کے عالم میں کھڑا رہا اس کا رنگ سفید ہو رہا تھا اور ہونٹوں کے کونے کانپ رہے تھے۔"

"یہ بہت برا ہوا ابراہیم!" اس نے لرزاں آواز میں کہا۔

"میں پہلے بھی ایک مردہ خرگوش دیکھ چکا ہوں۔"

"کب......؟"

"جس دن یہاں آیا تھا۔"

"کیا دیکھا تھا تم نے......؟"

"ایک مردہ خرگوش جس کا سر دھڑ سے الگ پڑا تھا۔"

"تم نے کیا کہا۔ جس دن تم یہاں آئے تھے۔"

"ہاں اسی دن شام کو میں تیندوے کی چیخوں سے گھبرا کر اپنے کمرے سے نکل آیا تھا اور بے سوچے سمجھے جنگل میں جا گھسا تھا۔ جھاڑیوں کے اس جنگل میں جو حصار کے پیچھے ہے اور وہیں میں نے مردہ خرگوش دیکھا تھا۔ اس کا سر دھڑ جسم سے جدا پڑا تھا۔

وکرم بھاٹیہ کے منہ سے حیرت اور خوف کی ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

اور میں یہ بھی بتا سکتا ہوں کہ تمہارے کون سے حیوان آدمی کا یہ کام ہو سکتا ہے۔ یقین سے تو نہیں کہہ سکتا۔ لیکن مجھے اسی پر شک ہے۔ کیوں کہ میں نے اسے چشمے سے پانی پیتے دیکھا تھا۔

"یعنی منہ لگا کر۔"

ہاں!

"قانون کی رو سے اس طرح سرپنا گناہ ہے۔ لیکن معلوم ہوا کہ جب مارکوس! ان حیوان لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہوتا ہے تو وہ قانون شکنی سے نہیں ڈرتے۔"

"اور اسی حیوان آدمی نے میرا پیچھا کیا تھا۔"

"بے شک یہ اسی کا کام ہوگا۔ کیوں کہ تم تو جانتے ہو کہ گوشت خور جانور اپنا شکار کھانے کے بعد پانی پیتا ہے...... یہ بہت برا ہوا...... اس کے منہ کو خون لگ گیا ہے یہ برا ہوا۔"

اور اس نے اپنے چاروں طرف دیکھا کہ شاید وہ خون کشیدہ حیوان آدمی کہیں قریب ہی چھپا ہوا نظر آ جائے۔

"ابراہیم! اگر تم اسے دوبارہ دیکھو تو کیا پہچان لو گے؟"

وکرم بھاٹیہ نے پوچھا۔ جیب سے پستول نکال کر اس نے اس کا معائنہ کیا اور یہ اطمینان کر کے کہ وہ پورا بھرا ہوا ہے۔ اسے پھر جیب میں رکھ لیا۔

"بے شک پہچان لوں گا جب وہ میرا پیچھا کر رہا تھا۔ تو میں نے اسے ایک پتھر مار کر بے ہوش کر دیا تھا۔ اس کے ماتھے پر زخم کا نشان ہوگا۔"

"لیکن پھر ہمیں ثابت کرنا ہوگا۔" وہ خرگوش کے پاس کھڑا رہا تھا مگر میں نے گھوم کر اس کی طرف دیکھا۔ "نہ دیکھا ہوتا تو شاید میں اکیلا آگے نکل کر پھر کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا۔"

"اب چلو گے بھی یا یہیں کھڑے خرگوش کا ماتم کرتے رہو گے؟" میں نے کہا اور جیسے وہ چونک پڑا۔ آہستہ آہستہ چل کر میرے قریب آیا اور نہایت نیچی آواز میں بولا۔

"تم جانتے ہو دانش! کہ حیوان لوگوں کو ہر قسم کے گوشت سے نفرت دلا دی گئی ہے لیکن اگر کسی نے خون چکھ لیا ہے تو......"

اور وہ خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر تک ہم دونوں خاموشی سے چلتے رہے۔

"حیران ہوں کہ کیا ہوا ہوگا؟" اس نے گویا اپنے آپ سے کہا۔ "کل مجھ سے بھی ایک حماقت ہو گئی۔ میں نے اپنے ملازم کو خرگوش صاف کرنے کی ترکیب بتائی تھی اور پھر میں نے اسے ہاتھ چاٹتے دیکھا تھا۔ اُفوہ! میرے وہم گمان میں بھی یہ بات نہ تھی۔ بڑی غلطی ہو گئی یار!"

خاموشی کا طویل وقفہ رہا۔

"لیکن ہمیں اس معاملے کو زیادہ بڑھنے نہیں دینا چاہیے ورنہ...... میں مارکوس سے کہوں گا۔"

اور ڈاکٹر مارکوس نے بھی اس معمولی سی بات کو (یہ میرے نزدیک ایک معمولی سی بات تھی) بہت زیادہ اہمیت دی۔

"ہمیں اس بیک خون چشیدہ کو عبرتناک سزا دینی چاہیے۔ تاکہ دوسرے ایسی حرکت نہ کریں۔" مارکوس نے کہا۔ "یقیناً یہ چیتے آدمی کا ہی کام ہے۔ لیکن ہم اس کا جرم کس طرح ثابت کریں گے؟ کاش کہ تم گوشت سے پرہیز کرتے۔ وکرم بھاٹیہ تمہاری یہ لت ایک نہ ایک دن ہم پر تباہی لے آئے گی۔"

"میں بے وقوف گدھا ہوں اور کیا کہوں؟" وکرم بھاٹیہ نے کہا۔ "جو کچھ ہونا تھا ہو چکا...... اور خود تم نے مجھے گوشت کھانے کی اجازت دی تھی۔"

"بہر حال ہمیں فوراً اس معاملے کو ختم کر دینا چاہیے مارکوس نے کہا۔" وکرم بھاٹیہ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہو گئی تو تمہارا ملازم کیا ہمارا ساتھ دے گا؟"

"میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا۔" وکرم بھاٹیہ نے کہا۔

اور دوپہر کا کھانا کھا کر میں، مارکوس وکرم بھاٹیہ اور ہمارا ریچھ ملازم حصار سے نکل کر جنگل کی طرف چلے۔ غالباً یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہم تینوں کے ہاتھ میں چابک تھے اور ریچھ ملازم کے ہاتھوں میں ایک آہنی تاروں کا بنڈل اور دوسرے ہاتھ میں لکڑیاں چیرنے کی کلہاڑی لیے تھا۔ ڈاکٹر مارکوس اپنے ایک

کندھے سے ایک نرسنگا لٹکائے ہوئے تھے۔

اور پھر جنگل میں ٹہنیاں چٹخنے کی آوازیں آئیں۔ پھر پیروں کی چاپ سنائی دی۔ پھر بھنبھناہٹ کی آوازیں آنے لگیں اور تین چار منٹ بعد ہی بدصورت حیوان لوگ ہر چہار طرف کی جھاڑیوں میں سے نکل نکل کر میدان میں آنے لگے۔ ان لوگوں کو دیکھ کر میں اپنے دل میں خوف کی لہر محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا لیکن مارکوس اور وکرم بھاٹیہ اپنی جگہ بڑے پرسکون اور اطمینان سے کھڑے تھے۔ سب سے پہلے مجھے سالمیر نظر آیا۔ پھر ٹہنیوں کو توڑتا اور جھاڑیوں کو روندتا وہ زبردست اور عجیب حیوان آدمی جو گینڈے اور گھوڑے کا مجموعہ تھا۔ پھر دو سور عورتیں اور پھر دو ریچھ لومڑی عورت آئی۔ جس کی آنکھیں سرخ تھیں اور جس کے بدن سے سخت بدبو اٹھتی تھی اور پھر دوسرے حیوان لوگ۔ ایک ایک کر کے آ گئے اور آتے ہی انہوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

''وہی ہے جو بناتا ہے اور وہی ہے جو مٹاتا ہے۔''

وہ ہم سے کوئی تین گز دور رک گئے اور زمین پر سے خاک اٹھا اٹھا کر اپنے ماتھے پر چڑھانے لگے۔ ہم تینوں اپنے ریچھ کے ساتھ ان بھیانک حیوان لوگوں میں کھڑے تھے۔

''اکسٹھ باسٹھ تریسٹھ'' مارکوس نے انہیں شمار کیا۔ ''اور چار دوسرے کہاں ہیں؟''

''چیتا آدمی بھی غائب ہے۔'' میں نے کہا۔

''مارکوس نے نرسنگا پھونکا اور حیوان لوگ انتہائی خوف کے عالم میں سجدہ ریزہ ہو گئے اور پھر بید کے جنگل میں سرسراہٹ ہوئی اور فوراً ہی چیتا آدمی نکل کر سامنے آ گیا۔ اس نے مارکوس کو سجدہ کیا اور پھر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ میں نے دیکھا اس کا ماتھا زخمی تھا۔ سب سے آخر میں بندر آدمی آیا اور اب اس میدان میں پورے جزیرے کے لوگ جمع تھے۔

''بیٹھ جاؤ۔'' مارکوس نے کہا اور فوراً ہی بھورے بالوں والے قانون گو نے بڑھ کر سجدہ کیا۔

''قانون کہو۔'' مارکوس نے حکم دیا۔

اور قانون گو قانون کہنے اور دوسرے حیوان لوگ ایک کورس میں اس کے کہے ہوئے الفاظ دہرانے لگے اور جب انہوں نے کہا۔ ''گوشت اور مچھلی کھانا گناہ ہے کیوں کہ ہم آدمی ہیں۔'' تو مارکوس نے فوراً اپنا ہاتھ اٹھا کر انہیں خاموش ہو جانے کا حکم دیا اور اس میدان میں موت کی سی خاموشی چھا گئی۔ میرے خیال میں ان لوگوں نے سمجھ لیا تھا کہ کیا ہونے والا ہے۔ کیوں کہ ان میں سے ہر ایک کے چہرے سے خوف وہراس کے آثار ہویدا تھے۔

''یہ قانون توڑا گیا ہے۔'' مارکوس نے رعب دار آواز میں کہا۔

''کوئی نہیں بچ سکتا۔'' ایک حیوان آدمی نے کہا جس کے بدن پر سفید بال تھے۔

''کوئی نہیں بچ سکتا۔'' حیوان لوگوں نے سجدہ ریز ہو کر دہرایا۔

''کون ہے وہ؟'' اس نے پھر کڑک کر پوچھا۔

''جانور ہے وہ قانون توڑتا ہے۔'' حیوان لوگوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

مارکوس نے چیتے آدمی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ وہ اسے گھورتا ہی رہا۔ مارکوس کی تیز تیز

نظر چیتے آدمی کی روح کو چھید رہی تھی کہ موثر انداز کر بے چین ہوا تھا۔

''جو قانون توڑتا ہے۔'' مارکوس نے ہماری طرف گھومتے ہوئے کہا۔ ''وہ عذاب میں مبتلا ہوتا ہے۔'' حیوان لوگ بولے۔

''اسے دارالعقوبت میں پہنچا دیا جاتا ہے۔'' بندر آدمی بولا۔ ''سنا تم نے..... اس لیے۔'' مارکوس نے چیتے آدمی کی طرف گھومتے ہوئے کہا۔

''اس عرصے میں جب کہ مارکوس کا چہرہ ہماری طرف تھا۔ چیتا آدمی کھڑا ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں انگارہ ہو رہی تھیں۔ اس کے ہونٹ دانتوں میں کھنچ گئے تھے اور اس کے نوک دار مڑے ہوئے دانت نظر آ رہے تھے۔ جیسے ہی مارکوس اس کی طرف گھوما۔ چیتے آدمی نے یکایک اس کی طرف حملہ کر دیا۔ ایک انجانا اور بے بنیاد خوف ہی حیوان لوگوں کو مارکوس اور وکرم بھاٹیہ پر حملہ کرنے سے روکے ہوئے تھا۔ لیکن اب چیتے آدمی نے اس کی ہمت کر ڈالی۔ تو وہ سب بھی نیم دائرہ بنا کر ہماری طرف بڑھے یا خدا جانے مجھے ایسا معلوم ہوا۔ میں نے جلدی سے اپنا پستول نکالا اور آگے بڑھتے ہوئے حیوان لوگوں پر اندھا دھند تین گولیاں چلا دیں دو حیوان آدمی مردہ ہو کر گرے اور دوسرے جہاں تھے۔ وہیں کھڑے ہو گئے۔

عین اس وقت میں نے مارکوس کو گرتے اور پھر لڑھکنیاں کھاتے ہوئے دیکھا۔ چیتے آدمی نے اس کے منہ پر بڑے زور کا تھپڑ رسید کیا تھا۔ دفعتہً حیوان لوگ چیخنے چلانے لگے اور میں سمجھا کہ وہ بغاوت پر آمادہ ہیں۔

چیتا آدمی بگولے کی سی تیزی سے میرے قریب سے گزرا وکرم بھاٹیہ کا ریچھ ملازم اس کا تعاقب کر رہا تھا اور اس وقت میں نے دیکھا کہ لگڑ بگھے آدمی کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے وہ حملہ کرنے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ سالمیر بھی غصہ وار نظروں سے مجھے گھور رہا تھا اور عین اسی وقت جب کہ ہماری قسمتوں کا فیصلہ ہو جانے والا تھا۔ دفعتہً مارکوس کا پستول گرجا اور گولی حیوان لوگوں کے سروں پر سنسناتی ہوئی گزر گئی اور وہ لوگ میکانکی طور سے گھوم گئے۔ جس طرف کو گولی گئی تھی۔ میں بھی اس کے ساتھ ساتھ جیسے کسی مقناطیسی کشش سے اسی طرف گھوم گیا اور دوسرے ہی لمحے چیختے چلاتے حیوان لوگوں کے ساتھ چیتے کا تعاقب کر رہا تھا۔

وکرم بھاٹیہ کا ریچھ ملازم ہم سے بہت آگے اور بھاگتے ہوئے مجرم کے بہت قریب تھا اور اس کے پیچھے بھیڑیا عورتیں اپنی زبان لٹکا کر بھاگ رہی تھیں۔ ان کے پیچھے سور مرد تھے۔ جو انتہائی خوشی کے عالم میں ''غرغر'' کر رہے تھے۔ ان کے پیچھے سفید جلد والے نیل آدمی تھے اور مارکوس بہت سے حیوان لوگوں کے حلقے میں بھاگ رہا تھا اور ہاتھ میں بھرا ہوا پستول لیے تھا اور اس کے سفید بے ترتیب بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔ لگڑ بھگا آدمی میرے شانہ بشانہ بھاگ رہا تھا اور وہ بار بار کنکھیوں سے میری دیکھ رہا تھا اور شاید اس کے منہ میں پانی بھر آتا تھا اور ہمارے پیچھے دوسرے حیوان آدمی تھے۔

چیتا آدمی بید کے جنگل میں گھستا چلا گیا۔ جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں کہ وکرم بھاٹیہ کا ریچھ ملازم اس کے بہت قریب تھا۔ چنانچہ چیتا آدمی اپنے ہاتھوں میں بید کی ٹہنیاں پکڑ کر چھوڑتا جاتا۔ جو ریچھ ملازم کے

چہرے پر چنا چٹ لگتی تھیں۔ لیکن موخرالذکر بڑی دلیر۔ ۔ ۔ سے اس کا تعاقب کرتا رہا۔ بید کے جنگل کے بعد کوئی پاؤ میل تک کھلا میدان تھا اور میدان کے دوسرے کنارے سے پھر جھاڑیوں اور درختوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ چیتا آدمی اس کے پیچھے ہم اس جنگل میں گھسے یہ جنگل گھنا تھا۔ لٹکتی ہوئی بیلیں ہماری گردنوں سے لپٹ لپٹ جاتی تھیں اور خاردار جھاڑیاں نہ صرف کپڑے پھاڑ رہی تھیں۔ بلکہ جسم کو زخمی بھی کر رہی تھیں۔ لیکن چیتے آدمی کو اس کے جرم کی سزا دینا ضروری تھا۔ تاکہ ہم محفوظ رہ سکیں۔ چنانچہ ہم اس کے تعاقب سے باز نہ آئے۔

''دیکھا وہ کم بخت یہاں سے چاروں ٹانگوں سے دوڑتا ہوا گیا ہے۔'' مارکوس نے کہا۔ جواب مجھ سے ذرا ہی آگے تھا۔

''کوئی بچ نہیں سکتا۔'' اس حیوان آدمی نے کہا جو بھیڑیے اور ریچھ کا مجموعہ تھا۔

اس گھنے جنگل سے نکلے تو ہم ایک سنگستانی اور ناہموار میدان میں تھے اور اب ہم مجرم کو بہ خوبی دیکھ سکتے تھے۔ وہ چاروں ٹانگوں پر بڑی سبک رفتاری سے بھاگ رہا تھا۔ وہ بار بار گردن گھما کر ہماری طرف دیکھ لیتا تھا۔ وہ اب تک کپڑے پہنے تھے۔ چہرے سے تھوڑا بہت آدمی بھی معلوم ہوتا تھا۔ لیکن وہ چار ٹانگوں پر چیتے کی طرح تیز رفتاری سے بھاگ رہا تھا اور اس کے کندھے بھی چیتے کی طرح ہی حرکت کر رہے تھے۔

اس نے ہوا میں ایک زبردست چھلانگ لگائی اور زرد رنگ کی خاردار جھاڑیوں کے پیچھے جا کر ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ وکرم بھاٹیہ کا ریچھ ملازم ان جھاڑیوں سے زیادہ دور نہ تھا۔

ہم میں سے کئی ایک کے بھاگنے کی رفتار اب پہلی سی نہ رہی تھی۔ کیوں کہ ہم تھک گئے تھے اور اب ہم نیم دائرے میں بھاگنے کے بجائے ایک قطار میں بھاگ رہے تھے۔ لکڑ بگھا آدمی اب بھی میرے ساتھ ساتھ دوڑ رہا تھا۔ وہ بار بار کن انکھیوں سے میری طرف دیکھتا اور اس کی تھوتھنی کا گوشت کانپنے لگتا۔ اس کے حیوانی دماغ میں خدا جانے کون سے خیالات پروان چڑھ رہے تھے۔

چیتا آدمی اس راس کی طرف بھاگا جہاں سے اس نے میرا تعاقب شروع کیا تھا اور وہ اس جزیرے میں میری پہلی رات تھی۔ ہم نے اپنی رفتار تیز کر دی اور خدا جانے مجھ میں اتنی قوت کہاں سے آ گئی کہ میں ٹھوکریں کھاتا اور جھاڑیوں میں الجھتا سب سے آگے نکل آیا لیکن نہ اس قدر آگے کہ میں تعاقب کرنے والوں سے الگ اور ان کی نظروں سے اوجھل ہوتا۔ میں اندھا دھند بھاگ رہا تھا اور میرا دل اس بری طرح دھڑک رہا تھا۔ جیسے ابھی پسلیاں توڑ کر باہر نکل آئے گا۔ لکڑ بگھا آدمی بہ دستور میرے ساتھ دوڑ رہا تھا اور فرط انبساط سے غرا رہا تھا۔

اور آخر کار تعاقب ختم ہوا ہم نے مجرم کو جزیرے کی سنگستانی کونے میں گھیر لیا۔ مارکوس نے چابک بجایا اور ہم صف بستہ ہو کر آہستہ آہستہ آگے بڑھے۔ حیوان لوگ اتنا شور مچا رہے تھے کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ ہم اپنا حلقہ تنگ کرتے گئے۔ چیتا آدمی جھاڑیوں میں چھپا ہوا تھا اور ہم اسے دیکھ نہ سکتے تھے اور ہماری صف کے دونوں سرے جھاڑیوں کی دوسری طرف آپس میں مل گئے مجرم اب ہمارے نرغے میں تھا۔

''ہوشیار...... سنبھل کے کہیں وہ اچانک حملہ نہ کر دے۔'' جھاڑیوں کی دوسری طرف سے وکرم بھاٹیہ کی آواز سنائی دی۔ میں ایک بلند مقام پر تھا اور وکرم بھاٹیہ اور مارکوس جھاڑیوں کے دوسری طرف نشیب

میں۔ آہستہ آہستہ ہم اپنا دائرہ تنگ کرتے گئے۔ چیتا آدمی جو گنجان اور قد آدم جھاڑیوں میں کہیں چھپا ہوا تھا اور خاموش تھا۔

اور جب میں ڈھلان اتر رہا تھا تو میں نے اسے دیکھ لیا وہ دو جھاڑیوں کے بیچ میں دبکا ہوا تھا۔ اس کی چمک دار آنکھیں مجھ پر گڑی ہوئی تھیں۔ میں چلتے چلتے رک گیا۔

''دار العقوبت...... دار العقوبت'' جھاڑیوں کے پیچھے سے بندر آدمی کی آواز سنائی دی۔

اور میں نے سوچا کہ اس چیتے آدمی کو پھر سخت اذیت پہنچائی جائے گی۔ وہ پھر مارکوس کی تجربہ گاہ میں میز پر تڑپے گا۔ ہر چند کہ وہ خطرناک تھا۔ ہر چند کہ وہ چیتے کی طرح جھاڑیوں میں دبکا ہوا تھا۔ لیکن نیم انسان تو تھا کم از کم درد اور تکلیف محسوس کرنے کی صلاحیت تو رکھتا تھا۔ اس کی حالت پر رحم آ گیا۔ چنانچہ میں نے اپنا پستول نکالا اور مجرم کی پیشانی کو نشانہ بنا کر گولی چلا دی۔

اس عرصے میں لکڑ بگھے آدمی نے اس کو دیکھ لیا تھا۔ وہ خوشی کی ایک چیخ کے ساتھ آدمی پر جھپٹا اور اپنے خوں خوار دانت اس کے حلق میں پیوست کر دیے۔ میرے چاروں طرف جھاڑیوں میں ایک ہلچل سی مچ گئی اور حیوان لوگ آگے کی طرف گھس آئے۔

''ابراہیم! ہم اسے زندہ گرفتار کرنا چاہتے ہیں۔'' مارکوس چلایا اور حیوان لوگوں کو دھکیلتا ہوا آگے بڑھ آیا۔

لکڑ بگھا آدمی اب تک چیتے آدمی کو دبوچے ہوئے تھا۔ مارکوس نے چابک مار مار کر اسے وہاں سے ہٹایا وکرم بھاٹیہ اپنے ریچھ ملازم اور دوسرے حیوان لوگوں کو چیتے آدمی سے جو اب تڑپ رہا تھا۔ دور رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن وہ تھے کہ مارے اشتیاق کے آگے ہی آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ بھورے بالوں والا قانون کو پھنکار کر آگے بڑھ آیا اور جھک کر تڑپتے ہوئے چیتے آدمی کو دیکھنے لگا۔

''ابراہیم! لعنت ہے یار! ہم اسے گرفتار کرنا چاہتے تھے۔'' مارکوس نے کہا۔

''مجھے افسوس ہے کہ گھبراہٹ میں، میں نے گولی چلا دی۔'' میں نے کہا۔ حالاں کہ حقیقت یہ نہ تھی۔ تھکن اور اشتعال نے مجھے نیم جاں سا کر دیا تھا۔ چنانچہ میں پلٹا اور حیوان لوگوں کے ہجوم میں سے راستہ بناتا ڈھلان کی چوٹی کی طرف چلا۔ میں تنہائی چاہتا تھا۔ یہ ڈھلان چڑھتے وقت میں نے مارکوس کی آواز سنی تھی۔ وہ حیوان لوگوں کو کچھ ہدایات دے رہا تھا۔ میں نے گردن گھما کر دیکھا۔ تین بیل آدمی چیتے آدمی کی لاش گھسیٹتے ہوئے سمندر کی طرف لے جا رہے تھے اور دوسرے حیوان لوگ ان کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔

میں نے ڈھلان کی چوٹی پر پہنچ کر پیچھے دیکھا۔ حیوان لوگوں کا ہجوم ساحل پر منتظر کھڑا تھا اور تینوں بیل آدمی چیتے آدمی کی لاش کو کندھوں پر اٹھائے سمندر میں اتر پڑے تھے اور آج پہلی دفعہ مجھے احساس ہوا کہ جزیرے کے حالات معمول پر نہ تھے۔ نمایاں طور پر نہ سہی لیکن حالات میں خفیف تغیر ضرور ہوا تھا۔ میں نے حیوان لوگوں کی آنکھوں میں بغاوت کی چنگاری دیکھی تھی۔ حالاں کہ اس وقت وہ وکرم بھاٹیہ اور مارکوس کو اپنے حلقے میں لیے جھوم جھوم کر قانون کے الفاظ دہرا رہے تھے۔ لیکن مجھے شک ہو گیا تھا۔ کہ چیتے آدمی کے

مارکوس پر حملہ کرنے کے بعد ان حیوان لوگوں کے دلوں کی حالت مختلف ہو گئی تھی۔

مجھے یقین ہو گیا تھا کہ لنگڑے گنجے آدمی کے منہ کو بھی خون لگ گیا تھا۔ وہ چیتے آدمی کے جرم میں برابر کا شریک تھا اور اس وقت وہ ایک پتھر پر کھڑا جھوم جھوم کر قانون کہہ رہا تھا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ اپنے قریب کھڑے ہوئے بندر آدمی سے سرگوشیاں بھی کرتا جاتا تھا۔ خدا جانے کیا بات تھی کہ فضا میں خوف سا محسوس ہو رہا تھا اور خطرے کی بو پا رہا تھا۔ میں نے نشیب کی طرف نظر کی۔ سرسبز جنگلات اور ان کے پیچھے مچلتا ہوا سمندر۔ لیکن وہ مسحور کن منظر اس وقت مجھے بھیانک معلوم ہوا اور وہ جزیرہ موت کا جزیرہ۔ کچھ ہونے والا تھا۔ کیا؟ اس سوال کا جواب میرے پاس نہ تھا۔ لیکن میری چھٹی حس بتا رہی تھی کہ کچھ ہونے والا تھا۔

اس جزیرے میں آئے ہوئے مجھے چھ ہفتے ہوئے تھے کہ مارکوس اور اس کے تجربات سے نہ صرف تھک گیا بلکہ مجھے اس سے نفرت بھی ہو گئی۔ میں نہیں جانتا کہ ایسا کیوں ہوا۔ حالاں کہ مارکوس میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کرتا تھا۔ شاید اس خیال نے کہ اس کے تجربات بڑے انسانیت سوز تھے اور وہ جانوروں کو سخت اذیت پہنچاتا تھا۔ مجھے اس سے متنفر کر دیا تھا اور نفرت کا یہ جذبہ میرے دوسرے تمام جذبات پر حاوی تھا۔ چنانچہ اب مجھے ایک خیال آیا تھا۔ کسی بھی طرح شیطانوں کے اس جزیرے سے نکل کر انسانوں میں پہنچ جاؤں اور مجھے اپنے پر رونق بازاروں اور دوستوں کی یاد ستانے لگی۔

اس جزیرے میں میرا کوئی دوست نہ تھا۔ آپ کہیں گے وکرم بھاٹیہ تو تھا۔ تو عرض ہے کہ ہماری دوستی گہری نہ تھی۔ بلکہ ایسی تھی جیسے ہمارے یہاں "صاحب سلامت" کہتے ہیں اور سبب اس کا غالباً یہ تھا کہ وکرم بھاٹیہ کوئی گیارہ سال سے حیوان لوگوں میں رہ رہا تھا اور وہ مجھ سے زیادہ انہی حیوان لوگوں سے ملتا تھا۔ پھر اسے شراب کی بری لت تھی۔ خیر اس کی اس لت کو برداشت کر لیتا۔ لیکن حیوان لوگوں سے اس کی دوستی مجھے بری طرح کھٹکتی تھی۔ چناں چہ کئی دفعہ وہ اکیلا ہی ان سے ملنے چلا گیا۔ کیوں کہ میں حیوان لوگوں سے حتی الامکان دور ہی دور رہنے کی کوشش کرتا تھا۔ میرا زیادہ تر وقت ساحل پر گزرتا تھا تاکہ میں جزیرے کو خیر باد کہہ سکوں۔ لیکن کوئی جہاز نہ آیا۔ یہاں تک کہ ایک دن ہم پر ایک آفت ٹوٹ پڑی۔ جس نے صورت حال کو حد سے زیادہ نازک بنا دیا تھا۔

اس جزیرے میں آئے ہوئے مجھے ساتواں یا آٹھواں ہفتہ تھا کہ وہ بھیانک حادثہ ہوا اور اس وقت اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کر رہا تھا تو صبح کے چھ بجے ہوں گے۔ تین حیوان آدمی جنگل سے لکڑیاں گھسیٹ گھسیٹ کر حصار میں لا رہے تھے اور اس گڑبڑ سے میری آنکھ کھل گئی۔ ورنہ عموماً میں سات بجے اٹھا کرتا تھا۔

ناشتے سے فارغ ہو کر حصار کے صدر دروازے میں جو اس وقت کھلا تھا۔ کھڑا سگریٹ پی رہا تھا کہ مارکوس گنگناتا باہر سے آیا۔ اس نے مسکرا کر مجھے صبح بخیر کہا اور ایک لمحہ بھی رکے بغیر حصار میں چلا گیا۔ فوراً ہی میں نے تالے میں کنجی گھومنے کی آواز سنی۔ میں نے گردن گھما کر دیکھا کہ مارکوس اپنے آپریشن ہال کا دروازہ کھول رہا تھا۔ اس جزیرے اور خصوصاً اس حصار میں ان سات آٹھ ہفتوں کے قیام نے میرا دل بھی اتنا سخت کر دیا تھا کہ اب تیندوے کی چیخیں مجھے اتنا پریشان نہ کرتی تھیں۔ چنانچہ جب تیندوے نے ایک دفعہ مڑ کر دیکھا تک نہیں کہ کیا ہو رہا تھا۔ لیکن ایک بات محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔ تیندوے کی چیخ میں آج کوئی نئی بات تھی جیسے کوئی لڑاکا عورت انتہائی غصے کے عالم میں چیخی ہو۔

اور پھر جو کچھ ہوا۔ آج تک میں یہ نہ سمجھ سکا کہ کیا تھا۔ بہر حال میں نے پہلے ایک دل ہلا دینے والی چیخ اور پھر کسی کے گرنے کا دھماکہ سنا۔ مڑ کر دیکھا تو ایک بھیانک چہرہ مجھ پر دھنسا چلا آ رہا تھا اور عجیب چہرہ تھا وہ جو نہ انسان تھا اور نہ کسی جانور کا۔ بلکہ کسی دوزخی عفریت کا سا بھورا اور شاخ در شاخ خراشوں سے پڑ جس سے خون کے سرخ سرخ قطرے ٹپک رہے تھے اور بے پپوٹوں کی آنکھیں انگاروں کی طرح چمک رہی تھیں۔ وہ سیدھا مجھ پر آیا میں نے اپنے دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیے لیکن اس کا تھپڑ میرے سینے پر پڑا۔ میں اس ضرب کی تاب نہ لا کر بائیں پہلو پر گرا۔ خون آلود پٹیوں میں لپٹے ہوئے عفریت نے مجھ سے ٹھوکر کھائی۔ میں بے جان پوٹ کی طرح لڑھکنے لگا اور وہ مجھے پھلانگ کر جنگل کی طرف بھاگا۔ مارے درد کے میرے خون میں آتش بازی کے انار سے چھوٹنے لگے۔ میں نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن بائیں پہلو پر گر پڑا۔ میرا ہاتھ ٹوٹ گیا تھا اور پھر مارکوس نمودار ہوا۔ اس کی پیشانی سے خون ٹپک رہا تھا۔ جس نے اس کے کرخت چہرے کو اور بھی بھیانک بنا دیا تھا۔ وہ ایک ہاتھ میں پستول پکڑے تھا۔ وہ میری طرف کوئی دھیان دیے بغیر تیندوے کے پیچھے بھاگا کیوں کہ وہ عفریت جو میرا ہاتھ توڑ کر بھاگا۔ تیندوا ہی تھا۔

میں دوسرا ہاتھ ٹیک کر بہ وقت تمام اٹھا۔ خون آلود پٹیوں میں بندھا ہوا تیندوا ساحل پر بھاگا جا رہا تھا۔ اس کے پیچھے مارکوس تھا۔ تیندوے نے مڑ کر دیکھا تو عذاب کے فرشتے کو اپنے پیچھے ہی آتا دیکھ کر اس نے اپنی رفتار تیز کر دی۔ وہ چھلانگیں بھرتا بھاگ رہا تھا اور ہر چھلانگ اسے مارکوس سے دور لیے جا رہی تھی۔ آخر کار وہ جھاڑیوں کے قریب پہنچ گیا۔ دفعتہً مارکوس نے گولی چلا دی لیکن اس کا نشانہ خطا کر گیا اور دوسرے ہی لمحے تیندوا جھاڑیوں میں غائب ہو گیا اور مارکوس بھی ان جھاڑیوں میں گھس کر میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

میں اپنی جگہ پر بیٹھا ان جھاڑیوں کی طرف دیکھتا رہا۔ جن کے پیچھے تیندوا اور مارکوس غائب ہوئے تھے۔ لیکن تھوڑی دیر بعد ہی میرے ٹوٹے ہوئے ہاتھ میں ناقابل برداشت ٹیسیں اٹھیں اور میں کراہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ عین اسی وقت حصار کے دروازے پر وکرم بھاٹیہ نمودار ہوا۔ وہ بھی ہاتھ میں پستول لیے تھا۔ غضب ہو گیا۔ ابراہیم! اس نے یہ دیکھے بغیر کہ مجھے سخت تکلیف ہے۔ کہا۔ وہ تیندوا زنجیریں توڑ کر بھاگ نکلا اور پھر یہ دیکھ کر میں نے اپنا ہاتھ پکڑے ہوئے ہوں۔ بولا۔

"ارے کیا ہوا؟"

میں دروازے میں کھڑا تھا۔ میں نے کراہ کر جواب دیا۔ اس نے آگے بڑھ کر میرا ٹوٹا ہوا ہاتھ پکڑ لیا۔

"یہ آستین پر کیا خون ہے؟" اس نے میری آستین کی قمیص اوپر چڑھا دی پستول جیب میں رکھا اور میرا ہاتھ دبا کر دیکھا تو میں چیخ پڑا وہ مجھے اندر لے گیا۔

میں نے ناقابل برداشت ٹیسوں کو برداشت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے پورا واقعہ سنا دیا۔ اس عرصے میں اس نے ہڈی بٹھا کر میرے ہاتھ پر پٹی کس دی۔ گردن پر پٹی باندھ کر ہاتھ اس میں لٹکا دیا۔

میرا ہاتھ بری طرح درد کر رہا تھا۔ لیکن میں نے اس واقعہ کو کچھ زیادہ اہمیت نہیں دی۔ تیندوا جس پر مارکوس تجربہ کر رہا تھا۔ اتفاقاً بھاگ گیا تھا اور بس۔ میرے خیال میں یہ کوئی اہم واقعہ نہ تھا۔ اس جزیرے

میں پہلے بھی ایسے واقعات ہو چکے تھے۔ لیکن میں کیا جانتا تھا کہ یہی معمولی سا واقعہ جزیرے کی فضا کو بدل دے گا۔ ہاتھ کا درد بڑھتا جا رہا تھا اور اس بڑھتے ہوئے درد کی پہلی ٹیس نے میرے پورے بدن میں آگ سی لگا دی تھی کہ وکرم بھاٹیہ آ گیا۔ اس کے چہرے کا رنگ راکھ کی طرح ہو رہا تھا اور اس کا نچلا ہونٹ اس طرح لٹک گیا تھا کہ اس کے مسوڑھے تک نظر آ رہے تھے۔

"دونوں کا کہیں پتا نہیں۔" اس نے آتے ہی کہا۔ "مارکوس کو میری مدد کی ضرورت ہو گی۔ خدا جانے وہ تیندوے کا تعاقب کرتے ہوئے کس طرف گیا تھا۔ وہ چند ثانیوں تک میری صورت دیکھتا رہا اور پھر بولا۔ "بہت زیادہ طاقت ور ہے۔ تیندوا۔ خدا کی قسم ایک ہی جھٹکے میں اس نے زنجیریں توڑ کر اپنے آپ کو آزاد کرا لیا۔"

وہ کھڑکی کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ پھر میری طرف مڑ کر بولا۔

"ابراہیم! میں مارکوس کی تلاش میں جا رہا ہوں۔ ایک زائد پستول میرے پاس ہے۔ وہ میں تمہیں دیے دیتا ہوں۔ شاید تمہیں اس کی ضرورت پڑ جائے۔"

اور اس نے اپنی جیب سے پستول نکال کر میرے سامنے میز پر رکھ دیا اور کچھ کہے بغیر باہر چلا گیا۔ اس کے جانے کے تھوڑی دیر بعد ہی میں اٹھا اور پستول لے کر دروازے میں جا کھڑا ہوا۔

اور یہ کچھ عجیب صبح تھی۔ وہ بے چین کر دینے والی ہوا بند تھی۔ آسمان شفاف اور سمندر پر سکوت تھا۔ صبح کا یہ بھیانک سناٹا میرے حواس پر چھایا جا رہا تھا۔

میں نے سیٹی بجانے کی کوشش کی لیکن کوئی آواز نہ نکلی۔ شدید اضطراب نے مجھے وہاں کھڑا رہنے بھی نہ دیا۔ چنانچہ میں دروازے کے سامنے سے ہٹ کر حصار کے کونے پر پہنچا اور ان جھاڑیوں کی طرف دیکھنے لگا۔ جنہوں نے وکرم بھاٹیہ اور مارکوس کو نگل لیا تھا۔

اور پھر دور ساحل کے انتہائی سرے پر ایک حیوان آدمی نمودار ہوا۔ وہ ساحل پر دیوانوں کی طرح بھاگتے اور سمندر میں اتر کر پانی اڑانے لگا۔ میں پھر حصار کے دروازے جا کھڑا ہوا اور چند ثانیوں بعد بے چینی کی لہریں محسوس کر کے دوبارہ حصار کے کونے پر پہنچا اور اب میں دروازے سے حصار کے کونے تک گویا ایک مستعد سنتری کی طرح پہرہ دے رہا تھا اور ایک دفعہ میرا خیال ہے کہ میں نے وکرم بھاٹیہ کی آواز سنی۔ میں ٹہلتے ٹہلتے رک گیا اور کان لگا کر سننے لگا۔ وکرم بھاٹیہ کی آواز کہیں دور سے آ رہی تھی۔

"مارکوس......س......س......س......" وہ چیخ رہا تھا۔

ہاتھ کا درد ذرا کم ہو گیا تھا۔ لیکن میرا پورا بدن پھنک سا رہا تھا اور مارے پیاس کے حلق خشک ہو رہا تھا۔ سورج کافی بلند ہو رہا تھا اور میرا لمبا سایہ سمٹ کر ذرا سا رہ گیا تھا۔ دور پرے مجھے ایک انسانی سایہ حرکت کرتا ہوا نظر آیا۔ میں نے سائے کو اس وقت تک دیکھتا رہا۔ جب تک کہ وہ میری نظروں سے اوجھل نہ ہو گیا۔ خدا جانے کون تھا؟ کوئی حیوان آدمی ...... مارکوس، وکرم بھاٹیہ ...... وہ دونوں مارکوس اور وکرم بھاٹیہ اب تک واپس کیوں نہیں آئے؟

وہ آئیں گے بھی یا نہیں......؟ دفعتہً تین آبی پرندے کوئی نایاب چیز حاصل کرنے کے لیے آپس میں لڑ پڑے۔ خالی خالی نظروں سے ان پرندوں کو دیکھتا رہا۔

دفعتہً دوسرا دھماکہ سنائی دیا۔ ساتھ ہی ایک چیخ ...... پھر وہی خاموشی۔ میں گھبرا گیا۔ خدا جانے کیا ہوا تھا؟ کیا ہونے والا تھا...... پھر تیسرے دھماکے کی آواز آئی اور یہ آواز بہت قریب تھی۔

میں دوڑ کر حصار کے کونے پر پہنچا۔ وکرم بھاٹیہ انتہائی بدحواسی کے عالم میں حصار کی طرف بھاگا آ رہا تھا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ بال بکھرے ہوئے اور اس کی پتلون گھٹنوں پر سے پھٹ گئی تھی۔ اس کے پیچھے اس کا ریچھ ملازم اور بھورے بالوں والا ایک حیوان بھاگ رہا تھا۔

ریچھ ملازم کے ہونٹوں کے کونے پر سرخ سرخ داغ مجھے اتنی دور سے بھی نظر آ رہے تھے۔

"وہ آیا کہ نہیں؟" وکرم بھاٹیہ نے اکھڑی اکھڑی سانسوں کے درمیان پوچھا۔

"کون مارکوس؟" میں نے جواب دیا۔ "نہیں۔"

"خدا کے لیے دانش ابراہیم!" وکرم بھاٹیہ نے کہا۔ "حصار میں چلو جلدی۔" اس نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ سب پاگل ہو رہے ہیں۔ خدا جانے انہیں ایک دم سے کیا ہو گیا ہے......!" چلو اندر چلو...... ذرا دم درست کر لوں تو پورا واقعہ سناؤں برانڈی...... برانڈی...... کہاں ہے؟"

وہ لنگڑاتا ہوا میرے کمرے میں داخل ہوا اور کرسی میں دھنس گیا۔ اس کا ریچھ ملازم دروازے کے درمیان میں لمبا لمبا لیٹ کر کتے کی طرح ہانپنے لگا۔ میں نے برانڈی میں پانی ملا کر گلاس وکرم بھاٹیہ کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ جسے وہ ایک سانس ہی میں چڑھا گیا۔ چند منٹوں بعد اس کا دم درست ہوا تو اس نے پوری روداد مجھے سنا دی۔

وہ مفرور تیندوے اور مارکوس کے پیروں کے نشانات دیکھ دیکھ کر آگے بڑھتا رہا۔ جگہ جگہ خون کے پڑے ہوئے دھبے اور جھاڑیوں میں اٹکے ہوئے تیندوے کی پٹیوں کے ٹکڑے وکرم بھاٹیہ کی رہبری کرتے رہے۔ لیکن جب وہ اس چشمے پر پہنچا جہاں میں نے چیتے آدمی کو پانی سڑپتے دیکھا تھا تو وہاں اسے نشانات نہ ملے۔ کیوں کہ وہ جگہ پتھریلی تھی اور جھاڑیاں بھی گنجان نہ تھیں۔

چنانچہ انگل بچو بڑھتا اور مارکوس کو آوازیں دیتا رہا۔ اس کی آواز سن کر قریب کے درختوں میں سے ریچھ ملازم ہاتھ میں کلہاڑی لیے نکل آیا۔ وہ وہاں لکڑیاں کاٹ رہا تھا اور تیندوے کے فرار سے بے خبر تھا۔ چنانچہ اب وہ دونوں مل کر مارکوس کو تلاش کرنے اور اسے آوازیں دینے لگے۔ انگی اس حرکت میں کوئی خاص بات تھی۔ جس نے وکرم بھاٹیہ کو چونکا دیا۔ اس نے اشارے سے انہیں بلایا تو وہ اس کے پاس آنے کی بجائے پشت پھیر کر بھاگ پڑے۔ پہلے کبھی ایسا نہ ہوا تھا۔ وکرم بھاٹیہ نے انہیں آوازیں دیں۔ لیکن ان دونوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تک نہیں۔

وکرم بھاٹیہ نے سوچا کہ ضرور کوئی غیر معمولی بات ہو گئی ہے۔ چنانچہ وہ اس کھائی کی طرف چلا جہاں حیوان آدمیوں کے بھٹ تھے۔

یہ ایک اور نئی بات تھی۔ چناں چہ وکرم بھاٹیہ خطرہ محسوس کر کے الٹے پاؤں حصار کی طرف لوٹ پڑا۔ راستے میں اس کی مڈبھیڑ ان دو سواروں سے ہو گئی۔ جنہیں میں نے ایک رات اور وہ اس جزیرے میں میری پہلی رات تھی۔ دیوانوں کی طرح ناچتے ہوئے دیکھا تھا۔ ان دونوں کے منہ سے خون ٹپک رہا تھا اور

آنکھیں شیطانیت سے چمک رہی تھیں۔ وکرم بھاٹیہ کو دیکھتے ہی وہ دونوں جم کر کھڑے ہو گئے۔ ان کے چہروں سے عجیب وحشیانہ اور نفرت وحقارت کے جذبات ہویدا تھے۔ وکرم بھاٹیہ نے اپنا چابک بجایا اور وہ دونوں دفعتہً اس پر جھپٹ پڑے۔ پہلے کبھی کسی حیوان آدمی نے مارکوس یا وکرم بھاٹیہ پر حملہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

وکرم بھاٹیہ نے فوراً گولی چلا دی۔ ایک خاک وخون میں لڑھکنے لگا۔ دوسرے پر وکرم بھاٹیہ کا ریچھ ملازم جا پڑا۔ وہ دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔ آخر کار ریچھ ملازم اس باغی پر چڑھ بیٹھا اور اپنے تیز نوکیلے دانت اس کے حلق میں چبھو دیے۔ وکرم بھاٹیہ نے گولی چلا کر اس سور آدمی کا بھی خاتمہ کر دیا۔ لیکن اپنے ریچھ ملازم کو سور آدمی سے اٹھانے میں اسے بڑی مشکلوں کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ اس سور آدمی کا خون چوس رہا تھا اور کسی صورت اس سے الگ نہ ہوتا تھا۔

اور پھر دونوں وکرم بھاٹیہ اس کا ریچھ ملازم حصار کی طرف بھاگے راستے میں ریچھ ملازم ایک جھاڑی میں گھس پڑا اور فوراً ہی چھوٹے سے اسلوث (بلی نما جانور) آدمی کو باہر گھسیٹ لایا۔ اس کے منہ پر بھی خون لگا ہوا تھا اور اس کی ایک ٹانگ بھی زخمی تھی۔

اسلوث آدمی ریچھ ملازم کی گرفت سے چھوٹ کر پلٹ پڑا۔ وکرم بھاٹیہ نے اسے بھی گولی مار دی۔

"آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ کیا مطلب ہے اس کا؟ وکرم بھاٹیہ نے سر ہلا یا کر گویا اپنے آپ سے کہا اور پھر برانڈی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

وکرم بھاٹیہ برانڈی کا تیسرا جام بھی چڑھا چکا تو مجھے مناسب معلوم ہوا کہ اب اسے روک دوں۔ کیوں کہ شراب اپنا اثر دکھانے لگی تھی اور میں نہیں جانتا تھا کہ وہ مدہوش پڑا رہے اور میں اکیلا پریشان ہوتا پھروں۔ میں نے اس سے کہا کہ مارکوس ضرور کسی مصیبت میں پھنس گیا ہے۔ چنانچہ ہمیں جلد از جلد اس کی مدد کو پہنچنا چاہیے۔ وکرم بھاٹیہ نے مخمور آنکھوں سے میری طرف دیکھا۔ پہلے تو وہ انکار کرتا رہا۔ لیکن پھر اس نے میرا مشورہ مان لیا۔ ہم نے تھوڑا سا کھانا کھایا اور پھر ہم تینوں یعنی وکرم بھاٹیہ اور اس کا ریچھ ملازم مارکوس کی تلاش میں نکل پڑا۔

دوپہر گرم اور خاموش تھی۔ ریچھ ملازم آگے آگے چل رہا تھا۔ اس کی کمر میں عجیب طرح کا انسانی خم آ گیا تھا۔ سر آگے کی طرف جھک گیا تھا اور وہ حیوانی پھرتی سے دائیں بائیں جھاڑیوں میں جھانکتا جاتا تھا۔ وہ نہتا تھا وہ کلہاڑی جس سے وہ لکڑیاں چیرا کرتا تھا۔ سور آدمیوں سے مقابلہ کرتے وقت کہیں گر گئی تھی۔ اب اس کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا۔ سوائے اس کے تیز نوکیلے دانتوں کے سور آدمیوں کا مقابلہ کرتے وقت بھی اس نے اپنے دانتوں ہی سے کام لیا تھا۔ اس کے پیچھے وکرم بھاٹیہ اپنی پتلون کی جیبوں میں ہاتھ ٹھونسے اور منہ لٹکائے چل رہا تھا۔ وہ مجھ سے خفا تھا کہ میں نے اسے جی بھر کر شراب پینے نہ دی تھی۔ حالاں کہ اتنی سی شراب بھی اپنا اثر دکھا رہی تھی اور وہ لڑکھڑا رہا تھا۔ میرا دایاں ہاتھ گلے کی پٹی میں تھا اور دائیں ہاتھ میں پستول پکڑے تھا۔

ہم لوگ جزیرے کے شمال مغربی جنگل میں گھستے چلے گئے۔ دفعتہً ملازم چلتے چلتے رک

گیا۔ وکرم بھاٹیہ جو اپنی دھن میں آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ اس سے ٹکرا گیا۔

درختوں کے پیچھے سے قدموں کی چاپ اور بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں..... وہ ہماری طرف ہی آ رہے تھے۔

"وہ مر گیا۔" گونج دار لرزتی ہوئی آواز نے کہا۔

"ہاں۔ ہم نے بھی دیکھا۔" بہت سی آوازوں نے کہا۔

"ہم یہاں ہیں..... یہاں....." وکرم بھاٹیہ نے چیخ کر کہا۔

"کیا کر رہے ہو..... بے وقوف!" میں نے وکرم بھاٹیہ کو پیچھے دھکیل کر کہا اور پستول کا گھوڑا چڑھا کر مستعد کھڑا ہو گیا۔

دفعتہً درختوں کے پیچھے خاموشی چھا گئی۔ حیوان لوگ چلتے چلتے رک گئے تھے۔ چند لمحوں بعد ٹہنیاں چٹخنے کی آواز آئی لانبی لانبی جھاڑیوں اور بیلوں میں سرسراہٹ ہوئی اور کوئی نصف درجن چہرے ہماری طرف جھانکنے لگے اور عجیب چہرے تھے جو عجیب طرح دمک رہے تھے ریچھ ملازم آہستہ آہستہ غرانے لگا۔ میں نے بندر آدمی اور ان دو بیل آدمیوں کو جو کشتی لے کر وکرم بھاٹیہ کو لینے جہاز تک آئے تھے۔ پہچان لیا۔ پھر وہ حیوان آدمی وہ تھے جن کی جلد پر بدنما داغ دھبے تھے اور ان کے بیچ میں بھورے بالوں والا قانون گو تھا۔ جو وکرم بھاٹیہ اور ریچھ ملازم کے ساتھ حصار میں بھاگتا ہوا آیا تھا۔

لیکن خدا جانے کب وہ واپس جنگل میں چلا گیا اور اس دفعہ اسکے چہرے کے لمبے لمبے بھورے بالوں میں اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح چمک رہی تھیں۔ پہلے کبھی ہم نے اس کی آنکھوں میں ایسی چمک نہ دیکھی تھی۔ چند ثانیوں تک کوئی نہ بولا۔ پھر وکرم بھاٹیہ نے ہچکی لے کر پوچھا۔

"کس نے کہا کہ وہ مر گیا؟"

بندر آدمی نے سوالیہ نظروں سے بھورے قانون گو کی طرف دیکھا۔

"وہ مر گیا۔" قانون گو بولا۔ "ان لوگوں نے دیکھا۔"

"اس طرف۔" قانون گو نے ایک طرف اشارہ کیا۔

"کیا اب بھی قانون باقی ہے؟" بندر آدمی بولا۔ "کیا اب بھی یہ نہ کرو وہ نہ کرو۔ باقی ہے؟"

"ہاں وہ مر گیا۔" بیل آدمی بولا۔ "کیا اب بھی قانون باقی ہے؟ اے چابک والے دوسرے آقا بتاؤ اب بھی قانون ہے.....؟ وہ مر گیا وہ مر گیا۔" قانون گو نے بڑے یقین سے کہا اور وہ سب کے سب عجیب نظروں سے ہمیں گھورنے لگے۔

"ابراہیم! وکرم بھاٹیہ نے میری طرف دیکھ کر کہا۔ اس کی آنکھیں بجھی بجھی سی تھیں وہ یقیناً وہ مر چکا ہے۔"

میں وکرم بھاٹیہ کے پیچھے کھڑا تھا اور محسوس کر رہا تھا کہ صورت حال کافی خطرناک ہو گئی ہے وکرم بھاٹیہ نشے میں ہونے کے باعث اس قابل نہیں تھا کہ صورت حال کو سمجھ سکتا چنانچہ میں چند قدم آگے بڑھ کر حیوان لوگوں کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اونچی آواز میں بولا۔ "وہ مرا نہیں ہے۔"

ریچھ ملازم نے عجیب نظروں سے مجھے دیکھا اور میں اپنی ریڑھ کی ہڈی میں ٹھنڈک کی لہر محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔ میں نے ہمت کر کے کہا۔

"وہ مرا نہیں ہے لیکن اس نے اپنا جون بدل لیا ہے اور وہ ایک مقررہ مدت تک تمہاری نظروں سے اوجھل رہے گا۔ وہ وہاں ہے۔" میں نے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔

"وہ تمہیں دیکھ اور تمہاری باتیں سن سکتا ہے۔ بے شک تم اسے نہیں دیکھ سکتے لیکن وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ چنانچہ سرکشی نہ کرو۔ قانون پر عمل کرو اور اس سے ڈرو جو بناتا ہے اور بگاڑتا ہے۔"

میں نے گھور کر حیوان آدمیوں کی طرف دیکھا اور وہ گھبرا کر سمٹ سے گئے۔

"وہ بڑا ہے۔ وہ عظیم ہے۔" بندر آدمی نے خوف زدہ نظروں سے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اور وہ دوسری چیز؟" اس نے پوچھا۔ میری مراد تیندوے سے تھی۔

"دوسری چیز۔ جس پر پٹیاں بندھی تھیں۔ جن سے خون ٹپک رہا تھا اور جو روتی چیختی بھاگ رہی تھی وہ بھی مر گئی۔" بھورے بالوں والا قانون گو بولا۔

"چلو یہ اچھا ہوا۔" وکرم بھاٹیہ بڑبڑایا۔

لیکن دوسرے چابک والے آقا نے ابھی کہا تھا کہ....." بھورا قانون گو بولا۔

"کیا کہا تھا؟" میری گرفت پستول پر مضبوط ہو گئی۔

یہی کہ وہ مر چکا ہے۔ وکرم بھاٹیہ کا دماغ بالکل ہی ماؤف ہو گیا تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ میں حیوان لوگوں کو کیوں یقین دلا رہا ہوں کہ مارکوس مرا نہیں ہے۔

"وہ مرا نہیں۔" وکرم بھاٹیہ بولا۔ "بے شک وہ نہیں مرا۔ میں زندہ ہوں تو وہ بھی زندہ ہے۔"

چند آدمیوں نے قانون توڑا تھا۔ چنانچہ ان کا مرنا ضروری تھا۔ وہ چیز جس پر پٹیاں بندھی تھیں اسی لیے ماری گئی جو قانون توڑے گا اسی طرح مارا جائے گا اور اب ہمیں اس جگہ لے چلو جہاں اس کا وہ جسم پڑا ہے۔ جس کی اب اسے ضرورت نہیں۔ ہاں کہاں ہے۔ وہ جسم جسے وہ چھوڑ چکا ہے۔" "اس طرف ہے وہ جسم جس کی آقا کو ضرورت نہیں رہی۔" بھورے بالوں والے قانون گو نے کہا۔

اور ان حیوان لوگوں کی رہبری میں ہم جنگل میں گھس پڑے۔ دفعتاً ایک چھوٹا سا زرد جان دار جھاڑیوں میں سے نکلا اور ہماری ٹانگوں سے ٹکراتا ہوا دوسری طرف بھاگا چلا گیا۔ اس کے پیچھے ہی ایک دوسرا وحشی جانور تھا۔ جسکے بدن پر بھورے بھورے داغ تھے۔ اس وحشی کو میں نے آج سے پہلے نہ دیکھا تھا۔ بھورا قانون گو گھبرا کر ایک طرف ہو گیا۔ ریچھ ملازم کو زمین پر ڈھیر کر دیا۔ وکرم بھاٹیہ نے جلدی سے گولی چلا دی۔ لیکن نشانہ خطا ہو گیا۔ وہ وحشی ہم پر حملہ کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ وکرم بھاٹیہ ایسا خوف زدہ ہوا کہ پستول پھینک کر فرار ہونے کے لیے پلٹا۔

میں نے پستول کی لبلبی دبا دی۔ گولی وحشی کے سر کو چھوتی ہوئی درخت کے تنے میں پیوست ہو گئی۔ میں نے فوراً ہی دوسری گولی چلائی۔ جو اس کے دونوں آنکھوں کے بیچ لگی اس کے بھیانک چہرے کے خدوخال مسخ ہو گئے۔ لیکن وہ بڑا ہی سخت جان تھا۔ وہ مجھے دھکیلتا ہوا آگے بڑھا اور وکرم بھاٹیہ کو دبوچ کر

اوندھے منہ گرا۔ وکرم بھاٹیہ تڑپتے ہوئے وحشی کے بوجھ تلے کراہ رہا تھا۔

دوسرے حیوان لوگ فرار ہو چکے تھے اور وہاں میں ریچھ ملازم کے ساتھ اکیلا کھڑا رہ گیا تھا۔ وکرم بھاٹیہ وحشی کی بوجھل لاش کو اپنے پیر سے دھکیل کر اٹھا۔ اس واقعہ نے اس کا نشہ ہرن کر دیا تھا اور اس کے حواس خطا ہو رہے تھے۔ بھورے قانون گو ڈرتا جھاڑیوں میں سے نکلا۔

"دیکھو!" میں نے مردہ وحشی کی طرف اشارہ کیا۔ "اور جان لو کہ قانون باقی ہے۔ یہ ہے سزا قانون توڑنے والے کی۔"

بھورا قانون گو وحشی کی لاش کو خوف زدہ نظروں سے دیکھتا رہا اور پھر سر ہلا کر بولا۔

"وہی ہے۔ جو مارنے والی آگ اور کڑک بھیجتا ہے۔"

دوسرے حیوان لوگ بھی جھاڑیوں میں سے نکل آئے اور دور کھڑے ہو کر خوف زدہ نظروں سے وحشی کے بے جان جسم کو دیکھنے لگے۔ جب ان کے حواس ذرا ٹھکانے ہوئے تو میں نے ان کو جلد چلنے کو کہا۔ جہاں مارکوس کی لاش پڑی تھی۔

آخر کار ہم جزیرے کی شمالی مغربی حد تک پہنچ گئے اور چند قدم چلنے کے بعد ہی تیندوے کی لاش کے سامنے کھڑے تھے۔ اس سے چند قدم آگے وہ لاش پڑی تھی۔ جس کی ہمیں تلاش تھی۔ نرسلوں کے بیچ میں وہ اوندھے منہ پڑا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ کلائی تک چبا ڈالا گیا تھا اور اس کے سفید بال خون سے سرخ ہو رہے تھے۔ اس کی کھوپڑی زنجیر کی مار سے جگہ جگہ سے پچک گئی تھی۔ یہ اسی زنجیر کی مار کے نشان تھے۔ جس سے تیندوا بندھا ہوا تھا اور جسے توڑ کر وہ بھاگا تھا۔ نرسلوں اور گھاس پر خون کے دھبے تھے۔ وکرم بھاٹیہ نے جھک کر اس کی لاش سیدھی کی چہرے پر وہی کرختگی اور وہی رعب گویا منجمد ہو گیا تھا۔

اور ان چھ حیوان لوگوں کی مدد سے کیوں کہ مارکوس کی لاش خاصی وزنی تھی۔ ہم اس کو اٹھا کر حصار کی طرف لے چلے۔ اندھیرا آہستہ آہستہ اتر رہا تھا اور تارے ایک ایک کر کے روشن ہونے لگے تھے۔ راستے میں ہم نے کسی حیوان آدمی کی چیخیں سنیں۔ جیسے کوئی اسے جھنجھوڑ رہا ہو۔ ایک دفعہ ایک اسلوث جانور جھاڑیوں میں سے نکل کر ہمارے سامنے آ کھڑا ہوا چند ثانیوں تک ہمیں ٹکر ٹکر دیکھتا رہا اور پھر جھاڑیوں میں گھس گیا۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ کسی نے ہم پر حملہ نہیں کیا۔

حصار کے دروازے کے سامنے مارکوس کی لاش رکھ کر حیوان لوگ چلے گئے۔ ریچھ ملازم بھی ان کے ساتھ چلا گیا تھا۔ ان کے جانے کے بعد میں اور وکرم بھاٹیہ مارکوس کی لاش کو حصار میں گھسیٹ لائے۔ دروازہ بند کر کے اندر سے تالا ڈال دیا اور پھر مارکوس کی لاش لکڑیوں کے انبار پر رکھ دی..... اس کام سے فرصت پانے کے بعد اس کی تجربہ گاہ میں گئے اور ہر وہ چیز تلف کر دی جو سانس لے رہی تھی۔

ان کاموں سے فرصت پانے کے بعد ہم نے ہاتھ منہ دھویا اور رات کا کھانا کھانے کے بعد کمرے میں آئے تو آدھی رات ہو چکی تھی ہم صورت حال پر غور کرنے لگے۔ وکرم بھاٹیہ کا نشہ تو اتر چکا تھا۔ لیکن اس کا دماغ شاید اب بھی کام نہیں کر رہا تھا۔ کیوں کہ اس کے خیالات الجھے ہوئے تھے اور وہ کوئی فیصلہ نہ کر سکتا تھا۔ وہ شروع سے ہی مارکوس کے زیر اثر رہا تھا۔ اس نے کبھی سوچا ہی نہ تھا کہ اگر مارکوس مر گیا تو

کیا ہوگا؟ بلکہ شاید اسے کبھی یہ خیال بھی نہ آیا تھا کہ مارکوس بھی مر سکتا ہے۔ چنانچہ اس حادثے نے اس کے دماغ کی بنیادیں ہلا دی تھیں اور وہ نہیں جانتا تھا کہ مارکوس کے بغیر کیا کرے۔ وہ کچھ عجیب طرح کی بے سمجھ بچے کی سی باتیں کر رہا تھا۔

"بے حد واہیات جگہ ہے یہ دنیا۔" دفعتہً وہ جوش میں آ کر بولا۔ "انتہائی بھونڈی اور واہیات...... میری زندگی...... ہونہہ۔ میری کوئی زندگی رہی ہی نہیں۔ میں سوچا کرتا تھا کہ میری زندگی کا آغاز کب ہوگا۔ کچھ عجیب طرح کی زندگی گزری ہے۔ سولہ سال پہلے پروفیسر صاحبان اور نرسیں مجھ پر دھونس جماتی رہیں۔ پانچ سال میڈیکل کالج میں گزرے جہاں نہ اچھا کھانا ملتا تھا اور نہ اچھا کپڑا اور نہ کسی بات کی آزادی تھی۔ میں نے کبھی اچھا کھانا نہیں کھایا۔ کبھی اچھے کپڑے نہیں پہنے۔ کبھی کسی سے بات نہیں کی۔ لعنت ہے اور پھر اس جزیرے میں آ گیا اور دس سال سے یہاں ہوں۔ کس قدر بے کیف رہی ہے میری زندگی دانش! ہم صابن کے ان بلبلوں کی طرح ہیں جنہیں ایک بچہ اپنی دلچسپی کی خاطر پھونکنی کے ذریعہ فضا میں بکھیر دیتا ہے۔"

"ان فلسفیانہ باتوں کو کسی اور وقت کے لیے اٹھا کر رکھو۔" میں نے کہا۔ "فی الحال ہمیں اس جزیرے سے نکلنے کی کوئی تدبیر سوچنی ہے۔ ورنہ ہماری قبریں یہیں بن جائیں گی۔"

"کیا فائدہ ہوگا۔ دانش ابراہیم! کم سے کم میں تو انسانی برادری سے خارج ہو ہی چکا ہوں۔ میں کہاں جا سکتا ہوں؟ اور کس طرح اپنی زندگی بسر کر سکتا ہوں؟ کوئی ذریعہ کوئی سہارا نہیں ابراہیم! مہذب دنیا تمہیں تو خوش آمدید کہہ سکتی ہے۔ مجھے نہیں۔ پھر ہم مارکوس کی لاش کو یوں ہی کیسے رہنے دے سکتے ہیں کہ حیوان لوگ اسے کھالیں۔ وہ میرا محسن و مربی تھا اور پھر حیوان لوگوں کا کیا ہوگا؟"

"خدا جانے کیا ہوگا؟ میرے خیال میں تو وہ حیوان آدمی جو درندے تھے۔ اپنی اصلیت پر آ جائیں گے۔ لیکن ہم ان سب کو قتل تو نہیں کر سکتے۔ غالباً تم یہی کرنا چاہتے ہو کیوں؟ بہر حال وہ لوگ تبدیل ہو جائیں گے ان کی اصلیت ظاہر ہو جائے گی وہ پھر پہلے جیسے ہی خون خوار درندے ہوں گے۔ ایسا ہونا ضروری ہے۔ ایسا ہو کر رہے گا۔"

"اور وہ یوں ہی بکتا رہا۔ یہاں تک کہ میں غصے میں چیخ اٹھا۔

لعنت ہے۔ وہ بھی چیخا اور تم اندھے ہو رہے ہو شاید کہ اتنا بھی نہیں دیکھا کہ میں تم سے زیادہ پریشان ہوں اور تم ہو کہ الٹا مجھ پر غصہ اتار رہے ہو۔

پھر وہ اٹھ کر برانڈی کی بوتل لے آیا اور میرے سامنے بیٹھ کر جام پر جام چڑھانے لگا۔ میں بے بس اور مایوس بیٹھا اس کی یہ حماقت دیکھتا رہا۔ اس کا چہرہ اور آنکھیں سرخ ہونے لگیں اور وہ اول فول بکنے لگا۔ وہ حیوان لوگوں اور خصوصاً اپنے ریچھ ملازم کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملانے لگا۔ اس نے کہا کہ ریچھ ملازم ہی وہ آدمی ہے۔ جو اس کا بہت زیادہ خیال رکھتا ہے۔ بلکہ اس سے محبت بھی کرتا ہے۔ ورنہ کسی کو اس کی پرواہ نہیں۔ خود غرض دنیا والے اسے بھلا چکے ہیں...... "اور پھر دفعتہً اسے خیال آیا۔

"لعنت ہے یار......" وہ چلایا اور برانڈی کی بوتل کی گردن پکڑ کر اٹھا۔ اس کا ارادہ سمجھ کر میں کانپ گیا۔

"وکرم۔" میں نے خوف زدہ ہو کر کہا۔ "لیکن تم اپنے اس جانور ملازم کو تو شراب پلانا نہیں چاہتے؟"

"جانور۔ کون جانور......؟" وہ چیخا۔ "تم خود جانور ہو۔ وہ تم سے زیادہ میرا خیال رکھتا ہے۔ وہ میرا دوست ہے۔ میرا ہمدم و مونس ہے اور یہ سراسر ناانصافی ہے کہ میں جو پیوں اسے نہ دوں۔"

"خدا کے لیے وکرم پاگل ہوئے ہو کیا؟"

"ہٹ جاؤ میرے راستے سے۔" وہ گرجا اور پستول نکال کر اس کی نالی میرے سینے پر رکھ دی۔"

"بہت اچھا جو جی چاہے کرو۔ میں نے کہا اور دروازے کے سامنے سے ہٹ گیا۔ میں نے سوچا کہ جب وہ دروازے سے گزر رہا ہوگا سو اچانک اسے دبوچ لوں گا۔ لیکن پھر مجھے اپنے ٹوٹے ہاتھ کا خیال آیا اور میں ایسا کرنے سے باز رہا۔

"تم جانور بن چکے ہو۔ چنانچہ تمہارا حشر بھی ان حیوان لوگوں کے ساتھ ہوگا۔" میں نے دانت پیس کر کہا۔

اس نے دروازہ چوپٹ کھول دیا۔ چاند کی مردہ سی روشنی اندر رینگ آئی رات خاموش تھی اور فضا گھٹی گھٹی سی۔ آسمان کی نیلاہٹوں میں چاند مردے کی طرح زرد ہو رہا تھا۔ پہلے کبھی کوئی رات مجھے اتنی بھیانک نہ معلوم ہوئی تھی۔

"ابراہیم! تم اول درجے کے گدھے ہو۔ ہر وقت اپنے آپ کو الٹے سیدھے خیالات سے ڈرایا کرتے ہو۔ جو کچھ ہونا ہے۔ ہو کر رہے گا ہو سکتا ہے کہ آج کی رات ہماری آخری رات ہو۔ کیوں نہ آج جی بھر کر مزے اڑا لیے جائیں۔ آؤ! جشن مناؤ۔ کیا معلوم کل کیا ہو۔"

اور وہ باہر نکل کر پکارنے لگا۔

"میرے دوست کہاں ہو؟"

"تین سائے ساحل پر نمایاں ہوئے۔ ان میں سے ایک سفید کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ دوسرے دو اس کے پیچھے تھے۔ وہ وہیں کھڑے ہو کر میرے کمرے کے کھلے ہوئے دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر حصار کے کونے پر ایک خمیدہ سایہ نظر آیا۔ وہ ہماری طرف آ رہا تھا۔ میں نے اسے پہچان لیا۔ وہ ریچھ ملازم تھا۔

"پیو۔" وکرم بھاٹیہ چلایا! "امرت پیو اور انسان بن جاؤ۔ ہاں یہ بات ہوئی میں مارکوس سے زیادہ ہوشیار ہوں۔ ان وحشیوں کو آدمی بنانے کی یہ ترکیب اس کے ذہن میں آئی ہی نہ تھی۔ آؤ...... پیو۔" وہ ہاتھ میں بوتل لڑکھڑاتے قدموں سے آگے بڑھ گیا ریچھ ملازم اس کے پیچھے تھا۔

میں چند قدم آگے بڑھ کر دیکھنے لگا۔ وکرم بھاٹیہ ان تین سایوں سے جو ساحل پر کھڑے تھے۔ چند قدم دور تھا۔ کہ اس نے اپنے ریچھ ملازم کو خالص برانڈی کا پہلا جام دیا۔ وہ تینوں سائے آگے بڑھے اور وکرم بھاٹیہ اور اس کا ملازم ان سایوں میں گڈمڈ ہو گئے۔ اب وہاں ایک بڑا سا دھبہ نظر آ رہا تھا۔

"گاؤ۔" میں نے وکرم بھاٹیہ کی آواز سنی۔ "سب مل کر کہو۔ لعنت ہے۔ دانش خشک ابراہیم پر ہاں یہ ٹھیک ہے۔ دانش خشک ہو۔"

اور وہ سیاہ دھبہ بکھر کر پانچ سایوں میں تقسیم ہو گیا اور اب وہ پانچوں سائے رینگتے ساحل کی طرف چلے ان میں سے ہر ایک اپنی بھدی آواز میں مجھے صلواتیں سنا رہا تھا۔

پھر میں نے وکرم بھاٹیہ کی آواز سنی...... "دائیں طرف۔" اور وہ دائیں طرف مڑ کر درختوں کے لمبے لمبے سایوں میں مدغم ہو گئے۔ وہ ساحل کے جنگل میں گھس گئے تھے۔ ان کے چیخنے چلانے کی آوازیں بدستور سنائی دے رہی تھیں۔ رفتہ رفتہ یہ آوازیں مدہم ہونے لگیں اور پھر غائب ہو گئیں۔

رات کا قدرتی سکون ان وحشیوں کی چیخوں سے درہم برہم ہو گیا تھا۔ دوبارہ مسلط ہو گیا۔ چاند ذرا سا مغرب کی طرف جھک گیا تھا اور پورے چاند کی رات تھی۔ وہ اور اس کی چاندنی میں سمندر کا پانی بھورا بھورا سا نظر آ رہا تھا۔ پراسرار اور گمبھیر سمندر اور حصار کی دیوار کے سائے کے بیچ میں ریت پر پڑے ہوئے آتش فشانی سنگ ریزے ہیروں کی طرح چمک رہے تھے اور میرے کمرے میں لالٹین کی مریضانہ روشنی کمرے کو روشن کر رہی تھی۔

میں نے کمرے میں گھس کر دروازہ اندر سے مقفل کیا اور صحن میں آ گیا۔ جہاں مارکوس کی لاش لکڑیوں کے انبار پر جانوروں کی لاشوں کے ساتھ پڑی ہوئی تھی۔ جن پر مارکوس تجربات کر رہا تھا۔ یعنی شکاری کتا اور چند دوسرے جانور۔ جن کا خاتمہ میں نے اور وکرم بھاٹیہ نے مارکوس کی موت کے بعد کر دیا تھا اور بڑا بھیانک منظر تھا۔ وہ...... مارکوس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں وہ اپنی بے نور آنکھوں سے جیسے زرد چاند کو گھور رہا تھا۔ اس کا منہ کھلا تھا اور اس کے سفید بالوں پر خون جم گیا تھا۔ میں ندی کے کنارے پر بیٹھ کر صورتحال پر غور کرنے لگا۔

اور میں نے سوچا صبح ہوتے ہی میں اشیائے خوردونوش کا کافی ذخیرہ ایک کشتی میں رکھ کر لکڑیوں کے اس انبار کو آگ لگا دوں گا۔ جس پر مارکوس اور جانوروں کی لاشیں پڑی تھیں اور پھر کشتی کو سمندر میں دھکیل کر تن تنہا چل پڑوں گا۔ وکرم بھاٹیہ یقیناً میرے ساتھ نہ آئے گا۔ ان حیوان لوگوں میں رہتے ہوئے وہ خود بھی نیم حیوان بن گیا تھا اور انسانوں میں مہذب انسانوں میں رہنے کے قابل نہ تھا۔ خدا جانے میں کب تک وہیں بیٹھا اس جزیرے سے نکلنے کی تدبیروں پر غور کرتا رہا۔ کہ دفعتہً شوروغل کی آوازوں سے میرے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ وکرم بھاٹیہ واپس آ رہا تھا۔ یہ آوازیں ساحل کی طرف سے آ رہی تھیں اور یوں معلوم ہوتا تھا جیسے حیوان لوگ پاگل ہو گئے تھے۔ وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہے تھے پھر کچھ ٹھوکنے اور لکڑیاں چیرنے کی آواز آئی۔ شوروغل اور بھی بڑھ گیا۔ لیکن میں نے اس کی طرف کوئی دھیان نہ دیا۔ دفعتہً سب مل کر کوئی واہیات گیت گانے لگے۔

میں پھر اس جزیرے سے نکلنے کی تدبیر سوچنے لگا۔ میں اٹھا اور لالٹین لے کر سائبان میں پہنچا جہاں بہت سے چھوٹے پیپے اور بکس وغیرہ رکھے تھے۔ یہ سائبان گودام کا کام دیتا تھا۔ ایک بکس کھول کر دیکھا تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ وہ بسکٹوں کے بکس تھے۔ یکایک میرے پیچھے شعلہ سا روشن ہو گیا۔ میں نے مڑ کر دیکھا صحن خالی پڑا ہوا تھا جس کے عین بیچ میں لکڑیوں کے انبار پر مارکوس اور جانوروں کی لاشیں جیسے ایک دوسرے کو انتقامانہ گرفت میں لیے پڑی تھیں پھر وہی شعلہ سا چمکا جو اس وقت میری سمجھ میں آیا کہ کیا ہے۔

بہرحال یہ شعلہ یا جو کچھ بھی تھا وہ۔ کہیں باہر روشن تھا چنانچہ میں دوبارہ اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ میں اپنی ضرورت کی چیزیں الگ کر رہا تھا اور ایسا کرتے ہوئے مجھے کافی دقتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ کیوں کہ میرا ایک ہاتھ بیکار تھا وقت تیزی سے گزرتا رہا اور آخرکار صبح کے آثار نظر آنے لگے۔

حیوان لوگوں کا وحشیانہ گیت ختم ہو چکا تھا اور اب ایک عجیب وغریب طرح کا شوروغل سنائی دے رہا تھا۔ وہ پھر گیت گانے لگے...... چند ثانیوں بعد ہی یہ گیت بھی شوروغل میں تبدیل ہو گیا اور میں نے وکرم بھاٹیہ کی آواز سنی۔

"ہاں...... اور...... اور......" پھر جیسے وہ کسی سے جھگڑنے لگا پھر ایک چیخ سنائی دی اور اب وہ سب کے سب غصہ اور خوف سے چلانے لگے...... دفعتہً پستول چلنے کی آواز آئی۔

میں اپنے کمرے کی طرف بھاگا اور جب میں صحن میں سے گزر رہا تھا تو سائبان میں رکھے ہوئے کئی پیپے اور بکس خود بہ خود لڑھک گئے۔ لیکن میں نے مڑ کر بھی نہ دیکھا کہ کیا ہوا تھا۔ میں نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا اور ساحل کی طرف دیکھنے لگا۔

ساحل پر کشتی گھر کے قریب الاؤ سا جل رہا تھا اور اس کے گرد چند دھندلی دھندلی سی شبیہیں لڑکھڑا رہی تھیں۔ دفعتہً میں نے وکرم بھاٹیہ کی آواز سنی وہ انتہائی خوف زدہ آواز میں مجھے پکار رہا تھا۔ میں نے جلدی سے پستول لیا اور الاؤ کی طرف بھاگا۔ میں نے پھر دھماکہ سنا اور دیکھا کہ وکرم بھاٹیہ کی پستول کی نالی سے نکلی ہوئی آتشیں زبان دور تک زمین کو چاٹتی چلی گئی۔ چنانچہ ظاہر ہوا کہ وہ زمین پر گر پڑا تھا یا گرا دیا گیا تھا۔ میں اپنے پھیپھڑوں کا پورا زور لگا کر چیخا اور ہوا میں دو تین فائر کر دیے۔

جب میرے پستول کی گونج فضا میں تحلیل ہو گئی تو میں نے کسی کو چیختے سنا۔ آقا...... آقا...... اور ساتھ ہی ایک پر ایک پڑی ہوئی شبیہیں گھبرا کر الگ ہو گئیں۔ الاؤ کی آگ ایک دم بھڑک کر بجھ گئی اور ان گنت چنگاریاں جگنوؤں کی طرح فضا میں بکھر گئیں حیوان لوگ انتہائی بدحواسی کے عالم میں بھاگے اور میں بھگوڑوں پر اندھا دھند گولیاں چلانے لگا۔ وہ بھاگ کر ساحل کے جنگل میں گھس گئے اور اب میں ساحل پر پڑے ہوئے کالے ڈھیر کے قریب پہنچا۔

وکرم بھاٹیہ ریت پر چت پڑا ہوا تھا اور اس کے سینے پر بھورے بال والا دیوہیکل قانون گو جر چھا پڑا ہوا تھا۔ وہ مر چکا تھا۔ لیکن اب تک اس کے دونوں پنجے وکرم بھاٹیہ کے حلق میں پیوست تھے۔ قریب ہی وکرم بھاٹیہ کا ریچھ ملازم اوندھے منہ پڑا تھا۔ اس کی گردن ادھڑی ہوئی تھی اور برانڈی کی بوتل کی ٹوٹی ہوئی گردن اس کے ہاتھ میں دبی ہوئی تھی۔ دو دوسرے حیوان آدمی الاؤ کے قریب پڑے تھے۔ ایک مر چکا تھا اور دوسرا جس کے جسم کا نچلا حصہ الاؤ میں پڑا تھا۔ بری طرح کراہ رہا تھا۔ وہ بار بار اپنا سر زمین پر پٹختا۔ اپنی ٹانگیں الاؤ کے دہکتے ہوئے انگاروں پر سے کھینچنے کی کوشش کرتا اور پھر بے دم ہو کر کراہنے لگتا۔

میں نے بھورے قانون گو کی لاش وکرم بھاٹیہ پر لڑھکا دی۔ وکرم بھاٹیہ کا چہرہ سیاہ ہو رہا تھا اور وہ بڑی مشکل سے سانس لے سکتا تھا۔ میں دوڑ کر سمندر سے چلو میں پانی بھر لایا اور وکرم بھاٹیہ کے منہ پر چھینٹے دینے لگا اور اپنے کوٹ کو تکیہ سا بنا کر اس کے سر کے نیچے رکھ دیا وہ حیوان آدمی جو آدھا انگاروں پر پڑا

تھا۔بھیڑیا آدمی تھا۔جو لرزا دینے والے انداز میں کراہ رہا تھا اور سر اور ہاتھ پٹخ رہا تھا۔میں اس کی تکلیف نہ دیکھ سکا اور پستول کی گولی اس کی کھوپڑی میں پیوست کر دی۔وہ تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا۔دوسرا حیوان آدمی جو الاؤ کے قریب مردہ پڑا تھا۔چنگل آدمی تھا۔وکرم بھاٹیہ کا ریچھ ملازم بھی مر چکا تھا اور خود وکرم بھاٹیہ کی بھی آخری سانسیں تھیں۔

دوسرے حیوان لوگ جنگل میں گھس کر میری نظروں سے اوجھل ہو چکے تھے اور میں وکرم بھاٹیہ کے قریب بیٹھا اپنے آپ کو کوس رہا تھا۔

الاؤ سرد ہوتا جا رہا تھا۔لکڑیاں انگاروں میں اور انگارے راکھ میں تبدیل ہو رہے تھے۔خدا جانے ان لوگوں کو اتنی بہت سی خشک لکڑیاں کہاں سے مل گئی تھیں!

صبح کی روشنی پھیلنے لگی تھی اور تارے یکے بعد دیگرے غائب ہوتے جا رہے تھے مشرقی افق سے روشنی اتر رہی تھی اور مغربی افق کی طرف جھکا ہوا چاند پھیکا پڑ گیا تھا۔کتنی بھیانک صبح تھی وہ!

یکا یک مجھے اپنی پشت کی طرف سے ہلکا سا دھماکا اور ساتھ ہی ”شوں“ کی آواز سنائی دی۔میں نے مڑ کر دیکھا اور میرے منہ سے بے اختیار خوف و مایوسی کی چیخ نکل گئی۔سفید ہوتے ہوئے افق کے پس منظر میں کالے کالے دھوئیں کے ستون سے حصار سے بلند ہو رہے تھے اور دھوئیں کے ان ستونوں میں سرخ سرخ شعلے زبانیں لپکا رہے تھے۔حصار جل رہا تھا۔دفعتہً مارکوس کی تجربہ گاہ کی چھت جل اٹھی اور پھر میرے کمرے کی کھڑکی سے شعلوں کا ترچھا فوارہ سا پھوٹ پڑا۔پورا حصار جل رہا تھا۔

”یہ کیا ہوا؟ کیسے ہوا؟ میں نے سوچا اور دماغ پر ذرا سا ہی زور ڈالنے سے مجھے ان سوالوں کے جواب مل گئے اور مجھے یاد آیا کہ جب میں پستول کا دھماکا سننے کے بعد اپنے کمرے کی طرف بھاگا تھا تو صحن عبور کرتے وقت میں نے اپنے پیچھے چیزوں کے گرنے کی آواز سنی تھی۔اب معاملہ صاف تھا۔وکرم بھاٹیہ کی مدد کو جاتے وقت افراتفری میں مجھ سے لالٹین گر گئی تھی۔

اب یہاں سے نکلنے کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ میں نے سوچا۔بسکٹوں کے بکس اور ضرورت کی وہ سب چیزیں جو میں نے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے الگ کی تھیں۔نذر آتش ہو چکی تھیں۔لیکن بہرکیف مجھے اس لعنتی جزیرے سے نکلنا تھا۔میں نے پرامید نظروں سے اس طرف دیکھا جہاں کشتیاں رکھی رہتی تھیں اور جسے ہم ”کشتی گھر“ کہتے تھے۔کشتیاں غائب تھیں۔میرے قریب ہی دو کلہاڑیاں پڑی تھیں اور الاؤ کے اردگرد خشک لکڑی کے ٹکڑے پڑے تھے۔وکرم بھاٹیہ نے کشتیاں چروا کر الاؤ سلگایا تھا۔

مارے غصے اور مایوسی کے میں پاگل ہو گیا تھا اور میرا جی چاہا کہ اس مرتے ہوئے آدمی کی کھوپڑی پھاڑ دوں اور اس کے بھیجے کو جس میں اتنے احمقانہ خیالات پلتے تھے۔نکال کر الاؤ میں جلا ڈالوں۔عین اسی وقت وکرم اپنا ہاتھ ہلا کر اس طرح کراہا کہ میرا غصہ فوراً ہی اتر گیا۔اس نے ایک منٹ کے لیے آنکھیں کھول دیں۔

میں نے اس کا سر اپنے زانوں پر رکھ لیا۔اس نے پھر اپنی آنکھیں کھولیں چند ثانیوں تک آسمان کی طرف دیکھتا رہا اور پھر میری طرف دیکھ کر فوراً ہی نظریں جھکا لیں۔

”مجھے معاف کر دینا دوست۔“اس نے کہا۔شاید اسے بولنے میں شدید تکلیف ہو رہی تھی۔آہ......یہ......دنیا......یہ......لعنتی......“

اور اس کا سر ایک طرف ڈھلک گیا۔میرا خیال ہے کہ اگر اس وقت پانی کے چند قطرے اس کے حلق میں ٹپکا سکتا تو شاید وہ بچ جاتا۔لیکن وہاں نہ پانی تھا اور نہ کوئی برتن کہ میں چشمے سے پانی بھر لاتا۔وکرم بھاٹیہ کا بدن بھاری ہو گیا اور میرے دل میں مایوسیاں اترتی چلی گئیں۔

میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا وہ بے نور تھیں۔اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر دیکھا اس کا دل خاموش تھا۔وکرم بھاٹیہ مر چکا تھا۔افق مشرق سے سرخ سرخ اس شیطانی جزیرے کی بھیانک صبح طلوع ہو رہی تھی۔

میں وکرم بھاٹیہ کے سر کو تکیے پر رکھ کر اٹھا۔میرے سامنے تاحد نظر ویران سمندر پھیلا ہوا تھا اور میرے پیچھے جزیرہ تھا۔شیطانوں کی بستی اور ہرے بھرے جنگل جو حیوان لوگوں کو اپنی آغوش میں لیے تھے۔حیوان لوگ......جو اس وقت بھی کہیں قریب ہی چھپے مجھے دیکھ رہے ہوں گے اور دائیں طرف حصار جل رہا تھا۔دھوئیں کے ستون اوپر پہنچ کر پھیل رہے تھے اور دھوئیں کی راکھ اور پانچ لاشیں پڑی تھیں اور ایک لاش ہے جس کا نچلا حصہ الاؤ کے انگاروں پر پڑا تھا گوشت کے جلنے کی بو اٹھ رہی تھی۔

اور میں اس شیطانی جزیرے میں اکیلا تھا۔

اور تھوڑی دیر بعد سامنے کی جھاڑیوں میں سے تین حیوان آدمی نکل کر خمیدہ پشت اور ٹیڑھی ٹانگیں ان کے سر کندھوں میں دھنسے ہوئے تھے اور آنکھیں چمک رہی تھیں اور وہ اپنے بے ڈھنگے پیر ہلاتے ہچکچاتے، ڈرتے......میری طرف بڑھے۔

میں ان حیوان لوگوں کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا۔آج اور اسی وقت میری قسمت کا فیصلہ ہو جانے والا تھا۔میرا ایک ہاتھ فی الحال بے کار ہو چکا تھا اور میں ان حیوان لوگوں کے جزیرے میں اکیلا تھا۔میری جیب میں پستول تھا۔جس میں سے دو تین گولیاں صرف ہو چکی تھیں۔حصار جل رہا تھا اور اس میں رکھا ہوا گولا بارود بھی جل چکا تھا۔ساحل پر وہ دو کلہاڑیاں پڑی تھیں۔جن سے کشتیاں چیری گئی تھیں۔

ہمت......پتھر کو پانی کر دینے والی ہمت کی ضرورت تھی۔میں نے گھور کر ان حیوان آدمیوں کی طرف دیکھا جو میری طرف بڑھ رہے تھے۔ان کے نتھنے پھڑک رہے تھے اور وہ اپنی تھوتھنیاں اوپر اٹھا کر ہوا میں خدا جانے کیا سونگھنے لگتے تھے۔میں دوڑ کر بھیڑیے آدمی کی لاش کے قریب پہنچا اور اس کے نیچے دبا ہوا وکرم بھاٹیہ کا چابک گھسیٹ لیا۔چابک سرخ ہو رہا تھا۔میں نے ”شان“ سے ہوا میں چابک بجایا تو وہ تینوں حیوان آدمی رک کر میری طرف دیکھنے لگے۔

”سلام کرو۔“میں نے تحکمانہ لہجے میں کہا۔”جھک جاؤ۔“وہ ہچکچانے لگے۔ان میں سے ایک ذرا سا جھکا۔

”جھک جاؤ۔“میں نے پھر کڑک کر کہا اور چند قدم ان کی طرف بڑھا۔حالاں کہ دل کا خدا ہی حافظ تھا۔لیکن میں ان کے سامنے کم ہمتی کا مظاہرہ کر کے خود اپنی موت کو دعوت دینا نہیں چاہتا تھا۔پہلے

ایک پھر دوسرا اور پھر تیسرا میرے سامنے جھک گیا۔

میں ان کی طرف منہ کیے۔ الٹے قدموں چلتا ہوا لاشوں کے قریب جا کھڑا ہوا۔

"ان لوگوں نے قانون توڑا تھا۔" میں نے بھورے بالوں والے آدمی قانون گو کی لاش پر اپنا ایک پاؤں رکھ کر کہا "اور دیکھو یہ مارے گئے حتیٰ کہ قانون گو بھی اور تمہارا دوسرا چابک والا آقا بھی...... آؤ...... اور عبرت پکڑو۔"

"کوئی نہیں بچ سکتا۔" ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر قانون گو کی لاش کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں کوئی نہیں بچ سکتا۔" میں نے کہا۔ "چنانچہ میری بات سنو اور میرا حکم مانو۔"

وہ سوالیہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔

"وہیں کھڑے رہو۔" میں گرجا۔

اور میں نے دونوں کلہاڑیوں اٹھا کر اپنی بغل پٹی سے لٹکا لیں۔ پھر وکرم بھاٹیہ کے ہاتھ سے پستول چھڑا کر اپنے قبضے میں لے لیا۔ اس میں چند گولیاں ابھی باقی تھیں اور جب میں نے وکرم بھاٹیہ کی جیبوں کی تلاشی لی تو خوش قسمتی سے چھ کارتوس مل گئے۔

"اٹھاؤ اسے۔" میں نے چابک سے وکرم کی لاش کی طرف اشارہ کیا۔ "اور سمندر میں ڈال دو۔"

وہ لرزتے کانپتے آگے بڑھے وہ اب بھی وکرم سے ڈر رہے تھے۔ لیکن اس سے زیادہ میرے خون آلود چابک سے سہم رہے تھے۔ چنانچہ ان کی طرف سے تھوڑی ہچکچاہٹ اور میری طرف سے غصہ کے مظاہرے کے بعد وکرم بھاٹیہ کی لاش اٹھا کر سمندر میں اتر گئے۔

"آگے...... اور آگے۔" میں نے چابک لہرا کر کہا۔

وہ آگے بڑھے...... اور آگے...... یہاں تک کہ پانی ان کی بغلوں تک آ گیا اور وہاں پہنچ کر وہ میری طرف دیکھنے لگے۔

"بس ڈال دو۔" میں نے حکم دیا۔

اور دوسرے لمحے وکرم بھاٹیہ کی لاش زیرآب تھی۔ میرے حلق میں پھندے سے پڑ گئے اور آنسو پلکوں میں اٹک کر رہ گئے۔

"ٹھیک ہے۔" میں نے گلوگیر آواز میں کہا اور وہ لوگ اس سگ گزیدہ کی طرح جسے پانی میں پھینک دیا گیا ہو۔ تیزی سے باہر نکل آئے۔ کنارے پر آ کر وہ خوف زدہ نظروں سے اس طرف دیکھنے لگے۔ جہاں وکرم بھاٹیہ کی لاش پھینکی گئی تھی۔ گویا انہیں خوف تھا کہ وہ ابھی سمندر میں سے نکل کر انہیں اس بے ادبی کی سزا دے گا۔

اور دوسری لاشیں بھی سمندر میں پھینک دی گئیں۔ لیکن وہ ان لاشوں کو پھینکنے کے لیے اس جگہ نہ گئے جہاں وکرم بھاٹیہ کی لاش پھینکی گئی تھی۔ ان چار لاشوں کو وہ اس جگہ سے کوئی تیس گز دور مشرق کی طرف پھینک آئے۔

اور جب وہ وکرم بھاٹیہ کے ریچھ ملازم کی لاش پھینکنے جا رہے تھے تو میں نے اپنے پیچھے پیروں کی

چاپ سنی۔ مڑ کر دیکھا تو لکڑ بھگا آدمی مجھ سے کوئی بارہ گز دور کھڑا مجھے گھور رہا تھا۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں اوپر کا ہونٹ دانتوں میں کھینچ گیا تھا اور دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں۔

میں نے فوراً چابک پھینک کر پستول نکال لیا۔ میں اسے مار ڈالنا چاہتا تھا۔ کیوں کہ میں اس کی طرف سے مطمئن نہ تھا اور اب پورے جزیرے میں وہی ایک خطرناک آدمی رہ گیا تھا۔ میں جانتا تھا کہ جب تک یہ زندہ ہے میں کوئی کام سکون سے نہیں کر سکوں گا۔ لیکن کوئی بہانہ تلاش کیے بغیر میں اسے مار بھی نہ سکتا تھا۔

"جھک جاؤ۔" میں نے کڑک کر کہا۔

اس کا اوپری ہونٹ کھینچ گیا۔ اس کے خون خوار دانت نظر آنے لگے۔ وہ غرا کر بولا۔ "کون ہوتے ہو تم...... میں......"

میرے لیے اتنا ہی کافی تھا۔ میں نے جلدی سے پستول اٹھا کر لبلبی دبا دی۔ لکڑ بھگا آدمی چیخ کر ساحل پر تیز رفتار چھلانگا۔ میرا نشانہ خطا کر گیا تھا۔ میں نے پھر گھوڑا چڑھایا۔ اس عرصہ میں وہ بھاگتا ہوا مجھ سے کافی دور چلا گیا تھا اور میں نہیں چاہتا تھا کہ میرا دوسرا نشانہ بھی خالی جائے۔ کیوں کہ میرے پاس کارتوس بہت کم رہ گئے تھے۔ وہ بھاگتے وقت بار بار گردن موڑ کر میری طرف دیکھ لیتا تھا۔ وہ جلدی ہی دھوئیں میں گھس کر میری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ دھواں اٹھ اٹھ کر ساحل پر پھیل رہا تھا۔

میں چند ثانیوں تک کھڑا اس دھوئیں کو دیکھتا رہا۔ جس نے میرے جانی دشمن کو اپنی آغوش میں لے لیا تھا۔ پھر مڑ کر اپنے فرمانبردار تین حیوان آدمیوں کو دیکھا اور ریچھ ملازم کی لاش پھینک دینے کا اشارہ کیا۔ پھر اس جگہ پہنچ کر جہاں لاشیں پڑی تھیں۔ خون کے دھبوں پر ریت ڈال دی۔

میں نے ہاتھ ہلا کر ان تین حیوان آدمیوں کو رخصت کر دیا اور جھاڑیوں میں گھس گیا کہ اطمینان وسکون سے صورتحال پر غور کر سکوں۔

سب سے پہلے جس خطرناک حقیقت کا احساس ہوا وہ یہ تھی کہ اب پورے جزیرے میں ایک بھی ایسی جگہ نہ تھی جہاں میں آرام کر سکتا اور رات کو سو سکتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس جزیرے میں آنے کے بعد میری جسمانی قوت عود کر آئی تھی اور حالات نے مجھے دلیر بھی بنا دیا تھا۔ لیکن نازک حالات اور اپنی استعداد سے زیادہ کام کے بوجھ مجھے اعصابی ہیجان میں مبتلا کر سکتا تھا۔

چنانچہ اسکے علاوہ کوئی صورت نہ تھی کہ میں اس کہنائے میں جاؤں۔ جہاں حیوان لوگوں کے بھٹ تھے اور انہیں اپنا دوست بنا کر انکے ساتھ رہنے لگوں۔ لیکن کوئی غیبی آواز مجھے ایسا کرنے سے منع کر رہی تھی۔ حیوان لوگوں کی طرف سے میں مطمئن نہ تھا۔ چنانچہ میں جھاڑیوں سے نکل کر ساحل پر چل پڑا اور جلتے ہوئے حصار کے عقب میں پہنچ کر اس چٹان کی طرف ہو لیا جو سمندر میں دور تک چلی گئی تھی۔ اس چٹان پر بیٹھ گیا اور گھٹنوں پر ٹھوڑی ٹیک کر سوچنے لگا کہ کسی مدد کے آنے تک میرے زندہ رہنے کی کیا صورت ہو گی۔ لیکن کوئی صورت نظر نہ آئی۔ میں الجھ گیا۔

اور مجھے وکرم بھاٹیہ کے الفاظ یاد آ گئے۔ یہ حیوان آدمی پھر اپنی اصلیت پر آ جائیں گے۔ وہ پھر تبدیل ہو جائیں گے۔ وہ پھر پہلے جیسے ہی خونخوار درندے ہوں گے۔ ایسا ہونا ضروری ہے اور مارکوس نے کیا

کہا تھا۔یعنی کہ وہ ان کی ظاہری شکل وصورت تو بدل سکا ہے مگر ان کی جبلتیں نہیں بدل سکیں اور مجھے لکڑ بھگا آدمی یاد آگیا۔اگر میں نے اس کا خاتمہ نہ کر دیا تو وہ خود موقع ملتے ہی میرا خاتمہ کر دے گا۔قانون کو مر چکا تھا اور یہ واقعی برا ہوا تھا۔اس کے علاوہ حیوان لوگوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ "چابک والے" بھی مر سکتے ہیں انہیں مارا جا سکتا ہے اور یہ اور بھی برا ہوا تھا۔

کیا وہ سامنے کی جھاڑیوں میں منتظر بیٹھے تھے کہ میں وہاں سے گزروں تو وہ اچانک مجھ پر جھپٹ پڑیں؟ کیا وہ میرے خلاف کوئی سازش کر رہے تھے اس وقت۔کیا لکڑ بھگا آدمی انہیں میرے خلاف اکسا رہا تھا اور ان سوالوں کے جواب میں ایک طرح کا شدید خوف میرے دل میں اترتا چلا گیا اور تصور میری موت کو نت نئے روپ میں مجھے دکھانے لگا۔کبھی تو میں دیکھتا کہ لکڑ بھگا آدمی میرے حلق میں اپنے خونخوار دانت کھبوئے غرا رہا ہے۔ پھر دیکھا کہ حیوان آدمی میری لاش کو جنگل میں گھسیٹے پھر رہے ہیں۔اور......اور......اور۔"

آبی پرندوں کی چیخیں سن کر میں چونکا۔وہ ساحل پر پڑی ہوئی کسی چیز پر لڑ جھگڑ رہے تھے۔اس چیز کو سمندر کی موجوں نے ساحل پر لا پھینکا تھا اور میں جانتا تھا کہ وہ کیا چیز تھی۔یقیناً وکرم بھاٹیہ کی لاش تھی۔لیکن مجھ میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہاں جا کر پرندوں کو بھگا دیتا۔

لیکن میں عبرت ناک منظر دیکھ بھی تو نہ سکتا تھا۔چناں چہ میں سمت مخالف میں چل پڑا اور ساحل پر چلتا ہوا اچانک اس کھنائے کے سامنے پہنچ گیا۔جس میں حیوان لوگوں کے بھٹ تھے۔یہی خلاف توقع بات ہوئی تھی۔میں نہیں جانتا تھا کہ جنگل میں سے گزرے بغیر ساحل پر چل کر بھی اس کھنائے کے سامنے پہنچا جا سکتا تھا۔جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں یہ خلاف توقع بات ہوئی تھی۔چنانچہ میں دم بخود رہ گیا اور یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ قسمت مجھے کشاں کشاں موت کے سامنے لے آئی ہے۔

ساحل کے انتہائی سرے پر کوئی نصف میل دور جھاڑیوں اور تاڑ کے درختوں کا جنگل تھا۔اس جنگل میں سے ایک حیوان آدمی نکل کر میری طرف آیا۔میں نے اسے پہچان لیا۔وہ ان تینوں آدمیوں میں سے ایک تھا۔جنہوں نے وکرم بھاٹیہ اور حیوان آدمیوں کی لاشیں سمندر میں پھینکی تھیں۔بے شک وہ فرماں بردار تھا۔لیکن خوف وہراس نے مجھے ایسا دیوانہ بنا دیا تھا کہ میں کسی پر بھروسہ نہ کر سکتا تھا اور صحیح معنوں میں اپنے سائے سے بھی ڈرنے لگا تھا۔چناں چہ میں نے فوراً اپنا پستول نکال لیا اور اس حیوان آدمی کے دوستانہ اشارے سمجھنے کے بعد بھی میں نے اپنا پستول والا ہاتھ نہ جھکایا وہ رک کر چند ثانیوں تک مجھے دیکھتا رہا اور پھر ڈرتے ڈرتے آگے بڑھا۔

"چلے جاؤ۔" میں چلایا۔

اس حیوان آدمی کا خوشامدانہ انداز کتے سے ملتا جلتا تھا اور جب میں نے اسے چلے جانے کا حکم دیا تو وہ اس کتے کی طرح پیچھے ہٹا جسے اس کا مالک ڈرا دھمکا کر راستے سے واپس گھر بھیج رہا ہو۔وہ چند قدم پیچھے ہٹ کر مجھے دیکھنے لگا۔

"چلے جاؤ۔" میں دیوانوں کی طرح چلایا۔"میرے قریب آنے کی کوشش نہ کرنا۔"

"نہ آؤں؟" اس نے خوشامد سے پوچھا۔

"نہیں۔جاؤ۔" میں نے ہوا میں چابک بجایا۔

لیکن وہ وہیں کھڑا رہا۔میں چابک اپنے دانتوں میں دبا کر جھکا اور میں نے ایک پتھر اٹھا لیا اور اس طرح حیوان آدمی کو لوٹ جانے پر مجبور کر دیا۔وہ جیسے بادل نخواستہ جنگل کی طرف چلا گیا۔

اب میں نرسلوں اور بید کے جنگل میں گھس کر بیٹھ گیا۔جو کھنائے اور ساحل کو ایک دوسرے سے الگ کرتا تھا۔میں معلوم کرنا چاہتا تھا کہ وکرم بھاٹیہ اور مارکوس کی موت اور دارالعقوبت کی بربادی کا اثر حیوان لوگوں پر کیسا ہوتا ہے اور اس جنگل میں چھپ کر میں یہ بات بڑی آسانی سے معلوم کر سکتا تھا۔کیوں کہ یہ جگہ کھنائے اور ساحل کے بیچ میں تھی اور اب مجھے بزدلانہ غلطی کا احساس ہوا۔اگر میں گھبرا نہ گیا ہوتا تو مارکوس کی موت کے فوراً بعد یعنی سورج طلوع ہونے سے پہلے اس کا جانشین بن جاتا اور مزے سے مارکوس کی طرح ہی ان حیوان لوگوں پر حکومت کرتا۔لیکن برا ہوا اس گھبراہٹ کا کہ ایسا کرنے کا مجھے کوئی خیال ہی نہ آیا اور اب وقت نکل چکا تھا۔اب کچھ نہ ہو سکتا تھا۔حصار اور اس کے ساتھ مارکوس کی لاش بھی جل چکی تھی اور حیوان لوگ غالباً میری کمزوری سے واقف ہو چکے تھے۔وہ مجھ سے بہت ممکن ہے ڈرتے ہوں۔لیکن اتنا نہیں جتنا کہ مارکوس اور وکرم بھاٹیہ سے ڈرتے تھے۔

دوپہر کے قریب چند حیوان لوگ آئے اور ساحل پر دھوپ میں بیٹھ گئے۔میں نرسلوں اور بید کے جنگل میں چھپا انہیں دیکھتا رہا۔یہاں تک کہ بھوک اور پیاس کی شدت میرے خوف پر غالب آ گئی اور میں پستول سنبھال کر جنگل سے نکل کر ان حیوان لوگوں کی طرف بڑھا پہلے ایک نے جو بھیڑیا عورت تھی۔میری طرف دیکھا۔پھر وہ سب میری طرف دیکھنے لگے۔کسی نے اٹھ کر مجھے سلام نہ کیا اور میں نے بھی ان پر رعب جمانے کی کوشش نہ کی۔کیوں کہ بھوک اور پیاس نے مجھے نڈھال کر دیا تھا۔یا یوں کہیے کہ بھوک اور پیاس نے مجھے مسکین اور بزدل بنا دیا تھا۔

"مجھے کھانا چاہیے۔" میں نے مسکینوں سے لہجے میں کہا۔"کھانا یہاں کہاں! جھونپڑی میں ہے۔" اس حیوان آدمی نے حقارت سے کہا جو سانڈھ اور ریچھ کا مجموعہ تھا۔

میں ان کے قریب سے ہٹ کر ویران کھنائے میں گھس گیا۔ایک خالی سے بھٹ میں مجھے تھوڑے سے پھل مل گئے۔میں قبل از تاریخ کے وحشیوں کی طرح انہیں کھانے لگا۔بھوک کی بے چینی ختم ہوئی تو خشک ٹہنیوں اور پتوں سے بھٹ کا دروازہ بند کر کے ستانے کے لیے لیٹ گیا۔میرا منہ دروازے کی طرف تھا اور ہاتھ میں پستول پکڑا ہوا تھا۔میرے پپوٹے بوجھل ہو کر خود بہ خود بند ہونے لگے۔

میں سونا نہ چاہتا تھا۔لیکن آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں۔چنانچہ میں نے یہ سوچ کر آنکھیں بند کر لیں کہ اگر کسی نے بھٹ میں گھسنے کی کوشش کی تو ان خشک ٹہنیوں اور پتوں جن سے میں نے دروازہ بند کیا تھا۔کھڑکھڑاہٹ سے میری آنکھ کھل جائے گی اور میں بہت جلد میٹھی نیند سو گیا۔

نیند ایک مہربان ماں جو زندگی کی تمام مشکلات کو اپنے دامن میں سمیٹ کر سکون کی وادیوں میں پہنچا دیتی ہے۔یہ ہی میٹھی نیند میرے دل ودماغ کو پرسکون کرتی رہی اور پھر جب بیدار ہوا تو بھٹ میں گھپ اندھیرا

تھا اور میرے اس ہاتھ میں جس کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں ۔ میں کراہ کر اٹھ بیٹھا ۔ بھٹ کے باہر کوئی بھچی بھچی آواز میں کچھ کہہ رہا تھا ۔ میں نے دیکھا کہ بھٹ کے دروازے پر میں نے جو خشک ٹہنیوں اور پتوں کی باڑ لگائی تھی وہ غائب تھی ۔ لیکن میرا پستول بدستور میرے ہاتھ میں تھا ۔

حقیقتاً بڑی ہی گہری نیند آئی تھی ۔ پھر اچانک ہی مجھے اپنے بالکل ہی قریب کسی کی سانس سنائی دی اور میں گھبرا گیا ۔ نہ جانے کون ہے ۔ جو میرے قریب ہی لیٹا ہوا ہے سب سے پہلی کوشش میں نے یہی کی تھی کہ اپنے قریب لیٹے ہوئے وجود سے تھوڑا سا فاصلہ اختیار کر لوں ۔ میں نے انتہائی آہستگی سے اپنے جسم کو سمیٹا ۔ اچانک کوئی چکیلی گرم اور گیلی چیز میرے ہاتھ کی پشت پر رینگنے لگی ۔

یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی لمبی لپلپاتی زبان میرا ہاتھ چاٹ رہی ہو ۔ میرے پورے بدن میں کپکپی دوڑ گئی ۔ میں نے جلدی سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور پستول کا رخ اندھیرے میں بیٹھی ہوئی اس مخلوق کی طرف کر کے کپکپاتی آواز میں پوچھا ۔

" کون ہے ؟ "

" میں ہوں آقا ۔ " جواب ملا ۔

" کیا ہے ؟ "

" وہ سب کہتے ہیں کہ اب کوئی آقا نہیں رہا ۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ آقا ہے ۔ ایک آقا ہے ۔ کیونکہ میں ان کی لاشوں کو سمندر میں پھینک آیا تھا ۔ جنہیں آپ نے مارا تھا ۔ اے سمندر میں چلنے والے آقا ۔ میں آپ کا غلام ہوں ۔ "

" تو تم وہی ہو جس سے میں ساحل پر ملا تھا ۔ "

" ہاں وہی ہوں آقا ۔ آپ نے مجھے چلنے کا حکم دیا تھا ۔ " ایک لمحے کے لیے سوچنے کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ یہ حیوان جیسا آدمی یقیناً وفادار ہے ۔ اگر نہ ہوتا تو سوتے ہوئے یہ آسانی سے میری فاتحہ کر سکتا تھا ۔ اس کا مطلب ہے کہ اس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے ۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد میں نے کہا ۔ " ٹھیک ہے ۔ " اور اس کے ساتھ ہی میں نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا ۔ جسے وہ چاٹنے لگا ۔ اس خوف اور مایوسی کے عالم میں اس وفادار حیوان کا ساتھ میرے لیے غنیمت تھا ۔

" دوسرے کہاں ہیں ۔ " میں نے پوچھا ۔

" وہ سب بے وقوف ہیں ۔ آقا پاگل ہو گئے ہیں اس وقت بھی وہ وہاں کھڑے آپس میں صلح مشورے کر رہے ہیں ۔ وہ کہتے ہیں کہ آقا مر گیا ۔ دوسرا چابک والا مر گیا اور تیسرا جو سمندر میں چلتا ہے ۔ ہماری طرح ہی ہے ۔ اب ہمارا کوئی آقا نہیں ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ نہ چابک والے رہے اور نہ عذاب کا گھر ۔ لیکن وہ کہتے ہیں کہ پھر ہم قانون پر عمل کریں گے ۔ میں جانتا ہوں آقا...... میں سب کچھ جانتا ہوں ۔ "

" ٹھیک ہے ۔ "

" آپ ایسا کیجئے آقا سب کو فوراً مروا لیے ۔

" ہاں میں ایسا ہی کروں گا لیکن ابھی نہیں ۔ اس کے علاوہ بس اسی کی جان بخشی جائے گی ۔ جن کی تم

سفارش کرو گے ۔ "

" آقا کی مرضی میری مرضی ہے ۔ جسے آقا چاہیں مروا دیں ۔ "

" نہیں ابھی انہیں زندہ رہنے دو ۔ تاکہ وہ جی بھر کر گناہ کر لیں اور پھر ہم انہیں سخت سے سخت سزا دیں ۔ ابھی ان سے کچھ کہنا بھی مناسب نہیں ۔ "

" لیکن ان میں سے ایک نے گناہ کیا ہے اور میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا ۔ وہ جب بھی میرے سامنے آئے گا تو مارا جائے گا ۔ چنانچہ جب میں اس کی طرف اشارہ کر کے کہوں کہ ہاں یہی ہے ۔ تو فوراً اس پر جھپٹ پڑنا ۔ اب میں ان آدمیوں کے پاس جاؤں گا جو صلح مشورے کر رہے ہیں ۔ " میرا غلام فوراً اٹھ کر بھٹ سے باہر نکلا ۔ میں اس کے پیچھے تھا ۔ رات گہری ہو چکی تھی اور علاقے کے انتہائی سرے پر الاؤ جل رہا تھا ۔ الاؤ کی دھندلی چھاؤں میں بہت سے وجود چلتے پھرتے نظر آ رہے تھے ۔ ایسا لگتا ہے جیسے کالے دیو پروے کا جنگل ہو ۔ اس پروے پر شعلوں کے سائے ناچ رہے تھے ۔ چاند طلوع ہو چکا تھا ۔ لیکن ابھی آسمان کے کنارے پر ہی لٹکا ہوا تھا اور اس کی کرنیں آبادی کی دیواروں پر اگی ہوئی خودرو جھاڑیوں میں ہی الجھ کر رہ جاتی تھیں ۔ نیچے نہ پہنچ پاتی تھیں ۔

" وہ مرا نہیں ہے ۔ وہ اب بھی تمہیں دیکھ رہا ہے ۔ " میں نے کہا ۔ " عذاب کا گھر بے شک نہیں رہا ۔ لیکن وہ پھر بن سکتا ہے اور تم نے اگر سرکشی کی تو یقیناً بن جائے گا ۔ تم آقا کو نہیں دیکھ سکتے لیکن وہ تمہیں دیکھ رہا ہے ۔ " یہ الفاظ میں نے کچھ ایسی آواز میں اور کچھ ایسے یقین کے ساتھ کہے کہ وہ سب گھبرا گھبرا کر چاروں طرف دیکھنے لگے ۔ جیسے خوف کا دیوتا ۔ اندھیرے کی چادر میں نکل آئے گا ۔ ایک جانور چاہیے ۔ کسی بھی شکل میں ہو ۔ خونخوار اور چالاک تو ہو سکتا ہے ۔ لیکن چھوٹا نہیں ۔ "

" پٹی بندھے ہوئے ہاتھ والا آدمی عجیب سی بات کہتا ہے ۔ " ان میں سے ایک نے کہا ۔

" یقین کرو ! " میں نے اپنی آواز کو پر رعب بناتے ہوئے کہا ۔ " آقا پھر آئے گا ۔ عذاب کا گھر پھر بنے گا ۔ چنانچہ افسوس جو لوگ سرتابی کریں گے ۔ اس کا حشر کتنا برا ہو گا ۔ میرے ان الفاظ سے وہ خوفزدہ ہو گئے اور ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے ۔ میں کلہاڑی سے زمین کرید کرید کر اپنی لاپرواہی اور بے خوفی ظاہر کر رہا تھا ۔ حالانکہ دل کی جو حالت تھی وہ میں ہی جانتا تھا اور میں نے دیکھا کہ وہ سب خوفزدہ نگاہوں سے میری کلہاڑی کی طرف دیکھ رہے تھے ۔

پھر ایک دوسرے آدمی نے کچھ پوچھا اور سب تیزی سے ایک دوسرے سے باتیں کرنے لگے ۔ میری ہمت بندھ چکی تھی اور مجھے یقین ہو گیا تھا کہ میرا تیر نشانے پر لگا ہے ۔ اب میں بالکل خوفزدہ نہیں تھا اور خاصی رعب دار آواز میں برابر بولے جا رہا تھا ۔ میں نے ایک گھنٹے سے کم وقت میں ان لوگوں کو یقین دلایا کہ خوف کا دیوتا زندہ ہے ۔ شروع شروع میں چند لوگوں نے اعتراض کیا لیکن میں نے مناسب اور موضوع جواب دے کر ایک حد تک ان کے شکوک رفع کر دیے ۔ میں اپنے دشمنوں کا منتظر تھا ۔ خاص طور سے وہ لکڑ بگھا ۔ جو ان سب میں سب سے زیادہ خوفناک تھا ۔

لیکن وہ نہ آیا اور جب چاند ڈھلنے لگا تو وہ انگڑائیاں اور جمائیاں لینے لگے ۔ جب وہ جمائیاں لیتے تو

ان کے تیز اور نوکیلے دانت الاؤ کی روشنی میں چمکتے اور میرا پچھلا خوف ابھر آتا۔ میں سوچنے لگتا کہ ان پر کہاں تک بھروسہ کیا جاسکتا ہے۔ آخر کار وہ ایک ایک کر کے اپنی بھٹوں کی جانب چل پڑے اور میں نے بھی ایک محفوظ ٹھکانہ تلاش کر لیا۔ اس طرح میں اس جزیرے میں طویل ترین قیام کے لیے تیار ہو گیا اور اس رات سے لے کر اس جزیرے میں میرے آخری دن تک ایک ایسا واقعہ ہوا جو بیان کرنا ضروری ہے۔ اس طویل ترین قیام کے دوران میں نے بہت سے خوفناک واقعات دیکھے۔ لیکن ان سب کی تفصیل بیان کرنا میرے خیال میں دلچسپ نہیں۔ اس قیام کی بہت سی یادیں ایسی تھیں جنہیں میں بھلانا چاہتا تھا۔

بہر حال لکڑ بگھا آدمی تو کبھی میرے سامنے آتا ہی نہیں تھا۔ میری کلہاڑی اور میرے وفادار کتے سے آدمی ڈرنے لگے۔ حالانکہ میں خود ان سے ڈرتا تھا۔ لکڑ بگھے سے میرا وفادار غلام بھی سخت نفرت کرتا تھا اور رات کو ہوشیار سوتا تھا۔ کہ کہیں دشمن بے خبری میں حملہ نہ کر دے۔ میرا وفادار غلام جانتا تھا کہ ہمارے دشمن کے منہ کو خون لگ گیا ہے اور وہ جنگل میں خرگوشوں اور دوسرے چھوٹے جانوروں کو ڈھونڈتا پھرتا ہے۔ اس نے جنگل میں بھٹ بنا لیا تھا اور وہیں اکیلا رہتا تھا۔ لیکن ہمیں یہ کبھی نظر نہ آیا۔

کئی دفعہ میں اس بھٹ کی طرف بھی گیا۔ لیکن وہ توقع سے زیادہ ہوشیار اور چالاک تھا۔ بہر حال یہ زندگی گزرتی رہی اور یہاں کے ماحول میں سوچنے سمجھنے میں بڑا فرق آ گیا۔ پھر بارشوں اور طوفان کا موسم شروع ہوا۔ میں اس دوران اپنے فرار کا منصوبہ بھی کامیاب بنانا چاہتا تھا اور آخر کار میں ایک بیڑا بنانے میں کامیاب ہو ہی گیا۔ اب اس بیڑے کو سمندر تک لے جانے کا مسئلہ درپیش تھا اور میں کوشش کر رہا تھا کہ کچھ ہو جائے۔

پھر ایک دن میں اپنے حصار سے باہر نکلا ہی تھا۔ کہ کوئی ٹھنڈی سی چیز میری ایڑی سے ٹکرائی میں نے دیکھا تو چھوٹا سا آدمی ٹکر ٹکر میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے منہ سے کراہ کی سی آواز نکلی اور وہ جھاڑیوں کی طرف بھاگنے لگا۔ گویا وہ مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ میں مڑے تڑے پودوں کے درمیان سے گزرتا ہوا آگے بڑھا تو میں نے دیکھا۔ میرا وفادار غلام مرا پڑا ہے اور لکڑ بگھا قسم کا آدمی اپنے دونوں پنجے اس کے حلق میں چبھو کر خوشی سے اس کا گوشت چبا رہا ہے جب میں آگے بڑھا تو اس نے خونی گردن اٹھا کر میری طرف دیکھا اور اس کے ہونٹ کھنچ گئے اور دانت نظر آنے لگے۔ جو خون میں ڈوبے ہوئے تھے۔ وہ یوں غرا رہا تھا جیسے میرا مذاق اڑا رہا ہو۔ وہ ایک مکمل درندہ نظر آ رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں۔ لیکن اس کے کان کھڑے ہو گئے اور ذرا پیچھے کی طرف جھک گئے۔ چاروں ٹانگوں پر یوں بیٹھ گیا جیسے جست لگانے والا ہو۔

میں نے پستول کی نال اب اس کی پیشانی کی طرف کر کے گولی چلا دی۔ اس نے ایک چھلانگ لگائی اور مجھ پر سوار ہو گیا۔ اس نے اپنے خوفناک ہاتھ سے میرا گلا پکڑ لیا اور میرے منہ پر زور کا تھپڑ رسید کیا لیکن خوش قسمتی سے میرا نشانہ کامیاب ہوا۔ دوسری گولی اس کی دونوں آنکھوں کی وسط میں پیوست ہو گئی، وہ بے جان ہو گیا۔ میں نے شدید غصے کے عالم میں اپنے غلام اور اس کی لاش جلا دی۔

میں جانتا تھا کہ اب اس جزیرے میں رہنا انتہائی خطرناک ہے۔ بہر حال وہ مبارک دن طلوع ہوا جو میرے لیے حیات کی نوید لایا۔ میں ساحل پر ٹہل رہا تھا کہ جنوب مغربی افق پر بادبان نظر آئے چھوٹے سے بادبان تھے۔ وہ شاید کوئی کشتی تھی۔ میں نے جلدی سے وہ لکڑیاں جلائیں جو میں نے پہلے ہی سے ساحل پر جمع

کر رکھی تھیں۔ اس الاؤ اور دھوپ کی تپش میں کھڑے ہو کر میں اسی کشتی کا انتظار کرنے لگا۔

گھرے اندھیرے نے اتر کر کشتی کو اپنی آغوش میں لے لیا۔ میں ساری رات وہیں بیٹھا رہا اور جب سورج طلوع ہوا تو میں نے اپنے بدن پر سے آخری چیتھڑا اتار کر ہوا میں لہرایا۔ لیکن کشتی میں جو کوئی بھی تھا۔ اس نے میری طرف نہ دیکھا۔ میں چٹان پر بیٹھ گیا اور امید وبیم کے عالم میں کشتی کی طرف دیکھنے لگا۔ اچانک ہی میرے ذہن میں ایک خیال آیا اور میں نے سوچا کہ کیوں نہ میں تیر کر وہاں تک پہنچ جاؤں۔ لیکن یہ بھی ایک خطرناک بات تھی۔

آخر کار اس کے علاوہ اور کوئی تدبیر نہ رہی کہ میں سمندر میں تیر کر اس کشتی تک پہنچوں اور جب میں کشتی پر پہنچا تو مجھے اندازہ ہوا کہ کشتی پر جو دو افراد بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ زندگی سے بہت دور چلے گئے ہیں وہ دونوں مر چکے تھے اور انہیں مرے ہوئے اتنا عرصہ گزر چکا تھا۔ کہ ان کے بدن خشک ہو چکے تھے۔ جب میں نے ان کی لاشیں باہر گھسیٹیں تو ان کے اعضاء الگ ہو گئے۔ ان میں سے ایک کے بال جہاز کے کپتان کی طرح سرخ تھے۔

بہر حال کشتی سمندر میں آگے بڑھنے لگی اور اس کے بعد وہ تیزی سے لہروں کے سہارے آگے بڑھتی رہی۔ وہ جزیرہ غروب ہو گیا تھا۔ جو سورج کے پس منظر میں سبز دھبہ نظر آ رہا تھا اور اس کے ساتھ ہی میری یادداشت بھی واپس آ گئی تھی۔

ایک دم اپنے ماضی کا احساس ہوا تھا۔ وہ ماضی جو میرا اپنا تھا اور جو اس خوفناک جزیرے پر نہ جانے کہاں چلا گیا تھا۔ میں خود پر حیران ہونے لگا۔ اب میرے چاروں طرف بے کراں سمندر تھا اور سر پر شفاف آسمان آہستہ آہستہ رات کی کالی زلفیں بکھرنے لگیں اور آسمان پر تارے آنکھیں جھپکانے لگے۔ سمندر پر سکون تھا رات خاموش تھی اور میرا ذہن سوچ کی گہرائیوں میں سفر کر رہا تھا۔"

کہانی در کہانی، در کہانی۔ لیکن یہ بات کامران کے ذہن میں پوری طرح آ گئی تھی کہ اگر کوئی انسان اپنے آپ کو پر اسرار واقعات میں ملوث سمجھے اور یہ سوچے کہ زندگی میں صرف وہ ہی ایک ایسا شخص ہے جو اس طرح کی الجھنوں میں گرفتار ہے۔ تو یہ حماقت ہے۔ نہ جانے کہاں کہاں کیسے کیسے حالات واقعات بکھرے پڑے ہیں۔ کامران بھی ایسی ہی سوچوں میں گرفتار تھا۔ اس وقت وہ ایک قطعی اجنبی ملک کے اجنبی شہر میں ایک ہوٹل میں مقیم تھا۔

اب بہت سے ایسے احساسات اس کے ذہن میں آتے تھے۔ جو اسے ماحول سے باغی کر دیتے تھے۔ نہ جانے کیا کیا الجھنیں دامن گیر رہتی تھیں۔ قزل ثنائی شعورہ ثنائی نے جو پیشن گوئی کی تھی۔ وہ بڑی عجیب سی تھی۔ لیکن اپنے آپ کو ان کے کہے ہوئے الفاظ سے دور کرنے کی ہر کوشش ناکام ہی رہی تھی۔ وقت کی کہانی اسی ترتیب سے جاری تھی اور وہ یہ سوچتا تھا کہ ایسا کون سا عمل ہو۔ جس سے اسے ان مشکل حالات سے نجات مل سکے۔ ہر ممکن کوشش تو کر لی تھی۔ ہر عمل تو کر ڈالا تھا۔ لیکن کہیں بات ہی نہیں بنی تھی۔ وہ اپنے طور پر ایک صحیح راستہ اختیار کرنا چاہتا تھا۔ لیکن ممکن نہیں ہو سکا اور پھر اس شام واقعات نے ایک اور رخ اختیار کر لیا۔

وہ ہوٹل سے باہر نکلا تھا اور چہل قدمی کرتا ہوا۔ ایک فٹ پاتھ پر چلا جا رہا تھا کہ کسی نے پیچھے سے

اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ کامران نے پلٹ کر دیکھا۔ تو اس کا پورا ذہن جھنجھنا کر رہ گیا۔ یہ حسن شاہ تھا۔ جو پورے اعتماد اور مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اعتماد اسے اس بات کا تھا کہ اس نے صحیح آدمی کے شانے پر ہاتھ رکھا ہے۔ کامران منہ سے کچھ نہ بول سکا۔ تو حسن شاہ نے کہا۔

"اب تم یہ تو نہیں کہو گے کہ تم نے مجھے نہیں پہچانا۔"

"حسن شاہ میں بڑی سنسنی محسوس کر رہا ہوں۔"

"شاید اسی لیے یہ چھوٹا سا ہوٹل بنایا گیا ہے؟" حسن شاہ نے بائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ جہاں واقعی ایک چھوٹا سا خوبصورت ہوٹل نظر آ رہا تھا۔ وہ پھر بولا۔

"آؤ۔"

"ہاں چلو میں بیٹھنا چاہتا ہوں۔" پب کی ایک خوبصورت کرسی پر بیٹھ کر حسن شاہ نے ویٹر کو عمدہ قسم کی کافی اور کچھ لوازمات لانے کے لیے کہا۔

کامران دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بیٹھا ہوا تھا۔ حسن شاہ بولا۔

"نہیں یار! یہ انداز مردوں کو زیب نہیں دیتا۔"

"اس وقت حسن شاہ تم مجھے کچھ بھی کہہ سکتے ہو۔" کامران نے کہا اور حسن شاہ ہنس پڑا۔

"گویا۔ تم یہ کہنا چاہتے ہو......"

"ہاں...... حقیقت یہ ہے۔ میں تمہیں کیا بتاؤں اپنے دل کی باتیں۔"

"دوست تمہارے دل کی باتیں۔ ہمیں اچھی طرح معلوم ہیں۔"

"لگ تو یہی رہا ہے کہ اب مجھے مجھ سے زیادہ میرے شناسا جانتے ہیں۔"

"بالکل صحیح لگ رہا ہے تمہیں۔ اصل میں یہ نہ پوچھنا کہ یہ دعویٰ کیوں کیا جا رہا ہے۔"

"میں تو ابھی کچھ نہیں پوچھوں گا۔ پہلے تمہارے مل جانے کا یقین تو کر لوں۔"

"یقین کر لو...... کہ میں تمہیں مل چکا ہوں۔"

"مگر کیسے؟"

"تمہاری نشاندہی کی گئی ہے۔ باقاعدگی کے ساتھ۔"

"کیا مطلب؟" ایک اور سنسنی خیز بات کہہ دی تم نے۔"

"اب تم اسے جو بھی سمجھو۔ لیکن میں نے جو کہہ دیا ہے۔ وہ ایک بہت بڑا سچ ہے۔ تمہاری نشاندہی کی گئی ہے۔"

"کس نے کی ہے؟" کامران نے سوال کیا لیکن اسی وقت ویٹر نے ان کے آگے لوازمات لگانے شروع کر دیے تھے۔

"ان کی ضرورت نہیں تھی اس وقت۔"

"ہے۔ جب انسان پر حیرت کا غلبہ ہوتا ہے۔ تو اس غلبے کو دور کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ معدے کی خاطر مدارت کی جائے۔ چلو! شروع ہو جاؤ۔"

"میں نے ایک سوال کیا تھا۔" کامران بولا۔

"تمہارے ہر سوال کا جواب تمہیں مل جائے گا۔ تم جان بوجھ کر مجھ سے بھاگے تھے۔"

"ہاں...... میں جان بوجھ کر تم سے نہیں۔ بلکہ ان حالات و واقعات سے بھاگا تھا اور آج تک بھاگ رہا ہوں۔"

"غلطی کر رہے ہو۔ اپنے آپ کو بھٹکا رہے ہو۔"

"نہیں بالکل نہیں۔ اچھا ہاں...... جلدی سے تم مجھے یہ بتاؤ۔ کرنل صاحب اور رانا چندر سنگھ کا کچھ پتہ چلا؟"

"ہاں چل گیا ہے۔"

"خیریت سے تو ہیں وہ لوگ؟"

"بالکل خیریت سے ہیں۔"

"کیا وطن واپس پہنچ چکے ہیں؟"

"کافی ٹھنڈی ہو جائے گی۔" حسن شاہ نے کہا اور کامران چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"مجھے لگتا ہے۔ تم اس سوال سے گریز کر رہے ہو۔"

"کوئی گریز نہیں کر رہا۔ بس میں چاہتا ہوں کہ تم بالکل فٹ ہو جاؤ۔" کامران نے خاموشی سے کافی کی پیالی اپنی طرف سرکا لی۔ حسن شاہ پلیٹیں اس کی طرف بڑھا بڑھا کر اس کی خاطر مدارت کرنے لگا تھا۔

کامران کا ذہن واقعی چکرایا ہوا تھا۔ حسن شاہ اس طرح اس اجنبی شہر میں اسے مل جائے گا۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ بہرحال وہ دیر تک کھانے پینے میں مصروف رہے۔ اس دوران مکمل خاموشی طاری رہی تھی۔ حسن شاہ نے البتہ کتنی ہی بار کن انکھیوں سے اس کے چہرے کا جائزہ لیا تھا۔

کافی کی دو پیالیاں پینے کے بعد اس نے کہا۔

"یار! میں اب ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ ویسے تو کسی کا کہیں بھی پہنچ جانا کوئی تعجب کی بات نہیں ہوتی۔ لیکن تم نے چند الفاظ کہہ کر مجھے حیران کر دیا ہے۔ تم کہہ رہے تھے کہ میری باقاعدہ نشاندہی کی گئی ہے۔"

"ہاں۔"

"کس نے میری نشاندہی کی۔"

"امینہ سلفانے!" حسن شاہ نے کہا اور کامران کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

"اور حیران کرو مجھے اور حیران کرو۔"

"نہیں اب ایسا کرو کہ تم کہیں اور چل کے حیران ہونا۔ تم کتنے ہی مصروف ہو۔ کہیں بھی جانا ہو تمہیں۔ آؤ...... میرے ساتھ چلو۔"

"نہ میں مصروف ہوں اور نہ ہی مجھے کہیں جانا ہے۔ چلو کہاں لے جا رہے ہو مجھے؟" کامران نے کہا اور حسن شاہ نے ویٹر کو اشارہ کر کے بل طلب کیا۔ رقم ادا کر کے کامران کے ساتھ باہر نکل آیا۔ پھر اس نے گزرتی ہوئی ایک ٹیکسی کو اشارہ کیا تھا اور اس کے بعد وہ ٹیکسی میں بیٹھ کر چل پڑے تھے۔

کامران راستے دیکھ رہا تھا۔ بہرحال مختلف راستوں سے گزرنے کے بعد ٹیکسی ایک چھوٹے سے

خوش نما مکان کے سامنے رک گئی۔ حسن شاہ نے بل ادا کیا اور کامران کو لیے ہوئے اندر داخل ہوا۔ کامران نے اب اپنے آپ کو پوری طرح سنبھال لیا تھا۔ لیکن پھر اسے جو پہلا شخص نظر آیا اسے دیکھ کر ایک بار پھر اس کے دل و دماغ پر ایک عجیب و غریب سی کیفیت طاری ہو گئی۔ یہ رانا چندر سنگھ تھا۔

رانا چندر سنگھ کامران کو دیکھ کر مسکرا دیا اور تیزی سے اس کی جانب بڑھا۔

"ہیلو کامران ڈیئر! بہت عرصے کے بعد تم سے ملاقات ہو رہی ہے۔"

"آؤ..... آؤ..... آ جاؤ۔" وہ واپس پلٹ پڑا اور کامران اس کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ حسن شاہ بھی ساتھ ساتھ ہی تھا۔ ڈرائنگ روم میں واقعی بہت سے دھاکے موجود تھے۔ کرنل گل نواز اور امینہ سلفا۔ دونوں بیٹھے ہوئے آپس میں کسی موضوع پر بات کر رہے تھے۔ گل نواز اچھل کر کھڑا ہو گیا اور پھر اس نے کامران کو اس طرح سینے سے لپٹایا کہ چھوڑنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔

کامران اس کی محبت کو محسوس کر رہا تھا اور خود بھی خاموش تھا۔

"اگر میں تم سے یہ کہوں کامران کہ درحقیقت تم مجھے اپنے بیٹوں ہی کی طرح عزیز ہو۔ تو بات عجیب تو لگے گی۔ لیکن کیا کیا جائے۔ انسان محبتوں کے شکنجے میں اسی طرح جکڑ جاتا ہے۔ میرے بیٹے تمہیں تندرست و توانا دیکھ کر مجھے بے حد خوشی ہو رہی ہے۔"

"اور مجھے بھی۔" امینہ سلفا بھی مسکراتی نگاہوں سے کامران کو دیکھ رہی تھی۔ کامران کی نگاہیں ادھر اُدھر بھٹکنے لگیں۔ علی سفیان نظر نہیں آ رہا تھا۔ بہرحال کیا کیا تبدیلیاں ہوئی تھیں۔ کچھ نہیں پتہ تھا۔ البتہ کرنل گل نواز نے امینہ سلفا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"یوں سمجھو اس طرح تمہارے سارے گناہ دھل گئے۔"

"ہوں میں اپنے آپ کو گنہگار نہیں سمجھتی۔ تم اگر یہ الفاظ ادا کر کے خوش ہو تو ٹھیک ہے مجھے اعتراض بھی نہیں ہے۔"

"بیٹھو۔ کامران! یہ بتاؤ تھکن محسوس کر رہے ہو؟"

"سب سے بڑی ذہنی تھکن میرے لیے یہ ہے کہ میں صورتِ حال سے ناواقف ہوں۔"

"امینہ سلفا کا یہ کہنا ہے کہ تم واقعات سے گھبرا کر راہِ فرار اختیار کر چکے ہو۔"

"ہاں ایسا ہی ہے، کرنل صاحب! اب میں یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ میں تو ایک سیدھا سادھا انسان تھا۔ سادگی سے زندگی بسر کر رہا تھا۔ کچھ حادثے ہوئے میری زندگی میں اور اللہ تعالیٰ نے مجھے مجرم بننے سے بچا لیا۔ لیکن اس کے بعد جو زندگی مجھے ملی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ میری جیسی حیثیت کے کسی آدمی کو ایسی زندگی ملی ہو۔"

"دیکھو! حیثیت تم کس چیز کو کہتے ہو؟" رانا چندر سنگھ نے سوال کیا۔

"رانا صاحب! آپ لوگ بڑے بڑے دولت مند لوگ ہیں۔ بڑی حیثیتوں کے مالک۔ لیکن میں تو زندگی میں بہت ہی پسماندہ وقت گزارتا رہا ہوں۔ کرنل صاحب! اگر مجھے اپنے ساتھ یہاں نہ لے آتے۔ تو میں ان کے کارخانے چلا رہا ہوتا۔ میری ذہنی پہنچ اتنی ہی تھی۔"

"نہیں میرے دوست اگر تمہاری ذہنی پہنچ اتنی ہی ہوتی تو جس طرح تم نے ہر قسم کے واقعات کو

شکست دی ہے۔ اس طرح شکست نہ دے پاتے۔ ایک بہت بڑی ٹیم بنائی تھی ہم نے بڑے بڑے خطرناک لوگ اس ٹیم میں شامل تھے۔ میں ولفش وغیرہ کی طرف اشارہ کر رہا ہوں۔ لیکن تم نے سب کو دو کوڑی کا کر کے رکھ دیا۔ تمہاری حیثیت معمولی تھی ہی نہیں یہ الگ بات ہے کہ وقت آہستہ آہستہ تمہیں ان راستوں پر لے کر آیا۔ جو اصل میں تمہارے راستے تھے۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو۔"

"کامران کچھ واقعات تمہیں بتانے ہیں۔ لیکن میں اپنی طرف سے تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔ خزانے نہ پہلے میری منزل تھے نہ اب ہیں۔ اللہ کا دیا میرے پاس سب کچھ موجود ہے۔ میری پشتیں آرام سے بیٹھ کر کھا سکتی ہیں۔ بس یہ تو ایک جنون ہوتا ہے۔ مہم جوئی کا، جنون جو نہ جانے کیسے کیسے گل کھلا دیتا ہے تم یہ سمجھ لو کہ وہ وقت بھی گزر گیا اور جس طرح بھی گزرا یہ ایک الگ بات ہے۔ لیکن میں اب تم سے یہ کہتا ہوں کہ میری طرف سے تم مکمل آزاد ہو۔ اپنے طور پر فیصلے کرو۔ وطن واپس جانا چاہو اور اس سلسلے میں میری کوئی مدد درکار ہو تو تم سمجھ لو کہ میں ہر طرح کی مدد کرنے کو تیار ہوں۔ زندگی گزارنے کا جو بھی راستہ تمہیں پسند ہو ان میں سے کوئی تمہیں اس کے خلاف مجبور نہیں کر سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم میرے آدمی ہو۔" کامران خاموشی سے کرنل گل نواز کی صورت دیکھتا رہا۔ رانا چندر سنگھ نے کہا۔

"کرنل صاحب جو پیشکش تمہیں کر چکے ہیں۔ کامران، ہم سب ان کے ہمنوا ہیں واقعی، کوئی کسی کی زندگی پر اجارہ داری نہیں کر سکتا۔ تم ہمارے غلام نہیں ہو کہ ہم تمہیں تمہاری مرضی کے خلاف مجبور کر سکیں۔ لیکن اب امینہ سلفا کے ذریعے جو کچھ پتہ چلا ہے۔ ہم چاہتے ہیں وہ تمہارے علم میں لائیں۔"

"جی رانا صاحب!" کامران نے کہا۔

سب سے زیادہ حیرت کی بات تو یہ تھی کہ امینہ سلفا ان لوگوں کے ساتھ موجود تھی۔ یہ اجتماع بڑا ناقابلِ یقین سا تھا۔ امینہ سلفا اس دوران بالکل غیر متعلق سی کیفیت میں بیٹھی رہی تھی۔ کچھ دیر خاموشی رہی پھر اس نے کہا۔

"اس کے بعد ایک بار پھر میں پیشکش کروں گی کہ اگر کامران تھکے ہوئے ہیں تو انہیں کچھ آرام کرنے کے لیے دیا جائے۔ بعد میں ان سے بات چیت ہو سکتی ہے۔"

"میں بالکل نہیں تھکا ہوا۔ البتہ کچھ سوالات میرے ذہن میں ضرور ہیں۔"

"میں یہی کہنا چاہتی تھی۔ تم کرنل صاحب کے آدمی ہو۔ کرنل صاحب! اسے تنہائی میں بیٹھ کر بات چیت کرو۔ جو کچھ بھی تمہارے ذہن میں ہے اس پر گفتگو کر لو تاکہ بعد میں ہم بالکل یکسو ہو کر اپنے کام کر سکیں۔"

"ٹھیک ہے پھر ہم اس کام کو کل کے لیے اٹھا رکھتے ہیں۔" کامران خود بھی اس بات کے لیے متفق ہو گیا تھا۔ حسن شاہ رانا چندر سنگھ باقی اور دوسرے لوگ اس کے لیے کسی بھی طرح غیر نہیں تھے۔ لیکن امینہ سلفا کی شخصیت ایسی تھی کہ جب تک اس کی تفصیلات سامنے نہ آ جائیں صورتِ حال ذرا الجھی ہوئی ہی رہتی۔ اسی لیے اس نے یہ وقت لے لیا تھا اور پھر کرنل گل نواز کے ساتھ تنہائی نصیب ہوئی۔ تو پہلے اس نے یہ سوال کیا۔

"سب سے پہلی بات آپ مجھے یہ بھی بتائیے کرنل صاحب کہ کیا یہ سب کچھ آپ کی مرضی سے ہو رہا ہے۔ کوئی ایسا دباؤ تو نہیں ہے۔"

''میں جانتا ہوں۔ تم نے یہ وقت اسی لیے لیا ہے کہ اس صورت حال کو معلوم کرو۔ اصل میں تھوڑی سی گڑبڑ ہوگئی۔ اس وقت سے سمجھ لو جس سے تم ہم سے جدا ہوئے میں کچھ بیمار ہوگیا تھا۔ وطن واپس جانے کے بجائے میں ان لوگوں کے ساتھ باہر نکل آیا خاص طور پر رانا چندر سنگھ مجھے اپنے ساتھ لے آیا اور اس نے میرا علاج کرایا۔ یعنی ہم لوگ وطن واپس گئے ہی نہیں ابھی تک تمہاری ضرورت بھی میں شدت سے محسوس کر رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس بات کا احساس میرے دل میں تھا کہ تم سب زیادہ الجھنوں میں پھنس گئے ہو۔ میں تمہیں ایسے نہیں چھوڑ سکتا تھا لیکن بے بسی تھی۔

''بڑی مشکل سے مجھے حسن شاہ کے ذریعے تمہارے بارے میں تفصیلات معلوم ہوئیں اور بس سمجھ لو ہم اسی وقت سے تمہاری تلاش میں تھے۔''

''آپ لوگ مجھ تک پہنچے کیسے؟''

''یہ عورت امینہ سلفا اگلی بہت سی باتیں تم نے سنی ہیں پہلے تو میں یہی سوچتا تھا کہ یہ ایک بہت بڑی ڈرامہ باز عورت ہے۔ لیکن نہیں یہ واقعی اس کائنات کی ایک پر اسرار ہستی ہے۔ میں نے جتنا کچھ دیکھا ہے۔ اس کے بعد میں اس بات سے انکار نہیں کر سکتا اس نے تمہاری نشاندہی کی ہے اور ہم لوگ یوں سمجھ لو کہ تمہارا تعاقب کرتے کرتے یہاں تک پہنچے ہیں۔ حسن شاہ کے بارے میں بھی اسی نے بتایا تھا۔ حسن شاہ ہمیں تلاش کر رہا تھا اور اس کی راہنمائی میں ہم لوگ اس تک پہنچے اور وہ ہم تک۔

پھر اس کے بعد تمہارے سلسلے میں یہ بتاتی رہی اور ہم ان تمام جگہوں سے گزرتے رہے۔ جہاں جہاں سے تم گزرے تھے اور آخر یہاں تک پہنچ گئے۔''

''یہ بتاتی رہی؟''

''ہاں...... یہ واقعی بہت سے پر اسرار علوم کی ماہر ہے۔''

''علی سفیان کہاں ہے؟'' کامران نے سوال کیا۔

''چلا گیا...... واپس چلا گیا۔ ان دونوں کے درمیان جدائی ہوگئی۔''

''یعنی......؟''

''بھئی سیدھی سی بات ہے۔ یہ اتنے بڑے لوگ ایسے واقعات کو چھوٹی موٹی حیثیت دیتے ہیں۔ اس نے اسے طلاق دے دی اور اس نے خوشی سے طلاق لے لی۔ اب یہ اپنے کسی مقصد کے لیے گامزن ہے اور کامران اس نے ایک خاص بات کہی ہے۔ وہ یہ کہ اسے تمہاری ضرورت ہے۔ وہ کہتی ہے اس کا اپنا جو مشن ہے۔ کامران اس مشن کا ایک خاص حصہ بن گیا ہے۔ خاص بات میں تمہیں بتاؤں کہ کرشنک اور سیتا بھی ہم سے آملے ہیں۔''

''اوہ...... میرے خدا۔'' کامران نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ بولا۔

''وہ کہاں ہیں؟''

''وہ ہمارے ساتھ نہیں ہوتے۔ ان کی شخصیتیں بالکل مختلف ہیں اور وہ اپنے ٹھکانے بھی الگ رکھتے ہیں۔ ہاں ہماری ضرورت پر وہ ہم سے آ ضرور ملتے ہیں۔''

''بڑی سنسنی خیز بات ہے۔''

''کامران تمہارے بارے میں امینہ سلفا بڑے بڑے انوکھے انکشافات کرتی رہی ہے۔'' اسی وقت باہر سے دستک سنائی دی اور کرنل گل نواز دروازے کی طرف دیکھنے لگا پھر بولا۔

''کون ہے۔ آ جاؤ؟'' امینہ سلفا کو دیکھ کر وہ دونوں چونک پڑے تھے۔ امینہ سلفا کے چہرے پر ایک انتہائی پر اسرار کیفیت طاری تھی۔ اس نے کہا۔

''نہیں کرنل! جو حصہ میرا ہے۔ وہ مجھ تک رہنے دو اور تم جانتے ہو کہ عدم تعاون اچھی چیز نہیں ہوتی۔''

''سوری امینہ! سوری۔''

''بس اتنا ہی کہنا چاہتی تھی میں۔'' وہ خاموشی سے باہر نکل گئی تو کرنل گل نواز نے کہا۔

''دیکھا تم نے میں جو کچھ تمہیں بتانے جا رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتی کہ ابھی تمہیں بتایا جائے اور اس کمبخت کو نہ جانے کیسے خبر ہوگئی۔ معافی چاہتا ہوں۔ وہ تو ہمارے الفاظ تک سن لیتی ہے۔ سوری امینہ سلفا سوری۔'' کرنل واقعی متاثر نظر آ رہا تھا۔ کامران بھی بہت سی سوچوں میں ڈوب گیا لیکن۔ یہ حقیقت تھی کہ کامران جس طرح بھٹیوں میں تپا تھا۔ اب وہ کندن بن چکا تھا۔

چھوٹی موٹی بات کو خاطر میں لانا۔ اس کے لیے ممکن ہی نہیں تھا۔ بہر حال دوسرے دن۔ تمام امور سے فارغ ہونے کے بعد امینہ سلفا، رانا چندر سنگھ خود، حسن شاہ کرنل گل نواز کے ساتھ بیٹھ گئے۔ ایک وسیع عریض ہال نما کمرہ تھا۔ جس میں اس وقت یہ نشست ہو رہی تھی۔ کرنل گل نواز نے کہا۔

''ہاں امینہ سلفا۔ اب تم کھل کر ساری داستان بیان کرو جو تم نے ہم سے کہی۔ تمہاری خواہش کے مطابق میں نے کامران کو ایک لفظ نہیں بتایا ہے۔ بلکہ تم تو جانتی ہوگی۔'' امینہ سلفا نے اپنی پر اسرار آنکھیں اٹھائیں۔ ان میں نرم کیفیت نظر آ رہی تھی۔ اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''میں تم سب کی شکر گزار ہوں اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ میں آج کل صرف اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے کام کرتی رہی ہوں۔ میں نے کبھی کسی دوسرے کے بارے میں نہیں سوچا۔ صرف اپنے مقصد کے لیے مصروف عمل رہی۔ میرے ماضی کی داستان تھوڑی بہت تم لوگوں کے علم میں آ چکی ہے۔ لیکن وہ اس وقت کی بات ہے۔ جب میرے کچھ معاملات منظر عام پر آ چکے تھے۔ اس وقت میں اندر اور باہر سے ایک سچ ہوں۔ تم لوگوں کو اپنا راز دار بنا کر میں۔ تمہاری مدد سے کام کرنا چاہتی ہوں اور یہ بھی تاریخ کا حصہ ہے۔ اس تاریخ کا حصہ جس کا اب آغاز ہوگا اور جو شروع ہونے والی ہے۔ یہ بہت ہی اتفاقیہ عمل ہے کہ یہ ایک کردار جس کا نام کامران ہے۔ صرف ایک چھوٹی سی بات پر بہت بڑی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ میں اس شخص کی اب پوری کہانی جانتی ہوں۔ سادہ سی زندگی گزارنے والا ایک سادہ سا نوجوان جو ایک مضبوط کردار کا حامل ہے وہ کبھی کسی عورت کے جال میں نہیں پھنسا۔ کیوں کہ اس کا اپنا ایک کردار ہے۔ اگر ایسا ہو جاتا تو شاید اس کی ذات کو شدید نقصان پہنچ جاتا۔

اس کے ساتھ وہ واقعات پیش آئے اور اس کے بعد وہ جس طرح کرنل گل نواز تک پہنچا۔ وہ ایک دھندلی سی کہانی ہے۔ لیکن سارے کے سارے تار اسی طرح سے ملتے ہیں۔ دلچسپ واقعات اس وقت سے

شروع ہوئے جب کرنل گل نواز نے اتفاقیہ طور پر مل جانے والے دو کرداروں کو جن کا نام گرشک اور سپتا ہے۔ اپنے گھر میں پناہ دی اور وہ دونوں کامران کی جانب اس وجہ سے متوجہ ہو گئے کہ کامران بدھ مت کی تاریخ کے ایک ایسے کردار کا ہم شکل ہے۔ جو ایک مخصوص علاقے میں لوک کہانی کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ کردار بدھ مت کے ایک مخصوص قبیلے کا حصہ ہے۔ سارے بدھ مت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

یہ اس شخص کا ہم شکل ہے۔ جو کہیں خلاؤں میں گم ہو گیا ہے اور بدھ عقیدے کے مطابق ست گاتا کی ایک حکمران اس کے انتظار میں سو گئی ہے۔ یہ پاتال پرمتی کا عکس ہے۔ جس سے وہ محبت کرتی تھی اور اس نے اپنے آپ کو ہی نہیں۔ بلکہ پورے شہر کو اس انتظار میں سلا دیا ہے کہ پاتال پرمتی اسے آ کر جگائے گا۔ وہ اپنے آپ کو اس کی ستی کہتی ہے۔ بس یہ لوک داستانیں ہیں۔ جو پاتال پرمتی سے متعلق ہیں، دھرم دستونیہ۔ اس کردار کا اصل نام ہے اور پاتال پرمتی کی ست دتی۔ پرکھنہ کی گہرائیوں میں اس کا انتظار کر رہی ہے۔

ستی پرکھنہ جو دھرم وشنی کہلاتی تھی۔ یہ باتیں تم لوگوں کو سمجھ میں نہیں آ رہی ہوں گی۔ کیوں کہ ان کا تعلق بدھ مت کی لوک داستانوں سے ہے۔ بہر حال مسئلہ کہنے کا یہ ہے کہ گرشک اور سپتا نے جب کامران کو دیکھا تو وہ یہی سمجھے کہ یہ پاتال پرمتی ہے۔ یعنی دھرم دستونیا۔ وہ آج تک اسے یہی سمجھتے ہیں اور ان کے خیال میں اس کا اپنا کردار اس کے اپنے ذہن میں سو گیا ہے۔ البتہ اس بات سے میں انکار نہیں کر سکتی کہ یہ شخص بہت پراسرار ہے اور سچی بات تو یہ ہے کہ کبھی کبھی میں خود بھی شدید حیرت کا شکار ہو جاتی ہوں یہ سوچ کر کہ کہیں یہ واقعی تاریخ کا وہی کھویا ہوا کردار تو نہیں ہے۔

دیکھو بہت باتیں ایسی ہوتی ہیں۔ جو انسانی ذہن کی پہنچ سے بہت آگے نکل جاتی ہیں اور اس کی بتائی ہوئی جگہ بیٹھ گیا۔ اب امینہ سلفا کی پشت پر تھی۔"

"کامران! وہ سامنے سفید دیوار پر دیکھو اور رانا چندر سنگھ اور کرنل گل نواز میں اس خلیے کو کرید رہی ہوں جس میں کامران کا دیکھا ہوا خزانہ محفوظ ہے۔ تم دیوار پر نگاہیں جما دو اور پھر کائنات کا سب سے حیرت انگیز منظر سامنے آ گیا۔ دیواروں پر مٹتے مٹے نقوش ابھر رہے تھے اور اس کے بعد اس غار کی تصویر جس میں خزانہ محفوظ تھا۔ سب سحر زدہ نگاہوں سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ کامران خود بھی پورے ہوش و حواس میں تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ خزانہ اس وقت ان کی آنکھوں کے سامنے تھا۔ جسے دیکھ کر اس نے بمشکل تمام اپنے دل و دماغ پر قابو رکھا تھا۔

بہر حال یہ سب کچھ بڑا حیرت انگیز تھا۔ جو تھوڑی دیر میں ختم ہو گیا۔ وہ سب گہری گہری سانسیں لے رہے تھے۔ بمشکل تمام کرنل گل نواز کی آواز ابھری۔

"کامران یہ کوئی شعبدہ تو نہیں ہے۔ مجھے نہیں بتاؤ گے میرے بیٹے۔"

"نہیں کرنل! یہ سب کچھ میں دیکھ چکا ہوں اور اسے نظر انداز کر کے چلا آیا ہوں۔"

"آہ...... کیا...... واقعی؟" رانا چندر سنگھ نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

پھر ایک دم سنبھل گیا۔ اس نے کہا۔

"خدا کی قسم لوگ کامران کا دماغ نکال کر لے جائیں گے۔ اگر یہ بات منظر عام پر آ گئی تو۔"

"ہاں امینہ سلفا اس چیز کو منظر عام پر لا سکتی ہے۔"

"میں کبھی نہیں لاؤں گی۔ چوں کہ میں بھی بتا چکی ہوں تمہیں کہ خزانہ میری منزل نہیں ہے۔ میں تو ست گاتا تک پہنچنا چاہتی ہوں جہاں میری زندگی کا سب سے گہرا مقصد چھپا ہوا ہے۔" رانا چندر سنگھ نے چونک کر امینہ سلفا کو دیکھا اور کہا۔

"کیا نام لیا تم نے؟"

"ست گاتا۔" رانا چندر سنگھ دماغ پر زور دینے لگا۔ اس کے چہرے پر عجیب سے نقوش نمودار ہو گئے تھے۔ پھر اچانک اس نے خود کو سنبھالا اور بولا۔

"امینہ سلفا ست گاتا سے تمہارا کیا تعلق ہے؟" امینہ بھی حیران نگاہوں سے رانا چندر سنگھ کو دیکھ رہی تھی پھر اس نے کہا۔

"کیوں خیریت؟"

"ہاں خیریت ہے۔ یہ نام میرے لیے اجنبی نہیں ہے ست گاتا...... ست گاتا۔ بالکل صحیح ہے۔ ہر میت سنگھ میرا گہرا دوست ہے اور ہر میت سنگھ نے ہی مجھے وہ تمام تفصیل بتائی تھی۔ میں نے اس لڑکی کو بھی دیکھا ہے جس کا نام الاکشا ہے۔ شاید وہ آج بھی شہباز خان کی حویلی میں مجھے مل جائے۔

شہباز خان کا بیٹا شہزادہ...... مائی گاڈ...... مائی گاڈ......" امینہ سلفا کے چہرہ پر ایکدم سرخی سی آ گئی تھی اس نے کہا۔

"نہیں تفصیل بتانے کی ضرورت نہیں ہے، وقت کہتا ہے کہ ایک بار پھر ہم اپنے دیس کا رخ کریں۔ وقت ہمیں ایک بار پھر ہمالیہ کی ترائیوں میں لے جانا چاہتا ہے۔ میں تمہیں ہرمیت سنگھ سے اس کی داستان سنوانا چاہتا ہوں۔" امینہ سلفا نے آنکھیں بند کر لیں۔ کامران اب بھی حیران سا بیٹھا ہوا تھا۔

پھر تھوڑی دیر بعد اس نے آنکھیں کھولیں اور سنسنی خیز نگاہوں سے رانا چندر سنگھ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"رانا میں نے بہت دور تک دیکھ لیا ہے۔ ہمیں ست گاتا کی تلاش کے لیے ہرمیت سنگھ تک پہنچنا ہو گا۔"

"اگر یہ سب لوگ چاہیں تو......"

"بھئی سچی بات بتاؤں میں تو وہ کروں گا جو کامران مجھ سے کہے گا۔ اس بچے کو میں نے بڑی تکلیفوں کا شکار کیا ہے۔ میں تو اس سے سخت شرمندہ ہوں۔" کامران ایک عجیب سی کیفیت میں مبتلا تھا۔ امینہ سلفا نے نگاہیں اٹھائیں اور بولی۔

"کامران قزل ثنائی اور شعورہ نے تمہیں یہ بات بتائی تھی کہ تم اس وقت تک سکون کی وادیوں تک نہیں جا سکتے، جب تک کے تاریخ کے کچھ مسئلے حل نہ ہو جائیں۔ تم ہی پاتال پرمتی کی ساحرہ کو زندگی دے سکو گے اور تم ہی اس کو واپس لا سکو گے۔ جو تمہارا ہم شکل ہے۔"

"ہاں...... میں واقعی اپنے دماغ میں کچھ تبدیلیاں محسوس کر رہا ہوں، بہر حال جیسا تم پسند کرو۔ کرنل آپ کیا چاہتے ہیں۔"

"بیٹے میں نے تو اب تم سے کہہ دیا۔ تم اگر یہ کہو کہ ہمیں وطن واپس جانا ہے۔ تو میں ان سب سے

رابطے توڑ کر تمہارے ساتھ وطن واپس چلتا ہوں۔ لیکن اگر تمہیں کوئی اتنا بڑا کام کرنا ہے تو پھر دوسری بات ہے۔''

''کرنل میں تیار ہوں۔ بس اتنا کہنا کافی تھا۔ تیاریاں مکمل ہوئیں سفر طے کیا گیا اور وہ انتہائی حسین وجمیل وادی میں جا پہنچے جہاں بہت تھوڑی سی آبادی تھی۔ راستے میں رانا چندر سنگھ ان لوگوں کو شہباز خان اور ہر میت سنگھ کے بارے میں بتاتا رہا۔

''چھوٹی موٹی ریاستیں ہیں۔ ہر میت سنگھ اور شہباز خان کے خاندانوں میں بہت پرانی دشمنی چل رہی تھی۔ لیکن جب وہ دشمنی دوستی میں تبدیل ہوئی۔ تو وہ ایسے دوست بن گئے کہ ان کی مثالیں دی جانے لگیں۔ دونوں کے دونوں شاندار جوان تھے اور ان کی جوانی کی داستانیں ریاستوں میں پھیلی ہوئی تھی۔ دونوں ہی اپنے اپنے فن کے ماہر تھے۔ ایک طرف شہباز خان ایک شاندار شکاری تھا۔ تو دوسری طرف مہم جوئی ہر میت سنگھ کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ زندگی کے اچھے دن گزار رہے تھے اور جن علاقوں میں رہتے تھے۔ ان کی اپنی کہانیاں بھی بڑی عجیب تھیں۔ روایات کا ایک جنگل جس کی پوری تفصیل آج تک نہیں معلوم ہو سکی تھی۔

جب شہباز خان نے اس کا تذکرہ کیا۔ تو ہر میت سنگھ نے کہا۔

''ہمارے قدم اس جنگل میں داخل ہوئے ہیں۔ واقعی وہ بہت ہی عجیب جگہ ہے۔ لیکن میں نے اس کے بارے میں بہت سی معلومات حاصل کر لی ہیں اور بڑی دلچسپ بات یہ ہے کہ دریا کے ساتھ ساتھ کی آبادیوں میں سب سے بڑی آبادیاں ڈاکوؤں کی ہیں۔ وہ کشتیوں کے ذریعے دریا میں سفر کر کے چھوٹی چھوٹی بستیوں تک پہنچتے ہیں اور لوٹ مار کر کے پھر کشتیوں میں واپس جا کر جنگلات میں جا چھپتے ہیں۔ پولیس نے کئی بار ادھر کی کوشش کیں گھنے جنگلوں میں زیادہ دور تک نہیں جا سکی۔ دریائی راستے بھی انتہائی خطرناک ہیں اس کے علاوہ اندرونی علاقوں میں بہت سے جنگلی قبیلے آباد ہیں۔ جن کی بے شمار کہانیاں بکھری ہوئی ہیں۔ یہ لوگ بیرونی دنیا کے لوگوں کو پسند نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ پولیس وہاں کوئی بڑی کارروائی نہیں کر سکی۔''

''آہ...... ایسی جگہ تو قابل دید ہوگی۔ افسوس یہ ہے کہ اب تک ہم وہاں کیوں نہیں گئے۔'' شہباز خان نے دلیری سے کہا۔

''اصل میں پتا جی کبھی وہاں جانے کی اجازت نہیں دیں گے۔ بلکہ اگر انہیں خبر بھی ہو گئی تو ہمیں تھانے میں بند کرا دیں گے۔''

پھر خاموشی سے خصوصی تیاریاں کی گئیں۔ ریل کا طویل سفر طے کیا گیا بسوں کا سفر ہوا اور بالآخر دونوں چکوتری پہنچ گئے۔ دریائے سلہری چکوتری کے گرد ہنسلی بن کر گزرتا تھا۔ چکوتری انتہائی پسماندہ ہونے کے باوجود قدرتی حسن سے مالا مال تھا۔ خوش نما مناظر سے آراستہ سرسبز و شاداب آبادی جو زیادہ سے زیادہ چار سو مکانات پر مشتمل تھی آمدنی کے ذرائع نہ ہونے کے برابر تھے۔ بس کھیتی باڑی پر ہی گزارہ ہوتا تھا۔ جنگلی پھلوں کی بہتات تھی اور ایسے ایسے پھل ہوتے تھے۔ جو پورے ایشیاء میں کہیں نہ پائے جاتے۔ ہو سکتا ہے کہ ان میں کچھ پھل لذیذ بھی ہوں۔ لیکن چکوتری والوں کے پاس انہیں دوسرے شہروں میں بھیجنے کے وسائل نہ تھے۔ اس لیے وہ وہیں تک محدود تھے۔ البتہ وہ یہاں کے لوگوں کی غذائی ضروریات پوری کرتے تھے۔

یہاں انہیں مستان ملا جو ایک بیس بائیس سالہ نوجوان تھا۔ سنہری رنگت کا مالک تن و توانا۔ گو پستہ قد

تھا۔ لیکن بدن فولاد کا بنا ہوا تھا لگتا تھا۔ اس نے ٹوٹے پھوٹے لہجے میں کہا۔

''ام شرونٹ شر، امارا فادر انگریز کا شرونٹ، آپ بولے ام آپ شرونٹ۔''

''ہمارے ساتھ جنگل میں چلو گے؟ صرف شکاری ہو یا کچھ اور کام بھی جانتے ہو؟''

''ام کک شر...... سب کام کرے گا۔''

''تو پھر تم ہمارے ساتھ چلے گا!'' شرمیلے نوجوان نے معاوضے کی کوئی بات نہیں کی تھی۔ لیکن اس کے اہل خانہ کو چند جوڑے کپڑے اور تھوڑی سی کرنسی دی گئی تو وہ شادی مرگ کی سی کیفیت کا شکار ہو گئے۔ انہیں یقین نہیں آتا تھا کہ یہ سب کچھ ان کے لیے ہے۔ مستان خاموشی سے یہ سب کچھ دیکھتا رہا تھا۔ ویسے بھی قدرتی حسین بستی میں رہنے والے قدرتی حسن سے مالا مال تھے لیکن دنیاوی طور پر ان کے پاس کچھ نہیں تھا۔ لباس کی شکل میں ان کے بدن پر دھجیاں نظر آتی تھیں۔ نسوانیت کی دولت سے مالا مال نوجوان لڑکیاں عموماً درختوں کی چھالوں اور چوڑے پتوں کے لباس میں ملبوس نظر آتی تھیں۔ لیکن وہ زیور حیا سے آراستہ تھیں اور ان میں سے کسی کی آنکھ میں بے باکی نظر نہ آتی تھی۔ وہ شرمیلی نظریں جھکا کر چلنے کی عادی تھیں کہ ہوس کی آنکھ خود ہی شرمندہ ہو جائے۔ چنانچہ مستان کے ساتھ سوبار سلہری کے جنگلوں کا سفر شروع ہو گیا اور اس سفر کا آغاز ہی دل نشین تھا۔

صبح سورج نکلتے ہی ان کے قدم ان جنگلات میں داخل ہو گئے اور جوں ہی انہوں نے جنگل میں قدم رکھا تھا بارش شروع ہو گئی۔ سفر شروع کرنے سے قبل مستان کو ایک جوڑا کپڑے دیئے گئے تھے جو موٹے کپڑے کی ایک پتلون اور شرٹ پر مشتمل تھا۔ گو دونوں کپڑے مستان کے بدن پر ڈھیلے تھے اور لمبے تھے۔ لیکن مستان انہیں پہن کر سحر زدہ سا ہو گیا تھا۔ اس نے پتلون کے پائنچے الٹ کر ایک سُتلی سے کس کر باندھ لیے تھے۔ قمیض بھی چونکہ ڈھیلی تھی۔ اس لیے ایک سُتلی کمر پر باندھ کر اسے بھی فٹ کر لیا تھا۔ جوتے اور ہیٹ چکوتری کی میدان تھے۔

مستان خود کو اس انگریز سے کم نہ سمجھ رہا تھا جس کے پاس اس کا باپ نوکر تھا۔ ہر میت سنگھ نے کہا تھا۔ ''کاش ہم اپنے ساتھ بہت سے پرانے کپڑے لے آتے۔ ان لوگوں کو کس قدر خوشی ہوتی۔''

''کیا معلوم تھا۔'' شہباز نے کہا۔

جنگل تھوڑی ہی دور چل کر کھلے ہو گئے تھے۔ اس لیے یہاں بارش کی شدت کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ لیکن جب وہ کسی ایسی جگہ پہنچتے جہاں درخت چھدرے ہوتے تو یوں لگتا جیسے آسمان کے سوتے کھل گئے ہوں۔ پانی دھاروں کی شکل میں گرتا نظر آتا۔

''یہ بارش پریشان کن ہو سکتی ہے۔'' ہر میت سنگھ نے کہا۔

''کیوں؟''

''علاقے اجنبی ہیں کون جانے آگے کیا ہو۔'' ہر میت سنگھ بولا۔

''آگے کیا ہے یہی دیکھنے کے لیے تو ان علاقوں میں داخل ہوئے ہیں ورنہ ادھر آنے کی کیا ضرورت تھی۔'' شہباز خان نے بے خوفی سے کہا اور ہر میت سنگھ خاموش ہو گیا۔ گہرے سیاہ بادلوں کی وجہ سے

دن کی روشنی بھی رات کے اندھیرے میں تبدیل ہوگئی تھی۔ لیکن یہ اندھیرا اتنا نہ تھا کہ بینائی متاثر ہوتی۔ وہ اس دن کے سفر میں دور تک نکل جانا چاہتے تھے۔ سامان ان کے شانوں پر لدا ہوا تھا اور وہ مسلسل آگے بڑھ رہے تھے۔ حالانکہ مستان نے ان کا تمام سامان اٹھانے کی کوشش کی تھی۔ لیکن انہوں نے اسے روک دیا تھا اور سامان کے تین بیگ بنائے تھے۔ یہ بیگ بے حد وزنی تھے۔ لیکن کچھ دور چل کر انہوں نے محسوس کر لیا تھا کہ مستان ان معاملے میں ان سے کہیں زیادہ مضبوط تھا۔

جنگل کا حسن ان کے سامنے عیاں تھا۔ بارش کی وجہ سے جانوروں میں افراتفری پھیلی ہوئی تھی اور وہ ادھر سے اُدھر بھاگتے پھر رہے تھے۔ راستے میں شہباز خان نے کہا۔

"کوئی فرق محسوس کر رہے ہو۔ ہرمیت۔"

"ہاں..... نمایاں، اس کی ابتدا ہی شاندار ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ آگے کے مناظر زیادہ دلچسپ ہوں گے۔"

"یاد ہے کہ ہم ایک بار ہمالیہ کی ترائیوں کے علاقے میں گئے تھے۔ وہاں کے جنگلات ان جنگلات سے کچھ ملتے جلتے تھے۔"

"رات کا وقت تھا۔ مجھے اندازہ ہی نہ ہو سکا میں نے سوچا کہ خاص قسم کی جنگلی گھاس ہے۔" ہرمیت بھی ہنستا ہوا بولا۔

"مستان نے سیٹی بجانا شروع کر دی تھی اور تھوڑی دیر بعد ان دونوں نے بھی اس کے سروں سے سر ملانا شروع کر دیے۔ پہلی آواز پر مستان کی سیٹی رک گئی تھی۔ لیکن اس کے بعد وہ کچھ مست ہو گیا تھا۔ آسمان سے گھٹا ٹوپ اندھیرے اترتے رہے اور جب گھڑیوں نے شام نے سات بجائے تو وہ رک گئے۔ گویا قیام کا فیصلہ ہو گیا تھا۔ درختوں کے پتوں سے بارش کے قطرے چھن رہے تھے۔ اس لیے آگ جلانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ البتہ تھرماس میں چائے موجود تھی۔ جو بالکل تازہ جیسی تھی۔ عمدہ قسم کے بریڈرولز چائے کے ساتھ لطف دینے لگے۔ خوراک بھی کئی مرحلوں میں تقسیم کر لی گئی تھی۔ ابتدائی سفر میں ایسی چیزیں جو گھریلو طور پر تیار کی گئی تھیں اور کئی دن تک کارآمد رہ سکتی تھیں۔ اس کے بعد خشک اشیاء کا دور آتا تھا۔ پھر خشک کیے ہوئے پھل البتہ اس دوران شکار کیے ہوئے گوشت کو فوقیت دی جاتی تھی اور ساتھ لائی ہوئی خوراک محفوظ رکھی جاتی تھی۔

ابتداء میں ہرمیت سنگھ نے گوشت سے پرہیز کیا تھا۔ لیکن یہ بہت پرانی بات تھی۔ ایک بار اس نے انتہائی بھوک کے عالم میں آنکھیں بند کر کے بھنا ہوا گوشت کھایا تھا اور تھوڑا سا کھانے کے بعد آنکھیں کھول لی تھیں۔

"تیری ایسی کی تیسی شہباز تو نے مجھے پہلے کیوں نہ کھلایا یہ تو بہت عمدہ ہے۔"

"تمہارے دھرم میں نہیں کھاتے اس لیے میں نے مجبور نہیں کیا۔"

"مگر یار یہ تو بہت مزیدار ہے۔"

"تو پھر شروع کر دو!"

"شروع کر دو اب تو یہ ہی چلے گا۔" پیٹ کا دوزخ بھرا تو آرام کی سوجھی ہرمیت سنگھ نے مستان سے کہا۔

"مستان تم رات کو کس وقت تک جاگ سکتے ہو؟"

"شارا ہئت جاگے گا شر! آپ لوگ آرام سے شو جاؤ۔"

"اور کل صبح کیا ہوگا؟"

"آگے مارچ کرے گا۔"

"سوؤ گے نہیں؟"

"کل سو جائے گا۔ آج آپ لوگ سو جاؤ۔"

"ہاں تاکہ تمہارا کام آج ہی ہو جائے اور تمہیں زیادہ دور سے اپنی بستی واپس نہ جانا پڑے۔" ہرمیت سنگھ دانستہ بڑبڑایا لیکن شہباز نے اس کے الفاظ سن لیے تھے۔

"کیا مطلب؟" وہ بھی آہستہ سے بولا۔

"بھائی اس امکان کو نظر انداز تو نہیں کیا جا سکتا کہ مسٹر مستان ہمیں آرام سے سلا دیں اور جب ہماری نیند گہری ہو جائے تو خود اطمینان سے ہمارا سامان لے کر رفوچکر ہو جائیں۔ ابھی تو ان پر اعتبار کرنے میں بھی وقت لگے گا۔"

"اوہ..... ایسا لگتا تو نہیں ہے۔ تاہم تمہارا کہنا بھی درست ہے تو پھر کیا کیا جائے۔"

"وہی جو آج تک کرتے رہے ہیں۔ سوتا جاگتا رہا جائے۔ آج تو بارش نے زیادہ دور نہ جانے دیا۔ کل زیادہ سفر کریں گے اور پھر کوئی پسندیدہ آرام گاہ نظر آتے ہی قیام کریں گے۔"

"پھر یوں کیا جائے کہ ابتدائی چند گھنٹے آرام کر لیں اور پھر دوسرے پہر میں جاگ اٹھیں گے اور مسٹر مستان کو سلا دیں گے۔ ویسے بھی یہ بارش پورے طور سونے نہ دے گی۔ مستان کو بندوق دے دی گئی اور وہ مستعد ہو گیا دونوں آرام کرنے لگے تھے۔

بارش کے جلترنگ کے ساتھ مختلف آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ دن میں بھی کبھی کبھی شیروں کی دھاڑ بھی سنائی دے جاتی تھی لیکن یہ آوازیں نہ تو ان کے لیے خوف کا باعث تھیں۔ نہ خطرناک وہ ان آوازوں سے آشنا تھے اور جانتے تھے کہ کوئی آواز کب خطرناک ہوتی ہے۔ البتہ بارش پریشان کر رہی تھی اور کافی تیز ہو گئی تھی۔ گو ان کے پاس بارش سے بچنے کا بندوبست بھی تھا۔ لیکن پھر بھی اس عالم میں نیند تو نہیں آ سکتی تھی۔ وقفے وقفے سے دونوں آپس میں گفتگو کرنے لگتے۔ مستان پتھر کے بت کی مانند بندوق پر پلاسٹک ڈالے بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے بدن میں جنبش تک نہ تھی۔ کئی بار تو انہیں شبہ ہوا تھا کہ وہ بیٹھے بیٹھے سو گیا ہے ایسے اوقات میں اسے آواز دی گئی۔ تو وہ چاق و چوبند لہجے میں بولا۔

میں جاگتا شر! آپ آرام سے سو جاؤ۔" اور اس کے آرام سے سو جانے کے مشورے پر انہیں ہنسی آ گئی تھی۔

رات اسی عالم میں گزرتی رہی۔ دوسرے پہر کے بعد تو بارش کی ایسی جھڑی لگی کہ صبح تک اس کا زور ٹوٹا۔ لیکن صبح روشنی کی پہلی کرن نمودار ہوئی تو بارش رک گئی۔ وہ لوگ معمولات سے فراغت پانے کے بعد آگے بڑھنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ گو بارش کی وجہ سے جنگل خطرناک ہو گیا تھا۔ لیکن ان ہی خطرات سے کھیلنے کیلئے

تو وہ اپنی پرسکون سکونت چھوڑ کر وحشت ناک جنگلوں میں آ گئے تھے۔ بارش سے بڑھ جانے والے خطرات نے کیا کچھ لطف دیا تھا۔ یہ ایک مہم جو ہی جان سکتا ہے۔ جنگل جل تھل ہو رہے تھے اور جنگلی جانور بھیگی بلی بنے ہوئے تھے دو دن کے سفر میں انہیں کئی خطرناک جانور نظر آئے۔ جو پریشان حال ان کے سامنے سے گزر رہے تھے۔

مستان مست فطرت کا مالک تھا۔ وہ انہیں کی مانند اس سفر میں دلچسپی لے رہا تھا۔ بارش رک گئی تھی اور چند لمحات کے لیے سورج بھی نظر آیا تھا۔ لیکن صرف چند لمحات کے لیے۔ اس کے بعد پھر درختوں کی چوٹیاں سیاہ ہونے لگیں تھیں۔

"بارش ابھی ہو گی۔" شہباز خان نے کہا اور یہ جملے ابھی پورے بھی نہیں ہوئے تھے کہ بارش کے قطرے نمودار ہو گئے۔ اور ایک بار پھر یہ قطرے موسلا دھار شکل اختیار کر گئے۔ لیکن سفر میں بارش کے علاوہ اور کوئی وقت نہیں ہو رہی تھی۔ اس لیے انہوں نے اسے جاری رکھا۔ دونوں نے برساتیاں اوڑھ لی تھیں۔ جنہوں نے ان کے شانوں کو بھی ڈھک لیا تھا۔ البتہ تیسری بڑی برساتی موجود نہ تھی۔ اس کی کسر ایک اور واٹر پروف کپڑے نے پوری کر دی تھی اور مستان نے اسے اپنے سر کے گرد لپیٹ لیا تھا۔ جنگل میں بارش کے شور کے علاوہ اور کوئی آواز سنائی نہ دے رہی تھی۔

"جنگلوں کا یہ سلسلہ کتنا طویل ہے؟"

"ناٹ ناویل کھارناک ڈینجر ڈینجر۔" مستان نے جواب دیا۔ وہ لفظ طویل نہیں سمجھ سکا تھا۔

"تو نے انگریزی کہاں سے سیکھ لی بھائی۔"

"اوہ...... شرامارا فاؤرا انگریز کا شروِنٹ ام تمارا شروِنٹ شر۔"

"یہ آدمی شروِنٹ کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔" ہرمیت سنگھ گہری سانس لے کر بولا۔

"لو شرآئی۔ ایم کک آپ شکار کرے گا۔ ام کک کرے گا۔" مستان نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

بارش رکے گا تو ہم شکار کرے گا۔ بھائی ویسے اگر تو انگریزی نہ بولے تو تیری مہربانی ہو گی۔" شہباز خان نے ہنستے ہوئے کہا اور مستان سامنے دیکھنے لگا اگر کوئی بات اس کی سمجھ میں نہ آتی تھی تو وہ اسے نظر انداز کر دیتا تھا۔

گھڑیوں کی سوئیاں آگے بڑھتی جا رہی تھیں آسمان سے گویا نالے چل رہے تھے البتہ حیرت ناک بات یہ تھی کہ جنگل میں پانی نہیں جمع ہوا تھا۔ بلکہ تیز دھاریں درختوں کے درمیان بل کھاتی عقبی سمت نکل رہی تھیں۔ دن کا وقت تھا۔ لیکن بجلی کے کوندے صاف محسوس ہو رہے تھے۔ بادل بھی خوب گرج رہے تھے۔ وہ صبر و سکون سے آگے بڑھتے رہے۔ نہ جانے کتنا سفر اسی طرح طے ہو گیا۔ پھر درختوں کی ہیبت تبدیل ہونے لگی تھی۔

بارش کا شور بدستور تھا۔ لیکن اچانک ان کے کانوں نے ایک اور شور سنا اور ایک لمحے کے لیے ان کے قدم ٹھٹھک گئے۔ یہ بارش کا شور نہیں تھا۔ بلکہ ایک عجیب و غریب سا خوفناک شور تھا۔ جس میں جانوروں کے چلانے کی آوازیں بھی شامل تھیں۔ ہاتھی کی چنگھاڑ کے ساتھ بھینسوں کے ڈکرانے کی آوازیں۔ پھر اچانک دل دہلا دینے والا ارتعاش ہوا اور فضاء میں ایک مسلسل گرج سنائی دینے لگی۔ اس گرج میں درختوں کے ٹوٹنے کی آوازیں بھی شامل تھیں۔ گو یہ آوازیں کافی دور سے آتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں لیکن رفتہ رفتہ آگے بڑھتی محسوس

ہو رہی تھیں۔ اب انہیں سنبھلنا پڑا تھا۔

"شہباز...... یہ پانی کا شور ہے۔" ہرمیت سنگھ نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟"

"کوئی طوفانی ریلا۔" ہرمیت سنگھ نے اتنا ہی کہا تھا کہ یکدم ان سے کچھ فاصلے پر بائیں سمت انہیں اونچے درختوں کی چوٹیاں سرنگوں ہوتی دکھائی دیں۔ ان کے موٹے تنے ترخ ترخ کر ٹوٹ رہے تھے اور میلے دھندلکے میں پانی کی ایک طوفانی دیوار برق رفتاری سے اپنی زد میں آنے والے ہر شے کو سمیٹتی ہوئی ان کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس وقت مستان کی دہشت زدہ آواز ابھری۔

"آربانا شو...... آربانا شو لکشو بلکشو...... آربانا شو۔"

اس کے ساتھ ہی مستان ان کی برساتیاں کھینچتا ہوا ایک سمت دوڑ پڑا۔ لیکن ان کی رفتار پانی کی رفتار سے تیز نہ تھی۔

پانی کی مہیب دیوار ہولناک گرج کے ساتھ قریب سے قریب آتی جا رہی تھی اور اب مستان کے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ خود بھی جانتے تھے کہ موت نے اچانک انہیں تاک لیا ہے اور موت برق رفتاری سے ان کی طرف لپک رہی ہے۔ اس حالت میں فطری طور پر انہیں پانی کی مخالف سمت دوڑنا تھا۔ لیکن یہ کوئی حل نہیں تھا۔ کیونکہ پانی چند ہی لمحات میں ان تک پہنچنے والا تھا اور پانی کا یہ طاقتور ریلا جس نے بڑے بڑے درختوں کو جڑوں سے اکھاڑ کر اپنے بہاؤ میں لے لیا تھا۔ انہیں کیا خاطر میں لاتا۔ وہ جان توڑ کر دوڑ رہے تھے۔ مستان کی رفتار ان سے بھی تیز تھی اور شاید اس کے ذہن میں کچھ تھا۔ کیونکہ اچانک ہی اس نے سیدھ میں دوڑتے دوڑتے رخ تبدیل کیا تھا اور رک کر چیخا تھا۔

"بلا کا شائی ہو۔ لکشو لکشو۔"

اس کے ناقابل فہم الفاظ پہلے ان کی سمجھ میں نہ آئے تھے۔ لیکن انداز سے انہوں نے سمجھ لیا تھا۔ کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اس وقت بھی وہ بے اختیار اس کی تقلید میں رخ بدلنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ بلاشبہ اس وقت مستان نے اپنا فرض پورا کر دیا۔ ورنہ وہ درخت ان کی نگاہ میں نہیں آیا تھا۔ جس کا تنا تقریباً نو فٹ کے دائرے میں تھا اور جس کی لاتعداد شاخیں دور دور تک پھیلی ہوئے تھیں۔ یہ شاخیں بھی عام درختوں کے موٹے تنوں سے کہیں زیادہ موٹی تھیں۔ مستان دوڑ کر کسی بندر ہی کی مانند درخت کے تنے پر چڑھ گیا۔ ہرمیت سنگھ نے رک کر شہباز کا ہاتھ پکڑا اور اسے درخت پر چڑھا کر خود بھی اوپر چڑھنے لگا اور وہ ان شاخوں کے پھیلاؤ میں پھیل گئے۔ پانی کی بلندی کا اندازہ نہیں ہوا تھا۔ اس لیے ضروری تھا کہ زیادہ بلندی پر پہنچ جایا جائے۔ درخت پر پہنچنے کے بعد البتہ وہ ایک دوسرے کا خیال نہ کر سکے طوفان برق رفتاری کے ساتھ ہر شے کو ڈھکتا ہوا۔ اس درخت پر لپکا اور اس قوت سے اس سے ٹکرایا کہ پورا درخت ہل گیا۔ اس کا سارا تنا پانی نے ڈھک گیا اور پھر شاخیں ابھی پانی میں ڈوبنے لگیں۔

ریلا آگے بڑھ گیا تھا۔ خوفناک گرج سماعت کی برداشت سے کہیں زیادہ تھی۔ ان کے ذہن گم ہو گئے تھے اور کچھ دیر کے لیے۔ وہ ایک دوسرے سے قطعی بے خبر ہو گئے تھے۔ البتہ اب ریلا آگے بڑھ گیا تو

کیفیت بہتر ہوتی۔ پانی اب بھی درخت کو ٹکریں مارتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا اور اس کے جلو میں نہ جانے کیا کیا تھا۔ درختوں کے ٹوٹے ہوئے تنے، شاخیں۔ ان شاخوں میں لپٹے ہوئے سانپ، ننھے ننھے کمزور جانور جو پانی کی ضرب سے مر ہی گئے تھے۔ دیوہیکل درندے اور نہ جانے کیا کیا۔ آنکھیں کھولنا مشکل ہو رہا تھا۔ تاہم شہباز خان نے ہرمیت سنگھ کو تلاش کیا وہ قریب کی دوسری چوڑی شاخ پر تھا اور پتوں سے ڈھکا ہوا تھا۔

"مستان...... مستان کہاں ہے؟" شہباز حلق پھاڑ کر چیخا۔

"ام ادو ہے شیر۔" شہباز کو اپنے عقب سے آواز سنائی دی اور اس کی گردن گھوم گئی۔ مستان ایک اور چوڑی شاخ پر آگے ہوئے دو شاخے کو پکڑے پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوا تھا اور شہباز سے زیادہ دور نہیں تھا۔ ہرمیت سنگھ نے صورت حال کا جائزہ لیا اور پھر پھدکتا ہوا احتیاط کے ساتھ اس شاخ کی طرف بڑھنے لگا۔ جس پر شہباز بیٹھا ہوا تھا۔ خوردنی سامان کے تھیلے کی وجہ سے اسے وقت ہو رہی تھی۔ لیکن وہ سنبھلتا ہوا بالآخر شہباز کے پاس پہنچ گیا۔ پانی اب بھی جھاگ اڑاتا درختوں سے ٹکراتا گزر رہا تھا اور اس کے ساتھ بہنے والی بہت سی چیزوں کو اس مضبوط درخت کے سہارے رکنے کا موقع مل گیا تھا۔ چنانچہ تنے کے گرد لکڑیوں کا پھیلاؤ بڑھتا جا رہا تھا۔

دونوں ایک دوسرے کے بالکل قریب تھے اور مستان دوسری شاخ پر تھا۔ لیکن ان سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ لیکن سب کی زبانیں گنگ تھیں۔ وہ کچھ ایسے اعصابی دباؤ کا شکار ہو گئے تھے کہ زبانیں ہلانا بھی مشکل ہو رہا تھا۔ ان کی وحشت سے پھٹی ہوئی آنکھیں پانی کی حشر سامانیاں دیکھ رہی تھیں۔ پانی کے ساتھ ساتھ بہتا ہوا ایک تیندوا پوری قوت سے درخت کے تنے سے ٹکرایا اور اس کے نوکیلے پنجوں نے درخت کے تنے کو پکڑنے کی کوشش کی۔ لیکن پانی کی ایک طوفانی لہر اسے تیز رفتاری سے بہاتی ہوئی لے گئی۔ لمبے لمبے ناگ درخت کے تنے سے ٹکراتے ان کی جانب لپکتے لیکن پانی کی قوت کے آگے بے بس ہو جاتے وہ گہری گہری سانسیں لے کر اپنے اعصاب کو قابو میں کرنے کی کوشش کر رہے تھے کہ رفتہ رفتہ پانی کا زور ٹوٹنے لگا۔ درخت کا تنا بدستور پانی سے ڈھکا ہوا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے پانی اس تنے سے نیچے نہیں جائے گا۔ البتہ اس کا زور ٹوٹنے سے اب یہ آس بندھ گئی تھی کہ اس کی بلندی اس سے زیادہ نہیں ہوگی۔ تناور درخت نے ان کی زندگی کو بچانے میں اپنا کردار ادا کر لیا تھا اور مستان کی نگاہوں نے خوب کام کیا تھا۔

نہ جانے اس نے یہ درخت کب اور کیسے دیکھ لیا اور پھر اس بات کے امکانات بھی تھے کہ بس بے تحاشا دوڑتے ہوئے اسے یہ درخت نظر آ گیا تھا اور بروقت ہی اس کی جانب دوڑنے کی سوجھ گئی تھی۔ ویسے کی توڑ پھوڑ کی آواز اب کافی دور سنائی دے رہی تھی اور رفتہ رفتہ اس طرف سکون ہوتا جا رہا تھا۔ لیکن پانی کے بہاؤ میں اب بھی کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ جب تک یہ ریلا اپنے سارے حجم کے ساتھ پھیل نہیں جاتا۔ پانی ساکت نہ ہو سکے گا۔ سوچنے سمجھنے کی قوتیں بس سلب ہی ہو گئیں تھیں۔

چنانچہ ابھی اس طرف ذہن نہیں گیا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ اور کیا ہوگا...... پھر جب پانی کی رفتار کی آواز نہ ہونے کے برابر رہ گئی۔ تو سماعت واپس آنے لگی۔ تو ذہن میں اب بھی شدید سنسناہٹ ہو رہی تھی۔ لیکن غیر معمولی اعصاب کے مالک دونوں دوست خود کو سنبھالنے میں مصروف تھے۔ ہرمیت سنگھ نے شہباز خان کے بازو پر ہاتھ رکھا اور گہری سانس لے کر پھیکی سی مسکراہٹ سے بولا۔

"کہو شہباز! یہ منظر کیسا لگا؟" جواب میں شہباز کا قہقہہ ابھرا اور اس نے کہا۔

"ہماری زندگی کا سب سے بیش قیمت اور ہولناک منظر تھا یہ۔"

"اگر یہ درخت ہمیں نہ ملتا تو کیا ہوتا؟"

"پانی کے گھوڑے پر سواری کا لطف آتا اور پھر کسی درخت سے ٹکرا کر چند سرخ لکیروں کے ساتھ فنا ہو جاتے۔" شہباز نے بے خوفی سے جواب دیا اور ہرمیت سنگھ گردن ہلانے لگا۔ پانی کا بہاؤ اب تقریباً بالکل ختم ہو گیا تھا اور بس ہلکی ہلکی آوازیں ابھر رہی تھیں۔ وہ لوگ درختوں کی شاخوں پر خود کو سنبھالے بیٹھے ہوئے تھے کہ اوپر سے مستان کی آواز ابھری۔

"شر کچھ کھانے کو مانگتا ابھی چائے گرم ہے؟"

"خدا کی پناہ...... یہ شخص پاگل پن میں ہم سے کسی طور کم نہیں......"

"ویسے اس کی تجویز بہت عمدہ ہے۔ اس وقت گرم چائے دنیا کی سب سے بڑی نعمت محسوس ہوگی۔ نکالی جائے......"

"ضرور......" شہباز خان نے کہا اور وہ اپنے سامان کے تھیلے ٹٹولنے لگے تھرماس میں بس اتنی چائے تھی کہ وہ آخری بار پی لیں۔ اس کے بعد چائے کا تصور بھی الحال ممکن نہیں تھا۔ کیونکہ نیچے پانی کی زمین تھی اور درخت پر آگ جلانے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ مستان کو بھی اجازت دے دی گئی کہ وہ اپنے تھیلے سے چائے کا تھرماس نکال لے...... انسانی جسم کی ضرورت کس قدر عجیب ہوتی ہے۔ یہاں ایک طوفان برپا تھا اور وہ لوگ چائے کے گرم گرم گھونٹ اپنے معدے میں اتار رہے تھے۔ چائے کے چند گھونٹ لینے کے بعد ہرمیت سنگھ نے اوپر منہ کر کے پوچھا۔

"جنگل کے بے وقوف، یہ پانی کہاں سے آیا اور تو ایک بے تکی زبان سے کیا چیخا تھا؟" جواب میں مستان کے دانت نکل پڑے اور اس نے کہا۔

"شر میں بولا تھا پانی آ رہا ہے۔ بھاگو...... بھاگو ایشا لگتا ہے کہ دریا سلہری کے کنارے ٹوٹ گئے یہ پانی ادھر شے ہی آیا۔"

"کیا سلہری ادھر سے گزرتا ہے؟"

"لیش شر...... لیش شر۔" مستان نے جواب دیا اور ہرمیت سنگھ گہری گہری سانسیں لینے لگا پھر بولا۔

"مگر اب کیا ہوگا؟"

"میں بولتا شر کہ پانی اتر جائے گا اور ہم آگے جائے گا۔"

"چیز یہ بھی عمدہ ہے۔ خوب تلاش کی ہم نے۔" شہباز خان نے چائے کا ایک اور گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

وہ اب بھی پانی کی حشر سامانیاں دیکھ رہے تھے۔ بہنے والی چیزیں اب بھی سست روی سے آگے بہہ رہی تھیں۔ چائے پینے کے بعد انہیں کچھ اعصابی سکون نصیب ہوا۔ تو انہوں نے آرام کے لیے بہتر جگہ کی تلاش میں نگاہیں دوڑائیں۔ لیکن یہی شاخ سب سے غنیمت تھی۔ کیونکہ چوڑی تھی اور اس میں جگہ جگہ دو شاخ اُگے

ہوئے تھے اور ان دو شاخوں کی وجہ سے نیچے گرنے کا خطرہ بھی نہیں تھا۔ ویسے نیچے گرنا بھی اس وقت موت ہی کے مترادف تھا۔ چونکہ پانی میں جھاڑیوں میں لپٹے ہوئے لاتعداد حشرات الارض نظر آ رہے تھے۔ جو بظاہر تو مردہ محسوس ہوتے تھے۔ لیکن کون جانے ان میں سے کون سا زندہ ہے۔ کئی سانپوں کو انہوں نے درخت پر چڑھنے کی کوشش کرتے ہوئے دیکھا تھا۔

لیکن یہ اس وقت کی بات تھی۔ جب پانی کا بہاؤ تیز تھا۔ اس بات کو بہرحال ذہن میں رکھنا تھا کہ کہیں کوئی ایسا سانپ اوپر نہ چڑھ آئے۔ جو ان کے لیے باعث ضرر ہو اور یہ گفتگو کرنے کے بعد انہوں نے رائفلیں سنبھال لیں تھیں۔ بارش اب بھی ہو رہی تھی۔ لیکن ہلکی اور رائفلوں کو انہوں نے برساتیوں کی آڑ میں ہی رکھا تھا۔ تا کہ کارتوس سرد نہ ہو جائیں۔

بہرحال بڑی خوفناک کیفیت تھی اور شاید اس کیفیت کو وہ مرتے دم تک فراموش نہیں کر سکتے اب تک انہوں نے لاتعداد جنگلوں میں شکار کھیلے تھے۔ بہت سے ہولناک مناظر سے گزرنا پڑا تھا اور زندگی بچانے کے لیے شدید جدوجہد کرنا پڑی تھی۔ لیکن اس سے زیادہ ہولناک منظر ان کی زندگی میں اور کوئی نہیں تھا۔

وہ جانوروں کی طرح درخت کی شاخوں سے چمٹے ہوئے تھے اور نیچے تاحدِ نگاہ پانی بہہ رہا تھا۔ درخت کے تنے پر جس حد تک وہ اوپر چڑھے تھے۔ اس سے یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ پانی کی گہرائی کتنی ہے اور یہ گہرائی بے حد ہولناک تھی۔

وقت آہستہ آہستہ گزرتا رہا۔ بارش ایک بار پھر رک گئی تھی۔ لیکن آسمان پر بادلوں کا بسیرا تھا اور کبھی کبھی ان کی گڑگڑاہٹ سنائی دے جاتی تھی جس کا مطلب یہ تھا کہ بارش پھر ہوگی، مستان کے کہنے کے مطابق اگر دریائے سلہری کے کنارے بہہ نکلے تھے۔ تو ان کے بہنے کا انداز جیسا طوفانی تھا۔ اس کا جائزہ تو یہ لوگ لے ہی چکے تھے۔ مزید بارش نے اگر ایک بار پھر دریا کو طوفانی شکل اختیار کرنے پر مجبور کر دیا تو اس بات کے امکانات بھی تھے کہ یہ تناور درخت اپنی جگہ قائم نہ رہ سکے گا۔

یقیناً پانی کا کوئی ریلا اسے اپنی جگہ سے اکھاڑ بھی سکتا ہے۔ حالانکہ عام حالات میں اس درخت کو ایک محفوظ عمارت کی حیثیت دی جا سکتی تھی۔ بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ طاقتور تھا۔ لیکن بادل گڑگڑاتے رہے اور صرف خوفزدہ کرتے رہے۔ اس کے بعد بارش نہیں ہوئی تھی۔ البتہ رات تیزی سے جھکتی چلی آ رہی تھی۔ مستان تو شاید اپنی جگہ سے ہلنے کی جرأت نہیں کر پا رہا تھا۔ ویسے اسے بھی مضبوط شاخ مل گئی تھی۔ بھوک معدے میں گڑبڑ پیدا کرنے لگی تھی اور دونوں مہم جوؤں نے بھوک دور کرنے کے لیے تیاریاں شروع کر دی تھیں۔

پانی ابھی تک درخت کے تنے سے نیچے نہیں اترا تھا اور اندازہ ہو رہا تھا کہ ابھی اس کا زور نہیں ٹوٹا ہے۔ خوفناک سیلاب اپنا سفر طے کر رہا تھا۔ بہرحال اب انہوں نے خود کو سنبھال لیا تھا۔

چنانچہ کھانے کی تیاریاں کی گئیں اور معدے کو تھوڑی بہت تقویت پہنچائی گئی کہ جسمانی توتیں بحال رہیں۔ اس کے بعد مکمل خاموشی چھائی رہی وہ بات کرنے میں عار محسوس کر رہے تھے۔ اس وقت اسے جنگل کہنا بھی مضحکہ خیز تھا۔ بس یوں لگتا تھا جیسے سمندر میں درخت اگ آئے ہوں یا وہ کسی وسیع و عریض جھیل میں لٹکے ہوئے ہوں۔ گو وہ دونوں مضبوط اعصاب کے مالک تھے۔ لیکن انسان تھے اور ان واقعات سے متاثر تھے۔

چنانچہ ان کے ذہنوں پر تھکن طاری تھی اور زیادہ باتیں کرنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ یہی ذہنی تھکن غنودگی میں ڈھل گئی اور غنودگی نیند میں تبدیل ہو گئی۔ چوڑی شاخوں پر عالم نیند میں وہ کیسے قائم رہے۔ یہ سوال ناقابل جواب ہے۔ یہ کام کسی اور کا ہے اور جس کا کام اسی کو ساجھے اس کا مظاہرہ بھی سامنے آ گیا۔

سورج چمک اٹھا تھا اور ہر شے روشن ہو گئی تھی کہ اچانک ہی مستان کی چیخوں نے خاموش ماحول میں ہلچل مچا دی۔ وہ نہایت بھیانک آواز میں چیخا تھا اور اس کی مسلسل چیخوں سے ہی وہ جاگ اٹھے تھے۔ بے خیالی میں دونوں ہی نے گھبرا کر اٹھنے کی کوشش کی اور ایک لمحے میں خود کو سنبھال لیا ورنہ پانی میں گر پڑتے۔ البتہ اس جھٹکے سے سنبھل کر انہوں نے مستان کی ہولناک چیخوں کی سمت کا تعاقب کیا تو ایک عجیب منظر دیکھا۔ مستان اسی اوپر والی شاخ پر لمبا دراز تھا اور تقریباً ڈھائی انچ موٹا اور نہ جانے کتنا لمبا پیلے رنگ کا سانپ اس کے بدن سے لپٹا ہوا تھا۔

سانپ کے پیلے بدن پر گہرے کتھئی رنگ کے گول دھبے پڑے ہوئے تھے اور اس کا موٹا بدن شاخ اور مستان کے بدن سے لپٹا ہوا تھا۔ مستان کی دہشت ناک چیخیں ابھرتی رہیں۔ اور ہرمیت سنگھ نے سنبھل کر رائفل اٹھالی۔ لیکن شہباز نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا وہ عجیب سے نظروں سے مستان کو دیکھ رہا تھا۔ مستان کے ہاتھ بے بسی سے جنبش کر رہے تھے اور اس کا گلا بیٹھا جا رہا تھا۔ سانپ کے خوف سے اس پر نیم بے ہوشی سی طاری ہو گئی تھی جب کہ سانپ آہستہ آہستہ اپنے بل کھول رہا تھا۔ ہرمیت سنگھ اور شہباز خان ساکت نگاہوں سے سانپ کی یہ کارروائی دیکھ رہے تھے۔

سانپ نے اپنے بل کھول دیئے اور مستان کا بدن نیچے لٹکنے لگا۔ تب ہی اس نے ایک دم چیخ کر شاخوں کو پکڑ لیا اور تب ہی سانپ نے اپنا بقیہ جسم بھی اس کے بدن سے کھول دیا پھر وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹا اور ایک اور شاخ پر رینگتا ہوا بلندی کی جانب چلا گیا۔ ہرمیت سنگھ نے ایک حیرت بھری گہری سانس لی۔ پھر وہ دونوں ہی مستان کو زور زور سے آوازیں دینے لگے۔ مستان اب بھی چیخ رہا تھا۔ اگر وہ شاخوں کو مضبوطی سے نہ پکڑ لیتا تو یقیناً نیچے پانی میں گر پڑتا۔ اس موقع پر شہباز خان نے اپنی جگہ سے جنبش کی اور چوڑی شاخ سے دوسری شاخ پر اور پھر وہاں سے اس شاخ پر پہنچ گیا۔ جس پر مستان موجود تھا۔ اس نے مستان کے لباس کو مضبوطی سے اپنے ہاتھ میں جکڑا اور پھر مستان کے رخسار پر زور زور سے تھپڑ رسید کرنے لگا۔

"ہوش میں آؤ مستان! ہوش میں آؤ ورنہ نیچے پانی میں گر پڑو گے مستان نے دہشت بھری آنکھوں سے شہباز خان کو دیکھا اور پھر گھگھیائے ہوئے لہجے میں چیخا۔

"سانپ، سانپ۔"

"سانپ کے بچے اپنے آپ کو سنبھالو ورنہ نیچے پانی میں گر پڑو گے سانپ چلا گیا۔" شہباز نے کہا اور مستان کی آواز رک گئی۔ اس نے اردگرد کے ماحول کو دیکھا اور پھر جلدی سے اپنے بدن کو شاخ پر سیدھا کر لیا۔

"آؤ نیچے اتر آؤ بڑے مزے سے شاخ پر لیٹ کر سو گئے تھے۔ اس سانپ کا شکریہ ادا کرو۔ جس نے تمہیں اپنے بدن کا تحفظ دیا ورنہ نیند کے عالم میں تم نیچے پہنچ جاتے۔"

بہ مشکل تمام مستان شہباز کے ساتھ نیچے اتر کر اس شاخ پر پہنچا تھا۔ جس پر ہرمیت موجود تھا۔

سانپ کی یہ کارروائی ناقابل یقین تھی اور بلاشبہ اس کی نیت پر شک نہیں کیا جاسکتا تھا۔ اس نے اپنے جسم کو مستان کے جسم کے گرد لپیٹ کر صرف اور صرف اسے نیچے گرنے سے بچایا تھا اور اس کے جاگ جانے کے بعد اپنا فرض پورا کر کے اوپر چلا گیا تھا۔ یہ تینوں اس واقعہ سے اس قدر متاثر تھے کہ دیر تک اس موضوع پر کوئی گفتگو نہیں کر سکے اور خاموش بیٹھے ایک دوسرے کی شکل دیکھتے رہے مستان تو بہت سہما ہوا تھا۔

پھر ہرمیت سنگھ نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ "یہ باتیں اگر سمجھ میں آ جائیں۔ تو قانون قدرت ہی کیوں نہ سمجھ آ جائے۔" شہباز خان نے جواب دیا۔ اس کے بعد پیٹ کی جانب توجہ دی گئی۔ پانی درخت کے تنے سے اس نشان سے جو اس کا آخری نشان تھا۔ تقریباً چھ انچ نیچے چلا گیا تھا اور اندازہ یہ ہوتا تھا کہ اب اس کے اترنے کا وقت ہو چکا ہے۔ دن بھی چمکدار تھا۔ جس کی بناء پر اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ بارش فی الحال نہیں ہو گی درختوں کے پتوں سے نیلا شفاف آسمان جھلک رہا تھا۔ انہوں نے اس مہربان درخت کی شاخوں پر نگاہیں دوڑائیں اور پھر ایک اور ہولناک کیفیت سے دو چار ہو گئے۔ اس شاخ سے زیادہ سے زیادہ تین گز کے فاصلے پر ایک موٹی شاخ بھی پھیلی ہوئی تھی۔ جو نیچے جھک کر پانی تک پہنچ گئی تھی اور اس کا آخری سرا پانی کو چھو رہا تھا۔ لیکن اس شاخ پر ایک ہولناک شے نظر آئی تھی اور یہ ہولناک شے ایک بہت ہی لمبے قامت کا شیر تھا۔ جو بلی کی طرح پنجوں کے بل شاخ پر بیٹھا ہوا تھا اور اپنے جسم کو سنبھالے ہوئے تھا۔ اس کی پیلی خونخوار آنکھیں ان تینوں پر جمی ہوئی تھیں اور وہ خاموشی سے بیٹھا انہیں دیکھ رہا تھا۔

غالباً طوفان کے کسی حصے میں وہ پانی میں بہتا ہوا تیرتا ہوا اس شاخ تک پہنچا تھا اور اس نے شاخ پر پناہ لی تھی۔ لیکن اب اس کی آنکھوں سے لگتا تھا کہ وہ کسی قدر بھوکا ہے اور اپنی خوراک کو تاک رہا ہے۔ تینوں نے بیک وقت اسے دیکھا تھا۔ اور سہم کر ساکت ہو گئے تھے۔ ورنہ اس سے پہلے کھانے پینے کے چکر میں ان کی جسم جنبش کرتے رہے تھے۔ ہرمیت سنگھ نے آہستہ آہستہ رائفل سنبھالی اور غیر محسوس انداز میں اس کا جائزہ لینے لگا۔ تاکہ شیر کو اپنا نشانہ بنالے۔ لیکن شہباز کو نہ جانے کیا سوجھی کہ اس نے ہرمیت سنگھ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے روک لیا اور سرد لہجے میں بولا۔

"نہیں ہرمیت ہم اس پر فائر نہیں کریں گے۔"

"لیکن کیوں اس کی آنکھوں کو دیکھ رہے ہو۔ وہ ہماری گھات میں ہے۔"

"نہیں تم نے شاید غور نہیں کیا اس وقت اس کی آنکھوں میں کوئی ضرر رساں کیفیت نہیں ہے۔ بلکہ وہ زبان حال سے ہمیں سمجھا رہا ہے کہ نہ وہ ہمارے لیے خطرناک ہے اور نہ ہمیں اس کے لیے خطرہ بننا چاہیے۔"

"تم جذباتی گفتگو کر رہے ہو شہباز۔"

"نہیں ہرمیت سنگھ غور کرو اس سانپ پر جس نے مستان کے بدن کو پانی میں گرنے سے بچایا تھا۔ ایک عجیب سی کیفیت سامنے آئی ہے۔ زندہ رہے تو اس کیفیت کو رقم کریں گے۔ اس وقت یوں لگتا ہے جیسے اس آفت زدہ علاقے میں سب جان دار ایک دوسرے کے ہمدرد ہو گئے ہوں ہمارے جاگتے وقت شیر اس شاخ پر نہیں آیا اور اگر رات کو پہنچا ہے تو یہ ہماری بو سے ناآشنا نہ ہوگا۔ یہ صرف پناہ گزین ہے اور اس پر گولی چلانا مردانگی نہیں ہے۔ اس نے جانور ہو کر انسانیت کا ثبوت دیا ہے تو ہم انسان ہو کر درندگی کا ثبوت کیسے دے سکتے

ہیں، تاہم اس کی طرف سے مستعد رہو۔ اگر اس کے اندر وحشت پاؤ تو پھر ہم بھی وحشت خیزی میں اس سے کم نہ ہوں گے۔"

ہرمیت سنگھ رک گیا اس نے رائفل آہستہ سے اپنے رانوں پر رکھ لی لیکن بڑا عجیب سا ماحول بن گیا تھا۔ وہ شیر پر نگاہیں جمائے ہوئے بیٹھے تھے اور شیر خاموشی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ دونوں ہی اپنے اپنے طور پر مستعد تھے۔ وقت نہ جانے کس طرح گزر رہا تھا۔ مستان بالکل خاموش تھا۔ نہ جانے کیوں انہیں یہ احساس تھا کہ اگر ان کے جسموں کو جنبش ہوئی تو پھر کچھ شروع ہو جائے گا۔ پانی آہستہ آہستہ نیچے اتر رہا تھا اور وہ دن گزرتا جا رہا تھا۔

آسمان پر دوبارہ بادل نہیں چھائے تھے۔ نہ جانے وقت انہیں یہ کہانی سنا کر ان سے کیا کہنا چاہتا تھا۔ وقت کی کہانی سورج کے ساتھ سفر کرتی رہی اور ان کی شکاری زندگی میں ایک ایسے ناقابل فہم اور ناقابل فراموش باب کا اضافہ ہوا تھا۔

جسے واقعی کبھی نہیں بھلایا جاسکتا تھا۔ یہاں تک کہ رات ہو گئی۔ شیر نے اپنی جگہ سے جنبش نہیں کی تھی اور شاید اب وہ مطمئن بھی ہو گیا تھا کہ اس کے سامنے اس جیسے ہی موجود ہیں اور اعلیٰ ظرفوں سے کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ پانی کی سطح اب تناور درخت کی جڑ تک پہنچ گئی تھی۔

لیکن ابھی پانی کافی باقی تھا۔ رات آہستہ آہستہ گزرنے لگی۔ نیند کا کسی کی آنکھ میں شائبہ نہیں تھا۔ ان کے سامنے ایک وحشی درندہ موجود تھا۔ اس سے پہلے اس درندے کو انہوں نے جنگل میں مختلف اشکال میں دیکھا تھا۔ پھر اس وقت چاند پوری آب و تاب کے ساتھ نکل آیا تھا اور درختوں کے پتوں سے روشنی چھن چھن کر زمین تک پہنچ رہی تھی کہ دفعتہً انہوں نے شیر کے جسم میں جنبش دیکھی اور ہرمیت سنگھ نے آہستہ سے رائفل گود سے اٹھالی۔ شیر درخت کی شاخ پر دو قدم آگے بڑھا اور اس کے بعد اس نے نیچے چھلانگ لگا دی۔ ساتھ ہی اس کے گرج بھی ابھری تھی۔ ان کی نگاہیں شیر پر جمی رہیں۔ شیر پانی سے بچتا ہوا چھلانگیں لگاتا دور چلا جا رہا تھا اور تھوڑی دیر کے بعد وہ نگاہوں سے روپوش ہو گیا۔

ہرمیت سنگھ نے گہری سانس لے کر رائفل گود میں رکھ لی تھی اور اس کے بعد اس نے درخت کی شاخ سے پشت لگا دی۔ شیر کی اس کارروائی نے یہ بھی بتا دیا کہ اب پانی کا خطرہ نہیں ہے۔ کیونکہ حیوانی حسیات اس سلسلے میں انسانوں سے زیادہ تیز ہوتی ہیں۔

یہ رات پرسکون گزری تھی۔ لیکن انہوں نے رات میں درخت سے نیچے قدم نہیں رکھا تھا۔ خدا خدا کر کے صبح ہوئی مستان نے سب سے پہلے نیچے چھلانگ لگا دی اور پھر خوشی سے چیخا۔

"شہ شہ، نیچے اتر آئیے۔ پانی ختم ہو چکا ہے۔" دونوں مسکراتے ہوئے نیچے آ گئے۔

"درخت کی طرف رخ کر کے اس سانپ کا تو شکریہ ادا کرو مستان۔ جس نے تمہاری جان بچائی تھی۔"

"لیش شہ...... لیش شرده ہو گیا۔ میں اس کو تھینک یو کر لیا۔"

مستان نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا اور پھر اچانک اپنا بیگ شانوں پر کسنے لگا۔ شہباز اور ہرمیت سنگھ بھی نیچے آ گئے۔ وہ ہولناک وقت نکل گیا تھا جس نے انہیں زندگی سے دور کر کے موت کے قریب تر

دیا تھا۔ پھر وہ آگے بڑھ گئے۔ اس علاقے کی مٹی میں یہ خوبی تھی کہ اس زبردست بارش کے باوجود اس میں کیچڑ نہیں پیدا ہوئی تھی۔ لیکن جنگل میں جو ہولناک مناظر بکھرے ہوئے تھے۔ وہ دل لرزا رہے تھے۔ چند ہی قدم چلے تھے کہ انہوں نے طوفان کی ہولناک تباہ کاریوں کا نظارہ کیا۔ جو درخت جڑوں سے اکھڑ کر پانی کے ساتھ بہہ گئے تھے۔ ان کی جڑوں کی جگہ گہرے گڑھے ہو گئے تھے اور ان میں پانی بھرا ہوا تھا۔

جھاڑ جھنکاڑ نے درختوں کی شاخوں نے بعض جگہ راستے بالکل بند کر دیئے تھے اور ان پر سے بڑی مشکل سے گزرا جا سکتا تھا۔ پھر سب سے زیادہ ہولناک اس میں پھنسی ہوئی جانوروں کی لاشیں تھیں۔ نیل گائے، بارہ سنگھے، ہرن، تیندوے اور بعض جگہ شیر بھی سب اس آفت کا شکار ہونے تھے اور زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ شہباز نے اداس لہجے میں کہا۔

''بڑی ہولناک طغیانی تھی۔ خدا نے ہمیں خصوصی طور پر اس درخت کا سہارا عطا فرمایا تھا۔ ورنہ ہمارا ٹھکانہ کہاں ہوتا۔''

''اس میں کوئی شک نہیں ہم پانی کے ساتھ نہیں دوڑ سکتے تھے۔ آخر کہاں تک جاتے۔''

''ویسے اب سفر کی رفتار تیز کرنی ہوگی۔ یہ ضروری ہے۔ ورنہ لاشیں سڑنے لگیں گی اور تعفن کے ساتھ جراثیم پیدا ہو جائیں گے۔ ہرمیت سنگھ نے شہباز خان کی اس بات سے اتفاق کیا تھا۔ اب یہ اس کی دلیری تھی کہ ان حالات کا شکار ہونے کے باوجود انہوں نے واپسی کے لیے نہیں سوچا تھا۔ جب کہ آگے ہی کا رخ اختیار کیا تھا۔

رفتار تیز کر دی گئی اور راستے کی مشکلات کے باوجود شام ہونے تک وہ کافی دور نکل آئے تھے۔ اب رات کا اندھیرا پھیل چکا تھا اور ان خطرناک راستوں پر سفر جاری رکھنا ممکن نہ تھا۔ لیکن یہ خوش گوار رات نہیں تھی۔ دن بھر تیز دھوپ پڑی تھی۔ اس لیے اطراف میں پڑی ہوئی لاشیں سڑنے لگی تھیں۔ ان میں ہلکا ہلکا تعفن شروع ہو گیا تھا۔ جو صبح ہونے تک اور بڑھ گیا۔ چنانچہ جونہی کچھ اجالا ہوا انہوں نے فوراً دوبارہ سفر شروع کر دیا۔ جس کی تیاری پہلے ہی کر لی گئی تھی اور اب سفر دوڑنے کے سے انداز کا تھا۔ مستان ہر حالت میں تعاون کرتا تھا۔ سب سے آگے وہی دوڑ رہا تھا۔ حالانکہ وہ اسے کئی بار تیز رفتاری سے چلنے سے منع کر چکے تھے کہ کہیں کسی حادثے کا شکار نہ ہو جائے۔ پھر اس وقت گھڑیاں دوپہر کا ایک بجا رہی تھیں۔ جب انہوں نے اچانک محسوس کیا کہ اس طرف تباہ کاری کے آثار نہیں تھے۔ خشک زمین شروع ہو گئی تھی اور جنگل بھی بہتر حالت میں تھا۔ یہاں وہ چند لمحات کے لیے رک گئے۔ شہباز اور ہرمیت دونوں ہی صورت حال کا جائزہ لے رہے تھے شہباز نے کہا۔

''تم نے صورت حال کا جائزہ لیا ہرمیت۔''

''ہاں اندازہ ہوتا ہے کہ دریا کا رخ بائیں سمت ہے اور دائیں سمت کے علاقے اس کی زد میں نہیں آئے۔ اس سیلاب کا آغاز بائیں سمت سے ہی ہوا ہے۔''

''یہ علاقہ زد میں نہیں آیا۔''

''میرے خیال میں ہمیں سیدھے ہی بڑھنا چاہیے۔ شام تک کافی دور نکل جائیں گے۔ اس فیصلے کے بعد وہ آگے بڑھ گئے۔ تقریباً پینتالیس منٹ سفر کرنے کے بعد اچانک درختوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ درختوں

کے دوسری طرف چٹانی سرزمین تھی۔ ناہموار اور خشک، ماحول پر کچھ پیلاہٹ سی سوار تھی اور اس کی وجہ بھی معلوم ہو گئی تھی۔ چٹانیں اور زمین بالکل پیلی تھیں لیکن اس زردی میں اور جو کچھ نظر آیا تھا۔ وہ لرزہ خیز تھا۔ وسیع و عریض چٹانی میدانوں میں ہر طرح کے جانوروں کے غول کے غول نظر آ رہے تھے ننھے معصوم جانور ساکت ایک دوسرے میں سر جھکائے کھڑے تھے۔ ان میں چیتل، سانبھر، بھورے ہرن وغیرہ تھے۔ ان کے اطراف میں کہیں کہیں چیتے اور شیر بھی نظر آ جاتے تھے۔ ہاتھیوں کا ایک غول خاندانوں کی شکل میں نظر آیا۔

عجیب منظر تھا۔ بے حد عبرتناک یہ سب کچھ سیلاب کے پناہ گزین تھے اور سیلاب آتے ہوئے انہیں بچ کر ادھر بھاگ آنے کا موقع مل گیا تھا۔ زندگی سب کو عزیز تھی۔ چنانچہ سب ہی دوڑ پڑے تھے اور موت کے اس مرحلے سے نکلنے کے بعد ایک بار پھر طاقت کا قانون لاگو ہو گیا تھا۔ جب یہ کمزور جانور وحشی جانوروں کے رحم و کرم پر تھے وہ وحشی جانور تھرائے تھرائے پھر رہے تھے۔ جنگل کا خوف معصوم جانوروں کو واپس جانے سے روک رہا تھا۔

اور ادھر بھی موت سامنے نظر آ رہی تھی۔ چنانچہ وہ اپنی نسلوں کے ساتھ ایک دوسرے میں گھسے سر نہوڑائے کھڑے تھے۔ وحشی درندے تو اس وقت انہوں نے برتری کا اظہار ترک کر دیا تھا اور ایک دوسرے سے تعاون کر رہے تھے جنگل میں واپس جانا ضروری بھی کیا تھا۔ خوراک کے ذخائر تو یہاں خود ہی جمع ہو گئے تھے۔ نتیجے میں چند ادھ کھائی لاشیں بالکل سامنے ہی نظر آ رہی تھیں۔

اس عبرتناک منظر نے انہیں گھائل کر دیا اور وہ سکوت کے عالم میں اسے پتھرائی نظروں سے دیکھتے رہے۔ ان کے منہ سے کوئی آواز نہ نکل سکی۔ زبان حال سب کہہ رہی تھی۔ خاموشی کے اس طلسم کو مستان نے توڑا۔

''شر اس طرف جانا ڈینجر ہے۔'' اور وہ چونک پڑے۔ شہباز خان نے گہری سانس لے کر ہرمیت سنگھ کو دیکھا۔

''اس قانون کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟'' ہرمیت سنگھ بولا۔

''یہ راز خدا ہی جانتا ہے۔''

''کیا یہ قانون فطرت کے ہر گوشے میں رائج نہیں ہے۔''

''آؤ..... اس طرف جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہمیں درختوں کے درمیان ہی سفر کرنا ہوگا۔''

شہباز خان نے ہرمیت کے اس سوال کو ٹال دیا اور پھر دائیں سمت مڑ گیا۔

''اس طرف بھی نہیں۔'' ہرمیت سنگھ بولا اور شہباز رک گیا۔

''کیوں؟''

''دریائے سلہری بائیں سمت ہے۔''

''تو پھر؟'' شہباز نے سوالیہ انداز میں کہا۔

''تم ذہنی طور پر الجھے ہوئے ہو۔ شہباز خود کو سنبھالو۔'' دائیں سمت کے جنگل سیلاب سے پاک ہیں۔ متاثرہ علاقے کے سارے جانور اس طرف جمع ہوں گے اور اس وقت جھنجھلائے ہوئے ہوں گے۔''

''اوہ! ہاں ٹھیک ہے۔'' شہباز نے اعتراف کیا اور انہوں نے درختوں کے اختتامی حلقے کے

کنارے کنارے سفر شروع کر دیا۔ ایک عجیب سی اداسی ان پر طاری ہوگئی تھی۔ کمزور جانوروں کی بے بسی نے انہیں بے حد مضمحل کر دیا تھا۔ وہ بے چارے موت سے بچنے کے لیے موت کے سامنے آ کھڑے ہوئے تھے۔ اب ان کے لیے کون سا راستہ ہے۔

جنگل میں کنارے کنارے سفر کرتے ہوئے رات ہوگئی۔ عجیب سفر تھا جس میں انہیں پرندوں کی آواز نہیں سنائی دی تھی۔ جنگل میں ایک بھیانک سناٹا مسلط تھا اور اس سناٹے سے سخت وحشت ہو رہی تھی۔ رات کو ضروریات سے فارغ ہو کر دونوں باتیں کرنے لگے۔ شہباز نے کہا۔

''میدانی سلسلہ نہ جانے کتنا طویل ہے۔ کیا سارے میدان ان سے بھرے ہوں گے۔''

''کل دن کی روشنی میں ہم ایک بار پھر کناروں کی طرف سفر کریں گے۔''

''جنگل کی وسعت کے بارے میں کیا اندازہ ہوا ہے؟''

''سو بار سلہری کے بارے میں جو کچھ سنا ہے۔ اس سے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ہم ابھی تو اس کے سرے پر ہی ہیں۔ اس کی داستانوں میں تو بہت کچھ ہے۔''

''لیکن تمہارا خیال کیا ہے۔ اگر ہم ان داستانوں کی تلاش میں سرگراں ہوئے تو ہمیں کتنا وقت لگ جائے گا۔'' شہباز خان کے اس سوال پر ہرمیت سنگھ نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی وہ کہنے لگا۔

''تم پہلے اس قدر جذباتی نہیں تھے خان۔ میرا خیال ہے تم پر میدانی مناظر دیکھنے کے بعد بالکل ہی غیر متوقع طور پر کیفیت طاری ہوئی ہے واپس چلنا چاہتے ہو......''

''نہیں ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔ ہمیں زیادہ وقت تو نہیں ہوا۔ لیکن تمہارا یہ کہنا درست ہے کہ مجھ پر ایک کاہلی سی سوار ہوگئی ہے اور ذہن عجیب سی پراگندگی کا شکار ہوگیا ہے۔ میرا خیال ہے یوں کرتے ہیں کہ ان جنگلوں سے نکل کر ہم چند روز مکمل طور پر آرام کریں گے اور ایک چھوٹا کیمپ کسی مناسب جگہ لگائیں گے پھر اپنے لیے کچھ تفریحات بھی تلاش کریں گے اس سیلاب نے تو سارے منصوبے خراب کر دیئے چنانچہ کچھ اپنے لیے بھی کریں گے۔ پھر آگے کے بارے میں فیصلہ کر سکتے ہیں۔''

''مجھے تم سے اتفاق ہے۔'' ہرمیت سنگھ نے کہا اور اس کے بعد وہ دونوں خاموش ہوگئے مستان ان سب میں بہتر تھا کہ اسے کسی چیز کی فکر ہی نہیں تھی۔ چنانچہ لمبی تان کر سو گیا تھا۔ کیونکہ اب تو جنگلی درندوں کا خوف بھی نہیں تھا۔ کوئی بھولا بھٹکا ہی ادھر آ نکلے تو دوسری بات ہے۔ ورنہ یہ جنگل تو بالکل ہی خالی ہو چکے تھے۔

دوسری صبح سورج کی روشنی نے انہیں گدگدایا۔ تو انہیں احساس ہوا کہ رات کی نیند بہت گہری تھی۔ جاگے اور معمولات سے فراغت کے بعد پروگرام کے مطابق انہوں نے جنگلوں کے سروں کو ٹٹولنے کا فیصلہ کیا اور ایک بار پھر رخ تبدیل کر لیا گیا۔

درختوں کا سلسلہ تقریباً دو فرلانگ چلنے کے بعد ختم ہوگیا تھا اور وہی سیاہی مائل چٹانیں کھلے میدانوں میں بکھری ہوئی نظر آ رہی تھیں جن کے درمیان زمین کچھ بھربھری سی تھی۔ البتہ اس طرف انہوں نے جانوروں کو نہیں دیکھا تھا۔ غالباً وہ سلسلہ یہاں تک نہیں پہنچ پایا تھا۔ چنانچہ ہمت کر کے وہ کھلے میدان میں نکل

آئے۔ دھوپ خاصی تیز تھی۔ لیکن چونکہ اتنے دن تک نمی میں اور اندھیروں میں سفر کرتے رہے تھے۔ اس لیے یہ چمکدار دھوپ انہیں بہت اچھی لگی۔

اور پھر کوئی خطرہ بھی سامنے نہیں آیا تھا بلکہ میدانوں کی زندگی معمول کے مطابق تھی اور پتھروں میں پائے جانے والے حشرات الارض جگہ جگہ نظر آ رہے تھے۔

خاص قسم کی زہریلی جھاڑیوں، جن میں تھوہر، ناگ پھنی اور ایسی ہی چیزیں شامل تھیں اور دور دور تک بکھری ہوئی تھیں اور ان پر پیلاہٹ چڑھی ہوئی تھی۔ بھربھری مٹی کو انہوں نے ہاتھ میں اٹھا کر دیکھا تو انہیں ایک عجیب سا احساس ہوا۔ ایسی مٹی عام طور پر غور کرتے رہے۔ لیکن اس کی چکنائی کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکے اور جو بات سمجھ میں نہ آئے اسے نظر انداز کر دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔

سورج سر سے گزرتا رہا اور پھر مستان نے ایک سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''شرشر سلہری۔'' بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ لیکن پھر انہوں نے کچھ آبی پرندے دیکھے۔ جو مخصوص پرواز کر رہے تھے۔ تب وہ لوگ سمجھے کہ مستان دریائے سلہری کے بارے میں کہہ رہا ہے۔ انہوں نے بے اختیارانہ انداز میں ہی دریا کی طرف رخ کیا تھا۔ حالانکہ یہی ہولناک دریا تھا جس کی تباہ کاری نے انہیں لرزا دیا تھا۔ دریا کا فاصلہ بہت زیادہ نہیں تھا۔ لیکن جب وہ اس کے قریب پہنچے تو حیران رہ گئے۔ اسے دریا نہیں کہا جا سکتا تھا۔ یہ تو کوئی چھوٹی ندی معلوم ہوتی تھی۔ جو بے حد شفاف تھی اور اس کے کنارے سرسبز تھے۔ مستان بھی اسے دیکھ کر حیران ہوگیا۔

''جو کچھ بھی ہے۔ یہاں قیام بہتر رہے گا۔'' شہباز خان نے کہا اور دریا کے کنارے ایک عمدہ جگہ تلاش کر لی گئی۔ یہاں سے دریا کا نظارہ بے حد خوب صورت تھا۔ آبی پرندوں کی ڈاریں پرواز کر رہی تھیں۔ غول کے غول کنارے پر اتر جاتے اور ذرا سی آہٹ پر پھر امار کر اڑ جاتے تھے ان کی بھانت بھانت کی آوازیں کانوں کو خوش گوار لگ رہی تھیں۔ شاید اس لیے کہ وہ زندگی کی بدترین بے قدری دیکھ چکے تھے۔ کئی دن کے بعد آگ جلا کر چائے بنائی گئی اور پھر شفاف پانی میں خوب کلیلیں کی گئیں۔ سارا دن خوش گوار گزرا تھا اور ذہن سے اداسی دھل گئی تھی۔ پھر رات ہوگئی اور وہ آرام کرنے لگے۔

اسی دوران بہت سی باتیں بھی ہوئی تھیں۔ پھر چاند نکل آیا اور چاندنی نے دریا کو روشنی سے رنگ دیا۔ خان کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ چنانچہ ہرمیت سنگھ کے مشورے پر ایک بار پھر چائے بنائی گئی اور خوش گوار نم ماحول میں چائے کا لطف بڑھ گیا۔ وہ دریا کی طرف دیکھ رہے تھے۔ دفعتہً شہباز نے کچھ دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہرمیت ادھر دیکھو نگاہ کا دھوکہ ہے یا......'' ہرمیت سنگھ، شہباز کے اشارے کی سمت دیکھنے لگا چاندنی کے سائے میں دریا کے شفاف بہاؤ پر کچھ سیاہی نظر آ رہی تھی جو آہستہ آہستہ ان کی طرف بڑھ رہی تھی۔

''میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ کوئی دریائی جانور نہیں ہے۔'' ہرمیت سنگھ نے کہا۔

شہباز نے اپنی چائے حلق میں انڈیل لی اور اٹھ کر کنارے کی طرف چل پڑا۔ ہرمیت بھی اس کا پیچھا کرتا ہوا وہاں آ گیا تھا۔ وہ اس شے کے قریب آنے کا انتظار کرتے رہے۔ روشنی خوب پھیلی ہوئی تھی اور اس روشنی میں کافی فاصلے سے ہی انہوں نے اس چوڑی سی کشتی نما چیز کو دیکھ لیا تھا۔ جو بے حد عجیب تھی۔ گھاس

پھونس کا بنا ہوا ایک تختہ جس پر کوئی انسانی جسم نظر آ رہا تھا۔ یہ جسم اس تختے پر دراز تھا۔ اس کے قریب ہی کوئی شے بل رہی تھی۔

"ہرمیت تم رسی لے آؤ۔ ہم اسے کنارے پر لائیں گے۔" شہباز بولا۔

"مگر یہ ہے کیا؟"

"اللہ جانے میں پانی میں جا رہا ہوں۔ تم رسی پھینک دینا میں اسی میں باندھ دوں گا۔" شہباز نے کہا۔

اور ہرمیت سنگھ تیزی سے سامان کی طرف دوڑ گیا۔ شہباز پانی میں کود گیا۔ تختہ سست رفتاری سے قریب آتا جا رہا تھا۔

شہباز نے حیران نگاہوں سے دیکھا۔ وہ انسانی جسم جو کسی نوجوان عورت کا تھا اور روشنی میں اس طرح چمک رہا تھا۔ جیسے اس پر روغن مل دیا گیا ہو۔ اور جسے پر کسی خاص لکڑی سے تراشے ہوئے ٹکڑوں کو پروکر پھیلا دیا گیا تھا۔ جس سے اس کی بدن پوشی ہو گئی تھی۔ بدن کے کچھ حصوں پر رنگین مٹی سے نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ گردن میں ایک سنہرا سانپ لپٹا ہوا تھا۔ جو روشنی میں کندن کی طرح دمک رہا تھا۔ سر کے سیاہ لمبے بال پتلی پتلی چوٹیوں کی شکل میں گوندھ کر لکڑی کی کیلوں کے ذریعہ اس تختے میں ٹھونک دیئے گئے تھے۔ اس کے نقوش بڑے سحر انگیز تھے۔ چہرہ پر سکون اور آنکھیں بند تھیں لیکن اس تختے پر وہ تنہا نہ تھی ایک اور جاندار کا وجود اس پر موجود تھا۔ وہ ایک تقریباً چھ ماہ کی بچی تھی۔ جو عورت کی بغل میں لیٹی ہوئی تھی۔ اس کی گردن سے لے کر گھٹنوں تک گھاس باندھ کر اس کا بدن ڈھک دیا گیا تھا۔ بچی جاگ رہی تھی اور اس کے حلق سے معصوم آوازیں نکل رہی تھیں۔ چاندنی رات میں یہ پراسرار منظر بڑا سحر انگیز تھا۔

شہباز خان کا ذہن کسی انجانے اسرار میں جکڑا جا رہا تھا کہ کنارے سے ہرمیت سنگھ کی آواز نے اسے چونکا دیا!

ہرمیت سنگھ دوبارہ رسی پھینک چکا تھا لیکن شہباز خان اس سحر انگیز منظر میں گم تھا۔ تب ہرمیت سنگھ نے اسے پکارا۔

"شہباز، کیا کر رہے ہو رسی کیوں نہیں پکڑتے۔"

تب شہباز چونکا اور اس نے ہرمیت سنگھ کی طرف دیکھا۔ ہرمیت سنگھ نے تیسری بار رسی پھینکی تو اس نے اس کا سرا پکڑ لیا۔ پھر اس سرے کو اس تختے سے باندھ دیا۔ ہرمیت سنگھ اشارہ پا کر رسی کھینچنے لگا تھا۔ شہباز نے بھی تختے کو سہارا دیا۔ اسے کنارے تک پہنچنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی تھی، ہرمیت سنگھ نے اسے خشکی پر گھسیٹ لیا۔ پھر قریب سے یہ سب کچھ دیکھ کر ہرمیت کے ہونٹ بھی سکڑ گئے تھے۔

"بائی گاڈ یہ سب کیا ہے؟"

"خدا جانے۔"

"بچی جاگ رہی ہے۔" ہرمیت سنگھ بولا اور اسی وقت شہباز خان چونک کر بچی کو دیکھنے لگا۔ اچانک اسے احساس ہوا تھا کہ بچی بھوکی ہے۔ لیکن اس احساس کی وجہ کیا تھی۔ شہباز کو اس کا کوئی اندازہ نہیں ہوا۔ حالانکہ وہ بچوں کی نفسیات اور ان کے انداز سے بالکل ناواقف تھا۔ اس کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

بھید 3
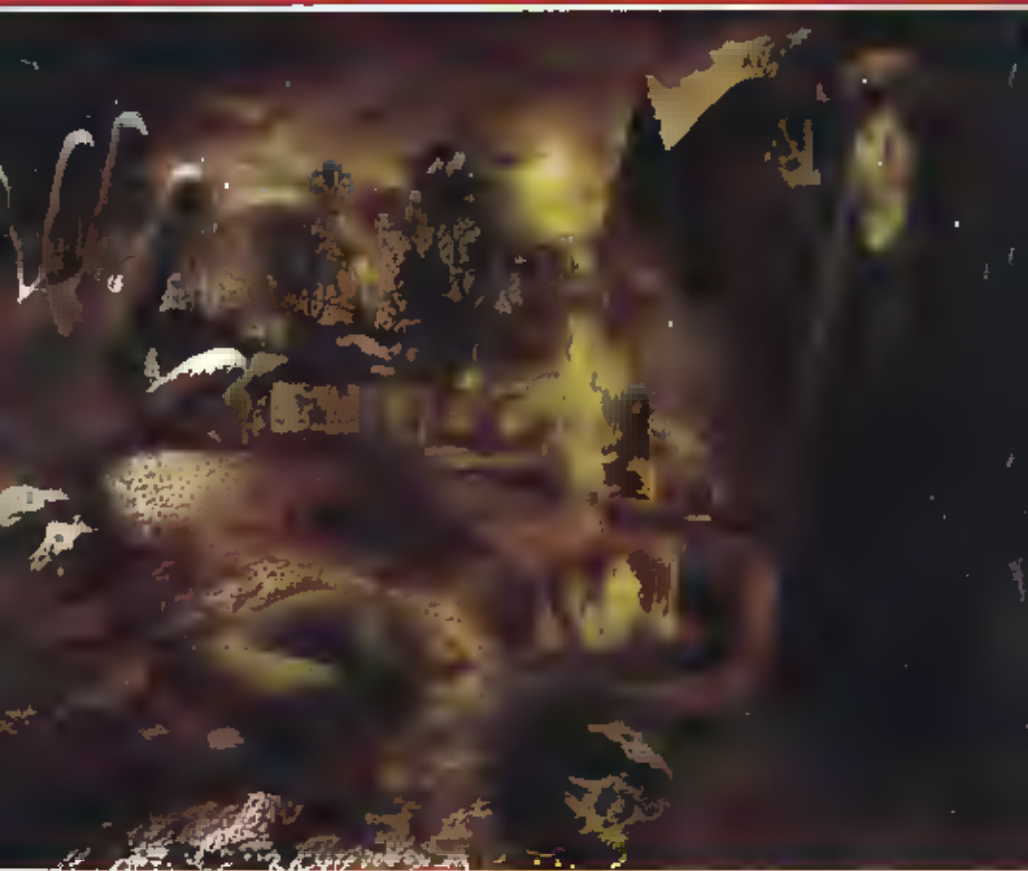
ایم اے راحت

"وہ بھوکی ہے۔"

"ایں! ہاں لگتا ہے۔ اب کیا کریں پتہ نہیں یہ سب کیا ہے۔ کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔"

"کیسی گڑبڑ؟"

"اس کا مجھے اندازہ نہیں ہے۔ آؤ اسے تھوڑا اوپر کھینچ لیں۔" تختے کو ندی کے کنارے سے دور کھینچ لیا گیا۔ وہ دونوں سخت حیران تھے۔ ایک بار پھر شہباز کے بدن میں جھرجھری سی پیدا ہوگئی۔ اسے یوں محسوس ہوا۔ جیسے ننھی سی بچی کے انداز میں جھنجھلاہٹ پیدا ہوئی ہو اور اس نے کہا ہو۔ تم کہتے کیوں نہیں میں بھوکی ہوں۔

"مگر کیا؟"

"ہمارے پاس چائے بنانے کے لیے خشک دودھ موجود ہے۔ اس ننھی منی بچی کو دودھ کے علاوہ اور کیا دیا جا سکتا ہے۔"

"ہاں دودھ، میں انتظام کرتا ہوں۔ ہرمیت سنگھ نے کہا اور شہباز نے جھک کر بچی کو بازوؤں میں اٹھا لیا۔ اس ننھے سے وجود کا لمس بے حد عجیب تھا۔ ہرمیت سنگھ اپنے کام میں مصروف ہو گیا اور شہباز بچی کو غور سے دیکھنے لگا۔ بڑے سبک اور پرکشش نقوش تھے۔ خاص طور پر اس کی آنکھیں ایک انوکھی کشش کی حامل تھیں۔ بولتی ہوئی حسین آنکھیں، سیاہ آنکھیں ہرمیت سنگھ نے دودھ تیار کر لیا۔ دونوں ہی اناڑی تھے۔ اسی طرح بچی کو دودھ پلانے کی کوششیں کی جانے لگیں اور کسی نہ کسی طرح تھوڑا بہت دودھ اس کے حلق سے اتارنے میں کامیاب ہو گئے۔

بچی نے پرسکون ہو کر آنکھیں بند کر لی تھیں۔

"خان۔ آخر یہ سب کیا ہے؟"

"میں کیا بتاؤں ہرمیت سنگھ یہ عورت کتنی عجیب ہے۔ اوہ...... کیا تم نے محسوس کیا اس میں سانسوں کی آمد و رفت محسوس نہیں ہوتی۔ ہرمیت سنگھ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کسی قدر خوف زدہ معلوم ہوتا تھا۔ پھر اس نے گردن گھما کر مستان کی طرف دیکھا اور بولا۔

"کیا میں اسے جگاؤں؟ ہو سکتا ہے کہ یہ کچھ روشنی ڈال سکے۔"

"ابھی رہنے دو۔" خواہ مخواہ شر، شر کہہ کے دماغ کھا جائے گا، بچی کو یہاں لٹا دو۔"

"ایک منٹ...... میں ذرا ان محترمہ کے لیے بستر کا انتظام کر دوں۔" ہرمیت سنگھ نے تھوڑے سے کپڑے اکٹھے کر کے ایک بستر سا بنا دیا اور شہباز نے بچی کو اس پر لٹا دیا۔ وہ پُرسکون انداز میں سو رہی تھی۔

تب دونوں اس تختے کے پاس بیٹھ گئے۔ شہباز نے ہمت کر کے سوتی ہوئی خوب صورت عورت کے بدن کو چھو کر دیکھا۔ پھر اس طرح ہاتھ پیچھے ہٹا لیا۔ جیسے ہاتھ کو جھٹکا لگا ہو۔ اس کے چہرے پر حیرت کے نقوش ابھر آئے تھے۔

دونوں وحشت کا شکار تھے۔ شہباز کے اس طرح اچھل کر ہاتھ ہٹانے سے ہرمیت سنگھ بھی چونک پڑا تھا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے شہباز کو دیکھا تو شہباز نے سرسراتی آواز میں کہا۔

"اس کا بدن برف کی طرح سرد اور سخت ہے۔"

"لاش...... ہرمیت سنگھ تشویش سے بولا۔"

"اگر لاش ہے تو بڑی انوکھی ہے۔ اس کے بدن پر سنگ مرمر کی طرح چکناہٹ اور سختی ہے۔" میں نے کہا اور دونوں خاموش ہو گئے۔

ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں۔ یہ خاموشی دیر تک طاری رہی پھر ہرمیت سنگھ نے ہی یہ خاموشی توڑی۔

"تم نے مصر کی قدیم داستانوں میں طریقہ حنوط کے بارے میں سنا ہے۔ کیا یہ لاش حنوط کی ہوئی نہیں معلوم ہوتی؟"

"بالکل ایسا ہی ہے۔ یہی احساس مجھے بھی ہو رہا ہے۔ ویسے اس علاقے کی پراسرار کہانیاں مجھے یاد آ رہی ہیں ممکن ہے یہ کسی قبیلے ہی کا کوئی جادوئی عمل ہو۔"

"مگر بچی زندہ ہے۔"

"یہی سب سے بڑی پریشانی ہے۔ ہم یہ سب کچھ چھوڑ کر آگے بڑھ سکتے ہیں۔ لیکن ایک زندہ وجود کو تو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر رہے تھے۔ وقت آہستہ آہستہ گزر رہا تھا۔ سب سے مزے میں مستان تھا۔ جو ان سارے جھگڑوں سے بے نیاز مزے کی نیند سو رہا تھا۔ یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ بچی اس دوران گہری نیند سوتی رہی تھی۔ پھر مستان جاگ اٹھا۔ اس نے ان دونوں کو عجیب سے انداز میں بیٹھے دیکھا اور سر کھجانے لگا۔ اس کی نگاہ بچی پر پڑی اور وہ اچھل پڑا۔ اس کے بعد اس نے دوسرا منظر دیکھا اور اس کے منہ سے نکلا۔

"ایکشو بروشیا۔" یہ الفاظ حیرت کا اظہار کرتے تھے۔ دونوں اس کا جائزہ لے رہے تھے۔ غالباً اندازہ لگا رہے تھے کہ مستان اس صورت حال سے کوئی واقفیت نہیں رکھتا تھا لیکن......

پھر مستان بولا۔ "شر" میرے کو غلط فہمی ہوئی۔ میں بولا شاب کی نیلی ادھر آ گیا۔ مگر یہ دوشا۔ نور دوشا...... یہ سب عجیب ہے۔"

"کون ہے یہ؟" شہباز نے پوچھا اور مستان منہ پھاڑ کر رہ گیا۔

"میرے کو نہیں جانتا شر...... میں بالکل نہیں جانتا۔"

"یہ لاش اسی شکل میں اسی ندی میں بہہ رہی تھی اور یہ بچی بھی اس پر لیٹی ہوئی تھی۔ تمہارے خیال میں یہ کہاں سے آ سکتی ہے۔"

"میں نہیں جانتا شر! بٹ یہ میجک لگتا ہے۔ مانا بشر دتا۔"

مستان تختے کے قریب اکڑوں بیٹھ گیا اور دیر تک اس پر رکھی ہوئی لاش کو گھورتا رہا۔

"میں نہیں جانتا شر۔ بالکل نہیں جانتا۔"

"ہرمیت سنگھ میرے خیال میں اب ہم آگے کا سفر ملتوی کر دیں۔ اس بچی کو تو نہ چھوڑا جا سکتا ہے اور نہ اسے لے کر آگے سفر کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ہمیں یہاں سے واپس جانا پڑے گا۔" شہباز خان نے کہا۔

"ظاہر ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ مگر اس لاش کا کیا کرو گے؟"

"کیا کیا جا سکتا ہے اسے اسی طرح پانی میں ڈال دو۔"

"اوہ......" ہرمیت سنگھ عجیب سے لہجے بولا اور خان اس کا چہرہ دیکھ کر مسکرا دیا۔

"کیا کسی پراسرار لاش کو تم اپنے عجائب گھر میں جگہ دینا چاہتے ہو۔"

"اس بچی کو کہاں رکھو گے؟" ہرمیت سنگھ نے پوچھا۔

"کہیں بھی کسی سرکاری ادارے کے سپرد کیا جا سکتا ہے۔ خود بھی اس کی پرورش کی جا سکتی ہے۔ لیکن لاش......"

"اس کے بارے میں معلومات حاصل کیے بغیر اس کو دریا برد کر دینا بھی تو مناسب نہیں ہے۔ اس بچی کی زندگی ہمیشہ تاریک رہے گی۔ ہم یوں کرتے ہیں کہ اس لاش کو بھی ساتھ لیے چلتے ہیں۔ میں اس کے بارے میں اپنے ذرائع سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کروں گا۔ کچھ معلوم نہ ہو سکا تو ٹھیک ہے۔ ورنہ پھر اسے ٹھکانے لگا دوں گا۔"

"جیسا تم پسند کرو۔ شہباز خان نے ہرمیت سنگھ سے کہا اور یہ بات طے ہو گئی۔ اس کے بعد اس لاش کو لے جانے کے طریقہ کار طے کرنے لگے۔ یہاں کوئی بندوبست تو ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ یہ فیصلہ کیا گیا کہ ایک اسٹریچر جیسا بنا لیا جائے۔ جس کے لیے یہ تختہ اور بانس استعمال کیے جائیں۔ اس کے لیے لاش کو تختے سے نیچے اتارنا ضروری تھا۔ گندھی ہوئی باریک باریک چوٹیوں میں سے لکڑی کی کیلیں نکالی گئیں۔ بندھے ہوئے پاؤں بھی کھولے گئے اور پھر آہستگی سے اس لاش کو تختے سے نیچے اتار کر رکھ لیا گیا۔

اس وقت سانپ کی شکل کے اس کے اس سنہرے زیور کو دیکھا گیا۔ جس کے بارے میں اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ خالص سونے کا ہے۔ اس کے علاوہ لاش کی کمر کے نیچے سے کسی جانور کی صاف کی ہوئی ایک پوری کھال بھی برآمد ہوئی تھی۔ جس پر انتہائی پکے رنگوں سے کچھ تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ ایک طرف کچھ جانور دکھائے گئے تھے جن کے کوہان کے نیچے سبز رنگ بکھرا ہوا تھا۔ پھر تھوڑا سا پس منظر تھا۔ جس میں کچھ نشان دہی کی گئی تھی۔

"اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"میری عقل ان ساعتوں میں ساتھ نہیں دے رہی۔" شہباز نے کہا۔

"مگر میرا دعویٰ ہے کہ اس میں کسی خاص جگہ کی نشان دہی کی گئی ہے۔"

"ہوسکتا ہے۔" شہباز نے کہا۔ "مستان کو اس کا کام سمجھا دیا گیا تھا اور وہ اپنے لمبے چاقو کی مدد سے اس کام میں مصروف تھا۔ بچی بے مثال تھی۔ اس دوران بھی ایک بار پھر جاگی تھی۔ اور اسے دودھ پلا دیا گیا تھا۔ جس کے بعد اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

مستان نے اسٹریچر تیار کر لیا اور لاش کو احتیاط سے اس پر لٹا دیا گیا۔ اس کے علاوہ گھاس کے ذریعے اُوپر سے ڈھک بھی دیا گیا تھا۔ پھر مستان اور ہرمیت سنگھ نے اسٹریچر سنبھال لیا اور وہ اس جگہ سے واپس چل پڑے۔ لاش کا تمام سامان اس کے ساتھ رکھ لیا گیا تھا۔

واپسی کا سفر بڑا تھکا دینے والا تھا۔ اب تک جس پامردی سے وہ آگے بڑھتے رہے تھے اور پیش آنے والے خطرات کو صرف اس تصور کے تحت برداشت کرتے رہے تھے کہ بالآخر وہ جنگلوں کا راز پا لیں گے۔ اب وہ جذبہ قائم نہ رہ سکا تھا۔ شہباز خان نے بچی کو شانے سے لگا رکھا تھا اور وہ اب بھی اس لمس کے سحر کا شکار تھا۔ بچی کے لیے دل میں پیار کا انوکھا جذبہ ابھرتا تھا۔

واپسی کے سفر کا پہلا دن گزر گیا۔ سورج چھپ گیا تھا۔ انہوں نے قیام کے لیے ایک جگہ منتخب کر لی تھی اور اب وہاں اپنی ضروریات میں مصروف تھے۔ مستان کھانے کے بندوبست کر رہا تھا۔ ہرمیت سنگھ زمین پر چت پڑا تھا اور شہباز خان بچی کو گود میں لیے بیٹھا تھا۔ ہرمیت سنگھ کی نگاہ اس پر پڑی تو وہ بے اختیار ہنس پڑا۔

"کیوں؟" شہباز خان بولا۔

"تم اس وقت بہت مضحکہ خیز لگ رہے ہو۔ شیروں اور ہاتھیوں کا شکاری ایک ماں کی شکل میں..... واہ!"

"انسان کے دل میں انسان کے لیے اتنا پیار نہ پیدا کیا جاتا ہرمیت۔ تو یہ دنیا کبھی کی ختم ہو گئی ہوتی اور پھر بچے بے بس معصوم لیکن بے حد طاقت ور ان کا انسان کی ذات سے ایک انوکھا رشتہ ہوتا ہے اور اس کے لیے کسی خون کے رشتے کی قید نہیں ہوتی۔"

"تب میں تمہیں مبارک باد دیتا ہوں۔ تم ایک بچی کے باپ بن گئے ہو۔"

"شاید اسے میں ہی پال لوں۔" شہباز خان نے کہا۔

"پوری زندگی کے لیے سفر کی یادگار رہے گی۔"

"ہاں ایک انوکھی یادگار۔"

"لاش کے پاس کچھ انوکھی چیزیں ہیں سنہرا سانپ دو عجیب نقشہ۔ یار کیا وہ کسی خزانے کا نقشہ ہو سکتا ہے۔"

"کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"میں اس پر کام ضرور کروں گا بلکہ میں نے تو ایک اور بات بھی سوچی ہے۔"

"کیا؟"

"مصر کے اہرام سے برآمد ہونے والی ممیاں صدیوں سے اپنی اصل شکل میں موجود ہیں اور وہ ممیاں اسی شکل میں ہوتی ہیں۔ اس کا سرد اور پتھرایا ہوا بدن موت کی خصوصیات کا حامل نہیں ہے۔ اگر یہ جسم گلنے سڑنے سے محفوظ ہے۔ تو اسے ضائع کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جس طرح یہ بچی تمہارے پاس پروان چڑھے گی۔ اس طرح میں بھی اس جسم کو محفوظ رکھوں گا۔ میرے نوادر خانے میں ایک اضافہ ہوگا۔"

"کیا حرج ہے اور پھر کون جانے اس بچی کا اس مردہ بدن سے کیا رشتہ ہے۔ اگر اسے زندگی مل گئی اور یہ بخیر و خوبی پروان چڑھ گئی۔ تو...... تو...... تو......" شہباز خان کوئی ٹھوس بات نہ کہہ سکا۔ بچی اس کی گود میں کلبلائی تھی۔

"یہ جاگ رہی ہے۔"

"خوراک کا وقت ہوگا۔"

"ہاں اب چائے کو خدا حافظ کرنا ہوگا۔"

"کیا مطلب؟"

"جنگلوں کے اس طویل سفر میں دودھ مل جانے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ خشک دودھ کا تمام ذخیرہ اس ننھے مہمان کی ملکیت ہے۔"

"اوہ..... مائی گاڈ..... یہ تو ہے۔ مگر چائے کی دوسری خوبی کو کیوں نظر انداز کر رہے ہو۔"

"کیا؟"

"وہ بغیر دودھ کے بھی تو پی جا سکتی۔"

"ونڈرفل۔ تو ہو جائے۔" شہباز خان نے کہا اور ہرمیت سنگھ نے لیٹے ہوئے مستان کو آواز دے ڈالی اور پھر خود بچی کے لیے دودھ تیار کرنے لگا۔

"سفر کا دوسرا دن بھی بیت گیا۔ وہ حتی الامکان تیز رفتاری سے یہ سفر کر رہے تھے۔ کیوں کہ اب اس میں شکارانہ تھا نہ مشاہدات۔ خوش بختی سے کوئی ایسا واقعہ بھی پیش نہ آیا جو باعث تشویش ہوتا۔ البتہ سفر کی تیسری رات ایک دلچسپ واقعے کی محرک ثابت ہوئی۔

رات کا پڑاؤ ڈال دیا گیا تھا۔ ایک صاف ستھری لیکن درختوں میں گھری ہوئی جگہ تھی۔ اطراف میں اس قدر قد آدم گھاس اُگی ہوئی تھی۔ ان کے تجربہ کارانہ اندازوں کے مطابق یہاں درندوں کے امکانات تھے۔ اس لیے خصوصی طور پر ہوشیار رہنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ لاش کا اسٹریچر ایک جگہ رکھ دیا گیا۔ درخت اس قابل نہ تھے کہ اس کی شاخوں پر بسیرا کیا جائے اور پھر بچی کی موجودگی میں یہ بھی ممکن نہیں تھا۔

تمام ضروریات سے فراغت حاصل کر لی گئیں۔ طے شدہ پروگرام کے مطابق پہلے پہر ہرمیت کو جاگنا تھا۔

دوسرے پہر مستان کو اور تیسرے پہر شہباز کی باری تھی۔ شہباز اور مستان تو سو گئے اور ہرمیت سنگھ رائفل سنبھال کر چوکنا ہو کر بیٹھ گیا۔ آسمان پر چاند کھلا ہوا تھا۔ جس کی کرنیں درختوں سے چھن رہی تھیں۔

روشنی کے سفید دھبے زمین پر بکھرے عجیب لگ رہے تھے۔ چند ایسے ہی دھبوں نے اسٹریچر کو بھی لپیٹ میں لیا ہوا تھا۔ ہرمیت سنگھ کے دل میں معاً یہ خیال پیدا ہوا کہ لاش پر سے گھاس ہٹا کر عورت کی لاش کو دیکھے۔ لیکن اس خیال کے ساتھ ہی اس کے جسم میں سرد لہر دوڑنے لگی۔

کئی بار یہ سوچنے کے باوجود ہمت نہ کر سکا۔ پھر یہ خیال بھی دل میں تھا کہ اس طرف متوجہ ہو کر وہ چوکس نہ رہ سکے گا۔ چنانچہ وہ یہ عمل نہ کر سکا اور وقت گزرتا گیا۔ گھڑی نے دو بجائے تو اس نے مستان کو جگا دیا۔ وہ آنکھیں ملتا ہوا اٹھ کر بیٹھ گیا۔

''چہرہ پانی سے دھو لو اور ہوشیار رہنا۔ اس نے رائفل مستان کو دے کر کہا۔''

''بالکل ہوشیار ہے شر۔'' مستان نے گردن جھٹک کر کہا اور رائفل لے کر تھوڑے سے دائرے میں دو تین چکر لگائے۔ ہرمیت سنگھ نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ چند لمحات وہ اپنی بیوی کے بارے میں سوچتا رہا۔ پھر اسے آنکھوں میں بسائے سو گیا۔ دوسری طرف شہباز کسی چاہنے والی ماں کی طرح بچی کو سینے میں سموئے گہری نیند سو رہا تھا۔ اسے اس مختصر وقت میں ہی بچی سے انوکھی انسیت ہو گئی تھی۔

بہرحال نیند کی حالت میں کروٹ بدلی تو بچی دوسری طرف رہ گئی۔ وہ نیند میں بے سدھ سو گیا تھا اور نہ جانے کتنا وقت گزر گیا تھا۔ پھر اس وقت رات کا تیسرا پہر گزر رہا تھا اور شہباز کی نیند پوری ہو چکی تھی۔ اس کی آنکھیں کھل گئیں۔ چاندنی رات آخری پہر میں تھی اور روشنی کا ایک دھبا اس کے چہرے پر پڑ رہا تھا۔ اس نے گردن کو جنبش دی اور آنکھوں کو روشنی کی زد سے بچا کر نیچے چبھنے والی گھاس کی ایک گانٹھ کو ٹٹولنے لگا۔ تبھی اسے بچی کی یاد آئی اور وہ اچھل پڑا۔

کہنیاں گھاس پر ٹکا کر اس نے گردن گھمائی۔ اُس کا سانس بند ہونے لگا۔ جو کچھ دیکھا وہ ناقابل یقین تھا۔ پہلی نگاہ اس خوف ناک بھیڑیے پر پڑی۔ جو اتنا قریب تھا کہ اس کے بدن کی بو نتھنوں کو چھو رہی تھی۔ بھیڑیے سے صرف چند فٹ کے فاصلے پر بچی پڑی ہوئی تھی۔

اس کے ننھے منے ہاتھ گردش کر رہے تھے۔ وہ جاگ رہی تھی پھر اس کی ہلکی ہلکی قلقاریاں بھی کانوں میں ابھریں۔

''شہباز خان کے اعصاب کشیدہ ہو گئے۔ ایک لمحے کے لیے یوں محسوس ہوا۔ جیسے بدن حرکت کے قابل نہیں رہا۔ اس کی دماغی قوتیں ساتھ چھوڑ رہی تھیں۔ اب کوئی تدبیر نہیں تھی۔ جس کے تحت بچی کی زندگی بچائی جا سکے۔ بھیڑیا اب لسے آگے بڑھ کر منہ میں دبانا ہی چاہتا تھا کہ رائفل پاس نہیں تھی نہ جانے کہاں تھی۔ اگر بدن کو جنبش دی تو وہ فوراً رخ بدل کر حملہ کر دے گا۔ اس عالم میں مدافعت کا کوئی ذریعہ بھی نہیں ہے۔ یہ پہرہ دینے والا کہاں مر گیا۔ کس کی باری تھی بے شمار سوالات تھے لیکن جواب کسی کا نہیں تھا۔

گردن جتنی گھومی تھی اسی جگہ رک گئی تھی۔ بدن کی جو پوزیشن تھی۔ اسے تبدیل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اُف خدا کیا کیا جائے۔ نگاہیں بھیڑیے پر جمی ہوئی تھیں۔ بھیڑیا خود بھی شہباز خان کی طرح ساکت تھا۔ اتنی دیر میں تو وہ اپنا کام بھی کر سکتا تھا۔ پھر وہ ساکت کیوں ہے۔ شہباز نے اپنے حواس قائم کر کے بھیڑیے کو دیکھا اور اسے احساس ہوا کہ درندہ بھی کسی خوف کا شکار ہے۔ اس کی دم آہستہ آہستہ ہل رہی تھی۔ لیکن شکار

کے انداز میں نہیں۔ بلکہ اس میں خوف شامل تھا۔ کیا یہ صرف میرا وہم ہے۔'' شہباز خان نے سوچا۔

''کشم...... بادر...... کشم۔'' اچانک مستان کی آواز ابھری اور اس اچانک آواز سے خان اچھل پڑا۔ بچی بھی کلبلائی اور اس کی گردن گھوم گئی۔ لیکن سب سے زیادہ حیرت انگیز ردعمل بھیڑیے پر ہوا۔ وہ کئی فٹ اونچا اچھل کر نیچے گر پڑا اس کے بعد اس نے تڑپ کر ایک لمبی زقند لگائی اور جھاڑیوں میں گم ہو گیا۔ وہ انتہائی خوف اور بدحواسی کے عالم میں بھاگا تھا اور جس طرح نیچے گرا تھا۔ اس سے یہ اندازہ بھی ہوتا تھا کہ اس وقت اسے خود پر قابو حاصل نہیں تھا۔ مگر کیوں؟

''شہباز کے حواس بحال ہو گئے۔ برق رفتاری سے آگے بڑھ کر پہلے اس نے بچی پر جھپٹا مارا اور اسے سینے سے بھینچ لیا۔ پھر گردن گھما کر مستان اور ہرمیت سنگھ کو دیکھا دونوں گہری نیند میں سو رہے تھے۔ رائفل مستان کے پاس تھی۔ وہ گھٹنوں میں سر دیے گٹھڑی بنا ہوا تھا۔ اس کے منہ سے جو بکواس نکل رہی تھی۔ وہ سوتے میں نکلی تھی۔ کئی بار انہوں نے مستان کو عالم خواب میں بولتے سنا تھا اور اس وقت بھی یہ ہو رہا تھا۔

اب صورت حال شہباز کی سمجھ میں آ گئی۔ ڈیوٹی مستان کی تھی اور وہ سو رہا تھا۔ ہرمیت سنگھ پہلے ہی سو رہا تھا۔ ایسے میں بھیڑیا آ گیا۔ لیکن اسے کیا ہو گیا تھا۔ شہباز نے حیرانی کے انداز میں بچی کو دیکھا اور وہ مسکرا دی۔ ایسی دل کش اور ایسی دل موہ لینے والی مسکراہٹ تھی کہ خان اس پر فریفتہ ہو گیا۔ بچی کی چمکدار سیاہ آنکھیں روشن ستاروں کی طرح جگمگا رہی تھیں اور ان آنکھوں میں کوئی پیغام تھا۔ شہباز نے گردن زور سے جھٹکی اور اپنے اس وہم کی نفی کرنے لگا۔

بہرحال بھیڑیے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے بچی کو ایک ہاتھ سے سنبھالا اور دوسرے ہاتھ سے کسی قدر جھنجلاہٹ کے عالم میں مستان کے ہاتھوں سے رائفل چھین لی۔ مستان اچھل پڑا تھا۔

''پوزاگ...... توشاپا......'' اس نے رائفل شہباز کے ہاتھ سے چھیننے کی کوشش کی۔ لیکن شہباز نے اسے پاؤں سے دھکا دے دیا۔

''شوری...... شر...... آپ شو جاؤ...... میں جاگتا ہوں۔''

''تمہارا دماغ خراب ہے مستان۔''

''لیس شر...... لیس شر...... نو شر۔''

''تم مجھے جگائے بغیر سو گئے تھے۔''

''ایں...... نو شر...... نو شر۔'' مستان گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''بس اب سو جاؤ میں جاگ رہا ہوں۔'' شہباز نے کہا اور رائفل سنبھال کر ایک درخت کی جانب بڑھ گیا۔ مستان چند لمحات کھڑا رہا پھر اسی جگہ دھڑ سے زمین پر گر کر سو گیا۔ شہباز کا ذہن اب پوری طرح جاگ گیا تھا۔ ماحول میں ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ جو کسی طرح باعث پریشانی ہوتی۔ لیکن اس کا ذہن بھیڑیے کی گتھی کو سلجھانے میں ناکام تھا۔ اس وحشی درندے کو کیا ہوا تھا۔

دوسری صبح معمول کے مطابق تھی۔ نہ جانے کیوں شہباز نے ہرمیت سنگھ سے رات کے واقعے کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ اس نے سوچا کہ کوئی اہم بات نہیں ہے۔ جانور کا مزاج تھا کہ جانے کیا سوچا ہوگا اس

نے۔ پھر وہ خود بھی نیند سے جاگا تھا۔ اس کے بھی امکانات تھے کہ وہ سوتے ہوئے ذہن کی اختراع ہو۔ مستان بے وقوف کو بھی رات کے واقعات یاد نہیں تھے۔

اس کے بعد جنگلوں کے آخری سرے تک کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا جو قابل ذکر ہوتا البتہ پراسرار ندی کی یہ سوغات وہ بہ خیر و خوبی یہاں تک لے آئے تھے۔ مستان کی جھونپڑی کو ہی عارضی قیام گاہ بنایا تھا۔ کیوں کہ یہاں واپسی کے لیے انتظامات کرنے تھے۔ جنگل میں اس لاش کے ساتھ سفر کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ لیکن یہاں سے کنڈی تک کا سفر مشکل تھا۔ مستان کی مدد سے ایک خاص قسم کا صندوق مہیا کیا گیا۔ جس میں لاش محفوظ کر دی گئی اور اس کے بعد یہ لوگ چل پڑے ٹرین کا سفر طے ہوا۔ اس کے بعد ریاست تک کا سفر ہوا اور پھر کنڈی میں داخل ہو گئے۔

کنڈی میں سب خیریت تھی۔ یوں تو انہوں نے اب تک بہت سے معرکے سرانجام دیے تھے۔ لیکن سلہری کے اس سفر میں جو واقعات پیش آئے تھے۔ وہ ناقابل فراموش تھے اور پھر سب سے اہم اس سفر کی یہ جیتی جاگتی یادگار تھی۔ شہباز خان نے کہا۔

"بچی کو لے جاؤں گا۔ ہرمیت سنگھ باقی تم مجھے اپنے عجائب گھر کا حال لکھتے رہنا۔"

"تمہارا کیا خیال ہے۔ یہ لاش سڑ جائے گی؟" ہرمیت سنگھ نے پوچھا۔

"اب تک تو کوئی آثار نمودار نہیں ہوئے بعد کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے۔ ویسے تم اس سلسلے میں کیا کرنے کا ارادہ رکھتے ہو؟"

"کوئی خاص پروگرام نہیں ہے۔ ہاں اگر اس سلسلے میں کوئی کام کا آدمی ہاتھ لگا تو ضرور کوشش کروں گا۔"

"مجھے آگاہ کر دینا۔"

"ضرور...... یہ تمہارے کہنے کی بات ہے؟"

"ویسے سلہری کا سفر ادھورا رہ گیا اس بات کا مجھے افسوس ہے۔"

"یار زندہ صحبت باقی۔ یہ جنگل ہمیں شکست نہیں دے سکتے۔ پھر پروگرام بنائیں گے۔" ہرمیت سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

شہباز خان کو اپنے شہر جانے کی جلدی تھی۔ چنانچہ وہ چند روز قیام کے بعد اپنے شہر کے لیے روانہ ہو گیا۔ بچی اس کے ساتھ تھی۔ کنڈی آ کر اس نے بچی کے سلسلے میں بہت سے انتظامات کر لیے تھے۔ وہ اب اسے لے کر سکون سے سفر کر رہا تھا۔ بعض اوقات اسے خود پر ہنسی آنے لگتی تھی۔ درحقیقت ان عام امور سے نا واقف ہونے کے باوجود اس نے بچی کی بہترین دیکھ بھال کی تھی۔ جب کہ زندگی میں کبھی ان لمحات کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ پلوشہ کے کیا تاثرات ہوں گے اس بچی کو دیکھ کر۔ ہو سکتا ہے کوئی اس کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار کرے۔ لیکن ان سب کی آواز دبانی پڑے گی۔

لیکن اس کے یہ خدشات بے بنیاد نکلے۔ وہ اپنے گھر میں داخل ہوا۔ تو سب بہت خوش ہوئے اور پھر یہ انوکھا سامان دیکھ کر بہت حیران ہوئے۔

"کون ہے یہ؟"

"شاید کسی دوست کی بچی ہے۔"

"کس کی بچی ہے؟"

"ماں باپ کہاں ہیں؟"

"ہائے کتنی خوب صورت ہے۔" پلوشہ کا خطرہ سب سے زیادہ تھا۔ لیکن وہ اسے دیکھ کر دیوانی ہو گئی۔

"اف وہ۔ لاؤ مجھے دو کون ہے یہ۔"

"اغوا کر کے لایا ہوں۔ اب یہ کاروبار شروع کر دیا ہے۔"

"اے کاش یہ سچ ہو۔ سچ تم اسے مجھے دے دو۔"

"سنبھال پاؤ گی۔"

"آنکھوں پر رکھوں گی اسے۔ اتنی ہی پیاری ہے۔ مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے اس کے ماں باپ اسے لے جائیں گے۔ یقین کرو اسے دیکھ کر دل میں ایک عجیب سی محبت کا احساس ابھرتا ہے۔ حالانکہ غیر کے بچے اتنے پیارے نہیں لگتے۔"

"محترمہ پلوشہ جہاں آپ ذرا اپنے آپ کو بھی اچھی طرح ٹٹول لیں۔ کسی کی اولاد کی پرورش معمولی کام نہیں ہوگا۔ اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ بچی ہمیشہ کے لیے آپ کو مل سکتی ہے تو ہو سکتا ہے آپ کے دل کی گہرائی میں یہ احساس ابھرے کہ اس نے آپ کے جسم میں پرورش نہیں پائی۔" شہباز خان نے کہا اور پلوشہ پریشان نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"پہلے مجھے یہ بتایئے کہ اس کے والدین کہاں ہیں؟"

"اس کے والدین نہیں ہیں۔" شہباز خان نے جواب دیا۔

"ہائے کیا ہوا کیا کسی حادثے کا شکار ہو گئے؟"

"یہی سمجھ لیجئے آپ۔"

"تو...... تو یہ بچی بے سہارا ہے۔" پلوشہ نے پھولے ہوئے سانس کے ساتھ پوچھا۔

"جی نہیں...... اس کا سہارا...... اس کا سرپرست میں ہوں۔" شہباز نے جواب دیا۔

"تو آپ...... آپ میرا مطلب ہے۔ ہم اسے کسی کے حوالے کرنے کے لیے مجبور نہیں ہیں۔"

"نہیں...... بلکہ اس کی بہتر پرورش کی ذمے داری اب ہمارے کاندھوں پر آ پڑی ہے۔"

"خدا کی قسم میں اسے اپنے سینے سے لگا کر پروان چڑھاؤں گی۔ اتنی حسین اتنی پیاری بچی یہ ہماری ہی بچی کہلائے گی نا۔ ویسے اس کا نام کیا ہے۔" پلوشہ نے مسرت سے بے قابو ہوتے ہوئے پوچھا۔

"وہ بھی آپ اپنی پسند سے تجویز کریں گی۔ میں ذرا ابو جان سے مل لوں۔" ابھی تک شہباز کی ملاقات اکبر خان سے نہیں ہوئی تھی۔ بچی کو پلوشہ جہاں کی گود میں دے کر شہباز خان باپ کی خدمت میں پہنچ گیا۔ اکبر خان جو ہرا آباد آنے کے بعد بہتر تو ہو گئے تھے۔ لیکن عمر کی آخری حدود میں تھے۔ اس لیے بیماریاں ساتھ لگی رہتی تھیں ان دنوں بھی صاحب فراش تھے۔ شہباز کے سلام کا جواب محبت کے جذبوں کے ساتھ دیا اور کہنے لگے۔

''ابھی مجھے تمہاری آمد کی خبر ملی تھی۔ بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ اس خدشے کا شکار تھا کہ کہیں اس بار بھی لمبے نہ چلے جاؤ۔''

''جی ابو جان! بس ارادہ تو لمبے ہی جانے کا تھا۔ لیکن پھر ملتوی کر دیا۔''

''شاید اچھا ہی ہوا ابھی اب اکبر خان نے زندگی سے شکست تسلیم کر لی ہے اور موت کی جانب دیکھنے لگے ہیں۔ بات یہ ہے بیٹے ہر ابتدا کی انتہا یقینی ہے اور پھر ہم عمر کی اس منزل میں ہیں جب انتہا دردناک...... تصور نہیں کی جاتی بالآخر ایک دن واپسی کا سفر کرنا ہے۔ ہاں زندگی میں کچھ خدشات لاحق ہو جاتے ہیں۔ مثلاً اب ہم یہ سوچنے لگے ہیں کہ کہیں یوں نہ ہو کہ تم ہم سے دور ہو جاؤ اور ہم واپس چل پڑیں۔ اس بار یہ سوچا تھا کہ اگر زندگی نے مہلت دی تو تم سے یہ درخواست کریں گے کہ ہمارے لیے اپنے یہ مشاغل ترک کر دو۔ ہاں ہمارے بعد ظاہر ہے کہ تمہیں روکنے والا کوئی نہیں ہوگا۔''

''خدا آپ کا سایہ میرے سر پر سلامت رکھے۔ میں تو آپ کو اپنا سب کچھ سمجھتا ہوں۔ ابو جان اگر آپ حکم دیں گے کہ میں اپنی مہارت کے یہ مشاغل ترک کروں تو میں بہ خوشی آپ کے اس حکم کی تعمیل کروں گا۔ لیکن اس طرح نہیں آپ زندہ رہ کر میرے ساتھ رہیں گے۔'' اکبر خان نے محبت سے بیٹے کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بولے۔

''بس ایک خدشے کا اظہار کیا تھا اور نجانے کیوں اس سے زیادہ کچھ محسوس ہو رہا تھا۔ خیر چھوڑ دو یہ بتاؤ اس بار تم نے کیا ہنگامہ خیزیاں کیں۔ ویسے جلدی واپس آ گئے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ یہ میری طلب تھی۔ جس نے تمہارا رخ اس طرف موڑ دیا۔''

''یہی ہو سکتا ہے۔ ابو جان ورنہ ارادہ تو طویل تھا۔'' شہباز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہرمیت بھی تمہارے ساتھ تھا۔''

''جی ابو جان!''

''کیسے ہیں وہ لوگ؟''

''ٹھیک ہے۔ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ ویسے اس بار ابو جان ایک انوکھا واقعہ پیش آیا ہے۔ اور اس کی ایک یادگار میرے ساتھ ہے۔ لازمی بات ہے کہ آپ کے کانوں تک یہ اطلاع پہنچے گی اور آپ مجھ سے یہ سوال کریں گے میں صرف آپ کو اس بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔ باقی لوگوں کو تو ٹال مٹول کر دی جائے گی۔''

''کیا بات ہے۔ ایسی کیا چیز ہے؟''

''اس بار ہم دریائے سلہری کے ساتھ ساتھ پھیلے ہوئے جنگلات کی جانب گئے تھے اور ان جنگلات میں تقریباً دو دن اور ایک رات سفر کیا۔ یہ بات دریائے سلہری کی نہیں بلکہ کسی ذیلی ندی کی ہے کہ ہم نے اس ندی میں ایک انسانی جسم کو بہتے ہوئے دیکھا وہ ایک عورت کا بدن تھا۔ بلکہ عورت کیا لڑکی سمجھ لیجیے آپ اسے۔ کچھ عجیب سی شکل و صورت تھی۔ بہرطور وہ ایک لاش تھی لیکن اس کے نزدیک ایک تقریباً چھ ماہ کی بچی لیٹی ہوئی تھی جو بے حد خوبصورت تھی۔ ہم لوگ انسانی ہمدردی کے تحت اس بچی کو لے آئے۔ عورت کی

لاش کو صرف اس بنیاد پر لایا گیا کہ اس کا راز معلوم ہو سکے بہرطور وہ لاش ہرمیت کے پاس ہے لیکن بچی میں لے آیا ہوں اور ابو جان میں نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کی پرورش میں کروں گا۔''

''ارے کیا تم یہاں لے آئے ہو اسے؟'' اکبر خان نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

''جی ابو جان...... اور کہاں لے جاتا؟''

''میرا مطلب ہے۔ پتا نہیں چل سکا کہ لاش کس کی تھی اور دریا میں کیسے بہہ رہی تھی۔''

''مجھے تو وہ کسی قبیلے کی کارروائی معلوم ہوتی ہے۔ نیم وحشی قبیلے کی کارروائی۔ کیونکہ کچھ ایسے ہی نقوش ملے ہیں۔ اس سلسلے میں میرا خیال ہے ابو جان کوئی الجھن نہیں پیدا ہو پائے گی۔ ظاہر ہے وہ انسان کی بچی ہے۔ اس کی پرورش کرنا ہے۔ میں ان لوگوں سے کوئی بہانہ کر دوں گا۔ البتہ آپ کی اجازت چاہتا ہوں۔''

''بھئی یہ کیسا کام ہے کہ انکار کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ذرا مجھے دکھاؤ تو اس بچی کو۔''

شہباز خان نے ایک ملازم کو آواز دی اور پھر پلوشہ کو مع بچی کے طلب کر لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پلوشہ خوشی سے گلنار اکبر خان کے سامنے پہنچ گئی۔ بچی اس کی گود میں تھی اور پلوشہ نے ذرا سی دیر میں اسے دلہن بنا کر رکھ دیا تھا۔ اکبر خان نے ہاتھ پھیلا دیے اور بچی اکبر خان کی آغوش میں پہنچ گئی۔ اکبر خان اسے دیکھتے رہے، ان پر ایک لمحے کے لیے سکتہ طاری ہو گیا تھا اور پھر انہوں نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی۔

''یہ تو آسمانی مخلوق سی لگتی ہے مجھے، خدا کی قسم اس کی آنکھوں میں، میں نے ایک ایسا سحر دیکھا ہے کہ بیان نہیں کر سکتا۔ بس اس نے اپنی آنکھوں کے راستے میرے دل و دماغ پر قبضہ جما لیا۔ کتنا پیار محسوس ہو رہا ہے اس سے مجھے۔ بھئی یہ پراسرار مخلوق اب ہمارے ہاں پروان چڑھے گی۔ پلوشہ سوچ لینا بیٹے بچے کی پرورش بہت مشکل ہوتی ہے۔''

''ابو جان یہ بہت پیاری ہے۔ مجھے تو بہت پسند ہے۔ میں اس کی اچھی طرح پرورش کروں گی۔''

''ہاں...... ہاں، بالکل بہرطور جو ذمہ داری انسان قبول کر لے پھر اسے نباہنا ہی انسانیت کی شان ہوتی ہے کہیں بھی راستہ بدلا تو اس گناہ سے نہیں بچ سکو گے۔ اب بھی وقت ہے کہ اس لاوارث بچی کو کسی یتیم خانے کے حوالے کر دو۔ لیکن اگر کی پرورش کی ذمہ داری لیتے ہو تم دونوں تو پھر سوچ لینا کہ یہ تمہارا فرض ہوگا۔''

''نہیں ابو ہم اسے کسی کے حوالے نہیں کریں گے آپ اطمینان رکھیں یہ تو بہت ہی پیاری ہو گئی ہے۔ تھوڑی سی دیر میں۔'' بہرطور یہ مسئلہ طے ہو گیا اور اس معصوم بچی کے لیے اس عظیم الشان گھرانے میں بہت بڑی جگہ پیدا ہو گئی۔ بچی کا نام الاشا رکھا گیا تھا اور نہ جانے کیوں یہ نام بے حد پسند کیا اور پھر کسی نے اس نام سے انحراف نہ کیا اور الاشا کے لیے گھر کی ہر شے کشادہ ہو گئی۔ دوسری طرف شہباز کا رابطہ ہرمیت سے بھی تھا اور ایک دوسرے کے حالات سے آگاہی ہوتی رہتی تھی۔

ہرمیت سنگھ نے ایک طویل خط میں لکھا تھا کہ اس نے اس پراسرار لاش کو ایک شیشے کے صندوق میں بند کر کے محفوظ کر دیا ہے۔ سنہرا سانپ ایک الگ جگہ رکھ دیا گیا ہے۔ وہ کھرے سونے کا بنا ہوا ہے۔ لیکن اس میں ایک انوکھی لچک ہے۔ جو مقامی جوہریوں کی سمجھ میں بھی نہیں آئی۔ چمڑے کا وہ ٹکڑا جس پر نقش و نگار بنے ہوئے ہیں، ایک الگ جگہ شیشے کے فریم میں محفوظ کر دیا گیا ہے۔ لاش میں سڑنے کے آثار قطعی نہیں

ہیں۔ نہ ہی اس کے جسم میں نقوش دھندلائے ہیں بلکہ ان پر تھوڑا تجربہ بھی کیا گیا ہے اور وہ پانی سے صاف نہیں ہو رہے نہ ہی ان پر کوئی دھندلاہٹ آ رہی ہے۔ یہ تمام تفصیلات شہباز خان کو معلوم ہوئیں تو اسے بھی حیرانی ہوئی۔ بہر طور مہم کا یہ تحفہ دونوں کے پاس نصف نصف تقسیم ہو گیا تھا اور اس کے بعد حالات معمول کے مطابق گزرتے رہے تھے۔ اکبر خان کی صحت زیادہ خراب نہیں تھی۔ لیکن بہر طور ان کی آرزو بیٹے نے پوری کی اور کئی سال گزر گئے لیکن کسی مہم کا پروگرام نہیں بنا۔

اتفاق کی بات یہ تھی کہ ہرمیت نے بھی اس سلسلے میں کوئی اصرار یا تجویز پیش نہیں کی تھی۔ البتہ اس واقعے کے تقریباً کوئی چار سال کے بعد دفعتاً ایک دن ہرمیت کے ایک آدمی نے شہباز سے ملاقات کی۔ وہ بہت تیز رفتاری سے کنڈی سے شہباز کے پاس پہنچا تھا۔ اس نے آ کر اطلاع دی کہ گرو دیو جی کا دیہانت ہو گیا ہے اور ہرمیت سنگھ نے خط لکھنے کے بجائے اسے فوری طور پر اطلاع دینے کے لیے بھیجا ہے۔ بہر طور دو دشمن خاندانوں کی دوستی جس انداز میں پروان چڑھی تھی۔ وہ بھی حیرت انگیز تھی۔ اکبر خان خود اپنی تمام تر کمزوریوں کے باوجود کنڈی پہنچے تھے۔ شہباز بھی ان کے ساتھ تھا اور وہاں پہنچنے کے بعد وہ گرو دیو کی آخری رسومات میں شریک ہوئے تھے۔ شہباز نے ہرمیت سنگھ سے دلی دکھ کا اظہار کیا تو ہرمیت سنگھ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

''بس ایک دور ختم ہو گیا اور اب اس دور کے خاتمے کے بعد ہماری شخصیت بھی تبدیل ہو گی۔ ہمیں ان سارے معاملات کو سنبھالنا پڑے گا۔ سچ جانو شہباز میں نے کبھی اس انداز میں سوچا نہیں تھا۔'' شہباز خان ہرمیت سنگھ کو تسلیاں دیتا رہا۔ ویسے ہرمیت سنگھ خود بھی مضبوط اعصاب کا مالک تھا۔ بہر حال یہ ہنگامہ خیزیاں بھی ختم ہو گئیں جب شہباز اپنے باپ کے ساتھ کنڈی سے پلٹ رہا تھا تو ہرمیت سنگھ نے کہا۔

''یوں لگتا ہے خان بابا کہ زندگی کا ایک دور ختم ہو گیا ہے اور اب شاید ہم بوڑھوں کی طرح جینا شروع کر دیں۔ ظاہر ہے ان ذمے داریوں کے بعد بھلا اس بات کی گنجائش ہے کہ ہم اپنی تفریحات جاری رکھیں دریائے سلہری اور اس جنگلات میں کی جانے والی مہم جوئی ہماری آخری مہم ثابت ہوئی۔''

''شہباز نے دوست کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔''

''بعض شخصیتوں کا بچھڑنا وجود کو اسی طرح توڑ دیتا ہے۔ وقت کے مرہم کی ضرورت ہے تمہیں۔ وقت خود فیصلے کرے گا۔ میں جا رہا ہوں چند روز کے بعد پھر آؤں گا۔''

شہباز خان باپ کے ساتھ واپس آ گیا لیکن دوسرے مہینے وہ پھر کنڈی پہنچ گیا۔ اس نے ہرمیت سنگھ کو بہت دل گرفتہ پایا۔ گرو دیو کی موت اس پر بہت اثر انداز ہوئی تھی۔

''یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تم نے۔ ایسے کیسے گزارا ہو گا۔ ہرمیت تمہیں اپنی ذمے داریوں کا احساس نہیں ہے۔''

''میں تو خود حیران ہوں سچ کہہ رہا ہوں پتا جی کی زندگی میں کبھی ان سے اتنا لگاؤ نہیں رہا تھا لیکن اب ان کی جدائی پریشان کر رہی ہے۔ ماتا جی نے ایک تجویز پیش کی ہے۔''

''کیا؟''

''کنڈی چھوڑ دیں۔''

''اوہ...... جوہر آباد آ جاؤ...... اس سے زیادہ خوشی کی بات اور کیا ہو گی۔''

''ماتا جی کا خیال ہے کہ ان کے آبائی شہر چلیں وہاں ہمارا پورا ننھیالی کنبہ ہے ماتا جی وہاں خوش رہیں گی۔''

''کوئی حرج نہیں، جوہر آباد سے ماتا جی کا شہر کتنی دور ہے۔ مگر الاکشا کیسی ہے؟''

''بالکل ٹھیک ہے۔ اسکول میں داخل ہو گئی ہے، قدرت نے شاید ہمیں اولاد سے اسی لیے نہیں نوازا کہ کہیں اس معصوم کی حق تلفی نہ ہو جائے۔ پلوشہ کو تو اولاد سے محرومی کا ذرا بھی احساس نہیں ہے۔ وہ بس الاکشا میں مصروف رہتی ہے۔''

''خیر ابھی کتنا وقت گزرا ہے۔ مایوس نہ ہو۔ بھگوان اچھا ہی کرے گا۔'' ہرمیت سنگھ نے کہا۔ وہ خود اس دوران دو بچیوں کا باپ بن چکا تھا۔ لیکن شہباز خان کے ہاں کوئی اولاد نہیں تھی۔ موضوع بدل گیا۔ شہباز خان نے ہرمیت سنگھ کے نوادر خانے میں موجود لاش کو دیکھا اس کی آب و تاب میں کوئی کمی نہیں ہوئی تھی۔ بدن اور چہرے پر وہی شگفتگی اور چکناہٹ تھی اور اس پر بدستور ایک سحر طاری تھا۔

شہباز خان نے تین دن یہاں گزارے اور پھر حالات سازگار رکھنے کی ہدایت کے ساتھ واپس چل پڑا۔ وقت کے ساتھ ذمے داریاں بھی بدل جاتی ہیں اور اکبر خان نے اپنا کام ختم کر لیا تھا اور اب نئے کاروبار پر شہباز کو پوری توجہ دینی پڑتی تھی۔ چنانچہ مزاج میں بھی تبدیلیاں رونما ہونے لگی تھیں۔ نیا حلقہ احباب بنا تھا۔ جن میں کچھ کاروباری تھے۔ کچھ شناساؤں کے شناسا بہت سے خاندانوں سے بہت قربت ہو گئی تھی اور نئے نئے مشاغل پیدا ہو گئے تھے۔ دوسری طرف الاکشا عمر کی منازل طے کر رہی تھی ہنستی مسکراتی صحت مند زندگی سے بھرپور۔ پہلے ہی اتنی دل کش تھی کہ ایک وحشی مہم جو کو باپ بنا دیا تھا۔ ایک دولت مند خاندان کی عیش کوش زندگی نے اور نکھار دیا جو دیکھتا۔ دیکھتا رہ جاتا ہے ہو سکتا ہے شہباز یہ بھول جاتا کہ وہ کن حالات میں اسے ملی تھی لیکن الاکشا کی فطرت کے کچھ اہم پہلو اسے چونکاتے رہتے تھے۔ وہ سب جیسی ہونے کے باوجود سب جیسی نہیں تھی۔ شہباز نے کسی اور کو اس کی تفصیل نہیں بتائی تھی۔ یہاں تک کہ پلوشہ کو بھی نہیں۔ بس اس خیال کے تحت کہ کہیں خوفزدہ نہ ہو جائے۔

الاکشا کی ذات میں کسی انوکھی فطرت کا پہلا اظہار اس وقت ہوا تھا۔ جب سندر نگر سے ایک خاندان اکبر خان کا مہمان ہوا تھا۔ پانچ افراد تھے دو عورتیں دو بچے، ایک لڑکا اور ایک لڑکی اور ایک مرد، اکبر خان کے پرانے شناسا تھے۔ لیکن اوچھی فطرت کے مالک تھے۔ رفیق میاں شیخیاں بگھارنے کے عادی تھے اور یہی عادت اس کے اہل خاندان میں تھی۔ شکار کا ذکر نکل آیا تو رفیق میاں شہباز خان سے بولے۔

''تم نے وحشی جانوروں سے کیا معاہدہ کر لیا۔ شہباز خان یہ شوق اگر جوانی میں شروع ہو جائے تو کبھی ساتھ نہیں چھوڑتا اور خاص طور سے بڑھاپے میں تو اس کے سوا کچھ یاد نہیں رہتا۔ مجھے دیکھو آخری شکار میں نے تین ماہ قبل کیا۔ وہ بھی ببر شیر کا۔ بال بال بچ نکلی ورنہ وہ بھی کام آ گئی ہوتی۔ رفیق میاں شکار کا واقعہ سنانے لگے پھر بولے۔ بہر حال

میں نے مادہ کو تاک لیا ہے۔ چھوڑوں گا نہیں اسے۔ تم آجاؤ ساتھ ہی چلیں گے۔"

"نہیں! ابو آپ نہیں جائیں گے۔" اچانک الائشا بول اٹھی۔ یہ اس کا نیا انداز تھا اس سے قبل اس نے کبھی ایسے الفاظ نہیں کہے تھے۔ سب چونک کر اسے دیکھنے لگے الائشا کے چہرے پر سرخی چھائی ہوئی تھی۔

"کیوں بیٹے تم ہمیں کیوں منع کر رہی ہو۔" شہباز نے پوچھا۔

"اس لیے کہ اس بار...... اس شیرنی کی باری ہے۔ وہ ضرور ضرور انہیں مار دے گی۔" الائشا نے رفیق میاں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ عورتوں نے اس بات کا برا منایا تھا۔ مگر رفیق میاں قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔ پھر انہوں نے کہا۔

"اگر یہ بات ہے۔ تو الائشا بیٹی سے ہمارا وعدہ ہے کہ اس شیرنی کی کھال ہم تمہیں تحفتاً دیں گے۔"

الائشا کے چہرے پر حقارت کے آثار نظر آئے تھے۔ جنہیں شہباز نے محسوس کیا تھا۔ بہر حال اس کے علاوہ کوئی اور بات نہیں ہوئی تھی۔ رفیق میاں چلے گئے تھے اور تقریباً ڈیڑھ ماہ بعد خبر ملی کہ اچانک ہی وہ ایک شکار کے حادثے میں موت کا شکار ہو گئے ہیں۔ ایک شیرنی نے انہیں چیر پھاڑ دیا تھا۔ کسی اور کو تو وہ بات شاید یاد نہ رہی تھی لیکن شہباز خان صاحب کو بخوبی یاد تھی۔ انہوں نے کسی کو یاد بھی نہ دلائی البتہ اسی رات نہ جانے کیوں ان کے ذہن میں یہ بات آئی کہ وہ الائشا سے اس بارے میں پوچھیں گے۔ رات کے بارہ بجے تھے۔ پلوشہ جہاں سو رہی تھی۔ وہ الائشا کے کمرے کی طرف بڑھ گئے دروازہ کھلا ہوا تھا۔ روشنیاں بجھی ہوئی تھیں۔ لیکن اندر تاریکی نہیں تھی۔ کھلی کھڑکی سے چاندنی اندر آ رہی تھی اور اس روشنی میں الائشا فرش پر بیٹھی ہوئی تھی۔

قالین پر ماچس کی تیلیوں کے چھوٹے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے اور الائشا بڑے انہماک سے ان کی ترتیب بدل رہی تھی اس کا سر جھکا ہوا تھا خان صاحب اس کے پاس جا کر کھڑے ہو گئے۔ لیکن الائشا کا انداز نہ بدلا۔ جیسے اسے ان کی آمد کا علم ہی نہ ہو۔ اس سے قبل کہ وہ کچھ بولتے۔ الائشا خود بول پڑی۔

"سب کی باری آتی ہے ابو اب اس کی باری تھی۔" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور اس کی نظر شہباز خان کی طرف اٹھ گئیں پھر اس نے ایک تیلی اٹھا کر شہباز خان کو دکھائی۔"

"ہاں ابو اس کی باری تھی۔" شہباز خان ایک دم پیچھے ہٹ گیا۔ اس کے ذہن کو شدید جھٹکا لگا تھا۔ الائشا کی آنکھیں چاند کی طرح روشن تھیں۔ بالکل سنہری اور چمکدار جیسے آنکھوں کی جگہ حلقوں میں دو ننھے ننھے بلب روشن کر دیے گئے ہوں۔"

شہباز خان کو خود پر قابو مشکل ہو گیا۔ الائشا کا حسین چہرہ اتنا بھیانک لگ رہا تھا کہ ناقابل بیان۔ آنکھوں میں پتلیوں کا نام و نشان نہیں تھا۔ بس دو روشن چراغ جن کی چھاؤں میں اس کی ہنسی بہت ڈراؤنی محسوس ہو رہی تھی۔ شہباز خان نے کچھ بولنے کی کوشش کی۔ لیکن اس میں ناکام رہے اور پھر نجانے کس طرح وہ اس کے کمرے سے باہر نکلے تھے۔ ان کے دماغ میں سناٹا پھیل رہا تھا اور وہ کچھ دیر کے لیے سوچنے سمجھنے کی قوتیں کھو بیٹھے تھے۔ اپنے کمرے میں داخل ہو کر وہ بستر پر بیٹھ گئے اور دیر تک ذہن پر قابو پانے کی کوشش کرتے رہے۔ کیا ہے یہ سب کچھ کیا ہے۔ الائشا انہیں بہت پیاری تھی۔ نہ صرف انہیں بلکہ گھر بھر کی آنکھوں کی روشنی تھی۔

پلوشہ اس پر جان نچھاور کرتی تھی۔ اکبر خان تو اب جیسے اسی کے سہارے جی رہے تھے۔ خود شہباز خان اس کی مسکراہٹوں میں کھو کر حالات کی ہر الجھن فراموش کر دیتے تھے۔ لیکن الائشا سے اتنی قربت ہونے کے باوجود اس کی ذات کے کچھ پر اسرار پہلو ان سے پوشیدہ تھے۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ وہ اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ البتہ انہیں اتنا اندازہ تھا کہ الائشا کچھ ہے۔ کوئی ایسا پر اسرار جادو جس میں نجانے کون کون سی پر اسرار کہانیاں گمی ہوئی ہیں۔ کبھی کبھی وہ سوچتے تھے کہ کہیں یہ خاندان ان پر اسرار کہانیوں کا شکار نہ ہو جائے۔ اس وقت بھی یہ احساس ان کے ذہن میں جگہ پا رہا تھا۔ وہ اسی وقت سے انوکھی ہے۔ جب سے انہوں نے اسے دیکھا تھا۔

وہ بھوکی تھی اور اس کی آنکھوں نے ان سے کہا تھا کہ میں بھوکی ہوں۔ وہ لمحہ بھی انہیں یاد تھا۔ جب ایک وحشی درندہ اس کی آنکھوں کے سحر میں گرفتار ہو گیا تھا اور اس کے بعد الائشا کی عمر کے چار سال جن کا ہر لمحہ پر اسرار تھا۔ ہاں ابھی تک کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ بلکہ ہر طرح بہتری ہوئی تھی۔ بگڑے کام بنتے جا رہے تھے۔ رفیق صاحب کے معاملے میں اس کی پیش گوئی بہت خوف ناک تھی۔ اسے پیش گوئی کے علاوہ کیا کہا جا سکتا تھا۔

اکبر خان کو بس اس کے بارے میں اتنا معلوم تھا کہ وہ پر اسرار حالات میں شہباز خان کو ملی ہے اور وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتے تھے۔ پلوشہ کو تو یہ تفصیل بھی معلوم نہیں تھی۔ ہو سکتا ہے۔ پلوشہ کو بھی پر اسرار حالات سے واسطہ پڑا ہو۔ لیکن چونکہ کوئی بات اس کے علم میں نہیں تھی اس لیے اس نے غور بھی نہ کیا ہوگا۔

بہر حال وہ آج آدھی رات سے زیادہ دیر تک اس کے بارے میں سوچتے رہے تھے۔ دوسرا دن حسب معمول...... صبح کو انہوں نے اسے اسکول جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ دل موہ لینے والی گڑیا جسے ایک بار دیکھ کر کوئی اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ شہباز خان ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گئے۔ پھر چند روز کے بعد وہ اس رات کی کہانی بھول گئے۔ زندگی مصروف تھی۔ شہری اور دیہاتی زندگی کے معمولات میں فرق ہوتا ہے۔ گنڈی میں مصروفیات محدود تھیں۔ جوہر آباد آ کر معمولات بدل گئے تھے اور جملہ کاروباری مصروفیات بھی رفتہ رفتہ بڑھتی جا رہی تھیں۔

نئی شناسائیاں، نئی دوستیاں۔ جن میں کچھ ہم ذوق تھے لیکن ہرمیت سنگھ جیسا دوست کوئی بھی نہیں تھا۔ جب بھی کچھ لمحے نکال پاتے ہرمیت سنگھ کے پاس پہنچ جاتے۔ جو اب اپنے ننھیالی رشتے داروں کے شہر میں منتقل ہو گیا تھا۔ اس دوران بھابی سندری بڑی پابندی سے ہرمیت سنگھ کا خاندان بڑھا رہی تھی اور اب تک دو بیٹیوں اور ایک بیٹے کا باپ بنا چکی تھیں۔

چنانچہ ہرمیت سنگھ کی مصروفیات بھی اسی حساب سے بڑھ رہی تھیں۔ چھ بار وعدہ کر چکا تھا جوہر آباد آنے کا لیکن ایک بار بھی نہیں آیا تھا۔ شہباز نے اس کی مصروفیات دیکھ اسے معاف کر دیا۔ اس نے اپنا کاروبار خوب پھیلا لیا تھا۔ شکار کا تو اب تصور ہی چھوڑ دیا گیا تھا۔ لیکن ہرمیت سنگھ کا نوادرات جمع کرنے شوق بدستور تھا۔ اس نے اپنی حویلی کا ایک حصہ نوادر خانے کے لیے مخصوص کر لیا تھا اور اس نے نجانے کیا کیا جمع کر لیا۔ وہ لاش بھی جوں کی توں موجود تھی۔

وقت تیزی سے آگے بڑھتا رہا اور اس میں بے شمار انوکھے واقعات پیش آئے۔ انہی میں الاکشا کی شخصیت کے بہت سے پہلو تھے، اس وقت وہ بارہ سال کی تھی۔ جب پلوشہ شدید بیمار ہوگئی۔ اسے خون کی الٹیاں ہونے لگیں اور چند ہی گھنٹوں میں جان کے لالے پڑ گئے۔ اس کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ اور سانسوں کی آمد و رفت مدہم پڑ گئی۔ پورا گھر شدید ہیجان میں مبتلا ہوگیا۔ ڈاکٹروں کی پوری ٹیم سرگرم عمل تھی۔ نجانے کیا کیا کیا جارہا تھا۔

شہباز خان پر غشی طاری ہونے لگی تھی۔ ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بیوی کی زندگی کیسے بچائے۔ ہسپتال لے جانا ضروری نہ سمجھا گیا تھا۔ کیونکہ تمام ہی ڈاکٹرز کوششیں کررہے تھے اور گھر پر ہی موجود تھے۔ لیکن ان کی کوششیں بارآور نہ ہورہی تھیں۔ پورا دن گزر گیا۔ رات ہوگئی۔ ایک ایک لمحہ کوششوں میں صرف ہورہا تھا لیکن پلوشہ کو افاقہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ ڈاکٹرز بھی پریشان ہوگئے اور پھر انہوں نے متفقہ مشورہ دیا۔

”اس سے زیادہ کچھ کرنا ممکن نہیں ہے۔ بہتر ہے انہیں بیرون ملک لے جانے کا بندوبست کیا جائے۔“ بے چارے شہباز خان شدت پریشانی سے نڈھال ہوگئے تھے۔ یہ اچانک افتاد پڑی تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ رات کے تقریباً ساڑھے گیارہ بجے تمام ڈاکٹرز ایک ایک کرکے واپس چلے گئے۔ گھر پر ہول سناٹا طاری تھا۔ ملازم جاگ رہے تھے۔ لیکن ششدر مختلف گوشوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کوئی کیا کرتا۔ شہباز خان کا ایک پاؤں اندر ہوتا تو ایک باہر۔ پلوشہ کو سنبھالنے کے لیے دو ملازمائیں مصروف تھیں۔ اکبر خان الگ پریشان بیٹھے ہوئے تھے۔ بیٹے سے مشورہ کرنے لگے کہ اب بہو کو بیرون ملک لے جانے کا کیا بندوبست کیا جائے تیز یہ کہ ان حالات میں سفر ممکن ہوسکے گا۔ ایک ایسی پریشانی تھی جس کا حل سمجھ نہیں آ رہا تھا۔

شہباز خان دیوانگی کے عالم میں باہر کھلی فضا میں نکل آئے اور وہ حیران و پریشان ایک گوشے میں جا بیٹھے کیا کیا جائے کیا نہ کیا جائے۔

ہرمیت سنگھ سے بھی فوری رابطہ ممکن نہیں تھا۔ لیکن رابطہ کرکے ہوتا بھی کیا۔ یہاں ایسے دوست موجود تھے۔ جو سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہوجاتے۔ ہرمیت سنگھ کو پریشان کرنا بے معنی تھا۔ بہت دیر تک یہ فیصلے کرتے رہے کہ کیا کرنا چاہیے۔ کس کو اطلاع دے کر بیرون ملک روانگی کا بندوبست کیا جائے اس کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے بہتر ہے چند دوستوں سے مشورے کرلیے جائیں۔ پریشانی کے عالم میں اپنے طور پر ہی کوششیں کرتے رہے تھے اور کسی سے حتمی مشورہ نہ کرپائے تھے۔ پھر یہ سوچا کہ یہ عمل کر ڈالنا چاہیے۔ ابھی اس سوچ و بچار میں مصروف تھے کہ ایک گوشے کی جانب نظر اٹھ گئی اور انہوں نے الاکشا کو دیکھا۔ جو ایک درخت کے قریب بیٹھی کسی چیز سے جڑ کھود رہی تھی۔ وہ چونکے ضرور لیکن پریشانی کے عالم میں اس پر توجہ نہ دے سکے۔ البتہ ان کی نظریں بے خیالی کے عالم میں الاکشا کو دیکھتی رہیں۔

پھر شاید الاکشا نے اپنا کام پورا کرلیا تھا کیونکہ وہ اپنی جگہ کھڑی ہوگئی تھی۔ پھر وہ اپنے ہاتھ میں کوئی چیز پکڑے ہوئے چوروں کی طرح دبے پاؤں حویلی کی جانب واپس مڑ گئی اور شہباز خان گردن جھٹک کر اندر کی طرف چل پڑے۔ مقصد یہی تھا کہ کچھ دوستوں سے مشورہ کریں۔ ایک بار پھر انہیں الاکشا کے کمرے کے سامنے سے گزرنا پڑا۔ وہ ابھی ابھی کمرے میں داخل ہوئی تھی اور شہباز خان چند قدم آگے بڑھ گئے کہ الاکشا بے قدموں باہر نکلی اس کا یہ چوروں کا سا انداز بڑا تعجب خیز تھا۔

وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی پلوشہ کے کمرے تک پہنچی تو شہباز خان کو چونکنا پڑا۔ نہ جانے اس کے ہاتھ میں کیا تھا۔ الاکشا آہستہ آہستہ دروازے تک پہنچی اس وقت دونوں ملازمائیں اندر ہی تھیں۔ اس نے اندر داخل ہونے کے بعد ملازماؤں سے کہا کہ وہ باہر چلی جائیں۔ شہباز خان صاحب نے یہی حکم دیا ہے۔ شہباز خان نے خاموشی سے اس کا پیچھا کیا تھا اور پھر اس کے الفاظ بھی سنے تھے۔ وہ حیران رہ گئے۔ چنانچہ وہ خاموشی سے اس عقبی حصے میں پہنچ گئے جہاں سے وہ اندر کا جائزہ لے سکتے تھے۔ کھلی ہوئی کھڑکی سے انہوں نے دیکھا۔ کمرے میں تیز روشنی ہورہی تھی اور پلوشہ بستر پر نڈھال پڑی ہوئی تھی۔ الاکشا نے اندر کا دروازہ بند کردیا تھا۔ پھر اس نے تین موٹی موٹی جڑیں زمین پر رکھ دیں۔ غالباً وہ انہی جڑوں کو کھود رہی تھی اور شہباز خان نے حیرت سے اس کی یہ کارروائی دیکھی الاکشا نے بغور پلوشہ کا چہرہ دیکھا۔ پھر اس نے ایک جڑ اٹھا کر دانتوں سے چبانا شروع کردی اور چند لمحات چباتی رہی۔ پھر وہ پلوشہ کی گردن پر جھکی اور پھر اس نے جو کچھ کیا اس پر شہباز خان کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

الاکشا نے اپنے تیز دانتوں سے پلوشہ کی گردن چبا ڈالی اور اس کے ہونٹ خون میں ڈوب گئے۔ شہباز کے بدن میں تشنج ہونے لگا۔ وہ پلوشہ کی گردن سے خون بہتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ الاکشا نے ایک بار پھر چبائی جڑ اٹھائی اور جیسے اس کے اندر کی نمی چوسنے لگی۔ پھر اس نے دوبارہ ہونٹ اس زخم پر رکھ دیے اور اسی طرح سے چپکی رہی۔ کوئی چالیس سیکنڈ اس کام میں صرف ہوئے۔ پھر الاکشا نے دوسری جڑ اٹھائی اور اسے پہلے کی مانند چبانے لگی۔

شہباز خان کے قدم جیسے اپنی جگہ جم گئے تھے۔ وہ نیم مدہوشی کی سی کیفیت کا شکار ہوگئے تھے اور اپنی جگہ پتھرائے کھڑے رہے۔ پھر الاکشا نے پلوشہ کے پیٹ سے قمیض اٹھائی اور بغل کے قریب سے اپنے دانتوں سے اس کا بدن ادھیڑ دیا۔ وہ ایک خونخوار بلی معلوم ہورہی تھی۔ اس نے وہی عمل یہاں بھی دہرایا۔ پھر تیسرا زخم اسے نے پلوشہ کی ران پر لگایا تھا اور وہی عمل دہرانے کے بعد سیدھی ہوگئی تھی۔ پھر اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی جڑوں کو جنہیں وہ چباتی رہی تھی ان زخموں پر رکھ دیا اور اس کے بعد وہ کام سے فارغ ہوگئی تھی۔ اس کے بعد اس نے دروازہ کھول دیا تھا لیکن وہ خود کمرے سے باہر نہیں نکلی تھی۔ بلکہ ایک گوشے میں خاموش کھڑی ہوگئی تھی۔

شہباز خان چند لمحے اپنی جگہ کھڑے رہے۔ پھر گھوم کر دروازے سے اندر داخل ہوگئے۔ وہ سیدھے پلوشہ کے پاس پہنچے۔ جو اسی طرح مردنی کی سی کیفیت میں پڑی ہوئی تھی۔ شہباز خان گہری گہری سانسیں لیتے رہے۔ کوشش کے باوجود وہ الاکشا سے اس عمل کے بارے میں نہیں پوچھ سکے تھے۔ جو سکتے کے سے عالم میں دیوار سے لگی آنکھیں بند کیے کھڑی تھی۔

کافی دیر اسی طرح گزر گئی اور دفعتہً شہباز خان چونک پڑے اتنی دیر میں پلوشہ کو خون کی قے ہوجانی چاہیے تھیں۔ کیونکہ سلسلہ مسلسل چل رہا تھا لیکن...... شہباز خان کا بدن کانپنے لگا۔ کیا الاکشا نے اس کا کوئی علاج کیا تھا اور...... اور...... اور یہ علاج کارگر ہوگیا تھا۔ پلوشہ کا چہرہ اب پرسکون ہوتا جارہا تھا۔ شہباز

خان کا دل خوشی سے اچھلنے لگا۔ کئی گھنٹے گزر گئے۔ یہاں تک کہ صبح کی روشنی نمودار ہوگئی۔ دفعتاً شہباز خان کو الاکشا کا خیال آیا۔ وہ بدستور اسی انداز میں اپنی جگہ کھڑی ہوئی تھی۔ ان کے دل میں محبت اُمڈ آئی اور وہ آگے بڑھ کر اس کے قریب پہنچ گئے۔

"الاکشا تھک گئی ہوگی، بیٹھ جاؤ۔"

الاکشا چونک پڑی اور اس نے کھوئی کھوئی آنکھوں سے شہباز خان کو دیکھا۔ پھر پلوشہ جہاں کو، پھر وہ آگے بڑھی اور پلوشہ کے قریب پہنچ کر جھکی۔ اسے دیکھتی رہی۔ پھر شہباز خان کی طرف دیکھ کر وہ مسکرائی اور باہر نکل گئی۔

صبح سات بجے تھے کہ ڈاکٹر صاحب آگئے۔ یہ شہباز کے دوستوں میں سے تھے انہوں نے آتے ہی سوال کیا۔

"انتظام ہوگیا؟"

"پھر وہ جواب کا انتظار کیے بغیر پلوشہ کے پاس پہنچ گئے۔ اسے دیکھا اور پھر اس کا معائنہ کرنے لگے۔ ان کے چہرے پر خوشی کے آثار نمودار ہوگئے۔ ان کی حالت تو بہتر ہے الٹیاں رک گئیں۔"

"ہاں۔ شہباز خان نے جواب دیا۔"

"چمتکار ہوگیا۔ ارے یہ زخم کیسے لگا؟" انہوں نے گردن کے زخم کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"بس ایسے ہی لگ گیا۔"

"پہلے تو نہیں تھا۔"

"ہاں پہلے نہیں تھا۔"

"میرے خیال میں۔" ڈاکٹر صاحب نہ جانے اس زخم کے بارے میں کیا سوچ رہے تھے۔ انہوں نے کہا۔

"تمہاری کوئی دعا کارگر ہوگئی خان...... اب خون کا انتظام کرلو۔ باقی سب ٹھیک ہے۔"

دوسرے اور بھی ڈاکٹر آگئے اور سب نے متفقہ فیصلہ دیا کہ اب حالت بالکل نارمل ہے۔ خون بدن میں داخل ہوگا تو کمی پوری ہو جائے گی اور یہی ہوا۔ پلوشہ کی حالت قدرے بہتر ہوتی جارہی تھی۔ تمام ڈاکٹر اپنے اپنے کام کررہے تھے۔ لیکن خان صاحب اصلیت جانتے تھے۔ الاکشا اور صرف الاکشا...... مگر کیسے؟ وہ تو اس وقت سے ان کے پاس تھی جب وہ صرف چند ماہ کی تھی۔ پھر یہ طریق علاج اس نے کہاں سے سیکھا۔ وہ یہ سب کچھ کیسے جانتی تھی۔ مگر انہیں احساس ہوا کہ ایسی بہت سی باتیں ہیں جو نہیں جانتے...... وہ تو یہ بھی نہیں جانتے کہ الاکشا کون ہے؟"

بالآخر پلوشہ جہاں ٹھیک ہوگئی۔ کمزوری کافی دن تک باقی رہی تھی لیکن رفتہ رفتہ وہ بھی دور ہوگئی۔ شہباز خان! اپنے ذہن پر بہت سا بوجھ سنبھالے ہوئے تھا۔ جس وقت الاکشا کو یہاں لائے تھے۔ تو اکبر خان کو اس کے بارے میں تھوڑی سی تفصیلات بتائی تھیں۔ پلوشہ کو اس خیال سے کچھ نہیں بتایا تھا کہ کہیں وہ خوفزدہ نہ ہو جائے۔ بس ایسے ہی کچھ کہہ سن کر ٹال دیا تھا اور اس طرح کہا تھا کہ پلوشہ مطمئن ہوگئی تھی۔ اکبر خان تو شاید

اس کے بعد بھول گئے تھے الاکشا پراسرار طریقے سے اس گھر تک پہنچی ہے، انہوں نے پھر کبھی الاکشا کے بارے میں کچھ اور نہیں پوچھا تھا۔

الاکشا کی یہ عجیب وغریب صفات صرف شہباز خان کو معلوم تھیں۔ ابتداء میں وہ اس سوچ کا شکار رہے تھے کہ کہیں یہ پراسرار وجود ان کے خاندان کے لیے کسی پریشانی کا باعث نہ بن جائے لیکن الاکشا نے اپنی پراسرار قوتوں کا مظاہرہ پلوشہ کا عجیب وغریب علاج کر کے کیا تھا۔ گویہ بات بھی شہباز خان کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی کہ الاکشا کو یہ طریقہ علاج کیسے معلوم ہوا لیکن پلوشہ کی صحت یابی کی خوشی میں باقی ساری باتیں بھول گئے اور رفتہ رفتہ ہر خیال ذہن سے مٹتا چلا گیا۔ کوئی بھول کر بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ الاکشا اس کے بطن سے پیدا نہیں ہوئی یا شہباز صاحب کی بیٹی نہیں ہے۔

ماہ وسال بیتتے رہے۔ الاکشا حسین سے حسین تر ہوتی چلی گئی۔ ویسے بھی تندرست وتوانا بچی تھی۔ عمر آگے بڑھی تو قد وقامت اور رنگ وروپ اور نکھر گیا۔ اسکول سے کالج پہنچ گئی اور کالج میں ایک بے مثال شخصیت کی مالک بن گئی۔ پھر اتفاق ایسا ہوا کہ اس دوران کوئی اور ایسا واقعہ کم از کم شہباز خان کے علم میں نہیں آسکا۔ جو الاکشا پراسرار شخصیت سے متعلق ہو۔ چنانچہ اس طرح اس کی پُراسراریت شہباز خان کے ذہن سے نکل گئی۔ الاکشا بہت ہی خوش مزاج اور بذلہ سنج لڑکی تھی۔ ہنسنے ہنسانے والی، بہت سے لڑکیاں اس کی دوست بن گئی تھیں اور زندگی نہایت پرسکون گزر رہی تھی۔ عمر کی کچھ اور منزلیں طے ہوئیں تو کالج سے یونیورسٹی پہنچنا ہوا اور یونیورسٹی میں بھی اس کی ہردل عزیزی کا وہی عالم تھا۔ دوستوں کے درمیان وہ ایک نمایاں شخصیت تھی۔

شہباز خان چونکہ بچپن ہی سے شاندار صحت کا مالک تھے۔ اس لیے عمر کے اتنے سال گزرنے کے باوجود اس کی صحت وتوانائی میں کمی نہیں آئی تھی۔ البتہ اکبر خان اب زندگی کی آخری منزلیں طے کر رہے تھے اور کئی بیماریوں کا شکار ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ ایک دن انہوں نے اس دنیا کو خیر آباد کہہ دیا اور شہباز خان ایک بہت بڑی کمی کا شکار ہو گئے۔ اس موقع پر ہرمیت سنگھ بھی اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ جوہر آباد پہنچ گیا تھا۔

دوستوں کے دلوں میں محبت کی کمی تو نہیں ہوئی تھی۔ بس مصروفیتوں نے انداز بدل دیے تھے۔ اس غم ناک موقع پر بھی ہرمیت سنگھ کی آمد شہباز کے لیے بہت خوش گوار تھی۔ ہر چند کہ باپ کی جدائی کا غم شدید تھا۔ لیکن ہرمیت سنگھ کی آمد سے دل بہل گیا تھا۔ پرانی کہانیاں دہرائی گئیں۔ ہرمیت سنگھ نے الاکشا کو دیکھا تو آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا اور اس نے تنہائی میں شہباز خان سے کہا۔

"خان! ایک بات پر تم نے غور نہیں کیا۔ یا غور کیا تو کبھی اس کا مجھ سے تذکرہ نہیں کیا؟"

"کون سی بات؟"

"الاکشا کا چہرہ تمہیں کسی اور چیز کی یاد نہیں دلاتا۔"

"نہیں میں نے غور نہیں کیا۔"

"مگر میں نے غور کیا ہے۔ کیونکہ میرے نوادر خانے میں وہ لاش اب بھی اسی طرح محفوظ ہے۔ جس کے ساتھ الاکشا ہمیں ملی تھی اور اگر تم اس کا چہرہ دیکھو تو ایک نگاہ میں یہ جان لو گے کہ الاکشا ہو بہو اس کی ہم شکل ہے۔ میں نے تو ایک نگاہ میں دیکھتے ہی یہ اندازہ لگا لیا تھا۔"

"اوہ۔" شہباز خان حیران رہ گیا۔ اسے گزرے ہوئے تمام واقعات یاد آ گئے۔ لیکن نجانے کیوں وہ ان واقعات کو زبان پر نہ لا سکا۔ اسے ہمیشہ ہی یہ محسوس ہوا تھا کہ جب بھی اس نے الاکشا کی گہرائیوں میں اترنے کی کوشش کی اس کے دماغ اور زبان نے اس سے بغاوت کی اور وہ اس معاملے کو زیادہ کرید نہیں سکا۔ پھر واقعات اس کے ذہن سے محو ہوتے رہے۔ ہرمیت سنگھ کے یہ الفاظ سن کر اسے شدید حیرت ہوئی تھی۔ ہرمیت سنگھ نے کہا۔

"کیا یہ کہانی ہمیشہ سربستہ راز رہے گی کہ الاکشا کون ہے۔ وہ لاش کہاں سے بہتی ہوئی آئی تھی۔ یا کبھی ہمیں اس کا کوئی حل بھی ملے گا؟"

"کوئی ذریعہ ہی نہیں ہے۔ کیا کیا جا سکتا ہے۔"

"تعجب ہے سخت تعجب ہے۔" ہرمیت سنگھ نے کہا۔ کچھ عرصے ہرمیت سنگھ شہباز کے پاس قیام کر کے واپس چلا گیا اور زندگی کے معمولات میں پھر سے ہنگامہ خیزیاں پیدا ہو گئیں ان ہنگامہ خیزیوں میں ایک اور کردار داخل ہوا۔ یہ کرنل محمد مقبول خان تھے۔ ریٹائرڈ فوجی جنہوں نے اپنی زندگی میں انگریز فوج کے لیے لاتعداد کارنامے سرانجام دیے تھے اور اس کے بعد انگریزی مراعات سے فائدہ اٹھاتے رہے اور اس کے بعد ایک بہتر زندگی کے مالک بن گئے تھے۔ اولادیں کافی تھیں لیکن ان میں نمایاں شخصیت نمران مقبول کی تھی جو کرنل مقبول کا منجھلا بیٹا تھا۔ ایک مثالی نوجوان جو اپنی بھرپور صحت اور تندرستی کے لحاظ سے اپنے ساتھیوں میں ممتاز تھا۔ بے حد نڈر، بے باک، چمک دار سیاہ آنکھوں والا۔ اس نوجوان نے الاکشا کو دیکھا تو دل ہار گیا۔ کرنل مقبول نے شہباز خان کے گھر کے بالکل سامنے والی کوٹھی خریدی تھی اور خان صاحب کے پڑوسی بن گئے تھے۔ ملنسار اور خوش اخلاق انسان تھے۔ چنانچہ چند ہی دنوں میں گہری دوستی ہو گئی۔

نمران کو اسی یونیورسٹی میں داخلہ مل گیا تھا۔ جہاں الاکشا پڑھتی تھی۔ ساتھ آنا ساتھ جانا۔ ذہنوں پر اثر انداز ہوا اور الاکشا بھی ایک پڑوسی ہی کی حیثیت سے سہی نمران سے یگانگت کا برتاؤ کرتی تھی۔ یونیورسٹی میں اس کی کہانیاں مشہور ہو گئیں۔ لیکن نہ نمران نے ان کی پروا کی اور نہ الاکشا نے دونوں اکثر ساتھ دیکھے جاتے تھے۔ نمران کے فرشتوں کو بھی گمان نہیں تھا کہ الاکشا کی زندگی میں کوئی ایسا انوکھا راز پوشیدہ ہے۔ جو ناقابل یقین ہوگا۔ وہ اسے شہباز خان کی اکلوتی بیٹی ہی سمجھتا تھا۔ کوٹھی میں بے دھڑک آنا جانا ہو گیا تھا اور شہباز خان نے بھی ان دونوں کی دوستی کو پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا تھا۔ پلوشہ جہاں تو ایک دو بار شہباز خان سے کہہ بھی چکی تھیں کہ یوں لگتا ہے۔ جیسے قدرت نے الاکشا کے لیے رشتہ بھیج دیا ہے۔ شہباز نے مسکرا کر جواب دیا کہ کیا پلوشہ الاکشا کو خود سے جدا کرنا پسند کرے گی اور اس بات پر پلوشہ کسی قدر آزردہ ہو گئی تھی۔ اس نے ایک ٹھنڈا سانس بھر کر کہا تھا۔

"یہ فریضہ تو انجام دینا ہی پڑتا ہے۔ لیکن قدرت نے ہمیں بہت بڑی نعمت سے محروم رکھا۔ اگر کچھ اور اولادیں ہوتیں تو زندگی میں کوئی سقم باقی نہ رہتا۔ تاہم تقدیر کے معاملے اپنے بس میں نہیں ہوتے۔"

بہر حال نمران اور الاکشا کی دوستی آگے بڑھتی رہی۔ دونوں میں سے کوئی گھٹیا فطرت کا مالک نہیں تھا۔ ایک دوسرے کی قربت ایک دوسرے کی زبان حال سے سب کچھ کہہ دیتا تھا۔ چنانچہ انہوں نے زبان کو

تکلیف نہیں دی تھی۔ نمران تو الاکشا کو جیسے اپنی ملکیت سمجھنے لگا تھا۔ الاکشا بلاشبہ سرکش تھی اور اپنی ذات پر کوئی بوجھ برداشت نہیں کرتی تھی۔ لیکن نمران کی قربت اسے بھی پسند تھی اور اس سلسلے میں دونوں نے کوئی پابندی قبول نہیں کی تھی۔ ہر جگہ بے دھڑک آتے جاتے تھے۔ ایک چھوٹا سا واقعہ بھی پیش آیا۔ اس دوران یونیورسٹی کے کچھ لڑکے اور لڑکیاں پکنک پروگرام سے ایک خوبصورت مقام پر گئے۔ بارش کا موسم تھا۔ اطراف بھیگے ہوئے تھے۔ وقفے وقفے سے بارش کئی دن سے جاری تھی۔ جگہ جگہ کونپلیں ابھر آئی تھیں۔ نمران ایک خوبصورت سے قطعے میں نیم دراز بیٹھی ہوئی الاکشا سے گفتگو کر رہا تھا کہ دفعتاً الاکشا تڑپ کر ایک جھاڑی کی طرف متوجہ ہوئی اور اس نے فوراً ہی جھاڑی میں ہاتھ ڈال کر وہ شے پکڑ لی۔ لیکن جب اس نے وہ شے باہر گھسیٹی تو نمران نے کئی فٹ لمبی چھلانگ لگا دی۔ ایک کالا سیاہ ناگ الاکشا کے ہاتھ میں تھا اور الاکشا نے اس کا پھن پکڑا ہوا تھا۔ پھر اس نے انتہائی وحشیانہ انداز میں ناگ کو پھن سے پکڑ کر زمین پر مارنا شروع کر دیا اور اس بے دردی اور دیوانگی کے عالم میں وہ سانپ کو مار رہی تھی کہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ سانپ نے اپنا لچکدار بدن الاکشا کی کلائی سے لپیٹنے کی کوشش کی لیکن دو تین بار ہی زمین پر بدن ٹکرانے سے اس کی ہڈیوں کے جوڑ کھل گئے اور وہ ایک بے ضرر کیچوے کی مانند ہو گیا۔

الاکشا نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ اس نے سانپ کے بدن کو اپنے ہاتھ میں لپیٹ کر زور سے جھٹکا دیا اور سانپ کے دو ٹکڑے ہو گئے پھر اس نے باقی ٹکڑے کو بھی اپنے ہاتھ میں پکڑ کر اسی طرح توڑ دیا اور اس کے بعد غرا کر سانپ کو ایک طرف اچھال دیا۔ سانپ کا بالشت بھر لمبا پھن چند قدم رینگا اور اس کے بعد سرد ہو گیا۔ نمران جو سانپ کو دیکھ کر انتہائی خوفزدہ ہو گیا تھا۔ دہشت بھری نظروں سے الاکشا کو دیکھنے لگا۔

اور نجانے کیوں اس کے دل میں ایک لمحے کے لیے خوف کا سا احساس ابھرا۔ الاکشا کا چہرہ اس وقت انتہائی وحشت ناک ہو رہا تھا اور لگ ہی نہیں رہا تھا کہ یہ وہی ہنستی مسکراتی لڑکی ہے۔ سانپ کے لیے اس کے دل میں شدید انتقام پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن اس نے جو کچھ کیا تھا اس کا تصور کسی نڈر مرد سے بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ الاکشا ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ غالباً اپنا ہاتھ دھونا چاہتی تھی۔ پھر اس نے نمران سے کہا۔

"آؤ میں ہاتھ دھوؤں گی۔"

"مم...... مگر الاکشا یہ گر تم نے کہاں سے سیکھا۔ خدا کی پناہ یوں محسوس ہوتا تھا۔ جیسے...... جیسے۔"

"آؤ نمران بے کار باتیں نہیں کرتے ہاتھ دھونا ہے مجھے۔" الاکشا نے سرد لہجے میں کہا اور نمران اس کے پیچھے چل پڑا اس نے کئی بار پلٹ کر خوفزدہ نگاہوں سے مردہ سانپ کو دیکھا تھا۔ پھر جب الاکشا ہاتھ وغیرہ دھو کر فارغ ہو گئی تو نمران کہنے لگا۔

"یوں لگتا تھا جیسے تمہیں اس سانپ سے بے پناہ نفرت ہو گئی ہو۔ آخر کیوں؟"

"فضول باتوں سے پرہیز کرو۔ وہ تمہاری طرف حملہ آور ہو رہا تھا۔"

"تم نے دیکھ لیا ورنہ میں تو گیا تھا۔"

"اب اس واقعے کا ڈھول کسی سے نہ پیٹنا میں تمہیں ہدایت کرتی ہوں کہ بالکل خاموش رہنا میں نہیں چاہتی کہ کسی کو اس بارے میں کچھ معلوم ہو۔"

''مگر کیوں؟''

''نمران۔'' الاشا نے نمران کو دیکھا اور ایک بار پھر نمران کے بدن میں جھرجھری سی پیدا ہوگئی۔

اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے کوئی قوت اسے احساس دلا رہی ہو کہ زبان بند رکھنا ہی اس کے حق میں بہتر ہے اور پھر واقعی نمران کسی سے یہ الفاظ نہ کہہ سکا لیکن الاشا کی محبت اس کے دل میں کچھ اور گہری ہوگئی تھی کرنل مقبول اور شہباز خان دونوں ہی نے ان دونوں کی قربت اور دوستی محسوس کر لی تھی۔ چنانچہ ایک دن کرنل مقبول نے اپنی روایتی بے باکی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

''بھئی خان! کچھ گڑبڑ لگ رہی ہے۔ یوں لگتا ہے۔ جیسے کہ ہماری اور تمہاری دوستی کچھ رشتوں میں ڈھلنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ کیا خیال ہے۔ تم تعاون کرو گے۔ یا ظالم سماج بن جاؤ گے۔''

''میں سمجھا نہیں کرنل صاحب!''

''ہمارے بچے میرا اشارہ نمران اور تمہاری بچی الاشا کی طرف ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ الاشا میرے گھر میں آ جائے۔ تمہارا گھر سونا کرنے کا خواہش مند تو نہیں ہوں۔ لیکن بس دل میں یہ خواہش ہے کہ یہ رشتے اس شکل میں ڈھل جائیں۔ تو ہم سب کی خوش بختی ہوگی اور پھر کتنا ہی وقت گزار لو۔ بالآخر تمہیں ایک نہ ایک یہ کام کرنا ہے۔ بجائے اس کے کہ تم کسی اور کے بارے میں سوچو ہمیں ہی یہ اعزاز کیوں نہ بخش دو۔''

''میں جانتا ہوں۔ کرنل یہ سب کچھ تو کرنا ہے۔ لیکن ابھی اس کی جلدی نہیں ہے۔''

''بالکل نہیں، بھئی بس یہ چاہتے ہیں کہ تم اس سلسلے میں فیصلہ ہمارے حق میں کر دو۔'' کرنل نے کہا اور دفعتاً شہباز خان کو ہوش آ گیا۔ معاملہ اس کی بیٹی کا نہیں۔ الاشا کا تھا اور الاشا۔ کیا اس کے بارے میں فیصلہ کرنے کا حق اسے ہے۔ کرنل کو تو اس بارے میں کچھ بتانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تاہم اس نے بات کو درمیانہ رکھا۔

''کچھ وقت گزر جانے دیں۔ کرنل جلدی کیا ہے۔ وقت خود بہترین فیصلہ کرتا ہے۔ ہم وقت کے فیصلوں کے آڑے نہ آئیں گے۔ وعدہ ہے۔''

''ہاں اس میں حرج نہیں ہے۔'' کرنل نے جواب دیا اور بات عارضی طور پر ٹل گئی۔ لیکن خود شہباز خان نے الاشا اور نمران کی قربت کو محسوس کیا تھا۔ الاشا غیر معمولی طور پر نمران کی طرف متوجہ تھی۔ سانپ والے واقعے کے بعد تو دونوں اور بھی قریب آ گئے تھے اور اکثر دونوں کو ساتھ دیکھا جاتا تھا۔ نمران بے دھڑک الاشا کے ہاں آ جاتا تھا اور الاشا کے انداز میں بھی اس کے لیے پذیرائی ہوتی تھی۔ شہباز خان کو یہ لڑکا بے حد پسند تھا۔ خود کرنل مقبول بھی بے حد نفیس انسان تھے اور شہباز خان ذہنی طور پر ان سے مانوس ہو گیا تھا۔ الاشا کے بارے میں فیصلہ کرتے ہوئے بس ایسے ہی جھجک تھی کہ الاشا کی زندگی کا کوئی اور رخ نہ سامنے آ جائے۔ حالانکہ اب اس بات کے امکانات نہیں تھے۔ کیونکہ الاشا کی زندگی کے تمام ماہ و سال شہباز کی نگاہوں کے سامنے سے گزرے تھے۔ بے شک اس کی شخصیت کو شہباز خان کبھی نہیں بھول سکتا تھا۔ لیکن خود الاشا کے اندر ایسی کوئی بات نہیں تھی جو انحراف تصور کی جاتی۔ شہباز نے کافی دن غور و خوض کے بعد اس بارے میں پلوشہ سے گفتگو کی بے چاری پلوشہ تو صورت حال سے آج تک ناواقف تھی۔ شہباز خان نے

اسے جان بوجھ کر کچھ نہیں بتایا تھا اور اب تو اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ ایک اکبر خان تھے جو اس معاملے میں تھوڑا بہت جانتے تھے لیکن وہ سب کچھ اپنے ذہن سے فراموش کر بیٹھے تھے اور اب تو ان کا سہارا بھی باقی نہیں رہا تھا۔ پلوشہ جہاں نے یہ تفصیل سنی تو خوشی سے اچھل پڑی۔

''نمران تو بہت ہی پیارا لڑکا ہے اور پھر معیاری لوگ ہیں۔ ہمیں ایک نہ ایک دن تو الاشا کو کسی سے بیاہنا ہوگا۔ ظاہر ہے وہ ہماری بیٹی نہیں ہے۔ لیکن اب یہ تصور بھی عجیب لگتا ہے۔ کہ وہ ہماری اولاد نہیں ہے۔ میرے خیال میں تو یہ رشتہ منظور کر لو۔ بہتر رہے گا۔''

''یہی چاہتا ہوں کہ تم ایک بار الاشا سے پوچھ لو۔''

''ظاہر تو یہی ہوتا ہے کہ الاشا اس پر کوئی اعتراض نہیں کرے گی۔ لیکن کوئی حرج نہیں ہے۔ میں اس سے بات کر لوں گی اور پلوشہ نے الاشا سے یہ سوال کر ڈالا۔

''الاشا بچی نمران تمہیں کیسا لگتا ہے؟'' جواب میں الاشا مسکرا دی۔

''جس لحاظ سے آپ اس کے بارے میں پوچھ رہی ہوں گی اس لحاظ سے وہ ایک بہتر نوجوان ہے۔''

''تو پھر یوں سمجھ لو کہ ہم تم دونوں کی زندگی کو یکجا کر رہے ہیں۔''

الاشا بدستور مسکراتی رہی اور اس کے انداز میں کوئی جھجک پیدا نہیں ہوئی تھی اور اس کا اظہار رضا مندی تھا۔ چنانچہ پلوشہ جہاں نے شہباز خان سے کہہ دیا کہ الاشا خوشی سے اس سلسلے میں تیار ہے اور شہباز خان نے بھی بے تکلفی ہی سے کرنل مقبول سے اپنے اس فیصلے کا اظہار کر دیا۔ چنانچہ دونوں خاندانوں میں تیاریاں شروع ہو گئیں طے یہ کیا گیا تھا کہ الاشا کی منگنی کر دی جائے۔ منگنی کی رسم شہباز خان نے اپنے شایان شان کی تو کرنل نے بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی دونوں خاندانوں کے دل ملے ہوئے تھے۔ اس لیے ہر کام نہایت خوش اسلوبی سے ہوا۔ الاشا کے ہونٹوں کی مسکراہٹ بتاتی تھی کہ وہ اس عمل سے خوش ہے اور اس نے کسی قسم کا کوئی تعرض نہیں کیا تھا۔

ویسے بھی زندگی کے ایک مخصوص مرحلے تک آنے کے بعد اس کے اندر کی وہ تمام کیفیات ختم ہو گئی تھیں۔ جو شہباز خان کو کبھی کبھی یہ احساس دلاتی رہتی تھیں کہ الاشا ایک پراسرار وجود ہے۔ اب تو طویل عرصہ گزر گیا تھا۔ الاشا کی کوئی ایسی حرکت سامنے نہیں آئی تھی جو باعث تشویش ہوتی۔ یا عجیب و غریب کہلاتی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ دوسرے لوگوں کو بھی اس کی پراسرار کیفیت کے بارے میں کوئی علم نہیں ہو سکا تھا۔ ہاں سانپ کا معاملہ ایسا تھا۔ نمران نے صرف بہادری پر محمول کیا تھا اور اس میں کوئی خاص بات تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی گئی تھی۔

الاشا، نمران کی زندگی میں شامل ہو گئی۔ دونوں اکثر ساتھ دیکھے جاتے تھے۔ اب تو یونیورسٹی میں بھی کوئی ایسی بات نہیں رہی تھی۔ جس کی وجہ سے کسی کو کسی سے چھپنا پڑتا۔

چنانچہ معمولات زندگی یونہی جاری رہے۔ شادی کے بارے میں ابھی یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ ابھی کچھ عرصہ گزارنا پڑے گا۔ دونوں کی تعلیم بھی مکمل ہو جائے اور پھر نمران کے دوسرے بھائی بہن بھی تھے۔ جن کے سلسلے میں کرنل کو تشویش تھی۔ لیکن ابھی شادی کی کوئی جلدی بھی نہیں تھی۔ نمران اور الاشا ملتے رہتے۔ وہ

دونوں اکثر تقاریب میں بھی ساتھ ساتھ شریک ہوتے تھے۔ ایسی ہی ایک تقریب کی بات ہے۔ دونوں خاندان اس تقریب میں شریک تھے۔ الاکشا ایک حسین لباس میں ملبوس تھی اور بہت ہی خوبصورت نظر آ رہی تھی۔ اس کا حسن ایک عجیب سی کیفیت رکھتا تھا۔ لوگ خاص طور پر اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

دل پھینک نوجوانوں کے گروہ میں سے کسی نے کہا۔

"یہ جنگل کا پھول یہاں کیسے کھل گیا۔"

"واقعی انوکھا حسن ہے۔ محفل لوٹ لی اس نے۔"

"مجھے جنگلی پھول بہت پسند ہیں اور دوستو میں بہت جلد اس پھول کو اپنی ملکیت کی حیثیت سے آپ کے سامنے پیش کروں گا۔" جس نوجوان نے یہ الفاظ کہے تھے۔ وہ بہت صحت مند اور سمارٹ تھا حالانکہ الاکشا سے اس کا بہت فاصلہ تھا۔ لیکن نجانے کیوں الاکشا اس کی طرف متوجہ ہو گئی، پھر اس نے نوجوان کو اشارہ کیا اور نوجوان فخریہ انداز میں اس کی طرف بڑھ گیا۔ جونہی وہ الاکشا کے قریب پہنچا چٹاخ کی ایک زوردار آواز ابھری اور لوگ ششدر رہ گئے۔ نوجوان لڑکا زمین پر گر پڑا تھا اور آس پاس والے حیرانی کی وجہ سے اسے اٹھانا بھی بھول گئے تھے۔ الاکشا کی آنکھیں خون کی طرح سرخ تھیں۔ اس نے ایک نگاہ قریب موجود لوگوں پر ڈالی اور پھر اس کے حلق سے آواز نکلی۔

"افووے ہارا...... سانوماٹی نے ...... فووا...... ایشورا...... ایشورا!"

اس نے انگلی سے نوجوان کی طرف اشارہ کیا اس کی آواز میں گونج تھی۔ ملکاؤں کا سا وقار تھا۔ آنکھوں کی ہولناک سرخی اس قدر خوفناک تھی کہ لوگ گھبرا کر دو قدم پیچھے ہٹ گئے۔

پھر ایک طرف سے نمران اور دوسری طرف سے شہباز خان دوڑے۔ وہ الاکشا کے پاس پہنچ گئے کسی سے صورت حال معلوم نہ ہو سکی لیکن نوجوان جو زمین پر پڑا ہوا تھا۔ اٹھ نہ سکا تھا اور اس کا رخسار دیکھ کر بہت سے لوگوں کے منہ سے عجیب سے آوازیں نکل گئیں۔ رخسار آہستہ آہستہ نیلا پڑتا جا رہا تھا اور ذرا سی دیر میں اس کا چہرہ دو رنگوں میں تقسیم ہو گیا۔ وہ ایک ہی تھپڑ میں بے ہوش ہو گیا تھا۔ کچھ لوگوں نے اسے اٹھایا۔ نوجوان بھی کسی معمولی گھرانے کا نہیں تھا۔ اس کے اہل خاندان بھی پہنچ گئے اور اچھی خاصی ہنگامہ آرائی ہو گئی۔

وہ صورت حال معلوم کر رہے تھے۔ لیکن کوئی بھی شخص کچھ بتانے پر آمادہ نہیں تھا۔ نوجوان کی بے ہوشی اور اس کے چہرے کی نیلاہٹ دیکھ کر اسے وہاں سے لے جایا گیا اور نمران نے الاکشا کا ہاتھ پکڑ لیا وہ آہستہ آہستہ معتدل ہوتی جا رہی تھی۔ لوگوں نے اس کی زبان سے جو کچھ سنا تھا۔ اس کا مفہوم ان کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ اس کے چہرے کا انداز اور اس کی تمکنت دیکھ کر تو بعض لوگوں پر ہیبت طاری ہو گئی تھی اور سب کے سب اس کے بارے میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ شہباز خان کو بھی اس کے بارے میں تھوڑی بہت تفصیل معلوم ہوئی تو وہ دھک سے رہ گئے۔ انہیں اس بات پر تعجب ہوا تھا کہ الاکشا نے کسی عجیب سی زبان میں کچھ الفاظ کہے تھے۔ نمران البتہ الاکشا کو لے کر ایک کونے میں پہنچ گیا تھا۔

"کیا ہوا تھا۔ الاکشا؟" الاکشا گہری گہری سانسیں لینے لگی۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"وہ مجھ سے بدتمیزی کر رہا تھا۔ اس نے میرے بارے میں ایسے رکیک جملے سوچے تھے جنہیں

میں برداشت نہیں کر سکی۔"

"سوچے تھے۔"

"ہاں اپنے ساتھیوں سے کہے بھی تھے۔"

"اوہ ٹھیک چلو اچھا کیا تم نے۔ مگر اس کی یہ کیفیت کیا ہو گئی؟"

"میں نہیں جانتی۔ یہاں سے واپس چلو۔" الاکشا نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔ نمران نے اس سلسلے میں شہباز خان سے بھی اجازت نہیں لی تھی۔ وہ الاکشا کو اپنی کار میں بٹھا کر شہباز خان کے گھر کی طرف چل پڑا ویسے بھی دونوں کے گھر آمنے سامنے ہی تھے تقریب میں ہڑبونگ مچ گئی تھی اور کچھ لوگوں نے شہباز خان سے تلخ الفاظ بھی کہے تھے۔ کرنل نے اس موقع پر صورتِ حال کو سنبھالا اور کہنے لگے۔

"کوئی بھی لڑکی بلاوجہ اس قدر برافروختہ نہیں ہو جاتی۔ یقینی طور پر اس سے بھی کچھ کہا گیا ہو گا۔ صورت حال سامنے آ جائے گی اور پھر نوجوان کے اہل خاندان کی چند دھمکیوں کے جواب میں کرنل مقبول نے ہی جواب دیا۔

"وہ خان خاندان کی بیٹی اور میری بہو ہے۔ اگر مجھے علم ہو گیا کہ اس کے ساتھ کوئی بدتمیزی ہوئی ہے۔ تو آپ لوگ بعد کے حالات کے لیے تیار رہیں۔"

"خان خاندان کی بیٹی، زبان تو کسی سیارے کی زبان بول رہی تھی۔ کیا خان صاحب پہلے کسی سیارے پر آباد تھے۔"

میزبان نے بات نہ بڑھنے دی اور خان صاحب اور کرنل وہاں سے واپس آ گئے۔

نمران، الاکشا کو گھر لے آیا تھا لیکن الاکشا کے انداز میں بے چینی سی مسلسل تھی۔ وہ کھوئی کھوئی تھی۔ نمران اسے سمجھانے لگا۔

"ایسے لوگ تو ہر جگہ موجود ہوتے ہیں۔ تم نے بلاوجہ اس پر توجہ دی۔"

"گانووے چوئے لشکیا آرارے۔" الاکشا نے جواب دیا۔

"کیا مطلب؟" نمران نے پوچھا۔

"ایں؟"

"کیا کہہ رہی ہو۔ میں سمجھا نہیں۔"

"پتا نہیں تم جاؤ میں تنہائی چاہتی ہوں۔" الاکشا نے کہا۔

"تم نے نجانے کیوں اس بات کو ذہن پر سوار کیا ہے۔"

"جاؤ میں تنہائی چاہتی ہوں۔" الاکشا سرد لہجے میں بولی اور نمران حیران رہ گیا۔ اس نے الاکشا کا یہ لہجہ کبھی نہیں سنا تھا۔

"نہیں الاکشا میں جانتا ہوں تم شدید ذہنی انتشار کا شکار ہو گئی ہو میں اس وقت تمہارے لہجے کا برا نہیں مانوں گا۔"

"ایشابورے ہانے ایشابووے۔" الاکشا گرجی اور اس نے آگے بڑھ کر نمران کا بازو پکڑ لیا۔ نمران۔

خود بھی طاقتور اور مضبوط نوجوان تھا لیکن الاکشا نے بآسانی اسے کھڑا کر دیا اور پھر نمران کو دھکیلتی ہوئی دور تک لے گئی اور پھر تیزی سے اپنے کمرے میں داخل ہو کر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔

نمران ششدر رہ گیا تھا۔ وہ دیر تک کھڑا الاکشا کی اس کیفیت کے بارے میں سوچتا رہا۔ پھر اسے غصہ آ گیا۔ الاکشا نے نہایت بداخلاقی کا ثبوت دیا تھا اور اس میں اور دوسروں میں تو فرق تھا۔ الاکشا نے غصے میں اس کا بھی خیال نہیں کیا تھا۔ وہ غصے میں پاؤں پٹختا باہر نکل آیا آخر اسے کیا ہو گیا بہرحال وہ اس بے عزتی کو فراموش نہیں کر پایا تھا۔

خان صاحب اور کرنل بھی گھر واپس پہنچ گئے الاکشا اپنے کمرے میں تھی۔ نمران اور الاکشا کے درمیان کیا گفتگو ہوئی انہیں معلوم نہیں تھا۔ خان صاحب نے دروازہ کھلوانے کی کوشش کی مگر انہیں کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ کرنل سے خان صاحب نے کہا کہ فکر نہ کریں جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ یقینی طور پر اس لڑکے نے کوئی بدتمیزی کی ہوگی۔"

بہرحال نمران کی غیر موجودگی کو کسی نے محسوس نہیں کیا تھا۔ لیکن نمران بھی الاکشا کے پاس دوبارہ نہیں آیا۔ خان صاحب اور پلوشہ، الاکشا سے دروازہ کھولنے کے لیے کہتے رہتے اس نے اندر سے کہہ دیا تھا کہ وہ ابھی دروازہ نہیں کھولے گی وہ لوگ جائیں۔

الاکشا عام حالات میں ضدی بھی نہیں تھی۔ نجانے کیا ہو گیا تھا اسے البتہ خان صاحب کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔ وہ صرف یہ سوچ رہے تھے کہ الاکشا نے وہ انوکھی زبان کیسے بولی تھی۔ ایک بار پھر تمام وسوسے تازہ ہو گئے تھے۔ پلوشہ کا علاج خان صاحب آج تک نہیں بھول پائے تھے اور یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آئی تھی کہ الاکشا کو وہ طریقہ علاج کیسے معلوم ہوا اور آج اس اجنبی زبان کا اظہار بھی اس واقعے سے متعلق محسوس ہو رہا تھا۔

بہر طور خان صاحب بے چارے اس معاملے میں قطعی تنہا تھے۔ وہ الاکشا کے مسئلے میں الجھے رہے۔ پلوشہ رات کو سو گئی تھیں لیکن خان صاحب جاگتے رہے۔ اس وقت رات کے تقریباً سوا بارہ بجے تھے۔ جب کمپاؤنڈ میں کتوں کے بھونکنے کی آواز سنائی دیں۔ خان صاحب کی رہائش گاہ کے کمپاؤنڈ میں تین السیشن کتے کھلے رہتے تھے اور یہ کتے انتہائی خوفناک تھے۔

ان کے غیر معمولی طور پر بھونکنے کی آواز سن کر خان صاحب کا ماتھا ٹھنکا اور وہ پستول لے کر خاموشی سے باہر نکل آئے۔ کتوں کی آوازیں شدت اختیار کر گئی تھیں اور دفعتاً ہی خان صاحب کو کچھ ایسا محسوس ہوا جیسے کتے کسی سے لڑ پڑے ہوں وہ اس انداز میں غرا رہے تھے اور بھونک رہے تھے۔ پھر اس وقت تک کہ خان صاحب کمپاؤنڈ میں پہنچے انہیں ایک کتے کی عجیب سے غراہٹ سنائی دی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ زخمی ہو کر چیخا ہو تب خان صاحب دوڑتے ہوئے کمپاؤنڈ کے سامنے پہنچ گئے۔ لیکن جو کچھ انہوں نے دیکھا۔ وہ ناقابلِ یقین تھا۔ الاکشا نے ایک کتے کو جبڑوں سے پکڑا ہوا تھا۔ دوسرا کتا اس کا لباس نوچ رہا تھا اور تیسرا کتا کچھ عجیب سے انداز میں زمین پر پڑا ہوا تھا۔ اس کے جسم میں جنبش نہیں تھی۔ جو کتا الاکشا کے ہاتھوں میں دبا ہوا تھا وہ جان بچانے کی شدید جدوجہد کر رہا تھا۔ پھر الاکشا نے اسے چھوڑ دیا اور اس کتے کی طرف پلٹی جو

عقب سے اس پر حملہ کر رہا تھا لیکن جونہی وہ پلٹی السیشن نے خوفزدہ ہو کر لمبی چھلانگ لگائی اور کمپاؤنڈ کی دیوار پھلانگ کر بھاگ گیا۔ باقی دو کتوں کی کیفیت سے خان صاحب نے محسوس کر لیا تھا کہ وہ مر چکے ہیں۔

خان صاحب کا بدن پسینہ پسینہ ہو گیا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ ناقابلِ یقین منظر دیکھ رہے تھے۔ الاکشا چند لمحات کھڑی رہی۔ پھر دوزانو بیٹھ گئی اور اس نے دونوں ہاتھ فضا میں بلند کر دیے۔ اس کا چہرہ آسمان کی طرف تھا اور وہ چاند کو دیکھ رہی تھی خان صاحب کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ الاکشا کوئی عام لڑکی نہیں ہے۔ لیکن اس کی کہانی جس قدر انہیں معلوم تھی اور کوئی نہیں جانتا تھا۔ وہ ہمیشہ کسی انہونی کے خدشے کا شکار رہے تھے اور اس وقت یہ سب کچھ سامنے آ رہا تھا۔

الاکشا کچھ دیر اسی طرح بیٹھی رہی پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر واپس چلی گئی اور خان صاحب جلدی سے سامنے سے ہٹ کر چھپ گئے۔ الاکشا چلی گئی تو وہ کتوں کی لاشوں کے پاس آئے انہیں قریب سے دیکھ کر وہ ایک بار پھر دہشت زدہ ہو گئے۔ انتہائی خوفناک اور طاقتور کتوں کو اس طرح پھاڑ کر رکھ دیا تھا کہ تصور بھی نہ کر سکتا تھا اور اگر یہ سب کچھ ان کے سامنے نہ ہوتا تو وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ تیسرا کتا جان بچا کر بھاگ گیا تھا ورنہ اس کا بھی یہی حال ہوتا۔

اب راز چھپنا مشکل ہے۔ میں خود کب تک الجھنوں کا شکار رہوں۔ نہ جانے اور کیا ہو جائے۔ انہوں نے سوچا اور پھر اندر واپس چل پڑے۔ حلق خشک ہو رہا تھا سوچیں دیوانہ کیے دے رہی تھیں۔ خود کو شدید تھکن کا شکار محسوس کر رہے تھے۔ اب تو ایک اور خاندان بھی الاکشا سے وابستہ ہو گیا تھا۔ اسے دھوکے میں رکھنے کا جرم نہیں کرنا چاہتے تھے۔ پلوشہ کا خیال بھی تھا کہ اس کا کیا حال ہوگا۔ کوئی لالچ نہیں انہیں الاکشا سے کوئی اور توقع نہیں تھی۔ بس اپنی محبت کا شکار تھے اور شاید الاکشا کا سحر بھی۔ ساری رات وہ اپنے کمرے میں بیٹھے سوچتے رہے۔ پھر صبح ہو گئی۔ پلوشہ معمول کے مطابق جاگی تھیں۔ پھر وہ بدحواس ملازموں نے انہیں کمپاؤنڈ میں پڑی کتوں کی لاشوں کی اطلاع دی اور انہوں نے نرم لہجے میں کہا۔

"لاشیں پھنکوا دو......!"

"تیسرا کتا غائب ہے جناب۔"

"جاؤ...... مجھے معلوم ہے۔" انہوں نے سخت لہجے میں کہا اور ملازم حیران باہر نکل گئے۔ خان صاحب غسل خانے کی طرف بڑھ گئے۔ دیر تک غسل کر کے وہ رات بھر کی کسل اتارتے رہے باہر نکلے تو پلوشہ پریشان کھڑی تھیں۔

"سنیے...... الاکشا کہاں ہے۔ اتنی صبح کہاں چلی گئی۔ آپ کو کچھ بتا کر گئی ہے؟"

"کک...... کیا مطلب۔" خان صاحب اچھل پڑے۔

وہ...... وہ...... کوٹھی میں نہیں ہے" پلوشہ جہاں نے بتایا۔

"خان صاحب پھٹی پھٹی آنکھوں سے پلوشہ جہاں کو دیکھتے رہے، پھر سنبھل کر بولے۔

"کہاں جا سکتی ہے اتنی صبح۔ ہو سکتا ہے کہ...... کہ وہ کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گئے۔ چند لمحات اسی طرح خاموش رہے، پھر کچھ سوچتے ہوئے بولے۔

"تم نے ہر جگہ دیکھ لیا ہے؟"

"تبھی تو پریشان ہوں۔" پلوشہ جہاں نے کہا۔

"او ہو بھئی تو اس میں اتنا پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔ جہاں گئی ہے وہاں سے واپس آ جائے گی۔ اب وہ بچی تو نہیں ہے۔"

وہ تو ٹھیک ہے مگر رات کو اس کی طبیعت کچھ خراب تھی۔ بہت اداس تھی اور پھر وہاں تقریب میں جو کچھ ہوا تھا۔ وہ غیر متوقع تھا۔ وہ ایسی نہیں ہے۔ ٹال بھی سکتی تھی۔ بہت مہذب ہے اور کبھی کسی سے تلخ بات نہیں کرتی لیکن...... لیکن میں نے اس سے اس بارے میں پوچھا تو کہنے لگی۔

"امی میں اداس ہوں۔ نہ جانے کیوں میں اداس ہوں۔ ایک عجیب سی ہول اٹھ رہی ہے میرے دل میں، جیسے مجھے کوئی یاد آ رہا ہو۔ وہ کون ہے کہاں ہے۔ میں نہیں جانتی لیکن کوئی ہے ضرور۔"

"یہ الفاظ کب کہے تھے اس نے؟"

"رات کو دروازہ کھول کر باہر آئی تھی۔ جب کرنل صاحب چلے گئے تھے۔"

"پریشان نہ ہو واپس آ جائے گی خواہ مخواہ دوسروں کو بھی پریشان نہ کر دینا۔"

"وہ پہر ہوئی پھر شام اور آخر رات تو سب ہی ہول گئے۔ شہباز خان کی قوت اور برداشت بھی جواب دے گئی اور پھر وہ بہت سے لوگوں کو ادھر ادھر دوڑا کر خود بھی باہر نکل گئے۔ عجیب سی بات تھی لڑکی کا معاملہ تھا کسی سے کہتے ہوئے بھی الجھ رہے تھے۔ ان لوگوں کی طرف بھی خیال گیا جن سے تلخ کلامی ہوئی تھی بہت سے خدشات بھی دل میں آئے۔ مجبور ہو کر کرنل مقبول کے پاس پہنچ گئے۔

"اور تم مجھے اب اطلاع دے رہے ہو۔ خان! اتنی غیرت...... ان کی تو ایسی تیسی۔ ابھی سب کو تھانے بلواتا ہوں۔ الٹا لٹکوا کر کھال اتارلوں گا ...سسروں کی۔"

"نہیں کرنل اس سے پہلے ہمیں خود بھی کوشش کرنی چاہیے۔ ان لوگوں کی اتنی جرأت نہیں ہو سکتی اور اگر ایسا ہوا ہے۔ کرنل تو پھر اس کا جواب بہت برا ہو گا۔ میں بہت شریف آدمی ہوں لیکن اس خاندان کو اپنی عزت بچانا مشکل ہو جائے گی۔" خان کی آواز میں پرانا شہباز خان بول پڑا تھا۔

نمران کو بھی یہ بات معلوم ہوئی اور وہ کسی سے کچھ کہے بغیر کار لے کر نکل گیا۔ سخت ناراض تھا الاکشا سے، اس نے نمران کے ساتھ بھی دوسروں جیسا سلوک کیا تھا۔ اسے اپنے کمرے سے نکال دیا تھا اور اس نے فیصلہ کیا تھا کہ جب تک وہ اسے خود نہ منائے گی وہ بھی اس کے پاس نہیں آئے گا لیکن یہ سن کر وہ تھرا گیا تھا۔ کہاں گئی وہ؟ کیا ہو گیا؟ اسے...... ایک ہنستی مسکراتی لڑکی کس مصیبت کا شکار ہو گئی، وہ تو ہر وقت مسکرانے والوں میں سے تھی۔ یہ اچانک اس کا مزاج کیسے بدل گیا۔ وہ کار لے کر نکل تو آیا تھا۔ لیکن اب کوئی فیصلہ نہ کر پا رہا تھا۔ کہاں جائے تلاش کرنے کی کوئی جگہ بھی تو ہو۔ خان صاحب کے ہاں کچھ اقدار تھیں۔ الاکشا کی دوستیاں بھی ایسی نہ تھیں کہ وہ کسی کے گھر میں کسی حالت میں رہ جائے۔

رات گہری ہوتی گئی اور وہ نجانے کہاں کہاں مارا مارا پھرتا رہا۔ اسے خود بھی اپنی حماقت کا احساس تھا۔ وہ سڑکوں پر تو نہ پھر رہی ہو گی۔ لیکن کوئی بات تو ذہن میں آئے۔ اسے اچانک ہی احساس ہوا تھا کہ الاکشا

کو پاگلوں کی طرح چاہتا ہے اور اس کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اسے یہ بھی احساس ہوا تھا کہ الاکشا بیمار ہو گئی ہے۔ اس کی ان تمام باتوں میں ہوش مندی نہیں تھی۔ بلکہ بلکہ......"

سڑکوں پر رات کا گشت شروع ہو گیا تھا۔ کئی بار پولیس والوں نے گاڑی پر تارچ کی روشنی ڈالی تھی۔ وہ سڑکوں پر فراٹے بھرنے لگا اور پھر اس وقت چاند نکل آیا تھا۔ جب وہ دل کی ویرانی کا شکار ہو کر ایک ویرانے میں نکل آیا تھا۔ چاروں طرف ہو کا سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ سامنے کھنڈرات پھیلے ہوئے تھے جن کا تعلق مغلیہ دور سے تھا۔ چاندنی میں سرخ پتھروں کے ڈھیر عجیب عجیب سی شکلیں اختیار کر گئے تھے۔ دفعتاً اسے ایک ہولناک قہقہہ سنائی دیا۔ ایسا قہقہہ جو مسامات کو ادھیڑ کر رکھ دے۔ بریکوں پر خود بخود پاؤں پڑا اور کار کا انجن ایک جھٹکے سے بند ہو گیا۔

کیونکہ کلچ پر پاؤں نہیں پہنچا تھا۔ وہ متوحش نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اس آواز میں ایسی کوئی خاص بات تھی۔ جس سے خوف کے علاوہ بھی کوئی احساس ابھرا تھا۔ ایک ایسا احساس جس کا مفہوم فوراً سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ نمران کی حیران آنکھیں دور دور تک کا جائزہ لے رہی تھیں اور وہ کشیدہ اعصاب کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر اچانک اسے کسی گیدڑ کے رونے کی آواز سنائی دی۔ لیکن یہ گیدڑ کی آواز نہ تھی کیونکہ آخر میں وہ کسی بھیڑیے کی خوفناک آواز میں بدل گئی تھی۔ ساتھ ہی اس کی نگاہ ایک سرخ پتھر کی سل کی طرف اٹھ گئی جس پر کوئی شے متحرک تھی۔ نمران سحر زدہ ادھر دیکھتا رہا۔ ابتداء میں خوف کا احساس ہوا تھا۔ لیکن پھر کسی غیر مرئی قوت کے زیر اثر اس نے گاڑی اسٹارٹ کی اور کھنڈرات کے قریب اس جگہ لے گیا جہاں وہ متحرک شے نظر آئی تھی اور پھر اس کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ پتھریلی سل پر کوئی لڑکی بیٹھی تھی۔ بصارت نے کچھ اور کشادگی اختیار کی تو اس نے الاکشا کو پہچان لیا۔

یہ سب کچھ ناقابل یقین تھا۔ آنکھیں دھوکہ کھا سکتی تھیں بھلا۔ اس بات کے کیا امکانات تھے بھلا کہ الاکشا کھنڈرات میں بھٹک رہی ہو اور اگر وہ کسی طور یہاں آ بھی گئی ہو۔ تو وہ بھی سیدھا ادھر آ گیا۔ اس جگہ کا تصور تو ذہن کے کسی گوشے میں نہ تھا۔ بس یونہی ادھر کا رخ ہو گیا تھا۔ تو جنات کی کئی کہانیاں اس کے ذہن میں گھوم گئیں۔ بعض اوقات کوئی تصور بھی ایسی شکل اختیار کر لیتا ہے اور اس شکل میں نظر آنے والا وجود حقیقی نہیں ہوتا۔

لیکن وہ شکل الاکشا کی ہی تھی۔ اس کے چہرے پر وحشت تھی اور آنکھیں اس کی سونے کی مانند سنہری اور چمکدار تھیں اور ان میں کوئی پتلی نہیں تھی۔ بال بکھرے ہوئے اور وہ جانوروں کی طرح دونوں ہاتھ سل پر ٹکائے بیٹھی تھی۔ نمران اپنے بدن کی خوفزدہ لرزشوں کو چھپانے کی کوشش کرتا رہا۔ اعصاب چیخ رہے تھے اور وحشت کہہ رہی تھی کہ فوراً یہاں سے گاڑی لے کر بھاگ جائے اور جان بچائے۔ لیکن دل کی آواز کچھ اور تھی وہ اگر الاکشا کی شکل میں ہے تو اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ الاکشا کے نام پر اگر کوئی نقصان بھی پہنچ جائے تو اس کی پروا نہیں ہونی چاہیے۔ اس شکل کو دیکھنے کے بعد کسی اور چیز کو دیکھنے کی گنجائش نہیں ہے۔

دل کی آرزو نے اعصاب کو سنبھالا اور وہ دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا۔ لیکن الاکشا کی دہشت زدہ صورت دیکھ کر وہ اس بات کے لیے تیار تھا کہ اگر وہ اس پر حملہ کر دے تو نمران اپنے آپ کو بچا سکے۔ الاکشا

اسی طرح بیٹھی اسے دیکھتی رہی پھر اس کے ہونٹ مسکراہٹ کے انداز میں کھنچ گئے اور اس کی آنکھیں حلقوں میں گردش کرنے لگیں۔ ساتھ ہی اس نے اپنے جسم کی پوزیشن بھی تبدیل کر لی تھی۔ یہ ہولناک منظر اگر کسی اور کے سامنے آتا تو شاید اس کا کلیجہ ہی پھٹ جاتا۔ لیکن نمران کو ان لمحات میں شدید احساس ہو گیا تھا کہ الانشا اس کے وجود کی گہرائیوں میں کہیں ایسی جگہ جا بیٹھی ہے۔ جہاں سے اسے نکال دینا ممکن نہیں ہے اور وہ ہر خطرہ مول لینے کے لیے تیار ہو گیا اور پھر وہ الانشا کے پاس پہنچ گیا اس نے نجانے کس طرح اپنے حواس کو مجتمع کر کے اسے آواز دی۔

"الانشا......"

اور الانشا نے ایک بار پھر وہی ہذیانی قہقہہ لگایا جسے پہلی بار سن کر نمران نے یہاں کار روکی تھی۔ یوں لگتا تھا۔ جیسے کھنڈرات کی ہر چٹان ہر دیوار نے وہ آواز اگل دی ہو اور نمران کے قدم ایک دم رک گئے بہرطور انسان ہی تھا اور اس سحر زدہ ماحول میں تنہا۔ لیکن اس نے ہمت کا دامن نہ چھوڑا اور پھر اپنے آپ سنبھال کر دو قدم آگے بڑھا اور الانشا کے بالکل قریب پہنچ گیا۔

"الانشا۔" اس بار اس کے لہجے میں غراہٹ پیدا ہو گئی تھی۔ لیکن الانشا نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو۔ الانشا......؟"

"ناہ...... بوشا...... ناہ فی بوشا...... الانشا نے خون منجمد کرنے والے لہجے میں جواب دیا اور نمران اس کے بالکل قریب پہنچ گیا۔

"کیا کر رہی ہو یہاں تم۔" نجانے نمران کے اندر کون سی قوت ابھر آئی۔ اس نے آگے بڑھ کر الانشا کے بال مٹھی میں جکڑ لیے۔ اب اس کی آنکھوں میں بھی وحشت جھانکنے لگی تھی۔ غالباً یہ خوف کی انتہا تھی۔ جو ختم ہونے کے بعد دلیری میں ڈھل گئی۔ اس نے زور سے الانشا کے بالوں کو جھٹکا دیا اور الانشا ایک جھٹکے سے چٹان سے نیچے آ رہی۔ اس کے دونوں پاؤں زمین پر ٹکے لیکن نمران نے اسے گرنے نہیں دیا۔ دفعتہً ہی الانشا کی آنکھوں کی وہ چمک مدھم پڑنے لگی اور نمران اسے گھسیٹتا ہوا گاڑی تک لے آیا۔ پھر اس نے گاڑی کا پچھلا دروازہ کھول کر الانشا کو اندر دھکا دے دیا وہ ہر قسم کے خوف سے بے نیاز ہو چکا تھا۔ جسم اندر سے پھنا جا رہا تھا۔ اس کیفیت کو نہ تو وہ غصے کا نام دے سکتا تھا اور نہ خوف کا۔ بس ایک عجیب سی اعصابی کشیدگی اس پر طاری تھی اور دل چاہ رہا تھا کہ وہ الانشا کو مارے...... اچھی طرح اس کے رخساروں پر تھپڑ لگائے یہ تو اس نے نہ کیا کیونکہ الانشا نے کوئی مدافعت نہیں کی تھی۔ لیکن بہرطور اس نے اسے بڑی بے دردی سے کار کے اندر ٹھونس دیا تھا۔ پھر وہ اسے گھورتے ہوئے بولا۔

"یہاں کیا کر رہی تھیں تم۔ کیا کر رہی تھیں یہاں؟"

اسے یوں محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے عقب سے بہت سے قدم دوڑتے ہوئے اس کی جانب آ رہے ہوں اور اگر وہ ایک لمحے کے اندر کار میں نہ جا بیٹھا تو آنے والے اسے دبوچ لیں گے۔ چند لمحات وہ اسی طرح رہا اور پھر اپنی جگہ سے جنبش کر کے بمشکل تمام کار کے اسٹیرنگ پر آ بیٹھا نجانے کس طرح اس نے کار اسٹارٹ کی اور اسے آگے بڑھا دیا۔ بدروحیں اب بھی اسے اپنا تعاقب کرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ البتہ

الانشا کی طرف سے کوئی تحریک نہ ہوئی تھی۔ اس علاقے سے نکلنے کے بعد اس کے حواس کسی قدر درست ہوئے اور اس نے عقب نما آئینے کی پوزیشن تبدیل کی۔ الانشا سیٹ پر تقریباً دراز ہو گئی تھی اور عقب نما آئینے میں نمایاں نہیں تھی۔ تاہم نمران اس کی طرف سے کسی بھی کارروائی کا منتظر رہا اور کار سڑک پر دوڑتی رہی۔ کافی دور نکل آنے کے بعد وہ کس قدر مطمئن ہو گیا تھا۔ پھر اس نے کار کی رفتار سست کی بریک پر ہلکا سا دباؤ ڈالا اور گردن گھما کر پیچھے دیکھا اور کافی مطمئن ہو گیا۔ کیونکہ الانشا گھٹنوں میں سر دیے بیٹھی ہوئی تھی اور اس کی آنکھیں بند تھیں نمران نے گہری گہری سانسیں لیں اور پھر اپنے اگلے قدم کے بارے میں سوچنے لگا۔ فیصلہ یہی کیا تھا کہ الانشا کو خان صاحب کے گھر لے جایا جائے۔ اس کے علاوہ اور کیا کرتا۔

چنانچہ ایک بار پھر اس نے کار تیز رفتاری سے دوڑانا شروع کر دی اور تھوڑی دیر کے بعد خان صاحب کی کوٹھی پر پہنچ گیا۔ کوٹھی میں سناٹا چھایا ہوا تھا لیکن اندرونی کمرے روشن تھے۔ جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ خان صاحب کے ہاں لوگ جاگ رہے ہیں۔ ظاہر ہے سونے والی بات بھی نہیں تھی۔ پھر جب وہ اندر پہنچا تو اس نے کرنل مقبول کی گاڑی بھی دیکھی۔ وہ یہیں آ گئے۔ چنانچہ اس نے کار کا ہارن بجایا اور چند ہی لمحات کے بعد ملازم اور کرنل مقبول اور خان صاحب باہر نکل آئے۔ نمران کی گاڑی دیکھ کر وہ اس کی طرف لپکے شہباز خان نے دور ہی سے کہا۔

"نمران بیٹے کچھ......"

نمران دروازہ کھول کر نیچے اتر آیا اور اس نے شہباز خان کے پاس پہنچ کر کہا۔

"وہ عقبی سیٹ پر لیٹی ہوئی ہے۔"

"کیا؟" دونوں اچھل پڑے اور فوراً ہی عقبی دروازے کے نزدیک آ گئے۔ شہباز خان نے جلدی سے دروازہ کھول دیا اور الانشا کا پاؤں پکڑ کر زور زور سے ہلانے لگے۔

"الانشا...... الانشا...... الانشا بیٹی۔"

"نہیں انکل غالباً وہ سو رہی ہے۔ یا پھر...... یا پھر......"

نمران نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا کرنل بھی گہری نگاہوں سے الانشا کو دیکھ رہے تھے۔ خان صاحب نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر خود ہی آگے بڑھ کر الانشا کو باہر کھینچنے لگے۔ ملازموں کو آگے بڑھ کر الانشا کے بدن کو ہاتھ لگانے کی جرأت نہیں ہوئی تھی۔ البتہ کرنل مقبول نے خان صاحب کا ساتھ دیا۔ الانشا کے دونوں بازو ان دونوں نے اپنے شانوں پر رکھے اور اس کے جسم کو سہارا دے کر اسے اندر لے جانے لگے۔ وہ بالکل ہی بے جان نظر آ رہی تھی۔ نمران نے گاڑی کا دروازہ بند کیا اور پھر ان کے پیچھے چل پڑا۔ الانشا کو اس کے کمرے ہی میں لایا گیا تھا۔ بلقیس جہاں باہر آوازیں سن لی تھیں۔ چنانچہ وہ بھی دوڑی ہوئی آ گئی تھیں۔

انہوں نے الانشا کو دیکھا اور ان کے حلق سے ایک سسکی بھری آواز نکل گئی۔ جس کے کوئی معنی نہ تھے۔ وہ خاموش رہی تھیں۔ البتہ جب الانشا کو بستر پر لٹا دیا گیا تو وہ بے اختیار روتی ہوئی اس پر جھک گئیں۔

"الانشا، الانشا بیٹی کیا ہو گیا تجھے۔ کہاں چلی گئی تھی یہ۔ نمران یہ کہاں چلی گئی تھی......؟"

"تم اسے سنبھالو میں نمران سے معلوم کرتا ہوں کہ یہ اسے کہاں سے ملی" خان صاحب نے کہا اور

پھر دروازے کی جانب بڑھتا ہوا بولا۔

"آؤ نمران...... آیئے کرنل صاحب دوسرے کمرے میں بیٹھیں گے ویسے اس کی حالت زیادہ خراب نہیں معلوم ہوتی۔ میرا مطلب ہے......" شہباز خان خود بھی نہیں جانتے تھے کہ ان کا کیا مطلب ہے۔ نمران خاموشی کے ساتھ باہر نکل آیا۔ شہباز خان نے اپنے کمرے میں پہنچتے ہی کہا۔

"کہاں ملی یہ؟"

"کھنڈرات میں۔" نمران نے جواب دیا۔

"تنہا تھی؟"

"جی۔"

"کس عالم میں تھی؟"

"کیا عرض کروں انکل کچھ سمجھ میں نہیں آرہا بہت ہی خوفناک کیفیت تھی الاکشا کی۔ وہ دیوانوں کی طرح قہقہے لگا رہی تھی اور اس کے حلق سے بھیڑیوں جیسی آوازیں بھی بلند ہو رہی تھیں۔ بالکل اسی طرح جیسے ویرانے میں بھیڑیے چیخ کر کسی کو بلاتے ہیں۔ غالباً اپنے ہم نسلوں کو۔" کرنل مقبول نے متحیرانہ نگاہوں سے شہباز کو دیکھا۔ شہباز خان کے چہرے پر البتہ حیرت کے آثار نہیں تھے۔ نمران نے کہا۔

"انکل آپ کا کیا خیال ہے، یہ کس قسم کا دورہ ہو سکتا ہے؟"

"معلوم نہیں بیٹے کیا کہا جا سکتا ہے۔"

"انکل کیا پہلے بھی کبھی ایسا کوئی دورہ پڑ چکا ہے؟"

نمران نے سوال کیا اور شہباز خان کسی سوچ میں گم ہو گئے۔ شدید کشمکش کا شکار تھے۔ اگر کرنل اور نمران یونہی عام سے افراد ہوتے تو کوئی بات نہ تھی۔ وہ ٹال دیتے لیکن اب ان لوگوں کا تعلق بھی براہ راست الاکشا سے ہو چکا ہے اور الاکشا کی جو کیفیت ان کی نگاہوں کے سامنے آئی تھی اس کے بعد صورت حال میں تبدیلی کے امکانات تھے۔ اسی سوچ بچار میں مبتلا تھے کہ کچھ کہیں یا نہ کہیں تاہم جواب دینا ضروری تھا۔

"نہیں پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔"

"پچھلے کچھ دنوں سے اس پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہے۔ پارٹی کے دن ہی نہیں۔ اس سے پہلے بھی میں نے اپنے طور پر اس کی کیفیت میں تبدیلیاں محسوس کی ہیں۔ حالانکہ انکل کچھ عرصہ پہلے یہ بالکل نارمل تھی۔ معاف کیجئے گا میں ذرا بے تکلفی سے بول رہا ہوں۔ مگر میں الاکشا کے لیے سخت پریشان ہوں۔"

"میں جانتا ہوں بیٹے پتا نہیں کیا ہو گیا۔ اب میں تم سے مشورہ کرنا چاہتا ہوں کہ اس سلسلے میں کیا کیا جائے۔"

"ہمیں تو پہلے یہ سوچنا ہوگا الاکشا کی اس کیفیت کا محرک کیا ہے؟" کرنل مقبول خان نے پرخیال انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں انکل اگر یہ کوئی مرض ہے تو آخر اس کی کوئی وجہ تو ہوگی۔ میرے خیال میں ہم فوری طور پر مختلف ڈاکٹروں سے رجوع کریں اور ان کے سامنے یہ تفصیل رکھ کر ان سے مشورہ مانگیں۔ تاکہ اگر کوئی ذہنی

مسئلہ ہے تو اس کا حل فوری طور پر دریافت ہو جائے اور مرض کو آگے نہ بڑھنے دیا جائے۔"

"بالکل میں تم سے متفق ہوں۔ میرا خیال ہے۔ کرنل صاحب کل دن میں اس کی کیفیت دیکھ لیتے ہیں۔ اس کے بعد میں آپ سے ملاقات کروں گا اور پھر ہم اس سلسلے میں کوئی کارروائی کریں گے۔"

"بالکل ٹھیک ہے۔ تم اپنے آپ کو تنہا نہ سمجھنا۔ شہباز خان اور پھر یہ تنہائی کی بات بھی نہیں ہے۔ الاکشا سے تمہارے علاوہ بھی ہمارا ایک رابطہ ہے۔ چنانچہ اس مسئلے کو مل جل کر ہی حل کرنا ہوگا۔"

کرنل مقبول نے کہا۔ شہباز خان مغموم انداز میں گردن ہلانے لگا۔ پھر وہ کرنل اور نمران کو باہر تک چھوڑنے آیا تھا۔ جب وہ دونوں چلے گئے تو شہباز خان اس کمرے میں پہنچ گیا جہاں بلوشہ الاکشا کے سرہانے بیٹھی اس کے بال درست کر رہی تھی۔ شہباز خان نے بغور الاکشا کا جائزہ لیا اس کے چہرے پر ایک عجیب سی ویرانی پھیلی ہوئی تھی۔ حلیہ بھی بری طرح بگڑ گیا تھا۔ بلوشہ نے روتے ہوئے کہا۔

"یہ کیا ہو گیا میری بچی کو کس کی نظر لگ گئی اسے۔ یہ تو کسی پھول کی طرح شگفتہ تھی۔ دیکھو تو چہرہ کیسے ماند پڑ گیا ہے۔ خدا کے لیے میری بچی کو کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھاؤ۔ یہ آخر اسے کیا ہو گیا۔ کیا کہہ رہا تھا نمران کہاں ملی یہ؟" شہباز خان نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ تنہا ہی اس راز کا امین تھا اور اب تک اس نے کسی کو بھی الاکشا کی تفصیل نہیں بتائی تھی لیکن اب وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اس الجھن کو بھی تنہا ہی برداشت کرے یا پھر کسی کو اس میں اپنا راز دار بنا لے دیر تک وہ سوچتا رہا تھا۔

بلوشہ خاموش ہو گئی تھی۔ دونوں ہی کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے۔ بلوشہ تو بس اس پریشانی کا شکار تھی کہ جانے الاکشا کی یہ کیفیت کیوں ہو گئی لیکن شہباز خان کے دل پر جو بیت رہی تھی، وہی جانتا تھا پھر بہت غور و خوض کے بعد اس کے ذہن میں ہرمیت سنگھ کا خیال آیا۔ بے شک کرنل مقبول ایک قابل اعتماد انسان تھے۔ نمران بھی اچھا نوجوان تھا لیکن جو کہانی الاکشا سے وابستہ تھی۔ وہ ان لوگوں کو سنائی جاتی تو شاید وہ بھی یقین نہ کرتے جب کہ ہرمیت خود بھی ان معاملات میں براہ راست ملوث تھا بہت عرصے سے ہرمیت کی خبر بھی نہیں ملی تھی۔

چنانچہ شہباز خان نے سوچا کہ کسی طور ہرمیت سنگھ سے رابطہ قائم کرنا چاہیے۔ لیکن ادھر شہباز خان طویل عرصے کے بعد الاکشا کے مسئلے میں الجھنوں کا شکار ہوا تھا ادھر ہرمیت سنگھ بھی پراسرار واقعات سے محفوظ نہ رہا تھا ادھر بھی ایک انوکھی کہانی کا آغاز ہو گیا تھا۔

ہرمیت سنگھ کا کاروبار خوب جم گیا تھا۔ اس نے تیل کی صنعت اپنائی تھی اور اس وقت پورے ملک میں تیل کا اس سے بڑا کاروباری کوئی نہ تھا۔ چار بچے تھے اس کے، دو بیٹے، دو بیٹیاں۔ سندری بہت اچھی بیوی تھی اور یہ خاندان بہت معزز خاندانوں میں شمار ہوتا تھا۔ بہت سے لوگوں سے شناسائی ہو گئی تھی اور زندگی سکون سے بسر ہو رہی تھی لیکن شہباز خان سے دوستی اپنی جگہ انفرادیت رکھتی تھی اور دونوں خاندانوں کے راہ و رسم بدستور تھے۔ زندگی نے بے شک نیا رخ اختیار کر لیا تھی لیکن نقش اول نقش آخر ہی تھا اور روز ہی خان کے تذکرے ہوتے تھے۔

بچوں سے مہم جوئی کی داستانیں دہرائی جاتی تھیں اور ان داستانوں میں شہباز خان کا تذکرہ پیش

پیش ہوتا اور اس کے علاوہ نوادرات کا شوق بہ دستور تھا بلکہ اب تو بہتر وسائل کے تحت اس شوق میں اضافہ ہی ہو گیا تھا۔ اس کا وسیع و عریض نوادر خانہ پوری کوٹھی کے پیچھے پھیلا ہوا تھا اور یہ حسین ترین جگہوں میں شمار ہوتا تھا۔ ہرمیت سنگھ نے اسے نہایت نفاست سے آراستہ کیا تھا۔ کچھ ہم ذوق بھی مل گئے تھے، جن میں دو نام پیش پیش تھے۔ ایک چرن گپتا، دوسرے پروفیسر حاتم آفریدی، جو ماہر آثار قدیمہ تھے۔ ان دونوں نے اس نوادر خانے کو دنیا کا بہترین نوادر خانہ قرار دیا تھا بلکہ پروفیسر حاتم آفریدی نے تو اس پر ایک مضمون بھی لکھا تھا جو دوسری زبانوں میں بھی شائع ہوا تھا۔ اکثر آفریدی اس نوادر خانے کو دیکھنے آتے تھے البتہ اس سلسلے میں بھی ہرمیت سنگھ نے ایک معیار قائم کیا تھا اور ہر ایرے غیرے کو یہ نوادر خانہ نہیں دکھایا جا سکتا تھا۔

پھر ایک دن پروفیسر آفریدی نے ہرمیت سنگھ سے ملاقات کی اور کہا۔

"سنگھ جی! کچھ تکلیف دینی ہے آپ کو۔"

"فرمایئے پروفیسر!"

"کیا آپ نے پروفیسر مارک ڈان کا نام سنا ہے؟"

"کچھ ذہن میں نہیں ہے۔"

"زندگی نامی کتاب ذہن میں ہے؟"

"سمجھ گیا۔ یہ بہت بڑی کتاب ہے۔ وہ تو مارک ڈان بھی یاد آ گئے جو اس کے مصنف ہیں۔ انہوں نے عجائبات عالم کا بہت گہرا تجزیہ کیا ہے۔"

"گویا وہ کتاب پڑھی ہے آپ نے؟"

"میری پسندیدہ ترین کتاب ہے۔"

"میں مبارک باد دیتا ہوں آپ کو کہ پروفیسر مارک ڈان یہاں آئے ہیں اور صرف آپ سے ملاقات کرنے۔"

"او وہ واقعی بڑے اعزاز کی بات ہے مگر انہیں میرے بارے میں کیسے معلوم ہوا؟"

"وہ بس میرا مضمون پڑھا تھا، چنانچہ یہاں آ کر انہوں نے مجھ ہی سے رابطہ قائم کیا۔"

"آپ نے بڑی عزت بخشی ہے پروفیسر صاحب! مارک بہت بڑی شخصیت کے مالک ہیں۔ میں تو اس پائے کے لوگوں سے ملاقات کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔" ہرمیت نے کہا۔

"تو پھر جو دن بھی مقرر کر دیں۔" پروفیسر آفریدی نے کہا۔

"پروفیسر کا قیام کہاں ہے؟"

"ہوٹل میں ٹھہرے ہیں۔ ان کے کچھ ہم عصر بھی ساتھ ہیں۔ پانچ افراد کا گروپ ہے۔"

"میں اس اعزاز کے حصول کے لیے ہر وقت تیار ہوں۔ دن کا تعین بھی آپ ہی کریں پروفیسر!"

"کل کا دن کیا برا ہے؟"

"تو کل لنچ میرے ساتھ ہو گا۔ آپ انہیں دعوت دے دیں۔" ہرمیت سنگھ نے کہا۔ پھر جلدی سے بولا۔ "یا آپ حکم دیں تو میں خود وہاں چل کر......"

"او نہیں ڈیئر ہرمیت! اب اتنا بھی نہیں چاہوں گا اپنے اہل وطن کے لیے۔ یہ لوگ غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔"

پروفیسر آفریدی نے مسکراتے ہوئے کہا اور ہرمیت سنگھ شانے ہلا کر خاموش ہو گیا۔ پروفیسر آفریدی کہنے لگے۔

"تو پھر کل بارہ بجے ہم آپ کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔ ویسے پانچ افراد کا گروپ آئے گا، آپ ذہن میں رکھیں۔"

"میں آپ کے سواگت کے لیے تیار رہوں گا۔" ہرمیت سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا اور پروفیسر آفریدی رخصت ہو گئے۔

دوسرے دن ہرمیت سنگھ نے بڑا اہتمام کیا تھا اور چرن گپتا کو بھی بلوایا تھا۔ اچھا خاصا اجتماع ہو گیا پھر انہوں نے پروفیسر مارک ڈان کا پر جوش استقبال کیا۔ مارک ڈان کے ساتھیوں کا تعارف کرایا گیا۔ چاروں دوسرے لوگ بھی انہی تمام چیزوں سے متعلق تھے۔ مسٹر کریمن بھی آثار قدیمہ کے ماہر تھے اور نوادرات میں دلچسپی رکھتے تھے۔ دوسرے مسٹر شروک تھے، جن پورا نام شروک بلاسم تھا۔ یہ سب سے متاثر کن شخصیت تھی۔ پروفیسر شروک بلاسم کا تعارف کراتے ہوئے کہا گیا کہ وہ قدیم زبانوں کے ماہر ہیں اور اپنے فن میں یکتا۔ وہ ہر طرح کی قدیم زبانیں اور نقش پڑھ لیا کرتے ہیں۔

ہرمیت سنگھ سے مل کر وہ سب ہی خوش ہوئے تھے۔ ہرمیت سنگھ نے انہیں نشست گاہ میں بٹھا کر چائے پیش کی اور اس دوران نوادرات کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی۔ پروفیسر مارک ڈان کی کتاب "زندگی" بھی زیر بحث آئی اور ہرمیت سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اسے میں اپنی خوش بختی ہی سمجھتا ہوں پروفیسر کہ وہ کتاب اتفاق سے مجھے مل گئی، ورنہ میں ٹھہرا کاروباری آدمی، بلکہ اصولی طور پر تو میں زمیں دار ہوں اور درحقیقت ان تمام چیزوں کی اہلیت نہیں رکھتا کہاں آپ لوگ اور کہاں میں۔ بس یوں سمجھئے کہ جوانی کی عمر مہمات میں گزری سیر و شکار۔ زمیں داری کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں، چنانچہ مجھے ان کے مواقع بھی ملتے رہے ہیں اور اس دوران نادر اشیا جمع کرنے شوق پیدا ہو گیا اور اس شوق کو میں آج تک ختم نہ کر سکا۔"

پروفیسر شروک بلاسم نے ہنستے ہوئے کہا۔ "کون سی جوانی کی بات کر رہے ہیں مسٹر ہرمیت سنگھ......؟ کیا اس سے پہلے بھی کبھی آپ جوان ہو چکے ہیں؟"

"جوان تو آپ آج بھی ہیں، کیا عمر ہو گی آپ کی؟" سب لوگ ہنسنے لگے تھے۔ چرن گپتا جی نے کہا۔

"اس میں کوئی شک نہیں کہ میرے دوست ہرمیت سنگھ آج بھی سو جوان کے ایک جوان ہیں اور میں ان پر فخر کرتا ہوں۔"

بہت دیر تک یہ نشست جاری رہی۔ دنیا کے نوادرات کے بارے میں گفتگو ہوتی رہی۔ بہت سے نئے نئے نام سامنے آئے۔ بہت سی تجاویز پیش کی گئیں اور پھر لنچ کا وقت ہو گیا۔ شان دار ڈائننگ ہال میں مہمانوں کی ضیافت کا بندوبست کیا گیا تھا۔ یہ تمام لوگ ہرمیت سنگھ سے بہت متاثر ہوئے۔

شروک بلاسم نے ہنستے ہوئے کہا۔

''بھئی آپ لوگوں کے درمیان سب سے عجیب شخصیت میری ہے۔ میرا باپ سکھ اور ماں انگریز تھی اور باپ سکھ بھی وہ جو بحری قزاق تھا۔ آپ لوگوں کو حیرت ہوگی کہ میں اپنے باپ کے بارے میں اس طرح بے باکی سے گفتگو کر رہا ہوں مگر حقیقت یہی ہے کہ وہ باپ میرے لیے کبھی قابل احترام نہ رہا، کیونکہ اس نے میری ماں کو ایک بحری جہاز سے اغوا کیا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ میری ماں اسے راہ راست پر لے آئی اور اس کے بعد ہم نے یورپ میں بودوباش اختیار کر لی تھی، تاہم مجھے اپنے ماں باپ سے کبھی کوئی دلچسپی نہ پیدا ہوسکی اور یہ تھوڑی سی مہم جوئی اس کے خون سے میرے خون میں منتقل ہوئی پھر میرے راستے بدل گئے۔'' شروک بلاسم کے اس انکشاف سے بھی متاثر ہوئے تھے۔

کھانے سے فراغت کے بعد پروفیسر شروک بلاسم کی فرمائش پر سب نوادرات خانے میں پہنچ گئے اور پروفیسر حیران رہ گیا۔ اس نے اسے دنیا کا بہترین نوادر خانہ قرار دیا تھا اور یہاں کی ایک ایک شے کو بڑی گہری نگاہ سے دیکھا تھا پھر وہ لاش کے پاس پہنچ گیا جس کا تعلق مصر سے نہیں تھا لیکن قدیم مصر کے طریق حنوط کی مظہر تھی۔

پروفیسر کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

''اوہ میرے خدایا...... ! یہ کیا ہے، گویا تمہاری پہنچ...... مگر اس کے نقوش مصر سے تعلق نہیں رکھتے، یہ تم نے کہاں سے حاصل کی مسٹر......''

''اس کی کہانی بھی میری زندگی کی دلچسپ......''

ہرمیت سنگھ نے لاش کو دیکھتے ہوئے کہا اور پھر بے اختیار چونک پڑا۔ اس نے کوئی عجیب بات دیکھی تھی اس لیے اس کے الفاظ ادھورے رہ گئے، لیکن دوسرے تمام لوگ چونکہ اس لاش کی طرف متوجہ تھے اس لیے انہوں نے ہرمیت سنگھ کے ادھورے جملے پر توجہ نہ دی۔ چند لمحات کے بعد پروفیسر مارک ڈان نے کہا۔

''یہ عجیب ہے، بے حد عجیب۔ کم از کم مصر میں مصر کے کسی علاقے میں یہ نقوش نہیں ملے۔ طریق حنوط میں بھی فرق ہے، بلاشبہ یہ قابل تحقیق ہے۔ آپ اس کے بارے میں کچھ بتا رہے تھے مسٹر ہرمیت سنگھ!''

''ایں...... جی ہاں...... جی۔'' ہرمیت سنگھ نے سنبھل کر کہا اور کچھ کھوسا گیا۔ ''میں کہہ رہا تھا کہ اس کہانی میں بھی میری زندگی کی ایک دلچسپ کہانی ہے۔''

''یہ نایاب شے آپ کو کہاں سے دستیاب ہوئی؟''

''ہمارے ہی وطن کے ایک علاقے سے۔'' ہرمیت سنگھ نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ پھر اس نے لاش کے حصول کی پوری کہانی سنا دی، جس میں اس بچی کا ذکر بھی آیا تھا جو حیات تھی اور مہذب دنیا میں پرورش پا رہی تھی۔ پروفیسر مارک ڈان اور دوسرے لوگ یہ کہانی سن کر ششدر رہ گئے تھے۔

''خدا کی پناہ...... کیا یہ اس صدی کی سب سے انوکھی بات نہیں ہے؟'' پروفیسر مارک ڈان نے کہا۔

''لیکن مسٹر ہرمیت سنگھ! آپ کو اس بارے میں جستجو نہیں ہوئی کہ کسی طرح یہ کہانی معلوم کریں؟''

مسٹر کریمن نے پوچھا۔

''ہم آپ کی طرح وسائل نہیں رکھتے مسٹر کریمن! اور پھر میں آپ سے یہ بھی عرض کر چکا ہوں کہ میں ہم جو ہوں، محقق نہیں۔ میں تو یہ نقش بھی نہیں سمجھ سکا۔''

''نقش......؟'' پروفیسر شروک بلاسم نے چونک کر کہا۔

''میں دکھاتا ہوں۔'' ہرمیت سنگھ نے کہا اور ایک طرف بڑھ گیا۔

وہ ایک چوکور بکس کے پاس پہنچ گیا اور ایک بار پھر اس کے چہرے پر حیرت نظر آئی۔ وہ بے چینی سے ادھر ادھر دیکھنے لگا تھا۔ چرن گپتا تعجب سے ہرمیت سنگھ کو دیکھ رہا تھا۔ چوکور بکس خالی تھا اور چمڑے پر بنے ہوئے وہ نقش جو اس لاش کے پاس سے دستیاب ہوئے تھے۔ اس بکس میں موجود نہ تھے۔ ہرمیت سنگھ دوبارہ لاش کے پاس آیا۔ اس نے شیشے کا وہ تابوت کھولا اور اس پر جھک گیا۔ چمڑے کا رنگین کونا اسے لاش کی کمر کے نیچے نظر آ گیا تھا۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں سے پہلی بار انہیں یہ نقش دستیاب ہوئے تھے۔ ہرمیت نے لاش کو تھوڑا سا سرکایا اور چمڑا باہر کھینچ لیا اور اسے شروک کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا۔

''یہ ہیں وہ نقش جو مجھے اس لاش کے پاس سے دستیاب ہوئے تھے۔''

شروک سنسنی خیز نظروں سے چمڑا دیکھنے لگا تھا اس نے گردن ہلاتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

''بے حد عجیب...... بہت پراسرار......''

ہرمیت سنگھ نے کوئی جواب نہ دیا اور نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا لیا۔ وہ اب ذہنی ہیجان کا شکار نظر آ رہا تھا اور مہمانوں کے سامنے خود پر قابو پانے میں کوشاں تھا۔

''ہم اس کی تصاویر بنا سکتے ہیں مسٹر ہرمیت سنگھ!'' پروفیسر نے پوچھا۔

''ضرور...... کیوں نہیں؟''

''بے حد شکریہ۔ ویسے اگر آپ کی اجازت ہو تو ہم اس کے بارے میں تحقیق بھی کریں گے۔ میں چند ماہ کچھ مصروف ہوں۔ فرصت ملتے ہی آپ کو زحمت دوں گا اور ہم اس علاقے کا دورہ کریں گے جہاں سے آپ کو یہ انوکھی شے دریافت ہوئی، اگر آپ اس وقت ہمارا ساتھ دے سکیں تو ٹھیک ہے ورنہ ہم صرف آپ سے تفصیلات پوچھیں گے۔ میں اسے اس صدی کی سب سے حیرت انگیز چیز قرار دیتا ہوں۔ خاص طور پر وہ بچی میرے لیے بہت تعجب خیز ہے جو زندہ ہے اور اس کا تعلق اس انوکھی لاش سے ہے؟''

''ضرور پروفیسر! ہو سکتا ہے اس طرح مجھے بھی اس کے بارے میں کچھ معلوم ہو جائے اور الاکشا...... میرا مطلب ہے کہ اس بچی کا راز بھی کھل جائے گا؟'' ہرمیت سنگھ نے کہا۔

''کیا وہ بچی بالکل نارمل ہے؟'' شروک بلاسم نے پوچھا۔

''بالکل بڑی ہوگئی ہے۔ وہ تعلیم حاصل کر رہی ہے۔ خوش ہے۔''

''تعجب ہے۔ ہم اسے ایک عام بات بھی کہہ سکتے ہیں، لیکن سب سے حیرت ناک چیز یہ ہے کہ عورت کی لاش کو حنوط کیا گیا ہے اور شاید قدیم مصر کے طریقہ حنوط سے بہتر طریقے سے، اگر یہ کوئی عام بات بھی ہے تو کم از کم ان لوگوں کے بارے میں معلومات دلچسپ ہوں گی جنہوں نے یہ طریقہ استعمال کیا۔''

''بلاشبہ پروفیسر......!'' ہرمیت سنگھ نے کہا۔

"بہرحال مسٹر ہرمیت سنگھ! اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہاں آ کر ہمیں بے پناہ خوشی حاصل ہوئی ہے اور آپ کے اس نوادر خانے کو ہم دنیا کا بہترین نوادر خانہ کہہ سکتے ہیں۔ میں آئندہ جب نئی تحقیقات کے بارے میں کچھ لکھوں گا تو اس میں آپ کے اس نوادر خانے کا نام سرفہرست ہوگا اور میں اسے اس کا صحیح مقام دوں گا۔ اس کے علاوہ یہ بات میرے اور آپ کے درمیان طے ہو چکی ہے کہ جوں ہی میں اپنی مصروفیات سے فارغ ہوا اس سلسلے میں تحقیق کے لیے آپ کو زحمت دوں گا۔"

"مجھے خوشی ہوئی پروفیسر مارک ڈان!" ہرمیت سنگھ نے کہا پھر ان لوگوں نے واپسی کی اجازت مانگ لی۔ پروفیسر آفریدی ان کے ساتھ چلے گئے تھے البتہ چرن گپتا ہرمیت سنگھ کے ساتھ تھا۔ انہیں رخصت کرنے کے بعد دونوں کوٹھی کے ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے۔ چرن گپتا نے فوراً پوچھا۔

"ہرمیت سنگھ! ایک بات بتاؤ......؟ نوادر خانے میں پہنچ کر تم ایک دم کچھ پریشان ہو گئے تھے؟"

"ہاں۔ میں اب بھی پریشان ہوں۔ دراصل میں نے وہاں کچھ تبدیلیاں دیکھی تھیں۔" ہرمیت سنگھ نے جواب دیا۔

"کیسی تبدیلیاں......؟" چرن گپتا نے پوچھا۔

"عجیب بات ہے۔ میرے اس نوادر خانے میں تین افراد کام کرتے ہیں۔ یہ تینوں میرے اعتماد کے ملازم ہیں اور میں نے کبھی ان کے اندر کوئی کوتاہی نہیں پائی۔ تینوں ہی مکمل طور پر قابل اعتماد ہیں۔ ان کے سپرد نوادر خانے کی صفائی ستھرائی کا کام ہے اور ایک ایک چیز کو چمکانا ان کی ذمے داری ہے۔ یوں سمجھ لو چرن گپتا کہ وہ مکمل طور پر اس نوادر خانے کے نگراں ہیں اور میں ان سے کوئی دوسرا کام نہیں لیتا۔ اس طویل ترین دور میں ان میں سے کسی ملازم نے کوئی چیز ادھر سے ادھر نہیں کی۔ بس ان کا اپنا کام ہوتا ہے اور اسے انجام دینے کے بعد وہ فارغ ہو جاتے ہیں۔ یہاں موسمی حالات کے تحت ان چیزوں کی حفاظت کی جو ذمے داری ہوتی ہے وہ اس ذمے داری کو بھی انجام دیتے ہیں۔ باقی تمام چیزیں اپنی جگہ جوں کی توں ہیں لیکن ایک تبدیلی نے مجھے حیران کر دیا۔"

"وہ تبدیلی کیا تھی؟" چرن گپتا نے پوچھا۔

"وہ لاش شاید تم نے پہلے بھی دیکھی ہوگی چرن گپتا......! اور ہو سکتا ہے اس کی ترتیب تمہارے ذہن میں ہو۔ ہم نے اس کے جسم کے وہ لکڑی کے زیور اتار کر ایک الگ کیس میں رکھے تھے۔ اس کی گردن میں پڑا ہوا سونے کا سانپ اس چھوٹے بکس میں تھا اور اس کے جسم کے نیچے سے برآمد ہونے والا چمڑے کا وہ ٹکڑا جس پر رنگین نقش بنے ہوئے ہیں ایک الگ چوکور بکس میں رکھا ہوا تھا لیکن میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ لاش کا لکڑی کا زیور اس کے جسم پر موجود تھا۔ سونے کا سانپ اپنے کیس سے نکل کر اس کی گردن میں آ ویزاں ہو گیا ہے اور چمڑے کی وہ تحریر بھی اسی جگہ موجود تھی جس جگہ ہم نے پہلی بار اسے دیکھا تھا۔ میں اس بات پر حیران ہوں کہ ایسا کیسے ہوا؟؟ اگر ملازموں نے یہ حرکت کی ہے تو بہت ہی غلط بات ہے۔ انہیں کسی چیز کو ہاتھ لگانے کی ممانعت تھی۔ ان میں سے کسی کی جرأت کیسے ہوئی کہ اس نے اپنے طور پر یہ سب کچھ کیا؟"

چرن گپتا کسی سوچ میں گم ہو گیا۔ پھر وہ گردن ہلاتا ہوا بولا۔

"ہاں۔ تمہاری تشویش بجا ہے واقعی جس کسی نے بھی ایسا کیا ہے اسے یہ نہیں کرنا چاہیے تھا لیکن باقی تمام چیزیں اپنی جگہ موجود ہیں اور ان ملازموں نے ان میں سے کوئی چیز چرانے کی کوشش نہیں کی۔"

"میں نے ایسے ہی ملازموں کا انتخاب کیا ہے چرن گپتا! نوادر خانے کے لیے جن پر مجھے مکمل اعتماد تھا۔ یوں سمجھ لو یہ میرے پرکھوں کے ملازم ہیں۔"

"ٹھیک ہے تحقیقات کر لو۔ جس کسی نے بھی ایسا کیا، کیوں کیا اور کوئی شخص اس کا مرتکب پایا گیا تو سزا دے سکتے ہو۔"

"بس یہ بات تھی جس نے مجھے پریشان کر دیا تھا۔ میں حیران ہوں کہ کس نے یہ جرأت کی؟" ہرمیت سنگھ نے کہا اور پھر چرن گپتا کے سامنے ہی اس نے دوسرے ملازم کے ذریعے ان تینوں ملازموں کو طلب کیا۔ ہرمیت سنگھ انہیں لے کر نوادر خانے میں پہنچ گیا۔ تینوں ملازم بے چارے اس کے اس انداز سے پریشان نظر آ رہے تھے۔

"جاگیرے! تم یہاں کوئی تبدیلی دیکھ رہے ہو؟ کوئی چیز ادھر سے ادھر ہوئی ہے؟" اس نے تینوں ملازموں کو گھورتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھا نہیں مالک؟" جاگیرے نے کہا۔

"میں نے تم لوگوں کو منع کیا تھا کہ ان میں سے کوئی چیز ادھر سے ادھر نہ ہو؟ پھر تم لوگوں نے یہ شو کیس کیوں کھولے؟"

"نہیں مالک! ہم نے کبھی ایسا نہیں کیا؟"

"جاگیرے! تم مجھ سے جھوٹ بول رہے ہو؟"

"مالک کی سوگند، اس میں کوئی بات جھوٹ نہیں ہے۔ ہم نے صرف اپنا کام کیا ہے، پر مالک ایک بات بتانا چاہتے ہیں ہم! پہلے بھی سوچ رہے تھے، لیکن پریم شرما نے کہا کہ وہم بھی ہو سکتا ہے؟"

"کیا......؟"

"مالک! ہم تینوں ایک ساتھ ہی اندر جاتے ہیں۔ کوئی ایک کام نہیں کرتا، مگر پچھلے کچھ دنوں سے ہم نے عجیب باتیں دیکھی ہیں...... تو بتا دیپک! تو نے کیا دیکھا؟" جاگیرے نے دیپک سے کہا۔

"مالک! ایک دن سونے کے اس سانپ کو اپنے بکس میں ہلتے ہوئے دیکھا تھا۔ بھگوان کی سوگند یہ شیشے کے ان بکس میں سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جاگیرا اور پریم دور کام کر رہے تھے۔ میں نے چیخ چیخ کر انہیں آوازیں دیں اور خود بھی ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔ جب یہ دونوں میرے پاس آئے تو میں نے انہیں سانپ دکھایا مگر یہ ٹھیک حالت میں تھا۔ ان سب نے میرا مذاق اڑایا۔ سو میں خاموش ہو گیا۔"

"اور تو نے پریم......!"

"بھگوان کی سوگند مالک! میں نے ایک دن پورے ہوش سے اس عورت کی آنکھیں کھلی دیکھی تھیں۔ میں برابر میں صفائی کر رہا تھا کہ میری نظر اس طرف اٹھ گئی۔ وہ مجھے دیکھ رہی تھی۔ میرے حلق سے چیخ نکل گئی اور جاگیرے اور دیپک میرے پاس آ گئے، مگر اس نے دوبارہ آنکھیں بند کر لی تھیں اور ایک بار مالک!

اس کی زبان چلتی دیکھی تھی جیسے اسے پیاس لگ رہی ہو؟"

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ تم اس انداز سے سوچتے رہے ہو گے اور تمہارے وہم نے یہ صورت اختیار کر لی۔"

"ہم نے بعد میں کوشش کی مالک! مگر پھر کوئی بات نہ دیکھی۔ کل بھی ہم نے کام کیا تھا مالک! یہ چیزیں اپنی جگہ تھیں۔"

"اور اس وقت یہ سب کچھ بدل گیا۔" ہرمیت سنگھ غصے سے بولا۔

"ہم جھوٹ نہیں بول رہے مالک!"

کوئی مسئلہ حل نہیں ہوا تھا لیکن ہرمیت کو یقین تھا کہ ان تینوں نے ہی یہ حرکت کی ہوگی۔ چرن کپتا بھی اس بارے میں کوئی رائے نہیں دے سکتا تھا۔ بہر حال بات کو ٹالنے کے علاوہ اور کیا کیا جا سکتا تھا، لیکن ہرمیت سنگھ کے ذہن کو کریدی لگ گئی۔ وہ دن بھر اسی سوچ میں گم رہا تھا، اگر نوکر جھوٹ نہیں بول رہے تھے تو پھر یہ کیا اسرار ہے۔ رات کو ضروری کاموں سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اس نے نوادر خانے کا رخ کیا۔ یہ جگہ اس کی جوانی کی یادگار تھی۔ یہاں موجود ہر چیز ایک کہانی رکھتی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ کون سی چیز اس نے کہاں سے حاصل کی تھی اور اس کے لیے اس کیا جدوجہد کرنا پڑی تھی۔

اسے یہاں کی ہر چیز سے پیار تھا اور اس کے لیے یہ جگہ بہت سکون بخش تھی۔ وہ سینکڑوں بار دن اور رات کے ہر حصے میں یہاں آ چکا تھا۔ دلچسپی کے احساس کے علاوہ اسے کوئی اور احساس کبھی نہیں ہوا تھا، لیکن آج...... آج رات کے اس ابتدائی حصے میں۔ نہ خانے کے اندر موجود اس نوادر خانے میں داخل ہوتے ہوئے۔ نہ جانے کیوں اسے خوف کا سا احساس ہوا تھا اور اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرد لہریں دوڑنے لگیں اور اس کے قدم رک گئے پھر اس نے خود کو سنبھالا اپنے آپ پر ہنسا اور آگے بڑھ کر نوادر خانے میں داخل ہو گیا۔ اس کے قدم شیشے کے تابوت کی طرف اٹھ گئے تھے۔ تابوت کے قریب پہنچ کر اس کے ذہن کو شدید جھٹکا لگا۔ اس کی آنکھیں خوف اور حیرت سے پھیل گئی۔

یہ ایک ناقابل یقین منظر تھا۔ آنکھوں کا دھوکا یا پھر محض احساس لیکن جو نظر آ رہا تھا اسے دھوکا تو نہیں کہا جا سکتا تھا۔ شوکیس میں موجود لاش کروٹ بدلے لیٹی تھی۔ دن میں وہ چت تھی اور اس وقت بھی جب وہ ملازموں کے ساتھ اندر آیا تھا لیکن اس وقت وہ بائیں سمت کروٹ بدلے ہوئے تھی۔ اس کروٹ کے ساتھ اس کے بدن پر موجود چیزوں کی ترتیب بھی بدل گئی تھی۔ کمر کے نیچے نظر آنے والا چمڑے کا ٹکڑا واضح تھا اور ہرمیت سنگھ جانتا تھا کہ یہ سب کچھ کسی نے نہیں کیا۔ چابیاں اس کے پاس موجود تھیں دفعتاً ہرمیت سنگھ کا دل بہت زور سے دھڑکا اور وہ خوف زدہ ہو کر دروازے کی طرف دوڑ پڑا۔ بمشکل تمام اس نے دروازے کا تالا لگایا تھا۔ تالا لگاتے ہوئے بھی اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔

کوٹھی سنسان پڑی تھی۔ سب سو رہے تھے۔ وہ ہانپتا ہوا اپنے کمرے میں پہنچا اور بستر پر گر پڑا۔ دل اب بھی بری طرح دھڑک رہا تھا۔ کیا ہے یہ سب کچھ کیا ہے؟ یہ سب کیسے ہوا؟ کیا یہ لاش...... کیا اس میں زندگی دوڑ رہی ہے؟ ناممکن اتنے طویل عرصے کے بعد... اتنے عرصے کے بعد یہ کیسے ہو سکتا ہے اور اگر ایسا

ہے تو اب کیا کیا جائے کہیں کچھ ہو نہ جائے۔

رات بھر وہ بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہا۔ یہ سب کیا ہے اور اسے کیا کرنا چاہیے پھر اسے شہباز خان یاد آیا۔ اس کے علاوہ کوئی نہ تھا جس سے اس بارے میں بات کی جائے۔ وہی صحیح مشورہ دے سکتا تھا۔ ہاں یہ درست ہے۔ کل ہی جوہر آباد چلا جائے۔ کل ہی۔ بمشکل تمام صبح ہوئی تھی اس نے خود کو سنبھالا، غسل کیا اور ناشتے کے لیے چل پڑا۔ ناشتے کے کمرے میں داخل ہی ہوا تھا کہ اس کے بیٹے نے اسے ایک کاغذ دیتے ہوئے کہا۔

بابو جی! یہ جوہر آباد سے تار آیا ہے۔"

"تار......؟"

"ہاں۔ شہباز خان چاچا کا ہے۔" اس نے کاغذ لے کر پڑھا، لکھا تھا۔ "ہرمیت سنگھ! میں عجیب و غریب حالات کا شکار ہو گیا ہوں۔ فوراً جوہر آباد آ جاؤ۔" ہرمیت سنگھ کی پریشانیاں عروج پر پہنچ گئی تھیں۔ شہباز خان سے فاصلہ تھا، لیکن دلوں کے فاصلے کبھی کم نہیں ہوتے تھے۔ وہ اپنی پریشانی بھول گیا۔ ہانپتا ہوا سندری کے پاس پہنچ گیا۔

"سندری جلدی سے میرے دو جوڑے تیار کر دو۔ جوہر آباد جا رہا ہوں۔ شہباز خان کا تار آیا ہے۔ وہ کسی پریشانی کا شکار ہو گیا ہے۔"

"ہاں۔ پریتم مجھے بتا کر گیا ہے۔ ابھی تیار کیے دیتی ہوں مگر ٹرین کون سی ملے گی۔"

"اسٹیشن جا کر پتا لگ جائے گا جو بھی مل گئی اسی میں بیٹھ جاؤں گا۔ بس جلدی کر دو، میں کچھ ضروری چیزیں سمیٹ لوں۔"

ان ضروری چیزوں میں چیک بکیں بھی تھیں۔ نہ جانے دوست کو کیا ضرورت پیش آ جائے۔ سندری نے تیاریاں مکمل کیں اور ہرمیت سنگھ اسٹیشن چل پڑا۔ ریل بھی مل ہی گئی مگر اس کی رفتار بہت سست تھی۔ ہرمیت سنگھ کا بس چلتا تو وہ اسے ہوا میں اڑا دیتا اور راستے بھر اس کا ذہن وسوسوں میں ڈوبا رہا کہ کیا پریشانی ہو سکتی ہے شہباز کو؟ مگر کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ تار کو کئی بار پڑھا تھا۔ عجیب و غریب حالات کیا ہو سکتے ہیں۔ ایک بار دل میں یہ خیال بھی آیا تھا کہ کہیں حالات الاشا سے تعلق نہ رکھتے ہوں۔ وہ خود بھی تو اسی سلسلے میں پریشان ہوا تھا۔ بہر حال دلی پہنچا اور مارو مار شہباز خان کے گھر پہنچ گیا۔ کوٹھی میں داخل ہوتے ہی نوکروں سے خیریت پوچھی تو پتا چلا کہ الاشا بیمار ہے۔ دل کو دھکا سا لگا معاملہ کسی نہ کسی شکل میں الاشا کا ہی ہے پھر شہباز خان کو خبر ہوئی تو وہ پاگلوں کی طرح دوڑا آیا اور ہرمیت سنگھ سے لپٹ گیا۔

"بس دوست اب کوئی پریشانی کی بات نہیں ہے۔ تم آ گئے سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

کیا بات ہے جلدی بتاؤ؟" ہرمیت سنگھ نے کہا۔

"الاشا کچھ بیمار ہو گئی ہے۔ تم تیار ہو کر فارغ ہو جاؤ تو پوری بات بتاؤں گا۔"

"زیادہ بیمار ہے؟"

"ہاں۔ بس یہی سمجھ لو۔" شہباز خان کا لہجہ بھرا گیا۔

"ہسپتال میں ہے؟"

"نہیں گھر میں ہی ہے۔ آؤ تم میرے ساتھ آؤ۔ پہلے نہاؤ پھر بات کریں گے۔"

"مجھے اس کی شکل تو دکھا دو۔" ہرمیت سنگھ نے کہا۔

"جلدی نہ کرو۔ کچھ کھا پی لو۔ پہلے میں تمہیں اس کی بیماری کی تفصیل بتاؤں گا پھر تم کچھ سمجھ سکو گے۔"

شہباز خان کے بے حد اصرار پر ہرمیت سنگھ نے غسل کیا۔ پلوشہ نے فوراً کھانے کی میز لگا دی اور کھانے سے فارغ ہو کر شہباز، ہرمیت کو لے کر اپنے کمرے میں آ گیا۔

"بدقسمتی سے ہرمیت ان تمام معاملات کے رازدار صرف تم ہو اور میں اس سلسلے میں اکیلا پڑ گیا تھا۔ تمہارے علاوہ کسی اور کی طرف نظر نہ گئی۔ بس میں نے بے قابو ہو کر تمہیں تار دے دیا۔ ڈر رہا تھا کہ کہیں تم بدحواس نہ ہو جاؤ اور لگتا ہے ایسا ہی ہوا ہے مگر دوست تار میں اس سے زیادہ کیا لکھ سکتا تھا۔"

"ہاں ٹھیک ہے، مگر قصہ کیا ہے؟"

"الانشا کو تم اچھی طرح جانتے ہو۔ مہذب، ذہین اور خوش مزاج لڑکی تھی۔ اس طرح رچ بس گئی تھی ہم سب میں کہ ہم اس کا ماضی بھول گئے تھے۔ پلوشہ کے بارے میں تو بھول کر بھی یہ نہیں سوچا جا سکتا تھا کہ الانشا کو غیر مان لے گی۔ بھول ہی گئی ہے یہ بات کہ الانشا اس کی کوکھ سے پیدا نہیں ہوئی۔ اتنا ہی چاہتی ہے اسے اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ میں نے پلوشہ کو بھی تفصیل نہیں بتائی کہ الانشا مجھے کہاں ملی تھی۔"

"کوئی خاص بات ہوئی ہے کیا؟"

"ہاں۔ بہت اہم، بہت خاص۔" شہباز نے شروع سے اب تک کی پوری تفصیل ہرمیت سنگھ کو بتاتے ہوئے کہا۔

"ثمران اسے لے آیا اور اس نے بتایا کہ الانشا کی کیا کیفیت تھی، لیکن صبح کو جب وہ جاگی تو نارمل تھی۔ اس نے بتایا کہ وہ شدید تھکن محسوس کر رہی ہے۔ ہلکا سا بخار بھی تھا اسے۔ دوپہر کو ثمران پھر آ گیا وہ پھر الانشا سے ملا اور میرے سامنے یہ الانشا سے سوال کیا کہ وہ کھنڈر میں کیا کر رہی تھی تو وہ حیران ہو گئی۔ اسے کچھ یاد نہ تھا۔ اس نے روتے ہوئے کہا کہ وہ کچھ نہیں جانتی۔ بس اس کی کنپٹی میں درد ہوتا ہے اور یہ درد اتنا شدید ہوتا ہے کہ اس پر غشی طاری ہو جاتی ہے۔ شام تک وہ ٹھیک رہی اور اپنے بارے میں گفتگو کرتی رہی۔ پھر رات کا کھانا کھایا۔ میں اور ثمران اس پر نگاہ رکھ رہے تھے۔ رات کے کھانے پر ثمران کے والد صاحب بھی موجود تھے۔ گیارہ بجے وہ چلے گئے۔ الانشا کمرے میں سو گئی۔ پلوشہ بے چاری اس کے پاس تھی اور جب تک اس سے جاگا گیا وہ جاگتی رہی پھر وہ بھی اسی کمرے میں سو گئی۔ آدھی رات کے قریب اچانک پلوشہ کی آنکھ کھل گئی تو اس نے دیکھا کہ الانشا کھڑکی میں کھڑی چاند کو دیکھ رہی ہے۔ پلوشہ دوڑ کر اس کے پاس پہنچ گئی اور اس نے الانشا کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے پکارا۔ جواب میں اس نے گردن گھمائی تو وہ اس حالت میں تھی کہ اس کی آنکھیں سونے کی طرح جگمگا رہی تھیں اور ہونٹ خوفناک انداز میں مسکرا رہے تھے۔ پلوشہ کی چیخ سن کر میں دوڑا اور اسے اس کمرے سے نکال لیا۔ میں نے الانشا کے کمرے کا دروازہ باہر سے بند کر دیا تھا۔ اس کے بعد ساری رات اس کمرے سے بھیڑیے کے رونے کی آوازیں آتی رہیں اور وہ ابھی تک اسی کیفیت میں ہے۔"

"اوہ......" ہرمیت سنگھ کے حلق سے ٹھنڈی سانس کے ساتھ آواز نکلی۔ "تم تو مجھ سے بڑی مصیبت کا شکار ہو۔"

پریشانی کے عالم میں شہباز خان نے ہرمیت سنگھ کے الفاظ پر غور نہیں کیا تھا۔ وہ اسی انداز میں بولا۔

"کرنل محمد مقبول الگ پریشان ہیں۔ بہت اچھے انسان ہیں۔ میری پوری پوری غمگساری کر رہے ہیں۔ ثمران کا چہرہ الگ اترا ہوا ہے اور پلوشہ کو تو تم دیکھ ہی چکے ہو۔ اندازہ لگاؤ ہرمیت میں کس ذہنی عذاب میں گرفتار ہوں۔ پلوشہ کا خیال ہے کہ الانشا پر کسی آسیب کا سایہ ہو گیا ہے۔ کرنل محمد مقبول کہتے ہیں کہ کوئی نفسیاتی مرض ہے۔ ہر شخص اپنی اپنی کہہ رہا ہے۔ حقیقت میں جانتا ہوں یا تم!"

"تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے شہباز!"

"میرا ذہن جہاں تک کام کرتا ہے۔ ہرمیت اس سے میں یہی نتیجہ اخذ کرتا ہوں کہ...... کہ اس حالت کا اس کے بچپن سے کوئی تعلق ہے۔ وہ اس عالم میں ایک سمجھ نہ آنے والی زبان بولتی ہے اور اب ہی نہیں یہ زبان پہلے بھی کئی بار اس کی زبان سے سن چکا ہوں۔ اس وقت بھی جب وہ بچی تھی۔"

ہرمیت سنگھ پھیکے سے انداز میں مسکرا دیا پھر اس نے کہا۔

"میں تم سے متفق ہوں شہباز! اس وقت ہم ناتجربے کاری کا شکار ہو گئے اور ندی میں بہتی ہوئی لاش اور اس کے پاس لپٹی ہوئی بچی کو اٹھا لائے۔ ہم نے حالات کو گہری نگاہ سے نہیں دیکھا تھا حالانکہ ہمیں کچھ عرصے کے بعد ہی سہی لیکن اس بارے میں تحقیقات ضرور کرنی چاہیے تھی۔ اس کا نتیجہ ہم دونوں بھگت رہے ہیں۔"

"دونوں......؟" شہباز نے پہلی بار چونک کر کہا۔

"ہاں۔ ایک چھوٹی سی کہانی میری بھی ہے۔"

"کیا......؟" شہباز خان نے شدید حیرت سے پوچھا۔

"معاف کرنا، اس وقت مجھے تمہیں اپنی بپتا نہیں سنانی چاہیے تھی لیکن چونکہ دونوں معاملات ایک دوسرے سے براہ راست متعلق ہیں، اس لیے یہ تذکرہ ضروری ہے۔" ہرمیت سنگھ نے کہا۔ پھر اس نے لاش کی پوری کہانی دہرا دی اور بتایا کہ وہ شہباز کے پاس آنے والا تھا کہ شہباز کا تار اسے ملا۔

"اوہ میرے خدا......! یہ سب کیا ہے؟" شہباز خان شدید حیرت سے بولا۔

"غور کرو شہباز! یہ تو ہونا ہی تھا۔ ہم ان حالات کو کیوں بھول گئے تھے جس میں یہ سب کچھ ہمیں ملا تھا۔ کچھ اندازہ تو ہونا چاہیے تھا۔ میرے نوادر اور تمہاری بیٹی کا۔ کچھ تو راز ہوگا؟"

"ان حالات کی امید نہیں تھی۔ ہرمیت ہم تو یہ بھول ہی گئے تھے کہ الانشا کیا ہے؟ میں پلوشہ کے بارے میں سوچتا ہوں تو میرے اعصاب جواب دینے لگتے ہیں، اگر الانشا کو کچھ ہو گیا تو پلوشہ کی زندگی مشکل ہو جائے گی۔"

"اس میں کوئی شک نہیں ہے شہباز! تمہاری مشکل مجھ سے زیادہ ہے لیکن میرے دوست! اب ہوش سے کام لینا ہوگا۔ ان حالات سے شکست مان لی تو بربادی مقدر بن جائے گی۔ ہمیں ہمت سے کام لینا

ہوگا۔ پلوشہ بھابی کی بات دوسری ہے، لیکن تم جذبات سے کام لینے کی بجائے ہوش سے کام لو اور اب اس بات کو ذہن نشین کر لو کہ الاکشا ایک پراسرار وجود ہے اور ہمیں اس کا سراغ لگانا ہے۔"

"یہ ممکن ہوگا؟" شہباز نے کہا۔

"اسے ممکن بنانا ہوگا۔" ہرمیت نے پراعتبار لہجے میں کہا اور شہباز خان اسے دیکھنے لگا پھر اس نے آہستہ آہستہ مسکراتے ہوئے کہا۔

"خدا کی قسم ہرمیت سنگھ صرف تم سے یہ امید تھی اور کوئی ایسا نہ تھا جو مجھے اس طرح سہارا دے، اسی لیے میں تمہارے لیے بے چین ہو گیا تھا۔ تمہارا خیال درست ہے۔ کوئی تو کہانی ہوگی اس کی۔ ہم نے اسے فراموش ہی کر دیا تھا لیکن اب ازسرنو اس سلسلے میں کام کرنا پڑے گا۔"

"ہاں۔ ایک غلطی ہوگئی تھی، اب اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ تمہارے خیال میں کیا میرے ساتھ پیش آنے والے واقعات معمولی ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ مجھے کیا کیا بھگتنا پڑے گا۔ تم ایک بات پر غور نہیں کر رہے ہو کہ یہ دونوں کام ایک ساتھ ہوئے ہیں۔

"دونوں کام؟"

"مطلب یہ کہ ادھر الاکشا کی یہ کیفیت ہوئی اور ادھر اس لاش میں تحریک پیدا ہو گئی۔ ہر چند کہ یہ سب کچھ ناقابلِ یقین سا ہے، لیکن نہ میں جھوٹ بول رہا ہوں اور نہ تم! یہ سب کچھ حقیقت ہے شہباز!"

"بے شک!" شہباز نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد دونوں سوچ میں گم ہو گئے پھر شہباز نے کہا۔

"مجھ سے کچھ غلطیاں ہوئی ہیں۔ میں نے کرنل محمد مقبول کو بھی الجھا لیا۔ وہ شریف انسان کیا کرے گا۔ ظاہر ہے ان حالات میں نمران اور الاکشا کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا۔"

"کرنل کس قسم کا آدمی ہے؟"

"بے حد نفیس۔ بہت شریف۔"

"تو اس سے کھل کر بات کر لو؟"

"کیا بات کروں؟"

"اسے حقیقت بتا دو۔"

"یقین کرے گا؟"

"نہ یقین کرے تو اس سے کہہ دو کہ الاکشا کا نکاح نمران سے پڑھا دے اور رخصت کر کے گھر لے جائے۔" ہرمیت سنگھ نے کہا اور شہباز خان بے اختیار ہنس پڑا۔

"ارے کیوں مروا رہے ہو بے چارے کو۔"

"تب اسے حقیقت ماننا ہوگی شہباز! باقی سب کچھ بے کار ہے۔ ہمیں الاکشا کے علاج کے بجائے ان کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ان حالات میں تم بھی اندازہ لگا سکتے ہو کہ یہ کوئی مرض نہیں ہے بلکہ ان پراسرار کرداروں کی زندگی سے کوئی داستان وابستہ ہے۔" ہرمیت سنگھ نے کہا۔ شہباز

خان کے چہرے پر کافی بحالی آ گئی تھی۔ اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"مجھے اس وقت واقعی تمہارے علاوہ کسی اور کی ضرورت نہیں تھی۔ ہرمیت تمہارے آنے سے کتنا سکون ملا ہے مجھے! غم ہے تو یہ کہ اسے پرورش کرتے ہوئے بھول گئے تھے کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے اور اب نہ جانے کیا حالات ہوں؟ کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ ہمارے پاس رہے گی بھی یا نہیں؟ خدا نے بے اولاد رکھا ورنہ شاید اس کی کمی پوری ہو جاتی۔ پلوشہ کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس پر کیا اثرات مرتب ہوں؟"

"سمجھ داری سے کام لو شہباز! سب ٹھیک ہو جائے گا۔ پلوشہ بھابی کو حقیقت کا علم کسی حال میں نہیں ہونا چاہیے بلکہ ابھی سے ان کے کان میں بھی یہ بات ڈال دینی چاہیے کہ الاکشا کو کسی بھی وقت علاج کے لیے بیرون ملک بھیجا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹروں کی رائے کا انتظار ہے۔"

"وہ کیوں؟"

"بھئی حالات کا کیا بھروسا؟ وہ جس طرح غائب ہو گئی تھی دوبارہ بھی ہو سکتی ہے۔ اس وقت تم بھابی سے کہہ سکتے ہو وہ زیرِ علاج ہے۔ ہم ایک طرف سے ہی پریشان رہیں گے۔ کم از کم دوہری الجھن کا شکار تو نہ ہوں گے؟"

شہباز خان اس بات پر غور کرنے لگا پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "خدا تمہارا بھلا کرے یہ مشورہ بھی بہترین ہے۔ مجھے تو صبر آ جائے گا کیونکہ میں نے اپنی آنکھوں سے بہت کچھ دیکھا ہے۔ کیا پلوشہ اس بات سے سنبھل جائے گی؟"

پھر اطلاع ملی کہ نمران اور کرنل صاحب آئے ہیں۔ ہرمیت سنگھ نے شہباز کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"ہمت اور ہوشیاری سے یہ داستان کرنل صاحب کو سنانی ہے۔ میں ان سے ملا نہیں ہوں لیکن اندازہ ہے کہ وہ کیسے انسان ہوں گے؟"

"ان سے تمہارا غائبانہ تعارف ہے۔ آؤ چلیں۔" دونوں ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گئے۔ کرنل محمد مقبول خان اور نمران نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا۔ کرنل نے بہ غور ہرمیت سنگھ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو آپ مسٹر ہرمیت سنگھ ہیں؟"

"آپ کا اندازہ غلط نہیں ہے کرنل مقبول! لیکن یہ اندازہ آپ نے کیسے قائم کیا؟" ہرمیت سنگھ نے کرنل مقبول سے پرجوش مصافحہ کرتے ہوئے کہا اور پھر نمران کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے بولا۔

"ہیلو نمران!"

"ہیلو سر!" نمران نے گردن خم کرتے ہوئے کہا۔

کرنل محمد مقبول مسکراتا ہوا بولا۔ "بھئی فوج میں زندگی گزاری ہے اور فوجی زندگی بہت سے تجربات دیتی ہے لیکن اس شناخت میں ہم نے کوئی کارنامہ سرانجام نہیں دیا۔ ہرمیت سنگھ کا تذکرہ کچھ اس طرح شہباز خان کی زبانی سنا ہے کہ ہرمیت سنگھ کی پوری شخصیت ہمارے ذہن پر نقش ہو گئی ہے اور پھر اس وقت آپ دونوں کے چہروں پر جو محبت نظر آ رہی ہے وہ بھی اس بات کی غماز ہے کہ آپ ہرمیت سنگھ ہی ہو

سکتے ہیں۔ شہباز خان اس سے پہلے اتنے مطمئن نہ تھے۔"

"اوہ..... اچھا بہت خوب! بہر طور مجھے افسوس ہے کرنل صاحب! کہ اس سے پہلے آپ سے ملاقات نہ ہوسکی۔ براہ کرم تشریف رکھیے۔" کرنل مقبول نے بیٹھتے ہوئے شہباز خان سے کہا۔

"اب کیا کیفیت ہے؟"

"حسب معمول۔" میں نے بھی بہت دیر سے نہیں دیکھا۔ ویسے مجھے ہرمیت سنگھ کی آمد کا انتظار تھا۔ میں نے انہیں بلانے کے لیے تار دیا تھا۔"

"یقیناً الجھن کے وقت دوست ہی کام آتے ہیں اور پھر ہرمیت سنگھ تو ایک ایسے دوست ہیں جن پر پورا اعتماد کیا جاسکتا ہے۔ مسٹر ہرمیت سنگھ آپ نے پوری تفصیل سن لی ہوگی۔ اس بچی کے لیے بل خون کے آنسو رو رہا ہے۔ شاید شہباز خان نے بھی بتا دیا ہوگا کہ میرا اس سے کیا ربط ہے؟ اگر نہیں تو میری خواہش ہے کہ ہرمیت سنگھ کو تمام صورت حال بتا دی جائے؟"

"کرنل صاحب! ہرمیت سنگھ سے تذکرہ ہو چکا ہے۔"

"نہ صرف یہ تذکرہ بلکہ کرنل مقبول کو بھی مجھ سے اچھی طرح روشناس کرا دیا گیا ہے۔ شہباز خان دوستوں کے معاملے میں بہت خوش نصیب ہے کہ اسے آپ جیسا دوست ملا ہے کرنل صاحب!"

"نہیں مسٹر ہرمیت سنگھ! مجھ سے پہلے شہباز صاحب کو آپ جیسا دوست مل چکا ہے۔" کرنل مقبول نے ہنستے ہوئے کہا اور پھر کہنے لگے۔ "ہمیں مطلب پر آ جانا چاہیے؟"

"دراصل شہباز خان جس قدر ذہنی الجھن کا شکار تھے اسے صرف میں جانتا ہوں کہ کرنل صاحب! ایک ایسی انوکھی کہانی ہماری ذات سے وابستہ ہے جس کے بارے میں ہم دونوں نے قسم کھا کر عہد کیا تھا کہ کسی کو یہ کہانی نہیں سنائیں گے لیکن بدقسمتی سے آج وہ وقت آ گیا ہے کہ میں نے شہباز خان کو دوسری قسم یہ دی ہے کہ یہ کہانی کم از کم مقبول کو ضرور سنا دی جائے۔"

"کہانی.....؟"

"ہاں کرنل! ایک ایسی انوکھی کہانی جس کا اس دور میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا، لیکن یہ کہانی بہت سال پہلے شروع ہوئی تھی۔ اس وقت جب ایسی کہانیوں کا تصور کیا جاسکتا تھا چنانچہ یہ کہانی اس وقت سے آج تک جاری ہے۔ میری ابھی شہباز خان سے گفتگو ہو رہی تھی۔ شہباز کی پریشانیاں عروج پر تھیں۔ میں نے اسے مشورہ دیا کہ کم از کم اچھے دوستوں کو شریک راز بنا لینے میں کوئی حرج نہیں ہے چنانچہ اس وقت میں آپ کو یہ منحوس کہانی سنا رہا ہوں تاکہ آپ بھی اس میں شریک ہو جائیں اور صحیح فیصلے کر سکیں۔"

کرنل کا چہرہ تصویر حیرت بن گیا تھا۔ نمران بھی متعجبانہ نگاہوں سے ہرمیت سنگھ کو دیکھ رہا تھا۔ ہرمیت سنگھ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"یہ کہانی اس وقت شروع ہوئی تھی کرنل! جب مجھے اور شہباز خان کو مہمات کا شوق دیوانگی کی حد تک تھا۔ ہم لوگ ہر چند کہ مصروف کار ہو گئے تھے شادیاں ہو گئی تھیں ہماری، مسائل پیدا ہو چکے تھے لیکن جب بھی وقت ملتا تھا ہم کہیں نہ کہیں نکل جاتے تھے اور پھر ایک مہم میں ہمیں انتہائی خوفناک واقعات سے دوچار

ہونا پڑا۔

یہ بات سلہری جنگلات کے قریبی علاقے کی ہے۔ ہم لوگ سیر و سیاحت کرتے ہوئے ایک خاص علاقے میں جا نکلے تھے جو سلہری کے نام سے ہی مشہور ہے۔ اس علاقے میں ہمیں اپنی زندگی کے خوفناک حالات سے واسطہ پڑا اور پھر ہم ایک ندی کنارے جا نکلے، جہاں ہمیں پانی میں بہتی ہوئی ایک لاش نظر آئی۔ ایک انسانی لاش...... جس کے نزدیک ایک زندہ بچی بھی موجود تھی۔

ہرمیت سنگھ نے اس وقت سے لے کر آج تک کی پوری داستان کرنل کو سنائی اور پھر جب اس نے یہ انکشاف کیا کہ الانشا وہی بچی ہے جسے شہباز لے آیا تھا اور اولاد کی طرح اس کی پرورش کی تھی اور اس کی پرورش میں شہباز خان کی تمام دلچسپیاں اس لیے بھی شامل ہو گئیں کہ اس کے ہاں اور کوئی اولاد نہیں تھی۔ کرنل کا چہرہ قابل دید تھا۔ ہرمیت سنگھ نے سلسلہ گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"میرے پاس وہ لاش اور اس کی تمام چیزیں موجود ہیں لیکن میں خود بھی عجیب و غریب حالات کا شکار ہو چکا ہوں اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جس وقت شہباز خان کا تار مجھے ملا میں خود اپنی پریشانیوں کے سلسلے میں شہباز کے پاس آنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ مجھے جو پریشانیاں لاحق ہیں ان کی مختصر تفصیل بھی سن لیجیے۔"

"ہرمیت سنگھ نے لاش، سنہری سانپ وغیرہ کے بارے میں تفصیلات بتائیں۔ کرنل اور نمران عجیب سی نگاہوں سے ہرمیت سنگھ کو دیکھ رہے تھے پھر جب ہرمیت سنگھ خاموش ہوا تو بہت دیر تک خاموشی طاری رہی اور اس کے بعد کرنل نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"بلاشبہ ہم اسے ایک پراسرار کہانی کہہ سکتے ہیں۔ ایک ایسی کہانی جو دلچسپی کے لیے گھڑی جاتی ہے۔ لیکن دو معزز لوگ یہ کہانی بیان کر رہے ہیں اس لیے میں اسے قطعی جھوٹ نہیں سمجھتا، تاہم کچھ مذہبی نقطہ نگاہ سے اور کچھ ماحول کے لحاظ سے مجھے یہ سب کچھ عجیب محسوس ہو رہا ہے۔ فوجی زندگی میں مجھے بھی بہت سے پراسرار واقعات کا سامنا کرنا پڑا لیکن کہیں نہ کہیں اس کی توجیہہ مل جاتی ہے کہ وہ واقعہ کیوں پیش آیا؟ تاہم ایک ایسی کہانی جس کی توجیہہ ہمارے سامنے نہ ہو باعث حیرت تو ہے لیکن ناقابل یقین نہیں کیوں کہ اس کے راوی دو عزت دار لوگ ہیں؟"

"کوئی جھوٹی کہانی سنانے کی ضرورت بھی نہیں تھی کرنل ہمیں! میں جانتا ہوں کہ الانشا آپ کے بیٹے نمران سے منسوب ہے لیکن جو واقعات پیش آئے ہیں وہ بھی آپ کے سامنے ہیں۔ آپ یہ نہ تصور فرمائیں کہ ہم یہ کہانی سنا کر آپ سے کسی قسم کی معذرت کرنا چاہتے ہیں۔" کرنل مقبول کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ انہوں نے آہستہ سے کہا۔

"قابل مبارکباد ہیں شہباز خان جنہیں اتنا سچا دوست ملا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہرمیت سنگھ جی! کہ اس کہانی میں ذرا سا الجھتے ہوئے مجھے خود بھی یہی خیال آیا تھا کہ کہیں آپ یہ بات تصور نہ فرمائیں۔ اس سلسلے میں، میں اتنا عرض کردوں کہ شہباز خان نے مجھے یہ اعزاز بخشا کہ میری عزت افزائی کی ہے اور میں ہر حالت اور ہر قیمت پر یہ اعزاز حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ بھول کر بھی یہ نہیں سوچ سکتا کہ یہ کہانی مجھے اور مقصد کے تحت سنائی گئی ہے۔ بس چونکہ زندگی میں ایسے واقعات پیش نہیں آئے اس لیے میں نے تھوڑا سا تعرض کیا تھا۔"

"معافی چاہتا ہوں کرنل صاحب! بس یوں ہی ذہن پر کبیدگی طاری ہوگئی تھی۔" ہرمیت سنگھ نے کہا۔

"آپ اس میں حق بہ جانب ہیں۔ کوئی بھی شخص یہ سوچ سکتا ہے لیکن اب آپ کو یہ کبیدگی مکمل طور پر اپنے ذہن سے نکال دینی چاہیے۔ یقیناً یہ کہانی آپ کی سنائی ہوئی ہے اس لیے جھوٹی نہ ہوگی اور میں آپ دونوں پر پورا یقین رکھتا ہوں لیکن ایک درخواست ہے آپ سے کہ کہانی جس انداز میں بھی آگے بڑھے کرنل مقبول کو نظر انداز نہ کیا جائے۔ میں آپ دونوں دوستوں جیسی عظیم دوستی کے قابل تو نہیں ہوں لیکن اگر اس سلسلے میں اپنا کچھ فرض ادا کر سکا تو مجھے مسرت ہوگی۔ جہاں تک نمران کے سلسلے کا تعلق ہے تو اس وقت میں یہ کہتے ہوئے عار محسوس نہیں کرتا کہ میں اس حالت میں بھی الاکشا کا نکاح اپنے بیٹے سے پڑھانے کے لیے تیار ہوں۔ وہ جیسی بھی ہے اگر مجھے مل جائے تو میں اسے اپنی خوش بختی کی انتہا سمجھوں گا۔ اس کا جو علاج شہباز خان کرانا چاہتے ہیں میں اس کی ذمے داری قبول کرنے کے لیے تیار ہوں۔ میرا خیال ہے یہ الفاظ عجیب ضرور ہیں لیکن میری سچائی کا اظہار کر رہے ہیں؟"

"تب تو کرنل صاحب......! مجھے بھی اب یہ افسوس ہے کہ آپ سے پہلے ملاقات کیوں نہ ہوئی؟ میں بھی آپ سے یہ بات کہتے ہوئے بڑا سرور محسوس کرتا ہوں کہ اگر الاکشا آپ کی بہو بنے تو ہم دونوں کے سر فخر سے بلند ہو جائیں گے۔ براہ کرم آپ میری تھوڑی سی کبیدگی کو نظر انداز کر دیجیے گا۔"

"کرو جی......؟ اب ہمیں ذرا دوسرے انداز میں گفتگو کرنی چاہیے۔ یہ بتایئے ہرمیت سنگھ جی کہ آپ نے کیا فیصلہ کیا کہ ہمیں الاکشا کے علاج کے سلسلے میں کیا کرنا چاہیے؟"

"کرنل صاحب! میں جانتا ہوں کہ جو الفاظ میں کہہ رہا ہوں، شہباز خان اس سے کبھی انحراف نہیں کریں گے۔ میں پہلے ایک تجربہ کر لینا چاہتا ہوں۔ میری رائے ہے کہ الاکشا کو تبدیلی آب و ہوا کے لیے اپنے ساتھ لے جاؤں اور وہاں لے جا کر اسے وہ لاش بھی دکھاؤں۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ اس پر کیا ردعمل ہوتا ہے؟ ہو سکتا ہے کہ کوئی کام کی بات معلوم ہو جائے۔ ہمارے ان علاقوں میں بہت سی پراسرار داستانیں بکھری ہوئی ہیں اور ان میں سے ساری داستانیں جھوٹی نہیں ہیں۔ کہیں نہ کہیں کوئی سچائی مل ہی جاتی ہے چنانچہ ہم اس نظریے کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔" کرنل مقبول پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگے۔ پھر بولے۔

"کیا مجھے بھی یہ عزت بخشی جائے گی کہ میں بھی اس معاملے میں شریک ہو جاؤں۔ بڑی بدنصیبی ہے میری کہ اب مجھے کچھ کہتے ہوئے جھجکنا پڑ رہا ہے۔"

"میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کرنل کہ آپ میرے ساتھ چلیں۔ کاش میں یہ دعوت بہتر حالات میں دیتا، لیکن مجبوریاں انسان کے ساتھ ہی ہوتی ہیں۔"

"تو پھر ہرمیت سنگھ جی! میں اور نمران بھی آپ کے ساتھ چلیں گے۔ ہم اس وقت تک اس مسئلے کو پس پشت نہیں ڈالیں گے جب تک ہمیں اس کا حل نہیں مل جاتا کیوں شہباز! آپ کو میری بات پر کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟"

"نہیں کرنل! میرا سر فخر سے اونچا ہو گیا ہے کہ میں ایسے ایسے دوستوں کی دوستی سے مالا مال ہوں۔" شہباز خان نے جواب دیا۔

نمران اس دوران بالکل خاموش رہا تھا لیکن اس کے چہرے پر ایک پیلاہٹ سی دوڑ گئی تھی۔ وہ نہ جانے کیا کیا سوچ رہا تھا۔ شاید اسے اپنے دل کی دنیا لٹتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی لیکن بزرگوں کا احترام مانع تھا کہ وہ کچھ بول نہ سکا۔

کرنل مقبول نے ہرمیت سنگھ سے پوچھا۔

"کیا آپ نے اسے دیکھ لیا؟"

"نہیں ابھی تو میں صرف اپنے دوست کو ہی سنبھالنے میں مصروف ہوں۔ ویسے کیوں نہ آپ کی موجودگی میں، میں الاکشا سے ملاقات کر لوں۔"

"شہباز خان اس کی اجازت دیں گے؟"

"آیئے کرنل صاحب!" شہباز خان نے کہا اور چاروں اٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اس کمرے کے سامنے پہنچ گئے جو الاکشا کا کمرا تھا۔ باہر پلوشہ موجود تھی۔

"سو رہی ہے۔" پلوشہ نے کہا۔

"بھائی آپ نے یہ کیا حالت بنا رکھی ہے؟ بیماری انسان کو ہی ہوتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ بعض بیماریاں پیچیدہ ہوتی ہیں۔ الاکشا کی بیماری پیچیدہ ضرور ہے لیکن شکر ہے کہ خطرناک نہیں ہے۔ ہم اسے علاج کے لیے بیرون ملک لے جائیں گے۔ آپ اطمینان رکھیں یہ ٹھیک ہو جائے گی۔ آپ کو ہمت سے کام لینا چاہیے۔" ہرمیت سنگھ نے کہا۔

"آیئے کرنل!" اور سب دبے قدموں اندر داخل ہو گئے۔ الاکشا بستر پر چت پڑی ہوئی تھی۔ اس کے دونوں ہاتھ سینے پر رکھے ہوئے تھے۔ آنکھیں بند تھیں۔ چہرہ عجیب سی کیفیت پیش کر رہا تھا۔ وہ سب بستر کے نزدیک کھڑے ہو گئے۔ دفعتہً الاکشا نے آنکھیں کھول دیں۔ بالکل یوں لگا تھا جیسے کسی لاش کی آنکھیں اچانک کھل گئی ہوں۔ ہرمیت سنگھ سب سے آگے تھا اور اسی نے سب سے پہلے الاکشا کی آنکھیں کھلتی ہوئی دیکھی تھیں لیکن ان آنکھوں کو دیکھ کر وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں ایک قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔ سنہری چمک دار اور پتلیوں سے بے نیاز آنکھیں جو اسے گھور رہی تھیں۔ ان کے انداز میں ایک کرختگی تھی پھر الاکشا کے چہرے کے تاثرات بھی بدل گئے۔ اس نے بدن کو حرکت دی اور کہنیوں کے بل اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کا چہرہ ہرمیت سنگھ کی طرف اٹھا ہوا تھا اور وہ دوسرے لوگوں سے بے نیاز تھی پھر اس کے حلق سے آواز نکلی۔

"ایشو بوتا شوئے یار ایشو بوتا شوئے۔"

ہرمیت سنگھ نے تھوک نگل کر دوسروں کی طرف دیکھا پھر مشفق لہجے میں بولا۔

"الاکشا بیٹی میں ہرمیت سنگھ ہوں؟ تمہارا چاچا ہرمیت سنگھ؟"

"ایشو بوتا شوئے۔" الاکشا گرجی۔

"یہ...... یہ کیا کہہ رہی ہے؟" ہرمیت سنگھ نے شہباز خان کی طرف دیکھا۔

"خدا جانے؟" شہباز خان گہری سانس لے کر بولا الاکشا اسی طرح ہرمیت سنگھ کو دیکھتی رہی پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں اور دھم سے بستر پر گر پڑی۔ شہباز خان نے آگے بڑھ کر اسے بستر پر سیدھا کر دیا

تھا اب الاکشا میں کوئی تحریک نہیں تھی۔

"آؤ..... ہرمیت۔" شہباز نے کہا۔ وہ سب اس کے کمرے سے نکل آئے اور ایک بار پھر ڈرائنگ روم میں نشست جم گئی نمران نے پہلی بار زبان کھولی۔

"آپ نے ایک بات محسوس کی انکل ہرمیت سنگھ۔"

"کیا بیٹے؟"

"جوں ہی آپ کمرے میں داخل ہوئے یوں لگا جیسے اسے کوئی احساس ہوا ہو۔ اس نے اسی انداز میں آنکھیں کھولی تھیں اور پھر اس نے جو الفاظ کہے ان میں سوالیہ انداز تھا۔ جیسے وہ آپ سے کچھ پوچھ رہی ہو۔"

"میں نے محسوس نہیں کیا۔ سچی بات ہے۔ میں کسی قدر خوف زدہ ہو گیا تھا۔" ہرمیت سنگھ نے اعتراف کیا۔

"نمران کا کہنا درست ہے۔" شہباز بولا۔

"دوسری بار بھی اس نے وہی جملہ دہرایا تھا اور انداز بھی مختلف نہ تھا۔ وہ کچھ پوچھ رہی تھی۔"

"مگر کیا؟" کرنل مقبول بولے اس سوال کا جواب کسی نے نہ دیا تھا۔ تھوڑی دیر تک خاموش رہنے کے بعد ہرمیت سنگھ نے کہا۔

"بہرحال میرا فیصلہ اٹل ہے۔ الاکشا کو میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ اس کے بعد جو صورت حال ہو گی۔ اس کے پیش نگاہ فیصلہ کریں گے۔" کرنل مقبول نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"مناسب خیال ہے۔ یہ روانگی کب تک ہو گی۔"

"کل ہی چل دیں گے۔ جب ایک فیصلہ کر لیا ہے تو دیر کرنے کا فائدہ؟"

"میں اور نمران بھی آپ کے ساتھ چلیں گے ہرمیت سنگھ جی۔ آپ لوگ بے فکر رہیں۔ میں تمام انتظامات کر لوں گا۔" کرنل نے کہا اور پھر ان لوگوں سے اجازت طلب کر لی ہرمیت سنگھ اور شہباز خان انہیں باہر چھوڑنے آئے تھے۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گئے تو ہرمیت سنگھ نے کہا۔

"بے مثال انسان ہے۔ شہباز! ایک اعلیٰ ظرف ہیں میں اس کے یہ الفاظ کبھی نہیں بھول سکوں گا کہ اس نے اس عالم میں اپنے بیٹے کے نکاح کے پیشکش کی تھی۔"

"خدا نے مجھے دوستوں کے معاملے میں بہت خوش قسمت رکھا ہے۔ نمران کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟"

"بہت پرعزم نوجوان ہے اور الاکشا کو بہت چاہتا ہے۔"

شہباز خان آہ بھر کر خاموش ہو گئے تھے۔ تب ہرمیت سنگھ نے کہا۔

"اب فوراً انتظامات شروع کر دو۔ خاص طور سے پلوشہ بھابی کو مطمئن کرنا ضروری ہے۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ تمہیں کیا کہنا ہے۔ اس طرح پلوشہ مطمئن ہو جائیں گی۔ باقی معاملہ تقدیر کا ہے جو بھی تقدیر میں ہوا۔"

"ٹھیک ہے۔" شہباز نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ پھر وہ ہرمیت کو اس کمرے میں چھوڑ کر پلوشہ کے پاس پہنچ گیا۔

"پلوشہ الاکشا کا سوٹ کیس تیار کر دو۔ میرے لیے بھی چند جوڑے رکھ دینا ہم ہرمیت سنگھ کے ساتھ جا رہے ہیں۔"

"کیا طے کیا ہے آپ نے؟"

"علاج کرائیں گے الاکشا کا اور تم اطمینان رکھو سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"کیا مطلب؟" پلوشہ نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"بھئی تمہیں یہ تو اندازہ ہے کہ خدانخواستہ اسے کوئی موذی مرض نہیں ہے۔ بس ذہنی خلل ہے جس کا اصل سبب دریافت کرنا ہے اور یہ سبب دریافت ہو جائے تو علاج بآسانی ہو جائے گا۔ ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ پہلے یہاں کوشش کیے لیتے ہیں اگر اس کوشش میں ہمیں ناکامی ہوئی تو پھر ہم اسے بیرون ملک لے جائیں گے۔ تم جانتی ہو کہ بیرون ملک میں بڑے ذہنی امراض کے معالج ہیں۔ اندازہ یہی قائم کیا گیا ہے کہ کوئی ایسا ذہنی جھٹکا لگا ہے۔ الاکشا کو جس سے اس کا ذہنی توازن منتشر ہو گیا ہے بہتر علاج ہو گا تو وہ ٹھیک ہو جائے گی۔" فی الحال ہم ہرمیت سنگھ کے ساتھ جا رہے ہیں اور میں تم سے درخواست کرتا ہوں پلوشہ کہ اب اس ناگہانی کے لیے خود کو تیار رکھنا اور ہمت کے ساتھ وقت گزار دو۔ بات بالکل پریشان کن نہیں ہے۔ وہ ٹھیک ہو جائے گی۔" پلوشہ نے ایک سسکی لی اور مغموم لہجے میں بولی۔

"خدا نے مجھے بے اولاد رکھا۔ لیکن خدا ہی گواہ ہے کہ اس نے مجھے کبھی اس کا احساس نہیں ہونے دیا۔ نہ جانے میری بچی کو کس کی نظر کھا گئی۔ میں تو اب بھی کہتی ہوں کہ اس پر کوئی سایہ ہو گیا ہے۔ ارے کم از کم کسی مولوی وغیرہ کو دکھا لیتے تو میرا اطمینان ہو جاتا۔ مگر میری سنتا کون ہے۔"

"پگلی ہو تم کیوں نہیں سنتے ہم تمہاری۔ لیکن بس تم عورتوں کے انداز میں سوچ رہی ہو۔ وہ بات نہیں ہے۔ جو تمہارے تصور میں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو میں تم سے انحراف نہ کرتا۔ مجھ پر اعتماد نہیں ہے تمہیں؟"

"کیوں نہیں ہے۔ میں کب کہہ رہی ہوں۔" پلوشہ نے کہا۔

"تو بس شہباز خان کی بیوی بنو۔ ہمت کے ساتھ حالات کا مقابلہ کرو چلو شاباش اب تیاریاں کرو۔ ہمیں کل ہی روانہ ہونا ہے۔"

پلوشہ اس انداز سے کافی مطمئن نظر آنے لگی تھیں۔ بہرطور تیاریاں مکمل کر لی گئیں۔ رات کو تقریباً آٹھ بجے نمران آ گیا اور اس نے بتایا کہ کل صبح تقریباً ساڑھے دس بجے کی ٹرین سے ہمیں روانہ ہونا ہے اور باقی تمام انتظامات بھی کر لیے گئے ہیں۔ رات کے کھانے پر نمران کو روک لیا گیا۔ کھانے کی میز پر وہ سب پہنچ گئے تھے اور کھانا لگنے کا انتظار کیا جا رہا تھا کہ اچانک ڈرائنگ روم میں الاکشا داخل ہو گئی۔ اس نے بال سنوارے ہوئے تھے۔ لباس البتہ وہی تھی۔ غالباً منہ ہاتھ وغیرہ دھو کر آئی تھی اور اس وقت بالکل معتدل نظر آ رہی تھی۔ سب اسے دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے۔ ان حالات میں اس کی اس قدر بہتر کیفیت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ایک دم سنبھل کر اس کا استقبال کیا گیا۔ الاکشا پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

"مجھے کھانے کے کمرے میں نہیں بلایا گیا۔"

''اوہ بیٹے تمہاری طبیعت کچھ ناساز تھی۔ ہم نے سوچا خود ہی کھانا کھا لیا جائے۔ ان سے نہیں ملو گی۔ یہ تمہارے چاچا ہرمیت سنگھ ہیں۔''

''مل تو چکی ہوں۔'' الانشا نے ہرمیت سنگھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور ہرمیت سنگھ جلدی سے سنبھل گیا۔

''ہاں، ہاں ہماری ملاقات ہو تو چکی ہے شہباز تمہاری بھی بھولنے کی عادت خوب ہے۔ آؤ بیٹے بیٹھو۔''

''نمران محبت بھری نگاہوں سے الانشا کو دیکھ رہا تھا۔ ہرمیت سنگھ کی نظر ایک بار نمران پر پڑی تو وہ اسے دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔ دل ہی دل میں اس نے سوچا کہ یہ نوجوان الانشا کے لیے بہت بڑا محافظ ثابت ہوگا۔ اس کی نگاہوں کا عزم بتاتا ہے کہ وہ الانشا کے لیے ہر قربانی دینے کو تیار ہو جائے گا۔

بہر طور الانشا کھانے کی میز پر بیٹھ گئی۔ کئی دن کے بعد اس نے کھانے میں شرکت کی تھی اور اس وقت اس کی حالت جس قدر بہتر نظر آ رہی تھی۔ وہ بھی قابل غور تھی۔ اس کی اچانک بہتری کا سبب کیا ہو سکتا ہے۔ سوچنے کے لیے تو بہت سی باتیں تھیں۔ لیکن اس وقت کوئی کسی بات کا اظہار کرنا نہیں چاہتا تھا۔ کھانا شروع ہوا اور الانشا نے بالکل صحت مندوں کے سے انداز میں ان کے ساتھ کھانے میں شرکت کی۔ ہرمیت سنگھ کی نظر بار بار الانشا کے چہرے کی طرف اٹھ جاتی تھی۔ لیکن وہ سر جھکائے کھانے میں مشغول تھی۔ پلوشہ بھی خوش نظر آ رہی تھی اور الانشا پر صدقے واری ہوئی جا رہی تھی۔ کھانا ختم ہوا تو ہرمیت سنگھ نے کہا۔

''الانشا بیٹے آپ کی بیماری کی خبر سن کر ہم یہاں آئے اور اب ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ آپ کو اپنے ساتھ گھر لے جائیں گے۔''

''اوہ اچھا...... اچھا ہے۔ انکل کچھ تبدیلی آب و ہوا ہو جائے گی میں آپ کے ساتھ جانے میں بہت خوش ہوں۔''

''کل ہی چل رہے ہیں ہم لوگ...... تمہارے لیے تیاریاں بھی کر لی گئی ہیں۔'' ہرمیت سنگھ نے کہا اور الانشا مسکرانے لگی۔

''امی بھی چلیں گی۔''

''نہیں بیٹا امی بعد میں آ جائیں گی۔'' شہباز خان جلدی سے بولا اور الانشا خاموش ہو گئی۔

''کیا خیال ہے۔ یہاں سے اٹھا جائے؟'' ہرمیت سنگھ نے غیر محسوس انداز میں اشارہ کیا اور سب کرسیاں کھسکا کر کھڑے ہو گئے۔

نمران نے الانشا سے کہا۔ ''آؤ الانشا باہر چہل قدمی کریں۔ موسم بے حد خوش گوار ہے۔''

''ہاں تھوڑی سے چہل قدمی کرنا ضروری ہے۔'' ہرمیت سنگھ نے کہا اور الانشا خاموشی سے نمران کے ساتھ باہر نکل آئی۔ دونوں کوٹھی کے عقبی لان میں آ گئے۔

''اب کیسی طبیعت ہے الانشا؟'' اس نے پوچھا۔

''کچھ سمجھ میں نہیں آتا نمران مجھے کیا ہو گیا ہے؟'' الانشا نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

''تمہیں کیا محسوس ہوتا ہے؟''

''مجھے۔'' الانشا پر خیال انداز میں بولی چند لمحات خاموش رہ کر کچھ سوچتی رہی۔ پھر اس نے کہا۔

''میں نہیں جانتی نمران یہ سب کیا ہے۔ میں نے سوچا ہے، بہت غور کیا ہے۔ مگر کچھ سمجھ نہیں پائی بس ایک شیشہ سا ٹوٹتا ہے، میرے دماغ میں اور پھر یوں محسوس ہوتا ہے۔ جیسے میں بے بس ہو گئی ہوں۔ کوئی اور میری زبان سے بولتا ہے۔ میرے دماغ سے سوچتا ہے اور میں خاموش رہتی ہوں۔ میں اسے دیکھتی رہتی ہوں۔ وہ جو کچھ بولتا ہے۔ میں اس میں مداخلت نہیں کر سکتی۔ نمران لمحات میں مجھ پر ایک سرور سا طاری رہتا ہے۔ مجھے اس کا بولنا اس کا سوچنا اچھا لگتا ہے۔ جب وہ احساس مجھ پر طاری ہوتا ہے تو میں ایک عجیب سی تشنگی محسوس کرتی ہوں بڑی بے کلی محسوس کرتی ہوں۔ مجھے جیسے...... مجھے کسی کی تلاش ہے۔ جیسے مجھ میں کچھ کم ہو گیا ہے۔ جیسے میں نامکمل ہوں۔ مجھے اپنی تکمیل پسند ہے۔ نمران! میں اسی احساس تلے رہنا چاہتی ہوں۔

نمران گہری نگاہوں سے الانشا کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ ''یہ احساس تمہیں کب سے ہے الانشا۔''

''کب سے؟'' الانشا نے پر خیال انداز میں کہا اور اس کے بعد وہ دیر تک کچھ نہ بول سکی تھی۔ نمران بھی خاموشی سے انتظار کرتا رہا۔ کافی دیر کے بعد الانشا نے کہا۔

''فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا ہے۔ نمران، شاید یہ احساس مجھے ہمیشہ سے ہے۔ اس وقت سے جب سے میں نے سوچنا سیکھا ہے۔ میں خواب دیکھتی تھی کہ میں سو رہی ہوں۔ پھر میرے بدن سے ایک چمک دار خول اتر جاتا تھا۔ کوئی مجھ سے علیحدہ ہو جاتا تھا پھر میرا ہاتھ پکڑتا تھا۔ مجھے اٹھا لیتا تھا اور نمران پھر میں نہ جانے کیا کیا دیکھتی۔ نہ جانے کیا؟ مجھے بالکل یاد نہیں۔ لیکن جو کچھ میں دیکھتی تھی۔ اس سے مجھے خوشی ہوتی تھی اور جب میں جاگتی تو مجھے دکھ ہوتا کہ میں کیوں جاگ گئی...... وہ...... وہ مجھے بہت اچھا لگتا تھا۔ وہ سب کچھ۔ وہ مجھ میں اعتماد پیدا کرتا تھا۔ مجھے احساس ہوتا تھا کہ میں سب کچھ کر سکتی ہوں۔ سب کچھ...... میں خود کو بہت طاقت ور محسوس کرتی تھی اور نمران میں......''

''ایک سوال کروں الانشا برا تو نہیں مانو گی۔''

''نہیں نمران۔ برا کیوں مانوں گی۔'' وہ اپنائیت سے بولی۔

''الانشا میری کیا حیثیت ہے۔ تمہاری نگاہ میں؟''

''کیا مطلب؟''

''میرے اور تمہارے درمیان ایک رشتہ ہے۔ الانشا اور مستقبل میں اس کی تکمیل ہونے والی ہے اور کوئی اور تمہیں پسند ہے کہ تم اس میں خود کو ضم کرنا پسند کرتی ہو ان حالات میں میرا کیا ہوگا؟''

''کیسی باتیں کرتے ہو نمران۔ وہ...... وہ کوئی اور نہیں ہے۔ کیونکہ میرا تعلق تم سے ہے۔ میں بیمار ہوں۔ نمران! مجھ سے کوئی کوتاہی ہو جائے تو...... تو اسے میری بیماری قرار دینا مجھ سے بددل نہ ہونا۔ بیمار کا علاج کرتے ہیں۔ ان سے ناراض نہیں ہوتے۔''

''میں تم سے بالکل ناراض نہیں ہوں میری زندگی۔ تم جو کچھ بھی ہو میری ہو۔ اگر ہمارے راستے میں کوئی دیوار آئی اور وہ دیوار نا قابل تسخیر ہوئی تو، تو میں اسے توڑنے کی کوشش میں جان دے دوں گا۔ پیچھے نہ ہٹوں گا۔ یہ میرا عہد ہے۔ الانشا چٹانوں سے زیادہ مضبوط سمجھ لینا اسے۔''

"خدا کا شکر ہے زبان تو کھلی آپ کی۔ بہت جذباتی ہو گئے آپ۔" الاکشا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہمیشہ تھا۔ تمہارے لیے کب جذباتی نہیں تھا۔ میں؟"

"میرے ساتھ چل رہے ہیں۔ ہرمیت چاچا کے گھر؟"

"ہر جگہ جاؤں گا۔ کائنات کے آخری سرے تک تمہارے ساتھ سفر کروں گا۔ الاکشا۔"

"واہ، آج تو مزہ آ گیا۔ ایسی گفتگو پہلی بار سنی ہے۔ بڑی اچھی لگ رہی ہے۔ الاکشا ہنستی ہوئی بولی۔

ہرمیت سنگھ اور شہباز خان دور سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ ہرمیت سنگھ نے کہا۔" کچھ محسوس کر رہے ہو۔ شہباز۔"

"کیا؟"

"وہ ہنس رہی ہے۔ وہ خوش ہے اور میرے ذہن میں بار بار یہ خیال آ رہا ہے کہ جب سے اس کو میں نے اپنے ساتھ لے جانے کے لیے کہا ہے وہ نارمل ہوتی جا رہی ہے۔"

"اس سے کیا نتیجہ اخذ کرتے ہو تم؟"

"ہمیں یہ بات نظر انداز نہیں کرنی چاہیے کہ وہ ہمیں اس لاش کے پاس سے ملی تھی۔ اس کا لاش سے کیا رشتہ تھا کون جانے۔" شہباز خان نے گہری سانس لی اور پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"بہت بڑا المیہ ہے یہ ہرمیت سنگھ ہم بھول گئے تھے کہ وہ ہم میں سے نہیں ہے لیکن یہ امید بھی نہیں تھی کہ یہ سب کچھ یاد کرنا پڑے گا۔"

حقیقتوں کو یاد رکھنا چاہیے۔ اب خود کو مضبوط کرو۔ نہ جانے آگے کیسے کیسے واقعات سے سابقہ پڑے۔"

دوسرے دن صبح آٹھ بجے کرنل مقبول اور نمران، شہباز کی کوٹھی پہنچ گئے۔ الاکشا بالکل ٹھیک تھی۔ اس نے بڑی لگن سے تیاریاں کیں اور اپنے پسندیدہ لباس سوٹ کیس میں رکھے تھے۔ دوران سفر بھی وہ خوش و خرم نظر آتی رہی تھی۔ سب سے باتیں کرتی رہی تھی۔ لیکن اس کی یہ کیفیت بھی ان لوگوں کے لیے باعث خوشی نہیں تھی۔ بہرحال وہ اپنی منزل پر پہنچ گئے۔ ہرمیت سنگھ نے کسی کو آنے کی اطلاع نہیں دی تھی۔ اس لیے اسٹیشن پر کوئی نہیں تھا۔ بہرحال دو تانگے کیے گئے اور دونوں تانگے ہرمیت سنگھ کی کوٹھی کی طرف چل پڑے۔ ہرمیت سنگھ کسی سوچ میں گم تھا۔ شہباز بھی خاموش تھا۔ ہرمیت سنگھ کی حویلی سامنے آ گئی اور دفعتاً ہرمیت کے منہ سے آواز نکلی۔

"اوہ...... یہ پولیس...... یہ پولیس کیوں نظر آ رہی ہے؟"

شہباز خان بھی چونک پڑا۔ حویلی کے گیٹ پر دو پولیس والے تعینات تھے اور کھلے ہوئے گیٹ کے دوسری طرف اور بھی پولیس والے نظر آ رہے تھے۔

تانگے حویلی کے سامنے رک گئے۔ ہرمیت سنگھ پھرتی سے نیچے کودا اور پولیس والوں کے پاس پہنچا۔

"کیا ہوا؟ کیا بات ہے؟ کیا ہو گیا یہاں؟"

"ڈکیتی، قتل، مگر تم کون ہو؟" ایک پولیس والے نے پوچھا۔

"ہرمیت سنگھ اس کی بات کا جواب دیے بغیر پلٹا۔ اس دوران شہباز وغیرہ بھی نیچے اتر آئے تھے

اور انہوں نے پولیس مین کے الفاظ سن لیے تھے۔ ہرمیت سنگھ نے کہا۔

"شہباز تم تانگے فارغ کر کے سب کو اندر لے آؤ میں ملازموں کو بھیجتا ہوں۔" یہ الفاظ کہہ کر ہرمیت سنگھ اندر داخل ہونے لگا تو اسی پولیس مین نے اسے روکتے ہوئے کہا۔

"میں نے تم سے پوچھا تھا کہ تم کون ہو۔ اندر پولیس کارروائی ہو رہی ہے۔ ہمارے افسروں کے حکم کے بغیر کوئی اندر داخل نہیں ہو سکتا۔"

"بھائی میں اس حویلی کا مالک ہوں میرا نام ہرمیت سنگھ ہے۔ یہ تیرے مہمان ہیں۔ جو میرے ساتھ شہر سے آئے ہیں۔ سمجھ میں آ گیا۔" ہرمیت سنگھ نے کہا اور اندر داخل ہو گیا۔

سامنے ہی پولیس کے کچھ افسر نوکروں کا میلہ لگائے کھڑے تھے اور ان سے پوچھ گچھ کر رہے تھے۔ ہرمیت سنگھ تیزی سے ان کے قریب پہنچ گیا۔ پھر اس نے ملازموں سے کہا۔

"باہر مہمان آئے ہوئے ہیں ان کا سامان اٹھالاؤ اور انہیں اندر لے جاؤ۔ جاؤ...... سنا نہیں۔" ملازم آگے بڑھے تو ایک پولیس افسر نے ڈنڈا سیدھا کر کے کہا۔

"آپ کون ہیں؟"

"میرا نام ہرمیت سنگھ ہے۔"

"اوہ...... معاف کیجیے گا ہرمیت سنگھ جی۔" پولیس افسر نے جلدی سے کہا اور ملازموں کو جانے کی اجازت دے دی۔ اتنی دیر میں سب ہی اندر آ گئے تھے۔ شہباز خان الاکشا کو لے کر اندر چل پڑا۔ سندری اور گھر کے دوسرے لوگ حیران پریشان ایک جگہ جمع تھے۔ ان دونوں کو دیکھ کر سندری خوش ہو گئی۔

"ارے الاکشا میری بیٹی آئی ہے۔ آئیے بھیاجی!" سندری نے آگے بڑھ کر الاکشا کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے لپٹا لیا۔

"کیا ہوا بھابی جی؟" شہباز نے پریشانی سے پوچھا۔

"ڈکیتی بھیاجی رات کو تین بجے گولیاں چلی ہیں۔ پریم شرما کو قتل کر دیا گیا ہے۔" سندری نے سہمے ہوئے انداز میں کہا۔

"کون پریم شرما؟"

"نوکر تھا بے چارا۔"

"اوہ...... آپ لوگوں کو تو کوئی نقصان نہیں ہوا۔"

"بس بھیا بھگوان کی دیا سے ہم لوگ اندر سو رہے تھے۔ جو کچھ ہوا باہر ہی ہوا۔ میں نے تو ابھی تک کسی کو باہر جانے نہیں دیا۔"

"آپ لوگ آرام سے اندر بیٹھیں پریشان نہ ہوں میں ذرا باہر دیکھتا ہوں۔" شہباز خان باہر نکل گیا۔ باہر پولیس افسر ہرمیت سنگھ کو تفصیل بتا چکے تھے۔ جو یوں تھی کہ رات کی تین بجے ہرمیت سنگھ کے نوادر خانے میں کچھ لوگوں نے داخل ہو کر کچھ اشیاء حاصل کیں۔ نوادر خانے کے محافظوں نے ان سے مقابلہ کیا تو ڈاکوؤں نے ان میں سے ایک کو ہلاک کر دیا۔ باقی دو ملازم مجبور ہو گئے۔ ڈاکو اپنا کام کر کے چلے گئے۔ تو

ملازموں نے گھر والوں کو اور گھر والوں نے پولیس کو اطلاع دی۔

پولیس نے لاش تحویل میں لے لی اور اسے ہسپتال بھجوا دیا۔ پھر انہوں نے نوادر خانے کا جائزہ لینا چاہا تو محافظ ملازموں نے اس کی مخالفت کی اور کہا کہ مالک کی غیر موجودگی میں ہم پولیس کو اندر جانے نہیں دیں گے۔ پولیس اپنا فرض ادا کرنا چاہتی تھی۔ لیکن ملازم بھی اڑ گئے اور پھر انہوں نے نوادر خانے میں داخل ہو کر اندر سے دروازہ بند کر لیا اور اندر ہی ہیں۔" شہباز نے کہا۔

"انہیں یہی ہدایت ہے۔ آفیسر اس کا برا نہ منائیں۔ آیئے کرنل آپ یقیناً سفر سے تھکے ہوئے ہوں گے۔ لیکن تھوڑی دیر اور سہی۔ آؤ نمران۔"

ہرمیت سنگھ کا چہرہ تشویش کا آئینہ بنا ہوا تھا۔ اسے پریم شرما کی موت کا بہت افسوس تھا اور اب وہ خود بھی نوادر خانے میں داخل ہونے کے لیے بے چین تھا۔ چنانچہ سب پولیس افسروں کے ساتھ نوادر خانہ کی طرف چل پڑا۔

وفادار ملازم اس سے زیادہ کیا کر سکتے تھے جو انہوں نے کیا۔ ان کا ایک ساتھی ہلاک ہو چکا تھا۔ لیکن وہ مالک کی وفاداری کے لیے مستعد تھے۔ جب تک انہوں نے ہرمیت سنگھ کی آواز نہ سن لی۔ دروازہ نہیں کھولا تھا۔ مالک کو دیکھ کر وہ رونے لگے تو ہرمیت سنگھ نے انہیں تسلیاں دیں اور ان کی وفاداری کو سراہا۔ پولیس آفیسر نوادر خانے کا جائزہ لینے میں مصروف ہو گئے تھے اور اپنی کارروائی کر رہے تھے۔ ملازموں کو وہاں سے باہر بھیج دیا گیا۔ پولیس آفیسر نے ہرمیت سنگھ سے پوچھا کہ نوادر خانے سے کیا اشیاء نکالی گئی ہیں۔ ملازموں سے نمٹنے کے بعد ہرمیت سنگھ ان تمام اشیاء کا جائزہ لینے لگا۔ جو بلاشبہ بیش قیمت تھیں۔ لیکن تمام ہی چیزیں اپنی جگہ موجود تھیں۔ البتہ ایک جگہ نمایاں طور پر خالی نظر آ رہی تھی۔ وہ تابوت تھا جس میں لاش موجود تھی۔

سونے کا سانپ حیرت ناک طریقے سے لاش کے گلے میں پھنس گیا تھا اور اسے دوبارہ اتارنے کی کوشش نہیں کی گئی تھی۔ وہ نقشہ بھی لاش کے ساتھ ہی موجود تھا۔ جو چمڑے پر بنا ہوا تھا اور تینوں چیزیں غائب تھیں۔ بلاشبہ اس نوادر خانے میں ان سے کہیں زیادہ مالیت کی بیش بہا چیزیں موجود تھیں۔ لیکن ڈاکوؤں نے انہیں ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا اور تمام چیزیں اپنی جگہ موجود تھیں۔ چنانچہ کم از کم جاننے والے یہ بات آرام سے کہہ سکتے تھے کہ یہ باقاعدہ ڈاکہ نہیں بلکہ حیرت انگیز چوری ہے۔ تابوت کے عقبی حصے میں ہرمیت سنگھ کو ایک ایسی شے پڑی ہوئی ملی جس سے وہ چونکا تھا۔

یہ لاش کی گردن میں پڑا ہوا لکڑی کے زیوروں کا وہ توڑا تھا۔ جو غالباً لاش کو اٹھاتے وقت ٹوٹ کر نیچے گر پڑا تھا۔ لکڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ مخصوص ساخت کی یہ لکڑیاں کافی تعداد میں تھیں اور ان کا تعلق اسی پر اسرار لاش سے تھا۔ ہرمیت سنگھ نے پولیس افسروں کو مطمئن کرنے کے لیے کہا کہ جو شے چوری ہوئی ہے۔ وہ بھی نوادرات سے تعلق رکھتی ہے۔ ایک حنوط شدہ لاش جس کی گردن میں سونے کا ایک زیور تھا۔ باقی کوئی شے چوری نہیں ہوئی تھی پولیس افسر نے اس سلسلے میں ہرمیت سنگھ کا بیان لکھا اور ہرمیت سنگھ نے سادہ الفاظ میں چوری کی تفصیلات بتا دیں۔ مالیت وغیرہ کا اس نے کوئی تعین نہیں کیا تھا کہ ڈاکہ زنی کرنے والے ڈاکو نہیں۔ بلکہ صرف نوادرات کے چور تھے اور ایک نادر شے چرا کر لے گئے۔ پولیس نے اس سلسلے میں ان ملازموں کو

مانگا تھا۔ جو محافظ نوادر خانے میں موجود تھے۔ لیکن ہرمیت سنگھ نے سختی سے انکار کر دیا اور کہا کہ میں خواب کے عالم میں بھی ان ملازموں پر شبہ نہیں کر سکتا۔

چنانچہ ان میں سے کسی کو پولیس کے حوالے نہیں کیا جائے گا۔ معاملہ بہت بڑے آدمی کا تھا۔ اس لیے پولیس بھی اس پر اصرار نہ کر سکی اور اس کے بعد پولیس والے یہاں سے چلے گئے۔ ہرمیت سنگھ اور باقی تمام لوگ نوادر خانے ہی میں موجود تھے۔ کرنل مقبول اور نمران اس شاندار نوادر خانے کو دلچسپی کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ کرنل نے کہا۔

"کم از کم یہ بات تو میری سمجھ میں آ گئی کہ لاش چوری ہوئی ہے جس کا تذکرہ ہم لوگوں کے درمیان ہو چکا ہے۔"

"ہاں کرنل اور کیا یہ حیرت انگیز بات نہیں کہ لاش عین اس وقت چوری ہوئی جب الاکشا یہاں پہنچا۔"

کرنل مقبول نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا۔ خود ہرمیت سنگھ بھی اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکا۔ البتہ اس نے ایک بار پھر ان لوگوں کو بتایا کہ جو پر اسرار واقعات یہاں ہوئے ہیں۔ ہو سکتا ہے ان کا بھی اس چوری سے ہی کوئی تعلق ہو۔ کیا کہا جا سکتا ہے۔ لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ الاکشا کا یہاں لانا بے کار ہو جائے۔ لکڑی کے اس زیور کو احتیاط سے سمیٹ کر محفوظ کر دیا گیا تھا اور اس بات کا شبہ بھی تھا ہرمیت سنگھ کو۔ کہ کہیں وہ زیور حاصل کرنے کی بھی کوشش نہ کی جائے۔

چنانچہ لکڑی کے اس زیور کو نوادر خانے میں نہیں رکھا گیا تھا۔ بلکہ ہرمیت سنگھ نے انہیں لکڑی کی ہی ایک صندوقچی میں بند کر کے اپنے کمرے میں محفوظ کر لیا تھا۔ اس کام سے فراغت حاصل کرنے کے بعد وہ اندر آ گئے۔ ہرمیت سنگھ نے اس بات پر کرنل اور نمران سے معذرت کی تھی کہ یہاں آتے ہی انہیں بھی الجھنوں کا شکار ہونا پڑا۔ اس بات پر کرنل مقبول نے مسکراتے ہوئے کہا کہ انہیں صرف اس بات کا افسوس ہے کہ ان کا ایک ملازم مارا گیا۔ ورنہ یہ پر اسرار واقعات ان کی زندگی میں بہت دلچسپی کا باعث ہیں کیونکہ اس سے پہلے کبھی انہیں اس قسم کے واقعات کا سامنا کرنا نہیں پڑا۔

اس کے بعد اس چوری پر تبصرہ ہونے لگا۔ یہ بات باعث حیرت تھی کہ جو کوئی بھی نوادر خانے میں داخل ہو کر لاش کو چرانے کا باعث بنا تھا۔ وہ کون ہو سکتا ہے اور اسے خصوصی طور سے اس لاش ہی سے دلچسپی کیوں پیدا ہوئی۔ ہرمیت سنگھ نے بتایا کہ بہت سے لوگ اس کے نوادر خانے کی سیر کر چکے ہیں اور اس کی تعریف کی جا چکی ہے۔ لیکن اس سے قبل کبھی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا کہ اس سے پہلے کسی نے نوادر خانے سے کچھ چرانے کی کوشش کی ہو یہ تصور بھی ہرمیت سنگھ کے تصور میں نہیں تھا کہ کبھی ایسا ہو سکتا ہے۔ کرنل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"غالباً چوروں کو یہ علم ہو گیا کہ کرنل اس لاش کو دیکھنے آ رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اسے اڑا لیا۔ ہم جانتے ہیں کہ یہ ہمارے خلاف سازش ہے۔" اس تبصرے پر سب مسکرا اٹھے اور دیر تک اس سلسلے میں تبصرہ آرائیاں ہوتی رہیں۔ ہرمیت سنگھ کو ان دوستوں کی آمد کی خوشی بھی تھی اور اس حادثے کا دکھ بھی بے چارے ملازم کی موت کے سلسلے میں ظاہر ہے اب کیا کیا جا سکتا تھا۔ ہرمیت سنگھ نے پولیس کے معاملات نمٹ

فون پر درست کر لیے۔ ظاہر ہے ایک غریب آدمی کی موت کیا حیثیت رکھتی تھی۔ تاہم اس کے لواحقین کے سلسلے میں ہرمیت نے کوئی غفلت نہیں برتی تھی۔

ساتھ ہی ساتھ الاٹشا کا جائزہ لیا جا رہا تھا۔ جو بہ دستور نارمل تھی اور یوں لگتا تھا۔ جیسے یہاں آنے کے بعد وہ بہت خوش ہو گئی ہو۔ ہرمیت سنگھ کے اہل خانہ کے ساتھ گھل مل گئی تھی۔ اس طرح دو دن گزر گئے۔ تیسری شام ہرمیت سنگھ نے خاص طور پر اپنے چند دوستوں کو مدعو کیا۔ جن میں پروفیسر حاتم آفریدی اور چمن گپتا بھی تھے۔ یہ لوگ جب یہاں پہنچے اور انہیں چوری کا علم ہوا۔ تو انہوں نے کسی قدر خفگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اس واقعے کی اطلاع انہیں کیوں نہیں دی گئی۔ ہرمیت سنگھ نے معذرت کرتے ہوئے بتایا کہ وہ خود ذہنی طور پر الجھا ہوا تھا۔ کیا کہتا اور کیا نہ کہتا۔ یہ نشست بہت پرلطف رہی تھی اور وہ لوگ کافی ہشاش بشاش ہو گئے تھے۔ لیکن دوسرے دن پھر سنسنی کا آغاز ہو گیا۔

"اس دن دو واقعات ہوئے تھے۔ صبح تقریباً ساڑھے سات بجے الاٹشا ہرمیت سنگھ کے کمرے میں داخل ہوئی اور اس نے انتہائی حیرت ناک طریقے سے لکڑی کے زیورات کا یا لکڑی کے ان ٹکڑوں کا وہ چھوٹا سا صندوقچہ تلاش کر لیا۔ جو ہرمیت سنگھ نے اپنی الماری میں محفوظ کر دیا تھا اور اسے اپنے ساتھ لے گئی۔ ہرمیت جاگ گیا تھا اور بستر میں انگڑائیاں لے رہا تھا کہ اس نے الاٹشا کو چوروں کی طرح کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا دن کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ہرمیت سنگھ نے محسوس کیا کہ اس کا انداز کھویا کھویا سا ہے اور پھر جو کچھ ہوا اس نے ہرمیت سنگھ کو بری طرح چونکا دیا اور اس نے فوراً ہی دوسرے لوگوں سے رابطہ قائم کیا۔ کرنل مقبول، نمران اور شہباز حیران رہ گئے تھے۔

طے یہ ہوا کہ اس سلسلے میں الاٹشا کو کسی طرح یہ ظاہر نہ ہونے دیا جائے کہ اس کی اس کارروائی کا علم انہیں ہو چکا ہے۔ ظاہر اس میں کوئی مجرمانہ حرکت نہیں تھی۔ دیکھنا یہ تھا کہ اب الاٹشا کی کیا کیفیت رہتی ہے۔ اس سلسلے میں خاص طور سے نمران کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ الاٹشا پر نظر رکھے۔ لیکن لکڑی کے ان ٹکڑوں یا بالفاظ دیگر زیورات کا کوئی تذکرہ نہیں آنا چاہیے۔

نمران نے اسی شام رپورٹ دی کہ الاٹشا ذہنی طور پر بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن دوپہر کے کھانے کے بعد اس نے الاٹشا کے کمرے میں جھانکا تو وہ لکڑی کے ان ٹکڑوں کو اپنے سامنے بستر پر سجائے کھوئی کھوئی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی اور یہ عمل تقریباً ایک گھنٹے تک جاری رہا۔ پھر الاٹشا نے انہیں سمیٹا صندوقچی میں اسی طرح رکھا اور اسے الماری میں محفوظ کر دیا۔

لیکن شام کی ملاقات میں وہ بالکل مطمئن اور معمول کے مطابق نظر آئی۔ اس سلسلے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکا کہ کیا کیا جائے۔ لاش کی چوری کے سلسلے میں پولیس کی طرف سے بھی کوئی اطلاع نہیں مل سکی تھی۔ بس کھنی سی کارروائی ہو رہی تھی۔ کیوں کہ ہرمیت سنگھ نے اس سلسلے میں خود کوئی بھاگ دوڑ نہیں کی تھی۔ دوسرا اہم واقعہ رات کو آٹھ بجے پیش آیا۔ جب کہ ڈنر کے لیے تیاریاں کی جا رہی تھیں اور یہ سب لوگ خوش گپیوں سے فارغ ہوئے تھے کہ پروفیسر حاتم آفریدی اچانک ہی وہاں پہنچے۔ ان کے چہرے پر شدید تشویش کے آثار نظر آ رہے تھے۔ لیکن ان کا پرجوش خیر مقدم کیا گیا۔ پروفیسر حاتم آفریدی نے ہرمیت سنگھ سے کہا۔

"ہرمیت سنگھ کچھ اہم گفتگو چاہتا ہوں۔ میرے نزدیک تو تنہائی ضروری نہیں لیکن اگر تم اپنے معاملات میں کچھ راز داری چاہتے ہو تو براہ کرم مجھے تنہائی میں کچھ وقت دو۔"

"ضرور پروفیسر آپ میرے کمرے میں تشریف لے آیئے۔" ہرمیت سنگھ نے کہا اور پروفیسر حاتم آفریدی کو اپنے بیڈ روم میں لے گیا۔ پروفیسر نے آہستہ سے کہا۔

"پروفیسر مارک ڈان میرے پاس آئے ہوئے ہیں۔ وہ تو ضد کر رہے تھے کہ میں انہیں تمہارے پاس لے آؤں لیکن کچھ مخصوص حالات کی وجہ سے میں نے مناسب نہیں سمجھا۔"

"خیریت پروفیسر حاتم؟"

"مارک ڈان مجھے جو کہانی سنا رہے ہیں وہ بے حد عجیب ہے اور اس کہانی کے تحت میں تمہارے پاس دوڑا چلا آیا ہوں۔ مارک ڈان سے میری ملاقات شام چار بجے ہوئی ہے۔"

"کیسی کہانی پروفیسر؟"

"تمہارے ہاں ہونے والی چوری کے سلسلے میں کچھ انکشافات ہوئے ہیں۔"

"اوہ......" ہرمیت سنگھ چونک پڑا پروفیسر نے چند لمحات خاموش رہنے کے بعد کہا۔

"تھوڑا سا جرم میرا بھی ہے۔ لیکن اس بات کے تم گواہ ہو ہرمیت سنگھ کہ میرے ذہن میں کوئی برائی نہیں تھی۔ میں تو بس فخریہ طور پر تمہارے اس نوادر خانے کے تذکرے اپنے حلقے میں کرتا رہتا تھا اور اسی جذبے کے تحت میں نے اس نوادر خانے کے بارے میں کچھ لکھا بھی تھا کہ پھر جب پروفیسر مارک ڈان اور ان کے ساتھ کچھ دوسرے لوگ اس نوادر خانے کو دیکھنے کی آرزو میں میرے پاس پہنچے تو میں نے انہیں تم تک پہنچا دیا۔

پروفیسر مارک ڈان ایک نفیس انسان ہیں اور ان کا ماضی بے داغ رہا ہے۔ لیکن ان کے ساتھ ایک شخص شروک بھی تھا۔ جس نے خود اپنے بارے میں بتایا کہ اس کا تعلق بحری قزاقوں سے بھی رہا ہے۔ یہاں سے جانے کے بعد پروفیسر مارک ڈان اور شروک کچھ دوسری جگہوں کی سیاحت کرتے ہوئے چندر نگر پہنچ گئے۔ چندر نگر میں شروک نے انہیں ایک تجویز پیش کی۔ اس نے کہا کہ کسی طرح ہرمیت سنگھ کے نوادر خانے سے لاش حاصل کر لینی چاہیے۔ وہ بہت اہمیتوں کی حامل ہے اور اس کے ذریعے انہیں کوئی بہت بڑا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے جو ہو سکتا ہے۔ کسی خزانے کی شکل میں ہو۔ اور ہو سکتا ہے کہ کسی عظیم انکشاف کا حامل ہو۔ ہرمیت سنگھ کے لیے وہ لاش صرف ایک نادر شے کی حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن اس لاش کے ساتھ جو ایک نقشہ ہے۔ وہ ایک باقاعدہ تحریر ہے اور شروک نے ایک ہی نظر میں یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ تحریر قیمتی ہے۔ اس نے کہا کہ وہ تمام چیزیں وہاں سے حاصل کر کے وہ لوگ ایک بہت بڑا کارنامہ انجام دے سکتے ہیں۔ لیکن ہرمیت سنگھ کو اس سلسلے میں شریک کرنا مناسب نہیں ہوگا۔ مارک ڈان نے اس تصور کی شدید مذمت کی اور کہا کہ اگر ایسی کوئی بات ہے تو ہرمیت سنگھ کو اس میں شریک کیا جا سکتا ہے۔ یوں کہ ان سے جو گفتگو ہوئی تھی۔ اس کے تحت یہ بات بھی واضح ہو گئی تھی کہ خود ہرمیت سنگھ کو اس بارے میں کچھ نہیں معلوم اور نہ ہی وہ اس سلسلے میں کوئی خاص تحقیق کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

مارک ڈان کی اس [illegible]

معلوم ہوگئی تو وہ اپنے طور پر ہی تمام کارروائی کرنے کی کوشش کریں گے اور ان لوگوں کو کوئی برتری حاصل نہ ہو سکے گی۔ کیونکہ یہ ان کے لیے ایک غیر ملک ہے اور ان کے وسائل محدود ہیں۔

بہر طور کئی بار شروک نے اس سلسلے میں مارک ڈان کو اپنا ہم نوا بنانے کی کوشش کی۔ لیکن مارک ڈان اس بات پر تیار نہ ہوئے اور پھر ایک دن شروک ایک اور شخص کریمن کے ساتھ غائب ہو گیا اور اس کے بعد مارک ڈان کو اس کا پتا نہ چل سکا۔ مارک ڈان اسے کچھ دنوں خود تلاش کرتے رہے۔ پھر اس تصور کے تحت کہ شروک کہیں ان سے الگ رہ کر کوئی حرکت کرنے کی کوشش نہ کرے وہ بے چارے مجبوراً میرے پاس پہنچے یہ اطلاع دینے کے لیے ہم اس لاش کا تحفظ کرنے کے لیے معقول انتظام کر لیں۔ انہوں نے مجھ سے اس کا تذکرہ کیا تو میں نے انہیں بتایا کہ واردات ہو چکی ہے۔ اس بات پر وہ بے حد شرمندہ ہیں اور اپنے آپ کو اس کا ذمہ دار ٹھہرا رہے ہیں۔ کیونکہ شروک ان کے ساتھ ہی یہاں آیا تھا۔"

ہرمیت سنگھ یہ تفصیل سن کر ششدر رہ گیا۔ اب اس میں کوئی شبہ ہی نہیں تھا کہ شروک ہی اس کارروائی کا محرک ہے ویسے اس کی پراسرار شخصیت اب ہرمیت سنگھ کو یاد آ رہی تھی اور ہرمیت سنگھ کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ صورت حال کیا ہے اس نے پروفیسر سے کہا وہ فوراً مارک ڈان سے ملنا چاہتا ہے اور اس کے لیے کوئی بندوبست کیا جائے۔ تو پروفیسر حاتم نے بتایا کہ پروفیسر مارک ڈان انہی کے ہاں مقیم ہیں اور انہیں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے کہ ہرمیت اس سے ملاقات کرے۔ ہرمیت سنگھ نے دوسرے لوگوں کو بھی اس واقعے سے لاعلم رکھنا مناسب نہیں سمجھا اور تھوڑی دیر کے بعد پروفیسر حاتم آفریدی کو ساتھ لیے ہوئے ان سب کے پاس پہنچ گیا۔

اور پھر پروفیسر حاتم کے انکشافات ان کے سامنے دہرا دیے۔ کرنل مقبول کا چہرہ تجسس کی تصویر بن گیا۔ سب ہی حیران ہوئے تھے۔ پھر اس سلسلے میں یہ گفتگو کی جانے لگی کہ اب کیا ہونا چاہیے۔ کرنل نے پروفیسر حاتم آفریدی سے سوال کیا۔

"کیا وہ صرف دو آدمی ہو سکتے ہیں پروفیسر! جنہوں نے یہاں یہ کارروائی کی؟"

"کیا عرض کیا جا سکتا ہے۔ کرنل میرا خیال کہ آپ لوگ بھی پروفیسر مارک ڈان سے مل لیں۔ رات کی ایک کافی میرے ساتھ ہو جائے۔"

"تو پھر ہمارے ساتھ ڈنر میں شرکت کیجیے۔" ہرمیت سنگھ نے پیشکش کی۔

"اس وقت نہیں ہرمیت! تم سمجھتے ہو کہ پروفیسر مارک ڈان میرے ہاں مقیم ہیں۔"

"اوہ...... ہم آپ کو مجبور نہیں کریں گے۔ تو پھر یوں طے کیے لیتے ہیں کہ ڈنر کے بعد ہم لوگ وہاں پہنچ رہے ہیں۔"

"میں آپ کو ڈنر کی دعوت نہیں دے سکتا کیونکہ بالکل اتفاقی ملاقات ہے۔" پروفیسر حاتم آفریدی نے بے تکلفی سے کہا۔

"آپ اس کا تصور بھی نہ کریں۔ پروفیسر پلیز۔" ہرمیت سنگھ نے کہا اور تھوڑی دیر کے بعد پروفیسر ان سے رخصت ہو گیا۔ سب کے چہرے تشویش کے آئینہ دار تھے۔ اس سلسلے میں بات چیت ہونے

لگی۔ شہباز خان نے شروک کے بارے میں ہرمیت سنگھ سے معلومات حاصل کیں اور ہرمیت سنگھ نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں یہی لوگ تھے۔ جنہوں نے سب سے آخر میں نوادر خانے کو دیکھا تھا۔ شروک پراسرار شخصیت کا مالک تھا۔ لیکن میں نے اس پر توجہ نہیں دی تھی اور اسے صرف مہمان ہی کی حیثیت دی تھی اور شروک نے چہرے کا وہ ٹکڑا بھی دیکھا تھا۔ جس پر نقوش کندہ تھے۔ لیکن تعجب کی بات یہ ہے۔ اس نے یہاں اس قسم کا کوئی اظہار نہیں کیا تھا۔"

"ان لوگوں کو بار بار آزمایا جا چکا لیکن ہم سادہ دل لوگ ان پر شبہ نہیں کرتے۔" شہباز خان نے تلخ لہجے میں کہا۔

"خیر یہ انفرادی بات بھی ہے۔ انہی میں سے مارک ڈان بھی ہے جس نے ہمیں یہ اطلاع دی ہے۔" ہرمیت سنگھ نے کہا اور شہباز خان منہ ٹیڑھا کر کے خاموش ہو گیا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"یوں لگتا ہے۔ ہرمیت سنگھ کہ یہ لوگ ہمیں پرسکون نہیں رہنے دیں گے۔ کوئی اور بھی ہمارا انتظار کر رہی ہے۔ یقینی طور پر اگر شروک اس لاش کی تحقیقات کرنا چاہتا ہے اور اس نقشے کے ذریعے کہیں پہنچنا چاہتا ہے تو وہ جگہ سلہری کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتی اور شروک کو سلہری میں ہمارا آمنا سامنا کرنا پڑے گا۔"

اس بات پر سب ہی چونک کر شہباز خان کو دیکھنے لگے تھے۔ ہرمیت سنگھ کی نگاہوں میں حیرت کے نقوش تھے۔ پھر اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے کہا۔

"یار شہباز...... یہ بات تو تم نے سولہ آنے درست کہی۔ واقعی ہم اس بات کو کیسے نظر انداز کر سکتے ہیں۔ اوہ، ویری گڈ، کرنل میں آپ کو بھی اس مہم کی دعوت دیتا ہوں اور نمران بیٹے تمہیں بھی۔ یقینی طور پر ہمیں اس سلسلے میں خاموشی نہیں اختیار کرنی چاہیے۔ بات اگر میرے نوادر خانے سے کسی چیز کے چوری ہونے کی ہوتی تو شاید میں اسے نظر انداز کر دیتا۔ لیکن ہمارے سامنے ایک زندہ وجود بھی ہے۔ جس کا نام الاتشا ہے اور جو ان تمام واقعات سے براہ راست تعلق رکھتی ہے اور ہم الاتشا سے براہ راست تعلق رکھتے ہیں۔ کیسے نظر انداز کیا جا سکتا ہے ان حالات کو بلکہ ہمیں ایک طرح سے تو شروک کا بھی شکر گزار ہونا چاہیے۔ کہ اس نے یہ لاش چوری کر کے ہمارے ذہنوں میں یہ تحریک پیدا کر دی۔ شہباز میں تم سے بالکل متفق ہوں یقیناً ہمیں ایسا ہی کرنا ہو گا۔ خدا کرے الاتشا درست رہے اور ہمیں اس طرف سے کوئی تشویش نہ ہو۔ بہر طور اس مسئلے کو حل تو کرنا ہی ہے۔

"اور ڈنر کا وقت بھی نکلا جا رہا ہے۔ ہمیں ڈنر کے بعد کافی پروفیسر کے ہاں پینی ہے۔" کرنل نے ہنستے ہوئے کہا۔

"یقیناً کرنل آیئے۔ ڈنر کر لیا جائے۔" ہرمیت سنگھ نے کہا اور اس کے بعد وہ ڈنر روم میں پہنچ گئے۔ جلدی جلدی کھانا کھایا گیا۔ الاتشا حیرت انگیز طور پر سکون تھی اور ہنستی مسکراتی نظر آئی تھی۔ اس بات نے ان لوگوں کو خاص تقویت بخشی ورنہ سب سے اہم مسئلہ یہی تھا۔ لکڑی کے زیورات کے حصول کے بعد اس پر کوئی خاص ردعمل ظاہر نہیں ہوا تھا اور ابھی وہ معاملہ بالکل تاریکی ہی میں تھا۔ الاتشا نے زیورات کیسے پائے

اور انہیں حاصل کرنے کے بعد ان سے کیا نتیجہ اخذ کیا۔ یا اس پر کیا ردعمل ہوا۔

بہر طور ڈنر کے بعد وہ سب پروفیسر حاتم کی رہائش گاہ کی طرف چل پڑے تھے۔

"پروفیسر حاتم، چرن گپتا اور مارک ڈان ان لوگوں کا انتظار کر رہے تھے۔"

"ہمیں کچھ دیر ہو گئی شاید۔" ہرمیت سنگھ نے کہا۔

"نہیں بلکہ ہم مضطرب تھے۔ خاص طور سے پروفیسر مارک ڈان جنہوں نے خود کو مجرم سمجھنے کا تہیہ کر لیا ہے۔" پروفیسر حاتم نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"یہ اس احساس سے سخت متاثر ہیں کہ شردک کے ساتھ آپ سے ملے تھے۔"

"نہیں پروفیسر بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ ہم تو آپ کے شکرگزار ہیں کہ آپ نے ہمیں ایک بڑی الجھن سے نجات دلا دی ورنہ ہم اس الجھن میں گرفتار رہتے کہ لاش چھپانے والے کون ہیں اور ان کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔ آپ کے اس انکشاف نے تو ہمیں اس الجھن سے نجات دلا دی۔" ہرمیت سنگھ نے کہا۔

"مجھے شردک کی اس حرکت کا دکھ ہے۔" مارک ڈان نے کہا۔

"مسٹر شردک کا موقف ہمارے سامنے آ چکا ہے۔ انہوں نے اپنے مقصد کے حصول کے لیے ایک انسانی زندگی کا خاتمہ کر کے اپنی مجرمانہ ذہنیت کے بارے میں بتا دیا اور ہمیں یہ بات بھی ذہن میں رکھنی ہو گی۔ میں نے تو بہت سے لوگوں کو آزادانہ طور پر اپنے اس نوادر خانے کی سیر کرائی اور کبھی اس خوف کا شکار نہیں رہا کہ کوئی یہاں سے کچھ چرانے کی کوشش کرے گا۔ ورنہ شاید یہاں کے انتظامات مختلف ہوتے اور مسٹر شردک یہاں داخل ہو کر آسانی سے باہر نہ نکل پاتے لیکن مسٹر مارک ڈان! ہم نے ان کاوشوں کو صرف شوق تک محدود رکھا ہے۔ میں اور میرے دوست شہباز خان نہ جانے کہاں کہاں آوارہ گردی کرتے رہے۔ لیکن ہم نے کبھی خزانے تلاش نہیں کیے۔ کیوں کہ ہمارے آبائی خزانے اتنے وسیع ہیں کہ ہم انہیں ہی خرچ کرنے کا صحیح راستہ دریافت نہیں کر پائے۔ اگر شردک ہم سے یہ کہتا کہ وہ اس لاش کے پاس ملنے والی تحریر کے بارے میں کوئی اندازہ لگا چکا ہے یا ان نقوش سے کوئی مقصد اخذ کر چکا ہے تو شاید ہم خود تحریر، اس کی تمام مطلوبہ چیزیں اس کے حوالے کر کے کہتے کہ ہمیں بھی اس تحقیق میں شریک کر لے۔ ہم شاید اسے یہ پیشکش بھی کر دیتے کہ اگر اس کوشش سے اسے کوئی خزانہ دریافت ہو سکتا ہے تو وہ اپنا شوق پورا کرے ہم اپنے تجسس کا شوق پورا کریں گے۔ مگر اس مجرمانہ ذہنیت کا کیا کیا جائے۔ جس نے ایک زندگی سے کھیلنے میں بھی عار نہیں سمجھی اور اب مسٹر مارک یہ ضروری ہو گیا ہے کہ شردک کے راستے روکے جائیں اور ہم اپنے ایک ساتھی کی موت کا حساب اس سے طلب کریں۔ یہ کام پولیس کے حوالے بھی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن وہ ایک کارروائی ہو گی۔ جس میں ظاہر ہے کہ پولیس اس شوق سے دلچسپی نہیں لے سکے گی۔ جو ہمارے دل میں ہے اور شردک کو صحیح جگہوں پر تلاش نہیں کر جا سکے گا۔ ہم اپنے طور پر ابھی کوئی فیصلہ نہیں کر پائے ہیں۔ لیکن مسٹر مارک ڈان، شردک آسانی سے اس جگہ تک نہیں پہنچ سکے گا۔ جہاں سے وہ اپنا مقصد پا سکے۔ ہاں اسے ہماری مدد ضرور کرنا پڑے گی۔ اس راز کے حل کے سلسلے میں۔ اس نے اپنی گردن میں خود ایک پھندہ ڈال لیا ہے اور آپ دیکھیے گا کہ وہ پھندہ

اسے کس طرح مہنگا پڑتا ہے۔" ہرمیت سنگھ کا لہجہ کسی قدر تلخ ہو گیا۔

لیکن پھر اس نے خود کو سنبھال لیا۔ یہ بات مارک ڈان کے لیے نہیں تھیں۔ یہ تو صرف اس کے مقصد کا اظہار تھا۔ پروفیسر نے پر خیال انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"بہر طور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ شردک ہم میں سے نہیں ہے۔ ہم تحقیق کے رسیا اس بات سے بہت خوش ہوتے کہ وہ اپنی واقفیت کا اظہار ہم پر کر دیتا اور ہم سے کوئی معاہدہ کر لیتا۔ لیکن خیر یہ ایک الگ موضوع ہے۔ مسٹر مارک ڈان اپنے طور پر ان حقیقتوں کو بتانے کے لیے یہاں آئے اور انہوں نے اپنا فرض پورا کیا۔"

"ہم خلوص دل سے مسٹر مارک کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔" شہباز نے کہا۔ مارک ڈان خاموش تھا تھوڑی دیر تک خاموشی طاری رہی پھر اس نے کہا۔

"شردک کے ساتھ کریمن ہے اور میں ایک بات پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ شردک نے اپنے لیے کچھ اور مددگار بھی طلب کیے ہوں گے اور وہ اگر اس مہم کو سرانجام دینے کا ارادہ رکھتا ہے تو یقینی طور پر تنہا نہیں ہو گا اور اگر آپ لوگ اس کا تعاقب کرنا چاہیں تو میری طرف سے صرف ایک دوستانہ مشورہ ہے کہ اپنے آپ کو مضبوط اور محتاط رکھیں۔ جو شخص ایک انسانی زندگی سے کھیل سکتا ہے۔ وہ اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے اور بھی بہت کچھ کر سکتا ہے۔" شہباز خان اور ہرمیت سنگھ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ہرمیت سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"موت اور زندگی کا کھیل ہمارا آبائی کھیل ہے۔ مسٹر مارک ڈان! اور ہم لوگ بہت کھیلتے رہے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کے بعد ہم نے نئی زندگیاں اپنا لیں۔ لیکن اگر مسٹر شردک ایک بار پھر ہمیں اپنی جوانی یاد دلانا چاہتے ہیں تو ہمیں جوان ہونے میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔" ہرمیت سنگھ کی اس بات پر سب ہی مسکرا دیے۔

بہر طور بعد کا ماحول خوش گوار ہو گیا۔ یہ پروگرام یہاں ترتیب نہیں پا سکا کہ انہیں آئندہ کیا کرنا ہے۔ بات صرف مارک ڈان سے ملاقات کی تھی اور اس کے لیے پروفیسر حاتم نے درخواست کی تھی۔ چنانچہ یہ سب چلے آئے تھے۔ کافی دیر تک یہ نشست جاری رہی اور اس کے بعد سب وہاں سے واپس پلٹ پڑے۔

ہرمیت سنگھ کی حویلی میں سکون اور سناٹا تھا۔ کوئی ایسی اہم بات نہیں تھی جو قابل ذکر ہوتی ان سبھی کو ہر وقت الاکشا کی فکر رہتی تھی اور یہ وسوسے ان کے دل میں جاگزیں تھے کہ کہیں الاکشا کی کیفیت پھر سے خراب نہ ہو جائے چنانچہ واپسی میں انتہائی دبے پاؤں ایک بار الاکشا کے کمرے کا جائزہ لیا گیا۔ وہ سکون کی گہری نیند سو رہی تھی۔

چنانچہ یہ لوگ بھی پرسکون ہو گئے۔ دوسرا دن معمول کے مطابق گزرا۔ اس موضوع پر کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی۔ پولیس کے چند افسران نے ہرمیت سنگھ سے ملاقات کیں۔ لیکن یہ بات پہلے ہی طے ہو چکی تھی کہ پولیس کو ان راستوں پر ڈالنا بے مقصد ہی ہو گا۔ چنانچہ اس سلسلے میں اسے اپنی کارروائی کرنے دی جائے اور یہ لوگ جو کچھ بھی کریں اپنے طور پر ہی کریں۔ ہر شخص کے ذہن میں اپنے اپنے طور خیالات تھے۔

اس سلسلے میں سب سے عجیب پوزیشن بے چارے کرنل کی تھی۔

ہرمیت سنگھ اور شہباز خان تو براہ راست اس مسئلے میں ملوث تھے۔ لیکن کرنل مقبول صرف دوستی کے جذبوں سے مغلوب ہو کر ان کے معاملے میں الجھ گیا تھا۔ اسی رات نمران نے اس سلسلے میں کرنل مقبول سے گفتگو کی اور کہنے لگا۔

"ڈیڈی میں کچھ عجیب سی کیفیت محسوس کر رہا ہوں۔ خاص طور پر آپ کے سلسلے میں۔"

"کیا؟" کرنل مقبول نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ کو ان تمام الجھنوں میں کافی مشکلات پیش آ رہی تھیں اگر ایک بیٹے کی حیثیت سے میں اتنا بھی نہ جان سکوں تو اپنے آپ پر کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا۔ کرنل مقبول نے مسکراتی نگاہوں سے نمران کو دیکھا اور کہنے لگا۔

"بیٹے اگر آپ اپنے آپ کو زیادہ تجربہ کار سمجھنے لگے ہو تو میرے خیال میں یہ مناسب نہیں ہے۔ تجربہ تو عمر کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتا ہے۔ نوجوانی میں لاکھوں تجربات کر لیے جائیں۔ پھر بھی کچھ پہلو تشنہ رہ جاتے ہیں۔"

"میں سمجھا نہیں ڈیڈی۔"

"میں تمہیں سمجھا رہا ہوں تم یقینی طور پر یہ سوچ رہے ہو کہ میں صرف تمہاری وجہ سے ان معاملات میں ملوث ہوا ہوں۔"

"ہاں ڈیڈی میرا بھی یہی خیال ہے۔"

"تو بالکل درست خیال ہے یار! میں نے تمہیں بچپن سے پالا پوسا، تمہاری تمام تکلیفوں اور راحتوں کا شریک کار رہا۔ اب اگر ایک معاملے میں تم الجھ گئے ہو تو ایک باپ کی حیثیت سے تمہارا ساتھ کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ تھوڑی سی خود غرضی بے شک میرے اندر بھی ہے۔ مثلاً یہ کہ اگر تم الانشا کا خیال چھوڑ کر یہ سوچو کہ زندگی کے راستے بہت مشکل ہوتے ہیں اور کسی ایک شخصیت کے لیے پوری زندگی ضائع نہیں کر دی جاتی تو میں بھی تمہاری سوچوں میں شریک ہو جاؤں گا اور تم سے کہوں گا کہ تمہارا سوچنا بالکل درست ہے۔"

"لیکن دل کی لگی! آگ اس حد تک بڑھ گئی ہے کہ تم زندگی کا آغاز اسی وقت کرو گے جب الانشا کا مسئلہ حل ہو جائے گا تو ایک باپ کی حیثیت سے میں اپنے بیٹے کا ساتھ کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔ تم اپنے دل سے مجبور ہو تو میں اپنے دل سے مجبور ہوں۔ ہاں اگر تم نے اب یہ گفتگو شروع کر دی ہے تو مجھے اپنے آخری الفاظ بھی دے دو۔"

"جی ڈیڈی میں سمجھا نہیں؟" نمران نے کسی قدر شرمسار لہجے میں کہا۔

"الانشا کے بغیر زندگی گزار سکو گے؟ یہ فیصلہ کر سکو گے کہ تمہارے پاس ضائع کرنے کے لیے وقت نہیں ہے؟"

نمران کی گردن جھک گئی۔ چند لمحات خاموش رہ کر اس نے کہا۔ "میں آپ سے خوشامد نہیں کروں گا ڈیڈی۔ بس اتنا کہوں گا کہ بلاشبہ آپ منفرد باپ ہیں اور شاید ہی کسی کو اتنا سچا ساتھ باپ کی حیثیت سے ملا ہو۔ ڈیڈی میں الانشا کے لیے زندگی کی آخری حد تک جانے کے لیے تیار ہوں۔ میں اس مسئلے کو خالصتاً کا مسئلہ نہیں کہہ سکتا۔ بس یوں سمجھیے کہ میرے دل کے تار کسی طور الانشا سے بندھے ہوئے ہیں اور جب بھی عقل سے کام لے کر یہ سوچتا ہوں کہ ان تمام کاوشوں کا نتیجہ کیا ہوگا تو میرا ذہن میرا ساتھ چھوڑ دیتا ہے اور دل صرف ایک بات کہتا ہے الانشا نہیں تو اس دنیا میں کچھ بھی نہیں ہے۔"

"ہوں۔ بہت اچھا کیا تم نے کہ اپنی دلی کیفیات سے مجھے آگاہ کر دیا لیکن ایک تجربے کار انسان کی حیثیت سے میں کچھ اور باتیں بھی تمہیں سمجھا دینا ضروری سمجھتا ہوں تاکہ تمہیں آسانی ہو۔ الانشا ایک پراسرار وجود ہے اور میں جانتا ہوں کہ ان شریف لوگوں نے اس کے بارے میں جو کچھ کہا ہے۔ غلط نہیں ہے۔ پھر بہت سے مشاہدات ہمارے سامنے بھی آ چکے ہیں۔ یہ پراسرار وجود کیا کہانی رکھتا ہے۔ اس کا فیصلہ تو ابھی ناممکن ہی ہے۔ لیکن اس بات کے امکانات ہیں کہ یہ اپنی حقیقتیں پانے کے بعد اس دنیا سے بالکل منحرف ہو جائے ان حالات میں تمہارے دل کی لگی کیا گل کھلائے گی۔ اس بارے میں سوچا ہے؟"

"نہیں ڈیڈی اور یہ سوچ کر اپنا ذہن پراگندہ نہیں کرنا چاہتا۔"

"گویا اندھے راستوں پر دوڑنے کا فیصلہ کر چکے ہو۔"

"ہاں ڈیڈی! زندگی میں ایک فیصلہ کیا ہے اور میرا خیال ہے اس سلسلے میں مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ میں تمہارا دل کبھی نہیں توڑوں گا۔ بلکہ میں خود بھی تمہارا ساتھ دوں گا اور اس مسئلے میں تمہیں ایک لمحے کے لیے بھی تنہا نہیں چھوڑوں گا۔ تاکہ اگر کہیں مایوسیوں کے ہاتھ نڈھال ہو کر تم گر پڑو۔ تو کم از کم میں تمہیں سہارا دے کر وہاں سے اٹھا کر لا سکوں۔" نمران گردن جھکائے خاموش بیٹھا رہا اور کرنل اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ پھر دفعتاً ہی کرنل کا گھن گرج والا قہقہہ گونج اٹھا اور نمران چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"واہ بیٹے واہ۔۔۔۔ وادیٔ عشق میں پہلے ہی قدم اتنی پریشانی اور اداسی طاری ہو گئی تم پر۔ ناکامی کا تصور اس وقت تک ذہن میں نہ آنے دو۔ جب تک ناکامی اپنی آخری مشکل اختیار کر کے آپ کے سامنے نہ آ جائے۔ ہو سکتا ہے کہ ناکامی کا وجود ہی نہ ہو۔"

نمران کے چہرے پر حیرت اور مسرت کی لہریں پھیل گئیں۔ اس نے مسرور انداز میں کہا۔

"ڈیڈی کیا آپ پرامید ہیں اس سلسلے میں۔"

"سو فیصدی پرامید ہوں بیٹے۔ محبت نے پتا نہیں کیا کیا گل کھلائے ہیں۔ یہ تو ایک چھوٹا سا معاملہ ہے۔ اپنے آپ کو پرعزم بناؤ۔ مضبوط رکھو اور یہ بات دل میں بٹھا لو کہ جو کچھ ہوگا۔ تمہاری پسند کے مطابق ہوگا۔"

"ڈیڈی میں کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں۔ آپ نے ہمیشہ مجھے عزم اور حوصلے بخشے ہیں اور میں آپ ہی کی رہنمائی میں اپنی شخصیت کی تکمیل کر پایا ہوں۔"

کرنل مقبول ہنسنے لگے پھر بولے۔

''ایک فوجی سے تم کبھی بزدلی کی توقع مت رکھنا۔ کیا سمجھے؟ اور تم ایک فوجی ہی کے بیٹے ہو۔''

''نمران مسکراتا رہا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔''

''ہاں...... ڈیڈی میں ایک فوجی کا بیٹا ہوں اور مجھے اس پر فخر ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد نمران کرنل مقبول کے پاس سے اٹھ گیا۔ کرنل مقبول سے ہونے والی گفتگو نے اس کے ذہن سے الجھنوں کی ساری گرد صاف کردی تھی۔ اب وہ کافی مطمئن ہوگیا تھا۔

اس وقت نہ جانے کیوں اس کا دل الاکشا سے ملنے کو چاہا۔ وہ الاکشا کے کمرے کی جانب چل پڑا اس کا اندازہ تھا کہ الاکشا سو رہی ہوگی۔ لیکن کمرے میں اس نے تیز روشنی دیکھی اور جب اس نے کمرے میں جھانک کر دیکھا تھا تو اسے ایک دم سے ذہنی جھٹکا سا لگا۔ الاکشا کی کیفیت آج پھر کچھ مختلف سی تھی۔ وہ زمین پر آلتی پالتی مارے بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے سامنے لکڑی کی ایک صندوقچی رکھی ہوئی تھی۔ جس میں وہی لکڑیوں کے ٹکڑے موجود تھے۔ جو لاش کے جسم پر زیور کی شکل رکھتے تھے۔ الاکشا ان ٹکڑوں کو آپس میں بجا، بجا کر انہیں مختلف حصوں میں تقسیم کر رہی تھی۔

اور زمین پر ایک عجیب سی شکل بنا رہی تھی۔ نمران نے دروازے کو تھوڑا سا دھکیلا۔ پھر اندر داخل ہوگیا۔ الاکشا کو اس کے قدموں کی چاپ بھی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ وہ بدستور سر جھکائے اپنے کام میں مشغول رہی اور نمران گہری نگاہوں سے اس کی مصروفیت کا جائزہ لیتا رہا۔ تبھی الاکشا نے مسکراتے ہوئے گردن اٹھائی اور نمران کا دل دھک سے ہوگیا۔ الاکشا کی آنکھیں سونے کی مانند چمک رہی تھیں اور اس کے ہونٹوں پر ایک انتہائی بھیانک مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے اسی انداز میں نمران کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''سن رہے ہو...... یہ آوازیں سن رہے ہو۔ محسوس کر رہے ہو انہیں۔ کیا کہہ رہے ہیں۔ اوہ، اوہ، ہاں ہاں، تمہاری آواز مجھ تک آرہی ہے۔ شالپور یا آکوشالاڈ...... باشا شاڈ، پاپا چپاڈ، ہویرا، ہویرا، ہویرا، ہویرا۔''

الاکشا کی آواز بھیانک ہوتی جا رہی تھی اور اس کی گونج پورے کمرے میں ابھر رہی تھی۔ نمران کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ الاکشا ایک لمحے کے لیے رکی۔ جیسے کچھ سن رہی ہو۔ پھر وہ گردن ہلا کر بولی۔

''ہویرا۔'' اس کے بعد اس نے گردن جھکالی۔

اس کے بال اس کے خوب صورت چہرے پر بکھر گئے۔ نمران سکتے کے عالم میں کھڑا تھا۔ الاکشا کا یہ روپ اب اس کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ لیکن اسے الاکشا جیسی شگفتہ مزاج اور سوشل لڑکی کو اس کیفیت میں دیکھ شدید رنج ہوتا تھا۔ وہ اس الجھن کا شکار ہو جاتا تھا۔ کہ اس کا یہ مرض درست بھی ہوگا یا نہیں۔

الاکشا کے متعلق جو کہانی اس نے سنی تھی۔ وہ اس کی سمجھ میں بھی نہیں آئی تھی۔ لیکن وہ اسے جھٹلا بھی نہیں سکتا تھا۔ کیونکہ یہ کہانی شہباز خان نے سنائی تھی۔ جو الاکشا کا وارث تھا۔ وہ خود ان لوگوں میں اس لیے شامل ہوگیا تھا کہ کسی بھی قیمت پر الاکشا کو تنہا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا اور اس نے فیصلہ کیا تھا کہ جب وہ لوگ اپنی احمقانہ کاوشوں میں ناکام ہو جائیں گے تو پھر وہ خود الاکشا کے علاج کی ذمہ داری قبول کرے گا اور اسے ملک سے باہر لے جائے گا۔ خواہ کچھ بھی ہو جائے۔ وہ الاکشا کا آخری دم تک ساتھ دے گا۔ الاکشا اسی طرح بیٹھی رہی۔ پھر اس نے گردن جھٹکی اور چونکتے ہوئے انداز میں ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

اب اس کی آنکھوں کی کیفیت درست ہوگئی تھی اور اس نے آہستہ سے کہا۔

''مجھے سہارا دو نمران۔ اس نے اپنا ہاتھ بلند کیا اور نمران بڑی چاہت سے اس کا ہاتھ پکڑ کر مسہری تک لے آیا۔''

''اوہ...... وہ کون ہیں نمران۔ وہ مجھے کیوں پکڑ رہے ہیں؟'' اور...... آہ نمران مجھے یہ بتاؤ کہ وہ کون ہیں؟'' بتاؤ وہ کون ہیں کون ہیں وہ؟''

نمران پریشان نظروں سے الاکشا کو دیکھتا رہا۔ الاکشا بہت الجھی الجھی نظر آرہی تھی۔ پھر اس نے پھیکی سے مسکراہٹ سے نمران کو دیکھا اور پھر آہستہ سے بولی۔

''میرے لیے پریشان ہو نمران۔ بہت پریشان ہوتا تم؟''

''میں تمہاری صحت یابی چاہتا ہوں الاکشا...... میں تمہیں اسی روپ میں دیکھنا چاہتا ہیں۔ جس میں دیکھ کر میں نے تمہیں مرکز زندگی بنا لیا تھا۔ میں ہر قیمت پر تمہیں صحت مند دیکھنا چاہتا ہوں۔ کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ تمہاری بیماری کیا ہے۔ تمہارے بارے میں جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ میری سمجھ میں نہیں آرہا۔ لیکن کہنے والے وہ لوگ ہیں جو...... جو تمہارے یقینی مخلص ہیں اور مجھ سے پہلے تمہیں چاہتے تھے اور...... اور اب بھی......

''کیا کہا جا رہا ہے میرے بارے میں۔'' الاکشا نے پوچھا۔

''نہ جانے کیا کیا کہتے ہیں وہ تمہارے بارے میں۔ مجھے بتاؤ الاکشا تم کیا ہو۔ آہ...... تم کیا ہو۔ کیا تمہیں کوئی اجنبی دنیا یاد آتی ہے۔ کیا تم محسوس کرتی ہو کہ تمہارا تعلق ہم سے نہیں ہے۔ کچھ اور لوگ تم سے متعلق ہیں۔''

''کون لوگ؟'' الاکشا نے کھوئے کھوئے لہجے میں پوچھا۔

''یہی تو میں نہیں جانتا...... کاش میں جانتا ہوتا۔ کیا تمہیں کوئی لاش یاد ہے۔ جو ایک تختے جیسی چیز پر لیٹی ہوئی تھی اور تم اس کے ساتھ تھیں۔ کیا تمہیں سونے کا سانپ یاد ہے۔ کوئی ایسی چیز یاد ہے تمہیں۔''

''نہیں نمران بالکل نہیں۔''

''وہ کون سی آوازیں ہیں جو تم سنتی ہو!''

''آوازیں۔''

''ہاں...... کیا کہتی ہیں وہ آوازیں تم کو، اور تم ان سے گفتگو کرتی ہو۔ شاموہ۔ پورا یا کیا ہے؟'' مجھے بتاؤ الاکشا۔ عالم ہوش میں مجھے بس ایک بار سب کچھ بتا دو۔ اس کے بعد میری ذمہ داری ہے میں سب ٹھیک کر دوں گا۔''

''الاکشا خاموشی سے نمران کو دیکھتی رہی۔'' پھر اس نے کہا۔

''مجھے ضرور کچھ ہوگیا ہے۔ نمران میری کیفیت کچھ عجیب سی ہے۔ یہ دنیا مجھے بہت اچھی لگتی ہے نمران۔ تم میرے محبوب ہو۔ تمہارے ساتھ حیات کی آخری منزل تک کا سفر میرے دل کی سب سے بڑی آرزو ہے۔ لیکن میرے دماغ کا ایک دروازہ بند ہے۔ اس بند دروازے کے پیچھے کچھ ہے۔ نمران میں اپنے ذہن کے ایک ایک خلیے ٹٹول چکی ہوں۔ مجھے اپنے وجود کے ذرے ذرے سے واقفیت ہے لیکن وہ ایک

دروازہ بند ہے۔اس بند دروازے کے دوسری طرف کیا ہے؟ نمران تم میرے ذہن کا یہ چور دروازہ کھول دو۔
بس یہ دروازہ کھول دو۔

میں دوسری طرف دیکھنا چاہتی ہوں۔میرے دل میں پیاس ہے۔تمہاری اس دنیا کے ہر منظر سے مجھے پیار ہے۔لیکن میری روح میں ایک تشنگی ہے۔ایک کسک ہے۔تم ایک ایسے انسان کا تصور کر سکتے ہو۔جو بھوکا ہو۔پھر اس کے سامنے انواع واقسام کے کھانے سجا دیے جائیں۔وہ شکم سیر ہو کر کھائے اس کا معدہ پر ہو جائے لیکن بھوک نہ مٹے اسے اپنا وجود خالی خالی محسوس ہو۔"

"آوازوں کا کیا مفہوم ہے الائشا؟"

"مفہوم......؟"

"الائشا ذہن پر زور ڈالنے لگی۔" پھر بولی

"وہ مجھے کچھ یاد دلاتی ہیں...... وہ...... وہ...... وہ بہت گداز ہوتی ہیں...... سوز ہوتا ہے ان میں اور نمران وہ مجھے اپنی اپنی لگتی ہیں۔یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ مجھ سے بچھڑ گئی ہوں۔وہ میری گمشدہ دنیا ہو۔وہاں وہ ہیں...... جو مجھے کھو بیٹھے ہیں۔وہ مجھے پکارتے ہیں وہ مجھے آوازیں دیتے ہیں...... وہ کون ہیں۔نمران...... میں کون ہوں...... کیا میں تم سے نہیں ہوں۔"

"نمران سرونگا ہوں سے اسے دیکھتا رہا۔" پھر اس نے آہستہ سے کہا۔" تم جو کچھ بھی ہو الائشا...... لیکن میری ہو...... صرف میری...... اگر تمہاری کوئی دنیا ہے تو میری بھی ایک کائنات ہے۔وقت اگر مجھ سے امتحان چاہتا ہے۔تو میں نے امتحان سے کبھی منہ نہیں موڑا۔تمہارے لیے جنگ کروں گا اور تمہیں حاصل کروں گا۔میں تمہارے وجود کا ہر دروازہ کھول دوں گا۔تمہیں ہر شے سے روشناس کراؤں گا۔اور اس کے بعد تمہیں آواز دوں گا۔پھر یہ آواز تمہارے دل کے دریچوں سے طوفان کی کڑک بن کے ٹکرائے گی اور تم کہو گی۔شاموپاریا...... آموریا...... آموریا...... تم کہو گی میں آرہی ہوں نمران میں آرہی ہوں۔" نمران کا لہجہ بے حد عجیب ہو گیا۔

الائشا محبت بھری نظروں سے نمران کو دیکھ رہی تھی۔پھر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

"اگر یہ سب کچھ نہ ہوتا نمران تو...... تو...... اچھا ہوتا...... ہم دونوں...... ہم دونوں......"

"دیر تک نمران الائشا سے باتیں کرتا رہا۔دوسرے دن دوپہر کے بعد پروفیسر حاتم اور چرن گپتا ہرمیت سنگھ کی حویلی پہنچ گئے۔وہ دونوں بھی متجسس تھے۔اس سلسلے میں تفصیلی گفتگو کرنا چاہتے تھے۔پروفیسر حاتم نے کہا۔

"ہرمیت سنگھ جی! آپ نے ہمیں اس لاش وغیرہ کے بارے میں تفصیل تو بتائی تھی۔لیکن ہمارے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ بہت ہی مختصر وقت ایک عجیب کیفیت اختیار کر جائے گی۔مارک ڈان بڑا بددل واپس گیا ہے۔کہہ رہا تھا کہ اگر عام حالات ہوتے اور یہ صورت حال نہ ہوتی تو وہ خود بھی ہمارے ساتھ شرکت کرتا اور ان کی معلومات حاصل کرتا ہے اور ان کی معلومات سے لطف اندوز ہوتا۔لیکن وہ کہتا تھا کہ اب وہ اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ ایسی کوئی فرمائش کر سکے کیونکہ اس کے ساتھی نے زبردست مجرمانہ کارروائی کی ہے اور آگے بھی نہ جانے اس کے دل میں کیا ہے۔"

"لیکن ہرمیت سنگھ جی! میں اور چرن گپتا اس موضوع پر بہت دیر تک گفتگو کرتے رہے اور ہم نے اپنے طور پر سوچا کہ آپ سے معلومات حاصل کریں کہ آپ کا اس سلسلے میں کیا پروگرام ہے۔" ہرمیت نے شہباز خان کی طرف دیکھا اور شہباز خان مسکرا کر بولا۔

"یہ بات تو آخری ہے پروفیسر حاتم کہ ہم لوگ اس مسئلے کو نظر انداز نہیں کر سکتے...... ابتدا میں ہم نے اس کہانی کو مکمل طور پر راز میں رکھا تھا۔بلکہ آپ کو شاید اس بات پر حیرت ہو کہ الائشا کے بارے میں میری بیوی تک نہیں جانتی۔اس کی شخصیت میں ایسی کوئی انوکھی بات پوشیدہ ہے۔لیکن اب وقت کا کیا کیا جائے۔جس نے یہ راز خود بہ خود کھول دیا ہے۔ہم بلاشبہ طویل عرصے سے اپنی مہمات کا سلسلہ ترک کر چکے ہیں، اور شاید اپنی مصروفیات کی وجہ سے دوبارہ اب بھی اس طرف راغب نہ ہوتے۔لیکن حالات نے ہمارا دامن نہیں چھوڑا اور مجبور کر دیا کہ ایک بار پھر کمربستہ ہو جائیں۔بہر طور ہمارا یہ فیصلہ ہے کہ ہم سلہری کے جنگلات میں دوبارہ سے جائیں گے اور اس اسرار کا سراغ لگائیں گے۔"

"تو کیا...... آپ لوگوں نے یہ طے کر لیا ہے کہ کون کون وہاں جا رہا ہے اور کیا طریقہ کار اختیار کیا جائے گا۔"

"ابھی تک نہیں پروفیسر حاتم اگر آپ کے ذہن میں یہ تصور ہے کہ آپ بھی ہماری اس مہم میں شریک ہو جائیں تو سب سے پہلے میں آپ کو اور چرن گپتا جی کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ ہماری اس مہم میں شرکت کریں۔بشرطیکہ آپ کے اپنے دل میں بھی یہ بات ہو اور آپ کے حالات اس کی اجازت دیں۔"
پروفیسر حاتم مسکرا دیا پھر اس نے کہا۔

"حقیقت یہ ہی تھی شہباز خان جی کہ ہم دونوں بھی ان واقعات سے بہت متاثر ہوئے ہیں اور ہماری دلی خواہش تھی کہ ہم آپ سے اس کی فرمائش کریں۔چرن گپتا جی کا کہنا ہے کہ ہرمیت سنگھ پہلے ہی انوکھے واقعات کا شکار ہو چکے ہیں اور دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک پھونک کر پیتا ہے۔ہو سکتا ہے۔ہرمیت سنگھ جی ہمیں اپنے ساتھ لے جانا پسند نہ کریں۔اس لیے یہ بات اس سے نہ کہی جائے۔مگر میں نے کہا کہ ابھی یہ تو تحقیق کا مرحلہ ہے۔ہمیں تو نہ کسی خزانے سے دلچسپی ہے اور نہ ہی کوئی مہم سرانجام دے کر جھنڈا گاڑنے سے۔ہم تو بس اس تجسس کا شکار ہیں کہ آخر یہ کہانی کیا ہے۔اگر اس سلسلے میں ہم کھل کر ہرمیت سنگھ جی سے اپنی اس خواہش کا اظہار کر دیں تو ایسی بری بات بھی نہیں۔"

"ہرمیت سنگھ جی کو یہ حق تو حاصل ہے کہ وہ انکار کر سکتے ہیں۔"

"نہیں پروفیسر! آپ جیسے دوستوں پر تو مجھے فخر ہے۔حقیقت یہ ہے کہ ہم لوگ پہلے بھی آپ لوگوں کو یہ بات بتا چکے ہیں کہ ہم صرف مہم جو ہیں امیر وشکار، جنگلی درندوں سے پنجہ کشی اور جنگلوں کے اسرار کو جاننا ہمارا محبوب مشغلہ رہا ہے اور یہ اس وقت کی بات ہے جب ہماری رگوں میں لہو کی جگہ سیماب دوڑتا تھا۔بال بچوں کے چکر میں پھنس کر بالآخر وہ تمام مناظر نظر انداز کرنے پڑے لیکن ہمیں اس سلسلے میں بہت زیادہ معلومات حاصل نہیں ہیں۔ہم قدیم زبانوں کو یا اشارتی نقشوں کو نہیں پڑھ سکتے۔یہی وجہ ہے کہ میرے نوادر خانے میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں۔جو اپنی کہانی رکھتی ہیں۔لیکن جو کہانی مجھے معلوم ہو گئی ہے۔بس وہ معلوم

ہوگئی۔ باقی کہانیوں کو جاننے کی میرے اندر صلاحیت تھی اور نہ میں نے اس سلسلے کو جاننے کی کوشش کی۔ بہت سے بڑے بڑے لوگوں نے میرے نوادر خانے کی اور یہاں موجود اشیاء کے بارے میں طرح طرح کی کہانیاں سنائیں۔ لیکن بس میں نے ان کی کہانیوں کو سن لیا۔ اس سلسلے میں کوئی اور کارروائی نہیں کی۔ لیکن یہاں مسئلہ ذرا مختلف ہوگیا ہے۔ بہر حال ہماری رگوں میں دوڑنے والا خون چیلنج پسند ہے اور اس شخص شروک نے ہمیں اس کے لیے مجبور کر دیا کہ ہم ایک بار پھر اپنی جوانی کو آواز دے لیں۔ چنانچہ ہم یہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ وہاں جائیں گے۔ ہوسکتا ہے کہ شروک سے بھی ملاقات ہو جائے۔ اس ملاقات کے لیے ہمیں پوری تیاری کرنا ہوگی۔ آپ لوگ اگر ہمارے ساتھ شرکت کریں گے تو ہم بس ایک درخواست ضرور کریں گے آپ سے......"

"کیا......؟" چرن گپتا نے پوچھا۔

"ابھی حالات کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ آپ کو اپنے طور پر تمام حفاظتی تیاریاں کرنا ہوں گی۔ گو ہم لوگ مل جل کر اپنے تحفظ کا بندوبست کرلیں گے۔ لیکن پھر بھی کم از کم خطرہ ہر شخص کو اپنے طور پر مول لینا ہوگا۔"

"آپ اطمینان رکھیے۔ ہرمیت سنگھ جی! ہم بھی چوہے نہیں ہیں۔ اگر اس مہم میں کچھ اور بھی ضرورتیں پیش آئیں تو آپ ہمیں ان میں پیچھے نہیں پائیں گے۔"

"پھر میں بھی اپنے دوست شہباز خان کی مانند آپ کو اپنے ساتھ اس سفر میں خوش آمدید کہتا ہوں۔"

"بے حد شکریہ! وہ مشکل آپ لوگوں نے حل کر دی ہے۔ جس کا حل ہم تلاش کر رہے تھے۔" پروفیسر حاتم نے کہا۔

"تو میرا خیال ہے پروفیسر پھر اس سلسلے میں ایک فائنل میٹنگ ہو جائے۔ کیوں کہ تیاریوں میں بھی وقت لگے گا۔"

"میں آپ کو اپنے ہاں آج رات کو کھانے کی پیشکش کرتا ہوں۔" چرن گپتا نے کہا۔

"اور ہم یہ پیشکش قبول کرتے ہیں۔" شہباز خان مسکرا کر بولا۔

"رات کے کھانے پر چرن گپتا نے بڑا اہتمام کیا تھا۔ جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو اس نے ان کا بڑا پرجوش خیر مقدم کیا۔ وہ ایک متمول آدمی تھا اور بہت کاروباری بھی۔ یہی وجہ تھی کہ ہرمیت سنگھ کی اس سے دوستی بھی ہوگئی تھی۔ بہر طور چرن گپتا کے شان دار ڈرائنگ روم میں اس میٹنگ کا آغاز ہوگیا۔ اس سلسلے میں آخری کارروائیوں پر تبصرہ آرائی ہونے لگی۔ شہباز خان نے سلہری کے نقشے کے بارے میں تفصیلات بتائیں اور پنسل سے ایک کاغذ پر وہ نشانات بنائے۔ جہاں سے سلہری پہنچا جا سکتا تھا۔ اس نے کہا کہ وسطی سلہری میں داخل ہونے کے بعد دریائے سلہری کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنا ہوگا۔ اس سلسلے میں اس نے اپنے آخری سفر کی تفصیلات بھی بتائیں جو بے حد بھیانک تھیں۔ تمام لوگ حیرت اور دلچسپی سے اس مہم کی داستان سن رہے تھے۔ چرن گپتا نے کہا۔

"یہ تو اچھا ہے کہ آپ وہاں کافی دور تک ہو آئے ہیں...... ذرا یہ تو بتایئے کہ کیا وہاں جیپ گاڑیوں سے سفر کیا جا سکتا ہے میرا مطلب ہے کہ ایک پرسکون سفر کے لیے بہتر بندوبست نہ کریں۔"

"جہاں تک میرا اندازہ ہے۔ جیپ گاڑیاں مخصوص جگہ تک تو جا سکتی ہیں لیکن آگے چل کر وہ بے کار ہو جائیں گی۔ ان کے برعکس اگر ہم یہ سفر گھوڑوں پر کریں تو زیادہ موزوں ہوگا۔"

"کیا وہاں گھوڑوں کا حصول آسان ہے؟"

"افسوس ہمیں اس بارے میں تفصیلات نہیں معلوم، لیکن میرے خیال میں یہ اتنا مشکل کام بھی نہیں ہوگا۔ اگر سلہری میں ہمیں گھوڑے نہ مل سکے تو اس کے آس پاس کی بستیوں میں تلاش کرلیں گے اور انہیں قیمتاً خرید لیں گے۔ یہ شاید اتنا مشکل کام نہ ہو۔ کیوں کہ اس علاقے میں گھوڑے کی سواری عام ہے۔"

"گویا یہ بات طے ہے کہ سفر گھوڑوں پر ہی کیا جائے گا۔"

"ہاں...... سلہری کے جنگلوں کے اندر......" ہرمیت سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا اور سب لوگ ہنس پڑے۔

"اس سفر کے لیے ہمیں کیا کیا ضرورتیں پیش آئیں گی۔ ہمیں کیا انتظامات کرنا ہوں گے؟"

"ضروریات زندگی کی وہ چیزیں جو ایسے سفر میں کام آسکتی ہیں۔ پہلے کی بات دوسری تھی۔ بعض اوقات تو ہم دونوں دوست اس طرح بے سروسامانی کی حالت میں نکل پڑتے تھے کہ رائفلوں کے علاوہ ہمارے پاس کچھ نہیں ہوتا تھا۔ لیکن اس بار صورتِ حال ذرا مختلف ہے۔ ایک تو یہ جوانوں کی ٹولی نہیں ہے اور ہمیں اپنی عمر کو بھی ذہن میں رکھنا ہوگا۔ چنانچہ کچھ ایسی چیزیں ہمیں ضرور ساتھ لینا ہوں گی۔ جو ہمارے لیے آرام بھی مہیا کرسکیں۔ نمبر دو میں خاص طور سے شروک کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں جو شخص اپنے مقصد کے لیے ایک زندگی لے سکتا ہے۔ وہ اپنے مقصد میں مداخلت پر مزید مجرمانہ کارروائی بھی کر سکتا ہے۔ چنانچہ خصوصی طور پر ہمیں اسلحے کی جانب توجہ دینا پڑے گی۔ ہمارے پاس بہترین اسلحہ ہونا چاہیے۔ تاکہ کسی بھی خطرناک وقت سے نمٹ سکیں۔"

"میں اس کی تائید کرتا ہوں۔" کرنل مقبول نے کہا۔

"آپ تو یقیناً اس کی تائید کریں گے۔ کرنل! کیوں کہ آپ کو اپنی پرانی زندگی یاد آگئی ہوگی۔ ویسے بھی ہم یہ مہم کرنل کی نگرانی میں سرانجام دیں گے اور کرنل ہماری اس ٹیم کے سربراہ ہوں گے۔" ہرمیت نے کہا۔

"ارے نہیں بھئی یہ کوئی فوجی مہم ہوتی تو میں ضرور اس سلسلے میں آپ کی راہنمائی کرتا۔ لیکن جنگل کی اس مہم میں تو دو تجربے کار شکاری موجود ہیں میری بھلا کیا مجال......" کرنل مقبول نے ہنستے ہوئے کہا۔

"خیر یہ مسئلہ طے ہوگیا کہ یہ کوئی اہم بات نہیں ہے۔ اس سلسلے میں کوئی اہم نکتہ؟"

"سب سے اہم۔" کرنل نے کہا اور سب چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ کرنل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ہم صرف ایک مہم پر نہیں جا رہے۔ اس علاقے میں داخل ہو کر ہم اس اسرار کو تلاش کریں گے جس کا تعلق اس لاش اور الاشا سے ہے۔ لاش اور نقشہ ہمارے پاس نہیں ہے۔ ہوتا بھی تو بے کار تھا۔ کیوں کہ ہم میں سے کوئی بھی اسے جاننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ ان تمام حقیقتوں کو جاننے کے لیے ہمارا طریقہ کار کیا ہوگا؟"

وہ سب متعجب نگاہوں سے کرنل کو دیکھنے لگے۔ انہیں حیرت ہوئی کہ واقعی سب سے اہم

موضوع پر انہوں نے گفتگو کیوں نہیں کی۔ سبھی ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنے لگے۔ پھر شہباز خان نے کہا۔
''واقعی ہرمیت سنگھ یہ موضوع سب سے اہم ہے نہ جانے کیوں ہم نے ابھی تک اس پر توجہ نہیں
دی۔'' ہرمیت سنگھ بھی ہنسنے لگا اور پھر بولا
''بعض اوقات ایسا ہی ہوتا ہے۔ اپنے جوش میں ہم ان اہم باتوں کو نظرانداز کر دیتے
ہیں۔ شکریہ کرنل واقعی یہ سب سے اہم نکتہ ہے اور میرے خیال میں ہمیں اس پر مکمل گفتگو کرنی چاہیے۔ میں
آپ کو سلہری کے بارے میں تفصیلات بتا چکا ہوں ہم اس چھوٹی ندی کو تلاش کریں گے۔ جس میں وہ لاش
بہتی ہوئی آ رہی تھی اور میں سمجھتا ہوں اس کی مخالف سمت ہمارا سفر جاری رہے گا اور ہم اس ندی کے راستے سفر
کرتے ہوئے یہ سراغ لگائیں گے کہ لاش کہاں سے آئی تھی اور الاکشا کی کیا کہانی ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی
طریقہ کار میرے خیال میں موثر نہیں ہو سکتا۔ آپ کے ذہن میں اور کوئی تجویز ہے تو بتایئے۔''
''نہیں میں نے تو بس ایک خیال پیش کیا تھا۔ ظاہر ہے ہمیں اپنے ساتھ الاکشا کو بھی لے جانا
ہوگا۔ اسے ان علاقوں میں کنٹرول کرنے کے لیے ہمیں خصوصی توجہ دینا ہوگی۔ کیا معلوم کیا حالات پیش
آئیں۔ وہاں پہنچ کر اس کی کیا کیفیت ہو۔ اس کا پورا خیال رکھنا ہوگا۔ میرے خیال میں اور اس مسئلے کی کوئی
اہم بات نہیں ہے۔ ویسے کیا وہ ہمارے ساتھ گھوڑوں پر سفر کر سکے گی۔''
''بالکل۔ بہ شرط یہ کہ وہ ذہنی طور پر بہتر ہو۔ کالج کے دنوں میں وہ گھڑ سواری کرتی رہی ہے۔
''شہباز خان نے جواب دیا۔
''کیا آپ اس بات سے متفق ہیں کرنل! کہ ہمیں اسی انداز میں کام کرنا چاہیے۔''
''بالکل...... جب ہمارے پاس اور کوئی ذریعہ نہیں ہے تو ہم اس ندی کو ہی رہبر بنائیں گے۔
میرے خیال میں یہ موضوع اب یہاں ختم ہو جانا چاہیے۔ رہی بات اس نقشے کی جو شروک کے پاس ہے تو
ہمیں اس نقشے سے کوئی سروکار نہیں ہے۔'' کرنل نے جواب دیا۔
اس کے بعد دیر تک اس موضوع پر گفتگو ہوتی رہی اور پھر جب کوئی مزید موضوع نہ رہا تو وہ اپنی
جگہ سے اٹھ گئے۔ یہ طے پا گیا تھا کہ شہباز خان اور کرنل مقبول واپس چلے جائیں نمران اور الاکشا کو یہیں چھوڑ
دیا جائے۔ تاکہ نمران الاکشا کی نگرانی کرتا رہے۔ ہرمیت سنگھ، پروفیسر حاتم اور چرن گپتا ہی انتظامات کر لیں
پھر یہاں سے سفر کا آغاز کر دیا جائے۔ اس کے لیے بھی راستے متعین کر لیے گئے تھے اور یہ بھی طے پا گیا تھا
کہ اس سلسلے میں کیا کیا طریقہ سفر ہوں گے۔
الاکشا کی حالت مسلسل بہتر ہو رہی تھی۔ اپنے گھر کی نسبت یہاں وہ بڑی پرسکون نظر آتی تھی۔ کئی
بار سے لکڑی کے ان زیورات میں الجھے ہوئے دیکھا گیا تھا۔ نمران نے خاص طور سے اس کا جائزہ لیا تھا کہ
لکڑی کے ان ٹکڑوں کی موجودگی میں وہ کیا اندازہ لگاتی رہتی ہے۔ اس کا کھویا کھویا پن کس کیفیت کا حامل
ہوتا ہے۔ ایک بار شہباز خان نے الاکشا کی یہ کوشش دیکھی تھی اور بہت پہلے کا ایک واقعہ انہیں یاد آ گیا
تھا۔ جب الاکشا چھوٹی چھوٹی لکڑیوں کی مدد سے کچھ حسابات لگا رہی تھی۔ پھر اس نے شہباز خان کے ایک
دوست کی موت کی خبر دی تھی۔

شہباز خان نے اس کا تذکرہ نمران سے بھی کر دیا تھا۔ لیکن نمران اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں
کر سکا تھا۔ منصوبے کے مطابق شہباز خان اور کرنل مقبول اپنے شہر کی طرف واپس چل پڑے وہ اس موضوع
پر گفتگو کرتے رہے تھے اور کرنل مقبول نے اپنے فوجی تجربات کی بنا پر شہباز خان سے کہا تھا کہ بہت زیادہ محتاط
رہنے کی ضرورت ہوگی۔ خاص طور سے اس شکل میں کہ اس مہم میں ان کا واسطہ ایک دشمن سے بھی ہوگا۔ جو
اپنے طور پر کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اور جس نے اپنا موقف یہ اختیار کیا تھا کہ اگر وہ شہباز خان اور
ہرمیت سنگھ سے مل کر یہ مہم سرانجام دے تو ہو سکتا ہے کہ اس کی پہنچ خزانے تک نہ ہو سکے کیوں کہ اس کے
وسائل محدود ہیں۔ ہرمیت سنگھ نے اس سلسلے میں سوال کیا تھا کہ کیا شروک کو وہ سہولتیں حاصل ہو سکتی ہیں جو
اسے سلہری میں کامیابی دلا دیں جس پر کرنل مقبول نے کہا۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ شروک
نے اپنے اور بھی مددگار تیار کر لیے ہوں۔
بہر طور اس بات کے امکانات بھی موجود تھے۔ جو کچھ انہوں نے سوچا ہے اس شکل میں سامنے نہ
آئے۔ لیکن احتیاط اولیت رکھتی ہے۔ بالآخر وہ اسٹیشن پہنچ گئے۔ کرنل مقبول اپنی رہائش گاہ کی طرف چلے گئے
اور شہباز خان نے اپنے گھر کا رخ کیا۔ یہاں کے معاملات میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ سب کچھ پرسکون چل
رہا تھا۔ البتہ بلوشہ، الاکشا کے لیے مضطرب تھی۔ شہباز خان کو تنہا دیکھ کر وہ بے چینی سے بولی۔
''کیا ہوا الاکشا کہاں ہے؟'' شہباز خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ انہوں نے کہا۔
''الاکشا کو میں ہرمیت کے گھر چھوڑ آیا ہوں۔ بہت بہتر حالت میں ہے۔ اس دوران اس پر کوئی
کیفیت طاری نہیں ہوئی۔ وہاں بہت سے اہم ڈاکٹروں نے اس کا معائنہ کیا اور اس کے مرض کو ذہنی مرض قرار
دیا۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ مرض شدید نوعیت کا نہیں ہے۔ لیکن اگر اس کا فوری علاج نہ کیا جائے تو پھر مریض کے
پاگل ہو جانے کا خطرہ ہے۔ اس موثر علاج کے لیے ڈاکٹروں نے مشورہ دیا ہے کہ اسے یورپ لے جایا
جائے میں نے فیصلہ کر لیا ہے میں کچھ عرصے کے لیے اسے لے کر یورپ چلا جاؤں۔''
''میں بھی چلوں گی۔'' بلوشہ نے کہا۔
''نہیں بلوشہ یہ ممکن نہیں۔ بہتر علاج کے لیے یکسوئی ضروری ہوتی ہے۔ پھر یہاں کے معاملات
کے لیے بھی کوئی نہ کوئی نگران ہونا چاہیے۔ میں تم پر پورا اعتماد کرتا ہوں کہ تم یہاں کے حالات کو قابو میں رکھو گی
اور جہاں تک الاکشا کا معاملہ ہے تو تمہیں اس بات کا اطمینان کر لینا چاہیے کہ اگر اس کا صحیح علاج ہو جائے تو
پھر اس میں کوئی خامی نہیں رہے گی۔
میرا تو یہ خیال ہے کہ تم خوشی سے مجھے اجازت دو۔ تاکہ میں اسے علاج کے لیے یورپ لے
جاؤں۔ پھر اطمینان سے اس کا علاج کرانے کے بعد واپس آؤں۔''
''بلوشہ نے معصومیت سے کہا۔''
''اگر آپ یہ بہتر سمجھتے ہیں تو پھر جیسا آپ مناسب سمجھیں۔ مجھے تو اس کی صحت چاہیے۔ اس
طرح شہباز خان نے خوش اسلوبی سے بلوشہ کو بھی مضطرب ہونے سے بچا لیا اور اپنے سلہری جانے کے سلسلے
میں جواز بھی پیدا کر لیے۔ عام طور سے وہ بیوی سے جھوٹ بولنے کے عادی نہیں تھے۔ لیکن ان حالات میں

بلوشہ کو کچھ حقیقتیں بتائی بھی نہیں جاسکتی تھیں۔ ہاں یہ وسوسہ دل میں ضرور رہتا تھا کہ اگر وہ اپنی کوششوں میں ناکام ہو گئے اور کسی طرح الاکشا کو کھونا پڑ گیا تو...... تو اس کے بعد بلوشہ کو سنبھالنا مشکل کام ہو جائے گا۔

لیکن الاکشا کی زندگی کے لیے بھی تو یہ ضروری تھا کہ وہ اس راز سے پردہ اٹھا دیں۔ دونوں طرف خطرات تھے...... ادھر الاکشا کی زندگی کے لیے اور ادھر بلوشہ کے لیے خطرات مول لینے کے علاوہ چارہ کار نہیں تھا۔ کرنل مقبول سے ان کی ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ اس سلسلے میں تمام انتظامات کیے جانے لگے۔ پھر ایک دن وہ بلوشہ کو بہت سی تسلیاں اور ہدایتیں دے کر واپس ہرمیت سنگھ کی طرف چل پڑے۔

کرنل مقبول کے چہرے پر عجیب تاثرات تھے۔ ان تاثرات کے بارے میں انہوں نے راستے میں بتایا کہ فوجی زندگی سے ریٹائرڈ ہونے کے بعد انہوں نے فیصلہ کیا تھا کہ اب تمام وقت پرسکون رہ کر گزاریں گے۔ لیکن یہ مہم ان کے لیے بڑی دلکشی کی حامل تھی کیوں کہ ایک بار پھر وہ اپنی اس زندگی کو آواز دے رہے ہیں۔ شہباز خان بھی مسکرا دیا تھا۔ اس نے کہا۔

کہ وہ خواب اس قدر آسان زندگی کا عادی ہو چکا ہے اور نہیں کہہ سکتا کہ اس مہم میں وہ اپنی پرانی روایات کس انداز میں برقرار رکھ سکے گا۔ ہرمیت سنگھ کے گھر پہنچے تو وہاں کچھ زیادہ ہی گہما گہمی نظر آئی۔ ہرمیت سنگھ کرنل شہباز خان زیادہ پرجوش تھا۔ اس نے کافی سامان اکٹھا کر لیا تھا۔ پروفیسر حاتم فریدی اور چرن گپتا کے بارے میں اس نے کہا کہ پروفیسر تو اس سلسلے میں بالکل ہی بے چارے سیدھے سادھے انسان ثابت ہوں گے۔ لیکن چرن گپتا اپنی زندگی میں خاصی ہنگامہ خیزیاں کر چکا ہے اور دن رات ان سے رابطہ قائم رکھتا ہے اور طرح طرح کی باتیں کرتا ہے۔ نمران نے بتایا کہ الاکشا بالکل پرسکون ہے۔ بس کبھی کبھی وہ لکڑیوں کے ان زیورات میں کھو جاتی ہے کہ وہ ان میں اپنا ماضی تلاش کر رہی تھی۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی۔ جو باعث تشویش ہوتی۔

تمام تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ اب ان پر سفر سوار تھا۔ ہرمیت سنگھ نے بھی اپنے اہل خانہ کو ہدایات جاری کیں۔ بے چارے ملازم کی موت کا مسئلہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ پولیس نے خود ہی اسے ٹھیک ٹھاک کر لیا تھا۔ چناں چہ ہرمیت سنگھ کے لیے کوئی الجھن نہیں بن سکی تھی۔ بالآخر وہ اپنے سفر پر روانہ ہوئے۔ سفر بہت خوشگوار تھا۔ سب سے دلچسپ بات یہ تھی کہ الاکشا نے ان لوگوں سے مکمل تعاون کیا تھا۔ کیوں کہ ان دنوں وہ ہوش و حواس کے عالم میں تھی۔ اس لیے اس نے سوال کیا تھا۔ "اب یہاں سے کہاں جایا جا رہا ہے؟"

نمران کو چوں کہ اس سلسلے میں سختی سے ہدایات کر دی گئی تھیں کہ الاکشا کو اس بارے میں کچھ نہ بتایا جائے۔ چناں چہ نمران نے اس سے یہی کہا تھا کہ اس کی صحت یابی کے لیے سب لوگوں نے مشترکہ منصوبہ بنایا ہے کہ سیر و سیاحت کی جائے اور جنگلوں میں شکار کھیلا جائے۔

الاکشا نے اس سلسلے میں دلچسپی کا اظہار کیا تھا۔ اب دوران سفر وہ بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ اس کے چہرے کی لٹی ہوئی رونقیں واپس آ گئی تھیں۔ یوں بھی ہرمیت سنگھ کے گھر پہنچنے کے بعد اس پر کوئی شدید قسم کا دورہ نہیں پڑا تھا۔ جس سے اس کی صحت کافی بہتر ہونے لگی۔

بہ ظاہر یہ سفر بہت خوشگوار تھا۔ اس میں شریک تمام لوگ مطمئن تھے۔ لیکن ان میں سے کوئی بھی

جب اس کے مقاصد پر غور کرتا تو الجھن کا شکار ہو جاتا۔ وہ ایک ایسے نامعلوم مقصد کے لیے سفر کر رہے تھے۔ جس کا کوئی نشان ان کے پاس نہ تھا۔ حقیقی طور وہ دعویٰ نہیں کر سکتے تھے کہ آگے چل کر وہ کیا کریں گے صرف چند مفروضات تھے۔ جن کا سہارا لیا گیا تھا۔ ورنہ کوئی ٹھوس نکتہ نہیں تھا۔ جس کے تحت یہ جدوجہد کی جا رہی تھی۔ پروفیسر حاتم فریدی، چرن گپتا، کرنل مقبول اور نمران بے چارے اور بھی زیادہ کمزور پوزیشن رکھتے تھے کیوں کہ انہیں تو جو کچھ معلوم ہوا تھا۔ شہباز خان اور ہرمیت سنگھ کی زبانی ہی معلوم ہوا تھا۔ نمران کے بارے میں تو خیر یہ کہا جا سکتا تھا۔ کہ دل کی لگی نے اسے مستقبل کے تمام اندیشوں سے بے نیاز کر دیا تھا۔ اس کے لیے بس اتنا کافی تھا کہ جہاں الاکشا جا رہی ہے وہیں وہ بھی جا رہا ہے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا۔ لیکن اصل مسئلہ ان باقی تینوں حضرات کا تھا۔ ہرمیت سنگھ نے مسکراتے ہوئے یہ بات شہباز خان سے کہی۔

"شہباز یہ بے وقوفوں کی ایک پوری ٹولی ہے۔ ایک نامعلوم تصور لے کر نہیں چل پڑی ہے ہم یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں کہ بغیر کسی ثبوت کے ہم کوئی منزل پالیں گے۔ مانتا ہوں کہ الاکشا کی شخصیت پراسرار ہے۔ اس بات کے بھی امکانات ہیں کہ اپنی دنیا میں پہنچنے کے بعد الاکشا کسی مشکل میں ہماری رہنما بن سکتی ہے۔ یہ صرف ایک کہانی ہی تو ہے۔ ہو سکتا ہے۔ قندیل ہماری کوئی مدد نہ کر سکے۔ ایسی مشکل میں ہم کیا کریں گے۔"

"شہباز خان بے اختیار مسکرا پڑا۔ پھر اس نے کہا۔ ہرمیت سنگھ سچی بات تو یہ ہے کہ میں اب اس سفر کے آغاز کے بعد یہ ساری باتیں بھول چکا ہوں یوں لگتا ہے۔ زندگی کافی سال پیچھے چلی گئی ہو اور وہی وقت آ گیا ہو۔ جب میں اور تم احمقوں کی طرح بیٹھ کر ان جنگلوں کے بارے میں سوچتے تھے۔ جو ہمارے قدموں کی پہنچ سے باہر تھے۔ ہمیں غصہ آتا تھا کہ ہماری آنکھیں انہیں کیوں نہیں دیکھ سکیں اور پھر ہم اسی غصے کے عالم میں نکل کھڑے ہوتے تھے اور اپنی دانست میں درختوں کی اس فوج کو تسخیر کرتے ہوئے دور تک نکل جاتے تھے۔ مجھے تو بس یوں لگتا ہے کہ اس دور میں دوبارہ پہنچ گیا ہوں۔ لیکن تمہیں شاید اس بات پر حیرت ہو کہ الاکشا کے بے حد چاہنے کے باوجود جب تم سے ملاقات ہوئی تو ہم دونوں نے اس کے ماضی پر بحث کی تو میرے دل کو ایک قرار سا آ گیا۔ غالباً اندر سے یہ احساس بھی ابھر آیا کہ غلطی میری ہی ہے۔ الاکشا واقعی ایک پراسرار وجود تھی اور آج بھی جب اس کے بارے میں یاد کرتا ہوں تو بہت سی ایسی باتیں یاد آ جاتی ہیں۔ جن کی کوئی توجیہہ نہ اس وقت ہو سکتی تھی اور نہ آج تک ہو سکی ہے۔ میں اب سوچتا ہوں کہ اگر انہیں دنوں میں اپنے آپ کو سنبھال لیتا اور الاکشا کو ایک تحقیقی مسئلہ سمجھتا۔ تو شاید اس وقت ان الجھنوں کا شکار نہ ہوتا۔ تا ہم اب میں سامنے الجھنوں کو اپنے ذہن سے جھٹک دیا ہے۔ اس بات سے مجھے ذرا بھی تشویش نہیں ہے کہ آگے کیا ہوگا۔ یاد ہے نا۔ ہم اسی انداز میں سوچتے تھے اور اسی انداز میں عمل کرتے تھے۔ سارے خطرات ہمارے سامنے سرنگوں ہو جاتے تھے" شہباز خان کے ان الفاظ پر ہرمیت سنگھ مسکرانے لگا۔ پھر بولا۔

"مجھے ہنسی ان بے چاروں پر آتی ہے جو اپنی لگن اپنے شوق میں ہمارے ساتھ چل پڑے ہیں۔ ان کا کیا ہوگا؟"

"دنیا دیکھ لیں گے۔ کیا حرج ہے۔" شہباز خان نے کہا اور ہرمیت سنگھ بے اختیار ہنس پڑا۔ باقی لوگ اپنی اپنی گفتگو میں مصروف تھے۔ اس لیے انہوں نے ان کی جانب توجہ نہیں

کہانیاں یاد آ گئی تھیں۔ وہ ان کے بارے میں گفتگو کرتے رہے تھے۔ شہباز خان نے کہا۔ ہم سلہری کے جنگلوں سے واپس آنے کے بعد کچھ اس طرح مصروف ہوئے ہیں کہ دوسری باتوں کی طرف سے توجہ ہی ہٹ گئی۔ معاملات کچھ ایسے الجھ گئے کہ ہم لوگ وہ نہ رہے، جو تھے۔ تمہیں وہ واقعہ یاد ہے۔ جب ہم جنگل میں تھے اور ایک رات ہمارے نزدیک ایک بھیڑیا آ گیا تھا۔ شاید تم اس پر یقین نہ کرو۔ ہرمیت سنگھ کہ بھیڑیے کی کیفیت بے حد خراب ہو گئی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی سحر میں گرفتار ہو گیا ہو اور جب میں نے اسے دیکھا تو مجھے محسوس ہوا کہ الاکشا کی نگاہیں بھیڑیے کی نگاہوں سے ملی ہوئی ہیں اور اس کے بعد جب ہم نے مداخلت کی اور الاکشا کی توجہ ہٹی تو بھیڑیا اس طرح بھاگا جیسے کسی بہت بڑی مصیبت سے نکل گیا ہو وہ واقعہ بھی بھلانے کی چیز نہیں تھا۔

لیکن وقت نے سب کچھ بھلا دیا۔ وہ بچپن ہی سے پراسرار تھی۔ میں نے اسے عجیب غریب حالت میں دیکھا ہے۔ اس سلسلے میں، میں اپنے ایک شکاری دوست کی موت کا واقعہ نہیں بھول سکتا۔ جس کے بارے میں اس نے پیش گوئی کر دی تھی۔ شہباز خان۔ ہرمیت سنگھ کو وہ واقعہ سنانے لگا اور ہرمیت سنگھ گہری سانسیں لینے لگا پھر بولا۔

"اس کے باوجود تم نے کبھی حالات پر توجہ نہ دی۔"

"ہاں بس یہی سمجھو۔" شہباز نے کہا۔

"بالآخر وہ اس مقام پر پہنچ گئے جو انہوں نے متعین کیا تھا۔ لیکن یہاں رکنے کا سوال ہی نہیں تھا۔ شہباز خان چرن گپتا کو لے کر نکل گیا اور یہ معلوم کرنے کے لیے کوشاں ہو گیا کہ اگلے مقام پر پہنچنے کے لیے سواری کہاں سے ملے گی۔ باقی لوگ اسٹیشن ہی پر رک گئے تھے۔ شہباز کو زیادہ پریشانی نہ ہوئی واپس آیا تو خوش خبری ہی لایا تھا۔

"ایک چھوٹی سی مشکل اور حل ہو گئی۔ یہاں سے براہ راست سلہری کے لیے بس سروس چل گئی ہے اور ہمیں دوپہر کو دو بجے بس مل جائے گی جو شام کو آٹھ بجے تک ہمیں سلہری پہنچا دے گی۔ اس طرح سفر آسان ہو جائے گا۔ اسٹیشن پر کھانے پینے کا بندوبست کیا گیا۔ الاکشا کسی طور لڑکی ثابت نہیں ہوئی تھی اور مستعدی سے ان کے کاموں میں شریک تھی۔ ٹھیک ڈیڑھ بجے سب بس اڈے پہنچ گئے۔ البتہ بس کو دیکھ کر جان نکل گئی۔ اسے بس سے زیادہ بے بسی کہا جا سکتا تھا۔ ٹوٹی پھوٹی بوسیدہ حال کرنل مقبول نے بس ڈرائیور سے پوچھا۔

"تمہیں یقین ہے کہ یہ سلہری تک چلی جائے گی۔"

"آٹھ سال سے جا رہی ہے صاحب! آج کون سی خاص بات ہو گئی۔"

"آٹھ سال پہلے یہ بس ہو گی۔" کرنل نے کہا۔

"نہیں صاحب! آٹھ سال پہلے یہ اس سے بھی خراب حالت میں تھی۔ بس کے مالک کا کہنا ہے کہ ٹائر اور انجن ٹھیک ہونے چاہئیں۔ باقی سب بے کار ہے۔" ڈرائیور کا کہنا درست تھا۔ بس چلی تو ایک بار کہ سب دیکھ کر حیران رہ گئے۔ انجن بہترین اور بے آواز تھا۔

لیکن باقی بس کی چیخیں، کراہیں ناقابل برداشت تھیں۔ تیز رفتاری سے پوری باڈی ہچکولے کھا رہی تھی اور کسی بھی موڑ پر یوں محسوس ہوتا تھا کہ اب انجن کا باڈی سے رشتہ ٹوٹ جائے گا اور اس کے ساتھ ہی سفر کرنے والوں کے ہاتھ پاؤں بھی۔ چھ گھنٹے کے اس سفر نے جو اودھم ہا لنگ کی تھی۔ وہ یادگار تھی اور جب وہ چند مدھم روشنیوں کے درمیان بس سے اترے تو یوں لگتا تھا کہ جیسے کائنات کا سفر کر چکے ہوں۔

سلہری تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ اکا دکا چراغ روشن تھے۔ جہاں بس رکی تھی وہاں بھی آدمی نظر آ رہے تھے۔ کسی قیام گاہ کے بارے میں معلومات حاصل کی گئیں۔ تو پتا چلا کہ اس کا کوئی تصور نہیں ہے۔ بس اڈے پر ایک سمت ٹین کے کچھ شیڈ پڑے ہوئے تھے۔ یہاں کچھ لوگ بیٹھے حساب کتاب کر رہے تھے۔ انہوں نے خوشی سے انہیں شیڈ کے نیچے رات گزارنے کی اجازت دے دی۔ سامان کے انبار کے درمیان الاکشا کے لیے جگہ بنا دی گئی۔

باقی سب مرد میدان میں تھے۔ رفتہ رفتہ باقی لوگ بھی کاروبار بند کر کے چلے گئے۔ صرف ایک آدمی بس کی صفائی ستھرائی کر رہا تھا۔

"سلہری میں اس بس کے علاوہ اور کوئی اضافہ نہیں ہوا۔"

ہرمیت سنگھ نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔

"تمہیں مستان یاد ہے۔ شہباز خان نے پوچھا۔

"کیوں نہیں شٹرا!" ہرمیت سنگھ نے کہا اور ہنس پڑا۔

"ہو سکتا ہے یہیں ہو۔" میرے ذہن میں آیا تھا کہ صبح کو اسے تلاش کریں گے۔ مل گیا تو بڑے کام کا ثابت ہو گا۔"

"یقیناً۔"

"میرے سامان میں جو ایک بڑا ہولڈال نظر آ رہا ہے۔ جانتے ہو اس میں کیا ہے۔"

"کیا ہے؟"

"پرانے کپڑوں کے انبار نقلی زیورات' سگریٹوں کے ڈبے وغیرہ مجھے ماضی یاد آ گیا تھا اور میں نے مقامی لوگوں کے لیے یہ تحائف بھی ساتھ لے لیے تھے۔ ذہن میں یہ خیال بھی تھا کہ ممکن ہے سلہری کی حالت کچھ بہتر ہو گئی ہو۔ لیکن مجھے تو کوئی فرق نظر نہیں آیا۔"

"ہاں......ان آبادیوں کی طرف کون توجہ دیتا ہے۔"

"رات آہستہ آہستہ گزرتی جا رہی تھی۔ پھر صبح کی روشنی نمودار ہو گئی۔ سب لوگ پرسکون تھے۔ صبح کے معمولات سے فراغت حاصل کرنے کے لیے بھی آسانیاں تلاش کر لی گئیں اور اس کے بعد شیڈ سے سامان ہٹا کر ایک بڑے درخت کے نیچے انبار کر دیا گیا۔ بستی کے لوگ حیران نگاہوں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ شہباز اور ہرمیت سنگھ دوسرے لوگوں کو وہیں ٹھہرے رہنے کی ہدایات کر کے مستان کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ ماضی کا ایک ایک نشان ان کے ذہن میں موجود تھا۔ سلہری کے وہ تمام راستے دیکھتے ہوئے جا رہے تھے۔ جنہیں وہ بہت پہلے دیکھ چکے تھے۔ لیکن جہاں سے گزرتے یہ احساس ہوتا کہ سلہری بالکل

نہیں بدلا۔ یہاں تک کہ مستان کا وہ جھونپڑا بھی انہیں اسی حالت میں اور اسی جگہ مل گیا۔ جہاں پہلی بار مستان کے پاس آئے تھے۔

البتہ جھونپڑے کے باہر بے شار ننگ دھڑنگ بچے کھیل رہے تھے اور ماحول میں کوئی نمایاں تبدیلی نہیں تھی۔ شہباز خان نے وہاں موجود کسی آدمی سے مستان کے بارے میں پوچھا تو اس نے جھونپڑے کی جانب اشارہ کردیا اور شہباز خان بچوں کے درمیان سے گزرتا ہوا مستان کے جھونپڑے پر پہنچ گیا۔ پہلی ہی آواز پر جو شخص باہر نکلا۔ وہ مستان ہی تھا۔ حیرت انگیز طور پر تندرست و توانا۔ پہلے سے کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی تھی اس میں، اور سب سے دلچسپ بات یہ تھی کہ اس نے ان دونوں کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور فرطِ مسرت سے دیوانہ ہو گیا۔

''شاب آپ لوگ...... شاب ام آپ کا شرونٹ اور شرنٹ مشتان...... مشتان''

''پہچان لیا مجھے تم نے مستان۔'' شہباز خان نے کہا۔

''کیوں نہیں پہچانتا شر...... ہم آپ کا شرونٹ رہا اور جنگل میں پانی اور شر ہم بہت خوش۔'' مستان نے کہا۔

''ہمیں بھی خوشی ہے کہ تم ہمیں مل گئے۔''

''ایڈونچر...... ایڈونچر...... جنگل کے اندر جائے گا شر۔''

''ہاں...... ہم تمہاری تلاش میں آئے تھے۔''

''شر...... مشتان آپ کا شرونٹ......'' مستان سینے پر ہاتھ رکھ کر جھک گیا۔ اس کے مل جانے سے ان دونوں کو بہت خوشی ہوئی تھی۔ شہباز خان نے کہا۔

''مستان فی الحال تو ہمیں کچھ لوگوں کے ساتھ تمہارے پاس جھونپڑے کے باہر جگہ چاہیے۔ اس کا بندوبست ہو جائے گا۔''

''شر...... شر مشتان آپ کا شرونٹ۔'' مستان نے اپنے مخصوص انداز میں کہا۔ ''شر باقی لوگ کدھر۔''

''ہمیں کچھ اور لوگوں کی ضرورت ہوگی کیا تم کسی کو بلا سکتے ہو۔'' ''کیوں نہیں شر ابھی بلاتا ہوں۔'' مستان نے کہا اور دوڑتا ہوا ایک سمت چلا گیا۔ چند لمحات کے بعد وہ چار آدمیوں کے ساتھ ان کے سامنے پہنچ گیا اور یہ لوگ انہیں لے کر چل پڑے۔ راستے میں شہباز خان نے مستان سے پوچھا۔

''وہ اس دوران کیا کرتا رہا۔''

''شادی کرلی ہے شر۔''

''اوہو...... شادی کرلی تم نے''

''ہاں شر اور کچھ کام نہیں تھا۔ تو ہم نے شادی کرلیا۔'' مستان نے جواب دیا اور دونوں ہنس پڑے۔

''بچے وغیرہ بھی ہیں تمہارے۔''

''ہاں شر۔'' مستان شرما کر بولا۔

''کتنے بچے ہیں۔''

''فور مین شر فور مین۔'' مستان نے کہا اور دونوں چلتے چلتے رک گئے۔ جھونپڑے کے باہر جو بچے کھیل رہے تھے۔ وہ سب تمہارے تھے۔''

''شب ہمارے تھے شر۔'' مستان نے کہا اور شہباز خان نے چکرائی ہوئی نگاہوں سے ہرمیت سنگھ کو دیکھنے لگا۔ ہرمیت سنگھ نے زبردست قہقہہ لگایا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

''یہ ہم سے زیادہ مصروف آدمی ہے۔ خان اس حساب سے ہم لوگ تو اب تک ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہے ہیں۔'' دونوں قہقہے لگاتے رہیں۔

پھر وہ واپس اس جگہ پہنچ گئے جہاں باقی لوگ موجود تھے۔ مستان کا ان سے تعارف کرایا گیا اور مستان کے ساتھ آنے والوں نے سارا سامان اٹھالیا۔ مستان انہیں اپنے ساتھ جھونپڑے میں لے آیا اور وہ بہت خوش تھا۔ سیدھا سادھا مخلص دیہاتی بساط بھر سب کچھ کر رہا تھا۔ اس نے بہت سی سبزیاں لا کر دیں۔ اور اس کی بیوی کھانا پکانے میں مصروف ہوگئی۔ بچوں کی فوج بھی کام پر لگادی گئی تھی۔

دوپہر کے کھانے کے بعد شہباز خان نے پوچھا۔ ''مستان ابھی چند روز قبل ادھر سے کچھ اور لوگ تو جنگل میں داخل نہیں ہوئے۔ سفید چمڑی والے لوگ۔''

''یش شر، یش شر۔ دن ایک ہوگیا وہ شکاری شاب تھا۔ ان کے ساتھ وہ میم شاب بھی تھا۔ شب انگلش میں تھا۔ شکاری شاب نے سلہری میں ایک گینڈا شکار کیا۔ ام ان کو بولا کہ ام شرونٹ مانگتا تو وہ لوگ ریفوز کیا اور بولا۔

''نو بلیک مین تب ہم بھی ان سے بدلہ لیا۔ ام ان کو نہیں بولا کہ نو جیپ کار...... ہارش...... ہارش۔''

''کیا مطلب؟''

''شاب آپ نے جنگل دیکھا ادھر جیپ کار کام نہیں مانگتا گورام کام آتا ہے۔ آئی مین ہارش ہارش۔''

''اور وہ لوگ جیپوں میں گئے۔''

''ان کی تعداد کتنی ہوگی؟''

''گیارہ مین شر ٹو میم شاب جوان والا۔'' مستان نے جواب دیا۔

''سب لوگ سفید فام تھے۔''

''شوفیڈ...... فام؟'' بات مستان کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

''مطلب یہ کہ انگلش مین۔''

''یش شر...... یش شب انگلش مین۔'' مستان نے جواب دیا اور دونوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ نمران، کرنل، پروفیسر حاتم فریدی اور چرن گپتا دلچسپی مستان کی باتیں سن رہے تھے۔ چرن گپتا نے کہا۔

اس کا مطلب ہے کہ مارک ڈان کا کہنا درست تھا کہ شرد ک نے اور لوگوں کو بھی بلوالیا ہوگا اور اب وہ صحیح راستے پر لگ گیا ہے''

''یقیناً!''

''مستان اس بار تو ہمیں گھوڑے درکار ہوں گے سب کے لیے۔''

''امارا شوشرا ریچ کرے گا۔ شرتو پرابلم بٹ ان کا کرایہ ادا کرنا پڑے گا شوری شر۔'' یہ شوشر دراصل میں سسر تھا۔ جو کافی غور کرنے پر سمجھ میں آیا تھا۔ بہرحال سنسنی کا آغاز ہو گیا تھا اور یہ معلوم کر کے ان سب کے اعصاب میں تناؤ پیدا ہو گیا تھا کہ شروک ان سے آگے سفر کر رہا ہے۔

کرنل مقبول' پروفیسر حاتم فریدی' اور دوسرے لوگوں کے لیے مستان کی شخصیت بہت دلچسپ تھی۔ اس کے گفتگو کے انداز پر سب کو ہنسی آتی تھی۔ لیکن انہیں یہ اندازہ بھی ہو چکا تھا کہ وہ بڑا کارآمد آدمی ہے۔ اس دور دراز اور اجنبی آبادی میں وہ چراغ کا جن ہی ثابت ہو رہا تھا اور ان کی ہر مشکل کا حل بن گیا تھا۔ اس کے خلوص کا اندازہ بھی سب کو ہو گیا تھا۔ بے چارے نے اوقات بھر جو کچھ اس کے پاس تھا۔ ان کے حوالے کر دیا تھا۔ اپنی ہر آسائش ان کے لیے ترک کر دی تھی۔

اس کے لاتعداد بچے رات کو احاطے کے ایک گوشے میں درخت کے نیچے سو جاتے تھے اور بیوی ان کی دیکھ بھال کرتی رہتی تھی۔ اس کے علاوہ عورت ہونے کی حیثیت سے وہ الاکشا کی خصوصی خدمت گزاری بھی کر رہی تھی اور الاکشا اس سے بہت گھلی ملی نظر آ رہی تھی۔ بہت مختصر وقت میں وہ مستان کے گرویدہ ہو گئے تھے۔

شروک کے بارے میں پتا چل جانے کے بعد سب ہی پرجوش ہو گئے۔ پروفیسر حاتم فریدی نے کہا۔

''یہ معلوم کرنے کے بعد کہ شروک پوری تیاریوں کے ساتھ ان جنگلات میں داخل ہو گیا ہے۔ ہمیں سخت محتاط ہونا پڑے گا۔ وہ مجرمانہ ذہنیت کا حامل ہے' اور اپنے مقصد کے لیے سب کچھ کر سکتا ہے۔ میرے خیال میں ہمیں اسے آگے نکل جانے کا موقع دینا چاہیے تاکہ ہماری اس سے مڈ بھیڑ کے امکانات کم ہو جائیں۔''

''اس کے پاس جو کچھ ہے۔ اس کا حصول ہمارے لیے ضروری تو نہیں ہے۔؟'' گپتا! نے پوچھا۔

''قطعی نہیں۔ گپتا! اس نقشے سے سالہا سال دیکھ کر یہ نہ سمجھ سکا تو اب اس سے کیا اخذ کر سکوں گا۔ ہاں ایک خیال اور میرے ذہن میں پیدا ہوا ہے۔'' ہرمیت سنگھ نے کہا۔

''کیا''

''ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ اس ندی کو تلاش کریں۔ جس سے ہم نے یہ چیزیں نکالی تھیں اور پھر اس کے بہاؤ کے مخالف سمت رخ کریں گے۔ اس سلسلے میں ایک اور خیال بھی ذہن میں آیا ہے۔ وہ یہ کہ ہماری نسبت شروک اس بارے میں زیادہ جان چکا ہے اور ہم خاموشی اور احتیاط سے اس کا تعاقب کریں تو ہو سکتا ہے ہمیں آسانی ہو۔''

''خطرہ رہے گا۔'' چرن گپتا نے کہا۔

''یہ خطرہ تو مول لینا پڑے گا۔''

''میرا خیال اس سے مختلف ہے۔ ہرمیت۔'' شہباز خان نے کہا۔ سب اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ ''بے شک شروک اس نقشے کی مدد سے ہم سے کچھ زیادہ معلوم کر چکا ہے۔ لیکن جو کچھ ہم نے دیکھا ہے۔ وہ اس نے نہیں دیکھا۔ یہ لاش ہمیں ندی سے ملی تھی اور خود بخود اس ندی تک نہ پہنچ گئی ہو گی کہیں سے تو اس کے سفر کا آغاز ہوا ہو گا۔ ہمارے لیے وہ ندی زیادہ معاون ہے اور صحیح معنوں میں ہمارا نقشہ وہی

ہے۔ اگر شروک ان راستوں پر مل جائے تو دوسری بات ہے۔ ورنہ ہم اپنا راستہ اختیار کریں۔''

''بات سمجھ میں آ رہی ہے۔'' کرنل مقبول نے کہا۔

''گویا اسے اپنے راستے جانے دیں۔'' ہرمیت سنگھ نے کہا۔

''ہاں براہ راست تصادم سے بچا جا سکے۔ تو بہتر ہے اور اگر ہمارے رستے یکجا ہو جائیں تو پھر دیکھا جائے گا''

''بہتر یہی بات ہے میرے خیال میں کسی کو اعتراض نہیں ہو گا۔'' ہرمیت سنگھ۔

''کسی بھی مسئلے میں ہمارے اعتراض کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیوں کہ ہمارے رہنما تم دونوں ہو۔'' حاتم فریدی نے کہا۔

''گڈ۔'' پھر کسی جلد بازی کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اطمینان سے تیاریاں کر کے سفر کریں گے۔

''غیر ضروری تاخیر بھی مناسب نہیں ہو گی۔ مستان کے ساتھ گھوڑوں کے حصول کے لیے ایک جائے باقی لوگ یہاں آرام کریں۔''

''اس کے لیے میں خود کو پیش کرتا ہوں۔'' کرنل نے کہا۔

''شکریہ کرنل! یہ مناسب رہے گا۔ ویسے کم از کم ہمیں ایک برتری ضرور حاصل ہو گی۔'' شہباز خان نے کہا''

''اس جنگل کا کافی حصہ ہم نے دیکھا ہے۔ ابتدائی سفر میں جیپیں کارآمد ہو سکتی ہیں اور بلاشبہ اس طرح سفر کی رفتار تیز ہو گی لیکن ایک مخصوص حصے تک پہنچنے کے بعد جیپیں آگے لے جانا ان کے لیے مصیبت بن جائے گا اور اس کے بعد وہ پیدل ہو جائیں گے۔ جہاں تک جنگلات کے بارے میں میرا اندازہ ہے کوئی ایسی تبدیلی اس میں نہ ہوئی ہو گی۔ جس کی جیپوں کا سفر جاری رکھا جا سکے۔ اس سلسلے میں مستان بھی معاون ثابت ہو گا اور اس سے مزید معلومات حاصل کر لی جائیں گی۔

''ہاں جب یہ فیصلہ کر لیا ہم نے کہ ہمیں ابتدائی طور پر ہی شروک سے ٹکرانا نہیں ہے تو پھر ہمیں اپنے طور پر یہ سفر جاری رکھنا چاہیے۔'' اس بات پر سب متفق ہو گئے۔ ہرمیت سنگھ نے کہا۔

''مستان سے یہ معلوم نہیں کیا کہ ان لوگوں نے لاش کے سلسلے میں کیا قدم اُٹھایا ہے۔ وہ لاش ان کے پاس موجود ہے۔ یا انہوں نے اسے ضائع کر دیا۔''

''یہ ساری باتیں فوری طور پر ممکن نہیں ہیں۔ لیکن رفتہ رفتہ ہمیں ان تمام چیزوں کے بارے میں معلوم ہو جائے گا۔'' شہباز خان نے کہا۔

اس کے بعد اور کوئی ایسی بات نہ تھی جو کی جا سکے۔ انہوں نے بستی کی سیاحت کا پروگرام بنایا۔ مستان بے چارہ مسلسل مصروف رہتا تھا۔ گھوڑوں کے سلسلے میں ابھی اس سے بات نہیں کی گئی تھی اور اس کی پیش کش ذہن میں تھی۔ ہو سکتا ہے اس کا سسر واقعی گھوڑوں کا بندوبست کر سکے۔ ویسے مستان کی بات غلط نہیں ثابت ہوئی تھی۔ دوسرے ہی دن انہوں نے مستان سے اس بارے میں بات کی۔ تو اس نے کہا کہ وہ ہر وقت اپنے سسر کے پاس جانے کے لیے تیار ہے۔ جو یہاں سے تھوڑے ہی فاصلے پر رہتا ہے۔ کرنل

کی پیش کش برقرار تھی۔ چنانچہ کرنل کو اختیارات دے دیے گئے کہ گھوڑوں کے حصول کے لیے جو کچھ بھی خرچ کرنا پڑے اس سے گریز نہ کیا جائے اور کرنل مقبول مستان کے ساتھ چلے گئے۔

مستان کے بچے سب کے لیے دلچسپی کا باعث بنے ہوئے تھے۔ ہرمیت سنگھ اپنے کہنے کے مطابق اس بار کافی سامان اپنے ساتھ لایا تھا اور اس نے اس سامان کا ایک بڑا حصہ نکال کر مستان کی بیوی اور بچوں میں تقسیم کر دیا۔ مستان کی بیوی پر سکتہ طاری ہو گیا تھا۔ اور وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے ان کپڑوں کو دیکھنے لگی تھی۔ جو اگر واقعی اس کی ملکیت بن جاتے تو شاید وہ بستی کی سب سے امیر عورت ہو سکتی تھی اور وہ بستی کی سب سے امیر عورت ہو گئی تھی۔ یہ تمام کپڑے اس کے حوالے کر دیے گئے تھے۔

ہرمیت سنگھ نے مستان کی ضروریات کو محسوس کرتے ہوئے۔ اس کی بیوی کو اور بھی بہت سی چیزیں دی تھیں اور آج کے لیے یہ عورت قطعی ناکارہ ہو گئی۔ وہ بس کھوئے کھوئے انداز میں ایک گوشے میں بیٹھی ان اشیا کو دیکھے جا رہی تھی اور اس کی اس کیفیت سے سب ہی لطف اندوز ہوئے تھے۔ مستان کے بچے خوشی سے اچھلتے کودتے پھر رہے تھے۔ مستان کی واپسی دوسرے دن ہوئی اور دوسرے دن وہ گھوڑوں سے لدا پھندا آیا تھا۔ سب کے استعمال کے لیے گھوڑے موجود تھے۔ گویا بہت شان دار گھوڑے نہیں تھے۔ لیکن پھر بھی جنگل سے پکڑے ہوئے تھے اور اچھے خاصے تھے۔ ان کے ساتھ ساتھ دو خچر بھی لائے گئے تھے جو کرنل کا کارنامہ تھا۔ بلاشبہ اس سلسلے میں دوسرے لوگوں کے ذہن میں یہ بات نہیں آئی تھی۔ لیکن کرنل نے بتایا کہ مستان کے سسر کے پاس بڑے مضبوط قسم کے خچر موجود تھے اور اسی لیے یہ مشورہ بھی دیا کہ جنگلوں میں داخلے کے لیے خچروں پر سامان لادنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ سامان کا وزن خچر ہی صحیح طور پر اٹھا سکتے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی مستان کے سسر نے کچھ اور بھی کارروائیاں کی تھیں۔ مثلاً اس نے جڑی بوٹیوں کے ایسے مرہم دیے تھے کہ جنگل کی فضاء میں بڑے کارآمد ہو سکتے تھے اور یہ مرہم چھوٹے موٹے زخموں پر بھی کام کرتے تھے اور جنگلی کیڑوں کے کاٹنے کے لیے بھی اکسیر تھے۔ مستان نے بتایا کہ اس کا سسر حکیم بھی ہے اور جڑی بوٹیوں سے بہترین علاج کرتا ہے۔ غرض کہ مستان کی ذات ان کے لیے درحقیقت چراغ کے جن ہی کی سی ثابت ہوئی اور اس نے انہیں اتنی آسانیاں فراہم کر دیں جن کا یہ اس دور دراز بستی میں تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ مستان کے اندر کوئی اور تبدیلی ہوئی ہو یا نہ ہو۔ لیکن اس کے وسائل بہت بڑھ گئے تھے اور یقینی طور پر تجربہ بھی۔

جب کہ وہ ایک لاابالی سا نوجوان تھا جب یہ پہلی بار اس کے ساتھ جنگلات میں داخل ہوئے تھے۔ جب یہ تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ تو اس کے بعد بستی میں رکنے کا سوال ہی نہیں تھا۔ ہاں مستان نے دبی زبان میں ہرمیت سنگھ سے یہ ضرور کہا تھا کہ جو کچھ اسے دیا گیا وہ اس کے لیے ناقابل یقین ہے۔

”شرمیں۔ آپ کا شرونٹ۔ آپ کا خادم بس اور کچھ نہیں۔ مستان نے ممنونیت سے کہا تھا۔

تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں اور اس کے بعد یہ لوگ ایک صبح جنگلات کی جانب چل پڑے۔ ہر طرح کے بندوبست کر لیے گئے تھے۔

مستان نے تو اس بار واقعی کمال کر دکھایا تھا۔ چنانچہ اس نے ایسی سبزیاں جو طویل عرصے تک چل

سکتی تھیں۔ اسٹور کر لی تھیں اور انہیں خچروں پر لاد دیا گیا تھا اور بھی ایسی بے شمار چیزیں جو راستے میں کام آ سکتی تھیں اور اس بار یقیناً پہلے کی نسبت یہ سفر موثر اور شان دار تھا۔ گھوڑے بھی بظاہر دیکھنے میں خاص محسوس نہ ہوتے تھے۔ لیکن جب وہ جنگل میں داخل ہوئے تو انہوں نے اپنی شان دکھانا شروع کر دی۔

آغاز وہیں سے کیا گیا تھا۔ جہاں سے پہلی بار وہ جنگلات میں داخل ہوئے تھے۔ پروفیسر حاتم فریدی، چندر گپتا، کرنل مقبول، نمران اور الاکشا بہت خوش تھے۔ جنگل کی ایک ایک چیز دیکھ کر ان کے چہرے پر حیرت کے نقوش بیدار ہو جاتے تھے۔ مستان، ہرمیت سنگھ اور نمران کے ساتھ اپنے گھوڑے پر سفر کر رہا تھا اور کبھی کبھی ان سے باتیں بھی کرتا جاتا تھا۔ گھوڑوں کو نہایت سست روی سے آگے بڑھایا جا رہا تھا اور انہیں دوڑانے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی۔ ہرمیت سنگھ نے کہا۔

”کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے یہاں کیوں مستان؟ جنگلات کی روایات وہی ہیں۔

”نہیں شران میں گربٹ چینج ہوا ہے۔“ مستان نے جواب دیا۔

”اوہو...... وہ کیا؟“

”شر ابھی وہ ادھر جنگلات سے آگے اور بھی بہت سا بستی آباد ہو گیا۔ ادھر ڈاکو لوگ چھوٹا چھوٹا بستی میں ڈاکہ مار کر انشان کو نقصان پہنچاتا تھا۔ بٹ گورنمنٹ نے ادھر آرمی اٹیک کیا اور ڈاکو لوگوں سے ڈھشوں ڈھشوں ہوا۔ پھر ادھر بہت سا ڈاکو مارا گیا اور بہت سا گرفتار ہو گیا۔ تب آش پاش کا بستی والا خوش ہوا اور اس نے جنگلات کے آگے اپنا گھر بنایا۔ شر ادھر بیش اور پچیس پچیس اور گھر پر بستی آباد ہے اور...... ادھر کھیتی باڑی کرتا۔“

”بہت خوب یہ تو واقعی ایک خوش گوار تبدیلی ہے۔ یہ بستیاں کتنے فاصلے تک پھیلی ہوئی ہیں۔“

”زیادہ دور نہیں گیا۔ وہ لوگ دور نہیں گیا۔ وہ لوگ کیوں کہ ادھر جانور لوگ خطرناک ہوتا۔ ابھی جب ڈاکو ان جنگلوں میں تھا تو جانور ختم کرتا۔ بٹ شر جب ڈاکو ختم ہوا تو ان جانوروں کا راج ہو گیا اور ادھر زیادہ جانور آ گیا۔“

”اوہ...... گڈ ویری گڈ...... اس کا مقصد ہے کہ شکار کے ذرائع وسیع ہو گئے۔

”شر یہ جانور لوگ بستی والا کو نقصان پہنچاتا بٹ آش پاش ایموشن نہیں۔ اس لیے وہ نقصان اٹھاتا۔“

”ہوں۔“ شہباز کا چہرہ مسرت سے چمکنے لگا۔ ہرمیت سنگھ نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا اور بولا۔

”یہ تو تمہارے لیے خوش خبری ہے۔“

”ہاں ہے تو خوش خبری لیکن یہ انکشاف مزید احتیاط کی دعوت دیتا ہے۔“

”بیشک دوسروں سے اسے آگاہ کرنا پڑے گا۔“

”جلد بازی کی ضرورت نہیں، دن کا سفر احتیاط سے کیا جائے۔ رات کو جب کیمپ لگائیں گے تو درندوں کے بارے میں بھی احتیاط کر لیں گے۔“ شہباز خان نے جواب دیا۔

[illegible] گھوڑوں کا سفر جاری رہا۔ انہوں نے تقریباً چار پانچ میل کا راستہ طے کیا یہاں تک کہ شام ہو گئی۔ بہت ہی عمدگی سے یہ سفر کیا جا رہا تھا اور تمام لوگوں کے چہروں پر سکون بکھرا ہوا تھا۔ کرنل البتہ کسی

خاص کام میں مصروف تھا اور گھوڑوں پر سفر کرتے ہوئے اس کی نگاہیں ادھر ادھر بھٹک رہی تھیں۔ بعض اوقات وہ اپنا گھوڑا ان سے کچھ فاصلے پر لے جاتا تھا۔ اس سلسلے میں جب حاتم فریدی نے اس سے سوال کیا تو وہ ہنس کر بولا۔

"بھئی ہر شخص اپنی کارکردگی دکھانے کا خواہش مند ہوتا ہے۔ میں ان جیپوں کے نشانات تلاش کر رہا تھا۔ جو ادھر سے گذری ہوں گی۔"

"اوہ...... دلچسپ بات ہے۔ کرنل!"

"ہاں...... لیکن ابھی تک اس میں کوئی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ یہ زمین بلاشبہ ایسی ہے کہ اس میں کوئی نشان پڑنے کے بعد کئی دن تک رہ سکتا ہے۔ لیکن غالباً ہمارا دوست شروک ادھر سے نہیں گزرا ہے۔"

"جنگل میں داخل ہونے کے لیے کوئی اور راستہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔ ویسے یہ درخت جس انداز میں اگے ہوئے ہیں ان کے درمیان سفر بہت آسان نہیں ہے اور جیپوں نے یقیناً ادھر کا رخ نہیں کیا ہوگا۔"

کرنل نے کوئی جواب نہیں دیا۔ رات کے لیے کیمپنگ کی جگہ تلاش کر لی گئی اور اس کے بعد عمدگی سے رات گزارنے کا بندوبست کیا گیا اور اس دوران خاص طور سے الانشا پر نگاہ رکھی گئی تھی اور وہ لوگ محسوس کر رہے تھے کہ الانشا ضرورت سے زیادہ ہشاش بشاش ہے۔ سب ہی سے گفتگو کر رہی تھی اور جنگلوں کے بارے میں اپنی پسندیدگی کا اظہار بھی کرتی رہی تھی۔ نمران کے سپرد یہ چیز کی گئی تھی کہ اس کی نگرانی مکمل طور سے کرے۔ اس لیے وہ الانشا کے ساتھ رہا تھا اور الانشا نے اس سے بھی اپنی خوشی کا اظہار کیا تھا۔

رات کے لیے خاص طور سے بندوبست کرتے ہوئے ہرمیت سنگھ نے تمام لوگوں کو بتایا کہ مستان کے کہنے کے مطابق ان جنگلوں میں درندوں کا وجود پایا جاتا ہے اور ہر لمحہ ہوشیار رہنا ہوگا

چنانچہ رات کو پہرے کا خصوصی طور پر بندوبست کر دیا گیا دو شفٹوں میں ڈیوٹیاں لگائی گئی تھیں۔ پہلی شفٹ کی ڈیوٹی نمران اور پروفیسر حاتم فریدی کی تھی۔ پروفیسر حاتم فریدی نے اپنے ہاتھوں میں رائفل تھامی اور ہنستے ہوئے بولے۔

یہ رائفل میں صرف اس شرط پر چلا سکتا ہوں کہ نمران میرے پیچھے رہیں اور جب رائفل سے مجھے دھکا لگے تو وہ مجھے گرنے سے بچا لیں۔ اگر اس میں گھوڑا دبانے کی آسانی نہ ہوتی میں اسے کبھی اپنے ہاتھ میں نہ لیتا۔ ہاں نشانے کی ذمہ داری نہیں لی جاسکتی۔ البتہ دھماکے سے جانور تو بھاگ ہی جائے گا" پروفیسر حاتم فریدی کی اس بات پر سب لوگ ہنسنے لگے تھے نمران نے کہا۔

"آپ فکر نہ کریں پروفیسر میں ایک فوجی کا بیٹا ہوں۔ آپ بس رائفل سنبھالے میرے ساتھ ہوشیار رہیں۔ باقی سارے کام میں خود کر لوں گا۔"

مستان نے بھی اپنی خدمت پیش کی تھی۔ لیکن اسے دوسری شفٹ کے لیے منتقل کر دیا گیا۔ حالانکہ مستان پہلے سفر میں ان کے لیے زیادہ خطرناک ثابت نہیں ہوا تھا لیکن اس وقت اور اس وقت میں نمایاں فرق ہو چکا تھا۔ رات کا یہ حصہ بخیر و خوبی گزر گیا اور اس کے بعد انہوں نے چمن گپتا کو جگا دیا گیا اور ان لوگوں نے اپنی ڈیوٹی سنبھال لی۔

یوں صبح ہو گئی بالکل پکنک کا سا ماحول تھا۔ ناشتہ وغیرہ کیا گیا اور اس کے بعد گھوڑوں کے سفر کا آغاز ہو گیا۔ الانشا کو گھوڑے کے سفر میں کوئی دقت پیش نہیں آئی تھی۔ وہ بہت خوش دلی سے سفر کر رہے تھے اور کئی بار اس نے شہباز خان اور دوسرے لوگوں سے گفتگو کی تھی اور اس سفر سے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ دوپہر گزری تو چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں والے ایک جنگل میں پہنچ گئے۔ جس کے دوسری جانب کچھ جھونپڑیاں نظر آ رہی تھی۔ جھونپڑوں کی بائیں سمت اچھا خاصا سبزہ پھیلا ہوا تھا۔ یہ انسانی ہاتھوں کا کارنامہ تھا دریائے سلہری یہاں سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا اور اس سے ایک چھوٹی سی نہر کاٹ کر یہاں لائی گئی۔ جو اس علاقے کو سیراب کرتی تھی۔

ان لوگوں نے فیصلہ کیا کہ بستی کے پاس یہ قیام کر لیا جائے اور باقی سفر ملتوی کر دیا جائے۔ کسی نے اس بات پر اعتراض نہیں کیا تھا۔ البتہ انہوں نے بستی سے تقریباً آدھے فرلانگ کے فاصلے پر اپنا کیمپ لگا دیا تھا۔ بہت پرفضا جگہ تھی۔ بائیں سمت درختوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور تاحد نگاہ پھیلا ہوا تھا۔ بستی داہنے ہاتھ کو تھی۔ یہاں سے وہ بستی کی کارروائیاں دیکھتے رہے۔ بستی والوں نے بھی ان اجنبی لوگوں کو دیکھ لیا تھا۔

چنانچہ کئی بچے اور عورتیں اس طرف نکل آئے اور دور ہی دور سے ان لوگوں کو دیکھتے۔ بستی والوں سے کوئی خاص بات معلوم نہیں کرنی تھی۔ چنانچہ انہوں نے بھی ان کی جانب توجہ نہیں دی اور اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں آس پاس اگی ہوئی تھیں۔ شام کے تقریباً چھ بجے تھے کہ شہباز خان نے دو بوڑھے آدمیوں کو دیکھا جو ایک جھاڑی کے پاس خاموش بیٹھے تھے اور ان کی جانب دیکھ رہے تھے۔ ان کے بال بکھرے ہوئے تھے جسموں پر برائے نام لباس تھے اور وہ کچھ اس طرح بیٹھے ہوئے تھے کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ غالباً کھانے پینے کی کسی شے کی تلاش میں تھے۔

شہباز نے کھانے پینے کی کچھ اشیاء اپنے ساتھ لیں اور ان بوڑھوں کی جانب بڑھ گیا۔ شہباز خان کے قریب پہنچنے پر بھی یہ دونوں نہ چونکے تو شہباز خان نے ان سے کہا۔

"تم یہاں کیوں بیٹھے ہوئے ہو؟" تب وہ پریشانی سے ادھر ادھر ہاتھ پاؤں مارنے لگے۔ تب ہی شہباز خان کو احساس ہوا کہ وہ دونوں نابینا ہیں عجیب پراسراری شکلیں تھیں۔ بہرطور شہباز خان نے کھانے کی اشیاء انہیں دیتے ہوئے کہا۔

"یہ کھانے کی چیزیں لے لو اور یہاں سے چلے جاؤ۔" بوڑھوں نے ہاتھ نہیں اٹھائے شہباز خان نے وہ اشیاء ان کے جسموں پر رکھ دیں اور واپس پلٹ پڑا۔ اسے کوئی خاص احساس نہیں ہوا تھا۔ لیکن ابھی وہ زیادہ دور نہیں گیا تھا۔ کہ دفعتاً ہی اس نے اپنے داہنے ہاتھ پر سیاہ رنگ کا عظیم الجثہ ریچھ دیکھا۔ جو کسی درخت کے عقب سے نمودار ہوا تھا۔ ریچھ نے شہباز خان کو دیکھ لیا تھا۔ وہ اپنے مخصوص انداز میں آ رہا تھا۔ چلتے چلتے رک جاتا اور زمین پر کچھ سونگھنے لگتا۔

خان نے دور ہی سے اس کا نشانہ لیا اور چند لمحات اسی طرح خاموش گزر گئے۔ پھر دفعتاً ریچھ کے انداز میں تیزی پیدا ہوئی اور وہ وحشیانہ انداز میں خوخیاتا ہوا شہباز خان کی طرف دوڑا۔ خان نے اس پر فائر کر دیا۔ مگر یوں لگتا تھا جیسے ریچھ پر کوئی اثر نہ ہوا ہو۔ وہ اپنے بھیانک دانت کچکچاتا ہوا خان پر حملہ آور ہوا اور خان نے اس کے حملے سے بچنے کے لیے ایک سمت چھلانگ لگا دی۔ ریچھ اپنے ہی زور میں آگے نکل گیا تھا۔ چند

ہی سیکنڈ کے بعد وہ پلٹا مگر اتنی دیر میں خان اس کا صحیح نشانہ باندھ چکا تھا۔اس کی رائفل سے دوسری گولی نکلی اور وحشی ریچھ زمین پر ڈھیر ہو گیا۔فائرنگ کی آوازیں سنتے ہی دوسری جانب ایک دم سب لوگ ہوشیار ہو گئے۔رائفلیں لے کر اسی طرح دوڑ پڑے لیکن ریچھ مر چکا تھا۔ہرمیت سنگھ اس کے قریب پہنچا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تو گویا تم نے اپنا کام شروع کر دیا۔بڑا شاندار ریچھ ہے اور میں تمہیں اس نئے سفر میں بلکہ نئی مہم میں پہلے شکار کی مبارک باد دیتا ہوں۔" خان نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموشی سے ریچھ کو دیکھتا رہا۔

ہرمیت پھر بولا۔" کیا بات ہے۔خاموش کیوں ہو؟"

"اوہ نہیں...... کوئی خاص بات نہیں۔اس شکار سے کچھ پرانی یادیں تازہ ہو گئی ہیں۔"

خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔کرنل اور نمران نے بھی خان کو مبارک باد دی تھی۔خان نے بوڑھوں کے بارے میں کچھ بتانے کے لیے ادھر گردن گھمائی لیکن پھر چونک پڑا۔اب وہ دونوں بوڑھے وہاں موجود نہ تھے۔کھانے پینے کی جو اشیاء انہیں دی گئیں تھیں۔وہ طرح پڑی ہوئی تھیں۔"ارے وہ کہاں گئے؟" خان کے منہ سے نکلا۔

"کون؟"

"وہ بوڑھے آدمی اس جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔" خان نے کہا اور سب اس کے اشارے کی سمت دیکھنے لگے۔بوڑھوں کا دور دور تک کہیں کوئی پتا نہیں تھا۔خان انہیں بوڑھوں کے بارے میں بتانے لگا۔

"بستی کے لوگ ہوں گے۔اس میں پریشانی کی کیا بات ہے!" چرن گپتا نے کہا۔

"وہ کچھ عجیب سے تھے۔یا پھر ممکن ہے۔میرا وہم ہو۔" خان نے بات ختم کر دی تھی۔گو وہ بستی کے قریب تھے اور تھوڑے فاصلے پر زندگی رواں تھی۔لیکن ریچھ کے تجربے نے یہ بات واضح کر دی کہ یہ جگہ محفوظ نہیں ہے اور یہاں بھی پوری احتیاط رکھنی ہے۔چنانچہ پہرے کا بندوبست کر دیا گیا اور پھر سب لوگ کھانے پینے سے فارغ ہو کو خوش گپیاں کرنے لگے۔" پروفیسر حاتم فریدی نے کہا۔

"میرے لیے یہ سب کچھ بہت عجیب ہے۔آج تک قدیم زبانوں اور قدیم اشیاء کا تجزیہ کرتے ہوئے بے شمار داستانیں لکھی پڑی ہیں۔لیکن میں خود کبھی ان داستانوں کا کوئی کردار نہیں رہا۔"

"ہرمیت سنگھ کی زبانی شہباز خان کی زندگی کے بہت سے شکار کے واقعات سنے تھے۔یہ اندازہ نہیں تھا کہ کبھی انہیں شکار کھیلتے ہوئے بھی دیکھوں گا۔لیکن شہباز خان تمہیں ان درندوں سے دشمنی کب اور کیوں ہوئی۔" چرن گپتا نے پوچھا۔

درندوں سے دشمنی تو ہونی ہی چاہیے چرن گپتا جی!" خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

رات گزر گئی اور دوسرے دن پھر آگے کا سفر شروع ہو گیا۔آج کے سفر میں کوئی قابل ذکر واقعہ پیش نہیں آیا تھا۔ہاں شام کو بادلوں کا رنگ دیکھ کر ہرمیت سنگھ اور خان متفکر ہو گئے۔دونوں نے ایک دوسرے کے چہرے دیکھے اور شہباز خان بولا۔

"بادل چھا رہے ہیں ہرمیت۔"

"میں بھی وہی دیکھ رہا ہوں۔"

"یہ تو خطرناک بات ہو گئی۔تمہیں وہ ہولناک سیلاب یاد ہے؟"

"میرے خیال میں علاقہ بھی وہی ہے۔"

"اب کیا کیا جائے؟"

بادلوں کا رنگ دیکھتے ہیں اور اس کے بعد آگے بڑھنے کا فیصلہ کریں گے ویسے اگر صورت حال خطرناک سے ہو گئی تو واپسی ہی مناسب رہے گی۔خواہ کہیں رک کر انتظار کرنا پڑے۔دوسرے لوگوں کو اس خطرے سے آگاہ نہیں کیا گیا تھا۔لیکن آگے سفر ملتوی کر دیا گیا۔بادل گھیرے ہوتے جا رہے تھے کیمپ لگا دیا گیا اور ہرمیت اور خان متفکر رہے تھے۔شہباز خان کسی کام سے الاکشا کی چھولداری میں داخل ہوا تو یہ دیکھ کر چونک پڑا کہ الاکشا لکڑی کے وہ ٹکڑے لیے بیٹھی تھی۔اس کا چہرہ ٹھیک تھا۔لیکن وہ کچھ کھوئی کھوئی سی تھی۔شہباز خان کو دیکھ کر وہ بجھے بجھے سے انداز میں بولی۔

"نہیں تشویش بے کار ہے کچھ نہیں ہوگا۔"

"کس سلسلے میں الاکشا؟" شہباز خان نے کہا اور الاکشا چونک پڑی۔

"مجھ سے کچھ کہا ڈیڈی......"

"کون سی تشویش کی بات کر رہی ہو الاکشا؟"

"تشویش؟" الاکشا نے سوالیہ نظروں سے شہباز خان کو دیکھا اور شہباز خان گہری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔پھر بولا۔

"تمہاری طبیعت کیسی ہے۔الاکشا؟"

"ٹھیک ہوں ڈیڈی بہت اچھا لگ رہا ہے۔

شہروں میں رہتے رہتے تو دل اکتا گیا تھا۔یہاں ان جنگلوں کی آب و ہوا بہت اچھی ہے۔" الاکشا کا کھویا کھویا پن اچانک درست ہو گیا۔

"چلو باہر چلو نمران کہاں ہے؟"

"میں ٹھیک ہوں ڈیڈی آپ بالکل پریشان نہ ہوں"

"ابھی کہہ رہی تھیں کہ تشویش بے کار ہے۔کچھ نہیں ہوگا۔"

"میں کہہ رہی تھی؟"

"شاید میں نے غلط سنا ہوگا۔آؤ باہر چلیں۔" شہباز خان نے کہا اور الاکشا اس کے ساتھ باہر نکل آئی اس نے لکڑیوں کے ٹکڑے سنبھال کر رکھ دیے تھے۔شہباز نے باہر قدم رکھا تو چند پانی کے قطرے اس کے بدن پر پڑے اور اس کا دل ٹھہرا ہوا تھا۔دور آسمان پر بجلی چمک رہی تھی۔سامنے ہی نمران نظر آ گیا۔اس نے مسرور لہجے میں کہا۔

"انکل بارش ہونے والی ہے۔"

"ہاں تم الاکشا کو سنبھالو یہ اکیلی بیٹھی تھی۔" شہباز خان نے کہا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا

ہرمیت سنگھ کے پاس پہنچ گیا جو مستان سے بات کر رہا تھا۔ مستان کہہ رہا تھا۔

"نو شر' ڈونٹ وری' بارش نہیں پڑے گا۔"

"مگر تم کیسے کہہ سکتے ہو مستان آسمان بادلوں سے لدا کھڑا ہے اور بوندیں آنے لگی ہیں۔ ادھر بجلی بھی چمک رہی ہے۔" ہرمیت سنگھ نے کہا۔

لیکن مستان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "آپ کو پہلا والا بارش یاد آتا شر یہ نہیں ہوئیں گا۔ مستان آپ کو ٹھیک بولتا شر۔"

"کیسے ٹھیک بول سکتے ہو۔" شہباز نے جھلاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"شر اُس ٹائم ہم تجربے کار نہیں تھا۔ بٹ اب جانتا کونسا بارش ہوئیں گا اور کونسا نہیں ہوئیں گا۔ شر ڈونٹ وری' ڈونٹ وری۔" مستان نے کہا اور شہباز خان ہرمیت سنگھ کی طرف دیکھنے لگا۔

"میں بھی اسی سلسلے میں پریشان ہوں کیا مستان کی بات پر یقین کیا جا سکتا ہے؟"

"کیسے یقین کیا جا سکتا ہے۔ ہرمیت سنگھ؟"

"تو پھر کیا کیا جائے؟"

"بہتر یہ ہے کہ پہلے چاروں طرف کا جائزہ لے لیا جائے کہ ہمیں کہاں پناہ مل سکتی ہے۔"

"شر مستان بالکل ٹھیک بولتا۔ بارش نہیں ہوئے گا۔" مستان نے پھر کہا اور ہرمیت سنگھ اور شہباز خان گردن ہلانے لگے۔ پھر انہوں نے کہا۔

"ٹھیک ہے مستان لیکن اس کے باوجود تم ذرا جلدی جلدی ایسی جگہوں کی تلاش کرو۔ جہاں بارش آئے تو ہم پناہ لے سکیں۔"

"اوکے شر...... اوکے۔" مستان نے کہا اور وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ ہرمیت سنگھ اور شہباز خان نہ جانے کب تک بادلوں کا رنگ دیکھتے رہے تھے۔ بوندا باندی مسلسل ہو رہی تھی اور باقی لوگ جنگل کی بارش سے لطف اندوز ہو رہے تھے وہ لوگ بھی اس بارش سے لطف اندوز ہوتے اگر انہیں ایک ہولناک تجربہ نہ ہوا ہوتا۔

لیکن مستان جس اعتماد سے یہ بات کہہ رہا تھا۔ وہ بھی قابل غور تھی۔ ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو۔ دل میں یہی دعا مانگ رہے تھے۔ وہ دونوں کہ تیز بارش نہ ہو ورنہ سارا کیا دھرا چوپٹ ہو جائے گا۔ ویسے ان سے زیادہ خطرہ آگے جانے والوں کو تھا۔ یعنی شروک اور اس کے ساتھیوں کو کیوں کہ وہ اس بارش کی ہولناکی سے واقف بھی نہیں تھے۔ لیکن مستان کا کہنا درست ثابت ہوا۔ آدھی رات اسی بوندا باندی میں گزر گئی اور اس کے بعد آسمان پر تارے نکل آئے اور ان لوگوں نے سکون کی سانس کی۔ واقعی مستان کا کہنا درست ہی ہوا تھا۔ اس کے علاوہ شہباز خان کو الانشا کے الفاظ یاد تھے اور ان کا موازنہ وہ ان الفاظ سے کر رہا تھا۔ جن میں الانشا نے اس کے ایک شکاری دوست کی موت کی پیش گوئی کی تھی الانشا کی اس وقت کی کیفیت کم از کم اس جیسی ہی تھی جو اس وقت تھی۔ جب وہ لکڑیوں کے ٹکڑوں سے کھیل رہی تھی۔ ہرمیت سنگھ اور شہباز خان نے دوسروں کو بتائے بغیر رات کو جاگنے کی ڈیوٹی اپنے سپرد کر لی تھی۔ لیکن ان کے دل میں اصل خطرہ بارش کا تھا۔ جو صبح ہوتے ہوتے بالکل ٹل گیا اور صبح کا سورج کافی چمک دار تھا۔

چناں چہ ان لوگوں نے مطمئن انداز میں آگے کے سفر کا آغاز کر دیا۔ گھوڑے تیز رفتار نہیں دوڑائے جاتے تھے اور ایک طرح سے تفریح کی کیفیت ہی برقرار رکھی گئی تھی۔ الانشا اس سلسلے میں کافی دلچسپی لے رہی تھی اور نمران کا ساتھ اس کے لیے بہت دلکشی کا حامل تھا۔ جس کا احساس سب ہی کو ہو رہا تھا۔ ویسے لکڑی کے ٹکڑے اس نے اپنی جان کے ساتھ لگا رکھے ہوئے تھے اور انہیں ہمیشہ اپنے سینے سے لگا کر رکھتی تھی۔ سفر کا یہ دن دوپہر کو ڈھائی بجے تک پرسکون رہا۔ دوپہر کو کھانے کے بعد انہوں نے ایک جگہ منتخب کی۔ اس دوران اتفاق ہی تھا کہ انہیں بستی یا درندہ نظر نہیں آیا۔ لیکن آگے کچھ آثار مل رہے تھے کہ کوئی آبادی ضرور ہے۔ ڈھائی بجے کے بعد شہباز خان نے رائفل سنبھال لی اور اطراف کا جائزہ لینے لگا۔ ہرمیت سنگھ بھی مسکراتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا تھا اور پھر کرنل بھی اپنی رائفل سنبھالے قریب آ گئے۔

"بھئی آپ حضرات اگر کسی درندے کی دشمنی کا ارادہ باندھ رہے ہیں تو ہم بھی تو آپ ہی کے دوست ہیں۔ بہت پہلے بندوق چلاتے تھے اور دشمنوں کا شکار کرتے تھے۔ آج اگر کسی درندے کا شکار ہمیں بھی کرا دیا جائے تو کم از کم زندگی میں ایک یادگار رہے گا۔" ہرمیت سنگھ اور شہباز خان نے مسکراتے ہوئے ان کا خیر مقدم کیا اور پھر شہباز خان ہنس کر بولا۔

"بے چارے حاتم فریدی درندوں کے لیے پریشان ہوتے ہیں۔ ان کے خیال میں ہم لوگ ان درندوں کو بلاوجہ نقصانات پہنچا رہے ہیں۔"

کافی دور نکل آئے تھے۔ یہ تینوں باتیں کرتے ہوئے ہرمیت سنگھ اور شہباز خان کی نگاہیں ہر جھاڑی ہر درخت کا جائزہ لے رہی تھیں۔ ماحول اب کافی خوف ناک ہو گیا تھا۔ اندازہ یہ ہوتا تھا کہ اس سے آگے جانے کے بعد جنگل کا یہ حصہ کچھ اور گھنا اور ہولناک ہو گیا تھا۔

حالاں کہ اُس وقت جو سیلاب ان کے سامنے آیا تھا۔ اس نے درختوں میں بھی تباہی مچائی تھی اور لاتعداد درخت زمین بوس ہو گئے تھے۔ لیکن اب ان کا نام و نشان بھی نہیں ملتا تھا۔ یقینی طور پر مقامی باشندوں نے ان کی سوکھی ہوئی لکڑیاں خرچ کر لی ہوں گی اور جنگل صاف کر دیا ہو گا۔ وہ لوگ آگے بڑھتے رہے۔ پھر دفعتاً ہی کرنل کے نتھنے پھولنے اور پچکنے لگے اور انہوں نے ہرمیت سنگھ کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"ہر چند کہ میں ذات کا قصائی نہیں ہوں۔ لیکن گوشت کی بو سے کچھ واقفیت ہے میری۔"

"ہاں...... کیا مطلب؟" کرنل نے کہا۔

"آپ بھی سڑے ہوئے گوشت کی بو محسوس کر رہے ہیں۔"

ہاں...... ہاں بالکل اور اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو یہ اس سمت ہے۔"

کرنل نے ہوا کو سونگھتے ہوئے ایک جانب اشارہ کیا اور تینوں محتاط انداز میں آگے بڑھنے لگے۔ جنگل میں اس طرح کی بو حیرت ناک نہیں تھی۔ کیوں کہ درندے جانوروں کا شکار کر کے ان کی لاشیں اسی طرح چھوڑ دیا کرتے تھے۔ لیکن بہر طور کسی درندے کی تلاش میں یہ بو سونگھتے ہوئے آگے بڑھنا ان کی فطرت کے عین مطابق تھا اور اس کے بعد وہ بڑی بڑی جھاڑیوں کے ایک جھنڈ کے پاس پہنچ گئے۔ جہاں سے یہ بو آ رہی تھی۔ شہباز خان اور ہرمیت سنگھ نے اپنے شکاری تجربے کی بنیاد پر کرنل کو آگے نہ بڑھنے دیا۔ لاش کے

پاس درندہ بھی موجود ہو سکتا تھا اور پھر یہ اندازہ لگا کر کہ درندہ وہاں موجود نہیں ہے۔ ہرمیت سنگھ نے پہلے جھاڑیاں ہٹائیں اور اس کے فوراً بعد دو قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"انسانی لاش۔" اس نے جواب دیا اور پھر تینوں جھاڑیوں میں گھس گئے۔ جھاڑیوں میں جو کچھ انہیں نظر آیا وہ واقعی حیرت ناک تھا۔ انسانی لاش کے چند ٹکڑے ہاتھوں اور پیروں کی ہڈیاں بکھری ہوئی تھیں۔ تھوڑے سے کپڑے کی دھجیاں بھی تھیں۔ جو گہری براؤن رنگ کی تھیں۔ پھر ایک انسانی سر بھی نظر آیا۔ جو ایک جھاڑی میں اٹکا ہوا تھا اور یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گئے کہ سر کسی سفید فام کا تھا۔ ان کے چہروں پر شدید تجسس نظر آ رہا تھا۔ اس سفید فام کے بارے میں ایک ہی اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ یہ کسی بھی طور شروک کا ساتھی ہو سکتا ہے۔ جھاڑیوں میں خون کے دھبے اور انسانی جسم کے ٹکڑوں سے بھی یہی اندازہ ہوا تھا کہ لاش پرانی نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ اسے دو دن ہوئے ہیں۔ شہباز خان اور ہرمیت سنگھ آس پاس کی چیزوں کی جانب متوجہ ہو گئے اور کرنل مقبول کے حلق سے ایک آواز نکل گئی اور شہباز خان اور ہرمیت سنگھ چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

"کیا بات ہے کرنل؟"

"جیپوں کے ٹائروں کے نشانات دیکھو۔ یہ بہت مدھم رہ گئے ہیں لیکن میں یہ دعوے سے کہہ سکتا ہوں مجھ سے زیادہ انہیں کون پہچان سکتا ہے۔"

ہرمیت سنگھ اور شہباز خان نے بھی وہ نشانات دیکھے اور دونوں اس بات پر متفق ہو گئے کہ یہ جیپوں ہی کے نشانات ہیں۔ گاڑیاں ادھر سے گزری ہیں اور وہ اندازہ لگانے لگے لاش کے آس پاس کوئی خاص چیز برآمد نہیں ہوئی تھی۔ جس سے یہ اندازہ ہوتا کہ یہ شخص کون ہے اور اس کا نام وغیرہ کیا ہے۔

بہرحال چہرہ دیکھ کر یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ وہ سو فیصد شروک ہی کا کوئی ساتھی ہے اور ایک اندازہ انہوں نے قائم کر لیا وہ یقیناً شروک ہی کا ساتھی تھا۔ جو کسی درندے کا شکار ہو گیا۔ شروک کے ساتھی بدحواسی کے عالم میں بھاگ گئے اور اپنے ساتھی کے لیے کچھ نہ کر سکے۔ درندے نے اطمینان سے اپنے شکار کو چٹ کر لیا تھا۔

اس ہولناک واقعے نے انہیں بہت متاثر کیا تھا اور وہ ایک عجیب سنسنی محسوس کر رہے تھے۔ اس کے بعد آگے بڑھنے کا ارادہ ترک کر کے وہ واپس پلٹ پڑے۔ واپس آتے ہوئے وہ اسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔

"اگر یہ شخص شروک ہی ساتھی ہوتا تو اب تک ان لوگوں کے حلیے بھی بگڑ چکے ہوں گے اور وہ یقیناً خوف زدہ ہوں گے۔" کرنل نے کہا۔

"اس سے زیادہ ہمیں اس بات کا خیال رکھنا ہے کرنل کہ وحشی درندہ آس پاس ضرور موجود ہو گا۔ ہر چند کہ وہ اپنے شکار کو چٹ کر چکا ہے۔ لیکن وحشی جانور کو انسانی خون کی چاٹ لگ جائے تو پھر وہ بہت دور سے انسان کی بو سونگھ لیتا ہے۔"

"ایں...... ہاں...... یقیناً۔" کرنل نے متاثرہ لہجے میں کہا۔ ہرمیت بولا۔ "خان آج ایک تبدیلی کیے لیتے ہیں۔"

"کیا؟"

"ابتدائی رات میں تم کسی کے ساتھ جاگو گے اور دوسرے حصے میں، میں۔"

"میں سمجھ رہا ہوں۔" شہباز خان نے کہا اور کرنل نے ان کی گفتگو میں دخل نہیں دیا تھا۔

سورج غروب ہوتے ہی جنگل میں روایتی چہل پہل شروع ہو گئی۔ پرندے تو بے شک اپنے گھونسلوں میں دبک جاتے ہیں اور دوسری صبح کا سورج طلوع ہونے سے پہلے نہیں بولتے۔ لیکن جنگل کے دوسرے باسی ایک ایک کر کے بیدار ہونے لگتے ہیں۔ الوؤں کی ہو ہو، بندروں کی خوش فعلیاں، جنگلی خرگوش کی بھاگ دوڑ، مینڈکوں اور جھینگروں کی سرتال، سب جاگ اٹھتے ہیں اور جنگل میں ایک عجیب سماں بندھ جاتا ہے۔ خاص طور سے بندر وحشی درندوں کے لیے بہترین چوکیدار ہوتے ہیں اور بہت دور سے اس کے بارے میں اطلاع دے دیتے ہیں اس وقت بھی یہی سماں تھا کھانے پینے سے فارغ ہو کر مستان بھی آ بیٹھا۔

"شرا آگے شاید رستہ بدلنا ہو گا۔"

"کیوں؟"

"میں دلدل کی بو سونگھتا۔"

"کیا یہ وہی راستہ نہیں ہے۔ مستان جہاں سے ہم پہلے گزرے تھے؟"

"وہی ہے شرگر...... دلدل ضرور ہے۔"

"تمہارے خیال میں ہم اس ندی تک کب پہنچ سکتے ہیں جہاں ہمیں وہ لاش ملی تھی؟"

"شرا بھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ سلہری کا کنارہ ابھی تک نہیں آیا۔ جدھر سلہری راستہ بدلے گا۔ ادھر سے نارتھ سائیڈ چلنا ہو گا۔ ابھی وہ جگہ بہت دور ہے۔" مستان نے جواب دیا۔

رات بھیگتی جاری تھی اور فضاء میں خنکی بڑھتی جا رہی تھی خان اپنی ڈیوٹی پر مستعد ہو گیا اور اس کی نظریں دور دور تک کا جائزہ لے رہی تھیں۔ کرنل بھی اس سے چند گز کے فاصلے پر بیٹھا ہوا تھا۔ دونوں خاموش تھے اچانک کافی فاصلے پر کسی پرندے کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ سنائی دی اور خان چونک پڑا اور مستعد ہو گیا۔

یہ پھڑپھڑاہٹ بے معنی نہ تھی۔ شہباز خان کی نگاہیں اس طرف جم گئیں۔ جہاں سے اسے یہ آواز سنائی دی تھی۔ پھر اس نے کرنل کی طرف دیکھا اور سرگوشی کے انداز میں اسے آواز دی۔ لیکن کرنل کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ اس وقت پوزیشن تبدیل بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔ کرنل کے بارے میں اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ اونگھ گیا ہے۔ اس وقت کرنل کو ہوشیار بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اسی وقت بندروں کے خوخیانے کی آوازیں ابھریں اور شہباز کو یقین ہو گیا کہ درندہ پاس ہی موجود ہے۔ شہباز کے اعصاب تن گئے اور اس کی تمام شکاری حسیں جاگ اٹھیں۔ اس کے کان ایک ایک آہٹ کو سن رہے تھے۔ اس نے چتوں کے چرچرانے کی آوازیں صاف سنی تھیں اور سانس روکے تیار بیٹھا تھا اور درندے کو دیکھنے کے لیے کوشاں تھا۔ کئی بار اس نے جھاڑیاں ہلتی دیکھی تھیں۔ وہ جانتا تھا کہ درندے بھی کس قدر ہوشیار ہوتے ہیں اور اگر انہیں شکاری کے چوکنا ہونے کا اندازہ ہو جائے تو وہ خود بھی شکاری کو دھوکہ دیتے ہیں۔ یکایک کہیں دور سے ایک سانبھر کی بھیانک آواز ابھری اور پھر اس کے بے تحاشہ دوڑنے کی آوازیں سنائی دیں۔

لیکن اس کے ساتھ ہی ایک اور اعصاب شکن چیخ نے شہباز خان کا دل دہلا دیا۔ یہ آواز انسانی ہوتے ہوئے غیر انسانی تھی۔ بالکل بلی کی سی غراہٹ ابھری تھی اور پھر دھاچوکڑی مچ گئی۔ آواز چھولداری کی طرف سے سنائی دی تھی۔ کوئی دھم سے گرا تھا۔ پھر ایک دہشت بھری مردانہ چیخ ابھری۔

سب سے پہلے کرنل اچھل کر چھولداری کی طرف بھاگا۔ اس نے ہوشیاری سے کام لیتے ہوئے ٹارچ روشن کر لی تھی۔ پھر دوسرے بھی اٹھ گئے۔ شہباز خان پر دوہری ذمہ داری عائد ہو گئی تھی۔ ادھر تو اسے درندے پر نگاہ رکھنی تھی۔ ادھر یہ ہنگامہ آرائی بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی تھی۔ پھر بہت سی دہشت بھری آوازیں سنائی دیں اور شہباز خان کے اعصاب ساتھ نہ دے سکے۔ اس نے اپنی جگہ سے چھلانگ لگائی اور یکے بعد دیگرے دو فائر کر دیے۔ یہ درندے کو بھگانے کی ایک کوشش تھی۔ دوسرے لوگ بھی جاگ گئے تھے اور ٹارچوں کی روشنیاں ایک ہولناک منظر اجاگر کر رہی تھیں۔ دو انسان آپس میں گتھم گتھا تھے۔ ان میں سے ایک تو الاکشا تھی اور دوسرا اسے ہرمیت سنگھ یا شہباز خان کے علاوہ کوئی نہیں پہچان سکا تھا۔ یہ ان دونوں بوڑھوں میں سے ایک تھا۔

الاکشا نے اسے بری طرح دبوچ رکھا تھا اور دہشت زدہ انداز میں اسے بھنبھوڑ رہی تھی۔ اس کے دانتوں سے خون ٹپک رہا تھا اور بوڑھا لہولہان تھا۔

نمران نے صورت حال کا اندازہ لگا کر ان دونوں پر چھلانگ لگا دی اور بوڑھے کو الاکشا سے چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کی آنکھیں دہک رہی تھیں۔ پھر اس نے نمران کو ایک جھٹکا دیا اور نمران اچھل کر دور جا گرا۔

الاکشا نے پھر اپنے شکار کو دبوچ لیا اور بوڑھے کے حلق سے کراہیں نکل گئیں۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ وہ صاف محسوس کر رہے تھے کہ بوڑھا بھاگ جانے کے چکر میں ہے۔ لیکن الاکشا بالکل بلیوں کے سے انداز میں اس سے چمٹی ہوئی تھی اور بوڑھا اس سے زیر ہو گیا تھا۔ ویسے وہ یہ بھی محسوس کر رہے تھے کہ بوڑھا الاکشا کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کر رہا اور صرف مدافعت میں مصروف ہے۔ مگر اس کی ایک نہ چل رہی تھی۔ شہباز خان نے بہ مشکل تمام کہا۔

"ہرمیت ادھر دیکھو سامنے جھاڑیوں میں درندہ ہے۔" یہ الفاظ ادا کر کے وہ خود الاکشا کے قریب پہنچا اور اس بوڑھے کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگا۔ بہ مشکل تمام وہ اس میں کامیاب ہو سکا تھا۔ لیکن ایک لمحے میں ہی اسے احساس ہو گیا تھا کہ اب بوڑھا بے جان ہے۔ الاکشا نے جھک کر بوڑھے کی مٹھیاں کھول دیں اور ان میں سے کوئی شے نکالنے لگی۔ شہباز نے دیکھا وہ لکڑیوں کے وہی ٹکڑے ہیں۔ جو لاش کے بدن پر زیور کی شکل میں موجود تھے اور اب الاکشا کے قبضے میں تھے۔

ہر شخص جاگ گیا تھا اور سکتے کی سی کیفیت میں تھا۔ نمران الاکشا کے دھکے سے بری طرح گرا تھا اور شاید الاکشا کے پاس آنے کی جرأت نہیں کر سکا تھا۔ اتنی دیر میں شہباز خان، بوڑھے کو الاکشا کی گرفت سے نکالنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ لیکن بوڑھا زندہ نہ تھا۔ ادھر ہرمیت سنگھ نے خان کے الفاظ سنے تھے اور درندے کے شکار کے لیے چوکس ہو گیا تھا۔ بندروں کی آوازیں بھی بند ہو گئی تھیں۔ الاکشا نے لکڑی کے ٹکڑے سمیٹے اور اپنی چھولداری میں داخل ہو گئی۔

"کرنل یہ انہی بوڑھوں میں سے ایک ہے۔ جن کے بارے میں، میں نے تذکرہ کیا تھا۔ ہو سکتا ہے دوسرا بوڑھا بھی آس پاس موجود ہو۔"

"نمران تم الاکشا کے پاس بیٹھ جاؤ۔ اسے کوئی خطرہ پیش آ سکتا ہے۔" کرنل نے کہا۔

نمران بے اختیار الاکشا کی چھولداری کی طرف دوڑ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ الاکشا بیمار ہے اور اس بیماری کے عالم میں وہ کچھ بھی کر سکتی ہے لیکن اُسے کوئی بھی نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔

چنانچہ وہ چھولداری میں داخل ہو گیا۔ الاکشا خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے نمران کو دیکھا لیکن کچھ نہ بولی۔

باہر بوڑھے کی تلاش ہو رہی تھی۔ دوسرا بوڑھا کہیں نہ ملا۔ ہر شخص مسلح ہو کر اسے تلاش کر چکا تھا۔ اس دوران شہباز خان نے بوڑھے کی لاش کی تلاشی بھی لے ڈالی تھی۔ لیکن اس کے پاس سے کچھ برآمد نہ ہو سکا۔ کرنل نے خیال ظاہر کیا کہ یہ دونوں بوڑھوں کا تعلق شردک سے ہو اور اس نے لاش کے زیور حاصل کرنے کے لیے انہیں متعین کیا ہو۔ کرنل کی یہ بات کافی وزن رکھتی تھی۔ لیکن ہرمیت سنگھ نے کہا۔

"ان بوڑھوں کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ کرنل کم از کم یہ سفید فام نہیں ہیں۔"

"مقامی لوگ بھی اس کے لیے کام کر سکتے ہیں۔"

"مستان بتا سکے گا کہ کیا ان کا تعلق بستی ہی سے ہے۔"

"نہیں شر۔ بستی کے ہر آدمی کو میں جانتا ہوں۔ اس آدمی کو میں نے ادھر کبھی نہیں دیکھا۔"

"ویسے کرنل کا کہنا درست لگتا ہے۔ اس کے علاوہ اور کیا سوچا جا سکتا ہے۔ یہ بات بھی یقینی ہے کہ جس طرح ہم لوگ جانتے ہیں کہ اس جنگل میں شردک داخل ہوا ہے اس طرح وہ بھی ہماری موجودگی سے واقف ہو گا۔ شہباز خان کے ان الفاظ سے کسی نے اختلاف نہیں کیا تھا۔ رات آنکھوں ہی میں گزر گئی۔ بوڑھے کی لاش کو جھاڑیوں میں پھینک دیا گیا تھا۔ پھر ضروری تیاریوں کے بعد یہ جگہ چھوڑ دی گئی۔

شہباز خان اور ہرمیت سنگھ رائفلیں سنبھالے ہوشیاری سے سفر کر رہے تھے ہر طرح چوکس رہنا ضروری تھا۔ ایک طرف جنگلی درندوں کا خیال تھا۔ جن کے آثار جگہ جگہ مل رہے تھے۔ دوسری طرف شردک کی طرف سے کسی کارروائی کا خطرہ بھی تھا۔ چنانچہ سخت احتیاط کی جا رہی تھی۔ نمران کی مستقل ڈیوٹی الاکشا پر لگا دی گئی تھی اور نمران اس کے ساتھ تھا۔ اب تک کے سفر میں نمران بالکل خاموش تھا۔ بہت دیر کے بعد الاکشا نے خود اسے مخاطب کیا۔

"نمران بہت خاموش ہو؟"

"تم ہی کچھ بات کرو۔ الاکشا۔"

"تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں نمران۔"

"کہو!"

"میں ان دنوں کچھ عجیب سی کیفیت محسوس کر رہی ہوں۔ نمران بہت عجیب شاید تم یقین نہ کرو۔"

"مجھے تمہاری ہر بات پر یقین ہوتا ہے۔ الاکشا"

"تمہیں مجھ پر اعتماد ہے نمران۔"

"ہاں...... الاکشا!" نمران نے ٹھوس لہجے میں کہا۔

"مگر بدقسمتی سے میں ان دنوں اپنی ذات کا اعتماد کھو چکی ہوں۔ میرا ذہن نمران مجھ سے باغی ہو گیا ہے۔ میں اپنا تعین کرتی ہوں کہ میں الاشا ہوں صرف الاکشا' شہباز خان کی بیٹی۔ اندر سے ایک اور آواز ابھرتی ہے کہ میں کچھ اور بھی ہوں' میرا دماغ چیخنے لگتا ہے جیسے میرے تحت الشعور میں ہلچل ہو رہی ہو۔ کوئی کچھ کہہ رہا ہے مجھ سے۔ وہ میرے اس خیال کی نفی کرنا چاہتا ہے۔ مگر اس آواز کا مفہوم میری سمجھ میں بھی نہیں آتا۔ مجھے یوں لگتا ہے۔ جیسے میں سب کچھ جانتی ہوں۔ لیکن وہ کیا ہے۔ جو میں جانتی ہوں۔ لیکن وہ کیا ہے؟ جو میں جانتی ہوں۔ لیکن وہ کیا؟ جو میں جانتی ہوں۔ میں نہ جانے کب سے اس کرب میں مبتلا ہوں۔ بس ایک گوشہ میرے دماغ کا...... ایک گوشہ تھا تاریک ہے۔ نمران اگر یہ گوشہ روشن ہو جائے تو...... تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ مجھے روشنی کی تلاش ہے۔ میں ان نامربوط خوابوں کو جوڑنا چاہتی ہوں یہ خواب جڑ گئے تو......تو۔" اس کا سانس پھولنے لگا۔

نمران خاموش تھا۔ دونوں کے گھوڑے سست ہو گئے تھے۔ نمران' الاکشا کے الفاظ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"تمہیں ان خوابوں کے نقوش بھی یاد نہیں رہتے الاکشا وہ کیسے خواب ہیں۔ کیا ہوتا ہے ان میں؟"

"پتا نہیں نمران کیا ہوتا ہے۔ میرا دوسرا وجود ایک انوکھی دنیا دیکھتا ہے۔ وہ اس دنیا سے مانوس ہوتا ہے۔ مگر میں اس دنیا میں اجنبی ہوتی ہوں۔ میرا دوسرا وجود ہر بات سمجھتا ہے۔ لیکن مجھے کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ اس وقت میں نڈھال ہو جاتی ہوں۔

"ایک سوال کروں الاکشا سوچ کر جواب دینا۔"

"ضرور۔"

"پچھلی رات...... پچھلی رات تم نے کس کو سزا دی تھی۔ وہ ایک بوڑھا آدمی تھا۔"

"بوڑھا آدمی۔" الاکشا نے سوچ بھرے لہجے میں کہا۔ دیر تک سوچتی رہی پھر بولی۔" وہ میں نہیں تھی۔ مجھے کچھ یاد آ رہا ہے۔ وہ ترشے را تھا۔"

"کون؟"

"ترشے را...... ایشا بے اون مارش ترے۔ وہ...... اور وہ کے بون حاصل کرنا چاہتا تھا۔" الاکشا نے بے اختیار لکڑی کے وہ زیور ٹٹولے جو اس کے پاس محفوظ تھے۔

"کے بون۔" نمران بولا۔

"رش تریا...... رش تریا۔" الاکشا نے وہ زیورات نمران کو دکھاتے ہوئے کہا اور نمران الجھی ہوئی نگاہوں سے الاکشا کو دیکھتا رہا۔ جب الاکشا نے کچھ اور نہ کہا تو وہ خود ہی بولا۔

"لکڑی کے زیور کیسے ہیں الاکشا تم ان کی حفاظت کیوں کرتی ہو؟"

"یہ کے بون ہیں۔ یہ مجھے سب کچھ بتاتے ہیں۔ ان سے روشنی ہوتی ہے اور اس روشنی میں مجھے راستے نظر آتے ہیں۔ ان سے اٹھنے والی خوشبو نمران یہ کیسی خوشبو ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے یہ میرے بدن کی خوشبو ہو۔ کہیں میری روح کی خوشبو ہو۔ مجھے اس خوشبو سے پیار ہے نمران میں نمران' میں اپنے ذہن کے ان الجھاوؤں سے پریشان ہوں۔ میرے اس دوسرے وجود کی وجہ کیا ہے۔ نمران کیا میں بیمار ہوں؟"

"تم ٹھیک ہو جاؤ گی الاکشا۔"

"بعض اوقات میں سوچتی ہوں تم میرے بارے میں کیا سوچتے ہو گے؟"

"میں تمہارے بارے میں کیا سوچتا ہوں گا۔" نمران نے عجیب سی مسکراہٹ سے کہا۔ ہاں نمران اب میں ایک پاگل لڑکی ہوں۔ الاکشا کے منہ سے ایک سسکی کے سے انداز میں نکلا۔

"تم جو کچھ بھی ہو الاکشا میں تم پر مٹ جاؤں گا۔ میں ان تمام پراسرار قوتوں کو شکست دے دوں گا۔ یہ میرا عزم ہے۔ تمہیں بھی دوسرا ایسا انسان نہیں ملے گا۔ الاکشا آزما لینا۔"

"خداوند عالم مجھے کسی دوسرے انسان کا تصور بھی نہ دے۔ نمران ایک بات کہوں؟"

"ہاں ضرور کہو!"

"نمران میں...... نمران تم مجھ سے شادی کر لو۔ مجھے نمران نہ جانے کیا کیا خیال آتے ہیں۔ میں نمران...... میں۔ وہ سب کچھ الفاظ میں نہیں کہہ سکتی جو میں سوچتی ہوں۔ تم مجھ سے شادی کر لو۔ نمران! ہو سکتا ہے تمہاری زندگی کا ایک حصہ بن کر میں تقسیم نہ ہو سکوں۔ پھر نمران تم...... تم...... میری زندگی کے مالک بن جاؤ گے۔"

نمران کا دماغ جھنجھنا کر رہ گیا۔ عجیب الفاظ تھے۔ انوکھا تصور' شادی مگر کیسے۔ یہاں ان جنگلوں میں اس وحشت ناک ماحول میں۔ شادی' شادی' ایک فائر کی آواز ابھری اور سب اچھل پڑے۔"

گھوڑوں نے کنوتیاں بدلیں اور سب نے لگامیں کھینچ لیں۔ رائفلیں سیدھی ہو گئیں۔ فائر کرنے والا مستان تھا۔ وہ اپنے گھوڑے کا رخ بدل کر عقب میں دیکھ رہا تھا۔ ہرمیت سنگھ نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور مستان کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ فائر مستان کی رائفل ہوا ہے۔ مستان اس کے قریب پہنچتے ہی بولا۔

"شر...... شر' چیتا وہ ایک خطرناک چیتا تھا۔ میں نے اس پر گولی چلائی ہے۔"

"کہاں۔" ہرمیت سنگھ نے رائفل سیدھی کر کے کہا۔ کوئی چیز عقبی درختوں کی جڑوں میں چھپی ہوئی تھی۔ اور جھاڑیوں میں اچھلی تھی اور ہرمیت سنگھ کو یقین ہو گیا کہ مستان نے کوئی کارروائی کر ڈالی ہے لیکن وثوق سے یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ جس چیتے پر اس نے گولی چلائی ہے وہ ہلاک ہو گیا ہے اور ہرمیت سنگھ جانتا تھا کہ زخمی چیتا کتنا خطرناک ہو سکتا ہے چنانچہ اس کی تیز نگاہیں دور تک جائزہ لیتی رہیں۔ اس دوران شہباز خان بھی اس کے پاس پہنچ گیا اور ہرمیت سنگھ نے اسے صورت حال بتا دی تھی۔

پھر وہ دونوں گھوڑے سے اتر کر پوزیشن لیتے ہوئے اس جانب بڑھے جہاں اب ابھی چیخیں آ چیخیں سنائی دے رہی تھیں اور گھاس ہل رہی تھی۔ انہوں نے گہری نگاہوں سے جھاڑیوں میں دیکھا لیکن پھر انہیں اندازہ ہو گیا کہ ہلنے والی چیز کم از کم چیتا نہیں ہے کیوں کہ اس کا جسم نظر آنا چاہیے تھا۔ چند ہی لمحوں بعد وہ

اس جگہ پہنچ گئے اور وہاں انہوں نے ایک بندر کو خون میں لت پت دیکھا۔ اس کے نچلے دھڑ میں گولی لگی تھی اور وہ اپنے اگلے دونوں ہاتھوں سے بدن کو گھسیٹنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہرمیت سنگھ اور شہباز خان نے گہری سانس لی۔ اس دوران مستان بھی ان کے پاس پہنچ گیا تھا۔ اس نے بھی بندر کو دیکھا اور بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔

''شرباں گوڈ، وہ چیتا تھا شر۔ میری آنکھیں دھوکا نہیں کھا سکتیں۔ وہ چیتا ہی تھا۔''

شہباز خان نے مستان کا چہرہ دیکھا۔ مستان بہرطور جنگلوں کا باسی تھا ایسی غلط فہمی کا شکار تو ہو نہیں سکتا تھا لیکن اب چیتے کو کہاں تلاش کیا جاتا' ہو سکتا ہے مستان نے چیتے پر گولی چلائی ہو۔ اور درمیان میں بندر آ گیا ہو۔ چیتے کا آس پاس پتہ نہیں تھا۔ دونوں واپس پلٹ پڑے اور اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ اس کے بعد یہ طے کیا گیا کہ شہباز خان بالکل پیچھے رہے اور مستان کے ساتھ عقب کا جائزہ لیتا رہے۔ اور ہرمیت سنگھ اس قافلے کے آگے آگے سفر کرے۔

نمران اور الانشا کی گفتگو اس ہنگامے کی وجہ سے ختم ہو گئی تھی اور اس کے بعد ان لوگوں نے کافی فاصلہ تیزی سے طے کیا تاکہ کسی ایسی کھلی جگہ پہنچ سکیں جہاں اگر چیتا ان کا تعاقب کر رہا ہے تو ان کی نگاہوں میں آ جائے۔ راستے اب دشوار گزار ہونے لگے تھے۔ بعض جگہ درختوں کی لمبی لمبی جٹائیں راستہ روک رہی تھیں اور ان جٹاؤں کو کاٹے بغیر آگے کا سفر مشکل تھا۔ البتہ یہ آسانی تھی کہ یہ جٹائیں زیادہ نہیں تھیں اور کافی کافی فاصلے پر تھیں۔ جب جٹاؤں کا یہ سلسلہ طویل ہو گیا تو انہوں نے تھوڑا سا رخ تبدیل کر لیا۔

جنگل کے ہولناک مناظر' جانوروں کی آوازیں اور سنسنی خیز ماحول سب کو خاموش کیے ہوئے تھا۔ یہاں تک کہ سورج سروں پر سے گزر گیا اور جب شام ہوئی تو انہیں قدرے ایک صاف ستھرا علاقہ نظر آیا جو چھوٹی موٹی جھاڑیوں سے ضرور بھرا ہوا تھا لیکن زمین ہموار تھی اور اس میں سلیٹی رنگ کی ہلکی ہلکی ریت بکھری ہوئی تھی۔

قیام کے لیے یہ جگہ منتخب کی گئی اور گھوڑے روک دیے گئے چھوٹی چھوٹی چھولداریاں نصب کر دی گئیں اور زندگی کے معمولات میں دلچسپی لی جانے لگی۔ مستان اور کرنل مقبول رائفلیں تھامے ڈیوٹی پر مستعد ہو گئے کیوں کہ جوں جوں جنگل گھنا ہوتا جا رہا تھا اور آبادی کے نقوش ختم ہو چکے تھے ان کی مستعدی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ویسے بھی دونوں شکاریوں کی نظروں نے یہ بات بھانپ لی تھی کہ جنگل میں جانوروں کی خاصی تعداد موجود تھی۔

جو پہلے کی نسبت زیادہ تھی اور خونخوار درندوں کے لیے ضروری نہیں کہ وہ وقت کا انتظار کریں کسی بھی لمحہ ان کی طرف سے حملہ ہو سکتا تھا۔ ایک عجیب سی کیفیت تھی۔ پروفیسر حاتم فریدی اور چرن گپتا خاص طور سے اس کیفیت سے متاثر تھے کیوں کہ وہ عام دنیا کے لوگ تھے۔ خاص طور سے پروفیسر فریدی تو کچھ خوفزدہ سا بھی تھا اور غالباً یہ سوچ رہا تھا کہ اس نے اس مہم میں حصہ لے کر جلد بازی سے کام لیا ہے۔ یہ سب کچھ اس کے بس کی بات نہیں تھی۔

البتہ سفر میں اسے کوئی ایسی وقت نہیں ہو رہی تھی جو جسمانی طور پر اسے پریشان کر دے۔ بس درندوں کا ہر لمحہ خوف اس کے لیے جاں گسل تھا۔ بہرحال رات کے کھانے کی تیاریاں ہوئیں اور اس کے بعد

وہ اپنی اپنی ڈیوٹیوں پر مستعد ہو گئے۔

''تقریباً رات کے ساڑھے بارہ بجے تھے۔ آسمان پر چاند نہیں نکلا تھا اور ستاروں کی مدھم روشنی ایک پراسرار خاموشی مسلط کیے ہوئے تھی۔ ہرمیت سنگھ' کرنل مقبول کے ساتھ اپنی ڈیوٹی پر مستعد تھا اور کرنل اس سے مختلف موضوعات پر گفتگو کر رہا تھا۔ مقبول کا خیال تھا کہ فوجی مہمات میں یہ لطف نہیں آتا۔ اس وقت ذرا کیفیت مختلف ہوتی ہیں۔ جب کہ یہاں ماحول سے لطف اندوز ہونے کے مواقع میسر ہیں۔ اچانک ہی کرنل نے ہرمیت سنگھ کو ایک سمت متوجہ کیا اور ہرمیت سنگھ چونک کر ادھر دیکھنے لگا۔ چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں کہیں کہیں جھنڈ کی شکل میں بھی موجود تھیں اور کرنل کا اشارہ ایسے ہی ایک جھنڈ کی طرف تھا۔ ہرمیت کرنل کے اشارے کی سمت دیکھنے لگا پھر بولا۔

''کیا بات ہے کرنل! کچھ دیکھا ہے آپ نے۔۔۔؟''

''ہاں...... دو چمکتے ہوئے جگنو نظر آئے ہیں مجھے۔'' کرنل مقبول نے کہا۔ دو جگنوؤں کی بات نے ہرمیت سنگھ کو چونکا دیا۔ وہ سمجھتا تھا کہ یہ دو جگنو کیا ہوتے ہیں۔ چنانچہ اس نے رائفل کا گھوڑا چڑھا لیا اور اس طرف دیکھنے لگا۔ ابتدا میں اسے کچھ نظر نہیں آیا لیکن پھر اس کی نگاہوں نے بہ آسانی ان دو چمکتی ہوئی سرخ آنکھوں کو دیکھ لیا جن کے بارے میں ہرمیت سنگھ کو بخوبی اندازہ تھا یقیناً مستان کا کہنا درست تھا چیتا بڑی ہوشیاری سے ان کا تعاقب کر رہا تھا۔

حالاں کہ راستے میں چیتے کی موجودگی کے نشانات نہیں ملے تھے لیکن جنگل کے جانور بھی کم ہوشیار نہیں ہوتے۔ وہ جانتے ہیں کہ ماہر شکاریوں کا تعاقب کس طرح کیا جاتا ہے۔ یہاں تک کامیابی سے سفر کر کے چیتا ان کے قریب پہنچ گیا تھا لیکن اس نے جگہ کا انتخاب ٹھیک نہیں کیا تھا۔ اور یہاں سے وہ شکار ہو سکتا تھا۔

ہرمیت سنگھ ایک چست و چالاک شکاری کی مانند چیتے کی آنکھوں کا جائزہ لیتا رہا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اتنے ہی فاصلے سے چیتے پر حملہ کر دیا جائے تاکہ اگر وہ ہلاک نہ ہو سکے اور زخمی ہو کر آگے بڑھے تو اسے دوسرے فائر کا نشانہ بنایا جا سکے کیوں کہ جھاڑیوں کے اس جھنڈ کے آس پاس کی جگہ صاف ستھری تھی اور اگر چیتا جھاڑیوں سے نکل کر بھاگتا ہے تب بھی خاص طور سے ہرمیت سنگھ کی نگاہوں میں آ سکتا ہے۔

چنانچہ وہ تیار ہو گیا۔ اس نے کرنل کو بھی اشارہ کیا اور اس کے بعد چیتے کی دونوں آنکھوں کا نشانہ بنا کر درمیان میں فائر کر دیا۔ رائفل کی ہولناک آواز نے ماحول کا سناٹا بری طرح مجروح کیا۔ جھاڑیوں میں چھپے ہوئے پرندوں نے پر پھڑپھڑائے اور اس کے ساتھ ہی ہرمیت سنگھ کھڑا ہو گیا۔ اس نے دفعتہً کسی سیاہ دھبے کو جھاڑیوں میں سے اچھل کر عقبی سمت جاتے ہوئے دیکھا۔

جانور نے انتہائی چالاکی کا ثبوت دیا تھا اور سامنے آنے کے بجائے جھاڑیوں کے عقب میں دوڑتا چلا گیا تھا تاکہ رائفل کی زد میں نہ آ سکے' ہرمیت سنگھ نے احتیاطاً اور فائر بھی کر دیا اور اس کے بعد ہوشیاری سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ یہ ایک فطری چیز تھی کہ سونے والے فائر سے جاگ اٹھیں۔

چنانچہ سب ہی جاگ گئے اور صورت حال معلوم کرنے کے لیے نکل آئے۔ سب نے اپنی اپنی رائفلیں سنبھال لی تھیں لیکن ہرمیت سنگھ سے ابھی باز پرس نہیں کی گئی تھی۔ ہرمیت چند لمحات تک ساکت رہا

پھر اس نے کرنل سے کہا وہ ٹارچ سنبھال لے اور اس کے بعد شہباز خان کو وہاں مستعد کر کے وہ آگے بڑھنے لگا۔ اس نے اندازہ لگایا تھا کہ جھاڑیوں کے عقب میں اور بھی جھاڑیاں ہو سکتی ہیں اور چیتا اس سمت گیا ہو گا۔ چنانچہ وہ ایک ایک قدم سوچتے ہوئے آگے بڑھتے رہے اور پھر جھاڑیوں کے نزدیک پہنچ گئے۔

کرنل مقبول نے ابھی ٹارچ روشن نہیں کی تھی لیکن تاروں کی چھاؤں میں انہوں نے عقبی سمت کا جائزہ لیا۔ عقب میں تقریباً ایک فرلانگ تک جو جھاڑیاں بکھری ہوئی تھیں ان میں تمام جھاڑیاں چھوٹی چھوٹی تھیں اور ایک بھی جھاڑی ایسی نہیں تھی جس میں چیتا پناہ لے سکے۔

وہ تھوڑی دیر تک ماحول کا جائزہ لیتے رہے۔ چیتا انہیں کہیں بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ ہرمیت نے یہ اندازہ لگانے کے لیے کہ چیتا اگر ہلاک نہیں ہوا تو کیا زخمی بھی نہیں ہوا۔ کرنل کے ہاتھ سے ٹارچ لی اور زمین پر روشنی ڈالنے لگا۔ اس کی نگاہیں خون کے دھبوں اور قدموں کے نشانات تلاش کر رہی تھیں۔ جھاڑیوں کے بالکل عقب میں اسے قدموں کے نشانات نظر آئے۔ انہوں نے ہرمیت سنگھ کو پاگل کر دیا۔ یہ صاف صاف انسانی قدموں کے نشانات تھے۔ سو فیصد انسانی پاؤں جو دور تک چلے گئے تھے۔ ہرمیت سنگھ پھٹی پھٹی نگاہوں سے ان نشانات کو دیکھتا رہا اور پھر اس نے جھاڑیوں کے جھنڈ میں گھسنے کا فیصلہ کیا حالانکہ یہ ایک خطرناک کام تھا۔ لیکن کرنل مقبول کو وہ وہیں مستعد کر کے خود جھاڑیوں میں گھس گیا۔

جھنڈ اتنے وسیع بھی نہیں تھے کہ اسے بہت زیادہ دقت ہوتی۔ اس نے تمام جھنڈ کھنگال ڈالے لیکن جھاڑیوں میں کچھ نہیں تھا یعنی وہ دو سلگتی ہوئی آنکھیں جو یقینی طور پر کسی جانور کی تھیں، غائب ہو چکی تھیں لیکن یہ انسانی قدم جو بالکل تازہ تھے کم از کم ہرمیت سنگھ کی نگاہیں اس سلسلے میں دھوکہ نہیں کھا سکتی تھیں۔

جھاڑیوں سے نکلنے کے بعد اس نے کرنل مقبول کو ساتھ لیا اور جہاں تک بہ آسانی جا سکتا تھا وہاں تک گیا۔ قدموں کے نشانات کا سلسلہ ختم نہیں ہوا تھا۔ وہ دور تک چلا گیا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ جو کوئی بھی تھا دوڑتا ہوا کافی آگے نکل گیا ہے۔

پھر ہرمیت سنگھ خود ہی رک گیا۔ اس نے کہا۔

”آئیے کرنل واپس چلیں۔“

”مگر ہرمیت سنگھ یہ تو...... یہ تو انسانی قدموں کے نشان ہیں۔“

”ہاں۔“

”تو کیا وہ کوئی انسان تھا؟“

”اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کرنل۔“

”لیکن وہ آنکھیں، کیا کسی انسان کی آنکھیں اس طرح چمک سکتی ہیں؟“

ہرمیت سنگھ نے کوئی جواب نہیں دیا اور وہ واپس اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ گئے۔ ہرمیت سنگھ سے صورت حال معلوم کی جا رہی تھی لیکن ہرمیت خاموش تھا البتہ کرنل کے لیے یہ واقعہ اتنا حیرت ناک تھا کہ وہ ایک لمحہ برداشت نہ کر سکے اور سب کو تفصیلات بتانے لگے۔

حیرت کی بات تھی سب ہی حیران ہو گئے لیکن اس پراسرار معمے کا کوئی حل دریافت نہیں ہو سکا تھا۔

نتیجے میں خاموشی کے سوا اور کیا کیا جا سکتا تھا البتہ کافی دیر تک اس بارے میں چہ مگوئیاں ہوتی رہیں پھر شہباز خان نے کہا۔

”جنگلات کی زندگی میں یہ واقعات عام ہوتے ہیں، لیکن ہمارے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار بھی نہیں ہوتا کہ ہم ہر انوکھے واقعہ کو بھولنے کی کوشش کریں اور رات کی نیند مجروح نہ کریں۔ چناں چہ آپ لوگ سو جائیے یہ بہتر ہے۔ دوسرے دن کے لیے چاک و چوبند رہنا ضروری ہے۔“

”کسے نیند آئی اور کسے نہ آ سکی یہ تو وہی لوگ جان سکتے تھے لیکن شہباز خان، ہرمیت سنگھ اور کرنل مقبول کے سامنے حل کر اس پراسرار واقعے پر اچھی طرح غور کرتے رہے تھے۔ شکاری زندگی میں نیند کا تصور ذرا مشکل ہو جاتا ہے۔ کتنا سوتا ہے اور کتنا جاگتا یہ بات ایک شکاری ہی جانتا ہے البتہ عام لوگوں کے لیے یہ تصور ہی بڑا عجیب ہے کہ سوئے بغیر کئی کئی دن تک سفر جاری رکھا جائے البتہ یہ ضرور طے کر لیا گیا تھا کہ جب تھکن زیادہ ہو جائے گی تو پھر ایک دو دن کسی جگہ باقاعدہ قیام کر کے نیند پوری کر لی جائے گی تاکہ آگے کے سفر کے لیے کوئی دقت درپیش نہ ہو۔

شہباز خان اور ہرمیت سنگھ آپس میں مختلف موضوعات پر گفتگو کر رہے تھے۔ یہ پراسرار واقعات ان کے لیے باعث حیرت نہیں تھے۔ کیوں کہ سب ہی جانتے تھے کہ وہ ایک پراسرار وجود کا معمہ حل کرنے کے لیے نکلے ہیں البتہ انسانی ذہن عجائبات کو آسانی سے قبول نہیں کرتا اس لیے ان کے الفاظ میں حیرت ضرور شامل رہی تھی۔

یہ تصور بھی قائم کیا گیا تھا کہ شروک ان راستوں سے نہیں گزر رہا ہے کیوں کہ اس چمک دار ریت پر جیپ کے ٹائروں کے نشان لازمی ہونے چاہیے تھے جو اب تک کے سفر میں انہیں نظر نہیں آئے تھے۔ ہو سکتا ہے شروک ان سے زیادہ مناسب راستوں پر سفر کر رہا ہو لیکن وہ انسان کون تھا جو ان کا تعاقب کر رہا ہے اور وہ انسان تھا یا درندہ...... وہ چمکتی ہوئی آنکھیں کم از کم ہرمیت تو نہیں بھول سکتا تھا جس کے بارے میں اس کا اندازہ تھا کہ وہ کسی وحشی درندے کی ہی آنکھیں ہو سکتی ہیں لیکن قدموں کے نشانات ملنے کے بعد اس معمے کا کوئی حل ان کے پاس نہیں تھا۔

دوسرے دن ذرا دیر سے سفر شروع کیا گیا کیوں کہ دن کی روشنی میں بھی انسانی قدموں پر تحقیق کی گئی تھی اور ہرمیت سنگھ چمن گپتا کے ساتھ ان قدموں کے نشانات پر دور تک گیا تھا۔ یہ سفر گھوڑوں پر کیا گیا تھا۔ نشانات کا سلسلہ لامتناہی تھا۔ تقریباً ڈیڑھ میل تک وہ چلے گئے تھے اور قدموں کے نشانات صاف نظر آ رہے تھے۔ یہ نشانات یہاں سے بھی آگے بڑھ گئے تھے۔ اس سے زیادہ دور جانا مناسب نہیں تھا چناں چہ ہرمیت سنگھ واپس پلٹ پڑا اور اس کے بعد ناشتہ وغیرہ کر کے آگے سفر شروع کر دیا گیا۔ مستان کو ان دونوں نے اپنے درمیان میں سما لیا تھا

”مستان یہ وہ جگہ بالکل نہیں ہے جہاں سے ہم گزرے تھے۔“

”کب شر......؟“ مستان نے سوال کیا۔

”اس وقت جب ہم اس چھوٹی سی ندی سے واپس آئے تھے سیلاب کے دوران تو ظاہر ہے

راستوں کا تعین ہی نہیں ہو سکا تھا لیکن ندی سے واپسی پر ہم کم از کم ان راستوں سے نہیں گزرے تھے۔ جب ہم وہ لاش لے کر آئے تھے۔"

"شر میں سچ بولتا۔ یہ وہی راستہ بٹ ایسا ہو سکتا کہ کوئی دوشرا شیلاب ادھر اٹھا گیا۔"

"گویا تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ جن راستوں کا تم نے تعین کیا تھا ہم انہی پر آگے بڑھ رہے ہیں۔"

"لیش شر لیش شر۔ مستان سچی بولتا۔" مستان نے کہا۔

"اور تمہیں پورا اعتماد ہے۔"

"شر ام کوشش کرتا۔" مستان نے جواب دیا اور ہرمیت سنگھ پرخیال انداز میں شہباز خان کا چہرہ دیکھنے لگا۔

"اس بات کے امکانات ہیں کہ جنگلوں میں تبدیلیاں ہوئی ہوں۔ مستان تم ہمارے ساتھ جنگل کے حصے تک جانے کے بعد کبھی اس ندی تک دوبارہ پہنچے۔"

"نو شر نو شر۔ مستان نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ظاہر ہے کوئی ضرورت ہی پیش نہیں آئی ہو گی۔ بہر حال چلتے رہیں' کیا حرج ہے۔ ہمیں تو ان جنگلوں کی خاک چھاننا ہی ہے۔"

سفر کے کئی دن گزر چکے تھے اور اب یہ ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ کچھ طویل قیام کیا جائے چنانچہ متفقہ فیصلے کے تحت ایسی جگہ کا انتخاب کیا جانے لگا جہاں وہ لوگ کچھ دن تک کیمپ قائم کر سکیں حالانکہ ہر شخص چاہتا تھا کہ اب قیام کر لیا جائے لیکن بہتر جگہ کی تلاش میں ہی کافی سفر طے ہو گیا اور کوئی فیصلہ نہ کیا جا سکا۔ تب وہیں ایک جگہ منتخب کر لی گئی جہاں اس وقت سب موجود تھے۔ ابھی یہاں سامان وغیرہ خچروں سے اتار جا رہا تھا کہ اچانک مستان دوڑتا ہوا ان لوگوں کے پاس پہنچا اور ان سے کہا۔

"شر شر درختوں کا وہ جھنڈ ادھر پانی۔" مستان کی آواز پر سب چونک پڑے اور ہرمیت سنگھ نے اس سے پوچھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا مستان؟"

"شر ادھر جھیل ہے۔ درختوں کے اش طرف۔"

"کیسے کہہ سکتے ہو؟"

"شر پانی کی خوشبو۔"

"پانی کی خوشبو۔" ہرمیت سنگھ نے دلچسپی سے مستان کو دیکھا۔ ان میں سے کسی نے بھی پانی کی خوشبو محسوس نہیں کی تھی لیکن بہر طور ہرمیت سنگھ اور شہباز خان یہ بات جانتے تھے کہ مستان جنگلوں کا باسی ہے۔ چنانچہ یہ طے کیا گیا کہ پہلے مستان کے بیان کی تصدیق کر لی جائے۔ مستان خود بھی ان کے ساتھ تھا اور بالآخر درختوں کے اس جھنڈ کے دوسری طرف ایک اچھی خاصی وسیع و عریض جھیل نظر آ رہی تھی۔ شہباز خان نے پرخیال انداز میں داہنا گال کھجاتے ہوئے کہا۔

"ہرمیت جھیل بہت عمدہ ہے' لیکن کیا تم اس بات کو نظر انداز کر دو گے کہ جنگلی درندوں کا مسکن بھی

یہی ہو گا۔ کم از کم پانی پینے کے لیے وہ یہاں ضرور آتے ہوں گے۔ اس حساب سے یہاں رکنا مناسب ہو گا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے۔ شہباز خان لیکن اس جھیل سے فائدہ نہ اٹھانا بھی تو غیر مناسب ہو گا میرے خیال میں اگر......"

"میری رائے اس سے مختلف ہے۔" شہباز خان نے درمیان سے ہرمیت کی بات کاٹ دی۔

"کیا؟"

"ہم کیمپ یہیں لگاتے ہیں۔ جھیل کا فاصلہ بہت زیادہ نہیں ہے کل دن کی روشنی میں جھیل کے پانی کا فائدہ اٹھا لیا جائے گا۔"

بہر طور یہ بات شکاری جانتے ہی تھے کہ ویران جنگلوں میں جھیل کے کنارے قیام کا کیا نتیجہ ہوتا ہے چنانچہ کیمپ اسی جگہ رہنے دیا گیا۔ دوسرے لوگ تو پانی کے لیے ترس رہے تھے۔ اتنے دن کے سفر میں نہانے وغیرہ کا کوئی انتظام ہی نہ ہو سکا تھا چنانچہ جھیل کا نام سن کر سب کے منہ میں پانی بھر آیا تھا لیکن ابھی اس پانی کو منہ سے دور ہی رہنا چاہیے تھا۔ یہ دو ماہر شکاریوں کا فیصلہ تھا چنانچہ یہیں کیمپ قائم کیا گیا۔ اجھیل کا کنارہ ایک الگ بات تھی ویسے ہی یہاں بہت سے ایسے مناظر دیکھ لیے گئے جن سے یہ اندازہ ہوا کہ واقعی جھیل کے کنارے قیام کرنا بے حد خطرناک ہو گا۔ چاند آج بھی آسمان پر نہیں تھا لیکن آسمان اتنا شفاف تھا کہ اس پر ٹمٹماتے ہوئے ستارے اچھی خاصی روشنی بکھیر رہے تھے اور تھوڑے فاصلے کی چیزیں دیکھی جا سکتی تھی۔

بہت زیادہ رات بھی نہیں گزری تھی۔ ان لوگوں نے آگ وغیرہ روشن نہیں کی تھی لیکن بہر طور پہرے کا مناسب بندوبست تھا۔ ابھی تمام لوگ آپس میں گفتگو ہی کر رہے تھے کہ اچانک ہی کچھ عجیب و غریب آوازیں سنائی دیں اور ان آوازوں کو دوسرے لوگ سمجھے ہوں یا نہ سمجھے ہوں لیکن ہرمیت سنگھ اور شہباز خان فوراً ہی رائفلیں تان کر مستعد ہو گئے تھے۔ انہوں نے تھوڑے ہی فاصلے پر چرخوں کا ایک جوڑا دیکھا جو آہستہ آہستہ ان کی جانب بڑھ رہا تھا۔ سب نے دم سادھ لیے۔ ذرا سی آہٹ ہوتی اور چرخوں کے کان کھڑے ہو جاتے۔ ہرمیت سنگھ چند لمحات سوچتا رہا ان کے شکار سے کوئی فائدہ نہیں تھا ہو سکتا ہے آس پاس جنگلی جانور رہوں اسی طرح خاصی دیر گزر گئی۔ چرخوں کا جوڑا ان کے قریب آنا چاہتا تھا لیکن ہمت نہیں کر پا رہا تھا۔

پھر دفعتاً ہی ہرمیت سنگھ نے شہباز خان کا شانہ دبایا اور شہباز کی نگاہیں ہرمیت سنگھ کے اشارے کی جانب اٹھ گئیں۔ ایک قوی ہیکل شیر درختوں کے جھنڈ سے نکل کر قدم بہ قدم چرخوں کے جوڑے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ کھلے میدان میں ابھی تک اس نے آدھا فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ اس نگاہ کسی اور جانب اٹھ گئی۔ اس نے غالباً گھوڑوں کو دیکھ لیا تھا جو ایک سمت بندھے ہوئے تھے اور پھر وہ اتنے زور سے دہاڑا کہ چرخ دہشت سے بری طرح چیختے ہوئے بھاگ اٹھے۔ شیر نے ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا اور پھر وہ چرخوں کے پیچھے چل پڑا۔

شہباز اور ہرمیت سنگھ نے نشانے باندھ لیے تھے۔ شیر کے بارے میں انہیں یہ اندازہ تھا کہ وہ چند قدم آہستہ آہستہ آگے بڑھے گا اور اس کے فوراً بعد ہی وہ گھوڑوں پر چھلانگ لگا دے گا چنانچہ وہ دونوں پوری طرح ہوشیار تھے لیکن گھوڑوں کی چھٹی حس نے بھی انہیں خبردار کر دیا تھا کہ خطرہ سر پر موجود ہے۔ چنانچہ وہ بے

چلتن نظر آ رہے تھے۔ مستان نے اس موقعہ پر سمجھ داری کا ثبوت دیا اور گھوڑوں کے پاس پہنچ کر کھڑا ہو گیا۔

بہر طور وہ ایک بہادر آدمی تھا اور یہ جاننے کے باوجود کہ شیر گھوڑوں کی طرف متوجہ ہے۔ اس نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیا تھا۔ اس صورت میں آہستہ آہستہ چند قدم آگے بڑھا تمام لوگ دہشت بھری نگاہوں سے جنگل کے بادشاہ کی یہ کیفیات دیکھ رہے تھے۔ پھر دفعتہً ہی شیر کے حلق سے ایک اور خوفناک دہاڑ نکلی اور اس نے گھوڑوں کی طرف چھلانگیں مارنا شروع کر دیں لیکن ہرمیت سنگھ اور شہباز خان بھی ہوشیار تھے اور بلاشبہ وہ آج بھی اتنے ماہر شکاری تھے جتنے کسی زمانے میں ہوتے تھے۔

چنانچہ دونوں کی رائفلوں نے بیک وقت گولیاں اگلیں اور یہ دونوں گولیاں شیر کے دو مختلف حصوں میں پیوست ہو گئیں۔ شیر کی ایک خونخوار دہاڑ سنائی دی اور لمبی زقند لگا کر زمین پر گرا۔ چند لمحات تک زمین پر تڑپتا رہا اور اس کے بعد پھر اپنے قدموں پر کھڑا ہو گیا اور اس بار اس کا رخ ان دونوں کی جانب تھا۔ کرنل، پروفیسر اور چرن گپتا کے حلق سے ڈری ڈری سی آوازیں نکل گئیں لیکن دوسری دونوں گولیاں شیر کے دماغ پر پڑی تھیں اس نے الٹی قلابازی کھائی اور کئی قلابازیاں کھاتا ہوا ان سے تقریباً بیس فٹ کے فاصلے پر آ گیا۔

اس وقت بھی اس کی دہشت ناک آنکھیں ان کی جانب نگراں تھیں اور وہ اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن پھر آہستہ آہستہ پنجوں کے بل بیٹھتا چلا گیا۔ چند لمحات کے بعد اس کی تھوتھنی زمین سے جا لگی۔ گولیوں نے اس کا بھیجا اڑا دیا تھا۔

ہرمیت سنگھ اور شہباز خان اس کی جانب دوڑ پڑے۔ کرنل مقبول کے حلق سے ایک آواز نکلی لیکن پھر اس نے اپنا منہ بند کر لیا۔ ظاہر ہے اس مسئلے میں وہ ان کو نہیں ٹوک سکتا تھا۔ وہ سب شیر کے قریب پہنچ گئے۔ بہت خوفناک شیر تھا۔ کافی دیر تک اس کا جائزہ لیا گیا پھر وہ اسے وہیں پر چھوڑ کر واپس آ گئے۔

تھوڑی دیر تک اسی پر تبادلہ خیال کیا گیا اور پھر غیر متعلقہ لوگوں کو آرام کرنے کی ہدایت کر دی گئی۔ پہرے کی ذمہ داری ہرمیت سنگھ اور شہباز خان کی تھی۔ اس وقت یہ ہی ضروری تھا۔ دونوں نے متفقہ فیصلہ کر لیا تھا کہ طویل قیام کے لیے یہ جگہ قطعی غیر موزوں ہے کیوں کہ جھیل کی وجہ سے یہاں جانوروں کا دباؤ زیادہ رہے گا اس لیے کیمپ کہیں اور لگایا جائے۔

رات کے دوسرے پہر کا آغاز ہی ہوا تھا کہ دفعتہً سونے والے جاگ گئے۔ اچانک گولیاں چلنے کی آوازیں ابھری تھیں اور چند لمحات میں ان آوازوں نے شدت اختیار کر لی تھی۔ ابھی ان کی سمت کا اندازہ نہیں ہو سکا تھا لیکن یہ آوازیں سب کے لیے حیرت کا باعث تھیں۔ شہباز خان نے چیخ کر دوسرے لوگوں سے کہا کہ وہ کھڑے نہ ہوں کیوں کہ گولیوں کا رخ ادھر بھی ہو سکتا ہے۔ اس کی ہدایت پر سب نے عمل کیا اور وہ سب کہنیوں کے بل زمین پر اوندھے لیٹ گئے۔ کرنل نے سب کو رائفلیں سنبھالنے کی ہدایت کر دی تھی اور پھر وہ اپنی رائفل سنبھالے ان کے قریب پہنچ گیا۔

"کیا یہ آوازیں جھیل کی جانب سے آ رہی تھیں کرنل؟"

"نہیں ان کا مرکز دائیں سمت ہے۔"

"کتنا فاصلہ ہوگا؟"

"تقریباً ڈیڑھ میل۔"

"آپ کو یقین ہے؟"

"ہاں۔" کرنل نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔ وہ فوجی آدمی تھا اور اس سلسلے میں اس کے تجربے پر شک نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چند لمحات خاموش رہنے کے بعد اس نے پھر کہا۔

"ان کی تعداد کسی طور سے پندرہ بیس سے کم نہیں ہے۔"

"کون لوگ ہو سکتے ہیں؟" ہرمیت پر خیال انداز میں بولا۔

"ایک ہی طرف ذہن جا سکتا ہے یعنی ہمارے دوست شروک کا قافلہ لیکن وہ گولیاں کس پر چلا رہے ہیں؟"

"کم از کم اس طرف نہیں۔"

فائرنگ مسلسل دس منٹ تک پوری شدت سے ہوتی رہی۔ جنگل کا ہولناک سناٹا بری طرح مجروح ہو رہا تھا۔ جنگلی جانور دہشت زدہ ہو کر بری طرح بھاگ رہے تھے۔ سوتے ہوئے پرندے چیختے ہوئے فضا میں بلند ہو گئے تھے۔ جنگلی جانوروں کے پیروں کی دھمک بھی سنائی دے رہی تھی۔ کبھی کبھی شیر کی دہاڑ بھی گونج اٹھتی تھی۔ ایک عجیب سی افراتفری کا عالم تھا پھر گولیوں کی آوازیں بند ہو گئیں لیکن انہوں نے بہت سے جانوروں کے سایوں کو دوڑتے ہوئے دیکھا۔ وہ مستعد تھے کہ جانوروں کا یہ غول بدحواسی کے عالم میں ادھر کا رخ کرے تو انہیں سنبھالا جا سکے لیکن خوش قسمتی سے ایسا نہیں ہوا۔ وہ مستعدی کم نہ ہوئی جب تک یہ آوازیں معدوم نہ ہو گئیں۔ کرنل مقبول آہستہ سے بولا۔

"اب کیا ارادہ ہے شہباز خان؟"

"کچھ نہیں کرنل آرام کریں۔"

"کیا مطلب؟"

"ہم اس وقت کسی حماقت کا مظاہرہ نہیں کریں گے۔ صبح سے پہلے یہاں سے ہلنا بھی مناسب نہیں ہوگا۔"

"ہوں۔" کرنل نے کہا۔ "ایک گروہ کے بارے میں تو یہ اندازہ قائم کیا جا سکتا ہے کہ شروک کا گروہ ہے لیکن دوسرا گروہ؟"

"ممکن ہے۔ ان میں آپس میں پھوٹ پڑ گئی ہو۔"

"سب کچھ ممکن ہے۔"

"تو اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟" ہرمیت سنگھ بولا۔

"تمام امکانات کو نظر میں رکھنا ہوگا۔ ہرمیت کوئی دھوکہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس بات کے امکانات بھی تو تھے کہ ہم ان آوازوں کا راز معلوم کرنے کے لیے بے اختیار دوڑ پڑتے اور اس کے بعد کیا ہوتا سوچا جا سکتا ہے۔"

"اوہ......" ہرمیت نے آہستہ آہستہ سے کہا اور خاموش ہو گیا۔ باقی رات بڑی بے سکون گزری تھی۔ دوسری صبح طے کیا گیا کہ پہلے جھیل کا رخ کیا جائے۔ اس کے بعد کرنل کی تعین کردہ سمت میں بڑھ کر

دیکھا جائے کہ کیا صورت حال ہے۔ تجسس سب کو تھا لیکن سب ہی کو جلد بازی کے مظاہرے سے روک دیا گیا تھا۔ چنانچہ اطمینان سے چھولداریاں اکھاڑ دی گئیں اور پھر جھیل کی طرف بڑھنے لگے۔ جانوروں کے ڈھانچے پڑے ہوئے تھے۔ درندوں کے پنجوں کے نشانات نظر آ رہے تھے الاکشا کا احترام مانع تھا۔ چنانچہ اسے وہاں سے کچھ فاصلے پر لے جایا گیا اور اس کے بعد باقی لوگ کپڑے اتار اتار کر جھیل میں کود پڑے۔ صاف شفاف پانی میں کافی دیر تک چہلیں ہوتی رہیں پھر عمران اور ہرمیت سنگھ کو نہانے کا موقع دیا گیا اور سب سے آخر میں جھیل کے چاروں طرف گھیرا ڈال کر رخ تبدیل کر لیے گئے اور الاکشا کو بھی پانی میں اُترنے کی اجازت دے دی گئی۔

رات کے ہنگامے کا تجسس اب بھی باقی تھا اور سب اس کے بارے میں جاننے کے لیے بے چین تھے لیکن تحمل سے کام لے رہے تھے۔ جھیل کے غسل نے سب کو شگفتہ کر دیا تھا اور تقریباً دو سوا دو گھنٹے تک یہ لوگ یہاں رکے رہے تھے۔ اس کے بعد ناشتا کیا گیا اور پھر اندازہ قائم کر کے اس رخ پر چل پڑے جہاں کوئی معرکہ ہوا تھا۔ شہباز خان نے خدشہ ظاہر کیا تھا کہ یہ ان کے لیے کوئی سازش بھی ہو سکتی ہے اس لیے سب ہی مستعد تھے اور ان کی نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں۔ گھوڑے بہت سست رفتاری سے آگے بڑھائے جا رہے تھے اور ہر دل کسی آنے والے اچانک واقعہ سے دھڑک رہا تھا۔

رائفلیں تیار تھیں اور ہر شخص کڑی نظروں سے چاروں طرف کا جائزہ لیتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ اس خطرے کو پیش نگاہ رکھا گیا تھا کہ رات کی فائرنگ کوئی سازش بھی ہو سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے شروک نے کوئی ڈرامہ کیا ہو اور ان لوگوں کو تجسس کا شکار کر کے اب وہ ان کی تاک میں ہو اور اس نے کوئی بہتر جگہ منتخب کر رکھی ہو۔ اس لحاظ سے وہ اس سمت کا بھی بغور جائزہ لے رہے تھے جس کے بارے میں کرنل نے خدشہ ظاہر کیا تھا۔

جھیل کی دوسری طرف کا علاقہ زیادہ سرسبز نہیں تھا بلکہ جوں جوں وہ آگے بڑھ رہے تھے۔ زمین بھوری اور سنگلاخ ہوتی جا رہی تھی۔ بعض جگہ بڑی بڑی چٹانیں بھی نظر آ رہی تھیں۔ خاص طور سے یہ لوگ ان چٹانوں کو نگاہ میں رکھ رہے تھے لیکن انہیں کوئی تحریک محسوس نہ ہوئی پھر انہوں نے تین بڑی بڑی چٹانیں دیکھیں جن کی تراش عجیب تھی اور وہ کسی پھول کی تین پتیوں کی مانند تھیں جن کے سرے اوپر کی طرف سے نوکدار اور ایک دوسرے کی طرف رخ کیے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔

کرنل مقبول نے گھوڑے کی لگامیں کھینچتے ہوئے ہاتھ بلند کر دیا اور بولا۔ "ہم فائرنگ کی جگہ آ چکے ہیں اور اس علاقے میں اور کوئی جگہ نہیں جہاں کسی کے پوشیدہ ہونے کے امکانات ہوں۔"

"ان چٹانوں کے درمیان دو تین افراد سے زیادہ آدمی پوشیدہ نہیں رہ سکتے۔" شہباز خان نے کہا۔

تمام گھوڑے رک گئے تھے۔ چند لمحے وہ ماحول کا جائزہ لیتے رہے پھر باقی لوگوں کو وہیں مستعد رہنے کی ہدایت دے کر ہرمیت سنگھ چٹانوں کی سمت بڑھ گیا اس کے گھوڑے نے زقندیں بھرتے ہوئے یہ فاصلہ چشم زدن میں طے کر لیا تھا اور ہرمیت سنگھ بے حد پھرتی سے گھوڑے سے کود گیا تھا۔ تمام لوگ شدید اعصابی تناؤ کا شکار تھے۔ ہرمیت سنگھ چٹانوں کے درمیان داخل ہو گیا اور پھر صرف تین سیکنڈ کے بعد وہ باہر نکل آیا۔ اب ہاتھ کے اشارے سے ان سب کو بلا رہا تھا۔ اس کا اشارہ پاتے ہی سب نے گھوڑوں کی لگامیں چھوڑ دیں اور آن کی آن میں تین چٹانوں کے پاس پہنچ گئے۔ یہاں پہنچتے ہی سب سے پہلی چیز جو انہیں نظر

آئی وہ خون کی ایک موٹی لکیر اور زمین پر کسی زخمی کے گھسٹنے کے نشانات تھے۔ وہ سب کے سب گھوڑوں سے نیچے کود پڑے اور تیزی سے ہرمیت کے پاس پہنچ گئے۔

پھر ہرمیت کو کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہ آئی انہوں نے خود ہی اس کو دیکھ لیا تھا جس کے سنہرے بال بکھرے ہوئے تھے اور جو مردانہ لباس میں ملبوس تھی۔ اس کا پورا لباس خون میں ڈوبا ہوا تھا۔

"یہ زندہ ہے۔" ہرمیت سنگھ نے انکشاف کیا۔

"اوہ...... یہ خون؟" کرنل نے کہا۔

"گولیاں پیٹ میں لگی ہیں۔" ہرمیت نے جواب دیا۔ لڑکی کو چٹان کے درمیان سے باہر لے آیا گیا اور مستان کی مدد سے اس کے زخموں کی دیکھ بھال کی گئی۔ شہباز اور ہرمیت اس کے زخموں کا جائزہ لے رہے تھے باقی لوگ رائفلیں سنبھالے ہوئے مستعد تھے۔ دونوں گولیاں پیٹ میں رہ گئی تھیں اور پار نہ ہو سکی تھیں۔ یہ تشویش ناک بات تھی۔

لڑکی کسی یورپی ملک سے تعلق رکھتی تھی اور کافی توانا تھی۔ عارضی طور پر اس کے زخموں پر مرہم رکھ کر پٹیاں کر دی گئیں اور اسے ایک بستر سا بنا کر لٹا دیا گیا۔

کافی مشکل صورت حال در پیش تھی۔ سب جانتے تھے کہ وہ شروک کی ساتھی ہے۔ لیکن ہر بات سے قطع نظر وہ انسان تھی اور یہ ایک انسان زندگی کا معاملہ تھا۔ سب مشورہ کرنے بیٹھ گئے۔

"کیا کرنا چاہیے؟"

"گولیاں پیٹ میں ہیں۔ کچھ کرنا ضروری ہے۔"

"خون بھی کافی بہا ہے۔ غالباً یہ زخمی ہونے کے بعد گھسٹتی ہوئی ان چٹانوں کے درمیان آئی ہے۔"

"لیکن کیا کیا جا سکتا ہے؟ کیا یہ اس عالم میں واپسی کا سفر کر سکتی ہے۔ بستی بھی قریب نہیں ہے۔"

"شرکاری ڈسپنسری ہے شربٹ۔ ڈاکٹر نہیں ہوتا۔" مستان نے کہا۔

"اسپتال کہاں ہے مستان؟"

"اس کے لیے سیباش پور جانا پڑے گا۔"

"اوہ، ہائی گاڈ اس میں تو ایک ہفتے سے زیادہ لگ جائے گا۔" شہباز خان نے کہا۔

"اوہ...... اس عالم میں ایک ہفتہ۔" کوئی فیصلہ نہ ہو پا رہا تھا۔ حالاں کہ اس کا تعلق دشمن کے گروہ سے تھا۔ لیکن اس عالم میں دشمنی برقرار نہیں رکھی جا سکتی تھی اور پھر اسے اس عالم میں تنہا چھوڑ دیا گیا تھا۔ یہ بھی بے حسی کی بدترین مثال تھی اور یہ لوگ اسے دہرانا نہیں چاہتے تھے۔ کرنل مقبول نے تجویز پیش کی۔

"میری رائے ہے کہ ہم اسے ساتھ لے کر آگے بڑھیں اور اگر وہ لوگ نظر آ جائیں تو اسے ان کے حوالے کر دیں۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ کسی ایسی آفت میں گھر گئے ہوں کہ اسے چھوڑے بغیر چارہ کار نہ ہو اور اسے دوبارہ پا کر انہیں خوشی ہو۔ یہ الفاظ میں بالکل مجبوری کے عالم میں کہہ رہا ہوں۔ لیکن ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں اگر ہم اپنی اس مہم کو ادھورا چھوڑ کر واپس جاتے ہیں تب بھی اتنے ہی دن درکار ہوں گے جتنے یہاں آنے میں لگے بلکہ احتیاط کے پیش نگاہ اس سے زیادہ دن لگ جائیں گے۔ اس دوران جو ہونا ہے

وہ ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ ایک بات اور بھی ہے۔"

"کیا......؟"

"گولیاں پیٹ میں لگی ہیں اگر انہوں نے کوئی نازک حصہ متاثر نہیں کیا ہے تو یہ بچ بھی سکتی ہے گولیاں اکثر جسم میں رہ جاتی ہیں اور انسان پوری عمر گزار لیتا ہے۔"

"اس سے زیادہ کچھ ممکن بھی نہیں ہے کرنل۔ بس اتنا ہی کیا جا سکتا ہے۔" شہباز نے کہا۔

چنانچہ ایک اسٹریچر بنایا گیا اور لڑکی کو اس پر لٹا دیا گیا۔ اس کے بعد دیگر چیزوں کا جائزہ لیا گیا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی کہ ان کا مقابلہ کس سے ہوا تھا اور وہ کون لوگ تھے۔ مستان کی کھوج نے جیپ کے نشان تلاش کر لیے اور وہ چیخ چیخ کر سب کو نشانات کے بارے میں بتانے لگا۔ سب نے یہ نشانات دیکھے اس سے اس بات کی تصدیق ہو گئی کہ وہ لڑکی شروک کی ساتھی ہی تھی۔ گویا شروک کے دو ساتھی ہولناک حادثوں کا شکار ہو گئے تھے۔ ایک وہ مرد جس کو کوئی جنگلی درندہ چبا گیا تھا اور دوسری یہ لڑکی۔

پروفیسر نے چرن گپتا سے کہا۔ "چرن ایک انکشاف میرے پیٹ میں گڑبڑ کر رہا ہے۔" اور چرن گپتا چونک کر پروفیسر کو دیکھنے لگا۔

"یہ تین چٹانیں پھول کی مانند ہیں۔ وہ نقشہ جس میں مختلف نقش بنے ہوئے تھے۔ ان تین چٹانوں کا اظہار بھی کرتا ہے مجھے اچھی طرح یاد ہے۔"

"اوہ گڈ...... اس کا مطلب ہے کہ صحیح راستے پر جا رہے ہیں۔ یہ بات تو دوسرے لوگوں کو بھی بتانا ضروری ہے۔" چرن گپتا نے کہا۔ سب ہی اس انکشاف سے خوش ہوئے تھے۔

"یہ بھی تو سوچیے حضرات کہ شروک صحیح راستے پر ہے۔" شہباز خان نے کہا۔

"یقیناً اس نے نقشے کی تفصیلات معلوم کرنے کا کوئی معقول بندوبست ضرور کیا ہوگا اور پھر وہ نقشہ اس کے پاس موجود ہے۔"

یہ جگہ طویل قیام کے لیے بری نہیں لیکن رات کا ہنگامہ ابھی اس میں کھٹک رہا ہے اور اسے محفوظ قرار دیا جا سکتا ہے چنانچہ یوں کیا جائے کہ آج سفر اور کر لیا جائے اس کے بعد پہلی مناسب جگہ ہم قیام کریں گے۔ اس طرح زخمی لڑکی کی دیکھ بھال بھی ہو جائے گی اور ہم تھکن اتار لیں گے۔ یوں تو اس علاقے کو بھی غیر مخدوش نہیں کہا جا سکتا۔" شہباز خان نے کہا۔ کسی نے اعتراض نہیں کیا اور پھر سب وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ زخمی لڑکی کی وجہ سے سفر بہت سست رفتار رہا اور شام کو چار بجے تک وہ صرف چند میل تک ہی چلے تھے اس دوران انہیں جیپوں کے نشانات ملتے رہے تھے لیکن تاحد نگاہ کوئی گاڑی نظر نہیں آئی تھی۔

طویل قیام کے لیے منتخب جگہ چھولداریاں وغیرہ نصب کر لی گئیں۔ چٹانوں میں مورچے بنا لیے گئے اور اس کے بعد دوسرے معمولات کا آغاز ہو گیا۔" شہباز نے کہا۔

"ہم لوگ یہ دیر پر کچھ ایسے واقعات کا شکار رہے کہ ابھی تک جنگل کی زندگی کا لطف بھی نہیں اٹھایا جا سکا۔ میرے خیال میں اس قیام کے دوران ہم شکار وغیرہ تلاش کریں گے۔ تازہ گوشت کو ترس گئے ہیں۔"

"درندہ جاگ اٹھا۔" ہرمیت سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ماحول میں کوئی خاص بات نہ تھی

سپاٹ جگہ تھی۔ الاشاء کافی ہمدردی سے زخمی لڑکی کی دیکھ بھال کر رہی تھی۔ وہ ابھی تک ہوش میں نہیں آئی تھی۔ ہر شخص ہی اس کے لیے دکھی تھا۔ لیکن یہ بھی ایک ٹھوس سچائی تھی کہ وہ کتنا ہی ایثار کرتے اس کے لیے کوئی معقول بندوبست نہیں کر سکتے تھے۔ واپسی کا بھی کوئی فائدہ نہیں تھا۔ چنانچہ اسے تقدیر پر چھوڑ دیا گیا تھا۔ الاشاء اس واقعے کے بعد سے بالکل نارمل تھی اور اس وقت بھی لڑکی کے پاس ہی سو رہی تھی۔ رات کا آخری پہر بھی گزر گیا۔ چاند چھپنے لگا تھا۔ تبھی لڑکی کو ہوش آ گیا اور اس نے پانی مانگا۔ الاشاء فوراً اٹھ گئی اور اس نے بڑی محبت سے پانی پلایا۔ سب ہی جاگ گئے تھے۔ لڑکی پانی پینے کے بعد دیر تک آسمان کو تکتی رہی۔ اس کے چہرے پر سوچ کے گہرے سائے نظر آ رہے تھے پھر اس کے انداز میں اضطراب پیدا ہو گیا اور اس کے حلق سے ڈری ڈری آوازیں نکلنے لگیں۔

"گھبراؤ مت...... تم بالکل محفوظ ہو۔ ہم سب تمہارے دوست اور ہمدرد ہیں۔ تمہیں ہمارے پاس کوئی تکلیف نہ ہو گی۔" نمران نے نرم لہجے میں کہا۔

"میں کہاں ہوں۔ آہ وہ سب کہاں ہیں۔ کیا وہ سب مارے گئے۔ کیا تم نے...... تم نے...... تم۔" وہ پھٹی پھٹی نظروں سے نمران کو دیکھنے لگی پھر اس نے کہا۔ "تم نے سب کو مار دیا؟"

"نہیں...... ہم ان میں سے کسی کے دشمن نہیں ہیں۔ ہم تو شکاری ہیں تمہیں تین چٹانوں کے درمیان زخمی پڑے دیکھا تو ہم اٹھا لائے۔ تمہارے ساتھی تو تمہیں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔"

"پانی مجھے پانی دو۔" اس نے کہا۔

"پروفیسر اسے کافی دی جا سکتی ہے؟" نمران نے پوچھا۔

"زخم پیٹ میں ہے مگر پانی تو دینا ہی ہوگا۔ میرے خیال میں کافی دے دو۔" کافی تیار ہو رہی تھی۔ لڑکی کو کافی پلائی گئی اور اس کے چہرے پر بشاشت نظر آنے لگی۔ اس نے شکر گزار نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

"تمہیں اندازہ ہے کہ تمہارے پیٹ میں گولیاں لگی ہیں۔" کرنل نے کہا۔

"گولیاں...... ہاں...... ہاں آں...... آں۔" وہ رونے لگی۔ "میں زخمی ہو گئی تھی اور وہ...... وہ مجھے...... میں نے گروشر کے پاؤں پکڑ لیے مگر اس نے اپنی جان بچانے کے لیے مجھے دھکا دیا اور وہ مجھے چھوڑ کر چلے گئے حالانکہ میں...... میں......" وہ سسکنے لگی۔

"خود کو سنبھالو اور ہمیں بتاؤ کہ تمہارے لیے کیا کریں۔"

"کچھ نہیں پلیز...... مجھے چھوڑ دو یہیں...... چھوڑ دو...... میں خود کو سزا دینا چاہتی ہوں۔ پاپا کہتے تھے کہ وہ خود غرض انسان ہے۔ اس پر بھروسہ کرنا غلط ہے مگر مجھے مر جانا چاہیے مجھے۔"

سب ایک دوسرے کی صورتیں دیکھنے لگے۔ پروفیسر نے کہا۔

"تم ہمارے بارے میں کیا جانتی ہو؟"

"میں نے اندازہ لگا لیا ہے آپ لوگ...... آپ لوگ شروک کی پارٹی کے لوگ نہیں ہیں۔ لیکن آئی ایم سوری۔ آپ مجھے یہیں چھوڑ دیں پلیز۔ آپ لوگ مجھے یہیں چھوڑ دیں۔"

"تمہارا کیا نام ہے بیٹی؟" کرنل نے پوچھا۔

"روزی......روزی بیل۔"

"سنو روزی ہمارا تم سے کوئی جھگڑا نہیں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم تمہیں چھوڑ دیں۔ ہم تو تمہیں واپس لے جا رہے تھے لیکن تمہارے زخموں کی وجہ سے ایسا نہ کر سکے۔ تمہاری حالت بہتر ہو جائے تو تم مکمل طور پر آزاد ہوگی۔ اگر تم واپس جانا چاہو گی تو تمہاری مدد کی جائے گی اور تم شروک کے پاس جانا چاہو گی تو تمہیں اس کے پاس پہنچا دیا جائے گا۔"

"نہیں اب میرا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ میں تو گروشر کے ساتھ آئی تھی۔"

"گروشر کون ہے۔"

"ایک خود غرض اور بے غیرت انسان...... میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

سب ہی کے ذہنوں میں تجسس تھا اور وہ لڑکی سے بہت کچھ پوچھنا چاہتے تھے۔ شروک کے بارے میں اس کے ساتھیوں کے بارے میں اس شخص کے بارے میں جسے کسی جانور نے ہلاک کر دیا تھا۔ بہت سوالات تھے ان کے ذہن جن کا جواب اس لڑکی سے مل سکتا تھا۔ لیکن اتنی گفتگو کرنے کے بعد اس کے چہرے پر نقاہت جھلکنے لگی تھی اور آواز میں کمزوری محسوس ہونے لگی تھی۔

چنانچہ اس سے مزید گفتگو کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا۔ ذہن کے آخری گوشوں میں یہ احساس بھی تھا کہ ہو سکتا ہے کہ لڑکی جانبر نہ ہو سکے۔ شروک کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کی جا سکتی تھیں لیکن یہاں کوئی بھی وحشی صفت اور خود غرض نہیں تھا اور نہ ہی کسی خزانے کی تلاش میں جا رہا تھا جس کی وجہ سے ان کے دلوں میں مکاری ہو۔ انسانی ہمدردی کو اولیت دی گئی تھی اور یہی وجہ تھی کہ روزی کے ساتھ یہ تمام لوگ بڑی محبت سے پیش آ رہے تھے۔

چنانچہ اس کی کیفیت کے پیش نگاہ اس سے مزید سوالات کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔ الانشا چوں کہ خاص طور سے لڑکی کی جانب متوجہ نظر آ رہی تھی اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی تھی کہ اس پورے گروہ میں پہلی بار ایک لڑکی کا اضافہ ہوا تھا اس کے لیے الانشا کی فرمائش پر روزی کو الانشا کی چھولداری میں پہنچا دیا گیا۔ یہاں قیام کے سلسلے میں چوں کے یہ طے کیا گیا تھا کہ اس جگہ کافی وقت گزارا جائے گا بشرطیکہ کوئی خاص حادثہ نہ پیش آ جائے۔

چنانچہ تمام ہی لوگ ذرا طویل قیام کے لیے تیاری کر رہے تھے۔ شہباز خان شکار کے لیے بے چین تھا لیکن اب تک انہوں نے ایک خاص طریقہ کار رکھا تھا۔ یعنی اگر کسی کو کہیں فاصلے پر جانا ہو تو شہباز خان یا ہرمیت سنگھ میں سے ایک آدمی دوسرے لوگوں کے پاس ضرور رہتا تھا تاکہ ایک شکاری کی حیثیت سے وہ جنگل کے معاملات پر نگاہ رکھے اور کسی خطرے سے نمٹنے کے لیے معقول ہدایات دے سکے یہ ترکیب آج تک کارگر رہی تھی اور وہ کسی خطرے یا حادثے سے بچے ہوئے تھے۔

شہباز خان کی بے چینی دیکھ کر ہرمیت سنگھ نے ہنستے ہوئے اسے اجازت دے دی اور کہا کہ آج وہ شکار کا گوشت کھلائے۔ شہباز خوش ہو گیا تھا۔ یوں تو ان لوگوں میں سب ہی لوگ سیر و شکار کے رسیا تھے اور اس جنگل میں آمد کا مقصد بھی یہی تھا۔ سوائے الانشا کے مسئلے کے' لیکن اعتدال سے کام لیا جا رہا تھا۔ جہاں

تک نمران کا تعلق تھا اب تک وہ ایک عام ساتھی کی حیثیت سے سفر کرتا رہا تھا۔ حالاں کہ اس کے ذہن میں نہ جانے کیا تھا لیکن الانشا کی قربت اسے باقی تمام چیزوں سے عزیز تھی۔

چنانچہ شکار کے لیے جن لوگوں کا انتخاب ہوا وہ شہباز خان چرن گپتا اور مستان تھے۔ باقی لوگوں نے انہیں بخوشی جانے کی اجازت دے دی تھی۔ کرنل مقبول نے ذمہ داری لی تھی کو وہ پوری احتیاط کے ساتھ کیمپ کی نگرانی کریں گے۔ ہرمیت سنگھ اور نمران وغیرہ بھی مستعد تھے۔ پروفیسر حاتم فرید نے بھی ہنستے ہوئے اپنی خدمات پیش کی تھیں اور کہا تھا۔

"بھئی میں جانتا ہوں کہ تم لوگوں کے درمیان میں ایک بوڑھے بیل کی حیثیت رکھتا ہوں لیکن اطمینان رکھو اس بوڑھے بیل کے سینگ بھی ضرورت پڑنے پر بہت تیز ثابت ہوں گے۔"

مستان' شہباز خان اور چرن گپتا گھوڑوں پر سوار ہو کر چل پڑے تینوں نے رائفلیں سنبھالی ہوئی تھیں اور انہوں نے جنوبی علاقے کا رخ کیا تھا جہاں جنگلوں کے آثار دور سے نظر آ رہے تھے گو فاصلہ کافی تھا اور میدانی حصہ عبور کرتے ہوئے انہیں بہت دیر لگی تھی لیکن جنگلوں میں داخل ہوئے تو شہباز خان کی باچھیں خوشی سے کھل گئیں۔ بھرپور جنگل تھا۔ ہر قسم کے لوازمات سے آراستہ اور خاص بات یہ تھی کہ ایک چھوٹا سا برساتی نالہ ادھر سے گزرتا تھا جو اس وقت خشک پڑا ہوا تھا۔ لیکن برسات میں اس سے بہہ کر دوسری سمت جانے والا پانی ایک وسیع و عریض گڑھے میں جمع ہو گیا تھا اور اس کی کیفیت ایک جھیل کی سی ہو گئی تھی۔

گویا پانی گہرا سبز اور کائی زدہ تھا' لیکن بہرحال ایسے جنگلوں میں پانی کی موجودگی ہی بڑی بات ہوتی تھی اور اس کے اطراف میں شکار کا مل جانا یقینی ہوتا تھا۔ جنگل میں داخل ہونے کے بعد ان لوگوں نے اپنی رفتار سست کر دی۔ انسانی قدموں سے پاک علاقہ تھا اور یہ محسوس ہوتا تھا جیسے یہاں کبھی انسانی قدم نہ پہنچے ہوں۔ جانوروں کا بھرپور راج تھا۔ بے شمار سوکھے رکھے ہوئے ڈھانچے جو مختلف جانوروں کے بکھرے ہوئے پڑے تھے اور ان کے درمیان خشک پتے سرسرا رہے تھے۔ ماحول کافی بھیانک تھا لیکن ایک مہم جو اور ایک شکاری کے لیے ایسا ہی ماحول دلکش ہوتا ہے۔

شہباز نے پرمسرت نگاہوں سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"چرن گپتا جی! علاقہ بہت عمدہ ہے ذرا اس طرف دیکھیے۔" اس نے اشارہ کیا اور شہباز خان کے اشارے پر چرن گپتا نے اس طرف دیکھا۔ مکڑیوں کی ایک لمبی قطار ایک سمت چلی جا رہی تھی لیکن یہ مکڑیاں انتہائی حیرت ناک تھیں۔ ان کی لمبائی' چوڑائی تین تین انچ سے کم نہیں ہو سکتی۔ اور ان کی پشت پر سبز اور بھورا نشان نظر آ رہا تھا۔" ہو سکتا ہے یہ آدم خور مکڑیاں ہوں حالاں کہ اس علاقے میں کبھی آدم خور مکڑیوں کے بارے میں سنا نہیں گیا۔"

"شریہ مکڑیاں آدم خور نہیں ہیں لیکن بہت زہریلی ہوتی ہیں۔"

"ہاں مستان تم ان کے بارے میں بہت کچھ جانتے ہو گے۔"

"نہیں شر میں نہیں جانتا بس ایک تام ایسا مکڑی ایک مین کو کاٹا تو اس کا پورا بدن پانی ہو گیا۔ تب میرے کو ایسا معلوم ہوا۔" وہ لوگ آگے بڑھتے رہے اور گھاس روندتے کانٹوں سے بچتے بچاتے بالآخر اس

جوہڑ کے قریب پہنچ گئے۔ اس جوہڑ کے نزدیک ہی کسی نیل گائے کی ہڈیاں تقریباً پانی سے تیس گز دور ایک درخت کے نیچے بکھری ہوئی تھیں۔ کھوپڑی الگ تھی۔ ان لوگوں نے دیکھا کہ جنگلی چیونٹیوں اور بے شمار کیڑے مکوڑوں کے علاوہ سرخ رنگ کی چار پانچ مکڑیاں اس لاش سے چمٹی ہوئی ہیں۔

بہرطور اطراف کے مناظر کافی ہولناک تھے۔ شہباز خان نے ایک خاص بات محسوس کی کہ اس وقت جانور نظر نہیں آ رہے اور ماحول پر سناٹا طاری ہے۔ اس کی ایک ہی وجہ ہو سکتی تھی کہ جوہڑ کے آس پاس کوئی وحشی جنگلی جانور موجود ہے جس کی وجہ سے باقی جانور بھاگ گئے ہیں۔ اس نے رائفل اتار کر ہاتھ میں لے لی اور محتاط نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ چرن گپتا اور مستان بھی ان کی کیفیت سے مستعد ہو گئے تھے۔ چرن گپتا نے سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔ ”کچھ دیکھا شہباز خان!“

”نہیں چرن جی! لیکن یہ پراسرار خاموشی کسی طوفان کا پیش خیمہ بھی ہو سکتی ہے۔“ شہباز نے جواب دیا اور چرن گپتا اپنے بدن میں سنسنی محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔ پھر وہ جوہڑ سے بائیں سمت سست روی سے چل پڑے اور ذرا سی دیر کے بعد خان نے ہاتھ اٹھا کر ان لوگوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ گھوڑے بھی کان کھڑے کرنے لگے تھے۔ شہباز خان آہستگی سے گھوڑے سے نیچے اتر گیا اور مستان نے اس کے گھوڑے کی لگام تھام لی ابھی شہباز زیادہ دور نہیں گیا تھا کہ اچانک ہی اس نگاہ سیاہ چیونٹیوں پر پڑی جو ایک لمبی قطار میں درختوں کی جانب جا رہی تھیں۔ اس نے غور سے دیکھا تو اسے درختوں کے پاس ایک جانور کی لاش نظر آئی۔

غالباً جنگلی بھینسا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے کچھ اور بھی دیکھ لیا تھا۔ ایک خونخوار گلدار لاش کے عین پیچھے چپ چاپ کھڑا اس کی جانب گھور رہا تھا۔ گلدار کو دیکھ کر شہباز خان ایک دم مستعد ہو گیا اور دم سادھ کر گلدار کا جائزہ لینے لگا۔ چند لمحات خاموشی رہی پھر گلدار نے دبے پاؤں لاش کے گرد چکر لگایا اور اس کا پچھلا حصہ کھانا شروع کر دیا۔ گوشت چبانے اور ہڈیاں کڑکڑانے کی آواز مستان اور چرن گپتا کے کانوں تک بھی پہنچ رہی تھیں۔

گلدار اپنے کام میں مصروف رہا۔ اس نے شہباز خان کو نظر انداز کر دیا تھا۔ شہباز خان نے اس کا نشانہ باندھا اور ابھی وہ فائر بھی نہیں کر پایا تھا کہ دائیں جانب سے ایک چرخ اچھلتا کودتا ہوا نمودار ہوا۔ گلدار نے چرخ کو دیکھا اور چند قدم آگے بڑھ کر غرایا۔ گلدار کی آواز سن کر چرخ زور سے چلایا اور بدحواسی میں بھاگتا ہوا سیدھا شہباز خان کی طرف دوڑ پڑا۔

بے اختیاری میں شہباز خان نے چرخ پر فائر جھونک دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ چرخ تو وہیں ڈھیر ہو گیا اور گلدار گرجتا غراتا ہوا جنگل میں غائب ہو گیا۔

دیر تک اس کی آواز سنائی دیتی رہی تھی۔ شہباز خان کو بڑا افسوس ہوا بس ذرا سی کسر رہ گئی تھی لیکن اس کم بخت چرخ نے سارا کام بگاڑ دیا تھا۔ بہرحال گلدار بھاگ گیا تھا اور اندازے کے مطابق ابھی اس بات کے امکانات بھی نہیں تھے کہ وہ واپس ادھر پلٹے گا۔ گلدار کی ایک خاص عادت ہے کہ وہ شکار کو کھاتے ہوئے دوسرے چکروں میں نہیں پڑتا۔ یہی وجہ تھی کہ شاید اس نے پہلے بھی شہباز خان کو دیکھ کر نظر انداز کر دیا تھا۔ اب ظاہر ہے یہاں رک کر اس کا انتظار تو نہیں کیا جا سکتا تھا البتہ اس کے بعد یہ جگہ چھوڑ دینا ہی مناسب

سمجھا گیا اور ان لوگوں نے فوری طور پر رخ تبدیل کر دیا۔

شہباز خان جانتا تھا کہ یہ جگہ بے حد مخدوش ہو گئی ہے۔ وہ خود تو محتاط رہ سکتا تھا لیکن گلدار کی یہ فطرت تھی کہ وہ چھپ کر اپنا انتقام لینے کی کوشش کرتا ہے اور کسی اونچے درخت پر چڑھ جانا اس کے لیے مشکل کام نہیں ہے۔ چناں چہ ایک شکاری کی ہوشیاری اور مستعدی نے اسے اس بات کے لیے مجبور کر دیا کہ اب اس جوہڑ سے جتنی دور نکل سکتا ہے نکل جائے۔ گلدار جس سمت گیا تھا اس کی مخالف سمت انہوں نے سفر شروع کر دیا اور پھر کافی فاصلے پر پہنچ گئے۔ مستان اور چرن گپتا کسی قدر خوفزدہ انداز میں آگے بڑھ رہے تھے۔ گلدار کو دیکھ کر ان پر جو دہشت طاری ہوئی تھی اور اس کے زندہ بچ جانے سے جو خوف پیدا ہوا تھا ابھی اس نے ان کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا۔

لیکن اس کے بعد پھر انہیں سنبھلنا پڑا۔ مستان نے تھوڑے فاصلے پر پڑی ہوئی کوئی شے دیکھی اور ▲ شر شر کرنے لگا۔

شہباز خان اس کے اشارے کی جانب متوجہ ہوا اور اسے بھی ایک دم ہوشیار ہو جانا پڑا۔ یقینی طور پر وہ انسانی بدن تھے جو چمکدار دن کی روشنی میں صاف نظر آ رہے تھے۔ گھوڑوں نے لمبی لمبی زقندیں بھریں اور ان انسانوں کے قریب پہنچ گئے۔ شہباز خان گھوڑے سے کود گیا تھا۔ وہ دو افراد تھے۔ عجیب سے لباس میں ملبوس عجیب سے چہروں کے مالک۔ ان کے چہروں پر نوکیلی اور اوپر کو اٹھی ہوئی مونچھیں تھیں۔ قلمیں ٹھوڑی تک آ رہی تھیں۔ بال لمبے لمبے تھے۔ بدن قوی ہیکل تھے اور ان کی لاشیں زیادہ پرانی نہیں معلوم ہو رہی تھیں لیکن یہ بھی اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ جنگلی جانوروں کا شکار ہوئے ہیں ان کے جسم خون آلود ضرور تھے لیکن ادھڑے ہوئے نہیں تھے۔ شہباز خان نے غور سے انہیں دیکھا تو اسے ان کے جسموں پر گولیوں کے نشانات نظر آئے۔ کئی گولیاں ان کے جسموں میں لگی تھیں شہباز خان نے متحیرانہ انداز میں چرن گپتا کی طرف دیکھا اور اسی وقت مستان کی آواز نکلی۔

”شر شر یہ شروھا یے ہیں شروھا ئے۔“ شہباز نے سوالیہ نظروں سے مستان کی طرف دیکھا تو وہ کہنے لگا۔

”دریائی لیٹرے“ شر دریائی لٹیرے ان کا یہی حلیہ ہوتا ہے۔“

”اوہ..... لیکن ان کے جسموں پر گولیوں کے نشانات“ اچانک ہی چرن گپتا بول اٹھا۔ اگر یہ دریائی لٹیرے ہیں شہباز خان تو پھر ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ یہ شروک اور اس کے ساتھیوں کی گولیوں کا شکار ہوئے ہیں۔ ممکن ہے رات کے معرکے میں زخمی ہو گئے ہوں اور کسی نہ کسی طرح بھاگ کر یہاں آ گئے ہوں اور پھر انہوں نے دم توڑ دیا ہو۔ اس طرح یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے کہ رات کو شروک اور ان کے ساتھی کن لوگوں سے الجھے تھے۔ ماتی کا ڈاس کا مقصد ہے کہ ان دریائی لٹیروں نے شروک کی پارٹی پر حملہ کیا تھا ویسے تمہارا کیا خیال ہے چرن گپتا کیا ہم لوگ میرا مطلب ہے کیمپ والے محفوظ ہیں۔“

”محفوظ تو نہیں کہا جا سکتا اس بات کے امکانات نہیں ہیں کہ دن کی روشنی میں یہ ہم پر حملہ آور ہوں۔“

”پھر بھی محتاط رہنا ضروری ہو گا۔ یہ وہ بحری لیٹرے ہیں جو ہلاک ہوئے ہیں اور ہو سکتا ہے یہ

دوبارہ اس سمت کا رخ کریں جب ان کا مقصد لوٹ مار ہے تو اس کے لیے کوئی فرق نہیں ہوگا۔ ان کی نگاہوں میں جہاں سے بھی لوٹ مار کر سکیں۔"

"ہاں کم از کم اس طرح ہمیں ہوشیار رہنا پڑے گا۔"

اس کے بعد شہباز کسی قدر مضمحل ہو گیا تھا۔ شکار کا ولولہ اور جوش جو وہاں سے آتے ہوئے اس کے دل میں تھا وہ کسی قدر سست پڑ گیا تھا۔ اپنے ساتھیوں کے تحفظ کا خیال اس کے دل میں آ گیا تھا اور شاید وہ وہیں سے واپس لوٹ جانے کا فیصلہ کر رہا تھا لیکن خوش قسمتی ہی تھی اس کی کہ ایک سانبھر ہنکارتا ہوا اس کے نشانے پر آ گیا اور شہباز خان نے بھاگتے بھوت کی لنگوٹی ہی مناسب سمجھی۔ سانبھر کو اس نے شکار کر لیا اور یہ کام نہایت آسانی سے ہو گیا گولی چلنے کی آواز نے پرندوں کو درختوں سے اڑا دیا تھا اور تھوڑی دیر کے لیے ہلچل پیدا ہو گئی تھی۔ گیدڑوں کا کوئی غول جو آس پاس ہی چھپا ہوا تھا چیختا چلاتا وہاں سے دوڑ پڑا اور صورت حال اس وقت پھر ذرا پریشان کن ہو گئی تھی کیوں کہ ان آوازوں پر گلدار یا آس پاس موجود کوئی درندہ اس طرف متوجہ ہو سکتا تھا۔ واپسی کا سفر انتہائی محتاط انداز میں کیا گیا تھا۔

ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھتے ہوئے وہ اپنے ساتھیوں کے درمیان آ گئے۔ یہاں کے حالات پرسکون تھے اور کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی۔ سب نے خوش دلی سے ان کے شکار کا استقبال کیا اور سب ہی حسب توفیق اس کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ تازہ گوشت کا شوق سبھی کو تھا چنانچہ قہقہے اڑنے لگے۔ روزی اس دوران الاکشا کے ساتھ اس کی چھولداری ہی میں تھی۔ شکار کے گوشت کے مزے اڑاتے ہوئے شہباز نے ان لوگوں کو اپنے اس شکار کے بارے میں تفصیل بتائی۔ گلدار کا تذکرہ کیا اور اس کے بعد شروھانیوں کی لاشوں کے بارے میں بتایا جسے سن کر سبھی چونک پڑے تھے۔

"اور تم اتنی دیر بعد ان کا تذکرہ کر رہے ہو۔" ہرمیت نے کہا۔

"جلدی بھی کر دیتا تو تم کیا کر لیتے؟"

"میرا مطلب ہے کافی اہم بات ہے۔ کیا اس بات کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ یہ دریائی لیٹرے دوبارہ اس طرف رخ کریں اور ہمیں بھی شروک کے گروہ کی طرح ان کا مقابلہ کرنا پڑے۔"

"اگر ایسا ہو جائے ہرمیت سنگھ تو کیا کرو گے؟"

"نہیں میرا مطلب ہے کیوں نہ یہ جگہ چھوڑ دی جائے اور ہم ان علاقوں سے دور نکل جائیں۔"

"نوشر نوشر۔" وہ اس علاقے میں دور تک جاتے ہیں زیادہ تر وہ بستیوں کا رخ کرتے ہیں۔ ادھر انہوں نے سمجھا ہوگا کہ آشانی شے شکاریوں کو لوٹ لیں گے۔ ان سے دور دور تک کا راستہ محفوظ نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے وہ ان لوگوں کے پیچھے چل پڑے ہوں۔" مستان نے اپنے مخصوص انداز میں کہا اور سبھی مسکرا پڑے۔ تب شہباز خان بولا۔

"بے کار ہے۔ ہرمیت سنگھ جنگل کی زندگی ہمارے لیے تو اجنبی نہیں ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ یہاں چند فرلانگ کے فاصلے پر مصیبتیں کس طرح ہمارے استقبال کے لیے تیار ہوں۔ چنانچہ سب کچھ بے کار ہے۔ اپنی پسند کا وقت گزار دو۔ یہ جگہ ہم نے قیام کے لیے منتخب کی ہے تو بس ٹھیک ہے۔ یہیں وقت گزار دیا

گے اور اس کے بعد آگے کی صعوبتوں کا جائزہ لیں گے اور اگر مصیبت آنی ہی ہے تو اسے نہ یہاں سے روکا جا سکتا ہے اور نہ یہاں سے آگے۔"

"انکل ٹھیک کہتے ہیں۔ ہرمیت سنگھ جی ہمیں کہیں اور کسی بھی جگہ کسی بھی حادثے کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ خود پر خوف مسلط کر کے تو مہم جوئی کچھ بہتر نہیں لگتی۔"

نمران نے کہا اور ہرمیت سنگھ مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"سوری میں نے واقعی غلط بات کہی تھی۔" اس کے بعد یہی فیصلہ کیا گیا کہ اتنے دن یہاں قیام کیا جائے اور اس دوران اگر شروھانیوں کا سامنا کرنا پڑ جائے تو بہر طور ان سے جنگ کی جائے۔ یہ مسئلہ تو کہیں بھی پیش آ سکتا ہے۔ اس کے بعد تمام لوگ اپنے اپنے طور پر تفریحات میں مصروف ہو گئے۔ طے کیا گیا کہ جب تک یہاں قیام ہے شکار کی تلاش جاری رہے گی۔ گلدار کے سلسلے میں بھی بندوبست کر لیا گیا تھا اور اس کے لیے یہ دو تجربے کار شکاری کافی تھے۔ چیتے کے بارے میں یہ اندازہ تھا کہ ایک بار اگر وہ کوئی سن گن پا لیتا ہے تو پھر آس پاس چکراتا ہی رہتا ہے۔ تاوقتیکہ اسے کامیابی حاصل نہ ہو جائے۔

اب یہ دوسری بات ہے کہ اس سے پہلے شکاری کو کامیابی حاصل ہو جائے چنانچہ گلدار کے استقبال کا معقول بندوبست کر لیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ یہ بھی طے کیا گیا تھا کہ شکار کو جاتے ہوئے خاص طور سے خیال رکھا جائے۔

شام ہو گئی۔ روزی کو ہر شخص ہی نے باری باری جا کر دیکھا تھا۔ وہ بہت دیر تک سوتی رہی تھی اور پھر جاگ گئی تھی۔ مستان اور الاکشا نے اس کے زخموں کو دیکھا تھا اور اس کے زخم پر وہی مرہم رکھ دیا تھا جو بظاہر عام قسم کی جڑی بوٹیوں کا بنا ہوا تھا اور ایک معمولی چیز بڑی بڑی کارآمد اور قیمتی چیزوں پر حاوی ہو جاتی ہے۔

چنانچہ اسے استعمال تو اسی انداز میں کیا جا رہا تھا کہ جیسے بات ٹالی جا رہی ہو اور صرف ایک فرض پورا کیا جا رہا ہو لیکن اس بات کے امکانات بھی تھے کہ اس کے اثرات بہت ہی انمول ثابت ہوں گے۔

وہ رات بہت ہی پرسکون گزر گئی۔ کوئی واقعہ کوئی ایسی بات نہ ہوئی جو باعث تشویش ہوتی اور دوسری صبح پہلے دن سے زیادہ خوشگوار تھی کیوں کہ پورا دن پھر رات بھر آرام کر کے تقریباً تمام ہی لوگ چاق و چوبند ہو گئے تھے۔ ہرمیت سنگھ نے آج کے شکار کی ذمہ داریاں سنبھالیں اور اپنے ساتھ چرن گپتا اور کرنل کو لے لیا۔ باقی لوگ یہیں رہے تھے۔

چنانچہ ہرمیت سنگھ شکار کے لیے نکل گیا اور یہ لوگ مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے۔ الاکشا کو ایک بہترین مشغلہ مل گیا تھا وہ زیادہ تر روزی کی دیکھ بھال کر رہی تھی اور روزی سے اس کی کافی گفتگو ہوتی رہی تھی۔ یورپ کے بارے میں اور نہ جانے کون کون سے معاملات کے بارے میں۔

ہرمیت سنگھ شہباز سے اچھا شکاری ثابت ہوا اور آج وہ بہترین اور تنومند ہرن لے کر آیا تھا اور اس کے بعد ہرن کے لیے کام ہونے لگا۔ شہباز خان نے مسکراتے ہوئے ہرمیت سنگھ کے کان میں سرگوشی کی۔

"ہرمیت سنگھ گوشت خوری کی بری عادت میں نے تمہیں ڈال دی ہے لیکن چرن گپتا کیا سوچتا ہو

گا کہ اس کا ایک ہم مذہب کس طرح جانوروں کے پیچھے پڑ گیا ہے۔"

"بھلے آدمی تم نے چرن گپتا کو گوشت چباتے نہیں دیکھا تھا۔ سانبھر کی ران ادھیڑ کر رکھ دی تھی اس نے۔"

"ارے ہاں...... وہ بھی تو گوشت خور ہے۔" شہباز خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ویسے خان! یہ علاقہ ابھی تو کافی پرسکون ثابت ہوا ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟"

"ہوسکتا ہے ہمیں یہاں کوئی مشکل نہ پیش آئے۔" شہباز خان نے جواب دیا۔

"ہوں بات کچھ بھی نہیں ہے۔ مشکلات سے تو ہم جس طرح گزر رہے ہیں اس کا تمہیں بھی اندازہ ہے۔ بس میں ذرا ان دو خواتین کی وجہ سے الجھتا رہتا ہوں۔ پہلے ایک مسئلہ تھا اب دو ہو گئی ہیں۔"

"ہاں۔ ہر بیت ایک اور حیرت انگیز بات تم نے محسوس کی ہوگی۔"

"کیا؟"

"روزی بہتری کی طرف مائل ہو رہی ہے۔ گویا گولیوں نے کوئی ایسی جگہ تلاش کر لی ہے جہاں وہ محفوظ ہوگئی ہیں اور ہوسکتا ہے اسے نقصان نہ پہنچے۔

"اس بات کے امکانات ہیں۔ کرنل سے میری اس موضوع پر ذرا تفصیلی بات چیت ہوئی تھی۔ کرنل نے کہا تھا کہ بعض اوقات گولیاں اپنے لیے کوئی ایسی جگہ بنا لیتی ہیں جہاں سے انسانی جسم کو نقصان نہیں پہنچتا۔ کرنل نے مجھے کئی فوجیوں کے واقعات سنائے۔ جن کے جسموں میں کئی کئی گولیاں آج تک موجود ہیں اور وہ بالکل تندرست و توانا ہیں۔"

"لیکن اس کے بعد سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ تندرست ہوگئی تو ہم کیا کریں گے؟"

"یہ اس پر منحصر ہے کہ ہم نے نیک نیتی سے اسے اپنے درمیان جگہ دی ہے اور میرا خیال ہے کہ وہ ٹھیک ہو جائے اور اپنے ساتھیوں کے درمیان جانا چاہے تو ہم اسے کسی بھی ایسی جگہ جہاں اس بات کے امکانات ہوں گے کہ شروک زیادہ دور نہیں ہے اسے شروک کے حوالے کر دیں گے اور اگر یہ نہ چاہے تو پھر ظاہر ہے کہ انسان کی حیثیت سے اسے اپنے ساتھ رکھنا پڑے گا اور جب ہم یہاں سے واپس جائیں گے تو اسے اس کی پسند کی جگہ بھیج دیں گے۔"

"بعض اوقات میں سوچتا ہوں کہ وہ ہمارے لیے کسی خطرے کا باعث نہ بن جائے۔"

"کس طرح؟"

"وہ بہرحال ہمارے دشمنوں سے تعلق رکھتی ہے۔"

"ہاں میں نے بھی یہ سوچا تھا لیکن بہرحال اسے کوئی نقصان پہنچانا بھی ممکن نہیں ہے۔"

روزی کو تیسرے دن بخار ہوگیا۔ اتنا تیز کہ وہ جھلس کر رہ گئی۔ سب کو تشویش ہوگئی لیکن مستان کو معلوم ہوا تو وہ الٹی بات کرنے لگا۔

"شراب سے ٹھیک ہوگئی۔"

"وہ کیسے مستان؟"

شر میرا شوشر دند رنل جڑی بوٹیوں کا ماہر ہے شر جمنا کو جنگلی ریچھ نے زخمی کر دیا تھا۔ اس کا آنستین ٹوکری میں رکھ کر لایا تھا۔ میرا شوشر اس کا علاج کیا۔ جمنا کی حالت خراب ہوتا گیا۔ میرا شوشر بولا اگر اس کو بخار ہوگیا تو وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ شب لوگ اس کا مذاق اڑایا جمنا کا کلر بلیک ہوگیا۔ بٹ اس کے بعد وہ ٹھیک ہوگیا۔ سوشر بولا۔ اس کی دوا نے ریچھ کے پنجوں کا زہر فنش کر دیا اور اپنا کام کیا۔ ایشا ہی ہوتا ہے شر۔

"ہوسکتا ہے مستان تمہاری بات درست ہو۔" شہباز نے کہا اور مستان کی بات درست نکلی روزی لوہے کی طرح تپتی رہی۔ پورے بیس گھنٹے اس کی کیفیت خراب رہی پھر اس کا بخار خود بخود اتر گیا اور وہ نیم غشی کی حالت میں پڑی رہی۔ مزید چند گھنٹوں کے بعد وہ بہتر حالت میں آگئی۔ اس وقت بھی الاکشا اس کے پاس تھی۔

"تم لوگ فرشتہ ہو کیا؟" اس نے کہا۔

"کیا مطلب؟" الاکشا بولی۔

"میرا تم سے کیا تعلق ہے بلکہ میں تو تمہارے دشمنوں کے گروہ کی ایک فرد ہوں اور تم نے مجھ پر جو توجہ صرف کی ہے وہ تو...... وہ تو......"

"بہرحال تم انسان ہو۔" الاکشا نے جواب دیا۔ اس وقت نمران اندر داخل ہوگیا۔

"نمران روزی تمہارے بارے میں کچھ کہہ رہی ہے۔

"میرے بارے میں؟"

"ہاں مس کے خیال میں تم فرشتے ہو جو دشمنوں کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرتے ہو۔"

"میں نے تو کچھ نہیں کیا۔ ویسے اب کیا حال ہے روزی کا؟"

"یہ خود کو بہت بہتر محسوس کر رہی ہے۔"

"میرا خیال میں مزید ایک دو روز میں بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔" نمران نے کہا۔ روزی پر خیال نظروں سے نمران کو دیکھ رہی تھی لیکن اس کے بعد اس نے کچھ نہیں کہا۔ ہاں اس رات جب سب لوگ کھانے پینے سے فراغت حاصل کر کے خوش گپیوں میں مشغول تھے وہ خود ہی چھولداری سے باہر نکل آئی۔ سب لوگ چونک کر اسے دیکھنے لگے اور پھر اسے اپنے درمیان جگہ دی۔

"میں ٹھیک ہوگئی ہوں۔" روزی نے کہا

"ہاں اور ہم تمہیں نئی زندگی کی مبارک باد دیتے ہیں۔"

"آپ لوگوں نے میرے لیے یہ سب کیوں کیا۔ یہ جان کر بھی کہ میں آپ کے دشمن کی بیٹی ہوں۔"

"ہم کسی کو اپنا دشمن نہیں سمجھتے روزی۔ شروک بے وقوف تھا کہ اس نے یہ حرکت کی۔ وہ سب کچھ چوری کر کے مجرمانہ انداز میں حاصل کیا۔ ہم اسے ویسے بھی دے سکتے تھے۔ بشرطیکہ وہ اظہار کرتا۔ وہ خزانہ حاصل کرتا اور ہم صرف تحقیق کرتے۔ خزانے ہمارے لیے بہت ہیں اور ہم میں سے کوئی کسی خزانہ کے لیے مضطرب نہیں ہے۔"

"ہاں۔ میں نے یہ محسوس کیا ہے۔ اور وہ اس کا نتیجہ بھگت رہا ہے۔"

"کیسے؟"

"اس کا گروہ ستائیس افراد پر مشتمل ہے۔ ان میں سے چودہ افراد اس کی قیادت مسترد کر چکے ہیں۔ جنگلوں کی صعوبتوں سے گھبرا کر وہ واپس جانا چاہتے ہیں۔ شروک نے ان کے ہتھیار چھین لیے ہیں اور اسے ان کی نگرانی کرنی پڑتی ہے۔"

"گویا ان میں آپس میں پھوٹ پڑ گئی ہے؟"

زبردست۔ جوزف کو اگر ہتھیار مل گئے تو وہ ان کے لیے موت بھی ثابت ہوگا۔"

"جوزف کون؟"

یورپ کا ایک جرائم پیشہ لیکن اب وہ خزانہ نہیں چاہتا دوسرا گروہ اسی کا ہے۔ اس کے گروہ کا ایک آدمی شیر کا شکار ہو گیا تھا جس کے بعد وہ بددل ہو گئے مگر شروک نے انہیں واپسی کی اجازت نہیں دی اور چالاکی سے انہیں قید کر لیا۔ اب وہ قیدیوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔

"گویا زبردستی کی جا رہی ہے ان کے ساتھ۔"

"ہاں۔ لیکن جوزف کچھ کر کے رہے گا۔ شروک کا پورا گروہ عجیب نفسانفسی کا شکار ہو گیا ہے۔ سب ایک دوسرے کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ ان کی یہ مہم جان کھونے کے علاوہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔"

"روزی شروک کے ساتھ ایک لاش تھی۔ ایک عورت کی لاش اسے اس نے کس طرح محفوظ کیا ہے۔" شہباز خان نے پوچھا۔

"اوہ یقیناً تمہیں اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم ہوگا۔ لاش اب اس کے پاس کہاں ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"وہ ایک عجیب کہانی کے ساتھ غائب ہو گئی۔ میں اسے کہانی اس لیے کہہ رہی ہوں کہ میں اس پراسرار واقعے کی عینی گواہ نہیں ہوں۔" روزی نے کہا اور سب سنسنی خیز نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے۔ یہ انکشاف بے حد انوکھا تھا۔

سب کی نظریں روزی پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ اس کہانی کو جاننا چاہتے تھے۔ روزی چند لمحات کچھ سوچتی رہی پھر اس نے کہا۔

"لاش ایک تابوت میں تھی اور شروک دن رات اسی کے ساتھ رہتا تھا۔ اس کا مددگار پروفیسر زلفی ہے۔ یہ ترکی کا باشندہ ہے جو قدیم زبانوں کا ماہر ہے اور خاص طور سے مصر کے عجائبات کا ماہر ہے۔ وہ دونوں آپس میں لاش کے بارے میں گفتگو کرتے رہتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ لاش جاگ رہی ہے۔

"جاگ رہی ہے؟" ہرمیت سنگھ بے اختیار بول پڑا۔ اسے وہ لمحات یاد آ گئے جب اس نے لاش میں کچھ تبدیلیاں دیکھی تھیں۔

ہاں۔ یہ انہی کے الفاظ تھے۔ وہ ایسا محسوس کر رہے تھے۔ بہرحال یہ بات انہوں نے عام نہیں کی

تھی کہ دوسرے خوفزدہ نہ ہو جائیں۔ میں نے اتفاق سے ان کی باتیں سن لی تھیں اور صرف ٹائیگر کو ان کے بارے میں بتایا تھا۔

"ٹائیگر کون؟"

"ایک خودغرض انسان جس نے مجھے خواب دکھائے تھے اور میں صرف اس کی وجہ سے یہاں آ گئی تھی۔ وہ شروک کا رشتے دار بھی ہے۔ بہترین نشانہ باز ہونے کی وجہ سے شروک نے اسے اپنے ساتھ لے لیا تھا۔ وہی لاش کا نگران تھا۔" "بات لاش کی ہو رہی تھی۔" کرنل نے کہا۔

"ہاں ایک تاریک رات میں اچانک ہنگامہ ہو گیا تھا۔ بعد میں مجھے وہ حیرت ناک داستان سننے کو ملی۔ پروفیسر زلفی اور شروک لاش کے تابوت کے پاس موجود تھے لیکن ہم خوفزدہ ہو گئے تھے۔ وقتاً انہیں تابوت کے پاس چند آہٹیں سنائی دیں۔ تب انہوں نے وہاں دو بوڑھے آدمیوں کو دیکھا جو نابینا تھے۔ انہوں نے تابوت کا ڈھکن کھولا تھا۔ ٹارچوں کی تیز روشنی میں انہوں نے بوڑھوں کو للکارا تھا اور بوڑھے اندھوں کی طرح ایک دوسرے کو ٹٹولنے لگے۔

لیکن پھر شروک اور زلفی کی گھگی بندھ گئی کیوں کہ انہوں نے لاش کو تابوت میں بیٹھے ہوئے دیکھا تھا۔ پھر وہ سہارا لے کر تابوت سے باہر نکل آئی اور دونوں بوڑھے جنگل کی طرف بھاگ اٹھے۔ لاش کے منہ سے کچھ الفاظ بھی نکلے تھے۔ اس کے بعد لاش آہستہ آہستہ چلتی ہوئی جنگل کی تاریکیوں میں گم ہو گئی۔ وہ سب پتھر کے بت بن گئے تھے۔ پھر انہیں ہوش آیا تو وہ بدحواسی کے عالم میں جنگل میں بھاگ دوڑ کرنے لگے لیکن نہ تو انہیں لاش ملی اور نہ ہی وہ دونوں بوڑھے نظر آئے۔"

"بوڑھوں کے بارے میں انہوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ کون تھے۔" شہباز نے کہا۔ "کیا وہ نابینا بوڑھے شروک کے ساتھی نہیں تھے؟"

"قطعی نہیں بعد میں شروک نے یہ خیال بھی ظاہر تھا کہ وہ آپ کی پارٹی کے لوگ ہو سکتے ہیں۔" روزی نے کہا۔

"لاش کے گلے میں ایک سنہری سانپ تھا اور ایک چمڑے کی دستاویز وہ شروک کے قبضے میں ہیں۔"

"نہیں وہ لاش کے ساتھ چلی گئیں۔"

"اوہ تب پھر وہ...... شروک راستوں کا انتخاب کیسے کر رہا ہے۔"

"نقشے کی مدد سے۔ پروفیسر زلفی اور شروک نے ایک الگ نقشہ تیار کر لیا ہے۔ وہی ان کا معاون ہے۔" تمہارا کیا خیال ہے روزی۔ اس حملے کے بعد اس پر کیا ردعمل ہوگا۔"

"میں کیا کہہ سکتی ہوں بس ایک بات بتا سکتی ہوں کہ اس گروہ میں ہر شخص خودغرض ہے وہ سب صرف اپنے بارے میں سوچ رہے ہیں۔ کوئی کسی سے مخلص نہیں ہے۔ جوزف اپنے گروہ کے ساتھ خزانے کے چکر میں آ گیا تھا لیکن وہ جنگل کی زندگی سے ناواقف ہے اور پے درپے پیش آنے والے واقعات کی وجہ گھبرا گیا ہے۔ وہ واپس جانا چاہتا ہے لیکن شروک مجبور کر رہا ہے یہاں تک کہ گروہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا اور شروک نے تمام ہتھیار اپنے قبضے میں کر لیے ہیں تاکہ جوزف کوئی کارروائی نہ کر سکے۔ جوزف بھی خار کھائے

ہوئے ہے اور کسی بھی وقت کچھ ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے خونریز تصادم۔"

روزی خاموش ہو گئی۔ اس نے اپنی معلومات کے مطابق انہیں سب کچھ بتا دیا تھا اور انہیں کم از کم صورت حال معلوم ہو گئی تھی۔ کرنل نے کسی خیال کے تحت ایک اور سوال کیا۔

"روزی تمہارا کہنا ہے کہ ان کی تعداد وستائیس کے قریب ہے۔"

"ہاں۔"

"لیکن جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے ان کے پاس دو جیپیں ہیں۔"

"ہاں۔ جیپوں کا سفر ان کے لیے مصیبت بن گیا ہے۔ اول تو دونوں جیپیں پرانے ماڈل کی ہیں اور ان میں اکثر خرابیاں ہوتی رہتی ہیں۔ وہ تو جوزف کے ساتھیوں میں دو اچھے مکینک بھی ہیں جو کام چلا رہے ہیں۔ دوم یہ کہ پرانی ہونے کی وجہ سے یہ جیپیں زبردست پیٹرول خرچ کر رہی ہیں اور پیٹرول کا اتنا ذخیرہ ان کے پاس نہیں ہے۔ انہوں نے جیپوں میں ٹرالیاں لگوالی تھیں جن میں کھانے پینے کا سامان اور پیٹرول بھرا ہوا ہے۔

پیٹرول کا ایک ٹین لیک کر گر گیا جس کی وجہ سے ساتھ رکھا ہوا کھانے پینے کا سامان خراب ہو گیا اور پھر ان جیپوں پر جب تیرہ تیرہ اور چودہ چودہ افراد لد جاتے ہیں تو ان کی رفتار بھی تیز نہیں رہتی اور ان میں خرابیاں زیادہ پیدا ہوتی جا رہی ہیں۔ شروک اس بات پر سخت افسردہ ہے انہوں نے گھوڑوں کے بجائے جیپوں کا استعمال کیوں کیا بہر طور سخت پریشانی کا شکار ہیں وہ لوگ۔ جہاں کھلے اور سپاٹ میدان نظر آ جاتے ہیں وہاں جیپوں کے انجن بند کر دیے جاتے ہیں اور پھر وہ لوگ انہیں دھکیل کر آگے بڑھاتے ہیں تا کہ ناہموار راستوں پر یا ایسی جگہ جہاں سے انہیں برق رفتاری سے نکل جانا ہو جیپیں کارآمد ثابت ہو سکیں۔

آپ لوگ یقین کیجیے۔ شروک نے ابھی بہت زیادہ فاصلہ طے نہیں کیا ہے لیکن اس تک کے سفر نے اسے نڈھال کر دیا ہے میں اکثر ناٹیگر سے کہتی تھی کہ وہ کس عذاب میں گرفتار ہو گیا ہے لیکن ناٹیگر کی آنکھوں میں بھی خزانے کی چمک ہے اور وہ ایک سنہرے مستقبل کے لیے سب کچھ فراموش کر چکا ہے کمینہ کہیں کا۔" روزی چند لمحات آزردہ رہی پھر اس نے کہا۔

"آپ لوگ...... آپ لوگ میری وجہ سے کس قدر پریشان ہو رہے ہیں کاش اس کا موقع نہ آتا۔ میں نہیں جانتی کہ آپ لوگ میرے لیے کیا کر سکتے ہیں۔ کیا ہو گا میرا میں...... میں......"

"دیکھو روزی! ہم لوگ خود بھی اس سے زیادہ تمہارے لیے کچھ نہیں کر سکتے کہ جس طرح ہمارے ساتھ دوسرے لوگ موجود ہیں اسی طرح تم بھی سفر جاری رکھو۔ اگر ہم اس مہم سے زندہ واپس پلٹ سکے تو جہاں تم چاہو گی پہنچا دیا جائے گا۔ تمہاری حالت تو اب کافی بہتر ہے۔ یقیناً تم بالکل ٹھیک بھی ہو جاؤ گی۔ اس سے زیادہ تمہارے لیے کچھ نہیں کیا جا سکتا۔" ہرمیت سنگھ نے صاف لہجے میں کہا۔

"یہی آپ کا بہت بڑا احسان ہے ورنہ میرا تعلق جن لوگوں سے ہے انہیں سامنے رکھتے ہوئے مشکل تھا کہ آپ لوگ میرے لیے یہ سب کچھ کرتے۔" روزی کی اس بات کا جواب کسی نے نہیں دیا۔ پھر چمن گپتا ہی پوچھ بیٹھا۔

"تم نے کہا تھا بلکہ شاید ہمیں دوسرے ذرائع سے بھی معلوم ہوا تھا کہ شروک کے گروہ میں دو خواتین ہیں۔ دوسری کون ہیں؟"

"پروفیسر ڈلفی کی بیٹی فرخندہ۔" روزی نے جواب دیا۔ بہر طور یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں تھا جس پر بہت زیادہ گفتگو کی جاتی۔ یہاں کئی دن کا قیام ہو چکا تھا اور اب تقریباً تمام ہی لوگ خوب اچھی طرح ستا چکے تھے۔ ویسے بھی یہ جگہ اتنی دلکش نہیں تھی کہ یہاں زیادہ قیام کو جی چاہے چنانچہ طے کیا گیا کہ یہاں سے آگے بڑھا جائے اور اس کے لیے تیاریاں ہونے لگیں۔

ان لوگوں کے درمیان گفتگو ہوتی رہی تھی۔ روزی کا بیان بھی خاصا سنسنی خیز تھا۔ خاص طور پر لاش کے فرار کے بارے میں۔ ہرمیت سنگھ نے سب کو بتایا کہ اس نے خود لاش میں ایسی تبدیلیاں دیکھی تھیں جن کے تحت اسے احساس ہوتا تھا کہ اس کے بدن میں جنبش ہوئی تھی حالاں کہ اتنے عرصے سے وہ لاش اس کے لاوہ خانے میں محفوظ تھی اور اس میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی تھی۔ اس بات کو الاکشا کی کیفیت سے بھی مماثلت دی جا رہی تھی۔

گویا دونوں جگہ تبدیلیاں ہوئی تھیں اور ان تبدیلیوں کی یقینی طور پر کوئی خاص وجہ تھی۔ اس پراسرار بوڑھے کا تذکرہ بھی درمیان میں آ گیا تھا جس کا ایک ساتھی الاکشا کے ہاتھوں مارا گیا۔ گویا انہوں نے وہ لاش بھی حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔ نہ جانے وہ بوڑھے کیا حیثیت رکھتے تھے۔ روزی کی باتوں میں سچائی پائی جاتی تھی۔

چنانچہ یہ نہیں سوچا جا سکتا تھا کہ اس نے اس سلسلے میں کسی غلط بیانی سے کام لیا ہے بہر حال تیاریاں ہونے لگیں اور اس کے بعد آگے کا سفر شروع کر دیا گیا۔ خاموش اور پرسکون سفر جس میں کوئی ہنگامہ خیزی نہیں تھی لیکن شکاریوں کی نگاہیں اطراف میں بھٹک رہی تھیں۔ جگہ جگہ ان جیپوں کے نشانات بھی تلاش کیے جا رہے تھے۔ غرض اپنے طور پر مستعد رہنے کے لیے جو کچھ کیا جا سکتا تھا وہ کیا جا رہا تھا۔ کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد ایک بار پھر جنگلات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ جنگل کا یہ حصہ کسی بھی طرح شناسا نہیں معلوم ہو رہا تھا اور اس سلسلے میں اکثر ان لوگوں کی مستان سے بات چیت ہوتی رہتی تھی۔ مستان بے چارے کے سپرد بھی کوئی ایسی ذمہ داری نہیں تھی کہ وہ جنگل میں انہیں راستہ دکھائے گا۔ بس وہ بھی تکے پر ہی چل رہا تھا اور اب وہ یہ بات بھی دعوے سے نہیں کہہ رہا تھا کہ یہ راستہ ندی کی سمت جاتا ہے جس میں لاش ملی تھی۔ یہ بات زیر بحث آئی تھی کہ ہو سکتا ہے وہ ندی کسی عارضی نالے کی حیثیت رکھتی ہو۔ کیوں کہ بہر طور زبردست بارش کے بعد ہی وہ نظر آئی تھی اب اس لیے انہیں دوبارہ نہ مل پائی ہو کہ ان دنوں بارشیں نہیں ہو رہی تھیں۔

لیکن بارش کا تذکرہ ہی ان کے لیے خطرناک ثابت ہوا۔ جنگل بہت زیادہ گھنے نہیں تھے لیکن بہر طور انہیں خطرناک کہا جا سکتا تھا اور جگہ جگہ جنگلی جانوروں کے نشانات مل رہے تھے شیر، چیتے وغیرہ ابھی تک ہاتھی نظر نہیں آیا تھا۔ ریچھ بھی مل چکا تھا دوسرے چھوٹے جانور بھی موجود تھے۔ چیتوں کے غول بھی نظر آ جاتے تھے۔ ایک دفعہ انہیں جنگلی بھینسوں کی ایک ڈار بھی نظر آئی۔ یہ غول کی شکل میں بہت خطرناک ہوتے ہیں اور اگر ان کا رخ ادھر ہو جائے تو پھر بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے۔

لیکن ایسا نہیں ہوا تھا اور تقریباً سترا سی بھینسوں پر مشتمل خطرناک ارنے بھینسوں کا یہ غول ایک اور سمت نکل گیا تھا۔ غرض جنگل کی وہ تمام بہاریں سامنے تھیں لیکن بارش کا نام لینا ہی غلط ثابت ہوا کیوں کہ تھوڑا ہی فاصلہ طے کیا تھا انہوں نے کہ آسمان پر گھٹائیں چھانے لگیں اور زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ بوندیں پڑنے لگیں۔ ویسے تو بارش سے ایک خوش گوار موسم کا تصور لیا جاتا ہے لیکن ان جنگلات میں دریا کی جو تباہ کاریاں ہرمیت سنگھ اور شہباز خان نے دیکھی تھیں انہوں نے انہیں سخت خوف زدہ کر دیا تھا۔ اس وقت تو بس تقدیر ہی تھی کہ وہ زندہ بچ گئے تھے ورنہ سیلاب کے ہول ناک ریلے کا اس سے خوف ناک مظاہرہ اس سے پہلے شاید ہی کسی نے دیکھا ہو۔ بارش میں البتہ تیزی نہیں پیدا ہوئی تھی۔ دوسرے لوگ تو اس سے لطف اندوز ہو رہے تھے لیکن ہرمیت سنگھ اور شہباز خان کے چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔

"ابے تو چپ ہو جا بکواس کرتا ہے شر شر اور اگر تیز ہو گئی تو کیا ہوگا؟"

"شر تیز نہیں ہوگا۔" مستان نے کہا اور شہباز خان ہنسنے لگا۔

"خدا کرے تیری ہی بات درست نکلے۔" خدا نے وہی کیا۔ بارش کی بوندیں کافی دیر تک برستی رہی تھیں۔ لیکن وہ تیز نہیں ہوئی اور اسی اثناء میں شام ہو گئی جس جگہ رات ہوئی تھی وہ خاصی خراب جگہ تھی۔ اطراف میں گھنی جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ جانوروں کو چھپ کر قریب آنے میں مدد دے سکتی تھیں لیکن اس کا سلسلہ اتنا طویل تھا کہ اگر ان سے آگے بڑھ کر بہتر جگہ تلاش کرنے کی کوشش کی بھی جاتی تو نہ جانے کتنا فاصلہ طے کرنا پڑتا۔

چنانچہ یہیں ڈیرہ ڈال دیا گیا اور محتاط رہنے کا فیصلہ کیا گیا۔ معمولات زندگی جاری ہو گئے تھے۔ روزی کی شمولیت سے کوئی خاص فرق نہیں پڑا تھا حالاں کہ جگہ بہت خراب تھی لیکن رات بخیر و خوبی گزر گئی اور دوسرے دن سفر کی رفتار خاصی تیز رکھی گئی تاکہ اس علاقے سے دور نکل جائیں۔ سورج ڈھلنے سے کافی پہلے وہ اس جنگل سے باہر نکل آئے۔ پتھریلا اور ناہموار علاقہ تھا۔ جگہ جگہ گہرے گڑھے اور نوکیلی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔ یہاں پہنچ کر سفر کی رفتار سست کر دی گئی۔ یوں بھی سنگلاخ زمین پر گھوڑوں کے ٹھوکریں کھانے کا خدشہ تھا۔ اچانک ہی ہرمیت سنگھ کی نگاہ روزی پر پڑی اور وہ چونک پڑا۔ روزی کا چہرہ زرد ہو رہا تھا اور پسینے میں بھیگا ہوا تھا اور وہ بار بار نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا رہی تھی۔ ہرمیت سنگھ نے اپنا گھوڑا روزی کے قریب کر دیا۔

"کیا بات ہے روزی!"

"بہت بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ شاید میرے...... میرے...... زخم...... میرے زخم۔"

ہرمیت سنگھ نے چیخ کر تمام گھوڑے رکوا دیے اور پھر خود بھی اتر آیا۔ اس نے سہارا دے کر روزی کو اتارا۔ وہ گری پڑی ہی تھی۔ نیچے اترتے ہی اس کے حلق سے چیخیں نکلنے لگیں اور پھر وہ پتھریلی زمین پر لیٹ گئی۔ اب اس کی تکلیف ناقابل برداشت ہو گئی تھی۔ وہ ماہی بے آب کی مانند تڑپنے لگی۔ گھوڑوں کے تیز رفتار سفر نے شاید اس کے زخم ہرے کر دیے تھے اب آگے بڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ وہیں ڈیرہ ڈال دیا گیا کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے روزی کی چیخیں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں۔ بمشکل تمام اس کی بینڈیج تبدیل کی گئی۔ نیا مرہم لگایا گیا لیکن اندرونی معاملہ تھا اس لیے کوئی افاقہ نہ ہوا۔ وہ سب اس

کے لیے افسردہ ہو گئے تھے۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

اب روزی بری طرح نڈھال ہو گئی تھی۔ چند گھنٹوں کے اندر اندر اس کا رنگ جھلس گیا تھا۔ اسی پریشانی میں رات ہو گئی۔ کھانے پینے کے لیے بھی کچھ نہ کیا جا سکا۔ کسی کا دل ہی نہ چاہ رہا تھا۔ روزی اب بے ہوش ہو گئی تھی۔ اس کا چہرہ کرب و اذیت کی تصویر بنا ہوا تھا۔ ماحول بے حد بھیانک تھا۔ تاحد نگاہ چٹانیں نظر آ رہی تھیں۔ بعض جگہ تو ان چٹانوں میں تحریک نظر آنے لگتی تھی۔ لیکن بغور دیکھنے سے معلوم ہوتا کہ یہ تو نظر کا دھوکہ ہے لیکن وہ روشنی نظر کا دھوکہ نہیں تھی۔ یہ عجیب سی روشنی نہ جانے کہاں سے ابھر رہی تھی۔ بس یوں لگتا تھا جیسے زمین سے ابل رہی ہو۔ چرن گپتا نے اسے سب سے پہلے دیکھا تھا۔ بہت ہی مدھم روشنی تھی۔

"ہرمیت سنگھ یہ کیا ہے؟"

"روشنی۔" ہرمیت سنگھ اسے بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہاں مگر یہ زمین سے نکلتی محسوس ہو رہی ہے۔"

"ایسا ہی لگ رہا ہے۔"

"میرا خیال ہے اسے نظر انداز کرو۔"

"کیا مطلب؟"

"تمام معاملات جاننے کے لیے نہیں ہوتے اور پھر یہ جنگل ہے۔" چرن گپتا نے کسی قدر کپکپاتے لہجے میں کہا اور ہرمیت سنگھ ہنس پڑا۔

"تمہارا مطلب ہے کوئی سحر کوئی جادو۔"

"نہیں ہرمیت۔ ہر چیز کا مذاق نہیں اڑایا کرتے۔"

"معاف کرنا چرن گپتا۔ جانی پہچانی چیزیں تو ہمارے شہروں ہماری بستیوں میں سب ہی ہوتی ہیں۔ انہی اجنبی کہانیوں کے لیے تو جنگل اور صحراؤں کا رخ کیا جاتا ہے۔ آؤ دیکھیں اس روشنی کا راز کیا ہے۔" چرن گپتا نے گہری گہری سانسیں لیں اور مسکراتا ہوا بولا۔

"تو الٹی آنتیں گلے پڑ گئیں۔ بہر حال چلو۔" دونوں گھوڑے پر سوار ہوئے اور سست روی سے روشنی کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ باقی لوگ مسلسل روزی میں الجھے ہوئے تھے۔ خود ان کے ذہن ان واقعات سے کافی متاثر ہوئے تھے لیکن اس کا کوئی حل بھی تو نہیں تھا ان کے پاس۔ روزی کی اچانک جو کیفیت ہو گئی تھی اور اس سے اس بات کا خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ مر نہ جائے لیکن کوئی بھی ذریعہ نہیں تھا ان کے پاس جس سے روزی کو کوئی فائدہ پہنچایا جا سکتا۔

چنانچہ تن بہ تقدیر ہو گئے تھے۔ روزی کی تیمارداری خود شہباز خان الانشا اور نمران کر رہے تھے۔ ان لوگوں کے سپرد باہر کی ذمہ داریاں تھیں۔ چنانچہ وہ اپنا کام کر رہے تھے۔

وہ روشنی پر نگاہیں جمائے آگے بڑھتے رہے۔ ابھی تک یہ بات سمجھ نہیں آ سکی تھی کہ وہ روشنی کہاں سے آ رہی ہے۔ رفتہ رفتہ وہ اس کے قریب پہنچ جا رہے تھے کیوں کہ درختوں کا علاقہ نہیں تھا اور اطراف کا اچھی طرح سے جائزہ لیا جا چکا تھا۔ درندوں وغیرہ کا بھی کوئی خطرہ نہیں تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد

بالآخر وہ اس جگہ پہنچ گئے جو روشنی کا منبع تھی اور پھر ہرمیت سنگھ کے حلق سے ہنسی نکل گئی کیوں کہ روشنی کا راز ان کے سامنے آ گیا تھا۔

یہاں جس جگہ وہ پہنچے تھے وہ میدانی علاقہ تقریباً ختم ہو جاتا تھا اور یہاں ڈھلوان شروع ہو جاتے تھے۔ ڈھلوان میں ایک بستی نظر آ رہی تھی اور اس بستی میں موجود گھر روشن تھے چوں کہ بستی ڈھلوان میں تھی اور اس کے مکانات اس جانب سے نظر نہیں آ سکتے تھے لیکن روشنی بلند ہو رہی تھی۔ یہ تھا اس روشنی کا راز۔ بستی تقریباً ساٹھ ستر مکانات پر مشتمل تھی اور یہ مکانات اچھے خاصے نظر آ رہے تھے۔ یعنی یہ مقامی آبادی کے عسرت زدہ جھونپڑے نہیں محسوس ہوتے تھے۔ وہ لوگ کنارے پر کھڑے اس آبادی کو دیکھتے رہے۔ تب ہی چرن گپتا نے ہرمیت سنگھ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"ہرمیت اگر ہم روزی کو یہاں لے آئیں تو بہتر نہیں ہوگا۔ ہو سکتا ہے آبادی میں اس کے علاج کا کوئی ذریعہ نکل آئے۔"

"تم اس بستی میں کسی ڈاکٹر کی توقع کر رہے ہو۔"

"نہیں ڈاکٹر کی بات نہیں کر رہا تھا میں۔ میرا خیال تھا کوئی ایسا...... آخر یہ لوگ بھی تو کسی طرح جیتے ہوں گے۔"

ہرمیت سنگھ کچھ سوچنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔ پتہ نہیں رات کے اس حصے میں ہم بستی والوں کے پاس پہنچیں تو وہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں۔ چرن گپتا خاموش ہو گیا لیکن پھر نہ جانے کیوں ہرمیت سنگھ کا دل چاہا کہ یہ عمل کر کے دیکھ لیا جائے لیکن شہباز خان کے مشورے کے بغیر وہ یہ سب کچھ نہیں کر سکتا تھا چنانچہ تھوڑی دیر بستی کا جائزہ لینے کے بعد وہ وہاں سے چل پڑے اور اپنے کیمپ میں پہنچ گئے۔

شہباز خان سے اس کا تذکرہ کیا گیا تو وہ بھی کیمپ سے باہر نکل آیا۔ روزی کی حالت تشویش ناک تھی اور وہ لوگ اس بے چاری کے لیے کچھ بھی نہیں کر پا رہے تھے۔ شہباز نے بھی اس بات کا اظہار کیا کہ اس جنگلی بستی میں بھلا اس کے علاج کا کیا بندوبست ہو سکتا ہے۔ پھر کرنل اور دوسرے لوگوں سے بھی پوچھا گیا اور کرنل نے کہا کہ کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے البتہ طے یہ ہوا کہ تمام لوگ بستی میں داخل نہ ہوں اور صرف روزی کو لے جایا جائے۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا کہ بستی والے کیسے لوگ ہوں۔ مستان سے مشورہ کیا گیا تو مستان نے کہا۔

"شر بعض جگہ ایشا وید نظر آ جاتا ہے جو بڑا افغا سنک ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے اور کوئی وید مل جائے۔"

"تو تمہاری رائے ہے کہ ہم اسے ادھر لے چلیں۔"

"لش شر لش شر۔" مستان نے کہا۔ اس کی گفتگو کرنے کے انداز پر ہمیشہ ہی ہنسی آ جاتی تھی لیکن اس وقت سب ہی تشویش زدہ تھے۔ روزی حالاں کہ بالکل ہی غیر شخصیت تھی لیکن بہرطور انسان تھی اور اب ان کے درمیان تھی طے یہ ہوا ہرمیت سنگھ، کرنل اور چرن گپتا وہاں چلے جائیں اور روزی کو اپنے ساتھ لے جائیں۔ روزی کو ساتھ لے جانے کے لیے انہوں نے اسٹریچر سا بنا لیا تھا۔ باقی لوگوں کے سپرد یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ وہ کیمپ کی نگرانی کریں لیکن پھر شہباز نے ایک اور ترمیم کی۔

"تم لوگ مستان کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔ یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ وہ ہماری زبان سمجھ لیں گے اور ہمارا مقصد جان لیں گے۔"

شہباز خان کی اس بات سے سب نے اتفاق کیا اور مستان کو بھی ساتھ لے لیا گیا۔ وہ لوگ تیز رفتاری سے روزی کو اسٹریچر پر ڈالے ہوئے آگے بڑھتے رہے اور پھر اس جگہ پہنچ گئے جہاں ڈھلانوں کا آغاز ہوتا تھا۔ یہ ڈھلان زیادہ خطرناک نہیں تھے۔ بستی والوں نے شاید انہیں دیکھ لیا تھا کیوں کہ تھوڑی ہی دیر میں بہت سی عورتیں، بچے اور چند بوڑھے لوگ اس طرف آ کھڑے ہوئے تھے۔ جدھر سے یہ لوگ بستی ڈھلان طے کر رہے تھے۔ یہ بات بھی سوچ لی گئی تھی کہ بستی والوں سے کس طرح پیش آنا ہے۔ مستان سب سے آگے تھا۔ اس نے ان لوگوں کو دیکھا جو رات کی تاریکی میں غول بیابانی نظر آ رہے تھے۔ وہ سب خاموش اور ساکت کھڑے ان لوگوں کو دیکھ رہے تھے اور مستان نے آگے بڑھ کر مقامی زبان میں اپنا مدعا بیان کیا اور یہ زبان سمجھ لی گئی۔

دو بوڑھے آدمی آگے بڑھ آئے اور انہوں نے اسٹریچر پر لیٹی ہوئی روزی کو دیکھا پھر ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگے۔ ان لوگوں میں کوئی جوان نظر نہیں آ رہا تھا یا تو بہت زیادہ بوڑھے تھے یا پھر عورتیں اور بچے تھے۔ کسی نے مستان کو جواب نہیں دیا اور خاموشی سے ان کی صورتیں دیکھتے رہے ہرمیت سنگھ نے آگے بڑھ کر کہا۔

"اگر آپ لوگ ہماری اس ساتھی لڑکی کی کوئی مدد کر سکتے ہیں تو ہم آپ کو آپ کا منہ مانگا انعام دیں گے۔" مستان نے یہی جملے مقامی زبان میں ادا کیے لیکن وہ ساکت و جامد کھڑے رہے اور انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا تب ہی عقب میں کچھ ہل چل سی پیدا ہوئی اور ایک بوڑھی عورت آگے بڑھ آئی جس کے بال لمبے لمبے اور بکھرے ہوئے تھے۔ بدن پر پورا لباس تھا۔ چہرہ بہت زیادہ مدقوق اور جھریوں سے بھرا ہوا تھا۔ آنکھیں چھوٹی چھوٹی لیکن انتہائی تیز تھیں۔ عجیب سی شکل لگ رہی تھی اس کی۔ دوسرے لوگوں کو ہٹاتی ہوئی وہ آگے بڑھی اور روزی کے اسٹریچر کے قریب پہنچ گئی۔

اس نے جھک کر روزی کا چہرہ دیکھا اور چند لمحات تک اسی طرح جھکی رہی اور پھر اس کے بعد ان لوگوں کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا باقی لوگوں نے فوراً ہی بوڑھی کو راستہ دے دیا تھا اور بوڑھی عورت انہیں لیے ہوئے بستی میں داخل ہو گئی۔ بستی ہی کے درمیانی حصے میں ایک ویسا ہی مکان تھا جیسے دوسرے مکانات بنے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ بوڑھی عورت نے مکان کا دروازہ کھولا اور ان لوگوں کو اندر آنے کا اشارہ کر دیا۔ ہرمیت سنگھ اپنے ساتھیوں کے ساتھ اندر پہنچ گیا تھا۔ ایک جگہ بوڑھی نے اسٹریچر رکھنے کے لیے کہا پھر بڑی تیزی سے اندر گئی اور دو مشعلیں جلا کر لے آئی۔ اس نے دونوں مشعلیں زمین میں گاڑ دیں اور پھر گھٹنوں کے بل روزی کے پاس بیٹھ گئی۔ وہ اس کا جائزہ لے رہی تھی۔ پھر اس نے روزی کا لباس اس کے بدن سے ہٹا دیا۔

یہ لوگ تھوڑے سے جھجکے تھے لیکن یہ نازک لمحات تھے اس لیے وہ مجبوراً بوڑھی عورت کی کارروائی دیکھتے رہے۔ بوڑھی عورت نے روزی کے زخم دیکھے پٹیاں وغیرہ نوچ کر پھینک دیں اور پھر زخموں پر انگلیاں پھیرنے لگی۔ چند لمحات اسی طرح گزر گئے۔ بوڑھی عورت پاگل لگ رہی تھی اور انہیں یہ خطرہ تھا کہ یہ تجربہ

کہیں خطرناک نہ ثابت ہو۔ گھر کے باہر کے حالات کسی کو معلوم نہیں تھے لیکن مدہم مدہم آوازوں سے ظاہر ہوتا تھا کہ بوڑھی کے دروازے پر باہر لوگ ابھی موجود ہیں۔

پھر دفعتہً بوڑھی اپنی جگہ سے اٹھی اور اپنے گھر کے اندرونی حصے میں داخل ہو گئی۔ وہ لوگ ایک دوسرے کی صورتیں دیکھ رہے تھے۔ بوڑھی عورت واپس آئی تو اس کے ہاتھ میں پیلے رنگ کے کچھ پتے دبے ہوئے تھے جنہیں اس نے ہتھیلی پر مسلا اور پھر روزی کی ناک کے دونوں نتھنوں میں اندر تک ٹھونس دیا۔ چرن گپتا کے انداز میں ایک لمحے کے لیے اضطراب پیدا ہوا تھا لیکن ہرمیت سنگھ نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے پرسکون کر دیا۔

بوڑھی چند لمحے اسی طرح روزی کا چہرہ دیکھتی رہی اور اس کے بعد اس نے پھر اس کے زخموں پر انگلیاں پھیرنا شروع کر دیں۔ وہ آہستہ آہستہ اپنی انگلیوں پر دباؤ ڈالتی جا رہی تھی اور زخموں سے خون بہنے لگا تھا۔ چرن گپتا پھر گھبرا کر کئی قدم پیچھے ہٹ گیا اور ہرمیت سنگھ کے عقب میں آ گیا۔ وہ یہ کارروائی نہیں دیکھ پا رہا تھا۔ بوڑھی عورت کے ہاتھوں کی انگلیوں کا دباؤ آہستہ آہستہ بڑھتا جا رہا تھا اور پھر دفعتہً ہرمیت سنگھ کے حلق سے ایک آواز نکل گئی۔

بوڑھی نے اپنی انگلیاں زخموں میں اتار دی تھیں اور طاقت لگا کر کچھ کر رہی تھی۔ ایک لمحے کے لیے ہرمیت کے انداز میں بھی اضطراب پیدا ہوا کیوں کہ زخموں سے بھل بھل خون بہہ رہا تھا لیکن بوڑھی مسلسل اپنے ہاتھوں کو جنبش دے رہی تھی۔

ہرمیت سنگھ نے بہ مشکل تمام خود کو سنبھالے رکھا اور بوڑھی عورت کی یہ کارروائی دیکھتا رہا۔ چند منٹ اسی طرح گزر گئے۔ بوڑھی نے روزی کو ادھیڑ کر رکھ دیا تھا۔

لیکن اس کا نتیجہ جو نکلا وہ اتنا حیرت ناک تھا کہ ہرمیت سنگھ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ بوڑھی نے چند لمحات کے بعد خون میں ڈوبی ہوئی کوئی چیز باہر نکالی تھی۔ یہ رائفل کی گولی تھی۔ اس نے گولا نکال کر ایک سمت رکھ دی اور پھر دوسرے زخم میں اسی انداز میں انگلیاں ڈالنے لگی۔ یہ طریقہ علاج ناقابل یقین تھا۔ لیکن ہرمیت سنگھ کو یہ اندازہ ہو گیا کہ واقعی کچھ ہو رہا ہے۔ تھوڑی ہی دیر بعد زخم سے دوسری گولی بھی نکال لی گئی تھی۔

روزی کے بدن میں ذرا بھی جنبش نہیں ہوئی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ ناک میں جو پتے ٹھونسے تھے وہ بے ہوش کر دینے والے تھے اور روزی دنیا و مافیہا سے بالکل بے خبر تھی۔

لیکن زخموں سے اس طرح انگلیوں سے گولیاں نکال لینا۔ دنیا کا حیرت انگیز کارنامہ تھا۔ بوڑھی اس کے زخموں کو دیکھتی رہی پھر اس نے آہستہ سے ان زخموں کو صاف کر دیا۔ خون اب بھی بہہ رہا تھا اور روزی کی حالت خراب سے خراب تر ہوتی جا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی زردی کچھ اور گہری ہو گئی تھی۔

بوڑھی نے اچانک ہی اپنے حلق سے ایک آواز نکالی اور بہت سا تھوک روزی کے زخموں پر تھوک دیا۔ چرن گپتا نے کراہیت سے آنکھیں بند کر لیں۔ لیکن مستان بڑی عقیدت سے بوڑھی کی یہ کارروائی دیکھ رہا تھا۔ بوڑھی نے انتہائی غلیظ انداز میں تھوک اس کے زخموں پر مل دیا اور پھر ناک سے وہ پتے نکال دیئے جو

اس نے اندر ٹھونسے ہوئے تھے۔ ان پتوں کو کھول کر اس نے وہ پتیاں ان زخموں پر چپکا دیں اور پھر اپنے غلیظ دانتوں کی نمائش کرنے لگی۔ اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔

مستان نے اس سے کچھ کہا اور بوڑھی عورت نے اس کا کوئی جواب دیا تب مستان نے کہا۔

''یہ کہتی ہے کہ اب چاہیں تو ان زخموں پر پٹیاں لپیٹ سکتے ہیں۔'' ہرمیت سنگھ اور چرن گپتا نے کانپتے ہاتھوں سے روزی کے زخموں پر پٹیاں کس دیں۔ لیکن جو کچھ ان کے سامنے آیا تھا وہ اتنا حیرت انگیز تھا کہ وہ کچھ بول نہیں پا رہے تھے۔ بوڑھی نے مستان سے مدہم لہجے میں کچھ کہا اور مستان نے کہا۔

''شریہ کہتی ہے کہ اگر آپ چاہیں تو مریض کو یہاں رکھ سکتے ہیں۔''

''کیا خیال ہے چرن گپتا جی!''

''مجھ سے بات نہ کرو۔ ہرمیت سنگھ میری حالت خراب ہو رہی ہے۔''

''اوہ...... خود کو سنبھالو چرن گپتا۔ کچھ بھی نہیں ہے۔ لیکن تم نے اپنی آنکھوں سے رائفل کی گولیاں دیکھی ہیں۔ ویسے یہ بستی عجیب ضرور ہے۔ لیکن لوگ بے ضرر معلوم ہوتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ باقی لوگوں کو بھی یہیں بلا لیا جائے۔''

اس کام کیلئے چرن گپتا کو جانا پڑا تھا اور وہ خوشی سے اچھل پڑا تھا۔ شہباز خان کو اس نے یہ کہانی سنائی اور ہرمیت کی خواہش پر انہوں نے وہاں سے کیمپ ہٹا لیا پھر وہ فوراً اترائی میں آ گئے۔ روزی کو بوڑھی کے پاس ہی چھوڑ دیا گیا تھا اور باقی رات جاگتے ہوئے گزری تھی اور وہ اس انوکھی بستی کے بارے میں باتیں کرتے رہے تھے اور دوسری صبح انہوں نے اس بستی کو بغور دیکھا، بستی میں صرف بوڑھے مرد نظر آ رہے تھے یا پھر بوڑھی اور جوان عورتیں تھیں اور بچے تھے البتہ کوئی جوان آدمی یہاں نظر نہیں آیا تھا۔ یہ بات باعث حیرت تھی۔

مستان علی الصباح بوڑھی عورت کے گھر پہنچ گیا تھا۔ اسے روزی کی خبر گیری کے لیے بھیجا گیا تھا لیکن وہ واپس آیا تو سب انگشت بدنداں رہ گئے تھے کیوں کہ روزی اس کے ساتھ تھی اور اپنے قدموں سے چل کر یہاں آئی تھی۔ ان دونوں کے پیچھے پیچھے بوڑھی عورت بھی آ رہی تھی۔

''ناقابل یقین'' شہباز خان آہستہ سے بولا، مستان قریب پہنچا تو انہوں نے محسوس کیا کہ وہ خوف زدہ ہے اس کے خوف کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی تھی اس نے کپکپاتے لہجے میں کہا۔

''سر یہ بوڑھی عورت اپنا انعام لینے آئی ہے۔''

کیا انعام مانگتی ہے؟ ہرمیت سنگھ نے پوچھا۔

یہ تو پتا نہیں۔ مستان نے کہا پھر اس نے بوڑھی عورت سے پوچھا تو اس نے ایک رائفل کی طرف اشارہ کر دیا۔

رائفل...... یہ بوڑھی اس کا کیا کرے گی؟

دے دیں سر، جلدی کریں۔ مستان نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا اور ہرمیت سنگھ نے رائفل بوڑھی کو تھما دی۔ بوڑھی نے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے کارتوس کی طرف بھی اشارہ کیا اور ہرمیت سنگھ حیرت سے بولا۔

مائی گاڈ یہ تو ہتھیاروں سے واقف معلوم ہوتی ہے۔

دے دیں شر، جلدی کریں۔ مستان پہلے کے سے انداز میں بولا اور تھوڑے کارتوس بوڑھی کو دے دیے گئے بوڑھی اپنا انعام لے کر وہاں سے چلی گئی تھی اس کے جاتے ہی مستان بولا۔

جلدی کریں شر، جلدی کریں۔ یہاں سے نکل چلیں یہ سندھانوں کی بستی ہے۔

ہاں شر، یہاں کوئی جوان آدمی نہیں ہے۔ شب لوٹ مار کو گیا۔ جلدی کریں شر اگر وہ واپس آ گئے تو ہم سب فنش ہو جائے گا۔ ہری اپ۔

اور اس کے بعد وہ سر پر پاؤں رکھ کر یہاں سے بھاگے تھے۔ روزی حیرت انگیز طور پر بہتر نظر آ رہی تھی گو کہ کرنل مقبول نے اسے اپنے ساتھ گھوڑے پر بٹھایا ہوا تھا اور بڑی احتیاط سے گھوڑا دوڑا رہا تھا لیکن روزی نے اس سے کہا تھا۔

آپ اطمینان سے سفر کریں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ اب میرے زخموں کی جگہ وہ بھاری پن بھی نہیں ہے جو پہلے محسوس ہوتا تھا۔ روزی کی اس بات سے کرنل کو اطمینان ہوا تھا اور اس نے گھوڑے کی رفتار تیز کر دی تھی اور وہ اس وقت تک سفر کرتے رہے جب تک کر سکتے تھے، بھوکے پیاسے دوڑ پڑے تھے اور سب کو سخت بھوک لگ رہی تھی لیکن وہ اس بستی سے زیادہ سے زیادہ دور نکل جانا چاہتے تھے۔

پہاڑی مناظر بدل رہے تھے اور جوں جوں وہ آگے بڑھ رہے تھے ماحول خوشگوار ہوتا جا رہا تھا کہیں کہیں درخت بھی نظر آ رہے تھے اور زمین پر سرسبز جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ کہیں راستے ناہموار اور اونچے نیچے تھے دورسے زمین سپاٹ نظر آتی تھی لیکن اچانک ہی کوئی گہری دراڑ نمودار ہو جاتی تھی اور انہیں گھوڑے سنبھالنے پڑتے تھے۔ اچانک شہباز خان نے کہا۔

میرے خیال میں ہم وہاں سے کافی دور نکل آئے ہیں۔ اب کچھ پیٹ پوجا ہو جائے ورنہ آگے بڑھنا مشکل ہو جائے گا۔

یہ سب کی آرزو تھی چنانچہ تمام گھوڑے رک گئے اور سب نیچے اتر آئے۔ عارضی قیام تھا صرف کھانے پینے پر توجہ دی گئی اور اشیاء تقسیم کی جانے لگیں۔ سامنے ہی بندروں کا ایک غول نظر آ رہا تھا جو کھانے پینے کی اشیا تلاش کر رہا تھا اور ان سے کچھ فاصلے پر رک گیا تھا۔

ان سے ہوشیار رہنا۔ ذرا سی نظروں کی چوک ہوئی اور یہ اپنا کام کر جائیں گے۔ ہرمیت سنگھ نے کہا۔

ہمارے بھائی بند ہیں۔ چرن گپتا نے کہا۔

روزی کو دیکھو، بالکل ٹھیک نظر آ رہی ہے، خان نے الاؤ کے پاس بیٹھی ہوئی روزی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

یہ طریقہ علاج شاید زندگی بھر نہ بھلایا جا سکے۔ تم نے نہیں دیکھا خان کہ اس نے کس طرح ان زخموں پر انگلیاں پھیرتے پھیرتے اپنی دونوں انگلیاں ان سوراخوں کے اندر داخل کر دی تھیں۔ چرن گپتا کی تو حالت ہی خراب ہو گئی تھی۔

بہرحال یہ ایک انوکھا طریقہ علاج تھا۔

زمانہ قدیم میں انسان بہر طور جیتے تھے۔ بے شک وہ ان مسائل سے دوچار نہیں تھے لیکن جو مسائل انہیں درپیش تھے ان کا حل ان کے پاس موجود تھا۔

ارے ہاں ہم نے یہ بات تو اس مستان سے پوچھی ہی نہیں کہ اس بستی پر سندھانوں کا شبہ کیوں کر ہوا تھا۔

شر وہ شندھانوں کی ہی بستی تھی۔ شندھانوں کا ایک خاش نشان ہوتا ہے۔ آدھا مڑا ہوا خنجر وہ نشان اش بستی میں جگہ جگہ موجود تھا اور پھر میں یہ شوچتا کہ ادھر جوان لوگ کیوں نہیں۔ شب سمجھ میں آ گیا۔

شر ویشے یہ تعجب کی بات ہے کہ بستی والا ہم کو نہیں لوٹا۔

ہو سکتا ہے ہمارے پاس موجود ہتھیاروں نے انہیں اس سے باز رکھا ہو۔

نو شر۔ ایشا نہیں۔ بوڑھا لوگ عورت آشانی سے زندگی گزارتا۔

بہرحال تم نے سب کو خوفزدہ کر دیا مستان۔

شر اگر وہ واپش آ جاتا تو ہمارا ادھر شے نکلنا مشکل ہو جاتا۔ ان لوگوں نے مستان کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ کافی دیر تک وہ وہاں آرام کرتے رہے۔ گھوڑے بھی گھاس چر رہے تھے اور آس پاس ہی موجود تھے۔ ان کی آوازیں بار بار ابھرنے لگیں پھر کچھ اور آوازیں کہیں اور سے ابھرنے لگیں گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں تھیں لیکن ان لوگوں نے محسوس کر لیا کہ یہ ان لوگوں کے گھوڑوں کی آوازیں نہیں ہیں۔ ہرمیت سنگھ نے تڑپ کر رائفل اٹھالی اور سنسنی خیز نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ آوازیں دوسرے لوگوں نے بھی سنی تھیں لیکن وہ جگہ نظر نہیں آ رہی تھی جہاں سے یہ آوازیں ابھر رہی تھیں۔ چند ہی لمحات کے بعد یہ اندازہ لگا لیا گیا کہ آگے پھر اسی قسم کی گہرائی ہے جیسی ایک گہرائی سے انہوں نے روشنی ابھرتی دیکھی تھی۔

کرنل، راؤ اور ہرمیت سنگھ رائفلیں سنبھالے برق رفتاری سے اس جانب بڑھنے لگے باقی لوگوں نے فوراً ہی گھوڑوں کو کنٹرول کرنا شروع کر دیا تھا اور بھی مستعد ہو گئے تھے یہ تینوں آگے بڑھتے رہے اور ان کے اندازے کے مطابق آگے ویسی ہی گہرائیاں تھیں جیسی گہرائیوں میں انہوں نے ایک انوکھی بستی دیکھی تھی لیکن ان گہرائیوں میں کوئی بستی آباد نہیں تھی البتہ دو تین گھوڑے ایک دوسرے سے لڑتے جھگڑتے دوڑتے پھر رہے تھے۔

لیکن جو سب سے حیرت ناک چیز انہوں نے دیکھی وہ دو الٹی ہوئی جیپیں تھیں جن میں ایک جیپ ایک بڑی چٹان سے ٹکرا کر چکنا چور ہو گئی تھی اور دوسری صرف الٹ گئی تھی اور اس کے اطراف میں ان کے ساتھ جڑی ہوئی ٹرالیاں پڑی ہوئی تھیں۔ تین گھوڑے جن کی پشت خالی تھی۔ زقندیں مارتے پھر رہے تھے ایک پتھر پر ایک انسانی لاش بھی اوندھی نظر آئی اور چند ہی لمحات کے بعد انہیں صورت حال کا اندازہ ہو گیا۔ یہ جیپیں یقینی طور پر شروک اور اس کے ساتھیوں کی تھیں لیکن یہاں لاشیں وغیرہ زیادہ نظر نہیں آ رہی تھیں۔

اس سنسنی خیز منظر نے ایک بار پھر انہیں دہلا کر رکھ دیا تھا اور وہ ایک عجیب سا سناٹا محسوس کر رہے تھے انہیں یوں لگ رہا تھا جیسے کچھ آنکھیں ان کی نگرانی کر رہی ہوں اور یقینی طور پر کوئی خاص واقعہ پیش آنے والا ہو۔ ان جنگلات میں اتنی ہنگامہ خیزیوں کا سامنا کرنا پڑے گا اس کا تصور کسی کے ذہن میں بھی نہیں تھا

لیکن کیا کیا جا سکتا تھا اور اب وہ یہ فیصلہ کر رہے تھے کہ ان کا دوسرا قدم کیا ہونا چاہیے۔ یہ بہت تشویش ناک اور سنسنی خیز بات تھی کہ شروک اور اس کے ساتھی جیپوں سے محروم ہو چکے تھے لیکن وہ ہیں کہاں، اگر سندھانیوں سے ان کی مڈبھیڑ ہوتی ہے تو اس کا نتیجہ کیا نکلا۔

بظاہر وہاں اس ایک لاش کے سوا کوئی اور لاش نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہاں اگر ان الٹی ہوئی جیپوں کے نیچے کچھ لاشیں ہوں تو دوسری بات ہے۔ وہ دور دور تک نگاہیں دوڑاتے رہے۔ چاروں طرف ہولناک خاموشی اور سناٹے کا راج تھا۔ گھوڑے بھی دوڑتے ہوئے دور نکل گئے تھے۔

اس کا مطلب ہے شروک کے تابوت میں آخری کیل بھی ٹھک گئی، کرنل نے کہا۔

ہاں میرا خیال ہے اس کا یہاں سندھانیوں سے زبردست معرکہ ہوا ہے اور اسے جیپوں سے ہاتھ دھونا پڑا۔

لیکن یہ واقعہ شاید پچھلی رات کا ہے کیوں کہ گولیوں وغیرہ کی آوازیں تو آئی تھیں۔

ویسے اب یہاں کوئی موجود نہیں ہے۔ لاش بھی ایک ہی نظر آ رہی ہے۔ کرنل نے کہا اور پھر وہ اچانک اچھل پڑے۔ کئی فائر اور گولیاں ان کے آس پاس پتھروں اور چٹانوں سے ٹکرا کر اچٹ گئیں پتھروں کی کرچیاں اڑ کر ان کے جسموں سے ٹکرائی تھیں۔

ایک لمحے تک وہ کوئی اندازہ نہیں لگا سکے لیکن وہ دوسرے لمحے سب کچھ سمجھ گئے۔ گولیوں کی دوسری باڑ چلی اور اس بار بس تقدیر نے ساتھ دیا تھا ورنہ تینوں ڈھیر ہو گئے ہوتے۔ کرنل نے شہباز خان کو زور سے دھکا دیا اور ہرمیت سنگھ اس کی لپیٹ میں آ گیا۔ اس طرح وہ دونوں گولیوں سے بچ گئے تھے خود کرنل مقبول بھی زمین پر لیٹ گیا اور گولیاں ان کے سروں سے گزر گئیں۔ اس بار وہ گولیوں کی سمت کا اندازہ لگانے میں بھی کامیاب ہو گئے تھے۔ یہ گولیاں اس چھوٹی سی وادی کے دوسرے سرے پر نظر آنے والی چٹانوں کے عقب سے چلائی گئی تھیں۔

ابھی وہ اس بارے میں فیصلہ بھی نہ کر پائے تھے کہ عقب میں بھی گولیوں کی آوازیں ابھریں اور کیمپ میں افراتفری پھیل گئی۔ کچھ چیخیں سنائی دیں اور شاید نمران نے بھی جوابی کارروائی شروع کر دی تھی۔ کرنل مقبول جو سامنے چٹانوں کے پیچھے چھپے ہوئے حملہ آوروں سے دو دو ہاتھ کرنے کے بارے میں سوچ رہے تھے فوراً بولے۔

شہباز اسی طرح جھکے جھکے پیچھے ہٹو کیمپ کمزور ہے، وہ لوگ نقصان اٹھائیں گے۔ ان الفاظ کے ساتھ کرنل خود پوزیشن لیتا ہوا پیچھے ہٹنے لگا اور چند لمحات کے بعد ہی اس نے ایک محفوظ جگہ منتخب کر کے وہاں سے کیمپ پر نگاہ ڈالی پھر اس نے تینوں کو دیکھا جو احتیاط سے جگہ تبدیل کر کے اسی سمت آ رہے تھے جدھر کرنل موجود تھا۔ ان کے ہاتھوں میں رائفلیں تھیں اس بات سے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کیمپ کے گرد گھیرا ڈال رہے ہیں کرنل نے رائفل سیدھی کر لی اس سے پہلے کہ وہ اپنی پوزیشن درست کریں انہیں ٹھکانے لگانا ضروری تھا چنانچہ کرنل نے نشانہ باندھ کر فائر کیے اور ان میں سے دو کو ڈھیر کر دیا تیسرے نے ایک لمبی چھلانگ لگائی تھی لیکن کیمپ کی طرف سے آنے والی گولی نے اسے چاٹ لیا۔ کرنل نے عقب میں دیکھا اور ایک بار پھر اپنی جگہ

چھوڑ دی۔

ادھر کیمپ میں واقعی پوزیشن کمزور تھی اور سندھانیے زبردست دباؤ ڈال رہے تھے۔ ادھر ان کی تعداد بھی کافی تھی اور مقابلے پر پروفیسر حاتم فریدی، مستان اور نمران جیسے لوگ تھے۔ رائفلیں تو سب کے پاس تھیں لیکن صحیح طور پر مقابلہ کرنے والا کوئی نہ تھا۔ نمران نے البتہ ایک فوجی کا بیٹا یا ایک محبوبہ کا محافظ ہونے کا پورا پورا ثبوت دیا تھا اور وہ جگہ بدل بدل کر بڑی چابک دستی سے فائرنگ کر رہے تھے۔ مستان بھی خوف زدہ انداز میں گولیاں چلا رہا تھا۔

دفعتاً ایک نیزہ مستان کی رائفل میں لگا اور رائفل مستان کے ہاتھ سے نکل کر دور جا گری۔ مستان کے حلق سے چند بے اختیار آوازیں نکل گئیں۔ اس نے بدحواسی میں رائفل کے دھوکے میں دوسری طرف سے پھینکا ہوا نیزہ اٹھا لیا اور اسے رائفل کی طرح پکڑ کر ٹریگر تلاش کرنے لگا پھر چیخا۔

اندو گوشے۔ نہ جانے اس کا مفہوم کیا تھا لیکن اس وقت ایک سندھانیے نے اس پر چھلانگ لگائی اور مستان دہشت سے چت گر پڑا اس طرح چوڑی انی والا نیزہ خود بخود سیدھا ہو گیا اور سندھانیہ سیدھا انی پر گرا کیوں کہ پوری قوت سے چھلانگ لگائی تھی اور سندھانیہ نیزے پر گرا تھا، نیزے کا دوسرا سرا زمین پر ٹک گیا تھا اس لیے انی سندھانیے کے سینے سے پار ہو کر کمر کے دوسری طرف نکل گئی۔ سندھانیہ مستان پر ہی ڈھیر ہو گیا تھا۔ اس کا خون اچھل کر مستان کو نہلانے لگا اور مستان کی آنکھیں دہشت سے بند ہو گئیں۔

کرنل، شہباز خان اور ہرمیت سنگھ کیمپ پہنچ گئے۔ دوسری طرف گہرائیوں میں مقابلہ کرنے کے بجائے انہوں نے کیمپ پر آ کر ہی جنگ کرنا مناسب سمجھا تھا اور ان کے آنے سے صورت حال سنبھل گئی تھی انہوں نے اتنی زبردست فائرنگ کی کہ سندھانیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور تھوڑی دیر کے بعد سکوت چھا گیا۔ کچھ دیر انتظار کیا گیا پھر یہ اندازہ لگایا گیا کہ سندھانیے واقعی فرار ہو گئے یا کوئی حکمت عملی اختیار کر رہے ہیں لیکن اندازہ ہوا کہ اب وہ موجود نہیں ہیں چناں چہ پہلے کیمپ میں نقصانات کا جائزہ لیا گیا۔

نمران اور شہباز اب بھی رائفلیں سنبھالے مستعد تھے۔ دونوں لڑکیاں ایک چھوٹے ابھرے ہوئے تودے کی پناہ میں تھیں۔ پروفیسر حاتم فریدی اور چرن گپتا بالکل ٹھیک تھے لیکن مستان......

ہرمیت سنگھ نے اسے دیکھا اور اس کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

اوہ مائی گاڈ......مستان......مستان۔ ہرمیت سنگھ کے منہ سے یہ الفاظ نکلے تھے کہ سبھی اسی جانب متوجہ ہو گئے اور پھر سبھی نے مستان کی یہ حالت دیکھی، مستان خون میں نہایا ہوا تھا اور اس کی آنکھیں بند تھیں اور ایک سندھانیا اس کے اوپر پڑا ہوا تھا جس کے سینے میں نیزہ پیوست تھا۔ سبھی کے دلوں میں دکھ پیدا ہو گیا۔

مستان بہر طور ایک دلچسپ شخصیت کا مالک تھا اور اس سفر میں اس نے سب کی بھرپور مدد کی تھی۔ انہوں نے آگے بڑھ کر سندھانیے کی لاش مستان پر سے ہٹائی اور اس کے جسم کے زخم ٹٹولنے لگے لیکن ابھی ہرمیت سنگھ نے اس کے جسم کو تھوڑا سا پلٹا ہی تھا کہ مستان نے آنکھیں کھول دیں اور پھر اچھل کر بیٹھ گیا اس بے اختیارانہ کوشش میں ہرمیت سنگھ بھی اپنے آپ کو نہ سنبھال سکا اور ایک لمحے کیلئے حیران ہو کر خود بھی پیچھے ہٹ گیا۔

مستان وحشت زدہ نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا چند لمحات کے بعد اس کی نگاہ سندھاپے کی لاش پر پڑی اور اس کے حلق سے بھرائی ہوئی آواز نکلی۔

اوہ......شر ہشر......میں اش کو مارا۔ یہ الفاظ کہہ کر وہ ایک بار پھر لمبا ہو گیا اور شاید بے ہوش ہو گیا تھا۔ ہرمیت سنگھ کے حلق سے ایک ہذیانی سا قہقہہ نکل گیا اور اب صورت حال اس کی سمجھ میں آ گئی تھی ،مستان جس خون میں نہایا ہوا تھا وہ اس کا نہیں بلکہ سندھاپے کا تھا اس واقع نے ایک لمحے میں ان پر عجیب سا اثر کیا اور سب ہی ہشاش بشاش ہو گئے۔

مستان کی زندگی بچ جانے سے انہیں خوشی ہوئی تھی پھر اس کے بے ہوش بدن کو اٹھا کر چھولداری میں لے جایا گیا لباس تبدیل کرایا گیا وہ صرف بے ہوش ہوا تھا اس کے جسم پر کوئی معمولی سی خراش بھی نہیں تھی۔

اس کے بعد سندھانیوں کے سلسلے میں کارروائی ہونے لگی ، انہیں انتہائی افسوس تھا کہ ان کے ہاتھوں سات سندھاپے مارے گئے تھے ویسے یہ بات صاف ظاہر تھی کہ سندھانیوں کا ان سے کوئی براہ راست تصادم نہیں ہوا تھا ، وہ صرف لوٹ مار کے لئے ان تک پہنچے تھے ،یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ ان کی تعداد کتنی تھی ، ہرمیت سنگھ اور شہباز خان وغیرہ پر وادی کی طرف سے جو حملہ ہوا تھا اس کے بارے میں بھی صحیح اندازہ نہیں ہو سکا کہ وہ سندھاپے تھے یا شروک کے ساتھ تھے کیوں کہ شروک کی جیپیں الٹی ہوئی پڑی تھیں ، وہ دیر تک اطراف میں گھوم گھوم کر سندھانیوں کے بارے میں جائزہ لیتے رہے۔ سندھاپے شاید سارے کے سارے گھوڑوں پر سوار نہیں تھے ان اطراف میں خالی گھوڑے نظر نہیں آ رہے تھے جب کہ وادی میں انہوں نے جو گھوڑے دیکھے تھے وہ گھوڑے ظاہر ہے سندھانیوں ہی کے تھے یقینی طور پر ان کے سوار شروک کے ساتھیوں کے ہاتھوں ہلاک ہو گئے تھے۔

ویسے ان جنگلات میں سندھانیوں کا ان لوگوں کی طرف متوجہ ہو جانا بے حد خطرناک تھا اور کہیں بھی ان سے ہونے والے تصادم میں نقصان ہو سکتا تھا۔ چرن گپتا نے کہا۔

وادی میں الٹی ہوئی جیپوں کی تلاشی لی جائے پتا نہیں ان جیپوں کے نیچے کتنے لوگ دبے ہوئے ہوں ، اس بات کی مخالفت پروفیسر حاتم فریدی نے کی تھی اس نے کہا۔

اگر ایسی کوئی بات ہے تو بھی ہمارے لیے بے مقصد ہو گی ، بہتر یہ ہے کہ اس ہولناک جگہ کو چھوڑ دیا جائے ، مجھے تو سخت اختلاج ہو رہا ہے۔

یہ لٹیرے بھی بالآخر انسان ہی تھے پروفیسر! ہمیں ان حالات کا سامنا کرنا ہی پڑے گا اپنی بقا بھی تو ضروری ہے۔ شہباز خان نے جواب دیا۔

بہر طور وادی میں اتر کر جیپوں کی تلاشی وغیرہ کا کوئی پروگرام نہیں بنایا گیا اور اس جگہ کو فوراً چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا۔ سب ہی اس فیصلے پر متفق ہو گئے تھے ،مستان بھی کچھ دیر بعد ہوش میں آ گیا تھا اور شہباز خان نے اسے تسلیاں دیتے ہوئے کہا تھا کہ اس نے صرف ایک ہی آدمی کو مارا ہے چھ آدمی ہلاک ہوئے تھے ،مستان کی کیفیت دیر تک بگڑتی رہی تھی۔

لیکن اس نے سفر میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی اور یہ لوگ اس وقت تک آگے بڑھتے رہے جب

تک ان میں سکت رہی ، آدھی رات کے قریب ہو چکی تھی ، آسمان پر چاند کا سفر جاری تھا اور اطراف میں چھدرے جنگل پھیلے ہوئے تھے ، ان جنگلوں میں کہیں کہیں جانوروں کے آثار بھی نظر آ جاتے تھے لیکن کچھ ایسی کیفیت طاری تھی ان سب پر کہ انہوں نے صرف اپنی حفاظت کے لئے رائفلیں سنبھال رکھی تھیں ، یہاں تک کہ ایک تیندوا بھی ان کے سامنے سے گزر گیا جسے وہ بہ آسانی شکار کر سکتے تھے۔

لیکن ہرمیت سنگھ یا شہباز خان کے ذہن پر خون سوار نہیں ہوا تھا۔ آدھی رات کے قریب ان کے اندر تھکن کے آثار نمایاں ہو گئے تھے لیکن طے یہ کیا گیا کہ آگے بڑھتے رہا جائے اور دن کی روشنی میں آرام کیا جائے ،موسم بھی کسی قدر گرم محسوس ہو رہا تھا۔ اس فیصلے پر بھی کسی کو اعتراض نہ ہوا البتہ سفر کی رفتار ابتدا کی نسبت کچھ سست پڑ گئی تھی۔

اور پھر چھدرے جنگلوں کا یہ سلسلہ بھی ختم ہو گیا اور ان کے سامنے پہاڑی ٹیلے اور ابھری ہوئی چٹانیں آ گئیں۔ ایک جانب انہوں نے صبح کے دھندلکے میں ایک عجیب سا کھنڈر دیکھا جو در حقیقت کھنڈر نہیں تھا بلکہ کوئی پہاڑی ٹیلہ تھا جو کافی وسیع و عریض تھا لیکن ہوا کی کاٹ نے اسے بہت چکنا کر دیا تھا اور اس میں تین در بنے ہوئے تھے بالکل آر پار سوراخ تھے اور دور سے دیکھنے پر یہی محسوس ہوتا تھا کہ کسی عمارت کا سامنے کا حصہ ہے۔

لیکن صبح کے دھندلکے دن کی روشنی میں تبدیل ہوئے تو انہوں نے حقیقت حال کو جانا کہ وہ کھنڈر نہیں بلکہ پہاڑی ٹیلہ ہے کافی اچھی اور صاف ستھری جگہ تھی سامنے ہی بھورے رنگ کا کسی قدر چیلاہٹ زدہ میدان بکھرا ہوا تھا جس میں جگہ جگہ چٹانیں ابھری ہوئی تھیں ، اس ٹیلے کے پیچھے ٹھنڈی چھاؤں بھی نظر آ رہی تھی اور قیام کے لیے اس سے صاف ستھری جگہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا ، جتنا فاصلہ انہوں نے ان گھنٹوں میں طے کیا تھا اتنا فاصلہ پچھلے کئی دنوں میں طے نہیں ہو سکا تھا بس کچھ تو سندھانیوں کا خوف کچھ ماحول کی وحشت انہیں مجبور کرتی رہی تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ دور نکل جائیں اور اسی وحشت کے عالم میں وہ اتنا فاصلہ طے کر کے یہاں تک آ گئے تھے۔

اس کھنڈر نما ٹیلے کے پاس پہنچ کر انہیں بہت سکون محسوس ہوا اور انہوں نے وہیں قیام کا بندوبست کر لیا۔ ہوا کی کاٹ نے عجب عجب کرشمے دکھائے تھے۔ گول دروازے جو دور سے دو نظر آتے تھے اوپر سے کافی چوڑے تھے انہوں نے ان دروازوں کا بہترین استعمال کیا اور ان کے تینوں حصے آباد کر لیے۔ کھانے پینے کی تیاریاں ہوئیں اور ہر شخص اپنے اپنے طور پر کسی نہ کسی کام میں مصروف ہو گیا۔

نمران نے شیو بنانے کا سامان نکال لیا اور شہباز اپنی رائفل صاف کرنے لگا ،مستان وغیرہ کھانے کی تیاریوں میں مصروف تھے بالآخر یہ ناشتہ یا کھانا سب کے سامنے لگا دیا گیا اور وہ کھانے پینے میں مصروف ہو گئے۔ اور پھر دور دور تک کا جائزہ لیا جا چکا تھا اور یہ اندازہ قائم کر لیا گیا تھا کہ یہ جگہ بہترین ہے سورج آہستہ آہستہ بلند ہونے لگا اور دھوپ کی تمازت بڑھ گئی لیکن ٹھنڈی ہوائیں ساتھ ساتھ ہی چل رہی تھیں جن کی وجہ سے دھوپ کی تپش انہیں زیادہ پریشان نہ کر سکی ، شہباز اور ہرمیت سنگھ ایک چٹانی دیوار سے ٹیک لگا کر پاؤں پھیلا کر بیٹھ گئے اور انہوں نے آنکھیں بند کر لیں یہ رات بھر کی تھکن کا نتیجہ تھا کہ ان پر ہلکی سی غنودگی

طاری ہوگئی، ماحول میں کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی جو باعث تشویش ہوتی، سندھائیوں کی موت ابھی تک ان پر اثر انداز تھی اور وہ اندرونی طور پر خود کو کچھ افسردہ محسوس کر رہے تھے۔

بہر طور سندھایے بے گناہ تھے۔ بس لوٹ مار کا جذبہ انہیں ان تک لے آیا تھا اور مجبوراً انہیں ہلاک کرنا پڑا تھا ورنہ وہ خود ان کے ہاتھوں ہلاک ہو جاتے۔

سورج آسمان کی بلندیوں پر پہنچ گیا اور سب ہوشیار ہوئے۔ اب کھانے پینے کو تو کسی کا دل نہیں چاہ رہا تھا لیکن ہرمیت سنگھ کے کہنے پر کافی تیار کی گئی تھی اور سب کو اجازت دی گئی کہ جسے بھوک ہو وہ جو چاہے کھا سکتا ہے پھر کرنل مقبول، چرن گپتا اور ہرمیت سنگھ وغیرہ ایک ساتھ بیٹھ گئے اور اس سفر کے بارے میں تبصرہ آرائی ہونے لگی، ہرمیت سنگھ نے کہا کہ شروک ہم سے زیادہ پریشانیوں کا شکار ہے اور وہی ہوا جس کا خدشہ تھا یعنی وہ جیپوں سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ شہباز خان کہنے لگا۔

یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو ہم ان گولیوں کو نظر انداز نہیں کر سکتے جو واری کے دوسرے کنارے سے ہم پر چلائی گئی تھیں ہو سکتا ہے کہ شروک اور اس کے ساتھی جیپوں کی حفاظت کر رہے ہوں گے اور سندھائیوں سے نمٹنے کے بعد انہوں نے دوبارہ جیپوں کو حاصل کر لیا ہو۔

جیپیں جس حالت میں پڑی ہوئی تھیں اس سے تو یہ اندازہ ہوتا تھا کہ اب وہ نا قابل استعمال ہو گئی ہیں، بہر طور شروک ان جنگلات میں اپنی زندگی کے بدترین دور سے گزر رہا ہے خاص طور پر سندھائیوں سے جنگ اس کے لیے شدید نقصان دہ ثابت ہوئی ہے اور اس کی آدھی قوت اسی طرح ضائع ہو گئی ہے چند لمحات کو خاموشی چھا گئی، وہ ان پر اسرار واقعات کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ ہرمیت سنگھ نے کہا۔

اب اس بات پر تو کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ راستہ ہم بھول گئے ہیں جس پر ہمیں رہ ندی ملی تھی اور یہ ایک مشکل کام تھا۔ اس وقت ہم نے راستہ یاد رکھنے کی کوشش بھی نہیں کی بھی ویسے شہباز کیا تم اس علاقے کو اس کی روایات کے مطابق نہیں پا رہے؟

ہاں یہ ایک پر اسرار جنگل ہے۔

مستان نے بتایا تھا کہ چھوٹی آبادیوں کی شکایت پر یہاں پولیس کارروائی ہوئی تھی لیکن یہ لٹیرے تو موجود ہیں۔

پولیس بھی ایک حد تک کارروائی کر سکتی ہے۔ لٹیرے زیادہ گھنے جنگلوں میں گھس گئے ہوں گے۔

مجھے ایک خطرہ ہے۔

کیا......؟

ان کے آدمی ہمارے ہاتھوں مارے گئے ہیں۔ تم نے دیکھا وہ مسلسل شروک کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اب وہ ہمیں بھی نظر انداز نہیں کریں گے۔

دلچسپ بات یہ ہے کہ الاکشا پر سکون ہے حالانکہ اس کی وجہ سے یہ سب کچھ شروع کیا تھا، ہرمیت سنگھ نے کہا اور شہباز خان مسکرانے لگے۔

میں تم سے متفق نہیں ہوں ہرمیت!

کیوں؟

یہ سب کچھ الاکشا کی وجہ سے تو نہیں ہوا، ہاں یہ کہہ سکتے ہو کہ ان واقعات کا سہارا پا کر ہمارے اندر کے وہ مہم جو جاگ اٹھے تھے جنہیں وقت نے سلا دیا تھا ہم اپنے احساسات کو زمہ دار بتاتے رہے حالانکہ جنگل ہمیں آواز دے رہا تھا۔ شہباز کے ان الفاظ پر ہرمیت بھی ہنس پڑا۔

ممکن ہے شہباز ایسا ہی ہو لیکن یار کچھ بوڑھے نہیں ہو گئے ہم؟ ہماری کارکردگی اور امنگ رہ نہیں رہی جو تھی۔

قدرتی بات ہے لیکن جو سست روی سے چل رہی تھی وہ بہتر نہیں ہے کچھ تیزی پیدا کرو، مزہ نہیں آ رہا، ہم احتیاط زیادہ کر رہے ہیں، شہباز نے کہا اور ہرمیت گردن ہلانے لگا۔

شام ہو گئی، دن جس طرح گرم گزرا تھا سورج ڈھلنے کے بعد ٹھنڈک بھی اسی رفتار سے اتری تھی اور موسم بے حد خوشگوار ہو گیا تھا، شام کے دھندلکوں میں یہ سرخ کھنڈرات عجیب شکل اختیار کر گئے تھے، دن بھر آرام کیا گیا تھا اس لیے سب ہی چاق و چوبند ہو گئے تھے چنانچہ وہ ٹولیاں بنا کر چٹانوں کے درمیان چہل قدمی کرنے لگے، نمران اور الاکشا دور نکل آئے تھے، نمران نے الاکشا سے کہا۔

اب تمہاری ذہنی کیفیت کیسی ہے الاکشا......؟

ٹھیک ہوں نمران! کوئی خاص بات نہیں، ویسے خود پر تعجب ہوتا ہے، میں سوچتی ہوں نمران کہ میری زندگی بھی تو بری نہیں تھی مطمئن تھی، خوش تھی اور پھر تمہاری قربت نے اور بھی سکون دیا تھا...... انسان کتنا بے اختیار ہے، نمران مجھے میری کہانی سناؤ، میرا تمہارا معاملہ دوسروں سے مختلف ہے، ہمارے رابطے دل سے دل تک ہیں، مجھے میرے بارے میں بتاؤ۔

تم اپنے بارے میں سب کچھ تو جان چکی ہو الاکشا!

میں......؟ الاکشا حیرت سے بولی۔

نہیں نمران......! مجھے...... مجھے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے میں کچھ نہیں جانتی لیکن میں جاننا چاہتی ہوں نمران! میں اپنے بارے میں سب کچھ جاننا چاہتی ہوں یہ میری دلی آرزو ہے، نمران عجیب سی نگاہوں سے الاکشا کو دیکھنے لگا پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا،

سب سے زیادہ بدقسمت تو میں ہوں الاکشا! جس نے تمہیں دل و جان کی گہرائیوں سے چاہا، میرا خیال تھا کہ میں دنیا کا خوش قسمت ترین انسان ہوں کہ مجھے میری محبت آسانی سے مل جائے گی جس آسانی سے دوسروں کو یہ خوش بختی نصیب نہیں ہوتی لیکن تمہاری...... تمہاری...... نمران جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گیا۔

دیکھو نمران میری کہانی کچھ بھی نہیں ہے، ہو سکتا ہے کہ جو کہانی میرے ذہن میں بند ہے کسی بھی وقت منظر عام پر آ جائے لیکن نمران میں تمہاری زندگی سے کبھی جدا نہیں ہوں گی، یہ میرا آخری فیصلہ ہے، دنیا کی کوئی قوت مجھے اس فیصلے سے باز نہیں رکھ سکتی، ہاں سانسوں کی شرط لازمی ہے، زندہ رہوں گی نمران! تو تمہاری بن کر رہوں گی ورنہ اس زندگی سے کنارہ کشی اختیار کر لوں گی۔

نہیں الاکشا! میں تمہاری زندگی چاہتا ہوں اور یہی وجہ ہے کہ ہم ان جنگلوں میں بھٹک رہے ہیں

اگر تمہاری یہ کیفیت نہ ہوتی تو تمہاری کہانی بھولی جا سکتی تھی لیکن اب ہم تمہاری حقیقتوں کو تم تک پہنچانا چاہتے ہیں اور اس کے بعد الاشا جب تم اپنے آپ کو جان لوگی تو میں...... میں پھر تمہیں کہیں اور نہ جانے دوں گا، کوئی مجبوری ہمارے راستے میں حائل ہوئی تو میں اس مجبوری کو ختم کر دوں گا۔ الاشا محبت بھری نگاہوں سے نمران کو دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔

تم نے میری بات پر کوئی توجہ نہیں دی نمران!

کون سی بات الاشا......؟

میں نے تم سے کچھ کہا تھا، دیکھو نمران! میں تم سے آج بہت صاف لہجے میں گفتگو کر رہی ہوں محبت کے مختلف روپ ہوتے ہیں اس میں پانے کی طلب بھی ہوتی ہے اور دوسرے بہت سے جذبے بھی، میں تمہارے بارے میں یہ دعویٰ کر سکتی ہوں کہ تم محبت کے جذبوں میں پاکیزگی کے قائل ہو اور دو مختلف صنفوں کی قربت صرف محبت کی آنکھ سے دیکھتے ہو، جسموں کا ملاپ ہمارے تصور سے بہت دور کی چیز ہے اور ہم میں سے کوئی محبت کو یہ رنگ دینے کیلئے بے تاب نہیں ہے۔ روحوں کا ملاپ ہی اصل ملاپ ہوتا ہے۔ یہ جملے لاتعداد بار دہرائے گئے ہیں لیکن ہر بار تازہ معلوم ہوتے ہیں اور ہم ان کی تازگی اور پاکیزگی سے منکر نہیں ہو سکتے۔ میں جانتی ہوں نمران کی اپنی ذہنی کیفیت پر کوئی ضرب پڑنے سے پہلے تمہاری کہلاؤں اور کم از کم یہ جذبے میرے سینے میں زندہ رہیں کہ میری زندگی کسی سے منسلک ہو چکی ہے نمران مجھے اس سے فائدہ پہنچے گا یقین کرو مجھے اس سے فائدہ پہنچے گا۔

نمران چونک کر الاشا کو دیکھنے لگا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

معاف کرنا الاشا مجھ سے کوتاہی ہوئی ہے۔

میں سمجھی نہیں۔

مطلب یہ کہ پہلے بھی یہ بات میرے اور تمہارے درمیان ہو چکی ہے، میں نے اسے صرف ایک جذباتی کیفیت محسوس کیا تھا کچھ خوف اور ہیجان۔ یہی تصور تھا میرے ذہن میں اور اسی وجہ سے میں نے اس مسئلے کو آگے نہیں بڑھایا لیکن اگر تم سنجیدہ ہو تو پھر اطمینان رکھو یہ کام کر لیں گے۔

میں بالکل سنجیدہ ہوں نمران...... قطعی سنجیدہ......

تو پھر ٹھیک ہے الاشا! یہ مسئلہ حل کر لیا جائے گا کافی دیر تک وہ دونوں باتیں کرتے رہے، نمران اس بات سے بہت خوش تھا کہ الاشا اب تقریباً بالکل ٹھیک محسوس ہوتی تھی اور اپنی اس دہشت ناک کیفیت سے نکل چکی تھی جب کافی وقت گزر گیا تو الاشا نے آرام کرنے کیلئے کہا اور وہ اپنی چھولداری میں چلی گئی۔

رات کا پہلا پہر تھا۔ ماحول پر دہشت طاری تھی جن لوگوں کے جاگنے کی ڈیوٹی تھی وہ جاگ رہے تھے لیکن جو سونے کے لیے لیٹ گئے تھے وہ بھی ابھی نیند سے دور تھے۔ اچانک باہر کچھ آوازیں سنائی دیں پھر ایک فائر کی آواز نے چٹانوں میں ہلچل مچا دی، چاروں طرف پھیلی ہوئی چٹانیں اس آواز کو نشر کر رہی تھیں، ایک ہی خیال ذہنوں میں پیدا ہوا، سندھانیے ہر ایک نے رائفل سنبھال لی لیکن فوراً ہی سب مقابلہ کرنے نہیں دوڑ پڑے تھے بلکہ نہایت ہوشیاری سے رینگتے ہوئے ایسی چٹانوں کی آڑ لے رہے تھے جہاں وہ محفوظ طریقے

سے سندھانیوں سے مقابلہ کر سکیں۔ سب کی متجسس نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں اس ایک فائر کے بعد دوسرا فائر نہیں ہوا لیکن اس کے بعد اچانک ہی مسلسل فائر ہوئے اور گولیاں بالکل آس پاس ٹکرائیں جواب میں رات بھر جاگنے والوں نے بھی فائرنگ شروع کر دی۔

یہ کرنل اور مستان تھے۔ مستان تو خیر جس طرح بھی فائرنگ کر رہا تھا لیکن کرنل ایک فوجی کی نگاہ سے اطراف کا جائزہ لے رہا تھا۔ دراصل دونوں طرف کچھ سائے کو چٹانوں میں حرکت کرتے دیکھا تھا اور اس کے بارے میں صحیح طور پر اندازہ بھی نہ لگا پائے تھے کہ سائے نے فائرنگ شروع کر دی اور اب وہ جگہ بدل بدل کر ان پر فائرنگ کر رہا تھا، حیرت انگیز طور پر اس نے فاصلہ کم کر لیا تھا۔

ایک فائر کرنے کے بعد اس نے اسل میں اس سمت انہیں الجھا لیا تھا جدھر سے اس نے فائر کیا تھا اور اس کے بعد چٹانوں کی آڑ لیتا ہوا ان کے قریب پہنچ گیا۔

کرنل اور مستان یہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہے تھے کہ فائرنگ ایک آدمی کیوں کر رہا ہے، دوسرے لوگ کس منصوبہ بندی میں مصروف ہیں لیکن اندھا دھند فائرنگ نے انہیں چونکا دیا تھا، بہر طور وہ محفوظ مقام پر تھے اور مقابلہ بہ آسانی کر سکتے تھے، کرنل نے مستان سے کہا کہ وہ دوسروں کو اس سلسلے میں تفصیلات بتائے اور اس کے بعد وہ خود ایک بلند چٹان کی طرف جانے کی کوشش کرنے لگے۔

تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے ایک ایسی جگہ سنبھال لی جہاں سے وہ حملہ آوروں کا بہ خوبی مقابلہ کر سکتے تھے۔ دوسرے تمام لوگوں کے بارے میں بھی انہوں نے یہ محسوس کر لیا تھا کہ وہ ہوشیار ہیں اور اپنی اپنی پوزیشن سنبھالے ہوئے ہیں، حملہ آور تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد فائرنگ کر رہا تھا اور چند لمحات کے بعد انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ صرف ایک ہے لیکن یہ بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔

کرنل کی آنکھیں ایک چٹان کا جائزہ لے رہی تھیں جہاں سے فائرنگ کی جا رہی تھی بہت سے شعلے چٹانوں کے عقب سے نمودار ہوئے اور اس کے بعد ایک بار پھر خاموشی طاری ہو گئی وہ سب ہی مستعد تھے اور گہری نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھ رہے تھے۔

خیال یہ تھا کہ حملہ آور ایک بار پھر جگہ تبدیل کرے گا اور وہ اس کی سمت سے باخبر رہنا چاہتے تھے کافی دیر تک جب کوئی فائر نہ ہوا تو انہوں نے بے چینی سے پہلو بدلا اور اپنی اپنی جگہ تبدیل کرنے لگے، کرنل کو یہ احساس بھی نہ ہو سکا کہ شہباز خان اور ہرمیت سنگھ کہاں سے کہاں نکل گئے ہیں، وہ چٹانوں کی آڑ لیتے ہوئے کافی فاصلے پر پہنچ گئے تھے تاکہ ہر طرف سے مقابلہ بہتر انداز میں کیا جا سکے لیکن حملہ آور ایک دم خاموش ہو گیا تھا بہت دیر اس طرح گزر گئی، سناٹا چیخ رہا تھا اور چاروں طرف سے عجیب و غریب سرسراہٹیں ابھر رہی تھیں۔

وہ لوگ اس احساس کا شکار تھے کہ سندھانیے کسی خاص چال کے تحت انہیں گھیر رہے ہیں۔ سب سے زیادہ پریشانی اس بات کی تھی کہ اگر سندھانیوں نے انہیں چاروں طرف سے گھیر کر منظم حملہ کیا تو صورت حال ان کے لیے خطرناک ہو جائے گی اس سلسلے میں بہتر انتظامات ضروری تھے۔

نمران نے ایک اور قدم اٹھایا، وہ آہستہ آہستہ ان بلندیوں پر پہنچنے کی کوشش کرنے لگا جہاں سے دور تک دیکھا جا سکے، نمران نے ادھر پہنچ کر چاروں طرف نظر ڈالی لیکن دور دور تک آسیب زدہ چٹانیں

خاموش تھیں اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا، پیچھے دوسرے لوگ اپنی کارروائیاں کر رہے تھے اور ٹارچیں روشن کر کے دور دور تک پھیل گئے تھے، وہ بھی سند ھانیوں کو تلاش کر رہے تھے، ٹارچوں کی روشنیاں چاروں طرف لہرا تی رہیں لیکن بے سود کوئی نظر نہیں آیا تھا۔

اس زبردست فائرنگ کو نظر انداز تو نہیں کیا جا سکتا تھا آخر کوئی نہ کوئی تو تھا مگر جو بھی تھا کہاں گیا، نمران بہ دستور اپنی جگہ موجود تھا اور گہری نظروں سے ماحول کا جائزہ لے رہا تھا پھر اچانک اسے عجیب سا احساس ہوا۔ ایک جگہ اسے غیر مانوس سی تحریک نظر آئی۔ آنکھیں تاریکی میں دیکھنے کی عادی ہو چکی تھیں اس لیے وہ اس تحریک کو نظر انداز نہ کر سکا جہاں انہوں نے سامان رکھا ہوا تھا۔ اس جگہ کسی انسان کی موجودگی کیا معنی رکھتی تھی کیا وہ انسان ہی تھا جائزہ لینے والوں نے آس پاس کی چٹانوں کی آڑ لے رکھی تھی، ان کے خیال میں کوئی اس حصار کو توڑ کر اندر نہیں آ سکتا تھا لیکن آنے والا اندر آ چکا تھا۔

نمران جس جگہ موجود تھا وہاں سے وہ آسانی سے اس شخص کو نشانہ بنا سکتا تھا لیکن اس طرح فائر کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا اس نے ماحول کا جائزہ لیا اور پھر اس نے بلند چٹان کے دوسری طرف اتر نے کا فیصلہ کر لیا۔ وہ بے آواز اس طرف رینگنے لگا، بلندی سے آہٹ پیدا کیے بغیر اترنا سخت خطرناک تھا اس لیے اسے احتیاط برتنا پڑ رہی تھی لیکن نمران کو اس چور کے اجنبی ہونے کا یقین ہو گیا تھا پھر اس نے کافی بلندی سے ایک شخص پر چھلانگ لگائی تھی اور اسے دبوچ بیٹھا تھا اس کے شکار کے حلق سے کرب ناک چیخ نکل گئی تھی۔

لیکن وہ بھی جان دار آدمی تھا۔ نمران کی گرفت سے نکلنے کے لیے اس نے نمران کی پسلیوں پر کہنی ہاتھوں کی ضرب لگائی اور نمران کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی وہ مچھلی کی طرح اس کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ لیکن نمران نے نیچے گر کر اس کی دونوں ٹانگیں پکڑ لیں اور ان میں بل دے کر اسے پھر گرفت میں لے لیا۔ یہ جدوجہد دوسروں سے پوشیدہ نہ رہ سکی اور سب ہی روشنی جلا کر اس طرف دوڑ پڑے۔

اجنبی طریقۂ جنگ سے واقف تھا اس لیے بدن کو بل دے کر نمران کی گردن پکڑ لی اور اسے دبانے لگا لیکن نمران کے اندر بھی اب وحشت بیدار ہو گئی تھی اس نے اجنبی شخص کی ٹانگیں چھوڑ کر سینے میں گھٹنا مارا اور اپنی گردن چھڑالی پھر اس نے اسے کمر پر لاد کر زمین پر دے مارا اور اسی وقت ہرمیت سنگھ نے اپنی رائفل کی نالی زمین پر پڑے ہوئے اجنبی کے سینے پر رکھ دی۔

تمہاری دوسری جنبش تمہارے لیے صرف موت لائے گی۔ ہرمیت سنگھ کی غراہٹ ابھری۔

اجنبی نے ہاتھ پاؤں ڈال دیے۔ ٹارچ کی روشنیوں نے اس کا احاطہ کر لیا تھا، وہ گندے خون آلود لباس میں ملبوس کوئی غیر ملکی تھا جس کے دونوں گال پھولے ہوئے تھے، شیو بڑھی ہوئی تھی اور بال بکھرے ہوئے تھے، نیلی آنکھیں خوف سے پھیلی ہوئی تھیں، اسے گرفت میں لے کر سیدھا کیا گیا، شہباز نے اس کے لباس کی تلاشی لے ڈالی۔ چند کارتوسوں کے علاوہ اس کے پاس کچھ نہیں تھا پھر اسے سیدھا بٹھا دیا گیا جب انہوں نے دیکھا کہ اس کے کھلے ہوئے منہ سے ڈبل روٹی کے ٹکڑے گرنے لگے، یہ منظر بے حد عبرت ناک تھا وہ ان کے سامان سے کھانا چرا رہا تھا۔

اسے کھانا کھلاؤ۔ شہباز نے آہستہ سے کہا اور سب چونک پڑے۔ مستان نے صورت حال کو سمجھ

لیا اور کھانے کے سامان سے کافی چیزیں لے کر اس کے سامنے رکھی گئیں وہ کسی جانور کی طرح ان پر ٹوٹ پڑا۔ وہ سب اسے دیکھ رہے تھے لیکن ماحول سے بے خبر نہیں تھے، ٹارچیں بجھا دی گئی تھیں، مستان نے اسے پانی پیش کیا جسے اس نے جھپٹ لیا اور پورا گلاس ایک ہی سانس میں خالی کر گیا جو کچھ اسے دیا گیا تھا اس نے سب کھا لیا اور پھر اسی جگہ زمین پر لیٹ گیا۔ احتیاطاً اس کے ہاتھ اور پاؤں باندھ دیے گئے تھے اور اس کے بعد دیر تک اس کے بارے میں تبصرہ آرائیاں ہوتی رہی تھیں لیکن اس کے بارے میں صحیح انکشاف صبح کو روزی نے کیا اس نے ہونٹ سکوڑ کر کہا۔

یہ ٹائیگر ہے۔

ٹائیگر کا نام آشنا سا تھا۔ ویسے بھی انہوں نے یہ ہی نظریہ قائم کیا تھا اس کے بارے میں کہ وہ آفت زدہ شروک کا ساتھی ہے۔ ٹائیگر بے سدھ پڑا تھا، اس پر نیم غشی کی سی کیفیت طاری تھی لیکن بہ ظاہر کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی تھی جس سے یہ اندازہ ہو کہ اس کی زندگی کو کوئی خطرہ لاحق ہے، جسم پر چھوٹی چھوٹی چند خراشیں ضرور تھیں لیکن وہ بھی ایسی نہیں تھیں جو کسی طرح تشویش ناک ہوتیں۔

بہر طور اس کے ہوش میں آنے کا انتظار کیا گیا اب ان کے لیے یہاں رکنا بلا جواز تھا اور آگے بڑھنا ضروری بہت ضروری تھا لیکن ٹائیگر کا مسئلہ درمیان میں آ گیا تھا اس کی بے ہوشی کے دوران ہی روزی نے اس کے بارے میں تفصیلات بتائیں اور وہ لوگ عجیب سے احساسات کا شکار ہو گئے۔ روزی تو لڑکی تھی اور اسے بے ضرر سمجھ لیا گیا تھا لیکن اس کے باوجود وہ لوگ خفیہ طور پر روزی پر بھی نگاہ رکھتے تھے کیونکہ کسی بھی مرحلے پر مار نہیں کھانا چاہتے تھے۔

ٹائیگر تقریباً دس بجے ہوش میں آ گیا اور اس نے ان لوگوں کا انتہائی شکریہ ادا کیا جنہوں نے اس کی زندگی دشمن ہونے کے باوجود بچالی تھی اس نے بتایا کہ وہ تین دن سے بھوکا اور پیاسا تھا اور اس کی قوتیں جواب دے چکی تھیں اسے صرف کھانے کی تلاش تھی اور اس سے زیادہ اسے اور کچھ درکار نہیں تھا، روزی کو دیکھ کر وہ ششدر رہ گیا تھا اور پھر اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے تھے اس نے روزی سے معافی مانگی تھی لیکن روزی بدستور اس سے نفرت کا اظہار کرتی رہی۔ اس نے کہا ٹائیگر وہ ہے جس نے اسے اپنی زندگی کے خوف سے ٹھکرا دیا تھا۔

یہ مرحلہ بھی شام تک چلتا رہا اور آج کا سفر تقریباً ملتوی ہو گیا وقت اتنا گزر چکا تھا کہ آگے بڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، وہ لوگ بھی کچھ عجیب سی کیفیت محسوس کر رہے تھے اور اپنے طور پر مشورے کر رہے تھے، ٹائیگر نے کسی نہ کسی طرح روزی کو راضی کر لیا لیکن اس کے بعد شہباز خان نے جو فیصلہ کیا وہ کافی سخت تھا اس نے سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

مسٹر ٹائیگر آپ بہر طور شروک کے ساتھی ہیں اور ہم کسی بھی قیمت پر آپ کو اپنے ساتھ رکھنا پسند نہیں کریں گے۔ اصولاً تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ آپ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا جائے لیکن اس کے بعد شہباز خان نے جو فیصلہ کیا وہ کافی سخت تھا۔ اس نے سرد اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

مسٹر ٹائیگر آپ بہر طور شروک کے ساتھی ہیں اور ہم کسی بھی قیمت پر آپ کو اپنے ساتھ رکھنا پسند

نہیں کریں گے اصولاً تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ آپ کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا جائے لیکن آپ کے ساتھ ایک اچھا سلوک کیا جا سکتا ہے اور وہ یہ کہ آپ کو ایک آدھ گھوڑا دے دیا جائے اور کھانے پینے کا اتنا سامان کہ آپ آگے کا سفر جاری رکھ سکیں اس کے ساتھ ہی ہماری آپ سے درخواست ہے کہ روزی کو اپنے ساتھ لے جایئے اور اس کے بعد آپ کا جہاں دل چاہے جا سکتے ہیں۔ ٹائیگر چند لمحات خاموش رہا پھر اس نے افسردگی سے کہا۔

میں جانتا ہوں میرے ساتھ یہ سلوک بھی انتہائی شرافت کا آئینہ دار ہے میں اس کے لئے تیار ہوں، اپنے کیے کی تلافی بھی چاہتا ہوں اور روزی کو اس مصیبت میں پھنسانے کا ذمہ دار بھی میں ہی ہوں۔ چنانچہ یہ میری ذمہ داری ہے کہ میں اسے لے کر یہاں سے نکل جاؤں۔ سوری روزی! لالچ میں مجھ سے جو کچھ ہو چکا ہے اس کی واپسی تو کسی طور ممکن نہیں ہو سکتی لیکن اب میں اس کا ازالہ کرنے کا خواہش مند ہوں اور تمہیں میری مدد کرنا ہوگی۔

ٹائیگر کی خوشامد و آمد سے روزی کافی حد تک رام ہو چکی تھی اور اس سے زیادہ ان لوگوں پر کوئی بار بھی نہیں ڈالا جا سکتا تھا چنانچہ اس نے یہ صورت حال منظور کر لی اور ان لوگوں نے ٹائیگر سے کیا وعدہ پورا کر دیا، چلتے ہوئے ٹائیگر نے انہیں بتایا کہ شروک بڑی کسمپرسی کا شکار ہے جوزف پر اس کا کنٹرول بدستور ہے ورنہ جوزف اس سے باغی ہو چکا ہے اور اب شروک کو دو محاذ پر کام کرنا پڑ رہا ہے ایک طرف سندھانیوں نے قسم کھائی ہے کہ وہ اپنے ساتھیوں کی ہلاکت کا انتقام لیں گے اور وہ مسلسل شروک کا پیچھا کر رہے ہیں اور اسے نقصان پہنچا رہے ہیں۔

ٹائیگر نے بتایا کہ شروک کی دونوں جیپیں تباہ ہو چکی ہیں اور اب وہ پیدل سفر کرنے پر مجبور ہے اور ان کے پاس کھانے پینے کا ذخیرہ بہت کم ہو گیا ہے اور راشن بندی کر دی گئی ہے، بہت تھوڑی سی خوراک ان لوگوں کو دی جاتی ہے اور اس وقت ان لوگوں کے پاس صرف چند دن کی خوراک باقی ہے۔

شروک بہت خونخوار ہو چکا ہے اپنے بارے میں ٹائیگر پہلے ہی بتا چکا تھا کہ سندھانیوں سے جنگ کرتے وقت شروک سے بچھڑ گیا تھا لیکن اس نے کہا تھا کہ اب وہ شروک کے پاس نہیں جائے گا بلکہ یہاں سے نکل جانے کی کوشش کرے گا۔ اس کے بعد وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔

اس جگہ قیام طویل ہو گیا تھا اور اب یہاں سے دل اکتا گیا تھا اس لیے ٹائیگر کے جانے کے بعد سب نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ جگہ چھوڑ دی جائے۔ رات کا سفر اس علاقے میں خطرناک نہیں سمجھا گیا تھا سب تازہ دم تھے چنانچہ گھوڑے کس لیے گئے اور سفر شروع ہو گیا، ایک گھوڑے کی کمی اس طرح پوری کر دی گئی تھی کہ پروفیسر حاتم فریدی، کرنل مقبول کے ساتھ گھوڑے پر بیٹھ گیا تھا سب تیز رفتاری سے سفر کر رہے تھے راستے میں طے ہوا کہ اب سفر کا انداز یہی رکھا جائے یعنی جب بھی کوئی مناسب جگہ نظر آئے دل کھول کر آرام کیا جائے اور اس آرام کے بعد جب سفر کیا جائے تو بھی طوفانی ہی ہو کیونکہ اس چٹانی خطے میں انہوں نے کافی قیام کر لیا تھا اس لیے باقی سفر نہ صرف یہ کہ رات بھر بلکہ دوسرے دن بھی جاری رہا شام کو چار بجے کے قریب وہ ایک ایسے علاقے میں داخل ہو گئے جو بہت سرسبز و شاداب تھا اور جس کو دیکھ کر ان کا دل خوش ہو گیا تھا، کافی فاصلے پر ایک آبشار نظر آ رہی تھی اور اس آبشار تک پہنچنا ضروری تصور کر لیا گیا تھا کیونکہ اس کے

اطراف بہت خوب صورت تھے اور پھر پانی کی ضرورت بھی پیش آ گئی تھی۔

آبشار کو دیکھ کر ان کا جی مچل گیا تھا۔ گھوڑوں نے بھی انہی جیسی فطرت کا مظاہرہ کیا تھا اور پانی کی جانب تیز رفتاری سے دوڑنے لگے تھے، عام حالات میں یہ سفر خاصا لمبا ہو جاتا لیکن تقریباً پینتیس منٹ کے اندر یہ لوگ آبشار تک پہنچ گئے۔ آبشار کے پانی سے بننے والی چھوٹی سی ندی بہت صاف ستھری تھی اور اس کی تہہ میں بھی خوب صورت پتھر بچھے نظر آ رہے تھے، گھوڑوں نے فوراً ہی پانی کے اندر منہ ڈال دیا اور باقی لوگ بھی اس جگہ پہنچنے کے بعد ماحول کی سنگینی بھول گئے اور غسل کی تیاریاں کرنے لگے شہباز خان اور ہرمیت سنگھ بھی انہی لوگوں میں شامل تھے۔

لیکن تھوڑی بہت عقل سے بھی کام لیا گیا تھا جنگل کے اس وحشت ناک علاقے میں بلاشبہ یہ جگہ بہت خوب صورت تھی لیکن انسانوں کی پہنچ سے دور اس جگہ میں قدرت کے کیا کیا خوفناک راز چھپے ہوئے تھے، اس بات کو بالکل ہی نظر انداز نہیں کیا گیا تھا۔

چنانچہ کرنل مقبول نے اپنے آپ کو سنبھالا اور رائفل لے کر ایک بلند جگہ بیٹھ گیا تا کہ اطراف پر بھی نگاہ رکھی جائے اس کی نگاہوں نے آس پاس بھٹکتے ہوئے ایسے جانوروں کو بھی دیکھ لیا جن کا شکار کر کے ان کا گوشت حاصل کیا جا سکتا تھا۔ ہرمیت سنگھ وغیرہ چونکہ ابھی غسل میں مصروف تھے اس لیے انہوں نے اس طرف ابھی توجہ نہیں دی تھی۔

کافی دیر تک پانی میں چہلیں ہوتی رہیں اور سورج پہاڑوں میں ڈوب گیا، تب تک وہ سب تازہ دم ہو گئے، شہباز خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اس طویل اور مسلسل سفر کا نتیجہ بہت عمدہ نکلا ہے اور جو طریقہ کار راستے میں طے کیا گیا تھا اب اس پر اسی انداز میں عمل ہوگا، کرنل مقبول نے اسے شکار کی طرف متوجہ کیا تو شہباز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

وہ سب کچھ دیکھ چکا ہے اور بہت سے بے چارے جانوروں کی شامت آنے والی ہے، دونوں نے طے کیا کہ اس جگہ خوراک کا اچھا خاصا ذخیرہ کر لیا جائے گا۔ بہت دور درختوں میں ہرے ہرے سیب نما پھل بھی لٹکے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ ہرمیت سنگھ کہنے لگا۔

میرا خیال ہے شروک کا اس سمت رخ نہیں ہوا ورنہ اس کی خوراک کی قلت کا مسئلہ دور ہو جاتا۔

وہ بے چارہ درحقیقت ایک جرم کر کے بہت سی مصیبتوں میں گرفتار ہو چکا ہے اور اپنی مجرمانہ ذہنیت کی سزا بھگت رہا ہے ورنہ اگر صرف مہم جوئی کا معاملہ ہوتا تو اس بات کے امکانات بھی تھے کہ وہ اس دشت ان کے ساتھ ہوتا، تازہ دم لوگ خوش و خرم تھے اور دیر تک اپنے کاموں میں مصروف رہے تھے، مستان سنے نمران کے ساتھ مل کر چھولداریاں سنبھالیں تو شہباز خان نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

نہیں نمران رک جاؤ۔ ہم یہاں کیمپ نہیں لگائیں گے اور نمران رک گیا، شکاری جانتے تھے کہ کیمپ کہاں لگانا چاہیے انہوں نے آبشار سے دور ٹھکانہ بنایا تھا اسی رات نمران نے کرنل سے کہا۔

ڈیڈی آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں

ضرور کہو

بظاہر ڈیڈی یوں لگتا ہے جیسے آپ بھی اس سفر کی دلچسپیوں میں گم ہوں لیکن میں جانتا ہوں کہ آپ نے اپنی پرسکون زندگی میں یہ کیفیت کیوں گوارہ کی ہے۔

تمہارا یہ احساس ہی میرا انعام ہے۔

آپ ایک مثالی باپ ہیں ڈیڈی! آپ کی اسی محبت سے مجھے جرات ہوئی ہے، ڈیڈی میں الاکشا سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔ کرنل چونک پڑا، دیر تک وہ نمران کو دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

یہاں اس جنگل میں، ان حالات میں۔

ہاں ڈیڈی۔

الاکشا تیار ہے۔

ہاں ڈیڈی۔

تم نے سب کچھ سوچ لیا ہے، میں صرف چند باتیں کہنا چاہتا ہوں۔ نمران الاکشا ایک پراسرار شخصیت ہے، جب تک اس کی حقیقت معلوم نہ ہو اور پھر تمہیں وہ پراسرار بوڑھا یاد ہے۔ جسے اس نے قتل کر دیا تھا۔

میں نے سب کچھ سوچ لیا ہے، ڈیڈی...... سب کچھ، یہ ضروری ہے آپ یقین کریں، اس کے پس پردہ کوئی نفسیاتی جذبہ نہیں ہے، ہم مذہبی یکجائی چاہتے ہیں، میں سمجھ رہا ہوں، مجھے اعتراض نہیں ہے، ٹھیک ہے مگر شہباز سے بات کرنی پڑے گی، ٹھیک ہے...... ویسے کل ہی شہباز سے بات کروں گا، ہوسکتا ہے اسے اعتراض ہو، ویسے بھی یہ کچھ عجیب سی خواہش ہے لیکن ٹھیک ہے دیکھیں شہباز کیا کہتا ہے۔

پھر ایک موقع پر جب کرنل نے یہ بات کی تو شہباز خان کرنل کی بات سن کر حیران رہ گیا تھا پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی، آپ نہایت سنجیدگی سے یہ بات کہہ رہے ہیں۔

واقعی میں سنجیدہ ہوں، کرنل نے کہا۔

لیکن یہ آپ کو سوجھی کیا، ماحول میں تبدیلی پیدا کرنا چاہتے ہیں یا کوئی حکمت عملی ہے۔

دونوں میں سے کوئی بات نہیں ہے عزیزم! لیکن ان دونوں کا یہی فیصلہ ہے، نمران کا کہنا ہے کہ الاکشا بھی یہی چاہتی ہے۔

اوہ...... ان حالات میں کیا یہ ممکن ہے۔

بالکل ممکن ہے، آخر اس میں قباحت کیا ہے، ہم سب مسلمان ہیں، بس قاضی کی سند نہیں ہے لیکن وہ ضروری بھی نہیں، میں نکاح پڑھا سکتا ہوں۔

ویسے بات دلچسپ ہے لیکن کرنل آپ واقعی عظیم انسان ہیں۔ انسان دوستی اور ایک باپ کی شفقت کا مظاہرہ آپ نے جس انداز میں دیا ہے میں اس سے بہت متاثر ہوں، اپنی ایک کمزوری کا اظہار آپ پر کرنا چاہتا ہوں، الاکشا کا ایک دور میرے لیے ان تمام دلچسپیوں کا حامل رہا ہے جو ایک باپ کو اپنی اولاد سے ہوسکتی ہے، میں درحقیقت الاکشا کا ماضی بھول گیا تھا اور اس وقت یہ خیال بھی نہیں آ رہا تھا کہ کبھی ایسے حالات پیدا ہو سکتے ہیں پھر کچھ دن الاکشا کے سلسلے میں سخت پریشانیوں میں گزرے۔ یہ کسی باپ ہی کی

پریشانی ہے۔

ہرمیت سنگھ کے ہاں جو واقعہ پیش آیا اور ماضی زندہ ہو گیا اور اس کے بعد کرنل! دل میں ایک ٹھہراؤ سا پیدا ہو گیا یہ اندازہ ہو گیا کہ الاکشا ایک سربستہ راز ہے، وہ جنگل میں ملنے والی ایک پراسرار شے ہے اور میں اس کا باپ نہیں ہوں۔ چلو شاید آج بھی اسے ماں کی طرح چاہتی ہو گی لیکن میں سنبھل گیا ہوں، آفرین ہے آپ پر کہ ان ساری حقیقتوں سے بے نیاز ہو کر یہ سب کچھ کرنے پر تیار ہیں، کیا آپ کے دل میں یہ خیال نہیں آتا کہ ہمارے اس سفر کا انجام کیا ہو گا۔

کرنل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

پتا نہیں شہباز! میرے جیسے دوسرے فوجیوں کی ریٹائرمنٹ ہونے کے بعد کیا کیفیت ہوتی ہو لیکن میں نے محاذ جنگ پر لاتعداد زندگیوں کو موت سے ہمکنار کیا ہے، ہائی کمان کے احکامات ہی ہمارا ایمان ہوتے تھے، ریٹائرمنٹ کے بعد مجھے ایسے بہت سے چہرے یاد آئے جو میرے ہاتھوں زندگی سے محروم ہوئے تھے اور دل میں ایک عجیب سی خلش پیدا ہو گئی اس کے بعد مجھے ہر ذی روح سے محبت ہو گئی شاید یہ ان احساسات کا کفارہ ہو۔

الاکشا بھی انسان ہے ایک بہت پیاری بچی جسے میں نے ہنستے مسکراتے دیکھا ہے، وہ زندگی سے بھرپور تھی پھر وہ بیمار ہو گئی اور میرا دل اس کے لئے دکھنے لگا، میرا نمران اسے چاہتا ہے، دو دلوں کے پیار کو مصلحتوں کے ہتھیار سے قتل نہیں کرنا چاہتا، مستقبل ہمیشہ انسان کی پہنچ سے دور رہا ہے ہم صرف مصلحت کا شکار ہو کر دو آرزوؤں کو کیوں قتل کریں، مجھے یہ مصلحتیں بالکل ہائی کمان کی طرف سے ملنے والا حکم محسوس ہوتی ہیں، پھر مجھے یاد آتا ہے کہ میں ریٹائر ہو چکا ہوں اور آزاد ہوں اور شہباز بڑا سکون ملتا ہے اس احساس سے کہ اب میں کوئی زندگی لینے کیلئے مجبور نہیں ہوں۔

شہباز خان مسکراتی نظروں سے کرنل کو دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

ٹھیک ہے کرنل تیاری کریں۔

سب ہی دلچسپی لے رہے تھے اور اپنے طور پر تیاریاں کر رہے تھے، آبشار کا رنگین خطہ سب کو پسند تھا، چند اصول طے کر لیے گئے، ہرمیت سنگھ نے دو ہرن شکار کر کے کھانا تیار کروایا، سیب نما جنگلی پھل اِمبر کر دیے گئے پھر خصوصی رسمیں انجام دی گئیں پروفیسر حاتم فریدی نے الاکشا سے کہا۔

بیٹی الاکشا تم نے ایک مسلمان گھرانے میں پرورش پائی ہے، تمہارا نام الاکشا ہے لیکن تم جان چکی ہو کہ تم شہباز کی بیٹی نہیں ہو۔ نمران مسلمان ہے اور مسلمان لڑکی سے اس کی شادی ہو سکتی ہے کیا تم اپنی خوشی سے اس مذہب کو قبول کرو گی؟

ہاں۔ الاکشا نے کہا۔

تو کلمہ پڑھو، پروفیسر نے تین بار الاکشا کو کلمہ پڑھایا اور اس کے بعد نکاح خواں کے فرائض پروفیسر نے ہی انجام دیے اور دونوں کو رشتہ ازدواج میں منسلک کر دیا گیا۔

ضیافت اڑائی گئی قہقہے لگائے گئے، مبارکباد دی گئی، دونوں کے لئے ایک چھولداری وقف کر دی

گئی، شفاف آسمان پر پورا چاند جگمگا رہا تھا۔ نمران نے رائفل سنبھالی اور الاتشا کا ہاتھ پکڑے ہوئے اس حسین آبشار کے قریب پہنچ گیا جس کا سفید پانی چاند کی سنہری کرنیں قبول کر کے سنہری ہو گیا تھا، دونوں ایک پتھر پر بیٹھ گئے، وہ چھولداری کے عقبی حصے سے باہر نکل آئے تھے، الاتشا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

نمران کیسا لگ رہا ہے؟

بتا نہیں سکتا۔ انسان کے احساسات ہی اسے خوشی اور غم کا شکار کرتے ہیں اور یہ اندر دھڑکنے والا دل ان تمام احساسات کو مختلف اشکال میں قبول کرتا ہے، ہم عید مناتے ہیں، یہ دن عام دنوں کی مانند ہی تو ہوتا ہے، کیا خصوصیت ہوتی ہے اس دن میں لیکن وہ خصوصیت درحقیقت ہمارے وجود میں پوشیدہ ہوتی ہے، ہم عید کو عام دنوں سے بالکل مختلف محسوس کرتے ہیں یہی کیفیت اس وقت میری ہے، درحقیقت الاتشا میں تم سے خلوص دل سے یہ بات کہہ رہا ہوں، میں نے تمہیں ایک مرد ہی کی مانند چاہا ہے اور ظاہر ہے میرے احساسات میں بھی مستقبل کے وہ تمام حسین خواب موجود ہیں جو ایک شوہر کو اپنی بیوی کے وجود سے منسلک محسوس ہوتے ہیں لیکن الاتشا آرزوؤں بھری یہ رات قطعی طور پر مجھے اس انداز میں متاثر نہیں کر رہی جس طرح ایک شوہر اپنی بیوی کی قربت کے تصور سے متاثر ہوتا ہے، ہماری روحوں کا ملاپ ہو گیا ہے، جسموں کے ملاپ کے لیے کوئی اور وقت متعین کر لیں گے لیکن تمہاری اجازت کے ساتھ۔

الاتشا ہنس پڑی۔

گویا میرا فیصلہ بالکل درست تھا۔ نمران! یقین کرو یہ ایک امتحان تھا تمہارے لیے اور میں مسرت سے پھولی نہیں سما رہی کہ تم اس امتحان میں کتنے مکمل نکلے۔ مجھے معاف کرنا نمران میری زندگی سے جو کہانی اچانک وابستہ ہو گئی ہے میں اس سے بہت متاثر ہوں اور شدید الجھنیں ہیں میرے ذہن میں۔ میں نہیں جانتی کہ میرا مستقبل کیا ہے، لیکن ہم روحوں کے اس ملاپ کو اپنے درمیان ایک مضبوط بندھن کی حیثیت دیتے ہیں اور یہاں قطعی ہمارا یہ مقصد نہیں تھا کہ ہم اس جنگل میں منگل منائیں، نمران تم نے یہ الفاظ کہہ کر میرے دل کی گہرائیوں میں اپنا جو مقام بنایا ہے میں تمہیں اس کے بارے میں نہیں بتا سکتی، یہ میری خواہش تھی نمران کہ ہم زندگی کی ان مسافتوں میں گم نہ ہو جائیں، جو دو دلوں کی طلب ہوتی ہے بلکہ اپنی روحوں کو دوسرے رشتوں سے منسلک کر کے ہمیشہ کیلئے اس خوف سے آزاد ہو جائیں کہ ہمارے درمیان کوئی دوری ہو سکتی ہے، نمران میں تم سے ایک بیوی کی حیثیت سے یہ لمحات مانگ رہی ہوں، مجھے وقت دو کہ میں اپنے آپ کو پہچان لوں۔

نمران مسکراتی نگاہوں سے الاتشا کو دیکھنے لگا پھر بولا۔

شکر ہے کہ اس رات کا پہلا تحفہ تمہیں پسند آیا۔

دونوں آدھی رات تک وہیں بیٹھے ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہے پھر اس کے بعد چھولداری کی جانب چل پڑے جب کہ دوسری جانب سناٹا چھایا ہوا تھا، پہرہ دینے والے بہر طور مستعد تھے لیکن اتنے فاصلے پر جا بیٹھے تھے کہ کسی کو مداخلت کا احساس نہ ہوا، الاتشا نے نمران کے بازو پر سر رکھا اور گہری نیند سو گئی۔

نہ جانے کتنی دیر تک نمران اس کی قربت کی خوشبو محسوس کرتا رہا اور اس کے دل کی دھڑکنیں بڑھتی

گئیں پھر نیند نے اس کے ذہن میں بھی سکون کا بسیرا کر دیا تھا۔

دوسری صبح بھی اس کھیل کو حقیقی رنگ دینے کیلئے خاصی تفریحات کی گئیں، اس دن خاص طور پر کرنل نے شکار پر جانے کا منصوبہ بنایا تھا اور جایا ہی گیا، شکار ہی کافی موجود تھا تھوڑے ہی فاصلے پر کرنل نے ایک سانبھر شکار کیا اور دو ہرن اس کے بعد گوشت تیار کیا گیا اور پھر بڑے شاندار طریقے سے دوپہر کی ضیافت اڑائی گئی جسے ولیمے کا نام دیا گیا تھا۔

آبشار کے کنارے مزید تین دن تک قیام کیا گیا تھا کیونکہ یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ اس سے آگے ماحول کیسا ہو گا پھر وہاں سے بوریا بستر سمیٹ لیا گیا، یہ حسین سرسبز خطہ تقریباً بارہ گھنٹے تک ان کا ساتھ دیتا رہا تھا اس کے بعد بھوری زمین نمودار ہونے لگی تھی جو یہ احساس دلا رہی تھی کہ آگے کا علاقہ بنجر اور خشک ہے لیکن ان جنگلات میں انہیں اس وقت تک آگے بڑھنا تھا جب تک کوئی مناسب صورتحال درپیش نہ ہو اور یہ پتا نہ چل جائے کہ قندیل کی حقیقت کیا ہے بھوری زمین پر اگی ہوئی جھاڑیاں حشرات الارض کا مسکن تھیں اور یہاں خاص طور پر انہیں محتاط رہنا پڑتا تھا۔

کیونکہ ان جھاڑیوں میں انہوں نے ناگ پھنکارتے ہوئے دیکھے تھے، روایتی سبز رنگ کا پہاڑی بچھو بھی یہاں نظر آیا تھا جو سانپ سے زیادہ ہولناک ہوتا ہے اور گھوڑوں نے خاص طور پر اس علاقے سے گزرتے ہوئے خوف کا اظہار کیا تھا۔ چنانچہ رات کو بھی آرام نہ کیا گیا اور وہ لوگ آگے بڑھتے رہے اس طرح سفر کا تعطل ختم ہو گیا تھا اور جتنے دن انہوں نے آرام اور سکون سے گزارے تھے ان کی کسر ان چوبیس گھنٹوں میں پوری ہو گئی تھی لیکن چوبیس گھنٹے کے بعد بھی ماحول میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوتی۔ بدنما پہاڑی ٹیلے چھوٹی چھوٹی چٹانوں سے اٹے ہوئے ان کے اطراف میں بکھرے ہوئے تھے۔

کہیں کہیں گہری کھائیاں نظر آتیں اور کہیں ناہموار بلندیاں البتہ جھاڑیوں کا وہ سلسلہ ختم ہو گیا تھا جن کے درمیان حشرات الارض موجود تھے اور اس طرح وہ اب ایک ایسے علاقے میں تھے جہاں چھوٹے چھوٹے نوکیلے پتھر بکھرے ہوئے تھے، چند کھائیاں عبور کرنا پڑی تھیں، چند بلندیاں طے کرنی پڑی تھیں، پہاڑی ٹیلوں نے جگہ جگہ راستے روکے تھے، انہیں راستے کاٹنے پڑے تھے لیکن جس جگہ انہوں نے اب قیام کیا وہاں قدرے بہتر ماحول تھا، پہاڑی پتھروں میں کم از کم سانپوں کا وجود نہیں ہو سکتا تھا، ہاں وہ ہولناک بچھو جو انہوں نے چٹانوں میں دیکھے تھے خدشہ تھا کہ یہاں بھی ہوں اور ان بچھوؤں سے محفوظ رہنے کیلئے مناسب جگہ ضروری تھی۔

چنانچہ یہ طے کر لیا گیا کہ ان پتھروں کو دور دور تک صاف کر لیا جائے اس کے لیے بڑی احتیاط سے کام لیا گیا کہ ان پتھروں کو دور دور تک دیکھ لیا گیا تھا چنانچہ کسی قدر سکون ہو گیا یہاں ایک پہاڑی ٹیلہ ان کی پشت پر تھا اور اسی کی آڑ میں قیام کا بندوبست کیا گیا۔

ساری تیاری کرنے کے بعد ان لوگوں نے کھانے پینے کی اشیاء نکال لیں، ایک چھولداری بھی لگا دی گئی تھی باقی چھولداریاں تہہ کر کے رکھ دی گئی تھیں تاکہ زیادہ دیر نہ لگے۔ تھکن ان کے جسموں پر سوار تھی، وہ سب کھا پی کر آرام کرنا چاہتے تھے۔

بہر طور یہ تمام تیاریاں ابھی جاری تھیں، کرنل مقبول اور چرن گپتا یونہی ٹہلنے کیلئے نکل گئے تھے پھر اس ٹیلے کے عقب میں پہنچ گئے لیکن یہاں پہنچنے کے بعد دفعتاً ہی ان کے قدم رک گئے تھے، ٹیلے کے دوسری جانب وسیع و عریض گہرائی تھی جو دور تک چلی گئی تھی، اس گہرائی میں مٹیالے رنگ کی بھوری گھاس اگی ہوئی تھی لیکن جس چیز کو دیکھ کر ان کے قدم رک گئے تھے، وہ تقریباً اٹھارہ گھوڑے تھے جو اس آبادی میں گھاس چر رہے تھے اور دوسری جگہ ان اٹھارہ گھوڑوں کے سواروں کا مجمع تھا کرنل اور چرن گپتا نے خود کو پوشیدہ کرلیا ہے اور ان لوگوں کو بغور دیکھنے لگے، تصور یہی تھا ذہن میں کہ وہ شروک اور اس کے ساتھی ہیں اگر ان کے پاس گھوڑے نہ ہوتے۔ گو ان کا فاصلہ کافی تھا لیکن ان کی حرکات و سکنات اور ان کے حلیے اب آنکھوں میں واضح ہوتے جا رہے تھے، چند ہی لمحات کے بعد ان کی جسامت اور لباس سے یہ اندازہ لگالیا گیا کہ وہ سندھایے ہیں۔

پھر کرنل نے چرن گپتا سے کہا، ہرمیت سنگھ اور شہباز خان کو بھی یہیں بلا لاؤ۔

چرن گپتا خاموشی سے دوسری جانب رینگ گیا پھر اس نے ان دونوں کو صورت حال بتائی، شہباز خان اور ہرمیت سنگھ نے پروفیسر حاتم فریدی اور نمران وغیرہ کو اس بات کے لئے ہوشیار کردیا کہ کوئی آہٹ نہ ہو، گھوڑوں کی آوازیں بند رکھی جائیں اور اس کا طریقہ یہی ہو سکتا تھا کہ ان کے قریب کھڑے ہو جایا جائے۔ اس کے بعد وہ دونوں بھی ٹیلے کے قریب پہنچ گئے اور سنسنی خیز نگاہوں سے ادھر کا ماحول دیکھنے لگے۔ سندھایے کسی خاص رسم میں مصروف تھے، ان کے درمیان ایک الاؤ روشن تھا جس کے شعلے یہاں سے بھی نظر آرہے تھے۔

وہ ایک دائرے میں کھڑے تھے، ان کے درمیان الاؤ کے قریب ایک قوی ہیکل جوان کو صاف دیکھا جا سکتا تھا اور یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ ان کا سردار ہے، وہ سب الاؤ میں کوئی چیز ڈالنے لگے، فضا میں دھوئیں کے بادل بلند ہوگئے۔ سب کی سنسنی خیز نگاہیں انہیں پر جمی ہوئی تھی، سندھائیوں نے اپنے اس عمل سے فارغ ہونے کے بعد آگ کے گرد دوزانوں ہو کر سجدے کیے، مستان بھی رینگتا ہوا اس سمت آ گیا تھا کیونکہ اس کے سپرد کوئی ذمہ داری نہیں لگائی گئی تھی، سندھائیوں نے اس سجدے سے فارغ ہونے کے بعد خاص قسم کی پٹیاں نکالیں ان میں سے ایک پٹی انہوں نے قوی ہیکل سردار کی پیشانی پر باندھی اور پھر باقی سندھایے بھی کسی خاص رسم کی ادائیگی کے انداز میں اپنے ہاتھوں میں پکڑی ہوئی پٹیاں سردار کے بازؤں سے باندھنے لگے، مستان نے سنسناتے ہوئے لہجے میں کہا۔

شر...... شر...... یہ لوگ قشم کھا رہے ہیں۔

کیا کھا رہے ہیں، چرن گپتا نے پوچھا۔

قشم...... آگ کا قشم۔ مستان نے جواب دیا۔

مگر کس سلسلے میں؟

یہ کیشے بول شکتا لیکن یہ ان کا بہت خطرناک رشم ہوتا۔ جب وہ کوئی ایشا کام کرنا چاہتا جو بہت سخت ہو تو وہ قشم کھاتا ہے اور شر...... شر یہ شب اچھا نہیں۔

شہباز خان اور ہرمیت سنگھ نے مستان کا مطلب سمجھ لیا تھا اور وہ خود بھی یہ اندازہ لگا سکتے تھے کہ

یہ انتقام کی قسم بھی ہو سکتی ہے۔ بہر طور اس بات سے وہ بھی پریشان ہوئے کیونکہ سندھایے ان کے ہاتھوں بھی ہلاک ہو چکے تھے، سندھایے اپنی یہ رسم پوری کرتے رہے اور پھر تھوڑی دیر بعد اس سے فارغ ہو گئے پھر وہ سب اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور ان لوگوں نے اپنے آپ کو ٹیلے کی آڑ میں پوشیدہ کرلیا لیکن ان کی نگاہیں اس جانب نگراں تھیں البتہ یہ دیکھ کر انہیں خوشی کا احساس ہوا کہ وہ اس سمت نہیں آئے تھے بلکہ اس گہری وادی کی دوسری جانب نکل گئے تھے، سب گہری گہری سانسیں لینے لگے اور اس کے بعد وہاں سے واپس آگئے۔

یہاں آنے کے بعد ایک باقاعدہ میٹنگ ہوئی اور طے کیا گیا کہ وادی میں اتر کر اس جانب نہ بڑھا جائے جدھر سندھایے گئے ہیں بلکہ یہاں سے بائیں سمت کیلئے راستہ کاٹ دینا چاہیے چنانچہ تیاریاں ہوئیں اور اس کے بعد ان کے گھوڑے بائیں سمت کی جانب سفر کرنے لگے وہ کسی بھی منزل کا تعین نہیں کر پائے تھے بس جدھر بھی منہ اٹھا چلے جا رہے تھے، اس بات کی کمی شدت سے محسوس کی جارہی تھی کہ اگر لاش کے پاس موجود نقشے کی کوئی نقل ان کے پاس ہوتی تو اس سے بڑا کام نکل سکتا تھا لیکن کوئی بھی اپنا مقصد ترک کرنے کیلئے تیار نہیں تھا۔

گھوڑوں کی رفتار ایک بار پھر تیز ہو گئی اور انہیں یہاں دوڑنے میں کوئی دقت پیش نہیں ہو رہی تھی البتہ یہ ان کی خام خیالی تھی کہ انہوں نے سندھائیوں سے اپنا بچاؤ کرلیا تھا تقریباً ڈھائی گھنٹے کا سفر طے ہوا تھا کہ اچانک ہی ان کے کانوں میں زبردست فائروں کی آوازیں گونجیں اور سب نے اپنے اپنے گھوڑوں کی لگامیں کھینچ لیں ان کی وحشت زدہ نگاہیں چاروں طرف بھٹکنے لگیں۔ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ یہ آوازیں کس سمت سے آرہی ہیں لیکن زیادہ دیر انتظار بھی نہ کرنا پڑا کہ سندھائیوں کا ایک گھڑ سوار غول اچانک ہی دور سے نمودار ہوا اور پھر اس کا رخ انہی کی سمت ہو گیا۔

پوزیشن۔ کرنل دہاڑا۔

اور سب نے گھوڑے چھوڑ دیے۔ وحشی لٹیرے طوفان کی مانند اڑتے آرہے تھے اور ان کا انداز بے حد خوفناک تھا۔ وہ مسلسل رائفلیں سیدھی کیے فائر کر رہے تھے کرنل نے فوراً صف بندی کردی وہ ہرمیت سنگھ اور چرن گپتا کے ساتھ آگے بڑھا اور اس نے زبردست فائرنگ شروع کردی۔ سندھایے رائفلوں کی زد میں آگئے تھے، پہلے معرکے میں ان میں سے تین کے گھوڑوں نے قلابازیاں کھائی تھیں جب کہ ان کی دقیانوسی رائفلوں کی رینج اتنی نہ تھی کہ گولیاں ان لوگوں تک پہنچ سکتیں۔ ان تین آدمیوں کی موت نے سندھائیوں کے طوفان کو روکا۔ انہوں نے اچانک گھوڑوں کے رخ موڑ دیے اس بدلے ہوئے رخ کے ساتھ وہ کسی قدر پیچھے ہٹ گئے تھے، کرنل نے نمران کو آواز دی اور اپنی رائفل اسے دیتے ہوئے کہا۔

اندھا دھند فائرنگ مت کرنا، ان کی رائفلوں کی مار کم ہے جونہی وہ منظم ہو کر ادھر رخ کریں فائرنگ شروع کردینا۔ تھوڑی دیر تک انہیں دور رکھنا۔

اوکے ڈیڈ! نمران نے کہا اور رائفل سنبھال لی، کرنل فوراً پیچھے ہٹ گیا۔

یہ میرا شعبہ ہے ہرمیت اس لیے میرے ساتھ تعاون کرو۔

خوش دلی سے کرنل! شہباز خان اور ہرسیت سنگھ نے بیک وقت کہا۔

پہلی پوزیشن پر صرف تین آدمی رہنے دو۔ پروفیسر آپ شہباز کے ساتھ اس ٹیلے کے پاس آ جائیں یہاں سے دور دور تک دیکھا جا سکتا ہے اور الاکشا بیٹی تم گھوڑوں کے ساتھ رہو۔ گھوڑے اس جگہ سے نہیں ہٹنے چاہئیں۔ مستان تم الاکشا کے ساتھ رہو۔

ٹھیک ہے انکل! گھوڑے نہیں ہلیں گے۔ الاکشا نے کہا۔

اس کام سے فارغ ہو کر کرنل نے اپنے لیے بھی ایک جگہ منتخب کر لی اس دوران سندھاہیے ایک بار پھر منظم ہو گئے تھے، اب انہوں نے پھر اسی سمت یلغار کر دی لیکن وہ غلطی انہوں نے دوبارہ دہرائی تھی اور اس کا نتیجہ بھی ان کے حق میں خراب ہی نکلا۔ نمران وغیرہ نے انہیں سامنے کی طرف سے بھون کر رکھ دیا تھا۔ اپنے مزید چند آدمیوں کی موت کے بعد انہوں نے گھوڑوں کے رخ بدل دیے اور پیچھے کی طرف مڑ گئے۔ نمران نے فوراً فائرنگ بند کر دی۔

بھاگ گئے......

نہیں انکل! یہ بھول کر بھی نہ سوچیں۔ نمران نے کہا۔ کوئی بیس منٹ بڑے صبر آزما گزارے پھر اچانک پروفیسر اور شہباز خان کے ٹیلے سے فائرنگ کی آواز ابھری اور کرنل نے چونک کر ادھر دیکھا۔ سندھاہیے اس طرف سے نمودار ہوئے تھے۔

شہباز فائرنگ تیز کرو، نمران رخ بدل دو، وہ بائیں طرف سے بھی آئیں گے، کرنل کی یہ پیش گوئی بظاہر بے معنی تھی لیکن یہ ایک فوجی کا تجربہ تھا۔ سندھاہیے دوسری طرف سے بھی نمودار ہوئے تھے چنانچہ ادھر بھی فائرنگ شروع کر دی گئی، کرنل نے شہباز کی سمت سنبھالی۔ اس بار سندھاہیے زیادہ قریب آ گئے تھے چنانچہ ان کی چلائی گئی گولیاں بھی ان تک پہنچ رہی تھیں اس خوفناک صورت حال کو روکنے کیلئے اتنی ہی خوفناک فائرنگ کرنی پڑی اس بار سندھاہیے زیادہ ہوشیار تھے اور اپنے گھوڑوں کو مسلسل ادھر ادھر حرکت دے رہے تھے اس کے علاوہ چونکہ اب وہ قریب آ گئے تھے اس لیے ان کی گولیوں سے بچنا بھی ضروری تھا جس کی وجہ سے ان کے نشانے خطا ہو رہے تھے قریب آ جانے کے بعد انہوں نے نیزوں کا استعمال بھی شروع کر دیا تھا وہ نشانے تو نہیں لے پا رہے تھے لیکن نیزے ایک خاص انداز میں فضا میں اچھال رہے تھے اور یہ نیزے شہباز وغیرہ کے آس پاس ہی گر رہے تھے۔

چند لمحات کے بعد یہ لوگ ایک خطرناک صورتحال کا شکار ہو گئے، سندھاہیوں کی تعداد چونکہ بہت زیادہ تھی اس لئے ان کی یلغار بھی خوفناک تھی کرنل اس جنگ کو تشویش کی نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔

اچانک ہی ایک تبدیلی ہوئی، سندھاہیے اندازہ لگا چکے تھے کہ ان کے دشمنوں کے مورچے کہاں ہیں انہوں نے اپنی تعداد سے فائدہ اٹھا کر انہی مورچوں پر پوری توجہ جھونک دی، طریقہ جنگ میں وہ بھی کورے نہیں تھے۔ چنانچہ انہوں نے بھی اپنی فائرنگ اتنی تیز کر دی تھی کہ دشمن کو نشانہ لینے کا موقع نہ مل سکے اس طرح وہ فاصلہ کم کرتے جا رہے تھے اور کچھ ہی وقت جا رہا تھا کہ وہ ان کے قریب آ کر دست بدست جنگ شروع کر دیتے۔ تبدیلی یہ ہوئی کہ اچانک ہی سندھاہیوں پر ایک نئے رخ سے فائرنگ شروع ہو گئی، اس

فائرنگ سے چار سندھاہیے ہلاک ہو گئے۔ ان کی ہولناک چیخوں اور گھوڑوں کی ابتری نے دوسرے سندھاہیوں کو چونکا دیا اور ایک لمحے کیلئے ہٹ جانے والی توجہ نے انہیں ہولناک حادثے سے دوچار کر دیا۔

کرنل اور شہباز خان نے وحشیانہ انداز میں ان پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی اور سندھاہیوں کے گھوڑے بھڑک گئے، انہوں نے رخ بدلا اور اپنے سواروں کو لے بھاگے، عقب سے پھر فائرنگ کی گئی لیکن کسی نے پھر سندھاہیوں کا نشانہ نہیں لیا تھا ورنہ بھاگنے والوں کو نشانہ بنانا مشکل نہ تھا۔ ہاں انہیں بھاگنے کیلئے یہ فائرنگ کارآمد ثابت ہوئی تھی وہ سب بہت دور چلے گئے تھے تب انہوں نے فائرنگ روکی تھی نیا مورچہ کھولنے والے مستان اور الاکشا تھے اور اس وقت انہوں نے کمال کیا تھا، مستان کے ہاتھ میں رائفل تھی اور اس پر نیم غشی کی کیفیت طاری تھی وہ رائفل لیے جھوم رہا تھا، نمران نے اسے پکڑا تو وہ وحشت زدہ انداز میں چیخ پڑا۔

ایک مارا...... دو مارا...... تین مارا...... چار ہو...... اور پھر اس نے خوف زدہ انداز میں رائفل پھینک دی اور نمران سے لپٹ گیا۔ نمران نے اس کے جبڑے پر گھونسہ رسید کر دیا تھا۔

اسے کیا ہو گیا، چرن گپتا حیرت سے بولا اور اس نے الاکشا کی طرف دیکھا ایک لمحے کیلئے چرن گپتا کو جھٹکا سا لگا اور اسے الاکشا کی آنکھوں میں پتلیاں نہیں نظر آئی تھیں بلکہ ان کی سفیدیوں میں اسے بجلی کوندتی ہوئی محسوس ہوئی تھی دوسرے لوگ اس وقت الاکشا کے اس کارنامے کو سراہنے کے بجائے آئندہ کی حکمت عملی کے بارے میں سوچ رہے تھے، یہاں رکنا مناسب نہیں تھا کیونکہ دریائی لٹیرے یہ جگہ دیکھ گئے تھے، اس بات کے امکانات تھے کہ وہ کسی نئی حکمت عملی سے یہاں حملہ کریں گے، ان کی تعداد کے بارے میں کوئی اندازہ قائم نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اچانک کرنل چیخا۔

”ارے گھوڑوں کو دیکھو، وہ بالکل خاموش ہیں، اور یہ کرنل نے جملہ ادھورا نہ کیا اور یہ...... کرنل نے جملہ پورا نہ کیا اور خود گھوڑوں کے پاس پہنچ گیا، پروفیسر بھی اس کے ساتھ تھا، گھوڑے ساکت کھڑے تھے ان کے جسموں میں کوئی جنبش نہیں تھی اور ان کا یہ انداز کچھ غیر حقیقی سا محسوس ہوا تھا، کرنل کو بھی حیرت ہوئی اس نے ایک گھوڑے کی ایال تھپتھپائی تو وہ چونک کر الف ہو گیا پھر جیسے یہ گھوڑے ہوش میں آ گئے ان کی آنکھیں وحشت زدہ تھیں۔

نہایت پھرتی سے سامان بار کیا گیا اور پھر ہنگامی تیز رفتاری سے آگے کا سفر شروع کر دیا گیا۔ راستہ پھر بدل دیا گیا تھا۔ تقریباً پینتالیس منٹ تک یہ سفر خاموشی سے جاری رہا لیکن انہیں پھر گھوڑوں کی لگامیں کھینچنا پڑیں ہوا کے ساتھ فائروں کی دھائیں دھائیں سنائی دی تھی وہ وحشت زدہ انداز میں کسی بھی سمت سے سندھاہیوں کے نمودار ہونے کا انتظار کر رہے تھے کیونکہ پہلے بھی سندھاہیے اسی انداز میں نمودار ہوئے تھے۔ فائرنگ شدید سے شدید ترین ہوتی گئی لیکن انہیں وہ نظر نہ آئے کرنل نے کچھ بھانپ لیا تھا، اس نے بائیں سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

ادھر...... اس طرف...... اور سب اس طرف چل پڑے۔ کسی نے اعتراض نہ کیا اور وہ آگے

بڑھتے رہے ایک ایک سمت پر نگاہ رکھی جا رہی تھی۔

پھر سورج ڈھلنے تک کوئی واقعہ پیش نہ آیا۔ دیر تک وہ فائروں کی آواز سنتے رہے پھر وہ آوازیں پیچھے رہ گئیں اور انہیں بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ سندھانیے کسی اور سے الجھے ہوئے تھے، وہ شروک کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا؟ اس کیفیت سے فائدہ اٹھا کر وہ دور سے دور نکل جانا چاہتے تھے، ان دشمنوں کو قتل کرنے کی خوشی کسی کو نہ تھی لیکن مجبوری تھی، وہ بری طرح پیچھے لگ گئے تھے اور ذرا سی چوک انہیں المناک حادثے کا شکار کر سکتی تھی۔

سورج دور درختوں کے پیچھے روپوش ہو گیا لیکن ابھی تاریکی نہیں پھیلی تھی، اچانک ہرمیت نے کہا۔

یہ آواز کیسی ہے؟

پانی۔ چرن گپتا بولا۔

ہاں یقیناً۔ پھر انہوں نے بہت دور تک دریا بہتا ہوا دیکھا۔ وسیع و عریض چٹیل میدان کے آخری سرے پر دریا بہتا ہوا نظر آ رہا تھا ان کے داہنے ہاتھ پر ایک بلند و بالا پہاڑی سلسلہ نظر آ رہا تھا جو اس میدان کے آخری سرے تک چلا گیا تھا۔ گھوڑے آگے بڑھتے رہے اور پانی کی آواز تیز ہوتی گئی۔

کیا یہ آواز غیر معمولی نہیں ہے۔ شہباز خان نے کہا۔

کیا مطلب؟

بہتے ہوئے دریا کی آواز اتنی تیز تو نہیں ہوتی۔

ہو سکتا ہے کہ اس کا بہاؤ بہت تیز ہو۔ ہرمیت سنگھ بولا اور اس کا اندازہ انہیں میدان کے آخری سرے پر پہنچ کر ہو گیا۔ دریا کا بہاؤ تھا کہ قیامت...... جھاگ اڑاتا ہوا پانی قیامت خیز رفتار سے بہہ رہا تھا فضا میں پھواروں کی دیواریں بلند ہوتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ پہاڑی سلسلہ یہاں آ کر دوسری طرف گھوم گیا تھا۔ یہ حصہ گول سا ہو گیا تھا جیسے کسی عظیم الشان قلعے کی فصیل ہو جس کی ہولناک گہرائیوں میں دریا بہہ رہا ہو۔ اس دریا نے ان کا راستہ روک لیا تھا دائیں طرف یہ پہاڑی فصیل کے سات بہتا چلا گیا تھا اور بائیں سمت سیدھی لکیر بناتا جا رہا تھا۔

داہنی طرف تو رخ کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ بائیں سمت یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ کتنا سفر کرنا پڑے گا اور کہاں سے یہ دریا پایاب ہو۔

گھوڑے پانی کو دیکھ کر بے چین ہونے لگے کرنل نے کہا۔

کیا خیال ہے شہباز اب اس کے سوا چارہ کار نہیں ہے کہ ہم بائیں سمت سفر اختیار کریں۔

دریا عبور کرنے کے بارے میں کیا خیال ہے ہرمیت سنگھ نے کہا

اس جگہ سے۔ شہباز حیرت سے بولا۔

بہاؤ بہت تیز ہے، کرنل نے پر خیال انداز میں کہا۔

ناقابل عبور۔

دوسری صورت یہ بھی ہے کہ اس کے ساتھ...... میرا مطلب ہے بائیں سمت چلتے رہیں اور جہاں

دریا پایاب ہو وہاں سے اسے عبور کر لیں۔

یہی ایک صورت ہے، یہ تیز بہاؤ اس پہاڑی فصیل کی وجہ سے بھی...... پروفیسر پہاڑی کی طرف دیکھ کر بولا مگر اس نے اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا اور پہاڑی کی بلندی دیکھ رہا تھا اس کے ادھورے جملے پر غور نہ کیا گیا اور شہباز خان بولا۔

"پروفیسر کا کہنا درست ہے شام ہو چکی ہے اور یہاں قیام کیا جا سکتا ہے۔"

"کیا یہ جگہ مناسب ہوگی؟"

"ان ویرانوں میں کون سی جگہ مناسب ہے کوئی یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہے۔" شہباز خان نے کہا۔

"ہاں...... اس میں کوئی شک نہیں"

"پھر بسم اللہ......" کرنل سب سے پہلے گھوڑے سے اتر گیا۔ اس کے بعد دوسرے لوگوں نے بھی گھوڑوں کی پشت خالی کر دی تھی لیکن یہاں قیام کیلئے کوئی اہتمام نہیں کیا گیا تھا۔

گھوڑے پانی کی طرف بڑھ گئے اور کنارے کے پانی میں منہ ڈال دیے۔

کھانا! ہرمیت سنگھ نے نعرہ لگایا اور اس سلسلے میں اہتمام نہیں کیا گیا۔ اندھیرا اب تیزی سے پھیلتا جا رہا تھا اور ماحول خوفناک تاریکی کے غلاف میں لپٹا جا رہا تھا۔ یہ الٹا سیدھا کھانا کھانے میں مصروف تھے۔ سندھانیوں کو اب بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا اور ہر لمحہ ان کی آمد سے چوکنا رہنے کی ضرورت تھی۔ اب وہ اس موضوع پر بات بھی نہیں کر رہے تھے کیونکہ یہ سب کچھ اب ناگزیر تھا۔

پروفیسر نے منہ چلاتے ہوئے چرن گپتا سے کہا۔

"چرن مجھے اپنی زندگی کا انوکھا تجربہ ہو رہا ہے۔"

"کیا......؟"

اپنے پیشے اور شوق کی مناسبت سے میں نے پراسراریت کو کبھی زندگی سے خارج نہیں کیا اور کیا بھی نہیں جا سکتا۔ یہ بیکراں خلا یہ لامحدود کہکشاں جیتی جاگتی پراسراریت نہیں ہے کیا......؟

یہ سب اسی طرح زندگی کے بے شمار رموز ہیں جنہیں کوئی تحقیق نہیں کھول سکی، مصر بابل، یونان اور ہندوستان اسرار کے خزانوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ میں نے خود لاتعداد عقدوں پر کام کیا ہے لیکن یہ دور عمل کے راستوں سے گزر رہا ہے۔ مجھے پہلی بار خود ایک کردار کی حیثیت ملی ہے اور جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں اس کا تجزیہ نہیں کر پا رہا۔

اور یقیناً پروفیسر سب کچھ بے حد عجیب ہے لیکن بعض اوقات یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم سب ہی کسی سحر میں گرفتار ہوں اور اسی کے زیر اثر عمل کر رہے ہوں ورنہ یہ پر صعوبت سفر اور ہم خاص طور سے میں نے بھی اس کا تصور بھی نہیں کیا تھا لیکن سب کچھ ہونے کے باوجود دل پر وہشت طاری نہیں ہوئی جو ہونی چاہیے تھی، چرن گپتا نے کہا۔

میں خود خاص باتیں بتانا چاہتا تھا۔

کیا......؟

دیکھا تم سب نے مگر محسوس نہیں کیا۔

کوئی اہم بات تھی؟

تھی......اور ہے۔اول تو یہ کہ جب سندھانیوں سے مقابلے کے لیے صف بندی ہوئی تھی تو الانشا کو گھوڑوں کی نگرانی سونپی گئی تھی اور اس نے کہا تھا کہ گھوڑے نہیں بھڑکیں گے چنانچہ گھوڑے خاموش رہے نہ صرف خاموش رہے بلکہ ٹھہرا گئے اور جھنجھوڑنے پر ہوش میں آئے جیسے سحر زدہ ہو گئے ہوں۔

''اوہ......میں نے غور نہیں کیا تھا۔''

میں نے اچھی طرح غور کیا تھا۔بیوقوف مستان نے رائفل سے کئی سندھانیے مار دیے اور اسے جب احساس ہوا تو وہ خوف سے بدحواس ہو گیا۔گویا اس نے حواس کے عالم میں یہ عمل نہیں کیا تھا۔

ہاں واقعی۔

نمبر تین اور سب سے اہم چیز اس پہاڑ کی چوٹی ہے دیکھو اس کا اوپری حصہ ایک ہلال کی مانند ہے دیکھو اوپر میں نے کچھ عرصہ قبل بتایا تھا کہ اپنی پیشہ ورانہ آنکھ سے میں نے بھی اس نقشے کو دیکھا تھا جو لاش کے پاس موجود تھا گو اس وقت سے اسے ذہن میں محفوظ رکھنے کا کوئی جواز نہیں تھا لیکن تم جانتے ہو چرن گپتا! پوری زندگی اسی میں گزاری ہے اس لیے ذہن سے محو نہیں ہو سکا، وہ تین چٹانیں جو آپس میں سرگوشیاں کر رہی تھیں اور یہ ہلالی پہاڑ یہ بھی نقشے میں تھا مع اس دریا کے۔''

''اوہ......''چرن گپتا نے حیرت سے کہا۔

دراصل حیرت اس بات پر ہے کہ ہم کسی تعین کے بغیر سفر کر رہے ہیں حالات کے تحت راستے بدل رہے ہیں لیکن کسی غیر مرئی قوت کے زیر اثر صحیح سمت میں سفر کر رہے ہیں ہمارا سفر نقشے کے مطابق ہیں۔

بلاشبہ حیرت انگیز بات ہے۔

''الانشا ایک پراسرار وجود ہے ایک انوکھی داستان ہے وہ۔نہ جانے یہ کہانی کیا ہے؟''

''کرنل نے اسے اپنے بیٹے سے منسلک کر دیا ہے۔''

''ہاں یہ کرنل ہی کا دل گردہ ہے۔عام لوگ یہ جرات نہ کر پاتے۔''

''کون کہہ سکتا ہے یہ بھی ایک سحر ہو۔''

خدا ہی جانے، پروفیسر نے پانی کا گلاس اٹھا کر حلق سے لگا لیا۔کھانے سے فراغت ہو گئی تھی اور سب دریا کے کنارے بیٹھ گئے۔

نمران اور الانشا بھی دوسروں سے الگ تھلگ نہیں تھے۔انہوں نے ایک دوسرے کی زندگی میں شامل ہونے کے باوجود اپنے جذبات پر قابو رکھا تھا اور کہیں بھی ان کی کیفیت سے یہ احساس نہیں ہوتا تھا کہ وہ جذبات کے ہاتھوں مغلوب ہو رہے ہیں۔اس تیز و تند دریا کو عبور کرنے کے سلسلے میں بحث ہو رہی تھی اور بہت سی باتیں سوچی جا رہی تھیں۔آگے کی جانب سفر کرنا اور ایسی جگہ تلاش کرنا جہاں دریا کا پاٹ چوڑا ہو اور پانی کی روانی سست پڑ گئی ہو۔اس طرح سے مشکل کام قرار دیا جا رہا تھا کیونکہ اصل مسئلہ سندھانیوں کا تعاقب تھا۔ بہت سے سندھانیے ان کے ہاتھوں ہلاک ہو چکے تھے اور ان کا ضمیر خوش نہیں تھا ان میں سے کوئی بھی

اپنے مقصد کی تکمیل کیلئے وحشت خیزی پر آمادہ ہونے والوں میں سے نہیں تھا۔

بس یہ زندگی بچانے کا مسئلہ تھا کہ سندھانیوں سے اس انداز میں جنگ کرنا پڑی ورنہ ان سے ان کا کوئی جھگڑا نہیں تھا۔یہاں تک کہ ہرمیت سنگھ اور شہباز خان تو شروک سے بھی اس قسم کی جھڑپ کرنے کیلئے تیار نہیں تھے جس میں انسانی زندگی کے زیاں کا اندیشہ ہو۔شروک نے جو مجرمانہ حرکت کی تھی اس کیلئے وہ قانون کا مجرم تھا اور یہ لوگ اسے اپنے طور پر کوئی سزا نہیں دینا چاہتے تھے جب کہ سندھانیے تو ایک طرح سے بالکل ہی الگ تھلگ چیز تھے لیکن کیا کہا جاتا وہ سب ہی سوچ رہے تھے کہ سندھانیوں سے جس قدر کم مڈبھیڑ ہو۔بہتر ہے اور اس کے لیے ہرمیت سنگھ نے یہی تجویز پیش کی تھی کہ آگے بڑھنے کی بجائے کوئی ایسی حکمت عملی اختیار کی جائے جس کے تحت یہیں سے دریا عبور کیا جا سکے اس نے کہا۔

رات گزارنے میں کوئی حرج نہیں ہے صبح کو ایک کوشش کریں گے ہمارے پاس مضبوط رسا موجود ہے اور دریا کا پاٹ اتنا چوڑا نہیں ہے کہ رسے کی لمبائی ہمارے ساتھ نہ دے سکے اس کے علاوہ گھوڑے تیرنا جانتے ہیں اور ہمارے تمام گھوڑے چاک و چوبند اور طاقتور ہیں۔

چنانچہ ہم میں سے ایک سرا اس کی کمر سے یا گھوڑے سے باندھ دیں گے اور اسے دریا میں اتار دیں گے وہ گھوڑے کی مدد سے دریا عبور کر جائے تو پھر دوسری طرف پہنچنے کے بعد وہ اس قسم کا بندوبست کر دے کہ یہ رسہ دوسری جانب باندھ دیا جائے پھر ایک ایک آدمی گھوڑے پر بیٹھ کر رسے کو پکڑتے ہوئے دریا عبور کرے۔میرا خیال ہے اس میں تھوڑی وقت تو ضرور ہو گی لیکن اگر ایسا ہو جائے تو تمام مشکلات حل ہو جائیں گی۔

شہباز خان نے ہرمیت سنگھ کی تجویز سے اتفاق کیا تھا کرنل البتہ کسی قدر متفکر نظر آ رہا تھا اس نے کہا۔

لیکن سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ کیا صرف رسے کی مدد سے دریا کے اس تیز و تند بہاؤ کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔

ہم سب جو یہاں ہوں گے کرنل اور ایک آدمی کو اس طرف بھیجا جائے گا میں اپنے آپ کو اس کے لیے پیش کرتا ہوں۔ہرمیت سنگھ نے کہا۔

یہ مطلب نہیں ہے بھائی پیش کرنے کا جہاں تک معاملہ ہے تو ایک فوجی کی پوری زندگی ہی ایسی مہمات میں صرف ہوتی ہے اور میں اس سلسلے میں تھوڑی بہت تربیت بھی لیے ہوئے ہوں چنانچہ مجھ سے بہتر آدمی کوئی نہیں رہے گا اور میں بڑی خوشی سے اپنے آپ کو اس کے لیے پیش کرتا ہوں۔

خیر اس کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ڈیڈی! جب تک میں موجود ہوں آپ لوگوں کو اس طرح کی کسی الجھن میں ڈالنا میری غیرت کے لیے ایک گالی ہے۔نمران نے کہا۔

بھئی بات جذباتی گفتگو کی نہیں ہو رہی۔کام اگر کرنا ہے تو ہم میں سے کوئی ایک اسے کرے گا، شہباز خان نے بھی درمیان میں مداخلت کی۔

اہم مسئلہ یہ ہے کہ کیا یہ پروگرام موزوں رہے گا؟

آگے بڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ سندھانیوں سے پھر جنگ ہو گی۔

یہ تو سب ایک مجبوری ہے وہ خود ہی ہم سے بچھڑ رہے ہیں پتا نہیں بے چارے شروک کا کیا حال ہوگا۔ میرا خیال ہے وہ بدترین حالات کا شکار ہوگا۔ بے وقوف نے غلط منصوبہ بندی کر کے نہ جانے کتنے افراد کی زندگی خطرے میں ڈال دی۔

اچانک ہی مستان کے حلق سے عجیب سی آوازیں نکلیں اور وہ سب چونک کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے مستان عجیب حرکات کر رہا تھا، اس کی گردن ٹیڑھی ہو رہی تھی۔ بدن پر تشنج سا طاری تھا اور وہ کھسک کر ان کے پاس آنے کی کوشش کر رہا تھا۔

ارے ارے کیا ہوا......؟ ہرمیت سنگھ کے منہ سے نکلا اور اس نے تیزی سے مستان کے قریب پہنچ کر اسے گود میں اٹھایا۔ کیا بات ہے مستان کیا ہو گیا تمہیں......!

شا......شار......او......ہو......ہو۔ مستان نے اپنے بے جان ہاتھ کی انگلی اٹھانے کی کوشش کی۔ بمشکل تمام اس کی انگلی سیدھی ہو سکی۔

تب شہباز کو احساس ہوا کہ وہ کوئی اشارہ کر رہا ہے شہباز نے اس کی انگلی کی سیدھ میں دیکھا اور خود بھی چونک پڑا فصیل نما پہاڑی کی بلندیوں پر اس کی چوٹی سے کافی نیچے ننھے منے بے شمار جگنو چمک رہے تھے، ننھی ننھی روشنیوں کی ایک لمبی قطار متحرک تھی اور بل کھاتی ہوئی سست رفتاری سے نیچے آ رہی تھی۔

روشنیوں کی قطار کے نیچے اترنے کی رفتار سست تھی۔ غالباً یہ ڈھلان خطرناک تھی تمام لوگ چند لمحات کے لیے ذہنی طور پر معطل ہو گئے تھے وہ سکوت کے عالم میں یہ منظر دیکھ رہے تھے، مستان ہی نے انہیں سحر سے آزاد کیا۔

شر......شر وہ سندھالیے ہیں۔

لعنت ہے ان پر انہوں نے بلاوجہ بیر باندھ رکھا ہے۔

شہباز خان نے جھنجلائے ہوئے انداز میں کہا۔

ان کی تعداد کا اندازہ لگا رہے ہو شہباز! ہرمیت سنگھ نے کہا۔

اس بار کم بخت بہت زیادہ ہیں۔ شہباز خان نے اسی انداز میں کہا۔

نیچے پہنچنے میں انہیں دیر لگے گی۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ہمیں کچھ کر لینا چاہیے۔ ہرمیت نے کہا۔

ایں......ہاں......ہاں......شہباز خان جیسے چونک پڑا اور پھر اس نے چاروں طرف دیکھ کر کہا دو ہی صورتیں ہیں یا تو ہم اس تیز رفتار دریا کو عبور کر کے دوسری طرف نکل جائیں اور پھر وہیں سے آگے کا سفر کریں یا اس کے بہاؤ کی سمت دوڑ پڑیں اور دور نکلنے کی کوشش کریں۔

کیا دریا کو عبور کرنے کا خطرہ مول لیا جا سکتا ہے؟

ہمیں یہ دریا عبور کرنا ہوگا شہباز......اچانک پروفیسر حاتم فریدی نے کہا اور سب چونک کر اسے دیکھنے لگے پروفیسر نے وضاحت کرتے ہوئے کہا حالانکہ ہم کسی راستے کا تعین کر کے آگے نہیں بڑھ رہے؟ لیکن جگہ جگہ ہمیں وہ نشانات مل رہے ہیں جن کی نشاندہی اس نقشے میں کی گئی تھی اس کا مطلب ہے کہ کوئی غیر مرئی قوت ہماری رہنمائی کر رہی ہے۔ اس نے بے شمار واقعات اور حادثات کے باوجود ہمیں راستہ سے نہیں

ہٹنے دیا۔ میری پیشن گوئی ہے کہ ہمیں ہماری منزل ضرور ملے گی۔

آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں پروفیسر؟ شہباز خان نے کہا۔

سر جوڑے بیٹھی تین چٹانیں جنکے درمیان ہمیں وہ لڑکی ملی تھی اور اس کے بعد یہ ہلالی چٹان جو دریا کے کنارے کی اس چوٹی پر ہے میں نے بہرحال وہ نقشہ دیکھا تھا۔

میرے خیال میں تبصرہ آرائی کا وقت نہیں ہے ہم یہ سب کچھ بعد میں سوچ سکتے ہیں پہلے یہاں سے آگے بڑھنے کے بارے میں فیصلہ کر لیا جائے کرنل نے بلندیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا روشنیوں کی قطار پراسرار انداز میں غروب ہوتی جا رہی تھیں۔

غالباً وہ کوئی موڑ مڑ رہے ہیں۔

دریا عبور کرنا مناسب ہوگا اس سمت سے وہ ہمارا تعاقب کر سکتے ہیں اس وقت موقع ہے کہ ہم دریا عبور کر لیں۔ ہرمیت سنگھ نے کہا۔

انکل میں تجربے کے طور پر دریا میں اترتا ہوں اس طرح اس کے بہاؤ کا اندازہ ہو جائے گا نمران نے کہا اور اپنے گھوڑے کو تیار کرنے لگا، آپ میری کمر میں ایک رسہ باندھ دیں میں گھوڑے کو دریا میں اتارتا ہوں اگر بہ آسانی دریا عبور کر گیا تو میں اس رسے کو دوسری طرف کسی مضبوط جگہ باندھ دوں گا اور آپ لوگ اس کے سہارے گھوڑوں سمیت دریا عبور کر لیجیے گا بصورت دیگر اگر بہاؤ ناقابل عبور ہوا تو مجبوری ہے پھر ہم یہی راستہ اختیار کریں گے۔

میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ شہباز خان نے کہا۔

انکل میں تیراکی میں تمغے حاصل کر چکا ہوں، زیادہ سے زیادہ ہمیں گھوڑے کا خطرہ مول لینا پڑے گا میری کمر میں تو رسہ بندھا ہوگا بہاؤ بہت خطرناک ہوا تو آپ لوگ مجھے واپس کھینچ لیجیے گا۔ نمران نے کہا۔

بادل نخواستہ یہ تجویز منظور کر لی گئی تھی نمران دیر کیے بغیر گھوڑے کی پشت پر سوار ہو گیا ہرمیت سنگھ نے ایک مضبوط رسہ نمران کی کمر سے باندھ دیا اور نمران نے گھوڑے کا رخ دریا کی طرف کر لیا۔ ہرمیت سنگھ نے رسہ اپنی کمر میں بھی لپیٹ لیا تھا اس کا دوسرا سرا احتیاط کے طور پر کرنل اور شہباز خان نے پکڑ لیا تھا اور پھر نمران نے گھوڑے کو پانی میں اتار دیا سمجھ دار جانور نے تھوڑا سا احتجاج کیا لیکن مالک کی رضا کے سامنے خاموش ہو گیا۔

سندھالیے موڑ گھوم کر پھر نمودار ہوتے جا رہے تھے۔

کنارے سے چند قدم آگے بڑھتے ہی نمران کو بہاؤ کی قوت کا اندازہ ہونے لگا۔ گھوڑے کے قدم اکھڑنے لگے تھے۔ نمران نے سوچا کہ گھوڑا اگر تیرنا شروع کرے تو یہ مشکل حل ہو جائے گی چنانچہ اس نے گھوڑے کی پشت پر ہاتھ مار مار کر اسے آگے بڑھانا شروع کر دیا۔

کنارے پر کھڑے لوگ مختلف کیفیت کا شکار تھے۔ ہرمیت سنگھ آہستہ آہستہ کنارے کی سمت آ رہا تھا عقب میں کھڑے ہوئے لوگ بھی رسے کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے نمران کی کاروائی دیکھ رہے تھے نمران گھوڑے کے قدم اکھڑ جانے کی وجہ سے تھوڑی دیر تک تو بہاؤ کی سمت چلتا رہا اور اس کے بعد اس نے

اچانک گھوڑے کا رخ تبدیل کر دیا۔

ہرمیت سنگھ کو یہ اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ نمران کی کیفیت کیا ہے اور گھوڑے کے پاؤں پانی میں اکھڑ چکے ہیں اچانک ہی ایک شدید جھٹکا لگا۔ گھوڑا رخ بدلنے کی وجہ سے دریا کے درمیانی سمت پہنچا تھا اور پانی کے ریلے نے اسے اٹھا کر پوری قوت سے آگے پھینکا تھا۔ ہرمیت سنگھ کی کمر میں رسہ بندھا ہوا تھا اور وہ کنارے پر تھا چنانچہ اس شدید جھٹکے سے اس کے پاؤں بھی زمین سے اکھڑ گئے اور وہ تین چار فٹ اونچا اچھل کر دریا کے کنارے پانی میں گر پڑا۔

کنارے پر کھڑے لوگوں کو ایک لمحے میں اندازہ ہو گیا کہ نمران کا گھوڑا اب پانی کے بہاؤ کی زد میں ہے لیکن اس سے زیادہ خطرناک صورت حال ہرمیت سنگ کی تھی وہشت بھری چیخوں کے ساتھ دوسرے لوگوں نے برق رفتاری سے آگے بڑھتے ہوئے رسے کو پکڑنے کی کوشش کی لیکن صرف ایک لمحے میں رسے کا آخری سرا بھی کنارے سے دوسری طرف پہنچ گیا اور انہوں نے خوف بھری نظروں سے نمران کے گھوڑے کو دریا کے بہاؤ پر بہتے ہوئے دیکھا۔ عقب میں ہرمیت سنگھ رسے کے ساتھ پانی پر گھسٹتا ہوا چلا جا رہا تھا، دو تین بار پانی کی سطح پر ابھرا لیکن اس کے بعد پانی میں غروب ہو گیا۔ کنارے پر کھڑے لوگ بے اختیار چیخ رہے تھے اور ان کے چہرے خوف اور وہشت سے بگڑ گئے تھے، مستان نے پہاڑ کی سمت دیکھا۔

مشعلیں جو پہلے ننھے ننھے جگنوؤں کی مانند نظر آ رہی تھیں اب واضح ہو گئی تھیں اور اس کے ساتھ ہی سندھانیوں نے اپنی مخصوص وحشت ناک آواز میں چیخنا شروع کر دیا۔

نمران اور ہرمیت سنگھ تو چند ہی لمحات کے بعد نگاہوں سے اوجھل ہو گئے اور کنارے پر کھڑے لوگ دیوانوں کی طرح چیختے رہے اور پھر ان کی چیخوں پر مستان کی بھاری آواز حاوی ہو گئی۔

شرشر شندھایے آ گئے انہوں نے پلٹ کر سندھانیوں کو دیکھا۔ چیخوں کی آوازیں تو ان کے کانوں میں بھی آ رہی تھیں۔ سندھایے اس وقت زیادہ وحشت ناک ہو رہے تھے اور ان کی تعداد کے بارے میں کوئی صحیح اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ مشعلوں کی جو لمبی قطار انہوں نے پہاڑ کی بلندیوں سے اترتے ہوئے دیکھی تھی وہ یہ ظاہر کرتی تھی کہ اس بار سندھانیوں نے اپنی پوری قوت جمع کر لی ہے اور اب صرف ایک ہی راستہ تھا زندگی بچانے کیلئے وہ لوگ دریا کے کنارے دوڑیں۔ تمام سامان زمین پر انبار تھا صرف گھوڑے تھے جنہیں استعمال کیا جا سکتا تھا، سندھایے اب دامن کے آخری سرے تک پہنچ گئے تھے اور اس کے بعد اگر وہ گھوڑے دوڑاتے ہوئے اس طرف آتے تو یہاں پہنچنے میں انہیں چند لمحات سے زیادہ نہ لگتے۔

شہباز خان کے ذہن پر دیوانگی طاری تھی لیکن اس وقت دیوانگی کا مظاہرہ بہت خوفناک ثابت ہو سکتا تھا چنانچہ اس نے اپنے گھوڑے کی جانب چھلانگ لگائی یہاں فطرت انسانی کا وہ اہم جزو سامنے آ گیا جس کے تحت چاہے غیر شعوری طور پر سہی اپنی زندگی مقدم ہو جاتی ہے اور شاید اس وقت ہر شخص پر یہی کیفیت طاری تھی سوائے کرنل مقبول کے کیونکہ اس کا بیٹا پانی کے بہاؤ کی نذر ہو گیا تھا تاہم ایک بہادر فوجی ہونے کی حیثیت سے اس نے اپنے اعصاب کو قابو میں رکھا۔ الاکشا سحر زدہ سی دریا کے پانی کی جانب دیکھ رہی تھی دوسرے لوگ اپنے اپنے گھوڑوں کی پشت پر سوار ہو چکے تھے کرنل پھرتی سے آگے بڑھا اور اس نے خود بھی

ایک گھوڑا سنبھال لیا پھر دوسرے لمحے اس نے الاکشا کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اس کے پھول جیسے بدن کو اپنے سامنے گھوڑے پر بٹھا لیا۔

اس دوران چرن گپتا، پروفیسر حاتم فریدی، مستان اور شہباز خان اپنے اپنے گھوڑوں کو ایڑ لگا چکے تھے چنانچہ کرنل نے بھی اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور پھر وہ وحشت کے انداز میں گھوڑے کو دوڑا رہا تھا۔ دوسری طرف سندھانیوں نے فائرنگ شروع کر دی تھی اگر ان کی بندوقیں قدیم انداز کی نہ ہوتیں تو یقینی طور پر یہ لوگ سندھانیوں کی رینج میں آ گئے تھے لیکن ان کی توڑے دار بندوقیں اور ناقص ہتھیار بہت کارآمد ثابت نہ ہو پائے اور ان کے گھوڑے زقندیں بھرتے ہوئے دریا کے کنارے بے جگری سے دوڑنے لگے اس وقت تمام ہی لوگ صورتحال سے وحشت زدہ ہو چکے تھے اور ان کی اس بھاگ دوڑ میں عقل و دانش کا دخل نہیں رہا تھا۔ چنانچہ ہر شخص ایک دوسرے سے بے نیاز زندگی بچانے کی فکر میں سرگرداں تھا۔ یہاں فطرت انسانی کھل کر سامنے آ گئی تھی۔

اقدار، مروت، تمام چیزیں ان کے وجود میں اب بھی موجود تھیں لیکن ایثار کا جذبہ اس ہنگامی کیفیات کی نذر ہو گیا تھا۔

چنانچہ جس کا منہ جدھر اٹھ رہا تھا وہ دوڑ رہا تھا تاہم دریا کے کنارے کو انہوں نے نہیں چھوڑا تھا اب یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ آگے چل کر راستہ کیا اختیار کر جائے؟

وہ راستوں کا تعین بھی نہیں کر رہے تھے اور اس وقت ان کی زندگی بچانے کا دارومدار صرف گھوڑوں کے شانوں پر آ ٹھہرا تھا۔ چنانچہ وہ بھی مالک کے اشارے پر جان کی بازی لگا کر دوڑ رہے تھے، یہ جانے بغیر کہ آگے کیا ہے۔ خوش قسمتی سے دریا کے کنارے سپاٹ تھے اور یہاں گھوڑوں کو دوڑنے میں کوئی ایسی رکاوٹ نہ تھی جس سے گھوڑوں کو دوڑنے میں تکلیف ہوتی۔

کرنل مقبول الاکشاء کو سنبھالے ہوئے تھے اور وہ تمام لوگ اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو چکے تھے، جو اس کے ساتھ دوڑے تھے۔ اس کے گھوڑے نے ذرا سا رخ تبدیل کر لیا تھا اور دریا کے سپاٹ کنارے کو چھوڑ کر وہ بائیں سمت کافی دور نکل گیا تھا لیکن کرنل نے ہوش و حواس پر قابو پاتے ہوئے گھوڑے کے رخ کو تبدیل کرنا شروع کر دیا اور تھوڑی دور پہنچنے کے بعد اس نے بھی سیدھی اختیار کر لی۔ جدھر دوسرے لوگ دوڑ رہے تھے۔

لیکن فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنے ساتھیوں کو نہیں دیکھ سکتا تھا، سندھانیوں کی رائفلوں کی بھائیں بھائیں جنگل کے سناٹے کو مجروح کر رہی تھیں اور یہ آواز پانی کے شور پر حاوی تھی اور سندھانیوں کے بارے میں یہ اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا کہ وہ پیچھے کر تعاقب کر رہے ہیں یا ان کی طرح سیدھ میں دوڑ رہے ہیں لیکن ان کی چلائی گئی گولیوں میں سے ایک گولی ابھی تک کرنل مقبول کے آس پاس سے نہیں گزری تھی۔

وہ آتشیں ہتھیاروں کا ماہر تھا اور ایسی صورت حال کا بخوبی اندازہ لگا سکتا تھا چنانچہ اسے یہ علم چند لمحات کے بعد ہی ہو گیا کہ سندھانی یقینی طور پر صرف کنارے پر ہیں۔ الاکشاء کو بچانے کی ذمہ داری اب اس

پر تھی اور اس نے تمام باتیں چند لمحات کے لیے ذہن سے نکال دی تھیں۔ وہ صرف برق رفتاری سے اپنے گھوڑے کی لگامیں سنبھالے ہوئے گھوڑے کو آگے ہی آگے بڑھا رہا تھا اور اس کی کوشش یہی تھی کہ باقی لوگوں سے جا ملے لیکن دوسرے لوگوں کے گھوڑوں کے قدموں کی چاپ یہاں تک سنائی دے رہی تھی جس کا مطلب تھا کہ فاصلہ خاصا زیادہ ہو گیا ہے وہ گھوڑا دوڑا تا رہا اور رفتہ رفتہ اسے یہ احساس ہوا کہ بندوق کی آوازیں اب معدوم ہوتی جا رہی ہیں۔

نیچے چٹانی زمین تھی، لیکن مٹی اتنی سخت نہیں تھی کہ گھوڑوں کے کھر زخمی ہو جاتے وہ تیز رفتاری سے گھوڑا دوڑا تا رہا اور پھر اسے اپنے سامنے درختوں کا ایک سلسلہ نظر آیا۔ گویا ایک بار پھر جنگل شروع ہو چکا تھا۔ یہاں گھوڑے کی رفتار کو کنٹرول کرنا ضروری تھا۔ اس برق رفتاری سے دوڑتا ہوا گھوڑا کسی درخت سے ٹکرا بھی سکتا تھا اور اس کے گھوڑے سمیت ان کا جو حشر ہوتا اس کا اندازہ کرنل کو بخوبی تھا۔

چنانچہ اس نے گھوڑے کی رفتار سست کرنا شروع کر دی اور جنگل کے سرے سے اندر داخل ہوتے ہوئے گھوڑا کافی حد تک اس کے قابو میں آ گیا۔ وفادار جانور اپنے مالک کا تحفظ بھی کرنا جانتا تھا چنانچہ وہ خود بھی اپنی رفتار کو سنبھال رہا تھا اور درختوں سے بچتا ہوا مسلسل آگے بڑھ رہا تھا کرنل نے اپنے ذہن کے دروازے بند کر لیے تھے کچھ سوچنا سمجھنا اس وقت کسی بھی خوفناک حادثے کو جنم دے سکتا تھا بس اس کے ذہن میں ایک ہی مقصد تھا، الاکشاء کو گھوڑے کی پشت پر جمائے رکھے اور سندھانیوں کی گرفت سے نکل جائے۔ بظاہر اس میں کامیابی ہی نظر آ رہی تھی۔

کیوں کہ اب نہ تو سندھانیوں کے گھوڑوں کی آوازیں تھیں نہ ان کے چیخنے کی آوازیں اور نہ ہی فائروں کی آوازیں لیکن اس سے ایک اور خطرہ لاحق ہو گیا تھا وہ یہ کہ کرنل اپنے لوگوں سے کافی دور نکل آیا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ان سے جدا ہو جائے۔

گھوڑے کی رفتار اب کافی حد تک سست ہو گئی تھی کیوں کہ آگے جنگل گھنے سے گھنا ہوتا جا رہا تھا اور درخت ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے، کرنل گہری گہری سانسیں لینے لگا گھوڑے کو درختوں کے درمیان سے نکلتا ہوا جس حد تک ممکن ہو سکا آگے بڑھا اب چاروں طرف ہولناک سناٹا طاری تھا اور دور دور تک کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

یہاں تک کہ کرنل کے حساس کانوں نے یہ اندازہ بھی لگا لیا کہ وہ دریا سے کافی دور ہو چکا ہے پانی کا وہ شور جو جنگل میں پھیلا ہوا تھا اب معدوم ہو چکا تھا۔ گھوڑے کو سست روی سے آگے بڑھاتے ہوئے کرنل یہ فیصلہ کرنے لگا کہ شہباز خان چرن گپتا، مستان اور پروفیسر غوری کا کیا ہوا کیونکہ وہ سندھانیوں کی زد پر تھے۔

پھر نمران اور ہرمیت سنگھ کا خیال آیا اور اس کے سینے سے جیسے کوئی چیز نکلتی ہوئی محسوس ہوئی، نمران اس کا بیٹا اس کی آرزوؤں کا مرکز ایک دلیر اور بہادر فوجی ہونے کی حیثیت سے کرنل کو اپنے اعصاب پر قابو تھا لیکن چند لمحات کے لیے نمران کے تصور سے اس کا ذہن معطل ہو گیا، اس کا دل سینے میں پھڑ پھڑانے لگا اس نے اپنی آنکھوں سے نمران کو پانی کی لہروں پر بہتے ہوئے دیکھا۔ ہرمیت سنگھ بھی نمران کے ساتھ تھا گھسٹتا چلا گیا تھا اس طوفانی دریا میں کہیں چٹانیں بھی ہوں گی اور کہیں ایسی جگہ بھی جہاں انسانی زندگی ممکن نہ

ہو...... کیا نمران...... کیا نمران...... اس کے حلق سے ایک سسکی سی نکل گئی اور اچانک ہی اس نے الاکشاء کا ہاتھ اپنے شانے پر محسوس کیا۔

آگے بڑھیے انکل رکنا ٹھیک نہیں ہے۔ الاکشاء سرد لہجے میں بولی اور کرنل اس کا چہرہ دیکھنے لگا، الاکشا کے تاثرات تو رات کی تاریکی کی وجہ سے اس کی سمجھ میں نہ آ سکے لیکن اس کا انداز پرسکون تھا جب کہ ایک لڑکی ہونے کی حیثیت سے اسے زیادہ مضطرب ہونا چاہیے تھا پھر کرنل کو خیال آ گیا کہ الاکشا کوئی عام لڑکی نہیں ہے بہرطور وہ اس کی ذمہ داری تھی اور اس وقت کوئی ایسا احساس مناسب نہیں تھا کیوں کہ کرنل کو الاکشا کو بھی سنبھالنا تھا البتہ وہ یہ ضرور چاہتا تھا کہ کسی بھی طرح اپنے بقیہ ساتھیوں سے جا ملے چنانچہ شدید اعصابی اور جسمانی تھکن کے باوجود اس نے ایک بار پھر گھوڑے کو داہنی سمت ڈالنے کی کوشش کی اور رفتہ رفتہ اسے آگے بڑھاتا رہا، وہ خود بھی گھوڑے کو کنٹرول کر رہا تھا اور اسے درختوں سے بچاتا ہوا آگے بڑھا رہا تھا بہت سے بہت سے خیالات اس کے دل میں تھے۔

آگے کسی بھی جگہ وحشی جانوروں سے سامنا ہو سکتا تھا اور ان سے نمٹنے کے لیے کرنل کے پاس کچھ نہیں تھا لیکن صرف یہ سوچ اسے روک نہیں سکتی تھی وہ بڑی پامردی سے حالات کا مقابلہ کرتا آگے بڑھتا رہا الاکشا بالکل خاموش تھی۔ کافی دیر اس طرح سفر کرتے گزر گئے لیکن جنگل کا یہ سلسلہ ختم نہ ہوا۔ نہ جانے دریا سے کتنا فاصلہ ہو چکا تھا۔ پھر ایک چٹانی دیوار نے ان کا راستہ روک لیا دیوار بالکل سیدھی تھی اور اس پر چڑھنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔

اس کے سامنے دامن میں چھوٹے تنوں والے عجیب سے درخت پھیلے ہوئے تھے جن میں رس بھری کی قسم کے پھل لٹک رہے تھے مگر بغیر پتوں والے، فضاء میں میٹھی میٹھی بو پھیلی ہوئی تھی یہاں آ کر کرنل رک گیا اس نے دیوار کا جائزہ لیا اور پھر ٹھنڈی سانس لے کر گھوڑے کو دیوار کے ساتھ ساتھ آگے بڑھانے لگا گھوڑا بھی محتاط نظر آ رہا تھا، کرنل سماعت کی پوری قوت صرف کر رہا تھا کہ پانی کا شور سنائی دے جائے ہو سکتا ہے چٹانی دیوار اس کے اور دریا کے درمیان حائل ہو۔

لیکن دور دور تک کوئی آواز تک سنائی نہ دی تھی۔ دیوار کا سلسلہ بھی طویل ترین تھا، گھوڑے کی رفتار بہت سست تھی۔ چنانچہ کرنل نیچے اتر آیا اور اس کی لگام پکڑ کر چلتا رہا پھر وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گیا جہاں دیوار گھوم گئی تھی اور اس طرح نہ جانے کہاں تک چلی گئی تھی کرنل رک گیا اب اس میں آگے بڑھنے کی سکت نہ رہی تھی۔

ادھر کرنل اور الاکشا اس مصیبت کا شکار تھے، دوسری طرف شہباز خان پروفیسر حاتم فریدی، مستان اور چرن لال گپتا، زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھے سندھانیوں نے کرنل مقبول کا راستہ کٹتے ہوئے تو نہیں دیکھا تھا لیکن وہ سامنے دوڑنے والے گھڑسوار کا تعاقب کر رہے تھے۔ مجبوری کی حالت میں ان لوگوں کو اس افراتفری کے عالم میں بھاگنا پڑا تھا اور ان کا کافی سامان عقب میں رہ گیا تھا، بس شہباز خان اور چرن گپتا، کے پاس رائفلیں تھیں جو انہوں نے نجانے کس طرح سنبھال رکھی تھیں اور اس افراتفری کے عالم میں دوڑتے ہوئے وہ بس یہی رائفلیں اپنے ساتھ لا سکے تھے یہ دو رائفلیں ان لوگوں کے لیے بیکار تھیں اور اب صرف

ایک ہی چارہ کار تھا کہ گھوڑوں کو طوفانی رفتار سے دوڑاتے رہیں اور جس طرح ممکن ہو سکے سندھانیوں سے دور نکل جائیں۔

سندھانی مسلسل ان کا تعاقب کر رہے تھے لیکن ان کی گولیاں ان تک نہیں پہنچ پا رہی تھیں البتہ گھوڑوں کو ایک ہی رفتار سے دوڑاتے رہنا بھی کاروار تھا اور اس وقت وہ اپنی تمام تر توجہ اسی پر صرف کیے ہوئے تھے۔ کئی بار شہباز خان نے پلٹ کر دیکھا تھا اور اسے سندھانی اپنے تعاقب میں نظر آئے تھے۔ ان کی مشعلیں اب بجھ چکی تھیں لیکن آسمان کی قدرتی روشنی میں وہ نظر آ رہے تھے۔ شہباز خان کو اچانک ہی ایک احساس ہوا تھا وہ یہ کہ سندھانیوں کی پوری تعداد ان کا تعاقب نہیں کر رہی بلکہ یہ تعداد کم رہ گئی تھی، شاید وہ اطراف میں پھیل کر انہیں گھیرنا چاہتے تھے اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ جس حد تک بھی ہو سکے وہ زیادہ سے زیادہ دور نکل جائیں اور اسی کوشش میں نجانے کتنا وقت گزر گیا تمام گھوڑے مسلسل ایک ہی رفتار سے دوڑ رہے تھے اور اب ان میں تھکن کے آثار نمایاں ہوتے جا رہے تھے لیکن کم بخت سندھانیوں نے اب بھی پیچھا نہیں چھوڑا تھا اور جب بھی ان کی جانب دیکھا نگاہ اٹھتی وہ اپنی اسی رفتار سے دوڑتے نظر آتے۔ آگے چل کر راستے کی کیفیت بھی تبدیل ہو گئی تھی انہوں نے دریا کا کنارہ نہیں چھوڑا تھا لیکن اب وہ جس جگہ موجود تھے وہاں ہموار راستے کے بجائے پتھریلی چٹانیں نظر آ رہی تھیں۔

بعض جگہ اونچے اونچے ٹیلے بھی تھے جو دور دور تک بکھرے ہوئے تھے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ راستہ آگے چل کر کیا رخ اختیار کر جائے۔ بعض ٹیلے دریا کے وسط میں بھی نظر آ رہے تھے اور اس کے ساتھ ہی احساس بھی ہو رہا تھا کہ یہاں دریا کا بہاؤ کم ہے، شہباز خان نے ایک لمحے کیلئے دل میں سوچا کہ کاش پانی سے گزرنے کا تجربہ کرنے کی بجائے وہ سامنے ہی آگے بڑھتے رہتے اور اس طرح کوئی ایسی جگہ تلاش کر لیتے جہاں سے دریا پایاب ہوتا۔ یہ ٹیلے اس بات کا مظہر تھے کہ یہاں دریا کا پاٹ چوڑا ہو چکا ہے اور اس کے بہنے کی رفتار کسی قدر مدھم تھی۔

لیکن اب وقت ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ سندھانی کسی بھی قیمت پر انہیں چھوڑنے کو تیار نہیں تھے اور مسلسل فائرنگ کرتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے ہاں ان کی فائرنگ میں اب شدت نہیں رہی تھی، بس!! وقتاً فوقتاً نشانہ لے کر گولیاں چلاتے اور چند لمحات کے لیے خاموش ہو جاتے، شاید اب وہ انہیں زندہ پکڑنا چاہتے تھے، کافی دور نکلنے کے بعد ایک گہرائی میں اترنا پڑا۔ درے کی شکل کی یہ گہرائی زیادہ نہیں تھی لیکن اتنی تھی کہ ان کے گھوڑے سندھانیوں کی نگاہوں سے محفوظ ہو گئے لیکن پھر اچانک ہی شہباز خان کے کانوں نے دھائیں دھائیں کی آوازیں سنیں اور اس کے کانوں نے یہ آواز پہچان لی۔ سندھانیوں کی توڑے دار بندوقوں کی آواز ذرا مختلف ہوتی تھی۔

لیکن یہ نئی فائرنگ کی جو آواز تھی ان میں جدید ترین رائفلوں کا استعمال کیا جا رہا تھا پھر ایک دو دھماکے بھی ہوئے جن کے بارے میں شہباز خان نے اندازہ لگایا کہ وہ یقیناً دستی بموں کے دھماکے تھے۔ شہباز خان کے چہرے پر حیرت کے آثار پھیل گئے، دوسرے لوگوں نے بھی یہ کیفیت محسوس کر لی۔ پروفیسر حاتم فریدی نے گردن گھما کر کہا۔

شہباز خان! اس تبدیلی کو محسوس کر رہے ہو۔ اوہو! دیکھا! غالباً وہ چیخوں کی آوازیں ہیں یقینی طور پر سندھانی...... پروفیسر جملہ پورا نہ کر سکا۔

رائفلوں کی آوازیں تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئیں اور ان میں انسانوں کی چیخیں بھی ابھرتی جا رہی تھیں یہ چیخیں واضح طور پر سنائی دے رہی تھیں اور اب اس میں کوئی شک نہیں رہا تھا کہ سندھانی کسی اور سے نبرد آزما ہو گئے تھے لیکن وہ کون تھے جنہوں نے اس وقت ان لوگوں کی ایسی بھرپور مدد کی تھی۔

گھوڑے غیر ارادی طور پر روک لیے گئے اور وہ صورت حال کا جائزہ لے رہے تھے۔ دفعتاً ہی شہباز خان کو داہنی سمت ایک ایسی جگہ نظر آئی۔ جس سے گزر کر اوپر پہنچا جا سکتا تھا اور اس نے فوراً ہی اپنے گھوڑے کو ایڑ لگا کر اس طرف دوڑایا چند ہی لمحات کے بعد وہ اس درے سے باہر نکل آیا تھا باقی لوگوں نے بھی اس کی تقلید کی اور وہ دور دور تک نگاہیں دوڑانے لگے جہاں سے اس درے کا آغاز ہوتا تھا وہیں پر سندھانیوں کو روک لیا گیا تھا اور وہ جو کوئی بھی تھے سندھانیوں پر مسلسل فائرنگ کر رہے تھے بلکہ ان کے پاس بموں کی اچھی خاصی تعداد معلوم ہوتی تھی۔

چنانچہ کئی بار لپکتے ہوئے شعلوں میں انہوں نے سندھانیوں کو گھرے ہوئے دیکھا تھا۔ دھماکے بھی سنائی دے رہے تھے سب کے چہرے حیرت کی تصویر بنے ہوئے تھے پھر انہوں نے اچانک ہی اپنی رائفلوں کو محسوس کیا اور شہباز خان آہستہ سے بولا۔

پروفیسر اگر ہم تھوڑا سا آگے بڑھ کر اس ٹیلے میں پہنچ جائیں تو میرا خیال ہے اپنی مدد کرنے والوں کی مدد کر سکتے ہیں۔

چرن گپتا کہنے لگا اس کے برعکس اگر ہم یہاں سے آگے بڑھ جائیں تو کیا حرج ہے۔

میرا خیال ہے چرن گپتا ایسا نہ کریں بلکہ اس وقت ان لوگوں کی مدد کرنا مناسب ہے جنہوں نے سندھانیوں کو ہمارے تعاقب سے روک دیا ہے اگر وہ سندھانیوں سے مرعوب ہو گئے تو سندھانی ان کے بعد ہمارے پیچھے لگے رہیں گے۔ آؤ چرن گپتا ہم ان کی مدد کریں، پروفیسر آپ اور مستان تم یہیں رکو، کیوں کہ تمہارے پاس رائفلیں نہیں ہیں۔

چرن گپتا شاید دل سے یہ بات نہیں چاہتا تھا اور یہاں سے نکل بھاگنے کا خواہش مند تھا لیکن شہباز خان سے اختلاف نہ کر سکا اور اس کے پیچھے پیچھے چل پڑا۔ اس بڑے ٹیلے کے نزدیک پہنچ کر انہوں نے گھوڑے چھوڑے اور بڑے اطمینان سے ٹیلے پر چڑھ گئے۔ ٹیلے کی بلندیوں سے آس پاس کے منظر نمایاں نظر آ رہے تھے۔ ان کے مددگار بڑی بڑی چٹانوں کے عقب میں تھے اور انہوں نے سندھانیوں کا راستہ بند کر رکھا تھا۔ وہ سندھانیوں پر مسلسل فائرنگ کر رہے تھے اور سندھانی منتشر نظر آ رہے تھے کئی گھوڑے مرے ہوئے پڑے تھے یقیناً ان کے نزدیک سندھانیوں کی لاشیں بھی ہوں گی۔ پھر انتظار کیے بغیر شہباز خان اور چرن گپتا نے بھی سندھانیوں پر فائرنگ شروع کر دی اور سندھانی چوں کہ اس طرف متوجہ نہ تھے اس لیے بری طرح ان کی گولیوں کا شکار ہو گئے جب کہ سامنے والوں سے بچنے کے لیے انہوں نے کئی جگہ آڑ لے رکھی تھی۔

شہباز اور چرن گپتا تاک تاک کر آڑ میں چھپے ہوئے سندھانیوں کو نشانہ بنانے لگے اور

سندھانیوں کے قدم اکھڑ گئے وہ بہت سی لاشیں چھوڑ کر فرار ہو گئے تھے اور چند لمحات کے بعد ایک سندھانی بھی وہاں نہ رہا لیکن چٹانوں کے عقب میں جو لوگ تھے ان کے بارے میں اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا۔

شہباز خان اور چرن گپتا نگاہیں جمائے ادھر ادھر دیکھ رہے تھے کہ اچانک ہی انہیں اپنے عقب سے ایک آواز سنائی دی۔

تم گولیوں کی زد پر ہو۔ سب سے پہلے اپنی رائفلیں پھینک دو اگر اس میں ایک لمحے کی تاخیر کی تو دونوں کو شکار کر لیا جائے گا۔

انہوں نے وحشت زدہ نگاہوں سے پلٹ کر دیکھا تو چار آدمی ان کے عقب میں موجود تھے، زبان انگریزی استعمال کی گئی تھی اور لہجہ بھی غیر ملکی تھا۔ چنانچہ یہ اندازہ لگانے میں انہیں کوئی وقت نہ ہوئی کہ یہ شروک کے ساتھی ہوں گے۔

شہباز خان نے صرف ایک لمحے کیلئے سوچا پھر چرن گپتا کو اشارہ کر کے بولا، رائفل ان کے حوالے کر دو چرن۔

چرن گپتا نے فوراً ہی رائفل اچھال دی تھی کیوں کہ اس نے بھی ان کی تنی ہوئی رائفلوں کو دیکھ لیا تھا جن کا رخ ان کی جانب تھا اور جن کی تعداد چار تھی، نیچے والوں نے فوراً ہی رائفلیں لپک لی تھیں۔ پھر انہیں دوسرا حکم دیا گیا۔

اب اطمینان سے نیچے آ جاؤ، کوئی حرکت نہیں کرو گے، تو کوئی نقصان بھی نہیں پہنچے گا، خبردار ہاتھ بلند رکھو پہلے تمہاری تلاشی لی جائیگی۔ اس کے بعد تم پر اعتبار کیا جائے گا۔

شہباز کان اور چرن گپتا نیچے اتر آئے فوراً ہی دو آدمی ان کے قریب پہنچ گئے اور پھر انہوں نے ان کی جیبوں میں جو کچھ تھا نکال کر اپنے قبضے میں کر لیا۔ شہباز اور چرن گپتا ان کے چہرے دیکھنے کی کوشش کر رہے تھے اور انہیں اپنے اندازے کی تصدیق ہو گئی تھی وہ اطراف کی چٹانوں میں چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے اور یہ چار افراد یقینی طور پر پہلے سے یہیں کہیں موجود تھے، بہر طور فوراً ہی ان دونوں کے ہاتھ پشت پر کر کے رسیوں سے کس دیئے گئے اور اس کے بعد وہ ان کے شانوں پر دباؤ ڈال کر انہیں آگے بڑھانے لگے۔

شہباز نے کہا۔ تم لوگ سندھانیوں کو ذہن میں رکھو۔ ہمارے معاملات تو آپس میں ہی طے ہو سکتے ہیں۔ لیکن اگر سندھانی یہاں آ گئے تو......؟

وہ اب نہیں آئیں گے۔ ہم نے ان میں سے سب ہی کو شکار کر لیا ہے، باقی جو لوگ بچے تھے انہیں ساتھ لیے ہوئے درے کی دوسری جانب بڑھنے لگے تھوڑی دیر کے بعد وہ اس حصے میں پہنچ گئے، جہاں چٹانوں کے عقب میں ان کے ساتھی موجود تھے، وہ سب چلتے پھرتے نظر آ رہے تھے اور شہباز خان اور چرن گپتا کے اندازے کے مطابق ان کی تعداد آٹھ نو سے کم نہیں تھی۔ باقی چار یہ تھے، گویا یہ کافی لوگ تھے۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ ان کے قریب پہنچ گئے، ایک آدمی نے گھوڑے بھی سنبھال رکھے تھے دوسری طرف موجود لوگوں میں سے ایک نے کہا۔

صرف دو......؟

ہاں......اس طرف یہ دو ہی تھے......

باقی لوگ کہاں ہیں؟ جس شخص نے یہ سوال کیا تھا اس نے بھاری لہجے میں کہا۔

اس طرف شہباز خان فوراً بولا وہ جانتا تھا کہ یہ پروفیسر حاتم فریدی اور مستان تو بالکل بیکار ثابت ہوں گے یا کہیں وہ فرار ہونے کی کوشش نہ کریں اس طرح وہ کرنل کی طرح ان سے جدا ہو جائیں گے۔

شہباز خان کے اشارے پر تین چار آدمی اس جانب دوڑ گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کی نگاہوں سے دور ہو گئے، تب وہ شخص جس نے یہ الفاظ ادا کیے تھے آہستہ آہستہ آگے بڑھا اور شہباز خان اور چرن گپتا کے قریب پہنچ گیا۔

چرن گپتا کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔

شروک

شہباز خان نے چوں کہ شروک کو نہیں دیکھا تھا لیکن چرن گپتا پہلے سے اسے دیکھ چکا تھا اس لیے فوراً ہی اس نے پہچان لیا تھا اس کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ اس شخص نے سن لیے اور اس کے ہونٹ مسکراہٹ کے انداز میں کھنچ گئے۔

ہاں میں شروک ہوں، اس نے سینہ تانتے ہوئے کہا اور پھر قریب آ کر چرن گپتا کا چہرہ غور سے دیکھنے لگا اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

مسٹر چرن گپتا! اور اس کے بعد وہ شہباز خان کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا۔

یہ اجنبی ہے...... یہ کون ہے، مسٹر چرن گپتا؟

میرا نام شہباز خان ہے۔ شہباز خان نے کہا۔

اور شروک گردن ہلانے لگا۔ شہباز نے اسے بہت غور سے دیکھا یہ شخص خود کو بحری قزاقوں کی نسل سے کہتا تھا اس کے اجداد قزاق ہوں یا نہ ہوں لیکن وہ خود شکل سے ڈاکو نظر آتا تھا۔ شہباز خان کو تعجب ہوا کہ ہریت سنگھ جیسے زیرک انسان نے اس شخص کے بارے میں دھوکا کیسے کھایا تھا، ان سے ہر بات کی توقع رکھی جا سکتی تھی، شروک نے اپنے ساتھیوں سے ان کے ہتھیاروں کے بارے میں پوچھا اور ان دونوں کی رائفلیں انہیں پیش کر دیں، شروک کے بکھرے ہوئے ساتھی یکجا ہو گئے تھے پھر وہ بھی آ گئے جو پروفیسر اور مستان کو لینے گئے تھے۔ پروفیسر حاتم فریدی اور مستان ان کے قبضے میں تھا۔

صرف دو، شروک غرایا اور کہاں ہیں؟

یہ دو تھے

اور کہاں ہیں؟ شروک نے دہاڑ کر پوچھا۔ اس بار مخاطب شہباز خان اور چرن گپتا تھے۔

منتشر ہو گئے، شہباز خان نے جواب دیا۔

کب؟ کیسے؟

سندھانیوں نے حملہ کیا تھا۔ شہباز نے پوری تفصیل شروک کو بتا دی اور وہ بے بسی سے تلملانے لگا دانت کچکچانے لگا۔

افسوس......افسوس......کچھ امید بندھی تھی وہ بھی ختم ہو گئی......باقی سندھانی تمہارا اسباب لوٹنے کے لیے رک گئے ہوں گے، اوہ......ہمیں تمہاری نہیں تمہاری خوراک کی ضرورت تھی وہ بھی گئی......وہ بھی گئی ......اور تم سب گدھے ہو۔

ہمارا اسلحہ بھی ان کے ہاتھ لگ گیا۔ شہباز نے کہا۔

اسلحہ کی کوئی کمی نہیں ہے۔ میرے پاس، انبار ہیں اس کے مگر خوراک......خوراک......شروک عجیب سے لہجے میں بولا پھر اس نے اپنے ساتھیوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

انہیں باندھ کر یہاں بٹھا دو

رسیوں کے ٹکڑے سے ان کے ہاتھ کس دیے گئے۔ کسی نے تعرض نہیں کیا تھا۔ رات آہستہ آہستہ گزر رہی تھی۔ انہیں یہاں بٹھانے کے بعد دو آدمی ان پر پہرہ دینے لگے، شروک اپنے بقیہ ساتھیوں کے ساتھ اس طرف چل پڑا۔ جہاں سندھانیوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں۔ وہ شاید ان کی تلاشی لینے گیا تھا۔ چاروں قیدی خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے چہرے تشویش و پریشانی کے آئینہ دار تھے۔ ہر شخص اپنے طور پر ان حالات کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

♥......♥......♥

تمام شیرازہ منتشر ہو گیا تھا۔ شہباز خان، پروفیسر حاتم، چرن گپتا اور مستان یہاں پھنس گئے تھے۔ کرنل مقبول اور الاشا ادھر بھٹک رہے تھے لیکن نمران اور ہرمیت سنگھ درحقیقت موت کے سفر پر تھے تیز و تند دریا انہیں تنکے کی طرح بہائے لیے جا رہا تھا۔ نمران کو پانی میں اترتے ہی احساس ہو گیا تھا کہ غلطی ہو گئی۔ طوفانی دریا ناقابل تسخیر ہے لیکن جوانی کے جوش میں اس نے وہیں سے واپس ہونے کے بجائے گھوڑے کو گہرے پانی کی طرف موڑ دیا اور اس کا نتیجہ ایک لمحے میں ظاہر ہو گیا۔

گھوڑے نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن پانی کے ہولناک ریلے نے اسے الٹ دیا اور نمران اس کی پشت سے جدا ہو گیا۔ کمر سے بندھے ہوئے رسے کو ایک جھٹکا لگا لیکن اس کے بعد کچھ نہ ہوا اور پانی اسے آغوش میں لیے دوڑ پڑا۔

نمران نے حواس قائم رکھنے کی کوشش کی اور تیراکی کے اصولوں کو آزما کر اپنا بدن ڈھیلا کر دیا۔ طاقتور پانی سے جنگ کسی طور ممکن نہیں تھی۔ ایک لمحے میں ہاتھ پاؤں ٹوٹ سکتے تھے۔ اس کی زبردست رگڑ بدن پیسے دے رہی تھی اور وہ خود کو پانی کی سطح پر برقرار نہ رکھ پا رہا تھا۔ پانی اسے کبھی ڈبو دیتا کبھی ابھار دیتا اور یوں فن تیراکی کے تمام اصول بیکار ہو گئے تھے۔

چند ہی لمحات کے بعد ہوش و حواس مفلوج ہونے لگے، سوچنے سمجھنے کی قوتیں سلب ہو گئیں اور پھر وہ صرف پانی کے رحم و کرم پر رہ گیا۔ جوان اور قوی بدن البتہ یہ سب کچھ برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اس لیے بے ہوشی طاری نہیں ہوئی تھی لیکن نیم غشی کی کیفیت ضرور تھی اور ہاتھ پاؤں ہلانے کی سکت نہیں رہی تھی۔

بار بار کمر میں بندھے رسے کو جھٹکا لگتا تھا البتہ اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی نہ جانے کتنے وقت تک اس انوکھے سفر کی رفتار یہی رہی۔ اس کے بعد یوں لگا جیسے یہ شور کم ہونے لگا لیکن یہ سب کچھ بس

خواب کی سی کیفیت میں تھا۔ آنکھیں بند تھیں اور ذہن میں بار بار سناٹے چھا جاتے تھے اس کے مسلسل سکوت چھا گیا۔ آگے بڑھنے کی رفتار بھی نہ ہونے کے برابر تھی۔ ایک بار پھر کمر کو جھٹکا لگا اور حواس کی آخری جدوجہد بھی ختم ہو گئی۔

پھر اس وقت ہوش آیا جب سورج کی کرنیں آنکھوں میں چبھنے لگیں۔ اس نے آنکھیں کھولیں اور جلدی سے بند کر لیں۔ ڈھیلوں میں چمک سی مار گئی تھی۔ آنکھوں میں درد ہونے لگا تھا۔ دیر تک دوبارہ آنکھیں کھولنے کی ہمت نہ ہو سکی اور وہ اسی طرح پڑا رہا۔ تمام حسیں آہستہ آہستہ جاگ رہی تھیں۔ اسے پانی کا احساس ہوا جو اس کے بدن کو چھوتا ہوا گزر رہا تھا۔ اس کے ہاتھوں نے کوئی سہارا تلاش کرنے کی کوشش کی اور تھوڑے سے پانی کے نیچے اسے زمین کا سہارا مل گیا۔ اس نے زمین پر ہاتھ لگا کر اٹھنے کی کوشش کی تو دفعتاً اسے کانوں کے قریب پروں کی پھڑپھڑاہٹ سنائی دی۔

کوئی بڑے پروں والا پرندہ قریب ہی سے اڑا تھا پروں کی ہوا اس کے چہرے سے ٹکرائی اور بدبو کا ایک بھبکا ناک میں چڑھ گیا۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ چھتری جیسے چوڑے پروں والا گدھ اس کے سر سے گزر کر کچھ فاصلے پر ایک پتھر پر جا بیٹھا تھا۔ اس نے سہمی ہوئی نظروں سے اس بدصورت پرندے کو دیکھا اور جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔

لیکن کمر اچانک کھنچنے لگی اور وہ ایک سمت لڑھک گیا۔ تب اس نے کمر میں بندھے ہوئے رسے کو دیکھا اور اس رسے پر نگاہ پڑتے ہی حواس کے تمام دروازے کھل گئے، سب کچھ یاد آ گیا، اس نے بوکھلائی ہوئی نظروں سے چاروں طرف دیکھا، تیز رفتار دریا یہاں تک پہنچ کر دور دور تک پھیل گیا تھا۔ جہاں تک نظر جاتی تھی پانی ہی پانی نظر آ رہا تھا کہیں گہرا کہیں اتھلا، چاروں طرف اونچے نیچے پتھر بکھرے ہوئے تھے۔

غالباً یہاں زمین اونچی ہو گئی تھی جس کی وجہ سے دریا کی روانی سست پڑ گئی تھی۔ اس کے تھوڑے ہی فاصلے پر پانی کی شر شر......شر کافی زوردار تھی اور یہاں سے جھاگ اڑ رہے تھے۔ انہیں جھاگوں میں ایک لمبے نوکیلے لیکن مضبوطی سے زمین پر گڑے ہوئے پتھر میں اس کے رسے کا درمیانی سرا الجھ گیا تھا۔ دریا میں بکھرے پتھروں پر بہت سے گدھ بیٹھے ہوئے تھے۔

خوف کی ایک لہر اس کی رگ و پے میں دوڑ گئی۔ یہ مردار خور اسے چٹ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن اس بار اس نے خود کو پوری طرح سنبھال کر بدن سیدھا کیا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ رسہ کچھ ڈھیلا پڑا تو ایک بار پھر اس کے قدم اکھڑنے لگے۔ رسہ دوسری طرف سے کھینچ رہا تھا اس نے جھرجھری لے کر بدن کو سنبھالا اور رسے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا پھر وہ اسی کی قوت کے سہارے آگے بڑھنے لگا، پانی اس کے ٹخنوں سے کچھ اونچا تھا۔ تھوڑی دور چل کر وہ گھٹنوں تک آ گیا پھر جب وہ پانی میں گڑی ہوئی اس نوکیلی چٹان کے پاس پہنچا تو اس نے ایک اور سنسنی خیز منظر دیکھا اس کے دوسرے سرے سے بندھا ہوا ہرمیت سنگھ، تیزی سے بہتے ہوئے پانی میں نظر آ رہا تھا۔

پانی اسے گھسیٹ رہا تھا یہی وجہ تھی کہ رسہ ڈھیلا ہوتے ہی دوسری طرف کھنچنے لگا تھا اس طرف پانی کا گہراؤ اور پانی کا بہاؤ تیز تھا۔ دونوں پانی کے تیز بہاؤ کے ساتھ بہتے ہوئے یہاں تک پہنچے تھے اور یہاں

اس نوکیلی چٹان نے ان کی مدد کی تھی۔ رسہ درمیان سے اس چٹان میں اٹک گیا تھا۔ اگر دونوں سیدھ میں ہوتے تو بہتے ہوئے آگے نکل جاتے۔ ہرمیت سنگھ شاید ہوش میں نہیں تھا اس لیے بے سدھ نظر آ رہا تھا۔

نمران نے فوراً کاروائی شروع کر دی اور ہرمیت سنگھ کو پوری قوت سے گھسیٹنے لگا ہرمیت سنگھ کے قوی ہیکل بدن کو گہرے پانی کے بہاؤ سے نکالنے کیلئے اسے سخت محنت کرنا پڑی تھی لیکن وہ اس میں کامیاب ہو گیا تھا۔

ہرمیت سنگھ کو بہاؤ سے بچا کر نمران نے گہری سانس لی۔ اسے یہ اندازہ تو ہو گیا تھا کہ وہ زندہ ہے اب اس کے علاوہ چارہ کار نہ تھا کہ وہ اسے اٹھا کر کنارہ تلاش کرے حالاں کہ خود اس کے اعصاب بھی کشیدہ تھے اور جسمانی قوتیں بھرپور طور پر ساتھ نہ دے پا رہی تھیں لیکن یہ سب کچھ تو کرنا ہی تھا۔

بمشکل تمام اس نے ہرمیت سنگھ کو شانوں پر اٹھایا اور کنارے کی تلاش میں نگاہیں دوڑانے لگا دریا کے وسیع و عریض پھیلاؤ کو دیکھ کر وحشت طاری ہوتی تھی۔ وہ درخت دو فرلانگ سے کم دور نہ ہوں گے جو کنارے کا نشان دے رہے تھے لیکن اس کے علاوہ چارہ کار نہیں تھا۔ نمران لرزتے قدموں سے چل پڑا بھوکے گدھ غصے سے چیختے ہوئے ان کے گرد منڈلانے لگے تھے۔

♥......♥......♥

الاکشا اس دوران بالکل خاموش رہی تھی۔ کرنل کی کوششوں پر اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا نہ ہی اپنے طور پر اس نے کوئی مشورہ دیا تھا۔ کرنل نے گھوڑے سے اتر کر اسے بھی سہارا دیا اور پھر گھوڑے کو ایک پتھر سے باندھ دیا۔ الاکشا خاموشی سے ایک پتھر سے پشت لگا کر بیٹھ گئی تھی۔

کرنل چاروں طرف نظریں دوڑاتا رہا۔ پھر خود بھی گہری سانس لے کر الاکشا سے کچھ فاصلے پر جا بیٹھا۔ رات آہستہ آہستہ سفر کر رہی تھی ماحول پر مکمل خاموشی طاری تھی اور کہیں سے کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی ہو سکتا ہے دن کی روشنی میں کوئی کام بن جائے۔ رات میں راستوں کا تعین کرنا بھی تو مشکل تھا۔ کرنل نے دل ہی دل میں سوچا۔ اس کی نگاہیں الاکشا کی جانب اٹھ گئیں وہ بے چینی سے گردن پیچ رہی تھی۔

کرنل چند لمحات اسے دیکھتا رہا...... پھر اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قریب آ بیٹھا۔ الاکشا چونک کر کرنل کی صورت دیکھنے لگی تھی۔

الاکشا بیٹے! کرنل نے محبت بھرے انداز میں اسے آواز دی اور الاکشا کھوئی کھوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

اگر ہو سکے تو تم تھوڑی دیر آرام کر لو...... تھکن سے بیمار نہ ہو جاؤ۔

الاکشا نے کوئی جواب نہ دیا وہ جلتی نگاہوں سے کرنل کو دیکھتی رہی پھر اس نے پتھر سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔ کرنل اس کی اس کیفیت کا صحیح طور پر اندازہ نہیں لگا سکتا تھا لیکن اسے یہ اچھی طرح اندازہ تھا کہ الاکشا بھی نمران کو چاہتی ہے اور دونوں نے ایک دوسرے کی رفاقت اسی محبت کے ناتے قبول کی ہے۔ ہو سکتا ہے الاکشا کے ذہن میں نمران کا تصور ہو۔

بہر طور وہ چند لمحات الاکشا کے پاس بیٹھا رہا اور پھر وہاں سے اٹھ کر دوبارہ اپنی جگہ آ بیٹھا۔ اب

تک کا وقت جدوجہد میں گزرا تھا اور وہ دوبارہ ان لوگوں کو پانے کیلئے کوشاں رہا تھا لیکن اب جب یہاں آ کر بیٹھا تو دل پر ایک عجیب سی کیفیت کا حملہ ہوا۔

نمران...... نمران...... جس کے لیے اس نے یہ تکلیف دہ سفر کیا تھا۔ ہاں یہ ایک ٹھوس سچائی تھی کرنل اس دنیا میں اپنے بیٹے سے زیادہ کسی کو نہیں چاہتا تھا۔ ایسے تعاون کرنے والے باپ مشکل ہی سے ہوتے ہیں۔ یونیورسٹی میں بھی جب نمران اور الاکشا تعلیم حاصل کرتے تھے۔ کرنل نے دو تین بار الاکشا کو دیکھا تھا۔ ویسے بھی شہباز خان سے اس کے اچھے تعلقات تھے لیکن ان تعلقات میں مزید قربت الاکشا کی وجہ سے پیدا ہوئی تھی اور اس کے بعد جب الاکشا ایک انوکھی بیماری کا شکار ہو گئی تو کرنل نے تشویش سے اپنے اکلوتے بیٹے کے مستقبل کے بارے میں سوچا۔ اسے یہ اندازہ تھا کہ نمران الاکشا کو بہت چاہتا ہے۔

کیا نمران الاکشا کی جدائی برداشت کر سکے گا؟ جب اس نے نمران کو اس جانب مائل پایا کہ الاکشا کسی بھی کیفیت کا شکار ہو وہ اس کا ساتھ نہیں چھوڑے گا تو کرنل متقبول بھی دل و جان سے اس جانب متوجہ ہو گیا اور اس کے بعد وہ پراسرار واقعات سامنے آئے الاکشا کی کہانی کرنل کے علم میں آئی۔ کرنل نے ایک باپ کی حیثیت سے بار بار سوچا کہ کہیں نمران کسی مصیبت کا شکار نہ ہو جائے...... جب بیٹے کی کیفیت ذہن میں آئی تو وہ یہ بھی سوچتا کہ کہیں الاکشا سے جدائی بیٹے کیلئے زندگی بھر کا روگ نہ بن جائے۔

چنانچہ اس نے اپنے دل و دماغ کے خلاف فیصلہ کیا اور ہر طرح نمران کا ساتھ دینے لگا۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنی پرسکون زندگی چھوڑ کر جنگلوں کا رخ کیا تھا حالاں کہ فوجی زندگی سے ریٹائرمنٹ کے بعد وہ بقیہ زندگی آرام سے گزارنا چاہتا تھا اور اس نے اس کے لئے معقول بندوبست کر لیا تھا لیکن تقدیر کے فیصلے انسانی فیصلوں سے مختلف ہوتے ہیں اور تقدیر جو بھی فیصلہ کرتی ہے وہی آخری فیصلہ ہوتا ہے چنانچہ اسے ایک بار پھر مہم جویانہ زندگی کی طرف آنا پڑا۔

لیکن جس کے لئے اس نے یہ سب کچھ کیا تھا وہ ایک ایسی کیفیت کا شکار ہو کر اس کی نگاہوں کے سامنے سے غائب ہوا تھا کہ کرنل کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوا جا رہا تھا...... اب جو سکون سے بیٹھ کر سوچا تو دل کی وحشت بڑھتی گئی...... وہ پرشور دریا...... وہ ہولناک بہاؤ اور نمران کا اس میں تنکے کی مانند بہہ جانا۔ ہرمیت سنگھ جیسے آدمی کا اپنے آپ کو نہ سنبھال پانا اس بات کا مظہر تھا کہ نمران زندگی سے موت کی جانب روانہ ہو چکا ہے۔ کرنل کے دل سے ایک سرد آہ نکل گئی۔

آہ...... نمران کیا ان جنگلوں میں لا کر تم مجھ سے دور ہو جانا چاہتے ہو کیا تم...... کیا تم آہ کیا یہ سچ تھا کہ تم اس لڑکی کی نحوست کا شکار ہو جاؤ گے۔ اس کے دل کی کیفیت بدلی۔ لیکن اس نے اس بدلی ہوئی کیفیت سے اپنے آپ کو نکال لیا۔

نہیں یہ انسانی معاملات نہیں ہیں۔ تقدیر کے کھیل کچھ اسی قسم کے ہوتے ہیں یہ لڑکی بے چاری بے گناہ ہے بہت سے احساسات کرنل کو تڑپاتے رہے اور وہ اپنی آنکھوں کو صاف کرتا رہا۔ کاش اسے کسی طرح نمران کا پتہ چل جائے کاش، مگر کیسے...... کیا اس جنگل میں اب تنہائی کے علاوہ کچھ نہ ہوگا، پتہ نہیں وہ زندہ سنہاٹیوں کے چنگل سے نکل آئے یا ان کا شکار ہو گئے۔ فضاء میں ہلکی سی نمی پیدا ہو گئی تھی، شبنم پڑ رہی

تھی اور ماحول بھیگتا جا رہا تھا، کرنل کے ذہن پر غنودگی سی طاری ہو گئی یہ تھکن کا نتیجہ تھا۔ وہ نجانے کتنی دیر اس غنودگی کے عالم میں رہا کہ دفعتاً اس کے کانوں میں چند آوازیں گونجیں، یہ بھیڑیوں کے چلانے کی آوازیں تھیں کرنل سنبھل کر بیٹھ گیا، وہ ان آوازوں کو سنتا رہا اس نے ایک نگاہ الاکشا پر ڈالی اور ایک بار پھر اسے چونکنا پڑا۔

الاکشا سو نہیں رہی تھی اب وہ اس پتھر سے تھوڑے فاصلے پر دوزانوں بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے سامنے وہی لکڑیاں پھیلی ہوئی تھیں جنہیں کرنل بھی کئی بار دیکھ چکا تھا الاکشا بڑے انہماک سے لکڑیوں پر جھکی ہوئی تھی اور دور سے بھیڑیوں کے چلانے کی آوازیں فضا میں ابھر رہی تھیں لیکن ان آوازوں کا فاصلہ کافی تھا اور بظاہر دور محسوس ہوتا تھا تاہم کرنل کا ہوشیار رہنا ضروری تھا۔ پھر الاکشا آہستہ آہستہ اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔

کرنل کا دل دھڑکنا بھول گیا۔

یہ چمکتا ہوا چہرہ کسی انسان کا نہیں تھا۔ ایک عجیب سی چمک اس کے چہرے پر تھی اور اس کی آنکھوں سے روشنی سی پھوٹتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ ایک ایک قدم گن گن کر آگے بڑھی اور ایک اونچے پتھر پر جا کر کھڑی ہو گئی۔ پھر اس نے اپنے دونوں ہاتھ فضاء میں پھیلا دیئے اور اس کے بعد کرنل نے ایک اور آواز سنی یہ بھیڑیوں ہی کے چلانے کی آواز تھی لیکن اتنی طویل کہ کرنل کو اس کے سانس کی قوت پر حیرت ہوئی۔

یہ آواز الاکشا کے حلق سے نکل رہی تھی۔ اس کے ہاتھ بدستور فضا میں پھیلے ہوئے تھے دور چلانے والے بھیڑیے خاموش ہو گئے تھے لیکن الاکشا کے حلق سے یہ آوازیں مسلسل نکل رہی تھیں اور رات کے اس ہولناک سناٹے میں اگر کوئی کچے دل کا انسان اس کیفیت کو دیکھ لیتا تو یقینی طور پر اس کے دل کی حرکت بند ہو جاتی۔ الاکشا ایک پر اسرار وجود محسوس ہو رہی تھی۔ کئی بار اس کے حلق سے وہ آوازیں نکلیں اور اس کے بعد اس نے دونوں ہاتھ نیچے گرا دیئے اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اپنی جگہ پر آ بیٹھی اور لکڑیوں کو پھر سے الٹ پلٹ کرنے لگی۔

کرنل پریشان انداز میں الاکشا کو دیکھ رہا تھا۔ آخر اس لڑکی کی پر اسرار کہانی کیا ہے یہ کیا چیز ہے کچھ سمجھ میں تو آئے وہ سوچ رہا تھا لیکن الاکشا سے مخاطب ہونا اس وقت اس کیلئے ممکن نہ تھا۔ دلیری اپنی جگہ ایک الگ حیثیت رکھتی تھی لیکن جو پر اسرار واقعات کرنل کے سامنے آ رہے تھے ان میں مداخلت اس کیلئے ممکن نہ تھی، بہت دیر تک وہ الاکشا کو دیکھتا رہا الاکشا نے لکڑیاں سمیٹیں انہیں احتیاط سے رکھا اور پھر اسی پتھر سے جا کر پشت لگا لی شاید اب وہ سو رہی تھی کیوں کہ تھوڑی دیر بعد کرنل نے اسے ایک طرف لڑھکتے ہوئے دیکھا، اس نے اپنے دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے اور گہری نیند سو گئی۔

کرنل ٹھنڈی سانس لے کر آسمان کو دیکھنے لگا تھا پھر صبح کی روشنی آہستہ آہستہ نمودار ہونے لگی اور تھوڑی دیر کے بعد سورج کے آثار نظر آنے لگے۔

صبح ہو گئی تھی کرنل نے چہرہ زور سے جھٹکا اور اٹھ کھڑا ہوا کچھ بھی تھا زندگی گزارنے کے لیے اپنے آپ کو سنبھالنا ضروری تھا کرنل کی خواہش تھی کہ وہ فوراً ہی اپنے ساتھیوں کی تلاش شروع کر دے لیکن یہ اتنا آسان کام نہیں تھا دن کی روشنی میں بھی اس نے اس ماحول کو دیکھا تھا اور اس نے بالکل اجنبی پایا تھا دریا کا شور کہیں سنائی نہیں دے رہا تھا۔

بہر طور وہ الاکشا کو جگائے بغیر ادھر ادھر دیکھتا رہا اور پھر کسی خیال کے تحت ان درختوں کی جانب بڑھ گیا جن پر وہ رس بھری قسم کے پھل لٹک رہے تھے پیٹ کی آگ ہر آگ سے زیادہ شدید ہوتی ہے اور کرنل کو شدید بھوک لگ رہی تھی، کرنل نے ایک پھل چکھا اور اسے لذیذ پا کر بہت سے پھل توڑ لیے۔ وہ ان پھلوں کو کھانے لگا بلاشبہ یہ اس کی ہمت تھی کہ ایسے دلدوز سانحے کے باوجود اس نے اپنے آپ کو قابو میں رکھا تھا نجانے کیوں اندر سے ایک اعتماد ابلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

نمران اس آسانی سے موت کا شکار نہیں ہو گا، جس طرح وہ بھٹکتا ہوا ادھر نکلا ہے اس طرح نمران کو بھی کنارہ مل جائے گا یہ اپنے آپ کو بہلانا نہیں تھا بلکہ اس کی دلی کیفیت اس بات کا اظہار کر رہی تھی پھر وہ اسی وقت چونکا جب اسے الاکشا کی آواز سنائی دی۔

الاکشا جاگ گئی تھی اور اسے دیکھ رہی تھی اس نے دوبارہ کرنل کو پکارا......

انکل...... انکل......اور کرنل بہت سے پھل لیے اس کی طرف پلٹا الاکشا کے ہونٹوں پر ایک پر سکون مسکراہٹ تھی اور وہ بالکل نارمل نظر آ رہی تھی کرنل کے ہاتھوں میں یہ پھل دیکھ کر وہ ہنس پڑی۔

آپ نے کھائے انکل۔ اس نے پوچھا۔

ہاں...... بیٹے لو تم کھا لو بھوک لگ رہی ہو گی۔

الاکشا نے خوشی سے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے اور کرنل نے وہ پھل اس کے ہاتھ میں رکھ دیئے۔ الاکشا بڑے مطمئن انداز میں یہ پھل کھانے لگی اس وقت وہ صحیح الدماغ معلوم نہیں ہو رہی تھی اس نے اس ماحول سے ذرا بھی تشویش کا اظہار نہیں کیا تھا اور اس طرح مطمئن نظر آ رہی تھی جیسے سب کچھ معمول کے مطابق ہو۔

کرنل تشویش بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگا اس کی کیفیت سے یہ احساس ہوتا تھا کہ الاکشا اس وقت درست نہیں ہے پھل کھانے کے بعد الاکشا نے گردن ہلائی اور پھر چاروں طرف دیکھنے لگی پھر آہستہ سے بولی۔

آیئے انکل اس طرف چلیں۔ کرنل چونک کر الاکشا کو دیکھنے لگا تو اس نے پر اعتماد انداز سے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

ہاں انکل تشویش کی کوئی بات نہیں ہے یہ سب کچھ...... سب کچھ میرا اپنا ہے، میں...... میں...... وہ ایک دم جیسے چونک سی پڑی، پھر کرنل کو دیکھ کر ہنس پڑی۔

آیئے نہ گھوڑا کھول لیجئے۔

کرنل خاموشی سے آگے بڑھا اور اس نے اس گھوڑے کو پتھر کی گرفت سے آزاد کر دیا اس کے بعد وہ دونوں گھوڑے کی پشت پر سوار ہو گئے۔ الاکشا جس طرح مطمئن اور مسرور نظر آ رہی تھی۔ اس سے کرنل کو اور زیادہ تشویش ہو گئی تھی۔ پھر کچھ دور چلنے کے بعد الاکشا نے اچانک کہا۔

اگر آپ نمران کے لئے پریشان ہیں انکل تو اس پریشانی کو ذہن سے نکال دیں وہ زندہ ہے ٹھیک ہے میرا حساب یہی کہتا ہے۔

کرنل بری طرح چونک پڑا تھا۔

♥......♥......♥

اس انوکھی داستان کے تمام کردار اب تین حصوں میں تقسیم ہو گئے تھے، ہرمیت سنگھ اور شہباز خان نے جوانی کے عالم میں بہت سی مہمات سرانجام دی تھیں، بڑے بڑے سرکش اور وحشی جانور ہلاک کیے تھے۔ بہت سے پریشان کن حالات کا شکار ہوئے تھے۔

لیکن ان جنگلات میں برسوں قبل جس کہانی کا آغاز ہوا تھا وہ آج بھی جاری تھی اور غور کرنے سے پتا اندازہ ہوتا تھا کہ اس کہانی میں کہیں بھی کوئی سکتہ پیدا نہیں ہوا۔

الاتشا شہباز خان کے پاس تھی اور شہباز خان نے صرف اکبر خان کو الاتشا کے بارے میں بتایا تھا بلوشہ کو اس نے اس راز سے آگاہ نہیں کیا تھا کہ وہ بے اولاد تھی اور اس نے الاتشا کو اپنی اولاد ہی کی مانند پرورش کیا تھا بلکہ وہ محرومی کے اس احساس سے نکل آئی تھی جو اولاد نہ ہونے کی وجہ سے اس کے دل میں پیدا ہو گیا تھا عورت، عورت ہی ہوتی ہے اگر الاتشا کے حصول کی کہانی بلوشہ کو معلوم ہو جاتی تو پتہ نہیں اس کے احساسات کیا ہوتے۔

چنانچہ شہباز خان نے اس راز کو اپنے دل میں گھونٹ کر رکھا تھا لیکن ان پراسرار جنگلات سے شروع ہونے والی یہ کہانی مسلسل آگے بڑھ رہی تھی الاتشا کے بچپن کی کیفیات اس کے بعد رفتہ رفتہ اس کی جوانی کا سرحدوں میں داخل ہونا اور پھر اس کے اندر یہ تمام کیفیات پیدا ہونا۔ اس کہانی کی مسلسل کڑیاں تھیں اور پھر ایک وقت بالآخر آ گیا جب یہ کہانی اپنے انجام کی جانب چل پڑی۔ شہباز خان نے اس طویل عرصے کے دوران کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ یہ کہانی کوئی اور موڑ اختیار کر لے گی......

اس کے ذہن میں تو بس یہی خیال تھا کہ الاتشا جو کوئی بھی ہے اس کی اولاد کی حیثیت سے منظر عام پر ہے اور وہ اس کے ذریعے اپنے تمام تصورات کی تکمیل کرے گا، بہرطور اس کے بعد الاتشا کی شخصیت ایک نیا روپ دھار گئی تھی اور شہباز خان نے ایک مخلص انسان کی طرح اسے منجدھار میں چھوڑنا پسند نہیں کیا تھا اور اسے اس کی حقیقتوں کی طرف لے آیا تھا لیکن ان پراسرار جنگلات میں یہ کہانی اب ایک ایسا رخ اختیار کر چکی تھی کہ خود شہباز خان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اب اسے کونسے راستے پر لے جائے اس کی اپنی تمام صلاحیتیں بے کار ہو گئی تھیں۔

مہم جو زندگی کیلئے جوانی از حد ضروری ہے اس کا احساس اب اسے ہو رہا تھا واقعی گزرنے والا وقت بہت سی تبدیلیاں پیدا کرتا ہے اور انسان کی صلاحیتیں وہ نہیں رہ جاتیں جو جوانی کے عالم میں ہوتی ہیں بے شک تجربہ بڑھ جاتا ہے لیکن صرف تجربہ ہی کارآمد نہیں ہوتا۔ اس کے لیے جسمانی صلاحیتیں بھی ضروری ہوتی ہیں۔

شروک کی قید میں آنے کے بعد اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرے، حالات نے ایکدم جو تبدیلی اختیار کی تھی اس نے ان سب کے دل و دماغ ایک دم سے معطل کر دیئے تھے۔

نمران کے بارے میں سوچتا تو کلیجہ منہ کو آنے لگتا۔ ہرمیت کی یاد آتی تو دل ہولنے لگتا کیا اس کا بہترین دوست اس کا ساتھ چھوڑ گیا ہے کیا الاتشا کی زندگی کا ایک باب دریا کی گہرائیوں کی نذر ہو گیا ہے اگر ایسا ہوا ہے تو اس کے بعد کیا ہو گا یہ تصور بے حد اذیت ناک تھا اور شہباز خان اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے بہت بار

اس بارے میں سوچ چکا تھا۔

شروک کی کیفیت جنونیوں کی سی تھی اور اس کا لباس تار تار تھا۔ ان سب کے حلیے بری طرح خراب ہو رہے تھے۔ وہ خوراک سے محروم ہو گئے تھے کہیں ان کی یہ دیوانگی کوئی ہولناک رخ نہ اختیار کر جائے۔ شہباز کے ساتھ جو لوگ تھے ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو اپنے طور پر کسی دلیری کا مظاہرہ کر سکے۔

پروفیسر ایک مرنجاں مرنج قسم کا آدمی تھا بے چارے کی تقدیر ہی خراب تھی کہ ان لوگوں کے ساتھ ان جنگلوں میں آ پھنسا تھا چرن گپتا بھی اس دنیا کا انسان نہیں تھا باقی مستان تو وہ بذات خود ایک بے وقوف سا انسان تھا، چنانچہ اس وقت تمام تر ذمہ داری شہباز خان پر ہی تھی کرنل اور الاتشا کا کچھ پتہ نہیں تھا وہ دونوں نجانے کس طرف نکل گئے تھے اس طرح سب ہی منتشر ہو گئے تھے مگر سب سے زیادہ غم نمران اور ہرمیت سنگھ کا تھا ان دونوں پر کیا بیتی؟ کیا دریا کی تیز لہریں انہیں زندگی کی جانب واپس آنے دیں گی۔ کہیں وہ پتھر سے ٹکرا کر پاش پاش نہ ہو جائیں۔

آہ......اگر یہ کہانی اس انداز میں ختم ہوئی تو یہ تاریخ کا سب سے بڑا المیہ ہو گا، جیتے جاگتے لوگ کسی لالچ کے بغیر ایک مقصد کی تلاش میں نکلے تھے اور ایک معمہ حل کرنا چاہتے تھے لیکن ان کا انجام کچھ اچھا تو نہ تھا شہباز خان نے گردن جھٹکی اور تاریکی میں آنکھیں پھاڑنے لگا، شروک کے ساتھی ان پر پہرہ دے رہے تھے شروک اور دوسرے لوگوں کا کچھ پتہ نہ تھا اس طرح رات آہستہ آہستہ ختم ہونے لگی اور پھر دوسری صبح شہباز خان اور اس کے ساتھیوں نے شروک اور اس کے وحشی ساتھیوں کو دیکھا وہ سب ایک جگہ بیٹھے اونگھ رہے تھے، پتہ نہیں چل سکا تھا کہ وہ رات کو کس وقت واپس آ گئے جب کہ شہباز خان ایک لمحے کیلئے بھی نہیں سویا تھا۔

بہرحال ان کے بارے میں جستجو بھی نہیں کی جا سکتی تھی شہباز کو تو اب یہ فیصلہ کرنا تھا کہ کسی طرح شروک سے نجات حاصل کرے۔ اپنے طور پر وہ اس شخص کا دشمن نہیں تھا لیکن اسے اس کی قید میں رہنا بھی پسند نہیں تھا۔

پھر دوسری صبح اس نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا۔ شروک اور اس کے ساتھی ان گھوڑوں کو پکڑ لائے جن پر سوار ہو کر یہ لوگ یہاں تک پہنچے تھے وہ نجانے کیا کرنا چاہتے تھے، شہباز خان کے ساتھ دوسرے تمام لوگ بھی ہوشیار ہو گئے تھے اور ان لوگوں کی کاروائیاں دیکھ رہے تھے۔ گھوڑوں کی ٹانگیں اور ان کو ایک مخصوص انداز میں باندھے جا رہے تھے اور اس کے بعد گھوڑوں کو زمین پر گرا لیا گیا۔ شہباز خان کے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکل گئی۔

اس نے شروک کے ہاتھ میں ایک لمبا سا چھرا دیکھا اور دیکھتے ہی دیکھتے شروک نے وہ چھرا ایک گھوڑے کی گردن پر پھیر دیا۔ شہباز نے آنکھیں بند کر لی تھیں ایک کے بعد دوسرے گھوڑے کو گرایا گیا اور اسے بھی اس انداز میں ذبح کر دیا گیا صورتحال شہباز ہی کی نہیں سب کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ انہیں یہ علم تھا کہ شروک اور اس کے ساتھی خوراک سے محروم ہیں اور اس وقت یہ گھوڑے انہوں نے خوراک کے حصول کیلئے ہی ذبح کیے تھے۔ وہ لوگ گھوڑوں پر مصروف رہے، شہباز خان یا اس کے ساتھی کچھ بھی نہیں کر سکتے تھے، بلکہ اب انہیں یہ احساس ہو رہا تھا کہ زندگی بدترین صعوبتوں سے دوچار ہونے والی ہے دوسری جانب شروک اور اس

کے ساتھی تمام تیاریوں میں مصروف رہے لکڑیاں جمع کی گئیں اور گھوڑوں کا گوشت ان پر بھونا جانے لگا۔

آدھا کچا، آدھا پکا گوشت...... وہ لوگ بری طرح بھوکے معلوم ہوتے تھے اور بڑی خوشی سے اس گوشت کو ہڑپ کر رہے تھے کافی دیر تک وہ لوگ اپنے پیٹ کی آگ بجھاتے رہے اور اس کے بعد شروک نے گوشت کا بہت بڑا ٹکڑا شہباز خان کی طرف بھی بھیجا جسے شہباز نے شکریہ کے ساتھ مسترد کر دیا۔ شروک نے اس سلسلے میں کوئی ضد نہیں کی تھی کھانے پینے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد وہ مسکراتا ہوا۔ شہباز خان کے پاس آ بیٹھا اور اس نے مسکراتے ہوئے پروفیسر حاتم فریدی کو مخاطب کیا۔

تم دونوں کو تو میں جانتا ہوں، چرن گپتا اور پروفیسر فریدی تم لوگ اس وقت ہرمیت سنگھ کے ساتھ تھے۔ جب میں نے اس پراسرار کہانی کو سنا تھا اور ہرمیت سنگھ کے نوادرخانے میں وہ سب کچھ دیکھا سنو، کیا نام ہے۔ تمہارا تم ان سب میں ذرا نمایاں محسوس ہوتے ہو۔

شہباز، شہباز خان نے جواب دیا۔

ہاں...... ہاں...... میں...... کتنی بڑی ہستی کو بھول گیا۔ تو ڈیئر شہباز خان درحقیقت ہرمیت سنگھ کی نوادرات میں، میں نے ایک عظیم الشان نقشہ دیکھا اور مجھے حیرت ہوئی کہ اب تک اس نقشے کو نظر انداز کیوں کر دیا گیا ہے میں نے سوچا کہ یہ لوگ اس کے اہل ہی نہیں ہیں لیکن اس خزانے کو دنیا کی نگاہوں سے دور رکھنا بھی تو ایک اچھی بات نہیں تھی۔ میں نے اس کے لیے کوششوں کا آغاز کیا اپنے کچھ دوستوں کو یہاں بلایا اور خزانے کے سلسلے میں مصروف ہو گیا مجھے یہ نقشہ حاصل کرنے کیلئے بڑی محنت کرنا پڑی اور تم لوگ غالباً میری کاروائیوں کے ہی نتیجے میں میرے تعاقب میں چل پڑے۔

مسٹر شہباز خان! اب تک میں کامیابی کی نجانے کتنی منازل طے کر چکا ہوتا اگر میرا دوست جوزف میرے خلاف نہ ہو جاتا۔ وہ کمبخت کمینہ کتا، درحقیقت میرے لیے عذاب بن گیا تھا اور میں...... شروک نے قہقہہ لگایا پھر بولا۔

لیکن وہ جرائم پیشہ بنا تھا جب کہ میں پیدائشی جرائم پیشہ تھا ایک بحری قزاق کا بیٹا جو تمام عمر قزاقی کرتا رہا میری ابتداء غلط کر دی گئی تھی لیکن بالآ خر وقت مجھے اسی نہج پر لے آیا اور میں نے وہ مقام پا لیا جس پر مجھے ہونا چاہیے تھے اور اب خزانہ میرے علاوہ اور کوئی نہیں حاصل کر سکے گا۔

سنو...... سنو مسٹر شہباز! پروفیسر، اور چرن گپتا اور یہ جو بے وقوف آدمی ہے۔ تم سب سنو! جوزف میرے پاس سے فرار ہو چکا ہے اور ہمارے حالات بہتر نہیں ہیں۔ ہمارے پاس خوراک کا کوئی بندوبست نہیں ہے اور اس وقت اصل مسئلہ ہمارے لیے خوراک ہی ہے گو بہت سی تبدیلیاں پیدا ہو چکی ہیں لیکن وہ راستے اب بھی میرے ذہن میں ہیں جس کو طے کر کے ہم اپنی منزل تک پہنچ سکتے ہیں تم دونوں اگر مرنا چاہتے ہو تو تمہیں موت پیش کیے دیتا ہوں لیکن زندگی کے خواہاں ہو تو میرا ساتھ دو۔ جو کچھ بھی تم چاہو گے مجھے منظور ہو گا۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر میں خزانے کے حصول میں کامیاب ہو گیا تو پوری دیانتداری کے ساتھ تمہیں تمہارا حصہ دوں گا۔

ویسے بھی ان جنگلات میں ہم زندگی اور موت سے آنکھ مچولی کھیل رہے ہیں۔ تم اگر میرے ہاتھ سے نہیں مرو گے تو اپنی کسی اور جدوجہد میں مر جاؤ گے۔ چنانچہ بہتر یہی ہے کہ میرا ساتھ دو، بولو کیا خیال ہے تمہارے دل میں اس خزانے کے حصول کی خواہش نہیں ہے؟

شہباز خان نے ایک نگاہ پروفیسر اور چرن گپتا کو دیکھا اور پھر آہستہ سے بولا

کیوں نہیں شروک اگر خزانے کی خواہش ہمارے دل میں نہ ہوتی تو ہم یہ پرصعوبت سفر کیوں اختیار کرتے؟

تو پھر اطمینان رکھو۔ میں تمہارا ساتھی ہوں، میں تمہیں وہ خزانہ دوں گا، شروک سینے پر ہاتھ مارنے لگا شہباز خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔ شروک کچھ دیر خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ میرے پاس اس خزانے کا نقشہ ہے اور اچھا ہے تم لوگوں سے ملاقات ہو گئی وہ تو مجھ سے غداری کر گیا لیکن مجھے کسی کی پروا نہیں ہے۔ !وہ...... میری جان پروفیسر! تم بھی تو قدیم زبانوں کے بارے میں جانتے ہو۔ ظاہر ہے تمہارا تعلق بھی انہی تمام چیزوں سے ہے۔ میرے پاس اس نقشے کی نقل موجود ہے جو لاش کے پاس سے دستیاب ہوا تھا تم اس سے راستوں کا تعین کر سکو گے۔

پروفیسر حاتم فریدی، شہباز خان کے انداز دیکھ چکا تھا۔ بظاہر یہ ہی محسوس ہوتا تھا کہ شہباز خان شروک سے تعاون کرنے پر آمادہ ہے اور فریدی کے خیال میں بھی یہ ہی مناسب تھا کیونکہ وہ نہتے تھے، تعداد میں کم تھے، جب کہ ان کے سامنے شروک، جیسا وحشی انسان موجود تھا، جو شرافت کا لبادہ اتار کر اب اپنی اصلی کیفیت میں آ گیا تھا چنانچہ اس کی پسند کی گفتگو کرنا ہی مناسب تھا، پروفیسر فریدی نے کہا۔

کیوں نہیں مسٹر شروک ظاہر ہے میری زندگی بھی اسی میں گزری ہے، شروک نے قہقہہ لگایا اور آہستہ سے بولا۔

میں جانتا ہوں...... میں جانتا ہوں کہ تقدیر خزانہ میرے حوالے کرنے پر تلی ہوئی ہے اور میرے علاوہ کوئی اسے حاصل نہیں کر سکتا۔ ٹھہرو...... ٹھہرو...... میں تمہیں خزانے کے نقشے کی نقل دکھاتا ہوں۔ پروفیسر فریدی! مگر رکو، ڈیئر! مسٹر شہباز تم لوگ جن راستوں سے سفر کر رہے ہو۔ ان میں تم نے کچھ ایسی چیزیں ضرور دیکھی ہوں گی۔ جو اس بات کا اظہار کرتی ہیں کہ ہم صحیح راستے پر ہیں، کیا ایسی کوئی چیز دیکھی تم نے؟

ہاں...... کیوں نہیں۔ پروفیسر فریدی نے فوراً جواب دیا۔ مثلاً...... مثلاً مجھے بتاؤ۔ شروک نے پروفیسر حاتم فریدی کو گھورتے ہوئے کہا۔

سر جوڑ کر بیٹھی ہوئی تین چٹانیں اور وہ ہلالی چٹان جو دریا کے کنارے بلندیوں پر تھی۔ وہ اس بات کا اظہار کرتی ہیں کہ ہم صحیح راستوں پر ہیں۔ شروک نے ایک اور قہقہہ لگایا اور آگے بڑھ کر پروفیسر حاتم فریدی کا شانہ تھپکتے ہوئے بولا۔

اب مجھے بالکل اطمینان ہے پروفیسر زلفی سمجھتا تھا کہ اس کے بغیر آگے چلنا ممکن نہیں۔ لیکن وہ جن کی تقدیر میں خزانہ لکھا گیا ہے۔ اپنے راستے خود منتخب کر لیتے ہیں اور میرے راستے منتخب ہیں۔ تمہارا کیا خیال ہے ڈیئر شہباز۔

بالکل ٹھیک اب ہم تمہارے ساتھی ہیں۔ شہباز خان نے کہا۔ میرا خیال ہے تم بھی تھوڑا سا گوشت

کھالو ہمیں سب سے زیادہ نقصان ان وحشی جنگیوں سے پہنچا ہے۔ جو شاید لٹیرے ہیں ورنہ ہمارا سفر اتنا بے سکون نہ ہوتا۔

آہ..... ان کی وجہ سے سب کچھ ضائع ہو گیا اور وہ بزدل کتا انہی کی وجہ سے پریشان ہو گیا۔

کون.....؟ شہباز خان نے بے اختیار پوچھا۔

جوزف ..... جوزف وہ ..... شہری چوہا، خزانے یوں نہیں مل جاتے ہیں، میرے ساتھ بہت لوگ تھے لیکن ان میں سے کچھ اس سفر سے بدول ہو گئے اور واپسی کیلئے تیار ہو گئے۔ مجبوراً مجھے ان کے ساتھ سختی کرنا پڑی میں نے جوزف کو نہتا کر کے قیدی بنا لیا۔ مگر ایک بار ان لٹیروں کے حملے کے دوران وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اب کتوں کی موت مارا جائے گا۔ ان جنگلات میں۔

پروفیسر زلفی کون ہے۔

غدار، بہت بڑا غدار، میں جانتا ہوں اس نے جوزف کو فرار ہونے میں مدد دی ہے، میں ہی اس سے دھوکا کھا گیا۔ وہی میری راہنمائی کر رہا تھا مگر اب پروفیسر حاتم فریدی یہ کام کرے گا۔

شروک کافی بہتر نظر آنے لگا تھا۔ ان لوگوں کے ہاتھ کھول دیئے گئے لیکن انہوں نے گھوڑوں کا گوشت نہیں کھایا تھا۔ شروک نے نقشہ پروفیسر کے سامنے رکھ دیا اور پروفیسر جائزہ لینے لگا پھر بولا۔

ہم نے اس ہلالی چٹان کے پاس سے دریا کے کنارے سفر کیا ہے اب یہاں سے ہمیں شمال کا رخ کرنا پڑے گا۔

اس نے بھی یہی کہا تھا۔

کس نے؟

زلفی نے..... تم ٹھیک کہتے ہو۔ چلو آگے بڑھیں، زیادہ دیر نہیں ہونی چاہیے وہ لٹیرے..... انہوں نے ہمیں برباد کر دیا۔

فکر مت کرو شروک میں تمہیں اس نقشے کے سہارے اس جگہ تک لے جاؤں گا جہاں خزانہ موجود ہے پروفیسر حاتم نے کہا اور شروک پروفیسر سے لپٹ گیا اس نے پروفیسر کے رخسار چوم لیے اور بولا۔

تم میرے لیے اس کائنات کا سب سے قیمتی سرمایہ ہو۔ پروفیسر چلو تیاریاں کرو، اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا اور سب چیزیں سمیٹنے لگے۔ شہباز خان نے ان سے کہا۔

اس وقت یہی سب کچھ مناسب ہے۔ پروفیسر!

♥......♥......♥

نمران ہرمیت سنگھ کو شانے پر لیے آگے بڑھتا رہا۔ دریا کا چوڑا پاٹ وسیع تر ہوتا جا رہا تھا مردار خوروں نے الگ پریشان کیا ہوا تھا، وہ غول کے غول بنا کر اڑ رہے تھے اور غصے سے چیختے پر پھڑ پھڑاتے اس کے اوپر گزر رہے تھے، خوراک کے اس طرح نکل جانے پر انہیں بہت غصہ تھا اور وہ وحشی ہوتے جا رہے تھے، کئی بار نمران لڑکھڑایا پاؤں کے نیچے پتھر آ جاتے تھے، ایک بار اس زور سے پاؤں مڑا کہ اس کے گھٹنے نیچے جا ٹکے پانی کا چھپاکا ہوا اور اس نے بمشکل تمام ہرمیت سنگھ کو گرنے سے بچایا۔ اچانک وہ ہرمیت سنگھ کی آواز پر

چونک پڑا۔

نمران۔

اور پھر ہرمیت سنگھ نمران کے شانے سے نیچے اتر آیا نمران خوشی سے اچھل پڑا تھا انکل آپ ہوش میں آ گئے۔

ہاں..... نمران مجھے تمہارے شانے پر ہی ہوش آ گیا تھا معاف کرنا کچھ دیر میں حالات نہ سمجھ سکا۔

اوہ..... انکل..... اب مجھے کوئی فکر نہیں ہے خدا کا شکر ہے آپ ہوش میں آ گئے آپ زخمی تو نہیں ہیں؟

نہیں میں ٹھیک ہوں ہرمیت سنگھ نے کہا اور نمران کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا، وہ اپنے پیروں کو جھٹک رہا تھا اسی دوران دو چار گدھوں نے غوطہ لگا کر ان کے قریب سے گزرنے کی کوشش کی تو نمران نے جھک کر پانی سے ایک پتھر نکال لیا لیکن ہرمیت سنگھ نے جلدی سے نمران کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

ہرگز نہیں بیٹے ہرگز نہیں اگر ان میں سے کوئی بھی ہمارے ہاتھوں معمولی سا زخمی ہو گیا تو یوں سمجھ لو آن کی آن میں ہمارے گوشت سے خالی پنجر یہاں پڑے ہوں گے۔

نمران رک گیا، ہرمیت سنگھ نے کہا، ان وحشت ناک علاقوں میں یہ مردار خور سب سے خطرناک چیز ہوتے ہیں اور پھر جہاں ان کے گروہ ہوتے ہیں وہاں یہ زندہ انسانوں پر حملہ کرنے سے بھی نہیں چوکتے اور اگر زخمی ہو جائیں تو دیوانے ہو جاتے ہیں، خاموشی سے آگے بڑھتے رہو، ہماری تحریک ہی انہیں ہم سے دور رکھے گی۔

نمران نے پتھر واپس پھینک دیا اور پھر ہرمیت سنگھ کا جائزہ لینے لگا ہرمیت سنگھ اپنے بدن کو مسلسل جنبش دے رہا تھا پھر اس نے اپنی کمر سے رسی کی گرہ کھول لی نمران نے بھی ایسا ہی کیا تھا، ہرمیت اس کا لچھا بنانے لگا، پھر اس نے وزنی رسا اپنے شانوں پر ڈال لیا اور چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

میرا اس رات زندہ بچ جانا ایک معجزہ ہے کیا تم بھی بے ہوش ہو گئے تھے؟

ہاں انکل

دریا نے ہمیں بہت دور لا پھینکا ہے۔ پتہ نہیں ہم کتنی دور نکل آئے، پتہ نہیں ان لوگوں پر کیا بیتی ویسے یہ علاقہ بہت وحشت ناک ہے..... آؤ آگے بڑھو..... تم تھک گئے ہو گے۔ نہیں انکل میں ٹھیک ہوں۔ نمران نے افسردہ لہجے میں کہا اور دونوں آگے چل پڑے۔

دلی کیفیت ہرمیت سنگھ کی بھی بہتر نہیں تھی۔ لیکن اب نمران کا دل بری طرح اچھلنے لگا تھا اب تک وہ غیر یقینی کیفیت کا شکار تھا اس نے گزرتے ہوئے لمحات کے بارے میں زیادہ نہیں سوچا تھا۔ وقت ہی نہ ملا تھا لیکن ہرمیت سنگھ کے ہوش میں آنے کے بعد اس کے الفاظ پر نمران کو یاد آیا اور اب اس پر خوف اور پریشانی کا غلبہ تھا، دونوں پانی میں چلتے رہے، گدھ بالآخر ان سے مایوس ہو گئے تھے اور اب وہ ان کے قریب نہیں آ رہے تھے لیکن دریا کے ہرا اونچے پتھر پر بیٹھ کر انہیں دیکھ رہے تھے۔ ہرمیت سنگھ نے کہا۔

اگر یہاں دریا کا پاٹ پھیل نہ گیا ہوتا تو ہم رک نہ سکتے تھے۔

ہاں..... ہم اسی وجہ سے بچ گئے۔

کچھ اندازہ ہے ہم کتنی دیر تک تیرتے رہے۔

کچھ اندازہ نہیں ہے انکل! مجھے بھی روشنی ہی میں ہوش آیا تھا۔

اس کا مطلب ہے ساری رات گزر گئی۔

ہاں یہی اندازہ ہوتا ہے۔

تیز رفتار پانی میں رات بھر کے سفر کا مطلب ہے کہ ہم میلوں دور نکل آئے۔ ہرمیت سنگھ بولا لیکن نمران نے کوئی جواب نہیں دیا تھا، ہرمیت سنگھ نے چونک کر نمران کو دیکھا اور پھر مسکرا دیا۔

تم پریشان ہو؟

ہاں...... انکل اب کیا ہوگا؟ نمران نے اپنی کیفیت چھپائی نہیں تھی ہرمیت سنگھ نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

چند باتیں کہہ رہا ہوں، غور سے سننا، میں اور شہباز خان جب جوان تھے تو ہمیں، شہروں اور آبادیوں کی زندگی پسند نہیں تھی، آبادیوں میں زندگی مفلوج ہوتی ہے ہم اسے دہشت ناک علاقہ تصور کر رہے ہیں لیکن زندگی بار بار موت کے قریب سے نہ گزرے تو زندگی ہی کیا، زندگی کا حسن تو ایسی ہی جگہوں پر نمایاں ہوتا ہے، موت کے شکنجے سے نکل کر جب زندگی کا یقین ہوتا ہے تو یہ اور دلکش ہو جاتی ہے، چنانچہ ہم جدوجہد کریں گے ہو ایک بار پھر زندگی پالیں گے، ایسا ہی ہوتا رہا ہے اور اس کی ایک مثال تمہارے سامنے موجود ہے۔

اس تیز و تند دریا میں بہہ کر زندگی بچ جانا کیا معنی رکھتا ہے۔ یہی نہ کہ ہمیں زندہ رہنا ہے جس طرح ہم لوگ اس خوفناک حادثے میں محفوظ رہے، اس طرح وہ لوگ بھی بچ گئے ہوں گے۔ تم اطمینان رکھو وہ ہمیں ضرور ملیں گے، اگر تمہیں الاکشا کا خیال ہے تو میں تمہیں پروفیسر فریدی کا ایک انکشاف یاد دلاتا ہوں یاد ہے تمہیں؟

کیا انکل؟

اس نے کہا تھا کہ بے شمار حادثوں کے باوجود ہمارے راستے نہیں بدلے اور کوئی پراسرار قوت ہمیں انہی راستوں پر لے جا رہی ہے جگہ جگہ اس کے نشانات مل رہے ہیں۔

ہاں انکل مجھے یاد ہے۔

مہم جوئی یہی چیز ہوتی ہے بیٹے...... اس لیے جوانی میں ہم گھروں کو چھوڑ کر جنگلوں اور ویرانوں میں بھٹکتے تھے اور لاتعداد خوفناک واقعات ہمیں پیش آتے تھے پھر جب ہم اپنی بستیوں میں واپس لوٹتے تو لطف آتا تھا، میں نے تو اس عمر میں آبادی چھوڑی ہے، وہاں میرا گھر ہے میرے بچے ہیں وہ سب میرے منتظر ہیں اور میں ان سے ملاقات کا خواہاں ہوں، میں جانتا ہوں کہ میں واپس جاؤں گا، ان سے ملوں گا اسی طرح تم بھی اس بات پر یقین رکھو! کہ ہم سب پھر ایک بار اکٹھے ہو جائیں گے، اپنی یہ مہم سرانجام دیں گے اور انوکھی کہانیاں لے کر گھر جائیں گے۔

آپ بہت باحوصلہ ہیں۔

ہاں...... بیٹے...... ایک مہم جو کا باحوصلہ ہونا سب سے ضروری ہوتا ہے، ورنہ اگر یہ نہ ہو تو گھر کا بستر کیا برا ہوتا، الاکشا کی حقیقت معلوم ہو جائے گی اور ہم اسے واپس اپنی دنیا میں لے جائیں گے۔

دونوں دریا کے چوڑے پاٹ سے باہر آ گئے، سامنے سرسبز زمین پھیلی ہوئی تھی چھوٹے درختوں کی پٹیاں تھیں جن کے درمیان سفید خرگوش کلیلیں بھر رہے تھے۔

بہت خوبصورت علاقہ ہے ہرمیت سنگھ نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

واقعی!

نمران بھی ماحول کا نظارہ کر رہا تھا، ہرمیت سنگھ کے الفاظ نے اسے بہت حوصلہ بخشا تھا۔ وہ ان سب کے لیے مضطرب تھا لیکن یہ بھی سچائی تھی کہ تقدیر کے لکھے اٹل ہوتے ہیں۔ جس طرح یہ دونوں یقینی موت سے بچ گئے تھے، اس طرح ہو سکتا ہے کہ قدرت نے ان لوگوں کی بھی مدد کی ہو، حوصلہ کے بغیر چارہ کار نہیں تھا، تھوڑی دیر کے بعد دونوں گھاس پر لیٹ گئے، علاقہ درحقیقت بے حد حسین تھا، زمین پر اگی ہوئی گھاس دریا کے قریب ہونے کی وجہ سے انتہائی سرسبز تھی اور صاف ستھری بھی۔ اس سبز گھاس پر سفید خرگوشوں کی کلیلیں بہت اچھی لگ رہی تھیں۔ ہرمیت سنگھ نے اٹھ کر اپنا لباس اتارا اور اسے گھاس پر پھیلا دیا۔

پھر اس نے نمران کو دیکھتے ہوئے کہا۔

لباس سکھا لو نمران بدن پر چبھ رہا ہوگا۔

نمران نے بھی ہرمیت سنگھ کی تقلید کی تھی اور اس کے بعد وہ دونوں زمین پر چت لیٹے رہے اس طرح ان کے تھکے ہوئے اعضا کو کافی سکون ملا تھا، بہت دیر اس طرح گزر گئی۔ دریا کے پتھروں پر بیٹھے ہوئے گدھوں نے ابھی تک ادھر کا رخ نہیں کیا تھا لیکن پھر زیادہ دیر ایسا نہ ہو سکا ایک گدھ اڑتا ہوا اس سمت آیا تھا اور پھر چیخیں مارتا ہوا واپس پلٹ گیا تھا ہرمیت سنگھ نے ہنستے ہوئے کہا۔

یہ گدھ ہیں یا گدھے، ایک بار پھر غلط فہمی کا شکار ہو گئے، اٹھو بھائی! لباس پہن لو میں تمہارے لیے شکار کا بندوبست کرتا ہوں، سنو ہم زمانہ قدیم کے انسان کی مانند آگ روشن کریں گے پتھروں کے دو ٹکڑے دریا سے نکال لاؤ۔

دریا زیادہ دور نہیں تھا، نمران نے ہرمیت سنگھ کی ہدایت پر عمل کیا لیکن یہ شکار کی بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی گدھ پھر ان کے آس پاس اڑنے لگے اور اس بار جھلاہٹ میں نمران نے ایک پتھر فضا میں اچھال دیا اور گدھ چیختا ہوا واپس اڑ کر دریا میں پڑے ہوئے پتھروں میں سے ایک پر جا بیٹھا۔ لیکن حیرت انگیز طور پر دوسرے تمام گدھ بھی واپس پلٹ گئے تھے۔ نمران دو پتھروں کو خشک کرتا ہوا اسی طرف واپس آ گیا۔ جدھر ہرمیت موجود تھا۔ اس دوران ہرمیت بھی خاص قسم کے نوکیلے پتھر تلاش کرتا رہا تھا اس نے چھ سات پتھر جمع کر لیے پھر نمران سے بولا۔ اس وقت ہمیں درندگی کا مظاہرہ کرنا پڑے گا۔ لیکن مجبوری ایسی ہی چیز ہوتی ہے۔ یہ معصوم خرگوش بہت خوش و خرم پھر رہے ہیں۔ اپنی موت سے بے پروا لیکن مجبوری ہے۔

نمران نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ہرمیت سنگھ کے کہنے پر اس نے اس علاقے میں خشک گھاس تلاش کی اور دریائی پتھروں ہی سے کام چلایا گیا۔ گھاس ان پتھروں کے درمیان جمع کر لی گئی۔ کچھ سوکھی ٹہنیاں بھی چھوٹے چھوٹے درختوں سے دستیاب ہو گئیں اور پھر جب پتھروں کی مسلسل رگڑ سے گھاس نے آگ پکڑ لی تو یہ ٹہنیاں بھی سلگنے لگیں۔ ہرمیت سنگھ نے اس کاروائی کو بغور دیکھا اور اس کے بعد وہ ایک پتھر

ہاتھ میں تولنے لگا پھر ایک بڑے اور کالے رنگ کے خرگوش کو اس نے نشانہ بنایا اور پتھر پوری قوت سے اس کے ہاتھ سے نکل کر خرگوش کے سر پر پڑا۔ خرگوش فضا میں کئی فٹ اونچا اچھلا اور پھر زمین پر آ پڑا۔

ہرمیت سنگھ اس کے پاس پہنچ گیا اور اس نے زخمی خرگوش کو گردن دبا کر ہلاک کیا اور اس کے بعد ہاتھوں ہی سے اس کی کھال کھینچنے لگا۔ یہ دہشت ناک منظر نمران کے لیے خوشگوار نہیں تھا لیکن ایک شکاری کے لئے یہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا جنگل میں شکار کرتے ہوئے ان تمام واقعات کا سامنا کرنا ہی پڑتا ہے۔ یہ مہارت ایک شکاری کے ہاتھوں ہی کو حاصل ہو سکتی تھی عام لوگوں کے لئے یہ ممکن نہیں تھا۔ ہرمیت سنگھ نے خرگوش کی کھال اتار کر اس کی آلائش صاف کی اور نمران کی طرف بڑھا دیا۔ نمران نے خرگوش کو ایک لکڑی میں اڑس کر جلتی ہوئی آگ پر رکھ دیا۔ ہرمیت سنگھ اب دوسرے خرگوش کو تاکنے لگا تھا اور پھر اس نے بڑی مہارت کے ساتھ دوسرے خرگوش کو بھی شکار کر لیا تھا اور اسے صاف کر کے نمران کے حوالے کر دیا۔

خون آلود ہاتھ اس نے دریا کے پانی میں دھو لیے اور پھر زمین پر چت لیٹ گیا۔ نمران نے دوسرے خرگوش کو بھی آگ پر رکھ دیا۔

ہرمیت سنگھ نے کہا، پہلے میں گوشت نہیں کھاتا تھا، شہباز خان نے مجھے گوشت کھلایا اور پھر تو جانوروں کی شامت ہی آ گئی۔

دونوں نے خرگوش چٹ کر لیے دریا کا پانی پیا اور آرام کرنے لیٹ گئے ہرمیت تھوڑی دیر کے بعد ہی خرانے لینے لگا تھا لیکن نمران کو نیند نہیں آئی اس کا ذہن ان دونوں میں الجھ گیا تھا کیا ہوا ہوگا کیا گزری ہو گی ان پر اللہ کشا کرتل، اور...... اور...... اس نے کروٹ بدلی اس کا جاگتے رہنا ضروری تھا۔ ہرمیت سنگھ ان گدھوں کو بھول گیا تھا لیکن نمران نے اس خطرے کو نظر انداز نہیں کیا تھا۔

اچانک اسے آہٹ سنائی دی اور وہ چونک پڑا پہلے اس نے فضا میں نگاہیں دوڑائیں لیکن گدھ قریب نہیں تھے، پھر اس کا خیال خرگوشوں کی طرف گیا جو یہاں کافی تعداد میں موجود تھے لیکن یہ آہٹ کسی خرگوش کی بھی نہ تھی وہ پلٹا اور بری طرح چونک پڑا اس کے اعصاب کشیدہ ہو گئے چند لمحات کے لئے وہ بری طرح خوفزدہ ہو گیا جو کچھ اسے نظر آیا وہ ناقابل یقین تھا۔

نمران خوف بھری نظروں سے اپنے سامنے کھڑی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔ جو بلند و بالا قد و قامت کی مالک تھی۔ اس کا رنگ دودھ کی طرح سفید تھا، خدوخال انتہائی جاذب نظر تھے، خاص طور سے ہونٹوں کی تراش اور پرکشش آنکھوں کی نیلاہٹ بے مثال تھی۔ بلند و بالا قد کے ساتھ بھرا بھرا سڈول جسم جس سے اظہار ہوتا تھا کہ وہ اپنے بدن کے تناسب کو کنٹرول کرنے کے لیے محنت کرتی ہے یا پھر قدرت کی دین تھی۔ ورنہ لباس سے وہ کسی وحشی نسل کی لڑکی معلوم ہوتی تھی اس کے زیریں بدن کا کچھ حصہ کسی جانور کی کھال سے ڈھکا ہوا تھا۔

اس پر چوڑے پتوں کو پھیلا کر جسم پوشی کی گئی تھی اوپری بدن پر بھی یہی ترکیب آزمائی گئی تھی۔ سر پر مختلف قسم کے پرندوں کے پر سجائے گئے تھے اور کھلے بدن کے بعض حصوں کو رنگین مٹی سے رنگا گیا تھا۔ اس کے ہاتھ میں کوئی پانچ فٹ لمبا سا نیزہ تھا جس کی انی اسی لکڑی میں تراشی گئی تھی ننگے پاؤں تھی اور نمران سے کچھ فاصلے پر کھڑی وہ بھی اسے متجبانہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے زاویہ بدل کر سوئے ہوئے

ہرمیت کو دیکھا اور پھر گردن اٹھا اٹھا کر چاروں طرف دیکھنے لگی جیسے کسی اور کو تلاش کر رہی ہو۔

جنگلی لڑکی نمران نے سوچا۔ یقیناً اس کا قبیلہ بھی یہیں کہیں آباد ہوگا نمران کی ہمت نہ ہوئی کہ اسے مخاطب کرے۔ کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے پھر کیا کیا جائے۔ اس نے چند لمحات اس طرح گزارے پھر فیصلہ کیا کہ ہرمیت سنگھ کو جگا لیا جائے ہرمیت سنگھ کو پکارنے کے لیے اس نے ہونٹ کھولے ہی تھے کہ لڑکی نے شی کی آواز نکالی اور نمران رک کر اسے دیکھنے لگا۔

لڑکی نے یہ آواز نکال کر ہونٹوں پر انگلی رکھ لی اور نمران خاموش ہو گیا لڑکی نے اسے اٹھنے کا اشارہ کیا اور پھر ایک طرف مڑ گئی دو قدم چل کر اس نے پلٹ کر نمران کو دیکھا اور منہ بنا کر اسے اپنے ساتھ ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔

نمران پریشان سی کیفیت میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا ذہن کوئی فیصلہ نہ کر پا رہا تھا، تاہم وہ لڑکی کے ساتھ آگے بڑھ گیا لیکن اس کی نظریں دور دور تک کا جائزہ لے رہی تھیں کہیں ہرمیت سنگھ کسی لاعلمی میں کسی مصیبت کا شکار نہ ہو جائے لیکن لڑکی زیادہ دور نہیں گئی تھی سبز گھاس پر چلتی ہوئی وہ کچھ فاصلے پر درختوں کے ایک جھنڈ کے پاس پہنچ گئی پھر اس نے رک کر مسکراتی نظروں سے نمران کو دیکھا اور اپنے نیزے سے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

کون ہو تم؟ نمران کی زبان سے بے اختیار نکلا۔

جواب میں لڑکی نے بھی کچھ کہا تھا جو نمران کی سمجھ میں نہ آ سکا اور وہ گہری سانس لے کر خود کو سنبھالنے لگا اب اسے یقین ہو گیا تھا کہ لڑکی کا تعلق اسی علاقے کے کسی قبیلے سے ہے۔

میں تمہاری زبان نہیں سمجھتا! نمران نے کہا اور پھر اشارے سے لڑکی کو اپنے الفاظ کا مفہوم سمجھایا لڑکی مسکرا دی اس کی مسکراہٹ بھی بے حد دلکش تھی، سفید دانت موتیوں کی مانند چمک رہے تھے، اس نے حسین نیلی آنکھوں سے نمران کو دیکھتے ہوئے گردن خم کی اور اپنے نیزے کی انی سے اس نے ایک گول دائرہ سا بنا لیا۔ چھوٹے درختوں سے کچھ پتے توڑ کر اس نے تین تین پتے تین جگہ رکھے اور پھر نمران کو اس دائرے میں آنے کیلئے کہا، نمران کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا لیکن وہ دو قدم چل کر اس دائرے میں ضرور آ گیا تب اسے لڑکی کی آواز سنائی دی۔

کیا اب تم میرے الفاظ کا مفہوم سمجھ رہے ہو، یہ جملہ انگریزی زبان میں کہا گیا تھا، نمران اچھل پڑا اور اس کے منہ سے حیرت کی وجہ سے آواز نہیں نکل پائی تھی۔

کیا اب بھی تم میری بات نہیں سمجھ پا رہے؟

تم تم کون ہو؟ نمران نے بمشکل کہا۔

رو پالی! لڑکی نے جواب دیا۔

یہ دائرہ کیسا ہے؟

یہ سپار کا ہے ایک عمل جس کے ذریعے ایک دوسرے کے خیالات اپنی زبان میں سمجھ آ جاتے ہیں۔

یہ کیسے ممکن ہے؟

جیسے تم نے دیکھا اور سنا، لڑکی بولی۔

اس دائرے سے نکلنے کے بعد کیا میں تمہارے الفاظ کا مفہوم سمجھ سکوں گا؟

لڑکی کے ہونٹوں پر ایک بار پھر مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے کہا۔

کیا تم اس کا تجربہ نہیں کر چکے ہو۔ تاہم اگر تم مزید تجربہ کرنا چاہتے ہو تو اس دائرے سے باہر آ کر دیکھو۔ نمران حالاں کہ ذہنی بحران کا شکار تھا لیکن یہ انوکھی بات اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ اس نے دائرے سے باہر قدم رکھا اور پھر لڑکی کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

تم کچھ بولو میں سمجھنے کی کوشش کروں گا۔

پتہ نہیں لڑکی خود بھی اس کے الفاظ کا مفہوم سمجھی یا نہیں۔ اس نے اسی زبان میں نمران سے کچھ کہا۔ جس زبان سے پہلے بولی تھی اور نمران سمجھ نہیں سکا تھا۔ نمران متحیر رہ گیا اور بار پھر دائرے کے اندر آ گیا۔

واقعی یہ انوکھی بات ہے۔ لیکن تم نے اپنا مکمل تعارف نہیں کرایا۔

میں روپالی ہوں یہیں اس جنگل میں رہتی ہوں۔

تمہارا قبیلہ بھی کیا یہیں کہیں آباد ہے؟ نمران نے سوال کیا

قبیلہ...... لڑکی نے متحیرانہ نگاہوں سے نمران کو دیکھا۔

یہ کیا ہوتا؟

تمہارے ساتھ اور کوئی نہیں ہے۔ تم تنہا ہو یہاں؟

نہیں میں تنہا نہیں ہوں، یہ درخت میرے ساتھی ہیں دریا میں بکھرے ہوئے پتھر سبز گھاس کلیلیں کرتے ہوئے خبصورت چھوٹے چھوٹے جانور، فضا میں اڑتے ہوئے پرندے سب ہی تو میرے ساتھی ہیں۔

کیا؟ نمران کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں ان کے علاوہ یہاں اور کوئی نہیں ہے؟

اور کیا ہونا چاہیے تھا، میں روپالی ہوں ان پتھروں کی مخلوق، اس نے دریا میں پڑے ہوئے پتھروں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

تمہاری بات میری سمجھ میں بالکل نہیں آئی، پتھروں کی مخلوق سے تمہاری کیا مراد ہے؟

تعجب ہے، مجھے خود تمہاری باتیں انوکھی لگ رہی ہیں۔ بہت عرصہ پہلے جب سورج کی تیز شعاعیں زمین کے سینے کو جلا رہی تھیں کہ ایک پتھر تڑخا اور دو ٹکڑے ہو گیا وہ دیکھو وہ سامنے ہے۔ لڑکی نے ایک سمت اشارہ کیا، ایک بڑی چٹان جو پانی میں ڈوبی ہوئی تھی، درمیان سے دو حصوں میں تقسیم تھی اور اس کے دونوں حصے دو سمتوں میں گرے ہوئے تھے۔

تو پھر کیا ہوا؟

میں انہی پتھروں میں پیدا ہوئی اس وقت میں بہت چھوٹی تھی ان چھوٹے پتھروں کی مانند پھر سرد گرم ہواؤں نے مجھے بڑا کیا۔ سورج کی شعاعیں میرے وجود کی ترتیب میں معاون ہوئیں اور میں اتنی بڑی ہو گئی تم اس دریا میں پڑے ان پتھروں کو دیکھ رہے ہو، بظاہر تمہیں یہ بے جان محسوس ہوں گے لیکن یہ سب مجھ سے باتیں کرتے ہیں۔ یہ میرے دوست ہیں میرے ساتھی۔ لڑکی نے کہا۔

نمران حیران نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ اس پر اسرار جنگل میں داخل ہونے کے بعد جو حالات پیش آئے تھے۔ انہوں نے ان سب کو چکرا کر رکھ دیا تھا اور ہر چیز اجنبی محسوس ہوتی۔ چنانچہ جو واقعہ بھی پیش آتا۔ ان لوگوں کے لیے حیرت ناک ہوتا تھا لیکن یہ روپالی تو سب سے زیادہ ہی تعجب خیز تھی۔ نمران بے وقوفوں کی طرح اسے دیکھتا رہا۔ لڑکی کی آنکھوں میں مسکراہٹوں کی بجلیاں چمک رہی تھیں پھر اس نے کہا۔

تم نے میرے بارے میں تو جان لیا لیکن اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔

مم...... میں، میرا نام نمران ہے۔

کیا تم کہیں دور سے آئے ہو؟ اس نے سوال کیا۔

ہاں میں اس دریا میں بہتا ہوا۔

اوں...... کونغل کی مانند

کونغل کیا ہوتا ہے؟

بڑے بڑے خوبصورت پھول جو جنگلی درختوں سے ٹوٹ کر پانی میں گرتے ہیں اور پھر بہتے ہوئے اس طرف آ جاتے ہیں...... تم ایک خوبصورت پھول ہو...... تم سے زیادہ خوبصورت پھول میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ آہ...... تم تو بالکل کونغل جیسے ہو۔

کیا اس سے قبل تم نے کسی انسان کو نہیں دیکھا؟

یہ انسان کیا ہوتا ہے؟ لڑکی نے سوال کیا اور نمران کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی۔

کونغل۔ اس نے جواب دیا لڑکی بھی ہنس پڑی پھر اس نے کہا۔

کیا تم اس دائرے کے بغیر میری بات نہیں سمجھ سکتے۔ ایسے تو ہمیں باتیں کرنے میں بڑی مشکل پیش آئے گی تم بہت ہی خوبصورت ہو، بہت ہی انوکھے ہو، میں نے ایسا کونغل اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا، تمہارے ساتھ ایک اور بھی ہے، مگر تم میرا مطلب ہے تمہاری نمود کیسے ہوئی؟

جیسے تمہاری ہوئی ایسے نہیں ہوئی۔ نمران نے ایک گہری سانس لے کر دائرے کے اندر گھاس پر بیٹھتے ہوئے کہا لڑکی بھی اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئی تھی، نمران گہری نگاہوں سے اس کا جائزہ لے رہا تھا، بہت سے سوالات اس کے ذہن میں مچل رہے تھے۔ یہ انوکھی مخلوق اگر سچ کہہ رہی ہے تو یہ دنیا کی سب سے حیرت انگیز بات تھی اچانک ہی اس نے پوچھا۔

اگر تم صرف پتھروں کے درمیان رہی ہو تو پھر تمہیں گفتگو کا یہ طریقہ کیسے آیا اور تم نے یہ کیسے جانا کہ کسی دائرے کے اندر کسی کو بٹھا کر اس سے گفتگو کی جا سکتی ہے؟

آہ...... میں نہیں جانتی لیکن یونہی ہوتا ہے۔ مجھے کسی پرندے یا جانور سے بات کرنی ہوتی ہے تو میں اس کے گرد دائرہ بنا دیتی ہوں۔ پھر وہ جو کچھ سوچتا ہے مجھے اپنے طور پر سنائی دیتا ہے اور میری سمجھ میں آ جاتا ہے۔

نمران اس کے ہلتے ہوئے ہونٹ دیکھ رہا تھا۔ لڑکی جو لفظ ادا کر رہی تھی ہونٹوں کی جنبش اسی کیفیت کا اظہار کرتی تھی اور چہرے کے تاثرات بھی انہی الفاظ کا مفہوم ادا کر رہے تھے، جب کہ لڑکی دائرے

سے باہر جو کچھ بولتی اس میں اس کے الفاظ بے معنی ہوتے۔ اس بات نے نمران کو کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا۔ جدید دنیا کے ایک انسان کی حیثیت سے اس نے کہانیاں تو بے شمار سنی تھیں۔ لیکن ان کہانیوں کو زیادہ اہمیت نہیں دی تھی۔ کیا اس کی بات پر یقین کرے یا پھر...... اور اب اس کے ہوش و حواس بہتر کیفیات اختیار کرتے جا رہے تھے اس نے لڑکی کو گھورتے ہوئے کہا۔

معاف کرنا مجھے تمہاری باتوں پر یقین نہیں آتا یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے تم مجھے بے وقوف بنا رہی ہو

بے وقوف کیسے بنایا جاتا ہے؟ لڑکی نے معصومیت سے سوال کیا اور نمران اس سوال کا جواب نہیں دے سکا۔ چند لمحات خاموش رہنے کے بعد اس نے پوچھا۔

پتھروں کی مخلوق یہ بتاؤ تمہارا طرز زندگی کیا ہے۔ کیسے جیتی ہو، کیا کھاتی پیتی ہو؟

درختوں میں پھل لگے ہوئے ہیں اور پینے کے لئے پانی بس یہی دو چیزیں میری زندگی ہیں۔

کیا ان پتھروں کے درمیان تمہارا دل نہیں گھبراتا؟

جب دل گھبراتا ہے تو جانوروں کو اپنے نزدیک جمع کر لیتی ہوں اور ان سے باتیں کرتی رہتی ہوں، لڑکی نے کہا۔

نمران کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آ رہی تھی لیکن اب اس کے حواس اعتدال پر آ گئے تھے۔ اس نے لڑکی کو دیکھتے ہوئے کہا اور تمہارے ہاتھوں میں یہ ہتھیار؟

یہ ہتھیار تو نہیں ہے یہ ایک ضرورت ہے جب جانور سرکشی پر آمادہ ہوتے ہیں تو میں انہیں اس لکڑی سے بھگا دیتی ہوں۔

اچانک ہی نمران کے کانوں میں ایک آواز ابھری اور وہ چونک کر عقب میں دیکھنے لگا آواز انسانی ہی تھی کوئی کسی کو پکار رہا تھا لڑکی ایک لمحے کے لئے چونکی لیکن پھر اس نے اپنے آپ کو اس آواز سے لاتعلق کر لیا۔

یہ کون چیخ رہا ہے؟ نمران نے پوچھا۔

کہاں؟ لڑکی نے حیرت سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

کیا تم یہ آواز نہیں سن رہیں؟

یہ گن تیرہ ہے۔ ہوائیں جب چاروں طرف چلتی ہیں تو ایسی آوازیں فضا میں بلند ہونے لگتی ہیں۔

لیکن یہ انسانی آواز ہے۔ نمران نے کہا ایک بار پھر اسے وہی آواز سنائی دی تھی لیکن اس آواز کا مفہوم واضح نہیں ہو سکا تھا۔

تم پریشان نہ ہو یہ گن تر یہ ہوا کی آواز ہے۔ اس پر توجہ دینا بے مقصد ہے، ویسے تم نے مجھے اپنے بارے میں مزید کچھ نہیں بتایا صرف نام کی حد تک۔ میں تمہیں جانتی ہوں تمہارا یہ ساتھی کون ہے؟

میرا خیال ہے میں اپنے ساتھی کو بھی جگا ہی لوں وہ بھی تم سے مل کر بہت خوش ہوگا اور میری نسبت وہ زیادہ تجربے کار ہے، تمہیں تمہارے سوالات کے صحیح جواب دے سکے گا۔ نمران نے کہا اور لڑکی کے جواب کا انتظار کئے بغیر دائرے سے باہر نکل آیا۔ لڑکی [illegible] طرح خاموش بیٹھی اسے دیکھتی رہی تھی چند لمحات کے بعد نمران ہرمیت سنگھ کے پاس پہنچ گیا اور اس نے [illegible]میت سنگھ کو جھنجوڑ کر جگا دیا ہرمیت سنگھ اچھل کر بیٹھ گیا۔

خیریت...... خیریت...... کیا ہوا؟

انکل آئیے...... آؤ آپ کو پتھروں کی مخلوق سے ملاؤں۔

نمران نے کہا اور ہرمیت سنگھ کو سہارا دے کر کھڑا کر دیا پھر کچھ فاصلے پر درختوں کے جھنڈ کی طرف اشارہ کیا اور ہرمیت سنگھ کا بازو پکڑ کر ایک طرف چل دیا، ہرمیت سنگھ کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ پتھروں کی مخلوق کیا چیز ہے لیکن جب نمران درختوں کے اس چھوٹے جھنڈ کی دوسری جانب پہنچا تو لڑکی وہاں موجود نہیں تھی۔ نمران چونک کر چاروں طرف دیکھنے لگا سپاٹ میدان سنسان پڑے ہوئے تھے، وہ آواز بھی اب سنائی نہیں دے رہی تھی۔ نمران کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

غائب ہو گئی...... نن...... نجانے کہاں غائب ہو گئی؟

ہرمیت سنگھ نہ سمجھنے والے انداز میں نمران کو دیکھ رہا تھا اس کا ذہن ابھی تک نیم غنودہ تھا۔ نمران پریشانی سے دور دور تک نظریں دوڑاتا رہا۔ اس دوران ہرمیت سنگھ خود کو سنبھال چکا تھا۔

قصہ کیا ہے۔ ہرمیت سنگھ نے پوچھا۔

"اوہ...... انکل وہ ایک لڑکی تھی۔ یہاں مجھے ملی تھی، وہ، وہ" اچانک نمران خاموش ہو گیا۔ کافی فاصلے پر چند لوگ نظر آئے تھے جو تیز تیز قدموں سے چلتے ہوئے اس سمت آ رہے تھے۔ ان کی تعداد چھ سات کے قریب تھی۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

شہباز خان اس سفر کے دوران شروک کا جائزہ لیتا رہا تھا اور اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ شروک بے وقوف نہیں ہے اس نے بظاہر ان لوگوں کو مکمل آزادی دے رکھی تھی لیکن ان کی طرف سے پوری طرح ہوشیار تھا۔ اس کے ساتھی ہتھیاروں سے لیس تھے اور ان کے پاس ہتھیاروں کا بڑا ذخیرہ تھا۔ ویسے سندھائیوں کے سلسلے میں اگر شروک ان کی مدد نہ کرتا تو یقیناً انہیں نقصان اٹھانا پڑتا۔ اس وقت وہ ان سے مقابلہ کرنے کی پوزیشن میں نہ رہے تھے۔

شروک کا رویہ ان کے ساتھ برا نہ تھا۔ اس سفر کے بعد رات کے قیام میں اس نے کہا۔

میں اور میرے ساتھی مہذب دنیا سے تعلق رکھتے ہیں لیکن مہم جوؤں پر ایسا وقت پڑتا ہی رہتا ہے میرے بھوکے ساتھی کل تک سارا گوشت چٹ کر جائیں گے بہتر یہ ہے کہ تم اس میں سے اپنا حصہ لے لو۔

شکریہ...... شروک ہم لوگ یہ گوشت کھا نہ سکیں گے۔

مگر تمہاری خوراک کا مسئلہ۔

کل دن کی روشنی میں اسے حل کرنے کی کوشش کریں گے۔ شہباز خان نے مسکراتے ہوئے کہا۔

شروک خاموش ہو گیا اس کے ساتھی آرام سے سو گئے تھے۔ انہوں نے پہرے وغیرہ کا بندوبست بھی نہ کیا تھا کچھ فاصلے پر ایک جگہ یہ لوگ موجود تھے رات سرد ہو گئی تھی اور چاروں طرف ہو کا عالم تھا کسی کو نیند نہیں آ رہی تھی طویل تر خاموشی کو مستان نے توڑ دیا۔

شر...... آگے جنگل ہے ہو سکتا ہے سامنے والے ٹیلے کے پیچھے جنگل ہو۔

کیسے اندازہ لگایا! شہباز نے پوچھا۔

شر ہوا کا ساتھ درخت کی خوشبو آتا۔ مستان نے جواب دیا اور شہباز خان گردن ہلانے لگا اسے بھی اس بات کا تھوڑا بہت احساس ہوا تھا۔

مستان نے خاموشی کا یہ سلسلہ توڑا تو سب بولنے لگے۔ پروفیسر نے کہا

شہباز خان آپ کا کیا خیال ہے ہمارے بچھڑے ہوئے ساتھی کس کیفیت میں ہوں گے......؟

اگر ہم ان کے بارے میں جذباتی ہو گئے پروفیسر تو سب ہی ناکارہ ہو جائیں گے۔ ایک عجیب سی بات میرے ذہن میں ہے وہ یہ کہ قدرت ہر شخص کو بہترین قوت مدافعت عطا کرتی ہے سب ایک دوسرے کے سہارے تلاش کرتے ہیں لیکن جب سہارے ختم ہو جاتے ہیں تو خود پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے اور آپ یقین کیجیے پروفیسر یہ میرا تجربہ ہے کہ جب انسان خود پر بھروسہ کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے تو اس کے اندر خدا کی طرف سے ودیعت کردہ قوتیں ہزار گنا بڑھ جاتی ہیں اس کے علاوہ ہم تو صرف مشیت کے فیصلوں پر انحصار کرتے ہیں۔

ہمارے سامنے سب سے تشویش زدہ پہلو نمران اور ہرمیت سنگھ کا ہے اور میں یہ بات کہنے میں عار محسوس نہیں کرتا کہ مجھے ان کی زندگی کی امید نہیں ہے۔ تیز و تند دریا کے دھارے نجانے آگے جا کر کیا کیا شکل اختیار کر چکے ہوں گے۔

اور ظاہر ہے دو کمزور انسان پانی کی اس بے پناہ قوت کا مقابلہ نہیں کر سکتے تاہم اگر قدرت کو ان کی زندگی منظور ہے تو شاید وہ کسی قدرتی معجزے سے بچ جائیں۔ لیکن ہم ان کے سلسلے میں خوش فہم نہیں ہیں۔ باقی رہا الانشا اور کرنل کا معاملہ تو پروفیسر شاید آپ میری بات پر ہنسیں، لیکن نجانے کیوں مجھے ایک یقین سا ہے کہ الانشا کی کہانی اس طرح ختم نہیں ہو سکتی۔ بقول آپ کے کچھ نادیدہ قوتیں ہماری رہنمائی کر رہی ہیں اور میں آپ کی اس بات سے مکمل طور پر اتفاق کرتا ہوں۔

میں سوچتا ہوں۔ چرن جی! یہ برا نہیں ہے ہم چاروں طرف سے جس طرح بے دست و پا ہو چکے تھے۔ بے شک ہمارے پاس کچھ ہتھیار وغیرہ تھے لیکن سندھانیوں کا مسئلہ بہت شدت اختیار کر گیا تھا ہم چار افراد بلکہ شاید ہمارا پورا گروہ بھی ساتھ ہوتا تو ہم کامیابی سے ان کی بڑی تعداد کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ ان لوگوں کے مل جانے سے کم از کم ایک دشمن کی طرف سے تو تھوڑا بہت اطمینان ہوا۔ مقابلہ کریں گے۔ باقی وہی سب کچھ، مشیت پر چھوڑنا پڑے گا۔

شروک کے سلسلے میں آخری رویے کا فیصلہ کیا کیا مسٹر خان؟ پروفیسر حاتم فریدی نے سوال کیا۔

جن لائنوں پر ہم نے عمل شروع کیا ہے پروفیسر میرے خیال میں وہ موزوں ترین ہے۔ شروک کے ساتھ ہمیں مکمل تعاون کرنا ہوگا، یہی ہمارے مفاد میں بہتر ہے، میں کوشش کروں گا کہ اس سے ہماری کچھ اور مفاہمت ہو سکے، کہیں کسی جگہ اس سے انحراف مناسب نہیں ہوگا ہر چند کہ وہ اپنے آپ کو مہذب دنیا کا انسان کہتا ہے اور جیسا کہ چرن گپتا جی! آپ نے اور پروفیسر حاتم فریدی نے دیکھا تھا کہ وہ ایک محقق کی

حیثیت سے ہرمیت سنگھ کی نوادر خانہ میں پہنچا تھا لیکن اس وقت وہ ایک جرائم پیشہ وحشی معلوم ہوتا ہے، ہو سکتا ہے جنگل کے مصائب نے اور اس کے مجرمانہ ارادوں نے یا خزانے کے لالچ نے اس کے ذہن میں وحشت ابھار دی ہو۔

لیکن اگر ہم اس وحشت کو کنٹرول کریں تو اس میں ہمیں ناکامی ہوگی اس سے قدم قدم پر تعاون کرنا پڑے گا۔ خواہ اپنی مرضی کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اور باقی سب کچھ تو حالات پر چھوڑنا ہی مناسب ہوگا حالات صحیح فیصلہ کریں گے کہ آگے کیا ہوتا ہے۔

پروفیسر! یا کسی اور آدمی نے اختلاف نہیں کیا تھا اس کے علاوہ ان کے پاس کوئی اور ذریعہ بھی تو نہیں تھا پھر چھوٹی چھوٹی باتیں ہوتی رہیں۔ سب سے زیادہ اہم مسئلہ نمران اور ہرمیت سنگھ کا تھا، جس پر ان کے دل دکھ سے بھر جاتے تھے، رات کے کسی حصے میں سب ہی گہری نیند سو گئے اور پھر صبح کو سورج کی کرنوں نے انہیں جگا دیا۔ شروک کے ساتھی گوشت کھا رہے تھے اور جانوروں کی طرح بڑے بڑے گوشت کے ٹکڑے لیے انہیں چباتے پھر رہے تھے انہوں نے اپنے آپ کو مست کر لیا تھا اور یہ لوگ اس وقت بھی ان کی مستیوں میں شریک نہ ہوئے۔

شروک نے پروفیسر حاتم سے کہا۔

چلو پروفیسر بھوک نے یقینی طور پر تمہیں نڈھال کر دیا ہوگا میری طرف سے ایک اور پیش کش......

نہیں...... شکریہ، شروک

لیکن پروفیسر تمہیں زندہ رہنا ہے اگر بھوک سے نڈھال ہو کر تم موت کی جانب گامزن ہوئے تو میں...... تمہیں زمین کی مٹی کھلا کر بھی زندہ رکھوں گا سمجھے۔

پروفیسر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شروک نے یہاں تھوڑی دیر تک تیاریاں کرنے کے بعد آگے کا سفر اختیار کیا۔

میرا خیال ہے ان ٹیلوں کے دوسری جانب جنگل ہونا چاہیے، درختوں کی خوشبو فضاؤں میں رچی ہوئی ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس طرف ہمیں شکار بھی مل جائے گا۔

اوہ...... اچھا...... اچھا اطمینان رکھو ٹیلوں کے دوسری طرف پہنچنے کے بعد میں تمہیں ہتھیار دے دوں گا دراصل شہباز خان معاف کرنا، میں یہ بات کہتے ہوئے کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا کہ ہم ابھی تمہاری طرف سے شبے کا شکار ہیں کہیں یوں نہ ہو کہ تم ہمارے خلاف نبرد آزما ہو جاؤ۔

شہباز خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

شروک تم مہذب دنیا کے انسان ہو وحشی اور جنگلی نہیں ہو...... تم جانتے ہو کہ ہم چار افراد تم سے انحراف کر کے کسی بڑے فائدے میں نہیں رہیں گے بلکہ اس کے برعکس ہم تمہاری مدد سے خزانے کا حصول چاہتے ہیں جو لوگ ہمارے درمیان سے گم ہو گئے وہ بھی اسی کوشش میں تھے لیکن ظاہر ہے۔ ان جنگلوں میں کوئی نقصان پہنچا کر ہمیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا بلکہ بلاوجہ زندگیوں کا زیاں ہوگا۔

شروک، شہباز خان کو دیکھتے ہوئے پرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا پھر اس نے کہا۔
کہتے تو تم بھی ٹھیک ہو...... ٹھیک ہے ہتھیار لے لو۔ پھر اس نے اپنے ساتھیوں کو اشارہ کیا اور ان کی رائفلیں ان کو واپس کر دی گئیں اور اس کے ساتھ ہی ایمونیشن وغیرہ بھی۔

شروک بظاہر مطمئن نظر آ رہا تھا لیکن اس کے باوجود محسوس کیا گیا کہ اس کی نگاہیں ان لوگوں پر تھیں سفر جاری رہا پیدل سفر تھا۔ اس لیے بہت زیادہ تیز رفتاری سے نہیں کیا جا سکتا تھا۔ البتہ جب وہ ٹیلوں کے دوسری طرف پہنچے تو مستان اور شہباز خان کے بیان کی تصدیق ہو گئی اور ایک بار پھر انہیں گھنے جنگل کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

یہاں پہنچ کر صورتحال کا جائزہ لیا گیا اور شروک نے پروفیسر سے کہا۔
ہاں پروفیسر آگے کی سمت کا تعین کرو۔
وہ نقشہ دکھاؤ شروک۔ پروفیسر نے کہا اور شروک نے اپنے جسم پر پہنے ہوئے لباس کے اندرونی حصے سے ایک نقشہ نکال لیا جو اصل نہیں تھا بلکہ اس کی نقل تیار کی گئی تھی یہ نقشہ پروفیسر کے سامنے پھیلا دیا گیا اور پروفیسر سنجیدگی سے اس پر غور کرنے لگا شروک اس کے ساتھ بیٹھ گیا تھا، شہباز اور مستان جنگل میں چاروں طرف نگاہیں دوڑا رہے تھے، مستان نے ایک سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
شر...... شر......!

شہباز خان نے اس طرف دیکھا تو اس کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں۔ وہ نیل گائے تھی جو قد آدم جھاڑیوں میں آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہی تھی۔ شہباز خان نے رائفل سنبھالی اور مستان کو اشارہ کر کے آگے بڑھ گیا چند لوگوں نے اس کی اس کاروائی کو گہری نگاہوں سے دیکھا تھا لیکن شاید وہ سمجھ نہیں سکے تھے کہ شہباز کیا کر رہا ہے دوسری طرف پروفیسر فریدی نقشوں پر نشانات لگا رہا تھا وہ ان معاملات میں بہت زیادہ ماہر نہیں تھا لیکن جو اندازہ اس نے لگایا تھا اس کی بنا پر اب تک وہ صحیح راستوں پر آ رہے تھے۔
نقشے پر بنی ہوئی مدہم لکیریں اس بات کی نشاندہی کرتی تھیں کہ دریا کے ساتھ ساتھ وہ جس سمت آئے ہیں وہی صحیح رخ ہے پروفیسر، شروک کو اس بارے میں بتا رہا تھا پھر فائر کی آواز سن کر سب ہی چونکے شروک نے تڑپ کر رائفل اٹھائی تھی لیکن فائر کرنے والا شہباز خان تھا، جو تیزی سے اس جانب دوڑ پڑا تھا۔ سان کو اس نے اس جانب بھیج دیا تھا۔ مستان نے قریب آتے ہوئے کہا۔
شر...... شر چاقو...... چاقو
کیا آپ کے پاس ایک چھری یا چاقو مل جائے گا مسٹر شروک۔
شروک نے خاموشی سے اپنے لباس سے ایک لمبا چاقو نکال کر مستان کے حوالے کر دیا اور مستان اس جانب دوڑ گیا جہاں شہباز خان نے نیل گائے مار گرائی تھی اور پھر تو ایک جشن سا برپا ہو گیا۔ نیل گائے کو گھسیٹ کر لایا گیا۔ شہباز خان اسے اسلامی طریقہ کے مطابق پہلے ہی ذبح کر چکا تھا شروک نے نقشہ سمیٹا وہ بھی خوش نظر آ رہا تھا اس نے شہباز خان کا شانہ تھپتھپایا اور کہا۔

یوں لگتا ہے جیسے تم ایک بہترین شکاری ہو۔
شہباز خان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ نیل گائے کو دیکھ کر ان کی بھوک چمک اٹھی تھی اور سب ہی جلد از جلد اس کا تیا پانچہ کرنا چاہتے تھے۔ لمبے چاقو کی مدد سے شہباز خان نے نیل گائے کو صاف ستھرا کیا۔ اس دوران باقی افراد اسے بھوننے کا بندوبست کر چکے تھے۔ شروک کے ساتھی بھی اس کام میں برابر کے شریک تھے۔ بہر طور ان لوگوں کو خوراک کے سلسلے میں ترجیح دی گئی۔ موٹی تازی نیل گائے میں ویسے بھی گوشت کافی تھا۔ چنانچہ ان لوگوں نے خوب شکم سیر ہو کر کھایا۔ البتہ پانی کے سلسلے میں ذرا احتیاط کرنا پڑی تھی۔ کیوں کہ شروک کے پاس پانی کی مقدار بہت کم تھی وہ لوگ آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے۔ شروک آہستہ آہستہ چلتا ہوا شہباز خان کے پاس آ گیا تھا۔

پروفیسر کا کہنا ہے کہ ہمارے راستے درست ہیں شہباز خان؟ اس کا مطلب ہے تقدیر ہمارا ساتھ دے رہی ہے۔ مجھے تم جیسے ہی کسی ساتھی کی ضرورت تھی۔ شکار کے سلسلے میں ہم ہمیشہ ہی احتیاط رکھیں گے اور اپنے پاس خوراک کا ذخیرہ رکھیں گے۔ آہ...... بدقسمتی سے میرا سب کچھ لٹ چکا ہے اور اس وقت یہ مسئلہ ہمارے لیے انتہائی سنگین نوعیت رکھتا ہے ویسے شہباز خان! تمہارا ابھی تک مجھ سے مکمل تعارف نہیں ہو سکا؟
مسٹر شروک آپ نے خود ہی اس سلسلے میں ہمیں اس کا موقع نہیں دیا۔
تو اب بتاؤ کیا کیفیت ہے...... تم...... میرا مطلب ہے ہرمیت سنگھ کے گروہ میں تمہاری کیا حیثیت تھی......؟

کیا مطلب ہے؟ شروک چونک پڑا۔
میں تمہیں مختصراً پوری کہانی سناتا ہوں۔ اس سے تمہیں اپنے مقصد کی تکمیل میں بھی تھوڑی بہت مدد ملے گی۔ میں اور ہرمیت سنگھ پرانے دوست ہیں اور اس پراسرار جنگل میں وہ لاش اور اس کے ساتھ لپٹی ہوئی وہ لڑکی مجھے ملی تو ہم دونوں ساتھ ہی تھے اور تیسرا شخص ہمارے ساتھ وہ آدمی تھا جسے ہم مستان کے نام سے پکارتے ہیں اور وہ جو اس جگہ آرام کر رہا ہے۔
ہم نے یہ لاش ندی سے نکالی اور اس کے بعد ہرمیت سنگھ نوادر کے شوق میں اپنے ساتھ لے گیا جب کہ بچی جو اس لاش کے ساتھ موجود تھی میں اپنے ساتھ لایا تھا۔
"آں خان...... خان، اوہ میری یادداشت بھی کس قدر خراب ہو گئی ہے۔ ہرمیت سنگھ نے شہباز خان کی کہانی بھی تو سنائی تھی مجھے مگر مجھے یاد نہ آ سکی...... تو یہ لڑکی؟"
ہاں وہ اس سفر میں ہماری ساتھی تھی اور سندھانیوں کے اس آخری حملے میں ہم سب ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ شہباز خان نے پوری کہانی تفصیل سے شروک کو سنا دی۔ شروک بیٹھا ہوا شہباز خان کا چہرہ دیکھ رہا تھا اور اس کی آنکھیں حیرت سے ابلی پڑ رہی تھیں۔ پھر اس نے اپنے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔
"آہ کاش...... وہ لڑکی ہمارے ساتھ ہوتی۔ لاش کو تو ہم نہ سنبھال سکے لیکن لڑکی ہمارے کام آ سکتی تھی۔ مگر لاش ہم سے جدا ہو گئی اور اسے جدا کرنے میں کسی کا ہاتھ نہیں تھا۔ شاید تمہیں اس حیرت ناک

واقعہ کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہو شہباز خان۔۔۔۔۔ لیکن لاش ہم تابوت میں اپنے ساتھ لائے تھے۔ اس تصور کے ساتھ کہ شاید وہ ہماری رہنمائی کرے لیکن وہ اچانک ہی غائب ہو گئی۔" شردک نے پھر پورا واقعہ سنا دیا اور شہباز خان نے بھی اس بات کا اظہار نہ کیا کہ اسے پہلے سے یہ کہانی معلوم تھی۔ تب شردک کہنے لگا۔

"اور اب یہ ضروری ہو گیا ہے کہ اور کوئی ہمیں ملے یا نہ ملے وہ لڑکی ضرور ملنی چاہیے۔ واقعی۔۔۔ واقعی۔۔۔۔ اب ہمارا کام صرف اس راستے پر آگے بڑھنا ہی نہیں بلکہ اس لڑکی کی تلاش بھی ہے۔ کیا خیال ہے تھوڑی دیر بعد ہم آگے سفر کا آغاز کر دیں۔ ویسے بھی ہم نے ابھی سفر کیا ہی کتنا ہے۔ میں تمہاری خوراک کے سلسلے میں پریشان تھا اور اب یہ مسئلہ حل ہو گیا ہے۔"

"ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔" شہباز خان نے جواب دیا۔ شردک پر خیال انداز میں رخسار کھجاتے ہوئے کچھ سوچنے لگا۔

♥......♥......♥

کرنل غیر معمولی سکون کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ الاکشا کے الفاظ نے اسے کچھ مطمئن تو کر دیا تھا لیکن ان الفاظ پر مکمل یقین کرنا اس کے لیے ممکن نہیں تھا۔ اس یقین کی بنیاد نہیں تھی۔ الاکشا ایک پر اسرار شخصیت ضرور تھی اور حالات نے اس بات کو ثابت کر دیا تھا کہ اس زندگی سے کوئی بہت ہی پر اسرار کہانی وابستہ ہے۔ شہباز خان اور ہرمیت سنگھ یا دوسرے چند افراد الاکشا کی اس پر اسرار صلاحیتوں پر اپنے مشاہدات کی بنا پر یقین رکھتے تھے اور اس کی کچھ پیش گوئیاں ان کے مطابق درست ثابت ہوئی تھیں۔ لیکن کرنل ایک عملی انسان تھا اور ایک عملی انسان کے لیے اس قسم کی کہانیاں بے معنی ہوتی ہیں تاہم جو واقعات پیش آئے تھے وہ بھی کرنل کی نگاہوں سے اوجھل نہیں تھے۔ ان تمام باتوں کے علاوہ انسانی فطرت بھی کرنل پر حادی ہو گئی تھی اور وہ الاکشا کے لیے ہی نہیں اپنی ذات کے لیے بھی جدوجہد کیے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

ان جنگلات میں بیٹے کے غم میں آسانی سے جان دینے کے بجائے جدوجہد کر کے مرنا کرنل کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا۔ اس کے لیے وہ سرگرم عمل تھا اور اس نے الاکشا پر بھی اپنی کمزوری کا اظہار نہیں ہونے دیا تھا لیکن کچھ پر اسرار مشاہدات اسے سوچنے پر ضرور مجبور کر رہے تھے۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ ان جنگلوں میں تنہا رہ جانے کی وجہ سے جو دقتیں پیش آ سکتی ہیں وہ نہیں پیش آ رہی تھیں بلکہ معاملات کچھ اس طرح ہموار ہوتے جا رہے تھے کہ بعض اوقات تو ان کی سچائی پر یقین کرنا بھی مشکل ہو جاتا تھا۔ اس سفر میں نہ جانے کون سی رات تھی کہ کرنل کے ساتھ ایک اور پر اسرار واقعہ پیش آیا۔

کرنل نے رات کو ایک جگہ قیام کیا۔ الاکشا بدستور معمول کے مطابق مطمئن و مسرور اس کے ساتھ تھی۔ پھلوں کے ذخیرے سے انہوں نے کچھ پھل معدے میں اتار لیے تھے اور شکم سیری کی تھی اور اس کے بعد کرنل تھکا تھکا سا ایک درخت کی جڑ میں زمین پر لیٹ گیا تھا۔ الاکشا حسب معمول لکڑیوں کے کھیل میں مصروف ہو گئی۔ وہ ان لکڑیوں کو ادھر سے ادھر کر رہی تھی اور جیسے اپنی زندگی کے وجود سے واقف ہو رہی تھی کہ اچانک کرنل کے گھوڑے نے اچھل کود مچانا شروع کر دی۔ وہ ایک درخت سے بندھا ہوا تھا اور اچانک ہی

وحشت زدہ ہو گیا تھا۔ کرنل شکاری نہیں تھا ورنہ گھوڑے کی اس کیفیت سے یہ اندازہ ضرور لگا لیتا کہ کوئی خونخوار درندہ پاس ہی موجود ہے پھر دونوں واقعات ایک ساتھ ہی ہوئے۔ دفعتہً ہی گھوڑے نے اپنی بندشیں توڑ ڈالی تھیں اور اچھل کر ایک طرف زقند لگا دی تھی اور اس وقت سامنے والے درخت کی شاخ سے ایک ہولناک غراہٹ سنائی دی تھی اور کرنل کی نگاہیں اس جانب اٹھ گئی تھیں۔ تاریکی اتنی گہری نہ تھی کہ سیاہ رنگ کی وجہ سے ہیولا بھی نظر نہ آ سکتا۔ جس میں دو چمک دار بلب لٹکے ہوئے تھے۔ کرنل کا خون خشک ہو گیا۔ کالے رنگ کے اس ہولناک چیتے کو اس نے درخت کی ایک شاخ پر دیکھا تھا اور گھوڑا اسی چیتے کو دیکھ کر بے چین ہو گیا تھا۔ یہاں تک کہ جان بچانے کے خوف سے فرار ہو گیا تھا۔ چیتے کو دیکھ کر کرنل کے اوسان خطا ہو گئے۔ خونخوار چیتا انہی کی جانب جھانکتا لگا رہا تھا۔ کرنل نے بے چین نگاہوں سے الاکشا کی جانب دیکھا۔ جو لکڑیاں سمیٹ رہی تھی۔ اور اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔

کرنل کے حلق سے ایک عجیب سی آواز نکلی لیکن الاکشا اس جانب متوجہ نہیں ہوئی تھی۔ اس نے گردن گھما کر سیاہ چیتے کو دیکھا اور دفعتاً ہی سیاہ چیتے نے ایک ہولناک غراہٹ کے ساتھ چھلانگ لگا دی۔ کرنل بے دست و پا ہو گیا۔ اب یقینی موت اس کے سامنے تھی۔ لیکن اس وقت اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب چیتے کی یہ چھلانگ ادھوری رہی تھی۔ وہ کرنل تک پہنچنے کے بجائے زمین پر گر گیا تھا۔ چیتا چند لمحات اس طرح تڑپا جیسے اسے گولی مار دی گئی ہو وہ غراتے ہوئے اپنی دم دانتوں میں دبا رہا تھا اور ایسے لگ رہا تھا جیسے اس سے اٹھا نہ جا رہا ہو پھر بہ مشکل تمام وہ اپنے پنجوں پر کھڑا ہوا اور اس کے بعد بے بسی کے عالم میں چکرانے لگا۔ اس کے انداز میں وحشت نمایاں تھی۔ پھر جیسے وہ کسی عذاب سے چھوٹ گیا ہو۔ اس نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور دیکھتے ہی دیکھتے نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ اس خوف ناک وحشت خیزی نے کرنل کو لرزہ بر اندام کر دیا تھا۔ لیکن چیتے کے اس طرح بھاگ جانے کی وجہ کرنل کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ وہ حیران نگاہوں سے دور دور تک دیکھ رہا تھا۔ چیتے کا اب کہیں پتا نہیں تھا۔ تب اس نے گھوم کر الاکشا کی طرف دیکھا۔ الاکشا آہستہ آہستہ اس کے قریب پہنچ گئی اور پھر اس نے آہستگی سے کہا۔

"انکل ہم کچھ آگے نکل آئے ہیں بائیں سمت چلنا ہے ہمیں بائیں سمت۔"

"گھوڑا۔۔۔۔۔ گھوڑا۔۔۔۔۔" کرنل کے حلق سے بھرائی ہوئی آواز نکلی۔ گھوڑے کا بھی اب نام و نشان نہیں تھا۔ الاکشا نے آہستہ سے کہا۔

"ہمیں گھوڑے کی ضرورت نہیں پیش آئے گی۔ وہ دیکھیے اس طرف اس جانب کچھ نظر آ رہا ہے آپ کو۔۔۔۔ آئیے کرنل انکل اس طرف چلیے۔"

الاکشا نے کرنل کا ہاتھ پکڑا۔ کرنل کے اعصاب کشیدہ تھے لیکن نہ جانے کیوں اس کے قدم الاکشا کے ساتھ ساتھ اٹھنے لگے۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اچانک ہی اس کی قوت ارادی اس کا ساتھ چھوڑ گئی ہو اور وہ چند لمحات کے لیے اپنے آپ میں نہ رہا ہو۔ اسی کیفیت میں وہ الاکشا کے ساتھ چلتا رہا۔ آہستہ آہستہ آسمان پر روشنی ہوتی جا رہی تھی اور چاند بادلوں کی اوٹ سے نکل آیا تھا۔ مدہم مدہم روشنی میں کرنل کو تقریباً ایک گھنٹے کا

سفر کرنا پڑا۔

اور تھوڑی دیر کے بعد بہت کچھ بہتر ہو گیا لیکن ابھی تک اس کے منہ سے کوئی آواز نہ نکل سکی تھی۔ پھر اس نے پانی کی ایک ہلکی سی آواز سنی۔ بہت ہی مدہم مدہم سی آواز جیسے کوئی سبک رو سی ندی ہلکی ہلکی آواز کے ساتھ بہہ رہی ہو اور پھر یہ چھوٹی سی ندی اس کے سامنے آ گئی۔

الاکشا نے مسکراتی نگاہوں سے کرنل کو دیکھا اور آہستہ سے بولی۔ "دیکھا پہچانا اسے یہ شرمیلا ہے۔"

الاکشا ندی کے کنارے دوزانو بیٹھ گئی لیکن کرنل کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا۔

کرنل مقبول اس چھوٹی سی ندی کا جائزہ لے رہا تھا جس کا پاٹ زیادہ چوڑا نہیں تھا جس کی روانی بہت سست تھی۔ اس کا پانی حیرت انگیز طور پر شفاف تھا۔ اس کی یادداشت نے سہارا دیا اور اسے یاد آیا کہ ہرمیت سنگھ اور شہباز خان ایک ندی کی تلاش میں تھے۔ جس کے بارے میں انہوں نے بتایا تھا کہ وہ پراسرار لاش انہیں ندی سے ملی تھی اس کے ذہن میں فوراً خیال آیا کہ یہ وہی ندی ہے۔

الاکشا دوزانوں ندی کے کنارے بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے چہرے پر مسرت کے آثار تھے۔

"یہ شرمیلا ہے انکل!"

"تم اس کے بارے میں کیا جانتی ہو الاکشا؟" کرنل نے پوچھا اور الاکشا جیسے چونک پڑی۔ اس نے پہلے ندی کے کناروں کو دیکھا۔ دوسری طرف لمبی لمبی گھاس اگی ہوئی تھی پر اس کی آنکھیں دور دور کا جائزہ لینے لگیں اور پھر وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم اس کے بارے میں کیا جانتی ہو الاکشا؟" کرنل نے پھر پوچھا۔

"انکل...... یہ شرمیلا ہے۔ یہ شرمیلا ہے۔ دیکھو اس کا پانی دیکھو۔ اس میں میری خوشبو رچی ہوئی ہے۔ یہ انکل...... یہ...... میں...... انکل یہ شرمیلا ہے۔ ہاں...... یہ...... یہ۔" اچانک الاکشا رو پڑی۔

"یہ...... مگر یہ اس سے آگے کیا ہے اس کے بعد کیا ہے۔ مجھے یاد کیوں نہیں آتا بولو...... اور کیا ہے۔ آگے اور کیا ہے۔" الاکشا کی آواز تیز ہوتی گئی اور پھر وہ حلق پھاڑ کر چیخنے لگی۔ "جواب دو...... مجھے جواب دو۔ بتاؤ اور کیا ہے؟" اس نے اپنے بال نوچ ڈالے اور اپنی کنپٹیوں پر گھونسے مارنے لگی۔ وہ بار بار چیخ رہی تھی۔ "بتاؤ آگے کیا ہے اور آگے کیا ہے۔ مجھے یاد کیوں نہیں آتا۔"

کرنل خاموشی سے اس کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے الاکشا کو خاموش کرنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔

کافی دیر اسی طرح گزر گئی۔ الاکشا روتے روتے نڈھال ہو گئی تھی پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں لیکن اس کی سسکیاں بلند ہو رہی تھیں۔ وہ بچوں کی طرح ہمک رہی تھی۔ کرنل نے زمین پر بیٹھ کر دونوں ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ اس کی کیفیت بہتر نہ تھی۔ وہ زخم کھایا تھا سینے پر کہ بس اسی کا جگر تھا کہ خود کو سنبھالے ہوئے تھا۔ یہ ایک غیر معمولی قوتِ برداشت تھی کہ اپنی آنکھوں سے نمران کے دریا میں بہہ جانے کا منظر دیکھ کر زندہ تھا بلکہ نہ صرف زندہ تھا بلکہ الاکشا کا ساتھ دے رہا تھا اس کی دلجوئی کر رہا تھا۔

لیکن کبھی کبھی اس کا دل ڈوبنے لگتا تھا۔ اسے احساس ہوتا تھا کہ اس نے دیوانگی کا ثبوت دیا

ہے۔ اس نے بے سروپا داستان پر یقین کر لیا اور احمقوں کی طرح سب کے ساتھ دوڑ پڑا۔ نمران کو سنبھالا بھی جا سکتا تھا۔ اسے سمجھایا بھی جا سکتا تھا وہ تو سرپھرے تھے جو اس دور میں پراسرار کہانیوں میں خود کو کھپائے ہوئے تھے۔ مجھے کیا ہو گیا تھا۔ وہ میرا بیٹا......

نمران...... کیا میں تنہا اپنی دنیا میں جاؤں گا۔ نمران کہاں ہو۔ تو کہاں ہے میرے بچے کیا بیتی تجھ پر......؟"

"پہلی بار...... پہلی بار کرنل سسک پڑا۔ اسے نمران بری طرح یاد آیا تھا۔ نمران میرے بچے کیا بیتی تجھ پر نمران؟ بے اختیار اس کے حلق سے آوازیں نکل گئیں اور ان آوازوں کو سن کر الاکشا چونک پڑی۔ اس نے آنکھیں کھول کر کرنل کو دیکھا۔ بغور دیکھتی رہی پھر اچھل کر کھڑی ہو گئی۔ کرنل کے سامنے پہنچی اور اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

"انکل۔" اس نے بڑی اپنائیت سے کہا۔

"پاگل ہو گیا تھا۔ میں...... آہ پاگل ہو گیا تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں کی روشنی کھو دی۔

"روشنی۔" الاکشا نے آہستہ سے کہا۔

"نمران مر چکا ہے۔ اس طوفانی دریا کے بہاؤ میں اس کے زندہ رہنے کا کیا امکان ہے۔

"نہیں انکل...... کے بون...... جھوٹ نہیں بولتے۔ دیکھو انکل...... دیکھو......" الاکشا نے ساری لکڑیاں نکال کر کرنل کے سامنے ڈال دیں۔

"میں یہ سب کچھ نہیں جانتا۔ میری دیوانگی نے مجھے برباد کر دیا۔ میں حالات کو سنبھال سکتا تھا...... مگر...... مگر......" کرنل روتے ہوئے کہہ رہا تھا' مگر الاکشا اس کی باتوں پر غور نہیں کر رہی تھی وہ لکڑیوں کے ٹکڑوں کو دیکھ رہی تھی پھر اس نے کہا۔

"یہ کے بون ہیں انکل۔ دیکھو یہ سب بے رنگ اور بھدے ہیں مگر ان میں سے ایک کا انتخاب کر لو...... اور اسے نمران کا نام دے دو۔"

"تم...... تم پاگل ہو الاکشا کسی کا کچھ نہیں گیا۔ کسی کا کوئی نقصان نہیں ہوا۔ میری دنیا اجڑ گئی میرا چراغ بجھ گیا۔ ہرمیت مہم جو تھا وہ سب کچھ اس کا شوق تھا۔ شہباز خان لاولد تھا جب اسے علم ہوا تو اس کے ذہن میں تحقیق جاگ اٹھی۔ اس کے خون کا کوئی رشتہ نہ تھا۔ باقی لوگ بھی اپنے شوق کی تکمیل کر رہے تھے مگر...... میرا نمران......"

الاکشا نے جیسے کرنل کی باتوں میں سے ایک بات بھی نہیں سنی تھی کرنل کے خاموش ہونے کے بعد اس نے کہا۔

"تم ان میں سے ایک کو نمران تصور کر لو انکل! اس میں زندگی دوڑ جائے گی اور اگر نمران زندہ نہیں تو وہ تاریک ہو جائے گی۔ سیاہ پڑ جائے گی۔ دیکھ لو انکل دیکھ لو...... بولو...... یہ نمران ہے۔" اس نے ایک لکڑی اٹھا کر کہا۔

''مجھے میرے حال پر چھوڑ دو الاشا۔ خدا کے لیے مجھے میرے حال پر چھوڑ دو۔'' کرنل نے کہا۔

''یہ نمران ہے۔ یہ بے پایہ ہے۔'' الاشا لکڑیاں اٹھا اٹھا کر کرنل کے سامنے لانے لگی۔

''پلیز الاشا...... پلیز۔'' کرنل نے کہا۔

''اے یا تورے شا...... آ کاؤ...... ای لاتا توشے۔'' الاشا خونخوار لہجے میں بولی اور کرنل چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

''اے یا تورے شارے تورے...... یہ نمران ہے...... یہ...... یہ......''

''ہاں...... یہ نمران ہے۔'' کرنل دانت پیس کر بولا۔ اس وقت لکڑی کا ایک ٹکڑا الاشا کے ہاتھ میں تھا۔

''آکاؤ...... ری اوتا توشے۔ اس نے ٹکڑا کرنل کے ہاتھ پر رکھ دیا اور اچانک چونک پڑا۔ لکڑی کا بے رنگ ٹکڑا اچانک چمکنے لگا تھا یہ نظری دھوکا نہ تھا۔ لکڑی کرنل کے ہاتھ میں چمک رہی تھی اور اس کی روشنی صاف محسوس کی جا سکتی تھی۔

اینا ور...... تا وشو...... اینا ورتا وشو۔'' الاشا نے بدستور غراتے ہوئے کہا۔

''میں سمجھا نہیں۔'' کرنل آہستہ سے بولا۔

''وہ زندہ ہے۔ تم...... انکل تم تنہا اس کے مالک نہیں ہو۔ وہ میرا بھی ہے۔'' الاشا کا لہجہ بدل گیا تھا۔ اور کرنل حیرت سے چمکتی لکڑی کو دیکھتا رہا۔

''یہ سب کیا ہے الاشا۔''

''نمران زندہ ہے انکل۔ اس کی فکر مت کرو۔ میں مر رہی ہوں انکل۔ میرے ذہن کے دروازے کھول دو۔ کوئی میری مدد کیوں نہیں کرتا۔ کوئی بھی مجھے نہیں بتاتا میں کون ہوں۔ میری کہانی کہاں سے شروع ہوئی ہے۔ مجھے میری شناخت کرا دو۔ میں سب سے زیادہ مظلوم ہوں۔ مجھے بتا دو میں کون ہوں۔ بس ایک بار بتا دو...... وہ جو میرے سینے میں دھڑکتے ہیں وہ کون ہیں۔ یہ ہوائیں میری شناسا کیوں ہیں۔ یہ آوازیں کس کی ہیں جو مجھے پکارتی ہیں۔ وہ کس کا پیار ہے۔ مجھے یاد آتا ہے۔ رونے والے کون ہیں انکل! جو میرے لیے روتی ہیں۔ کون مجھے اتنے پیار سے آواز دیتا ہے۔

میں ابھی کچھ نہیں ہوں کسی کے بدن کا حصہ نہیں ہوں۔ کوئی مجھے اپنا خون نہیں کہتا۔ نمران سے شادی کی ہے خود کو یہ باور کرانے کے لیے کہ میں بھی کسی کی آرزو ہوں کوئی نہ ملا...... انکل کوئی نہ ملا! میرے پاس صبر تو ہے۔ جینے کا سہارا تو ہے کہ نمران میرا ہے۔''

''نہیں بیٹی نہیں الاشا...... نہیں میری بچی میں ہوں تیرا۔ تو سچ کہتی ہے۔ نمران زندہ ہے اگر وہ زندہ نہ ہوتا تو میری کمر ختم ہو جاتی۔ میرے اعضا ٹوٹ جاتے۔ میں نڈھال ہو جاتا۔ میرے اندر جدوجہد مر جاتی مگر یہ سب کچھ نہیں ہے۔ نمران واقعی زندہ ہے اور تو میرے نمران کی دلہن ہے۔ تیری حفاظت مجھ پر فرض ہے۔ میں تیرے لیے جان دے سکتا ہوں۔''

بہت دیر تک دونوں جذباتی رہے۔ پھر الاشا نے کہا۔

''انکل! میرے ذہن کے بند کواڑ کیوں نہیں کھلتے۔ مجھے لگتا ہے جیسے مجھے سب کچھ یاد ہے۔ میری کہانی میرے تحت الشعور میں بند ہے۔ بس کبھی کوئی خانہ روشن ہوتا ہے تو ایک جھلک سی نظر آ جاتی ہے اور میں تڑپ کر رہ جاتی ہوں۔ میں اپنی پوری کہانی جاننا چاہتی ہوں۔ میں بھی تو بے قصور ہوں انکل بتایئے میرا کیا قصور ہے؟''

کرنل خاموشی سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔

''یہ کے بون کیا ہیں الاشا؟''

''انکل...... یہ میرے بچپن کے ساتھی ہیں۔ لکڑیوں کے یہ چند ٹکڑے خواہ وہ کہیں بھی ہوں کسی شکل میں بھی ہوں مجھ سے باتیں کرتے ہیں، دلاسہ دیتے ہیں۔ انکل یہ میری تنہائی کے ساتھی ہیں۔ یہ میری رہنمائی کرتے ہیں۔''

''مگر یہ تو تمہارے پاس بہت بعد میں آئے۔''

''اصل چیز ان کی تعداد ہے۔ ان کی ترتیب ہے۔ میں چھوٹی سی تھی انکل تو یہ میرے سامنے آئے۔ یہ مجھے بہلاتے تھے۔ یہ مجھے دنیا جہاں کی کہانیاں سناتے تھے۔''

''تم کبھی کبھی ایک نامانوس زبان بولنے لگتی ہو۔''

''یہ نامانوس زبان......''

''ہاں۔ اینا ورتا شو اور شارے تورے۔''

''اینا ورتا شو شارے تورے میں نہیں جانتی انکل اس کا مفہوم کیا ہے۔ شاید اس وقت کی زبان ہو جب میرے ذہن کے بند دریچے کھلتے ہیں۔''

''تم کیسے جانتی ہو......؟'' کرنل نے سوال کیا اور الاشا کچھ سوچنے لگی۔ دیر تک خاموش رہی پھر اس نے کہا۔

''آیئے انکل آگے چلیں۔''

''کہاں؟''

''آیئے...... آگے کچھ فاصلے پر...... یا شاید زیادہ فاصلے پر پھلوں کے درخت ہیں۔ ندی کا پانی راستہ کاٹ کر ایک طرف جاتا ہے اور وہاں ایک کشتی چھپی ہوئی ہے۔ انکل آیئے...... پلیز......''

الاشا نے جھک کر لکڑیاں سمیٹیں۔ انہیں اپنے لباس میں محفوظ کیا اور آگے بڑھنے لگی۔ اس نے کرنل مقبول کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا تھا اور اسے گھسیٹ رہی تھی۔ وہ ندی کے کنارے کنارے چل پڑے۔

کرنل پھر تذبذب کا شکار ہو گیا تھا۔ الاشا واقعی اب اجنبی نہیں تھی۔ شہباز نے اسے بچپن سے پرورش کیا تھا لیکن ان حالات کا شکار ہونے کے بعد اس کی کیفیت بدل گئی تھی اور وہ تجسس میں مبتلا ہو گیا تھا جب کہ الاشا اب کرنل کی عزت تھی۔ اس کے بیٹے کی بیوی تھی اور اس کی نسلوں کا وقار تھی۔ لکڑی کے ٹکڑے کی روشنی واہمہ نہیں تھی کرنل نے ہوش و حواس کے عالم میں اسے دیکھا تھا۔ وہ الاشا کے ساتھ چلتا رہا۔

ابھی دور دور تک پھولوں کے درخت نظر نہیں آ رہے تھے۔ گنگناتی ندی چوڑی نہیں ہوئی تھی۔ نہ ہی کہیں اس کی گہرائی زیادہ تھی بعض جگہ تو اسکی تہہ بھی نظر آ جاتی تھی الالنشا دوڑنے کے انداز میں چل رہی تھی۔ کرنل بھی اس کا ساتھ دے رہا تھا۔ آگے چل کر وہ باقاعدہ پر شور ندی کی شکل اختیار کر گئی اور اب اس کا شور بھی سنائی دے رہا تھا۔

''آپ تھک گئے انکل؟'' الالنشا نے پوچھا۔

''نہیں بیٹے......!''

''ہم رکیں گے نہیں انکل......رکے تو......تو فاصلے زیادہ ہو جائیں گے۔''

''چلتی رہو۔'' کرنل نے کہا۔ الالنشا صحت مند تھی تو کرنل بھی فوجی آدمی تھا اور فوج کی زندگی نے اسے بہت کچھ دیا تھا۔ وہ الالنشا سے کسی طور پیچھے نہیں رہا تھا۔

شام ڈھلی اور سورج چھپ گیا پھر وہ ایک موڑ گھومے اور اس کے بعد تقریباً تین فرلانگ چل کر الالنشا نے پر مسرت لہجے میں کہا۔ ''وہ دیکھیے انکل......''

کرنل خود بھی درختوں کے وہ جھنڈ دیکھ رہا تھا جو پھلوں سے لدے ہوئے تھے۔ سر سبز درخت چھ سات فٹ سے اونچے نہیں تھے۔ کرنل کی رفتار کچھ سست ہوئی تو الالنشا نے کہا۔

''ابھی ان پتوں والے درختوں کے پاس چلنا ہے انکل! وہ جو نظر آ رہے ہیں۔''

پتوں والے یہ درخت ندی کے کنارے سے شروع ہو کر دور تک چلے گئے تھے۔ ان کے پتے کیلے کے پتوں کی مانند چوڑے اور پھیلے ہوئے تھے اور اس طرح آپس میں جڑے ہوئے تھے کہ ان کے درمیان نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ کچھ دیر کے بعد الالنشا اس جگہ پہنچ گئی۔ وہ پتوں کو ہٹا ہٹا کر کچھ دیکھ رہی تھی۔ کرنل نے خود بھی آگے بڑھنا چاہا لیکن الالنشا نے جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''نہیں انکل وہاں پانی ہے۔''

کرنل رک گیا پھر الالنشا پر مسرت لہجے میں بولی۔

''دیکھیے انکل کشتی......کشتی......''

کرنل نے بھی کشتی دیکھ لی تھی۔ ایک درخت کے تنے کو درمیان سے کھوکھلا کر کے اسے کشتی کی شکل دے دی گئی تھی۔ اس میں چپوار بھی رکھے ہوئے تھے۔

''ہمیں یہ کشتی ان پتوں کے درمیان سے گھسیٹتے ہوئے ندی تک لے جانی ہے۔ اس سے ہم آگے کا سفر کریں گے۔''

کرنل عجیب نگاہوں سے الالنشا کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے ذہن میں شعلے جنم لے رہے تھے۔ یہ کشتی اس کے بارے میں الالنشا نے بہت پہلے بتا دیا تھا اس کا کہنا درست نکلا تھا اس نے نمران کے بارے میں بھی کہا تھا۔ اس کا مطلب ہے......اس کا مطلب ہے......کرنل کا دل کھل اٹھا تھا۔ اسے الالنشا پر اعتماد ہوتا جا رہا تھا۔

♥......♥......♥

ہرمیت سنگھ اور نمران نے ان لوگوں کے بارے میں اندازہ لگانے کی کوشش کی جو جو معلوم ہوتے تھے اور خستہ حال تھے۔ سب کے لباس بوسیدہ تھے لیکن دریا کی قربت نے انھیں صاف ستھرا کر دیا تھا البتہ سب کی داڑھیاں اور بال بڑھے ہوئے تھے۔ ہرمیت سنگھ نے آہستہ سے کہا۔

''نمران ان کے ہتھیار دیکھو۔''

نمران نے بھی اس بات پر غور نہیں کیا تھا۔ ان میں سے کئی کے ہاتھوں میں لمبی مضبوط لکڑیاں تھیں۔ کچھ نے گدر قسم کی لکڑیاں سنبھالی ہوئی تھیں۔ دو کے ہاتھوں میں نیزے تھے لیکن ان کی انیاں بھی انکی لکڑیوں کی بنی ہوئی تھیں۔ نمران کو اس لڑکی کا نیزہ یاد آ گیا جو بالکل ان جیسا تھا۔

''اوہ......نمران......میرا خیال ہے یہ لوگ۔'' ہرمیت سنگھ نے کچھ اظہار کرنا چاہا لیکن اس کا جملہ ادھورا رہ گیا تھا۔ ان میں سے ایک قوی ہیکل شخص نے آگے بڑھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہیلو فرینڈز......میرا خیال ہے تم ہرمیت سنگھ کے گروہ کے لوگ ہو۔ ایسا ہے تو جوزف کا سلام قبول کرو اور ساتھ ہی دوستی کا ہاتھ لیکن شروک کی طرف سے نہیں میں اس سے علیحدہ ہو چکا ہوں۔''

''اوہ......مسٹر جوزف مجھے علم ہے کہ آپ کے اور شروک کے درمیان جھگڑا ہو گیا تھا اور اس نے سارے ہتھیار اپنے قبضے میں کر کے آپ کو قیدی بنا لیا تھا۔'' ہرمیت سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''آہ......تم بہت باخبر معلوم ہوتے ہو۔ اس جنونی گدھے نے ہم سب کی زندگیاں خطرے سے دوچار کر دی ہیں اور ہم سب......''

لوئس نے رک کر دور دور تک نظریں دوڑائیں۔ پھر بولا۔

''لیکن تمہارے دوسرے ساتھی کہاں ہیں۔ کیا یہاں سے دور......؟''

ہرمیت سنگھ نے جواب دینے کے لیے ایک لمحے کے لیے سوچا جوزف کے بارے میں اس نے جو کچھ سنا تھا۔ وہ بہتر نہ تھا اور چونکہ وہ اتنا غیر متوقع طور پر سامنے آیا تھا کہ ہرمیت یا نمران کوئی فیصلہ نہ کر پائے تھے لیکن ان حالات میں وہ دونوں کچھ اور کر بھی نہیں سکتے تھے کوئی نئی کہانی بھی ممکن نہیں تھی کیوں کہ جنگل میں اس وقت صرف دو بیرونی گروہ سرگرم عمل تھے۔ چناں چہ اس نے قدرے افسردگی سے کہا۔

''ہم دونوں ایک حادثے کے تحت اپنے گروہ سے جدا ہو گئے ہیں۔''

وہ حادثہ کیا تھا اور گویا یہاں صرف تم دونوں ہو مگر میں بھی کتنا بے وقوف ہوں۔ آؤ ہمارے کیمپ میں چلو وہاں پہنچ کر گفتگو ہو گی۔ آؤ ہم کسی طور پر مخالف نہیں ہیں بلکہ تم دونوں سے ملاقات کر کے تو میری ایک آرزو پوری ہوئی ہے۔''

ہرمیت سنگھ نے نمران مقبول کو دیکھا اور پھر گردن ہلا دی۔ جوزف اپنے آدمیوں کو اشارہ کر کے واپس پلٹ پڑا ہرمیت کو موقع مل گیا اور اس نے اردو میں نمران مقبول سے کہا۔

''نمران معافی چاہتا ہوں۔ یہ سب کچھ اتنا اچانک ہوا کہ میں تم سے کوئی مشورہ بھی نہ کر سکا۔''

نمران مقبول چونک پڑا۔ اس نے ہرمیت سنگھ اور جوزف کے درمیان ہونے والی گفتگو سنی تھی اور اس پر توجہ بھی دی تھی لیکن اس کا ذہن اس لڑکی میں بھٹک رہا تھا جو اپنے آپ کو لوگوں میں بھی ہو سکتی ہے اور

اگر ایسی بات نہیں تھی تو اس نے یہاں کسی کی موجودگی کا اظہار کیوں نہیں کیا تھا جب کہ جوزف اور اس کے ساتھی بھی یہاں موجود تھے۔ لڑکی نے کہا تھا کہ وہ پہلی بار کسی انسان کو دیکھ رہی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اس کے الفاظ میں بناوٹ تھی اور وہ جھوٹ بول رہی تھی لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی اس کی پراسرار کیفیت' نمران وہری الجھنوں کا شکار تھا لیکن ہرمیت سنگھ کے الفاظ اس نے سنے تھے۔ ہرمیت نے پھر کہا۔

''تم کس سوچ میں ڈوبے ہوئے ہو نمران......؟''

''سوری انکل! ہاں میں کچھ سوچ رہا تھا۔''

''میں کہہ رہا تھا کہ تم سے مشورہ کیے بغیر میں نے اپنے آپ کو جوزف پر ظاہر کر دیا ہے۔ ہوسکتا ہے تمہیں اس پر اعتراض ہو۔''

''مجھے کیا اعتراض ہوسکتا ہے انکل اور آپ مجھ سے کہیں زیادہ تجربہ کار ہیں جو آپ کرنا چاہیں، بے خوف وخطر کریں۔ میں آپ کے ساتھ ہوں۔ ظاہر ہے ان نامساعد حالات میں ہم اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔ ان لوگوں سے لڑنا بھی نہیں ہے۔ کیونکہ ہم نہتے ہیں اور پھر لڑائی کا کوئی جواز بھی نہیں ہے۔ ہوشیاری سے کام چلایا جائے تو بہتر ہے۔''

''میں نے بھی یہ سوچا ہے کہ عارضی طور پر ان لوگوں کا سہارا حاصل کیا جائے بلکہ انہیں اس قسم کے راستے دکھائے جائیں تاکہ یہ ہمیں اپنے دوسرے ساتھیوں تک پہنچنے میں مدد دیں۔''

''بالکل ٹھیک ہے انکل لیکن ان میں سے کوئی ہماری باتیں سن تو نہیں رہا۔''

ہرمیت سنگھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بظاہر تو اس کے امکانات نہیں ہیں کیوں کہ یہ سب غیر ملکی ہیں اور یقینی طور پر اردو داں نہ ہوں گے۔''

نمران نے گردن ہلا دی۔

پھر دونوں خاموش ہو کر ان کے ساتھ سفر کرتے رہے۔ فاصلہ بہت زیادہ نہیں طے کرنا پڑا تھا۔ آگے درختوں کے جھنڈ کے دوسری جانب بقول جوزف کے اس کا کیمپ تھا اور یہ کیمپ دیکھ کر ہنسی آتی تھی۔ بس تھوڑے بہت سامان کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ نہ سر پر کچھ تھا اور نہ زمین پر۔ یہاں مزید تین افراد موجود تھے گویا جوزف بھی اچھے خاصے آدمیوں کے ساتھ تھا۔

جوزف وہاں پہنچ کر نمران مقبول کی جانب دیکھ کر مسکرانے لگا پھر بولا۔

''پہلے تمہاری خاطر مدارات کر دیں بیٹھ جاؤ۔''

دونوں وہیں درختوں کے پاس بیٹھ گئے جوزف بھی ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گیا اور چند لمحات کے بعد وہ لوگ المونیم کے مگوں میں کوئی گرم چیز لے کر آئے۔ جوزف نے انہیں یہ قہوہ ٹائپ چیز پیش کرتے ہوئے کہا۔

''اگر تم نے یہاں ان جنگلوں میں یہ شے دریافت نہیں کی تو یوں سمجھ لو کہ کچھ نہ پایا۔ اس کے سامنے چائے یا کافی بے حقیقت ہے اور یہ خالص میری دریافت ہے۔'' ہرمیت سنگھ نے اس گرم چیز کا ایک گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

''کمال کی شے ہے نمران دیکھو اس میں مٹھاس بھی ہے ہلکی سی اور اس کے علاوہ چائے کا مزا بھی۔''

دونوں اس سیال کو پینے لگے۔ ہرمیت سنگھ نے تحسین آمیز لہجے میں جوزف سے کہا۔

''یہ تمہاری بہترین دریافت ہے۔ کمال کیا ہے تم نے۔'' جوزف فخریہ انداز میں ہنسنے لگا۔ پھر بولا۔ ''میں بہترین صلاحیتوں کا مالک ہوں اپنا تعارف خود ہی تم لوگوں سے نہیں کراؤں گا تو پھر میرے بارے میں کیسے جانو گے۔ لیکن آہ کتنی عجیب بات ہے۔ میں تو ابھی تک تم دونوں کے نام سے بھی واقف نہیں ہو سکا۔''

''ایک اور دلچسپ بات ہے جوزف وہ یہ کہ آپ نے مجھ سے پہلا سوال یہی کیا تھا کیا میرا تعلق ہرمیت کے گروہ سے ہے؟''

''ہاں میں نے یہی سوال کیا تھا تم سے......؟''

جوزف سوالیہ انداز میں بولا۔

''تو پھر میرا نام ہرمیت سنگھ اور یہ میرا ساتھی نمران مقبول۔''

جوزف اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ وہ ایک قدم آگے بڑھا اور پھر اس نے اپنا ہاتھ ہرمیت سنگھ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

''اوہ میرے خدا تم واقعی ہرمیت سنگھ ہو۔ وہری گڈ وہری گڈ۔ شروک نے مجھے تمہارے بارے میں تفصیلات بتائی تھی۔ تمہارے ہی نوادرات سے شروک نے وہ لاش حاصل کی تھی جس میں خزانے کا نقشہ پوشیدہ تھا۔''

''ہاں اس چور نے میرے میوزیم میں ایک دوست کی حیثیت سے داخل ہو کر چور کی حیثیت اختیار کر لی تھی اور میرے ایک آدمی کو قتل کر کے وہ لاش وہاں سے نکال لایا تھا۔''

جوزف ہنسنے لگا اور پھر بولا۔

''خیر اتنی قیمتی شے کو اس طرح کسی نوادرگاہ میں بند کر دینا بہت اچھی بات تو نہیں۔ لیکن شروک جیسے آدمی کو اس طرف متوجہ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ چلو چھوڑو لعنت بھیجو۔ ہاں تو تم اس حادثے کے بارے میں بتا رہے تھے جس نے تمہیں تمہارے ساتھیوں سے جدا کر دیا تھا۔''

''ہاں مسٹر جوزف سندھانیوں کے بارے میں آپ کچھ جانتے ہیں؟''

جواب میں جوزف نے سندھانیوں کو موٹی موٹی گالیاں دینی شروع کر دی تھیں اور پھر وہ گالیوں سے فارغ ہوا تو بولا۔

''انھوں نے ہماری زندگی برباد کر کے رکھ دی۔ انہی کی وجہ سے تو میرے اور شروک کے درمیان اختلافات پیدا ہوئے۔''

''ہم بھی انہی سندھانیوں کا شکار ہوئے ہیں۔''

ہرمیت سنگھ نے تمام واقعہ تفصیل سے سنا دیا اور جوزف پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا پھر بولا۔

''تم لوگ ٹھیک کہتے ہو۔ لیکن اب کیا کیا جائے۔ تم نے دریا کے راستے بہت طویل سفر کیا۔ کیا آسانی سے تم اپنے ساتھیوں کو تلاش کر سکو گے؟''

"ہماری خواہش تو یہی ہے مسٹر جوزف بلکہ اب تو ہم یہ چاہتے ہیں کہ آپ بھی اس سلسلے میں ہماری مدد کریں۔"

ہرمیت سنگھ نے کہا۔

جوزف پرخیال انداز میں ہونٹ سکوڑ کر گردن ہلانے لگا تھا پھر اس نے کہا۔

"میں خود جن حالات کا شکار ہوں ڈیئر ہرمیت سنگھ اس کے تحت میری اور میرے ساتھیوں کی زندگی تلخ ہے تاہم ایک دوسرے سے اتنا تعاون ضرور کر سکتے ہیں کہ تم مجھے ان جنگلات سے نکلنے کا راستہ بتاؤ۔ ہم واپسی کا سفر طے کریں گے اور اس کے بعد ہوسکتا ہے کہ تمہارے ساتھی تمہیں مل جائیں۔ دریا کے کنارے کنارے سفر بہترین رہے گا کیونکہ اس دریا کے ساتھ بہتے ہوئے تم اس طرف آئے ہو گویا یہاں سے ہم وہاں پہنچ سکتے ہیں جہاں سے تمہارے اس دریائی سفر کا آغاز ہوا اس کے بعد راستے تلاش کر لیے جائیں گے۔ میں صرف اور صرف واپس جانا چاہتا ہوں۔"

جوزف نے کہا اور ہرمیت سنگھ نے گردن ہلا دی۔

"نہیں ہم ہر قسم کے تعاون کے لیے تیار ہیں مسٹر جوزف آپ مطمئن رہیے۔ میں آپ کو واپسی کے راستے دکھاؤں گا۔"

"اوہ میرے دوست میرے دوست میں واقعی اس سلسلے میں بے حد پریشان ہوں۔

جوزف نے کہا اور اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیلے ہوئے تھے پھر وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور بولا۔

"تم لوگ آرام کرو میں کچھ کاموں میں مصروف ہوں ہم ابھی ایک دو دن یہیں قیام کریں گے کیونکہ یہاں شکار موجود ہے اور ہم ہر قسم کے ساز و سامان سے خالی ہیں چنانچہ یہاں کچھ دن آرام کے بعد واپسی کے سفر کا فیصلہ طے کریں گے۔"

وہ ہرمیت سنگھ کے جواب کا انتظار کیے بغیر وہاں سے آگے بڑھ گیا۔ اس کے دوسرے ساتھی بھی اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔

"ہمیں پوری طرح سے ان سے تعاون کرنا ہوگا نمران!"

ہرمیت سنگھ نے کہا۔

"بالکل انکل ان کا مل جانا غنیمت ہے۔"

"ہاں نہایت ہوشیاری سے ہم انہیں اپنے ساتھیوں کی تلاش کے سلسلے میں استعمال کر سکتے ہیں لیکن اس کے لیے ہمیں بہت ہوشاری سے کام کرنا ہوگا جوزف کے بارے میں تمہیں علم ہوگا کہ اسے ایک جرائم پیشہ شخص کہا گیا ہے۔ اس سے تعاون ہی کارآمد ہوگا۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے ان سے مکمل تعاون کیا جائے اور موقع کا منتظر رہا جائے۔ کاش ہمارے ساتھی ہمیں مل جائیں۔ پتہ نہیں وہ بے چارے کن مشکل حالات کا سامنا کر رہے ہیں۔"

ہرمیت نے گہری سانس لے کر کہا۔

رات ہوگئی۔ اس دوران وہ جوزف کے ساتھیوں کا جائزہ لیتے رہے تھے۔ وہ بیزار بیزار نظر آتے تھے اور یوں لگتا تھا جیسے وہ حالات کے بوجھ کو بہ حالت مجبوری گھسیٹ رہے ہوں۔

ان کے پاس ساز و سامان بھی نہ تھا ہتھیاروں سے بھی خالی تھے ایسی حالت میں ظاہر ہے ان پر بیزاری ہی طاری ہونی چاہیے تھی۔ انہیں رات کے کھانے میں بدمزہ پھل، خرگوش کا گوشت اور وہی قہوہ ملا تھا جو بلاشبہ جوزف کی بہترین دریافت تھی اور چائے جیسے خواص رکھتی تھی۔

کھانے سے فارغ ہوئے تو جوزف ان کے پاس آبیٹھا۔

"میرے ساتھی مجھ سے نالاں ہیں۔ تم نے اندازہ لگایا ہوگا۔"

"نہیں مجھے کوئی اندازہ نہیں ہے مگر ایسا کیوں ہے؟"

"اسی شروک کتے نے ہمیں کتے کی موت مارنے کی کوشش کی ہے۔ غلطی میری بھی ہے۔ میں ایک چھوٹے سے گروہ کے ساتھ پیرس کی پرفضا دنیا میں سکون کی زندگی گزار رہا تھا کہ مجھے شروک کا پیغام ملا۔ اس نے کہا تھا کہ سرزمین ہندوستان کا ایک بیش بہا خزانہ ہمارا انتظار کر رہا ہے اور وہ یہ خزانہ اپنے دوست جوزف کے بغیر حاصل نہیں کرنا چاہتا۔ چنانچہ میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ فوراً ہندوستان پہنچ جاؤں اور یہ ذلیل انسان میرا پرانا شناسا ہے۔ دراصل یہ خود تو تہذیب یافتہ بن گیا لیکن اس کے آباؤ اجداد لٹیرے رہے ہیں اور اکثر موقعوں پر اس نے میری مدد سے بہت سی مہمات سر کی ہیں۔ چناں چہ مجھے اس پر اعتبار آ گیا اور میں کچھ سوچے سمجھے بغیر اپنے گروہ کے ساتھ ہندوستان پہنچ گیا۔ یہاں پہنچنے کے بعد مسٹر ہرمیت سنگھ اس نے مجھے آپ کی کہانی سنائی اور بتایا کہ یہ لاش آپ کے قبضے میں ہے اور اس کے پاس سے جو خزانے کا نقشہ برآمد ہوا ہے اس میں ایک ایسے عظیم الشان خزانے کی تفصیل ہے جب کہ حصول کے بعد ہم فرانس کے دولت مند ترین لوگوں میں شامل ہو جائیں گے۔ خزانوں کا شوق کسے نہیں ہوتا۔ میں نے اس سے مزید تفصیلات معلوم کیں تو اس نے مجھے بتایا کہ ان خزانوں کے حصول کے لیے انتظامات کیے ہیں اور ایسے لوگوں کو جمع کر لیا ہے جو اس خزانے کے حصول میں بہترین مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔ خزانوں اور قدیم زبانوں کے ماہر پروفیسر زلفی بھی ترکی سے بلوائے گئے تھے اور ہم سب نے مل کر منصوبہ بندیاں کی تھیں لیکن میں جنگلوں کی دنیا کا انسان نہیں ہوں۔ جب کہ شہروں میں مجھے کوئی بھی مشکل کام سونپ دو اور پھر جوزف کا تماشا دیکھو لیکن یہ جنگل......"

جوزف نے پھر ایک گالی بکی اور بولا۔

"ان جنگلوں نے مجھے بے دست و پا کر کے رکھ دیا۔ ہم لوگ جنگل میں داخل ہو گئے۔ کچھ عرصہ کے بعد ہمیں پتا چلا کہ ہرمیت سنگھ کی پارٹی بھی ہمارے تعاقب میں پہنچ گئی ہے۔ شروک نے بتایا کہ لاش حاصل کرتے ہوئے اس کے ہاتھوں ایک قتل بھی ہو گیا ہے۔ چنانچہ ہرمیت سنگھ اپنے ساتھ مقامی انتظامیہ کے افراد بھی لا سکتا ہے جو ہمیں گرفتار کرنے کی کوشش بھی کریں گے اور اگر ایسا نہیں ہے تب بھی وہ مقامی آدمی ہے اور زیادہ وسائل کے ساتھ خطرناک بھی ثابت ہو سکتا ہے چنانچہ اس سے محفوظ رہنا بھی ضروری ہے۔ جنگل میں داخل ہونے کے کچھ عرصے کے بعد ہم حادثات کا شکار ہونے لگے۔ جنگلوں کے راستے دشوار گزار تھے اور پھر

وحشی و جنگلی جانور..... شروک نے خزانے کے حصول کے لیے مہم جوؤں کو تو طلب کر لیا تھا لیکن کوئی ماہر شکاری ہمارے ساتھ نہیں تھا جو جنگلی درندوں سے ہمارا تحفظ کر سکتا..... میرا ایک آدمی خوفناک درندے کا شکار ہو گیا اور اس کے بعد میرے حوصلے پست ہو گئے۔ ہم جنگل میں آزادانہ طور پر سفر نہیں کر پا رہے تھے بلکہ ایک طرف ہمیں درندوں سے اپنا تحفظ کرنا پڑتا تھا اور دوسری طرف پارٹی کا خدشہ رہتا تھا جس کے بارے میں صحیح طور پر اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا کہ کتنے افراد پر مشتمل ہے اور کیا وسائل رکھتی ہے۔ نیز یہ کہ کہیں اس کے ساتھ انتظامیہ کے افراد تو نہیں ہیں۔ میں تو کچھ عرصے کے بعد ہی بددل ہو گیا تھا اور میں نے شروک سے کہا تھا کہ اس کے انتظامات مکمل نہیں ہیں اور اس مہم میں ہمیں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑ جائے گا۔ لیکن شروک مجھے تسلیاں دیتا رہا اور اس نے کہا کہ چند ہی دنوں کے بعد ہم حالات پر پوری طرح قابو پا لیں گے۔ ہرمیت پارٹی ہمارے لگ جائے تو اسے تباہ کر دیں گے۔

یہ تمام سلسلے چلتے رہے کہ اس کے بعد سندھانیوں کی مصیبت آ پڑی۔ ہمارے ساتھ مسلسل حادثات پیش آ رہے تھے۔ سندھانیوں نے ہمیں بالکل ہی بے دست و پا کر دیا اور میں نے شروک سے کہا کہ ہم اس مہم میں اس کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ مجھے واپس جانے کی اجازت دی جائے۔ میں نے اسے یہ بھی پیش کش کی کہ وہ خود بھی میرے ساتھ واپس چلے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو پھر ایک آدمی ہمیں راستہ بتانے کے لیے دے دیا جائے باقی وہ جانے اور اس کا کام۔ شروک نے اس وقت مجھ سے نہایت دوستانہ گفتگو کی لیکن راتوں رات اس نے ہتھیار اپنے قبضے میں کر لیے اور صبح مجھ سے کہا کہ اگر میں نے واپس جانے کی کوشش کی تو اس کے نتائج خطرناک بھی نکل سکتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ میں اس کے ساتھ سفر کرتا رہوں۔ میں نے اندازہ لگایا کہ شروک پوری طرح بدعہدی پر آمادہ ہے اور ایسے بدعہد سے دوستی کے حوالے بے کار ہوتے ہیں۔

چنانچہ میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں بھی کسی مناسب موقع کا انتظار کروں گا لیکن وہ شیطان مجھے موقع دینے کے لیے تیار نہیں تھا اور میں اپنی تمام تر کوششوں میں ناکام رہا۔ ایک طرح سے میں اس کا قیدی بن گیا تھا۔ وہ خود بھی کافی حد تک جھنجلایا ہوا تھا۔ اب تو اس کی حالت اور بھی زیادہ خراب ہو گئی ہوگی کیونکہ میں اس سے الگ ہو چکا ہوں اور پروفیسر زلفی نے بھی میرا ساتھ دیا ہے۔

پروفیسر زلفی اس کے لیے ان راستوں کی تلاش میں بہت اہمیت کا حامل تھا لیکن وہ بھی یہ بات جانتا تھا کہ شروک جنونی ہے اور دوستوں کے ساتھ دوستانہ سلوک رکھنے کا روادار نہیں ہے۔ بلکہ ان جنگلوں میں داخل ہونے کے بعد اس نے اپنا رویہ بالکل ہی تبدیل کر لیا تھا۔ بالآخر سندھانیوں نے حملہ کیا اور ہماری گاڑیاں وغیرہ تباہ ہو گئیں لیکن اس دوران مجھے اور میرے ساتھیوں کو شروک کی اس قید سے آزاد ہونے کا موقع مل گیا اور ہم منصوبے کے تحت وہاں سے فرار ہو گئے۔ مجھے صرف واپسی کے راستوں کی تلاش ہے۔ میں ایسے خزانوں پر لعنت بھیجتا ہوں۔ جو زندگی کے دشمن بن جائیں۔ جو غلطی میں نے کی ہے اب اس کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں۔ میرے تمام ساتھی بھی بددل ہیں اور میری آواز پر میرے ساتھ دوڑے چلے آئے تھے۔

لیکن میں یہاں ان کی زندگی کا تحفظ بھی حاصل نہیں کر سکا اور وہ سب میرے ساتھ مصیبت کا شکار ہیں۔ سب سے بڑی مشکل ہمارے پاس ہتھیاروں کا نہ ہونا ہے۔ کسی بھی صورت میں میں ہتھیار حاصل

نہیں کر سکا اور اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ یہ جگہ بہت اچھی ہے اس لحاظ سے کہ یہاں شکار بھی موجود ہے اور پانی بھی۔ ہم کئی دن سے یہاں مقیم ہیں اور یہاں سے آگے بڑھتے ہوئے اس خوف کا شکار ہیں کہ کہیں آگے چل کر کسی اور عذاب کا شکار نہ ہو جائیں۔

یوں وقت گزرتا رہا مسٹر ہرمیت سنگھ! لیکن میں سمجھتا ہوں کہ تمہاری آمد بہت سی مصیبتوں کا حل بن گئی ہے۔ تم یقیناً یہاں سے واپسی کا راستہ جانتے ہوں گے۔''

''ہم دونوں (میں اپنی اور اپنے دوست شہباز خان کی بات کر رہا ہوں) پہلی بار ان جنگلوں کے ابتدائی حصے میں آئے تھے اور وہیں سے واپس لوٹ گئے تھے۔ یہ راستے میرے لیے بھی اجنبی ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ واپسی کے راستوں کی تلاش بہت مشکل نہ ہوگی۔''

''آہ..... کاش ہمارے پاس ہتھیار ہوتے۔ اصل خوف سندھانیوں کا ہے وحشی اور جنگلی مخلوق۔''

یوزف دانت پیسنے لگا۔

♥......♥......♥

شہباز خان کے منصوبے پر عمل جاری تھا۔ یہ لوگ شروک سے خوب گھل مل گئے تھے۔ پروفیسر حاتم فریدی اکثر شروک کے ساتھ سر جوڑ کر بیٹھ جاتا تھا اور نقشہ سامنے رکھ لیا جاتا تھا۔ شروک کا سب سے محبوب مشغلہ اس خزانے کے بارے میں گفتگو تھی اور پروفیسر فریدی اسے ایسے ایسے خزانوں کی داستانیں سناتا تھا ایسی ایسی انوکھی داستانیں کہ شروک کی رال ٹپکنے لگتی تھی۔

''آہ..... پروفیسر اس خزانے کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟''

''میرے خیال میں ڈیئر شروک ہمیں ایک بہت بڑی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا۔''

''اس عظیم الشان خزانے کو لاد کر جنگلوں کا سفر اور اس کے بعد اس کی یورپ میں منتقلی۔''

''تمہارے خیال میں وہ اتنا بڑا ہو سکتا ہے۔'' شروک کی آواز گھٹ رہی تھی۔

''شاید تصور سے بھی زیادہ۔''

''میرا یہ دماغ منصوبہ سازی کی مشین ہے۔ میں اس خزانے کو حاصل کر کے کسی دوسری جگہ پوشیدہ کروں گا اور پھر اس کا اتنا حصہ ساتھ لے لوں گا جتنا لے کر واپسی ممکن ہو۔ اس کے بعد خزانہ آہستہ آہستہ منتقل ہوگا۔''

''سخت محنت کرنا ہوگی شروک!''

''اوہ..... میں سب کچھ کر لوں گا پروفیسر فریدی! میری جان بس تم مجھے وہاں تک پہنچا دو۔ ایک بار تم مجھے اس کی شکل دکھا دو۔'' شروک نے نشہ آلود لہجے میں کہا۔ کئی بار اس نے شدت جوش میں پروفیسر کو تھام لیا تھا۔

''کاش ہم اس لڑکی کے حصول میں کامیاب ہو جائیں۔ یوں سمجھ لو کہ وہ اس خزانے کی چابی ہے۔''

''یقیناً حالات سے یہی اندازہ ہوتا ہے۔ فکر مت کرو ہم اس کے لیے جنگل کھنگال ڈالیں گے مگر تمہارے خیال میں وہ لڑکی زبان کھول دے گی۔''

''سو فی صدی امکان ہیں۔ ہمارے دو ساتھی جو دریا میں بہ گئے تھے ان میں سے ایک بہت اہم ہے یعنی ثمران! الاِنشا نے اسے خزانے کی تفصیل بتانے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ اس سے محبت کرتی ہے اور اس نے اپنے محبوب کو خزانے کا تحفہ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کے حصول کے بعد ہم ان دونوں کی تلاش بھی کریں گے۔''

''کوئی حرج نہیں ضرور تلاش کریں گے لیکن وہ بے وقوف لڑکی خزانہ اپنے محبوب کو نہ دے سکے گی کیونکہ وہ میری ملکیت ہے۔''

''اس میں کوئی شک نہیں لیکن اس کا اظہار مناسب نہیں ہوگا۔ یہ بات تو ہم صرف دل میں رکھیں گے۔''

''پروفیسر میرے عظیم دوست سب کچھ تمہاری مرضی کے مطابق ہوگا۔ فکر مت کرو۔''

اس سے زیادہ اور کچھ کیا بھی نہیں جا سکتا۔ شروک مسلح تھا اور اس وقت انہیں اس کی ضرورت بھی تھی لیکن وہ کر بھی کیا سکتے تھے۔ اہم ترین مسئلہ اب ثمران' ہرمیت سنگھ' الاِنشا اور کرنل مقبول کا تھا۔ وہ مل جائیں تو کوئی منصوبہ بندی کی جائے ورنہ سب کچھ بیکار تھا اور اس کے لیے بڑی ہوشیاری سے شروک کو تیار کرلیا گیا تھا۔ سو وہ بھی اپنے مقصد کے حصول کے لیے بڑی تن دہی سے تلاش کا کام کر رہا تھا۔ اب تک کافی سفر کیا جا چکا تھا۔ اس دوران شہباز خان نے کئی شکاری کارنامے سرانجام دیے تھے اور پوری ہوشیاری سے بروقت خون خوار درندوں کو شکار کر کے کئی انسانی زندگیاں بچائی تھیں جس کی داد شروک نے بھی دی تھی۔

بسا اوقات اس نے کہا تھا کہ اس سے غلطی ہوئی اسے پہلے ہی پروفیسر اور شہباز سے رابطہ قائم کر لینا چاہیے تھا۔ ایسا ہوتا تو صورت حال مختلف ہوتی۔ خوش قسمتی سے آگے کے سفر میں حالات بھی درست ہی رہے تھے۔ انہیں شکار ملتا رہا تھا۔ ایک جگہ پانی کا ایک چشمہ بھی ملا تھا جس میں گندھک بھی شامل تھی۔ اس طرح پانی بے ضرر ہو گیا تھا۔ چنانچہ جتنا ممکن ہو سکا اس کا ذخیرہ کرلیا گیا۔

یہ رات بھی گھنے درختوں کے درمیان ایک جگہ منتخب کر کے گزارنے کا فیصلہ کیا گیا تھا اور معمول کے مطابق انتظامات کر لیے گئے تھے۔ کوئی اہم بات نہ تھی لیکن رات کے دوسرے پہر مستان نے قریب سوتے ہوئے شہباز خان کو جھنجھوڑ کر جگا دیا۔

''کیا بات ہے۔؟''

''سر گڑبڑ ہے۔ ضرور کچھ گڑبڑ ہے۔''

''کیسی گڑبڑ ہے۔''

''میرے کو نہیں معلوم بٹ سر کچھ بڑ ضرور ہے۔''

مستان نے کہا اور شہباز آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر رات کے گہرے سناٹے کو گھورنے لگا۔

شہباز خان دیر تک تاریکیوں میں گھورتا رہا۔ کوئی اور ہوتا تو شاید جھلا جاتا خاص طور سے اس لیے کہ اسے نیند سے جگا دیا گیا تھا لیکن شہباز خان اور ہرمیت سنگھ مستان پر پورا بھروسہ کرتے تھے اور جانتے تھے کہ وہ جنگلوں کا کیڑا ہے۔ اس کی یہ بے چینی بے مقصد نہیں ہے۔ دونوں گہری گہری سانسیں لیتے رہے۔ چاروں طرف ہو کا عالم طاری تھا۔ بس ہواؤں کی سرسراہٹیں سنائی دے رہی تھیں۔ اسی وقت شاید شروک اور اس کے ساتھیوں کے فرشتوں کو بھی ہوش نہیں تھا۔ اس سفر کے دوران کئی ایسی راتیں آئی تھیں جب شروک اور

اس کے ساتھی گھوڑے بیچ کر سو گئے تھے۔ ان لمحات میں اگر شہباز اور اس کے ساتھی راتوں رات فرار ہونا چاہتے تو انہیں کوئی دقت نہ ہوتی اس سلسلے میں آپس میں مشورہ بھی ہوا تھا اور سب کی ایک ہی رائے تھی کہ فرار ہونے سے کچھ حاصل نہ ہوگا سوائے اسکے کہ شروک کے ساتھی پیچھا کریں گے اور اس کے بعد خونریزی ہوگی۔ ایک طرف سند جانیے تھے۔ جو ان سب کے ہی پیچھے لگے ہوئے تھے تو دوسری طرف شروک کی ٹولی کو دشمن بنا لینا دانش مندی نہیں تھی۔ ان لوگوں کے پاس سے فرار ہو کر بھی وہ کیا حاصل کر لیتے اس بات کا یقین بھی کو تھا کہ ہرمیت سنگھ اور ثمران یا کرنل اور الاِنشا اپنے اپنے طور پر اپنا تحفظ کر رہے ہوں گے۔

بشرطیکہ خدا نے انہیں زندگی کا موقع دیا۔ ورنہ یہ لوگ نہ تو انہیں بچا سکتے ہیں اور نہ ہی وقت سے پہلے تلاش کر کے بہتر مقصد حاصل کر سکتے ہیں اور اگر شروک سے یہ سفر جاری رہا اور ان لوگوں میں سے کوئی مل جائے تو زیادہ بہتر ہے۔ مقصد اپنی یہ مہم جاری رکھنا تھا اور اس کی انتہا کو پہنچنا تھا بعد کے حالات تو بعد ہی میں دیکھے جا سکتے تھے۔

چنانچہ شہباز خان یا اس کے ساتھیوں نے فرار ہونے کے بارے میں غور کرنا چھوڑ دیا تھا۔ ادھر شاید شروک کو بھی ان پر اعتماد ہو گیا تھا یا پھر اس نے سوچا تھا کہ اگر یہ لوگ فرار ہو گئے تو کیا حاصل کریں گے چنانچہ وہ بھی اب ان کی طرف سے مطمئن اور بے پروا نظر آتا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے انہیں ہتھیاروں کے استعمال کی اجازت بھی دے دی تھی اور اب یہ لوگ آزادانہ طور پر اپنے ساتھ ہتھیار رکھتے تھے اور شروک کو ان سے فائدہ ہی حاصل ہوا تھا۔ ایک سمت پروفیسر فریدی کو راستوں کی تلاش کے سلسلے میں اپنا معاون پاتا تھا اور ان کے ذریعے شروک کو بے شمار فوائد حاصل ہو چکے تھے۔

چنانچہ اب وہ مطمئن ہی رہتا تھا۔ شہباز نے سوچا کہ شروک کو جگا دیا جائے تو اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ سوائے شرمندگی کے۔ بظاہر کوئی ایسی چیز تو نظر نہیں آ رہی تھی جو باعث توجہ ہوتی۔ مستان خود بھی آنکھیں پھاڑ رہا تھا اور سماعت کی پوری قوت صرف کر رہا تھا۔ اچانک ہی وہ پھر سرگوشی کے انداز میں بولا۔

''سر......سر آپ نے سنا۔''

''نہیں۔''

''دبے قدموں کی آواز ایسا لگتا کوئی چلتا۔'' مستان نے کہا اور اسی وقت شہباز خان کو بھی یہ آہٹ سنائی دی۔ جو مغربی سمت سے آئی تھی۔ کوئی درندہ بھی ہو سکتا ہے کہیں ان میں سے کسی کو کوئی نقصان نہ پہنچ جائے چنانچہ شہباز خان نے اپنی جگہ تبدیل کر دی۔ وہ آہستگی سے اٹھا اور رائفل سنبھالے گھٹنوں کے بل آگے بڑھنے لگا۔ وہ مغربی سمت کا جائزہ لینا چاہتا تھا جدھر سے آواز آ رہی تھی۔ مستان کے انداز میں کسی قدر خوف پایا جاتا تھا۔

شہباز خان چند لمحات سن گن لیتا رہا اور پھر کچھ اور آگے بڑھ آیا۔ اب وہ کھڑے ہو کر جھکا جھکا آگے بڑھ رہا تھا پھر وہ ان لوگوں سے چند قدم دور نکل آیا جو زمین پر سو رہے تھے۔ یہاں چھوٹے چھوٹے درختوں کی بھرمار تھی۔ شہباز خان ان سمتوں کے بارے میں اندازہ کرنے لگا جن سے آوازیں ابھر رہی تھیں پھر اچانک ہی ایک ایسی آواز اسے اپنے بائیں سمت سنائی دی اور ویسی ہی دائیں سمت بھی اور شہباز

خان کے بدن نے ٹھنڈا پسینہ چھوڑ دیا۔

یہ درندے نہیں ہو سکتے کیونکہ درندے کسی غول کی شکل میں نہیں آتے اور ان کے قدموں کی آواز اتنی محتاط بھی نہیں ہوتی۔ پھر وہ کچھ سوچنے بھی نہ پایا تھا کہ ضرب اس کے سر کے پچھلے حصے پر پڑی اور اس کے حلق سے بے اختیار آواز نکل گئی۔ ساتھ ہی درخت پر سے کسی نے چھلانگ لگائی تھی اور شہباز خان کو زمین پر نیچے لے آیا تھا۔ رائفل شہباز خان کے ہاتھ سے چھوٹی تو نہیں تھی لیکن کودنے والے نے ایک ہاتھ سے رائفل دبالی تھی اور دوسرے ہاتھ سے شہباز خان کو سنبھالنے میں مصروف تھا۔ اس نے کسی مہلک ہتھیار سے شہباز پر حملہ نہیں کیا تھا بلکہ جو ضرب شہباز کے سر کے پچھلے حصے پر پڑی تھی۔ وہ بھی کسی ٹھوس چیز سے نہ لگائی گئی تھی۔ شہباز خان نے اپنے اوپر حملہ آور کو بالآخر پیروں میں سنبھال کر دوسری طرف اچھال دیا تھا لیکن اس کے ساتھ ہی کسی دوسری سمت سے دو تین آدمی نکل آئے اور انہوں نے شہباز کو جکڑ لیا۔ تبھی شہباز خان کے حلق سے دہاڑ نکلی۔

”شروک ٗ مستان حملہ ہو گیا...... حملہ ہو گیا۔“

شہباز خان کی پہلی ہی چیخ سن کر مستان زمین پر گر پڑا تھا اور اس کی آواز بند ہو گئی تھی لیکن شروک اور اس کے ساتھیوں نے شہباز خان کی آواز سن لی تھی اور وہ سب تیزی سے اٹھ کھڑے ہوئے لیکن اچانک ہی ان کے جسموں سے بندوقوں کی نالیں آ لگی تھیں ٗ بہت سوں کے جسموں پر نیزوں کی انیاں چبھ رہی تھیں۔ رات کے گہرے اور تاریک سناٹے میں انہیں اپنے چاروں طرف غول بیابانی نظر آ رہے تھے۔ وہ بھوتوں جیسے ہی لگ رہے تھے۔ کالے کالے سایوں کی شکل میں لیکن ان کے ہتھیاروں نے شروک کے ایک ایک آدمی کو اپنی زد پر لے رکھا تھا اور ایک ایک آدمی پر کئی آدمی مسلط نظر آ رہے تھے۔

چنانچہ شروک کی دہشت خیزی بھی کام نہ آ سکی۔ وہ احمق نہیں تھا کہ حالات کا اندازہ لگائے بغیر کوئی ایسی کاروائی کرڈالتا جو سب کے لیے مہلک ثابت ہوتی۔ چنانچہ اس نے ہاتھ بلند کر دیئے اور اس کی دیکھا دیکھی اس کے ساتھیوں نے بھی۔ مستان کی گردن پر بھی ایک درانتی رکھی ہوئی تھی اور ایک بھیانک شکل کا آدمی اس کے نزدیک بیٹھا ہوا اسے دیکھ رہا تھا۔ مستان کو صرف اس کی آنکھوں کی سفیدی ہی نظر آ رہی تھی۔ غرض یہ کہ شروک کے ایک ایک ساتھی کو بڑی کامیابی سے قابو کر لیا گیا تھا اور قابو میں کرنے والے احمق نہیں تھے۔ وہ ہتھیاروں کا استعمال بھی جانتے تھے اور ہتھیاروں کی موجودگی سے بھی واقف تھے۔

چنانچہ آن کی آن میں دوسرے کئی آدمیوں نے ان لوگوں کے ہتھیاروں کو چھین لیا تھا اور سارے کے سارے ہتھیار جو کافی تعداد میں تھے ان لوگوں کے قبضے میں جا چکے تھے۔ شہباز کے سر پر ضرب ضرور لگی تھی لیکن وہ بے ہوش نہیں ہوا تھا۔ یہ اس کی قوت ارادی بھی تھی اور جسمانی طاقت بھی کہ وہ اس وار کو سہہ گیا تھا اور اب تاریکی سے مانوس آنکھیں صورتحال کا بخوبی جائزہ لے سکتی تھیں۔ یہ بات سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہوئی کہ اس بار سندھانیوں نے اپنے روایتی شور شرابہ کے بجائے ان پر شب خون مارا تھا اور نہایت کامیابی سے ان پر قابو پا لیا تھا۔ وہ سندھانیوں کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتے تھے۔ شہباز خان کے ہاتھ رسیوں سے کسے جانے لگے۔ شہباز خان کے ہاتھ سب سے پہلے عقب میں باندھ دیئے گئے اور بندش اتنی سخت تھی کہ کلائیوں کی کھال پھٹی جا رہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ باقی لوگوں کی کیفیت بھی اس سے مختلف نہیں ہوگی۔ شروک اور اس کے ساتھی بالکل خاموش تھے۔ بس ہاتھ کسواتے وقت ان کے حلق سے آوازیں نکلی تھیں لیکن جدوجہد کسی نے نہیں کی تھی۔

شہباز خان اسی بات سے خوفزدہ تھا کہ کہیں شروک ان سے مقابلہ شروع نہ کر دے۔ اس مقابلے کی صورت میں ان لوگوں کی فوری ہلاکت یقینی ہو جاتی۔ سندھانیے بھی خاموشی سے اپنا کام کرتے رہے تھے اور انہوں نے بھی شور شرابا کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ ان سب کو باندھنے کے بعد ایک جگہ بٹھا دیا گیا اور سندھانیے ہتھیار سنبھالے ان کے گرد گشت کرنے لگے۔ کسی نے کچھ بولنے کی کوشش نہیں کی تھی اور وقت بڑی تیزی سے گزرتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ رات کی تاریکیاں صبح کی دھندلاہٹوں سے ہم آہنگ ہونے لگیں اور اب سندھانیوں کے لباس وغیرہ نظر آنے لگے۔ وہ بالکل پرسکون تھے اور صبح ہونے کا ہی انتظار کر رہے تھے۔

کچھ دیر گزری تو ان لوگوں نے دور ہی سے کچھ گھڑ سواروں کو آتے ہوئے دیکھا۔ یہ اندازہ لگانے میں کوئی وقت نہیں ہوئی کہ وہ بھی سندھانیے ہی تھے۔ گھڑ سوار قریب آ گئے اور گھوڑوں سے اتر کر ان کے سامنے پہنچ گئے۔ ان میں دو آدمی نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ ایک تقریباً پینسٹھ یا ستر سالہ قوی ہیکل آدمی تھا جس کا لباس دوسرے سے مختلف تھا۔ دوسرا ایک نوجوان آدمی تھا جو خدوخال سے سندھانی ہی تھا لیکن اس کے اندر کوئی ایسی خاص بات تھی جسے محسوس کیا جا سکتا تھا۔ الفاظ میں ادا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ دونوں بھی ان لوگوں کو گھورتے رہے اور پھر انہوں نے گرفتار کرنے والوں میں سے ایک کو ارشاد کر کے اپنے پاس بلایا اور ان سے کچھ باتیں کرنے لگے۔ ان کی مدہم مدہم آوازیں ان کے کانوں تک گونج رہی تھیں۔ شہباز خان نے مستان سے کہا۔

”مستان یہ کون سی زبان بولتے ہیں۔“

”شر...... شر...... یہ کوئی عجیب زبان بولتے ہیں۔“

”کیا ان کی زبان ہماری سمجھ میں آ سکے گی۔“

”نو شر ٗ بالکل نہیں۔“ مستان نے جواب دیا اور شہباز خان ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ چند لمحات کے بعد وہ نوجوان آدمی آگے بڑھا اور ان سب کو گھورنے لگا پھر اس نے انتہائی صاف زبان میں کہا۔

”تمہارا لیڈر کون ہے۔“

شروک اور دوسرے لوگ تو یہ زبان نہیں سمجھ سکے تھے لیکن شہباز خان کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔ اس نے نوجوان کو گھورتے ہوئے کہا۔

”یہ......“

اشارہ شروک کی طرف تھا اور نوجوان سندھانی کی نگاہیں شروک کی جانب اٹھ گئیں۔ شروک نے کسی قدر سہمے ہوئے لہجے میں شہباز خان سے پوچھا۔

”کیا کہہ رہا ہے یہ...... کیا کہہ رہا ہے؟“

"یہ مجھ سے لیڈر کے بارے میں سوال کر رہا ہے اور میں نے بتا دیا کہ لیڈر تم ہو۔"

"اوہ مائی گاڈ۔" شروک نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ نوجوان شروک کے سامنے پہنچ گیا تھا۔ اسی وقت شہباز خان نے کہا۔

"سندھانی جوان یہ زبان بھی نہیں سمجھ سکے گا جو تم بول رہے ہو یا میں بول سکتا ہوں۔" نوجوان نے کوئی جواب نہیں دیا اور اس بار اس نے نہایت شستہ انگریزی میں شروک سے کہا۔

"تو تم ان کے لیڈر ہو۔"

شروک اچھل پڑا تھا اور شہباز خان کا چہرہ بھی حیرت کی تصویر بنا ہوا تھا۔ پروفیسر فریدی' چرن گپتا بھی متعجب نگاہوں سے اس سندھانی نوجوان کو دیکھ رہے تھے اور اب انہیں اندازہ ہوا تھا کہ اس کا چہرہ دوسروں سے مختلف کیوں محسوس ہو رہا تھا یقیناً وہ ان کے درمیان تعلیم یافتہ تھا۔ شروک نے ایک دم خود کو سنبھالا اور بولا۔

"ہاں...... میں ان کا لیڈر ہوں۔"

"تمہارے ساتھ اور بہت سے لوگ تھے وہ کہاں ہیں۔"

"سب منتشر ہو گئے۔ کئی حادثات کا شکار ہو گئے۔"

شروک نے جواب دیا۔

"کیا وہ ان جنگلوں سے نکل گئے؟"

"نہیں ان جنگلوں سے نکلنا آسان نہیں ہے۔ وہ یہیں بھٹک رہے ہیں۔"

"کیا ان کے پاس ہتھیار موجود ہیں۔" نوجوان نے پھر سوال کیا۔

"نہیں وہ سب نہتے ہیں' بالکل نہتے۔" شروک خوفزدہ لہجے میں بولا۔

"سنو...... تم میں سے ایک بھی زندہ نہیں بچ سکے گا کیونکہ تم ہمارے کئی ساتھیوں کو ہلاک کر چکے ہو۔ اس لیے تم کسی رو رعایت کے مستحق نہیں ہو۔ ہاں...... اس وقت تک ہم سے تعاون کرو جب تک ہم تمہیں کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہ کریں۔ ہو سکتا ہے تمہارے لیے بہتری کا کوئی راستہ نکل آئے لیکن شرط یہی ہے کہ تم میں سے کوئی بھی شرارت نہ کرے۔ کسی ایک کی حرکت باقی سب کی موت بن سکتی ہے۔ اب تمہیں ہمارے ساتھ سفر کرنا ہے۔ نہایت خاموشی سے یہ سفر کرتے رہو اور کسی قسم کی کوئی حرکت کرنے کی کوشش نہ کرو۔ کیا تم اس کے لیے تیار ہو؟"

"ہاں مسٹر ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ظاہر ہے اب ہم تمہارے قیدی بن چکے ہیں۔" شروک نے جواب دیا۔

"تو پھر تم سب کھڑے ہو جاؤ۔" نوجوان سندھانی بولا اور شروک کے اشارے پر تمام لوگ کھڑے ہو گئے انہیں حلقے میں لے لیا گیا اور اس کے بعد وہ لوگ وہاں سے آگے بڑھنے لگے۔

♥......♥......♥

کرنل مقبول کے بدن میں نئی زندگی دوڑ گئی۔ اس احساس نے اسے شگفتہ کر دیا کہ الاانشا کی

کیونکہ یہ بے معنی نہیں ہے کم از کم اتنی عقل تو تھی کرنل کو بھی کہ وہ صورتحال کا صحیح طور پر اندازہ لگا سکتا تھا۔ بے
پراسرار الاانشا سے متعلق لاتعداد کہانیاں ایک فوجی ہونے کی حیثیت سے اس کے حلق سے نہیں اترتی تھیں تاہم اس
نے ابتدا ہی سے ان کہانیوں سے اتفاق کیا تھا اور دوسروں کے ساتھ شریک ہو گیا تھا۔ خاص طور پر الاانشا سے
نمران کی دلچسپی نے اسے حقائق سے آنکھیں بند کر لینے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ اس کی نمران سے محبت کی انتہا تھی
جس کا اظہار عملی طور پر یوں ہوا تھا لیکن اس کے بعد جو کچھ بیتی اس نے اس کے حوصلے بھی پست کر دیے تھے۔
نمران کی گمشدگی کے بعد تو اس کی حالت اور بھی خراب ہو گئی تھی جس کے لیے یہ سب کچھ کیا۔ اگر وہی اس دنیا میں نہ رہا تو اس سے بڑا المیہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ یہ باتیں اس کے لیے ناقابل فہم تھیں لیکن اب اسے ان پر اعتماد ہوتا جا رہا تھا۔ کم از کم الاانشا ان پراسرار جنگلات میں پہلے کبھی نہیں آئی۔ صرف وہ کہانی اس کے علم میں تھی کہ الاانشا کو ان پراسرار جنگلات سے ہی لے جایا گیا تھا اور اب الاانشا کے انوکھے انکشافات اور اس کی شخصیت کے بہت سے پراسرار پہلو کرنل کو یہ یقین دلا رہے تھے کہ کچھ نہ کچھ ہے ضرور اور اس کی انتہا یہ کشتی تھی جس کی نشاندہی الاانشا نے کی تھی۔ کوئی بھی ذریعہ نہیں ہو سکتا تھا کہ کشتی کو تلاش کیا جا سکے یا پہلے سے کسی کو اس کے بارے میں معلوم ہو لیکن جو کچھ تھا اس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔

بہر طور الاانشا کی ہدایت کے مطابق اس کشتی کو ندی کے بہاؤ کی جانب لے جایا گیا اور پھر الاانشا نے کرنل کو اشارہ کیا اور خود بھی کشتی میں سوار ہو گئی۔ کشتی کو جنگلی طرز پر بنی ہوئی تھی لیکن اس میں اتنی گنجائش تھی کہ یہ دونوں آرام سے اس میں پھیل کر بیٹھ سکیں چنانچہ کرنل کشتی میں بیٹھ گیا اور کشتی کو تھوڑا سا کنارے کی سمت چپو سے دھکیل دیا گیا۔ کشتی سبک روی سے ندی کے پانی میں بہنے لگی تھی۔ اس انوکھے سفر کا آغاز بس اچانک ہی ہو گیا تھا۔ کرنل نے اس آغاز سے پہلے یہ نہیں سوچا تھا کہ یہ سفر کیا حیثیت رکھتا ہے لیکن کشتی پر بیٹھنے کے بعد اس کے ذہن میں یہ وسوسے سر ابھارنے لگے کہ اس سفر کا اختتام کہاں ہوگا۔

اس نے الاانشا کا مطمئن چہرہ دیکھا اور ایک گہری سانس لے کر رہ گیا۔ بہر طور جو کچھ ہونا تھا۔ وہ ہو چکا تھا۔ خود اس کے پاس کوئی تجویز نہیں تھی کہ اس کے مطابق عمل کیا جاتا۔ یہاں تو سب کچھ حالات کے تحت ہی ہو رہا تھا اور ان حالات میں اسے الاانشا پر ہی اکتفا کرنا پڑا تھا۔ اس کی نگاہیں ندی کے دونوں جانب بھٹک رہی تھیں جہاں مناظر تبدیل ہوتے جا رہے تھے۔ بعض جگہ ندی کی چوڑائی اور کم ہو جاتی اور بڑی بڑی لمبی گھاس جو کناروں سے دونوں سمتوں سے جھک آتی ہے ایک عجیب سی شکل اختیار کر لیتی اور اس کے درمیان سے گزرتے ہوئے انہیں اپنے چہروں کو تیز دھار جیسی گھاس سے بچانا پڑتا ایسے موقع پر وہ کشتی میں چھپ جاتے تھے پھر کوئی دس بارہ منٹ کے سفر کے بعد ندی کا پاٹ چوڑا ہونے لگا۔ کہیں سے بھی وہ زیادہ چوڑا نہیں ہو سکا تھا۔ کرنل سحرزدہ سا تھا۔

فوجی مہمات میں بے شک اسے بہت سے عجیب و غریب حالات سے گزرنا پڑا تھا لیکن یہ مہم اس کی زندگی کا ایک ناقابل فراموش واقعہ تھی۔ وہ سب کچھ بھول کر ندی کے اطراف کے سحر میں گم ہو گیا جہاں مناظر لمحہ لمحہ بدل رہے تھے حالانکہ کشتی کی رفتار بہت تیز نہیں تھی اور وہ ڈگمگائے بغیر اس طرح سفر کر رہی تھی

جیسے کوئی سی کار کسی خوب صورت چکنی سڑک پر چلی جا رہی ہو پھر کرنل کو جنگل میں درندے نظر آئے۔ ان میں سے بعض ندی کے کنارے پانی پیتے ہوئے ملے تھے ایک جگہ ہاتھیوں کا غول چنگھاڑتا ہوا دکھائی دیا اور کرنل کو بس یوں محسوس ہوا جیسے کوئی فلم ان کی آنکھوں کے سامنے چل رہی ہو۔ وہ ساکت و جامد بیٹھا رہا تھا اور ابھی تک اس نے الاٹشا سے اس سفر کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا تھا پھر جب کافی دیر گزر گئی اور سورج ڈھلنے لگا تو کرنل کو بے چینی محسوس ہوئی اور اس نے الاٹشا سے سوال کیا۔

''تمہیں اس کشتی کے بارے میں علم تھا اور تم یہ بھی جانتی تھیں کہ ہمیں اس کشتی سے سفر کرنا ہوگا لیکن اس سفر کا اختتام کہاں ہے؟''

الاٹشا چونک پڑی۔ اس نے اس طرح گردن گھما کر دونوں سمت دیکھا جیسے پہلی بار اسے اس ماحول کا اندازہ ہوا ہو اور پھر اس کی آنکھوں میں کشمکش کے آثار نظر آنے لگے۔ وہ اپنے ذہن پر زور دے رہی تھی۔ چند لمحات اسی طرح گزرے پھر اس نے کہا۔

''انکل میں نہیں جانتی کہ یہ سفر کہاں ختم ہوگا؟ لیکن یہ سفر ہمیں کرنا تھا' یہ ضروری تھا میں صرف یہ جانتی ہوں کہ یہ کشتی میرے لیے تیار کی گئی تھی اور مجھے اس ندی میں سفر کرنا ہوگا۔''

''یہ احساس تمہیں کیسے ہوا الاٹشا!''

''میں نہیں جانتی انکل! آپ یقین کریں میں نہیں جانتی۔''

''اوہ...... کہیں ہمیں کوئی اور حادثہ نہ پیش آ جائے' اگر یہ سفر طویل ہوا تو ہم نے کھانے پینے کے لیے بھی کوئی بندوبست نہیں کیا۔''

الاٹشا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کرنل کے ہوش دلانے پر وہ اس طرح ہوش میں آ گئی تھی۔ جیسے اب تک وہ خواب کے عالم میں یہ سب کچھ کرتی رہی ہو۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

''انکل مجھے خوف محسوس ہو رہا ہے۔''

''نہیں الاٹشا تم خود کو سنبھالو...... ہمیں ان جنگلات میں ان حالات کا سامنا کرنا ہی تھا اگر تم اب بھی اپنی ذہنی کیفیت کے مطابق اس سفر کا آغاز نہ کرتیں تب بھی ہم وہیں بھٹک رہے ہوتے۔ دیکھو پردۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ میں تو اب اپنے آپ کو اس طلسم ہوشربا کے دور میں محسوس کر رہا ہوں اور یہاں میری اپنی سوچ کچھ بھی نہیں رہی۔ ٹھیک ہے زندگی ایک بار ہی ملتی ہے اور پھر جب زندگی کو ایک مخصوص سمت میں لے جانے کے لیے کوئی راستہ نہ ہو تو پھر قدرت پر ہی انحصار کیا جاتا ہے اور اس وقت میرے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔''

الاٹشا کے انداز سے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اب وہ کرنل کی کوئی بات نہ سن رہی ہو۔

سورج تیزی سے ڈھلان کی جانب جا رہا تھا اور سرمئی کجلاہٹیں فضاؤں میں اترتی آ رہی تھیں اور کشتی کا یہ سفر جاری تھا۔ پھر چاروں طرف گہرا اندھیرا پھیل گیا۔

الاٹشا بالکل خاموش تھی اور کرنل متفکر سی ہوئی نگاہوں سے اس ماحول کو دیکھ رہا تھا۔ جس میں اب کچھ واضح طور پر نظر نہیں آ رہا تھا۔ بس دھندلے سے سائے تھے جو اسے اپنے اطراف میں بکھرے ہوئے

محسوس ہوتے تھے۔

یوں لگتا تھا جیسے کائنات ایک پراسرار تاریک خلا میں تبدیل ہو گئی اور کرنل کسی خلائی جہاز میں بیٹھا سست روی سے خلا کا سفر طے کر رہا ہو۔ اگر الاٹشا اسے نظر نہ آتی تو یونہی محسوس ہوتا جیسے اس کائنات میں اس کے سوا اور کوئی باقی نہ رہا ہو پھر ایک ہلکی ہلکی آواز فضا میں گونجنے لگی اور کرنل نے چونک کر اپنا ذہن اس آواز کی جانب مرکوز کر دیا۔ ایک سرسراہٹ سی تھی جس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

''کرنل اس آواز کو سنتا رہا پھر اچانک اسے یوں محسوس ہوا جیسے ایک بادل ان کی جانب لپک رہا ہو۔ کشتی اس بادل میں داخل ہو رہی تھی۔ کرنل نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

''الاٹشا ذرا پلٹ کر دیکھو' یہ کیا ہے؟''

تاریک دھوئیں کا غول بدستور اس جانب بڑھ رہا تھا۔ الاٹشا نے پلٹ کر دیکھا اور خاموشی سے اس کی جانب گردن گھمائے دیکھتی رہی۔ کرنل کی وحشت زدہ نگاہیں بھی اسی سیاہ طوفان کی جانب اٹھی ہوئی تھیں جو برق رفتاری سے منہ کھولے انہیں نگلنے کے لیے آگے بڑھ رہا تھا پھر کشتی اس تاریک طوفان میں داخل ہو گئی اور کرنل کو وہ گونج یہاں شدید محسوس ہونے لگی جسے وہ دیر سے سنتا رہا تھا اور اچانک ہی صورت حال ان پر منکشف ہوئی۔

وہ تاریک بادل نہ تھے جو ان کی جانب آ رہے تھے بلکہ کوئی عظیم الشان پہاڑی سلسلہ تھا جس سے ندی گزرتی تھی۔ پہاڑوں میں بنا ہوا یہ محرابی دروازہ قدرتی تراش ہی کا نتیجہ تھا اور کشتی اس محرابی دروازے سے اندر داخل ہو گئی تھی۔ چٹانوں سے یہ گونج منتشر ہو رہی تھی اور اب اس کے بارے میں اندازہ لگایا جا سکتا تھا یقینی طور پر پانی کسی خاص چیز سے ٹکرا رہا تھا ویسے بہاؤ میں کوئی انتشار نہیں تھا البتہ کشتی کی رفتار کچھ تیز ہو گئی تھی۔ کرنل کو خوف محسوس ہوا کہ یہاں انہیں کوئی حادثہ نہ پیش آ جائے۔ ہو سکتا ہے ندی کا بہاؤ کسی خاص سمت مڑ رہا ہو اور کشتی کا توازن برقرار نہ رہ سکے۔ تاریکی کی وجہ سے وہ صورت حال کو سنبھال بھی نہیں سکتے تھے۔ کرنل وحشت کے عالم میں گہری گہری سانس لیتا رہا۔ آواز بڑی تیز ہو گئی تھی اس پہاڑی سلسلے میں داخل ہوئے انہیں چار یا پانچ منٹ گزر چکے تھے اور کشتی تیز رفتار سے آگے بڑھ رہی تھی۔ کرنل اب کچھ مایوس سا ہو گیا تھا یقینی طور پر کوئی ایسی صورت حال ہے جو آگے چل کر کسی خوف ناک حادثے میں بدل سکتی ہے لیکن وہ اپنے آپ کو بے دست و پا رہا تھا کیا کہہ سکتا تھا تاریکی کی خوفناک چادر ان پر مسلط تھی اور اس پہاڑی کٹاؤ میں داخل ہونے کے بعد تو ہاتھ نہیں سجھائی دے رہا تھا۔ پانی کی آواز بتاتی تھی کہ وہ پتھروں سے ٹکرا رہا ہے اور یقینی طور پر وہاں سے اپنا رخ بدل رہا ہے اور آواز اس کی نشاندہی کرتی تھی۔

اضطراب کے یہ لمحات شدید تر ہوتے رہے پھر اچانک ان کے جسموں کو ایک زوردار جھٹکا لگا۔ اس کے ساتھ ہی درخت کے تنے سے بنی ہوئی کشتی کسی چٹان سے ٹکرائی تھی اور ایک دم رک گئی تھی۔ کشتی کا رک جانا انتہائی حیرت ناک تھا۔ کرنل نے ایک ہاتھ دونوں آنکھوں پر رکھ لیا اور چکراتے ہوئے ذہن کو سنبھالنے کی کوشش کرتا رہا۔ کشتی میں ہلکی ہلکی جنبش ضرور تھی لیکن یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہاں سے آگے نہیں بڑھے گی۔ اس تمام صورت حال کا کوئی جائزہ بھی نہیں لیا جا سکتا تھا کیونکہ بے پناہ تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ کرنل

وقت کا انتظار کرنے لگا۔ اب دیکھیے کیا واقعہ رونما ہوتا ہے۔ الاکشا کی کوئی آواز اسے سنائی نہیں دی تھی۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد اس نے آنکھوں پر سے ہاتھ ہٹایا تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے بینائی اس تاریکی میں بھی اپنے لیے جگہ بنا چکی ہو۔ وہ اپنے چاروں طرف اس پہاڑی کٹاؤ کو دیکھ رہا تھا جو ناہموار تھا اور جگہ جگہ چٹانیں سروں پر لٹکی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ کشتی جس جگہ رکی تھی وہاں سے نیچے وہ خوفناک ندی گہرائیوں میں چلی جاتی تھی اور ایک بڑی سی چٹان کے نیچے سے گزر رہی تھی۔ پانی یقینی طور پر کشتی کو تنکے کی طرح ان گہرائیوں میں بہالے جاتا اگر چٹان اسے جگہ نہ دیتی۔ کشتی اس چٹانی پلیٹ فارم سے ٹکرا کر رک گئی تھی جو اس سے صرف دو فٹ اونچا تھا اور اس کے نیچے یقینی طور پر ندی کو گزرنے کے لیے بہت تھوڑی سی جگہ ملی تھی۔ کرنل بے اختیار کشتی میں کھڑا ہو گیا۔ اس وقت زندگی بچانے کے لیے اس چٹانی پلیٹ فارم پر ہی چڑھ جانا ضروری تھا جس کی وسعت کے بارے میں ابھی اندازہ نہیں ہو سکتا تھا اس نے بے اختیار الاکشا سے کہا۔

"الاکشا اوپر آ جاؤ۔ آ جاؤ کہیں یوں نہ ہو پانی کا زور ہمیں اسی کشتی سمیت اس خلا سے گزار دے جو اس چٹان کے نیچے موجود ہے۔"

الاکشا نے تعرض نہ کیا۔ کرنل نے پہلے اسے سہارا دے کر چٹانی پلیٹ پر چڑھایا اور پھر خود بھی اوپر آ گیا۔ کنارے پھسلواں تھے۔ یقینی طور پر چٹان پر کائی جمی ہوئی تھی جو اس پانی سے ٹکرانے کا نتیجہ تھی چنانچہ کرنل قدم سنبھالے ہوئے اس پھسلواں پلیٹ فارم پر آگے بڑھتا رہا۔ خوف یہ تھا کہ اس سے پھسل کر اگر نیچے جا گرے تو پھر بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چٹانوں کی یہ درز کشتی کے لیے سد راہ ثابت ہوئی تھی لیکن یہ انسانوں کا اس درز سے گزر جانا بہت آسان تھا۔

چنانچہ کرنل الاکشا کو سنبھالے ہوئے آگے بڑھتا رہا۔ کوئی دس بارہ فٹ کے بعد انہیں کائی اور پھسلن سے نجات مل گئی اور وہ خشک جگہ پہنچ گئے۔ کرنل کو یہ خدشہ بھی لاحق تھا کہ تھوڑے فاصلے پر چل کر چٹان دیوار کی شکل نہ اختیار کر گئی ہو کیونکہ اس پھسلن پر کسی بھی وقت کوئی حادثہ ہو سکتا تھا' لیکن یوں لگتا تھا جیسے پلیٹ فارم کافی وسیع ہو۔ کائی زدہ راستے سے نجات حاصل کرنے کے بعد کرنل نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں اور شدت حیرت سے گنگ رہ گیا جسے وہ ایک چوڑی چٹان سمجھا تھا وہ تو ایک لق و دق میدان کی مانند تھا جو اس پہاڑی کٹاؤ میں تاحد نظر پھیلا ہوا تھا اور دونوں سمت ہی نہیں بلکہ سامنے کی طرف بھی یہ پتھریلا سلسلہ نہ جانے کہاں تک پھیلا ہوا تھا۔

اس خوف ناک جگہ آنے کے بعد اب کوئی اور سوچ تو بے مقصد ہی تھی۔ کوئی تصور ذہن میں نہیں لایا جا سکتا تھا۔ واپسی کے راستے بھی مسدود تھے۔ بھلا ندی کے بہاؤ پر واپسی کا سفر طے کر کے اس چٹانی طلسم سے کیسے نکلا جا سکتا تھا۔

چنانچہ بہتر یہی تھا کہ اس چٹان کا دوسرا سرا تلاش کیا جائے۔ ذہن دوڑانے سے کرنل نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ہو سکتا ہے۔ اس پہاڑی سلسلے کے دوسرے سرے پر وہ ندی پھر سے مل جائے جس سے گزر کر وہ یہاں تک پہنچے تھے لیکن اس کا دوبارہ مل جانا بھی بے سود تھا کیوں کہ آگے کا سفر کیسے کیا جا سکتا تھا۔ کشتی بے شک اس چٹان سے ٹکرا کر رک گئی تھی لیکن کیا اس وزنی درخت کے تنے کو اس پھسلن زدہ جگہ سے کسی طور اٹھا

اٹھایا جا سکتا ہے۔

سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ اس پھسلن زدہ جگہ پر تو اپنے ہی جسم کو سنبھالنا مشکل تھا اور پھر درخت کا وہ تنا جو پانی کے سینے پر پھسلتا ہوا یہاں تک آیا تھا اتنا ہلکا بھی نہیں تھا کہ ایک یا چند افراد اسے اوپر اٹھا سکیں۔ تاہم کچھ نہ کچھ کرتے رہنے کے علاوہ اور کیا کیا جا سکتا تھا چنانچہ کرنل الاکشا کا ہاتھ پکڑے ہوئے سیدھ میں آگے بڑھتا رہا۔ یہ عظیم الشان پہاڑی خول دنیا کا حیرت ناک عجوبہ تھا۔ عام حالات میں اگر اس کے بارے میں سوچا جاتا تو عقل شاید اسے تسلیم نہ کرتی۔ ایک پوری ندی پہاڑی سرنگ میں سما گئی تھی اور اس کے بعد پہاڑوں کے نیچے سے گہرائیوں میں داخل ہو کر دوسری جانب نکل گئی تھی۔

گویا ان پہاڑوں نے ندی کے سفر کا راستہ مکمل طور سے روک دیا تھا۔ زیادہ سے زیادہ دوسری سمت سے آنے والا ان پہاڑی چٹانوں تک پہنچ سکتا تھا جو ندی کے راستے میں حائل تھیں لیکن کسی بھی ذریعے سے وہ آگے کی جانب سفر نہیں کر سکتا تھا۔ چٹانوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے انہیں تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ گزر گیا۔ تب کرنل نے محسوس کیا کہ اب یہ چٹانی سلسلہ سکڑتا جا رہا ہے اور وسعتیں اتنی نہیں رہ گئی تھیں جتنی عقب میں تھیں۔ یہاں تک کہ وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جسے صرف ایک گورکھ دھندہ کہا جا سکتا تھا۔

چٹانیں یہاں تنگ ہو گئی تھیں۔ کرنل نے ایک لمحے کے لیے رک کر الاکشا کو دیکھا لیکن اپنے اقدامات کے بارے میں الاکشا سے کوئی سوال کرنا بے معنی تھا۔

چنانچہ اس نے الاکشا کا ہاتھ پکڑا اور اس سرنگ نما دہانے سے اندر قدم رکھ دیا۔ دفعتاً اس کے کانوں میں ایک عجیب سی بھنبھناہٹ گونجنے لگی۔ یہ بھنبھناہٹ بہت مدھم تھی۔ لیکن جوں جوں اس کے قدم آگے بڑھ رہے تھے بھنبھناہٹ تیز ہوتی جا رہی تھی۔ کرنل اس پر غور کرنے لگا۔ اسے بس یہی محسوس ہوا جیسے لاتعداد انسان بہت مدھم لہجے میں ایک دوسرے سے گفتگو کر رہے ہوں لیکن ان آوازوں کا کوئی مفہوم نہیں تھا۔ کرنل کے قدم رک گئے اور دھڑکتے دل پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔ ان آوازوں کا راز سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

الاکشا اس کے ساتھ ایک بے جان وجود کی مانند تھی۔ خود اس کے منہ سے ابھی تک لفظ نہیں نکلا تھا۔

چند لمحات رکنے کے بعد کرنل کے قدم پھر آگے بڑھنے لگے اور بھنبھناہٹیں مسلسل اس کے کانوں میں گونجتی رہیں۔ اب اس میں کوئی شک و شبہ نہیں رہ گیا تھا کہ یہ بھنبھناہٹیں انسانی آوازیں ہی تھیں۔ خوف دہشت اور پریشانی آخری حدود کو چھو رہی تھی۔ کوئی فیصلہ کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ پیچھے پلٹنا بھی بے معنی تھا اور آگے کے بارے میں کچھ کہا نہیں جا سکتا تھا کہ کیا ہے۔ پھر اچانک ہی ایک مدھم سی روشنی کی شعاع چھت کی بلندیوں سے اترنے لگی اور کرنل کی دہشت زدہ آنکھیں اس جانب اٹھ گئیں۔

♥......♥......♥

جورف دیر تک ہرمیت سنگھ سے باتیں کرتا رہا تھا اور ہرمیت نے اسے یہ اطمینان دلایا تھا کہ بالآخر ان پراسرار جنگلات سے نکلنے کے راستے تلاش کر لے گا۔ ان حالات میں یہی ضروری تھا پھر ہرمیت سنگھ نے نمران سے کہا۔

"بہت احتیاط سے انہیں ہینڈل کرتا ہے۔تم نے میری باتوں سے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ میں کیا کرنا چاہتا ہوں۔"

"کسی حد تک انکل!"

"اس کے علاوہ چارۂ کار بھی کیا ہے۔ہم دو افراد کچھ بھی نہیں کر سکتے جب کہ جنگل خطرات سے پُر ہے۔ان لوگوں کو ساتھ لے کر جنگلوں میں بھٹکیں گے اور اپنے ساتھیوں کو تلاش کریں گے۔اگر یہ ممکن نہ بھی ہو سکا تو بھی ممکن ہے راستہ مل جائے۔"

"لیکن انکل! وہ لوگ میرے ڈیڈی' الائشا اور دوسرے......" نمران غمزدہ لہجے میں بولا۔

"نہیں نمران! میرے بیٹے میں بالکل خودغرض نہیں ہوں۔میں ان سب کی زندگی کا خواہاں ہوں' اگر وہ اس دوران ہمیں نہ ملے تو میں دوبارہ سلہیری کا رخ کروں گا اور حکومت سے مدد کی درخواست کروں گا۔ مجھے یقین ہے کہ میں بھرپور امداد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گا اور ہم بہتر وسائل کے ساتھ انہیں تلاش کر سکیں گے۔دوسری صورت میں نمران میں تمہاری پیش کی ہوئی ہر تجویز پر عمل کے لیے تیار ہوں خواہ میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔

"نہیں انکل میں جانتا ہوں۔" نمران نے کہا۔

"یہ بہت مناسب رہے گا۔اتفاقات ہمیں ان لوگوں کے سامنے لے آئے ہیں اور تم نے اندازہ لگا لیا ہوگا کہ یہ لوگ نیم جنونی کیفیت کا شکار ہیں۔ان سے انحراف کیا تو یہ ہمارے دشمن بن جائیں گے۔ان کی تعداد ہم سے زیادہ ہے اور پھر ہم تو بالکل ہی نہتے ہیں یوں بھی ان سے جنگ بے عقلی ہوگی۔"

نمران نے ہرمیت سنگھ سے اختلاف نہیں کیا۔واقعی کوئی اور راستہ نہیں تھا۔اس کے علاوہ میں تمہیں ایک بات اور بتا دوں واپسی کے راستوں سے ہم نے زیادہ عدم واقفیت کا اظہار بھی نہیں کرنا ورنہ ان کی ہم سے دلچسپی ختم ہو جائے گی۔اس کے لیے میں نے سوچا ہے کہ جوزف کے ساتھ مل کر راستوں کے نقشے بناؤں گا اور ہوشیاری سے انہیں ان راستوں پر لے جاؤں گا جن پر ہمارے ساتھی ہمیں مل سکتے ہیں۔"

"مجھے آپ سے مکمل اتفاق ہے انکل۔" نمران نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"بہتر ہے۔ذہن کو سکون دے کر سونے کی کوشش کرو۔میں جانتا ہوں کہ تم کس قدر پریشان ہو گے لیکن ایک مہم جو کی حیثیت سے میں تم سے کچھ باتیں ضرور کہوں گا۔زندگی ایک بار ملتی ہے۔موت بھی ایک بار آتی ہے۔موت اگر طاقتور ہے تو زندگی سے موت کا شکار نہیں ہوں گے اور موت وقت کی تابع ہے۔وہ لوگ ہم سے برے حالات کا شکار نہ ہوئے ہوں گے۔لیکن دیکھ لو ہم زندہ ہیں۔میں نے اپنی زندگی میں لاتعداد بار موت کو بہت قریب سے دیکھا ہے جو زندگی سے خوفزدہ رہتی ہے۔" ہرمیت سنگھ کروٹ بدل کر لیٹ گیا۔

نمران چت لیٹا آسمان کو گھورتا رہا۔اسے عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔وہ اپنے ذہن کو ان خیالات سے آزاد نہ کرا سکا۔کرنل مقبول یوں تو ساری زندگی ایک مثالی باپ ثابت ہوئے تھے۔انہوں نے نمران کی ساری زندگی آسائش سے بھر دی تھی۔کوئی کمی نہیں چھوڑی تھی لیکن اس مرتبہ انہوں نے انتہا کر دی تھی۔

ایک انسان کسی بھی رشتے کے تحت اس سے بڑا ایثار نہیں کر سکتا۔اس نے الائشا کو چاہا۔کرنل نے

اس کی خواہش کے آگے سر جھکایا۔کرنل کا معیار نمران کے لیے ایک عمدہ سی لڑکی مہیا کر سکتا تھا' غیر معیاری تو شہباز خان بھی نہ تھا لیکن جب الائشا کی ذہنی حالت بدلی تو کرنل اس رشتے سے منہ موڑ سکتے تھے۔

لیکن وہ ایک اچھے باپ ہی نہیں ایک اچھے انسان بھی تھے۔انہوں نے خودغرضی سے کام نہیں لیا اور نمران کے دل کی طلب کو مدنظر رکھتے ہوئے الائشا سے انحراف نہ کیا۔

نمران اچھی طرح جانتا تھا کہ کرنل صرف اس کی وجہ سے اس مہم جوئی پر آمادہ ہوئے تھے اور انہوں نے زندگی داؤ پر لگا دی تھی۔انہوں نے الائشا کو صرف اس کی خواہش پر اس کی زندگی میں شامل کر دیا تھا۔وہ جانتا تھا کہ کرنل کو اس کی گمشدگی پر کتنا تردد ہوگا۔آہ...... خدا انہیں زندگی عطا کرے اور الائشا کیا اس کی پراسرار کیفیت کا حل مل جائے گا کہ کون ہے وہ۔"

چاروں طرف مکمل خاموشی چھائی ہوئی تھی۔آسمان پر ستارے جھلملا رہے تھے۔چاند بادلوں سے اٹھکیلیاں کر رہا تھا۔اطراف کے درخت خوفزدہ محسوس ہو رہے تھے اور دور سے پانی کی شڑر شڑر مسلسل سنائی دے رہی تھی۔ہوائیں ایک پرسرور موسیقی بکھیرتی پھر رہی تھیں۔اس نے محسوس کیا کہ ہرمیت سو چکا ہے اس کی سانسیں تیز ہو چکی تھیں۔جوزف کے ساتھی بھی بے خبر لگ رہے تھے۔

"انکل۔" اس نے آہستہ سے ہرمیت سنگھ کو پکارا لیکن ہرمیت سنگھ کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔نیند کا دور دور تک کوئی پتا نہیں تھا۔ذہن شدید الجھنوں کا شکار تھا۔ہرمیت سنگھ کی نصیحتیں اپنی جگہ لیکن دل کمبخت کو کیا کرتا جس میں ایک طرف کرنل کا خیال تھا اور دوسری طرف الائشا کا۔اس نے آہستہ سے کہا۔

"الائشا اگر تم پراسرار قوتوں کی مالک ہو تو میرے ڈیڈی کی حفاظت کرنا اگر انہیں کوئی نقصان پہنچا تو میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔" دل کی بے چینی نے زیادہ بے کل کیا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا اور ٹہلتا ہوا دور نکل گیا۔خوف کی ایک لہر ماحول کو دیکھ کر دل میں بیدار ہوئی تھی لیکن پھر خود پر ہنس دیا۔

اب خوف کی کیا گنجائش ہے۔اس کے بعد کس چیز کا خوف پیدا ہو سکتا ہے۔وہ آگے بڑھتا رہا اور کافی فاصلہ طے کر کے دریا کے کنارے پہنچ گیا۔ستاروں کی مدہم روشنی میں پانی کی سفید دھاریں جگنوؤں کی طرح چمک رہی تھیں۔خوبصورت گول پتھر پانی کے ساتھ لڑھک لڑھک کر جگہ تبدیل کر رہے تھے اور ان کی سرسراہٹیں حسین آوازیں پیدا کر رہی تھیں۔

وہ ایک پتھر پر بیٹھ کر ان لڑھکتے ہوئے چھوٹے چھوٹے پتھروں کو دیکھنے لگا۔انسانی آبادیوں سے دور انسانوں کے ذہن کے تصور سے بھی دور ان ویرانوں میں پتھروں کا یہ کھیل نہ جانے کب سے جاری ہوگا۔ آبادیوں کے رہنے والے مصنوعی زندگی کے رسیا ان قدرتی مناظر کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔ حالانکہ یہ ایک الگ زندگی ہے۔اس زندگی کی اپنی کہانیاں ہیں۔مہذب بستیوں کے لیے خوفناک لیکن اپنے طور پر قانون قدرت کی مظہر اور یہی ایک جگہ کیا گھنے درختوں کے درمیان جب صبح کا آغاز ہوتا ہے جب پرندے اپنے گھونسلوں سے نکل آتے ہیں چھوٹے جانور بلوں میں سے نکل کر خوراک کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتے ہیں۔سورج کے ساتھ ان کی زندگی کا سفر چھوٹی چھوٹی کہانیوں سے عبارت، وحشی درندے پیٹ کی

آگ بجھانے کے لیے شکار کی تلاش میں اور...... اور......

لیکن سوچ کا یہ سفر جاری نہ رہ سکا۔ اچانک ایک آہٹ ہوئی اور اسی وقت چاند بادلوں کی اوٹ سے نکل آیا۔ چاندنی زمین پرست آئی اور اسے دیکھ کر مسکرا دی اس کی حسین آنکھوں میں ستارے ٹمٹمارہے تھے۔

''لکشیا یورے باؤنا۔'' اس کی نغمہ بار آواز ابھری اور نمران اسے دیکھتا رہ گیا۔

یہ وہی سنگ زادی تھی جو اس پرسحر چاندنی میں بے حد حسین نظر آرہی تھی۔ اس نے گردن جھکائی جیسے اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا ہو۔ پھر اس نے آگے بڑھ کر نمران کے پتھر کے گرد ایک دائرہ بنایا اور بڑے دل آویز انداز میں بولی۔

''کونپل۔''

نمران سحر زدہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس وقت ماحول بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ چاندنی میں نہائے دریا کے پتھروں کے درمیان بہنے والے پانی کی شرر شرر اس میں تڑپتی سنہری کرنیں' چاروں طرف ہو کا عالم' خاموش سوئے ہوئے درخت اور وہ جو اس چاندنی کی ہی تخلیق معلوم ہوتی تھی۔

''پتھروں میں بہ کر آنے والے پھول چاند کی وادی میں خوش آمدید۔'' اس نے کہا۔ نمران اٹھ کھڑا ہوا۔

''بیٹھے رہو۔ بیٹھے رہو۔ اس دائرے سے نکل کر ہمارے درمیان زبان کا رشتہ ختم ہو جائے گا۔'' وہ جلدی سے بولی۔

''تم...... تم کہاں چلی گئی تھیں؟''

''کب؟''

''جب میں اپنے ساتھی کو جگانے گیا تھا۔''

''سورج نے کہا کہ میرا اجنبی نگاہوں میں آنا ٹھیک نہیں ہے اس لیے میں کرنوں کی آڑ میں ہوگئی۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''سورج میرا باپ ہے۔ وہی میری رہنمائی کرتا ہے اور میں اس کے احکامات کی تکمیل کرتی ہوں۔ مجھے منع کیا جاتا ہے کہ میں اجنبی نگاہوں کے سامنے نہ آؤں اور جو میں نہیں جانتی سورج مجھے بتا دیتا ہے۔''

''کل تم سنگ زادی تھیں اور آج سورج کی بیٹی بن گئیں۔'' نمران نے خود کو سنبھال کر کہا۔

''کیا تم مجھ پر یقین نہیں کرتے۔ تمہارے ذہن میں میرے لیے کوئی شک ہے۔ سورج کے وجود سے زمین پر نمود ہوتی ہے۔ اس کے بدن کی گرمی زمین سے پانی سمیٹتی ہے اور پھر وہ اس پانی کو بلندیوں پر لے جا کر زمین پر برسا دیتا ہے اس طرح زمین پر کونپلیں پھوٹ آتی ہیں۔ میں بھی ایک کونپل تھی یہ درخت اور زمین جیسے سورج کا راز ہوں۔ سو میں نے غلط تو نہ کہا تھا۔ یہ راز سب کو تو نہیں بتایا جا سکتا۔''

''مجھے کیوں منتخب کیا گیا۔''

''تم کونپل ہو۔ میری پسند۔'' وہ مسکرا کر بولی۔

''تمہیں یہاں اور کونپل نظر نہیں آئے۔'' نمران بے اختیار ہنس کر بولا۔

''کونپل۔'' وہ حیرت سے بولی۔

''ہاں ذرا اس طرف دیکھو۔ ان چٹانوں کے دوسرے سرے پر...... وہاں بہت سے کونپل اگے ہوئے ہیں تعجب ہے تم نے انہیں نہیں دیکھا۔''

''اوہ...... وہ ان میں سے تم جیسا نہیں ہے۔ تم ان سے الگ ہو اور پھر سورج نے مجھے ان کے قریب جانے کی اجازت نہیں دی۔''

''کل تم کہہ رہی تھیں کہ تم نے اپنا جیسا پہلی بار دیکھا ہے۔''

''تمہاری باتوں میں میری دل آزاری ہو رہی ہے۔ تم مجھے تسلیم کرنے سے گریز کر رہے ہو۔'' اس کی مسکراہٹ مضمحل ہوگئی۔

''تمہاری ہاتھوں میں یہ نیزہ ان جیسا ہے ایسے ہتھیار انہوں نے اپنے لیے بنائے ہیں۔''

''کیا میں تمہیں بری لگتی ہوں۔ تمہاری باتوں میں پیار کی بجائے طنز ہے۔'' وہ اداسی سے بولی۔

''تم سچائی کی منزلوں میں آجاؤ۔ میں تم سے دلچسپی سے باتیں کروں گا۔'' نمران نے کہا اور پھر چونک پڑا۔

سامنے سے ایک پتھر لڑھکنے کی آواز آئی تھی۔ نمران نے ایک بڑی چٹان سے ایک شخص کو نیچے کودتے دیکھا۔ پتھر اس کے سامنے نیچے آیا تھا۔ نمران کی پوری توجہ آنے والے کی طرف ہوگئی پھر اس نے گردن گھمائے بغیر کہا۔

''دیکھا ایک اور کونپل ہمارے پاس......'' لیکن اچانک ہی اسے احساس ہوا کہ لڑکی غائب ہے۔ وہ اچھل پڑا۔ لڑکی کا پراسرار وجود اب اس کے سامنے نہیں تھا۔ آنے والا تیزی سے نمران کے پاس آگیا۔ پھر وہ اچھل کر ایک پتھر پر چڑھ گیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ نمران کی نظریں بھی آس پاس بھٹک رہی تھیں لیکن چاروں طرف سناٹا پھیلا ہوا تھا۔ آنے والے کو نمران نے پہچان لیا تھا۔ وہ جوزف کے آدمیوں میں سے ایک تھا۔ اس نے کئی پتھروں پر چڑھ کر لڑکی کو تلاش کیا اور اس میں ناکام رہ کر نمران کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

وہ کافی تنومند اور خونخوار آدمی تھا۔ دن میں نمران نے اسے جوزف کے آدمیوں میں شامل دیکھا تھا لیکن سب لوگوں سے ان کا تعارف نہیں ہوا تھا۔ اس کی خونخوار آنکھیں نمران کو گھورتی رہیں اور پھر اس کی بھاری آواز ابھری۔

''میرا نام جیولن ہے۔''

''ہیلو۔'' نمران نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''تو جیتے جاگتے انسان میرے ہاتھوں موت کی آغوش میں پہنچ چکے ہیں کیا سمجھے؟''

''بڑی خوشی ہوئی تم سے مل کر مسٹر جیولن۔'' نمران نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

''ان پنجوں کی چوڑائی دیکھ رہے ہو۔ ان کی گرفت میں جو گردن آگئی وہ دوبارہ واپس مڑ کر اپنی جگہ نہیں پہنچ سکی۔'' وہ غراتے ہوئے لہجے میں بولا اور نمران کی مسکراہٹ سکڑ گئی۔

''اب اس بکواس کا مقصد بھی بتا دو۔'' اس نے ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"وہ لڑکی یہاں کیا کر رہی تھی؟" جیولن نے پوچھا۔

"جھک مار رہی تھی اور تم بھی میرے خیال میں جھک ہی مار رہے ہو جو سوال تم نے کی ہے اس کا جواب تم کو میں اسی وقت دے سکتا ہوں لیکن بہتر یہی ہے کہ دماغ ٹھنڈا رکھو جن جیتے جاگتے انسانوں کو تم نے موت کی آغوش میں سلا دیا ہے ان میں سے ایک بھی مجھ جیسا نہ ہوگا۔ اگر چاہو تو پہلے اس کا فیصلہ کر لیں اور اس کے بعد باقی باتیں کریں گے۔"

"ابھی تم سے میری کوئی دشمنی نہیں ہے۔"

"تو پھر اس دشمنی کا آغاز کیوں کر رہے ہو۔ تم جو کوئی بھی ہو مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ رہا اس لڑکی کا سوال تو میں خود تم سے اس لڑکی کے بارے میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ تم جانتے ہو کہ مجھے ابھی تم لوگوں میں شامل ہوئے چند گھنٹوں سے زیادہ نہیں گزرے۔" جیولن کے چہرے پر کسی قدر نرمی کے آثار نظر آئے۔ پھر اس نے کہا۔

"وہ نورینہ ہے۔"

"آگے بڑھو۔" ثمران بے پروائی سے بولا۔

"کیا مطلب؟"

"میرا مطلب ہے۔ اس سے آگے بتاؤ۔ اس کے بارے میں کیا وہ تمہارے گروہ میں شامل ہے؟"

"ہاں...... وہ ترکی کی رہنے والی ہے۔ پروفیسر زلفی کی بیٹی ہے۔"

"اوہ......" ثمران کے ہونٹوں پر مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ جیولن جلدی سے بولا۔

"اور میں اسے چاہتا ہوں۔"

"بڑی خوشی ہوئی۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔"

"میں کسی طور بھی یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اسے کسی دوسرے کے قریب دیکھوں اور سنو! تم دوبارہ اس سے ملنے کی کوشش نہیں کرو گے۔"

"ڈیئر مسٹر جیولن میری اس سے ملاقات دوسری بار ہوئی ہے لیکن تم سے گفتگو کرتے ہوئے مجھے کچھ وقت محسوس ہو رہی ہے کیونکہ تمہاری باتیں غیر دوستانہ ہیں۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ میں اس لڑکی سے متاثر ہوں تو اس غلط فہمی کو دل سے نکال دو۔"

"اوہ...... تو 'تم' تو تم۔"

"قطعی نہیں...... میں اس سے کل چند لمحات کے لیے ملا تھا اور اس وقت وہ خود ہی سنگ زادی بن کر میرے سامنے آئی تھی اور مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اب تم نے مجھے بتایا ہے کہ وہ کسی پروفیسر زلفی کی بیٹی ہے۔ اس کا نام نورینہ ہے۔ کل ہم جب یہاں پہنچے تو میرے ہوش میں آنے کے بعد وہ میرے سامنے ایک عجیب و غریب لباس میں آئی تھی اور اس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ انہی پتھروں میں پیدا ہوئی ہے اور انسان نہیں ہے۔ آج وہ اپنے آپ کو سورج زادی بتا رہی تھی لیکن میں جو کچھ سمجھ سکا ہوں اسے میرے ذہن میں ہی رہنے دو۔ تم اگر اسے چاہتے ہو تو اس پر مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ تمہاری تسلی کے

لیا یک بار پھر وہ الفاظ دہرا دوں کہ میرے دل میں اس کے لیے کوئی گنجائش نہیں پیدا ہوئی۔"

"مجھے افسوس ہے دوست! دراصل میں اسے تمہارے قریب دیکھ کر برداشت نہیں کر سکا۔ وہ ایسی شرارتوں کی عادی ہے۔ نت نئی شرارتیں سوچتی رہتی ہے۔ یہاں ان حالات میں ظاہر ہے مسٹر جوزف، پروفیسر زلفی اس کو کسی مشکل کا شکار نہیں ہونے دیتے اور اسے صورتحال کا اندازہ نہیں ہے۔ ورنہ اس کی شرارتیں باقی نہ رہتیں۔ ہم سب زندگی اور موت کی مشکل میں گرفتار ہیں لیکن اس نے ابھی ان مشکلات کو قبول نہیں کیا۔ فطرتاً بہادر لڑکی ہے اور اپنے آپ میں مست رہنا جانتی ہے۔ ویسے مردوں کو بے وقوف بنانا اس کی ہابی ہے۔ اب یقیناً تمہارے چکر میں ہوگی کیونکہ تم نئے آدمی ہو۔"

"گویا وہ یہاں کئی لوگوں کو بے وقوف بنا چکی ہے۔"

"ہاں اس کی کوشش جاری رہتی ہے۔ تفریح پسند ہے لیکن زمانے کی شناسا نہیں' کسی بھی وقت اس کی کوئی حماقت اسے لے ڈوبے گی اور اس کے بعد۔"

"ٹھیک ہے اطمینان رکھو۔ کم از کم تمہیں میری ذات سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ ویسے تمہارا شکریہ کہ تم نے مجھے اس سنگ زادی کی حقیقت بتا دی۔ میں نے تو پہلے ہی اسے غیر انسانی مخلوق تسلیم نہیں کیا تھا لیکن اس جنگل کا پر سحر ماحول مجھے الجھائے ہوئے ضرور تھا۔"

جیولن کا انداز ایک دم بدل گیا اور اس نے اپنا ہاتھ ثمران کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"اب تک جو تلخ گفتگو ہوئی اس کے لیے میں تم سے معافی کا خواستگار ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ ہم دونوں ایک ہی کشتی کے سوار ہیں، لیکن نورینہ۔ اس نے مجھے مضطرب کر دیا ہے۔ میرا تعلق یورپ سے ہے اور ہمارے ہاں کسی کی قربت مشکل نہیں ہوتی لیکن اس لڑکی نے میرے ہوش و حواس چھین لیے ہیں۔ خیر مجھے یقین ہے کہ تم نے اس غلط فہمی کے لیے مجھے معاف کر دیا ہوگا۔ آؤ واپس چلیں۔ وہ چھلاوے کی مانند پھرتیلی ہے دیکھو پتھروں کی آڑ میں کس طرح غائب ہوئی کہ اب اس کا نام و نشان بھی نہیں ملتا۔" جیولن نے کہا۔

ثمران اس کے ساتھ واپس پلٹ پڑا۔ جیولن خاموشی سے دوسرے لوگوں تک آ گیا تھا۔ تب ثمران نے کہا۔

"سنو ڈیئر مسٹر جیولن اگر وہ کبھی تمہیں میرے قریب نظر آئے تو کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہونا۔ میں ایک شادی شدہ آدمی ہوں اور مجھے ان حماقتوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے تاہم اس کی شرارتوں کا جواب دینے کے لیے اگر کبھی میں اس کے قریب نظر آؤں تو کسی غلط فہمی کو دل میں جگہ نہ دینا۔"

جیولن ہنسنے لگا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ "آرام کرو جو ناخوشگوار گفتگو ہوئی ہے ایکبار پھر اس کے لیے تم سے معافی چاہتا ہوں۔"

"ثمران نے کوئی جواب نہیں دیا اور جیولن آگے بڑھ گیا پھر وہ ایک جگہ زمین پر بیٹھ گیا۔ ثمران ہربت سنگھ کے پاس آ بیٹھا تھا۔ جس کے خراٹے مسلسل ابھر رہے تھے اور اسے بسنت کی کچھ خبر ہی نہیں تھی۔ ثمران زمین پر لیٹ گیا۔ زمین ٹھنڈی تھی اور آسمان پر چاندی کی ٹھنڈک پھیلی ہوئی تھی۔

تیز روشنی نیند کو آنکھوں میں داخل نہیں ہونے دے رہی تھی۔ لیکن ثمران سونا بھی نہیں چاہتا تھا۔ وہ

اس لڑکی کے بارے میں سوچ رہا تھا، جس کا نام نورینہ تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں جنگل کے اس پرسحر ماحول میں اس نے اپنی شخصیت سے نمران کو ڈانواں ڈول کر دیا تھا کم از کم اس حد تک کہ وہ کافی پراسرار تھی اور اس کا حسن بھی سحر خیز تھا لیکن نمران اس سے متاثر نہیں ہوا تھا البتہ جنگل کی یہ پراسرار مخلوق اسے عجیب لگی تھی۔

دیر تک وہ اس کے بارے میں سوچتا رہا پھر اس نے آنکھیں بند کر لیں نیند لینا بھی ضروری تھا ورنہ دوسرا دن کاہلی کا شکار گزرتا جوزف 'جیولین' اور ان تمام دوسرے لوگوں کے بارے میں سوچتا ہوا وہ بالآخر گہری نیند سو گیا۔

دوسری صبح وہ اس وقت جاگا جب سورج کی کرنوں نے جابجا سجادی تھی اس کے جاگنے کے فوراً بعد لڑکی کے الفاظ یاد آ گئے بڑا شاعرانہ تخیل تھا" زمین سورج کی محبوبہ ہے" نمران مسکراتا ہوا اٹھ بیٹھا، ہرمیت سنگھ بھی جاگ گیا تھا ہرمیت سنگھ کے چہرے پر ویرانی پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے اداس نگاہوں سے ارد گرد کے ماحول کو دیکھا اور پھر گردن جھٹک کر کھڑا ہو گیا۔ نمران بھی اس کے ساتھ کھڑا ہو گیا تھا۔

دونوں دریا کی جانب چل پڑے کافی دیر تک وہ دونوں پانی میں رہے اور اس دوران ان کے درمیان کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی۔

"پھر جوزف کا بھی ایک آدمی وہاں پہنچا اور اس نے کہا۔"

"کیا تم دونوں ناشتہ نہیں کرو گے۔ مسٹر جوزف تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔"

ہرمیت سنگھ نے گردن ہلائی اور اس کے بعد دونوں جوزف کی جانب چل پڑے ناشتے میں وہی پھل اور چھوٹے جانوروں کا گوشت شامل تھا جوزف نے ناشتہ ان کے ساتھ ہی کیا تھا اس کے انداز میں بڑی اپنائیت تھی ناشتے کے بعد وہ تو ہرمیت سنگھ سے باتیں کرتا ہوا ایک سمت چل پڑا اور نمران اپنی جگہ کھڑا ادھر ادھر دیکھتا رہا پھر وہ بھی چہل قدمی کے انداز میں آگے بڑھ گیا تھا۔ یہاں کے معمولات ہی کیا تھے بس صبح ہوتی' شام ہو جاتی اور لوگ کاہلوں کے سے انداز میں اپنی جگہ بیٹھے رہتے، لیٹے رہتے دھوپ پھیل جاتی تو سایہ دار جگہ تلاش کر لیتے۔

نمران خود بھی انہی کی طرح آگے بڑھنے لگا۔ کافی فاصلے پر ایک درخت کی شاخ پر کوئی بیٹھا ہوا نظر آیا اور نمران چونک کر اسے دیکھنے لگا اس نے بخوبی پہچان لیا یہ وہی لڑکی تھی لیکن اس وقت وہ پتلون اور شرٹ میں نظر آ رہی تھی بالوں کا اسٹائل بھی تبدیل کر لیا گیا تھا پیروں میں ٹخنوں سے اونچے بوٹ تھے اور انداز میں بڑی بے پروائی پائی جاتی تھی۔ درخت کی جس شاخ پر وہ بیٹھی تھی وہ نیچے جھک آئی تھی نمران نے دلچسپی سے اسے دیکھا اور پھر آہستہ آہستہ اس جانب چل پڑا۔

♥……♥……♥

شروک کے چہرے پر مردنی چھائی ہوئی تھی سندھانیوں نرغے میں وہ خاموشی سے آگے بڑھ رہے تھے اور انہیں سفر کرتے ہوئے کئی گھنٹے گزر چکے تھے۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے انہیں کہیں بہت دور لے کر جانا چاہتے ہوں سب سے دکھ کی بات یہ تھی کہ ان کے ہتھیار سندھانیوں کے قبضے میں جا چکے تھے اور اس سلسلے میں

شروک اپنے ساتھیوں کو مسلسل گالیاں دیتا رہا تھا اسے اس بات کا غم تھا کہ وہ مقابلہ کئے بغیر دشمنوں کے قبضے میں آ گئے اس نے غراتے ہوئے کہا۔

"کتے کے بچو، تم سب مجھ سے بغاوت پر آمادہ ہو گئے ہو تم میں سے کسی کو بھی یہ احساس نہ رہا کہ وہ ہوشیار رہے۔ ہم اپنے بیڈ روم میں تو نہیں تھے کہ اتنے سکون کی نیند سو جائیں۔ اگر ہمیں ان کی آہٹ مل جاتی تو یقیناً ہم ان سے مقابلہ کرتے اور ان پر فتح حاصل کر لیتے اب تم سب ان کے ہاتھوں کتے کی موت مارے جاؤ گے ایسی باتیں شروک اس سفر کے دوران کئی بار کر چکا تھا اس کا موڈ بہت خراب تھا اور وہ بہت مشتعل نظر آ رہا تھا پھر ایک بار اس نے رک کر کہا۔

"آخر یہ سفر کتنا طویل ہے اس کا کوئی اختتام ہے یا نہیں؟" لیکن جواب دینے والا کوئی نہیں تھا وہ دونوں سربراہ جو گھوڑوں پر سوار تھے کافی آگے بڑھ گئے تھے گو وہ نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوئے تھے لیکن فاصلہ اتنا رکھا گیا تھا کہ یہ لوگ انہیں مخاطب نہ کر سکیں شروک کے رکنے پر ایک سندھانی نے آگے بڑھ کر بندوق کا دستہ شروک کی پنڈلی پر مارا اور وہ اچھل پڑا۔ پھر وہ سب سے زیادہ تیز رفتاری سے چلنے لگا تھا لیکن اس کی زبان مغلظات اگل رہی تھی۔ ادھر شہباز خان' پروفیسر حاتم فریدی' چرن گپتا' اور مستان ایک ساتھ آگے بڑھ رہے تھے اور اب تک مسلسل خاموش تھے۔ مستقبل کے بہت سے وسوسے ان کے دلوں میں آ رہے تھے لیکن کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔

پروفیسر حاتم فریدی نے ایک بار آہستہ سے کہا تھا۔

"زندگی کی انتہا موت ہے اور موت کے بارے میں بڑے دلچسپ قصے سنے گئے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ موت کے لئے وقت اور جگہ کا تعین ہوتا ہے اب دیکھتے ہیں شہباز خان ہماری موت کہاں لکھی ہوئی ہے۔"

شہباز خان نے بے خوفی سے جواب دیا تھا" پروفیسر جب یہ بات مقدر ہے کہ انسان نے مرنا ہے تو موت کہیں اور کسی جگہ آئے ہمیں اس کا استقبال تو کرنا ہی پڑے گا۔" اس کے بعد کسی نے کوئی گفتگو نہیں کی تھی اب تک کے سفر میں کھانے پینے کی کسی چیز کا تصور بھی نہیں کیا گیا تھا سورج کی تمازت بڑھتی جا رہی تھی شاید یہ مسلسل سفر کرنے کا نتیجہ تھا کہ دھوپ انہیں عام دنوں سے کچھ زیادہ ہی شدید لگ رہی تھی۔ بدن پسینے میں شرابور ہو رہے تھے اور پیاس کی شدت بڑھ گئی تھی شروک غرا کر بولا۔

"گدھے کے بچو تھوڑا بہت پانی پلا دو ورنہ نتیجے کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔"

لیکن ساتھ چلنے والے تمام" گدھے کے بچے" خاموشی سے آگے بڑھتے رہے اور شروک کی بڑبڑاہٹ مدھم ہونے لگیں۔ پروفیسر فریدی اچانک ہنس کر شہباز خان سے بولا۔

"کتنی عمدہ بات ہے کہ انسان ایک دوسرے کی زبان سے ناواقف ہو۔ زبان سے واقفیت بہت سے حادثوں کو جنم دیتی ہے۔ اگر یہ لوگ شروک کی باتوں کا مطلب سمجھ لیتے تو شاید گدھوں ہی کی طرح لاتیں مار مار کر اسے ہلاک کر دیتے۔"

شہباز خان بھی ہنسنے لگا تھا پھر اس نے اچانک ہی مستان کو مخاطب کر کے کہا۔

"مستان کیا تم سندھانی زبان نہیں سمجھ سکتے؟"

"شجھ شکتا چیف مجھ شکتا بٹ تھوڑا تھوڑا ہے۔"

"یہ لوگ جو کچھ گفتگو کریں گے تم سمجھ لو گے۔"

"تھوڑا تھوڑا چیف تھوڑا تھوڑا۔"

"تو سنو مستان تمہیں خاص طور سے ہوشیار رہنا پڑے گا آنے والے وقت کے بارے میں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ آگے کیا ہوگا لیکن چالاکی سے کام کرنا زندگی کی ضمانت بن سکتا ہے یہ لوگ جو کچھ بھی گفتگو کریں بظاہر تم اس سے بے تعلق رہنا لیکن اس پر غور کرتے رہنا اور اگر کوئی سنجیدہ بات ہو تو فوراً ہمیں اس سے آگاہ کرنا عام حالات میں تم یہ ظاہر کرو گے کہ تم ان کی زبان نہیں سمجھ سکتے۔"

"لیش شر" لیش شر۔" مستان نے اپنے مخصوص انداز میں کہا اور ایک بار پھر خاموشی طاری ہوگئی۔

پھر سورج آسمان کے بیچوں بیچ پہنچا تھا کہ ان کی اس مشکل کا حل نکل آیا وہ ایک گھنے جنگل میں داخل ہو گئے تھے اور درختوں کے گھنے سایوں کے نیچے انہیں سورج سے امان مل گئی تھی لیکن یہاں دوسری مشکلات موجود تھیں۔ جن علاقوں میں یہ سفر کر رہے تھے وہاں لمبی لمبی گھاس اگی ہوئی تھی اور بعض جگہ یہ گھاس کانٹے دار تھی اور جسم کے کھلے ہوئے حصے اس سے متاثر ہو رہے تھے۔ جب کہ سندھانیوں کے لباس ایسے تھے کہ وہ کانٹوں سے بچے ہوئے تھے شروک نے اس سلسلے میں بھی فریاد کی۔ لیکن اب یہ فریاد کس سے کی جاتی۔ دونوں سردار آگے بڑھ چکے تھے اور اب نگاہوں سے معدوم ہو چکے تھے۔ باقی جو لوگ ساتھ چل رہے تھے وہ صرف ان پر کڑی نگاہ رکھنا جانتے تھے اور کوئی بات سمجھ نہیں پاتے تھے۔ بلکہ ذرا سے ٹھٹکنے پر ان کی بندوق کا بٹ ٹھٹکنے والے پر پڑتا اور وہ آگے بڑھنے پر مجبور ہو جاتا تھا۔

جنگل کا یہ سلسلہ بھی زیادہ طویل نہیں تھا اور اس کے بعد اس کا اختتام جس جگہ ہوا اسے دیکھ کر بھی کو حیرت ہوئی تھی۔ ایک بہت بڑی پیالے نما وادی ان کے سامنے تھی جس کی وسعتوں میں چاروں طرف دیواریں ابھری ہوئی تھیں اور بعض جگہ یہ دیواریں ناقابل عبور تھیں قدرتی وادی تھی لیکن اس کا پھیلاؤ جنگل کے اندر ہی اندر ہوا تھا یعنی وادی کے چاروں طرف جنگلی درخت نظر آ رہے تھے اور ان کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ کہاں تک پھیلے ہوئے ہیں وادی کے اندر انہیں ایک بستی نظر آئی اور یقیناً یہ سندھانیوں کی بستی تھی۔ ایسی ہی ایک وادی میں وہ سندھانیوں کو دیکھ چکے تھے جو ہاتھوں پر پٹیاں باندھ کر بقول مستان کوئی بہت بڑی قسم کھا رہے تھے لیکن وہ وادی اس جیسی نہیں تھی بس ایک گہری کھائی تھی جب کہ یہاں اس وادی کی تراش بالکل انسانی ہاتھوں کا کارنامہ معلوم ہوتی تھی لیکن اس میں جگہ جگہ ابھری ہوئی چٹانیں اور چٹانوں میں نکلی ہوئی کونپلیں اس بات کا اظہار کرتی تھیں کہ اس کی تراش میں انسانی ہاتھوں کا دخل نہیں ہے لیکن اس سے زیادہ محفوظ جگہ کا تصور نہیں کیا جا سکتا تھا وادی کا پھیلاؤ اتنا وسیع و عریض تھا کہ دیکھ کر حیرت ہوتی تھی تا حد نگاہ چھتری نما نوکدار جھونپڑے پھیلے ہوئے تھے اور ان کی ساخت بہت ہی عجیب تھی ان کی وسعت بھی زیادہ نہیں تھی۔ بس اتنی تھی کہ ایک جھونپڑی کے نیچے تین چار آدمی قیام کر سکیں البتہ جھونپڑیوں کے باہر اسی گولائی میں احاطے ضرور بنائے گئے تھے اور یہ طرز تعمیر انتہائی منفرد تھا اس میں ذہانت بھی کارفرما تھی اور جنگلی پن بھی نمایاں تھا۔

راستے بھی چھوڑے گئے تھے جھونپڑیوں کو قطار کی شکل میں بنایا گیا تھا بعض جگہ صرف بلند و بالا احاطے بکھرے ہوئے تھے جنہیں بانسوں اور گھاس پھونس سے گھیر دیا گیا تھا تمام جھونپڑے ایک ہی سائز کے تھے اور ان کے درمیان چلتے پھرتے لوگ نظر آ رہے تھے جن میں بچے اور عورتیں بھی شامل تھیں ان کے لباس زیادہ تر جانوروں کی کھال پر مشتمل تھے لیکن بہت سے لوگ باقاعدہ لباس بھی پہنے ہوئے تھے اور ان میں بدن ڈھکنے کی تمام تر صلاحیتیں موجود تھیں۔

گویا سندھانی عورتیں جسم پوشی ضروری سمجھتی تھیں اور ان میں کوئی وحشت نمایاں نہیں تھی ایک مخصوص جگہ سے ان لوگوں کو نیچے اتارا گیا اور یہ لوگ سنبھل سنبھل کر اترتے ہوئے بالآخر وادی میں داخل ہو گئے پھر ان کا رخ تبدیل کر دیا گیا اور پہاڑی دیوار کے کنارے کنارے سفر کرتے ہوئے انہیں ایک ایسے احاطے میں لایا گیا جو اچھا خاصا وسیع تھا اور اس کے چاروں طرف کانٹے دار جھاڑیاں تھیں یہ گویا سندھانیوں کا قید خانہ تھا احاطے کے دروازے سے انہیں اندر داخل کر دیا گیا اور اس کے بعد احاطے کا دروازہ بند کر دیا گیا۔

شروک زمین پر چت لیٹ گیا اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں اور گہری سانسیں لے رہا تھا۔ جس راستے سے انہوں نے سفر کیا تھا۔ وہاں کی نسبت یہاں ٹھنڈک تھی۔ گو سورج اب بھی چمک رہا تھا۔ لیکن احاطے پر سایہ تھا اور سورج کی تپش سے وہ متاثر نہیں معلوم ہوتا تھا یا پھر وادی کی یہ گہرائیاں خود ہی کافی ٹھنڈی تھیں اور پہاڑی دیواروں کی وجہ سے وہاں کا موسم باہر کے موسم سے کافی مختلف تھا۔ شروک کے ساتھی بھی اسی طرح زمین پر لیٹ گئے وہ سب نڈھال نظر آ رہے تھے جب کہ شہباز کے باقی تین ساتھی اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے حیرت کی بات یہ تھی کہ مستان بھی نارمل تھا دیر تک خاموشی طاری رہی پھر پروفیسر حاتم فریدی نے کہا۔

شروک کا بددل ہونا ٹھیک نہیں ہے شہباز یہ سندھانی کچھ بھی کر سکتے ہیں ان کی نسبت ہمیں شروک کی زیادہ ضرورت ہے مجھے تو احساس ہو رہا ہے کہ شروک کے بقیہ ساتھی بھی اسے چھوڑنا چاہتے ہیں۔"

"صورتحال کچھ عجیب ہو گئی ہے پروفیسر یہ اعتراف کر لینا چاہیے کہ ہماری یہ مہم ناکام ہو گئی ہے جو مقصد ہم لے کر چلے تھے وہ تقریباً ختم ہو گیا اب ہم اگر کسی طرح ان سندھانیوں کی قید سے آزاد بھی ہو جائیں تو کیا کریں گے اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر واپسی کے سفر کے لئے غیرت اجازت نہیں دیتی انہیں تلاش کرنے کے لئے وسائل نہیں ہیں اور پھر یہ قید عمران، مقبول اور ہرمیت سنگھ کے بارے میں جب سوچتا ہوں تو صرف ایک احساس ہوتا ہے صرف ایک احساس وہ یہ کہ اگر اب بھی وہ زندہ ہیں تو قدرت کا ایک ایسا معجزہ ہمارے سامنے آئے گا جس پر صرف مشکل ہی سے یقین کیا جا سکتا ہے وہ ہولناک دریا مجھے یاد ہے اس میں تو چٹانیں بھی سلامت نہیں رہ سکتی کسی گوشت پوست کے وجود کا زندہ رہ جانا ناممکنات میں ہے باقی رہ گئے کرنل اور لاانشانہ جانے وہ کہاں گم ہو گئے۔

"ایک بات بتایئے شہباز خان۔"

اچانک چرن گپتا نے کہا اور سب اسے دیکھنے لگے۔

"یہ سندھانیے ہمیں گرفتار کر کے لائے ہیں نا؟"

"ظاہر ہے۔"

''اگر کسی طرح انہیں کوئی لالچ دیا جائے اور کہا جائے کہ ان جنگلوں میں جو لوگ غائب ہو گئے ہیں ان کے پاس کوئی قیمتی شے موجود ہے تو کیا یہ ان لوگوں کو تلاش نہ کریں گے اس طرح ہمیں دو فائدے حاصل ہو سکتے ہیں نمبر ایک تو یہ کہ ہمیں فوری طور پر کوئی نقصان پہنچانے سے گریز کریں گے دوسری بات یہ کہ اگر لالچ میں آ گئے تو ان لوگوں کو تلاش کرائیں گے اس طرح ممکن ہے ہم پھر یکجا ہو جائیں۔ مشترکہ طور پر ہمارے ساتھ جو کچھ بھی ہو بہتر ہے ورنہ زندہ بچ جانے والے ہمیشہ کرب کا شکار رہیں گے آپ یوں سمجھیں کہ جس طرح شروک' پروفیسر حاتم فریدی کے جال میں پھنس کر خزانے کے لالچ میں ہمارا دوست بن گیا ہے بالکل یہی کوشش ان سندھانیوں کے ساتھ کی جائے۔ خوش قسمتی سے ان میں ایک ایسا شخص بھی موجود ہے جو ہماری زبان بھی سمجھتا ہے۔''

چرن گپتا کی یہ بات قابل غور تھی چند لمحات بعد شہباز نے کہا۔

''ہاں اچھی تجویز ہے بشرطیکہ ہمیں اس کا موقع ملے۔''

''شروک کو کنٹرول کرنا ضروری ہے کہیں وہ دیوانگی میں کوئی حماقت نہ کر بیٹھے!'' حاتم فریدی نے کہا۔

''میں اس سے بات کرتا ہوں'' شہباز نے کہا اور پھر اٹھ کر شروک کے پاس جا بیٹھا۔

''تم بہت پریشان نظر آ رہے ہو شروک؟''

شروک نے آنکھیں کھول دیں غصیلی نظروں سے شہباز کو گھورتا رہا پھر بولا۔

''تم خوش ہو؟''

''یہ سب کچھ غیر معمولی نہیں ہے سندھانیے ہمارا تعاقب کر رہے تھے اور ہم اس کے لئے تیار تھے کہ کسی بھی وقت ان کے قیدی بن جائیں ہم ان سے مقابلہ کرتے رہے ہیں لیکن اس کے لئے بھی تیار تھے کہ کسی بھی وقت ان کے ہاتھوں گرفتار ہو جائیں اس صورت میں بھی ہم ان سے تحفظ کے لئے ایک لائحہ عمل رکھتے تھے''

''کیا؟''

''یہ جنگلی ہیں۔ اگر بہت ذہین ہوتے تو ان جنگلوں میں نہ رہتے اس لئے ذرا بھی موقع ملنے پر ہم انہیں شیشے میں اتار سکتے ہیں ہاں اگر کوئی جلد بازی ہو گئی تو پھر اس نقصان کا ازالہ نہ ہو سکے گا۔''

''اوہ نفع نقصان سے پہلے ہی کچھ ہو جائے گا مجھے یقین ہے آہ تمہارے ساتھی بھی کچھ نہ کر کے بظاہر تو یوں لگتا ہے جیسے ہم بھوک سے ہی مر جائیں گے۔ میری کیفیت۔''

اچانک شروک قلقاری مار کر اٹھ بیٹھا شہباز خان نے گردن گھما کر دیکھا بہت سے سندھانی اندر داخل ہو رہے تھے انہوں نے لکڑی کے بنے ہوئے طشت ہاتھوں میں اٹھا رکھے تھے جن پر بھنے ہوئے گوشت کے ٹکڑے رکھے ہوئے تھے ان سے اشتہا انگیز خوشبو اٹھ رہی تھی چند طشتوں میں جنگلی پھل بھی نظر آ رہے تھے مٹی کے بہت سے برتنوں میں دودھ تھا۔ شروک کے دوسرے ساتھیوں میں بھی زندگی کی لہر دوڑ گئی اور وہ ندیدوں کی طرح ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگے یہ چیزیں ان کے سامنے رکھ دی گئیں اور شروک کے ساتھی ان پر ٹوٹ پڑے۔

''اوہ کتو' جانورو انسان بنو' دوسرے لوگ بھی ہیں پیچھے ہٹو ورنہ ایک ایک کو گولی مار دوں گا سوری شہباز۔ سوری فرینڈز یہ کئی روز سے بھوکے رہ کر پاگل ہو چکے ہیں لو تم بھی گوشت لو۔''

''ہم صرف پھل لیں گے شروک' کیوں پروفیسر' کیوں چرن؟''

''بالکل پتہ نہیں کہ کون سے جانور کا گوشت ہے۔''

''جیسی تمہاری مرضی۔''

''شروک بولا ویسے بھی شروک کے ساتھیوں نے پھلوں پر توجہ نہیں دی تھی چناں چہ ان لوگوں نے پھل اور دودھ استعمال کیا۔ وہ یہاں بھینسیں دیکھ چکے تھے اس لئے دودھ پینے میں کسی کو عار نہ ہوا شکم سیر ہونے کے بعد شروک بھی چست نظر آنے لگا تھا۔''

شام ہونے لگی تھی اور اس کے ساتھ ہی خنک ہوائیں چلنا شروع ہو گئی تھیں جو رات کو کافی سرد ہو گئیں موسم اتنا سرد کہیں نہیں محسوس ہوا تھا ان لوگوں کو اس سرد موسم سے کافی پریشانی ہوئی تھی کسی نہ کسی طور پر صبح ہو گئی سورج کے ساتھ موسم بدل گیا تھا ویسے احاطے کے گرد رات بھر سندھانیوں کا پہرہ رہا تھا صبح کو انہیں باقاعدہ ناشتہ دیا گیا تھا جو پھلوں وغیرہ پر مشتمل تھا۔ دن کو گیارہ بجے انہیں وہی نوجوان نظر آیا جو تعلیم یافتہ تھا اس کے ساتھ بہت سے مسلح سندھانی تھے ان سب کو احاطے سے باہر آنے کا اشارہ کیا گیا تھا۔ تعلیم یافتہ سندھانی نے کہا کہ کیا تم لوگ سندھانی بستی دیکھنا چاہتے ہو؟

''ہم تمہارے قیدی ہیں اس لئے تم سے کسی خواہش کا اظہار بے معنی ہے ہمارے لئے'' شہباز خان نے کہا۔

''تم ہمارے دشمن ہو تم نے ہمارے بہت سے ساتھیوں کو ہلاک اور بہت سوں کو زخمی کیا ہے اس کے بعد کیا ہم تمہیں دوست سمجھ سکتے ہیں آؤ سردار تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔''

سب لوگ خاموشی سے ان کے نرغے میں چل پڑے۔ راستے میں شروک نے شہباز سے کہا۔

''تم نے مجھے لیڈر بنایا ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ لیڈر کی حیثیت سے تم سردار سے گفتگو کرو تم جو کچھ اس سے کہو گے وہ میری نمائندگی ہو گی اور ہم تم سے انحراف نہیں کریں گے۔''

''جیسا تم پسند کرو شروک۔'' شہباز نے کہا۔

''اور پھر اس وقت لیڈر کوئی نہیں ہم سب قیدی ہیں۔''

''نہیں ڈیئر شروک تم بہرحال ہمارے لیڈر ہو ان حالات سے بہرحال ہمیں نجات مل جائے گی اس کے بعد ہم تمہاری ہی رہنمائی میں کام کریں گے۔'''' شہباز خان نے کہا۔

پروفیسر حاتم فریدی یا چرن گپتا کو شہباز کے اس انداز میں گفتگو کرنے پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ وہ جانتے تھے کہ شہباز بے حد ذہین اور موقع شناس ہے شروک کے مزاج کو وہ سمجھ چکا ہے اور جانتا تھا کہ کس طرح ان حالات سے نمٹا جا سکتا ہے۔ البتہ شروک نے کسی قدر جھنجلائے ہوئے انداز میں کہا۔

''نہ جانے تم اس قدر پرامید کیوں ہو۔''

''یہ میرا مذہب ہے ڈیئر شروک جب حالات ہمارے قابو سے باہر ہو جاتے ہیں اور ہم خود کچھ

کرنے کے قابل نہیں رہتے تو ہمارے چہرے آسمانوں کی جانب اٹھ جاتے ہیں اور ہم اپنی الجھن اس کے سپرد کر دیتے ہیں جو ہمارا تخلیق کنندہ ہے اور جس نے ہم سے کہا ہے کہ مایوسی گناہ ہے۔"

"او ہو ان حالات میں بھی تم مذہب کی ٹانگ پکڑے ہوئے ہو۔"

شروک نے کہا اور شہباز خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں شروک مذہب ہمارا سہارا ہوتا ہے بہتر ہے تم اس موضوع پر گفتگو نہ کرو۔"

شروک ہونٹ سکوڑ کر خاموش ہو گیا تھا سندھانی بستی ان کی نگاہوں کے سامنے تھی چھوٹے بچے نظر آ رہے تھے اور کہیں کہیں عورتیں بھی جن میں نوجوان لڑکیاں بھی تھیں بوڑھی عورتیں بھی تھیں لیکن ایک بات ان لوگوں نے محسوس کی وہ سب کے سب پر وقار تھے نوجوان لڑکیوں کی آنکھوں میں چھچھورا پن نہیں تھا وہ سادہ نگاہوں سے قیدیوں کو دیکھتیں اور نظر انداز کر کے آگے بڑھ جاتیں شہباز خان گہری نگاہوں سے اس ماحول کا جائزہ لیتا ہوا آگے بڑھتا رہا سندھانی نوجوان ان کی رہنمائی کر رہا تھا بستی کافی وسیع و عریض تھی ان کا سفر بالآخر ایک ایسی جگہ ختم ہوا جہاں ایک اور بہت بڑا احاطہ پھیلا ہوا تھا سندھانی نوجوان نے انہیں اس احاطے کے دروازے سے اندر جانے کا اشارہ کیا اب یہ تو اندر جا کر ہی معلوم ہو سکتا تھا کہ دوسری سمت کیا ہے اور ان کی تقدیر ان کے مستقبل کے بارے میں کیا فیصلہ کیے ہوئے ہے احاطے میں ایک عجیب سی کیفیت نظر آئی جگہ جگہ بانسوں پر چھتیں لگا دی گئی تھی احاطہ کافی وسیع و عریض تھا اور بہت دور تک پھیلا ہوا تھا ان چھتوں کے نیچے سندھانی نظر آ رہے تھے لیکن جو انوکھا منظر ان کی آنکھوں کے سامنے آیا وہ بڑا تعجب خیز تھا چھتوں کے نیچے زمین پر گھاس بچھی ہوئی تھی اور اس گھاس پر زخمی سندھانی نوجوان پڑے نظر آ رہے تھے ان کے معالج ان کا علاج کر رہے تھے گویا یہ اسپتال تھا جس کی تصدیق ساتھ آنے والے سندھانی نوجوان نے کر دی تھی وہ کہنے لگا۔

"یہ ہماری علاج گاہ ہے اور تمہیں یہ طریقہ علاج دیکھ کر یقیناً حیرت ہوگی کیونکہ میں تمہاری دنیا کا طریقہ علاج دیکھ چکا ہوں آؤ تمہیں دکھاؤں کہ ہم لوگ اپنے زخموں کا علاج کس طرح کرتے ہیں۔"

سندھانی نوجوان کی رہنمائی میں یہ لوگ ایک چھت کے نیچے پہنچے یہاں ایک ایسا سندھانی نوجوان موجود تھا جس کی آنکھ کی جگہ ایک گہرا غار نظر آ رہا تھا اس کی آنکھ ضائع ہو گئی تھی لیکن اس غار پر کوئی دوا وغیرہ نہیں رکھی گئی تھی بلکہ ایک بوڑھا سندھانی آنکھ کے گوشے صاف کر رہا تھا پھر آہستہ آہستہ اس نے اپنے ہاتھوں کو دھو کر اپنی ایک انگلی آنکھ کے اس غار میں داخل کر دی شروک نے منہ بنا کر رخ تبدیل کر لیا تھا۔

لیکن شہباز خان اور دوسرے لوگ بغور اس طریقہ علاج کو دیکھ رہے تھے سندھانی زخمی نوجوان ہوش میں تھا لیکن بالکل پر سکون۔ غالباً اس کی آنکھ کا یہ زخم سن کر دیا گیا تھا پھر وہ آنکھ کے اس غار سے چھوٹے چھوٹے گوشت کے ٹکڑے نکالنے لگا جنہیں وہ انتہائی احتیاط سے لکڑی کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے پر رکھتا جا رہا تھا قریب ہی ایک بھورے رنگ کا سیال رکھا ہوا تھا جسے بار بار وہ آنکھ پر ٹپکا دیتا تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنے کام سے فارغ ہو گیا اور اس نے لکڑی کا وہ گول ٹکڑا اپنے ایک ساتھی کی جانب بڑھا دیا۔ سندھانی نوجوان وہاں سے آگے بڑھ گیا تھا۔ ایک اور چھت کے نیچے ایک ایسا شخص نظر آیا جس کا داہنا پاؤں ران کے پاس سے کاٹ دیا گیا تھا سندھانی نوجوان نے کہا۔

"اس کی ایک ٹانگ تمہاری چلائی ہوئی گولیوں سے چھلنی ہو گئی تھی اور اس قابل نہیں تھی کہ وہ جسم پر موجود رہے چنانچہ اسے کاٹ دیا گیا اور اب اس کی جگہ نئی ٹانگ لگا دی جائے گی۔"

"کیا تم لوگ اس طریقہ علاج میں کامیاب ہو؟" شہباز خان نے بے اختیار پوچھا۔

"صدیوں سے ہمارے ہاں یہی طریقہ علاج رائج ہے اور تمہارے ہاں کے طریقہ علاج سے کہیں زیادہ کامیاب ہے"

"گویا دوسری ٹانگ اس کے جسم سے منسلک کر کے تم اسے دوبارہ چلنے پھرنے کے قابل بنا سکتے ہو" شہباز خان نے پوچھا اور سندھانی نوجوان ہنس پڑا۔ پھر بولا۔

"نہ صرف چلنے پھرنے کے قابل بلکہ یہ معمول کی زندگی گزارے گا اور بالکل پہلے کی مانند ہو گا۔"

شہباز خان نے تحسین آمیز انداز میں گردن ہلائی اور وہ سندھانی نوجوان کے ساتھ وہاں سے آگے بڑھ گئے انہوں نے بہت سے سندھانی نوجوانوں کو دیکھا اور اس عجیب طریقہ علاج پر انگشت بدنداں رہ گئے۔

"تمہاری جدید سائنس کی عمر ہی کیا ہے انسان تو اربوں سال سے جی رہا ہے اور تم سے بہتر انداز میں جیتا رہا ہے تم اپنے آج کے طریقے کو موثر کہتے ہو یہ سب کچھ وہ ہے جو صدیوں سے کام آتا رہا ہے۔"

"میں کہتا ہوں ان تمام فضولیات سے ہمارا کیا تعلق ہے ہمیں یہ سب کچھ کیوں دکھایا جا رہا ہے؟"

شروک چیخ کر بولا اور نوجوان نے گردن ہلا کر اس کی طرف دیکھا اور پھر مسکرا کر بولا......

"تعلق ہے مسٹر...... ان سب کو جو نقصان پہنچا ہے اسے تم پورا کرو گے جس کی آنکھ ضائع ہوئی ہے اسے تمہاری آنکھ درکار ہے جس کے پاؤں ضائع ہوئے ہیں اسے تمہارے پاؤں۔"

❤......❤......❤

سنہری روشنی کے اترنے کا انداز عجیب تھا لیکن چند ہی لمحات کے بعد روشنی کی لاتعداد شعاعیں چھت سے نیچے اتر آئیں تب کرنل کی سمجھ میں صورتحال آسکی ان طلسمی غاروں سے اوپر چاند نکل آیا تھا اور بلندیوں کے سوراخ سے اس کی شعاعیں اندر آ گئی تھیں عظیم الشان غاروں کا یہ سلسلہ روشن ہوا تو یہاں کا منظر اجاگر ہو گیا روشنی کی پہلی کرن کے ساتھ ہی جھنجھناہٹوں کی آوازیں بند ہو گئیں انہیں بے شمار انسانی بدن نظر آئے جو ان غاروں میں جگہ جگہ سجدہ ریز تھے پھر ایک گونجدار آواز ابھری۔

"ترورا شوریا آبونا کے۔ ترورا شوریا آبونا کے" آواز بے حد ہولناک تھی کرنل نے گہری سانس لی اور آہستہ سے بولا۔

"اس کا کیا مطلب ہوا؟" اس نے یہ سوال خود سے کیا تھا لیکن الاکشا فوراً بول اٹھی۔

"وہ کہہ رہا ہے چاند کے پجاریو اٹھ جاؤ دیوتا کے درشن کرو وہ ہمارے درمیان آ گیا ہے" کرنل نے چونک کر الاکشا کو دیکھا اور ایک بار پھر کانپ کر رہ گیا الاکشا کا چہرہ بھی چاندی کی طرح دمک رہا تھا اس کی آنکھیں ننھے منے قمقموں کی مانند روشن تھیں اور ان میں سیاہ پتلیوں کا کوئی نشان نہیں تھا کرنل سہم کر رہ گیا تھا اس طلسمی دنیا میں اسے اپنا وجود بہت ہلکا لگ رہا تھا اسے احساس ہو رہا تھا کہ وہ کچھ بھی نہیں ہے اور اس احساس نے اس کے جسم پر منوں وزن لاد دیا اس کے اعصاب ساتھ چھوڑتے جا رہے تھے۔

رفتہ رفتہ سجدہ کرنے والے آٹھ کھڑے ہوئے یہ بلند و بالا قد کے قوی ہیکل مرد تھے جن کے جسموں پر برائے نام لباس تھے اور یہ لباس بھی بس پتوں یا کھالوں کے بنے ہوئے تھے غاروں کے اس وسیع و عریض طلسم کدے میں چاندنی نے بھی کمال کر دکھایا تھا یوں لگتا تھا جیسے چھت کے سوراخوں کا یہ نظام خصوصی طور پر قائم کیا گیا ہے غار کا گوشہ گوشہ بقعہ نور بن گیا تھا دیواروں میں غاروں کے دوسرے چھوٹے چھوٹے دہانے نظر آ رہے تھے پھر ایک ایسے چھوٹے دہانے سے ایک اور شخص نمودار ہوا اس کے بدن پر سیاہ رنگ کا ڈھیلا ڈھالا لباس تھا وہ بہت آہستہ آہستہ چلتا ہوا ان کے قریب آنے لگا اور اچانک کرنل کے ذہن میں چھناکا سا ہوا۔

اس نے اس شخص کو پہچان لیا تھا یہ انہی دونوں بوڑھوں میں سے ایک تھا جو انہیں جنگلوں میں ملے تھے اور جن میں سے ایک کو الانکشاہ نے قتل کر دیا تھا۔ اس وقت یہ بوڑھے نابینا نظر آتے تھے۔ لیکن اس وقت بوڑھے کی دونوں آنکھیں چراغ کی مانند روشن تھیں۔

دفعتہً الانکشاہ کے حلق سے ایک طویل آواز نکلی ایک مسلسل آواز جو بھیڑیے کے رونے کی آواز سے مشابہ تھی ساتھ ہی بوڑھے کے حلق سے ایک شیطانی قہقہہ بلند ہوا۔

"زورار تیرا...... زورار تیرا" اس نے کسی قدر طنزیہ انداز میں کہا اور الانکشا خاموش ہو گئی اسی وقت چھ آدمی غار میں سے نکلے ان کے ہاتھوں میں آبدار کھانڈے تھے۔ وہ بہت خونخوار نظر آ رہے تھے کھانڈے ہاتھوں میں سنبھالے وہ ان دونوں کے گرد آ کھڑے ہوئے بوڑھے نے پھر الانکشاہ سے کچھ کہا تھا۔ الانکشا نے نفرت سے گردن جھٹکی اور پھر آہستہ قدموں سے آگے بڑھنے لگی۔ کرنل سکتے کے عالم میں کھڑا رہ گیا تھا لیکن عقب سے کسی نے اسے دھکا دیا اور وہ گرتے گرتے بچا۔ ایک کھانڈے بردار نے اسے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا تھا کرنل خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ الانکشا سینہ تانے پروقار انداز میں چل رہی تھی کھانڈے برداروں کا رخ ایک دہانے کی طرف تھا اور وہ انہیں اسی طرف لے جا رہے تھے غار کے اس دہانے کے پاس پہنچ کر رک گئے اور انہوں نے دونوں کو اندر جانے کا اشارہ کیا الانکشا خاموشی سے آگے بڑھ گئی اندر گہری تاریکی تھی لیکن دہانے سے اندر قدم رکھ کر کرنل کو ایک عجیب سا احساس ہوا نیچے پتھریلی زمین نہیں تھی بلکہ یہ لکڑی کا فرش معلوم ہوتا تھا۔

مدھم مدھم روشنی یہاں بھی آ رہی تھی لیکن دوسرے لمحے باہر سے ایک آواز ابھری اور اندر گہری تاریکی پھیل گئی غالباً دہانے پر کوئی چٹانی دروازہ بند کر دیا گیا تھا غالباً یہ ان کا قید خانہ تھا ابھی کرنل کوئی فیصلہ نہ کر پایا تھا۔ کہ نیچے سے اچانک زمین ہلنے لگی۔ ایک چڑچڑاہٹ سی ابھری تھی اور انہیں نیچے کے چوبی تختے آگے کی سمت سرکتے محسوس ہوئے تھے کرنل نے بے اختیار الانکشاہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔

الانکشا خود بھی بری طرح لڑکھڑائی تھی۔ کرنل ایک ہاتھ سے الانکشا کو سنبھالے ہوئے تھے دوسرا ہاتھ اندھیرے میں کوئی سہارا ٹٹولنے لگا کوئی شے اس کے ہاتھ میں آ گئی تھی۔ یہ ایک سخت اور کھردری لکڑی کا ٹکڑا تھا جسے اس نے مضبوطی سے پکڑ لیا قید خانے کی حد تک کوئی بات نہیں تھی اس کے امکانات ہو سکتے تھے لیکن فرش کا اپنی جگہ چھوڑ دینا ناقابل فہم تھا اس کے بعد کوئی بھی وحشت ناک صورتحال پیش آ سکتی تھی۔

کرنل بے اختیار اس سمت کھسکنے لگا جدھر سے وہ اس قید خانے میں داخل ہوئے تھے لیکن دو قدم چل کر ہی اسے احساس ہوا کہ ادھر بھی کوئی رکاوٹ کھڑی ہو گئی ہے زمین کی جنبش اب صرف جنبش نہ رہی تھی بلکہ اس کی رفتار تیز ہو گئی تھی بس یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی سواری پر کھڑے ہوں اور وہ آگے بڑھ رہی ہو کوئی انتہائی اقدام جان لیوا بھی ثابت ہو سکتا تھا اس لئے کرنل ساکت ہو گیا لیکن اس کا دل کنپٹیوں میں دھڑک رہا تھا اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کچھ ہو جائے گا کوئی خطرناک عمل...... الانکشاہ بالکل خاموش تھی۔

چوبی فرش مسلسل آگے بڑھتا رہا یہ جگہ بھی عجیب تھی غالباً کوئی سرنگ...... لیکن اچانک ہی انہیں ایک سمت روشنی نظر آئی جدھر اس انوکھی سواری کا رخ تھا پھر ایک دم کرنل کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی آواز نکل گئی۔

دوڑتا ہوا فرش چھت سے بے نیاز ہو گیا تھا اور دونوں چاندنی میں نہا گئے تھے کرنل نے سہمی ہوئی نظروں سے آسمان پر کھلے چاند کو دیکھا پھر اطراف میں نظریں دوڑائیں چاندنی میں لپٹی پہاڑیاں تاحد نگاہ نظر آ رہی تھیں۔ چھت پر بے کراں آسمان پراسرار ستاروں سے مزین تھا۔ آخر میں اس نے اس جگہ کو دیکھا جہاں وہ کھڑے ہوئے تھے ناہموار تختوں کو جوڑ کر ایک کٹہرہ سا بنایا گیا تھا۔ جس کی لکڑی سالخوردہ تھی اور تھوڑی سی قوت لگانے سے ٹوٹ سکتی تھی اطراف کی رکاوٹیں بھی لکڑی اور درختوں کی چھالوں سے بنے ہوئے رسوں کی تھیں۔

لیکن جس منظر نے کرنل کا سانس بند کر دیا تھا۔ وہ نیچے کا منظر تھا چاندنی کی دھند میں نیچے ناقابل یقین گہرائیاں نظر آ رہی تھیں۔ وہ زمین سے سینکڑوں فٹ اوپر خلاء میں سفر کر رہے تھے اور یہ سفر ناپائیدار تختوں سے بنے ہوئے ایک کٹہرے میں طے کیا جا رہا تھا۔ کرنل نے آنکھیں بند کر لیں گہرائیاں دیکھ کر چکر بھی آ سکتا تھا اور اس کے بعد......

الانکشا یا تو ذہنی عدم توازن کا شکار تھی یا پھر دہشت زدہ...... کیونکہ اس نے کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا تھا۔ کرنل کا سانس پھولتا رہا پھر اس نے ہمت کر کے دوبارہ آنکھیں کھولیں وہ اس تخت سلیمان کی پرواز کا طریقہ جاننا چاہتا تھا اس کی نظریں چاندنی میں گھورنے لگیں وہ پہاڑیاں کوئی سو گز پیچھے رہ گئی تھیں جس کے سوراخ سے نکل کر یہ کٹہرہ باہر آیا تھا چار رسیاں چل رہی تھیں جن میں دو اوپر تھیں دو نیچے اور ان کا یہ عمل یقیناً انسانی ہاتھوں کا رہین منت تھا کسی چرخی کے ذریعے انہیں ان کٹہرے میں ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا جا رہا تھا کرنل کو وہ چڑچڑاہٹ بھی یاد آ گئی جو فرش کھسکنے سے صرف ایک لمحہ قبل سنائی دی تھی۔

اور اس کے بعد یہ فرش چل پڑا تھا بھوری پہاڑیوں میں وہ سیاہ دھبہ بہت بھیانک نظر آ رہا تھا جس سے یہ رسیاں باہر نکلی تھیں کرنل کی گردن گھوم گئی اب وہ دوسری سمت دیکھ رہا تھا جہاں انہیں جانا تھا ادھر بھی اتنی ہی بلند و بالا پہاڑیاں تھیں جتنی یہاں تھیں لیکن ان کا فاصلہ بے پناہ تھا اس طویل و عریض وادی میں کٹہرہ سست روی سے سفر طے کر رہا تھا پھر کرنل کو ایک اور وحشت ناک صورتحال کا سامنا کرنا پڑا۔ وادی کے عین درمیان پہنچ کر کٹہرہ رک گیا۔ اس کے رکتے ہی یوں محسوس ہوا جیسے کائنات ساکت ہو گئی ہو۔ اس کے کان بری طرح سنسنا رہے تھے۔ یہاں اچھی خاصی سردی تھی لیکن کرنل کا بدن پسینے سے تر ہو رہا تھا اور تھوڑی دیر بعد سرد ہوائیں پسینے سے بھیگے بدن میں برچھیوں کی طرح چبھنے لگیں۔

کرنل کے بدن میں کپکپاہٹ طاری ہونے لگی۔ جو خوف اور سردی کا مشترکہ نتیجہ تھی اس کا کلیجہ

جیسے منہ کو آ رہا تھا۔ بدن اس جھٹکے کے لئے تیار تھا جو دوبارہ سفر شروع ہونے سے لگنے والا تھا اور یہ انتظار جان لیوا تھا لیکن جب کئی منٹ اس طرح گزر گئے تو ایک دوسرے تصور نے رہی سہی جان نکال دی کٹہرے کا بیچ میں رک جانا بے معنی نہیں تھا وہ اس خلاء کے قیدی ہیں یقیناً انہیں خلاء میں معلق کر کے قید کر دیا گیا ہے تو کیا۔ کیا......؟

آہ...... یہ ایک خوف ناک کوشش تھی انہیں شاید خوف ہوگا کہ کہیں غاروں میں وہ کوئی کارروائی نہ کر ڈالیں حالانکہ اس کا کیا سوال تھا کم از کم کرنل تو یہاں آ کر کچھ کرنے کے قابل نہ رہا تھا۔ وہ تو کچھ بھی نہیں پایا تھا۔ الانشاء نے پراسرار طور پر وہ کشتی تلاش کی تھی اور سفر شروع کیا تھا لیکن اس سفر کا یہ انجام...... لمحے دھمک بن کر گزر رہے تھے ہوائیں اس جھولے کو ہلکورے دے رہی تھیں اور خود کو سنبھالنے کے لئے بار بار اس میں لگی ہوئی لکڑیاں پکڑنی پڑ رہی تھیں کھڑے کھڑے پاؤں شل ہو گئے تو کرنل نے الانشاء سے کہا۔

"بیٹھ جاؤ الانشاء"

اور الانشاء چونک پڑی اس نے ویران نظروں سے کرنل کو دیکھا اور تھکے تھکے انداز میں بیٹھ گئی کرنل بھی اس کے پاس بیٹھ گیا تھا۔

"تمہیں پہلے اس کا خدشہ نہیں تھا؟" کرنل نے سوال کیا۔

"کس کا؟" الانشا کھوئے کھوئے لہجے میں بولی۔

"یہ لوگ تمہارے دشمن ہیں؟"

"میں...... میں نہیں جانتی" الانشاء نے جواب دیا اور کرنل کے دل میں جھنجلاہٹ بیدار ہو گئی اگر کچھ نہیں جانتی تھی وہ تو پھر کشتی میں بیٹھ کر سفر کیوں شروع کر دیا تھا لیکن چند لمحات کے بعد وہ نارمل ہو گیا۔ اسے الانشاء کے الفاظ یاد آ گئے تھے اور یہ سچائی بھی تھی کہ کچھ پراسرار قوتیں اس کے ذہن کو کریدتی تھیں اور وہ بول پڑتی تھی۔ جب کہ اس کا بچپن تو اسی دنیا میں گزرا تھا وہ خود اپنی اس کیفیت پر پریشان تھی اس پر جھنجلاہٹ بے کار ہے۔

"ان واقعات کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟" اس نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا انکل۔"

"تمہیں اس کشتی کے بارے میں کیسے معلوم ہوا؟"

"بس مجھے یاد آیا تھا وہ کشتی واپسی کے لئے وہاں پوشیدہ کی گئی تھی۔ مجھ سے کہا گیا تھا کہ جب میں واپس آؤں گی تو یہ کشتی میرے سفر میں معاون ثابت ہو گی مجھے یہ جگہ یاد تھی۔

"کیا تمہیں معلوم نہیں تھا کہ اس کشتی کے ذریعہ سفر کر کے ہم کہاں پہنچیں گے۔"

"نہیں"

"ہوں" کرنل ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا اور پھر خاموشی طاری ہو گئی۔

یہ رات کرنل کے لئے اپنی زندگی کی طویل ترین رات ثابت ہوئی صبح ہی نہ ہو پا رہی تھی تیز ہواؤں نے رگوں میں خون منجمد کر دیا تھا غلطی سے بھی نیچے نگاہ چلی جاتی تو دل بیٹھنے لگتا تھا صبح کے وقت گاڑھی

دھند نیچے اترنے لگی اور ماحول نظروں سے روپوش ہو گیا پھر اجالا پھیل گیا سردی اب بھی کافی شدید تھی جوں جوں روشنی پھیلتی جا رہی تھی منظر دھند کی آغوش سے برآمد ہو رہے تھے یہاں تک کہ سورج نکل آیا الانشا نڈھال تھی کرنل نے اس کا چہرہ دیکھا اور اس کے دل میں ثمران جاگ گیا یہ ثمران کی محبت ہے اس کی بیوی ہے "...... میرا ثمران زندہ ہے...... اور...... اور الانشا مجھے اس کے حوالے کرنی ہے۔"

"الانشا" اس نے پیار سے الانشا کو پکارا۔

"جی انکل......؟"

"سردی لگ رہی ہے؟"

"نہیں"

"پریشان ہو؟"

"ہاں...... انکل اب کیا ہو گا؟"

"تم نے اس بوڑھے شخص کو پہچان لیا جس کے ایک ساتھی کو تم نے ہلاک کر دیا تھا۔"

"ہاں وہ جوالا تھا...... میرا دشمن...... ایک جوالا کو میں نے مار دیا تھا وہ مجھ سے کے بون لینا چاہتا تھا۔ میں نے اسے مار دیا اور دنگل میں دوسرے جوالے کو بھی ماروں گی اس کی موت ضروری ہے وہ بھی کے بون ہیں وہ دونوں کے بون تھے جس طرح کے بون مجھے روشن راستے دکھاتے ہیں اسی طرح ان کی تاریک آنکھیں ہمارے دشمنوں کے بارے میں بتاتی ہیں جو کچھ وہ دیکھتے ہیں اسکے دماغوں کے ذریعے دوسری جگہ منتقل ہو جاتا ہے" الانشاء نے بتایا۔

کرنل حیرت سے اس کے یہ انکشافات سن رہا تھا۔ پتہ نہیں یہ سب کچھ کیا تھا الانشا کے انکشافات حیرت انگیز ہوتے تھے لیکن وہ خود کچھ نہیں تھی۔ عجیب شخصیت تھی اس کی لیکن وہ سب کچھ تو بتا چکی تھی اس کے بعد کرنل اس سے اور کیا سوال کرتا اس نے ایک بار پھر اس خون منجمد کرنے والے ماحول کو دیکھا۔ واقعی اب کیا ہو گا وہ لوگ ان کے بارے میں کیا ارادے رکھتے ہیں یہ اندازہ تو ہو چکا تھا کہ وہ الانشا کے دشمن ہیں۔

وقت گزرتا رہا سورج چڑھنے کے ساتھ ساتھ موسم کچھ بہتر ہونے لگا تھا ماحول واضح ہو چکا تھا نیچے ہولناک گہرائیاں تھیں اور اوپر کھلا آسمان۔ ویسے اگر ان کے لئے یہاں خلائی قید مقرر کر دی گئی ہے تو موت بہت جلد انہیں آ لے گی ایک ہی رات میں بدن چور چور ہو گیا تھا لیکن ایسا نہ ہوا۔ وہ دونوں اس کٹہرے میں بے بس بیٹھے ہوئے تھے اور کرنل آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بار بار بہت دور نظر آنے والی ان پہاڑیوں کو گھورنے لگتا تھا جہاں سے ان کے سفر کا آغاز ہوا تھا۔ اس کی آنکھیں اس تلاش میں تھیں کہ ادھر کوئی تحریک نظر آئے لیکن وہاں خاموشی اور سناٹے کا راج تھا۔

اچانک ہی ان کے جسموں کو ایک جھٹکا سا لگا اور ان کے حلق سے آوازیں نکل گئیں چند لمحات کچھ سمجھ میں نہ آیا لیکن جب یہ جھولے نما شے آگے سرکنے لگی تو انہیں احساس ہوا کہ ان کے سفر کا دوسرا دور شروع ہوا ہے وہ دوسری جانب ہی سرک رہے تھے یعنی انہیں ان کی جگہ سے آگے بڑھایا جا رہا تھا کرنل نے الانشا کی طرف دیکھا وہ سہمی ہوئی بیٹھی تھی اس وقت وہ صرف ایک عام لڑکی لگ رہی تھی کرنل کی نگاہیں ان پہاڑیوں کی

طرف اٹھ گئیں جدھر یہ جا رہے تھے وہاں بھی کوئی انسانی وجود نظر نہیں آ رہا تھا۔ جھولا معمول کے مطابق آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا اور پھر وہ وقت بھی آ گیا جب وہ ان ہیبت ناک پہاڑیوں کے بالکل قریب پہنچ چکے تھے ویسا ہی ایک سوراخ ان پہاڑیوں میں بھی نظر آ رہا تھا جیسے سوراخ سے نکل کر یہ جھولا یہاں تک پہنچا تھا۔ بالآخر جھولا پہاڑی چٹانوں میں داخل ہو گیا اور باہر کی کھلی فضا کے بعد اس تنگ و تاریک سوراخ میں داخل ہو کر کرنل کو ایسا محسوس ہوا جیسے سخت سردی میں بدن کے کھلے ہوئے حصوں پر لحاف اوڑھ لیا گیا ہو۔ یہاں کا موسم معتدل تھا اور جس سرنگ میں یہ جھولا سفر کر رہا تھا وہ بھی زیادہ طویل ثابت نہ ہوئی چند ہی لمحوں کے بعد وہ پھر کھلی جگہ نکل آئے۔ یہ جگہ ایک چوڑی اور مسطح چٹان کی شکل میں تھی اور بہت دور تک میدان کی شکل میں پھیلی چلی گئی تھی وہاں انہیں بھورے رنگوں کے لوگ نظر آئے جو دوسری طرف نظر آنے والے لوگوں سے مختلف نہیں تھے یہ سب مستعد کھڑے ہوئے تھے جھولا رک گیا ادھر بھی وہ چرخیاں لگی ہوئی تھیں جو بھدی اور موٹی لکڑی کی بنی ہوئی تھیں اور چار آدمی ان چرخیوں کو گھما رہے تھے جن کی مدد سے جھولا یہاں تک آیا تھا۔ انہوں نے اپنا کام ختم کر دیا اور جھولا رک گیا اور اس کے بعد انہیں جھولے سے باہر آنے کے لئے کہا گیا۔

کرنل نے ان کے احکامات کی پابندی ضروری سمجھی تھی چنانچہ اس نے الانشاء کو سہارا دیا اور دونوں جھولے سے اتر کر نیچے آ گئے لیکن اچانک ہی الانشاء پر پتلی پتلی رسیوں کی کمندیں پھینکی گئیں اور پھندے اس کے جسم پر جگہ جگہ کس گئے یہ عمل کرنل کے ساتھ نہیں دہرایا گیا تھا انہوں نے صرف الانشا کو اپنا قیدی بنایا تھا کرنل کی رگ و پے میں چنگاریاں بھر گئیں الانشا کے ساتھ یہ سلوک اس کے لئے ناقابل برداشت تھا وہ غراتا ہوا آگے بڑھا۔

اور اس نے قریب کھڑے ہوئے ایک شخص پر حملہ کر دیا۔ اس نے اس شخص کو اٹھا کر زمین پر دے پٹخا اور اس کا وہ نیزہ چھین لیا جو اس کے ہاتھ میں موجود تھا۔ نیزے کی تیز دھار والی انی سے اس نے رسیوں پر وار کیا اور بڑی مہارت سے وہ رسیاں کاٹ دیں لیکن پھر چاروں طرف کھڑے ہوئے وحشی کرنل کی جانب لپکے ان کے حلق سے غضیلی آوازیں نکل رہی تھیں۔ کرنل نے نیزہ سنبھال لیا اور مقابلے کے لئے تیار ہو گیا۔

وحشی جوں ہی اس پر حملہ آور ہوئے کرنل نے ان میں سے ایک کے سینے پر وار کیا اور نیزہ وحشی کے سینے میں پیوست ہو گیا۔ لیکن عقب سے دوسرے وحشی نے لاٹھی ہی کی طرح نیزے سے وار کیا اور کرنل کی گردن پر لاٹھی پڑی کرنل کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ نیزہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اس نے پلٹ کر حملہ کرنے والے وحشی کو دیکھا وحشی دوسرا وار کر رہا تھا کہ کرنل نے اس کی لاٹھی کو ہاتھوں پر روکا اور پھر اس پر گرفت کر کے اس وحشی کو بھی اٹھا کر زمین پر پٹخا لیکن اس کے ساتھ ہی بہت سے وحشیوں نے اس پر چھلانگ لگائی اور کرنل کو دبوچ لیا اسے زمین پر لٹا کر بری طرح رگیدا جانے لگا اور کرنل اپنے ہوش و حواس پر قابو نہ رکھ سکا۔ گردن کی ضرب نے ہی اسے چکرا دیا تھا اور اس کے بعد پے در پے حملوں سے اس کی آنکھوں میں سیاہی کی چادر رینگ گئی اور چند ہی لمحے بعد وہ ہوش و حواس سے بیگانہ ہو گیا۔

♥......♥......♥

لڑکی نے نمران کو دیکھ کر کسی خاص کیفیت کا اظہار نہیں کیا تھا اور اسی طرح خاموش بیٹھی بیزار کن

کے انداز میں دوسری طرف دیکھتی رہی۔

"ہیلو سنگ زادی" نمران نے اسے پکارا اور وہ گردن گھما کر نمران کو گھورنے لگی اس کے چہرے پر غصے کے آثار تھے پھر اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"تم میرا مذاق اڑا رہے ہو۔"

"اوہ...... نہیں بلکہ میں حیران ہوں کہ اس وقت کسی واڑے کے بغیر تمہارے الفاظ میری سمجھ میں آ رہے ہیں" نمران نے مسکراتے ہوئے کہا وہ لڑکی جھلا گئی۔ اس نے شاخ پر پہلو بدلا اور جھکی ہوئی شاخ جو اس کے وزن سے نیچے جھک گئی تھی۔ ہلکی سی جنبش سے اوپر اٹھنے لگی اور لڑکی ایک دم کئی فٹ اوپر اچھل گئی۔ اس کے حلق سے آواز نکلی تھی پھر اس شاخ کو اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیا اور لٹک کر نیچے کو آئی شاخ اپنی جگہ پہنچ گئی تھی۔ نمران دلچسپ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ لڑکی نے کہا۔

"دیکھو میں اپنی توہین کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتی۔ یہ میری کمزوری ہے۔"

"دیکھو میں اپنی توہین کہاں کر رہا ہوں۔" نمران نے کہا

"تم میرا مذاق اڑا رہے ہو" نمران نے ایک گہری سانس لے کر گردن جھٹکی اور بولا۔

"اور اس سے قبل تم میرے ساتھ کیا کرتی رہی ہو۔ کیا تم وہ راتیں مجھے بے وقوف نہیں بناتی رہیں میں نے تو تمہارے مذاق کا برا نہیں مانا"

"جیولن کتا' جیولن تم لکھ لو اس بات کو کہ اس کی موت میرے ہی ہاتھ آئے گی۔"

"اس وقت جیولن ہمارے درمیان کہاں سے آ گیا؟"

"وہی تو آ گیا تھا اور یقیناً اسی نے تمہیں سب کچھ بتایا ہوگا"۔

"خیر چھوڑو...... اچھا مذاق کیا تم نے۔ واقعی ان دو راتوں نے مجھے سحر زدہ کر دیا تھا"

"تم سمجھ نہیں پائے تھے کہ میرا تعلق ان لوگوں سے ہو سکتا ہے۔"

"پہلی بار تم مجھے نظر آئیں تو ان لوگوں کو میں نے دیکھا بھی نہیں تھا اور پھر یہ جنگل اور پہاڑیاں نجانے کیسی کیسی کہانیوں کی مظہر ہیں یہاں کوئی بھی بات ناقابل یقین نہیں محسوس ہوتی۔ میں نے سوچا کہ شاید تم بھی کوئی دریائی مخلوق ہو۔"

وہ ہنس پڑی اور اس کا موڈ تبدیل ہو گیا تھا۔ پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"ویسے میں نے بڑی ذہانت سے پروگرام ترتیب دیا تھا۔ میں تو کئی راتیں تمہارے ساتھ اسی طرح لطف اندوز ہوتی تمہیں کیسی لگ رہی تھی میں اس وقت؟"

"بہت عجیب اور حیرت ناک" نمران نے کہا اور لڑکی کے چہرے پر مسرت کے آثار نمودار ہو گئے نمران اس کا تجزیہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کیا کرتا ان حالات میں کرنے کے لئے کچھ بھی نہیں تھا۔ ایک شدید بیزاری کا شکار تھا۔ ذہن میں پیدا ہونے والے وسوسے' الانشا کی یاد' نامساعد حالات' کسی چیز کا کوئی حل سامنے نہیں تھا اور اس نے یہی فیصلہ کر لیا تھا کہ خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دے۔ جب کوئی عمل سامنے نہیں ہے تو پھر زندگی کے چند لمحات صرف وسوسوں کے درمیان کیوں گزارے جائیں۔ چنانچہ اس لڑکی سے

تھوڑی تفریح ہی سہی لڑکی کہنے لگی:

''میرا نام نورینہ ہے...... پروفیسر زلفی کی بیٹی ہوں ڈیڈی بس یوں کہو کہ میرے باپ ہیں اس لئے میں ان کے بارے میں کوئی برے الفاظ نہیں استعمال کر سکتی شاید تمہیں اس بات کا علم نہ ہو اور نہیں ہوگا کیوں کہ جیولن میرے بارے میں بہت زیادہ نہیں جانتا۔ ہم لوگ اپنے وطن میں اچھی خاصی حیثیت کے مالک ہیں اور وہاں ہماری شاندار رہائش گاہ ہے اور ایک فارم بھی ہے جو بہت وسیع و عریض زمینوں پر پھیلا ہوا ہے بہترین آمدنی ہے۔ ڈیڈی کی اپنی ایک لیبارٹری ہے لیکن ان تمام باتوں کے باوجود وہ خزانوں کے لئے دیوانے ہو گئے ہیں میں کہتی ہوں خزانے انسانی زندگی سے زیادہ قیمتی تو نہیں ہوتے۔ کیا کریں گے وہ ان خزانوں کا لیکن انہوں نے اس کے لالچ میں ایک پر سکون زندگی کھو دی اور اب ان وحشت ناک ویرانوں میں بھٹک رہے ہیں۔ میں جانتی ہوں خود بھی کافی پریشان ہیں۔''

''لیکن تم ان کے ساتھ کیوں چلی آئیں؟''

''بس میری ماں نہیں ہے اور ڈیڈی میرے بہترین دوست بھی رہے ہیں بلکہ یوں کہو کہ میری سب سے گہری دوستی انہی سے ہے۔ انہیں تنہا چھوڑنا میرے بس میں نہیں تھا میں کیا کرتی۔ اتنے دن ضد کر کے چلی آئی لیکن بعد میں احساس ہوا کہ بعض اوقات ضد کتنی حماقت آمیز ہوتی ہے۔ بہر طور اب جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہو چکا...... اس دوران...... جب سے ہم ان جنگلات میں داخل ہوئے ہیں مجھ پر بارہا بیزاری طاری ہوئی ابتداء میں تو یہ ماحول کچھ پسند آیا تھا۔ جنگل کی زندگی میرے لئے اجنبی ہے لیکن مجھے سورج نکلنے سے پہلے یہاں کا منظر بے حد حسین لگتا ہے۔ جب انسانوں کی آبادیوں سے دور ننھے منے پرندے بڑے بڑے جانور اپنے اپنے معمولات کے لئے نکل پڑتے ہیں۔

میں سوچتی ہوں کہ انسانوں کی طرح یہ جاندار بھی رزق کے لئے پریشان رہتے ہیں اور جدوجہد کے بغیر انہیں بھی کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ یہ تجزیہ میرے لئے بہت ہی دل کشی کا باعث تھا۔ لیکن ایک ہی شے کو کب تک دیکھا جائے شام کو اپنے اپنے گھونسلوں میں واپس لوٹنے والے پرندے۔ رات کو ان ویرانوں کو منور کرنے والا چاند، بے شک بے حد خوب صورت لگتا ہے لیکن اب میں ان منظروں سے تنگ آ گئی ہوں۔ مجھے یہ سب کچھ اچھا نہیں لگتا اور یہ لوگ یہ سب کے سب وحشی لگتے ہیں اس سے پہلے ہم شرودک کے ساتھ تھے بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ وہی ان مصیبتوں کا باعث بنا۔

ڈیڈی سے اس کے تعلقات تھے اور اس نے ڈیڈی کو اس کے لئے مجبور کیا تھا کہ ہم ان جنگلات میں آوارہ گردی کریں پھر یہ مسٹر جوزف بھی ہمارے ساتھ شامل ہو گئے۔ پتہ نہیں ڈیڈی کو کیا سوجھی کہ شرودک کو چھوڑ کر وہ ان کے ساتھ چلے آئے۔ میرا آنا بھی ضروری تھا اور اب جوزف واپس جانا چاہتا ہے۔ مجھے تو خیر اختلاف نہیں ہے ظاہر ہے خزانوں کے چکر میں تو میں ویسے بھی نہیں پڑنا چاہتی تھی مجھے کیا کرنا ہے خزانوں کا۔ ویسے تم اس دوسری پارٹی سے تعلق رکھتے ہو ناں جس کے بارے میں بڑی بڑی کہانیاں سننے کو ملتی رہی ہیں' کیا نام ہے تمہارا......؟''

''نمران......'' نمران نے جواب دیا۔

''بہت خوبصورت نام ہے۔ بالکل تم پر جچتا ہے نمران مجھے بہت پسند آئے ہو ایک دوست کو کم از کم ایسا ہی ہونا چاہیے اور وہ جیولن اس کی تو صورت سے ہی مجھے گھن آتی ہے لیکن وہ ہر وقت میرا پیچھا کرتا رہتا ہے۔ مجھے اس سے نفرت ہے بے پناہ نفرت۔ ویسے ڈیئر نمران تم مقامی باشندے ہو نا میرا مطلب ہے تمہارا تعلق اسی ملک سے ہے ناں؟''

''ہاں''

''کیا تمہیں بھی خزانوں سے دلچسپی ہے؟'' نورینہ نے سوال کیا اور نمران کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''ہاں مجھے دل کے خزانے بھاتے ہیں وہ خزانے جو محبتوں سے معمور ہوتے ہیں۔ وہ جو پیار کا درس دیتے ہیں'' نمران نے جواب دیا اور نورینہ کے ہونٹوں پر ایک دل آویز مسکراہٹ پھیل گئی۔

''میں تمہارا مطلب سمجھ رہی ہوں۔ یقیناً میں تم سے پوری طرح متفق ہوں۔ محبت سے زیادہ قیمتی شے اس دنیا میں اور کوئی نہیں ہے تھینکس' ڈیئر مسٹر نمران ویسے اگر تم میری اس شرارت کا برا مانے ہو تو میں تم سے معافی چاہتی ہوں تمہارا ساتھ میرے لئے باعث دل کشی ہے بہت سی باتیں کریں گے ہم لوگ۔ بلکہ یوں سمجھو کہ تمہارا سہارا مل جانے کے بعد میرا دل بھی ان جنگلوں میں لگ جائے گا''

''عقب سے ہرمیت سنگھ کی آواز سنائی دی جو نمران کو آواز دے رہا تھا اور نمران چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا پھر اس نے کہا۔

''اوہ نورینہ میرے انکل مجھے آواز دے رہے ہیں۔ ذرا جا رہا ہوں تم سے تو اب دن کی روشنی میں بھی ملاقات ہو سکتی ہے'' نمران نے کہا اور وہ ہنس پڑی پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''ہاں کیوں نہیں۔''

نمران ہرمیت سنگھ کی طرف چل پڑا ہرمیت سنگھ پر سکون تھا اس نے کہا۔

''مصروف تو نہیں تھے نمران؟''

''یہاں کیا مصروفیت ہو سکتی ہے انکل۔ پروفیسر زلفی کی بیٹی سے باتیں کر رہا تھا''

''آؤ......'' ہرمیت سنگھ نے کہا اور وہ ٹہلتے ہوئے دریا کی جانب چل پڑے ہرمیت سنگھ نے ایک پتھر پر بیٹھ کر کہا۔

''جوزف اب یہاں سے واپسی کا سفر کرنا چاہتا ہے اس کے لئے وہ کل سے تیاریوں کا آغاز کرے گا''

''کچھ نہ کچھ کرنا ضروری ہے انکل۔ یہاں تو ہم بے کار پڑے ہوئے ہیں''

''اسی دریا کی طرف واپسی کا سفر کیا جائے گا۔ میں نے اتنے دن یہاں اس امید پر گزارے ہیں کہ ممکن ہے کہ وہ لوگ اس طرف نکل آئیں لیکن جیسے تیز بہاؤ پر ہم نے جس تیز رفتاری سے سفر کیا ہے اس سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ ممکن ہے کہ وہ لوگ ان دنوں میں یہ فاصلہ نہ طے کر پائیں اور واپسی کے سفر میں بہت جلد ہماری ان سے ملاقات ہو جائے''

''ہاں ہو سکتا ہے انکل''

''تم پر امید نہیں ہو؟''

''انکل میں عجیب سے احساسات کا شکار ہوں۔ ڈیڈی اور الانشاء۔ میں الانشا کے بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن میں جانتا ہوں کہ ڈیڈی پر کیا بیت رہی ہوگی۔ اگر قدرت نے انہیں زندگی دی ہے تو میں جانتا ہوں کہ یہ زندگی ان کے لئے موت سے بدتر ہوگی۔ وہ میرے لئے جس قدر بے چین ہوں گے میں سمجھتا ہوں۔ مگر مجبوری ہے دل یہ بھی کہتا ہے کہ ممکن ہے وہ لوگ کسی حادثے کا شکار ہو گئے ہوں۔''

''دوسری شکل میں بیٹے ہمارے پاس آگے بڑھنے کا کوئی جواز نہیں ہے اچھا ہے ان لوگوں کے سہارے ہمارا سفر آسان ہو جائے گا''

''ہاں...... انکل ٹھیک ہے تیاریاں کیا کی جائیں گی؟''

نمران نے پوچھا۔

''خوراک کے سلسلے میں وہ سب سے زیادہ پریشان ہے۔ بہت برا وقت گزار چکا ہے اور بھوک کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا اس لئے یہاں سے وہ جنگلی پھلوں کا ذخیرہ اکٹھا کرنا چاہتا ہے گوشت بھی سکھا کر اسٹور کرنا چاہتا ہے کل سے اس کے تمام ساتھی اس کام میں مصروف ہو جائیں گے''

''آپ تو ان کی کافی مدد کر سکتے ہیں۔ انکل۔''

''کس طرح؟''

''شکار کا تجربہ جتنا آپ کو ہے اتنا دوسرے لوگوں کو نہیں''

''یقین کر نمران میں نے صرف شیر تیندوے اور چیتے ہلاک کئے ہیں ان ننھے ننھے معصوم جانوروں کی ہلاکت میرے دل پر شدید افسردگی طاری کر دیتی ہے۔ تاہم میں انہیں نہیں روک سکتا میں پھل جمع کرنے والی پارٹی میں شامل ہو جاؤں گا'' دوسرے دن صبح ہی سب تیار تھے ہرمیت سنگھ پھل جمع کرنے نکل گیا تھا نمران نے بھی یہی ذمہ داری سنبھالی تھی اور وہ بھی پھل جمع کر رہا تھا ان میں مست دور نکل گیا تھا۔ دفعتہً اس نے کچھ آہٹیں سنیں اور سنبھل گیا لیکن پھر اس نے نورینہ کو دیکھ لیا تھا وہ خود بھی مسکرا دیا۔

''میں تمہیں دیر سے تلاش کر رہی تھی بہت دور نکل آئے تم۔''

''ہاں''

''چھوڑو...... بہت سے لوگ پھل جمع کر رہے ہیں آؤ بیٹھو باتیں کریں گے۔''

''نہیں میری ذمہ داری بھی ہے'' نمران نے کہا۔

''میں بھی تو تمہاری ذمہ داری ہوں'' نورینہ نے کہا۔

''تم......؟''

''ہاں...... میں پچھلی رات میں تمہارے بالکل قریب تھی مگر تم گہری نیند سو رہے تھے۔'' نمران چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ نورینہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی لیکن نمران ایک دم سنجیدہ ہو گیا تھا۔

''ہم دوست ہیں نورینہ'' اس نے کہا۔

''کوئی شک باقی رہ گیا ہے اس میں؟''

''نہیں لیکن دوستی ایک مقدس جذبہ ہے۔ اس جذبے کی تقدیس مجروح نہیں ہونا چاہیے۔''

''ہمیں محتاط رہنا ہوگا نورینہ۔ پچھلی رات تمہیں میرے بالکل قریب نہیں ہونا چاہیے تھا۔ بدقسمتی سے ہم دو مختلف صنفوں سے تعلق رکھتے ہیں۔''

''یہ کیا جہالت کی گفتگو شروع کر دی ہے تم نے۔ میں ان جنگلوں میں شدید بیزار ہو گئی ہوں میں ذہنی تبدیلی چاہتی ہوں۔''

''میرا فرض ہے کہ میں اچھے دوستوں کی طرح تمہاری دل جوئی کروں لیکن......''

''اچانک ہی کوئی شے سنسناتی ہوئی نمران سے صرف دو انچ کے فاصلے سے نکل گئی۔ اس کی سنسناہٹ اتنی تیز تھی کہ اگر نمران اس کی زد میں آ جاتا تو شدید زخمی ہو سکتا تھا یہ لکڑی کا نیزہ تھا۔ جو کوئی رکاوٹ نہ ہونے کی وجہ سے اتنی دور نکل گیا تھا کہ اب نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔

نمران اور نورینہ ادھر ادھر دیکھنے لگے جیولن کچھ فاصلے پر نظر آیا تھا انہیں دیکھتے ہی اس نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

''اوہو...... یہاں تم لوگ ہو...... ہیلو مسٹر نمران ہیلو نورینہ''

''نیزہ تم نے پھینکا تھا؟'' نورینہ نے کہا۔

''ہاں ادھر جھاڑیاں ہل رہی تھیں میں نے سمجھا کوئی جانور ہے۔ میرا نیزہ کہاں گیا؟''

''جہنم میں۔ اگر اس سے کوئی زخمی ہو جاتا تو؟''

''صرف زخمی نہیں ڈیئر...... اگر کوئی اس کی زد میں آ جاتا تو ہلاک بھی ہو سکتا تھا تم صرف زخمی کی بات کر رہی ہو۔''

''اور اس کے بعد تم جانتے ہو کیا ہوتا؟''

''کچھ نہیں ہوتا میں جانتا ہوں حادثے اسی طرح ہوتے ہیں اور پھر جنگل کا قانون...... تمہارا کیا خیال ہے مسٹر نمران! یہ نیزہ تمہاری کھوپڑی ایسے توڑ سکتا تھا کہ وہ پھر کبھی نہ جڑتی۔ لیکن اس میں میرا کیا قصور ہوتا میں نے جان بوجھ کر تو ایسا نہیں کیا اور آئندہ بھی اگر ایسا ہوا تو جان بوجھ کر نہیں ہوگا آہ...... میرا نیزہ شاید کہیں دور نکل گیا'' جیولن بے پروائی سے آگے بڑھ گیا۔ دونوں خاموشی سے اسے دیکھتے رہے۔ پھر نورینہ نے کہا'' واقعی حادثے اسی طرح ہوتے ہیں اور کوئی حادثہ ہونا چاہیے بہت جلد ہونا چاہیے۔ اس نے خود ہی مجھے یہ راستہ دکھا دیا ہے'' وہ مسکرائی پھر ہنس پڑی'' کیوں نمران حادثے ہوتے ہیں ناں؟''

نمران ششدر رہ گیا نورینہ کا لہجہ بہت سفاک تھا۔

❤ ...... ❤ ...... ❤

شردک کا چہرہ خوف سے پیلا پڑ گیا تھا وہ ہولے ہولے کانپ رہا تھا سندھائی نوجوان نے کہا۔

''جو نقصان تم نے کیا ہے اسے تم ہی پورا کرو گے یہ سب تمہاری جاگیر نہیں ہے یہ ہمارے جنگل ہیں۔ تم یہاں داخل ہوئے اور تم نے ہم پر گولیاں چلائیں تمہیں یہ سزا بھگتنا ہوگی''

"تم ایسا نہیں کر سکتے...... تم ایسا نہیں کر سکتے......" اسی وقت ایک بوڑھا سندھائی نوجوان کے پاس آیا اور اس سے کچھ کہنے لگا شہباز نے مستان کا شانہ دبایا۔

"شر میں سُن رہا ہوں" مستان نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

سندھائی نوجوان نے گردن ہلائی اور بوڑھے سندھائی سے کچھ کہا جسے سن کر بوڑھا چلا گیا نوجوان پھر شروک کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"اس بوڑھے ڈاکٹر دو انسانی ہاتھ درکار ہیں ابھی اور اسی وقت اگر تم یہ کارروائی دیکھنا چاہتے ہو تو...... میں تمہیں یہ آپریشن دیکھنے کی دعوت دیتا ہوں۔"

"لعنت ہے تم پر...... ہمیں یہاں سے جانے دو......" شروک غرایا۔

"تم میں سے ایک بھی یہاں سے زندہ واپس نہیں جا سکے گا۔ ہاں اگر تم چاہو تو کچھ وقت کی زندگی پا سکتے ہو اس کی شرط یہی ہے کہ خاموشی سے وقت گزارو اور سرکشی نہ کرو...... ورنہ تاشی کا حکم ہے کہ تم سب کی پیمائش کر لی جائے تاشی ہمارا سردار ہے۔"

"یہ کیا کہہ رہا ہے...... آہ یہ دیوانہ کیا کہہ رہا ہے شہباز خان سنا تم نے یہ کیا کہہ رہا ہے۔"

"میں بالکل ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ تم میں سے چند کو فائدہ پہنچ سکتا ہے وہ اس طرح کہ فرض کرو کسی سندھائی نوجوان کو ایک آنکھ کی ضرورت ہے۔ ضرورت کے مطابق تمہارے ایک آدمی کی آنکھ نکال لی جائے گی اور اس سندھائی کو لگا دی جائے گی دوسری آنکھ بچ گئی ناں چلو میں تمہیں یہ آزادی دیتا ہوں کہ جس شخص سے کسی سندھائی نوجوان کی ضرورت پوری ہو گی اسے آزادی دے دی جائے گی۔ نہ صرف آزادی بلکہ اسے ایک گھوڑا بھی دے دیا جائے گا اور وہ جہاں جی چاہے جا سکے گا یہ میرا وعدہ ہے" وہ ہنس پڑا۔ اسی وقت بوڑھا آدمی وہاں پہنچ گیا اس کے ہاتھ میں ایک لچکدار لکڑی تھی۔

"وہ آ گیا شر......" مستان نے شہباز کے کان میں سرگوشی کی۔

"اس نے کیا کہا تھا؟؟" شہباز خان نے پوچھا۔

"وہ کہہ رہا تھا کہ اسے دو بازوؤں کی ضرورت ہے۔ سندھائی بولا وہ ناپ لے آئے۔ اب وہ ناپ لایا ہے"

مستان کا کہنا درست تھا بوڑھے کی نظریں ایک ایک فرد کا جائزہ لے رہی تھیں۔ پھر وہ شروک کے ایک ساتھی کی طرف بڑھا جس کا نام جیلسی تھا اس نے لکڑی جیلسی کے بازوؤں سے لگائی اور پھر زور سے بولا۔

"ہمیں اس کے بازو درکار ہیں" سندھائی نوجوان نے جیلسی کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے پاگل ہو گئے ہو تم۔ تم ایسا نہیں کر سکتے......" شروک نے آگے بڑھ کر سندھائی پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔ لیکن سندھائی جوان کے ایک گھونسے نے شروک کو زمین چٹا دی تھی پھر وہ غرائی آواز میں بولا" تمہارے چاروں طرف رائفلیں تنی ہوئی ہیں جہاں تم قید کئے گئے ہو وہاں بھی تمہاری نگرانی رائفل کی نالوں سے کی جاتی ہے اور جہاں سے گزر کر آئے ہو وہاں بھی رائفل بردار تمہاری نگرانی کرتے رہے ہیں۔ انہیں ہدایت ہے کہ تمہاری کسی سرکشی کو معاف نہ کیا جائے۔ میں صرف انگلی اٹھاؤں گا اور

تم سب زمین پر تڑپتے نظر آؤ گے ہمارا مقصد اس طرح بھی پورا ہو جائے گا۔ ہمارے پاس اعضاء کو ذخیرہ کرنے کا بھی معقول بندوبست ہے اگر تم سب کو بیک وقت ہلاک کرنے کی ضرورت پیش آئی تو ایسا بھی کیا جا سکتا ہے البتہ تم نقصان میں رہو گے۔ پہلے پروگرام کے تحت تم میں سے کچھ زندہ بچ سکتے ہیں دوسری شکل میں ہم تمہیں ہلاک کر کے محفوظ کر لیں اور تمہارے ضروری اعضاء کو استعمال کر کے باقی اعضاء کو پھینک دیں گے فیصلہ کر لو"۔

سب کی حالت خراب ہو گئی تھی اچانک ہی جیلسی نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور فضاء میں پرواز کرتا ہوا دور نکل گیا۔ پھر اس نے دوسری چھلانگ لگائی اور احاطے کے آخری سرے پر پہنچ گیا سندھائی نوجوان نے ہاتھ اٹھا دیا۔ فائر کی آواز ابھری اور جیلسی کے سینے میں سوراخ ہو گیا اس کا بدن احاطے کے دروازے کے پاس پھڑکنے لگا۔ چند سندھائی جوان آگے بڑھے اور جیلسی کے خون اگلتے بدن کو اٹھا کر واپس اس جگہ لے آئے جہاں مکروہ بوڑھا موجود تھا۔

شروک زمین پر بیٹھ گیا تھا شدید دہشت کے آثار اس کے چہرے پر منجمد تھے۔ باقی لوگ پتھرا گئے تھے بس ان کے جسموں میں ہلکی ہلکی سی تھرتھراہٹ تھی اس کے بعد کے مناظر نہایت دہشت ناک تھے۔ جیلسی کی موت کا انتظار بھی نہیں کیا گیا تھا اور اس کو لکڑی کے ایک عجیب سے فریم سے باندھ دیا گیا تھا۔ بوڑھے ڈاکٹر نے اس کا اوپری لباس اتار کر اس کے بازو برہنہ کر دیئے۔ لکڑی سے ناپ کر ایک چاقو سے نشان لگائے اور دو جوان ایک چمکتا ہوا تیز دھار وزنی کھانڈا لے آئے بوڑھے ڈاکٹر نے انہیں نشان دکھائے اور کھانڈا دوبارہ بلند ہوا شروک کی دہشت ناک چیخ فضا میں ابھری تھی اور اس نے دونوں ہاتھ آنکھوں پر رکھ دیئے تھے جیلسی کے دونوں بازو علیحدہ ہو گئے تھے۔ لیکن وہ اس تکلیف سے پہلے ہی دم توڑ چکا تھا اور اس کا جسم ساکت تھا سندھائی نوجوان نے کہا۔

"اس کے دونوں بازو کٹ جاتے لیکن یہ زندہ رہتا ہم اس کا بھی علاج کرتے اور تم دیکھتے کہ وہ بالکل تندرست ہو جاتا اور تم سب کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ تمہیں تعاون کرنا ہو گا اور تعاون نہ کرنے والے کا انجام اس سے مختلف نہ ہو گا آؤ میں تمہیں دکھاؤں کہ یہ دونوں بازو ایک سندھائی کے کس طرح کام آتے ہیں کون یہ آپریشن دیکھنا چاہتا ہے۔"

"میں۔" اچانک شہباز خان نے کہا اور سب چونک کر شہباز خان کو دیکھنے لگے۔

"باقی لوگوں کو واپس چھوڑ آؤ...... میں تم سب کو بتا چکا ہوں کہ سرکشی کا نتیجہ کیا ہو گا۔ تم میں سے جو کوئی بھی مرنا چاہے گا مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو گا جاؤ سب کو لے جاؤ۔"

پروفیسر حاتم فریدی اور چرن گپتا کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ اچانک شہباز خان کو کیا ہو گیا ہے یہ دہشت ناک منظر دیکھنے کے لئے بڑا دل گردہ چاہیے تھا ان سب کے اعصاب ساتھ چھوڑ رہے تھے اور شہباز یہ آپریشن دیکھنا چاہتا تھا سندھائی نوجوان کا ایک گروہ ان کے گرد پھیل گیا شروک نے کھڑا ہونے کی کوشش کی تو ایک طرف لڑھک گیا بہرحال اس کے دو ساتھیوں نے مل کر کسی نہ کسی طرح اسے اٹھایا اور لڑھکتے ہوئے باہر نکل آئے قید خانے تک کا یہ سفر انتہائی مشکل ثابت ہوا تھا اور قید خانے میں آ کر کسی میں اتنی سکت نہ رہی تھی

کر دہ بیٹھ ہی سکتا وہ سب زمین پر چت لیٹ گئے تھے۔

پروفیسر حاتم فریدی نے اچانک شروک کی سسکیاں سنیں اور پھر وہ زور زور سے رونے لگا۔

"آہ یہ سفر ابتداء ہی سے میرے لئے منحوس رہا۔ خدا غارت کرے خدا غارت کرے سب کو خدا غارت کرے اس منحوس وقت کو جب میں نے اس نوادر خانے میں قدم رکھا تھا۔"

"خود کو سنبھالو شروک ہمت سے کام لینا ہوگا" پروفیسر نے آہستہ سے کہا۔

"ایک تھپڑ دوں گا منہ پر گردن ٹوٹ جائے گی ہمت سے کام لوں کہاں سے لاؤں ہمت آہ..... جیلسی ..... جیتا جاگتا ہمارے ساتھ گیا تھا اور اب وہ ہم میں نہیں ہے۔ آہ..... جیلسی۔"

"ہمت سے کام لینا ضروری ہے حواس کھو بیٹھے تو کتے کی موت مرنا پڑے گا۔ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس پر حرف بہ حرف عمل کریں گے اس کا مظاہرہ تم دیکھ چکے ہو۔"

"پروفیسر میرے دوست میرے بھائی کچھ کرو کوئی ترکیب کرو..... آہ میرے ہاتھ' میرے پیر' ارے باپ دے باپ' اگر ان میں سے کوئی چیز ان کے ناپ کی نکل آئی تو......"

"دوسری صورت میں ہم وقت سے پہلے مرجائیں گے۔"

پروفیسر نے کہا۔

"نہیں میں مرنا نہیں چاہتا۔ آہ..... غلطی ہوگئی یہ منحوس جنگل آہ..... یہ منحوس جنگل آہ یہ منحوس جنگل کچھ کرو میرے دوست" شروک نے پروفیسر کے پاؤں پکڑ لئے۔

"ہمیں آخری وقت تک سمجھداری سے کام لینا ہوگا کوئی بھی لمحہ ہمارے لئے کارگر ہوسکتا ہے اگر ہم اس طرح بدحواس ہوگئے تو آن کی آن میں فنا کر دیئے جائیں گے"۔

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں یہ لوگ درندے ہیں انسانوں کی شکل میں درندے انہیں کسی کو ہلاک کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی اللہ کی پناہ" اس نے ہونٹ بھینچ لئے۔ چرن گپتا نے آہستہ سے پروفیسر حاتم فریدی سے کہا۔

"اس کتے نے ہرمیت سنگھ کی نوادر گاہ کے معصوم ملازم کو ہلاک کرتے وقت یہ نہیں سوچا تھا"۔

"خاموش رہنے کا وقت ہے گپتا اس وقت ہم شدید مشکل کا شکار ہیں" پروفیسر حاتم فریدی نے کہا۔

"تم لوگ کیا گفتگو کر رہے ہو۔ زور سے بات کرو..... آہ..... میں تمہاری آواز سننا چاہتا ہوں' میں زندگی کا یقین کرنا چاہتا ہوں' پلیز زور سے بولو ہم زندگی کی بازی ہار چکے ہیں' ایک ایک کر کے سب مارے جائیں گے۔ کیا زندہ رہنے کے کچھ امکانات ہیں؟" شروک نے کہا۔

"یہ شہباز خان کو کیا سوجھی ان حالات میں بھی اس کے اندر تحقیق کی حس زندہ رہی" چرن گپتا نے کہا۔

"ہرگز نہیں۔ سوال ہی نہیں پیدا ہوتا وہ زیرک ہے ضرور کوئی ترکیب آئی ہے اس کے ذہن میں" پروفیسر حاتم نے گہری سانس لے کر کہا۔

سندھانی نوجوان شہباز خان کو لے کر ایک جگہ پہنچ گیا۔ جہاں ویسے ہی ایک سائبان کے نیچے ایک سندھانی جوان بے ہوش پڑا تھا بوڑھا شخص دو آدمیوں کے ساتھ اس کے پاس موجود تھا اس کے پاس چند برتن چند شیشیاں اور ایسی ہی نہ جانے کیا کیا اشیاء رکھی ہوئی تھی سندھانی جوان وہاں رک گیا۔

"خاموشی سے دیکھتے رہو میں نے تمہارے اسپتالوں میں بڑے بڑے آپریشن دیکھے ہیں جدید ترین مشینیں دیکھی ہیں ہمارے پاس ایسی کوئی چیز نہیں ہے لیکن اتنے کامیاب آپریشن تم نے ان مشینوں کے ذریعہ نہ دیکھے ہوں گے۔"

شہباز خان نے کوئی جواب نہ دیا وہ بوڑھے کو مصروف دیکھ رہا تھا بے ہوش پڑے ہوئے سندھانی نوجوان کے دونوں ہاتھ شانوں کے پاس سے کٹے ہوئے تھے۔

سندھانی نے کہا" تمہاری رائفل کی گولیوں نے اس کے دونوں ہاتھ چھلنی کر دیئے تھے اس کے دونوں بازو فوری طور پر کاٹ دیئے گئے۔ ورنہ باقی بدن اس سے متاثر ہو جاتا۔ دیکھو یہ بوڑھا باریک نلکیاں اس کے جسم میں اتار رہا ہے اور یہ نلکیاں زمین میں اگنے والی گھاس سے نکالی گئی ہیں۔ تمہیں بدن میں پھیلی ہوئی لاکھوں رگوں کا نظام عمل تو معلوم ہوگا یہ نسیں ٹوٹتی جڑتی رہتی ہیں اس عمل کو تم قدرتی شکل میں دیکھ رہے ہو ان نلکیوں کو ان تمام رگوں میں پیوست کیا جا رہا ہے تاکہ نسوں کا عمل جاری ہو جائے اور خون کی روانی جاری رہ سکے۔ ابھی اس شخص کا خون روک دیا گیا ہے تاکہ وہ بہہ کر ضائع نہ ہو جائے' لیکن یہ نلکیاں رگوں میں پیوست کر کے ہمارا یہ ڈاکٹر اپنے ہونٹوں سے سانقن کا عمل کرے گا اور خون پھر سے جاری ہو جائے گا اسی طرح دیکھو بوڑھا اپنا کام کر چکا ہے"

"کیا یہ بدن کی تمام نسوں کے بارے میں جانتا ہے؟ شہباز نے حیرت سے پوچھا۔

"صرف نسوں کے بارے میں نہیں اسے ایک ایک غدود ایک ایک خلیے کے بارے میں معلوم ہے ایک ایک ہڈی کی ساخت کے بارے میں جانتا ہے تمہارے ہاں کسی ایک موضوع پر اسپشلائزیشن کرنے والے بھی اپنے شعبے میں اتنے ماہر نہیں ہوتے لیکن یہ تمہارے بدن میں کسی بھی اضافی شے کے بارے میں صرف تمہارا بدن ٹٹول کر بتا سکتا ہے اور اسے درست کر سکتا ہے۔"

"شہباز خان گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ وہ واقعی حیران رہ گیا تھا بوڑھے نے دونوں کٹے ہوئے بازوؤں کے سرے صاف کئے اور چمڑے کی ایک بوتل سے ایک بے رنگ سیال نکال کر بازوؤں کے سرے پر مل دیا پھر وہ باریک لکڑی کی نلکیاں اس کے کٹے ہوئے بازوؤں میں پیوست کرنے لگا یہ جادوئی عمل ہی معلوم ہو رہا تھا بوڑھا مہارت سے اپنا کام کرتا رہا۔ سندھانی نوجوان نے کہا۔

"ان بازوؤں میں جو نلکیاں پیوست کی گئی ہیں وہ ان نلکیوں سے ذرا پتلی ہیں یہ دونوں نلکیاں ایک دوسرے میں پیوست ہو جائیں گی اور ان کے درمیان خون کا عمل جاری ہو جائے گا۔"

"لیکن کیا یہ نسوں میں چبھی رہیں گی۔"

"نہیں جوں ہی دوران خون جاری ہوگا۔ نسیں ایک دوسرے کو قبول کر لیں گی اور یہ نلکیاں اسی انت گلنا شروع ہو جائیں گی چوبیس گھنٹے کے بعد ان کا وجود نہ ہوگا۔"

"ایک اور بات؟"

"ہاں پوچھو۔"

"خون کے گروپ کے بارے میں کیا کرتے ہو......؟"

"خود دیکھ لو" سندھانی نوجوان نے کہا۔ شہباز نے دیکھا کہ بوڑھے نے دونوں کٹے ہوئے بازو الٹے لٹکا دیئے ہیں اور وہ ٹلکیاں خون اگلنے لگی ہیں جو لٹکائے ہوئے بازوؤں میں پیوست تھیں۔

سندھانی جوان بولا...... "جو سیال ان بازوؤں پر لگایا گیا ہے اس نے آن کی آن میں رگوں میں جمے ہوئے خون کو پگھلا دیا اور اب پہلے سے موجود خون کا ایک ایک قطرہ ان رگوں سے بہہ جائے گا اور وہ خون سے خالی ہو جائیں گی اس کے بعد جو خون ان میں دوڑے گا وہ اس سندھانی نوجوان کا ہوگا۔"

"میرے خدا" شہباز نے پیشانی مسلتے ہوئے کہا" یہ سادہ لوح بوڑھا یہ سب کچھ جانتا ہے۔"

سندھانی نوجوان فخریہ انداز میں مسکرایا۔

"یہ کام اس کے آباؤ اجداد بھی کرتے تھے اور یہی سب اس کی اولاد بھی کریں گی تمہارے اسپیشلسٹ اس کے تجربے کے سامنے نو آموز ہیں۔"

شہباز تھوڑی دیر کے لئے سب کچھ بھول گیا تھا یہ سب کچھ کراہت آمیز تھا لیکن جو کچھ تھا وہ ناقابل فراموش تھا اور شہباز اس میں دلچسپی لئے بغیر نہ رہ سکا تھا۔ سندھانی نوجوان پیچیدہ کام کی تشریح کرتا جانتا تھا بوڑھے نے ایک خول میں بند ہلکے سرخ سیال کا لیپ کٹے ہوئے بازوؤں پر کیا تو سندھانی جوان نے کہا۔

"یہ پلیٹ لیٹس ہیں خون کے سرخ ذرات جو خلیوں کو جوڑنے کے لئے استعمال کئے جائیں گے انہیں خون سے جدا کرنے کا عمل بہت مشکل ہے لیکن اس سندھانی سرجن کے اجداد یہ سب کچھ نہ جانے کب سے کرتے آئے ہیں۔"

شہباز خان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے اس نے بازوؤں کو جوڑنے کا پورا عمل دیکھا تھا اور بے حد متاثر ہوا تھا" انسان پہاڑوں اور پتھروں کے دور میں بھی ذہین تھا۔ نہ ہوتا تو اس دور سے نکل کر یہاں تک نہ پہنچتا۔"

شہباز خان عجیب نظروں سے اس سندھانی جوان کو دیکھتا رہا پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

"یہ شخص ان بازوؤں کو کب تک استعمال کر سکے گا......؟"

"اس میں کافی وقت لگے گا مگر اس کی کمی پوری ہوگئی اسی طرح ہر عضو کی کمی دوسرے عضو سے پوری ہو جائے گی یہاں تک کہ آنکھوں کا آپریشن بھی اسی طرح کیا جائے گا"۔

"میں بہت اہم بات سوچ رہا ہوں" شہباز خان نے کہا۔

"کیا......؟"

"سنو سندھانی جوان ہم تمہارے قیدی ہیں اور تم ہمیں ہمارا مستقبل بتا چکے ہو۔ میں جانتا ہوں جو سلوک اس شخص کے ساتھ ہوا جو زندگی کھو چکا ہے وہی ہم سب کے ساتھ ہوگا۔ کچھ اپنی کمی کے ساتھ زندہ رہ کر

ہو جائیں گے اور کچھ زندہ رہنا پسند کریں گے یہ دوسری بات ہے مگر جو کچھ میں نے یہاں دیکھا وہ میری زندگی کا سب سے انوکھا عمل ہے ہم اپنی زبان میں تمہیں ان جنگلات کا وحشی کہتے ہیں اور تم نے وحشت خیزی کی ہے اس میں شک نہیں ہے ہم ان جنگلوں میں پر امن سفر کر رہے تھے کہ تم نے ہم پر حملے کئے اور ہمیں اپنی بقاء کے لئے جوابی کارروائی کرنا پڑی۔ آغاز ہم نے نہیں کیا۔ اس لئے اصولی طور پر ہم بے قصور ہیں تم ہمارے اعضاء کے حصول کو انتقام کہتے ہو ہم اسے وحشت خیزی تصور کرتے ہیں اور ہم تمہارے ہاتھوں مجبور ہیں مگر میرے لئے ان جنگلوں میں سب سے حیرت ناک تم ہو۔"

"میں۔" سندھانی جوان چونک کر بولا۔

"تمہارا کوئی نام تو ہوگا؟"

"ہاں میرا نام گروارا ہے وہ سردار ہے اور میں نائب سردار ہوں۔"

"میرا نام شہباز خان ہے تو مسٹر گروارا تم کسی بھی طور اپنے دوسرے وحشی ساتھیوں سے مختلف نہیں ہو لیکن اس وقت میں حیران رہ گیا جب تم نے پہلے اردو میں پھر ہمارے لیڈر سے انگریزی میں بات کی۔ رہی سہی کسر تم نے اس وقت پوری کر دی میڈیکل سائنس اور قدیم تہذیب کے بارے میں اپنی معلومات کا اظہار کر کے تم نے مجھے حیران کر دیا ہے میں مانتا ہوں کہ تم کسی جدید دنیا میں چلے گئے اور وہاں تم نے تعلیم حاصل کر لی اس کے ساتھ ساتھ تمہارا ہر شعبے سے علم اور تاریخ انسانیت کے بارے میں یہ اہم ترین معلومات کسی محقق ہی کا کارنامہ معلوم ہوتی ہے تم نے مہذب دنیا سے یہ سب کچھ حاصل کرنے کے بعد ان جنگلوں کی زندگی کیوں اپنائی مجھے اس بات کی شدید حیرت ہے کیونکہ تہذیب تو انسان کو بہت سی چیزیں دے دیتی ہے تم میڈیکل سائنس کے بارے میں اتنی شاندار معلومات رکھتے ہو اور شاید قدیم دنیا کے بارے میں بھی تمہیں تفصیلات معلوم ہوں۔ پھر تم نے اپنے آپ کو ان جنگلوں کی زندگی میں واپس لانا کیوں بہتر سمجھا۔ بہت سی ایسی چیزیں ہیں مسٹر گروارا جو مجھے تمہارے سلسلے میں شدید پریشان کرتی ہیں بس تھوڑی سی وضاحت کر دو بس اس سے زیادہ میں تم سے اور کوئی رعایت نہیں مانگوں گا۔"

گروارا گہری نگاہوں سے شہباز خان کو دیکھنے لگا اس کے چہرے پر کچھ تبدیلیاں رونما ہوئی تھیں پھر اس نے شہباز کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"ہمارے اور تمہارے درمیان میں صرف نفرت کا رشتہ ہے جو کچھ تم نے کہا اس میں کچھ سچائیاں بھی ہیں لیکن جو فیصلہ سردار تاشی نے کیا ہے اس سے انحراف ناممکن ہے۔ آؤ میرے ساتھ آؤ تمہارے اس سوال کا جواب دینا میرے لئے ضروری ہو گیا ہے۔ ویسے ایک بات پر مجھے بھی حیرت ہے مسٹر شہباز" گروارا نے احاطے سے واپس نکلتے ہوئے کہا۔" کس بات پر" شہباز خان نے سوال کیا۔

"تم نے کہا کہ تمہارا لیڈر وہ سفید فام ہے جس کا نام تم شروک لیتے ہو لیکن میں نے اس میں کوئی لیڈر شپ نہیں دیکھی وہ ایک عام آدمی ہے جو ہر بات سے خوفزدہ ہو جاتا ہے اسکے اندر کوئی تجسس بھی نہیں ہے کوئی خوبی ایسی نہیں ہے اس کے اندر جس کے تحت اسے لیڈر سمجھا جائے جب کہ اس کے برعکس تم میں لیڈر شپ کی تمام خوبیاں موجود ہیں خیر یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے۔ آؤ وہ جگہ میری رہائش گاہ ہے وہاں جبکہ

گے اور میں تمہیں اپنے بارے میں کچھ تفصیلات بتاؤں گا۔ کیا تم فوری طور پر تو اپنے ساتھیوں کے پاس نہیں جانا چاہتے۔"

"نہیں گروارا ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

گروارا اپنے احاطے کے ایک گوشے میں جا بیٹھا اور پھر اس نے شہباز خان کی خاطر مدارت کے لئے کچھ انتظامات کئے۔ اس وقت وہ ایک مہذب انسان نظر آ رہا تھا جب کہ اس سے پہلے اس کی وحشت خیزی کسی بھی طرح دوسرے سندھانیوں سے کم نہیں تھی یہ خاطر مدارت لکڑی کے برتنوں میں ایک گرم سیال کی صورت میں کی گئی جس کے ساتھ کچھ پھل بھی مہیا کیے گئے تھے" شہباز خان نے کہا۔

"یہ گرم سیال کیا چیز ہے۔"

"پانی' شہد اور ایک خاص قسم کی گھاس کا آمیزہ جو تمہاری دنیا میں پائی جانے والی چائے کی پتی سے کہیں زیادہ لذیذ اور فرحت بخش ہے اس کے علاوہ اس میں اور کچھ نہیں" گروارا نے جواب دیا اور شہباز خان نے شکریہ ادا کر کے اس مشروب کا ایک گھونٹ لے لیا گروارا خود بھی مشروب کے چھوٹے چھوٹے گھونٹ لے رہا تھا اس کی آنکھیں ایک خواب ناک کیفیت اختیار کر گئی تھیں۔ تب اس نے کہا۔

"بہت پرانی بات ہے اتنی پرانی کہ تم یوں سمجھ لو کہ میں بہت چھوٹا تھا اتنا چھوٹا کہ مجھے دنیا کے بارے میں بہت کم معلومات تھیں۔ انہی جنگلوں میں رہتا تھا مجھے وہ لوگ بھی یاد ہیں جن کی تعداد تمہاری ہی مانند دس بارہ تھی۔ اور جن کا انداز بھی تم جیسا ہی تھا اور اس جنگل کے مشرقی پہاڑی علاقے میں ہماری بستی آباد تھی وہ لوگ کہیں سے گرفتار کر کے لائے گئے تھے سندھانیوں کا طریقہ زندگی یہی رہا ہے جو تم آج بھی دیکھ رہے ہو...... گرفتار شدگان کو قید کر دیا گیا تھا لیکن وہ لوگ بہت چالاک تھے انہوں نے سندھانی سردار کے بیٹے کو کسی طرح اپنے قابو میں کر کے یرغمال بنا لیا اور اس کے بعد قید سے نجات حاصل کر لی۔ سردار کا بیٹا میں تھا اپنی عمر کے بارے میں بس اتنا ہی بتا سکتا ہوں کہ یہ سب کچھ مجھے یاد رہا۔

یہاں کہ راستے بھی میرے لئے اجنبی نہ تھے مجھے یرغمال بنانے والوں نے مجھے اس وقت تک نہ چھوڑا جب تک کہ وہ مہذب آبادی میں داخل نہ ہو گئے جب کہ سندھانی سردار ہمارا تعاقب کرتا رہا تھا لیکن اس نے ان پر صرف اس لئے حملہ نہ کیا کہ مجھے کوئی نقصان نہ پہنچ جائے لیکن مجھے یرغمال بنا کر لانے والا شخص مجھے چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوا اور اپنے ساتھیوں کو مصیبت میں ڈال کر مجھے لے کر فرار ہو گیا نجانے کیوں میرے دل میں اس شخص کے لئے کچھ خاص جذبے پیدا ہو گئے تھے۔ بعد میں دوسرے لوگوں کا کیا ہوا، مجھے علم نہیں لیکن میں اس شخص کے قبضے میں کافی دن تک رہا۔ جدید دنیا کی دلچسپیاں میرے لئے باعث کشش تھیں لیکن اپنا گھر' اپنی ماں' اپنا باپ مجھے بہت یاد آتے تھے اور یہ یادیں ختم نہیں ہوئیں بلکہ پس منظر میں چلی گئیں اور میں پیش منظر میں کھو گیا اس شخص نے میرے ساتھ کبھی کوئی برا سلوک نہیں کیا وہ ایک دولت مند آدمی تھا اور بے اولاد بھی تھا۔

چنانچہ اس نے جنگلی لڑکے کو اپنی اولاد کی حیثیت سے پرورش کیا اسے ان تمام علوم سے نوازا جو مہذب دنیا کے علوم تھے اور میری دلچسپیاں مجھے سب کچھ بھولنے پر مجبور کر چکی تھیں میرا قبیلہ میری نگاہوں سے

اوجھل ہو گیا تھا گو اس کی یادیں میرے دل میں زندہ تھیں لیکن مہذب دنیا کے تمام نقوش میں اپنے ذہن میں جذب کر چکا تھا اور یہ میری تجسس پسند فطرت ہی تھی کہ میں ہر شے کو سمجھ لینا چاہتا تھا شاید یہی وجہ تھی کہ جس شے کی طرف میرا گزر ہوا میں نے اس کے بارے میں آخری حد تک معلومات حاصل کیں۔ ہر چند کہ لفظ آخر بے معنی ہے شاید یہ کبھی نہیں ہوتا آگے اور آگے بہت کچھ ہے لیکن جس حد تک میرے ذہن میں یہ دنیا سا سکی میں نے اسے اپنے ذہن میں محفوظ کر لیا اور یوں ایک طویل عرصہ گزر گیا۔

پھر وہ شخص مر گیا جو مجھے اغواء کر کے لے گیا تھا اس کا خاندان ختم ہو گیا اس کی موت کے بعد مجھے اپنا گھر یاد آیا جب وہ مجھے سب یاد آئے۔ جو پہاڑوں میں جنگلی جانوروں کی مانند رہتے تھے تو میرا دل خون کے آنسو رونے لگا اس وقت میرے دل میں محبت کے جذبے پروان نہیں چڑھے تھے بلکہ میں صرف یہ سوچتا رہا تھا کہ انسانوں میں اتنی تفریق کیوں ہے۔ وہ جو جنگلوں میں جانوروں کی مانند رہتے ہیں اور وہ جنہوں نے اپنی زندگی کے لئے ہر آسائش فراہم کر لی ہے کیوں...... آخر کیوں......"

میں نے بہت سے تجربے کیئے بہت سے مشاہدے کئے۔

اپنے ان سوالات کے جواب خود سے مانگے اور بہت سے جواب مجھے مل گئے انسان خود پسند ہے جو اپنے جیسوں کے لئے اپنے دل میں کوئی درد نہیں رکھتا خود اس کی جدید دنیا میں بہت سے انسان جنگلی انسانوں سے بدتر زندگی گزارتے ہیں جن کا کوئی پرسان حال نہیں ہے یہ لوگ اپنی ان پر آسائش آبادیوں میں رہنے والوں کے دوست نہیں تو جنگل میں جانوروں کی مانند زندگی گزارنے والوں پر کیا توجہ دیں گے۔ تب میرے دل میں اپنے قبیلے کے لوگوں کا درد پیدا ہو گیا۔ یہ جنگل میرے ہیں میں ان پہاڑوں میں پیدا ہوا ہوں ان سے دور اب مہذب دنیا میں زندگی کیوں گزاروں اور میں نے اپنی دنیا تلاش کی اور واپس چل پڑا اور پھر میں نے جنگلوں کا سفر اختیار کیا اور بالآخر اپنوں کو تلاش کر لیا۔ وہ نہ رہے تھے جنہیں میں چھوڑ کر گیا تھا میرے ماں باپ میری محبت میں مر چکے تھے لیکن میرا قبیلہ مجھے پہچان گیا اس نے مجھے قبول کر لیا۔

سردار تاشی کی سرداری تھی اور جنگل کی زندگی جوں کی توں تھی تاشی ڈاکے ڈالتا تھا وہ اپنے گروہ کے ساتھ جنگلوں سے گزرنے والوں کو لوٹ لیتا تھا ہم نے ہتھیاروں کا استعمال سیکھ لیا تھا اور یہ ہتھیار بھی ہمیں مہذب آبادیوں سے حاصل ہوئے تھے پہلے یہ ہم پر استعمال ہوئے بعد میں......"

دفعتاً یہ سلسلہ گفتگو رک گیا۔ کچھ بھاگ دوڑ کی آوازیں ابھری تھیں شہباز خان اور گروارا چونک پڑے۔ پھر اچانک گروارا اچھل کر کھڑا ہو گیا شاید تمہارے ساتھیوں نے بستی پر حملہ کر دیا ہے اس نے کہا اور برق رفتاری سے دوڑتا چلا گیا۔ شہباز خان کے بدن میں سنسنی دوڑ گئی تھی۔

♥......♥......♥

کرنل کو ہوش آ گیا اس نے آنکھیں کھول کر ارد گرد دیکھا اور خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا چند لمحے تک ذہن ساتھ نہ دے سکا لیکن اس کے بعد سب کچھ یاد آ گیا اس نے دہشت زدہ انداز میں جسم کو جنبش دی اور اس کے حلق سے کراہ نکل گئی۔

بدن کے بہت سے حصے شدید درد کا شکار تھے اگر فوج کی پر مشقت زندگی نہ گزار چکا ہوتا تو شاید

اس حالت میں ہل بھی نہ سکتا لیکن نامساعد حالات میں خود کو سنبھالنے کی خاصی تربیت لے چکا تھا اس لئے بہت جلد قوت ارادی عود کر آئی اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس کی نگاہیں الاشاء کو تلاش کر رہی تھیں لیکن چند ہی لمحات کے بعد اسے احساس ہو گیا کہ صورت حال بہت بدل چکی ہے یہ وہ جگہ نہیں تھی جہاں اسے بے ہوش کیا گیا تھا بلکہ تاحد نگاہ اسے وہ ماحول نظر نہیں آیا یہاں تو کھردری اور ناہموار چٹانوں کا ایک جنگل آباد تھا جن کے رخنوں سے خودرو جھاڑیاں جھانک رہی تھیں۔ تھوہر اور ناگ پھنی کے پودے اگے ہوئے تھے جن کے گرد حشرات الارض رینگ رہے تھے وہ خود بھی ایک چٹان پر پڑا تھا جو وسیع اور مسطح تھی اور اس کے بدن کے کئی حصوں کا درد اسی چٹان میں ابھرے ہوئے پتھروں کا عطیہ تھا۔

کرنل چٹان پر بیٹھا اور اس وحشت ناک ماحول کو دیکھتا رہا بڑے بڑے سیاہ بچھو ڈنک اٹھائے چٹانوں کے رخنوں سے آتے جاتے نظر آ رہے تھے دوسرے حشرات الارض میں گرگٹ نما بس کھپروں کی تعداد زیادہ تھی جو سانپ سے زیادہ زہریلے ہوتے ہیں البتہ سانپ نظر نہیں آ رہے تھے اور اس سلسلے میں کرنل کو ایک روایت یاد آ گئی جہاں پہاڑی بچھوؤں کی مملکت ہوتی ہے سانپ وہاں سے دور بھاگ جاتے ہیں کیونکہ بچھو انہیں زندہ نہیں چھوڑتے۔

"مگر الاشا کہاں ہے؟" اس وحشت ناک خیال نے کرنل کو مضطرب کر دیا وہ چٹان پر کھڑا ہو گیا اس کی نظریں دور دور تک جائزہ لینے لگیں لیکن جان داروں میں یہ حشرات الارض تھے یا وہ خود۔ جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی اور کوئی نہیں تھا وہ دیر تک شدید وحشت کا شکار رہا۔ پھر تھکے تھکے سے انداز میں اسی چٹان پر بیٹھ گیا۔ دل بری طرح دھڑک رہا تھا دماغ ساتھ نہیں دے رہا تھا۔ گزرے ہوئے واقعات کی ریل چلنے لگی... پہاڑوں کے درمیان ہولناک رات پھر دوسری پہاڑی پر الاشاء کی گرفتاری اس کا بے قابو ہو جانا جنگ کرنا اور پھر وحشتوں کا شکار ہو جانا۔

وہ الاشاء کے دشمن تھے اور اب الاشا ان کی قیدی تھی مگر یہ سب کچھ کیا ہے اس کا آغاز کیا تھا۔ انجام کیا ہے قیاس بھی نہ کیا جا سکتا تھا وہ سب تو ایک انوکھے طلسم کا شکار ہوئے تھے ورنہ مہذب دنیا کے انسانوں کا اس طرح ان ویرانوں میں آ گھسنا ناقابل یقین تھا یہ سب ایک بے جواز کارروائی تھی کون یہاں آ کر کیا کھو چکا تھا اس کا اندازہ لگانا مشکل تھا شروک خزانے کے چکر میں دیوانہ ہو گیا تھا ہرمبت اور شہباز خان مہم جوئی کے شوق میں آ گئے تھے پروفیسر حاتم فریدی اور رچرن گپتا اپنی دلچسپیوں کے چکر میں آ گئے تھے۔

"اور...... اور...... اور وہ خود...... آہ نمران......" کرنل کے حلق سے آہ کے ساتھ نکلا اور اس کی آنکھیں نمناک ہو گئیں۔ اگر میں خود بھی اس طلسمی ماحول کو سچ تسلیم کر لوں تو تمہاری زندگی کے نشان ملتے ہیں مگر تم یہاں ہو...... میں صرف تمہاری زندگی کے تصور میں تو جی نہیں سکتا اور اگر تم مل گئے تو الاشا...... تو الاشا میں تمہیں کہاں سے دوں گا مجھے معاف کرنا بیٹے یہ سب کچھ میری پہنچ سے باہر ہے۔ اس کے ذہن پر اندھیرے اترنے لگے خیالات بے ربط ہوتے جا رہے تھے کسی ایک خیال میں گرم گرم لہریں دوڑنے لگی تھیں۔

"تم کہاں ہو نمران...... نمران" اس نے چٹان سے چھلانگ لگا دی اور پھر وہ دوڑنے لگا کسی سمت کا تصور کئے بغیر۔ اس کے حلق سے تیز آوازیں نکل رہی تھیں حشرات الارض اس کے قدموں کی دھمک سے

خوفزدہ ہو کر چٹانوں کے رخنوں میں گھسے جا رہے تھے اور وہ مسلسل دوڑے جا رہا تھا کہیں کہیں وہ رک رک کر نمران کو آوازیں دے رہا تھا اور پھر دوڑنے لگتا تھا۔

"کہاں ہو تم مجھے نظر آؤ اس کائنات میں صرف تم ہو۔ میں تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں" نمران...... نمران"

وحشت ناک چیخیں ویرانوں میں گردش کرتی رہیں کرنل کے قدم رک نہیں رہے تھے وہ چاروں طرف چکراتا پھر رہا تھا اور وقت تیزی سے گزرتا جا رہا تھا پھر شام کے جھٹ پٹے، چٹانوں میں اتر آئے اب چٹانیں بڑے بڑے ٹیلوں کی شکل اختیار کرتی جا رہی تھیں۔ تھوہر اور ناگ پھنی کی وہ جھاڑیاں بھی اب نظر نہیں آ رہی تھیں بلکہ ان ٹیلوں کے عقب میں درختوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا یہ درخت گھنے نہیں تھے اور دور دور اگے ہوئے تھے لیکن بہرطور یہاں سے ہریالی کا آغاز شروع ہو جاتا تھا کافی فاصلے پر ایک جھیل سی نظر آ رہی تھی جو زیادہ وسیع نہیں تھی اور اس کی تہہ کیچڑ سے بھری ہوئی تھی۔

کنارے پر دور دور تک گھاس پھیلی ہوئی تھی۔ پانی دیکھ کر کرنل کو شدید پیاس کا احساس ہوا اور جھیل کنارے جا کر بیٹھ گیا۔ جھیل کی کیفیت کیا ہے اسے کوئی احساس نہیں رہا تھا اس نے چلوؤں میں پانی بھر بھر کر پینا شروع کر دیا۔ اپنے چہرے پر ڈالا اور کافی پانی حلق میں ڈال لیا بدن کو شدید سنسنی کا احساس ہو رہا تھا وہ تکلیف سے چور تھا۔ تاحد نگاہ پھیلے ہوئے اس میدان کو جو بے حد وسیع و عریض تھا۔ وحشت کے عالم میں اس نے اسے چند گھنٹوں کے اندر عبور کر لیا جب کہ اگر ہوش و حواس میں ہوتا تو اسے عبور کرتے ہوئے اسے دو تین دن ہی لگ جاتے لیکن وحشت نے یہ سفر مختصر کر دیا تھا اب بھی اس کے ذہن پر وہی وحشت طاری تھی اور وہ صحیح سوچ سمجھ سے عاری تھا شانوں میں ہولناک درد ہو رہا تھا۔ پورے بدن میں سے لکیریں دیکھی تھیں۔ آنکھوں کی پتلیاں غائب ہونے لگی تھیں اور سفید ڈھیلے سنہرا رنگ اختیار کرتے جا رہے تھے۔ ان آنکھوں میں ستاروں جیسی چمک تھی پھر اس نے کہا۔

"تم کون ہو......؟ مجھے اپنے بارے میں بتاؤ" یہ الفاظ کرنل کی اپنی زبان میں کہے گئے تھے"

کرنل نے مشینی انداز میں جواب دیا۔

"میں کرنل مقبول ہوں"

"یہاں ان جنگلوں میں کیا کر رہے ہو۔" عورت نے سوال کیا۔

"راہ بھٹک گیا ہوں اور مصیبتوں کا شکار ہوں۔ میری کہانی بہت طویل ہے مختصر سے الفاظ میں بس یہ سمجھ لو کہ ایک مصیبت زدہ ہوں اور اپنے بیٹے کو کھو چکا ہوں اور میں ایک عجیب و غریب مہم پر نکلا تھا" عورت خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی اس نے پھر کہا۔

"تمہاری کہانی مجھے معلوم نہیں ہو سکی کچھ تفصیل بتاؤ" اور کرنل کی زبان مشینی انداز میں چل پڑی اس نے مختصر ترین الفاظ میں پوری کہانی دہرا دی۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ یہ سب کچھ اس کی قوت ارادی کے تحت نہیں ہو رہا بلکہ اس کا سحر زدہ ذہن اس عورت کے حکم کی تعمیل کرنے میں مصروف ہے اور زبان ذہن کے زیر اثر ہے۔ عورت خاموشی سے اسے دیکھتی رہی اور پھر کرنل خاموش ہو گیا تو اس نے آہستہ سے کہا۔

"پرسکون ہو جاؤ...... مجھے تمہاری سخت ضرورت ہے" اس کے ساتھ ہی کرنل نے اپنے ذہن کو اس غیر مرئی قوت سے آزاد پایا جو چند لمحات کے لئے اس کے اوپر مسلط ہو گئی تھی۔

عورت کی سیاہ رنگ کی پتلیاں پھر سے نظر آنے لگیں اور اس نے کہا۔

"بیٹھ جاؤ' اب میری زبان تمہاری سمجھ میں آسکے گی۔"

کرنل خاموشی سے اس کے سامنے بیٹھ گیا عورت نے کہا۔

"شاید تم شدید تھکن کا شکار ہو۔ تمہیں سو جانا چاہیے"

♥......♥......♥

جوزف اور اس کے ساتھیوں نے تمام انتظامات کر لئے اور یہ سب انتظامات بڑی محنت سے کئے گئے تھے۔ درختوں کے پتوں اور چھال کی مدد سے انہوں نے برتن بنائے تھے جن میں جنگلی پھل محفوظ کئے گئے تھے بہت سے جانور شکار کئے گئے اور ان کا گوشت خشک کر لیا گیا ان تمام چیزوں کے بنڈل بنا لئے گئے اور چھال کی رسی بنا کر ان سے باندھ دیئے گئے پانی کے لئے سب سے زیادہ محنت کی گئی تھی اور درختوں کے موٹے موٹے تنوں کو خول بنا کر ان میں پانی بھر لیا گیا تھا حالانکہ ہرمیت سنگھ نے جوزف سے کہا تھا۔

"پانی کے سلسلے میں اس قدر محنت بے کار ہے جوزف...... ظاہر ہے ہم لوگ دریا کے کنارے سفر کریں گے اور پانی ہمیں آسانی سے ملتا رہے گا۔"

"میں جانتا ہوں ہرمیت...... مگر جن حالات کا شکار ہو چکا ہوں' اس نے مجھے دہشت زدہ کر دیا ہے ہمیں بھوک کے عالم میں جو وقت گزارنا پڑا ہے۔ تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ کچھ وقت تو ہم نے اس طرح گزارہ تھا کہ میں نے اپنی اور اپنے ساتھیوں کی موت کا یقین کر لیا تھا ہم بھوک اور پیاس کے عالم میں مر رہے تھے آہ...... ڈیئر ہرمیت □! میں خود کو کبھی معاف نہ کر سکوں گا۔ مجھے اپنی دنیا میں سب کچھ حاصل تھا مگر میری دیوانگی...... میری دیوانگی نے یہ دن دکھایا ہے" تاہم ہرمیت کے سمجھانے بجھانے سے پانی کے بہ وزنی برتن کم کر دیئے گئے تھے تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں اور اب جوزف واپسی کے سفر کے لئے تیار تھا اس پر عجیب سی کیفیت طاری تھی یہاں تک کہ ایک صبح وہ لوگ وہاں سے چل پڑے۔

خوراک کے بنڈل سب نے اپنے شانوں پر باندھ لئے تھے اور اس وزن کی وجہ سے ان کی رفتار بہت سست تھی لیکن کسی نے بھی اس بوجھ سے تعرض نہ کیا تھا ہرمیت اور نمران نے بھی اپنے حصے کا بوجھ اٹھایا تھا۔ دریا کے اس وسیع وعریض پاٹ کے کنارے کنارے سفر کا آغاز ہوا تھا اور کئی دن کے بعد ہرمیت اور نمران نے اس سے آگے کی جگہ دیکھی تھی۔

یہاں تو پانی کا بہاؤ نہ ہونے کے برابر تھا اور وہ ان وسعتوں میں پھیل گیا تھا۔ بڑی بڑی چٹانوں نے اس کا راستہ روک کر اس کی قوت کو مفلوج کر دیا تھا لیکن جوں جوں یہ آگے بڑھتے رہے۔ انہیں پانی کے صحیح بہاؤ کا اندازہ ہونے لگا ہرمیت اور نمران خاص طور سے دریا کی اس روانی سے متاثر تھے اور قدرت کے اس معجزے کا نظارہ کر رہے تھے جس نے انہیں زندہ رکھا تھا ورنہ اس شدید ترین بہاؤ میں تو ان دو نازک انسانی جسموں کا زندہ بچ جانا ایک ناممکن عمل تھا اور حیرت کی بات یہ تھی کہ انہیں کوئی شدید زخم بھی نہیں آیا تھا ورنہ

چٹانیں جگہ جگہ ابھری ہوئی تھیں اور پانی کا بہاؤ کسی بھی جگہ کسی چٹان پر پٹخ کر ان کے جسموں کو پاش پاش کر سکتا تھا۔

دیر تک ہرمیت سنگھ اور نمران ساتھ ساتھ سفر کرتے رہے۔ پھر جوزف نے ہرمیت کو آواز دی اور ہرمیت آگے بڑھ کر جوزف کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ جونہی ہرمیت سنگھ آگے بڑھا۔ نورینہ اپنی جگہ چھوڑ کر نمران کے نزدیک پہنچ گئی اس کے شانوں پر بھی وزن لدا ہوا تھا لیکن دوسرے لوگوں سے کافی کم تھا اس نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

"میں اس وزن کو لے کر زیادہ دور نہ چل سکوں گی۔"

"لاؤ یہ بیگ کھول کر مجھے دو" نمران نے کہا اور نورینہ اسے دیکھ کر مسکرانے لگی۔

"یہ بوجھ تو میں تم پر ابھی نہیں لادنا چاہتی لیکن میری زندگی کا بوجھ تمہیں ضرور سنبھالنا پڑے گا۔"

"نمران نے کوئی جواب نہیں دیا' وہ گردن گھما کر جیولن کی طرف دیکھنے لگا۔ جس کی آنکھوں میں اسے نفرت کی آگ سلگتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے چند لمحات کے بعد مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے یقین ہے کہ اس کی نوبت نہیں آئے گی۔"

"کیا مطلب؟" نورینہ کی مسکراہٹ کافور ہو گئی۔

"جیولن کی آنکھوں میں سلگتی ہوئی آگ یہ بتاتی ہے کہ وہ شاید اس جنگل ہی میں ہمارا تمام حساب کتاب مکمل کر دے گا" نمران نے کہا اور نورینہ کے ہونٹ سکڑ گئے اور وہ چند لمحات خاموش رہی پھر اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"میں نے مصلحتاً اسے ابھی زندہ رہنے دیا ہے۔ نمران' ورنہ وہ زندگی کے بوجھ سے آزاد ہو چکا ہوتا۔ تاہم تم فکر مت کرو اس کی زندگی بہت مختصر رہ گئی ہے۔"

"ارے ارے تم تو سنجیدہ ہو گئیں۔ میں نے یہ بات بطور مذاق کہی تھی نہیں نورینہ بالکل نہیں تمہارے ہاتھوں جیولن کو کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہیے تمہارا کیا خیال ہے میں چوہا ہوں اگر اس نے کوئی حرکت کی تو میں اسے خود سبق دے سکتا ہوں۔"

"وہ تمہارا دشمن ہے۔"

"اسے میں سنبھال لوں گا۔ تم اطمینان رکھو" نمران نے کہا ویسے وہ اب کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا نورینہ کا ٹائپ اس کی سمجھ میں آ رہا تھا یہ لڑکی جنونی جذبے رکھتی تھی اور نمران سے بہت متاثر ہو گئی تھی۔ ظاہر ہے اس کی محبت کا جواب محبت سے نہیں دے سکتا تھا اس نے تو محبوب کی خاطر زندگی داؤ پر لگا دی تھی اور اس کی تنہائیاں الانکا کی روشنی سے منور تھیں۔ اس کی یاد ہر لحظہ نمران کے دل میں سلگتی رہتی تھی لیکن نورینہ سے انحراف خطرناک ہو سکتا تھا اور ابھی حالات اس بات کے متقاضی تھے کہ ان لوگوں کا ساتھ رہے۔

چنانچہ اسے ہوشیاری سے کام کرنا [illegible] ورنہ ضرور کوئی المیہ جنم لیتا وہ جیولن کو بھی اپنی ذات کی وجہ سے کوئی نقصان نہیں پہنچانا چاہتا تھا حالانکہ [illegible] نے اسے پہلی ملاقات میں سمجھایا تھا لیکن نورینہ کی اس یگانگت کو برداشت نہیں کر پا رہا تھا [illegible] یہ مسئلہ بھی کم از کم ذہن کو مصروف رکھنے کا باعث بن گیا تھا اور وقت

گزارنے کے لئے برا نہ تھا۔

پورے دن کا سفر ختم ہو گیا اور جس جگہ رات ہوئی وہاں دریاں کا بہاؤ طوفانی تھا تیز آوازیں ابھر رہی تھیں اور فضاء میں ایک گڑگڑاہٹ تھی یہاں رک کر جوزف نے کہا۔

''ہمیں دریا سے کافی دور ہٹنا ہو گا۔ ورنہ پانی کا شور کسی کو نہ سونے دے گا۔ رات اگر پرسکون گزر جائے تو دوسری صبح سفر کی رفتار بہتر رہے گی۔''

''اس میں حرج ہی کیا ہے صبح کو دریا کا کنارہ پھر سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جس جگہ رات ہوئی تھی وہاں روئیدگی بہت کم تھی وہ دریا سے اتنی دور نکل آئے کہ پانی کا شور بہت مدھم ہو گیا اور پھر ایک بڑے ٹیلے کی آڑ میں ڈیرے ڈال دیے گئے کافی وزن ہونے کے باوجود بڑی پامردی سے سفر کیا گیا اور رفتار خاصی تیز رکھی گئی تھی۔

لیکن چونکہ وہ خوب آرام کر چکے تھے اس لئے اس سفر نے کسی کو نڈھال نہیں کیا تھا بڑی احتیاط سے خوراک تقسیم کی گئی اور پھر وہ لوگ اپنی اپنی پسند کی جگہ منتخب کر کے آرام کرنے لیٹ گئے۔ موسم خوشگوار اور خنک تھا اور آسمان پر چاند نکلا ہوا تھا۔ تیز چاندنی نے ماحول کو روشن کر دیا تھا خوشگوار ہواؤں نے اثر دکھایا اور بہت سے لوگ سو گئے نمران کی آنکھوں میں بھی نیند آنے لگی تھی۔

لیکن وہ پوری طرح نیند کی آغوش میں نہ پہنچا تھا کہ کسی کی آہٹ سے اس کی آنکھ کھل گئی۔ اتفاق سے نگاہوں کا جو زاویہ تھا نورینہ اسی جگہ تھی چاندنی میں نمران نے اسے بہ خوبی دیکھ لیا تھا اور پھر وہ ٹیلے کی آڑ میں روپوش ہو گئی تھی۔

نمران اچھل کر بیٹھ گیا...... اس کے ذہن میں ایک خیال آیا تھا دوسرے لمحے اس نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور پھرتی سے اس طرف لپکا جدھر نورینہ گم ہوئی تھی یہاں پہنچا تو اس نے نورینہ کو آگے بڑھتے دیکھا اس سے کافی فاصلے پر نمران کو ایک اور انسانی وجود نظر آیا اور تیز چاندنی میں نمران نے اسے پہچان لیا تھا وہ جیولن ہی تھا یہ دونوں دیوانے ضرور کوئی گل کھلائیں گے نمران نے سوچا اور پھر وہ تیزی سے آگے بڑھنے لگا۔

نورینہ بھی تیز رفتاری سے جیولن کا تعاقب کر رہی تھی۔ ضرور اس کے ارادے خطرناک تھے نمران کی رفتار تیز ہو گئی۔ نورینہ نے دوڑنا شروع کر دیا اور اس کے دوڑنے کی وجہ نمران کی سمجھ میں آ گئی تھی جیولن نگاہوں سے روپوش ہو گیا تھا مجبوراً نمران کو بھی دوڑنا پڑا آگے کسی قدر ڈھلان تھی اور ان ڈھلانوں میں بڑی بڑی چٹانیں نظر آ رہی تھیں یہاں پہنچ کر نمران رک گیا جیولن ان چٹانوں کی آڑ میں ہو گیا تھا اس نے نورینہ کو دیکھا جو ایک جگہ رک کر ادھر ادھر نظریں دوڑا رہی تھی۔

پھر وہ ایک اونچی جگہ پر کھڑی ہو گئی غالباً جیولن اس تعاقب سے واقف ہو گیا تھا اس نے خود کو نورینہ کی نگاہوں سے روپوش کر لیا تھا۔

کافی دیر اسی طرح گزر گئی۔ نورینہ چٹان سے اتر کر ادھر ادھر بھٹکنے لگی اس طرح مزید کچھ وقت گزر گیا۔ نمران نے خود کو نورینہ کی نظروں سے پوشیدہ رکھنے کے لئے ایک اونچی چٹان کی آڑ لی تھی اور یہاں سے اس کی کارروائی دیکھ رہا تھا پھر نورینہ [illegible] ہو گئی اور نمران نے اسے واپس پلٹتے ہوئے دیکھا۔

وہ فیصلہ نہ کر پایا کہ اب اسے کیا کرنا چاہیے نورینہ کو سمجھانا بھی تو کس طرح...... دونوں پر ہی جنون طاری تھا۔ نورینہ بہت دور نکل گئی نمران نے خود بھی واپسی کا فیصلہ کیا لیکن ابھی وہ ایک قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ اچانک ایک آہٹ ہوئی اور اس کے ساتھ ہی چاندنی نے ایک انسانی سایہ پیش کیا جس نے چٹان کی بلندی سے نمران پر چھلانگ لگائی تھی۔

♥ .... ♥ .... ♥

شہباز خان ساکت کھڑا رہ گیا تھا گرودارا احاطے سے باہر نکل گیا تھا پھر کچھ فائروں کی آوازیں ابھریں اور اس کے بعد خاموشی چھا گئی یہ حملہ کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا کون لوگ ہو سکتے ہیں کیا کرنل مقبول اور...... اور مگر اور کون...... اوہو ہو سکتا ہے وہ دیوانہ جوزف ہو اسے کہیں سے ہتھیار مل گئے ہوں اور اس نے جنون کے عالم میں بستی پر حملہ کر ڈالا ہو۔ مگر یہ ایک بدترین سانحہ ہو گا ان لوگوں کی تعداد ہی کتنی ہے اور مقابلے پر یہ پوری بستی ہے جو انہیں بھون کر رکھ دے گی۔ خوف یہ تھا اس کے بعد ان لوگوں سے بھی کوئی رعایت نہیں برتی جائے گی جو قیدی ہیں سردار تاشی انہیں ایک ہی سمجھتا ہے جو لوگ اس کے ہاتھ لگ گئے تھے وہ انہی سے اپنے ساتھیوں کے نقصان کا بدلہ لینا چاہتا تھا یہ اندازہ لگائے بغیر کہ یہ لوگ 'سندھانیوں پر گولی چلانے کے مجرم بھی تھے یا نہیں۔

بھاگ دوڑ مسلسل جاری تھی لیکن اب گولیاں نہیں چل رہی تھیں شہباز اپنی جگہ کھڑا انتظار کرتا رہا پھر وہ اس احاطے سے باہر نکل آیا سندھانی اپنی زبان میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے شہباز قیدیوں کے احاطے کی طرف چل پڑا۔

یہاں صورتحال اور خراب نظر آئی بہت سے سندھانی شروک اور اس کے ساتھیوں پر بندوقیں تانے کھڑے تھے اور ان لوگوں کی حالت خراب تھی سندھانیوں نے شہباز کو بھی پہچان لیا اور پھر اسے دھکے دے کر دوسرے قیدیوں کے درمیان پہنچا دیا۔

پروفیسر حاتم 'شہباز کی طرف کھسک آیا تھا۔

''کیا ہوا پروفیسر......؟ شہباز نے سوال کیا۔

''شروک کا ایک ساتھی احاطہ کود کر فرار ہو گیا۔ سندھانی اس کے پیچھے گئے ہیں۔''

''یہ اسی کا ہنگامہ ہے۔''

''ہاں اسے فرار ہوتے دیکھ لیا گیا ہے ان لوگوں نے اس پر گولیاں بھی چلائیں پتا نہیں بے چارہ زندہ بھی رہا یا کام آ گیا'' پروفیسر نے کہا شہباز خاموش ہو گیا۔ صورت حال بڑی مخدوش ہو گئی تھی وہ جانتا تھا کہ شروک اور اس کے ساتھی بہت خوف زدہ ہو گئے ہیں۔ فطری بات تھی، سندھانی انہیں ان کے انجام سے آگاہ کر چکے تھے بظاہر کوئی امید نہیں تھی شہباز خان احاطے میں ایک امید کے ساتھ رک گیا تھا۔

نوجوان سندھانی اسے کچھ متلون نظر آیا تھا اور شہباز کسی طرح اسے پھنسانے کے چکر میں تھا لیکن اس ہنگامے نے اسے کامیاب نہ ہونے دیا۔

شروک بزدل انسان تھا اس کی حالت بہت ابتر تھی شہباز کے دیکھنے کے باوجود اس [illegible]

آسکا تھا۔ شہباز خود ہی اس کے پاس پہنچ گیا۔ مستان بھی شروک کے پاس موجود تھا۔

"سوری میرے دوست سوری۔ مسٹر شہباز میرے اعصاب بیکار ہو گئے ہیں میں اٹھ نہیں سکتا۔"

"تمہیں اس قدر خوف زدہ نہیں ہونا چاہیے شروک۔"

"آہ اب زندگی کی کیا امید رہ گئی ہے اب تو وہ ہمیں بہت جلد ہلاک کر دیں گے۔"

"کون فرار ہوا ہے" شہباز نے پوچھا۔

"جیسم اس پر دیوانگی طاری ہو گئی تھی۔ بھلا بھیڑیوں کے اس غول سے وہ کس طرح نکل سکتا ہے اب تک وہ اسے چیر پھاڑ چکے ہوں گے بے وقوف جیسم مگر یہاں سب زندگی سے مایوس ہیں آہ کچھ کرو شہباز مجھے بچالو۔ میں مرنا نہیں چاہتا۔"

شہباز نے کوئی جواب نہ دیا ان حالات میں کوئی احمقانہ بات کر بھی نہیں سکتا تھا کیا کہتا حالات واقعی ناگفتہ بہ تھے پھر احاطے میں طوفان آ گیا سندھائی سردار تاشی دوڑتا ہوا اندر داخل ہوا تھا اور ان لوگوں کو دیکھ کر زور زور سے چیخنے لگا۔ بہت سے سندھائیوں نے ان سب کو جکڑ لیا اور پھر ان کے ہاتھ پاؤں رسیوں سے باندھے جانے لگے۔ ان کی یہ مختصر آزادی بھی ختم ہو گئی تھی۔ سردار تاشی نے چرن گیتا اور شروک کے کچھ ساتھیوں کو لاتیں بھی ماریں۔ شہباز کو بھی باندھ دیا گیا اب کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا تھا۔

"شر......" مستان نے شہباز کو مخاطب کیا اور شہباز چونک کر اسے دیکھنے لگا مستان نے اس کے بعد کچھ نہیں کہا تھا۔

"کیا بات ہے مستان" شہباز نے کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد پوچھا۔

"نو شر کچھ نہیں۔" مستان نے گردن جھکا لی شہباز اسے دیکھتا رہا۔ بے چارہ مستان مفت میں مارا جا رہا تھا اسے تو خزانے سے دلچسپی نہیں تھی وہ تو ان کی مروت میں یہاں آ پھنسا تھا۔

وقت گزرتا رہا یہ پتا نہیں چل سکا تھا کہ جیسم کا انجام کیا ہوا تمام لوگ رات بھر جاگتے رہے پھر صبح ہو گئی۔ سندھائی اپنے معمولات میں مصروف نظر آ رہے تھے لیکن ان لوگوں کے ساتھ اب ان کا رویہ بہت سخت ہو گیا تھا دن کے دس بجے کا وقت ہو گا کہ شہباز نے گروارہ کو احاطے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا اس کی نگاہیں ادھر ادھر کچھ تلاش کر رہی تھی پھر شہباز خان کو دیکھ کر وہ اس کی جانب بڑھا اور گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس نے شہباز خان کی بندشیں کھول دیں۔

"سوری مائی ڈیئر مجھے فرصت ہی نہ مل سکی کہ تمہاری خبر گیری کرتا میں تو سمجھا تھا کہ شاید تم اس افراتفری سے فائدہ اٹھا کر اس شخص کی طرح نکل گئے ہو گے جو ہم لوگوں کے درمیان سے فرار ہو چکا ہے" شہباز خان نے اپنی کلائیوں کو مسلتے ہوئے کہا۔

"نہیں مسٹر گروارہ میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ تمہاری ثقافت کے نقش میرے ذہن میں اس قدر گہرے ہو گئے ہیں کہ تمہارے بارے میں اس انداز سے نہیں سوچ رہا جس انداز سے دوسرے لوگ سوچ رہے ہیں۔ میں تمہارے بارے میں مزید تحقیق چاہتا ہوں' جس شخص نے یہاں سے فرار ہو کر دوسروں کو عذاب میں گرفتار کرا دیا ہے میں اسے بھی مجرم نہیں گردانتا۔ موت کے خوف نے اسے اس حد تک قدم اٹھانے

پر مجبور کیا تھا اور جو کچھ تم نے اس کے بعد کیا اس سے بھی مجھے اختلاف نہیں ہے کیونکہ ظاہر ہے تمہارے اپنے کچھ نظریات ہیں۔"

گروارہ عجیب سی نظروں سے شہباز کو دیکھنے لگا پھر اس نے کہا۔

"آؤ میرے ساتھ میں اپنی ضمانت پر تمہارے لئے آسانیاں فراہم کر سکتا ہوں لیکن ابھی ان لوگوں کو آزاد کرانا میرے بس کی بات نہیں ہے۔ سردار تاشی انتہا پسند آدمی ہے اور اس کے نظریات مجھ سے بالکل مختلف ہیں۔ بہر طور یہ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی۔ آؤ یہاں سے نکلتے ہیں ان لوگوں کے ساتھ ابھی مجبوراً سختی جاری رہے گی اس وقت تک جب تک تاشی نارمل نہ ہو جائے۔

شہباز خان نے ایک نگاہ دوسروں کی جانب دیکھا۔ حالانکہ وہ جس منصوبے پر کام کر رہا تھا اس میں اسے مکمل ناکامی ہوئی تھی اور اس واقعے کے بعد اس کے امکانات نہیں رہے تھے۔ کہ وہ ان لوگوں کے لئے کچھ کر سکے گا لیکن گروارہ بھی اس میں دلچسپی لینے لگا تھا۔

چنانچہ شہباز خان کے ذہن میں پھر ایک امید کی کرن روشن ہو گئی تھی اس کے بعد گروارہ پھر اسے اپنی رہائش گاہ میں لے آیا تھا جھونپڑی میں اور کوئی نہیں تھا گروارہ نے اسے بیٹھنے کی پیش کش کی اور باہر نکل گیا تھوڑی دیر کے بعد شہباز خان کے لئے کھانے پینے کی اشیاء لے آیا تھا۔

"میں کوشش کروں گا کہ دوسرے لوگوں کو بھی کم از کم خوراک ضرور مل جائے بلکہ میں تھوڑی دیر کے بعد ان کے ہاتھ کھلوا دوں گا لیکن پیر بندھے ہی رہیں گے تاکہ ان کے فرار کا خطرہ دور ہو جائے۔

شہباز خان نے کوئی جواب نہیں دیا۔ گروارہ پھر بولا۔

"براہ کرم کھاؤ تم مجھے بہت پسند آئے ہو اور میں تمہیں اپنا دوست تصور کرتا ہوں۔"

"شکریہ۔ گروارہ انسانوں سے نفرت کرنا ہم نے بھی نہیں سیکھا۔ حالانکہ ہماری تمہاری ملاقات عجیب و غریب حالات میں ہوئی ہے۔ لیکن میں اس عظیم ملاقات سے اور تمہاری معلومات سے بہت متاثر ہوا ہوں۔ یہاں سے فرار کا خیال بھی میرے ذہن میں نہیں آیا چھوڑو ان باتوں کو آؤ تم بھی میرے ساتھ شریک ہو جاؤ" گروارہ نے ایک مہذب انسان کی طرح کھانے میں شہباز خان کا ساتھ دیا اور اس سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اس نے کہا۔

"کل ہماری گفتگو ادھوری رہ گئی تھی۔ میں تمہیں اپنے بارے میں بتا رہا تھا بہر طور میں یہاں آیا جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا کہ تاشی ان جنگلوں اور ساحلی بستیوں میں لوٹ مار کر کے اپنی بستیوں میں رہنے والوں کا پیٹ بھرتا تھا لیکن اس کے بعد ہمارا یہ کاروبار بھی ختم ہو گیا۔ پولیس نے بڑے پیمانے پر ریڈ کیا اور ہم لوگوں کو بے شمار کسانوں کا نقصان اٹھانے کے بعد جنگلوں میں پسپا ہونا پڑا اور ہم نے اندرونی علاقوں میں چھوٹی چھوٹی بستیاں آباد کر لیں اور اب ہمارے پاس ضروریات زندگی حاصل کرنے کا وہ ذریعہ بھی ختم ہو چکا ہے۔ سلہری کی ساحلی بستیاں پولیس کی تحویل میں ہیں ہمارے پاس زندگی گزارنے کے لئے کچھ نہیں ہے یہ سب ننگے بھوکے جانوروں' پھلوں اور پتوں پر گزارہ کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ بھی تمہاری طرح انسان ہی تھا۔ ہمیں بھی اس دنیا میں انسانوں کی طرح جینے کا حق حاصل ہے۔ لیکن انسان ہی ہم سے یہ حق چھین چکے

ہیں۔ چنانچہ یہ سب کارروائی جو ہوئی وہ مہذب دنیا کے انسانوں سے نفرت کا نتیجہ ہے اور نجانے کب تک یہ سب کچھ جاری رہے گا......؟ شہباز خان پرخیال نگاہوں سے گروارہ کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔

"ڈیئر مسٹر گروارہ ان لوگوں کے درمیان تمہاری کیا حیثیت ہے؟"

"میرے دوست یہاں حیثیتوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ ویسے میں تاشی کا دست راست ہوں حالانکہ تاشی سے مجھے اتفاق نہیں ہے۔ میں نے بہت سی تجاویز پیش کی ہیں۔ اس دوران مگر تاشی کہتا ہے کہ مہذب دنیا میں ہمارا کوئی مقام نہیں ہے اور اگر ہم ان کے درمیان پہنچے تو ہمیں صرف اور صرف موت دی جائے گی۔ میں بھی جانتا ہوں کہ ایسا ہی ہوگا میری دلی خواہش ہے کہ جنگلوں کے یہ باسی انسانوں کی مانند زندگی گزاریں۔ ہم لوٹ مار ترک کر سکتے ہیں اگر ہمارے پیٹ بھر جائیں" شہباز خان کو یہ سب مناسب وقت نظر آیا تھا جب وہ اپنے مقصد کا اظہار کر سکے اس نے کہا۔

"ان جنگلوں میں تمہارے یہ مسائل کیسے حل ہو سکتے ہیں۔ مسٹر گروارہ؟"

"ایک ہی ذریعہ ہو سکتا ہے دولت اور صرف دولت میں مہذب لوگوں کی طرح زندگی گزارنا چاہتا ہوں۔ ہم ان جنگلوں ہی میں اپنی اس نئی زندگی کا آغاز کر سکتے ہیں۔ کھیتی باڑی اور وہ تمام کام جو مہذب آبادیوں میں کئے جاتے ہیں ان جنگلوں میں بھی ہو سکتے ہیں لیکن اس کے لئے ہمیں دولت درکار ہے کاش میں ان لوگوں کو بھی مہذب انسانوں کی مانند یا کم از کم انسانوں ہی کی مانند زندگی گزارنے کا وسیلہ دے سکوں۔"

شہباز خان بہ دستور گروارہ کی صورت دیکھ رہا تھا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"گروارہ تم نے یہ نہیں پوچھا کہ ہم لوگ اس جنگل میں کیوں بھٹکتے پھر رہے ہیں" گروارہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

"میں جانتا ہوں کہ جب انسان آسائشوں سے اکتا جاتا ہے تو پھر وہ اپنے لئے ایسے ہی راستے تلاش کرتا ہے۔"

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے ہم لوگ ان جنگلوں میں ایک عظیم الشان خزانے کی تلاش میں آئے ہیں۔"

گروارہ نے شہباز خان کی صورت دیکھی اس کے چہرے پر ایک دم سنسنی سی پھیل گئی۔ پھر وہ سرسراتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"خزانہ۔"

"ہاں ایک عظیم الشان خزانہ جس کی وسعت ناقابل یقین ہے اور جس کے نشانات مل چکے ہیں۔"

"کیا وہ خزانہ سلہری کے جنگلات میں ہے؟" گروارہ نے پوچھا۔

"ہاں ڈیئر گروارہ اس میں کوئی شک نہیں ہے۔"

"آہ...... تب تو وہ خزانہ ہمارا ہے تمہاری دنیا اس کی حق دار نہیں ہے مسٹر شہباز وہ خزانہ ہماری

ملکیت ہے۔"

"خزانہ اس کی ملکیت ہوتا ہے جو اسے تلاش کرلے ہم لوگ یہاں کئی پارٹیوں کی شکل میں آئے ہیں اور یہ پارٹیاں ایک دوسرے کی دشمن ہیں۔ جن لوگوں نے سندھانیوں کو ہلاک کیا وہ ہم نہیں تھے بلکہ وہ دوسری پارٹیاں تھیں۔ جو ہم سے بھی اسی طرح جنگ کرتی آئی ہیں اگر ہم یہ بات تم سے کہتے تو تم شاید نہ مانتے لیکن اب چونکہ تم نے مجھے دوستانہ طور پر بات کرنے کا موقع دیا ہے۔ تو میں تمہیں یہ بات بتا رہا ہوں۔ جنگلوں میں کئی پارٹیاں ہیں ان میں ہمارے بھی کچھ آدمی ہیں۔ جو ہم سے بچھڑ گئے ہیں اور یہ سب اسی عظیم الشان خزانے کی تلاش میں ہیں لیکن خزانے کے صحیح راستے میرے ساتھیوں کو معلوم ہیں۔ کاش ہم اس طرح نہ بھٹکتے اور ان خزانوں تک پہنچ سکتے۔" گروارہ کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اس کی آنکھیں شیشے کی گولیوں کی مانند چمک رہی تھیں پھر اس نے کہا۔

اس کا مطلب ہے کہ اگر...... اگر وہ خزانہ ہمارے ہاتھ لگ جائے تو میری تمام آرزوئیں پوری ہو سکتی ہیں لیکن خزانے کے راستے؟ اس تک پہنچنے کا ذریعہ......؟"

"گروارہ اگر تم چاہو تو ہم سودا کر سکتے ہیں بشرطیکہ یہ خود تمہاری اپنی یہ خواہش ہو۔"

"کیسا سودا......؟"

"خزانے تک پہنچنے کے لئے ہمیں تمہاری مدد درکار ہوگی۔ جو دوسری پارٹیاں اس خزانے کی تلاش میں بھٹک رہی ہیں ہم انہیں ناکام رکھیں گے۔ بشرطیکہ ہمارے ساتھ قوت ہو۔ خزانہ حاصل کر لیا جائے گا اور اس کا ایک بہت بڑا حصہ تمہیں دیا جا سکتا ہے اس بات کا یقین کر لو کہ یہ جتنا حصہ تمہیں ملے گا۔ اس سے تم یہاں تبدیلیاں کر سکتے ہو خزانہ اتنا ہی بڑا ہے۔" گروارہ کے اعصاب کشیدہ نظر آ رہے تھے وہ شدید جوش کے عالم میں تھا اس نے دانت بھینچتے ہوئے کہا۔

"مجھے وہ خزانہ درکار ہے۔ میں وہ خزانہ حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ یہ تو میری زندگی کا سب سے بڑا مقصد ہے کہ میں اپنی قوم کو اس قابل بنا سکوں کہ وہ بھی انسانوں کی مانند جی سکیں۔"

"اس کے لئے ایک دوست کی حیثیت سے میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ اس کے لئے تمہیں میرے تمام ساتھیوں کو موت سے بچانا ہوگا۔ اگر تم اسے کوئی فریب تصور کرتے ہو تو یہ صرف تم پر منحصر ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میں بھی اپنے ساتھیوں کی موت نہیں چاہتا۔ لیکن اس کے عوض میں تمہیں اس عظیم الشان خزانے کا ایک بہت بڑا حصہ دینے کے لئے تیار ہوں۔ اگر تمہارا ذہن گواہی دے تو میری اس پیش کش کو قبول کر لینا ورنہ ظاہر ہے کہ میں تمہیں کسی اقدام سے نہیں روک سکتا۔" گروارہ گہری نگاہوں سے شہباز خان کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر اس نے شہباز کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں دوست پتا نہیں کیوں مجھے تم پر اعتماد محسوس ہوتا ہے۔ لیکن یہ سب اتنا مشکل ہے کہ میں تمہیں بتا نہیں سکتا۔ سردار تاشی انتہا پسند ہے وہ اپنی روایتوں سے ہٹنا نہیں جانتا۔ وہ تم سے انتقام لینے کا خواہاں ہے اور اگر میں یہ تجویز اس کے سامنے پیش کر دوں۔ تو وہ صرف اور صرف یہ سوچے گا کہ تم اپنے ساتھیوں کی زندگی بچانا چاہتے ہو اور اس طرح ہمارے جنگل سے نکل جانے کی فکر میں ہو۔ لیکن میری سوچ

مختلف ہے میں ہر خطرہ مول لینے کے لئے تیار ہوں اگر میرے ساتھیوں کو بہتر زندگی مل سکے۔ لیکن سردار تاشی وہ کسی قیمت پر یہ بات نہیں مانے گا لیکن میں اس سنہرے موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دوں گا۔ مسٹر شہباز مجھے مشورہ دو کہ اس کے لئے مجھے کیا کرنا چاہیے۔"

"آخری بار تم سے یہ سوال کر رہا ہوں مسٹر گروارو...... کہ کیا تم اپنے گروہ کے ساتھ ہمارا ساتھ دے سکتے ہو کیا تم ہم پر یقین کر سکتے ہو......؟"

"میں ذرا مختلف طرح کا انسان ہوں۔ جو فیصلہ کر لیتا ہوں وہ غلط ہو یا صحیح اس پر قائم رہتا ہوں اور میں تم پر اعتماد کر چکا ہوں۔ تمہارے ہاتھوں اگر کوئی نقصان اٹھایا تو کوئی بات نہیں۔ یہی سوچوں گا کہ بالآخر زندگی اسی انداز میں ختم ہونی تھی اور اگر کچھ حاصل ہو گیا تو میری خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہ ہوگا" شہباز خان چند لمحات خاموشی سے سوچتا رہا پھر اس نے کہا۔

"تو پھر ٹھیک ہے سردار تاشی کو تم کس طرح تیار کرتے ہو...... یہ تمہارا اپنا مسئلہ ہے لیکن اگر تم ان تمام کوششوں میں کامیاب ہو گئے تو تمہیں ان خزانوں تک لے جانا میری ذمہ داری ہے"

"تاشی۔ نہیں ڈیئر شہباز اس کی زندگی میں یہ سب کچھ ناممکن ہے اب تاشی کو مر جانا چاہیے۔ میں نے پہلے بھی بارہا یہ بات سوچی ہے کہ وہ مجھے اپنی زندگی میں کبھی کچھ نہیں کرنے دے گا جو میں اپنی قوم کے لئے کرنا چاہتا ہوں۔"

"اور یہ بات تم بڑے اعتماد سے کہہ رہے ہو۔"

"جانتا ہوں میں جانتا ہوں کہ تم کسی طرح میرے لئے نقصان دہ ثابت نہیں ہو سکتے ٹھیک ہے مسٹر شہباز اب میں تم سے اس وقت ملاقات کروں گا جب اپنے تمام مسائل پر قابو پالوں گا اور سنو میں تمہارے سب ساتھیوں کے ہاتھ کھلوائے دے رہا ہوں انہیں خوراک بھی بھجواتا ہوں براہ کرم جس طرح بھی ممکن ہو سکے اس وقت تک اپنے ساتھیوں میں کوئی انتشار نہ پیدا ہونے دینا۔ جب تک میں اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو جاؤں" شہباز خان نے گردن ہلا دی۔

"ٹھیک ہے۔"

♥......♥......♥

تاریکیاں چھٹ گئیں اور روشنیاں پھیل گئیں کرنل نے آنکھیں کھول کر ماحول کا جائزہ لینا چاہا لیکن آنکھوں کے سامنے ماحول واضح نہ ہو سکا۔ ایک دھندلاہٹ سی چھائی ہوئی تھی۔ حواس کچھ اور آگے جاتے تو قوت شامہ نے خواب دکھانے شروع کر دیئے یہ گوشت بھننے کی خوشبو تھی۔

"کرنل مقبول" ایک آواز بہت قریب سے ابھری اور کرنل مقبول نے زور سے آنکھیں بھینچ کر کھولیں ایک چہرہ اس کی نگاہوں کے سامنے تھا لیکن نقوش نظر نہیں آ رہے تھے۔

"شاید...... شاید میری بینائی ساتھ چھوڑ گئی ہے" کرنل کی بھرآئی ہوئی آواز ابھری۔

"اوہ نہیں شدید بھوک نے تمہاری یہ کیفیت کر دی ہے۔ آؤ میرا سہارا لے کر اٹھو۔" نرم ملائم ہاتھ نے کرنل کو سہارا دیا اور کرنل اٹھ کر بیٹھ گیا۔ سر چکرا رہا تھا۔

"تم بیٹھو میں تمہارے لئے گوشت لاتی ہوں۔" کرنل بیٹھا رہا۔ اب دھندلاہٹیں کچھ کم ہونے لگی تھیں لیکن سر اب بھی چکرا رہا تھا۔ آنکھوں کے سامنے ترمرے ناچ رہے تھے بھوک واقعی شدید ہو چکی تھی پھر اس نے ہاتھوں میں بھینچ لیا بھوک بھی کیا چیز ہے ساری تحریک چھین لیتی ہے اور اصلیت جاگنے لگتی ہے۔ کرنل گوشت سیورتا اور معدہ وزنی ہوتا گیا۔ پھر اسے اور گوشت دیا گیا۔ پھر پانی جو کسی برتن میں ہی تھا۔

"اب تم تھوڑی دیر مزید آرام کرو تمہاری حالت بہتر ہو جائے گی" اس آواز نے کہا اور کرنل لیٹ گیا۔

نیند تو پوری ہو گئی تھی لیکن بدن اس طرح بے جان ہو رہا تھا جیسے تمام قوتیں ختم ہو گئی ہوں۔ دماغ شدید بوجھل ہوتا جا رہا تھا۔ پھر کافی دیر تک کرنل پر غنودگی سی طاری رہی۔ اس کے بعد اس کی کیفیت بہتر ہوئی اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا پراسرار عورت تھوڑے فاصلے پر ہی بیٹھی ہوئی ایک نوکدار پتھر سے زمین پر لکیریں بنا رہی تھی۔

"تمہارے ساتھیوں میں ہرمیت سنگھ اور شہبانہ خان بھی تھے ناں۔" کرنل حیرت سے اچھل پڑا۔

"ہاں وہ میرے ساتھ تھے۔ اس کے علاوہ میرا بیٹا نمران اور چند دوسرے افراد بھی تھے الاکشاء کے بارے میں میں بتا چکا ہوں ہم اس لڑکی کے ماضی کا سراغ لگانے نکلے تھے۔ ان میں سے چند کسی خزانے کے چکر میں بھی تھے۔"

"ہاں...... میں انہی کے بارے میں حساب لگا رہی ہوں وہ سب زندہ ہیں جن کا تعلق تم سے ہے۔ ان میں تمہارا بیٹا نمران بھی ہے اور وہ دوسرے بھی جو صرف خزانے کے چکر میں آئے تھے۔ صرف ان کے گروہ کے کچھ لوگ ہلاک ہو گئے ہیں باقی سب زندہ ہیں"

"اور الاکشاء......؟" کرنل نے پرمسرت لہجے میں پوچھا۔ "وہ بھی زندہ ہے لیکن وہ بھی اپنے دشمنوں کی قید میں ہے۔ انہوں نے اسے سانپوں کی وادی میں قید کر دیا ہے۔ لیکن اس کا نام الاکشا نہیں ہے۔ ششوانا ہے۔"

"ششوانا...... ششوانا۔ کیا تم واقعی اس کے ماضی کے بارے میں جانتی ہو......"

"افسوس میں تمہیں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتی۔ اس کا راز اس جنگل کی امانت ہے۔"

"یہ کیا معمہ ہے؟ کبھی حل ہو سکے گا......؟"

"یہ جواب بھی میرے لئے ممکن نہیں ہے اس سے تمہاری جدوجہد کے راستے بند ہو جائیں گے۔ لیکن تم نے ششوانا کے لئے جو کچھ کیا ہے اس پر لاتعداد انسان تمہارے احسان مند ہیں تم ان کی نگاہوں میں ششوانا کے محافظ ہو۔ وہ تمہیں قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں۔"

"میں تمہیں کس نام سے پکار سکتا ہوں۔"

"کشوشہ" اس نے جواب دیا۔

"تم کون ہو؟" کرنل نے بے اختیار پوچھا اور پھر وہ مسکرا دی اور پھر اس نے کہا۔

"جو جان لو...... اسے گرہ میں باندھ لو...... اور جو نہ جان سکوں اس کے لئے تجسس نہ کرو۔ وقت

ہر راز کی عقدہ کشائی کر دیتا ہے اور یہ کہانی وقت کی زبانی بہتر لگتی ہے اور ابھی تمہیں کچھ اور جدوجہد کرنی ہے یہ تمہارے لئے ضروری ہے اور کسی اور کے لئے بھی۔"

"میرے سامنے جدوجہد کرنے کے راستے بھی تو ہوں" کرنل نے حیرت سے کہا۔

"ہاں...... یہ وقت بچ کا ہے۔"

"جب میں آگ کے سمندر میں بھی چھلانگ لگا سکتا ہوں مجھے بتاؤ مجھے کیا کرنا ہے۔"

"ہمیں یہاں سے آگے کا سفر کرنا ہوگا لیکن خود کو بدل کر۔ بہت سی کٹھن منزلیں آئیں گی لیکن سب ٹھیک ہو جائے گا۔ میرا علم یہی کہتا ہے یہ سفر اب تمہارے لئے مشکل نہ رہے گا۔ میرے ساتھ آؤ" اس نے کہا اور اٹھ کھڑی ہوئی کرنل اس کے ساتھ چل پڑا تھا۔

اس غار میں چلے جاؤ یہاں تمہارے لئے لباس بھی ہے اور بندوق بھی جاؤ تیار ہو کر آ جاؤ اس نے ایک چٹانی غار کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ جو کچھ فاصلے پر تھا اور کرنل خاموشی سے اس طرف بڑھ گیا۔

اس نے سچائی کو مان لیا تھا اور ان پراسرار جنگل کی کہانیاں اس کی سمجھ میں نہیں آ سکتیں۔ غار میں ایک شکاری لباس ایک عدد رائفل اور اس کا میگزین موجود تھا نئے لباس نے کرنل کو نئی زندگی دی تھی۔ یہ لباس اس کے بدن پر اس طرح آیا تھا جیسا اس کے لئے ہی تیار کیا گیا ہو وہ باہر نکلا تو ایک اور حیرت انگیز منظر اس کا منتظر تھا۔

کشوتہ دو گھوڑوں کی لگام تھامے کھڑی تھی اس کا لباس بھی بدل گیا تھا بال جوڑے کی شکل میں باندھ لئے گئے تھے اور وہ جدید زمانے کی کوئی عورت معلوم ہو رہی تھی کرنل کو دیکھ کر وہ مسکرائی اور بولی۔

"کیا میں تمہاری جدید دنیا کی کوئی فرد نہیں معلوم ہو رہی۔"

"سو فیصدی۔ لیکن کیوں......؟"

"ہمیں جن راستوں پر آگے بڑھنا ہے وہ پر خطر ہیں۔ وہاں میرا پہچان لیا جانا خطرناک ہوگا اس لئے میں نے یہ روپ بدلا ہے اب تم ایک شکاری کی حیثیت سے سفر کرو گے اور اگر ہمارے لئے کوئی مشکل پیش آئے تو یہی کہو گے کہ تم ایک شکاری ہو اور جنگل میں راستہ بھٹک گئے ہو......"

"ٹھیک ہے" کرنل نے گردن ہلا دی اور کشوتہ اسے اشارہ کر کے گھوڑے کی طرف بڑھ گئی۔

♥......♥......♥

"اگر چاندنی نہ ہوتی تو شاید نمران نقصان اٹھا جاتا اور شاید کوئی بڑا حادثہ ہو جاتا لیکن چٹان سے چھلانگ لگانے والے کے سائے نے نمران کو ہوشیار کر دیا اور اس نے فوراً ہی آگے چھلانگ لگا دی نیچے کودنے والے کے ہاتھ میں چاقو تھا اور وہ جیولن کے علاوہ کوئی نہ تھا جیولن نے پاؤں جما کر دوسری چھلانگ لگائی اور نمران کو پھر سنبھلنا پڑا لیکن اس سے زیادہ برداشت کرنا ممکن نہ تھا جیولن کی تیسری چھلانگ کے لئے وہ پوری طرح تیار تھا اور اس بار جیولن اس پر آیا تو نمران نے جگہ نہ بدلی۔ البتہ اس کا طاقتور گھونسہ جیولن کے پیٹ پر پڑا اور جیولن کا تکلیف کی وجہ سے سانس بند ہو گیا وہ کرب سے جھکا جھکا کئی قدم آگے بڑھ گیا اور پھر عقب سے نمران کی لات اس کے کولہوں پر پڑی اور وہ قلابازی کھا کر چت ہو گیا۔

چاقو ابھی بھی اس کے ہاتھ میں دبا ہوا تھا نمران نے آگے بڑھ کر اس کے چاقو والے ہاتھ پر پاؤں مارا تو جیولن کے حلق سے ایک کراہ نکل گئی ساتھ ہی چاقو بھی اس کی مٹھی سے نکل گیا تھا ان دو تین ضربوں نے جیولن کے کس بل نکال دیے تھے لیکن نمران اس کا سارا حساب چکا دینا چاہتا تھا اس نے جھک کر جیولن کے بال پکڑ لئے اور اسے زمین سے اٹھا کر ایک اور لات اس کے شانے پر رسید کی جیولن نے کئی پلٹیاں کھائیں اور اس کا چہرہ زمین سے رگڑ گیا۔ نمران آگے بڑھا تو جیولن کے حلق سے خوف سے بھری آواز ابھری۔

"نہیں پلیز نہیں رک جاؤ پلیز رک جاؤ" وہ وحشت بھرے انداز میں پیچھے ہٹنے لگا۔

"تمہارا دماغ درست ہو گیا ہے یا مزید اور ہالنگ کی ضرورت ہے" نمران نے کہا۔

"رک جاؤ پلیز رک جاؤ" جیولن لجاجت سے بولا اور نمران رک گیا" جیولن بری طرح ہانپ رہا تھا وہ بار بار پیٹ پکڑ رہا تھا۔ نمران کا گھونسہ کچھ زیادہ ہی سخت ہو گیا تھا۔

"تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو نا جیولن" نمران نے سوال کیا لیکن جیولن نے کوئی جواب نہ دیا" اور تم نے اس کے لئے اس وقت بھی نیزہ پھینک کر مجھے مارنے کی کوشش کی تھی کیوں...... آخر کیوں......؟ نورینہ کے لئے ناں...... کیا میں نے تم سے پہلے روز ہی نہ کہا تھا کہ مجھے اس لڑکی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے وہ خود بار بار میرا راستہ روکتی ہے میں اسے صرف ایک ہمسفر کی حیثیت سے دیکھتا ہوں اس سے زیادہ وہ میرے لئے کچھ نہیں ہے کیونکہ میں کسی اور کو چاہتا ہوں اور جسے میں چاہتا ہوں وہ میری بیوی ہے وہی میری پہلی اور آخری محبت ہے سمجھے جیولن مگر...... تم...... تم...... تم خود بدکردار ہو تم نے مجھ پر یقین نہیں کیا اور...... اور...... سنو جیولن اس وقت میں تمہیں معاف کر دیتا ہوں لیکن آخری بار اس کے بعد ان جنگلوں میں کوئی قانون لاگو نہیں ہو سکتا تم میرے ہاتھوں مارے جاؤ گے جاؤ...... خیال رکھنا تمہاری دوسری کوئی کوشش تمہیں زندہ نہیں رہنے دے گی"

نمران نے چاقو بند کر کے جیب میں رکھا اور وہاں سے واپس اپنے ٹھکانے پر پہنچ گیا۔

پھر وہ ہرمیت سنگھ کے پاس لیٹ گیا تھا دوسری صبح معمول کے مطابق تھی ضرورت سے فارغ ہونے کے بعد سفر شروع ہو گیا جوزف اس دوران ہرمیت سنگھ سے مسلسل اس سفر کے بارے میں باتیں کرتا رہتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ دریا کے کنارے سفر کر کے بالآخر اس جگہ پہنچ جائیں گے جہاں سے یہ دریا ایک جھاڑی کے ساتھ گھوم جاتا ہے اور اس کے واپسی کے راستے آسان ہو جائیں گے۔ ہرمیت سنگھ کا مقصد کچھ اور تھا وہ صرف اپنے ساتھیوں کو تلاش کرنا چاہتا تھا اس سفر کے دوران اس کی آنکھیں مسلسل انہیں تلاش کرتی رہی تھیں یہ اس سفر کی چوتھی رات کی بات ہے ابھی رات کی ابتدا ہی ہوئی تھی لیکن چاند نکل آیا تھا اور پہاڑوں میں روشنی پھیل گئی تھی جوزف کے ایک ساتھی نے اچانک اس کے پاس آ کر کہا۔

"مسٹر جوزف ادھر چٹانوں کے پاس کوئی موجود ہے"

"کہاں......؟" جوزف نے پوچھا۔

"وہ...... جو دو چٹانیں جڑی ہوئی نظر آ رہی ہیں ان کے دوسری طرف۔"

"کون ہے وہ......؟"

''کیا کہا جاسکتا ہے۔''

''ہمارا کوئی ساتھی تو اس طرف نہیں نکل گیا۔''

''ہمارے تمام ساتھی موجود ہیں۔''

''غور کرلیا ہے کوئی انسان ہی ہے؟''

''ہاں..... مسٹر جوزف واضح طور پر دیکھ لیا گیا ہے۔''

جوزف کے ساتھی نے جواب دیا۔

''آیئے مسٹر ہرمیت دیکھیں۔ سنو دو دو آدمی تینوں سمتوں سے چلو۔ اسے گھیرنا ہے جوزف کے ساتھی نے گردن ہلادی اور فوراً ہی اس کی ہدایت پر عمل شروع ہوگیا جوزف خود ہرمیت سنگھ کے ساتھ سامنے کی سمت چل پڑا۔ راستے میں جوزف نے کہا۔

''وہ کون ہوسکتا ہے۔''

یہ تو دیکھ کر ہی اندازہ لگایا جاسکتا ہے ہوسکتا ہے کوئی سندھانی ہو۔ ہوسکتا ہے شروک کے ساتھیوں میں سے کوئی ہو۔''

''سندھانی'' جوزف ٹھٹک گیا۔

''ہاں یہ بات خارج از امکان تو نہیں ہے؟''

''یہ بہت خطرناک بات ہے سندھانی اکیلے نہیں ہوتے ضرور ان کا گروہ آس پاس موجود ہوگا۔ ہوسکتا ہے یہ شخص مسلح ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہماری نگرانی کررہا ہو اور سندھانی ہم پر حملہ آور ہونے کا پروگرام بنارہے ہوں'' جوزف کے لہجے سے خوف جھلک رہا تھا۔

''سب کچھ ہوسکتا ہے مسٹر جوزف اور ہر حالت میں ہوسکتا ہے ہمیں حالات کے لئے تیار رہنا چاہیے۔''

''لیکن...... لیکن.....'' جوزف نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔

''دیکھنا تو یہ ہے کہ کیا قصہ ہے اگر وہ سندھانی ہیں تو ہم پر حملہ کریں گے کوئی اور ہے تو سامنے آجائے گا'' ہرمیت سنگھ نے مسلسل آگے بڑھتے ہوئے کہا جوزف خوف کے عالم میں اس کا ساتھ دے رہا تھا دوسری طرف اس کے ساتھی بھی مصروف عمل تھے۔ یہ لوگ ابھی جڑی ہوئی چٹانوں کے پاس پہنچے بھی نہ ہوں گے کہ دفعتاً کچھ آوازیں سنائی دیں اور جوزف گھبرا گیا لیکن پھر اس کے ساتھیوں کی آوازیں سنائی دیں۔

''ہم نے اسے پکڑ لیا ہے مسٹر جوزف ہم نے اسے پکڑ لیا ہے'' جوزف نے یہ الفاظ سمجھ کر آگے قدم بڑھائے تھے وہ ایک ہی آدمی تھا اور چھ آدمی اسے دبوچے ہوئے تھے ہرمیت سنگھ کی نظریں دور دور تک بھٹک رہی تھیں۔ لیکن قرب وجوار میں کوئی موجود نہ تھا۔

''چھوڑو...... اسے چھوڑو۔'' ہرمیت سنگھ نے آگے بڑھ کر گرفتار شدہ شخص کو ان کے چنگل سے چھڑایا اور پھر بغور اسے دیکھنے لگا یہ شخص سفید فام تھا اور بدحواس نظر آرہا تھا دفعتاً پہلے شخص کے حلق سے آواز نکلی۔

''جیسم۔''

''آہ مسٹر جوزف یہ میں ہی ہوں'' اس شخص نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''شروک کہاں ہے'' اس نے پوچھا۔

''میں مر رہا ہوں کئی دن سے بھوکا ہوں۔ میں مر جاؤں گا مسٹر جوزف براہ کرم میری مدد کرو...... میں سب کچھ بتادوں گا میں بالکل تنہا ہوں آہ میری مدد کرو۔''

''چلو اسے لے چلو'' ہرمیت سنگھ نے کہا اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا'' فی الحال ہمیں اس کی مدد کرنی چاہیے کہ شروک کے بارے میں معلومات حاصل ہوسکیں یہ ضروری ہے جوزف نے گردن ہلادی اور وہاں سے واپس چل پڑے راستے میں ہرمیت سنگھ نے جوزف سے پوچھا۔

''یہ شروک کا ساتھی ہے''

''ہاں میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں شروک کا وفادار کتا مگر یہ تنہا کیوں ہے۔''

''اس سے ہمیں بہترین معلومات حاصل ہوسکتی ہیں اس کے لیے تم اس کے ساتھ کوئی سختی نہیں کرو گے'' جوزف نے کوئی جواب نہیں دیا۔ جیسم کو خوراک دی گئی اور وہ کھاپی کر نڈھال ہوگیا دوسری صبح ہی اس کی حالت اس قابل ہوسکی تھی کہ اس سے معلومات حاصل کی جائیں۔ جیسم نے کہا۔

شروک اب سندھانیوں کا قیدی ہے اس کے ساتھ دوسری پارٹی کے لوگ بھی ہیں ہرمیت پارٹی کے لوگ۔

''کیا......؟'' ہرمیت اچھل پڑا۔ نمران کا چہرہ بھی سرخ ہوگیا تھا۔

''ہاں وہ سب موت کے راستے پر چل پڑے ہیں اور ان کی زندگی مشکل ہے میں نے جان کی بازی لگادی تھی اور فیصلہ کیا تھا کہ سندھانیوں کے ہاتھوں مرنا ہی ہے تو ان کی قید میں نہیں مروں گا میں ان کی بستی سے ان کی قید سے نکل بھاگا۔ انہوں نے بہت دور تک میرا پیچھا کیا لیکن میں ان کے چنگل سے نکلنے میں کامیاب ہوگیا۔''

''شروک سندھانیوں کی قید میں کیسے چلا گیا؟'' یہ سوال جوزف نے کیا تھا۔ جواب میں جیسم نے یہ کہانی اس وقت سے سنائی جب چٹانی موڑ سے سندھانیوں نے ہرمیت سنگھ پارٹی کا پیچھا کیا تھا اور شروک نے ان لوگوں کی مدد کی تھی پھر شہباز خان اور شروک مل گئے تھے اور یکجا ہوکر آگے بڑھے تھے۔ یہاں تک کہ ایک رات سندھانیوں نے چالاکی سے ان پر حملہ کرکے انہیں گرفتار کرلیا اور اس کے بعد جیسم نے سندھانی بستی اور ان کے عزائم کے بارے میں بتایا تھا سب کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ پھر ان میں سے ایک نے کہا'' تو اس طرح وہ لوگ ان کے اعضاء حاصل کریں گے؟''

''ہاں...... ان کے سردار کا یہی فیصلہ ہے اور ہمارا ایک ساتھی ان کا شکار ہوچکا ہے۔''

''وہ سندھانی بستی یہاں سے کتنے فاصلے پر ہے؟'' جوزف نے گھبرائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''یہ دریا یہاں سے کچھ آگے چل کر دو شاخوں میں بٹ جاتا ہے اس کی بائیں شاخ کے ساتھ چلتے ہوئے وہ بستی آجاتی ہے۔''

''اور دائیں شاخ۔''

''دائیں شاخ اسی راستے پر جاتی ہے جدھر سے ہم لوگ ادھر آئے تھے'' جیسم نے جواب دیا۔

''آہ..... ہرمیت سنگھ وائیں شاخ'' جوزف بولا۔

''میں نے کہا تھا ناں کہ اس سے کوئی فائدہ ہی حاصل ہوسکتا ہے'' ہرمیت سنگھ نے کہا جوزف دیر تک جیسم سے باتیں کرتا رہا پھر اس نے کہا۔

''تم کیا چاہتے ہو؟''

''آہ کاش زندگی میں ایک بار اس منحوس جنگل سے نجات حاصل ہوجائے صرف ایک بار''

''میں ہمیشہ آپ کا احسان مند رہوں گا مسٹر جوزف..... خزانے کے لالچ میں ہم سب نے اپنی زندگیوں سے مذاق کیا ہے آہ یہ مذاق کتنا خوفناک ہے'' جیسم نے کہا۔

''چلو سفر کی تیاریاں کرو..... ہمیں اس دوشاخے سے نکلنے کے لئے سخت محنت کرنا ہوگی ہمیں واپسی کا راستہ نظر آ گیا ہے'' جوزف نے کہا اور سب تیاریاں کرنے لگے یہ سفر آج تک کے سفر سے دوگنا تیز رفتار ہی تھا اور عام دنوں کی نسبت کئی گھنٹے مزید جاری رہا تھا رات کو دس بجے کے قریب قیام کیا گیا تھا۔ ہر شخص تھکن سے نڈھال ہوگیا تھا۔ الٹا سیدھا کھا پی کر سب لیٹے ہوگئے تھے نمران اس دوران خاص طور سے جیولن کا جائزہ لیتا رہا تھا جیولن شرمندہ شرمندہ سا تھا اور اس نے نمران سے آنکھیں نہیں ملائی تھیں۔ پتا نہیں اس کی سوچ کیا تھا۔

ہرمیت سنگھ نمران کے پاس ہی لیٹ گیا تھا جب چاروں طرف خاموشی چھا گئی تو ہرمیت سنگھ نے سرگوشی کے انداز میں نمران کو آواز دی۔

''سو گئے نمران''

''نہیں انکل۔''

''تم نے پوری کہانی سنی۔''

''ہاں.....'' نمران نے آہستہ سے کہا۔

''شہباز خان اور ہمارے دوسرے ساتھی زندہ ہیں یہ خبر ہمارے لئے کسی قدر مسرت افزا ہے وہ سندھانیوں کی قید میں ہیں۔ یہ اطلاع پریشان کن ہے لیکن کیا ہم انہیں مرنے کے لئے تنہا چھوڑ دیں۔ کیا عمدہ بات ہے کہ اگر اس جدوجہد کا انجام موت ہے تو ہم سب ساتھ ہی مریں گے تم مجھ سے متفق ہو نمران''

''آپ مجھ سے سوال کر رہے ہیں انکل''

''ہاں مجھے یہ سوال نہیں کرنا چاہیے تھا خیر چھوڑو جیسم نے جس رو شاخ کا حوالہ دیا ہے۔ وہاں پہنچ کر ہم خاموشی سے ان سے جدا ہوجائیں گے اور بائیں سمت چل پڑیں گے۔ ظاہر ہے جیسم ہماری رہنمائی نہیں کرے گا وہ ان لوگوں میں واپس نہیں جائے گا تاہم سندھانی بستی تلاش کرنے میں ہمیں زیادہ وقت نہیں لگے گا۔''

''اس جدوجہد میں، میں بھی تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں دوستو'' ایک اور سرگوشی سنائی دی۔ زبان اردو ہی تھی وہ دونوں ششدر رہ گئے۔

ان کی گردنیں گھوم گئی تھیں، وہ پروفیسر زلفی تھا۔ خشک مزاج اور سپاٹ چہرے والا زلفی جس نے

اس دوران ایک مرتبہ بھی ان سے گفتگو نہیں کی تھی اور خود کو لئے دیئے رہتا ہے۔ انہیں اندازہ نہیں تھا کہ وہ ان کے اتنا قریب ہے۔ وہ ایک پتھر کی اوٹ میں تھا اور پتھر ان کے سرہانے تھا جس کی وجہ سے وہ اسے نہیں دیکھ سکے تھے اور پھر یہ اندازہ بھی نہ تھا کہ جوزف کے گروہ میں کوئی اردو داں بھی موجود ہے۔

زلفی ان کے قریب کھسک آیا۔ اس نے کہا ''حیران ہونے کی ضرورت نہیں میں دنیا کی مختلف زبانیں بول سمجھ سکتا ہوں۔ مجھے معاف کرنا میں نے بالکل نادانستگی میں تمہاری گفتگو سنی ہے۔ لیکن میری خوش بختی ہے کہ اس وقت میں یہاں موجود تھا''۔

''آپ کیا کہنا چاہتے ہیں پروفیسر زلفی......'' ہرمیت سنگھ نے پوچھا۔

''اس کے لئے تفصیل ضروری ہے مسٹر ہرمیت سنگھ، مجھے شروک نے خزانے کے حوالے سے بلایا تھا اور پھر پوری تفصیل سے مجھے اس نقشے وغیرہ کی کہانی سنائی اور ہم ان جنگلوں میں نکل آئے۔ لیکن شروک کے اندر رفتہ رفتہ جنون پیدا ہوگیا اور میں اس خیال کے ساتھ جوزف کے ہمراہ نکل گیا کہ کسی مناسب جگہ جوزف کا ساتھ چھوڑ دوں گا نقشہ میرے ذہن میں محفوظ ہے اور میں ان نشانات پر سفر کرسکتا ہوں مگر میں نے اندازہ لگایا ہے کہ ہم تنہا کچھ نہیں کرسکتے مجھے یہ بھی علم ہے کہ تم لوگ بھی اسی مقصد سے نکلے ہو اور اب جیسم کی زبانی میں نے یہ تفصیل سن کر اپنا فیصلہ بدل دیا ہے۔ میں تم دونوں کی باتیں سن چکا ہوں اور اس جدوجہد میں تمہارا ساتھی بننا چاہتا ہوں مجھے یقین ہے کہ حالات نے تمہارے ساتھیوں کو شروک تک پہنچا دیا ہے ورنہ تم لوگ اس سے تعاون نہ کرتے۔ ہم عارضی طور پر مل کر کام کرتے ہیں اگر سندھانیوں کے چنگل سے نکل گئے تو شروک سے علیحدہ ہوجائیں گے بہ صورت دیگر کچھ بھی ہو''

''جوزف کے ساتھ فرار ہونے کی وجہ سے شروک تمہارا دشمن بن گیا ہوگا پروفیسر......؟''

''مجھے اس سے محفوظ رکھنے کی ذمہ داری تمہیں لینا ہوگی'' ہرمیت سنگھ نے نمران کی طرف دیکھا تو نمران نے کہا۔

''ہمیں منظور ہے پروفیسر۔''

''شکریہ مجھے یقین تھا اور اطمینان رکھو میں تمہارے لئے کارآمد ثابت ہوں گا۔ اگر ہمارا یہ سفر اسی رفتار سے جاری رہا جس رفتار سے آج کا سفر ہوا ہے تو کل شام ہم اس جگہ ہوں گے اور کل رات ہی ہمیں ان لوگوں سے الگ ہوجانا ہوگا''

''اس سلسلے میں کوئی خاص تیاری کرنا ہوگی؟''

''بالکل نہیں بس احتیاط سے نکل جانا ہوگا میرے ساتھ میری بیٹی نورینہ ہوگی اور بس لیکن میں اسے بھی کچھ نہیں بتاؤں گا کسی اور کو شریک راز کرنا خطرناک ہوگا''

''او کے پروفیسر ہم تیار ہیں'' پروفیسر نے ایک بار پھر ان کا شکریہ ادا کیا اور پھر وہ آہستہ آہستہ کھسکتا ہوا ان سے دور چلا گیا۔ اس نے اسی وقت سے احتیاط شروع کردی تھی۔

''سوری انکل مگر آپ مجھ سے متفق ضرور ہوں گے۔ اگر ہم اس کی بات تسلیم نہ کرتے تو یہ ہمارا مخالف بھی ہوسکتا تھا اور جوزف کو ہمارے ارادے سے باخبر کرسکتا تھا''

"ہاں میں سمجھ گیا تھا" ہرمیت سنگھ نے کہا۔

دوسرے دن سفر پھر شروع ہو گیا آج بھی جوزف نے سفر کی رفتار تیز کر رکھی تھی اور جلد از جلد اس علاقے سے نکل جانے کی کوشش میں کسی کو بھی سست رفتار نہ ہونے دیا تھا جسیم رہنمائی کر رہا تھا اور جب شام کے جھٹپٹے فضاء میں اترے تو دور سے اس دریائی دوشاخے کو دیکھ لیا گیا۔ سب تھکن سے چور ہو گئے تھے اور اب آگے سفر ممکن نہیں تھا اس لئے قیام کے لئے مناسب جگہ تلاش کی گئی۔ مگر یہ رات محتاط گزارنے کا فیصلہ کیا گیا تھا اور اس کے سلسلے میں جوزف نے اپنے ساتھیوں کو بہت سی ہدایات دی تھیں آگ وغیرہ روشن نہ کرنے دی گئی تھی پہرے کا بھی انتظام کیا گیا تھا موقع ملتے ہی پروفیسر نے ہرمیت سنگھ کے کان میں سرگوشی کی۔

"ہم یہاں سے صبح چار بجے کے وقت نکلیں گے تھکن سے مغلوب لوگ اس وقت یقیناً بے سدھ ہوں گے۔"

"ٹھیک ہے ہرمیت سنگھ نے اتفاق کیا تھا ضروریات سے فراغت کے بعد سب آرام کرنے لیٹ گئے جوزف نے رات کے ابتدائی حصے میں خود جاگنے کا فیصلہ کیا تھا اور یہ عمدہ بات تھی کیونکہ ان لوگوں کا دیر سے نکلنے کا ارادہ تھا۔ سندھانیوں کا خوف سب پر مسلط تھا اس لئے وہ سکڑے سمٹے لیٹے ہونے کے باوجود سو سکے حالانکہ تھکن سب پر ہی غالب تھی ذرا سی آہٹ ہوتی تو جوزف دہشت زدہ ہو کر کھڑا ہو جاتا اور آنکھیں پھاڑنے لگتا۔ ابتداء میں دوسرے لوگ بھی اٹھ اٹھ کر جوزف سے خیریت دریافت کرتے رہے تھے پھر پہرہ بدل گیا تو جوزف نے آرام کرنے سے پہلے بہت سی ہدایات دی تھیں۔

ایک طرف ہرمیت اور نمران جاگ رہے تھے تو دوسری طرف پروفیسر زلفی بھی نہیں سویا تھا اس کی بیٹی نورینہ اس کے پاس ہی موجود تھی اور اس منصوبے سے آگاہ تھی نمران نے اس بارے میں بھی سوچا تھا۔ نورینہ اب بھی ساتھ رہے گی اگر ان کی خوش بختی نے ساتھ دیا اور اسے الاکشاء تک پہنچنے کا موقع مل گیا تو نورینہ کافی مشکلات پیدا کر سکتی ہے لیکن ظاہر ہے نورینہ کو سنبھالنا پڑے گا ویسے بھی نمران کے دل میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں تھی۔

رات رفتہ رفتہ گزرتی رہی۔ پھر ان کی کلائی پر بندھی گھڑیوں نے چار بجائے اس دوران وہ محافظوں کا جائزہ لیتے رہے تھے رات دو بجے کے بعد پہرہ دینے والے اپنی اپنی جگہ لڑھک گئے تھے اور اس وقت ان لوگوں کے علاوہ کوئی نہیں جاگ رہا تھا۔ ہرمیت سنگھ نے نمران کا شانہ دبایا اور نمران بے آواز اٹھ گیا۔ زلفی بھی فوراً ہی کھڑا ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی نورینہ بھی گویا وہ بھی اس پروگرام کے لئے مستعد تھی۔ چاروں جھکے جھکے آگے بڑھنے لگے سب کی کیفیت خراب تھی اور بڑی احتیاط برت رہے تھے آن کی آن میں وہ کافی دور نکل آئے اور پھر اچانک ان کے دل دہشت سے کانپ اٹھے۔ ایک انسانی آواز ابھری تھی لیکن انداز غیر انسانی تھا جواب میں ویسی ہی بہت سی آوازیں ابھریں اور وہ ٹھٹک کر رک گئے۔ زلفی کے منہ سے سراہٹ نکلی۔

"سندھانی" ان سب کی خوفزدہ آنکھیں اپنے اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں۔ اچانک ہرمیت سنگھ نے نمران کو دھکا دیا اور خود بھی زمین پر اوندھا لیٹ گیا۔ پروفیسر زلفی نے بھی اس کی تقلید کی اس کی دیکھا دیکھی نورینہ نے بھی۔ ہرمیت سنگھ نے درست اندازہ لگایا تھا۔

سندھانی گروہ اسی سمت آ رہا تھا دیکھتے ہی دیکھتے ان کے طوفانی رفتار سے دوڑتے ہوئے گھوڑے ان کے سامنے سے گزر گئے جدھر سے یہ لوگ آئے تھے آخری گھوڑا بھی نگاہوں سے اوجھل ہوا تو ہرمیت سنگھ اٹھ کھڑا ہوا۔

"بھاگو جس قدر تیز رفتاری سے بھاگ سکتے ہو"

زلفی نے نورینہ کا ہاتھ پکڑا اور چاروں برق رفتاری سے دوڑنے لگے چند لمحات کے بعد ہی گولیاں چلنا شروع ہو گئیں لیکن ان لوگوں کے قدم نہ رکے۔ سندھانیوں نے انہیں نہیں دیکھا تھا ورنہ ان کا حساب اسی جگہ بے باق ہو جاتا البتہ جوزف اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں وہ ہمدردی سے سوچ رہے تھے کہ جوزف بیچارہ کب تک مسلح آدمیوں کا مقابلہ کر سکے گا۔ لیکن قدرت نے انہیں بچا لیا تھا اگر قدرت کا یہ پروگرام آج کا نہ ہوتا یا انہیں سفر میں دیر ہو جاتی کسی طرح ان کا راز کھل جاتا تو اس وقت وہ بھی سندھانیوں کا نشانہ بن رہے ہوتے۔ وہ سب جان توڑ کر بھاگ رہے تھے اور ان کی کوشش تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ دور نکل جائیں۔

وہ دوڑتے ہوئے بری طرح تھک گئے تھے۔ نورینہ نے اس دوران کسی کمزوری کا مظاہرہ نہیں کیا تھا اور اس کے شانہ بشانہ رہی تھی یقیناً وہ بھی غیر معمولی تھی پھر انہیں گھنے درخت نظر آئے۔ مدھم مدھم روشنی پھیلتی جا رہی تھی یہاں تک کہ وہ جنگل میں داخل ہو گئے۔

مسٹر ہرمیت...... مسٹر ہرمیت سنگھ......" زلفی نے بری طرح ہانپتے ہوئے کہا ہرمیت سنگھ کے قدم رک گئے اس نے سوالیہ نظروں سے زلفی کو دیکھا "یہاں یہاں ہم رک سکتے ہیں۔ یہ جگہ محفوظ ہے اور...... اور اب دن کی روشنی"

"ہاں یہ جگہ سندھانیوں سے محفوظ ہے" ہرمیت نے کہا۔

"اگر ہم درختوں پر...... تو...... تو دوسروں کی نظروں سے......" زلفی سانس بند کرنے کی کوشش میں ناکام رہا تھا۔

"مناسب خیال ہے" ہرمیت سنگھ نے چوڑی شاخوں اور گھنے پتوں والے درختوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔ لیکن کچھ فاصلہ اور طے کیا گیا اور اس کے بعد درخت منتخب کر لئے گئے ہرمیت سنگھ نے جوتے اتارے اور ایک درخت کے تنے پر چڑھنے لگا اس کے پیچھے زلفی تھا ہرمیت سنگھ نے خود ہی نمران سے کہا۔

"نمران تم اس سامنے والے درخت پر" نمران نے ان کی ہدایت پر عمل کیا تھا۔ اس نے اپنے پیچھے ہی نورینہ کو بھی درخت پر چڑھتے ہوئے دیکھا تھا اس کی ہلکی سی ہنسی کی آواز سنائی دی تھی اور نمران نے دل میں سوچا تھا کہ وہ بلاشبہ ایک دلیر لڑکی ہے ورنہ اس حالت میں خود پر قابو رکھنا ایک مشکل کام تھا۔ وہ بھی ایک لڑکی کے لئے لیکن نہ تو وہ بھاگ دوڑ میں ان سے پیچھے رہی تھی اور نہ ہی حالات کا اس پر کوئی خاص اثر ہوا تھا۔

"کچھ اور اوپر آ جاؤ نمران یہاں گھنے پتے ہیں اوپر کی شاخیں ایک دوسرے میں الجھی ہوئی ہونے

کی وجہ سے جگہ چوڑی ہو گئی ہے۔

"تم ان پر آرام کرو نورینہ یہ جگہ بھی ٹھیک ہے" ثمران نے کہا اور نورینہ پھر نہیں بڑھی۔

"کیسا لگ رہا ہے ثمران؟"

"بہت اچھا" ثمران جل کر بولا۔

"میں خود بھی یہی سوچ رہی تھیں کہ تم اور میں ایک الگ درخت پر ہوں مسٹر ہرمیت سنگھ نے خود میری یہ خواہش پوری کر دی" اس نے ہنستے ہوئے کہا "ویسے مجھے تم سے ایک شکایت ہے ثمران۔ تم ہمیں چھوڑ کر فرار ہوئے تھے"۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے کیا یہ ان باتوں کا وقت ہے پتا نہیں ان لوگوں پر کیا گذاری ہوگی" ثمران نے کہا۔

"سندھائیوں نے انہیں بھون کر رکھ دیا ہوگا" نورینہ نے بے دردی سے کہا۔

"پتا نہیں تم کس قسم کی لڑکی ہو" ثمران دانت پیس کر بولا۔

"میں......" نورینہ نے کہا "میں دشمنوں سے نفرت کرتی ہوں ثمران، صرف نفرت اور دوستوں سے محبت سب سے زیادہ خوشی مجھے جیولن کی موت کی ہوگی آہ...... کاش میں اس کی لاش اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتی۔"

"مجھے ان باتوں سے کوفت ہو رہی ہے نورینہ پلیز یہ موضوع ترک کر دو۔"

"تو پھر اپنی پسند کی باتیں کرو...... خوبصورت نرم و نازک محبت سے بھرپور"

"میں خاموش رہنا چاہتا ہوں"

"شاید خوفزدہ ہو۔"

"ہاں ایسی ہی بات ہے" ثمران نے کہا۔

اسی وقت گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں سنائی دی تھیں۔ آوازیں دور سے نہیں آئی تھیں وہ ساکت ہو گئے اور انہوں نے سانس روک لئے۔ اجالا اب پوری طرح پھیل گیا تھا اور وہ لوگ بخوبی دیکھ سکتے تھے سب ہی نے ان تینوں گھوڑوں کو دیکھ لیا تھا جن پر سندھائی نوجوان سوار تھے تندرست و توانا گھوڑے آہستہ آہستہ اسی طرف آ رہے تھے سندھائیوں کے شانوں سے بندوقیں لٹک رہی تھیں اور کارتوسوں کی پیٹیاں ان کے بدن پر بندھی ہوئی تھیں۔

ان کے انداز سے پتا چلتا تھا کہ وہ کسی کی تلاش میں ہیں وہ تینوں تھوڑی ہی دیر میں قریب پہنچ گئے اور ان لوگوں کو سانس تک روک لینے پڑے تھے۔ ثمران دم بخود تھا اور سانس روک کر ان سندھائیوں کو دیکھ رہا تھا لیکن دوسرے لمحے جو کچھ ہوا اس کا گمان بھی کسی کو نہیں تھا نورینہ ہولناک انداز میں غراتی ہوئی شاخ سے نیچے کودی تھی اور گھوڑے پر بیٹھے ہوئے ایک سندھائی کو اپنی لپیٹ میں لئے نیچے جا پڑی تھی۔ ایسا خوف کے عالم یا کسی غلطی سے نہیں ہوا تھا بلکہ سندھائی نوجوان کے سینے سے خون کا فوارا ابل رہا تھا اور نورینہ کے ہاتھ میں ایک لمبا چاقو نظر آ رہا تھا جو دوسرے لمحے نورینہ کے ہاتھ اور گھوڑے کی پشت پر سوار دوسرے سندھائی کی گردن میں پیوست ہو گیا تیسرا سندھائی بدحواسی کے عالم میں گھوڑ [illegible] بڑھاتا تو ثمران نے تجوڑا

جک کر اس کے بال پکڑے گھوڑا سندھائی کے نیچے سے نکل گیا تھا لیکن ثمران بھی شاخ پر اس کے وزن کو نہ سنبھال سکا اور اس کے ساتھ ہی نیچے آ رہا تھا لیکن اس نے نیچے گرتے ہی سندھائی جوان کی گردن دونوں ہاتھوں میں دبوچ لی۔ خوف نے اس کے ہاتھوں میں بے پناہ قوت پیدا کر دی تھی۔

سندھائی نوجوان کی زبان باہر نکل آئی اور اس کا بدن بری طرح پھڑ پھڑنے لگا۔ ہرمیت سنگھ اور زلفی اس منظر سے چند لمحات کے لئے ساکت ہو گئے تھے لیکن دوسرے ہی لمحے وہ بھی ایک ایک کر کے نیچے کود گئے۔ البتہ اب ان کی ضرورت نہ رہی تھی گھوڑے پر بیٹھا ہوا وہ سندھائی بھی نیچے گر پڑا تھا جس کی گردن میں چاقو پیوست ہوا تھا نورینہ نے انتہائی جرات سے کام لے کر چاقو اس کی گردن سے کھینچا اور دوبارہ اس سندھائی پر وار کیا جو اس کا سب سے پہلا شکار تھا اسی اثناء میں ثمران کا شکار دم توڑ چکا تھا چند لمحات کے بعد وہ تینوں بے جان ہو گئے ہرمیت سنگھ گہری نگاہوں سے نورینہ کو دیکھ رہا تھا۔

"یہ فیصلہ تم نے اچانک ہی کر لیا لڑکی" اس نے کہا۔

"ہاں یہ میری عادت ہے میں اچانک فیصلے کرتی ہوں اور ان پر عمل کر ڈالتی ہوں"۔

"ہو سکتا ہے پروفیسر ان کے پیچھے ان کے دوسرے ساتھی بھی ہوں" ہرمیت تشویش سے بولا۔

ہاں امکانات ہو سکتے ہیں زلفی نے گردن ہلا کر کہا پھر اس نے جھپٹ کر ایک مردہ سندھائی کی بندوق اٹھائی اور اسے دیکھتا ہوا بولا یہ ایک عمدہ بات ہوئی ہے ہم لوگ مسلح ہو گئے۔

"صرف مسلح نہیں ڈیڈی اب یہ گھوڑے بھی ہمارے کام آئیں گے اور ایک اور تجویز ہے ڈیڈی اگر آپ لوگ مان لیں" نورینہ نے کہا اور وہ لوگ اسے دیکھنے لگے" آپ لوگ ان سندھائیوں کے لباس استعمال کریں ان جیسا حلیہ اختیار کریں اس طرح انہوں نے اگر کہیں دور سے ہمیں دیکھ لیا تو فوراً ہم پر حملہ نہیں کریں گے اور اس دوران ہم ان سے ہوشیار ہو جائیں گے۔"

"میں نے کوئی سندھائی عورت نہیں دیکھی۔ لیکن میرا خیال ہے کہ میں ایک جنگلی لڑکی کا روپ دھار سکتی ہوں کیوں مسٹر ثمران" نورینہ نے مسکراتے ہوئے ثمران سے پوچھا۔

"ہاں...... ہاں یقیناً ثمران بڑبڑا کر بولا۔ نورینہ کی اس کارکردگی پر وہ دنگ رہ گیا تھا اس نے اب تک اسے بس ایک غیر معمولی لڑکی سمجھا تھا لیکن وہ اس کے تصور سے زیادہ خطرناک تھی۔ زلفی نے فوراً ہی عمل شروع کر دیا کیونکہ انہیں دوسرے سندھائیوں کے آ جانے کا خوف تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر بعد وہ تینوں سندھائی معلوم ہونے لگے۔ یوں بھی کوئی بڑی تبدیلی نہیں کرنی پڑی تھی سوائے ان بھدے لباسوں کو اندرونی لباس پر چڑھانے کے۔ نورینہ کچھ دور چلی گئی تھی اور وہاں جا کر اس نے اپنا حالیہ بدل لیا تھا اور یہ حلیہ بھی کمال تھا۔

"اب یہاں رکنا مناسب نہیں، آگے بڑھا جائے" ہرمیت نے کہا اور تینوں گھوڑوں پر سوار ہو گئے نورینہ کو زلفی نے اپنے ساتھ گھوڑے پر بٹھا لیا تھا گھنے درختوں کے درمیان سفر تیز رفتار تو نہ تھا لیکن آسان ضرور تھا جوں جوں وہ آگے بڑھتے رہے درخت بھی چھدرے ہوتے جا رہے تھے پھر کچھ پھلدار درخت نظر آئے اور انہوں نے پھلوں کا معائنہ کرنے کے بعد انہیں استعمال کیا اور ان کا کافی ذخیرہ بھی کر لیا

سندھائی دوبارہ نظر نہیں آئے تھے البتہ جوزف وغیرہ کے خیال سے وہ مغموم ہوگئے تھے۔ زلفی نے ہرمیت سے بھی کہا تھا۔

''تمہارا کیا خیال ہے ہرمیت سنگھ جوزف اور اس کے ساتھیوں کے بچ جانے کی کچھ امید ہے''

''کیا کہا جاسکتا ہے ہوسکتا ہے ان میں سے کچھ بھاگ گئے ہوں بے چارے غیر مسلح تھے'' ہرمیت سنگھ نے کہا۔

''ہاں...... مقابلے کا تو سوال ہی نہیں۔ بس اگر کچھ لوگوں نے بھاگ کر جان بچالی ہو تو دوسری بات ہے''

آگے درختوں کا سلسلہ ختم ہوگیا ہے'' اچانک نمران نے کہا اور وہ دونوں بھی اسی طرح دیکھنے لگے۔

درخت اب خال خال رہ گئے تھے اور ان کے دوسری طرف پھیلا ہٹ مائل پہاڑ نظر آرہے تھے لیکن یہ پہاڑ کافی فاصلے پر تھے درختوں اور پہاڑوں کے درمیان ایک لق و دق میدان پھیلا ہوا تھا جس میں عجیب وغریب چٹانیں بکھری ہوئی تھیں سرو کے درختوں کی مانند چٹانیں جو انسانی قد سے اونچی نہیں اور ان کا رنگ پھیلا تھا جنگلوں کے جانور وہاں بکثرت نظر آرہے تھے لیکن چیتل' نیل گائے اور ہرن وغیرہ موجود تھے حیرت ناک بات یہ تھی کہ جانور جنگل میں نظر نہیں آئے تھے انہیں دیکھ کر پروفیسر کے منہ میں پانی آگیا۔

''کیا خیال ہے ہرمیت کیا ہم انہیں نظر انداز کردیں نجانے کتنا عرصہ ہوگیا تھا۔ پیٹ بھر کر کھائے ہوئے اور پھر اب تو ہمارے پاس بندوقیں بھی ہیں۔''

''فائر کرنا مناسب ہوگا......؟'' ہرمیت نے پوچھا۔

''اس لذیذ گوشت کے لئے ہر خطرہ مول لیا جاسکتا ہے اور پھر کیا کہا جاسکتا ہے کہ خطرہ کہاں اور کب پیش آجائے''

''ٹھیک ہے پھر ایک فائر میں کام ہوجانا چاہیے زیادہ بڑا جانور شکار کرنا بے کار ہے اسے کہاں لادے پھریں گے۔ آپ ان میں سے کوئی ہرن پسند کرلیں'' ہرمیت سنگھ بولا اور پروفیسر زلفی ہنس پڑا۔

پھر اس نے ازراہ مذاق ایک قلانچیں بھرتے ہوئے ہرن کی طرف اشارہ کیا اور ہرمیت سنگھ نے بندوق سیدھی کرلی تڑاخا ہوا اور ہرن کئی فٹ اونچا اچھل کر گر پڑا۔

''بے مثال......'' پروفیسر زلفی نے بے اختیار کہا اور پھر نورینہ کو گھوڑے سے اتار کر اس کا چاقو لے کر ہرن کی طرف دوڑ گیا تاکہ مرنے سے پہلے اسے ذبح کرلیں نورینہ نے کہا۔

''آؤ نمران جنگل دور نہیں ہے ہمیں خشک لکڑیاں درکار ہوں گی'' وہ اچھل کر نمران کے گھوڑے پر چڑھ گئی اور نمران نے گھوڑے کو آگے بڑھادیا۔

''میں تم سے ابھی تک ناراض ہوں نمران''

''کیوں......؟''

''اگر ڈیڈی تمہارے ساتھ شریک نہ ہوجاتے تو تم تو ہمیں چھوڑ کر گئے ہوتے۔ نمران تم میرے لئے افسردہ نہ ہوتے''

''بہت سے لوگ مجھ سے بچھڑ گئے ہیں نورینہ ان میں میرے ڈیڈی بھی ہیں تمہیں نہیں پتا میں ان کے لئے کتنا پریشان ہوں'' نمران نے کہا۔ نورینہ کچھ نہ بولی تھی پھر اس نے کہا۔

''جبولن ضرور ان سندھائیوں کے ہاتھ مارا گیا ہوگا مجھے اس کی موت کی سب سے زیادہ خوشی ہے''

''تم نے اچانک سندھائیوں پر حملہ کرکے مجھے حیران کردیا تھا''

''میری کامیابی پر خوش نہیں ہوئے تم......؟''

''کیا اس سے قبل بھی تم نے کوئی انسانی زندگی لی ہے۔''

نمران نے پوچھا اور نورینہ مسکرانے لگی۔

''ہاں دو ایسے آدمی میرے ہاتھوں مارے گئے تھے جنہوں نے مجھے اغوا کرنے کی کوشش کی تھی چند لوگوں کو زخمی کرچکی ہوں۔ ویسے میں بلیک بیلٹ ہوں میری چاہت اور نفرت میں شدت ہے نمران بے پناہ چاہتی ہوں۔ بے پناہ نفرت کرتی ہوں۔''

''اپنا کام کریں دیر ہورہی ہے'' نمران نے کہا۔

''اوہ...... ہاں...... میں تو بھول ہی گئی تھی'' لکڑیاں حاصل کرکے وہ واپس پہنچے۔ زلفی ہرن کے بخیے ادھیڑنے میں مصروف تھا اس کے ہاتھ کلائیوں تک خون میں ڈوبے ہوئے تھے ہرمیت سنگھ نے دور دور تک نظریں دوڑائی تھیں۔ تھاڑ مین پر لکڑیوں کا الاؤ بنایا گیا اور پھر آگ روشن کردی گئی سب خاموشی سے اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے کہ دفعتاً ہرمیت سنگھ کے حلق سے ایک آواز نکلی۔ آواز کچھ ایسی تھی کہ سب ہی اس طرف متوجہ ہوگئے۔

اوہ مائی گاڈ......!'' ہرمیت دور پہاڑ کی بلندیوں کو دیکھتا ہوا بولا ان سب نے سہمی ہوئی نگاہوں سے اس ہولناک منظر کو دیکھا پہاڑی پر لاتعداد گھڑ سوار نظر آرہے تھے وہ سو فیصدی سندھائیے تھے اور بہت بڑی تعداد میں تھے۔

♥......♥......♥

گروارہ نے ان کے ہاتھ کھلوا دیئے تھے لیکن ان کے پاؤں مضبوطی سے بندھے ہوئے تھے۔ حالانکہ کھلے ہوئے ہاتھوں سے پاؤں کھول لینا مشکل کام نہ تھا لیکن چاروں طرف سندھائیے موجود تھے۔ اس لئے یہ کوشش نہیں کی گئی تھی شروک اور اس کے ساتھیوں کو جسم کا انجام نہیں معلوم ہوسکا تھا جبکہ گروارہ نے شہباز خان کو بتادیا تھا کہ وہ ہاتھ نہیں آسکا لیکن شہباز خان نے شروک کو حقیقت نہیں بتائی تھی کیونکہ دوسرے لوگ بھی یہ کوشش کرسکتے تھے اور اس کا انجام خطرناک ہوسکتا تھا۔ وقت گزرتا رہا اور کئی دن خاموشی سے گزر گئے۔ اس دوران ان میں سے کسی کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ اس کے علاوہ انہیں خوراک بھی ملتی رہی تھی۔ شروک کے حوصلے اب پست ہونے جارہے تھے اور اب اس کے چہرے پر صرف خوف نظر آتا تھا۔ وہ عموماً سوچ میں ڈوبا رہتا تھا اس دوران گروارہ کئی بار شہباز کو نظر آیا لیکن وہ اس کے قریب نہیں آیا تھا یقیناً وہ کسی کارروائی میں مصروف تھا۔

پھر ایک ہولناک رات آگئی اس وقت مدھم چاندنی پھیلی ہوئی تھی اور چاند بار بار بادلوں کی لپیٹ

میں آجاتا تھا۔ قید خانے کے احاطے کے سامنے پہلے عظیم الشان میدان میں سندھانی جوان نظر آرہے تھے اور میدان کا اختتام پہاڑی دیواروں پر ہوتا تھا جن کے دامن میں چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔ احاطے کے دائیں بائیں سندھانیوں کے جھونپڑے بکھرے ہوئے تھے جو درختوں کی چھاؤں میں تھے۔ اسی طرح یہ جھونپڑے وادی کی دیوار کے ساتھ ساتھ اس وسیع و عریض میدان کے چاروں طرف تھے۔ رات کے اس پہر پوری آبادی نیند کی آغوش میں تھی کہ اچانک ہنگامہ برپا ہوگیا پہلے شوروغل ہوا۔ اس کے بعد گولیاں چلنے کی آوازیں ابھریں۔ میدان میں بکھرے ہوئے سندھانی پہلے ہی مستعد ہوگئے تھے۔ وہ لوگ ان سے صورت حال معلوم کرنے لگے اور ادھر ادھر دوڑنے لگے تمام لوگ جاگ گئے تھے شور کی آوازیں دائیں سمت سے آرہی تھیں اور یہ شور بڑھتا ہی جا رہا تھا گاہے گاہے گولیاں بھی چلنے لگی تھیں کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

"اب...... اب کیا ہو رہا ہے۔"

شروک رندھے ہوئے لہجے میں بولا۔ کسی نے کوئی جواب نہیں دیا البتہ شہباز نے مستان سے کہا۔

"مستان تم ذرا ان محافظوں کے قریب رہو۔ تاکہ ان کی باتیں سن سکو۔"

"یش شر......!" مستان نے کہا۔

شوروغل مسلسل جاری رہا۔ پھر کچھ لوگ احاطے کے قریب آئے اور محافظوں سے باتیں کرنے لگے محافظوں میں ایک عجیب سی بے چینی پھیل گئی تھی ان میں سے دو تین آدمی اپنی بندوقیں سیدھی کر کے آگے بڑھنے لگے تو آنے والوں نے ان پر بندوقیں تان لیں اور وہ آپس ہی میں زور زور سے باتیں کرنے لگے۔ ان کی آوازیں غصے میں ڈوبی ہوئی تھیں اور مستان بغور ان آوازوں کو سن رہا تھا پھر ان تین آدمیوں کو بری طرح دبوچ لیا گیا اور ان سے ان کی بندوقیں چھین لی گئیں۔ ان کے ہاتھوں میں رسیاں باندھ دی گئی تھیں اور چند آدمی انہیں دھکیلتے ہوئے آگے لے گئے تھے۔ باقی محافظ قیدیوں کی جانب متوجہ ہوئے اور انہیں پرسکون پا کر مطمئن ہو گئے۔ ان میں سے کچھ یہیں جم گئے تھے باقی وہاں سے چلے گئے تھے۔ گولیوں کی آوازیں اب بھی وقفہ وقفہ سے آرہی تھیں۔ شہباز آہستہ آہستہ مستان کے قریب پہنچ گیا اور مستان نے سنسنی خیز لہجے میں کہا۔

"شر ان لوگوں کے درمیان آپس میں فائٹ ہو گیا۔ گروارہ اور سردار تاشی آپس میں لڑ گیا اور دونوں کا اپنا اپنا لوگ ایک دوسرے سے فائٹ کرتا۔ شر یہ خطرناک شورت ہے۔"

شہباز نے اور کچھ نہ پوچھا بات سمجھ میں آگئی تھی۔ گروارہ نے اس سے جو گفتگو کی تھی اسے نظر انداز نہیں کیا گیا تھا اور وہ اپنی کوششوں میں مصروف تھا۔ یقیناً کوئی ایسی بات ہوگئی تھی جس کا نتیجہ یہ نکلا تھا۔ لیکن صحیح صورتحال ابھی تک پتا نہیں چل سکی تھی گروارہ اپنی کوششوں میں کامیاب ہوا یا نہیں اگر ناکام ہوا ہے تو اس وقت کیا کیفیت ہے۔ ویسے شہباز کو گروارہ ہی سے دلی امید باقی رہ گئی تھی کہ اگر اس پر خزانے کا جادو کامیاب ہوگیا تو شاید ان لوگوں کی جان بچ جائے اور انہیں یہاں سے نکلنا نصیب ہو سکے لیکن یہ گروارہ کی کامیابی پر منحصر تھا چرن گپتا اور حاتم فریدی کو بھی اس نے سرگوشی کے انداز میں صورتحال سے آگاہ کر دیا اور پوری تفصیل بتادی۔ وہ دونوں ساکت رہ گئے تھے۔ حاتم فریدی کافی دیر کے بعد بولا۔

"خدا کرے وہ کامیاب ہو جائے بہترین ترکیب ہے ورنہ دوسری صورت میں......"

ہنگامہ رات بھر جاری رہا تھا اور کچھ پتا نہیں چل سکا تھا لوگ اب بھی بھاگ دوڑ کر رہے تھے پھر اسی وقت مدھم مدھم اجالا پھیلنے لگا تھا۔ جب بے شمار افراد میدان کی جانب آتے نظر آئے میدان میں کچھ خصوصی انتظامات کئے گئے تھے اور لکڑی کا ایک بڑا تنا دھکیل کر میدان کے وسط میں کھڑا کر دیا گیا تھا۔

اس میں دونوں سمت شاخیں نکلی ہوئی تھیں اور جب اجالا چمکا اور ماحول روشن ہوا تو انہوں نے گروارہ کو قیدی کی حیثیت سے آتے ہوئے دیکھا۔ اسے لکڑی کے تنے سے باندھ دیا گیا تھا۔ احاطے کے قریب بھی بے شمار سندھانی آگئے اور محافظ ان سے صورتحال معلوم کر رہے تھے۔ مستان کا اپنا کام جاری تھا اور وہ معلومات حاصل کر رہا تھا گاہے گاہے وہ ان معلومات سے شہباز کو بھی آگاہ کرتا جا رہا تھا مستان نے بتایا۔

"شر ان لوگوں کا بات سے جو معلوم ہوا وہ ایشا کہ گروارہ نے سردار تاشی کو قتل کرنے کی کوشش کیا بٹ تاشی بچ گیا۔ اش کا آدمی گروارہ سے فائٹ کیا اور گروارہ اریسٹ ہو گیا۔ گروارہ کا آدمی بھی بہت ہے وہ ابھی فائٹ کرتا اور تاشی کا آدمی گرفتار کرتا۔"

"او مائی گاڈ" شہباز نے پیشانی مسلتے ہوئے کہا یہ صورت حال بہت خوفناک ہوگئی تھی۔ گروارہ اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکا اس کا ساتھ دینے والے کتنے لوگ ہیں اور کون کون اس کے موقف سے متفق ہیں غرض صورتحال دھوپ چڑھے تک اسی طرح جاری رہی اور میدان سندھانیوں سے بھر گیا ان میں عورتیں اور بچے نہیں تھے غالباً وہ اپنے معاملات سے عورتوں کو دور رکھتے تھے۔ سب آپس میں چیخ چیخ کر باتیں کر رہے تھے۔ ان سب میں شدید اختلاف پایا جاتا تھا اور بعض جگہ فوراً ہی ہاتھا پائی بھی شروع ہو جاتی تھی۔ شہباز بہ غور ان کا جائزہ لے رہا تھا۔ آج انہیں صبح کی خوراک بھی نہیں ملی تھی۔ سب ہی افراتفری کا شکار تھے۔ احاطے کے قریب ہونے والی گفتگو سے البتہ مستان شہباز کو آگاہ کر رہا تھا اور شہباز اس سے نتائج اخذ کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ پھر انہوں نے سردار تاشی کو دیکھا جو فاتحانہ انداز میں تیس چالیس افراد کے گروہ کے درمیان میں چلا آرہا تھا گروارہ درخت کے تنے سے بندھا ہوا کینہ توز نگاہوں سے سردار کو دیکھنے لگا اور سردار تاشی اس سے کچھ فاصلے پر پہنچ کر رک گیا پھر اس نے اپنے آدمیوں کی طرف دیکھ کر کچھ کہا ایک لکڑی کا ٹکڑا دھکیل کر لایا گیا اور سردار تاشی اس پر کھڑا ہو گیا اب وہ چیخ چیخ کر اپنے ساتھیوں کو کچھ بتا رہا تھا۔ چار بوڑھے سندھانی ایک طرف سے نکلے اور سردار تاشی سے کچھ فاصلے پر کھڑے ہو گئے سردار تاشی دیر تک باتیں کرتا رہا اس کی آواز احاطے تک بہ خوبی پہنچ رہی تھی اور مستان اس آواز پر کان لگائے ہوئے تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد سردار تاشی خاموش ہو گیا تو مستان نے کہا۔

"شر شورت حال بہت ڈینجر ہے شردار تاشی نے اپنا لوگ کو بولا کہ گروارہ نے اس کو قتل کرنے کی کوشش کیا۔ بٹ وہ جاگتا رہا اور اش کا محافظ گروارہ کو روکنا۔ شردار تاشی بولتا گروارہ بغاوت کی اور اش کی موت کا شزا مانگتا"

مستان ایک دم خاموش ہو گیا گروارہ اپنے ساتھیوں سے کچھ کہہ رہا تھا اور کافی چیخ چیخ کر بول رہا تھا۔ سب لوگ خاموشی سے اس کی باتیں سن رہے تھے وہ دیر تک بولتا رہا اور پھر خاموش ہو گیا تو مستان نے کہا۔

"شر گروارہ عجیب بات بولتا کہ شردار تاشی اس کا قوم کو بیک ورڈ رکھتا اور یہ لوگ شردار تاشی کا

زندگی میں ایسا ہی ننگا بھوکا رہ سکتا۔ جب کہ گروارہ ان کے لئے بہت کام کرنا مانگتا وہ بولتا اس نے شربدہ ناشی کو بولا کہ سند ھانیے بھی انسان ہیں اور انسانوں جیسا جینا مانگتا۔ بٹ شروار تاشی اش کا راستہ روکنا شراش نے اپنا لوگ کو بولا کہ اش کا مدد کرے وہ ان کو اچھا لائف دینا مانگتا" شہباز خان کی سمجھ میں تمام صورتحال اچھی طرح آ گئی تھی لیکن اب اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے یہ دیکھنا تھا۔ پھر دوپہر گزر گئی اور شام ہو گئی ان میں مذاکرات ہوتے رہے تھے اور مستان تو انہیں صورتحال سے آگاہ کرتا رہا تھا شور وغل میں بہت سی آوازیں مستان تک پہنچ نہیں پاتی تھیں۔ اس کے لئے وہ بے چارہ معذور ہوتا تھا۔ شام کو سورج چھپنے سے پہلے گروارہ کو میدان کے آخری کمرے میں چٹانوں کے پاس پہنچا دیا گیا دوسرا منظر انہوں نے اور دیکھا گروارہ کے بے شمار ساتھیوں کو اسی کی طرح گرفتار کر کے ان چٹانوں کے قریب باندھ دیا گیا تھا مستان نے بتایا۔

"شربوزھا لوگ فیصلہ دیا کہ گروارہ کو سزا دیا جائے گا موت کا سزا اور وہ لوگ جو گروارہ کا ساتھ دیا ان کو بھی موت کا سزا دیا جائے گا"۔

شہباز خان نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا تھا۔ پھر جھٹپٹا پھیل گیا اور اس کے بعد رات کی تاریکی آ گئی۔ دفعتاً ہی شہباز خان نے پروفیسر حاتم فریدی اور چرن گپتا سے کہا۔

"میں اس صورتحال کے بارے میں بہت کچھ سوچ رہا ہوں اور آپ لوگوں کو شاید یہ اندازہ نہ ہو کہ اس وقت ہماری زندگی کا آخری سہارا گروارہ ہے اس کے بعد غالباً ہمیں مرنے میں کچھ زیادہ دیر نہ لگے گی چنانچہ کچھ کرنا بے حد ضروری ہے"۔

"لیکن کیا"؟ پروفیسر حاتم فریدی نے کہا۔

"گروارہ کی آزادی"۔

"کیا مطلب......؟"

"ہاں اسے آزاد کرانا ضروری ہے اور یہ کام آج ہی رات کی تاریکی میں مکمل ہو جانا چاہیے۔ اگر ہم یہ نہ کر پائے تو یوں سمجھ لو اس کے بعد ہماری زندگی چند گھنٹوں سے زیادہ کی نہیں رہ جائے گی"۔

"ہمیں یہ کوشش کر لینی چاہیے" چرن گپتا نے کہا۔

"میں اور مستان اس کے لئے عمل کرتے ہیں میرا خیال ہے زندگی کی بازی لگا کر ہم لوگوں کو یہ کام انجام دینا چاہیے اگر اس میں ناکام رہے تو موت تو ہر طرح سے ہمارا مقدر ہے"

"لیکن شہباز کرو گے کیا"

"میں نے پلان بنا لیا ہے۔ میں اور مستان احاطے کے عقبی حصے سے باہر نکلنے کی کوشش کرتے ہیں آپ لوگ شروک اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ احاطے کے سامنے والے حصے میں جا کر شور مچایئے اور ان لوگوں سے خوراک طلب کیجئے"۔

اور تم عقب سے نکل جاؤ گے پھر کیا کرو گے" پروفیسر حاتم فریدی نے پوچھا۔

"گروارہ کو آزاد کرانے کی کوشش کروں گا اور یہ میری آخری کوشش ہو گی"۔

"ٹھیک ہے ہم لوگ چالاکی سے شروک کو اس بات پر تیار کرتے ہیں"۔

"اسے اصل بات بتانا ہر لحاظ سے خطرناک ہو گا"

"اطمینان رکھو شہباز، اسے اصل صورت حال سے آگاہ نہیں کیا جائے گا" پروفیسر حاتم فریدی نے کہا اور اس کے بعد وہ لوگ اپنے پروگرام پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

"چرن گپتا" پروفیسر حاتم فریدی" اور شروک اس کے ساتھیوں کو ابھارنے لگے کہ اگر انہوں نے اپنے لئے خوراک نہ طلب کی تو وہ بھوکے ہی مر جائیں گے شروک تو تیار نہ ہوا۔ لیکن اس کے باقی تمام ساتھی اس احتجاج کے لئے تیار ہو گئے اور احاطے کی دیوار کے پاس آ کر جمع ہو گئے وہ چیخ چیخ کر ان لوگوں سے کھانا مانگ رہے تھے۔ بہت سے محافظوں نے ان کی جانب بندوقیں تان لیں۔ پتا نہیں وہ ان کی بات سمجھ پا رہے تھے یا نہیں اور اس کے امکانات بھی نہیں تھے لیکن یہ لوگ اپنا پیٹ کھول کھول کر دکھا رہے تھے اور اشارے سے انہیں بتا رہے تھے کہ وہ بھوکے ہیں وہ لوگ بندوقوں کی نالوں سے انہیں دھکیلنے لگے اس دوران مستان اور شہباز خان اپنا کام کر چکے تھے اور احاطے کی دوسری جانب سے باہر نکل گئے تھے انہوں نے جھونپڑیوں کی آڑ میں پناہ لی تھی شہباز خان جانتا تھا کہ اسے کس سمت سفر کرنا ہے وسیع و عریض میدان کا ایک سرا عبور کرنے کے بعد اسے ان چٹانوں کے عقب میں پہنچنا تھا۔ جن کے سامنے گروارہ اور اس کے ساتھی بندھے ہوئے تھے اور محافظ ان کی نگرانی کر رہے تھے یہ طویل راستہ انہوں نے کئی گھنٹوں میں طے کیا۔ رات آہستہ آہستہ گہری ہوتی جا رہی تھی اور وہ ایک ایک قدم پھونک پھونک کر اٹھا رہے تھے یہ ان کی آخری کوشش تھی۔ ویسے شہباز خان اور شاید مستان کو بھی اس بات کا یقین نہیں تھا کہ وہ اتنی کامیابی سے ان لوگوں کے درمیان سے نکل آئیں گے لیکن اس کی دو وجوہات تھیں اول تو رات گہری تھی۔ دوسرے طویل مشقت کے بعد وہ لوگ بالآخر پہاڑی دیوار کے نزدیک پہنچ گئے یہاں سے وہ چٹانیں صاف نظر آ رہی تھیں جس کے سامنے گروارہ وغیرہ قید تھے شہباز خان اور مستان سب سے پہلے گروارہ ہی کے عقب میں نمودار ہوئے تھے شہباز خان رینگتا ہوا آگے بڑھا اور گروارہ کے پاس پہنچ گیا۔

پھر اس نے عقب سے گروارہ کو کھولنا شروع کر دیا اور گروارہ چونک پڑا۔ اس نے گردن گھما کر دیکھا اور شہباز خان کو دیکھ کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"تم......" وہ سرسراتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"ہاں......گروارہ میں نے سوچا کہ ہمیں بھی اپنا فرض پورا کرنا چاہیے"

"اوہ......میں جانتا تھا...... میں جانتا تھا کہ تم ہی یہ کام سرانجام دے سکتے ہو۔ براہ کرم جلدی سے میرے ہاتھ اور پاؤں کھول دو وقت بہت خطرناک ہوتا جا رہا ہے اور پھر شہباز خان نے پھرتی سے گروارہ کے ہاتھ اور پاؤں کھول دیئے۔ تب گروارہ نے اپنے ایک ساتھی کی طرف دیکھا جو اس سے چند گز کے فاصلے پر تھا اور اس سے کچھ کہنے لگا پھر اس نے شہباز خان سے کہا۔

"براہ کرم اب تم یہاں اس جگہ کھڑے ہو جاؤ جہاں میں کھڑا ہوا ہوں تا کہ محافظ میری گمشدگی کو محسوس نہ کر سکیں شہباز خان نے فوراً ہی اس کی ہدایت پر عمل کیا۔ دھندلکوں میں کوئی بھی نہ دیکھ سکا کہ قیدی بدل گیا ہے گروارہ چٹان کی عقب میں روپوش ہو گیا مستان شہباز خان کے پاس خاموشی کھڑا تھا کافی دیر اسی

طرح گزر گئی پھر گردارہ اس کے پاس آ گیا۔

"میرے تمام ساتھی اب آزاد ہیں تمہاری جگہ میں دوسرے آدمی کو کھڑا کئے دیتا ہوں مسٹر شہباز تم دونوں میرے ساتھ آؤ" شہباز خان اور مستان گردارہ کے ساتھ چل پڑے تھے گردارہ مکانوں کے پاس پہنچ گیا پھر ایک مکان کے سامنے رک کر اس کا دروازہ بجایا اور چند لمحات کے بعد ایک شخص باہر نکل آیا گردارہ کو دیکھ کر اس کی حالت عجیب ہو گئی گردارہ نے اسے ساتھ لیا اور وہاں سے بھی آگے بڑھ گیا وہ پھونک پھونک کر قدم اٹھا رہا تھا۔

اسی طرح وہ کئی گھروں میں داخل ہوئے اور لاتعداد لوگ مصروف عمل ہو گئے۔ ایک بہت بڑے مکان سے باہر نکل کر گردارہ نے کئی بندوقیں مستان اور شہباز خان کو دے دیں اور کہا۔

"مسٹر شہباز اب آپ اپنی جگہ پہنچ جائیں کارتوس اور بندوقیں محفوظ رکھیں اور اپنے ساتھیوں کو تیار رکھیں صبح سورج نکلنے سے قبل مجھے موت کی سزا دی جائے گی اور یہ سزا سردار تاشی مجھے سنائے گا" تمہارا شکریہ ابھی مجھ پر قرض ہے" شہباز خان نے اس کا شانہ تھپتھپایا اور مستان کو لے کر واپس اپنے ٹھکانے پر پہنچ گیا۔

اس کا مشن مکمل طور پر کامیاب رہا تھا لیکن باقی رات بھی مصروفیت کی رات تھی شہباز نے بڑی احتیاط سے کام کیا لوگوں کو بندوقیں تقسیم کر دی گئی تھیں اور انہیں ان کا کام سمجھا دیا تھا۔

پھر یہ ہولناک رات صبح کی دھندلاہٹوں میں لپٹ گئی اور اس کے بعد اس سنسنی خیز کھیل کا آغاز ہو گیا۔ سردار تاشی کو اپنی زندگی کے سب سے حیرت ناک لمحے سے دوچار ہونا پڑا۔ جب اچانک چٹانوں کے قریب بندھے ہوئے قیدیوں نے ان پر فائرنگ شروع کر دی۔

دوسرے سندھانیے غیر مسلح تھے قیدیوں نے انہیں بھون کر رکھ دیا سردار تاشی کے جسم میں اتنی گولیاں پیوست ہوئی تھیں کہ اس کا سارا بدن لوتھڑوں میں تبدیل ہو گیا تھا۔ سندھانی ایک ہی سمت سے حیرت کا شکار تھے کہ اچانک احاطے سے ان پر گولیوں کی بارش شروع ہو گئی۔ لیکن سردار تاشی کے مرتے ہی ان کے حوصلے پست ہو گئے وہ سب زمین پر اوندھے لیٹ گئے یہ اعتراف شکست تھا۔

اس کے بعد گردارہ کے علاوہ کون سردار ہو سکتا تھا۔ بعد کے کئی دن بھی خونریزی ہوتی رہی اور تاشی کے وفاداروں کو قتل کیا جاتا رہا۔ البتہ ان سے اظہار دوستی پہلے ہی دن شروع ہو گیا تھا اور انہیں قیدیوں کے احاطے سے نکال کر برابر گھروں میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ جہاں سینکڑوں سندھانی ان کی ہر خدمت بجالانے کے لئے تیار تھے۔

یہ معاملہ چلتا رہا گردارہ خزانے کے حصول کے لئے بے تاب تھا چنانچہ ایک دن اس نے کہا۔

"مسٹر شہباز اب میں اس مہم کا آغاز کر دینا چاہتا ہوں میرے پاس سفر کی تیاریاں مکمل ہیں"

"ہم لوگ بھی تیار ہیں" شہباز نے کہا اور دوسرے دن روانگی طے ہو گئی شہباز نے شروک کو صورتحال اچھی طرح سمجھا دی تھی اور کہا تھا کہ وہ کہیں بھی بے صبری کا مظاہرہ نہ کرے صورتحال ہمارے حق میں ہی رہے گی۔ شروک کے حوصلے پہلے ہی پست ہو چکے تھے خزانے کی تلاش میں نکلنے والوں کی تعداد دس ہو گئی تھی گردارہ نے تمام انتظامات کر لئے تھے چنانچہ عظیم الشان قافلہ چل پڑا ایک بار پھر پروفیسر حاتم فریدی کے

تجربات سے استفادہ کیا گیا اور حاتم فریدی نے چرن گپتا سے کہا۔

کیا تم مجھ سے اتفاق کرو گے چرن گپتا کہ کچھ نادیدہ قوتیں ہماری محافظ ہیں اور ہم بہت سست رفتاری سے مگر کامیابی سے اپنی منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں۔"

یہ سفر بہت اطمینان بخش تھا کیونکہ اب سندھانیوں کا خوف ختم ہو گیا تھا شروک بھی مطمئن تھا شہباز کی نظریں دور دور تک بھٹکتی رہتی تھیں اس کی آنکھیں اپنے ساتھیوں کی تلاش میں سرگرداں رہتی تھیں۔ سفر کے چند روز پرسکون گزرے پھر تبدیلی ہوئی ان کا رخ ایک پہاڑ کے دامن کی طرف تھا کہ انہوں نے ایک آواز سنی اور سب چونک پڑے۔

آواز پہاڑ کے دوسری طرف سے آئی تھی۔ گردارہ کے اشارے پر ان کے گھوڑے پہاڑوں کی بلندیاں طے کرنے لگے اس فاصلے کو طے کرنے میں کافی وقت لگا تھا پہاڑ کی بلندیوں پر پہنچ کر انہوں نے دوسری طرف کا منظر دیکھا۔ وہ تعداد میں چار تھے سندھانیے ہی معلوم ہو رہے تھے ان کے نزدیک آگ روشن تھی اور آگ پر گوشت بھونا جا رہا تھا۔

"عورت" گردارہ کے منہ سے آواز نکلی" ان کے ساتھ ایک عورت بھی ہے۔ وہ سندھانیے نہیں ہو سکتے۔"

♥ ..... ♥ ..... ♥
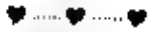
کرنل مقبول پراسرار کشوتہ کے ساتھ سفر کر رہا تھا وہ بہت عجیب کیفیات کا شکار تھا قدم قدم پر اسے احساس ہو رہا تھا کہ کشوتہ ایک ناقابل فہم شخصیت ہے وہ کون ہے کیا ہے اس کے بارے میں ابھی تک کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔ کشوتہ کے اس سفر کا مقصد بھی نامعلوم تھا لیکن یوں لگتا تھا جیسے وہ پورے اعتماد کے ساتھ سفر کر رہی ہو اور اسے اپنی منزل معلوم ہو۔

گھوڑے مناسب رفتار سے آگے بڑھ رہے تھے دوپہر ایک جنگل میں ہوئی تھی کشوتہ نے کرنل کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"بھوک لگ رہی ہے کرنل مقبول......؟"

"کوئی خاص نہیں۔"

"وہ سامنے جو درخت نظر آ رہے ہیں ان پر لٹکے ہوئے پھل تمہارے لئے بہت مفید ہوں گے۔ ایک بار تمہاری داہنی پنڈلی کی ہڈی چکنا چور ہو گئی تھی۔ غالباً یہ اس وقت کی بات ہے کرنل جب تم فوجی خدمات سرانجام دے رہے تھے" کرنل کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔

کشوتہ نے سچ کہا تھا یہ غالباً چوبیس سال قبل کی بات تھی کشوتہ پھر بولی" فوجی ڈاکٹروں نے تمہارے تین آپریشن کئے تھے اور مہارت کا ثبوت دیتے ہوئے ٹانگ بچالی تھی لیکن تم اس درد سے آج تک نجات حاصل نہ کر سکے۔ جو بعض اوقات تمہیں بے چین کر دیتا ہے" کرنل تھوک نگل کر رہ گیا کشوتہ کا ایک ایک لفظ درست تھا۔

"ان پھلوں میں یہ خوبی ہے کہ وہ مضروب ہڈیوں کا درد ہمیشہ کے لئے ختم کر دیتے ہیں۔ ان

میں ایک لیس دار مادہ ہوتا ہے جو ہڈیوں پر پلاسٹر کر دیتا ہے ویسے لذیذ نہیں ہوتے ہیں تم ان کی بڑی تعداد حاصل کر کے محفوظ کر لو۔ اس سے تم عارضی بھوک بھی مٹا سکتے ہو اور یہ تمہارا درد ہمیشہ کے لئے ختم کر دیں گے"

اب یہ سوال بیکار تھا کہ کشوتہ کو چوبیس سال قبل کا یہ واقعہ کیسے معلوم ہوا تھا لیکن اس درد سے نجات کے اس ذریعے کو کرنل فراموش نہ کر سکا۔ اس نے پھل کھائے اور کشوتہ کو بھی دیے اور اس نے وہ پھل رکھ لئے تھے اور پھر وہ وہاں سے آگے بڑھ گئے۔

"رات ہم ایک جھیل کے کنارے گزاریں گے وہاں تمہیں عمدہ شکار بھی مل جائے گا اور پانی بھی۔"

"تم ان جنگلوں کے بارے میں بہت کچھ جانتی ہو" کرنل کہے بغیر نہ رہ سکا۔ حالانکہ اسے اپنے یہ الفاظ خود مضحکہ خیز لگے تھے۔

"ہاں......" وہ آہستہ سے بولی۔

"لیکن تم میرے بارے میں کیسے جانتی ہو کشوتہ...... تم نے وہ بات کہی ہے جو چوبیس سال پہلے کی ہے اور اب تو میں خود بھی اسے بھول چکا ہوں" کشوتہ مسکرا دی پھر بولی۔

"ہاں کرنل...... بس یوں سمجھ لو کہ میں نے تمہیں سر سے پاؤں تک پڑھا ہے اور اسی کوشش میں یہ بات میرے علم میں آ گئی۔"

"تب تو تمہیں میری زندگی کا ہر راز معلوم ہو گیا ہو گا؟"

"تمہاری زندگی بے داغ اور سادہ ہے۔ اپنا فرض پورا کر چکے ہو لیکن وقت نے تمہیں ایک اور فرض کی ادائیگی کے لئے آواز دے لی ہے۔ یہ ماضی کا فیصلہ تھا کرنل اور تمہیں یہ سب کچھ کرنا ہی تھا تم اس سے بچ نہیں سکتے تھے"

وہ فرض کیا ہے؟"

"مستقبل گردش وقت میں پوشیدہ ہے اس کے بارے میں فیصلہ ناممکن ہے کیونکہ حالات بدلتے رہتے ہیں ماضی نگاہوں سے گزر چکا ہوتا ہے اس لئے اس کے خاکے محفوظ ہوتے ہیں ہم ان خاکوں کو پا سکتے ہیں لیکن مستقبل کی تاریکیوں میں جھانکنے کے لئے دل کی بینائی ہی کافی نہیں ہوتی۔ آنے والے وقت کی کہانی کیا ہے یہ بتانا ناممکن ہے"۔

"کیا وہ تمہارے ذہن میں بھی نہیں ہے۔"

"میرے علم میں ایک مقصد ہے لیکن میں بھی حالات کی تابع ہوں اور مجھ پر بے مقصد زبان ہلانے پر پابندی ہے۔ لیکن یہ نہ سمجھو کہ میں تم سے مخلص نہیں ہوں اور تم پر اعتبار نہیں کرتی۔ میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا کہ جو جان لو اسے محفوظ رکھو اور جو نہ جان پاؤ اس کے لئے وقت کے فیصلوں کا انتظار کرو۔"

"اگر میں اس فرض کی ادائیگی سے فرار چاہوں......؟" کرنل نے کہا۔

"تو وقت تمہارا ساتھ نہ دے گا۔"

"نتیجہ کیا ہو گا......؟

"موت، مایوسیوں اور حسرتوں کے درمیان......؟"

"کیا یہ وقت کا فیصلہ ہے......؟" کرنل نے پوچھا۔

"نہیں یہ میرا تجزیہ ہے اور تم خود بھی فیصلہ کر سکتے ہو کرنل مقبول تم اپنے ساتھیوں سے بھٹک گئے ہو اور ان ویرانوں میں تنہا ہو۔ یہ وشت سحر ہے۔ یہاں کب کیا ہو جائے......؟ کون جانے۔

تم اس سحر کی تاب نہ لا سکو گے...... دیوانے ہو جاؤ گے یہیں بھٹک کر مر جاؤ گے۔ میں یہ بات صرف اپنے تجزیے کی بنیاد پر کر رہی ہوں۔ کرنل بہتر یہی ہے کہ میرا ساتھ دو...... اور میں جانتی ہوں کہ تم ایسا ہی کرو گے وہ لوگ جو اپنے مقاصد لے کر اس جادو نگری میں آئے ہیں آسانی سے واپس نہیں جا سکیں گے کیونکہ ان کا اس طرف آنا وقت ہی کا فیصلہ تھا۔ بس اس سے زیادہ میں تم سے اور کچھ نہ کہوں گی۔ ہاں کوئی قدم اٹھانے سے پہلے خود ہی غور کر لینا میں تمہارا راستہ روکنے کی کوشش نہیں کروں گی۔ کیونکہ مجھے اس کا بھی حکم نہیں ہے۔

کرنل ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا تھا۔ کشوتہ کے کہے ہوئے الفاظ اس کے لئے ناقابل فہم نہیں تھے اور وہ ان حالات کو خود بھی اچھی طرح سمجھتا تھا۔ کشوتہ کے کہنے کے مطابق اس کے سفر کا اختتام ایک جھیل کے کنارے ہی ہوا۔ جنگل کی لامحدود وسعتوں کے درمیان ننھی سی جھیل بے حد خوبصورت معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے کنارے درختوں کے جھنڈ کے جھنڈ پھیلے ہوئے تھے جو دور تک چلے گئے تھے۔ فضاء میں ایک عجیب سے سحر کی سی کیفیت طاری تھی کشوتہ یہاں پہنچ کر گھوڑے پر سے اتر گئی اور کرنل نے بھی اس کے مطابق عمل کیا۔ کشوتہ نے انگلی سے ایک سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"تمہاری خوراک" ننھے ننھے جانور کلیلیں بھر رہے تھے کرنل کا جی تو چاہا کہ ان میں سے کسی کو صرف اپنی شکم پری کے لئے موت کے گھاٹ اتار دے کیونکہ پیٹ کا دوزخ بھرنا بھی ضروری تھا اور انسانی فطرت یہاں بھی کام کر رہی تھی۔ چنانچہ اس نے ایک چھوٹا سا جانور شکار کیا اور اس کو ذبح کر کے بھوننے کی تیاریاں کرنے لگا۔ کشوتہ اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ البتہ کرنل نے جب گوشت تیار کرنے کے بعد اس کا ایک ٹکڑا کشوتہ کو دیا تو وہ مسکرا کر کہنے لگی۔

"تم نے دیکھا ہو گا کہ میں نے یہ پھل تک نہیں کھائے اس کی ایک وجہ ہے کرنل!"

"کیا......؟"

"میری ایک قسم ہے میں اس وقت تک خوراک اپنے معدے میں نہیں اتاروں گی جب تک میرا مقصد حاصل نہیں ہو جائے گا اس لئے تم رفاقت کے درمیان مجھے کھانے پینے کی پیش کش نہ کرنا۔

"کیا تم بغیر کھائے زندہ رہ سکو گی۔؟"

"ہاں میں زندہ رہوں گی" کشوتہ نے جواب دیا۔

جنگل پر تاریک اندھیرے اترنے آ رہے تھے اور ماحول بھیانک سے بھیانک تر ہونے لگا تھا۔ کشوتہ نے کرنل کو آرام کرنے کے لئے ایک جگہ بنا دی اور کرنل شکم سیر ہونے کے بعد وہاں لیٹ گیا نرم گھاس کا بستر لگا ہوا تھا۔ کرنل نے سر کے نیچے ایک چھوٹا سا پتھر رکھ لیا اور پرخیال نگاہوں سے آسمان کی طرف دیکھنے لگا۔ خیالات ہی تنہائیوں کا سہارا ہوتے ہیں۔ ان کا دل نجانے کیسے کیسے احساسات کا شکار رہتا تھا۔ کبھی

افسوس ہوتا تھا اپنی زندگی کے اس بدترین فیصلے پر کبھی دوسری باتیں کرنے لگتا تھا۔ کشوتہ کے الفاظ بھی درست ہی تھے یہ سب تقدیر میں نہ ہوتا تو بات یہاں تک کیسے پہنچتی۔ اب جو کچھ بھی ہے وہ تو بھگتنا ہی ہے۔

اس نے کشوتہ کو مخصوص انداز میں ایک جگہ بیٹھے دیکھا۔ وہ یوگا کے آسن کی مانند آلتی پالتی مارے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے بدن سیدھا کئے بیٹھی تھی اور اس کی آنکھیں بند تھیں۔ دونوں گھوڑوں کو ایک ساتھ درخت سے باندھ دیا گیا تھا اور جنگل میں سناٹا پھیلتا چلا جا رہا تھا۔ کرنل اپنے منتشر ذہن کو قابو کرنے میں مصروف تھا تاکہ نیند آ جائے عالم ہوش تو وسوسوں کے علاوہ اور کچھ نہ دیتا تھا اپنی اس کوشش میں وہ کافی حد تک کامیاب ہو گیا لیکن یہ نیند بہت دیر تک برقرار نہ رہ سکی۔

نجانے سوتے ہوئے کتنا وقت گزر گیا تھا کہ اس کی آنکھ کھل گئی اور آنکھ کھلنے کی وجہ یقیناً کچھ تھی۔

وہ خالی خالی نگاہوں سے ماحول کا جائزہ لینے لگا۔

آسمان کے سرے پر چاند لٹکا ہوا تھا اور مدھم پراسرار چاندنی نے زمین پر عجیب عجیب شکلیں تخلیق کر دی تھیں۔

درختوں کے جھنڈ خاموش کھڑے ہوئے ہاتھی معلوم ہو رہے تھے اور جھیل پر سنہری کرنیں اوٹ رہی تھیں۔ دفعتاً کرنل کے کانوں میں ایک بھیانک چیخ ابھری اور دوسرے ہی لمحے اس کا ذہن جاگ گیا۔ یقیناً پہلے بھی یہی چیخ سنائی دی تھی جس نے اس کی نیند توڑی تھی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ گیا۔ عجیب سی چیخ تھی اور ابھی وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ یہ چیخیں مسلسل سنائی دینے لگیں۔

آواز نسوانی تھی اور ایک سے زیادہ عورتوں کی تھی وہ شاید کچھ بولتی بھی جا رہی تھیں لیکن ان کی کیفیت کچھ عجیب تھی فاصلہ بھی بہت زیادہ نہیں تھا۔ کرنل نے گردن گھما کر کشوتہ کی طرف دیکھا لیکن کشوتہ اس جگہ موجود نہیں تھی جہاں وہ آسن مارے بیٹھی تھی۔ کرنل پھرتی سے کھڑا ہو گیا اس نے جھپٹا مار کر اپنی بندوق اٹھائی اور کارتوس کی پیٹی کندھے پر ڈال کر کشوتہ کو تلاش کرنے لگا۔ تقریباً پچاس یا ساٹھ گز کے فاصلے پر اس نے درختوں کے جھنڈ کے درمیان کچھ کھڑکھڑاہٹ کی آوازیں سنی تھیں۔ پتہ نہیں کشوتہ کہاں غائب ہو گئی تھی۔ کرنل چند لمحات متجسس نگاہوں سے اس طرف دیکھتا رہا اور پھر ہمت کر کے وہاں سے آگے بڑھ گیا۔

کوئی دس پندرہ گز کا فاصلہ ہی طے کیا تھا اس نے کہ چاندنی میں اس نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا۔ وہ یقیناً دو عورتیں ہی تھیں جو خونخوار بلیوں کی طرح ایک دوسرے کو بھنبھوڑ رہی تھیں ایک دوسرے پر حملہ کر رہی تھیں۔ کرنل حیران نگاہوں سے انہیں دیکھتا ہوا کچھ اور آگے بڑھا۔ یہ ایک عجیب و غریب منظر اس کے لئے انتہائی حیرت کا باعث تھا۔ پھر وہ اتنے فاصلے پر پہنچ گیا کہ وہاں سے ان دونوں کو با آسانی دیکھ سکے وہ پتہ نہیں کون تھیں ان کے لباس تار تار ہو رہے تھے بال بکھرے ہوئے تھے چہروں پر وحشت خیزی نظر آ رہی تھی اور ان کے لڑنے کا انداز انتہائی بھیانک تھا۔

ایک دوسرے کو دانتوں سے کاٹ رہی تھیں اور ناخن مار مار کر زخمی کر رہی تھیں۔ کبھی کبھی وہ غراتی ہوئی ایک دوسرے پر جھپٹ جاتیں اور زمین پر لوٹنیں لگانے لگتیں پھر اچانک ہی کرنل کو رائفل کا خیال آیا اور اس نے رائفل کی نال فضا میں بلند کر کے ایک فائر کر دیا۔

دھما کہ رات کے ہولناک سناٹوں میں انتہائی خوفناک محسوس ہوا تھا اور اس آواز کے ساتھ ہی وہ دونوں رک گئی تھیں۔ کرنل اس بات کے لئے تیار تھا کہ وہ اس کی طرف متوجہ ہوں اور اس شکل میں وہ انہیں زخمی کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

اندر سے ایک عجیب سی کیفیت ابھر رہی تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے سینے میں برف سی بھر دی گئی ہو۔ رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ قصہ کیا ہے اچانک ہی اس نے عقب میں ایک آواز سنی اور دوسرے لمحے پلٹ کر رائفل کی نال اس کی سمت کر دی۔ جہاں اس نے ایک انسانی سایہ دیکھا تھا۔ سائے نے دونوں ہاتھ بلند کر دیئے اور عاجزی سے بولا۔

''نہیں...... نہیں مجھ پر فائر مت کرنا میں تمہیں نقصان نہیں پہنچانا چاہتا۔ میں تو ایک مظلوم انسان ہوں۔ آہ...... مجھ پر فائر نہ کرنا۔''

کرنل نے ایسی پوزیشن اختیار کر لی جہاں سے وہ ان لڑکیوں پر بھی نگاہ رکھ سکے۔ جواب اس کی آنکھوں میں واضح ہو چکی تھیں اور اس شخص پر بھی جو ایک درخت کے عقب سے برآمد ہوا تھا۔ وہ ایک بوسیدہ پتلون میں ملبوس تھا قمیض باہر نکلی ہوئی تھی۔ آستینیں غائب تھیں۔ گریبان پھٹا ہوا تھا قمیض میں جگہ جگہ گانٹھیں باندھ لی گئی تھیں تاکہ وہ بدن پر موجود رہ سکے۔ داڑھی اور سر کے بال بری طرح بڑھے ہوئے تھے۔ مونچھیں لٹک کر ہونٹوں پر آ گئی تھیں۔ عمر تقریباً پینتالیس اور پچاس کے درمیان تھی بدن گٹھا ہوا اور مضبوط معلوم ہوتا تھا وہ آہستہ آہستہ قدموں سے چلتا ہوا کرنل کے بالکل سامنے آ گیا کرنل اسے گھورتا ہوا بولا۔

''تم کون ہو......؟''

''ایک مصیبت کا مارا۔ میرا نام سومان گرو ہے ایشیا ہی کا رہنے والا ہوں اور یہ دونوں لڑکیاں جو لڑ رہی ہیں یہ میری بیٹیاں ہیں۔ دونوں اپنا دماغی توازن کھو بیٹھی ہیں اور میں اپنی اور ان کی موت کا انتظار کر رہا ہوں۔'' اس کے آخری الفاظ سسکی میں بدل گئے اور کرنل اسے متعجبانہ نگاہوں سے دیکھنے لگا پھر اس نے نرم لہجے میں کہا۔

''میرے قریب آؤ تم یہاں ان جنگلات میں کیسے آ پھنسے؟''

''لمبی کہانی ہے۔ مختصر الفاظ میں یوں سمجھ لو کہ سونے کا لالچ مجھے ان جنگلات میں لے آیا تھا اور یہ بہت پرانی بات ہے۔ میں تنہا ان جنگلوں میں نہیں آیا تھا۔ میرے ساتھ میرے ساتھی بھی تھے۔ جو حالات کا شکار ہو کر مجھ سے جدا ہو گئے۔ کچھ راستہ بھٹک گئے اور اب نجانے کہاں ہیں کچھ مر کھپ گئے۔ میں بھی ان جنگلوں سے نکلنا چاہتا تھا لیکن یہ جنگل موت کے جنگل ہیں آہ...... میرے دوست میں اب اپنی ان دو بیٹیوں کے ساتھ تنہا رہ گیا ہوں۔ یہاں سے نکلنے کی لاتعداد کوششیں کر چکا ہوں لیکن ناکام ہی رہا۔ یہاں تک کہ میری بیٹیاں ان ویرانوں سے خوف زدہ ہو کر اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھیں اور اب ان کی اور اپنی موت کا انتظار کر رہا ہوں۔'' کرنل سرد نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ وہی کہانی تھی جو ہو سکتی تھی بھلا وہ اس بے بسی کے عالم میں کسی کے لئے کیا کر سکتا تھا۔ اس شخص نے پوچھا۔

''مگر تم کون ہو تم تو تازہ دم نظر آتے ہو۔ لگتا ہے ان مصیبتوں کا شکار نہیں ہوئے جو ان جنگلوں

میں نظر آنے والوں کا مقدر ہیں۔؟''

''میں ایک شکاری ہوں اور میرا نام کرنل مقبول ہے۔''

''میرے دوست! کیا انسانی ہمدردی کی بنیاد پر تم میری مدد کر سکتے ہو تم تنہا ہو یا کوئی اور بھی تمہارے ساتھ ہے؟'' سومان گرو نے سوال کیا۔ کرنل ایک لمحے کے لئے خاموش رہا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

''نہیں میں تنہا ہوں۔ نجانے کیوں یہ بات اس کے ذہن میں آئی تھی کہ وہ کشوتہ کا تذکرہ نہ کرے۔''

''تو پھر میری تنہائی تم سے اور تمہاری تنہائی مجھ سے دور ہو سکتی ہے۔ براہ کرم ان لڑکیوں پر قابو پانے میں میری مدد کرو......

چاندنی راتوں میں اکثر وحشت کے دورے پڑ جاتے ہیں اور یہ خونخوار ہو جاتی ہیں اب یہ ایک دوسرے کو لہولہان کر دیں گی اور تھک کر بے ہوش ہو جائیں گی۔ پھر ان کے زخم لڑتے رہیں گے...... آہ میری مدد کرو...... براہ کرم میری مدد کرو۔'' کرنل مقبول پریشان نگاہوں سے ان لڑکیوں کو دیکھنے لگا۔ جواب بھی اسی انداز میں لڑ رہی تھیں۔ بس رائفل کے دھماکے سے وہ ایک لمحے کے لئے ساکت ہوئی تھیں اور اس کے بعد پھر ایک دوسرے کو نوچنے اور بھنبھوڑنے لگی تھیں۔ کرنل نے کہا۔

''کیا یہ ہمارے لئے خونخوار نہیں ہو سکتیں؟''

''نہیں یہ بس آپس میں ہی میں لڑتی ہیں۔ میرے پاس رسیوں کے یہ ٹکڑے ہیں بس ان کے ہاتھ اور پیر ہمیں باندھنے ہوں گے براہ کرم آؤ۔''

کرنل شانے ہلا کر ان کی جانب بڑھ گیا تھا۔ ویسے اسے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ لڑکیوں کے جسموں سے جگہ جگہ سے خون بہہ رہا تھا لیکن سومان گرو ایک لڑکی کو باندھنے میں کامیاب ہو گیا تو کرنل نے بھی اس کی تقلید کی اور دونوں لڑکیوں کو رسیوں سے کس دیا گیا۔ سومان گرو غمزدہ انداز میں زمین پر بیٹھ گیا تھا۔ لیکن کرنل کی متجسس نظریں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں۔ یہ دیکھ کر اس کی حیرت اور شدید ہو گئی تھی کہ دونوں گھوڑے بھی نہیں تھے۔ کیا کشوتہ فرار ہو گئی اس کے دل میں دہشت زدہ تصور ابھرا۔ کشوتہ کا چلے جانا ایک دلدوز سانحے کی مانند تھا۔ کیونکہ اسکے بعد کرنل واقعی بے سہارا اور تنہا رہ جاتا تھا۔

بھلا یہ بے بس شخص اس کا کیا مددگار ہو سکتا ہے جو خود نجانے کتنے عرصے سے ان جنگلوں میں قیدی تھا۔ لیکن کشوتہ کیوں چلی گئی۔ بظاہر تو اس کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی اس کا انداز بھی ایسا نہیں تھا۔ جس سے یہ ظاہر ہو کہ وہ خاموشی سے کرنل کا ساتھ چھوڑ دے گی۔ پھر آخر وہ کہاں چلی گئی۔

کرنل مقبول کی مایوس نگاہیں۔ مدھم چاندنی میں دور دور تک کشوتہ کو تلاش کر رہی تھیں اور سومان گرو خاموشی سے گردن جھکائے زمین پر بیٹھی ہوئی لڑکیوں سے کچھ قدم کے فاصلے پر بیٹھا ہوا تھا۔ بہت دیر کے بعد اس نے سر اٹھا کر کرنل کو دیکھا اور بولا۔

''تم نے اپنے بارے میں کچھ اور نہیں بتایا دوست۔ یہاں تمہارے ساتھ اور بھی کوئی تھا۔''

کرنل مقبول نے ایک ٹھنڈی سانس لی پھر بولا۔ ''آرام کرو...... دن کی روشنی میں باتیں کریں گے۔'' یہ کہہ کر کرنل جھیل کی طرف چل پڑا۔ عقب سے سومان گرو کی آواز سنائی دی۔

''کہاں جا رہے ہو۔ یہیں بیٹھو میرے دوست میں تم سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔'' لیکن کرنل وہاں نہ رکا اور اسے نظر انداز کر کے جھیل کے پاس آ گیا۔ کشوتہ کا اچانک غائب ہو جانا اس کے لئے سوہان روح تھا اس سے بڑی ڈھارس ہو گئی تھی اور زندہ رہنے کے امکانات پیدا ہو گئے تھے ورنہ ویران جنگلوں میں وہ بے دست و پا تھا۔ ساتھیوں کا کوئی نشان نہیں تھا۔ دل کی حالت اتنی خراب تھی کہ ناقابل بیان ہو گئی تھی۔ سب کچھ ہی تو چھن گیا تھا کشوتہ کی تلاش میں جہاں تک نگاہیں کام کر سکتی تھیں۔ دیکھ چکا تھا۔ وہ پریشان سا جھیل کے پاس آ بیٹھا۔

اچانک اپنے عقب میں اسے سرسراہٹ محسوس ہوئی۔ پانی میں کچھ آوازیں ابھریں اور پھر آہستہ آہستہ ایک سر پانی میں ابھر آیا اور کرنل اچھل پڑا۔ کشوتہ ہی تھی کرنل نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ کھولے تو کشوتہ نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش کرا دیا اور آہستہ آہستہ کرنل کے قریب آ گئی مگر پانی سے باہر نہیں نکلی۔

''کچھ کہنے کی کوشش نہ کرو صرف سنو...... تمہارے پاس بندوق ہے ایک ایک گولی ان تینوں کے سینوں میں اتار دو۔ انہیں ہلاک کرنا اشد ضروری ہے وہ جنگل کی آنکھ ہے ان کا تعلق تمہاری بستیوں سے نہیں ہے اسی جنگل کے باشندے ہیں۔ ساحروں کے ہرکارے۔''

کرنل کچھ بولنے کی کوشش کرتے کرتے رک گیا۔ کشوتہ نے پھر کہا۔ میں چاہوں تو انہیں اپنے سحر سے بھی ہلاک کر سکتی ہوں لیکن اس طرح ساحر میرے بارے میں جان لیں گے اور ان کا رخ اس سمت ہو جائے گا۔ یہ قبل از وقت ہوگا۔ پھر خاموشی سے سونے والوں کو جگا لیں گے اس کے بعد ان ساحروں کا مقابلہ کریں گے۔''

''تم وہاں پانی میں کیا کر رہی تھیں؟''

''پانی کے نیچے جنگل کی آنکھ مجھے نہیں دیکھ سکتی۔ جانتے ہو وہ میری تلاش میں ہیں۔ انہیں اشارے مل چکے ہیں اور اب وہ...... آہ...... میں نے تم سے کہا تھا کہ باتیں مت کرو...... جو کچھ میں نے کہا وہ کرو...... اور باقی باتیں ہم اس کے بعد کریں گے۔''

''گویا میں انہیں ہلاک کر دوں؟'' کرنل نے پریشانی سے کہا۔

''اجالے کی ایک بھی کرن ابھر آئی تو عمر بھر ان کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔ جتنی جلدی کرو گے ہمارے حق میں بہتر ہے۔''

''مگر وہ انسان ہیں کشوتہ۔''

''تم میرا مطلب ہے...... تم وہ نہ کرو گے جو میں کہہ رہی ہوں۔'' اچانک کشوتہ کا انداز بدل گیا۔

''وہ سومان گرو ہے۔ ایک مہم جو اور وہ دونوں اس کی پاگل بیٹیاں اس نے مجھے یہی بتایا ہے۔ میں اس کی مظلومیت سے متاثر ہو گیا ہوں۔ ان لوگوں کو ہلاک کرنا میرے لئے مشکل ہے۔''

''اجالے کی پہلی کرن نمودار ہو گئی تو تم اپنی زندگی کے سب سے بڑے خسارے سے دوچار ہو گے کرنل غور کر لو۔ اس کے بعد میں تمہارے ساتھ نہ رہوں گی تم پر سے میرا اعتماد اٹھ جائے گا۔ میں تو اس جھیل میں چھپ کر دور نکل جاؤں گی۔ مگر تم ان ساحروں کے سحر سے نہ نکل سکو گے۔ تمہیں اندازہ ہے کہ میں نے

تمہاری دنیا کے انسانوں کا روپ بدلا ہے۔ میں ان پر سحر نہیں آزمانا چاہتی اور تمہیں اپنا سہارا بنایا ہے لیکن اگر تم نے یہ رویہ اپنایا...... تو...... دیکھو...... دیکھو تاریکیاں مٹنے لگی ہیں اور اب روشنی ہو جائے گی۔ تب ان کی بینائی بدل جائے گی ٹھیک ہے کرنل ٹھیک ہے" وہ پانی میں تھوڑی سی پیچھے ہٹی اور دوسرے ہی لمحے اس نے اپنی میں سر چھپا لیا۔ کرنل آنکھیں پھاڑ کر جھیل کی ساکن سطح دیکھتا رہا۔ پھر بری طرح اچھل پڑا اجالا ہونے کو تھا اس کی کنپٹیاں چٹخنے لگی تھیں۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے رائفل لوڈ کی اور آگے بڑھنے لگا۔

سومان گرد اس طرح گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھا تھا۔ کرنل نے بندوق باندھی اور گولی داغ دی۔ سومان گرد کی چیخ کسی عفریت کی چیخ تھی اس چیخ کے ساتھ ہی دونوں لڑکیاں اچھل کر کھڑی ہو گئیں تھیں اور ان کے ہاتھوں پیروں کی رسیاں ٹوٹ گئیں۔ کرنل نے یکے بعد دیگرے ان دونوں پر بھی فائر کئے اور وہ زمین پر گر پڑیں۔ لیکن اس کے بعد جو کچھ ہوا کرنل کے لئے ناقابل یقین اور ناقابل برداشت تھا ان کے زخمی بدن اچھل رہے تھے وہ زمین پر گول گول پتھروں کی شکل اختیار کر گئے تھے اور ان کے جسموں کا ملغوبہ گڈ مڈ ہو رہا تھا۔

اس سے مختلف رنگ پھوٹ رہے تھے اور کسی گاڑھے سیال کی شکل اختیار کر گئے تھے اور ان کے جسموں کا حجم چھوٹا ہوتا جا رہا تھا۔ رفتار اتنی تیز تھی کہ کرنل ان پر نگاہ نہیں جما پا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں چڑھ گئی تھیں اور دماغ گھومنے لگا تھا۔ بمشکل تمام اس نے بندوق زمین پر ٹیک کر خود کو گرنے سے روکا۔ لیکن پاؤں لرز رہے تھے اور بدن بے جان ہوتا جا رہا تھا وہ زمین پر بیٹھ گیا اور پھر بے ہوش ہو کر ایک طرف لڑھک گیا۔

♥......♥......♥

ان سب کی سہمی ہوئی نگاہیں پہاڑیوں کی بلندیوں کی جانب اٹھی ہوئی تھیں اور ان کے حلق خشک ہو گئے تھے۔ چوٹیوں پر سندھانیوں کا ٹڈی دل موجود تھا اور صاف اندازہ ہوتا تھا کہ انہیں دیکھ لیا گیا ہے وہ کھانا پینا بھول گئے آگ پر بھنے والا گوشت جلنے لگا تھا اور اس کی سراند اٹھ رہی تھی ہرمیت سنگھ نے خود کو سنبھالا اور سرگوشی کے انداز میں بولا۔

"اس صورت حال سے بچنا مشکل نظر آتا ہے نمران ان کی تعداد بہت ہے ہم اگر یہاں سے فرار ہونے کی کوشش بھی کریں تو ان کی نظروں سے نہ بچ سکیں گے" اچانک ہی پروفیسر زلفی نے رائفل اٹھائی۔ لیکن ہرمیت سنگھ نے جھپٹا مار کر رائفل اس کے ہاتھ سے چھین لی تھی۔

"کیا کرو گے کیسے بچو گے اب ان سے" زلفی خوفزدہ لہجے میں بولا۔

"مقابلہ کر کے بھی تو نہیں بچیں گے پروفیسر مشکل ہے۔ وقت کا انتظار کرو۔"

لیکن انہیں انتظار نہ کرنا پڑا۔ دفعتاً ہی سندھانیوں کے گھوڑے ڈھلانوں میں اتر آئے اور پھر تتر بتر ہو کر تیز رفتاری سے ان کی جانب دوڑنے لگے۔ نورینہ خاموش نگاہوں سے ہونٹ بھینچے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی اور اس کے انداز میں بے خوفی تھی۔ پروفیسر زلفی کو بھی ہرمیت سنگھ کی بات سے اتفاق کرنا پڑا تھا بلاشبہ ان لاتعداد سندھانیوں سے بچنا اب تقریباً ناممکن ہی نظر آ رہا تھا ہرمیت سنگھ پھر سرگوشی کے انداز میں بولا۔

"اگر ہم لوگ ان سے مقابلہ نہ کریں تو اس بات کے امکانات ہیں کہ یہ فوراً ہی ہمیں قتل نہ

کریں۔ ہوسکتا ہے یہ ہمیں صرف قیدی بنائیں اور پروفیسر امید تو زندگی کے ساتھ ہوتی ہے" پروفیسر نے کوئی جواب نہیں دیا نمران البتہ سرگوشی کے لہجے میں بولا۔

"ممکن ہے یہ وہی لوگ ہوں جنہوں نے ہمارے ساتھیوں کو قید کیا ہے" گھوڑے تیز رفتاری سے ان کی طرف آ رہے تھے انہوں نے دونوں سمت دائرے بنا لئے تھے اور پہاڑی کے دامن میں پہنچنے کے بعد وہ انہیں گھیرنے کے سے انداز میں آگے بڑھ رہے تھے۔ ان کے پاس رائفلیں وغیرہ صاف دیکھی جا سکتی تھیں۔ اور ہرمیت سنگھ نے اچھا ہی کیا تھا پروفیسر زلفی اگر ایک بھی فائر کر دیتا تو ہوسکتا ہے کہ اس کے جواب میں انہیں سینکڑوں گولیوں کا سامنا کرنا پڑتا۔ سندھانی انہیں گھیرنے کی کوشش کرتے ہوئے ان کے اطراف میں پھیل گئے اور پھر یہ دائرہ آہستہ آہستہ تنگ ہونے لگا یہاں تک کہ وہ ان کے قریب پہنچ گئے۔ سب ساکت و جامد کھڑے ہوئے خوف بھری نگاہوں سے ان سندھانیوں کو دیکھ رہے تھے اور اب قریب آنے کے بعد ان کی شکلیں بھی نمایاں ہو گئی تھیں۔

لیکن اچانک ہی سندھانیوں کی طرف سے ایک آواز سن کر وہ سب بری طرح اچھل پڑے۔ یہ شہباز خان کی آواز تھی اور اس نے ہرمیت سنگھ کو پکارا تھا ہرمیت سنگھ بے قرار نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگا جب ہی اس نے شہباز خان کو بھی دیکھ لیا تھا اور مستان کو بھی باقی لوگ سندھانیوں کے عقب میں تھے۔ ان کے عقب میں ایک اور شخص بھی تھا جو قوی ہیکل سندھانی تھا۔ اس کے اعضاء بہت مضبوط نظر آتے تھے۔ شہباز خان نے اس حلیے میں بھی ہرمیت سنگھ اور نمران کو پہچان لیا تھا۔ چنانچہ وہ ان کے قریب پہنچ کر پھرتی سے گھوڑے سے کود پڑا اور اس نے ہرمیت کو گلے لگا لیا۔ مستان بھی نمران کے سامنے پہنچ گیا تھا۔

"شر آپ شر" سندھانیے" مستان نے ایک احمقانہ سا قہقہہ لگایا باقی لوگ متحیرانہ نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ پھر عقب سے پروفیسر حاتم فریدی، چرن گپتا کے علاوہ ایک اور شکل نظر آئی جو شروک کی تھی۔

شروک جسے ہرمیت سنگھ نے ایک لمحے میں پہچان لیا تھا وہ عجیب سی نگاہوں سے ہرمیت سنگھ کو دیکھ رہا تھا ہرمیت سنگھ کا سر چکرا رہا تھا نمران بھی احمقوں کی طرح ایک ایک کی صورت دیکھ رہا تھا۔ تب شہباز خان نے کہا۔

"آہ...... میرے دوست میرے عزیز دوست ہرمیت سنگھ تمہیں اور نمران کو دیکھنے کے بعد دل کو جو فرحت ملی ہے وہ ناقابل بیان ہے۔ تمہارے اعضا تو درست ہیں کمال ہو گیا۔ واقعی کمال ہو گیا۔ لیکن تمہارا حلیہ سندھانیوں جیسا۔"

"ساری باتیں بتا دوں گا شہباز خان لیکن یہ بتاؤ کیا تم ان لوگوں کے قیدی ہو۔؟" ہرمیت سنگھ نے پوچھا۔

"اب نہیں ہوں اب میں ان لوگوں کا دوست ہوں۔"

"کیا واقعی؟ ہرمیت سنگھ مسرت بھرے لہجے میں بولا۔

"ہاں......"

''اوہ...... یقیناً تم ایسا ہی کوئی کارنامہ سرانجام دے سکتے تھے ہم تمہاری تلاش میں سرگرداں تھے یقین کرو ہم دن رات تمہاری تلاش میں سرگرداں تھے۔''

''یہ تمہارے ساتھ۔''

''پروفیسر زلفی اور اس کی بیٹی نورینہ ہے'' ہرمیت سنگھ نے جواب دیا شہباز خان اسے دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔

''آؤ...... پہلے میں تمہیں اپنے دوست گروارہ سے ملاؤں جس کی مدد سے ہمیں نہ صرف آزادی حاصل ہوئی بلکہ تمہاری تلاش میں بھی کامیابی ہمیں گروارہ ہی کی وجہ سے ہوئی'' ہرمیت سنگھ نے اس قوی ہیکل سردار کو دیکھا جو گھوڑے کی پشت پر بے حد شاندار نظر آ رہا تھا۔ گروارہ بھی نیچے اتر آیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔ تب شہباز نے کہا

''گروارہ میرے دوست ! یہ ہے میرا وہ جگری دوست جس کا تذکرہ تم سے کر چکا ہوں، ہرمیت سنگھ لنگر'' شہباز خان نے جو زبان استعمال کی تھی وہ اردو تھی اور ہرمیت سنگھ نے حیرت سے دیکھا کہ گروارہ یہ زبان سمجھ سکتا ہے یا نہیں۔ گروارہ آہستہ آہستہ ان کے قریب پہنچا اور اس نے انگریزی میں ہرمیت سنگھ کو خوش آمدید کہا اور ان کی طرف مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھا دیا۔ ہرمیت سنگھ پر حیرت کا شدید حملہ ہوا تھا۔ اس نے انگریزی میں کہا۔

''مسٹر گروارہ کیا آپ انگریزی بول اور سمجھ سکتے ہیں۔؟''

''میں آپ کی زبان بھی سمجھ سکتا ہوں مسٹر ہرمیت سنگھ اور حقیقت یہی ہے کہ میں آپ سے پوری طرح متعارف ہوں۔''

''کمال ہے۔ واقعی کمال ہے یہ سب کچھ ناقابل یقین معلوم ہوتا ہے۔ شہباز خان میری سمجھ میں نہیں آ رہا تم سے کس طرح گفتگو کروں''

دوسری طرف نمران مستان سے کہہ رہا تھا۔'' مستان کیا تم ان کی قید سے آزاد ہوا اور ان کا انداز گفتگو تو کچھ اور ہی بتاتا ہے۔''

''لیس شر'' ہم آزاد ہیں مشٹر گروارہ ہمارا دوشت شر شب آل رائٹ شب آل رائٹ''

''ڈیڈی کہاں ہیں مستان وہ نظر نہیں آ رہے۔؟''

''کرنل؟''

''ہاں...... اور الاکشا بھی۔'' نمران کی نگاہیں چاروں طرف بھٹک رہی تھیں۔

''شر...... وہ لوگ ہمارا شاتھ نہیں۔ وہ اش ٹائیم غائب جش ٹائم سندھائی لوگ ریور کے کنارے حملہ کیا۔ شر وہ دونوں گھوڑے پر نکل گیا اور ابھی تک نہیں ملا شر ہم لوگ اش کا تلاش کیا بٹ وہ نہیں ملا۔''

''کیا......؟'' نمران غمزدہ لہجے میں بولا۔

''لیش شر لیش شر'' ش ٹائم پہاڑ کا اوپر شے سندھائی نیچے اترا اور آپ لوگ ریور میں کودا کرنل اور الاکشا کا گھوڑا آگے بڑھ گیا۔

سندھانی لوگ حملہ کیا اور آگے چل کر شروک اش کا مقابلہ کیا۔ شر کرنل اور میڈم نکل گیا اش کا بعد ہم لوگ کو نہیں ملا۔''

''پتہ بھی نہیں لگایا تم لوگوں نے کہ وہ کہاں گئے۔؟''

''شر کیشے پتہ لگاتا تھوڑا ٹائم کے بعد ہم گرفتار ہوا اور اش کا پتہ نہیں لگایا۔''

شہباز خان اور ہرمیت سنگھ نمران کے پاس آ گئے تھے۔ شروک کینہ توز نگاہوں سے پروفیسر زلفی کو دیکھ رہا تھا اور پروفیسر عجیب سی کشمکش کا شکار تھا۔ یہ سب کچھ ناقابل یقین سا لگ رہا تھا۔ گروارہ نے ان لوگوں سے کہا'' آپ لوگ شاید بھوک مٹانے کا بندوبست کر رہے تھے۔ لیکن آپ کے حلیے ہمارے ساتھیوں جیسے کیوں ہیں۔؟''

''اپنے بچاؤ کے لئے ہم نے یہ حلیہ اختیار کیا تھا مسٹر گروارہ'' ہرمیت سنگھ نے فوراً ہی جواب دیا۔ وہ یہ نہیں بتانا چاہتا تھا کہ تین سندھانیوں کو قتل کر کے انہوں نے یہ حیثیت اختیار کی ہے گروارہ نے بھی اس سلسلے میں تجسس نہ کیا وہ کہنے لگا۔

''آپ کی خوراک جل گئی ہے بہتر یہ ہے کہ پہلے آپ لوگ اپنے کھانے پینے کا کچھ اور بندوبست کر لیں۔ ہمارے لئے ضروری نہیں ہے کہ ہم فوراً یہاں سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔ اس جگہ ہم قیام بھی کر سکتے ہیں۔'' گروارہ نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا اور وہ سب کے سب اپنے گھوڑوں سے اترے اور اس کے بعد گھوڑوں کو یکجا کر کے ایک جگہ باندھنے کی کارروائی شروع ہو گئی۔ گویا یہاں ان لوگوں نے اپنا پڑاؤ ڈال دیا ہے۔

ہرمیت سنگھ شہباز خان اور باقی لوگ بھی یکجا ہو گئے تھے۔ شہباز خان نے نمران کو کرنل اور الاکشا کے بارے میں بتایا اور نمران سکتے کے سے عالم میں ان کی باتیں سننے لگا پھر اس نے مغموم لہجے میں کہا۔

اس کا مقصد ہے انکل کہ میں تو اپنا سب کچھ کھو بیٹھا...... ڈیڈی پہلے تو مجھے یہ اطمینان تھا کہ وہ آپ لوگوں کے ساتھ ہوں گے جو کچھ آپ لوگوں پر بیت رہی ہوگی وہی ان پر بیتے گی لیکن وہ تن تنہا اور الاکشا'' نمران کی آواز بھرا گئی۔

ہرمیت سنگھ نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''نمران کیا تم ہمت ہار رہے ہو ابھی تو اور امتحانات قسمت میں لکھے ہیں ان سے گریز نہ کرو...... تم نے دیکھا کہ کس طرح یہ بچھڑے ہوئے مل گئے ہیں اور کس عالم میں ہیں۔ اس بات کے کیا امکانات تھے کیا امید کی جا سکتی تھی کہ ہم یہ انوکھی صورت حال دیکھیں گے۔ دیکھو نمران !! جس طرح اس وقت ہم لوگ ان کے سامنے ہیں اور یہ ہمارے سامنے اسی طرح کرنل اور الاکشا بھی ہمیں مل جائیں گے اور پھر الاکشا یہ تو بہت ہی پر اطمینان بات ہے کہ کرنل کے ساتھ ہے اور الاکشا جو کچھ ہے تمہیں بھی اس کا اندازہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ صورت حال مکمل طور پر سنبھال لے گی تمہیں مغموم نہیں ہونا چاہیے۔ بلکہ اسی پامردی سے آنے والے وقت سے جنگ کرو جس کا ثبوت تم اب تک دیتے رہے ہو۔''

نمران خاموشی سے گردن ہلا کر رہ گیا بہت سی باتیں تھیں کرنے کے لئے بہت سے معاملے تھے۔

لیکن پہلے خوراک کا بندوبست کیا گیا اور گرداوہ نے اس سلسلے میں اپنے پاس موجود ذخائر میں سے انہیں خوراک پیش کی تھی۔ ان کا اپنا شکار کیا ہوا گوشت تو جل بھن کر کوئلہ بن چکا تھا چنانچہ انہوں نے اپنے اپنے طور پر تھوڑی سی غذا زہر مار کی اور اس کے بعد وہ سب ٹولیاں بنا بنا کر بیٹھ گئے شہباز خان، ہرمیت سنگھ، پروفیسر حاتم فریدی، چرن گپتا، زلفی نمران وغیرہ ایک ہی جگہ جمع ہو گئے تھے اور سب ایک دوسرے سے کہانی سننے کے لئے بے چین تھے۔

شروک البتہ اپنے ساتھیوں سے کچھ الگ بیٹھا ہوا تھا اس کی آنکھوں میں آگ جل رہی تھی۔ غالباً وہ زلفی سے زیادہ متنفر تھا جو اس کا ساتھی ہو کر جوزف سے جا ملا تھا۔ ہرمیت سنگھ بھی اس کا حریف تھا لیکن شہباز خان کا وہ احترام کرنے لگا تھا۔ جس نے گرداوہ سے دوستی کر کے ان کی یقینی موت کو ٹال دیا تھا۔ بہرحال اس نے ان لوگوں میں شامل ہونے کی کوشش نہیں کی تھی۔

ادھر شہباز خان کے استفسار پر نمران انہیں دریا میں بہہ جانے اور اس طوفانی بہاؤ سے بچ جانے کی کہانی سنا رہا تھا۔ اس نے جوزف اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں بھی بتایا تھا۔

"کیا کہا جا سکتا ہے ہو سکتا ہے ان میں سے بھی کچھ لوگ زندہ بچ گئے ہوں" شہباز خان نے کہا۔

"ہاں کیا کہا جا سکتا ہے" ہرمیت سنگھ بولا پھر شہباز خان پوری تفصیل سے انہیں اپنے بارے میں بتانے لگا کہ کس طرح شروک نے اس خطرناک موقع پر ان کی مدد کی تھی اور اس کی بروقت امداد نے انہیں سندھانیوں سے بچا لیا تھا لیکن پھر بعد میں یہ لوگ سندھانیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے اور پھر شہباز خان نے گرداوہ کے بارے میں بھی تفصیلات بتائیں اور کہا کہ وہ ایک قوم پرست ہے اور سندھانیوں کو بہتر زندگی دینے کا خواہاں ہے۔ ہم نے اسے اس خزانے کے سلسلے میں تیار کر لیا ہے اور اسی بنیاد پر ہمارے ساتھ لگا ہے اب وہ ہمارے پورے سفر میں ہمارا معاون رہے گا اور میں سمجھتا ہوں کہ اب سندھانیوں سے سارے خطرات دور ہو گئے ہیں۔" لیکن سندھانیوں کی ٹولیاں کیا ادھر ادھر بھٹکتی رہتی ہیں میرا مطلب ہے کہ ان کا تعلق ایک ہی قبیلے سے ہے۔"

"تمام سندھانیوں کا قبیلہ ایک ہی ہے لیکن ان کی بستیاں مختلف ہیں اور ان کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ وہ لوٹ مار کریں یا پھر ان جنگلوں میں اپنی خوراک تلاش کریں" یہ سوال اس لئے کیا گیا تھا کہ ہرمیت اس سندھانی ٹولی کے بارے میں جانتا تھا جس نے جوزف پر حملہ کیا تھا اس نے دبی زبان سے یہ تفصیل شہباز خان کو بتا دی تھی اور شہباز خان نے کہا تھا کہ بہتر ہے اس سلسلے میں خاموشی اختیار کی جائے بلکہ شروک کو بھی جوزف کے بارے میں تفصیلات نہ بتائی جائیں۔

"شروک زلفی کے بارے میں تو ضرور پوچھے گا۔"

"ہاں...... میں پروفیسر زلفی کے لئے اس کی نگاہوں میں کینہ کے آثار پا رہا ہوں لیکن اب اس میں اتنی سکت نہیں کہ کسی کو نقصان پہنچا سکے۔ ہمیں مصلحت سے کام لینا ہو گا سندھانی سردار خزانہ حاصل کرنے کا خواہاں ہے لیکن کون کہہ سکتا ہے کہ یہ خزانہ کہاں ہے۔ غرض یہ ہے کہ ہمیں بہر طور اپنے طور پر کام کرنا ہے۔ الالنشا اور کرنل کی تلاش بھی ضروری ہے ہم الالنشا کے مسئلے کو نظر انداز نہیں کریں گے۔ میں اور باقی لوگ کسی بھی

طور اس کے لئے تیار نہیں ہیں کہ اس مسئلے کو ادھورا چھوڑ کر آبادیوں کا رخ کریں اور اس سلسلے میں کوشش نہ کریں۔ ویسے تم لوگوں کا کیا خیال ہے میرا مطلب ہے نمران اور ہرمیت سنگھ تم اب اس سلسلے میں کیا کرنا چاہتے ہو؟" نمران نے آہستہ سے کہا،

"انکل میرے بارے میں تو یہ سوال ہی بے کار ہے۔ الالنشا اور ڈیڈی اگر مجھے یہاں نہ ملے تو میں ان جنگلوں سے کبھی واپس نہیں جاؤں گا خواہ اس کے نتائج کچھ بھی ہوں۔ یہ کوئی جذباتی بات نہیں ہے میں جانتا ہوں کہ ڈیڈی نے میرے لئے اپنی زندگی وقف کر دی ہے۔ میں کیسے سوچ سکتا ہوں کہ ان کے بغیر میں یہاں سے واپسی کا تصور کروں اور پھر الالنشا سے بھی جو میرا رشتہ ہے اس کے تحت مجھ پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ اسے تلاش کروں۔ جنگلوں میں اس پر نجانے کیا بیت رہی ہے میں کسی بھی قیمت پر یہاں سے واپسی پر تیار نہیں ہوں۔"

"تو بیٹے تمہارا کیا خیال ہے ہم تمہارا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ کرنل ہمارے لئے اتنے ہی قیمتی ہیں اور الالنشا تو ظاہر ہے میں اس سے تمام رشتے ترک کر چکا ہوں لیکن اس کا اور میرا ایک طویل ساتھ ہے میں بھی تو اسے بے یار و مددگار نہیں چھوڑ سکتا۔"

"تو پھر انکل کوئی ایسا پروگرام ترتیب دیجئے کہ ہم ان لوگوں کو خزانے کے جال میں پھانسے رہیں اور خود الالنشا اور کرنل کی تلاش میں سرگرداں رہیں وہ دونوں مل جائیں تو اس کے بعد آپ لوگ بھی جو فیصلہ کریں گے۔ الالنشاء کے راز کو اگر مکمل طور پر پانا ہے تو ہمیں ان جنگلوں میں بھٹکتے رہنا ہو گا۔ کوئی تعین نہیں کیا جا سکتا ممکن ہے۔ ہماری آدھی عمر یہیں گزر جائے ممکن ہے ہم یہیں مرکھپ جائیں یہ تمام باتیں سوچتا ہوں گی اور ہم مکمل طور پر تیار ہو کر یہاں سے آگے بڑھیں گے۔"

"تو پھر یوں سمجھ لو کہ ابھی ہمارا سفر ختم نہیں ہوا ہے۔ بس کچھ تبدیلیاں ہوتی جا رہی ہیں جنہیں قبول کرنا ہی ہے۔ چونکہ وقت کا یہ تقاضہ ہے البتہ ہم اس اعتماد کو دل سے نہ نکلنے دیں گے کہ کرنل اور الالنشاء محفوظ ہوں گے ان سے زیادہ خطرناک صورتحال تو تمہاری تھی اس تیز و تند دریا میں کسی انسان کا اس طرح گر کر بچ جانا معجزے سے کم نہیں ہے لیکن تم دونوں زندہ سلامت ہو اس کا مطلب ہے کہ کرنل اور الالنشا بھی محفوظ ہوں گے" پروفیسر حاتم فریدی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تم لوگوں نے ابھی تک میری پیش گوئیوں کو تسلیم نہیں کیا ہے دوستو! میں تم سے ہمیشہ کہتا رہا ہوں کہ ہمیں بہت سے حادثات پیش آئیں گے موت ہمارے قریب سے غراتی ہوئی گزرتی رہے گی لیکن ہم زندگی کو بچاتے آگے بڑھتے رہیں گے۔ اب تک پیش آنے والے واقعات اگر میری پیش گوئی نہیں تو کچھ اور تھا لیکن وقت ہی فیصلے کرے گا جو میں نے کہا ہے۔"

"آخری بات میں نمران سے کہوں گا وہ مجھے مغموم نظر آ رہا ہے، نمران الالنشا ایک داستان ہے جو شروع ہوتی ہے جاری ہے اور یقیناً اختتام کو پہنچے گی تم اس داستان کے راوی ہو داستان راوی کی زبانی ہی مکمل ہوتی ہے ہم سب بھی کر اس کہانی کی تکمیل کریں گے درمیانی واقعات اس داستان کے مختلف ٹکڑے ہیں۔"

"مجھے یقین ہے پروفیسر" نمران نے کہا۔

"کوئی ایسا حادثہ ہم پر مسلط نہیں ہونا چاہیے ابھی تو نجانے کتنے مرحلوں سے گزرنا ہے اس لئے مسکراتے رہو۔ مجھے دیکھو بوڑھا آدمی ہوں لیکن جوانوں کا ساتھ دے رہا ہوں اس لئے کہ یہ عمل ہے اور اس میں میرا حصہ ہے اور نہ مجھے خزانہ درکار ہے اور نہ الانشا سے میرا کوئی رشتہ ہے تم سمجھ گئے نا؟"

سب پروفیسر کے الفاظ سے متاثر نظر آ رہے تھے۔

♥......♥......♥

کرنل مقبول کو ہوش آ گیا چمکدار دن پھیلا ہوا تھا۔ آسمان کی بلندیوں پر اکا دکا پرندے پرواز کرتے نظر آ رہے تھے وہ خالی خالی نظروں سے اس ماحول کا جائزہ لیتا رہا۔ بدن میں دکھن تھی نہ جانے کب سے ایک ہی رخ پر لیٹا ہوا تھا۔ بدن کو ہلکی سی جنبش دی تو شانے کسی کھردری شے سے ٹکرائے۔ تھوڑا سا کھسک کر اس نے رخ بدلا تو نگاہوں کے سامنے ایک سپاٹ پتھر آ گیا اب حواس جاگ گئے تھے۔ اس نے تعجب سے اس پتھر کو دیکھا اور پھر سنبھل کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن بدن دوسری طرف سرک ہی نہ رہا تھا۔ دوبارہ کوشش کی از خود بخود کھسک کر پھر اسی سپاٹ پتھر سے آ لگا اس کے بعد اس پتھر کا سہارا لے کر ہی اٹھ سکا تھا اور اٹھنے کے بعد جو کچھ دیکھا اسے دیکھ کر دوبارہ بے ہوش ہونے کو جی چاہنے لگا تھا۔

منظر اتنا ہی خوفناک تھا وہ ایک پہاڑی دیوار پر تھا۔ اسے پہاڑی دیوار ہی کہا جا سکتا تھا۔ انی سیدھی کہ نا قابل بیان پیلا رنگ تھا اور اس میں جگہ جگہ ایسی ہی سپاٹ چٹانیں اگی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ جہاں زمین تھی وہ گہرائی دو ڈھائی سو فٹ سے کم نہ ہوگی۔ اس کے بعد پتھریلے میدان دور دور تک چلے گئے تھے۔ ان میدانوں میں بھی ایسی ہی گول سپاٹ چٹانیں نظر آ رہی تھیں جیسی ایک چٹان پر وہ اس وقت اٹکا ہوا تھا۔ اوپر بھی تقریباً دس بارہ فٹ بلندی نظر آ رہی تھی اور اس بلندی کے آخری سرے پر اس نے کشوتہ کو دیکھا جو آلتی پالتی مارے دونوں ہاتھ سینے پر جوڑے آنکھیں بند کئے بیٹھی تھی۔

اس وقت اس کا روپ پھر بدل گیا تھا اور وہ اپنے پرانے انداز میں تھی۔ کرنل کے ساتھ سفر کرنے کے لئے اس نے جو انداز تبدیل کیا تھا اب وہ باقی نہ رہا تھا اور وہ اسی روپ میں نظر آ رہی تھی جس روپ میں کرنل نے اسے پہلی بار دیکھا تھا۔ بہرطور کرنل کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے اگر یہ چٹان اسے سنبھالے ہوئے نہ ہوتی تو وہ ایک لمحہ بھی اس سپاٹ پہاڑی ٹیلے پر قدم نہیں جما سکتا تھا گویا عالم بے ہوشی میں وہ اس چٹان پر پڑا رہا تھا۔

اگر کسی طرح بے ہوشی کے عالم میں ہی رخ تبدیل ہو جاتا تو گہرائیوں میں جا پڑتا اور اس کا نتیجہ کیا ہوتا یہ سوچنے سے ہی دماغ چکرانے لگا تھا۔

یہ چٹانی پتھر کافی مضبوط تھا اور اس کی ساخت بھی کرنل مقبول کے لئے تعجب خیز تھی اس نے حواس مجتمع کئے چند لمحات حالات پر غور کیا اور حیرت کی انتہائی منزلوں تک پہنچ گیا وہ لمحات اسے یاد آ گئے تھے جب وہ ہوش و حواس سے عاری ہوا تھا۔ دونوں لڑکیوں اور اس شخص کو جس نے اپنا نام سومان بتایا تھا گولیوں کا نشانہ بنا کر اسے جس قدر دکھ ہوا تھا وہی جانتا تھا لیکن اس کا نتیجہ جو کچھ نکلا تھا وہ بھی اس کے لئے اتنا ہی حیرتناک تھا کہ وہ اپنے ذہن پر قابو نہیں پا سکا تھا گویا کشوتہ کا کہنا درست تھا وہ تینوں عام انسان نہیں تھے بلکہ ان کا تعلق

خلا بالائی سے تھا ورنہ ان کے جسموں کا انداز ایسا کیوں ہوتا جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا ایسا تو اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

تاہم اسے کشوتہ پر یقین ہو گیا تھا کہ وہ جو کچھ کہتی ہے درست ہوتا ہے اور اب اس سے انحراف بے معنی ہے۔ غرض یہ کہ ان حالات کو اچھی طرح محسوس کرنے کے بعد اس نے بڑی آہستگی سے اپنے بدن کو سنبھالا دونوں پاؤں چٹان پر ٹکائے اور سیدھا سیدھا پہاڑی دیوار پر کھڑا ہو گیا۔ تب اس نے زور سے کشوتہ کو آواز دی اور کشوتہ نے اسے دیکھا۔ کرنل کشوتہ کو بھی سہمی ہوئی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ جس جگہ وہ آلتی پالتی مارے بیٹھی ہوئی تھی وہاں بھی کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔

ہر چند کہ یہ پہاڑی دیوار کی چوٹی تھی لیکن ہوا کا کوئی تیز جھونکا بھی کشوتہ کو بلندیوں سے نیچے لا سکتا تھا لیکن وہ بے خوفی سے بیٹھی ہوئی تھی۔ کرنل کی آواز سن کر اس نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا اور پھر دونوں ہاتھ سینے سے ہٹائے اور اس کی آواز کرنل کو سنائی دی۔

"تم اگر ہوش و حواس پر قابو پا چکے ہو کرنل تو اوپر آ جاؤ"۔

"کیسے آ جاؤں' اس سپاٹ دیوار پر چڑھنا کیا میرے لئے ممکن ہے؟"

کشوتہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی پھر اس نے کہا۔

"تم نے یہ نہیں سوچا کرنل کے تم اتنی بلندی پر کیسے پہنچ گئے؟"

"ایں" کرنل کا منہ حیرت سے پھیل گیا۔ واقعی یہ بات ابھی تک اس نے نہیں سوچی تھی۔ وہ تو جنگل کا علاقہ تھا جہاں یہ انوکھا واقعہ پیش آیا تھا۔ وہاں سے لے کر یہاں تک کا سفر اور پھر اس چٹان کے عقب میں وہ متعجبانہ نگاہوں سے کشوتہ کو دیکھنے لگا۔ تب کشوتہ نے انگلی سے اشارہ کر کے کہا۔

"اطمینان بھرے قدموں سے چلتے ہوئے اوپر آ جاؤ...... تمہیں دقت نہیں ہوگی"۔

کرنل احمقوں کی طرح اسے دیکھتا رہا پھر اس نے شانے ہلائے۔ پتھر کو ایک بار پھر غور سے دیکھا اور یہ سوچنے لگا کہ اگر اوپر چڑھنے کی کوشش میں پھسل کر نیچے آ گیا تو کیا یہ پتھر اس کا وزن سنبھال سکے گا۔ لیکن پتھر اتنا کمزور نہ تھا البتہ اسے اسی کی چوڑائی کی سیدھ میں اوپر کی جانب جانا تھا تاکہ گرتے ہوئے اس سے آ کر ٹک جائے۔ دل دھاڑ دھاڑ کر رہا تھا لیکن کشوتہ کے حکم کی تعمیل بھی ضروری تھی۔

چنانچہ اس نے اپنے آپ کو سنبھالا اور پھر دونوں ہاتھ اور پاؤں ٹکا کر آہستہ آہستہ اوپر چڑھنے لگا۔ اس میں سیدھا کھڑا ہونے کی ہمت نہیں تھی۔ کشوتہ نے اس پر کوئی تعرض نہیں کیا وہ آہستہ آہستہ اوپر جا رہا تھا اور اوپر چڑھتے ہوئے اسے یہ احساس ہو رہا تھا جیسے زمین پر سیدھا سیدھا چل رہا ہو۔

یہ نظری دھوکا ہے یا ذہن کا فتور کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ لیکن سمجھنے کے لئے زیادہ وقت بھی نہ لگا اور چند لمحات بعد وہ اس پہاڑی دیوار کی چوٹی پر پہنچ گیا وہ کسی قدر مسطح جگہ تھی اور دوسری جانب بھی ڈھلان ہی نظر آ رہے تھے لیکن یہ ڈھلان اس طرح خطرناک نہیں تھی جیسے خطرناک ڈھلانوں سے گزر کر وہ یہاں تک آیا تھا۔

یہ ڈھلان بہت ہی ہلکے تھے اور اتنی ہی گہرائیوں تک چلے گئے تھے جتنی گہرائیاں دوسری جانب

تھیں وہاں ایک دوہ نظر آ رہا تھا اور دو ے کے دوسری جانب جو عظیم الشان پہاڑی سلسلہ پھیلا ہوا تھا وہ بہت
ہی حیرت ناک تھا۔ بس اونچی اونچی لمبی نوکیلی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں۔ انہیں ایک عجیب و غریب پہاڑی
سلسلے سے منسلک کیا جا سکتا تھا۔
جگہ جگہ کناڑ ے تھے پتلی پتلی دیواریں سی چلی گئی تھیں ایک عجیب وحشت ناک منظر نگاہوں کے
سامنے تھا۔ بہت فاصلے پر انہیں چٹانوں سے ایک آبشار گرتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ ایک سفید سی دھواں اڑاتی ہوئی
لکیر نگاہوں کے سامنے آ جاتی تھی۔ حالانکہ اس کا فاصلہ کافی تھا اور اس سے بہنے والی ندی اس سمت نہیں آتی
تھی یہ جگہ بھی بڑی طلسمی حیثیت کی حامل تھی۔ کشوتہ سنبھل کر کھڑی ہو گئی اس نے بغور کرنل کو دیکھا اور بولی۔
" کیا تمہاری حالت بہتر ہے کرنل، ہمیں آگے چلنا ہے۔" کرنل آنکھیں بند کر کے گردن جھٹکنے لگا
پھر اس نے آہستہ سے کہا" کشوتہ میرے سامنے دو ہی راستے ہیں یا تو تمہاری ہدایت پر عمل کرتا رہوں اور اپنے
ذہن کو سمجھاتا رہوں یا پھر کسی پہاڑی چٹان سے کود کر خودکشی کر لوں تاکہ مجھے سکون مل جائے، جس بے سکونی کا
شکار میں ہوں کاش میں تمہیں الفاظ میں بتا سکتا۔"
کشوتہ گہری کالی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی۔ پھر اس نے سرد لہجے میں کہا" مجھے تعجب ہے کرنل تم
ایک سمجھدار آدمی ہو بہت عمر گزار چکے ہو۔ تمہیں حالات کا اندازہ ہو جانا چاہیے مانتی ہوں کہ یہ سب تمہاری سمجھ
سے باہر ہے۔ لیکن بعض اوقات پیش آنے والے واقعات بہت کچھ سمجھا دیتے ہیں۔ میں تم سے ہر زبان میں
کہہ چکی ہوں کہ میری اپنی پابندیاں کیا ہیں۔
کرنل میں بہر طور تمہاری دوست ہوں اور تمہیں کسی نقصان سے دوچار ہونے نہیں دوں گی۔ جو
واقعات پیش آ رہے ہیں وہ تمہاری اسی مہم کا حصہ ہیں جس میں تم نے خوش دلی سے شرکت کی تھی۔ اس وقت تم
نے یہ کیوں نہ سوچا تھا کہ کرنل تم ایسے پراسرار جنگلات میں جا رہے ہو اور ایک ایسے مقصد کے لئے کام
کر رہے ہو۔ جو تمہاری نگاہوں میں واضح نہیں ہے۔ میں دوسرے لوگوں کی بات نہیں کرتی ان میں کون کس
فطرت کا مالک ہے وہ جانے' لیکن تمہارے بارے میں تو میں یہ کہہ سکتی ہوں کرنل کہ تم نے فوج میں زندگی
گزاری ہے۔ کسی شہر میں دکان پر بیٹھ کر عمر پوری نہیں کی۔ فوجی زندگی گزارنے والے تو بڑے با مشقت لوگ
ہوتے ہیں اور انہیں نجانے کیسے کیسے حالات پیش آتے رہتے ہیں۔ تم ان حالات سے اتنے متاثر کیوں ہو؟
میں جانتی ہوں کرنل کہ تمہیں کسی نہ کسی حد تک مجھ پر اعتماد ہے میں یہ بھی جانتی ہوں کہ ان تمام
معاملات میں جو سب سے زیادہ خوف ہے وہ اپنے بیٹے کی زندگی کا ہے اور میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ عمران
زندہ ہے اور اس کے بعد تمہیں حالات کا ساتھ دینا چاہیے۔ میرے ساتھ شامل رہ کر تم فی الحال کسی جسمانی
تکلیف کا شکار نہیں ہو گے جہاں تک ذہنی معاملات ہیں کرنل تو میں تمہیں مطمئن کر سکتی ہوں۔ لیکن ایک بات
کان کھول کر سن لو کہ جب تم اس کہانی سے آشنا ہو جاؤ گے تو پھر تم اس کہانی کا ایک کردار بن جاؤ گے اور اگر
حالات سازگار ہو جائیں۔ تم یہاں سے اپنا مقصد پورا کئے بغیر واپسی کی ٹھانو۔ تمہارے تمام ساتھی مل جائیں
اور وہ اپنی آگے کی مہم ترک کر دیں۔ تو اس کہانی سے واقف ہونے کے بعد کرنل! کم از کم ان کے ساتھ واپس
نہیں جا سکو گے کیونکہ ان واقعات کے بارے میں تمہیں معلومات حاصل ہوں گی' سوچ لو کرنل دو ہی راستے ہیں

یا تو اپنے ذہن کو آزاد چھوڑ دو اور میرے ساتھ تعاون کر دیا اگر اس کہانی سے واقف ہونا چاہتے ہو تو پھر
اپنے آپ کو اس بات کے لئے تیار کر لو۔ تم ان علاقوں کا ایک کردار بن جاؤ گے اور تمہاری ذمہ داریاں کسی طور
بھی اس وقت تک ختم نہ ہوں گی، جب تک کہ مجھے اپنا مقصد حاصل نہ ہو جائے۔ کرنل اس طرح تم وقت سے
پہلے اپنے آپ کو زنجیروں میں جکڑ دو گے۔ بہتر یہی ہے کہ ان واقعات کی گہرائیوں میں نہ جاؤ دیکھو میں نے
تم سے جو کچھ کہا تھا وہی ہوا۔ وہ تینوں ساحروں کے جاسوس تھے جو ہر آنے والے کی نگرانی کرتے ہیں۔ ان
میں شامل ہو کر ان کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں ساحر نہیں چاہتے کہ ان کے ناپسندیدہ لوگ ان کے علاقے
میں داخل ہوں اور وحشت لگتا ہے ان کا تسلط ختم ہو جائے بہتر ہے کہ کرنل کچھ وقت انتظار کر لو...... واقعات
جوں جوں تمہیں پیش آتے رہیں گے تم ان سے واقف ہوتے رہو گے اور اس وقت تم پر کوئی ذمے داری عائد
نہیں ہو گی یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔ میں کسی بھی طور تمہاری دشمن نہیں ہوں۔ قدم قدم پر تمہارا تحفظ کروں
گی۔ یہ میرا وعدہ ہے" کرنل خاموشی سے اسے دیکھتا رہا پھر اس نے آہستہ سے کہا۔
"معاف کرنا کشوتہ میں ایک انسان ہوں اور تجسس انسانی فطرت کا ایک حصہ ہے خیر میں کوشش
کروں گا کہ تمہارے لئے کوئی الجھن نہ بنوں۔ اگر حالات سے مجبور ہو کر کبھی بددل ہو جاؤں تو میری کسی بھی
بات کو معاف کر دینا۔ اس میں کوئی گہرائی نہ ہو گی"
کشوتہ نے گردن ہلائی اور پھر ایک پتھر کے عقب سے اس نے کھانے پینے کی کچھ اشیاء نکالیں اور
کرنل کے سامنے پیش کر دیں۔
"شکم سیری ضروری ہے اس کے بعد ہم ڈھلانوں کا سفر کریں گے۔" کرنل نے سچ مچ یہ کوشش
شروع کر دی تھی کہ کشوتہ کی کسی بات پر متحیر نہ ہو۔ یہ تمام باتیں بعید از عقل تھیں اور اس کے بارے میں چھان
بین دماغ خراب کرنے کے علاوہ کچھ نہ ہوتی۔ اسے گزرے واقعات یاد آئے تھے۔ کوئی اور ترکیب بھی نہیں
تھی جس کا سہارا لیا جا سکے۔ چنانچہ اس عورت کا ساتھ کیوں کھویا جائے۔ بددل ہو گئی تو گم ہو جائے گی بھلا میں
اسے کہاں تلاش کرتا پھروں گا۔ چنانچہ اس نے خاموشی اختیار کر لی۔ کھانے سے فراغت حاصل کرنے کے
بعد وہ دونوں ڈھلانوں میں نیچے اترنے لگے۔
کشوتہ کرنل کے ساتھ چل رہی تھی۔ تھوڑی دور پہنچنے کے بعد اس نے کہا۔
"ہمیں اس پہاڑی دیوار کے دوسری جانب جانا ہے اسی طرف وحشت مگانا آباد ہے۔"
"وحشت مگانا؟" کرنل نے سوالیہ نگاہوں سے کشوتہ کو دیکھا۔
"ہاں ساحروں کی عظیم بستی۔ ایک ایسی بستی جو دور دور تک پھیلی ہوئی ہے اور جس کی کہانیاں بڑی
انوکھی ہیں۔ جب تم دیوار کے دوسری طرف جاؤ گے تو تمہیں ایک حیرت ناک دنیا کا سامنا کرنا پڑے گا اور
اس دنیا میں سفر کرنے کے لئے تمہیں ذہنی طور پر تیار کرنا چاہتی ہوں کرنل خود کو سنبھالو ان واقعات میں اپنے
آپ کو ضم کر لو...... جو کچھ پیش آئے اس سے اپنی ذہانت کے مطابق نمٹو۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ مجھے تمہاری
ضرورت ہے۔ اسے زیادہ آسان الفاظ میں یوں سمجھ لو...... کرنل کہ ہم ساحروں کی بستی میں رہنے والے سحر
کے شکار ہوتے ہیں۔

لیکن تم جو اس سحر سے ناواقف ہو...... بہت سے معاملات میں صرف اس لئے بچ سکتے ہو کہ تم ناواقف ہو اور تم پر وہ ذمہ داریاں عائد نہیں ہوتیں آؤ آگے چلیں۔ پہاڑی دیوار کے اس سمت کا راستہ بہت مشکل ہے لیکن یہ راستہ ہمیں تلاش کرنا ہی ہے ابھی یہ نہ سمجھنا کہ ہم دشمنوں کی نگاہوں سے دور ہو گئے ہیں۔ نجانے کتنی آنکھیں پوشیدہ طور پر ہماری نگرانی کر رہی ہوں گی" کشوبہ کرنل کو ساتھ لئے ہوئے ڈھلانوں سے اتر کر درے میں داخل ہو گئی جہاں سے یہ عجیب و غریب پہاڑی سلسلہ شروع ہوتا تھا جس کی حد کا کوئی اندازہ نہیں تھا اور اس کی وسعتیں نجانے کہاں سے کہاں تک تھیں۔

♥......♥......♥

ہرمیت سنگھ نمران اور پروفیسر نے دوبارہ حلیہ بدل لیا تھا اور ابھی وہ اسی جگہ مقیم تھے۔ سب کے سب آرام کر کے تھکن دور کرنا چاہتے تھے۔ شہباز نے جو عظیم کارنامہ سرانجام دیا تھا اس کی مثال ملنا مشکل تھی ورنہ یہ مشکل ترین مہم اور پھر سندھانیوں کا خطرہ...... اب کم از کم وہ اپنی مہم پر پوری توجہ دے سکتے تھے۔ بس ایک غم تھا کرنل اور الاانشاہ کا اگر وہ بھی ساتھ ہوتے تو امکانات تھے کہ کچھ نئے فیصلے ہو جاتے یہ مہم ترک کر دی جاتی یا کچھ بھی سوچا جا سکتا تھا لیکن ان حالات میں وہ دو قدم رکنے کا بھی تصور نہیں کر سکتے تھے۔

اس وقت بھی گرداوہ زیر بحث تھا شہباز خان ہرمیت سنگھ کی ٹولی یکجا تھی پروفیسر زلفی اپنی بیٹی نوریہ کے ساتھ بیٹھا اس سے باتیں کر رہا تھا۔

شروک اپنی ٹیم کے ساتھ الگ جگہ موجود تھا اور سندھانی سردار اپنے ساتھیوں کے ساتھ باتیں کرنے میں مصروف تھا۔ ادھر شہباز خان' پروفیسر حاتم فریدی' چرن گپتا' مستان وغیرہ سر جوڑے بیٹھے ہوئے تھے مسئلہ یہ تھا کہ اب تھکن دور ہو چکی تھی۔ چنانچہ آگے کا پروگرام ترتیب دے لینا چاہیے۔ گو ان کے درمیان مختلف اوقات میں بہت سی باتیں ہو چکی تھیں لیکن اس وقت وہ اپنے پروگرام کو فائنل کرنے میں مصروف تھے کیونکہ آرام کافی ہو چکا تھا اور پروگرام کو آگے بڑھانے کی ذمہ داری انہی کی تھی۔ گرداوہ انہی پر بھروسہ کرتا تھا۔ اس دوران شروک نے خصوصی طور پر خود کو سب سے الگ تھلگ رکھا تھا۔ یہاں تک کہ اس نے پروفیسر زلفی کو بھی لفٹ نہیں دی تھی۔ زلفی کے سلسلے میں اس کی آنکھوں میں نفرت کے آثار صاف محسوس کیے جا سکتے تھے۔ شہباز خان نے پرخیال انداز میں کہا۔

"میرے سامنے اس وقت سب سے بڑا مسئلہ گرداوہ ہے یہ شخص ہمارے ساتھ شامل ہوا ہے اور اس کے ذہن میں وہ عظیم الشان خزانہ ہے جس کی تصویر اسے دکھائی گئی ہے۔ پروفیسر فریدی آپ بے شک اس کے بارے میں مجھ سے گفتگو کر چکے ہیں لیکن اپنے دوستوں کے سامنے آپ سے ایک بار پھر یہ سوال کرتا ہوں کیا الاانشاہ کی کہانی میں کہیں کسی خزانے کا تذکرہ ہے؟"

"قطعی نہیں۔ بالکل نہیں جو نقشہ ہمارے سامنے آیا ہے اور جس کی میں نے صرف ایک جھلک دیکھی ہے وہ کسی خاص سمت اشارہ تو کرتا ہے لیکن اس بات کے کیا امکانات ہیں کہ ان اشاروں کا تعلق کسی خزانے سے ہو۔ ہمارے سامنے تو الاانشاہ ہے جس کی کہانی ہم منظر عام پر لانا چاہتے ہیں۔ میں اس بات پر اب تک حیران ہوں کہ شروک نے اس نقشے میں کوئی خزانہ کہاں سے تلاش کر لیا۔"

"کیا یہ دلچسپ بات نہیں ہے دوستو! کہ شروک اینڈ کمپنی اور جوزف اور اب یہ سندھانی سردار گرداوہ ایک خزانے کے جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔ خیر اسے تو خزانے کا لالچ دیا ہے لیکن شروک اور اس کے ساتھیوں نے یہ خزانہ کہاں تلاش کر لیا۔؟

بہر طور اب جو حالات ہمارے سامنے ہیں ان میں ہمیں یہ سوچنا ہے کہ کرنل مقبول اور الاانشا اگر ہمیں حاصل ہو جائیں تو اس کہانی کو کس شکل میں آگے بڑھائیں۔ آیا الاانشا کے سلسلے میں مزید کارروائیاں کی جائیں گی یا پھر یہ سوچ کر کہ اس مسئلے کا کوئی حل نہیں ہے واپسی کا سفر اختیار کیا جائے گا" چرن گپتا نے کہا۔

پروفیسر حاتم فریدی پرخیال انداز میں گردن ہلاتا ہوا بولا۔

"بلاشبہ جو نقشہ ہمارے سامنے آیا تھا اس کے نشانات ابھی تک ہمیں مسلسل مل رہے ہیں اور میں اس بنیاد پر یہ بات کہتا ہوں کہ ان جنگلات میں یہ نشانات چاروں طرف بکھرے ہوئے ہیں۔ یقیناً ہماری رہنمائی کچھ پراسرار قوتیں کر رہی ہیں اور اس کے لئے بس یہی سوچا جا سکتا ہے کہ الاانشا کا راز منظر عام پر آنا چاہتا ہے۔ خزانے کے متلاشی ہمارے کہنے سے خزانے کی تلاش میں نہیں نکلے بلکہ یہ ان کی اپنی اختراع تھی اگر وہ ہمارے ساتھ یہ سفر کرتے ہیں اور کوئی خزانہ نہیں حاصل ہوتا تو اس میں ہمارا قصور تو نہیں ہے۔

رہی بات گرداوہ کی تو یہ جرم ہمیں مسلسل کرتے رہنا پڑے گا۔ حالانکہ بلاشبہ یہ ایک جرم ہے کہ ایک قوم پرست کو اپنی قوم کی فلاح کے لئے دولت درکار ہے اور ہم اسے دھوکہ دے کر اپنے مقصد کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔ لیکن یہاں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اگر ہم ایسا نہ کرتے تو کسی بھی لمحے ان کی گولیوں کا شکار ہو سکتے تھے۔ خدا سے معافی مانگ کر کم از کم گرداوہ کے سلسلے میں اپنا یہ کام کرتے رہنا پڑے گا اور اس کے بعد حالات جو بھی رخ اختیار کریں۔

لیکن یہ شروک اینڈ کمپنی جو صاف ظاہر کرتی ہے کہ اب وہ ہمارے ساتھ اس انداز میں نہیں ہے جس انداز میں کچھ دن پہلے تھی اس کا کیا کیا جائے؟"

"یہ لوگ اس وقت ہمارے رحم و کرم پر ہیں پروفیسر اور ظاہر ہے ہمارا مقصد کسی بھی انسان کو نقصان پہنچانا نہیں ہے۔ حالانکہ شروک میرے ایک آدمی کا قاتل ہے اور میں اپنے اس ساتھی کو کبھی فراموش نہیں کر سکتا لیکن یہ بات میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ اسے قانون کے حوالے کرنا بھی میرے بس کی بات نہیں ہے اور اس سلسلے میں کچھ سوچنا بھی حماقت ہے۔ شروک اگر خود ہی کبھی ہم سے الگ ہونا چاہے تو ہم اس پر اعتراض نہیں کریں گے۔ بصورت دیگر ہمارا یہ مشن جاری رہے گا اور گرداوہ کے مسئلے میں اب بعد میں جو کچھ بھی ہو گا دیکھا جائے گا فی الحال ہمیں جذباتی نہیں ہونا چاہیے۔" ہرمیت سنگھ نے کہا۔

"مگر گرداوہ کو کم از کم تھوڑا بہت صورتحال سے آگاہ ہونا چاہیے چرن گپتا نے کہا۔

"ہاں اصل موضوع یہی ہے میں سمجھتا ہوں۔ کہ گرداوہ کو مختصر تفصیل ضرور بتا دی جائے اور اس میں خزانے کو شامل رکھا جائے۔"

"صحیح بات ہے کم از کم اس طرح ہمیں اس کا بھرپور تعاون حاصل رہے گا اور وہ یہ نہ سوچے کہ ہم آپس میں مل کر اس سے الگ تھلگ ہو گئے ہیں۔"

''میں اسے بلا کر لاتا ہوں۔ گفتگو کرنے میں بہت احتیاط رکھنا ہوگی'' شہباز خان نے کہا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر گرداوہ کے پاس پہنچ گیا۔ سندھانی سردار شہباز خان کو بہت ماننے لگا تھا اور ہمیشہ اس کی عزت واحترام کیا کرتا تھا۔

''میں چاہتا ہوں ڈیئر گرداوہ کہ ہم لوگ اب آگے کے بارے میں کچھ فیصلے کرلیں اس میں تمہاری شمولیت ضروری ہے۔''

گرداوہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے آہستہ سے گردن ہلا کر کہا۔'' شہباز خان میں تم پر مکمل بھروسہ کرتا ہوں۔ میں نے تمہیں تمام صورتحال بتا دی ہے میں ایک امید پر تمہارے ساتھ ہر جگہ کا سفر کرنے کے لئے تیار ہوں اور وہ امید یہی ہے کہ مستقبل میں میری قوم بھی انسانوں کی مانند زندگی بسر کرے گی۔ اس کے لئے میں نے جو قدم اٹھایا ہے وہ بھی تمہارے سامنے ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایک دوست کی حیثیت سے میں نے اپنی قوم کا مستقبل تمہارے سپرد کر دیا ہے اور اس میں تمہارے تعاون پر یقین کرتا ہوں تاہم تم اگر یہ محسوس کرتے ہو کہ میری ضرورت ہے تو میں حاضر ہوں۔''

شہباز خان کو دل میں تھوڑی سی خجالت محسوس ہوتی تھی۔ لیکن مجبوریاں بعض اوقات ضمیر کے خلاف بہت کچھ کرنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ وہ گرداوہ کے ساتھ ان لوگوں کے پاس آ گیا اور گرداوہ ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ شہباز خان نے کہا۔

''میں ایک ایک شخص سے تمہارا تعارف کرا چکا ہوں اور تقریباً پوری تفصیل تمہارے سامنے ہے لیکن اس وقت از سر نو یہ تفصیل ایک بار پھر تمہارے سامنے لانا چاہتا ہوں جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ ڈیئر گرداوہ بہت عرصے پہلے میں اور میرا دوست ہرمیت سنگھ ان جنگلات میں سیر وشکار کے لئے آئے تھے۔

ہمارے ساتھ اس علاقے کی سرحدی بستی کا یہ شخص مستان بھی تھا اور ہم ایک طوفان میں بھٹک کر بہت دور نکل آئے۔ پھر ہمیں ایک پتلی سی ندی نظر آئی جس کا ہمارے ذہن میں کوئی نقشہ موجود نہیں ہے۔ اس ندی میں ہمیں ایک لاش بہتی ہوئی ملی۔ جس کے پاس ایک پراسرار نقشہ موجود تھا اور جس کے ساتھ ایک ننھی سی معصوم بچی بھی موجود تھی جو زندہ تھی اس بچی کا نام میں نے الاکشاء رکھا۔ لاش ہرمیت سنگھ کے نوادر خانے میں محفوظ رہی اور یہ شخص جس کا نام شروک ہے صرف لاش دیکھنے کے لئے وہاں پہنچا۔ یہ اور اس کے ساتھ چند دوسرے افراد جو قدیم زبانوں اور نقشوں وغیرہ کے ماہر تھے اس بات پر متفق ہو گئے کہ لاش کے پاس جو نقشہ موجود ہے وہ ایک عظیم الشان خزانے کا نقشہ ہے۔ شروک نے ہرمیت سنگھ کے نوادر خانے سے لاش چوری کر لی اور ایک شخص کو قتل کر دیا پھر وہاں سے فرار ہو گیا اور اس نے ایک اپنی ٹیم بنائی اور ان جنگلات میں داخل ہو گیا۔ خزانہ ہمارے لئے بھی دلکش تھا۔

چنانچہ ہم سب بھی اس خزانے کی تلاش میں اس کے پیچھے چل پڑے اور یوں دو مختلف ٹولیاں ان جنگلات میں تمہارے ساتھیوں کے سامنے صف آراء ہوئیں وہ صرف جان بچانے کی کوشش تھی۔ جس کے نتیجے میں تمہارے چند آدمی ہلاک ہوئے۔ غرض کہ ساری صورتحال تمہارے سامنے پیش کر دی گئی ہے۔ لاش شروک کے پاس سے غائب ہو گئی اور وہ لڑکی جس کا نام الاکشاء ہے اور جو اس خزانے کی چابی ہے ہمارے

ایک ساتھی کے ساتھ ان جنگلات میں گم ہے۔ اگر الاکشاء ہمیں مل جائے ڈیئر گرداوہ تو وہ خزانے تک ہماری رہنمائی کر سکتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس کا تعلق چونکہ ان جنگلات کی پراسرار کہانیوں سے ہے اور اس نقشے کے بارے میں اس سے زیادہ ہمارا معاون اور کوئی نہیں ہو سکتا اس لئے ہمیں بڑی شدت سے الاکشاء کی تلاش ہے کیا تم اس سلسلے میں ہماری کچھ رہنمائی کر سکتے ہو۔؟''

''کیا مسٹر شہباز خان؟''

''ہمیں اس ندی کی تلاش ہے جس میں لاش بہتی ہوئی آئی تھی اور یقینی طور پر ہم اس کے کنارے کنارے سفر کرتے ہوئے اپنی منزل تک پہنچ جائیں گے۔ ہمارے نقشوں کے ماہرین کا بھی یہی خیال ہے۔''

''سنو تمہارے اس انکشاف سے مجھے ایک واقعہ یاد آ رہا ہے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب پولیس کے جوان ان جنگلات میں گھسے ہوئے تھے اور جگہ جگہ سندھانیوں کو گرفتار کیا جا رہا تھا۔ ہم لوگوں کو ان جنگلات کے انتہائی اندرونی علاقوں میں پناہ لینی پڑی تھی۔ حالانکہ ہم خود دشوار گزار راستوں کی وجہ سے ان جنگلات کے اندرونی حصوں میں نہیں جاتے لیکن اس وقت صورتحال ایسی ہو گئی تھی کہ ہمیں اپنی جان بچانے کے لئے جگہ جگہ چھپنا پڑ رہا تھا اور اسی دوران میری ایک ٹولی دور دراز کا سفر کرتی ہوئی ایک ایسی جگہ جا نکلی تھی جہاں ہم نے ایک پتلی سی ندی دیکھی تھی۔ ہم نے اسے گوملا کے نام سے پکارا تھا لیکن وہاں کچھ وقت قیام کر کے ہمیں اس بات کا احساس ہوا کہ ندی پراسرار حیثیت کی حامل ہے۔ جنگلوں کے اسرار ویسے بھی نہ سمجھنے والے ہوتے ہیں۔ میں گوملا ندی سے واپس لوٹا تو نجانے کیوں میرے ذہن میں اس کے راستے رہ گئے۔ اگر وہی ندی تمہیں مطلوب ہے تو میرا خیال ہے میں تمہیں وہاں تک لے جا سکتا ہوں۔''

گرداوہ کے اس انکشاف نے سب کو ششدر کر دیا تھا۔ ابھی تک کے سفر میں وہ ندی ان کو نظر نہیں آئی تھی۔ ویسے بھی حالات بڑے عجیب وغریب اور پیچیدہ تھے۔ صرف ایسے ہی اتفاقات پر بھروسہ کیا جا سکتا تھا جس کے تحت ہرمیت سنگھ اور نمران انہیں مل گئے تھے۔ ہو سکتا ہے ندی تک کے سفر میں کسی نہ کسی طرح انہیں الاکشاء اور کرنل مقبول بھی مل جائیں۔ شہباز خان نے پرجوش لہجے میں کہا۔

''کیا جس جگہ ہم لوگ موجود ہیں وہاں سے اس ندی کی سمت اختیار کی جا سکتی ہے۔؟''

''ہاں کیوں نہیں...... اور میرا خیال ہے فاصلہ بھی بہت زیادہ طویل نہیں ہوگا۔ دیکھو آگے چل کر تین ایسے ٹنڈ منڈ درخت ہیں جن کے اوپرے سرے آپس میں مل کر ایک محراب کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ ان درختوں میں کوئی پتہ نہیں ہے اور یہ دور سے دیکھنے ہی میں عجیب نظر آتے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے انسانی ہاتھوں نے کوئی دروازہ تراش دیا ہو۔ گو ان کے اطراف خالی ہیں۔ لیکن پھر بھی وہ ذہن میں رہ جاتے ہیں۔''

پروفیسر حاتم فریدی نے عجیب نگاہوں سے شہباز خان کو دیکھا پھر سرسراتے ہوئے لہجے میں بولا۔

''نقشے میں یہ محرابی دروازہ بھی موجود ہے۔''

شہباز خان اور ہرمیت سنگھ ایک دوسرے کی صورتیں دیکھتے رہے تھے۔ باقی لوگ بھی پرجوش نظر آ رہے تھے۔ تب شہباز خان نے کہا۔

"ڈیئر گروارہ میرے خیال میں ہمیں یہاں کافی وقت ہو چکا ہے۔ اگر تم ہمیں گوملا تک لے جاسکو تو یقینی طور پر وہاں سے ہمارے راستے بہت آسان ہو جائیں گے۔ ہمیں گوملا کی جانب ہی سفر کرنا چاہیے۔"

"اطمینان رکھو میں تمہیں بہت جلد گوملا تک پہنچا دوں گا۔"

گروارہ نے کہا۔

"تو پھر ٹھیک ہے گروارہ ہمیں تیاریاں کرنا چاہیں۔"

"جب بھی تم مناسب سمجھو سفر کا آغاز کر دو ہم کسی نہ کسی طور باقی تمام لوگوں کے لئے بھی انتظامات کر لیں گے۔"

"ہاں...... اس میں کوئی دقت نہ ہوگی صرف چند ہی افراد کا اضافہ ہوا ہے دو دو آدمی گھوڑوں پر تقسیم ہو جائیں گے۔"

گروارہ نے یہ بات تسلیم کر لی تھی اور اس کے بعد مزید قیام کا کوئی جواز نہیں تھا چنانچہ یہ لوگ دوبارہ سفر کے لئے تیار ہوئے اور اسی دوپہر اس سفر کا آغاز کر دیا گیا۔

♥ ...... ♥ ...... ♥

بدہیئت بدنما درہ ایک عجیب سی کیفیت کا حامل تھا۔ نوکدار ادھڑی چٹانوں کے دامن میں غاروں کے دہانے بھی نظر آ رہے تھے۔ زمین پر حشرات الارض تھے کئی پتھروں کے دامن میں سانپوں کا بسیرا تھا۔ ان کے جسموں کے انبار آپس میں لپٹے ہوئے نظر آتے تھے اور کشوتہ بھی ان کے درمیان سے بچتی ہوئی چل رہی تھی۔ ایسا خوفناک منظر کرنل نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔

ان جنگلات میں بہت سے ہولناک واقعات پیش آ چکے تھے۔ ان واقعات نے دل پکا تو کر دیا تھا لیکن پھر بھی انسانی فطرت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔

بعض مناظر دیکھ کر کرنل کے رونگٹے دہشت سے کھڑے ہو جاتے تھے۔ رائفل اب بھی اس کے پاس موجود تھی۔ کشوتہ نے دوسرے سامان کے ساتھ اسے محفوظ رکھا تھا اور جب انہوں نے ڈھلوانوں کا سفر شروع کیا تھا تو کشوتہ نے یہ چیزیں کرنل کے حوالے کر دی تھیں۔ کرنل ابھی تک اس بات کا اندازہ نہیں لگا سکا تھا کہ اس چٹانی دیوار پر کشوتہ اسے اتنی بلندی تک کس طرح لے آئی۔ بے ہوشی کے عالم میں یقینی طور پر اس کے بدن کو شانوں پر لاد کر لانا پڑا ہوگا لیکن پھر کچھ اور احساسات اس تصور کی نفی کر دیتے تھے۔ پراسرار کشوتہ نجانے کون کونسی قوتوں کی مالک تھی۔ ایک عجیب و غریب کردار جب وہ ان ویرانوں میں کرنل کے لئے جدید لباس فراہم کر سکتی تھی تو ان بلندیوں تک اسے پہنچانا کونسا مشکل ہوگا۔ لاکھ کوشش کرتا تھا کہ اپنے ذہن کو ان تصورات سے آزاد کر دے۔ لیکن وہ جو زندگی میں کبھی نہ دیکھا ہو اتنی آسانی سے فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ کم از کم یہ تو سوچا جا سکتا ہے کہ کشوتہ انسانی وجود میں تو ہے اس سے قبل کی زندگی میں اسے لاتعداد خوفناک دشمنوں سے سامنا تو کرنا پڑا تھا۔ لیکن ایسی پراسرار قوتوں کا مالک ان میں سے کوئی نہیں تھا۔ کشوتہ یقینی طور پر سوچے سمجھے راستے کی جانب سفر کر رہی تھی اور وقت گزرتا جا رہا تھا۔ چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں میں ناگ پھن اٹھا کر کھڑے ہو جاتے تھے اور ان کے قدموں کی آہٹوں کے ساتھ ان کے چوڑے پھنوں کے رخ بدلتے رہتے

تھے ہر لمحہ یہی خدشہ تھا کہ ابھی ان میں سے کوئی ناگ اپنی جگہ سے نکل کر ان کا پیچھا کرے گا اور کرنل اس تصور سے چونک چونک پڑتا تھا اور اس کی رفتار تیز ہو جاتی تھی۔ طویل ترین وقت گزارا تھا اور اس کے بعد شام کے جھٹپٹے فضا میں اتر آئے تھے۔ اندھیرا اتنی تیزی سے پھیلا جیسے پہاڑ کی چوٹی سے نیچے گر پڑا ہو اور تاریکی میں یہ منظر اتنا ہولناک ہو گیا کہ حواس پر قابو رکھنا مشکل ہو جائے۔ کشوتہ نے ایک بڑے سے پتھر کا انتخاب کیا اور خود اس پر چڑھ گئی۔ پھر کرنل کو بھی ہاتھ کے سہارے سے اس نے اوپر بلا لیا اور کہنے لگی۔

"یہاں آرام کیا جائے گا کرنل یہ جگہ محفوظ ہے اور اگر تم حشرات الارض سے خوفزدہ ہو تو اطمینان رکھو ان میں سے کوئی اوپر نہ آ سکے گا"۔

کرنل گہری گہری سانسیں لے کر خاموش ہو گیا تھا۔ تاریکیاں گہری ہوتی چلی گئیں۔ کشوتہ نے اپنی جھولی میں سے کچھ پھل نکال کر کرنل کو دیئے اور اس سے کھانے کی درخواست کی اس وقت بالکل جی نہ چاہ رہا تھا لیکن جسم کی بقاء کے لئے یہ سب کچھ بھی ضروری تھا کرنل نے ایک دو پھل کھا لئے اور پھر پتھر پر چت لیٹ کر تاریک آسمان کو دیکھنے لگا۔ مدھم مدھم ستارے روشن ہوتے جا رہے تھے اور ذہن کا سفر شروع ہو گیا تھا۔ چشم تصور میں بہت کچھ آ رہا تھا۔ اپنی پرعیش آرام گاہ گھر کے دوسرے افراد زندگی کی ہنگامہ خیزیاں ملازمت سے ریٹائرمنٹ کے بعد پرسکون زندگی جس میں اس وقت ہلچل پیدا ہوئی جب نمران کی کہانی سامنے آئی اور شہباز خان سے ملاقات ہوئی۔ کرنل پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ گردن جھٹک کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ جو کچھ ہونا ہوتا ہے اس کے عوامل خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں۔ ورنہ اگر تھوڑا سا اختلاف کر لیا جاتا تو شاید نوبت یہاں تک نہ پہنچتی۔ لیکن ہونے والی چیز کے بارے میں کف افسوس ملنا بیکار ہی ہوتا ہے۔ کیا فائدہ ان ساری باتوں کو سوچنے کا اس علاقے کا تصور بھی کبھی اس کے ذہن میں نہیں آیا تھا اور بھول کر بھی اس نے کبھی یہ نہ سوچا تھا کہ اس کی اپنی ہی دنیا میں ایسا پراسرار خطہ بھی ہوگا۔ جہاں زندگی اس قدر الجھ جاتی ہے۔ سب کچھ ناقابل یقین تھا لیکن وجود کا احساس اس یقین کو مستحکم کر دیتا تھا۔ پھر آسمان کے ایک گوشے سے چاند نے جھانکا اور شفاف آسمان پر اپنے سفر کا آغاز کر دیا۔ مدھم مدھم چاندنی ماحول کی ہیبت ناک کیفیت کو نگلنے لگی اور زمین روشن ہوتی چلی گئی چٹانیں بدنما پتھر بدشکل جھاڑیاں سب کچھ نمایاں ہو گیا۔ ناگوں کی پھنکاریں جگہ جگہ ابھر رہی تھیں اور بعض جگہ ننھی ننھی روشنیاں بھی نظر آتیں۔ ننھی سرخ روشنیاں جو یقیناً سانپوں کی آنکھوں کی تھیں۔ اسے سانپوں کی وادی کہا جا سکتا تھا۔ کیونکہ یہاں کرنل نے بکثرت سانپ دیکھے تھے۔ اگر ان کا قافلہ اس جانب نکل آتا۔ تو یقینی طور پر ہولناک حادثوں سے دوچار ہو سکتا تھا اور شاید ہی ان سانپوں سے بچ کر نکل جانا ممکن ہوتا چاندنی اب پوری طرح پھیل گئی تھی اور کشوتہ اپنے مخصوص انداز میں آسن جما کر بیٹھ گئی تھی۔ کرنل محو قبول پر خیال نگاہوں سے اس عورت کو دیکھنے لگا۔ کوئی تنہا شخص ایسے ہیبت ناک ویرانے میں اگر عورت ہی کو دیکھ لیتا تو اس کے دل کی حرکت بند ہو جاتی لیکن کشوتہ اب اس کے لئے اجنبی نہ رہی تھی اچانک ہی کرنل کو کچھ سرسراہٹیں محسوس ہوئیں اور وہ چونک پڑا۔ یہ سرسراہٹیں سانپوں کے بدن کی نہیں تھیں۔ کیونکہ ایسی سرسراہٹیں تو وہ بہت دیر سے سن رہا تھا ابھی وہ کچھ سمجھ بھی نہ پایا تھا کہ کشوتہ بھی ایک دم سنبھل گئی اور پھرتی سے اپنی جگہ پتھر پر کھڑی ہو گئی۔ کرنل خود بھی بے اختیار اٹھ بیٹھا اور پھر کشوتہ کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ تب اس نے اپنی زندگی

کا ایک اور حیرت ناک منظر دیکھا۔ چاندنی میں زمین پر لمبے لمبے سائے نظر آ رہے تھے۔ صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ انسانی جسموں کے سائے ہیں۔ لیکن وہ بدن کہاں تھے جن کے سائے زمین پر پڑ رہے تھے۔ یہ سائے متحرک تھے اور ایک مخصوص انداز میں اس مسطح پتھر کے پاس سے گزر رہے تھے کرنل نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ لئے۔ اس سے زیادہ عجیب منظر اس نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔ سائے کچھ اس طرح آگے بڑھ رہے تھے جیسے کچھ انسان چل رہے ہوں لیکن انسان موجود نہ تھے۔ کشوتہ خاموشی سے ان سایوں کو دیکھتی رہی اور پھر اس کے منہ سے ہلکی سی سرگوشی نکلی۔

''نگراں سائے۔''

کرنل نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا تو کشوتہ نے ایک دم ہونٹوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش کر دیا۔ سائے اچانک رک گئے تھے جیسے انہوں نے یہ سرگوشی سن لی ہو۔ پھر کرنل نے انہیں پتھر کی جانب پلٹتے ہوئے دیکھا۔ کشوتہ نے دونوں ہاتھ دائیں بائیں پھیلا دیئے اس کے بعد اس نے کرنل سے کہا۔

''چٹانوں کے محافظ لیکن وہ ہم سے واقف ہو چکے ہیں اور اب ان کی موت ضروری ہے۔''

کشوتہ نے پتھر پر جھک کر چھوٹے چھوٹے پتھر اٹھا لئے اور اس کے بعد اس نے کرنل کی رائفل کی سمت اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''تم اسے بے دریغ استعمال کرو۔''

''ال..... لیکن کس پر؟''

کرنل کی کپکپاتی ہوئی آواز ابھری' اس سے زیادہ انہیں موقع نہ مل سکا تھا۔ کیونکہ کئی سائے اس پتھر پر چڑھ آئے تھے۔ کرنل کو اپنے پیٹ پر ایک زوردار ضرب محسوس ہوئی یوں لگا کہ جیسے کسی نے اس کے پیٹ پر لات ماری ہو لیکن اس نے صرف ایک حملہ آور سائے کو دیکھا تھا جو صرف ایک پرچھائیں کی شکل میں تھا اور اس کے بدن کا کوئی وجود نہیں تھا۔ پیٹ کی تکلیف سے کرنل دوہرا ہوا اور اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے آپ کو سنبھال کر رائفل کی نال پکڑ لی اور اسے پوری قوت سے گھما دیا۔ رائفل کا کندہ جیسے کسی ٹھوس انسانی وجود پر پڑا ہو۔ ایک کریہہ آواز بھی ابھری تھی اور اس نے سائے کو قلابازی کھا کر پتھر سے نیچے گرتے ہوئے دیکھا تھا۔ وحشت کے عالم میں بدن نے پسینہ چھوڑ دیا تھا اور کرنل کا چہرہ خوف سے بگڑ گیا تھا لیکن اس خوف کے عالم میں اس نے رائفل کی نال سیدھی کی اور ایسے سائے کو نشانہ بنایا جو پتھر پر چڑھ رہا تھا۔ دھماکہ ہوا اور چٹانیں چیخ پڑیں لیکن ہولناک منظر وہی خوفناک منظر ایک بار پھر نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ سایہ ایک دم جیسے خود میں سمٹنے لگا ہو اور زمین پر ایک عجیب سی ہلچل پیدا ہوگئی۔ کشوتہ نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا پتھر ایک سائے پر کھینچ مارا۔ ہلکی سی روشنی ہوئی اور یوں محسوس ہوا جیسے چنگاریاں ابھری ہوں اور نتیجہ وہی نکلا۔ سایہ آپس میں لپٹنے لگا تھا اور زمین پر ایک سیاہ روشنی اجلنے لگی تھی لیکن پھر اطراف سے بہت سے سائے ان پر حملہ آور ہو گئے۔ کرنل کو اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ جو کچھ بھی ہے جان لیوا ہے اور اس سے بچنے کے لئے بالکل اسی طرح جنگ کرنا ہوگی جیسے زندہ انسانوں سے۔ اس نے سنبھل کر سایوں پر فائرنگ شروع کر دی یہ ایک انتہائی مشکل کام تھا لیکن کرنل اپنی فوجی مہمات کو بروئے کار لا رہا تھا۔ کچھ سائے اس پتھر پر بھی چڑھ آئے تھے اور پھر کرنل پر براہ

راست حملہ آور ہو گئے تھے۔ لیکن کرنل اب خوف کی منزل سے گزر چکا تھا۔ وحشت نے دماغ منجمد کر دیا تھا اور ایک ہی تصور اس کے ذہن میں رہ گیا تھا۔ ان سایوں کو اس نے گھونسوں اور لاتوں سے زیر کیا اور جو بھی رائفل کی نال کی زد پر آیا اس پر فائر داغ دیا۔ رائفل کو لاٹھی کے طور پر بھی استعمال کرنا پڑا تھا۔ دوسری جانب کشوتہ پتھروں سے کام چلا رہی تھی جو اس بڑی چٹان پر دستیاب تھے۔ اس کے ہاتھ سے پتھر نکل کر کسی سائے پر پڑتا ہلکا سا دھماکہ اور روشنی ہوتی اور سایہ اسی انداز میں لپٹنے لگتا اور اب جگہ جگہ ایسے عجیب و غریب منظر نظر آ رہے تھے۔ سایوں کی تعداد سترہ اٹھارہ سے کم نہیں تھی اور رفتہ رفتہ یہ دونوں ان پر قابو پاتے جا رہے تھے یہاں تک کہ ان میں سے ایک ایک سائے کو اسی طرح ختم کر دیا گیا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی اور کرنل کا پسینے سے بھیگا ہوا بدن تھر تھر کانپ رہا تھا۔ لیکن اس میں خوف بھی شامل تھا کشوتہ گردن اٹھا کر ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے گہری سانس لے کر دونوں ہاتھ نیچے گرا دیئے اور آہستہ سے بولی۔

''میرا خیال ہے وہ سب ختم ہو گئے۔''

یہ الفاظ اس نے کرنل کو مخاطب کر کے کہے تھے لیکن کرنل نے کوئی جواب نہ دیا۔

کشوتہ پرسکون تھی پھر اس نے کہا۔

''یہ موقع بہت اچھا ہے کرنل خوش قسمتی سے ہم ان نگرانوں کو شکست دینے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ یہی لوگ ساحروں کو ہمارے بارے میں خبر دے سکتے تھے لیکن ہم نے ان کے دونوں نگران مورچے ختم کر دیئے۔''

''مورچے۔''

کرنل کے منہ سے بمشکل نکلا۔

''ہاں یہ بات تو اس وقت ہی پتہ چل گئی تھی جب انہوں نے مجھے حاصل کرنے کی کوشش کی تھی۔''

''کونسی بات......؟''

کرنل خود کو بہت حد تک سنبھال چکا تھا۔

''وہ ہماری آمد سے ہوشیار تھے اور کیوں نہ ہوتے شوبابا ہوترا ہمیشہ کا چور ہے اور چور ہمیشہ ہوشیار رہتا ہے۔''

کشوتہ اپنی دھن میں کہہ رہی تھی۔

کرنل کا دماغ پھر رکنے لگا۔ ایک بات بھی اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ کشوتہ نے پھر کہا۔

''کیا کہتے ہو کرنل۔''

''کشوتہ......'' کرنل نے پر احتجاج لہجے میں کہا'' کیا میں تمہاری کوئی بات سمجھ سکا ہوں۔''

کشوتہ چونک پڑی۔ اس نے خالی خالی نظروں سے کرنل کو دیکھا پھر سنبھل کر بولی۔

''معاف کرنا کرنل، میرا مطلب ہے کیا تم اسی وقت دیوار کے دوسری طرف چلنا پسند کرو گے۔''

''کیا اس پہاڑ کو عبور کیا جا سکتا ہے'' کرنل غصیلے لہجے میں بولا۔

''یہ آسانی سے کیا جا سکتا ہے لیکن دیوار کو عبور کرنا خطرناک ہوگا۔ پہاڑوں میں خفیہ راستے موجود

ہے ۔ ہماری راہ نمائی ہوگی ۔"

"کون کرے گا۔"

"نیکا اور اوا سویا ئے میرا مطلب ہے یہ......"

کشوتہ نے اپنا لباس ٹٹولا اور گردن کے پچھلے حصے میں ہاتھ ڈال کر کچھ کیا پھر اس نے ایک سنہری چمکتا ہوا زیور اتار لیا اور اسے کرنل کے سامنے کر دیا کرنل نے یہ زیور دیکھا اور دفعتہً کچھ یاد کر کے اچھل پڑا اس نے یہ زیور دیکھا تو نہیں تھا لیکن ہرمیت سنگھ اور شہباز خان کی زبان سے اس کے بارے میں سنا ضرور تھا۔ سونے کا سانپ تھا جس کی آنکھوں میں دو ننھے ننھے ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ کرنل کی معلومات کے مطابق یہ زیور اس لاش کے گلے میں تھا جو ندی میں بہتی ہوئی ملی تھی اور وہیں سے اس کہانی کا آغاز ہوا تھا۔

"یہ...... یہ......"

"نیکا اور اوا سوپائے آؤ ہم ان کی رہنمائی میں دوسری طرف جانے کا راستہ تلاش کریں۔"

کشوتہ نے سانپ نیچے ڈال دیا اور کرنل نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے سانپ کو جنبش کرتے ہوئے دیکھا۔ وہ آہستہ آہستہ رینگتا ہوا نیچے اترا اور ایک طرف چل پڑا۔

"آؤ کرنل"

کشوتہ بولی اور کرنل باول نخواستہ اس کے ساتھ نیچے اتر کر چل پڑا۔ دماغ بری طرح چیخ رہا تھا سانپ کو دیکھ کر ہی ذہنی حالت پھر سے خراب ہونے لگی اور اب وہ سانپ کو رینگتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ کشوتہ اس کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہی تھی قرب و جوار میں سانپوں کی پھنکاریں رگوں میں خون جمائے دے رہی تھیں لیکن کوئی سانپ قریب نہ آیا تھا۔ کوئی ایک فرلانگ کا فاصلہ طے کرنے کے بعد سانپ ایک غار کے دہانے میں داخل ہو گیا۔ کشوتہ نے کہا۔

"بے خوفی سے چلے آؤ کرنل تمہیں کوئی دقت نہ ہوگی ۔"

غار کا دہانہ تو تنگ تھا لیکن اندر داخل ہو کر کرنل نے خود کو ایک سرنگ میں پایا جو گہری تاریک تھی اور البتہ دور روشن لکیریں تھوڑا سا حصہ روشن کر رہی تھیں یہ سانپ کی آنکھوں میں جڑے ہوئے ہیروں کی کرنیں تھیں ۔ ویسے سرنگ میں گھٹن نہیں تھی۔ کرنل پتھرائے ہوئے انداز میں آگے بڑھتا رہا سوچنے سمجھنے کی قوتیں مفلوج ہو چکی تھیں ۔ کیا سوچتا یہاں تو کوئی چیز سمجھ میں آنے والی نہ تھی اور ہر لحہ نئی حیرت سے دوچار کر رہا تھا۔ اس سرنگ کا سفر ایسے ہی ایک دہانے پر ختم ہوا جیسے دہانے سے وہ اندر داخل ہوئے تھے۔ پھر کشوتہ کی آواز ابھری ۔

"ساحروں کی زمین رشت مگاتا تمہارے سامنے ہے کرنل ۔ دیکھو وہ رشت مگاتا ہے ۔"

کرنل نے دہانے کے دوسری طرف دیکھا۔ کوئی خاص بات نہیں تھی بھوری پتھریلی زمین جس پر دور دور تک چھدرے درخت بکھرے ہوئے تھے کوئی آبادی یہاں نظر نہیں آ رہی تھی ۔

کشوتہ کسی سوچ کا شکار تھی پھر اس نے کہا۔

"تم اس جگہ آ گئے ہو کرنل محمد مقبول جہاں مہذب آبادی کے کسی فرد کا گزر نہیں ہوا تم یہاں سے

واپس بھی جاؤ گے لیکن جب تک تم حالات سے ناواقف رہو گے پریشان رہو گے۔ کیوں نہ تمہیں سب کچھ بتا دیا جائے البتہ میں تم سے کہہ چکی ہوں رشت مگاتا کے راز سے آشنا ہو کر تم ان رازوں کے امین بن جاؤ گے اور اس وقت تک گلو خلاصی نہ ہو سکے گی جب تک ہماری کہانی مکمل نہ ہو جائے ۔"

"میں جاننا چاہتا ہوں میں سب کچھ جاننا چاہتا ہوں ورنہ...... ورنہ میرے دماغ کی شریانیں پھٹ جائیں گی مجھے سب کچھ بتا دو کشوتہ...... مجھے سب کچھ بتا دو"

♥......♥......♥

گروارہ ایک غلام کی مانند ان کے احکامات کی تعمیل کرتا تھا ہر طرح کی ذمہ داریاں اس نے سنبھال رکھی تھیں ۔ اس کے ساتھی جنگلوں سے گزرتے ہوئے شکار کرتے گوشت تیار کرتے رات کو پہرہ دیتے گھوڑے اور ساز و سامان سنبھالتے ۔ انہیں کچھ نہ کرنے دیا جاتا۔ جنگلی علاقہ تھا طرح طرح کے واقعات و حادثات پیش آ رہے تھے لیکن بے شمار انسان تھے مسلح تھے ۔ اس لئے کسی کو نقصان نہیں پہنچا تھا۔ ادھر شروک اور اس کے ساتھیوں نے پراسرار خاموشی اختیار کر رکھی تھی ۔ وہ بالکل الگ تھلگ رہتے تھے لیکن کسی سلسلے میں انہوں نے عدم تعاون نہیں کیا تھا۔ بلکہ اگر کوئی ذمہ داری ان کے سپرد کی جاتی تو وہ خاموشی سے اسے سرانجام دیتے تھے۔

شروک اس قید کے بعد کچھ بددل ہو گیا تھا شاید گروارہ کے سلسلے میں اسے شہباز خان کی فوقیت پسند نہیں آئی تھی لیکن ہرمیت سنگھ اور پروفیسر زلفی کے آ جانے کے بعد تو وہ بالکل ہی ساکت ہو گیا تھا۔ اس کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ اب اس کے ذہن میں کیا ہے ۔ ہرمیت سنگھ نے بھی ابھی تک اس سے کوئی بات نہیں کی تھی ۔ اس وقت انہوں نے جس علاقے میں قیام کیا تھا وہ گھنا جنگلی علاقہ تھا اور ہرمیت سنگھ اور شہباز خان نے بخوبی اندازہ لگایا تھا کہ یہاں درندوں کی موجودگی یقینی ہے۔ شیر کے پنجوں کے نشان بھی مل رہے تھے اور جنگل کی زندگی پورے عروج پر معلوم ہوتی تھی ۔ ہر چند کہ گروارہ اور اس کے ساتھی ان جنگلوں کی زندگی کے عادی تھے اور اس سلسلے میں ان دونوں کو ہی یقین تھا کہ وہ اس علاقے سے پوری طرح محتاط ہوں گے۔ اس کے باوجود شہباز خان اور ہرمیت سنگھ جاگ رہے تھے اور ایک درخت کی شاخ پر بیٹھے ہوئے دور دور تک جائزہ لے رہے تھے۔ حالانکہ دوسرے لوگوں نے زمین پر ہی قیام کیا تھا۔ ہرمیت سنگھ اور شہباز خان بس یونہی اس جگہ سے کچھ ہٹ کر ایک ایسے درخت پر آ بیٹھے تھے جو کافی بلند تھا اور جہاں سے جنگل پر نگاہ رکھی جا سکتی تھی ۔ جہاں پڑاؤ قائم کیا گیا تھا وہاں خاموشی اور سناٹا پھیل چکا تھا۔ تقریباً سبھی لوگ سو گئے تھے سوائے ان چند محافظوں کے جو رائفلیں لئے اس احاطے کے تین مختلف حصوں میں مستعد تھے ۔ جن کے درمیان باقی لوگوں کو ٹھہرایا گیا تھا۔ دونوں کافی دیر تک خاموشی سے درخت پر بیٹھے ادھر ادھر نگاہیں دوڑاتے رہے پھر ہرمیت سنگھ نے کہا۔

"کہیں کوئی شیر آس پاس گھات لگائے نہ بیٹھا ہو۔"

"ہو سکتا ہے لیکن میرے خیال میں قریب آنے کی ہمت نہ کر پائے گا" شہباز خان نے جواب دیا۔

"ہاں بشرطیکہ بھوکا نہ ہو ویسے آس پاس ان درختوں کے جھنڈ میں ہی وہ پناہ لے سکتا ہے لیکن

جھاڑیاں موجود نہیں ہیں جو اس کی پناہ گاہ ہوں۔"

"اسی لئے میں نے اس جگہ کا انتخاب کیا تھا، جھاڑیاں زیادہ خطرناک ہوتی ہیں درختوں کی آڑ میں تو اس کا بدن نمایاں ہوسکتا ہے۔"

"کیا خیال ہے ہرمیت سنگھ...... عمر کے اس حصے میں جب ہم نے درندوں سے جھگڑا ختم کر دیا تھا اور انسانوں کے درمیان زندگی بسر کرنے لگے تھے کبھی یہ سوچا تھا کہ ایک بار بھی ہمیں جنگل کی زندگی اپنانی پڑے گی"۔

"اب اس موضوع میں کچھ نہیں رہا۔ شہباز خان وقت ہمیں یہاں تک لے آیا ہے۔ کبھی کبھی تو بہت ہی عجیب احساس ہوتا ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ کیا یہ ضروری تھا کہ الااشاء کے سلسلے میں ہم اس قدر جذباتی ہو جاتے اور ہمارا ذہن اس طرف جاتا کہ ان جنگلات میں داخل ہو کر الااشاء کی کہانی معلوم کی جائے۔ لا تعداد انسانوں کی زندگی میں ایسے واقعات آ چکے ہیں جو ان کی سمجھ میں نہیں آتے۔ لیکن وہ ان کو سمجھنے کے لئے اپنی زندگی داؤ پر نہیں لگا دیتے۔

"ٹھیک کہتے ہو! یہاں پروفیسر حاتم فریدی کی بات ماننی پڑتی ہے کہ ایک طلسمی کیفیت ہم پر طاری تھی اور ہے...... اور ہمیں آگے بڑھنے میں کچھ پراسرار نادیدہ قوتیں معاون ہیں۔ وہ ہمیں مختلف حادثات و واقعات سے گزار کر اپنی سمت لا رہی ہیں اور ہم کوشش کے باوجود سمت تبدیل نہیں کر سکتے اور پروفیسر کی یہ بات قابل توجہ ہے کہ ہم سب نہ صرف زندہ سلامت ہیں بلکہ ہمیں کوئی جسمانی نقصان بھی نہیں پہنچا۔ غور کرو تو یہ بات سچی ہے کہ ذہن ان پراسرار کیفیات کو قبول کرتا ہے۔ ہماری شکاری زندگی مختلف تھی وہاں شوق تھا اور یہاں شوق نہیں ہے تجسس بھی نہیں ہے بلکہ کچھ نادیدہ ہاتھ ہمیں اپنے شکنجے میں جکڑے ہوئے ہیں۔ اب اگر انہیں پر سوچنا شروع کر دیا جائے تو ذہن کو الجھانے کے علاوہ کچھ نہیں ملے گا۔

"حقیقت یہی ہے میں بھی انتہائی کوشش کرتا ہوں کہ ان واقعات کے بارے میں اس انداز میں نہ سوچوں بلکہ صرف یہ تصور ذہن میں رہے کہ آگے ہمیں کیا کرنا ہے۔"

"بس تو پھر ٹھیک ہے آگے کی بات کرو......" دونوں مسکرانے لگے تھے ہرمیت سنگھ نے کہا۔

"ہمارا موضوع شروک بھی بن سکتا ہے۔ کیا شروع کی ابتدا ہی سے یہی کیفیت رہی ہے؟"

"قطعی نہیں جس وقت اس نے ہمیں سندھائیوں سے بچایا تھا اس وقت وہ بہت خوش تھا اور اپنی کامیابی پر یقین رکھتا تھا۔ گروارہ کی قید میں آنے کے بعد اسے شاید یہ احساس ہو گیا کہ وہ خزانے کے لالچ میں اپنی زندگی داؤ پر لگا بیٹھا ہے۔ جوزف بھی اس سے الگ ہو گیا وہ شروک سے پہلے اس حماقت کا اندازہ کر چکا تھا۔ شروک خزانے کے سلسلے میں زیادہ جنونی ہے اور اس کی یہ عجیب سی خاموشی بتاتی ہے کہ وہ اب ذہنی طور پر ہم سے مطمئن نہیں ہے۔"

"بالکل یہی الفاظ میں بھی کہنا چاہتا تھا اگر وہ ذہنی طور پر مطمئن نہیں ہے تو پھر اس بات کی توقع رکھو کہ وہ کوئی کارروائی ضرور کرے گا۔"

"میں جانتا ہوں لیکن شاید وہ خود بھی یہ بات جانتا ہے کہ اب اگر اس نے کوئی احمقانہ کارروائی کی تو

وہ اسی کے تابوت میں آخری کیل ہوگی۔ اس کے پاس رہا ہی کیا ہے؟ بے شک ہم نے اسے مکمل اعتماد کے ساتھ ہتھیار وغیرہ دے رکھے ہیں لیکن وہ ان ہتھیاروں کو کم از کم ہمارے خلاف استعمال کرنے سے گریز کرے گا۔ کیونکہ جنگل کے سب سے خطرناک لوگ سندھائیے ہمارے ساتھ ہیں اور یہ لوگ اس کی کسی حرکت پر اسے زمین کی گہرائیوں میں بھی نہیں چھوڑیں گے" شہباز خان خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا پھر اس نے کہا۔

"تم سے شاید وہ کچھ شرمندہ بھی ہے کیونکہ بہر طور تمہارے سلسلے میں وہ چور ہے"

"میں نے خود بھی ابھی اس سے کوئی گفتگو نہیں کی۔ بے کار سمجھتا ہوں میں ان باتوں کو حالانکہ اس نے میرے ایک آدمی کو قتل کیا ہے لیکن ظاہر ہے ان جنگلوں میں میں اسے قانون کے حوالے نہیں کر سکتا۔"

"فرض کرو ہم الااشا کا راز پا گئے اور زندہ بھی رہے تو اس کے بعد شروک کے سلسلے میں کیا کریں گے؟" ہرمیت سنگھ ہنسنے لگا پھر بولا۔

"شہباز یہ الفاظ بڑے معصومانہ ہیں...... میں اس سلسلے میں کیا کہہ سکتا ہوں ابھی تو ہم میں سے ہر شخص بے یقینی کا شکار ہے۔ کوئی ٹھوس راستہ ہو کوئی ایسی بات ذہن میں آئے تو پھر مستقبل کے فیصلے بھی کئے جا سکتے ہیں۔ رات کے نجانے کون سے حصے تک دونوں اسی انداز میں گفتگو کرتے رہے اور پھر درخت ہی پر اونگھ گئے۔ چوڑے درخت پر اس بات کی گنجائش تھی کہ وہ لیٹ بھی سکتے تھے۔ چونکہ شکاری زندگی میں بے شمار راتیں اس طرح درختوں پر گزار چکے تھے۔

چنانچہ انہیں کوئی تکلیف نہیں ہوئی اور پھر سورج کی کرنوں نے ہی انہیں ہوشیار کیا اور دونوں درختوں سے نیچے اتر آئے۔ گروارہ کے ساتھی معمول کے مطابق کام میں مصروف تھے جلدی جلدی تیاریاں کی گئیں اور اس کے بعد پھر سفر کا آغاز کر دیا گیا۔ راستہ جنگلوں سے گزرتا تھا دن کی روشنی میں درندے بھی اپنی اپنی کمین گاہ میں چھپے تھے اور ویسے بھی اس لشکر کے سامنے کوئی خوفناک درندہ نہیں آ سکتا تھا اور یہ لوگ کامیابی سے اپنا سفر جاری رکھے ہوئے تھے۔ گروارہ اپنی یادداشت کے سہارے کوملا کی جانب سفر کر رہا تھا اور اس وقت شام کے پانچ بجے تھے کہ وہ جنگلی علاقے سے نکل کر ایک میدانی علاقے میں آ گئے تھے لیکن اسے خالص میدانی علاقہ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ درخت یہاں بھی تھے لیکن کافی فاصلے پر...... اور بڑے قدیم درخت نظر آ رہے تھے بلندی سے انہوں نے ایک پتلی سی ندی دیکھی اور سب ہی کی نگاہ اس پر جا ٹھہری۔ گروارہ نے زور سے نعرہ لگایا تھا۔

"کوملا"

گروارہ نے اچانک ہی گھوڑے کی رفتار بڑھا دی۔ سب ہی اس ندی کو دیکھ چکے تھے۔ چنانچہ سب ہی نے گروارہ کی تقلید کی اور گھوڑے برق رفتاری سے ندی تک کا درمیانی سفر طے کرنے لگے۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ پتلی سی، چھوٹی سی پراسرار ندی کے کنارے تھے۔ بہت پرانی بات تھی اتنی پرانی کہ بہت سی چیزیں حافظے سے محو ہو جائیں۔ لیکن شہباز خان اور ہرمیت سنگھ کو ندی دیکھنے کے بعد نجانے کیوں یقین ہو گیا تھا کہ وہ یہی ندی ہے جس میں انہوں نے لاش دیکھی تھی۔ ندی کے پاس پہنچ کر وہ لوگ رک گئے۔ گروارہ گھوڑے سے اترا اور شہباز خان سے بولا۔

"یہ گوملا ہے کیا یہ وہی ندی ہے مسٹر شہباز جس کا تم نے تذکرہ کیا تھا؟"
شہباز خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے آہستہ سے کہا۔
"مائی ڈیئر گروارہ...... ندیوں کی شناخت مشکل ہے۔ لیکن نجانے کیوں مجھے یہ یقین ہے کہ یہ وہی ندی ہے۔"

"تو پھر یہاں سے آگے کے سفر کا آغاز کرو۔"

"میں یہی سوچ رہا ہوں کہ ہمیں ندی کے کنارے آگے بڑھنا چاہیے۔ اس کا بہاؤ اسی سمت ہے اور اگر ہم اس بہاؤ کی سمت چلتے ہیں تو یقینی طور پر جنگلات کے بیرونی علاقوں میں جا نکلیں گے۔ یہ ندی آگے کہاں جا کر مڑ جاتی ہے اس کا تو کوئی صحیح اندازہ نہیں ہے۔ لیکن میں اتنا ضرور بتا سکتا ہوں کہ اس وقت یہ بہاؤ جس سمت ہے اس طرف ان جنگلات کا سرحدی علاقہ ہے ہمیں بہاؤ کی مخالف سمت چلنا ہے۔"

"ہاں...... یقیناً...... ویسے ہرمیت تم نے دیکھا کہ اس کا بہاؤ کتنا سست ہے اس وقت بھی یہی کیفیت تھی۔"

"ایک بات آپ کو اور بتا دوں مسٹر شہباز اس ندی کی طلسمی کیفیت کا کوئی صحیح اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ میں نے اسے ایک پراسرار ندی اس لئے کہا تھا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے اس کا بہاؤ بدلتے دیکھا ہے۔"

"کیا مطلب......؟"

"ہاں...... کئی بار یہ ندی اپنا بہاؤ تبدیل کر چکی ہے"

"اوہ...... میرے خدا یہ کیسے ممکن ہے"

"ہم لوگ اس قدر بے وقوف نہیں۔ اس سے دور ہٹنے کا فیصلہ ہم نے اسی لئے کیا تھا۔ یہاں بہت پراسرار باتیں دیکھنے میں آئی تھیں"

"تو پھر غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے ہو سکتا ہے کہ اس وقت اگر ہم اس کی مخالف سمت میں چلیں تو راستہ تبدیل ہو جائے اور ہم جنگلات کی جانب ہی جا نکلیں...... میرا مطلب ہے سرحدی علاقوں میں۔"

"نہیں میں ان جنگلوں میں طویل وقت گزار چکا ہوں چنانچہ یہ بات میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اس وقت یہ جس سمت جا رہی ہے وہ جنگلات کا سرحدی علاقہ ہی ہو سکتا ہے۔"

"ہمیں تم پر اعتماد ہے گروارہ آؤ ابھی تو کافی وقت ہے اپنا سفر مکمل کریں" چنانچہ سب منظم ہو کر ندی کے کنارے کنارے چل پڑے۔ رفتار اس وقت بھی خاصی تیز رکھی گئی تھی۔ تاحد نگاہ چھدرے درخت بکھرے ہوئے نظر آ رہے تھے اور دور دور تک سپاٹ زمین پھیلی ہوئی تھی۔ کہیں کہیں ندی کے کناروں کے کناروں پر پتھریلی چٹانیں ابھری ہوئی نظر آ جاتی تھیں۔ لیکن یہ لوگ بہاؤ کے مخالف سمت تیز رفتاری سے سفر کرتے رہے۔ کافی دور چلنے کے بعد ایک ڈھلان سا محسوس ہوا اور یہاں ندی کے بہنے کی رفتار نہ ہونے کے برابر تھی۔ درحقیقت یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ اب اس کا بہاؤ کس سمت ہے۔ پانی ساکت سا محسوس ہوتا تھا اور یہاں ندی کی گہرائی بھی تقریباً ختم ہو گئی تھی اور اس کا پھیلاؤ کچھ بڑھ گیا تھا۔ اطراف میں بڑے بڑے گول

پتھر نظر آ رہے تھے جن کے بارے میں یہ اندازہ ہوتا تھا کہ بہت دور سے بہتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہیں اور پھر رک گئے ہیں۔ پانی نے انہیں تراش خراش کر گول کر دیا تھا یہ پتھر بالکل اسی مانند تھے جیسے ساحل سمندر پر پتھروں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے مختلف شکلوں میں نظر آتے ہیں۔ لیکن یہ چھوٹے ٹکڑے نہ تھے بلکہ بعض جگہ تو اتنی بلند و بالا چٹانیں تھیں کہ انسانی قد سے تین گناہ اونچی کہی جا سکتی تھیں اور اسی مانند ان کا پھیلاؤ بھی تھا۔ شروک اور اس کے ساتھی خاص طور سے سطح میں بہنے والے چھوٹے چھوٹے پتھروں کو دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ پھر ان میں سے چند افراد گھوڑوں سے اتر کر ندی میں داخل بھی ہوئے اور پتھروں کے یہ خوبصورت ٹکڑے چننے لگے۔

غالباً یہاں بھی ان کے ذہن میں وہی تصور تھا کہ ممکن ہے انہیں کچھ ہیرے وغیرہ دستیاب ہو جائیں گے۔ رات تقریباً ہونے کو تھی اس لئے ندی کے کنارے ہی ایک جگہ منتخب کر لی گئی۔ گول پتھروں کا یہ علاقہ بے حد حسین نظر آ رہا تھا اور یہاں کا اپنا ایک الگ ہی حسن تھا۔ معمول کے مطابق احاطہ سا بنا لیا گیا اور اس کے بعد معمولات پر عمل کیا جانے لگا سب لوگ ہی اپنے اپنے مشاغل میں مصروف ہو گئے تھے۔ رات کو چاندنی نہیں پھیلی تھی البتہ ستاروں کو مدھم روشنی نے ماحول کو ایک عجیب سی کیفیت بخش دی تھی۔ یہاں اطراف میں کسی بھی جاندار کا وجود محسوس نہیں ہوتا تھا۔ اس لئے پہرے کا بھی کوئی بندوبست نہیں کیا گیا اور تمام ہی لوگ اپنے اپنے طور پر رات گئے تک مشاغل میں مصروف رہے۔

نمران دیر تک اپنی جگہ لیٹا سونے کی کوشش کرتا رہا لیکن آج طبیعت پر کچھ زیادہ ہی اداسی تھی۔ اس نے ان سب سے بھرپور تعاون کیا لیکن شہباز خان اور دوسرے لوگوں کے مل جانے کے باوجود اداس تھا۔ کرنل مقبول کا تصور اسے عجیب سی بے چینی بخشتا تھا اور الاکشاء اسے بری طرح یاد آ رہی تھی۔ الاکشاء کی محبت ہی نے تو یہ دن دکھائے تھے کہ زندگی ہاتھ میں تھی لیکن اسے سنبھالے رکھنا مشکل ترین کام ہو گیا تھا۔

وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور ٹہلتا ہوا ایک گول پتھر پر آ بیٹھا۔ ساکن ندی میں ہلکی آوازیں ابھر رہی تھیں اور وہ خاموشی سے بہتے ہوئے پانی کو دیکھ رہا تھا کہ اچانک کسی نے اسے عقب سے پانی میں دھکا دے دیا اور نمران پھسلتا ہوا چھپاک سے پانی میں جا گرا۔ ایک نقرئی قہقہہ گونجا اور اس کے ساتھ ہی کوئی اور بھی پتھر سے پانی میں کود آیا۔ نمران کو پہچاننے میں دقت نہ ہوئی وہ نورینہ ہی تھی لیکن بہت ہی مختصر لباس میں ملبوس اور عجیب سی کیفیت کا شکار۔ چونکہ اس وقت نمران کے ذہن پر الاکشاء سوار تھی اس لئے وہ جھنجھلا سا گیا اس نے بڑی کرختگی سے نورینہ کا ہاتھ ہٹایا اور پیچھے دھکیلتا ہوا بولا۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے۔ نورینہ؟"

"اس خوبصورت منظر کو نظر انداز کرنے والے کو جینا نہیں چاہیے نمران کتنا حسین منظر ہے۔ میں تو یہ سوچتی ہوں کہ اگر کبھی مہذب دنیا میں جانا نصیب ہو گیا تو میں داستان تحریر کیسے کر سکوں گی کیونکہ ان کے لئے تو الفاظ کی تراش ہی ممکن نہیں ہے"

"ٹھیک ہے اپنے اپنے احساسات ہوتے ہیں لیکن تم نے میرا لباس بھی بھگو دیا؟"

"تم اپنے اس وجود کو پانی میں ڈبو دو...... نمران...... دنیا کی ہر الجھن سے نجات پا لو گے۔ میں

بہت دیر سے تمہیں دیکھ رہی تھی اور جب مجھ سے رہا نہ گیا تو میں تمہارے پاس آگئی۔ ان لوگوں میں شامل ہونے کے بعد تو ہماری ملاقاتیں بھی ختم ہو گئیں۔"

"ہم لوگ ایک ساتھ سفر کر رہے ہیں کیا اتنا کافی نہیں ہے"

نمران بدستور سرد لہجے میں بولا۔

"پانی بہت خوشگوار ہے آؤ نمران کبھی کبھی فکروں سے نجات ملنی چاہیے ہم انسان ہیں' فرشتوں کی مانند کیوں جی رہے ہیں پلیز اس حسین منظر کو نظر انداز مت کرو......"

نمران کے ذہن میں چنگاریاں سی بھر گئیں۔ اس وقت چونکہ خصوصی طور پر الانشاء ذہن میں تھی اس لئے اسے نورینہ کی یہ باتیں بہت بری محسوس ہو رہی تھیں۔ اس نے کنارے کی جانب قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

"دراصل معاشرے کا فرق ہے نورینہ تم ذہنی طور پر جو کچھ ہو میں وہ نہیں ہوسکتا۔ بہتر ہے کہ تم اپنے تصور کو لگام دو......تم اگر غلط راستے کی طرف بڑھ رہی ہو تو اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔"

"اوہ نمران! حماقت مت کرو' دیکھو میں برداشت کی حد سے گزر چکی ہوں۔ میں نے ہمیشہ ہی تمہاری شرافت اور اپنی نسوانیت کا پاس کیا ہے۔ میں اس وقت تمہاری بے اعتنائی پسند نہیں کروں گی۔ ویسے بھی جب سے تم اپنے لوگوں میں شامل ہوئے ہو مجھ سے کھنچ گئے ہو۔ نمران فیصلہ کر لینا ضروری ہے میں تمہاری توجہ تمہارا پیار چاہتی ہوں" اس نے ایک بار پھر نمران کا بازو پکڑ لیا۔ لیکن نمران کنارے کی طرف چل گیا تھا۔ نورینہ کو شدید توہین کا احساس ہوا اس نے خود کو سنبھالا اور کنارے تک پہنچ گئی۔

پھر اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"اب تک کی رفاقتیں کیا اس بے توجہی کو برداشت کر سکتی ہیں' نمران فیصلہ چاہتی ہوں میں تمہارا' تمہارے دل میں میرا کیا مقام ہے؟"

"کچھ نہیں نورینہ' ہم لوگ ایک حادثے کے تحت ملے ہیں اور حادثے کے تحت مل جانے والے صرف شناسا ہوتے ہیں تم میری شناسا ہو......تم نے مجھ سے یگانگت کا مظاہرہ کیا اور میں نے بھی اخلاقی طور پر تمہارا ساتھ دیا۔ جیولن بار بار اس پر برافروختہ ہوتا رہا کہ تم میری جانب متوجہ ہو۔ اس رات بھی جب تم جیولن کی تاک میں لگی ہوئی تھیں اور اسے روپوش پا کر واپس چلی گئی تھیں۔ جیولن نے مجھ سے جنگ کی اور میں نے اس سے نمٹنے کے بعد اسے بتایا کہ میں نورینہ میں کوئی رغبت نہیں رکھتا اور وہ اس کی محبت ہے تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور اب جب کہ وہ بیچارہ سندھانیوں کے ہاتھ شکار ہو چکا ہے تب بھی میں یہ تم سے کھلے الفاظ میں کہنا چاہتا ہوں نورینہ کہ میں اور تم شناسا تو رہ سکتے ہیں۔ اس سفر کا اختتام جو بھی ہو اس کے بعد تم اپنی منزل کی طرف چلی جاؤ گی اور میں...... میں جو کچھ چاہتا ہوں کاش میری خواہشات کی تکمیل ہو جائے۔ نورینہ میری ایک محبوبہ ہے میں نے اس سے محبت کی ہے اور اس محبت کی جو قیمت ادا کرنی پڑ رہی ہے تم اس کے بارے میں نہیں سوچ سکتیں۔ میں اسے چاہتا ہوں۔ شدید محبت کرتا ہوں میں اس سے وہ......وہ میری محبوبہ ہی نہیں' میری بیوی بھی ہے۔ مجھ سے جدا ہو گئی ہے وہ اور میں اس کی یادوں کو اپنی زندگی میں سجائے ہوئے ہوں تم

یا دنیا کی کوئی اور لڑکی وہ مقام کبھی حاصل نہیں کر سکتی۔ میں پورے خلوص اور دیانت کے ساتھ اپنے آپ کو اس کے سامنے پیش کرنے کا خواہش مند ہوں اور تمہاری آنکھوں میں جو چمک لہرا رہی ہے وہ میرے لئے بالکل بے معنی ہے۔ ایک اچھے دوست سے یہ سننے کے بعد اپنے آپ کو روک لو تمہاری منزل میں نہیں کوئی اور ہو سکتا ہے۔ میرے خیال میں اس کے بعد مزید تم سے کچھ کہنے کی ضرورت نہیں اور اگر یہ الفاظ تمہیں برے لگے ہیں تو اپنے طور پر تم خود فیصلہ کر سکتی ہو۔"

"لیکن تم نے اس سے پہلے کبھی اس کا اظہار نہیں کیا۔"

"ضروری نہیں سمجھا تھا۔"

"گویا تم میرا مذاق اڑاتے رہے ہو" نورینہ غرائی۔ "ہرگز نہیں۔ میں کبھی اس انداز سے تمہارے سامنے نہیں آیا نورینہ کہ تم کسی غلط فہمی کا شکار ہو جاؤ۔" نمران نے سرد اور سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"تم سمجھتے کیا ہو خود کو' مجھے نہیں جانتے تم۔ میں ہر وہ چیز فنا کر دیتی ہوں جو میری گرفت میں نہیں آتی ہے۔"

"ان احمقانہ باتوں کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔"

نمران نے رخ بدلتے ہوئے کہا لیکن نورینہ بھوکی شیرنی کی طرح آگے بڑھی اور اس نے نمران کے رخسار پر ایک زوردار تھپڑ دے مارا۔

چٹاخ کی زوردار آواز کے ساتھ ہی نمران لڑکھڑا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا تھا۔ نورینہ کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں اس نے غیظ آلود لہجے میں کہا۔

"سنو نمران!! میں نے کبھی اپنی توہین برداشت نہیں کی۔ تم صرف میرے لئے پیدا ہوئے ہو اور کسی اور کا تصور بھی تمہیں خاک میں ملا دے گا یہ میرا عہد ہے اسے یاد رکھنا۔"

نمران کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لئے دیوانگی کی جھلک نظر آئی لیکن پھر اس نے خود کو سنبھال لیا اور سرد لہجے میں بولا۔

"اس کے جواب میں نورینہ میں تمہاری شکل ہمیشہ کے لئے اس طرح بگاڑ سکتا ہوں کہ دیکھنے والے عبرت حاصل کریں لیکن ایک آوارہ مزاج لڑکی کے لئے میں یہ سب کچھ ضروری نہیں سمجھتا۔ میں تمہاری اس مکروہ صورت پر تھوکنا بھی نہیں۔ نمران تیز تیز قدموں سے واپس پلٹ پڑا۔ لیکن اس نے اس بات کا خیال رکھا تھا کہ نورینہ اس کا تعاقب کرے اور مزید کچھ بدتمیزی کرنے کی کوشش کرے تو وہ اس کا جواب دے۔ لیکن نورینہ آگے نہیں بڑھی تھی وہ اپنی جگہ ساکت کھڑی نمران کو جاتے دیکھتی رہی تھی اور جب وہ اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچ کر اس کی نگاہوں کے سامنے سے روپوش ہو گیا تو اس نے ٹھنڈی سانس بھری اور آہستہ سے بولی۔

"نمران میرا نام نورینہ ہے" اس نے دانت بھینچ کر ادھر ادھر دیکھا۔ تب ہی اسے ایک چٹان کے ساتھ کوئی نکا کھڑا نظر آیا اور وہ چونک پڑی۔ غور سے دیکھا تو اس نے شروک کو پہچان لیا۔ وہ آج کی شناسا نہ تھی اس سفر کا آغاز بھی شروک کی معیت میں ہوا تھا۔ شروک نے اپنی جگہ سے جنبش کی اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا

نوریبنہ کے نزدیک آ گیا پھر مدھم لہجے میں بولا۔

"یہ کوئی نئی بات نہیں ہے نوریبنہ۔ یہ لوگ اپنے آپ کو جو کچھ سمجھتے ہیں کاش تمہارے باپ نے بھی وہ سب کچھ محسوس کیا ہوتا" نوریبنہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"تم کیا کر رہے ہو۔ مسٹر مشروک......؟"

"تمہارے تحفظ کی خاطر اس طرف نکل آیا تھا اور یہاں یہ منظر دیکھا یہ لوگ اپنے آپ کو سب سے پارسا سمجھتے ہیں۔ لیکن شاید پروفیسر زلفی اب تک اس بات کا اندازہ نہیں لگا پایا کہ یہ انتہائی خود غرض اور مطلب پرست لوگ ہیں یہ ہمیں اپنے آپ سے کمتر سمجھتے ہیں انہوں نے ہمیشہ ہی اس بات کا مظاہرہ کیا ہے۔"

"اس مظاہرے کا جو انجام بھگتنا پڑے گا انہیں وہ ان کی نسلوں کو ہمیشہ کے لئے محتاط کر دے گا"

نوریبنہ غراتے ہوئے بولی۔

"جوش و جذبات میں سخت الفاظ کہہ لینا دوسرا کام ہے لڑکی۔ لیکن عمل ایک مختلف چیز ہے کاش میں تمہارے باپ کو بھی یہ سمجھا سکتا۔ جس نے میرا قدیم دوست ہونے کے باوجود مجھ سے انحراف کیا۔ یہ میں ہی ہوں نوریبنہ جو اس ناپاک انسان کو تیرے قدموں میں لا کر ڈال سکتا ہوں۔ کاش میری اہمیت تسلیم کی جاتی جوزف مجھ سے غداری نہ کرتا تو دیکھتا کہ میں ان لوگوں سے کتنا برتر ہوں۔ بیٹھ نوریبنہ بیٹھ جا...... تیرا باپ مجھ سے منحرف ہو چکا ہے لیکن آج اس شخص نے تیری جو توہین کی ہے نہ جانے کیوں مجھ سے برداشت نہیں ہوا" نوریبنہ خاموشی سے اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

"تو اطمینان رکھ مجھ سے تعاون کر کے دیکھ میں تجھے کیا کر کے دکھاتا ہوں لیکن تیرا تعاون ضروری ہوگا۔"

♥......♥......♥

کشوتہ پر خیال نگاہوں سے کرنل کو دیکھتی رہی پھر اس نے کہا۔

"ہاں کرنل اب یہ ضروری ہے۔ بہت ضروری ہے۔ ساحروں کی زمین ہے رشت مگاتا کب سے آباد ہے۔ یہ جاننے والوں کی خاک بھی اب اپنا وجود کھو بیٹھی ہوگی۔ اس کی ساری تاریخ پر ساحروں کا راج ہے۔ ان ساحروں نے اپنے دور میں کیا کچھ کیا۔ وہ ان کی کہانی ہے "نیناوگی" کے دور سے آغاز کرتی ہوں رشت مگاتا۔ کے باشندے سحر کو اپنی زندگی کی اہم ضرورت سمجھتے ہیں یہ جادوگر صدیوں سے اپنا خاندانوں کو منتقل ہوتے رہے ہیں۔ کبھی ان میں سے کوئی نیا علم سیکھ لیتا ہے تو اپنی برتری کے مظاہرے اپنے دشمنوں کی ہلاکت سے کرتا ہے۔ جس کے قدموں میں دشمن کی کھوپڑیوں کے انبار زیادہ ہوتے ہیں وہ دوسروں سے ممتاز ہوتا ہے۔

ودگری...... دوسروی...... اور دوبرساتوں کے بعد بولانیہ کے میدانوں میں معززوں کی سبھا ہوتی تھی اور کھوپڑیوں کے انبار لگائے جاتے تھے۔ ان میں بڑوں کا تعین ہوتا تھا اور درجات تقسیم کئے جاتے تھے۔ نیناوگی نے اپنے طلسم کدے میں کسی پراسرار دنیا کو دیکھا اور اس پر انوکھے انکشافات ہوئے اس نے دیکھا کہ اس انوکھی دنیا کے لوگ ایک دوسرے کے ساتھ رہتے ہیں۔ آپس میں پیار و محبت رکھتے ہیں ایک دوسرے کے

کام آتے ہیں انہوں نے بارش سے بچنے کے لئے پناہ گاہیں بنا رکھی ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے دشمن نہیں ہوتے۔ وہ کھوپڑیوں کے انبار نہیں لگاتے۔ وہ سب ایک دوسرے کو عزت کا مقام دیتے ہیں اور دلی خوشی رہتے ہیں۔ نیناوگی کو بہت حیرت ہوئی۔ اپنے طلسم کدے میں اس دنیا کے راز جانتا رہا اور اس کے دماغ پر اس کا سحر طاری ہو گیا وہ رشت مگاتا کا سب سے بڑا ساحر تھا۔

اور رشت مگاتا پر اس کی حکمرانی تھی اس نے سوچا کہ اپنے دور حکمرانی میں وہ رشت مگاتا کی آبادیوں کو بھی کیوں نہ وہی سبق دے۔ جو اس نے اس پراسرار دنیا میں دیکھا ہے۔ یہ بات اس کے ذہن پر سوار ہو گئی اور پھر ودگری اور دوسروی دو برساتوں کے بعد جب ساحروں کی سبھا ہوئی تو اس نے یہ نیا منصوبہ سب کے سامنے پیش کیا۔ اس نے کہا کہ ساحر اپنے سحر کو ایک دوسرے پر آزمانے کے بجائے اپنے دشمنوں کی کھوپڑیوں کے انبار لگانے کے بجائے اگر ایک دوسرے سے محبت کریں اور مل جل کر زندگی گزارنے کے راستے تلاش کریں تو ان کی یہ دنیا بڑی خوب صورت ہو جائے گی۔ اس نے اس پراسرار دنیا کی کہانیاں سبھا میں شریک ہونے والوں کو سنائیں اور سب اس کا مذاق اڑانے لگے۔ کچھ بڑے ساحروں نے کہا نیناوگی پاگل ہو گیا ہے اور اس کا دماغ اب درست نہیں رہا اس لئے اسے بڑا ساحر نہ سمجھا جائے۔

اور اس سلسلے میں سب سے پیش پیش گفتگو کرنے والا کاشی ماربا تھا اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ نیناوگی کے بعد سب سے بڑا طلسم کدہ کاشی ماربا ہی کا تھا اور وہ معززین میں سب سے بڑا سمجھا جاتا تھا کہ جب وہ سبھا میں شریک ہوتا تو اس نے ایسا حصار بنایا ہوتا جو مکمل طور سے کھوپڑیوں سے تیار کیا ہوتا۔ اس حصار میں ایک دروازہ بھی ہوتا تھا اور کاشی ماربا اس دروازے سے باہر نکلتا تھا۔

بھلا کون تھا جو اس حصار کی وسعتوں تک پہنچ پایا۔ اس نے کہا کہ اب نیناوگی کو بڑے ساحر کی حیثیت ختم کر دینی چاہیے اور کاشی ماربا کو بڑا ساحر تسلیم کیا جانا چاہیے نیناوگی کو یہ بات بہت بری لگی۔ اس نے کاشی ماربا کو للکارا کہ اگر وہ بڑا ساحر بننا چاہتا ہے تو اس کے سامنے آئے تا کہ وہ بتا دے کہ اس کا دماغ درست ہے یا وہ کاشی ماربا کا دماغ درست کرنے کی اہلیت رکھتا ہے اور یہ ہمت کاشی ماربا کی نہ پڑی۔

لیکن نیناوگی نے کہا کہ جو کچھ اس نے کہا اب بڑے ساحر کی حیثیت سے سب کو اس کے حکم کی تکمیل کرنا ہوگی اور جو اس سے منحرف ہو وہ اس کے قلمرو سے نکل جائے اور رشت مگاتا کے دوسرے علاقوں کو آباد کرتے ہوئے لوگ صدیوں کی زمین چھوڑنا پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ جو منحرف تھے انہوں نے بھی یہ نہ کیا اور کاشی ماربا اپنے طلسم کدے میں قید ہو گیا اور اس نے اس کے گرد جادو کا حصار قائم کر لیا تا کہ اپنے دشمنوں سے محفوظ رہے لیکن وہ ساحر جو نیناوگی سے منحرف تھے اپنے کاموں میں مصروف رہے اور پھر ایک دن نیناوگی نے اپنے طلسم کدے کے سارے قیدی رہا کر دیئے اور تمام ساحروں کا سحر سلب کر لیا اس نے ہر ساحر سے اس کی قوت چھین لی اور اسے بے دست و پا کر دیا۔ تب اس نے اپنے منصوبے کے مطابق سب لوگوں کو زندگی گزارنے کا درس دیا اور بتایا کہ اب کس طرح انہیں جینا ہوگا۔ اس کے مخالفین کی زبانیں حد سے بڑھ کر طلسم کدوں پر ہونے والے حملوں تک پہنچ گئیں۔ لیکن ہر ساحر جو اس کی طرف بڑھا جل کر خاکستر ہو گیا اور باقی پسپا ہو گئے لیکن نیناوگی نے اصلاحات کیں ان کے نتائج بھی بہت اچھے نکلے اور لوگوں نے دیکھا کہ ان

کی زندگی تو کچھ بہتر ہو رہی ہے۔

سو نیناوگی سے اتفاق کیا جانے لگا اور یوں کچھ عرصہ گزرنے کے بعد نیناوگی کی کوششیں بار آور ہونے لگیں اور جو منحرف بھی تھے وہ ان کی اچھی باتوں کے قائل ہو کر اس کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ لیکن کاشی ماربا اس سے متفق نہ تھا اس نے اپنے طلسم کدے سے ان منحرفوں کو پکارا۔ جو اب بھی نیناوگی کے مخالف تھے اور اس نے انہیں تحفظ بھی دیا اپنے سحر کا اور وہ ملفوف ہو گئے۔ ایک ایسے لباس میں جس سے یہ ظاہر نہ ہو کہ ان کا تعلق منحرفوں سے ہے اور اس کے بعد کاشی اپنی سازشوں کو آگے بڑھانے لگا۔

اس نے اپنے سحر کو تیز کیا اور نئے نئے منتر ایجاد کرنے لگا تاکہ نیناوگی کو فنا کے گھاٹ اتار دے اور اس کے ہمنواؤں سے رشت مگاتا کو نجات دلائے وہ اپنی قدیم روایات نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ اس کا کہنا تھا کہ نیناوگی نے اپنے طلسم کدے میں جس پراسرار دنیا کو دیکھا ہے۔ اس کی روائتیں ساحروں کی دنیا سے کہیں زیادہ بڑی ہیں۔ ایک دوسرے کے دوست نظر آنے والے در پردہ آپس میں دشمنی رکھتے ہیں اور اس پراسرار دنیا کے لوگ اتنے پرسکون نہیں جتنے نظر آتے ہیں۔

ساحر تو صرف اپنے دشمنوں کو ختم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن اس دنیا کے لوگ اپنے جیسوں کی فنا کے لئے دن رات سرگرداں ہیں۔ مگر نیناوگی یہ بات تسلیم نہ کرتا تھا کہ طلسم کدے میں جو کچھ نظر آتا تھا وہ اس کے لئے بہت دلکش تھا۔ سو ہوایوں کو نیناوگی کی قوتیں' کاشی ماربا پر حاوی ہو گئیں اور ایک دن اس نے کاشی کو طلسمی جال میں گرفتار کر لیا اور زمین کی گہرائیوں میں پہنچا دیا جہاں اس نے ایک ایسا قید خانہ بنایا تھا جس میں سے کوئی ساحر زندہ نہ نکل سکے۔

کاشی ماربا کو قید کر کے نیناوگی نے ان تمام منحرفوں کو معافی دے دی جو در حقیقت دل میں اب بھی اس سے کینہ رکھتے تھے۔ لیکن اپنے رہنما کی قید کے بعد بے بس ہو گئے تھے لیکن کاشی ماربا بے بس نہ تھا۔ اس کی خوش قسمتی نے اس کا ساتھ دیا۔ سو یوں ہوا کہ زمین کی گہرائیوں میں موجود قید خانے میں ایک سوراخ بنا اور اس سوراخ میں سے ایک کالے ناگ نے باہر جھانکا تو اسے ایک ساحر نظر آیا یہ دوسری بات تھی کہ جب کالا ناگ اپنے شکار کی طرف لپکا تو اس کی زندگی کاشی ماربا کے ہاتھ آ گئی اور کاشی ماربا نے اپنے جسم کو خالی کر دیا اور سانپ کے بدن میں داخل ہو گیا۔ تب اسی بل میں سے زمین میں راستے تلاش کرتا ہوا وہ وہاں سے نکل آیا اور ناگوں کی وادی میں اسے پناہ ملی اور اس نے ناگوں کو اپنا مطیع کر لیا ہر طرح کے سانپ اس کے زیر اثر آ گئے اور اس کی کہانی یوں آگے بڑھی کہ اس نے ایک ایک کر کے اپنے تمام ہرکاروں کو رشت مگاتا کے چاروں طرف پھیلا دیا اور ناگ کی شکل میں منحرفوں سے رابطے کرنے لگا یوں اس کا ویران طلسم کدہ پھر سے آباد ہو گیا اور یہ بات بہت دیر کے بعد نیناوگی کو معلوم ہوئی اور اس وقت جب کاشی ماربا کا طلسم نیناوگی کے طلسم کدے پر چھا چکا تھا اور اس کے ساتھ ناگوں کی قوت بھی تھی۔

جب یہ بات نیناوگی کو معلوم ہوئی تو اس نے طلسم کدے میں ان تمام قوتوں کو جمع کر لیا جو اس کے سحر کے زیر اثر تھیں اور اس نے معلوم کیا کہ اب کاشی کا دور حکومت آنے والا ہے اور اس بات کا کوئی امکان نہیں کہ نیناوگی اس کا مقابلہ کرے لیکن نیناوگی نہیں چاہتا تھا کہ جو لوگ اس کے ساتھ ہوئے ہیں اور جن کا سحر

اس نے اپنے زیر اثر لے لیا ہے وہ کاشی ماربا کے ہاتھوں مارے جائیں گے۔ اس نے خود بھی ایک منصوبہ بنایا ہوا اس کے بعد کرنل اس نے مجھ سے شادی کر لی کہ میرا نام کشوتہ ہے اور میں اسی قبیلے کی ایک فرد ہوں۔

یہ سب کچھ اس نے ایک خاص مقصد کے تحت کیا تھا اور جب مجھے یہ عزت اور مقام ملا تو مجھ پر منکشف ہوا۔ نیناوگی نے کہا کہ میری اور اس کی قربت لمحاتی ہے بہت جلد اسکے مقصد کی تکمیل کے لئے مصروف ہو جاتا ہے اور نیناوگی نے مجھے مستقبل کی کہانی سنائی اور اپنے سحر کے کچھ خاص نکتے مجھے سونپ دیئے۔ شاید تمہارے لئے یہ بات حیران کن ہو کہ سہاگ کی پہلی رات کے بعد جب صبح کا آغاز ہوا تو نیناوگی کی روح اس کے بدن میں موجود نہ تھی اس نے اپنے طلسم کدے میں ایک گہری قبر کھدوائی اور اس میں لیٹ گیا۔

اور میں جس نے اس کی قربت کا ایک لمحہ حاصل کیا تھا اسے دفن کرنے میں اس کی معاون تھی۔

لیکن یہ سب کچھ ضروری تھا۔ میں نیناوگی اور کاشی ماربا کے سحر کا مقابلہ ایک تازہ سحر سے کرنا چاہتی تھی اور یہ اس وقت ممکن تھا۔ کیونکہ رفتہ رفتہ اس کی ساحرانہ قوت پورے رشت مگاتا پر حاوی ہو گئی تھی۔ لیکن یہ بھی ہوا کہ نیناوگی کی کوششوں سے وہ سب بھی عارضی نیند سو گئے جو اس کے ہمنوا تھے اور سو جانے والوں کے لئے ہر سحر بے کار ہوتا ہے۔ سو کرنل...... وہ اب بھی موت کے شہر میں سو رہے ہیں اور تم زندہ انسانوں کا وہ قبرستان دیکھو گے تو یقین نہ کر پاؤ گے کہ بعد کی کہانی اس سے بھی عجیب ہے اور تمہارے لئے سب کچھ جان لینا بہت ضروری ہے کیونکہ جتنا تم جان چکے ہو اس کے بعد تم رشت مگاتا کے رہنے والوں سے مختلف ہو اور میں نے یہ ہی کہا تھا تم سے کہ کچھ نہ جاننا جاننے سے بہتر ہوتا ہے کہ جاننے والے بڑے خسارے میں رہتے ہیں۔

یوں تمہاری زندگی میں ایک پراسرار بستی کی کہانی شروع ہو گئی ہے اور تم اس وقت تک ساحروں کی اس بستی سے واپس نہیں جا سکتے جب تک کہ کوئی فیصلہ نہ ہو جائے سو بعد کی داستان کا وہ حصہ بھی سنو کہ کہانی جہاں تک پہنچی۔ نیناوگی زیرک تھا اور بے شک صدیوں کا سحر جانتا تھا کہ دوسرے کیا ہیں اور کرنل مقبول جاننے کی بات یہ ہی ہوتی ہے اپنی طاقت کا اندازہ سب کو ہی ہوتا ہے لیکن اصل طاقتور وہ ہے جو دوسرے کی طاقت کا صحیح طور پر اندازہ لگا لے۔

سو نیناوگی جانتا تھا کہ منحرف ساحروں نے کونسی قوتیں حاصل کی ہیں اور اس کے طلسم کدے میں کیا کچھ ہے۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ انتقام کا سلسلہ شروع کرے گا اور وہ جو اس کے علم کی روشنی میں سحر کو خیر آباد کہہ چکے ہیں اس کے شکار ہو جائیں۔ چنانچہ اس نے انہیں سلا دیا کہ جب اپنا سحر وجود پائے تو سب اس کے ساتھ ہوں تو تم نے کچھ جانا کرنل۔"

"ہاں میں سن رہا ہوں۔" کرنل گہری سانس لے کر بولا۔

"نیناوگی جانتا تھا کہ کاشی جب میدان خالی پائے گا تو خود کو عظیم جانے گا اور پھر وہ اس عظمت کا اظہار کرے گا اور یہی خوبی ہوتی ہے طاقت کا صحیح استعمال کرنے والے کی۔ ورنہ جنگل کے جانور انسان سے کہیں زیادہ طاقتور ہوتے ہیں ارنا بھینسا سر کی ٹکر سے درخت اکھاڑ دیتا ہے۔

مگر اس کے سینگ ٹوٹ جاتے ہیں۔ انسان لوہے کے ایک معمولی ٹکڑے سے درخت کو جڑ سے

کھود کر پھینک دیتا ہے طاقت یکساں ہے لیکن عقل برتر واعلیٰ اور جب کاشی نے مقابل پسپا دیکھے تو غرور میں نہا گیا اس نے کہا۔

"رشت مگاتا کے ساحرو! نیناوگتی نے میری برتری تسلیم کی اور خود کو فنا کرلیا اور فنا ہونے والوں سے جھگڑے ختم ہوجاتے ہیں۔ دراصل اس نے جھگڑا مجھ سے نہیں صدیوں کے سحر سے کیا تھا اور ساحروں کی یہ سرزمین اپنی روایات کی خود محافظ ہے یوں نیناوگتی کے سحر کدے کو توڑ کر رشت مگاتا کی روحوں کو آزاد کرتا ہوں۔ ہاں فیصلہ کرو نیناوگتی کا کہ بیوی کشوتہ کی اس کی زندگی نامناسب ہے۔"

"وہ دوہرا وجود رکھتی ہے" ایکانہ نے کہا۔

"بوڑھی ایکانہ تو نے کیا کہا" کاشی پریشانی سے بولا۔

"کچھ عرصے بعد وہ ایک بچے کو جنم دے گی اور تو جانتا ہے کہ جو پہلا دانہ گندم نہ کھائے اس پر سحر اثر انداز نہیں ہوتا بلکہ وہ ہر سحر توڑنے کی قوت رکھتا ہے۔"

"تو زیرک ہے" سو زیرک کاشی ماربا نے یوں کیا کہ مجھے زندان میں ڈال دیا اور جب میں ایک بچی کی ماں بنی تو نیناوگتی کے منصوبے کے مطابق میں نے بھی موت اپنالی۔

نوزائیدہ کو مجھ سے جدا نہ کیا گیا اور کاشی ماربا نے ساحروں سے مشورہ کیا۔ مشورہ اس کے سوا کیا ہوسکتا تھا کہ جو نیناوگتی کے ذہن میں پہلے سے تھا میری لاش کو اہتمام کے ساتھ سجا کر رشت مگاتا سے باہر جانے والی ندی میں بہا دیا گیا اور یوں میں اپنی بچی کے ساتھ رشت مگاتا سے نکل آئی۔

"گویا...... گویا تم زندہ تھیں؟" کرنل نے پوچھا۔

"انہی کی مانند جو آج بھی رشت مگاتا کے زندہ قبرستان میں سو رہے ہیں۔"

"اوہ تم...... آہ تم وہی ہو مجھے بار بار شبہ ہوتا تھا کہ...... کہ تم الاکشاء کی ماں ہو گویا آہ...... یہ اس لاش کی کہانی ہے جو ہرمیت سنگھ اور شہباز خان کو ندی میں بہتی ملی تھی۔؟"

کشوتہ مسکرانے لگی۔ کرنل کے بدن پر تشنج طاری تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جو کچھ اسے معلوم ہوا۔ وہی اس کے ساتھیوں کی طلب تھی مگر وہ کہاں ہیں' کاش میں یہ کہانی انہیں سنا سکوں۔"

"نہیں کرنل۔ ابھی کہاں...... تم نے اتنی سی کہانی کو مکمل جان لیا۔ اس سے کیا حاصل ہوگا۔ کہانی کی ابتداء ہے یہ تو اصل کہانی کا کردار تم خود بنو گے اتنی سی کہانی اگر تمہیں معلوم ہوگئی تو وہ کیا سمجھ پائیں گے ابھی تو اس کے بہت سے پہلو تشنہ ہیں کیا تم نیناوگتی کا منصوبہ جانتے ہو۔؟"

"منصوبہ؟"

"ہاں تم نے یہ نہیں سوچا کہ نیناوگتی کیا چاہتا تھا۔ اس کاوش سے اسے کیا حاصل ہوگا اس نے زندگی کے بے شمار سال کیوں تیاگ دیئے۔ یہ تو اس کہانی کا آغاز ہے کرنل اور اب اس سے آگے بڑھوتا کہ تمہیں اصل کہانی معلوم ہوسکے۔"

کشوتہ کی پراسرار مسکراہٹ لرزا دینے والی تھی۔

♥ ♥ ♥

گہری تاریک رات فضائے بسیط پر پھیلی ہوئی تھی۔ وہ لوگ گومالا کے کنارے کنارے کافی سفر طے کرچکے تھے یہ ندی کے ساتھ سفر کی دوسری رات تھی اطراف میں سنگلاخ میدان پھیلے ہوئے تھے جن میں جانداروں کا کوئی وجود نہیں محسوس ہوتا تھا رات کے پہلے پہر میں جاگنے کی ذمہ داری شروک اور اس کے ایک ساتھی کے سپرد تھی اور وہ رائفلیں سنبھالے ہوئے اپنی ڈیوٹی انجام دے رہے تھے شروک کی نظریں دور دھند میں کچھ تلاش کررہی تھیں اور اس کا ساتھی کسی قدر غنودگی کا شکار تھا۔ سفر کے معمول کے مطابق حصار بنالیا گیا تھا گھوڑوں کی لگامیں ایک دوسرے سے باندھ کر انہیں یکجا کردیا گیا تھا۔

سونے والوں کی تیز سانسیں ابھر رہی تھیں۔ دن بھر کی تھکن کے بعد پتھریلا بستر بھی نرم گدوں سے کم نہیں لگتا تھا۔ اس لئے سب ہی گہری نیند سو رہے تھے۔ پھر سونے والوں میں ایک نے گردن اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا اور اٹھ کر بیٹھ گیا شروک کو فوراً اس کا احساس ہوگیا اس نے اپنے غنودہ ساتھی سے سرگوشی کی۔

"ہوشیار ہو۔؟"

"ایں...... ہاں مسٹر شروک" ساتھی نے جواب دیا اور شروک اس شخص کو دیکھنے لگا جواب آہستہ آہستہ شروک کی طرف رینگ رہا تھا شروک کی ہدایت پر اس کے ساتھی نے آہستہ سے اپنی رائفل زمین پر رکھی اور پھر زمین پر اوندھا لیٹ کر آہستہ آہستہ سرکنے لگا۔ سونے والوں کے نزدیک جا کر وہ بھی اس طرح زمین پر لیٹ گیا جیسے سو رہا ہو۔ اسی اثناء میں دوسرا شخص شروک کے پاس پہنچ گیا تھا اس نے زمین پر رکھی ہوئی رائفل اٹھائی اور شروک کے پاس بیٹھ گیا۔ یہ غالباً اس لئے کیا گیا تھا کہ اگر کوئی جاگ جائے تو اسے شبہ نہ ہو۔

"ہیلو پروفیسر" شروک نے سرگوشی کی۔

"ہیلو شروک۔"

"نورینہ نے تمہیں میرے منصوبے کے بارے میں بتادیا......؟"

"ہاں شروک...... میں تم سے گزرے ہوئے وقت کے لئے معذرت خواہ ہوں۔"

"اوہ پروفیسر زلفی گزرے ہوئے وقت پر کوئی بات نہیں ہوگی ان جنگلوں نے سب کو دیوانہ کردیا ہے ہم سب پاگل ہوچکے ہیں۔ تم نے میرا ساتھ چھوڑ کر دیوانگی کی تھی۔ اب کی بات کرو کیا تم موجودہ صورتحال سے مطمئن ہو۔"

"ہرگز نہیں!"

"اس وقت ہم غلاموں کی مانند ہیں۔ انہی کے رحم وکرم پر ہیں۔ تم تمام صورتحال سے واقف ہو۔ میں نے تمہیں اس سفر کے آغاز سے قبل سب کچھ بتادیا تھا۔ یہ سوچو کیا ہرمیت سنگھ اور شہباز خان ہمارے دوست ہوسکتے ہیں۔ ہرمیت سنگھ خصوصی طور پر میرا دشمن ہے کیونکہ میں نے اس کے نوادرگاہ سے وہ لاش حاصل کی تھی اور اس کے ایک آدمی کو بھی قتل کردیا تھا۔"

"ہاں مسٹر شروک میں جانتا ہوں۔"

"وہ دوسرا شاطر شخص جس کا نام شہباز خان ہے بہت چالاک انسان ہے اس نے سندھانیوں کو بھی اپنا مطیع کرلیا ہے۔"

"میں نے دیکھا ہے۔"

"تب پھر تم بتاؤ کہ ہمارے لئے کیا چانس ہے طاقتور سندھانی گروہ ان کے ساتھ ہے۔ گروہ اپنی قوم کے لئے خزانہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اپنی پوری قوم کے لئے ہمارے لئے کیا گنجائش رہ جاتی ہے۔ ہمیں کچھ نہ ملے گا سوائے موت کے...... موت صرف موت میرے لئے بھی...... تمہارے لئے بھی ہم سب کے لئے صرف موت ہے اور یہ سب مل گئے ہیں۔ جانتے ہو۔ انہوں نے اب تک ہمیں کیوں زندہ رکھا ہے؟ تم نہیں جانتے ہو گے میں جانتا ہوں کہ ہم قربانی کے بکرے تصور کر لئے گئے ہیں۔ کوئی مشکل مرحلہ آیا تو وہ ہمیں آگے کر دیں گے۔" صرف ہمیں۔"

"یہ ہو سکتا۔ مسٹر شروک۔؟"

"سو فیصدی...... ان کا منصوبہ یہی ہے میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں۔"

"تو پھر آپ نے کیا سوچا ہے۔"

"اب آخری مرحلہ آ گیا ہے ہماری منزل دور نہیں ہے۔ نقشہ تمہارے ذہن میں ہے......؟"

"نہ صرف میرے ذہن میں بلکہ اس کی نقل میرے پاس پوشیدہ ہے۔ میں نے اس کی سخت حفاظت کی ہے" پروفیسر زلفی نے کہا اور شروک اچھل پڑا۔

"ویری گڈ...... ویری گڈ" تعجب ہے تم نے جوزف کو مجھ پر فوقیت کیوں دی۔ وہ کتا تمہارے لئے کسی طرح سودمند نہیں ہو سکتا۔ جتنا ہم ایک دوسرے کو جانتے ہیں اتنا کوئی نہیں جانتا تم ایک ذہین انسان ہو پروفیسر میں ایک اور پیش کش تمہیں کرتا ہوں۔"

"پوری ایمانداری سے پوری دیانت سے خزانے کے تین حصے ہوں گے تینتیس فیصد تمہارا، تینتیس فیصد میرا اور تینتیس فیصد میں ان سب کے حصے ہوں گے دیگر یہ کہ آگے صرف تم ان سب کو کنٹرول کرو گے اور تم سے کہیں انحراف نہ کیا جائے گا۔ میں تمہارا معاون ہوں گا۔"

"مجھے منظور ہے۔ مسٹر شروک!"

"بہت بہت شکریہ اب یہ بتاؤ تمہارا کیا خیال ہے ان لوگوں کے بارے میں میرا سوچنا صحیح ہے یا غلط......"

"نہیں مجھے خود بھی اندازہ ہے۔ سندھانیوں کو قبضے میں لے کر انہوں نے ایک طاقتور گروہ بنا لیا ہے۔ ان کے ساتھ پروفیسر حاتم فریدی بھی ہے جو نقشہ سمجھ سکتا ہے۔ ان حالات میں انہیں ہماری ضرورت باقی نہیں رہ جاتی وہ ہمیں کوئی اہمیت نہیں دیں گے۔"

"سو فیصدی...... سو فیصدی...... اب یہ سوچو ہمیں کیا کرنا چاہیے۔"

"یہی سب سے مشکل مرحلہ ہے۔ اس کا فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کرنا ہوگا۔"

"میں موجودہ صورتحال سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں پروفیسر!"

"کیا مطلب؟"

"اس وقت ہمارے پاس دو رائفلیں ہیں۔ ان سب کے پاس بھی رائفلیں ہو سکتی ہیں جو ہمارے

ساتھی ہیں۔ آج رات تو یہ ممکن نہیں لیکن کل رات ہم سب تیار رہیں گے۔ رات اسی طرح ہوگی پہرہ ہم دیں گے اور پھر وقت مقرر پر......!

"وقت مقررہ پر......؟"

"ان سب کو بھون ڈالیں گے ان میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے" شروک سفاک لہجے میں بولا۔

پروفیسر زلفی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

"میں اس پروگرام سے متفق نہیں ہوں شروک!"

"کیوں؟" شروک حیرت سے بولا۔

"تم نے ان کی تعداد ذہن میں نہیں رکھی، سندھانی جنگجو ہیں۔ ہماری رائفل سے پہلی گولی چلے گی تو وہ ہوشیار ہو جائیں گے۔ ہم ان میں سے آدھے بھی مار لیتے ہیں تو باقی آدھے بھی ہم سے تعداد میں زیادہ ہیں۔ وہ ضرور چوکس ہو جائیں گے اور اس کے بعد ان کا مقابلہ بہت خوفناک ہوگا۔ ہمیں گھوڑے بھی درکار ہونگے اور ضرورت کا دوسرا سامان بھی یہ سب ہم کیسے کریں گے اور پھر یہ دونوں شکاری بھی ہوشیار ہیں"۔

شروک دیر تک خاموش رہا تھا۔ پھر اس نے کہا تو "پھر کیا کیا جائے۔"

"کریں گے ہم وہی جو تمہارا منصوبہ ہے لیکن ذرا بدلے ہوئے انداز میں......" زلفی نے کہا۔

"کل کے سفر میں ہم اپنی تنظیم کریں گے۔ معمول کے مطابق ہمارے پاس ہتھیار بھی ہوں گے اور ضرورت کی اشیاء بھی، کسی دشوار گزار راستے کی تلاش جاری رکھی جائے گی اور اگر کوئی ایسی جگہ نہ بھی ملی تب بھی شام کو جھٹپٹا ہوتے ہی لوٹ کر ان کے عقب میں آ جائیں گے اور پھر جوں ہی وہ قیام کے لئے اپنے گھوڑوں کی پشت چھوڑیں گے۔ ان پر آگ برسا دی جائے گی۔ ہمارے پہلے نشانے ہرمیت سنگھ، شہباز خان، سندھانی سردار اور شہباز خان کے دوسرے ساتھی ہوں گے اور اگر ہم اس کوشش میں کامیاب ہو گئے تو پھر تم جانتے ہو کہ ہمارے لئے کوئی مشکل نہ رہے گی۔"

شروک کے چہرے سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اسے یہ تجویز پسند آئی ہے۔ اس نے پروفیسر کا بازو دباتے ہوئے کہا۔

"بہت عمدہ تجویز ہے۔ میں تم سے متفق ہوں۔"

"باقی تیاریاں تمہیں کرنی ہیں۔"

"میں جانتا ہوں شروک مسرور لہجے میں بولا اور تھوڑی دیر کے بعد پروفیسر واپس اپنی جگہ پہنچ گیا۔ شروک کے ساتھی نے اسی طرح واپس آ کر اپنی جگہ سنبھال لی تھی۔

دوسرے دن وہ معمول کے مطابق آگے بڑھ گئے۔ جنگلات کے وسیع و عریض علاقے کے اسرار کھل رہے تھے۔ سندھانی سردار کا کہنا تھا کہ ان جنگلات میں رہنے والے بھی اس سے پہلے اس حد تک اندرونی علاقوں میں نہیں آئے تھے اور یہ علاقے اس کے لئے بھی اجنبی ہیں۔ وہ خود بھی بعض اوقات تجسس کا شکار نظر آتا تھا۔ اس کے علاوہ اس علاقے کی سب سے حیرت ناک چیز یہ چھوٹی سی ندی تھی جسے بار بار......

بدلتے دیکھ چکے تھے۔ پروفیسر حاتم خاص طور سے ندی میں دلچسپی لے رہا تھا اور بارہا اس نے کہا تھا۔

''قدیم داستانوں کے سلسلے میں، میں نے بہت کام کیا ہے۔ ہرمیت سنگھ آثار قدیمہ میں بہت کی پراسرار کہانیاں ملتی ہیں۔ دنیا کے بیشتر مقامات بھی دیکھے ہیں لیکن یہ ندی میرے تجربات میں ایک ایسا اضافہ ہے جسے میں مرتے دم تک فراموش نہیں کرسکتا۔ یہ جیسے کسی مشینی عمل کے تحت اچانک رخ بدل دیتی ہے۔ بعض جگہ ساکت لگتی ہے اور بعض جگہ تیز رفتار پانی کی دھار ہواؤں کی تابع نہیں ہوسکتی۔ پھر آخر یہ کونسا عمل ہے۔''

''ہم تو اس کا اتنا گہرہ تجزیہ بھی نہیں کرسکتے پروفیسر۔ آپ کی اس بات کا جواب کیا دے سکتے ہیں''۔ ہرمیت سنگھ نے کہا۔

''یہ کہنے میں مجھے عار نہیں کہ ان جنگلات کا نام میں نے تم لوگوں کی زبان سے سنا ہے۔ مزمانہ جوانی میں مجھے عجائبات کی تلاش رہی تھی۔ اگر اس دور میں مجھے علم ہوتا کہ خود میرے وطن میں کوئی ایسا انوکھا علاقہ موجود ہے تو شاید اپنے تمام وسائل کے ساتھ اس علاقے کو کھنگال مارتا۔ دکھ بس یہ ہے کہ وقت گزر گیا۔

سفر میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ ان لوگوں کو گمان بھی نہ تھا کہ آج کے سفر میں کوئی خونی واقعہ پیش آنے والا ہے۔

شروک کی پراسرار خاموشی پر بھی کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی تھی۔ ویسے اس سلسلے میں شہباز اور ہرمیت سنگھ کے درمیان گفتگو ہوئی تھی ہرمیت سنگھ نے کہا تھا۔

''تم کچھ بھی کہو شہباز نہ جانے کیوں مجھے اس شخص سے شدید نفرت محسوس ہوتی ہے۔ یہ اپنے مقصد براری کے لئے ہر دغابازی کرسکتا ہے۔ اسے جو مراعات دی گئی ہیں وہ نقصان دہ ثابت ہوسکتی ہیں۔''

''ہم اسے قیدی بنا کر بھی تو نہیں رکھ سکتے ہرمیت۔ سچی بات تو یہ ہے کہ بعض اوقات گروارد سے بھی شرمندگی ہونے لگتی ہے۔ وہ ہمارے ساتھ غلاموں کی طرح تعاون کر رہا ہے لیکن اس کے صلے میں اسے کیا ملے گا۔ کیا تمہارے علم میں کوئی خزانہ ہے۔ اس خزانے کا تعین مردود شروک نے کیا ہے۔ اس کی تردید بھی کرسکتے ہیں مگر اس سے ہمیں کیا فائدہ ہوگا اس کے بعد ہماری تحقیق سے کسے دلچسپی ہوگی اور حالات بتاتے ہیں کہ اس کے بغیر ہمارے مقصد کی تکمیل بھی نہ ہوسکے گی اگر ہم اس مقصد سے دستبردار ہوجائیں تو کیا الاکشا اور کرنل کے بغیر واپسی کا تصور کیا جاسکتا ہے۔ بقول پروفیسر حاتم فریدی کے ہم اس طلسم کے قیدی بن گئے ہیں۔

کوئی پراسرار قوت ہم سے کام لے رہی ہے اور ہم صرف کل پرزے بنے ہوئے ہیں ان حالات میں بتاؤ اس کے خلاف کیا عمل کیا جائے۔ اسے خود سے علیحدہ کرنے سے ہمیں کوئی فائدہ نہ ہوگا سوائے اس کے کہ وہ بھی ڈسٹرب کرتا رہے گا۔ اسے قیدی بنا کر ایک نئی ذمہ داری شانوں پر لینا پڑے گی۔ اس کے علاوہ کسی غیر انسانی عمل کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا''

''نہیں نہیں میرا یہ مقصد بالکل نہیں تھا۔ خون خرابے سے ہمیں کیا دلچسپی ہوسکتی ہے۔'' ہرمیت سنگھ جلدی سے بولا۔

لیکن اس کے خدشات درست ثابت ہوئے تھے۔

سورج پورا دن بادلوں سے آنکھ مچولی کھیلتا رہا تھا اس سے موسم کی شدت ختم ہوگئی تھی اور سفر خوشگوار رہا تھا شام کے چار بجے تھے اور وہ اس وقت ایک عجیب سے علاقے سے گزر رہے تھے۔ زمین جگہ جگہ سے کٹی ہوئی تھی اور تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ایسے کٹاؤ آجاتے تھے جہاں گہرائیاں ہوتیں اور انہیں بچ کر نکلنے کے لئے گھوڑے روک کر سمت کا جائزہ لینا پڑتا۔ کہیں ڈھلان شروع ہوجاتی اور کہیں راستہ اتنا خراب ہوجاتا کہ اسے طے کرنے کے لئے مشکل پیش آتی۔ اسی لئے گھوڑوں کی رفتار بالکل سست ہوگئی تھی۔

ان میں سے کوئی بھی یہ بات محسوس نہیں کر پایا تھا کہ انتہائی غیر محسوس انداز میں شروک کے ساتھی پیچھے ہٹتے جارہے ہیں۔ سست رفتاری کی وجہ سے اس بات پر توجہ نہ دی جاسکی تھی لیکن شروک اور اس کے سارے ساتھی یکجا تھے اور ان کے گھوڑے اڑاڑ کر چل رہے تھے۔ شروک کے منصوبے کے مطابق یہ جگہ بالکل درست تھی اور اس نے اشارہ کیا تھا۔ زلفی اور نورینہ بھی منصوبے کے مطابق ان کے بالکل قریب تھے۔ سب مسلح تھے اور پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق ان کے پاس ضرورت کی تمام اشیاء موجود تھیں۔

شروک ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھ رہا تھا اس کی آنکھوں میں خون کی چمک لہرا رہی تھی۔ پھر اس کے مطلب کی جگہ بالکل نزدیک آگئی۔ وہاں سے ڈھلانیں شروع ہوتی تھیں اور کچھ اتنی دشوار گزار تھیں کہ ان پر گھوڑوں کو سنبھالنا بھی مشکل ہورہا تھا۔ پتھروں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ڈھلانوں پر بکھرے ہوئے تھے اور گھوڑوں کے قدم ان پر صحیح طریقے سے جم نہ پارہے تھے۔ شروک نے عقب میں دیکھا اور اپنے ساتھیوں کو مستعد پایا۔ تب اس نے اچانک ہاتھ اٹھا دیا اور ان کے گھوڑے رک گئے۔ اس دشوار گزار ڈھلان کی وجہ سے ہر شخص اپنے گھوڑے سنبھالنے میں مصروف تھا اور عقب میں نہ دیکھ پایا تھا۔

پھر جب ان کے اور شروک کے درمیان خاصا فاصلہ ہوگیا۔ تب اچانک ہی شروک کے حلق سے ایک غراہٹ نکلی اور اس نے وحشیانہ لہجے میں کہا۔

''فائر......'' اور اس کے ساتھ ہی ڈھلان پر اترنے والوں پر گولیوں کی بارش شروع ہوگئی۔

فائرنگ کی حیرت میں جتلا کردینے والی آواز ابھری۔

اور چار سندھائی نوجوان گھوڑے سے گر گئے۔ گھوڑے الگ بھڑک گئے تھے اور انہوں نے تو زقندیں بھرنا شروع کردی تھیں۔

سندھائی جوانوں نے اور شہباز خان اور ہرمیت سنگھ کے ساتھیوں نے اپنے آپ کو گھوڑوں کی پشت پر تو سنبھال لیا تھا لیکن عقب سے ہونے والی فائرنگ بہت خوفناک تھی اور اس سے انہیں شدید نقصان پہنچ رہا تھا۔

وہ سمجھ نہ پائے تھے کہ فائرنگ کرنے والے کون ہیں۔ گھوڑوں نے انہیں سنبھلنے کا موقع بھی نہیں دیا تھا اور اب وہ صرف گھوڑوں کے رحم و کرم پر تھے۔ ہاں اتنا ضرور کیا گیا تھا کہ وہ گھوڑوں کی پشت سے لپٹ گئے تھے کئی گھوڑوں نے بھی قلابازیاں کھائیں اور ان کی پشت پر بیٹھے ہوئے سوار ہولناک چیخوں کے ساتھ پتھروں سے ٹکراتے ہوئے شدید زخمی ہوگئے۔ لیکن اب اپنے آپ کو سنبھالنا خود ان کے بس کی بات نہیں تھی۔

اور عقب سے شروک کے ساتھی مسلسل گولیاں برسا رہے تھے۔ اچانک ہی نورینہ کے حلق سے

غراہٹ نکلی اور اس نے اپنا گھوڑا ڈھلان کی جانب بڑھا دیا لیکن شروک نے پھرتی سے آگے بڑھ کر اس کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی تھی۔

"نہیں ہمیں اس ڈھلان سے نیچے نہیں اترنا۔

"وہ بچ گیا ہے۔وہ کتا بچ گیا ہے" نورینہ نے نمران کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

گھوڑے آن کی آن میں ان ڈھلانوں کو عبور کرتے ہوئے بہت دور نکل گئے تھے اور اب ان پر صحیح نشانے نہیں لگائے جا سکتے تھے۔شروک کو خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی تھی اور وہ ان میں سے چند افراد کو ہی ہلاک کر سکا تھا۔اس کی کوئی خاص وجہ نہیں تھی بس نشانہ بازی کچھ خاص نہیں رہی تھی۔اسے سب سے زیادہ دکھ شہباز خان اور ہرمیت سنگھ کے بچ جانے کا ہوا تھا۔باقی لوگ تو اس کے خیال میں بے ضرر تھے سوائے ان سندھانیوں کے لیکن جو کچھ کر چکا تھا۔اب اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں تھا کہ ان لوگوں پر گولیوں کی بارش کرتا رہے اور وہ اور اس کے ساتھی اندھا دھند فائرنگ کر رہے تھے لیکن اس وقت سندھانیوں کے گھوڑوں نے اپنے مالکوں کی زندگیاں بچانے میں اہم ترین کارنامے سرانجام دیئے تھے۔

صرف چند ہی افراد تھے جو ان گھوڑوں کی وجہ سے ہلاک ہوئے تھے لیکن ان کے گھوڑے بھی زندہ نہ بچ پائے تھے۔اور چٹانوں میں اچھل کود مچا کر دم توڑ رہے تھے۔ڈھلانوں پر پڑے ہوئے پتھر خون سے سرخ ہوئے اور آن کی آن میں آگے جانے والے ایک چٹانی آڑ میں محفوظ ہو گئے۔جونہی شروک نے محسوس کیا کہ اب ان کی چلائی گئی گولیاں ان لوگوں پر کارگر نہیں ہو سکتیں تو اس نے فوراً دائیں جانب اشارہ کر کے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس سمت اتر جائیں نورینہ بری طرح دانت پیس رہی تھی۔اس نے بگڑے ہوئے انداز میں کہا۔

"یہ تو کچھ نہ ہوا انکل شروک! نمران بچ گیا میرا سارا منصوبہ خاک میں مل گیا۔آپ کے یہ ساتھی رائفلیں چلانا نہیں جانتے۔"

"آؤ...... بے بی...... ابھی ہمارے پاس بہت وقت ہے تم جو کچھ چاہتی ہو۔اس کی تکمیل میں کروں گا۔آؤ دیر نہ کرو...... وہ لوگ منظم ہو کر جوابی کارروائی بھی کر سکتے ہیں فوراً اپنے گھوڑوں کے رخ تبدیل کر لو۔"

شروک نے اپنا گھوڑا آگے بڑھا دیا۔پروفیسر زلفی بھی اس کے ساتھ تھا اور پھر وہ دائیں سمت ڈھلانوں میں اترتے چلے گئے۔یہاں ڈھلان طے کرنے کے بعد ایک وسیع و عریض میدان نظر آ رہا تھا جس کے آخری سروں میں درخت موجود تھے۔گویا وہ جنگلوں کا سلسلہ تھا اس طرح انہیں ندی کا راستہ ضرور چھوڑنا پڑتا تھا۔

لیکن اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا ندی کا رخ تو پھر بھی اختیار کیا جا سکتا تھا مسئلہ اس وقت اپنی زندگیوں کے تحفظ کا تھا۔

چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد سارے گھوڑے منظم طور پر اس وسیع و عریض میدان کو عبور کر رہے تھے اور ندی کے ساتھ ساتھ جانے والے راستے کی نسبت یہ میدان زیادہ ہموار تھا۔بلاشبہ اس میں بھی کہیں کہیں نوکیلی خطرناک چٹانیں ابھری ہوئی تھیں۔جو بعض جگہ گھاس سے ڈھکی ہونے کی وجہ سے نظر بھی نہ آئی تھیں

لیکن گھوڑے جانتے تھے کہ انہیں اپنی رفتار کیسے برقرار رکھنی چاہیے۔چنانچہ وہ اپنے مالکوں کو بچا بچا کر ان کے اشاروں پر دوڑ رہے تھے۔اس طرح شروک اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ جنگلوں کی سمت نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔اسے یہ احساس پورے طور پر تھا کہ وہ کوئی کارہائے نمایاں سرانجام نہیں دے سکا ہے۔

منصوبہ اس انداز میں تکمیل تک نہیں پہنچا تھا جس انداز میں سوچا گیا تھا۔اس کی انتہائی کوشش یہ ہی تھی کہ ہرمیت سنگھ اور اس کے گروہ کے کم از کم ان افراد کو ضرور ختم کر دیا جائے جو سندھانیوں کو کنٹرول کر رہے ہیں۔اگر وہ ہلاک ہو جاتے تو پھر سندھانیوں کا کوئی مسئلہ نہیں تھا۔وہ اپنے طور پر آگے جانے کے راستے کہیں سے تلاش کر سکتے تھے۔اس ناکامی پر وہ بری طرح جھلایا ہوا تھا۔

لیکن وہ دوش کسی کو نہیں دے سکتا تھا۔وہ خود بھی اس سلسلے میں کوئی کارہائے نمایاں انجام نہیں دے سکا تھا۔حالانکہ فاصلہ زیادہ نہیں تھا لیکن یہ اتفاق ہی تھا کہ وہ لوگ آگے نکل چکے تھے اور سندھانی عقب میں تھے اس طرح ان کی گولیاں بچ گئی تھیں۔شروک برق رفتاری سے گھوڑا دوڑاتا رہا اور پھر یہ لوگ وسیع و عریض میدان عبور کر کے جنگل میں داخل ہو گئے اور درختوں کے درمیان ہی بہت دور تک نکل گئے۔

یہ خوف بھی دامن گیر تھا کہ وہ لوگ سنبھل کر کہیں واپس نہ آ جائیں اور ان کی جانب رخ کر کے کہیں انتقامی کارروائی نہ کریں...... صحیح طور پر اندازہ بھی نہیں ہو سکا تھا کہ کتنے لوگ ہلاک ہوئے۔سندھانیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور اگر وہ انتقامی کارروائی کے لئے پلٹ پڑے تو پھر انہیں روکنا مشکل کام ہی تھا۔اس لئے درختوں کے درمیان بھی سفر جاری رکھا گیا وہ کم از کم اتنا فاصلہ طے کر لینا چاہتے تھے کہ سندھانی آسانی سے ان تک نہ پہنچ پائیں۔"

پروفیسر زلفی بھی خاموش تھا اور اس کے دانت بھینچے ہوئے تھے۔درختوں کے درمیان وہ ایک سیدھ میں چلتے رہے۔خاصا گھنا جنگل تھا اور اوپر کا منظر نظر نہیں آ رہا تھا۔شام آہستہ آہستہ جھکتی جا رہی تھی۔پھر جب درختوں کے درمیان بالکل ہی تاریکی پھیل گئی تو انہوں نے گھوڑوں کی رفتار سست کر دی۔شروک پریشان تھا کہ اب کیا کرے رات کی تاریکی میں درختوں کے درمیان سانپ وغیرہ بھی موجود ہوں...... ہو سکتا ہے وحشی درندے بھی یہاں نظر آ جائیں۔ان سے بچاؤ کا کوئی مناسب انتظام نہیں ہو سکتا تھا۔اس نے اس سلسلے میں پروفیسر زلفی سے مشورہ کیا تو پروفیسر زلفی آہستہ سے بولا۔

"میری رائے میں جب تک ہمارے لئے آگے بڑھنا ممکن ہو آگے بڑھتے رہیں۔ورنہ اپنی موت کا منظر خود بھی نہ دیکھ پائیں گے" شروک نے ایک لمحے کے لئے محسوس کیا تھا کہ پروفیسر زلفی کا لہجہ خوشگوار نہیں ہے لیکن اب وہ سمجھداری سے کام لینا چاہتا تھا۔

چنانچہ اس نے زلفی کی ہدایت پر ہی عمل کیا اور یہ ان کی خوش بختی ہی تھی کہ انہیں زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ درختوں کا یہ سلسلہ ختم ہو گیا اور اب وہ ایک وسیع و عریض پہاڑی سلسلے کے دامن میں تھے پہاڑیوں کی یہ اونچی دیواریں تاحد نگاہ پھیلی ہوئی تھیں اور تاریکی میں ان کے ہیولے نظر آ رہے تھے۔تاہم یہ جنگلوں کی نسبت قیام کے لئے بہت بہتر تھی اور وہ اس جگہ کو غنیمت سمجھ رہے تھے لیکن اس کے باوجود جس جگہ انہوں نے جنگلوں کا سلسلہ چھوڑا تھا وہاں سے تقریباً تین میل تک سیدھ میں بڑھتے چلے گئے۔

زلفی نے اس سلسلے میں بھی رہنمائی کی تھی اور بالآخر انہوں نے قیام کا فیصلہ کر لیا۔ لیکن یہ قیام بھی مورچہ بندی کی شکل میں تھا۔ پہاڑیوں میں چٹانیں تلاش کی گئی تھیں اور چٹانوں کی آڑ میں باقاعدہ مورچے لگا لئے گئے تھے۔ انہوں نے گھوڑوں کو مضبوطی سے باندھا اور پھر وہاں آرام کرنے لگے۔

تھوڑی دیر بعد شروک نے کھانے پینے کی اشیاء نکلوائیں اور سب اپنی اپنی شکم سیری کرنے لگے۔ شروک نے بہت سے لوگوں کو پہرے داروں کی حیثیت سے مقرر کیا اور خود بھی ان کے ساتھ آدھی رات تک جاگتا رہا وہ ہر آہٹ پر کان لگائے ہوئے تھے اور ہر لمحہ اسے اس خوف کا احساس ہو رہا تھا کہ سندھانی ان کا تعاقب کرتے ہوئے وہاں تک پہنچ گئے ہیں پروفیسر زلفی خاموش تھا اور نورینہ بھی گہری سوچوں میں ڈوب گئی تھی۔ کافی دیر تک خاموشی کے بعد نورینہ نے کہا۔

''میں سمجھتی ہوں ڈیڈی یہ سب کچھ بہتر نہیں ہوا۔ اس سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں ہوا۔''

''تو میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں'' پروفیسر زلفی نے کہا۔

''اوہ ڈیڈی میں شدت انتقام سے دیوانی ہو رہی ہوں۔ میں اس کتے کو قتل کر دینا چاہتی ہوں میں اسے ہلاک کر دینے کی خواہاں ہوں۔''

''میں اسے تمہاری دیوانگی کے علاوہ کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اصولی طور پر تم اس شخص کو قتل کر دینے کی مجاز نہیں ہو۔ ویسے یہ دوسری بات ہے کہ وہ لوگ ہمارے مفاد کے خلاف تھے لیکن تمہاری سوچ سے مجھے اتفاق نہیں ہے۔''

''تم بہت خود سر ہو چکی ہو۔ نورینہ...... تمہاری وجہ سے مجھے اس منصوبے میں شریک ہونا پڑا ہے اور دیکھ لو اس کا نتیجہ کیا ہوا ہے۔ میں آج بھی یہ بات دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ شروک احمق ہے اور وہ صحیح طور پر کسی منصوبے کو لیڈ نہیں کر سکتا اور اس کے ساتھیوں میں بھی یہ صلاحیت نہیں ہے آہ..... کتنی احمقانہ حرکت ہوئی ہے مجھ سے بھی۔ میں بھی جذباتی ہو گیا تھا۔ لیکن اب میرے ہاتھ بھی کٹ چکے ہیں۔ اگر شروک کی حماقتوں کا سلسلہ یوں ہی جاری رہا تو ہمارے لئے موت کے سوا کچھ نہیں ہے۔''

''کوئی بات نہیں ڈیڈی مر جانا بہتر ہے ہم ان لوگوں سے تعاون نہیں کر سکتے اور اب اگر آپ نے مسٹر شروک سے انحراف کیا تو خود شروک آپ کو نہیں چھوڑے گا۔ یہ بات آپ بھی ذہن نشین کر لیجئے۔''

''اوہ...... میں جانتا ہوں...... میں جانتا ہوں۔''

''پہلے بھی آپ نے جوزف کا ساتھ اختیار کر کے غلطی کی تھی۔ اب میں آپ کو دوسری غلطی نہیں کرنے دوں گی۔''

''فضول باتیں کئے جا رہی ہو۔ میں کب کہہ رہا ہوں کہ شروک سے علیحدگی ہمارے حق میں اب بہتر رہے گی۔ میں تو بس اس بات کا اظہار رہا ہوں کہ شروک وہ نہیں کر رہا جو اسے کرنا چاہیے تھا۔ کچھ ان لوگوں کی قسمت ساتھ دے رہی ہے اور کچھ ہم لوگوں کی نا اہلی شروک کے ساتھی بھی اس پائے کے لوگ نہیں ہیں۔ جو کسی بہتر منصوبہ بندی میں بہتر کارروائی کر سکیں۔''

نورینہ خاموش ہو گئی تھی اس کے بعد پروفیسر زلفی نے بھی کچھ نہ کہا تھا۔ کوئی کام ایسا نہیں ہوا تھا جو

امید افزاء ہوتا ہے۔ پروفیسر کو شروک نے ہی بلایا تھا اور کچھ اس طرح کا اظہار کیا تھا کہ جیسے خزانہ اس سے چند گز کے فاصلے پر ہی چھپا ہوا ہو۔ بس ایک گھنٹے کی مدد سے اس کو اس جگہ سے نکالنا ہے اور پروفیسر زلفی جوانی بیٹی کے ساتھ دوڑ پڑا تھا۔

یہاں آ کر معلوم ہوا کہ خزانے کے لئے ایک سفر بھی کرنا پڑے گا اور یہ پراسرار علاقوں کے سفر بھی ہنگامی کے حامل تھے۔ خاص طور سے نورینہ بہت خوش تھی۔ زلفی البتہ اس بات سے شروع ہی میں بے چین ہوا تھا کہ شروک نے دوسرے بہت سے لوگوں کو بھی خزانے کی دعوت دے رکھی ہے۔ پھر وہ لوگ جنگلوں میں داخل ہو گئے۔ مصائب کا آغاز ہوا اور شروک کے انداز میں وحشت بیدار ہونے لگی۔ اس کے تمام اقدامات بے سود یا ثابت ہو رہے تھے چنانچہ جوزف بددل ہو گیا اور شروک نے اسے قیدی بنا لیا۔

زلفی کو اب خراب صورتحال کا احساس ہوا تھا اور اس نے فیصلہ کیا کہ شروک کے بجائے جوزف کا ساتھ اختیار کیا جائے راستوں کے بارے میں پروفیسر ہی شروک کا راہنما تھا اور جوزف ان حالات سے پریشان ہو کر واپسی کے لئے بے چین تھا۔ اس طرح زلفی نے فیصلہ کیا کہ پہلے جوزف کے ساتھ فرار کی راہ اختیار کرے اور اسے غلط راستہ بتایا جائے، اس طرح اسے آگے جانے کا کوئی بہتر راستہ مل سکے۔

چنانچہ اس نے فرار کے سلسلے میں جوزف کی مدد کی اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ نکل گیا پھر ہر مبت وغیرہ مل گئے اور وہ ان کے منصوبے میں شریک ہو گیا اور اس کے بعد یہ تبدیلیاں ہوئی تھیں۔ لیکن سب کے سب بے کار اب کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے آخری عمل اس نے نورینہ کی ایماء پر کیا تھا اور اس کے بعد کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔

رات گزر گئی دوسری صبح شروک مطمئن نظر آ رہا تھا۔ زلفی کو دیکھ کر اس نے قہقہہ لگایا۔

''خطرہ ٹل گیا پروفیسر وہ ہمیں تلاش نہیں کر سکے۔ میں بہت زیادہ حوصلہ مند ہوں۔ خزانہ صرف ہمارا ہے کیا تم اس بات پر یقین رکھتے ہو۔''

''کیوں نہیں مسٹر شروک۔؟''

''اب یہ تمہاری ذمے داری ہے کہ یہاں سے راستے کا تعین کرو اور آگے چل پڑو۔''

''ہمیں یہ ہی سیدھا اختیار کرنا ہو گی ان کے خطرے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔''

''اور ہم متحد رہیں گے اور اگر ان سے ٹکراؤ ہو بھی گیا تو ہمیں ان سے ایک خوفناک مقابلہ کرنا پڑے گا۔''

زلفی نے کوئی جواب نہ دیا۔

شروک بہت اپ سیٹ نظر آ رہا تھا۔ شاید اس پر کوئی نیا جنون سوار ہوا تھا۔

تیاریوں کے بعد وہ لوگ گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور اس کے بعد گھوڑے سرپٹ بھاگنے لگے۔ شروک سب سے آگے تھا اور اپنے ساتھیوں سے تیز رفتاری سے گھوڑے دوڑانے کے لئے کہہ رہا تھا۔ راستہ بھی ان کا معاون ہوا اور کوئی رکاوٹ سامنے نہ آئی لیکن دوپہر کے بعد انہوں نے بلندیوں سے ڈھلانوں کی طرف کچھ لوگوں کو دیکھا۔ وہ گرتے پڑتے آگے بڑھ رہے تھے۔ شروک نے دونوں ہاتھ اٹھا کر انہیں رکنے کا

اشارہ کیا اور وہ سب رک گئے۔

" یہ لوگ کون ہیں۔" وہ حیرانی سے بولا۔ زلفی نے ان لوگوں کو دیکھ لیا تھا پھر اس نے سرسراتی آواز میں کہا۔

" جوزف اور اس کے چند ساتھی۔"

" ہاں...... وہی ہے میں نے پہچان لیا ہے آ...... آ...... آ...... آؤ یہ چور بھی مل گیا۔ واہ...... آؤ" اس نے گھوڑے کو ایڑ ھ لگائی۔

❤......❤......❤

کرنل مقبول یہ کہانی سن رہا تھا اس کا دماغ سائیں سائیں کر رہا تھا اسے حیرت تھی کہ اس نے جو کچھ سوچا کشوتہ کیسے جان گئی۔ لیکن حیرت اب ایک بے معنی لفظ کی حیثیت اختیار کر چکی تھی کون...... کون سی بات پر حیرت کرتا وہ تو سپاہی تھا لا اینڈ آرڈر...... "پر عمل کرتے زندگی گزری تھی۔ مشین گنوں سے دشمن پر آگ برسانا اور قومی مفادوں کے لئے مہمات سرانجام دینا اس کا پیشہ تھا۔ ایسی کسی مہم کے بارے میں اس نے کوئی کہانی بھی نہیں سنی تھی۔ جب کہ وقت نے خود اسے ایک قابل فہم کہانی کا کردار بنا دیا تھا۔ جادو کے بارے میں اس نے زیادہ سے زیادہ اتنا سنا تھا کہ کچھ لوگ ناقابل یقین قوتیں تسخیر کر لیتے ہیں اور ان سے اپنے دشمنوں کو نقصان پہنچا دیتے ہیں۔ لیکن یہ پوری جادو نگری اس کے لئے بڑی حیران کن تھی۔

سب سے زیادہ ہیجان خیز خیال یہ تھا کہ وہ الاکشا کا راز پا گیا تھا وہ جان چکا تھا کہ ہرمیت سنگھ کو ملنے والی لاش کیا تھی اور الاکشا درحقیقت ایک ساحر کی بیٹی تھی۔ یہ بات بھی ابھی کوئی نہیں جانتا تھا کہ وہ کس طرح گم ہو گئے تھے کہ اب۔"

" نہیں کرنل یہاں تمہاری سوچ غلط ہے۔ اگر میں تم سے کہوں کہ یہ سب کچھ ایک لازمی عمل تھا اور یونہی ہونا تھا۔ کیوں کہ نیناوگتی معمولی ساحر نہ تھا یہ بھی سچ تھا کہ آج بھی کاشی اس کے جادو کے سامنے بیچ ہے۔ لیکن یہ سب کچھ ایک عمل ہے اور یوں ہونا ضروری تھا۔ سو میں تمہیں پہلے بھی بتا چکی ہوں کہ یہاں رہنے والوں کی ایک الگ حیثیت ہے اور ان کی حفاظت کی جا رہی۔ کیونکہ نیناوگتی نے ان پر نگاہ رکھی ہے وہ جن مصائب سے گزر رہے ہیں وہ نیناوگتی کی مخالف قوتوں کے پیدا کئے ہوئے ہیں۔"

لیکن ان کا مقابلہ کیا جا رہا ہے اور سب کچھ ہو سکتا ہے لیکن ان کی زندگیاں محفوظ رہیں گی اور میں جانتی ہوں کہ یہ رکھوالے کون ہیں۔ تم یوں سمجھ لو ان جنگلات کے درخت بیل بوٹے پتھر ان کے محافظ ہیں اور ان کی جانب پھینکے جانے والے حربوں کا رخ تبدیل کر دیا جاتا ہے اور یہ کام جاری ہے۔"

کرنل ایک بار پھر کشوتہ کو دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ اس کے ذہن میں پیدا ہونے والے ہر خیال سے وہ آشنا تھی۔ وہ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر اس نے کہا۔

" گویا یہ درست ہے کہ تم وہ ہو جو ہرمیت سنگھ کے نوادر خانے میں تھیں۔"

" یہ سوال تو اب بے کار ہی ہے۔"

" لیکن تم نے کہا کہ میرا اب اس پوری کہانی سے آشنا ہونا لازمی ہے اور جب تم نے اس عمل کا

آغاز کر ہی دیا ہے تو مجھے کچھ باتوں سے ناآشنا رکھنا ضروری کیوں سمجھتی ہو۔؟"

" میں نے کب یہ چاہا لیکن تم یہ جان چکے ہو کہ ایک مخالفانہ عمل جاری ہے اور آنے والے وقت کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا کہ کاشی ہمارے عمل کا توڑ نہ کرے گا۔"

" تم نے ایک طویل عرصہ ہماری دنیا میں گزارا ہے۔" کرنل نے کہا۔

" ہاں اور جو کچھ تمہاری دنیا کے بارے میں جانا اس پر حیران ہوں۔"

" کیوں؟"

" یہ جاننا ثابت کرتا ہے کہ جہاں نیناوگتی نے تمہاری دنیا کے روشن رخ دیکھے وہاں کاشی ماربا کی معلومات بھی غلط نہیں تھیں فرق صرف اتنا ہے کہ نیناوگتی یہ روشنی رشت مگاتا کو دینا چاہتا تھا جب کہ کاشی صرف اقتدار کا خواہش مند تھا۔"

" میں دوسرا سوال کرنا چاہتا ہوں۔"

" کیا۔؟"

" تم نے اتنا طویل انتظار کیوں کیا۔؟"

" یہ ضروری تھا اس لئے کہ ششوانہ جوان ہو جائے۔ اسے اس سلسلے میں اپنا کام سرانجام دینا ہے کاشی اسی سے تو خوفزدہ ہے۔ ورنہ باقی سب سے تو وہ مقابلہ کر سکتا ہے ششوانہ روشنی لائی ہے رشت مگاتا کے لئے۔ جس کا خواہش مند نیناوگتی تھا اور یہ سب ایک زنجیر کی مانند ہے۔ جس کی کڑیاں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی ہیں اور اب تک نیناوگتی کو ناکامی نہیں ہوئی۔ سنو کرنل رشت مگاتا کے ساحر بارود کے جادو سے واقف نہیں ہیں۔ وہ جادو نگری کے باہر کا سحر نہیں جانتے۔ جب کہ ششوانہ وقت آنے پر نیناوگتی کا سحر اور تمہاری دنیا کا جادو استعمال کر کے کاشی کو شکست دینے کی اہل ہو گی اور کاسے ماربا پر جان چکا ہے وہ ششوانہ سے ڈرتا ہے۔ اس طرح ششوانہ کا جوان ہونا ضروری تھا۔"

" کیا وہ اپنے بارے میں جانتی ہے۔" کرنل نے پوچھا۔

" کون؟" کشوتہ نے پوچھا۔

" ششوانہ؟"

" ششوانہ؟" اس نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

" نہیں۔ وہ کچھ نہیں جانتی اور اس کا بے خبر رہنا ضروری تھا۔ اگر وہ وقت سے پہلے جان لیتی تو سارا کھیل بگڑ جاتا۔ لیکن اس کی رگوں میں نیناوگتی کا خون دوڑ رہا ہے اور اس خون نے اسے بہت کچھ سمجھا دیا ہوگا۔ اسے یہ ضرور معلوم ہے کہ اس کی دنیا کوئی اور ہے۔"

" ہاں...... وہ اپنی ذات میں منتشر ہے۔" کرنل نے کہا اور چونک کر بولا۔ لیکن تم جانتی ہو کہ وہ دشمنوں کے قبضے میں ہے اور اسے خطرہ درپیش ہے۔"

" بے شک لیکن وہ محفوظ رہے گی۔ کیوں کہ اس کی ذات میں بہت کچھ پوشیدہ ہے۔ بس وہ اس

کے استعمال سے ناواقف ہے اور جب میں نے تم سے کہا کہ ان جنگلات کے پتھر بھی تمہارے محافظ ہیں۔ تو ششوانہ تو ان پتھروں کی مالک ہے۔"

"گویا تم مطمئن ہو؟"

"میں۔" کشوتہ نے گہری سانس لی پھر آہستہ سے بولی۔

"نہیں میں مطمئن نہیں ہوں۔" اس کے بعد اس نے کرنل کی کسی بات کا جواب نہیں دیا تھا اور آنکھیں بند کر لی تھیں۔

کرنل خاموشی سے اسے دیکھتا رہا تھا۔ پھر اس نے گردن جھٹکی اور خود کشوتہ سے بے تعلق ہو گیا۔ ہاں اس نے اس کے بعد کشوتہ کو ایک ہی کیفیت میں بیٹھے دیکھا اور نہ جانے کب وہ گہری نیند سو گیا۔ دوسری صبح جاگا تو بارش ہو رہی تھی۔ وہ خود اسی دہانے کے پاس تھا۔ لیکن کشوتہ باہر نظر آ رہی تھی اور وہ خوش تھی۔ اس نے کرنل کو آواز دی۔

"باہر آ جاؤ...... کرنل...... ہمیں کامیابی کا نشان عطا ہوا ہے۔ آؤ...... باہر آ جاؤ...... آسمان سے سحر برس رہا ہے۔ یہ تمہارے لیے جلدی کرو...... میں کتنی دیر سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔ باہر آ جاؤ جلدی کرو......"

کرنل باہر نکل آیا۔ تو کشوتہ نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ بادل زور سے گرجا تو کشوتہ نے ایک ہذیانی قہقہہ لگایا۔

"ہاں ہمارے سفر کا آغاز ہو چکا ہے۔ ہم سفر شروع کر چکے ہیں۔ آؤ کرنل تیز قدموں سے چلو۔" کرنل بادل نخواستہ کشوتہ کے ساتھ آگے چل پڑا تھا۔

"آسمان کے سحر نے ہمیں آغوش میں لے لیا ہمارا بقیہ سفر آسان ہو گیا ہے۔ چلتے رہو کرنل رفتار تیز کرو......؟

ہمیں اس سحر کی آغوش میں یہ سفر مکمل کر لینا چاہیے۔ لیکن اس سحر کی آغوش میں سفر کرتے ہوئے کرنل کی حالت بری ہو چکی تھی۔ اس کا لباس بری طرح بھیگ گیا تھا اور پورا بدن کیچڑ سے لت پت ہو گیا تھا کیونکہ یہاں مٹی کچھ عجیب تھی۔

نجانے کب تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ گہرے بادلوں کی وجہ سے کچھ اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ پھر کشوتہ رک گئی بارش بھی اسی زور شور سے ہو رہی تھی اور ایسی دھواں دھار تھی کہ کچھ نظر نہیں آتا تھا اگر کشوتہ نے اس کا ہاتھ نہ پکڑ رکھا ہوتا تو وہ ضرور ٹھوکریں کھاتا۔

پھر وہ کسی چٹان کے اندر بنا ہوا غار ہی تھا جس کے دہانے سے کشوتہ اندر داخل ہوئی۔ تب کرنل کو بارش سے نجات ملی اور اس نے پیشانی سے ٹپکتی ہوئی پانی کی دھار کو آنکھوں پر سے صاف کیا۔ دہانے کے باہر بارش کی چھم چھم صاف سنائی دے رہی تھی۔

"اگر بارش نہ ہوتی تو ہمارا یہ سفر آسان نہ ہوتا" کشوتہ نے کہا۔

"وہ کیسے؟" کرنل نے حیران ہو کر پوچھا۔

"اوہ...... اتنی سی بات نہیں سمجھے۔ رشت مگانا پر ساحروں کا پہرہ ہے۔ ہمیں ان کا مقابلہ کرنا پڑتا۔" کشوتہ نے کہا۔

"میرا خیال ہے اس میں صرف تمہیں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔" کرنل نے کہا۔

"کیا مطلب؟"

"میں بھوک کے سحر کا شکار ہوں اور تھوڑی دیر بعد شاید سردی کے سحر کا شکار بھی ہو جاؤں۔ کیونکہ بھیگے ہوئے لباس کو برداشت کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے۔"

کرنل نے کہا اور کشوتہ ہنس پڑی۔

"تمہاری حسیات بھی بارش کا شکار ہو گئی ہیں۔ ورنہ تمہیں اپنی ضرورت کی چیزوں کا ضرور احساس ہو جاتا"

"میری ضرورت کی چیزیں۔"

"جی ہاں" اور پھر کرنل کو اس بو کا احساس ہوا جو غار کے ہر گوشے سے اٹھ رہی تھی اور یہ بھنے ہوئے گوشت کی اٹھتی ہوئی خوشبو تھی۔ یہ گوشت کسی جنگلی جانور کا تھا اور نہایت لذیذ تھا۔

کرنل سفر کی تکلیف بھول گیا اور گوشت پر ٹوٹ پڑا۔ شکم سیر ہوا تو دوسری چیز نظر آئی۔ نیا لباس تھا نزدیک ہی رانفل پڑی ہوئی تھی کرنل نے وہ لباس بھی پہن لیا اور بھیگے ہوئے لباس سے جان چھڑائی۔ پھر اس نے کشوتہ سے کہا کشوتہ خود تمہارا سحر بے مثال ہے تمہیں اس میں کہاں تک دسترس حاصل ہے۔"

"رشت مگانا ساحروں کی سرزمین ہے یہاں پیدائش کے وقت ہی سے بون گردن میں ڈال دیئے جاتے ہیں اور یہ سے بون مستقبل کے رہنما ہوتے ہیں۔ پھر ماں باپ وہ علم بچپن سے سکھاتے ہیں جو اولاد کو ساحروں کی زمین پر جینا سکھائے۔ اس کے بغیر جینا ممکن نہیں ہوتا لیکن ساحر اپنے علم کی برتری کا اظہار کرتے رہتے ہیں اور اپنے دشمنوں کی جان کے لاگو ہوتے ہیں۔ نینا وگتی اس کے خلاف تھا لیکن میرا علم میرا سحر عام ساحروں سے مختلف ہے۔"

"کیا مطلب ہے؟"

"مجھے حکم ہے کہ اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے بس ضرورت کے مطابق سحر کو اس امانت میں سے خرچ کروں جو کسی کے حوالے کرنا ہے۔"

"امانت"

"ہاں نینا وگتی کی امانت جو اس نے اپنی بیٹی تک پہنچانے کے لئے مجھے دی ہے۔ جیسے شانو ناتو" کشوتہ نے گلے میں پڑے ہوئے سنہری سانپ پر ہاتھ پھیرا" یہ شانو ناتو ہے نینا کا غلام میرے کام آنے والا ہے۔ نینا نے دوری کی نگاہ سے دیکھا تھا اور وہ جانتا تھا کہ واپسی میں ساحر مجھ سے لاعلم نہیں رہیں گے اس وقت شانو ناتو کی بھی کچھ ذمہ داریاں ہوں گی۔"

"ہاں...... یہ سانپ ابتداء سے تمہاری گردن میں تھا...... شاید لکڑی کے وہ ٹکڑے جوالا کشا، میرا مطلب ہے ششوانہ کے پاس تھے۔

"میں نے تم سے کہا ناں کہ نیناوگی نے بہت دور کی نگاہ سے دیکھا تھا وہ جانتا تھا کہ ہم ضرور واپس آئیں گے اس کے لئے اس نے وہ نقشہ بنایا تھا جو تمہاری رہنمائی کرے لیکن ساحر بہت جلد ہم سے آگاہ ہو گئے۔ شاید اس وقت جب ہم جنگلات میں داخل ہوئے۔ مجھے کچھ دیر سونا تھا لیکن ساحروں نے مجھے لے جانا چاہا اور میں جاگ گئی پھر میں نے خود کو سنبھال لیا کہ یہ ضروری تھا۔"

"اب میں ششوانہ کے لئے پریشان ہوں وہ ساحروں کے قبضے میں ہے اور وہ اسے آسانی سے اپنے چنگل سے نکلنے نہیں دیں گے۔ نیناوگی کے جاگنے کا وقت آ گیا ہے ہمارا یہ سفر زندوں کے قبرستان پر ختم ہوگا اور میں نیناوگی...... کو جگاؤں گی۔ نیناوگی جاگے گا تو سب ٹھیک ہو جائے گا ہماری ذمہ داری بھی اتنی ہی ہے کہ ہم صحیح وقت پر اسے جگا دیں۔ وہ ساحروں سے ششوانہ کو حاصل کرے گا اور ششوانہ کی حفاظت اسے سونپ دی جائے گی۔"

باہر بارش رک گئی تھی لیکن اندھیرا برقرار تھا۔ کشوتہ پھر خاموش ہو گئی تھی اور اس کا انداز اونگھنے کا سا ہو گیا تھا۔ کرنل پر بھی کاہلی طاری ہو گئی تھی پھر وہ اس وقت چونکا جب غار میں ایک پراسرار روشنی کی کرنیں داخل ہوئیں۔ کشوتہ نے بھی اس وقت آنکھیں کھول دی تھیں۔

"یہ روشنی" کرنل سرسرائی آواز میں بولا۔

"چاند نکل آیا ہے چلو وقت ہو گیا ہے اب چاندنی کا وقت نمودار ہو گیا وہ راہنما ہے اور یہی ہماری منزل ہے۔"

کشوتہ باہر نکل آئی کرنل نے بھی اس کا ساتھ دیا۔ بارش کا پانی جگہ جگہ موجود تھا لیکن اب آسمان صاف ہو چکا تھا کشوتہ نے ایک سمت اختیار کی اور چل پڑی۔

اونچے نیچے ٹیلے چاروں طرف بکھرے ہوئے تھے اور بے حد پراسرار لگ رہے تھے۔ مدھم چاندنی فضائے بسیط پر محیط تھی اور کشوتہ محتاط ہو کر چل رہی تھی۔ رفتہ رفتہ اس کی رفتار تیز ہوتی جا رہی تھی۔ پھر وہ ایک ٹیلے پر چڑھ گئی اور مور کی طرح گردن اٹھا اٹھا کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ دفعتہً اس کی چیخ ابھری۔

"کائی شونا دبوتا دبوتا بائی شوراآتورا" وہ بری طرح چیخنے لگی اس کی آواز خوشی سے لرز رہی تھی۔ کرنل خود بھی ایک اونچے ٹیلے پر چڑھ گیا تھا۔ پھر اس نے ایک ناقابل یقین منظر دیکھا۔ زمین سے ایک درخت کا تنا ابھر رہا تھا بے حد چوڑا تنا تھا لیکن کسی سنہرے مینار کی مانند۔ پھر اس میں سے شاخیں پھوٹنے لگیں۔

سنہری چمکدار شاخیں جو چاروں طرف پھیلتی جا رہی تھیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ایک سنہرے چمکدار درخت کی شکل اختیار کر گیا اور کشوتہ نے ٹیلے سے نیچے چھلانگ لگا دی" آؤ کرنل......" اس نے کہا اور درخت کی طرف دوڑنے لگی۔

♥......♥......♥

وحشی شروک فاصلہ طے کر کے ان لوگوں تک پہنچ گیا جو انتہائی برے حال میں نظر آ رہے تھے ان کی تعداد پانچ تھی جوزف کے ساتھ جیوٹن اور اس کے دوسرے ساتھی تھے جن کے چہرے فاقہ کشی کی تصویر بنے

ہوئے تھے ہونٹ خشک تھے لباس تار تار تھے اور ان پر خون کے دھبے خشک ہو چکے تھے آنکھیں ویران اور حلقوں میں دھنسی ہوئی تھیں اور ان میں زندگی ٹمٹماتی نظر آ رہی تھی۔ انہوں نے گھوڑوں کے سموں کی آوازیں سن لی تھیں اور سہمے ہوئے انداز میں رک گئے تھے لیکن رک کر کوئی بھی اپنے قدموں پر کھڑا نہ رہ سکا تھا اور سب زمین پر بیٹھ گئے تھے۔

شروک نے اپنا گھوڑا ان کے سامنے روک دیا اور اس کے حلق سے قہقہہ نکلا۔

"اوہ...... جوزف میرے دوست ...! میرے دیرینہ دوست تم...... تم نے دیکھا یہ جنگل بھی دنیا کی طرح گول ہے ہم طویل عرصہ جدا رہنے کے بعد پھر مل گئے۔"

"شروک ہمیں کھانے کے لئے کچھ دو...... ہم بھوکے ہیں" جوزف کے منہ سے نحیف سی آواز نکلی۔

اور شروک گھوڑے سے اتر آیا اس نے چاروں طرف گردن گھماتے ہوئے کہا۔

"ضرور میری جان...... ضرور لیکن تمہارے ساتھی کہاں ہیں انہیں بھی بلا لو۔ کہاں ہیں وہ؟"

"وہ سب سندھانیوں کے ہاتھوں مارے گئے" جوزف نے بدستور کمزور آواز میں کہا۔

"آہ...... افسوس...... میں نے تمہیں اس لئے تو ان جنگلوں کی سیر کی دعوت نہ دی تھی کہ تم اس طرح غیروں کے ہاتھوں مارے جاؤ۔ آخر تم میرے، ہم وطن اور ہم نسل ہو۔ میں ان کے لئے غمزدہ ہوں۔ ان سب کے لئے میں بہت دکھی ہوں۔"

"ہم آٹھ نو دن کے بھوکے ہیں شروک ہماری مدد کرو۔"

"میں ضرور تمہاری مدد کروں گا۔ جوزف! حالاں کہ تم نے مجھ سے پوری پوری غداری کی ہے اپنی اس حالت کے ذمہ دار تم خود ہو۔ میں نے تم سے کہا تھا ناں کہ ان جنگلوں میں نکلنا آسان نہ ہوگا میرا ساتھ دیتے رہو۔ ہم خزانہ لے کر ہی واپس لوٹیں گے بولو کہا تھا ناں میں نے تم سے؟"

"ہاں شروک مجھ سے غلطی ہو گئی۔"

"اور تم تنہا تو نہ گئے تھے بلکہ پروفیسر زلفی کو بھی ساتھ لے گئے۔ حالانکہ پروفیسر میرے لئے کس قدر اہم تھا دیکھ لو...... دیکھ لو...... وہ عقلمند تھا میرے پاس آ گیا اور اب وہ ایک عظیم خزانے کا مالک ہے اور تم؟"

"شروک...... ہمیں خزانہ نہیں چاہیے ہم مر رہے ہیں۔ ہم بھوک سے مرنے والے ہیں ہماری مدد کرو......"

جوزف نے عاجزی سے کہا۔ پروفیسر زلفی نے آہستہ سے نورینہ سے کہا۔

"شروک ان سے چوہے بلی کا کھیل کھیل رہا ہے۔"

"کیا مطلب ڈیڈی؟"

"وہ انہیں کھانے کو نہیں دے گا۔"

"اسے یہی کرنا چاہیے ڈیڈی۔"

"کیا بکواس کرتی ہو" پروفیسر جھلا کر بولا۔

"وہ عقلمند ہے ڈیڈی جوزف نے اس کا ساتھ کیوں چھوڑا تھا۔"

"تمہاری روح میں شیطان حلول کر گیا ہے۔ تم اتنی وحشی فطرت کی مالک کیسے ہو گئیں" پروفیسر نے کہا۔

"تمہیں اب بھی خزانہ نہیں چاہیے جوزف" شروک نے پوچھا۔

"ہاں شروک دنیا کا سب سے بڑا خزانہ پیٹ بھر کر روٹی اور پرسکون آرام گاہ ہے۔ دولت کے انبار بے حقیقت ہوتے ہیں شروک۔ سونے کے ڈھیر چمکتے ہوئے ہیرے نہ پیٹ بھر سکتے ہیں نہ تمہاری زندگی کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ انسان کی انسان سے محبت سب سے بڑا خزانہ ہے۔ تاہم اگر تم خزانہ حاصل کر چکے ہو تو تمہیں مبارک۔ ہم تمہارے اس خزانے کی باربرداری کریں گے اور تم سے کچھ نہ مانگیں گے۔ ہم تمہاری غلامی کریں گے شروک تم دیر کر رہے ہو ہمیں کچھ کھانے کے لئے دو۔"

"اوہ...... واقعی تم بھوک سے بے حال ہو پروفیسر ان بے چاروں کو کھانے کے لئے کچھ چاہیے یہ ہمارے محتاج ہیں۔ ٹھیک ہے انسانی فرض کو پورا کرنا پڑے گا تو پیٹ بھرو جوزف میرے دوست تمہارے کھانے کے لئے میرے پاس صرف یہ ہے" شروک نے رائفل سیدھی کی اور فائر کر کے گولی جوزف کے حلق میں اتار دی۔ فائر کی گونج چاروں طرف پھیل گئی جوزف کے حلق سے البتہ کوئی آواز نہ نکلی۔

اس کے بدن نے جنبش بھی نہ کی اور وہ خاموشی سے ایک طرف لڑھک گیا۔ اس کے بقیہ ساتھیوں کے حلق سے البتہ سہمی سہمی آوازیں نکلنے لگیں اور وہ اپنے ناتواں جسموں کو سنبھال کر اٹھنے اور دوڑنے کی کوشش کرنے لگے۔

"یہ بھی بھوکے ہیں دوستو...... بے چارے کہاں کہاں مارے مارے پھریں گے بھوک کے عالم میں، انہیں بھی کچھ کھلاؤ" کھلاؤ دوستوں کے لئے ایک ایک کارتوس تو خرچ کرنا ہی پڑے گا۔"

دوسری گولی نورینہ کی رائفل سے نکلی تھی اور اس نے جیولن کو نشانہ بنایا تھا۔ پھر اور کئی گولیاں چلیں اور تمام مفلوک الحال لوگ گر پڑے۔ ان کے جسموں نے ہلکی ہلکی جنبش کی اور اس کے بعد وہ ساکت ہو گئے۔

شروک کے چہرے پر شرارت آمیز سنجیدگی طاری تھی اس نے گہری سانس لے کر گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"آہ...... بے چارہ جوزف...... آہ...... بے چارے لوگ اس کے علاوہ میں ان کے لئے اور کیا کر سکتا تھا" اور پھر اس نے بڑی اپنائیت سے نورینہ کو دیکھا۔

"تم نے بھی انسانیت کا پورا پورا ساتھ دیا پروفیسر تمہاری یہ بیٹی اچانک مجھے بہت پسند آ گئی ہے۔ بہت سمجھدار بچی ہے یہ دنیا میں رہنا جانتی ہے۔"

پروفیسر زلفی پر سکتہ طاری تھا شروک پر تو جنون طاری تھا ہی۔ لیکن نورینہ سے اس حرکت کی توقع خواب میں بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔ وہ اتنی سفاک تو کبھی نہ تھی اسے اپنی ہی بیٹی اجنبی اجنبی لگ رہی تھی۔ وہ کچھ نہ بول سکا اور شروک نے پھر کہا۔

"میں پورے احترام سے ان کی تدفین کرتا لیکن اول تو قبریں کھودنے میں پورا دن لگ جاتا اور دوئم ہمارے پاس اس کے لئے وسائل نہیں ہیں اور تیسری بات یہ ہے کہ ایسا کرنا گناہ ہوگا، ان کے یہ جسم مردہ خوروں کے کام آ سکتے ہیں ہم ان سے ان کی خوراک کیوں چھینیں کیوں دوستو ہمیں یہ گناہ نہیں کرنا چاہیے بس آؤ آگے بڑھیں۔"

شروک اپنے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور پھر اس نے گھوڑے کا رخ بدل دیا باقی لوگ بھی اس کے ساتھ چل پڑے تھے۔ شروک میں اعتماد پیدا ہوتا جا رہا تھا۔ حالات بھی اس کے حق میں چل رہے تھے انہیں شکار بھی ملتا رہا اور کوئی ایسی مشکل بھی پیش نہ آئی جو پریشان کن ہوتی۔ نورینہ پر اب اس کی پوری توجہ تھی اور وہ اسے اپنے ساتھ رکھتا تھا۔

جوزف کے واقعے کو بھول بھی گئے تھے لیکن پروفیسر ان مرنے والوں کی بے بسی نہیں بھول سکا تھا۔ اسے دونوں راتوں میں نیند نہیں آئی تھی تیسری رات بھی جاگ رہا تھا۔ نورینہ اس سے زیادہ دور نہ تھی اس نے پروفیسر کو جاگتے محسوس کر لیا تھا تب وہ آہستہ سے بولی۔

"ڈیڈی آپ مجھ سے ناراض ہیں" پروفیسر چونک کر اسے دیکھنے لگا پھر عجیب سے لہجے میں بولا۔

"تم جاگ رہی ہو؟"

"ہاں۔"

"کیوں ضمیر میں کوئی چبھن ہے۔"

"ضمیر...... چبھن ہونہہ" نورینہ مسرور لہجے میں بولی۔

"میں نے سوچا شاید" پروفیسر زہریلے لہجے میں بولا۔

"سوری ڈیڈی لیکن کوئی بات نہیں ہے بس سوتے سوتے میری آنکھ کھل گئی تھی۔ مجھے احساس ہوا کہ آپ جاگ رہے ہیں آپ نے ان تین دنوں میں مجھ سے کوئی بات نہیں کی۔"

"ہاں نورینہ تم مجھے کچھ اجنبی اجنبی سی لگنے لگی ہو" ۔

"کیوں ڈیڈی؟"

"اس سے قبل میں تمہیں صرف ایک لڑکی سمجھتا تھا اپنی بیٹی نہیں سمجھا تھا۔ یہ بھول کر بھی نہ سوچا تھا میں نے کہ تم ایک انسانی جان بھی لے سکتی ہو تمہارے اندر یہ جرات کیسے پیدا ہو گئی نورینہ"

"آپ مجھے کسی عبادت گاہ کی سیر کرانے لائے ہیں ڈیڈی؟" جہاں چاروں طرف نیک لوگ عبادت کر رہے ہیں۔ ان جنگلوں میں وحشت کے سوا کیا ہے آپ مجھے کیوں ساتھ لائے تھے؟"

"تم جانتی ہو کہ میں نے ایسا کیوں کہا تھا۔"

"میں یہ بھی جانتی ہوں کہ یہاں آ کر مجھے کیا کرنا چاہیے اور پھر ڈیڈی اگر میں اسے گولی نہ مارتی تو کیا وہ بچ جاتا کیا دوسرے بچ گئے اور وہ شخص جس کا نام جیولن تھا۔"

"ہاں میں جانتا ہوں۔"

"میں اسے قتل کرنا چاہتی تھی یہ میری خواہش بھی تھی۔"

"کیوں؟"

"نہ جانے کیوں بس جی چاہتا تھا۔"

'' تم بھی شاید پاگل ہوگئی ہو تم پر بھی جنون طاری ہوگیا ہے تم نے ان لوگوں پر بھی گولیاں برسائی تھیں۔''

'' آپ کا خیال غلط ہے ڈیڈی میں پاگل نہیں ہوش میں ہوں۔ جب کہ آپ ہوش و حواس کھوتے جارہے ہیں۔ شروک نے اس لاش کو چرانے کے لئے ایک قتل بھی کیا تھا۔''

'' ہاں تو پھر......؟''

'' یہ بات آپ کے علم میں تھی......؟''

'' اس نے بتایا تھا لاش کی پوری کہانی سنائی تھی مجھے''

'' جو شخص ایک قتل کرسکتا ہے ڈیڈی وہ قتل عام کرسکتا ہے وہ کسی کو بھی قتل کرسکتا ہے۔ اس نے آپ ہی کی طرح جوزف کو بھی بلایا تھا وہ بھی اس کا دوست تھا اور اس نے جوزف کو قتل کردیا۔ آپ اگر جوزف کے ساتھ ہوتے تو آپ کا بھی وہی حشر ہوتا آئندہ بھی ایسا ہوسکتا ہے ایسا کوئی مرحلہ آسکتا ہے لیکن اب......''

'' اب......؟ پروفیسر نے پوچھا۔

'' اب دیکھیں ڈیڈی کیا ہوتا ہے'' نورینہ مسکراتے ہوئے بولی اور پروفیسر عجیب سی نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

پھر وہ ایک ٹھنڈی سانس بھر کر خاموش ہوگیا۔

'' لیکن پھر وہ نورینہ سے متفق ہونے لگا۔ نورینہ کا گھوڑا بھی شروک کے ساتھ ساتھ دوڑتا تھا اور شروک اس سے مرعوب ہونے لگا تھا۔

اس کے خیال میں زلفی کی بیٹی بے حد ذہین اور نڈر تھی اور اس مہم کے لئے از حد ضروری بھی اور شروک سے سندھانیوں اور ان کے ساتھ موجود ہرمیت وغیرہ کے بارے میں بھی منصوبہ بندیاں کرتی رہی تھی۔ اس رات کے قیام میں نقشے وغیرہ پر بھی غور کیا گیا اور نورینہ نے اعتراض کرتے ہوئے اپنا نقطہ نگاہ پیش کیا جس کے تحت دوسرے دن کا سفر کیا گیا اور اس وقت شروک حیران رہ گیا جب انہیں دور سے چمکتی بل کھاتی لکیر نظر آئی۔

شروک کے گھوڑے نے زقند لگائی تھی اور نورینہ کا گھوڑا بھی اس سے پیچھے نہ رہا تھا۔ باقی لوگ دیر سے ان دونوں کے پاس پہنچے تھے اور انہوں نے بھی حیرت و مسرت سے اس نیلی ندی کو دیکھا تھا۔

'' ویسے پروفیسر زلفی اپنی بیٹی کے سامنے کان پکڑلو...... یہ تم سے زیادہ ذہین اور کارآمد ہے'' شروک نے خوشی کی قلقاری مارتے ہوئے کہا تھا۔ پروفیسر نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اعتراف کرلیا باقی وقت کا سفر ندی کے ساتھ ساتھ کیا گیا تھا اور شام کے جھٹپٹے رات کی سیاہی میں تبدیل ہوگئے تب قیام کیا گیا تھا۔

شروک نے نورینہ سے کہا۔

'' تم میرے نائب کی حیثیت رکھتی ہو نورینہ جو بات تمہارے ذہن میں آئے اس کا اظہار کردینا۔''

'' بہت سی باتیں میرے ذہن میں ہیں شروک۔''

'' ضرور ہمیں بتاؤ تمہاری سوچ کیا ہے۔؟''

'' اس وقت تک شروک جب تک یہ سارے کام تم نے سنبھالے ہوئے تھے میں نے کچھ سوچنا ضروری نہیں سمجھا تھا لیکن اب میں ضروری سمجھتی ہوں کہ آپ سے کچھ سوالات کروں''

'' ضرور کرو۔''

'' مختصر'' میں نے یہ کہانی سنی ہے اس کہانی میں ایک عورت کی لاش ہے ایک زندہ لڑکی ہے۔ جو اس عورت کے ساتھ تھی بعد میں اس کی پرورش کی گئی اور وہ جوان ہوگئی۔''

'' ہاں یہی کہانی ہے۔''

'' نقشہ اس لاش کے پاس سے برآمد ہوا تھا۔''

'' یہ کیسے تصور کرلیا گیا کہ وہ کسی خزانے کا نقشہ ہے''

'' تمہارے خیال میں وہ اور کیا ہوسکتا ہے۔ پروفیسر زلفی کے پاس اس کی نقل موجود ہے اور پروفیسر نے خود اس بات کی تصدیق کی ہے کہ وہ واقعی ہی کسی خزانے کا نقشہ ہے اس قسم کے نقشے خزانوں ہی کے لئے ترتیب دیئے جاتے ہیں۔

اس کے علاوہ وہ لڑکی جو شہباز خان کے پاس موجود تھی۔ اس سفر میں ان کے ساتھ رہی اور یہ سنا گیا ہے کہ وہ خزانے کی اس جگہ کے بارے میں جانتی ہے۔ دراصل نورینہ یہ جنگلات ایسی پراسرار کہانیوں کے لئے مشہور ہے اور یہاں کی سرزمین اس دور میں بھی خزانے اگلتی ہے۔

جس دور میں یہاں انگریزوں کی حکومت تھی ایسے لاتعداد قصے میرے کانوں سے گزر چکے ہیں۔ میں اب بھی دعوے سے کہتا ہوں کہ ان پراسرار جنگلات کے کسی حصے میں ایک عظیم الشان خزانہ پوشیدہ ہے۔ تاہم تم اپنے باپ سے وہ نقشہ لے کر دیکھ سکتی ہو۔''

'' میں نے وہ نقشہ دیکھا ہے مسٹر شروک اور میں اس بات سے بالکل متفق ہوں کہ وہ کسی خزانے کا نقشہ ہے۔'' نورینہ نے پراسرار انداز میں کہا اور شروک اس کی صورت دیکھنے لگا پھر بولا۔

'' تو پھر تم نے یہ سوال کیوں کیا؟''

'' آپ لوگوں کا نظریہ معلوم کرنے کے لئے ہم نے ان لوگوں کے ساتھ اس لڑکی کو نہیں دیکھا مسٹر شروک''

'' وہ لوگ بھی بھٹک گئے ہیں جب ہرمیت سنگھ اور شہباز مجھ سے ملے تھے تو انہوں نے مجھے اپنی کہانی سنائی تھی سندھانیوں کے حملے کے دوران وہ بے تحاشہ وہاں سے بھاگے تو ان کے کچھ ساتھی بچھڑ گئے جن میں ہرمیت سنگھ اور عمران بھی تھے جو تمہیں مل گئے اور بالآخر ان کے ساتھ دوبارہ میرے پاس پہنچ گئیں اور ان کی کہانی جھوٹ نہ تھی کیونکہ میں نے ہی ایک مرحلے پر سندھانیوں سے شہباز اور اس کے ساتھیوں کی جان بچائی تھی''

'' ہوں اس کا مقصد ہے کہ وہ لڑکی ان لوگوں سے جدا ہوگئی ہے وہ ہمارے لئے کارآمد ہوسکتی ہے''

مسٹر شروک اور اس سفر کے دوران ہمیں خود بھی اس کی تلاش جاری رکھنی چاہیے'' شروک بڑی تحسین آمیز نگاہوں سے نورینہ کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے گردن جھٹکتے ہوئے کہا۔

''اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ہمارے لئے بھی کارآمد ہو سکتی ہے اور واقعی یہ بات قابل غور ہے کہ ان سے جدا ہونے کے بعد وہ کہاں گم ہو گئی اور ڈیئر نورینہ تم بے حد ذہین ہو۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم ہمارے لئے اس قدر کارآمد ہو سکتی ہو۔ تمہاری سوچ تو لاجواب ہے اور تم ان پوائنٹس پر سوچتی ہو جو ہمارے اپنے ذہن میں بھی نہیں آ سکے تھے پروفیسر یہ ذہین لڑکی تمہارے لئے کارآمد کیوں نہیں ثابت ہوئی یہ تو کمال کی ذہانت رکھتی ہے۔ سنو نورینہ تمہیں ہر طرح کی آزادی ہے جہاں سے چاہو راستہ تبدیل کر دینا جس انداز میں چاہو کام کرنا ہم سب تمہارے ساتھ تعاون کریں گے''

''شکریہ مسٹر شروک میرا مقصد بھی وہی ہے جو آپ لوگوں کا ہے اور آپ کی سرکردگی میں آپ کی لیڈر شپ میں یقیناً اس عظیم الشان خزانے کا راز پالیں گے اور اسے حاصل کر لیں گے۔''

شروک خوشی سے قلقاریاں مارنے لگا تھا وہ بار بار پروفیسر زلفی سے یہی کہتا کہ اس کی بیٹی اس سے زیادہ ذہین ہے اور دل ہی دل میں پروفیسر زلفی نے بھی اس بات کو تسلیم کیا تھا کہ نورینہ اب ان راستوں پر چلنے کے بعد حیرت انگیز ثابت ہو رہی ہے اور یقینی طور پر اب اس بات کے امکانات نہیں رہے تھے کہ شروک ان لوگوں کو کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا۔ نورینہ نے اسے محتاج بنا لیا تھا اور شروک جیسی فطرت کے مالک لوگ اگر کسی سے اس انداز میں متاثر ہو جاتے ہیں تو اپنے مفاد کی خاطر اس سے انحراف نہیں کرتے۔ کم از کم نورینہ نے یہ حصہ محفوظ کر دیا تھا اور اس سے خود پروفیسر زلفی کو براہ راست فائدہ پہنچا تھا۔ چنانچہ اس نے بھی مسکراتے ہوئے نورینہ سے یہی کہا تھا کہ ان لوگوں کی رہنمائی کرے مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ نورینہ نے البتہ اسی رات اپنے باپ سے مسکرا کر کہا۔

''کیسے ڈیڈی □! میں نے جو کچھ کہا تھا وہ چند ہی دنوں میں کر کے دکھا دیا نا آپ کو؟''

''واقعی نورینہ تمہاری ذہانت بے مثال ہے''

''اب تو آپ مجھ سے ناراض نہیں ہیں اور نہ ہی آپ کو یہ شکایت ہے کہ میں نے کوئی غیر اخلاقی حرکت کی ہے۔ دراصل ڈیڈی جن راستوں پر آپ چل رہے ہیں وہاں ذہانت کی بھی ضرورت ہے اور اپنے تحفظ کی بھی۔ جس کے لئے چالاکی بھی درکار ہے، میں اب بھی یہ بات دعوے سے نہیں کہتی کہ یہ نقشہ کسی خزانے کا ہی ہو سکتا ہے لیکن آپ یہ قدم اٹھا بیٹھے ہیں تو کم از کم زندگی کی بقاء کے لئے ہمیں خزانہ ہی ذہن میں رکھنا ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نقشے کا تعلق خزانے سے ہو کیونکہ جنگلوں میں رہنے والوں کے لئے سونے چاندی کے انبار بے حقیقت ہوتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ انہوں نے یہ انبار جمع کر رکھے ہوں'' پروفیسر خاموشی سے گردن ہلا کر رہ گیا۔

غرض یہ کہ دوسرے دن پھر معمولات سے فارغ ہو کر سفر کا راستہ اختیار کیا گیا اور لوگ ندی کے کنارے کنارے چلتے رہے۔ لیکن پھر اس وقت جب سورج ڈھلان پر تھا انہوں نے بہت دور کچھ فاصلے پر ایک منظر و بلند [illegible] انہوں نے اس پہاڑی کو دیکھ لیا تھا جس کی جانب یہ ندی بہہ رہی

تھی لیکن پہاڑی کا پھیلاؤ اتنا تھا کہ یہ نہیں سوچا جا سکتا تھا کہ ندی اس کے کنارے کنارے نکل گئی ہو۔

وہ سبھی اس پہاڑی کو دیکھ رہے تھے اور اس کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے پروفیسر نے کہا تھا کہ ہو سکتا ہے کہ پہاڑی سے ٹکرانے کے بعد ندی نے اس کے دامن میں راستہ بنا لیا ہو اور دائیں یا بائیں مڑ گئی ہو لیکن آثار ایسے نظر آتے ہیں کہ ندی کسی سمت نہیں مڑی بلکہ شاید اس پہاڑ کے نیچے سے نکل گئی تھی اور مزید فاصلہ طے کرنے کے بعد اس خیال کی تصدیق بھی ہو گئی تھی۔

ایک بہت بڑے غار کا دہانہ نظر آ رہا تھا اور ندی اسی غار میں داخل ہو گئی تھی دور ہی سے ان پہاڑیوں کو دیکھ کر شدید ہیبت کا احساس ہوتا تھا۔ بے پناہ بھیانک اور بدصورت پہاڑیاں تھیں جنہوں نے ندی کا راستہ روک رکھا تھا لیکن انتہائی پر تجسس تھیں اور وہ اپنے آپ کو اس تجسس سے باز نہ رکھ سکے۔ گھوڑوں نے اب تک فاصلہ بھی کافی تیز رفتاری سے طے کیا تھا۔ لیکن ندی کے کنارے سپاٹ تھے۔

چنانچہ شروک نے طوفانی انداز میں گھوڑے دوڑا کر روشنی ہی میں ان پہاڑوں کے قریب پہنچنے کا فیصلہ کیا تاکہ وہاں جا کر آگے کے لئے کسی راستہ کا تعین کیا جا سکے ندی پہاڑی غار میں داخل ہو کر اچھی خاصی بھیانک آواز میں کسی چیز سے ٹکرا رہی تھی وہ لوگ دہانے کے پاس کھڑے ہو گئے۔ سب کی نگاہیں بھٹک رہی تھیں بدصورت اور بدہیبت وادی میں عظیم الشان چٹانیں ابھری ہوئی تھیں اور ان کے عقب کا حال معلوم نہیں تھا۔

اس غار میں داخل ہونے کی جرات بھی کسی میں نہیں تھی کیوں کہ اندر سے بھیانک آوازیں آ رہی تھیں اور یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ندی وہاں کسی چٹان سے ٹکراتی ہو لیکن ٹکرا کر اس کا پانی باہر نہیں آ رہا تھا بلکہ وہیں کہیں پہاڑیوں میں گم ہو جاتا تھا ابھی وہ اسی سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے کہ دفعتاً ایک ہولناک گڑگڑاہٹ کے ساتھ اوپر سے چھوٹے چھوٹے پہاڑی پتھر لڑھکنے لگے ان کے لڑھکنے کی آواز اتنی بھیانک تھی کہ ان کے دل لرز اٹھے۔ گھوڑے دہشت زدہ ہو کر الف ہو گئے اور انہوں نے پیچھے ہٹنا شروع کر دیا لیکن بات یہیں پر ختم نہ ہوئی بلکہ اب چھوٹے چھوٹے پہاڑی پتھروں کے ساتھ لمبے نوکیلی انی والے نیزے بھی تھے جو ان کے اطراف میں آ کر پیوست ہو گئے تھے شروک وحشت بھری آواز میں چیخا۔

''بھاگو پیچھے ہٹ جاؤ پیچھے ہٹ جاؤ'' لیکن گھوڑے سنبھل نہیں پا رہے تھے۔ انہوں نے ہٹانے کی کوشش کی تو وہ دائیں سمت ہی پہاڑیوں کے ساتھ ساتھ دوڑنے لگے اور بے قابو ہو گئے۔ گھوڑوں کو سنبھالنے کی کوشش اوپر سے پتھروں کی برسات ان لوگوں کے لئے جان لیوا بھی ہو سکتی تھی۔ ہر شخص پوری مہارت سے اپنے گھوڑے کو سنبھالنے میں مصروف تھا۔ گھوڑے دائیں سمت میں دوڑتے رہے تھے اور کافی دور جانے کے بعد بمشکل تمام کٹاؤ دوسری جانب گھوم گیا اور اس طرح انہیں پتھروں اور نیزوں سے نجات ملی اور وہ سب کے سب تر بتر ہو گئے تھے۔

لیکن ذرا سی دیر میں وہ سب اپنے اپنے گھوڑوں کو سنبھال کر یکجا ہو گئے شروک کا پورا بدن پسینے میں تر تھا اور وہ سہمی ہوئی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا تب اسے ایک رسہ نظر آیا جو ایک پہاڑی سے دوسری پہاڑی کی جانب جانے کے لئے تھا۔

دوسری پہاڑی کا سلسلہ بھی تقریباً ایک فرلانگ کے بعد شروع ہو جاتا تھا یہ عجیب و غریب منظر ان سب کے لئے خون منجمد کر دینے والا تھا اور سہمی ہوئی نگاہوں سے اس سمت دیکھ رہے تھے۔ جہاں سے ان پر پتھروں کی بارش ہوئی تھی۔ تب انہیں بلندیوں پر کچھ لوگ چلتے پھرتے نظر آئے اور نورینہ نے اس وقت بھی کمال جرات سے کام لیا۔ اس نے رائفل سیدھی کی اور اوپر نظر آنے والے دو افراد کو نشانہ بنایا وہ دونوں تیز آوازوں کے ساتھ بلند و بالا پہاڑی سے نیچے گہرائیوں میں گرنے لگے اور سب ہی نے خوفزدہ نگاہوں سے انہیں دیکھا لیکن دوسرا منظر ان کے لئے پہلے سے بھی زیادہ دہشت ناک تھا۔

نیچے گرنے والوں کے بدن کچھ اس طرح سکڑنے لگے تھے جیسے ان کے اعضاء ایک دوسرے میں پیوست ہوتے جا رہے ہوں اور پھر ان میں ایک عجیب سی تحریک پیدا ہو گئی۔

یوں معلوم ہوا جیسے ان کے جسم کا منصوبہ گاڑھے سیال کی شکل میں ایک دوسرے میں گڈمڈ ہوتا جا رہا ہو۔

یہ ایک ناقابل یقین منظر تھا۔

لیکن تھوڑی ہی دیر بعد ان کے جسم نہ ہونے کے برابر رہ گئے اور طلوب ساکت ہو گیا نورینہ نے بھی یہ منظر دیکھا تھا لیکن وہ ان کی نسبت زیادہ مستعد نظر آ رہی تھی کیونکہ تھوڑی ہی دیر کے بعد پہاڑی کے ایک نچلے سوراخ کے پاس اس نے دو آدمیوں کو دیکھا اور ان پر بھی گولی چلا دی۔

نتیجہ پہلے سے مختلف نہیں نکلا تھا اور وہ منظر ان کی نگاہوں کے سامنے تھا وہ متحیرانہ نظروں سے یہ سب کچھ دیکھتے رہے۔ شروک کو چکر آ رہے تھے پروفیسر زلفی بھی پاگلوں کی طرح ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً ہی شروک نے بھی کسی کو دیکھ لیا اور دوسرے لمحے اس نے بھی ہمت کر کے فائر کر ڈالا اس کا نشانہ بھی بالکل درست رہا اور وہی سب کچھ ہوا جو پہلے ہو چکا تھا۔ یہ عجیب و غریب مخلوق دیکھنے میں تو بالکل انسان ہی لگتی تھی لیکن اس کی موت کا انداز بڑا ہی منفرد تھا اور کسی کی سمجھ نہ آنے والا۔

پھر دفعتاً اس غار کی جانب سے انہیں کچھ لوگ آتے نظر آئے جس میں ندی گم ہو جاتی تھی ان کی تعداد بیس پچیس کے قریب تھی اور وہ سب وحشت زدہ انداز میں انہی کی جانب دوڑے چلے آ رہے تھے ان کے ہاتھوں میں پتھر اور نیزے تھے نورینہ کے حلق سے ایک غراہٹ نکلی اور اس نے اپنے گھوڑے کی پشت پر بیٹھے بیٹھے ان کا نشانہ باندھنا شروع کر دیا اور پھر ان پر فائر کرتی ہوئی آگے بڑھ آئی۔

شروک کی ہمت بندھی اور اس نے ساتھیوں کو بھی للکارا۔ چنانچہ سب ہی اس مصیبت سے نمٹنے کے لئے اور اپنی زندگی بچانے کے لئے ان سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ دوڑنے والوں کے سینوں میں گولیوں کے سوراخ ہوتے لیکن خون نہ نکلتا۔ وہ نیچے گرتے اور اسی طرح رول ہو کر اندر ہی اندر ایک دوسرے میں جذب ہونے لگتے۔ انہوں نے یہ منظر بھلا دیا تھا اور انہیں ختم کرنے کی فکر میں لگ گئے۔ چنانچہ اب ایک ایک کو تاک تاک کر نشانہ بنایا جا رہا تھا اور ہر شخص مصروف عمل تھا یہ تصور ذہن سے نکال کر کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ انہوں نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ ان کی چلائی ہوئی گولیاں کارگر ہو رہی ہیں تو پھر اس موقع سے فائدہ کیوں نہ اٹھایا جائے۔

چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے انہوں نے سب کا وہی حشر کیا۔ رائفلوں سے نکلی ہوئی گولیوں نے ان سب کو فنا کر دیا تھا۔ آس پاس اس عجیب مخلوق کا کوئی فرد نہیں نظر آ رہا تھا لیکن وہ بے خبر نہیں تھے اور کسی اور سمت سے ان کے حملے کا انتظار کر رہے تھے۔ فضا میں ایک ہولناک سناٹا چھایا ہوا تھا اور کان ہر لمحہ کسی آہٹ کے منتظر تھے۔ ان کے دل معمول سے زیادہ تیزی کے ساتھ دھڑک رہے تھے پھر شروک نے یہ خاموشی توڑی۔

"کیا وہ سب ختم ہو گئے۔؟"

"مگر کیا وہ انسان تھے۔؟"

"اس کا جواب پراسرار کہانیوں کے ماہر پروفیسر زلفی دیں گے" نورینہ نے مسکراتے ہوئے اپنے باپ کو دیکھا۔

"میں نے اس سے قبل ایسی کسی مخلوق کو نہیں دیکھا۔ سنا بھی نہیں ہے پر یہ انسان نہیں تھے۔" زلفی نے پھولے ہوئے سانس کے ساتھ کہا۔ شروک اسے دیکھتا رہا پھر ہنس پڑا۔

"لیکن ہم نے انہیں شکار کر لیا اور نورینہ یہ میرے ساتھ موجود لوگوں سے زیادہ دلیر ہے اوہ لڑکی اگر یہاں سے زندہ واپسی ہو گئی تو میں......تو میں......"

وہ رک کر چاروں طرف دیکھنے لگا پھر بولا "مگر اب ہمیں کیا کرنا چاہیے پروفیسر کیا نقشے میں ان تمام پہاڑیوں کا نشان ملتا ہے یہ ندی ان پہاڑیوں میں گم ہو گئی ممکن ہے یہ دوسری طرف نکل گئی ہو پروفیسر زلفی نے اپنے لباس سے نقشہ نکالا یہ اس نقشے کی نقل تھی جسے پروفیسر نے اپنے پاس محفوظ رکھا تھا۔ اس نے نقشہ سامنے کر لیا اور شروک بھی اس کے پاس آ گیا پروفیسر دیر تک نقشے میں الجھا رہا اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

"اس چکر کو ندی تصور کیا گیا ہے لیکن کہیں ان پہاڑیوں کی نشاندہی نہیں کرتی۔"

"تو پھر؟" شروک پریشانی سے بولا اسی وقت نورینہ چیخ پڑی۔

"اوہ مسٹر شروک" شروک اس کی آواز پر اچھل پڑا تھا۔

پھر انہوں نے ایک اور خوفناک منظر دیکھا دونوں پہاڑیوں کے درمیان لٹکا ہوا جھولا متحرک تھا اور اس پر وہ مخلوق موجود تھی جھولا خاموشی سے دوسری طرف کھینچا گیا تھا اور وہ خاموشی سے اس پر بیٹھ کر ان کے سروں پر پہنچ گئے تھے۔ اس بار بچ ان کی تقدیر نے انہیں بچا لیا تھا ورنہ یہ حملہ بڑے منظم پیمانے پر کیا گیا تھا۔

بلندی سے بے شمار پتھر اور نیزے ان پر برس پڑے تھے اور ان کے گھوڑوں نے زقندیں لگا کر خود کو ان کی زد سے بچایا تھا اپنی جگہ چھوڑتے ہی شروک کے ساتھیوں نے جھولے پر فائرنگ شروع کر دی لیکن جھولا ان کی زد میں نہ تھا اور اس پر سے پتھر برستے رہے لیکن اب وہ لوگ بھی پیچھے ہٹ گئے تھے اور محفوظ تھے جھولا تیزی سے دوسری پہاڑی کی جانب بڑھتا چلا گیا تھا وہ لوگ اسے دیکھتے رہے پھر شروک نے طویل سانس لے کر کہا۔

"لگتا ہے یہ یہاں کافی تعداد میں ہیں۔"

"ہمیں یہ جگہ چھوڑ دینی چاہیے" شروک کا ایک ساتھی بولا۔

"اور کہاں جائیں گے پہاڑیوں کے دوسری طرف پہنچنا ضروری ہے ندی ہماری راہنما ہے اور میرا خیال ہے ہمیں اس راستہ کو نہیں چھوڑنا چاہیے۔"

"مگر یہ انوکھی مخلوق۔"

"شروک نے جھولے کو دیکھا جو دوسری سمت کی پہاڑیوں میں داخل ہو گیا تھا لیکن کچھ دیر کے بعد وہ پھر نمودار ہوا اور اس بار اس کے ساتھ اور کئی جھولے تھے اور ان سب پر وہ مخلوق نظر آ رہی تھی۔

"ہوشیار وہ پھر آ رہے ہیں" شروک چیخا اور اس بار صورتحال پہلے سے زیادہ خطرناک تھی انہوں نے کوئی ایسا ذریعہ اختیار کیا تھا جس کے تحت وہ پوری وادی پر ہر جگہ پتھر برسا سکتے تھے اس کا مظاہرہ انہوں نے پہاڑیوں سے نمودار ہوتے ہی کیا تھا۔

"اوہ...... مائی گاڈ......" شروک نے بدحواسی سے گھوڑے کا رخ موڑ دیا اس کے ساتھی اس سے پہلے دوڑ پڑے تھے پھر وہ اتنی دور پیچھے ہٹ آئے کہ ان کی زد سے بچ سکیں اور جب اطمینان ہو گیا کہ یہاں وہ پتھروں کی پہنچ سے محفوظ رہ سکتے ہیں تو وہ رک گئے جھولے بھی خلا میں رک گئے تھے۔

"کچھ سمجھے پروفیسر......؟" شروک نے کہا۔

"کیا......؟"

"اس حرکت سے ان کا کیا مطلب ہے......؟"

"میں نہیں سمجھ سکا مسٹر شروک۔"

"وہ ہمیں یہ وادی عبور کرنے سے روکنا چاہتے ہیں۔ یقیناً وہ یہی چاہتے ہیں وادی عبور کر کے ہم ان پہاڑیوں کے عقب میں پہنچ سکتے ہیں صرف وادی کا راستہ ہے جو ہم طے کر سکتے ہیں ورنہ ان پہاڑیوں کے خول میں انہوں نے اپنا مسکن بنا رکھا ہے ہم ان میں داخل ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

"آپ کا خیال درست معلوم ہوتا ہے۔"

"اب کیا کیا جائے وہ وادی کے درمیان تک آ گئے ہیں یقیناً وہ دونوں سمت کی پہاڑیوں میں مستعد ہوں گے۔" پروفیسر نے کوئی جواب نہ دیا۔ شروک گھوڑے سے اتر گیا تھا اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"تم لوگ ایک لمحے کے لئے بھی غافل نہیں ہو گے۔ چاروں طرف نگاہ رکھی جائے ہم سب یکجا ہیں اس لئے اس سے الگ کوئی تحریک دیکھو تو بے دریغ گولی چلا دو لیکن اندھا دھند نہیں۔ ہمیں ایمونیشن محفوظ رکھنا ہے۔"

رانا چندر سنگھ یہ داستان سناتے سناتے تھک گیا تھا۔ اس نے کہا۔

"ہرمیت سنگھ اور شہباز خان کی اس طویل ترین داستان کا اختتام بھی ست گاتا ہی پر ہوا تھا اور اس وقت ہم جس وادی میں ہیں یہ وہی وادی ہے جہاں ہرمیت سنگھ اور اس کی ٹیم اس وقت پہنچی تھی جب انہیں خوفناک حالات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ان حالات کی تفصیل بھی طویل ہے۔ لیکن بہر حال وہ ست گاتا تک پہنچ گئے

تھے اور انہوں نے اس سوتے ہوئے شہر کا تذکرہ کیا تھا۔ جس کی تفصیل انہیں معلوم نہیں تھی لیکن امینہ سلفا، گرشک اور سیتا نے جو کہانی سنائی ہے وہ انتہائی پر اسرار کہانی ہے اور ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس کہانی میں ہمارا حصہ کہاں تک ہو سکتا ہے۔ پر اسرار وادی کی یہ رات بڑی سنسنی خیز گزری تھی۔ دوسری صبح بھی جب وہ لوگ جاگے تو نہ جانے کیوں ایک عجیب و غریب احساس کا شکار تھے۔ وہ احساس یہ تھا کہ تھکن سی محسوس کر رہے تھے اور اس کا اظہار سب سے پہلے قزل شنائی نے کیا تھا۔

"ہاں اگر ہم لوگ ایک دن اور یہاں قیام کریں تو کیا حرج ہے۔"

"اس کا صحیح جواب گرشک اور سیتا ہی دے سکیں گے۔ مطلب یہ کہ کہیں ہمیں بھی خطرے سے دو چار نہ ہونا پڑے۔ جس خطرے سے ہرمیت اور شہباز دو چار ہو رہے تھے۔

"ساری رات اس وادی میں گزاری ہے اس لئے بظاہر تو یہاں سے کچھ خطرہ محسوس نہیں ہوتا۔

گرشک اور سیتا سے بات ہوئی تو گرشک نے مدہم مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"یہ دن ہمیں یہیں گزارنا ہے۔ آج دوپہر کو سورج گرہن ہو گا اور اپنے کسی بھی عمل کی تکمیل کے لیے سورج گرہن کے گزرنے کا انتظار کرنا ہوتا ہے۔ سو یہاں وقت گزارنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ گرشک اور سیتا کی بات مکمل طور سے مان لی گئی اور یہ طے کیا گیا کہ آج کا دن یہیں گزارہ جائے۔ ایک کسل مندی ہر وجود پر طاری تھی لیکن دوپہر کے کھانے کے بعد جب سب اپنے اپنے مشاغل میں معروف تھے۔ کرنل گل نواز نے کامران کو آواز دی اور اسے ساتھ لے کر ایک دور دراز جگہ پہنچ گیا۔

کامران کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ کرنل گل نواز نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"کامران میں نے زندگی کا ایک طویل حصہ تمہارے ساتھ گزارہ ہے۔ مجھے آج بھی یاد ہے کہ تم کس طرح حاجی صاحب کے ذریعے میرے پاس پہنچے تھے اور اس کے بعد تم نے کس طرح مکمل طور پر میرے ساتھ وفاداری برتی تھی۔ جس کی بنا پر تم میرے دل میں ایک بڑا مقام حاصل کر گئے۔ بیٹے انسان اعتماد کے سہارے زندگی گزار دیتا ہے۔ میں اسی اعتماد کے سہارے تم سے کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں۔" کامران نے عجیب سی نگاہوں سے کرنل گل نواز کو دیکھا اور بولا۔

"جی۔"

"امینہ سلفا نے تم پر ایک تجربہ کیا تھا جو آج تک میرے ذہن کے پردوں پر نقش ہے۔ جو کچھ اس نے تمہارے دماغ کے پار دیکھا تھا کیا وہ سچ تھا۔" کامران نے نظریں اٹھا کر کرنل گل نواز کو دیکھا اور بولا۔

"انکل میں نے ہمیشہ آپ کا دل و جان سے احترام کیا ہے اور کسی بھی بات کو آپ سے برتر نہیں سمجھا۔ جو بات سامنے آئی میں نے اس سے انحراف نہیں کیا اور خاموشی اختیار کر لی۔" اس کا مطلب یہی تھا کہ اُس کی کہی ہوئی بات درست ہے۔ کرنل کے پورے بدن میں سنسنی دوڑ گئی۔ دیر تک وہ کامران کا چہرہ دیکھتا رہا جس نے نگاہیں جھکا لی تھیں پھر اس نے کہا۔

"گویا تم اس عظیم الشان خزانے تک پہنچ گئے تھے جس کیلئے دنیا کے کتنے لوگ تگ و دو کرتے رہے ہیں۔"

"خزانوں کی کہانیاں آج تک جتنی بھی سنی ہیں انکل بڑی ہی عجیب ہیں جو لوگ خزانوں کے چکر

میں اپنی زندگی کی بازی لگا دیتے ہیں وہ خزانے حاصل نہیں کر پاتے۔ قابض قدرت ہے اللہ تعالیٰ جس کو کچھ دینا چاہتا ہے وہ خود عطا کر دیتا ہے۔ زندگی کو ایک بدترین جدوجہد میں صرف کر کے اگر دولت کا حصول خیال میں آئے تو بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے انسان اپنے مرکز تک پہنچ جائے اور اس کے بعد زندگی سے ہار جائے۔ ایسا ہوا ہے انکل میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کرتا رہا ہوں لیکن میرے دل میں ایک آرزو ہے۔ وہاں جو لوگ آپ کی زندہ واپسی کا انتظار کر رہے ہیں کاش میں آپ کو ان کے درمیان لے جا کر ان سے یہ داد و تحسین حاصل کروں کہ میں نے آپ کی حفاظت کر کے اپنا فرض پورا کیا۔"

"نہیں تم یقین کرو میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ تم مجھے اس خزانے تک لے جانے کی کوشش کرو اور میں سمجھتا ہوں کہ تمہارا یہ رویہ بالکل ٹھیک ہی ہے۔ یہ لوگ بے شک تم سے بہت کچھ چاہتے ہوں گے۔ لیکن کم از کم میں ان میں نہیں ہوں۔ میں تو بس تم سے یہ سوال کر رہا تھا کہ کیا یہ سچ ہے کہ جو کچھ تم نے وہاں دیکھا کیا وہ......؟

"ہاں کرنل گل نواز میں اس عجیب و غریب اور ناقابل یقین خزانے تک پہنچ چکا تھا۔ وہاں پہنچ کر کسی بھی انسان کا ذہنی توازن خراب ہو سکتا ہے۔ وہ وہیں پر جان دے سکتا ہے۔ کیونکہ وہ اس حسد کا شکار ہوگا کہ اتنا عظیم الشان خزانہ حاصل کر کے لے جانا دنیا کا ناممکن ترین کام ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ خزانہ اتنا بڑا ہے کہ شاید اس سے ایک شہر نہیں بلکہ ملک بسایا جا سکے لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرے حواس قائم رہے اور میں نے اس خزانے پر تھوک دیا اور میں سمجھتا ہوں کہ میرے اسی جذبے کو اللہ تعالیٰ نے پسند کر کے مجھے ایک نئی زندگی عطا کی۔"

"میرے خدا...... میرے خدا...... تم دنیا کے عظیم ترین محققوں میں سے ایک ہو۔ بھلا تمہارے مقابلے پر کون آ سکتا ہے۔ بڑی عجیب بات ہے۔ بہت ہی عجیب بات ہے لیکن پھر بھی تم مجھے تھوڑی سی تفصیل اور بتاؤ۔" کامران کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اس نے کہا۔

"انکل آپ ذرا غور کیجئے، جو شے اس قدر مکروہ ہو کہ ایک انتہائی سمجھ بوجھ کا مالک انسان صرف اس کی کہانی میں گم ہو جائے وہ چیز کیا حیثیت رکھتی ہوگی۔" کرنل گل نواز ایک دم سے جھینپ گیا تھا۔ کچھ دیر تک مکمل خاموشی رہی پھر اس نے کہا۔

"یہ علی سفیان بھی ایک آفاقی شخصیت ہے اس نے امینہ سلفا جیسی انوکھی عورت کو اپنے ساتھ رکھا ہوا ہے۔ وہ کیا ہے۔ علی سفیان نہیں جانتا لیکن اسے اس کی قربت حاصل ہے اور وہ بیوی کی حیثیت سے اس کے ساتھ رہتی رہی ہے۔ حالانکہ علی سفیان کا کہنا ہے کہ درمیان میں اس کی امینہ سلفا سے علیحدگی ہو گئی تھی لیکن بہر حال ہر انسان کا اپنا ایک نظریہ زندگی ہوتا ہے۔ چلو ٹھیک ہے وہ جانیں اور ان کا کام۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تم آگے کیا کرنا چاہتے ہو۔

"کرنل صاحب! آپ حقیقت جان چکے ہیں اس کے بعد آپ سے کوئی بے تکی گفتگو میں سمجھتا ہوں بڑی عجیب سی ہوگی۔ آپ لوگوں نے اپنی اس مہم کا آغاز اس خزانے کیلئے کیا تھا حالانکہ آپ میں سے ہر شخص اس قدر صاحب حیثیت ہے کہ اسے زندگی بھر اپنے لئے ہی نہیں بلکہ اپنی نسلوں تک کے لیے کسی خزانے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ لیکن بہر حال انسان کا اپنا شوق بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

اور پھر میں نے ہر ایک کا نظریہ الگ الگ دیکھا۔ علی سفیان کے ساتھ امینہ سلفا ہے جو کھل کر یہ بات کہتی ہے کہ ست گاتا سے میرے بھی کچھ روابط ہیں۔ اس نے اپنی داستان صدیوں پرانی بتائی ہے حالانکہ میری زندگی میں اس سے زیادہ انوکھی بات اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ مجھے کوئی صدیوں پرانی شخصیت نظر آئے۔ یہ سب کچھ تو ہماری سوچ کے منافی ہے لیکن ہم کسی کی تردید کیسے کر سکتے ہیں اس کے علاوہ قزل شائی اور شعورہ ہے اس میں کوئی شک نہیں قزل بے حد قابل انسان ہیں اور میں دل سے ان کی عزت کرتا ہوں۔ پھر آپ ہیں، رانا چندر سنگھ ہیں، حسن شاہ ہے۔ مجھے ایک خاص سلسلے میں مرکز بنا لیا گیا ہے حالانکہ اس بات کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ اگر زیادہ سے زیادہ میرا اس کہانی میں کوئی دخل ہے تو صرف اتنا کہ میں کسی عجیب و غریب شخصیت کا ہم شکل ہوں۔ جسے یہ لوگ مختلف نام دیتے ہیں۔ کوئی دھرو ستونی کہتا ہے کوئی پاتال پرمتی حالانکہ آپ جانتے ہیں کرنل صاحب کہ یہ کہانیاں میرے لیے بے معنی ہیں لیکن گرشک اور سیتا دو کردار ایسے ہیں جسے روز اول سے لے کر آج تک میں نہ جانے کیوں اپنے حواس پر مسلط پاتا ہوں۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے ان لوگوں سے میرا کوئی گہرا رابطہ ہو اور میں ان کی آنکھوں میں تحریر کہانیاں اچھی طرح جانتا ہوں۔ بس یہیں سے میری ذہنی رو بھٹک جاتی ہے اور سوچتا ہوں کہ کیوں نہ اس کہانی کو منطقی انجام تک پہنچا کر دم لوں۔ آپ سب لوگ ساتھ ہیں اور سب ہی اس بات پر آمادہ کہ ہم گرشک اور سیتا کے ساتھ ست گاتا تک کا سفر کریں۔ آپ بتائیے کہ کیا ایسا ہو سکتا ہے کیا یہ کیا جائے۔"

"ہاں...... اب جب زندگی کی بازی یہاں تک لگا ہی چکے ہیں تو کیوں نہ آگے بڑھیں۔ بڑی عجیب و غریب سی جگہ تھی، کبھی کبھی تو یوں لگتا جیسے ان علاقوں کا انسانی زندگی سے کوئی تعلق نہ ہو۔ رانا چندر سنگھ نے بھی بتایا تھا کہ اس وادی کے قریب ایسے وحشی قبائل آباد ہیں جو باہر کی دنیا کے انسانوں کو اپنے درمیان پسند نہیں کرتے۔ لیکن بہر حال انہیں آگے بڑھنا تھا۔ گرشک اور سیتا ان کی رہنمائی بڑے پر اطمینان انداز میں کر رہے تھے اور امینہ سلفا اس بارے میں تصدیق کر دیا کرتی تھی کہ وہ صحیح راستے پر جا رہے ہیں۔ اس وادی میں قیام کے بعد آگے کے سفر کا آغاز کیا گیا۔

یہ بات تو طے ہو چکی تھی کہ اب انہیں ست گاتا تک پہنچنا ہی ہے۔ رانا چندر سنگھ اور کرنل گل نواز نے آپس میں یہ بات طے کی تھی کہ اب اس مہم کو اس وقت تک جاری رکھیں گے جب تک ست گاتا کی وادیاں اس کے سامنے نہ آ جائیں۔ پھر یہ وادی چھوڑ دی گئی اور تقریباً آدھے دن کا سفر طے کرنے کے بعد گرشک نے آگے کا سفر ترک کر دیا اور بائیں سمت ہو لیا۔ اس بارے میں اس سے سوال کیا گیا تو اس نے کہا۔

"اگر ہم سیدھے راستے سے جائیں گے تو ہو سکتا ہے کہ دشمنوں کے ہتھے چڑھ جائیں۔ کیونکہ ان لوگوں نے اس راستے پر نگاہ رکھی ہوگی اور پھر بائیں سمت کا راستہ ہمیں بدھ آبادیوں کے قریب لے جائے گا اور ہم زیادہ آسانی کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھ سکیں گے بس یہ سفر تھوڑا سا لمبا ہو جائے گا۔"

"ایک بات بتاؤ گرشک تمہارا کردار ہمیشہ ہمارے لئے پر اسرار رہا ہے۔ اس کے علاوہ تم نے جس طرح کبھی کبھی اپنی جسمانی قوتوں کا مظاہرہ کیا ہے وہ بھی ہمیں کچھ غیر انسانی سا لگتا ہے لیکن تم ہر بار ایک نیا انکشاف کرتے ہو۔ تم نے اس سیدھے راستے پر دشمنوں کے بارے میں کہا ہے یہ دشمن کون ہیں۔ گرشک نے

بے بسی کی نگاہوں سے ان میں سے ایک ایک کو دیکھا پھر بولا۔

"میں آپ کو اس بارے میں سب کچھ بتا دوں گا۔ مجھے تھوڑی سی مہلت دے دیجیے۔ میں اسی لیے آپ سے الگ ہو کر چلتا ہوں کہ اگر میرے دشمن مجھے اور سیتا کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو بھی جائیں تو فوری طور پر آپ پر حملہ آور نہ ہوں۔ اسی لیے میں آپ سے دور کے راستے اختیار کرتا ہوں ورنہ میں بھی آپ کے ساتھ ہی چلوں۔ گرشنک اور سیتا سے تعاون بہرحال ان لوگوں نے اپنا مقصد بنا لیا تھا اور پھر گرشنک کا کہنا بالکل درست ہی نکلا۔ تقریباً ڈھائی دن کا سفر طے کیا گیا تھا اور اس کے بعد انسانی قدموں کے نشانات ملنے لگے۔ یوں لگا جیسے وہ مہذب آبادیوں کے قریب پہنچ گئے ہوں۔ ایک چھوٹی سے بستی میں باقاعدہ انہیں بازار تک ملے اور اس بازار سے گرشنک کی خواہش کے مطابق انہوں نے بدھ راہبوں کے لبادے حاصل کیے اور مزدور بھی ساتھ لے لیے جنہیں آگے کا سفر طے کرنا تھا۔ یہ تبدیلی کافی خوشگوار محسوس ہوئی تھی۔ کچھ نئے لوگوں کی شمولیت نے ماحول کو ایک خوشگوار تاثر دے دیا تھا۔

لیکن یہاں بھی انہیں زیادہ قیام کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔ سب کی متفقہ رائے تھی کہ سفر کو جاری رکھنا چاہیے۔ گرشنک اس بار کافی وقت تک ان کا ساتھ دیتا رہا تھا۔ بدھ راہبوں کی شکل میں ان لوگوں کو اپنے آپ پر ہنسی بھی آتی تھی لیکن بہرحال یہ گرشنک کی خواہش کے مطابق تھا۔ گرشنک نے بڑی ذہانت کا مظاہرہ کیا تھا اس نے کہا تھا کہ راستے میں اگر کوئی حادثہ پیش آ جائے یا کوئی صورت حال پیش آ جائے جس کی بنا پر سب لوگ ایک دوسرے سے بچھڑ جائیں تو انہیں کس مقام پر ملنا ہے۔ ایسے آٹھ مقام تجویز کر دیے گئے تھے اور ان کے بارے میں سب کو تفصیلات بتا دی گئی تھیں۔

بہرحال راہبوں کے حلیے میں یہ سفر بڑا دلچسپ لگ رہا تھا اور وہ لوگ بڑے پرسکون طریقے سے سفر کر رہے تھے۔ ان کے دائیں سمت کے پہاڑوں سے منگول خچروں کے قافلے گھنٹیاں بجاتے نیچے اتر رہے تھے اور پہاڑیوں کے دامن میں بہتے ہوئے دریاؤں کے پایاب پانیوں سے گزر کر آگے بڑھ جاتے تھے۔ ایسے کئی قافلے ان کی نگاہوں کے سامنے سے گزرے تھے۔ شام کو ایک پہاڑی گاؤں میں قیام کیا گیا جہاں بیرونی علاقے میں خانقاہیں موجود تھیں۔ خالی اور خاموش اطراف میں بکھرے ہوئے سناٹے ہولناک مناظر پیش کر رہے تھے۔ رات ایک پراسرار خانقاہ میں گزارنے کے بعد صبح کو پھر سفر کا آغاز کر دیا گیا تھا۔

ایک چھوٹی سی ندی کے کنارے سے گزر کر یہ لوگ ایک گہری وادی میں داخل ہوئے جہاں سے ندی گرتے ہوئے خاصی تیز رفتار ہو جاتی تھی۔ گرشنک نے اس ندی کے بارے میں تفصیلات بتائیں اور کہا کہ دائیں سمت کے پہاڑی سلسلے ناقابل تسخیر ہیں۔ ایک بدھ قبیلہ گوردن ان پہاڑوں کی پوجا کرتا ہے اور اس کے نزدیک ان پر پاؤں رکھنا گناہ ہے۔ قبیلے کے افراد کے کہنے کے مطابق بہت عرصے پہلے کچھ مہم جو اس پہاڑی سلسلے کو سر کرنے کے لیے چلے تھے۔ لیکن اپنے سفر کے آٹھویں دن وہ سب کے سب اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے۔ کچھ نے خودکشی کر لی اور کچھ واپس آ گئے جنہیں علاج کے لیے ہسپتالوں میں داخل کروا دیا گیا لیکن واپس آنے والوں کا بھی ذہنی توازن صحیح نہیں ہو سکا۔

"واقعی یہ ایک پراسرار علاقہ ہے۔" دوپہر کے وقت یہ لوگ ایک گاؤں کے قریب پہنچے۔ یہ جگہ سطح

سمندر سے تین ہزار فٹ بلند تھی جب کہ یہ ان کے سفر کا سب سے نشیبی مقام تھا۔ بستی کے افراد نے تازہ پھلوں اور میووں کے تحفے پیش کیے۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ یہاں کی زیادہ تر آبادی ہندو تھی لیکن ہندو ہونے کے باوجود وہ بدھ راہبوں کی عزت کرتے تھے۔ جگہ جگہ دریاؤں کے جال پھیلے ہوئے تھے۔ تبت کے علاقوں میں ان لوگوں نے اب تک جتنا سفر کیا تھا اس سے ایک اندازہ ضرور ہو جاتا تھا۔ وہ یہ کہ یہاں بے شمار دریا موجود ہیں۔ بستی سے کچھ فاصلے پر لکڑی کے ایک مندر میں پتھر کی دو گائیں پھولوں سے ڈھکی کھڑی تھیں۔ اس سے کچھ فاصلے پر گرم پانی کی ایک آبشار تھی۔ درحقیقت گرشنک نے انہیں بتا دیا تھا کہ یہ ایک بالکل اجنبی راستہ ہے اور راستے پر سفر کرنا ایک محقق کے لیے بڑی دلکشی اور دلچسپی کا باعث ہو سکتا ہے۔

رانا چندر سنگھ، علی سفیان وغیرہ نے یہ اعتراف کیا تھا کہ واقعی اس علاقے میں کئی بار مہم جوئی کی گئی ہے لیکن یہ جگہ بالکل ہی اجنبی ہے۔ جب یہ لوگ کھلے علاقے میں چھولداریاں لگاتے تو وہاں ایک عجیب سی سحر پیدا ہو جاتا۔ ہاں اگر غاروں یا قدیم خانقاہوں کا وجود مل جاتا تو بہتر طریقہ یہی ہوتا کہ وہ لوگ ان میں پناہ لیتے۔ اس وقت بھی تاحد نگاہ رات کی تاریکیاں پھیلی ہوئی تھیں اور چھوٹی چھوٹی چٹانیں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں۔ یوں لگتا تھا جیسے لاتعداد انسان تاریکی میں سر جھکائے گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے کسی دشمن کی تاک میں ہوں۔

چٹانوں کے اطراف میں جھاڑیاں بھی نظر آتی تھیں۔ جن میں کبھی کبھی سرسراہٹیں بھی پیدا ہو جاتی تھیں۔ چھولداریوں کے اطراف میں مزدوروں نے سوکھی لکڑیوں کے دائرے بنا کر ان میں آگ سلگا دی تھی تاکہ حشرات الارض یا درندے ادھر کا رخ نہ کریں۔ اس وقت گرشنک اور سیتا آگ کے الاؤ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ آگ کی تپش موسم کی سردی سے ہم آہنگ ہو کر جسم کو بھینی بھینی خوشگوار آنچ فراہم کر رہی تھی۔

شعلوں کے سائے گرشنک کے جھکے ہوئے چہرے کو عجیب پراسرار انداز میں پیش کر رہے تھے۔ وہ خاموش بیٹھا کسی سوچ میں گم تھا۔ کچھ فاصلے پر بیٹھا رانا چندر سنگھ غور سے اسے دیکھ رہا تھا اور اس سے کچھ فاصلے پر کرنل گل نواز بیٹھا کامران کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ حاجی الیاس نے ایک معصوم سیدھا سادہ سا لڑکا اس کے پاس بھیجا تھا اور اس سیدھے سادے لڑکے نے اپنی شرافت اور سادگی سے رانا گل نواز کے گھر میں ایک مقام بنا لیا تھا اور اسے خود بہ خود بہت سے لوگوں کے درمیان ایک اعلیٰ جگہ مل گئی تھی۔ کیا ایسا کوئی لڑکا اس طرح کسی پراسرار جگہ بڑی حیثیت کا حامل ہو سکتا تھا۔ ناقابل یقین سی بات تھی لیکن گرشنک اور سیتا جیسے پراسرار کردار بھی کمال کے ہوتے ہیں۔ بہرحال رات گزرتی چلی گئی۔ آسمان پر گہرے بادل چھاتے چلے گئے اور مناظر بالکل تاریک ہوتے چلے گئے۔

یوں لگ رہا تھا۔ جیسے کسی بھی لمحے بارش ہو سکتی ہے۔ دوسری صبح انہوں نے سفر کا آغاز کر دیا۔ بادل جھکے ہوئے تھے۔ بارش نہیں ہوئی تھی۔ البتہ ہر لمحہ ایسا ہی محسوس ہوتا تھا۔ جیسے بارش ہو جائے گی۔ راستے بہت پرخطر تھے۔

کبھی ڈھلان اترنا پڑتی اور کبھی چڑھائیاں چڑھنا پڑتیں۔ ان کے ساتھ سفر کرنے والے قلی تو ان راستوں کے عادی تھے اور انہیں کوئی دقت نہیں ہوتی تھی لیکن انہیں پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑ رہا تھا۔ بادل

سارا دن چھائے رہے مگر بارش کی ایک بوند بھی نہ برسی اور اس کے بعد وہ لوگ ایک بڑی ندی کے کنارے پہنچ گئے۔ جس کے ساتھ قدرتی چٹانی پشتہ تھا۔ یہ پشتہ میلوں تک پھیلا چلا گیا تھا۔ البتہ علاقہ بڑا خطرناک تھا۔ پہاڑی کے دامن میں گہرے کالے رنگ کے ریچھ نظر آتے تھے۔ جو بہت بڑے بڑے تھے۔

ان سے بچ کر ہی چلنا پڑتا تھا۔ ان لوگوں کے پاس اسلحہ بھی خاصی تعداد میں تھا۔ دور نظر آنے والے پہاڑ اس طرح نظر آتے تھے۔ جیسے ان کی چوٹیاں آسمان میں پیوست ہوگئی ہوں۔ یہ لوگ ان بلندیوں پر نظریں جماتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے۔ ننگی چٹانوں کی یہ وادی زمین کی عظمت کا اظہار کرتی تھی۔ اسے عبور کرتے کرتے رات ہوگئی اور پھر کیمپ لگا دیا گیا۔

لیکن رات کی تاریکیوں میں سامنے کے منظر بہت عجیب تھے۔ آگے جا کر پہاڑ اس طرح گھوم جاتے تھے کہ راستہ بند ہو جاتا تھا۔ رانا چندر سنگھ کہنے لگا۔

"اگر ہم سیدھے سیدھے چلتے رہیں۔ تو اسی جگہ پہنچ جائیں گے جہاں سے سفر کا آغاز کیا تھا۔"

"یار لگتا تو ایسا ہی ہے۔" "پھر کیا کرو گے؟"

"ہمیں یہ ندی عبور کرنا ہوگی۔" قزل شائی نے بھاری لہجے میں کہا اور یہ اس ندی کی رفتار کو دیکھنے لگے۔ رانا چندر سنگھ بولا۔

"مگر اس کی رفتار تو خاصی تیز ہے۔"

"دیکھتے ہیں گرشک اس سلسلے میں کیا کہتا ہے۔" رات کے آخری حصے میں بارش نے آلیا اور انہیں بھاگ کر چٹانوں کی اوٹ میں پناہ لینا پڑی۔ موسم میں بڑی تبدیلی پیدا ہوگئی تھی۔ ندی کا طوفانی شور کان پھاڑے دے رہا تھا اور ایک عجیب وحشت ناک صورتِ حال تھی۔ بہرحال جس طرح بھی بن پڑا رات گزاری۔ صبح سورج نکلنے سے پہلے سب ہی جاگ گئے تھے۔ بارش اب بھی ہو رہی تھی اور سب لوگ خوف زدہ نگاہوں سے ماحول کا جائزہ لے رہے تھے۔ علی سفیان نے گرشک سے کہا۔

"ہاں...... اب تم بتاؤ ہمیں آگے کیا کرنا ہے۔"

"سفر......" گرشک نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

"میرے بھائی سفر کے لیے تو ہم یہاں تک آئے ہی ہیں اور سفر کرتے ہوئے ہی آئے ہیں لیکن جہاں ہمیں جانا ہے کیا وہاں زندہ پہنچ سکیں گے۔"

"پہنچ سکیں گے۔" گرشک نے مختصر جملوں میں کہا۔ بہرحال کھانے پینے کا انتظام کیا گیا اور پھر اس کے بعد سفر پھر سے شروع کر دیا گیا لیکن یہ سفر واقعی ہولناک تھا۔ بڑی ہمت سے راستہ طے کیا جا رہا تھا۔ تیز ہواؤں اور بارش میں یہ سفر بظاہر ناقابلِ برداشت ہی لگتا تھا۔ ندی قریب آتی جا رہی تھی۔ ندی تک پہنچنے کے لیے بہت پھسلواں ڈھلان تھے۔ جن پر قدم جما کر چلنا جان جوکھم کا کام تھا۔ ندی کے آر پار پڑے ہوئے دو درخت بھی صاف نظر آ رہے تھے۔ جو اس ندی کو عبور کرنے کے واحد راستے تھے لیکن تیز و تند پانی ان درختوں کو بھی جنبش دے رہا تھا کناروں سے بڑے بڑے پتھر پانی میں گرتے تو خوف ناک گڑگڑاہٹ سنائی دیتی۔ شعورہ نے پیشکش کی۔

"کیوں نہ ہم انتظار کر لیں ان تنوں پر سے زندہ سلامت گزر جانا ایک مشکل کام ہے۔"

"نہیں مشکل کام نہیں گرشک نے کہا" اور ڈھلان پر پہلا قدم رکھ دیا۔ وہ لوگ گرشک کی رہنمائی میں آگے بڑھنے لگے لیکن یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ ذرا سی لغزش زندگی چھین سکتی ہے۔ آخر کار یہ سفر ختم ہوا اور وہ درختوں کے تنوں تک پہنچ گئے۔ سب سے پہلے ایک مزدور نے اس درخت پر قدم رکھا اور درخت کے دوسری طرف پہنچ گیا۔ پھر ایک ایک کر کے سب سے پہلے مزدور اور اس کے بعد بقیہ لوگ گزر کر دوسرے کنارے تک پہنچ گئے، انہیں ایک خوش گوار حیرت کا احساس ہو رہا تھا۔ دوپہر گزری تو بارش رک گئی۔

اطراف میں ہر شے پانی میں ڈوبی ہوئی تھی، غروب آفتاب کے وقت یہ لوگ بانسوں کے ایک جنگل کے قریب پہنچ گئے اور جب شام نے اپنی گھنیری زلفیں پھیلائیں تو ہمالیہ کی بلند چوٹیاں نظر آنے لگیں۔ جو جنگل میں سفر کرنے کی وجہ سے چھپ گئی تھیں۔ چاند ان چوٹیوں کے پیچھے پوشیدہ تھا۔ مگر اس کی مدھم روشنی وادیوں تک پہنچ رہی تھی اور ان کے سامنے سیاہ پہاڑ کی دیوار پھیلتی جا رہی تھی۔ بڑا جان لیوا سفر طے کیا گیا تھا۔ اس لیے کیمپ فوراً لگا دیا گیا اور مزدور اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ ایک دور دراز گوشے میں گرشک اور سیتا بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ وہ پتا نہیں کیا باتیں کر رہے تھے۔ رانا گل نواز ان کے نزدیک پہنچا تو دونوں خاموش ہو گئے۔ اسی وقت گرشک نے کہا۔

"ادھر...... وہ ادھر دیکھو! اس سیاہ پہاڑ میں روشنی کی طرف گرشک نے کہا اور نہ جانے وہ کیا دکھانا چاہتا تھا لیکن کرنل گل نواز چونک پڑا اس نے آہستہ سے کہا۔

"شاید کسی چراغ کی روشنی ہے، مگر خوفناک علاقے میں چراغ۔"

"ہاں...... تم لوگ جانتے ہو کہ بدھ مت میں ترک دنیا کا فلسفہ سب سے زیادہ ہے ممکن ہے وہ کوئی راہب ہو جو ان ویرانوں میں کٹیا بنا کر عبادت کر رہا ہو۔"

"کیا تمہیں اس کے بارے میں کوئی معلومات ہیں۔"

"پتا نہیں۔"

"آؤ دیکھیں۔"

"آؤ......" گرشک اور سیتا اٹھ کھڑے ہوئے۔ گرشک نے رانا چندر سنگھ کو بھی آواز دی۔ شعورہ، قزل شائی، علی سفیان اور امینہ سلفا، اپنے اپنے خیموں میں تھکن دور کر رہے تھے۔ ان لوگوں نے انہیں آواز دینے کا ارادہ ترک کر دیا۔ پتا نہیں وہ لوگ ان کا ساتھ دے سکیں گے یا نہیں۔ رانا چندر سنگھ، کرنل گل نواز، گرشک اور سیتا کے ساتھ روشنی پر نظر جمائے آگے بڑھنے لگے۔ فاصلہ کافی تھا اور اس وقت اس تھکن اور حالات کے باوجود سفر طے کرنا کچھ عجیب سا تھا لیکن نجانے یہ کیا لگن تھی کہ وہ ان چٹانوں کے درمیان آگے بڑھتے رہے اور وہاں پہنچ گئے جہاں سے روشنی نظر آ رہی تھی۔

یہ ایک غار تھا ٹھنڈا اور پراسرار روشنی ایک چھوٹے سے کاربائٹ لیمپ کی تھی لیکن قرب و جوار میں کوئی موجود نہیں تھا۔ بڑی عجیب سی بات تھی۔ یہ لوگ دور دور تک نظریں دوڑاتے رہے لیکن چراغ جلانے والے کا کوئی پتا نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ قرب و جوار کا جائزہ بھی لے رہے تھے لیکن کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

بہرحال بہت دیر تک وہ ادھر ادھر دیکھتے رہے۔ کاربائٹ کے اس چراغ کے علاوہ یہاں کچھ بھی نہیں تھا اور اس سے زیادہ پر اسرار بات کوئی نہیں ہو سکتی تھی۔ ہو سکتا ہے یہ چراغ روشن کرنے والا کہیں دور نکل گیا ہو لیکن ان پہاڑوں میں جو کچھ بھی تھا۔ بہت ہی خوفناک ہو سکتا تھا۔ بہت دیر تک یہاں آوارہ گردی ہوتی رہی اور پھر وہ لوگ وہاں سے مایوس ہو کر واپس چل پڑے لیکن کرنل گل نواز اور رانا چندر سنگھ کے اندر کی بے چینی انہیں سکون نہیں لینے دے رہی تھی۔

"کیا کہتے ہو رانا..... کیا خیال ہے تمہارا.....؟ کوئی کاربائٹ کا وہ چراغ جلا کر بھول گیا ہو۔ بیشک وہ کوئی ایسی خاص بات نہیں ہے لیکن پھر بھی نہ جانے کیوں میرے ذہن پر ایک عجیب سا بوجھ سوار ہو گیا ہے۔"

"ایک مہم جو کے لیے کسی چیز کی حقیقت تک نہ پہنچنا ذرا مشکل ہی کام ہے۔ گرشک اور سیتا بھی اس بارے میں کچھ نہیں بتا سکے۔"

"ہاں..... تو پھر کیا خیال ہے؟"

"کیا مطلب؟"

"ایک بار پھر اس راستے کا سفر کیا جائے۔"

"حالانکہ یہ بے عقلی کی بات ہے لیکن کیا تم یقین کرو گے کرنل! کہ میں خود بھی سوچ رہا تھا کہ تنہا اس طرف جاؤں۔ ورنہ ساری رات بے چینی میں گزر جائے گی۔"

"تنہا کیوں؟" کرنل نواز نے سوال کیا۔

"اس لئے کہ یہ ایک احمقانہ قدم ہے۔ سارے دن کی شدید ترین تھکن جس میں زندگی کی بازی لگا دی گئی تھی اور پھر اس کے بعد ایک زبردست جدوجہد جو پہلے بھی کی جا چکی ہے۔ بات تو بے عقلی کی ہی ہے۔ میں یہ سوچ رہا تھا کہ تم گہری نیند سو جاؤ تو میں ادھر جاؤں۔"

"یار کمال ہے۔ کیا تم یقین کرو گے کہ میں بالکل اسی انداز میں سوچ رہا تھا۔" کرنل گل نواز نے کہا اور دونوں ہنس پڑے۔

"تو پھر طے ہوا؟"

"ہاں مگر یہ سوچ لو راستہ بڑا پُر خطر ہے۔" گرشک اور سیتا کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے مجھے اپنے اطراف میں آہٹیں محسوس ہوتی رہی تھیں۔ یہاں درندے بھی ہیں۔ رائفل لے کر چلیں گے۔ بہرحال ہم یہاں کسی تبلیغی مشن پر تو آئے نہیں ہیں۔ ظاہر ہے ان پر اسرار علاقوں میں عقدہ کشائی ہی ہمارا مقصد ہے جس کے لیے ہم نے یہ سفر کیا ہے۔ دونوں دوست تیار ہو گئے رائفل ساتھ لے لی گئی تھی۔ باقی لوگ آرام کر رہے تھے۔

کچھ مزدور بے شک جاگ رہے تھے لیکن ظاہر ہے انہیں اپنے کام سے کام تھا۔ یہ لوگ چلتے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد چاند نکل آیا تھا اور چاند کی روشنی میں وہ چٹانیں پہلے سے زیادہ روشن لگ رہی تھیں۔ اس سفر کے دوران کوئی درندہ انہیں نظر نہیں آیا۔ بے شک کیمپ سے باہر کا ماحول بے حد خطرناک تھا لیکن باہمت لوگ تھے اور اب وہ جوں جوں آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ انہیں یہ ماحول کافی دلچسپ لگا تھا۔ تھوڑی دیر تک گھومنے کے بعد وہ ایک بڑی چٹان پر سے اترے ہی تھے کہ روشنی کا وہ نقطہ پھر نظر آنے لگا۔

تبت کے علاقوں میں ان پر اسرار راہبوں کے بارے میں بڑی بڑی دلچسپ داستانیں سننے کو ملی تھیں۔ وہ لوگ فاصلہ طے کرتے ہوئے پھر اسی جگہ پر پہنچ گئے جہاں انہوں نے پہلے وہ غار دیکھا تھا۔ بلاشبہ یہ چٹان قدرتی ہی تھی لیکن کسی بدھ راہب نے اسے رہنے کا ٹھکانہ بنا لیا تھا۔ سامنے ہی ایک بہت بڑا سوراخ نظر آ رہا تھا جسے اندر سے دیکھنے پر شفاف فرش نظر آنے لگا تھا۔ دونوں نے ہمت کی اور اس سوراخ سے اندر داخل ہو گئے۔ فرش پر پتھر کی ایک جگہ بنی ہوئی تھی۔ جہاں وہی کاربائٹ کا وہ لیمپ روشن تھا لیکن اس وقت بھی اندر کوئی نہیں تھا۔

وہ حیرانی سے چاروں طرف دیکھتے رہے اور ان کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آئی۔ بہت دیر تک وہ وہاں رکے رہے لیکن بے کار، کوئی چیز سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ البتہ اس بار جو چیز انہوں نے خاص طور پر دیکھی۔ وہ ایک چٹان پر تراشا ہوا پتھر کا مجسمہ تھا۔ یہ مجسمہ اس وقت نظر نہیں آیا تھا لیکن بات ایسی بھی نہیں تھی وہ پتھر کے اس مجسمے کے نزدیک پہنچ گئے۔ بڑی ہیبت ناک شکل تھی۔ اس کی زبان باہر نکلی ہوئی تھی۔

کرنل گل نواز نے اس مجسمے کو ہاتھ سے ٹٹول کر دیکھا اور دفعتاً جب اس کا ہاتھ مجسمے کی زبان پر تھا۔ اسے یوں لگا جیسے مجسمے کا منہ کھل رہا ہو۔ وہ ایک دم سے جھڑک کر پیچھے ہٹ گیا تھا۔ مجسمے کے کھلے ہوئے منہ سے کوئی چیز نکل کر باہر گر پڑی۔ کرنل گل [illegible] نے وہ چیز اٹھائی۔ وہ چیز چمڑے کا ایک تعویذ سا تھا۔ جس کی چار تہیں تھیں۔ اس نے دھڑکتے دل کے ساتھ اس تعویذ کو کھولا اور مدھم روشنی میں اسے دیکھنے لگا۔ اس پر کسی پر اسرار زبان کے کچھ نقوش تھے لیکن کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

بہت دیر تک وہ وہاں رہے اور قرب و جوار کا جائزہ لیتے رہے لیکن انہیں کچھ نظر نہیں آیا تو اس کے بعد وہ واپس پلٹ پڑے۔

لیکن انہیں اس تحریر کا راز سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ دوسرے دن صبح انہوں نے گرشک کو وہ تعویذ دکھایا۔ گرشک نے تعویذ کھولا اور دوسرے ہی لمحے وہ اس طرح چونک کر پیچھے ہٹا۔ جیسے اس کے ہاتھ آگ سے چھو گئے ہوں، اس نے خوف زدہ نگاہوں سے اس تعویذ کو دیکھا اور پھر مقامی زبان میں کچھ کہنے لگا۔ سیتا نے پاؤں کی ٹھوکر سے تعویذ دور پھینک دیا۔

"کیا بات ہے گرشک؟" کرنل گل نواز نے پوچھا مگر گرشک نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بہرحال اس کے بعد وہ وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ کافی دیر تک یہ سفر جاری رہا۔ آج کا سفر تیز رفتاری سے کیا گیا تھا تاکہ زیادہ فاصلہ طے ہو جائے۔ گرشک ان علاقوں کے بارے میں بتاتا جا رہا تھا۔ راستے دشوار گزار ضرور تھے لیکن ایسے نہیں کہ انہیں عبور نہ کیا جا سکے پھر گرشک نے کہا کہ اب کوئی بستی آنے والی ہے، سب کی نگاہیں دور دور تک اٹھ گئیں لیکن آثار کچھ نہیں تھے۔ گرشک سے پوچھا گیا تو اس نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"وہ دیکھو! وہ مردہ خور پرندے بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ ویرانوں کے باسی ہیں۔ مگر آبادیوں سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ کم از کم ایسی آبادیوں سے جہاں سے انہیں خوراک ملنے کی توقع ہو۔"

"تو کیا تمہارے خیال میں آس پاس کوئی قبرستان ہو سکتا ہے۔"

"یقیناً انہیں یہاں مردے دستیاب ہو جاتے ہوں گے۔ اس کے علاوہ وہ دیکھو آسمان پر ایسے

پرندے بھی ہیں۔ ''جو آبادیوں سے دور نہیں رہتے۔'' گرشک کا کہنا بالکل ٹھیک تھا۔ تھوڑے فاصلے پر ایک کھیت نظر آیا۔ جو ایک ندی کے کنارے تھا۔ ندی پر مخصوص نوعیت کا لکڑی کا پل بنا ہوا تھا۔ جس کے دونوں طرف پھولوں کے تختے نظر آ رہے تھے۔ یہاں خاص قسم کی عجیب و غریب لائنیں بنی ہوئی تھیں۔ ہر لاٹ مجسمے کے جوڑے کی شکل میں تھی۔ گرشک نے بتایا کہ یہ دھولیہ ہے۔ یعنی پرانی آبادیوں کے محافظ جوان کی پوجا کرتے تھے۔ ان میں سے ہر جوڑا ایک دیوی ہے اور ایک دیوتا۔ سامنے ڈھلوان پر نظر پڑی تو چھوٹے چھوٹے مخصوص ساخت کے جھونپڑے نظر آنے لگے۔ جن کی دیواریں کچی تھیں اور چھتوں پر مخصوص قسم کی چھتری نما چھپر بنائے گئے تھے۔ بہر حال یہ بڑی انوکھی جگہ تھی۔ بستی کی طرف بڑھتے ہوئے انہوں نے ایک ایسی جگہ دیکھی جہاں ٹھنڈے اور میٹھے پانی کا ایک چشمہ پھوٹ رہا تھا۔ یہاں سب نے پانی پیا اور اس کے بعد قرب و جوار کا جائزہ لیا۔ چاروں طرف چھوٹی چھوٹی سبز رنگ کی چڑیاں اڑتی پھر رہی تھیں۔ بڑے بڑے پرندے ان چڑیوں کا شکار بھی کر رہے تھے۔ جوں جوں یہ لوگ آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ سبزہ بھی زیادہ گھنا ہوتا جا رہا تھا۔ اس وادی میں انہوں نے زرد کدو...... سرخ مرچیں کاسنی تمبا کو اور سرخ باجرے کے پودے دیکھے۔

مقامی لوگوں کی کاشتکاری کا طریقہ اگرچہ انتہائی قدیم تھا لیکن بہر طور وہ اپنی زندگی گزارنے میں کامیاب تھے۔ پہاڑوں میں زمین کھود کر بنائے گئے تازہ کھیتوں میں خستہ حال آدمی دو کوہانوں والے سیاہ اونٹ چلاتے ہوئے ہل جوت رہے تھے۔ یہ ہل لکڑی کے ایک بھدے سے ٹکڑے سے بنا ہوا تھا۔ بلندی پر چالیس پچاس ٹٹوؤں کا غول چلا آ رہا تھا۔ بہر حال قرب و جوار کے مناظر بڑے عجیب و غریب تھے۔ وہ بستی سے گزر گئے۔ شام جھکنے لگی تھی اور بستی بہت پیچھے رہ گئی تھی۔

اب وہ لوگ جس وادی میں سفر کر رہے تھے وہ آگے چل کر گھاٹی کی شکل اختیار کرنے لگی تھی، اوپر چٹانیں تھیں اور بعض جگہ اوپر جا کر اس طرح مل گئی تھیں کہ گھاٹی کی شکل اختیار کر جاتی تھی۔ دونوں طرف بڑے بڑے خوف ناک غار پھیلے ہوئے تھے۔ پھر انہیں پہلی بار ایک ایسا حادثہ پیش آیا۔ جس سے وہ ایک لمحے کے لیے سنبھل گئے۔ ایک پہاڑی موڑ کا ناہی تھا کہ کالے رنگ کا ایک ریچھ نکل آیا اور اس نے ایک مزدور پر حملہ کر دیا۔

اس نے اگلے پنجے مزدور کے شانوں میں گاڑھ دیے لیکن اس وقت گرشک نے اسی انوکھے عمل کا مظاہرہ کیا۔ جسے کامران نے پہلی بار کرنل گل نواز کے اس علاقے میں دیکھا تھا۔ جہاں گرشک اور سیتا کے لیے جگہ بنائی گئی تھی۔ گرشک کے ہاتھ میں ایک لمبا سا ڈنڈہ تھا اور ریچھ کے قریب پہنچ کر اس نے ڈنڈے کی نوک ریچھ کے پیٹ میں گھسائی اور دوسرے لمحے وزنی ریچھ نے خود کو سنبھال لیا اور گرشک کی طرف بڑھنے لگا۔

گرشک پینترے بدلنے لگا اور ایک بار پھر جو اسے موقع ملا تو پھر اس نے اسی انداز میں ریچھ کو ڈنڈے پر اٹھا لیا اور اس بار ریچھ کافی دور گرا تھا لیکن اس بار گرشک نے انتظار نہیں کیا اور ڈنڈے کو پکڑ کر ریچھ پر پل پڑا دو چار ڈنڈوں ہی میں اس نے ریچھ کا بھیجا باہر نکال دیا۔

مزدور دہشت بھری آنکھوں سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ جب ریچھ ٹھنڈا ہو گیا تو وہ اپنے ساتھی کی طرف دوڑے۔ اس کا شانہ اور بازو بری طرح ادھڑ گیا تھا۔ پہلے اس کی مرہم پٹی کی گئی اور اس کے بعد اسے ایک اسٹریچر پر لٹا دیا گیا۔ سب کے سب سنجیدہ ہو گئے تھے لیکن وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گرشک کو بھی دیکھتے تھے۔

جب کہ گرشک بالکل مطمئن تھا۔

پھر پہلی بار انہیں ایسی چیزیں نظر آئیں جسے دیکھ کر وہ حیران رہ گئے۔ یہ جلی ہوئی راکھ تھی۔ جس کے برابر سگریٹ کے ٹکڑے اور کچھ ایسی چیزیں پڑی ہوئی تھیں۔ جیسے ٹشو پیپر وغیرہ، اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ کوئی پارٹی یہاں سے گزری ہے لیکن گرشک نے ان چیزوں کو بہت گہری نگاہوں سے دیکھا تھا وہ منہ اٹھا اٹھا کر فضاؤں میں سونگھ رہا تھا اور پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

''وہ...... وہ...... وہ قریب ہے...... وہ قریب ہے۔''

''کون......؟'' علی سفیان نے سوال کیا اور گرشک نے آنکھیں بند کر لیں سیتا بھی کچھ عجیب سی کیفیت میں مبتلا تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی خاص چیز کو سونگھ رہے ہوں اور پھر ان کے اندر میں ایک عجیب سا اضطراب پیدا ہو گیا تھا، اور پھر یہ اضطراب مسلسل بڑھتا رہا، یہ بڑی عجیب سی کیفیت تھی، اس دن، دن میں زیادہ سفر طے نہیں کیا گیا۔ لیکن رات کو پھر یہ انوکھا سفر جاری ہو گیا سفر آہستہ آہستہ کافی پر خطر ہو گیا تھا اور اب یہ لوگ ایک برفانی علاقے میں تھے، ہمالیہ کے سلسلے کی یہ پہاڑیاں کافی پر اسرار تھیں۔

سردی بدن کاٹ رہی تھی۔ نوکیلے پتھر راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ تھے۔ ایک جگہ دو چٹانوں کے درمیان برف میں چھپی ہوئی ایک کھائی تھی جہاں یخ کیچڑ برفانی دلدل کی شکل اختیار کیے ہوئے تھی لیکن گرشک جوان علاقوں کا باشندہ تھا۔ انہیں ہر چیز سے محفوظ کیے ہوئے جا رہا تھا۔ دوسری رات ان کے لیے بڑی سنسنی خیز ثابت ہوئی۔ چاندنی ایک تیز رفتار ندی کے نشانات دے رہی تھی اور فضاؤں میں ایک انوکھا شور ابھر رہا تھا۔

کچھ دور جا کر ایک ہیبت ناک منظر دکھائی دیا۔ برق رفتار ندی ایک پہاڑی میں بنے ہوئے گہرے غار میں گم ہو رہی تھی اور یہ شور اسی کا تھا۔ پہاڑ لرز رہے تھے۔ جس غار میں یہ ندی داخل ہوئی تھی اس کی کیفیت کیا ہوگی۔ وہ انتہائی خوف زدہ تھے اور پھر انہوں نے بے شمار چٹانوں کے درمیان سے گزرنے کے بعد ایک مسطح جگہ قیام کیا۔ یہاں کی جو صورت حال تھی وہ اپنی مثال آپ تھی اور در حقیقت یہاں آس پاس کی زمین مسلسل زلزلے جیسی کیفیت رکھتی تھی۔ جگہ بھی بڑی دہشت ناک تھی اور دلوں پر خود بہ خود خوف طاری ہو جاتا تھا۔ کرنل گل نواز نے راناچندر سنگھ سے کہا۔

''علی سفیان تو خیر بذات خود ایک پر اسرار کردار بن چکا ہے۔ چونکہ امینہ سلفا جیسی عورت کے ساتھ زندگی بسر کر رہا ہے۔ باقی رہا قزل ثنائی تو اپنی تحقیق میں عمر صرف کر چکا ہے۔ پر اسرار حالات اور واقعات سے نمٹنا اس کا محبوب مشغلہ ہے۔ رہ گئے میں اور تم تو ہم بھی جو ضرور رہے ہیں اور زندگی میں ہم نے بڑے بڑے سنسنی خیز واقعات کا سامنا کیا ہے لیکن اس طرح کی دہشت ناک سرزمین پہلی بار دیکھی ہے۔ میرے خدا...... یوں لگتا ہے جیسے ہمارے پیروں کے نیچے کی ساری زمین کھوکھلی ہو اور اس میں اس دریا کا پانی بھرا ہوا ہو۔ ہر جگہ سے خوف ناک آوازیں ابھر رہی ہیں۔''

''یہ شکر ہے کہ ہمارے ساتھ کوئی ایسا کردار نہیں ہے جو خوف کی وجہ سے آگے کا سفر طے نہ کر سکے۔ بہر حال ہمیں اپنی منزل تک چلنا ہے۔ میں یہ علاقہ جلد از جلد چھوڑ دینا چاہتا ہوں۔''

"میں تم سے اتفاق کرتا ہوں۔" کسی نے ان سے اختلاف نہیں کیا تھا کیونکہ اس کی ضرورت ہی نہیں تھی کیونکہ وہ سب خود بھی یہاں سے آگے نکل جانا چاہتے تھے۔ اس خوف ناک سرزمین کے ہر طرف کے مناظر اپنی نوعیت کے انتہائی خوف ناک تھے۔ کہیں عجیب و غریب واقعات پیش آ جاتے تھے اور کہیں سفر بالکل نارمل ہوتا تھا۔ لیکن انہوں نے دریا کے آس پاس کا یہ علاقہ برق رفتاری سے طے کیا۔ آگے بڑھنے والا ہر قدم یہ احساس دلاتا تھا کہ ابھی تھوڑی دیر کے بعد زمین کی موٹی سطح اپنے نیچے موجیں مارنے والے پانی میں جا گرے گی اور چٹانیں لڑھکتی ہوئی کہیں دور چلی جائیں گی جن کے درمیان یہ لوگ ہوں گے گرشک سے اس بارے میں خصوصی طور پر سوال کیا گیا تو اس نے کہا۔

"آپ کو اس بات پر ضرور حیرت ہوگی کہ یہ دریا زمین کے نیچے نیچے نہ جانے کہاں چلا جاتا ہے۔ کبھی اس کی شناخت نہیں ہو سکی اور ہزاروں میل تک یہ پتہ نہیں چل سکا کہ یہ کہاں تک جا کر زمین کے اوپر آتا ہے۔ یہاں کے رہنے والوں کا خیال ہے کہ یہ دریا زمین کے دوسرے طبق میں چلا جاتا ہے اور وہاں اپنا کام دکھاتا ہے۔"

"زمین کا دوسرا طبق۔" کرنل گل نواز نے سحر زدہ لہجے میں کہا۔ یہ تصور ہی بڑا عجیب تھا۔ اپنی تمام تر مہماتی زندگی کے باوجود کبھی ایسی دنیا تک نہیں پہنچے تھے جسے زمین کا دوسرا طبق کہا جا سکے۔ گرشک پراسرار انداز میں مسکرا کر خاموش ہو گیا تھا اور یوں لگتا تھا جیسے اس نے اس موضوع کو خصوصی طور پر ٹالنے کی کوشش کی ہو۔

بہرحال آہستہ آہستہ زمین کی لرزشیں تھم گئیں اور اب جو منظر نگاہوں کے سامنے آیا وہ کچھ یوں تھا کہ تا حد نگاہ اونچی نیچی چٹانیں بکھری ہوئی تھیں ان کے درمیان راستے تھے لیکن بڑے ہی ناہموار نوکیلے پتھروں کا یہ علاقہ کافی طویل تھا اور یہاں سفر کرنا آسان کام نہیں تھا۔ ان کے ساتھ آنے والے مزدور بھی بے چین نظر آنے لگے تھے لیکن بہرحال یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ چٹانوں کے درمیان سفر کرنے کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں ہے یہ سفر بہت ہی سست روی سے طے ہوا تھا۔ رانا چندر سنگھ نے گرشک سے پوچھا۔

"تم نے کچھ وقت پہلے کچھ الفاظ کہے تھے۔ تمہیں یاد ہیں۔" گرشک نے سرد نگاہوں سے رانا چندر سنگھ کو دیکھا اور بولا۔

"ہاں۔ میں جانتا ہوں کہ تم کن الفاظ کی طرف اشارہ کر رہے ہو۔ میں نے تم سے کہا تھا کہ وہ قریب ہے وہ آ گیا ہے۔ یہ اس علاقے کی بات ہے جسے ہم ست گاتا کی سرحد کہتے ہیں لیکن ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان چٹانوں کو عبور کرنے کے بعد ہمارے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔"

"مطلب؟" گرشک پھر پراسرار انداز میں خاموش ہو گیا تھا۔ رانا چندر سنگھ نے پھر بے چین لہجے میں کرنل گل نواز سے کہا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ یہ غلط بات ہے۔ ہم صرف اس شخص کے لیے سفر کر رہے ہیں اور یہ الفاظ اس طرح قابو میں رکھتا ہے جیسے ہم صرف اس کے نزدیک محض مہرے ہوں اور اس سے زیادہ ہماری کوئی حیثیت نہیں ہے۔" گرشک نے یہ الفاظ سن لئے اور اپنی جگہ سے اٹھا اور رانا چندر سنگھ کے قدموں میں گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اس کے پیر چھو لیے۔

"یہ بات نہیں ہے میرے محسنو! ایسا بالکل نہیں ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ کچھ پابندیاں ہیں اگر میں ان سرحدوں میں داخل ہوئے بغیر ان پابندیوں کو توڑ دوں تو ہم اپنے مشن میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔"

"حالانکہ تمہاری بات اب بھی میری سمجھ میں نہیں آئی۔"

"تھوڑا وقت...... جس طرح آگے چلتے ہوئے آپ پر ہر چیز کا انکشاف ہوتا جا رہا ہے اسی طرح ہونے دیجیے۔ کوئی بھی بات آپ کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہے گی۔ کوئی بھی بات آپ کی نظروں سے چھپی نہیں رہ سکے گی۔" گرشک کی عاجزانہ گفتگو پر رانا چندر سنگھ نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ ہر شخص کا اپنا ایک مرکز تھا۔ اینہ سلفا دنیا جہاں سے بے خبر اپنے کاموں میں مصروف رہتی تھی پتھروں کے ٹکڑوں سے وہ نہ جانے کیا حساب لگاتی رہتی تھی۔ جب بھی کبھی اسے تنہائی میسر ہوتی یوں لگتا جیسے وہ کسی عمل میں مصروف ہو۔ اس کے پاس ایسے چراغ موجود تھے جو تیز ہوا سے بھی نہیں بجھتے تھے۔ یہ کسی خاص قسم کی مٹی اور گیس سے بنائے گئے تھے کیونکہ ان سے روشنی ضرور بڑھتی تھی لیکن لو بالکل نہیں ہوتی تھی۔ ان چراغوں سے اینہ سلفانہ جانے کیا حساب لگاتی رہتی تھی کبھی کبھی تو اس کی شخصیت انتہائی پراسرار ہو جاتی تھی۔

اس وقت بھی رات کا دوسرا پہر تھا۔ نوکیلی چٹانوں کا علاقہ ختم تو نہیں ہوا تھا لیکن یہاں باریک بجری جیسے پتھر تھے جن پر سفر کرنے سے مشکل تو پیش آ رہی تھی لیکن وہ تکلیف دور ہو گئی تھی جو نوکیلے پتھروں کے چبھنے سے ہو جاتی تھی۔ آخری راتوں کا چاند تھا۔ اس وقت تقریباً اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ نوکیلی چٹانوں کے سفر نے ان لوگوں کو بری طرح تھکا دیا تھا اور ہر شخص نڈھال نڈھال سا تھا چنانچہ ذرا بہتر ماحول میسر ہوا تو سب ہی نے لمبی تان لی۔ یہ آج کا تجربہ نہیں تھا۔ بہت سی بار ان تمام مہم جوؤں کو ایسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا تھا جب ان کے جسم کے نیچے پتھریلی زمین ہوا کرتی۔ کھانے کو بھی کچھ نہ ہوتا اور بعض اوقات تو بڑی سنگین صورت حال پیدا ہو جاتی تھی لیکن شوق کا کوئی مول نہیں ہوتا۔ وہ ہر قسم کے سنگین حالات کا سامنا کرتے اور خوشی خوشی کرتے کیونکہ یہی ان کے شوق کی تکمیل تھی۔

اس وقت بھی تقریباً تمام لوگ یہ گھوڑے بیچ کر سو رہے تھے کہ اس لق و دق صحرا میں جس کے بارے میں انہیں کوئی معلومات نہیں تھیں کہ ان کے ساتھ کون سا سنگین واقعہ پیش آ سکتا ہے۔ بہرحال وہ سو رہے تھے لیکن کامران جاگ رہا تھا۔ حسن شاہ اس کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا اور بظاہر اس کے انداز میں کوئی تحریک نہیں تھی جس سے یہ پتہ چلتا تھا کہ وہ گہری نیند سو رہا ہے۔ نہ جانے کیوں کامران کو ایک عجیب سی بے چینی کا احساس ہو رہا تھا اور بے چینی اسی وقت ہوتی ہے جب ذہن کسی قسم کے خیالات کا شکار ہو۔ درحقیقت اس وقت وہ اپنے بارے میں سوچ رہا تھا کیا ہے یہ زندگی؟ کیا وہ درست راستوں کی جانب سفر کر رہا ہے؟

ہر شخص کی زندگی کا ایک محور ہوتا ہے۔ اپنے طور پر زندگی گزارنے کا تصور بے شک ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے لیکن بعض اوقات انسان اس طرح اپنے آپ میں بھٹک جاتا ہے کہ اس کی زندگی اپنی بھی نہیں رہتی اور اس وقت کی صورت حال ہی اگر لے لی جائے تو بڑی عجیب سی کیفیت نگاہوں کے سامنے آتی تھی۔ وہ آزاد تھا اس پر کسی طرح کی کوئی پابندی نہیں تھی۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ کرنل گل نواز کی ہر ہدایت کی تکمیل

کرے۔ کرنل اور اس کے درمیان صرف اتنے تعلقات تھے کہ وہ حاجی صاحب کے بھیجنے پر کرنل کے پاس آیا تھا اور حاجی صاحب نے اس کے ساتھ بہت ہی اچھا سلوک کیا تھا لیکن پھر یہ مہم جو جس کام میں مصروف ہو گئے تھے وہ بہت ہی الگ نوعیت کا تھا۔ خود کامران کی ذات سے نہ جانے کیسی کیسی کہانیاں منسوب ہو گئی تھیں اس میں بھی نہ اس کی پسند کو دخل تھا اور نہ اس کی کوشش کو۔ بس وہ حالات کے لبادے میں لپٹتا چلا گیا تھا۔ اچانک ہی اسے حسن شاہ کی آواز سنائی دی۔

''کامران! مجھے پتہ ہے کہ تم سوئے نہیں رہے۔ میں تمہیں تمہارے خیالات میں ذرا بھی ڈسٹرب نہ کرتا لیکن دیکھو ادھر کیا ہو رہا ہے؟''

''کدھر''

''وہ ادھر اس بڑی چٹان کے پیچھے۔'' حسن شاہ نے اشارہ کیا اور کامران کو بھی بڑی چٹان کے پیچھے مدہم مدہم روشنی نظر آئی۔ دیر تک اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ روشنی کیسی ہے۔ روشنی ساکت تھی اور سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس چیز سے ابھر رہی ہے۔ اس نے کہا۔

''تمہارا کیا خیال ہے حسن شاہ!''

''دیکھے بغیر کیا خیال ظاہر کیا جا سکتا ہے۔ ویسے ان پراسرار ویرانوں میں کوئی بھی منظر نظر آ جائے باعث حیرت نہیں۔ قدرت کی اس سرزمین پر نہ جانے کیا کچھ ہے جو انسانوں کی نظر سے پوشیدہ ہے۔ آؤ ذرا دیکھیں۔''

وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور دبے پاؤں آگے بڑھنے لگے۔ فاصلہ کافی تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اس چٹان کے عقب میں پہنچ گئے۔ اس طرح یہاں پہنچے تھے کہ اگر چٹان کے دوسری طرف کوئی موجود بھی ہو تو اسے کانوں کان خبر نہ ہو لیکن ابھی وہ دوسری طرف جھانکنے بھی نہ پائے تھے کہ انہیں امینہ سلفا کی آواز سنائی دی۔

''آ جاؤ چھپ کر کسی کو دیکھنا بری بات ہے۔ امینہ سلفا کی آواز ان لوگوں نے پہچان لی تھی۔ وہ دونوں چٹان کے عقب سے نکل کر اس کے سامنے پہنچ گئے۔ امینہ سلفا بے حد پرکشش نظر آ رہی تھی۔ چراغوں کی مدہم روشنی میں اس کا سراپا بہت دلکش لگ رہا تھا۔ ویسے بھی امینہ سلفا نے اپنی زندگی کی جو داستان سنائی تھی اس کے تحت وہ زمانہ قدیم کی ایک پراسرار عورت تھی۔ اب یہ الگ بات ہے کہ اس داستان میں داستان گوئی زیادہ ہو اور اس نے اپنی کہانی رنگ آمیزی کے ساتھ سنائی ہو۔ اصولی طور پر تو یہ تسلیم نہیں کیا جا سکتا تھا کہ صدیوں سے زندہ ایک عورت مہذب دنیا میں ایک خوشگوار زندگی گزار رہی ہے۔ لیکن اس کے بہت سے پراسرار عمل ایسے تھے کہ انسان اس کی بات پر یقین کرنے پر مجبور ہو جائے۔ اس نے مسکراتے ہوئے ان دونوں کو دیکھا اور بولی۔

''آؤ بیٹھو جوانو......! بڑی خوشی ہوئی تمہارے آنے سے۔''

''ہم آپ کی تلاش میں نہیں آئے بلکہ چٹان کے اس طرف یہ پراسرار روشنی ہمارے لئے حیران کن تھی۔''

''صفائی مت پیش کرو۔ میں جانتی ہوں کہ تم اس لئے ہی آئے ہو۔ آؤ بیٹھو۔'' حسن شاہ اور کامران اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئے۔''

''اگر برا نہ لگے تو میں یہ چراغ بجھا دوں۔'' ''ابھی کچھ لمحوں کے بعد چاند نکلنے والا ہے یہ ضروری ہے۔''

''بجھا دیجیے۔'' امینہ سلفا نے ایک ایک کر کے سارے چراغ بجھا دیے۔ انہوں نے دیکھا کہ

چراغوں کے پاس چھوٹے چھوٹے پتھروں کے مختلف نقوش بنے ہوئے ہیں۔ امینہ سلفا اس مدہم سی روشنی میں بے حد پراسرار نظر آ رہی تھی۔ اس کے انتہائی لمبے گھنے سیاہ بال، ہوا سے اڑ رہے تھے اور اس کا چہرہ ان کی زد میں آ کر عجیب و غریب مناظر پیش کر رہا تھا۔ وہ دونوں اس کے پراسرار حسن میں کھو گئے۔

''مجھے تم لوگوں کی ضرورت ہے۔ تم دیکھ رہے ہو۔ پتھروں کا یہ شہر...... کیا تم یقین کرو گے کہ...... کہ......'' اسی وقت آسمان پر چاند نے جھانکا اور عجیب سے انداز میں چاندنی زمین تک پہنچ گئی۔ امینہ سلفا جیسے چونک پڑی تھی۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ رات کی پراسرار چاندنی میں یہ ہنسی بھی بڑی عجیب سی لگی تھی۔ وہ بولی۔

''کیا تم خواب دیکھتے ہو؟''

''خواب کون نہیں دیکھتا......'' کامران نے کہا۔

''ان خوابوں میں تم نے کبھی اپنے آپ کو کسی شہنشاہ کے روپ میں پایا ہے۔''

''نہیں...... کبھی نہیں۔ ہر انسان اپنی ذہنی رہنمائی کے مطابق خواب دیکھتا ہے۔''

''ارے واہ...... کیا خوب صورت جملہ استعمال کیا ہے تم نے ذہنی رہنمائی...... واقعی...... ہر شخص کی ذہنی اپروچ الگ ہوتی ہے...... اچھا ایک بات بتاؤ کامران تم کیا تمہیں کوئی ایسی زندگی قبول ہوگی جو مہذب دنیا سے ہٹ کر ہو اور جہاں تم ایک شہنشاہ کی حیثیت سے وقت گزارو۔''

''شاید نہیں۔''

''کیوں؟''

''انسان جس ماحول میں پیدا ہوتا ہے۔ زندگی کے سفر طے کرتا ہے۔ وہی ماحول اس کی فطرت کا ایک حصہ بن جاتا ہے۔ میں صرف کرنل گل نواز کے احکامات کی تکمیل میں یہاں تک پہنچ سکا ہوں۔ ورنہ اگر میں ان کا اس قدر وفادار نہ ہوتا یا پھر اگر مجھے یہاں اس طرح پیش آنے والے واقعات کا پچاس فیصد بھی علم ہوتا۔ تو شاید میں کرنل گل نواز سے بھی معذرت کر لیتا لیکن اس بات کو بھی میں جانتا ہوں کہ ان کے ذہن میں بھی ایسی کسی دنیا کا تصور نہیں ہوگا۔ امینہ سلفا نے ایک ٹھنڈی سانس لی اور بولی۔

''ہم خوب سے خوب تر کی تلاش میں ہوتے ہیں۔ انسانی فطرت تبدیلیاں چاہتی ہے۔ تم نے اپنی دنیا میں بہت سا وقت گزار لیا اور بہت طویل عرصے سے ان ویرانوں میں بھٹک رہے ہو۔ اگر انہیں مہذب علاقوں کی آبادی تمہیں خوش آمدید کہے جیسے ست گاتا جہاں تم ایک دیوتا کی طرح پوجے جاؤ گے۔ ہر شخص حکم کی تعمیل کرے گا۔ کیا تمہیں کوئی ایسی زندگی پسند نہیں ہوگی۔''

''ابھی تک میں نے اس بارے میں کبھی نہیں سوچا اور میں نہیں جانتا کہ اگر اس طرح کی کوئی زندگی مجھے کبھی گزارنی پڑے۔ تو میں اس میں خوش رہ سکوں گا یا ناخوش۔''

''گویا اس بات کے امکانات ہیں کہ اگر وہ زندگی تمہیں پسند آ جائے۔ تو وہاں گزارا کر لو گے۔''

''آپ یہ تمام باتیں کیوں کر رہی ہیں۔'' امینہ سلفا۔ کامران نے کہا۔

''نہیں بالکل نہیں...... بس ایسے ہی تم یہاں آ گئے میں نے سوچا کوئی نہ کوئی گفتگو تو کرنی ہی ہے تم

ہے...... ویسے بھی تم کرشنگ اور سیتا کے ساتھ سفر کر رہے ہو ان کے مقصد کی تکمیل کے لیے...... حالانکہ میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ تم دھرم دستونیہ نہیں ہو...... البتہ قدرت نے تمہیں وہی چہرہ، وہی آواز، وہی انداز دیا ہے میں وقت سے ناواقف نہیں ہوں۔ یہ ایک انوکھی کہانی ہے لیکن دوسروں کی کہانیاں سنائی نہیں جاتیں۔ خاص طور سے آپس کی کہانیاں۔ جن پر ان کی زندگی کا دارومدار ہو۔ کامران کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے اور امینہ سلفا نے چونک کر اسے دیکھا۔ جیسے اسے کامران کی اس کیفیت کا احساس ہو گیا ہو۔ پھر اس نے بے تکلفی سے پوچھ لیا۔

"کیا بات ہے کامران۔ تمہیں میرے الفاظ کچھ ناگوار گزرے۔"

"جی محترمہ امینہ سلفا۔ میں آپ کا احترام کرتا ہوں کیوں کہ کرنل صاحب بھی آپ کو عزت و احترام دیتے ہیں لیکن بعض چیزیں کچھ ذاتیات سے تعلق رکھتی ہیں۔ میں نے اب تک آپ سے کوئی ایسا سوال نہیں کیا۔ جو آپ کے مزاج کے مخالف ہو لیکن اس وقت میں یہ بات کہنے میں حق بجانب ہوں۔ کہ آپ کے اندر خود پسندی ضرورت سے کچھ زیادہ ہی ہے۔" امینہ سلفا پھر چونکی۔ اسے کامران کے تلخ لہجے کا احساس ہوا لیکن پھر نجانے کیوں وہ مسکرا دی۔

"خود پسندی...... بری بات تو نہیں ہے۔"

"بے شک نہیں ہے لیکن اگر انسان اپنی ذات کو دوسروں سے بہت بلند سمجھ لے تو پھر وہ بہت سے افراد کے لیے کوئی پسندیدہ شخصیت نہیں رہتی۔"

"مجھے بتاؤ...... تمہاری اس برہمی کا سبب کیا؟"

"نہیں...... میں برہم نہیں ہوں...... بس یہ احساس میرے دل میں جاگا ہے کہ آپ دوسروں کو حقیر سمجھتی ہیں۔"

"نہیں...... ایسا نہیں ہے کامران۔"

"تو پھر آپ نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ میں جس کردار کا ہم شکل ہوں، وہ خود کہاں ہے؟ امینہ سلفا میں تمہاری پراسرار قوتوں کا دل سے قائل ہوں۔ جانتا ہوں کہ آپ بہت سی خوبیوں کی مالک ہیں لیکن مجھے آپ ضرور ایک بات بتائیے کہ میں تو آپ لوگوں کے لیے اپنی دنیا چھوڑے ہوئے ہوں اور جس طرح آپ لوگ چاہ رہے ہیں۔ وہ کر رہا ہوں لیکن آپ اتنا محتاط ہیں کہ مجھے یہ تک نہیں بتایا جاتا کہ آخر میری زندگی کا مقصد کیا ہے وہ شخص، جس کا میں ہم شکل ہوں خود کہاں ہے۔ کیا میرے اندر صرف اس کا ہم شکل ہونے کی وجہ سے وہ چیزیں پیدا ہو سکتی ہیں جو ایک سوتے ہوئے شہر کو جگا دیں۔ امینہ سلفا کے ہونٹوں پر ایک دلآویز مسکراہٹ پھیل گئی نجانے کیوں اس کی آنکھوں میں ایک پیار امڈ آیا تھا۔ اس نے پیار بھری نظروں سے کامران کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ناراض نہ ہو۔ آنے والے وقت میں تم میرے لئے ایک بڑی حیثیت کے حامل ہو گے۔ میں تمہیں ناراض کیسے کر سکتی ہوں۔ لیکن میرے دوست میرے بہت اچھے ساتھی بعض چیزوں کے لیے زبان بندی زندگی کی طرح ضروری ہوتی ہے، اگر میں وقت سے پہلے تمہیں بہت سے امور سے آگاہ کر دوں تو میری حیثیت ختم ہو جائے گی۔ یہ ایک عہد ہے۔ ایک مقدس عہد جو صدیوں کے اور ہمارے درمیان ہے۔ چلو اتنا بتا دوں

ہوں کہ مت کاتا کا ساحر جیتا جاگتا ہے اور تم اس کی زندگی میں ایک نمایاں عمل سرانجام دو گے۔ یقین کرو میرا علم اس سے زیادہ نہیں ہے اور باقی جہاں تک میرا اور تمہارا تعلق ہے۔ نہ صرف تمہارا بلکہ باقی لوگوں کا تو وہ بہت گہرا ہے۔ سمجھ لو......" امینہ سلفا جملے کہتے کہتے خاموش ہو گئی۔ جیسے اسے احساس ہو گیا ہو کہ سمجھ لو آگے وہ جو کچھ کہنا چاہتی ہے۔ وہ اس کیلئے موزوں نہیں ہے۔ پھر وہ خاموش نگاہوں سے کامران کو دیکھتی رہی اور اس کے بعد ایک دم اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی۔ اب اس کا چہرہ ایک دم نارمل ہو گیا تھا۔ اس نے آہستہ سے کہا۔

"جاؤ...... آرام کرو۔" یہ کہہ کر وہ خود چل پڑی اور اس طرف چل پڑی جہاں باقی لوگ موجود تھے۔

کامران نجانے کیوں کچھ بگڑ سا گیا تھا۔ انہوں نے امینہ سلفا کا تعاقب نہیں کیا۔ بلکہ وہاں سے آگے بڑھ کر ایک کھلی جگہ جا بیٹھے۔ چاند اب پوری طرح نکل آیا تھا، اور زمین دور دور تک پوری طرح روشن ہو گئی تھی۔ کامران نے آہستہ سے کہا۔

کیا کیا حماقتیں ہو جاتی ہیں زندگی میں، انسان کبھی سوچ بھی نہیں سکتا۔ مجھے اگر پتہ ہوتا کہ صورت حال یہ مشکل اختیار کر جائے گی تو شاید میں اس بارے میں کرنل نگل نواز سے بھی تعاون کرنے سے انکار کر دیتا۔ یہ تو عجیب مصیبت گلے پڑ گئی ہے۔ حسن شاہ خاموشی سے اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"میری رائے ہے کامران کہ یہاں تک آنے کے بعد اپنے آپ کو بددلی کا شکار نہ ہونے دو۔ جو کچھ ہو رہا ہے ظاہر ہے نہ میری سمجھ میں آنے والی چیز ہے اور نہ تمہاری۔ باقی لوگ بھی جس حد تک صورت حال کو سمجھ رہے ہوں گے تمہیں بھی اس کا اندازہ ہے اور مجھے بھی۔ یہ لوگ جن کی زندگی کا کوئی خاص مقصد نہیں ہے اپنی زندگی کی بازی لگا کر اپنے شوق کی تکمیل کر رہے ہیں۔ بہر حال میں بھی تم سے مختلف نہیں ہوں اور رانا چندر سنگھ کے ساتھ یہاں تک آیا ہوں لیکن اب بد دل ہونے سے کوئی فائدہ نہیں۔ آنے والے وقت کا انتظار کرو۔"

"مجھے زندگی کا کوئی خوف نہیں ہے، بس میں یہ سوچتا ہوں کہ اگر کوئی نقصان بھی پہنچے تو اس کا کوئی مصرف تو ہو۔ چلو اٹھو...... آؤ آرام کریں باقی سب کچھ جہنم میں جائے۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔"

کامران اس وقت ذہنی کچھ برگشتہ سا ہو گیا تھا۔ وہ لوگ واپس اس جگہ آ گئے جہاں باقی لوگ موجود تھے۔ امینہ سلفا اس طرح کروٹ بدل کر خراٹے لے رہی تھی جیسے تھوڑی دیر پہلے وہ جاگ ہی نہ رہی ہو۔ کامران نے منہ ٹیڑھا کر کے گردن جھٹکی اور خود بھی اپنی جگہ جا لیٹا۔ بہت دیر تک نیند نہیں آئی۔ طبیعت پر ایک جھلاہٹ سی سوار تھی۔ اپنی دنیا یاد آ رہی تھی۔ یا یہ سارے مصائب بھی تھے۔ یہ سوچ رہا تھا کہ بلا وجہ دوسروں کی مصیبت اپنے سر کیوں مول لی ہے اور اس مصیبت سے چھٹکارا کب ملے گا؟ بہر حال نیند نے کچھ وقت کے لیے سکون ضرور بخش دیا تھا لیکن اس کے بعد جب نیند ٹوٹی تو بے سکونی کچھ اور بڑھ گئی تھی۔ یہ جگہ وہ نہیں تھی جہاں وہ لوگ سوئے تھے۔ ایک لمحے کے اندر اندر یہ احساس ہو گیا تھا کہ جگہ اجنبی ہے لیکن سوتے سوتے یہ کیسے ممکن ہو گیا۔ یہ بات ناقابل فہم تھی۔ سب سے پہلی نگاہ اوپر آسمان کی طرف اٹھی تھی۔ رات کو جب کامران سویا تھا تو سر پر بے کراں آسمان تھا اور چاند کی روشنی آنکھوں میں چکا چوند پیدا کر رہی تھی لیکن اس وقت اس کے سامنے آسمان کی چھت نہیں تھی بلکہ یہ ایک باقاعدہ چھت تھی جس میں بہت ہی خوبصورت فانوس لٹکے ہوئے تھے ان فانوسوں میں شمع روشن نہیں تھی اور نہ ہی یہ شیشوں کے بنے ہوئے فانوس تھے بلکہ کسی خاص قسم کے پتھر کے پیالوں میں

بہت ہی نادر ہیرے نصب کیے گئے تھے اور انہی کی مدھم اور مسرور کن روشنی ماحول کو منور کر رہی تھی۔ اس نے ادھر اُدھر دیکھا اور پھر اپنے بدن کے نیچے زمین محسوس کی لیکن یہ زمین نہیں تھی بلکہ آرام دہ گدے قسم کی چیز تھی۔ اس نے سب کچھ غور سے دیکھا۔ کسی جانور کی کھال سے بستر بنایا گیا تھا۔ جس میں پرندوں کے پر بھرے ہوئے تھے۔ لکڑی کے بھدے کنڈوں میں جانور کی کھال چمڑے ہی سے کس کر بنائی گئی تھی۔ سارا ماحول ہی عجیب و غریب تھا۔ جب اسے ماحول کا پورا احساس ہوا تو اس کے حلق سے ایک آواز نکل گئی اور وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے چاروں طرف دیکھا۔ یہ اندازہ ایک لمحے کے اندر اندر ہو گیا کہ وہ کسی قدرتی غار میں ہے لیکن اس غار کو جو شکل بخش دی گئی تھی وہ انتہائی حیران کن تھی۔ وہ باقی ساتھیوں کی تلاش میں نگاہیں دوڑانے لگا لیکن جگہ اتنی بڑی نہیں تھی اور وہاں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ البتہ غار میں دو دروازے نظر آ رہے تھے۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور تیزی سے ایک دروازے کی سمت دوڑا۔ ایک لمبی سی سرنگ دروازے کے سامنے دور تک چلی گئی تھی۔ سرنگ کا اختتام ایک بڑے سے ہال پر ہوا تھا اور اس ہال میں اس نے جو کچھ دیکھا وہ اس کے لیے انتہائی حیران کن تھا۔ ہال میں جگہ جگہ مشعلیں روشن تھیں۔ درمیان میں مختلف جانوروں کی کھالیں بچھی ہوئی تھیں اور ان پر شانوں سے لے کر ٹخنوں تک سفید لباس پہنے ہوئے گھٹے ہوئے سر والے ولائی لاماں یا بدھ مت کے پیروکار یوگا کے آسن مارے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی آنکھیں بند تھیں۔ انہوں نے ہاتھ جوڑے ہوئے تھے اور ان کے سامنے ایک مجسمہ رکھا ہوا تھا جس کے اردگرد سرخ روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ یہ روشنی بھی شاید یاقوتوں کی تھی جو اس کے درمیان دیوار میں جڑے ہوئے تھے لیکن یہ مجسمہ بدھا کا نہیں تھا بلکہ کوان یل جیسے کسی اور شخص کا تھا۔ وہ حیرانی سے ان ولائی لاما کو دیکھنے لگا۔ اس کے قدموں کی آواز غار میں گونج رہی تھی۔ لیکن نہ تو کسی نے آنکھیں کھولیں نہ پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔ اس نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں مگر اس وسیع و عریض ہال میں اسے کوئی اور دروازہ نظر نہیں آیا۔ تھوڑی دیر تک وہ وہاں کھڑا رہا۔ پھر اس نے کچھ آوازیں بھی پیدا کیں لیکن زمین پر آسن مارے بیٹھے ہوئے بت نما انسانوں میں کسی قسم کی جنبش نہیں تھی۔ ایک لمحے کو کامران سوچتا رہا۔ پھر اس نے اپنی اس رہائش گاہ کا دوسرا حصہ دیکھا یعنی دوسرا دروازہ اور وہ واپس اس سرنگ میں پہنچ گیا۔ سرنگ عبور کر کے وہ اپنی رہائش گاہ میں آیا اور پھر دوسرے دروازے سے اندر داخل ہو گیا اس طرف بھی سرنگ تھی اور اس سرنگ کا اختتام بھی بالکل ویسے ہی بڑے ہال پر ہوا تھا لیکن یہاں اپنے باقی تمام ساتھیوں کو دیکھ کر کامران نے سکون کی گہری سانس لی۔ وہ سب بھی جاگ گئے تھے اور اس صورت حال پر حیران تھے۔ یہاں اس غار جیسی آرائش تو نہیں تھی لیکن دیواروں میں مشعلیں روشن تھیں اور ضرورت کی کچھ چیزیں یہاں موجود تھیں۔ نیچے کھالوں کے بستر تھے لیکن اس طرح آرام دہ نہیں تھے جس قدر آرام دہ بستر کامران کے غار میں تھا۔ کرنل گل نواز پھرتی سے اپنی جگہ سے اٹھے اور بولے۔

"کامران تم خیریت سے تو ہو؟"

"ہاں! میں تو خیریت سے ہوں لیکن آپ لوگ......"

"میرا خیال ہے رات کو ہمیں کسی طریقے سے بے ہوش کر کے یہاں تک لایا گیا ہے۔ یہ دیواریں اس بات کا اظہار کرتی ہیں کہ ہم پہاڑوں کے اندر بنی ہوئی غاروں کی کسی دنیا میں ہیں لیکن تم کہاں تھے کیونکہ

جب ہم جاگے تو تم موجود نہیں تھے۔ کیا تم یہاں کا جائزہ لینے کے لیے گئے ہوئے تھے۔"

"نہیں کرنل صاحب میری آنکھ الگ چھوٹے سے غار میں کھلی ہے جو اس سرنگ کے درمیان میں ہے اور ایسے ہی ایک دوسرا دروازہ ایک اور سرنگ میں کھلتا ہے اور ایسے ہی ایک بڑے ہال پر جا کر ختم ہوتا ہے جہاں عبادت گزار ایک بت کے سامنے عبادت کر رہے ہیں۔ ان کی تعداد پندرہ سولہ کے قریب ہے اور ولائی لاماؤں کے لباس میں ہیں۔ کیا آپ اپنی جگہ سے ہٹے نہیں۔"

"ہمیں ابھی چند منٹ قبل ہوش آیا ہے اور ہم ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہیں۔ تم نظر نہیں آئے اور نہ گرشنک اور سیتا۔"

"گرشنک اور سیتا......" کامران چونک پڑا۔

"ہاں وہ نہیں ہیں۔ کیا وہ بھی تمہاری طرح کسی الگ غار میں ہیں۔"

"میں نہیں جانتا...... لیکن ایک حیرت ناک بات یہ ہے کہ میرا غار درمیان میں ہے اور چھوٹا ہے اور اس میں صرف دو ہی راستے باہر نکلتے ہیں۔ ایک یہاں اس ہال پر آ کر ختم ہو جاتا ہے اور دوسرا ایک دوسرے ہال پر جس کے بارے میں اب آپ کو بتا چکا ہوں یہ پتا نہیں چل سکا کہ یہاں سے بالکل ہی باہر جانے کا راستہ کون سا ہے۔"

"راستہ تو ضرور ہوگا۔ ظاہر ہے ہمیں وہیں سے یہاں تک لایا گیا ہے لیکن ممکن ہے اسے کھولنے کا طریقہ کار کچھ اور ہو۔ گرشنک اور سیتا بھی اور کسی غار میں ہو سکتے ہیں۔" اسی وقت ایک عجیب سی آواز غار میں گونجی۔

"تم لوگ دشمنوں میں نہیں ہو اور یہ بات بھی ہمیں معلوم ہو چکی ہے کہ تم راہبوں کا لباس پہنے ہوئے ہو لیکن راہب نہیں ہو۔ تم کون ہو یہ تم سے بعد میں پوچھ لیا جائے گا لیکن تم سے درخواست ہے کہ کسی قسم کی تخریب کاری کے بارے میں نہ سوچنا۔ یہاں تم معزز مہمانوں کا درجہ رکھتے ہو۔ تمہاری تمام ضرورتیں یہاں پوری کر دی جائیں گی۔"

یہ عجیب سی گونج تھی۔ زبان انگریزی استعمال کی جا رہی تھی لیکن ٹوٹی پھوٹی یوں لگتا تھا جیسے جو بھی بول رہا ہے وہ مقامی باشندہ ہی ہے اور معمولی سی انگریزی جانتا ہے۔ آواز بند ہو گئی اور سب ایک دوسرے کی صورت دیکھنے لگے۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر وہی آواز سنائی دی۔

"چھوٹے غار سے آنے والے دوست تم واپس اپنے غار میں پہنچ جاؤ۔ تمہارا مقام ان لوگوں سے الگ ہے۔"

"کیا بکواس ہے۔ میرا مقام ان لوگوں سے الگ ہے مجھے کہیں نہیں جانا۔" کامران نے کہا اور وہیں ان لوگوں کے ساتھ بیٹھ گیا۔ آواز ایک بار پھر گم ہو گئی تھی اور دوبارہ نہیں سنائی دی تھی۔

سب کی کیفیت عجیب تھی۔ کامران نے کہا۔

"یہ نئی افتاد پڑی ہے۔ ہمیں یہاں لانے والوں کے انداز میں ابھی تک کوئی جارحیت نہیں ہے لیکن یہ کون ہو سکتے ہیں۔"

"کون بتا سکتا ہے۔" رانا چندر سنگھ نے کہا۔

"لیکن گرشک اور سیتا کہاں گئے۔"

"جس طرح انہوں نے کامران کو ایک الگ غار میں رکھا ہے اسی طرح ممکن ہے وہ کسی غار میں ہوں۔"

"میرے غار سے یہاں تک آنے کا راستہ بند نہیں کیا گیا۔" گرشک اور سیتا کو انہوں نے کہیں اور نہ رکھا ہو۔ کامران نے اپنے خیال کا اظہار کیا۔

سب اپنے اپنے طور پر اظہار خیال کرتے رہے ہر ایک نے کچھ نہ کچھ کہا لیکن امینہ سلفا سب سے لاتعلق خاموش بیٹھی رہی۔ پھر کوئی ایک گھنٹے کے بعد دو آدمی ان کے غار میں داخل ہوئے۔ اپنی روایت کے مطابق گھٹنوں تک جھکے اور ان میں سے ایک نے کہا۔

"آپ لوگ کھانے کے ہال میں چلیے۔"

"دوسری ضروریات زندگی بھی ہوتی ہیں بھائی۔ ان کا کوئی بندوبست نہیں ہے۔" غزل شائی نے کہا۔

"ہے آپ آیئے۔ وہ شخص بولا اور سب ہی کھڑے ہو گئے، تب انہوں نے ایک نیا منظر دیکھا۔ آنے والوں میں سے ایک نے اپنے لبادے سے پتھر کا ایک مخصوص تراش کا ٹکڑا نکالا اور ایک چٹان کے پاس جا کر پتھر کے اس ٹکڑے کو چٹان پر بنے ہوئے مخصوص نشان پر جما دیا۔ ایک گڑگڑاہٹ کے ساتھ پتھر کی ایک سل اپنی جگہ سے سرک گئی اور اس میں خلا نمودار ہو گیا۔ خلا کے دوسری طرف ایک نسبتاً چھوٹی سرنگ نظر آ رہی تھی جس کا اختتام ایک اور ہال پر ہوا۔ اس ہال میں لکڑی کی بڑی بڑی چوکیاں رکھی ہوئی تھیں سامنے ایک دروازہ نظر آ رہا تھا۔ اس شخص نے پھر کہا۔

"آپ اس دروازے سے باہر جا سکتے ہیں۔ وہاں آپ کی ضرورت کی ہر چیز موجود ہے۔"

تقریباً سبھی باہر نکل آئے تھے۔ یہ ان غاروں سے باہر کی جگہ تھی۔ اوپر کھلا آسمان تھا۔ دلچسپ چیز چٹانوں میں تراشے ہوئے خول تھے جن کے سامنے لکڑی کے برتن اور پتھر کی بالٹیاں تھیں جن میں پانی بھرا ہوا تھا۔ چٹانیں ایسی تھیں کہ ایک دوسرے کا سامنا نہیں ہوتا تھا۔

شعورہ ہنس پڑی۔

"ہوں......؟" قزل شائی نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"یہ سب دلچسپ ہیں......" شعورہ نے ہاتھ سے اشارے کرتے ہوئے کہا۔

"نہیں......" قزل شائی چڑچڑائے لہجے میں بولا۔

"اپنی اپنی سوچ ہے مجھے تو ان لوگوں کی زندگی گزارنے کا انداز پسند آ رہا ہے۔" شعورہ نے کہا۔ دوسرے لوگوں نے اپنے اپنے کام شروع کر دیئے تھے۔

امینہ سلفا نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کامران سے کہا۔

"ہم لوگ کھلی جگہ پر ہیں یہاں سے فرار ممکن نہیں ہے۔"

"اگر ان لوگوں نے ہمیں یہاں قید کیا ہے تو ہمیں فرار سے روکنے کا بندوبست بھی کیا ہو گا۔"

"کیا ہم یہاں قیدی ہیں۔" راناچندر سنگھ نے کہا۔

"نہیں تو کیا معزز مہمان ہیں۔" کرنل گل نواز نے مسکرا کر کہا۔

"ان کا رویہ تو بہت اچھا ہے۔"

"فکر مت کرو، خراب ہو جائے گا۔"

"گرشک اور سیتا کہاں ہیں۔"

"ان کا کوئی پتہ نہیں چل رہا......! جتنے منہ اتنی باتیں تھیں۔ ضروریات زندگی سے فراغت کے بعد اس ہال میں انہیں ناشتہ کرایا گیا۔ غاروں کی ایک انوکھی بات تھی۔ ہر جگہ راہب نظر آ رہے تھے زرد لبادوں اور گھٹے ہوئے سر کے ساتھ وہ اِدھر سے اُدھر آ جا رہے تھے۔ سب سے زیادہ حیرتناک یہ قدرتی غار تھے جن کی تعداد کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ دوپہر کے کھانے کے بعد انہیں ایک اور بہت بڑے ہال میں لے جایا گیا۔ یہ بڑی عجیب سی جگہ تھی۔ ہال میں ایک چٹانی پلیٹ فارم سا بنا ہوا تھا جس پر ایک زورنگار کرسی پڑی ہوئی تھی اور اس پر ایک معمر راہب بیٹھا ہوا تھا۔ ان لوگوں کو اس پلیٹ فارم کے سامنے پہنچنے کے لیے کہا گیا اور یہ لوگ خاموشی سے بیٹھ گئے۔ تب اس شخص کی آواز ابھری۔

"اناليتا نا کی سرزمین پر تم لوگوں کو خوش آمدید کہا جاتا ہے۔ ہمیں خبر مل چکی تھی کہ دوسرے آ رہے ہو، تم میں وہ بھی ہے جو یا کان ماسی کے دشمن دھرم دستونیہ کا ہم شکل ہے۔ تم لوگ ست گاتا کے مکینوں کو دھوکہ دیئے جا رہے ہو لیکن۔ ہم نے تم سے دشمنی کا آغاز نہیں کیا۔ تم میں سے ایک مجھ سے بات کرنے کے لیے آگے آ جائے۔ تاکہ میں اسی کے سوال کا جواب دوں۔ تم لوگ اپنے نمائندے کو منتخب کر لو۔

اس کے لیے قزل شائی کا انتخاب کیا گیا۔

قزل شائی نے آگے بڑھ کر کہا۔ "میں بات کروں گا۔"

"اوپر آ جاؤ......" معمر رسیدہ شخص نے کہا۔ قزل شائی کو بیٹھنے کے لیے احترام سے کرسی دی گئی تھی۔ وہ اس عمر رسیدہ شخص کے سامنے بیٹھ گیا۔

"تم مجھ سے ہر طرح کا سوال کر سکتے ہو۔ میں جواب دوں گا۔"

"یہ کون سی جگہ ہے۔ قزل شائی نے پہلا سوال کیا۔

"انا ستیانا...... زندہ شہر۔" معمر شخص نے جواب دیا۔

"زندہ شہر سے تمہاری کیا مراد ہے۔" قزل شائی نے سوال کیا۔ اس کا انتخاب غلط نہیں کیا گیا تھا۔ پر اسرار معاملات میں جس قدر معلومات اس کی تھی۔ یا پھر ذہانت میں جس کی مثال مشکل تھی۔ وہ قزل شائی ہی تھا۔ قزل شائی نے کہا۔

"اس کا جواب تمہیں بعد میں دیا جائے گا۔"

"تم کون ہو؟" قزل شائی نے دوسرا سوال کیا۔

"لاسون۔ یاتان ماسی کا غلام۔"

"لاسون میں تم سے سوال کرتا ہوں کہ کیا قیدی بنا کر ہمیں یہاں لایا گیا ہے۔ ہم پر پابندیاں عائد ہیں۔"

"سو فیصدی...... تمہیں کسی غلط فہمی میں نہیں رکھا جائے گا۔ ہم تمہیں یہاں اپنے ایک مقصد کی تکمیل کے لیے لائے ہیں۔ یہ بات تمہیں بتا دی گئی ہے کہ تمہاری آمد کا علم ہمیں ہو چکا تھا اور حیرت کی بات یہ ہے کہ تم

آسانی سے ہمارے قبضے میں آ گئے۔" ہاں...... وہ دونوں چور ہمارے چنگل سے نکل گئے ہیں، جو تمہیں یہاں تک لائے ہیں۔ وہ اپنا کام کر رہے ہیں اور ہم اپنا۔"

"کون سے چوروں کی بات کرتے ہو؟"

"ست گاتا کا مفرور...... تم انہیں پتہ نہیں کس نام سے پکارتے ہو۔ ہم انہیں یہ نام دیتے ہیں۔"

"ہم تم سے خود ان کے بارے میں پوچھنا چاہتے تھے وہ کہاں گئے؟ کیا تم نے انہیں کوئی جانی نقصان پہنچا دیا۔"

"افسوس، ہم انہیں جانی نقصان نہیں پہنچا سکے۔ ورنہ تم سے پہلے انہیں ہی ختم کرتے۔ وہ جو کرنے آئے ہیں۔ ہم انہیں اس سے روکنا چاہتے ہیں۔"

"تمہاری یہ آبادی اناشیانہ کہلاتی ہے۔"

"ہاں...... یہ زیر زمین شہر ہے۔ جس میں ہم لوگ آباد ہیں اور انتظار کر رہے ہیں۔ ست گاتا کے جاگنے کا۔"

"تم نے ہمیں اجازت دی ہے کہ ہم تم سے ہر طرح کے سوالات کریں۔ ابھی تم نے زندہ شہر کی بات کی ہے اور کہا ہے کہ اس کا جواب بعد میں دو گے جو سوالات ہمارے ذہن میں موجود ہیں۔ اگر ہم تم سے ان کا جواب لینا چاہیں تو کیا ہمیں اس کے لیے انتظار کرنا پڑے گا۔"

"زندہ شہر اس لئے کہا گیا کہ یہاں سے کچھ آگے ست گاتا ہے اور ست گاتا کی آبادی اپنی مرضی سے گہری نیند سو رہی ہے، اس نے عتا ئیلہ کی رسم اپنائی ہے۔ صرف اس انتظار میں کہ دھرم دستونیہ ان کے درمیان آ کر انہیں جگائے گا اور دھرم دستونیہ کا انتظار کرنے والی۔ جو جاتا پرمتی کی گہرائیوں میں سو رہی ہے۔ ستی پرکھنہ جو دھرم کہلاتی ہے۔ جو جاگ کر پھر ست گاتا کی حکمرانی سنبھال لے گی اور دھرم دستونیہ اس کا دست راست ہو گا۔"

"یہ ساری باتیں۔ ہم اجنبی لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ سکتیں۔ کیا تم اس کی وضاحت کر سکتے ہو۔" عمر رسیدہ شخص نے اپنا نام لاموں بتایا تھا۔ چونک کر قزل ثنائی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم تو چالاک انسان ہو۔ اتنی چالاکی سے سوال کرتے ہو کہ تمہارا مدمقابل چکرا کر رہ جاتا ہے۔"

"نہیں۔ یاتان ماسی نے مجھے اجازت دی ہے کہ ضرورت کی ساری باتیں تم سے کر لی جائیں۔"

"یاتان ماسی کون ہے؟"

"آہ...... میں تمہیں سب کچھ بتائے دیتا ہوں۔ یہ ایک مختصر مگر عجیب کہانی ہے۔ یاتان ماسی سب گاتا کا سب سے بڑا دلائی لامہ تھا۔ علم و عمل میں بے مثال اس کی بہت قدر کی جاتی تھی۔ ست گاتا میں وہی تھا جو وہاں قوانین لاگو کرتا تھا۔ بے شک اپنے قوانین کے تحت ست گاتا کی پاتال پتی ست گاتا کی حکمرانی ہوتی تھی لیکن وہ یاتان ماسی ہی سے ہدایات لیتی تھی۔ اس وقت یاتان ماسی کے سامنے دھرم دھنی کی پانچویں نسل حکمرانی کے تخت پر بیٹھی ہوئی تھی۔ جو حکمران ہوتے ہیں ان کی زندگی میں کبھی کسی مرد کی گنجائش نہیں ہوتی۔ بس وہ اپنی زندگی پوری کرتی ہے اور اس کی جگہ یاتان ماسی کسی اور کو مقرر کر دیتا ہے۔ وہ صرف یاتان ماسی کی خدمت

پر ہوتی ہے۔ لیکن ستی پرکھنہ نے دھرم دستونیہ سے عشق کیا۔ جو وہاں کی فوجوں کا سالار تھا اور ایک علم والا بھی اور اس عشق کی بنیاد پر یاتان ماسی نے دھرم دھنی کو معزول کر دیا اور اسے حکم دیا کہ تخت تاج چھوڑ دے لیکن پاتال پتی ستی پرکھنہ نے اس کے حکم کو تسلیم نہ کیا اور دھرم دستونیہ کے ذریعے اسے گرفتار کر کے معزول کرنے کی کوشش کی لیکن یاتان ماسی کی قوتیں بے مثال تھیں۔ وہ وہاں سے فرار ہو گیا اور فرار ہونے کے بعد اس نے یہاں بھکشوؤں کی دنیا آباد کر لی۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ دھرم دھنی کو گرفتار کر کے سزا دی جائے لیکن ستی پرکھنہ نے جادوگروں کا سہارا لیا اور ان کے علم سے یاتان ماسی کو زیر کرنا چاہا۔

یاتان ماسی جو پہلے ہی بدھ دھرم کا مخالف تھا اور اپنے دھرم کو سامنے لانا چاہتا تھا۔ کیوں کہ وہی سچا دھرم تھا۔ اس نے ان جادوگروں سے جنگ کا آغاز کیا اور ان پر قابو پا لیا لیکن جادوگروں کی مدد سے پاتال پرتی نے اپنے سحر کے ذریعے ست گاتا کے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ اگر وہ یاتان لی کے ساتھ اس کی جنگ میں اس کا ساتھ دیں تو انہیں ایک نامعلوم عرصے تک کے لیے زندگی کی دلچسپیوں سے ہاتھ دھونا ہوں گے اور پرکھنہ کی گہرائیوں میں گہری نیند سو جانا ہو گا۔ اس وقت تک کے لیے جب تک کہ جادوگروں کا عمل یاتان ماسی کے خلاف پورا نہ ہو جائے اور دھرم دستونیہ جیسے یاتان ماسی کے انتقامی جذبے کے خوف سے ست گاتا سے نکال دیا گیا ہے۔ واپس آ کر ستی پرکھنہ کی پیشانی کو بوسہ نہ دے۔ جب وہ اس کی پیشانی کو بوسہ دے گا۔ تو ست گاتا جاگ اٹھے گا۔

جادوگروں نے ایک عمل کیا اور بے ہوش کر دینے والی ہواؤں سے ست گاتا کی پوری آبادی کو سلا دیا۔ دھرم دستونیہ ست گاتا کی آبادی سے خاموشی سے نکل گیا تھا اور پھر یاتان ماسی نے اس پر قبضہ پا لیا اور اسے بھی گہری نیند سلا کر اپنے لباس محفوظ کر لیا۔ یہ ہے وہ کہانی جو تمہیں بہر طور سننا ہی تھی اور اب تم ان دونوں کی مدد سے یہاں تک پہنچے ہو۔ سارا کھیل غلط ہونے جا رہا ہے۔ ایک جھوٹا دستونیہ ستی پرکھنہ کی پیشانی کو بوسہ دے گا اور بے شک ست گاتا جاگ اٹھے گا لیکن اس کے بعد ست گاتا پر موت کی بارش ہو گی اور وہ موت کی نیند سو جائے گا چوں کہ وہاں کچھ غلط ہوا ہو گا۔

ہم تمہیں اس عمل سے روکنا چاہتے ہیں اور اپنے طور پر پیشکش کرنا چاہتے ہیں۔"

"یاتان ماسی کہاں ہے؟" قزل ثنائی نے کہا۔

"وہ جہاں ہوتا ہے...... اس کے بارے میں کسی کو پتہ نہیں ہوتا۔ بس وہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔ وہ صدیوں سے زندہ ہے اور صدیوں زندہ رہے گا کیا سمجھے؟" اس موقعے پر راناچندر سنگھ نے امینہ سلفا کے چہرے پر ایک آگ سی سلگتی ہوئی دیکھی تھی لیکن اس آگ کا مفہوم اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ امینہ سلفا نے فوراً ہی خود کو کنٹرول کر لیا تھا۔

"ہمیں اب کیا کرنا ہے لاموں۔ قزل ثنائی نے سوال کیا۔"

"تم نے باہر کی کھلی فضاء دیکھی۔ یہ جگہ ایک پیالے جیسی ہے اور یہاں سے بلندی تک جانے کے راستے ڈھلوان اور سیدھی چٹانوں پر مشتمل ہیں تم ان چٹانوں کو عبور نہیں کر پاؤ گے۔ ان میں باہر جانے کے راستے خفیہ ہیں۔ یہاں سے باہر جا کر کچھ وقت گزارو تمہیں کچھ پیشکش کی جائے گی۔ خاص طور پر اس شخص کو جو

دھرم وستونیہ کا ہم شکل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہی انہیں بھی گرفتار کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ جو مفرور ہیں اور وہی سارے فساد کی جڑ ہیں۔ وہ ہمارے ہاتھ لگ جائیں گے تو ہم انہیں ہلاک نہیں کریں گے بلکہ انہیں ست گاتا میں اعلیٰ عہدوں کی پیشکش کریں۔

ایک پوری کہانی ہے۔ جو یاتان ماسی اور تمہارے درمیان ہوگی۔ اس کے لیے تمہیں کچھ چاند اور کچھ سورج انتظار کرنا ہوگا اور اگر تم نے کسی قسم کی بدعہدی کی یا یہاں موجود کسی بھکشو کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تو ایک شخص کی زندگی کے بدلے ایک شخص کی زندگی لے لی جائے گی۔ اگر کسی کو زخم لگایا تو اس کی جگہ تم میں سے کسی کو زخم لگایا جائے گا۔ بس اس بات کو یاد رکھنا۔

یہاں تمہیں نہ کھانے پینے کی تکلیف ہوگی نہ رہنے سہنے کی۔ تھوڑے ہی وقت میں تم گھومنے پھرنے کے لیے بھی آزاد ہو گے اور اس کے بعد جب یاتان ماسی تم سے ملاقات کرے گا جس مقصد کے لیے یہاں آئے ہو۔ وہ مقصد بھی پورا ہوگا اور تمہیں تمہاری دنیا میں واپس بھیج دیا جائے گا۔ بس یہ پیشکش تمہیں کرنا تھی اور کوئی سوال؟''

'' قزل شائی نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا لیکن کسی نے اسے کسی سوال کے لیے نہ کہا۔ تو لاموں اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔

''تم سب آرام کرو..... تم ہمارے معزز مہمان ہو۔ اس نے کہا۔

پھر اس کے بعد انہیں واپس اسی غار میں پہنچا دیا گیا۔ سب کے چہرے عجیب و غریب کیفیت کے حامل تھے۔ کرنل گلنواز نے کہا۔

''صورت حال کچھ الجھتی ہی جا رہی ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اب ہمارے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ کیا کرنا چاہتا ہے یہ شخص جس کا نام لاموں ہے'' کسی نے کرنل گل نواز کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ علی سفیان نے اینہ سلفاء سے کہا۔

''میرا خیال ہے ہمیں اب تمہاری مدد کی ضرورت ہے'' اینہ سلفاء نے اپنی پراسرار نگاہیں اٹھا کر علی سفیان کی طرف دیکھا اور بولی۔

''کس طرح کی مدد؟''

''جن الجھے ہوئے حالات میں ہم یہاں تک پہنچے ہیں اور یہ لوگ جس طرح ہمیں یہاں اٹھا کر لائے ہیں۔ اس سے کیا ظاہر ہوتا ہے؟''

''ابھی تک کچھ نہیں۔''

''ایک نیا نام سامنے آیا ہے۔ نئی کہانی کے ساتھ۔''

''یاتان مسی؟'' اینہ سلفاء نے سوال کیا۔

''ہاں.....''

''میں اس کے بارے میں بہت پہلے سے جانتی تھی۔'' اینہ سلفاء بولی اور نہ جانے کیوں علی سفیان کا منہ بگڑ گیا۔ اینہ سلفاء نے اسے غور سے دیکھا اور بولی۔

''کوئی بات ہے؟''

''ہاں۔''

''کیا بات ہے؟''

''اینہ میں نے کبھی تم سے تمہارے ذاتی معاملات کے بارے میں نہیں پوچھا۔''

''اور تم نے جب مجھ سے شادی کی تھی۔ تو میں نے تم پر سب سے پہلی شرط یہ عائد کی تھی کہ تم مجھ سے میرے ذاتی معاملات کے بارے میں کچھ نہیں پوچھو گے۔''

''کیا میں نے اس شرط سے روگردانی کی؟''

''یہ میں نے کب کہا؟''

''تو پھر تم اس کا حوالہ کیوں دے رہی ہو۔''

''تم جو الفاظ کہہ رہے ہو۔ میں نے یہ بات اس کے جواب میں کہی۔''

''اس وقت جب تمہاری بھرپور مرضی تھی کہ ہم لوگ یہاں تک آئیں تو میرا یہ سوال حق بجانب ہے اور میں تم سے یہ پوچھنا انتہائی مناسب سمجھتا ہوں کہ ہمیں اب کیا کرنا چاہیے؟''

''وقت کا انتظار، وقت خود اس بارے میں اہم فیصلے کرے گا۔'' اینہ سلفاء نے سرد مہری سے کہا اور اس کے بعد خاموشی طاری ہوگئی۔ کافی فاصلے پر بیٹھے ہوئے حسن شاہ نے کامران کے کان میں سرگوشی کی۔

''کامران تم یقین کرو۔ مجھے تو یہ سلسلہ ختم ہوتا ہی نظر نہیں آتا۔'' کامران نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ وہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا تھا حسن شاہ نے کہا۔

تمہارے بارے میں اینہ سلفاء دعوے سے کہتی ہے کہ تم اس خزانے سے روشناس ہو چکے ہو۔ جس کے لیے یہ تمام لوگ دل میں چور رکھتے ہیں۔ کامران نہ جانے کیوں میرا دل کہتا ہے کہ تم اپنے دل میں میرے لیے کوئی جذبہ رکھتے ہو۔ اپنے دل کے اس احمقانہ تصور کے ساتھ میں تم سے کچھ پوچھ سکتا ہوں''

''نہیں۔'' کامران نے سنگدلی سے جواب دیا اور حسن شاہ خاموش ہو گیا۔ حقیقت یہ تھی کہ اب کامران بھی ان حالات سے خاصا بدل نظر آنے لگا تھا۔ یہ لوگ اب تک اسے جس طرح چاہا استعمال کرتے رہے تھے۔ لیکن کامران یہ بھی سوچتا تھا کہ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی دل چاہا کر لیا گیا اور اب ان کے سامنے کوئی منزل نہیں ہے وہ دن گزر گیا دوسرے دن اس نے کرنل گل نواز سے اپنے دل کی بات کہہ ہی ڈالی۔

کرنل صاحب میں آپ سے وہ کہنا چاہتا ہوں جواب تک میں نے نہیں کہا۔ کرنل نے بے بسی کی نظروں سے کامران کو دیکھا اور بولے۔

''دیکھو کامران مجھے بس ایک تمہارا ہی سہارا حاصل ہے۔ اگر کسی بات پر تم بھی مجھ سے ناراض ہو گئے تو میں اپنی زندگی کے سب سے بڑے خسارے سے دوچار ہو جاؤں گا۔''

''اب خود سوچئے میں کس طرح رولنگ اسٹون بنا ہوا ہوں۔ ٹھوکروں میں پڑا ہوا ہوں۔ کبھی کچھ کبھی کچھ میری زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہے۔''

''تمہاری زندگی کا مقصد ہے بیٹے۔ تمہاری زندگی کا ایک بھرپور مقصد ہے لیکن وہ مقصد یہاں ان

پہاڑیوں ان گھاٹیوں میں نہیں ہے۔ تم میرے دل کے اس گوشے میں جا بیٹھے ہو۔ جہاں شاہنواز کی جگہ ہے کیا تم میری اس بات پر یقین کرلو گے۔'' کرنل کا انداز اور اس کے یہ الفاظ اس قدر سچے تھے کہ دل پر براہ راست اثر ہوتا تھا۔ کامران نے گردن جھکا لی اور بولا۔

''اب ہم نہیں کہہ سکتے کہ یہاں ہم کب تک قید رہیں گے۔ کرشنک اور سیتا کا بھی کوئی پتا نہیں ہے۔'' وہ دونوں کس حال میں ہیں۔ کہاں ہیں اور کیا کررہے ہیں۔''

''افسوس یہ معلومات بہت مشکل ہیں۔'' انتظار کے سوا اور کچھ نہیں کیا جاسکتا۔ لامون سے دوبارہ ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ یا تان مالی کے بارے میں بھی کوئی اور خبر نہیں ملی تھی۔ ویسے جو کہانی لامون کی زبانی ان لوگوں کو معلوم ہوئی تھی۔ وہ واقعی دلچسپ تھی۔ یہاں ایک پراسرار طلسمی ماحول تھا۔ ان غاروں میں انہیں ایک طرح کی آزادی حاصل تھی۔ کئی بار وہ اپنی مرضی سے باہر بھی نکلے تھے۔ غالباً یہ یہاں پانچواں دن تھا دوپہر کا وقت تھا ایک عجیب سا موسم ہو رہا تھا یہاں۔ کامران کو اب بدستور ان لوگوں پر فوقیت دی جارہی تھی۔ اس دن بھی دوپہر کو وہ آرام کرنے کے لیے اپنے غار میں لیٹا ہوا تھا۔ نیم غنودگی سی کی کیفیت تھی کہ دفعتاً ہی اسے اپنے اطراف میں قدموں کی آواز سنائی دی اور وہ چونک پڑا۔ یہ عالم ہوش تھا یا مدہوشی' ایک عجیب وغریب کیفیت تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے ذہن پر کوئی غنودگی سی چھائی جارہی ہو۔ وہ اپنے ہاتھ پاؤں ہلانے کی کوشش کرنے لگا لیکن اسے یوں لگا جیسے اب سب کچھ نگاہوں سے معدوم ہوتا جارہا ہو۔ پھر اسے یوں لگا جیسے وہ ایک درے میں پیدل چل رہا ہو۔ وہاں پگڈنڈی نما راستہ بہت خوب صورت تھا۔ وہ حیرانی سے ادھر ادھر دیکھنے لگا لیکن اس کے قدم اس طرح آگے بڑھ رہے تھے جیسے کوئی غیر مرئی قوت اسے آگے لے جارہی ہو۔ کافی دور تک اس نے فاصلہ طے کیا۔ اسے خصوصی طور پر یہ احساس ہو رہا تھا کہ وہ کوئی خواب نہیں دیکھ رہا۔ کئی بار اس نے اپنے آپ کو آزمانے کی کوشش کی۔ نوکیلے پتھروں پر پاؤں رکھے اور یہ پتھر اس کے پاؤں میں چبھے اس کا مقصد تھا کہ جو کچھ ہو رہا ہے۔ نیم بیہوشی کے عالم میں ہو رہا ہے اور وہ کسی طلسمی عمل کے زیر اثر قدم آگے بڑھا رہا ہے۔ پھر ایک چھوٹی سی آبادی نظر آئی کھیتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

غالباً کوئی گاؤں تھا۔ گاؤں سے ذرا فاصلے پر ایک درہ نما راستہ آگے کو جاتا تھا۔ وہ گاؤں میں رکے بغیر وہاں سے آگے بڑھ گیا اور اس کے بعد اسے ایک کیمپ سا نظر آیا۔ یہاں گھٹے ہوئے سروالے کوئی سو ڈیڑھ سو افراد نظر آرہے تھے۔ اس کے قدم ان کی جانب اٹھ گئے۔ وہ یہ اندازہ نہیں لگا پا رہا تھا کہ یہ بدھ مت کے پیرو ہیں یا کوئی اور۔ لیکن تھوڑے ہی فاصلے پر انہیں ایک بہت بڑی خانقاہ نظر آئی کافی بڑی اور پرانی عمارت بنی ہوئی تھی۔ اس نے آبادی کی جانب دیکھا پورا بازار لگا ہوا تھا۔ اس خانقاہ کے داہنی ڈھلان میں بہت سے خیمے لگے ہوئے تھے۔ وہ ان کے درمیان بڑھنے لگا اور اس کے ذہن میں عجیب وغریب احساسات جنم لینے لگے۔

وہ آگے چلتا رہا۔ اب اس کی حیثیت کسی سیاح کی سی تھی۔ کچھ دیر کے بعد وہ خانقاہ کے دروازے پر پہنچ گیا۔ یہاں بھی اس کے قدم اسے غیر ارادی طور پر ہی لائے تھے۔ ایک لمحے کے اندر اندر اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ وہ ذرا اندر کا جائزہ لے اور اس کے بعد وہ اس خانقاہ میں داخل ہوگیا۔ خانقاہ میں بہت سے پروہت موجود تھے اور اپنے اپنے کاموں میں لگے ہوئے تھے۔ اندر سے بھی خانقاہ بہت وسیع وعریض

تھی۔ وہ مختلف کوریڈور سے گزرتا ہوا اس بڑے ہال میں پہنچ گیا۔ جہاں بہت سے عبادت گزار سجدہ ریز تھے۔ سامنے ہی زمین سے لے کر بلند و بالا چھت تک عظیم الشان مجسمہ نظر آرہا تھا لیکن یہ مجسمہ مہاتما بدھ کا نہیں تھا۔ کامران نے اپنی زندگی میں مہاتما بدھ کے مجسمے کئی بار دیکھے تھے لیکن یہ مجسمہ کوئی اور شکل دکھا رہا تھا۔ پھر کامران کو یوں لگا جیسے وہاں دھند پھیلتی جارہی تھی۔ اس دھند میں گھٹن بالکل نہیں تھی بس دھند تھی۔ خالی دھند' وہ اس طرح پھیلتی چلی گئی کہ کامران کو کوئی چیز نظر نہیں آرہی تھی۔ اس نے وہاں سے نکلنا چاہا لیکن پھر اسے یوں لگا جیسے دھند اس کے دماغ میں داخل ہورہی ہو۔ اس کا سر چکرانے لگا۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہیں ہوسکا یہ بڑی عجیب وغریب بات تھی۔ بے ہوشی در بے ہوشی، اب اسے یوں لگ رہا تھا۔ جیسے وہ گہری نیند سو گیا ہو۔ یہ کیفیت کہاں پیدا ہوئی۔ کیا اسی غار میں۔ اس نیم غشی کے ماحول میں یا وہاں سے باہر، بہر حال جب اس کے حواس جاگے تو اسے بہت سے احساسات نے گھیر لیا۔ اس نے ماحول کا جائزہ لیا۔ اسے سب سے پہلے چھت نظر آئی اور اس کی آنکھیں چندھیا سی گئیں۔ چھت پر انتہائی خوب صورت نقوش کندہ تھے اور ان کی تراش اس قدر حسین تھی کہ آنکھیں بند ہونے لگیں۔ یہ نقوش ہیروں سے بنائے گئے تھے اور ان کی مدھم مدھم روشنیاں چاروں طرف رنگین شعاعوں کی صورت میں بکھری ہوئی تھیں اور اس پرخزاں کا یہ حسین امتزاج پہلے ہی مرحلے میں دل و دماغ کو ایک عجیب سی فرحت بخشتا تھا۔

وہاں سے نگاہیں ہٹیں تو دیواریں نظر آئیں۔ ان پر نہایت ہی قیمتی پردے پڑے ہوئے تھے اور ان پردوں پر تراشے ہوئے ہیروں کی لڑیاں جھول رہی تھیں۔ واقعی کسی خواب کا سا منظر معلوم ہوتا تھا۔ چھت میں جڑے ہوئے ہیروں اور دمکتے ہوئے مجسموں کو دیکھنے سے یہ اندازہ ہو جاتا تھا کہ وہ ایک عظیم الشان خزانے کی جگہ ہے۔ ان مجسموں کے گلوں میں بھی مالائیں پڑی ہوئی تھیں اور ان کے سارے وجود میں جڑے ہوئے حسین ہیرے، حسین برتن، سونے اور ہیروں کا ایک ایسا حسین امتزاج تھا کہ انسانی دماغ کام کرنا چھوڑ دے۔

لیکن صورت حال مختلف تھی کامران کو یہاں کم از کم اس کی قوت ارادی نے سنبھالے رکھا تھا اور وہ ان چیزوں سے بالکل متاثر نہ ہوا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کوئی اسے اس ماحول سے متاثر کرنے کی کوشش کر رہا تھا یا پھر یہ ایک خواب کا عالم ہے لیکن اس نے اپنے آپ کو کتنی ہی بار ٹٹول کر دیکھا تھا اور پھر اسے یقین ہو گیا تھا کہ یہ خواب نہیں ہے۔ پھر اس نے اپنے جسم کو محسوس کیا تو ایک دم اندازہ ہوا کہ جس مسہری پر وہ لیٹا ہوا ہے وہ بھی سونے ہی کی بنی ہوئی ہے اس میں ہیروں کے نقش و نگار بنائے گئے ہیں۔ بہت ہی موٹا روئی کا گدا اس کے بدن کے نیچے تھا۔ کچھ دیر کے بعد وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور اس پورے کمرے کے ماحول کو دیکھنے لگا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا ہے۔ کچھ لمحے بیٹھے رہنے کے بعد وہ اپنی جگہ پر کھڑا ہوا اور دبیز قالین اس کے پیروں کے نیچے آگیا۔ وہ بڑے عجیب وغریب احساسات کا شکار تھا۔ یہ وقت آس سے اس کی ذہنی توتیں چھینے لئے جارہا تھا لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

پھر چند لمحے گزرے تو اس نے اپنے منہ سے آواز نکالی۔

''کوئی ہے؟''

کوئی ہے تو میرے پاس آؤ...... لاسون اگر میں تمہارا قیدی ہوں اور یہ ڈرامہ تم کر رہے ہو تو یہ مجھ پر بالکل بے اثر ہے۔ میرے سامنے آؤ۔ مجھ سے بات کرو۔" تھوڑی دیر تک وہ اپنی بات کے جواب کا انتظار کرتا رہا لیکن اسے چند ہی لمحوں میں اندازہ ہو گیا تھا کہ یہاں کوئی نہیں ہے۔ پھر اس نے دروازے پر نگاہ ڈالی۔ زر و جواہر کے انبار کے درمیان اس کا دم گھٹ رہا تھا۔ دروازے کو چھو کر دیکھا تو وہ بھی سونے ہی کا بنا ہوا تھا۔ یہ بھی نہیں تھا کہ لکڑی پر ہی سونے کا پتّر چڑھایا گیا ہو۔ خالص سونا ہو معلوم ہوتا تھا۔ دروازے کے دوسری طرف ایک چوڑی راہ داری تھی جس کی دیواروں سے روشنیاں پھوٹ رہی تھیں۔

وہ رنگین روشنیاں جو ہیروں سے منتشر ہوتی ہیں یہ طلسم گاہ واقعی کسی انسان سے اس کے ہوش و حواس چھین لینے کے لیے کافی تھی۔ کوئی بھی اسے دیکھ لیتا تو اپنا ذہنی توازن کھو سکتا تھا۔

بہر حال انسانی نگاہوں نے اتنا سب کچھ کہاں دیکھا ہوگا۔ اتنے زیادہ زر و جواہرات تو کسی باقاعدہ ملک کے پاس بھی ہونا ناممکن تھے۔ کامران کچھ دیر تک سوچتا رہا اور پھر وہ اس دروازے کی طرف بڑھ گیا اور اسے کھول کر باہر نکل آیا۔

دروازے کا اختتام ہوا تو یہاں بھی ایک دروازہ اسے نظر آیا لیکن یہ دروازہ بھی ایک بہت بڑے ہال میں کھلتا تھا۔ وہ دروازہ کھول کر اس ہال میں داخل ہو گیا۔ سب کچھ ناقابل یقین زندگی کے عجیب و غریب مناظر۔ اس بڑے ہال میں سونے کے مجسمے ہر طرف استادہ تھے اور ان کے بدن پر ہیرے جواہرات اور سچے موتیوں کے لاتعداد زیورات سجے ہوئے تھے۔ ہر طرف خوب صورت برتنوں میں یہ زر و جواہرات سجائے گئے تھے۔ چھت پر سونے کا فانوس اور جھاڑ لٹک رہے تھے۔ اربوں بلکہ کھربوں روپے کی مالیت کا یہ عظیم الشان خزانہ تصور سے بھی باہر تھا اور یہ سب کچھ اب سچ مچ ایک خواب کی مانند معلوم ہو رہا تھا۔

کامران شدید حیرانی کے عالم میں ان تمام چیزوں کو دیکھ رہا تھا۔ ایک بار پھر اس نے آواز لگائی۔

"یہاں اگر کوئی ہے تو میرے سامنے آؤ۔ کون سی جگہ ہے یہ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔"

لیکن کوئی جواب نہیں ملا۔ کامران وہاں سے بھی آگے بڑھا۔ اب ان روشنیوں کو بھی دیکھنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ اس دروازے سے دوسری طرف پہنچا تو کچھ سکون ہوا ایک بڑا ہال نما کمرہ اس کے سامنے آ گیا۔ اس کے درمیان ایک حوض بنا ہوا تھا کنارے پر بہت ہی خوب صورت سنگ مرمر کی نشست گاہیں بنی ہوئی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی زمین پر کچھ لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ان کے لباس بے حد خوب صورت تھے اور ان کے چہروں پر رنگین نقش و نگار بنے ہوئے تھے۔ کامران کو دیکھ کر وہ جلدی سے اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئیں۔ ان کے منہ سے مدھم مدھم آوازیں نکل رہی تھیں اور یہ آوازیں کامران کی سمجھ میں آ رہی تھیں۔ وہ کہہ رہی تھیں۔

"نمی ستو۔ دھرم دستونیہ تیری آمد پر ہم شکر ادا کرتے ہیں۔ تجھے دیکھ کر ہماری آنکھیں روشن ہو گئیں۔ ہم تیرے عقیدت مند ہیں۔ ہمیں اپنے درشن دے کر تو نے امر کر دیا ہے۔" کامران پاگلوں کی طرح انہیں دیکھتا رہا اور پھر بولا۔

"تم لوگ میری آواز سن رہی ہو؟" لیکن کسی نے کوئی جواب نہیں دیا اور سیدھی ہو کر کامران کے گرد آ کر کھڑی ہو گئیں۔ دو لڑکیاں فوراً ہی چاندی اور سونے سے بنی ہوئی ایک چوکی لے کر آ گئیں اور اسے

حوض کے کنارے رکھ دیا پھر انہوں نے کامران کے بازو پکڑے اور اسے چوکی پر بٹھا دیا۔

"کیا بیوقوفی کی باتیں کر رہی ہو تم لوگ؟" کامران غصے سے بولا لیکن اس نے ایک بات عجیب سی محسوس کی کہ صرف اس کی زبان چل رہی تھی۔ لڑکیاں جو کچھ کر رہی تھیں وہ اس میں مداخلت نہیں کر پا رہا تھا۔ انہوں نے جو کچھ کیا وہ کامران کے لیے بڑی ہی عجیب و غریب حیثیت کا باعث تھا۔ کامران دل سے نہیں چاہتا تھا کہ جو عمل وہ کر رہی ہیں وہ پایہ تکمیل تک پہنچے۔ لیکن اس کے اعضاء اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ زندگی کا بہت ہی انوکھا تجربہ ہو رہا تھا اسے۔ انہوں نے کامران کا لباس اس کے بدن سے جدا کیا اور پھر حوض سے پانی نکال کر اس کے بدن کو دھونا شروع کر دیا۔ ان کی عقیدت انتہا کو پہنچی ہوئی تھی۔ انہوں نے کامران کے پورے بدن کو صاف کیا۔ پھر ایک لڑکی سفید سلک کا ایک لباس ہاتھ میں لیے سامنے پہنچ گئی اور یہ لباس کامران کو پہنایا۔ سفید سلک کا یہ لبادہ کامران کے جسم پر خوب جچ رہا تھا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ وہ ایک انوکھے طلسم میں گھرا ہوا ہے اور ان کے خلاف کچھ نہیں کر پائے گا۔ یہ لباس پہننے کے بعد دو اور لڑکیاں آ گئیں اور انہوں نے ایک خوب صورت سنہری تاج کامران کے سر پر رکھ دیا اور پھر اسے بازوؤں سے پکڑ کر وہ وہاں سے باہر لانے لگیں اور ایک اور کمرے میں پہنچا دیا گیا اسے یہ کمرہ بھی اپنی مثال آپ لگا۔ انتہائی خوبصورت میز لگی ہوئی تھی اور اس کے پیچھے صرف ایک کرسی تھی۔

کامران نے ابھی یہ فیصلہ کیا کہ جب وہ ان کے آگے ایک بے بس شخصیت بن چکا ہے۔ تو خاموشی سے اسے یہ تماشہ دیکھنا چاہیے کسی قسم کی مداخلت کی کوشش اوّل تو کامیاب نہیں ہوگی۔ دوسری بات یہ کہ ان تمام معاملات سے اسے کوئی واقفیت بھی نہیں ہے۔ اب تک جو کچھ ہوتا رہا تھا۔ وہ ہی بہت کچھ تھا اور اب جو کچھ ہو رہا ہے اسے برداشت کرنا ہی پڑے گا۔ چناں چہ بہتر طریقہ یہی ہے کہ خاموشی سے اس تمام صورت حال کا جائزہ لیتا رہے اور ایک معمول بنا رہا۔

اس کے بعد کامران کے سامنے پھلوں اور خشک میووں کے انبار لگا دیئے گئے اور وہ لوگ منتظر رہیں کہ کامران کچھ شروع کرے کچھ ہی لمحوں کے بعد ایک اور لڑکی ایک برتن لے کر سامنے آئی اور چائے کی لذیذ خوشبو فضاء میں بلند ہونے لگی۔ یہ چیز کامران کے لیے باعث دلچسپی تھی۔ اس نے ہاتھ بڑھانے کی کوشش کی کوئی تکلیف نہ ہوئی اور اس نے چائے کی پیالی اٹھا کر ہونٹوں سے لگالی۔ لڑکیاں خوش نظر آ رہی تھیں اور کامران اپنی سوچ پر عمل کر رہا تھا۔

وہ ناشتا کرتا رہا اور پھر ناشتے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد لڑکیوں نے اس کے سامنے سے تمام چیزیں ہٹالیں اور ایک بار پھر اس کی صفائی ستھرائی کی جانے لگی۔ کامران اپنے تجسس کو بہر حال نہیں روک سکتا تھا۔ پھر اچانک ہی باہر کسی پیتل کے تھال پر چوٹ پڑی۔ جھنجناہٹ سے کان بند ہونے لگے۔ یہ آواز بھی زمانہ قدیم کے شاہی دربادوں جیسی تھی۔ جیسے ہی یہ آواز سنائی دی، لڑکیاں ایک دم سنبھل گئیں اور پھر سامنے والا بہت بڑا دروازہ کھلا اور چند افراد اندر داخل ہو گئے۔ یہ کامران کے لئے اجنبی تھے۔ ان میں سے آگے والے دو بڑے قیمتی لباس میں تھے اور ان کے پیچھے دوسرے لوگ تھے۔ وہ دونوں آدمی آگے آ کر کامران کے پاس کھڑے ہو گئے۔ باقی جو لوگ پیچھے آئے تھے۔ ان میں سے ایک نے آگے بڑھ کر گردن

جھکائی اور کامران کو اٹھنے کے لیے کہا اس کی آواز ابھری۔

''مہاستو وردھان' وردھتی' دربار آپ کا منتظر ہے۔'' کامران نے تمسخرانہ نگاہوں سے انہیں دیکھا اور اس کے بعد سرگوشیانہ انداز میں بولا۔

''کیا تم لوگ کسی فلمی یونٹ سے تعلق رکھتے ہو اور شوٹنگ کر رہے ہو۔''

لیکن ان لوگوں میں سے کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کامران ایک لمحے تک سوچتا رہا اور پھر ان کے ساتھ آگے بڑھنے لگا۔ جب وہ صدر دروازے سے باہر نکلا۔ تو اس نے باہر کا منظر دیکھا جو اندر کے منظر سے بھی زیادہ دلچسپ تھا۔ ایک طرف انتہائی خوشبودار کرسیاں رکھی ہوئی تھیں اور ان کرسیوں پر بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ سارے کے سارے لمبے لمبے لبادے پہنے ہوئے اور گھٹے ہوئے سر والے تھے۔ کامران کو یہاں لانے والے ایک طرف چل پڑے۔

یہاں ایک بہت ہی بڑا تخت بچھا ہوا تھا۔ جس کے بارے میں کامران سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ یوں لگتا تھا۔ جیسے کسی بہت ہی خوب صورت پتھر سے یہ تخت تراشا گیا ہو۔ یہ پتھر ہیروں کی طرح چمکدار تھا اور ایک ہی پتھر سے تراشا گیا یہ تخت ہیروں ہی کی طرح جگمگا رہا تھا۔ بہرحال اس وقت جو بھی کچھ ہو رہا تھا۔ وہ کامران کے لیے ناقابل یقین تھا۔ وہ یہ سوچ رہا تھا کہ وہ عالم ہوش ہی میں ہے اور کسی طلسمی عمل کا شکار ہو گیا ہے۔ ایک بار پھر وہی ڈنکے پر چوٹ سنائی دی اور وسیع و عریض ہال کے سرے پر بنے ہوئے ایک دروازے سے کچھ لوگ اندر داخل ہوئے ان میں چار افراد چوڑے کھانڈے اٹھائے تھے۔ جن کی دھار چمک رہی تھی۔

اندر داخل ہونے والوں کے پیچھے کچھ اور افراد تھے۔ لمبے چوڑے جسموں کے مالک یوں لگتا تھا۔ جیسے زمانہ قدیم کے لوگ ہوں۔ بہرحال اس کے بعد لوہے کی کھڑکھڑاہٹ سنائی دینے لگی اور کامران نے چند قیدیوں کو دیکھا۔ یہ قیدی کامران کے سامنے لائے گئے اور اس سے کوئی دس گز کے فاصلے پر انہیں کھڑا کر دیا گیا۔ وہ دونوں آدمی جو سب سے آگے تھے آگے بڑھے اور ان میں سے ایک نے گردن خم کرتے ہوئے کہا۔

''ساوھان' بردھانی یہ آپ کے مجرم ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ست گاتا میں' افراتفری پھیلائی اور مہاتما بدھ کے دھرم میں تحریف کر کے اس دھرم کو بدنام کرنے کی کوشش کی۔ میاتی ہم سدھم پر جا کیا کو سنسار کا سب سے بڑا دھرم مانتے ہیں اور ہم سدھم پر بھا کیا کے رہنے والے' ان دونوں کو غلط مانتے ہیں جو مہاتما بدھ کے دھرم کو بدنام کر رہے ہیں۔ ایک طرف یاتان ماسی ہے اور دوسری طرف دھرم وستونیہ' دونوں جھوٹے ہیں۔ پدم پروھائی سچے ہم ہیں۔ سچی ہماری سدھا ماتا ہے۔ سدھا ماتا کی جے اور سدھا ماتا نے پدم پروھائی آپ کو وردھان کیا ہے۔ اپنے من کو اس کے لئے تیار کر لیجیے۔ ہم آپ کے دشمنوں کی آپ کے چرنوں میں بھینٹ دینا چاہتے ہیں۔ ہمارے سب سے بڑے وردھان اب آپ ہمارے پاس ہیں اور ہمیں کوئی فکر نہیں رہی ہے۔ مہان پرکھوں کا یہ وردھان آپ ہی کے لئے ہے لیکن ان پاپیوں نے ان مورکھوں نے اس پر ہمیشہ بری نگاہ ڈالی ہے۔ اس کے لئے قتل و غارت گری اور خون کیے ہیں۔ بہت قدیم زمانے میں ایک مورکھ نے ان برائیوں کی بنیاد رکھی تھی۔ اس کے ساتھ اس کے تین ساتھی تھے۔ اس نے ان میں سے سولہ کو قتل

کر دیا اور باقی وہاں سے چلے گئے۔ پدم مہاتی یہ سب کچھ بہت مشکل کام تھا۔ سدھا ماتا اس دھرم کی سہاتا کرنے کے لیے اپنے آپ کو قربان کرنے کے لیے تیار ہو گئی اور اس کے بعد اس دھرم کی سہاتا کے لیے نجانے کہاں کہاں ماری ماری پھری۔

وہ مصر کے اہراموں میں گئی اور فرعونوں کی لاشوں کو ٹٹول کر اس نے وہ سب کچھ حاصل کرنے کی کوشش کی۔ جو سدھم پر بھا کیا کے جیون کے لیے ضروری ہو۔ مہابدی' اب یہ مجرم آپ کے سامنے ہیں۔ ان کی تقدیر کا فیصلہ بھی آپ ہی کو کرنا ہو گا۔ جو سنسار میں نہیں ہیں انکے لیے نرکھ کا وردھان دیجیے اور جو سنسار بالی ہیں ان کے لیے سزا تجویز کیجیے۔ آپ بہت عرصے کے بعد اس سنگھاسن تک پہنچے ہیں۔ سارے مقدمے آہستہ آہستہ آپ کے سامنے پیش کر دیے جائیں گے۔ اس کی تقریر ختم ہوئی' تو کامران نے اپنی آنکھوں کو بند کر کے سر جھٹکا اور اس بکواس پر غور کرنے لگا جو اس شخص نے کی تھی۔ سمجھ میں تو خیر کیا ہی آتا۔ وہ خاموشی سے انہیں دیکھتا رہا اور پھر بولا۔

''پاگل کے بچو! شاید تمہیں اس بات علم نہیں ہے کہ میری اصل حیثیت کیا ہے۔ تم جو ڈرامہ کر رہے ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس کا ایک لفظ بھی میری سمجھ میں نہیں آیا۔ لیکن چلو ٹھیک ہے۔ تم نے مجھے فضول نام دیئے ہیں اور میں جن چکروں میں جس وجہ سے پھنسا ہوں۔ نہ میں اس پر اتنا غور کرنا چاہتا ہوں اور نہ ہی تمہارے ساتھ کوئی تعاون کرنیکا خواہش مند ہوں۔ چلو خیر تم نے مجھے یہ حق دیا ہے کہ میں قیدیوں کے بارے میں فیصلہ کروں تو سنو۔ ان تمام قیدیوں کو لے جاؤ اور آزاد کر دو۔ میری طرف سے ان کی قید ختم ہو چکی ہے'' کامران نے دلچسپ نگاہوں سے اس منظر کو دیکھا۔ قیدیوں کے چہرے تو خوشی سے کھل اٹھے تھے لیکن وہاں موجود ہر شخص کا چہرہ اتر گیا تھا۔

وہ دونوں جو پیش پیش تھے۔ پاگلوں کی ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہے تھے۔ جب کہ قیدیوں کی شکلوں پر انتہائی رونق آ گئی تھی۔ جب کہ اس سے پہلے ان کے چہرے لاغر اور زرد ہو رہے تھے اور ان کی گردنیں لٹکی ہوئی تھیں۔ خاص طور پر ان میں سے ایک قیدی کامران کی توجہ کا باعث بنا جو خوب صورت اور جوان آدمی تھا۔ سب سے خوب صورت اور جوان آدمی تھا۔ سب سے خوب صورت چیز اس کے چہرے پر اس کی آنکھیں تھیں۔ جو زندگی سے بھرپور تھیں۔ اس نے عقیدت بھری نگاہوں سے کامران کو دیکھا۔ وہ افراد جو اس مسئلے میں پیش پیش تھے آپس میں کچھ مشورے کرنے لگے۔ پھر انہوں نے گردنیں خم کر کے کہا۔

''تیرا جو حکم' بدھی مان۔'' اس نے کہا اور اس کے بعد اس نے قیدیوں کو واپس لے جانے کا اشارہ کیا۔ چلو ایک تو کام بہتر ہوا۔ کامران نے دل میں سوچا۔ یہ دربار آرائی ہوتی رہی اور جب یہ سلسلہ ختم ہو گیا تو انہی لوگوں کا ایک گروہ' کامران کو لے کر چل پڑا اور وہ واپس اسی آرام گاہ میں آ گیا۔ جہاں سے نکل کر باہر گیا تھا۔

دو حسین لڑکیاں اس کی خدمت پر مامور تھیں اور ہال میں دوسری لڑکیوں کا پورا جمگھٹا لگا ہوا تھا۔ کھانے وغیرہ سے فراغت ہوئی اور پھر وہی بستر، وقت کا اندازہ نہیں ہو رہا تھا اور کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ بہرحال رات گزری اور دن آیا لیکن صورت حال دن کی روشنی میں پھر بدلی ہوئی تھی۔ اب کامران نے

اپنے آپ کو ایک پہاڑی سلسلے میں پایا۔ اس کے بدن پر زرد رنگ کا گہرا لباس تھا اور وہ ایک پتھر کی اوٹ میں زمین پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک کمنڈل تھا اور برابر میں ایک لکڑی رکھی ہوئی تھی۔ جس کے اوپری حصے پر سانپ کے پھن جیسی شکل بنی ہوئی تھی۔ تاحدِ نظر پہاڑی سلسلے نظر آ رہا تھا اور کچھ فاصلے پر ایک خانقاہ نظر آ رہی تھی۔ جس کے آس پاس چہل پہل نظر آ رہی تھی ورنہ باقی سب ویران پہاڑیاں تھیں۔ یہ چہل پہل گیروے لباس میں ملبوس راہبوں کی تھی۔

لیکن کامران کا ان سے اتنا فاصلہ تھا۔ کہ اسے ان کے نقوش نظر نہیں آ رہے تھے۔ پھر اس نے اپنے آس پاس دیکھا۔ پتھر کی جس چٹان کے پاس وہ کھڑا ہوا تھا اس سے صرف دو گز کے فاصلے پر ناقابلِ یقین گہرائیاں تھیں۔ ایسی کہ جنہیں دیکھ کر دہشت سے دل بند ہو جائے۔ پہاڑیوں' دھوئیں کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ خانقاہ کی طرف کارروائیاں صاف ہو رہی تھیں۔ پھر اس نے دو افراد اپنی طرف آتے ہوئے دیکھے۔ وہ اسی خانقاہ کے دروازے سے باہر نکلے تھے۔ اس نے ان دونوں کو پہچان لیا۔ یہ وہی دونوں تھے۔ جو اس دربا میں اس کے ساتھی تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا۔

"بدھی' سوآپ کو یاد ہے کہ آپ نے ہزاروں سال پہلے جنم لیا تھا۔ ایک بادشاہ کے گھر میں۔ اس لیے نہ آپ کو گیان ملا تھا نہ وروان یہ سورج آپ کا سیوک اور چاند آپ کا دوست تھا۔ آپ وہ جنگ نہیں تھے لیکن وہ تھے۔ جسے سنسار میں آگے بہت کچھ ملنا تھا۔ مہاراج آپ کو سنسار کی دشائیں بھٹکاتی رہیں اور آپ واسناؤں میں گھر گئے' پرنی سستی کا رم' سدھارتی آپکی دیکھ بھال کرتی تھی اور آپ کو اس کا ساتھ حاصل تھا۔ سدھاتا آپ سے پریم کرتی تھی۔ نی سدھو اور آپ پر اس کا سایہ تھا۔ سو آپ نے برائیوں کو ٹھکرانا شروع کر دیا اور ہم نے آپ سے دوررہ کر آپ کے لیے تیاریاں شروع کر دیں۔ اشب بھاؤں ناؤں نے آخر کار آپ کا پیچھا چھوڑا اور ہماری نیتی سن لی گئی اور آپ گیان کے راستے پر چل پڑے۔ آپ سچ کا دوسرا روپ ہیں۔

آپ کے پاس سنسار کا اتنا بڑا خزانہ ہے۔ کہ آپ بہت سی بستیاں آباد کر سکتے ہیں۔ آپ چاہیں تو آپ وہی روپ اپنا سکتے ہیں اور آپ کو سنسار کی ساری دشائیں مل جائیں گی مگر نی ستو آپ کو جو درجہ ملنے والا ہے۔ سدھم پر بھا گیا۔ میں اس کے بعد آپ کو سنسار میں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں رہے گی۔ اگر آپ کے من میں کوئی اُلجھن ہے تو آپ ہمیں بتائیں ہم یہ اُلجھن دور کر دیں گے۔ یہ امتحان ہے آپ کا' ایک میزان ایک ترازو ہے اور ہم پر فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم آپ کی اُلجھن دور کریں۔ آپ کی سیوا کریں اور آخر کار اس گیان دھیان تک لے آئیں جہاں سے سدھاما تا کا استھان شروع ہوتا ہے۔

آپ کو پہلے یہاں وردھان دیا جائے گا پھر آپ کو دیو استھان لے جائے گا۔ آپ کا چرن' نا من آپ کے چرنوں کو چھو کر ایک بار پھر امر ہو گیا ہے۔" کامران نے غصیلے نظروں سے اسے دیکھا اور بولا۔

"اب تم بکواس بند کرو گے یا اور بھونکتے رہو گے؟"

"آپ بھی اگر کچھ چاہیں تو کہیں نی وردھانی۔"

"تم لوگ جو بک بک کر رہے ہو اور جو کچھ تم نے چکر چلا رکھا ہے۔ میں کسی بھی چیز میں نہیں آؤں گا۔"

"نی وردھنا' ناتھن گوشنا کبھی کبھی منش اپنے آپ کو نہیں پہچانتا تھا۔ وہ کرنٹ کردھا تھا۔ جس کے

سینے میں چراغ جلتے تھے لیکن جب گیان وردھان ہوا تو اس نے سنسار چھوڑ دیا۔ تم تو شروع ہی سے سنسار کو تیاگے ہوئے ہو۔ تم اتنے بڑے نہ ہو گے تو کیا کوئی اور ہو گا۔"

"آپ آیئے مہاراج ہمیں یقین ہے کہ سے کا ایک لمحہ ہی ایسا آئے گا۔ جب اچانک ہی ہوا کا ایک جھونکا چلے گا اور آپ کے حسن سے ساری گرد اڑ جائے گی۔ پھر آپ کا ہاتھ اُٹھے گا اور پھر آپ ہمیں وجے کا وردھان دیں گے۔ آپ ہمیں وجے کی بھینٹ دیں گے۔ ہم اس لمحے کو اپنے آپ سے زیادہ دور نہیں سمجھتے نی ستو آیئے۔" پھر کامران ان لوگوں کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ وہ اسے اسی خانقاہ کی طرف لے جا رہے تھے۔ خانقاہ میں بہت بڑا دروازہ ہال نما تھا۔ جس سے وہ لوگ اسے اندر لے گئے۔ اندر آنے کے بعد اندازہ ہوا کہ جس خانقاہ کو اس نے پہلے دیکھا تھا۔ وہ یہ ماحول نہیں تھا۔ یہ کچھ اور ہی تھا۔ سفید کپڑوں میں گھٹے ہوئے سر والے بھکشو' جگہ جگہ تانبے' کانسی اور سونے کے مجسمے' جیسے مجسموں کا شہر آباد تھا لیکن یہاں بے حد سکون تھا۔ یہاں ایک ایک قدم کامران کو آگے بڑھا رہے تھے اور کامران ان آوازوں کو سن رہا تھا۔ سامنے ایک اور تخت بچھا ہوا تھا۔ اس کے نیچے ایک خوبصورت قالین اور یہاں ایک بڑے سے برتن میں کوئی عجیب سی خوشبو سلگ رہی تھی ایک سحر سا طاری تھا۔ اس ماحول پر۔

ان لوگوں نے کامران کو اس تخت پر بٹھا دیا اسے یوگا کے آسن پر بیٹھایا گیا تھا۔ اس کی دونوں بغلوں کے نیچے دو لکڑیاں لگائی گئی تھیں۔ جو غالباً اخروٹ کی بنی ہوئی تھیں۔ اس طرح اس کے دونوں بازو اٹھے تھے۔ پھر سب سے پہلے اس کے پیروں کے انگوٹھے چھوئے گئے اور بھکشوؤں کی قطار یہ عمل بار بار دہرانے لگی۔ پھر چار آدمی اندر آ گئے اور ان کے کہنے پر کامران کھڑا ہو گیا۔ ایک ایک قدم چلتا ہوا اس عمارت سے باہر نکلا تو باہر اس نے بھکشوؤں کا ایک جم غفیر دیکھا۔

چار چار کی قطار میں دور تک پھیلے ہوئے تھے۔ دروازے کے باہر ایک بڑی ہی خوبصورت رتھ نما چیز رکھی ہوئی تھی۔ جس میں چار ڈنڈے بھی لگے ہوئے تھے۔ کامران کو اس رتھ میں بیٹھنے کے لیے کہا گیا اور وہ بیٹھا۔ تو عقیدت مندوں نے وہ رتھ نما چیز کندھوں پر اٹھائی اور اسے لے کر چل پڑے۔

ویران پہاڑی راستوں سے سفر کا آغاز ہو گیا۔ وہ لوگ چیونٹیوں کی طرح اس کے آگے پیچھے چل رہے تھے اور اس طرح کاندھے بدل رہے تھے۔ جس طرح اسے کاندھوں پر اٹھانا ان کے لیے بڑی عقیدت کا باعث ہو۔ کامران نے بہت دیر آنکھیں کھلی رکھیں۔ آسمان پر چاند نکل آیا تھا۔ تاحدِ نظر پہاڑی سلسلے پھیلے ہوئے تھے۔ یہ لوگ پیدل سفر کر رہے تھے یہاں تک کہ اسے اس رتھ میں ہچکولے لیتے ہوئے نیند آ گئی اور وہ گہری نیند سو گیا۔ ایک عجیب سا سحر اس کے وجود پر طاری تھا۔ جو کچھ اب تک ہوا تھا۔ وہ ناقابلِ فہم اور ناقابلِ یقین تھا۔ اسے خواب بالکل نہیں کہا جا سکتا تھا۔ کیوں کہ اس دوران کامران نے اپنے آپ کو کتنی ہی بار ٹٹولنے کی کوشش کی تھی اور اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ہوش و حواس کے عالم میں ہے۔ لیکن جب آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو پھر اسی غار میں پایا جو لاموں کے قبضے میں تھا۔ ذہنی حالت عجیب سی ہو رہی تھی۔ کوئی ایک بات جو سمجھ میں آ رہی ہو۔ یہاں انہیں کافی آزادی مل چکی تھی۔ کرنل گلنواز' رانا حیدر سنگھ' سفیان' اور قزل شاتی وغیرہ سر جوڑ کر بیٹھے رہا کرتے تھے اور سوچتے تھے کہ اب انہیں کیا کرنا ہے۔

گرشنک اور سیتا کا بھی کوئی پتہ نہیں تھا۔ کامران ان لوگوں سے ملا۔ وہ ان کے چہروں سے یہ جاننا چاہتا تھا کہ جتنا وقت اسے اس خواب جیسے منظر اور ماحول سے گزرنے میں لگا۔ کیا اتنے وقت ان لوگوں نے اس کی جدائی محسوس کی لیکن ان میں سے کسی کے انداز سے یہ محسوس نہیں ہوتا تھا۔ کہ ایسی کوئی بات ہوئی ہے۔ کامران اس سلسلے میں خاموش ہی رہ گیا۔ وہ غاروں سے باہر نکل جاتے تھے اور اپنے اپنے طور پر سکتے لگاتے رہتے تھے کہ اگر وہ یہاں سے فرار ہونے کی کوشش کریں' تو انہیں اس میں کس حد تک کامیابی حاصل ہوسکتی ہے۔

لیکن اب تک کا اندازہ یہی تھا کہ ایسی کوئی کوشش حماقت کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوگی۔ وہ ایسی حماقت سے بچنا چاہتے تھے۔ کامران نے حسن شاہ تک سے اپنے پیش آنے واقعات کا تذکرہ نہیں کیا تھا لیکن اس کا ذہن مسلسل اس ادھیڑ بن میں لگا رہتا تھا کہ آخر وہ سب کچھ کیا تھا۔ اس دن بھی وہ پہاڑی چٹانوں کے درمیان بھٹک رہا تھا کہ اسے ایک عجیب سا احساس ہوا اسے یوں لگا۔ جیسے کوئی اس کا تعاقب کررہا ہو۔ اپنے اس احساس کو یقین کی شکل دینے کے لیے وہ تھوڑی دیر تک چٹانوں کے درمیان گھومتا رہا اور اس نے بخوبی محسوس کرلیا۔ کہ اس کا تعاقب کرنے والا انہی چٹانوں کی آڑ لے کر اس کے پیچھے لگا رہتا تھا۔ یہ احساس اسے پہلے بھی ہوا تھا لیکن اس نے اس پر توجہ نہیں دی تھی۔ اس کے اندر کی تمام حسیں جاگ اٹھیں۔ پھر اس نے ایک بار تعاقب کرنے والے کے بارے میں اندازہ لگایا کہ وہ کس طرف ہوسکتا ہے اور اسے بخوبی اندازہ ہوگیا اس نے ان چٹانوں کا جائزہ لیا۔ جو آگے بکھری ہوئی تھیں۔ پھر وہ ایک چٹان کی آڑ میں پہنچا۔ اسے یقین تھا کہ اس کا تعاقب کرنے والا اب کونسی چٹان کے پیچھے جا کر اس کا تعاقب کرے گا۔ جس چٹان کے پاس آ گیا۔ پھر اس سے بھی پیچھے اور پھر آخرکار اس نے اس شخص کو دیکھ لیا۔ کالے لباس میں ملبوس اپنا چہرہ ڈھکے ہوئے وہ کافی پُراسرار نظر آرہا تھا۔

لمبا تڑنگا اور پھرتیلا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ کامران اب اس کے پیچھے آچکا تھا۔ اس نے چٹان کی آڑ بدلی اور کسی قدر حیران سی نگاہوں سے ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔ اسی وقت کامران نے ایک لمبی چھلانگ لگائی اور پیچھے سے اسے دبوچ لیا لیکن وہ شخص چھلاوہ تھا۔ ایک لمحے کے اندر اندر چھلانگ لگائی۔ کامران بہت عرصے سے جسمانی ورزش سے دور تھا لیکن جو کچھ اس نے گرشنک اور سیتا سے سیکھا تھا۔ ظاہر ہے وہ بھولنے والی چیز نہیں تھی۔ اس نے اسی طرح اپنی جگہ سے چھلانگ لگائی۔ جیسے وہ بھی اچھلا کر اس چٹان پر چڑھنا چاہتا ہو لیکن یہ صرف دھوکا تھا۔ نوکیلی چٹان پر کھڑا ہوا۔ سیاہ لبادے والا اپنی جگہ سے اُچھل تب اس وقت کامران نے چھلانگ لگائی اور درمیان میں جا کر اسے پکڑ لیا۔

اس کے بعد وہ اسے دبوچے ہوئے نیچے آرہا تھا اور پھر اس نے اس کے دونوں ٹخنے اپنے ہاتھوں میں پکڑے اور اسے الٹا کر کے دوسری طرف دے مارا اس شخص نے پیروں کے بل زمین پر جانے کی کوشش کی لیکن اس کے گھٹنے زمین سے لگے اور وہ چوٹ کھا گیا۔ کامران نے اسے انتظار کے لیے نہیں چھوڑا تھا۔ بلکہ پھرتی سے اس نے اس کے سینے پر چھلانگ لگادی تھی اور اس بار وہ اسے رگیدتا ہوا دور تک لے گیا تھا اور اس کے بعد کامران نے اس کے چہرے پر ہاتھ مارا اور اس کی نقاب نوچ لی۔ وہ ایک مقامی آدمی ہی تھا۔ اس نے پھر جدوجہد کی کوشش کی' تو کامران نے اس کے منہ پر ایک گھونسا رسید کیا اور اس کا منہ ٹیڑھا ہوگیا تب کامران نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''اگر تم نے مزید کوئی جدوجہد کی تو مجھے تمہاری زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں تمہیں گردن دبا کر ماردوں گا اور یہیں پہاڑوں میں چھوڑ دوں گا۔ کوئی یہ ثابت نہیں کرسکے گا کہ میں نے تمہیں قتل کیا ہے۔'' اس شخص نے خوفزدہ نگاہوں سے کامران کو دیکھا۔ کامران پھر بولا۔ ''کون ہو تم؟ اور میرا پیچھا کیوں کررہے تھے؟'' اس نے اِدھر اُدھر دیکھا تو کامران کا ہاتھ اس کے جبڑے پر پڑا اور اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔

''بتاؤ گے۔''

''ہاں۔''

''بتاؤ.....فوراً بتاؤ۔''

''میں تو اس وقت سے تمہارا پیچھا کررہا ہوں۔ جب سے تم یہاں آئے ہو۔''

''وجہ بتاؤ۔''

''لاموں کی ہدایت ہے کہ میں خاص طور سے تم پر نگاہ رکھوں۔''

''کیوں کیا چاہتا ہے وہ؟''

''اس کا خیال ہے کہ گرشنک اور سیتا' خفیہ طور پر تم سے ملاقات کریں گے۔ ہم لوگ گرشنک اور سیتا کی تلاش میں ہیں۔ ہمارے اصل دشمن وہی ہیں۔ لاموں نے مجھ سے کہا تھا کہ میں تم پر نگاہ رکھوں اگر گرشنک اور سیتا تم سے ملیں۔ تو پھر تمہیں چھوڑ کر ان کا پیچھا کروں اور یہ دیکھوں کہ ان کا قیام کہاں ہے۔'' اس نے جواب دیا۔

''اب کیا کرو گے؟'' کامران بولا اور وہ خوفزدہ نظروں سے کامران کو دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

''میں نہیں جانتا۔''

''کیا میں تمہیں قتل کردوں؟''

''تمہارے قبضے میں ہوں۔ جو دل چاہے کرو لیکن یہ سمجھ کر معاف کردو کہ میں بھی لاموں کے حکم کا غلام ہوں۔ تو تمہاری مہربانی ہوگی ورنہ جیسا تم چاہو اور جیسا تم پسند کرو۔'' کامران نے ایک لمحے تک کچھ سوچا اور کہا۔

''ٹھیک ہے۔ مجھے تمہیں قتل کرنے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ خیر لاموں کو جو چاہو اطلاع دے دو۔ درحقیقت گرشنک اور سیتا نہیں ملے۔'' کامران اس کے جسم پر سے ہٹ گیا۔ وہ شخص بے بسی کی نگاہوں سے کامران کو دیکھ رہا تھا' کامران ایک چٹان سے ٹک کر کھڑا ہوگیا۔ دوسرے لوگ پتہ نہیں کہاں تھے۔ وہ شخص آہستہ قدموں سے واپس پلٹا اور پھر دور ہوتا چلا گیا۔ کامران خود بھی ایک عجیب سی الجھن محسوس کررہا تھا۔ پھر وہ اس چٹان کے پاس سے ہٹنے ہی والا تھا کہ اُسے اپنے عقب میں قدموں کی آواز سنائی دی اور اس نے چونک کر پیچھے دیکھا اور یہ دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ گرشنک اور سیتا سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ کامران کی آنکھیں شدت حیرت سے پھیل گئیں۔ گرشنک نے کہا۔

''بدھی ستو۔ ہمیں تھوڑا سا وقت دیں گے۔''

''کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہ شخص اس لیے میرا تعاقب کر رہا تھا کہ وہ تمہارے بارے میں جاننا چاہتا ہے اور لامون نے اسے میرے تعاقب پر مامور کیا ہے۔''

''ہمیں معلوم ہے بدھی ستو! اور ہم اسی لیے تم تک نہیں پہنچ سکے تھے۔ کہ وہ چور تمہارے پیچھے لگا ہوا تھا۔ ہم خود اس کی نظروں سے پوشیدہ تھے۔ مگر اب وہ مایوس ہو کر واپس چلا گیا ہے اس لیے ہم تمہارے سامنے آ گئے۔''

''آؤ......'' کامران نے کوئی تعرض نہیں کیا اور ان کے پیچھے چل پڑا ہو۔ دونوں پر اسرار کردار تھے۔ وہ اسے اس چٹانی علاقے سے کافی دور لے گئے۔ یہاں بھی ایک غار بنا ہوا تھا۔ وہ اس غار میں داخل ہو گئے۔

''عجیب جگہ ہے۔ ہر طرف غار ہی بکھرے ہوئے ہیں۔''

''بدھی ستو! یہ غاروں کا شہر ہے۔''

''کیا تم یہیں چھپے رہتے ہو؟''

''ہم نے بہت سے غار اپنی قیام گاہ بنا رکھے ہیں۔ تمہیں حیرت ہوگی کہ جس غار میں تم پوشیدہ ہو۔ ایک غار اس کے اوپر ہے۔ جس میں ہم کافی وقت چھپے رہے ہیں۔ مگر تم تک پہنچنے کے لیے ہمیں ان تمام غاروں سے گزرنا پڑتا۔ جن میں لامون کی رہائش گاہیں ہیں۔''

''گرشک تم بیوقوفی کی کتنی ہی باتیں کرلو...... جو چاہو مجھے بنا دو...... لیکن اب تم بھی یہ جان چکے ہو کہ درحقیقت میں وہ نہیں ہوں۔ جس کے دھوکے میں تم میرے پیچھے لگے ہو۔''

''ہاں ہم جان چکے ہیں۔ لیکن شروع ہی سے ہم تمہیں دھرم وستونیہ کہہ چکے ہیں۔ اب بتاؤ ہم تمہیں کیا کہیں۔''

''کامران ہے میرا نام۔''

''ہم اب بھی تمہارا اسی طرح احترام کرتے ہیں۔ جس طرح ہم دھرم وستونیہ کا احترام کرتے تھے اور کرتے ہیں۔ بدھی ستو ہم یہاں پہنچنے والے ہیں اور یوں سمجھ لو کہ یہاں ہمیں وہ مل گیا ہے۔ جو ہمارے تصور میں بھی نہیں تھا۔'' کامران سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگا تو سیتا بولی۔

''لعنت ہے تم لوگوں پر تمہارا ارست گاتا اور وصت گاتا میرے لیے تو وبال جان بن گیا ہے۔ اپنی حسین زندگی چھوڑ کر یہاں میں ان پہاڑوں میں بھٹک رہا ہوں۔''

''بدھی نمو پلکوں کی سوئیاں رہ گئی ہیں۔ آپ نے اتنا ساتھ دیا ہے ہمارا کہ ہم آپ کا یہ احسان ہزار بار مر کر بھی نہیں اتار سکتے۔ بدھی نمو آخری لمحات میں ہمارا ساتھ نہ چھوڑیں اب جب کہ ہم کامیابی کی منزل تک پہنچ گئے ہیں۔ تو آپ ہمارا ساتھ دیں۔''

''کیا چاہتے ہو اب تم مجھ سے۔''

''میں نے بتایا ابھی آپ کو کہ ہم نے وہ غار تلاش کر لیا ہے۔ جہاں اصل ساوھان سادھی قید کر دیا گیا ہے۔ بدھی نمو دھرم وستونیہ وہیں پر قیدی ہے اور ہم یہ چاہتے ہیں کہ اسے حاصل کرلیں۔''

''کیا مطلب؟''

''بدھی ستو! آپ کو ہماری آخری مدد کرنا ہوگی۔''

''کیسی مدد کچھ کہو بھی تو سہی؟''

''وہی ہم آپ کو بتا دینا چاہتے ہیں۔''

''تو بتاؤ۔''

''آپ کو تقریباً تمام صورت حال معلوم ہو چکی ہے۔ یہ بھی پتہ چل چکا ہے آپ کو کہ یاتان ماسی بدھ مت میں بہت بڑی تحریف کرنا چاہتا ہے۔ وہ ایک نئے دھرم کی بنیاد ڈالنا چاہتا ہے۔ اسے بہت سی قوتیں حاصل تھیں۔ بدھی نموست گاتا کی آبادی نے اسے اس لیے ناکام بنا دیا کہ اس کے پاس ایک نظریہ تھا۔ وہ موت کی گہری نیند سو گئی اور اب جب بدھی نموان کے درمیان پہنچے گا تو وہ جاگ جائے گی۔ ست گاتا کی آبادی کمزور نہیں ہے۔ وہ سب دھرم وستونیہ کے حامی ہیں وہ بے شک سونے والے بنے ہوئے ہیں لیکن اندر سے وہ جاگ رہے ہیں اور تمام صورت حال سے واقف ہیں۔ وہ طاقت ور بھی ہیں اور جنگجو بھی۔ یاتان ماسی اور اس کی چھوٹی سی فوج کو وہ ملیامیٹ کر سکتے ہیں۔ بس انہیں دھرم وستونیہ کا انتظار رہے پاتال پرلی کی ستی پر تھمنہ جس کے بارے میں اب آپ کو معلوم ہو چکا ہے یاتا نماسی کے ظلم و ستم کا شکار رہی ہے۔ بدھی نمو اس تمام صورت حال سے ہم بھی پوری طرح واقف ہیں اور اب ہم آپ سے آخری مدد چاہتے ہیں۔ ہمیں اندازہ ہے بدھی نمو کہ آپ کو صرف اسی لیے پیدا کیا گیا کہ آپ ایک پوری قوم کی مدد کریں۔ آپ اس سے منہ نہ موڑیئے۔ ہم آپ کا یہ احسان اتار تو نہیں سکیں گے لیکن جب بھی ست گاتا میں جب بھی اپنے رہنماؤں اور احسان کرنے والوں کا ذکر ہوگا۔ آپ کا نام وہاں سرفہرست ہوگا۔ بدھی نمو ہمیں اس مدد سے مایوس نہ کیجیے گا۔''

گرشک کی آواز میں بھراہٹ پیدا ہوگئی اور ایک عجیب سا تاثر کامران کے دل پر ہوا۔

''نہیں ٹھیک ہے۔ ہم سب تمہاری مدد کو یہاں آئے ہیں اور اگر ہمارا کوئی عمل تمہارے کام آ سکے تو یہ سمجھ لو کہ ہم اس سے گریز نہیں کریں گے۔''

''بدھی نمو'' گرشک نے اپنے آنسو خشک کرتے ہوئے کہا۔ ''ہمیں دھرم وستونیہ کا پتہ چل گیا ہے۔ یہ بھی پتہ چل گیا ہے ہمیں بدھی نمو کہ وہ یاتان ماسی کے قبضے میں ہے اور یاتان ماسی اسے کبھی آزادی نہیں دے گا۔ اس نے سوتے ہوئے شہر کو قبول کر لیا تھا اور اپنی ایک چھوٹی سی جنت الگ بنالی تھی لیکن آپ کو دیکھ کر اس کے دماغ میں ایک نیا خیال آ رہا ہے وہ آپ کو دھرم وستونیہ کی حیثیت سے ست گاتا لے جانا چاہتا ہے۔ تاکہ سوئی ہوئی آبادی جاگ اٹھے اور پھر آپ کو تختۂ مشق بنا کر یا آلۂ کار بنا کر وہ آہستہ آہستہ گاتا کی آبادی کو اپنے قبضے میں کرے گا اور پھر خاموشی سے تمہیں قتل کر دے گا یا اجازت دے دے گا۔ کہ آپ پاتال پرتی کے ساتھ جیون گزاریں اور وہ دھرم وستونیہ کو جو اصل دھرم وستونیہ ہے قتل کر دے گا۔ تاکہ کھیل ہی ختم ہو جائے۔''

''مگر گرشک ایک بات تو بتاؤ۔ کہ کیا ست گاتا کی سوئی ہوئی آبادی ایک نقلی دھرم وستونیہ کو دیکھ کر جاگ اٹھے گی۔''

''ہاں...... یہ ہو سکتا ہے کیوں کہ یہ کوئی روحانی عمل نہیں ہے بلکہ ایک ایسا طریقہ ہے۔ جس سے

وہ لوگ آپ کی شکل دیکھ کر خود جاگ اٹھیں گے۔"

"ہوں..... تو اب یہ بتاؤ کہ اس سلسلے میں اور کیا کیا جا سکتا ہے؟"

"ایک بہت بڑا کام ہونے جا رہا ہے۔ اگر آپ اس کے لیے تیار ہو جائیں بدھی نمو۔" گرشک نے کہا اور کامران سوالیہ نظروں سے گرشک کو دیکھنے لگا پھر بولا۔

"آگے بتاؤ گرشک؟" گرشک نے سیتا کی طرف دیکھا اور سیتا نے آنکھیں بند کر کے گردن ہلا دی۔ گویا اس بات کا اشارہ کر رہی ہو کہ اب گرشک اس حقیقت کا انکشاف کر دے۔ جو اس کے دل میں ہے۔ گرشک نے کچھ لمحوں کے توقف کے بعد کہا۔

"بدھی نمو اب یہ بات طے ہو چکی ہے کہ آپ اصل بدھی نمو نہیں ہیں۔ بلکہ ہمارے ایک مہربان ہیں۔ جو بدھی نمو کے ہمشکل ہیں۔ اور اتنے ہمشکل ہیں کہ ہم ایک لمبے عرصے تک اس دھوکے میں رہے کہ آپ وہی ہیں۔"

"آگے کہو گرشک' آگے کہو۔"

"بدھی نمو ہم آپ کو اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کیوں کہ ہمارے دلوں میں آپ کے لیے یہی تصور ہے۔ ہماری باتوں کا بالکل برا نہ مانیں۔ آپ نے جتنی مشکلیں اٹھائی ہیں اور جس طرح یہاں پہنچے ہیں۔ اس سے یہ بات طے ہے کہ آپ کو ہم سے ہمدردی ہے اور آپ ست گاتا کے سوتے ہوئے شہر کو جگانے کے لیے راضی ہیں۔ ایک بہت بڑی آبادی کو آپ ایک نئی زندگی دینے والے ہیں۔

بدھی نمو اصل پاتال پرتی کو دھرم وستونیہ کو ہم اپنے ساتھ لے جائیں گے اور آپ اس جگہ لے لیں گے۔ یاتان ماسی اور لاموسن پو یہی ظاہر ہوگا کہ اس کی قید میں دھرم وستونیہ سو رہا ہے۔ وہ مطمئن رہیں گے..... ہم اصل دھرموستونیہ کو لے کر ست گاتا پہنچ جائیں گے اور ست گاتا کی آبادی جاگ اٹھے گی۔

پاتال پرتی جاگے گی اور پھر جب یاتان ماسی اپنے حواریوں کو لے کر ست گاتا پہنچے گا تو بظاہر اسے سارا شہر سوتا ہوا ملے گا لیکن جب سارے لاماست گاتا کے بیچ آ جائیں گے تو ست گاتا والے ان پر حملہ کر کے انہیں ان کے کیے کی سزا دیں گے' بدھی نمو ہمارے دل میں یہ خیال ہے لیکن اس کے لیے بھی ہمیں آپ ہی کی مدد پیش آئے گی' اگر آپ ہماری مدد کریں گے تبھی ہمیں اس میں کامیابی ہو سکتی ہے۔ ورنہ یہ کام بالکل مشکل ہو جائے گا۔" کامران ایک بار پھر حیرت میں ڈوب گیا تھا۔ اسے ایک انوکھا کردار ادا کرنا تھا۔ ایک سوتے ہوئے انسان کا جسے نجانے کن کن مراحل سے گزرنا ہوگا۔ پھر اچانک ہی اسے ہنسی آ گئی۔ زندگی میں مشکل کاموں کے علاوہ کیا ہی کیا تھا۔ اسی جیتی جاگتی دنیا کا انسان تھا۔ جہاں دس دس روپے کے لیے انسانی زندگیاں چلی جاتی ہیں۔ جہاں کے وسائل ان پراسرار آبادیوں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔

اور اب وہ ایک ایسی پراسرار آبادی کے لیے ایک ایسا انوکھا کام کر رہا تھا۔ جو قصے کہانیوں میں تو سنا جا سکتا تھا۔ اصل حقیقتوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہو سکتا تھا۔ ماننے کا سا انداز تھا۔ آخر کار کامران نے ان کی مشکل حل کر دی۔

"ٹھیک ہے۔ میں اس عمل کے لیے تیار ہوں۔ مگر ایک بات بتاؤ... جیسے کہ تم کہہ رہے ہو کہ

اصل دھرم وستونیہ یاتان ماسی کی قید میں ہے اور گہری نیند سو رہا ہے۔ تو اصل دھرم وستونیہ کو تم اس گہری نیند سے کیسے جگاؤ گے۔

بدھی نمو ہمیں وہ قوتیں دی گئی ہیں۔ جن کے تحت ہم اپنے کام آسان کر لیا کرتے ہیں۔ آپ نے ان قوتوں میں سے کچھ کے مظاہرے بھی دیکھے ہیں۔"

"ہاں..... خیر یہ بات تو ہے۔ بہر حال اگر تم یہ کام آسانی سے کر سکتے ہو تو ٹھیک ہے ورنہ میں اس سلسلے میں مزید کچھ نہیں کر سکتا؟"

"بدھی نمو آپ کو اس سلسلے میں کچھ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی ہم آپ سے ایک سوال اور کرنا چاہتے ہیں۔"

"چلو وہ بھی کرو؟"

"آپ کے ساتھ جو لوگ ہیں۔ جیسے کرنل گلنواز' علی سفیان اور باقی تمام افراد تو آپ کیا انہیں یہ ساری تفصیل بتا دیں گے؟" بڑا عجیب اور انوکھا سوال تھا۔ کامران سوچ میں ڈوب گیا پھر اس نے کہا۔

"تمہارا کیا مشورہ ہے؟"

"ہم آپ کو مشورہ دینے کی جرأت نہیں کر سکتے بدھی نمو۔"

"نہیں مجھے بتاؤ مجھے خود تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ ظاہر ہے میرے لیے یہ کام انتہائی انوکھے ہیں۔ میرا ذہن پوری طرح اس سلسلے میں کام نہیں کرتا لیکن جو کچھ تم کہو گے میں وہ کروں گا۔"

"تو بدھی ہم آپ کو یہ بات بتائیں کہ آپ ان لوگوں کو اصل بات بتائیں۔ کیوں کہ جب آپ اس کی جگہ لے لیں گے اور وہ چلا جائے گا۔ تو ان لوگوں کو تشویش ہوگی کہ آپ کہاں گئے؟" اگر ان کو معلوم ہوگا کہ آپ ان کے پاس اس حیثیت سے موجود ہیں تو انہیں اطمینان ہوگا اور لاموسن' یاتان ماسی اس بات پر حیرت کریں گے کہ آپ اطمینان سے کیوں ہیں۔ اصل بات اس وقت پتہ چلنی چاہیے جب آپ ست گاتا پہنچیں۔"

کامران کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اس نے کہا۔

"ویسے انسان دنیا کے کسی بھی گوشے اور کسی بھی عالم میں ہو۔ ہوتا بڑا سازشی ہے اور اپنے کام ہر طرح سے پورے کر لیتا ہے۔"

"بدھی نمو ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔"

"ویری گڈ۔" "تم اس طرح کے جملے بھی جانتے ہو؟" جواب میں گرشک بھی مسکرا دیا اور اس کے بعد یہ بات طے ہو گئی کہ کامران یہ کام کرے گا۔ اس سلسلے میں کامران کو گرشک اور سیتا کے ساتھ مل کر ایک پلان بنانا پڑا تھا۔ رات ہی کو جب سارا ماحول سنسان ہو گیا اور وہ اپنے غار میں تنہا اس طرح لیٹ گیا۔ جیسے گہری نیند سو گیا ہو۔ تو اوپر سے چھت بجنے کی آواز سنائی دی۔

گرشک اور سیتا اسے بتا چکے تھے کہ وہ اس غار کے اوپر کے غار میں ہی پوشیدہ ہیں' گویا انہوں نے ایک شاندار کہاوت پر عمل کیا تھا۔ یعنی یہ کہ بغل میں لڑکا شہر میں ڈھنڈورا۔ وہ لوگ گرشک اور سیتا کو پوری وادی میں تلاش کر رہے تھے۔ اور گرشک اور سیتا ان کے سروں پر ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ بہر حال چھت بجنے کا

اشارہ یہ تھا کہ کامران خاموشی سے اپنی جگہ سے باہر نکل آئے اور وہ لوگ اسے لے کر چل پڑیں لیکن کامران کو باہر نہیں جانا پڑا۔

جب وہ سرنگ کے ایک سرے پر پہنچا تو اس نے گرشک اور سیتا کو غار کی ایک دیوار سے چپکے ہوئے پایا' وہ ساکت و جامد کھڑے ہوئے تھے۔ کامران انہیں دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ گرشک نے گردن خم کر کے کہا۔

"آیئے بدمی نمو' اور کامران ان کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ دنیا میں نجانے کیسے کیسے عجائبات پھیلے ہوئے ہیں۔ جو چند چیزیں انسانوں کے سامنے آ گئی ہیں۔ وہ انہیں ہی عجائبات عالم کا نام دے چکے ہیں۔ جب کہ قدرت کی بنائی ہوئی زمین پر قدرت کے کارنامے جگہ جگہ بکھرے ہوئے ہیں۔ قدرتی غاروں اور سرنگوں کا یہ سلسلہ پیچ در پیچ اور عجیب و غریب تھا کہ انسان ان کے بارے میں سوچ بھی نہ سکے۔ سرنگوں کی کئی شاخوں سے گزرنے کے بعد وہ ایک چھوٹے سے ہال میں پہنچ گئے اسے ہال ہی کہنا مناسب تھا۔ حالاں کہ یہ ایک قدرتی غار تھا۔ چکنی اور سپاٹ چٹانوں سے بنا ہوا تھا اور اسی غار میں ایک بستر پر ایک شخص لیٹا ہوا تھا۔ قرب و جوار میں کچھ بھی نہیں تھا۔ سوائے ہیروں کی ان روشنیوں کے جو اس شخص پر مرکوز تھیں۔ گرشک نے کہا یہ عام ہیرے نہیں ہیں۔ یہ بہت ہی پراسرار ہیرے ہیں اور ان کی خاصیت میں تم کو بتاؤں کہ ان کی شعاعیں انسانی جسم کو صدیوں زندہ رکھ سکتی ہے۔

"کیا مطلب؟"

"ہاں بدمی نمو۔ تمہاری دنیا میں رہنے کے بعد مجھے تمہاری دنیا کے الفاظ بھی آ گئے ہیں۔ انسانی جسم کو ایک غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔ پانی کی نمی اور غذا جو کسی بھی شکل میں ہو۔ ان ہیروں میں یہ خوبی ہے کہ اگر یہ کسی بھی جسم پر مرکوز ہو جائیں میرا مطلب ہے۔ ان کی روشنی کی شعاعیں تو وہ جسم وہ تمام غذائیت حاصل کر لیتا ہے جس کی اسے ضرورت ہوتی ہے۔ آسمان پر رہنے والے نے دنیا میں رہنے والوں کے لیے وہ کچھ عجوبے ترتیب دے دیئے ہیں بدمی نمو جن کے بارے میں زمین کا رہنے والا سوچ بھی نہیں سکتا۔ دھرم دستونیہ انہیں شعاعوں سے زندگی حاصل کیے ہوئے ہے۔ اگر اسے یہاں لیٹے لیٹے ہزار سال بھی گزر جائیں۔ تو بھی اس کا جسم کبھی خراب نہیں ہوگا۔ جب کہ دنیا میں بہت کچھ ٹوٹ پھوٹ ہو چکی ہوگی۔ یہ انکشاف کامران کے لیے بڑا حیران کن تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ واقعی یہ سوچنا بالکل غلط ہوگا کہ وہ انسان جو مہذب دنیا سے بالکل دور رہتے ہیں۔ خدا کی نعمتوں سے بالکل ناواقف ہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔

ان غاروں کے رہنے والے اور ان غیر مہذب آبادیوں کے افراد بھی قدرت کی سائنس سے کس قدر واقف ہیں۔ اس کا اظہار اس وقت ہو رہا تھا۔

"تو پھر اب تم کیا کرو گے؟"

"بدمی نمو۔ تھوڑی دیر کے لیے اگر میں ہیروں کی روشنیاں بند کر دوں گا تو دھرم دستونیہ جاگ اٹھے گا۔ ایک بے چینی کا شکار ہو کر۔ اس کے بعد جب تم اس بستر پر لیٹو گے۔ تو میں ہیرے پھر روشن کر دوں گا۔ میرا مطلب ہے۔ تمہارے سامنے اس طرح تم بھی محفوظ رہو گے اور ان لوگوں کو کوئی شبہ بھی نہیں ہو سکے گا۔ کامران کا سر چکرا گیا تھا۔ واقعی یہ گرشک تو اس وقت ایک عجیب و غریب شخصیت کا مالک لگ رہا تھا۔ ایک بڑا اور عظیم سائنسدان' واقعی اسے سائنسدان ہی کہا جا سکتا تھا۔

بہر حال یہ بھی زندگی کا ایک انوکھا تجربہ تھا اور انوکھے تجربے تو اسے اس مہم کے دوران بہت سے ہو چکے تھے لیکن یہ انوکھا تجربہ بھی اس کی زندگی کے لیے بڑا حیران کن تھا۔ بڑا لگ رہا تھا اسے اور اس کے بعد اس نے گرشک کی ہدایات کے مطابق عمل کا آغاز کر دیا اور وہ سب کچھ کرنے لگا۔ تھوڑے وقت کے بعد گرشک نے ہیروں کی روشنی کے آگے آڑ لگا دی۔

سیتا اس کے ساتھ تعاون کر رہی تھی۔ اس دوران گرشک کی خواہش کے مطابق کامران نے اپنا لباس اُتار دیا تھا اور ایک معمولی سے لباس میں ملبوس تھا اور انتظار کر رہا تھا کہ گرشک کے کہنے کے مطابق دھرم دستونیہ جاگ جائے۔

تھوڑی دیر کے بعد اس کے بدن میں قدرے جنبش ہونے لگی وہ کسی قدر بے چینی کا شکار تھا اور گردن اِدھر سے اُدھر پٹخ رہا تھا۔ پھر اس نے آنکھیں کھول دیں اور بے چین نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا اس کی نظر کامران پر پڑی اور وہ ایک لمحے کے لئے حیرت کے ایک جھٹکے کا شکار ہو گیا اور پھر اپنی جگہ سے اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ تبھی گرشک اور سیتا آگے بڑھے اور اس کے سامنے دوزانوں ہو گئے۔"

"دھرم دستونیہ پاتا پرتی ہے۔ سس سال کا تا۔ بے سن سال کا تا تم جاگ گئے۔"

"گرشک...... سیتا...... یہ کون ہے؟"

"دھرم دستونیہ اپنے دماغ کو روشن کرو۔ میں تمہیں بتائے دیتا ہوں کہ یہ کون ہے۔"

گرشک نے کہا اور دھرم دستونیہ اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ کچھ لمحے بیٹھا گردن جھٹکتا رہا اور پھر بستر سے اُٹھ گیا اور کامران کے قریب آ کر بولا۔

"تم مجھ جیسے کیوں ہو؟" کامران مسکرا دیا پھر بولا۔

"قدرت کو جانتے ہو؟"

"نہیں۔"

"آسمان والا۔ جو یہ سارے کھیل کھیلتا ہے۔"

"ہاں۔"

"اگر وہ دو چہرے ایک جیسے بنا دیتا ہے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔"

"یہ تم کہتے ہو لیکن تمہیں دیکھ کر مجھے حیرت بھی ہو رہی ہے اور خوشی بھی کہ مجھ جیسا بھی کوئی ہے۔"

پھر اس کے بعد گرشک نے ساری تفصیل دھرم دستونیہ کو بتائی اور دھرم دستونیہ حیران نگاہوں گرشک کو دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

"گرشک اتنا کچھ کیا ہے تم نے میرے لیے؟ میں تمہارے اس احسان کا تمہیں کیا صلہ دے سکوں گا۔"

"دھرم دستونیہ اصل احسان تو اس مہذب دنیا میں رہنے والے نے ہم پر کیا ہے۔ جس کی شکل آسمان والے نے تمہارے جیسی بنائی ہے۔ میرا منصوبہ کیا ہے۔ میں تمہیں سنانے پر مجبور ہوں۔ حالاں کہ میں جانتا ہوں کہ نجانے کتنے عرصے کے بعد تم جاگے ہو۔ تمہارا دماغ ابھی تک تھکا ہوا ہوگا۔"

''نہیں تم مجھے بتاؤ کیا منصوبہ ہے۔ تمہارے ذہن میں اور جواب میں گرشک دھرم دستونیہ کو ساری تفصیل بتانے لگا۔ دھرم دستونیہ کا چہرہ ایک ایک لمحے کے لیے حیرت کے نقوش اجاگر کر رہا تھا۔ پھر اس نے ایک بار کامران کی طرف دیکھا اور آگے بڑھ کر اس سے لپٹ گیا۔

''دوست تم میرے لیے اتنی قربانی دے رہے ہو۔ میں تو اس داستان کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ میرے دل میں تو یہ تھا کہ اب میں ساری زندگی یاتان ماسی کی قید میں گزار دوں گا۔'' بلکہ ایسا ہوگا کہ یاتان ماسی اپنا کام پورا کرنے کے بعد سوتے ہی سوتے گہری نیند سلا دے گا' کیا کرے گا وہ، یہ میں نہیں جانتا لیکن بہرحال تم نے ست گاتا کی پوری آبادی پر احسان کیا ہے۔''

''بدگی نمو...... اب اپنا لباس اُتار کر انہیں دے دیجیے تاکہ یہ آپ کے بستر پر لیٹ جائیں۔ ہمیں صبح ہونے سے پہلے یہاں سے بہت دور نکل جانا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ سیتا تم باہر جاؤ...... ہم لوگ لباس تبدیل کیے لیتے ہیں۔'' سیتا باہر چلی گئی۔ گرشک نے بھی رُخ تبدیل کر لیا اور اس کے بعد دھرم دستونیہ نے اپنا لباس اُتار کر کامران کو دیا اور کامران کا لباس خود اپنے جسم پر پہن لیا وہ بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ سیتا اندر آ گئی اور اس کے بعد باقی کارروائی ہونے لگی۔

کامران نے بسم اللہ پڑھی۔ کلمہ شہادت پڑھا اور دل ہی دل میں یہ الفاظ دہرا کر بستر پر لیٹ گیا کہ معبودِ کریم میں جو کچھ کر رہا ہوں۔ انسانیت کی بھلائی کے لیے کر رہا ہوں' میں نے کرنل گل نواز کے واقعات میں ہر طرح کی مدد کا وعدہ کیا تھا۔ میری مدد تو ہی کرنا۔ یہ کہہ کر وہ بستر پر لیٹ گیا۔ لیٹ کر اس نے آنکھیں بند کر لیں اور گرشک اور دھرم دستونیہ ان ہیروں کے زاویے درست کرنے لگے۔ جنہوں نے کچھ ہی دیر بعد کامران کے جسم کو اپنی زد میں لے لیا تھا۔

گرشک نے آخری بار کامران کے قریب آ کر اس کے پاؤں چھوئے' سیتا نے آگے بڑھ کر اس کے دونوں پیروں کے انگوٹھوں کو اپنے ہونٹوں سے چوما اور اس کے بعد وہ دھرم دستونیہ کے ساتھ باہر نکل گئے۔ جب کہ کامران اپنے جسم میں ایک ہلکی ہلکی سی گدگدی محسوس کرنے لگا۔ ہیروں کی یہ شعاعیں' جو اس کے جسم کو اپنا مرکز بنائے ہوئے تھیں۔ کچھ ایسا گداز رکھتی تھیں کہ کامران کو ہلکی ہلکی غنودگی کا احساس ہوا اور تھوڑی دیر بعد اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔

عموماً ایسا ہوتا نہیں تھا۔ کامران بے شک ایک الگ غار میں ہوتا تھا لیکن دن کی روشنی ہوتے ہی وہ سب یکجا ہو جاتے تھے اور اپنے اپنے مشاغل میں مصروف ہو جاتے تھے۔ لاموں کی طرف سے ان پر کوئی پابندی عائد نہ کی گئی تھی لیکن کامران آج غیر متوقع طور پر غائب تھا۔ دوپہر تک اس کا کوئی پتہ نہیں ملا۔ تو کرنل گلنواز کو تشویش ہوئی۔ پچھلی رات سے ہی وہ غائب تھا اور معمول میں تھوڑی سی تبدیلی رونما ہوئی تھی۔ وہ کسی معتبر شخص کی تلاش میں اِدھر اُدھر گھومنے لگے اور پھر ایک شخص کے ملنے کے بعد کرنل گلنواز نے پوچھا۔

''ہمارا ساتھی کامران کہاں ہے جو الگ غار میں تھا؟

''کیا وہ آپ کے درمیان موجود نہیں ہے؟''

''تم فوراً لاموں کو اطلاع دو اور اسے ہماری تشویش سے آگاہ کرو۔'' لاموں تک فوراً اطلاع پہنچی

تھی اور لاموں ان لوگوں کے درمیان پہنچ گیا تھا۔

''وہ کب سے تمہارے درمیان نہیں ہے؟''

''کل دن سے' اس وقت سے جب ہم لوگ باہر سیر کرنے کے لیے نکلے ہوئے تھے۔ وہ ہم سے علیحدہ ہو گیا تھا اور ایسا ہمیشہ ہوتا ہے کہ ہم لوگ اپنی اپنی مرضی کے مطابق جہاں دل کرتا ہے جاتے ہیں۔''

''آہ۔ اگر اس نے ایسی کوئی کوشش کی ہے تو بہت بڑی غلطی کی ہے۔ تو بہت بڑی غلطی کی ہے کہیں اسے کوئی نقصان نہ پہنچ جائے۔ یہ بات تو طے ہے کہ وہ ہماری حد بندی کیے ہوئے علاقوں سے باہر نہیں جا سکتا ہے خاص طور سے اس لیے کہ وہ اس دُنیا کا باسی نہیں ہے۔ وہ یہ نہیں جانتا کہ زیرِ زمین سرنگوں کا سفر اسے کہاں سے کہاں لے جا سکتا ہے۔ لیکن ہم چونکہ اسے کوئی نقصان بھی نہیں پہنچانا دینا چاہتے تم بے فکر رہو ہم بھی اسے تلاش کر لیتے ہیں۔ وہ مل جائے گا' غالباً اس بے وقوف نے یہاں سے بھاگنے کی کوشش کی ہے۔'' لاموں نے اپنے تمام آدمیوں کو ہدایات دیں اور خود کرنل گل نواز نے دیکھا کو وہ چیونٹیوں کی طرح دل کے دل نکل کر سارے علاقوں میں پھیل گئے ہیں۔ یہ بھی ایک حیران کن بات تھی اس سے پہلے بہت تھوڑے سے لوگ ان کی نگاہوں میں آئے تھے اور وہ یہ ہی سمجھے تھے۔ کہ یہاں صرف انہی بھکشوؤں کی رہائش گاہیں ہیں جو ان کی نظروں کے سامنے ہیں لیکن اس وقت وہ جس طرح زمین کے سوراخوں سے چیونٹیوں کی طرح باہر آ رہے تھے۔ اسے دیکھ کر خود کرنل گل نواز' علی سفیان' قزلتاشی' حسن شاہ وغیرہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ رانا چندر سنگھ نے کرنل گل نواز سے کہا تھا۔

''خدا کی پناہ کیسے کیسے نئے انکشافات ہو رہے ہیں' یہ تو باقاعدہ واقعی پوری فوج ہے اور کرنل کتنی حیرت کی بات ہے کہ یہ اس بے آب و گیاہ علاقے میں کتنے آرام سے بسر کر رہے ہیں۔ جہاں بظاہر ان کی غذائی ضروریات پوری ہونے کے وسائل بھی نظر نہیں آتے۔''

''اس وقت ان تمام باتوں کے بارے میں نہ سوچیں' بڑی عجیب و غریب کیفیت محسوس کر رہا ہوں۔ کامران کے دماغ میں اگر کوئی منصوبہ ہوتا تو لازمی بات ہے کہ وہ ہم سے مشورہ کیے بغیر اس پر عمل پیرا نہ ہوتا۔ وہ ضرور کسی حادثے کا شکار ہوا ہے۔''

''کیا کہا جا سکتا ہے۔ یہاں تو ہر شخص کو ہر لمحے کسی حادثے کا خطرہ رہتا ہے خدا سے اس کے لیے بس دعا ہی کر سکتے ہیں۔''

سارا دن گزر گیا پھر رات اور پھر دوسرا دن بھی تمام ہونے کو آیا۔ اس دوران لاموں سے ملاقات تیسرے دن صبح کو ہوئی۔ اس کا چہرہ پریشانی کی تصویر بنا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔

''دوپہر تک یاتان ماسی ہمارا رہنما یہاں پہنچ جائے گا۔ اس کے بعد ہم کوئی مناسب فیصلہ کریں گے۔ کیوں کہ تمارا ساتھی ابھی تک ہمیں دستیاب نہیں ہوا ہے۔''

''یہ ظلم ہے لاموں ہم مانتے ہیں کہ ہم یہاں تمہارے قیدی ہیں لیکن تم نے ہم سے اچھا سلوک کیا ہے۔ ہم تمہارے بارے میں کسی بُرے انداز سے نہیں سوچتے لیکن ہمارے ساتھی کی بازیابی ضروری ہے۔''

''آخری حد تک کوشش کریں گے۔ کہ تمہارا ساتھی ہمیں مل جائے۔ ہمیں معاف کرنا وہ اپنی ہی کسی

حماقت کا شکار ہوا ہے۔ یہاں اس علاقے میں وہ موجود نہیں ہے۔ ہم نے چپے چپے پر اسے تلاش کرلیا ہے۔ باقی فیصلہ یاتان ماسی آکر کرے گا۔" کرنل گلنواز کی پوری ٹیم کامران کے لیے افسردہ بھی تھی اور پریشان بھی۔ وہ باہر پہاڑوں میں آزاد پھر رہے تھے جب انہوں نے لاموُ کی ایک اور پوری فوج دیکھی مگر یہ لوگ سیاہ رنگ کی کفنیاں پہنے ہوئے تھے اوران کے درمیان ایک شخص رتھ میں سوار آرہا تھا۔ کالے کفن والے اس رتھ کو کاندھے پر اٹھائے ہوئے تھے اور رتھ کی آب وتاب دیکھنے کے قابل تھی۔ پھر وہ ٹڈی دل بھی باہر نکل آیا۔ جسے دیکھ کر ہی چکر آتے تھے۔ ہزاروں کی تعداد تھی ان لاماؤں کی جنہوں نے اس کا خیر مقدم کیا۔ کرنل گلنواز اوراس کے ساتھیوں کو فوراً یہ بات معلوم ہوگئی کہ یہی شخص وہ قدیم یاتان ماسی ہے۔ جس کے بارے میں انہوں نے یہاں آکر سنا تھا۔

"رتھ کو ایک طرف رکھ دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی کچھ لوگ کرنل گلنواز کے پاس پہنچ گئے۔"

"تم لوگ یکجا ہو جاؤ تمہیں یاتان ماسی سے ملاقات کرنی ہے۔" چناں چہ یہ سب ایک جگہ جمع ہوگئے یاتان ماسی رتھ سے اترا اور اس چٹان پر جا چڑھا' جسے بڑی عمدگی سے سجا دیا گیا تھا۔ یہاں موجود تمام افراد چٹان کے گرد جمع ہوگئے۔ یہ لوگ یاتان ماسی کو دیکھ رہے تھے۔ صورت سے وہ انتہائی عمر رسیدہ معلوم ہوتا رہا تھا لیکن اس کی آنکھوں میں جو شاطرانہ چمک تھی اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ کس طرح کا شخص ہے' پھر اس نے بھاری آواز میں کہا۔

"معزز مہمان میرے پاس آجائیں۔" لاموں نے فوراً ہی اس کے حکم کی تعمیل کردی۔ کرنل گلنواز اور اس کی ٹیم کو یاتان ماسی کے سامنے پہنچا دیا گیا۔ یاتان ماسی نے مسکراتی نگاہوں سے ان سب کو دیکھا اور بولا۔

"آپ لوگوں نے میرے لیے بڑی آسانیاں پیدا کردی تھیں' لیکن افسوس کوئی ایسا عمل ہوگیا جو ناقابل فہم ہے۔ مجھے اپنے ساتھی لاموں پر مکمل اعتماد ہے۔ وہ ایک بے پروا انسان نہیں ہے لیکن یوں لگتا ہے کہ تمہارا وہ ساتھی اپنی عقل کھو بیٹھا ہے یہاں سے نکلنا تو خیر ایک ممکن بات نہیں ہے ساری سرنگیں بھی چھان لی گئی ہیں کہیں بھی اس کا نشان نہیں ملتا۔ وہ کون سا عمل ہوسکتا ہے۔ جس کے تحت وہ غائب ہو جائے۔ کیا تم لوگ میری رہنمائی کرسکتے ہو؟"

"ہم اس کے لیے سخت پریشان ہیں' وہ ہماری طرح کا ایک عام انسان ہے۔ اس میں کوئی ایسی خوبی نہیں ہے۔ جس کی بناء پر یہ کہا جاسکے کہ وہ اپنے کسی پُراسرار عمل کے ذریعے ہماری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا ہے۔"

"اس کے باوجود اس کی تلاش جاری رہے گی' لاموں میں اپنے مہمانوں کو اپنے اعتماد میں لے کر اب کچھ آگے کی کاروائیاں کرنا چاہتا ہوں۔ معزز مہمانوں کو میری رہائش گاہ میں پہنچا دیا جائے۔ سب نے گردنیں خم کردیں۔ پھر اس کے بعد ان لوگوں کو بالکل ہی الگ جگہ الگ غاروں میں پہنچا دیا گیا۔ یہ غار بھی اپنی مثال آپ تھے۔ دنیا کی بیش قیمت چیزیں یہاں موجود تھیں اور ان کی آسائش کا نہایت معقول بندوبست کیا تھا۔ لیکن کرنل وغیرہ حتمی طور پر پریشان تھے۔ پھر امینہ سلفاء نے ایک ہی دلچسپ انکشاف کیا۔

"یہ خوبصورت ہیرے دیکھ رہے ہو۔ جو جگہ جگہ جڑے ہوئے ہیں۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ کیا یہ صرف

آرائش کے لیے ہیں۔"

"کیا کہنا چاہتی ہو امینہ۔" علی سفیان نے سوال کیا۔

"وہ ان میں سے ہمیں دیکھ رہا ہے اور غالباً یہ جائزہ لے رہا ہے کہ ہماری کیفیت کیا ہے۔" وہ سب سنسنی خیز نگاہوں سے ان روشن ہیروں کو دیکھنے لگے۔ جو غالباً الماس تھے لیکن امینہ سلفاء نے جو انکشاف کیا تھا۔ وہ بے حد سنسنی خیز تھا۔ کرنل گلنواز نے کہا۔

"بھاڑ میں جائے یہ سب کچھ وہ میرے لیے بیٹوں کی مانند ہے۔ میں جس قدر اس کے لیے متردد ہوں میرا دل ہی جانتا ہے۔"

"ہم سب اس کے لیے پریشان اور دکھی ہیں، کرنل لیکن کیا کیا جائے اس مہم میں واقعات ہی ایسے انوکھے پیش آرہے ہیں۔"

"کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ کچھ نہیں کہا جاسکتا لیکن کاش اسے کوئی نقصان نہ پہنچے۔"

پھر رات کو یاتان ماسی نے انہیں اپنے ساتھ کھانے کے لیے طلب کرلیا اور یہ لوگ وہاں پہنچ گئے۔ یاتان ماسی نے ان کے لیے ان کی ضرورت کے مطابق انتظام کیا تھا۔ یہاں ان کی خوراک پھلوں اور دودھ پر ہی مشتمل تھی یا خاص قسم کے خشک میوے جو اپنی مثال آپ ہی کہے جاسکتے تھے۔ الغرض اس دعوت سے فارغ ہونے کے بعد یاتان ماسی نے کہا۔

"دوستو! تم میرے لیے انتہائی قابل اعتماد ثابت ہوئے ہو۔ اچھے لوگ ہو۔ تمہارا ساتھی جس پُراسرار طریقے سے ہمارے درمیان میں سے غائب ہوا ہے۔ ہمیں صرف ایک بات کا خدشہ ہے کہ اگر وہ ہلاک نہیں ہوتا اور کسی طرح اس کی رسائی ست گاتا ہو جاتی ہے۔ تو ہمارے لیے ایک پریشان کن مرحلہ ہو جائے گا۔ تو ست گاتا کی آبادی اسے دیکھ کر جاگ سکتی ہے اور ہم نہیں چاہتے کہ ایسا ہو۔ اس لیے ہم تمہیں ایک انوکھے انکشاف سے روشناس کرنا چاہتے ہیں۔ وہ سوالیہ نظروں سے یاتان ماسی کو دیکھنے لگے تو یاتان ماسی نے کہا۔

"اصل بدھی نمو' دھرم وستونیہ ہمارا قیدی ہے۔ ہم نے اسے گہری نیند سلا رکھا ہے۔ اب ہم اسے جگا کر اپنے ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ تاکہ ہمارا کھیل پورا ہو جائے۔ یہ ضروری ہے تم لوگ ہمارے ساتھ چلو گے۔"

"ہمیں ہمارا ساتھی چاہیے اور یہ بات تم جانتے ہو۔ یاتان ماسی کہ وہ ہماری دنیا کا ایک عام مسافر ہے جو صرف اتفاقات کے ہاتھوں یہاں تک پہنچ چکا ہے۔"

"اصل خطرہ ہمیں گرشک اور سیتا سے ہے۔ وہ کم بخت ہمارے ہاتھ نہیں لگے وہ ست گاتا کے پراسرار ترین لوگ ہیں۔ کہیں تمہارا ساتھی ان کے ہاتھ نہ لگ گیا ہو۔"

"یہ تو تم ہی بتا سکتے ہو یاتان ماسی۔ ہم تو مکمل طور پر تمہارے قبضے میں ہیں۔"

"ہاں۔ مجھے تم پر شک نہیں ہے۔ آؤ میں تمہیں دکھاتا ہوں کہ اصل دھرم وستونیہ کہاں ہے۔" یہ سارے انکشافات ہی انوکھے تھے۔

بہر حال یاتان ماسی انہیں ساتھ لے کر اس غار تک پہنچا جہاں ایک عجیب وغریب دنیا آباد تھی۔

ہیروں کی روشنی میں انہوں نے اس انوکھے وجود کو دیکھا۔ جو گہری نیند سو رہا تھا۔ وہ سب یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے۔ کہ اصل دھرم دستونیہ سو فیصدی کامران کا دوسرا روپ تھا۔

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتے رہے۔ یاتان ماسی اور لاموں کچھ اور لوگوں کے ساتھ اپنے عمل میں مصروف تھے اور اسکے بعد یاتان ماسی نے ہیروں سے منعکس ہونے والی روشنی جس کی شعاعیں اس وقت بھی کامران کے جسم کا احاطہ کیے ہوئے تھیں۔ بند کیں اور وہ لوگ سکتے کے سے عالم میں کھڑے اپنے دھرم دستونیہ کو دیکھتے رہے۔ یہاں تک کہ کامران کے جسم میں جنبشیں بیدار ہوئیں اور رفتہ رفتہ اس نے آنکھیں کھول دیں۔ کچھ لمحے کے بعد جیسے سب کچھ اسکے ذہن میں آ گیا ہو۔ جبکہ کامران کچھ لمحے انتظار کرتا رہا۔ اس کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر بیٹھ گیا اور اس نے گھومتی نگاہوں سے ان سب کو دیکھا لیکن زبان سے کچھ لمحے نہ کہا۔ یاتان ماسی اور لاموں نے کچھ لمحے خاموشی اختیار کی۔ اس کے بعد ان لوگوں کی طرف مڑ کر بولا۔

''یہ ہمارا شاہکار ہے اور یہ ہمارے لیے مستقبل کے دروازے کھولے گا آپ لوگ اب آرام کریں۔ بہت جلد میں آپ سے دوبارہ ملاقات کر کے آپ کو نئے منصوبے سے آگاہ کروں گا لیکن خیال رکھیے گا کہ آپ میں سے کسی کو اگر یہ معلوم ہو سکے کہ آپ کا اپنا آدمی کہاں گیا تو ہمیں اطلاع دینی ضروری ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا کام ہو جائے تو آپ اپنے مفادات کو پوری طرح استعمال کرتے ہوئے ہماری حدود سے یہاں سے واپسی کا راستہ اختیار کریں۔ کیا سمجھے؟''

''ٹھیک ہے۔ ہمیں اعتراض نہیں ہے۔'' کرنل گلمواز نے کہا اور اس کے بعد لاموں اور یاتان ماسی وغیرہ وہیں رہ گئے اور باقی لوگ باہر واپس آ گئے لیکن اب سب کے چہرے تصویر حیرت بنے ہوئے تھے اور کرنل گلمواز نے کہا۔

''سچی بات یہ ہے کہ میں تو اب انتہائی دکھ محسوس کر رہا ہوں اس بات سے کہ کامران پتا نہیں کہاں گیا اور کس چکر میں پڑ گیا۔ حالانکہ مجھے یقین ہے کہ وہ ہمیں بتائے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھائے گا اور جہاں بھی ہوگا۔ ہمارے بارے میں ضرور سوچ رہا ہوگا۔ مگر اب یہ بتائیے آپ لوگ کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ دفعتاً ہی امینہ سلفاء نے کرنل گلمواز کو مخاطب کر کے کہا۔

''کرنل! میری بات سنیں۔'' اس کے لہجے میں کوئی ایسی بات تھی کہ سب چونک کر اس کی جانب متوجہ ہو گئے۔ اس نے پراسرار انداز میں کہا۔'' کامران بالکل خیریت سے ہے اور آپ کو اس کے لیے ذرا بھی متردد نہ ہوں۔'' امینہ سلفاء کے الفاظ پر علی سفیان نے گھوڑے کو دیکھا اور بولا۔

''امینہ! تمہارے اس رویے پر مجھے شدید اعتراض ہے اس وقت جبکہ ہم انتہائی سسپنس میں مبتلا ہیں اور اس احساس کا شکار ہیں کہ کامران کسی مشکل میں گرفتار نہ ہو۔ اگر تمہارا علم تمہیں اس کے بارے میں کچھ بتاتا ہے۔ تو مجھے بتاؤ۔''

''امینہ کے چہرے پر غصے کے آثار پھیل گئے اس نے کہا۔'' سفیان میرے اور تمہارے درمیان کتنی ہی بار یہ معاہدہ ہو چکا ہے کہ کسی سلسلے میں، میں اگر کچھ بتانے کی کوشش نہ کروں تو اس کی گہرائیوں میں

ڈوبنے کی کوشش مت کیا کرو...... پلیز شٹ اپ۔'' امینہ نے غصے میں کہا اور پاؤں پٹختی ہوئی غار سے باہر چلی گئی وہ سب ایک دوسرے کی شکل دیکھتے رہ گئے تھے۔

وہ غار میں تھے کہ لاموں بہ ذاتِ خود ان کے پاس پہنچا۔'' سفر کے لیے تیار ہو جاؤ۔ ہم رات کو چاند نکلے اپنے سفر کا آغاز کریں گے۔'' ان سب نے اپنے جسموں میں سنسنی محسوس کی تھی۔

بہرحال اس کے بعد وقت جس طرح گزرا وہ ان کا دل ہی جانتا تھا۔ ایک ایک لمحہ مشکل گزر رہا تھا اور وہ عجیب و غریب کیفیت محسوس کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ چاند نکلا اور انہیں طلب کر لیا گیا۔ جب وہ اس وسیع و عریض میدان میں پہنچے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس وقت گھٹے سر اور سفید لبادے والے بھکشوؤں کا ٹڈی دل لشکر وہاں موجود ہے۔ ان کے لیے گھوڑوں کا بندوبست کیا گیا تھا اور ایسے ہی گھوڑے یاتان ماسی اور لاموں کے پاس تھے۔ انہیں گھوڑوں پر سوار کر دیا گیا اور اس کے بعد یہ لشکر وہاں سے چل پڑا۔

وہ سب یہ دیکھ کر حیران تھے کہ پیدل افراد گھوڑوں کے ساتھ ساتھ دوڑ رہے تھے۔ حالانکہ گھوڑوں کی رفتار اتنی تیز نہیں تھی لیکن پھر بھی گھوڑے بہرحال گھوڑے ہی تھے۔ ان کے ساتھ سفر کرنا بڑا عجیب و غریب تھا۔ وہ بھی ان دشوار گزار راستوں پر لیکن ساری رات یہ سفر جاری رہا۔ دوسرے دن بھی یہ لوگ نہ رکے بس کھانے پینے کا انتظام بھی گھوڑوں پر ہی کر لیا گیا تھا۔ باقی لوگ کیا کر رہے تھے۔ اس کا اندازہ نہیں ہو پایا تھا البتہ رات کو قیام کیا گیا۔

غالباً سفر کافی لمبا تھا۔ وہ لوگ رات کے قیام کے بعد صبح کو پھر دوڑنے کے لیے تیار تھے اور یہ عجیب و غریب سفر پھر سے جاری ہو گیا۔ پورا دن اسی میں گزر گیا اور ایک بار پھر رات ہو گئی۔ اس رات بھی انہوں نے قیام کیا تھا اور دوسری صبح جب سورج زیادہ بلندی تک نہیں پہنچا تھا کہ انہیں زمین کی گہرائیوں میں اترنا پڑا۔

ڈھلان نیچے تک چلے گئے تھے اور یہی ست گاتا۔ کی سرزمین تھی۔ جس کے بارے میں امینہ سلفاء نے ان سے کہا۔

''دیکھ رہے ہیں آپ لوگ؟''

''ہاں...... عجیب و غریب راستے ہیں۔''

''...... عجیب و غریب نہیں...... یہ ست گاتا ہے...... ہم ست گاتا کی حدود میں داخل ہو چکے ہیں۔''
امینہ سلفاء کے یہ الفاظ بھی سنسنی خیز تھے علی سفیان نے ایک بار پھر امینہ سلفاء کو غور سے دیکھا لیکن اس کی توجہ سامنے کی سمت تھی۔ یہاں تک کہ ست گاتا میں سونے والا پہلا شخص انہیں نظر آیا۔ یہ غالباً سرزمین ست گاتا کے داخلی راستے کا چوکیدار تھا۔ یہ زمین پر اوندھا سیدھا پڑا ہوا تھا۔ یاتان ماسی نے کامران کی طرف دیکھا اور بولا۔

''یہ پہلی بار جاگنے والا ہے۔ آؤ اور اسے بتاؤ کہ تم ان کے درمیان واپس آ گئے ہو؟'' دفعتاً اس شخص نے آنکھیں کھول دیں اور کھڑے ہو کر قہقہے لگانے لگا۔ سب لوگ ششدر رہ گئے تھے۔

''اے...... شخص تو دھرم دستونیہ کے ہاتھ لگانے سے پہلے ہی جاگ اٹھا۔''

''ہاں کیوں کہ دھرم دستونیہ کی آمد پر سب سے پہلے جاگنے والا میں ہی تھا۔''

"وہ دیکھو......" اس نے پیچھے کی طرف اشارہ کیا اور اچانک ہی لاموں اور یاتان ماسی کی گردنیں پیچھے کی طرف گھوم گئیں۔ یہ بہت ہی وسیع و عریض میدان تھا جہاں یہ لوگ پہنچے تھے اور میدان کے دوسری طرف صرف ٹڈی دل لشکر امڈتا چلا آ رہا تھا۔ یہ ست گاتا کے لوگ تھے۔ ست گاتا کا چوکیدار وہاں سے ہنستا ہوا بھاگ گیا لیکن یاتان ماسی اور لاموں شدت حیرت سے گنگ کھڑے ہوئے تھے۔

"یہ کیا ہوا۔ کیا دھرم دستونیہ کی آمد سے دور ہی سے یہ لشکر جاگ اٹھا۔"

"کچھ پتا نہیں چل رہا۔" اچانک ہی اس طرف سے تیروں کی بارش شروع ہو گئی اور پہلی ہی کوشش میں بہت سے بھکشو موت کا شکار ہو گئے ان کے سفید لبادے خون سے تر ہو گئے تھے یاتان ماسی اور دوسرے لوگ دنگ رہ گئے تھے۔ ادھر بھکشوؤں میں بھگدڑ مچ گئی تھی لیکن ست گاتا کے لوگ زیادہ وحشت کا شکار ہو گئے تھے۔ کرنل گلوواز نے اپنے فوج کے تجربے کی بنیاد پر کہا۔

"ہم لوگ بھی ان وحشتوں کا شکار ہو جائیں گے۔ اس لیے میرے ساتھ ساتھ آؤ۔"

یہ کہہ کر اس نے ایک راستہ بنایا اور بھکشوؤں کے درمیان سے گزرتا چلا گیا۔ یاتاماسی اور لاموں وغیرہ کو ہوش نہیں رہا تھا۔ بھکشو بری طرح مر رہے تھے ست گاتا کے وحشی اور خونخوار لوگ ان میں سے ایک ایک کو قتل کرنے پر تلے ہوئے تھے اور سارا میدان انسانی لاشوں سے بھر گیا تھا۔ وہ لوگ شدت حیرت سے آنے والوں میں سے ایک گروہ کرنل کی طرف بڑھا اور کرنل نے خوف زدہ نگاہوں سے سامنے والے لوگوں کو دیکھا لیکن یہ گروہ ان کے نزدیک آ کر اس طرح کھڑا ہو گیا جیسے ان کی حفاظت کر رہا ہو۔ تب جا کر کرنل کو سکون نصیب ہوا تھا۔ قتل عام جاری تھا اور یوں لگ رہا تھا جیسے ست گاتا کے رہنے والے ان میں سے کسی ایک کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ یہ صورت حال جاری رہی پھر بے شمار افراد قتل ہو گئے۔ یاتان ماسی اور لاموں کو گرفتار کر لیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ میدان لاشوں سے پٹ گیا تھا۔ ہر طرف خون کا سمندر تھا۔ انسانی جسموں کے ٹکڑے زمین پر پڑے ہوئے حسرت بھری نظروں سے آسمان کو دیکھ رہے تھے۔ ست گاتا کے لوگ ان بھکشوؤں کو چن چن کر ہلاک کر رہے تھے۔

جس میں زندگی کی ذرا سی رمق پاتے اسے اپنے تیز ہتھیاروں سے ختم کر دیتے یاتان ماسی اور لاموں کو گرفتار کر کے ست گاتا کی آبادی میں لایا گیا تھا۔ یہاں تک کہ ست گاتا والوں کا کام ختم ہو گیا۔ تب انہوں نے کچھ گھوڑے اپنی طرف آتے ہوئے دیکھے اور دور ہی سے پہچان لیا ان میں سے ایک گرشک تھا۔ دوسری سیتا اور تیسرا دھرم دستونیہ اور چوتھی ایک انتہائی خوب صورت اور پراسرار عورت تھی۔ وہ چاروں ان کے نزدیک پہنچے اور عقیدت سے گھوڑوں سے نیچے اتر گئے۔

پھر سب نے آگے بڑھ کر ان کے پاؤں چھوئے اور گرشک اور سیتا نے کامران کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"دھرم دستونیہ نہیں...... اب تم کامران ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس وقت ست گاتا کا سب سے بڑا محسن تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ ہم تمہارے اس احسان کا تمہیں کوئی بدلہ نہیں دے سکتے۔ سوائے اس کے کہ تمہارا شکریہ ادا کریں۔ آؤ ہمارے معزز مہمانوں ہمارے ساتھ چلو اور ہمیں خوشیاں بخشو۔ لوگ بڑی عقیدت اور احترام سے ان کو لے کر ست گاتا کی سرزمین میں داخل ہوئے۔ اپنی نوعیت کی انوکھی سرزمین تھی اور یہاں

داخل ہونے کے بعد انہوں نے ایسے ایسے حیرت ناک مناظر دیکھے کہ دنگ رہ گئے۔ جس محل میں انہیں قیام کے لیے جگہ دی گئی۔ وہ بھی اپنی مثال آپ تھا۔

ہر شخص ان کی راہ میں بچھا جا رہا تھا اور پھر یہ رات انہوں نے سکون سے گزاری۔ دوسرا دن بھی گزر گیا اور پھر تیسرے دن شام کو دھرم دستونیہ نے انہیں اپنے محل خاص میں طلب کر لیا۔ یہاں ان کی ضیافت کے لیے انتہائی معقول بندوبست تھا وہ مہمانوں کی طرح اس رہائش گاہ میں پہنچے اور ان کا بھرپور استقبال کیا گیا۔ گرشک، سیتا اور دھرم دستونیہ اور اس پراسرار عورت کے علاوہ اور بھی بہت سارے لوگ تھے۔ یہاں پھر ایک بار ان سے تعارف کرایا گیا گرشک نے کہا۔

"عظیم کامران...... اور میرے سب سے بڑے محسن کرنل گلوواز ست گاتا کی زمین پر آپ کے قدموں کی برکت سے جو تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں انہیں الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ہم پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ ہمارے پاس آپ کے احسانوں کا کوئی صلہ نہیں ہے۔ ہاں وہ چمکدار پتھر اور سنہری دھات کے انبار ہمارے پاس کافی مقدار میں موجود ہیں۔ ان میں سے جو آپ کی طلب ہو ہم اسے آپ کی خدمت میں پیش کر دیں گے۔ سب کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے تھے۔ گرشک نے کہا۔

"مختصر کہانی یہ ہے کہ کامران دھرم دستونیہ کے ہم شکل تھے۔ مجھے اور سیتا کو پہلے ہی اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ وہ دھرم دستونیہ ہیں اور ہم نے ان کا اسی طرح احترام کیا۔ تاریخ اسی انداز میں اپنے آپ کو آگے بڑھانا چاہتی تھی۔ ہم انہیں لے کر یہاں تک آئے۔ جو کچھ پیش آیا وہ بہت دکھ بھرا اور سنسنی خیز تھا لیکن ہمارا کام اسی طرح ہونا تھا پھر جب ہم یاتان ماسی اور لاموں کی قید میں پہنچ گئے۔ یعنی آپ لوگ تو ہمیں چھپنا پڑا۔ بعد میں ہم نے کامران سے ملاقات کی اور انہیں بتایا کہ اصل صورت حال کیا ہے ہم نے کامران کو دھرم دستونیہ کی جگہ دے دی اور دھرم دستونیہ کو لے کر ست گاتا پہنچ گئے۔ کیوں کہ ہمیں ان سرنگوں کا راز معلوم تھا جو انتہائی مختصر وقت میں اس دریا کے ساتھ ساتھ سفر کرتی ہوئی ست گاتا تک آتی ہیں۔ اس کی رفتار ہزاروں میل فی گھنٹہ ہے۔ ست گاتا کی سرزمین پر پہنچ کر ہم نے ست گاتا کی سوئی ہوئی آبادی کو جگایا اور اس کے بعد ہم نے یاتان ماسی کا انتظار شروع کر دیا کیوں کہ ہمیں پتہ تھا کہ وہ آئے گا اور اپنا عمل دہرائے گا۔ ست گاتا میں سب لوگ اس کی آمد کا انتظار کر رہے تھے اور جب وہ لوگ یہاں تک پہنچے تو ہم نے اپنے آپ کو سوتا ہوا بنا لیا لیکن ان کی عقل میں یہ بات آئی ہی نہیں تھی، ست گاتا والے ان سے بے پناہ نفرت کرتے تھے۔ انہوں نے ان پر حملہ کر دیا۔

یاتان ماسی اور لاموں ہماری قید میں ہیں اور ہم آپ لوگوں ہی کے سامنے انہیں سزا دینا چاہتے ہیں یہ ہے ساری تفصیل اور یہ پاتال پر یَو مَتی پر کنڈ ہے۔ جو دھرم دستونیہ کی آمد پر جاگ اٹھی ہیں اور اب ست گاتا کی سرزمین پر ناپاک یاتان ماسی کی نہیں بلکہ دھرم دستونیہ کی حکومت ہوگی۔ تقریباً ایک ہفتہ تک ان لوگوں نے ان کی اتنی خاطر مدارات کی گئی کہ وہ شرمسار ہو گئے۔ یہاں ان کی حیثیت دیوتاؤں جیسی تھی۔ یاتان ماسی اور لاموں کو ان کے سامنے ہی سزا دی گئی۔ انہیں زندہ جلا دیا گیا تھا۔ یہ بہرحال ان لوگوں کے علم میں آ چکا تھا اور ست گاتا والوں کی برہمی اپنی جگہ مستحکم تھی۔ پھر انہیں اس خزانے تک لے جایا گیا اور یہاں جو مناظر سامنے آئے۔ وہ بڑے سنسنی

خیز تھے۔ ہر شخص خزانہ دیکھ کر دیوانہ ہو گیا تھا۔ قزل شائی اور شمورہ جیسے سنجیدہ افراد بھی اپنی پسند کے ہیروں اور سونے کے زیورات کا انتخاب کر رہے تھے۔

انہوں نے اتنا کچھ لے لیا تھا۔ جتنا وزن وہ اٹھا سکتے تھے۔ صرف دو افراد تھے جو خزانے کی جانب نہیں بڑھے تھے۔ ان میں سے ایک کامران اور دوسری امینہ سلفاہ تھی۔ علی سفیان جیسے شخص نے بھی ایک انبار باندھ لیا تھا اور اسے کندھوں پر اٹھائے ہوئے تھا۔ مزدوروں نے بھی سب کچھ حاصل کر لیا تھا اور کسی نے انہیں نہیں روکا تھا۔

اس کے بعد ان کی واپسی کا انتظام کیا گیا۔ البتہ علی سفیان نے امینہ سلفاہ سے کہا تھا۔

"میں مانتا ہوں اے پراسرار عورت کہ تو بہت سی چیزوں سے دلچسپی نہیں رکھتی لیکن میرے لیے ہی سہی تھوڑا سا وزن اپنے اوپر بھی لاد لے۔" امینہ سلفاہ مسکرا کر خاموش ہو گئی تھی۔ تب رانا چندر سنگھ نے یہی الفاظ کامران سے کہے اور کامران مسکرا کر بولا۔

"نہیں رانا صاحب! میں اس طرح سے کچھ لینے کے حق میں نہیں ہوں۔ یہ جملے اگر کرنل گلنواز بھی کہتے تو شاید میں پہلی بار ان سے انحراف کرتا۔ کرنل گلنواز نے مسکرا کر کہا۔

"میں جانتا تھا بیٹے۔ میں جانتا تھا کہ میرے سامنے ایک فراخدل آسمان جیسا انسان کھڑا ہے۔ جو کسی بھی چیز سے متاثر نہیں ہوگا۔" امینہ سلفاہ نے مسکرا کر کامران کو دیکھا۔ بہرحال اس کے بعد کرشنک، سیتا، دھرم دستونیہ اور ستی پرکھنہ یہ سب کے سب انہیں ست گاتا کی سرحد تک چھوڑنے آئے تھے۔ ان کے لیے سفر کا بہترین انتظام کر دیا گیا تھا۔ بے شمار فالتو گھوڑے ان کے ساتھ کیے گئے تھے۔ تاکہ ان کے اوپر سامان کا وزن نہ ہو سکے۔ سب کے سب خزانوں کو دیکھ بھال کے لیے رات بھر جاگتے تھے اور اس وقت امینہ سلفاہ ان کی رہنمائی کر رہی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ وہ اس وقت وہ اسی کے بتائے ہوئے راستوں پر سفر کر رہے تھے۔ امینہ سلفاہ پراسرار عورت اپنے گھوڑے پر جا رہی تھی اور تھوڑے تھوڑے فاصلے پر جا کر وہ اس طرح فضاؤں کو سونگھنے لگتی تھی۔ جیسے وہ سونگھ سونگھ کر راستوں کا پتا چلا رہی ہو۔ کرنل گلنواز ایک جہاندیدہ انسان تھا۔ یہ راستے جتنی آسانی سے طے ہو رہے تھے کرنل گلنواز کے لیے یہ ایک حیران کن عمل تھا۔ اس رات ایک خوب صورت وادی میں قیام کیا گیا اور سب لوگوں نے اپنے اپنے آرام کا بندوبست کر لیا۔ ست گاتا والوں نے ان کے لیے وہ سب آسانیاں فراہم کر دی تھیں۔ بہت دور تک یہ وادی اپنے خوب صورت مناظر سے سجی ہوئی تھی۔

کرنل گلنواز نے کامران کو اشارہ کیا اور اس وقت کامران رانا چندر سنگھ کے ساتھ ایک خوب صورت جگہ بیٹھا ہوا تھا۔ کھانے پینے سے فراغت ہو چکی تھی۔ دوسرے لوگ بھی آس پاس موجود تھے۔ کرنل گلنواز نے کہا۔

"حسن شاہ تم ایک زیرک انسان ہو۔ میں تم سے اس وقت خاص طور پر ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔" حسن شاہ مستعد ہو گیا۔

"جی کرنل؟" آپ نے یہ الفاظ کہہ کر میری عزت افزائی کی ہے جس کے لیے میں آپ کا شکر گزار ہوں۔"

"مجھے کچھ عجیب سا محسوس ہو رہا ہے۔ حسن شاہ، رانا چندر اور کامران تم بھی میرے الفاظ پر غور کرنا۔"

"جی کرنل صاحب! آپ نے یہ کہہ کر خود ہمارے درمیان سنسنی پھیلا دی ہے۔"

میں محسوس کر رہا ہوں کہ یہ پراسرار عورت جسے اس کا شوہر بھی صحیح طرح نہیں جانتا۔ جن راستوں پر ہمیں لے جا رہی ہے۔ یہ وہ راستے نہیں ہیں جو ست گاتا سے باہر کی دنیا کی طرف لے جاتے ہیں۔"

"کیا؟" سب کے منہ حیرت سے کھل گئے۔

"ہاں۔ تم لوگ جانتے ہو کہ امینہ سلفاہ بہرحال میں ایک پراسرار عورت ہے۔ اس کے انکشافات اس کی کاوشیں ہر شخص سے مختلف رہی ہیں۔ کامران تمہارے بارے تو میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ قدرت نے تمہیں ایک انتہائی فراخ دل بخشا ہے۔ ہمارے علم میں ہے کہ تم اس خزانے تک پہنچ چکے تھے۔ جس کے لیے یہ ساری تگ و دو کی جا رہی تھی لیکن ہم نے بھی تمہارے اس عزم کا مان رکھا اور کبھی اپنے تعلقات اور اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے یہ نہیں پوچھا کہ تم ہمیں اس خزانے کا پتا بتاؤ کیوں کہ ہم جانتے تھے کہ ہم تم جیسے آہنی عزم والے آدمی کو اپنی مرضی کے مطابق اپنے مقصد کے لیے استعمال نہیں کر سکتے لیکن امینہ سلفاہ نے بھی اس خزانے سے گریز کیا ہے۔ جو ست گاتا والوں نے باقی لوگوں کو دیا ہے۔ میں داستان کو طویل نہیں کروں گا۔ تم میں سے مجھے ہر شخص سے اس بات کے جواب کی ضرورت ہے کہ کیا تم امینہ سلفاہ کے اس عمل کو محسوس نہیں کر رہے۔"

"ابھی تک ہم نے ایسا نہیں کیا تھا لیکن اب ہم یہ سوچ رہے ہیں کہ شاید آپ کا کہنا درست ہے۔ کرنل۔" رانا چندر سنگھ نے سب سے پہلے بات کی۔

"آپ کے ذہن میں کیا خیال ہے؟"

"یہی کہ کچھ اور ہونے والا ہے۔ جس کے بارے میں علی سفیان بھی نہیں جانتا۔" کرنل گلنواز نے کہا اور سب کے چہرے پر سنسنی پھیل گئی۔ وہ دیر تک ایک دوسرے کی شکل دیکھتے رہے۔ پھر رانا چندر سنگھ بولا۔

"یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ ہم اپنے طور پر یہ سمجھ رہے تھے کہ ہماری یہ مہم ختم ہو گئی ہے اور اب ہمیں اپنے گھر تک پہنچنا نصیب ہو جائے گا لیکن اس احساس نے ہمیں پریشان کر دیا ہے۔"

"میرا ایک مشورہ ہے۔ جناب اگر آپ اسے قابل قبول سمجھیں۔"

"ہاں بولو......" رانا چندر سنگھ نے حسن شاہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرا خیال ہے۔ علی سفیان سے اس بارے میں پوچھ لیا جائے۔ ہم نقشوں کا تعین کریں اور اس کے بعد امینہ سلفاہ کو اپنی گرفت میں لے لیں۔ طریقہ کار چاہے کچھ بھی ہو لیکن امینہ سلفاہ کو ہم مجبور کر دیں کہ وہ ہمیں تفصیلات بتائے۔ سب اس بات پر غور کرنے لگے۔ پھر سب سے پہلے قزل شائی اور شمورہ کو اس راز میں شریک کیا گیا اور اس کے بعد علی سفیان سے گفتگو کی گئی۔ اس وقت امینہ سلفاہ ان لوگوں سے کافی فاصلے پر اپنے پراسرار عمل میں مصروف تھی۔ اس نے اپنے اردگرد پتھر سجائے ہوئے تھے اور ان پتھروں کے درمیان میں بیٹھی ہوئی وہ ایک نوک دار پتھر سے زمین پر کچھ تحریر کر رہی تھی اور اسے بار بار مٹا رہی تھی۔

علی سفیان کے چہرے پر بھی کچھ عجیب سے تاثرات تھے اس نے کرنل گلنواز کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کرنل کوئی خاص بات ہے۔" "تم سب مجھے اس طرح متجسس نظر آ رہے ہو جیسے مجھے کوئی خاص بات بتانا چاہتے ہو۔ یا کوئی انکشاف کرنا چاہتے ہو۔"

"مسٹر علی سفیان آپ ہمارے بہترین دوست ہیں۔ ہمیں ہر طرح سے تم پر مکمل اعتماد ہے۔ اس وقت ہم آپ سے کچھ خاص سوالات کرنا چاہتے ہیں اور سب سے پہلے ہم آپ سے یہ درخواست کرتے ہیں۔ کہ خدارا ہماری کسی بات کو بھی کوئی غلط رنگ نہ دیں اور اسے صرف دوستانہ بات سمجھیں۔"

"ظاہر ہے۔ میں تم لوگوں کو دوست سمجھتا ہوں۔ کیا بات ہے۔ مجھے بتاؤ۔"

"علی سفیان بار بار اس بات کا اظہار ہو چکا ہے بلکہ بعض اوقات آپ نے خود بھی میڈم امینہ سلفاہ کے بارے میں اپنے خدشات کا اظہار کیا ہے اور۔۔۔"

"ایک منٹ۔۔۔ ایک منٹ۔۔۔ آخر کار تم لوگوں نے بھی اس بات کو محسوس کر لیا۔ جو میں تم سے کہنا چاہتا تھا۔" علی سفیان نے درمیان سے ان کی بات کاٹ دی اور وہ سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے۔ تب علی سفیان بولا۔

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ میرا ذاتی شوق تھا کہ میں نے امینہ سلفاہ سے شادی کر لی اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اس عورت نے اپنی پراسرار شخصیت کے پراسرار ہونے سے کبھی انکار نہیں کیا۔ بلکہ ایسی ایسی کہانیاں سنائیں۔ جنہیں جھوٹ ہی سمجھا جاتا تھا اب نہ جانے کیوں مجھے۔ احساس ہوتا جا رہا ہے کہ اس جھوٹ میں کہیں نہ کہیں کوئی صداقت ضرور تھی۔" علی سفیان رکا لیکن ان میں سے کسی نے اس سے اس کے ان الفاظ کی وضاحت طلب نہیں کی تھی۔ وہ خود ہی بولا۔ "ہمیشہ ہی میں نے امینہ سلفاہ کو ایک پراسرار کردار کی حیثیت سے دیکھا ہے لیکن اب میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ کوئی ایسی بات اس کے دل میں ہے کوئی ایسا عمل کر رہی ہے، وہ جواب تک کے تمام عمل سے زیادہ پراسرار ہے۔"

"میں اس راستے کے بارے میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں علی سفیان۔"

بالکل۔۔۔ بالکل۔۔۔ یہ وہ راستے نہیں ہیں جن پر سفر کر کے ہم یہاں تک آئے ہیں۔ یا جن کے بارے میں یہ سوچا جائے کہ یہ راستے مہذب دنیا کی طرف جاتے ہیں۔ بلکہ مجھے بہت عجیب لگ رہا ہے۔ بہت ہی عجیب۔"

"اور ہماری رہنمائی امینہ سلفاہ کر رہی ہیں۔"

"ہاں۔۔۔ میرے دوستو! یہ بات بالکل مت سوچنا کہ امینہ سلفاہ میری بیوی ہے اور میں اس کے ہر جائز اور ناجائز عمل کی حمایت کروں گا۔ میں تم لوگوں کا ساتھی ہوں تمہارا ہی ساتھ دوں گا۔ جس طرح بھی چاہو۔ مجھے اپنی ہدایات سے نوازو۔ میں تمہارا بھرپور ساتھ دوں گا۔"

"آپ کا کیا خیال ہے۔ علی سفیان۔ یہ راستہ ہمیں کسی خاص سمت لے جاتا ہے یا پھر آپ ایسا کریں کہ آپ امینہ سلفاہ سے سوال کریں اور معلوم کریں کہ جن راستوں پر وہ ہمیں لے جا رہی ہیں کیا وہ راستہ ایک بالکل مناسب راستہ ہے۔"

"کچھ نہیں کیا جا سکتا۔۔۔ کچھ نہیں کیا جا سکتا۔" کچھ لمحات کے لیے مکمل خاموشی طاری ہو گئی تھی۔

"تو پھر اب کیا کیا جائے؟"

"میں امینہ سلفاہ سے گفتگو کرتا ہوں۔" کچھ اور فاصلے طے ہوئے اور اس کے زمین ایک عجیب
سی شکل اختیار کرنے لگی۔ فوراً ہی اندازہ لگا لیا گیا تھا کہ یہ آتش فشاں پہاڑوں کا علاقہ ہے۔ ایسے پہاڑوں کا
جو لاوا اگلتے رہتے ہیں یہاں کا ماحول بڑا خطرناک ہے۔ اسی رات تھوڑی سی گڑبڑ بھی ہو گئی۔ تمام لوگ آرام
کر رہے تھے۔ فضا میں سنسناہٹ سی پیدا ہو گئی۔ وہ سب ایک دم سنبھل گئے۔ شدید خوف ان کی رگوں میں
سرائیت کر گیا تھا۔ پھر دفعتاً ہی یہ گڑگڑاہٹ ایک خوفناک سنسناہٹ میں تبدیل ہو گئی۔ جس جگہ یہ لوگ
بیٹھے ہوئے تھے وہاں شدید جھٹکے محسوس ہونے لگے اور کوئی چار پانچ فرلانگ کے فاصلے پر فضا میں چنگاریوں
کا طوفان پیدا ہو گیا۔ سرخ پگھلے ہوئے پتھر گیس کے دباؤ کے ساتھ آتشی لکیریں بناتے ہوئے آسمان کی
طرف جا رہے تھے۔

اور آسمان پر سیاہ دھوئیں کے مرغولوں کی شکل میں چمکتے ہوئے آتشی پتھر بلند ہونے لگے تھے۔
زمین آہستہ آہستہ ہل رہی تھی۔ کھڑے ہونے کی کوشش کرتے تو زندہ بچنا مشکل تھا۔ تمام لوگ بہت خوف زدہ
ہو گئے تھے۔ یہ بہت ہی خوفناک کیفیت تھی۔ لوگوں نے چٹانیں مضبوطی سے پکڑ لی تھیں۔ رات کے اس
بھیانک ماحول میں صرف چٹانوں سے بلند ہونے والی چنگاریاں روشنی پیدا کر رہی تھیں۔ ورنہ تاریکی چاروں
طرف پھیلی ہوئی تھی۔ سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں ختم ہونے لگی تھیں۔ زبان خشک ہو کر تالو سے چپک گئی تھی۔
جنگل کے خشک درختوں اور ٹہنیوں نے آگ پکڑ لی تھی۔ جنگل میں آگ لگتے ہی ایک اور مصیبت شروع
ہو گئی۔ جنگلی جانوروں نے جنگل کی طرف دوڑ لگا دی تھی۔ ان کے چیخنے چلانے کی آواز نے فضا کو اور دہشت
ناک بنا دیا تھا۔ زمین مسلسل کروٹیں بدل رہی تھی۔ کبھی خاموشی چھا جاتی اور کبھی دھماکوں کا مسلسل طوفان
شروع ہو جاتا۔ خدا خدا کر کے رات گزری اور صبح کی روشنی پھوٹی۔ آتش فشاں کی آتش فشانی میں کمی آتی
جا رہی تھی۔ ویسے بھی آتش فشاں ابھی صحیح طور پر نہیں ابلا تھا لیکن جنگل مسلسل سلگ رہے تھے اور آنکھوں میں
شدید جلن پیدا ہو گئی تھی۔ رات کی تاریکی میں یہ لوگ صحیح طور پر اندازہ نہیں لگا پائے تھے کہ انہیں کس طرف جانا
ہے لیکن دن کی روشنی میں فوراً راستوں کا تعین کیا گیا اور وہ تقریباً دوڑنے والے انداز میں یہ سفر طے کرنے
لگے سب کی حالت خراب تھی۔ مزدور اپنے اپنے خزانے پکڑے ہوئے دوڑ رہے تھے اور ان دوڑنے والوں
میں امینہ سلفاہ بھی پیش پیش تھی۔

بہ مشکل تمام ایک طویل فاصلہ طے کرنے کے بعد آتش فشانوں کا یہ سلسلہ ختم ہوا۔ آگے جنگلات تو
کے سلسلے یہ بتا رہے تھے کہ آتش فشانی کے اثرات اس طرف نہیں پہنچے ہو سکتا ہے کہ آتش فشانوں کا رخ
ڈھلان کی طرف ہی ہو۔ وہاں جہاں کالی زمین بکھری ہوئی تھی۔ رات بھر جاگنے کی تھکن اور اس وقت تک
دوڑنے سے ان کے چہرے بگڑ گئے تھے۔ ان میں سے ہر ایک زمین پر لیٹ جانا چاہتا تھا۔ چنانچہ جیسے ہی
ایک سایہ دار جگہ ملی سب نے وہاں آرام کی جگہ سنبھال لی اور زمین پر لمبے لمبے لیٹ گئے۔
رات ہوئی کھانے پینے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ سب کے چہرے مردنی کا شکار تھے۔ امینہ سلفاہ
سے رات کی تاریکی میں کوئی سوال نہیں کیا گیا تھا بلکہ دن کی روشنی جب پھوٹی تو امینہ سلفاہ نے آگے بڑھنے کی

تیاریاں شروع کیں لیکن علی سفیان نے کہا۔

''ہم میں سے کوئی اس قابل نہیں ہے امینہ سلفاء کہ آگے کا سفر کر سکے' آج کا دن ہمیں یہیں گزارنا ہے اور یہ بھی اندازہ ہو گیا ہے کہ اس طرف آتش فشانی کا اثر نہیں ہے۔'' امینہ سلفاء نے عجیب سی نگاہوں علی سفیان کو دیکھا اور بولی۔

''ٹھیک ہے اگر سب کی یہ رائے ہے تو مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کے بگڑے ہوئے موڈ کو سب نے محسوس کیا تھا۔ پھر تھوڑا سا فاصلہ مزید طے کیا گیا اور ایک ایسے علاقے کو منتخب کیا گیا۔ جہاں لاتعداد چھاؤں دار درخت تھے۔ یہ بہت ہی عجیب وغریب درخت تھے۔ ایسے درخت پہلے کبھی نہیں دیکھے گئے تھے۔ یہاں انہوں نے دور دراز کے جنگلوں میں بھی سفر کیا تھا اور جنگل کے ماحول کو اچھی طرح دیکھا تھا لیکن یہ چھتری نما درخت بڑے عجیب وغریب تھے۔ ان کے نیچے گہری چھاؤں تھی اور بڑا سکون سا محسوس ہو رہا تھا لیکن جیسے ہی شام ہوئی۔ عجیب سی کیفیت فضاء میں اتر آئی۔ یہ انتہائی گہرا اندھیرا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے بینائی ختم ہو گئی تھی وہ سب وحشت ناک انداز میں اٹھ کر بیٹھ گئے اور دونوں ہاتھوں سے آنکھیں ملنے لگے۔ رانا چندر سنگھ نے کرنل گلنواز سے کہا۔

''کیا گہرا اندھیرا ہے؟''

''میرا خیال ہے کہ ہم اس وقت جن درختوں کے آس پاس موجود ہیں وہ روشنی خور درخت ہیں۔'' یہ انکشاف قزل شائی نے کیا تھا۔

''روشنی خور۔''

''ہاں..... میں نے پڑھا تھا۔ ان کے بارے میں ایک بار یقین کرو، ان کی ہیبت دیکھ کر میرے ذہن میں کوئی چیز کلبلا رہی تھی۔ مگر مجھے یاد نہیں آ رہا تھا کہ میں نے کیا پڑھا ہے ان کے بارے میں۔ یہ روشنی خور درخت ہیں۔ لگتا ہے جیسے ساری روشنی انہوں نے نگل لی ہو۔ سورج چھپتے ہی ان میں زندگی دوڑ جاتی ہے اور ان پر لٹکے ہوئے مکڑیوں جیسے جالے لٹک جاتے ہیں اور چاندنی اور روشنی جذب کر لیتے ہیں بلکہ تمہیں حیرت ہو گی کہ یہ چاندنی ہی ان درختوں کی غذا ہے۔ سب کی پھٹی پھٹی آنکھیں چاروں طرف ان درختوں کا جائزہ لینے لگیں۔

انوکھے درخت تھے۔ آسمان پر بے شک تارے نکلے ہوئے تھے لیکن زمین پر ان کی چھاؤں نہیں تھی۔ جس کی وجہ سے گھور اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔

''کیا یہ انسانی زندگی کے لیے خطرناک ہو سکتے ہیں۔'' کرنل گلنواز نے سوال کیا۔

نہیں جانداروں کو ان سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ اصل میں ان سے یہ مکڑی جیسے جالے لپٹے نظر آ رہے ہیں۔ ان میں نسیں نہیں ہیں بلکہ بس ایک مادہ ان کے پتوں سے خارج ہوتا ہے۔''

''اور یہ مادہ نقصان تو نہیں دیتا۔''

''اس کے بارے میں کچھ پڑھا نہیں ہے۔''

وہ سب خاموش ہو گئے لیکن ایک عجیب سی بے چینی' اور بے کلی ان کے انداز میں نظر آ رہی تھی۔

بہت دور امینہ سلفاء ایسے چراغ جلائے ہوئے بیٹھی ہوئی تھی لیکن یہ چراغ بھی بس یوں لگتا تھا جیسے کوئی چیز چمک رہی ہو اس کی روشنی کوئی خاص حیثیت نہیں دے رہی تھی۔ پھر اچانک ہی کچھ عجیب سی سرسراہٹیں فضاء میں گونجیں اور یہ لوگ جو نیم غنودگی کا شکار تھے۔ ایک دوسرے سے ان سرسراہٹوں کے بارے میں سوالات کرنے لگے۔ علی سفیان نے امینہ سلفاء سے کہا۔

''کیا ہے..... ان درختوں میں کچھ سائے نظر آ رہے ہیں۔'' وہ سب خاموشی سے ان سرسراہٹوں کو سننے لگے اس بار کچھ انسانی قدموں کی آوازیں صاف صاف محسوس ہوئی تھیں۔ انہوں نے دم سادھ لیا۔ پر اسرار آوازیں دیر تک گونجتی رہی تھیں۔ پھر رفتہ رفتہ یہ آوازیں معدوم ہو گئیں۔

''کچھ ہیولے ہیں۔ یقیناً ہمارے آس پاس ہمارے سوا کچھ اور انسان بھی ہیں شعورہ نے کہا۔

''کہیں یہ ہمارے لیے یہ خطرناک نہ ثابت ہوں۔''

''کیا کیا جائے۔ واپس چلیں؟''

''نہیں۔ ساری باتیں آنے والے وقت پر چھوڑ دو۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ یہ رات پھر بے چین گزری تھی۔ صبح کی روشنی نمودار ہوئی۔ تو وہ سب جاگ گئے اور کھانے پینے سے فراغت حاصل کرنے کے لیے تیاریاں کرنے لگے۔ تھوڑا سا وقت اور گزرا۔ رات کو جو انسانی آوازیں سنائی دی تھیں۔ انہوں نے وحشت زدہ کر دیا تھا۔ پھر بھی تیاریاں کرنے کے بعد یہ لوگ یہاں سے آگے چل پڑے۔ درختوں کے جالے جو رات کی تاریکی میں پھسل کر چھتری نما بن گئے تھے۔ اب پھر نیچے لٹک گئے تھے۔ یہ بدنما درخت دنیا کے عجیب وغریب درخت تھے۔ جوں جوں یہ لوگ آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ جنگل گھنا ہوتا جا رہا تھا۔ پھر اس وقت دن کے ساڑھے گیارہ یا پونے بارہ بجے ہوں گے۔ کہ دفعتاً سنسناہٹوں کی آوازوں کے ساتھ بے شمار تیر ان کے سروں پر سے گزر کر درختوں اور تنوں میں پیوست ہو گئے۔ پتہ نہیں جان بوجھ کر ان تیروں کو ان لوگوں کے جسموں سے اوپر رکھا گیا تھا۔ کیوں کہ ان میں سے کوئی بھی زخمی نہیں ہوا تھا لیکن پھر بھی سب کے سب منہ کے بل زمین پر گر پڑے۔

تیروں کی دوسری باڑ ان کے سروں پر سے گزری' اور دہشت سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ انہیں اندازہ تھا کہ یہ لوگ کس طرف سے نکل کر درختوں سے باہر آ نکلیں گے۔ تیر مسلسل چل رہے تھے اور ان کے دائیں بائیں مسلسل سنسناہٹیں ہو رہی تھیں۔ درختوں کی شاخیں اور پتے تیروں سے ٹوٹ ٹوٹ کر نیچے گر رہے تھے اور ان کے قدموں کے آگے ٹوٹی ہوئی شاخوں اور پتوں کا ایک انبار جمع ہوتا جا رہا تھا۔ یہاں تک کہ انبار کافی اونچا ہو گیا۔

یہ لوگ اسی ڈھیر میں آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہے تھے اور بڑے خوفناک انداز میں یہ سب کچھ ہو رہا تھا لیکن دلچسپ بات یہ تھی کہ ان پر حملہ آور ہونے والوں نے ان میں سے کسی کو زخمی نہیں کیا تھا کچھ ہی لمحوں کے بعد یہ محسوس کر لیا گیا تھا کہ وہ لوگ انہیں ہلاک نہیں کرنا چاہتے۔ بلکہ ان کا مقصد کچھ اور ہی تھا۔ تیر جس انداز سے برس رہے تھے ان میں سے یہ احساس ہو گیا تھا کہ وہ جو کوئی بھی ہیں۔ ان کی تعداد بے پناہ ہے۔ ابھی تک حملہ آور نظر نہیں آئے تھے لیکن تیر مسلسل آ رہے تھے پھر آہستہ آہستہ ان کی شدت میں کمی پیدا ہوتی

گئی۔ اس کے بعد وہ لوگ پہلی بار نظر آئے۔ جنگل میں رہنے والے تھے۔ ان کے لباس چیتھڑوں کی شکل میں ان کے جسموں پر جھول رہے تھے اور یوں لگ رہا تھا جیسے یہ لباس انہوں نے مہذب لوگوں سے ہی حاصل کیے ہوں۔ ان کے پہننے کے انداز سے ہی یہ پتا چلتا تھا۔

ان کی تعداد کافی تھی۔ سب کے سب چوکنے اور مستعد تھے۔ سب سے آگے آنے والے شخص کا چہرہ انتہائی خونخوار تھا۔ وہ مضبوط جسم کا مالک تھا۔ کوئی پچاس فٹ کے فاصلے پر وہ لوگ آ کر رک گئے اور انہوں نے انہیں زمین پر بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ پھر ان ہی سے کچھ لوگ دوڑتے ہوئے ان کے قریب پہنچ گئے اور انہوں نے خاص قسم کے لکڑی کے ڈنڈوں سے ان کے کندھوں پر ہلکی ہلکی ضربیں لگائیں اور اس کے بعد ان کی تلاشی لینے لگے۔ جو کچھ ان کے پاس تھا وہ سب ان سے لے لیا گیا۔ طاقتور آدمی کے ہونٹوں پر طنزیہ مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی اور پھر اس نے اپنی گردن پر انگلی پھیر کر انہیں سمجھایا کہ ان سب کو ذبح کر دیا جائے گا۔ امینہ سلفاء خاموشی سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ اس وقت اس کی اپنی کیا کیفیت ہے۔

بہر حال اس کے بعد انہوں نے ان لوگوں کو رسیوں سے جکڑ دیا اور جب سب کو باندھ لیا گیا تو سب کو آگے دھکے دینے شروع کر دیئے۔ وہ بے دردی سے انہیں آگے دھکیل رہے تھے۔ ان کے دھکوں سے بعض اوقات کوئی نہ کوئی نیچے بھی گر پڑتا تھا۔ کسی کے قدم سست پڑتے تو وہ پیچھے سے لاتیں مارتے۔ بہر حال آگے بڑھنا پڑا کیونکہ ان کی تعداد زیادہ تھی اور ابھی کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ ان گھنے جنگلوں سے گزرنے کے بعد آخر کار ایک دریا نظر آیا۔ وہاں ٹھنڈی ہوا کے فرحت بخش جھونکے چل رہے تھے دریا کے پار دوسرے کنارے پر ایک عجیب سی آبادی نظر آ رہی تھی کچے پکے اور مخصوص طرز کے مکانات یہاں بکھرے ہوئے تھے۔ ان لوگوں نے اپنے قیدیوں کو دریا پر منہ دھونے اور پانی پینے کی اجازت دے دی اور ان سب نے جھک کر چوپایوں کی طرح دریا میں منہ ڈال دیا۔ اس انوکھی بستی کے مکانوں کا طرز تعمیر بھی مختلف ہی تھا۔ آخر کار وہ ایک مکان کے برآمدے میں پہنچے اور ان سب لوگوں کو اس وسیع و عریض برآمدے میں ہانک دیا۔ سب کے ساتھ ایک ہی سلوک کیا گیا اس سے یہ احساس ہوتا تھا کہ امینہ سلفاء کی اس سلسلے میں کوئی کوشش نہیں ہے۔“

”کیا اس طرف کسی خاص مقصد کے تحت لائی تھیں۔ کیا تمہارا مقصد یہ ہی تھا کہ ہم سب کو قید کرا دو۔“ امینہ سلفاء نے خشک نگاہوں سے علی سفیان کی طرف دیکھا لیکن منہ سے کچھ نہ بولی۔ بہر حال اس وسیع و عریض احاطے میں کافی وقت گزارنے کے بعد ان لوگوں کو ایک اور جگہ منتقل کیا گیا۔ یہ ایک بہت بڑا سا مکان تھا۔ جس کا فرش لکڑی کا بنا ہوا تھا اور خاصا بوسیدہ معلوم ہوتا تھا۔ کیوں کہ اس کے تختے نیچے چرچرا رہے تھے۔ یہاں تاریک اور سیلن کی وجہ سے ایک ناگوار بو پھیلی ہوئی تھی۔ ایک گوشے میں گھاس پھوس پڑا ہوا تھا۔ ان لوگوں کو وہیں رسیوں سے دیواروں میں اُبھرے ہوئے کھونٹوں سے باندھ دیا گیا اور کچھ لوگ ان کی نگرانی کرنے لگے۔ بہر حال سب بڑی طرح تھکے ہوئے تھے اس لیے کسی سے بیٹھا نہیں جا رہا تھا۔

وہ زمین پر لیٹ گئے لیکن سب کی کیفیت بری تھی اور سب بری طرح نڈھال تھے۔ کرنل گلنواز

نے کہا۔

”امینہ سلفاء چوں کہ خود بھی اس بری حالت میں ہے۔ اس لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس کارروائی میں اس کا بھی کوئی ہاتھ ہے۔ کسی نے اس بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا تھا لیکن امینہ سلفاء کچھ عجیب سی کیفیت کا شکار تھی۔ یوں لگ رہا تھا۔ جیسے کوئی گڑبڑ ہو رہی ہو۔ وقت گزرتا رہا۔ ان کی نگرانی کرنے والے عجیب سی کیفیتوں کے مالک معلوم ہوتے تھے۔ وہ تمام نگران جو صبح سے دوپہر تک ان کے ساتھ تھے۔ واپس چلے گئے تھے لیکن رات کو کچھ اور افراد ان کی نگرانی کے لیے اس ہال میں منتقل کر دیئے گئے۔ اس وقت رات کے تقریباً بارہ بجے تھے۔ سب خاموشی اور بیزاری کے انداز میں لیٹے ہوئے تھے۔ کہ دفعتہً ایک عجیب منظر نگاہوں کے سامنے آیا۔ دو افراد جو نگرانی کرنے والوں میں ان کے بالکل سامنے ہی تھے اپنی جگہ سے اُٹھے اور انہوں نے اپنے لباس سے چوڑے کھانڈے کھولے اور پھر اپنے ہی ساتھیوں پر ٹوٹ پڑے۔

دو آدمی ایک لمحے کے اندر اندر ہلاک ہو گئے تھے۔ باقیوں نے دہشت زدہ ہو کر اٹھنے کی کوشش کی لیکن حملہ آور ان کے اپنے ہی ساتھی تھے۔ اس لیے وہ بھی بوکھلا کر رہ گئے اور اسی بوکھلاہٹ میں وہ بھی ان کا شکار ہو گئے۔ تمام لوگ جن میں کامران بھی تھا۔ دہشت زدہ ہو کر اٹھ بیٹھے تھے۔ یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی تھی لیکن جو حقیقت تھی وہ سامنے تھی کہ نگرانی کرنے والے باقی افراد جو ان کے علاوہ تھے۔ اپنے ہی خون میں نہائے زمین پر پڑے تھے۔ باقی دونوں نگراں برق رفتاری سے ان کی طرف آئے اور انہوں نے خون آلود کھانڈوں سے وہ رسیاں کاٹ دیں۔ جنہوں نے ان کے جسموں پر اب تک زخم ڈال دیئے تھے لیکن یہ ساری باتیں ناقابل یقین تھیں۔ لوگ بھاگتے دوڑتے غل مچاتے اِدھر سے اُدھر بھاگ رہے تھے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ہوا کیا ہے۔

پھر وہ دونوں جنہوں نے یہاں ان لوگوں کی مدد کی تھی باہر نکلے اور انہوں نے اپنے چوڑے کھانڈوں سے سامنے نظر آنے والے ہر شخص کو ہلاک کرنا شروع کر دیا۔ اسی وقت امینہ سلفاء کی آواز ابھری۔

”تم لوگوں کو کیا سانپ سونگھ گیا ہے۔ یا مر گئے ہو تم لوگ...... بھاگو۔ اس سے اچھا موقع بھلا کیا ہو سکتا ہے اور واقعی سب کے جسموں میں جیسے بجلی سی دوڑ گئی۔ وہ برق رفتاری سے بھاگتے ہوئے باہر نکلے اور عقبی سمت کا چھوٹا سا احاطہ عبور کر کے جنگل کی جانب دوڑ پڑے گھاس پھوس اور سوکھے پتوں کے ڈھیر میں اچانک آگ لگ گئی تھی اور شعلے بلند ہوتے جا رہے تھے۔ اِدھر بستی کے لوگ جان بچانے کے لیے بڑی چیخ رہے تھے۔

بمشکل تمام یہ لوگ اس بستی سے کافی دور نکل آئے۔ عقب میں مسلسل شور بلند ہو رہا تھا۔ وہ لوگ دریا کی سمت بھاگے اور دریا عبور کر کے آگے بڑھ گئے لیکن یہاں ایک گہرا اور خشک نالہ نظر آ رہا تھا۔ سب اس نالے میں اتر گئے۔ ان کی زبانیں باہر نکلی ہوئی تھیں اور سینہ دھونکنی کی مانند چل رہا تھا۔ جب ذرا جان میں جان آئی تو سب نے ایک دوسرے کا جائزہ لیا۔ بدن جا بجا خراشوں سے بھر گیا تھا۔ رانا چندر سنگھ کی ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ شعورہ کے رخسار پر زخم کی گہری لکیر کھنچ گئی تھی۔ جس سے خون رس رہا تھا۔ جس نالے میں یہ کودے تھے وہاں زمین دلدلی تھی۔ جس کا انہیں کودنے کے بعد احساس ہوا تھا۔ دفعتہً ہی شعورہ کے حلق سے ایک بار

پھر کرب ناک سی چیخ نکلی۔

وہ اُچھل کر قزل شائی پر جا گری۔ ابھی اس کے چیخنے کی وجہ بھی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ کہ رانا چندر سنگھ کے حلق سے ایک کریہہ آواز نکلی۔ پھر کامران کو اپنی ٹانگ کے نچلے حصے میں ایک عجیب سی چبھن محسوس ہوئی۔ اس نے یہ اندازہ لگانے کے لیے کہ یہ چبھن کیسی ہے۔ نیچے ہاتھ ڈالا ہی تو اس کے حلق سے بھی آواز نکل آئی۔ وہ دو، دو، تین تین انچ لمبی سرمئی رنگ کی جونکیں تھیں۔ جوان کے بدن کے کھلے حصوں اور گردن سے چمٹ گئی تھیں۔ یہ لوگ دیوانوں کی طرح ان جونکوں کو اپنے بدن سے جدا کرنے کی کوشش کرنے لگے لیکن وہ ان کے جسموں میں بری طرح پیوست ہو گئی تھی۔ جب وہ انہیں جسم سے کھینچنے کی کوشش کرتے تو وہ ربڑ کی مانند لمبی ہو جاتیں لیکن ان کی کھال سے الگ نہ ہوتیں۔ آناً فاناً انہوں نے ان کے جسموں سے نجانے کتنا خون چوس لیا۔ وہ پھول کر کپا ہو گئیں اور اس کے بعد خود بخود انہوں نے ان کا گوشت چھوڑ دیا۔

بہر طور وہ نجانے کس طرح گرتے پڑتے اس نالے سے باہر نکل سکے مشرقی افق پر صبح کاذب کا دھندلکا صبح صادق میں تبدیل ہو رہا تھا۔ یہ لوگ گھنی جھاڑیوں میں راستہ بناتے ہوئے آگے بڑھتے رہے۔ جنگل کی زندگی آہستہ آہستہ بیدار ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ درختوں پر بے شمار بندر ان کے ساتھ سفر کر رہے ہیں۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد انہوں نے چیخنا شروع کر دیا' ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ ادھر کے جنگل بندروں سے بھرے ہوئے ہیں۔ اگر چہ یہ بندر قد و قامت میں زیادہ بڑے نہیں تھے لیکن شکل و صورت سے ہی کافی خونخوار نظر آ رہے تھے۔

جب انہوں نے دیکھا کہ یہ لوگ کسی طرح جواب نہیں دے رہے تو وہ شاخوں پر اچھل کر دانت نکالتے اور انہیں دھمکانے کی کوشش کرنے لگے۔ پھر کچھ ہی دیر بعد جنگل ایک ہاتھی کی چنگھاڑ سے لرز گیا۔ ان کے دائیں جانب ایک اونچا پہاڑی ٹیلہ تھا۔ ہاتھی کی آواز انہیں اپنے بائیں سمت سے سنائی دی تھی۔ چناں چہ کرنل گل نواز کے اشارے پر وہ بے تحاشہ دائیں جانب اس ٹیلے کی طرف بھاگے۔ ابھی اس ٹیلے سے پچاس گز دور ہی تھے کہ ایک پندرہ سولہ فٹ اونچا ہاتھی درختوں کی شاخوں کو چیرتا پھاڑتا نمودار ہوا۔ اس کی سونڈ ہوا میں لہرا رہی تھی اور اس کے کان پنکھے کی مانند حرکت کر رہے تھے۔

ہاتھی نے انہیں دیکھ لیا اور اپنی رفتار تیز کر دی۔ اندازہ یہ ہو رہا تھا کہ کوئی پاگل ہاتھی ہے۔ کیوں کہ وہ چنگھاڑ رہا تھا اور اس کے پیروں کی دھمک سے بھی زمین بری طرح ہل رہی تھی۔ یہ تمام لوگ ٹیلے پر چڑھنے کی کوشش کر رہے تھے اور یہ ٹیلہ بالکل سامنے نظر آ رہا تھا۔ بہر طور ہاتھی برابر ان کی طرف دوڑتا نظر آ رہا تھا۔ خدا خدا کر کے وہ منحوس ٹیلا قریب آیا یہ لوگ اس پر چڑھ گئے۔ ہاتھی ٹیلے پر نہیں چڑھ سکتا تھا۔ وہ اپنی اونچی سونڈ اُٹھا اُٹھا کر انہیں لپیٹ میں لینے کی کوشش کرتا رہا لیکن یہ اس کی پہنچ سے باہر تھے۔ بہت دیر تک ہاتھی کوشش کرتا رہا اور اس کے بعد اس نے رُخ بدل لیا اور وہاں سے فرار ہو گیا۔ بندر اس کے پیچھے چیختے ہوئے دوڑ رہے تھے اور یہ لوگ آہستہ آہستہ یہ جائزہ لے رہے تھے کہ ہاتھی کتنی دور چلا گیا ہے۔

اب یہ سارا سفر مزید تکلیف دہ ہو گیا تھا۔ یہاں قیام کے دوران شدید تھکن اور اُلجھن کا احساس ہوا اور لوگ' اب آگے چلنے سے گریز کرنے لگے لیکن بہر حال آگے جانا بھی ضروری تھا۔ چناں چہ جب تھکن

دور ہوئی۔ تو انہوں نے آگے کے سفر کا آغاز کر دیا اس کے بعد وہاں سے آگے چل پڑے۔ وہ ہی راستے وہی منزلیں' وہی پر خطر ماحول' آخر کار وہ ایک ایسی جگہ جا پہنچے جو بلندیوں پر تھی اور یہاں سے عجیب و غریب ڈھلان شروع ہو جاتے تھے لیکن جب انہوں نے ان بلندیوں کے آخری سرے پر پہنچ کر سامنے نگاہیں دوڑائیں تو ان کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس طرف ایک انوکھا شہر آباد تھا۔ گنبدوں اور میناروں کا شہر۔ ناقابل یقین منظر نظروں کے سامنے تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی جادوگر نے جادو کی چھڑی پھیر کر لمحوں میں یہ شہر آباد کر دیا ہو۔

اس لق و دق علاقے میں اس شہر کا تصور ہی ایک ناقابل یقین کیفیت کا حامل تھا۔ یہاں وہ سب رک گئے۔ انہوں نے شہر کو دیکھا اور پھر ایک دوسرے کی طرف۔ لیکن ان سب کے چہروں پر حیرت تھی۔ بس ایک شخصیت ایسی تھی۔ جس کا چہرہ حیران نظر نہیں آ رہا تھا اور یہ امینہ سلفاء تھی۔ امینہ سلفاء نے اچانک ہی اپنی جگہ چھوڑ دی اور ان سے تھوڑے فاصلے پر جا کر کھڑی ہو گئی۔ اس کی پر اسرار آواز ابھری۔

"میزانیہ کی حدود میں آنے والوں کو خوش آمدید' آپ کے سامنے جو شہر آباد ہے۔ اس کا نام میزانیہ ہے اور میزانیہ کی حکمران امینہ سلفاء ہے۔ جسے ماضی میں سینکڑوں سال سے مختلف نام دیئے گئے۔ امینہ سلفاء کی آواز نئی اور اجنبی تھی۔ وہ سب حیران رہ گئے۔ میزانیہ بھی ایک نیا اور اجنبی نام تھا۔ امینہ سلفاء نے اس کے بارے میں اب مزید انہیں بتاتے ہوئے کہا کہ وہ صدیوں سے زندہ ایک پر اسرار وجود ہے۔ میں نے میزانیہ میں جنم لیا تھا لیکن پھر وقت کی کروٹیں مجھے میزانیہ سے دور لے گئیں اور میں نے زندگی کا ایک طویل وقت مہذب دنیا میں گزارا۔ میں چاہتی تھی کہ مہذب دنیا کے کچھ دوستوں کو لے کر میزانیہ آؤں۔ پھر یہاں ایک جدید زندگی کی بنیاد رکھوں کامران مجھے بہت پسند ہے ایک بار عالم مدہوشی میں اسے میزانیہ کی سیر کرا چکی ہوں۔ اب آپ لوگوں کو یہاں تک لانا میرا نصب العین تھا لیکن میں کسی کو مجبور نہیں کروں گی کہ وہ یہاں رہے یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے جو واپس جانا چاہے گا میں اسے اس کی دنیا تک پہنچانے کا وعدہ کرتی ہوں۔

چنانچہ تمام لوگ میزانیہ کے حسن سے لطف اندوز ہونے لگے البتہ علی سفیان کچھ افسردہ سا نظر آیا۔ کچھ وقت گزارنے کے بعد آخر کار یہ لوگ واپس اپنی دنیا کی جانب لوٹ گئے اس سلسلے میں امینہ سلفاء نے ان کی بھرپور معاونت کی تھی۔ ان کی واپسی ایسی کہانی کے ساتھ ہوئی تھی جسے وہ زندگی بھر فراموش نہیں کر سکتے۔

♥......♥......♥